ماہرِ علوم وفنون امام اہلِ سنت مجددِ دین
وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ
کے علوم وفنون پر مشتمل
ماہنامہ پیغامِ شریعت دہلی کا خصوصی شمارہ
مصنفِ اعظم نمبر
بموقع صد سالہ عرسِ رضوی ۱۴۴۱ھ
جلد اول (دینی علوم)
ترتیب وپیشکش
فیضان المصطفیٰ قادری
طارق انور مصباحی

ماہرِ علوم و فنون امام اہلِ سنت مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا قدس سرہ کے علوم و فنون پر مشتمل
ماہنامہ پیغامِ شریعت دہلی کا خصوصی شمارہ
مصنفِ اعظم نمبر
بموقع صد سالہ عرسِ رضوی ۱۴۴۰ھ 2018
جلد اوّل
دینی علوم
علم قرآن
علم تفسیر قرآن
فن ترجمۂ قرآن
فن تجوید و قراءت
علم اصول حدیث
علم حدیث
فن جرح و تعدیل
فن اسماء الرجال
علم عقائد و کلام
علم اصول فقہ
علم فقہ العبادات
علم فقہ المعاملات
علم فرائض
فن توقیت
فن تحدید قبلہ
علم اوزان و مقادیر شرعیہ
علم تصوف و سلوک
علم اذکار و ادعیہ
علم سیرت و شمائل نبویہ
علم مناقب
علم تاریخ اسلامی
علم اسرائیلیات
علم تقابل ادیان
فن نحو
فن صرف
فن بلاغت
فن منطق
فن مناظرہ
عربی زبان و ادب
فارسی زبان و ادب
اردو زبان و ادب
ہندی زبان و ادب
100 YEARS OF GLORY
بموقع
100 سالہ
عرس اعلیٰ حضرت
ترتیب و پیشکش
فیضان المصطفیٰ قادری
طارق انور مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کا خصوصی شمارہ

اکتوبر/نومبر/دسمبر 2018

جلد 4 شمارہ 36

مصنف اعظم نمبر

ناشر

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔6

رابطہ نمبر: آفس: 011-23260749 موبائل: 08090753792

R.N.I. No. DELURD/2015/65657

مصنف اعظم نمبر

ترتیب وپیش کش: فیضان المصطفیٰ قادری/طارق انور مصباحی

کمپوزنگ: حافظ کمیل احمد

پروف ریڈنگ: مولوی صدام حسین، مولوی محبوب عالم

سیٹنگ: مولانا ریحان المصطفیٰ قادری گھوسی

ڈیزائننگ: احمد رضا پٹنہ

پبلشنگ: مولانا محمد قاسم القادری دہلی

طباعت بارِاول: اکتوبر 2018ء 1100

تعداد صفحات: 992

قیمت: Rs. 800

ملنے کے پتے

قادری کتاب گھر اسلامیہ مارکیٹ بریلی

امجدی بک ڈپو کریم الدین پور گھوسی

مکتبہ فقیہ ملت مٹیا محل جامع مسجد دہلی

خواجہ بک ڈپو مٹیا محل جامع مسجد دہلی

رابطہ نمبر

حافظ محمد کمیل: 08090753792

مولانا طارق انور: 09916371192

Email: Paighamesshariat@gmail.com

پتہ

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل جامع مسجد دہلی-6

شرفِ نظر

تاریخ اسلام کے ایک رجل عظیم کی علمی خدمات کا یہ حسین گل دستہ نذر ہے

☆اپنے والدین کریمین کی بارگاہ میں! اَللّٰھُمَّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِي صَغِیْراً

☆اپنے اساتذہ کی بارگاہ میں ! اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْھُمْ مُنْزَلاً مُّبَارَکاً وَاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ

☆ان شائقین علم کی بارگاہ میں جو اصول وفروع کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے امام احمد رضا کی تشریحات وترجیحات کو حل المشکلات سمجھتے ہیں۔

☆ان افراد کے نام جو امام احمد رضا قدس سرہ کے نظریات وتعلیمات کو سیکھنے، سمجھنے اور عام کرنے کا جذبۂ دروں رکھتے ہیں

☆ان طالبانِ دین کے نام جنھیں حق کی جستجو بے چین کیے رکھتی ہے، اور علمی پیچیدگیوں کے حل کے لیے انھیں کسی صاحب نظر کی تلاش ہے۔

اے اللہ! تو نے اسلامیانِ ہند کو امام احمد رضا جیسی عظیم نعمت سے نوازا

اب ہمیں انھیں کے نام پر متحد فرمادے۔ آمین

فیضان المصطفیٰ قادری

طارق انور مصباحی

اجمالی فہرست مصنف اعظم نمبر

(جلد اول) **ابتدائیہ** (دینی علوم)

علوم وفنون

اختتامیہ

اداریہ

امام احمد رضا قدس سرہ اور ''مصنف اعظم نمبر''

فیضان المصطفیٰ قادری

رب کائنات نے ہمیں پیدا کیا اور عقل کی دولت سے نوازا پھر انبیائے کرام کی جماعت بھیجی اور سب سے آخر میں سید الانبیا علیہ التحیۃ والثنا کو مبعوث فرما کر انسانی تہذیب وتمدن کو اوج کمال تک پہنچا دیا، ہمیں ان کی امت میں رکھ کر خیر الامم کا منصب خسروی عطا فرمایا، وہ جناب رسالت مآب خاتم الانبیا بن کر آئے تو اعلان فرمایا کہ اب کوئی نبی پیدا نہ ہوگا،، اور دین کا کام ان کے نائبین اور وارثین علمائے امت انجام دیں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی امت میں عباقرہ علم اور جہابذ فن پیدا کیے، جو نائب رسول اور وارث نبی بن کر دین وایمان کی امانتیں دوسری نسلوں تک منتقل کرتے رہے۔ انھیں میں امام ابوحنیفہ امام شافعی امام غزالی امام رازی جیسی نادر روزگار شخصیات پیدا ہوئیں، جو زمین پر اللہ کی حجت تھے۔ ہر فرعونے راموسیٰ جیسی ضرورت پڑی اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی رجال پیدا کیے، یہاں تک کہ جب بارہ صدیاں بیت گئیں اور عہد رسالت سے دوری اور بڑھی اب فتنوں کا رنگ اور چڑھا، اولیائے کرام کی عظمتیں، انبیائے کرام کی حرمتیں حتیٰ کہ اللہ وحدہ لاشریک کا تقدس سب کچھ داؤ پر لگا دیا گیا، رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اس نے بریلی کی سرزمین پر امام احمد رضا کو اپنی حجت اور برہان بنا کر پیدا کیا۔

امام احمد رضا کیا تھے......؟ وہ اللہ کریم کی قدرت کا شاہکار اور رسول کریم کا ایک جیتا جاگتا معجزہ تھے، وہ امام ابوحنیفہ کے ثریا آشنا مدارکِ علم کا منہ بولتا ثبوت اور غوث صمدانی کی زندہ کرامت تھے، وہ اولیائے کرام کے منظورِ نظر اور علمائے امت کی آنکھوں کا تارہ تھے۔ مشیت ایزدی نے تیرہویں صدی کے اختتام پر انھیں بھیج کر قرعۂ تجدیدِ دین ان کے نام نکالا، اور طغرائے احیائے سنت ان کے سر سجایا، جب چہار جانب فتنوں کے طوفان بپا تھے وہ قوم کا نجات دہندہ بن کر آئے، جب سنتوں کو پامال کیا جانے لگا وہ سنتوں کو زندہ کرنے والے بن کر آئے۔ وہ آئے تو تائید ربانی نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا، زبان کو قوت گویائی ملتے ہی تربیت شروع کرائی، اور بلوغ کی عمر تک پہنچتے پہنچتے علم وحکمت کی ساری چوٹیاں سر کرا دیں، پھر ان کی زبان وقلم کو اذنِ الرحیل دیا، گویا علم وحکمت کے خزانوں کا منھ کھول دیا، اب کسے پتہ کہ علوم کے سمندر میں تموج کہاں سے پیدا ہو رہا ہے؟ جس کی طغیانیاں ہفت اقلیم کو اپنی لپیٹ میں لیے جاتی ہیں۔ احباب حیرت واستعجاب میں پڑے ہیں اور اعدا انگلیاں منہ میں دباتے ہیں، کہ یہ کیا اور کیسے ہوا؟ مگر یہ تو قضائے الٰہی اور مشیت ربانی ہے، اب جو سر تسلیم کرلے بس اسی کے وارے نیارے ہیں، کیوں کہ جو وہ کہیں گے وہی حق کا معیار ہوگا، اور جو وہ لکھ دیں گے وہی روشنی کا مینار ہوگا۔ لہٰذا وہ بولتے تو وحی ربانی کی ترجمانی ہوتی، اور لکھتے تو رسولِ رحمت کی پیغام رسانی ہوتی، جہاں جاتے جبرئیل امین کی تائید وحمایت کا سایہ ساتھ ہوتا۔ ان کے شب وروز دین رب العٰلمین کے لیے ہوتا، اور چلنا پھرنا اطاعت رحمۃ للعٰلمین کے لیے ہوتا، ان کے حرکات وسکنات میں ادب واحترام کی ایک دنیا بستی تھی اور ان کے کردار وعمل سے علوم وآگہی کے سوتے پھوٹتے تھے۔ دست غیب ان کی پشت پناہی کرتا رہا، اور وہ انبیا واولیا کی حرمتوں کی پاسبانی کرتے رہے۔

گوشۂ حیات:

وہ دس شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ ظہر کے وقت محلہ جسولی بریلی میں پیدا ہوئے۔ ننھی سی عمر میں حروف ہجائیہ سیکھنا شروع کیا اور چار سال کی عمر میں ناظرہ ختم کرتے ہی عربی کی ابتدائی کتابیں شروع کردیں اور استاذ گرامی مولانا مرزا غلام قادر بیگ نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھا کر علم وحکمت کی طلب صادق کے جوت جگائے، پھر سند المحققین والد گرامی علامہ نقی علی خاں نے ان کی تعلیم اپنے ذمہ لی اور علم کے سمندر میں غوطے دے کر لہروں کے حوالے کردیا، تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ کے ساحل مراد سے لگا دیا، کچھ ایام فتویٰ نویسی کی مشق کرائی پھر فتویٰ کا قلمدان آپ کے حوالے کردیا، آپ نے پہلا فتویٰ ۱۴؍شعبان ۱۲۸۶ھ کو چودہ سال کی عمر میں لکھا۔

شروع شروع میں جب بریلی میں کوئی ادارہ نہ تھا، تدریس کا آغاز کیا، دوردراز سے طلبہ بریلی کا رخ کرنے لگے، وہی مدرسہ تھے وہی دارالعلوم تھے، ہرفن کی کتاب پڑھاتے، مگر جب تصنیف وتالیف کے تقاضے بڑھے اور سوالات کا ہجوم ہوا تدریس چھوڑ کر سارا وقت انھیں کی نذر کردی۔

۱۲۹۱ھ میں ۱۸ سال کی عمر میں شادی ہوئی، سات اولادیں ہوئیں، دو صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا اور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا، اور پانچ صاحبزادیاں، حضور حجۃ الاسلام کے بعد اور حضور مفتی اعظم ہند سے پہلے ایک اور صاحبزادے محمود رضا تولد ہوئے، جو حسن وجمال کا ایسا شاہکار تھے، کہ نظربد کے شکار ہوکر ایام شیرخوارگی میں انتقال کرگئے۔

۱۲۹۴ھ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ مارہرہ مطہرہ حاضری ہوئی، ساتھ میں مولانا عبدالقدیر بدایونی اور استاذ محترم مرزا غلام قادر بیگ بھی تھے، اس وقت کے تاجدار مارہرہ خاتم الاکابر حضرت آل رسول احمدی کے دست اقدس پر پانچ جمادی الآخرۃ ۱۲۹۴ھ کو بیعت کی، اسی وقت خاتم الاکابر نے سند حدیث، اپنی خلافت' اور جمیع سلاسل کی اجازت سے نواز دیا۔

خاتم الاکابر (متوفی ۱۲۹۶ھ) نے رحلت سے قبل آپ کو اپنے ولی عہد حضرت ابوالحسین نوری میاں کے حوالے کردیا، اعلیٰ حضرت نے حضرت نوری سرکار سے علم تکسیر وجفر سیکھے، طریقت کی تعلیم تو پیرومرشد سے حاصل کی تھی اس کی تکمیل حضرت نوری میاں سے کی۔

۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ کو والد گرامی کے ساتھ حج وزیارت کے لیے حرمین طیبین روانہ ہوئے جہاں سید احمد زین دحلان مفتی شافعیہ وحضرت عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ سے سند حدیث وفقہ واصول وتفسیر ودیگر علوم حاصل ہوئی۔ ایک دن امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمال اللیل نے بلاتعارف آپ کا ہاتھ پکڑا اور دولت کدہ لے گئے اور دیر تک پیشانی پکڑ کر فرمایا کہ میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں، پھر صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت لکھ کر عنایت فرمائی، جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں امام بخاری تک صرف گیارہ واسطے ہیں، اعلیٰ حضرت نے انھیں کی تصنیف الجوہرۃ المضیۃ کا اردو ترجمہ اور ایک شرح دو دن میں تصنیف کی، جس کا نام ''النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوہرۃ المضیۃ'' رکھا۔

۱۳۱۱ھ میں ندوۃ العلما کے جلسہ تاسیس کانپور میں شرکت فرمائی۔ اور جب واضح ہوا کہ یہ تحریک بدمذہبوں کی شراکت میں بدمذہبی کے فروغ دینے کے لیے بنائی گئی ہے تو ۱۳۱۵ھ میں تحریک ندوہ سے مکمل علاحدگی اختیار فرمائی۔ ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کے عظیم الشان تاریخی اجلاس میں اکابر علما ومشائخ کی موجودگی میں دینی خدمات کی بنیاد پر آپ کی مجددیت کا اعلان ہوا جس کی تمام شرکائے اجلاس نے تائید وحمایت فرمائی۔ ۱۳۲۲ھ میں آپ نے منظر اسلام قائم فرمایا۔ ۱۳۲۳ھ میں دوسری بار حج وزیارت کی سعادت ملی، جس میں حرمین طیبین کی سرزمین پر علم وحکمت کے گوہر لٹائے، نادر روزگار رسالے تحریر فرمائے، اعاظم مشائخ عرب اور عباقرۂ علم وادب نے وہ شرف قبول بخشا کہ زمانہ حیران اور

حاسدین انگشت بدنداں تھے۔ ۱۳۳۰ھ میں قرآن کریم کا اردو ترجمہ ''کنزالایمان کا کارنامہ انجام دیا۔ ۱۳۳۶ھ میں فروغ دین وسنیت اور ازہاق افکار باطلہ کے لیے جماعت رضائے مصطفیٰ کی تاسیس فرمائی۔ بالآخر ہم سب کو علم ومعرفت کے خزانوں سے مالامال کر کے ۲۵؍صفر ۱۳۴۰ھ؍مطابق ۲۸؍اکتوبر ۱۹۲۱ء کو اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر سن عیسوی کے مطابق ۶۵ سال اور سن ہجری کے مطابق ۶۸ سال تھی۔

امام احمد رضا کی خودنوشت:

امام احمد رضا اپنا تعارف خود ''الزلال الانقی'' میں یوں کرتے ہیں:

میں عبدالمصطفیٰ مشہور بہ احمد رضا دین کے اعتبار سے محمدی، عقیدہ کے اعتبار سے سنی، مذہب میں حنفی، نسبت میں قادری، مشرب کا برکاتی، سکونت کا بریلوی ہوں اور اللہ نے چاہا تو مدفن کا مدنی بقیعی ہوں، اور اس کی رحمت سے میرا وطن جنتِ عدن فردوسِ بریں ہے۔ (مترجماً ملخصاً فتاویٰ رضویہ ۲۸/۴۹۵)

آخری دور میں ۱۳۳۸ میں لکھی گئی کتاب الکلمۃ الملہمہ میں اپنی پوری علمی زندگی کا نقشہ یوں کھینچا:

''فقیر کا درس بحمدہ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبا کو پڑھایا، فلسفہ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہ تھا، علوم ریاضیہ وہندسیہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع تفریق ضرب تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے اور صرف شکلِ اول تحریر اقلیدس کی وبس۔ جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ من معجزات سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں عرض کی، ارشاد فرمایا: تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو ان علوم کو خود حل کر لو گے، اللہ عزوجل اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے، حسب ارشاد سامی بعونہ تعالیٰ فقیر نے حساب وجبر ومقابلہ ولوگارثم وعلم مربعات وعلم مثلث کروی، وعلم ہیئت قدیمہ وہیات جدیدہ وزیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات فائقہ وتحریرات رائقہ لکھیں، اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کیے، تحدثاً بنعمۃ اللہ یہ بحمداللہ تعالیٰ اس ارشاد اقدس کی تصدیق تھی کہ ان کو خود حل کر لو گے، فلسفہ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درس نظامی اعلیٰ حضرت قدس سرہ الشریف (علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمۃ) سے پڑھیں اور چند روز طلبہ کو پڑھائیں، مگر بحمداللہ تعالیٰ روزِ اول سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی، سرکارِ ابد قرار بارگاہِ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچکارہ کے سپرد ہوئیں، افتا اور ردِّ وہابیہ۔ انھوں نے مشغلۂ تدریس بھی چھڑایا اور آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمداللہ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا نہ اس کی کتاب کھول کر دیکھا، اب اخیر عمر میں سرکار نے اپنے کرم بے پایاں کا صدقہ بندۂ عاجز سے یہ خدمت لی کہ دونوں فلسفوں کا رد کرے''۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۷/۳۸۵)

ملفوظات حصہ سوم میں اپنے متعلق یوں فرماتے ہیں:

ولادت کی تاریخ اس آیہ کریمہ میں ہے: أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ'' جس کا ترجمہ یہ ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد فرمائی ہے۔ اور اس کا صدر یہ ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ'' ترجمہ: نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو جو اللہ و رسول اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ و رسول کے مخالفوں سے دوستی

رکھیں اگر وہ ان کے باپ یا ان کی اولاد یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے قبیلے ہی کے کیوں نہ ہوں۔اسی کے متصل فرمایا:''اُولٰئِکَ کَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الاِیْمَانَ '' بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے اور میرے بچوں اور بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوت اعداء اللہ گھٹی میں پلادی گئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا،''اولئک کتب فی قلوبہم الایمان'' بحمد اللہ!اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہو گا لا الٰہ الا اللہ دوسرے پر محمد رسول اللہ۔اور بحمد اللہ ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح وظفر حاصل ہوئی''۔

طرزِ زندگی:

وہ عظیم مصنف تھے،عظیم مفتی اور عظیم عالم دین تھے،انھوں نے کبھی کسی کی ملازمت نہیں کی،کبھی لہوولعب اور سیر وتفریح میں وقت بسر نہ کیا،کبھی مال ودولت جمع کرنے کی فکر نہ کی،کبھی کسی معاصر سنی عالم دین سے حسد نہ کیا،اللہ ورسول کے کسی گستاخ سے کبھی نرمی وملاطفت نہ کی۔حیات اعلیٰ حضرت میں ہے کہ اعلیٰ حضرت ضعیف الجثہ اور قلیل الغذا بزرگ تھے،اپنا وقت کبھی بیکار صرف نہیں فرماتے تھے،ہمہ وقت تالیف وتصنیف وفتاویٰ نویسی کا مشغلہ تھا،اسی وجہ سے زنان خانہ میں تشریف رکھتے تھے کہ عوام کی باتوں میں کام نہیں ہوگا،یا بہت ہی کم ہوگا،صرف پنج گانہ نماز کے لیے باہر آتے تھے تاکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں،یا اتفاقیہ کسی مہمان سے ملنے کو کسی وقت،البتہ عصر کی نماز کے بعد باہر ہی پھاٹک میں تشریف رکھتے،وہی وقت عام لوگوں کی ملاقات کا تھا۔زائرین حاجتیں پیش کرتے ان کی حاجتیں پوری کی جاتیں،اسی وقت خطوط دیکھتے تھے۔

علمی عبقریت:

اللہ تعالیٰ نے ان کو علم لدنی سے نوازا تھا،جبھی تو آٹھ سال کی چھوٹی سی عمر سے تصنیفی سلسلہ شروع کرتے ہیں اور علمی میدان میں ہر موضوع پر اپنا موقف رکھتے ہیں۔اگرچہ فقہ حنفی میں تقلید شدید کے قائل ہیں،لیکن نظریاتی علوم میں آپ کے پاس تقلید نام کی کوئی چیز نہیں۔وہ بڑے سے بڑے صاحب علم ودانش کے نظریے کو جانچتے پرکھتے ہیں،روایتوں کی بجائے درایتوں کی کسوٹی پر کستے ہیں،پھر سقم وخطا کو واضح کرکے اس کی اصلاح کرتے ہیں،اگر وہ صاحبِ علم شریعت کا وفادار ہے تو اس کے نوک پلک سنوارتے،اور اس کے رخ زیبا کو اور نکھار کر پیش کرتے ہیں،ورنہ شریعت کا باغی ہے تو اس کے دلائل کو بازیچۂ اطفال بنادیتے ہیں۔ہم نے غور کیا کہ کیا وہ کسی سے من کل الوجوہ اتفاق کرتے ہیں؟اس نتیجے پر پہنچے کہ ہاں!متقدمین میں امام ابوحنیفہ،اور متاخرین شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے ساتھ۔ورنہ فارابی وطوسی،ابن خلدون وابن تیمیہ،گلیلیو اور کوپرنیکس،نیوٹن اور ڈارون سب پر علمی زبان میں نقد وجرح کی۔اور امام طحاوی وامام نسفی،امام غزالی وامام رازی کی تحریروں کی تشریح وتوضیح یا تاویل وتوجیہ کی۔محقق ابن ہمام وشیخ ابن نجیم مصری،حافظ السیوطی اور علامہ سید محمد ابن عابدین الشامی کے علمی کاموں پر اضافے کیے،یہ سب اس علمی عبقریت کا اثر تھا جو اُن کو اُن کے عشق رسول اور حضرتِ غوث صمدانی کی نیازمندی کے طفیل بارگاہِ الٰہی سے ودیعت ہوئی تھی۔

تجدیدی خدمات:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تجدید دین واحیائے سنت کے لیے پیدا کیا تھا،مشیتِ ایزدی نے آپ کی زندگی کا رخ اور مقصد حیات متعین کردیا تھا،اس مقصد عظیم کے ساتھ آپ نے پورا انصاف کیا۔اللہ رب العزت کی بے عیب ذات پر امکانِ کذب کا دھبہ لگایا گیا،آپ نے ''سبحان السبوح'' لکھ کر اس موضوع پر وہ شاندار علمی استدلال فراہم کیا جو پوری علمی دنیا میں نظر نہیں آتا۔رسول کونین علیہ الصلاۃ والسلام کے علمی

واختیاراتی کمالات پر نکتہ چینی کی گئی، تو آپ کا قلم حرکت میں آیا اور اس نے وہ جوش دکھایا جو کہیں اور نظر نہ آیا، الامن والعلی سے لے کر تمہید ایمان تک دلائل کی فراوانی، اخذ واستنباط کی ندرت اور علمی نظم وضبط کے جمال پر سوسو جان سے فدا ہونے کو جی چاہتا ہے۔ آیات مشابہات کے تعلق سے اسلاف کا موقف صاف تھا، مگر ان آیات واحادیث کا مطالعہ تقلید سے آزاد قوم پر بھاری پڑ گیا، اور اللہ ورسول کے متعلق جس کی جو سمجھ آئی بولنا لکھنا شروع کر دیا، آپ نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیا۔ یہی معاملہ قرآن کریم کی ترجمہ نگاری میں ہوا، کون ہے جس نے اس راہ میں ٹھوکریں نہ کھائی ہوں؟ مگر اس امام ذی شان کے ترجمۂ قرآن کے بعد اب اس موضوع کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ماقبل کنزالایمان اور مابعد کنزالایمان، ماقبل میں خطائیں اور لغزشیں ہوتی رہیں، اور مابعد والوں کو سلیقہ آگیا۔ یوں ہی علم کلام کے ایک سے زائد نظریاتی مسائل کو متاخرین اپنی یافت اور تحقیق سمجھتے رہے، امام اہل سنت نے ثابت کیا کہ یہ تحقیق نہیں، تحریف ہے۔ کلام اللہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ تاریخی طور پر معرکہ آرا مسئلہ رہا ہے، اس بحث کے دقائق کے سبب متاخرین متکلمین نے کلام نفسی اور کلام لفظی کی تقسیم کر کے سمجھا ایک نسخہ کیمیا ہاتھ آگیا، مگر امام اہل سنت نے اولاً المستند میں مبتدیوں کے لیے اس تقسیم کی توجیہ کی، پھر متلاشیانِ حق کے لیے ''انوار المنان'' لکھ کر اس کی کھلی تردید کی، فقیر ''انوار المنان'' کو آپ کا تجدیدی کارنامہ سمجھتا ہے۔ جسے اپنے مقالہ ''امام احمد رضا اور علم کلام'' میں تفصیل سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

نظریات میں تجدیدی کارناموں کی ایک لمبی فہرست ہے، اور اگر عملی مسائل کا رخ کریں تو یہاں تو تجدید واحیا کا اور ہی رنگ ہے، انھوں نے میلاد مصطفےٰ کی محفلیں، اعراس وایصال ثواب کا اہتمام دیگر معمولات اہل سنت کو دلائل کی زبان دی اور خرافات سے پاک کیا۔ امتدادِ زمانہ کے سبب اذانِ خطبہ کے تعلق سے سنتِ رسول پر تہہ بہ تہہ گرد پڑ گئی تھی، امام اہل سنت نے اس کے رخ کو دلائل کے پانی سے صاف کر کے اس سنت کریمہ کو زندہ کیا۔ سجدہ تعظیمی کے معاملے میں حق بات کہیں گم ہو کر رہ گئی تھی، اور اس کے جواز کے دلائل فراہم کیے جانے لگے، آپ نے تجدیدی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی ذمہ داری ادا کر دی، مزاراتِ اولیا پر بے اعتدالیاں اور غیر شرعی قوالیاں عام سے عام ہوتی چلی گئیں مگر امام نے اس میں بھی احقاق حق فرما کر اپنے ماننے والوں کو ان کے حدود بتا دیے، اس طرح آپ کے تجدیدی کارناموں کا ایک تسلسل ہے جس کا احاطہ ہمارے قلم کی گرفت سے باہر ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بحیثیت مصنف اعظم

تصنیفات کی تاریخ اور تجزیہ:

امام احمد رضا قدس سرہ جس طرح مجدد اعظم، محدث اعظم، فقیہ اعظم اور مناظر اعظم تھے، اسی طرح آپ ''مصنف اعظم'' بھی تھے۔

اسلامی تاریخ میں تصنیف وتالیف کی تاریخ ایک روشن تاریخ رہی ہے۔ مسلمانوں میں بڑے بڑے مصنفین پیدا ہوئے جنھوں نے علوم کا سرمایہ جمع کر کے قوم مسلم کے حوالے کر دیا، کثرتِ تصنیف یا وقعتِ تصنیف کے اعتبار سے غور کریں تو یہ سلسلۃ الذہب امام ابوحنیفہ کے تلمیذِ خاص امام محمد بن حسن شیبانی سے شروع ہوتا ہے، اور دوسرے سرے پر متاخرین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی دکھائی دیتے ہیں۔

امام محمد بن حسن شیبانی فقہ حنفی کے مجتہد فقیہ ہیں، جو کثیر التصانیف علما کے پہلے امام مانے جاسکتے ہیں۔ ان کو فقہ حنفی کے محرر مذہب ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے، ان کی کتب ستہ جن کو ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے فقہائے حنفیہ کو ان سے عدول کرنے کی اجازت نہیں، ان کی دوسری کتابیں مثلاً امالی، آثار، موطا ورقیات، ہارونیات وکیسانیات اور کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ'' وغیرہ کی علمی وقعت اپنی جگہ ان کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ اس دور کی تصنیفات ہیں جب لکھنے کا ابھی آغاز ہوا تھا اور اسباب وآلاتِ کتابت کی وہ سہولیات فراہم نہ تھیں جو بعد والوں کو دستیاب ہوئیں۔

اسلام کے بنیادی مصنفین میں جنھوں نے بعد کے مصنفین کو تصنیف کا موضوع اور مزاج دیا' امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام طحاوی حنفی، علامہ ابن قتیبہ دینوری، اور علامہ ابن الجوزی وغیرہ کو قرار دیا جا سکتا ہے، جنھوں نے علوم کے خزانے لوح و قلم میں مقید کر کے ہمارے حوالے کیا۔

امام طحاوی مصری عالم اسلام کے کثیر التصانیف مصنفین میں سے ایک ہیں جن کے متعلق علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور امام سیوطی نے حسن المحاضرہ میں ''صاحب التصانیف البدیعۃ'' لکھا ہے، علامہ عینی نے نخب الافکار میں لکھا کہ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں ان کی بہترین تصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف کی خصوصیت یہ ہے کہ علمائے محققین وفقہائے دین واجلۂ محدثین سب کے نزدیک یکساں مقبول ہیں۔ ان کی چند تصنیفات تو کئی کئی جلدوں میں ہیں مثلاً مشکل الآثار، شرح معانی الآثار، احکام القرآن، کتاب النحل، النوادر الفقہیہ کی کئی جلدیں ہیں۔ اس طرح ان کی اکتیس کتابوں کا ذکر آتا ہے۔ جن میں سب سے مختصر کتاب عقیدہ میں العقیدۃ الطحاویہ کو آفاقی شہرت حاصل ہے۔

کثرتِ تصانیف کے ساتھ وقعتِ تصانیف کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس حوالے سے امام غزالی اور امام رازی کا مقام بہت بلند ہے، وہ کثیر التصانیف ہونے کے ساتھ مقبول خلائق بھی ہیں۔ علامہ طاش کبریٰ زادہ نے مفتاح السعادۃ میں امام غزالی کی ۴۷ تصنیفات کا ذکر کیا ہے، اور نو سو ننانوے کتابوں کا قول بھی نقل کیا ہے۔ ان کی مستصفیٰ، الاقتصاد فی الاعتقاد، تہافت الفلاسفہ نے علمی دنیا میں دھوم مچائی، اور احیاء علوم الدین نے دینی علوم کی حفاظت کی ضمانت لے لی۔ اسی طرح مقبول مصنفین میں امام رازی کا نام بھی بہت بلند ہے۔ ان کی اربعین فی اصول الدین اور تفسیر کبیر ہی قیامت تک ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

عہد وسطی میں علامہ ذہبی، ان کے تلامذہ اور علامہ ابن عبد البر، امام ابو البرکات نسفی وغیرہ تصنیف کے علمبردار نظر آتے ہیں۔ امام ابو البرکات نسفی بجا طور پر کثیر التصانیف ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول التصانیف علما میں شمار کیے جا سکتے ہیں، جنھیں علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''علامۃ الدنیا'' کہا، فقہ واصول، عربی زبان وادب، تفسیر قرآن میں ان کی تصانیف فقہا و متکلمین دونوں میں یکساں مقبول ہیں۔ آپ کی متعدد کتابیں علمی دنیا میں متون کی حیثیت رکھتی ہیں، فقہ میں کنز الدقائق، کافی شرح وافی، اصول فقہ کا متن ''المنار'' اور تفسیر قرآن ''مدارک التنزیل'' اور علم کلام میں عمدۃ العقائد جیسی تصنیفات کے سبب اسلام و مسلمین کی گزشتہ آٹھ سو سالہ علمی تاریخ امام نسفی کے زیر احسان ہے۔

علامہ ذہبی جن کو امام ابن حجر نے اپنا علمی اسوہ بنایا یقیناً کثیر التصانیف ہیں، صرف رجال وطبقات پر ان کی کئی کتابیں مثلاً سیر اعلام النبلا، تذکرۃ الحفاظ اور میزان الاعتدال کئی مجلدات میں ہیں۔ حافظ ذہبی کی تصنیفات وتالیفات وتخریجات ملا کر دو سو کی تعداد تک پہنچتی ہیں۔

ان کے تلمیذ شیخ ابن تیمیہ کثیر التصانیف لوگوں میں بہت نمایاں نام ہے، جنھوں نے بہت زیادہ کتابیں لکھی ہیں، خصوصاً علوم حدیث وعلوم فقہ میں ان کی کچھ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں جو سلفی مکتب فکر کے لوگوں کے فخر ومباہات کا سبب ہیں، ان کی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول وقیع تصنیف ہے، لیکن شیخ ابن تیمیہ کے فقہی تفردات، کلامی تنازعات اور اہل بیت کرام کے ساتھ علمی رویے نے ان کے عظیم علمی سرمائے کی وقعت پر پانی پھیر دیا۔

ان کے تلامذہ میں حافظ ابن کثیر اور ابن القیم جوزیہ دونوں کثیر التصانیف ہیں اور اول تو مقبول عام بھی، ان کی تفسیر اور تاریخ متداول کتب میں ہیں۔

جب شیخ ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے نقاد امام تقی الدین سبکی اور امام ابن حجر مکی کا تذکرہ ضروری ہو جاتا ہے، یہ شیخین بھی صاحبان تصانیف کثیرہ ہیں، اور امام سبکی کی تصانیف تو دو سو سے متجاوز ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی کثیر التصانیف ہیں، اوران کی فتح الباری مقبول عام اور متداول ہے، طبقات ورجال ونقد وشرح حدیث وتخریج کے امام مانے جاتے ہیں، ان کی تصانیف بھی دوسو بیاسی تک پہنچتی ہیں۔

علامہ عینی کو اگر کثیر التصانیف کے زمرے میں نہ رکھا جائے پھر بھی ان کی سرعت تحریر کا کون انکار کرسکتا ہے۔ ان کتاب عمدة القاری اور بنایہ شرح ہدایہ احناف کا علمی سرمایہ اورسکونِ قلب ہیں۔ انھوں نے امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی شرحیں ''نخب الافکار'' اور ''مغانی الاخبار فی رجال معانی الآثار'' بھی لکھیں۔

ان کے بعد دور آتا ہے علامہ جلال الدین سیوطی کا جن کی تصنیفات نے علمی دنیا میں کئی جہتوں سے ریکارڈ قائم کیا، کثرت تصانیف اور وقعت تصانیف دونوں اعتبار سے ان کا جواب نہیں۔ ان کی تصنیفی خدمات چند علوم وفنون تک محدود نہیں، بلکہ ہر موضوع پر لکھا اور خوب لکھا، اور ایک عالم کو سیراب کردیا۔

بڑی ناانصافی ہوگی اگر ہم یہاں امام عبدالوہاب شعرانی کا ذکر نہ کریں جن کی کتابیں صاحبانِ قلب ونظر کی تقویت کا باعث ہیں۔ آپ کو بھی ہم کثیر التصانیف سمجھتے ہیں، ان کی میزان الشریعۃ الکبریٰ اور طبقات تو ہر طبقے میں مقبول اور متداول ہیں، مگر ان کی پوری کرامت ''الیواقیت والجواہر'' اور لواقح الانوار یقیناً لائق مطالعہ ہے، راقم علامہ عینی، امام سیوطی اور امام شعرانی سے کچھ والہانہ لگاؤ کے سبب یہاں بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا، مگر ان شاءاللہ پھر کسی مقام پر۔

متاخرین میں ملا علی قاری حنفی نے بھی تصنیفی دنیا میں کمال کردکھایا، فقہ اکبر کی شرح ''الروض الازہر'' سے لےکر سیرت کی شرح شفائے قاضی عیاض تک ان کی مقبولِ عام تصانیف کا ایک طویل سلسلہ ہے، ان کی مرقات سے حنفیہ مستغنی نہیں ہوسکتے، اور حج وعمرہ کے مسائل پر ہر فقیہ کی آخری ضرورت ان کی ''المسلک المتقسط'' ہے۔

بعد کے مصنفین میں قاضی شوکانی کثیر التصانیف نہ سہی لیکن ان کی نیل الاوطار اور تفسیر فتح القدیر دور حاضر میں مشہور نام ہے۔

یوں ہی شیخ البانی ایسے کثیر التصانیف ہیں جن کی زیادہ تر کتابیں تخریجات ہیں۔

کچھ کتابیں ایسی ہوتی ہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ قبول عام سے نواز دیتا ہے، جب کہ اسی مصنف کی دوسری کتابوں کو وہ مقبولیت نہیں مل پاتی مثلاً امام بخاری کی صحیح بخاری جو صحیح ترین کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ روئے زمین پر مقبول ترین کتاب بھی ہے، اس کو جو قبول حاصل ہوا وہ ان کی دوسری کتابوں مثلاً تاریخ اور الادب المفرد کو وہ قبول عام نہ ملا۔ یوں ہی علامہ قرطبی، شیخ ابن نجیم مصری اور امام کمال الدین ابن ہمام صاحب تصانیف ہیں، مگر علی الترتیب تفسیر قرطبی، البحر الرائق اور فتح القدیر ہزاروں کتابوں پر بھاری ہیں۔ یوں ہی امام برہان الدین مرغینانی کی ہدایہ کو جو شہرت وقبولیت حاصل ہوئی فقہ میں دنیا کی کسی کتاب کو نہ ملی۔

برصغیر کے مصنفین میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی بھی مقبول مصنف ہیں، ان کی عام اور سلیس اسلوب کی کتابوں کو جو شرف قبول حاصل ہوا وہ کم لوگوں کی کتابوں کا ملا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بلاشبہہ کثیر التصانیف ہیں، لیکن ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو کثیر التصانیف تو نہیں لیکن ان کی ایک کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' اہل علم کے نزدیک ولی اللہی خانوادے کی پوری علمی وراثت پر بھاری اور سب سے زیادہ مقبول اور واقعی ''حجۃ اللہ البالغہ'' ثابت ہوئی۔

علامہ زاہد الکوثری جو اعلیٰ حضرت کے معاصر تھے وہ بھی بڑے لکھاری اور محقق علوم وفنون تھے، کٹر حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب

مقالات کثیرہ تھے۔

امام احمد رضا کی تصانیف کا مقام ومرتبہ:

اس پوری تاریخِ تصنیف وتالیف میں امام احمد رضا قدس سرہ کے تصنیفی کارنامے کا مقام ومرتبہ متعین کرنا بہت مشکل کام ہے۔ہم اپنے طور پر اتنا سمجھتے ہیں کہ کئی جہتیں ایسی ہیں جن کے سبب امام احمد رضا کی تصنیفی خدمات اس فہرست میں صفِ اول میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔اس کی چند وجوہ ہیں:

کثرتِ تصانیف کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا کی تصنیفات کی پہلی خصوصیت ان کے فنون کا تنوع ہے۔کثیر التصانیف مصنفین نے جو کتابیں لکھی ہیں وہ چند موضوعات یا ایک دو فنون تک محدود ہیں، مثلاً علامہ ذہبی کی تصنیفات میں تذکرۃ الرجال وطبقات کا غلبہ ہے، فقہ واصول کا نشان نہیں،، شیخ ابن تیمیہ کے تصنیفی کارنامے متنوع ہیں لیکن عموماً ان کی کتب شروح احادیث وفقہ واصول پر ہیں، مگر عقلی علوم میں ان کے تصنیفی کاموں کا ریکارڈ نہیں معلوم، نیز ان کی کئی تصنیف علمی دنیا میں سخت مخدوش ہیں۔شیخ البانی کثیر التصانیف سہی مگر علوم حدیث تک محدود ہیں، اور علمی وقعت کی بات کی جائے تو ان کی کتابوں کے اغلاط پر کئی کئی جلدیں تیار ہو گئیں۔مگر امام احمد رضا قدس سرہ کی تصنیفی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں کوئی ایسا متداول فن نہیں معلوم جس پر آپ کی کچھ علمی خدمات نہ ہوں۔اس جہت سے پوری اسلامی تاریخ میں امام احمد رضا کا نام بحیثیت مصنف نمایاں ہے۔امام جلال الدین سیوطی کا نام تو آسمانِ تصنیف وتالیف کا آفتاب وماہتاب ہے، کسے ہمت ہے کہ ان کے مقابل کسی اور کو کھڑا کرنے کی جرات کر سکے جن کے آگے عباقرہ علم وفن کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں، جن کا قلم تمام علوم وفنون پر چلا 'اور چلتا چلا گیا، ان کے بعد سب ان کے مقتدی اور وہ سب کے مقتدیٰ بن گئے۔مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ انھوں نے فن حساب اور ریاضی سے الرجک ہونے کا خود اعتراف کیا، اور یہی وہ میدان ہے جہاں اُن ہی امام السیوطی کے شیدائی اور مداح امام احمد رضا کا قلم تھکتا نظر نہیں آتا، اور ریاضی کے کسی میدان کو محروم نہیں کرتا۔

امام احمد رضا کے تصنیفی کارنامے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے قوم کو مختلف زبانوں میں تصنیفات سے نوازا ہے، آپ کی اردو اور عربی زبان میں کتابیں بہت ہیں، اور فارسی میں بھی کئی رسالے ہیں جن کی تفصیل اس مجموعہ کے آخر میں ''فہرست تصانیف رضا'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ہمیں پوری تاریخ اسلام میں امام احمد رضا قدس سرہ کے علاوہ کوئی سہ لسانی مصنف نہیں ملا۔

تیسری خصوصیت نزاعی امور میں لاجواب تصنیف دینا ہے۔نزاعی امور میں جس نے کچھ تصنیف کیا دیر سویر اس کا جواب حاضر آجاتا ہے، اِس میں اہل حق اور اہل باطل کا بھی فرق نہیں ہوتا، کسی کی بولتی کس نے بند کی؟ ابن تیمیہ کی کتابوں پر امام سبکی وابن حجر مکی نے خوب خبریں لیں، مگر شفاء السقام وغیرہ کے بھی جواب آگئے، معاملہ نعمان آلوسی کی جلاء العینین تک پہنچا، اس میں جواب الجواب کا بھی سلسلہ دراز ہو جاتا ہے۔دور نہ جائیں حال کی خبر لیں تو میلاد وفاتحہ پر کسی نے بدعت کا فتویٰ دیا، علامہ عبد السمیع سہارنپوری نے انوار ساطعہ لکھ کر حق واضح کر دیا، مگر ان کے پیر بھائی کو کھجلی ہوئی اور اس کے رد میں براہین قاطعہ لکھ ماری، اس پر علامہ عبد السمیع نے جواب الجواب کے طور پر انوار ساطعہ کا دوسرا ایڈیشن پیش کر دیا۔مگر آیئے اس جہت سے غور کریں کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی تصنیفات کو کس طرح مشیت ایزدی نے ''حجۃ اللہ فی الارض'' کی حیثیت سے نوازا۔آپ کی کثیر تصنیفات نزاعی امور اور اصول وعقائد پر مشتمل ہیں۔اور جس موضوع پر جو کتاب لکھی اس کے بعد کسی کو جرات نہ ہوئی کہ اس کا جواب لکھ سکے۔حالانکہ آپ کے معاندین کی کمی نہ تھی، مگر کیا وجہ تھی کہ ''سبحان السبوح'' میں اعلیٰ حضرت نے اسماعیل دہلوی اور ان کے ہم نواؤں کی سخت علمی گرفت کی اور یہ کتاب شرق وغرب میں پھیلی پھر بھی اس کا کوئی جواب آج تک نہ

آسکا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وسعت پر آپ کا شاندار علمی کارنامہ ''الدولۃ المکیۃ'' تو عربی اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوئی، کیا وجہ ہے کہ اس وسیع دنیا میں ایک شخص بھی اس کا رد کرنے کو سامنے نہ آیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہی وہ وجہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کو ہمارے اکابر نے رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا معجزہ قرار دیا ہے۔

اس کے باوجود کیا وجہ ہے کہ امام سیوطی کی علمی عبقریت کا ہر طبقہ معترف ہے، مگر امام احمد رضا کی علمی عبقریت ان کے معتقدین تک محدود رہ گئی؟ اِس سلسلے میں ہماری کوتاہیوں کا بھی اعتراف ہے، لیکن کبھی راقم نے اِس تعلق سے اپنے اداریے میں کچھ لکھا تھا، اُس کی ایک سطر پر اپنی بات ختم کرتے ہیں:

''امام الشان السیوطی کے صفحہ حیات پر خدمت علم کا غلبہ رہا تو ان سے کوئی ناراض نہیں، مگر امام الشان امام احمد رضا کے صفحہ حیات پر حرمتوں کی پاسبانی کا غلبہ رہا تو حرمتوں سے کھیلنے والے روٹھ گئے۔''

امام احمد رضا کے دینی علوم کی تدوین اور مصنف اعظم نمبر کا خاکہ:

''مصنف اعظم نمبر'' کا خاکہ ایک طویل عرصہ سے ہمارے دل و دماغ پر سوار تھا، جو اَب ایک حقیقت کے پیکر میں ڈھل کر نگاہوں کے سامنے موجود ہے۔ اس کے تصور میں آرزوؤں کی ایک دنیا بستی تھی، تمنائے شوق مچل مچل کر قوت فکر و عمل سے سوال کرتی تھی کہ کیا ممکن ہے کہ امام احمد رضا کے تمام علوم کو مدون کیا جا سکے؟ اس آرزو نے قوتِ عمل کو مہمیز لگائی، اور امام احمد رضا کے عرس صد سالہ کی آمد نے تقاضے بیدار کیے، ہم نے قلم کے دھنی علمائے کرام کو آواز دی، اور خدا کا شکر ہے کہ وہ آواز فضائے بیکراں میں تحلیل نہ ہوئی، چند علمائے ذی وقار، علوم امام احمد رضا کے بادہ خوار ابھر کر سامنے آئے، اور ایک کارواں بن گیا، جس نے ہماری پیش کردہ زمین پر اپنے رہوار قلم کو رواں دواں کر دیا، اور آج یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے رفقائے کار نے امام احمد رضا کے علوم کو ''مصنف اعظم نمبر'' کی شکل میں مدوّن کر کے قوم کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت چوالیس یا چون علوم کے ماہر تھے تو معتقدین کے سر تسلیم تو اس سے زیادہ کے لیے بھی خم ہیں۔ مگر غیر جانب دار مزاج اور حقیقت کا متلاشی اس کے ثبوت کا متقاضی ہوتا ہے۔ متداول علوم خصوصاً فقہ و حدیث اور ردّ باطل پر امام احمد رضا کی تصنیفات کی خوب طباعت و اشاعت ہوئی، لیکن بہت سارے فنون پر آپ کی کتابوں کے بس نام سنے جاتے تھے، دیکھنے کو کچھ نہ ملتا تھا۔ لہٰذا تقاضائے وقت تھا کہ امام احمد رضا کے علوم کی تدوین و ترتیب کا عمل شروع کیا جائے۔

اب تک رضویات پر جو کچھ لکھا گیا وہ چند موضوعات تک محدود رہا، مثلاً سب سے زیادہ اعلیٰ حضرت کی فقہ، حدیث، ترجمۂ قرآن، اردو شاعری، ردّ باطل اور ریاضی میں مہارت پر توجہ دی گئی۔ مضامین اور تحقیقی مقالات انھیں چھ موضوعات کے گرد گردش کرتے رہے، حالانکہ اعلیٰ حضرت نے کسی متداول اور غیر متداول فن کو نظر انداز نہ کیا، بلکہ سب پر کچھ نہ کچھ کام کیا ہے، اس لیے وجدان کہتا ہے کہ متداول فنون کی فہرست سازی کر کے اس کے مطابق امام کی نگارشات و تحقیقات کی کھوج لگائی جائے تو بہت کچھ ملے گا، ابھی تک علم القرآن، فرائض، مناظرہ، جرح و تعدیل، علم الاوزان والمقادیر، توقیت، بلاغت، نحو، صرف، تقابل ادیان، تاریخ، اسرائیلیات، پر یا تو بالکل نہ لکھا گیا، یا بہت مختصر اور ضمناً لکھا گیا۔

ہم نے منصوبہ بنایا، خاکہ تیار کر کے مختلف فنون کے ماہرین اور اصحابِ علم سے رابطہ کیا گیا، اور عالمی سطح پر ایسے رفقا کی ایک ٹیم تیار کی جو متعلقہ فنون اور ان کے مواد پر گہری نظر رکھتے ہیں، تلاش و جستجو کا سلسلہ شروع کیا گیا تو علوم و فنونِ رضا کی نئی نئی دنیا نظر آنے لگی، نئے نئے زاویے اور نئے نئے گوشے ابھر کر سامنے آئے۔ جوں جوں آگے بڑھتے گئے دامن مراد بھرتا گیا۔

مصنف اعظم نمبر کی ترتیب:

اولاً ہم نے اعلان کیا تھا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے تمام علوم پر مقالات تیار کیے جائیں گے جن سے اُن علوم میں امام اہل سنت کی مہارت اور خدمات کا ثبوت پیش کیا جائے۔ علوم رضا کی ایک فہرست اہل قلم کو پیش کردی گئی تھی، تیاری شروع ہوچکی تھی کہ ۲۰ رجولائی کو علوم رضا کے وارث اور اہل سنت کے تاج دار سیدی وسندی ومرشدی، حضور تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں ازہری نے رحلت فرمائی، یہ واقعہ ایسا جاں گداز اور حوصلہ شکن تھا کہ ہندو پاک کے کارخانۂ اہل سنت میں ایک سکتہ اور جمود کی کیفیت طاری ہوگئی، بالآخر جب تاج الشریعہ کی رحلت کو ایک تلخ حقیقت کے طور پر تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، تو اہل قلم ان کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کرنے میں مصروف ہوگئے، اور دوسرے سارے کام متاثر ہوگئے۔ وقت کافی نکل چکا تھا اور ارادہ تھا کہ یہ مجموعہ صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر پیش کیا جائے، اس کی یہ صورت سمجھ آئی کہ علوم رضا کو دو حصوں (دینی علوم اور عقلی علوم) میں تقسیم کرکے ابھی جلد اول میں دینی علوم کی ترتیب مکمل کرلیں، تاکہ آرزوئے شوق کو حوصلہ اور حوصلوں کو زندگی مل جائے۔ اس مجموعہ میں دینی علوم سے وہ علوم مراد ہیں جن میں دینی امور سے بحث کی جاتی ہے جیسے عقائد وفقہ وتصوف وغیرہ، اور وہ فنون بھی جو دینی امور کی بحث میں تعبیری خواہ اصطلاحاتی حیثیت سے بلاواسطہ دخل رکھتے ہیں، مثلاً، زبان وادب، منطق، بلاغت، مناظرہ وغیرہ۔ ہم نے اپنی تیار کردہ بتیس علوم کی فہرست لے کر رفقائے علم ارباب لوح وقلم کے در پر پھر دستک دی، اُدھر سے مثبت جواب ملا تو ہمارے حوصلوں کو توانائی مل گئی، ہم نے عزم کا اظہار کیا اور احباب نے اس میدان میں گھوڑے دوڑا دیے۔

اس مجموعہ میں ۳۲ علوم وفنون پر مفصل مقالے موجود ہیں، ان میں ایسے فنون بھی ہیں جن پر کافی کام ہوا ہے، مثلاً قرآن کریم کی ترجمہ نگاری، فقہ میں مہارت، حدیث میں مہارت، اردو زبان میں مہارت وغیرہ، ان فنون پر لکھوانے کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی، لیکن ہم نے ان کو بھی شامل کرلیا تاکہ یہ مجموعہ اپنے موضوع کے اعتبار سے جامع رہے، تاہم اس مجموعہ میں اُن عام موضوعات پر بھی ایک فن کی حیثیت سے کام کیا گیا ہے، ان مقالات میں بھی جدت وندرت کی کئی جہتیں ملیں گی۔ اب تک یہ ہوتا آیا ہے کہ کسی موضوع پر لکھا گیا تو چند مثالیں پیش کرکے مضمون مکمل کردیا گیا، لیکن ہم نے کوشش کی ہے کہ مقالہ اپنے موضوع کے تمام گوشوں کا حتی الامکان احاطہ کرے۔ مثلاً کنز الایمان پر بہت کام ہوا ہے، لیکن اس میں جو مقالہ شامل ہے اس میں ان تمام کاموں کی جھلک بھی ملے گی اور بہت کچھ نیا بھی ہاتھ آئے گا، فقہ وفتاویٰ میں قارئین کو احاطہ واستیعاب کی کوشش نظر آئے گی، علم حدیث کے بھی تمام گوشوں اور خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ تو مشہور موضوعات کے متعلق عرض تھا، اگر دیگر موضوعات کی طرف نظر کریں تو زیادہ تر ایسے موضوعات ملیں گے جن پر کوئی مکمل مضمون یا مقالہ اب تک منظر عام پر نہ آیا، مثلاً فن کی حیثیت سے اوزان ومقادیر شرعیہ، علم قرآن، صرف ونحو وبلاغت وغیرہ پر امام احمد رضا کی خدمات، امام احمد رضا اور تقابل ادیان، امام احمد رضا اور اسرائیلیات، امام احمد رضا اور توقیت وغیرہ نادر موضوعات پر مفصل مقالات اسی مجموعہ میں ملیں گے۔

ایک خاص بات ''مصنف اعظم نمبر'' کی یہ ہے کہ اس میں ہر مقالے کے ترتیبی عناصر میں ہم نے پہلے متعلقہ فنون کا تعارف اور تاریخ رکھا تھا، اس لیے اس مجموعہ میں ہر مقالے کا ابتدائی حصہ فن کے تعارف پر مشتمل ہے، گویا اس مجموعہ کو علوم وفنون کی تاریخ اور تعارف کا مجموعہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر مقالہ سے پہلے مقالہ نگار کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے۔

بہر کیف! علوم رضا کی تدوین کا پہلا حصہ مکمل ہوا، اتنے مختصر وقت میں اتنا وقیع مجموعہ امام احمد رضا کی کرامت سے کم نہیں۔ ہم اپنے مقصد میں کس قدر کامیاب ہوئے اس سلسلے میں ہمیں قارئین کے تاثرات کا انتظار رہے گا، اور مستقبل کے لیے گراں قدر تجویزات کا بھی ہم خیر مقدم کریں گے۔ نیز علمائے کرام اور احباب سے امام احمد رضا کے عقلی علوم پر جلد ثانی کی تدوین وترتیب کے لیے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

تشکرات:

اللہ کریم کے لطف عمیم کا بے پایاں شکر، جس نے ہمارے دل میں ڈالا کہ اپنی قدرت کی اس نشانی امام احمد رضا کی علمی خدمات کی تدوین کی طرف پیش قدمی کریں، سب کچھ اسی کی توفیق سے ہے، پھر اس کے رسول کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر رحمۃ للعلمین کا تصدق کہ اہل قلم علمائے کرام کی اتنی بڑی ٹیم نے ہماری درخواست کو شرفِ قبول بخشا، جن کی مشترکہ کوششوں سے اس منصوبے کو پیکر محسوس میں ڈھالا جاسکا۔ ہمارے ممدوح اور منظور نظر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے فیوض وبرکات کی انتہا نہیں کہ ہم سے وہ کام لیا گیا جس سے مشتاقانِ علم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

فقیر شکر گزار ہے ان تمام علمائے کرام ومشائخ عظام کا جنھوں نے ،،مصنف اعظم نمبر'' کی اشاعت پر دعائیہ کلمات سے نوازا اور اپنے گراں قدر تاثرات سے قلب ونگاہ کو جلا بخشا، جن کی ایک طویل فہرست ہے جو اس مجموعہ کی زینت ہے۔ پھر بطور خاص شکر گزار ہوں ان تمام رفقائے کار افاضل علما کا' جنھوں نے اپنے قیمتی اوقات سے ہمارے لیے وقت نکالا اور ایک خاص فن پر ہمارے دیے گئے عناصر کے مطابق اپنی نگارشات کو زیب قرطاس کیا۔ ان میں عظیم علمائے دین وجلیل فقہا ومحدثین، ماہرین فنون ادب واصحابِ لوح وقلم سب ہیں، جنھوں نے مبسوط اور تحقیقی مقالات تحریر فرمائے۔

نیز ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جن کی متنوع کوششوں سے یہ مجموعہ مرتب ہوسکا، خصوصاً رفیق محترم مجاہد سنیت ومبلّغ رضویت علامہ طارق انور مصباحی مدیر پیغام شریعت دہلی کی جہد مسلسل کا، اور برادر عزیز مولانا حسان المصطفیٰ امجدی کا جن کی فکر نو خیز وتحریر دل آویز وذوقِ صادق نے اس مجموعہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں مدد کی، نیز اعزی' محبّ اعلیٰ حضرت فاضل نوجوان مولانا نوید اختر قادری، اور میرے ابن الاخ نبیرۂ محدث کبیر صاحب بصیرت فی الرضویات مولانا ریاض المصطفیٰ اعظمی کراچی کی مواد کی فراہمی سے متعلق کاوشیں، خصوصاً علامہ کوثر امام مہراج گنج کے گراں قدر مشورے اور تجویزات، قلم الامیر امیر القلم علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس ممبئی کی توجہات، محقق رضویات علامہ مفتی رفیق الاسلام کان پور کی عنایات، اور رضویات سے مالا مال مفتی شمشاد حسین بدایونی کا قلم سیال، رفیق وہمدم صدیقی وحبیبی مفتی محمد حنیف حبیبی شیخ الحدیث دارالعلوم مجاہد ملت اڑیسہ کی عنایات مختلف الجہات، رفیق گرامی وقار اخی فی الدین علامہ نظام الدین مصباحی انگلینڈ کی قدم قدم پر حوصلہ افزائیوں کا تسلسل، محقق حقائق ومصورِ دقائق مولانا ڈاکٹر سجاد عالم رضوی، صاحب صدق وصفا مفتی وفاء المصطفیٰ امجدی، شہزادۂ فقیہ ملت فاضل جلیل وماہر علوم حدیث مفتی ازہار احمد امجدی ازہری، عالم نبیل مفتی مقصود اختر قادری ممبئی وغیرہ احباب کی مساعی جلیلہ، خصوصاً قبلہ علامہ عبدالمبین نعمانی وحضرت علامہ محمد حنیف صاحب بانی رضا اکیڈمی بریلی شریف، وضیغم اہل سنت مفتی شمشاد احمد مصباحی گھوسی، ومفتی محمد سلیم دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف، وپروفیسر مجید اللہ قادری کراچی ومحبّ محترم جناب غلام مصطفیٰ رضوی مالیگاؤں، جنھوں نے اپنے اپنے طور پر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ساتھ دیا۔ نیز میں شکر گزار ہوں ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کے تمام رفقائے کار کا، خصوصاً محبّ محترم مولانا محمد قاسم القادری دہلی وبرادر گرامی مولانا ریحان المصطفیٰ قادری وبرادرِ سعید حافظ محمد کمیل امجدی، وتمام کالم نگار حضرات' خصوصاً میگزین کے مبصر مولانا نعمان احمد حنفی پٹنہ، مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی دہلی کا، نیز اُن تمام احباب کا جن کے نام دل کی تختیوں پر نقش ہیں جنھوں نے اس کارِ عظیم کے لیے ہمیں تعاون دیا، خصوصاً جماعت رضائے مصطفیٰ (UK) اور امریکہ کے چند مخلصین وکرم فرما احباب اہل سنت۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

تاثرات، پیغامات و دعائیہ کلمات

علمائے کرام و مشائخ عظام و دانشوران ملت

۱-حضور امین ملت حضرت ڈاکٹر سید امین میاں (مارہرہ مقدسہ)

۲-حضور سید اویس مصطفٰے قادری واسطی (بلگرام شریف)

۳-حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفٰے قادری (گھوسی)

۴-حضرت الحاج سید فرقان علی چشتی رضوی (اجمیر معلیٰ)

۵-حضرت علامہ سید محمد مہدی میاں چشتی (اجمیر معلیٰ)

۶-نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا منان رضا منانی میاں (بریلی)

۷-نبیرۂ اعلیٰ حضرت علامہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں (بریلی)

۸-شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ عسجد رضا قادری (بریلی)

۹-حضرت علامہ حافظ سید سراج اظہر نوری (ممبئی)

۱۰-حضرت مفتی سید محمد سلیم احمد قادری (سلیم باپو) (گجرات)

۱۱-حضرت مولانا سید شاہ عارفین اصدق غوثی (سہسرام)

۱۲-حبیب ملت حضرت مولانا سید غلام محمد حبیبی (دھام نگر)

۱۳-مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی (انگلینڈ)

۱۴-حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی (روناہی)

۱۵-خطیب عالم حضرت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی (پاکستان)

۱۶-شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ فداء المصطفٰے قادری

۱۷-قمر العلما حضرت علامہ شیخ ابوبکر ملیباری (کالی کٹ)

۱۸-خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی (مبارک پور)

۱۹-مصلح قوم وملت حضرت علامہ عبد المبین نعمانی (چریا کوٹ)

۲۰-سید محمد علیم الدین اصدق مصباحی اعظمی ساؤتھ افریقہ

۲۱-حضرت علامہ قاری لیاقت رضا نوری (اجین: ایم پی)

۲۲-علامہ مفتی محمود اختر قادری قاضی شہر ممبئی

۲۳-حضرت مفتی شمس الہدیٰ مصباحی جامعہ اشرفیہ (مبارکپور)

۲۴-حضرت مفتی معراج القادری جامعہ اشرفیہ (مبارک پور)

۲۵حضرت مفتی احمد القادری دار العلوم عزیزیہ ڈیلاس (امریکہ)

۲۶-حضرت علامہ مسعود احمد برکاتی جامعہ اشرفیہ (مبارک پور)

۲۷-حضرت علامہ محمد عاصم اعظمی (گھوسی)

۲۸-حضرت علامہ مفتی محمد ممتاز عالم مصباحی (گھوسی)

۲۹-حضرت علامہ مفتی شمشاد احمد مصباحی (گھوسی)

۳۰-حضرت مولانا علاء المصطفٰے قادری (گھوسی)

۳۱-علامہ شاہ فیصل قادری ساؤتھ افریقہ

۳۲-حضرت علامہ محمد فیض الحق اعظمی (محمد آباد)

۳۳-حضرت علامہ محمد عارف اللہ مصباحی (محمد آباد)

۳۴-حضرت علامہ مفتی ولی محمد رضوی (باسنی)

۳۵-حضرت علامہ مفتی محمد شریف الرحمٰن رونق رضوی (بنگلور)

۳۶-حضرت مولانا جمال مصطفٰے قادری (گھوسی)

۳۷-ادیب شہیر حضرت مولانا عبدالمالک رضوی (جمشید پور)

۳۸-استاذ القرا حضرت قاری احمد جمال قادری (گھوسی)

۳۹-حضرت مولانا محمد مسیح اللہ فیضی مصباحی (محمد آباد)

۴۰-حضرت علامہ مفتی شیر محمد خاں رضوی (جودھ پور)

۴۱-معمار قوم وملت مفتی رحمت علی تیغی مصباحی (کلکتہ)

۴۲-حضرت مفتی قاضی شہید عالم رضوی (بریلی شریف)

۴۳-حضرت مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی (جودھ پور)

۴۴-الماس ملت حضرت مفتی مقصود عالم ضیائی (ہاسپیٹ)

۴۵-مفتی محمد ابراہیم بن جماعہ علیمی (کالی کٹ)

۴۶-حضرت مفتی محمد ارشد نعیمی قادری (مراد آباد)

۴۷-حضرت مولانا توفیق احسن برکاتی (اشرفیہ)

۴۸-حضرت مفتی اصغر علی اشرفی (احمد آباد)

۴۹-جضرت مفتی عبدالقادر رضوی اشفاقی (باسنی)

۵۰-حضرت مفتی محمد اسلم رضا قادری اشفاقی (باسنی)

۵۱-حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین مصباحی (یوکے)

۵۲-حضرت مفتی محمد اشفاق احمد رضوی (کاسرگوڈ)

۵۳-حضرت مولانا استاد عبداللطیف سعدی (کاسرگوڈ)

۵۴-حضرت مولانا مفتی یحیٰ رضا مصباحی (ممبئی)

۵۵-حضرت مولانا شاہد القادری (کلکتہ)

۵۶-مرکز اہل سنت جامعہ حضرت بلال (بنگلور)

۵۷-حضرت مولانا شمس الحق مصباحی (ساؤتھ افریقہ)

۵۸-حضرت مولانا شیخ غلام صمدانی رضوی (مرشد آباد)

۵۹-حضرت مفتی عبدالغفار ثاقب (دربھنگہ)

۶۰-حضرت مولانا سید محمد ہاشمی میاں قادری رزاقی (گجرات)

۶۱-حضرت مولانا اصغر علی قادری مصباحی (دھام نگر)

۶۲-حضرت مولانا محمد شفق قادری (کلکتہ)

۶۳-حضرت مفتی خالد ایوب مصباحی شیرانی (جے پور)

۶۴-حضرت مولانا ممتاز احمد نوری (مئو)

۶۵-حضرت مولانا قطب الدین رضوی (رانچی)

۶۶-حضرت مولانا مفتی محمد مجیب اللہ رضوی (ڈالٹن گنج)

۶۷-ڈاکٹر شاہد اختر ایم اے پی ایچ ڈی (ویسٹ بنگال)

۶۸-پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (کراچی)

۶۹-جناب محمد ندیم الحق، ایم پی (راجیہ سبھا)

۷۰-عالی جناب ڈاکٹر محمد شفیق امینی (پاکستان)

۷۱-جناب شکیل اعظمی (گھوسی: مئو)

۷۲-شہزادۂ شارح بخاری جناب ڈاکٹر محبّ الحق (گھوسی)

۷۳-جناب نعمان احمد حنفی (پٹنہ)

۷۴-عالی جناب پروفیسر دلاور خان کراچی

۷۵-فاضل بغداد مفتی سید حسن عسکری میاں اشرفی کچھوچھوی

۷۶-شہزادۂ شہید راہ مدینہ علامہ سید معین میاں اشرفی جیلانی

۷۷-حضرت مولانا محمد انیس الرحمٰن نوری کان پور

۷۸-حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین رضوی کلکتہ

۷۹-حضرت مولانا مفتی وفاء المصطفٰے قادری امجدی (کلکتہ)

☆☆☆☆☆☆

امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری

سجادہ نشین: آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ (مارہرہ مطہرہ)

میرے لیے یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ اعلیٰ حضرت کے عرس صد سالہ کے موقع پر ملک گیر پیمانے پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو علمی خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے۔ ''پیغام شریعت'' کا خصوصی شمارہ ''مصنف اعظم نمبر'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی علمی خدمات کا احاطہ کرنا کوئی آسان امر نہیں ہے۔ ان کی حیات و خدمات کی تدوین کے لیے ایک انسائیکلو پیڈیا مطلوب ہے۔ رسالے کے عناوین کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ایک ماہنامہ میں مضامین کی معنویت کے حوالے سے جو تنوع قائم کیا ہے، وہ قابل تحسین اور مرتبین کی علمی صلاحیتوں کا عکاس وغماز ہے۔

اعلیٰ حضرت کو مارہرہ مقدسہ کے بزرگوں کی چلتی پھرتی کرامت اسی لیے تصور کیا جاتا ہے کہ اس ایک ذات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنی خصوصیات کو یکجا فرما دیا تھا کہ جو چاہے اور جیسے چاہے، علمی و روحانی استفادہ کر سکتا ہے۔ موجودہ رسالے میں اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون پر سواد اعظم کے معروف صاحبان قلم نے اپنی تحریرات ارسال کی ہیں، مجھے امید ہے کہ رسالے کے قارئین امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی شخصیت اور علمی فضائل کی نت نئی جہتوں سے خوب خوب واقف ہوں گے، اور دوسروں تک بھی اس فیض کو پہنچانے کا ذریعہ بنیں گے۔

اس علمی، تحقیقی و تصنیفی کاوش کے لیے ''پیغام شریعت'' کے تمام اراکین بالخصوص عزیزم مولانا فیضان المصطفیٰ کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ مستقبل میں بھی اس قسم کی تعمیری اور علمی کام ان حضرات کے ذریعہ منظر عام پر آتے رہیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے اور مذہب اسلام وسنیت کی خدمت کرنے کی سعادت عطا فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

دعا گو: سید محمد امین قادری سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ (مارہرہ شریف)

☆☆☆☆☆

آل رسول حضور سید اویس مصطفیٰ قادری واسطی

سجادہ نشین: آستانہ عالیہ قادریہ واسطیہ (بلگرام شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ واصحابہ وعلماء امتہ ذوی المجد والکرم

عزیز گرامی مولانا محمد مرتضیٰ مصباحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت امام علم وحکمت امام احمد رضا قدس سرہ کی قلمی کارناموں سے متعلق ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) ایک عظیم نمبر بنام ''مصنف اعظم نمبر'' شائع کر رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دور کے مروّجہ فنون پر صرف معلومات نہیں، بلکہ ایسی مہارت رکھتے تھے کہ آج کا محقق جب اس فن پر امام احمد رضا کی تحقیق دیکھتا ہے تو اس کے سامنے اپنے آپ کو طفل مکتب محسوس کرتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان تحقیقات کو منظر عام پر لایا جائے جو ہمارے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔ خدائے کریم کاروانِ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) اور تمام قلم کاروں کو دین، دنیا کی سلامتی اور علمی، قلمی برکتوں سے مالا مال فرمائے: (آمین)

سید اویس مصطفیٰ قادری واسطی سید ارشاد حسین واسطی سید انس حسین واسطی

۴ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ

ممتاز الفقہا حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفٰی قادری

بانی: جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

یہ معلوم ہوکر مجھے غایت درجہ مسرت اور شادمانی ہوئی کہ عزیز مکرم حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب اپنی انتھک کوششوں سے سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے تصنیفی اور علوم مروجہ اور غیر مروجہ دونوں پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے اور اس پر آپ کو کیسا درک کامل تھا، ان سب چیزوں کو واشگاف کرنے کے لیے آپ نے خود اپنا بھی قلم اٹھایا اور مختلف اکناف عالم سے آپ نے اس سلسلے میں مضامین بھی حاصل کیے۔ میں اپنی علالت کے باعث اس سلسلے میں کچھ قلم بند کرنے سے قاصر رہا، اس لیے اپنا یہ تاثر پیش کرتا ہوں کہ ''اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' تحقیق کے میدان میں ایک بے مثال شخصیت کا لقب ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ ہی میں جن علوم کا ذکر کیا ہے، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو دیگر علوم پر کتنی بصیرت حاصل تھی، یہ تو اپنی جگہ پر رہے، مگر بڑی خوبی یہ ہے کہ علوم تو بہت سے ہیں اور فنون بھی بہت سے اقسام پر ہیں، مگر ان سب کو دین کی خدمت اور فتویٰ نویسی کے تعاون میں جمع کر لینا یہ اعلیٰ حضرت کی شاندار کامیابی ہے۔

(۲) اسی طرح آپ نے علوم عربیہ کو ذکر کیا جیسے پانی کے رنگ کی بحث کرتے ہوئے آپ نے یہ ذکر فرمایا کہ ''ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہمارے گھروں میں ایک ایک ماہ یا زیادہ چولھا نہیں جلتا تھا'' **ولم یکن طعامنا یومئذ الا الاسودان التمر والماء**'' ہماری خوراک میں اس وقت دو ہی چیزیں ہوتی تھیں جو کالے رنگ کی تھیں، کھجوریں اور پانی، دونوں کا ذکر فرمایا، یہ تو آپ نے استدلال میں پیش کیا، پھر ایک اعتراض کا دفعیہ کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ''اسودان'' تغلیب کے طور پر یہاں استعمال ہوا ہے، جیسے شمس وقمر کو قمرین اور ماں باپ کو ابوین کہہ دیتے ہیں۔ یہ شبہہ نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ صفات میں تغلیب کے صیغے استعمال نہیں ہوتے کہ اگر ابیض اور احمر دونوں جمع ہو جائیں تو ''**ابیضین**'' یا ''**احمرین**'' ان کو نہیں کہا جائے گا، اس لیے یہاں اسودین کہا۔ اس طرح پر مجھے یہ کہنا ہے کہ تغلیب کا صیغہ کیسے اور کس محل پر استعمال ہوتا ہے؟ یہ عربی قواعد سے متعلق ہے، مگر فتویٰ نویسی میں اعلیٰ حضرت نے اس کو بھی استعمال کیا۔

(۳) علم ہیئت: یہ مستقل ایک علم ہے، مگر جا بجا اعلیٰ حضرت نے علم ہیئت کو فتاویٰ کی خدمت پر مصروف فرمادیا، مثلاً علما میں یا ائمہ میں اختلاف واقع ہوا کہ اختلاف مطالع رؤیت ہلال کے سلسلے میں معتبر ہے یا غیر معتبر؟ امام شافعی اس کو غیر معتبر مانتے ہیں، لہٰذا ایک مطلع میں رؤیت ہو تو دوسری مطلع پر اس رؤیت کو مسلط نہیں کیا جا سکتا، مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں جس دن رؤیت ہو، اور دوسرے کنارے پر اگرچہ رؤیت نہ ہو، مگر ثبوت رؤیت شرعی قواعد کے اعتبار سے مہیا ہو جائے تو وہ رؤیت مان لی جاتی ہے، اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے باقاعدہ علم ہیئت کے ذریعہ اس مسئلے کی تنقیح فرمائی اور اس کو مؤید کیا اس بات سے کہ اختلاف مطالع علم ہیئت کے اعتبار سے بھی قابل اعتبار شی نہیں ہے۔

اب اسی طرح صبح کے مسئلے میں جو آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا ''**درک الصبح**'' اس میں بھی کئی اعتبار سے آپ نے علم ہیئت کے مسائل کا باقاعدہ تنقیح کے ساتھ ذکر کیا اور یہ تائید کی کہ صبح اس وقت تک طلوع نہیں ہوسکتی جب تک کہ آفتاب اُفق کے اٹھارہ درجے پر نہ آجائے، ۱۸؍درجہ سے نیچے ہوگا تو صبح صادق طلوع نہیں ہوسکتی اور اس سلسلے میں آپ نے جو انداز بیان اختیار فرمایا ہے، اس سے ماضی کے کئی

اہم مصنفین کے اوپر آپ کا اس سے اعتراف بھی واقع ہوا، اور تحقیق بھی سامنے آئی کہ صبح صادق کے طلوع کا وقت کیا ہونا چاہیے؟

(۴) اسی طرح سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کا سوال ہوا تو اس پر باقاعدہ آپ نے علم حساب اور علم ہیئت اور مختلف قسم کی تاریخیں، بلکہ یہاں اعلیٰ حضرت نے علم ہیئت کے اعتبار سے بھی دن اور تاریخ کے تعین کرنے میں آپ نے ایک لمبی بحث فرمائی اور اس پر آپ نے کئی ایک مسائل علم حساب کے اعتبار سے بھی اس کی تائید میں پیش فرمائی۔

(۵) اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجودیکہ آپ علم رمل اور علم جفر پر باقاعدہ بصیرت رکھتے تھے، مگر اس علم کو آپ نے فتاویٰ میں جہاں تک میرا علم ہے، کہیں استعمال نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کی اصل بنیاد کتاب وسنت ہے، اور کچھ مسائل وہ ہیں جو کہ محسوسات یا علم الحساب وغیرہ سے طے ہوتے ہیں، تو تائید میں علم جفر وغیرہ کو پیش نہیں کیا، ایک تو لوگ اس چیز کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور دوسرے یہ کہ اس چیز کو دلائل شرعیہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس بنا پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فنون کے استعمال سے گریز فرمایا۔

(۶) فتاویٰ نویسی میں احادیث اس انداز میں تخریج فرمائی کہ بڑے بڑے محدثین ان حدیثوں کی تلاش اور تتبع میں تھک ہار جائیں، مگر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سلسلے میں اپنی مہارت تامہ کو ضرور بروئے کار لاتے ہیں، اور کتابوں کے حوالوں کے ساتھ یہ ذکر کرتے ہیں کہ فلاں حدیث کی تخریج فلاں فلاں محدث نے کی اور کن کن صحابہ سے روایتیں کی کہ عام آدمی بصیرت کے ساتھ جب ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ پر نظر دوڑاتا ہے تو حیران و ششدر رہ جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی معلومات کس منزل میں ہیں۔

(۷) اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تائید میں فقہائے کرام کے ذکر کردہ جزئیات اور کلیات وغیرہ کا استقرا کرنے کی نوبت آئی تو اتنی کتابوں کے حوالے دے ڈالے کہ ان کتابوں کے نام سے بھی بہت سے علما ناواقف ہوتے ہیں اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی وسعت مطالعہ بھی بے مثال تھی۔

(۸) اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جس فتویٰ میں علمائے کرام کی رائے مختلف ہوتی، بلکہ ائمہ تصحیح اور ائمہ ترجیح کے اقوال مختلف ہوجاتے تو ان میں اگر کوئی راہ ایسی نکل آئے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے مطابق کیا جائے تو تطبیق دیتے ہیں اور اگر ایسی راہ نہیں ہوتی ہے تو پھر اس ترجیح پر ترجیح اور تصحیح پر تصحیح کرنے میں جو اعلیٰ حضرت کی خصوصیت ہے، وہ نادر روزگار ہے، اور وہ ترجیح وتصحیح کے جو وجوہ واسباب ہیں، ان کو بھی باقاعدہ وہ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے۔

(۹) اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے رسائل میں بہت سے ایسے مسائل حل فرماتے ہیں کہ جن کے لیے آپ مستفتی کے استفتا کا جواب کیا ہونا چاہیے، اس کے لیے کچھ قواعد فقہیہ اپنے طور پر جو آپ نے استقرا اور تتبع سے طے کیا، جو فقہائے کرام نے قواعد فقہیہ ذکر کیے ان میں کئی ایک کا ذکر فرماتے ہیں اور پھر اس طرح سے کسی قول کی تصحیح وترجیح کا بھی کام لیتے ہیں اور فتاویٰ اس طرح لکھتے ہیں۔

(۱۰) اس ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کبھی کبھی ایسے استفتا بھی آیا کرتے تھے، جس کے ساتھ کسی اور مفتی کا بھی فتویٰ جڑا ہوتا، یا چند مفتیوں کے فتاویٰ ہوتے اور وہ بھی آپس میں مختلف ہوتے، تو اب ایسی صورت میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان پیش کردہ فتاویٰ میں جو کمیاں ہوتیں، ان کو ظاہر کرتے اور پھر اپنی تحقیق سے جو قول محقق ہوتا، اس کو ترجیح دے کر اسی فتویٰ کو لکھتے۔

(۱۱) ایسے فیصلے بھی اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیے گئے کہ جن فیصلوں میں قاضی نے ایک فیصلہ اس طرح پر کیا تو کیا وہ فیصلہ اپیل کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ تو اس فتویٰ میں جو شہادتیں گزریں، طرفین سے یا ایک طرف سے، ان شہادتوں پر بھی تنقیح فرماتے، پھر اس کے

بعدان شہادتوں کی بنیاد پر جولوگوں نے یا قاضیوں نے جو فیصلے کیے،ان پر بھی تنقید فرماتے اوراس کے بعد جو اصل حکم شرع ہوتا،اس کو ضرور مدلل طور پر بیان فرمایا کرتے تھے۔

(۱۲) بہر حال اگر فتاویٰ کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت کی خصوصیات غور سے دیکھی جائیں تو بہت کچھ ملیں گی،اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس طرح سے قواعد فقہیہ اور قواعد حدیثیہ اوران کی تضعیف وتصحیح اور تحسین وتنکیر وغیرہ کے معاملے میں کس قدر آپ احتیاط کا پہلو مدنظر رکھتے،اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ تنقید سے مبرا ہیں۔موقع ہوا تو ان شاء اللہ میں ان سب صورتوں سے متعلق ایک مضمون میں نوٹ کر کے پیش کرسکوں گا۔اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب کی کوششوں کو قبول فرمائے اوراس سے پوری قوم کواور ملت بیضا کو فیضیاب فرمائے۔اللہ تعالیٰ خیر فرمائے (آمین) السلام علیکم ورحمۃ اللہ

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

نوٹ: حضور محدث کبیر دام ظلہ الاقدس کے زبانی تاثر کولکھ کرشامل اشاعت کیا گیا۔

☆☆☆☆☆

الحاج سید فرقان علی چشتی رضوی گدی نشین درگاہ شریف (اجمیر معلیٰ)

ماہنامہ پیغام شریعت اپنی تمام ترگل افشانیوں ،رعنائیوں اور عمدہ وبہترین دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ میرے قادری چشتی رضوی دارالمطالعہ حجرہ نمبر۹۳؍اندرون درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اجمیر شریف) میں ہر ماہ پابندی کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔یہ رسالہ ہرلحاظ سے معیاری اوراسم بامسمیٰ ہے۔یہی وجہ ہے کہ قارئین کی ایک بڑی تعداد ایک شمارہ کے بعد دوسرے شمارہ کی شدت سے منتظر رہتی ہے،اور ملتے ہی اپنی تشنگی بجھاتی ہے۔ماہنامہ کے تمام مضامین قابل ستائش اور لائق مطالعہ ہوتے ہیں۔کتابت وطباعت بہت عمدہ اور معیار کافی بلند ہے۔آپ نے اپنی زبان وقلم سے مذہب اہل سنت کو جو وقار بخشا،عہد حاضر میں اس کی مثال نہیں ملتی۔اس مذکورہ ماہنامہ کو شائع فرما کرسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔یہ قابل داد وتحسین ہے اور ماہنامہ میں ارقام فرمودہ احکام ومسائل سے اتفاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔آپ رسالہ جریدہ حمیدہ میں مخالفین اہل سنت کا بھرپور انداز میں رد فرماتے ہیں۔مذکورہ رسالہ کے مضامین سے عوام ہمیشہ مستفیض ومستفید ہوتی ہے۔ہر ماہ یہ ماہنامہ جب میرے ہاتھ میں آتا ہے تو وقت کی قلت کے باوجود اس رسالہ کے مضامین دیکھ کر جب تک مکمل رسالہ نہ پڑھ لوں،ہاتھ سے چھوڑنے کا دل نہیں چاہتا ہے۔

آپ کا آئندہ شمارہ جوصد سالہ عرس اعلیٰ حضرت کے خصوصی موقع پر بڑی آب وتاب سے شائع ہونے جارہا ہے،اس کا بڑی بے صبری سے منتظر ہوں اور بارگاہ خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا گو ہوں کہ سرکار ہندالولی عطائے رسول کے صدقے آپ کی زبان وقلم میں مزید قوت بخشے:آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ماہنامہ ''پیغام شریعت'' جو اہل سنت وجماعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان ہے، آپ کی ارادت میں شاندار مقالات کے ساتھ شائع ہورہا ہے،قارئین کرام محظوظ ہوتے ہیں۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے علمی وتحقیقی فیضان سے آج ہر شخص مستفیض ہورہا ہے۔یہ خداداد مقبولیت ومحبوبیت کا کھلا ثبوت ہے۔

دعا گو:الحاج سید فرقان علی چشتی رضوی

خلیفہ سرکار مفتی اعظم ہند وگدی نشین سرکار خواجہ غریب نواز خانقاہ رضویہ درگاہ شریف (اجمیر معلیٰ)

حضرت علامہ سید محمد مہدی میاں چشتی گدی نشیں درگاہ شریف (اجمیر معلیٰ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:: نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم
وعلی آلہ واصحابہ وحذبہ اجمعین

معین الدین حسن عالم پناہے بہ سوئے ماغریباں یک نگاہے

بتوفیق الٰہی فقیر معینی چشتی اپنے والد ماجد حضرت مولانا الحاج سید غلام علی چشتی معین محدث آستانہ عالیہ چشتیہ بہشتیہ علیہ الرحمہ (اجمیر شریف) کے مرشد بیعت واجازت سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے صد سالہ عرس سراپا قدس پر اپنی قلبی اور روحانی خوشی کا اظہار کررہا ہے جو کیفیت کسی بھی حال میں لفظوں کی لڑیوں میں پروئی نہیں جاسکتی۔ گرامی قدر محترم فیضان المصطفیٰ صاحب مدیر اعلیٰ پیغام شریعت اوران کے رفقائے کار مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بفضل خداوبکرم حبیبنا صلی اللہ علیہ وسلم عاشق رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت حضرت علامہ مفتی الشاہ احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں اپنی عقیدت ومحبت کا ثبوت پیش کرنے کے لیے مصنف اعظم نمبر شائع کرنے کا ارادہ کیا، الحمد للہ اعلیٰ حضرت یقیناً ایسے ہی مجدد ومصنف اعظم ہیں جن کی تصانیف وتالیفات، تحقیقات وتدقیقات حرمین طیبین کے اکابر علمائے کرام ومفتیان ذوی الاحترام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔

میں گدائے کوئے چشتیت بارگاہ سلطان الہند حضور آقا ومولیٰ سرکار خواجہ معین الدین حسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ کریم بطفیل حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخ چشت اہل بہشت علیہم الرضوان اس مصنف اعظم نمبر کو مقبولیت عامہ وخاصہ عطا فرمائے:

آمین بجاہ سید المرسلین طہٰ ویسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الٰہی تا بود خورشید وماہی چراغ چشتیاں را روشنائی

دعا گو: فقیر چشتی سید محمد مہدی

گدی نشین: آستانہ حضور غریب نواز (اجمیر القدس)

☆☆☆☆☆

نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا محمد منان رضا خاں منانی میاں (بریلی شریف)

باسمہ وبحمدہ

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

میرے جد کریم امام اہل سنت محدث بریلوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے عصر میں پیدا فرمایا جس دور میں اسلام اور عقائد اہل سنت پر چاروں طرف سے حملے ہورہے تھے۔ ایسے وقت میں جس صلاحیت وقابلیت کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے وہ تمام صلاحیتیں ان کی ذات میں ودیعت کردی تھی، اس لیے آپ دینی علوم وفنون کے ساتھ عصری علوم وفنون پر مہارت تامہ رکھتے تھے، جن میں آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ آپ کی شش جہات شخصیت کا علمی وفنی تعارف کرایا جائے تو اخی الکریم فاضل جلیل حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ اور آپ کے رفقائے کار نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور مصنف اعظم کے نام سے نمبر نکال رہے ہیں۔ میں انھیں صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ حضرات کو جزائے خیر دے اور سعادت دارین سے نوازے: آمین

محمد منان رضا منانی غفرلہ: نزیل بلیک برن (یوکے)

نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں

سجادہ نشین: خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ، درگاہ اعلیٰ حضرت (بریلی شریف)

مبسملا و حامدا و مصلیا و مسلما

میرے جد امجد سیدی سرکار اعلیٰ حضرت نے ”الاجازات المتینۃ لعلمائے مکۃ و المدینۃ“ (۱۳۲۵ھ) میں شامل ”الاجازات الرضویہ“ کے اندر اپنے کسبی اور وہبی علوم کی تفصیل بیان کر کے ان کی تعداد 59: ذکر فرمائی ہے، مگر عصر حاضر میں علوم وفنون کی تقسیم در تقسیم کی وجہ سے اب یہ تعداد سو سے متجاوز ہو چکی ہے۔ضرورت تھی کہ جد کریم سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کے ان علوم وفنون کا باضابطہ فن کی حیثیت سے مفصل تعارف ہوتا، پھر ان علوم وفنون میں اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کیا ہیں؟ ان سب کو ہر علم وفن کے تحت درج کیا جاتا۔

بڑی مسرت وشادمانی ہوئی جب مفتی محمد سلیم بریلوی زید مجدہ نے یہ بتایا کہ اس کام کا بیڑا نبیرۂ صدر الشریعہ عزیز القدر مولانا فیضان المصطفیٰ قادری صاحب اور ان کے رفیق سفر مولانا طارق انور صاحب نے اٹھایا ہے۔ یہ حضرات اور ان کی ٹیم کے بلند حوصلہ افراد ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کی طرف سے مذکورہ ضرورت کی تکمیل کرتے ہوئے عرس صد سالہ کے موقع پر ”مصنف اعظم نمبر“ شائع کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس تحقیقی وانوکھے مرقع کو شرف قبول بخشے:

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت (بریلی شریف)

یکم صفر المظفر 1440ھ

☆☆☆☆☆

شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ عسجد رضا خاں قادری

جانشیں: حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز (بریلی شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ جان کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) جشن صد سالہ امام احمد رضا کے پُر بہار موقع پر امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی علمی تحقیقات کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے کے لیے ”مصنف اعظم نمبر“ شائع کر رہا ہے، جس میں فن وائز امام احمد رضا کی تصنیفات وتحقیقات کا ایک نئے انداز میں تعارف کرایا گیا۔ میں اس عظیم کام پر ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مقیم حال ہوسٹن (امریکہ) کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ موصوف آئندہ بھی امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات وخدمات پر اپنا تحقیقی کام جاری رکھیں گے: فقط والسلام

فقیر محمد عسجد رضا قادری

محلّہ سوداگران بریلی شریف

۳ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ-۱۳ر اکتوبر ۲۰۱۸ء

مبلغ اسلام حضرت علامہ حافظ سید سراج اظہر نوری

صدر: آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت (ممبئی)

اے امام اہل سنت تاجدار علم وفن   خوب کی تجدید ملت تم نے اے سرو چمن

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد اعظم دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین، حجۃ اللہ فی الارضین، الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے تمام مروجہ علوم وفنون اپنے والد ماجد تاج العلما سید المحققین حضرت مولانا نقی علی خاں قدس سرہ سے پڑھ کر تقریباً چودہ سال کی عمر میں فارغ ہوئے اور منصبِ افتاو تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ اسی دن رضاعت کے ایک اہم مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا، جو بالکل صحیح تھا۔ فتویٰ نویسی کی ذمہ داری آپ کو دے دی گئی۔ اس دن سے آخر عمر تک مسلسل فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دیتے رہے اور فتاویٰ رضویہ کی ضخیم ضخیم بارہ جلدوں کا گراں قدر سرمایہ امت مسلمہ کو دیا گیا۔ جن سے خاص کر علمائے کرام ومفتیان عظام استفادہ کر رہے ہیں اور پورے عالم اسلام میں فتاویٰ رضویہ کی جو مقبولیت ہے وہ سب کے نزدیک عیاں ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے نادر ونایاب علوم وفنون خدا داد قابلیت کی بنا پر مطالعہ کے ذریعہ حل کیے، اور مختلف فنون میں تصنیفی یادگار چھوڑیں۔ صرف آٹھ سال کی عمر میں نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' کی شرح عربی زبان میں لکھی، فتاویٰ شامی پر پانچ جلدوں میں حاشیہ لکھا، قرآن پاک کا مقبول انام ترجمہ لکھا جو ''کنز الایمان'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

جب دشمنان دین، اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے خلاف زہر افشانی کرنے لگے تو ان کے جواب میں آپ نے ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' تصنیف کر کے دشمنان دین کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا، بلکہ اس کے علاوہ امکان کذب کے رد میں پانچ رسالے بھی لکھے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ماننے والوں کے رد میں رسالۂ مبارکہ ''قوارح القہار علی المجسمۃ الفجار'' تحریر فرمایا۔ دین اسلام کے مخالف قدیم فلاسفہ کے عقائد کو رد کرتے ہوئے ''الکلمۃ الملہمۃ'' اور ''فوز مبین در رد حرکت زمین'' جیسے دو اہم رسالے لکھے اور امت مسلمہ کو گمراہ ہونے سے بچالیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کا آپ نے سخت محاسبہ کیا اور ان کے رد میں کتابیں لکھیں، رسالے لکھے۔ ''الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ'' کو مکۃ المکرّمہ میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں تحریر فرمایا۔ اسی طرح صحابۂ کرام، اہل بیت عظام، ائمہ دین مجتہدین اور اولیائے کاملین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا رد بلیغ فرمایا۔ اجلہ علما کا بیان ہے کہ گزشتہ دو صدی ۱۲۰۰ھ اور ۱۳۰۰ھ کے اندر اعلیٰ حضرت جیسا کوئی متبحر جامع عالم نظر نہیں آیا۔

چنانچہ تفسیر، حدیث، عقائد وکلام، فقہ، سلوک وتصوف، اذکار، اوفاق، تاریخ، سیر، مناقب، جفر، تکسیر، ادب، نحو، لغت، عروض، زیجات، علم مثلث، جبر ومقابلہ، لوگارثم، ارثماطیقی، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، توقیت، نجوم، منطق، فلسفہ، حساب وغیرہ علوم وفنون میں آپ کی بے مثل تصانیف وحواشی آپ کے کمال تبحر وجامعیت پر شاہد عدل ہیں۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

''الزبدۃ الذکیہ لتحریم سجدۃ التحیۃ'' یہ رسالہ آپ نے تحریر کر کے آشکارا کر دیا کہ شریعت محمدیہ میں خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو کسی طرح کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔ حضرت مولانا میر داد امام حرم شریف اور مولانا حامد محمد احمد جداوی نے نوٹ کے متعلق اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ایک استفتا پیش کیا جس میں بارہ سوال تھے، اعلیٰ حضرت نے اس کے جواب میں ''کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم'' جیسا اہم رسالہ تصنیف فرمایا۔ جس سے مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ کے علمائے کرام نے بھی استفادہ کیا اور ان شاء المولیٰ رہتی دنیا تک اعلیٰ حضرت کی

تصانیف سے عوام وخواص مستفیض ومستنیر ہوتے رہیں گے۔اعلیٰ حضرت کے علم کا شہرہ ہر چہار سو ہوتا رہے گا اور پورے عالم اسلام میں امام احمد رضا کے علم کا ڈنکا بجتا رہے گا۔

مجھے یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی کہ صد سالہ عرسِ رضوی کے موقع پر''ماہنامہ پیغامِ شریعت دہلی''اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد اعظمِ دین وملت الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم ومعارف اور تحقیقات پر مشتمل ایک جامع مجلّہ بنام''مصنف اعظم نمبر'' شائع کرنے جارہا ہے۔دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصدق مدیر اعلیٰ سمیت جملہ رفقا اور معاونین کو جزائے جزیل عطا فرمائے ،اعلیٰ حضرت کے فیضانِ کرم سے مالامال فرمائے اور ان کی برکتوں سے عالم اسلام کو بہرہ مند فرمائے۔مسلک اہل سنت وجماعت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی سے قائم ودائم رکھے: آمین

منجانب: حضرت علامہ سید سراج اظہر نوری رضوی

صدر آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت (ممبئ) وبانی دار العلوم فیضان مفتی اعظم (پھول گلی مسجد: ممبئ)

☆☆☆☆☆

خلیفۂ حضور تاج الشریعہ شہزادہ شاہ عالم احمد آباد حضرت علامہ مفتی سید محمد سلیم احمد قادری

(قاضی: آل گجرات: ہند)

حضور اعلیٰ حضرت ،امام اہل سنت ،مجدد اعظم امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات محتاج تعارف نہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو گوں ناگوں اوصاف وکمالات سے سرفراز فرمایا تھا۔علم وعمل ،تقویٰ طہارت میں بلند رتبہ پر فائز تھے۔بچپن سے زیادہ علوم وفنون میں کامل دسترس رکھتے تھے،ان علوم وفنون پر آپ کی تصانیف وتحریرات بھی موجود ہیں، جو آپ کی علمی وعبقری شخصیت کا بین ثبوت ہیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ خانوادۂ حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی مصنف 'بہار شریعت' کے نوجوان پوتے عالم و فاضل حضرت علامہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری کی ادارت میں جاری ہونے والا ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا خصوصی شمارہ ''مصنف اعظم نمبر'' جشن صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت کے حسین موقع پر منظر عام پر آنے والا ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق یہ نمبر اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون پر مشتمل ہوگا ،اس اعتبار سے یہ اب تک کا سب سے منفرد اور ممتاز کام ہوگا،اس نہج اور طریقے پر اب تک کسی نے کوئی منظّم کام نہیں کیا ہے۔میں دل کی گہرائیوں سے ماہنامہ کے تمام اراکین ومشاورین خصوصا مدیر اعلیٰ نبیرۂ صدر الشریعہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری اور مدیر مسئول حضرت علامہ مولانا طارق انور مصباحی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ حضرات نے مصنف اعظم نمبر پیش فرما کر ہم اہل سنت وجماعت پر عظیم احسان فرمایا۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو حضور سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے جو والہانہ عقیدت تھی ،وہ اظہر من الشمس ہے۔اور حضور اعلیٰ حضرت کے بعد حضور سیدنا حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خان اور حضور سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو مضبوط تعلق تھا،وہ ایک ایسی حقیقت ہے،جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔آج بھی خانوادۂ اعلیٰ حضرت اور خانوادۂ صدر الشریعہ کے درمیان وہ دلی وروحانی تعلق ہے کہ پورے طور پر قول وفعل میں ،حکم وفتویٰ میں متفق ومتحد نظر آتے ہیں۔بالخصوص حضور محدث کبیر دام فیوضہ کی عبقری شخصیت جو برصغیر کے اندر علم وعرفان میں بے نظیر ذات پاک ہے،آپ کا تعلق حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ سے اس قدر گہرا تھا کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے فیصلے اور تحقیقی ،فقہی

مسائل اور فقہی سیمینار میں آپ کو ممتاز مقام وحیثیت دیتے اور آپ کو اپنا معتمد خاص قرار دیتے۔

دیگر شہزادگان حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی بہاء المصطفیٰ قادری، حضرت علامہ مولانا مفتی فداء المصطفیٰ قادری کو بھی خانوادۂ حضور اعلیٰ حضرت سے بڑا مضبوط و مستحکم تعلق ہے، خانوادۂ صدر الشریعہ کے تمام افراد حضور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور آپ کے فرمودات کی ترویج واشاعت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ اسی تعلق کو برقرار رکھتے ہوئے، اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے خانوادۂ صدر الشریعہ کے لائق وفائق فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری اطال اللہ عمرہ نے اپنی مخلصانہ کاوشوں سے ''مصنف اعظم نمبر'' کے اجرا کا ارادہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اہل سنت کو اس سے مستفیض فرمائے۔ آمین یارب العلمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔

احقر سید محمد سلیم احمد قادری

۱۰ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سید شاہ عارفین اصدق غوثی

خانقاہ غوثیہ اصدقیہ (سہسرام: بہار)

مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ حل وحرم کا گوشہ گوشہ ان کے علم وعرفان اور فضل وکمال سے روشن ومنور ہے۔ محبّ گرامی مفتی سید شہباز اصدق چشتی صاحب زید مجدہ سے معلوم ہوا کہ صد سالہ عرس رضوی کے پرنور موقع پر اعلی حضرت قدس سرہ کے علوم وفنون پر مشتمل تاریخی دستاویز بنام ''مصنف اعظم نمبر'' منظر عام پر آرہا ہے، جس میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے علوم وفنون پر ملک وملت کے مقتدر علما ومشائخ ودانشوران کے گراں قدر علمی وتحقیقی مضامین شامل ہوں گے

یہ کار اہم واعظم دراصل ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کے چیف ایڈیٹر حضرت العلام فیضان المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی کا رہین منت ہے۔ مولانا موصوف جماعت اہل سنت کے نیک نفس مفتی، سلیم الطبع عالم دین، پاکیزہ دل صحافی، اچھے محقق، ذی علم مدرس اور حقیقی معنوں میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے علم وعرفان کے جانشین ہیں۔ صدر الشریعہ کے پوتے ہونے کی حیثیت سے انھیں امام اہل سنت اعلی حضرت سے خصوصی قلبی لگاؤ ہے۔ ان کے زیر سایہ ''مصنف اعظم نمبر'' کی ترتیب وتدوین سے امید واثق ہے کہ یہ نمبر باب رضویات میں گراں قدر اور قابل ذکر علمی و تحقیقی اضافہ ہوگا اور ان شاء اللہ یہ نمبر حلقۂ علم وتحقیق میں تحسین کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

میں اس تاریخی اور تحقیقی نمبر کی اشاعت پر حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب اور ماہنامہ پیغام شریعت کے تمام اراکین اور علوم اعلیٰ حضرت پہ لکھنے والے تمام صاحبان قلم کو صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تبارک وتعالی اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ ماہنامہ پیغام شریعت کی خدمات قبول فرما کر اس نمبر کو قبولیت خاصہ وعامہ عطا فرمائے (آمین)

العبد الراجی سید شاہ عارفین اصدق غوثی شہودی

خانقاہ غوثیہ شہودیہ اصدقیہ (سہسرام: بہار)

حبیب ملت حضرت مولانا سید غلام محمد حبیبی

سجادہ نشین خانقاہ مجاہد ملت دھام نگر شریف (اڑیسہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم::نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم

امام اہل سنت ماحی کفروضلالت ،مجدددین وملت حضور سیدی اعلیٰ حضرت ،امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان کی تصنیفات وتالیفات ملت کا سرمایہ اورقوم کا اثاثہ ہیں۔پچپن سے زائد علوم وفنون پر آپ کی تحقیقات وتدقیقات اور ہرفن میں آپ کے افادات ونوادرات نے طبقہ محققین اور علمائے راسخین کے لیے تلاش وجستجو کے ہزاروں دروازے کھول دیئے ہیں ۔ضرورت تھی ان تمام علوم وفنون کا تعارف کرایا جائے اوران پرامام اہل سنت کی خدمات وافادات کا بھرپور تذکرہ ہو۔یہ کام بڑا تھااوراس کے لیےکسی بڑی شخصیت کی ضرورت تھی۔مولیٰ کریم نے توفیق بخشی مولانا فیضان المصطفیٰ قادری کوجونبیرۂ صدرالشریعہ ہیں،باصلاحیت اور بااخلاق عالم دین ہیں۔مولانا نے اعلیٰ حضرت کے عرس صد سالہ کے حسین موقع پر رسالہ پیغام شریعت کی جانب سے ’’مصنف اعظم نمبر‘‘ شائع کر کے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو دین وسنیت کی مزید خدمت کی توفیق بخشے،نمبر کوشرف قبولیت عطا فرمائے اور مولانا کے ساتھ ان کے رفقائے کار کو دارین کی سعادت سے نوازے:آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم

☆☆☆☆☆

مفکر اسلام حضرت علامہ قمرالزماں خاں اعظمی

جنرل سکریٹری:ورلڈ اسلامک مشن (انگلینڈ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم::حامدًا ومصلیًا ومسلمًا

آج بتاریخ ۲؍صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲؍اکتوبر ۲۰۱۸ء کو نارتھ امریکہ کے عظیم الشان دینی مرکز مسجد النور میں مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے صدسالہ عرس پاک کی تقریب میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔یہ عرس پورے شمالی امریکہ کے اہل السنۃ والجماعۃ کا نمائندہ پروگرام ہے،جس میں شمالی امریکہ کے علمائے اہل سنت امام اہل سنت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہیں۔اس عرس پاک کا مرکزی منصوبہ ہے کہ امام اہل سنت نے دنیائے اسلام پر جواحسانات کیے ہیں ان کو یاد کیا جائے اورعوام اہل سنت کوتحریک مسلک اہل رضا کی اہمیت کا احساس دلایا جائے،اور پوری دنیا میں اس عظیم مجدد کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے منصوبے بنائے جائیں،خاص طور پر مغربی دنیا کو مجدد اعظم کے تجدیدی کارناموں سے آگاہ کیا جائے،اور مستشرقین ومستغربین کی طرف سے ان کی شخصیت پر لگائے گئے الزامات کا جواب دیا جائے،اور یہ واضح کردیا جائے کہ گزشتہ دوصدیوں میں عالم اسلام نے ان سے بڑی شخصیت کوجنم نہیں دیا ہے۔

امام احمد رضا نے اپنے دور کے ابھرنے والے تمام فتنوں کا تنہا مقابلہ کیا ہے،انھوں نے الحادو بے دینی،مغرب زدگی،نام نہاد ترقی پسندی،اہانت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحاریک کا رد کیا ہے،اور عظمت مصطفیٰ اور تنزیہ باری تعالیٰ کے انکار پر مشتمل تحریروں کا تنہا جواب دیا ہے۔انھوں نے عقائدومراسم ومعمولات اہل سنت کواستدلال کی قوت سے نوازا ہے،انھوں نے فقہ حنفی کوادلۂ اربعہ سے آراستہ کیا ہے،اور اس عظیم فقہ جس کے ماننے والوں کی تعداد دنیائے اسلام میں ۸۰: فیصد ہے،اس کو دلائل سے بے نیاز کردیا ہے اور آئندہ قیامت تک کے مفتیان کرام فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے تمام مسائل کا جواب دیتے رہیں گے۔امام احمد رضا کی موسوعاتی تحریروں پر مشتمل کتابیں کم وبیش

ایک ہزار کی تعداد میں ہیں، گزشتہ کئی صدیوں میں اتنا عظیم مصنف عالم اسلام میں پیدا نہیں ہوا ہے۔

اسی اثنا میں حضرت علامہ محمد قمرالحسن صاحب مفتی امریکہ اور مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب مدرس النور انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سائنسز نے مجھے ماہنامہ پیغام شریعت کی چند کاپیاں عطا فرمائیں جس میں یہ اعلان نظر سے گزرا کہ صد سالہ عرس امام احمد رضا کے موقع پر پیغام شریعت کا ''مصنف اعظم نمبر'' شائع ہونے والا ہے۔ اس اعلان کو پڑھ کر بے پایاں خوشی ہوئی۔ یوں تو امام اہل سنت کی حیات طیبہ پر عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر درجنوں کتابیں شائع ہونے والی ہیں، مگر مصنف اعظم کی حیثیت سے ماہنامہ ان کی خدمات کو ایک نمایاں حیثیت سے پیش کر سکے گا۔ ان کی تصانیف پر اب تک کم وبیش چالیس پی ایچ ڈی اور درجنوں ایم فل کی ڈگریاں حاصل کی جا چکی ہیں۔ کئی یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا چیر قائم ہیں اور مزید یونیورسٹیاں گوشۂ امام احمد رضا کا اہتمام کرنے جا رہی ہیں۔ ان کی تحریروں کے تنوع پر سیکڑوں کتابیں اور مقالات منظر عام پر آ چکے ہیں، مگر ہنوز بہت سا کام باقی ہے، اور سیکڑوں کتابوں کی تشریح وتوضیح ابھی منت پذیر شانہ ہے۔

میں مولانا فیضان المصطفیٰ، مولانا محمد قمرالحسن اور ان کے جملہ رفقا کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ سالہ مزید معیاری مضامین پیش کرنے کا شرف حاصل کر سکے: آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

خاکسار: محمد قمرالزماں اعظمی

سکریٹری جنرل: ورلڈ اسلامک مشن وچیرمین مسجد النور ہیوسٹن (امریکہ)

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی

شیخ الحدیث: الجامعۃ الاسلامیہ (روناہی: فیض آباد)

نحمده ونصلي ونسلم علیٰ رسوله الكريم

امابعد! حضرت محدث کبیر شہزادۂ صدرالشریعہ دامت برکاتہم القدسیہ کے نور نظر حضرت مولانا المحترم مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب زید علمہ وحبہ کا امریکہ سے فون آیا کہ ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کا خصوصی شمارہ ''مصنف اعظم نمبر'' امام الکل فی الکل امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے عرس صد سالہ کے موقع پر منظر عام پر آ رہا ہے، اس کے لیے آپ کچھ کلمات دعائیہ لکھ دیجیے۔ یہ مولانا المحترم کی محبت دینی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے، اور والد گرامی دامت برکاتہم اور دادا جان علیہ الرحمۃ والرضوان کے نقوش پر چلتے اور رہتے ہوئے مزید خدمات کی توفیق رفیق عطا فرمائے: آمین

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ نجات　　　وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

اس میں کچھ شک وشبہہ نہیں کہ امام اہل سنن فخر زمین وزمن مقتدائے عارفانِ روزگار اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنی مصنف اعظم ہیں، اور امام الکل فی الکل ہیں، اور جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور علوم وہبیہ، علوم کسبیہ پر غالب تھے: **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**

اہل علم نے مختلف جہات وحیثیات سے موصوف گرامی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تعارف کرایا اور تعارف پیش فرمایا، مگر حق یہ ہے کہ حق تعارف کما حقہ اب تک نہ ادا ہو سکا، ہم نے اپنے ایک مضمون بعنوان امام احمد رضا بحیثیت منطقی وفلسفی میں یہ جملہ استعمال کیا تھا، جو امام احمد رضا

نمبر میں حضرت جیلانی میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے بھیونڈی سے شائع کیا تھا کہ تعارف وتعریف فرع معرفت کی ہے، تو جب تک یہ صحیح طور پر اور واقع کے مطابق نہ معلوم ہو جائے کہ امام موصوف کا کیا مقام ومنصب ہے تو صحیح طور پر تعارف کیسے کرایا جا سکتا ہے، مگر ’’مالا یدرک کلہ لایترک کلہ‘‘ کے پیش نظر ارباب علم وعقیدت ومحبت نے تعارف پیش فرما کر محبت کا ثبوت پیش کیا ہے: فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

وہ حضرات علمائے کرام وقلم کاران ذوی الاحترام جو پیغام شریعت کے اس خاص نمبر ’’مصنف اعظم نمبر‘‘ میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اور جو امام اہل سنت سے سچی عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور ان کے مسلک حق احق بالاتباع کے ناشر وناصر ہیں، ان سب کے لیے اس رضوی فقیر کی دعا ہے کہ ان سب حضرات کو مولیٰ تعالیٰ دارین کی برکتوں سے سرفراز فرمائے، اور ان کی خدمات دینیہ کو شرف قبولیت سے نوازے، اور تاحین حیات خدماتِ دینیہ لیتا رہے: آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

فقط محتاج دعا وگدائے باب رضا

شبیر حسن رضوی

خادم: الجامعۃ الاسلامیہ (رونا ہی فیض آباد: یوپی)

☆☆☆☆☆

خطیب عالم حضرت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی (پاکستان)

’’ندا آمد‘‘ ، ’’رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ‘‘

1340 + 100 = 1440

’’Intelligence Quotient‘‘ کا مخفف ’’آئی کیو‘‘ بولا جاتا ہے، ذہانت وقابلیت کا پیمانہ۔ 1912ء میں جرمن WILLAIM STERN نے اسے متعارف کروایا۔ ام الحواس دماغ کے لیے کہا گیا ہے کہ ’’ایک انسان کا دماغ 100 ارب خلیوں اور نیورونز (عصبیوں) پر مشتمل ہے۔ ایک خلیے کے دیگر خلیوں کے ساتھ ایک ہزار سے دس ہزار تک رابطے رہتے ہیں اور ان کے درمیان پیغامات کی منتقلی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہو جاتی ہے۔ دماغ سے اعصاب تک عملی رسائی 400 کلومیٹر فی گھنٹا سے زیادہ کی رفتار سے ہوتی ہے۔ کسی عمل میں 80 فی صد دماغ اور 20 فی صد اعضاء کام کرتے ہیں۔ اس انسانی دماغ نے کمپیوٹر ایجاد کیا جو انسانی دماغ کا ایک فی صد بھی نہیں۔ 25 لاکھ میگا بائٹ سے زیادہ کی یادداشت کی صلاحیت ہمارے دماغ میں ہے جس میں پھیلی خون کی نالیوں کی مجموعی لمبائی 700 کلومیٹر سے زیادہ ہے، کوئی شے انسانی دماغ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کمپیوٹر نے سوچ بچار، تدبر وتفکر سے انسان کو دور کر دیا ہے۔ دنیا میں بہت اعلی اور تیز کمپیوٹر بنائے جا چکے ہیں لیکن دماغ ان سب سے تیز ترین ہے۔ دماغ میں SYNAPSES (حلقے) کھربوں کی تعداد میں ہیں اور اس میں کھربوں طرح کے راستے ہوتے ہیں جن سے سگنل گزرتے ہیں یعنی ایک معمولی عمل کے لیے بھی دماغ کھربوں سگنلز کے ذریعے کام کرتا ہے۔‘‘

آئی کیو کا شمار کچھ اس طرح بتایا گیا ہے: ’’ابتدائی سطح ،70 تا 79، نچلا درجہ: 80 تا 89، اوسط درجہ: 90 تا 109، بلند درجہ: 110 تا 119، ممتاز درجہ: 120 تا 129، غیر معمولی: 130 تا 144 اور بہت اعلی درجہ: 145 تا 160 ہے اور یہ اعلی درجہ سب سے بڑے کہے جانے والے سائنس دان البرٹ آئن اسٹائن کو مانا جاتا ہے۔‘‘ انٹرنیٹ میں انفرادی طور پر تا حال بتائے گئے درجات کچھ یوں ہیں: ’’آئی کیو کے حوالے سے جو درجے شمار کیے گئے ہیں ان کے مطابق معاشرے کے افراد کا اوسطاً آئی کیو 100 ہے۔ جنہیں GENIUS مانا جاتا ہے وہ 140 درجہ

رکھتے ہیں۔ تاریخی طور پر مشہور افراد میں جارج واشنگ ٹن 140، موزارٹ اور چارلس ڈارون 153، بین جے مین فرینک لن اور البرٹ آئن اسٹائن 160، لیونارڈو ڈونچی 180، سر آئزک نیوٹن 190 اور ان سے سب زیادہ ولیم جیمس سائی ڈِس کا آئی کیو 250 مانا گیا ہے۔ (آئی کیو کے شمار کی آخری حد 300 درجے ہے)۔ اس شمار کے باوجود انھی کا کہنا ہے کہ صرف آئی کیو کسی کی قابلیت میں بہت معمولی کردار ادا کرتا ہے۔ اس میں قوت ایجاد (اختراع وتخلیق) یا ان اہم حصوں کا شمار نہیں جو مل کر کسی قابل بناتے ہیں۔'' انٹرنیٹ پر کچھ اور لوگوں نے بھی اپنی مرضی کی فہرست درج کی ہے۔ کوئی فہرست بھی متفقہ یا مصدقہ نہیں کہی جاتی۔

انٹرنیٹ پر موجودہ دور میں کچھ کم عمروں کا بھی آئی کیو کے حوالے سے ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس مختصر تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ آئی کیو کے حوالے سے شمار ہونے والے افراد کی اس فہرست سے واقف اور ان سے متاثر کتنے ہیں اور کیا ہیں؟ یہ فہرست مرتب کرنے والے خود کس درجے پر فائز ہیں؟ یہ فہرست پوری انسانی تاریخ کی بھی نہیں اور مسلمانوں کے حوالے سے تو اولاً انھیں معلوم نہیں اور پھر یہ کہ مسلمانوں سے ان کا تعصب بھی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا عالم اسلام میں کیسی کیسی نابغہ عصر اور عبقری ہستیاں گزری ہیں، ان کے واقفین اور رہتی دنیا تک ان سے متاثر ہونے والوں کی تعداد کا شمار کیوں کر ہوسکتا ہے! ان کے ''آئی کیو'' تک رسائی ہی کہاں ہے! انھی ہستیوں میں میرے اعلیٰ حضرت بھی نمایاں ہیں۔ کتنے علوم وفنون کے بہترین جامع، کتنی اور کیسی کیسی خصوصیات کے عمدہ پیکر۔ سو برس گزر گئے، لیکن ابھی تو ان کی علمی خدمات کا ادراک شروع ہوا ہے۔ اتنی متنوع اور بھرپور علمی شخصیت اور اتنی متاثر کن کہ ؎

جس سمت آ گئے ہیں سکے بٹھا دیے ہیں

سلف صالحین کی بات نہیں کرتا۔ کوئی اتنی آئی کیو والا ہو جو بتا سکے کہ میرے رضا کا آئی کیو کیا تھا؟

سو برس پہلے ماہ صفر (1340 ہجری) میں اعلیٰ حضرت نے اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف سفر کیا تھا۔ (تین برس بعد 1921ء میں عیسوی تقویم کے مطابق بھی سو برس ہو جائیں گے)۔ محاورہ ہے: ''آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل''، لیکن جادۂ حق پر مستقیم، عبدالمصطفیٰ کہلانے والے میرے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو ہزاروں کی مخالفت کے باوجود ''یادِ ماضی'' نہ بنایا جا سکا، ذکر رضا ہے کہ ہر لمحے فزوں تر ہو رہا ہے۔ ان کے نام سے کتنے ادارے، کتنے مدارس قائم ہوے، کتنی محافل ومجالس منعقد ہوئیں اور کتنی تحریریں طبع ہوئیں، اس کی فہرست بھی کارے دارد! کتنے پہلو اجاگر ہوے اور کتنے ابھی تک کسی جوہر قابل کی توجہ نہ پا سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ قدرت کی اعلیٰ حضرت پر نوازشات کا ہمیں پورا اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔ پردے اٹھتے چلے گئے تو اس آفتاب جہاں تاب کی ضوفشانی ہونے لگی۔ ٹیکنالوجی نے رفتار بڑھائی تو تذکار اعلیٰ حضرت منظر عام پر چھانے لگے۔ اعلیٰ حضرت کی خدمات سے روشناس کروانے میں جو کوتاہیاں ہوئیں، بے شک ان کا ازالہ ضروری ہے۔ وسائل مہیا ہوئے ہیں تو کام بھی تیز ہونا چاہیے، اپنے سست اور مبہم رویوں کی اصلاح بھی کرنی ہوگی۔

ایک سنگین سازش تھی کہ علم سے مسلمانوں کو دور کیا جائے، چناں چہ مدرسہ اور اسکول الگ کیے گئے، پھر یہ سازش بھی ہوئی کہ علمائے حق کو متنازع اور سچے بزرگوں کو معترضہ بنایا جائے۔ یوں انتشار وافتراق بڑھے گا اور وابستگیاں ختم ہوں گی۔ جب خواص کو مشکوک بنا دیا جائے گا تو عوام کی کیا حیثیت رہے گی۔ پہلے معتبر نہیں رہیں گے تو بعد والوں کی کیا وقعت ہوگی۔

گزشتہ صدی سے میرے رضا کا علم آب وتاب سے لہرا رہا ہے۔ ان کی تصانیف کے مختلف زبانوں میں تراجم ہو رہے ہیں۔ دنیا بھر کی جامعات میں ان پر پی ایچ ڈی ہو رہی ہے۔ ایک دھوم ہے ہر طرف ان کے نام اور کام کی۔ علمی دنیا سے قطع نظر ان سے تو ہر عامی فیض پا رہا ہے۔ صرف ''حدائق بخشش''، ہی کی دنیا میں گونج کچھ کم نہیں۔ اعلیٰ حضرت مسلک حق کی آبرو ہیں، وہ آیت من آیات اللہ ہیں۔ انھی کی نسبت سے

ہمارا اعتبار وافتخار ہے۔لوگوں کو اپنے دماغوں پر چھائی دھند یا اپنے آئینوں پر پڑی گرد صاف کرنی چاہیے۔میرے رضا کا نام تو اجالوں ہی سے وابستہ ہے،ان شاء اللہ یہ اجالا ہر دن بڑھتا رہے گا۔

''مصنف اعظم نمبر'' عنوان ہی میں جاذبیت ہے، ہزار صفحات میں کیا کیا ہوگا؟ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ۔

ہیوسٹن سے محبّ محترم مولانا فیضان المصطفیٰ قادری نے رابطہ فرمایا اور ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کی طرف سے اس خصوصی شمارے کی نوید اشاعت سنائی، مجھے فی الواقع خوشی ہوئی۔مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا صد سالہ عرس مبارک مناتے ہوئے ان کی متنوع خدمات جلیلہ سے متمتع ہونا اور دنیا بھر میں ان کی محنتوں سے چراغاں کرنا قابل ستائش ہے۔امید ہے کہ یہ اشاعت بھرپور اور اپنی نوعیت میں منفرد ہوگی۔

اللہ کریم جل شانہ اس کاوش کو کامیاب فرمائے اور اس کار خیر میں شامل ہر فرد کو جزائے خیر عطا فرمائے:

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

☆☆☆☆☆

شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری

استاذ: دار العلوم اہل سنت شمس العلوم (گھوسی)

عزیز گرامی! مولانا فیضان المصطفیٰ قادری سلمہ اللہ تعالیٰ

سلام مسنون!

آپ کی کدوکاوش کا شاہکار ''ماہنامہ پیغام شریعت'' ہر ماہ بلا ناغہ دستیاب ہورہا ہے۔اسے پڑھ کر معلومات میں اضافہ اور حد درجہ مسرت وشادمانی حاصل ہوتی ہے۔ماشاء اللہ یہ مجلّہ دن بدن ارتقائی منزلیں طے کررہا ہے،اور اس میں نکھار پیدا ہوتا جارہا ہے۔مولیٰ تعالیٰ نظر بد اور حاسدین کے حسد سے بچائے: آمین

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر پیغام شریعت کا مصنف اعظم نمبر نکال رہے ہیں۔اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تصنیفات، کتاب اور رسائل کی شکل میں کم وبیش ایک ہزار کی تعداد میں ہیں، جو مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہیں۔اگر علمائے کرام مختلف علوم وفنون پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیفات کا جائزہ پیش کریں، تو یقیناً ایک ایسا گلدستہ تیار ہوجائے گا جو رنگ برنگ پھولوں اور خوشبوؤں سے مزین ہوگا، جو عوام وخواص سب کے لیے یکساں مفید ہوگا۔اللہ کرے آپ کا عزم وارادہ حسن وخوبی کے ساتھ پائے تکمیل کو پہنچے (آمین)

حضور تاج الشریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس چہلم کے موقع پر ایک مختصر سا کتابچہ ''حضور تاج الشریعہ اور خانوادۂ صدر الشریعہ'' کے عنوان سے جو تحریر کیا، وہ بہت ہی شاندار اور شروع سے آخر تک پڑھنے کے قابل ہے۔

آپ کی تحریر میں اللہ نے جولانیت اور سلاست وروانی پیدا کی ہے،اس کا تقاضہ ہے کہ اپنی تحریر وتقریر سے اسلاف کے تحریری کارناموں کو منظر عام پر لاکر لوگوں کو ان بزرگوں کی راہ پر چلنے کی دعوت دیں،اور شریعت کا پابند بنائیں۔

آج سے چند سال پیشتر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی مایہ ناز تصنیف ''کشف الاستار'' جو شرح معانی الآثار کا حاشیہ ہے، وہ آپ ہی کی انتھک کوششوں اور عرق ریزیوں کے سبب منصۂ شہود پر آیا، جس کا اجرا عرس امجدی کے موقع پر محدث کبیر کے ہاتھوں کیا گیا۔یہ حاشیہ کئی

سال تک ٹھنڈے بستے کی زینت بنارہا اور کئی اداروں میں اس مسودے کو بھیجا گیا کہ کسی طرح یہ نادر ونایاب حاشیہ کا مسودہ مبیضہ کی صورت میں تبدیل ہو کر چھپ جائے، مگر کہیں سے صدائے برنخواست، مگر آپ نے اپنی جدوجہد سے امریکہ میں بیٹھ کر اس کی ترتیب وتالیف اور مبیضہ پر کام کر کے ''کشف الاستار'' کی شکل میں منظر عام پر پیش کیا۔ اس وقت عرس امجدی میں حاضر ہونے والے تمام علما اور حاضرین نے آپ کی صلاحیت کا اعتراف کیا۔ اس عظیم کام سے مجھے اتنی خوشی حاصل ہوئی جسے میں بیان نہیں کرسکتا۔ اس وقت مجھے بخاری شریف کی ایک حدیث یاد آتی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی عقل ودانش اور علم وآگہی کا امتحان لیتے ہوئے صحابہ کرام سے پوچھا تھا:

''ان من الشجرة شجرة لایسقط ورقها انها مثل المسلم حدثونی ما هی؟'' یعنی اے صحابہ! بتاؤ، درختوں میں ایک ایسا درخت ہوتا ہے جس کے پتے نہیں ٹوٹتے اور وہ مسلمانوں کی طرح مفید اور نفع بخش ہے، بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں: ''فوقع الناس فی شجر البوادی ووقع فی نفسی انها النخلة'' یعنی لوگوں کا ذہن وفکر جنگلی درختوں کی طرف گیا اور میرے دل میں فوراً یہ بات آئی کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ جب اس واقعہ کا ذکر حضرت عبداللہ نے حضرت عمر فاروق سے کیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ تم نے بتا کیوں نہیں دیا؟ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ بڑے بڑے اجلہ صحابہ کی موجودگی میں مجھے بولتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کہ کہیں چھوٹا منہ بڑی بات نہ ہو جائے۔ حضرت عمر فاروق اعظم نے ارشاد فرمایا: اے کاش! تم نے بتادیا ہوتا تو مجھے اتنی خوشی حاصل ہوتی جس کا تم اندازہ نہیں لگاسکتے۔ معلوم ہوا کہ باپ کو بیٹے کے کارناموں سے بے انتہا خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ نے ''کشف الاستار'' کی شکل میں جو مشکل ترین کارنامہ انجام دیا اور پھر اس کے فوراً بعد ہی ''علم حدیث میں صدر الشریعہ کی تحقیقات'' کی شکل میں جو کتاب تصنیف کی، اس سے تمام علما آپ کی علمی صلاحیتوں کے معترف ہیں۔ یہ سب مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہے جو حضرت صدر الشریعہ کے واسطے سے آپ تک پہنچ رہا ہے۔ اب آپ عرس اعلیٰ حضرت کے صد سالہ جشن کے موقع پر ''پیغام شریعت'' کا ''مصنف اعظم نمبر'' پیش کر رہے ہیں، یہ بہت ہی مشکل اور عرق ریزی کا کام ہے، مگر آپ کے عزم محکم سے مجھے پوری امید ہے کہ اس عزم وارادے کو پایۂ تکمیل تک حسن وخوبی کے ساتھ پہنچانے میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل وکرم سے ضرور سرخرو اور کامیاب ہوں گے۔ میں پورے خلوص کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہوں کہ رب تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کام میں کامیاب وکامران فرمائے: آمین

ایک نحیف وضعیف باپ اپنے بیٹے کی کامیابی کے لیے دعا کے علاوہ اور کیا کرسکتا ہے: فقط

فداء المصطفیٰ قادری (قادری منزل: گھوسی)

☆☆☆☆☆

قمر العلما حضرت علامہ شیخ ابوبکر ملیباری

بانی: مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم: :نحمده ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم وآله وصحبه وبعد

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

برادران اسلام کے لیے بڑی مسرت کی بات ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت نے اس ماہ صفر ۱۴۴۰ھ کا شمارہ مجدد صدی حاضرہ، شیخ الاسلام فی الہند امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے علوم وفنون کو منتخب کیا ہے، جس میں آپ کے جملہ علوم وفنون پر مضامین کو پیش کرے گا۔ ہم مذکورہ

ماہنامہ کے ذمہ داران اور قلمکاران کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ ماہنامہ کو مضبوط اور مقبول بنائے (آمین) فقط

ابوبکر احمد المليباری

رئیس الجامعہ: مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ : کیرلا)

و جنرل سکریٹری: سمستھا کیرلا سنی جمعیۃ العلما (کیرلا)

☆☆☆☆☆

خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات : جامعہ اشرفیہ (مبارک پور)

مبسملا و حامدا و مصليا و مسلما

شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کے وصال کو سو سال پورے ہو رہے ہیں۔ اس عرصے میں ان کی شخصیت اور خدمات پر بہت کچھ لکھا گیا، صدی کے نصف اول میں کم اور نصف ثانی میں نسبۃً بہت زیادہ، مگر یہ ایسا بحر عظیم ہے جس کا نہ تو کنارا ملتا ہے، نہ اس کے آب دار موتیوں کی انتہا نظر آتی ہے۔ ماہرین کی عقلیں حیران ہیں اور واصفین کے قلم درماندہ۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں است

بندے کا کام سعی پیہم ہے اور نہ ختم ہونے والے احسان کا تقاضا شکر مسلسل اور مدح جاوداں، اس لیے منت شناس قلوب اور محسن آشنا قلم اپنی قدرت و وسعت کی حد تک ادائے حق کے لیے کوشاں ہیں اور جمال یار کے دل کش مشاہدے میں حیران و پریشان، پھر رموز حسن کے اظہار و بیان میں سرگرداں اور غلطاں و پیچاں۔

وصال کی صدی پوری ہونے پر مختلف جہتوں سے ہونے والی کوششوں کا خیر مقدم ہے اور ہمت و قوت کو کام میں لانے پر دلی مبارک باد، اور کامیابی و سرخ روئی کرم مولیٰ سے ہر طرح مامول و مسئول: **فانه جواد كريم، لا يخيب السائلين، ولا يضيع أجر المحسنين.**

محمد احمد مصباحی

نگراں المجمع الاسلامی ناظم تعلیمات: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

۱۸: محرم ۱۴۴۰ھ/ ۲۹: ستمبر ۲۰۱۸ء

☆☆☆☆☆

مصلح قوم و ملت حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی

بانی: دار العلوم قادریہ (چریا کوٹ)

باسمه تعالىٰ و الصلوٰة علىٰ نبيه الاعلىٰ

و علىٰ اله و صحبه ذوی الصدق و الصفا

محترم المقام مدیران ماہنامہ پیغام شریعت ...... السلام علیکم

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کی طرف سے یہ اعلان دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ اس کا ”مصنف اعظم نمبر“ صد سالہ عرس امام احمد رضا

کے موقع پر منظر عام پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ آپ حضرات نے عنوان بھی بڑا اچھوتا اور مبنی بر حقیقت رکھا ہے، ایسے ایک نمبر کی واقعی ضرورت تھی، آپ حضرات ضرور لائق صد مبارک باد ہیں۔ امید ہی نہیں، یقین ہے کہ عنوان کے ساتھ ضرور انصاف کیا جائے گا۔ میرا رسالہ ''تصانیف امام احمد رضا'' جو فہرست تصانیف پر ناچیز کی اولین کوشش ہے، پیش نظر ہوگا۔ نوجوان محقق مولانا محمد عیسیٰ رضوی نے تعارف تصانیف اعلیٰ حضرت پر کام شروع کیا تھا۔ ایک جلد نظر سے گزری ہے۔ ان سے بھی رابطہ کرلیں اور ان کے پاس اس سلسلے کا جو مواد ہو، اپنے خصوصی شمارے میں شامل کرلیں تو اچھا ہوگا۔

میری ایک ناقص رائے یہ بھی ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی ایک ایسی اجمالی فہرست بھی ہونی چاہیے جس کی روشنی میں قاری جلد اپنے مطلوبہ عنوان کو تلاش کرلے۔ فتاویٰ کی تفصیلی فہرست میں بہت وقت لگ جاتا ہے اور اس فہرست کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا جائے۔ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے عنوانات تو ہر قاری بآسانی تلاش کر لیتا ہے کہ یہ ابتدائی جلدوں میں ملیں گے۔ ان کے بعد والے ابواب کے لیے مفتی کے علاوہ عام دلچسپی لینے والے حضرات کے لیے تلاش میں دشواری ہوتی ہے کہ یہ عنوانات کہاں ملیں گے، مثلاً وقف، اضحیہ، تجارت، حظر واباحت وغیرہ۔ امید کہ اس کی طرف بھی ذرا توجہ دینے کی کوشش کریں گے۔

راقم الحروف نے فتاویٰ رضویہ پر اپنے ایک مختصر مضمون میں لکھا ہے کہ:

''فتاویٰ رضویہ کی عظمت واہمیت اور فقہ وفتاویٰ پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی مہارت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آج سے چار سو سال قبل اور اعلیٰ حضرت کے عہد سے تین سو سال قبل شہنشاہ ہند حضرت اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہ (متوفی ۱۱۱۹ھ-۱۷۰۷ء) نے اس وقت کے تقریباً سو جید علما ومفتیان کرام کی مدد سے ''فتاویٰ عالمگیری'' مرتب کرایا، جس کی کل چھ جلدیں ہیں اور پوری دنیا میں فقہ حنفی کے عظیم سرمایہ کی حیثیت سے متداول ومقبول بھی ہیں۔ یقیناً شہنشاہ ہند نے جن علما سے خدمت لی تھی، ان کو حسب حیثیت داد ودہش سے بھی نوازا ہوگا، لیکن فخر ہند، فقیہ اعظم، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تن تنہا فتاویٰ رضویہ جیسا عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا بارہ ضخیم جلدوں میں پیش کر دیا، نہ کسی نے نذرانہ دیا نہ اجرت، وہاں بادشاہ وقت مع علما ہے اور یہاں تنہا امام احمد رضا، بلکہ کسی نے بطور اجرت کچھ پیش کیا تو امام نے فرمایا: یہاں پیسہ لے کر فتویٰ نہیں لکھا جاتا۔ یہ ہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا جن کے فتاویٰ رضویہ کی آج پوری دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے۔

(ہفت روزہ مسلم ٹائمز، رضا اکیڈمی ممبئی ۶/ اگست تا ۱۲/ اگست ۲۰۱۸ء، ص: ۵)

الحمد للہ یہ سلسلہ اعلیٰ حضرت کے بعد حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں اور پھر سرکار مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ تک جاری رہا اور آخر دور میں حضرت تاج الشریعہ علامہ شاہ مفتی اختر رضا خان ازہری قادری علیہ الرحمہ نے بھی اسے باقی رکھا، اور یہی بریلی شریف کی مرکزیت ہے، جسے آج تک کوئی چیلنج نہ کر سکا۔ اللہ کرے یہ سلسلہ دراز ہو۔

دوسری سب سے بڑی وجہ مرکزیت کی یہ بھی ہے کہ فقیہ اعظم عالم سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ''فتاویٰ رضویہ'' کی شکل میں جو عظیم فقہی شاہکار ملت اسلامیہ کو عطا کیا ہے، وہ اس قدر بھرا پڑا ہے کہ قیامت تک اس سے روشنی حاصل کی جاتی رہے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ جو کچھ اور جس قدر ہے، وہی بہت ہے، جب کہ بعض وجوہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے فتاویٰ ضائع ہو گئے، بلکہ پوری ایک جلد کے غائب ہو جانے کی بھی اطلاع ہے، جس میں زیادہ تر فتاویٰ بدمذہبوں کے رد میں تھے۔ اس سے اندازہ لگتا ہے کہ یہ بدعقیدوں کی سازش ہی سے ہوا ہوگا، یہ بات ہم لوگ اپنے بزرگوں سے سنتے چلے آرہے ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے حضور شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ (صاحب نزہۃ القاری شرح بخاری) نے بھی یہ بات بیان فرمائی اور ہم لوگوں نے سنی۔

فتاویٰ رضویہ یوں تو ایک کتاب ہے، لیکن ہزاروں کتابوں پر بھاری ہے، جو کسی ایک فن پر نہیں، دسیوں فنون پر مشتمل ہے، اگر چہ اصل موضوع اس کا فقہ وفتویٰ ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اس کا ترجمہ عربی میں ہونا چاہیے، تاکہ عالم اسلام کے مفتیان کرام کے لیے اس سے استفادہ آسان ہو۔ سنا ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی تعریب کا کام حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے شروع فرمادیا تھا، کئی جلدیں معرب ہو چکی تھیں کہ کام رک گیا اور پھر وقت موعود نے یہاں سے جانے پر مجبور کر دیا، کاش کوئی مرد فقیہ وعربی داں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کرے اور مولیٰ عزوجل اسے توفیق بخشے۔: آمین

میں سمجھتا ہوں اگر یہ کام ہو گیا تو یہ سرکار اعلیٰ حضرت اور حضرت تاج الشریعہ علیہما الرحمہ کے لیے بہترین خراج عقیدت اور عظیم ایصال ثواب ہوگا۔ آج کا ماحول کچھ یہ ہو گیا ہے کہ ہم بزرگوں اور اکابر کے نام پر غیر ضروری یا محض مستحب کاموں میں تو بے دریغ اپنی دولت صرف کر ڈالتے ہیں، لیکن بنیادی، دیرپا اور علمی دینی ضروری کاموں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، ہمیں اپنی اس فکر پر نظر ثانی کرنی چاہیے، وہوالموفق والمعین

عرض گزار

محمد عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی

چریا کوٹ مئو یوپی

۱۵/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ۔ ۲۷/۸/۲۰۱۸ء

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ سید محمد علیم الدین اصدق مصباحی اعظمی

دارالعلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ ساؤتھ افریقہ

تیرہویں صدی کے اُفق پر اعلی حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، امام اہل سنت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسمِ گرامی مثل آفتاب روشن ہے۔ آپ رسول خدا کے سچے نائب، معقولات ومنقولات کے امام، تقوی وطہارت کے بدر کامل اور تیرہویں صدی کے باجماع عرب وعجم مجدد تھے۔

اعلی حضرت فاضل بریلوی کا دور معتقداتی معرکہ آرائیوں کا گرما گرم دور تھا، ابن عبدالوہاب نجدی کے مسموم عقائد غیر منقسم ہندوستان میں تیزی سے پھیل رہے تھے، ایسے پرفتن دور میں اعلی حضرت رضی اللہ عنہ حق کی تنویر کامل بن کر افق ہند پر ظاہر ہوئے اور احقاق حق وابطال باطل کا دینی فریضہ انجام دیتے ہوئے باطل پرستوں سے مختلف محاذ پر لوہا لیا۔ اور انھیں فاش شکستیں دیں۔ اور جہل و ضلالت کا پردہ چاک کر کے حق کا بول بالا فرمایا۔ سچ فرمایا ہے حضرت مولانا روم قدس سرہ نے۔

چشم اوینظر بنور اللہ شدہ

پردہ ہائے جہل راخارق شدہ

اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید اور ان کے احوال کے امین محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ نے فاضل بریلوی کے تذکرہ میں سچی بات لکھی ہے: ”تیرھویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب فضل وکمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھا گئی، اور چودھویں صدی کے شروع میں ہی پورے عالم اسلامی میں اس کو

حق وصداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا۔میری طرح سارے حل وحرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل وکمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا'' (امام احمد رضا نمبر ص ۲۶۴)

جس ذات والا شان کے قصیدے عرب وعجم کے بڑے بڑے علما نے پڑھے اس عبقری اور مثالی شخصیت کو دنیائے فانی سے رحلت فرمائے سو سال کا عرصہ گزر رہا ہے لیکن ان کا نام آج بھی روشن اور زندہ ہے۔اور تا قیام قیامت ان کے لائق صد رشک کارنامے زندۂ جاوید رہیں گے۔ان شاء اللہ۔

رواں سال صد سالہ عرس امام اہل سنت کا مژدہ لے کر آیا ہے،اکناف عالم میں دھوم مچی ہوئی ہے،عرب وعجم کے وہ خطے جہاں رضا کے نور کی کرن پہنچی ہے وہاں کے عوام وخواص نئے امنگ،پورے جوش وخروش کے ساتھ صد سالہ عرس رضا منانے کی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اس صد سالہ عرس رضا کو یادگار بنانے کے لیے عشاق رضا مختلف قسم کے اکیڈمک منصوبے اور لائحہ عمل تیار کر رہے ہیں،اسی سلسلۃ الذھب کی سنہری کڑی ''مصنف اعظم نمبر'' کی اشاعت بھی ہے۔جس کا سہرا نبیرۂ صدرالشریعہ حضرت مولانا فیضان المصطفی قادری صاحب زید مجدہ اور ان کے رفقاء کے سر ہے،جن کی کاوش سے یہ نمبر منصۂ شہود پر آرہا ہے۔

عزیز القدر حضرت مولانا فیضان المصطفی قادری صاحب نے فون پر بتایا کہ صد سالہ عرس رضا کے پُر بہار موقع پر ماہنامہ پیغام شریعت کے بینر تلے''مصنف اعظم نمبر'' کی ترتیب وتہذیب کا کام چل رہا ہے،جس کے دو حصے ہوں گے۔اول دینی علوم پر مشتمل ہوگا جبکہ دوسرا حصہ عقلی علوم پر محیط ہوگا۔

بلاشبہ یہ کام اپنی نوعیت کا انوکھا منفرد اور بے مثال کام ہے۔اس مبارک پیش قدمی پر میں حضرت مولانا فیضان المصطفی صاحب اور ماہنامہ کے تمام اراکین کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

الحمد للہ! ماہنامہ پیغام شریعت کا شمارہ ہر ماہ صوری ومعنوی خوبیوں سے لیس باصرہ نواز ہوتا ہے،اس کے مندرجات ومشمولات معلوماتی اور تحقیقی ہوتے ہیں۔مضامین کا انتخاب بھی خوب ہوتا ہے۔امید قوی ہے کہ''ماہنامہ پیغام شریعت'' کے پلیٹ فارم سے شائع ہونے والا یہ مجلّہ بنام''مصنف اعظم نمبر'' بھی رضوی علوم وفنون سے لبریز علمی،ادبی،تحقیقی اور اپنی نوعیت کا منفرد،قیمتی،مستند،تاریخی مجلّہ ہوگا۔

بیا کہ من زخُمِ پیر روم آوردم

مئے سخن کہ جواں تر زبادۂ عنبی است

اللہ رب العزت اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے تصدق حضرت مولانا موصوف کو بافیض رکھے،نیز آپ کی مساعئ جمیلہ کو شرف قبولت سے بہرہ ور فرمائے،اس عظیم وباوقار نمبر کو قبولیت دوام عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین جد الحسن والحسین وعلی الہ الطیبین واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ایں دعا از من واز جمہ جہاں آمین باد

خاکپائے اولیاء

سید محمد علیم الدین اصدق مصباحی اعظمی

دارالعلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ ساؤتھ افریقہ

فخر قوم وملت حضرت علامہ قاری لیاقت رضا نوری

ناظم اعلیٰ دارالعلوم رضویہ غریب نواز (اجین)

فاضل گرامی حضرت مولانا طارق انور مصباحی زید مجدہ کے ذریعہ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کی جانب سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے عرس صد سالہ کے موقع پر ایک معرکۃ الآ راونہایت ہی علمی شاہکار بنام ''مصنف اعظم نمبر'' شائع ہورہا ہے۔تفصیلات جان کر بہت خوشی ہوئی۔ان شاءاللہ تعالیٰ یہ ایک نادر المثال اور بہت ہی مفید مجموعہ ہوگا۔ہم نے آج تک کسی ایسے مجموعہ یا تالیف کے بارے میں نہیں سنا تھا جو امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے تمام علوم وفنون پر قوم کو تفصیلی معلومات فراہم کرسکے۔ماہنامہ پیغام شریعت کے بھی متعدد شمارے دیکھنے کا موقع ملا۔یہ ماہنامہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ارباب علم وفضل کو بھی رسالہ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان پایا۔امید ہے کہ مصنف اعظم نمبر بھی اسی معیار کے مطابق ہوگا۔

جن قلمکاران ومحررین کے مضامین ومقالات شائع ہورہے ہیں،وہ تمام میدان تحریر کے مشاہیر وتجربہ کاراورشہسوار ہیں۔اسی سے اس نمبر کی اہمیت وافادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ع/ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اللہ تعالیٰ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے تمام احباب وارکان کو سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے: آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سگ بارگاہ اعلیٰ حضرت:محمد لیاقت رضا نوری

ناظم اعلیٰ:دارالعلوم رضویہ غریب نواز (رضا نگر،جان ساپورہ،اجین:ایم پی)

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ مفتی محمود اختر قادری

قاضی:ریاست مہاراشٹر(ممبئی)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ دیکھ کر بڑے بڑے ماہرین علم وفن دنگ اور متحیر رہ گئے،اور ۵۵:علوم سے زائد موضوعات پر ان کی کثیر تالیفات وتصانیف کو دیکھ کر بے اختیار اہل علم پکار اٹھے کہ یہ کسی ایک کا کارنامہ نہیں لگتا،بلکہ بہت سارے ماہرین کی جماعت نے مل کر یہ کارنامہ انجام دیا ہوگا۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے تصانیف وتالیفات کا جب دوسرے مصنفین اور مؤلفین سے موازنہ کیا جاتا ہے تو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ آپ صرف اپنے دور ہی میں نہیں،بلکہ پہلے زمانہ میں بھی کثرت تصانیف کے لحاظ سے بلاشبہ آپ نادر روزگار تھے۔ایک فعال اور متحرک تحقیقی ادارہ کا کام آپ نے تنہا انجام دیا ہے۔

جو علوم مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جاتے ہیں،ان تمام علوم میں تو آپ کی تصنیفات ہیں ہی،ان کے علاوہ جو علوم مدارس اسلامیہ میں نہیں پڑھائے جاتے،مثلاً علم ریاضی،علم ہندسہ،تکسیر،اوفاق،جفر،لوگارثم،زیجات،جبر ومقابلہ،مثلث،توقیت،علم نجوم وغیرہ میں سے ہر فن میں ایک نہیں،بلکہ متعدد تصنیفات بیان کی جاتی ہیں۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی ہزار سے زائد تحقیقی تصنیفات کو دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج شخص انہیں ضرور مصنف اعظم قرار دے گا۔

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کو مصنف اعظم لکھا تو یہ بیجا نہیں، بلکہ برمحل اور حقیقت ہے۔اس ماہنامہ کے ذمہ داران لائق تحسین وصد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے پیغام شریعت کا **مصنف اعظم نمبر** منصۂ شہود لانے کا عظیم بیڑا اٹھایا۔اس طرح کے خراج عقیدت کی اس وقت سخت ضرورت ہے، کیوں کہ اب تک آپ کی تصنیفات وتالیفات سے کما حقہ خواص وعوام کو روشناس نہیں کرایا جاسکا ہے۔اس ماہنامہ کے مدیر اعلیٰ علامہ فیضان المصطفیٰ قادری کی متحرک وفعال اور گوناگوں خوبیوں کی حامل شخصیت سے امید واثق ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت کا مصنف اعظم نمبر اپنی مثال آپ ہوگا اور لاکھوں دلوں کی دھڑکن بنے گا۔رب قدیر اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس عظیم نمبر کو مقبول انام فرمائے اور اس سے خواص وعوامِ اہل سنت کو مستفیض ومستنیر فرمائے،اس کے مدیر ودیگر ذمہ داران حضرات کو بہترین جزا عطا فرمائے:

آمین بجاہ النبی سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

محمود اختر القادری عفی عنہ

رضوی امجدی دارالافتا (ممبئی)

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ مفتی شمس الہدیٰ مصباحی استاذ: جامعہ اشرفیہ (مبارک پور)

باسمہ وبحمدہ تبارک وتعالیٰ

یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی اور دل باغ باغ ہوگیا کہ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی: انڈیا) بموقع عرس صد سالہ مجدد اعظم بریلوی قدس سرہ ''مصنف اعظم نمبر'' منظر عام پر لا رہا ہے۔مجدد اعظم قدس سرہ کس پایہ کے مصنف اعظم تھے۔اس کا بھرپور اندازہ تو ان دانشوروں اور اہل فکر ونظر وماہرین علم وفن کو بخوبی ہے جنھوں نے صرف فتاویٰ رضویہ شریف کے مطالعہ سے اپنے قلب وجگر کو شادکام کیا ہے۔کون سا وہ مروج علم ہے جس میں آپ کے تحریری درنایاب اور گوہر لاجواب وتحقیق مشکبار دستیاب نہیں۔

صرف بعض عبارات جلیلہ اور تحقیقات نادرہ کو دیکھ کر بد مذہب دانشور بھی پکار اٹھا کہ ایسی کتب قیمہ ہماری جماعت میں ہوتی تو آب زر سے لکھوا کر طبع کرواتے،کوئی پرایا لکھتا ہے کہ ان کی تدقیقات فقہیہ سے اندازہ لگتا ہے کہ کوئی ابوحنیفہ ثانی ہیں،معاصرین میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا،کوئی کہتا ہے مولانا کی تحریر کے سطر سطر سے عشق نبوی بھوٹا پڑتا ہے،کوئی کہتا ہے کہ انھیں پڑھ کر سمجھا کہ علم لدنی کیا چیز ہے سچ ہے ''**الفضل ماشهدت به الاعداء**''۔

پوری جماعت کی طرف سے مجلس ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) صدہا مبارکباد کی مستحق ہے کہ ایک اہم پہلو سے مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کا تعارف عالم اسلام تک پہنچانے پر کمر کس لی ہے۔خدا تعالیٰ حسن توفیق اور حسن قبول سے ہمکنار فرمائے۔کاش یہ رخ مختصر اور جامع عربی انگلش وغیرہ زبانوں میں بھی ہوجاتا۔

اور بالخصوص عزیز مکرم علامہ فیضان المصطفیٰ قادری سلمہ الباری جو بڑی لگن اور جانفشانی کے ساتھ خدمت دین حنیف میں سرگرم عمل ہیں ،ان کی جہد مسلسل اور عمل پیہم کے باعث جماعت کو ان سے بڑی توقعات وابستہ ہیں اور حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مشن کو

فروغ دینے اور مستحکم کرنے میں اپنے خاندان کے اندر اپنی پیڑھی میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مزید سے مزید کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے: آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلاۃ واکمل التسلیم

دعا گو: شمس الہدیٰ عفی عنہ

استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور: اعظم گڑھ)

مسئول: دارالافتا کنزالایمان (برطانیہ)

۱۶:۱:۱۴۴۰ھ

☆☆☆☆☆

فقیہ العصر حضرت علامہ مفتی محمد معراج القادری

استاذ و مفتی: جامعہ اشرفیہ (مبارک پور)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ امام عشق و محبت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کی ہشت پہلو شخصیت کا جس جہت سے جائزہ لیا جائے، وہ ایک بحر ناپیدا کنار نظر آتی ہے۔ آج جب ہم اہل سنت و جماعت ایسی گونا گوں اوصاف و محاسن کی حامل شخصیت کا جشن صد سالہ منانے جا رہے ہیں، ایسے حسین موقع پر مجدد اعظم رضی المولیٰ عنہ سے محبت رکھنے والا ہر شخص اس بات کا کوشاں ہے کہ عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرنے والوں میں اس کا نام بھی درج ہو جائے۔ یہ جان کر بے پناہ مسرت و شادمانی ہوئی کہ حضرت مولانا مفتی فیضان المصطفیٰ زید مجدہ کی ادارت میں نکلنے والا موٴقر جریدہ بنام "پیغام شریعت" ایک روایتی انداز سے ہٹ کر ایک نمبر بنام "مصنف اعظم" نکالنے جا رہا ہے، جس کا نام ہی اتنا خوبصورت ہے تو سنتے ہی دل بلیوں اچھل گیا۔ قابل مبارک باد ہیں مولانا موصوف اعظمی زید مجدہ اور آپ کی پوری ٹیم جنھوں نے ایک اہم موضوع کی طرف نہ صرف توجہ دی، بلکہ اسے عملی جامہ پہنانے کی جد و جہد بھی کر رہے ہیں۔

امام عشق و محبت کی بارگاہ میں یہ ایک حسین اور بیش بہا خراج عقیدت ہے، اور یہ بھی ایک سچائی ہے کہ امام احمد رضا خاں کو سیوطی ثانی کہا جائے تو حق بجانب ہے، پھر میں آپ سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ عز و جل آپ کی اس گراں قدر کاوش کو قبولیت عطا فرمائے: آمین بجاہ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

محتاج دعا

محمد معراج القادری

خادم افتا: جامعہ اشرفیہ مبارک پور

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی احمد القادری صاحب قبلہ

خطیب نوری مسجد ڈیلاس و بانی دارالعلوم عزیزیہ (امریکہ)

الحمد للہ رب العلمین. والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین. وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. اما بعد،

سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت کے صد سالہ عرس کے سنہری موقع پہ، ماشاء اللہ پیغام شریعت دہلی کے مصنف اعظم نمبر کی اشاعت،

قابل قدر، لائق صد ستائش، اور بڑی مسرت کی بات ہے۔

نام کا انتخاب بھی اچھا لگا، بلا شبہ سیدی اعلی حضرت، مصنف اعظم ھیں، اتنی کتابیں تصنیف فرمائیں کہ اکابرین واصاغرین میں کسی کو یہ کہتے اب تک نہیں سنا کہ میں نے سیدی اعلی حضرت، کی تمام تصنیفات بالاستیعاب پڑھ لیں ھیں۔ انھیں صرف مطالعہ کے لئے بھی واقعی ایک لمبی مدت چاہئے۔

پیغام شریعت کیارکان وقلم کاران، اوران کے رفقائے کار، دلی مبارکباد کے مستحق ھیں، خصوصا پیغام شریعت کے ایڈیٹر، فاضل نوجوان، نبیرہ صدرالشریعہ، عزیز مکرم، حضرت مولانا فیضان المصطفی صاحب مدظلہ جنھوں نے اتنا عظیم نمبر نکالنے کا کام کا منصوبہ بنایا۔ وہ لائق تحسین بلکہ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کے مصداق ھیں۔

بالائے سرش زہوش مندی   می تافت ستارۂ بلندی

بچپن ھی سے بلندی کا ستارہ ان کی پیشانی سے چمکتا تھا، زمانہ طالب علمی میں جب وہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں زمیر تعلیم تھے- میرے پاس بھی ان کی کتابیں رھی ھے، استاذ کے سامنے پہلی صف میں بیٹھتے- عبارت خوانی میں پہل کرنے کی کوشش کرتے-محنت سے تعلیم حاصل کرتے اورامتحانات میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے-ان کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ قادری منزل کی آبرو، اپنے خانوادے کے وقاراور حضرت صدراشریعہ کے نائب ہیں تو بجا ہوگا-

طحاوی شریف کا عربی حاشیہ جو حضرت صدرالشریعہ کی علمی یادگار ہے، نصف صدی سے زیادہ لمبی مدت گزرنے کے بعد، کاشف الاستار کی شکل میں منظر عام پر لانے کا سہرا آپ ہی کے سرہے-

النور مسجد ہیوسٹن میں چیف قاضی حضرت مفتی محمد قمرالحسن صاحب مدظلہ العالی کی زیر سرپرستی درس نظامیہ/ عالم کورس کا آغاز کرنا، پھر متعدد جماعت کوعلم وفن کے زیور سے آراستہ کرکے مغرب کی ایسی ماڈرن سرزمین میں ان کے سروں پرعلم وفضل کا تاج سجانا، ان کا زریں کارنامہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو دن دگنی، رات چوگنی ترقی عطا فرمائے- ماہنامہ پیغام شریعت، اور مصنف اعظم نمبر کو مقبول عام بنائے، اس کے تمام ارکان ومعاونین کی سعی کا دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم

احمد القادری مصباحی

اسلامک اکیڈمی آف امریکہ

15 محرم الحرام 1440ھ 25 ستمبر 2018

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ مسعود احمد برکاتی استاذ: جامعہ اشرفیہ (مبارک پور)

دین وسنیت کے احیا وتجدید میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی جو قربانیاں ہیں ان کا تقاضا ہے کہ آپ کی شخصیت اور کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور مختلف علوم وفنون پر مشتمل آپ کی کتابوں کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ اہل علم کو آپ کی واقعی عظمت ورفعت کا صحیح اندازہ ہوسکے۔ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ’’پیغام شریعت‘‘ کے ارکان ’’مصنف اعظم نمبر‘‘ کے نام سے مقالات کا ایک مجموعہ منظر عام پر

لا رہے ہیں، جس میں اس بات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بچپن سے زائد علوم وفنون پر مہارت حاصل تھی اور ان فنون پر آپ کی کتابیں بھی ہیں میں دل کی گہرائیوں سے اس تحریک اور اس کے کارکنان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ رب تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور مزید کام کرنے کی توفیق بخشے: آمین

محمد مسعود احمد برکاتی

استاذ: جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

یکم صفر المظفر ۱۴۴۰ھ ۱۸/۱۰/۱۱

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ محمد عاصم اعظمی شیخ الحدیث: دار العلوم اہل سنت شمس العلوم (گھوسی)

نحمده و نصلی و نسلم علیٰ رسوله الکریم

دہلی سلطنت کے قیام سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک ہندوستان کی سرزمین اسلامی علوم وفنون اور شعروادب کا معتبر ومستند گہوارہ رہی تقریباً آٹھ سو سال کی طویل مدت میں بے شمار علما، فضلا، شعرا، ادبا، حکما اور دانشور اس خاک سے پیدا ہوئے، جن کی علمی وفنی صلاحیتوں کا اعتراف صرف ہندوستان ہی نہیں، بلکہ دیار عجم وعرب کے مقتدر دانشوروں نے کیا اور جن کے علم وفن کی موجوں نے ہندوستان ہی نہیں، بلکہ اقصائے بعید کے طالبان علوم وفنون کو بھی سیراب کیا اور جن کی اہم مصنفات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ انھیں باکمال علمائے فحول میں امتیازی شان کے مالک مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبقری شخصیت بھی ہے۔

کہکشانِ علم وفن، شعروادب کے سب سے منفرد اور تابناک ستارے نے اپنی ضوفشانیوں سے علم وفن کے تمام گوشوں کو روشن ومنور کیا۔ علمائے ہند کی آٹھ سو سالہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں عظیم مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، ماہر ہیئت ونجوم، ریاضی، ہندسہ، تاریخ، جغرافیہ، سیر ومغازی، شعروادب کے رمز شناس ہوئے ہیں، لیکن ان میں بعض ہی جامع علوم وفنون ہوئے جنھوں نے اپنی فکر وقلم کی آماجگاہ متعدد علوم وفنون کو بنایا اور اپنے مطالعہ ومشاہدہ کی قندیلیں ان شعبوں میں روشن کیں۔

مگر یہ امتیاز خاص صرف اور صرف امام احمد رضا کو حاصل ہے کہ پچاس (۵۰) علوم وفنون پر حاکمانہ دست رس رکھتے تھے اور ہر شعبہ علم وفن میں بے نظیر زمانہ تھے۔ آپ نے علم وفن کے تمام شعبوں پر قلم اٹھایا اپنی نادر بصیرت افروز تحقیقات سے ثابت کر دیا کہ وہ کسی ایک علم یا فن کے ماہر نہیں، بلکہ ہر علم وفن میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایسا نابغہ روزگار عبقری عالم اور ہر موضوع علم وفن پر رشحات قلم کا معتبر انبار لگانے والا کوئی مصنف ہندوستان کی دھرتی پر پیدا نہیں ہوا۔ جس موضوع پر جو کچھ لکھا، دلائل وبراہین اور فکر وتحقیق کا بحر زخار ہے، جس کی موجیں آب حیات بن کر کشت زار علم وفن کو سیراب کر رہی ہیں۔ آپ کی مصنفات ذخیرہ علوم وفنون کا گنج شائگاں ہیں، جن کی اہمیت ومعنویت صبح قیامت تک تسلیم کی جاتی رہے گی۔

دنیائے اسلام کی ممتاز منفرد علمی شخصیت کے کارناموں میں ان گنت کتابیں، تحقیقی مقالے اور رسالوں کے نمبر شائع ہو چکے ہیں جو علمی حلقوں سے داد تحسین وصول کر رہے ہیں، لیکن ''ماہنامہ پیغام شریعت دہلی'' کے مدیر اعلیٰ عزیز گرامی مولانا فیضان المصطفیٰ قادری جو معتبر ومستند عالم، بالغ نظر محقق اور سنجیدہ قلم کار ہیں، انھوں نے ''مصنف اعظم نمبر'' شائع کرنے کا عزم مصمم کر لیا ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی گراں قدر پچاس (۵۰) علوم وفنون پر مشتمل کتب ورسائل کی روشنی میں ارباب قلم علما وفضلا اور دانشوروں کے بصیرت افروز مقالات کا شاہکار مجموعہ ہوگا۔ نیک خواہشات کے ساتھ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور ’’صدسالہ عرس رضوی‘‘ کا حسین تحفہ بنائے: آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم !!!

محمد عاصم اعظمی

(شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم گھوسی مئو (یوپی)

۲۶؍ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۷؍اگست ۲۰۱۸ء بروز جمعہ

☆☆☆☆☆

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی محمد ممتاز عالم مصباحی

صدرالمدرسین: دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم (گھوسی)

یہ سطریں تحریر کرتے ہوئے بڑی فرحت ومسرت ہورہی ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت صحافت کی سنگلاخ اور دشوار وادی کا سفر مسلسل طے کرکے اب اپنی اشاعت کے چوتھے برس میں داخل ہو چکا ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز (وصال ۱۳۴۰ھ) کی وفات حسرت آیات پر ایک صدی مکمل ہونے پر بطور نذر عقیدت آپ کی دینی قلمی خدمات اور نگارشات سے عالم اسلام کو روشناس کرانے کے لیے جشن صد سالہ عرس رضوی منعقدہ ۲۵؍صفر ۱۴۴۰ھ کے حسین اور پر بہار موقع پر ایک خصوصی شمارہ بنام مصنف اعظم نمبر شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ بعون اللہ تعالیٰ ماہنامہ پیغام شریعت کا یہ خصوصی شمارہ اشاعت پذیر ہوکر رضویات کے باب میں ایک صحت مند لٹریچر کا اضافہ کرے گا۔

اکناف عالم اور کشور ہند کے مختلف مضافات میں قائم شدہ متعدد صحافتی اور اشاعتی ادارے فکر رضا کے ابلاغ وترسیل میں جس قدر مصروف ہیں وہ جگ ظاہر ہے، لیکن بائیس خواجگان کی چوکھٹ سے جاری ہونے والا ’’پیغام شریعت‘‘ اپنی نوعمری کے باوجود شمع شبستان رضا بن کر عاشقان امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کو دعوت فکر ونظر دے رہا ہے، جس کے لیے اس کے مدیر مسؤل اور فیضان امجدی سے معمور عزیز مکرم مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی اور ان کی پوری ادارتی ٹیم مبارکباد اور تہنیت کی مستحق ہے۔ مولانا موصوف دارالعلوم اہل سنت مدرسہ شمس العلوم (گھوسی) اور الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور) ہر دو چشمۂ فیض سے نہال ہیں۔ آپ خانوادہ صدرالشریعہ کے ایسے جیالے فرزند ہیں کہ جن سے صرف اہل خانوادہ ہی کو نہیں، بلکہ پوری جماعت اہل سنت کو دین کی مثبت خدمت کی توقع ہے۔

آپ اپنے جد امجد حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی علمی امانتوں کے وارث وامین ہیں۔ آپ کی سنجیدگی، ہمہ گیریت اور جامعیت اور دینی شرعی صحافتی خدمات نے ایک حلقہ کو متاثر کیا ہے۔ سردست موصوف دیار غیر میں امت اسلامیہ کی جدید نسلوں کو تعلیمات اسلامی سے روشناس کرانے اور مسلک اعلیٰ حضرت کا جام شیریں پلانے میں ہمہ تن مصروف ومنہمک ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں حاسدین سے محفوظ رکھے اور خدمت دین متین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ امید ہے کہ عزیزی موصوف صحافت کے اس میدان سفر کو خلد آشیاں عالم دین اور رئیس القلم بانی مدارس کثیرہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ الباری جیسے جہاں دیدہ، بالغ نظر، دوراندیش، اور دیدہ ور قائد ومفکر کے نقش قدم پر عمل پیرا ہوکر طے کریں گے، اور سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے عمومی مصالح ومفادات کی خاطر بیش قیمت خدمات سرانجام دیں گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چودھویں صدی ہجری کے بالاتفاق مجدد ہیں جن کی تعلیمات حال کی طرح مستقبل میں بھی حق وباطل کے درمیان حد فاصل آئینۂ حق وصداقت اور مینارہ نور ثابت ہوں گی۔عشق رسالت وآل رسالت جن کا اوڑھنا بچھونا اور اتباع سنت نبوی جن کا شیوہ اور آئینہ حیات تھا۔کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن اور مشہور فقہی انسائیکلوپیڈیا فتاویٰ رضویہ شریف اور مختلف عناوین پر کم وبیش ایک ہزار سے زائد آپ کی گرانقدر تصانیف آپ کے لاجواب ولازوال مبلغ علمی پر شاہد عدل ہیں۔عظمت مصطفیٰ سے روشناسی ،فرق باطلہ کا رد بلیغ اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے افراد کی تیاری آپ کی مثالی خدمات ہیں۔علم دین اور عشق مصطفیٰ آپ کی شخصیت کے دو روشن پیکر ہیں۔آپ کی عالمانہ شان وشوکت اور آن بان کو دیکھ کر حجاز مقدس کے اکابر علما”**الذی افتخر بوجوده الزمان**“ (وہ کہ جن کے وجود پر زمانہ ناز کرے) پکار اٹھے۔

ہمارے ممدوح علم ظاہر کے ذروہ علیا پر فائز المرام ہونے کے ساتھ تزکیہ واحسان کی دولت سرمدی سے بھی سرشار تھے،اس لیے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی وارفتگی وشیفتگی اور گفتار وکردار میں آپ کی پیروی واتباع آج بھی ضرب المثل ہے۔آپ کی تحریر کی ہر لکیر ”**الحب للّٰه و البغض للّٰه**“ کا مظہر ہے۔بلاریب آپ کی ذات بابرکات میں خالق کائنات نے ایک عالم کو سمو دیا تھا۔

لیس علی اللّٰه بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

میں ایک مرتبہ پھر ماہنامہ پیغام شریعت کے مدیر ومالک ونگراں اور پوری ٹیم کو مبارکباد کی حسین سوغات پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے عالم اسلام کی ایک عبقری شخصیت اور مقتدائے اہل سنت پر خصوصی شمارہ شائع کر کے صحیح سمت میں پیش رفت کی ہے اور اہل علم وخرد کے لیے بالعموم اور عاشقان رضا کے لیے بالخصوص ایک نیا دیپ جلایا ہے،خدا اسے تادیر روشن رکھے:**فجزاهم اللّٰه احسن الجزاء**(آمین)

محمد ممتاز عالم مصباحی

خادم الطلبہ : دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم گھوسی ضلع مئو

16/09/2018

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ مفتی شمشاد احمد مصباحی

استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

ادیب شہیر، ماہر درسیات، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ، حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ قادری

مدیر اعلیٰ ماہنامہ پیغام شریعت دہلی ومقیم حال ہیوسٹن (امریکہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ جان کر بے پناہ خوشی ہوئی کہ آپ ماہنامہ پیغام شریعت کے پلیٹ فارم سے تمام علوم متداولہ میں امام احمد رضا کی تصنیفی خدمات کو فن وائز جشن صد سالہ کے حسین موقع پر”مصنف اعظم نمبر“ کی شکل میں ارباب علم وبصیرت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔بلاشبہ یہ کام نہایت مشکل، جاں گسل، اور سخت دشوار ہے، بلکہ ایک نئے زاویے سے امام احمد رضا پر تحقیقی کام کا آغاز ہے،مگر جو لوگ مُوَفَّق من اللہ ہوتے ہیں،ان کے لیے کامیابیوں کے دروازے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں اور آپ انھیں میں سے ایک ہیں: فالحمد للہ علی ذالک۔

مصنف اعظم نمبر کی پیشکش جو مشکل ترین امر اور دشوار گزار مرحلہ تھا، آپ نے بفضلہٖ تعالیٰ اسے طے کرلیا، میں اس دل آویز گلدستۂ فکر ونظر کی اشاعت پر آپ کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ نے امام احمد رضا کی ذات پر ''مصنف اعظم'' کا اطلاق کر کے ایک شبہ کا ازالہ بھی فرمادیا ہے۔ یہ آپ کے حسن تدبر کی دلیل ہے، کیوں کہ بعض فضلا کو یہ شبہ ہورہا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی مستقل کوئی تصنیف نہیں۔ جو بھی رسالے یا کتابیں ہیں، وہ کسی نہ کسی دینی وشرعی سوالات کے جوابات ہیں، اس لیے وہ تصنیفات کے زمرے میں نہیں آتے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اعلیٰ حضرت مفتی تو ہیں، مصنف نہیں۔ حیرت ہے کہ جو بات عقل ونقل، عرف واصطلاح کے خلاف ہے، وہ زبان پر کیسے آگئی؟

جس دور میں لوگ چند ورقی کتابچہ لکھ کر مصنف بن جائیں، صاحب تصانیف کثیرہ کہلائیں، کتابچہ کی پشت پر ''مصنف کی دیگر تصنیفات'' کا اشتہار شائع کریں، اس دور میں امام احمد رضا کو جنھوں نے اپنی حیات مستعار کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں گزار دیا، ان کو مصنف نہ مانا جائے؟ اور ان کی کتابوں کو تصنیفات کے دائرۂ اطلاق سے باہر رکھا جائے؟ یہ بات اہل علم کے گلے نہیں اترتی۔ محض کسی سوال کے جواب میں ہونے سے کوئی کتاب تصنیفات کے زمرے سے خارج ہوجائے، یہ بات محتاج دلیل ہے۔ علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت نے خود ان رسائل کو جو کسی سوال کے جواب میں لکھے گئے، اپنی تصنیفات میں شمار کرایا ہے۔ مثلاً ''سبحٰن السبوح'' ہی کو دیکھ لیں، یہ امکانِ کذب الٰہی کے بارے میں ایک سوال کا جواب ہے، جس میں اعلیٰ حضرت نے کذب الٰہی کے محال ہونے پر ۳۰: دلیلیں قائم کیں، جن میں سے ۵: دلیلیں اسلاف سے منقول ہیں اور ۲۵: دلائل اعلیٰ حضرت کی دریافت اور ذاتی افادات ہیں جو مبدأ فیاض کے فیض کا نتیجہ ہیں۔ رسالے کے اخیر میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''للہ الحمد والمنۃ کہ آج اس مبارک رسالے، سنت کے قبالے، رنگ صدق جمانے والے، زنگ کذب گمانے والے، علوم دینیہ میں تصانیف فقیر نے سو کا عدد کامل پایا''۔ اسی طرح جو کسی سوال کے جواب میں نہیں، مثلاً: ''الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین'' کے اخیر میں فرماتے ہیں: ''الحمد للہ آج اس رسالہ سے تصانیف فقیر کا عدد ایک سو اسّی ہوا''۔ اسی طرح جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ میں اعلیٰ حضرت نے مولانا شاہ محرم علی چشتی کے دس سوالوں کے جواب میں ایک تفصیلی تحریر لکھی جس میں یہ حصہ قابل ذکر ہے ''نیاز مند کی چار سو تصانیف سے صرف کچھ اوپر سو اب تک مطبوع ہوئیں اور ہزاروں کی تعداد میں بلا معاوضہ تقسیم ہوئیں''۔

اس عبارت میں غور کریں! اعلیٰ حضرت اپنے تمام رسائل اور کتب پر ''تصانیف'' کا اطلاق فرمارہے ہیں۔

مصنف اصطلاحی الفاظ اور عرف ومحاورات کے ادراک وعرفان میں امامت کے درجہ پر فائز ہے۔ جب وہ دونوں قسم کے رسالوں پر لفظ ''تصنیف'' کا اطلاق کررہا ہے تو پھر ماوشما کو کیوں تأمل؟ اور پھر یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ہر کتاب یا رسالہ کسی سوال کے جواب میں ہے۔ درجنوں رسالے ایسے بھی ہیں جو کسی سوال کے جواب میں نہیں، پھر ان سے اغماض کیوں؟

مثلاً: تمہید ایمان بآیات قرآن، قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار، برکات السماء فی حکم اسراف الماء، قہر الدیان علی مرتد بقادیان، الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی، مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، فوز مبین در رد حرکت زمین، الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ، کشف العلۃ عن سمت القبلۃ، جد الممتار، اجلی الاعلام أن الفتوی مطلقا علی قول الامام، انوار المنان فی توحید القرآن، انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ، النیرۃ الوضیۃ، خالص الاعتقاد، ھدی الحیران فی نفی الفیئ عن سید الاکوان، وغیرہ کثیر رسالے ایسے ہیں جو کسی سوال کے جواب میں نہیں، پھر شروح وحواشی اس پر مستزاد۔

جس عبقری ذات نے ۵۶: سے زائد علوم وفنون میں ایک ہزار سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، جس کی ہر تصنیف دلائل وبراہین کے تموج

وتنوع کے لحاظ سے اس قدر بلند پایہ ہو کہ بڑے بڑے محققین حیرت زدہ ہو جائیں، علوم دینیہ میں جس کی مہارت کا یہ عالم ہو کہ لاکھوں جزئیات وکلیات جس کی نوک زبان پر ہوں، بلکہ چودہ سو سال کا پورا فقہی ذخیرہ جس کے پیش نظر ہو، جس نے تقریباً ۵۳ سال مسلسل تصنیف وتالیف میں مشغول رہ کر سولہ سولہ، سترہ سترہ گھنٹہ لکھنے کا کام کیا ہو، جس کی یومیہ تحریر کا اوسط ۵۶ صفحہ اور کل صفحات دس لاکھ پینسٹھ ہزار آٹھ سو تینتالیس (۱۰۶۵۸۴۳) سے متجاوز ہوں، وہ صرف مصنف نہیں، ضرور بالضرور ''مصنف اعظم'' ہوگا، اس لیے میری نظر میں اس وقیع نمبر کا نام ''مصنف اعظم'' بہت مناسب اور موزوں ہے۔ بات طویل ہوگئی قلم کو یہیں موقوف کرتا ہوں۔ اللہ رب العزت آپ کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور آپ کی تمام دینی علمی خدمات کو قبول فرمائے (آمین) فقط والسلام

شمشاد احمد مصباحی

جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

۲۴ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۵ر اکتوبر ۲۰۱۸ء

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا علاء المصطفٰی قادری

ناظم اعلیٰ: جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللّٰہ یمن علیکم ان ھدیکم للایمان: الآیة

ہم مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ بھی ہے، اور آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان بھی کہ ''خیر القرون قرنی'' سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی اور جب تک رہے گی، ان میں سب سے بہتر، سب سے بابرکت وہی زمانہ ہے جس میں آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور اب بھی انھیں کا فیضان ہے، جو کچھ ہے، مگر سب سے بہتر وہی زمانہ تھا، اسی لیے رب قدیر نے ان کے دور کی قسم کا ذکر فرمایا۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ وہ جگہ بھی سب سے بہتر تھی، جہاں جہاں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قدوم میمنت لزوم ہوتا رہا، اسی لیے قرآن مجید میں یہ بھی قسم ذکر کی گئی **''لا أقسم بھذا البلد''** جس جگہ آپ کے قدموں کا تعلق ہوا، وہ سب سے اچھی جگہ ہوگئی اور جس جگہ آپ کے قدم مبارک کثرت سے پڑ گئے، اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کی کیاری بنا دیا۔

مطلب یہ ہوا کہ اس دنیا میں جتنی خوبیاں اور کمالات ہیں، وہ سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہے۔ اسی عظمت کے قائل ہونے کے بعد صحابہ کرام کو حضرات انبیا و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے بہتر مخلوق مانا جاتا ہے۔ اس نسبت کا کتنا بڑا فیضان ہے کہ جس کو جیسی نسبت ملی، وہ اس نسبت میں بے مثال ہوگیا۔

اسی نسبت کو گھٹانے اور مٹانے کے لیے ساری جد وجہد کی ہے۔ بدمذہب فرقوں میں سے ایک فرقۂ پلید وہابیہ ہے۔ یہ شاخ اتنی گری ہوئی ہے کہ رب تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خصوصیات بارگاہ رب سے حاصل ہیں، ان سب کا وہ انکار کرتے جارہے ہیں۔ اسی بنا پر ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے اور ان کے درمیان فرق ہی کیا ہے: معاذ اللہ!

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہی شخصیت ہیں جنھوں نے ان تمام بدمذہب فرقوں کا رد کر کے اہل اسلام کے ایمان وعقیدے کی حفاظت فرما کر ہم اہل اسلام پر بڑا احسان فرمایا، ہم ان کے اس عظیم احسان کا بدلہ تو نہیں چکا سکتے، مگر ان کا ذکر اور ان کے احسانات کو یاد کر

کے شکر تو ادا کر سکتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: {هل جزاء الاحسان الا الاحسان} (قرآن مجید) اور حدیث میں فرمایا: جس نے لوگوں کا شکر یہ ادا نہیں کیا تو اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہ کیا، یعنی جس نے ان انسانوں کا شکریہ ادا نہ کیا، جس سے اللہ کی کوئی نعمت ملی، اس شخص نے اللہ کا شکر یہ ادا کیا تو وہ شکر ادا نہ ہوا، اس لیے ہم پر لازم ہے کہ امام اہل سنت کے احسانات کو یاد کریں اور شکر ادا کریں کہ اللہ نے ان کے ذریعہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائی۔ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا ''مصنف اعظم نمبر'' اسی سلسلہ کی ایک عظیم کڑی ہے۔ قابل مبارکباد ہیں پیغام شریعت کے مدیر اعلیٰ کہ جنہوں نے صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر امام اہل سنت کے احسانوں کو یاد کرتے ہوئے مصنف اعظم نمبر شائع کیا۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا شاہ فیصل خاں قادری مصباحی بلرامپوری

استاذ: جامعۃ المدینہ، جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ)

ہدیۂ تبریک وتہنیت

امسال اوائل نومبر ۲۰۱۸ء میں عرس رضوی شریف کا جشن صد سالہ منایا جا رہا ہے، گزشتہ کئی ماہ سے، بلکہ گزشتہ عرس پاک ۲۰۱۷ء ہی سے ہر چہار جانب اس کی دھوم مچی ہوئی ہیں، ہر کوئی اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض یابی کے لیے دوڑ رہا ہے۔

ع.. ''جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا''

اس کا عکس جمیل ہر سو نمایاں ہے۔ اسی کاروانِ فیض خویانِ رضوی کا ایک انوکھا مسافر ''ماہنامہ پیغام شریعت دہلی'' ہے۔

کچھ ''پیغام شریعت'' کے بارے میں:

محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک قدموں میں بس رہی دلی سے نکلنے والا یہ ماہنامہ، جو سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا بے باک ترجمان ہے۔ یہ اپنے جلو میں علم وعرفان اور فکر وفلاح کی شمع فروزاں لیے ہوئے امت کی راہ نمائی کا مبارک فریضہ انجام دے رہا ہے۔ قلم کی اہمیت وفضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ کلام مجید نے اس کی قسم کھائی ہے۔

''الذی علم بالقلم'' اور ''والقلم وما یسطرون'' جیسی آیات کریمہ اس پر شاہد عدل ہیں، اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ علم ایک شاہکار ہے اور تحریر و کتابت اس کا بندھن ہے، نہیں باندھو گے تو شکار بھاگ جائے گا، گویا کہ اپنی معلومات وتحقیقات کو دوام بخشنا ہے تو قلم وکتابت کا سہارا لینا پڑے گا، بلکہ یہاں تک فرمایا گیا کہ ''القلم احد اللسانین'' اور ''القلم اقوی من السیف'' کہ قلم بھی ایک زبان ہے اور قلم تلوار سے زیادہ تیز وتوانا ہے، تلوار کا زخم بھر جایا کرتا ہے، مگر زبان وقلم کا مارا بن پانی کے مرتا ہے، تلوار ہمیشہ خون بہاتی ہے، مگر قلم کی نوک سے انسانیت کا خون بہنے سے بچایا جا سکتا ہے۔

مکان کی قیمت، مکین سے ہوتی ہے:

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ قلم خود نہیں چلتا، کوئی اسے چلانے والا چاہیے۔ یہی قلم جب یزیدیوں کے ہاتھ لگتا ہے تو نفرت ونخوت کا ماحول بنتا ہے اور یہی قلم جب حسینیوں کے ہاتھ چومتا ہے تو الفت ومحبت اور امن وآشتی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ یہی قلم کبھی امن وسلام کی باتیں لکھتا ہے تو کبھی کفر وطغیان کی باتیں لکھتا ہے۔

مقام تشکر و امتنان:

ماشاءاللہ یہ ''پیغام شریعت'' اپنے حقیقی اور صحیح وارثین قلم و قرطاس کے مبارک ہاتھوں پروان چڑھ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی کم عمری ہی میں اپنا لوہا منوالیا، اور ہر طرف اپنے سکے جمادیے ہیں، اس بزم علم وفکر کے سارے افراد واشخاص، خداترس اور ذمہ دار حضرات ہیں، اور اس قافلۂ عشق و عرفان کے سپہ سالار، سلسلہ عالیہ رضویہ کے مجاز و معتمد، گلستان صدرالشریعہ کے گل سرسبد، مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے عظیم و مایہ ناز سپوت، ہمارے ہم درس ساتھی، مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک، صوفی منش، رفیق گرامی حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی اعظمی ہیں۔

تو کجا من کجا:

قبلہ فیضان المصطفیٰ دورانِ طالب علمی ہی سے بڑے متحرک وفعال ہیں۔ ہم لوگ تو پرانے ہاسٹل (موجودہ عزیزی ہاسٹل) میں رہتے تھے، مگر ہمارے قبلہ موصوف قصبہ مبارکپور میں قیام فرماتے، ہاتھ میں ہمیشہ فل اسکیپ کاپی کے صفحات (A4 Size) ہوتے تھے، ان کی معنویت اب سمجھ میں آئی، اپنا تو قلم و قرطاس اور بزم وسخن سے بہت ہی کم تعلق رہا، اگر کچھ غیر مربوط جملے وجود میں آجاتے ہیں تو یہ بھی انھیں احباب کے دامن کی ڈور سے لگی ہواؤں کا فیض ہے۔ مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ جس کو اپنے آنچل میں لے لیتی ہے، وہ کبھی محروم نہیں جاتا۔

خیالِ خاطر احباب چاہیے ہر دم:

اوائل ستمبر ۲۰۱۸ء میں حضرت کا پیغام تشریف لایا کہ کہ اس صد سالہ عرس رضوی شریف کے موقع پر ان کا یہ مبارک ماہنامہ ''پیغام شریعت'' دہلی، ایک عظیم الشان خصوصی نمبر بنام ''مصنف اعظم نمبر'' شائع کرنے جارہا ہے، اور اس فقیر بے مایہ کو شریک بزم جاناں ہونے کا مژدۂ جاں فزا سنایا، ایک تو لکھنے کی شُد بُد نہیں، دوسرے وقت کی قلت، ہمت جواب دے رہی تھی کہ یکا یک صاحب عرس سیدی اعلیٰ حضرت کی روحانیت طیبہ نے جھنجھوڑا:

اے رضا یوں نہ بلک، تو نہیں جید، تو نہ ہو　　　سید جید ہر دہر ہے مولا تیرا

گرتے پڑتے قلم اٹھایا اور جیسے تیسے حاضری کا شرف حاصل کیا کہ یہاں تو مانگنے والوں کی نیت دیکھی جاتی ہے۔

انھیں نہ دیکھا تو کس کام کی ہیں یہ آنکھیں:

ما ان مدحت محمدا بمقالتی　　　ولکن مدحت مقالتی بمحمد ﷺ

کہتے ہیں اور مشاہدہ بھی ہے کہ سورج کے سانے جو آئے، وہی اس کی روشنی میں نہا جائے، بلا امتیازِ کسے وشخصے، آفتاب عالمتاب، اپنا فیض سب کو پہنچاتا ہے، جس کی جیسی اور جتنی طلب، ویسی ہی اور اتنی عطا۔

بلا تشبیہ وتمثیل اس آفتاب نبوت کے سامنے جو بھی آیا وہ چمک گیا، جس نے اپنا شیشۂ دل اس کے سامنے رکھ دیا، وہ اس کی انمول کرنوں سے جگمگا گیا اور پھر اس کی تب وتاب ایسی کہ:

یہ اجالے کبھی نہ سمٹیں گے　　　یہ وہ سورج نہیں جو ڈھلتے ہیں

اور یہ کہ:

ماضی وحال و مستقبل ہیں تیرے زیر نگیں　　　وقت کی قید سے آزاد شریعت تیری

محبوب کا محبوب، محبوب ہو جاتا ہے:

رب العالمین نے اپنے حبیب پاک کے ذکر مبارک کو بلند فرمایا ”ورفعنا لک ذکرک“ اب جو حضرات بھی اس حبیب خدا کے محبوب ہوں گے، وہ یقیناً خدا کے محبوب ہوں گے، اور جو خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا کی ساری خدائی اس کی ہو جایا کرتی ہے۔ حضرات صحابۂ کرام سے لےکر اب تک اور تا قیام قیامت محبوبیت کا یہی فلسفہ حسین رہا ہے اور رہے گا۔

بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی لاورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں:

اسی محبوبیت کا ایک پرتو جمیل ہے ذات و ذکر امام احمد رضا کہ آج ان کا ذکر، ان کی فکر، ان کا رنگ و آہنگ دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچ چکا ہے۔

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری اڑا لی قمریوں نے، طوطیوں نے، عندلیبوں نے

مصنف اعظم نمبر:

ان شاء اللہ العزیز، اسی محبوبیت کا فیض و فضل ملے گا اس کاروانِ قلم کے تمام شرکائے کرام کو اور یہی تو متاع زیست ہے جو دیرپا اور دائمی ہے، باقی سب واہی تباہی۔

کر بھلا تو ہو بھلا:

اخیر میں ہم صمیم قلب سے تمام حضرات شرکائے نمبر کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اسی طرح مولائے کریم اپنے ان محبوبینِ بارگاہِ حبیب کے صدقے آپ حضرات کو انھیں نفوس قدسیہ و ذوات کریمہ کے ذکر و اذکار سے رطب اللسان رکھے:

آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وعلیٰ ذویہ الصلوٰۃ والسلام

والسلام

کریمانہ دعاؤں کا بھکاری

شاہ فیصل خاں قادری مصباحی بلرامپوری

خطیب و امام: امام احمد رضا جامع مسجد

وخادم التدریس: جامعۃ المدینہ، جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ

۲/محرم الحرام ۱۴۴۰ھ۔ موافق ۱۲/ستمبر ۲۰۱۸ء (چہارشنبہ)

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ محمد فیض الحق اعظمی

صدر المدرسین: مدرسہ عربیہ فیض العلوم (محمد آباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام عشق و محبت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز ایک ہمہ جہت تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے۔ آپ تمام علوم و فنون کے جامع تھے۔ علوم و فنون مدونہ میں سے شاید ہی کوئی ایسا علم و فن ہو جس میں آپ کو کمال مہارت حاصل نہ ہو، اور جس میں آپ کی کوئی

تصنیف نہ ہو۔آپ علوم وفنون کے جبل راسخ اور شریعت وطریقت کے مجمع البحرین وجامع الفریقین تھے۔آپ کی ہستی علوم ومعارف کا ایک ایسا سمندر تھی جس کی وسعت وگہرائی کا اندازہ لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ آپ اور آپ کے کمالات کو خداوند کے فضل عظیم کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔آپ کی سیرت وسوانح سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کئی علوم کے ساتھ ساتھ دربار رسالت سے وہبی علوم بھی عطا ہوئے تھے،تصانیف کا رنگ وآہنگ کہتا ہے کہ آپ کے وہبی علوم کسبی علوم پر غالب تھے۔آپ خود بھی ان برکات کو عطایائے نبویہ ہی سے تعبیر کیا کرتے تھے۔جن علوم وفنون میں آپ نے کہیں زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا،ان میں بھی:

ع/ جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات والا صفات علم وعمل زہد وتقوی اخلاص وللّٰہیت حمایت دین صیانت مذہب تائید معمولات اہل سنت رد بدعات ومنکرات،اصلاح فکر واعتقاد،لسانی وقلمی جہاد،یقین محکم،عمل پیہم جہد مسلسل اور ہر میدان کے لیے صالح افراد کی تربیت سے عبارت ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا فیضان علم اکناف عالم برابر بہاراں بن کر برس رہا ہے۔

وہابیت ام الفتن ہے جس نے انگریزوں کے زیر سایہ جنم لیا اور اس کے پیٹ سے مسلسل فتنے جنم لیتے رہے اور لے رہے ہیں ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں اس خطرناک فتنہ نے سربراہان مذہب وعمائدین مسلک کے گھرانوں میں بھی سیندھ لگادی،یہی وہ خطرناک مرحلہ تھا جب اعلیٰ حضرت نے زبان وقلم کے ذریعہ مذہب اہل سنت کے خلاف منصوبہ بند سازش کو ناکام بنادیا تن تنہا سرکش طوفانوں کا مقابلہ کرتے رہے مذہب وملت کے خلاف فتنے ایک نہیں حشرات الارض کی طرح نئے نئے فتنے سر اٹھاتے رہتے۔باہر ہی سے چوطرفہ حملہ نہ تھا،اندر سے بھی سازشوں کے جال تھے،ادھر تنہا مرد مجاہد جو سب کے خلاف نبرد آزما،کبھی تنہائی کا احساس ہوا تو یہ کہہ کر خود کو حوصلہ دیا:

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے پھر گھبرا کر سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اللہ ورسول کی ذات پر یقین اس قدر پختہ اور اعتماد ایسا جازم تھا کہ ہجوم حوادث میں تنہا ہونے کے باوجود دین کے معاملہ میں آپ کے پاس مصلحت نرمی حالات سے سمجھوتہ اور مصلحت آمیز سکوت کا تصور بھی نہیں تھا۔خدائے قادر وقیوم پر اعتماد راسخ اور نبی رحمت سے محبت نے آپ کو عشق کی اس منزل تک پہنچادیا تھا کہ شاید ایسے ہی موقع کے لیے شاعر مشرق نے کہا ہے:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

مصلحت اندیش حضرات لبِ بام کھڑے تماشہ دیکھتے رہے اور عشق شعلوں کو گلزار بناتا ہوا سرفرازیوں سے ہم کنار ہوتا رہا۔اعلیٰ حضرت کا انتخاب ایک عظیم کام کے لیے ہوا تھا،اس لیے فیاض قدرت نے آپ کے اندر محیر العقول صلاحتیں ودیعت فرمائی تھیں۔رسم بسم اللہ خوانی کے موقع پر آپ کے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نور باطن سے ملاحظہ فرمالیا تھا کہ یہ لڑکا فضل ربانی سے علم وفن کا تاجدار ہونے والا ہے،اور دنیا آج تک دیکھ رہی ہے کہ آپ کے اقران اور مابعد تو کیا آپ کے صدیوں پہلے بھی ایسی جامع الصفات شخصیت نظر نہیں آتی۔قوت حافظہ علم کی جان ہے،جس کا حافظہ جس قدر قوی ہوگا وہ علمی کمالات میں بھی اتنا ہی بلند پایہ ہوگا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا علم میں رسوخ فکر ونظر کی گہرائی وگیرائی خداداد قوت حافظہ ادراک وعمل کی سرعت اس قدر حیرت انگیز ہے جسے کرامت ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔جس کے جلوے آپ کی تصنیفات میں آفتاب عالمتاب کی طرح جلوہ ریز ہیں۔بلاشبہ اعلیٰ حضرت آیۃ من آیات اللہ اور معجزۃ من معجزات رسول اللہ تھے۔(جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

”ماہنامہ پیغام شریعت دہلی“ کے حوصلہ مند افراد نے صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر عظیم الشان مصنف اعظم نمبر شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جس کے سرخیل وسربراہ حضرت علامہ ومولانا فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری ہیں، آپ ایک باصلاحیت جواں سال وجواں ہمت عالم دین ہیں۔ دور حاضر کے تقاضوں سے واقف اور اسلاف کے نظریات کے پابند ہیں آپ نے میدان عمل کے مختصر دورانیہ میں حضور صدر الشریعہ قدس سرہ پر کئی دقیق علمی کام کیے جو برسوں سے معرض التوا میں تھے۔

امید ہے کہ یہ نمبر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے علوم ومعارف کے تعارف اور تحقیقات کے لیے نئے نئے گوشے لے کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا اور طالبان علم دین وشائقین علم وفن کے دیدہ ودل کی مسرت کا ساماں اور اپنی نہج کا ایک منفرد علمی خزانہ ہوگا۔

مولیٰ تعالیٰ ان حضرات کی کاوش کو کامیاب بنائے اور بارگاہ اعلیٰ حضرت میں ان کے خراج عقیدت کو قبول فرما کر ان کی فکر کو نئی جولانگاہ اور کاوش کو امت کے لیے مشعل راہ بنائے: **آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات والتسلیم**

محمد فیض الحق الاعظمی

مدرسہ عربیہ فیض العلوم (محمد آباد گوہنہ: مئو)

۹ رمحرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰/ستمبر ۲۰۱۸ء

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ محمد عارف اللہ مصباحی

استاذ: مدرسہ عربیہ فیض العلوم (محمد آباد)

مجدد اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دور کے علما وفضلا کے درمیان اخلاص وتقویٰ، علوم وفنون کی جامعیت وہمہ گیری، دین حق کی حفاظت وصیانت، عقائد ومعمولات وشعائر اہل سنت کی تائید وحمایت، قوم مسلم کی ہمہ جہت ہدایت ورہ نمائی، جہد مسلسل وعمل پیہم پر پختہ یقین اور بھر پور احساس ذمہ داری کے اعتبار سے اسی طرح نمایاں اور ممتاز ہیں جیسے شب تیرہ وتار میں اپنی دودھیا چاندنی بکھیرتا ہوا ماہ تمام آسمان دنیا کے تمام ستاروں میں ممتاز ونمایاں ہوتا ہے۔

آپ کو خالق این وآں نے نہایت فیاضی کے ساتھ ذہانت وفطانت اور زود فہمی وزیرکی کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا جن کے حیرت انگیز مظاہر آپ کے عہد طفولیت میں ہی آپ کے ایک عہد ساز وانقلاب آفرین شخصیت ہونے کا اظہار واعلان کر رہے تھے۔

حضرت مولانا نعیم القادری گورکھپوری علیہ الرحمہ سابق نائب شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

رسم بسم اللہ میں تھا کسی قدر اونچا سوال　　محو حیرت انجمن تھی واہ یہ نوری ذہن

اور ماہر سخن حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بالائے سرش زہوش مندی　　می تافت ستارۂ بلندی

۱۴: برس سے کم عمر میں ہی آپ اپنے دور کے مدارس اسلامیہ میں رائج تمام علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور دستار فضیلت وخلعت سند سے نوازے گئے۔ اسی دن رضاعت سے متعلق ایک علمی وتحقیقی فتویٰ لکھ کر اپنے والد گرامی مرتبت کی خدمت میں پیش کیا تو بالکل

صحیح اور جامع جواب دیکھ کر غایت درجہ مسرور ہوئے اور کار افتا آپ کے حوالے کر دیا۔ اس طرح پورے چون برس تک آپ اپنے علمی وفکری ودعوتی فتاویٰ کے ذریعہ قوم مسلم کی رہ نمائی اور اصلاح وتربیت کا نمایاں فریضہ انجام دیتے رہے۔ تحصیل علم کے دوران آپ کے والد گرامی نے علم کی اہمیت وافادیت کی جو قندیل شوق آپ کے دل میں روشن کی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے صرف رواجی علوم وفنون کی تحصیل اور ان میں کامل دست گاہ پیدا کرنے پر ہی اپنی توجہ مرکوز نہ رکھی، بلکہ آپ کا شوق بے پایاں آپ کو اپنے روحانی پیر ومرشد حضرت سید آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ کی بابرکت اور فیض بخش دہلیز پر بھی لے گیا اور ان سے آپ نے علم طریقت کی تحصیل کی، پھر ان کی وفات کے بعد آپ نے کچھ مزید علم طریقت اور مبادیات علم تکسیر وعلم جفر وغیرہ حضرت سید ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ (مارہرہ شریف) سے حاصل کی اور حضرت مولانا عبدالعلی رام پوری سے شرح چغمینی کا کچھ حصہ بھی پڑھا، لیکن اکتساب علم وفن کا یہ شوق فراواں یہیں نہیں رکا، بلکہ آپ نے اپنی بے نظیر قوت حافظہ اور بے مثال ذہن رسا کی بدولت اتنے علوم وفنون میں مہارت ودست رس حاصل کی کہ ان کی تعداد ۵۹: علوم وفنون تک پہنچ گئی۔ اس کی شہادت پچاس علوم وفنون میں نادر تحقیقات وافادات پر مشتمل آپ کی نہایت گراں قدر تصانیف ہیں۔ علم الحساب میں آپ کی بے مثال مہارت کا یہ حال تھا کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کو جو علم ریاضی میں بڑے ماہر اور مغربی دانش گاہوں کے فاضل اور عامل تمغہ جات تھے، جب امام احمد رضا نے مثلث اور دوائر کے اشکال پر مشتمل اپنا ایک قلمی رسالہ پیش کیا تو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب محو حیرت ہو گئے اور اپنے اعترافی تأثر کا اظہار کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے۔ ''میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے بارہا غیر ممالک کا سفر کیا، مگر اس رسالے میں مذکور باتیں کہیں حاصل نہ ہوئیں میں تو اس وقت آپ کے سامنے اپنے آپ کو بالکل طفل مکتب سمجھ رہا ہوں''۔

علم الافلاک پر آپ کی نظر اتنی وسیع اور گہری تھی کہ آپ نے اس علم کے اصول ومبادی کی روشنی میں امریکی پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کی اس پیشین گوئی کے تار و پود بکھیر دیے کہ ۱۷: دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل اور نیپچون کے مقابل آجانے سے ان ستاروں کی مقناطیسی لہریں سورج میں بڑے بھالے کی طرح سوراخ کر دیں گی جس سے کرۂ ہوا میں تزلزل پیدا ہوگا، طوفان، بجلیاں، سخت بارش اور بڑے زلزلے آئیں گے، اور ہوا وہی جو امام علم وفن کا موقف تھا۔ تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث اور فقہ واصول فقہ میں آپ کے استحضار وتبحر، دقت نظر، وسعت نگاہ اور درست وقوی استدلال واستنباط کے شواہد ونظائر آپ کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں آپ کی فکر انگیز تحقیقات، دوسروں کی لغزشوں اور خطاؤں پر تنبیہ، مراجع ومصادر کی کثرت، مختلف اقوال میں تطبیق، اصول وضوابط کی ایجاد یا ان پر تنبیہات، فقہی فوائد، ذکر فضائل ومناقب، کلامی مسائل، کثیر جزئیات کی فراہمی اور نئے جزئیات کے اضافے حل اشکالات اور جواب اعتراضات، تحقیق طلب مسائل کی تنقیح اور مشکلات ومبہمات کی توضیح، دلیل طلب احکام کے لیے دلائل کی فراہمی مختلف اقوال میں ترجیح، رسم المفتی اور قواعد افتا میں ہدایت، اسماء الرجال پر نظر، فن عقائد میں افادات، رد افکار باطلہ، ہندسہ اور ریاضی، طبعیات، ہیأت وتوقیت، طب اور علم لغت وغیرہا میں مہارت اور فقہ کے لیے ان کے استعمال کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔

آپ نے اپنے دور کے ان تمام باطل عقائد ونظریات کا اپنی پوری علمی وفکری توانائی کے ساتھ رد بلیغ فرمایا جو عالم اسلام کے ایمان وعقیدہ وصحیح ومتوارث معمولات وشعائر پر شب خون مار رہے تھے، خاص طور سے وہابیت ودیوبندیت کے رد وابطال کی طرف خصوصی توجہ فرما کر آپ نے اہل حق کے حظیرہ ایمان وعقیدہ کی حفاظت وصیانت کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ ان تمام سیاسی وغیر سیاسی تحریکات سے بھی مسلمانوں کو بروقت متنبہ کیا جو ان کے لیے مضرت رساں اور ان کے تابناک مستقبل میں سد راہ بن سکتی تھیں۔

آپ نے مسلمانوں کے دلوں کو محبت رسول کی تپش سے گرم رکھنے کے لیے اپنے نغمہائے دل نواز کو اس طرح نعت رسول کا پیکر عطا کیا کہ

سننے والا عش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کے تعلق ووابستگی کو مضبوط سے مضبوط تر کیا۔ان کی نعتوں کا مجموعہ ''حدائق بخشش'' آج بھی دینی جلسوں میں تسکین دل وجاں کا باعث بنتا ہے اوران کا مشہور زمانہ سلام تو آج پوری دنیا میں مساجد اور دینی جلسوں اور تقریبات میں بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔آپ کے انھیں کمالات وخصائص کی وجہ سے آپ کے ہم عصر ممتاز علما وفضلا نے آپ کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد بھی تسلیم کیا۔

نہایت مسرت کی بات ہے کہ ماہ نامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) اسی عظیم ترین اور عہد ساز ہستی کی حیات اور کارناموں سے لوگوں کو واقف کرانے کے لیے مصنف اعظم نمبر شائع کر رہا ہے۔قابل صد مبارک باد ہیں اس کے مدیر اعلیٰ نبیرۂ حضور صدر الشریعہ حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب جنھوں نے ایک خصوصی نمبر کی شکل میں امام احمد رضا کی ہمہ جہت شخصیت کو خراج عقیدت ومحبت پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا ۔موصوف اس وقت ریاستہائے متحدہ امریکہ میں تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں،اچھے قلم کار ہیں ۔تحریر سادہ متین اور پر مغز ہوتی ہے۔متعدد وقیع کتابیں اور مفید مضامین ومقالات مرتب فرما کر قارئین سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں ۔امید قوی ہے کہ ان کی ادارت میں شائع ہونے والا یہ خصوصی نمبر بھی معلومات افزا اور تحقیقات رضا وفکر رضا اوران کی اصلاحی ودعوتی مساعی کے تمام گوشوں کو حاوی ہوگا۔دعا گو ہوں کہ رب کریم ماہ نامہ ''پیغام شریعت'' کو روز افزوں مقبولیت ومحبوبیت عطا فرمائے۔اس سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور حضرت مدیر محترم اوران کے رفقائے کار کو دین ودنیا کی سعادتوں اور کامیابیوں سے مالا مال فرمائے ۔(آمین)

محمد عارف اللہ المصباحی

مدرسہ عربیہ فیض العلوم (محمد آباد)

۱۸: ستمبر ۲۰۱۸ء

☆☆☆☆☆

حضرت علامہ مفتی ولی محمد رضوی

سربراہ اعلیٰ: سنی تبلیغی جماعت باسنی، ناگور شریف (راجستھان)

بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے سرکار آقائے نامدار مدنی تاج دار سید ابرار واخیار حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ختم نبوت کا تاجِ زرین سجا کر رب کی طرف سے آخری نبی بن کر تشریف لائے۔آپ کی نبوت ورسالت کے بعد کسی نئے نبی ورسول کا تصور وخیال رکھنا قرآن واحادیث کے خلاف ہے۔یہی عقیدۂ حقہ قطعی ویقینی ہے،اس پر آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ متواترہ دلالت کرتی ہیں۔یہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے،مومنین و مسلمین کا جس پر ایمان ہے۔جو اس پرکاربند رہے گا،اس کا ایمان سلامت رہے گا اور جو اس عقیدہ کے خلاف ہے،وہ گمراہ وبددین اور کافر و مرتد ہے۔مولیٰ تبارک وتعالیٰ تمام اہل سنت وجماعت کو اسی عقیدۂ حقہ پر ثابت قدمی اور اسی یقینی وقرآنی عقیدہ کی حمایت وحفاظت کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے،آمین۔

حضور خاتم پیغمبراں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین قیامت تک محفوظ ومامون رہے گا۔طرح طرح کے فتنے وفساد بھی پیدا ہوتے رہیں گے،مگر ان کے جواب کے لیے اللہ تعالیٰ ہر دور میں ائمۂ دین ومجتہدین کرام اور مجددین اسلام وفقہائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کو

پیدا کرے گا، جوتن من دھن کی بازی لگا کر دین حقہ، مذہب صحیحہ ومسلک صادقہ کی حفاظت وصیانت کرتے رہیں گے۔ یہی گروہ ہر جگہ کامیاب وکامران ہوگا۔ گمراہی وبے دینی کے فتنے ہر دور میں اٹھے اور اٹھتے رہیں گے، مگر وفاداران رسول نے ان کو دنداں شکن جواب دے کر تاریخ مرتب کی ہے۔ ہم ان سب اسلاف کرام علیہم الرحمہ کی دل سے قدر کرتے ہیں، اور ان کو قربانیوں کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں اور وہ سب چاند تاروں کی طرح آسمان سنیت پر چمکتے دمکتے رہیں گے۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں ان سب کا ادب واحترام عطا فرمائے، آمین۔

چودہویں صدی ہجری میں اٹھنے والوں فتنوں کی پشت پناہی برٹش گورنمنٹ نے کی، اور دنیا دار مولویوں کو خرید کر اسلام وسنیت کو مٹانے کی ناپاک کوشش کی، ختم نبوت کے عقیدہ کو متزلزل کرنے کے طور پر ایک نئے نبی کذاب غلام احمد قادیانی کو اس میدان میں اتار کر اسلام میں اتنا بڑا فتنہ پیدا کیا کہ عام آدمی ان کے دام تزویر میں آکر تباہ وبرباد ہوجاتا، دیوبندی مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس جیسی زہریلی کتاب لکھ کر اس کی تائید وتاسیس اور اس نئے نبی کے دعوئ نبوت کی راہ ہموار کی، ایسے حالات میں ملت کا کیا حال ہوا ہوگا اور سیدھا سادھا سنی مسلمان کس مپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہا ہوگا یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے "**واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون**" کے بمطابق:

نور حق ہے کفر کی حرکت پہ خنداں زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اہل سنت وجماعت کے جو جو پیشوا ومقتدیٰ تھے، سب نے قلم کی تلوار لی اور ختم نبوت کے دلائل وبراہین سے صفحۂ قرطاس پر ایسے جواہر پارے ظاہر فرمائے کہ سنیوں کے جگر ٹھنڈے اور آنکھیں روشن ہوگئیں، باطل ناکام ونامراد ہوا۔ جو ازلی شقی بدبخت تھے، وہ باطل پر جم گئے اور خلود فی النار کے مستحق ہوئے، اور جو سعید وخوش بخت تھے، وہ علمائے اہل سنت ومشائخ دین کے پرچم تلے جمع ہوئے اور ان کا ایمان وعقیدہ محفوظ رہ گیا۔ ایسے نازک وقت میں جس ہستی وذات گرامی نے سب سے زیادہ مجاہدانہ سرگرمی سے عقائد حقہ کا تحفظ فرمایا، اس کو آج عالم اسلام اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مجدد اسلام امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کرتا ہے۔ ان کا ذکر دلوں کا چین ہے: "عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة"

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے زرین وتاریخی ویادگاری کارناموں پر ہر دور میں ارباب فضل وکمال نے دل کھول کر لکھا ہے، لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے، اور حقیقت یہ ہے کہ جس نے بھی اس عاشق رسول پر لکھا ہے، وہ خود زمانہ میں مشہور ومعروف ہوگیا ہے، جو اعلیٰ حضرت سے جڑ گیا ہے وہ بھی ان کے صدقے میں اعلیٰ ہوگیا ہے۔ وہ امام برحق آج حق وصداقت کے معیار ہیں کہ جو ان کو مانے، وہ سنی صحیح العقیدہ ہے "حبه علامة السنة و بغضه علامة البدعة" مکی عالم کا قول مبارک آج بھی اس کی طرف رہنمائی کررہا ہے۔ جسے حسد کی بیماری لگی ہو، وہ خود ہی ذلیل وخوار ہوگا اور دوسروں کو بھی برباد کرے گا۔ آج سنیوں کو اس امام سے نزدیک کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، تاکہ ان کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ ہوسکے، باطلوں اور حاسدوں سے بچایا جاسکے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو دنیا سے وصال فرمائے سو سال ہوگئے، ہر جانب سے ان کی کتب ورسائل کی طباعت واشاعت کا منظم کام ہورہا ہے، ان کی سیرت وخدمات پر تحقیقی مضامین ومقالات لکھے جارہے ہیں، اور اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کررہے ہیں۔

نام نیکو رفتگاں ضائع مکن   تا بماند نام نیکت برقرار

وہ ملت کے سپوت ہیں جو آنے والی نسلوں کو امام اہل سنت کے تجدیدی واصلاحی کارناموں سے آگاہ کررہے ہیں، ایسے امام برحق سے تعلق جوڑتے ہیں، جو غفلت میں ہیں ان کو بیدار کرتے ہیں، اور جو غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ان کو چراغ علم سے روشنی دکھا کر حق کا اجالا دور دور

تک پھیلاتے ہیں، واقعی اس دور کی ایک اہم ضرورت کو وہ پورا کر رہے ہیں۔ پورے ایشیا کے زندہ دل مسلمان خصوصاً اور عالم اسلام کے مسلمان عموماً اس امام کو اپنا محسن و مربی مانتے ہیں۔ جس نے قلم کی تلوار سے نجدیت و وہابیت کا سر کچل کر رکھ دیا۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے　　کسے چارہ جوئی کا وار ہے یہ وار وار سے پار ہے

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار　　اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

تاریخ میں رضا کا نام چاند کی طرح چمک رہا ہے اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک چمکتا ہی رہے گا۔

سب ان جلنے والوں کے گُل ہو گئے چراغ　　احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

میں عزیز القدر فاضل گرامی مولانا فیضان المصطفٰے قادری زید مجدہٗ کو اعلیٰ حضرت نمبر کی اشاعت پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور رب کے حضور دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اس کاوش کو قبول و مقبول بنا کر ہدایت کا چراغ بنا دے۔ مرتب موصوف سے تا حیات ایسے مقبول کام لیتا رہے، ان کے علم و فضل، خلوص و محبت میں خوب خوب برکت دے، اور نمبر ایک تاریخی و یادگاری نمبر بن جائے، اور وہابی، دیوبندی، غیر مقلدین، مودودی، تبلیغی، منہاجی وغیرہ جتنے باطل و فاسد فتنے ہیں، ان کے شر و فساد سے مولیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور جو باطل کے خلاف قلم بالجہاد کرے، مولیٰ تعالیٰ اسے نصرت غیبی عطا فرمائے اور اسے فتح و ظفر سے ہم کنار فرمائے: (آمین) فقط والسلام

ولی محمد رضوی

خادم: سنی تبلیغی جماعت باسنی (ناگور شریف)

☆☆☆☆☆

خلیفہ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد شریف الرحمٰن رونق رضوی

جنرل سکریٹری: آل کرناٹکا سنی علما بورڈ (بنگلور)

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ

نوید مسرت ہو مسلمانان عالم کے لیے کہ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت کنز الکرامت اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، اور حضور اقدس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ، امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصانیف کثیرہ اور آپ کی ذات و شخصیت کو اقوام عالم میں روشناس کرانے کے لیے ''مصنف اعظم نمبر'' شائع کر رہا ہے۔ ایسے پر مسرت موقع پر ہم ماہنامہ پیغام شریعت کے جملہ احباب وارکان کو ہم صمیم قلب سے ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی وہ ذات ستودہ صفات ہے جس نے بلا لومۃ لائم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان پر اٹھنے والے ہر فتنے کا سد باب کیا ہے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو شفاف آئینے کی طرح پیش فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف تو ہزاروں سے متجاوز ہیں، مگر ان میں فتاویٰ رضویہ فقہی انسائیکلوپیڈیا کی اہمیت و فضلیت حاصل ہے۔ امام اہل سنت نے اپنے بعد والوں کے لیے اتنے مواد اکٹھا فرما دیئے ہیں کہ جس کو پڑھ اور دیکھ کر آنکھیں روشن و تابندہ ہیں۔ امام اہل سنت کی تمام تصانیف میں دلائل و براہین کے جوہر دکھائے ہیں، کہ باطل کو مجال دم زدن نہیں۔

کلک رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار　　اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اعلیٰ حضرت کا قلم اپنے نبی کی ناموس کی حفاظت وصیانت کے لیے اتنا تند وتیز چلا کہ باطل عقائد ونظریات کے خود ساختہ شیش محل کو چکنا چور کر دیا، اور عوام وخواص اہل سنت کے سینوں میں عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی جوت جگادی کہ ہم اہل سنت رہتی دنیا تک امام اہل سنت کے ممنون احسان رہیں گے۔ فرماتے ہیں:

ع/ اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے جو آگ بجھادے گی وہ آگ لگائی ہے

اعلیٰ حضرت نے اپنے قلم کی ایسی جولانیت دکھائی کہ بدعقیدگی کے سارے تار و پود بکھر گئے، اور ناموس رسالت پر اٹھنے والے ہر فتنے کی ایسی ناکہ بندی فرمادی کہ باطل کو قوت گویائی نہیں۔ ع/ اعلیٰ حضرت امام علم وفن کوئی فن ہو تیرا جواب نہیں

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے علوم قدیمہ وجدیدہ پر ایسی معرکۃ الآرا تصانیف چھوڑی ہیں جن کو پڑھ کر دیکھ کر قلب ونظر مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں، امام اہل سنت کی تصانیف کو اقوام عالم تک پہنچانے کی از حد کوشش کی جائے، تاکہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت سے اہل عالم آشنا ہوسکیں۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

محمد شریف الرحمٰن رضوی

جنرل سکریٹری: آل کرناٹکا سنی علما بورڈ (بنگلور)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا جمال مصطفٰے قادری

استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

باسمہ تعالیٰ

خانوادۂ امجدیہ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس گھرانے کے ذکور واناث زمانۂ دراز سے تاحال اہل سنت وجماعت کے بہترین عالم وعالمہ ہوتے رہے ہیں، اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا، نیز اسی خانوادہ کے ایک عظیم چشم وچراغ نبیرۂ حضور صدر الشریعہ علامہ ومولانا فیضان المصطفیٰ قادری صاحب قبلہ قادری سابق استاذ طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ میرے عم زاد، اہل سنت وجماعت کے نوجوان اور عبقری عالم دین، نیز مبلغ اسلام ومسلک اعلیٰ حضرت کے سچے پاسبان ہیں۔ موصوف فکر سیدنا حضور صدر الشریعہ قدس سرہ کے رمز شناش اور امین ہیں۔ ماہناموں اور رسائل کے ہجوم میں ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کو خالص مذہبی اور دینی رکھنا اور کفرستان میں بیٹھ کر پیغام شریعت کو عام کرنا یہ خالص انھیں کا حصہ ہے۔

قابل مبارکباد ہیں یہ اور ان کے احباب کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے صد سالہ عرس مقدس پر ایک خالص علمی ومسلکی نمبر شائع کر رہے ہیں، جو امام احمد رضا کے جملہ علوم وفنون پر محیط ہوگا، جو یہ ثابت کرتا ہے کہ امام احمد رضا مجدد اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف اعظم بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعئ دینی کو قبول فرمائے اور انھیں دولت کونین سے شادکام فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

عبدہ المذنب: جمال مصطفیٰ قادری

خادم: طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی (مئو: یوپی)

۷ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۲۰۱۸ء

ادیب شہیر حضرت مولانا عبدالمالک رضوی

چیف ایڈیٹر: دوماہی رضائے مدینہ (جمشید پور)

علم وادب کی دنیا کے شہسوار مولانا فیضان المصطفیٰ قادری ومولانا طارق انور مصباحی صاحبان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۴۴۰ھ میں عالم اسلام کی عبقری وفقید المثال شخصیت مجدد ملت امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے وصال کو سو سال پورے ہو رہے ہیں، اس لیے اس سال کو اہل علم ومحبت ''صد سالہ'' کے طور پر پورے عقیدت واحترام اور تاریخی روایات وحقائق کے احیا ونشر واشاعت کے عزم کے ساتھ منا رہے ہیں جو یقیناً لائق مبارکباد اور قابل صد تحسین ہے۔

یہ رتبہ بلند جسے مل گیا ملا ہر شخص کے نصیب میں دار ورسن کہاں

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ امام احمد رضا حقائق ومعارف اور علوم وفنون کے اس بحر ذخار کا نام ہے جس کے کنارے کا سراغ ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی نہیں مل پایا ہے۔ انھوں نے اپنی ۶۵ر سالہ حیات مستعار میں علوم وفنون کی جو نہریں بہائی ہیں، عشق وعرفان کا جو سورج چمکایا ہے، علم وتحقیق کے جو دروازے وا کیے ہیں، تلاش وجستجو کی جو راہیں وشاہ راہیں تعمیر کی ہیں، انھیں دیکھ کر اصحاب فضل وکمال اور ارباب علم و دانش حیرت واستعجاب کے سمندر میں ہچکولے کھاتے ہوئے یہ کہے بغیر خاموش نہیں رہتے کہ یہ کسی عام انسان کے بس کا کام نہیں، اتنے علوم و فنون پر یدطولیٰ، اتنی کتابوں کی تصنیف اور اتنی ہمہ جہت خدمات تو اسی کا نصیبہ ہوسکتا ہے جس پر خاص فضل خداوندی ہو۔ اللہ رب العزت نے امام احمد رضا کو بے شمار اوصاف وکمالات کا جامع بنا کر مبعوث فرمایا تھا، جس کی وجہ سے ان کے خامہ حق نگار اور زبان فیض ترجمان سے اتنے محیر العقول کارنامے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

گزشتہ چند صدیوں کے علمی ذخائر کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے بعد ہر انصاف پسند کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ امام احمد رضا ''مصنف اعظم'' ہیں۔ ان کی ایک ہزار کتابیں، ان کے اس خاص وصف پر شاہد عدل ہیں۔

''ماہنامہ پیغام شریعت'' کے دیدہ ور اور نباض اصحاب فکر وقلم نے ''صد سالہ'' عرس کے موقع پر اس خاص جہت سے عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھا کر صاحبان تحقیق وتفتیش کے لیے جو راہیں آسان کی ہیں، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنھیں اس پُر خار وادی کی آبلہ پائی کا کبھی سابقہ پڑا ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ تمام سرفروشوں کی خدمات قبول فرمائے اور امام احمد رضا کے علمی ذخائر سے مستفیض ہو کر عالم کو آپ کا مزید گرویدہ بنائے، نیز آپ کے تابندہ نقوش کو اپنی فکری وعملی زندگی میں اتار کر دارین کی سرخروئی کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقط عبدالمالک مصباحی

چیف ایڈیٹر: دوماہی رضائے مدینہ جمشید پور

۲۹ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ، ۱۰ر اکتوبر ۲۰۱۸ء

استاذ القراء حضرت قاری احمد جمال قادری

استاذ: جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: :الحمد للّٰہ رب العٰلمین: : والصلوٰۃ والسلام علیٰ امام المرسلین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

رسالہ ''پیغام شریعت'' مسلک اعلیٰ حضرت یعنی اہل سنت و جماعت کا بھرپور ترجمان ہے۔اس کے مدیر اعظم ، بلکہ بانی ومبانی فخر العلما حضرت علامہ مولانا مفتی قاری فیضان المصطفیٰ صاحب قادری مصباحی ہیں۔آپ کا تعلق علمی گھرانے مدینۃ العلما (گھوسی) سے ہے۔آپ کے والد محترم حضرت علامہ مولانا فداء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ العالی عظیم مدرس ومقرر ومصنف ہیں،اور آپ کے تایا معظم یعنی حضور سلطان الاساتذہ محدث کبیر صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ (مشہور ومعروف علامہ صاحب قبلہ) کو کون نہیں جانتا پہچانتا ہے؟ پوری دنیا میں تدریس وتقریر کا ڈنکا بج رہا ہے۔آپ کے جدامجد حضور امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان (مصنف بہار شریعت) پر پوری دنیا فخر کر رہی ہے۔یہی نہیں بلکہ ہند و بیرون ہند میں آپ کے خاندان کے بہت سے حضرات علوم وفنون کے ماہر وعظیم استاذ تھے اور ہیں۔ملک و بیرون ملک عظیم درسگاہوں میں ستارۂ نور بن کر چمکتے اور چمکاتے رہے اوراب بھی چمکا رہے ہیں۔ماشاء اللہ حضرت مدیر اعلیٰ صاحب فی الحال امریکہ میں رہ کر پورے طور پر نشرواشاعت اور ترویج وتبلیغ میں مصروف ہیں۔یہ رسالہ ماہ بماہ برابر دہلی شہر سے شائع ہوتا ہے۔اساتذۂ عظام الجامعۃ الامجدیہ الرضویہ (گھوسی) کے نام بنام برابر آتا ہے۔اکثر میں اس کا مطالعہ کرتا ہوں،معلومات میں ازحد اضافہ ہوتا ہے۔

اب حضرت مدیر اعلیٰ صاحب صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر (مصنف اعظم نمبر) شائع کرنے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ان شاءاللہ جل شانہ بلا شبہہ یہ نمبر قارئین حضرات کے لیے مفید ثابت ہوگا اور معلومات میں مزید اضافہ ہوگا۔امام الائمہ مجدد دین وملت حضور سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (مصنف کتب کثیرہ) نے تقریباً پچاس فنون پر کتابیں تحریر فرما کر اہل سنت و جماعت پر عظیم احسان فرمایا ہے۔فن فقہ پر **''العطایۃ النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ''** ۲۳ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔فن قرأت پر صرف حرف ضاد کی تحقیق پر دو عظیم رسالے تصنیف فرمائے ہیں: (۱) **نعم الزاد لروم الضاد** (فارسی) (۲) **الجام الصاد عن سنن الضاد** (اردو)

اور مزید دیگر فنون پر بہت سی کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں اور بہت سی کتابیں نایاب ہیں۔یہ سب کتابیں حضور سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مصنف اعظم ہونے کے لیے دلیل کامل ہیں۔

دعا ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ جل شانہ حضرت مدیر اعلیٰ پیغام شریعت کے علم وعمل وعمرورزق میں بے پناہ برکتیں اور مزید تصنیف وتالیف کی توفیق رفیق عطا فرمائے: **آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم :ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم**

احمد جمال القادری

خادم القرأت الجامعۃ الامجدیہ (گھوسی)

۱۲: محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

حضرت مولانا محمد مسیح اللہ فیضی مصباحی

استاذ: مدرسہ عربیہ فیض العلوم (محمد آباد)

ماہنامہ پیغام شریعت کی جانب سے گرامی قدر حضرت علامہ مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی کی سربراہی میں مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے صد سالہ عرس کے موقع پر ''مصنف اعظم نمبر'' شائع ہونے جارہا ہے، جسے جاننے کے بعد کافی فرحت محسوس ہوئی کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات مبارکہ کا یہ گوشہ بھی اہل قلم کی وساطت سے ارباب علم کے نہاں خانہ کو مزین کرے گا ۔ پروردگار عالم مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اس نمبر کو دنیا جہان میں مجدد اسلام کے تصنیفی کارنامے کے پہنچنے کا ذریعہ بنائے۔ (آمین) بلاشبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات مبارکہ حق وباطل کے پہچاننے کی معیار و میزان ہے خداوند قدوس فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی تصنیفات کو عام کرنے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے: آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد مسیح اللہ فیضی مصباحی

استاذ: مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ (ضلع مئو: یوپی)

☆☆☆☆☆

شیر راجستھان حضرت علامہ مفتی شیر محمد خاں رضوی

شیخ الجامعہ: جامعہ اسحاقیہ (جودھ پور)

بحلاوۃ الایمان قد مزجوا مر الحیاۃ فاذبہ عسل:

اخی الاعز مولانا فیضان المصطفےٰ صاحب قادری ومولانا محمد طارق انور مصباحی زید مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایں بشریٰ ئے جانفزا شنیدہ دررگ رگ شادمانی ومسرت قلبی جوش زن شد وھمہ موئے تن متشکر ارباب مجلّہ پیغام شریعت دھلی شد، زیرا کہ آں کرم فرمایان ما بموقعہ عرس سراپا قدس سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضون ''مصنف اعظم نمبر'' براحوال وخدمات فقید المثال سیدنا اعلیٰ حضرت بریلوی صادری فرمایند، ایں کارشمانہ فقط برائے طبقہ اہل سنن ہند، بلکہ جمیع خوش عقیدۂ مسلمان عالم باعث صدافتخار وامتنان ہست، خدمات دینیہ اعلیٰ حضرت تدریسی باشند یا تحریری، درمدت قلیل پنجاہ سال فقط بآں عروج وارتقار سیدہ بود کہ مثالے ونظیرے ندارد، فکر انسانی، وذھن بشری دردریائے حیرت غوطہ زن ہست کہ یارب العالمین: چگونہ ذہن وفکر از فضل عمیم تو باعلیٰ حضرت تفویض شدہ بود! کہ بہ ہر دو دست خود فتاویٰ نویسی می کرد کہ عقل انسانی محو حیرت بود، باایں ہمہ امور دیگر ہم چوں عبادت وریاضت، تدریس وخطابت، پرورش اہل وعیال سرانجام می داد ''**ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**'' ایں ہمہ کرم کردگار وفضل پروردگار بود۔ رب العزت مساعی شمار اشرف قبولیت بخشیدہ از اجر عظیم بہرہ وربگرداند: آمین ع/ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

مفتی شیر محمد خاں رضوی

شیخ الجامعہ: الجامعۃ الاسحاقیہ (جودھ پور: راجستھان)

13/10/18

معمار قوم وملت حضرت مفتی رحمت علی تیغی مصباحی

سربراہ اعلیٰ: جامعہ عبداللہ بن مسعود (کلکتہ)

''ماہنامہ پیغام شریعت'' دہلی کا خصوصی شمارہ ''مصنف اعظم نمبر'' کی اشاعت وقت کی اہم یادگار و تاریخی پیش رفت ہے۔

بلاشبہ امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں برکاتی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان جہاں مجدد اعظم ہیں، وہیں الحمدللہ مصنف اعظم بھی ہیں۔ آپ کی تصنیفات کی برکتیں تین صدیوں سے چلی آرہی ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری وساری رہیں گی۔ محتاط روایت کے مطابق آپ کی تصنیفات کی تعداد ۱۲۰۰ر ہے، جب کہ جدید محققین نے اور بھی زیادہ بتایا ہے۔ ہر تصنیف لاجواب اور اپنی مثال آپ ہے۔ حوالہ جات سے پُر اور تحقیق انیق اور تدقیق عمیق کی آئینہ دار ہے۔

مصنف اعظم سرکار اعلیٰ حضرت اپنی جملہ تصنیفات عالیہ میں علوم و معارف کے دریا بہادیے ہیں۔ آپ کے کتب ورسائل میں جہاں شریعت کے اصول وضوابط پائے جاتے ہیں، وہیں ان میں فقہی جزئیات کے عنصر بھی بھرے پڑے ہیں۔ آپ کی تحریروں میں جہاں نحو و صرف، منطق وفلسفہ، قرآن وتفسیر قرآنی، فقہ واصول فقہ، حدیث واصول حدیث وغیرہ ۵۴ر علوم وفنون کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، وہیں تصوف و سلوک کے اسرار و رموز اور دقائق وغوامض کے گہر پارے بھی نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی علمی و عملی عظمتوں کا کیا کہنا؟ افتا وتفقہ ہی کیا، ہر میدان میں آپ بے شمار عظمتوں کے حامل ہیں، اور یقین کے اجالے میں ٹھوس حقائق کی بنیاد پر مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجھک نہیں کہ سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان صرف مجدد اعظم ہی نہیں، بلکہ یقیناً آپ محدث اعظم بھی ہیں، مفتی اعظم بھی ہیں، فقیہ اعظم بھی ہیں، مفکر اعظم بھی ہیں اور مدرس اعظم، مبلغ اعظم، مدبر اعظم اور ساتھ ساتھ مصنف اعظم بھی ہیں۔

میں دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ مبارک باد پیش کرتا ہوں ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کے ارباب حل وعقد خصوصاً مدیر اعلیٰ مولانا فیضان المصطفیٰ قادری اور مولانا طارق انور مصباحی صاحبان کو جنھوں نے صد سالہ عرس رضوی کے پُر بہار موقع پر ''مصنف اعظم نمبر'' نکال کر امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیفی کارگزاریوں اور میدان تصنیفات میں آپ کے خصائص وامتیازات سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے کائنات رضویت میں ایک نئی جہت کا تعین کیا ہے۔ رب قدیر قبول فرمائے۔ قادری، رضوی فیضان سے مالا مال فرمائے، اور یہ رسالہ تا قیام قیامت زندہ وتابندہ رہے: آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم: فقط

محمد رحمت علی تیغی قادری مصباحی

سربراہ: جامعہ عبداللہ بن مسعود (کولکاتا)

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی قاضی شہید عالم رضوی

استاذ: جامعہ نوریہ رضویہ (بریلی شریف)

ماہنامہ پیغام شریعت عالی مرتبت حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب قادری زید مجدہ ودام لطفہ کے زیر اہتمام بہت معیاری انداز

میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ نکل رہا ہے۔ بہت کم مدت میں ہی رسالہ نے ترقی کی کئی منزلیں طے کر لی ہے۔ رسالہ کو اس وقت چار چاند لگ گئے، جب موصوف نے ماہر علوم وفنون، مجدد دین وملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے عرس صد سالہ کے مبارک موقع پر ''پیغام شریعت'' (دہلی) کا خصوصی شمارہ امام اہل سنت کے علوم وفنون کے تعارف وتبصرہ پر مشتمل ''مصنف اعظم نمبر'' کا کام مکمل کر لیا۔

موصوف نے علوم وفنون کے ماہرین سے تقریبا ۳۶: علوم وفنون پر تحقیقی مقالات تحریر کرائے ہیں اور بڑے بڑے صاحب فکر وفن نے دل کھول کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے متعدد علمی وفنی گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے تحقیق وتنقیح کے دریا بہائے ہیں۔ موصوف نے آئندہ امام اہل سنت کے مختلف گوشوں پر تحقیق کرنے والوں کے لیے راہ ہموار کر دی ہے، اور خاصا مواد فراہم کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے علوم وفنون کو دنیا وجہان والوں کے لیے اجاگر کرنے کا اب تک کا سب سے بڑا اور اپنی نوعیت منفرد اور بے نظیر کارنامہ انجام دیا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ قوم کے سامنے یہ مجموعہ پیش کر کے امام احمد رضا قدس سرہ کے معتقدین ومتوسلین پر امام اہل سنت کی تعلیمات وتحقیقات سے قوم کو متعارف کرانے کی جو ذمہ داری عائد تھی، موصوف نے سب کا بوجھ اپنے کندھے پر لے کر اس ذمہ داری کو بہت ہی خیر وخوبی کے ساتھ پورا کیا ہے۔ رب تعالیٰ اس مجموعہ کو قبول تام عطا فرمائے، اور اس کے ذریعہ محققین کو مستفید اور اور قوم وملت کے مستنیر فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیم

قاضی شہید عالم

یکم صفر المظفر ۱۴۴۰ھ

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی امجدی

مفتی واستاذ: دار العلوم اسحاقیہ جودھپور (راجستھان)

مبسملا وحامدا ومصلیا ومسلما اما بعد!

امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ السامی اپنی حیات بازغہ وزاہرہ کے شب وروز میں اپنے فیض بار قلم حقیقت رقم کو جنبش دیتے رہے، جس کے ظہور اثر سے عقائد واحکام، ضروریات دین قطعیات، ضروریات مذہب اہل سنت اور معمولات اہل سنت پر مشتمل تقریباً ایک ہزار کتب عقائد وفقہ وتصوف وسیر وغیرہا منصۂ شہود پر ضوفگن ہوئیں، جن سے بندۂ مومن اپنے ایمان وعقائد کے تحفظ کا سامان فراہم کر سکا اور مستقبل قریب وبعید میں اپنے ایمان وعقائد کے تحفظ کا سامان فراہم کر سکتا ہے۔ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی پوری حیات طیبہ کے لیل ونہار میں احقاق حق وابطال باطل میں اپنے قلم سیال کو چلاتے رہے اور رسول پاک علیہ التحیۃ والثنا کے دین حنیف ومتین پر آپ کی پاکیزہ وتابندہ حیات وزیست کا ایک ایک لمحہ احیائے سنت واماتت بدعت میں صرف ہوتا رہا۔

بلا شبہ آپ جہاں چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم ہیں، وہیں پر مصنف اعظم بھی ہیں، جس پر آپ کی تحقیقی وتدقیقی کتب وتصنیفات بدیعہ ناطق وشاہد عدل ہیں۔ نہایت فرحت وانبساط کے ساتھ فقیر راقم حروف جماعت اہل سنت کا نقیب مؤقر رسالہ ''پیغام شریعت'' کے مدیر

اعلیٰ نبیرۂ حضور صدر الشریعہ مفکر اسلام حضرت علامہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری اور ادیب زمن حضرت علامہ ومولانا محمد طارق انور مصباحی مدیر ''پیغام شریعت'' کی بارگاہوں میں ہدیۂ تبریک وتہنیت وتحسین پیش کررہا ہے۔صد سالہ عرس رضوی کے زریں موقع پر ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا مصنف اعظم نمبر اشاعت پذیر ہورہا ہے:**فللّٰہ الحمد والمنة**

چار صدیاں گزر گئیں،اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ جیسا عالم ربانی پیدا نہ ہوا۔باون علوم وفنون میں آپ کی تقریباً ایک ہزار تصنیفات جو ایک اندازہ کے مطابق کتابی سائز کے ایک لاکھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں،جن کے تقریباً چار کروڑ ساٹھ لاکھ الفاظ ہوئے۔حاصل یہ کہ آپ یومیہ ۵۶:صفحات تحریر فرماتے تھے،جس سے یہ متعین کرنا آسان ہے کہ یقیناً آپ ''مصنف اعظم'' تھے۔مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں دعا ہے کہ ''پیغام شریعت'' کے مدیران ومعاونین کی جملہ تبلیغی وتحریری ودینی مساعیٔ جمیلہ وخدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے نواز کر دارین کی سعادتوں سے ہمکنار وسرفراز فرمائے:آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات واز کی التحیات۔

سگ بارگاہ اعلیٰ حضرت وتاج الشریعہ

محمد عالمگیر رضوی مصباحی امجدی

مفتی وخادم تدریس وافتا:دار العلوم اسحاقیہ جودھپور (راجستھان)

☆☆☆☆☆

الماس ملت حضرت علامہ مفتی مقصود عالم فرحت ضیائی

مفتی وقاضی:فخر از ہر دار الافتا ودار القضا،ہاسپیٹ (کرناٹک)

باسمہ تعالیٰ::نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

محبّ گرامی وقار علامہ طارق انور صاحب مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) نے پیام مسرت وفرحت دی کہ پیغام شریعت کا ''مصنف اعظم نمبر'' عرس صد سالہ کے حسین ودلکش موقع پر نکل رہا ہے۔اہل قلم اپنے اپنے مضامین ارسال کر چکے ہیں۔نمبر کا کام مکمل ہو چکا ہے،لہٰذا اپنا تاثر روانہ کردیں۔مشکور وممنون ہوں موصوف کا کہ انھوں نے اس لائق تو سمجھا،ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آں جناب آفاقی قلم کے مالک ہیں۔دوران طالب علمی سے ہی اس میدان میں شہسواری کررہے ہیں۔آج قرطاس وقلم کے کہنہ مشق شہسوار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔کئی تحقیقی کتابیں منصب شہود پر آکر اپنی قلمی استعداد وقابلیت اور ادبی نگارشات کا لوہا منوا چکی ہیں۔مزید ایک نئی تحقیق انیق طباعت کے مرحلے میں ہے۔اس کے چھپ کر آنے کے بعد محققین کی صفوں میں درخشاں آفتاب وماہتاب کی طرح جگمگاتے نظر آئیں گے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تحقیق بالکل ایک نئی ایجاد کی حیثیت سے جلوہ بار ہونے جارہی ہے۔انھوں نے اس کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ محقق علی الاطلاق محدث اعظم امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تقریباً پانچ سو باسٹھ علوم وفنون سے آشنا تھے۔اس دعویٰ کے اثبات پر دلائل وبراہین،امثال ونظائر سے اپنی تصنیف کو مزین فرمایا ہے۔ہر علم کا نام،اس کی تعریف اور اس پر شواہدات کا انبار لگایا ہے،جس کو پڑھ کر قاری کو ان کے دعویٰ کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ یقیناً امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان تمام علوم وفنون سے واقفیت رکھتے تھے،جس کے بعد آپ کی شخصیت مزید ابھر کر سامنے آئے گی۔

جب پیغام شریعت نمبر نکالنے کا ارادہ فرمایا تو یہاں بھی علوم وفنون کے عناوین ہی کا انتخاب فرمایا،تقریباً تیس منفرد علوم وفنون پر ارباب

قلم کو عنوان دے کر ایک تحقیقی، علمی، فنی اور معیاری مضامین لکھوا کر دستیاب کر لیا اور اب مصنف اعظم نمبر سے موسوم کر کے اس کو نکالنے جا رہے ہیں۔ موصوف کا ذوق علمی کس قدر بلند ہے، اس رسالہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ عزوجل موصوف کے اس ذوق طبعی کو سلامتی عطا فرما کر مزید قلمی وادبی اور علمی خدمات سے دنیائے علم وادب کو لالہ زار بنانے کی توفیق بخشے: آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم

محمد مقصود عالم فرحت ضیائی

خادم: فخر از ہر دار الافتا والقضا وسرپرست اعلیٰ: جماعت رضائے مصطفیٰ برانچ ہاسپیٹ (کرناٹک)

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی محمد ابراہیم بن جماعہ علیمی

مفتی مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم::الحمد للہ ذی السلطان القاهر والاحسان الظاهر::ونحمده علیٰ انعامه المتناصر المتواتر::ونسأله ان یصلی علیٰ سیدنا نبیه محمد الطیب الطاهر::وعلیٰ آله وأصحابه ذوی المحامد والمکارم وسلم تسلیما کثیرا وبعد:

معزز قارئین اکرام!

برصغیر ہند کے ذی فہم مسلمانوں کو جس سال کا انتظار تھا، لو، وہ سامنے آگیا ۱۴۴۰ھ، کیوں کہ مجدد اسلام الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تاریخ وصال الی اللہ: ۲۵: صفر ۱۳۴۰ھ ہے۔ آئندہ ۲۵: صفر کو ایک صدی مکمل ہونے پر ہم عرس صد سالہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر مبارکباد پیش کرتے ہیں، وہیں کسی نئے مجدد کی آمد کے منتظر بھی ہیں اور اس کی آمد کے انتظار پر مسلمانان برصغیر ہند کو مبارک کباد پیش کرتے ہیں۔ اکثر ماہنامہ اہل سنت کے ذمہ داران اس مبارک موقعہ پر امام اہل سنت کے جملہ گوشوں پر محیط مضامین تیار کر چکے ہیں جو طباعت کے مراحل سے سفر کرتا ہوا ماہ صفر میں ضوفشاں ہوگا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی امام اہل سنت احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے علوم فنون بھی ہے، جس کا بیڑا ماہنامہ پیغام شریعت نے اٹھالیا ہے۔ ہم اس کے ذمہ داران اور اہل قلم حضرات کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور تمام قارئین کرام سے گزارش کرتے ہیں کہ اپنے احباب کو اس ماہنامہ کی خریداری پر ابھاریں اور امام احمد رضا کے جملہ گوشوں پر محیط اور باحوالہ مضامین پڑھ کر اپنے قلوب منور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو قبولیت عطا فرمائے: آمین بحق نبی الامین الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

محمد ابراہیم ابن جماعۃ القادری علیمی

مفتی: مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ: کیرلا)

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی محمد ارشد نعیمی قادری

مفتی: جامعہ نعیمیہ (مراد آباد: یوپی)

ماہنامہ پیغام شریعت یقیناً ''عطائے مصطفیٰ'' ہے

اس وقت قلب ونظر میں ''پیغام شریعت'' کی روشنی جگمگانے لگی جب جماعت اہل سنت کے معتمد ومستند عالم باعمل واقف خزائن العلوم

قاطع شر رسوم بحار العلوم خبیر دقائق احادیث نبویہ محسن ملت اسلامیہ حضرت علامہ مفتی محمد از ہار احمد امجدی از ہری حفظہ اللہ تعالی عن کل شر غبی وغوی نے یہ پر مسرت خبر دی کہ اس سال عرس اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کے مبارک موقع پر پیغام شریعت کی خصوصی اشاعت بشکل ''مصنف اعظم نمبر'' ہوگی۔سن کر بہت خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ اس کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے سامنے سیدی سرکار اعلی حضرت رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کچھ مبارک کارہائے حسنہ بشکل تحریر ظاہر ہو جائیں گے،اور آپ کی کتب پاک میں جو زواہر و جواہر بکھرے ہوئے ہیں ان کو دیکھ پڑھ کر آنکھوں کو نور دل کو سرور حاصل ہوگا۔صد ہا مبارک باد کے لائق ہیں پیکر زہد وورع محور علم وذکا عاشق مصطفیٰ عالم اہل سنت ہادم نجدیت ناشر پیغام شریعت حضرت مفتی محمد فیضان المصطفی قادری امجدی تغمدہ اللہ تعالی بفضلہ الحاوی کہ جنہوں نے اب تک پیغام شریعت کی تشہیر میں دل و جان سے محنت و مشقت فرمائی،اور اب اک نئی کارکردگی مصنف اعظم کی اشاعت میں ہمارے سامنے اجاگر کرنے کے لیے سعی پاک فرمارہے ہیں۔

پیغام شریعت کی تشہیر میں کیسے کیسے مصائب ہائلہ،شدائد غائلہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے،اس سے وہی افراد واقف ہوتے ہیں جو اس بار گراں کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے اللہ ورسول (جلت عظمتہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے بھروسے میدان عمل میں اترتے رہتے ہیں۔ماہنامہ پیغام شریعت یقیناً ہمارے لیے اللہ لم یزل کی جانب سے تحفہ نایاب ہے،جس کے مضامین بہت معیاری وتحقیقی،حق وصواب سے لبریز ہوتے ہیں۔تشکر وامتنان کے جو جملے اس خصوصی ''مصنف اعظم نمبر'' کی اشاعت میں میرے درونِ دل چھپے ہیں رسمی حرف وصوت سے اس کی اس کے مدیران ومعاونین کی حوصلہ افزائی نہیں ہوسکتی۔اللہ رب العزت ہی ان افراد کو اس کا اجر وافر عطا فرمائے گا۔

اللہ لم یزل ہم سب کو''پیغام شریعت'' کا حامی وناصر،معین وناشر بنائے:آمین بجاہ النبی الکریم الامین علیہ الصلوات والتسلیم

طالب دعا

محمد ارشد نعیمی قادری ککرالوی فاضل ومفتی جامعہ نعیمیہ (مرادآباد:یوپی)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا توفیق احسن برکاتی

استاذ:جامعہ اشرفیہ (مبارک پور)

مکرمی حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بڑی خوش کن خبر ہے کہ آپ کی ادارتی ٹیم نے امام احمد رضا صدی تقریبات کے موقع پہ ''پیغام شریعت'' کا ''مصنف اعظم نمبر'' شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔بہت بہت مبارک باد۔اللہ بہت جلد اس کی تکمیل کا سامان پیدا فرمائے،آمین۔اس نمبر کا جو خاکہ نگاہ سے گزرا ہے،اگر واقعی قلم کاروں نے اس خاکے میں اچھی طرح رنگ بھر دیا تو یہ ایک دستاویزی نوعیت کا کام ہوگا۔موضوعاتی اعتبار سے امام احمد رضا قادری پر مضامین کا یہ سلسلہ ایک زمانے تک یاد رکھا جائے گا۔امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی تصانیف مقدار ومعیار ہر دو اعتبار سے ایک ریکارڈ رکھتی ہیں اور ان کی تاریخی وتحقیقی اہمیت دنیا تسلیم کرتی ہے۔بدر ملت مولانا بدر الدین قادری رقم فرماتے ہیں:

''الغرض اعلیٰ حضرت کا علمی پایہ اتنا بلند ہے کہ جلیل القدر علما فرماتے تھے کہ گزشتہ دو صدی ۱۲۰۰ھ و ۱۳۰۰ھ کے اندر کوئی ایسا جامع عالم نظر نہیں آیا،موافق کا تو کہنا کیا،خود مخالفین بھی اعلیٰ حضرت کا علمی لوہا تسلیم کرتے تھے''۔

(سوانح اعلیٰ حضرت،رضا اکیڈمی،ممبئی،جنوری ۲۰۰۲ء،ص:۱۰۸)

”آپ کی تصانیف کا شمار بروایت حضرت شیر بیشہ اہل سنت لکھنوی علیہ الرحمہ ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ ائمہ متاخرین میں امام جلال الدین سیوطی [مجددِ قرنِ عاشر] علیہ الرحمہ کے بعد کسی کے متعلق نہیں سنا گیا کہ وہ کثرتِ تصانیف میں اعلیٰ حضرت کا مقابل ہو“۔ (ص:۱۳۳)

دیوبندی جماعت کے مشہور عالم ابوالحسن ندوی [سابق ناظم ندوۃ العلما، لکھنؤ] نے لکھا:

”وہ [امام احمد رضا] نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے، ان کی تالیفات ورسائل کی تعداد سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق پانچ سو ہے۔ جن میں سب سے بڑی کتاب فتاویٰ رضویہ کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔ فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانے میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے فتاویٰ اور ”کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم“ [۱۳۲۳ھ، مکہ مکرمہ] اس پر شاہد عدل ہیں۔ علوم ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل، جفر میں انھیں مہارت تامہ حاصل تھی“۔ (نزہۃ الخواطر، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد ۱۹۷۰ء ص:۴۱ ج:۸)

ابوالحسن ندوی نے آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو بتائی ہے، حالاں کہ تازہ ترین تحقیق کے مطابق امام احمد رضا قادری کی کتب ورسائل اور تفسیر وحواشی کی مجموعی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ آپ کی فقہی وکلامی تحقیقات اور علوم دقیقہ میں آپ کی مہارت کاملہ کی گواہی موافقین ومخالفین سب نے دی ہے۔ تحریر کی گہرائی، مطالعہ کی وسعت، جزئیات پر کامل دسترس، حقائق ومعارف پر کڑی نگاہ، تاریخ سے اعلیٰ درجے کی شناسائی، علوم نقلیہ کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کے جدید وقدیم مسائل سے بھرپور آگاہی امام احمد رضا کی پہچان ہے۔ ایک زمانہ ان کی تبحر علمی کا قائل رہا ہے۔ شبلی نعمانی کے دست راست سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

”جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے، اس قدر تو میرے استاذ مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور مولانا محمودالحسن دیوبندی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں“۔ (ماہ نامہ ندوہ، شمارہ اگست ۱۹۱۳ء)

سید سلیمان ندوی کی مختصر تحریر میں جو چار نام موجود ہیں، وہ بھی اپنے عہد کے مشہور مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں، سرسید احمد خان، ابوالکلام آزاد، اور عبدالماجد دریاآبادی کو بھی اس فہرست میں جوڑ دیا جائے اور پھر بہ نظر غائر ان تمام کی تحریر کردہ کتب ورسائل کا تجزیہ کیا جائے تو تصانیف کی تعداد کے لحاظ سے ان ساتوں میں سے کوئی بھی امام احمد رضا کے مقابل ٹھہرتا نظر نہیں آتا، اور اگر موضوعاتی لحاظ سے ان کی تحریروں کا جائزہ لیا جائے تو فقط تاریخ، تذکرہ، تحقیق، تنقید، شعروادب، سیرت، تفسیر وغیرہ علوم وفنون میں انہیں تقسیم کر کے تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ ”آثارالصنادید“ اور ”اسباب بغاوت ہند“ میں سرسید کا تاریخی شعور بہ ظاہر نکھرا نظر آتا ہے، مگر تفسیر قرآن میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائی۔ سرسید کا مغربی تہذیب وتمدن سے کافی متاثر ہونا جگ ظاہر ہے۔ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں انگلینڈ جاکر جو کچھ مطالعہ ومشاہدہ کیا، اسے اپنے دماغ وفکر میں بسا کر جب ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں ہندوستان واپسی ہوئی تو خودساختہ نیچری فکر پیش کرنے کا آغاز کیا اور گمراہی کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا، اس کے تعلیمی نظریات میں بھی انگریزوں کی حمایت ومداخلت کارفرما دکھائی دیتی ہے۔

”حیات جاوید“ مولفہ الطاف حسین حالی میں یہ حقائق ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ شبلی نعمانی اعظمی جو انگریزی حکومت سے خطاب یافتہ شمس العلما اور جسے ندوہ (لکھنو) کے اہم رکن اور متحرک وفعال کرتا دھرتا کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے، اس نے بھی سرسید کی نیچری فکر کو آگے بڑھایا۔ موازنہ انیس ودبیر اور شعرالعجم میں ان کی تاریخی وتنقیدی بصیرت کی کافی شہرت ہوئی، مگر سیرۃ النبی میں من مانی تاویلات اور معجزات نبوی کے انکار نے سنجیدہ علمی حلقوں میں ان کا باطن ظاہر کردیا۔ شبلی نعمانی کی حدیث فہمی اور تاریخ دانی مسلسل لغزشوں کا شکار رہی ہے۔ ابوالکلام آزاد کو جواہر لال نہرو اور مسٹر گاندھی کی رفاقت اور غبار خاطر کی نثر سے کافی تعارف ملا۔ اس کے تعلیمی نظریات کی بھی دھوم رہی، مگر اس کا سفر

وہابیت سے الحاد تک جا پہنچا۔ ''آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی'' میں یہ اعترافات پڑھے جاسکتے ہیں۔ اس نے تفسیر قرآن لکھی اور جابجا تفسیر بالرائے اور اور من مانی تاویلات میں اس کا الجھنا بھی کسی سے مخفی نہیں۔ مذکورہ مصنفین کی تصانیف کی مجموعی تعداد امام احمد رضا کی تحریر کردہ کتابوں کی ربع بھی نہیں ہوتی۔ مجھے امید ہے کہ پیغام شریعت کا یہ تاریخی نمبر ایک یادگار شمارہ ہوگا اور ارباب تحقیق اس سے استفادہ کریں گے۔

توفیق احسن برکاتی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (اعظم گڑھ)

۲۶: محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد اصغر علی اشرفی

صدر المدرسین: دار العلوم شاہ عالم (احمد آباد: گجرات)

حامدا و مصلیا و مسلما

جب ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایسی نابغۂ روزگار شخصیات بھی نظر آتی ہیں جو **"العلماء ورثة الانبیاء"** کی حقیقی مصداق تھیں جنہوں نے اسلامی علوم وفنون کی آبیاری کے ساتھ اپنے فکری، علمی، عملی، سماجی، اصلاحی وتجدیدی کارناموں کے ایسے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی مسلمانان عالم کے قلوب واذہان جن کی ضیاپاش کرنوں سے روشن ومنور ہیں۔ ایسی ہی ستودہ صفات کی حامل شخصیات میں ایک عبقری شخصیت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ہے۔

آپ کو خالق لم یزل نے بہت سے علوم وفنون پر کامل دسترس عطا فرمائی تھی، چنانچہ ایک اندازے کے مطابق پچاس سے زائد علوم وفنون پر آپ کو نہ صرف عبور حاصل تھا، بلکہ ان علوم وفنون میں آپ کی تصنیفات بھی موجود ہیں۔ علوم وفنون پر گہرائی وگیرائی کا حال یہ ہے کہ جب بھی آپ نے کسی موضوع پر قلم اٹھایا تو اس کے کسی گوشے کو تشنہ نہ چھوڑا، بلکہ علوم وفنون کے اندر تحقیقات وتدقیقات کے دریا بہادیئے ہیں، دلائل وشواہد کی جس قدر کثرت آپ کے یہاں ملتی ہے، اس کی نظیر صرف آپ کے معاصرین ہی میں نہیں، بلکہ دور دور تک نظر نہیں آتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے سو سال مکمل ہو چکے، ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ رہی ہے کہ میرے امام کا اس سال عرس صد سالہ ہے۔ مختلف خانقاہیں، ادارے، تنظیمیں، تحریکیں، علما وفضلا عرس صد سالہ کے موقع پر اپنی اپنی وسعت کے مطابق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کے حوالے سے کتابیں، رسائل، اخبارات، خصوصی شمارے ونمبر شائع کر رہے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا ''مصنف اعظم نمبر'' بھی ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو اس صدی کے نصف ثانی میں حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر کام تو بہت ہوا، پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات بابرکات جس رفعت وعظمت کی حامل ہے، اس کے مطابق کام نہیں ہوا۔ اعلیٰ حضرت کی عظمت شان کا تقاضا یہ ہے کہ مزید کام کیا جائے۔ مصنف اعظم نمبر میں اعلیٰ حضرت کے ان تمام علوم وفنون کا تفصیلی تذکرہ ہے جن میں آپ مکمل دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ نمبر ایک الگ اپنی شناخت رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ یہ ''مصنف اعظم نمبر'' ایک سرد آہ ہے، ایک مثال خلوص ہے، ایک جذبۂ صادق ہے، بے چین دل کا قرار ہے، دل ودماغ کا سرور ہے، عزم وحوصلے کا قطب مینار ہے، رضا کے حسن قلم کا شاہکار ہے۔

جس نے بھی اس مبارک ومسعود کام میں حصہ لیا ہے، وہ سب قابل ستائش ولائق مبارک باد ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ادیب باکمال،

نازش فکروفن حضرت علامہ مولانا محمد طارق انور مصباحی مدظلہ العالی اوران کے رفقا اس عظیم کام کی بدولت مبارک باد کے قابل ہیں۔اللہ پاک ان کے جذبۂ صادق کوسلامت رکھے۔موصوف جماعت اہل سنت کے ایک اچھے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست قلم کار، قابل فخر مدرس، درجنوں کتابوں کے مصنف، بے مثال محقق ہیں، عاجزی وانکسار کے پیکر، اخلاص وللہیت، مردم شناسی وغیرہ آپ کا امتیازی وصف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس ''مصنف اعظم نمبر'' میں جتنے افراد نے دامے، درمے، سخنے جس طرح بھی حصہ لیا ہے، انہیں دین ودنیا کی برکتوں، وسعتوں، نعمتوں سے مالا مال فرمائے، اور حضرت علامہ محمد طارق انور مصباحی صاحب قبلہ اوران کے رفقا کی اس عظیم خدمت کومقبول عام وتام بنائے، اوراس نمبر کوموصوف اوران کے رفقا کے لیے سعادتوں، عزتوں اور برکتوں کا سبب بنائے، اورانھیں مزید توفیق سے نوازے: آمین یارب العالمین، بجاہ النبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم

دعاجو: خویدم الطلبہ والعلما

(مفتی) محمد اصغر علی اشرفی

صدرالمدرسین: دارالعلوم شاہ عالم (احمد آباد: گجرات)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی عبدالقادر رضوی امجدی اشفاقی

نائب مفتی: نوری دارالافتا جامع مسجد باسنی ضلع (ناگور شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام شریعت دہلی کا مصنف اعظم نمبر......ایک تاریخی قدم

شہر بریلی شریف کوسواد اعظم اہل سنت و جماعت کے مرکز ہونے کا شرف واعجاز حاصل ہے، اس کے پس منظر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری مجدد اعظم ومصنف اعظم قدس سرہ کی علمی، فقہی، تحقیقی، تحریری، قلمی، تبلیغی کاوشیں منارۂ نور کی چمک ودمک رکھتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک صدی گزرنے کے بعد بریلی شریف کے آفتاب مرکزیت کوگہن نہیں لگا، بلکہ جس نے بھی بریلی شریف کی مرکزیت کا انکار کیا، اس کوایسا گہن لگا کہ منظر سے ہٹ گیا اور بریلی شریف کی مرکزیت ترقی پذیر ہے۔اللہ تعالیٰ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کواپنے مرکز سے وابستہ رکھے: آمین

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مصنف اعظم، مجدد اعظم قدس سرہ کی عبقری شخصیت پررواں صدی میں زبردست مثالی کام ہوا ہے۔آپ کی تصنیفات کا شمار ایک ہزار ہے اور ۱۲۰/علوم وفنون پر آپ کوکمال مہارت ودرجۂ امامت حاصل تھا۔کئی علوم وہ ہیں جوصرف آپ کی کتب و تحریرات کی زینت ہیں، ان سے ادنیٰ سی واقفیت رکھنے والا بھی روئے زمین پرکوئی نظر نہیں آتا، اور بعض علوم وفنون پر آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں جوتحقیقات علمی کا بحارذخار ہیں، اس کے علاوہ اپنے دور پُرفتن میں حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ''لصوص دین'' کی ان کے بدنما چہرے سے نقاب کشائی فرمائی اوران کا ایسا محاسبہ کیا کہ ان کا رہزن ہونا اظہر من الشمس ہوگیا۔

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ نے حق وصداقت سے عناد رکھنے والوں کے خلاف قلم اٹھایا، خرافات وبدعات کے خلاف لکھا،

۱۲۸۶ھ سے ۱۳۴۰ھ تک متواتر، مسلسل آپ کا قلم چلتا رہا، آپ نے اپنے قلم حق رقم کے ذریعے عقیدۂ توحید ورسالت کو اجاگر فرمایا، وہیں سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے اکابر اولیائے کرام کی عظمتوں کا تحفظ فرمایا، سواد اعظم اہل سنت وجماعت کی ہر محاذ پر مجددانہ شان کے ساتھ نمائندگی فرمائی کہ آج آپ کی شخصیت شمع محفل ومیر مجلس بن گئی ہے اور ''**علامة السنية**'' کی حیثیت سے انفرادیت رکھتی ہے۔

اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کو وصال فرمائے ایک صدی مکمل ہو چکی ہے، لیکن علم وفضل کے تمام تر دعاوی کے باوجود کسی مخالف سے آپ کی کسی چھوٹی سی چھوٹی کا جواب نہ ان کی زندگی میں بن پڑا اور نہ وصال کے بعد ایک صدی میں آج تک کسی کتاب کا جواب لکھا جا سکا: **ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء**۔

میں صمیم قلب کے ساتھ ''ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کے جملہ ارباب حل وعقد بالخصوص نبیرۂ حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری اعظمی وفخر صحافت علامہ محمد طارق انور مصباحی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ ''جشن صد سالہ امام احمد رضا قادری'' کے تاریخ ساز موقع پر آپ حضرات تاریخ ساز ''مصنف اعظم نمبر'' شائع فرما کر ملت اسلامیہ سواد اعظم پر احسان عظیم فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت عامہ عطا فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد عبد القادر رضوی امجدی اشفاقی

نوری دار الافتا جامع مسجد صدر بازار باسنی ضلع ناگور شریف (راجستھان)

۲۹ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی محمد اسلم رضا قادری اشفاقی

رکن: آل راجستھان سنی تبلیغی جماعت باسنی (ناگور شریف)

آئینۂ حق نُما احمد رضا!

مجدِّدِ اعظم، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت سیدنا الشاہ امام احمد رضا قادری برکاتی محدِّث بریلوی قدس سرہٗ العزیز جیسی ہمہ جہت اور عالمی شخصیت کے علمی فیوض وبرکات کا سرچشمہ آج بھی جاری وساری ہے۔ ہزاروں اصحاب علم وفضل ان کی علمی وفقہی تحقیقات وتنقیدات کو دیکھ کر حیرت واستعجاب میں پڑ گئے۔ عجم کی سرحد سے عرب کے ممالک تک امام احمد رضا کے علمی ودینی وفقہی کمالات کی گونج محسوس کی جارہی ہے۔ نغماتِ رضا سے آج بوستانِ علم وادب کیوں مشکبار ہیں، کیا یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وہ بڑے جاگیر دار اور سرمایہ دار تھے؟ یا وہ کسی بادشاہ کے نورِ نظر تھے؟ نہیں نہیں، ان کی محبوبیت ومقبولیت کے یہ اسباب نہیں ہیں، بلکہ ان کی عالمی مقبولیت وعزت کا سبب ان کا عشق رسول ہے، جس کی سوزش وتپش نے ان کے دل کو کباب بنا دیا تھا۔ خود فرماتے ہیں:

جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزشِ عشقِ چشم والا کبابِ آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے۔

اللہ اللہ! ایسا عشق، اسی عشق رسول مقبول کی برکتوں نے انہیں پوری دنیا میں مقبول ترین بنا دیا ہے۔ کیا ہند و پاک! کیا مصر وشام! جب علمائے حرمین شریفین نے امام احمد رضا کی فقہی استعداد ومہارت کے جلووں کو دیکھا تو انہوں نے امام احمد رضا سے اجازتیں اور سندیں حاصل

کیں، حرمین شریفین میں جو عزت و مقبولیت امام احمد رضا کو ملی، تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی ہے۔ مفتی شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل مکی علیہ الرحمہ نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے امام احمد رضا کی پیشانی کو دیکھ کر فرمایا: **انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین** ’’یقیناً میں اس پیشانی میں اللہ کا نور دیکھ رہا ہوں۔ شیخ الخطبا الشیخ احمد ابوالخیر مرداد علیہ الرحمہ نے ’’الدولۃ المکیۃ‘‘ ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا: **انا اقبل ارجلکم انا اقبل نعالکم** ’’میں آپ کے قدموں کو بوسہ دوں، میں آپ کی جوتیوں کو چوموں [امام احمد رضا محدث بریلوی اور علمائے مکہ مکرمہ، ص:8]

امام احمد رضا کی عربی تصانیف پر علمائے حرمین شریفین نے ایک دو نہیں، 70 / 80 تقاریظ لکھ کر امام احمد رضا کی فقاہت و علمیت کو دادو تحسین پیش کی ہے: ’’**ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**‘‘

ماہر رضویات ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد کراچی لکھتے ہیں: امام احمد رضا کی شخصیت حرمین شریفین اور عالم اسلام میں جانی پہچانی تھی اور ان کے علم و فضل کا عوام و خواص میں چرچا تھا، جس کا اندازہ عالم عرب اور اسلامی ممالک میں ہوا۔ بلا شبہ علم و فضل میں امام احمد رضا کا ان کے معاصرین میں کوئی ہم پلہ نہ تھا، اگر کوئی محقق بغیر تعصب و تنگ دلی کے معاصرین کے آثار علمیہ اور امام احمد رضا کے آثار علمیہ کا تقابلی مطالعہ کرے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ امام احمد رضا کا ان کے عہد میں کوئی ثانی نہ تھا، اور پھر کثرت علوم پر امام احمد رضا کو جو عبور اور مہارت حاصل تھی، اس کی نظیر ان کے عہد میں کیا، ماضی میں بھی شاذ ہی نظر آتی ہے‘‘۔

[آئینۂ رضویات، ص:92، جلد سوم، کراچی 1997ء]

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ و کتب میں اگر اپنے متقدمین علما و فقہا سے نظریاتی اختلاف بھی کیا ہے تو اسے تطفلات کا عنوان دیا ہے جس سے بے ادبی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسا امام جن کا علمی شجرہ امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصل ہو، وہ کیوں کر علما و مشائخ کا نور نظر نہ ہوگا، جس نے ہر دم ملت اسلام کے واسطے تن من دھن کی بازی لگا کر شجر اسلام کو سینچا ہو، اس کے علم و عشق کا ڈنکا پوری دنیا میں کیوں نہ بجے گا؟

اس امام اہل سنت نے ہم غربائے اہل سنت کے لیے کیا ہے جو نہیں کیا؟ ایک ہزار علمی و تحقیقی کتابیں، عشق و عرفان میں ڈوبے ہوئے کلام، علم سائنس و ادب پر محققانہ ابحاث، گمراہوں سے مقابلے کے لیے علمی و تحقیقی مقالات، ان کی زندگی کے کس کس پہلو کو شمار کیا جائے۔ ان کی زندگی کا کون سا لمحہ تھا جس میں انہوں نے کوئی اپنا کام کیا ہو؟ تاریخ گواہ ہے امام احمد رضا خاندانی رئیس تھے، نواب زادے تھے، جاگیردار تھے، آبا و اجداد سے خوب وراثت ملی تھی، مگر انہوں نے دینِ متین کی خدمت کی خاطر کبھی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ صرف ایک تاریخی شہادت پیش کرتا ہوں جو ان کی ایمانی قوت و بصیرت، حالات حاضرہ پر گہری نظر کی عکاس ہے۔

’’تحریک آزادی کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی آپ کی خدمت میں بریلی حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ ایک وسیع حلقے کے روحانی پیشوا ہیں۔ آپ تحریک آزادئ ہند کے سلسلے میں کانگریس کا ساتھ دیں تو آپ کی شخصیت حالات پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا: مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے؟ آپ ’’ہندو مسلم اتحاد‘‘ کے حامی ہیں اور میں مخالف ہوں۔

علی برادران جب باہر جا چکے تو محمد علی جوہر مولانا شوکت علی سے کہنے لگے کہ: ’’مولانا احمد رضا خشک ہیں‘‘۔ آپ صاحب کشف بزرگ تھے۔ فوراً کشف سے ان کے احوال پر مطلع ہوئے اور مولانا محمد علی جوہر کو بلایا اور کہا: مولانا! میں خشک نہیں ہوں، ملک آزاد کرانا ہے تو مسلمانوں کی اپنی علیحدہ تنظیم بنائیں اور ہندوؤں سے بالکل علیحدہ ہو جائیں‘‘۔ مولانا جوہر کی آنکھوں میں آنسو آگئے، دست بوسی کی

اور حضرت کے موقف سے آگاہ ہوئے، آپ حضرات جانتے ہیں کہ خداوند عالم کی دی ہوئی نعمت ترکۂ آبائی سے میری کافی معیشت ہے ،مگر میں نے کبھی اس کی طرف توجہ نہ کی ،(بھائی) حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ انتظام کرتے رہے ،ان کے انتقال کے بعد (بھائی محمد رضا خاں) ننھے میاں سلمہٗ اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، یہ سن کر وہ خاموش ہوگئے''۔ [علمائے اہل سنت کی بصیرت وقیادت ،ص:273]

یہ ہے اس امام احمد رضا قدس سرہٗ کے علم وتدبر کا حال، جس کے سامنے بڑے بڑے اصحاب فضل وکمال اور ارباب سیاست زبان سنبھال کر بولتے تھے۔ وہ اللہ کا ایسا ہی مقبول بندہ تھا جس کی رگ وپے میں اسلام وسنیت ،قوم وملت کا درد بھرا ہوا تھا۔ مولیٰ تعالیٰ امام احمد رضا کے علم وعمل کا کچھ حصہ ہمیں بھی مرحمت فرمائے: آمین

مجدّدِ اعظم امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے عرس صد سالہ پر نازش ملت حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری، (مدیر اعلیٰ) ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کا ''مصنف اعظم نمبر'' پیش کررہے ہیں، اس علمی وتحقیقی نمبر کی اشاعت پر میں انھیں اور مولانا طارق انور مصباحی ودیگر آپ کے رفقائے کار کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ موصوف کی اس عظیم دینی خدمت کو قبول فرما کر دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے (آمین)، اور ہمیں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے علمی آثار وتبرکات کو پھیلانے، دوسروں تک پہنچانے، اور زیادہ سے زیادہ عام وتام کرنے کی توفیق وہمت عطا فرمائے (آمین)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین مصباحی

استاذ: دار العلوم غوثیہ رضویہ بلیک برن (یوکے)

اس دنیا میں مختلف علوم وفنون پر تصانیف کا ذخیرہ چھوڑنے والے کئی اہل علم وفن پیدا ہوئے۔ کسی نے تفسیر میں، کسی نے حدیث میں، کسی نے فقہ میں وغیرہ علوم وفنون پر قلم چلایا اور امت کو ان علوم پر بیش قیمت ذخیرہ فراہم کیا، مگر ایسے بہت کم لوگ نظر آتے ہیں جنھوں نے ایک دو نہیں، بلکہ پچاس سے زائد علوم وفنون پر اپنے پیچھے کتب کا خزانہ چھوڑا۔ ان میں چودھویں صدی میں امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ سر فہرست ہیں۔ تصنیفی خدمات میں دور دور تک آپ کا ثانی ملنا دشوار ہے۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر سے تصنیف وتالیف کا نورانی مشغلہ شروع کیا اور عمر کی آخری سانس تک اس کو جاری رکھا۔ چاہے سفر ہو کہ حضر، علالت ہو کہ صحت، ہر حال میں آپ یہ کام کرتے رہے، اسی لیے آپ نے امت کو پچاس سے زیادہ فنون پر ایک ہزار تصانیف کا حسین تحفہ عنایت کیا۔

سطور ذیل میں حیات اعلیٰ حضرت سے چند فنون پر تعداد کتب نقل کرتا ہوں:

علم عقائد:۳۱۔ علم کلام:۱۷۔ حدیث:۱۱۔ تفسیر:۶۔ علم فقہ:۱۵۰۔ علم نعت:۲۔ اصول حدیث:۲۔ اصول فقہ:۹۔ علم فضائل:۳۰۔ توقیت:۶۔ ہیئت:۳۔ نجوم:۱۔ ردجدید سائنس:۳۔ جفر:۳۔ ردقادیانیت:۶۔ ردروافض:۶۔ ردوہابیہ:۶۷۔ ردہنود:۱۔ ردنصاریٰ:۳۔

قارئین! یہ ایک جھلک ہے تصانیف کی، اس سے اندازہ لگائیں کہ آپ نے دین اسلام کی اور سنیت کی اپنی تصانیف کے ذریعہ کتنی عظیم خدمت کی ہے۔ یقیناً آپ پر ''مصنف اعظم'' کا لقب کما حقہ صادق آتا ہے۔ ضرورت تھی کہ ایسے مصنف اعظم کی ذات کو محض عمدہ الفاظ کے

ذریعہ صرف القاب تک ہی محدود رکھ کر جوش خطابت یا زور قلم دکھا کر تعارف نہ کرایا جائے، بلکہ دلائل و براہین سے، ان کی تصانیف سے، علوم وفنون میں ان کی مختلف مہارت ثابت کی جائے، تاکہ اپنے مطمئن اور اغیار ان کی بے پناہ صلاحیتوں کے معترف ہو جائیں۔اس ضرورت کو صدیقی الکریم نبیرۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ حفظہ اللہ تعالیٰ اور آپ کی پوری ٹیم نے محسوس کیا اور ''مصنف اعظم'' نامی نمبر کے اجرا کا نہ صرف عزم کیا، بلکہ اس کو مکمل کر کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچا دیا۔

اس عظیم دینی اور مسلکی خدمت پر پوری جماعت کی طرف سے آپ اور آپ کی ٹیم لائق مبارک باد ہے۔اخیر میں دعا ہے کہ اللہ عزوجل آپ حضرات کی عمر، علم وصحت میں برکت عطا فرمائے: آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

محمد نظام الدین المصباحی

خادم دار العلوم غوثیہ رضویہ بلیک برن (یو، کے)

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی اشفاق احمد رضوی مصباحی

صدر شعبہ احناف: جامعہ سعدیہ عربیہ (کاسرگوڈ)

یہ انتہائی کیف آور اور روح پرور مژدہ جانفزا ہے کہ ماہنامہ "پیغام شریعت" (دہلی) کے اراکین واصحاب قرطاس وقلم مؤید ملت طاہرہ، صاحب تصانیف کثیرہ، شیخ الاسلام والمسلمین، عاشق سید المرسلین، قاطع کفر وضلالت، مجدد دین وملت، امام اہل سنت، سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے عرس صد سالہ کے جنت بداماں و بہجت آمیز موقعہ پر ''مصنف اعظم نمبر'' شائع کرنے جا رہے ہیں، جس کے ذریعہ اقوام عالم اسلام کے سامنے امام اہل سنت کی پچاس سے زائد علوم وفنون پر مہارت اور تصانیف وتحریرات کا نہایت دلکش اور اچھوتے انداز میں تعارف وتبصرہ پیش کیا جائے گا، جو بلاشبہ باب رضویات میں ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس حقیر سگ بارگاہ رضا کی طرف سے ''پیغام شریعت'' (دہلی) کے تمام ارکان وقلم کاران کی خدمت میں تہنیت وتبریک کے گجرے پیش ہیں۔ ع/ گر قبول افتد زہے عزوشرف

"مصنف اعظم نمبر" کے ذریعے سیدی امام اہل سنت علیہ الرحمہ کی ذات صد ہزار رنگ کی نوع بنوع چمک ودمک جہاں وفا شعاران اہل سنت کے دیدہ ودل کے لیے:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ھیں

کی ایک تعبیر، تفصیل، تفسیر اور تنویر ہوگی، وہیں اعدائے دین کے لیے شمشیر بے نیام اور خنجر خونخوار:

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار اعدا سے کہد و خیر منائیں نہ شر کریں

اس طرح کے نمبر کی اشد ضرورت تھی۔مبارک ہو کہ "پیغام شریعت" نے اس کو پورا کر دیا۔مولیٰ تعالیٰ بصدقہ حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس رسالہ کو نئی جہات فتح کرنے کی سعادت بخشے، اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے لیے ہمہ دم سینہ سپر رکھے، اور اس کے جواں سال وجواں ہمت مدیرین واراکین کو تادیر چمن صحافت میں بلبل صد رنگ بن کر چہکنے، چمکنے، دمکنے کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

یکے از سگان کوچہ رضا: اشفاق احمد رضوی (جامعہ سعدیہ: کاسرگوڈ: کیرلا)

حضرت مولانا استاد عبد اللطیف سعدی

استاذ: جامعہ سعدیہ عربیہ (کاسرگوڈ: کیرلا)

امام احمد رضا قادری اپنے علم وفضل کے سبب عرب وعجم میں مشہور روزگار شخصیت ہیں۔ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ایسے کثیر التصانیف ماضی قریب میں امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ ہوئے۔ان کی تصنیفات وتالیفات بھی ایک ہزار ہیں۔امام احمد رضا قادری کی تصانیف عربی،اردو، فارسی تین زبانوں میں ہیں۔آپ اپنے عہد کے ایک عظیم نعت گوشاعر بھی تھے۔آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کے نام سے شہرت یافتہ ہے۔ ہندوپاک میں آپ کا رقم کردہ سلام ''مصطفٰی جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' انتہائی مقبول عوام وخواص ہے۔ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ استاذ جامع ازہر مصر نے اس کا عربی ترجمہ کیا ہے۔

آپ کے فتاویٰ کا مشہور مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ'' کی بھی متعدد جلدیں عربی میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔اس طرح آپ کا علمی فیضان عرب وعجم کو محیط ہو چکا ہے۔ جامعہ سعدیہ عربیہ (سعدآباد، کاسرگوڈ: کیرلا) کے سابق ناظم اعلیٰ حضرت نور العلما شیخ عبد القادر مسلیار نور اللہ مرقدہ کو آپ کے سبط گرامی تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ سے سند حدیث حاصل تھی۔مفتی مذاہب اربعہ حضرت شیخ شہاب الدین احمد کویا شالیاتی (چالیم ،کالی کٹ: کیرلا) (۱۳۰۲ھ - ۱۳۷۴ھ) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے خاص شاگردوں میں تھے۔اس طرح ریاست کیرلا تک بھی ان کے عہد میں ان کا علمی فیضان پہنچ چکا تھا۔

امام احمد رضا اپنے عہد کے ایک مشہور عاشق رسول گذرے ہیں۔انہوں نے اپنے زمانے میں بدمذہبوں کے ہر قسم کے فتنوں کا علمی جواب دیا۔ان کے مضبوط دلائل کے سامنے مخالفین کو خاموش ہونا پڑا۔جس طرح ریاست کیرلا میں شیخ زین الدین مخدوم ثانی ملیباری (۹۳۸ھ-۹۹۱ھ) (مؤلف: فتح المعین) شاگرد علامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی (۹۰۹ھ-۹۷۴ھ) کو قبولیت عامہ اور سند کا درجہ حاصل ہے،اسی طرح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو ہندوپاک میں ایک معتبر ومستند عالم ومفتی کا درجہ حاصل ہے۔اعتقادی اموروشرعی مسائل ان کی تحریریں قول فیصل تسلیم کی جاتی ہیں۔

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی علوم وفنون کی تفصیلات پر مشتمل ایک وقیع مجلّہ شائع کر رہا ہے۔ہم اس کے تمام منتظمین واراکین کو اور خصوصاً محبّ گرامی مولانا طارق انور مصباحی کو تہنیت ومبارکبادی پیش کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت عطا فرمائے،اور ماہنامہ پیغام شریعت کے ذمہ داروں کو مزید دینی وعلمی خدمات کے لیے وسائل مہیا فرمائے: آمین

عبد اللطیف سعدی

استاذ: شعبہ ڈپوما (عربی ادب) وشعبہ علوم اسلامیہ

جامعہ سعدیہ عربیہ (ڈیلی، کاسرگوڈ: کیرلا)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی یحییٰ رضا مصباحی

استاذ: جامعۃ المدینہ فیضان کنز الایمان (ممبئی)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت عاشق ماہ رسالت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان عالم اسلام کی وہ عظیم علمی وروحانی

اورعبقری شخصیت ہیں جن کی عمرشریف کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف اور مسائل شرعیہ کے جوابات دینے میں گزرا۔ لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی کرتے رہے۔ مجدد اعظم کی تصانیف؛ فتاویٰ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اپنے تو اپنے اغیار بھی ان سے استفادہ پر مجبور رہیں۔ جب کسی مفتی کو کسی مسئلہ کا حل مشہورزمانہ کتب فقیہ شامی؛ عالمگیری؛ فتح القدیر وغیرہ میں نہ مل پاتا تو وہ فتاویٰ رضویہ کی طرف رجوع کرتا اور معمولی تلاش کے بعد مفتی بہ اورشافی جواب حاصل کر لیتا، بلکہ ان میں بہت سے تو وہ ہیں جو دیگر کتب فقہیہ کی طرف ابتدائے امر میں نظر نہیں اٹھاتے، بلکہ فتاویٰ رضویہ سے ہی اپنے مسائل کو حل کر کے اس میں مندرج حوالوں سے اپنی تحریروں کو مزین کرتے ہیں۔

علم حدیث ہو یا تفسیر؛ علم فقہ ہو یا تجوید؛ علم تصوف ہو یا اذکار؛ تاریخ ہو یا سیر ومناقب؛ ادب ہو یا نحو؛ لغت ہو یا عروض؛ علم جفر ہو یا تکسیر؛ جبر ومقابلہ ہو یا ارثماطیقی؛ توقیت ہو یا نجوم؛ حساب ہو یا ہیئت؛ ہندسہ ہو یا ریاضی، ہرفن میں مصنف اعظم مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا قلم گوہر باری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

قابل صد مبارکباد ہیں ''ماہنامہ پیغام شریعت'' کے ارباب حل عقد خصوصاً گرامی وقار حضرت مولانا مفتی فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ ومحبّ گرامی قدر حضرت مولانا طارق انور مصباحی صاحب جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف کے مطابق برصغیر کے بہترین قلم کاروں سے مضامین تیار کروا کر ''مصنف اعظم نمبر'' پیش کر رہے ہیں۔ اللہ عزوجل اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ان کاوشوں کو قبول فرمائے۔ والد گرامی وقار فقیہ اسلام حضرت مفتی عبدالحلیم صاحب قبلہ (ناگپور) ان دنوں علیل ہیں۔ تحریری تاثرات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ جب میں نے ماہنامہ پیغام شریعت کے مصنف اعظم نمبر اور مولانا طارق انور مصباحی کے حوالہ سے عرض کیا تو مبارکباد کے ساتھ ساتھ خوب دعاؤں سے بھی نوازا۔ اللہ عزوجل ''پیغام شریعت'' کو خوب ترقیوں سے نوازے، اور اس کے فیضان سے عالم اسلام کو بہرہ ور فرمائے: آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

یحییٰ رضا مصباحی

خادم التدریس: جامعۃ المدینہ فیضانِ کنزالایمان (بمبئی) وصدر جامعہ ضیائیہ فیض الرضا (ددری، سیتامڑھی: بہار)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد شاہد القادری

جنرل سکریٹری: مجلس علمائے اسلام (بنگال)

عاشق رسول سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ العزیز نے مختلف علوم و فنون (اسلامی وعصری) پر ایک اچھا خاصہ ذخیرہ امت مسلمہ کو عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح تعلیم اور تعلم کے حوالے سے بھی بھرپور اہمیت، مقاصد، افادیت کو آپ نے پیش کیا ہے۔

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے جہاں تعلیم پر زور دی ہے، ساتھ ہی ساتھ تعلیم دینے والے صاحب مؤثر شخصیت اساتذہ کرام کے حوالے سے بھی چند مفید گفتگو تحریر فرمائی ہے، اور صرف ضابطہ ہی نہیں بنایا ہے، بلکہ اس پر خود بھی عمل پیرا رہے ہے، ملاحظہ کریں:

(۱) جو علم سکھایا جائے، سیکھنے والا اس کا اہل ہو (۲) استاذ جو پڑھا رہا ہے، اس میں خود غواصی رکھتا ہو (۳) استاذ متعلقہ کتابیں پوری تحقیق اور گہرائی کے ساتھ پڑھائے (۴) تنقید کا پہلو بھی پیش نظر رہے، تاکہ طلبہ کے ذہن میں کوئی اشکال وارد ہو تو اس کا تصفیہ بھی ہو۔

اب فرماتے ہیں:

''فقیر نے قدرت والے رب کی مدد سے ان تمام علوم وفنون میں غواصی کی، اور ان کے دقائق وحقائق آسان کر کے ان کے اصحاب کو سکھائے اور ان کی کتابیں پوری چھان بین اور تنقید کے ساتھ پڑھائیں''۔(الاجازت المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ،ص:۱۶۳،مطبوعہ بریلی شریف)

امام احمد محدث رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے تعلیم کی اہمیت وافادیت کے ساتھ تعلیم دینے والے اساتذہ کے خیالات ونظریات کے احوال کے تعلق سے بھی تحریر فرمائی ہے، ملاحظہ کریں: ''اور جب وہ (مدرس) دین کا تنزل چاہنے والا ہے، تو تعلیم دین کی ترقی اس سے کیوں کر متوقع ہے، اس مدرسہ کے پاس نہ جانا چاہیے اور چھوڑ دیا جائے کہ اسی خیال والے اس میں پڑھتے ہیں''۔(فتاویٰ رضویہ۔ج:۲۳،ص:۱۴۷)

آگے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''مدرس کے لیے ذی علم، ذی فہم، سنی صحیح العقیدہ ہونا کافی ہے''۔(فتاویٰ رضویہ،ج:۱۲،ص:۱۳۱،مطبوعہ ممبئ)

بعض طلبہ بڑی محنت اور مشقت سے علم دین حاصل کرتے ہیں تو بعض طلبہ کھیل کود کرتے ہوئے سند فراغت حاصل کر لیتے ہیں، ایسے طلبہ کے بارے میں حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''سند حاصل کرنا تو کچھ ضروری نہیں۔ ہاں، باقاعدہ تعلیم پانا ضروری ہے، مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر، اور جس نے باقاعدہ تعلیم نہیں پائی، وہ جاہل محض سے بدتر ہے۔ نیم ملا خطرۂ ایمان ہوگا، ایسے شخص کو فتوی نویسی پر جرأت حرام ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے''۔(فتاویٰ رضویہ،ج:۲۳،ص:۷۱۶،مطبوعہ پوربندر)

سیدی اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے فن تعلیم وتعلم کے حوالے سے جو کچھ پر مغز تحریرات امت مسلمہ کو عطا فرمایا ہے، وہ امت کے تمام طبقات کے لیے مشعل راہ ہیں، گرچہ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اس فن میں مستقل کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی ہے۔ ہاں، فتاویٰ رضویہ کے بعض صفحات پر فن تعلیم وتعلم کے حوالے سے مفید گفتگو کا خزانہ موجود ہے۔

ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) عرس صد سالہ کے موقع پر مصنف اعظم نمبر شائع کر رہا ہے، جس میں اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کا ذکر ہو گا، اور ان علوم وفنون میں اعلیٰ حضرت کی خدمات کا ذکر ہوگا۔ ہم ماہنامہ پیغام شریعت کے مدیرین وجملہ ارکان کو مبارک بادی پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے: آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وعلیٰ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم

☆☆☆☆☆

علمائے کرام مرکز اہل سنت جامعہ حضرت بلال (بنگلور)

باسمہ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ واصحابہ اجمعین

یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے زیر اہتمام امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کے علوم وفنون سے متعلق ایک گراں قدر اور وقیع مجموعہ شائع ہونے جا رہا ہے۔ یہ ایک تاریخی اور انقلابی اقدام ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو بہت سے علوم وفنون میں قدرت ومہارت حاصل تھی۔ ان کے فتاویٰ اور تصانیف اس پر شاہد عدل ہیں۔ ماضی قریب میں ان کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ جس مسئلہ یا جس علم وفن کی جانب آپ نے رخ فرمایا، تحقیق وتدقیق کا دریا بہا دیا۔

ع/ جس سمت آ گئے ہیں، سکے بٹھا دیئے ہیں

جامعہ حضرت بلال (ٹیانری روڈ: بنگلور) اور ادارہ شرعیہ: کرناٹک (ملحق: جامعہ حضرت بلال بنگلور) کے تمام ارکان وممبران واساتذۂ کرام اس تاریخی کارنامے پر ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے جملہ احباب وارکان خصوصاً ادیب شہیر حضرت علامہ مفتی فیضان المصطفٰی قادری (امریکہ) ومدیر پیغام شریعت: مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا) کو سوغات تہنیت ومبارک بادی پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور قوم وملت کی مزید دینی وملی خدمات کے لیے اسباب ووسائل مہیا فرمادے۔

آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم

منجانب

(۱) جناب الحاج اے امیر جان قادری (چیرمین مرکز اہل سنت جامعہ حضرت بلال سنی ٹرسٹ: ٹیانری روڈ بنگلور)

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد اسلم مصباحی (چیف قاضی: ادارہ شرعیہ کرناٹک واستاذ جامعہ حضرت بلال: بنگلور)

(۳) حضرت قاری محمد ذوالفقار رضا نوری (استاذ: جامعہ حضرت بلال وخطیب وامام مرکزی بلال مسجد: بنگلور)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا شمس الحق قادری مصباحی

استاذ: جامعہ امام احمد رضا احسن البرکات، نیوکاسل (ساؤتھ افریقہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا عظیم اور بے مثال طرزِ تصنیف وتحقیق

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کو علمائے عرب وعجم نے آپ کی بے پناہ علمی، تصنیفی اور تحقیقی خدمات کی بنا پر مجدّد دین وملت اور امام زمانہ تسلیم کیا۔ صرف تیرہ سال اور دس ماہ کی کم عمر میں جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں خداداد ماہرانہ استعداد وصلاحیت کی سند لے کر آپ مسند افتا پر جلوہ افروز ہوئے تو علم وفن، تصنیف وتحقیق اور افتا وارشاد کی ایسی عظیم خدمت فرمائی کہ پوری دنیا کے مرکزِ عقیدت اور مرجعِ فتاویٰ بن گئے۔

آپ کی پہلودار اور عبقری شخصیت پر نظر ڈالیں تو ماضی قریب کی سربرآوردہ علمی شخصیات میں آپ کا مقام ومرتبہ بہت اعلیٰ وارفع نظر آتا ہے۔ آپ بیک وقت ایک متبحر عالم دین، عظیم مفسرِ قرآن، ماہر محدّث، مرجعِ خلائق مفتی، یکتائے زمانہ فقیہ، بلند پایہ ادیب اور ایک باکمال نعت گوشاعر تھے۔ ۵۴ علوم وفنون پر کم وبیش ایک ہزار تصانیف آپ کی عظیم تصنیفی قدرت ومہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اس کا حق ادا فرمادیا۔ جس عنوان پر لکھا، اس کا گوشہ گوشہ روشن ومنور کردیا۔ نثر کی جانب چلے تو فکر وفن اور علم وادب کے ایسے ایسے لعل وگہر لٹائے کہ عروسِ نثر بھی ایسی آراستہ اور مالا مال ہوگئی۔

قرطاس وقلم اور کتاب وسنت کی عظیم خدمت کے باب میں جہاں آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہیں آپ کی تصنیفات وتالیفات اس اعتبار سے بھی بہت عظیم ہیں کہ ان میں علم وتحقیق کا ایک نادر خزانہ موجود ہے۔ آپ کا یک ایک رسالہ علوم ومعارف کا ایک کوہِ نور ہے۔ بلاشبہ آپ ایک ''مصنّف اعظم'' ہیں۔ آپ کو پڑھنے کے بعد ہر سلیم الطبع اور ذی ہوش قاری آپ کی ان علمی اور تصنیفی عظمتوں کا معترف اور قائل ہوجاتا ہے۔

☆ آپ کی فکر ونظر نہایت عمیق اور دقیق ہے۔
☆ آپ کے مطالعے میں بہت وسعت اور ہمہ گیریت ہے۔
☆ آپ کے فہم مسائل اور پھران پر محققانہ بحث میں موضوعات کی عناصر بندی میں امتیازی درجے کی صحت اور قطعیت ہوتی ہے۔
☆ آپ کے دلائل میں بے پناہ قوت وشدت ہوتی ہے۔
☆ آپ بڑی مہارت اور کمال واحتیاط کے ساتھ اخذ نتائج فرماتے ہیں۔
☆ آپ کی رائے اور نقطۂ نظر میں حد درجہ پختگی اور ثقاہت وصلابت ہوتی ہے۔
☆ آپ کے علم وبیان اور استدلال واستنباط میں کمال درجے کا نظم وضبط اور تطبیق ہوتی ہے۔
☆ طرزِ القااور تفہیم مسائل میں آپ کو زبردست مہارت ہے۔
☆ زبان وبیان نہایت فصیح وبلیغ۔

آپ کی دقّتِ نظر اور وسعتِ علم کی ایک عظیم مثال:

فقہائے متقدمین ومتاخرین کے مابین یہ معرکۃ الآرا بحث موجود ہے کہ کن اشیا سے تیمّم جائز ہے اور کن سے ناجائز؟ فقہائے کرام نے ایسی اشیاء کی کل تعداد ۷۴: لکھی ہے جن سے تیمّم جائز اور روا ہے۔ ''مصنّف اعظم'' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ایسی اشیا کی تعداد ۱۸۱: بیان فرمائی ہیں۔ ہر کوئی حیران وششدر ہے کہ تنہا ایک فرد نے ۷۴: اشیا پر مزید ۱۰۷: شیا کا اضافہ کیا۔ اسی طرح پیش رو فقہائے کرام نے عدم جواز تیمّم کے باب میں ۵۸: ایسی اشیاء کا ذکر کیا، اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اس کی کل تعداد ایک ۱۳۰: بیان فرمائی ہے۔ اس طرح آپ نے اپنی طرف سے خود ۷۲: اشیا کا اضافہ فرمایا۔ اسی طرح پانی اور اس کے قابلِ استعمال کے احکام وبیان پر آپ کی نادر اور بے پناہ علمی تحقیقات آپ کی تصنیفی عظمتوں کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اسراف فی الوضو پر اقوال فقہا کی دلنشیں تطبیق اور محققانہ فیصلہ:

آپ کی تصانیف کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ یہ اپنے موضوع پر قول فیصل کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ متقدمین ومتاخرین کی آرا پیش فرمانے کے بعد اپنی اچھوتی رائے دیتے ہیں اور قاری کو آگاہ اور خبردار بھی کرتے ہیں کہ ایسی نادر تحقیق کہیں اور نہ ملے گی اور پھر اپنے اخذ کردہ شرعی قوانین واصول کو بیان فرما کر مسئلے کو بالکل روشن اور منقح فرما دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ایک مسئلہ ملاحظہ فرمائیں کہ اسراف فی الوضو کے مسئلے پر فقہائے متقدمین کی عبارتوں میں کئی جہتوں سے بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ علّامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیّۃ میں اور علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں بلا سبب پانی خرچ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ مدقق علائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے۔ صاحب بحر الرائق نے اسے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، جبکہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں اس کے خلاف اولیٰ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

ان اقوال کو پڑھ کر ایک عام قاری پریشان ہو جاتا ہے۔ مصنّف اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے علمی اصولوں پر ان چاروں اقوال کے جدا جدا محل بیان کرنے کے بعد انھیں باہم تطبیق دے کر بظاہر نظر آنے والے تضاد کو رفع کر دیا اور اس مسئلہ کو بالکل واضح فرما کر اہل علم کے سامنے پیش فرما دیا، آپ فرماتے ہیں:

۱۔ اسراف فی الوضو اگر بہ اعتقادِ سنّت ہو، یعنی اگر سنّت سمجھ کر پانی زیادہ صرف کیا جائے اور پانی کا ضیاع بھی ہو تو یہ حرام ہے۔
۲۔ اسراف فی الوضو اگر بلا اعتقادِ سنّت ہو، یعنی سنّت سمجھے بغیر صرف کیا جائے، مگر پانی کا ضیاع ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

۳۔ اسراف فی الوضواگر بلا اعتقادِ سنّت ہو، اور پانی کا ضیاع بھی نہ ہو، مگر پانی زائد از ضرورت خرچ ہو جائے تو یہ تو یہ مکروہِ تنزیہی ہے۔

۴۔ اسراف فی الوضواگر بلا اعتقادِ سنّت ہو، پانی بھی زیادہ خرچ نہ ہو، اس کی عادت بھی نہ ہو، مگر اتفاقاً زائد خرچ ہو جائے تو یہ خلاف اولیٰ ہے۔

لطف تو یہ ہے کہ اس تضاد کو دور کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ تو اسراف فی الوضو کی وہ صورتیں تھی جو غیر محمود ہیں، لیکن ایک صورت ایسی بھی ہے جس میں اسراف فی الوضو جائز، یعنی خلاف اولیٰ بھی نہیں ہے، پھر اس جائز صورت کی مزید چار اقسام بیان فرمائیں کہ یہ چاروں محل اور صورتیں اسراف فی الوضو میں جائز ہیں اور ان میں کوئی قباحت نہیں۔

آپ نے اس مسئلے کو ایسا واضح فرمایا کہ اب بعد کے آنے والوں کے لیے کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ آپ کی تصانیف میں جا بجا اس قسم کی علمی تشریحات ملتی ہیں جو نہ صرف آپ کے حسنِ فکر کی عکاس ہیں، بلکہ دیگر تصانیف وتحقیقات کے تناظر میں آپ کی بے مثال علمی وفکری، تصنیفی وتحقیقی عظمت ورفعت کی دلیلِ ناطق ہیں۔

تصنیف عظیم ''المحجۃ المؤتمنۃ بآیۃ الممتحنۃ''

۱۹۲۰ء میں آپ نے یہ عظیم کتاب اس وقت تصنیف فرمائی جس وقت تحریک ترکِ موالات نے زور پکڑا اور تحریک کے قائدین نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا اور یہاں بسنے والے مسلمانوں کو کہا کہ انگریزوں یعنی اہل کتاب سے ہر قسم کے تعلقات کو منقطع کرتے ہوئے ان کا مکمل بائیکاٹ کریں اور پھر اس ملک ہندوستان سے کہیں اور ہجرت کر جائیں۔ یہ بڑا نازک اور جذباتی ماحول تھا۔ بڑے بڑے اہل علم وافتا اس سیاسی تحریک کی رو میں بہ گئے اور کوئی بھی یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ قرآن وسنّت کی روشنی میں فیصلۂ ترکِ موالات درست ہے بھی یا نہیں؟ آپ نے قلم اٹھایا اور اپنے علم وتحقیق اور تبحرِ علمی کا ایسا حسین نظارہ پیش فرمایا کہ اہلِ ذمہ پر لکھی گئی ہزاروں تصانیف میں شاید ہی کہیں اس کی نظیر مل سکے۔ مسئلۂ ترکِ موالات پر بحث میں آپ نے جن کتابوں کا حوالہ پیش فرمایا ہے، اگر ان کی تفصیل پڑھ لی جائے تو آپ کی تصنیفی اور تحقیقی عظمتوں کا انداز ہو جائے گا۔

آپ نے اپنی اس تصنیف لطیف میں جامع الصغیر، السیر الکبیر، ظاہر الروایہ، مؤطا امام محمد، کتاب الآثار، شرح سرخسی، نتائج الافکار، ہدایہ، البحر المحیط، خانیۃ البیان، عنایہ، کفایہ، نہایہ، مستصفیٰ، فتح القدیر، کنز العمال، تنویر، بحر الرائق، کافی اور غنیّۃ کے علاوہ بے شمار تفاسیر کے حوالے تحریر فرمائے، اور پھر اس مسئلہ پر ایسی فاضلانہ بحث فرمائی، جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا۔ حق واضح بالکل ہو گیا اور امت مسلمہ ایک بڑی آزمائش سے محفوظ ہو گئی۔

آپ نے اصلاً موالات کو دو اقسام میں منقسم فرمایا۔ ۱: حقیقی موالات ۲: صوری موالات

پھر ان کی ۱۰: صورتیں بیان فرمائیں جن میں سے ۹: موالات کے باب میں ہیں اور ایک معاملت۔

آپ نے فرمایا: موالات کی درج ذیل ۹: صورتیں ہوتی ہیں:

۱: میلانِ قلب ۲: وِداد ۳: اتحاد ۴: انقیاد ۵: توکل ۶: مدارات ۷: مداہنت ۸: اقساط ۹: معاشرت

دسویں صورت مجرّد معاملت کی ہے۔

پھر آپ نے واضح فرمایا کہ مجرّد معاملت سوائے مرتد کے ہر ایک سے جائز ہے۔ قائدین تحریک نے ترکِ معاملت والی تمام آیات واحادیث کو غلطی سے ترکِ موالات پر چسپاں کر کے مسلمانانِ ہند کو بالخصوص سخت نقصان اور ضرر پہنچایا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ حقیقت میں ترکِ موالات ہے تو ہندو اور کافر ومشرک، نصاریٰ کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہیں کہ ان سے ترکِ موالات کیا جائے، مگر نصاریٰ سے انقطاع اور کفّار ومشرکین سے محبت ووداد؟ یہ احکام شرعیہ کا کھلا مذاق ہے۔

مندرجہ بالا مثالوں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے عظیم معیار تصنیف وتحقیق کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو اس حوالے سے پڑھا جائے اور آپ کی شخصیت اور علمی خدمات کے اس گوشے پر لکھا جائے۔ قابل صد مبارک باد ہیں حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ اور ماہنامہ ''پیغامِ شریعت'' کی پوری ٹیم کہ انھوں نے رضویات کے اس پہلو پر ایک بڑا کام کیا۔

دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ان کی جملہ دینی خدمات کو قبول فرمائے اور دنیا وآخرت میں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ ماہنامہ ''پیغامِ شریعت'' کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقی عطا فرمائے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے علمی فیضان کو صبحِ قیامت تک جاری رکھے اور ہم تمام کو ان کی تعلیمات اور مسلک پر عمل اور اس کے فروغ اور تبلیغ کی توفیق وسعادت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

حوالہ جات: فتاویٰ رضویہ جلد اول، دومو، سوم، چہارم والمحجۃ المؤتمنہ بآیۃ الممتحنہ

☆☆☆☆☆

خلیفہ تاج الشریعہ حضرت مولانا شیخ غلام صمدانی رضوی

بانی: دارالعلوم مظہر اسلام، مرشد آباد (بنگال)

حامدا ومصلیا ومسلما

نہایت ہی مسرت وشادمانی کی بات ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) اقوام عالم کو مجدد مائۃ سابقہ، مؤید ملت طاہرہ، آیۃ من آیات اللہ، معجزۃ من معجزات رسول اللہ، امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کی خدمات جلیلہ ومساعی جمیلہ سے روشناس کرانے کے لیے بنام ''مصنف اعظم نمبر'' شائع کر رہا ہے، ایسے موقع پر میں پیغام شریعت کے جملہ ارباب حل وعقد کو عمیق قلب سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات وہ فرد فرید ہیں، جنھوں نے اپنی پوری زندگی امت مسلمہ کو باغیانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں اور ان کے دامِ تزویر سے بچانے کے لیے وقف کر دی۔ وہ اعلیٰ حضرت جنھوں نے اپنی نوک قلم سے اس دور میں جنم لینے والے فتن مفاسد کا قلعہ قمع فرمایا اور ناموس رسالت پر شب خون مارنے والے شر پسند عناصر پر کلک رضا سے ایسی ضرب کاری لگائی کہ آج تک کوئی بھی بدعقیدہ لب کھولنے کی جسارت نہ کر سکا۔ وہ اعلیٰ حضرت جن کے سیال قلم سے جملہ متداولہ علوم قدیمہ وحدیثہ میں ایسی ایسی نایاب تصنیفات معرض وجود میں آئیں جوامت کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں۔

الغرض اعلیٰ حضرت اس عظیم ذات کا نام ہے جس نے اگر حفظ ناموس رسالت کے لیے قلم اٹھایا تو ایسی جولانیت دکھائی کہ جس کے سامنے بڑے بڑے بدعقیدگی کے شیش محل بھی تارِ عنکبوت بن گئے، اور اگر امت کے رشد وہدایت کے لیے آپ کا قلم اٹھا تو فتاویٰ رضویہ شریف

کی صورت میں ایک ایسا انسائیکلو پیڈیا منصۂ شہود پر آیا جو رہتی دنیا تک امت کے لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی کرتا رہے گا۔

آج ہم سب کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ تعلیمات رضا سے اقوام عالم کو شناسا کرایا جائے اور اپنے محسن کی خدمات کو چہار دانگ عالم میں نشر کیا جائے: ؎

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری　　خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

غلام صمدانی رضوی

۲۵/۹/۲۰۱۸ء

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی عبدالغفار ثاقب صاحب

مفتی وقاضی: ادارہ شرعیہ دربھنگہ کمشنری (بہار)

مخلص گرامی حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب مدیر اعلیٰ ''پیغام شریعت''　　سلام مسنون!

حضرت مولانا مفتی وفاء المصطفیٰ صاحب زید مجدہ سے پیغام مسرت سن کر کافی خوشی ہوئی کہ آپ نے اس سال امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے مبارک عرس صد سالہ کے حسین و پرفیض موقع پر ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا تاریخ ساز شمارہ ''مصنف اعظم نمبر'' نکالنے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل کے لیے یہ آپ کا بہت بڑا کارنامہ تسلیم کیا جائے گا۔

ماشاء اللہ! موضوع کا انتخاب بڑا ہی اچھوتا اور دستاویزی ہے۔ اس موضوع پر گفت وشنید کی سخت ضرورت تھی، جس کی بھرپائی کے لیے آپ نے بیڑا اٹھایا ہے۔ کیوں کہ اس مخصوص نمبر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوگی کہ قارئین کو ایک موضوع کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان کی عبقری شخصیت کو مختلف انداز فکر وتحریر میں زیارت کرنے کا حسین موقع ملے گا۔ جس طرح ایک گلاب اپنی انفرادی خوشبوئے دل پذیر کے ساتھ متفرق قد وقامت، مختلف رنگ وروپ میں صحرا کو گلزار بنا کر اپنے ناظرین کو اپنی رعنائی و بانکپن کا دیوانہ بنالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بطفیل محبوبہ الاعلیٰ (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) شاہدانہ فیضان اعلیٰ حضرت کی مشکبار و مسحور کن ٹھنڈی چھاؤں میں آپ کے حسن خیال و پاکیزہ ارادے کو پائے تکمیل تک پہنچائے: آمین

مزید برآں اگر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر تصنیفات سے قطع نظر کر بھی لیا جائے تو صرف فقہی انسائیکلو پیڈیا ''فتاویٰ رضویہ'' کو سامنے رکھ کر تجزیاتی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے پر قارئین حضرات کے نہاں خانۂ ذہن وفکر سے علوم وفنون کے چشمے ابلنے لگتے ہیں اور شریعت وطریقت کے نور سے قلب تاریک جگمگا اٹھتا ہے، اس لیے کہ ۶۸۴۷: سوالات مع تفصیلی جوابات، قرآن واحادیث فقہ وتفسیر اور منطقی دلائل وبراہین سے مزین ومرصع، ضخامت کے لحاظ سے ایک ایک سوال کا جواب کتاب وکتابچہ کی شکل میں قارئین کی چشم خوردبین کو خیرہ کرتا دکھائی دیتا ہے اور ہر غم خویش امام الفقہ حواس باختہ کو دن ہی میں تارے نظر آنے لگتے ہیں۔ آپ اس بات سے بھی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ''فتاویٰ رضویہ'' (جدید ایڈیشن مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) ۲۱۶۵۴ (اکیس ہزار چھ سو چھپن) صفحات پر شامل تشریحات وتنقیحات، تخریجات وتسہیلات سے مرصع تیس ۳۰ رجلدوں میں پھیلا ہوا تنہا مجدد اعظم امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے مصنف اعظم ہونے کی منہ بولتی تصویر ہے۔ آج کے دور میں کوئی ہے جو اس بے مثال کی مثال پیش کر سکے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بہر حال حاصل نتیجہ کے طور پر ایک بار پھر آپ کی سعی جمیل اور قلم کار حضرات کی کاوش فکری کو مبارکبادی پیش کرتا

ہوں کہ آپ سبھی حضرات نے حالات حاضرہ کی تشنگی ذوق کو دور کرنے کے لیے بزم عشق میں ''مصنف اعظم نمبر'' کا جام چھلکانے کے لیے مستحسن اقدام کیا ہے جس کے لیے آپ سبھی معاونین و مخلصین داد تحسین کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپ کی کاوش ذہنی کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

مخلص: عبد الغفار ثاقب

مفتی وقاضی: ادارہ شرعیہ دربھنگہ کمشنری (بہار)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سید محمد ہاشمی میاں قادری رزاقی

مہتمم: دار العلوم شمس تبریز، اونا ضلع گیر سومناتھ (گجرات)

نحمده ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله واصحابه اجمعین: اما بعد

الصلوٰة والسلام علیک یا رسول اللّٰہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان ''ماہنامہ پیغام شریعت'' کے مطالعہ کا موقع میسر آیا، بحمدہ تعالیٰ بہت فرحت محسوس ہوئی اور مضامین کو ایک معلومات کا خزانہ پایا اور حالات حاضرہ کے مطابق اہل قلم کا اپنے اپنے افکار ونظریات کا اظہار کرتے ہوئے پایا۔ اس وقت جن حالات سے امت محمدیہ دوچار ہیں، ان تمام مراحل سے آسانی کے ساتھ نکلنے کوئی راستہ ہے تو وہ یہی ہے کہ قلم وقرطاس کے ذریعہ اہل سنت وجماعت کے عقائد وایمان، اسلام واحسان، افعال واحکام کو تحفظ دیا جائے اور دنیا کے کونے کونے تک رسائی کرائی جائے اور یہ کام الحمد للہ ''ماہنامہ پیغام شریعت'' کو کرتے ہوئے پایا ہے۔

یہ ناچیز جناب مدیر اعلیٰ مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب قادری ومدیر جناب مولانا طارق انور صاحب مصباحی، اور مجلس ادارت ومجلس مشاورت کے تمام حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہے، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے اس ماہنامہ پیغام شریعت اور ادارے کے تمام احباب کو مزید خوب سے خوب ترقی عطا فرمائے اور فزوں سے فزوں تر فرمائے: آمین یا رب العالمین

از: سید محمد ہاشمی میاں قادری رزاقی

مہتمم: دار العلوم شمس تبریز، اونا ضلع گیر سومناتھ (گجرات)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا اصغر علی قادری مصباحی

استاذ: دار العلوم مجاہد ملت دھام نگر شریف

سیدی وسندی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے گونا گوں خوبیوں کا حامل بنایا تھا، آپ کا سینہ جہاں عشق رسول کا مدینہ تھا، تو وہیں علوم ومعارف کا خزینہ بھی تھا۔ آپ کے سوانح نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کو ستر سے زیادہ علوم پر کافی دسترس حاصل تھی اور فقہ وافتا میں تو آپ کی شان ہی نرالی تھی۔ آپ کی شان فقاہت کا اندازہ فتاویٰ رضویہ سے لگایا جا سکتا

ہے۔آپ کے قلم سے نکلی ہوئی ہر کتاب علوم و معارف کا خزانہ ہوتی ہے، چاہے وہ علم ریاضی سے متعلق ہو، علم توقیت، علم فلکیات وارضیات، علم صوتیات، علم زیجات، علم حدیث واصول حدیث، علم تفسیر، علم تجوید وقرأت سے متعلق ہو۔آپ کی تصنیفات کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ آپ جس فن میں تحریر فرماتے ہیں، اس فن کے امام نظر آتے ہیں اور آپ کی تحقیق پر کسی کو کلام کرنے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔کسی نے سچ کہا ہے:۔

جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے　　　وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے

میں مبارک باد پیش کرتا ہوں ماہنامہ پیغام شریعت کے چیف ایڈیٹر حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی اوران کے تمام رفقا کو جو مصنف اعظم نمبر نکال کر ملت اسلامیہ کو یہ روشناس کرانے کی سعی جمیل فرمارہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت صرف ایک مفتی ومحدث، عالم وفاضل ہی نہیں تھے، بلکہ آپ بہت سارے علوم وفنون میں مہارت تامہ اور ملکۂ راسخہ رکھتے تھے۔

محمد اصغر علی قادری

استاذ: دارالعلوم مجاہد ملت دھام نگر شریف (اڑیسہ)

☆☆☆☆☆

مولانا محمد شفق قادری فیضی (کلکتہ)

میں نے ''مصنف اعظم نمبر'' کے مضامین کی فہرست اور اس کے قلم کاران کو ملاحظہ کیا۔ ماشاء اللہ، الحمد اللہ، بہت عمدہ پایا۔علمائے اہل سنت وارثین علوم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ان علمائے اہل سنت میں ایک عظیم نام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کا ہے۔آپ کی ذات والا صفات سے شاید ہی کوئی اہل اسلام ہو، جو واقف نہ ہو۔آپ ایک عاشق صادق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مجدد ومفسر تھے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کو اس درجہ عشق تھا کہ اس سلسلے میں آپ نے خود ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو ایک پر (لا الہ اللہ) اور دوسرے پر (محمد رسول اللہ) لکھا ہوگا۔

بے حد مبارک باد کے قابل ہیں ماہنامہ پیغام شریعت کے اراکین وذمہ داران، خاص کر حضرت علامہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری صاحب قبلہ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ پیغام شریعت اور مدیر حضرت مولانا طارق انور مصباحی صاحب قبلہ کہ ان حضرات کی جدوجہد اور کوشش کی وجہ سے ایک کتاب نایاب ''مصنف اعظم نمبر اول'' اعلیٰ حضرت کے عرس صد سالہ کے موقع پر منظر عام پر آنے والی ہے۔یہ مجموعہ اعلیٰ حضرت کے ۳۲ علوم وفنون سے متعلق تفصیلی مضامین پر مشتمل ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کتاب نایاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور لوگوں کے دلوں میں اس کے اثرات مرتب فرمائے اور اراکین ماہنامہ پیغام شریعت کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور خوب خوب دین متین کا کام لیتا رہے اور ساتھ ہی ساتھ قلم کاران حضرات کے بھی علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، اور ہم سب کو تاحیات مسلک اعلیٰ حضرت پرت پر قائم ودائم رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

محمد شفق قادری فیضی (کلکتہ)

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی خالد ایوب مصباحی شیرانی

مفتی: آن لائن دارالافتا، جے پور (راجستھان)

مصنف اعظم نمبر بڑے قرض کی ادائیگی

باسمہ تعالیٰ وتقدس

عبقری الہند اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی متنوع شخصیت پر جتنا لکھا گیا، بہت کم لوگوں پر اس قدر ہمہ جہت کام ہوا، لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جتنا لکھا جا رہا ہے، نت نئے آفاق منکشف ہو رہے ہیں اور ہر نئی جہت جماعت اہل سنت پر قرض بنتی جا رہی ہے جس کی ادائیگی علمی فرض ہے۔ حضرت امام جیسی شخصیتیں صدیوں بعد کسی قوم کا مقدر ہوتی ہیں، لیکن محرومی قسمت کہ ایسی نابغہ ہستی بھی نہ صرف تا عمر محسود رہی، بلکہ آج بھی ایک طبقے کی آنکھوں کا کانٹا ہے۔ بے شک حسد کا اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں کہ حضرت حاسد بارِز میں نہ رہیں، بلکہ لقمہ اجل بن جائیں، لیکن اہل بصیرت کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اگر حاسد حسد سے باز نہیں آتے، یہ اپنی عقیدت کیشیوں کو مدلل کرتے رہیں۔ مصنف اعظم نمبر دراصل ایسے ہی عقیدت کیشوں کی دیوانگی ہے، لیکن یہ دیوانگی وہ نہیں جس پر زمانہ ہنسے، وہ ہے جس پر خرد بھی انگشت بدنداں رہے۔ نمبر کے مشمولات پر نظر ڈالتے ہی حاشیہ ذہن پر جو پہلا تاثر قائم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ بڑی عرق ریزی سے کام کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت اس کی بہترین جزا دے۔ (آمین)

حضرت امام علیہ الرحمہ کو من جانب اللہ جتنے علوم وفنون ودیعت ہوئے تھے، ماہ نامہ پیغام شریعت کے ارباب حل وعقد نے ان میں سے کوئی نصف علوم وفنون پر جس دماغ سوزی اور جاں فشانی کے ساتھ یہ دستاویزی نمبر شائع کیا ہے، مستقبل میں حضرت امام کی گونا گوں شخصیت پر کام کرنے والوں کے لیے مشعل راہ بنے گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور بنے گا، کیوں کہ حضرت امام کی شخصیت پر کام بھی ضرور بڑھے گا۔ کام اس لیے بڑھے گا کہ اب اندھی عقیدتوں کا زمانہ لد چکا ہے اور حقیقتوں کی بالا دستی قائم ہو رہی ہے، ظلمتوں کے طرف دار رخصت ہو رہے ہیں اور اسی تیزی کے ساتھ اجالوں کے سفیر بڑھ رہے ہیں اور یہ خوش قسمتی کی بات ہے جب جب ایسا ہوگا، حضرت امام کا کھرا سکہ نکھر نکھر کر سامنے آئے گا، کیوں کہ حضرت امام کی شخصیت جہالتوں کی نہیں، علم کی امین ہے اور نہ صرف امین، بلکہ اہل علم وفکر کے لیے مینار نور ہے۔

پیغام شریعت کی ٹیم اس لیے بھی مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس ٹیم نے پرانے ٹھروں سے بیزار ہو چکی نئی نسل کو صرف تنقید کے دو بولوں پر خوش گمانی پالنے کی بجائے، عمل اور فکر کا پیغام دیا ہے۔ بے شک شریعت کا یہی پیغام ہے۔ کام کرنے سے ہوتا ہے، نہ بوڑھوں پر تنقید علاج ہے اور نہ نئی نسل کو بیزاری کے راستے پر ڈال نا مداوا۔ امید ہے یہ قیمتی دستاویز علمی دنیا میں نئی جوت جگائے گی، اور یہ ٹیم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے بھی یوں ہی آنکھوں کو ٹھنڈک اور نسلوں کو پیغام رسانی کا کام انجام دیتی رہے گی۔ اللہ رب العزت توفیق عطا فرمانے والا ہے، فضل فرمائے: (آمین)

از: خالد ایوب مصباحی شیرانی

آن لائن دارالافتا: پہاڑ گنج، سورج پول، جے پور (راجستھان)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا ممتاز احمد نوری

استاذ: مدرسہ اہل سنت بحر العلوم (مئو)

پیغام شریعت کے مدیر اعلیٰ حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ صاحب قادری کا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے بڑا ہی قریبی دینی رشتہ ہے، وہ اس اعتبار سے کہ ان کے دادا حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بہت ہی محبوب مرید اور معتمد خلیفہ گذرے ہیں، جنھوں نے اپنے علم و عمل اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو خوب عام کیا جو اظہر من الشّمس ہے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو فقیہ فرمایا اور ان کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا۔

اعلیٰ حضرت کی حیات ظاہری میں یا بعد وصال جب بھی حاسدوں نے مسلک اعلیٰ حضرت پر انگشت نمائی کی تو آپ نے انھیں ایسا دندان شکن جواب دیا کہ وہ زندہ رہتے ہوئے بھی مردہ ہو گئے۔ آج بھی کچھ حاسدین، مسلک اعلیٰ حضرت اور ان کے مصنف اعظم ہونے پر تنقید کر رہے ہیں، جب کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد اعظم کے ساتھ ساتھ مصنف اعظم بھی ہیں۔

حضور صدر الشریعہ کے پوتے حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ صاحب قادری قابل مبارک باد ہیں جنھوں نے ''مصنف اعظم نمبر'' شائع کر کے اہل سنت و جماعت پر احسان عظیم فرمایا۔ یہ نمبر اعلیٰ حضرت کو مصنف اعظم جاننے کے لیے بہت ہی بڑا تحفہ ہے اور حاسدین کے لیے دندان شکن جواب بھی۔

دعا ہے کہ اللہ پاک اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل علامہ موصوف کو سعادت دارین عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ممتاز احمد نوری

مدرسہ اہل سنت بحر العلوم مئو

۲ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲ر اکتوبر ۲۰۱۸ء

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد قطب الدین رضوی

ناظم اعلیٰ: ادارۂ شرعیہ جھارکھنڈ (رانچی)

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

مجدد مائۃ ماضیہ و حاضرہ، موید ملت طاہرہ، حامی سنت، ماحی فتن، قاطع بدعت، منبع برکات، لازالت شمس افادتہ طالعۃ، معین الاسلام والمسلمین، قامع اساس الملحدین، صدر الاماثل، مجمع الفضائل والفواصل، مدقق دقائق شریعت و محقق حقائق طریقت، اعلم العلماء المتبحرین، افضل العلماء المتصدرین، فقیہ زمانہ، آیۃ من آیات اللہ رب العالمین، نعمۃ اللہ علی المسلمین، مکرم کرام العرب والعجم، العلامۃ المعتمد المستند، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الامام احمد رضا خاں قدس سرہ کا صد سالہ عرس سراپا قدس ماہ صفر المظفر ۱۴۴۰ھ میں نہایت ہی شان و شوکت کے ساتھ دنیائے سنیت منا رہی ہے۔

اس عظیم عبقری شخصیت جن کا نسب بھی اعلیٰ، حسب بھی ارفع، خدمات جلیلہ اس قدر کہ آج تک جہاں اکتساب فیض کر رہا ہے، جنھوں نے تیرہ سو سے زائد کتب تصنیف فرما کر ملت اسلامیہ پر بڑا احسان فرمایا، جنھیں ایک سو سات علوم و فنون پر کمال کا دسترس حاصل تھا۔

سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ وہ تقدس مآب شخصیت ہیں جن کے جد اعلیٰ مورث اعلیٰ صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جن کا اسم مبارک حضرت قیس ملک عبدالرشید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، جن کے حق میں رسول باوقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرماتے ہوئے بشارت فرمائی کہ ’’قیس ملک عبدالرشید کی نسل میں ایک سلسلۂ عظیم پیدا ہوگا جو دین کو قیامت تک مستحکم کرے گا‘‘۔

اسی جلیل القدر چودھویں صدی کے مجدد اعظم امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ عالی مرتبت میں خراج گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے ماہنامہ ’’پیغام شریعت‘‘ (دہلی) کا خصوصی شمارہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے علوم وفنون پر مشتمل ’’مصنف اعظم نمبر‘‘ شائع کرنا، نہ یہ کہ صرف قابل مبارکبادی، بلکہ قابل تحسین اور قابل رشک قدم ہے۔ صمیم قلب سے ماہنامہ پیغام شریعت کے جملہ رفقا خصوصاً چیف ایڈیٹر، ایڈیٹر، ارکان مجلس ادارت اور جن جن شخصیتوں نے انھیں قلمی تعاون پیش فرمایا، انھیں بھی دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں:

ع/ گر قبول افتد زہے عزو شرف

اسیر حضور تاج الشریعہ محمد قطب الدین رضوی

ناظم اعلیٰ: ادارۂ شرعیہ جھارکھنڈ، اسلامی مرکز، رانچی

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد مجیب اللہ رضوی

استاذ ومفتی: مدرسہ غوثیہ رضویہ (ڈالٹن گنج)

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

پیکر علم وادب، قابل صد احترام حضرت علامہ ومولانا فیضان المصطفیٰ قادری وحضرت علامہ ومولانا طارق انور مصباحی کی ادارت میں ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی سے ماہنامہ پیغام شریعت ہر ماہ پابندی کے ساتھ جاری ہوکر علمائے کرام، مشائخ کرام، صوفیائے کرام اور دانشوران قوم وملت کے مشام جان کو معطر کرتا ہے۔ اس ماہ نامہ میں بڑے بڑے علمائے کرام کے مضامین ومقالات شامل ہوتے ہیں، جنہیں پڑھ کر اپنی معلومات میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔

ابھی نبیرۂ اعلیٰ حضرت، وارث علوم اعلیٰ حضرت، مقتدائے اہل سنت، امیر اہل سنت، تاجدار اہل سنت، رہبر راہ شریعت، رہنمائے راہ طریقت، مخزن علم وحکمت، معدن رشد وہدایت، منبع کشف وکرامت، واقف حقیقت ومعرفت، چشم وچراغ خانوادہ رضویت حضرت مفسر اعظم کے لخت جگر، حضرت حجۃ الاسلام کے محبوب نظر، حضور مفتی اعظم ہند کے نور نظر، فقیہ اعظم، محدث اعظم، مفتی اعظم، مفسیر اعظم مرشد اعظم محقق اعظم، مصلح اعظم، وارث نبی اعظم، نائب رسول اعظم، جانشین حضور مفتی اعظم، شیخ الاسلام والمسلمین، قاضی القضاۃ فی الہند حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ ومولانا المفتی القاضی الحافظہ القاری الحاج الشاہ محمد اختر رضا خان ازہری علیہ الرحمہ کے وصال پرملال کے بعد ماہ ستمبر میں حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری اور ان کے معاون علمائے کرام نے ان کی مقدس بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک خصوصی شمارہ شائع فرمایا تھا۔ جس میں ملک وبیرون ملک کے علمائے کرام کے گراں قدر مضامین ومقالات اور تاثرات مرقوم ومذکور تھے، جنہیں پڑھنے کے بعد بے شمار جانکاریاں حاصل ہوئی تھیں۔

اب موصوف مدیر اعلیٰ مجدد دین وملت، امام اہل سنت قاطع شرک وبدعت، مخزن کشف وکرامت سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں

فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صد سالہ عرس مقدس کے حسین موقع پر ایک ضخیم نمبر بنام ''مصنف اعظم نمبر'' نکالنے جا رہے ہیں اور اس میں بھی ملک و بیرون ملک کے ماہر قلم کار علمائے کرام نے مجدد اعظم کے جملہ علوم وفنون، تصنیفات وتالیفات اور تمام رسائل وفتاوی پر پوری وضاحت وصراحت کے روشنی ڈال کر خراج عقیدت پیش فرمایا ہے، لہٰذا میں مدیر موصوف اور ان کے جملہ معاونین کی خدمت میں مبارکبادی اور ہدیہ تشکر کا حسین گلدستہ پیش کرتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول خاص وعام فرمائے اور مدیر موصوف وراقم الحروف کے جملہ گناہوں کو معاف فرما کر دینی، ملی اور سماجی خدمتوں کو شرف قبولیت کا درجہ عطا فرما کر دارین کی لازوال نعمتوں سے سرفراز فرمائے (آمین) اور تمام علمائے اہل سنت کے درس وتدریس، وعظ ونصیحت، علم وعمل، تصنیف وتالیف، قلم ودوات اور کتب ورسائل میں بے پناہ برکتیں عطا فرما کر مسلک اہل سنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت پر استقامت اور خاتمہ بالخیر فرمائے: آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

احقر العباد

الفقیر محمد مجیب اللہ الرضوی القادری عفی عنہ

خادم التدریس والافتا: مدرسہ غوثیہ رضویہ ڈالٹن گنج ضلع پلاموں (جھارکھنڈ)

۲۹؍محرم الحرام ۱۴۴۰ھ ۱۰؍اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ

☆☆☆☆☆

عزت مآب ڈاکٹر شاہد اختر ایم اے پی ایچ ڈی

سابق ہیڈ آف پوسٹ گریجویٹ ڈیپارٹمنٹ آف اردو: ہگلی محسن کالج (ویسٹ بنگال)

سابق چیرمین آف پی جی اینڈ یو جی بورڈ آف اسٹڈیز (بردوان یونیورسٹی)

انیسویں صدی شروع ہوتے ہیں برطانوی استعمار اقتدار پر مکمل قبضہ کے ساتھ ایک ملک کو پورے طور پر غلام بنانے کی انتھک کوششوں میں مصروف تھا اور اس کے لیے اس کے پاس جو نسخہ کیمیا تھا، وہ نفاق ڈالو اور حکومت کرو والا آزمودہ نسخہ تھا۔ ایسے وقت میں مشرق وسطیٰ سے درآمد شدہ وہابی فتنہ اس کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو رہا تھا۔ یہ فتنہ جہاں اتحاد امت کو پارہ پارہ کر رہا تھا، وہیں دلوں کو عشق نبوی کی دولت لازوال سے خالی کر کے عقل کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بنا رہا تھا۔

عشق کی تیغ جگردار اڑالی کس نے　　　عقل کے ہاتھ میں خالی ہے پنا اے ساقی

مسلمانوں کی جہاں بینی اور جہاں گیری جس عشق کے رہین منت تھی، وہابیت کا سیدھا وار اسی عشق پر تھا۔ رائے بریلی سے صادق پور تک پورا شمالی اور شمال مشرقی ہندوستان اس سیلاب بلاخیز کی زد پر تھا۔ فتنہ لال قلعہ پہنچ گیا۔ بہادر شاہ ظفر نے گھبرا کر بدایوں کا رخ کیا۔ سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی نے ''المعتقد المنتقد'' لکھ کر قلعہ کو وہابی ہونے سے بچالیا، فتنے کی کسی حد تک سرکوبی بھی کی، مگر سیلاب کا پانی بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھوچھہ، مارہرہ، بدایوں، جونپور الٰہ آباد سے لے کر مشرقی ہند کی تقریبا تمام خانقاہیں اس سیلاب کے سامنے بند باندھ رہی تھی۔ وارث علی شاہ کوچہ بہ کوچہ، قریہ بہ قریہ پیغام محبت عام کر رہے تھے، محسن کاکوروی نعتیہ قصائد سے دلوں میں جوت جگا رہے تھے، حضرت آسی غازیپوری سرمدی نغمہ الاپ رہے تھے، پھر بھی سیلاب کا پانی فصلیں عبور کر رہا تھا، کئی بڑی خانقاہوں میں وہابی فکر دبے پاؤں داخل ہو چکی تھی

، ہندوستان کا سب سے بڑا مدرسہ تو براہ راست وہابیت کی زد میں آ گیا تھا۔ان کے حکمائے امت اور شیوخ الاسلام وہابی فکر کی ترسیل کا آلہ کار بن گئے تھے۔عوام کی گمراہی سے زیادہ علما اور مشائخ کی گمراہی خطرناک رخ اختیار کر رہی تھی۔ایسے ہی علمی اور فکری محاذ پر جنگ چھیڑنا ناگزیر تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے یہ جنگ چھیڑ دی۔انھوں نے دفاعی جنگ نہیں لڑی،حملہ آور ہو گئے۔اس حملے میں ضرب کاری لگانے والا ان کا موثر اسلحہ ان کا قلم تھا۔انھوں نے ہر محاذ پر اس فتنے کی سرکوبی کی۔ترجمہ قرآن،تفسیر،حدیث،کلام،فقہ،سلوک،تصوف،اذکار، یہاں تک کہ ہندسہ،ریاضی،توقیت،نجوم،منطق،فلسفہ اور دیگر علوم وفنون کی تقریباً ایک ہزار کتابیں لکھ کر نہ صرف اپنی درسگاہ کامل کا مظاہرہ کیا، بلکہ حزب مخالف کے خیموں کی طنابیں اکھاڑ دیں۔اعلیٰ حضرت نے بیک وقت بدعقیدگی کے خلاف محاذ آرائی بھی کی اور خوش عقیدگی کی آڑ میں بدعات ومنکرات کے فروغ کے خلاف بھی سینہ سپر ہوئے۔تجدید اور احیائے دین کے تقاضوں کی تکمیل بطور احسن فرمائی،مگر گزشتہ ایک صدی میں ہم نے کیا کیا؟ صدی کے نصف اول میں اعلیٰ حضرت کے پیغام کو عام کرنے والے اکابرین کے پیش نظر دین کی سربلندی تھی،اس لیے انھوں نے قربانیاں دیں اور ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کو اعلیٰ حضرت کا معتقد بنا دیا،مگر گزشتہ تین دہائیوں میں ہم نے صرف مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگایا اور اعلیٰ حضرت کے نام کی روٹیاں سینکیں۔ہم نے نئی نسل تک اعلیٰ حضرت کو پیشہ ور خطبا کی چیخ وپکار اور پیشہ ور شاعروں کی منقبتوں کے ذریعہ پہنچایا۔وہ اعلیٰ حضرت جو دلوں کو منقلب کر دیں،نئی نسل تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ہم بڑے فخر سے اعلیٰ حضرت کے ''دشمنوں'' کے خلاف کتابیں چھاپ رہے ہیں،اعلیٰ حضرت کو نہیں چھاپ رہے ہیں۔ہم نے ردوہابیہ کو اپنا سب سے بڑا ایجنڈا ضرور بنایا،مگر رد بدعات ومنکرات سے چشم پوشی کر کے اپنے دشمنوں کو اپنے خلاف پروپیگنڈے کا پورا موقع دے دیا۔

بہر حال ایسے ہنگامہ ہاو ہو میں اعلیٰ حضرت کو سمجھنے اور سمجھانے کی سنجیدہ کوششیں بھی ہو سکتی ہیں،اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ایسے میں ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کے مصنف اعظم نمبر کی اشاعت ورطہ حیرت میں ڈالنے والی بات ہے۔میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مولانا فیضان المصطفیٰ قادری اور ان کی پوری ٹیم کو اس بات کی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے صارفیت کے اس دور میں اعلیٰ حضرت شناسی کی راہ میں اس نمبر کی شاعت کے ذریعہ ایک بڑا اور جوکھم بھرا قدم اٹھایا ہے۔فائدے،نقصان کا خیال کرتے تو اور بہت سے کام ہو سکتے تھے۔اللہ رب العزت عزیز القدر مولانا فیضان المصطفیٰ قادری کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان کی صحت میں عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ان کے ذہن کو رسا اور قلم کو رواں رکھے: آمین! ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خاک پائے اولیا فقیر: شاہد اختر

10/5/2018

☆☆☆☆☆

عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

صدر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ (سورہ نحل: آیت ۴۳)

امام احمد رضا خاں محمدی سنی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی کی یاد میں ان کے 100 سالہ عرس کے موقعہ پر دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کے ایڈیٹر کو مبارک باد پیش کرتا ہوں،جنہوں نے عرس کے موقعہ پر ''مصنف اعظم'' نمبر کا اجرا کیا ہے،اور اس کی پہلی جلد ''دینی علوم'' کے نام سے شائع کی ہے،جس میں 30 سے زیادہ عنوانات پر انڈیا کے فاضلان کے مقالات شائع ہوئے ہیں۔اس سے

قبل امام احمد رضا اکیڈمی (صالح نگر: بریلی شریف) نے حضرت علامہ مولانا محمد حنیف رضوی کی زیر سرپرستی 160 جلدوں پر مشتمل امام احمد رضا کا علمی خزانہ شائع کرنے کا اہتمام کر چکے۔ راقم ان تمام احباب کو مبارک باد پیش کرتا ہے جو مشن اعلیٰ حضرت کو آگے بڑھانے میں دن رات مصروفِ عمل ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیائے اسلام کی 1300 سال کی تاریخ کا راقم کو گہرا مطالعہ نہیں ہے، مگر برصغیر کی تاریخ سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور ہے۔ برصغیر میں اسلامی تاریخ یا عمومی تاریخ میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آئی کہ کوئی ایسا مصنف بھی گذرا ہو جس سے سینکڑوں علوم وفنون میں سے جس علم کے حوالے سے سوال کیا گیا ہو، اس نے اس کا قلمی جواب دیا ہو، مگر ایک شخصیت صرف اور صرف امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی کی ہے جنھوں نے ہر پوچھے گئے سوال کا جواب دیا۔ امام احمد رضا نے ایک ہزار سے زیادہ رسائل، ہزاروں فتاویٰ، عربی فارسی اور اردو زبان میں لکھے اور 55 نہیں، 70 نہیں، 100 نہیں، بلکہ بے شمار اور جتنے مروجہ علوم ان کے زمانے میں تھے، یا وہ علوم جو آج نئے ناموں سے جانے جارہے ہیں، ان سب پر اشارۃً ہی نہیں، بلکہ ایک ماہر کی حیثیت سے بھرپور دلائل کے ساتھ کتب لکھی ہیں۔ اس اعتبار سے آپ کو ’’مصنفِ اعظم‘‘ کہنا بالکل بجا ہے۔

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی کو ایک صدی سے مسلسل پڑھا جارہا ہے اور حقیقتاً ابھی آپ کی نصف کتب کا مطالعہ بھی تفصیلاً نہیں ہوا ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ بقیہ نصف کتب جو کہ تعداد میں 500 سے زیادہ ہوں گی، اس کے مطالعہ کے لیے بھی ایک صدی اور چاہیے اور یہ بھی علمی دنیا میں کم شخصیات کو یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ ان کے علمی وقلمی کام کو صدیوں تک مطالعہ کیا جائے۔

امام احمد رضا کا قلمی کام صرف تعداد میں ہی زیادہ نہیں ہے، بلکہ علمی اعتبار سے بھی وہ اتنا وسیع ہے کہ اس علم کے ماہرین بھی ان علوم کی کتب پڑھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ اس وقت برصغیر پاک وہند میں درجنوں ادارے ان کی تصانیف پر تحقیق میں مصروفِ عمل ہیں اور جب بھی کوئی ان کی تحریر کا مطالعہ کرتا ہے تو عشق عشق کر اٹھتا ہے۔ راقم نے امام احمد رضا پر اب تک 150 سے زیادہ مقالات مختلف جہتوں پر لکھے ہیں۔ چند کا صرف اشارۃً ذکر رہا ہوں کہ جن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کہاں بظاہر ایک عالمِ دین اور کہاں دنیا کے علوم وفنون مثلاً:

(1) امام احمد رضا نے جو نظریہ مدوجزر (Lunar Lide) پیش کیا، وہ جدید سائنس کے نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔ جدید سائنس کے تحت یہ مدوجزر صرف 3 بڑے سمندروں میں چاند کی کشش سے بنتے ہیں جب کہ امام احمد رضا نے چاند کی کشش کا مکمل انکار کرتے ہوئے سمندروں کی 6-7 میل گہری تہہ کے نیچے نکلنے والے Lava کو اس کا سبب بتایا کہ جب لاوا نکلتا ہے تو جس طرح ہانڈی میں ابال آتا ہے، اسی طرح سمندر میں ابال آتا ہے جس کے نتیجے میں مدوجزر بنتا ہے۔ سمندر کے نیچے 6-7 میل تہہ کے اس عمل کو امام احمد رضا نے 100 سال پہلے سمجھ لیا تھا جس کو مشین آج دیکھ رہی ہے، مگر پھر بھی سائنس نے مدوجزر کو ابھی بھی چاند کی کشش سے منسلک رکھا ہے۔

(2) تیمّم کے سلسلے میں فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ جو جنس ارض ہوگا یعنی پتھر ہوگا، اس سے تیمّم جائز ہے، مگر سوال پیدا ہوا کہ مرجان Coral سے تیمّم کیوں منع کیا گیا جب کہ وہ پتھر کی طرح سخت ہے۔ فقہائے کرام نے اس کو جانور تسلیم کرتے ہوئے جنس ارض سے الگ کر دیا مگر امام احمد رضا نے بتایا کہ یہ قدرت کا شاہکار ہے کہ اللہ کی قدرت پتھر اس طرح بھی بنا سکتی ہے کہ ایک جانور سمندر کا پانی اپنے اندر لیتا ہے جس میں Caco3 کی مقدار بھی ہوتی ہے، وہ اس کیلشیم کو اندر لینے کے بعد جب خارج کرتا ہے تو اس کے نیچے یہ کیلشیم جم جاتا ہے، جو بعد میں پتھر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور جب یہ پتھر کی شکل اختیار کر گیا تو اس سے تیمّم جائز ہوگا۔ اس Coral کی سمندر کے نیچے باقاعدہ چٹانیں ہوتی ہیں جو سمندر کی سطح پر بنتی ہیں، اس لیے یہ جنس ارض ہے۔

(3) Metal یعنی دھات کی تعریف آج تک کسی عالم دین نے نہیں دی، مگر امام احمد رضا نے دھات کی باقاعدہ اور نہایت سائنٹفک تعریف دی۔ ملاحظہ کریں 120 سال قبل امام احمد رضا کی کہی ہوئی دھات سے متعلق تعریف:

''(Metal) دھات وہ شے ہے کہ جب اس کو اثر نار کے تحت رکھا جائے تو وہ مائع کی طرح بہنے لگے، اس میں موجود رطبہ و یابسہ اجزا علیحدہ نہ ہوسکیں، اگرچہ عمل نار سے ان کے (Bonds) گرہ کمزور ضرور ہو جاتے ہیں، مگر ٹوٹتے نہیں اور ان میں باہم (Contact) جوڑ باقی رہتا ہے۔ اگر یہ (Bond) گرہ ٹوٹ جائے تو پھر پانی کے اجزا اڑ جائیں گے اور اس کی پچھلی حالت فوراً ختم ہو جائے گی اور سخت چیز کی طرح جسم باقی رہ جائے گا۔

☆☆☆☆☆

عزت مآب جناب محمد ندیم الحق: ایم پی (راجیہ سبھا)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ایک اعلیٰ پائے کے عالم دین تھے۔ جن کی علمی شہرت کے ڈنکے ہندوستان ہی نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام میں بجتا رہا۔ آج بھی لوگ ان کا نام احترام سے لیتے ہیں، اور تا قیامت لیا جاتا رہے گا۔ حضرت نے ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں جب ملک میں انگریزوں کا تسلط تھا اور دین اسلام کو مٹانے کی ان کی زبردست کوشش جاری تھی۔ انھوں نے ہر طرح اس طوفان کا مقابلہ کیا۔ جن کی علمی و دینی خدمات پر زمانہ رشک کرتا ہے اور تجدید اسلام کا کام اللہ نے ان کی ذات سے لیا۔ ہندوستان میں کفر والحاد کا بازار گرم تھا، ان کی ذات نے پوری قوم کو آسودگی عطا کی۔ آپ نے ہر فن میں تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ سیکڑوں کتابیں لکھیں۔ ان کی ایک اہم تصنیف ''کنز الایمان'' ہے۔ انہیں کے سلسلے کے ایک نامور بزرگ مجاہد ملت کی شخصیت تھی، جو علمی و روحانی بالیدگی کے ایک عظیم و حسین مرقع تھے۔ اس سلسلے میں آپ (مدیر مولانا فیضان مصطفیٰ) ''پیغام شریعت'' کا ''مصنف اعظم نمبر'' نکال رہے ہیں، یہ خوشی کی بات ہے جسے سن کر دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ اللہ پاک آپ لوگوں کو کامیابی عطا کرے، مجھے یقین ہے یہ نمبر تاریخی حیثیت کا حامل ہوگا۔

نیک خواہشات کے ساتھ:

محمد ندیم الحق۔ ایم پی (راجیہ سبھا)

ایگزیکیوٹیو ایڈیٹر: ''اخبار مشرق'' کلکتہ۔ ۱۷

☆☆☆☆☆

عالی جناب ڈاکٹر محمد شفیق امینی (پاکستان)

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ الحافظ محمد احمد رضا خاں قادری حنفی سنی محمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیتِ مصنف اعظم ''پیغام شریعت'' (دہلی) کی طرف سے خصوصی شمارے کی اشاعت نہ صرف قابل تحسین ہے، بلکہ وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔

امام مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کو بیک وقت بلا مبالغہ 75 سے زائد علوم پر دسترس حاصل تھی، اور اس پر امام مجدد اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی تصانیف شاہد ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف میں ایسے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے، جس پر آپ سے پہلے کسی مصنف نے قلم اٹھانے کا تصور بھی نہیں کیا اور اس پر بھی تاریخ شاہد ہے، جیسا کہ تذکرہ علمائے ہند کے مصنف مؤرخ رحمان علی (المتوفی 1325ھ-1907ء) نے اپنی تصنیف ''تذکرہ علمائے ہند'' جس کا سن تالیف 1888ء ہے، اور اس کی اشاعت 1894ء کو ہوئی، میں صفحہ 112 اور 113 پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصنیف ''الروض البہیج فی آداب التخریج'' اگر اس سے پہلے اس فن میں کوئی

کتاب نہیں ملتی تو مصنف (امام مجدد اعلیٰ حضرت) کو اس تصنیف کا موجد کہہ سکتے ہیں۔

جب تذکرہ علمائے ہند کی تالیف مکمل ہوئی تھی، اس وقت امام مجدد اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً 32: سال تھی اور اس کتاب تذکرہ علمائے ہند میں آپ کی تصانیف کی تعداد 75: بتائی گئی ہے، اور 50: سے زائد تصانیف کا تذکرہ موجود ہے۔ میرے ناقص علم کے مطابق اب تک میری نظر میں ایسی شخصیت نہیں گزری، جس نے اتنی کم عمری میں اتنی تصنیفات رقم کی ہوں جو اپنے دور میں شہرت حاصل کر چکی ہوں، اور ان کے ہم عصر علما نے ان کو سراہا ہو۔ یہ امام مجدد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر اللہ عزوجل کا فضل عظیم تھا۔

امام اہل سنت کی تصانیف 1000 سے زائد ہیں، جن میں سے کافی تصانیف اب تک منظر عام پر نہیں آئیں، جس کی تشنگی علما شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ بحیثیتِ ''مصنف اعظم'' کے موضوع پر پیغام شریعت (دہلی) کی یہ کاوش قابل تحسین ہے اور اس کاوش پر تمام ارکان اور خصوصاً مدیر علامہ فیضان المصطفیٰ قادری امجدی زید مجدہ اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے نسبت رکھنے والے مبارکباد کے مستحق ہیں اور اللہ عزوجل سب کو جزائے خیر عطا فرمائے: آمین

فیضان رضا جاری رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ

ڈاکٹر محمد شفیق امینی

امیر: تحریک لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوبہ خیبر پختون خواہ، پاکستان

☆☆☆☆☆

جناب ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (گھوسی)

باسمہ تعالیٰ

محبّ گرامی قدر.............................سلام مسنون!

صد سالہ عرس رضوی کے مبارک موقع پر ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کے ''مصنف اعظم نمبر'' کی اشاعت کی خبر سے بے پناہ مسرت ہوئی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے علوم وفنون وتحقیقات کو منظر عام پر لانا، ان کے تاریخ ساز تجدیدی کارناموں کو اجاگر کرنا ، اور ان کے پیغام حق کو عام کرنا علمائے اہل سنت کا ملی فریضہ بھی ہے، اور وقت کی اہم ترین ضرورت بھی۔

ویسے سچ تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کا احاطہ کرنا اور ان کی علمی وفکری گہرائی کا اندازہ کرنا مشکل ترین امر ہے۔ اسی احساس کو میں نے اپنے ایک منقبتی شعر میں یوں پیش کیا ہے:

کتنا اونچا ہے رضا کے علم وفن کا مرتبہ — اہل علم وفن کو بھی کچھ اس کا اندازہ نہیں

اعلیٰ حضرت کی عبقری اور ہمہ جہت شخصیت پر بہت سا کام ہو چکا ہے۔ اور ابھی کچھ گوشوں پر مزید تحقیقی کام کی ضرورت ہے، امید ہے کہ پیغام شریعت کے مصنف اعظم نمبر کے قلم کاروں نے ضرور کچھ نئے گوشوں پر بھی روشنی ڈالی ہوگی۔ اعلیٰ حضرت نے جس علم وفن پر بھی توجہ مبذول فرمائی ہے، اس میں کامل درک ودسترس کے ساتھ ان کا محققانہ اور حاکمانہ وحکیمانہ رنگ بھی نمایاں ہے۔

بایں ہمہ گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغان — ہزار بادہ ناخوردہ دررگ تاک است

''مصنف اعظم نمبر'' کی گراں قدر اشاعت پر میں دل کی انتہا گہرائیوں سے آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ رب کریم

آپ کو صحت وسلامتی کے ساتھ تادیر دینی وملی نگارشات وخدمات کا موقع عطا فرمائے۔ آپ جیسے باصلاحیت ذی علم وذی شعور قلم کار سے بڑی توقعات وابستہ ہیں: والسلام

خیر اندیش: شکیل اعظمی (گھوسی)

☆☆☆☆☆

شہزادۂ حضور شارح بخاری جناب ڈاکٹر محبّ الحق قادری (گھوسی)

قائد عرب رہنمائے عجم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ چودھویں صدی کی وہ عبقری اور عظیم الشان شخصیت ہیں، جن کا علمی وقار واعتبار اس وقت بھی تھا، آج بھی ہے اور ان شاء اللہ کل بھی رہے گا۔ وہ علوم وفنون کے ایسے بحر ذخار تھے کہ اس میں غوطہ لگاتے جائیے، دُرِ نایاب کے ذخیرے ملتے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالحیٔ لکھنوی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں امام احمد رضا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ''**ففاق اقرانه**'' وہ اپنے معاصر علما پر فوقیت پاگئے۔ ان کی فضیلت وعظمت کا اعتراف تو علمائے عرب وعجم نے ایسا کیا ہے جو دوسرے علما کے حصے میں نہیں آیا۔ ''حسام الحرمین'' میں ان کی جامع عبارتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

افسوس ہے کہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد عرس تو کرتے رہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ بھی لگاتے رہے، مگر تصنیفات اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت کا وہ اہتمام نہ کرسکے جو وقت کا تقاضا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ جانے کتنی کتابیں ناپید ہوگئیں اور قلمی نوادرات، مخطوطات تو دست برد زمانہ ہوگئیں۔ مولانا حسنین رضا خان صاحب نے حسینی پریس سے بہت سی کتابیں شائع کیں۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ کی ترتیب واشاعت کا اہتمام کیا، مگر اجمیر شریف بسلسلۂ درس چلے جانے کے بعد وہ رک گیا۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے کتاب النکاح شائع فرمایا۔ شکر ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ کے عظیم استاذ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب فتاویٰ رضویہ کے مسودے بریلی شریف سے لے آئے اور پوری دلداری سے اس کی تدوین وترتیب واشاعت کا اہتمام فرمایا۔ پاکستان میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ۱۹۷۰ء مرکزی مجلس رضا لاہور میں قائم فرما کر فکر رضا وتعارف رضا کی تحریک شروع کی، بالخصوص پروفیسر مسعود احمد صاحب نے اعلیٰ حضرت کے علم وفضل پر مختلف جہتوں کا فتح باب کیا، پھر تو ملک وبیرون ملک میں اعلیٰ حضرت پر تحقیق وتصنیف کا دور چل پڑا۔ اسیر مفتی اعظم ہند الحاج سعید نوری صاحب کے اندر رضوی تڑپ پیدا ہوئی، انھوں نے ۱۹۷۰ء میں ممبئی میں ''رضا اکیڈمی'' قائم فرمائی، جس کے ذریعہ مختلف نئے آہنگ وانداز سے تصنیفات وتعارف کی جوت جگائی۔ ملک کے ہر حصے میں اس کی شاخوں کے ذریعہ نچلی سطح پر عام لوگوں تک اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت کا تعارف کرایا۔ ماہنامہ المیزان نے امام احمد رضا نمبر شائع کیا اور اب تو نہ جانے کتنے ادارے امام احمد رضا کے نام وکام کے لیے قائم ہوگئے۔ یہ کارواں جاری وساری ہے، مگر ابھی بھی ہم اعلیٰ حضرت کی علمی عظمت وشوکت کے حساب سے تعارف رضا سے بہت پیچھے ہیں۔ غالباً ۱۹۷۷ء میں پاکستان میں اقبال صدی منائی گئی، اس میں ڈاکٹر اقبال کے شایان شان سیمینار ہوا اور کلام اقبال وفکر اقبال کے حوالے سے بہت سی کتابیں چھپ کر آگئیں، اس سلسلے کی ایک کتاب ''علامہ اقبال کے محبوب صوفیا'' کا ناچیز نے مطالعہ کیا اور محظوظ ہوا۔ یہاں اعلیٰ حضرت کی ایک ایک کتاب ایسی ہے جس پر نہ جانے کتنے کام کیے جاسکتے ہیں۔

مجھے بے حد خوشی ہے ''ماہنامہ پیغام شریعت دہلی'' صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر مصنف اعظم نمبر شائع کرنے جارہا ہے۔ قابل تحسین ومبارک باد کے مستحق ہیں مولانا فیضان المصطفیٰ امجدی۔ ان شاء اللہ یہ مجموعہ نوخیز فکر وقلم اور نئی فکر وآگہی رکھنے والے علما کی قلمی کاوشوں کا شاہکار

اور تعارف تصنیفات امام احمد رضا کا مرقع زرنگار ہوگا۔اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں و کاوشوں کو قبول عام فرمائے۔اعلیٰ حضرت کے حوالے سے ایسے کام ہوتے رہیں کہ ان کی علمی رفعت وشوکت کا سورج چمکتا دمکتا رہے: آمین ثم آمین

ڈاکٹر محبّ الحق قادری

گوشۂ برکات، برکات نگر (گھوسی، مئو)

☆☆☆☆☆

جناب نعمان احمد حنفی (پٹنہ)

تبصرہ نگار: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

سو سالوں کے اندر دیوانگان امام احمد رضا نے رضویاتی ادب پر یوں تو مختلف انداز میں کام کیا ہے، مگر جس ترتیب، تہذیب اور تجدید کے ساتھ ''مصنف اعظم نمبر'' آیا چاہتا ہے، بلاشبہ یہ ایک منفرد نوعیت کا اجتماعی اقدام ہوگا، پھر قابل توجہ بات یہ ہے کہ عموماً رسائل وجرائد کے خصوصی شمارے ایک جلد سے زیادہ کے متحمل نہیں ہو پاتے، مگر اس بار ''ماہنامہ پیغام شریعت دہلی'' نے ان کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔شنید ہے کہ یہ نمبر دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوگا۔پہلی جلد تو مذہبی فنون میں اور دوسری جلد عصری فنون میں امام احمد رضا محقق بریلوی کی مہارت پر مشتمل ہوگی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''نمبر'' تو ایک بہانہ ہے، ''کام'' اصل نشانہ ہے۔

اس خصوصی ایڈیشن کے نام کے حوالے سے مجھے ایک بات کھٹک رہی ہے کہ جب اس میں امام احمد رضا محقق بریلوی کے مختلف علوم و فنون میں مہارت پر بحث اصل مطمح نظر ہے اور تصنیفاتی شمار و تعداد پر ضمناً، تو پھر اس لحاظ سے تو ''مصنف اعظم نمبر'' کی بجائے ''ماہر علوم وفنون نمبر'' نام رکھنا موزوں لگتا ہے، تا کہ مشمولات پر پوری طرح منطبق ہو سکے۔ہم سے بہتر سمجھتے ہیں، وہ جو تجویز فرمائیں بہتر ہی ہوگا۔فی الحال اتنے ہی جملوں پر مجھے رخصت دیجئے۔خصوصی ایڈیشن کی آمد کے بعد حاصل مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔صفحات خالی رکھیں: والسلام مع الاکرام۔

نعمانی احمد حنفی

۲۱: محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

☆☆☆☆☆

عالی جناب پروفیسر دلاور خان

پرنسپل: گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن سٹی ملیر (کراچی)

مسلم امہ میں اس وقت الحمد للہ بیداری کی تحریک شروع ہو چکی ہے، اسی کا ایک پہلو ''اسلاف شناسی'' بھی ہے، جس پر فکری اور عصری طور پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ جتنا بھی ذخیرہ اسلاف شناسی پر مشتمل ہے، اس کی علمی وفنی لحاظ سے قدر و قیمت کیا ہے، اس میں عصر حاضر کے مسائل کے درد کا درماں کتنا ہے یا محض جمع جمع ہے؟ ان سوالات کی کوکھ سے اسلاف شناسی کا جدید اور عصری ماڈل تشکیل پانے لگا کہ اسلاف کو رول ماڈل مان کر زیادہ سے زیادہ ان کے علم وفن کو نئی نسل میں منتقل کرنے کی منظم سعی و کاوش کی جائے، تا کہ امت فکری وفنی لحاظ سے دنیا کی قیادت کا فریضہ سرانجام دے سکے۔

اس تناظر میں ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کا خصوصی شمارہ ''مصنف اعظم نمبر'' بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے، جو مفکر اسلام احمد رضا خان

حنفی قادری کے صد سالہ عرس کے موقع پر شائع کیا جا رہا ہے۔ عرصۂ دراز سے یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ امت مسلمہ کی کشتی کو گرداب سے نکالنے کے لیے نباض امت مولانا احمد رضا خاں کے علمی وفنی اثاثے کو مؤثر اور دلچسپ انداز میں منتقل کیا جائے، تا کہ وہ خلا جو آپ اور نئی نسل کے درمیان پیدا ہو گیا، اسے پُر کیا جا سکے۔ جب ہم خصوصی شمارے کے عناوین کا مطالعہ کرتے ہیں تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے کہ اس کے ۳۲: عناوین ہیں جس کا تعلق کسی نہ کسی علم وفن سے ہے، مثلاً علوم قرآن، فن ترجمہ، علم اصول حدیث، اصول فقہ، علم عقائد وکلام، صرف ونحو، علم بلاغت، علم منطق، اردو اور عربی ادب، علم تجوید وقرأت، علم تصوف، سلوک اور علم سیرت وغیرہا، جیسے متعلقہ فن کا تعارف، ضرورت واہمیت، غرض وغایت اور آغاز وارتقا کے ساتھ اس فن کے ماہرین کی تصنیفات اور کتب کا تعارف پیش کیا گیا۔

اس پس منظر کے بعد مفکر اسلام احمد رضا خان کی متعلقہ فن میں مہارت اور مختلف امور میں ان کے علمی اطلاقات کے مظاہر پیش کرنے کے ساتھ اس فن میں آپ کی فتوحات وتفردات ہیں، ان کا تذکرہ بھی بڑے دل نشین انداز میں کیا گیا اور اگر حضرت رضا نے متعلقہ فن میں کتاب تحریر کی ہے تو اس کا تعارف بھی پیش کر دیا گیا، تا کہ اہل علم ودانش اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

اس خصوصی شمارے کی خدمات صرف یہاں تک محدود نہیں، بلکہ یہ مستقبل میں رضویات پر تحقیق کے کئی در وا کرتا ہے۔ جامعات میں پی، ایچ، ڈی، اور ایم، فل کرنے والے اسکالرز کے لیے تحقیقی عنوان منتخب کرنے میں بڑا ممد ومعاون ثابت ہوگا، اور اسی طرح مصنفین کو بھی ایک تحریک وکمک ملے گی کہ وہ ہر عنوان کو مرکز مان کر ہر ایک پر مربوط اور منظّم انداز میں ایک کتاب تحریر کریں گے۔ آخر میں دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ اس شمارے کے تمام معاونین کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور رضویات پر تحقیقی کام کرنے پر استقامت عطا فرمائے: آمین

☆☆☆☆☆

فاضل بغداد حضرت علامہ مفتی سید حسن عسکری میاں اشرفی کچھوچھوی

جانشین حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد میاں اشرفی جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے مدیر اعلیٰ حضرت علامہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری امجدی مصباحی مقیم حال ہیوسٹن (امریکہ) صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے علوم وفنون سے متعلق ایک عظیم نمبر شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کی نشر واشاعت پر اس نمبر کی خدمت جلیلہ کو قبولیت کا درجہ عطا فرمائے۔

یہ نمبر عوام وخواص کے لیے اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ایک بیش قیمت ذریعہ ہوگا۔ ہم اس نمبر کا تہ دل سے استقبال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی جد وجہد اور کوشش پر بے حساب اجر عطا فرمائے: آمین

☆☆☆☆☆

شہزادۂ شہید راہ مدینہ حضرت علامہ سید معین میاں اشرفی جیلانی

جانشین حضور مخدوم سمناں حضرت سید جہانگیر اشرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کی جانب امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس صد سالہ کے موقع پر ایک عظیم الشان ''مصنف اعظم نمبر'' شائع ہو رہا ہے، جس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے علوم وفنون سے متعلق ملک وبیرون ملک کے مشہور قلم کاروں کے مضامین ومقالات ہوں گے۔ لاریب یہ مجموعہ ایک تاریخ رقم کرے گا اور امام احمد رضا قادری سے متعلق تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک بیش بہا

اورگراں قدر انسائیکلو پیڈیا ہوگا۔ان شاءاللہ تعالیٰ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے علوم وفنون سے متعلق بہت سے مخفی گوشے سامنے آئیں گے ،اورارباب علم وفضل کے لیےعرس صدسالہ کا یہ ایک پرکشش تحفہ ہوگا۔

اس نمبر کی اشاعت پر ہم ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے مدیر اعلیٰ حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ قادری امجدی اور تمام کارکنان ومقالہ نگاران کودل کی گہرائیوں سے مبارک بادی پیش کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان تمام کی کوششوں کوقبول فرمائے (آمین)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد انیس الرحمٰن نوری

صدرالمدرسین: جامعہ شکوریہ بلہور (کانپور)

مرکز ہندوستان ’’دہلی‘‘ سے نکلنے والا قابل فخر جریدہ ماہنامہ ’’پیغام شریعت‘‘ کاہر اگلا قدم ماسبق کے مقابلہ میں قابل رشک اور باعث افتخار ہوتا نظر آرہاہے۔جریدہ ہرمہینہ دیدہ زیب اور مخصوص نورونکہت کے ساتھ اپنے حسین ،خوبصورت اور دلکش انداز میں ایک قیمتی علمی خزانہ لےکر بزم علما کی زینت بن رہاہے،جس سے ایک طرف مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمات ہورہی ہیں،وہیں دوسری طرف قوم کے سامنے علوم و فنون کے نئے نئے دروازے کھلتے بھی جارہے ہیں۔اسی رشدوہدایت اور علمی سلسلہ کی ایک پرنور کڑی ماہنامہ پیغام شریعت کی یہ عظیم پیشکش ’’مصنف اعظم نمبر‘‘ ہے۔مصنف اعظم ومحقق بے بدل سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کے سوسال پر اس مدقق کی بارگاہ مجددیت میں یہ ایک قیمتی نذرانہ بھی ہے۔درحقیقت یہ حضرت علامہ مفتی محمد فیضان المصطفی صاحب قادری رضوی امجدی کی فکرونظر کا زرین نتیجہ ہے۔

اس کے پہلے مرحلہ میں آپ نے برصغیر ہندوپاک کے علاوہ امریکہ، برطانیہ،جنوبی افریقہ ودیگر خطۂ روئے زمیں کے 32:ایسے علم و فن کے ماہرین کا انتخاب فرمایا جواہل سنت کا عظیم سرمایہ ہیں،پھر دوسرے مرحلہ میں ان سے امام اہل سنت کے مختلف علوم وفنون پر جداگانہ مقالہ جات قلمبند کرنے کا التماس کیا،لہٰذا یقین کے ساتھ میں کہہ سکتاہوں کہ یہ نمبر دیگر اوران نمبروں سے کافی ممتاز ہوگا جواب تک اس عظیم عبقری شخصیت سے متعلق نکل چکے ہوں کہ مختلف علوم پر مشتمل تیس سے زائد مقالہ جات کا یہ ایک حسین انجمن ہوگا۔اللہ تعالیٰ اس ماہنامہ کے اراکین اور قلمکاروں کو جزائے خیر عطافرمائے:آمین

محمد انیس الرحمان نوری

صدرالمدرسین: جامعہ شکوریہ بلہور کانپور (یوپی)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین رضوی

استاذ: جامعہ عبداللہ بن مسعود (کلکتہ) وصدر: جماعت رضائے مصطفیٰ (کلکتہ)

ادارہ پیغام شریعت کا ایک عظیم اقدام

صدسالہ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر دنیا بھر میں قسم قسم کی تقریبات ہورہی ہیں،ملک و بیرون ملک کے ادارے،تنظیمیں امام اہل سنت

مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات پر مشتمل عظیم وضخیم نمبرات، رسائل، کتب اور جرائد منظر عام پر لا رہے ہیں۔ مصنف کتب کثیرہ محبّ مکرم گرامی قدر حضرت مولانا طارق انور مصباحی زید مجدہ کے ذریعہ اطلاع ملی کہ ادارہ پیغام شریعت (دہلی) بموقع صد سالہ عرس رضوی، اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون پر مشتمل اک معرکہ آرا نمبر بنام ''مصنف اعظم نمبر'' منظر عام پر لا رہا ہے۔

خاکہ اور ملک وبیرون ملک کے معروف جلیل القدر اہل علم کے مقالوں کی شمولیت سے یہ اندازہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت کی ہمہ جہت شخصیت کے علوم وفنون کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی بھرپور سعی جمیل کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ پیغام شریعت کے جملہ ارکان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

الحمدللہ جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ کولکاتا کے زیر اہتمام ۲۵:صفر کی مناسبت سے ۲۵:رسائل وکتب (جن میں حضرت مولانا طارق انور مصباحی صاحب کی نگارشات بھی شامل ہیں) کی اشاعت ہورہی ہے، نیز ایک عظیم الشان اجلاس مورخہ ۳۰:اکتوبر کو بنام ''صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت'' منعقد ہورہا ہے، جس میں شہر اور مضافات کے علما ودانشوران کثیر تعداد میں شریک ہورہے ہیں، جس میں ۲۵:صفر کی مناسبت سے شہر کے ۲۵:علمائے کرام کی خدمت میں خصوصی تحفۂ رضا پیش کیا جائے گا۔

محمد افضل حسین رضوی

استاذ: جامعہ عبداللہ بن مسعود (کلکتہ) صدر: جماعت رضائے مصطفیٰ (کلکتہ)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی وفاء المصطفیٰ قادری امجدی (کلکتہ)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے مشن کو آگے بڑھانے میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان اور ان کے اہل خاندان واولاد امجاد ہمیشہ آگے رہے ہیں۔ حضور صدر الشریعہ نے بھی اعلیٰ حضرت کی بہت سی تصانیف کی اشاعت فرمائی۔

اب اسی مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے برادر گرامی حضرت علامہ مفتی فیضان المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم القدسیہ کچھ نادر المثال خدمات کی جانب قدم بڑھا چکے ہیں۔ وہ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے پلیٹ فارم سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے جملہ علوم وفنون کی تفصیلات پر مشتمل ''مصنف اعظم نمبر'' شائع فرما رہے ہیں۔

یہ مجموعہ امام اہل سنت کے علوم وفنون کے لیے انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت کا حامل ہوگا۔ اب تک ہم لوگ کہتے اور سنتے آئے تھے کہ امام اہل سنت علیہ الرحمہ کو اتنے علوم وفنون پر مہارت وکمال حاصل تھا۔ اس نمبر کے ذریعہ ان علوم وفنون کی تفصیلات اور ان علوم وفنون میں امام اہل سنت کی مہارت اور ان کی خدمات سے آشنائی حاصل ہوگی۔

یہ اہل سنت وجماعت پر ایک قرض تھا، جسے برادر گرامی پورا کر رہے ہیں۔ میں مفتی صاحب قبلہ، ان کے تمام رفقائے سفر اور تمام قلم کاروں اور آفس انچارج حافظ کمیل امجدی کا دل گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور سبھوں کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام کی محنتوں اور خدمتوں کو قبول فرمائے: آمین بحرمۃ النبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا کی سفری تصانیف

مقالہ نگار

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (ممبئی)

امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی بن قاضی حاجی محمد عین الدین رشیدی ۱۸: اپریل ۱۹۷۰ء کو پورنیہ: بہار میں پیدا ہوئے۔ درجہ اعدادیہ سے شعبہ فضیلت تک کی تعلیم جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں حاصل کر کے ۱۹۹۱ء میں فراغت حاصل کی۔ مگدھ یونیورسٹی (گیا: بہار) سے ایم اے کیا اور ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یونیورسٹی (مظفر پور: بہار) سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ دار العلوم اصلاح المسلمین (کلیان) میں دو سال تدریسی خدمات انجام دی، پھر ۱۹۹۵ء تا ۲۰۰۰ء مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ: کیرلا) میں تدریسی خدمات سے منسلک رہے۔ وہاں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے ایک تنظیم بنائی اور متعدد کتب و رسائل شائع کیے۔ فروری ۲۰۰۱ء سے تادم تحریر ملاڈ ہائی اسکول اینڈ جونیر کالج (ملاڈ: ممبئی) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ قرطاس و قلم کی دنیا میں انتہائی مشہور و مقبول ہیں۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب و رسائل کی تعداد ۵۴: ہے۔ قریباً چالیس کتابیں مطبوعہ ہیں۔ مقالات و مضامین کی تعداد ستر سے زائد ہے۔ بہت سے سیمناروں میں بحیثیت مندوب شرکت فرمائی۔ آپ کی صدارت میں بھی بہت سے سیمنار منعقد ہوئے۔ قریباً ۲۰: اعزازی تمغہ جات و ایوارڈز حاصل کر چکے ہیں۔ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کی مجلس ادارت کے رکن ہیں۔

رابطہ نمبر: 9137535376

امام احمد رضا کی سفری تصانیف

قلمی شغل:

تصنیفی شغف اور قلمی شغل پر اعلیٰ حضرت من جانب اللہ ورسول مامور وتعینات تھے۔ یہ ان کی عبادت بھی تھی اور غذائے روحی بھی۔ حضر کا کوئی لمحہ اور سفر کا کوئی لحظہ اس سے خالی نہیں رہتا تھا۔ وہ رب کریم باقدرت و باجبروت ہے، اپنے جس بندے سے چاہے، جس حال میں چاہے، اپنے دین اور اپنے حبیب کی خدمت کرالے۔ اپنی رضا اور اپنے محبوب کی خوشنودی کے کاموں میں لگائے رکھے۔ اعلیٰ حضرت اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی توفیق یافتہ اور بافیض بندہ تھے۔ اپنے گھر اور شہر میں ہیں، تب بھی فیض رساں اور شہر سے باہر ہیں، تو بھی فیض رواں، دونوں حال میں علم وعرفان اور فیض وکرم کا دریائے مواج اور بحر ذخار، جدھر سے گزرتا ہے، ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے۔ علمی لہروں اور عرفانی موجوں سے خلق خدا سیراب وسرشار ہوتی رہتی ہے۔

النيرة الوضية في شرح الجوهرة المضية:

حضر تو حضر، سفر میں بھی اعلیٰ حضرت کا شبدیز قلم سرپٹ دوڑتا ہی رہتا تھا۔ یہاں حالتِ سفر کی چند تصانیف کا ایک اجمالی جائزہ پیش خدمت ہے۔ ۱۲۹۶/ ۱۸۷۸ء میں پہلی بار والدین کریمین کے ساتھ حج کے لئے گئے۔ تو مناسکِ حج کے بعد مکہ مکرمہ کچھ دن قیام رہا۔ تو وہاں کے ایک جلیل القدر عالم کی فرمائش پر شیخ حسین بن صالح کی کتاب 'الجوهرة المضية' پر شرح لکھی۔ یہ کتاب فقہ شافعی میں ہے اور عربی منظوم ہے۔ وطن سے دور، اپنی کتابوں سے مہجور، مکۂ مکرمہ کی بھینی فضاؤں میں اعلیٰ حضرت نے صرف دو دن میں اس کی شرح لکھ ڈالی اور نام ''النيرة الوضية في شرح الجوهرة المضية'' رکھ چھوڑا۔ اعلیٰ حضرت نے اس میں احناف وشوافع کے مسائل حج کی توضیح بھی کی ہے۔ فرق بھی بتایا ہے۔ دو دن کی اس تصنیف لطیف کو دیکھ کر علمائے حرمین شریفین حیران رہ گئے۔ حالتِ سفر کی یہ غالباً پہلی تصنیف ہے۔ جب کہ اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر کا تئیسواں، چوبیسواں سال تھا۔ جب حجاز سے اپنے وطن ہند مراجعت کی، تو اس شرح پر تعلیق وتحشیہ لکھا۔ جس کا نام 'الطرة الرضية على النيرة الوضية' رکھا گیا۔ یہ کتاب مسائلِ حج میں لاجواب و بے مثال کتاب ہے۔ جو ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

شجرۂ برکاتیہ:

۱۳۰۵ھ میں اعلیٰ حضرت اپنے پیرخانے مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے۔ ان کے مربی ومرشدِ اجازت سرکار نور حضور نوری میاں قبلہ نے فرمائش کی کہ خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ کا شجرہ عربی میں صیغۂ درود کے ساتھ لکھ دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے وہیں قلم اٹھایا اور برجستہ وبرمحل 'شجرۂ عربیہ صلوٰتیہ' قلم بند فرمادیا۔ چھوٹی تقطیع میں یہ شجرہ کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس قلمی نسخے کی عکسی کاپی مجھے پروفیسر محمد مسعود احمد کراچی کے ذخیرۂ علمیہ سے ملی تھی۔ اسے بھی ایک مستقل تصنیف شمار ہونی چاہیے۔ تو یہ حالتِ سفر کی دوسری تصنیف ہوئی۔

آمال الابرار لآلام الاشرار:

۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں اعلیٰ حضرت نے پٹنہ کا سفر کیا۔ تاریخ ساز سات روزہ اجلاسِ اہل سنت کے پرہجوم ماحول اور سخت ہماہمی میں، وہ بھی برجستہ اور قلم برداشتہ عربی زبان میں قصیدہ 'آمال الابرار لآلام الاشرار' تحریر فرمایا۔ جو ایک مستقل منظوم عربی تصنیف ہے۔ جس میں دینِ حق کی صداقت واضح فرمائی، علمائے حق کی مدح کی اور باطل نوازوں کی شدید مذمت وتردید فرمائی۔ یہ وقیع قصیدہ پی ایچ

ڈی کا موضوع بن سکتا ہے۔سفری حالت کی یہ تیسری تصنیف ہوئی۔
عظیم آباد کے معروف شاعر عبدالحمید پریشاں نے ندوہ کی مدح میں ایک نظم لکھی، پریشاں کی نظم میں اعلیٰ حضرت نے شعری و شرعی سو غلطیاں ظاہر کیں۔اصلاحِ سخن کے باب میں یہ اصلاحی شعری و شرعی نکات و اشارات، ایک مبسوط مقالے کا موضوع بن سکتے ہیں۔شمار کریں، تو شعر وسخن اور اصلاح سخن کے ضمن میں یہ بصورت نظم چوتھی تصنیف ہوگی۔پریشاں کی اس نظم کے جواب میں، جو فارسی میں تھی، اعلیٰ حضرت کے بھائی استاذِ زمن علامہ حسن رضا خان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور فارسی زبان ہی میں ایک مطول و مرصع نظم 'صمصامِ حسن بردابر فتن' کے نام سے فوراً لکھ کر اہل سنت کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔اس میں بھی اعلیٰ حضرت کی شراکت داری غالباً رہی ہوگی۔

برکاتِ مکیہ:

اعلیٰ حضرت ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء میں دوسرے حج کے لئے اچانک تشریف لے گئے۔تو انوارِ الٰہیہ اور برکاتِ مکیہ کی جھما جھم بارش ہوئی۔واقعات سب ذائع شائع ہیں۔اس بابرکت ماحول اور نور بار مقام کی پہلی عربی کتاب 'الدولة المکیة بالمادة الغیبیة' ہے۔جو صرف آٹھ گھنٹے میں قلم بند ہوئی، وہ بھی شدت بخار اور حالت علالت میں۔دوسری عربی کتاب 'الکفل الفقیهه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم' ہے۔جو صرف دو دن میں لکھی گئی۔تیسری عربی کتاب 'الاجازة المتینة لعلماء البکة والمدینة' ہے۔چوتھی کتاب، ان خطوط کے عربی جوابات کو شمار کی جاسکتی ہے، جو اعلیٰ حضرت نے علمائے عرب کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمائے۔ان عربی مکتوب نگاروں کے حالات اور ان کے خطوط کے پس منظر کو بیان کر دیا جائے، تو یہ ایک اہم دستاویزی کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت حجاز سے ہند تشریف لائے۔تو 'الدولة المکیة بالمادة الغیبیة' پر تعلیقات لکھی۔یہ بھی ایک مستقل تصنیف ہوئی۔جس کو اعلیٰ حضرت نے 'الفیوضات الملکیة لمحب الدولة المکیة' کے نام سے موسوم کیا۔۱۳۲۸ھ میں حضرت سید عبدالرحمٰن رجوی بیتھوی نے 'الدولة المکیة' کی عربی تقاریظ کا التقاط کر کے شائع کیا۔جس کا نام 'افتائے حرمین کا تازہ عطیہ' رکھا گیا اور ماہ شعبان کے جلسہ عام میں تقسیم عام ہوئی اور پھر 'الکفل الفقیهه الفاهم' پر بھی اضافہ کیا گیا۔جس کا نام 'کاسر السفیه' ہے۔یہ سب ضمنی و اضافی تصانیف ہیں، جنہیں ''برکات مکیہ'' ہی کہنا مناسب ہے۔یہ تمام تصانیف ایمان افروز و چشم کشا علمی مواد و متن کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کا شاہکار بھی ہیں۔خانہ کعبہ کی گھنی چھاؤں اور انوار و برکات کے برستے موسم میں ان علمی و عرفانی رشحات قلم کا معرض وجود میں آنا، بنا خاص توفیق الٰہی، عنایت ربانی اور فضل سبحانی کے ممکن نہیں۔تائید الٰہی اور حمایت حق کے یہ کھلے کھلے جلوے چشم سر سے دیکھ دیکھ ایک بڑا جہان علم وفضل خوش گوار حیرت میں تھا، یہ اصحاب علم وفن اور فضل وکمال مکی بھی تھے، مدنی بھی، حجازی بھی تھے اور عربی بھی اور ساتھ ہی آفاقی بھی، جو دور دراز ملکوں اور اکناف عالم اسلام سے وہا ل بنیت حج و زیارت جمع ہوئے تھے۔ان مقامی و آفاقی مشائخ و مشاہیر نے جو ان قیمتی کتابوں پر تقریظیں لکھیں ہیں، رہتی دنیا تک حسین یادگار اور سرمہ چشم بنی رہیں گی۔

الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد:

۱۳۳۷ھ میں اعلیٰ حضرت جبل پور تشریف لے گئے۔تو 'الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد' لکھی۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ جبل پور پہنچنے پر خادمِ جاں نثار حاجی کفایت اللہ مرحوم کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی کہ اعلیٰ حضرت تو مجدد ہیں اور مجدد کا ہر لمحہ خدمت علم میں گزرتا ہے۔بریلی سے جبل پور تک اعلیٰ حضرت نے کہاں کچھ کیا۔ان کا اتنا سوچنا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا اور فرمایا: حاجی صاحب! وہ بستہ اٹھا لائیے۔جب وہ اٹھا لائے، تو اعلیٰ حضرت نے 'الاستمداد' کا مسودہ نکال کر انہیں دیتے ہوئے فرمایا: لیجیے۔اسے صاف کر لیجیے۔اس سے حاجی صاحب مرحوم نے اعلیٰ حضرت کی قوتِ کشف بھی جان لی اور ڈھٹک کر رہ بھی گئے۔

یادگارِ بھوالی:

اعلیٰ حضرت ۱۳۳۲ھ کے بعد کوہِ بھوالی نینی تال میں ماہِ رمضان گزارتے تھے اور بعض بعض دفعہ شدتِ مرض وضعف کے سبب کئی کئی مہینے رک جاتے تھے۔ تاج العلما حضرت سید شاہ محمد میاں مارہروی، ملک العلماشاہ محمد ظفرالدین عظیم آبادی، شاہ محمد عبد السلام جبل پوری اور مفتی احمد بخش صادق ڈیرہ غازی خان [پاکستان] وغیرہ کے نام کوہِ بھوالی سے لکھے طول طویل خطوط میں یہ ذکر بار بار آیا ہے کہ اِن دنوں فلاں کتاب زیرِ تصنیف ہے۔ آج کل ردِ خبثا میں پانچ رسالے زیرِ تصنیف ہیں۔ وہ کون کون سی تصانیف ہیں۔ تحقیق طلب ہیں۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت نے ان رسائل و تصانیف کا نام نہیں لیا ہے۔ مجملاً ذکر فرمایا ہے۔ لیکن حاضر دماغی ، استحضارِ علم ،قوت حافظہ، ذکاوت حس، جودت افکار، افتادِ طبع ،تصنیفی سرگرمیاں اور رفتارِ قلم کے پیش نظر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ایسی تصانیف وتحقیقات درجنوں میں ہوں گی۔ جس کا دورانیہ ۱۳۳۲ھ تا صفر ۱۳۴۰ھ، کوئی سات آٹھ برس ہے۔ واضح رہے کہ عارضی قیام گاہ بر کوہ بھوالی کے یہ ایام ماہ شعبان کے اواخر اور ماہ رمضان کے ہوتے تھے، عید سعید بریلی شریف میں ہوتی تھی اور کبھی کبھی بھوالی ہی میں ہو جاتی تھی۔ اس طرح کبھی کبھی شوال کے اوائل حصہ بھی شمار میں آنا چاہیے۔

اسی طرح وہ خطوط اور فتاوے، جو اس پہاڑی پر فضا مقام سے صادر کئے گئے، یہ بھی توجہ طلب ہیں۔ یوں ہی وہ نعتیں اور وفیات پر تاریخی قطعات و مادہائے تواریخ، جو سفری حالات میں امضا و ارسال ہوئے، وہ بھی ایک موضوعِ تحقیق ہیں۔ مثلاً پٹنہ کے دوران قیام، جو بغرض عیادت وتعزیت تھا، قاضی عبد الوحید فردوسی کے وصال پر قطعاتِ تاریخ، کوہ بھوالی کے قیام میں حضرت صدر الافاضل سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی کے والد ماجد کے وصال پر قطعاتِ تاریخ، مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کے بچوں اور بچیوں کی وفات پر قطعاتِ تاریخ وغیرہ وغیرہ۔ نثر ونظم اور عربی ، فارسی اور اردو میں اگر ان سب چیزوں کو موضوعی اعتبار سے مرتب کی جائیں، تو نوادرات کے نئے گوشے سامنے آئیں گے۔

اصلاحِ سخن:

مفتی احمد بخش صادقؔ، اس وقت کے جید عالم و فاضل تھے۔ زبردست نعتیہ شاعر بھی تھے۔ 'دیوانِ صادقؔ' ان کی حسین شعری یادگار ہے۔ ان کے اس دیوان کی اصلاح اعلیٰ حضرت نے اسی حالتِ سفر ومرض میں بیٹھ کر اسی کوہِ بھوالی میں کی۔ اس 'دیوان صادق' کے اصلاح شدہ کچھ اوارق خاکسار غلام جابر شمس کی تحویل میں ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو شاعری کی شعری وشرعی اصلاح وترمیم اعلیٰ حضرت حالتِ سفر ہی میں فوراً کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً پٹنہ میں عبد الحمید پریشاںؔ کی فارسی نظم کی اصلاح اور جبل پور کے سفر میں سید عبد الرحیم کی شاعری کی اصلاح ونظر ثانی۔ شعر وسخن کی اصلاح کے حوالے سے یہ ایک توانا مواد ہے۔ جو محض حالتِ سفر کی بات ہے۔ اسے 'اعلیٰ حضرت اور اصلاحِ سخن' عنوان بنا کر بھر پور کام کیا جا سکتا ہے۔ اقامت وحضر کی اصلاحِ شعر کا مواد تو اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کوئی باذوق صاحب فہم قلم کار یہ کام کر دے، تو مواد ومیٹر کی مکمل نشاندہی اور فراہمی یہ خاکسار غلام جابر شمس پورنوی برضا ورغبت کر سکتا ہے۔ یہ کام نہ صرف سہ لسانی ہوگا، بلکہ چہار لسانی بھی۔ چوں کہ اعلیٰ حضرت ہندی وسنسکرت کے زبان وادب پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ جس کی روشن مثال ان کی ایک مشہور زمانہ نعت پاک ہے، جس کا مطلع ہے:

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
تیری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی

اس موضوع پر مولانا محمد احمد نعیمی صاحب دہلی کام کر رہے ہیں۔ ان کا عنوان ہے: دیوان رضاؔ میں ہندی وسنسکرت کے الفاظ کی معنویت'۔ یہ مقالہ 'جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت' پونے میں متوقع 'اعلیٰ حضرت سمینار' میں پیش کیا جائے گا۔

تحریکات وتجاویز:

یہ وہ دور تھا کہ اُدھر جنگِ عظیم اول کے اثرات باقی تھے اور اِدھر آزادیٔ ہند کی تحریک زوروں پر تھی۔ آئے دن نئی نئی تحریک اٹھتی تھی اور نئی نئی تجویز پاس ہوا کرتی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے سرگرم عملی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ مگر اس وقت کے ملکی و بین الاقوامی سیاسی مدوجزر سے بے خبر بھی نہیں رہے۔ بلکہ پل پل بدلتے حالات وتغیرات کے تیکھے تیور پر کڑی اور گہری نگاہ رکھتے تھے۔ تحریکِ ہندو مسلم اتحاد، تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ خلافت اسی عہدِ کشاکش اور دورِ نفسانفسی کی اُپج تھی۔ ملکی و بین الاقوامی امور و سیاسیات، مسلم مصالح و مفادات، اغیار کے تحفظات وتقیہ بازی اور مذہبی شعائر وعلائم کی بقا وضمانت، یہ ایسے پر پیچ اور تہہ دار وقت کے سلگتے مسائل ومعاملات تھے، جن کی کائی اور کھائی میں اچھے اچھے مذہبی و سیاسی سورما پھسل گئے اور گر گئے کہ انہیں خود اپنی ذات کی خبر نہ رہی۔ چہ جائے کہ وہ ملک وملت اور دین ومذہب کی خبر گیری کرتے۔

یہ تنہا اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات تھی کہ تمام حالات کو اپنی خداداد بصیرت وایمانی فراست سے بھانپ گئے اور باشعور علما واحبابِ اہل سنت کو لے کر اس شدید زور آور اور منھ زور طوفانی سیلابِ بلا کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔ جب کہ یہی دور آپ کی علالت و نقاہت کا بھی تھا۔ تاہم بریلی اور کوہ بھوالی سے جو آپ نے امت وملت کی سیاسی رہنمائی فرمائی۔ وہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے۔ اس ہیجانی وجذباتی دور میں علما وزعما اور لیڈران تو کان نہیں دھرتے تھے۔ مگر برف پگھلنے کے بعد ان کو ہوش آیا کہ ان سے جو لمحوں کی خطا سرزد ہو گئی ہے، قوم اسے صدیوں بھگتے گی اور بھگت رہی ہے۔ مگر بات وہی حق اور درست تھی اور ہے، جو اعلیٰ حضرت اور ان کے زیر اثر علما وزعما نے کہی اور کی تھی۔ اس کے لئے اس دور کے فریقین کے خطوط، مراسلات، فتاوی اور بیانات گواہ ہیں۔ تاریخی و سیاسی شعور رکھنے والوں کے لئے یہ مواد بہت ہی خاصے کی چیز ہے۔ خصوصاً صدر دیوبند شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا ابوالکلام آزاد کے متضاد بیانات اور بے بصیرت فتوؤں نے پوری قوم کو عجب کشمکش اور تذبذب وتشویش کا شکار بنا دیا تھا۔ جیسے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتوی، ترکِ موالات کا مسئلہ، مسئلۂ خلافت کا الٹا سیدھا مفہوم اور کھدر وریشمی رومال کی تحریک ومہم کا چھیڑنا اور بے سوچے سمجھے بیان بازی، سیاسی ہیرا پھیری کرنا اور بے بصیرت فتوی بازی کرنا۔

المحجۃ المؤتمنہ:

اعلیٰ حضرت یوں تو اپنی زندگی کے اوائل اور ادھیڑ عمر میں مرض میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ دردِ چشم، دردِ سر، تپ اور بخار، یہ ان کے ایک قسم سے عادی امراض تھے اور کبھی کئی ہفتے اور کبھی کئی مہینے ان عوارض وامراض سے طبیعت مضمحل رہتی تھی۔ مگر ۶۵/ یا ۶۳/ سالہ زندگی میں سے اخیر کے ۱۵/ یا ۱۳/ سال کچھ زیادہ ہی ان امراض کے حملے ہوتے رہے، خصوصاً ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کے بعد۔ کوہ بھوالی کی آمد ورفت کے سالوں میں علالت ونقاہت کا غلبہ کچھ زیادہ ہی رہا۔ انہی ایام میں سیاسی گلیاروں کی طغیانی بھی زیادہ رہی۔ لیکن کمالِ حیرت ہے کہ ان کے علمی اشتغال اور معمولاتِ حیات میں یہ عوارض وامراض زیادہ حارج وحائل نہ ہو سکے۔ اعلیٰ حضرت کا ذہن اور قلم برابر اپنا کام کرتا رہا اور وہ جریدۂ عالم پر مذہب و سیاست کے حوالے سے شوخ رنگ نقوش ثبت کرتے رہے۔ جن کی اہمیت ومعنویت آج دو دو چار کی طرح عیاں وبیاں ہے۔

جن ایام و اوقات کی میں بات کر رہا ہوں۔ پیش نظر کتاب ''المحجة المؤتمنة في آيا ت الممتحنة'' انہی ایام کی تازہ بہ تازہ یادگار ہے اور ''الطاري الداري لهفوات عبد الباري'' کے تینوں حصص کے اکثر حصے، اسی کوہ بھوالی میں لکھے گئے ہیں۔ ان دونوں سفری کتابوں کے علاوہ وہ خطوط، فتاوی اور بیانات کا تجزیہ کر کے مرتب کیا جائے، جو کوہ بھوالی سے تحریر کئے گئے، تو خطوط و فتاوی کی دو ضخیم جلد بن سکتی ہے۔ اتنا صحت مند مواد اس حوالے سے

موجود ہے اور یہ حالتِ سفر و مرض کی نشانی ہے۔ اِدھر حالات کی حدت اور اُدھر امراض کی شدت، دونوں کا اگر موازنہ کیا جائے، تو اعلیٰ حضرت کی خداداد قوتِ بصیرت، مؤمنانہ فراست، اخذ و استنباط کا بے پناہ ملکہ، مراجع و مصادر پر بغیر مراجعتِ کتب عبور و استحضار، توفیقِ رحمانی و تائید ربانی سے بھر پور دلائل و شواہد کا انبار اور راست و درست نتائج کے استخراج پر ہر وہ شخص ایمان لے آئے گا، جس کو علم و عقل، تاریخی شعور، سیاسی سوجھ بوجھ اور عصری آگہی سے ذرا بھی مس ہے اور زمانہ جس کی صحت، صداقت، ثقاہت اور صولت و بصالت کا بانگِ دہل اعلان کر رہا ہے۔

یہ درجن بھر سے زائد تصانیف و تحقیقات تو خالص سفری و ارتجالی ہیں۔ اگر ضمنی و ذیلی تصانیف کو جوڑ کر مزید تحقیق و تفحص کیا جائے، تو یہ تعداد دو درجن سے کم نہ ہوگی۔ تحقیق و تجزیہ کا یہ بھی ایک موضوع ہے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت اپنے کتب خانہ سے دور اور گھریلو سہولیات سے بہت دور ہوتے تھے۔ کیسا رسا ذہن، خداداد حافظہ اور برق رفتار قلم پایا تھا اعلیٰ حضرت نے۔ یہ وصف ان کے ہمعصروں میں ہی کیا؟، صدیوں کے طویل فاصلوں میں بھی نظر نہیں آتا۔ ان کے ایک معاصر شبلی نعمانی، جب سفر کرتے، ان کا کتب خانہ بھی ساتھ ساتھ سفر کرتا، پھر بھی چار صفحہ لکھ نہیں پاتے۔ وہ بھی تاریخ، ادب، سیرت کے عنوان پر کہ یہی شبلی کی کل پونجی اور کل موضوعات تھے۔ ادب کی چاشنی، زبان کی شیرینی، الفاظ کی بندش اور اسلوب کی رعنائی اور موضوعات کی رنگا رنگی و بوقلمونی اور فکر و نظر کی گہرائی و گیرائی دیکھنی ہو، سفری و حضری تصانیفِ اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کیجیے۔

ماحصل: دیکھ رہے ہیں آپ! اعلیٰ حضرت جلوت و خلوت اور حضر و سفر، جس حال میں ہیں، ان کا لمحہ لمحہ اور لحظہ لحظہ دین و مذہب، شریعت و سنت، قوم و ملت، معیشت و معاشرت اور سماج و سیاست کی خدمت و رہنمائی میں مصروف و منہمک ہے۔ مذہب ہو یا سیاست، دونوں میدانوں میں ہے کوئی دوسرا نمونہ، جس کو اعلیٰ حضرت کی ایثار پسند ذات اور بے لوث خدمات کے آمنے سامنے کھڑا کیا جا سکے۔

اعلیٰ حضرت کے اسفار کا ایک امتیاز یہ بھی ہے، جو مذکورہ جائزہ نے دو دو چار کی طرح یہ واضح کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کے تمام اسفار خالص ذاتی نوعیت کے ہیں۔ جس میں دینی و مذہبی، روحانی و عرفانی، علمی و تصنیفی، اصلاحی و ارشادی، تلقینی و تذکیری، شریعت و سنت کی بالادستی، احکام و فرائض کا غلبہ و استعلاء، مذہب و ملت کی تعمیر و ترقی، مسلم معاشرے کا عروج و ارتقا کی گونج صفحہ صفحہ اور سطر سطر سے سنائی دیتی ہے۔ سیاست، ریاست، سفارت، ثقافت اور خیر سگالی دوروں، جو حکومت و اقتدار کی شہہ، صرف اور خرچ پر کئے جاتے ہیں، کا داغ کہیں نظر نہیں آتا۔ سیاست و ریاست اور سفارت و ثقافت کی لعنت و نحوست سے 'اسفار اعلیٰ حضرت' بالکل پاک و صاف دکھائی دیتے ہیں۔

جب کہ ان کے بعض معاصرین کے سفر ناموں میں اس نوع کے داغ دھبے قدم قدم پر نظر آئیں گے۔ جن کے دامن داغدار ہیں اور گریبان تار تار ہیں۔ مثلاً سر سید کا سفر نامۂ یورپ، یہ سفر تعلیم و ثقافت کو پائیدان بنا کر کیا گیا تھا۔ اس کا سارا خرچ اس برطانوی حکومت نے برداشت کیا تھا، جس برطانوی حکومت نے ان کے بیٹے سید محمود کو سرکاری وظیفہ دے کر برطانیہ بھیج کر تعلیم دلوائی تھی۔ سر سید کے دستِ راست اور رفیقِ خاص شبلی نعمانی [م ۱۹۱۴] نے 'ہیروز آف اسلام' لکھنے کا پروجیکٹ بنایا تھا۔ تو مواد کی تلاش و فراہمی کے لیے نوابانِ ریاستہائے ہند کے خرچے پر کیے گئے اسفار کا مجموعہ 'سفر نامۂ روم و مصر و شام' ہے۔ جو شبلی نعمانی نے یادگار چھوڑا۔ یہاں ریاست رام پور، ریاست جھجھر، ریاست جنجیرہ، ریاست بھوپال اور نظام حیدر آباد سے شبلی کے لنگوٹیا یارانے جیسے گہرے تعلقات تھے۔ شبلی نعمانی کے علمی جانشین سید سلیمان ندوی کا سفر نامہ 'سیر افغانستان' حکومتِ افغانستان کے فرماروا نادر شاہ کی شاہ خرچی اور سرکاری صرف کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اس سفر میں سر راس مسعود تو تھے ہی، ڈاکٹر اقبال جیسے فہیم و فریس

دانشور بھی شریکِ سفر تھے۔

خطۂ دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا سفر نامۂ حجاز و مصر و مالٹا، جس کو ان کے رفیقِ کار مولانا حسین احمد مدنی نے مرتب کیا، یہ خالص سیاسی نوعیت کا سفر نامہ ہے۔ شیخ الہند کے اکابر میں مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے تعلیم و تدریس کے بہانے عباسی ریاست بہاول پور سے دوستی گانٹھی تھی، وہ تو خیر ہوا کہ شیرِ پنجاب علامہ غلام دستگیر ہاشمی قصوری نے ان کا بھانڈا بیچ چوراہے پر پھوڑ دیا۔ دوسرے مولانا رشید احمد گنگوہی کے کئی کل پرزے حکومتِ وقت کے کارندوں سے جڑے ہوئے تھے۔ تیسرے مولانا قاسم نانوتوی، جن کو الحاج مولانا عابد حسین چشتی بانی مدرسۂ دیوبند نے بلا کر اپنے قائم کردہ مدرسہ کا نگراں بنایا، نے بعد میں مدرسہ پر قبضہ جما کر خود بانی مشتہر ہوئے، ان کے تمام اکابر و اساتذہ حکومتِ برطانیہ کے نوکر چاکر تھے۔ یہی صدر دیوبند شیخ الہند کے شاگردِ رشید نو مسلم مولانا عبید اللہ سندھی کابل میں سات سالوں تک سیاسی سرگرمیوں میں ملوث رہے۔ 'کابل میں سات سال' انہی سندھی صاحب کا سفر نامہ ہے۔ مولانا محمد علی قصوری، جن کی تعلیم کیمبرج میں ہوئی تھی، انہی مولانا عبید اللہ سندھی اور ابو الکلام آزاد کے ایما و اشارے پر کابل و یاغستان کی سیاسی قلابازیوں میں عرصہ تک مصروفِ کار رہے۔ محمد علی کا سفر نامہ 'مشاہداتِ کابل و یاغستان' انہی سیاسی قلابازیوں کی منظر کشی کرتا ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد، جنھوں نے اپنے آبائی واجدادی دین و فلسفہ کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، نے گو کہ اپنا کوئی سفر نامہ مرتب نہیں کیا۔ لیکن ان کا جو کچھ بھی تحریری سرمایہ ہے۔ ان کے خطوط و اسفار میں بھی سیاست و سفارت ہی کی رنگ برنگ چھینٹیں ہیں۔ کیوں کہ وہ تو تھے ہی مجموعۂ سیاست و سفارت اور مجموعۂ اضداد بھی، مہنہ ان کا، زبان کسی اور کی، چہرہ ان کا، رنگت کہیں اور کی۔ مشہور انشا پرداز، مزاح نگار اور مرقع نویس خواجہ حسن نظامی، گو یہ سیاست کی گندگی و غلاظت سے آلودہ نہیں تھے، مگر ان کے سفر نامے بھی تاریخ، ادب، سیرت، ثقافت سے آگے کا سفر نہیں کر سکے۔ باتوں کے دھنی اور بات بنانے کے غنی مولانا عبد الماجد دریابادی کے متعدد سفر نامے میں بھی وہ چوکھا رنگ دِکھائی نہیں دیتا، جو کسی مخلص داعی اور مبلغ اسلام کا ہوتا ہے۔ اسی طرح ندویت نوازوں کے مولانا ابو الحسن علی ندوی کہلاتے تھے تو مبلغ اسلام، مگر ان کے متعدد سفر ناموں پر بھی وہی تعلیم، و ثقافت، تاریخ و فلسفہ، اتحاد و بیداری کا مکھوٹا چڑھا ہوا ہے۔ سچے اور متحرک دین و مذہب کا پیغام، اسلامی احکام و عقائد کی واضح ترجمانی اور حق و باطل کی روشن لکیر، ان کے اسفار میں نظر نہیں آتی۔ بازاری دوا فروش جھاڑ جھنکار بھی حکمتِ لقمان بنا کر بیچ دیتا ہے۔ لفظوں کی ساحری، اسلوب کی جادوگری اور انداز کی سوداگری سے دین و ملت کا بھلا کیا بھلا ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن خصوصیات و امتیازات سے اعلیٰ حضرت کے اسفار' مالا مال ہیں، ان اوصاف و محامد سے ان کے معاصر سفر نامے ہی کیا، اس سے پہلے کے بھی اور اس سے بعد کے بھی بہت سے سفر نامے خالی دِکھائی دیتے ہیں۔ یہ ادعا نہیں، یہ ایک روشن حقیقت ہے۔ قدیم و جدید سفر ناموں اور اعلیٰ حضرت کے اسفار کا تقابلی مطالعہ اور تحقیقی جائزہ' عنوان بنا کر مضبوط مقالۂ تحقیق لکھا جا سکتا ہے۔ کاش! کوئی با حوصلہ انصاف پسند تحقیق کار اور تجزیہ نگار اٹھے اور یہ کام کر گزرے۔

اپنے دور میں اعلیٰ حضرت بھی انگنت انسانوں کے بے پناہ انبوہ میں ایک انسان تھے، لیکن کیسا انسان؟۔ وہ انسان، جس نے اپنے کسب سے کم، اللہ علیم و علام و وہاب کے وہب و کرم سے ایک ایسا انسان عظیم و جلیل بن کر آفاق عالم پر چھائے کہ پھر دوسرے انسانوں کا ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا قدرے مشکل ہو گیا۔ وہاب کریم نے ایسا نواز دیا کہ اسلامیان عالم کے لیے ہر میدان کا شہر یار اور علم و حکمت کی تمام مملکت کا تاجدار بنا دیا۔ علوم و فنون کی اس شہر یاری کا شہرہ گذشتہ ایک صدی سے ہے اور اس تاجداری کا ڈنکا بج رہا ہے۔ مشرق و مغرب سے جو آواز آ رہی ہے، یہ اس کی کھلی کھلی شہادت

ہے اور ماہرین و محققین کے لکھے ہوئے ہزاروں ہزار صفحات زبان حال سے چیخ چیخ کر گواہی دے رہے ہیں۔

اللہ کریم نے ان کو اپنی قدرت کا واضح مظہر بنایا۔ اپنے محبوب کریم کا روشن معجزہ بنایا۔ اپنے دین کا سپاہی کیا اور سالار بنایا۔ اس بندۂ عظیم و برتر نے اپنے من کو مارا، دھن کو چھوڑا اور تن کو تج دیا۔ رب کریم نے دینی خدمت کا جو فریضہ سپرد کیا تھا، اس بندۂ خاص نے جی جان لگا کر انجام دیا۔ اس کے صلے میں خدا نے جب چاہا کہ احمد رضا اسلامیان عالم کے دلوں کی دھڑکن بن جائے، رگوں میں خون بن کر دوڑے اور خوش بو بن کر روحوں میں سما جائے، تو عالم اسلام نے انہیں ایسا ہی بنا ڈالا۔ رب کریم کے اس فضل و کرم پر شکر و امتنان کے جتنے طغرے سجائے جائیں اور بطور تشکر جبین نیاز کے جتنے سجدے لٹائے جائیں، کم ہی کم ہیں۔

امام احمد رضا کے علمی و روحانی کمالات اور کارناموں میں ایک نہایت نمایاں کارنامہ قرآن کریم کا اردو ترجمہ بنام 'کنز الایمان' بھی ہے۔ جب سے یہ ترجمہ شائع ہوا ہے، تب سے اس ترجمے کی خصوصیات اور امتیازات پر اہل علم اور صاحب قلم حضرات کا علمی و فنی ارمغان و خراج پیش ہوتا رہا ہے۔ ایسی کاوشوں کی تعداد بھی سیکڑوں میں ہے۔ حتی کہ جامعاتی سطح پر بھی تحقیقی مقالے لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی گئیں ہیں۔ لیکن دینی و عصری ہر دو سطح کے محققین کا کہنا نہ صرف یہ ہے کہ جس سمت آ گئے ہیں، سکے بیٹھا دیئے ہیں، بلکہ اس کے آگے بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ تو بس ساحل کی سیر ہے یا پھر اس بحر بے کراں کی چند موجیں ہی ہیں۔ اس بحر کے طول و عرض اور عمق کی پیمائش بہت مشکل ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علمی کمالوں میں ایک کمال یہ بھی ہے کہ جس فن کی بحث اٹھاتے اور گفتگو کرتے ہیں، تو خاص اسی فن کی لغت، اصطلاحات اور اس کی فنی نزاکت و باریک بینی کا بھرپور لحاظ رکھتے ہیں اور موضوع کو اس کے منتہائے کمال تک پہنچاتے ہیں۔ جس میں اس فن کے اصول و قواعد اور کلیات و جزئیات کی جلوہ گری تو ہوتی ہی ہے، مگر اس سے الگ اعلیٰ حضرت کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ دوسرے فنون سے بھی اس کی تائید میں دلائل و شواہد پیش کرتے ہیں۔ مثلاً 'الدولۃ المکیہ' اعلیٰ حضرت کی بڑی معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ اس میں دینی علوم کا دریا جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے، وہ تو ہے ہی، لیکن 'علم غیب مصطفیٰ' کے ثبوت میں علم ریاضی کے ذریعہ جو ناقابل تردید دلائل پیش کیے ہیں، خاصے کی چیز ہے۔ جس کی طرف کم ہی افراد کی نظر ہے۔ جب کہ یہ حالت سفر مکہ مکرمہ کی تصنیف ہے اور صرف حالت سفر ہی نہیں، شدید حالت علالت میں بھی تھے۔

علی گڈھ کے پروفیسر شبیر حسن غوری نے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت علوم ہیئت و حکمت کے آخری دانائے راز تھے، تو علامہ اقبال اوپن یونیورسیٹی اسلام آباد، پاکستان کے استاذ ریاضی پروفیسر ابرار حسین کتاب مذکور 'الدولۃ المکیہ' میں فن ریاضی کی بحث دیکھ اور پرکھ کر لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت علم ریاضی میں اجتہادی بصیرت کے حامل اور موجدانہ شان کے مالک ہیں۔ اسی طرح حکیم محمد سعید کراچی فتاوی رضویہ کے چند اوراق مطالعہ کرنے لینے کے بعد یہ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت فقہی مسائل کے ضمن میں طب و حکمت کے موضوع پر جو بحث کرتے ہیں، تو وہ طبابت و حکمت اور جدید میڈیکل سائنس میں ان کی دور بینی، ژرف نگاہی اور گوناگوں علوم و فنون کی جامعیت کا بین ثبوت ہے۔ اسی طرح فقہی ابواب ہی میں مکہ مکرمہ کے دوران قیام ان کی دوسری تصنیف 'الکفل الفقیہ الفاہم فی احکام القرطاس والدراہم' ہے۔ یہ بھی حالت مسافرت و علالت کی ایک تاریخی یادگار ہے۔ بظاہر یہ کتاب فقہی مباحث پر مشتمل ہے۔ لیکن بغور نہیں، صرف جھانک کر دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اس کا تعلق کئی علوم و فنون سے ہے۔ مثال کے طور پر ملکی و عالمی تجارتی منڈی کی طرف بھی کھلے کھلے اشارے موجود ہیں، جو جدید علم معاشیات و اقتصادیات اور خردہ و تھوک امور تجارت کی جان ہیں۔ یوں ہی جدید بنک کاری کے اصول و احکام پر حیرت انگیز مہارت و بصیرت کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں۔

(بقیہ مضمون صفحہ 485 پر)

امام احمد رضا اور علم القرآن

مقالہ نگار

مفتی محمد قمر الحسن قادری (ہیوسٹن: امریکہ)

حضرت علامہ حافظ محمد قمر الحسن قادری بن الحاج مولوی محمد اسحاق مرحوم یکم اپریل ۱۹۵۵ء کو موضع ڈانڑوا، پوسٹ بھوجینی ضلع سنت کبیر نگر (یو پی) میں پیدا ہوئے۔ الجامعۃ الاسلامیہ (روناہی، فیض آباد: یو پی) اور الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور، اعظم گڑھ: یو پی) سے شعبہ عالمیت وفضیلت کی تعلیم پائی۔ جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) سے فارغ التحصیل ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) سے ایم اے (فارسی) کی ڈگری اور اودھ یونیورسٹی (فیض آباد: یو پی) سے ایم اے (اردو) کی ڈگری حاصل کی۔ کلیہ طرابلس (لیبیا) سے عربی کا ریفرشنگ کورس کیے۔ آپ نے حفظ قرآن کی تکمیل اور علم تجوید وقرأت (قرأت عاصم بروایت حفص) کی تعلیم بھی حاصل کی۔ فی الحال ہیوسٹن (امریکہ) میں مقیم ہیں اور تصنیف وتالیف، تبلیغ دین اور مسجد النور (ہیوسٹن) میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کا تخلص ''قمر بستوی'' ہے۔ قریباً تین درجن تصانیف وتالیفات ہیں۔ آپ خوش بیان وصاحب دیوان شاعر بھی ہیں۔ بہت سے مقالات ومضامین تحریر فرمائے۔ آپ نے تنظیم الرضا اہل سنت وجماعت (ڈانڑوا: انڈیا) ۱۹۹۶ء میں قائم کی۔ ۱۹۹۷ء میں بزم حسان انٹرنیشنل نعت اکیڈمی (ہیوسٹن: امریکہ) قائم کی۔ رویت ہلال کمیٹی آف نارتھ امریکہ (قائم شدہ: ۸: دسمبر ۱۹۹۹ء) کے آپ چیرمین ہیں۔ مسجد النور ہیوسٹن (امریکہ) میں ۱۵: سال میں قرآن مقدس کی تفسیر بیان فرمائی۔ اردو مرکز انٹرنیشنل لاس اینجلس (امریکہ) نے ۲۰۰۸ء میں آپ کو حسان اردو انٹرنیشنل ایوارڈ سے سرفراز کیا۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ اور علم القرآن

تعارف اور اہمیت

امیر المومنین سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:

جميع العلم في القرآن لكن

تقاصر عنه أفهام الرجال

(قرآن مقدس میں سارے علوم ہیں لیکن اس کے سمجھنے سے لوگوں کی عقلیں قاصر ہیں)

قرآن مقدس معانی ومفاہیم کا بحر ذخار ہے۔ ہر شخص اپنی بساط علم کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتا ہے۔ جس کی نظر جہاں تک پہنچتی ہے وہیں تک وہ اخذ کرتا ہے۔ جس نے جتنا غوطہ خوری کی قسم قسم کے لولوء ومرجان کو چنا مگر سر اٹھایا تو حیرت واستعجاب میں یہ کہنا پڑا:

حق تو یہ ہے حق ادا نہ ہوا

قرآن مقدس کے علوم کی دو جہتیں ہیں لفظی اور معنوی۔ تمام علوم کا استنباط معنوی جہت سے ہے۔ فقہ، اصول فقہ، فصاحت وبلاغت، علم تفسیر، ناسخ ومنسوخ وغیرہ۔ مگر لفظی جہت سے تجوید وترتیل، اظہار وادغام، علاوہ ازیں رسم عثمانی وغیرہ ہیں۔

علمائے اصول نے قرآن مقدس کی آیات کی تقسیم کئی نہج پر کی ہے۔ مکی ومدنی آیات وسور، پھر لیلی ونہاری آیات وسور، پھر سفری وحضری، ارضی وسماوی، صیفی وشتائی، وغیرہ۔ اس کے علاوہ اسباب نزول کے ساتھ، زمانہ نزول، نیز کیفیت نزول کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان تقسیمات سے قرآن مقدس کا تاریخی پہلو اجاگر ہوتا ہے، جس سے ناسخ ومنسوخ کی شناخت ہوتی ہے، تاکہ مسائل کی تہہ تک پہنچ کر یہ معلوم ہوسکے کہ حکم الٰہی کے کس پہلو پر امت کے لیے عمل لازم ہے۔ انھیں امور میں وہ مکررات بھی ہیں جو حسب واقعہ یا حسب ضرورت دو یا چند مرتبہ نازل ہوئیں۔

اور بعض وہ احکام جو ماسبق شریعتوں میں مذکور تھے ان کو یا تو من وعن یا خفیف تبدیلی کے ساتھ اس امت پر بھی اتارا گیا۔

اس کا ایک اہم باب تدوین قرآن بھی ہے۔ کہ قرآن مقدس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو جمع کرایا اور پھر عہد عثمانی میں جو کام ہوا دونوں کی نوعتیں کیا تھیں؟ اور دونوں میں فرق کیا ہے؟ پھر قرأت سبعہ اور قراء سبعہ سے کون مراد ہیں؟ اور قرآن مقدس جو سات قرأتوں پر اتارا گیا وہ سات قرأتیں کیا وہی ہیں جو قرأت سبعہ متواترہ کی ہیں؟ یہ اور اس طرح کے بہت سارے موضوعات علوم قرآن کے خواص ہیں۔

علم القرآن کے لیے متاخرین علمائے امت میں امام جلال الدین سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن سب سے جامع اور اس کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔

امام احمد رضا اور علم القرآن

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان جس طرح بہت سارے علوم میں فرد فرید تھے اس طرح علوم قرآن کے بارے میں بھی اپنے عہد کے یکتائے روزگار تھے۔ ان کی نظر قرآن مقدس پر بہت وسیع اور جامع تھی۔ آپ کی تصانیف میں علوم قرآن کے جواہر پارے جگہ جگہ درخشاں ملتے ہیں، جو آپ کی عظمت پر دلیل ہیں۔

پاروں کی تقسیم کب ہوئی:

آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا عہد صحابہ میں پاروں کی تقسیم ہوگئی تھی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے کتاب ''الاتقان''

میں جس قدر احادیث وروایات واقوال قرآن عظیم کے ایسے امور کے متعلق ہیں جمع فرمادیئے ہیں۔اس میں پاروں کا کہیں ذکر نہیں۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے وقت تک یہ تقسیم نہ تھی۔ہاں رکوع جاری ہوئے آٹھ سو برس ہوئے۔مشائخ کرام نے الحمد شریف کے بعد پانچ سو چالیس (۵۴۰) رکوع رکھے کہ تراویح کی ہر رکعات میں ایک رکوع پڑھے تو ستائیسویں شب میں کہ شب قدر ہے ختم ہو"۔(الملفوظ صفحہ ۹۲ مکتبہ رضا بریلی)

پاروں اور رکوع کی تقسیم کے تعلق سے کوئی واضح ثبوت نہیں مل پایا کہ کب اور کس نے کیا۔مگر بعض قرائن سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جز اور رکوع کی تقسیم غالباً عجم کی دین ہے۔کیونکہ عربوں میں مطبوع قرآن پاک میں پارے تو ہوتے ہیں مگر رکوع نہیں ہوتے۔اور یہ بھی کہ پاروں کو سورتوں کے تابع کر کے طبع کیا جاتا ہے۔البتہ احزاب واعشار کے متعلق امام اہل سنت ایک سوال کے جواب میں مزید ارشاد فرمایا

"احزاب واعشار زمانہ مبارک سے ہیں۔اعشار دس دس آیتوں کے مجموعہ کا نام تھا۔یعنی صحاب کرام ایک عشر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھتے اور اس کے متعلق علوم و معارف جوان کے لائق ہوتے ان سب کو حاصل کرنے کے بعد دوسرا عشر شروع کرتے۔سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ برس میں سورہ بقرہ شریف ختم فرمائی اور بعد اختتام ایک اونٹ قربانی فرمایا۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سورہ بقرہ شریف بارہ برس میں پڑھی۔

(الملفوظ صفحہ ۹۲)

تو یہ امر متحقق ہے کہ احزاب واعشار عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مقرر ہو چکے تھے۔اور صحابہ کرام انھیں کے مطابق تلاوت قرآن پاک کا شرف رکھتے تھے مگر پاروں اور رکوع کی تقسیم کا اس دور میں کبھی سراغ نہیں ملتا۔

تدوین قرآن پاک:

قرآن مقدس کی تدوین کے تعلق سے محققین نے جو رائے قائم کی وہ یہ ہے کہ تدوین کا عمل حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں ہوا ہے۔امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس تعلق سے تفصیلی کلام فرمایا ہے۔اور عہد صدیقی نیز عہد عثمانی میں جو کام ہوا اس کی نشاندھی اس طرح کی ہے کہ قاری مطمئن ہو جائے۔ایک سوال قاری کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک دور میں قرآن مقدس کو جمع کر دیا گیا تھا۔تو یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اپنے عہد مبارکہ میں کام کرایا ہے اس کی نوعیت کیا تھی؟امام احمد رضا نے تفصیلی جواب مرحمت فرمایا۔ارشاد فرماتے ہیں:

"قرآن عظیم کی جمع وترتیب آیات وتکمیل وتفصیل سورہ زمانہ اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں بامر الٰہی حسب بیان جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام وارشاد وتعلیم حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم واقع ہوئی تھی۔مگر قرآن عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں اور متفرق کاغذوں، پتھروں کی تختیوں، بکری، دنبے کی پوشتوں، شانوں، پسلیوں وغیرہ میں تھا، ایک جگہ سارا قرآن مجموع نہ تھا۔جب جنگ یمامہ میں کہ مسیلمہ کذاب ملعون مدعی نبوت سے زمانہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہوئی، صدہا صحابہ کرام حفاظ قرآن شہادت پائی۔امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل الہام منزل میں حق وجل علا نے القا کیا کہ حضرت خلیفہ رسول صلی اللہ علی ہو سلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس لڑائی میں بہت صحابہ جن کے سینوں میں قرآن عظیم تھا شہید ہوئے۔یونہی جہادوں میں حفاظ صحابہ شہید ہوتے گئے اور قرآن عظیم متفرق رہا تو بہت قرآن جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔میری رائے میں حکم دیجئے کہ قرآن عظیم کی سب سورتیں یکجا کر لی جائیں۔خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس امر جلیل کا حکم دیا کہ بحمد اللہ تعالیٰ سارا قرآن عظیم یکجا ہو گیا۔ہر

سورت ایک جدا صحیفے میں تھی، وہ صحیفے تا حیات صدیق حضرت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم اور ان کے بعد ام المومنین حفصہ بنت الفاروق زوجہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے'' (فتاویٰ رضویہ جدید ۲۶/۴۳۹)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں قرآن کو مختلف اجزاء سے حاصل کر کے ایک جگہ بایں صورت جمع کیا گیا کہ اس کے مختلف صحیفے قائم کئے گئے۔ سب ایک جلد میں نہیں تھے۔ بس اتنا کیا گیا کہ قرآن مقدس کو محفوظ کر دیا گیا تاکہ ضائع نہ ہو جائے مگر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اس کو ایک جلد میں محفوظ کیا گیا۔

مصحف عثمانی:

سیدنا عثمان غنی کے دور مبارک میں وہ کیا داعیہ تھا جس کی وجہ سے دوبارہ اس کام کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی بخاری شریف میں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ:

''جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل شام اور اہل عراق کے ساتھ آرمینیہ اور آذربائیجان میں جنگ فرما رہے تھے تو امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کیونکہ انھیں شامیوں اور عراقیوں کی قرأت میں اختلاف گھبرا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گذار ہوئے: امیر المومنین یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب الٰہی میں اختلاف کرنے سے پہلے اس امت کی دستگیری فرمائیے۔ تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغام بھیجا کہ قرآن کریم کا جو نسخہ آپ کے پاس محفوظ ہے وہ ہمیں عنایت فرمائیے۔ ہم اسے واپس کر دیں گے۔ تو حضرت حفصہ نے وہ نسخہ آپ کے پاس بھیج دیا۔''

(بخاری شریف حدیث نمبر ۴۹۸۷)

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے اس اختلاف کو وضاحت فرمائی اور مثالوں سے بتایا کہ قبائل کے درمیان مسائل اختلاف کتنا گہرا تھا جس سے قرآن پاک کو ایک قرأت پر متفق کرنا ناگریز ٹھہرا، ارشاد فرماتے ہیں:

''عرب میں ہر قوم وقبیلہ کی زبان بعض الفاظ کے تلفظ میں مختلف تھی، مثلاً حرف تعریف میں کوئی الف لام (ال) کہتا تھا کوئی الف میم (ام) کہ اس لغت پر حدیث ''**لیس من امبر الصیام في امسفر**'' (ترجمہ: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں) وارد ہے۔ علامات مضارع حروف اتین کو کوئی مفتوح پڑھتا تھا کوئی مکسور، ماشبہ بلیس کی خبر کو کوئی منصوب کرتا کوئی مرفوع۔ انَّ واَنَّ کے اسم کو کوئی نصب دیتا کوئی رفع پر رکھتا۔ بعض قبائل ہر جگہ ''ب'' کو ''م'' بولتے ''م'' کو ''ب'' ''تا'' رحمۃ ونحوہا کو حالت وقفی میں کوئی ''ہ'' کہتا کوئی (ت) منصوب منون پر کوئی الف سے وقف کرتا کوئی حرف سکون سے۔ بعض مرفوع ومجرد پر بھی واؤ و یاء سے وقف کرتے۔ بعض تو میں حروف مدہ حرکات موافقہ پر قناعت کرتیں۔ **اَعُوذُ** کو **اَعُذ**، **تعالیٰ** کو **تَعَالَ** وغیر ذلک کہتیں۔ اسی قسم کے بہت سے تفاوتِ لہجہ وطرز ادا تھے۔

قرآن عظیم خاص لغت قریش پر اترا تھا کہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تھے۔

گلبن تو کہ زگلزار قریشی گل کرد
زاں سبب آمدہ قرآن بزبان قریشی

ترجمہ۔ (آپ کا شجرہ گلاب چونکہ قریش کے باغ سے ظاہر ہوا اس سبب سے قرآن مجید قریش کی لغت پر آیا)

زمانہ اقدس حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں کہ قرآن عظیم نیا نیا اترا تھا اور ہر قوم وقبیلہ کو اپنے مادری لہجہ، قدیمی عادات کا دفعۃً بدل دینا دشوار تھا آسانی فرمائی گئی تھی کہ ہر قوم عرب اپنے طرز ولہجہ میں قرأت قرآن عظیم کرے۔ زمانہ نبوت کے بعد شدہ شدہ اقوام مختلفہ سے بعض بعض لوگوں کے ذہن میں جم گیا کہ جس لہجہ اور

لغت میں ہم پڑھتے ہیں اسی میں قرآن مجید کا نزول ہوا ہے۔ یہاں تک کہ زمانہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں بعض لوگوں کو اس بات پر باہم جنگ وجدال وزدکوب کی نوبت پہنچی، یہ کہتا تھا قرآن مجید اس لہجہ میں ہے وہ کہتا تھا نہیں بلکہ دوسرے میں ہے، ہر ایک اپنے لغت پر دعویٰ کرتا تھا جب یہ خبر امیر المومنین عثمان غنی کو پہنچی ''فرمایا ابھی سے تم میں یہ اختلاف پیدا ہوا تو آئندہ کیا امید ہے؟ لہٰذا حسب مشورہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم ودیگر اعیان صحابہ رضی اللہ عنہم یہ قرار پایا کہ اب ہر قوم کو اس کے لب ولہجہ کی اجازت میں مصلحت نہ رہی بلکہ فتنہ اٹھتا ہے لہٰذا تمام امت کو خاص لغت قریش پر جس میں قرآن عظیم نازل ہوا ہے جمع کردینا اور باقی لغات سے باز رکھنا چاہیے۔ صحیفہائے خلیفہ رسول ﷺ کہ حضرت ام المومنین بنت الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس محفوظ ہیں منگا کر ان کی نقلیں لے کر تمام سورتیں ایک مصحف میں جمع کردیں۔ وہ مصاحف بلاد اسلامیہ میں بھیج دیں کہ سب اسی لہجہ کا اتباع کریں اس کے خلاف اپنے اپنے طرز ادا کے مطابق جو صحائف یا مصاحف بعض لوگوں نے لکھے ہیں دفع فتنہ کے لیے تلف کردیے جائیں۔ اسی رائے صائب کی بنا پر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہلا بھیجا کہ صحیفہائے صدیقی بھیج دیجیے، ہم ان کی نقلیں لے کر شہروں کو بھیجیں اور اصل آپ کو واپس کردیں گے۔ ام المومنین نے بھیج دیئے۔ امیر المومنین نے زید بن ثابت وعبداللہ بن زبیر، وسعید بن عاص، وعبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نقلیں کرنے کا حکم دیا، وہ نقلیں مکہ معظمہ وشام ویمن وبحرین وبصرہ وکوفہ کو بھیجی گئیں اور ایک مدینہ طیبہ میں رہی اور اصل صحیفے جمع فرمودہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس سے یہ نقلیں ہوئی تھیں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو واپس کردیئے''۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۶/۴۴۰)

پھر ارشاد فرماتے ہیں:

''بالجملہ اصل جمع قرآن تو بحکم رب العزت حسب ارشاد حضور پرنور سید الانبیا علیہ السلام ہولیا تھا۔ سب سور کا یکجا کرنا باقی تھا۔ امیر المومنین صدیق اکبر نے بمشورہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کیا۔ پھر اسی جمع فرمودہ صدیق کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان غنی نے بمشورہ امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلاد اسلام میں شائع کیے اور تمام امت کو اصل لہجہ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی اسی وجہ سے وہ جناب جامع القرآن کہلائے۔ ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزت تعالیٰ شانہ ہے۔ کما قال عز من قائل: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ

(بیشک اسی کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے)

(ایضا ۲۶/۴۴۱ تا ۴۴۲)

جمع صدیقی وجمع عثمانی کا فرق:

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عثمان غنی کے جمع قرآن میں کیا فرق ہے؟ ذہن میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مقدس کو جمع فرمادیا تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا ضروری پڑی کہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ نیز پھر دونوں حضرات کے جمع قرآن میں کیا فرق ہے۔ اس کی وضاحت امام اہل سنت سے ''الاتقان'' اور عمدۃ القاری کے حوالے سے فرمائی آپ نے اتقان کے حوالے سے بیان فرمایا:

''قال ابن التين وغيره الفرق بين جمع أبي بكر وجمع عثمان ،ان جمع أبي بكر كان لخشية ان يذهب من القرآن متى بذهاب حملته لانه لم يكن مجموعاً كي موضع واحد فجمعه في صحائف ترتيلا بات سورة على ماوقفهم عليه النبي ﷺ. وجمع عثمان كان لماكثر الاختلاف في وجوه القرأة حين قرؤوه بلغاتهم على اتساع اللغات فاریٰ ذالک بعضهم الى تخطيئة بعض فحشیٰ من تفاقم الامر فی ذالک ننسخ تلك الصحف في مصحف واحد مرتباً سوره وافتصر من سائر اللغات على لغة قريش محتجّاً بانه نزل بلغتهم. وان كان قد

وسع فی قرأته بلغة غيرهم رفعا للحرج والمشقة فی ابتداء الامر فرای ان الحاجة الی ذالک انتهت فاقتصر علی لغة واحدة"

ترجمہ۔ابن تین وغیرہ نے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرآن جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کرنا اس خوف سے تھا قُرّاءِ قرآن کی شہادت کے سبب سے قرآن کا کچھ حصہ ضائع نہ ہوجائے، کیونکہ قرآن مجید یکجا نہ تھا۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن مجید کو صحیفوں میں اس طرح جمع کردیا کہ ہر ایک سورت کی آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق کرکے درج فرمادیں۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت قرآن مجید جمع فرمایا جب قرأت کی وجوہ میں بکثرت اختلاف واقع ہوا۔ جب کہ عربوں نے وسیع لغات کی بنا پر اپنی اپنی زبانوں میں الگ الگ قرأت میں قرآن پڑھنا شروع کردیا۔اور ایک زبان والے دوسری زبان والوں کی قرأت کو غلط قرار دینے لگے۔تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کے درمیان معاملہ حد سے بڑھ جانے کا خوف محسوس ہوا۔اس لیے آپ نے تمام صحیفوں کو ایک مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کردیا اور تمام لغات کو چھوڑ کر لغت قریش پر اکتفا کیا۔اس بات سے استدلال کرتے ہوئے کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا اگرچہ حرج اور مشقت سے بچنے کے لیے شروع شروع میں غیر قریش کی لغات میں پڑھنے کی بلا اجازت تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا کہ اب اس کی حاجت نہیں رہی لہٰذا ایک ہی لغت پر انحصار فرمایا:

پھر امام بدرالدین علیہ الرحمۃ والرضوان کا بیان جو عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے۔اس کو نقل فرمایا کہ:

كان هذا سببا لجميع عثمان القرآن في المصحف. والفرق بينه وبين الصحف ان الصحف هي الاوراق المحررة التی جمع فيها القرآن فی عهد أبي بكر رضي الله تعالیٰ عنه وكانت سوراً ففرقة كل سورة مرتبة باياتها نعلی حذة لكن لم يرتب بعضها اثر بعض.فلما نسخت ورتب بعضها اثر بعض صارت مصحفاً ولم يكن مصحفا الا في عهد عثمان رضي الله تعالیٰ عنه.

ترجمہ۔ یہ تھا سبب عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں قرآن جمع کرنے کا،صحیفوں اور مصحف میں فرق یہ ہے کہ ''صحیفے وہ اوراق ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں قرآن مجید لکھا گیا تھا۔اس میں سورتیں الگ الگ تھیں۔ ہر سورت اپنی آیات کے ساتھ الگ مرتب تھی لیکن بعض کو بعض کے بعد بالترتیب نہیں رکھا گیا تھا۔جب ان کو اس طرح لکھا گیا بعض سورتوں کو بعض کے بعد بالترتیب رکھا گیا تو مصحف بن گیا۔چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے پہلے مصحف نہ تھا''۔((فتاویٰ رضویہ ۲۶/۴۴۷))

تو گویا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ کئی اجزاء میں تھا جس کو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جلد میں جمع فرمادیا۔اور سوائے قریش کی لغت کے ساری لغتوں کو منع کردیا جس کی وجہ سے اب پوری دنیا میں وہی مصحف عثمانی رائج ہے۔

رسم مصحفِ عثمانی:

قرآن مقدس جس خط کتابت میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوب کرایا تھا اس میں کسی طرح کا تغیر وتبدل جائز نہیں ہے۔یہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مصاحف سے نقلیں تیار کرنے کا حکم دیا تو اس کے لیے خاص چار جلیل القدر صحابہ کرام جن میں بعض کاتب وحی بھی رہ چکے تھے ان کو حکم دیا۔

وہ چار مقدس صحابہ کرام یہ ہیں (۱) حضرت زید بن ثابت (۲)

حضرت عبد اللہ بن زبیر (۳) حضرت سعید بن عاص (۴) اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام ہیں۔ان میں حضرت زید بن ثابت حضور کے کاتب وحی بھی رہ چکے تھے۔چنانچہ آخری تینوں بزرگوں کو جو قریشی تھے یہ حکم تھا کہ اگر زید بن ثابت سے کسی کلمہ میں کوئی اختلاف ہو تم لوگوں کا تو اس کو قریش کی قرأت پر لکھنا کیونکہ قرآن قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے۔بخاری شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فامر زید بن ثابت وعبد الله بن الزبیر وسعید بن عاص وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها المصاحف وقال عثمان للرهط القریشین الثلاثة .اذا ختلفتم وزید بن ثابت فی شئ من القرآن فاکتبوه بلسان قریش ،فانما نزل بلسانهم ففعلوا.(بخاری شریف ۴۹۸۷)

ترجمہ۔تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت،عبداللہ بن زبیر،سعید بن عاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے فرمایا جب تم لوگ کسی بات میں زید بن ثابت سے اختلاف کرو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھنا۔کیونکہ قرآن مقدس قریش ہی کی زبان میں اترا ہے۔تو ان حضرات نے اس کو کر دیا۔

حضرت زید بن ثابت تو وحی الٰہی بھی لکھ چکے تھے۔ان حضرات نے من وعن اس کو نقل کر دیا۔تو قرآن مقدس رسم میں جو بعض کلمات مختلف طرح سے لکھے جاتے ہیں وہ نزل من اللہ ہیں۔اسی لیے جمہور علما کا مسلک یہی ہے کہ ”قرآن مقدس کا رسم الخط توقیفی ہے“یعنی منجانب اللہ ہے۔اور ان کی خلاف ورزی درست نہیں۔(دائرۃ معارف اسلامیہ لاہور جلد ۱ صفحہ ۵۳۸)

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسم عثمانی کے خلاف لکھنے کو اچھا نہیں گمان کرتے ہیں، بلکہ فرماتے تھے کہ اس کو اسی طرح لکھنا چاہیے جیسے (اصطلاح سلف میں) کاتبوں نے لکھا تھا۔

(دائرۃ معارف اسلامیہ لاہور جلد ۱ صفحہ ۵۳۸)

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسم کے خلاف لکھنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ارشاد فرمایا:

”وقال الامام احمد یحرم مخالفة خط مصحف عثمان فی واؤ ویا والف وغیره ذلک“

ترجمہ۔امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واو، یا، والف وغیرہ میں مصحف عثمانی کے خط کی مخالفت حرام ہے“۔

(الاتقان للامام السیوطی ۲/۱۶۷)

امام بیہقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شعب الایمان میں فرمایا:

من یکتب مصحفاً فینبغي أن یحافظ علی الهجاء الذی کتبوا به تلک المصاحف ولایخالفهم فیه ولایغیر مماکتبوه شیا ًفانهم کانوا اکثر علما وأصدق قلباً ولساناً اعظم امانة منا فلا ینبغي أن نظن بانفسنا استدراکاعلیهم (الاتقان للامام السیوطی ۲/۱۶۷)

ترجمہ۔جو شخص مصحف کو لکھے تو اس کو لازم ہے کہ وہ انھیں حروف تہجی کی حفاظت کرے جن کے ساتھ صحابہ کرام نے مصاحف کو تحریر فرمایا ہے۔اس میں ان کی مخالفت نہ کرے اور جس طرح انھوں نے لکھا ہے اس کو کچھ بھی تبدیل نہ کرے کیونکہ وہ حضرات ہماری بہ نسب بہت زیادہ علم والے،زبان اور دل کے بہت سچے اور امانت میں ہم سے بہت زیادہ تھے تو یہ جائز نہیں کہ ہم ان کو غلطی کرنے والا گمان کریں۔

علامہ نظام الدین نیشاپوری علیہ الرحمہ نے اس کو منصوص قرار دیا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں:

”وقال جماعة من الائمة ان الواجب علی القراء والعلماء واهل الکتابة ان یتبعوا هذا الرسم فی خط المصحف فانه رسم زید بن ثابت وکان

امین رسول اللہ ﷺ وکاتب وحیہ"(مناہل العرفان ۱/۳۸۰)

ترجمہ۔جماعت ائمہ نے ارشادفرمایا قاریوں،علما اور کاتبین پرلازم ہے کہ مصحف شریف لکھنے میں اِسی رسم عثمانی کی اتباع کریں، کیونکہ یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رسم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امین اور کاتب وحی تھے۔

رسم عثمانی میں جو کلمات کی تحریر میں اختلافات ہیں اس کا مقصد کلمات کے معانی کا اختلاف ہے، کہ ایک ہی کلمہ کہیں کسی اور املا میں مکتوب ہے مگر وہی کلمہ کسی دوسری جگہ دوسری طرح تحریر ہے۔اس کی وضاحت فرماتے امام سیوطی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں۔

"ابو عباس المراكشي كتابا سمّاه "عنوان الدليل في مرسوم خط التنزيل" بيّن فيه أن هذه الاحرف انما اختلف حالها في الخط بحسب اختلاف احوال معاني كلماتها. (الاتقان للامام السيوطي ۲/۱۶۶)

ترجمہ۔حضرت ابوالعباس مراکشی علیہ الرحمۃ کی کتاب "عنوان الدلیل فی مرسوم خط التنزیل" میں انھوں نے بیان فرمایا کہ ان حروف کے لفظی اختلاف کی وجہ دراصل ان کلمات کے معانی کی حالتوں کا اختلاف ہے(یعنی ایک جگہ ایک کلمہ کسی ایک معانی میں مذکور ہے اور پھر وہی کلمہ دوسری رسم کے اختلاف کی وجہ سے کسی دوسرے معنی پر مذکور ہے)۔

امام اہل سنت کی نگاہ بھی رسم قرآنی کے حوالے سے بہت گہری تھی۔آپ نے اس حوالے سے کتاب بھی لکھی اور فتاویٰ بھی صادر فرمائے۔مولانا عبد المبین نعمانی صاحب امام اہل سنت کی تصانیف کو جوجمع فرمایا "تصانیف امام احمد رضا" میں رسم خط قرآن پر آپ کے رسالہ کا تذکرہ ہے۔"جالب الجنان فی رسم احرف من القرآن"۔مگر یہ ابھی غیر مطبوع ہے۔اگر وہ طبع ہو جائے تو رسم قرآنی کے باب میں ایک عظیم اضافہ ہو، تاہم ان کے فتاویٰ میں رسم قرآن پر اہم مواد موجود ہے۔چنانچہ ایک طویل فتویٰ "فتاویٰ رضویہ قدیم ناشر رضا اکیڈمی کی جلد۱۲،اور فتاویٰ رضویہ جدید مترجم ناشر رضا فاؤنڈیشن لاہور" کی جلد نمبر ۳۰ میں مذکور ہے۔مستفتی نے آٹھ سوالات کیے ہیں جن میں سے سات کا تعلق خاص رسم قرآنی سے ہے۔ہم ان میں سے دو ایک کو نقل کرتے ہیں۔اس سے امام احمد رضا کے علوم رسم القرآن کی بابت اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سائل نے سوال نمبر ا رمیں ذکر کیا ہے کہ:

(ا)"الفاظ جمع مذکر سالم مانند خاسئین، قانتون، کراھین، خیر الفاتحین وامثالہا جن کو منشی اشرف علی نے اپنے مصحف میں محذوف الالف لکھا ہے اور اکثر جگہ حوالہ شمع قرأت اور خلاصۃ الرسوم وغیرہ کا دیا ہے۔اور مولوی احمد علی سہارنپوری نے الفاظ موصوفہ کو باثبات الف اپنے مصحف میں لکھا ہے بلکہ ایسے الفاظ قلیل الدور کی ایک فہرست اپنے مصحف کے ابتدا میں لکھ دی ہے کہ وہ باثبات الف ہیں۔ان کی بابت آپ کا کیا حکم ہے؟

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اس کا تفصیل اور انتہائی تحقیقی جواب عنایت فرمایا، ارشاد فرماتے ہیں:

یہ علم سمع ہے، نہ قیاس۔کلمات علمائے کرام سے دو ضابطے ملتے ہیں:

اول مطردہ: کہ ہر جمع مذکر سالم کثیر الدور محذوف الالف ہے جب کہ اس الف پر مد نہ ہو۔

دوم اکثری: یہ کہ الف پر مد ہو یعنی اس کے بعد ہمزہ یا حروف مشدد آئے تو ثابت الالف ہے، مگر ذوات الہمزہ میں حذف بھی بکثرت پایا گیا ہے۔اور جمع مؤنث سالم تو مطلق محذوف الالف والا لقیق ہے اگرچہ قلیل الدور ہو۔اگرچہ الف ممدوح ہو۔مگر گنتی کے حروف جیسے سورہ شوریٰ میں روضٰت، الجنّت یونس میں آیاتنا بینٰت، اسی میں "مکر فی ایاتنا"،"حم سجدۃ" میں

سمٰوٰت ،''فاطر''میں ''علی بینات''،علی الخلاف الیٰ غیر ذلک من حروف قلائل۔

امام عمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ مقنع میں فرماتے ہیں:

''اتفقوا علی حذف الالف من جمع اسالم الکثیر الدور من المذکر والمؤنث جمیعا. الصّٰبرین، الصّٰدقین، والقٰنتین،والشیطٰن، والظٰلمون،والسٰحرون، والطیبٰت، والمتصدقٰت، والثیبٰت، والغرفٰت وماکان مثله فان جاء بعد الالف همزة أوحرف مضعف السائلین والقائمین والظانین والعادّین وحافّین وشبهه اثبت الالف علی انی تتبعت مصاحف اهل المدینة واهل العراقالقدیمة فوجدت فیها مواضع کثیرة مما بعد الالف فیه همزة قد حذف الالف منها واکثر ماوجدته فی جمیع المؤنث لثقله والاثبات فی المذکر اکثر.قال ابو عمرو ماجتمع فیه الفان من جمع المؤنث السام فان الرسم فی اکثر المصاحف بحذفها جمیعاً. سواء کان بعد الالف حرف مضعف او همزة نحو الحفظٰت والصٰدقات والنٰزعت والصّٰفّٰت والقٰدیٰت والصّٰئمٰت وغیبٰت وسئحٰت وشبهه قد أمعنت النظر في ذلک في مصاحف أهل العراق أصلیة اذ عدمت النص في ذلک فلم أرها مختلفة في حذف ذلک''

ترجمہ۔تمام لوگوں نے جمع مذکر سالم کثیر الدور سے الف کے حذف کرنے پر اتفاق کیا ہے جیسے صٰبرین ،صٰدقین، قٰنتین، شیطٰین ،ظٰلمون ،سٰحرون ،طیبٰت ،خبیثٰت ،متصدقٰت ثیبٰت، تئبٰت، غرفٰت ،اور جو اس کے مثل ہوں،اور الف کے بعد ہمزہ یا حروف مشدد آئے۔جیسے:سائلین، قائلین، ظانّین عادّین، حافّین اور اس کے مشابہ تو الف کو ثابت رکھا ہے۔مگر میں نے اہل مدینہ اور اہل عراق کے قدیم مصاحف کا تتبع کیا تو بہت سے مقامات پر جہاں الف کے بعد ہمزہ تھا وہاں سے بھی الف حذف کر دیا ہے۔اور ایسا اکثر جمع مؤنث میں اس کے ثقل کی وجہ سے ہوا ہے۔اور مذکر میں زیادہ طور پر الف کا اثبات ہے۔امام عمرو فرماتے ہیں: جہاں جمع مؤنث سالم میں دو الف جمع ہو جائیں وہاں عام طور سے دونوں الف حذف کر دیتے ہیں۔اس کے بعد ہمزہ اور حرف مشدد ہو یا نہ ہو،جیسے:حٰفظٰت، صٰدقٰت، نٰزعٰت، صٰفّٰت، عٰدیٰت ،صٰئمٰت ،غیبٰت، سٰئحٰت اور اس کے اشباہ۔ میں نے اہل عراق کے اصلی مصاحف میں غور سے دیکھا جہاں مجھے کوئی تصریح نہیں ملی تو ہر جگہ انھیں کو محذوف پایا۔

(فتاویٰ رضویہ جدید ۳۰/۹۹)

''اس طرح دخان وطور مطففین ،فاکهین اور یس کے فاکهون سب کو فرمایا کہ ''في بعضها بألف بغیر ألف''تو مطلقاً ایک حکم کلی اثبات خواہ حذف کا لگا دینا ہرگز صحیح نہیں۔ بلکہ ہر کلمہ میں رجوع بنقل پھر بحالت اتفاق اس کا اتباع لازم اور بحالت اختلاف اکثر واشہر کی تقلید کی جائے۔اور تساوی ہو تو حذف واثبات میں اختیار ہے۔اور احسن یہ کہ جہاں اختلاف قرأت بھی ہو جیسے فٰکِهین اور فَاکِهین وہاں حذف معمول بہ رکھیں یحتمل القرأتین ۔اور نقل اصلاً نہ ملے تو ناچار رجوع بہ اصل ضرور،اور وہ اثبات ہے کہ اصل کتابت میں اتباع ہجاء ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ جدید ۳۰/۱۰۱)

سائل نے چوتھا سوال کیا:

''لِلرِّجالِ نصیبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ والاَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نصیبٌ مّمّا ترکَ الْوَالِدَانِ والاقربون مِمَّا قَلَّ مِنهُ أو کَثُرَ. .اور...لِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَکَ الوَالدان''

ترجمہ:۔مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے۔اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے ترکہ،تھوڑا ہو یا بہت ......اور......ہم نے سب کے لیے مال کے مستحق بنا دیئے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ۔

یہ سب مصاحف مروجہ ہندی میں الف اول موجود اور ثانی مفقود ہے۔ مگر مؤلف خلاصۃ الرسوم دونوں کا حذف فرماتے ہیں۔ اور والدین یا نون سے سب جگہ مع الالف ہے۔(فتاویٰ رضویہ جدید ۳۰/۹۷)

اس کا جواب امام اہل سنت نے دیا اور اس کی بہت جامع تحقیق فرمائی، ارشاد فرماتے ہیں:

مصحف کریم میں والدِ، والدین، والدیه، والدیک، والدیَّ، والدة، والدتي، والدتک، سب بالف بعد واؤ مرسوم ہیں۔ اور یہی مقتضائے قاعدہ فاعل ہے، حتی کہ والدات بآنکہ جمع مؤنث سالم ہے حذف بالف میں مختلف فیہ ہے، والدان میں حذف الف تثنیہ تو حسب قاعدہ مطردہ ضرور ہے، حذف اول کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔ اور عبارت خلاصۃ الرسوم اس نسخہ سقیمہ میں یوں مرسوم ''الوالدان'' ہردو حذف الف تثنیہ مکتوب است بعد از واؤ ودال ہمہ جا'' عبارت نے تو حذف الف تثنیہ بتایا ہے۔ اور ہر دو سے مراد دونوں لفظ الولدان کہ اس آیت کریمہ میں واقع ہیں اور بعد از واؤ الف تثنیہ کے کوئی معنی نہیں۔ ظاہراً لفظ واؤ کہ عبارت قلم ناسخ سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ جدید ۳۰/۱۰۴)

امام احمد رضا قرآن مقدس میں غوطہ زن تھے۔ انھوں نے کتاب الٰہی کو ہر پہلو سے دیکھا، سمجھا اور عمل کیا ہے، ان کی تحریروں کی آن بان اس پر دلیل ہے۔ یہاں صرف دو اقتباس نقل کرنے پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ فتاویٰ رضویہ سے رجوع کرے۔

ترجمانی قرآن:

امام اہل سنت کا ترجمہ ''کنز الایمان'' اردو تراجم میں جو درجہ رکھتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ آپ نے ترجمہ میں روح قرآن منتقل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ترجمہ تمام نقائص سے محفوظ ہے۔ آپ ترجمے میں بڑی باریکی سے کام لیتے ہیں کہ کلام عربی کی اپنی نزاکت اور اسلوب ہے۔ لغت کا معنی اپنی جگہ، مگر سیاق کلام سے مذکور معنی کیسے اختیار کیا جائے، اس کو آپ نے کامل طریقہ سے ادا کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جدید جلد چھبیس (۲۶) میں سائل نے کوئی سوال کیا تھا جو مذکور نہیں ہے، اس کا جواب آپ نے تحریر فرمایا۔ جو قرآن کے عین منشا کے مطابق ہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے اردو ترجمہ کے تعلق سے غالباً سائل نے سوال کیا تھا جس کا جواب دیتے ہوئے آپ نمبر (۲) میں رقمطراز ہیں۔

''اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمالِ پاس رہے۔ مثلاً ''غیر المغضوب علیهم'' کا یہ ترجمہ ''جن پر غصہ ہوا''، یا ''تو نے غصہ کیا'' فقیر کو سخت ناگوار ہے۔ غصہ کے اصل معنی: اُچھو کے ہیں۔ یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا جیسے ''طَعَاماً ذا غصة'' فرمایا۔ اس سے استعارہ کر کے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کر سکے۔ گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائق کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں۔ مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علما پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہوا ''نہ ان کی جن پر تو نے غضب فرمایا'' یا ''جن پر غضب ہوا'' یا ''جو غضب میں ہیں''۔ خیال کرنے سے اُن کے (مولانا شاہ عبدالقادر صاحب) ترجمہ میں اس کی بہت سی نظائر مل سکتی ہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ جدید ۲۶/۴۵۷، ۴۵۸)

علوم قرآنیہ کے لحاظ سے امام اہل سنت کی وسعت نظر اور دقتِ فکر کا حال یہ ہے جو امور علمیہ قرآن مقدس میں موجود ہیں ان میں سے ہر ایک سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے حصہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کی عبقریت اہل دانش کے یہاں مسلمات سے ہے۔ یہ چند جزوی بحثیں تھیں جن کو سمیٹ دیا گیا، تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ وغیرہ امام اہل سنت کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے۔ موضوع اپنی وسعت کے لحاظ سے مزید کا متقاضی ہے۔

ولیس علی الله بمستنکر
ان یجمع العالم فی الواحد

امام احمد رضا اور علم تفسیر قرآن

مقالہ نگار

مفتی محمد ابوالحسن مصباحی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

حضرت مولانا مفتی ابوالحسن مصباحی بن رمضان علی مرحوم ۲۱: جنوری ۱۹۷۴ء کو حسن پور ضلع شراوستی (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ ریاض العلوم (بجشی گاؤں: نواب گنج) میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ غوثیہ فیض العلوم (بڑھیا: سدھارتھ نگر) میں اعدادیہ سے ثانیہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ ثالثہ سے فضیلت تک کی تعلیم جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں حاصل کر کے ۱۹۹۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اتر پردیش عربی وفارسی بورڈ سے منشی، مولوی، عالم کامل فاضل عربی ادب، معقولات، دینیات کی سندیں حاصل کیں۔ جامعہ علی گڑھ یونیورسٹی سے ادیب کامل، ادیب ماہر معلم کا بھی کورس کیا۔ مفتی موصوف ایک درجن سے زائد کتابوں کی تصنیف وتالیف کے ساتھ سینکڑوں فتاویٰ بھی تحریر فرمائے۔ فی الوقت جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں درس تدریس کے ساتھ ساتھ دارالافتا کی ذمہ داریاں بھی نبھار ہے ہیں۔

امام احمد رضا اور علم تفسیر قرآن

قرآن مقدس وہ منزل کلام ہے جو تمام آسمانی کتابوں میں افضل وبرتر ہے، یہ رب قدیر عزاسمہ کی عظمتوں کا بے مثال شاہکار اور رسول اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روشن معجزہ ہے، ارباب دہر کے حق میں لاجواب چیلنج ہے، بلا شبہ اہل خرد کے لیے سرچشمۂ ہدایت اور ارباب ایمان کے واسطے آئینۂ اصول ودستور حیات ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ“ کہ یہ قرآن سیدھی راہ کی رہنمائی فرماتا ہے۔ اور ایک دستور حیات پر عمل کے ذریعہ ہی ابدی سعادتوں کا حصول ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ زمانۂ نزول سے لے کر اب تک جس قدر اس کتاب منزل سے ارباب عالم کا اشتغال رہا کسی دوسری کتاب سے نہیں۔

اور ظاہر ہے کہ اس کی ہدایات وبرکات کما حقہ فہم معنی ومراد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ہیں، یوں ہی اس کے احکام پر عمل غیر ممکن ہے، اس لیے اسلاف کرام، فقہائے اسلام، ائمۂ عظام، محدثین ذوی الاحترام نے اس کتاب ربانی کو اپنی فکر ونظر کا محور بنایا اور اس کے الفاظ کی تشریح، معانی کی تعیین، مقام نزول اور اسباب و وجوہ بیان کرکے اس کے اسرار وحقائق، نکات و دقائق سے پردہ اٹھایا، جو خدمت قرآن کے باب میں ان کی زندگی کا بے مثال کارنامہ کہا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تفسیر وترجمہ مہتم بالشان کام ہے۔

تفسیر کی فضیلت:

اس کی اہمیت وفضیلت اس سے عیاں (اجاگر) ہوجاتی ہے کہ رب العزت عزاسمہ نے خود اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مفسر قرآن وترجمان فرقان کی حیثیت جلیلہ عطا فرمائی۔ اور آپ کی اس صفت کریمہ کا قرآن میں ذکر فرمایا۔

چنانچہ ارشاد ہے: ”وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ“۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۶۹)

اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے مفسر ہونے کی یوں دعا فرمائی:

اللھم فقھه في الدین وعلمه التاویل۔ (بخاری)

کہ اے اللہ! انھیں دین کی سمجھ اور تاویل وتفسیر کا علم عطا فرما۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کی ایک ایک آیت کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی اور اگر مجھے ایسے کسی شخص کا سُراغ مل جائے جو مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں زیادہ جانتا ہو اور اس کے پاس سواری کے ذریعہ جانا ممکن ہو تو میں ضرور اس کے پاس جاکر علم تفسیر سیکھوں گا۔ (کنز الدارین اول، ص: ۱۷)

بلکہ بے فہم قرآن اس پر عمل ناممکن ہے، یوں ہی اس کو سمجھائے بغیر کسی کو اس کے احکام پر عمل کی دعوت بھی نہیں دی جاسکتی، اس لیے اس کی تفسیر وتوضیح، ضرورت وحاجت اسلام ومسلمین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامۂ زمان امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاتقان میں فرماتے ہیں:

”کہ علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تفسیر کا علم فرض کفایہ ہے اور تین شرعی علوم میں یہ بزرگ تر علم ہے اور بقول امام اصبہانی انسان کا عمدہ تر عمل قرآن کریم کی تفسیر ہے“۔ (فقرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون، ص: ۳۸)

اب ذیل میں لفظ تفسیر کی تعریف اور اس کی تاریخ ادوار و

تدوین سے متعلق قدرے تفصیل پیش کی جاتی ہے تاکہ فن تفسیر کی حیثیت نمایاں ہوسکے:

تفسیر کی لغوی تعریف:

لفظ تفسیر، تفعیل کا مصدر ہے، مادہ فسر ہے، لغت میں اس کا معنی واضح کرنا، کھول کر بیان کرنا، مراد بتانا، وضاحت کرنا، کشف، ایضاح اور چوں کہ تفسیر قرآنی میں اس کے الفاظ ومعانی کی وضاحت اسبابِ نزول، نسخ وربط آیات وغیرہ کی وضاحت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں تفسیر کا لغوی معنی ہی مراد ہے ''وَلَا یَأْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا''. (اسراء، آیت:)

اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔

اصطلاحی تعریف:

علم تفسیر کی اصطلاحی تعریف علمائے اسلام نے مختلف اور متعدد الفاظ میں کی ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی کے الفاظ یہ ہیں: **ھو علم یعرف بہ فھم کتاب اللہ المنزل علی نبیہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبیان معانیہ واستخراج احکامہ وحکمہ.**

یعنی وہ ایسا علم ہے جس سے کتاب اللہ شریف کی سمجھ حاصل ہو اور اس کے معانی کی وضاحت ہو، نیز اس کے احکام وحِکَم نکالے جاسکیں۔

جب کہ ابوحیان نے البحر المحیط میں یوں تعریف کی ہے:

وھو علم یبحث عن کیفیۃ النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتھا واحکامھا الافرادیۃ والترکیبیۃ ومعانیھا التی تحمل علیھا حالۃ الترکیب وتتمات لذلک.

(یعنی تفسیر ایسا علم ہے جس میں کلماتِ قرآن کی طرز ادا، اس کی مدلولات، اس کے افرادی اور ترکیبی احکام اور حالت ترکیب میں مرادمعانی اور ان سے متعلق دیگر امور سے بحث ہو)

ابوحیان نے خود اپنی اس تعریف کے قیدوں کے فوائد بھی ذکر کردیئے ہیں، فرماتے ہیں: ''ہمارا قول ''**علم**'' بدرجۂ جنس ہے جو تمام علوم کو شامل ہے۔ ہمارے قول ''**یبحث عن کیفیۃ النطق بالفاظ القرآن**'' سے مراد قراءتوں کا علم ہے، اور ہمارا قول ''**واحکامھا الافرادیۃ والترکیبیۃ**''، علم تصریف، علم الاعراب اور علوم بلاغت کو شامل ہے، اور ہمارے قول ''**ومعانیھا التی تحمل علیھا حالۃ الترکیب**'' سے مراد لفظ کا حقیقی یا مجازی معنی مراد ہے، کیوں کہ کبھی ترکیب عبارت معنی حقیقی پر حمل کرنے سے مانع ہوتی ہے، اور ہمارے قول ''**وتتمات لذلک**'' سے نسخ، اسبابِ نزول وغیرہ کا علم مراد ہے۔

تعریفات مذکورہ کی روشنی میں ایک مختصر اور جامع تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ''تفسیر ایسا علم ہے جس میں بقدر طاقتِ انسانی قرآن مجید کے ان احوال سے بحث کی جائے کہ جن سے مرادِ الٰہی حاصل ہوسکے''۔

یہ تعریف ان تمام چیزوں کو شامل ہے جن پر فہم معنی اور بیانِ مراد موقوف ہو۔

علم تفسیر کا موضوع:

قرآنی آیات اس حیثیت سے کہ ان کے معانی ومطالب اور مقاصد بیان کیے جائیں۔

غرض وغایت:۔ دارین کی سعادت وبرکت حاصل کرنا۔

الحاصل دیگر علوم کی طرح اس علم کی تینوں چیزوں یعنی تعریف، موضوع اور غرض وغایت کی معرفت ضروری ہے، ورنہ علم تفسیر کی جانب طبعی رجحان ہوگا نہ اس کا دوسرے علوم سے امتیاز ہوسکے گا۔ اور نفس کی توجہ بھی کسی علم کی طرف اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کا من وجہٍ تصور ہو۔

علم تفسیر کے مراحل وادوار:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم کے جملہ اسرار ودقائق سے من جانب اللہ واقف تھے، اس لیے ان کے زمانۂ ظاہر

تک صحابۂ کرام قرآن کے الفاظ ومعانی، آیات وغیرہ سے متعلق ہر مشکل کے حل کے لیے براہِ راست ان کی طرف رجوع لاتے اور وہ توضیح وتشریح فرما کر تشفی خاطر فرماتے۔ اس اعتبار سے روئے زمین پر سب سے پہلے اور سب سے بڑے مفسر و ترجمان قرآن خود رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئے۔

دورِ اول:

یہ صحابہ کا دور ہے، اس میں صحابۂ کرام عموماً اور خلفائے عظام خصوصاً قرآن کی تفسیر وتشریح کی طرف متوجہ ہوئے کہ آیات قرآنیہ سیکھتے پھر ان کے معانی ومطالب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھتے اور آپس میں بھی ایک دوسرے سے معلومات کرتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: ''ہم میں سے جب کوئی دس آیتیں سیکھ لیتا تو ان سے آگے اس وقت تک نہیں بڑھتا تھا جب تک ان کے معانی ومطالب نہ جان لیتا اور ان پر عمل پیرا نہ ہو جاتا''۔ (جامع الاحادیث، ج:۷/ص:۲۱)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''قسم بخدا! جو آیت نازل ہوئی تو میں نے اس کے بارے میں یہ ضرور جانا کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی''۔ (جامع الاحادیث، ج:۷/ص:۲۵)

اور غرضیکہ صحابۂ کرام نے علم قرآن کی اشاعت وتحصیل کی سعی تمام کیا۔ ترجمان القرآن رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآنی تفسیر اور اس کے معانی ومطالب کی تشہیر و ترویج میں بہت نمایاں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ شریف اور حضرت ابی بن کعب نے مدینہ شریف اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق میں تفسیر قرآن کے مدرسے قائم کردیے، جن سے ایک بڑی جماعت عالم ومفسر قرآن بن کے تیار ہوئی، ان میں چند یہ ہیں:

سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، طاؤس بن کیسان یمانی، عطا بن ابی رباح، ابو العالیہ، محمد بن کعب القرظی، زید بن اسلم، علقمہ بن قیس، مسروق، اسود بن یزید، مرہ ہمدانی، حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس دور کی خصوصیات یہ ہیں کہ قرآن کی پوری تفسیر بیان نہ ہوتی بلکہ جس آیت کے سمجھنے میں دشواری ہوتی رہی ان کی وضاحت کر دی جاتی۔

صحابۂ کرام اجمالی معنی پر اکتفا کرتے، تفصیلات سے گریز رکھتے، اس میں تفسیر کی کوئی منظم جداگانہ صورت نہ تھی، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول آیات کی تشریح وتوضیح احادیث کریمہ کے ضمن میں ہوتی تھی۔

تفسیر ابن کعب (م ۳۵ھ) اور تفسیر ابن عباس (م ۶۸ھ) اس دور کی اہم تفسیریں ہیں، تفسیر ابی ابن کعب کا ایک بڑا نسخہ جس کو ابو جعفر رازی (م ۱۶۰ھ) بواسطہ ربیع بن انس (م ۱۴۰ھ) عن ابی العالیہ رباحی (م ۹۰ھ) روایت کرتے تھے، امام ابن جریر (م ۳۱۰ھ) ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے اس سے روایت لی ہیں۔ تفسیر عباسی حضرت عبداللہ بن عباس کی تفاسیر کا مجموعہ ہے۔ ابو جعفر نحاس (م ۳۳۸ھ) نے اس سے روایت لی ہے، اس لیے یہ نسخہ چوتھی صدی تک موجود تھا اور اب بھی متفرق کتب خانوں میں اس کے متفرق نسخے موجود ہیں۔ (کنز الدارین، مقدمہ)

دورِ دوم:

یہ دور تابعین کا ہے، اہل مکہ قرآن کریم کی تفسیر میں ممتاز تھے کیوں کہ وہ عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ) کے شاگرد تھے۔ جیسے مجاہد (م ۱۳۲ھ) عطا بن رباح (م ۱۱۲ھ) عکرمہ (م ۱۰۵ھ) سعید بن جبیر (م ۹۵ھ) اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود (م ۳۴ھ) کے شاگرد سب سے زیادہ تفسیر جاننے والے ہیں، جیسے علقمہ (م ۶۲ھ) حسن بصری (م ۱۱۰ھ) وغیرہ، اور علمائے اہل مدینہ میں جیسے زید بن اسلم (م ۱۳۶ھ) اور مجاہد (م ۱۲۳ھ) اس پایہ کے شخص ہیں کہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ تفسیر میں مجاہد کا قول مل جائے تو وہ تمہیں کافی ہے۔ اس دور میں ہمیں تفسیری ارتقا میں کچھ مخصوص میلانات ورجحانات کا پتہ چلتا ہے، اس دور میں عہد صحابہ کے مقابلے اختلافات کی خلیج گہری

ہوگئی اور مذہبی اختلافات کی بنیاد بھی اسی دور میں پڑی، ہر شہر کے رہنے والے اپنے شہر کے امام وعالم کے اقوال سے استفادہ کرنے لگے۔ اہل مکہ حضرت ابن عباس سے، اہل مدینہ حضرت ابی بن کعب سے اور اہل عراق نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی، اسی دور میں تفسیر کے اندر اسرائیلی روایات کی ملاوٹ کا سلسلہ شروع ہوا۔

دورِ سوم:

یہ دور تبع تابعین کا ہے، اس دور کے مفسرین صحابہ اور تابعین کے اقوال اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں، اس دور کے اہم مفسرین میں سفیان بن عیینہ (م۱۹۸ھ) وکیع بن الجراح (م۱۹۷ھ) یزید بن ہارون (م۲۰۶ھ) بہت مشہور ہیں، ان مفسرین کا مطمح نظر عمل تھا، عمل ہی کے ذریعہ یہ حضرات قرآن کا مطلب سمجھتے اور سمجھاتے تھے۔

دورِ چہارم:

یہ دور تیسری صدی ہجری میں گزرا، اس دور میں ایک آیت کے لیے زیادہ سے زیادہ روایات جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، ان کا مقصود عمل سے زیادہ اقوال صحابہ وتابعین کا جمع کر دینا تھا، اس دور کی اہم تفاسیر میں تفسیر ابن جریر طبری (م۳۱۰ھ) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس دور میں تدوین کتب کا عام رواج ہوگیا تھا، صحاح ستہ کی تالیف اسی دور میں ہوئی، قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھی جانے لگی، تفسیر بالماثور کی حدود میں رہتے ہوئے قرآن کریم، حدیث شریف، اقوال صحابہ وتابعین کی روشنی میں تفسیریں لکھی گئیں، مگر ان میں ایک تبدیلی یہ آئی کہ پہلے کی طرح اسناد کی شرط باقی نہ رہی۔ (اردو تفاسیر بیسویں صدی میں، ص:۷)

دورِ پنجم:

اس دور میں بہت تفسیریں لکھی گئیں، لیکن اس دور کے مفسرین اپنی تفسیروں میں اکابرین کے اقوال کو نقل کرتے مگر ان کی اسناد کو حذف کر دیا کرتے تھے۔ اس کا ایک فائدہ تو ضرور یہ ہوا کہ عبارت میں تخفیف اور محنت میں کمی ہوگئی، مگر بڑی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ اقوال صحیح، سقیم اور علیل بھی مل جل گئے۔ اس دور کے اہم مفسرین میں ابو عبدالرحمٰن نیشاپوری (م۴۱۲ھ) اور ابو اسحاق احمد ثعلبی (م۴۲۷ھ) خصوصی شہرت کے حامل ہیں۔

دورِ ششم:

اس دور میں ہر جماعت اور ہر ایک اہل فن نے اپنے نقطۂ نظر یا رجحانِ طبع کے مطابق تفسیریں لکھیں، جو نحوئین کی جماعت تھی ان کے نزدیک تفسیر نام تھا اعراب نحوی، قواعد نحوی اور اس کے مناسبات کے بیان کا۔ جو اخباری یا تاریخی ذوق رکھتے تھے ان کی توجہ قصص اور اخبار کی طرف تھی، فلسفہ سے دلچسپی رکھنے والوں نے اپنی تفاسیر حکما اور فلاسفہ کے اقوال سے بھر دیا، علم تفسیر میں جن کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ فخر الدین رازی (م۶۰۶ھ) ابو القاسم زمخشری (م۵۳۸ھ) کی تفسیریں اسی نوعیت کی ہیں۔ (لغات القرآن، ص:۱۱۴)

عصرِ تدوین:

(اواخر عہد بنی امیہ) سے پہلے تک عام طور پر تفسیری روایات کا سرمایہ زبانی طور پر منتقل ہوتا رہا، عصر تدوین کے آغاز میں تفسیری روایات کو کتب احادیث میں ایک مستقل اور جداگانہ باب میں جگہ دی جاتی تھی، لیکن آگے چل کر تفسیر نے باقاعدہ ایک الگ فن کی شکل اختیار کر لی اور اس کے بعد بہت سارے لوگوں نے ایسی تفاسیر کی تالیف کا آغاز بھی کر دیا جن میں اسناد ذکر کیے بغیر ہی تفسیری روایات ذکر کی جانے لگیں۔ جس سے صحیح اور سقیم روایات باہم خلط ملط ہوگئیں اور اس کا بر انتیجہ یہ بر آمد ہوا کہ ان کتابوں کا مطالعہ کرنے والا ان میں مندرجہ تمام روایات کو صحیح اور معتبر سمجھنے لگا۔ لیکن بایں ہمہ اب تک تفسیر میں روایات ماثورہ پر ہی اعتماد کیا جاتا تھا، البتہ بعد میں تفسیر بالماثور پر انحصار باقی نہ رہ گیا اور ماثور اور غیر ماثور تفسیری اقوال کا باہم امتزاج ہوگیا۔

پھر جب علوم لغت اور نحو وغیرہ مدوّن ہوئے اور فقہی مذاہب کا ظہور ہوا اور مسائل کلام میں اختلاف رونما ہوا اور کتب فلاسفہ عربی میں منتقل ہوئیں تو علم تفسیر میں ان تمام علوم کا بھی امتزاج ہوگیا۔ اور اس کے بعد ہر فن سے خصوصی شغف رکھنے والوں نے اپنی تالیف

کردہ تفسیری کتاب میں اپنے فن اختصاص کا رنگ غالب رکھا، چنانچہ نحوی اپنی تفسیر میں وجوہ اعراب کا مکمل شرح وبسط سے بیان کرنے لگا۔ زجاج، واحدی اور ابوحیان کی تفاسیر پر یہی رنگ چھایا ہوا ہے۔ ماہرین علوم عقلیہ اپنی تفسیر میں حکما و فلاسفہ کے افکار ونظریات ذکر کرنے اسلامی نظریات سے متصادم آراء کی تردید وابطال کو ترجیحی حیثیت دینے لگے۔ علم پر اپنی توجہات مرکوز کرنے لگے۔ اور صوفیائے کرام نے اپنے مشرب کے لحاظ سے قرآن حکیم کی تفاسیر لکھیں، حتی کہ بدمذہب فرقے بھی بدمذہبیت کو فروغ دینے اور مقبول انام بنانے کے لیے فاسد تاویلات کو تفسیر کی شکل میں رقم کرنے لگے۔ غرض ہر ماہر فن نے اپنے ذوق کے لحاظ سے قرآن حکیم کو اپنی فکر ونظر کا محور بنایا۔ (کنز الدارین، ج:۱ص:۲۰)

تفسیر کے شرائط ولوازم:

واضح رہے کہ ہر شخص قرآن کریم کی تفسیر کرنے کا مجاز نہیں، اس کے لیے متعدد شرطیں ہیں، اول یہ کہ درج ذیل علوم رائجہ کا حامل بلکہ ان کا ماہر ہو۔

(۱) علم لغت (۲) علم نحو (۳) علم صرف (۴) علم اشتقاق (۵) علم معانی (۶) علم بیان (۷) علم بدیع (۸) علم قراءت (۹) علم اصول دین (۱۰) علم اصول فقہ (۱۱) علم اسباب نزول (۱۲) علم قصص (۱۳) علم ناسخ ومنسوخ (۱۴) آیات مجملہ ومبہمہ کو واضح کرنے والی احادیث کا علم (۱۵) علم موہوب۔

دوم یہ کہ مفسر مومن مخلص ہو، اس کا دل بدعت، کبر، ہوائے نفس، حب دنیا، ضعف ایمان سے پاک ہو۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: "سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ"۔

سوم یہ کہ مفسر بوقت تفسیر مصادر کا لحاظ رکھے، یعنی کسی بھی آیت کی تفسیر کے وقت پہلے قرآن کی طرف رجوع کرے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول تفسیری روایات کی طرف رجوع کرے، پھر صحابۂ کرام وتابعین عظام رضی اللہ عنہم سے منقول صحیح تفسیر پر عمل کرے۔ بعدہٗ لغات عربیہ اور قواعد شرعیہ کا لحاظ کامل رکھے۔

امام احمد رضا اور علم تفسیر

تفصیل بالا کی روشنی میں جامع علوم وفنون مجدد مائۃ حاضرہ، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، علامہ مفتی شاہ محمد احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے، تو وہ تمام شرائط تفسیر کے جامع وپیکر، اس فن کے سلطان وتاجدار نظر آتے ہیں، بلکہ تفسیری یادگار کی روشنی میں امام التفسیر کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔

علم تفسیر میں خدمات:

اگرچہ افتا میں شب وروز اشتغال کے سبب آپ نے پورے قرآن کی باضابطہ مستقل تفسیر نہ لکھی، مگر اثنائے فتویٰ نویسی سیکڑوں آیات کی تفسیر کے جواہر بکھیرے، اور پندرہ تصنیفی یادگار چھوڑے ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن
(۲) تفسیر سورۂ والضحیٰ
(۳) تفسیر بائے بسم اللہ
(۴) انباء الحی، ان کتابہ المصون تبیان لکل شیء
(۵) الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام
(۶) الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ
(۷) النفحۃ الفائحۃ من مسک سورۃ الفاتحۃ
(۸) نائل الراح فی فرق الریح والریاح
(۹) الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی
(۱۰) انوار الحلم فی معانی معیاد استجب لکم
(۱۱) حاشیۃ تفسیر بیضاوی
(۱۲) حاشیۃ تفسیر خازن
(۱۳) حاشیۃ الدر المنثور

(۱۴) حاشیۃ عنایۃ القاضی

(۱۵) حاشیۃ معالم التنزیل

مذکورہ کتب میں ''تفسیر سورۂ والضحیٰ'' اسّی اجزا تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے جب کہ وہ صرف ابتدائی چند آیتوں کی تفسیر ہے۔ ان کے علاوہ چھ سو سے زائد آیات کریمہ پر آپ کے تفسیری مباحث وافادات کا سیل رواں ہے، جنھیں علامہ حنیف خان صاحب بریلوی نے جامع الاحادیث کے آخری تین حصوں میں یکجا کردیا ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے عرس میں چھ گھنٹے مسلسل سورۂ والضحیٰ پر تقریر فرمائی۔ (فن تفسیر میں امام احمد رضا کی خدمات، مقالہ ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، معارف رضا، شمارہ ۱۹/ص:۴۴/ ۱۹۹۹ء)

ایک بار عید میلادالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موقع پر بسم اللہ شریف کی ایسی تفسیر فرمائی کہ اربابِ علم آپ کے علم قرآن پر عش عش کر اٹھے، یہ تقریر سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۹۸/ سے صفحہ ۱۳۱/ تک دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ کی یہ محققانہ تفسیری تحریرات اور عالمانہ قرآنی خطبات، روشن ثبوت ہیں کہ آپ اپنے وقت کے بے مثال ترجمان قرآن تھے۔ اسی لیے آپ کے زمانۂ ظاہر سے لے کر عصر حاضر کے تمام انصاف پسند علما وفقہا، محدثین ومحققین، اکابر ومشائخ نے فقہ وافتا کے ساتھ علم قرآن وفن تفسیر کا امام تسلیم کیا ہے۔

محدث اعظم ہند کچھوچھوی فرماتے ہیں:

''علم قرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس اردو ترجمہ سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں اور نہ اردو میں۔ اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جاسکتا، جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں (روح) قرآن ہے''۔

مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

''انھوں نے قرآن کریم کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا، قرآن فہمی کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر انھیں گہرا عبور حاصل تھا۔ شان نزول، ناسخ ومنسوخ، تفسیر بالحدیث، تفسیر صحابہ اور استنباط احکام کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی سبب ہے کہ اگر قرآن پاک کے مختلف تراجم کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو ہر انصاف پسند کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام احمد رضا کا ترجمہ کنزالایمان سب سے بہتر ترجمہ ہے''۔ (ماہنامہ معارف رضا، سلور جوبلی سالنامہ نمبر ص:۲۳/ ۲۰۰۵ء)

بدرالعلما مفتی بدرالدین احمد رضوی کیفیت ترجمہ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فرفر پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدرالشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے''۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، ص:۷۶)

علما وفقہا کی یہ تحریری شہادات سند وثبوت ہیں کہ آپ فن تفسیر کے تاجدار تھے۔

اصول تفسیر سے متعلق چند رضوی افادات:

ذیل میں آپ کی بعض عبارات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، ان میں تفسیر کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، ساتھ ہی مفسر کے لیے رہنما اصول کا بیان ہے، تفسیر کے ضروری ضوابط کی وضاحت ہے، اور تفسیر و مفسرین کی اعتباری حیثیت کا اظہار بھی۔ یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غزارت علمی، وسعتِ فکری، مہارتِ فنی کے روشن جلوے ہیں، افادہ اور اضافۂ علم کے لیے نظر نواز کیے جاتے ہیں:

☆ تفسیر قرآن ایک دشوار ترین علم ہے، اس کی متعدد وجہیں ہیں، روشن تر وجہ یہ ہے کہ قرآن ایسے متکلم عزوجل کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ سن کر پہنچ سکے نہ اس تک رسائی کا امکان ہے، برخلاف

اشعار وامثال وغیرہ کے، ان کے بولنے والے انسان سے مراد معلوم ہوسکتی ہے، اس طور پر کہ بولنے والے سے خود سنے یا اس سے سننے والے سے سن لے۔'' (فتاویٰ رضویہ جدید، ۲۸/ص:۵۳۲)

☆ چند آیتوں کے سوا کی بطور قطعی ویقینی تفسیر متعذر رہے، یہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر ہی ممکن ہے، ولہٰذا مراد الٰہی کا علم امارات ودلائل سے مستخرج ہوتا ہے اور حکمت یہ ہے کہ بندے اس کی کتاب میں خود غور وفکر کریں۔ اور اسی لیے اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور پر بتانے کا حکم نہ دیا۔

(مترجما، فتاویٰ رضویہ، ۲۸/جدید، ص:۵۳۲/و۵۳۳)

☆ مفسر پر واجب ہے کہ تفسیر کا لفظ مفسَّر کے مطابق رکھے، اس میں کسی ایسے لفظ کی کمی نہ کرے کہ ایضاح مراد کے لیے اس کی حاجت ہو، اور ایسا کوئی لفظ بھی نہ بڑھا دے جو غیر مناسب ہو۔ اور اس کا لحاظ رکھے کہ تفسیر میں معنی سے انحراف اور اس کے طریقے سے عدول نہ ہو، اور لازمی طور پر معنی حقیقی ومجازی کی رعایت کرے اور ترکیب وغرضِ کلام کا پورا خیال رکھے۔

(فتاویٰ رضویہ، جدید ۲۸/ص:۵۴۹)

☆ لفظ دو یا اس سے زائد معانی کا محتمل ہو تو محض دلائل وشواہد پر اعتماد کرتے ہوئے تعیین مراد کرے، اپنی رائے وقیاس پر عمل نہ کرے، پھر اگر کوئی معنی ظاہر تر ہو تو اسی پر محمول کیا جائے، ہاں اگر معنی خفی ہی مراد ہونے پر دلیل قائم ہو جائے، فبہا۔ پھر واضح رہے کہ معانی متعددہ میں سے کسی کے تعین کے لیے اجتہاد کرنے کا حق صرف علمائے کرام کو ہے، غیر علما ہرگز اس کی جرأت نہ کریں۔

(فتاویٰ رضویہ جدید: ۲۸/ص:۵۴۹)

☆ الفاظ کو ان کے ظاہری معنی سے پھیرا نہ جائے، جب تک ایسی سخت حاجت نہ ہو کہ اس کے بغیر پوری نہ ہو، ورنہ یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل کے بجائے تغییر وتبدیل ٹھہرے گا۔ اور اگر بے ضرورت معنی ظاہر سے پھیرنے کا دروازہ کھل جائے تو نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے گا۔ لہٰذا واجب ہے کہ نصوص شرعیہ کو مقامِ ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہر معنی پر رکھیں۔

(ملخصاً فتاویٰ رضویہ، جدید: ۲۸/ص:۵۳۱/۵۳۲)

☆ تفسیر کی اکثر کتب متداولہ دخیل سے پاک نہیں۔ ہر صحیح و سقیم، قوی وضعیف قول ان میں جمع ہیں، تو ان کی ہر نقل واجب القبول نہیں، بلکہ پہلے جانچ ہونی چاہیے۔ مذکورہ نقص کتب تفسیر میں جہالت سند کے سبب ہے، لہٰذا جانچ کے دوران جو بات نصوص سے ٹکرائے منصوص سے متصادم ہو، یا رسل وانبیا کی تنقیص پر مشتمل ہو وہ ترک کر دی جائے گی۔ اور خرابیوں سے پاک ہو تو قبول کر لی جائے گی۔ اسی لیے علم تفسیر دشوار تر ہے، اس کے بعض علوم ضروریہ کی تفصیل علامہ سیوطی نے فرمائی ہے۔

☆ تفسیر کے اصول چار ہیں۔ اول یہ کہ تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی اور ثابت شدہ تفسیر نقل کی جائے، موضوع وضعیف کے ذکر سے احتراز کامل کیا جائے۔

دوم یہ کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی منقولہ تفاسیر کی روشنی میں تشریح آیت کی جائے۔

سوم یہ کہ تابعین وتبع تابعین اخیار کی معتمد وصحیح تفاسیر پر اعتماد کیا جائے، اور ان کی روشنی میں تفسیر کی جائے۔ تفسیر بالرائے اور بدعات سے اجتناب کیا جائے۔

چوتھی قسم کا ذکر نہ مل سکا۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ، جدید: ۲۸/ ص:۵۳۳/۵۳۴)

☆ آیات قرآنیہ کے دو اقسام ہیں اول محکمات، کہ ان کا معنی صاف ظاہر وروشن ہے مثلاً اللہ عزوجل کی پاکیزگی بے نیازی، بے مثلی کی آیتیں۔

دوم متشابہات، جن کے معنی ظاہر لفظ سے سمجھ میں نہیں آتے یا کچھ اشکال ہے، مثلاً حروف مقطعات۔ **الم، طس**، یا جو معنی سمجھ میں آ رہا ہے وہ ذات الٰہی پر محال ہے جیسے: ''**الرحمن علی العرش استوی**''، راسخین علم آیات متشابہات میں دو روش والے ہیں۔

اول اکثر کا موقف یہ کہ جب آیات متشابہات کا ظاہری معنی مراد نہیں اور تاویلی مطلب و معنی متعین و محدود نہیں تو سکوت اختیار کیا جائے اس کا علم ذات الٰہی پر چھوڑ دیا جائے اور متشابہات کی مراد میں غور وخوض کرنے سے ممانعت بھی ہے لہٰذا قرآنی ہدایت پر عمل کیا جائے کہ آمنابه كل من عند ربنا (آل عمران آیت ۷)

یہ جمہور کا ائمہ سلف کا مذہب ہے یہی طریقہ اسلم و اولیٰ ہے مسلک تفویض وتسلیم بھی اسے کہا جاتا ہے۔

اور بعض نے خیال کیا کہ جب اللہ عزوجل نے محکم ومتشابہ دو قسمیں فرما کر محکمات کو هن ام الكتاب ۔(آل عمران۔۸) فرمایا کہ وہ کتاب کی جڑ ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے۔تو آیہ کریمہ نے تاویل متشابہات کی راہ خود ہی بتا دی اور ان کی ٹھیک معیار ہمیں سمجھا دی کہ ان میں وہ درست و پاکیزہ احتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق آ جائیں اور فتنۂ وضلال اور باطل ومحال راہ نہ پائیں ۔ یہ ضرور ہے کہ اپنے نکالے ہوئے معنی پر یقین نہیں کر سکتے کہ اللہ عزوجل کی یہی مراد ہے ۔مگر جب معنی صاف و پاکیزہ ہیں اور مخالفت محکمات سے بری ومنزہ ہیں اور محاورات عرب کے لحاظ سے بن بھی سکتے ہیں تو احتمالی طور پر بیان کرنے میں کیا حرج ہے اور اس میں نفع یہ ہے کہ بعض عوام کی طبائع صرف اتنی بات پر مشکل سے قناعت کریں گی کہ ان کے معنی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور جنہیں روکا جائے گا تو خواہ مخواہ ان میں فکر کی اور حرص بڑھے گی۔ان ابن آدم لحریص علی مامنع۔اور جب فکر کریں گے فتنے میں پڑیں گے ،گمراہی میں گریں گے۔ یونہی انسب ہے کہ ان کی افکار ایک مناسب وملائم معنی کی طرف محکمات سے مطابق محاورات سے موافق ہوں پھیر دی جائیں کہ فتنہ وضلال سے نجات پائیں یہ مسلک بہت علمائے متاخرین کا ہے کہ نظر بحال عوام اسے اختیار کیا ہے اسے مسلک تاویل کہتے ہیں۔

مثلاً ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى '' کی درج ذیل چار واضح ونفیس تاویل فرماتے ہیں۔

اول :استواء بمعنی قہر وغلبہ ہے ۔یہ زبان عرب سے ثابت وپیدا ہے کہ عرش سب مخلوقات سے اوپر اور اونچا ہے،اس لیے اس کے ذکر پر اکتفا فرمایا اور مطلب یہ ہوا کہ اللہ اپنی تمام مخلوقات پر قاہر وغالب ہے۔

دوم :استواء بمعنی علو ہے اور اللہ عزوجل کی صفت ہے کہ علو مکان مالکیت وسلطان یہ دونوں معنی امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ذکر فرمائے۔

سوم :استواء بمعنی قصد وارادہ ۔ثم استوی علی العرش ۔یعنی پھر عرش کی طرف متوجہ ہوا یعنی آفرینش کا ارادہ فرمایا یعنی اس کی تخلیق شروع کی ۔یہ تاویل امام اہل سنت امام ابوالحسن اشعری نے افادہ فرمائی امام اسماعیل ضریر نے فرمایا:''انه صواب'' یہی ٹھیک ہے۔ نقله الامام جلال الدين السيوطی فی الاتقان ۔

چہارم :استواء بمعنی فراغ وتمامی کار ہے یعنی سلسلہ خلق وآفرینش کو عرش پر تمام فرمایا اس سے باہر کوئی چیز نہ بنائی ،دنیا وآخرت میں جو کچھ بنایا اور بنائے گا دائرہ عرش سے باہر نہیں وہ تمام مخلوق کو حاوی ہے قرآن کی بہتر تفسیر وہ ہے جو قرآن سے ہو،استواء بمعنی تمامی خود قرآن عظیم میں ہے:''قال الله تعالیٰ: فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى ۔(القصص۔۱۴)

ترجمہ: جب اپنی قوت کے زمانہ کو پہنچا اور اس کا شباب پورا ہوا۔(جامع الاحادیث ج ۷،ص ۳۱۴)

امام احمد رضا کے تفسیری مراجع:

جن کتب سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر کے وقت استمداد کیا ان کے حوالے دیے ان میں اہم یہ ہیں:

(۱) القرآن الکریم
(۲) مفاتیح الغیب للامام الرازی
(۳) الکشاف عن حقائق غواحض التنزیل
(۴) نہر الماء حن البحر المحیط لأبی حیان
(۵) تقریب الکشاف لأبی الفتح محمد بن مسعود

(٦) غرائب القرآن للعلامہ نیشاپوری
(٧) تجرید الکشاف لأبی الحسن علی بن القاسم
(٨) رغائب القرآن للعلامۃ نظام الدین حسن نیشاپوری
(٩) تفسیر عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی
(١٠) جامع البیان تفسیر ابن جریر
(١١) تیسیر للعلامۃ زین العابدین المناوی
(١٢) تفسیر الدر المنثور فی التفسیر الماثور
(١٣) مدارک التنزیل للامام النسفی
(١٤) تفسیر القرآن الکریم لابن أبی حاتم
(١٥) ارشاد العقل السلیم
(١٦) تفسیر لابن عباس
(١٧) تفسیر لابی السعود
(١٨) الاتقان فی علوم القرآن
(١٩) البرھان فی علوم القرآن
(٢٠) الدر الشفاف
(٢١) تفسیر للعلامۃ البیضاوی
(٢٢) التفسیرات الاحمدیہ العلامۃ احمد جیون
(٢٣) التفسیر العزیزی للعلامۃ عبدالعزیز دہلوی
(٢٤) زہر الربی
(٢٥) موضح القرآن
(٢٦) سراج خیر
(٢٧) تفسیر الجمل
(٢٨) تفسیر روح البیان
(٢٩) تفسیر الصاوی
(٣٠) تفسیر الجلالین

تصانیف رضا سے تفسیری شہ پارے:

اب مفسر قرآن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ کی تصنیفات وفتاویٰ سے آیات قرآنیہ کی تفسیرات کے جلوے نظر افروز کیے جاتے ہیں، تاکہ یہ دعویٰ محقق اور ثابت ہو سکے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ایک بلند پایہ مفسر تھے اور اس فن کے عظیم مروج و مصنف بھی۔ واضح رہے کہ آپ کے تفسیری شہ پارے مفصل بھی ہیں، مجمل بھی، اصول تفسیر کے آئینہ ہیں، طرق تفسیر کی تصویر بھی۔

تفسیر کے چار طریقے بتائے گئے ہیں:

(١) تفسیر القرآن بالقرآن

(٢) تفسیر القرآن بالحدیث

(٣) تفسیر القرآن بالآثار

(٤) تفسیر القرآن باللغة العربية و القواعد الاسلامية.

آپ کے تفسیری نمونہ جات میں تفسیر کے اصول وطرق کی مکمل پاسداری نظر آئے گی، بلکہ جا بجا ذاتی تحقیقات، اہم تفسیری افادات کے گل بوٹے بھی باصرہ نواز ہوں گے، جنھیں پڑھ کر قارئین کے ذہن ودماغ ضرور بالضرور مسرور وشاد ماں ہوں گے۔

(١) ”بین یدیہ“ کی تفسیر وتحقیق:

سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ: ٩٧ ؍ ہے:

”قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَهُدًى وَّ بُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ“.

ترجمہ:۔ تم فرمادو جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو اس جبریل نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے قرآن اتارا، اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا اور ہدایت وبشارت مسلمانوں کو۔

اذان خطبہ کہاں ہو؟ مسجد کے اندر یا باہر؟ حدیث پاک میں ہے:

عن السائب بن يزيد رضي الله تعالىٰ عنه قال كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وأبي بكر وعمر. (سنن ابوداؤد، ج:١؍ص:١٥٦)

بعض علمائے اہل سنت اور وہابیہ نے لفظ ''بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' سے یہ معنی نکالا کہ اذان خطیب کے قریب مسجد کے اندر ہو، جب کہ جماہیر اہل سنت نے مسجد کے باہر مگر خطیب کے روبرو بتایا۔ اس طرح ''بین یدی'' کے معنی میں اختلاف ہو گیا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اب میں اس لفظ ''بین یدیه'' کی تحقیق کرتا ہوں۔ لفظ ''بین یدیه'' دو حرفوں سے مرکب ہے، ان اجزائے ترکیبیہ کے اعتبار سے اس لفظ کے معنی تحقیقی یہ ہوئے کہ آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی، کیوں کہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو ان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں، اور انھیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کی جانب کی اتنی فضا ''بین یدیه'' ہے، اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔

لفظ ''بین یدیه'' کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی مرکب میں بسا اوقات یہی ہوتا ہے کہ معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں، یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی، اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معنی اگرچہ مجازی قرار دیے جائیں لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں لفظ ''بین یدیه'' کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہوگا، قرب کے معنی سے قطع نظر کر کے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے، کیوں کہ رویت عادیہ کے لیے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے، دیکھنے کے وقت قریب بھی ہے اور مقابل بھی ہے، لفظ ''بین یدیه'' کا اصلی مفاد یہی ہے، البتہ قرب جو کہ ایک امر اضافی حد درجہ متفاوت معنی کلی مشکک ہے اس لیے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب و بعد کے مختلف مراتب پر دلائل لفظ کے تقاضا سے نہیں عقل کے تقاضوں سے ہے پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لیے تھا، لیکن بعد میں ظرف زمان کے لیے بھی مستعمل ہونے لگا، یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لیے کیوں کہ ماضی حضور کے قریب ہے اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے۔ قرآن عظیم اور محاورات عرب میں لفظ ''بین یدیه'' اور ان دونوں معنی میں وارد ہوا۔

مفسرین نے اسی معنی سے اس کی تفسیر کی، میں نے تتبع اور تلاش سے قرآن پاک میں ۳۸/اڑتیس جگہ یہ لفظ پایا، جن میں بیس مقامات میں قرب پر کوئی دلالت نہیں اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لیے ہے، اور سترہ مقامات پر قرب کے لیے، مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اڑتیس آیات کریمہ ترجمہ اور ضروری استشہاد کے ساتھ پیش کر کے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کتب تفسیر و لغت سے بین یدیہ کا معنی بیان فرماتے ہیں:

ائمۂ تفسیر و لغت کا بیان یہ ہے، صحاح، قاموس، مختار الصحاح، تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے، اور صراح میں آگے جانے والے۔ اور تاج العروس میں ہے کہ ''بین یدیک'' ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمہارے آگے ہو، معلم التنزیل، تفسیر سورۂ حجرات میں ''بین الیدین'' کے معنی آگے ہے، اور خازن میں ''بین یدیه'' کے معنی جو اس کے آگے ہو، تفسیر ابو سعود میں سورۂ یونس علیہ السلام میں ''بین یدیه'' کے معنی آگے۔ اور جلالین میں سورہ رعد کے لفظ ''بین یدیه'' کے معنی آگے۔ اسی میں سورۂ مریم کے لفظ ''ما بین ایدینا'' کے معنی ہمارے آگے۔ اسی میں اور دیگر تفاسیر میں سورۂ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ ''مصدقا لما بین یدیه'' کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں۔ انموذج جلیل

میں ستائیسویں آیت کے تحت ہے "**مابین یدی الانسان**" ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرے پھیرے بغیر پڑے۔

کرخی اور فتوحات الٰہیہ میں اسی آیت کے تحت ہے، انسان کے "**مابین یدیه**" وہ چیز ہے جس پر اس کی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔تکملہ مجموع البحار میں ہے "**فعلته بین یدیک**" کا ترجمہ میں نے اس کو تیرے حضور میں کیا۔اور عنایۃ القاضی میں آیۃ الکرسی کے "مابین ایدیھم" کے معنی لکھے ہیں کہ "**ما بین یدیه**" کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمہارے سامنے ہیں۔اور حاضر کی تعبیر "**ما بین یدیه**" سے کی جاتی ہے۔اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز جو تمہارے پیچھے ہو۔اور جمل میں اسی آیت کی تفسیر میں "**ما بین ایدیھم**" کے معنی جو حاضر و مشاہد ہو۔لکھے ہیں۔خطیب اور جمل میں "**بین یدی الله و رسوله**" کے معنی ان دونوں کے حضور کیے ہیں کہ جو آدمی کے پاس ہو وہ بین یدیہ ہے اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔

پھر نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں:

تو قرآن عظیم احادیث کریمہ اور قدیم و جدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہو گیا کہ قول فقہا یوذن بین یدی الخطیب کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں، چہ جائے کہ منبر کے پاس ہو۔

اخیر میں حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہد رسالت میں ہونے والے عمل سے استدلال کرتے ہوئے اپنا موقف بڑے پُرزور انداز میں محقق کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

یہاں "**بین یدیه**" کی حد متعین کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم العدم ہیں، اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے، جسے صحیح سے سنا جا چکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی تو قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے۔پس جس نے اس قرب مروی میں اضافہ کر کے داخل مسجد کر دیا اس نے سنت رسول پر زیادتی کی۔اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر سہ معنی مسجد سے اس کو خارج کر دیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا اس نے حق کے موافق حکم کیا اور حکم تو اللہ و رسول جل و علیٰ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔(ملخصاً شمائم العنبر)

اس کے بعد امام راغب کی عبارت سے "**بین یدیه**" کا معنی قریب ہی میں مختص سمجھنے والوں کا دلائل سے رد بلیغ کیا اور ایسی تفہیم کی کہ ہمیشہ اعلیٰ حضرت کا احسان یاد رکھنا چاہیے۔آپ کی یہ تحقیق تصنیف منیف شمائم العنبر میں ۱۸ر صفحات پر بکھری ہوئی ہے، یقیناً یہ علم و فضل کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، جو ارباب علم کو استفادہ کی دعوت دے رہا ہے، یہ جہاں آپ کی فقہی صلاحیت کا ایک آئینہ ہے، وہیں علم تفسیر میں آپ کی مہارت و امامت کا عظیم جلوہ ہے۔

(۲) قلب کی تفسیر:

سورۂ احزاب کی آیت کریمہ ہے "مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ" اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے۔

اس میں لفظ "**قلبین**" قلب کا تثنیہ ہے۔یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ "قلب" کیا ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ اور کیا اب تک کسی ایک انسان میں دو دل رکھے گئے؟ اگر نہیں تو کیا آئندہ یہ ہو سکتا ہے؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت بالا کی تفسیر میں پہلے قلب کی ایک جامع تعریف پیش کرتے ہیں پھر اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس پر برہان نقلی پیش کرتے ہیں، پھر برہان عقلی بھی قائم فرماتے ہیں، کہ آدمی کے اندر ایک ہی دل رکھا گیا اور ایک ہی ہو سکتا ہے، اب تک نہ کسی کے اندر دو دل رکھے گئے اور نہ ہی آئندہ کسی میں دو دل رکھے جا سکتے۔

قلب کی تعریف میں فرماتے ہیں: قلب وہ عضو ہے کہ سلطان اقلیم بدن و محل عقل و فہم و منشائے قصد و اختیار و رضا و انکار ہے۔(فتاویٰ رضویہ قدیم: ۱۲ر ص: ۱۹۵)

اس کے بعد علم اصول سے ثابت کرتے ہیں کہ آیت میں کسی فرد خاص کی بابت نہیں، بلکہ کسی بھی انسان کے اندر اب تک دو دل نہ

رکھے گئے، چنانچہ فرماتے ہیں: ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے''دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجد'' آیہ کریمہ میں ''رجل'' نکرہ ہے اور تحت نفی داخل ہے تو مفید عموم واستغراق ہے، یعنی اللہ عزوجل نے کسی کے دو دل نہ بنائے نہ کہ فقط اس شخص خاص کی نسبت انکار فرمایا ہو۔

اس کے بعد دلیل نقلی یعنی درج ذیل حدیث سے بھی اپنا مدعیٰ ثابت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''الا ان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب'' سنتے ہو بدن میں ایک پارۂ گوشت ہے، کہ وہ ٹھیک ہے تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے سنتے ہو وہ دل ہے۔

تو یہ تفسیر القرآن بالحدیث ہوئی۔

بعدہٗ برہان تمانع سے محقق فرماتے ہیں کہ کسی بھی فرد انسان میں دو دل ہونا محال ہے، ملاحظہ کریں اور اعلیٰ حضرت کے علم قرآن سے استفادہ کریں۔

تو اگر کسی کے دو دل ہوں ان میں ایک ٹھیک رہے ایک بگڑ جائے تو چاہیے معاً ایک آن میں سارا بدن بگڑا اور سنبھلا دونوں ہوا اور یہ محال ہے، جو دو دل ہوں ایک نے ارادہ کیا یہ کام کیجئے، دوسرے نے ارادہ کیا نہ کیجئے تو اب بدن ایک کی اطاعت کرے یا دونوں کی یا کسی کی نہیں۔ظاہر ہے کہ دونوں کی اطاعت محال ہے اور کسی کی نہ ہو تو ان میں کوئی قلب نہیں تو قلب تو وہی ہے کہ بدن اسی کے ارادے سے حرکت وسکون ارادی کرتا ہے اور اگر ایک کی اطاعت کرے گا دوسرے کی نہیں تو وہ جس کی اطاعت کرے گا وہی قلب ہے اور دوسرا ایک بد گوشت ہے، کہ بدن میں صورت قلب پر پیدا ہو گیا، جیسے کسی کے پنجے میں چھ انگلیاں ہیں اور بعض کے ایک ہاتھ میں دو ہاتھ لگے ہوتے ہیں، ان میں جو کام دیتا ہے وہ ٹھیک موقع پر ہے وہی ہاتھ ہے دوسرا بد گوشت ہے۔ڈاکٹروں کا بیان اگر سچا ہو تو اس کی یہی صورت ہوگی کہ بدن میں ایک بد گوشت بصورت دل زیادہ پیدا ہو گیا ہوگا ہاتھ میں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصلی اور زائد دونوں ہاتھ کام دیں مگر قلب میں یہ ناممکن ہے، آدمی روح انسانی سے آدمی ہے۔اور اسی کے مرکب کا نام قلب ہے۔اور روح انسانی متجزی نہیں کہ آدھی ایک دل میں رہے اور آدھی دوسرے میں کہ جس سے وہ اصالۃً مطلق ہوگی وہی قلب ہے دوسرا سلب ہے۔اور یہ آیہ کریمہ میں ''يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ'' فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں تمہاری تصویر بناتا ہے جیسے وہ چاہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ''**كيف تشاؤن و بخيالتكم تخترعون**'' جیسی تم چاہو اور اپنے خیالات میں گڑھو ویسی تصویر بنا دے یہ محض باطل ہے اور اس نے اپنی مشیت بتا دی کہ کسی کے جوف میں میں نے دو دل نہ رکھے، تو اس کے خلاف تصویر نہ ہوگی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ قدیم: ۱۲/ص: ۱۹۴/۱۹۵)

(۳) لفظ صلوٰۃ کی تفسیر وبیان مراد:

''وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ. اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''. (سورۂ توبہ آیت: ۹۹)

ترجمہ:۔اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں۔ہاں ہاں وہ ان کے لیے باعث قرب ہے، اللہ جلد انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت بالا میں مذکور صلوات کا لفظ صلوٰۃ کی جمع ہے، صلوٰۃ کے دو مشہور معانی ہیں۔اول: دعا۔دوم: نماز (عبادت مخصوصہ)

آیت بالا میں معنی اول مراد ہے یا معنی دوم؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ احادیث جلیلہ اور شروح معتمدہ سے ثابت فرماتے ہیں کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے، یعنی معنی اول ہے۔

ملاحظہ ہو، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اس میں "صلوٰۃ" بمعنی دعا ہے۔حدیث موطائے امام مالک وسنن نسائی: عن أم المومنين الصديقة رضي الله عنها عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال اني بُعِثْتُ الى اهل البقيع لأصلي عليهم.

یعنی میں اہل بقیع کی طرف بھیجا گیا کہ ان پرصلوٰۃ کروں۔

صلوٰۃ کوبمعنی دعاواستغفارلیا۔

اقول: بلکہ سنن نسائی کی دوسری روایت میں ہے:

ان جبريل أتاني (فذكر الحديث قال) فأمرني أن اٰتي البقيع فاستغفر لهم قلت له: كيف اقول يا رسول الله؟ قال: قولي السلام على اهل الدار من المومنين والمسلمين ويرحم الله المستقدمين منا والمستاخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون.

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل میرے پاس آئے، مجھے حکم فرمایا کہ بقیع جا کر اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کرو، ام المومنین فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کس طرح کہوں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعائے زیارت قبور تعلیم فرمائی: السلام على اهل الدار من المومنين والمسلمين يرحم الله المستقدمين منا والمستاخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون.

تو یہ خوداورحدیث بخاری ومسلم وابی داؤد ونسائی "عن عقبة ابن عامر ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج يوم فصلى على اهل احد صلوته على الميت" حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن احد تشریف لے جا کر اہل احد پر صلوٰۃ پڑھی، جیسے میت پر صلوٰۃ پڑھی جاتی ہے۔اس میں بھی علما نے "صلوٰۃ" بمعنی "دعا" لیاہے۔ارشادالساری شرح صحیح البخاری میں ہے:

زاد (اى البخاري) في غزوة احد من طريق حيوة بن شريح عن يزيد بعد ثمان سنين والمراد انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دعا لهم بدعاء صلوٰة الميت وليس المراد صلوٰة الميت المعهودة كقوله تعالىٰ: "وصَلِّ عليهم" والاجماع يدل له لانه لا يصلى عليه عندنا وعند أبي حنيفة المخالف لايصلى على القبر بعد ثلثة ايام.

امام بخاری نے غزوۂ احد کے بیان میں بطریق حیوہ بن شریح عن یزید آٹھ سال کے بعد کا اضافہ کیا ہے،یعنی اہل احد کے لیے صلوٰۃ مذکور کا واقعہ ان کی شہادت کے آٹھ سال کے بعد کا ہے۔اورصلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی جونماز میت میں ہوتی ہے،معروف نماز جنازہ مراد نہیں، جیسے ارشاد باری تعالیٰ: "وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ" کا معنی ہے ان کے لیے دعا کرو، اس مراد کی دلیل اجماع ہے، اس لیے کہ ہمارے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں، اورامام ابوحنیفہ جواس بارے میں ہمارے مخالف ہیں ان کے نزدیک تین دن کے بعد قبر پر نماز جنازہ نہیں۔

پھرامام نووی شرح مہذب، پھرامام سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغيرهم ان المراد من الصلوٰة ههنا الدعاء وقوله صلوته على الميت اى دعاء لهم كدعاء صلوة الميت وليس المراد صلوة الجنازة المعروفة بالاجماع اھ مختصراً.

ہمارے علما اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے،اور "صلوته على الميت" کا معنی یہ ہے کہ جیسے نماز میت میں دعا ہوتی ہے وہی دعا ان کے لیے کی اور معروف نماز جنازہ بالاجماع مراد نہیں،اھ۔(فتاویٰ رضویہ، جدید:۹رص:۲۸۲،مطبوعہ مرکز اہل سنت پور بندر گجرات)

یہ تفسیر القرآن بالحدیث ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوآیات وکلمات قرآنیہ سے متعلق تمام احادیث مستحضر تھیں۔ اور آپ رموز تفسیر سے صرف واقف نہیں بلکہ اس کے پاسدار تھے۔

(۴) آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ“. (توبہ۷۷)

ترجمہ:۔تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا، اس دن تک کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے۔

عہد رسالت میں ثعلبہ نام کے دو لوگ ہوئے ہیں۔اول: ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔دوم: ثعلبہ بن ابی حاطب۔دونوں قبیلۂ اوس کے تھے۔اول بدری صحابی، جنگ احد میں شہید ہوئے، دوم منافق منکر زکوٰۃ تھا۔آیت کریمہ کی شان نزول سے متعلق سوال ہوا کہ کس کے حق میں نازل ہوئی؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر امام بن جریر، تفسیر معالم اور تفسیر ثعلبی کی روشنی میں متعین فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق ثعلبہ بن حاطب ہے، ثعلبہ بن أبی حاطب نہیں۔تفسیری عبارات ملاحظہ ہوں: تفسیر امام ابن جریر میں ہے:

حدثنی محمد بن کعب حدثنی ابی حدثنی عمی حدثنی ابی عن ابیه عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما ان رجلا یقال له ثعلبة ابن ابی حاطب اخلف الله ما وعدوه فقص الله تعالی شانه فی القرآن ومنهم من عاهد الله الی قوله یکذبون.

تفسیر معالم میں ہے:

قال نزل الله تعالیٰ فی ومن هم عاهد الله عند رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم رجل من اقارب ثعلبة فسمع ذلک فخرج حتی اتاه فقال ویحک یا ثعلبة قد انزل الله فیک کذا و کذا فخرج ثعلبة حتی اتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فساله ان یقبل صدقته فقال ان الله منعنی ان اقبل منک صدقتک ثم اتی ابا بکر حین استخلف فقال اقبل صدقتی فقال ابو بکر لم یقبلها رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وانا اقبلها وفلما ولی عمر اتاه فقال یا امیر المومنین اقبل صدقتی فقال لم یقبلها رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ولا ابو بکر ولا انا اقبلها ثم ولی عثمان فاتاه فساله فقال لم یقبلها رسول الله ولا ابو بکر ولا عمر رضوان الله تعالیٰ علیهما وانا لا اقبلها فلم یقبلها منه وهلک ثعلبة فی خلافة عثمان رضی ا لله تعالیٰ عنه، اهـ مختصراً.

یہ سب اس حدیث ثعلبہ کی تسلیم پر ہے، ورنہ دوسرے سے ثابت الصحت نہیں۔امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا: **ان صح الخبر ولا اظنه یصح.**

اور تفاسیر بالا کی روشنی میں اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں:

حضرت سیدنا ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔اور یہ شخص جس کے باب میں یہ آیت اتری ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے۔اگرچہ یہ بھی قوم اوس سے تھا۔اور بعض نے اس کا نام بھی ثعلبہ بن حاطب کہا، مگر وہ بدری خود زمانۂ اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جنگ احد میں شہید ہوئے اور یہ منافق زمانۂ خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مرا، جب اس نے زکوۃ دینے سے انکار کیا اور آیہ کریمہ میں اس کی مذمت اتری، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا، حضور نے قبول نہ فرمائی۔پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لایا، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیری زکوہ قبول نہ فرمائی اور میں قبول کرلوں، ہرگز نہ ہوگا۔پھر خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاضر لایا، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابو بکر قبول نہ فرمائیں اور میں لے لوں؟

یہ کبھی نہ ہوگا۔ پھر خلافت ذی النورین غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لایا، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصدیق وفاروق نے قبول نہ فرمائی، میں بھی نہ لوں گا۔ آخر انھیں کی خلافت میں مرا۔ (فتاویٰ رضویہ، قدیم:۱۲/ص۳۴۳)

(۵) حرف علیٰ کی تفسیر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِيۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ قَالَتۡ اِنَّ اَبِيۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفۡ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ. (سورہ قصص آیت نمبر۲۵)

تو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی بولی میرا باپ تمہیں بلاتا ہے کہ تمہیں مزدوری دے اس کی جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے جب موسیٰ اس کے پاس آیا اور اسے باتیں کہہ سنائیں اس نے کہا ڈریئے نہیں آپ بچ گئے ظالموں سے۔

آیت بالا میں علی کا لفظ آیا ہے یہ اصل معنی کے اعتبار سے الزام کے لیے آتا ہے اس کے علاوہ با، اور عند کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہ کس معنی میں ہے یعنی اپنے معنی اصلی میں ہے یا با اور عند کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر قرآن "**بالقواعد اللغة العربية**" کی روشنی میں فرماتے ہیں:

تمام اہل زبان کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ علی کو عند یا باء یا مبالغہ کے لیے لینا اس کے معنی مجازی ہوں گے کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ اصول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں ہے۔

"**اما على فللا لزام با عتبار اصل الوضع**"، علی وضع کے اعتبار سے الزام کے لیے ہے۔

تحریر امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے:

"**وهو الذي اللزوم هو معنى الحقيقى**" لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں۔

اور رضی شرح کافیہ میں ہے:"**منه سر على اسم الله اى ملتزما**"۔ اس محاورہ سے ہے۔

اللہ کے نام پر سیر کرو یعنی اس کو لازم پکڑو۔

قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا، ارشاد الٰہی ہے:

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِيۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ . اى ملازمة للحيا.

ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی یعنی وہ شرم کو لازم کیے ہوئے تھی۔ (شمائم العنبر ۲۹۵/۲۹۶)

(۶) مراد آیت کی تعیین وسبب نزول:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَا تَهۡدِيۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِيۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ. (سورہ قصص آیت نمبر۵۶)

بیشک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔

اس آیت میں "مَنۡ" سے کون مراد ہے یعنی یہ کس ذات کے بارے میں نازل ہوئی؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

معالم التنزیل میں ہے:"**نزلت فی ابی طالب**"۔

جلالین میں ہے:**نزل فی حرصه صلى الله عليه وسلم على ايمان عمه ابى طالب**۔

مدارک التنزیل میں ہے:**قال الزجاج اجمع المفسرون انها نزلت فی ابی طالب**۔

امام نووی شرح صحیح مسلم شریف کتاب الایمان میں فرماتے ہیں:

اجمع المفسرون علیٰ انها نزلت فی ابی طالب وکذانقل اجماعهم علیٰ هذا الزجاج وغیره ۔
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:لقوله تعالیٰ فی حقه باتفاق المفسرین انک لا تهدي من احببت ۔
تفسیر کی کتب معتمدہ سے واضح وروشن کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ مسلم شریف کی حدیث صحیح سے اس کا سبب نزول بیان فرماتے ہیں:
صحیح حدیث میں اس آیہ کریمہ کا سبب نزول یوں مذکور کہ جب حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کو ارشاد فرمایا صاف انکار کیا اور کہا مجھے قریش عیب لگائیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر مسلمان ہوگیا ورنہ حضور کو خوش کر دیتا۔اس پر رب العزت تبارک وتعالیٰ نے آیہ کریمہ اتاری یعنی اے حبیب تم اس کا غم نہ کرو تم اپنا منصب تبلیغ ادا کر چکے،ہدایت دینا اور دل میں نور ایمان پیدا کرنا یہ تمہارا فعل نہیں اللہ عزوجل کے اختیار سے ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ کسے یہ دولت دے گا کسے محروم رکھے گا۔
صحیح مسلم شریف کتاب الایمان وجامع ترمذی کتاب التفسیر میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:
قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لعمه وزاد سلم فی اخری عند الموت)قل لا اله الا الله اشهد لک بها یوم القیمة ،قال لو لا ان تعیرنی قریش یقولون انما حمله علی ذلک الجزع لا قررت عینیک فانزل الله عزوجل انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء .
معالم ومدارک وبیضاوی وارشاد العقل السلیم وخازن وفتوحات الٰهیه وغیرہا تفاسیر میں اسی حدیث کا حاصل اس آیت کے نیچے ذکر کیا (ایمان ابو طالب ۹ تا ۱۰)

(۷) آیت ہجرت کی تفصیل اور اس کا حکم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ قَالُوۡا کُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَۃً فَتُهَاجِرُوۡا فِیۡهَا فَاُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ حِیۡلَۃً وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ سَبِیۡلًا.
(سورہ نساء آیت ۹۷/۹۸)
ترجمہ: وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی مگر وہ جو دبا لیے گئے مرد اور عورتیں اور بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے نہ راستہ جانیں۔
آیت بالا کی تفسیر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کی اقسام اور اس کی تمام صورتوں کا احاطہ کرتے ہوئے حکم بیان فرماتے ہیں کہ کس کے حق میں ہجرت فرض کس پر حرام ہے انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔
(اس آیت میں ہجرت کا بیان ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔مرتب)
ہجرت دو قسم ہے۔عامہ وخاصہ۔عامہ یہ کہ تمام اہل وطن ترک وطن کر کے چلے جائیں۔اور خاصہ یہ کہ خاص اشخاص، پہلے ہجرت دارالحرب سے ہر مسلمان پر فرض ہے۔جس کا بیان آیہ کریمہ "اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ الآیة" وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے آیت بالا میں ہے اس سے صرف عورتیں اور بچے اور عاجز مرد جو نکل نہیں سکتے مستثنیٰ ہیں۔جس کا ذکر اس کے متصل دوسری آیہ کریمہ "الا المستضعفین الایة" میں ہے۔باقی سب پر فرض ہے جو باوصف قدرت دارالحرب میں سکونت رکھے اور ہجرت نہ کرے مستحق عذاب ہے۔رہا دارالاسلام اس سے ہجرت عامہ حرام ہے کہ اس میں

مساجد کی ویرانی و بے حرمتی، قبور مسلمین کی بربادی عورتوں بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی۔

اور ہجرت خاصہ میں تین صورتیں ہیں، (۱) اگر کوئی شخص کسی وجہ خاص سے کسی مقام خاص میں اپنے فرائض دینیہ بجا نہ لا سکے اور دوسری جگہ ممکن ہو، تو اگر یہ خاص اسی مکان میں ہے اس پر فرض ہے کہ یہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جائے اور اگر اس محلّہ میں معذور ہو تو دوسرے محلّہ میں اٹھ جائے اور اس شہر میں مجبور ہو تو دوسرے شہر میں وعلی ہذا القیاس۔ **کما بینہ فی مدارک التنزیل واستشھد بحدیث** "(جیسا کہ مدارک التنزیل میں اس کی تفصیل ہے اور اس پر حدیث مبارک سے استشہاد کیا ہے۔

(۲) دوسرے وہ کہ یہاں اپنے فرائض مذہبی بجالانے سے عاجز نہیں اور اس کے ضعیف ماں یا باپ یا بیوی یا بچے جن کا نفقہ اس پر فرض ہے وہ نہ جا سکیں گے یا نہ جائیں گے اور اس کے چلے جانے سے بے وسیلہ رہ جائیں گے تو اس کو دار الاسلام سے ہجرت کرنا حرام ہے حدیث میں ہے:

"کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت "

کسی آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اسے ضائع کردے جس کا نفقہ اس کے ذمے تھا۔

یا وہ عالم جس سے بڑھ کر اس شہر میں عالم نہ ہو اسے بھی حرام ہے:

"وقدنص فی البزازیۃ والدرالمختار انہ لا یجوزلہ السفر الطویل منھا فضلا عن المھاجرۃ "

(بزازیہ اور درمختار میں تصریح ہے کہ ایسے آدمی کے لیے طویل سفر جائز نہیں چہ جائیکہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائے)

(۳) تیسرے وہ کہ نہ فرائض سے عاجز ہے نہ اس کی یہاں حاجت، اسے اختیار ہے، رہے یا چلا جائے، جو اس کی مصلحت سے ہو، یہ تفصیل دار الاسلام میں ہے۔ "**کما حققناہ فی فتاوانا**۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ جدید ۱۴/ ۱۳۱/ ۱۳۲)

(۸) آیت میثاق کی تفسیر:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ آتَيْتُكُم مِّن كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآئَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِينَ (سورہ آل عمران آیت ۸۱)

اعلیٰ حضرت نے اس آیت کی روشنی میں رسول اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت مطلقہ ثابت کرتے ہوئے زبردست علمی بحث فرمائی متعدد آیات کریمہ احادیث عظیمہ وآثار شریفہ پیش فرمائی ہیں اخیر میں بوجوہ کثیرہ علمی افادہ کیا من وعن نذر قائین ہے۔

"اقول وباللہ التوفیق"۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس مضمون کو قرآن کریم نے کس قدر مہتم بالشان ٹھیرایا اور طرح طرح سے موکد فرمایا۔

اولا: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، معصوم ہیں زنہار حکم الٰہی کے خلاف ان سے محتمل نہیں، کافی تھا کہ رب تعالیٰ بطریق امر انہیں فرماتا کہ اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا، مگر اس پر اکتفا نہ فرمایا، بلکہ ان سے عہد و پیمان تھا جیسے کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ** کے ساتھ **محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**۔ تا کہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوی اللہ پر پہلا فرض ربوبیت الٰہیہ کا اذعان ہے، پھر اس کے برابر رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ سلم پر ایمان (صلی اللہ علیہ وسلم وبارک وشرف)

ثانیا: اس عہد کو لام قسم سے مؤکد فرمایا **لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ** جس طرح نوابوں سے بیعت سلاطین لی جاتی ہے امام سبکی فرماتے ہیں۔

مسئلہ: سوگند بیعت اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہوئی ہے۔

ثالثا: نون تاکید رابعا: وہ بھی ثقیلہ لا کر ثقل تاکید اور دوبالا فرمایا۔

خامسا: یہ کمال اہتمام ملاحظہ کیجئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام

ابھی جواب نہ دینے پائیں کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں کہ ''ءَ أَقْرَرْتُمْ'' (۱) کیا اس امر پر اقرار لاتے ہیں یعنی کمال تعجیل و تسجیل مقصود ہے۔

سادساً: اس قدر پر بھی بس نہ فرمائی بلکہ ارشاد فرمایا: ''وَ أَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِي'' خالی اقرار ہی نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔

سابعاً ''علیہ'' یا ''علی ھذا'' کی جگہ ''عَلٰى ذٰلِكُمْ'' فرمایا کہ بعد اشارت عظمت ہو۔

ثامناً: اور ترقی ہوئی کہ ''فَاشْهَدُوْا'' ایک دوسرے پر گواہ ہو جائے حالانکہ معاذ اللہ اقرار کر کے مکر جانا ان پاک مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا۔

تاسعاً: کمال یہ ہے کہ صرف ان کی گواہی پر اکتفا نہ ہوا بلکہ فرمایا: ''وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ'' میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔

عاشراً: سب سے زیادہ نہایت کار یہ ہے کہ اس قدر عظیم جلیل تاکیدوں کے بعد باآنکہ انبیاء علیہم السلام کو عصمت عطا فرمائی یہ سخت شدید تہدید بھی فرمادی گئی کہ:

''فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ''
اب جو اس اقرار سے پھرے گا فاسق ٹھیرے گا۔

یہ وہی اعتنائے تام و اہتمام تمام ہے جو باری تعالیٰ کو اپنی توحید کے بارے میں منظور ہوا کہ ملائکہ معصومین کے حق میں بیان فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّي اِلٰهٌ مِنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ'' جو ان میں سے کہے گا کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں اس کو جہنم کی سزا دیں گے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستم گاروں کو۔

گویا اشارہ فرماتے ہیں جس طرح ہمیں ایمان کے جزو لا الہ الا اللہ کا اہتمام ہے۔ یوں ہی جزو دوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتنائے تام ہے کہ میں تمام جہانوں کا خدا کو ملائکہ مقربین بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے اور میرا محبوب سارے عالم کا رسول و مقتداء کہ انبیاء و مرسلین بھی اس کی بیعت و خدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔

اور اس سے قبل اس آیت کا تبصرہ کئی صفحات پر فرمایا تبصرہ کے بعد تفاسیر معتبرہ اور تصانیف محققین کا خلاصہ کچھ اس انداز سے کیا ہے کہ دریا در کوزہ کی مثال نظر آتی ہے۔

(۹) کفار سے موالات:

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔ (سورۂ نساء آیت ۸۹)

وہ تو یہ چاہتے ہیں کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ بھی کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ تو ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑ و اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو نہ دوست ٹھہراؤ نہ مددگار۔

کافروں، مشرکوں کو دوست بنانا اور انہیں اپنا مددگار بنانا کیسا ہے؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت بالا کے آخری حصہ ''وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَانَصِيْرًا'' کی تفسیر سے ثابت فرماتے ہیں کافروں کو دوست بنانا حرام ہے اور انہیں مدگار بنانا بھی، آپ فرماتے ہیں:

''اس آیت کریمہ میں ''ولی'' کے ساتھ لفظ ''نصیر'' خود ہی صاف ارشاد ہے کہ انہیں دوست ٹھہرانا بھی حرام اور مددگار بنانا بھی حرام''۔ تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

(فان تولوا) عن الایمان (فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا منھم ولیاً ولا نصیرا وان بذلوا لکم الولایۃ والنصرۃ فلا تقبلوا منھم (الاالذین یصلون الی قوم) ویتصلون بھم والاستثناء من قولہ فخذوھم واقتلوھم دون الموالاۃ.

اگر وہ ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ مارو اور ان میں کسی کو نہ دوست بناؤ نہ مددگار۔اور اگر وہ بلا معاوضہ بھی تمہاری دوست داری و مددگاری بگھاریں جب بھی قبول نہ کرو مگر وہ اہل معاہدہ سے ملیں، یہ پکڑنے اور قتل کرنے سے استثنا ہے، نہ دوستی سے کہ وہ تو ہر کافر سے مطلقا حرام ہے۔

بعد تفسیر بیضاوی، تفسیر ابوالسعود تفسیر فتوحات الٰہیہ تفسیر خازن، تفسیر کرخی اور تفسیر عنایۃ القاضی کی عبارات تفسیر یہ پیش کر کے نہایت جامع انداز میں فرماتے ہیں۔

اقول :اس پر خود سیاق کریمہ دال کہ قتل وقتال ہی کے منع ورخصت کا ذکر ہے ،یونہی عموم حکم نفس استثنا کا مفاد کہ مجاہرین متصلین بالمعاہدین ومعاہدین غیر جانبدار طرفین مستثنی فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاوی رضویہ جدید ۱۴/۴۹۴تا۔۴۹۶)

(۱۰) محرمات کا بیان:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنَاتُ الاخِ وبناتُ الاختِ واُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَ أخواتُكُمْ من الرَّضاعَةِ واُمَّهٰتُ نِسآئِكُمْ وَرَبآئِبُكُمُ الّٰتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسآئِكُمُ الّٰتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلائِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الاُخْتَيْنِ اِلَّامَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْراً رَّحِيْما. (سورہ نساء۲۳)

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنھوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو تو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہاری نسلی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مفسر قرآن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت میں مذکور لفظ بنات کی تفسیر فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

اس آیت کریمہ میں رب عزوجل نے بنات کا لفظ تین جگہ ارشاد فرمایا کہ حرام کی گئیں تم پر تمہاری بیٹیاں، بھائی کی بیٹیاں، بہن کی بیٹیاں، اگر بنات یعنی بیٹیاں پوتی نواسی کو بھی شامل تو ضرور بھائی بہن کی پوتی نواسی بھی اس حکم حرمت میں داخل اور اگر شامل نہیں تو خود اپنی پوتی نواسی بھی حکم آیت میں داخل نہیں، تو اس جاہل بیباک کے طور پر وہ بھی حلال ٹھہرے گی، **لقولہ تعالیٰ احل لکم ماوراء ذلک“**

لا جرم کتب تفسیر میں اسی آیت کریمہ سے بھائی بہن کی پوتی نواسی کا حرام ابدی ہونا ثابت فرمایا اور کتب فقہ میں انہیں بھتیجی بھانجی میں داخل مان کر محارم ابدیہ میں گنا۔

یہ واضح کہ اس تفسیر میں آپ دعویٰ فرماتے ہیں: کہ اپنی اور بھائی بہن کی بٹیاں ہی حکم حرمت میں داخل نہیں بلکہ جیسے اپنی پوتیاں نواسیاں حرام ہوتی ہیں بھائی بہن کی پوتیاں نواسیاں بھی حرام ہوتی ہیں آپ دعویٰ کے بعد تفسیر وفقہ کی درج ذیل کتابوں معالم التنزیل، تفسیر کبیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر ارشاد العقل، تفسیر جلالین، فتوحات الٰہیہ، حاشیہ جلالین، ملتقی الابحر، نقایہ شرح وقایہ، اصلاح درر، فتح القدیر ،اختیار شرح مختار، خزانۃ المفتیین، فتاوی قاضی خان، محیط سرخسی، فتاوی عالمگیری، اور انوار امام یوسف اردبیلی شافعی سے روشن عبارات پیش فرما کر آفتاب نصف النہار کی طرح اپنا دعوی وموقف واضح واجلی کر دیتے ہیں، تشفی کے لیے عبارت انوار امام یوسف اردبیلی شافعی ملاحظہ ہو، آپ فرماتے ہیں:

انوار امام یوسف اور بیلی شافعی میں ہے:”**المحرمات علی التابید بالنسب الامہات وان علت والبنات وان سفلت وبنات الاخوۃ والاخوات وان سفلت**“ (فتاوی رضویہ قدیم ۵/۲۷۴/۲۷۵)

(۱۱) نور کی تفسیر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ. (سورہ مائدہ، آیت:۱۵)

ترجمہ:۔اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے ہیں، بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

اس نور سے کیا مراد ہے؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعین فرماتے ہیں کہ نور سے مراد سید الاولین والآخرین، خاتم الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔اپنے دعویٰ پر دس احادیث کریمہ کلیلہ پیش فرمائے۔خصوصاً حدیث نوری جو بیہقی، قسطلانی، ابن حجر مکی، علامہ فاسی، علامہ زرقانی، علامہ دیار بکری اور شیخ محقق دہلوی کے نزدیک معتمد و معول علیہ ہے۔اس کی سند اعتبار اجاگر فرمایا اور بیان فرمایا کہ نور مصطفیٰ نور خدا سے بنا ہے، بعدہٗ اس نکتے پر نفیس افادہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے اللہ کے نور ہیں؟ اعلیٰ حضرت کے الفاظ میں پیش ہے:

ہاں اسے باعتبار کنہ و کیفیت متشابہات سے کہنا وجہ صحت رکھتا ہے، واقعی نہ رب العزت جل وعلا نہ اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنے نور سے نور مطہر سید انوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں کر بنایا؟ نہ بے بتائے اس کی پوری حقیقت ہمیں خود معلوم ہوسکتی ہے اور یہی معنی متشابہات ہیں۔

شمع سے شمع روشن ہوجانا بے اس کے کہ اس شمع سے کوئی حصہ جدا ہوکر یہ شمع بنے اس کی مثال میں کہا جاسکتا ہے، لیکن اس سے بہتر آفتاب اور دھوپ کی مثال ہے کہ نور شمس نے جس پر تجلی کی وہ روشن ہوگیا اور ذات شمس سے خود جدا نہ ہوا مگر ٹھیک مثال کی وہاں مجال نہیں جو کہا جائے گا ہزاروں ہزار وجوہ پر ناقص و ناتمام ہوگا، پھر یہ کہ مثال سمجھانے کو ہوتی ہے نہ کہ ہر طرح برابری بتانے کو۔

قرآن عظیم میں نور الٰہی کی مثال دی: "کَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ" جیسے طاق کہ اس میں چراغ ہو۔

کہاں چراغ اور قندیل اور کہاں نور رب جلیل، یہ مثال وہابیہ کے اس اعتراض کے دفع کو تھی کہ نور الٰہی سے نور نبوی پیدا ہوا تو نور الٰہی کا ٹکڑا جدا ہونا لازم آیا۔

اسے بتایا گیا کہ چراغ سے چراغ روشن ہونے میں اس کا ٹکڑا کٹ کر نہیں آجاتا، جب یہ فانی مجازی نور اپنے نور سے دوسرا نور روشن کر دیتا ہے تو اس نور الٰہی کا کیا کہنا، نور سے نور پیدا ہونے کو نام وروشنی میں مساوات بھی ضروری نہیں۔چاند کا نور آفتاب کی ضیا سے ہے۔پھر کہاں وہ اور کہاں یہ؟ علم مہشت میں بتایا گیا ہے کہ اگر چودھویں رات کے کامل چاند کے برابر نوے ہزار چاند ہوں تو روشنی آفتاب تک پہنچے گی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر آپ نے نور کی درج ذیل عرفی تعریف بیان کی:

نور عرف عامہ میں ایک کیفیت ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطہ سے دوسری اشیائے دیدنی کو، اور ف حق یہ ہے کہ نور اس سے اجلی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، یہ جو بیان ہوا تعریف الجلی بالخفی ہے، کما نبہ علیہ فی المواقف وشرحہا نور بایں معنی ایک عرض وحادث ہے اور رب عزوجل اس سے منزہ ہے۔

محققین کے نزدیک نور وہ ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مظہر۔(جامع الاحادیث، ۸/۱۷،۱۸،۱۹)

اور مسلسل نور مصطفیٰ سے متعلق کئی صفحات میں بحث کی بے شمار علمی افادات کیا، جنھیں پڑھنے کے بعد دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔

جامع الاحادیث جلد ۸/ میں ارباب شوق پوری بحث مطالعہ کریں۔

(۱۲) تفسیر بالعدد:

قرآن کی تفسیر قرآن سے، حدیث سے، آثار صحابہ وتابعین سے، قواعد واصول سے مروج وشائع ہے، مگر آیات قرآنیہ کے کلمات کے اعداد سے برجستہ تفسیر کرنا محیر العقول ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اعتبار سے بھی سرخیل وسپہ سالار نظر آتے

ہیں۔ایک رافضی نے کہا کہ "اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ" کے اعداد ۱۲۰۲/ ہیں اور یہی اعداد ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بھی ہیں (معاذ اللہ رب العالمین) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بےکل و بےچین ہوگئے اور خلفائے ثلاثہ کی حمایت میں قلم اٹھایا اور متعدد صفحات میں جواب تحریر فرما کر رافضیت کا قلع قمع کر دیا، کمال تو یہ ہے کہ جیسے اس نے آیت بالا کے اعداد کی مطابقت دکھائی، اعلیٰ حضرت نے "دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوا" کے مطابق متعدد آیات کی عددی تفسیر کا سیل رواں دکھا دیا۔ لیجیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں جوابات ملاحظہ فرمائیں:

"لعنهم الله تعالى" کی بنائے مذہب ایسے ہی اوہام بے سروپا در ہوا پر ہے۔اولاً ہر آیت عذاب کے عدد اسما اخیار سے مطابق کر سکتے ہیں اور ہر آیت ثواب کے اسما کفار سے، کہ اسما میں وسعت وسیعہ ہے۔رافضی نے آیت کو ادھر پھیرا، کوئی ناصبی ادھر پھیر دے گا اور (رافضی و ناصبی) دونوں ملعون ہیں، رافضی نے اعداد غلط بتا دیے۔

امیر المومنین حضرت عثمٰن غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پاک میں الف نہیں لکھا جاتا تو عدد بارہ سو ایک ہیں نہ کہ دو۔

(۱) ہاں رافضی! بارہ سو عدد کاہے کے ہیں؟ ابن سبا رافضہ۔

(۲) ہاں اورافضی! بارہ سو دو عدد ان کے ہیں، ابلیس، یزید، ابن زیاد، شیطان الطاق، کلینی ابن بابویہ، قمی، طوسی، حلی۔

(۳) ہاں اورافضی! اللہ عزوجل فرماتا ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ".

بے شک جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ ہوگئے، اے نبی! تمھیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔ (سورۂ انعام، رکوع:۲۰)

اس آیت کریمہ کے عدد ۲۸۲۸/ ہیں اور یہی عدد ہیں، روافض، اثنا عشریہ، شیطٰنیہ، اسمٰعیلیہ کے، اور اگر اپنی طرح سے اسماعیلیہ میں الف چاہیے تو یہی عدد ہیں، روافض اثنا عشریہ نصیریہ واسماعیلیہ کے۔

(۴) ہاں اورافضی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ". (سورۂ رعد، رکوع:۳ آیت ۲۵)

ان کے لیے ہیں لعنت اور ان کے لیے ہے برا گھر۔

اس کے عدد ۱۶۴۴/ اور یہی ہیں شیطان الطاق طوسی حلی کے۔

(۵) نہیں اورافضی! بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ". (سورۃ الحدید، رکوع:۳ آیت ۱۹) وہی اپنے رب کے ہاں صدیق اور شہدا ہیں، ان کے لیے ان کا ثواب ہے۔

اس کے اعداد ۱۴۴۵/ اور یہی عدد ہیں، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، سعید (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے۔

(۶) نہیں اورافضی! بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ". (سورۃ الحدید، رکوع:۳ آیت ۱۹) وہی اپنے رب کے حضور صدیق و شہید ہیں، ان کے لیے ہے ان کا ثواب اور ان کا نور۔

اس کے اعداد ۱۷۹۲/ اور یہی عدد ہیں ابوبکر، عمر، عثمن، علی، طلحہ، زبیر، سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے۔

(۷) نہیں اورافضی! بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ" (سورۃ الحدید، رکوع:۳ آیت ۱۹) جو لوگ ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق و شہید ہیں، ان کے لیے ان کا ثواب اور ان کا نور۔

آیت کریمہ کہ عدد ہیں تین ہزار سولہ (۳۰۱۶) اور یہی عدد ہیں صدیق، فاروق، ذوالنورین، علی، طلحہ، زبیر، سعید، ابوعبیدہ، عبدالرحمٰن بن عوف۔

آخر میں فرمایا: الحمدللہ آیت کریمہ کا تمام کمال جملہ مدح بھی پورا ہوگیا۔ اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے

اسمائے طیبہ بھی سب آگئے، جس میں اصلاً تکلف و تصنع کو دخل نہیں۔
(حیات اعلیٰ حضرت جلد اول ۳۱۸ تا ۳۲۱)

یہ تمام آیات عذاب و اسمائے اشرار و آیات مدح و اسمائے اخیار کے عدد محض خیال میں مطابق کیے جن میں صرف چند منٹ صرف ہوئے، اگر لکھ کر اعداد جوڑے جاتے تو مطابقتوں کی بہار نظر آتی۔

(۱۳) آیت غیب کی حیرت انگیز تفسیر:

(۱) "وَعِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَا" کہ اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں وہی جانتا ہے۔
(آیت قرآنیہ سورۂ انعام، آیت: ۵۹)

(۲) "لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"
(سورۂ شوریٰ آیت: ۱۲)

کہ زمین و آسمان کی چابیاں اسی کے لیے ہیں۔

وہابیہ علم غیب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکر ہیں اور انھیں آیتوں کو اپنے باطل فکر کو ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ذکاوت فکری، روشن ذہنی، تیز خاطری سے انھیں دونوں آیتوں کی ایسی تفسیر فرماتے ہیں کہ ثابت ہوجاتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا غیب ہیں، وہ اس طرح کہ "مفاتیح" اور "مقالید" کے اول و آخر حرف لے لیا جائے تو محمد کا کلمہ تیار ہوجاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ساتوں آسمان، سات زمینیں دنیا ہے اور ان سے وراء سدرۃ المنتہی ہے، عرش کرسی دار آخرت، دار دنیا شہادت ہے اور دار آخرت غیب، غیب کی کنجیوں کو مفاتیح اور شہادت کی کنجیوں کو مقالید کہتے ہیں۔ قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے: "وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَا" (۱) اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (۲) مفاتح کا حرف اول میم "م" اور آخری حرف حا "ح" اور مقالید کا پہلا حرف "م" اور آخری حرف "د" مرکب کرنے سے نام اقدس ظاہر ہوتا ہے، یعنی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اسی سے یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ غیب و شہادت کی کنجیاں سب دے دی گئی ہیں، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو، کوئی شی ان کے حکم سے باہر نہیں۔

دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانی دل و جاں نہیں
کہوں کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہاں نہیں

یہ اس طرح اشارہ ہوسکتا ہے کہ مفاتیح و مقالید غیب و شہادت سے شب ہجر ہائے خفایا عدم میں مقفل تھے، وہ مفتاح و مقلد جس سے ان کا قفل کھولا گیا اور میدان ظہور میں لایا گیا وہ ذات اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھی۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو سب اسی طرح مقفل ہجرۂ عدم یا خفا میں رہتے۔

وہ نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

(الملفوظ، حصہ چہارم، ص: ۴۰۰)

اور چوں کہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار شان رسالت پر حملہ ہے، اس لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شباب علم کا خوب مظاہرہ فرماتے ہیں، آیات غیب اور احادیث جلیلہ سے تفصیلی علم غیب ثابت کر دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علم غیب کلی کے دعویٰ میں تحریر فرمایا: بے شک حضرت عزت عظمت نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا، مشرق تا مغرب، عرش تا فرش سب انھیں دکھایا۔ ملکوت السموت والارض کا شاہد بنایا، روز اول سے روز آخرت، یعنی روز قیامت تک کے سب ما کان و ما یکون انھیں بتائے، اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہ رہا۔ علم حبیب کریم افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیرہ و کبیرہ پر رطب و یابس کا جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا۔ الحمدللہ حمداً کثیراً بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پورا علم نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ وکرم۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک چھوٹا

حصہ ہے، ہنوز احاطۂ علم محمدی میں وہ ہزار دو ہزار بے حد و بے کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت وہ جانیں یا ان کا عطا کرنے والا مالک و مولیٰ جل وعلیٰ (والحمد للہ العلی الاعلیٰ) کتب حدیث وتصانیف علمائے قدیم وحدیث ہیں، اس کے دلائل کا شافی وبیان وافی ہے۔

پھر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

عبارت اعلیٰ حضرت قدس سرہ ''اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے، اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادہ استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے، بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں، ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے نہ حدیث نہ احاد اگرچہ کیسی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص وتراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن۔ اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے۔ تو بحمد اللہ کیسے نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ما کان وما یکون الی یوم القیامۃ جمیعا مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا۔ اور شرق وغرب، سما وارض وفرش میں کوئی ذرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہ رہا۔ (انباء المصطفیٰ، ص:۲)

یقیناً علم وتحقیق کا ایسا لالہ زار کہیں نظر نہیں آتا، ارباب علم کو چاہیے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افادات سے بڑھ چڑھ کر فیض حاصل کریں ایمان ملے گا عمل کی دولت بھی ہاتھ آئے گی۔

(۱۴) سکونِ زمین وآسمان:

''**اِنَّ اللّٰـهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا وَلَـئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا**''. (سورہ ۳۵/۴۱)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ آسمان وزمین کو روکے ہوئے ہے، کہ سرکنے نہ پائے اور اگر وہ سرکے تو اللہ کے سوا انھیں کون روکے، بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔

زمین وآسمان کی حرکت وعدم حرکت میں اسلام وسائنس کا اختلاف ہے، اسلامی نظریہ ہے کہ زمین وآسمان اپنی جگہ ساکن غیر متحرک ہے، جب کہ سائنس کا نقطۂ نظریہ ہے کہ زمین وآسمان حرکت میں ہے۔ اسلامی نظریہ کے ثبوت میں آیت بالا ہے، جس میں ''ان تزولا'' کا لفظ ہے اور معنی ہے کہ اللہ عزوجل آسمان وزمین کو سرکنے، ہٹنے، چلنے سے روکے ہوئے ہے۔ زوال کا معنی ہٹنا، سرکنا، چلنا، حرکت کرنا ہے، تو مفہوم یہ ہوا کہ زمین وآسمان اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں، مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر عالم دین علامہ حاکم علی صاحب علیہ الرحمہ نے زوال کے متعدد معنی کے پیش نظر آپ کی خدمت میں اشکال پیش کیا کہ جس طرح زوال کا معنی اپنی جگہ سے ہٹنا، سرکنا، چلنا ہوتا ہے، یوں ہی ایک معنی مجازی ''دنیا سے آخرت کی طرف جانا بھی ہوتا ہے'' جیسا کہ آیت کریمہ ''**اولم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال**'' میں یہی مراد ہے۔

اور یوں ہی اپنے محل ومستقر میں حرکت کو زوال نہیں کہا جاتا، یعنی شی اپنے چیز میں رہے، اس میں ساکن رہے یا چلے، اس کو زوال نہیں کہا جائے گا، جیسے کہ سورج ''والشمس تجری لمستقر لہا'' (سورہ: ۳۶/۳۸) کہ سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے تو یہ اپنے مجرے میں ہے، چل رہا ہے، اس چلنے کو زوال نہیں جریان بولا جاتا ہے، تو ممکن ہے کہ زمین بھی اپنے مدار ومجرے میں سورج کی طرح چل رہی ہو اور زوال نہ ہو، یا پہلے معنی کے اعتبار سے زمین وآسمان کے زوال سے مراد یہ ہو کہ آخرت کی طرف منتقل ہوں گے، ابھی اپنی جگہ چل رہے ہوں، جیسے کافر چل پھر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشکال کے پہنچنے کے وقت سخت کمزور نحیف و مریض تھے، مگر لفظ ''ان تزولا'' کی ایسی پر شباب تفسیر فرمائی، متعدد آیات وصدہا احادیث، آثار صحابہ وتابعین اور کتب لغات سے زوال کے لفظ کی وہ تحقیق انیق پیش فرمائی کہ علم کے گلشن لہلہا اٹھے۔ تفسیر کے شبستانوں میں بہار آگئی، ساتھ ہی مذکورہ اشکالوں کا علمی محاسبہ فرمایا،

اعلیٰ حضرت کے قلم سے اس کا آغاز ملاحظہ ہو:

اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں، کواکب چل رہے ہیں "كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ" ہرایک ایک فلک میں تیرتا ہے۔ جیسے پانی میں مچھلی۔ اللہ عزوجل کا ارشاد آپ کے پیش نظر ہے۔ میں یہاں اولاً اجمالاً چند حرف گزارش کروں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی حق پسندی کو وہی کافی ہوں، پھر قدرے تفصیل۔

اجمال کہ افقہ صحابہ بعد الخلفاء الاربعہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس آیت کریمہ سے متعلق حرکت کی نفی مانی، یہاں تک کہ اپنی جگہ قائم رہ کر محور پر گھومنے کو بھی زوال بتایا۔

حضرت امام ابو مالک تابعی ثقہ جلیل تلمیذ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے زوال کو مطلق حرکت سے تفسیر کیا، ان حضرات سے زائد عربی زبان و معانی قرآن سمجھنے والا کون؟۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ص: ج: ۲۷/ص: ۲۰۰)

پھر تفسیری عبارات کا سلسلہ پیش کر کے اشکال کرنے والے عالم مسائل سے مخاطب ہوتے ہیں:

اور عنقریب ہم بفضل اللہ تعالیٰ اور بہت آیات اور صدہا احادیث اور اجماع امت اور خود اقرار مجاہد کبیرہ سے اس معنی کی حقیقت اور زمین کا سکون مطلق ثابت کریں گے، وباللہ التوفیق۔ آپ نے جو معنی لیے کیا کسی صحابی، کسی تابعی، کسی امام، کسی مفسر، یا جانے دیجیے چھوٹی سے چھوٹی کسی اسلامی عام کتاب میں دکھا سکتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ زمین گردِ آفتاب دورہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے صرف اتنا روکے ہوئے ہے کہ اس مدار سے باہر نہ جائے، لیکن اس پر اسے حرکت کرنے کا امر فرمایا ہے۔ حاش للہ! ہرگز کسی اسلامی رسالہ، پرچے، رقعہ سے اس کا پتہ نہیں دے سکتے۔ سوا سائنس نصاریٰ کے آگے آپ انصاف کرلیں گے کہ معنی قرآن وہ لے جائیں یا یہ؟

اس کے بعد کتب لغات کی طرف رخ کرتے ہیں اور قاموس، عباب، تاج العروس، نہایہ ابن اثیر، درنثیر، لسان العرب، مفردات امام راغب اور صراح سے لفظ زوال کا معنی کا تحلیل کا جائزہ پیش کرتے ہیں اور واضح ومحقق فرماتے ہیں کہ زوال کا معنی حرکت کرنا ہی ہے، ساتھ ہی خازن، کشاف، مدارک، کمالین، ارشاد، نیشاپوری، غرائب القرآن کے تفسیری کلمات سے روشن وتابناک فرماتے ہیں کہ زوال مقابل قرار وثبات ہے، اور قرار وثبات حقیقی سکون مطلق ہے، اور آیت کریمہ میں زوال کا معنی حقیقی مراد ہے تو معنی مجازی ہرگز مراد نہیں ہوسکتی، بلکہ معنی مجازی لینا خلاف قرینہ ہے۔

آخر میں اعلیٰ حضرت پورے اعتماد کے ساتھ فرماتے ہیں: یوں ہی ہزار ہا آثار صحابہ عظام وتابعین کرام واجماع امت جن سب میں ذکر ہے کہ آفتاب طلوع وغروب کرتا ہے، آفتاب کو وسط سما سے زوال ہوتا ہے، اافتاب کی طرف روشن دلائل ہے کہ زمین ساکن محض ہے بدیہی ہے، اور خود مخالف کو تسلیم کہ طلوع وغروب وزوال نہیں اور حرکت یومیہ سے تو جس کے یہ احوال ہیں، حرکت یومیہ اسی کی حرکت ہے کہ قرآن عظیم اور احادیث متواترہ واجماع امت سے ثابت کہ حرکت یومیہ حرکت شمس ہے، نہ کہ حرکت زمیں، لیکن اگر زمین حرکت محوری کرتی تو حرکت یومیہ اسی کی حرکت ہوتی، جیسا کہ مزعوم مخالفین ہے، تو روشن ہوا کہ زعم سائنس باطل ومردود ہے، پھر شمس کی حرکت یومیہ جس سے طلوع وغروب وزوال ہے، نہ ہوگی، مگر یوں کہ وہ گردِ زمین دورہ کرتا ہے تو قرآن واحادیث واجماع سے ثابت ہوا کہ آفتاب حولِ ارض دائر ہے، لاجرم زمین مدار شمس کے جوف میں ہے تو ناممکن ہے کہ زمین گردِ شمس دورہ کرے اور آفتاب مدار زمین کے جوف میں ہو تو بحمداللہ تعالیٰ آیات متکاثرہ واحادیث متواترہ واجماع امت طاہر سے واضح ہوا کہ زمین کی حرکت محوری ومداری دونوں باطل ہیں، وللہ الحمد۔ (نزول آیت فرقان سکون زمین وآسمان، مشمولہ: فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۲۷/ص: ۲۲۲)

(۱۵) آیت سے کذب باری کے استحالہ پر استدلال:

"اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا"۔ (سورہ نسا: ۸۷)

ترجمہ: اللہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور وہ ضرور تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دن جس میں کچھ شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

آیت مذکورہ میں ''من'' کا لفظ برائے استفہام ہے مگر واضح رہے کلمہ استفہام کبھی استفہام ثبوتی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی استفہام انکاری کے لیے، آیت بالا میں لفظ ''من'' برائے استفہام انکاری ہے، یعنی شکلا استفہام ہے اور حقیقۃً انکار ہے۔ تو ''وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا'' کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ سے زیادہ کسی کی بات سچی نہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ معتبر کتب تفسیر کے ذریعہ مثل آفتاب روشن فرمایا ہے کہ یہاں پر استفہام انکاری ہے، ثبوتی نہیں، اس کے لیے آپ نے تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک تفسیر عماوی اور تفسیر روح البیان کی عبارت صریحہ واضحہ جلیہ جلیلہ پیش کیا پھر اصول عقائد سے برہن فرمایا کہ اللہ کے لیے کذب ماننا کفر ہے کہ کذب اس کے حق میں عیب ہے، اور اللہ عیب سے پاک ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول: وباللہ التوفیق تحریر دلیل یہ ہے کہ تم نے باری عزوجل کا تکلم بکلام کذب تو ممکن مانا، اس کا کاذب ومتصف بالکذب ہونا بھی ممکن مانتے ہو یا نہیں؟ اگر کہے ''نا'' تو قول بالمتناقضین اور بداہت عقل سے خروج ہے کہ کاذب ومتصف بالکذب نہیں مگر وہی جو تکلم بکلام کذب کرے، اسے ممکن کہہ کر اسے محال ماننا نرا جنون ہے اور اگر کہے ''ہاں!'' تو اب ہم پوچھتے ہیں یہ اتصاف صرف لم یزل میں ممکن یا ازل میں بھی، شق اول باطل کہ امکان قیام حوادث کو مستلزم۔ اور شق ثانی پر جب ازلیت کذب ممکن ہوئی تو اس کا ممتنع الزوال ہونا ممکن ہوا کہ ہر ازلی واجب الابدیۃ اور کذب کا امتناع زوال استحالہ صدق کو مستلزم کہ کذب وصدق کا اجتماع محال، جب اس کا زوال محال ہوگا اس کا ثبوت ممتنع ہوگا۔ اور امکان وجود ملزوم امکان وجود لازم کو مستلزم ''تحقيقا لمعنى اللزوم حيث كان ذاتيا لا لعارض كما ههنا''. (معنی لزوم کے ثبوت کی وجہ سے کہ ذاتی ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے جیسا کہ یہاں ہے) تو لازم آیا کہ صدق الٰہی کا محال ہونا ممکن ہو اور استحالہ اسی شے کا ممکن ہوگا جو فی الواقع محال ہو بھی کہ ممکن کا محال ہو جانا ہرگز ممکن نہیں، ورنہ انقلاب لازم آئے اور یہ قطعا باطل تو ثابت ہوا کہ اگر باری تعالیٰ کا امکان کذب مانا تو اس کا صدق محال ہوگا لیکن وہ بالبداہۃ محال نہیں تو امکان کذب یقیناً باطل اور استحالہ کذب قطعاً حاصل۔

والحمد لله اصدق قائل الدلائل الفائضة على قلب الفقير بعون القدير عزجده وجل مجده.

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کی ان سچے دلائل پر جو قدیر عزجدہ وجل مجدہ کی مدد سے فسیر کے دل پر وارد ہوئے۔ (فتاوی رضویہ جدید ۱۵/۲۴۱/۲۴۲)

یہ تفسیری نمونے مشتے خروارے کے طور پر پیش ہوئے، ان سے ہر منصف کو یقین واذعان ہوسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فن تفسیر میں اپنی مثال آپ تھے اور یہ شعر سو فیصد برحق ہے:

ملک سخن کے شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں

واضح رہے کہ یہ چند تفصیلی تفسیرات کے جلوے ہیں ان کے علاوہ سیکڑوں اجمالی تفسیرات کے خوش رنگ پھول بکھرے ہوئے ہیں جس نے آپ کے تمام رسائل مضامین، فتاوے مہک رہے ہیں۔ ان تفسیری افادات کو دیکھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پورے قرآن کی تفصیلی تفسیر کے مواقع ہاتھ آئے ہوتے اور تفسیر فرما دیے ہوتے تو لاکھوں صفحات تفسیر کا بہت بڑا دفتر ہوتا اور قرآن کے ہزاروں نکات واسرار بے نقاب ہوتے، ساتھ ہی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو دنیائے تفسیر کا بے تاج بادشاہ کہا جاتا۔

وقت کی قلت مقالہ کے طوالت کے سبب انہیں جملوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ رب قدیر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیضان وکرم سے جماعت اہل سنت کو ہمیشہ شادکام رکھے۔ آمین۔

امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن

مقالہ نگار
حضرت علامہ ڈاکٹر غلام زرقانی قادری

حضرت علامہ ڈاکٹر غلام زرقانی قادری، قائد ملت رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے شہزادے اور مختلف وجوہ سے ان کے سچے جانشین ہیں، ابتدائی عصری تعلیم جمشید پور میں حاصل کی، اس کے بعد حضور فقیہ ملت مفتی جلال الدین علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں دار العلوم فیض رسول براؤں شریف پہنچے، جہاں سے آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی، اس کے بعد عربی ادب کی اعلی تعلیم کے لیے لیبیا گئے اور وہاں کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ، طرابلس لیبیا سے زبان عربی اور اسلامیات میں بی اے، اور علوم قرآن میں دراساتِ علیا کی تکمیل کی۔ اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے ایم اے اور عربی ادب پر تحقیقی مقالہ تیار کر کے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ لیبیا واپسی پر جامعہ ملیہ دہلی میں جز وقتی لیکچراشپ کے ساتھ جامعہ نظام الدین اولیا نئی دہلی میں بھی تدریسی فرائض انجام دیے، پھر امریکہ منتقل ہو گئے، جہاں عظیم الشان ادارہ حجاز اکیڈمی قائم کیا اور اس کے تحت جامع مکہ مسجد کی بنیاد ڈالی، اور آج حجاز اکیڈمی اور جامع مکہ مسجد ہیوسٹن میں مقبول عام ادارہ ہے۔ موصوف دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ عربی انگریزی اور اردو تینوں زبانوں پر یکساں عبور رکھتے ہیں۔ امریکہ میں لون اسٹار کالج، ہیوسٹن کے اسسٹنٹ پروفیسر، ہیوسٹن میں درس نظامی کے ادارے النور انسٹی ٹیوٹ میں محاضر ہیں۔ اب تک مختلف زبانوں میں ۲۵ تصانیف، پچاس سے زائد مقالات اور ترتیب و تحقیق سے ۱۶ کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ہندوستان کے مشہور اردو اخبار انقلاب دہلی کے مستقل کالم نگار ہیں۔ ای میل برائے رابطہ: zarquani@gmail.com

امام احمد رضا اور ترجمہ قرآن

ابتدائیہ:

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا ترجمۂ قرآن بنام ''کنز الایمان'' دنیائے اسلام میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ گو کہ یہ اردو زبان میں ہے مگر افادیت کے لحاظ سے بڑی بڑی ضخیم عربی تفاسیر پر بھاری ہے۔ عام طور پر ''کنز الایمان'' کے الفاظ و بیان کو ہی وقیع سمجھا جاتا ہے مگر میری نگاہ میں الفاظ کی نشست و برخاست، حسن بیان کی دلکشی، مفہوم کی جامعیت سے بھی کہیں زیادہ جو چیز قیمتی ہے وہ ہے ظاہری الفاظ کے پردے میں یکتائے روزگار فکر..... جسے بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہونے کا سلیقہ بھی آتا ہے اور شان رسالت کی تقدس مآب وادی میں پلکوں کے سہارے ہولے ہولے قدم بڑھانے کا ڈھنگ بھی.... آیاتِ قرآنیہ کو اس جیسی دیگر آیتوں کے ساتھ ارتباط کے ذریعہ مفاہیم کے بیان پر قدرت بھی، اور حالات کے تقاضوں کے مطابق سرمایۂ احادیث سے گلہائے سخن چننے کا کمال ہنر بھی،...... جسے قرآنی تراکیب کی تشریح کے لیے اجلہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی چوکھٹ پر سر جھکائے دستہ بستہ کھڑے رہنے کا شرف بھی حاصل ہے اور اسلاف کی متوارث کوششوں کے ذریعہ ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی تفاسیر سے کمال واقفیت کا موقع بھی،...... جسے لغات، ادب، بیان، معانی، بلاغت، فقہ و اصول فقہ، تاریخ و سیرت، ناسخ و منسوخ اور سینکڑوں علوم و معارف پر دسترس بھی، رہا افکار کو نپے تلے الفاظ میں صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کا وہی اسلوب! تو وہ اس پر مستزاد ہے۔

میری اس تمہید کا حاصل یہ ہے کہ آنے والے دور میں جب بھی کوئی ادب و احترام، فہم و فراست، اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ قرآن کریم کا ترجمہ کرے گا تو بہت ممکن ہے کہ پیراہن الفاظ بظاہر بدلے ہوئے ہوں لیکن ''افکار رضا'' کے روزن سے آتی ہوئی خوشبوؤں کی لپٹ ہر ہر سطر سے اٹھتی ہوئی محسوس ہوگی۔ اس مقام پر پہنچ کر ایک انصاف پسند قاری خود کو یہ کہتے ہوئے نہیں روک سکتا کہ قرآن کریم کا ترجمہ خواہ دنیا کی کسی زبان میں ہو اگر وہ قرآن کریم کے واقعی مدلولات کا آئینہ دار ہے تو وہ بہر حال ''کنز الایمان'' ہے۔

قرآن کی ترجمہ نگاری کی تاریخ:

میرے خیال میں، کسی دوسری زبان میں ترجمۂ قرآن کی منتقلی کے حوالے سے تاریخی حقائق و معلومات تلاش کرنے والے کچھ بھی کہہ لیں اور جہاں کہیں سے بھی چاہیں ابتدائی تاریخ متعین کر لیں، لیکن یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرآن کریم کی تشریح و تفسیر کی شروعات اسی وقت ہوگئی تھی، جب کہ پہلی وحی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اور یہ بات کہنے کی نہیں کہ تشریح و تفسیر بھی ایک پہلو سے ترجمہ ہی کے زمرے کی چیز ہے۔ اس لیے عقلی رہنمائی کے سہارے یہ کہنا عین حقیقت ہے کہ ترجمہ قرآن کی ابتدا بھی قرآن کریم کے ساتھ ہوئی ہے۔

تاہم، امام سرخسی علیہ الرحمہ کی رائے کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ ترجمۂ قرآن کی ابتدا ایک جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

(مناهل العرفان فی علوم القرآن، شیخ عبد العظیم زرقانی، ص:۵۱، دار احیاء الکتب العربیۃ، مصر)

یہ حقیقت قرین قیاس ہے کہ جب تک دین اسلام خطۂ عرب میں رہا، اس وقت تک حلقہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی مادری زبان عربی تھی، اس لیے قرآن کریم تشریح و تفسیر تک محدود رہا ہو، تاہم

جوں ہی غیر عرب دامن اسلام سے وابستہ ہوئے، فطری طور پر قرآن فہمی کے لیے ان کی مادری زبان میں ترجمہ وتشریح کی ضرورت لازمی محسوس کی گئی ہوگی۔ اور تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ غیر عرب ملکوں میں ایران نے سب سے پہلے نور اسلام سے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل کی۔ یوں سلطان ابوصالح منصور بن نصر احمد بن اسماعیل نے اپنے عہد حکومت میں امام ابن جریر طبری کی تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' کے فارسی ترجمہ کے ذیل میں قرآن کریم کا بھی ترجمہ فارسی میں کروایا۔ یہ ترجمہ خالص لفظی تھا اور عربی الفاظ کے تحت مفہوم لکھ دیا گیا تھا۔ یہی ترجمہ آنے والے دور میں قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں تراجم کے لیے سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

(تاریخ ادبیات در ایران، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، ج:۱، ص: ۴۲۳، تہران)

برصغیر پاک وہند میں قرآن کریم کا سب سے پہلا ترجمہ عراقی النسل عالم دین شیخ عبداللہ بن عمر نے سندھی زبان میں کیا۔ اس ترجمہ کا کوئی نسخہ اب موجود نہیں ہے، لیکن بہر کیف، برصغیر پاک وہند میں ترجمۂ قرآن کرنے والوں کی صف میں انہیں اولیت کا درجہ حاصل ہے اور رہے گا۔ (فتوح الہند والسند، ابوالحسن مدائنی، ص: ۹۸، حیدرآباد، سندھ)

قرآن کریم کے فارسی ترجمہ کے آغاز کی تاریخ ساتویں صدی ہجری سے جوڑی جاتی ہے اور شیخ سعدی کے ترجمہ قرآن کو فارسی زبان میں پہلا ترجمۂ قرآن قرار دیا جاتا ہے، تاہم مؤرخین نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ علاوہ ازیں شیر شاہ سوری کے استاد ملک العلماء شہاب الدین بن شمس الدین کے ترجمۂ قرآن کا سراغ بھی ملتا ہے، جو انہوں نے اپنی تفسیر ''بحر مواج'' کے ذیل میں کی ہے۔ اسی طرح فارسی زبان میں قرآن کریم کے بعض اجزاء کے ترجمہ وتفسیر کے تذکرے بھی کیے جاتے ہیں۔ (دیکھیے، کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، پاکستان، ص:۷۰)

فارسی زبان میں متذکرہ بالا تراجم قرآن حقیقت میں تفسیر وتشریح کے ساتھ ساتھ تھے، یہی وجہ ہے کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے برصغیر پاک وہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن ''فتح الرحمٰن'' کو فارسی زبان میں قرآن کریم کا سب سے پہلا ترجمہ قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام فارسی تراجم قرآن کے درمیان ''فتح الرحمٰن'' کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ (دیکھیے، تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمٰن علی، ترجمہ ڈاکٹر ایوب قادری، ص:۵۴۲، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی)

یہ اور بات ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمۂ قرآن کی شروع میں بہت زبردست مخالفت ہوئی۔ علمائے اسلام کی رائے یہ تھی کہ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ اس کے ترجمہ کی اشاعت بے ادبی کے مترادف ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ مخالفت اس قدر شدید ہوگئی کہ شاہ صاحب کو اپنی جان بچانے کے لیے دہلی چھوڑ دینا پڑا۔ تاہم بعد میں علمائے کرام نے جب یہ محسوس کیا کہ اب ہندوستان سے عربی زبان رخصت ہو رہی ہے اور لوگ عربی کی جگہ فارسی زبان پڑھنے پر توجہ دے رہے ہیں، تو انہیں احساس ہوا کہ عام لوگوں کو پیغام قرآن سے آشنا کرنے کے لیے فارسی زبان میں ترجمۂ قرآن نہایت ہی اہم پیش رفت ہے۔ اس کے بعد برصغیر میں ترجمۂ قرآن کی پذیرائی کا دروازہ پوری طرح کھل گیا اور ایک کے بعد ایک ترجمے سامنے آتے گئے۔

(رود کوثر، شیخ محمد اکرام، ص:۵۲۰، فیروز سنز کراچی)

ایک عرصہ تک قدیم ہندوستان میں فارسی کا دور دورہ رہا، حتی کہ عام بول چال کے ساتھ ساتھ دفتری زبان میں فارسی رہی، تاہم ایک وقت وہ بھی آیا، جب اردو نے فارسی کی جگہ لے لی اور بہت بڑے خطے میں اردو زبان کو پذیرائی حاصل ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی عام بول چال کی زبان ''اردو'' ہوگئی۔ اس طرح ایک بار پھر علمائے کرام نے یہ محسوس کیا کہ اب قرآن کریم کا ترجمہ بھی اردو

زبان میں ہونا چاہیے، تاکہ عربی اور فارسی سے ناواقف لوگ بھی مفہوم قرآنی سے قریب ہوسکیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ برصغیر میں قرآن کریم کے اولین فارسی ترجمہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کا شرف جس خانوادے کو حاصل ہوا، اسی کے ایک فرد جلیل، شاہ محمد رفیع الدین دہلوی کو قرآن کریم کا اردو ترجمہ کرنے کی سعادت ملی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ باپ نے برصغیر میں قرآن کریم کا پہلا فارسی ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی اور بیٹے نے سب سے پہلے اردو ترجمہ قرآن سے اہل علم کو شادکام کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

(دیکھیے، دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج:۱۰، ص: ۳۱۸، ۱۹۷۳ء، دانش گاہ پنجاب لاہور)

شاہ محمد رفیع الدین دہلوی کا ترجمۂ قرآن لفظی تھا، جس سے عام لوگوں کو فہم قرآن سے کماحقہ آشنائی نہیں ہو پاتی تھی۔ غالباً یہی وجہ رہی ہوگی کہ جلد ہی ان کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادری دہلوی نے ''موضح القرآن'' کے نام سے ایک بامحاورہ اردو ترجمہ اہل علم کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس ترجمہ میں پیغام قرآن کی تفہیم کے لیے روزمرہ استعمال میں آنے والے الفاظ اور تراکیب کا استعمال کیا گیا، جس سے عام لوگ بہت محظوظ ہوئے۔

(دیکھیے، تاریخ ادب اردو، ڈاکٹر جمیل جالبی، ج: دوم، ص:۱۰۵۴)

تعارف کنزالایمان:

عینی شاہدین تواتر سے بیان کرتے ہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ استفتا کے جوابات نہایت ہی دلائل و براہین اور تدبر و تفکر کے آئینے میں دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شرعی مسائل کے حل کے لیے ساری دنیا سے لوگ آپ سے رابطہ کرتے تھے۔ اس طرح مصروفیات حد سے زیادہ رہتی تھیں۔ تاہم ایک شب حضرت صدرالشریعہ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سے مؤدبانہ عرض کیا کہ عصر حاضر میں قرآن کریم کے بہت سارے اردو تراجم طبع ہو چکے ہیں اور ان میں کثرت سے عقیدہ و عمل اور ادب و احترام سے متصادم عبارتیں در آئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عربی زبان سے واقفیت نہ رکھنے والے لوگ قرآن فہمی کے لیے بازار میں اردو ترجمے پر ہی انحصار کریں گے، اس طرح انہیں جگہ جگہ قرآن کریم سے بجائے ہدایت یافتہ ہونے کے، بعض مقامات پر غیر مناسب عبارتوں میں ترجمہ کرنے کی وجہ سے ضلالت و گمراہی میں پڑ سکتے ہیں۔

فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ بھی اس ضرورت کا احساس تو کیا، لیکن وقت میں عدم گنجائش کا شکوہ کرتے ہوئے فرمایا:

''چونکہ ترجمہ کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے، اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔''

(سوانح امام احمد رضا: علامہ بدرالدین قادری رضوی، ص: ۳۷۴، مکتبہ نوریہ، ۱۹۸۷ء)

اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بازار میں موجود دوسرے تراجم قرآن بھی منگوا لیے جائیں، تاکہ اس ضمن میں ان کی اغلاط پر تنبیہات بھی کردی جائیں۔

(دیکھیے، تذکرہ اعلیٰ حضرت بزبان صدر شریعت، مولانا محمد عطاء الرحمٰن قادری، ص:۴۲)

صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے حکم کے مطابق چند تراجم حاصل کرلیے اور وہ ساعت محمود بھی آئی کہ جب ترجمہ قرآن کا باضابطہ آغاز ہوگیا۔ اس کے طریقۂ کار پر روشنی ڈالتے ہوئے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں:

''چند روز تک یہ طریقہ رہا کہ آیت پڑھی جاتی اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ لکھواتے۔ اس کے بعد حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، مرزا حیرت دہلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم کے ترجمے سنائے جاتے۔ ان تراجم میں جہاں کہیں غلطیاں ہوتیں،

ان پر تنبیہ فرماتے۔ چند روز کے بعد محسوس ہوا کہ اس طرح کرنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور کام کم ہوتا ہے اور مترجمین کے اغلاط پر تنبیہات تو ایک جدا گانہ کام ہے۔ اس ترجمہ کے بعد اگر موقع ملا تو اس طرف توجہ کی جائے گی، لہٰذا ان تراجم کا سنانا موقوف کر دیا گیا۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ترجمہ فارسی میں اور شاہ عبدالقادر صاحب کا اردو میں، یہ دو ترجمے سنائے جاتے رہے اور اس کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔''

(نفس مصدر، ص:۴۳)

یہ قیمتی ترجمہ قرآن کس طرح ظہور پذیر ہوا، اس کے قدرے تفصیلات بتاتے ہوئے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ترجمہ کا املا کرنے اور اس کے تحریر کرنے کی نوعیت یہ ہوتی کہ پہلے میں پوری آیت پڑھتا، گرچہ وہ کتنی ہی بڑی ہوتی۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت ترجمے کا املا فرماتے۔ بعض مرتبہ مسلسل دو تین سطر کی عبارت ایک ساتھ بلا توقف بول دیا کرتے، مگر بفضلہ تعالیٰ اس کے قلمبند کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی، نہ کوئی لفظ کم وبیش ہونے پاتا تھا۔'' (معارف رضا، شمارہ ۲۰۰۹ء، ص:۱۸۰)

خیال رہے کہ بعض علمائے کرام نے یہ لکھا ہے کہ ترجمۂ قرآن کے وقت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی دوسرا ترجمہ قرآن نہ تھا اور وہ آیات کریمہ سن کر فی البدیہہ ترجمہ املا کرواتے جاتے تھے۔ پروفیسر مجید اللہ قادری اپنے مقالے میں رقمطراز ہیں:

''امام احمد رضا نے قرآن مجید کا ترجمہ املا کروانا شروع کیا۔ اس دوران کوئی تیسرا آدمی نہ ہوتا۔ مولانا امجد علی آیت تلاوت کرتے جاتے اور امام احمد رضا فی البدیہہ ترجمہ لکھواتے جاتے اور دوران ترجمہ کسی آیت کے لیے بھی نہ لغت کی ضرورت پیش آتی، نہ کسی تفسیر کو دیکھا، نہ کسی اور ترجمہ قرآن کو سامنے رکھا۔''

(معارف رضا، سالنامہ ۲۰۰۹ء، ص:۱۱۶)

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ متذکرہ بالا دونوں اطلاعات بظاہر متصادم دکھائی دے رہی ہیں۔ میرے خیال میں یہ غلط فہمی اس لیے ہوئی ہے کہ بعض لوگوں کی نگاہوں سے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے بیان کا ابتدائی حصہ اوجھل رہا اور انہوں نے صرف آخری حصہ پر توجہ دیا، جس میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ وہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور اعلیٰ حضرت ترجمے املا کراتے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ عبارت صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دوران ترجمہ کوئی دوسرا ترجمہ نہ تھا، جب کہ بیان کے ابتدائی حصہ سے وضاحت ہو رہی ہے کہ شروع میں کئی تراجم قرآن سامنے رہے، لیکن بعد میں صرف شیخ سعدی اور شاہ عبدالقادر کے تراجم سنائے جاتے رہے۔

بہرکیف، کنزالایمان کے املا کرانے کے دوران دوسرے تراجم رہے ہوں یا نہ رہے ہوں، امام احمد رضا فاضل بریلوی کی علمی عبقریت وعظمت اور پچاسوں اردو تراجم قرآن کے درمیان کنزالایمان کی امتیازی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اس طرح کہ اردو تراجم قرآن سامنے رہے بھی، تو اس لیے کہ ان کے اندر خامیاں نگاہوں کے سامنے رہیں، نہ یہ کہ ان کی مدد سے ترجمہ کیا جائے۔ ویسے بھی ایک مرتبہ کسی آیت کا ترجمہ پڑھنے کے بعد نہیں، بلکہ صرف سن لینے سے، اور وہ بھی قرآن کریم جیسی کتاب عظیم کے ترجمہ کرتے وقت، کوئی خاص مدد ملنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی صراحت کے مطابق فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کبھی کبھی دو دو، تین تین سطریں بلا توقف کہہ جاتے تھے۔ کوئی دورائے نہیں کہ یہ صراحت خود اعلان کر رہی ہے کہ جسے عربی زبان اور قرآن کریم کے مفاہیم ومطالب بیان کرنے پر اس قدر قدرت ہو، اسے معاصرین کے تراجم سے مدد لینے کی حاجت ہی کیا ہے؟

تکمیل وطباعت:

کنزالایمان کی تکمیل کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ عبدالمبین نعمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

''ترجمۂ کنزالایمان کی تحریر کا آغاز جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ میں

ہوا اور اختتام ۲۸/ جمادی الآخر ۱۳۳۱ھ میں، لیکن کام مسلسل نہیں ہوا ہے۔ بعض صفحات مسودے کے درمیان غائب بھی ہیں، جن کی تاریخیں معلوم کرنا مشکل ہے۔ البتہ اس بات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ یہ نادر ونایاب اور مہتم بالشان ترجمہ قرآن موسوم بہ ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' سال کے چند مہینوں میں مکمل ہوا، پورے ایک سال بھی صرف نہ ہوئے۔''

(صدرالشریعہ نمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء، ص:۲۱۱)

کنزالایمان کی طباعت کے حوالے سے علامہ مفتی محمد عمر نعیمی صاحب لکھتے ہیں کہ صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء ''کنزالایمان'' کا مسودہ بغرض طباعت مرادآباد لے گئے۔ تاہم کتابت منشی ارشاد علی نے کی اور پہلی طباعت مفتی محمد عمر صاحب نعیمی نے کرائی۔ دوسری اشاعت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کے تفسیری حواشی ''خزائن العرفان'' کے ساتھ اہل سنت برقی پریس مرادآباد میں ہوئی۔

(دیکھیے، جہان رضا، لاہور، شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۹ء)

میں نے عرض کیا تھا کہ ابتدا میں دوسرے تراجم قرآن پر تنبیہات بھی لکھی جاتی تھیں، تاہم جب یہ محسوس ہوا کہ اس طرح وقت بہت لگ جائے گا، تو اسے ملتوی کردیا گیا۔ جب ترجمہ قرآن کی تکمیل ہوگئی، تو صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے ایک بار پھر اصرار کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں؛

''ترجمہ کے بعد میں نے چاہا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ اس پر نظر ثانی فرمائیں اور جا بجا فوائد تحریر کردیں، چنانچہ بہت اصرار کے بعد یہ کام شروع کیا گیا۔ دو تین روز تک کچھ لکھا، مگر جس انداز سے لکھوانا شروع کیا، اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر ہوگی، کم از کم دس بارہ جلدوں میں پوری ہوگی۔ اس وقت خیال پیدا ہوا کہ اتنی مبسوط تحریر کی کیا حاجت، ہر صفحہ پر کچھ تھوڑی باتیں ہونی چاہئیں، جو حاشیہ پر درج کردی جائیں، لہٰذا یہ تحریر جو ہو رہی تھی، بند کردی گئی اور دوسری کی نوبت نہ آئی۔''

(حیات صدرالشریعہ، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، ص: ۴۴)

بہرکیف، کنزالایمان سے پہلے اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے اردو زبان میں کئی تراجم قرآن نگاہوں کے سامنے آئے، تاہم جو مقبولیت اور شہرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ قرآن بنام ''کنزالایمان'' کو حاصل ہوئی، وہ کسی کے حصے میں نہ آئی۔ خیال رہے کہ یہ شہرت ومقبولیت کسی جاہ ومنصب، دولت وثروت اور خاندانی حسب ونسب کی بنیاد پر نہیں ملی، بلکہ پیغام قرآن سے قریب تر مفہوم ومطالب کی وضاحت کے لیے یکتائے روزگار اسلوب کی اپنانے کی وجہ سے ہر طبقے کے افراد نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ اطلاع مقام حیرت استعجاب نہیں کہ ہندوپاک میں پچاسوں طباعت ونشر کے ادارے برسوں سے بڑی تعداد میں ''کنزالایمان'' چھاپ رہے ہیں، تاہم اب بھی ایسا نہیں ہے کہ ایک اڈیشن کسی ادارہ کے پاس بہت دنوں تک ٹھہر جائے۔

حاشیہ ذہن میں یہ خیال نہ آجائے کہ میں عقیدت ومحبت کے زیر اثر ''کنزالایمان'' کی بے جا تعریف وتوصیف کررہا ہوں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ وہی عرض کررہا ہوں، جو عین حقیقت ہے اور آئینۂ صداقت ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ اگر آپ نے بھی غیر جانبداری کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا، تو الفاظ وتعبیرات تو بہت ممکن ہیں مختلف ہوجائیں، تاہم دوپہر کی دھوپ کی طرح یقین کامل ہے کہ مرکزی خیالات، میری متذکرہ رائے سے بالکل مختلف نہ ہوں گے۔

اب آئیے، میری رفاقت میں ''کنزالایمان'' اٹھائیے اور چند ذیلی عنوانات کے تحت بعض معروضات سماعت کرلیجیے، تاکہ مطالعۂ کنزالایمان کرتے ہوئے یک گونہ سہولت ہوجائے۔

عقیدہ وایمان:

اس میں دورائے نہیں کہ نزول قرآن کریم کا اولین مقصد اصلاح عقیدہ وایمان ہے۔ اسی کے سہارے تمام تر اعمال صالحہ کی

پرکشش اور پائیدار عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔لہٰذا جس طرح ایک عمارت کی تعمیر کے لیے مضبوط اور پائیدار بنیاد نہایت ہی ضروری ہے،ٹھیک اسی طرح جب تک عقیدہ وایمان بغیر کسی حک واضافہ کے، مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے آئینہ میں نہ ہو، اس وقت تک اعمال حسنہ اور معمولات جمیلہ کی مضبوط عمارت کھڑی نہیں کی جاسکتی۔

یہاں خیال رہے کہ قرآن کریم کی زبان نہایت ہی معیاری ہے اور اعلیٰ فصاحت وبلاغت پر مشتمل ہے۔اس لیے ''زید آیا اور عمر گیا'' جیسے عام لب ولہجے میں قرآن کریم کی عبارت نہیں ہے، بلکہ یہاں استعارات ، کنایات،تلمیحات اور خوبصورت تراکیب وپرکشش تعبیرات جا بجا دکھائی دیتی ہیں۔ایسی صورت میں مزاج قرآن سے پوری واقفیت ضروری ہے، تاکہ مفہوم قرآن بھی واضح ہوجائے اور پیغام قرآن کا ادراک بھی آفتاب نیم روز کی طرح روشن وتابناک ہوجائے۔ اس پس منظر میں دوچار مثالیں نگاہوں کے سامنے رکھیے، تاکہ یہ آشکار ہوجائے کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے ترجمۂ قرآن کرتے ہوئے ''عقیدہ وایمان'' کے حوالے سے شرعی معیارات کی پاسداری کس طرح کی ہے۔

☆ اس پس منظر میں یہ آیت کریمہ دیکھیے ؛

'' وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ ''

(۱۷۔قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۴۳)

مولوی اشرف علی تھانوی نے ترجمہ کرتے ہوئے لکھا؛

'' اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں، وہ تو محض اس کے لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہوجاوے۔.''

(تفسیر بیان القرآن ، مولوی اشرف علی تھانوی ،ص: ۴۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ، لاہور)

مولوی شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں ؛

''اور وہ قبلہ جو ہم نے ٹھہرایا جس پر تو تھا نہیں مگر اس واسطے کہ معلوم کریں۔.''

(قرآن مع ترجمہ، شاہ عبدالقادر دہلوی، ص: ۱۷، تاج کمپنی، لاہور)

مولوی محمود الحسن لکھتے ہیں ؛

''نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں۔.''

(تفسیر عثمانی ،مولوی محمود الحسن دیوبندی، ص: ۲۷، مجمع الملک فہد، سعودی عرب)

ہجرت مدینہ منورہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی۔ بعد میں متذکرہ آیت اتری اور قبلہ نماز بیت المقدس سے تبدیل کرکے خانہ کعبہ کو بنادیا گیا۔اس کے پیچھے کیا حکمت تھی، اسی حوالے سے متذکرہ بالا آیت میں گفتگو ہورہی ہے کہ یہ تبدیلی قبلہ اس لیے تھا کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان امتیاز ہوجائے۔

اب ذرا مرقوم شدہ تراجم پر نگاہ ڈالیے ۔ یہاں سب نے خدائے علیم وخبیر کے لیے ایسے کلمات استعمال کیے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کے عدم علم کی بوآتی ہے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والے اور نہ کرنے والے اللہ رب العزت کے علم میں نہ تھے، اسی لیے تبدیلیٔ قبلہ کا حکم دیا۔ظاہر ہے کہ اللہ رب العزت کے حوالے سے یہ عقیدہ صریح کفر ہے اور خلاف واقعہ بھی ہے۔

فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ متذکرہ آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

''اور اے محبوب ،تم پہلے جس قبلہ پر تھے، ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں....''

(کنزالایمان ، امام احمد رضا فاضل بریلوی، ص:۳۲۳، فرید بک ڈپو، دہلی)

ملاحظہ فرمارہے ہیں آپ ، کس خوبصورتی سے مفہوم کی

وضاحت کی جارہی ہے۔ یہاں علم الٰہی کی نفی نہیں کی جارہی ہے، بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ اطاعت کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کو ہم دیکھ لیں۔ ظاہر ہے کہ دیکھنے کی نوبت اسی وقت آئے گی، جب کوئی چیز وقوع پذیر ہوجائے، جب کہ علم واطلاع کسی چیز کے وقوع ہونے سے پہلے بھی ہوسکتا ہے، اور وہ بلاشبہ اللہ رب العزت کو حاصل ہے۔

☆ سورہ نساء کی یہ آیت کریمہ دیکھیے:

"إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰه ..."

(قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۱۷)

مولوی اشرف علی تھانوی کہتے ہیں:

"توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے...."

(بیان القرآن، ج:۲، ص:۶۰۳

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق ہے..."

(تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، ج:۲، ص:۱۰۲، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

مولوی محمود الحسن لکھتے ہیں:

"توبہ قبول کرنے اللہ کو ضرور....."

(تفسیر عثمانی، ص:۱۰۳)

متذکرہ بالا ترجمے میں اللہ رب العزت کے حوالے سے ایسی تعبیرات استعمال کی جارہی ہیں، جن سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت پر کسی کی توبہ قبول کرنی لازم ہے، جب کہ عقیدہ اسلامی کی رو سے اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک مطلق بھی، لہذا اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، وہ جو چاہے کرے۔ جسے چاہے نوازدے اور جسے چاہے عذاب چکھائے۔

اب ذرا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ قلم کے جلوے ملاحظہ فرمائیے۔

"وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا....."

(کنزالایمان، ص:۱۱۷)

☆ یہ آیت کریمہ اور دیکھ لیجیے:

"نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ"

(قرآن کریم، سورت: ۹، آیت: ۶۷)

شاہ رفیع الدین ترجمہ کرتے ہیں:

"بھول گئے خدا کو پس بھول گیا ان کو اللہ"

(قرآن کریم، شاہ رفیع الدین دہلوی، ص:۲۳۵)

مولوی محمود الحسن لکھتے ہیں:

"بھول گئے اللہ کو سو وہ بھی بھول گیا ان کو"

(تفسیر عثمانی، ص:۲۶۱)

توجہ فرمائیے کہ "نسیان" کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کی جارہی ہے۔ یہ بات کہنے کی نہیں کہ ثابت شدہ عقیدۂ اسلام کے مطابق اللہ رب العزت ساری کمزوریوں سے پاک ہے۔ اس کے حوالے سے بھول چوک کا تصور ہی محال ہے۔ یہاں پہنچ کر یہ کہنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا کہ بہت سارے اردو مترجمین نے ایسے کلمات استعمال کرڈالے ہیں، جن سے عقیدہ اسلامی کی بنیاد متزلزل ہوجاتی ہے۔ اور جب عقیدہ ہی سلامت نہ رہے، تو دین اسلام کیونکر سلامت رہ سکتا ہے۔ ہوش کے ناخن لیجیے کہ یہ لوگ اسلام کی نشر واشاعت کے لیے ترجمۂ قرآن کی طرف متوجہ ہوئے، تاہم ان کی ناعاقبت اندیش فکر ونظر اور احمقانہ تصور وخیال نے بجائے نشر واشاعت کے، اسے تباہ وبربادی کی دہانے تک پہنچادیا ہے۔

اب ذرا فاضل بریلوی کے زرنگار قلم سے نکلے ہوئے کلمات پر توجہ ڈالیے:

"وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔"

(کنزالایمان، ص:۲۸۵)

☆ عام مترجمین قرآن نے "نبی" کا ترجمہ نہیں کیا ہے، بلکہ اسے یوں ہی رہنے دیا ہے۔ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ ناقابل انکار دلائل وشواہد کی بنیاد پر بخوبی علم رکھتے تھے کہ اللہ رب العزت نے

اپنے حبیب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''علم غیب'' عطا فرمایا ہے، اس لیے موقع کی مناسب سے اس ثابت شدہ عقیدہ کی وضاحت کرنے کے لیے آپ نے لفظ ''نبی'' کے لغوی مفہوم کی وضاحت کر دی ہے۔

''یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ إِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْماً حَکِیْماً''

(قرآن کریم، سورت:۳۳، آیت:۱)

''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ کا یوں ہی خوف رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی نہ سننا، بے شک اللہ علم وحکمت والا ہے''

(کنز الایمان، ص:۶۰۵)

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے ترجمۂ قرآن کرتے ہوئے علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے علمائے اہل سنت کے موقف کی ترجمانی کی ہے، اور وہ بھی نہایت ہی آسان لب ولہجے اور اختصار کے ساتھ۔ ویسے تو متذکرہ موضوع پر دلائل وبراہین کے انبار پیش کیے جاسکتے ہیں، تاہم اس طرح ''کنز الایمان'' سے متعلق زیر بحث موضوع سے بہت دور نکل جانے کا خطرہ درپیش ہے، اس لیے صرف ایک حدیث لکھ کر آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

''عن أبي زيد يعني عمرو ابن اخطب الانصاري قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر، فنزل فصلى، ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر، ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس، فاخبرنا بما كان وبما هو كائن' فاعلمنا احفظنا''

(مسلم، باب:۱۹، حدیث:۵۴)

''حضرت ابو زید یعنی عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہو کر ہمارے سامنے تقریر فرمائی یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت ہو گیا، پھر آپ منبر سے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور تقریر فرمائی یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ پھر منبر سے تشریف لائے اور نماز عصر پڑھائی۔ اس کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور تقریر فرمائی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس طرح آپ نے دوران خطابت جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، تمام واقعات کی خبر ہمیں دے دی۔ اب ہمارے درمیان سب سے بڑا عالم وہ ہے، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتیں زیادہ یاد ہیں۔''

اسی پس منظر میں یہ آیت کریمہ بھی دیکھیے:

''وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ''

(قرآن کریم، سورت:۸۱، آیت:۲۴)

''اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں''

(کنز الایمان، ص:۵۵۸)

اب یقین آیا کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے ''النبی'' کا ترجمہ خود ساختہ فکر کی بنیاد پر نہیں کیا ہے، بلکہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک ثابت شدہ عقیدہ کی خوبصورت ترجمانی کی ہے۔

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال وکوائف مشاہدہ فرماتے ہیں تاکہ قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں گواہی دیں۔ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے اسے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ اپنے ترجمہ میں ذکر کر دیا ہے۔

''إِنَّا أَرْسَلْنَاکَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِیْراً''

(قرآن کریم، سورت:۴۸، آیت:۸)

''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا'' (کنز الایمان، ص:۷۳۹)

☆ حضور پر نور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں، تاہم وہ ہمارے درمیان لباس بشری میں تشریف لائے۔ فاضل بریلوی رضی

اللہ عنہ نے اس ثابت شدہ عقیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا ہی خوب ترجمہ کیا ہے۔

" قَدْ جَاءَ كُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِين "

(قرآن کریم، سورت:۵، آیت:۱۵)

"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب"۔ (کنز الایمان، ص:۱۶۰)

خیال رہے کہ یہاں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور نور سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ بعض مفسرین قرآن نے نور اور کتاب، دونوں سے قرآن کریم مراد لیا ہے، تاہم یہ درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے لفظ نور اور کتاب کے درمیان "واؤ" ذکر کیا ہے، جو اپنے دونوں طرف کے مذکورہ الفاظ کے درمیان مغایرت کو چاہتا ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ دونوں سے مراد ایک نہ ہو، بلکہ علیحدہ علیحدہ ہو۔ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے متذکرہ آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہوئے دونوں کو علیحدہ کرنے کے لیے "واؤ" سے پہلے والے حصہ کو مکمل جملہ بنا دیا ہے، تاکہ مفہوم پوری طرح اجالے میں آجائے۔

☆ انبیائے کرام کے حوالے سے دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت شدہ عقیدہ ہے کہ وہ معصوم ہیں، نیز عقلی پیمانے پر بھی ان سے گناہوں کے امکانات خلاف تصور ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ رب العزت نے ہمیں انبیائے کرام کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔ اب اگر ان سے گناہ متصور ہوں، تو یہ لازم آئے گا کہ ہم ان کے ذریعہ ہونے والے گناہوں میں بھی ان کی اطاعت کریں اور یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں گناہوں کے ارتکاب کی ہدایت دے۔

اس پس منظر میں یہ آیت کریمہ دیکھیے؛

" لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ "

(قرآن کریم، سورت:۴۸، آیت: ۲)

عام اردو مترجمین نے متذکرہ آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہوئے گناہ کی نسبت مصطفٰے جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے۔ مثال کے طور پر مولوی محمد میمن جوناگڑھی لکھتے ہیں؛

"تاکہ جو کچھ تیرے گناہ کیے ہوئے اور جو پیچھے رہے، سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔"

(ترجمہ قرآن: مولوی محمد میمن جوناگڑھی، ج:۵،ص:۳۶، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی)

مولوی وحید الدین خاں لکھتے ہیں؛

"تاکہ تمہاری اگلی پچھلی خطائیں معاف کرے۔"

(تذکر القرآن: مولوی وحید الدین خاں، ج:۲،ص:۵۹۲، فضلی سنز لمیٹیڈ کراچی، ۱۹۸۶ء)

مولوی شبیر عثمانی لکھتے ہیں:

"تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔"

(تفسیر عثمانی: مولوی شبیر عثمانی، ص:۶۷۸، بلال پبلشرز، اردو بازار، لاہور)

اب آیئے فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے زرنگار قلم کی جولانی ملاحظہ فرمایئے؛

"تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"

(کنز الایمان، ص:۷۱۶)

☆ بارگاہ الٰہی میں شفاعت کے حوالے سے یہ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں؛

" وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ "

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۴۸)

متذکرہ آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے مولوی محمود الحسن لکھتے ہیں:

"اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش"

(تفسیر عثمانی، ص:۱۰)

اور مولوی مودودی لکھتے ہیں؛

’’ نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول ہوگی۔‘‘

(تفہیم القرآن، ج:۱، ص: ۷۴)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

’’ اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوسکتی ہے۔‘‘(بیان القرآن، ص: ۱۷)

متذکرہ تراجم سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی، جب کہ یہ ثابت شدہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں انبیائے کرام، اولیائے عظام، حفاظ قرآن اور شہدائے اسلام حتی کہ اسقاط حمل کے نتیجے میں ناتمام بچے بھی شفاعت کریں گے۔ اس حوالے سے قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ دیکھیے:

’’ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ‘‘

(قرآن کریم، سورت:۴۳، آیت:۸۶)

’’اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں شفاعت کا اختیار انہیں ہے، جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔‘‘ (کنزالایمان، ص:۷۱۷)

آپ ملاحظہ کررہے ہیں کہ پچھلی آیت کریمہ کے مطلق ترجمہ سے جو قباحت لازم آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ ناقابل انکار دلائل وشواہد اور مستند مصادر ومراجع کی روشنی میں ثابت شدہ عقیدۂ شفاعت کی روح بری طرح متاثر ہورہی ہے۔ اب آیئے ذرا دیکھیے کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے قلمی جولانیوں نے کس طرح قرآن کریم کو تناقضات کی زد سے بھی بچالیا ہے اور عقیدۂ شفاعت کی نفی سے بھی۔

’’اور نہ کافر کے لیے کوئی شفاعت مانی جائے گی۔‘‘

(کنزالایمان، ص:۱۳)

ادب واحترام:

اطاعت اور احترام کے درمیان بڑا گہرا رشتہ ہے۔ جس کی اطاعت مقصود ہو، اس کے حوالے سے ادب واحترام نہ ہو اطاعت کا حق ادا نہیں ہوسکتا، یہ بات کہنے کی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری مطلوبِ اسلام ہے۔ اس کے بغیر نہ تو دنیا بہتر بنائی جاسکتی ہے اور نہ ہی اخروی نجات وفلاح کی امید کی جاسکتی ہے۔

اس پہلو سے جب ہم ’’کنزالایمان‘‘ پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو پورے یقین ووثوق کے ساتھ کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے اردو مترجمین کے درمیان ممتاز ہیں۔ انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے خالق کائنات کا ادب واحترام بھی ملحوظ رکھا ہے اور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ کی تعظیم وتوقیر بھی پیش نگاہ رکھی ہے۔ لگے ہاتھوں دوچار مثالیں دیکھتے چلیے۔

☆ اللہ رب العزت کفار ومشرکین کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

’’ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ‘‘

(قرآن کریم، سورت:۳، آیت:۵۴)

یہاں پر اللہ رب العزت نے جو لفظ کفار ومشرکین کی ریشہ دوانیوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، بعینہٖ اسی لفظ کا استعمال اپنے لیے بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بارگاہ الٰہی کے آداب سے واقف نہیں ہیں، انہوں نے صرف الفاظ وبیان پر نگاہ کرتے ہوئے ایسے الفاظ میں متذکرہ آیت کریمہ کا ترجمہ کیا ہے، جو نہایت ہی تشویشناک ہے۔ ذوق سماعت سے معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی عبارت پڑھنے سے پہلے چند تراجم پر سرسری نگاہ ڈال لیجیے۔

مولوی شاہ رفیع الدین نے یوں ترجمہ کیا ہے:

’’ اور مکر کیا انہوں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ بہتر ہے مکر کرنے والوں کا۔‘‘

(رفیع الشان: شاہ رفیع الدین، ص:۲۰۰، تاج کمپنی کراچی)

مولوی شاہ عبدالقادر نے اس طرح لکھا ہے؛

''اور فریب کیا کافروں نے اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔''

(ترجمۂ قرآن، ص: ۵۳)

مولوی ڈپٹی نذیر احمد نے ترجمہ کرتے ہوئے کہا؛

''اور وہ چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) چال چلا اور خدا خوب چال چلنے والا ہے۔''

(غرائب القرآن، ص: ۸۱، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مطبع قاسمی، دہلی)

اب آیئے متذکرہ آیت کریمہ کا ترجمہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تسنیم وکوثر میں ڈھلی ہوئی پاکیزہ زبان میں سماعت کیجیے؛

'' اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔ ''

(کنزالایمان، ص:۸۳)

ماتھے کی آنکھوں سے پڑھیے اور محسوس کیجیے کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے بارگاہ الٰہی کے آداب بجالاتے ہوئے کس قدر خوبصورت لب و لہجے میں ترجمہ کیا ہے۔ اور خیال رہے کہ یہ صرف خوبصورت لب و لہجے میں ترجمہ ہی نہیں ہے، بلکہ امہات تفاسیر کے آئینے میں قرآن کریم کے واقعی مفہوم کی وضاحت بھی ہے۔

☆ اسی پس منظر میں ایک اور آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے؛

'' إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ''

(قرآن کریم، سورت:۴، آیت:۱۴۲)

مولوی وحید الزماں نے متذکرہ آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے؛

''منافق سمجھتے ہیں کہ (وہ) اللہ کو فریب دیتے ہیں اور (یہ نہیں جانتے) کہ اللہ ان کو فریب دے رہا ہے۔''

(تبویب القرآن: مولوی وحید الزماں، ص:۴۴۸، ادارہ محمدیہ لاہور)

مولوی محمود الحسن دیوبندی نے کچھ اس طرح کہا ہے؛

''البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہ ہی ان کو دغا دے گا۔'' (تفسیر عثمانی، ص:۱۳۲)

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں؛

''یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔''

(تفہیم القرآن، ج: اول، ص:۲۷۷)

مولوی فیروزالدین روحی کہتے ہیں؛

''بے شک منافق چال چلتے ہیں اللہ سے اور وہی ان سے چال چلنے والا ہے۔''

(ترجمہ قرآن: مولوی فیروز الدین روحی، ص:۱۵۹، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور)

یہ بات کہنے کی نہیں کہ دھوکہ وفریب کسی بھی معاشرے میں مستحسن نہیں سمجھا جاتا ہے، بلکہ اسے عزت ووقار، تہذیب وتمدن اور تقویٰ وپرہیزگاری کے صریح خلاف شمار کیا جاتا ہے۔ سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ متذکرہ بالا سارے مترجمین نے دن کے اجالے میں کس طرح ''فریب'' کی نسبت خالق کائنات کی ہے؟

اب ذرا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے لب و لہجے میں متذکرہ آیت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے؛

''بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔''

(کنزالایمان، ص:۱۴۷)

☆ عام مترجمین نے انبیائے کرام کی شان میں گستاخانہ لب و لہجے تک روا رکھے ہیں۔ مثال کے لیے یہ آیت کریمہ پڑھیے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام سے مخاطب ہونے کی تصویر کھینچی گئی ہے۔

'' قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ''

(قرآن کریم، سورت: ۱۲، آیت:۹۵)

مولوی وحیدالزماں متذکرہ آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

'' وہ کہنے لگے، خدا کی قسم تو تو اسی اپنے خبط میں ہے۔''

(تبویب القرآن: مولوی وحیدالزماں، ص:۸۴۲)

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں؛

'' گھر کے لوگ بولے خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔''

(تفہیم القرآن، ج:۲، ص:۴۲۹)

مولوی فیروزالدین روحی لکھتے ہیں؛

''وہ کہنے لگے قسم اللہ کی تو تو البتہ اپنی پرانی بھول میں ہے۔''

(ترجمۂ قرآن، ص:۳۹۲)

مولوی امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں؛

''لوگ بولے کہ خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے پرانے خبط میں مبتلا ہیں۔''

(تدبر القرآن : مولوی امین احسن اصلاحی، ج:۲، ص:۴۸۱، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، پاکستان)

آپ ماتھے کی آنکھ سے ایک معزز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہنے والے جملہ کا ترجمہ ملاحظہ فرما رہے ہیں، جو نہایت ہی بازاری اور ادب واحترام سے کوسوں دور ہے۔ خیال رہے کہ یہ وہ بات ہے، جو بیٹے اپنے والد گرامی سے کر رہے ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے لیے ''خبطی، خبط میں پڑے، پرانی بھول میں'' جیسے الفاظ استعمال کرے؟ متذکرہ مترجمین نے ایک لمحہ کے لیے یہ بھی نہ سوچا کہ جو لفظ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لیے استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں، وہ ایک نبی معظم کے لیے اور وہ بھی بیٹوں کی طرف سے باپ کے لیے کیوں کر روا سمجھا جا سکتا ہے؟

بہر کیف، آیئے فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی مؤدب فکر کے انوار ملاحظہ فرمایئے؛

'' بیٹے بولے، خدا کی قسم، آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔''

(کنزالایمان، ص:۳۴۹)

☆ زیر بحث حوالے سے ایک مثال اور ملاحظہ فرمایئے:

'' **يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا**''

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۰۴)

آگے بڑھنے سے پہلے متذکرہ آیت کریمہ کا ترجمہ دوسرے مترجمین کی زبان سے سماعت کر لیجیے، تا کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ادب واحترام کی نزاکت کا لطف بہ آسانی محسوس کر سکیں۔

مولوی ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں؛

''مسلمانو! (پیغمبر کے ساتھ) راعنا کہہ کر خطاب نہ کیا کرو، بلکہ انظرنا کہا کرو اور (دھیان لگا کر) سنتے رہا کرو۔''

(غرائب القرآن، ص:۲۴)

مولوی محمود حسن دیوبندی کہتے ہیں؛

''اے ایمان والو! تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو۔''

(تفسیر عثمانی، ص:۲۰)

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں؛

'' اے ایمان لانے والو! راعنا نہ کہا کرو، بلکہ انظرنا کہو اور توجہ سے بات کو سنو۔'' (تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۱۰۰)

اب ذرا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے مؤدب قلم کی جولانی ملاحظہ فرمایئے؛

'' اے ایمان والو، راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو، حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بہ غور سنو۔'' (کنزالایمان، ص:۲۴)

اسلوب بیان:

اسلوب بیان دو طرح کے ہوتے ہیں؛ ایک تحریری اور دوسرا تقریری۔ دونوں طرح کے اسالیب میں فرق ہوتا ہے۔ تحریری بیان میں بہت حد تک جملے باہم مربوط ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے

جڑتے ہوئے مفہوم ادا کرتے ہیں، جب کہ تقریری اسلوب میں سامعین کی رعایت سے بات کی جاتی ہے اور موقع کی مناسبت سے ارسال مفہوم ہوتا ہے، اس لیے یہاں جملوں میں ارتباط نہیں ہوتے۔ اس پس منظر میں جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کریم کہیں تو براہ راست مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہے اور کہیں بظاہر خطاب آپ سے ہے، تاہم مقصود بیان میں مخاطب ملت اسلامیہ اور صحابہ کرام ہیں۔ کہیں قصص وروایات بیان کیے جارہے ہیں، کہیں دعوت غور وفکر دی جارہی ہے، کہیں شرعی ضابطے بیان کیے جارہے ہیں، کہیں غیروں کی مذمت کی جارہی ہے، کہیں دردناک عذاب کے ہولناک تصویر کھینچی جارہی ہے اور کہیں جنت کی آسائش وراحت کے جلوے دکھائے جارہے ہیں۔ اس لیے نہ تو قرآن کریم کے اسلوب کو تحریری کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی تقریری، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ یہ اپنے جداگانہ اسلوب بیان میں روئے زمین پر پائے جانے والے تمام سرمایۂ علم وحکمت کے درمیان ممتاز دکھائی دیتا ہے۔

قرآن کریم کے اسلوب بیان کی یکتائی متقاضی ہے کہ ترجمہ میں بھی کماحقہ نہ سہی، کسی حد تک جداگانہ اسلوب کی جھلک دکھائی دے۔ اس پس منظر میں جب ہم دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اردو مترجمین میں سے بعض آیت کریمہ کے لفظی ترجمہ سے آگے نہیں بڑھے اور بعض ایسے بھی ہیں، جنھوں نے ترجمۂ قرآن کو تحریری اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی اور بے جا اضافہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

☆ مثال کے طور پر یہ آیت کریمہ نگاہوں کے سامنے رکھیے۔

”وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ . ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ“

(قرآن کریم، سورت:۲۲، آیت: ۵)

یہاں دو مثالیں دیکھیے:

الف: مولوی سید شبیر احمد لکھتے ہیں؛

”اور دیکھتے ہو تم، زمین کو کہ سوکھی پڑی ہے۔ پھر جوں ہی برساتے ہیں ہم اس پر پانی تو وہ لہلہا اٹھتی ہے اور پھولنے لگتی ہے اور اگاتی ہے ہر قسم کی خوش منظر نباتات۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو۔ اور یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی، نہیں کوئی شک اس کے آنے میں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا انہیں جو جاچکے ہیں قبروں میں۔“

(اردو ترجمہ: مولوی شبیر احمد، ص:۵۶۸، ۵۶۹، پاکستان)

متذکرہ بالا ترجمۂ قرآن میں آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ زبان میں سلاست وروانی مفقود ہے، جو اردو زبان سے محظوظ ہونے والے طبقہ کے ذوق سلیم پر شاق گزرتا ہے اور آہستہ آہستہ قرآن فہمی کے مقاصد ہی فوت ہوجاتے ہیں۔

ب: مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں؛

”اور اے مخاطب، تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور قیامت آنے والی ہے، اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا۔“

(بیان القرآن، ص:۶۹۷)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں آیت کریمہ کے ترجمہ کو تحریری اسلوب میں ڈھالنے کی وجہ سے بے جا اضافے بھی ہوئے ہیں اور کمیاں بھی رہ گئی ہیں۔ ترجمہ میں ”زوج“ یعنی جوڑے کے مفہوم کے اظہار کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے برحق ہونے کو کسی خاص پہلو میں مقید نہیں کیا گیا ہے، جب کہ

ترجمہ میں لفظ ''ہستی'' کے اضافے سے مفہوم منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ پھر لفظ ''قبر والوں'' سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بات کسی خاص قوم کے حوالے سے ہو رہی ہے، جنہیں قبر والوں سے موسوم کیا گیا ہے، جیسا کہ سورہ کہف میں ''غار والے'' اور سورۂ بروج میں ''اصحاب اخدود'' سورہ اعراف میں ''اصحاب سبت'' وغیرہ کا ذکر ہے، جب کہ مفہوم قرآنی یہ نہیں ہے۔

اب اسے کنزالایمان کے نپے تلے اسلوب میں سنیے؛

''اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی، پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تر و تازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اگا لائی۔ یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ مردے جلائے گا اور یہ کہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اور اس لیے کہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں۔''

(کنزالایمان، ص:۴۸۲)

متذکرہ آیت کے پہلے حصہ میں لفظ ''خشک'' ہے، جس کے بعد کی حالت دکھانے کے لیے ''تروتازہ'' کی تعبیر نہایت ہی پرکشش ہے اور خوبصورت ہے۔ نیز ''اللہ ہی حق ہے'' بلاشبہ قرآنی اسلوب کی بہترین ترجمانی ہے۔ اور پھر ''اللہ اٹھائے گا انہیں، جو قبروں میں ہیں'' کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہاں گفتگو کسی خاص قوم سے نہیں ہو رہی ہے، بلکہ ہر وہ شخص جو قبر میں ہے، اس کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو جائے گا، ٹھیک اسی طرح جیسے ہمارے آئے دن کے مشاہدہ میں ہے کہ ایک مردہ زمین دوبارہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔

☆ حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو کی ہوئی نصیحت قرآن کریم کے الفاظ میں یوں ہے۔

''يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ. وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ. وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ''

(قرآن کریم، سورت:۳۱ ،آیت: ۱۷،۱۸،۱۹)

فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ ترجمہ کرتے ہیں:

''اے میرے بیٹے، نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے، اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔ اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسار کج نہ کر اور زمین پر اتراتا نہ چل، بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا۔ اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر، بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی۔''

(کنزالایمان، ص:۵۹۸)

زبان میں سلاست و روانی کے جلوے محسوس کیجیے۔ یہ اسلوب بیان نہ تو پورے طور پر تقریری کہے جانے قابل ہے اور نہ ہی تحریری، بلکہ اسے میں ''قرآنی اسلوب بیان'' کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ متذکرہ بالا ترجمہ پورے طور پر مربوط بھی ہے اور اس میں کوئی بے جا اضافہ بھی نہیں ہے۔ اسے کہتے ہیں فن تعبیر و بیان پر یکتائے روزگار قدرت، جو خال خال ہی کسی کے حصہ میں آتی ہے۔

صوتی نغمگی:

ادنی شک وشبہ نہیں کہ قرآن مقدس صوتی نغمگی کے اعتبار سے بھی یکتائے روزگار ہے۔ خوبصورت لب و لہجے میں لحن کے ساتھ تلاوت قرآن کی آواز سے دلوں میں سکون واطمینان کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے، جو الفاظ و بیان کی تعبیر میں نہیں سما سکتی۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ یہ لطف اسے بھی حاصل ہوتا ہے، جو عربی زبان سے واقف ہے اور پورے طور پر قرآن کے اسرار و رموز سمجھ رہا ہے اور اسے بھی، جو عربی زبان کے ایک لفظ کا مطلب بھی نہیں سمجھ رہا ہے۔

ویسے تو قرآن کی صوتی نغمگی بھی معجزہ ہے اور اس کی ترجمانی

کسی دوسری زبان میں نہیں کی جاسکتی، تاہم یہ کہنا حقیقت سے قریب تر ہے کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے ترجمۂ قرآن کرتے ہوئے صوتی نغمگی برقرار رکھنے کی سنجیدہ کوشش کی ہے اور بہت حد تک وہ اس میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ لگے ہاتھوں ایک دو مثالیں سماعت کرلیں۔

الف: سورۂ تکویر کی یہ آیات قرآنیہ پڑھیے۔

"إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ. وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ. وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ. وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ. وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ. وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ. وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ. بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ. وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ. وَإِذَا السَّمَاء كُشِطَتْ. وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ. وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ. عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ. فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ. الْجَوَارِ الْكُنَّسِ. وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ. وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ"

(قرآن کریم، سورت:۸۱ ، آیات:۱۔۱۷)

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ ترجمہ کرتے ہیں؛

"جب دھوپ لپیٹی جائے۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں۔ اور جب تھکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں۔ اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں۔ اور جب سمندر سلگائے جائیں۔ اور جب جانوں کے جوڑ بنیں۔ اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے۔ کس خطا پر ماری گئی۔ اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں۔ اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے۔ اور جب جہنم بھڑکایا جائے۔ اور جب جنت پاس لائی جائے۔ ہر جان کو معلوم ہوجائے گا جو حاضر لائی۔ تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں۔ سیدھے چلیں تھم رہیں۔ اور رات کی جب پیٹھ دے۔ اور صبح کی جب دم لے۔" (کنز الایمان، ص:۸۵۴)

یہاں یہ نکتہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جس کی طرف پروفیسر دلاور خاں نے اشارہ کیا ہے۔ موصوف اپنے ایک مقالہ میں رقمطراز ہیں۔

"ادبی پہلو کی ایک اور جہت سے اس ترجمے کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں محاورات کا استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً الٹے پھرنا، پیٹھ دینا اور دم لینا۔ ان محاورات کے استعمال سے الفاظ کے معنیٰ بھی ہوگئے اور عبارت کا تسلسل بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ آپ نے الفاظ اور محاورے کے حسین امتزاج سے ترجمے کے حسن کو دوبالا کردیا۔"

(معارف رضا، شمارہ نومبر ۲۰۱۲ء، ص:۷)

ب: سورۂ نازعات سے ایک اور مثال دیکھیے؛

"وَالنَّازِعَاتِ غَرْقاً. وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطاً. وَالسَّابِحَاتِ سَبْحاً. فَالسَّابِقَاتِ سَبْقاً. فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْراً. يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ. تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ. قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ. أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ"

(قرآن کریم، سورت:۷۹، آیات: ۱۔۹)

"قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں۔ اور نرمی سے بند کھولیں، اور آسانی سے پیریں۔ پھر آگے بڑھ کر جلد پہونچیں۔ پھر کام کی تدبیریں کریں۔ کہ کافروں پر ضرور عذاب ہوگا جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔ اس کے پیچھے آئے گی آنے والی۔ کتنے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔ آنکھ اوپر نہ اٹھا سکیں گے۔"

(کنز الایمان، ص:۸۵۰)

ج: سورۂ مدثر کی یہ آیات دیکھیے؛

"يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ہ قُمْ فَأَنذِرْ ہ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ہ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ہ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ہ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ"

(قرآن کریم، سورت:۷۴، آیات:۱۔۷)

''اے بالا پوش اوڑھنے والے۔ کھڑے ہو جاؤ۔ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور بتوں سے دور رہو۔ اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو۔ اور اپنے رب کے لیے صبر کیے رہو۔'' (کنزالایمان، ص:۸۳۷)

د: سورۂ واللیل کی یہ آیت کریمہ پڑھیے:

''وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ٥ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ٥ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ٥ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى''

(قرآن کریم، سورت:۹۲، آیات:۴۔۱)

''اور رات کی قسم جب چھائے۔ اور دن کی قسم جب چمکے۔ اور اس کی قسم جس نے نر و مادہ بنائے۔ بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے۔'' (کنزالایمان، ص:۸۶۸)

اگر خوف طوالت دامن گیر نہ ہوتا تو اس طرح کی دسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی تھیں، جن سے یہ حقیقت دوپہر کی دھوپ کی طرح عیاں ہوجاتی کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے صوتی نغمگی پر مشتمل آیات قرآنیہ کے ترجمے میں کوشش کی ہے کہ حسن و ترنم کسی حد تک قائم رہ جائے۔ اس طرح انہوں نے ایک جانب مفہوم قرآن کی وضاحت بھی کردی اور دوسری جانب دلوں میں کیف و سرور پیدا کرنے والے مترنم اسلوب کے تقاضے بھی سلامت رکھے۔

اختصار و جامعیت:

زبان و بیان کی نزاکتوں کے پیمانے متعین کرتے ہوئے اہل عرب یہ کہتے ہیں کہ ''خیر الکلام ماقل ودل'' یعنی سب سے بہترین بیان وہ ہے، جو مختصر بھی ہو اور جامع بھی۔ اس حوالے سے کنزالایمان پر ویسے تو بہتوں نے روشنی ڈالی ہے، تاہم والد گرامی علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے جس انداز میں سیر حاصل بحث کی ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ حصول خیر و برکت کے لیے بھی اور اس لیے بھی کہ گو وہ ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن ان کے علمی فیضان کی جھلک کسی طرح ''پیغام شریعت'' کے ''مصنف اعظم نمبر'' میں شامل ہو جائے، تو میرے خیال میں یہ قبر میں ان کے لیے سامان فرحت و انبساط بن جائے گا کہ بریلی کی جس ذات گرامی کے دینی سرمایہ کے تحفظ کے لیے ساری زندگی وہ جد و جہد کرتے رہے، وصال کے بعد بھی ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک سبیل نکل آئی ہے۔

والد گرامی علیہ الرحمہ نے یہ مقالہ کراچی میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی امام احمد رضا کانفرنس میں پڑھا تھا۔ آپ لکھتے ہیں:

''اس رخ سے اب تک کنزالایمان کے محاسن کا جائزہ نہیں لیا گیا تھا، آج پہلی بار میں اس رخ سے نقاب اٹھا رہا ہوں۔ آنے والی مثالوں سے آپ اچھی طرح اندازہ لگالیں گے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کو تعبیر پر حیرت انگیز قدرت کے ساتھ ساتھ ایجاز کے فن میں بھی کتنی دسترس حاصل ہے۔ اس سلسلے میں کنزالایمان سے ہم نے پچیس آیتوں کا انتخاب کیا ہے، جن میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ترجمے کے ساتھ مولانا تھانوی کے ترجمے کا بھی ایک تقابلی خاکہ پیش کیا ہے تاکہ آپ اس آئینے میں امام احمد رضا کے خداداد ہنر کا جلوہ دیکھ سکیں۔'' (تجلیات رضا، ص:۵۴)

خیال رہے کہ ''مصنف اعظم نمبر'' کے صفحات محدود ہیں، لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ تمام پچیس مثالیں یہاں پیش کی جاسکیں، اس لیے متذکرہ محاسن کی ایک جھلک دکھانے کے لیے صرف پانچ مثالیں پیش کر رہا ہوں۔ جو لوگ مزید مثالیں دیکھنا چاہیں، ان سے درخواست ہے کہ وہ والد گرامی قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا مقالہ پڑھنے کی سعادت حاصل کریں، جو میری ترتیب شدہ کتاب ''تجلیاتِ رضا'' میں شامل ہے۔

حروف کی تعداد:

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ. ۱۴

ترجمۂ رضویہ: وہی نقصان میں ہیں۔ ۱۴

ترجمۂ تھانویہ: پس یہی لوگ پورے خسارے میں پڑنے

والے ہیں۔ ۳۱

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۷)

وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ. ۱۷

ترجمۂ رضویہ: اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔ ۱۷

ترجمۂ تھانویہ: اور یہی لوگ ہیں، جن کی حقیقت تک رسائی ہوگئی۔ ۳۳

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۵۷)

یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ. ۳۶

ترجمۂ رضویہ: اے ایمان والوصبر اور نماز سے مدد چاہو۔۳۰

ترجمۂ تھانویہ: اے ایمان والوصبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔ ۳۵

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۵۳)

وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ. ۲۳

ترجمۂ رضویہ: اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔۲۱

ترجمۂ تھانویہ: اور رزق تو اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے اندازہ دیتے ہیں۔ ۴۳

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۱۲)

وَاللّٰهُ یَهْدِي مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. ۲۸

ترجمۂ رضویہ: اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔۲۸

ترجمۂ تھانویہ: اور اللہ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتاتے ہیں۔ ۳۴

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۲۱۳)

آپ محسوس کر رہے ہیں کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی مختصر کلمات میں ترجمہ کیا ہے، تاہم اس کے باوجود مفہوم قرآن آفتاب نیم روز کی طرح پورے طور پر اجالے میں آ گیا ہے۔ اسے کہتے ہیں تعبیر و بیان پر خداداد قدرت وصلاحیت، جس کے سہارے فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ پورے ترجمۂ قرآن میں عرفان وآگہی، علم وحکمت اور فکر وتدبر کے موتی لٹاتے رہے۔

معنویت ومقصدیت:

یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ نزول قرآن کریم کا اولین نشانہ ہی یہ ہے کہ دنیا وآخرت کی واقعی حقیقت سے لوگوں کو روشناس کرادیا جائے، تاکہ وہ اپنے خالق حقیقی سے اچھی طرح واقف ہوجائیں اور اسی کے احکامات کی روشنی میں شب وروز گزاریں۔ اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت سے مطلوب یہ ہے کہ معنویت ومقصدیت پورے طور پر واضح ہوجائے۔

اب ذرا آیئے، اس پس منظر میں کنزالایمان پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال لیتے ہیں۔

☆ سورۂ بقرہ کی ابتدا میں اللہ رب العزت فرماتا ہے؛

" ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْه. "

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت: ۲)

یہاں "ذلک الکتاب" کا ترجمہ کچھ اردو مترجمین نے "وہ کتاب" کیا ہے۔ جیسے

محدث اعظم کچھوچھوی سید احمد علیہ الرحمہ ترجمہ کرتے ہیں؛

"وہ کتاب، کسی قسم کا شک نہیں جس میں"

(معارف القرآن، محدث اعظم کچھوچھوی، ص:۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، پاکستان)

یہ درست ہے کہ لفظ "ذلک" ضابطۂ عربی کے مطابق اشارہ بعید کے لیے ہے، جس کا مفہوم ہے "وہ"۔ یہی وجہ ہے کہ عام اردو مترجمین نے اس آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہوئے "وہ کتاب" لکھا ہے، جو لغت کی روشنی میں غلط نہیں ہے، تاہم یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس سے مراد قرآن کریم ہے اور وہ دور بھی نہیں، بلکہ نہایت ہی قریب ہے، تو پھر اس کا استعمال کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟

اس بدیہی اعتراض سے بچنے کے لیے بعض اردو مترجمین نے

اس کا ترجمہ ''اس کتاب'' یا ''یہ کتاب'' کیا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے؛

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں؛

''یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں''

(تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۴۹)

مولوی محمودالحسن ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

''اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔''

(تفسیر عثمانی، ص:۳)

مولوی اشرف علی تھانوی کہتے ہیں؛

''یہ کتاب ایسی ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔''

(بیان القرآن، ص:۳)

توجہ رہے کہ خواہ ''وہ کتاب'' کہیے یا ''یہ کتاب'' دونوں صورتوں میں قباحت لازم آتی ہے، پہلی صورت میں لغت کے اعتبار سے کوئی نقص نہیں، تاہم معنوی مراد بے جوڑ دکھائی دیتا ہے، جب کہ دوسری صورت لغت کے مفہوم ومعنیٰ سے صریح متصادم ہے۔ یہاں پہنچ کر بارگاہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ میں سجود نیاز لٹانے کو جی چاہتا ہے کہ آپ نے ایسی درمیانی راہ نکالی ہے، جس سے دونوں قباحتیں دور ہوجاتی ہیں۔ یقین نہیں آتا تو عبقریت رضا کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔ آپ ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

''وہ بلند رتبہ کتاب، کوئی شک کی جگہ نہیں''

(کنزالایمان، ص:۳)

☆ سورۂ بقرہ کی یہ آیت ملاحظہ کیجیے؛

''إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ''

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۶)

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے؛

''بے شک جو کافر ہو چکے ہوں، برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

(بیان القرآن، ص:۴)

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں؛

''جن لوگوں نے ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، ان کے لیے یکساں ہے خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو، بہرحال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔'' (تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۵۲)

مولوی فتح احمد جالندھری کہتے ہیں؛

'' جو لوگ کافر ہیں، انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو، ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں لانے کے۔''

(ترجمہ قرآن، ص:۲، تاج کمپنی، کراچی)

آپ ماتھے کی آنکھ سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ متذکرہ مترجمین نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، اس کا نچوڑ یہ ہے کہ کافروں کو خبردار کیا جائے یا نہ کیا جائے، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ کافر پیغام اسلام کو قبول نہیں کریں گے، جب کہ ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ لوگ دعوت اسلام کے نتیجے میں حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہے۔ اندازہ لگائیے کہ متذکرہ ترجمہ کے نتیجے میں قرآن پر کس قدر صریح تضاد لازم آرہا ہے۔ اور پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ جب دعوت اسلام کے نتیجے میں کفار صراط مستقیم سے آشنا ہو ہی نہیں سکتے، تو پھر پیغمبر اسلام کی آمد کیوں ہو رہی ہے اور کیوں ہم پر پیغام اسلام کے نشر و اشاعت کی ذمہ داری ڈالی جارہی ہے؟

اب آئیے ذرا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی زبانی سنتے ہیں؛

''بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے، انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان لانے کے نہیں۔''

(کنزالایمان، ص:۵)

دل پر ہاتھ رکھ کر غور کیجیے کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے بعد دونوں اعتراضات ہوا ہوگئے، نہ تو کروروں خوش

نصیبوں کے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آئی اور نہ ہی دعوت وتبلیغ کے نظام پر کوئی حرف آیا۔ جولوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے، وہ اس لیے کہ ان کی قسمت میں کفر پر مرنا نہیں تھا اور جو ہزار فہمائش ونصیحت کے باوجود نور اسلام سے اپنے دلوں کو منور نہ کر سکے، وہ اس لیے کہ ان کی قسمت میں کفر وضلالت کا اندھیرا ہی تھا۔

☆ سورہ اعلیٰ کی یہ آیت کریمہ دیکھیے:

" وَالَّذِیْ أَخْرَجَ الْمَرْعٰى ہ فَجَعَلَهٗ غُثَاءً أَحْوٰى "

(قرآن کریم، سورت: ۸۷ آیات: ۴،۵)

مولوی امین احسن اصلاحی ترجمہ کرتے ہیں:

''اور جس نے نباتات اگائیں، پھر ان کو گھنی سرسبز وشاداب بنادیا'' (تدبر قرآن، ج:۹، ص:۳۱۱)

پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

'' غثاء احوی '' کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے کالا کوڑا یا سیاہ خس وخاشاک کیا ہے، لیکن عربی میں '' غثاء '' تو بے شک جھاگ اور خس وخاشاک کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن '' احوی '' ہرگز اس سیاہی کے لیے نہیں آتا جو کسی شئ میں اس کی کہنگی، بوسیدگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے، بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لیے آتا ہے جو کسی شئ پر اس کی تازگی، شادابی، زرخیزی اور جوش نمو کے سبب سے نمایاں ہوتی ہے۔''

(نفس مصدر)

مولوی شاہ رفیع الدین دہلوی کہتے ہیں

''اور جس نے نکالا چارہ پس کر دیا اس کو کوڑا سیاہ ''

(رفیع الشان، ص:۷۱۹)

مولوی نواب وحید الزماں لکھتے ہیں:

'' اور جس نے جانوروں کے لیے چارہ نکالا پھر اس کو سکھا کر کوڑا بنادیا کالا کر دیا '' (تبویب القرآن، ص: ۶۱۶)

مولوی عبد الماجد دریا آبادی کہتے ہیں:

''اور جس نے چارہ زمین سے نکالا پھر اسے سیاہ کوڑا کر دیا''

(ترجمہ قرآن، ص:۵۰۵)

امہات تفاسیر پر نگاہ رکھنے والوں سے یہ حقیقت چھپی نہیں رہتی کہ متذکرہ بالا آیات سے مقصود جانوروں کے لیے خشک غذا کی فراہمی ہے، جب کہ پہلے ترجمہ سے یہ مفہوم ظاہر ہی نہیں ہو رہا ہے۔ رہے دوسرے ترجمے، تو گو کہ ان سے مدعائے سخن کی کسی حد تک وضاحت ہو رہی ہے، تاہم تعبیر کے لیے نہایت ہی بازاری زبان استعمال کی گئی ہے۔ کیا یہ بھی کہنے کی بات ہے کہ ایک دوسرے کے لیے ''کوڑا کر دیا'' جیسے جملے ہماری تہذیب میں ادب واحترام سے گرے ہوئے سمجھے جاتے ہیں، چہ جائے کہ اس کی نسبت خالق کائنات کی طرف کی جائے۔

اب آیئے اور فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی خوبصورت تعبیر میں اسے سنتے ہیں:

''اور جس نے چارہ نکالا، پھر اسے خشک سیاہ کر دیا۔''

(کنز الایمان، ص:۸۶۲)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں سیاق وسباق کی رعایت بھی ہے اور شان الوہیت کا پاس بھی، فکر ونظر کی گہرائی بھی اور خیال کی بلندی بھی........اور اسلوب بیان کی چاشنی بھی اور زبان کی برجستگی بھی۔

☆ سورۂ جن کی یہ آیت کریمہ دیکھیے:

" فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَداً "

(قرآن کریم، سورت:۷۲، آیت:۱۸)

متذکرہ آیت کریمہ میں ''تدعوا'' کا مادہ ''دعا یدعو'' ہے، جس کے لغوی معنی عبادت کرنے کے بھی آتے ہیں اور ایک دوسرے کو پکارنے کے بھی، تاہم اکثر مترجمین نے یہاں پر ''پکارنے'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جو لغوی اعتبار سے بھلے ہی درست کہا جا سکتا ہے، تاہم سیاق وسباق اور معنوی اعتبار سے بہت ہی بے

جوڑ ہے۔ مثال کے طور پر مولوی محمود الحسن لکھتے ہیں؛

''سومت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو''

(ترجمہ قرآن، ص:۷۶۰)

مولوی شاہ رفیع الدین لکھتے ہیں؛

''پس مت پکارو ساتھ اللہ کے کسی کو۔''

(ترجمہ قرآن ،ص:۶۹۶)

آپ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ یہاں پر لفظ ''پکارنے'' کی تعبیر سے بات ناقابل فہم ہوگئی ہے، اس لیے کہ کسی کو پکارنا اسلامی شریعت کی روشنی میں غلط نہیں ہے۔ ہم آئے دن ایک دوسرے کو پکارتے رہتے ہیں اور روئے زمین کا بڑے سے بڑا عالم بھی اسے ناجائز وحرام نہیں کہتا۔ پھر کسی کو پکارنا علیحدہ ہو، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو، بہر کیف کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیا ہم یہ نہیں کہتے کہ ''خدارا خالد میری بات سنو'' اب یہاں دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خالد کو بھی پکارا جارہا ہے اور یہ تعبیر بھی ناجائز وحرام نہیں ہے۔

اب ذرا سیاق وسباق پر غور کریں تو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ یہاں ''تدعوا'' سے مراد پکارنا نہیں ہے، بلکہ عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے دانستہ طور پر اس سے 'عبادت' مراد لیا ہے، تاکہ قرآن کریم کی معنویت اور مقصدیت بھی فوت نہ ہونے پائے اور مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہو جائے۔

'' تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو''

(کنز الایمان، ص:۸۳۴)

ضابطۂ اسلامی:

قرآن کریم میں جگہ جگہ فقہی مسائل کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے۔ اس لیے اگر ترجمہ قرآن کرنے والا فقہی اسرار ورموز سے پوری طرح واقفیت نہ رکھے، تو فقہی مسائل سے متعلق آیات قرآنیہ کے مفاہیم ومطالب کی دوسرے زبان میں درست منتقلی ممکن نہیں ہے۔ اس پس منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے شرعی ضابطوں کی وضاحت کا بہت خیال رکھا ہے۔

متذکرہ حوالے سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

الف: سورۂ معارج کی یہ آیت کریمہ پڑھیے:

''فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَاءَ ذٰلِکَ فَأُولٰئِکَ هُمُ الْعَادُونَ''

(قرآن کریم، سورت:۷۰، آیت:۳۱)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں؛

''ہاں، جو اس کے علاوہ طلب گار ہو، ایسے ہی لوگ حد سے نکلنے والے ہیں۔'' (بیان القرآن، ص:۸۶۵)

مولوی محمود الحسن لکھتے ہیں؛

''پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوائے سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے۔'' (ترجمہ قرآن، ص:۷۵۴)

اور امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں؛

''تو جو ان دو کے سوا اور چاہے، وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔'' (کنز الایمان، ص:۸۲۸)

خیال رہے کہ اللہ رب العزت نے متذکرہ بالا آیت سے پہلے دو طرح کی عورتوں سے ہم بستری جائز قرار دی ہے: پہلی منکوحہ عورتیں اور دوسری باندیاں۔ اسی سے متصل یہ آیت کریمہ ہے۔ آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ دونوں مترجمین نے اس ڈھنگ سے ترجمہ کیا ہے، جس سے قطعی واضح نہیں ہوتا کہ یہ کس پس منظر میں ہے اور کس بات سے منع کیا جارہا ہے، تاہم فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے اپنے ترجمہ میں ''دو'' کا اضافہ کرکے ایک جانب پوری وضاحت کے ساتھ حصر کردیا ہے اور دوسری طرف اشارہ بھی کردیا ہے کہ مؤمنین کو کس بات سے روکا جارہا ہے۔ نیز خموش لب ولہجے میں یہ اشارہ بھی ہورہا ہے کہ ازدواجی زندگی کے لیے ''نکاح متعہ'' کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا گیا ہے۔

ب: سورۂ بقرہ کی یہ آیت کریمہ پڑھیے؛

'' وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰه ''

(قرآن کریم، سورت:۲، آیت:۱۷۳)

مولوی محمود الحسن لکھتے ہیں؛

''اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔''

(ترجمہ قرآن، ص:۳۲)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں؛

''اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔''

(بیان القرآن، ص:۵۲)

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں؛

''اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ، جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۱۳۵)

آگے بڑھنے سے پہلے از راہ کرم غیر جانبداری کے ساتھ ذرا تینوں ترجموں پر غور کر لیجیے۔ مولوی محمود الحسن کے ترجمہ کے مطابق جس جانور پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لے لیا جائے، وہ کھانے کے لیے حلال نہیں ہے۔ اس وضاحت سے تو پھر پالتو جانوروں کے نام نہیں رکھے جاسکتے۔ اس لیے کہ نام رکھ لینے کے بعد اسے پکارا بھی اسی نام سے جائے گا۔ تو کیا معاذ اللہ اسے ''اللہ'' کہہ کر پکارا جائے؟

اسی طرح دوسرے ترجمہ سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جو مویشی ہم قربانی کے لیے گھر لائیں اور کسی کے استفسار پر کہہ پڑیں کہ یہ ابو کا بکرا ہے، تو وہ ہم پر حرام ہو جائے گا، اس لیے کہ ہم نے اسے غیر اللہ سے نامزد کر دیا ہے۔ اور موصوف کی وضاحت کے مطابق غیر اللہ سے نامزد کر دینے پر وہ جانور حرام ہو جاتا ہے۔

اور تیسرے ترجمہ میں تو مولوی ابوالاعلیٰ مودودی موضوع بحث سے ہی دور ہو گئے ہیں۔ اب اگر دسترخوان پر کھانا رکھا ہو اور سامنے کھڑے ہو کر یہ کہہ دیا جائے کہ یہ فلاں کا کھانا ہے، تو از روئے ترجمہ یہ کھانا حرام ہو جائے گا، خواہ سبزی، دال اور چاول ہی کیوں نہ ہو؟

اب آیئے فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں:

''اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔''

(کنزالایمان، ص:۳۸)

خدارا ایمان سے بتایئے کہ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی عبارت میں کیا متذکرہ بالا کوئی قباحت دکھائی دے رہی ہے؟ اسے کہتے ہیں مفہوم قرآن کی درست ترین تعبیر۔ یقین نہیں آتا تو یہ آیت کریمہ بھی پڑھیے اور اس سے اگلی پچھلی بھی، آپ محسوس کریں گے کہ سیاق وسباق سے اچھی طرح واضح ہو رہا ہے کہ یہاں جانوروں کے گوشت کی حرمت وحلت کے حوالے سے بات ہو رہی ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ مردار جانور، خون، خنزیر اور ایسے جانور جن پر غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا نام کسی جانور پر لے لیا جائے اور اسے ذبح نہ کیا جائے، تو وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لیے چار و ناچار تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہاں بات عام حالات میں اللہ یا غیر اللہ کے نام لینے کی نہیں ہو رہی ہے، بلکہ ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لے کر کسی اور کا نام لے کر ذبح کرنے کے بارے میں ہی ہو رہی ہے۔ اتنی وضاحت کے بعد اس اعتراف حقیقت سے کوئی نہیں روک سکتا کہ دنیائے فقہ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ قرآن کا علمی تفوق دوپہر کی دھوپ کی طرح روشن وتابناک دکھائی دیتا ہے۔

خیال تو تھا کہ کچھ دیر مزید اسی نورانی سائے میں اوقات گزر جاتے، تاہم ایک طرف تو اشاعت ''مصنف اعظم نمبر'' کی تاریخ قریب ہوتی جا رہی ہے اور دوسری جانب گوناگوں مصروفیات دامن گیر ہیں، اس لیے اب قلم روکنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ اعتراف بھی ہے کہ گرچہ یہ چند صفحات محاسن کنزالایمان اور اس کی خصوصیات وامتیازات کی نشاندہی کا حق ادا نہیں کر سکتے، تاہم یہ تو ہے کہ اس طرح مجھے بارگاہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ میں اپنی عقیدت ومحبت کا خراج پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوگئی۔ میرے لیے یہ توشۂ آخرت بھی کسی طور کم نہیں۔

امام احمد رضا اور علم تجوید و قرأت

مقالہ نگار

مولانا محمد اکبر علی برکاتی (جالون: یوپی)

حضرت مولانا محمد اکبر علی برکاتی بن محمد اصغر علی برکاتی الملقب بہ ''استاذ'' نومبر ۱۹۷۲ء میں موضع باگی، کدورہ، تحصیل کالپی شریف (ضلع جالون: یوپی) پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ حفظ قرآن کریم کی تکمیل مدرسہ غوثیہ (کدورہ : جالون) میں کی۔ درس نظامی کے ابتدائی درجات کی تعلیم دارالعلوم محمدیہ (خانقاہ محمدیہ کالپی شریف) میں پائی، پھر مخدوم شاہ اعلیٰ قدرتیہ (کانپور)، اور جامعہ شکوریہ (بلہور: کانپور) میں متوسط درجات کی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم افضل المدارس (الہ آباد) میں اعلیٰ درجات وفضیلت تک کی تعلیم حاصل کی، اور وہیں سے ۱۹۹۸ء میں تعلیمی فراغت حاصل کی۔ بلہور میں حضرت محمد قاری انوار صاحب قبلہ دام ظلہ العالی الہ آبادی سے قرأت کی کتابیں پڑھیں اور مشق بھی کی۔ شیخ العلما مفتی رحمت اللہ قادری بلرامپوری کی سرپرستی میں تعلیمی سفر مکمل فرمایا۔ ابھی جامعہ احسن البرکات (مارہرہ مطہرہ) میں تدریسی خدمات سے منسلک ہیں۔ قریباً نصف درجن کتب ورسائل کے مصنف ہیں۔ ایک درجن سے زائد مضامین ومقالات تحریر فرمائے۔ آپ شاعر بھی ہیں۔ حمد ونعت اور مناقب پر مشتمل منظوم کلام قریباً ایک سوصفحات کو محیط ہے۔

رابطہ نمبر: 9695857823

ضمیمہ: مولانا افروز عالم قادری چریاکوٹی نے لکھا ہے، جن کا تعارف مقالہ اذکار رواد عیہ میں دیکھیں

امام احمد رضا اور فن تجوید و قرات

ترتیل کے ساتھ تلاوت قرآن مجید کا حکم:

اللہ جل مجدہ نے قرآن مقدس میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا:

{یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ: :قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا: : نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا : :اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا} (سورہ مزمل: آیت ۱تا۴)

ترجمہ: اے جھرمٹ مارنے والے! رات میں قیام فرما، سوا کچھ رات کے، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرو، یا اس پر کچھ بڑھالو، اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ (کنزالایمان)

{وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا}

(سورہ فرقان: آیت ۳۲)

ترجمہ: اور کافر بولے قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اتار دیا۔ہم نے یوں ہی بتدریج اسے اتارا کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔

{وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا. (سورہ بنی اسرائیل: آیت ۱۰۶)

ترجمہ: اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

{عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: فصل القرآن من الذکر فوضع فی بیت العزة فی السماء الدنیا فجعل جبرئیل علیه السلام ینزله صلی الله علیه وسلم ویرتله ترتیلا} (المستدرک جلد۲ صفحہ۳۲۲)

ترجمہ: حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: قرآن ذکر سے جدا کر کے آسمان دنیا ''بیت العزت'' میں رکھا گیا۔ وہاں سے سیدنا حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے کر آتے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے۔

درج بالا تینوں آیات کریمہ میں اللہ جل شانہ نے قرآن مقدس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔حدیث پاک سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے، مزید یہ بھی فرمادیا کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے اور تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں حکمت یہ ہے کہ: اے محبوب اس طریقے سے نازل کرنے میں تمہارے دل میں نقش ہوتا جائے گا۔مسلمان بھی یکبارگی احکام کے بوجھ سے اکتاہٹ محسوس نہ کریں گے، بلکہ آہستہ آہستہ تمام احکام پر عمل کرنے کی عادت ہوتی جائے گی۔

اگلی امتوں کی طرح یکبارگی احکام نازل نہ فرمائے کہ انہیں کی طرح مسلمان بھی انکار نہ کر بیٹھیں۔جب آیات وحدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔سیدنا حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ایسا ہی پڑھتے تھے، پھر صحابہ کرام سے بھی ابھی تک تواتر سے ثابت ہے کہ قرآن مقدس ٹھہر کر اور سکون اطمینان سے ہی پڑھنا چاہئے، لہٰذا مسلمانوں پر ضروری ہے کہ قرآن مقدس ویسا ہی پڑھنا سیکھیں جیسا اللہ عزوجل کا حکم ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھ کر بتایا اور سکھایا ہے۔

قرأت سبعہ متواترہ کا آغاز وفروغ:

یہ بات نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور سبھی حضرات نے اپنے بعد والوں کو حرفاً حرفاً

قرآن ویسا ہی پڑھنا سکھایا جیسا آج ہم پڑھتے ہیں تو پھر اس قدر اختلافات کیوں ہوگئے۔ سات، بلکہ دس مختلف روایتیں کیسے ہو گئیں؟ اس کا جواب جاننے کے لیے دو احادیث طیبہ پر غور فرمالیجئے ،تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ یہ مختلف قرأتیں کسی کی خود ایجاد کردہ نہیں، بلکہ آسمان سے نازل کردہ ہیں۔ مروجہ قرأت کی طرح ہی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو ان کی تعلیم فرمائی ہے۔

{عن أبي بن كعب ان النبي صلى الله عليه وسلم كان عند اضاة بنى غفار قال فاتاه جبريل عليه السلام فقال :ان اللّٰه يأمرک ان تقرأ امتک القرآن علٰى حرف ،فقال:اسأل اللّٰه معافاته ومغفرته وان امتى لاتطيق ذلک ،ثم اتاه الثانية فقال: ان اللّٰه يأمرک ان تقرأ امتک القرآن علٰى حرفين فقال: اسأل اللّٰه معافاته ومغفرته وان امتى لا تطيق ذلک،ثم جائه الثالثة فقال:ان اللّٰه يأمرک ان تقرأ امتک القرآن علٰى ثلاثة احرف فقال:اسأل اللّٰه معافاته ومغفرته وان امتى لا تطيق ذلک،ثم جائه الرابعة فقال:ان اللّٰه يأمرک ان تقرأ امتک القرآن علٰى سبعة احرف،فايما حرف قرؤا عليه فقد اصابوا} (مسلم شریف جلد۲،صفحہ،۲۰۲)

ترجمہ: حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلہ بنی غفار کے گھروں کی طرف تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر کہا۔ اللہ جل مجدہ نے آپ کو اپنی امت کو ایک ہی طریقے پر قرآن پڑھانے کا حکم دیا ہے، تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کی کہ میں اللہ عزوجل سے عافیت ومعافات اور مغفرت کا طالب ہوں۔ میری امت اس کی استطاعت نہیں رکھتی، پھر دوبارہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر آئے اور عرض کی۔ اللہ جل مجدہ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنی امت کو دو حرفوں میں قرآن پڑھائیں۔ نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر عرض کی۔ اللہ جل شانہ سے عافیت وبخشش کا سوالی ہوں۔ میری امت کے لیے یہ بھی بہت مشکل ہے۔ تیسری مرتبہ پھر فرشتے نے آکر کہا کہ: اب اللہ عزوجل آپ کو فرماتا ہے کہ امت کو تین حرفوں میں پڑھائیں۔ حضور اقدس نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر عرض کی۔ اللہ جل شانہ سے عافیت وبخشش کا سوالی ہوں، میری امت کے لیے یہ بھی بہت کٹھن کام ہے، پھر چوتھی مرتبہ فرشتہ نے حاضر ہو کر عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! اللہ عزوجل نے آپ کو سات حرفوں میں اپنی امت کو قرآن پڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔ ان ساتوں طریقوں میں جس طریقے پر بھی پڑھیں گے، درست ہوگا۔

قرائے سبعہ کا بیان:

مذکورہ بالا احادیث طیبہ سے صاف ظاہر ہے کہ قرأت میں اختلاف ائمہ ایسا نہیں ہے کہ ایک حق پر ہو، دوسرا حق پر نہ ہو، بلکہ یہ ایسا فن ہے کہ ایک ہی لفظ کو سات، بلکہ دس مختلف حرکتوں، لہجوں، سے پڑھا جائے، پھر بھی سبھی حق اور منزل من السما ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس تاکید سے صحابہ کرام کو آیات قرآنیہ سکھائی پڑھائی ہیں، دوسری چیزیں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ ویسا ہی قرآن پڑھا جاتا ہے، جیسا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس واطہر میں قرائے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت نے قرآن مجید کی قرأت کا علم حاصل کیا۔ انہیں فیض یافتگان میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن سائب وغیرہ صحابہ کرام اور تابعین میں عبداللہ بن حبیب سلمی، زربن حبیش، سعید بن عیاش شیبانی، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ہیں، اور یہی تینوں حضرات حضرت امام عاصم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

اساتذہ ہیں۔سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس نے سیدنا حضرت زید بن ثابت سے اکتساب فیض کیا:رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

صحابہ کرام کی مقدس جماعت سے تابعین عظام نے اور تابعین سے تبع تابعین نے قرأت متواترہ کے ضبط وحفظ،تعلیم وتعلم میں جن حضرات نے اپنی تمام زندگی ہی وقف فرمادی،ان میں سات حضرات سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔انہیں بدور سبعہ کہا جاتا ہے۔ ان بدور سبعہ یعنی سات اماموں میں سے ہر ایک کے دو دو راوی ہیں،جن کے ذریعہ ان کی روایت کردہ قرأت کی اشاعت ہوئی، انہیں نجوم کہا جاتا ہے۔

فن قرأت کے بدور سبعہ کی تفصیل:

(۱) حضرت سیدنا امام نافع مدنی (۷۰ھ-۱۶۹ھ):

ان کا رمز ’’الف‘‘ ہے۔ان کے دو راوی ’’قالون‘‘ اور ’’ورش‘‘ ہیں۔ان کا رمز بالترتیب ’’ب‘‘اور’’ج‘‘ ہے۔

(۲) حضرت سیدنا امام ابن کثیر مکی (۴۵ھ-۱۲۰ھ):

انہوں نے حضرت ابوایوب انصاری،حضرت عبداللہ بن زبیر قرشی،اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قرأت سیکھی،اوران حضرات نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ان کا رمز(د) ہے۔ان کے دو راوی ’’بزی‘‘اور’’ قنبل‘‘ ہیں۔ان کا رمز’’ہ‘‘اور’’ز‘‘ ہے۔

(۳) حضرت سیدنا امام ابوعمر بصری (۶۸ھ-۱۵۴ھ):

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرأت سیکھی ،اورانہوں نے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ان کا رمز’’ح‘‘ ہے۔ان کے دو راوی ’’دوری‘‘اور’’سوسی‘‘ ہیں۔ان کا رمز’’ط‘‘اور’’ی‘‘ ہے۔

(۴) حضرت سیدنا امام ابن عامر شامی دمشقی (۲۱ھ-۱۱۸ھ):انہوں نے حضرت ابودردا،اور مغیرہ بن ابی شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پڑھا اور ان حضرات نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ان کا رمز’’ک‘‘ ہے۔ان کے دو راوی ’’ہشام‘‘ اور ’’ابن ذکوان‘‘ ہیں۔ان کا رمز’’ل‘‘اور’’م‘‘ ہے۔

(۵) حضرت سیدنا امام عاصم کوفی (م ۱۲۷ھ):

انہوں نے عبداللہ بن حبیب سلمی، زر بن حبیش،سعید بن عیاش شیبانی سے پڑھا۔یہ حضرات کبار تابعین میں ہیں،اور یہ حضرات بلاواسطہ سیدنا حضرت عثمان غنی،سیدنا حضرت مولیٰ علی، سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد ہیں۔ان تینوں احضرات نے حضواقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ان کا رمز’’ن‘‘ ہے۔ان کے راوی ’’شعبہ‘‘اور’’حفص‘‘ ہیں۔ ان کا رمز ’’س‘‘اور’’ع‘‘ ہے۔

(۶) حضرت سیدنا امام حمزہ (۸۰ھ-۱۵۶ھ):

ان کے استاد اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ان کا رمز’’ف‘‘ ہے۔ ان کے راوی ’’خلف‘‘اور’’خلاد‘‘ہیں۔ ان کا رمز’’ص‘‘ اور’’ق‘‘ ہے۔

(۷) حضرت سیدنا امام کسائی کوفی (۱۱۹ھ-۱۸۹ھ):

آپ کے اساتذہ امام حمزہ،عیسیٰ بن عمرو،ابوبکر بن عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ان کا رمز’’ر‘‘ ہے۔ان کے دو راوی ’’ابو الحارث‘‘اور’’دوری‘‘ ہیں۔ان کا رمز’’ش‘‘اور’’ت‘‘ ہے۔رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔یعنی’’ابجد،ہوز، حطی،کلمن، سعفص، قرشت‘‘میں سے پہلے امام اور ان کے راوی (ابج) ہیں۔جن میں پہلا حرف امام کا رمز، جب کہ دوسرا اور تیسرا ان کے راویوں کے رمز ہیں،اور دوسری جماعت یعنی (دہو) کا پہلا حرف (د) امام کا رمز جب کہ دوسرا اور تیسرا بالترتیب ان کے راویوں کا رمز مقرر ہوئے۔اسی طرح تیسرے،حطی،چوتھے(کلم) پانچویں (نصع) چھٹے(فصق) ساتویں (رشت) کوبھی قیاس کرلیجیے۔ان میں بھی پہلا حرف امام کا رمز اور بعد کے دونوں ان کے راویوں کے رمز ہیں۔اس طرح علم قرأت میں جب کبھی یہ بولا جائے کہ ’’الف‘‘ نے یہ فرمایا تو اس سے امام اول حضرت نافع مدنی مراد ہوں گے۔(ب)اور(ج) سے ان کے دونوں راوی۔

تجوید وقرأت میں اعلیٰ حضرت کی خدمات

ہندوستان جیسے کثیر آبادی والے عجمی ملک جہاں کے باشندوں کے لیے ”ع، ء، ح، ہ، ق، ک، ت، ط، ز، ج، ظ، ذ، ض، س، ش، خ، کھ، وغیرہ الفاظ میں فرق کرنے کا تصور ہی نہیں ہے۔ انہیں کے ساتھ شب وروز بسر ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی زبانیں بھی انہیں کی بولی، لب ولہجہ سے آشنا ہوجاتی ہیں۔ ایسی صورت میں مرضی مولیٰ تعالیٰ کے مطابق الفاظ وعبارات قرآن کی ادائیگی آسان کام نہیں ہے، لہٰذا یہ فن خصوصی توجہ کا طالب تھا۔ اس چیز کو چودھویں صدی کے مجدد امام عشق ومحبت سیدنا اعلیٰ حضرت احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت شدت سے محسوس کی۔

یہی وجہ تھی کہ جب آپ کے پاس اس عنوان کے استفتا آئے کہ دیابنہ لفظ ”ض“ کو ”ظ“ پڑھتے ہیں اور اسی کو درست مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک، ضاد، کی جگہ اگر (ظ) پڑھا جائے تو نماز ہو جائے گی، اور بقول ان کے اہل سنت وجماعت دال مفخمہ پڑھتے ہیں تو دونوں صورتوں میں درست کون ہے؟ آپ نفی واثبات میں بھی جواب دے کر فرمادیتے کہ فلاں درست ہے اور فلاں غلطی پر، مگر ایسا نہ کیا، بلکہ تفصیلی جواب عنایت فرمایا۔ کئی فتاویٰ اس مسئلہ پر فتاویٰ رضویہ شریف میں ہیں۔

فن تجوید میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی تصانیف:

مختلف فتاویٰ کے علاوہ اس فن میں مستقل دو رسالے تصنیف فرمائے، جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ پہلا رسالہ: ”نعم الزاد لروم الضاد“ ۱۳۱۵ھ میں تحریر فرمائے، اس کے دو سال بعد دوسرا رسالہ: ”الجام الصاد عن سنن الضاد“ ۱۳۱۷ھ میں تصنیف فرمائے۔

ماہنامہ معارف رضا ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء (شمارہ: ۱۹) صفحہ ۲: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (پاکستان) میں ہے۔

”ان دو رسالوں کے علاوہ ایک رسالہ اور بھی تحریر فرمایا تھا، جس کا نام ”بسر الزاد لحن ام الزاد“ تھا۔ افسوس کہ اس کا مسودہ کہیں گم ہوگیا“۔

اے کاش! وہ رسالہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہوتا تو قارئین کو مسئلہ سمجھنے میں سہولت ہوتی اور اس فن پر لکھنے والوں کو مواد فراہم ہوتے۔ سب سے پہلے مختلف فتاویٰ میں جو فن قرأت کی باریکیاں بیان فرمائی ہیں، انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر مستقل رسائل کا حاصل مطالعہ پیش کریں گے۔

استفتا ۲۸: ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو متولی صاحب اور اہل محلّہ نے جو نماز پڑھنے مسجد میں آتے ہیں، امام کیا اور زید حرفوں کو مخارج سے ادا کرتا ہے۔ اب اس میں چند آدمی یہ کہتے ہیں کہ تم (ضاد) نہیں پڑھتے، بلکہ ”ضاد“ کو مشابہ ظا کے پڑھتے ہو، اور زید کہتا ہے کہ میں مخارج سے ادا کرتا ہوں اور تم لوگ زبان کو دانتوں سے لگا کر نکالتے ہو، وہ ”ذ“ ہے اور میں داڑھ سے زبان کی نوک لگا کر نکالتا ہوں، وہ ”ضاد“ ہے، اور ایک شخص کبھی نماز پڑھا دیتا ہے وہ ”ضاد“ کو مخارج ”ذ“ سے ادا کرتا ہے۔ آیا ان میں کس کے پیچھے نماز جائز ہوگی۔ صاف صاف فرمائیے کلام اللہ وحدیث رسول اللہ سے: بینوا توجروا۔

الجواب: ،ظاد، اور، دُواد، محض غلط ہیں۔ اس کا مخرج بھی نہ زبان کو دانتوں سے لگا کر ہے، نہ زبان کی نوک داڑھ سے لگا کر، بلکہ اس کا مخرج زبان کی ایک طرف کی کروٹ اُسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا، اور زبان اوپر کو اُٹھ کر تالو سے ملنا، اور ادا میں سختی وقوت ہونا ہے۔ اس کا مخرج سیکھنا مثل تمام حرفوں کے ضروری ہے۔ جو شخص مخرج سیکھ لے اور اپنی قدرت تک اس کا استعمال کرے، اور ”ظ“ یا ”ذ“ کا قصد نہ کرے، بلکہ اسی حرف کا جو اللہ عزوجل کی طرف سے اُترا ہے، پھر جو کچھ نکلے، بوجہ آسانی صحتِ نماز پر فتویٰ دیا جائے گا: واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۷۲ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

اس جواب میں آپ نے سائل کی اس غلطی کو بھی ظاہر فرمادی، جواس نے ''ض'' کا مخرج بیان کرنے میں کی۔ اس نے کہا کہ ''ض'' داڑھ سے زبان کی نوک لگا کرادا ہوتا ہے۔ جواب میں فرمایا کہ ''ض'' کا مخرج زبان کی نوک داڑھ سے مل کر نہیں، بلکہ زبان کی ایک طرف کی کروٹ اُسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا، اور زبان اوپر کو اُٹھ کر تالو سے ملنا، اور ادا میں سختی و قوت ہونا ہے۔

تفسیر بیضاوی شریف میں بھی آیت کریمہ (وما ھوعلی الغیب بضنین) کے تحت ''ضاد'' اور ''ظا'' کا مخرج اس طرح بیان فرمایا ہے

{والضاد من اصل حافة اللسان وما يليها من الاضراس من يمين اللسان او يساره–والظاء من طرف اللسان واصول الثنايا العليا}

علم قرأت کی درسی کتاب ''ضیاء القرأت'' میں ہے: کنارہ زبان مع داڑھ کے مخرج ضاد معجمہ کا دونوں جانب سے بہت مشکل ہے۔ اس سے کم داہنی جانب سے، اس سے کم بائیں طرف سے۔

معرفۃ التجوید میں ہے: کنارہ زبان داڑھ سے مل کر ضاد ادا ہوتا ہے۔

میں نے معرفۃ التجوید کے تمام قواعد کچھ اضافہ کے ساتھ جو نظم کیے ہیں، اس میں ضاد کے مخرج کو یوں شعری جامہ پہنایا ہے۔

ملی وسط زباں تالو سے جیم و شین یے ظاہر

کنارائے زباں داڑھوں سے مل کر ضاد ہے ظاہر

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو فتویٰ نویسی اور دیگر کتب کی تصنیف سے اس قدر فرصت ہی نہ ملی تھی کہ کبھی کسی مدرسہ میں خصوصی قرأت کورس پڑھا، یا پڑھایا ہو، مگر پھر بھی اس فن میں امامت کے درجہ کی تصانیف پیش کر دینا انہیں کا حصہ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مسئلہ: کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں ''ضاد'' کو مشتبہ بظا پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہوگی، یا نہیں؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اللھم ہدایۃ الحق والصواب۔ یہ حرف دشوار ترین حرف ہے اور اس کی ادا خصوصاً عجم پر کہ اُن کی زبان کا حرف انہیں سخت مشکل، مسلمانوں پر لازم کہ اُس کا مخرج صحیح سے ادا کرنا سیکھیں اور کوشش کریں کہ ٹھیک ادا ہو، اپنی طرف سے نہ ''ظاد'' کا قصد کریں نہ ''دواد'' کا، دونوں محض غلط ہیں اور جب اس نے حسبِ وسع وطاقت جہد کیا اور حرف صحیح ادا کرنے کا قصد کیا، پھر کچھ نکلے، اس پر مواخذہ نہیں: **{لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا}** (اللہ تعالیٰ کسی بھی جاندار کو اس کی طاقت سے بڑھ کر عمل کا مکلّف نہیں فرماتا) خصوصاً ''ظا'' سے اس حرف کا جُدا کرنا تو سخت مشکل ہے، پھر ایسی جگہ ان سخت حکموں کی گنجائش نہیں۔

تکفیر ایک امر عظیم ہے: **{لا يخرج الانسان من الاسلام الجحود ما أدخله فيه}** (جو اشیا و اقوال اسلام میں داخل کرتے ہیں، انہیں کے انکار سے اسلام سے خارج بھی ہو جاتا ہے) اور جمہور متاخرین کے نزدیک فساد نماز کا بھی حکم نہیں''۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۷۲، ۲۷۳ - جامعہ نظامیہ لاہور)

غیر ضروری مباحث میں پڑ کر مسلمان اپنی توانائی صرف کرتے رہتے ہیں، جب کہ اس سے بھی ضروری چیزوں کو بلا عذر شرعی چھوڑے بیٹھے ہیں۔ بھولے بھالے سنی مسلمانوں کو فرقہائے باطلہ کے مبلغین ایسے ہی مسائل میں الجھا کر رکھنا چاہتے ہیں، تا کہ وہ اپنی سازشوں میں کامیاب ہو جائیں اور مسلمان ان کی سازشوں کی طرف سے غافل رہیں۔

ایسا ہی ایک معاملہ علاقہ بنگالہ میں کچھ لوگوں نے لفظ ''ضاد'' اور ''ظا'' کی ادا میں اچھالا۔ ان کا موقف تھا کہ ''ولا الضالین'' کو اگر ''ظا'' کے ساتھ ''ولا الظالین'' پڑھا جائے تو نماز ہو جائے گی، لیکن دال مہملہ کو **تفخیم** کے ساتھ لا کر ''ولا الدالین'' ادا کیا جائے تو نماز نہ ہوگی، یہاں تک کہ عذر کے سبب بھی اگر کسی سے ''ض''

درست ادا نہیں ہوتا، حالاں کہ وہ اپنے اعتبار سے وہی حرف ادا کرنا چاہتا ہے جو اللہ جل شانہ کا منزل کردہ ہے، لیکن زبان عرب سے عدم ممارست کی بنا پر یا مشق نہ ہونے کی وجہ سے درست ادا نہیں کر پا رہا ہے، تو اس پر قصداً حروف قرآن کو تبدیل کرنے کا حکم لگا کر کفر کا حکم کرنے لگے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفتا کیا گیا آپ نے جواب ارشاد فرماتے ہوئے ان کی اصل سازش کو بے نقاب فرما کر حق واضح کر دیا۔ صاف فرمادیا کہ جو عمداً کسی بھی حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر پڑھے گا، اس پر تبدیل وتحریف قرآن کے قصد خبیث کے سبب حکم کفر ہوگا۔ اس فتوی سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ میں آسانی کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے۔ یقیناً دین تو بہت آسان ہے۔ خام خیالی اور جہالت سے لوگوں نے سخت سمجھ رکھا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مفتی کے لیے اپنے زمانے والوں کے عادات واطوار اور ان کے مبلغ علم سے مکمل واقفیت کس قدر ضروری ہے۔

رسالہ نعم الزاد لروم الضاد: (وجہ تالیف اور اقتباسات)

۱۳۱۵ھ: شوال مکرم میں ریاست رامپور کے مولوی محمد یحییٰ صاحب کی طرف سے ایک طویل استفتا بزبان فارسی آیا۔ میں اس کی ابتدائی تمہیدی سطریں مع عبارت نقل کرتا ہوں۔ باقی عبارتوں کا صرف ترجمہ مع ضروری وضاحت نقل کردوں گا۔

مسئلہ: از ریاست رام پور محلہ کنڈہ متصل مسجد میاں گاماں: مرسلہ مولوی محمد یحییٰ صاحب ۲۴ شوال ۱۳۱۵ھ

ترجمہ: علمائے شرع متین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ''غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین'' کے پڑھنے میں کچھ لوگوں کا اختلاف ہے۔ اکثر رسائل وفتاویٰ اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض لوگ توارث بین الناس (معمول) کو دلیل بناتے ہوئے ضاد کو دال کے ساتھ پڑھنے کا کہتے ہیں اور بعض اسے، ظا، اور، زا، کے ساتھ تبدیلی کے قائل ہیں، اور آواز میں مشابہ ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ قاری عبدالرحمان مرحوم پانی پتی نے کہا کہ رسائل اور فتاویٰ میں اس بارے میں خلاصہ تحقیق یوں بیان کیا گیا ہے کہ ضاد کی جگہ دال یا کوئی اور حرف پڑھنا محض غلط ہے۔ ہر حرف خصوصاً، ضاد، کو اپنے مخرج سے اس کی صفات کے ساتھ ادا کرنا ہر شخص پر لازم ہے۔ اس معاملہ میں بڑا اختلاف اور شور ہے۔ بعض خواص اور عوام اسے دال پڑھنے پر شرح کبیر سے سند ذکر کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں چند امور سے خلجان واقع ہو رہا ہے۔ ماہرینِ شریعت اپنے جواب سے انہیں رفع کریں، تاکہ حق ثابت ہو اور باطل کا بطلان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ دارین میں تجھے اجر سے نوازے۔ ''ضاد'' کو، دال، یا، ظا، پڑھنے کی صورت میں جن امور میں اشتباہ وخلجان واقع ہو رہا ہے وُہ علما سے دریافت طلب ہیں (وہ یہ ہیں)

پھر مستفتی نے پانچ سوالات قائم کر کے ہر سوال کے متعلق حکم شرع جاننا چاہا۔

سوال اول: نماز میں یا خارج نماز بلا قصد وارادہ ایسی خطا ہو جائے کہ جو حرف ادا کرنا چاہتا تھا، وہ ادا نہ ہو کر دوسرا نکل گیا، یا قصداً کسی حرف کی جگہ دوسرا پڑھ دے، ایسے امام وقاری و ایسی نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال دوم: قصداً یا خطا کے سبب ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنے میں صرف متحد المخرج یا قریب المخرج اور تشابہ کی صورت میں عام وآسان ادائیگی پر اکتفا کر لیا جائے گا، یا معنی کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے، اور کلمہ کا معنی فاسد میں تبدیل ہو جانے کی صورت میں حکم فساد نماز کا ہوگا۔ اس صورت میں جو شخص ضاد کو ذال سے بدل کر پڑھنے پر مطلقاً لوگوں کے معمول کو دلیل بناتا ہے اس کے قول کی صحت کی توجیہ کیسے ہوگی؟

سوال سوم: صاحب غنیۃ المستملی نے ''شرح منیہ'' کی فصل زلۃ القاری میں ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے کی صورت میں مدار معنی کی صحت وفساد پر رکھا ہے تو جس صورت میں تبدیلیِ حرف کے باوجود معنی درست ہوگا، نماز کی صحت کا حکم دیا جائے گا اور

جہاں تبدیلیِ حرف کی وجہ سے معنی فاسد ہوگا، وہاں نماز کے فاسد ہونے کا حکم جاری ہوگا تو جہاں، ضاد، کو دال پڑھنے سے فساد معنی لازم آئے وہاں نماز کے فساد کا حکم جاری ہوگا یا نہیں؟ اگر شق اوّل مسلم ہے تو عموماً و مطلقاً ''ضاد'' کو ''دال'' سے بدل کر پڑھنا کیسے درست ہوگا اور اگر دوسری شق ہے تو اس کا مخصص اور موجبِ تخصیص کون ہے؟

سوال چہارم: جس شخص نے ''شرح کبیر'' کی عبارت: ولا الضالین بالظاء المعجمہ اوالدال المھملہ لاتفسد الخ۔ سے، ضاد، کی جگہ، دال، پڑھنا بغیر لحاظ مخالفت تباعد معنی علی العموم قیاس کیا ہے۔ وہ قیاس فاسد ہے یا نہیں؟ کیوں کہ آیت کریمہ: ھل ندلکم علی رجل۔ الآیہ میں صاحب شرح کبیر نے تبدیلی معنی سے قربِ معنٰی ثابت کیا ہے اور صحتِ نماز کا حکم دیا ہے، اور ممکن ہے کہ دوسرے مقام پر (ضاد) کو (دال) سے بدلنے سے فسادِ معنی لازم آئے، اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ تباہ ہوگئے، یا، اکوابِ موضوعہ، میں کہ اس کا معنی ہے وہ برتن جو ترتیب سے رکھے گئے ہوں، اگر اسے، مودوعۃ، پڑھا جائے جس کا معنٰی یہ بنے گا رخصت کیا ہوا۔ یہ معنٰی وہ ہے جو اس کے انقطاع کی طرف مشعر ہے۔

علیٰ ہذا القیاس بہت سی آیاتِ قرآنی ہیں جن کا حال ہر صاحب مطالعہ اور باخبر شخص سے مخفی نہیں ہیں، پس اس صورت میں یقیناً نماز کے فساد کا حکم ہی دیا جائے گا۔ جب، ضاد، کو، ظا، اور، دال، سے بدل کر پڑھنے میں نماز کی صحت وفساد کے حکم کا مدار خود صاحبِ شرح کبیر کی تحریر کے مطابق صحتِ معنی وفساد معنی کی تبدیلی پر ہے، تو پھر عمومِ بلوی کی بنیاد پر عوام کے حق میں عدم فسادِ نماز کا قول جس کی وجہ یہ ہے کہ صحت لفظ اور تبدیلیِ معنی کا فرق عوام نہیں کرسکتے۔ اسی طرح خواص جو ہر قسم کا فرق کرسکتے ہیں تو کیا ان پر بھی یہ حکم جاری ہوگا یا نہ؟

سوال پنجم: جب امام جزری کی تمہید عبارت، شیخ الاسلام زکریا انصاری کی شرح مقدمہ جزری اور شرح ملّا علی قاری میں ہے کہ لوگوں کی زبانیں ضاد کی ادائیگی میں مختلف ہیں۔ بعض ظا، بعض دال، بعض، ذال، اور بعض اسے زا کی بو دے کر پڑھتے ہیں اور یہ تمام حضرات قرائے عرب میں شمار ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ضاد کو دال مہملہ پڑھنے پر توارث کا دعویٰ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا

(ملخصاً فتاویٰ رضویہ ج٦ ص٢٨٣ تا٢٨٦ - جامعہ نظامیہ لاہور)

چوں کہ سائل خود بھی مولوی تھے، اسی وجہ سے استفتا میں ہی بہت سے فقہی متون کی عبارتیں، اور ان میں وارد اختلافات درج فرما کر جواب کے طالب ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز جو کہ ایک سطر کے سوال پر دسوں صفحات پر مشتمل رسالہ یا کتاب لکھ کر جواب عطا فرماتے تھے، بلکہ کبھی تو سیکڑوں صفحات کی کتاب تصنیف فرما دیتے، اور جب یہاں سائل خود ایک ذی استعداد عالم دین ہیں۔ استفتا بھی اس وقت کے عام مسلمانوں کی زبان اردو میں نہیں، بلکہ فارسی میں ہے۔ سوال کا تیور ہی بتا رہا ہے کہ سائل ہر کس وناکس کے جواب سے مطمئن ہونے والا نہیں ہے تو اس کے علمی ذوق کا لحاظ رکھتے ہوئے خالص علمی جواب عطا فرمایا۔

ایک خالص مفتی علم تجوید وقرأت میں شان امامت کی کس قدر بلندی پر فائز ہے، ان فتاویٰ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل جزائے خیر عطا فرمائے ان استفتا کرنے والوں کو جنہوں نے تجوید وقرأت سے متعلق سوالات بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے کر لیے، ورنہ یہ گراں قدر، بلکہ انمول علمی جواہرات ہمیں حاصل نہ ہو پاتے۔ یہ رسالہ جس کا تاریخی نام ''نعم الزاد لروم الضاد'' ہے اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں جسے چھوڑا جائے، لیکن ہمارا مقصود بطور نمونہ فن تجوید وقرأت پر ان کی مہارت بیان کرنا ہے، اس لیے بعض مقام سے ہم نقل کریں گے۔ اہل ذوق اصل ماخذ سے رجوع کریں۔ رسالہ کے خطبہ میں حروف قرآنی، ان کی اصوات اور صفات ورسم قرآنی اور اس کی سندی ثقاہت کو اس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں کہ گویا قرآن مقدس کے متعلق مکمل اسلامی عقیدہ بیان کر دیا۔ آپ

بھی پڑھیے اور فصاحت و بلاغت کا لطف لیجیے، فرماتے ہیں:

(۱) قرآن عظیم روشن عربی زبان میں اللہ عزوجل نے اپنے عربی قرشی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور اس کی تلاوت و سماعت اور اس سے استفاضہ و نفع کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کریمہ قدیمہ کو حروف و تجلی اصوات کا لباس پہنا کر اپنے بندوں کو عنایت فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ تک قرآن پاک کو اسی طرح پہنچا دیا جس طرح وہ نازل ہوا تھا۔ صحابہ نے تابعین تک، تابعین تبع تابعین تک، اور اسی طرح ہر دور اور ہر طبقہ میں اس کا ہر حرف، حرکت، صفت اور ہیئت تواتر کے اعلیٰ درجہ کے ساتھ ہم تک منقول ہے۔ اس سے بڑھ کر تواتر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ حمد ہے اللہ کے لیے جو بلند بزرگی والا ہے۔ اسی سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:، بلاشبہ ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ ج٦ ص ٢٨٦، ٢٨٧ - جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ: الحمدللہ! قرآن مجید کے کلمات میں سے کسی ایک کلمہ کے بارے میں بھی ہر گز کسی قسم کا وہم نہیں کیا جا سکتا کہ شاید الحمد کی جگہ الشکر نازل ہوا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ قرآن کے کسی حرف کے بارے میں کوئی شک و تردد نہیں کہ شاید الف لام کی جگہ تعریف کے لیے میم نازل ہوا تھا، جس طرح ہمیں قطعی یقین ہے کہ ا، ع، ق عربی زبان میں جدا جدا حروف ہیں اور قرآن میں الا، علا اور فلا کے الگ الگ مختلف معانی ہیں، اسی طرح ہم اس پر بھی حتمی یقین رکھتے ہیں کہ ض، ظ اور ذ زبان عرب میں آپس میں متبائن حروف ہیں اور فرقان عظیم میں، ضل، ظل اور، دل، کے معانی مختلف اور متبائن ہیں، پس ض کو بعینہ ظ یا د پڑھنا اسی طرح ہے جیسے کوئی الف کو عین یا فا پڑھا کرے، باقی اس توارث کا دعویٰ کہ، ض، کی جگہ دال ہے، سخت غلط ہے، کیوں کہ اس توارث سے مراد قابل اعتماد قرا کا مقصود ہو تو یہ از خود باطل و مردود، اور عوام ہند کا توارث ہے تو اس سے مقصد کیسے حاصل ہو سکتا ہے! عوام کا حال تو یہ ہے کہ صدہا سال سے سورہ فاتحہ میں سات سکتے رائج ہیں اور جاہل ان کی توجیہ میں سات شیاطین کا نام لیتے ہیں۔ دلل، حرب، کیو، کنع کنس، تعلیٰ، بعلی، اور بعض ان دو ناموں مما اور مصرا کا اضافہ کرتے ہیں۔ ان کے زعم پر انہیں یونہی مناسب نظر آیا، اپنے غلط زعم کے مطابق ان سات سکتات کا تحفظ تجوید کے اجماعی واجبات سے بڑھ کر کرتے ہیں، اور جو ان کی پابندی نہیں کرتا، یہ بے وقوف اسے تجوید قرآن سے جاہل اور غافل قرار دیتے ہیں۔ آپ غور سے دیکھیں کیسے عوام کے ہاں معروف منکر اور منکر معروف بن چکا ہے۔ ان خرافاتِ باطلہ کی کوئی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ یہ ان کے خود ساختہ نام اور تصورات ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج٦ ص ٢٨٧، ٢٨٨ - جامعہ نظامیہ لاہور)

(۳) ”علما ایں سکتات باطلہ را تقبیح کردہ اند و بطلان آنہا تصریح، علامہ ابراہیم حلبی در غنیۃ المستملی فرماید:

{قال فی فتاوی الحجة: المصلی اذا بلغ فی الفاتحة (ایاک نعبد و ایاک نستعین) لا ینبغی ان یقف علیٰ قوله (ایاک) ثم یقول (نعبد) وانما الاولی والاصح ان یصل (ایاک نعبد و ایاک نستعین)": انتهیٰ - فلا اعتبار بمن یفعل ذلک السکت من الجهال المتفقهین بغیر علم}

ترجمہ: اہل علم نے ان باطل سکتوں کی سخت تقبیح کی ہے اور ان کے باطل ہونے کی تصریح کی ہے۔ علّامہ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی میں فرماتے ہیں: فتاوی الحجہ میں ہے کہ جب نمازی فاتحہ میں (ایاک نعبد وایاک نستعین) پر پہنچے تو یہ نہ کرے کہ (ایاک) پر رک جائے، پھر (نعبد) کہے۔، بلکہ اولیٰ اور اصح یہی ہے کہ (ایاک نعبد وایاک نستعین) کو متصل پڑھے: انتہی۔ اگر بعض جاہل ان پڑھ لوگ بغیر کسی دلیل کے سکتہ کرتے ہیں تو ان کا ہر گز اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج٦ ص ٢٨٨ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

کچھ جہلا اور خود ساختہ قاریوں نے سورہ فاتحہ میں بھی سات عدد سکتے گڑھ لیے، مثلا (ایاک) پر سکتہ کرتے پھر (نستعین) پر۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان جاہلوں کے اختراعات کا رد اس وقت فرمایا جب بالکل جوان تھے۔اس تعلق سے کسی فقیہ کی عبارت بھی نہ پڑھی تھی، لیکن بہت جلد ہی انہیں اپنے موقف کی تائید میں مضبوط حوالہ بھی مل گیا، مگر ہمیں افسوس اس بات کا ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے موضوع سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے اس عنوان پر مزید قلمی کاوش نہ فرمائی ۔ کاش ایسا کر دیتے تو اس پر بھی علمی شاہکار ہمارے سامنے ہوتا۔اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

(۴)''من فقیر در عنفوان امر خودم پیش از وقوف بریں کلمات ایں سکتات باطلہ را ابطال می کردم ومنشائے اختراع آنہا می دانم کہ اگر غرابت سخن مانع نبودے، بقلم می سپردم، علما کہ اختلاف السنہ ناس در ادائے ض، بیان فرمودہ اند حاشا مراد نہ آنست کہ ایں طریق ادا قرائے عرب است، بلکہ مقصود بیان غلط وخطائے عوام در ادائے ایں حرف وتنبیہ بر بطلان وتحذیر از آن ست''۔

ترجمہ:فقیر نے اپنے ابتدائی دور میں علما کے مذکورہ ارشادات پر اطلاع نہ ہونے کے باوجود ان سکتوں کا رَد کیا اور ان خرافات کے منشا سے بھی آگاہی حاصل ہے۔اگر غرابتِ سخن مانع نہ ہوتی تو میں اسے احاطہ تحریر میں ضرور لاتا۔علمانے ضاد کی ادائیگی میں لوگوں کی مختلف زبانوں کا جو تذکرہ کیا ہے،اس سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ قرائے عرب کی ادائیگی کا یہ طریقہ ہے، بلکہ اس سے مقصود صرف اسی حرف کی ادائیگی کے بارے میں عوام کی خطا اور غلطی کی نشان دہی ہے۔اس کے بطلان پر تنبیہ اور اس سے پرہیز پر متوجہ کرنا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۸۹ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

فقہائے کرام نے عوام کو کچھ شرائط کے ساتھ یہ رخصت عطا فرمائی ہے کہ اگر حتی الوسع کوشش کرتے رہنے کے باوجود ''ضاد'' یا کوئی حرف ادا نہیں ہوتا اور کوشش بھی ترک نہیں کی تو ان کی نماز ہو جائے گی، مگر ایسوں کو امام نہیں بنایا جائے گا۔اس رخصت میں بعض حضرات نے اور زیادہ وسعت اختیار کرتے ہوئے اہل علم کو بھی رخصت مانی۔اور دلیل میں عربوں کی زبان ولہجہ کو پیش کیا اور کہا کہ عربوں میں بھی بعض ''ضاد'' کو بھی اس طرح ادا کرتے ہیں کہ اس سے حروف ،ظا،زا،زا،اور،دا،کی بو آتی ہے،لہٰذا اگر کوئی شخص (ضاد) کو،ظا،ذا،زا،دا،کی طرف مائل کر کے پڑھے تو عربیت کے خلاف نہ ہوگا اور نماز ہو جانا چاہئے۔

اس کا رد فرماتے ہوئے فرماتے ہیں: جو لوگ ضاد کو،ظا، وغیرہ بولتے ہیں، آپ انہیں عربی سمجھتے ہیں۔ایسا نہیں، کیوں کہ کوفہ کی اکثر آبادی خلط ملط تھی، جس میں ایرانی، عراقی، کردی، ترکی، اور جو عربی تھے بھی تو غیر پڑھے لکھے کوفہ کے بادیہ نشین لوگ تھے۔ان کی زبان بھی خالص نہ رہی تھی۔ایرانیوں کے میل جول سے ان کی زبان کی خو،بو،ان کی زبان میں آ گئی تھی،لہٰذا ان کا بول چال ائمہ فقہا،محدثین وقرا پر حجت نہیں ہوسکتا۔اصل مسئلہ کو ائمہ فقہا کے متون سے مبرہن فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ترجمہ: پھر خزانہ میں بھی ہے:اگر (ولا الضالین) میں ظا پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اکثر ائمہ اسی پر ہیں۔ان میں ابو مطیع،محمد بن مقاتل،محمد بن سلام،عبداللہ بن الازھری بھی ہیں۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ تمام قرآن میں ضاد کہ جگہ اگر ظا پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔البتہ اللہ تعالیٰ کا قول (وما ھو علی الغیب بضنین) مستثنیٰ ہے، کیوں کہ اس میں ظا اور ضاد دونوں کے ساتھ دو قرأتیں آئی ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ کس قدر واضح تصریحات ہیں کہ یہ تبدیلی کُرد، ترک اور کوفہ کے بادیہ نشین وغیرہ عام اور عجمی لوگوں کی زبانیں گڈمڈ ہونے کی وجہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر علمائے متاخرین جو مشقت کے مقام پر آسانی کی طرف گئے ہیں ،انھوں نے بھی اس رخصت کو عوام کے حق میں جائز رکھا ہے، پھر جمہور ائمہ کا حکم دیکھو۔ انھوں نے اس تبدیلی پر فساد معنی کے وقت فساد نماز کا حکم دیا ہے، اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ سیّدنا امام اعظم ،امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے اس اختلاف کے ساتھ کہ اس کی مثل

قرآن مجید میں ہے یا نہیں؟ اس کی پوری اور عمدہ تفصیل غنیّۃ میں ہے ،پس اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

(فتاویٰ رضویہ ج۶ ص۲۹۱،۲۹۲- جامعہ نظامیہ لاہور)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ یہاں تک کی عبارتوں کا نتیجہ بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ترجمہ: بالجملہ حق واضح یہی ہے کہ تمام حروف آپس میں متبائن اور ان کے مخارج الگ الگ ہیں، لہٰذا ''ضاد'' کسی بھی حرف کے ساتھ بدل کر پڑھنا مردود اور ناجائز ہے۔ اس حرف (ضاد) کو اللہ تعالیٰ نے اتنا جدا پیدا کیا ہے کہ کوئی حرف بھی اسکا قریبی نہیں گردانا جاسکتا ،اسی لیے سیبویہ نے کہا اور خوب کہا: اگر، صاد، میں اطباق نہ ہوتو سین، بن جائے ،اگر، ظاء، میں نہ ہوتو وُہ، ذال، بن جائے اگر، طاء، میں نہ ہوتو وہ، دال، بن جائے اور، ضاد، کلام سے ہی خارج ہوجائے، کیوں کہ اس کے متبادل کوئی حرف ہی نہیں: اھ۔ اسے رضی نے نقل کیا اور جوانہوں نے قاری پانی پتی سے نقل کیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج۶ ص ۲۹۸، ۲۹۹- جامعہ نظامیہ لاہور)

(۷) ''اقول: تحقیق آنست کہ درصفات حروف بعضے صفات لازمہ است کہ فقدانش مستلزم فقدان ذات باشد چنانچہ اطباق در، ط، و انفتاح در، ت، اوقطعاً واجب المراعاۃ ست وبعضے نہ چنان ست اگر بجا نیارند ذات حرف درہم نخورد چوں تہوّع در، ہمزہ، وتفشی در'' ش''

ترجمہ: میں کہتا ہوں تحقیقی بات یہ ہے کہ حروف کی صفات میں بعض ایسی صفات لازمہ ہیں جن کے فقدان سے حروف کی ذات کا فقدان لازم آتا ہے مثلاً، طاء، میں اطباق اور، تاء، میں انفتاح اس کی رعایت نہایت ضروری ہے اور بعض حروف ایسے نہیں یعنی اگر انہیں ان صفات سے ادا نہ کیا جائے تو ان کی ذات ختم نہیں، مثلاً ہمزہ میں تہوّع اور شین میں تفشی۔

(فتاویٰ رضویہ ج۶ ص۲۹۹- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

رسالہ: الجام الصاد عن سنن الضاد:

(وجہ تالیف واقتباسات)

مسئلہ: از دربھنگہ محلہ اسمٰعیل گنج ڈاک خانہ لہریا سرائے: مرسلہ مولوی محمد یسین صاحب۔ ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ان اطراف بنگالہ وغیرہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ ض، معجمہ کو قصداً، ظ، یا، ذ، بلکہ، ز، معجمات پڑھتے ہیں اور اسی کا دوسروں کو امر کرتے ہیں اور عام عوام ہندوستان میں جس طرح یہ حرف ادا کیا جاتا ہے جس سے بوئے دال مہملہ پیدا ہوتی ہے، اُس سے نماز مطلقاً فاسد و باطل بتاتے ہیں اور اپنے دعووں کی سند میں اہل ندوہ وغیرہ ہندیان زمانہ کے چھ فتوے دکھاتے ہیں، جن کا خلاصہ کلام ومحصل مرام نماز میں (ض) کو مشابہ (د) مہملہ پڑھنے پر حکم فساد اور اس پر ان دو وجہ سے استناد ہے:

اوّلاً: فی فتاویٰ قاضی خان: {ولوقرأ الظآلین بالظاء وبالذال لاتفسد صلاتہ ولوقرأ الدالین بالدال تفسد}

ترجمہ: اگر (الضآلین) کو (الظآلین) یا (الذآلین) پڑھا جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگر (الدآلین) دال کے ساتھ پڑھا تو فاسد ہوجائے گی۔

ثانیاً: ضاد ،مشابہ، ظاء، کے، نہ، دال، کے، میان، ضاد، و، دال، کے صفتوں کا فرق ہے۔ جب، ضاد، و، دال، میں صوتاً تغایر ہے تو فصل اُن میں بلا مشقت ممکن۔

فتویٰ ندوہ کی عبارت یوُں ہے:

ایسی صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی کہ، ضاد، و، دال، دو حرف متغایر المعنیٰ ہیں جن میں امتیاز بلا مشقت ممکن، اور ایسی صورت میں فقہا فسادِ نماز کو لکھتے ہیں۔ شامی کہتے ہیں:

{اذا ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی ان امکن الفصل بینھما بلا مشقۃ تفسد والایمکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد قال اکثرھم لاتفسد} (ملخصا)

(ترجمہ: جب کسی حرف کی جگہ دوسرا بولا جائے اور معنی بدل جائے، اگر ان کے درمیان امتیاز بغیر مشقت ممکن نہ ہو، جیسا کہ (ظا) اور (ضاد) کا معاملہ ہے، تو اکثر علمانے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی)

پانچ فتووں کا حاصل تو صرف اس قدر ہے اور ایک یعنی پانچویں میں اتنا بیان اور ہے کہ (ظآلین) پڑھنا بھی غلط ہے، لیکن چوں کہ ان میں تشابہ صوتی ہے اور امتیاز متعسر، اکثر فقہا کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن تعمد یہاں بھی مفسد ہے۔ یہی مذہب مختار ہے کمافی البزازیۃ (جیسا کہ بزازیہ میں ہے۔ت)

ان فتووں کا کیا حال ہے، اور یہ ان لوگوں کے موافق وموید ہیں یا نہیں، اور جو لوگ ''ض'' ہی کا قصد کریں اور ''ض'' سمجھ کر پڑھیں، مگر بوجہ عدم قدرت صاف ادا نہ ہو، اور سننے میں دال سے مشابہ ہو تو ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور جو قصداً ''ض'' کو ''ز'' پڑھے، اُس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور ہنگام تغیر حرف وتفاوت معنی میں جو حکم فساد ہے، وہ صرف ض، و، د، و، ظ، ہی کے ساتھ خاص ہے، یا باقی حروف مثل (ا، ع، ت، ط، س، ث، ص، ح، ہ) کو بھی عام ہے۔

اگر عام ہے تو آج کل یہ جھگڑا اسی حرف میں کیوں ہے۔

جواب مختصر ہو کہ عوام مطول کو نہیں پڑھتے۔ بینوا تو جروا

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۰۳، ۳۰۴- جامعہ نظامیہ لاہور)

دیوبندیوں اورندویوں نے عام مسلمانوں کو ایسی مشقت ڈالنا چاہا جس سے اللہ عزوجل، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اورائمہ فقہارضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مسلمانوں کو بچایا ہے، اور دعوے کی تائید میں ایک نہیں، بلکہ چھ فتاوی لے آئے۔ یہ چھ فتاویٰ لانا ہی یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ انہیں اپنے فرقے کے مفتیوں کے مبلغ علم کا درست اندازہ ہے۔ اسی وجہ سے ندوہ جیسے بڑے ادارے کا فتوی ہونے کے باوجود پانچ فتوے اور لیے، تاکہ مسلمانوں کو مرعوب کر کے اپنے پالے میں کر سکیں، مگر اللہ جل مجدہ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا محمد یاسین صاحب کو جنھوں نے مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رجوع کیا، کیوں کہ اس وقت بھی ہر ذی علم جانتا تھا کہ فرق باطلہ کی تمام ذریت کے مقابلے میں بریلی کا ایک شیر ہی کافی ہے۔

باوجودے کہ مستفتی نے اختصار جواب کے لیے عرض کیا تھا، کیوں کہ مطولات عوام رغبت سے نہیں پڑھتے، لیکن پھر بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مکمل رسالہ ہی تصنیف فرمادیا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر اختصار ملحوظ نہ ہوتا تو کچھ اور فوائد جو قلب پر وارد ہوئے، انہیں بھی بیان کر دیتا۔ یقیناً سمندر کتنا بھی پرسکون ہو، مگر اس کی ذرا سی لہر ہی نہروں اور دریاؤں کی طغیانی سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

ایک طویل مدت سے تو اعلیٰ حضرت کی طرح کثیر العلم عالم پیدا نہیں ہوا، لہٰذا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی جواب دینے میں پوری دس شقیں قائم فرما کر ان کے چھوں دارالافتا ومفتیوں کی علمی بے مائیگی کو خوب خوب ظاہر فرمادیا۔ کچھ شقوں کے بعض مضامین کا خلاصہ گزشتہ صفحات کے مضامین سے ملتا جلتا ہے، اسی وجہ سے ہم انہیں ترک کرتے ہیں۔ آخر میں امام احمد رضا نے ''ضاد'' کا مخرج اور کیفیت ادا بھی تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائی ہے، جسے افادۂ عامہ کے لیے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(ا) ''پنجم: ''ضاد'' و ''دال'' میں فرق صفات کا ذکر لغو وفضول اور محل بحث سے یکسر معزول، متقدمین کا مسلک معلوم ہے کہ اُن کے یہاں تشابہ وعدم تشابہ پر اصلاً نظر نہیں اور متاخرین قرب مخرج یا عسر تمیز پر لحاظ کرتے ہیں۔ صفات سے انہیں بھی بحث نہیں، نہ صفات خواہی نہ خواہی آسانی تمیز کو مستلزم، نہ اُن کا تشارک دشواری پر حاکم۔ (ط) مہملہ، (دال) مہملہ سے سوائے اطباق کے کچھ فرق نہیں اور فرق تمیز کی آسانی مبین اور تائے مثناۃ سے متعدد صفات میں تباین تام، اور دشواری فصل منصوص اعلام۔ ''ط'' مجہورہ ومستعلیہ، مطبقہ قلقلہ ہے اور ''ت'' مہموسہ، مستفلہ، منضجہ، بے قلقلہ۔ خانیہ وخلاصہ وحلیہ وہندیہ وردالمختار وغیرہا میں ہے: **(ان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالطاء مع التاء)**

(ترجمہ: اگر دو حرفوں کے درمیان مشقت کے بغیر امتیاز ممکن

نہ ہو، جیسے ''طا'' اور ''ت'')

شرح جزریہ میں ہے:

{قال الرمانی وغیرہ:لولا الاطباق لصارت الطاء دالا، لانہ لیس بینھما فرق الا الاطباق}

(ترجمہ: رمانی وغیرہ نے کہا کہ اگر اطباق نہ ہو تو ''طا''، ''دال'' ہو جائے گی، اس لیے کہ اطباق کے علاوہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں)

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۱۲ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

فقہائے متقدمین ومتأخرین کے اقوال وعبارات، پھر ان میں راجح ومرجوح پر امام اہل سنت کی کس قدر گہری نظر ہے۔ یہ اقتباس بالا سے ظاہر ہے۔ دیابنہ کے فتاویٰ میں حروف میں مشابہ الاصوات کے لحاظ کا ذکر تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متقدمین ومتأخرین فقہا کی عبارات سے واضح کر دیا کہ حروف کی اصوات میں تشابہ یا عدم تشابہ سے اصلا بحث نہیں۔ متأخریں علما قرب مخرج یا متعسر تمییز کا لحاظ البتہ کرتے ہیں، نیز، تا، ثا، طا، کی صفات کو بھی بیان فرما دیا۔

(۲) ''ششم: فتوی ندوی کا قول کہ (ضاد) و (دال) دو حروف متغایر المعنی عجیب۔ الفاظ متغایر المعنی ہیں، اگر مسمی مراد تو ان کے لیے معنی کہاں؟ بھلا بتایئے تو کہ مجرد حرف ''ض'' کے کیا معنی ہوئے، اور اگر اسما مقصود یعنی حدو دال، تو نہ دو حرف، نہ اُن میں مقال۔ شاید یہ کہنا چاہا اور کہنا نہ آیا کہ ''ض'' ''د'' دو حرف جداگانہ ہیں۔ کسی کلمے میں اُن کا تغیر، معنی کے لیے مستلزم تغایر۔ یہ معنی فی البطن اگر مقصود بھی ہوں تو اوّلاً اطلاق ممنوع، ثانیاً ہر تغیر میں تغیر بحدِ فساد مدفوع۔ دیکھو! ''ضالین'' ''دالین'' میں کس قدر تغایر معنی ہے، مگر محقق حلبی نے تغیر نہ مانا''۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۱۲ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

وہابیہ کے فتویٰ میں، ضاد، اور، دال، دونوں حروف کو متغایر المعنی کہا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر مجرد (ضاد) اور (دال) مراد ہوں تو ان کا کوئی معنی ہی نہیں ہوتا۔ اگر ان سے اسما مقصود ہیں، یعنی حدو دال تو ان سے یہاں بحث ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا:

(۳) ''فقیر کہتا ہے: غفراللہ تعالیٰ لہ، بعد اس کے عرش تحقیق مستقر ہو چکا کہ قرآن نظم ومعنی جمیعا، بلکہ نظم دال علی المعنی کا نام ہے اور نظم یہ حروف بہ ترتیب معروف اور باہم متبائن اور تبدیل جز مستلزم تبدیل کل: **{فان المولف من مبائن مبائن للمولف من مبائن اخر}** (ترجمہ: ایک مبائن حروف کا مجموعہ دوسرے مبائن حروف کے مجموعے کے مبائن ہوتا ہے) میں نہیں جانتا کہ اس تبدیل قصدی وتحریف کلام اللہ میں کیا تفاوت مانا جائے گا۔ یہی منشا ہے امام فضلی وامام محمود وعلامہ قاری وغیرہم کے اُس حکم کا جو قرآن مجید میں ض، ع، مدا، ظ، سے بدلے کا فر ہے''۔

اقول: ولا حاجۃ الی استثناء (وما ھو علی الغیب بضنین) فان ھھنا لیس اقامۃ الظاء مقام الضاد لان المکان لیس مکانھا خاصۃ بل مکانھما جمیعا علی التوارد حیث قرء بھما فی القرآن فکان مثل صراط و سراط وبسطۃ و بصطۃ ویبسط ویبصط ومصیطر ومسیطر الی اشباہ ذلک بخلاف مغضوب مغظوب وبخلاف سجیل وصجیل فانہ تبدیل''.

(ترجمہ: میری رائے یہ ہے کہ (وما ھو علی الغیب بضنین) کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت ہی نہیں، کیوں کہ یہاں ظا کو ضاد کی جگہ رکھنا لازم نہیں آتا، کیوں کہ یہ صرف ضاد ہی کا مقام نہیں، بلکہ یکے بعد دیگرے دونوں کی جگہ ہے، کیوں کہ ان دونوں حروف کے ساتھ قرأتِ قرآنی ثابت ہے، جیسے صراط اور سراط، بسطۃ اور بصطۃ، یبسط اور یبصط، مصیطر اور مسیطر اور ان کے ہم مثل دیگر الفاظ، بخلاف مغضوب اور مغظوب کے اور بخلاف سجیل اور صجیل کے، کیوں کہ یہاں تبدیلی ہے)

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۲۰ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

(۴) ’’ضاد کے مخرج کا بیان: پس جزماً لازم کہ ہر حرف میں خاص حرف منزل من اللہ ہی کا قصد کریں اور اسی کے مخرج سے اسے نکالنا چاہئے۔ مخرج، ضاد، زبان کی دہنی یا بائیں کروٹ ہے، یوں کہ اکثر پہلوئے زبان حلق سے نوک کے قریب تک اسی جانب کی اُن بالائی داڑھوں کے طرف جو وسط زبان کے محاذی ہیں، قریب ملاصق ہوتا ہوا کچلیوں کی طرف دراز ہو، یہاں تک کہ شروع مخرج لام تک بڑھے۔ زبان کی کروٹ داڑھوں سے متصل ہوتی باقی زبان اس حرکت میں اوپر کو میل کر کے تالوٗ سے نزدیکی پائے۔ دانتوں یا زبان کی نوک کا اُس میں کچھ حصہ نہیں۔ وہ ان قوی حرفوں میں ہے جو ادا ہوتے وقت اپنے مخرج پر اعتماد قوی مانگتے ہیں۔ جس قدر سانس ان کی آواز میں سینے سے باہر آتی ہے، سب کو اپنی کیفیت میں رنگ لیتے ہیں کہ کوئی پارہ سانس کا اُن کے ساتھ جُدا چلتا معلوم نہیں ہوتا۔ جب تک ان کی آواز ختم نہ ہو لے سانس بند رہے گی۔ ایسے حرفوں کو مجھورہ کہتے ہیں اور ان کے خلاف کو مہموسہ۔ جن کا جامع (فَحثّہ شَخُصٌ سَکتَ) ہے، یا (سَتَشُحثُکَ خَصَفَہ) مثلاً ثائے مثلثہ کو مکرر کر کے بولے ثلث تو آواز، ثا، کے ساتھ ایک حصہ ساکن کا جُدا معلوم ہوگا، نفس بند نہ ہوا۔

مجھورہ میں ایسا نہیں، بلکہ تمام سانس جو شروع تلفّظ کے وقت موجود ہو، اُنھیں کی آواز سے بھر جاتی ہے، اور جب تک اُس کا تلفّظ ختم ہو، دوسری نہیں آتی، جیسے ز ز ز ظ ظ ظ یونہی ضضض۔ یہ امر قوت اعتماد کو لازم ہے کہ دہن یا حلق کے کسی حصے پر اعتماد قوی بے آواز بھی حابس دم ہے کما لایخفٰی۔ جب اس جگہ سے اس طور پر حرف نکلے گا تو وہ ’’ض‘‘ ہی ہوگا، نہ اس کا غیر۔ فرق جو پڑتا ہے اُس کا منشا انھیں سے کسی بات کا رہ جانا ہے مثلاً زبان اگلے دانتوں کو لگی، یا زبان کی نوک سے کام لیا، کہ وہ آغاز مخرج لام کی طرف جھکی۔ پہلوئے زبان کا وسط داڑھوں کی جانب خلاف کو چلا، حالانکہ اُن کی طرف میل درکار تھا، یا زبان تالو کی طرف نہ اُٹھائی، یا اُٹھانا چاہی، مگر حرف کی دشواری و غرابت آڑے آئی کہ زبان دب گئی کما ینبغی اطباق نہ ہُوا۔

جس طرح لڑائی میں ناتجربہ کار کا ہاتھ باوصف قصد جھجک کر اوچھا پڑتا ہے، یا اعتماد میں ضعف رہا، یا مخرج لام تک استطالہ نہ ہُوا، یہ بیان دل پر لکھنے اور عمل میں رکھنے کا ہے۔ کہ ان شاء اللہ تعالیٰ صحت ادا میں اس کا مخرج و طریقہ استعمال جان بھی لے، ادا کرنے والے مشابہت، د، سے تو اس تقریر آخری کا خیال کر کے بچ سکتے ہیں اور اگر آدمی تا آخر جو کچھ ہم نے محررہ صفات میں بیان کیا، اُس سب کے مراعات ٹھیک طور پر ہوجائے تو یقیناً اب جو حرف نکلے گا وہ خالص صحیح و فصیح ض، ہوگا۔ اگرچہ ناواقف سننے والا اپنی ناآشنائی کے باعث اسے کچھ سمجھے، یا کچھ نہ سمجھے، اور بقدر قدرت اُس کے برتنے میں کمی بھی نہ کرے تو اب جو کچھ بھی ادا ہوگا صحتِ نماز کا فتویٰ دیں گے کہ عسر متحقق ہولیا اور عذر واضح ہو چکا اور عسر جانب یسر ہے۔

{قال اللّٰہ تعالٰی: لایکلّف اللّٰہ نفسا الا وسعھا — وقال اللّٰہ تعالٰی: یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر — وقال اللّٰہ تعالٰی: ما جعل علیکم فی الدین من حرج}

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اللہ تعالیٰ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا، مگر اس کی طاقت بھر۔ دوسرا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ تیسرے مقام پر فرمایا: اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی)

{وقال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا}

(ترجمہ: حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ ڈالو، محبتیں پیدا کرو، نفرت نہ دلاؤ)

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۲۰ تا ۳۲۲ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

مذکورہ عبارت کو پڑھتے ہوئے ایک ایک لفظ پر غور کرتے جایئے۔ آپ محسوس کریں گے کہ اپنے وقت کا سب سے بڑا مجود،

قاری، صفات حروف کے جاننے والے کے حضور حاضر ہیں۔ محل کلام صرف حرف، ضاد، تھا۔ اسی کی صفات لازمہ وغیر لازمہ کا بیان فرمادیتے ،لیکن ایسا نہ فرما کر جن حروف کو بھی کسی طرح ،ضاد، سے مشابہت تھی ،اور جن کے متعلق یہ خیال ہوا کہ لوگ اصل حرف (ضاد) کی جگہ اسے پڑھنا بھی درست سمجھ کر پڑھ سکتے ہیں، اس کا بھی مکمل بیان کردیا، تاکہ جو حرف اللہ جل مجدہ نے نازل فرمایا ہے، مسلمان اسے ہی ادا کریں۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا نہیں۔

نیز فقہی حکم بھی مکمل وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا، تاکہ کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ ،ظا، کی صفات ،ضاد، کی صفات سے تمام حروف میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں، لہٰذا ''ضاد'' ادا کرنا جبکہ مشکل ہے تو اس کے مشابہ لفظ ''ظا'' سے ہی کام چلالیا جائے، تو واضح فرمادیا کہ دونوں بالکل جدا جدا حرف ہیں۔ اگر قصداً ''ضاد'' کی جگہ ''ظا'' پڑھا تو نہ یہ صرف کہ نماز نہ ہوگی، بلکہ تحریف قرآن بالقصد کے مرتکب ہوکر ایمان سے بھی ہاتھ دھوبیٹھوگے۔ اللہ عزوجل اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مسلمانوں کے لیے آسانیاں پسند فرمانے کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ قرآن مقدس میں کچھ کا کچھ پڑھا جائے، بلکہ ان کے فرمان کا مقصد یہ ہے حتی الوسع درست اور اسی کو پڑھنے کی کوشش کی جائے ، جو اللہ جل شانہ نے نازل فرمایا ہے۔ اس کے بعد جو ادا ہو، اللہ جل شانہ کے فضل واحسان سے یہی امید ہے کہ اسے قبول فرمائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم ،اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمدا عبدہ ورسولہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وعلماء ملتہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

محمد اکبر علی برکاتی۔ کالپی، جالون یوپی۔

۱۶، محرم الحرام، ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۷، ستمبر ۲۰۱۸ء پنج شنبہ

جامعہ احسن البرکات، مارہرہ، مطہرہ، ایٹہ، یوپی

☆☆☆☆☆

☆☆☆

ضمیمہ

(امام احمد رضا اور فن تجوید وقراءت)

از: مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

☆☆☆

الحمد للّٰہ والشکر للّٰہ والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسول اللّٰہ خیرۃ من خلق اللّٰہ ونخبۃ اللّٰہ من بریۃ اللّٰہ وصفوۃ اللّٰہ من أنبیاء اللّٰہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ ومن والاہ و بعد!۔

علم وفضل کے آفتابِ نیم روز، زہد وتقویٰ کے بدرِ منیر، تحقیق و تدقیق کے دُرِّ بے بہا، سیاستِ صادقہ کے گوہرِ نایاب اور تحریک عشقِ رسالت کے قافلۂ سالار مجدد اسلام امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز سے ہر ذی شعور، علم دوست اور حق شناس فرد متعارف ہی نہیں بلکہ اس مردِ حق آگاہ کی دینی، ملّی، روحانی اور سیاسی خدمات کا معترف بھی ہے اور خوشہ چیں بھی۔ سرِ دست ہم یہاں علمِ تجوید کے حوالے سے ایک مختصر سی تمہید کے بعد مجدّدِ اعظم اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے وہ گراں مایہ اَقوال پیش کرنا چاہیں گے جو علمِ تجوید کی اہمیت وافادیت اور ناآشنایانِ عظمتِ علم تجوید کو اس علم شریف کی تحصیل پر برانگیختہ کرنے سے متعلق ہیں؛ کیوں کہ محدث بریلوی نے جس طرح من جملہ اور علوم وفنون کے اِحیاء وتوسیع میں عمر عزیز کا قیمتی حصّہ صرف فرمایا، اسی طرح اس علم شریف کے فروغ واِحیاء کے لیے بھی آپ نے جہد بلیغ وسعی مشکور فرمائی، اور جیسے بھی ممکن ہوسکا اس علم کی اہمیت وعظمت عوام الناس سے لے کر خواص تک کے دل و دماغ میں رچانے بسانے کی کوشش کی، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی توجہات اور طبائع اس علم کی طلب وتجسس کی طرف مائل نظر آنے لگے اور ایک خاص حد تک اس علم سے دلچسپی لی جانے لگی؛ مگر پھر بھی

اس علم کی قدر و منزلت کے تناسب سے جو پیش رفت ہونا چاہیے تھی وہ ابھی نہیں ہوسکی ہے۔ تاہم اگر علماے عظام اور قراے کرام اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے اس علم کی توسیع و ترویج کا مومنانہ فریضہ خلوص و للّٰہیت کے جذبۂ بیکراں کے ساتھ انجام دیتے رہے تو اُمید ہے کہ مستقبل قریب میں ہندستان کا گوشہ گوشہ اس علم کی خوشبو سے مہک اٹھے گا اور طالبانِ دین صحیح معنوں میں قرآن کے قدوسی جمال سے لطف آشنا ہوسکیں گے۔

اس حقیقت سے بھلا کس کو انکار ہوگا کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعظیم و توقیر ربّانی نوشتوں کی کی جاتی ہے۔ قرآن مجید بلاشبہہ اللہ رب العزت کا کلام ہے، جو ہر قسم کے تغیر و تبدّل، حذف و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ سے پاک ہے، اور یہ سعادتِ ارزانی صرف اور صرف اسی صحیفۂ آسمانی کو حاصل ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں کروروں سے زیادہ انسان اس کے حافظ ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا کلام بھی یہی ہے۔ ظاہر ہے جو کتاب اتنی محترم اور پُر عظمت ہو اس کے پڑھنے کے طور اور اس کی تلاوت و قراءت کے آداب بھی اتنے ہی اہم و اعظم ہوں گے۔ چنانچہ خود کلام الٰہی کی اس آیت پاک سے تلاوتِ قرآن کی اہمیت و عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے: لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ، باوضو حضرات ہی اسے چھو سکتے ہیں، یعنی پڑھ سکتے ہیں۔ کیوں کہ عموماً قرآن مجید پڑھنے ہی کی خاطر وضو کیا جاتا ہے نہ کہ صرف قرآن چھونے کے لیے.......... اور منبعِ اسرارِ قرآنی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد تو قرآنِ پاک کو ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنے کا صاف اشارہ دے رہا ہے: رُبَّ قَارِیٍ (۱) لِلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ یَلْعَنُهٗ یعنی بہت سے قرآں خواں ایسے ہیں کہ (غلط (۲) پڑھنے کی وجہ کر) قرآن پاک ان پر لعنت کرتا ہے۔

حدیث رسول کا مقصود و مفاد یہ ہے کلماتِ قرآن کیوں کر ادا کیے جائیں، الفاظ و حروف کس طرح زبان سے نکالے جائیں، قرآن پڑھتے ہوئے قاری کس مقام پر کب اور کیسے ٹھہرے، یہ ایسے امور ہیں کہ ایک قرآن خواں کا ان سے آگاہ ہونا از حد ضروری ہے، تا کہ اس کی قراءت قلب و جگر میں وجدانی کیفیت اور فکر و نظر میں روحانی بالیدگی پیدا کرسکے، اور اس کے نتیجے میں وہ پورے طور پر شواہد و معانی قرآن سے لطف آشنا اور کیف اندوز ہوسکے، اسی کو اِصطلاح میں علمِ تجوید کا نام دیا گیا ہے۔

علماے ربانیین نے قرآن مجید کے مطالب و معانی، صیغ و الفاظ، اعراب و بنا، رسم الخط، طراق ادا، احکم ظاہرہ، اشاراتِ باطنہ اور قراءت مختلفہ کے تحفظ اور اس کے محاسن و محامد کو اجاگر کرنے کے لیے بے شمار علوم و فنون ایجاد کیے، جن سے ملتِ اسلامیہ قیامت تک راہ نمائی حاصل کرتی رہے گی، علمِ تجوید انھیں علوم میں سے ایک اہم علم ہے۔ اس علم کو غیر معمولی اہمیت اس لیے بھی حاصل ہے کہ یہ بلاواسطہ کلامِ الٰہی کی تلاوت اور اس کے اَلفاظ و حروف سے متعلق ہے۔

علم تجوید و ترتیل قرآن حکیم کے بنیادی علوم میں سے ایک ہے۔ اس علم کی تدوین کا باضابطہ آغاز دوسری صدی کے نصف سے ہوا۔ وہ لوگ بلاشبہہ معراجِ سعادت اور انسانیت کے ماتھے کا جھومر قرار دیے جانے کے لائق ہیں جو قرآن کی تعلیم و تعلم کو اپنا مقصد و مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں۔ قرآن کے معنی و مفاہیم کے ساتھ اس کے حروف، الفاظ اور آیات کے صوتی نظام اور حسن اَدا میں بلا کی جاذبیت اور کشش پائی جاتی ہے؛ اس لیے اللہ چاہتا ہے کہ اس میں جو صوتی آہنگ اور قراءت کے رموز پوشیدہ ہیں وہ بندے کی نوکِ زبان سے اجاگر ہوں؛ کیوں کہ حروف و الفاظ کے صحیح تلفظ اور آیات کے حسن اَدا پر ہی معنے کا مربوط نظام قائم ہے۔ ہر چند کہ نزولِ قرآن کا مقصد اس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے؛ لیکن اَدب اور محبت کے ساتھ اس کی تلاوت بھی اعلیٰ عبادت ہے؛ تاہم قرآن کی

درست تلاوت اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جب اسے تجویدوترتیل کے قواعد وآداب کے ساتھ کیا جائے؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کوترتیل اوروقار کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہوا کہ وہ علم تجوید وترتیل کے بنیادی اُصول وقواعد سے آگاہی حاصل کرے۔

آیا قــاري القرآن أحسن أداء ہ
یضاعف لک اللّٰہ الجزیل من الأجر

علمِ تجوید دراصل اُن قواعداوراصول کا نام ہے جن کی معرفت و رعایت سے حروفِ قرآنیہ اس ترتیل کے موافق ہوجائیں جس طرح کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دیا ہے: وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَــرْتِیْلاً ۔اورقرآن کوٹھہرٹھہر کر پڑھو۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی صرف تلاوت مقصودنہیں بلکہ اصل ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہرکلمہ صاف صاف، جدا جدا اورصحیح اَدا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے پیش نظر ہرایک قاریِ قرآن پرکلام اللہ بالترتیل پڑھنا واجب ہے۔اوراجر وثواب کا ترتب وتحقق اسی وقت ہوگا جب قرآن مجید موافق نزول اورمطابق ماموربہ پڑھا جائے۔

خلاصۃ البیان میں تجوید کی تعریف یوں مذکور ہے :

والتجوید عبارۃ عن ادائہ کما انـزل.

یعنی تجوید یہ ہے کلام اللہ موافق نزول پڑھا جائے۔
(خلاصۃ البیان:ص۴)

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر تجوید کی ایک جامع تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے :

التـجوید اداأء کأداءِ الرسول ﷺ ووجوہ الاداء عـنـہ الیـنـا مـنقول ولا دخل للرأی فیہ. (خلاصۃ البیان:ص۸)

یعنی تجوید ایسی ادا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کلام اللہ کو ادا فرماتے تھے، اورکلام اللہ کی ادائیں (یعنی ادغام واظہار، اقلاب واخفااورترقیق وتـفـخیم وغیرہ) سب کے سب نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں اوراس میں کسی کی عقل ورائے کو ذرّہ بھردخل نہیں۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں یہی بات کہنے کی کوشش کی ہے؛

وما بقیاس فی القراء ۃ مدخل
فدونک مافیہ الرضا فتکفلہ

اورامام جزری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اس شعر سے کچھ یہی بتانا چاہتے ہیں۔

لانہ بہ الالہ انزلا وھٰکذا منہ الینا وصلا

مجدّدِاعظم ،مجدداسلام امام احمدرضاخان محدث بریلوی قدس سرہ اس علمِ شریف کی شرعی حیثیت اُجاگر کرتے ہوئے اور اس فن کی غیرمعمولی اہمیت بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں :

تجوید بنصِ قطعی قرآن و اخبارِ متواترۂ سیدالانس والجان عـلیـہ و عـلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام واجماعِ تام صحابہ وتابعین وسائرائمہ کرام عـلیـھـم الـرضـوان الـمستـدام حق وواجب درعلمِ دینِ شرعِ الٰہی ہے:قال اللّٰہ تعالیٰ:وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً. (قرآن ٹھہرٹھہر کر پڑھو۔)(فتاویٰ رضویہ:۳۲۲،۳۲۳/۶)

اس علم کی فرضیت وقطعیت کے حوالے سے دوسری جگہ فرماتے ہیں :

اَلثغ کی نمازجبھی توصحیح ہے کہ وہ تصحیح حروف میں کوشش کیے جائے،یہ بھی بےتعلیم صحیح ناممکن،یہی تعلیم تجوید ہےتواس کی فرضیت قطعاً ثابت۔اگرصحیح کونہ سیکھے یا سیکھےاوراس کے ادا کرنے کی کوشش نہ کرے تو نماز ضرور باطل ہوگی توعلم وعمل

دونوں فرض ہوئے۔(فتاویٰ رضویہ:۶/۳۴۰)

مذکورہ بالا باتوں سے علمِ تجوید کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کتاب وسنت اور اجماعِ امت کی روشنی میں لگانا چنداں مشکل نہیں۔ اب آگے ترتیل کی حدوں کا تعین کرتے ہوئے مجدّدِ اعظم سرکارِ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ترتیل کی تین حدیں ہیں۔ ہر حد اعلیٰ میں اس کے بعد کی حد ماخوذ وملحوظ ہے۔

حد اوّل : یہ کہ قرآن عظیم ٹھہر ٹھہر کر بآہستگی تلاوت کرے کہ سامع چاہے تو ہر کلمے کو جدا جدا گن سکے۔ الفاظ بہ تفخیم ادا ہوں، حروف کو ان کی صفاتِ شدت وجہر و امثال کے حقوق پورے دیے جائیں، اظہار و اخفا و تفخیم وترقیق وغیرہا محسنات کا لحاظ رکھا جائے یہ مسنون ہے اور اس کا ترک مکروہ وناپسندیدہ۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً** یعنی ہم نے اسے بندوں کی ضروریات کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ ہم نے قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تدریجاً نازل فرمایا۔

حد دوّم : مدووقف ووصل کے ضروریات اپنے اپنے مواقع پر ادا ہوں، کھڑے پڑے کا لحاظ رہے، حروفِ مذکورہ جن کے قبل نون یا میم ہو ان کے بعد غنہ نہ نکلے **انّا کنّا** کو **انّ کنّ** یا **انّاں کنّاں** نہ پڑھا جائے باوجیم ساکنین جن کے بعد 'ب' ہو بشدّت ادا کیے جائیں کہ پ اور چ کی آوازیں نہ دیں ......کوئی حرف بے محل اپنے مجاور کی رنگت نہ پکڑے ت وط کے اجتماع میں مثلاً ''**یستطیعون**''، ''**لا تطع**'' بے خیالی کرنے والوں سے حرف تا بھی مشابہ طا ادا ہوتا ہے بلکہ بعض سے ''**عتو**'' میں بھی بوجہ تفخیم عین وضمہ تا آواز مشابہ طا پیدا ہوتی ہے بالجملہ کوئی حروف وحرکت بے محل دوسرے کی شان اخذ نہ کرنے نہ کوئی حرف چھوٹ جائے، نہ کوئی اجنبی پیدا ہو، نہ محدود ومقصور ہو، نہ ممدود، اسی زیادت اجنبی کے قبیل سے ہے وہ الف جو بعض جہال ''**و استبقا الباب**''، ''**دعوا اللّٰہ**''، ''**وقالا الحمد للّٰہ**''، ''**ذاقا الشجرۃ**'' کے قیاس پر ''**کلتا الجنتین**''، ''**قیل ادخلوا النار**'' میں نکالتے ہیں حالانکہ یہ محض فاسد اور زیادت باطل وکاسد، واجب واجماعی مد متصل ہے، منفصل کا ترک جائز، ولہٰذا اس کا نام ہی مد جائز رکھا گیا اور جس حرف مدہ کے بعد سکون لازم ہو جیسے ضالین، **الم** وہاں بھی مد بالاجماع واجب۔ اور جس کے بعد سکون عارض ہو جیسے **العالمین، الرحیم، العباد، یوقنون** بحالت وقف یا **قال اللھم** بحالت ادغام وہاں مدوقصر دونوں جائز، اس قدر ترتیل فرض وواجب ہے، اور اس کا تارک گنہ گار۔

حد سوّم: جو حروف وحرکات کی تصحیح اع، ت ط، ث س ص، ح ہ، ذ ز ظ وغیرہا میں تمیز کرے، غرض ہر نقص و زیادت و تبدیل سے کہ مفسد معنی ہو احتراز یہ بھی فرض ہے، اور علی التفصیل فرائضِ نماز سے بھی ہے کہ اس کا ترک مفسدِ نماز ہے جو شخص قادر ہے اور بے خیالی یا بے پروائی یا جلدی کے باعث اسے چھوڑتا ہے یا سیکھے تو آجائے مگر نہیں سیکھتا، ہمارے ائمہ کرام مذہب رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کی نماز باطل اور اس کی امامت کے بطلان اور اس کے پیچھے اوروں کی نماز فاسد ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔(فتاویٰ رضویہ:۶/۲۷۵-۲۸۱)

ترتیل کے حوالے سے بیان کردہ اعلیٰ حضرت کی یہ تینوں حدیں اتنی جامع ومانع ہیں کہ محسوس ہوتا ہے جیسے علمِ تجوید کے تمام قواعد ورموز ''کوزے میں سمندر'' کی مانند اس میں پرو

دیے گئے ہیں، اور ظاہر ہے اس طرح کا معیاری اور تحقیقی کلام، نکات ونقاط کی باریکیوں کے ساتھ وہی کرسکتا ہے جسے اس فن میں مہارتِ تامہ اور براعتِ کاملہ حاصل ہو۔

مدِ متصل میں مد کرنا واجب، اور اس کا ترک کرنا حرام ہے۔ اس دعویٰ پر دلیل دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اِرشادفرماتے ہیں :

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک شخص کو قرآن عظیم پڑھارہے تھے اس نے انما **الصدقات للفقرآء** کو بغیر مد کے پڑھا۔ فرمایا: **ما هٰکذا اقرأنیها رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم** (مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایسے نہیں پڑھایا ہے۔) عرض کی آپ کو کیا پڑھایا؟ فرمایا: **انما الصدقات للفقرآء** مد کے ساتھ ادا کر کے بتایا۔ **رواه سعید بن منصور فی سننه والطبرانی فی الکبیر بسند صحیح.** (فتاویٰ رضویہ: ۶/۲۷۹)

اگر کسی شخص کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ وسوسہ ہو کہ علمِ تجوید بہت معمولی اور کوئی عام سا فن ہے، جس سے اعتنا کچھ ضروری نہیں، تو ایسے کوتاہ فکروں کے سمند شوق کو اعلیٰ حضرت اس علم کی قدر و منزلت کی جانب یوں مہمیز کرتے ہیں :

اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس سے احتراز حاصل ہو، واجبات عینیہ واہم مہمات دینیہ سے ہے۔ آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور حرف میں اس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا قصد واہتمام لازم کہ قرآن کے مطابق ما انزل اللہ تعالیٰ پڑھے، نہ کہ معاذ اللہ مداہنت و بے پروائی سے۔

ایک دوسرے مقام پر نا آشنایانِ علمِ تجوید کو اس علم کی تحصیل و ترغیب پر ابھارتے ہوئے زبان و بیان کی قدرت و ندرت، تحقیق و تدقیق کا نکتہ اسرار آفریں، مترادفات کا دھارا، الفاظ کا چٹخارہ اور ترکیب وعبارت کا من موہ لینے والا اسلوب یوں دکھایا ہے :

اس مسئلہ خاص میں حق تحقیق حقیق بالقبول وعطر تنقیح اکابر فحول یہ ہے کہ مولیٰ عزوجل تبارک وتعالیٰ نے قران عظیم اتارا اور ہمیں بحمد اللہ اس کے نظم ومعنی دونوں سے متعبّد کیا، ہر مسلمان پر حق ہے کہ اسے جیسا اترا ویسا ہی ادا کرے۔ حرف کی آواز بدلنے میں بے شمار جگہ الفاظ مہمل رہتے یا معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاذ اللہ کفر و اسلام کا فرق ہو جاتا ہے، آواز صحیح سے جو معنی تھے ایمان تھے، اور بدلنے پر جو پیدا ہوئے ان کا اعتقاد صریح کفر، تو معاذ اللہ وہ کلام اللہ کیوں کر ہوا۔ آج کل یہاں عوام بلکہ کثیر بلکہ اکثر خواص نے اس امر خطیر میں مداہنت و بے پروائی اپنا شعار کر لی۔ فقیر نے بگوش خود مولوی صاحبوں، اصحابِ وعظ وفتویٰ کو خاص پنچایت میں برملا پڑھتے سنا ''قل ھواللہ اھد'' حالاں کہ ہرگز نہ اللہ نے 'اھد' فرمایا نہ امینِ وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 'اھد' پہنچایا، نہ صاحب قرآن ﷺ نے 'اھد' پڑھایا، پھر یہ قرآن کیوں کر ہوا۔ احد کے معنی ایک اکیلا، شریک ونظیر سے پاک نرالا۔ اور 'اھد' کے معنی معاذ اللہ بزدل کمزور...... فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ کو 'احد' ماننا عین اسلام، اور معاذ اللہ 'اھد' کہنا صریح دشنام ہے۔ مانا کہ تمہیں قصدِ دشنام نہیں پھر اس سے کیا ہوا کفر سے بچ گئے، بات کی شناعت کیا جاتی رہے گی؟ تعریف کیجیے اور اسی کا قصد ہو مگر لفظ وہ نکلیں جو صریح ذم ہوں، کیا علمائے متأخرین اسے حلال بتا گئے ہیں؟ کلا واللہ حاشا للہ.......... حاشا فتویٰ متاخرین پروانۂ پروائی نہیں، باوصفِ قدرتِ تعلیم تعلّم نہ کرنا اور براہِ سہل انگاری غلط خوانی قرآن پر مصر ومتمادی رہنا کون جائز رکھے گا۔ (فتاویٰ

رضویہ ۶/۳۱۸)
صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
اذا تعس احدکم وھو یصلی فلیر قد حتیٰ یذھب عنہ النوم فان احدکم اذا صلی وھو ناعس لا یدری لعلہ یذھب لیستغفر فیسب نفسہ. رواہ مالک والبخاری و مسلم و ابوداؤد و الترمزی و ابن ماجة عن ام المومنین الصدیقة رضی اللہ تعالیٰ عنھا.
یعنی جب تم میں کسی کو نماز میں اونگھ آئے تو سو رہے یہاں تک کہ نیند چلی جائے کہ اونگھتے میں پڑھے گا تو کیا معلوم شاید اپنے لیے دعاے مغفرت کرنے چلے اور بجائے دعا، بددعا نکلے۔ اسے امام مالک، بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔
جب اونگھتے میں نماز سے منع کیا کہ احتمال ہے شاید اپنے لیے دعاے بد نکل جائے، اگر چہ قصدِ دعا ہے۔ تو خود جاگتے میں خود اللہ عزوجل کی شان میں سخت گستاخی کا کلمہ نہ فقط احتمالاً بلکہ تجربۃً بارہا منہ سے نکالنا کیوں کر گوارا ہو سکے، اگر چہ قصد ثنا ہے۔
اتقان شریف میں ہے :
من المھمات تجوید القرآن وھو اعطاء الحروف حقوقھا و رد الحرف الی مخرجہ و اصلہ ولا شک ان الامة کماھم متعبدون بفھم معانی القرآن و اقامة حدودہ وھم متعبدون بتصحیح الفاظہ و اقامة حروفہ علی الصفة المتلقاة من ائمة القرآة المتصلہ بالحضرة النبویة و قد عد العلماء القراءة بغیر تجوید لحنا. ملخصاً.

یعنی علمِ تجوید کی روشنی میں قرآن کریم پڑھنا اہم امور میں سے ہے۔ اور وہ حروف کو ان کے حقوق دینا اور حرف کو اس کے مخرج اور اصل کی طرف لوٹانا ہے، بلاشبہہ جس طرح امتِ مسلمہ معانی قرآن کے سمجھنے اور حدودِ قرآنی کے نفاذ میں پابند ہے اسی طرح وہ قرآن کے الفاظ کی تصحیح اور انھیں اسی طریقہ وصفت پر ادا کرنے کی بھی پابند ہے جس طرح ان کو قرأت کے ائمہ نے ادا کیا جن کا سلسلۂ سند نبی اکرم ﷺ تک متصل ہے اور علما نے بغیر تجوید کے قرآن پڑھنے کو لحن قرار دیا ہے۔
علمِ تجوید کو درخورِ اعتنا نہ سمجھنے والوں کو اعلیٰ حضرت باندازِ ناصحانہ یوں سمجھا رہے ہیں کہ اگر علمِ تجوید سے آشنائی نہیں ہے تو صحیح معنوں میں ہم، اہم العبادات یعنی نماز، کامل و اکمل طریقے پر ادا نہیں کر سکتے، کیوں کہ قرأتِ قرآن، فرائضِ نماز کا ایک جزء ہے جو بغیر علمِ تجوید سیکھے آنے سے رہی۔ فرماتے ہیں:
تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرے سے تبدیلی اگر عجزا ہو تو مذہب صحیح و معتمد میں اور خطا ہو تو ہمارے ائمہ مذہب کے نزدیک مفسدِ نماز ہے جب کہ مفسدِ معنی ہو یا امام ابی یوسف کے نزدیک جب کہ وہ قرآن کریم میں نہ ہو اور اس سے بچنا بے تعلیم تمایز حروف ناممکن اور فسادِ نماز سے بچنا فرض عین ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۶/۳۳۹)
فنِ تجوید کا پورا مدار حرفوں ہی پر ہے، یعنی اس علم کا موضوع ہی حروفِ قرآنیہ ہیں۔ اور حروف میں ادا کے اعتبار سے سب سے مشکل ترین حرف ''ضاد'' مانا گیا ہے، اس لیے قراء نے اس کے متعلق بڑی بحثیں کی ہیں؛ مگر امام احمد رضا نے اس مسئلہ کے شکوک وشبہات اور پیچ وخم کو لغوی وشرعی بہر اعتباریوں بے غبار کر دیا ہے کہ بس دیکھا کیجیے۔ پہلے

ضاد کا صحیح مخرج اعلیٰ حضرت کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں :
ض کا مخرج زبان کی ایک طرف کی کروٹ اسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا اور زبان اوپر کو اُٹھ کر تالو سے ملنا اور ادا میں سختی وقوت ہونا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ:۲/۲۷۶)
آگے فرماتے ہیں :
یہ (ضاد) دشوار ترین حرف ہے اس کی ادا خصوصاً عجم پر کہ ان کی زبان کا حرف نہیں، سخت مشکل۔ مسلمانوں پر لازم کہ اس کا مخرج صحیح سے ادا کرنا سیکھیں اور کوشش کریں کہ ٹھیک ادا ہو اپنی طرف سے نہ ظا کا قصد کریں نہ دواد کا کہ دونوں محض غلط ہیں اور جب اس نے حسب وسع و طاقت جہد کیا اور حرف کو صحیح ادا کرنے کا قصد کیا پھر کچھ نکلے اس پر مواخذہ نہیں لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔
ض کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند پیدا کیا ہے کہ کوئی حرف بھی اس کا قریبی نہیں گردانا جا سکتا۔ اسی لیے سیبویہ نے کہا اور خوب کہا: اگر صاد میں اطباق نہ ہو تو وہ سین بن جائے، اگر ظا میں نہ ہو تو زال بن جائے، اگر طا میں نہ ہو تو وہ دال بن جائے اور ضاد کلام ہی سے خارج ہو جائے کیوں کہ اس کے متبادل کوئی حرف ہی نہیں۔
امام احمد رضا نے حروف کی صفاتِ لازمہ کے متعلق بحث میں بڑا دوٹوک فیصلہ سنایا ہے، فرماتے ہیں :
اقول : تحقیق آنست کہ در صفات حروف بعضے صفات لازمہ است کہ فقد انش مستلزم فقدان ذات باشد چنانچہ اطباق درط وانفتاح درت اوقطعا واجب المراعاۃ ست۔
میں کہتا ہوں تحقیقی بات یہ ہے کہ حروف کی صفات میں بعض ایسی صفات لازمہ ہیں جن کے فقدان سے حروف کی ذات کا فقدان لازم آتا ہے مثلاً طاء میں اطباق اور تاء میں انفتاح۔ اس کی رعایت نہایت ہی ضروری ہے۔

علمائے کرام نے فرمایا: مد کا ترک حرام ہے۔ تو کھڑے کو پڑا پڑھنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا کہ اس میں تو جو ہر لفظ میں کمی ہوگئی بخلاف مد کہ امر زائد تھا۔ فی الدر عن الحجۃ فی النفل لیلا لہ ان یسرع بعد ان یقرأ کما یفھم اہ قال السیدان العلامتان الطحطاوی والشامی قولہ کما یفھم ای بعد این یمد اقل مد قال بہ القراء والاحرام لترک الترتیل المامور بہ شرعا۔ در مختار میں الحجہ کے حوالہ سے ہے کہ رات کے وقت نوافل میں اتنا تیز پڑھ سکتا ہے کہ پڑھا ہوا سمجھا جا سکے -- ہمارے دونوں سید علاّمہ طحطاوی اور شامی فرماتے ہیں ان کے قول کما یفھم سے مراد یہ ہے قراء کے بتائے کے مطابق وہ مد کی کم از کم مقدار ضروری ادا کرتا ہو، ورنہ یہ عمل حرام ہوگا کیوں کہ اس میں اس ترتیل کا ترک لازم آتا ہے جس کا شرعاً حکم ہے۔
یوں ہی آگے فرماتے ہیں کہ جس شخص کو وقف و وصل کی رعایت کا شعور نہ ہو اسے منصبِ امامت زیب نہیں دیتا۔
فی الهندية عن المحيط من يقف فی غير مواضعه و لا يقف فی مواضعه لا ينبغی له ان يوم.
ہندیہ میں محیط کے حوالے سے ہے کہ وہ شخص جو غیر وقف کی جگہ وقف کرے اور وقف کی جگہ وقف نہ کرے اسے امام نہیں ہونا چاہیے۔ ناآشنایانِ علم تجوید اور تجویدِ حروف سے عاری حضرات کو آگاہ کرتے ہوئے مجوّد و مجدد اعظم اعلیٰ حضرت یوں فرماتے ہیں:
وہ (ناآشنائے علمِ تجوید) اپنے رب عزوجل سے ڈرے، اپنے حال پر رحم کرے، فسق و نافرمانی بادشاہ قہار سے تائب ہو کہ اس کے پیچھے نماز بروقت محبوب و مناسب ہو۔ اگر روزِ قیامت کا اندیشہ نہیں تو اس مجلس اسلامی میں صدارت نہ ملنے کی غیرت چاہیے۔ آدمی اگر دنیا والوں کے کسی جلسہ میں جائے تو کوشش کرے گا کہ کوئی حرکت ایسی نہ ہو جو لوگ

اچھی جگہ بٹھانے کے قابل نہ سمجھیں، اور اگر کسی مجلس میں صدر کی جگہ سے ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا جائے، کس قدر غیرت آئے گی، ندامت ہوگی، تو یہ اللہ عزوجل کے دربار میں صدرِ مقام ہے یہاں کیوں نہ غیرت کو کام میں لایئے کہ کار کنانِ بارگاہِ سلطانی صدر جگہ سے ہاتھ پکڑ کر اٹھانہ دیں۔ اللہ توفیق خیر رفیق عطا فرمائے۔ آمین (فتاویٰ رضویہ: ۶/۴۳۶)

آپ سے پوچھا گیا کہ اللہ کے لام کو پُر پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

ہاں! سُنتِ متوارثہ ہے جب کہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ۶/۳۲۸)

مدفرعی کے اقسام فنِ تجوید میں چھ ہی بیان کیے گئے ہیں مگر اعلیٰ حضرت نے اپنی تحقیق و تجوید دانی سے اس میں ایک قسم (مدتعظیم) کا اضافہ فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ سے استفتاء ہوا کہ اللہ کے الف کو تکبیرات میں کچھ دراز کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

تھوڑا دراز کرنا تو مستحب ہے، اسے مدتعظیم کہتے ہیں اور زیادہ دراز کرنا کہ حدِ اعتدال سے خروج فاحش ہو مکروہ۔ (ایضا)

ذیل کے اس فتویٰ کا علمِ تجوید سے گہرا ارتباط ہونے کی وجہ سے اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیے کہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا گیا کہ تجوید نہ جاننے والے کو امام بنانا کیسا؟ اور اس کے پیچھے تجوید داں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

اگر ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ معنی میں فساد آتا ہے مثلاً حرف کی تبدیل جیسے ع، ط، ص، ح، ظ کی جگہ ا، ت، س، ہ، ز پڑھنا کہ لفظ مہمل رہ جائے یا معنی میں تغیر فاحش راہ پائے یا کھڑا پڑے کی بدتمیزی کہ حرکات بڑھ کر حروفِ مدہ ہو جائیں اور وہی قباحتیں لازم آئیں جس طرح بعض جہاں نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں کہ بے معنی ہے یالا الی اللہ تحشرون بلاتاکید کولا الی اللہ تحشرون بلائے نافیہ کہ تغیر معنی ہے تو ہمارے ائمہ متقدمین کے مذہب صحیح ومعتمد محققین پر مطلقاً خود اس کی نماز باطل ہے۔ اور جب اس کی اپنی نہ ہوگی تو قواعد داں وغیر قواعد داں کسی کی اس کے پیچھے نہ ہو سکے گی۔ فان صلوٰۃ المأموم مبتنیة علیٰ صلوٰۃ الامام. (ایضا)

الغرض امام احمد رضا نے اس موضوع پر بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہے، اور اس علم کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ میں مسائل علمِ تجوید کی گل ریزی جابجا ملتی ہے۔ علمِ تجوید میں آپ کی حذاقت و مہارت کا حال ہے کہ جب آپ سے ضاد کے مخرج کی بابت سوال ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں دو دو مستقل رسالے (نعم الزاد لروم الضاد اور الجام الصاد عن سنن الضاد) تحریر فرمادیے۔ ان دونوں رسالوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس فن شریف پر بھی امام کی گرفت کتنی مضبوط تھی، اور وہ بلاشبہہ مجدد اسلام کے ساتھ مجودِ اعظم بھی کہے جانے کے لائق تھے۔

یہ مختصر مضمون امام احمد رضا کی مہارتِ تجوید وقراءت کے بھلا کتنے گوشے اپنے اندر سمو سکتا ہے!۔ بس 'مشتے نمونہ از خروارے' ہی پر اکتفا ہے۔ اس موضوع کے بقیہ گوشے کسی اور مناسب موقع کے لیے چھوڑ رکھتے ہیں۔ قد بقی خبایا فی زوایا لولا أن المدیر أوصیٰ بالإجمال لأتینا بھا. وما توفیقي إلا باللّٰہ علیه توکلت وإلیه أنیب ولاحول ولاقوة إلا بہٖ.

OOOOOO

امام احمد رضا اور علم اصول حدیث

مقالہ نگار

مولانا مفتی ازہار احمد امجدی مصباحی ازہری (اوجھا گنج: بستی)

مفتی ازہار احمد امجدی مصباحی ازہری بن فقیہ ملت حضرت مفتی الشاہ جلال الدین امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان ۱۴؍ فروری ۱۹۸۳ء کو بستی (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور متوسطات کی تعلیم فیض الرسول (براؤں شریف)، مدرسہ امجدیہ ارشد العلوم (اوجھا گنج)، دارالعلوم علیمیہ (جمد اشاہی)، جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں حاصل کیے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ میں داخل ہوئے اور ۲۰۰۵ء میں شعبہ فضیلت کی تکمیل کی، اس کے بعد دو سال تک جامعہ اشرفیہ میں فتویٰ نویسی کی مشق و تربیت حاصل کی۔ مشہور عالمی یونیورسٹی جامع ازہر (مصر) کے شعبہ تخصص فی الحدیث میں داخل ہوئے، اور ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۴ء تک وہاں زیر تعلیم رہ کر علم حدیث میں بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اسی درمیان ڈیڑھ سال کی مدت میں حفظ قرآن مکمل کیا۔ بعد فراغت تا امروز مرکز تربیت افتا دارالعلوم امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم (اوجھا گنج) میں تدریس و فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایک درجن کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ بعض کتابوں کے اردو تراجم اور بعض اردو کتابوں کے عربی تراجم کیے۔ متعدد کتابوں پر حاشیہ نگاری و تحقیق و تخریج کی خدمت انجام دی۔ آپ کے درجنوں مقالات و مضامین رسائل و جرائد میں شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے نائب مدیر ہیں۔ رابطہ نمبر: 9936691051

امام احمد رضا اور علم اصول حدیث

تمہیدی کلمات:

فن حدیث دیگر فنون علم فقہ وغیرہ کی طرح بہت ہی پسندیدہ اور اہمیت کا حامل فن ہے، اسی فن کے ذریعہ احادیث کی صحت وضعف کا علم ہوتا ہے، اسی کی مدد سے احادیث گڑھنے والوں کا چہرا سامنے لاکر اسلام اور احادیث نبوی کا دفاع کیا جاتا ہے، اسی کا طرہ امتیاز ہے کہ اس فن کی خدمات حاصل کر کے جاہلوں کے تعصب وتعنت کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسی کے ذریعہ دین اسلام، قرآن پاک اور احادیث طیبہ پر کیے گئے اعتراضات کا کامل جواب دیا جاتا ہے، بہر حال یہ فن بہت ساری خوبیوں اور امتیازات و کمالات کا جامع ہے؛ اسی سبب روز اول ہی سے علماے ربانیین کی ایک بڑی جماعت اس فن میں مہارت حاصل کرتی رہی اور اس کے ذریعہ اس جماعت نے دین متین کی بیش بہا خدمت انجام دی اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت انجام دیتی رہے گی۔

انہیں علماے ربانیین میں سے چودہویں صدی کے مجدد دین و ملت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ ہیں، احادیث کی مختلف اقسام پر سیر حاصل ناقدانہ گفتگو آپ کی مہارت علم حدیث پر شاہد عدل ہے، ان ابحاث واقسام کو راقم نے 'تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی' کی ترتیب پر رکھا ہے۔راقم الحروف اسی عبقری شخصیت کی بارگاہ میں اپنی یہ ادنی کاوش: محدث بریلوی اور اصول حدیث ایک تحقیقی جائزہ، کے طور پر بطور خراج عقیدت مندرجہ ذیل عناوین کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا:

(الف) اصول حدیث کا تعارف۔

(ب) علم حدیث اور اعلی حضرت محدث بریلوی:

(۱) علم حدیث میں اعلی حضرت کی مہارت اقوال علما کی روشنی میں۔(۲) علم حدیث میں اعلی حضرت کی مہارت آپ کے افکار کی روشنی میں۔

(ج) محدث بریلوی کی علم حدیث پر مستقل کتب اور حواشی۔

وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب۔

(الف) اصول حدیث کا تعارف

اصول حدیث کے تعارف کے لیے اصول حدیث کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت، اس کی اہمیت، اس علم کی تاریخ آغاز وفروغ اور ارتقا کے اعتبار سے جان لینا، نیز اس فن کے ماہرین اور ان کی کتابوں کے بارے میں ایک اجمالی خاکہ ذہن کی سطح پر آجانا ضروری ہے، غیر مخل اختصار کے ساتھ مندرجہ بالا نکات پر گفتگو ملاحظہ فرمائیں:

علم حدیث کی تعریف:

علم حدیث کی مختلف تعریف کی گئی ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں: شیخ عزالدین ابن جماعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ایسے قوانین کا علم رکھنا جس کے ذریعہ سند ومتن کے احوال کو جانا جاسکے''۔ اور امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قواعد اور راوی و مروی کی حالت جاننے کا نام علم حدیث ہے''۔

موضوع: اس علم کا موضوع سند ومتن ہے۔

غرض و غایت: اس علم کی غرض و غایت صحیح اور غیر صحیح کا جاننا ہے اور امام کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی غرض وغایت دارین کی سعادت سے سرفرز ہونا ہے۔

(تدریب الراوی، مقدمۃ، ج ا ص ۲۶۔۲۷، ط: دار طیبۃ)

علم حدیث کی اہمیت: علم حدیث بہت اہم علم ہے، اس علم سے کسی بھی دور میں کنارہ کشی نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ اللہ تعالی خود اس کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اسے حاصل کرنے اور اس کو مضبوطی

سے پکڑنے کا حکم دے رہا ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر:59،الآیۃ:7)

ترجمہ: ((اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے))(کنز الایمان)

اس آیت مبارکہ میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احکام بتائے امت کو اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔

اور مختلف احادیث میں بھی اس علم کی اہمیت وفضیلت خوب اجاگر کی گئی ہے؛ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دلائی اور اس کی نشر واشاعت کا حکم دیا تاکہ اس علم کے ذریعہ استفادہ عام وتام ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضى الله عنه، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ)) (سنن أبي داود، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ج۳ص۳۲۲، رقم: ۳۶۶۰، ط: المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((اللہ تعالی اس شخص کو روشن کرے جس نے ہم سے حدیث سنی پھر اسے یاد کر کے لوگوں تک پہونچائے؛ کیوں کہ حامل فقہ کبھی ایسے شخص تک فقہ پہونچاتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حامل فقہ فقیہ ہی نہیں ہوتا))

اور یہ علم ہر کس وناکس سے نہیں بلکہ انہیں حاملین سے قبول کیا جائے گا جو ثقہ وعادل ہوں یا قابل اعتماد واعتبار ہوں، حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضى الله عنه، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی إسرائیل، ج۴ص۱۷۰، رقم: ۳۴۶۱، ط: دار طوق النجاۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(میری طرف سے لوگوں تک اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اسے پہنچاؤ، بنی اسرائیل سے بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں اور جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے؛ تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے)

مذکورہ بالا آیت اور بعض احادیث سے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو قرآن پاک اور احادیث سے ثابت شدہ احکام پر عمل کرنے اور ان کو لوگوں تک پہونچانے کا حکم دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث اور احکام کو بیان کرنے والے جہاں عادل و ثقہ یا قابل اعتماد واعتبار بھی ہونگے وہیں غیر معتبر بلکہ جھوٹے لوگ بھی ہونگے؛ اس لیے احادیث کو قبول کرنے اور نہ کرنے میں چھان بین اور تحقیق کی ضرورت پیش آئے گی؛ اسی تحقیق وتدقیق اور قبول و عدم قبول کی اہمیت کی طرف آنے والی آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ مزید توجہ دلاتی ہوئی نظر آرہی ہے:

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (الحجرات:49،الآیۃ:6)

ترجمہ: ((اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہو))(کنز الایمان)

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ، وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ)) (شرح مشکل الآثار، امام طحاوی رحمہ اللہ، باب بیان مشکل ما روي عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم في دفعہ میراث المتوفی فی زمنہ إلی مولاہ الأسفل الذي کان أعتقہ، ج ۱۰ ص ۱۷، رقم: ۳۸۸۴، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((ہر خلف میں سے عادل لوگ اس علم کو لیں گے، اس علم سے غلو کرنے والے کی تحریف، اہل باطل کے گڑھنے اور جاہلوں کی تاویل کو دور کریں گے))

اسی قبول اور عدم قبول کے پیش نظر علمائے کرام نے اس علم کے لیے قواعد وضوابط مرتب فرمایا تاکہ انہی قواعد کے آئینہ میں احادیث کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا جائے۔

علم حدیث کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بے شک علم حدیث علوم فاضلہ اور فنون نافعہ میں سے افضل و انفع علم ہے، اصحاب فضیلت اس علم کو پسند فرماتے ہیں، محققین اور کامل علما اس کی نشر واشاعت پر توجہ دیتے ہیں، اس علم کو کم ظرف لوگ ہی ناپسند کرتے ہیں، تمام علم میں اس علم کا اپنے فنون خاص کر فن فقہ میں زیادہ دخل ہے جو کہ فنون کے آنکھوں کی پتلی ہے؛ اسی وجہ سے فقہ کے مصنفین جو اس فن سے دور رہے، ان سے غلطی زیادہ ہوئی اور وہ علما جو اس فن میں ناقص رہے ان کے کلام میں خلل پایا گیا، ایک زمانہ تھا کہ حدیث کی شان بہت عظیم تھی، اس علم کے شائقین کی پوری جماعت عظمت والی تھی اور اس کو یاد رکھنے اور روایت کرنے والوں کا مرتبہ بہت بلند تھا، یہ ایسے لوگ تھے کہ ان کی حیات میں علم حدیث زندہ و جاوید تھا، اس کے فنون کے افنان ان کی زندگی میں بالکل پھل پھول رہے تھے، اس علم کے اہل و مستحقین کی وجہ سے اسے بے نیازی حاصل تھی، پھر اس فن کے جاننے والے کم ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کی تعداد بہت کم ہوگئی، اس کے حصول کی طرف توجہ صرف غفلت کے ساتھ سننے کے سوا کچھ نہیں، اس کے مقید کرنے میں اس کے علوم کو چھوڑتے ہوئے جس کی وجہ سے اس کی قدر و منزلت تھی، اس کے معارف سے دور رہتے ہوئے جس کی وجہ سے اس علم کی عظمت تھی اب صرف لکھنے کے سوا کچھ نہیں رہا''۔ (مقدمۃ ابن الصلاح، مقدمۃ، ص ۵-۶، ط: دار الفکر، بیروت)

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علم حدیث کی قدر و منزلت بہت ہے، قابل فخر اور قابل ذکر بھی ہے، ہر نیک عالم اس سے شغف رکھے گا اور ہر ناتجربہ کار جاہل اس سے محروم رہے گا، اس کے محاسن ہمیشہ باقی رہیں گے، اور میں اس علم کے موج سمندر میں غوطہ زن ہوا، جب کہ میرے علاوہ دوسرے لوگ اس فن کے ابتدائی مراحل تک پہونچنے پر ہی اکتفا کیے رہے، میں نے صرف اس کی گزرگاہ کے پاس آنے پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے چشمہ اور پیدا ہونے کی جگہ کو بھی کھولا اور میں نے راحت پر اعتماد کرنے والے کو شاعر کے اس قول سے مثال پیش کرتے ہوئے کہا:

اگرچہ ہم حسب والے ہیں مگر کسی دن بھی ہم حسب ونسب پر بھروسہ نہیں کرتے، ہم اپنے اگلوں کی طرح تعمیر کرتے ہیں اور انہوں نے جس طرح کام کیا اسی طرح کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں''۔

پھر دوسرے علوم میں اپنی خدمات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''میں نے ان تمام فنون پر کتابیں لکھیں اور قواعد و مہمات کو ان کتابوں میں بہتر طریقہ سے بیان کیا، میں ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو علم کے بغیر حدیث کا دعوی کرے جس کا مطمح نظر فقط ہر شیخ اور بزرگ سے زیادہ سماعت کرنا ہے، اس کی نظر التفات محدث کو جس کی حاجت ہے اس کے حاصل کرنے کی طرف نہیں ہوتی اور نہ ہی جائز و ناجائز چیز تلاش کرنے سے بچتا ہے، پھر گمان کرتا ہے کہ بہت ساری

کتابیں جمع کرلیں اور حد تو یہ ہے کہ ان کتابوں سے طلبہ کو فائدہ اٹھانے نہیں دیتا، اس کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو بہت ساری کتابیں اپنے جسم پر لادے ہوتا ہے مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

اگر مصطلح کے متعلق اس سے کوئی سوال کرلیا جائے؛ تو اس کا جواب دینے کی استطاعت نہیں رکھتا یا کوئی دینی مسئلہ پیش آ گیا؛ تو غلط وصحیح کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتا یا حدیث کا کوئی کلمہ بولا؛ تو اس کے اعراب میں غلطی کرنے سے مامون نہیں ہوتا؛ جس کی وجہ سے لوگ اس کا مزاق اڑاتے ہیں، **و اللہ تعالی حسبی و ھو خیر الناصرین**''۔(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ،۲۳-۲۴، ط: دار طیبۃ)

علم حدیث کی تاریخ:

اگر علم حدیث کی تاریخ باعتبار تدوین وکتابت دیکھا جائے؛ تو اس کی ابتدا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہوچکی تھی، چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد خطبہ دیا؛ تو خطبہ کے بعد یمن کے ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لیے لکھوادیں؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اکتبوا لأبی شاہ)) ترجمہ: ((ابوشاہ کے لیے لکھ دو))

اس حدیث کے ایک راوی ولید بن مسلم رحمہ اللہ نے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے عرض کیا: اس صحابی کے قول: ''اکتبوا لی یا رسول اللہ''۔ سے کس چیز کا لکھنا مراد ہے؛ تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو اس نے خطبہ سنا وہی لکھنا مراد ہے۔(صحیح البخاری رحمہ اللہ، کتاب فی اللقطۃ، باب کیف تعرف لقطۃ أھل مکۃ، ج۳ص۱۲۵، رقم:۲۴۳۴، ط: دار طوق النجاۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ حَدِيثًا مِنِّي إِلَّا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَكُنْتُ لا أكتب''. (صحیح ابن حبان، ذکر کثرۃ الروایۃ أبی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج۱۶،ص۱۰۳، رقم:۷۱۵۲، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ترجمہ: ''اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کوئی شخص مجھ سے زیادہ حدیث والا نہیں تھا البتہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ زیادہ حدیث والے تھے؛ کیوں کہ وہ حدیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا''۔

اور شک یا شبہ کی بنا پر حدیث قبول کرنے نہ کرنے میں احتیاط و تثبت کا آغاز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ادوار ہی میں ہوچکا تھا، اس کی دو چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

قبیصہ بن ذویب سے مروی ہے کہ جدہ (دادی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور آپ سے وراثت کا مطالبہ کیا؛ تو آپ نے فرمایا:

''میں آپ کے لیے کلام پاک میں کچھ نہیں پاتا اور میرے علم میں بھی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے کچھ ذکر کیا ہے، پھر آپ نے لوگوں سے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا؛ تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

((میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھا، آپ انہیں چھٹا حصہ دیتے ہیں)) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور ہے؟ اس مطالبہ پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسی کے مثل گواہی دی؛ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے نافذ فرمادیا۔(تذکرۃ الحفاظ، طبقات الحفاظ، امام ذہبی رحمہ اللہ، الطبقۃ الأولی، ج۱ص۹، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن قیس ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ سلام کیا مگر انہیں اجازت نہیں دی گئی؛ تو آپ لوٹ آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے آئے اور فرمایا: آپ کیوں لوٹ گئے؛ تو حضرت ابوموسی اشعری رضی

اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ سلام کرے اور اسے جواب نہ دیا جائے؛ تو وہ لوٹ جائے))

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور وعید فرمایا: آپ جو کہہ رہے ہیں اس پر دلیل قائم کریں ورنہ میں آپ کے ساتھ ایسا کروں گا؛ تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ میں ایک مجلس بیٹھا ہوا تھا اور ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا، ہم نے کہا: کیا بات ہے؛ تو آپ نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا، پھر انہیں میں نے حدیث سنائی؛ تو کیا تم میں سے کسی نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے؟ سب نے کہا: ہم سب نے اس حدیث کو سنا ہے، پھر ان لوگوں نے ان میں سے ایک شخص کو ان کے ساتھ بھیجا، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر اس کی خبر دی۔ (جامع معمر بن راشد رحمہ اللہ، باب الاستئذان، ج۱۰ص۳۸۱، ط: المجلس العلمی، پاکستان)

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا؛ تو اللہ تعالی جو چاہتا اس سے مجھے نفع پہنچتا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے سوا کوئی مجھ سے حدیث بیان کرتا؛ تو میں اس سے قسم لیتا، اگر وہ قسم کھالیتا؛ تو میں اس کی تصدیق کر دیتا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور انہوں نے سچ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((کوئی شخص کوئی گناہ کرے، پھر بہتر طریقہ سے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے اور اللہ تعالی سے مغفرت چاہے؛ تو اللہ تعالی اس کی مغفرت فرمادے گا)) (سنن ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلاة و السنة فيها، باب ماجاء فی أن الصلاة كفارة، ج۱ص۴۴۶، رقم: ۱۳۹۵، ط: دار إحياء الكتب العربية)

اور سب سے پہلے اسناد کی تفتیش وتحقیق کے بارے جس کا قول سامنے آتا ہے وہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ (ت ۱۱۰ھ) ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ". (صحیح مسلم رحمہ اللہ، مقدمة، باب فی أن الإسناد من الدين، ج۱ص۱۵، ط: دار إحياء التراث العربي، بیروت)

ترجمہ: "یہ علم دین ہے؛ لہذا جس سے اپنا دین سیکھو اسے پرکھ لو

نیز آپ ہی فرماتے ہیں:

"لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ، قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ". (صحیح مسلم رحمہ اللہ، مقدمة، باب فی أن الإسناد من الدين، ج۱ص۱۵)

ترجمہ: "علمائے کرام اسناد کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے؛ مگر جب فتنہ واقع ہوا؛ تو ان حضرات نے کہنا شروع کیا: ہمیں اپنے رجال کے نام بتاؤ تاکہ اہل سنت کی حدیث لی جائے اور اہل بدعت کی حدیث چھوڑ دی جائے"۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ (ت ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

"الْإِسْنَادُ مِنَ الدِّينِ، وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ". (صحیح مسلم رحمہ اللہ، مقدمة، باب فی أن الإسناد من الدين، ج۱ص۱۵)

ترجمہ: "اسناد دین میں سے ہے، اگر اسناد نہ ہوتی؛ تو جو شخص جو چاہتا بیان کر دیتا"۔

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمَ بْنَ عِيسَى الطَّالْقَانِيِّ قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ: الْحَدِيثُ الَّذِي جَاءَ: ((إِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ أَنْ تُصَلِّيَ لِأَبَوَيْكَ مَعَ صَلَاتِكَ، وَتَصُومَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ)) قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ، عَمَّنْ هَذَا؟ قَالَ: قُلْتُ لَهُ: هَذَا مِنْ حَدِيثِ شِهَابِ بْنِ خِرَاشٍ، فَقَالَ: ثِقَةٌ، عَمَّنْ

قَالَ؟ قُلْتُ: عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: ثِقَةٌ، عَمَّنْ قَالَ؟ قُلْتُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ، إِنَّ بَيْنَ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاوِزَ تَنْقَطِعُ فِيهَا أَعْنَاقُ الْمَطِيِّ، وَلَكِنْ لَيْسَ فِي الصَّدَقَةِ اخْتِلَافٌ". (صحیح مسلم رحمہ اللہ، مقدمۃ، باب فی أن الإسناد من الدین، ج۱ص۱۶)

ترجمہ: ابواسحاق ابراہیم بن عیسی طالقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اے ابوعبد الرحمٰن: اس حدیث کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں: ((نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزے کے ساتھ اپنے والدین کے لیے روزہ رکھو))

آپ کہتے ہیں کہ عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اے ابواسحاق! یہ حدیث کس سے مروی ہے؟ میں نے ان سے عرض کیا: یہ شہاب بن خراش کی حدیث سے ہے؛ تو آپ نے فرمایا: وہ ثقہ ہیں، انہوں نے کس سے روایت کی ہے؟ میں نے عرض کیا: انہوں نے حجاج بن دینار سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: یہ ثقہ ہیں، انہوں نے کن سے روایت کی ہے؟ میں نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، آپ نے فرمایا: اے ابواسحاق! بے شک حجاج بن دینار اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اتنا لمبا فاصلہ ہے کہ اس میں چلنے والے کی زندگیاں ختم ہو جائیں، لیکن بہر حال صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَقِيقٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْمُبَارَكِ، يَقُولُ عَلَى رُؤُسِ النَّاسِ: دَعُوا حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَسُبُّ السَّلَفَ". (صحیح مسلم رحمہ اللہ، مقدمۃ، باب فی أن الاسناد من الدین، ج۱ص۱۶)

علی بن شقیق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو مجمع عام میں کہتے ہوئے سنا: ''عمرو بن ثابت کی حدیث چھوڑ دو؛ کیوں کہ وہ سلف صالحین کو گالی دیتا ہے''۔

فن کے ماہرین اور ان کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ: فن علوم حدیث میں کلام کرنے والے سلف صالحین کثرت سے پائے جاتے ہیں، صحابہ کرام میں جیسے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم، امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ، تابعین میں جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، امام شعبی اور امام ابن سیرین رحمہم اللہ وغیرہ، اس فن کے مباحث ابتدا میں اصول فقہ وغیرہ کی کتابوں میں مخلوط ذکر کیے جاتے تھے، اس وقت اس فن میں مستقل کسی کتاب کا تصور نہیں تھا، سب سے پہلے اس فن میں مستقل کتاب تقریبا چوتھی صدی کے نصف میں لکھی گئی، اس پہلی کتاب کا نام: المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، مؤلف: ابومحمد حسن بن عبد الرحمٰن رامہرمزی فارسی رحمہ اللہ (ت۳۶۰ھ)

اس کے بعد امام حاکم، ابونعیم اصبہانی اور خطیب بغدادی رحمہم اللہ وغیرہ نے مستقل مفید کتابیں تصنیف کیں اور آج تک یہ علمی سلسلہ جاری ہے، اس فن کے بعض اہم علما اور ان کی کتابوں کے نام ملاحظہ فرمائیں:

معرفۃ علوم الحدیث، مؤلف: ابوعبد اللہ حاکم محمد بن عبد اللہ نیسا پوری رحمہ اللہ (ت ۴۰۵ھ) المستخرج علی معرفۃ علوم الحدیث، مؤلف: ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی رحمہ اللہ (ت۴۳۰ھ) الکفایۃ فی علم الروایۃ، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، مؤلف: ابوبکر احمد بن علی بغدادی رحمہ اللہ (ت۴۶۳ھ) الإلماع إلی معرفۃ أصول الروایۃ وتقیید السماع، مؤلف: ابوالفضل عیاض بن موسی سبتی رحمہ اللہ (ت۵۴۴ھ) مالایسع المحدث جہلہ، مؤلف: ابوحفص عمر بن عبدالمجید میانجی رحمہ اللہ (ت۵۸۰ھ) علوم الحدیث معروف بہ مقدمۃ ابن الصلاح، مؤلف: ابوعمرو عثمان بن عبد الرحمٰن شہرزوری رحمہ اللہ (ت۶۴۳ھ) التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر والنظیر صلی اللہ علیہ وسلم، مؤلف: محی الدین یحی بن شرف نواوی رحمہ اللہ (ت۶۷۶ھ) نظم الدرر فی علم الأثر، مؤلف: زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی رحمہ اللہ (ت۸۰۶ھ) نخبۃ الفکر فی مصطلح أہل الأثر،

مؤلف: ابوالفضل احمد بن علی عسقلانی رحمہ اللہ (ت ۸۵۲ھ) فتح المغیث فی شرح ألفیۃ الحدیث، مؤلف: محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ (ت ۹۰۲ھ) تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، مؤلف: جلال الدین عبدالرحمٰن بن أبی بکر سیوطی رحمہ اللہ (ت ۹۱۱ھ) المنظومۃ البیوقونیۃ، مؤلف: عمر بن محمد بیقونی رحمہ اللہ (ت ۱۰۸۰ھ) اوران کے علاوہ 'قواعد التحدیث' کے مصنف جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ (ت ۱۳۳۲ھ) وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں۔

(ب)

محدث بریلوی اور علم حدیث

حضور اعلی حضرت مجدد دین وملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے علم حدیث سے متعلق عمدہ افکار اور تحقیقی کارنامے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، یہ وہ کارنامے ہیں جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، آپ کے اس فن سے متعلق کارنامے اور افکار ونظریات مندرجہ ذیل عناوین کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گا کہ اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کو فن اصول حدیث میں بھی ید طولی اور مہارت تامہ حاصل تھی:

(ا) علم حدیث میں اعلی حضرت کی مہارت اقوال علما کی روشنی میں:

امام اہل سنت اعلی حضرت مجدد دین و ملت علیہ الرحمۃ و الرضوان کی شخصیت اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایسی شخصیت ہے جو پچاس سے زائد علوم وفنون میں مہارت رکھتی ہے بلکہ غیر بھی علم فقہ وغیرہ میں آپ کی مہارت تامہ کا اعتراف کرتے ہوئے عار محسوس نہیں کرتے، ہاں علم حدیث کی بات آتی ہے؛ تو غیر اپنی لاعلمی یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ علم حدیث کو ان کے ماہرین کے ساتھ ہی خاص رکھا جائے، اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کو ماہرین علم حدیث میں شمار نہ کیا جائے، میں یہاں پر محض دعوی کے بجائے علمائے کرام، خاص کر علمائے عرب کی آرا کو اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کی حدیث دانی ومہارت کے بارے میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں تاکہ اپنوں کا اضطراب دور ہو اور غیروں کی آنکھیں کھلیں اور حق قبول کرنے کی سعی مسعود کرنے کی کوشش کرسکیں، توجہ فرمائیں:

استاذی المکرّم فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر مصطفیٰ محمد ابوعمارۃ دام ظلہ، استاذ علم حدیث: جامعہ ازہر شریف، مصر، فرماتے ہیں:

''کتاب 'الھاد الکاف فی حکم الضعاف' ایسی عبارتوں کے متعلق گفتگو پر مشتمل ہے جن کو محدثین کرام حدیث ضعیف کے بارے میں استعمال کرتے ہیں، صاحب کتاب ان عبارات کی عمدہ طریقہ سے تحلیل اوران کی مراد بیان کرتے ہیں، مثلاً آپ کلمہ 'لایصح' کی توضیح وتحلیل دیکھ سکتے ہیں جسے محدثین کرام عموماً استعمال کرتے ہیں، جس سے عادتاً پڑھنے والے کو یہ گمان ہوسکتا ہے کہ جب یہ عبارت محدثین کے کلام میں پایا جائے؛ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے حالاں کہ یقینی طور پر محدثین کی یہ مراد نہیں؛ کیوں کہ یہ عبارت صحیح کے علاوہ حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف کی دونوں قسموں کو شامل ہے؛ لہذا حدیث کے متعلق صحت کی نفی سے حدیث کے حسن یا خفیف ضعیف کی نفی کو مستلزم نہیں۔

اسی طرح مصنف علیہ الرحمۃ مصطلح حدیث کے قضایا کے متعلق شرح وبسط کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور اپنے کلام کی تائید ائمہ علم حدیث کے کلام سے پیش کرتے ہیں، جیسے امام نواوی، عراقی، ابن صلاح اور ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ۔۔۔الخ، اور مصنف علیہ الرحمۃ ناقل محض نہیں بلکہ آپ آرا کے درمیان موازنہ کرتے ہیں، یہ ایسا موازنہ ہے جس کے ذریعہ قاری کو پتہ چلے گا کہ آپ قواعد محدثین کو سمجھنے میں دقت نظر رکھتے ہیں اور قواعد کی حرفیت ہی پر ٹھہرے نہیں رہتے بلکہ قواعد کے مضمون اور اس کے سیاق وسباق کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ اپنی اس سمجھ کو سابقین اہل فن کی سمجھ وفہم سے توثیق بھی کرتے ہیں۔

آپ کے فقہ علم حدیث کا انوکھا پن ہی ہے کہ آپ فرماتے

ہیں: حدیث کے ذریعہ جن قضایا کے متعلق استدلال کیا جاتا ہے، ان کی تین اقسام ہیں:

عقائد: عقائد میں خبر آحاد کافی نہیں، احکام: ان میں حدیث صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ کافی ہیں، فضائل: ان میں ضعیف احادیث بھی مقبول ہیں۔۔۔ آپ ان تمام اقسام اور ان کے علاوہ دیگر مباحث رصینہ اور فوائد قیمہ کے متعلق شرح وبسط کے ساتھ کلام کرتے ہیں، یہ ایسی گفتگو ہے جو آپ کو صرف اسی کتاب میں ملے گی بلکہ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے 'توضیح الأفکار للصغانی، کی صف میں رکھا جائے؛ کیوں کہ اس کتاب میں علمی مناقشات اور دلائل سے پر گفتگو موجود ہے۔

بہر حال عام طور سے کتاب اپنے باب میں منفرد اور مواد کے اعتبار سے بے مثال ہے، علم حدیث کا طالب علم اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی علما اس سے اپنا دامن جھاڑ سکتے ہیں (الھاد الکاف فی حکم الضعاف، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ص KJ، ط: مرکز أھل السنۃ برکات رضا، فور بندر، گجرات، الھند)

فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر محمد فواد شاکر رحمہ اللہ، استاذ: جامعہ عین شمس، قاہرہ مصر، لکھتے ہیں:

"قاری محترم جو چیز آپ کے ہاتھ میں ہے وہ موہوب ربانی کی بڑی کتاب میں سے ایک کتاب ہے جس سے اللہ تعالی نے شریعت اسلامیہ کے اعلام میں سے ایک علم اور منہج محمدی کا دفاع کرنے والے ایک عظیم فارس کو مختص کیا، وہ ہمارے شیخ امام محدث احمد رضا خاں اپنے زمانہ کے حنفی اعلام میں سے ایک اور سیدی عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے سلسلہ سے منسلک ہیں، ہمارے مبارک و محترم شیخ نے سیدنا ومولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے کے وقت 'تقبیل الإبھامین' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے، اس کو حدیث ضعیف کے دراسہ اور اس کے متعلق موقف شریعت کو جاننے کا اہم ذریعہ بنایا؛ اسی وجہ سے آپ نے محدثین کے نزدیک حدیثی الفاظ کے مدلولات کا ذکر کیا، اور کبھی کسی محدث کے نزدیک لفظ حدیثی سے کوئی مراد ہوگی جو دوسرے کے نزدیک مقصود نہیں ہوگی، نیز اس بات کی تاکید فرمائی کہ کسی راوی کے متہم یا کسی ضعیف طریق یا کسی محدث کا اسے ضعیف قرار دینے کی وجہ سے حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں جلدی کرنا سخت اٹکل پچھو مارنا ہے، ہاں اگر اس طرح کا حکم لگانا ہے؛ تو اس کے لیے ضروری ہے کہ خوب تفتیش وتدقیق سے کام لیا جائے اور قرائن کا لحاظ کرتے ہوئے اس حدیث پر وضع کا حکم لگایا جائے؛ لہٰذا اگر یہ چیزیں خبر میں موجود نہ ہوں تو اس پر وضع کا حکم لگانے پر ہمیں جلدی نہیں کرنی چاہیے؛ کیوں کہ کتنی ایسی احادیث ہیں جو کتب موضوعات میں ذکر کی گئیں اور انہیں موضوع قرار دیا گیا پھر علمائے حدیث نے ان پر تعقب کیا اور ان کے دوسرے طرق پائے گیے جس نے ان احادیث کو قوی کر کے ان کے مرتبہ کو بلند کر دیا یہاں تک کہ وہ احادیث قابل احتجاج ہوگئیں اور علامہ طیب اللہ ثراہ وجزاہ اللہ عن الإسلام خیرا نے ثابت کیا کہ اہل علم کا کسی حدیث پر عمل کرنا اس کو تقویت بخشتا ہے، آپ نے بہت ساری دلائل پیش کی ہیں جو اس خبر کے مطابق اہل علم کے عمل کرنے کو ثابت کرتی ہیں جس کی وجہ سے آپ نے حدیث ضعیف کا حکم اور حدیث ضعیف وحدیث موضوع کے درمیان فرق بیان کرنے میں تفصیل کی ہے، علامہ محدث رحمہ اللہ نے علوم حدیث کے غایت درجہ دقیق مباحث میں لکھا اور اس کی مزید توضیح وتفصیل کی اور بہت سارے مفاہیم سے پردہ اٹھایا جن سے علوم حدیث میں بحث کرنے والوں کی فکر متعلق ہوتی ہے" (الھاد الکاف فی حکم الضعاف، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ص ML، ط: مرکز أھل السنۃ برکات رضا، فور بندر، گجرات، الھند)

عالم نبیل حضرت مولانا عیسی رضوی صاحب قبلہ لکھتے ہیں:

"جب ہم اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی تصانیف عالیہ کو دیکھتے ہیں؛ تو فن حدیث، طرق حدیث، علل حدیث اور اسماء الرجال وغیرہ میں وہ انتہائی منزل کمال پر دکھائی دیتے ہیں اور یہی وہ وصف ہے جس میں کمال و

انفرادیت ایک مجدد کے تجدیدی کارناموں کا رکن اہم ہے، فن حدیث میں ان کی جو خدمات ہیں ان سے ان کی علمی بصیرت و وسعت کا اندازہ ہوتا ہے''۔ (امام احمد رضا اور علم حدیث، مولانا عیسی رضوی، ج ا ص ٦، ط: رضوی کتاب گھر، دہلی)

(۲) علم حدیث میں اعلی حضرت کی مہارت آپ کے افکار کی روشنی میں:

النوع الاول، حدیث صحیح:

حدیث صحیح لذاتہ کی تعریف: ''وہ حدیث جس کی سند شذوذ و علت کے بغیر عدول و ضابطین کے ذریعہ متصل ہو''۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع الاول الصحیح، ج ا ص ۵۹، ط: دار طیبۃ)

حدیث صحیح لغیرہ کی تعریف: ''وہ حدیث جس کی سند شذوذ و علت کے بغیر عدول اور خفت ضبط راوی کے ذریعہ متصل ہو نیز اسی کے مثل یا اس سے اقوی دوسرا طریق بھی موجود ہو''۔ (نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۸۷، ط: مطبعۃ سفیر، الریاض)

محدث بریلوی علیہ الرحمۃ حدیث کے قابل احتجاج ہونے کے ضمن میں صحیح حدیث کی انہیں دو اقسام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر صحیح سے مقابلِ حسن مراد؛ تو ہرگز حجت اس میں منحصر نہیں، صحیح لذاتہ وصحیح لغیرہ وحسن لذاتہ وحسن لغیرہ سب حجت اور خود مثبت احکام ہیں''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ج ۲۹ ص ۱۹۰، گجرات)

تلقی بالقبول: ایسی حدیث جس کی سند ضعیف ہو، اگر علما اس کے مطابق عمل کرتے ہیں؛ تو ان کا یہ عمل اس ضعیف حدیث کو تقویت بخشتا ہے اور یہ ضعیف حدیث علما کے عمل کرنے کی وجہ سے صحیح قرار پا کر قابل احتجاج ہو جاتی ہے۔

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام نواوی رحمہ اللہ کی صحیح حدیث کی تعریف پر اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا: حدیث حسن جب دوسرے طریق سے مروی ہو؛ تو وہ درجہ حسن سے صحت کی منزل تک پہونچ جائے گی حالاں کہ یہ صحیح حدیث امام نواوی رحمہ اللہ کی اس تعریف میں داخل نہیں اور اسی طرح وہ حدیث حسن جسے علما قبول کرلیں وہ بھی صحیح ہے مگر اس تعریف میں شامل نہیں، بعض علما نے فرمایا: جب علما کسی ایسی حدیث کو قبول کرلیں اگرچہ اس کی کوئی سند صحیح نہ ہو، اس حدیث پر صحت حکم لگایا جائے گا۔۔۔۔۔ جواب: امام نواوی کی اس تعریف سے مراد حدیث صحیح لذاتہ کی تعریف مراد ہے، حدیث صحیح لغیرہ مراد نہیں اور اعتراض صحیح لغیرہ سے کیا گیا ہے؛ اس لیے قابل توجہ نہیں''۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع الأول، ج ا ص ٦۵، ط: دار طیبۃ)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ اسی اہل علم کے عمل سے حدیث کو تقویت ملنے اور اس کے درجہ صحت تک پہونچنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اہل علم کے عمل کرلینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے، اگرچہ سند ضعیف ہو'' پھر اپنے اس قول کو محدثین کے اقوال سے مزین کرتے ہیں، ان میں سے ایک دو ملاحظہ فرمائیں:

''امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے، سید میرک رحمہ اللہ نے امام نواوی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے؛ تو گویا امام ترمذی عمل اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں، واللہ اعلم''۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، محدث علی قاری رحمہ اللہ، باب ما علی المأموم من المتابعۃ للإمام، ج ۴ ص ۲۵۴، رقم: ۱۱۴۲، ط: دار الفکر، بیروت)

خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''معتمد علما نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کا حدیث کو قبول کرنا حدیث صحیح ہونے کی دلیل ہے اگرچہ اس حدیث کی کوئی قابل اعتماد سند نہ ہو''۔ (التعقبات علی الموضوعات، محدث سیوطی رحمہ اللہ، فتاوی رضویہ مترجم، ج ۵ ص ۴۷۷، ط: گجرات)

اس کے بعد محدث بریلوی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

’’یہ ارشاد علما احادیث احکام کے بارے میں ہے پھر احادیث فضائل تو احادیث فضائل ہیں‘‘۔(ایضا)

فلاں حدیث صحیح نہیں کا مطلب: اگر کسی ناقد نے یہ کہہ دیا کہ فلاں حدیث صحیح نہیں؛ تو بہت سارے لوگ تعصب یا جہل کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں حدیث ضعیف یا موضوع ہے، اس بیماری کے وہابیہ زیادہ شکار ہیں، حالاں کہ یہ فیصلہ محدثین کی رائے کے بالکل خلاف ہے، خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اور جب کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اور امام نواوی رحمہ اللہ اگر غیر صحیح کے بجائے ضعیف کہتے؛ تو زیادہ مختصر ہوتا اور ان کا یہ قول حدیث حسن کو شامل ہونے سے محفوظ رہتا، بہر حال اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کی سند شرط مذکور کے اعتبار سے صحیح نہیں، نہ یہ کہ وہ نفس الامر میں جھوٹ ہے؛ کیوں کہ جھوٹے کا سچ بولنا جائز اور جو کثرت سے خطا کرتا ہے اس کا صحیح روایت کرنا ممکن ہے‘‘۔ (تدریب الروی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع الاول الصحیح، ج ا ص ۷۶، ط: دار طیبۃ)

امام محقق محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اس بات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث نہیں ملی، حدیث حسن اور اس کے مثل حدیث کی نفی نہیں کرتا‘‘۔ (فتاوی رضویہ مترجم بحوالہ حلیۃ شرح منیۃ، امام حلبی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۴۳۷، برکات رضا، گجرات)

سند الحفاظ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’صحت کی نفی سے حسن کا انتفا نہیں ہوتا‘‘۔ (فتاوی رضویہ مترجم بحوالہ تخریج للامام ابن حجر علی أذکار النواوی، ج ۵ ص ۴۳۸)

نیز امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

’’حدیث کے صحیح نہ ہونے سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا‘‘۔ (القول المسدد فی عن مسند احمد، الحدیث السابع، ص ۳۷، مکتبۃ ابن تیمیۃ، قاہرہ)

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ اسی تعصب یا غلط فہمی اور جہل کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں، اس کے یہ معنی نہیں کہ غلط و باطل ہے بلکہ صحیح ان کی اصطلاح میں ایک اعلی درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت و دشوار اور موانع و علائق بسیار، حدیث میں ان سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے، ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرماتے ہیں: ’یہ حدیث صحیح نہیں‘ یعنی اس درجہ علیا کو نہیں پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حسن کہتے ہیں، یہ باآنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عند التحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد و احتجاج کی پوری لیاقت رکھتی ہے، وہی علما جو اسے صحیح نہیں کہتے برابر اس پر اعتماد کرتے اور احکام حلال و حرام میں حجت بناتے ہیں‘‘۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ج ۵ ص ۴۳۷)

مزید تفصیل کے لیے علوم حدیث کی دیگر کتابوں اور محدث بریلوی رحمہ اللہ کی کتاب: ’منیر العین فی تقبیل الإبھامین‘ و باسم دگر ’الھاد الکاف فی احکام الضعاف‘ کی طرف رجوع کریں۔

صحیح احادیث کا حصر:

بہت سارے لوگ تشدد بے جا یا جہل و لاعلمی کی وجہ سے صحیح احادیث صرف صحیح البخاری یا صحیح مسلم یا کتب ستہ ہی سے مطالبہ کرتے ہیں اور اگر انہیں ان کتب کے علاوہ سے صحیح حدیث پیش کی جائے؛ تو اسے یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح البخاری یا صحیح مسلم یا کتب ستہ میں نہیں ہے، گویا کہ صحیح احادیث ان میں سے بعض یا انہیں کتابوں میں محصور ہیں، حالاں کہ ان کا یہ طریقہ محدثین کرام کے خلاف اور تشدد و تعنت سے ناشی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

امام ابن صلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ

نے اپنی کتابوں میں صحیح احادیث کا احاطہ نہیں کیا اور نہ ہی آپ حضرات نے صحیح احادیث کے احاطہ کرنے کا التزام کیا، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے 'الجامع' میں صحیح حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث شامل نہیں کی اور طوالت کے خوف سے دوسری صحیح احادیث چھوڑ دی''۔ (مقدمۃ ابن الصلاح، النوع الاول معرفۃ الصحیح، ص۱۰، ط: دار زاہد القدسی)

نیز امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں''۔

(مقدمۃ ابن الصلاح، النوع الاول معرفۃ الصحیح، ص۱۰، الحدیث والمحدثون، محمد محمد ابوزہو، ص۳۹۲، ط: المکتبۃ التوفیقیۃ، مصر)

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر وہ حدیث جو صحیح ہے، اسے میں نے یہاں اس کتاب میں ذکر نہیں کیا بلکہ میں نے یہاں اسی صحیح حدیث کو ذکر کیا ہے جو مجمع علیہ شرائط صحیح کی جامع ہے''۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشہد فی الصلاۃ، ج۱ ص۳۰۴، رقم: ۴۰۴، ط: دار احیاء التراث العربی، مقدمۃ ابن الصلاح، النوع الاول معرفۃ الصحیح، ص۱۰، ط: دار زاہد القدسی، الحدیث والمحدثون، محمد محمد ابوزہو، ص۳۹۲)

امام ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں انہی احادیث کو رکھا ہے جن میں ان کے نزدیک صحیح مجمع علیہ کی شرائط پائی گئی اگر چہ ان میں سے بعض احادیث میں بعض کے نزدیک وہ شرائط نہیں پائی گئیں''۔

(مقدمۃ ابن الصلاح، النوع الاول معرفۃ الصحیح، ص۱۰، حاشیۃ الحدیث والمحدثون، محمد محمد ابوزہو، ص۳۹۳)

امام مسلم رحمہ اللہ ہی سے مروی ہے کہ جب ایک کتاب میں صحیح احادیث جمع کرنے کی وجہ سے ان پر عتاب کرتے ہوئے کہا گیا: آپ کا یہ عمل اہل بدعت کے لیے ہم اہل سنت و جماعت کے خلاف راستہ ہموار کردے گا اور جب ان کے خلاف کسی حدیث کے ذریعہ استدلال کیا جائے گا؛ تو وہ کہیں گے: یہ حدیث صحیح میں نہیں ہے؛ تو امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں نے یہ کہا ہے کہ اس کی احادیث صحاح ہیں، میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کتاب میں جس حدیث کی میں نے تخریج نہیں کی وہ ضعیف ہے''۔

(توجیہ النظر إلی اصول الاثر، طاہر بن صالح دمشقی، ج۱ ص۲۲۶، ط: مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، الحدیث و المحدثون، محمد محمد ابوزہو، ص۳۹۲-۳۹۳)

امام عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ سنن اربعہ اور دیگر کتب احادیث کے متعلق تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''دوسرے سوال کے جواب میں جو باتیں میں نے لکھی ہیں شاید اس کے ذریعہ غور و خوص کرنے والا یہ سمجھ جائے کہ بعض عوام کے ذہن جو یہ بات ذہن نشیں ہو چکی ہے کہ کتب سنن کی ہر حدیث قابل احتجاج ہے، یہ قابل اعتبار نہیں اور اسی طرح بعض کے ذہن میں جو یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ کتب ستہ یا کتب سبعہ کے علاوہ میں جو موجود ہے، وہ حدیث ضعیف ہے، یہ بات بھی قابل توجہ اور قابل احتجاج نہیں''۔

(الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ، ص۱۷۱، ط: مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، بیروت)

مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کا مقالہ: احادیث صحیحہ صحیح البخاری یا صحیحین یا کتب ستہ میں محدود! قائلین کا منصفانہ جائزہ، مطالعہ کریں۔

ہمارے ممدوح محدث بریلوی رحمہ اللہ محدثین کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے اسی تشدد و تعنت اور جہل کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور استناد کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر جیسا کہ 'صاحب مأۃ مسائل' سے یہاں واقع ہوا، جہل شدید وسفہ بعید ہے، حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے، غیر عقائد و احکام حلال و حرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے، ہمارے ائمہ کرام حنفیہ و جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی

حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنی طلبہ علم پر بھی روشن ہیں اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم حدیث کے ابجد خوانوں پر بین ومبرہن ولکن الوہابیۃ قوم تجہلون"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج۹ص۶۵۱، ط: گجرات)

نیز اسی جہل اور ہٹ دھرمی سے پردہ چاک کرتے ہوئے حصر احادیث کے متعلق محدث بریلوی رحمہ اللہ مزید گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رابعاً ان حضرات کا داب کلی ہے کہ جس امر پر اپنی قاصر نظر ناقص تلاش میں حدیث نہیں پاتے اس پر بے اصل و بے ثبوت ہونے کا حکم لگا دیتے اور اس کے ساتھ ہی صرف اس بنا پر اسے ممنوع و ناجائز ٹھہراتے ہیں...صاحبو! لاکھوں حدیثیں اپنے سینوں میں لے گئے کہ اصلا تدوین میں بھی نہ آئیں، امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں، امام مسلم کو تین لاکھ، پھر صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں، امام احمد کو دس لاکھ محفوظ تھیں، مسند میں فقط تیس ہزار، خود شیخین وغیرہما ائمہ سے منقول کہ ہم سب احادیث کا استیعاب نہیں چاہتے، اور اگر ادعاے استیعاب فرض کیجئے؛ تو لازم آئے کہ افراد بخاری، امام مسلم اور افراد مسلم، امام بخاری اور صحاح افراد سنن اربعہ، دونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں، اور اگر اس ادعا کو آگے بڑھائیے؛ تو یوں ہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنہیں امام نسائی نے مجتبی میں داخل نہ کیا، ان کے نزدیک حلیہ صحت سے عاری ہوں وہو کما تری"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج۲۰ص۲۹۴)

صحیح احادیث کے حصر کا مفسدہ کتنا زیادہ خطرناک ہے خود امام محدث بریلوی رحمہ اللہ کے اس علمی تبصرہ سے بخوبی واضح وظاہر ہے مگر بے جا تشدد تعنت کا انجام چوں کہ قعر مذلت ہی میں گرنا ہے؛ اسی لیے وہابیہ اور ان کے ہم نوا بولتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

حدیث معلق:

حدیث معلق وہ ہے جس کی سند کے شروع سے ایک یا ایک سے زائد راوی صیغہ جزم کے ذریعہ ایک ساتھ حذف کر دئے گیے ہوں (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ج۱ص۲۵۰، ط: دارطیبۃ)

شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کا صیغہ جزم کے ساتھ حدیث روایت کرنے کے متعلق فرماتے ہیں:

"اور امام بخاری رحمہ اللہ صیغہ جزم جیسے قال فلان کو ان بعض احادیث میں بھی استعمال کرتے ہیں جن کو آپ نے اپنے شیوخ سے نہیں سنا پھر ان شیوخ اور اپنے درمیان دوسری جگہ واسطہ کے ذریعہ حدیث ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ 'التاریخ' میں آپ نے فرمایا: **قال إبراهيم بن موسى: حدثنا هشام بن يوسف**، اس کے بعد حدیث ذکر کیا، پھر فرماتے ہیں، **حدثوني بهذا عن إبراهيم**، لیکن یہ بات آپ کی ہر صیغہ جزم کے ساتھ ذکر کی گئی حدیث کے بارے میں نہیں کہہ سکتے، لیکن جب تک یہ احتمال باقی ہے اس وقت تک اس صیغہ سے ذکر کی گئی حدیث کو ان کے اپنے شیوخ سے سماع پر محمول کرنا درست نہیں۔

اس بیان سے امام عراقی رحمہ اللہ کی جانب امام ابن صلاح رحمہ اللہ کی پیش کردہ مثال پر کیا ہوا اعتراض بھی دفع ہو گیا، مثال یہ ہے: **قال: عفان و قال: القعنبي**، یہ دونوں امام بخاری کے شیوخ سے ہیں، اگرچہ ان سے امام کی روایت سماع میں صراحت والے صیغہ سے نہیں وہ اتصال پر محمول ہے۔۔۔ پھر اس تقسیم میں ہمارا یہ کہنا کہ صیغہ جزم کی حدیثِ معلق امام بخاری کی شرط کے ساتھ ملحق ہوگی اور یہ نہیں کہا کہ امام کی شرط پر ہے؛ کیوں کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے مگر صحیح مسند کی قسم سے نہیں"۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ج۱۲۵)

امام عراقی رحمہ اللہ کا اعتراض اس لیے دفع ہو گیا؛ کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی حدیث معلق ان کے شیوخ کے ذریعہ متصل تو ہوتی ہے مگر احتمال کی وجہ سے بعض احادیث کے متعلق اپنے شیوخ سے سماع مشکوک ہوتا ہے۔

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ عدوی کے ثبوت اور عدم ثبوت پر گفتگو کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ کی اسی طرح کی حدیث معلق کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''رہیں قسم اول کی حدیثیں، وہ اس درجہ عالیہ صحت پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں۔۔۔صرف حدیث اول کی تصحیح ہوسکتی ہے مگر وہی حدیث اس سے اعلی درجہ پر جو صحیح بخاری میں آئی خود اسی میں ابطال عدوی موجود۔۔۔مع ہذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہوا ہے کہ اسے امام بخاری نے مسندا روایت نہیں کیا بلکہ بطور تعلیق۔ چنانچہ امام بخاری نے فرمایا: عفان نے کہا، یہ عفان اگرچہ شیوخ بخاری میں سے ہیں، تاہم ان سے بسا اوقات بالواسطہ روایت کرتے ہیں جیسا کہ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے اور امام بخاری کا حدثنا چھوڑ کر لفظ قال اختیار کرنا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوسکتا، اگرچہ علامہ ابن صلاح کے طریقہ پر یہ صورت وصل ہے تاہم مختلف فیہ، متفق علیہ کی طرح نہیں، محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر کے باب العنین میں اس پر یقین اور وثوق کیا کہ امام بخاری نے اسے معلق روایت کیا ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۲۴ص ۲۳۷، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

النوع الثانی، حدیث حسن:

حدیث حسن کی دو اقسام ہیں: حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، ان دونوں اقسا کی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

حدیث حسن لذاتہ: ''وہ حدیث جس کی سند شذوذ و علت کے بغیر عدول اور خفیف ضبط راوی کے ذریعہ متصل ہو''۔

حدیث حسن لغیرہ: ''وہ حدیث ہے جس کا حسن اعتضاد کے سبب ہو، جیسے مستور راوی کی حدیث جو متعدد طرق سے مروی ہو''۔ (نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، محدث ابن حجر رحمہ اللہ، ص ۸۷، ط: مطبعۃ سفیر، الریاض)

نیز فرماتے ہیں: ''اور حسن کی یہ دونوں اقسام میدان احتجاج میں صحیح حدیث کے ساتھ شریک ہیں''۔ (ایضا)

جب کچھ ناعاقبت اندیشوں نے صرف صحیح حدیث کو قابل احتجاج قرار دینے کی کوشش کی؛ تو امام محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے حدیث حسن کو میدان احتجاج میں صحیح کے مشارک ہونے کی بات پیش کرتے ہوئے، اس حدیث کی انہیں دو اقسام کی طرف بھی اشارہ کیا اور فرمایا:

''اگر صحیح سے مقابلِ حسن مراد؛ تو ہرگز حجت اس میں منحصر نہیں، صحیح لذاتہ و صحیح لغیرہ و حسن لذاتہ و حسن لغیرہ سب حجت اور خود مثبت احکام ہیں''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۲۹ص ۱۹۰، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

حدیث حسن کی تقسیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

''دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ ان کے لیے اگرچہ اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ص ۴۷۸)

نیز حدیث حسن کے قابل احتجاج ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۹ص ۶۵۱)

مزید بطور احتجاج حدیث حسن ذکر کرنے کے بعد صاحب 'الحلیۃ' کی عبارت نقل فرماتے ہیں، جس سے وضاحت ملتی ہے کہ صحیح حدیث کی طرح حدیث حسن بھی قابل احتجاج ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''امام ترمذی نے فرمایا: اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کوئی چیز سند صحیح سے ثابت نہیں، ان کا یہ قول حدیث حسن اور اس کے مثل کے وجود کی نفی نہیں کرتا، اور مطلوب کا ثبوت صرف صحیح حدیث پر موقوف نہیں بلکہ اس سے ثابت ہونے کی طرح حدیث حسن سے بھی ثابت ہوتا ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث

بریلوی رحمہ اللہ، ج ا ص ۲۴۰)

تعدد طرق سے حدیث حسن:

کبھی حدیث راوی کے حافظہ میں ضعف یا سند میں انقطاع وغیرہ ہونے کی وجہ ضعیف قرار دی جاتی ہے، مگر جب اسی کے مثل یا اس سے اقوی کوئی دوسری سند آجاتی ہے جو پہلی والی سند کی تائید کرتی ہے؛ تو وہ ضعیف حدیث حسن ہوجاتی ہے، خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جب حدیث متعدد ضعیف اسانید سے مروی ہو؛ تو اس کے مجموع سے حدیث کا حسن ہونا لازم نہیں بلکہ جس حدیث کا ضعف راوی صدوق امین کے ضعفِ حافظہ کی وجہ سے ہو؛ تو یہ ضعف اس حدیث کے دوسری سند سے آنے کی وجہ سے ختم ہوجائے گا اور ہمیں اس سے معلوم ہوجائے گا کہ انہوں نے حدیث کو محفوظ رکھا اور اس حدیث کے یاد رکھنے میں ان کا ضعف مخل نہیں رہا اور اس دوسری سند کی وجہ سے حدیث حسن ہوگئی۔۔۔اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ حدیث کا ضعف ارسال یا تدلیس یا جہالت کی وجہ سے ہو یعنی اس صورت میں بھی دوسری سند کی وجہ سے یہ ضعف زائل ہوجائے گا اور اس کا درجہ حسن لذاتہ سے کم ہوگا۔۔۔اور وہ ضعف جو فسق راوی یا اس کے کذب کی وجہ سے ہو؛ تو غیر کی موافقت اس میں اثر انداز نہیں ہوگی جب کہ یہ دوسری بھی اس کے مثل ہو؛ کیوں یہ دوسری خود قوت ضعف میں زیادہ ہے اور اس میں جابر بننے کی صلاحیت نہیں، البتہ اس حدیث کے مجموع طرق سے اتنا ہوگا کہ حدیث منکر اور لا اصل سے بلند مرتبہ والی ہوجائے گی، شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے، آپ فرماتے ہیں: بلکہ کبھی کثرت طرق راوی کو درجہ مستور اور سیئ حفظ تک پہونچادے گی یہاں تک کہ اگر اس کے لیے کوئی دوسرا ایسا طریق پایا گیا جو ضعیف تو ہے مگر نقصان کی تلافی کے قابل ہے؛ تو حدیث مجموع طرق سے درجہ حسن کو پہنچ جائے گی"۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ج ا ص ۹۲-۹۴، ط: دار طیبۃ)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ حدیث معلق اور تین مسند ضعیف احادیث ذکر کرنے کے بعد تعدد طرق سے حدیث ضعیف کے انجبار اور ضعف کے دور ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ چاروں حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں مگر تعدد طرق سے اس کا انجبار ہوتا ہے"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ا ص ۲۴۰، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

نیز اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں؛ تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کرلیتے ہیں بلکہ اگر ضعف غایت شدت وقوت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہوکر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکام حلال میں حجت ہوتی ہے"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۴۷۲)

اس کے بعد محدث بریلوی رحمہ اللہ اپنے اس قول کی تائید محدثین کرام کے اقوال سے پیش کرتے ہیں، ایک دو آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"متعدد طرق واسانید، حدیث ضعیف کو ضعیف سے نکال کر درجہ حسن تک پہنچادیتا ہے"۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، محدث علی قاری رحمہ اللہ، باب مالا یجوز من العمل فی الصلوۃ، ج ۲ ص ۷۹۵، رقم: ۱۰۰۸، ط: دار الفکر، بیروت)

امام ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حسن حدیث کے لیے یہ جائز ہے کہ کثرت طرق کی وجہ سے صحت تک پہونچ جائے اور حدیث ضعیف تعدد طرق کے سبب قابل حجت ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ تعدد اسانید ثبوت واقعی پر قرینہ ہے"۔ (فتح القدیر، امام ابن ہمام رحمہ اللہ، باب النوافل، ج ا ص ۴۴۶، ط: دار الفکر، بیروت)

بلکہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"متروک یا منکر جب ان کے طرق متعدد ہوں؛ تو یہ بھی ضعیف قریب بلکہ کبھی درجہ حسن تک پہونچ جاتی ہیں"۔ (التعقبات

علی الموضوعات، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ص۲۹۹، ط: دار الجنان)

النوع الثالث، حدیث ضعیف:

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ نے حدیث کی متعدد اقسام پر فنی گفتگو کی ہے مگر ان اقسام میں سے ایک قسم حدیث ضعیف کے متعلق آپ نے جس قدر تفصیل سے گفتگو کی ہے اتنی تفصیل سے آپ کی گفتگو کسی دوسری قسم پر نہیں ملتی، یہ علمی وفنی گفتگو فتاوی رضویہ مترجم، ج۵ ص۴۳۴ سے ج۵ ص۸۲۶ صفحات پر تیس افادات (۳۰) اور بارہ فوائد (۱۲) کے تحت پھیلی ہوئی ہے، میں یہاں اس باب میں صرف حدیث ضعیف پر عمل کے متعلق اپنے ممدوح کی رائے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

حدیث ضعیف کی تعریف:

حدیث ضعیف وہ ہے جو حدیث حسن کی صفات کی جامع نہ ہو (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ج۱ ص۱۹۵، ط: دار طیبۃ)

حدیث ضعیف پر عمل کے متعلق خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل حدیث وغیرہ کے نزدیک اسانید ضعیفہ میں تساہل، موضوع کے علاوہ ضعیف حدیث کا روایت کرنا اور اللہ تعالی کی صفات اور احکام جیسے حلال وحرام وغیرہ کے علاوہ میں حدیث ضعیف کے ضعف کو بیان کیے بغیر اس پر عمل کرنا جائز ہے، جیسے قصص، فضائل اعمال اور مواعظ وغیرہ جن کا عقائد و احکام سے تعلق نہیں''۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی،، ج۱ ص۳۵۰)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ ابواب فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے متعلق فرماتے ہیں:

''تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے، یہاں بالاتفاق ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خوبی بیان ہوئی کہ انہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا؛ تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کلام کر کے اسے پایہ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشی۔۔۔حسن بھی نہ سہی، یہاں ضعیف مستحکم ہے۔۔۔ عبارت 'تعقبات' میں تصریح تھی کہ نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائل اعمال میں مقبول ہے، باآں کہ اس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج۵ ص۴۷۸، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

اپنی رائے پیش کرنے کے بعد ہمارے ممدوح امام محدث بریلوی رحمہ اللہ اہل فن وشان کی آرا سے اپنی رائے کی توثیق کرتے ہیں، بعض آرا پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیں:

شیخ العلما سیدی ابوطالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

''فضائل اعمال اور تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث کیسی ہی ہوں، ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں، مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ ان کی مخالفت کی جائے نہ انہیں رد کیا جائے، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا''۔ (قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب،، ج۱ ص۱۷۸، ط: دار صادر، مصر، فتاوی رضویہ مترجم، ج۵ ص۴۷۹)

امام ابوزکریا نواوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے جواز پر علمائے کرام کا اتفاق ہے''۔ (الأربعون النوویۃ، ص۴۳، ط: دار المنہاج، بیروت، فتاوی رضویہ مترجم، ج۵ ص۴۷۹)

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب حدیث فضائل اعمال سے متعلق ہو؛ تو علما اس میں تساہل فرماتے ہیں''۔ (المقاصد الحسنۃ، محدث سخاوی رحمہ اللہ، ص۶۳۵، رقم:۱۰۹۱، ط: دار الکتاب العربی، بیروت)

زیر بحث موضوع کے متعلق امام ابن صلاح، امام علی قاری

رحمہما اللہ وغیرہ کے اقوال ذکر کرنے کے بعد امام محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کے معنی ہی یہ ہیں کہ استحباب مانا جائے ورنہ نفس جواز؛ تو اصالت اباحت وانعدام نہی شرعی سے آپ ہی ثابت، اس میں حدیث ضعیف کا کیا دخل ہوا؛ تو لاجرم ورود حدیث کے سبب جانب فعل کو مترجح مانیے کہ حدیث کی طرف اسناد متحقق اور اس پر عمل ہونا صادق ہو اور یہی معنی استحباب ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۴۸۳، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

اور صرف فضائل اعمال ہی میں ضعیف حدیث مقبول نہیں بلکہ اگر احکام میں بھی وارد ہو اور مقام مقامِ احتیاط ہو؛ تو ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائے گا جب کہ اس حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں احتیاط ہو''۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع الثانی و العشرون، ج ۱ ص ۳۵۱، ط: دار طیبۃ)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ محدثین کرام کے شانہ بشانہ اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف اگر مورث ظن نہ ہو، مورث شبہ سے تو کم نہیں؛ تو محل احتیاط میں اس کا قبول عین مراد شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۴۹۵، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

اپنی اس بات کو قرآن پاک اور حدیث نبوی سے مضبوط کرنے کے بعد امام محدث بریلوی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''لاجرم علمائے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ دربارہ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جب کہ جانب احتیاط ہو''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۴۹۶)

پھر آپ اپنی اس فکر سدید کی تائید مختلف محدثین کرام کے اقوال سے فرماتے ہیں، ان میں سے صرف ایک قول آپ بھی ملاحظہ فرمالیں، امام نواوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محدثین، فقہا وغیرہ علما فرماتے ہیں:۔۔۔اور رہی بات احکام کی، جیسے حلال، حرام، بیع، نکاح، طلاق وغیرہ؛ تو اس میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ حدیث ضعیف ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں وارد ہو، جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے؛ تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں مگر بچنا واجب نہیں''۔ (الأذکار، محدث نواوی رحمہ اللہ، ص ۸، ط: دار الفکر، بیروت)

النوع السادس، حدیث مرفوع:

تعریف: حدیث مرفوع وہ ہے جس کی اضافت خاص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کی طرف کی گئی ہو، خواہ وہ متصل ہو یا کسی صحابی یا ان کے علاوہ کسی راوی کے ساقط ہونے کی وجہ سے منقطع ہو۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع السادس، ج ۱ ص ۲۰۲، ط: دار طیبۃ)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ حدیث مرفوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''الحمد للہ تین چہل حدیث کا عدد تو کامل ہوا جن میں چوراسی حدیثیں مرفوع اور سترہ تذییلات علاوہ، پہلے گزری تھیں اس تکمیل میں پڑھیں، ان سترہ میں بھی پانچ مرفوع تھیں؛ تو جملہ مرفوعات یعنی وہ حدیث جو خود حضور پر نور خاتم النبیین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مروی حضور کے ارشاد و تقریر کی طرف منتہی ہیں، نواسی ہوئیں؛ لہذا چاہا کہ ایک حدیث مرفوع اور شامل ہو کہ نوے احادیث مرفوعہ کا عدد ہو''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۱۵ ص ۷۰۹، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

نیز امام محدث بریلوی رحمہ اللہ حدیث مرفوع کے متعلق فرماتے ہیں:

''اور جو بات قیاس سے نہ کہی جاسکے اسے حکما حضور کا فرمان

قرار دیا جاتا ہے بشرط کہ اس کے راوی اسرائیلیات سے لے کر روایت نہ کرتے ہوں"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ج ۱ ص ۲۳۸)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"مع ہذا امور قبور و احوال ارواح مفارقہ میں رائے کو دخل نہیں؛ تو یہاں موقوف بھی مرفوع میں داخل"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۹ ص ۷۴۲)

النوع السابع، موقوف:

تعریف: صحابہ کرام کے قول یا فعل یا تقریر کو جس کی سند متصل ہو یا غیر متصل حدیث موقوف کہا جاتا ہے، لفظ موقوف کا استعمال صحابہ کرام کے علاوہ تابعین کے لیے بھی کیا جاتا ہے مگر مقید ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: وقفہ فلان علی الزہری۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع السابع، ج ۱ ص ۲۰۲، ط: دار طیبۃ)

اسی حدیث موقوف کی اصطلاح امام محدث بریلوی رحمہ اللہ نے اپنی اس عبارت میں بھی استعمال کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"امام اجل عبد اللہ بن مبارک و ابو بکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے موقوفا۔۔۔ راوی"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۹ ص ۶۵۱، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

نیز امام محدث بریلوی رحمہ اللہ ارشادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۹ ص ۶۵۱)

النوع التاسع، حدیث مرسل:

مرسل کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، یہاں پر تدریب الراوی میں موجود پہلی تعریف اور اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کی پیش کردہ ایک دوسری تعریف ملاحظہ فرمائیں:

تعریف: مختلف جماعت کے علما اس بات پر متفق ہیں کہ تابعی کبیر جیسے عبید اللہ بن عدی بن خیار وغیرہ کے قول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کذا أو فعلہ کذا کو مرسل کہا جاتا ہے (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ج ۱ ص ۲۱۹، ط: دار طیبۃ)

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ حدیث مرسل کی تعریف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"امام ابن الصلاح کتاب معرفۃ أنواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں: فقہا وغیرہ مصنفین کا قول کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایسا ایسا فرمایا یا اس کے مثل کوئی کلمہ، یہ سب معضل کے قبیل سے ہے، حافظ ابو بکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس کا نام مرسل رکھا ہے اور یہ اس کے مذہب کے مطابق ہے جو ہر غیر متصل کا نام مرسل رکھتے ہیں"۔ (مقدمۃ ابن الصلاح فی علوم الحدیث، النوع الحادی عشر، ص ۶۰، ط: دار الفکر، بیروت)

مسلم الثبوت میں ہے: "حدیث مرسل عادل کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا"۔ (مسلم الثبوت، مسئلۃ تعریف المرسل، ص ۲۰۱، ط: مطبع انصاری، دہلی)

حدیث مرسل کا حکم: اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث مرسل کا حکم 'فواتح الرحموت' کی روشنی ملاحظہ فرمائیں:

"مرسل اگر صحابی سے ہو؛ تو مطلقا مقبول ہے اور اگر غیر صحابی سے ہو؛ تو اکثر ائمہ بشمول امام اعظم، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ راوی ثقہ ہو؛ تو مطلقا مقبول ہے۔۔۔ الخ"۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، مسئلۃ فی الکلام علی المرسل، ج ۲ ص ۱۷۴، فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۳۰ ص ۶۵۴، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ حدیث مرسل کی حجیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ حدیث زیادہ سے زیادہ مرسل ثابت ہوگی؛ تو کیا ہوا؟! حدیث مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے"۔ (فتاوی

رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۱ص ۴۱۱)

نیز اسی حدیث کی حجیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ص ۲۹۲)

البتہ جماہیر محدثین، امام شافعی اور بہت سارے فقہا واصولیین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں، خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث مرسل حدیث ضعیف ہے، جمہور محدثین، امام شافعی اور بہت سارے فقہا و اصحاب اصول کے نزدیک قابل احتجاج نہیں''۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ج ۱ص ۲۲۳، ط: دار طیبة)

النوع العاشر، منقطع:

تعریف: حدیث منقطع وہ ہے جس کی اسناد متصل نہ ہو، انقطاع خواہ صحابی یا اس کے علاوہ کے ساقط ہونے کی وجہ سے ہو، لیکن اکثر اس کا استعمال تابعی کے بعد والے کا صحابی سے روایت کرنے پر ہوتا ہے، جیسے امام مالک رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کریں۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع العاشر، ج ۱ص ۲۳۵)

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ اسی حدیث منقطع کی تعریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دوسری حدیث کہ خود نفس اسناد میں امام ابوداود نے اس کی سند میں ارسال یا انقطاع کا پتا بتا دیا تھا، تابعی تک رکھتے ہیں؛ تو مرسل ہوتی ہے، صحابی تک رکھتے ہیں؛ تو منقطع ہوئی جاتی ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۲۲ص ۶۱۲، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

حدیث منقطع کی حجیت: حدیث منقطع کی حجیت اور اس کے موضوع نہ ہونے کے بارے میں اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسی طرح سند منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں، ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علما کے نزدیک؛ تو انقطاع سے صحت و حجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ص ۴۴۸)

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ اپنے اس قول کے ذکر کرنے کے بعد اس کی تائید فقہائے کرام اور محدثین عظام کے اقوال سے کرتے ہیں، ان میں سے بعض آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، امام محقق کمال ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسے انقطاع کی بنا پر ضعف قرار دیا ہے جو کہ نقصان دہ نہیں؛ کیوں کہ راویوں کے عادل و ثقہ ہونے کے بعد منقطع ہمارے نزدیک مرسل کی طرح ہی ہے''۔ (فتح القدیر، کتاب الطہارات، ج ۱ص ۲۲، ط: دار الفکر، بیروت)

امام علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابوداود فرماتے ہیں: یہ مرسل یعنی مرسل کی قسم منقطع ہے لیکن مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے''۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، محدث علی قاری رحمہ اللہ، باب مایوجب الوضوء، ج ۱ص ۳۶۸، ط: دار الفکر، بیروت)

اس کے بعد اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور جو اسے قادح مانتے ہیں وہ بھی صرف مورث ضعف مانتے ہیں نہ کہ مستلزم موضوعیت''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ص ۴۴۹، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

پھر اپنے اس قول کی تائید امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے اس قول سے کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''یعنی یہ امر یہاں کچھ استدلال کو مضر نہیں کہ منقطع پر فضائل میں تو بالاجماع عمل کیا جاتا ہے''۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، محدث علی قاری رحمہ اللہ، باب الرکوع، ج ۲ص ۱۵۷، دار الفکر، بیروت)

النوع الحادی عشر، معضل:

اگر کسی حدیث کی سند سے دو یا دو سے زائد بلکہ سب راوی محذوف ہوں؛ تو محدثین کے نزدیک اسے معضل کہا جاتا ہے، اگر قابل اعتماد ائمہ دو یا دو سے زائد راوی بلکہ پوری سند کو حذف کر کے روایت کریں؛ تو ائمہ محدثین کے نزدیک وہ فضائل کے باب میں معتبر ہے بلکہ فقہائے کرام کے نزدیک احکام میں بھی قابل قبول ہے، حدیث معضل کی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

حدیث معضل کی تعریف: ''وہ حدیث ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی ایک ساتھ ساقط ہوں''۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع الحادی عشر، ج۱ص۲۴۱، ط: دارطیبۃ)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اذہان اکثر قاصرین زمان میں سند کی فضیلتیں اور کلام اثربین میں اتصال کی ضرورتیں دیکھ دیکھ کر مرتکز ہو رہا ہے کہ احادیث بے سند اگرچہ کلمات ائمہ معتمدین میں بصیغہ جزم مذکور ہوں مطلقا باطل ومردود وعاطل کہ احکام، مغازی، سیر، فضائل کسی باب میں اصلا نہ سننے کے لائق نہ ماننے کے قابل، حالاں کہ یہ محض اختراع، بین الاندفاع، مشاہیر محدثین وجماہیر فقہا دونوں فریق کے مخالف اجماع ہے، غیر صحابی جو قول یا فعل یا حال حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے سند متصل نسبت کرے محدثین کے نزدیک باختلاف حالات واصطلاحات مرسل، منقطع، معلق، معضل ہے اور فقہا واصولیین کی اصطلاح میں سب کا نام مرسل، اصطلاح حدیث پر تعلیق و اعضال یا اصطلاح فقہ واصول پر ارسال میں کچھ بعض سند کا ذکر ہرگز ضروری نہیں بلکہ تمام وسائط حذف کر کے علمائے مصنفین جو قال یا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامثال ذلک کہتے ہیں یہ بھی معضل و مرسل ہے''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج۵ص۶۲۱، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ اس قول فیصل کو بیان کرنے کے بعد علمائے محدثین وفقہا سے اپنی فکر سدید کی تائید پیش کرتے ہیں، ان میں سے دو چار اقوال آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، امام اجل ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''معضل حدیث وہ ہوتی ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی ساقط ہوں۔۔۔ مثلا وہ جسے تبع تابعی یہ کہتے ہوئے روایت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور اسی طرح وہ روایت جسے تبع تابعی کے بعد کا کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا ابوبکر وعمر یا دیگر کسی صحابی سے حضور اور صحابہ کے درمیان واسطہ ذکر کیے بغیر روایت کرے، حافظ ابومکبر نصر سجزی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ راوی کا قول: بلغنی مثلا امام مالک کا قول کہ مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہونچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: مملوک کے لیے کھانا اور کپڑے۔۔۔ الحدیث، اور آپ نے فرمایا کہ محدثین ایسی روایت کو معضل کہتے ہیں، میں کہتا ہوں: فقہا اور دیگر مصنفین کا قول کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اس طرح فرمایا، یہ تمام از قبیل معضل ہی ہے، جیسا کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا، اور حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے بعض مقامات پر اسے مرسل کا نام دیا ہے اور یہ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ہے جنہوں نے ہر اس روایت کو مرسل کہا جو متصل نہ ہو جیسا کہ گزرا''۔ (معرفۃ انواع علوم الحدیث، محدث ابن صلاح رحمہ اللہ، النوع الحادی عشر، ص۶۱، ط: دارالفکر، بیروت)

توضیح التلویح میں ہے: ''ارسال وہ ہے جس میں سند کا ذکر نہ ہو، وہ یوں کہ کوئی راوی بغیر سند ذکر کیے کہ دے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا''۔ (توضیح التلویح، فصل فی الانقطاع، ص۴۷۴، ط: نورانی کتب خانہ، پشاور، فتاوی رضویہ، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج۵ص۶۲۲)

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ اس کے متعلق دوسرے اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''پھر باجماع علما ومحدثین وفقہا یہ سب انواع نوع موضوع

سے بے گانہ ہیں اور مادون الاحکام مثل فضائل اعمال و مناقب رجال و سیر واحوال میں سلفا وخلفا ماخوذ ومقبول، جملہ مصنفین علوم حدیث موضوع کو شرالانواع بتاتے اور انہیں اس سے جدا شمار فرماتے آئے اور تمام مؤلفین سیر بلانکیر منکر، مراسیل، ومعضلات کا ذکر و اثبات کرتے رہے، افادہ ۲۳ میں علامہ حلبی کا ارشاد گزرا کہ سیر بلاغ ومرسل ومنقطع ومعضل غرض ماسوائے موضوع ہر قسم حدیث کو جمع کرتی ہے کہ ائمہ کرام نے ماورائے احکام میں مساہلت فرمائیں ہے، یہ عبارت دونوں مطلب میں نص ہے، معضل کا موضوع نہ ہونا اور اس کا مادون الاحکام میں مقبول ہونا، خود صحیح بخاری و صحیح مسلم و صحیح مؤطا میں معضلات و بلاغات موجود ہیں، وسط میں بقلت، طرفین میں بکثرت، خصوصا بعض بلاغات مالک وہ ہیں کہ ان کی اسناد اصلا نہ ملی"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج۵ص۶۲۳، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

پھر امام محدث بریلوی رحمہ اللہ اپنی بات کو مستحکم کرنے کے لیے متعدد محدثین کے اقوال پیش کرتے ہیں، ان میں سے صرف ایک قول ملاحظہ فرمائیں، امام ابوالفضل زین الدین عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام مالک نے احادیث صحیحہ کو الگ نہیں بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور بلاغات کو شامل کردیا ہے حالاں کہ ان کی بلاغات میں ایسی احادیث بھی ہیں جو معلوم نہیں، جیسا کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے"۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، النوع الاول الصحیح، ج۱ص۹، ط: دارطیبۃ)

نیز ان اقوال کے ذکر کرنے کے بعد بعض لوگوں کو اسناد کی فضیلت کے متعلق اقوال علما ومحدثین کی وجہ سے جو یہ وہم ہوا کہ سند کامل کے بغیر مطلقا کوئی حدیث قبول نہیں کی جائے گی، اس وہم کا ازالہ کرتے ہوئے امام محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسناد کے سنت مطلوبہ وفضیلت مرغوبہ وخاصہ امت مرحومہ ہونے میں کسے کلام، محققین قابلین مراسیل و معاضیل بھی مسانید کو ان پر تفضیل دیتے اور منقطع سے متصل کا نسخ نہیں مانتے ہیں کما نص علیہ فی المسلم وغیرہ (جیسا کہ مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے) تاکید اثرین بجائے خود ہے اور قول بقیہ بن الولید: **ذاکرت حماد بن زید بأحادیث فقال: ما أجودها لو کان لھا أجنحة یعنی الإسناد** (میں نے حماد بن زید سے بعض احادیث کے متعلق مذاکرہ کیا؛ تو آپ نے فرمایا: بہت عمدہ ہیں اگر ان کے لیے پر یعنی اسناد ہو) قطع نظر اس سے کہ **واقعة عین لا عموم لھا** (یہ ایک مخصوص واقعہ ہے جس کے لیے عموم نہیں) ممکن کہ وہ احادیث دربارہ احکام ہوں، یوں بھی صرف نفی جودت کرے گا وہ بطور محدثین مطلقا مسلم کہ معضل ضعیف ہے اور ضعیف جید نہیں، قول امام سفیان ثوری: **الإسناد سلاح المؤمن فإذا لم یکن معه سلاح فبأی شیء یقاتل** (سند مؤمن کا اسلحہ ہے، جب اس کے پاس اسلحہ نہ ہو؛ تو وہ کس چیز سے لڑے گا) صراحۃ دربارہ عقائد و احکام ہے"۔

فإن الحاجة إلی القتال إنما ھی فیما یجری فیه التشدید و التماکس دون ما أجمعوا علی التساھل فیه (کیوں کہ لڑائی کی نوبت وہاں آتی ہے جہاں سختی اور باہم جھگڑا ہو، نہ کہ وہاں جس میں نرمی پر اجماع ہو)

یوں ہی ارشاد امام عبداللہ بن مبارک: **لو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء** (اگر اسناد کا اعتبار نہ ہوتا؛ تو جس کی جو مرضی ہوتی وہ کہتا) کہ قبول ضعاف فی الفضائل میں دخول تحت اصل خود مشروط او امر عمل قواعد مقررہ شرعیہ مثل احتیاط واختیار نفع بے ضرر سے منوط؛ تو ضعیف اثبات جدید نہ کرے گی اور من شاء ماشاء (جو جس کی مرضی ہوتی وہ کہتا) صادق نہ آئے گا **کما قدمنا بیانه فی الإفادة الثانیة و العشرین** (جیسا کہ ہم اس کا بیان بائیسویں افادہ میں پہلے کر آئے ہیں) پُر ظاہر کہ یہ اور ان کی امثال جتنے کلمات محدثین کرام سے ضرورت اسناد میں ملیں گے سب کا مفاد ضرورت خاص اتصال ہے کہ نا متصل بجمیع اقسامہ ان کے نزدیک ضعیف اور ضعیف

خود مجروح ہے نہ کہ سلاح و صالح قتال، یوں ہی ایک راوی بھی ساقط؛ تو ان کے طور پر وہی من شاء ما شاء کا احتیاطی احتمال؛ ولہذا بالاتفاق منقطع و معضل اور معضل دون معضل میں اصلا کوئی فرق حکم نہیں کرتے؛ اسی لیے 'فواتح الرحموت' میں اصطلاحات مرسل و معضل و منقطع و معلق بیان کر کے فرمایا:

لم یظهر لتکثیر الاصطلاح و الأسامی فائدة (کثیر اصطلاح اور ناموں سے کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا) (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، مسئلة فی الکلام علی المرسل، ج۲ص۱۷۴، ط: منشورات الشریف الرضی، فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج۵ص۶۲۳، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

پھر اپنی بات کو مزید پختہ اور مضبوط کرتے ہوئے امام محدث بریلوی رحمہ اللہ ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''بالجملہ جب اتصال نہ ہو؛ تو بعض سند کا مذکور ہونا نہ ہونا سب یکساں، آخر نہ دیکھا کہ انہیں امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے حدیث ابن خراش عن الحجاج بن دینار: قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا:

امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح کے مقدمہ میں فرمایا:...... ابواسحاق ابراہیم بن عیسی طالقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن: اس حدیث کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں: ((نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزے کے ساتھ اپنے والدین کے لیے روزہ رکھو))

آپ کہتے ہیں کہ عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اے ابواسحاق! یہ حدیث کس سے مروی ہے؟ میں نے ان سے عرض کیا: یہ شہاب بن خراش کی حدیث سے ہے؛ تو آپ نے فرمایا: وہ ثقہ ہیں، انہوں نے کس سے روایت کی ہے؟ میں نے عرض کیا: انہوں نے حجاج بن دینار سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: یہ ثقہ ہیں، انہوں نے کن سے روایت کی ہے؟ میں نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، آپ نے فرمایا: اے ابواسحاق! بے شک حجاج بن دینار اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اتنا لمبا فاصلہ ہے کہ اس میں چلنے والے کی زندگیاں ختم ہو جائیں، لیکن بہر حال صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ (صحیح مسلم رحمہ اللہ، مقدمة، باب فی أن الإسناد من الدین، ج۱ص۱۴، ط: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج۵ص۶۲۵)

امام نواوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**معنی هذه الحکایة أنه لایقبل الحدیث إلا بإسناد صحیح**"۔ (شرح صحیح مسلم، محدث نواوی رحمہ اللہ، ج۱ص۸۹، ط: دار إحیاء التراث العربی، بیروت) اس حکایت کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ حدیث کو سند صحیح کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا۔

اگر ان اقوال کو اپنے اطلاق پر رکھا جائے؛ تو اجماع کی خلاف ورزی لازم آئے گی، اسی خرابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام محدث بریلوی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں، حضور والا کی دور رس نگاہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجیے:

''اب اگر ان کلمات کو عموم پر رکھیے مرسل، منقطع، معلق، معضل، ہر نا متصل باطل و ملتحق بالموضوع ہو جاتی ہے اور وہ بالاجماع باطل، افادہ سوم میں ابن حجر مکی شافعی و علی قاری حنفی سے گزرا: **المنقطع یعمل به فی الفضائل إجماعا** (منقطع پر فضائل میں بالاجماع عمل کیا جائے گا) لاجرم واجب کہ یہ سب عبارات صرف باب اہم و اعظم یعنی احکام میں ہیں اگر چہ ظاہر اطلاق و ارسال ہو نہ کہ جب نفس کلام تخصیص پر دال ہو کما قررنا فی الکلمات المذکورة (جیسا کہ ہم نے کلمات مذکورہ میں گفتگو کی ہے) اور واقعی در بارہ ردو قبول غالب محاورات علما صرف نظر بہ باب احکام ہوتے ہیں کہ وہی اکثر محط انظار نخبہ و نزہہ وغیرہما میں دیکھیے کہ حدیث کی دو قسمیں ہیں: مقبول و مردود، مقبول میں صحیح و حسن کو رکھا اور تمام ضعاف کو مردود میں داخل کیا، حالاں کہ ضعاف فضائل میں اجماعا مقبول، ہکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق'' (تحقیق اسی طرح کرنی چاہیے اور توفیق دینے والا

اللہ تعالی ہے) (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۶۲۵، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

پھر امام محدث بریلوی رحمہ اللہ جمہور فقہاے کرام کے نزدیک بے سند حدیث کے فضائل تو فضائل احکام میں حجت ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’یہ سب کلام بطور محدثین تھا، اور جماہیر فقہاے کرام کے نزدیک؛ تو معضلات مذکورہ فضائل درکنار خود باب احکام میں حجت ہیں جب کہ مرسل امام معتمد، محطاط فی الدین، عارف بالرجال، بصیر بالعلیل، غیر معروف بالتساہل ہو اور مذہب مختار امام محقق علی الاطلاق وغیرہا اکابر میں کچھ تخصیص قرن غیر قرن نہیں، ہر قرن کے ایسے عالم کا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا حجت فی الاحکام ہے کما نص علیہ فی المسلم وشروحہ وغیرہا (جیسا کہ مسلم الثبوت اور اس کی شروح وغیرہ میں اس کی تصریح ہے)‘‘۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۶۲۶)

بے سند حدیث علما کے قبول کرنے کی وجہ سے حسن ہو جاتی ہے یا کم از کم قابل قبول ضرور ہوتی ہے، اس کی مثال حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

((یا جابر! إن اللہ تعالی قد خلق قبل الأشیاء نور نبیک من نورہ...الحدیث))

امام محدث بریلوی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

’’یہ حدیث امام بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ میں بنحوہ روایت کی، اجلہ ائمہ دین مثل امام قسطلانی مواہب لدنیہ اور امام ابن حجر مکی افضل القری اور علامہ فاسی مطالع المسرات اور علامہ زرقانی فی شرح مواہب اور علامہ دیار بکری خمیس اور شیخ محقق دہلوی مدارج وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل و اعتماد فرماتے ہیں، بالجملہ وہ تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے؛ تو بلاشبہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے، تلقی علما بالقبول وہ شیء عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو؛ تو حرج نہیں کرتی ۔۔۔ لاجرم علامہ محقق عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی فرماتے ہیں:

’’بے شک ہر چیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے بنی، جیسا کہ حدیث صحیح اس معنی میں وارد ہوئی‘‘۔ (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، عارف باللہ نابلسی رحمہ اللہ، المبحث الثانی، ج ۵ ص ۲۳۷، ط: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۳۰ ص ۶۵۹)

النوع الثانی عشر، تدلیس:

تدلیس کی دو قسمیں بلکہ تین سے زائد ہیں، یہاں پر صرف تدلیس کی دو قسمیں ذکر کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

اول، تدلیس الإسناد: اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ امام نواوی رحمہ اللہ کے حوالے سے تدلیس اسناد کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

’’تدلیس اسناد یہ ہے کہ راویت کرنے والا اپنے ہم عصر سے اس چیز کو روایت کرے جو اس سے سنا نہ ہو، اس سے سننے کے متعلق وہم میں ڈالتے ہوئے، مثلا کہے: قال فلان یا عن فلان یا اس کے مثل دوسرے الفاظ استعمال کرے۔ (التقریب والتیسیر، محدث نواوی رحمہ اللہ، ص ۳۹، ط: دار الکتاب العربی، بیروت)

ثانی، تدلیس الشیوخ: تدلیس شیوخ یہ ہے کہ روایت کرنے والا اپنے شیخ کا ایسا نام ذکر کرے یا ایسی کنیت بتائے یا ایسی نسبت بیان کرے یا ایسا وصف لائے جس سے وہ مشہور نہ ہو۔ (ایضا)

تدلیس کا حکم: مدلس کے عنعنہ کا حکم بیان کرتے ہوئے اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’رابعا ملا جی! آپ تو بہت محدثی میں دم بھرتے ہیں، صحیح حدیثیں بے وجہ محض تو رد کرتے آئے، بخاری ومسلم کے رجال ناحق مردود الروایۃ بنائے، اب اپنے لیے یہ روایت حجت بنالی جو آپ کے مقبولہ اصول محدثین پر ہرگز کسی طرح حجت نہیں ہو سکتی، اس کا

مدار ابن ابی نجیح پر ہے، وہ مدلس تھا اور یہاں روایت میں عنعنہ کی اور عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار میں مردود و نامستند"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۲۴۵، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

پھر امام نواوی رحمہ اللہ کی تدلیس کے متعلق وضاحتی بیان سے اپنے قول کی توثیق وتائید فرمائی، ملاحظہ فرمائیں:

"صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے یعنی مدلس کی روایت ایسے لفظ سے ہو جو سماع کا احتمال تو رکھتا ہو مگر سماع کی تصریح نہ ہو؛ تو وہ مرسل اور غیر مقبول ہے اور جس میں سماع کی صراحت ہو جیسے سمعت، حدثنا، اخبرنا اور ان جیسے الفاظ؛ تو وہ مقبول اور قابل استدلال ہے"۔ (التقریب والتیسیر، محدث نواوی رحمہ اللہ، ص ۳۹، ط: دار الکتاب العربی، بیروت)

نیز مدلس کا سماعت کی صراحت یا ایسے شیخ سے روایت کی صورت میں جس سے مدلس کثرت سے روایت کرتا ہے، اس کی حدیث مقبول ہوتی ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیا 'مسند احمد' میں اس سند کے ساتھ ہے: **یعقوب حدثنا أبی عن ابن إسحاق قال: حدثنی محمد بن مسلم بن عبید الله الزهری، عن السائب بن یزید**، یہاں یہ حدیث لفظ **حدثنی** سے مروی ہے؛ تو اب اس روایت پر تدلیس کا اعتراض نہیں ہوسکتا ہے، یہ ایک جواب۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ امام محمد بن اسحاق امام زہری سے کثرت سے روایت کرنے والے ہیں اور ایسے راوی کا عنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتا ہے، امام ذہبی فرماتے ہیں:

راوی جب روایت میں لفظ عن کا استعمال کرے؛ تو تدلیس کا احتمال ہوتا ہے مگر جب راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثرت سے روایت کرنے والا ہو؛ تو یہ روایت متصل ہوگی"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۲۸ ص ۷۹، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

النوع الرابع عشر منکر:

تعریف: منکر اس روایت کو کہتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور روایت کرنے میں منفرد اور ثقہ راویوں کے خلاف ہو۔ (شرح الزرقانی علی المواهب، باب وفاته و ما یتعلق بابویه صلی اللہ تعالی علیه وسلم، ج ۱ ص ۱۹۶، ط: عامرہ، مصر)

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ امام زرقانی رحمہ اللہ کی طرف سے حدیث منکر کی یہ تعریف پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اور صرف ضعیف کا مرتبہ منکر سے احسن و اعلی ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۴۴۸، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

حدیث منکر کا حکم: اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ حدیث منکر کا حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ درباره فضائل مقبول رہے گی"۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۴۵۰)

اس کے بعد ہمارے ممدوح اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ اپنے اس دعوی کو خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے مختلف اقوال سے ثابت کرتے ہیں، یہاں پر صرف ان کی دو عبارت پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں، خاتم الحفاظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"منکر موضوع کے علاوہ ایک دوسری نوع ہے جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے"۔ (التعقبات علی الموضوعات، محدث سیوطی رحمہ اللہ، فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۵ ص ۴۵۰)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"منکر ضعیف کی قسم ہے اور یہ فضائل کے ابواب میں قابل

قبول ہے''۔ (التعقبات علی الموضوعات، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ص ۳۲۱، ط: دار الجنان، فتاوی رضویہ مترجم، ج ۵ ص ۴۵۰)

النوع الخامس عشر معرفۃ الاعتبار والمتابعۃ:

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے مختلف روایات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ روایت متابع بننے کے قابل ہے اور فلاں روایت متابع بننے کے قابل نہیں، محدث بریلوی رحمہ اللہ کے اس مستخدم اصطلاح کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اعتبار اور متابع کی حقیقت کو ان کی تعریف کی روشنی میں جان لیا جائے، ملاحظہ فرمائیں:

اعتبار کی تعریف: اعتبار یہ ہے کہ راویوں کی بعض حدیث کو لے، پھر حدیث کے طرق کی چھان بین کر کے دوسرے راویوں کی روایات کے ذریعہ اس حدیث کا اعتبار کرے؛ تا کہ معلوم ہو کہ اس حدیث میں دوسرے راوی نے پہلے راوی کی مشارکت کی ہے، اس طور سے کہ اس دوسرے راوی نے پہلے راوی کے شیخ سے روایت کی ہے یا نہیں، اگر روایت نہیں کی ہے؛ تو دیکھے کہ کیا کسی راوی نے اس پہلے راوی کے شیخ کے شیخ کی متابعت کی ہے، اس طور سے کہ اس کے شیخ کے شیخ سے روایت کی، اسی طرح آخری اسناد تک کرے اور یہی متابعت ہے۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ج ۱ ص ۲۸۱، ط: دار طیبۃ)

متابعت تامہ و ناقصہ کی مثال: متابعت تامہ یہ کہ مثلا حماد بن سلمہ نے ایوب سے کوئی حدیث روایت کی اور حماد کے علاوہ کسی راوی نے بھی ایوب سے وہ حدیث روایت کی، اور متابعت ناقصہ یہ ہے کہ ایوب سے حماد کے علاوہ کسی راوی نے روایت نہیں کی مگر ابن سیرین سے ایوب کے علاوہ راوی نے روایت کی یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن سیرین کے علاوہ راوی نے روایت کی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابی نے روایت کی، یہ ساری صورتیں متابعت کی ہیں مگر پہلی والی متابعت سے یہ متابعت ناقص ہے۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، محدث سیوطی رحمہ اللہ، ج ۱ ص ۲۸۲)

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ 'غنیۃ المستملی' کے حوالے سے متابعت کے متعلق فرماتے ہیں:

''اس لیے کہ یہ طے شدہ ہے کہ راوی کا ضعف جب فسق کی وجہ سے نہ ہو بلکہ غفلت کی وجہ سے ہو؛ تو وہ متابعت کی وجہ سے دور ہو جاتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی نے اس میں عمدگی برتی ہے اور وہم کا شکار نہ ہوا؛ تو وہ حدیث حسن ہو جاتی ہے''۔ (غنیۃ المستملی، نواقض وضو، ص ۱۳۸، فتاوی رضویہ مترجم، ج ۱ ص ۴۰۷، ط: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

نیز فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں ابن ہلال؛ تو متابعت کے قابل نہیں، یحیی بن سعید نے اسے کاذب کہا ہے''۔ (ایضا)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''اور امام بخاری و امام طحاوی کی روایت میں امام زہری سے ابن ابی ذئب نے بلفظ دوم روایت کی ((کنت اغتسل أنا و النبی... الخ)) ابن ابی ذئب کی متابعت امام نسائی کی روایت میں معمر اور ابن جریج نے اور امام طحاوی کی ایک روایت میں جعفر بن برقان نے کی''۔ (فتاوی رضویہ مترجم، محدث بریلوی رحمہ اللہ، ج ۱ ص ۵۸۷)

مندرجہ بالا ان اقسام حدیث کے علاوہ دیگر مندرجہ ذیل حدیث کے اقسام پر بھی اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے علمی و فنی کلام کیا ہے، ان شاء اللہ مستقل تصنیف میں راقم الحروف ان اقسام اور دیگر مباحث پر تفصیلی گفتگو کر کے قارئین کے سامنے عنقریب پیش کرے گا، بروقت صرف ان باقی اقسام کی اجمالی فہرست ملاحظہ فرمالیں:

النوع الثامن عشر: معلل، النوع التاسع عشر:

مضطرب، النوع العشرون: مدرج، النوع الحادی والعشرون: موضوع، النوع الثالث والعشرون: صفۃ من تقبل روایۃً، النوع

الخامس والثلاثون: مصحف، النوع الثامن والثلاثون: مرسل خفی، النوع الخامس والخمسون: المتشابہ، النوع التاسع والخمسون: مبہم، النوع الستون: وفیات، النوع الحادی والستون: معرفۃ الثقات والضعفاء، النوع الثالث والستون: طبقات، النوع السادس والستون: معلق، النوع السابع والستون: معنعن، النوع الثامن والستون: متواتر، النوع السبعون، مستفیض وغیرہ۔

(ج)

علم حدیث پر محدث بریلوی کی

مستقل کتب اور حواشی

اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے علم حدیث پر گفتگو تقریبا اپنی مایہ ناز کتاب 'العطایۃ النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ' کے تیسوں جلدوں میں مختلف مقامات پر فرمائی ہے، آپ کی اس محبوب فن پر مستقل کتب ورسائل بنام: 'الھاد الکاف فی أحکام الضعاف، منیر العین فی تقبیل الإبھامین، حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین، مدارج طبقات الحدیث اور الروض البھیج فی آداب التخریج وغیرہ بھی موجود ہیں۔

نیز ہمارے ممدوح اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے حواشی کی صورت میں بھی بہت ساری کتابوں پر علم حدیث کی روشنی میں گفتگو کی ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

سنن ابن ماجہ، التعقبات علی الموضوعات، سیوطی رحمہ اللہ، اللآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ، سیوطی رحمہ اللہ، ذیل اللآلی المصنوعۃ، سیوطی رحمہ اللہ، الموضوعات الکبیر، علی قاری رحمہ اللہ، فتح المغیث، سخاوی رحمہ اللہ، نصب الرایۃ لتخریج أحادیث الھدایۃ، زیلعی رحمہ اللہ، تقریب التھذیب، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، تہذیب التھذیب، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، میزان الاعتدال، ج اول وثانی، ذہبی رحمہ اللہ، تذکرۃ الحفاظ، ذہبی رحمہ اللہ، خلاصۃ تھذیب الکمال، صفی الدین انصاری رحمہ اللہ، الأسماء والصفات، بیہقی رحمہ اللہ، کشف الأحوال فی نقد الرجال عبد الوہاب مدراسی رحمہ اللہ، العلل المتناھیۃ فی الأحادیث الواھیۃ، ابن جوزی رحمہ اللہ وغیرہ۔

راقم الحروف کی اتنی گفتگو سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اصول حدیث میں اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ یگانہ روزگار تھے، علم حدیث میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کے متعلق مذکورہ بالا اقوال علمائے فن، آپ کی تحقیقی افکار ونظریات اور کتب فن علم حدیث کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اعلی حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی حدیث دانی اور آپ کی علم حدیث میں مہارت کا انکار کرے یا شک وشبہ کی گنجائش رکھے؛ تو اس میں ہمارے ممدوح مکرم کا کوئی قصور نہیں بلکہ اس شخص کے دل ودماغ اور آنکھ کا قصور ہے جو اپنے تعصب وتعنت یا جہالت کی وجہ سے حق بجانب چڑھتے ہوئے سورج کو سلامی پیش کرنے اور اس کی بلندی کا اعتراف کرنے سے قاصر یا گریز کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

دیدہ کور کو نظر کیا آئے کیا دیکھے

اللہ تعالی میری اس ادنی خراج عقیدت کو اعلی حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مجھ حقیر کو اپنے علوم وفنون خاص کر علم فقہ وحدیث کا کچھ چھینٹا عطا کرے، راقم الحروف، علمائے کرام اور تمام اہل سنت وجماعت کو صحیح طور پر اعلی حضرت مجدد دین وملت علیہ الرحمۃ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

از ہار احمد امجدی ازہری

فاضل جامعہ ازہر شریف، مصر، شعبہ حدیث، ایم اے

خادم: مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی، یوپی، انڈیا۔

۲۹ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰/۱۰ اکتوبر ۲۰۱۸ء

☆☆☆

امام احمد رضا اور علوم حدیث

مقالہ نگاران

مولانا کوثر امام قادری (مہراج گنج)

حضرت مولانا کوثر امام قادری بن امام صدیقی نظامی ۱۹۷۰ء میں موضع سیوان پیدا ہوئے، جامع العلوم اور جامعہ شمسیہ تیغیہ سیوان میں درس نظامی ابتدائی درجات کی تعلیم پائی، پھر دارالعلوم عزیزیہ مظہرالعلوم مہراج گنج سے ۱۹۹۶ء میں درس نظامی کی تکمیل کی، اور دارالعلوم قدوسیہ مہراج گنج تدریسی خدمات کا آغاز کیا، تبلیغ دین کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ پچاس سے زائد کتب ورسائل تحریر فرما چکے ہیں۔ بیس سے زائد کتابیں شائع ہوکر ارباب علم ودانش سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ علم حدیث سے خصوصی دل چسپی رکھتے ہیں۔ ستر سے زائد تحقیقی مقالات ومضامین آپ نے رقم فرمائے۔ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے ''درس حدیث'' کے مستقل مضمون نگار اور مجلس ادارت کے رکن ہیں۔ رابطہ نمبر:9838086342

حضرت مولانا حنیف خاں رضوی بریلوی (بریلی شریف)

حضرت مولانا حنیف خاں رضوی بریلوی بن حضرت مولانا محمد علی خاں صاحب ۳۱: جون ۱۹۵۶ء کو، بہیڑی (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی تکمیل جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) اور جامعہ منظر اسلام (بریلی شریف) میں حاصل کی۔ سال ۱۹۷۹ء میں جامعہ منظر اسلام (بریلی شریف) سے فارغ التحصیل ہوکر مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے جامعہ نوریہ رضویہ (بریلی شریف) سے منسلک ہوئے تو وہیں کے ہوکر رہ گئے۔ ایک درجن سے زائد کتابیں تحریر فرمائیں۔ امام احمد رضا اکیڈمی (بریلی شریف) کا قیام فرمایا۔ آپ نے اپنی بیش بہا دینی، علمی، تصنیفی، اشاعتی، تنظیمی وتحریکی خدمات کے ذریعہ احباب اہل سنت کثرہم اللہ تعالیٰ سواد ہم کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ رابطہ نمبر:9412489368

امام احمد رضا اور علوم حدیث

علم حدیث کا تعارف

جملہ اسلامی علوم وفنون میں سب سے زیادہ کثیر الجہات وکثیر الذیول کوئی فن ہے تو وہ فن حدیث ہے۔ یہ فن جس قدر محترم ومکرم ہے اسی قدر مشکل ترین اور دشوار ترین بھی ہے، یوں تو کہنے کو صرف دو باتیں ہیں متن حدیث اور سند حدیث۔ یعنی متون کا علم اور سندوں کا علم۔ لیکن ان دونوں کی معرفت متعدد علوم کے حصول پر موقوف ہوتی ہے، اور وہ علوم بظاہر دورانِ بحث' حدیث سے بالکل میل کھاتے نظر نہیں آتے ہیں، لیکن جب نتائج سامنے آتے ہیں تو حدیث سے ان کی گہری وابستگی کا پتہ چلتا ہے انھیں ظاہری صورتوں کے سبب وہ مستقل علم شمار کیے جاتے ہیں۔ جب کہ مقصود کے اعتبار سے وہ فن حدیث کی ہی ایک ذیلی بحث کی حیثیت رکھتے ہیں، یہی سبب ہے کہ علمائے اسلام نے فرمایا کہ فن حدیث ستر مستقل علوم کو شامل ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں:

"**اعلم ان انواع علوم الحديث كثيرة لا تعد**" جان لو کہ علوم حدیث کے اقسام اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں۔

امام سیوطی فرماتے ہیں:

"**علم الحديث يشتمل انواعا كثيرة تبلغ مائة وكل نوع منها علم مستقل لو انفق الطالب فيه عمره لما ادرك نهاية**"۔ (تدریب الراوی، اول، ص:۱۴۶)

علم حدیث کثیر اقسام پر مشتمل وہ اقسام ۱۰۰/سو ہیں اور ان میں سے ہر قسم ایک مستقل علم ہے، اگر طالب علم ان کی طلب میں پوری عمر لگادے جب بھی اس کی انتہا کو نہ پائے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے منصب اجتہاد کی اہمیت بتاتے ہوئے علوم حدیث کے انواع کثیرہ کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

منزل اول:

نقد رجال کے مراتب ثقہ وصدوق وحفظ وضبط اور ان کے بارے میں ائمہ شان کے اقوال ووجوہِ طعن ومراتب توثیق' ومواضع تقدیم جرح وتعدیل، وحواملِ طعن ومناشی توثیق، ومواضع تحامل و تساہل وتحقیق پر مطلع ہو۔ استخراج مرتبۂ اتقانِ راوی بنقد روایات وضبطِ مخالفات واوہام وخطیات وغیرہا پر قادر ہو، ان کے اسامی والقاب وکنی وانساب ووجوہ مختلفہ تعبیر رواۃ' خصوصاً اصحابِ تدلیس شیوخ وتعیین مبہمات ومتفق ومتفرق، ومختلف ومؤتلف سے ماہر ہو۔ ان کے موالید ووفیات وبلدان ورحلات ولقا وسماعات، واساتذہ وتلامذہ وطرقِ تحمل ووجوہِ ادا' وتدلیس وتسویہ وتغیر، واختلاط وآخذین من قبل وآخذین من بعد وسامعین حالین وغیرہما تمام امور ضروریہ کا حال اس پر ظاہر ہو۔ ان سب کے بعد صرف سندِ حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے صحیح یا حسن یا صالح یا ساقط یا باطل یا معضل یا مقطوع یا مرسل یا متصل ہے۔

منزل دوم:

صحاح وسنن ومسانید وجوامع ومعاجیم واجزا وغیرہا کتب احادیث میں اس کے طرق مختلفہ والفاظ متنوعہ پر نظر تام کرے کہ حدیث کے تواتر یا شہرت یا فردیت نسبیہ یا غرابت مطلقہ یا شذوذ یا نکارت واختلافات رفع ووقف وقطع ووصل ومزید فی متصل الاسانید، واضطرابات سند ومتن وغیرہا پر اطلاع پائے، نیز اس جمع طرق واحاطۂ الفاظ سے رفع ابہام ودفع اوہام وایضاحِ خفی واظہار مشکل

وابانت مجمل وتعیین محتمل ہاتھ آئے......اس کے بعد اتنا حکم کرسکتا ہے کہ حدیث شاذ یا منکر، معروف یا محفوظ ومرفوع یا موقوف فرد یا مشہور کس کس مرتبہ ہے۔

منزل سوم:

اب علل خفیہ وغوامض دقیقہ پر نظر کرے جس پر صدہا سال سے کوئی قادر نہیں، اگر بعد احاطۂ وجوہ علل تمام علل سے منزہ پائے تو یہ تین منزلیں طے کرکے صرف صحت حدیث بمعنی مصطلح اثر پر حکم لگا سکتا ہے۔تمام حفاظ حدیث واجلۂ نقاذ وناواصلان ذروہ شامخہ اجتہاد کی رسائی صرف اس منزل تک ہے۔

منزل چہارم:

منزل چہارم سخت ترین منازل، دشوارترین مراحل جس کے سائر نہیں مگر اقل قلائل، اس کی قدر کون جانے؟

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
کہ نظم مملکت خویش خسرواں دانند

اس کے لیے واجب ہے کہ جمیع لغات عرب، وفنون ادب ووجوہِ تخاطب وطرقِ تفاہم واقسام نظم وصنوفِ معنی وادراکِ علل وتنقیح مناط واستخراجِ جامع وعرفانِ مانع' وموارِدِ تعدیہ ومواضعِ قصر ودلائل حکم آیات واحادیث' واقاویل صحابہ وائمہ فقہ قدیم وحدیث' ومواقع تعارض واسبابِ ترجیح، ومناہج توفیق، و مدارج دلیل، ومعارکِ تاویل ومسالکِ تخصیص ومناسک تقیید ومشارعِ قیود وشوارعِ مقصود وغیر ذلک پر اطلاع تام ووقوف عام ونظر غائر وذہن رفیع وبصیرت ناقدہ وبصر منیع رکھتا ہو۔

(الفضل الموہبی از فتاوی رضویہ جلد ۲ صفحہ ۷۱تا۷۵)

مذکورہ چار منازل کے تحت آپ نے جن علوم حدیثیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے الحمد للہ آپ خود ان علوم کے ماہر تھے اور بعض میں درجۂ امامت پر فائز تھے۔پیش نظر مقالہ میں صرف بطور مثال چند علوم میں آپ کی مہارت وحذاقت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ علوم حدیثیہ حسب ذیل ہیں:

(۱) علم متون حدیث۔
(۲) علم طرق واسناد۔
(۳) علم اختلاف الحدیث۔
(۴) علم الموضوعات۔
(۵) علم المصطلحات الحدیثیۃ
(۶) علم التسامحات۔
(۷) علم الجرح والتعدیل۔
(۸) علم اسماء الرجال۔

علم متون حدیث:

رب قدیر جل جلالہ وعم نوالہ اپنے فضل وکرم سے جن لوگوں کو احادیث نبویہ کی خدمات سپرد فرماتا ہے، انھیں قوت حافظہ کی دولت بھی عطا فرماتا ہے، کیوں کہ بغیر قوت حافظہ کے اس فن میں کام کرنا تقریباً غیر ممکن ہے۔

حضرات محدثین کے حیرت انگیز قوت حافظہ کے واقعات کتب تاریخ کا روشن حصہ ہیں، حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب لوگوں کا حافظہ کمزور ہوگیا ہے، میں متعدد اساتذہ کی خدمت میں جاتا اور ہر ایک سے پچاس سے لے کر سو حدیثوں تک سنتا اور سب کی حدیثوں کو محفوظ کر لیتا، روایتوں میں اختلاط بالکل نہ ہوتا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث محفوظ ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی کے بارے میں مذکور ہے کہ اختلاف محدثین کے وقت آپ ہی کی بات فیصل ہوتی تھی۔قواریری فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے بیس ہزار حدیثیں زبانی تحریر کرائیں۔

اس طرح سینکڑوں واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ محدثین قوت حافظہ میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کے بارے میں محدث اعظم

کچھوچھوی فرماتے ہیں:

''علم حدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماٰخذ ہیں، ہروقت پیش نظر رہتیں اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر۔ محدث صاحب کے اس قول پر چند شہادتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دافع البلاء والوباء کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں آپ سے استفتا ہوا، اسکے جواب میں آپ نے ''الامن والعلی'' نامی کتاب تصنیف فرمائی، اور اس میں تین سو احادیث کریمہ کا ذخیرہ جمع فرمادیا۔

(۲) ایک سوال یہ آیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیا ومرسلین سے افضل کیسے ہیں؟ اور اس پر کیا دلیلیں ہیں؟ تو آپ نے اس کے جواب میں ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' ہے۔ اس کتاب میں استحضار علمی اپنے شباب پر ہے علوم وفنون کا سمندر پوری توانائی کے ساتھ موجیں لے رہا ہے، رسالۂ مبارکہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

''الحمد للہ کہ کلام اپنے منتہی کو پہنچا، اور دس آیتوں، سو حدیثوں کا وعدہ، بہ نہایت آسانی بہت زیادہ ہو کر پورا ہوا، اس رسالہ میں قصداً استیعاب نہ ہونے پر خود یہی رسالہ گواہی دے گا کہ تیس سے زائد حدیثیں مفید مقصد ایسی ملیں گی جن کا شمار ان سو میں نہ کیا، تعلیقات تو اصلاً تعداد میں نہ آئیں، اور ہیکل اول میں زیر آیات بہت حدیثیں مثبت مراد گزریں، انھیں بھی حساب سے زیادہ رکھا''۔

زیر آیت ثالثہ کہ چھ حدیثیں نصوص جلیلہ اور قابل ادخال جلوہ اول تابش دوم تھیں، ان چھ کے یاد دلانے میں میری ایک غرض یہ بھی ہے کہ تابش چہارم میں روایت ہفتم سے روایت یازدہم تک جو چھ حدیثیں قول قول یا تف وکاہن ومزامات صادقہ کی گزریں، اگر بعض حضرات ان پر راضی نہ ہوں تو ان چھ تصریحات جلیلہ کو ان چھ کا نعم البدل سمجھیں اور سو احادیث مسندہ معتمدہ کا عدد ہر طرح کامل جانیں، وللہ الحمد۔ (فتاویٰ رضویہ جدید ۳۰/ص: ۲۶۲)

(۳) مرزا غلام احمد قادیانی کے رد بلیغ میں ایک تصنیف ''جزاء اللہ عدوہ'' کیا خوب تصنیف ہے، اس کتاب میں مرزا کے دعویٰ نبوت کو خاک میں ملا دیا ہے اور اپنے ہر دعویٰ پر دلائل و براہین کا انبار جمع فرمادیا ہے، اس کتاب میں ایک سو اکیس احادیث کریمہ ذکر فرمائی ہیں۔

(۴) ایک مرتبہ بعض شہروں میں سخت قحط اور وبائی امراض کا ماحول پیدا ہوگیا، لوگ سخت پریشانیوں میں مبتلا ہوگئے، ان پریشانیوں سے نجات کے لیے اجتماعی طور پر خیرات وصدقات کا اہتمام، نیز فقرا وغربا کے خورد ونوش کا انتظام کی طرف لوگ مائل ہوئے، بعض کم علم مولویوں نے اسے ناجائز تصور کیا، پھر علم دوست لوگوں نے اس سلسلے میں سیدی اعلیٰ حضرت سے استفتا کیا، آپ نے جواب میں ایک رسالہ ''راد القحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء'' تصنیف فرمایا، اور اس میں اٹھائیس احادیث کریمہ ذکر فرمائیں۔

(۵) جمعہ کے دن اذانِ ثانی کے موضوع پر آپ نے ''شمائم العنبر فی آداب النداء امام المنبر'' انتہائی عظیم وجلیل کتاب تصنیف فرمائی، جس میں پینتالیس احادیث کریمہ سے کتاب کو مزین فرمایا

(۶) ایک دفعہ آپ کے سامنے تخلیق ملائکہ سے متعلق سوال پیش کیا گیا، تو آپ کے قلم فیض رقم نے احادیث کے بحر ذخار میں غوطہ لگایا اور اکیس موتیاں نکال کر اہل علم کے روبرو پیش کردی اور اس مجموعہ کا نام ''الهداية المباركة في خلق الملائكة'' تجویز فرمایا۔

(۷) ایک مسئلہ یہ پیش کیا گیا کہ مردہ اپنی قبروں میں سننے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں ایک کتاب ''حياة الموات في بيان سماع الاموات'' معرض وجود میں آئی، دوسری تصنیفات کی طرح یہ بھی کافی اہم ہے، بلکہ دیگر کتب میں اس کی شان بہت ہی بلند ہے، اس میں ساٹھ احادیث مرفوعہ ذکر کی ہیں اور اقوال صحابہ وآثار تابعین کی ایک دنیا آباد کردی ہے۔

ارشادفرماتے ہیں:

''اس مسئلہ میں ہمارے مذہب کی تصریح وتلویح وتنصیص وتلمیح وتائیدوترجیح وتسلیم وتصحیح میں ارشادات متکاثرہ واقوال متوافرہ ہیں۔ حضرات عالیہ صحابۂ کرام وتابعین عظام واتباع اعلام ومجتہدین اسلام وسلف وخلف علمائے عظام سے فقیر اگر بقدر قدرت ان کے حمد و استقصا کا ارادہ کرے موجز عجالہ حد مجلد سے گزرے، لہٰذا اولاً صرف سوائمۂ دین وعلمائے کاملین کے اسمائے طیبہ شمار کرتا ہوں جن کے اقوال اس وقت میرے پیش نظر اوراس رسالہ کے فصول ومقاصد میں جلوہ گر۔

پھر دس نام ان عالموں کے بھی حاضر کروں گا، جن پر اعتماد میں مخالف مضطر۔

یہاں گیارہ صحابہ کرام کے اسماتحریر فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:''اور میں ان کے سواان صحابہ کرام کے نام یہاں شمار نہیں کرتا، جنھوں نے سماع و ادراک موتی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا یا حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سنا، مثل عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، ابوزرین، براء بن عازب، ابوطلحہ، عمارہ بن حزم، ابوسعید خدری، عبداللہ بن سیدانی، ام سلمہ، قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اگر چہ معلوم کہ ارشاد والا حضور اعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن کر ان کے خلاف پر اعتقاد حضرات صحابہ سے معقول نہیں، نہ مقام مقام احکام کہ احتمال خلاف بعلم ناسخ ہو، تاہم جب قصداً استیعاب نہیں تو انھیں پر اقتصار جن کے خود اقوال وافعال دلیل مسئلہ ہیں''۔(فتاویٰ رضویہ جدید، جلد:۹/۷۳۶)

(۸) سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت علامہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا، جس کا نام ''احسن الوعاء لآداب الدعاء'' ہے، جس میں مصنف نے آداب دعا کی ہدایت جمع فرمائی ہے۔

سرکار اعلیٰ حضرت نے اس کی شرح لکھی اور ہر ادب کو متعدد احادیث سے ثابت فرمایا اور ساتھ ہی ہر حدیث کی سند بیان فرمائی۔ اصل رسالہ کے اعداد اکیاون پہ جا کر رکے، لیکن اعلیٰ حضرت نے ساٹھ تک پہنچائے، مصنف نے اجابت کے اوقات بیان فرمائے تو اعلیٰ حضرت نے تمام اوقات کو احادیث کریمہ سے ثابت و مدلل کیا، مصنف نے چھتیس کی گنتی کے بعد وغیرہا کا ارشارہ فرمایا، تو اعلیٰ حضرت پینتالیس کے عدد پر پہنچ کر قلم کو روک لیا کہ کہیں بے ادبی نہ ہوجائے، مصنف نے اماکن اجابت کی گنتی ۲۳/تک رقم کی، اعلیٰ حضرت نے ۴۴/کی تعداد تک رسائی فرمائی اور ایک ایک عدد کو احادیث سے مزین کیا، مصنف نے اسم اعظم کے ۹/کلمات لکھے، اعلیٰ حضرت نے ۲۰/تحریر کیے، اور ہر ایک اسم اعظم کی سند صحیح حدیث سے بتائی، مصنف نے دعا کی عدم قبولیت کے ۹/سبب بتائے، اعلیٰ حضرت نے مزید ۱۰/کا اضافہ کیا اور ہر ایک کا مآخذ احادیث صحیحہ سے ثابت کیا، مصنف نے دعا میں کیا چیز نہ مانگی جائے ان کی تعداد کل ۱۲/ بتائی، اعلیٰ حضرت نے ۳/کا اضافہ فرمایا اور ہر ایک پر حدیث بیان کی۔ مصنف نے جن کی دعا قبول نہیں ہوتی ان کی تعداد ۸/ بتائی، اعلیٰ حضرت نے احادیث مقدسہ کی روشنی میں ان کی تعداد ۱۹/ تک پہنچادی۔(امام احمد رضا اور علم حدیث:۲۶)

(۹) والدین کے حقوق پر اکیانوے حدیث ذکر کیں۔

(۱۰) سجدۂ تحیت کی حرمت پر ۷۰/حدیثوں سے استدلال کیا۔

(۱۱) داڑھی کی ضرورت واہمیت پر ۵۶/احادیث کریمہ بیان کی۔

(۱۲) شفاعت کے عنوان پر ۴۰/حدیثیں پیش کیں۔

(۱۳) تصاویر کے عدم جواز پر ۲۷/حدیثوں سے استدلال کیا۔

(۱۴) ایک سائل نے پوچھا کہ روس کی شکر ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہیں یا نہیں؟ حلال جانوروں کی ہیں یا مردار کی؟ سنا گیا ہے کہ اس میں شراب کی آمیزش بھی کی جاتی ہے۔

اس پر قلم اٹھایا اور اڑتیس صفحات پر مشتمل ''الاحلی من السکر

لطلبۃ سکر روسر'' قلم بند فرمایا، اس پر ۱۰؍ مقدمات ممہد فرمائے اور ہر مقدمہ کو احادیث کی روشنی میں بیان کیا، بعض بعض مقدمات میں دس دس پندرہ پندرہ حدیثیں ذکر کیں۔

(۱۵) بد مذہبوں کی اقتدا میں نماز کے عدم جواز پر ایک رسالہ ''النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید'' لکھی، اس میں اولیائے کرام کی فضیلت پر بارہ حدیثیں بیان کر کے ۷۸؍ احادیث سے وہابیوں کی پیدائش اور ان کے نشانات بیان فرماتے۔

(۱۶) آپ کا ایک رسالہ ''الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن'' ہے، اس رسالہ میں مجموعی طور پر تیس حدیثیں بیان ہوئی ہیں۔

صحابہ کرام احکام شرعیہ کے اولین مخاطبین ہیں، فرامین رسول کے شارح اور افعال رسول کے عینی شاہدین ہیں، اسی لیے ان کے افعال و اقوال سے صرف نظر ممکن نہیں، چنانچہ محدثین کی اصطلاح میں صحابہ کے اقوال و افعال حدیث موقوف کے نام سے موسوم ہوئے، اور فقہ کے باب میں بطور حجت تسلیم کیے گئے، بالخصوص احناف تو اسے انشراح صدر کے ساتھ قبول کرنے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **''ما جاء عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فبالراس والعين وما جاء عن الصحابة فلا أتركه''**

راقم الحروف نے اپنے مضمون ''حدیث موقوف کی شرعی حیثیت'' میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اس لیے یہاں اسے معرض بحث میں نہیں لایا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی عقابی نگاہ جس طرح احادیث مرفوعہ کا احاطہ کرتی ہے، اسی طرح احادیث موقوفہ یعنی صحابہ کرام کے اقوال و افعال کو بھی محیط ہے، کسی مسئلہ کے استدلال کے وقت جہاں وہ قرآنی آیات، احادیث مرفوعہ کا ذخیرہ جمع فرما دیتے ہیں، وہیں اقوال صحابہ کا بھی خزانہ صفحۂ قرطاس پر بکھیرتے نظر آتے ہیں۔

(۱) سماع موتی کے عنوان پر دلائل قاہرہ پیش کرتے ہوئے حضرت امام نے صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین کے اقوال کی طرف رخ کیا تو یہاں بھی وہی جولانیت نگاہ قلم برداشتہ اکیانوے احادیث موقوفہ و آثار متقومہ کا پتہ دیا۔

علم اختلاف الحدیث:

علوم حدیث کے باب سب سے نازک و اہم اختلاف الحدیث کا فن ہے، روایت حدیث کی حد تک اس فن کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن مقام استدلال میں جب کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہاں اس فن کی ضرورت سخت سے سخت تر ہو جاتی ہے، کیوں کہ جب بظاہر متعارض حدیثیں جمع ہو جائیں تو وہاں حتی المقدور جمع و تطبیق پیدا کرنا ضروری ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں:

الجمع متعين عند الامكان. (الاجوبۃ الفاضلۃ: ۱۹۷)

احادیث متعارضہ میں جب تک ممکن ہو موافقت ہی متعین ہے۔

علامہ محمد بن عبد الرسول برزنجی مدنی فرماتے ہیں:

الجمع اولى من اسقاط بعض الروايات ولا شك انه مقدم على الترجيح مهما امكن''. (الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ: ۱۶۱)

بعض روایتوں کو ساقط کرنے سے بہتر موافقت ہے اور بے شک جب تک ممکن ہو ترجیح پر تطبیق مقدم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں امکان جمع کے باوجود محققین نے نسخ کا قول کیا وہاں ناقدین نے تعاقب فرما کر حکم نسخ کو باطل قرار دیا۔ چنانچہ امام حازی نے اپنی کتاب ''الاعتبار'' میں متعدد مقامات پر ارشاد فرماتے ہیں:

ادعاء النسخ مع امكان الجمع بين الحديثين على خلاف الاصل''. (الاعتبار: ۶۹)

احادیث متعارضہ میں امکان جمع کے باوجود نسخ کا دعویٰ خلاف اصل ہے۔

نیز فرمایا:

لا حاجة بنا الى النسخ بامكان الجمع بين

الاخبارین. (الاعتبار: ۲۵۵)

احادیث متعارضہ میں امکان جمع موجود ہو تو ہمیں نسخ کا قول کرنے کی ضرورت نہیں۔ نیز فرمایا:

مهما امكن الجمع بين الاحاديث تعذر النسخ.
(الاعتبار: ۲۲۶)

جب احادیث متارضہ میں تطبیق ممکن ہو تو نسخ ممنوع ہے۔

حضرت امام نووی ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **كيف يصار الى النسخ مع امكان الجمع بين الاحاديث.** (الاجوبة الفاضلة: ۱۸۷)

احادیث متعارضہ میں جب تطبیق ممکن ہو تو نسخ کی طرف راہ کیوں کر پیدا ہوگی۔

لیکن جمع و تطبیق اس قدر مشکل امر ہے کہ بڑے بڑے محدثین بھی ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔ اس کے لیے علوم حدیث میں مہارت کے ساتھ دولت فقہ سے بھی مالا مال ہونا ضروری ہے۔

حافظ ابوبکر رازی فرماتے ہیں:

ذلک من وظيفة الفقهاء لان قصدهم ثبات الاحكام ومجال نظرهم فى ذالک متبع. (شروط الائمة الخمسة: ۲۷)

یہ فقہا کا کام ہے کیوں کہ ان کا مقصد احکام ثابت کرنا ہے اور اس سلسلے میں انھیں وسعت نگاہ حاصل ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

انما يكمل له الائمة الجامعون بين الفقه والحديث والاصوليون الغواصون على المعانى. (التقریب: ۴۱۳)

یہ ان ہی کے لیے جو ائمہ حدیث وفقہ کے جامع ہیں اور وہ اصولین جو معانی کی گہرائی میں اترے ہوئے ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

هذا فن تكلموا فيه الائمة الجامعون بين الفقه والحديث وقواعده مقررة فى اصول الفقه. (تنقیح الانظار، جلد ۲/ ۴۲۱)

اس فن پر ان لوگوں نے گفتگو کی ہے جو حدیث وفقہ کے جامع ہیں اور اس کے قواعد اصول فقہ کی کتابوں میں منضبط ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی صرف محدث ہی نہ تھے، بلکہ فقیہ اعظم بھی تھے، اس لیے علم اختلاف الحدیث میں آپ کو منصب امامت حاصل تھا، محل استدلال میں جہاں کہیں بھی متعارض حدیثیں نظر آتیں بآسانی تطبیق و توفیق کی راہ اپناتے، ہاں متعذر ہونے کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

''الامن والعلی'' میں بحوالہ مشکوٰۃ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث نقل فرمائی:

لا تقولوا ما شاء الله وشاء فلان، ولكن قولوا ما شاء الله ثم شاء فلان.

نہ کہو جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں، بلکہ یہ کہو جو چاہے اللہ پھر چاہے فلاں۔

اس حدیث کے ساتھ ایک منقطع روایت شرح السنۃ سے یوں مذکور ہے ''**لا تقولوا ما شاء وما شاء محمد وقولوا اما شاء الله وحده**'' نہ کہو جو چاہے اللہ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یوں کہو کہ جو چاہے ایک اللہ۔

اس روایت منقطعہ کو نقل کر کے امام الوہابیۃ نے ''تقویۃ الایمان'' میں لکھا تھا ''یعنی جو کہ اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں، سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملاوے گو کیسا ہی بڑا ہو۔ مثلاً یوں نہ بولو کہ اللہ و رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا کہ سارا کاروبار جہان کا اللہ کے چاہنے سے ہوتے ہیں، رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا''۔

اب امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی اس پر مضبوط دلائل کے ساتھ گرفتیں ملاحظہ کریں۔ فرماتے ہیں:

ہم اس مطلب کی احادیث ذکر کریں پھر بتوفیقہ تعالیٰ ثابت کر دکھائیں کہ یہ ہی حدیثیں اس (امام الوہابیہ) کے شرک کا کیسا سر توڑتی ہیں۔ اس کے بعد امام احمد رضا محدث بریلوی نے چند احادیث ذکر فرمائی ہیں جو مختصر یوں ہے: مسند احمد و سنن ابوداؤد میں مختصر اور سنن ابن ماجہ میں مطولاً بسند حسن یوں ہے:

ان رجلا من المسلمین رأی في النوم انه لقي رجلا من أهل الکتب فقال: نعم القوم انتم لو لا تشرکون، تقولون ما شاء الله وشاء محمد صلی الله علیه وسلم وذکر ذالک النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال اما والله ان کنت لاعرفها لکم قولوا: ما شاء الله ثم ماشاء محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.

یعنی اہل اسلام سے کسی کو خواب میں ایک کتابی ملا، وہ بولا تم بہت خوب لوگ ہو اگر شرک نہ کرتے، تم کہتے ہو جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان مسلم نے یہ خواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، فرمایا: سنیے! خدا کی قسم! تمہاری اس بات پر مجھے بھی خیال گزرتا تھا، یوں کہا کرو: جو چاہے اللہ پھر جو چاہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سنن ابن ماجہ میں دوسری روایت ابن عباس سے یوں ہے:

اذا حلف احدکم فلا یقل ما شاء الله وشئت، ولا کن یقل ما شاء الله ثم شئت.

جب تم میں کوئی شخص قسم کھائے تو یوں نہ کہو کہ جو چاہے اللہ اور میں چاہوں، ہاں یوں کہے کہ جو چاہے اللہ پھر میں چاہوں۔

تیسری روایت ام المومنین سے بنحوہ ہے۔

چوتھی روایت مسند احمد میں طفیل سے اس طرح آئی کہ مجھے خواب میں کچھ یہودی ملے، میں نے ان پر اعتراض کیا کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کیوں کہتے ہو؟ انھوں نے جواب میں کہا: تم خاص کامل لوگ ہو اگر یوں نہ کہو کہ جو چاہے اللہ اور جو چاہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، پھر کچھ نصاریٰ ملے، ان سے بھی اس طرح کی گفتگو ہوئی، میں نے پورا خواب حضور کی خدمت میں عرض کی، حضور نے خطبہ دیا اور حمد وثنا الٰہی کے بعد فرمایا:

انکم کنتم تقولون کلمة کان یمنعني الحیاء منکم أن أنهاکم عنها لاتقولوا ماشاء الله وما شاء محمد.

تم لوگ ایک بات کہا کرتے تھے، مجھے تمہارا لحاظ روکتا تھا کہ تمہیں اس سے منع کردوں، یوں نہ کہو جو چاہے اللہ اور جو چاہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سنن نسائی میں قتیلہ بنت صیفی سے روایت ہے:

ان یهودیا أتی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال انکم ....وانکم تشرکون تقولون ما شاء الله وشئت، وتقولون والکعبة، فأمرهم النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا أرادوا أن یحلفوا أن یقولوا ورب الکعبة ویقول أحد ما شاء الله ثم شئت.

ایک یہودی نے خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: بے شک تم لوگ اس کا برابر کا ٹھہراتے ہو، بے شک تم لوگ شرک کرتے ہو، یوں کہتے ہو کہ جو چاہے اللہ اور جو چاہو تم، اور کعبہ کی قسم کھاتے ہو۔ اس پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا: قسم کھانا چاہیں تو یوں کہیں رب کعبہ کی قسم، اور کہنے والا یوں کہے: جو چاہے اللہ پھر جو چاہو تم۔

مسند احمد میں روایت یوں آئی کہ:

یہود کے ایک عالم نے خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: اے محمد! آپ بہت عمدہ لوگ ہیں، اگر شرک نہ کریں۔ فرمایا: سبحان اللہ! یہ کیا؟ کہا: آپ کعبہ کی قسم کھاتے ہیں، اس پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ مہلت دی، یعنی کچھ مدت تک کچھ ممانعت نہ فرمائی، پھر فرمایا: یہودی نے ایسا کہا تھا تو آپ جو قسم کھائے رب کعبہ کی قسم کھائے۔

دوسری روایت میں اس طرح آیا:

یہودی نے کہا اے محمد! آپ بہت عمدہ لوگ ہیں، اگر آپ کے

برابر والا نہ ٹھہرائے، فرمایا: سبحان اللہ یہ کیا؟ کہا: آپ کہتے ہیں جو چاہے اللہ اور جو چاہو تم، اس پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مہلت تک کچھ نہ فرمایا، بعدہ فرمادیا: اس یہودی نے ایسا کہا ہے تو اب جو کہے کہ جو چاہے اللہ تعالیٰ تو دوسرے کے چاہنے کو جدا کر کے کہے کہ پھر چاہو تم۔

ان تمام روایت کو نقل کر کے محدث بریلوی فرماتے ہیں:

امام الوہابیہ نے ان سب کو بالائے طاق رکھ کر شرح السنۃ کی ایک روایت منقطع دکھائی، اور بحمداللہ اس میں بھی کہیں اپنے حکم شرک کی بو نہ پائی، اب بحمداللہ ملاحظہ کیجیے کہ یہ ہی حدیثیں اس کے دعویٰ شرک کو کس طرح جہنم رسید کرتی ہیں؟۔

اولاً: احادیث سے ثابت کہ صحابہ کرام نے یہ جملہ کہ ’’اللہ و رسول چاہے تو یہ کام ہو جائے یا اللہ اور تم چاہو تو ایسا ہوگا‘‘ شائع و ذائع تھا، حضور اس پر مطلع تھے، بلکہ عالم یہود کے ظاہر الفاظ تو یہ تھے کہ خود حضور بھی ایسا فرماتے تھے اور امام الوہابیہ اس کو شرک کہتا ہے، معاذ اللہ! تو اس کے نزدیک سب مشرک ہوئے۔

ثانیا: حدیث طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تو یہ بھی ہے کہ حضور نے فرمایا: اس لفظ کا خیال مجھے بھی گزرتا تھا مگر تمہارے لحاظ سے منع نہ کرتا تھا، تو معاذ اللہ امام الوہابیہ کے نزدیک حضور نے دانستہ شرک کو گوارہ فرمایا، اور صحابہ کے لحاظ پاس کو اس میں دخل دیا۔

ثالثاً: گویا یہودی کے قول سے ممانعت ہوئی اور سچی توحید اس مشرک نے سکھائی۔

رابعاً: قتیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے تو یہ ثابت کہ ایک عرصہ تک حضور نے ممانعت نہ فرمائی اور پھر خیال آیا۔

خامساً: ان سب کے باوجود حضور نے جو تعلیم دی وہ یہ تھی کہ (اور) نہ کہا کرو بلکہ (پھر) کہا کرو۔ یعنی شرک سے بچنے کی تعلیم ایسی دی کہ پھر بھی وہ شرک ہی ٹھہری، معاذ اللہ! ان تمام مواخذوں کے بعد معارضہ قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مسلمانو! للہ انصاف، جو بات خاص شان الٰہی عزوجل ہے اور جس میں کسی مخلوق کو کچھ دخل نہیں، اس میں دوسرے کو خدا کے ساتھ (اور) کہہ کر ملایا تو کیا اور (پھر) کہہ کر ملایا تو کیا، شرک سے کیوں کر نجات ہو جائے گی، مثلاً: زمین و آسمان کا خالق ہونا، اپنی ذاتی قدرت سے تمام اولین و آخرین کا رازق ہونا، خاص خدا کی شانیں ہیں، اگر کوئی یوں ہی کہے کہ اللہ و رسول خالق السماوات والارض ہیں اللہ و رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق عالم ہیں جب بھی شرک ہے؟

اور اگر کہے کہ اللہ پھر رسول خالق السموات والارض ہیں، اللہ پھر رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق جہان ہیں تو شرک نہ ہوگا۔

مسلمانو! گمراہیوں کے امتحان کے لیے ان کے سامنے یوں ہی کہہ دیکھو کہ اللہ پھر رسول عالم الغیب ہیں، اللہ پھر رسول ہماری مشکلیں کھولیں، دیکھو تو یہ حکم شرک جڑتے ہیں یا نہیں؟ اسی لیے تو عیار مشکوٰۃ کی اس حدیث متصل صحیح ابو داؤد کی مہر بھری بچا گیا تھا، جس میں لفظ ’’پھر‘‘ کے ساتھ اجازت ارشاد ہوئی تھی، تو ثابت ہوا کہ اس مردک کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودی کا اعتراض پا کر بھی جو تبدیلی کی وہ خود ہی خود شرک کی شرک ہی رہی، یہ تو ان (امام الوہابیہ اور اس کے اذیال و اذناب) کے طور پر نتیجہ احادیث تھا، ہم اہل حق کے طور پر پھر پوچھو تو۔

اقول: و باللہ التوفیق و بحمداللہ تعالیٰ نہ صحابہ نے شرک کیا اور نہ معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک سن کر گوارہ فرمایا، کسی کے لحاظ پاس کو کام لانا ممکن تھا نہ یہودی مردک تعلیم توحید کو کر سکتا تھا، بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ مشیت حقیقیہ ذاتیہ مستقلہ اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے، اور مشیت غلبۂ تابعہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کو عطا کی ہے، مشیت محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کائنات میں جیسا کچھ دخل عظیم بعطائے رب جلیل و کریم جل جلالہ ہے وہ ان تقریبات جلیلہ سے کہ ہم نے زیر حدیث ۱۲۶؍ (حضرت علی کے لیے سورج پلٹانا) ذکر کیں، واضح و آشکار ہے۔

جب اس یہودی خبیث نے جس کے خیالات امام الوہابیہ کے مثل تھے، اعتراض کیا اور معاذ اللہ شرک کا الزام دیا، حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے کریمہ کا رجحان اسی طرف ہوا کہ ایسے لفظ کو جس میں احمق بدعقل مخالف جائے طعن جانے، دوسرے سہل لفظ سے بدل دیا جائے کہ صحابہ کرام کا مطلب تبرک وتوسل برقرار رہے اور مخالف کج فہم کو گنجائش نہ ملے، مگر یہ بات طرز عبارت کے ایک گونہ آداب سے تھی، معناً تو قطعاً صحیح تھی، لہٰذا اس کافر کے بکنے کے بعد بھی چنداں لحاظ نہ فرمایا گیا، یہاں تک کہ طفیل بن سنجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خواب دیکھا اور رویائے صادقہ القائے ملک ہوتا ہے، اب اس خیال کی زیادہ تقوت ہوئی اور ظاہر ہوا کہ بارگاہ عزت میں یہی ٹھہرا ہے کہ یہ لفظ مخالفوں کا جائے طعن ہے بدل دیا جائے، جس طرح رب العزت جل جلالہ نے راعنا کہنے سے منع فرمایا تھا کہ یہود سندا سے اپنے مقصد مردک کا ذریعہ کرتے ہیں، اور اس کی جگہ ''انظرنا'' کہنے کا ارشاد ہوا تھا ولہٰذا خواب میں کسی بندۂ صالح کو اعتراض کرتے نہ دیکھا کہ یوں تو بات فی نفسہ محل اعتراض ٹھہرتی، بلکہ خواب بھی دیکھا تو انھیں یہود ونصاریٰ اس امام الوہابیہ کے خیالوں کو معترض دیکھا تا کہ ظاہر ہو کہ صرف دہن دوزی مخالفات کی مصلحت داعی تبدیل لفظ ہے، اب حضور نے خطبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یوں نہ کہو کہ اللہ ورسول چاہیں تو کام ہوگا، بلکہ یوں کہو کہ اللہ پھر اللہ کا رسول چاہے تو کام ہوگا۔ (پھر) کا لفظ کہنے سے وہ تو ہم مساوات کہ ان وہابی خیالات کے یہود ونصاریٰ یا یوں کہے کہ ان خیالات وہابیوں کو گزرتا ہے، باقی نہ رہے گا۔ الحمد للہ علی تواتر الاہ والصلوٰۃ والسلام علی انبیاء اہل انصاف، ودین ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تقریر منیر کہ فیض قدیر سے قلب فقیر پر القا ہوئی، کیسی واضح ومستنیر ہے، جسے ان احادیث کو مسلسل مسلک گوہریں میں منظوم کیا اور تمام مدارج ومراتب مرتبہ بحمدہ تعالیٰ نورانی نقشہ کھینچ دیا، الحمد للہ کہ یہ حدیث فہمی ہم اہل سنت ہی کا حصہ ہے، وہابیہ وغیرہم بدمذہبوں کو اس سے کیا علاقہ ہے، ذالک فضل اللہ الخ۔ (الامن والعلی:۲۲۱)

نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کی روایت پر بحث:

فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۶۹ ر پر نجاشی شاہ حبشہ کی غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی، جس کو صحاح ستہ کے حوالہ سے نقل فرمایا، حدیث یہ ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعی لھم النجاشي صاحب الحبشي في الیوم الذی مات فیه وقال استغفروا لأخیک وصف بھم في المصلی فصلی علیه وکبر علیھم أربعا.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ حضرت نجاشی کے انتقال کی خبر اسی دن سنائی جس دن ان کا وصال ہوا، فرمایا: اپنے دینی بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو، پھر حضور نے ایسے میدان میں جہاں عموماً عید کی نماز ہوتی تھی صف بندی فرمائی اور نماز جنازہ پڑھتے ہوئے چار تکبیریں کہیں۔

اس حدیث سے بعض حضرات غیر مقلدین نے غائبانہ نماز جنازہ اور اس کی تکرار کو جائز کہا تھا، امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایسی تمام احادیث کو نقل فرما کر جواز وعدم جواز کی روایات میں تطبیق وجمع بین الاحادیث کا نہایت شاندار نقشہ کھینچ دیا ہے۔

''زمانۂ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوسرے مواضع میں وفات پائی، کبھی کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں کہ حضور نے غائبانہ ان کے نماز جنازہ پڑھی ہو، کیا وہ محتاج رحمت والا نہ تھے؟ کیا معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پر یہ رحمت وشفقت نہ تھی؟ کیا ان کی قبور اپنی نماز پاک سے پرنور نہ کرنا چاہتے تھے؟ کیا جو مدینہ طیبہ میں مرتے انھیں کی قبور محتاجِ نور ہوتیں اور جگہ اس کی حاجت نہ تھی؟ یہ سب باتیں بداہۃً باطل ہیں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام طور پر ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ہی دلیل روشن وواضح کہ جنازۂ غائب پر نماز ناممکن تھی، جس امر سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے عذرِ مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امر شرعی ومشروع نہیں ہوسکتا۔''

آگے فرماتے ہیں:

''دوسرے شہر کی میت پر صلوٰۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں

روایت کیا جاتا ہے، ایک یہی واقعہ نجاشی۔ دوسرا واقعہ معاویہ لیثی۔ تیسرا واقعہ امرائے معرکہ موتہ۔

واقعہ اولیٰ:۔ اس واقعہ کی ایک روایت گزری، دوسری روایات مسند احمد وغیرہ میں حضرت عمران بن حصین سے یوں ہے کہ

ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ حضرت نجاشی کا جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں آیا کہ۔

حضرت نجاشی کا جنازہ حضور کے لیے ظاہر کر دیا گیا حضور نے اس کو دیکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت حذیفہ بن اسید کی روایت اس طرح آئی کہ حضور نے حبشہ کی جانب منہ کر کے چار تکبیریں کہیں۔

واقعہ ثانیہ: حضرت معاویہ لیثی نے مدینہ طیبہ میں انتقال کیا حضور نے تبوک میں ان پر نماز جنازہ پڑھی حدیث اس طرح ہے کہ حضرت ابو امامہ باہلی فرماتے ہیں:

”ان جبرئل علیه السلام أتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: مات معاویة في المدینه أتحب أن أطوي لک الارض فرفع به سریره فصل علیه وخلفه صفاف من الملائکة کل صف سبعون الف ملک.

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! معاویہ بن معاویہ مزنی نے مدینہ میں انتقال کیا تو کیا حضور چاہتے ہیں کہ میں حضور کے لیے زمین لپیٹ دوں تا کہ حضور ان پر نماز پڑھیں۔ فرمایا: ہاں، جبرئیل نے اپنا پر زمین پر مارا، جنازہ حضور کے سامنے آ گیا اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی فرشتوں کی دو صفیں حضور کے پیچھے تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے دوسری روایت میں اتنا اور زائد یہ کہ حضرت ابو امامہ نے فرمایا یہاں تک کہ ہم نے مکہ مدینہ کو دیکھا اسی طرح حضرت انس کی روایت میں بھی ہے۔

واقعہ سوم:۔ جنگ موتہ میں حضور نے حضرت زید بن حارثہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا اور فرمایا اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیار امیر ہوں گے اور یہ بھی شہادت سے سرفراز ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواقہ اور یہ بھی جام شہادت پی لیں تو تم لوگ جس کو چاہو اپنا امیر چن لینا جب جنگ شروع ہوئی تو حضور کے فرمان کے مطابق ہوا۔ حدیث مختصراً یوں ہے اور اس کے راوی عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبد اللہ بن ابی بکر ہیں۔

لما التقی الناس بموتة جلس رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنبر وکشف له ما بینه ومابین الشام فهو ینظر الی معرکتهم فقال رسول الله أخذ الرایة زید بن حارثة فمضی حتی استشهد فصلی علیه رسول الله ودعا له وقال استغفر والله وقد دخل الجنة فهو یطیر فیها بجناحین حیث شاء.

جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ عزوجل نے حضور کے لیے پردے اٹھا دیے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زید بن حارثہ نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا حضور نے انہیں اپنی صلوۃ ودعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ اس کے لیے استغفار کرو بیشک وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا حضور نے پھر فرمایا جعفر بن ابی طالب نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا حضور نے ان کو بھی اپنی صلاۃ ودعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا کہ اس کے لیے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوا اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے ان تینوں واقعات سے متعلق امام احمد رضا محدث بریلوی کی جو تحقیقات ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں لکھتے ہیں۔

ان میں اول اور دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا، تو نماز غائب پر نہ ہوئی، بلکہ حاضر پر، اور دوم سوم کی سند صحیح نہیں، اور سوم صلاۃ بمعنی نماز میں صریح نہیں، ان کی تفصیل بعونہ تعالیٰ ابھی آتی ہے، اگر فرض ہی کر لیجیے کہ ان تینوں واقعوں میں نماز پڑھی، تو باوصف حضور کے اس اہتمام عظیم وموفور، اور

تمام اموات کے اس حاجت شدیدۂ رحمت ونورِ قبور کے صدہا پر کیوں نہ پڑھی؟، وہ بھی محتاجِ حضور، وحاجت مندرِ رحمت ونور، اور حضور ان پر رؤف ورحیم تھے، نماز سب فرض عین نہ ہونا اس اہتمام عظیم کا جواب نہ ہوگا، نہ تمام اموات کی اس حاجت شدیدہ کا علاج، حالانکہ ”حریص علیکم“ ان کی شان ہے، دوایک کی دست گیری فرمانا اور صدہا کو چھوڑنا کب ان کے کرم کے شایان ہے، ان حالات واشارات کے ملاحظہ سے عام طور پر ترک اور صرف دوایک بار وقوع خود ہی بتادے گا کہ وہاں کوئی خصوصیت خاصہ تھی جس کا حکم عام نہیں ہوسکتا، حکم وہی عدم جواز ہے جس کی بنا پر عام احتراز ہے۔ اب واقعہ بیر معونہ ہی دیکھیے، مدینہ طیبہ کے ستر جگر پاروں' محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص پیاروں' اجلہ علمائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کردیا، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا سخت شدید غم والم ہوا، ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفارِ ناہنجار پر لعنت فرماتے، مگر ہرگز منقول نہیں کہ ان پیارے محبوبوں پر نماز پڑھی ہو،....اہل انصاف کے نزدیک کلام تو اسی قدر سے تمام ہوا، مگر ہم ان وقائع ثلثہ کا بھی باذنہ تعالیٰ تصفیہ کریں۔

واقعہ اولیٰ سے متعلق لکھتے ہیں:

اولاً: پہلی دونوں روایتیں (ابوہریرہ وعمران بن حصین) کی اس حدیث مرسل اصولی کی عاضد قوی ہیں جس کو امام واحدی نے اسباب نزول قرآن میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے نجاشی کا جنازہ ظاہر کردیا گیا تھا، حضور نے اس کو دیکھا اور اس پر نماز پڑھی، ان تینوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت اصحمہ نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ نہیں تھی بلکہ جنازہ سامنے موجود تھا۔

ثانیاً: بلکہ جب تم مستدل ہو ہمیں احتمال کافی، نہ کہ جب خود باسانید صحیحہ ثابت ہے۔ امام قسطلانی نے مواہب شریف میں یہ جواب نقل کیا اور مقرر رکھا، کسی نے ابوہریرہ اور عمران بن حصین کی روایات پر یوں معارضہ قائم کیا تھا کہ مجمع بن جاریہ کی روایت میں تو یہ ہے کہ ”**وما نری شیئا**“، ہم کچھ نہ دیکھ رہے تھے۔ (رواہ الطبرانی) اس کا جواب آپ نے اس طرح دیا۔

اس روایت میں حمران بن اعین رافضی ضعیف، علاوہ ازیں ہر روای نے اپنا حال بیان کیا، لہٰذا کوئی تعارض نہیں، ورنہ پہلی صف کے علاوہ کسی کی نماز ہی صحیح نہ ہو۔

ثالثاً: حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال دارالکفر میں ہوا، وہاں ان پر نماز نہ ہوئی تھی، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں پڑھی، اسی بنا پر امام ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن میں اس حدیث کے لیے یہ باب وضع کیا ”**الصلوٰۃ علی مسلم بلد اھل الشرک فی بلد آخر**“.

دوسرے شہر میں ایسے مسلم کی نماز جنازہ جس کے قریب صرف اہل شرک ہیں۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: یہ احتمال تو ہے مگر کسی حدیث میں یہ اطلاع میں نے نہ پائی، کہ نجاشی کا اہل شہر میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔

علامہ زرقانی نے لکھا: یہ الزام دونوں طرف سے مشترکہ ہے، کیوں کہ کسی حدیث میں یہ بھی مروی نہیں کہ ان کے اہل شہر میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی، امام ابوداؤد نے اسی پر جزم کیا، جب کہ وسعت حفظ میں ان کا مقام معلوم ہے۔

اس پر امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یہ احتمال مان کر علامہ زرقانی نے ہمارا بوجھ خود ہی اتار دیا ہے۔

رابعاً: بعض (منافقین) کو ان کے اسلام میں شبہ تھا، یہاں تک کہ بعض نے کہا: حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی، لہٰذا اس نماز سے مقصود ان کی اشاعت اسلام تھی کہ ”بیان القول کے مقابل' بیان بالفعل اقویٰ، لہٰذا مصلی میں تشریف لے گئے کہ جماعت کثیر ہو، ان تمام جوابات کا خلاصہ یہ ہوا کہ نجاشی کی نماز جنازہ کن خصوصیات کی بنا پر پڑھی گئی، جس سے حکم امام ثابت نہیں ہوسکتا۔ حکم امام وہی عدم جواز کہ جس کی بنا پر عام اعتراض ہے، یہاں غیر مقلدین کے بھوپالی امام

نواب صدیق حسن خان کی ایک عجوبہ روزگار تحقیق پر تنبیہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

غیر مقلدین کے بھوپالی امام نواب صدیق حسن خان نے ''فوت الباری'' میں حدیث نجاشی کی نسبت کہا: اس سے ثابت ہوا کہ غائب پر نماز جائز ہے۔ اگر چہ جنازہ غیر جہت میں ہو اور نمازی قبلہ رو۔

اقول: یہ اس مدعی اجتہاد کی کورانہ تقلید اور اس کے ادعا پر مثبت جہل شدید ہے، نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانبِ جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے، تو جنازہ غیر جہت قبلہ کو کب تھا؟

لاجرم لما نقل الحافظ في الفتح قول ابن حبان انه انمـا يجوز ذلک من في جهة القبلة قال حجته الجمود على قصة النجاشي.

جب حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابن حبان کا قول نقل کیا کہ صرف اسی غائب کی نماز جنازہ ہوسکتی ہے جو سمت قبلہ میں ہو تو اس پر یہ کہا کہ ان کی دلیل واقعہ نجاشی پر جمود ہے، تو ان مجتہد صاحب کا جہل قابل تماشہ جن کو سمت قبلہ تک معلوم نہیں، پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے نماز جنازہ پر ان کی غیر سمت پڑھنے کا ادعا دوسرا جہل ہے۔

حدیث میں تصریح ہے کہ حضور نے جانب حبشہ نماز پڑھی، **رواه الطبراني عن حذيفة ابن اسيد رضي الله عنه.**

واقعۂ دوم:

اس واقعہ سے متعلق محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے دو جواب دیے ہیں:

اولاً: ان تمام احادیث کو ائمہ حدیث عقلی ابن حبان بیہقی، ابو عمرو ابن عبدالبر، ابن جوزی، نووی، ذہبی اور ابن الہمام وغیرہم نے ضعیف بتایا۔ پہلی دو حدیثوں کی سند میں مغیرہ بن ولید مدلس ہے، اور اس نے معنعنہ کہا، یعنی عمرو ابن زیاد سے اپنا سننا نہ بیان کیا بلکہ کہا ابن زیاد سے روایت ہے معلوم نہیں راوی کون ہے۔ بہ العلم المحقق فی الفتح۔ ذہبی نے کہا یہ حدیث منکر ہے نیز اس کی سند میں نوح بن عمر ہے۔ ابن حبان نے اسے اس حدیث کا چور بتایا، یعنی ایک سخت ضعیف شخص اسے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتا تھا، اس سے اس نے چرا کر بقیہ کے سر باندھی، تیری حدیث کی سند میں محبوب بن ہلال مزنی ہے، ذہبی نے کہا یہ شخص مجہول ہے اور اس کی یہ حدیث منکر ہے۔ چوتھی حدیث کی سند میں ملا دین یزید ثقفی ہے، امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام بخاری و ابن عدی اور ابو حاتم نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم و دار قطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔ امام علی بن مدینی استاذ امام بخاری نے کہا: وہ حدیث دل سے گڑھتا تھا، ابن حبان نے کہا: یہ حدیث بھی اس کی گڑھی ہوئی ہے، اس سے چرا کر ایک شامی نے بقیہ سے روایت کی۔ ابو الولید طیالسی نے کہا: علاء کذاب تھا۔ عقیلی نے کہا: علاء کے سوا جس جس نے یہ حدیث روایت کی سب علاء ہی جیسے ہیں یا اس سے بھی بدتر۔ ابو عمرو بن عبدالعزیز نے کہا: اس حدیث کی سب سندیں ضعیف ہیں اور دربارۂ احکام اصلاً حجت نہیں، صحابہ میں کوئی شخص معاویہ بن معاویہ نام معلوم نہیں۔ ابن حبان نے بھی یوں ہی فرمایا کہ مجھے اس خدام کے صاحب صحابہ میں یاد نہیں۔

ثانیاً: فرض کیجیے کہ یہ احادیث اپنے طرق سے ضعیف نہ رہیں، کما اختارہ الحافظ فی الفتح یا بفرض غلط لذاتہ صحیح نہیں، پھر اس میں کیا ہے۔ خود اسی میں تصریح ہے کہ جنازہ حضور کے پیش نظر انور کر دیا گیا تھا، تو نماز جنازہ حاضر پر ہوئی نہ کہ غائب پر، بلکہ طرز کلام مشیر ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جنازہ سامنے ہونے کی حاجت سمجھی گئی، جبھی تو حضرت جبرئیل نے عرض کی: حضور نماز جنازہ پڑھنا چاہیں تو زمین لپیٹ دوں تا کہ حضور نماز پڑھیں۔

وہابیہ کے امام شوکانی نے نیل الاوطار میں یہاں عجیب تماشہ کیا اولاً: استیعاب سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے معاویہ بن معاویہ لیثی پر نماز پڑھی، پھر کہا: استیعاب میں اس قصہ کا مثل معاویہ بن مقرن کے حق میں ابوامامہ سے روایت کیا، پھر کہا: اس کا مثل انہیں سے ترجمہ معاویہ میں بھی معاویہ مزنی روایت کیا، اس میں یہ وہم دلاتا ہے کہ گویا یہ تین صحابی جدا جدا ہیں، جن پر نماز غائب مروی ہے۔ حالاں کہ یہ محض جہل یا تجاہل ہے، وہ ایک ہی صحابی ہیں، معاویہ نام جن کے نسب ونسبت میں راویوں سے اضطراب واقع ہوا، کسی نے مزنی کہا، کسی نے لیثی کہا، کسی نے معاویہ بن معاویہ، کسی نے معاویہ بن مقرن، ابوعمرو نے معاویہ بن مقرن مزنی کو ترجیح دی کہ صحابہ میں معاویہ بن معاویہ کوئی معلوم نہیں۔

حافظ نے اصابہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کو ترجیح اور لیثی کہنے کو ثقفی کی خطا بتایا، اور معاویہ بن مقرن کو ایک صحابی مانا جن کے لیے یہ روایت نہیں، بہرحال صاحب قصہ شخص واحد ہیں۔ اور شوکانی کا الہام تثلیث محض باطل۔

ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں فرمایا: معاویہ بن معاویہ مزنی ہیں، ان کو لیثی بھی کہا جاتا ہے اور معاویہ بن مقرن مزنی بھی، ابوعمرو نے کہا: یہی صواب سے نزدیک تر ہے، پھر حدیث انس کے طریق اول سے پہلے طور پر نام ذکر کیا، اور طریق دوم سے دوسرے طور پر اور حدیث امامہ سے تیسرے طور پر۔

واقعۂ سوم:

اس واقعہ کے پانچ جواب دیتے ہیں، پہلے دو الزامی اور باقی تین تحقیقی ہیں۔

اولاً: یہ حدیث دونوں طریق سے مرسل ہیں، عاصم بن عمر رؤساء تابعین سے ہیں، قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کے پوتے اور یہ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن حزم صغار تابعین سے ہیں، عمر ابن حزم صحابی کے پرپوتے۔

ثانیاً: خود واقدی کو محدثین کب مانتے ہیں، یہاں تک کہ ذہبی نے ان کے متروک ہونے پر اجماع کیا، یہ دونوں جواب الزامی ہیں، ورنہ ہم حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں، اور امام واقدی کو ثقہ مانتے ہیں۔

ثالثاً: عبداللہ بن ابی بکر سے راوی امام واقدی کے شیخ عبدالجبار بن عمارہ مجہول ہیں۔ کما فی المیزان تو یہ مرسل نامعتضد ہے۔

رابعاً: خود اسی حدیث میں صاف تصریح ہے کہ پردے اٹھا دیے گئے تھے، معرکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔

لیکن یہاں اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ جنگ موتہ ملک شام بیت المقدس کے قریب ۸ھ میں ہوئی اور خانہ کعبہ ۲ھ میں قبلہ قرار پا چکا تھا اور نماز جنازہ کا صرف روایت کافی نہیں بلکہ جنازہ نمازی کے سامنے ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز مقصود رابعاً سے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کا رد ہے۔ اور وہ اتنی ہی بات سے ہوگیا کہ حدیث میں یہ ہے کہ پردے اٹھا دیے گئے تھے۔

خامساً: کیا دلیل ہے کہ یہاں صلاۃ بمعنی نماز معہود ہے بلکہ بمعنی درود ہے اور ''دعالہ'' عطف تفسیری نہیں بلکہ تعیم بعد تخصیص ہے اور سوق روایت اسی میں ظاہر، کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس وقت منبر اطہر پر تشریف فرما ہونا مذکور، اور منبر انور دیوارِ قبلہ کے پاس تھا، اور معتاد یہی کہ منبر اطہر پر رو بحاضرین و پشت بقبلہ جلوس ہو۔ اور اس روایت میں نماز کے لیے منبر سے اترنے اور پھر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں۔

برخلاف نجاشی اس میں نماز صحابہ بھی نہیں، نہ یہ کہ حضور نے ان کو نماز جنازہ کے لیے فرمایا، اگر یہ نماز تھی تو صحابہ کو شریک نہ فرمانے کی کیا وجہ ہے؟ نیز اس معرکہ میں تیسری شہادت حضرت عبداللہ بن رواحہ کی ہے، ان پر صلاۃ کا ذکر نہیں، اگر نماز ہوتی تو ان پر بھی ہوتی، ہاں درود کی ان دو کے لیے تخصیص وجہ وجیہ رکھتی ہے، اگر چہ وجہ کی ضرورت وحاجت بھی نہیں، کہ وہ احکام عامہ سے نہیں، وجہ اس حدیث سے ظاہر ہوگئی کہ جس میں ان دو کرام کا حضرت ابن رواحہ سے فرق ارشاد ہوا، اور وہ یہ ہے کہ ان کو جنت میں منھ پھیرے ہوئے پایا کہ معرکہ میں قدرے اعراض ہو کر اقبال ہوا تھا۔

اور سب سے زائد یہ کہ وہ شہدائے معرکہ ہیں، نماز غائب جائز

ماننے والے شہیدِ معرکہ پرنماز ہی نہیں مانتے، تو باجماع فریقین صلاۃ بمعنی دعا ہونا لازم، جس طرح خود امام نووی شافعی، امام قسطلانی شافعی اور امام سیوطی شافعی رحمہم اللہ نے صلاۃ علی قبور شہدائے احد ہی ذکر فرمایا کہ یہاں صلاۃ بمعنی دعا ہونے پر اجماع ہے، کما اثرنا فی النہی الحاجز۔ حالاں کہ وہ تو ''**صلّی علی أهل أحد صلاتَه علی المیت**'' ہے، یہاں تو اس قدر بھی نہیں۔ وہابیہ کے بعض جاہلان بے خرد مثل شوکانی صاحب نیل اوطار ایسی جگہ اپنی اصول دانی یوں کھولتے ہیں کہ صلاۃ بمعنی نماز حقیقت شرعیہ ہے اور بلا دلیل حقیقت سے عدول ناجائز۔

اقول: اولاً: ان مجتہد بننے والوں کو اتنی خبر نہیں کہ حقیقت شرعیہ صلاۃ بمعنی ارکان مخصوصہ ہے، یہ معنی نماز جنازہ میں کہاں؟ کہ اس میں رکوع ہے نہ سجود وقراءت ہے نہ قعود، **الثالث عندنا و البواقي اجماعاً**. لہٰذا علما تصریح فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ صلاۃ مطلقا نہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ وہ دعائے مطلق اور صلاۃ مطلقہ میں برزخ ہے، **کما أشار الیه البخاري في صحیحه و أطال فیه.** لاجرم امام محمود عینی نے تصریح فرمائی کہ نماز جنازہ پر اطلاق صلاۃ مجازاً ہے، صحیح بخاری میں ہے: **سماها صلاة لیس فیها رکوع و لا سجود .** (۱/۱۷۲)

عمدۃ القاری میں ہے: **لکن التسمیة لیس بطریق حقیقة و لا بطریق الاشتراک و لکن بطریق المجاز.**

ثانیاً: صلاۃ کے ساتھ جب **علی فلان** مذکور ہوئی ہرگز اس سے حقیقت شرعیہ مراد نہیں ہوتی اور نہ ہوسکتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: **یایها الذین اٰمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیماً، اللهم صل وسلم وبارک علیه وعلی اٰله کما تحب وترضیٰ.**

وقال تعالیٰ: صل علیهم ان صلاتک سکن لهم. وقال صلی الله علیه وسلم اللهم: صل علی آل أبي أوفی. کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ الٰہی تو ابی اوفی پر نماز پڑھ، یا ان کا جنازہ پڑھ،؟ کیا ''صلاۃ علیہ'' شرع میں بمعنی درود نہیں، **ولکن**

الوهابیة قوم لایعقلون.'' (فتاویٰ رضویہ: ۴/۵۷)

حدیث فہمی اور تطبیق بین الاحادیث کی ایسی نادر مثالیں محقق بریلوی کی تصانیف میں بھری پڑی ہیں۔

چھوت کی بیماری سے متعلق روایتوں کے تعارض کا حل:

فتاویٰ رضویہ حصہ نہم میں ایک حدیث نقل فرمائی جو تیرہ صحابہ کرام سے مروی ہے اور حدیث جلیل عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا عدوی و لا طیرة و لا هامة و لا صفر** ۔ چھوت کی بیماری، بدشگونی، الو کا جاہلانہ تصور، اور صفر کی جاہلانہ کاروائی کوئی چیز نہیں۔ اس حدیث کے معارض ہے وہ حدیث کہ حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

فرِّ من المجذوم کما تفر من الاسد''.

جذام سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

پھر اس کے معنی میں متعدد حدیث نقل فرمائیں۔ اس پر امام احمد رضا محدث بریلوی کا محققانہ کلام بلاغت نظام ملاحظہ کیجیے:

صحیحین وسنن ابی داؤد وشرح معانی الآثار امام طحاوی وغیرہ میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: جب حضور اقدس نے یہ فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، تو ایک بادیہ نشین نے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر اونٹوں کا کیا حال ہے کہ انھیں میں داخل ہوتے ہیں جیسے ہرن یعنی صاف شفاف بدن ایک اونٹ خارش والا آکر ان میں داخل ہوتا ہے جن سے خارش ہو جاتی ہے، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **فمن أعدی الاول**، اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگی؟۔

احمد و مسلم وابو داؤد وابن ماجہ کے یہاں حدیث ابن عمر سے ہے، ارشاد فرمایا: **ذلکم القدر فمن أجرب الاول** ۔ یہ تقدیری باتیں ہیں، بھلا پہلے کو کس نے کھجلی لگادی، یہ ہی ارشاد احادیث عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابو امامہ باہلی اور عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مروی ہوا۔

حدیث اخیر میں اس توضیح کے ساتھ ہے کہ فرمایا:

الم ترو الى البعير يكون في الصحراء فيصبح وفي بطنه نكتة من جرب لم تكن قبل ذلك فمن أعدى الاول.

کیا دیکھتے نہیں کہ اونٹ جنگل میں ہوتا ہے، یعنی الگ تھلگ کہ اس کے پاس کوئی بیمار اونٹ نہیں۔ صبح کو دیکھو تو اس کے بیچ سینے یا پیٹ کی نرم جگہ میں کھجلی یا دانہ موجود ہے، بھلا اس سے پہلے کو کس کی اڑ کر لگ گئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ قطع تسلسل کے لیے ابتدا بغیر دوسرے سے منتقل ہوئے خود اسی میں بیماری پیدا ہونے کا ماننا لازم ہے۔ تو حجت قاطعہ سے ثابت ہے کہ بیماری خود بخود بھی حادث ہو جاتی ہے، اور جب یہ مسلّم تو دوسرے میں انتقال کے سبب پیدا ہونا محض وہم تخلیل وادعا بلا دلیل رہا۔ (فتاویٰ رضویہ حصہ اول: ۲۴۵/۹)

اب بتوفیق اللہ تحقیقی حکم سنیے!

اقول وباللہ التوفیق! احادیث قسم ثانی تو اپنے افادہ میں صاف صریح ہے کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، کوئی مرض ایک دوسرے طرف سرایت نہیں کرتا، کوئی تندرست بیمار کے قریب اختلاط سے بیمار نہیں ہو جاتا، جیسے پہلے شروع ہوئی اس کو کس کی اڑ کر لگی؟ ان متواتر وروشن وظاہر ارشادات عالی کو سن کر یہ خیال کسی طرح گنجائش نہیں پاتا کہ واقع میں بیماری اڑ کر لگتی ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے وسوسے اٹھانے کے لیے مطلقاً اس کی نفی فرمائی ہے، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عملی کارروائی مجذوموں کو اپنے ساتھ کھلانا ان کا جوٹھا پانی پینا، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر برتن میں رکھنا، خاص ان کے کھانے کی جگہ نوالہ اٹھا کر کھانا، جہاں منہ لگا کر انھوں نے پانی پیا بالقصد اسی جگہ منہ رکھ کر نوش کرنا، یہ اور واضح کر رہا ہے کہ ''عدوی'' یعنی ایک بیماری دوسرے کو لگ جانا محض خیال باطل ہے، ورنہ اپنے کو بلا کے لیے پیش کرنا شرع ہرگز روا نہیں رکھتی۔

قال تعالیٰ: ''وَلَاتُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ''. آپ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

انھیں قسم اول (مجذوموں سے دور رہنے) کی حدیثیں وہ اس درجہ عالیہ صحت پر نہیں، جس پر احادیث نفی ہیں، ان میں اکثر ضعیف ہیں اور بعض غایت درجہ حسن ہیں، صرف حدیث اول کی تصریح ہو سکی ہے مگر وہی حدیث اس سے اعلیٰ درجہ پر جو صحیح بخاری میں آئی، خود اس میں ابطال عدوی موجود، کہ مجذوم سے بھاگو، اور بیماری اڑ کر نہیں لگتی، تو یہ حدیث خود واضح فرما رہی ہے کہ بھاگنے کا حکم اس وسوسہ اور اندیشہ کی بنا پر نہیں ولہٰذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہوا ہے، اسے امام بخاری نے مسند روایت نہ کیا، بلکہ بطور تعلیق لہٰذا اصلاً کوئی ثبوت عدوی میں نص نہیں، یہ تو متواتر حدیثوں میں فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی اور یہ ایک حدیث میں بھی نہیں آیا کہ عادی طور پر اڑ کر لگ جاتی ہے۔

ہاں وہ حدیث کہ جذاموں کی طرف نظر جما کر نہ دیکھو، ان کی طرف تیز نگاہ نہ کرو۔

صاف یہ احتمال رکھتی ہے کہ ادھر زیادہ دیکھنے سے تمہیں گھن آئے گی، نفرت پیدا ہوگی، ان مصیبت زدوں کو تم حقیر سمجھو گے، ایک تو یہ خود حضرت عزت کو پسند نہیں، پھر اس سے ان گرفتارانِ بلا کو ناحق ایذا پہنچے گی، اور یہ روا نہیں۔

قول مشہور و مذہب جمہور ...... کہ دوری وفرار کا حکم اس لیے ہے کہ اگر قرب واختلاط رہا اور معاذ اللہ قضا وقدر سے کچھ مرض اسے بھی حادث ہو گیا تو ابلیس لعین اس کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی، اول تو یہ ایک امر باطل کا اعتقاد ہوگا، اس قدر فساد کے لیے کیا کم تھا، پھر متواتر حدیثوں میں سن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، یہ وسوسہ دل میں جمنا سخت خطرناک اور باطل ہوگا۔ لہٰذا ضعیف الیقین لوگوں کو اپنا دین بچانے کے لیے دوری بہتر ہے، ہاں کامل ایمان وہ کریں جو صدیق اکبر، فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے کیا، اور کس قدر مبالغہ کے ساتھ کیا، اگر عیاذ باللہ کچھ حادث ہوتا ان کے خواب میں

بھی خیال نہیں گزرتا کہ یہ عدوائے باطلہ سے پیدا ہوا، ان کے دلوں میں کوہ گراں شکوہ سے زیادہ مستقر تھا کہ "لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا" بے تقدیر الٰہی کچھ نہیں ہو سکے گا، اسی طرح اس قول وفعل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ساتھ کھلایا اور "کُلْ ثِقَةً بِاللّٰہ و توکُّلاً علیه" فرمایا۔

امام اجل امین، امام الفقہا والمحدثین امام اہل الجرح والتعدیل امام اہل التسہیل والتعلیل حدیث وفقہ دونوں کے حاوی سیدنا امام ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار شریف میں دربارۂ نفی عدوی احادیث روایت کر کے یہی تفسیر بیان فرمائی، بالجملہ مذہب معتمد وصحیح ورجیح وتجیح یہ ہے کہ جزام، کھجلی، چیچک، طاعون وغیرہا اصلاً کوئی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز ہرگز اڑ کر نہیں لگتی، یہ محض اوہام ہے۔ اصل میں کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہو جاتا ہے کہ ارشاد ہوا:

انا عند ظن عبدي بي. وہ اس دوسرے کی بیماری اسے نہ لگی۔ بلکہ خود اس کی باطنی بیماری کی وہم پروردہ کی صورت پکڑ کر ظاہر ہوگئی۔ اس لیے اور نیز کراہت واذیت خود بینی وتحقیر مجزوم بچنے کے واسطے دور اندیشی سے کی، مبادا! اسے کچھ پیدا ہوا اور ابلیس لعین وسوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی۔ اور معاذ اللہ اس امر کی حقانیت اس خطرے میں گزرے گی۔

جسے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باطل فرما چکے، یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا، ان وجوہ سے شرع حکیم ورحیم نے ضعیف الیقین کو لوگوں کو حکم استحبابی دیا ہے کہ اس سے دور رہیں۔ اور کامل ایمان بندگان خدا کے لیے کچھ حرج نہیں کہ وہ ان سب مفاسد سے پاک ہیں۔

خوب سمجھ لیا جائے کہ دور ہونے کا حکم ان حکمتوں کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ معاذ اللہ بیماری اڑ کر لگتی ہے، اسے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد فرما چکے، جل جلالہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اقول: پھر از آنجا کہ یہ حکم ایک احتیاطی استحبابی ہے واجب نہیں، لہٰذا ہرگز کسی واجب شرعی کا معارضہ نہ کرے گا، مثلاً معاذ اللہ جسے یہ عارضہ ہو کہ اس کی اولاد واقارب وزوجہ سب اس احتیاط کے باعث اس سے دور بھاگیں اور اسے تنہا وضائع چھوڑ جائیں، یہ ہرگز حلال نہیں۔ بلکہ زوجہ ہرگز اسے ہم بستری سے بھی منع نہیں کر سکتی، لہٰذا ہمارے شیخین مذہب امام اعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جذامی شوہر سے عورت کو درخواست فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ اور خدا ترس بندے تو ہر بے کس بے چارے کی اعانت اپنے ذمہ لازم سمجھتے ہیں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الله الله فيمن ليس له الا الله. اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، اس کے بارے میں جس کا کوئی نہیں سوائے اللہ کے۔

لہٰذا علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ جزام کے پاس بیٹھنا اٹھنا مباح ہے اور اس کی خدمت گزاری وتیمار داری موجب ثواب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ حصہ دوم ۲۵۳/۹)

اس تفصیل سے جملہ احادیث میں توفیق وتطبیق بروجہ اتم ظاہر ہوئی اور اصلاً کسی کو مجال دم زدن نہ رہی۔ واللہ الموفق وہو ولی التوفیق۔

بلاشبہ ایسی تحقیقات عالیہ محدث بریلوی کا حصہ ہیں۔

اس طرح کے مباحث تمام تصنیفات میں پھیلی ہوئی ہیں جو آپ کے فن اصول حدیث میں امامت وقیادت پر دلیل ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی جہاں دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ میں یکتائے روزگار تھے وہیں علوم حدیث میں بھی امام مطلق تھے، جس نے بنظر انصاف آپ کو پڑھا، اس کے ضمیر کا یہی فیصلہ ہے۔ وہ جو کچھ تھے اور جس بلندی پر فائز تھے اس کا تعارف چند سطری مقالے میں ممکن نہیں، اس کے لیے کئی زندگیاں درکار ہیں، یہ چند سطور تو صرف امتثال حکم پہ لکھا، اور اس مقالہ میں مقدمہ جامع الاحادیث سے کچھ زیادہ ہی استفادہ کیا، مولیٰ تعالیٰ مصنف کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ اور بارگاہ اعلیٰ حضرت میں یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ضمیمہ

امام احمد رضا اور علم حدیث

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی عبقری اور عظیم المرتبت شخصیت پچاس سے زیادہ علوم وفنون کی حامل تھی، اس پر آج بھی ان کی تصانیف شاہد عادل ہیں، وہ کون سا علم وفن تھا جس میں آپ نے اپنی یادگار تصانیف نہیں چھوڑیں، بارہ ضخیم جلدوں میں فتاویٰ رضویہ ان کا ایسا فقید المثال تحقیقی کارنامہ ہے جس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ان فتاویٰ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ یہ کتنے علوم پر مشتمل ہیں اور فتاویٰ رضویہ جلد اول تو اپنی مثال آپ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے تفقہ فی الدین کے قائل صرف معتقدین ومتوسلین ہی نہیں بلکہ مسلکی اختلاف رکھنے والے بھی اس بات کے معترف ہیں کہ امام احمد رضا (رحمتہ اللہ علیہ) علم فقہ میں ایک کوہ گراں تھے اور میدان فقاہت میں آپ کی مجتہدانہ شان تھی۔

حکیم عبدالحی لکھنوی صاحب لکھتے ہیں:

ان (امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ) کے زمانہ میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، اس حقیقت پر ان کے فتاویٰ اور ان کی کتاب کفل الفقیہ شاہد ہے جو انھوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی (۱)

لیکن اپنے والد گرامی کے اس اعتراف کے بعد بھی ان کے بیٹے مولوی ابوالحسن علی میاں ندوی نے نہایت متعصبانہ لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے قوسین میں اس عبارت کا بے بنیاد اضافہ کرڈالا۔

کان قلیل البضاعة في الحدیث والتفسیر (۲)

اسی طرح انوار الباری شرح صحیح بخاری کے مقدمہ میں مولوی احمد رضا بجنوری نے بھی آپ کو فقیہ تسلیم کیا، لیکن ساتھ ہی حدیث میں ضعیف قرار دیا۔

حالانکہ یہ سب باتیں بے بنیاد اور آپ کی تصانیف سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ دیگر علوم وفنون میں تبحر حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بھی آپ کا مقام ومرتبہ نہایت بلند تھا۔ جیسا کہ آپ کی تصانیف سے ظاہر ہے، چشم بینا ہو تو آپ کی تصانیف میں آپ کے تبحر فی علم الحدیث کی کثیر مثالیں مل جائیں گی بلکہ آپ کو علم فقہ میں فقید المثال تسلیم کر لینے کے بعد تو یہ بات بھی ناقابل انکار حقیقت بن جاتی ہے کہ آپ جب عظیم فقیہ ہیں تو بلاشبہ عدیم النظیر محدث بھی کہ فقیہ کے لئے علم حدیث میں تبحر لابدی اور لازمی چیز ہے۔

اس مختصر مقالہ میں راقم نے اہل علم اور صاحب نظر حضرات کے لیے اس بات کا وافر ثبوت فراہم کیا ہے کہ بلاشبہ امام احمد رضا محدث بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) علم حدیث میں ہر حیثیت سے یگانہ روزگار اور اپنی مثال آپ تھے۔

محدث اعظم ہند حضرت سید محمد اشرفی کچھوچھوی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ محترم عمدۃ المحدثین حافظ بخاری حضرت علامہ شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان سے معلوم کیا کہ علم حدیث میں امام احمد رضا (رحمتہ اللہ علیہ) کا کیا مرتبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

وہ اس وقت امیر المومنین فی الحدیث ہیں پھر فرمایا: صاحبزادے! اس کا مطلب سمجھا؟ یعنی اگر میں اس فن میں عمر بھر ان کا تلمذ کروں تو بھی ان کے پاسنگ کو نہ پہنچوں میں نے کہا سچ ہے۔

ولی را ولی شناسد و عالم را عالم می داند (۳)

خود محدث اعظم کچھوچھوی فرماتے ہیں:

علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں، ہر وقت پیشِ نظر، اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد

پڑتی ہے اس کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت از بر، علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے، اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب وتہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا۔ اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت (۴)

امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ سوال ہوا کہ آپ نے حدیث کی کون کون سی کتابیں درس کی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

مسند امام اعظم، موطا امام محمد، کتاب الاثار، کتاب الخراج، کتاب الحج، شرح معانی الاثار، موطا امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام احمد، سنن دارمی، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، خصائص نسائی، منتہی الجارود، علل متناہیہ، مشکوٰۃ، جامع کبیر، جامع صغیر، منتقی ابن تیمیہ، بلوغ المرام، عمل الیوم واللیل، الترغیب والترہیب، خصائص کبری، الفرج بعد الشدۃ، کتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں۔ (۵)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے چند کتب شمار فرما کر پچاس سے زائد کی بات اجمالاً ذکر کردی، یعنی آگے شمار کرنے کے لیے میری تصانیف کا مطالعہ کرو، تم پر خود ہی واضح ہو جائے گا کہ میں نے علم حدیث میں کن کن کتابوں کو پڑھا اور پڑھایا ہے۔

کتب حدیث میں امام احمد رضا کے مراجع:

چنانچہ اس سلسلہ میں جب راقم الحروف نے تلاش وجستجو شروع کی تو اب تک امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ۳۵۶ کتب ورسائل میں مجھے ۲۴۰ کتب حدیث کی نشان دہی ملی جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ امالی فی الحدیث: عبدالملک بن محمد بن بشران، ۴۳۲ھ
۲۔ الاجزاء فی الحدیث، عبدالرحمٰن بن عمر البغدادی ۴۱۶ھ
۳۔ الایجاز فی الحدیث، احمد المعروف بابن السنی ۳۶۴ھ
۴۔ الادب المفرد محمد بن اسمٰعیل البخاری ۲۵۶ھ
۵۔ اعتلاء القلوب، محمد ابن جعفر الخزائطی، ۳۲۷ھ
۶۔ احیاء العلوم، محمد ابن محمد الغزالی، ۵۰۵ھ
۷۔ ارشاد الساری، ۱۰ اجزاء، شہاب القسطلانی ۹۲۳ھ
۸۔ ازالۃ الخفاء، الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی
۹۔ الاکتفاء فی فضل الخلفاء الاربعہ ابراہیم الشافعی ۱۰۔ الفیہ
۱۱۔ انسان العیون، شیخ نور الدین علی الشافعی الحلبی ۱۰۴۴ھ
۱۲۔ بہجۃ المجالس
۱۳۔ بسیط
۱۴۔ تفسیر معالم التنزیل، محی السنۃ ابومحمد البغوی ۵۱۶ (مصری)
۱۵۔ التاریخ الکبیر، محمد ابن اسماعیل البخاری ۲۵۶ھ
۱۶۔ تاریخ بغداد، ابوبکر احمد ابن علی الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ
۱۷۔ تلخیص المتشابہ، ابوبکر احمد الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ
۱۸۔ التاریخ الکبیر لدمشق، لابن عساکر، ۵۷۱ھ
۱۹۔ تاریخ مدینہ، لابن عساکر ۵۷۱ھ
۲۰۔ تفسیر طبری جامع البیان، محمد ابن جریر الطبری ۳۱۰ھ
۲۱۔ تفسیر نیشاپوری، نظام الدین النیشاپوری ۷۲۸ھ
۲۲۔ تفسیر درمنشور، امام جلال الدین السیوطی
۲۳۔ تفسیر کبیر، محمد ابن عمر الامام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ
۲۴۔ تفسیر ابن منذر
۲۵۔ تفسیر ابن ابی حاتم
۲۶۔ الترغیب والترہیب، الحافظ ذکی الدین، ۶۵۶ھ
۲۷۔ التوبیخ، ابوالشیخ الاصبہانی
۲۸۔ تاریخ ابن النجار، محمد ابن محمود ابن النجار البغدادی
۲۹۔ تاریخ، سلیمان ابن احمد الطبرانی ۳۶۰ھ
۳۰۔ ثواب العبادات، ابوالشیخ الاصبہانی

۳۱۔ جزءحدیثی، ابوالحاتم محمد الخزاعی
۳۲۔ جزءحدیثی، عبدالصمد ابن عبدالرحمٰن البزار
۳۳۔ جزءحدیثی، شاذان الفضلی
۳۴۔ جزءحدیثی، حسن ابن عرفہ
۳۵۔ جامع، ابوبکر عبدالرزاق ابن ہمام الصنعانی ۲۱۱ھ
۳۶۔ الجامع للبخاری، محمد ابن اسمٰعیل البخاری، ۲۵۶ھ
۳۷۔ الجامع اللترمذی، ابوعیسیٰ محمد ابن عیسیٰ الترمذی ۲۷۹ھ
۳۸۔ الجامع المسلم، مسلم بن حجاج القشیری، ۲۶۱ھ
۳۹۔ الجامع الصغیر، جلال الدین ابن عبدالرحمٰن السیوطی ۹۱۱ھ
۴۰۔ جعدیات، حسین ابن منصور البغوی ۵۱۶ھ
۴۱۔ حصن حصین، محمد بن محمد بن محمد الجرزی، ۸۳۳ھ
۴۲۔ حلیفہ الاولیاء، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، ۴۳۰ھ
۴۳۔ حلیفہ الحلبی، محمد بن محمد بن امیر الحاج الحلبی، ۸۷۹ھ
۴۴۔ الخصائص الکبریٰ، جلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ
۴۵۔ خلافیات، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، ۴۵۸ھ
۴۶۔ دلائل النبوۃ، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی ۴۳۰ھ
۴۷۔ دلائل النبوۃ، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ۴۵۸ھ
۴۸۔ ذام الغیبۃ، عبداللہ ابن محمد ابن ابی الدین القرشی ۲۸۱ھ
۴۹۔ ذخائر العقبی، محمد بن جریر الطبری ۳۱۰ھ
۵۰۔ ردالمحتار، محمد امین بن عمر عابدین الشامی، ۱۲۵۲ھ
۵۱۔ الریاض النضرۃ، حافظ محب الدین الطبری
۵۲۔ امالی، ابوجعفر محمد طوسی، ۴۶۰ھ
۵۳۔ زیادات مغازی، محمد ابن اسحاق ابن حزیمہ ۳۱۱ھ
۵۴۔ السنن لدارقطنی، علی ابن عمر دارقطنی، ۳۵۸ھ
۵۵۔ السنن لدارمی، عبداللہ ابن عبدالرحمٰن الدارمی، ۲۵۵ھ
۵۶۔ السنن لابن منصور، ابوعبداللہ محمد ابن یزید ابن ماجہ ۲۷۳ھ
۵۷۔ السنن لابن منصور، سعید ابن منصور الخراسانی
۵۸۔ السنن لابی داؤد، ابوداؤد سلیمان ابن اشعث ۲۷۵ھ
۵۹۔ السنن للنسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب انسائی ۳۰۳ھ
۶۰۔ السنن الکبریٰ، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ۴۰۸ھ
۶۱۔ السنن الصغریٰ، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، ۴۵۸ھ
۶۲۔ الطب النبوی، احمد بن محمد المعروف بابن السنی ۳۶۴ھ
۶۳۔ سیرت، ملاعمر بن محمد
۶۴۔ سیرت کبریٰ، ابن اسحاق
۶۵۔ شرف المصطفی، حافظ ابوسعید
۶۶۔ شرح الشفاء، علی بن سطبان ملاعلی قاری ۱۰۱۴ھ
۶۷۔ شرح مواہب، محمد بن عبدالباقی الزرقانی ۱۱۲۲ھ
۶۸۔ شرح معانی الاثار، ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی ۳۲۱ھ
۶۹۔ شمائل ترمذی، ابوعیسیٰ محمد ابن عیسیٰ الترمذی ۲۷۹ھ
۷۰۔ شعب الایمان، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ۴۵۸ھ
۷۱۔ شرح السنۃ، حسین ابن منصور البغوی ۵۱۶ھ
۷۲۔ صحیح ابوعوانہ
۷۳۔ صحیح ابن حیا محمد ابن حبان التیمی ۳۵۴ھ
۷۴۔ صحیح ابن خزیمہ محمد ابن اسحٰق ابن خزیمہ ۳۱۱ھ
۷۵۔ صفوۃ الصفوۃ، عبدالرحمٰن الشہیر بابن الجوزی ۵۹۷ھ
۷۶۔ صواعق محرقہ، لابن الحجر المکی الشافعی، ۹۷۳ھ
۷۷۔ طیوریات، بوطاہر سلفی
۷۸۔ الطبقات الکبیر ابن سعد الزہری الواقدی ۲۳۰ھ
۷۹۔ الطب النبوی، ابونعیم احمد ابن عبداللہ الاصبہانی ۴۳۰ھ
۸۰۔ علل متناہیہ، حافظ ابوالفرح ابن جوزی ۵۹۷ھ
۸۱۔ عمدۃ القاری، بدرالدین ابومحمد بن احمد العینی، ۸۵۵ھ
۸۲۔ العظمۃ، ابوالشیخ الاصبہانی، ۴۳۰ھ
۸۳۔ عمل الیوم واللیلۃ، لابن السنی ۳۶۴ھ
۸۴۔ الفرج بعد الشدۃ، ابن ابی الدنیا القرشی، ۲۸۱ھ
۸۵۔ فوائد تمام، تمام بن محمد بن عبداللہ الجبلی، ۴۱۴ھ
۸۶۔ فوائد ابن عبدالبر ابوعمر و یوسف بن عبداللہ القرطبی ۴۶۳ھ

۸۷۔فوائد سمویہ اسمٰعیل بن عبداللہ المقلب بہ سمویہ ۲۶۷ھ
۸۸۔فوائد مخلص
۸۹۔فوائد حاجب طوسی
۹۰۔فوائد شاشی ہیثم بن کلاب الشاسی
۹۱۔فوائد حسن بن سفیان
۹۲۔فوائد خلعی
۹۳۔فوائد ثقفیات
۹۴۔فوائد ابن الفریس
۹۵۔فوائد ابن عربی
۹۶۔فضائل الصحابہ، خیثمہ بن سلیمان
۹۷۔فضائل الصدیق، ابوطالب عشاری
۹۸۔فضائل، درلانی
۹۹۔فتاویٰ سراج الدین بلقینی
۱۰۰۔فتح الباری شہاب الدین ابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
۱۰۱۔قضاء الحوائج عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا ۲۸۱ھ
۱۰۲۔کتاب القاب الرواۃ، احمد الشیر ازی ۴۰۷ھ
۱۰۳۔کتاب المغازی، یحییٰ بن سعید القطان ۱۹۸ھ
۱۰۴۔کتاب الزہد، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ۴۵۸ھ
۱۰۵۔کتاب الاسماء والصفات، ابوبکر البیہقی ۴۵۸ھ
۱۰۶۔کتاب الاخرہ، احمد بن محمد المعروف با بن السنی ۳۶۴ھ
۱۰۷۔کتاب الجامع، ابوبکر احمد الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ
۱۰۸۔کتاب الافراد، علی بن عمر الدار قطنی ۳۸۵ھ
۱۰۹۔کتاب الزہد، احمد بن محمد بن حنبل ۲۴۱ھ
۱۱۰۔کتاب الاثار، محمد بن حسن الشیبانی، ۱۸۹ھ
۱۱۱۔کتاب الاثار، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم ۱۸۲ھ
۱۱۲۔کتاب الخراج، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم ۱۸۲ھ
۱۱۳۔کتاب الضعفاء، حمد ابن حبان التیمی ۳۵۴ھ
۱۱۴۔کتاب الجرح والتعدیل، محمد ابن حبان رازی ۳۵۴ھ
۱۱۵۔کتاب الکنی، ابوعبداللہ الحاکم النیساپوری ۴۰۵ھ
۱۱۶۔کتاب التاریخ، ابوعبداللہ الحاکم النیساپوری ۴۰۵ھ
۱۱۷۔کتاب الرد علی الجھمیہ، عثمان بن سعید الدارمی ۲۸۰ھ
۱۱۸۔کتاب الاثار، عبداللہ بن مبارک المروزی ۱۸۰ھ
۱۱۹۔کتاب الزہد والرقائق، عبداللہ بن مبارک المروزی ۱۸۰ھ
۱۲۰۔کتاب العلم، ابوعمرو بن عبدالبر
۱۲۱۔کتاب الافراد، ابن شاہین
۱۲۲۔کتاب السنہ، احمد بن محمد بن حنبل ۲۴۱ھ
۱۲۳۔کتاب الاموال، ابوعبید قاسم بن سلام
۱۲۴۔کتاب الطاعۃ والمعصیۃ، علی بن سعید
۱۲۵۔کتاب الصلواۃ، ابومحمد ابراہیم
۱۲۶۔کتاب الابانہ، ابوطاہر سنجری
۱۲۷۔کتاب السنہ، لامکانی
۱۲۸۔کتاب الفتوح، ۸ اجزاء ابومحمد احمد
۱۲۹۔کتاب الامثال، سامہری مزی
۱۳۰۔کتاب الامثال، للعسکری
۱۳۱۔کتاب السنہ، البلخی
۱۳۲۔کتاب المتفق والمفترق
۱۳۳۔کتاب الفتن، نعیم بن حماد
۱۳۴۔کتاب الصلواۃ، محمد بن النصر
۱۳۵۔کتاب فضل العلم، موہبی
۱۳۶۔کتاب الشفاء، ابوالفضل قاضی عیاض بن موسی
۱۳۷۔کتاب مکہ، عمرو بن ابی شیبہ
۱۳۸۔کتاب موسیٰ، ابوقرہ ابن طارق
۱۳۹۔کتاب خیر البشر، ابن ظفر
۱۴۰۔کتاب الوفاء، حافظ ابوالفرح ابن الجوزی
۱۴۱۔الکامل، ابواحمد عبداللہ بن عدی ۳۶۵ھ
۱۴۲۔کنز العمال، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین ۹۷۵ھ

۱۴۳۔کتاب الاخوان، ابن ابی الدنیا القرشی ۲۸۱ھ
۱۴۴۔کتاب الصمت ، ابن ابی الدنیا القرشی ۲۸۱ھ
۱۴۵۔کتاب الدعاء، سلیمان بن احمد الطبرانی ،۳۶۰ھ
۱۴۶۔مسند بزار، ابوبکر احمد بن عمر بن عبد الفالق البزار ۲۹۲ھ
۱۴۷۔مسند ابی داؤد، سلیمان بن داؤد الطیاسی ،۲۰۴ھ
۱۴۸۔مسند ابی یعلی، احمد بن علی الموصلی ،۳۰۷ھ
۱۴۹۔مسند اسحاق، حافظ اسحاق راہویہ، ۲۳۸ھ
۱۵۰۔مسند امام اعظم، ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی ۱۵۰ھ
۱۵۱۔مسند الفردوس، ابونصر شہردار بن شیرویہ الدیلمی ۵۵۸ھ
۱۵۲۔مسند عبداللہ ابن حمید الکشی ۲۹۴ھ
۱۵۳۔مسند مسدد، ابوالحسن محمد مسدد
۱۵۴۔مسند احمد، احمد بن محمد بن حنبل ۲۴۱ھ
۱۵۵۔مسند قریابی
۱۵۶۔مسند حسن بن سفیانی
۱۵۷۔مسند الشہاب، قضاعی
۱۵۸۔مسند شافعی
۱۵۹۔مسند عقیل، ابوجعفر عقیلی
۱۶۰۔مسند وکیع
۱۶۱۔مسند ابن سنجر
۱۶۲۔المعجم، حسین بن منصور البغوی ۵۱۶ھ
۱۶۳۔مسند حارث، ابن ابی اسامۃ الحارث بن محمد التیمی
۱۶۴۔مسند ابن ابی عمر، ابوعبداللہ محمد بن یحیٰی العدنی
۱۶۵۔مسند رزین
۱۶۶۔مسند ابن منیع، احمد بن منیع
۱۶۷۔المختارہ فی الحدیث، ضیاء الدین المقدسی ۶۴۳ھ
۱۶۸۔معرفۃ الصحابہ، ابونعیم الدین عبداللہ الاصبہانی ۴۳۰ھ
۱۶۹۔معرفۃ الصحابہ، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ۴۵۸ھ
۱۷۰۔مدخل، ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ۴۵۸ھ

۱۷۱۔مشکوۃ المصابیح، شیخ ولی الدین العراقی ۷۴۲ھ
۱۷۲۔مکارم الاخلاق، محمد بن جعفر الخرائطی ۳۲۷ھ
۱۷۳۔مدخل الشرع، ابن الحاج العبدری المکلی ۷۳۷ھ
۱۷۴۔الموطا، امام محمد بن حسین الشیبانی ۱۸۹ھ
۱۷۵۔المستدرک علی الصحیحین ، الحاکم النیشاپوری ۴۰۵ھ
۱۷۶۔منتخب کنز العمال، علاء الدین علی المتقی ۹۷۵ھ
۱۷۷۔المستخرج علی البخاری، احمد بن موسیٰ مردویہ ۴۱۰ھ
۱۷۸۔المعجم الصغیر، سلیمان بن احمد الطبرانی ۳۶۰ھ
۱۷۹۔المعجم الاوسط، سلیمان بن احمد الطبرانی ۳۶۰ھ
۱۸۰۔المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد الطبرانی ۳۶۰ھ
۱۸۱۔المصنف لابن ابی شیبہ، ابوبکر النسفی ۲۳۵ھ
۱۸۲۔المصنف ، ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی ۲۱۱ھ
۱۸۳۔الموطا، الامام مالک بن انس المدنی ۱۷۹ھ
۱۸۴۔میزان الاعتدال، محمد بن اصر الذہبی، ۷۴۸ھ
۱۸۵۔موارد الظمان، نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی ۸۰۷ھ
۱۸۶۔مواہب لدنیہ، شہاب الدین احمد القسطلانی
۱۸۷۔ماتین، ابوعثمان اسمٰعیل ابن عبدالرحمٰن الصابونی
۱۸۸۔مدارج النبوۃ، شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی ۱۰۵۲ھ
۱۸۹۔ماء معین شرح اربعین، برہان خجندی
۱۹۰۔مہرانیات
۱۹۱۔مطائع المسرات، علامہ فاسی
۱۹۲۔مشیخہ خلیلی
۱۹۳۔المواعظ، ابواسحاق ابراہیم بن حرب العسکری السمار
۱۹۴۔نوادر الاصول، ابوعبداللہ الحکیم الترمذی ۲۵۵ھ
۱۹۵۔نسیم الریاض، شہاب الدین احمد الخفاجی المصری ۱۰۶۹ھ
۱۹۶۔النجلاء، ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ
۱۹۷۔ماوردی
۱۹۸۔کتاب السنہ، خلال

۱۹۹۔مسند ابوالمحاسن ردیانی
۲۰۰۔مسند ابن ابی عاصم، ابوبکر احمد بن عمر الشیبانی (پچاس ہزار حدیثیں)
۲۰۱۔ابن السکن
۲۰۲۔ابن لال
۲۰۳۔آجری
۲۰۴۔ابن سبع شفاء الصدور
۲۰۵۔عرفی
۲۰۶۔ولجی
۲۰۷۔واسطی
۲۰۸۔فاکھی
۲۰۹۔لامکانی
۲۱۰۔ابن مرزوق
۲۱۱۔ابومسلم الکجی
۲۱۲۔ابن مندہ، ابوعبداللہ محمد ابن ابی یعقوب
۲۱۳۔ابن قانع
۲۱۴۔رافعی
۲۱۵۔حسن بن جراح
۲۱۶۔کتاب الرویۃ، امام بیہقی
۲۱۷۔مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) امام رازی
۲۱۸۔ابن یشکوال
۲۱۹۔فریابی
۲۲۰۔مسند ابن شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن القاضی
۲۲۱۔مسند ابی ہریرہ، ابواسحاق ابراہیم بن حرب العسکری السمار
۲۲۲۔مسند شاشی، ہیثم بن کلیب الشاشی
۲۲۳۔مسند کبیر، محبّ الدین محمد بن محمود بن النجار البغدادی
۲۲۴۔مصحف، ابن الانباری
۲۲۵۔فضائل قرآن، ابن الفریس
۲۲۶۔زوائد الزہد، عبداللہ بن احمد
۲۲۷۔اتحاف شرح احیاء العلوم
۲۲۸۔فتوحات مدافعی
۲۲۹۔ابن شعبان
۲۳۰۔تیسیر شرح جامع صغیر، علامہ مناوی
۲۳۱۔تحفہ، ابن حجر المکی
۲۳۲۔فضل العلم، موہبی
۲۳۳۔مفاتیح الغیب، امام رازی
۲۳۴۔مطالع المسرات
۲۳۵۔فتح المغیث، ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن السخاوی ۹۰۲ھ
۲۳۶۔مسند ابی عوانہ، امام ابوعوانہ الاسفرائنی ۳۱۶ھ
۲۳۷۔مسند امام شافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی ۲۰۴ھ
۲۳۸۔مسند الحمیدی، ابوبکر عبداللہ ابن الزہید الحمیدی
۲۳۹۔اتحاف السادۃ المتقین الزبیدی الحنفی ۱۲۰۵ھ
۲۴۰۔امالی، ابوجعفر محمد طوسی

حدیث کی یہ دوسو چالیس کتابیں ابھی ہماری تحقیق وتلاش کے مطابق ہیں ورنہ امام احمد رضا فاضل بریلوی (رحمتہ اللہ علیہ) کی تمام تصانیف کی تعداد تو تقریباً ایک ہزار ہے۔تو ابھی یہ کہنا نہایت مشکل ہے کہ حدیث کی تمام کتابوں کی تعداد جوان کے مطالعہ میں رہیں کتنی ہے۔

ہم ان کتب کے حوالے سے اس بات کی بھرپور وضاحت کر رہے ہیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کا علم حدیث نہایت وسیع تھا۔آپ نے جن کتابوں کا بطور حوالہ تذکرہ فرمایا ہے وہ کتابیں بھی کوئی معمولی ضخامت کی حامل نہیں، بلکہ اکثر کتب دس، پندرہ، بیس اور پچیس جلدوں پر مشتمل ہیں۔مثلاً

سنن کبریٰ للبیہقی: دس جلدیں۔ کنز العمال لعلی المتقی: اٹھارہ جلدیں۔ معجم کبیر للطبرانی: پچیس جلدیں

اس عظیم ذخیرہ حدیث کا استقصاء واحاطہ اور پھر اس استحضار یہ سب آپ ہی کا حصہ تھا۔متعدد مقامات پر ایک وقت میں ایک ایک

حدیث کے حوالے میں دس دس، بیس بیس اور پچیس پچیس کتابوں کا تذکرہ اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ بیک وقت آپ کے پیش نظر وہ تمام کتابیں رہتی تھیں بلکہ گویا ان سب کو حفظ کرلیا گیا تھا کہ جب جس مسئلہ میں ضرورت پیش آئی، اس کو فی البدیہہ اور برجستہ تقریراً یا تحریراً فرما دیتے، حافظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا عظیم الشان عطا فرمایا تھا کہ جو کتاب ایک مرتبہ دیکھ لی حفظ ہوگئی۔

جن موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا، احادیث کا وافر ذخیرہ امت مسلمہ کو عطا فرمایا، تحقیق کے دریا بہادیئے، فتاویٰ رضویہ اور اس کے علاوہ تصانیف سے چند نمونے صرف علم حدیث سے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

علم حدیث سے متعلق حوالوں کی کثرت کے اعتبار سے ایک اجمالی خاکہ اس طرح ہے:

حوالوں کی کثرت:

یہاں تک تو چند نمونے احادیث کی کثرت سے متعلق تھے اب ملاحظہ فرمائیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی (رحمتہ اللہ علیہ) جب کوئی حدیث نقل فرماتے ہیں تو ان کی نظر اتنی وسیع وعمیق ہوتی ہے کہ بسا اوقات وہ کسی ایک کتاب پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پانچ، دس اور بیس بیس کتابوں کے حوالے دیتے چلے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام کتابیں، اس موضوع پر ان کے سامنے کھلی رکھی ہیں اور سب کے نام لکھتے جارہے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ کس محدث نے کس صحابی سے روایت کی، مثلاً:

☆ الامن والعلی میں صفحہ ۷۰ پر ایک حدیث تحریر فرمائی:

"أطلبوا الخير والحوائج من حسان الوجوه"

یعنی بھلائی اور اپنی حاجتیں خوش رویوں سے مانگو۔

اب ذرا راوی صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور کتب حدیث کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

☆ رواه الطبراني في الكبير والعقيلي والخطيب وتمام الرازي في فوائد والبيهقي في شعب الايمان عن ابن عباس. ☆وابن أبي الدنيا في قضاء الحوائج والعقيلي والدارقطني في الافراد والطبراني في الاوسط وتمام والخطيب في رواة مالك عن أبي هريرة.

☆وابن عساكر والخطيب في تاريخها عن انس ابن مالك ☆والطبراني في الاوسط والعقيلي والخرائطي في اعتلاء القلوب وتمام ابو سهل وعبدالصمد ان عبدالرحمن البزار في جزء وصاحب المهرانيات فيها عن جابر ابن عبدالله. ☆وعبد بن حميد في مسنده وابن حبان في الضعفاء وابن عارى في الكامل والسلفي في الطيوريات عن ابن عمر.

☆وابن النجار في تاريخه عن امير المومنين على

☆والطبراني في الكبير عن ابى خصيفه ☆ وتمام عن أبي بكرة. ☆ والبخاري في التاريخ وابن أبي الدنيا في قضاء الحوائج وأبو يعلى في مسنده والطبراني في الكبير والعقيلي والبيهقي في شعب الايمان وابن عساكر عن أم المومنين الصديقة رضي الله تعالىٰ عنهم اجمعين (۲۰)

یہ تو نو (۹) صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی روایت ۳۴ کتابوں سے نقل فرمائی۔☆ اسی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر ایک حدیث یوں ہے۔☆ اللّٰهم أعزِّ الاسلام بأحب هذين الرجلين اليك، بعمر بن الخطاب أوبأبي جهل بن هشام.

(الٰہی اسلام کو عزت دے ان دونوں مردوں میں جو تجھے زیادہ پیارا ہو اس کے ذریعہ، یا تو عمر ابن خطاب یا ابوجہل بن ہشام)

اب اس کی رواۃ ملاحظہ ہو: ☆رواه أحمد وعبد بن حميد والترمذى بسند حسن وصحيح عن امير المومنين عمر بن خطاب وعن أنس أيضا وعن ابن عباس ايضا. ☆وابن سعد وابويعلى وحسن بن سفيان في فوائده والبزار وابن مردويه وخيثمه سليمان في فضائل الصحابه وابونعيم والبيهقي في دلائلهما وابن

عساکر کلھم عن امیر المومنین عمر. ☆ والترمذي عن أنس. ☆ والنسائي عن ابن عمر. ☆ احمد و ابن حميد وابن عساکر عن خباب بن الارت. ☆والطبراني في الكبير والحاكم عن عبدالله ابن مسعود. ☆ والترمذي والطبراني وابن عساکر عن ابن عباس.

☆ والبغوي في الجعليات عن ربيعة السعدي رضي اللّٰہ تعالیٰ عنھم اجمعین. (۲۱)

یہ دس (۱۰) صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی روایت ۲۳ کتب حدیث سے نقل فرمائی۔

☆ اسی کتاب الامن والعلی میں صفحہ ۱۲۹ پر ایک حدیث نقل فرمائی۔"انا محمد واحمد المقفي والحاشر ونبي التوبة ونبي الرحمة"۔ (میں محمد ہوں اور احمد اور سب نبیوں کے بعد آنے والا اور خلائق کو حشر دینے والا اور توبہ کا نبی اور رحمت کا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اب اس کے رواۃ وحوالہ جات دیکھیں:

☆ رواه أحمد ومسلم والطبرانی فی الکبير عن ابی موسی الاشعری. ☆ ونحوه وابنا سعد وابی شيبه والبخاری فی التاريخ والترمذي في الشمائل عن حذيفة

☆وابن مردوية في التفسير وأبونعيم في الدلائل وابن عدي في الكامل وابن عساکر في تاريخ دمشق والديلمي في مسند الفردوس عن أبي الطفيل.

☆ وابن عدی عن ابی هريره رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم (۲۲) یہ چار صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی روایت ۱۴ کتابوں سے نقل فرمائی۔

☆ رادالقحط والوباء میں صفحہ ۱۲ پر ایک حدیث نقل فرمائی۔

"الدرجات افشاء السلام واطعام الطعام والصلوة بالليل والناس بنام"۔ (اللہ عزوجل کے یہاں درجے بلند کرنے والے ہیں سلام کا پھیلانا، ہر طرح کے لوگوں کو کھانا کھلانا اور رات کو جبکہ لوگ سورہے ہوں نمازیں پڑھنا)

☆ رواه امام الائمة أبو حنيفة والامام أحمد و عبدالرزاق في مصنفه والترمذي والطبراني عن ابن عباس. ☆وأحمد والطبراني وابن مردويه عن معاذبن جبل. ☆وابن خزيمه والدارمی والبغوی وابن السکن وابو نعيم وابن بسطه عن عبدالرحمن بن عائش.

☆ واحمد والطبراني عنه عن صحابي. ☆والبزار عن ابن عمرو ثوبان. ☆والطبراني عن ابی امامة.

☆ وابن قانع عن أبي عبيدة ابن الجراح. ☆ والدارمی وابوبکر النيسا پوري في الزيادات عن انس

☆ وابو الفرح فی العلل تعليقا عن أبي هريرة.

☆وابن ابی شيبه مرسلا عن عبدالرحمن بن سالط. رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه اجمعين (۲۳)

دس صحابہ کرام اور ایک تابعی کی روایت ۲۳ کتابوں سے نقل فرمائی

فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں صفحہ ۳۲۶، پر ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔"قل هوالله" تعدل ثلث القران"

(قل هو الله احد) پوری سورت مبارکہ کی تلاوت کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے۔)

اب رواۃ اور کتب کے بیان میں امام احمد رضا (رحمۃ اللہ علیہ) کے قلم کی جولانی دیکھیں:

☆رواه الامام مالک واحمد والبخاري وابودائود والنسائی الخدری عن ابی سعيد. ☆ والبخاري عن قتاده بن النعمان. ☆ واحمد ومسلم عن ابی الدرداء. ☆ ومالک وواحمد ومسلم والترمذی والنسائي وابن ماجه والحاكم عن أبي هريرة.

☆ وأحمد والترمذي والنسائي عن أبي أيوب الانصاري. ☆وأحمد والنسائي والضياء في المختارة عن أبي بن كعب. ☆ والترمذی وابن ماجة عن انس بن

مالک. ☆واحمد وابن ماجة عن أبي مسعود البدري.

☆ والطبرانی فی الکبیر عن عبداللّٰہ ابن مسعود.

☆ والطبرانی فی الکبیر والحاکم وابونعیم فی الحلیة عن عبداللّٰہ ابن عمرو. ☆ والطبرانی فی الکبیر عن معاذ ابن جبل. ☆ والبزار عن جابر ابن عبداللّٰہ.

☆ وابو عبید عن عبداللّٰہ ابن عباس. ☆واحمد عن ام مکتوم بنت عقبہ. ☆ والبیھقی فی السنن عن رجاء الغنوی رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم (۲۵)۔

یہ کل پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت ۳۴، کتابوں سے نقل فرمائی۔

اس طرح کی سیکڑوں مثالیں امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت مطالعہ اور عمیق نظری کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

قارئین کرام! امام احمد رضا محدث بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی چند کتب کے حوالہ جات سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ وہ علوم حدیث میں بھی اسی طرح بلند مرتبہ ومقام کے حامل ہیں جس طرح علوم فقہ اسلامی میں، یہی وجہ ہے کہ ان کے زمانے کے علمائے عرب وعجم نے جہاں ان کو ''فقیہ العصر'' اور ''مجدد ماۃ حاضرہ'' تسلیم کیا ہے وہیں ان کو ''امام المحدثین'' بھی مانا ہے۔ اب اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان کو ''قلیل البضاعة في الحديث'' کہنے پر مصر ہو تو اس کی دو ہی وجہ ہو سکتی ہے:

(۱) مسلکی تعصب وعناد، یا (۲) وہ خود قلیل المعرفۃ فی علم الحدیث ہو یعنی علم حدیث سے وہ خود جاہل ہو۔

لیکن ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد نہ صرف یہ کہ ہر منصف مزاج اہل علم حضرات کی بدگمانیاں دور ہوں گی بلکہ وہ علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کو جو دستگاہ حاصل تھی اس کا صحیح ادراک حاصل کرنے اور ان کے گلستان علم سے خوشہ چینی کے لیے ان کے اصل ماخذ کی طرف بھی رجوع کریں گے جن کا اس مختصر مقالہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

واللّٰہ خیر المستعان وللّٰہ الحمد والصلوٰۃ والسلام علٰی سید الانبیاء والمرسلین واٰلہ الطیبین واصحابہ المکرمین.

ماخذ ومراجع:

۱۔۲، نزہۃ الخواطر، حکیم عبدالحی لکھنوی، ۸/ ۴۱۔۴۴

۳، خطبہ صدارت ناگپور، محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ، ۱۳۷۹ھ

۴۔ فتاویٰ رضویہ جدید، امام احمد رضا قدس سرہٗ، ۱/ ۹

۵۔ اظہار الحق الجلی، امام احمد رضا قدس سرہٗ ص ۲۴

۶۔ الامن والعلی، امام احمد رضا قدس سرہ، ص ۴۳

۷۔ تجلی الیقین، امام احمد رضا قدس سرہ، ص ۱۰

۸۔ راد القحط والوباء، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۹۔ جزاء اللہ عدوہ، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۱۰۔ شمائم العنبر، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۱۱۔ حیاۃ الموات، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۱۲۔ الھدایۃ المبارکہ، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۱۳۔ فتاویٰ رضویہ قدیم، اول، امام احمد رضا قدس سرہ، ۹/ ۳۱

۱۴۔ فتاویٰ رضویہ قدیم، اول، امام احمد رضا قدس سرہ، ۹/ ۱۱

۱۵۔ لمعۃ الضحٰی، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۱۶۔ شرح الحقوق، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۱۷۔ الزبدۃ الزکیہ، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۱۸۔ الاربعین، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۱۹۔ عطایا القدیر، امام احمد رضا قدس سرہ، مجموعی صفحات

۲۰۔ الامن والعلی، امام احمد رضا قدس سرہ، ص ۷۰

۲۱۔ الامن والعلی، امام احمد رضا قدس سرہ، ص ۳۷

۲۲۔ الامن والعلی، امام احمد رضا قدس سرہ، ص ۱۲۹

۲۳۔ راد القحط والوباء، امام احمد رضا قدس سرہ، ص ۱۲

۲۴۔ فتاویٰ رضویہ قدیم، دوم، امام احمد رضا قدس سرہ، ۹/ ۴۷

۲۵۔ فتاویٰ رضویہ قدیم، دوم، ۴/ ۳۲۶

امام احمد رضا اور علم جرح وتعدیل

مقالہ نگار

علامہ صدر الوریٰ مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی بن حاجی عبد الحمید صاحب ضلع سنت کبیر نگر (یو پی) میں ۱۹۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم دار العلوم اہل سنت شمس العلوم (مہندو پار) میں حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۸۳ء میں جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) میں داخل ہوئے،اور شعبہ عالمیت وفضیلت کی تکمیل کر کے ۱۹۹۰ء میں جامعہ اشرفیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔بعد فراغت جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔اس کے بعد ۱۹۹۶ء سے تادم تحریر جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔آپ نے عربی واردو میں ایک درجن سے زائد کتب ورسائل تصنیف فرمائے۔متعدد درسی کتابوں پر حواشی رقم فرمائے۔مختلف عناوین پر درجنوں مقالات ومضامین تحریر فرمائے۔فن جرح وتعدیل سے متعلق آپ کی تصنیف خاصی مقبول ہو چکی ہے۔علم حدیث وفنون حدیث میں وسیع الادراک ہیں۔

رابطہ نمبر:9415002976

امام احمد رضا اور جرح وتعدیل

فن جرح وتعدیل ایک کا تعارف

کتاب وسنت تمام انسانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت اور مصدر خیرات وبرکات ہیں۔انھیں اپنانے اوران کے احکام پر عمل کرنے میں ہی کامیابی اور نجات ہے۔اوران سے انحراف روگردانی میں نامرادی وخسران ہے۔کتاب وسنت ہی احکام شرعیہ کا مصدرومنبع اور مجتہدین شرع کے اجتہادات کا مرکز ومحور ہے۔اسی لیے ان کے مقتضیات پرعمل کرنے اور انھیں مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا ہے۔رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنة رسولہ** (مؤطا مالک، کتاب الجامعہ النہی عن القول بالقدر)

میں نے تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑی ہیں کہ جب تک انھیں مضبوطی سے تھامے رہوگے گمراہ نہ ہوگے،ایک :اللہ کی کتاب۔ دوسری اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت۔

کتب سابقہ توریت وانجیل میں یہود ونصاریٰ نے بہت ساری تحریفات کردی تھی جس کا ذکرقرآن کریم میں جابجا ہے۔مگر قرآن حکیم اللہ رب العزت کی وہ کتاب ہے جس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہرقسم کی تحریف وتبدیل سے محفوظ رکھاہے،وہی اس کا حافظ ہے، کبھی بھی اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔ارشاد ربانی ہے:**اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ.** (الحجر:۹)

بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خوداس کے نگہبان ہیں۔

رہا احادیث کا معاملہ تو گو کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ اوراس کے نواح میں کچھ منافقین اور یہودرہتے تھے،جن کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے بغض عناد بھرا ہوا تھا۔اور اسلام کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے انھوں نے انتھک کوششیں بھی کرڈالی تھیں۔مگران میں یہ جرأت وہمت نہ تھی کہ ازخود کوئی بات گڑھ کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اسے منسوب کرسکیں،کیوں کہ انھیں خوب معلوم تھا کہ یہ نزول وحی کا زمانہ ہے،اگر ہم نے کوئی ایسی حرکت کی،تو ہمارا یہ راز رازنہیں رہے گا،بلکہ وحی الٰہی کے ذریعہ سارا راز فاش ہوجائے گا۔ اوراگر کسی شخص نے اپنے ذاتی مفاد کیلئے ایسا کرنے کی کوشش کی تو وہ اپنی جدوجہد میں کامیاب نہ ہوسکا،اوراس کو ذلت وخواری،ہلاکت و بربادی ہی ہاتھ آئی۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفائے ثلاثہ سیدنا ابوبکرصدیق اور سیدنا عمرفاروق،سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت تک امن وامان رہا،کسی کے اندر وضع حدیث کی ہمت وجرأت نہیں تھی،سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سخت انتشار رہا،مسلمان ابتلا وآزمائش کے شکار ہوئے جس کے نتیجہ میں دشمنان اسلام کوموقع ملا،اور انھوں نے مسلمانوں کے درمیان افتراق وپھوٹ ڈالنے کے لیےاوراپنے ذاتی مفاد کے لیے حدیثیں گڑھیں،لہٰذا ایسے پرآشوب دور میں ضرورت پیش آئی کہ احادیث کی تحقیق کی جائے،رجال حدیث کو دیکھا جائے اورمتن حدیث پر بھی غورکیا جائے،یہی وجہ ہے کہ امام محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:''**ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم.**'' (مقدمہ صحیح مسلم،باب بیان ان الاسناد من الدین،ج:۱،ص:۱۱،ناشر مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

بیشک یہ علم حدیث دین ہے تو دیکھ لوکہ کس سے تم اپنا دین لے رہے ہو۔مزید ارشادفرمایا:

لم یکونوا یسئلون عن الاسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا: سمولنا رجالکم، فینظر الی اهل السنة: فیؤخذ حدیثهم، وینظرالیٰ اهل البدع، فلا یوخذ حدیثهم (مصدر سابق)

یعنی لوگ سند کے بارے میں دریافت نہیں کرتے تھے،مگر جب فتنہ وقوع پزیر ہوا،تو کہتے کہ ہمیں اپنے رجال کا نام بتاؤ،اگر رجال حدیث اہل سنت سے ہوتے تو ان کی حدیث قبول کی جاتی ،اوراگراہل بدعت سے ہوتے توان کی حدیث نہیں لی جاتی۔

اس تناظر میں جرح اور تعدیل اوراسماء الرجال جیسے فنون وجود میں آئے ،اوران میں محدثین نے کتابیں تحریرفرمائیں تاکہ ثقہ اورغیر ثقہ کا امتیاز ہوسکے۔ اور کذاب وضاع راویوں کی بھی شناخت ہوجائے۔محدثین نے موقت وضع کے اصول بھی متعین کیے،تاکہ موضوع وبے اصل روایات کو الگ کیا جاسکے۔ سر دست جرح وتعدیل اوران کے متعلقات سے جڑی چنداہم باتوں پر روشنی ڈال کراپنے اصل مقصد کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جرح اورتعدیل کامفہوم:

جرح، جرحا باب فتح سے ہے جس کے معنیٰ ہے زخمی کرنا۔ کہاجا تاہے:جرحه بلسانه، یہ اس وقت بولا جا تاہے جب کہ زبان سے اسے سب وشتم کیاہو،اسی سے ہے ’’جرح الشاهد‘‘ جب کہ گواہ کومطعون وعیب دارقرار دے کراس کےقول اوراس کی گواہی کورد کردیاہو۔

اس کا اصطلاحی مفہوم ہے:۔راوی اور شاہد کہ اندر ایسا وصف بیان کرنا جس کی وجہ سے اس کا قول نا قابل اعتبار ٹھہرے اوراس پر عمل کرناباطل ہوجائے۔

حافظ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ جرح کی تعریف کرتے ہوئےفرماتے ہیں:الجرح وصف متیٰ التحق بالراوی والشاهد مسقط الاعتبار بقوله ،وبطل العمل به. (جامع الاصول ج:اص:۸۵)

جرح وہ وصف ہے جوراوی اور گواہ کے ساتھ لاحق ہوتو اس کا قول ساکت الاعتبار ہواوراس پرعمل کرنا باطل ہوجائے۔

تعدیل:۔تعدیل کالغوی معنیٰ ہے تزکیہ۔کہاجاتاہے ’’عدل فلانا‘‘ جبکہ اس کا تزکیہ کیا ہویعنی اچھااور ستھرا بتایا ہو۔

اس کا اصطلاحی مفہوم ہے:۔راوی یا شاہد کے اندر ایسا وصف بیان کرنا جس کی وجہ سے اس کا قول معتبراور قابل عمل ہوجائے۔

حافظ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ تعدیل کی تعریف کرتے ہوئےفرماتے ہیں: التعدیل وصف متی التحق بهما اعتبر قولهما واخذ به. (مصدرسابق)

تعدیل ایساوصف ہے کہ راوی اورشاہد کےساتھ لاحق ہوتوان کی کہی ہوئی بات مان لی جائے اورقابل عمل ہوجائے۔

غرض وغایت اورجرح کا شرعی حکم:

جرح کا مقصد محض شریعت کا تحفظ اوراس کا دفاع ہے،کسی کی عیب جوئی اورطعن وتشنیع یا غیبت ہرگزاس کا مقصد نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ ایک دینی ضرورت ہے،جو نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ واجب ہے،امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جان لوکہ راویوں کی جرح جائز ہے، بلکہ واجب اس لئے کہ شریعت مقدسہ کے تحفظ کیلئے ضرورت اس بات کی داعی ہے (کہ راوی میں کوئی نقص ہوتو اسے ظاہر کردیا جائے)اور یہ عمل غیبت محرمہ سے نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی خیرخواہی سے ہے ،امت کے فضلا، اخیاراوراہل زہد وورع برابر راویوں کی جرح کرتے آئے ہیں جیسا کہ امام مسلم نے اس باب میں ان کی کئی ایک جماعتوں سے جرح رواۃ کا ذکر کیاہے۔(المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ج:۱،ص:۲۰،ناشر:مجلس برکات مبارکپور)

علامہ حافظ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:
رجال حدیث سے متعلق محدثین کے نقد وجرح پر کچھ نا سمجھ لوگ عیب زن ہوئے اس لیے کہ انھوں نے (اسے غیبت سمجھا) نقد وجرح کی غرض غایت نہ جانی، محدثین نے راویوں پر کلام کیا،کسی کو

عادل بتایا، کسی کو مجروح ٹھہرایا ان کے اس اقدام کا باعث اور محرک صرف یہ ہے کہ امور دین میں احتیاط، قوانین شرع کی حفاظت اور روایت حدیث میں غلطی وخطا کے مقامات کی نشاندھی ہو، اس لیے کہ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ اصل اعظم ہے جس پر اسلام کی بنیاد، اور شریعت کی اساس قائم ہے (اس سے قرآن کی تفسیر وتفہیم بھی ہوتی ہے) ان محدثین سے متعلق یہ گمان نہیں ہونا چاہئے کہ ان کا مقصد لوگوں پر طعن وتشنیع یا ان کی غیبت اور بدگوئی ہے۔ انھوں نے کسی کا ضعف بیان کیا ہے تو اس لیے کہ لوگ اسے پہچان لیں اور اس کی حدیث لینے اور اس سے روایت کرنے سے پرہیز کریں، ان محدثین وناقدین کا یہ کام ورع واحتیاط طلب ثواب اور امر دین میں وثوق واعتماد حاصل کرنے کی خاطر ہوا۔ اگر لوگوں کے حقوق اور اموال سے متعلق کوئی شہادت آتی ہے تو اس کی تحقیق وتفتیش کی جاتی ہے، تو حدیث کی روایت جو امر دین سے متعلق شہادت پر مشتمل ہے اس کی تحقیق وتفتیش زیادہ ضروری اور زیادہ مناسب ہے۔ (جامع الاصول، الفرع الثانی فی جواز الجرح والتعدیل، ج:۱ص:۸۷)

اسبابِ جرح:

جن اسباب کی بنیاد پر جرح وطعن کیے جاتے ہیں وہ دس ہیں۔ ان میں سے حسب ذیل پانچ کا تعلق عدالت سے ہے۔

(۱) کذب فی الحدیث النبوی (۲) اتھام بالکذب (۳) فسق (۴) جہالت (۵) بدعت۔

اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے:

(۱) فرط غفلت (۲) کثرت غلط (۳) مخالفت ثقات (۴) وہم (۵) سوئے حفظ۔

ائمہ جرح وتعدیل اور ان کے مراتب:

وہ علمائے جہابذہ جنھوں نے احادیث نبویہ کی نقل وروایت اور حفظ واتقان میں نمایاں کردار ادا کیا اور علم شریعت میں ممتاز رہے حافظ ابوعبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے ان کے چار مراتب کیے ہیں:

(۱): ثبت، حافظ، متورع، متقن، اور ماہر ناقد حدیث۔ اس طبقہ کے بارے میں کہا: یہ وہ طبقہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں، اس کی جرح وتعدیل پر اعتماد کیا جائے گا اور اس کی حدیث ورجال حدیث میں اس کے کلام سے حجت قائم کی جائے گی۔

(۲): (۱) فی نفسہ عدل (۲) روایت میں ثبت، نقل میں صدوق، دین میں متورع، حافظ حدیث اور متقن، یہ وہ عادل ہے جس کی حدیث قابل حجت ہوگی اور فی نفسہ اس کی توثیق کی جائے گی۔

(۳): صدوق، ورع، اور ثبت جس سے کبھی کبھار وہم ہوتا ہے۔ جہابذۂ حدیث نے ایسے راوی کو قبول کیا ہے۔ لہٰذا اس کی حدیث بھی قابل حجت ہوگی۔

(۴): صدوق، ورع مغفل جس پر وہم وخطا اور غلط وسہو غالب ہو، ترغیب وترہیب اور زہد وآداب کے باب میں اس کی حدیث لکھی جائے گی، اور حلال وحرام کے ابواب میں اس کی حدیث قابل حجت نہ ہوگی۔

وہ علمائے جہابذہ اور ناقدین حدیث جن کو اللہ تعالیٰ نے اس فن میں خاص مہارت عطا کی تھی، ان میں چند یہ ہیں:

(۱) امام مالک بن انس بن ابی عامر ابوعبداللہ اصبحی (متوفی: ۱۷۹ھ) (۲) سفیان بن عیینہ (متوفی: ۱۹۸ھ) (۳) سفیان بن سعید ثوری (متوفی: ۱۶۱ھ) (۴) شعبہ بن حجاج ابوبستان عتکی (متوفی: ۱۶۰ھ) (۵) حماد بن زید (متوفی: ۱۷۹ھ) (۶) عبد الرحمٰن بن عمر اوزاعی (متوفی: ۱۵۷ھ) (۷) وکیع بن جراح (متوفی: ۱۹۷ھ) (۸) یحییٰ بن سعید قطان (متوفی: ۱۹۸ھ) (۹) عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی: ۱۹۸ھ) (۱۰) عبداللہ بن مبارک (متوفی: ۱۸۱ھ) (۱۱) ابواسحاق فزاری (متوفی: ۱۸۵ھ) (۱۲) ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (متوفی: ۲۴۱ھ) (۱۳) ابوزکریا یحییٰ بن معین (متوفی: ۲۳۲ھ) (۱۴) علی بن عبد اللہ بن مدینی (متوفی: ۲۳۴ھ) (۱۵) ابو زرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم (متوفی: ۲۶۴ھ) (۱۶) ابوحاتم رازی (متوفی: ۲۷۷ھ)۔

واضح رہے کہ ائمہ جرح وتعدیل صرف انھیں میں محدود نہیں

ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی علما ہیں جن کی جرح وتعدیل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

امام احمد رضا اور فن جرح وتعدیل

آمدم برسر مطلب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ جہاں مختلف علوم فنون میں بے پناہ مہارت رکھتے تھے وہیں انھیں علم حدیث اور فن جرح وتعدیل میں بھی بڑی گہری بصیرت حاصل تھی۔ حدیث کے متعدد طرق، ناسخ ومنسوخ، راجح ومرجوح، معرفت، جمع وتطبیق، ثقہ اور غیر ثقہ راوی اور ان پر جرح وتعدیل کی روشنی میں جاری ہونے والے احکام یہ سب ہمہ وقت مستحضر رہا کرتے تھے، اس سلسلہ میں محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ملاحظہ ہو:

علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں، ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے بظاہر فقہ حنفی پر زد پڑتی ہے اس کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت از بر علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰحضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راوی کے بارے دریافت کیا جاتا، تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب وتہذیب وتذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا، اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل، اور علمی مطالعہ کی وسعت۔ (مقالات یوم رضا، ص:۴۲، دائرۃ المصنفین، لاہور طبع اول)

ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے حدیث شریف کی کتابوں میں کون سی کتابیں درس کی ہیں؟ تو آپ نے یہ جواب ارشاد فرمایا:

''مسند امام اعظم وموطا امام محمد وکتاب الآثار امام محمد وکتاب الخراج امام ابو یوسف وکتاب الحج امام محمد وشرح معانی الآثار امام طحاوی وموطا امام مالک ومسند امام شافعی ومسند امام احمد وسنن دارمی وبخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وخصائص نسائی وملتقی ابن جارود وعلل متناہیہ ومشکات جامع کبیر وجامع صغیر وذیل جامع صغیر منتقی ابن تیمیہ وبلوغ المرام وعمل الیوم واللیلۃ، ابن السنی وکتاب الترغیب وخصائص کبریٰ وکتاب الفرج بعد الشدۃ وکتاب الاسما والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں''۔ (اظہار الحق الجلی، ص: ۴۰/۴۱/ناشر: مکتبۃ المدینہ (دعوت اسلامی)

ماضی قریب کے عظیم محدث اور اعلیٰ حضرت کے معاصر حضرت شاہ علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ جو خود فن حدیث میں اپنے دور کے امام کے طور پر جانے جاتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت اس فن میں امیر المؤمنین فی الحدیث'' ہیں کہ میں سالہا سال صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں''۔ (مقالات یوم رضا، ص ۴۳، ۴۴، دائرۃ المصنفین، اردو بازار، لاہور طبع اول ۱۹۶۸ء)

جرح وتعدیل پر امام احمد رضا کی کتابیں:

اصول حدیث اور اس کے دو اہم نوعیں: جرح وتعدیل اور اسماء الرجال کے تعلق سے تحقیقی بخشیں آپ کی تحریرات وفتاویٰ میں جا بجا ملتی ہیں اور ان ابحاث میں بعض تو واقعی اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں کہ انھیں اعلیٰ حضرت کی طبع زاد ذہن کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے، اصطلاحات حدیث کی تحقیق وتنقیح، راویان حدیث پر جرح وتعدیل اور روایات میں جمع وتطبیق وغیرہ میں ایسے ایسے گوشوں پر آپ کے قلم حق رقم نے تحقیق کے دریا بہائے ہیں کہ ان ابحاث سے بہت سی فنی کتابیں خالی ہیں۔ ذیل کے سطور میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ان چند رسائل کو پیش کر رہے ہیں جن میں جرح وتعدیل کے حوالہ سے نفیس ابحاث موجود ہیں۔

(۱) منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین (مطبوعہ)
(۲) الہاد الکاف فی حکم الضعاف (مطبوعہ)
(۳) الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی (مطبوعہ)
(۴) حاجز البحرین الوافی عن جمع الصلاتین (مطبوعہ)

(۵)شرح نخبة الفكر (غیر مطبوعہ)
(۶) حاشية فتح المغيث (غیر مطبوعہ)
(۷) حاشیہ کشف الاحوال عن نقد الرجال (غیر مطبوعہ)
(۸)حاشية العلل المتناهية (غیر مطبوعہ)
(۹)حاشية تقريب التهذيب (مطبوعہ)
(۱۰) حاشية تهذيب التهذيب (غیر مطبوعہ)
(۱۱)حاشية الاسماء (غیر مطبوعہ)
(۱۲) حاشية الاصابة فی معرفة الصحابة، (غیر مطبوعہ)
(۱۳)حاشية تذكرة الحفاظ (غیر مطبوعہ)
(۱۴)حاشية ميزان الاعتدال (غیر مطبوعہ)
(۱۵)حاشية خلاصة تهذيب الكمال (غیر مطبوعہ)

جرح وتعدیل پر اعلیٰ حضرت کی تحریروں سے چند اقتباسات:

اب ذیل کے سطور میں امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی فن جرح وتعدیل میں خدمات کے حوالہ سے ان کی کتابوں میں بکھری ہوئی قیمتی بحثوں میں سے چند اہم اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

جہالت راوی:

اسباب جرح میں سے ایک سبب ''راوی کا مجہول'' ہونا بھی ہے۔ اس حوالہ سے گفتگو فرماتے ہوئے اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنے مشہور رسالہ ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' میں رقم طراز ہیں:

مجہول کی تین قسمیں ہیں:

اول:۔ مستور، جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

دوم:۔ مجہول العین، جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔

وهٰذا علی نزاع فيه كما فان من العلماء من نفی الجهالة براوية واحد معتمد مطلقاً او اذاكان لايرویٰ الا عن عدل عنده . كيحی بن سعيد القطان وعبد الرحمن بن مهدی والامام احمد فی مسنده، وهناک اقوال آخر.

سوم:۔ مجہول الحال، جس کی عدالت ظاہری وباطنی کچھ ثابت نہیں۔ وقد يطلق علی ما يشمل المستور.

قسم اول یعنی مستور، تو جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے۔ یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ''فتح المغیث'' میں ہے: قبله ابو حنيفة خلافا للشافعی، امام نووی فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔

قاله فی شرح المهذب، ذكره فی التدريب. وكذالک مال الی اختياره الامام ابوعمرو بن الصلاح فی مقدمته حيث قال فی المسئلة الثامنة من النوع الثالث والعشرين ويشبه ان يكون العمل علی هذا الرای فی كثير من كتب الحديث المشهور فی غير واحد من الرواة الذين تقادم العهد بهم وتعذرت الخبرة الباطنة بهم.

اور دو قسم باقی کو بعض اکابر حجت جانتے ہیں، جمہور مورث ضعف مانتے ہیں، امام زین الدین عراقی ''الفیۃ'' میں فرماتے ہیں:

واختلفوا هل يقبل المجهول
وهو علی ثلثة مجهول
مجهول عين من له راو فقط
ورده الاكثر والقسم الوسط
مجهول حال باطن وظاهر
وحكمه الرد لدی الجماهر
الثالث المجهول للعدالة
فی باطن فقط قد رأی له
حجية بعض من منع
ما قبله منكم سليم فقطع

اس طرح ''تقریب النواوی'' و''تدریب الراوی'' وغیرہما میں ہے، بلکہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بھی بہت محققین کی طرف نسبت فرمایا، مقدمہ منہاج میں فرماتے ہیں:

المجهول اقسام: مجهول العدالة ظاهراً وباطناً ومجهولها باطنا مع وجودها ظاهرا وهو المستور ومجهول العين فاما الاول فالجمهور على انه لا يحتج به واما الآخران فاحتج بهما كثيرون من المحققين.

بلکہ امام اجل عارف باللہ سیدی ابو طالب مکی قدس سرہ الملکی اس کو فقہائے کرام واولیائے عظام قدست اسرارہم کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ کتاب مستطاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، کی فصل ۳۱ر میں فرماتے ہیں:

بعض ما يضعف به رواة الحديث، وتعلل به احاديثهم، لا يكون تعليلاً، ولا جرحاً عند الفقهاء، ولا عند العلماء بالله تعالىٰ مثل ان يكون الراوى مجهولا لايثارة الخمول، وقد ندب اليه، اولقلة الاتباع له، اذ لم يقم لهم الاثرة عنه.

یعنی بعض وہ باتیں جن کے سبب راویوں کو ضعیف اور ان کی حدیثوں کو غیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے، فقہا وعلما کے نزدیک باعث ضعف وجرح نہیں ہوتی، جیسے راوی کا مجہول ہونا، اس لیے کہ اس نے گم نامی پسند کی کہ خود شرع مطہر نے اس کی ترغیب فرمائی، یا اس کے شاگرد کم ہوئے کہ لوگوں کو اس سے روایت کا اتفاق نہ ہوا۔

بہرحال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہِ طعن سے بھی ہے یا نہیں؟ یہ کوئی نہیں کہتا ہے کہ جس حدیث کا راوی مجہول ہو خواہی نہ خواہی باطل ومجہول ہو بعض متشددین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علماء نے فوراً رد وابطال فرما دیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ؟ مولانا علی قادری رسالہ ''فضائل نصف شعبان'' میں فرماتے ہیں:

جهالة بعض الرواة لاتقتضى كون الحديث موضوعاً، وكذب الكارة الالفاظ فينبغى ان يحكم عليه بانه ضعيف، ثم بعمل بالضعيف فى فضائل الاعمال.

(رساله فضائل نصف شعبان)

یعنی بعض راویوں کا مجہول یا الفاظ کا بے قاعدہ ہونا یہ نہیں چاہتا کہ حدیث موضوع ہو، ہاں ضعیف کہو، پھر فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں امام ابن حجر مکی سے نقل فرمایا:

فى روايت مجهول، ولا يضر لانه من احاديث الفضائل''. (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ باب الاذان فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان: ۲/۱۷۱) اس میں ایک راوی مجہول ہے اور کچھ نقصان نہیں کہ یہ حدیث تو فضائل کی ہے۔

موضوعات کبیر میں استاذ المحدثین امام زین الدین عراقی سے نقل فرمایا: **انه ليس بموضوع وفى سنده مجهول۔** (الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، حدیث ۶۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ص: ۱۵۷) یہ موضوع نہیں اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ امام بدرالدین زرکشی پھر امام محقق جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ میں فرماتے ہیں: **لو ثبت جهالته لم يلزم ان يكون الحديث موضوعا مالم يكن فى اسناده من يتهم بالوضع .** (لآلی مصنوعۃ صلوٰۃ التسبیح مطبوعہ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۲/۴۴)

یعنی راوی کی جہالت ثابت بھی ہو تو حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں جب تک اس کی سند میں کوئی راوی وضع حدیث سے متہم نہ ہو۔

یہی دونوں امام تخریج احادیث رافعی ولالی میں فرماتے ہیں:

''لا يلزم من الجهل بحال الراوى ان يكون الحديث موضوعاً''۔ (لآلی مصنوعہ صلوٰۃ التسبیح مطبوعہ التجاریۃ الکبریٰ، مصر ۲/۱۱۸۔ کتاب الموضوعات فی حدیث انشاء الشعر بعد العشاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۲۶۱)

''راوی کے مجہول الحال ہونے سے حدیث کا موضوع ہونا

لازم نہیں آتا" امام ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں حدیث "**من فرض بیت شعر بعد العشاء الآخرة لم تقبل له صلاة تلك الليلة**" جس نے آخری عشا کے بعد کوئی (لغو) شعر کہا اس کی اس رات کی نماز قبول نہ ہوگی۔ اس کی یہ علت بیان کی کہ اس میں ایک راوی مجہول اور دوسرا مضطرب کثیر الخطا ہے۔

اس پر شیخ الحفاظ امام ابن حجر عسقلانی نے "**القول المسدد فی الذب عن مسند احمد**" پھر امام سیوطی نے لآلی وتعقبات میں فرمایا:

"**ليس في شئ مما ذكره ابو الفرج ما يقتضى الوضع**"۔ (الصواعق المحرقہ الباب الحاوی عشر مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص:۱۴۳) یہ علتیں جو ابوالفرج نے ذکر کیں ان میں ایک بھی موضوعیت کی مقتضی نہیں۔ امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی تزویج فاطمہ من علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت فرماتے ہیں:

"**كونه كذبا فيه نظر، وانما هو غريب فی سنده مجهول**"۔ (القول المسدد الحدیث الثانی مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ہند ص:۳۶)

اس کا کذب ہونا مسلم نہیں، ہاں غریب ہے اور راوی مجہول۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

"**قال السهيلی فی اسناده مجاهيل وهو يفيد ضعفه فقط، وقال ابن كثير منكر جدا سنده مجهول وهو ايضا صريح في انه ضعيف فقط، فالمنكر من قسم الضعيف، لذا قال السيوطی بعد ما اورد قول ابن عساكر "منكر" هذا حجة لما قلته من انه ضعيف، لا موضوع، لان المنكر من قسم الضعيف، وبينه وبين الموضوع فرق معروف فی الفن، فالمنكر ما انفرد به الراوی الضعيف مخالفا لرواته الثقات فان انتفت كان ضعيفا وهی مرتبة فوق المنكر اصلح حالا منه اهـ ملخصا**". (شرح **الزرقانی علی المواهب باب وفاة آمه وما يتعلق بابويه صلی الله عليه وسلم مطبوعه، مطبع عامره مصر ۱/۱۹۶**)

امام سہیلی نے فرمایا: اس کی سند میں کئی راوی مجہول ہیں۔ اس کلام کا مفاد بس اتنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن کثیر نے کہا: بہت منکر ہے اور رواۃ مجہول ہیں۔ یہ بھی اس بات کی صراحت ہے کہ حدیث صرف ضعیف ہے اس لئے کہ منکر، ضعیف کی ایک قسم ہے اسی لیے امام سیوطی نے جب ابن عساکر کا قول نقل کیا کہ یہ حدیث منکر ہے تو اس کے بعد فرمایا: ابن عساکر کا اسے منکر کہنا میرے اس قول کی حجت ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں، اس لیے کہ منکر ضعیف کی ایک قسم ہے۔ ضعیف اور موضوع میں جو فرق ہے وہ اہل فن کے نزدیک معروف ہے۔ منکر وہ ہے جس کی روایت تنہا کسی ضعیف راوی نے اس حدیث کے ثقہ راویوں کے برخلاف کی ہو۔ تو اگر حدیث تنہا کسی ضعیف راوی سے مروی ہو اور وہاں ثقات کی مخالفت نہ ہو (اس لیے کہ وہ حدیث کسی اور سے مروی ہی نہیں) تو ایسی حدیث کا مرتبہ منکر سے اوپر ہوگا اور اس کا حال منکر سے بہتر ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ سند میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن واعلیٰ ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں، تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ، امام جلیل جلال الدین سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ مترجم ج:۵ ص:۴۴۳/۴۴۸، رسالہ منیر العین افادہ دوم: ج:۲، ص:۴۳۴ تا ۴۳۷، رضا اکیڈمی ممبئی)

مطالب حدیث اور ان کے اقسام واحکام:

اسی رسالہ "منیر العین" میں فرماتے ہیں:

احادیث سے جن چیزوں کا اثبات ہوتا ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) فضائل ومناقب۔

ان اقسام میں کسی قسم کے لیے کیسی حدیث درکار ہے امام احمد

رضا قادری اس کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جن باتوں کا ثبوت حدیث سے چاہا جائے وہ سب ایک پلہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلیٰ درجۂ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اس کا ثبوت نہیں دے سکتے آحاد اگرچہ کیسی ہی قوت سند و نہایت صحت پر ہوں ان کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔

عقائد میں حدیث آحاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں: یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

"خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة في أصول الفقه لايفيد الا الظن ولا عبرة بالظن في باب الاعتقادات. (شرح عقائد نسفی بحث تعداد الانبیاء مطبوعہ دار الاشاعت العربیۃ قندھار ص ۱۰۱)

حدیث آحاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملۂ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

مولانا علی قاری منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں:

الآحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد.

ترجمہ:۔"احادیث احاد در بارۂ اعتقاد نا قابل اعتماد"۔

(منح الروض الازہر مصطفیٰ البابی مصر ص ۵۷)

در بارہ احکام ضعیف کافی نہیں: دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ ان کے لیے اگرچہ اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث، صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیے، جمہور علما یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

فضائل و مناقب میں باتفاق علما حدیث ضعیف مقبول و کافی ہے: تیسرا مرتبہ فضائل و مناقب کا ہے یہاں باتفاق علما ضعیف حدیث بھی کافی ہے مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خوبی بیان ہوئی کہ انھیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کلام کر کے اسے پایۂ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشی، جیسے بعض جاہل بول اٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ ان کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیزو! مسلم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے، رسالہ قاری و مرقاۃ و شرح ابن حجر مکی و تعقبات و لآلی امام سیوطی و قول مسدد امام عسقلانی کی پانچ عبارتیں افادہ دوم و سوم و چہارم و دہم میں گزریں، عبارت تعقبات میں تصریح تھی کہ نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائل اعمال میں مقبول ہے، باآں کہ اس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر ہے۔

امام اجل سیدی ابو طالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ الملکی قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب میں فرماتے ہیں:

"الأحاديث في فضائل الأعمال وتفضيل الأصحاب متقبلة محتملة على كل حال مقاطيعها ومراسيلها لا تعارض ولا ترد، كذلك كان السلف يفعلون". (فصل الحادی والعشرون مطبوعہ دار صادر مصر: ۱/۱۷۸)

فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ ان کی مخالفت کی جائے نہ انہیں رد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

امام ابوزکریا نووی اربعین پھر امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری مرقاۃ و حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

قد اتفق الحفاظ ولفظ الأربعين قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال (شرح اربعین للنووی خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ص ۴) **ولفظ الحرز لجواز العمل به فى فضائل الاعمال بالاتفاق** (حرز ثمین شرح مع حصن حصین نولکشور لکھنؤ ص ۲۳)

"یعنی بیشک حفاظ حدیث و علمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائل

اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے''۔

فتح المبین بشرح الاربعین میں ہے:

لأنه ان كان صحيحا في نفس الأمر فقد أعطى حقه من العمل به، والا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق للغير وفي حديث ضعيف من بلغه عني ثواب عمل فعمله حصل له أجره وان لم أكن قلته أو كما قال وأشار المصنف رحمه الله تعالىٰ بحكاية الاجماع على ماذكره الى الرد على من نازع فيه. الخ (فتح المبین شرح الاربعین)

''یعنی حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل اس لیے ٹھیک ہے کہ اگر واقع میں صحیح ہوئی جب تو جو اس کا حق تھا کہ اس پر عمل کیا جائے حق ادا ہو گیا اور اگر صحیح نہ بھی ہو تو اس پر عمل کرنے میں کسی تحلیل یا تحریم یا کسی کی حق تلفی کا مفسدہ تو نہیں اور ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے مجھ سے کسی عمل پر ثواب کی خبر پہنچی وہ اس پر عمل کر لے اس کا اجر اسے حاصل ہوا گرچہ وہ بات واقع میں میں نے نہ فرمائی ہو۔ لفظ حدیث کے یونہی ہیں یا جس طرح حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر نقل اجماع علما سے اشارہ فرمایا کہ جو اس میں نزاع کرے اس کا قول مردود ہے۔ الخ''

مقاصد حسنہ میں ہے: **قد قال ابن عبدالبر: انهم يتساهلون في الحديث اذا كان من فضائل الأعمال.** (المقاصد الحسنۃ زیر حدیث من بلغہ عن اللہ الخ مطبوعہ در الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۰۵)

''بے شک ابو عمر ابن عبدالبر نے کہا کہ علما حدیث میں تساہل فرماتے ہیں جب فضائل اعمال کے بارہ میں ہو''۔

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الضعيف غير الموضوع يعمل به في فضائل الأعمال (فتح القدیر باب الامامۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۳)

''یعنی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا بس اتنا چاہیے کہ موضوع نہ ہو''۔

مقدمہ امام ابو عمرو ابن الصلاح و مقدمہ جرجانیہ و شرح الالفیۃ للمصنف و تقریب النواوی اور اس کی شرح تدریب الراوی میں ہے :''**واللفظ لهما: يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد الضعيفة ورواية ماسوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في فضائل الاعمال وغيرها مما لا تعلق له بالعقائد والأحكام وممن نقل عنه ذلک ابن حنبل وابن مهدي وابن المبارک، قالوا: اذا روينا في الحلال والحرام شددنا واذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا. ملخصاً.** (تدریب الراوی قبیل نوع الثالث والعشرون مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۹۸)

''محدثین وغیرہم علما کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سوا ہر قسم حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہا امور میں جائز ہے جنہیں عقائد و احکام سے تعلق نہیں، امام احمد بن حنبل و امام عبدالرحمٰن بن مہدی و امام عبداللہ بن مبارک وغیرہم ائمہ سے اس کی تصریح منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حلال و حرام میں حدیث روایت کریں سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کریں تو نرمی اھ ملخصا''۔

امام زین الدین عراقی نے الفیۃ الحدیث میں جہاں اس مسئلہ کی نسبت فرمایا ''**عن ابن مهدی وغیر واحد**'' (یعنی امام ابن مہدی وغیرہ ائمہ سے ایسا ہی منقول ہے) وہاں شارح نے فتح المغیث میں امام احمد و امام ابن معین و امام ابن المبارک و امام سفیان ثوری و امام ابن عیینہ و امام ابوزکریا عنبری و حاکم و ابن عبدالبر کے اسما و اقوال نقل کیے اور فرمایا کہ ابن عدی نے کامل اور خطیب نے کفایہ میں اس کے لیے ایک مستقل باب وضع کیا۔ غرض مسئلہ مشہور ہے اور نصوص نامحصور اور بعض دیگر عبارات جلیلہ و افادات آئندہ میں مسطور

ان شاء اللہ العزیز الغفور۔

تذییل: کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہل حق سے موافق ہیں، مولوی خرم علی رسالہ دعائیہ میں لکھتے ہیں:

ضعاف درفضائل اعمال وفیما نحن فیہ باتفاق علما معمول بہا است۔الخ (رسالہ دعائیہ مولوی خرم علی)

''فضائل اعمال میں اور جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں باتفاق علما ضعیف حدیثوں پر عمل درست ہے۔الخ''

مظاہر حق میں راوی حدیث صلاۃ اوّابین کا منکر الحدیث ہونا امام بخاری سے نقل کر کے لکھا:

''اس حدیث کو اگر چہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے۔الخ (مظاہر حق باب السنن وفضائلها مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱/۶۶۷)

اسی میں حدیث فضیلت شب برات کی تضعیف امام بخاری سے نقل کر کے کہا: ''یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے لیکن عمل کرنا حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں باتفاق جائز ہے۔''الخ

(رسالہ منیر العین افادہ شانزدہم، فتاوی رضویہ ج ۵/مترجم)

بلکہ امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے اپنی محدثانہ بصیرت سے یہاں تک فرمایا کہ مقام احتیاط میں حدیث ضعیف باب احکام میں بھی مقبول اور لائق عمل ہے، اس پر مستقلاً ایک افادہ قائم کیا جس میں دلائل وشواہد سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں جب رنگ احتیاط اور نفع بے ضرر کی صورت نظر آئے تو وہ بلا شبہ قابل قبول ہے چنانچہ افادہ بستم کے تحت رقم طراز ہیں۔

مقاصد شرع کا عارف اور کلمات علما کا واقف جب قبول ضعیف فی الفضائل کے دلائل مذکورۂ عبارات سابقۂ فتح المبین امام ابن حجر مکی، انموذج العلوم محقق دوانی، وقوت القلوب امام مکی رحمہم اللہ تعالیٰ ونیز تقریر فقیر مذکور افادہ سابقہ پر نظر صحیح کرے گا۔

ان انوار متجلیہ کے پرتو سے بطور حدس بے تکلف اس کے آئینۂ دل میں مرتسم ہوگا کہ کچھ فضائل اعمال ہی میں انحصار نہیں بلکہ عموماً جہاں اس پر عمل میں رنگ احتیاط ونفع بے ضرر کی صورت نظر آئے گی بلا شبہہ قبول کی جائے گی جانب فعل میں اگر اس کا ورود استحباب کی راہ بتائے گا جانب ترک میں تنزع وتورع کی طرف بلائے گا کہ آخر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا:

كيف وقد قيل رواه البخاری عن عقبة بن الحارث النوفلي رضی الله تعالیٰ عنه (اسے امام بخاری نے عقبہ بن حارث نوفلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا) (ت)

اقول وقال صلی الله تعالیٰ علیه سلم دع مایریبک الی ما لا یریبک.

اقول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں شبہہ پڑتا ہو وہ کام چھوڑ دے اور ایسے کی طرف آ جس میں کوئی وغدغہ نہیں۔''

رواه الامام احمد وابوداود الطيالسي والدارمي والترمذی وقال "حسن صحيح" والنسائي وابن حبان والحاكم "وصححاه" وابن قانع فی معجمه عن الامام ابن الامام سيدنا الحسن بن علی رضی الله تعالیٰ عنهما بسند قوی وابونعيم فی الحلية والخطيب فی التاريخ بطريق مالک عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما.

اسے امام احمد، ابوداؤد، لیالسی، دارمی، ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن صحیح کہا۔نسائی، ابن حبان اور حاکم ان دونوں نے اسے صحیح کہا۔ابن قانع نے اپنی معجم میں امام ابن امام سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سند قوی کے ساتھ روایت کیا۔ابونعیم نے حلیہ اور خطیب نے تاریخ میں بطریق مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کیا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف اگر مورث ظن نہ ہو مورث شبہ سے تو کم نہیں تو محل احتیاط میں اس کا قبول عین مراد شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق ہے، احادیث اس باب میں بکثرت ہیں، از انجملہ حدیث اجل واعظم کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

من اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي حول الحمى يوشك ان ترتع فيه الاوان لكل ملك حمى الاوان حمى الله محارمه .

جوشبہات سے بچے اس نے اپنے دین بروکی حفاظت کرلی اور جوشبہات میں پڑے حرام میں پڑ جائے گا جیسے رمنے کے گرد چرانے والانزدیک ہے کہ رمنے کے اندر چرائے،سن لو ہر بادشاہ کا ایک رمنا ہوتا ہے سن لو اللہ عزوجل کا رمنا وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام فرمائیں ۔اسے بخاری ومسلم دونوں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

امام ابن حجر مکی نے فتح المبین میں ان دونوں حدیثوں کی نسبت فرمایا:

رجوعها الیٰ شئی واحد وهو النهی التنزیهی عن الوقوع فی الشبهات (۲) یعنی حاصل مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ شبہہ کی بات میں پڑنا خلاف اولیٰ ہے جس کا مرجع کراہت تنزیہ۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنۡ يَّکُ کَاذِبًا فَعَلَيۡهِ کَذِبُهٗ وَاِنۡ يَّکُ صَادِقًا يُّصِبۡکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ يَعِدُکُمۡ (۳)

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے اور اگر سچا ہو تو تمہیں پہنچ جائے گی کچھ نہ کچھ وہ مصیبت جس کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ یہ معنی ہیں ارشاد امام ابوطالب مکی قدس سرہ کے قوت القلوب شریف میں فرمایا:

ان الاخبار الضعاف غیر مخالفة الکتاب و السنة لا یلزمنا ردها بل فیها مایدل علیها (۴)

ضعیف حدیثیں جو مخالف کتاب وسنت نہ ہوں ان کا رد کرنا ہمیں لازم نہیں بلکہ قرآن وحدیث ان کے قبول پر دلالت فرماتے ہیں

لا جرم علمائے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ دربارۂ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جب کہ جانب احتیاط میں ہو، امام نووی نے اذکار میں بعد عبارت مذکور پھر شمس سخاوی نے فتح المغیث پھر شہاب خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا:

اما الاحکام کالحلال والحرام والبیع و النکاح والطلاق وغیر ذلک فلا یعمل فیها الا بالحدیث الصحیح او الحسن الا ان یکون في احتیاط في شئی من ذلک کما اذا اورد حدیث ضعیف بکراهة بعض البیوع او الانکحة فان المستحب ان یتنزه عنه ولکن لا یجب.

یعنی محدثین وفقہا وغیرہم علما فرماتے ہیں کہ حلال وحرام بیع نکاح طلاق وغیرہ احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں ہاں واجب نہیں۔

امام جلیل جلال الدین سیوطی تدریب میں فرماتے ہیں:

ویعمل بالضعیف ایضا فی الاکام اذا کان فیه احتیاط.

حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائے گا جبکہ اس میں احتیاط ہو۔

علامہ حلبی غنیّہ میں فرماتے ہیں:

الاصل ان الوصل بین الاذان والاقامة یکره فی کل الصلوٰة لما روی الترمذی عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال اذا اذنت فترسل واذا اقمت فاحدر واجعل بین اذا انک اقامتک قدرما یفرغ الآکل من اکله فی غیر المغرب والشارب من شربه والمعتصر اذا دخل لقضاء حاجته وهو وان کان ضعیفا لکن یجوز العمل به فی مثل هذا الحکم.

یعنی اصل یہ ہے کہ اذان کہتے ہی فوراً اقامت کہہ دینا مطلقاً سب نمازوں میں مکروہ ہے اس لیے کہ ترمذی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کر اور تکبیر جلد جلد اور دونوں میں اتنا فاصلہ رکھ کہ کھانیوالا کھانے سے (مغرب کے علاوہ میں) اور پینے والا پینے سے اور ضرورت والا قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے، یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر ایسے حکم میں اس پر عمل روا ہے۔

نفیسہ (بدھ کے دن بدن سے خون لینے کے باب میں) ایک حدیث ضعیف میں بدھ کے دن پچھنے لگانے سے ممانعت آئی ہے کہ:

من احتجم یوم الاربعاء ویوم السبت فاصابه برص فلا یلومن الانفسه.

جو بدھ یا ہفتہ کے روز پچھنے لگائے پھر اس کے بدن پر سپید داغ ہو جائے تو اپنے ہی آپ کو ملامت کرے۔

امام سیوطی لآلی وتعقبات میں مسند الفردوس دیلمی سے نقل فرماتے ہیں:

سمعت ابی یقول سمعت اباعمرو محمد بن جعفر بن مطر النیسابوری قال قلت یوما ان هذا الحدیث لیس بصحیح فافتصدت یوم الاربعاء فاصابنی البرص فرأیت رسول الله ﷺ فی النوم فشکوت الیه حالی فقال ایاک والاستهانة بحدیثی فقلت تبت یارسول الله ﷺ فانتبهت وقد عافانی الله تعالیٰ وذهب ذٰلک عنی.

ایک صاحب محمد بن جعفر بن مطر نیشاپوری کو فصد کی ضرورت تھی بدھ کا دن تھا خیال کیا کہ حدیث مذکور تو صحیح نہیں فصد لے لی فوراً برص ہو گئی، خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور سے فریاد کی، حضور پرنور ﷺ نے فرمایا: **ایاک والاستهانة بحدیثی** (خبردار میری حدیث کو ہلکا نہ سمجھنا) انہوں نے توبہ کی آنکھ کھلی تو اچھے تھے۔

جلیلہ (ہفتہ کے دن خون لینے کے بارے میں) امام ابن عساکر روایت فرماتے ہیں ابو معین حسین بن حسن طبری نے پچھنے لگانے چاہے، ہفتہ کا دن تھا غلام سے کہا حجام کو بلالا، جب وہ چلا حدیث یاد آئی پھر کچھ سوچ کر کہا حدیث میں تو ضعف ہے، غرض لگا لیے، برص ہو گئی، خواب میں حضور اقدس ﷺ سے فریاد کی فرمایا:

ایاک والاستهانة بحدیثي (دیکھ میری حدیث کا معاملہ آسان نہ جاننا)

انہوں نے منت مانی اللہ تعالیٰ اس مرض سے نجات دے تو اب کبھی حدیث کے معاملہ میں سہل انگاری نہ کروں گا صحیح ہو یا ضعیف اللہ عزوجل نے شفا بخشی۔ لآلی میں ہے:

اخرج ابن عساکر فی تاریخه من طریق ابی علی مهران بن هارون الحافظ الرازی قال سمعت ابا معین الحسین بن الحسن الطبری یقول اردت الحجامة یوم السبت، فقلت للغلام ادع لی الحجام فلما ولی الغلام ذکرت خبر النبی ﷺ فاصابه وضع، فلا یلومن الانفسه قال فدعوت الغلام ثم تفکرت فقلت هذا حدیث فی اسناده بعض الضعف، فقلت للغلام ادع الحجام لی فدعاه، فاحتجمت فاصابنی البرص، فرأیت رسول الله ﷺ فی النوم فشکوت الیه حالی فقال ایاک والاستهانة بحدیثی فنذرت لله نذرا لئن اذهب الله مالی من البرص لم اتحاون فی خبر النبی ﷺ صحیحاً کان او سقیما فذهب الله عنی ذلک البرص. (نوٹ:۔ اس عربی عبارت کا ترجمہ لفظ 'جلیلہ' سے شروع ہو کر عربی عبارت سے پہلے ختم ہو جاتا ہے)

مفید (بدھ کے دن ناخن تراشنے کے امر میں) یوہی ایک حدیث ضعیف میں بدھ کے دن ناخن کتروانے کو آیا کہ مورث برص ہوتا ہے، بعض علما نے کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا حدیث صحیح نہیں فوراً مبتلا ہو گئے، خواب میں زیارت جمال

بے مثال حضور پر تور محبوب ذی الجلال صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے ،شافی کافی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی ،حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہ سنا تھا کہ ہم نے اس سے نفی فرمائی ہے؟ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی تھی۔ارشاد ہوا: تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی۔ یہ فرما کر حضور مُبرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ مُحیِ الْمَوْتیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس کہ پناہ دو جہان ودستگیر بیکساں ہے،ان کے بدن پر لگا دیا،فوراً اچھے ہوگئے اوراسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سن کر مخالفت نہ کروں گا۔(اھ)

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض شرح شفاامام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

قص الاظفار وتقلیمها سنة وورد النهی عنه فی یوم الاربعاء،وانه یورث البرص ،وحکی عن بعض العلماء انه فعله فنهی عنه فقال لم یثبت هذا فلحقه البرص من ساعته فرای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی منامه فشکی الیه فقال له الم تسمع نهی عنه،فقال لم یصح عندی،فقال صلی اللہ علیہ وسلم یکفیک انه سمع ، ثم مسح بدنه بیده الشریفة ، فذهب مابه فتاب عن مخالفة ما سمع اھ۔

یہ بعض علما امام علامہ ابن الحاج مکی مالکی قدس اللہ سرہ العزیز تھے علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

و رد فی بعض الآثار النهی عن قص الاظفار یوم الاربعاء فانه یورث وعن ابن الحاج صاحب المدخل انه هم یقص اظفاره یوم الاربعاء، فتذکر ذلک، فترک، ثم رای ان قص الاظفار سنة حاضرة، ولم یصح عنده النهی فقصها، فلحقه ای اصابه البرص، فرای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم فقال الم تسمع نهی عن ذلک، فقال "یارسول الله لم یصح عندی ذلک" فقال یکفیک ان تسمع، ثم مسح صلی اللہ علیہ وسلم علی بدنه فزال البرص جمیعا فال ابن الحاج رحمه الله تعالیٰ فجددت مع الله توبة انی لااخالف ما سمعت عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم.

بعض آثار میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن کتروانے والے کو برص کی بیماری عارض ہوتی ہے اورصاحب مدخل ابن الحاج کے بارے میں ہے کہ انہوں نے بدھ کے روز ناخن کاٹنے کا ارادہ کیا،انہیں یہ نہی والی بات یاد دلائی گئی تو انہوں نے اسے ترک کر دیا پھر خیال میں آیا کہ ناخن کتروانا سنتِ ثابتہ ہے اوراس سے نہی کی روایت میرے نزدیک صحیح نہیں۔ لہٰذا انہوں نے ناخن کاٹ لیے تو انہیں برص عارض ہوگیا تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے نہیں سنا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حدیث میرے نزدیک صحیح نہ تھی ،تو آپ نے فرمایا کہ تیرا سن لینا ہی کافی ہے،اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے جسم پر اپنا دست اقدس پھیرا تو تمام برص زائل ہوگیا۔ابن الحاج کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس بات سے توبہ کی کہ آئندہ جو حدیث بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنوں گا اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔(ت)

سبحان اللہ! جب محل احتیاط میں احادیث ضعیفہ خود احکام میں مقبول ومعمول،تو فضائل تو فضائل ہیں،اوران فوائد نفیسہ جلیلہ مفیدہ سے بحمد اللہ تعالیٰ عقل سلیم کے نزدیک وہ مطلب بھی روشن ہوگیا کہ ضعیف حدیث اس کی غلطی واقعی کو مستلزم نہیں۔دیکھو یہ حدیثیں بلحاظِ سند کیسی ضعاف تھیں اورواقع میں ان کی وہ شان کہ مخالفت کرتے ہی فوراً تصدیقیں ظاہر ہوئیں،کاش منکرانِ فضائل کو بھی اللہ عزوجل تعظیم حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق بخشے اوراسے ہلکا سمجھنے سے نجات دے۔آمین!

(منیر العین مشمولہ فتاویٰ رضویہ ج۵ ص۴۹۴ تا ۵۰۱)

بعض کلماتِ جرح کی تشریح:

بعض کلمات جرح جس میں عام آدمی فرق نہیں کر پاتا ،اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کلمات کی ایسی شاندار وضاحت کی ہے کہ

ان میں کوئی ابہام نہیں رہ جاتا، چنانچہ اپنے مشہور رسالہ شمائم العنبر میں ”رمی بالتشیع“ اور ”شیعی“ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”رمی بالتشیعی“ جس راوی کے بارے میں کہا گیا ہے، اس کے معنی ہیں کہ اس پر تشیع کا الزام ہے، جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ راوی واقع و نفس الامر میں شیعی ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ فرماتے ہیں:

ثم لایذهب عنک الفرق بین شیعی و رمی بالتشیع و کم فی الصحیحین ممن رمی به وقد عد فی هدی الساری عشرین منهم فی مسانید صحیح البخاری فضلا عن تعلیقاته:

(رسالہ شمائم العنبر نفحہ:۲، مشمولہ فتاوی رضویہ ۲۹/۲۸)

”پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیعی کا فرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے، صحیحین میں کتنے ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ ”ہدی الساری“ میں ایسے بیس راویوں کو شمار کیا گیا ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں، اور تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ ہے“۔

جب کہ ”شیعی“ کا معنی ہے کہ وہ واقع میں شیعی ہے۔

تشیع اور رفض میں بھی فرق ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ رسالہ ”حاجز البحرین“ میں فرماتے ہیں:

اصطلاح محدثین میں تشیع و رفض میں کتنا فرق ہے جیسا کہ علما نے تصریح کی ہے اور ان کے محاورات سے بھی واضح ہے مثلاً میزان الاعتدال میں حاکم کے حالات میں ان کے رافضی ہونے کا قول نقل کر کے کہا:

”**الله یحب الانصاف، ما الرجل برافضي، بل شیعي فقط.** اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے، حاکم رافضی نہیں صرف شیعی ہیں۔

زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں۔ ”**خذ لهم الله تعالیٰ جمیعا**“ حالاں کہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا، بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعی کہتے ہیں، حالاں کہ یہ مسلک بعض علمائے اہل سنت کا تھا اسی بنا پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا، بلکہ کبھی محض غلبۂ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالاں کہ یہ محض سنیت ہے، امام ذہبی نے ”**تذکرۃ الحفاظ**“ میں خود محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا وبس، حیث قال:

محمد بن فضیل بن غزوان، المحدث الحافظ، کان من علما هذا الشان، وثقه یحي بن معین، وقال أحمد: حسن الحدیث، شیعي، قلت: کان متوالیا فقط.

امام ذہبی نے کہا کہ محمد بن فضیل بن غزوان جو محدث اور حافظ ہیں، علمائے حدیث میں سے تھے یحیٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے، اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ وہ اچھی حدیثیں بیان کرتے مگر شیعی تھے، میں کہتا ہوں کہ ان کا تشیع صرف موالات یعنی محبت اہل بیت کے طور پر تھا وبس۔ اسی طرح اگر شیعی کو رافضی بنائیں گے تو بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا، ان کے رواۃ میں تیس سے زائد ایسے لوگ ہیں جنھیں متقدمین کی اصطلاح پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب الراوی میں حاکم سے نقل کیا:

کتاب مسلم ملآن من الشیعة ۔امام مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے، پھر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حاشیہ میں بطور مثال شیعی رواۃ صحیحین کے نام ذکر کیے جن کی تعداد پچیس تک پہنچتی ہے۔

(رسالہ حاجز البحرین، ملخصا فتاویٰ رضویہ مترجم، ۱۷۵/۵)

راوی کی تعریف روایت کی تعریف نہیں:

کیا کسی راوی کی ثنا اور تعریف سے اس کی روایت کی بھی ثنا اور تعریف ہوگی؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس مسئلے کی

تحقیق فرمائی اور یہ ثابت کیا کہ راوی کی ثنا اور تعریف سے اس کی روایت کی ثنا اور تعریف نہیں ہوتی، راوی کی ثنا اور تعریف الگ چیز ہے اور اس کی روایت کی ثنا اور تعریف الگ چیز ہے۔

چنانچہ ضربِ ید یعنی زمین پر ہاتھ مارنا کیا تیمّم کا رکن ہے؟ اس پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بڑی محدثانہ بحث کی ہے جس کے ضمن میں یہ بحث فرمائی۔ ارشاد فرماتے ہیں:

أما ركنيته فلا أعلم فيه حديثين صحيحين ولا حديثا واحدا صريحا فضلا عن أحاديث .

پھر صاحب حلیہ کا قول پیش کرتے ہوئے فرمایا:

فقول الحلية: به قال أكثر العلماء لاحاديث صريحة به منها ما عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما (فذكر ما قدمنا قال) رواه الحاكم واثنى عليه ومنها ما عن عمار بن ياسر رضي الله تعالىٰ عنهما قال كنت في القوم حين نزلت الرخصة فامرنا بضربتين واحدة للوجوه ثم ضربة أخرى لليدين الى المرفقين أخرجه البزار باسناد حسن .اھ

''اب حلیہ کا یہ اقتباس پڑھیے! فرماتے ہیں اکثر علما رکنیت ضرب کے قائل ہیں اس لیے کہ اس بارے میں صریح احادیث وارد ہیں انہی میں سے وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے (اس کے بعد وہ الفاظ حدیث ہیں جو پہلے ہم نے تعریف ششم کے بعد ہی ذکر کیے ہیں فرمایا اسے حاکم نے روایت کیا اور اس کی ستائش کی اور ان ہی میں سے وہ بھی ہے جو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرمایا: جب رخصت نازل ہوئی میں لوگوں کے درمیان موجود تھا، سرکار ﷺ نے ہمیں دو ضربوں کا حکم دیا ایک چہرے کے لیے، پھر دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھیوں کے لیے بزار نے اس حدیث کی بسند حسن تخریج کی، اھ''

اس قول میں صاحبِ حلیہ نے دعویٰ کیا کہ حاکم نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کی ستائش بھی کی ہے اس پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کلام کرتے ہوئے رسالہ حسن التعمم میں فرماتے ہیں:

فيه أولا أن الحاكم لم يثن عليه بل سكت عن تصحيحه وعن تصحيح اسناده قال المحقق فی الفتح تبعا للامام الزيلعی المخرج سكت عنه الحاكم وقال لا اعلم احدًا سنده عن عبيد الله غير علی بن ظبيان وهو صدوق.

اس عبارت حلیہ پر چند کلام ہیں:

اولاً حاکم نے اس کی ستائش نہ کی، اس کی تصحیح سے بلکہ اس کی اسناد کی تصحیح سے بھی سکوت اختیار کیا، نصب الرایہ میں اس کی تخریج فرمانے والے امام زیلعی کی تبعیت میں محقق علی الاطلاق نے بھی فتح القدیر میں فرمایا: ''حاکم نے اس سے سکوت اختیار کیا اور فرمایا کہ میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں جس نے اس حدیث کو عبید اللہ سے مسند روایت کیا ہو، سوائے علی بن ظبیان کے، اور یہ صدوق (راست گو) ہیں اھ''۔

اقول الثناء علی الراوی ليس ثناء علی الرواية وكونه صادقا في نفسه لاينافي كونه ضعيفا في حديثه كيف وقد تظافرت كلمات.

اقول: راوی کی تعریف وستائش، روایت کی تعریف وستائش نہیں اور راوی کا فی نفسہ صادق ہونا، حدیث میں اس کے ضعیف ہونے کے منافی نہیں پھر راوی مذکور حدیث میں ضعیف کیسے نہ ہوں؟ جب کہ یہاں پر غور فرمائیے کہ عبارت مفقود ہے۔

ورابعًا بل ليست العبارة التيمم ضربتان صريحة فی الركنية وقد تقدم عن المحقق انه خرج مخرج الغالب وسيأتی تحقيقه ان شاء الله تعالیٰ .

رابعاً بلکہ ''التیمم ضربتان'' (تیمّم دوضرب ہے) یہ عبارت بھی رکنیت کے بارے میں صریح نہیں۔ گزر چکا کہ محقق علی الاطلاق نے فرمایا ہے یہ بیان غالب واکثر کے لحاظ سے وارد ہے، عنقریب اس کی تحقیق آرہی ہے۔

أقول: بل روی مسلم عن معٰویة بن الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ھذہ الصلاۃ لا یصلح فیھا شئی من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقرائۃ القراٰن ولیس التسبیح ولاالتکبیر من ارکانھا وقال ملک العلماء فی البدائع صلاۃ الجنازۃ دعاء للمیت اھ۔ ومعلوم ان لیس أرکانھا الا التکبیرات الاربع.

اقول: بلکہ امام مسلم نے حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے: ''لوگوں کی بات چیت میں سے کچھ بھی اس نماز کے اندر ہونے کے لائق نہیں، نماز تو بس تسبیح وتکبیر اور قرآن کی قرأت ہے۔'' حالانکہ نہ تسبیح نماز کے ارکان میں سے ہے نہ تکبیر (اسی طرح ''تیمّم'' دوضرب ہے، یہ بھی محمول کوموضوع کارکن بتانے کے معاملے میں صریح نہیں) ملک العلماء نے بدائع الصنائع میں فرمایا ہے: ''نماز جنازہ میت کے لیے دعا کرنا ہے'' جیسا کہ معلوم ہے کہ ارکان نماز جنازہ، چاروں تکبیروں کے سوااور کچھ نہیں۔

(رسالہ حسن التعمم لبیان حد التیمم فتاویٰ رضویہ ج۳ص۳۵۲ تا۳۵۵)

کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کو مستلزم نہیں:

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ منیر العین میں فرماتے ہیں:

کتابیں کہ بیان احادیث موضوعہ میں تالیف ہوئیں دوقسم ہیں :ایک وہ جن کے مصنفین نے خاص ایراد موضوعات ہی کا التزام کیا، جیسے موضوعات ابن الجوزی، واباطیل جوزقانی، وموضوعات صفانی، ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحۃً نفی موضوعیت نہ کردی ہو ،ایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجاہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتاب موضوعات میں کیوں ذکر کرتے ،پھر اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعم مصنف میں موضوع ہے ،بنظر واقع عدم صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضعف نہ کہ سقوط نہ کہ بطلان ان سب کتب میں احادیث ضعیفہ درکنار بہت احادیث حسان وصحاح بھردی ہیں اور محض بے دلیل ان پر حکم وضع لگادیا ہے جسے ائمہ محققین ونقاد منقحین نے بدلائل قاہرہ باطل کردیا جس کا بیان مقدمہ ابن الصلاح وتقریب امام نووی والفیہ امام عراقی ،وفتح المغیث امام سخاوی وغیرہا تصانیف علما سے اجمالاً اور تدریب امام خاتم الحافظ سے قدرے مفصلاً اوران ہی کی ''**تعقبات ولآلی مصنوعہ والقول المحسن فی الذب عن السنن**'' وامام الشان کے ''**القول المسدد فی الذب عن مسند احمد**'' وغیرہا سے ،بنہایت تفصیل واضح وروشن مطالعہ تدریب سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اورتصانیف درکنار خود صحاح ستہ ومسند امام احمد کی چوراسی حدیثوں کوموضوع کہہ دیا جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔مسند امام احمد(۳۸)
۲۔صحیح بخاری شریف بروایت حماد بن شاکر(۱)
۳۔صحیح مسلم شریف(۱)
۴۔سنن ابی داؤد(۴)
۵۔جامع ترمذی(۲۳)
۶۔سنن نسائی(۱)
۷۔سنن ابن ماجہ(۱۶)

دوم وہ جن کا قصد صرف ایراد موضوعات واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکم وضع کی تحقیق وتنقیح ہے جیسے لآلی امام سیوطی یا نظر وتنقید کے لیے ان احادیث کا جمع کردینا جن پر کسی نے حکم وضع

کیا جیسے انھیں کا ذیل اللآلی، امام ممدوح خطبۂ موضوعات کبری میں فرماتے ہیں:

ابن الجوزي أكثر من اخراج الضعيف بل والحسن بل الصحيح كما نبه على ذلك الآئمة الحفاظ وطال ما اختلج في ضميرى انتقاءه وانتقاده فأورد الحديث ثم أعقب بكلامه ثم ان كان متعقبا نبهت عليه اهـ ملخصا.

''ابن الجوزی نے کتاب موضوعات میں بہت ضعیف بلکہ حسن بلکہ صحیح حدیثیں روایت کردی ہیں جیسا کہ ائمۂ حفاظ نے اس پر تنبیہ فرمائی، مدت سے میرے دل میں تھا کہ اس کا خلاصہ کروں اور اس کا حکم پرکھوں تو اب میں حدیث ذکر کرکے ابن جوزی کا کلام نقل کروں گا پھر اس پر جو اعتراض ہوگا اس پر تنبیہ کروں گا''۔

اس کے خاتمہ میں فرماتے ہیں:

''واذ قد أتينا على جميع مافي كتابه فنشرع الآن في الزيادات عليه فمنها ما يقطع بوضعه ومنها مانص حافظ على وضعه ولي فيه نظر فأذكره لينظر فيه''

جب ہم تمام موضوعات ابن الجوزی بیان کر چکے تو اب ہم اس پر کچھ زیادات (اضافے) شروع کرتے ہیں، ان میں کچھ وہ ہیں جن کا موضوع ہونا یقینی ہے، کچھ وہ ہیں جنھیں کسی حافظ نے موضوع کہا اور میرے نزدیک اس میں کلام ہے تو میں اسے نظر غور کے لیے ذکر کروں گا''۔

پر ظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضوعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع ہی تنہا ایراد موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سند یا متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت، یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضعف یا سقوط یا بطلان کیا نکلتا ہے، مثلاً ''لایصح'' یا ''لم یثبت'' یا سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضعف معلوم ہوا اور اگر ''رفعہ'' کی قید زائد کردی تو صرف مرفوع کا ضعف اور بنظر مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہوا اور اگر کچھ کلام نہ کیا تو امر محتاج نظر و تنقیح رہے گا ''کما لا یخفی''۔ (رسالہ منیر العین افادہ بست وپنجم، فتاوی رضویہ مترجم ۵/۵۴۸/۵۴۹)

ثبوت وضع کے طریقے:

کسی روایت کی موضوعیت کیسے ثابت ہوگی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ''منیر العین'' میں اس کے ثبوت کے پندرہ طریقے بیان کیے جو درج ذیل ہیں:

موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون:

(۱) قرآن عظیم۔ (۲) سنت متواترہ۔ (۳) یا اجماع قطعی قطعیات الدلالۃ۔ (۴) یا عقل صریح۔ (۵) یا حس صحیح۔ (۶) یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمال تاویل وتطبیق نہ رہے۔

(۷) یا معنی شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پرنور صلوات اللہ علیہ سے معقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدح باطل یا ذم حق پر مشتمل ہونا۔

(۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حد تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمال، کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اس کے کذب وبطلان پر گواہی مستنداً الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اس کی نقل وخبر مشہور و مستفیض ہو جاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتہ نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس ۱۰ صورتیں تو صریح ظہور ووضوح وضع کی ہیں۔

(۱۱) یا یوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی حضرات اہل بیت کرام علیٰ سیدہم وعلیہم

الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: لحمک لحمي و دمک دمي. (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خون میرا خون)

اقول: انصافا یوں ہی وہ مناقب امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثیں وضع کیں: "کما نص علیه الحافظ أبو یعلی و الحافظ الخلیلي في الارشاد"

یونہی نواصب نے مناقب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیثیں گھڑیں کما ارشد الیه الامام الذاب عن السنة احمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ.

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کر دی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادت جناح اور حدیث ذم معلمین اطفال۔

(۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے یہ صرف اجلۂ حفاظ ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعوی سماع روایت کرے، پھر اس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

یہ پندرہ ۱۵/ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ اس سطور کے سوا نہ ملیں۔

ثم اقول: رہا یہ کہ جو حدیث ان سب سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے اس باب میں کلمات علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(۱) انکار محض یعنی بے امور مذکورہ کے اصلا حکم وضع کی راہ نہیں اگر چہ راوی وضاع، کذاب ہی پر اس کا مدار ہو امام سخاوی نے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں اسی پر جزم فرمایا، فرماتے ہیں:

مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولو کان بعد الاستقصاء في التفتیش من حافظ متبحر تام الاستقراء غیر مستلزم لذلک بل لابد معه من انضمام شيء مما سیاتی. (فتح المغیث شرح الفیة الحدیث الموضوع دار الامام الطبری بیروت ۱/۲۹۷)

یعنی اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علم حدیث میں دریا اور اس کی تلاش، کامل ومحیط ہو، تفتیش حدیث میں استقصائے تام کرے اور بایں ہمہ حدیث کا پتہ ایک راوی کذاب بلکہ وضاع کی روایت سے جدا کہیں نہ ملے تاہم اس سے حدیث کی موضوعیت لازم نہیں آتی جب تک امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔

مولانا علی قاری نے موضوعات کبیر میں حدیث ابن ماجہ دربارہ اتخاذ دجاج کی نسبت نقل کیا کہ اس کی سند میں علی بن عروہ دمشقی ہے ابن حبان نے کہا وہ حدیثیں وضع کرتا تھا پھر فرمایا: "والظاهر أن الحدیث ضعیف لا موضوع" ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں۔ (الاسرار المرفوعہ فی اخبار الموضوعہ حدیث ۱۲۸۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ص: ۳۳۸)

حدیث فضیلت عسقلان کا راوی ابو عقال ہلال بن زید ہے ابن حبان نے کہا وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موضوعات روایت کرتا ولہٰذا ابن الجوزی نے اس پر حکم وضع کیا۔ امام الشان حافظ ابن حجر نے قول مسدد پھر خاتم الحفاظ نے لآلی میں فرمایا:

هذا الحدیث في فضائل الأعمال و التحریض علی الرباط ولیس فیه ما یحیله الشرع ولا العقل، فالحکم علیه بالبطلان بمجرد کونه من روایة أبي عقال لا یتجه وطریقة الامام أحمد معروفة في التسامع في أحادیث الفضائل دون أحادیث الأحکام. (القول المسدد الحدیث الثامن مطبوعه مطبعة مجلس دائرة المعارف

العثمانیه حید رآباد دکن هند، ص: ۳۲)

یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے، اس میں سرحد دارالحرب پر گھوڑے باندھنے کی ترغیب ہے اور ایسا کوئی امر نہیں جسے شرع یا عقل محال مانے تو صرف اس بنا پر کہ اس کا راوی ابوعقال ہے باطل کہ دینا نہیں بنتا، امام احمد کی روش معلوم ہے کہ احادیث فضائل میں نرمی فرماتے ہیں نہ احادیث احکام میں۔

یعنی تو اسے درج مسند فرمانا کچھ معیوب نہ ہوا۔

(۲) کذاب وضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافترا کرنا ثابت ہو، صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریق ظن نہ بروجہ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصدا افترا اس سے ثابت نہیں تو اس کی حدیث موضوع نہیں اگر چہ متہم بکذب ووضع ہو یہ مسلک امام الشان وغیرہ علما کا ہے۔

نخبہ ونزہۃ میں فرماتے ہیں:

الطعن اما أن يكون لكذب الراوي بان يروى عنه مالم يقله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم متعمدا لذلک أو تهمته بذلک، الأول هو الموضوع، والحكم عليه بالوضع انما هو بطريق الظن الغالب لابالقطع، اذقديصدق الكذوب والثانى هو المتروک.اهـ ملتقطا.(شرح نحبة الفكر معه نزطة النظر بحث الطعن مطبوعه مطبع عليمى لاهور، ص: ۵۴/تا ۵۹)

طعن یا تو کذب راوی کی وجہ سے ہوگا مثلا اس نے عمدا ایسی بات روایت کی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی یا اس پر ایسی تہمت ہو، پہلی صورت میں اس کی روایت کو موضوع کہیں گے اور اس پر وضع کا حکم یقینی نہیں بلکہ بطور ظن غالب ہے کیوں کہ بعض اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے اور دوسری صورت میں روایت کو متروک کہتے ہیں اھ ملتقطاً۔

یہی امام کتاب الاصابة في تمييز الصحابة میں حدیث ان الشيطان يحب الحمرة فاياكم والحمرة وكل ثوب فيه شهرة (شیطان سرخ رنگ پسند کرتا ہے تم سرخ رنگت سے بچو اور ہر اس کپڑے سے جس میں شہرت ہو۔) نسبت فرماتے ہیں:

قال الجوزقاني في كتاب الأباطيل: هذا حديث باطل واسناده منقطع كذا قال، وقوله باطل مردود، فان أبابكر الهذلي لم يوصف بالوضع وقد وافقه سعيد بن بشير وان زاد في السند رجلا، فغايته أن المتن ضعيف أما حكمه بالوضع فمردود. (الاصابه فی تمييز الصحابه القسم الاول "حرف الراء"مطبوعه دار صادر بيروت ۱/۵۰۰)

جوزقانی نے کتاب الاباطیل میں کہا کہ یہ روایت باطل ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔اسی طرح انھوں نے کہا اور ان کا باطل کہنا مردود ہے کیونکہ ابوبکر ہذلی وضاع نہیں اور اس کی سعید بن بشیر نے موافقت کی اگر چہ سند میں انھوں نے ایک آدمی کا اضافہ کیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ متن ضعیف ہے لیکن اس پر وضع کا حکم جاری کرنا مردود ہے۔

ملاعلی قاری حاشیہ نزھہ میں فرماتے ہیں:

الموضوع هو الحديث الذي فيه الطعن بكذب الراوي. (حاشيه نزهة النظر مع نخبة الفكر بحث الموضوع مطبع عليمى لاهور ص ۵۶)

موضوع اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کے راوی پر کذب کا طعن ہو۔

علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

أحاديث الديک حكم ابن الجوزي بوضعها وردّ عليه الحافظ بما حاصله أنه لم يتبين له الحكم بوضعها اذ ليس فيها وضاع ولا كذاب نعم هو ضعيف من جميع طرقه. (شرح الزرقاني على المواهب المقصد الثانى آخر الفصل التاسع مطبوعه مطبعة عامره مصر

۳/ ۴۵۰)

روایات دیک (مرغ) کوابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے اورحافظ نے ان کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موضوعیت کا حکم غیرواضح ہے کیوں کہ اس میں نہ کوئی وضاع ہے اورنہ کذاب، ہاں وہ اپنے تمام طرق کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

اسی میں حدیث **کان لا یعود الا بعد ثلث** (سرکاردو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین دن کے بعد ہی عیادت مریض فرماتے تھے۔) پراس طعن کے جواب میں کہ اس میں **مسلمه بن علي** متروک واقع ہے،فرمایا:

أورده ابن الجوزي في الموضوعات وتعقبوا "بأنه ضعيف فقط، لاموضوع" فان مسلمة لم يجرح بكذب كما قاله الحافظ ولا التفات لمن غر بزخرف القول فقال: هو موضوع كما قال الذهبي وغيره. (شرح الزرقانی علی المواهب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبه صلی الله علیه وسلم مطبوعه مطبعة عامره مصر ۷/ ۵۹)

ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شامل کیا ہے محدثین نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف ضعیف ہے موضوع نہیں کیونکہ مسلمہ پرکسی کذب کی جرح نہیں جیسا کہ حافظ نے کہا اور وہ قابل التفات نہیں جس نے اپنی رنگین بیانی سے فریب دیتے ہوئے اسے موضوع کہہ دیا جیسا کہ ذہبی وغیرہ نے کہا۔

اسی میں بعدکلام مذکور ہے:

المدار على الاسناد فان تفرد به كذاب و وضاع فحديثه موضوع وان كان ضعيفا فالحديث ضعيف فقط. (شرح الزرقانی علی المواهب الفصل الاول من المقصد الثا من فی طبه صلی الله علیه وسلم مطبوعه مطبعة عامره مصر ۷/ ۵۹)

مدارسند حدیث پر ہے اگر اسے روایت کرنے والا کذاب یا وضاع متفرد ہے تو وہ روایت موضوع ہوگی اور اگرضعیف ہے تو روایت صرف ضعیف ہوگی۔

انہیں ابن علی خشنی نے حدیث **ثلثة ليس لهم عيادة الرمد و الدمل و الضرس**

(تین اشخاص کی عیادت نہیں جس کی آنکھ میں تکلیف ہو جس کو پھوڑا نکل آئے اور جس کی داڑھ میں درد ہو) کومرفوعاً روایت کیا اور ہقل نے یحییٰ بن ابی کثیر پر موقوف رکھا تو شدت طعن کے ساتھ مخالفت اوثق نے حدیث کو منکر بھی کر دیا ولہذا بیہقی نے موقوف کو "**هو الصحيح**" بتایا،امام حافظ نے فرمایا:

تصحيحه وقفه لا يوجب الحكم بوضعه اذ مسلمة وان كان ضعيفا لم يجرح بكذب فجزم ابن الجوزي بوضعه وهم، اهـ نقله الزرقاني قبيل مامر. (شرح الزرقانی علی المواهب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبه صلی الله علیه ولسم مطبوعه مطبعة عامره مصر ۷/ ۵۸)

امام بیہقی کا موقوف روایت کوصحیح بتانا اس کا مقتضی نہیں کہ مرفوع روایت موضوع ہو کیوں کہ مسلمہ اگر چہ ضعیف ہے لیکن اس پر کذب کا طعن نہیں لہٰذا ابن جوزی کا اس کوموضوع قرار دینا وہم ہے اھ اسے امام زرقانی نے پہلی حدیث سے کچھ پہلے نقل کیا ہے۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ منصور عباسی سے ارشاد کہ اپنا منہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں پھیرتا ہے وہ تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ الصلاۃ واسلام کا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں ،ان کی طرف منہ کر اور ان سے شفاعت مانگا کر اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا جسے اکابر ائمہ نے باسانید جیدہ مقبولہ روایت فرمایا :ابن تیمیہ متہور نے جزافا بک دیا کہ **ان هذه الحكاية كذب على مالك** ۔اس واقعہ کاامام مالک سے نقل کرنا جھوٹ ہے۔

علامہ زرقانی نے اس کے رد میں فرمایا:

هذا تهور عجيب فان الحكاية رواها أبو الحسن علي بن فهر في كتابه فضائل مالك باسناد لا باس به، وأخرجها القاضي عياض في الشفاء من طريقه عن شيوخ عدة من ثقات مشايخه فمن أين أنها كذب وليس في اسنادها وضاع ولا كذاب. (شرح الزرقاني على المواهب الفصل الثانی المقصد العاشر مطبوعه مطبعه عامره مصر ۸/۳۴۸)

یہ عجب بے باکی ہے کیوں کہ اس واقعہ کو شیخ ابوالحسن بن فہر نے اپنی کتاب فضائل مالک میں ایسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں کمزوری نہیں اور اسے قاضی عیاض نے شفا میں اپنے ثقات مشائخ میں سے متعدد شیوخ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ تو اس کے جھوٹ ہونے کا حکم کہاں سے کر دیا؟ حالاں کہ اس کی سند میں نہ کوئی راوی وضاع ہے اور نہ ہی کذاب۔

افادہ نہم میں امام الشان وامام خاتم الحفاظ کا ارشاد گزرا کہ راوی متروک سہی کسی نے اسے وضاع تو نہ کہا امام آخر کا قول گزرا کہ مسلمہ ضعیف سہی اس پر طعن کذب تو نہیں، نیز تعقبات میں فرمایا:

لم يجرح بكذب فلا يلزم أن يكون حديثه موضوعا. (التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، ص:۸)

اس پر کذب کا طعن نہیں لہٰذا اس کی روایت کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

بہت علما جہاں حدیث پر سے حکم وضع اٹھاتے ہیں وجہ رد میں کذب کے ساتھ تہمت کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں افادہ دوم میں امام زرکشی وامام سیوطی کا ارشاد گزرا کہ حدیث موضوع نہیں ہوتی جب تک راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ افادہ پنجم میں گزرا کہ ابو الفرج نے کہا ملیکی متروک ہے تعقبات میں فرمایا متہم بکذب تو نہیں افادہ نہم میں انہی دونوں ائمہ کا قول گزرا کہ راوی متروک سہی متہم بالکذب تو نہیں۔ وہیں امام خاتم الحفاظ کے چار ۴/قول گزرے کہ راویوں کے مجہول، مجروح، کثیر الخطا، متروک ہونے سب کے یہی جواب دیے۔

کسی سند کے اعتبار سے موضوع ہونے سے اصل حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں:

محدثین کا کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے جس سے اصل حدیث کا موضوع یا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔ امام اہل سنت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ منیر العین میں فرماتے ہیں:

جو حدیث فی نفسہ ان پندرہ ۱۵/دلائل سے منزہ ہو محدث اگر اس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اس سند پر جو اس وقت اس کے پیش نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث اگرچہ فی نفسہ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع وباطل اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافا ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل حاصل ائمہ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کا حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے ناواقفوں کی فہم سخیف ہے، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے:

ابراهيم بن موسى المروزي عن مالك عن نافع عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما حديث "طلب العلم فريضة" قال احمد بن جنبل: "هذا كذب" يعني بهذا الاسناد والا فالمتن له طرق ضعيفة. (ميزان الاعتدال ترجمه ابراهيم بن موسى المرومی مطبوعه دارالمعرفة بيروت، ۱/ ۶۹)

"ابراہیم بن موسی المروزی مالک سے وہ نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث "طلب العلم فريضة" روایت کرتے ہیں امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کے بارے

میں فرمایا: ''ھذا کذب'' اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس سند سے کذب ہے ورنہ اصل حدیث تو کئی ضعیف سندوں سے وارد ہے''۔

امام شمس الدین ابوالخیر محمد محمد ابن الجزری استاد امام الشان امام ابن حجر عقسلانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حصن حصین شریف میں جس کی نسبت فرمایا:

''فليعلم أني أر جوأن يكون جميع مافيه صحيحا. (حصن حصين مقدمه كتاب نولكشور لكهنؤ ص ۵)

''معلوم رہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں ہیں سب صحیح ہیں۔''

حدیث حاکم وابن مردودیہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ تعزیت نامہ ارسال فرمایا ذکر کی ،مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس کی شرح حرزثمین میں لکھتے ہیں:

صرح ابن الجوزي بأن هذا الحديث موضوع قلت يمكن أن يكون بالنسبة الى اسناده المذكور عنده موضوعا. (حرزثمين مع حصن حصين تعزية اهل رسول الله عندوفاة ،نولكشور لكهنؤص ۴۱۰)

ابن جوزی نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے میں کہتا ہوں ممکن ہے ان کے پاس جو سند ذکر ہوئی اس کے اعتبار سے موضوع ہو۔

اسی طرح حرزوصین میں ہے، نیز موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں

ما اختلفوا في أنه موضوع تركت ذكره للحذر من الخطر لاحتمال أن يكون موضوعا من طريق وصحيحا من وجه آخر الخ. (الاسرار المرفوعه فى الاخبار الموضوعه الدافع للمؤلف لتاليف هذا المختصر مطبوعه دارالكتب العلميه بيروت لبنان ص ۴۵.۴۶)

''جس کے موضوع ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے تو میں نے اس حدیث کا ذکر اس خطرہ کے پیش نظر ترک کیا کہ ممکن ہے یہ ایک سند کے اعتبار سے موضوع ہو اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہوالخ''۔

علامہ زرقانی حدیث احیاے ابوین کریمین کی نسبت فرماتے ہیں:

''قال السهيلي ان في اسناده مجاهيل وهو يفيد ضعفه فقط، وبه صرح فى موضع آخر من الروض وأيده بحديث ولا ينافي هذا تو جيه صحته لأن مراده من غير هذا الطريق، ان وجد أو في نفس الأمر لأن الحكم بالضعف وغيره انما هو في الظاهر''. (شرح زرقانى على المواهب باب وفاة امه وما يتعلق بابويه صلى الله عليه وسلم مطبوعه المطبعة العامره مصر ۱/۱۹۶)

سہیلی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں کئی راوی مجہول ہیں (اس سے اس کا صرف ضعیف ہونا معلوم ہوتا ہے۔اسی کو سہیلی نے الروض الأنف میں دوسری جگہ صراحۃً لکھا ہے اور ایک حدیث سے اس کی تائید کی۔ یہ حکم ضعف اس حدیث کو صحیح بتانے کے منافی نہیں۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی دوسری سند ہو جس کے لحاظ سے وہ صحیح ہو یا نفس الامر کے اعتبار سے صحت مراد ہو اس لیے کہ ضعف وغیرہ کا حکم بلحاظ ظاہر ہوا کرتا ہے۔

اور سنیے حدیث:

صلاة بسواک خير من سبعين صلاة بغير سواک. (مسند احمد بن حنبل از مسند عائشه رضى الله تعالىٰ عنها مطبوعه دارالفكر بيروت ۶/۲۷۲)

''مسواک کے ساتھ نماز بے مسواک کی ستر ۷۰ نمازوں سے بہتر ہے''۔

ابونعیم نے کتاب السواک میں دو جید وصحیح سندوں سے روایت کی ،امام ضیا نے اسے صحیح مختارہ اور حاکم نے صحیح مستدرک میں داخل کیا اور کہا شرط مسلم پر صحیح ہے۔امام احمد وابن خزیمہ وحارث بن ابی اسامہ وابویعلی وابن عدی و بزار وحاکم وبیہقی وابونعیم وغیرہم اجلۂ محدثین نے بطریق عدیدہ واسانید متنوعہ احادیث ام المومنین

صدیقہ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمرو جابر بن عبداللہ وانس بن مالک وام الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تخریج کی ،جس کے بعد حدیث پر حکم بطلان قطعا محال ، با این ہمہ ابوعمر ابن عبدالبر نے تمہید میں امام ابن معین سے اس کا بطلان نقل کیا ،علامہ شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ میں اسے ذکر کر کے فرماتے ہیں:

قول ابن عبد البر في التمهيد عن ابن معين، أنه حديث باطل، هو بالنسبة لما وقع له من طرقه. (المقاصد الحسنة للسحاوى حديث ٢٢٥/مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت لبنان ص ٢٦٣)

''یعنی امام ابن معین کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث باطل ہے اس سند کی نسبت ہے جو انہیں پہنچی''۔

ورنہ حدیث تو باطل کیا معنے ضعیف بھی نہیں ،اقل درجہ حسن ثابت ہے۔

اور سنیے حدیث حسن صحیح مروی سن ابی داؤد ونسائی وصحیح مختارہ وغیرہا صحاح وسنن:

ان رجلا أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: ان امرأتي لا تدفع يد لامس، قال طلقها، قال اني أحبها، قال: استمتع بها. (سنن النسائى باب ماجاء فى الخلع مطبوعه المكتبة السلفيه لاهور ٩٨/٢)

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میری بیوی کسی بھی چھونے والے کے ہاتھ کو منع نہیں کرتی فرمایا: اسے طلاق دے دے۔عرض کیا: میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔تو آپ نے فرمایا اس سے نفع حاصل کر''۔

کہ باسانید ثقات وموثقین احادیث جابر بن عبداللہ وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آئی ،امام ذہبی نے مختصر سنن میں کہا: ''اسنادہ صالح''۔اس کی سند صالح ہے۔

امام عبدالعظیم منذری نے مختصر سنن میں فرمایا:

رسال اسناده محتج بهم في الصحيحين على الاتفاق والانفراد. (مختصر سنن ابى داؤد للحافظ المنذرى باب النهى عن ترويج من لم يلد من النساء الخ مطبوعه المكتبة الاثريه سانگله هل ٦/٣)

''اس روایت کے تمام راوی ایسے ہیں جن سے بخاری ومسلم میں اتفاقا اور انفرادا استدلال کیا ہے''

امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا:''حسن صحیح'' اس حدیث کو جو حافظ ابو الفرج نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد''وليس له أصل ولا يثبت عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم'' (اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے) کی تبعیت سے لا أصل له کہا،امام الشان حدیث کا صحیح ہونا ثابت کر کے فرماتے ہیں:

لا يلتفت الى ماوقع من أبي الفرج ابن الجوزي، حيث ذكر هذا الحديث في الموضوعات، ولم يذكر من طرقه الاالطريق التي أخرجها الخلال من طريق أبي الزبير عن جابر، واعتمد في بطلانه على مانقله الخلال عن أحمد، فأبان ذلک عن قلة اطلاع ابن الجوزي وغلبة التقليد عليه، حتى حكم بوضع الحديث بمجرد ما جاء عن امامه، ولو عرضت هذه الطرق على امامه لا عترف على أن للحديث أصلا ولكنه لم تقع له فلذلک لم أر له في مسنده، ولا فيما يروى عنه ذكرا أصلا لا من طريقابن عباس ولا من طريق جابر سوى ماسأله عنه الخلال وهو معذور في جوابه بالنسبة لتلک الطريق بخصوصها اهـ، ذكره في اللآ لي. (٢)اللآلى المصنوعه كتاب النكاح ١٧٣/٢)

ابن الجوزی کا اسے موضوعات میں لانا قابل التفات نہیں۔ انھوں نے اس کی صرف وہ سند ذکر کی ہے جو خلال نے بطریق ابی زبیر، جابر سے روایت کی۔اس کے باطل ہونے سے متعلق امام احمد سے خلال نے جو نقل کیا اسی پر اعتماد کرلیا۔اس سے ابن الجوزی کی

قلت اطلاع اور غلبۂ تقلید کا ظہور ہوتا ہے کہ ان کو اپنے امام سے جو روایت ملی محض اس کی بنیاد پر حدیث کو موضوع کہہ دیا۔ اگر ان کے امام کے سامنے یہ ساری سندیں پیش ہوتیں تو وہ اعتراف کرتے کہ حدیث کی اصل موجود ہے مگر یہ طرق ان کو نہ ملے کیونکہ ان کی مسند میں اور ان کی دیگر مرویات میں اس کا کوئی ذکر میں نے نہ دیکھا نہ بطریق ابن عباس، نہ بطریق جابر۔ انھیں صرف وہی طریق ملا جس سے متعلق خلال نے ان سے دریافت کیا تو خاص اس طریق کے لحاظ سے جواب دینے میں وہ معذور ہیں۔ اھ امام سیوطی نے اسے لآلی میں ذکر کیا۔

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جامع ترمذی میں ہے:

"قال عبد الله بن المبارک :لم یثبت حدیث عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یرفع یدیه الا فی اول مرة ."(باب رفع الیدین عند الرکوع)

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ثابت نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین فرمایا۔"

جب کہ خود امام ترمذی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترک رفع والی حدیث تخریج فرمانے کے بعد فرمایا:

"قال ابو عیسی: حدیث ابن مسعود حدیث حسن، وبه یقول غیر واحد من أهل العلم من أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم والتابعین وهو قول سفیان وأهل الکوفة ."(مصدر سابق)

"ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن ہے اور یہی قول صحابۂ کرام اور تابعین میں بہت سے اہل علم کا ہے اور یہ قول سفیان اور اہل کوفہ کا ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام عبداللہ بن مبارک نے جو کچھ اس حدیث کے تعلق سے فرمایا وہ کسی ایک خاص سند کے اعتبار سے ہے نہ کہ اصل حدیث کے اعتبار سے، لہٰذا اس قول سے اصل حدیث کا غیر ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"وما نقل عن ابن المبارک انه قال: لم یثبت عندی حدیث ابن مسعود"فغیر ضائر بعد ماثبت بالطریق اَللّتی ذکرنا". (۱/ ۲۶۹)

اور ابن المبارک سے ان کا جو یہ قول منقول ہے کہ میرے نزدیک ابن مسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ثابت نہیں، تو یہ ہمارے ذکر کردہ طریقے سے اس حدیث کے ثابت ہونے کے بعد مضر نہیں ہے"۔ (منیر العین افادہ یازدہم، مترجم جلد۵)

اس کی مزید توضیح آگے آرہی ہے۔

تعدد طرق سے حدیث ضعیف حسن ہوجاتی ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز رسالہ منیر العین میں فرماتے ہیں:

حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں بلکہ اگر ضعف غایت شدت وقوت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکام حلال وحرام میں حجت ہوجاتی ہے مرقاۃ میں ہے:

تعدد الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ آخر الفصل الثانی باب مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان ۱۸/۳)

متعدد روایتوں سے آنا حدیث ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔

آخر موضوعات کبیر میں فرمایا:

تعدد الطرق ولو ضعفت یرقی الحدیث الی الحسن. (الاسرار المرفوعه فی اخبار الموضوعه احادیث الحیض مطبوعه دارالکتب العلمیة بیروت

لبنان ص ۳۴۶)

''طرق متعدوہ اگر چہ ضعیف ہوں حدیث کو درجہ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔''

محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لو تم تضعيف كلها كانت حسنة لتعدد الطرق وكثرتها. (فتح القدير صفة الصلوٰة بحث سجود على العمامة مطبوعه نوريه رضويه سكهر ۱/۲۶۶)

گرسب کا ضعف ثابت ہو بھی جائے تاہم حدیث حسن ہوگی کہ طرق متعدد وکثیر ہیں۔''

اسی میں فرمایا:

جازفي الحسن أن يرتفع الى الصحة اذا كثرت طرقه والضعيف يصير حجة بذلك لأن تعدده قرينة على ثبوته فی نفس الأمر. (فتح القدير باب النوافل مطبوعه نوريه رضويه سكهر، ۱/۳۸۹)

''جائز ہے کہ حسن کثرت طرق سے صحت تک ترقی پائے اور حدیث ضعیف اس کے سبب حجت ہو جاتی ہے کہ تعدد اسانید ثبوت واقعی پر قرینہ ہے۔

امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

قد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذا كثرت طرقه وألحقوه بالصحيح تارة، وبالحسن أخرى، وهذا النوع من الضعيف يوجد كثيرا فی كتاب السنن الكبرى للبيهقي التي ألفها بقصد الاحتجاج لأقوال الأئمة وأقوال أصحابهم.

(الميزان الكبرىٰ للشعرانی فصل ثالث من فصول فی الاجوبة عن الامام مطبوعه مصطفى البابى مصر، ۱/۶۸)

بیشک جمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو کثرت طرق سے حجت مانا اور اسے کبھی صحیح اور کبھی حسن سے ملحق کیا اس قسم کی ضعیف حدیثیں امام بیہقی کے سنن کبریٰ میں بکثرت پائی جاتی ہیں جسے انھوں نے ائمہ مجتہدین واصحاب ائمہ کے مذاہب پر دلائل بیان کرنے کی غرض سے تالیف فرمایا''۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں دربارہ حدیث ''توسعه على العيال يوم عاشوراء'' امام ابوبکر بیہقی سے ناقل:

هذه الأسانيد وان كانت ضعيفة لكنها اذا ضم بعضها الى بعض أحدثت قوة.

''یہ سندیں اگر چہ سب ضعیف ہیں مگر آپس میں مل کر قوت پیدا کریں گی''۔

بلکہ امام جلیل جلال سیوطی تعقبات میں فرماتے ہیں:

المتروک أو المنكر اذا تعددت طرقه ارتقى الى درجة الضعيف الغريب ،بل ربما ارتقى الى الحسن .

''یعنی متروک یا منکر کہ سخت قوی الضعف ہیں یہ بھی تعدد طرق سے ضعیف غریب ، بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک ترقی کرتی ہیں''۔ (رسالہ منیر العین ،افادہ دوازدہم مشمولہ فتاوی رضویہ مترجم ج:۵/ص ۴۷۲/۴۷۳)

فن جرح وتعدیل میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی تحقیقات کے یہ چند نمونے ہیں جو نذر قارئین کیے گئے ہیں اور اگر اس فن میں ساری تحقیقات رضویہ یک جا کر دی جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی اور صرف فن جرح وتعدیل کی تخصیص نہیں بلکہ تمام علوم حدیث میں خواہ روایت حدیث سے ہی متعلق ہوں یا درایت حدیث سے آپ کے فتاویٰ اور رسائل میں علمی وفکری نکات ملتے ہیں اور اصول حنفیہ اور مناہج محدثین کی روشنی میں تحقیقی بحثیں نظر آتی ہیں جنھیں دیکھ کر برملا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کو صرف علم جرح وتعدیل ہی نہیں بلکہ سارے علوم حدیث میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔

☆☆☆

امام احمد رضا اور فن اسماء الرجال

مقالہ نگار

مفتی سراج احمد قادری مصباحی (سیتامڑھی: بہار)

حضرت مولانا مفتی سراج احمد قادری مصباحی بن عبدالحلیم صاحب ۸: ستمبر ۱۹۹۲ء کو سیتامڑھی (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقائی مدارس میں پائی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۴ء میں شعبہ فضیلت کی سند و دستار حاصل کی، پھر دو سال تک جامعہ اشرفیہ میں شعبہ تحقیق فی الحدیث کی تکمیل اور افتا کی تربیت پاکر ۲۰۱۶ء میں فراغت حاصل کی۔ دار العلوم شاہ عالم (احمد آباد: گجرات) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ متعدد عربی کتابوں کے اردو تراجم کیے۔ متعدد کتابوں میں تحقیق و تخریج اور حاشیہ نگاری کی خدمت انجام دی۔ متعدد کتابیں تالیف فرمائی۔ مختلف موضوعات پر مضامین و مقالات کی تعداد بھی قریباً ایک درجن ہے۔

رابطہ نمبر: 6355155781

امام احمد رضا اور فن اسماء الرجال

فن اسماء الرجال کی تعریف:

یہ وہ علم ہے جس کے اندر رجال حدیث وراویان حدیث کے احوال وکوائف مثلا حسب ونسب، علم وفضل، حفظ وذکاوت، ثقہ وغیر ثقہ، پیدائش ووفات، اسفار ورحلات وغیرہ کے متعلق بحث ہوتی ہے اور پھر راویوں کے مراتب اور احادیث کی صحت وضعف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

فن اسماء الرجال کی تعریف علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"التعریف بالوقت الذی تضبط به الاحوال في المواليد والوفيات ،ويلتحق به ما يتفق من الحوادث والوقائع التي ينشأ عنها معان حسنة من تعديل وتجريح ونحو ذلک"

(فتح المغیث، ج:۴، ص:۳۰۹، دارالامام الطبری)

ترجمہ: اس وقت کی معرفت کا نام تاریخ ہے جس کے ساتھ ولادت ووفات کے حوالے سے احوال ضبط کیے جاتے ہیں اور اس سے ملحق وہ واقعات وحوادث بھی ہیں جن سے عدالت وجرح اور کوئی خوبی ظاہر ہو۔

فن اسماء الرجال کا موضوع:

ڈاکٹر محمد الصباغ اپنی کتاب "الحدیث النبوی مصطلحہ ، بلاغتہ، کتبہ" میں اس فن کے موضوع کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وموضوعه البحث في رواة الحديث وتاريخهم وكل ما يتعلق بشؤونهم ونشأتهم وشيوخهم وتلامذتهم ورحلاتهم ومن اجتمعوا به أو من لم يجتمعوا به من اهل عصرهم، ومركزهم العلمي في عصرهم وعاداتهم وطبائعهم وأخلاقهم ،وشهادة عارفيهم لهم او عليهم ،وسائر ما له صلة بتكوين الثقة والحكم عليهم جرحا او تعديلا".

(محمد الصباغ ،الحدیث النبوی مصطلحہ ، بلاغتہ، کتبہ، ص:۱۹۲، المکتب الاسلامی بیروت، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۱ھ)

ترجمہ: اس علم کا موضوع راویان حدیث، ان کی تاریخ اور ہر وہ امور جو ان کی زندگی کے نشیب وفراز سے متعلق ہو، ان کے شیوخ، تلامذہ، اسفار علمیہ، ان کے زمانے میں سے کسی کا اتفاق کرنا یا نہ کرنا، ان کے زمانے میں ان کا علمی مرکز، عادات واخلاق وطبائع اور محدثین کا ان کے حق یا ان کے خلاف میں شہادۃ اور ہر اس وصف سے بحث کرنا ہے کہ جس کا ان کی ثقاہت یا مجروح وعادل ہونے سے متعلق ہو۔

فن اسماء الرجال کی غرض وغایت:

یہ ہے کہ حدیث کے راویوں کے احوال کی تحقیق وتفتیش کی جائے کہ وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں اگر لائق اعتبار ہے تو اس سے حدیث لے لی جائے ورنہ اسے ترک کردیا جائے۔ ہمارے دین کے بنیادی احکام کا مدار قرآن کے بعد یہی حدیث رسول ﷺ ہے اگر ہم نے راویوں کی چھان بین نہ کی اور جس سے چاہا اس سے روایت قبول کرلی تو ممکن ہے کہ ہمارے دین میں وہ باتیں بھی شامل ہوجائیں گی جن کی کوئی اصل نہیں اور پھر دین میں اصل وبے اصل امور داخل ہوجائیں گے نتیجہ کے طور پر دین کے اندر فساد وبگاڑ کا خدشہ کیا جانے لگے گا۔

فن اسماء الرجال کی تاریخ:

نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال وتقریرات کی حفاظت وصیانت کرنا مسلمانوں کے اہم دینی فرائض سے ہے، کیوں کہ کتاب اللہ کے بعد احکام شرعیہ کی دوسری اصل اور بنیاد حدیث رسول ﷺ ہی ہے، اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کے لیے سب سے پہلے اصحاب رسول ﷺ کو چنا، انھوں نے کلمات نبویہ کو اپنے قوی حافظو ں اور محکم سینوں میں محفوظ رکھا اور امانت ودیانت کے ساتھ بعد والوں کو یہ گراں قدر امانت، جلیل الشان ذخیرہ اور اہم علمی سرمایہ سپرد فرمایا۔

حدیث کو روایت کرنے والے جب تک صحابہ کرام تھے اس فن کی کوئی ضرورت نہ تھی پھر جب افتراق وانتشار رونما ہوئے اور فتنے، فسادات عام ہوئے، اختلاف وانتشار وبدعات کا آغاز ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی طرف غلط باتیں منسوب ہونے لگی، ضعفاء کی تعداد میں اضافہ، اسباب ضعف میں تنوع، دروغ گوئی کی کثرت ہوئی تو کچھ ہوس پرستوں نے اپنے ناپاک مقاصد کے لیے اس اہم علمی سرمایہ میں ردوبدل اور تحریف کی ناپاک کوششیں کیں تاکہ مسلمانوں کا تعلق اسلام سے کمزور کرکے اسلام کو نیست ونابود کردیں تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان علمی ودینی سرمایہ کی نگہداشت کے لیے ایسے اسباب ووسائل مہیا فرمایا کہ ان کی ساری کوششیں ناکام ہوگئیں اور ان کی ساری آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔

چنانچہ ایسے ائمہ جرح وتعدیل پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی جفاکش اور جہد پیہم محنت سے اس عظیم سرمائے کی ایسی حفاظت فرمائی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرکے رکھ دیا، راویان حدیث کے احوال وکوائف کو جانچنے کے لیے اصول مقرر کئے اور ان پر نقد وجرح کے لیے ایک معیار قائم کیا جس کے ذریعہ صحیح، ضعیف، اصل اور بے اصل روایتوں میں فرق کیا جاسکے اور خواہش پرستوں کی ہوس پرستی کا دروازہ بند کیا جاسکے، پھر رفتہ رفتہ اسے ایک فن کی حیثیت حاصل ہوئی جسے محدثین کے عرف میں ”فن اسماء الرجال وفن جرح وتعدیل“ کہا جانے لگا۔

رجال حدیث کا علم علوم حدیث کے اہم علوم سے ہے اس لیے کہ علم حدیث میں متن وسند سے بحث ہوتی ہے اور سند میں مذکور لوگ ہی رجال حدیث کہلاتے ہیں اس لیے اس فن کے ماہرین نے اس علم کا کافی اہتمام فرمایا ہے۔ اسانید پر کلام، راویوں کے حالات زندگی کی تحقیق وتفتیش اور ان پر جرح وتعدیل کے اعتبار سے حکم لگانے کا کام بھی شروع ہوا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فن کا آغاز کب سے ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس فن کا آغاز صحابۂ کرام کے زمانے سے ہی ہوچکا تھا روایت لینے کے وقت یہ دیکھا جاتا تھا کہ روایت کرنے والا اہل سنت سے ہے یا اہل بدعت سے اگر اہل سنت سے ہوتا تو اس کی روایت قبول کرلی جاتی اور اگر اہل بدعت سے ہوتا تو قابل ردقرار دیا جاتا۔ جیسا کہ حضرت امام محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

”لم یکونوا یسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الیٰ أهل السنة فیوخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم“
(مقدمہ، صحیح مسلم، ص:۱۱)

لوگ پہلے سند کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے مگر جب فتنہ (شہادت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رونما ہوا تو لوگوں نے کہا: ہم سے اپنے رجال کے نام بتائیے تو اگر رجال حدیث اہل سنت سے نظر آتے تو ان کی حدیث لی جاتی اور اگر اہل بدعت سے ہوتے تو ان کی روایت کی ہوئی حدیث نہیں لی جاتی۔

اس عبارت سے پتہ چلا کہ اس فن کا آغاز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ہی ہوچکا تھا کیوں کہ عبارت ”الفتنة“ سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ جب کہ بخاری شریف کی ایک روایت ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس فن کا آغاز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے شروع

ہوا۔اس روایت کا مفہوم یہ ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں انصار کی ایک مجلس میں تھا کہ حضرت موسیٰ اشعری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تشریف لائے،خوفزدہ لگ رہے تھے،فرمایا: میں نے حضرت عمر کی بارگاہ میں تین مرتبہ جانے کی اجازت چاہی پر مجھے اجازت نہ دی گئی تو میں لوٹ آیا،لوٹ ہی رہا تھا کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ کس بات نے تمہیں روک رکھا ہے میں نے کہا تین بار اجازت طلب کی لیکن مجھے اجازت نہ ملی اس لیے میں واپس ہوگیا۔اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ تم میں سے کوئی تین بار اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس ہوجائے۔حضرت عمر نے فرمایا: قسم بخدا اس پر بینہ قائم کرو کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے اس حدیث کو نبی اکرم ﷺ سے سنی ہو ۔ابی بن کعب نے کہا قسم بخدا تمہارے ساتھ وہی کھڑا ہوگا جو قوم میں سب سے کم سن ہے،حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ میں ہی سب سے کم عمر والا تھا میں ان کے ساتھ اٹھا اور حضرت عمر کو بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا۔(محمد بن اسماعیل بخاری ،صحیح البخاری کتاب الاستئذان،ص:۹۲۳،ج:۲،مجلس برکات)

امام ابن حبان فرماتے ہیں: **فأول من فتش عن الرجال وبحث عن النقل فی الاخبار عمر بن الخطاب و ابو موسی اشعری.** (مقدمہ المجروحین، ج:۱،ص:۳۸) سب سے پہلے رجال کے بارے میں تفتیش اور روایت احادیث میں تحقیق حضرت عمر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کی ہے۔

فن اسماء الرجال کے ماہرین:

فن کے چند مشہور ماہرین درج ذیل ہیں:

(۱)اوزاعی عبدالرحمٰن بن عمرو (م۱۵۷ھ)

(۲)شعبہ بن حجاج (م۱۶۰ھ)

(۳)سفیان ثوری (م۱۶۱ھ)

(۴)عبداللہ بن مبارک (م۱۸۱ھ)

(۵)وکیع بن جراح (م۱۹۷ھ)

(۶)سفیان بن عیینہ (م۱۹۸ھ)

(۷)یحییٰ بن سعید قطان (م۱۹۸)

(۸)محمد بن سعد کاتب واقدی (م۲۳۰)

(۹)یحییٰ بن معین (م۲۳۳)

(۱۰)علی بن مدینی (م۲۳۴)

(۱۱)احمد بن حنبل (م۲۴۱)

(۱۲)محمد بن اسماعیل بخاری (م۲۵۶)

(۱۳)مسلم بن حجاج قشیری (م۲۶۱)

(۱۴)احمد بن عبداللہ عجلی (م۲۶۱)

(۱۵)ابوزرعہ عبدالکریم رازی (م۲۶۴)

(۱۶)ابوحاتم محمد بن ادریس رازی (م۲۷۷)

(۱۷)ابوعبدالرحمٰن نسائی (م۳۰۳ھ)

(۱۸)ابن ابی حاتم رازی (م۳۲۷ھ)

(۱۹)ابوحاتم محمد بن حبان بستی (م۳۵۴ھ)

(۲۰)ابواحمد بن عدی (م۳۶۵ھ)

(۲۱)ابوالحسن دارقطنی (م۳۸۵ھ)

(۲۲)ابوعبداللہ حاکم (م۴۰۵ھ)

(۲۳)ابوبکر بیہقی (م۴۵۸ھ)

(۲۴)خطیب بغدادی (م۴۶۳ھ)

(۲۵)ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ)

(۲۶)ابوالقاسم ابن عساکر (م۵۷۱ھ)

(۲۷)ابن جوزی (م۵۹۷ھ)

(۲۸)عبدالغنی مقدسی (م۶۰۰ھ)

(۲۹)ابوعمرو بن الصلاح (م۶۴۳ھ)

(۳۰)ابوحجاج مزی (م۷۴۲ھ)

(۳۱)ابوعبداللہ ذہبی (م۷۴۸ھ)

(۳۲)حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ)

(۳۳)بدرالدین عینی (م۸۵۵ھ)۔

یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ سارے ماہرین کا تذکرہ کیا جائے البتہ ہم نے چند مشہور ماہرین کو ذکر کردیا ہے۔ان ماہرین کا تفصیلی خاکہ جاننے کے لیے علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ''، حاجی خلیفہ کی کتاب ''کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون''، علامہ کتانی کی کتاب ''الرسالۃ المستطرفۃ'' کا مطالعہ کیا جائے۔

محمد بن الصباغ اپنی کتاب میں چند ماہرین کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''ومن الذین اشتغلوا بھذا العلم البخاری والخطیب البغدادی والحافظ المزی والحافظ الذھبی والحافظ ابن حجر'' (محمد الصباغ، الحدیث النبوی مصطلحہ، بلاغتہ، کتبہ، ص:۱۹۳، المکتب الاسلامی بیروت، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۱ھ)

فن کی اہم کتابوں کا اجمالی تذکرہ: (۱) تاریخ کبیر امام محمد بن اسماعیل البخاری (۲) کتاب الجرح والتعدیل امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابومحمد بن ابی حاتم الرازی (۳) کتاب الکامل فی اسماء الرجال امام عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی (۴) الکامل فی ضعفاء الرجال امام عبداللہ بن عدی الجرجانی (۵) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال امام یوسف بن الزکی المزی۔ یہ کتاب عبدالغنی مقدسی کی کتاب الکمال فی اسماء الرجال کی تہذیب ہے (۶) میزان الاعتدال امام محمد بن احمد الذہبی (۷) تہذیب التہذیب امام احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔ یہ یوسف المزی کی تہذیب کی تہذیب ہے ابن حجر عسقلانی نے اصل کتاب کا مختصر خلاصہ بھی لکھا جو تقریب التہذیب کے نام سے مشہور ہے۔(۸) لسان المیزان امام احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۹) (۱۰) البدایہ والنہایہ ابن کثیر (۱۱) سیر اعلام النبلاء امام ذہبی (۱۲) تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی (۱۳) طبقات الحفاظ امام سیوطی (۱۴) الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ ابومحمد عبدالقادر بن ابو الوفا محمد بن محمد بن نصر قریشی مصری (۱۴) التاریخ امام علی بن مدینی (۱۵) المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ابن جوزی (۱۶) تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام امام ذہبی۔

اعلیٰ حضرت اور فن اسماء الرجال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی چودھویں صدی کی اس عظیم ترین علمی، اور عبقری شخصیت کا نام ہے کہ جن کی نظر عمیق اور روشن نگاہ پچاس سے زائد علوم وفنون کو حاوی تھی۔آپ علم تفسیر، اصول تفسیر، رسم خط قرآن، حدیث، اسانید حدیث، اصول حدیث، تخریج حدیث، جرح وتعدیل، اسماء الرجال، لغت حدیث، فقہ، اصول فقہ، رسم المفتی، فرائض تجوید، عقائد وکلام، مناظرہ، فضائل، سیر، مناقب، تاریخ، تصوف، سلوک، ادب، نحو، صرف، لغت، عروض، تعبیر، اوفاق، تکسیر، جفر وغیرہ علوم وفنون کے جامع تھے۔

لیکن ان سب علوم وفنون میں آپ کی علمی اور فنی تحقیقات سے قطع نظر ہم اس مقالے میں فن اسماء الرجال کے حوالے سے گفتگو کریں گے اور اس بات کا ثبوت فراہم کریں گے کہ واقعی بلاشک وشبہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عظیم فقیہ، مدبر، مفکر کے ساتھ ساتھ ایک عظیم محدث اور فن اسماء الرجال میں زبردست مہارت بھی رکھتے تھے، آپ علم حدیث اور فن اسماء الرجال میں ہر حیثیت سے یگانۂ روزگار اور اپنی مثال آپ تھے۔

فن میں مہارت کا علمائے ملت کا اعتراف:

حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

علم حدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت از بر، علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے، اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا

۔یحییٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس یحییٰ کے طبقہ واستاذ وشاگرد کا نام بتادیا تو اس فن کے خود اعلیٰ حضرت موجد تھے کہ طبقہ واسماء سے بتادیتے تھے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علم مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت۔(محدثین عظام حیات وخدمات،ص:۶۷۶،بحوالہ خطبۂ صدارت،ناگپور،۱۳۷۹ھ)

صدرالافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت علم حدیث میں فرد تھے اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے اور علم رجال میں ان کو وہ دست گاہ حاصل تھی کی ایک ایک راوی حالات نوک زبان پر تھے اور معنی میں بحث ناسخ ومنسوخ کی تمیز یہ تو ان کا خاص فن تھا(ماہنامہ اشرفیہ ستمبر ۱۹۷۶ء ص:۳۴)

فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے علوم فنون کے ساتھ حدیث شریف میں بھی بصیرت کاملہ اور مہارت تامہ حاصل تھی۔(جامع الاحادیث ج:۱،ص:۲۴،مقدمہ)

رئیس القلم علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پاک ہند کے فقہا اور محدثین میں علم وتحقیق کے اعتبار سے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کوہ ہمالہ کی حیثیت رکھتی تھی۔اس قدر جامع العلوم،وسیع النظر اور کثیر التصانیف اور متبحر ان کے دور سے لیکر آج تک کوئی دوسرا عالم نظر نہیں آتا۔طرق حدیث، مراتب احادیث،اسماء الرجال،فقہ کے متون،شروح اور حواشی پر ان کی نظر اتنی وسیع ہے کہ ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والے بڑے بڑے علما حیران رہ جاتے ہیں(جامع الاحادیث:ج ۱،ص:۲۶،مقدمہ)

محمد بن اسحاق کے متعلق افادات:

۱۳۳۲ھ میں اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فتویٰ تحریر فرمایا تھا جس میں آپ نے دلائل وبراہین سے یہ ثابت فرمایا کہ جمعہ کے دن اذان خطبہ خارج مسجد منبر کے سامنے دی جائے اور اس کے ثبوت میں آپ نے ابوداؤد شریف کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی جو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت میں مسجد کے باہر دروازے پر دی جاتی تھی۔

(سنن ابی داؤد،ص:۱۵۵،ج:۱،باب النداء یوم الجمعہ،مجلس برکات)

سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ کے اس فتویٰ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث ساقط الاعتبار،نا قابل عمل ہے وجہ صرف یہ کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے جن پر رافضی ہونے کے تہمت ہے لہذا حدیث غیر معتبر اور یہ فتویٰ نا قابل تسلیم۔

امام احمد رضا نے مخالفین کی اس افترا پردازی اور بے اصل و بے بنیاد باتوں کی عقدہ کشائی کے لیے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نا"شمائم العنبر فی آداب النداء امام المنبر".ہے آپ نے اس کتاب کے اندر محمد بن اسحاق پر جو جرح کی گئی تھی اس کا رد بلیغ فرمایا اور ان کی تعدیل وتوثیق میں تحقیقات کے ایسے دریا بہائے جو اپنی مثال آپ ہیں۔ذیل میں کچھ اقتباسات پیش کیئے جارہے ہیں پڑھئے اور امام احمد رضا کی حدیث دانی،راویان حدیث پر عمیق نظری اور فن اسماء الرجال میں مہارت کا اندازہ لگائیے۔

"محمد بن اسحاق ثقة صدوق امام قال شعبة وابو زرعة والذهبی و ابن حجر:صدوق وقال الامام ابن المبارک انا وجدناه صدوقا،انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقا"

(علامہ ابن حجر عسقلانی،تہذیب التہذیب،ص:۵۰۷،ج

:۳،موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(کتاب الثقات لابن حبان،ص:۲۳۶،ج:۴،دار الکتاب العلمیہ، بیروت)

محمد بن اسحاق قابل بھروسہ،نہایت سچے امام ہیں۔ان کے بارے میں امام شعبی،ابوزرعہ اور ابن حجر نے فرمایا یہ بہت سچے ہیں۔ امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ہم نے انہیں صدوق پایا،ہم نے انہیں صدوق پایا،ہم نے انہیں صدوق پایا۔

"تلمذ له أئمة أجلاء كابن المبارك وشعبة وسفيان الثوری وابن عيينة والامام ابی يوسف واكثر عنه في كتاب الخراج له. وقال ابو زرعة الدمشقي أجمع الكبراء من أهل العلم على الاخذ عنه قال وقد اختبره أهل الحديث فرؤه صدقا وخيرا"۔

(علامہ ابن حجر عسقلانی،تہذیب التہذیب ، ص:۵۰۵، ج:۳،موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

امام عبداللہ بن مبارک۔امام شعبہ اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج"میں بہت زیادہ روایتیں کیں اور ان کی شاگردی اختیار کی۔امام ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا:اجلہ علما کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے اور آپ کو اہل علم نے آزمایا تو اہل صدوق وخیر پایا۔

وقال ابن عدی:لم يتخلف فی الرواية عنه الثقات والائمة ولا بأس به.

(امام ذہبی،میزان الاعتدال،ج:۳،ص:۴۷۴،دار المعرفۃ، بیروت)ابن عدی نے کہا: آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں اور آپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

"وقال علی ابن المدينی :ما رأيت احدا يتهم ابن اسحاق،،

(تہذیب التہذیب ،ص:۵۰۵،ج:۳،موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

امام علی بن المدینی نے کہا: کسی امام یا محدث کو ابن اسحاق پر جرح کرتے نہیں دیکھا۔

وقال سفيان بن عيينة :" جالست ابن اسحاق منذ بضع سنين وسبعين سنة وما يتهمه احد من اهل المدينة ولا يقول فيه شيئاً،، (علامہ ابن حجر عسقلانی،تہذیب التہذیب،ص:۵۰۵،ج:۳،موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

حضرت سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں: میں ستر سال سے زیادہ ابن اسحاق کی خدمت کرتا رہا اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا، نہ ان پر کچھ تنقید کی۔

وقال ابو معاوية :كان اسحق من احفظ الناس،،

(تہذیب التہذیب ،ص:۵۰۴،ج:۳،موسسۃ الرسالۃ بیروت)

امام ابومعاویہ نے فرمایا:ابن اسحاق لوگوں میں سب سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے۔

وقال الامام ابن معين :"الليث بن سعد اثبت فی يزيد بن ابی حبيب من محمد بن اسحاق"

(میزان الاعتدال،ج:۳،ص:۴۷۳،دار المعرفۃ، بیروت)

اور امام ابن معین نے فرمایا: یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے والوں میں لیث بن سعد ابن اسحاق سے زیادہ ثبت ہے۔

قلت ويزيد هذا كما قال ابن يونس روى عنه الاكابر من اهل مصر ،قلت كعمرو بن الحارث ،و حيٰوة بن شريح ،وسعيد بن ابی ايوب ، والليث بن سعد نفسه كلهم ثقات ، اثبات ، اجلاء ، ويحی بن ايوب الغافقی صدوق ، خمستهم من رجال الشيخين وعبدالله بن لهيعة صدوق حسن الحديث علىٰ ما استقر الامر عليه وعبد الله بن عياش كلاهما من رجال مسلم ومن غيرهم سليمٰن التيمی البصری وزيد بن

ابی انیسیة ثقتان من رجال الصحیحین وعبد الحمید بن جعفر المدنی الصدوق من رجا ل مسلم واٰخرون کثیرون ،ففی هذا تفضیل لا بن اسحاق علیهم جمیعا.

ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علماے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث، حیٰوۃ بن شریح، سعید بن ابی ایوب اور خود لیث بن سعد۔ یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں اور پانچویں یحییٰ بن ایوب غافقی صدوق ہیں اور یہ پانچوں رجال شیخین میں سے ہیں۔ عبداللہ بن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہے ان کے بارے میں ائمہ حدیث کی رائے اسی امر پر مستقر ہوئی اور عبداللہ بن عیاش یہ دونوں مسلم کی راویوں میں سے ہیں ان کے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین میں سے ہیں اور عبدالحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم میں سے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق ان سب سے افضل ہیں۔

وقا ل الامام شعبة :"لو کان لی سلطا ن لا مرت ابن اسحا ق علی المحدثین" (میزان الاعتدال، ج:۳،ص: ۴۷۳، دارالمعرفۃ، بیروت)

امام شعبہ نے فرمایا: میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحاق کو محدثین پر حاکم بناتا۔

وقا ل ایضا :"محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث"

(تہذیب التہذیب، ج:۳،ص:۵۰۶ ،موسسۃ الرسالۃ، بیروت) اور فرمایا کہ محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔

وفي روایة عنه قیل له لم قا ل لحفظه وفي اخریٰ عنه لو سوّد احد فی الحدیث لسود محمد بن اسحاق"

(تہذیب التہذیب ،ج:۳،ص:۵۰۶ موسسۃ الرسالۃ، بیروت) ایک روایت میں کہ کسی نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ تو حضرت شعبہ نے فرمایا: ان کی حفظ کی وجہ سے دوسری روایت میں ہے: محدثین میں سے اگر کوئی سردار ہوسکتا ہے تو وہ محمد بن اسحاق ہیں۔

وقا ل علي بن المدیني: مدار حدیث رسول الله ﷺ علیٰ ستة فذکرهم ثم قا ل فصار علم الستة عند اثنی عشر فذکر ابن اسحاق فیهم" ۔(تہذیب التہذیب ،ج:۳،ص:۵۰۶ موسسۃ الرسالۃ، بیروت) علی بن المدینی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں۔ پھر ان سب کے نام گنوائے اور فرمایا اس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائر ہوئیں اور ابن اسحاق ان بارہ میں ہیں۔

وقا ل الامام الزهری :"لا یزا ل بالمدینة علم جسم ما کان فیها ابن اسحا ق"

(تہذیب الکمال، ج:۱۶،ص:۴۷، دارالفکر، بیروت)

امام زہری فرماتے ہیں: مدینہ مجمع العلوم رہے گا جب تک یہاں محمد بن اسحاق رہیں گے۔

"وقد کا ن یتلقف المغازی من ابن اسحاق مع انه شیخه وشیخ الدنیا فی الحدیث"

(تہذیب التہذیب ،ج:۳،ص۵۰۵ ،موسسۃ الرسالۃ، بیروت) آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحاق پر ہی بھروسا کرتے تھے باوجودیکہ آپ حدیث میں ان کے استاذ تھے بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے۔

وقا ل شیخ الآخر عا صم بن عمربن قتاده :"لا یزال فی الناس علم ما بقی محمد بن اسحاق"

(تہذیب الکمال، ج:۱۶،ص:۴۷، دارالفکر، بیروت)

ابن اسحاق کے دوسرے استاذ عاصم بن عمر بن قتادہ نے فرمایا: جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں دنیا میں تمام علوم باقی رہیں گے۔

وقا ل عبد الله بن فا ئد:"کنا نجلس الی ابن اسحاق فا ذا اخذا فی فن من العلم ذهب المجلس

بذلک الفن"

(میزان الاعتدال، ج:۳،ص:۴۷۲،دارالمعرفۃ،بیروت)

عبداللہ بن فائد نے کہا: ہم لوگ ابن اسحاق کی مجلس میں ہو تے تھے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔

وقال ابن حبان :"لم یکن احد بالمدینة یقارب ابن اسحاق فی علمه ولا یوازیه فی جمعه وهو من احسن الناس سباقاالاخبار"

(تہذیب التہذیب ،ج:۳،ص:۵۰۷،موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ابن حبان نے کہا: مدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یا دیگر علوم وفنون کی ابن اسحاق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اورلوگوں سے آگے تھے۔

وقال ابو یعلیٰ الخلیل:"محمد بن اسحاق عالم کبیر واسع الروایة والعلم ثقة"

(تہذیب التہذیب ،ج:۳،ص:۵۰۷ ،موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ابویعلیٰ خلیل نے فرمایا: محمد بن اسحاق بہت بڑے عالم حدیث تھے۔روایت میں وسیع العلم اور ثقہ تھے۔

وکذالک قال یحییٰ بن معین و یحییٰ بن یحییٰ وعلی بن عبد الله (هو ابن المدینی شیخ البخاری) وأحمد العجلي ومحمد بن سعد وغیرهم :ان محمد بن اسحاق ثقة.

(میزان الاعتدال، ج:۳،ص۵۷۵،دارالمعرفۃ بیروت)

اسی طرح یحییٰ بن معین، یحییٰ بن یحییٰ، علی ابن عبداللہ المدینی استادامام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعدوغیرہ نے کہا: محمد بن اسحاق ثقہ ہیں۔

"وقال ابن البرتی :لم ار اهل الحدیث یختلفون فی ثقته و حسن حدیثه"

(تہذیب التہذیب ،ج:۳،ص:۵۰۷ ،موسسۃ الرسالۃ، بیروت) حضرت ابن البرتی نے فرمایا: علم حدیث والوں میں محمد بن اسحاق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ان کی حدیث، حدیث حسن ہے۔

وقال الحاکم عن البوشنجی :"شیخ البخاری هوعندنا ثقة"

(تہذیب التہذیب ، ج :۳،ص:۵۰۷،موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اور حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ ابن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

وقال المحقق فی فتح القدیر:"اما ابن اسحاق فثقة لا شبهةعندنا فی ذلک ولا عند محققی المحدثین"

(فتح القدیر، ج:۱،ص:۳۷۰، کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ الوتر نوریہ رضویہ سکھر)

یعنی محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: ابن اسحاق ثقہ ہیں۔اس میں نہ ہمیں شبہ ہے نہ محققین محدثین کو شبہ ہے۔

اوراق سابقہ سے یہ واضح ہوگیا کہ سیدنا امام احمد رضا نے شہادتیں ایسی پیش فرمائیں جن میں اکابر ائمہ نے امام محمد بن اسحاق کی نہ صرف تعدیل وتوثیق فرمائی بلکہ آپ پر کیے گئے طعن وتشنیع کا رد بلیغ بھی فرمایا، ان شہادتوں میں غور وفکر کرنے سے نہ صرف امام محمد بن اسحاق کی توثیق کے روشن جلوے نظر آتے ہیں بلکہ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی جلالت، فنی مہارت اور اسماء الرجال میں دستگاہ تام خوب واضح ہوجاتی ہے۔

رسالہ حاجز البحرین سے کچھ مثالیں:

☆ سفر کی حالت میں احناف کے نزدیک ظہر وعصر، مغرب وعشا کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں جب کہ عرفہ اور مزدلفہ میں

ان نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر سکتے ہیں۔ غیر مقلدین کے شیخ میاں نذیر حسین دہلوی نے کہا کہ عرفہ ومزدلفہ کی کوئی تخصیص نہیں عرفہ ومزدلفہ کے علاوہ بھی دو نمازوں کو ایک وقت میں (جمع حقیقی کے طور) پر پڑھ سکتے ہیں، اوراس نے اس کے ثبوت میں ایک کتاب ''معیار الحق'' لکھا اس کے اندر اس نے احناف کی مستدل احادیث کو رد کرنے کی ناپاک کوششیں کیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے عد میں ایک کتاب ''حاجز البحرین'' تحریر فرمائی، آپ نے اس کتاب میں میاں نذیر حسین کی ذہنی اختراعات اور باطل مزعومات کی اس طرح دھجیاں اڑائی کہ اس کی ساری حدیث دانی اور دعویٰ محدثی کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ پوری کتاب اسماء الرجال، جرح وتعدیل اور تحقیقات وتدقیقات کا عظیم ذخیرہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کتاب میں میاں نذیر کی اصول حدیث سے ناواقفی، اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کے اصول وضوابط سے عدم واقفیت کو ظاہر کرنے کے لیے چند لطائف ذکر کیے ہیں، ان میں سے چند لطائف ملاحظہ فرمائیں۔

لطیفہ (۱) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث جلیل وعظیم کے پہلے طریق صحیح مروی سنن ابی داود کو محمد بن فضیل کے سبب ضعیف کیا۔

اقول اولاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال سے ہے۔

ثانیاً: امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ امام احمد نے حسن الحدیث، امام نسائی نے لا باس بہ کہا، امام احمد نے اس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں فرماتے میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسر اس کے حق میں ذکر نہ کی۔

تشیع اور رفض کا فرق:

ثالثاً: یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع، ملاجی کو بایں سال خوردی ودعویٰ محدثی، آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف واصطلاح محدثین میں تشیع ورفض میں کتنا فرق ہے۔ زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں خذلھم اللہ تعالیٰ جمیعا بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلاف تہذیب جانتے اور انھیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں، خود ملاجی کے خیال میں اپنی ملائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکا دینے کے لیے متشیع کو رافضی بنایا، حالانکہ سلف میں جو تمام خلفاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا، بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعی کہتے، حالانکہ یہ مسلک بعض علماے اہل سنت کا تھا، اسی بنا پر متعدد ائمۂ کوفہ کو شیعہ کہا گیا، بلکہ کبھی محض غلبۂ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے، حالانکہ یہ محض سنیت ہے، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انھیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا وبس۔

حیث قال: محمد بن فضیل بن غزوان، المحدث الحافظ، کان من علماء ھذا الشان، وثقہ یحییٰ بن معین، وقال احمد: حسن الحدیث، شیعی. قلت: کان متوالیا فقط. (امام ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج:۱ ص:۲۹۰، فی ترجمۃ محمد بن فضیل، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن) چنانچہ ذہبی نے کہا ہے کہ محمد ابن غزوان جو کہ محدث اور حافظ ہے، حدیث کے علما میں سے تھا۔ یحییٰ ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور احمد نے کہا ہے کہ اچھی حدیثیں بیان کرتا ہے مگر شیعہ ہے۔ میں نے کہا: صرف اہل بیت سے محبت رکھتا تھا۔

رابعاً: ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری ومسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے، ان کے رواۃ میں تیس سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنھیں اصطلاح قدما پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا: **''کتاب مسلم ملآن من الشیعۃ''** دور کیوں جایئے خود یہی ابن فضیل کہ واقع کے شیعی

صرف بمعنی محبّ اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔

خامساً: اس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتیں دو ثقات عدول ابن جابر و عبداللہ بن العلاء سے ابو داود نے ذکر کردی اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا۔ **ولکن الجھلة لایعلمون**۔ اور یہ تو ادنیٰ نزاکت ہے کہ تقریب میں ابن فضیل کی نسبت صدوق عارف لکھا تھا ملا جی نے نقل میں عارف اڑا دیا کہ جو کلمہ مدح کم ہو وہی سہی۔

لطیفہ:۲ طرفہ تماشا کہ متابعت ابن جابر جو امام داود نے ذکر کی آپ اسے یوں کہہ کر ڈال گئے کہ تعلیق ہے اور تعلیق حجت نہیں، اب کون کہے کہ کسی سے آنکھیں قرض ہی لے کر دیکھئے کہ ابو داود نے **رواہ ابن جابر عن نافع** کہہ کر اسے یوں ہی معلق چھوڑ دیا یا وہیں **حدثنا ابراھیم ابن موسیٰ الرازی اناعیسی عن ابن جابر** فرما کر موصول کر دیا ہے **ولکن النجدیة لا یبصرون**۔

بشر ابن بکر پر کلام:

لطیفہ:۳ امام طحاوی کی حدیث بطریق ابن جابر عن نافع پر بشر بن بکر سے طعن کیا کہ وہ غریب الحدیث ہے۔ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف قالہ الحافظ فی التقریب۔

اقول اولاً: ذرا شرم ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانی: اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا وہ ہضم کر گئے۔ (تقریب التہذیب، ترجمہ بشر بن بکر التنیسی، ص:۴۴، مطبوعہ دار النشر الکتب الاسلامیہ، گوجرانوالا)

ثالثاً: محدث جی تقریب میں **ثقة یغرب** ہے (المرجع السابق) کسی ذی علم سے سیکھو کہ **فلان یغرب** اور **فلان غریب الحدیث** میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف محدث جی غریب و منکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو!

خامساً: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجیے، یا اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھئے کہ بخاری و مسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

سادساً: ذرا میزان تو دیکھئے کہ **اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقة لا طعن فیه** (میزان الاعتدال، فی ترجمہ بشر بن بکر، ص:۳۱۴، ج:۱، دار المعرفة، بیروت، لبنان)

ولید بن قاسم یا ولید بن مسلم:

لطیفہ:۴ طریق ابن جابر سے سنن نسائی کی حدیث کو ولید بن قاسم سے رد کیا کہ روایت میں اس سے خطا ہوتی تھی۔ کہا تقریب میں **صدوق یخطي**۔

اقول اولا: مسلمانو! اس تحریف شدید کو دیکھنا اسناد نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا کہ **اخبرنا محمود بن خالد ثنا الولید ثنا ابن جابر ثنا نافع الحدیث**۔ (سنن نسائی، ص:۹۹، ج:۱، الوقت الذی یجمع فیہ المسافر) ملا جی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدر متکلم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں۔ رجال صحیح مسلم وائمۂ ثقات و حفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود۔ ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر بحمد اللہ اس کا احتمال یہاں مفقود کہ وہ صراحتاً حدثنا ابن جابر قال حدثنی نافع فرما رہے ہیں۔ میزان میں ہے:

الولید بن مسلم ابو العباس الدمشقي، أحد الاعلام وعالم أھل الشام. له مصنفات حسنة، قال احمد: مارأیت في الشامیین أعقل منه. وقال ابن المدیني: عنده علم کثیر. قال ابو مسھر: الولید مدلس، قلت اذا قال الولید عن ابن جریج اوعن الاوزاعی فلیس بمعتمد لانه یدلس عن کذابین، فاذا

قال حدثنا فهو حجةاہ ملخصا ۔(میزان الاعتدال، فی ترجمہ ولید بن مسلم،ص:۳۴۷۔۳۴۸،ج:۴،مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت)

ولید بن مسلم ابوالعباس دمشقی ، بلند مرتبہ لوگوں میں سے ایک شام کا عالم ہیں،اس کی تصنیفات عمدہ ہیں، احمد نے کہا ہے کہ میں نے شامیوں میں اس سے زیادہ عقلمند آدمی نہیں دیکھا۔ابن مدینی نے کہا کہ اس کے پاس بہت علم ہے۔ابومسہر نے کہا ہے کہ ولید مدلس ہے۔ میں نے کہا:جب ولیدعن ابن جریج یا عن الاوزاعی کہے تو قابل اعتماد نہیں ہے،لیکن جب حدثنا کہے تو مستند ہے۔اھ ملخصا

ثانیاً:بفرض غلط ابن قاسم ہی صحیح پھر وہ بھی کب مستحق رد ہیں امام احمد نے ان کی توثیق فرمائی،ان سے روایت کی،محدثین کوحکم دیا کہ ان سے حدیث لکھو،ابن عدی نے کہا:**اذا روی عن ثقة فلاباس به** ۔(الکامل لابن عدی،فی ترجمۃ ولید بن قاسم)(وہ جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو ان میں کوئی عیب نہیں)اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثاً:ذرا رواۃ صحیح بخاری ومسلم پر نظر ڈالے ہوتے کہ ان میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق یخطی بلکہ اس سے زائد کہا ہے،کیاقسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رد ہی کردو گے۔

رابعاً:صحیح بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی تقریب میں انہیں صدوق یخطی (تقریب التہذیب،فی ترجمۃ ابن حسان الواسطی،ص:۶۸،مطبوعہ دار النشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا)پھرحسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا کہ **خلطه ابن مندة بالذی قبله فوهم ،وهذا ضعیف** . (المرجع السابق)

ابن مندہ نے اسے پہلے کے ساتھ ملا دیا ہے یہ اس کی غلطی ہے کیوں کہ یہ ضعیف ہے۔دیکھو!صاف بتا دیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں،ملاجی اپنی جہالت سے مردود واہیات گا رہے ہیں۔

لطیفہ:۵ حدیث صحیح نسائی وطحاوی وعیسیٰ بن ابان بطریق عطاف عن نافع کوعطاف سے معلول کیا کہ وہ وہمی ہے کہا تقریب میں صدوق یھم۔

اقول اولا:عطاف کوامام احمد وامام ابن معین نے ثقہ کہا،وکفی بھما قدوۃ میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسر منقول نہیں۔

ثانیا:کسی سے پڑھو کہ وہمی اورصدوق یھم میں کتنا فرق ہے۔

ثالثا:صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی ان میں کس قدر ہیں۔

رابعا:بالفرض یہ سب رواۃ مطعون ہی سہی مگر جب بالیقین ان میں کوئی بھی درجۂ سکوت میں نہیں تو تعدد طرق سے پھر حدیث حجت تامہ ہے **ولکن الوهابیة قوم یجهلون.**

اسامہ بن زید عدوی یا اسامہ بن زید لیثی:

لطیفہ:۶ آپ کے امتحان علم کو پوچھا جاتا ہے کہ روایت طحاوی **حدثنا فهد ثنا الحمانی ثنا ابن المبارک عن اسامة بن زید اخبرنی نافع** میں آپ نے کہاں سے معین کرلیا کہ یہ اسامہ بن زید عدوی مدنی ضعیف الحافظہ ہے،اسی طبقہ سے اسامہ بن زید لیثی مدنی بھی تو ہے کہ رجال صحیح مسلم وسنن اربعہ وتعلیقات بخاری سے ہے جسے یحییٰ بن معین نے کہا:ثقہ ہے(میزان الاعتدال، ص:۱۷۴،ج:۱،دار المعرفہ بیروت)ثقہ صالح ہے ثقہ حجت ہے دونوں ایک طبقہ ایک شہر ایک نام کے ہیں اور دونوں نافع کے شاگرد، پھر منشاء تعیین کیا ہے اور آپ کو تو شاید اس سوال میں بھی دقت پڑے کہ کہاں سے مان لیا کہ یہ حمانی حافظ کبیر یحییٰ بن عبدالحمید صاحب مسند ہے جس کی جرح آپ نے نقل کی اور امام یحییٰ بن معین وغیرہ کا ثقہ اور ابن عدی کا ارجو انہ لا باس بہ(میزان الاعتدال، ص:۳۹۲،ج:۴،دار المعرفہ بیروت)(مجھے امید ہے اس میں کوئی حرج نہیں)اور ابن نمیر کا **هو اکبر من هولاء کلهم ،فاکتب عنه** ۔کہنا چھوڑ دیا اسی طبقہ تاسعہ سے اس کا والد عبدالحمید بن عبد الرحمٰن بھی تو ہے کہ رجال صحیحین سے ہے اور دونوں حمانی کہلائے جاتے ہیں کمافی التقریب۔

لطیفہ:۷ روایات نسائی بطریق کثیر بن قاروندا عن سالم عن

ابیہ میں جھوٹ کو بھی گنجائش نہ ملی تو اسے یوں کہہ کر ٹالا کہ وہ شاذ ہے اس لیے کہ مخالف ہے روایات شیخین وغیرھما کے وہ ارجح ہیں سب سے بالاتفاق اور مقدم ہوتی ہیں سب پر جب کہ موافقت اور نسخ نہ بن سکے۔

اقول اولا: شیخین کا نام کس منھ سے لیتے اور ان کی احادیث کو ارجح کہتے ہو؟ یہ وہی شیخین تو ہیں جو محمد بن فضیل سے حدیثیں لاتے ہیں جسے تمہارے نزدیک رافضی کہا گیا اور حدیثوں کا پلٹ دینے والا اور موقوف کو مرفوع کردینے کا عادی تھا۔

ثانیا، ثالثا، رابعا: یہ وہی شیخین تو ہیں جن کے یہاں سب کے خلاف حدیثیں لانے والے حدیثوں میں خطا کرنے والے وہمی کئی درجن بھرے ہوئے ہیں۔ (حاجز البحرین، فتاویٰ رضویہ ۱۱۸/۵)

نسائی کے رجال پر مفصل کلام:

لطیفہ۸: یارب! جہل جاہلین سے تیری پناہ، ملا جی تو رد احادیث وجرح ثقات وقدح صحاح کے دھنی ہیں۔ عمل بالحدیث کے ادعائی راج میں انھیں مکابروں کی دیواریں چنی ہیں۔ حدیث نسائی شریف کو دیکھا کہ انھیں مصیبت کا پہاڑ توڑے گی۔ لہٰذا نیام حیا سے تیغ ادا نکالی اور احادیث صحاح میں تکمیل مضمون **فریقا تکذبون وفریقا تقتلون** کی یوں بنا ڈالی: ''حدیث نسائی کی نامقبول اور مجروح اور متروک ہے، دو راوی اس کے مجروح ہیں ایک ''سلیمٰن بن ارقم'' کہ اس کی توثیق کسی نے نہیں کی، بلکہ ضعیف کہا اس کو تقریب میں **سلیمٰن بن ارقم ضعیف**، اور ایک ''خالد بن مخلد'' کہ یہ شخص رافضی تھا اور صاحب احادیث افراد کا لکھا تقریب میں **خالد بن مخلد صدوق متشیع وله افراد۔**

اقول اولا: وہی ملا جی کی قدیمی سفاہت تشیع ورفض کے فرق سے جہالت۔

ثانیا: صحیحین سے وہی پرانی عداوت خالد بن مخلد نہ صرف نسائی بلکہ بخاری ومسلم وغیرھما جملہ صحاح ستہ کے رجال سے ہے امام بخاری کا خاص استاذ اور مسلم وغیرہ کا استاذ الاستاذ۔

ثالثا: ملا جی! تم نے تو علم حدیث کی الف بے بھی نہ پڑھی اور ادعائے اجتہاد کی یوں بے وقت چڑھی، ذرا کسی پڑھے لکھے سے ضعیف ومتشیع وصاحب افراد اور متروک الحدیث میں فرق سیکھو، متشیع وصاحب افراد ہونا تو اصلاً موجب ضعف نہیں، صحیحین دیکھیے ان کے رواۃ میں کتنے متشیع (مثل ابان بن یزید العطار، یزید بن ابی انیسہ، عبدالرحمٰن بن غزوان وغیرھم) موجود ہیں اور ''له افراد'' والوں کی کیا گنتی جبکہ ہم حواشی فصل اول میں بکثرت ''**له اوهام یهم، ربما وهم، یخطی، یخطی کثیرا، کثیر الخطا، کثیر الغلط**'' وغیرہا والے ذکر آئے، رہا ضعیف اس میں اور متروک میں بھی زمین وآسمان کا بل ہے ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول ومطلوب ہے بخلاف متروک اس معنی اور اس کے متعلقات کی تحقیقات جلیلہ فقیر غفرله القدیر کے رسالہ ''الهاد الکاف فی حکم الضعاف'' میں مطالعہ کیجیے۔ اور سر دست اپنی مبلغ علم ''تقریب'' ہی دیکھیے کہ ضعیف درجۂ ثامنہ اور متروک اس کے دو پایہ نیچے درجۂ عاشرہ میں ہے۔ خود بعض ضعفا رجال شیخین میں اگرچہ متابعۃ یا یوں بھی واقع جس سے ان کا نامتروک ہونا واضح۔

مثلا (۱) اسید (۲) اسباط (۳) عبدالکریم (۴) اشعث (۵) زمعہ (۶) محمد ابن یزید رفاعی (۷) محمد بن عبدالرحمٰن (۸) احمد (۹) ابی اور دوسرے۔

تقریب میں کہا کہ پہلے پانچ ضعیف ہیں، چھٹا بھی خاص قوی نہیں ہے، ساتواں مجہول ہے، آٹھویں کو ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے، نویں میں بھی ضعف ہے۔ عبدالکریم کے لیے مزی نے تہذیب میں ''خت'' کی علامت لگائی ہے (واضح رہے کہ ''خ'' سے مراد بخاری اور ''ت'' سے مراد تعلیق، یعنی بخاری نے بھی اس کی روایت تعلیقا لی ہے) میزان میں بھی تہذیب کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے بخاری نے تعلیقاً اور مسلم نے متابعۃً روایت کی ہے۔ اسی طرح حافظ نے بھی تقریب کی علامات میں اس کی پیروی کی ہے لیکن پھر متنبہ کیا ہے کہ صحیح ''خ'' ہے (''خت'' نہیں) چنانچہ

حافظ نے پہلے تو عبد الکریم کی وہ روایت ذکر کی ہے جو بخاری میں ہے، پھر کہا ہے کہ یہ روایت وصل کے ساتھ ہے نہ کہ تعلیق کے طور پر۔ (محمد ابن یزید) رفاعی کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو ابن عدی نے بخاری کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے اور خطیب نے یقین ظاہر کیا ہے کہ بخاری نے اس سے روایت کی ہے، لیکن بخاری ہی نے کہا ہے کہ میں نے محدثین کو اس کے ضعف پر متفق پایا ہے۔ میں نے کہا ثابت کرنے والے کی بات زیادہ پختہ ہوتی ہے (اور ابن عدی نے اس کا شیخ بخاری ہونا ثابت کیا ہے) اس لیے ہم نے بھی اس کے نام پر ''خ'' کی علامت لگائی ہے۔ لیکن حافظ کو چونکہ اس کے شیخ بخاری ہونے میں تردد ہے اس لیے ''خ'' کو ہم نے ''م'' کے بعد لگایا ہے (''م'' سے مراد مسلم ہے) اور انصاف کی بات یہ ہے کہ فلیح، عباد اور ان جیسے اور کئی راوی بھی ضعیف ہیں (اس کے باوجود ان کی روایات صحاح میں پائی جاتی ہیں) امام ابن الصلاح نے اس کی معذرت خواہانہ وجہ بیان کی ہے اور نووی وغیرہ نے بھی ان کا اتباع کیا ہے، اس لیے ان کی طرف مراجعت کرو اور سمجھو! واللہ تعالیٰ اعلم)

رابعاً: یہ سب کلام ملا جی کی غیبی بول عیبی احکام مان کر تھا، حضرت کی اندرونی حالت دیکھئے تو پھر حسب عادت جو رواۃ حدیث بے نسب ونسبت پائے ان میں جہاں تحریف وتصرف کا موقع ملا وہی تبدیل کا رنگ لائے، سند میں تھا، ''عن شعبۃ عن سلیمان'' اب ملا جی اپنی مبلغ علم ''تقریب'' کھول کر بیٹھے، رواۃ نسائی میں شعبہ نام کا کوئی نہ ملا جس پر تقریب میں کچھ بھی جرح کی ہو، لہٰذا وہاں بس نہ چلا، سلیمان کو دیکھا تو پہلی بسم اللہ یہی ''سلیمٰن بن ارقم'' ضعیف نظر پڑا حکم جڑ دیا کہ سند میں وہی مراد اور حدیث مردود۔

ملا جی! اپنے دھرم کی قسم سچ بتانا، یہ جبروتی حکم آپ نے کس دلیل سے جمایا، کیا اسی کا نام محدثی ہے؟ سچے ہو تو برہان لاؤ، ورنہ اپنے کذب وعیب رجم بالغیب پر ایمان'' **قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین**'' حق طلباں کو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مخرج حدیث ''اعمش عن عمارۃ عن عبد الرحمٰن عن عبد اللہ'' ہے بخاری مسلم ابوداود نسائی وغیرہم سب کے یہاں حدیث عمارۃ ''بطریق امام اعمش'' ہی مذکور، صحیحین کی تین سندیں بطریق حفص بن غیاث وابی معاویۃ وجریر کلھم عن الاعمش عن عمارۃ صدر کلام میں، اور ایک سند نسائی ''بطریق داود عن الاعمش عن عمارۃ'' اس کے بعد سن چکے۔

پنجم نسائی کتاب الصلوۃ میں ہے:

أخبرنا قتيبة ثنا سفيان نا الاعمش عن عمارة الخ. (سنن النسائی، الجمع بین المغرب والعشا)

ششم نسائی مناسک میں ہے:

أخبرنا محمد بن العلاء ثنا ابو معاوية عن الاعمش عن عمارة الخ (سنن النسائی، ص: ۴۶، ج: ۲، مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ہفتم سنن ابی داود میں ہے:

حدثنا مسدد ان عبد الواحد بن زياد وابا عوانة وابا معاوية حدثوهم عن الاعمش عن عمارة.

(سنن أبي داود، ص: ۲۶۷، ج: ۱، الصلوٰۃ بجمع)

هشتم امام طحاوي حدثنا حسين بن نصر ثنا قبيصة بن عقبة والفريابي قالا ثنا سفيان عن الاعمش عن عمارة بن عمير الخ.

(شرح معانی الآثار ص: ۱۱۳، ج: ۱، الجمع بین الصلاتین)

یہ امام اعمش امام اجل ثقہ ثبت حجت حافظ ضابط کبیر القدر جلیل الفخر اجلۂ ائمۂ تابعین ورجال صحاح ستہ سے ہیں جن کی وثاقت عدالت جلالت آفتاب نیمروز سے روشن تر، ان کا اسم مبارک سلیمٰن ہے وہی یہاں مراد، کاش تضعیف ابن ارقم دیکھ پانے کی خوشی ملا جی کی آنکھیں بند نہ کر دیتی تو آگے سوجھتا کہ دنیا میں ایک یہی سلیمان نہیں دو ورق لوٹتے تو اسی تقریب میں تھا: سلیمٰن بن مھران الاعمش ثقۃ حافظ عارف بالقراءۃ ورع (سلیمان ابن مہران اعمش، ثقہ ہے، حافظ ہے، قراءۃ کو جاننے والا ہے، متقی ہے۔) جن حضرات کا جوش تمیز اس حد تک پہنچا ہو ان سے کیا کہا جائے کہ ان سلیمان سے راوی

بھی آپ نے دیکھے کون ہیں امیر المومنین فی الحدیث امام شعبۃ بن الحجاج جنھیں التزام کہ ضعیف لوگوں سے حدیث روایت نہ کریں گے۔جس کی تفصیل فقیر کے رسالہ ''منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین'' میں مذکور وہ اور ابن ارقم سے روایت مگر ناواقفوں سے ان باتوں کی کیا شکایت!

خامساً: حضرت کو اپنی پرانی مشق صاف کرنے کو اسی طرح کا ایک اور نام ہاتھ لگا یعنی خالد امام نسائی نے فرمایا تھا:اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد عن شعبۃ بے دھڑک حکم لگا دیا کہ اس سے مراد خالد بن مخلد رافضی ہے ملا جی! پانچ پیسے کی شیرینی تو ہم بھی چڑھائیں گے اگر ثبوت دو کہ یہاں خالد سے یہ شخص مراد ہے، ملا جی! تم کیا جانو کہ ائمۂ محدثین کس حالت میں اپنے شیخ کے مجرد نام بے ذکر ممیّز پر اکتفا کرتے ہیں، ملا جی صحابہ کرام میں عبد اللہ کتنے بکثرت ہیں خصوصاً عبادلۂ خمسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ، پھر کیا وجہ ہے کہ جب بصری عن عبد اللہ کہے تو عبد اللہ بن عمرو بن عاص مفہوم ہوں گے،اور کوفی کہے تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھم ، پھر رواۃ مابعد میں تو عبد اللہ صدہا ہیں، مگر جب سوید کہیں ''حدثنا عبد اللہ'' تو خواہ مخواہ ابن المبارک ہیں۔محمدین کا شمار کون کرسکتا ہے مگر جب بندار کہیں ''عن محمد عن شعبۃ'' تو ''غندر'' کے سوا کسی طرف ذہن نہ جائے گا، وعلیٰ ہذا القیاس صدہا مثالیں ہیں جنھیں ادنیٰ ادنیٰ خدام حدیث جانتے سمجھتے پہچانتے ہیں۔ملا جی! یہ خالد امام اجل ثقہ ثبت حافظ جلیل الشان خالد بن حارث بصری ہیں کہ امام شعبہ بن الحجاج بصری کے خلّص تلامذہ اور امام اسمٰعیل بن مسعود بصری کے اجل اساتذہ اور رجال صحاح ستہ سے ہیں، اسمٰعیل بن مسعود کہ ان سے اور انھیں شعبہ سے اکثار روایت بدرجہ غایت ہے،اسی سنن نسائی میں اسمٰعیل کی بیسیوں روایات ان سے موجود،ان میں بہت خاص اسی طریق سے ہیں کہ اسمٰعیل خالد بن حارث سے اور خالد شعبہ بن الحجاج سے ان میں بہت جگہ خود اسمٰعیل نے نسب خالد مصرحا بیان کیا ہے۔بہت جگہ انھوں نے حسب عادت مطلق چھوڑا۔امام نسائی نے واضح فرمادیا ہے،بہت جگہ سابق ولاحق بیانوں کے اعتماد پر یوں ہی مطلق باقی رکھا ہے میں آپ کا حجاب ناواقفی توڑنے کو ہر قسم کی مصرح روایات سے بہ نشان کتاب وباب کچھ حاضر کروں۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے نسائی شریف سے پندرہ اسمٰعیل بن مسعود عن خالد کے طریق کا ثبوت دینے کے بعد فرماتے ہیں:

کیوں ملا جی! یہ کیا دین ودیانت ہے کہ حدیثیں رد کرنے کو ایسے جھوٹے فقرے بناؤ اور بے تکان جزم کرتے ہوئے پلک تک نہ جھپکاؤ، وہ خدا نے خیر کرلی کہ امام نسائی نے اسمٰعیل بن مسعود کہہ دیا تھا،کہیں نرا اسمٰعیل ہوتا تو ملا جی کو کہتے کیا لگتا کہ یہ حدیث تم اہل سنت کے نزدیک سخت مردود کہ اس کی سند میں اسمٰعیل دہلوی موجود، ملا جی! صرف ایک مسئلے میں اول تا آخر اتنی خرافات،علم حدیث کی کھلی باتوں سے جاہلانہ مخالفات،اگر دیدہ ودانستہ ہیں تو شکایت کیا ہے کہ اخفائے حق وتلمیع باطل وتلبیس عامی واغوائے جاہل،طوائف ضالہ کا ہمیشہ داب رہا ہے،اور اگر حضرت کی حدیث دانی اتنی ہے تو خدارا خدا اور رسول سے حیا کیجیے،اپنے دین دھرم پر دیا کیجیے، یہ منہ اور اجتہاد کی لپک، یہ لیاقت اور مجتہدین پر ہمک،عمر وفا کرے تو آٹھ دس برس کسی ذی علم مقلد کی کفش برداری کیجیے،حدیث کے متون وشروح واصول ورجال کی کتابیں سمجھ پڑھ لیجیے اور یہ نہ شرمایئے کہ بوڑھے طوطوں کے پڑھنے پر لوگ ہنستے ہیں۔ہنسنے دو ہنستے ہی گھر بستے ہیں،اگر علم مل گیا تو عین سعادت یا طلب میں مرگئے جب بھی شہادت،بشرط صحت ایمان وحسن نیت۔واللہ الھادی لقلب اخبت۔

☆ حاجز البحرین میں قسم دوم نصوص خصوص کے تحت حدیث نمبر ۳۴: ''**ما جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین المغرب والعشاء قط فی السفر الا مرۃ** '' کے متعلق رقم طراز ہیں:

اقول:اس حدیث کی سند حسن جید ہے،قتیبہ تو قتیبہ ہیں ثقہ ثبت رجال ستہ سے اور عبد اللہ بن نافع ثقہ صحیح الکتاب رجال صحیح مسلم

سے اور سلیمٰن بن ابی یحییٰ لا باس بہ(اس میں کوئی نقصان نہیں ہے)ابن حبان نے انہیں ثقات تابعین میں ذکر کیا،رہے ابو مودود وہ عبد العزیز بن ابی سلیمن مدنی ہذنی مقبول ہیں کما فی التقریب۔حافظ الشان نے تہذیب التہذیب میں فرمایا:سلیمٰن بن ابی یحییٰ حجازی روی عن ابی ابو هريرة وابن عمر ،وعنه ابن عجلان وداود بن قيس وابو مودود وعبد العزيز بن ابی سليمٰن،قال ابو حاتم :ما بحديثه باس، وذكره ابن حبان في الثقات ،روى له ابو داود حديثا واحدا فی الجمع بين المغرب والعشاء.

ثم اقول:بعد نظافت سند مثل حدیث کا بروایت ایوب عن نافع عن ابن عمر بلفظ لم یر ابن عمر جمع بينهما قط الا تلك الليلة(ابن عمر کو نہیں دیکھا کہ دونمازوں کو جمع کیا ہوسوائے اس رات کے)مروی ہونا کچھ مضر نہیں اگر یہاں نافع فعل ابن عمر اور وہاں ابن عمر فعل سید البشر علیہ وسلم روایت کریں کیا منافات ہے خصوصا یروی عن ایوب معضل ہے اور معضل ملا جی کے نزدیک محض مردود و مہمل اور وہ بھی بصیغۂ مجہول کہ غالباً مشیر ضعف ہے تو ایسی تعلیق حدیث مسند متصل کے کب معارض ہوسکتی ہے۔(حاجز البحرین فتاویٰ رضویہ ۵/۲۹۰)

حدیث نمبر ۳۵ کے رجال پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول:یہ حدیث بھی ہمارے اصول پر حسن جید حجیت ہے علاء بن الحارث تابعی صدوق فقیہ رجال صحیح مسلم و سنن اربعہ سے ہیں۔

علاء کا اختلاط ہمارے نزدیک مضر نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ روایت اس سے اختلاط کے بعد لی گئی ہے۔کیوں کہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر کی کتاب الصلوۃ ،باب الشہید میں احمد کی روایت ذکر کی ہے جس کا ایک راوی عطاء بن سائب ہے اور عطاء ابن سائب کا مختلط ہونا سب کو معلوم ہے۔مگر ابن ہمام نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ حماد ابن سلمہ نے یہ روایت عطاء کے اختلاط میں مبتلا ہونے سے پہلے اس سے اخذ کی ہوگی۔پھر اس کی دلیل بیان کی اور کہا کہ اگر ابہام پایا بھی تو حسن کے درجے سے کم نہیں ہے۔

اور امام مکحول ثقہ فقیہ حافظ جلیل القدر بھی رجال مسلم و اربعہ سے ہیں۔

مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔رہا محمد کے اساتذہ کا مبہم ہونا،تو مبہم کی توثیق ہمارے نزدیک مقبول ہے،جیسا کہ مسلم وغیرہ میں ہے،خصوصا جب توثیق کرنے والی امام محمد جیسی ہستی ہو اور اس سے قطع نظر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ متعدد اسنادوں سے مروی ہونے کی وجہ سے اس کی یہ خامی دور ہوگئی ہے۔فتح المغیث میں مقلوب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''مشائخ البخاری'' میں احمد ابن عدی سے مروی ہے کہ میں نے متعدد مشائخ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے۔ابن عدی ہی کے واسطے سے یہ بات خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے اور دیگر علما نے بھی۔اور ابن عدی کے اساتذہ کا مبہم ہونا مضر نہیں ہے کیوں کہ ان کی تعداد اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ مجہول نہیں رہتے۔(ملخصاً حاجز البحرین فتاویٰ رضویہ ۵/۲۹۱)

راوی عتبہ بن غزوان پر شاندار کلام:

رسالہ ''انہار الانوار من تم صلاۃ الاسرار'' میں اعلیٰ حضرت نے ایک حدیث نقل کی:

اذا ضل احدكم شيئا واراد عونا وهو بارض ليسا بها انيس فليقل يا عباد الله أعينوني يا عباد الله أعينوني يا عباد الله اعينونی فان الله عبادا لا يراهم۔

اس حدیث کے ایک راوی عتبہ بن غزوان کے بارے میں کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ راوی مجہول الحال ہے جیسا کہ تقریب میں یہ لکھا ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول:مگر بحمد اللہ آپ کا تقوی وعدالت تو معلوم کیسا طشت از بام ہے خدا کی شان کہاں عتبہ بن غزوان رقاشی کہ طبقۂ

ثالثہ سے ہیں جنہیں تقریب میں مجہول الحال اور میزان میں لایعرف کہا اور کہاں اس حدیث کے راوی حضرت عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی بدری کہ سید عالم ﷺ کے صحابی جلیل القدر مہاجر ومجاہد غزوہ بدر ہیں، جن کی جلالت شان بدر سے روشن مہر سے ابین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ مترجم صاحب دیباچہ ترجمہ میں معترف کہ حرز ثمین ان کے پیش نظر ہے شاید اس حرز میں یہ عبارت تو نہ ہوگی؟ **رواہ الطبرانی عن زید بن علی عن عتبة بن غزوان رضي الله تعالیٰ عنه عن نبي الله** ﷺ، یا جس تقریر کا آپ نے حوالہ دیا اس میں خاص برابر کی سطر میں یہ تحریر تو نہ تھی؟ **عتبة بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل مهاجر بدری مات سنة سبع عشرة أه ملخصا**۔ پھر کون سے ایمان کا مقتضی ہے کہ اپنے مذہب فاسد کی حمایت میں ایسے صحابی رفیع الشان عظیم المکان کو بزور زبان وزور جنان درجۂ صحابیت سے طبقۂ ثالثہ میں لا ڈالیے اور شمس عدالت وبدر جلالت کو معاذ اللہ مردود الروایۃ ومطعون جہالت بنانے کی بد راہ نکالیے ولکن صدق نبینا ﷺ **اذا لم تستحي فاصنع ماشئت** مسلمان دیکھیں کہ حضرات منکرین انکار حق واصرار باطل میں کیا کچھ کر گزرے پھر دعائے حقانیت گویا تمیز کا وضوئے محکم ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(انھار الانوار من یم صلاۃ الاسرار)

☆"**المحجة المؤتمة فی آیة الممتحنة**" میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایک حدیث ذکر فرمائی کہ مسجد میں ذمی کتابی کا داخلہ جائز ہے۔

اس حدیث کی سند کو امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے جید فرمایا حالانکہ تقریب التہذیب میں اس حدیث کے ایک راوی ''اشعث بن سوار'' پر ضعیف ہونے کا قول کیا گیا ہے۔

اس پر امام احمد رضا قدس سرہ اپنا فیصلہ سناتے ہوئے جو کچھ لکھا اس کا مفہوم یہ ہے:

أقول: یہ سند ہمارے قاعدہ کے مطابق جید ہے اور ہم محدثین کے اصول کی خاطر اپنے اصول نہ چھوڑیں گے چہ جائیکہ ایک متاخر شافعی عالم کے قول کی خاطر چھوڑیں تو تقریب میں مذکور بیان تمہارے خلاف نہیں ہے یہ اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بواسطہ حسن اس حدیث کی تخریج کرنے والے اشعث بن سوار ہیں جب کہ اشعث، شعبہ، ثوری، یزید بن ہارون وغیرہم کے اکابر شیوخ میں سے ہیں اور شعبہ کا انتخاب ان میں جن سے اس نے روایت کی ہے وہ معروف ہے۔ ذہبی نے کہا اشعث کی جلالت شان کی وجہ سے اس کے شیوخ میں سے ابواسحاق سبیعی نے اس سے حدیث روایت کی ہے۔اھ اور سفیان نے کہا کہ اشعث، مجالد کی نسبت زیادہ قوی ہے، اور ابن مہدی نے کہا وہ مجالد سے بلندترین ہے جبکہ مجالد صحیح مسلم کے راویوں میں شمار ہوتے ہیں اور ابن معین نے کہا میرے نزدیک اشعث زیادہ محبوب ہیں اسمٰعیل بن مسلم سے، اور امام احمد اور عجلی نے کہا وہ محمد بن سالم سے حدیث میں زیادہ مقبول ہے، اور ابن دورقی نے ابن معین سے روایت کی کہ اشعث ثقہ ہے، اور عثمان نے کہا وہ نہایت صادق ہے، ابن شاہین نے اس کو ثقہ لوگوں میں ذکر کیا، اور ابن عدی نے کہا میں نے اس کے روایت کردہ متن کو منکر نہیں پایا، اور بزار نے کہا کہ اس کی مروی حدیث کو ترک کرنے والا صرف وہی ہے جو خود معرفت میں کمزور ہے اور ابن معین کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو ثقہ نہ ہو اور ضعف سے بالاتر ہو اور یہی حدیث حسن کی شرط ہے۔ ذہبی نے محمد بن حفصہ کے متعلق کہا کہ اس میں کچھ ضعف ہے اسی لیے ابن معین نے کبھی اس کی توثیق کی اور کبھی صالح کہا اور کبھی لیس قوی کہا اور کبھی ضعیف کہا اھ۔ اور یہ محمد نامی صحیحین کے رجال میں رہے۔ خلاصہ یہ کہ اشعث کی توثیق کی گئی اور کسی اعتراض کا نشانہ ہرگز نہیں بنایا گیا بلکہ کوئی مفسر جرح اس پر قطعاً نہ ہوئی لہذا اس کی حدیث حسن ہے تو بے شک لازمی طور پر عینی کا اس

کی سند کو جید کہنا حق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک اور سند پر کلام:

☆حضور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ سے ایک سوال ہوا کہ زید نے اپنی ساس سے زنا کیا تو زید پر اس کی بیوی حرام ہوئی یا نہیں اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ زوجۂ زید اس پر حرام ہوگئی جبکہ اس کے خلاف غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ زید پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی، اور اپنے اس موقف میں ایک حدیث شریف پیش کی وہ حدیث شریف یہ ہے: ''**لا یحرم الحرام الحلال**'' یعنی حرام حلال کو حرام نہیں کرتا۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۷، ص:۱۶۹، دار صادر، بیروت)

حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس حدیث کا علمی اور فنی جائزہ لیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یہ حدیث کس طرح مخالف کی دلیل ہو سکے جبکہ یہ سخت ضعیف و ساقط و نا قابل احتجاج ہے، بیہقی باآنکہ انتصار شافعیت میں اہتمام شدید رکھتے ہیں اسے حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کر کے تضعیف کردی کما فی التیسیر شرح الجامع الصغیر۔

(التیسیر شرح جامع الصغیر، ج:۲، ص:۵۰۴، حرف لا)

مزید آگے فرماتے ہیں:

دلیل ضعف کو یہی کافی کہ ام المومنین خود قائل حرمت، اگر اس باب میں خود ارشاد اقدس حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سنے ہوتے تو خلاف کے کیا معنی تھے لاجرم امام احمد نے فرمایا نہ وہ ارشاد اقدس سید عالم ﷺ ہے نہ اثر ام المومنین، بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے کما فی الفتح۔

روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں عثمان بن عبد الرحمٰن وقاصی ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: ''**ترکوہ**''۔ محدثین اسے متروک کر دیا۔ امام ابو داؤد نے فرمایا: ''**لیس بشی**''، یعنی کوئی چیز نہیں۔ امام علی بن مدینی نے سخت ضعیف فرمائی۔ نسائی و دار قطنی نے کہا متروک ہے۔ حتی کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''**یکذب**'' جھوٹ بولتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں: ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا:

''**عثمان بن عبد الرحمن هو الوقاصي يروي عن الثقات الاشياء الموضوعات لا يجوز الاحتجاج به**''

عثمان بن عبد الرحمٰن وہی وقاصی ہے ثقات سے موضوع خبریں روایت کر دیتا ہے اس سے سند لانا حلال نہیں۔

راوی ''دراج'' پر کلام:

☆فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت نے ایک نجدی مولوی کی تحریر نقل کی جس میں اس مولوی نے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کو ثابت کیا ہے اس کے ثبوت میں چند دلائل پیش کئے گئے ان میں ایک حدیث ''**وعزتی وجلالی وارتفاع مکانی**'' (مشکوٰۃ المصابیح، باب الاستغفار والتوبہ، الفصل الثانی، ص:۲۰۴) بھی تھی اعلیٰ حضرت نے اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وہ درّاج سے راوی ہیں اور دراج ابو الہیثم سے، میزان الاعتدال میں دراج کی توثیق صرف یحییٰ سے نقل کی۔ اور امام احمد نے ان کی تضعیف فرمائی اور ان کی حدیثوں کو منکر کہا۔ امام فضلک رازی نے کہا: وہ ثقہ نہیں۔ امام نسائی نے فرمایا: منکر الحدیث ہیں۔ امام ابو حاتم نے کہا ضعیف ہیں۔ ابن عدی نے ان کی حدیثیں روایت کر کے کہہ دیا: اور حفاظ ان کی موافقت نہیں کرتے۔ امام دار قطنی نے کہا: ضعیف ہیں اور ایک بار فرمایا: متروک ہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ مترجم، ص:۱۶۶، ج:۲۹)

اذان خطبہ کی روایت کے رجال سند:

☆بعض حضرات نے ایک اثر کی بنیاد پر یہ قول کیا کہ جمعہ کی اذان مسجد کے اندر دی جاتی تھی خارج مسجد نہیں۔ اس اثر کو جویبر راوی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے: **عن الضحاک عن برد**

بن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر مؤذنین ان یؤذنا للنا س الجمعة خارجا من المسجد حتی یسمع النا س و امر ان یؤذن بین یدیہ کما کا ن فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلمہ و ابی بکر رضی اللہ تعا لیٰ عنہ ثم قال عمر نحن ابتد عنا ہ لکثرۃ المسلمین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کے لیے خارج مسجد اذان دیں تا کہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سامنے اذان دی جائے جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ہوتا تھا۔اس کے بعد آپ نے فرمایا: ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔

اس اثر سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگوں نے کہا کہ اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان میں بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔مزید یہ کہا کہ حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح مسجد کے اندر ہی اذان ہوتی تھی۔اس اثر کا جواب وقت کے امام نے جو دیا اسے پڑھئے اور معلومات میں اضافہ کیجیے۔علل کی کتابوں سے آپ نے جویبر راوی کے ضعف کو پندرہ ائمۂ جرح تعدیل کے اقوال سے ثابت فرمایا: آپ نے جو کچھ لکھا اس کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

ترجمہ: ان ظالموں کو تو دیکھو کہ حضرت ابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح حدیث کو تو رد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد بن اسحاق پر جرح کرتے ہیں جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث وفقہ متفق ہیں ۔اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں حلانکہ جویبر اور ابن اسحاق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے، نہ تو تہذیب الکمال میں جویبر کی توثیق کسی ائمہ تعدیل سے مروی ، نہ تذہیب التہذیب نہ تہذیب التہذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لآلی المصنوعۃ، نہ علل المتناہیہ نہ خلاصۃ التہذیب مع الزیادات میں، ہے تو صرف جرح ہے، چنانچہ نسائی وعلی بن جنید اور دارقطنی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ابن معین فرماتے ہیں: کچھ نہیں ضعیف ہے۔ابن المدینی فرماتے ہیں: بے حد ضعیف ہیں۔یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا جن سے روایت نہ کی جائے۔امام ابوداؤد نے فرمایا: وہ ضعف پر ہیں:۔ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔حاکم ابواحمد نے فرمایا: ان کی حدیثیں ضائع ہیں۔حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا: میں ان کی حدیثوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف براءت ظاہر کرتا ہوں۔ابن حبان فرماتے ہیں: ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔لآلی میں فرمایا: ہلاک کرنے والے، بربا د کرنے والے سخت متروک ہیں۔اسی کے حاشیہ میں لسان المیز ان سے منقول ہے: محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ تقریب میں ہے: بے حد ضعیف ہیں۔احمد بن سیار نے فرمایا: تفسیر میں میں ان کا حال ٹھیک ہے اور روایت میں کمزور ہیں۔یحییٰ ابن سعید نے فرمایا: حدیث میں ان پر بھروسا نہیں کیا جاتا، روایت نہیں کی جاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا: ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے اور ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے اور یہ متروک ہے۔

(ملخصاً فتاویٰ رضویہ جدید، ص:۲۶۲، ج:۲۸)

راوی علاء بن یزید پر امام کا کلام:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن معاویہ مزنی کی نماز جنازہ تبوک میں پڑھی جبکہ ان کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا۔طبقات ابن سعد میں یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے ایک طریق میں محبوب بن ہلال مزنی ہے اور دوسرے طریق میں علاء بن یزید ثقفی ہے۔ائمہ جرح وتعدیل نے مذکورہ دونوں راویوں پر شدید جرح فرمائی ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔جس بنا پر یہ حدیث ضعیف ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ علاء بن یزید پر کیے گئے جرح بصورت اقوال ائمہ جرح وتعدیل یوں پیش فرماتے ہیں:

امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر تمام

محدثین کا اتفاق ہے۔امام بخاری وابن عدی وابوحاتم نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے۔ابوحاتم ودارقطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔امام علی بن مدینی استاد امام بخاری نے کہا: وہ حدیثیں دل سے گھڑتا تھا۔ ابن حبان نے کہا: یہ حدیث بھی اسی کی گھڑھی ہوئی ہے،اس سے چرا کر ایک شامی نے بقیہ سے روایت کی۔ (میزان الاعتدال،ص: ۹۹،ج:۳،دارالمعرفۃ بیروت)ابوالولید طیالسی نے کہا: علاء کذاب تھا۔عقیلی نے کہا:"**العلاء بن یزید ثقفی لایتابعه احد علی هٰذاالحدیث الا من هو مثله او دونه**" علاء کے سوا جس جس نے یہ حدیث روایت کی سب علاء ہی جیسے ہیں یا اس سے بھی بدتر۔ (العلل المتناھیہ،ص:۲۹۹)

ابوعمر بن عبدالبر نے کہا: اس حدیث کی سب سندیں ضعیف ہیں اور دربارۂ احکام اصلاً حجت نہیں۔صحابہ میں کوئی شخص معاویہ بن معاویہ نام معلوم نہیں۔(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ)

یونہی ابن حبان نے کہا کہ مجھے اس نام کے کوئی صاحب صحابہ میں یاد نہیں۔(فتاوی رضویہ جدید،ص:۳۵۷،ج:۹)

فن اسماء الرجال کی کتابوں پر آپ کے حواشی:

آپ نے اسماء الرجال کی درج ذیل کتابوں پر اپنے حواشی لکھے ہیں:

(۱)حاشیہ تقریب التھذیب (۲)حاشیہ تھذیب التھذیب (۳)حاشیہ الاسماء والصفات (۴)حاشیہ الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ (۵)حاشیہ تذکرۃ الحفاظ (۶)حاشیہ میزان الاعتدال (۷)حاشیہ خلاصہ تھذیب الکمال (۸)حاشیہ خلاصۃ الوفا (۹)حاشیہ کتاب العلل المتناھیہ (۱۰)حاشیہ ترتیب طبقات (۱۱)حاشیہ کشف الاحوال فی نقد الرجال للمدراسی۔

کتب رجال پر حواشی سے چند مثالیں:

اب تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فن اسماء الرجال میں مہارت پر وہ تحقیقات وتدقیقات پیش ہوئے جو فتاوی رضویہ اور دیگر رسائل میں ضمناً مذکور ہیں۔اب چند مثالیں اور پیش کی جارہی ہیں جو کتب اسماء الرجال پر آپ کے حواشی سے مستفاد ہیں۔

مثال (۱) امام ذہبی میزان الاعتدال میں عبیداللہ بن زحر کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابومسہر نے کہا:"**صاحب کل معضلة**"،یحییٰ نے کہا:"**حدیثه عندی ضعیف**"،"**لیس بشئ**"علی بن المدینی نے کہا:"**منکر الحدیث**" دارقطنی نے کہا:"**لیس بالقوی،وشیخه علی متروک**" ابن حبان نے کہا:"**یروی الموضوعات عن الاثبات وغیره**"۔اتنی جرح نقل کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:**وقال ابو الزرعة ا لرازی:عبید الله بن زحر صدوق.**

اس پر امام احمد رضا حاشیہ میں فرماتے ہیں:اقول: **عجباً منه سرد الجرح ولم یات فی التعدیل الا بقول أبي زرعة ضد ان وقول ماتن لا باس به وترک ما هو اعلیٰ من ذلک وهو قول خ وت وثقته قال الترمذی فی ابواب الاستیذان قال محمد یعنی البخاری عبید الله بن زحر ثقة اه وقد حسن له الترمذی غیر ماحدیث.** (حاشیہ میزان الاعتدال،ص:۶،مخطوطہ)یعنی تعجب ہے کہ جرح کو تفصیل سے بیان کیا اور تعدیل میں بس ایک ابوزرعہ رازی کا قول ذکر کیا حالانکہ ماتن نے لا باس بہ کہا تھا،اور اس سے اعلیٰ امر ترک کردیا اور وہ امام بخاری اور امام ترمذی کا قول ہے،امام ترمذی نے ابواب الاستیذان میں کہا کہ امام بخاری نے عبیداللہ بن زحر کو ثقہ قرار دیا ہے،اور امام ترمذی نے ان کی متعدد حدیثوں کو حسن قرار دیا ہے۔

مثال۲:امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں۶۳۳۰ نمبر کے راوی عمرو بن اوس کے متعلق لکھتے ہیں:"**عمرو بن اوس یجهل حاله**".

اس پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:**قلت واما عمرو بن أوس بن أبي أوس الثقفي الطائفي فتابعي کبیر من الثانیة من رجال الستة کما فی التقریب** (حاشیہ میزان الاعتدال مخطوطہ،ص:۷)یعنی عمرو بن اوس کے متعلق امام ذہبی نے مجہول

الحال قرار دیا اس پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ رہے عمرو بن اوس بن ابی اوس ثقفی طائفی تو وہ بزرگ تابعی ہیں، دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، صحاح ستہ کے رجال سے ہیں۔

مثال۳: امام ذہبی میزان الاعتدال میں ۷۳۲۴ نمبر پر محمد بن جعفر غندر کی سن وفات ۱۹۳ھ لکھتے ہیں جس پر اعلیٰ حضرت نے ۱۹۳ کے بجائے ۲۹۴ھ فرمایا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

قوله: مات سنة ثلث وتسعين ومائة من ابناء السبعين. اقول الذى يظهر من مطالعة التقريب ان موته سنة ثلث او اربع وتسعين ومائتين لانه قال(من التاسعة)مات سنة ثلث اور اربع وتسعين ،وقد قدم فى الديباجة انه ان كان من التاسعة الىٰ آخر الطبقات فهو بعد المائتين. والله تعالىٰ اعلم. (حاشیہ میزان الاعتدال، مخطوطہ ص:۱۲)

یعنی تقریب کے مطالعہ سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ ان کی وفات ۲۹۳ یا ۲۹۴ھ میں ہوئی، اس لیے کہ تقریب میں یوں کہا کہ ان کی وفات ۹۳ یا ۹۴ میں ہوئی اور دیباچہ میں کہا کہ نویں سے آخر طبقات تک کے رجال دوسری صدی کے بعد کے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مثال۴: حاشیہ ترتیب الطبقات میں ابراہیم بن یزید کے بارے میں فرماتے ہیں: **قال احمد والنسائى: متروک وقال ابن معين: "ليس بثقة وقال البخارى: سكتوا عنه وقال ابن عدى يكتب حديثه"**۔ (حاشیہ ترتیب الطبقات، مخطوطہ، ص:۵) احمد اور نسائی نے فرمایا کہ ابراہیم بن یزید متروک ہے، ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، امام بخاری نے کہا کہ محدثین نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، ابن عدی نے کہا کہ اس کی حدیث لکھی جائے گی۔

مثال۵: اشعث بن سوار کندی کو ترتیب الطبقات میں لکھا کہ **انه ضعيف** ۔ اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں: **بل الصواب انه حسن الحديث كما بينته فى رسالتي المحجة الموتمنة فى آية الممتحنة وقد حكم الامام العيني في عمدة القاري علىٰ حديث رواه اشعث انه سند جيد.** (حاشیہ ترتیب الطبقات، مخطوطہ، ص:۷) بلکہ درست یہ ہے کہ وہ حسن الحدیث ہے، جیسا کہ میں نے اسے اپنے رسالہ المحجۃ الموتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ میں بیان کر دیا ہے، امام عینی نے عمدۃ القاری میں اشعث کی روایت کردہ حدیث پر سند جید کا حکم لگایا ہے۔

مثال:۶۔ **قوله بابراهيم بن عمر :له رواية عند أبي داود والترمذى قال فى التقريب مستور وفى ميزان الاعتدال ضعفه الدار قطنى وقال ابن حبان لايحل به الاحتجاج بحال وفى موضع آخر منه قال ابن عدى لا يتابعه عليها الثقات ارجوا انه لا باس به** واللہ اعلم (حاشیہ کتاب العلل المتناہیہ مخطوطہ، ص:۳)

ترجمہ: ابراہیم بن عمر کی روایت ابو داود اور امام ترمذی کے نزدیک مسلم ہے، ابراہیم بن عمر کو تقریب میں مستور کہا اور میزان میں دار قطنی نے ضعیف قرار دیا اور ابن حبان نے کہا کہ کسی بھی حال میں اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ اور ابن عدی نے کہا ثقہ راوی اس کی متابعت نہیں کرتے، میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

مثال:۷۔ **قوله صالح صدوق كثير الغلط ثبت فى كتابه وكانت فيه غفلة كذا فى التقريب والصحيح ان البخارى اخرج له فى الصحيح الا انه يدلس فيقول حدثت عبد الله ولا ينسبه قال الذهبى فى الميزان**۔ (حاشیہ کتاب العلل المتناہیہ مخطوطہ، ص:۸)

ترجمہ: صالح صدوق ہے، کثیر الغلط ہے، ثبت ہے۔ اس میں غفلت ہے جیسا کہ تقریب میں ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، مگر یہ کہ یہ تدلیس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے عبد اللہ سے حدیث روایت کی لیکن اس کی طرف منسوب

نہیں کرتا میزان میں امام ذہبی نے کہا۔

مثال:۸۔قولہ وعطا، هو من رجال البخاری والاربعة صدوق اختلط وقال احمد ثقة ثقة رجل صالح من سمع منه قديما كان صحيحا ومن سمع منه حديثا لم يكن بشئ وقال ثقة فى حديثه لكنه تغير۔(حاشیہ کتاب العلل المتناہیہ مخطوطہ،ص:۹)

ترجمہ:عطا امام بخاری اور سنن اربعہ کے رجال سے ہے۔صدوق ہے،اس سے اختلاط واقع ہوا ہے،احمد نے کہا ثقہ ہے ثقہ ہے صالح مرد ہے،جس نے اس سے پہلے کی حدیث سنی وہ صحیح ہے اور جس نے بعد کی حدیث سنی وہ قلیل الروایہ ہے۔اور کہا اپنی حدیث میں ثقہ ہے البتہ متغیر ہوگیا تھا۔

مثال:۹۔قولہ یحییٰ حميد بن الربيع وقد تكلم فيه النسائی فقال ليس بشئ ولكن كان احمد بن حنبل حسن الرأى فيه وكان الدار قطنى يحسن القول فيه وقال احمد بن عثمان بن ابى شيبة انى اعلم الناس بحميد بن الربيع هو ثقة ولكنه شره يدلس وقال الدار قطنى تكلموا فيه بلا حجة اقول فقد ثبت ان الحديث حسن ان شاء الله .قوله كان كذابا اقول والظاهر انه لم يكذب فى الحديث كما حقق۔(حاشیہ کتاب العلل المتناہیہ مخطوطہ،ص:۱۰)

ترجمہ:یحیٰ حمید بن ربیع کے بارے میں امام نسائی نے کلام کیا اور کہا کہ قلیل الروایہ ہے اور احمد بن حنبل اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے اور دار قطنی اس کے متعلق اچھی بات کہتے تھے،احمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ میں لوگوں میں حمید بن ربیع کو جانتا ہوں وہ ثقہ ہے لیکن قبیح تدلیس کرتا ہے۔اور دار قطنی نے کہا کہ اس کے بارے میں لوگوں کا بلاحجت کلام ہے۔میں کہتا ہوں کہ یہ ثابت ہوگیا کہ حدیث حسن ہے۔اور اس کا قول کہ وہ جھوٹ بولتا ہے میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث میں جھوٹے نہیں ہیں جیسا کہ یہ ثابت ہوگیا ہے۔

مثال:۱۰۔وقال ابن معين بصرى ضعفه ابن معين ووثقه غيره وذكره ابن حبان فى الثقات .وقيل انه اقول به جزم الذهبى فى الميزان والمنذرى فى الترغيب وسياتى عن المصنف اخر الترجمة۔(حاشیہ تہذیب التہذیب،مخطوطہ،ص۱۔۲)ترجمہ:ابن معین بصری کو ابن معین نے ضعیف کہا اور اس کے علاوہ نے ثقہ کہا ہے،ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔میں کہتا ہوں کہ اسی پر ذہبی نے میزان میں اور منذری نے الترغیب میں جزم کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے ان مختصر حواشی سے اندازہ ہوتا ہے کہ رجال حدیث پر آپ کی وسیع اور گہری نظر تھی۔کتب رجال پر اچھی دسترس تھی یہاں تک کے رجال کے ناموں کے ساتھ ساتھ ان کے سنین وفات بھی ذہن میں حاضر تھے۔

گزشتہ شواہد و دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ وافتا کی طرح فن اسماء الرجال اور نقد رجال حدیث میں یکتائے زمانہ اور فرد روزگار تھے بلکہ آپ اپنے زمانے میں اس فن کے بے مثال امام تھے۔

میں نے اختصاراً یہاں پر آپ کی گراں قدر تحریروں کے کچھ اقتباسات اور فنی تحقیقات وتدقیقات کے کچھ جواہر پارے پیش کیے ہیں،شروع سے آخر تک آپ کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا واضح ثبوت فراہم ہوگا کہ آپ اس فن کے امام اعظم تھے، کیوں نہ ہو کہ آپ کی تصنیفات میں جہاں احادیث مبارکہ کا بحر ذخار ملتا ہے وہیں معرفت حدیث،طرق حدیث،اور علل حدیث پر بھی لاجواب بحثیں جلوہ نما ہیں،اور اصل حدیث کے ساتھ اسناد پر شاندار وافی کافی بحثیں بھی نظر آتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح علم حدیث کے جملہ فنون میں مہارت رکھتے تھے اسی طرح فن جرح و تعدیل ہو اور فن اسماء الرجال میں بھی آپ بے مثال ناقد اور فقید المثال امام المحدثین نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا اور علم عقائد و کلام

مقالہ نگار

فیضان المصطفیٰ قادری

فیضان المصطفیٰ قادری ابن مولانا فداء المصطفیٰ قادری ابن صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی۔ متولد ۱۹۷۴ء وطن گھوسی ضلع مئو۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم شمس العلوم گھوسی میں حاصل کی، ۱۹۹۱ء میں جامعہ اشرفیہ میں داخلہ ہوا، ۱۹۹۵ء میں ممتاز پوزیشن سے فراغت حاصل کی، ایک سال دہلی جامعہ نظام الدین اولیا میں انگریزی اور عربی زبان وادب کی تربیت حاصل کرنے کے بعد جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی میں ۱۹۹۷ء میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا، ۲۰۰۳ء میں امریکہ جانا ہوا جہاں پانچ سال قیام کے بعد ۲۰۰۸ میں واپس جامعہ امجدیہ کی تدریسی خدمات سنبھالی، مگر دوسری بار ۲۰۱۲ء میں جب امریکہ کے مرکزی ادارہ النور سوسائٹی آف ہیوسٹن نے انگریزی زبان میں درس نظامی کا آغاز کیا تو پرنسپل کی حیثیت سے مدعو کیا، اس وقت سے یہی خدمت جاری ہے۔ ۲۰۰۳ء میں اپنی ادارت میں جامعہ امجدیہ گھوسی سے سہ ماہی امجدیہ جاری کیا، پھر ۲۰۱۶ء میں دہلی سے ماہنامہ پیغام شریعت جاری کیا، تحریر وتدریس سے خصوصی شغف ہے۔ چھوٹے بڑے درجنوں مقالات شائع ہو چکے ہیں ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۲ء تک تین سال شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے فقہی سیمینار کے لیے اہم رکن کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کی سعادت حاصل رہی، حضور تاج الشریعہ سے بیعت وخلافت اور حضور محدث کبیر سے بھی خلافت واجازت حاصل ہے۔ رابطہ کے لیے مبائل نمبر +18326067598

امام احمد رضا اور علم کلام

علم کلام ایک تعارف

دینی علوم کی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق عمل سے ہے جس کو علم فقہ اور علم الفروع کہا جاتا ہے، دوسرے کا تعلق عقیدے سے ہے جس کو علم کلام اور علم الاصول کہا جاتا ہے۔ علم کلام کو ہی علم العقیدہ اور علم التوحید والصفات بھی کہا جاتا ہے۔ علم فقہ میں عبادات، معاملات، خصومات اور جنایات وہ سارے امور آتے ہیں جو عمل سے متعلق ہوتے ہیں، اور علم العقائد والکلام میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق ایمان اور عقیدہ سے ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود، اس کی وحدانیت اور دیگر صفات، فرشتوں کا وجود، وحی، رسالت، تقدیر، معاد حشر ونشر، جنت وجہنم وغیرہ

علم کلام کی تدوین اور تاریخ:

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں ''علم کلام'' ایک فن کی حیثیت سے مدوّن نہ تھا، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے صحابۂ کرام عقائد میں راسخ تھے، اور دین میں اختلافات بھی کم تھے، جس کے سبب ضرورت نہ تھی کہ عقائد کو اُن تفصیلات کے ساتھ بیان کیا جائے جس کا تقاضا تدوین میں ہوتا ہے۔ لیکن عہدِ صحابہ کے بعد جب اصول دین میں اختلافات پیدا ہوئے، اور الگ الگ فرقے وجود میں آنے لگے تو اصولِ دین کی ترتیب وتدوین کی ضرورت پڑی، تا کہ نفیاً واثباتاً دین کی تفصیلات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے، اور امورِ دین کے متعلق جو شبہات وارد کیے جاتے ہیں ان کے تفصیلی جوابات دیے جائیں۔ انھیں دینی عقائد کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام علم کلام اور علم العقیدۃ ہے۔ اسے ''علم کلام'' نام دینے کا سبب یا تو یہ ہے کہ اس فن کی سب سے اہم اور نزاعی بحث اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام سے متعلق ہوئی، یا یہ کہ اس فن کو حاصل کرنے کے بعد شرعیات کی تحقیق اور منکرین کے رد وانکار پر کلام کرنے کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

اسلام میں معتزلہ وہ پہلا گروہ تھا جس نے عقائد کے باب میں ظاہر سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مذہب کے خلاف اصول وقواعد کی بنا ڈالی۔

اس کا قصہ یہ ہوا کہ معتزلہ کے سردار واصل بن عطا (متوفی ۱۳۱ھ) نے حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۱۰ھ) کی مجلس سے یہ کہتے ہوئے علاحدگی اختیار کر لی کہ جو گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے وہ نہ مومن ہے نہ کافر، یعنی ایمان وکفر کے درمیان ایک منزل کا قائل ہوا، یہ دین میں نئی بات تھی، تو حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ یہ ہم سے الگ ہو گیا، اس طرح ان کا نام معتزلہ (الگ ہونے والا گروہ) پڑا، لیکن معتزلہ خود کو اصحاب العدل والتوحید کہتے تھے۔

اسلامی اصول واحکام میں معتزلہ کی ابحاث کچھ لوگوں میں مقبول ہونے لگیں، یہاں تک کہ صحابیِ رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی نسل سے حضرت امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۳۲۴ھ) منظر عام پر آئے جو اُس وقت تک معتزلہ کے گروہ میں شامل تھے، ایک بار انھوں نے اپنے استاذ ابو علی جبائی سے کہا: تین بھائیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن میں ایک نافرمان ہو کر مرا، دوسرا نیکو کار ہو کر اور تیسرا بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔ بولا: پہلا جنت میں جائے گا، دوسرا جہنم میں، اور تیسرے کو نہ ثواب ہوگا نہ عذاب۔ اس پر امام اشعری نے کہا: اگر تیسرا شخص رب سے عرض کرے: اے میرے پروردگار! مجھے صغر سنی میں کیوں وفات دی؟ مجھے بڑا ہونے کیوں نہ دیا کہ تجھ پر ایمان لاتا اور تیری اطاعت

کر کے جنت میں داخل ہوتا؟ تو رب کیا فرمائے گا؟ بولا: رب کا ارشاد ہوگا: مجھے تیرے بارے میں معلوم تھا کہ تو بڑا ہوکر نافرمانی کرتا اور جہنم میں جاتا، تو تیرے لیے بہتر تھا کہ تو صغرسنی میں وفات پا جائے۔امام اشعری نے کہا: اگر دوسرا بولے: اے میرے پروردگار! مجھے چھوٹی عمر میں وفات کیوں نہ دی؟ تا کہ میں تیری نافرمانی نہ کرتا اور جہنم میں نہ جاتا، تو رب کیا ارشاد فرمائے گا؟ اس پر جبائی لاجواب ہوگیا، لہٰذا امام ابوالحسن اشعری نے اس کا مذہب ترک کر دیا، پھر معتزلہ کا رَد اور سنت کی حمایت شروع کر دی۔ چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت آپ ہی کی راہ پر چل پڑی، جو ''اہل سنت وجماعت'' کہلائی۔

متکلمین اہل سنت کی دو جماعتیں:

اہل سنت وجماعت کے ذریعہ جو علم کلام مدوّن ہوا اس کو دو نہج پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) متقدمین کا علم کلام (۲) متاخرین کا علم کلام۔ متقدمین کا علم کلام دلائل قطعیہ پر مبنی تھا جس کی اکثر ابحاث دلائل سمعیہ یعنی قرآن وحدیث سے موّیّد تھیں، یعنی اس میں فلسفہ کا اختلاط نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کا زیادہ تر اختلاف اسلامی فرقوں خصوصاً معتزلہ سے تھا۔

پھر یونانی فلسفہ کا عربی میں ترجمہ ہوا اور مسلمانوں نے بھی اس میں دل چسپی لی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم کلام کے ساتھ فلسفہ کا خلط ملط شروع ہوگیا، علم کلام کے ساتھ فلسفہ کا اختلاط اس لیے ہوا کہ علم کلام کے مباحث کو فلسفہ کے اصول ومباحث پر بھی ثابت کیا جائے اور ساتھ ہی فلسفہ کے فاسد نظریات کا ردو ابطال کیا جائے۔ چنانچہ علم کلام میں طبعیات والٰہیات وریاضیات شامل کر لیے گئے، یہ متاخرین کا علم کلام ہے۔(ملخصاً مقدمہ شرح عقائد نسفیہ)

متاخرین کے علم کلام میں فلسفہ کے اثر ورسوخ اور اس کی ابحاث کا فلسفیانہ رنگ وآہنگ ہی وہ سبب ہے کہ بہت سارے اکابر علمائے امت نے علم کلام سے منع کیا اور اس سے تعلیم یا تعلم کسی طرح کا شغل رکھنے والوں کی مذمت کی ہے۔ یہ ممانعت دراصل ان لوگوں کو ہے جو اس کے اہل نہیں، کیوں کہ علم کلام کی بحثوں میں اگر خطا ہو جائے تو دین وایمان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، نیز یہ مذمت ان متعصبین کی ہے جو لوگوں کے عقائد میں خلل ڈالنے کے مقصد سے علم کلام سے بحث کرتے ہیں۔

بعد میں اہل سنت وجماعت کا علم کلام بھی دو گروہ میں تقسیم ہوگیا۔ایک کے سرخیل حضرت امام ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۲۴ھ) قرار پائے جن کے متبعین کو اشعری اور اشاعرہ کہا جاتا ہے، اور دوسرے کے قائد حضرت امام ابومنصور ماتریدی (متوفی ۳۳۳ھ) ہوئے جن کے متبعین کو ماتریدی یا ماتریدیہ کہا جاتا ہے۔

ان دونوں کا اختلاف کافی حد تک ''لفظی''، یعنی تعبیر وتوجیہ کا ہے، ورنہ یہ دونوں اہل سنت وجماعت ہی کے مذہب ہیں، اور دونوں اہل حق ہیں۔ ان کے سوا متعدد گروہ پیدا ہوئے جو جادۂ حق سے ہٹ جانے کے سبب گمراہ اور باطل قرار پائے، جن میں معتزلہ، کرامیہ، جبریہ، قدریہ، مشبہہ، خوارج اور روافض مشہور فرقے ہوئے۔

علم کلام کے لیے امام احمد رضا کے چند رہنما اصول:

امکانِ کذب باری کے قائلین نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ایک عبارت سے استدلال کیا، جس کے رد میں اعلیٰ حضرت نے ایک رسالہ تحریر فرمایا' جس کا نام ہے ''القمع المبین لآمال المکذّبین' اِسی رسالہ میں علم کلام کی کتابوں سے متعلق چند بنیادی امور کا تذکرہ کچھ یوں فرماتے ہیں:

''عقائد وہ سنت ہیں جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین وسلف صالحین سے ثابت ہیں، اُنھیں کے بیان کے لیے کتبِ عقائد کے متون ہیں۔ زمانۂ خیر میں یہ عقائد صدور والسنۂ ائمہ سے تلقی کیے جاتے تھے، پھر جب بدمذہبوں اور گمراہ گروں کا دور آیا تو علمائے اہل سنت کو حاجت ہوئی کہ ان کا رد کریں یہاں سے کلام متاخرین کی بنیاد پڑی، اب استدلال وبحث ومناظرہ کا پھاٹک کھلا، خود اپنے دلائل کی جانچ پرکھ کی بھی حاجت ہوئی، اذہان مختلف ہوتے ہیں، بحث واستخراج میں خطا وصواب آدمی کے ساتھ لگے

ہوئے ہیں، ایک نے مذہب پر ایک دلیل قائم کی، دوسرے نے اس پر بحث کردی کہ اپنے مذہب پر یہ دلیل کمزور ہے، مخالف اِس کا یوں رد کرسکتا ہے یا اعتراض کا یہ جواب کافی نہیں، اِس ردّ و بحث کا اثر فقط اُسی دلیل و جواب تک ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اصل مذہب باطل، یا مخالف کا ضلال حق ہے، ہر عاقل جانتا ہے کہ قائم کی ہوئی دلیل ٹوٹ جائے تو اصل مسئلہ باطل نہیں ہوجاتا۔ پھر جب تک زمانہ خیر کا قرب تھا اس ردّ و کد میں ایک اعتدال باقی تھا، جب فنِ کلام' فلسفہ داں متاخرین کے ہاتھ پڑا اب تو بات بات میں وجہ بے وجہ نکتہ چینی کی لَے بڑھی، جس سے مقصود ردّ و اثبات و منع و نقض میں ذہن آزمائی اور طاقتِ سخن کی رونمائی ہوتی ہے، وبس۔ نہ کہ معاذ اللہ مذہب سے پھریں، دین وعقائد کو باطل کریں، حاشاللہ! یہاں سے ظاہر ہوا کہ متاخر، شارح، محشّی جو کچھ بحث میں لکھ جایا کرتے ہیں وہ مطلقاً خود ان کا اپنا بھی اعتقاد نہیں ہوتا، نہ کہ تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ، عقیدہ وہ ہوتا ہے جو متون ومسائل میں بیان کردیا، بالائی تقریریں اُس کے موافق ہیں تو حق ہیں، مخالف ہیں تو وہی ان کی بحث بازیاں اور ذہن آزمائیاں اور قلم کی جولانیاں ہیں، جن کا خود انھیں اقرار ہے کہ ان میں قواعد اہل حق کی پابندی نہیں کی جاتی، اور معرفت سامع پر چھوڑا جاتا ہے کہ عقیدۂ اہلِ حق اُسے معلوم ہے، اس کی مراعات کرلے گا۔ خصوصاً وہ جن پر فلسفہ کا رنگ چڑھا ان کو تو ''لِمَ'' اور ''لانُسَلِّمُ'' کا وہ لپکا بڑھا جس کے آگے کھائی، خندق، دریا پہاڑ سب یکساں ہیں، مطارحات میں وہ باتیں کہہ جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ یہی وہ باتیں ہیں جنھوں نے اس قسم کے کلام متاخرین کو ائمہ دین کی نگاہ میں سخت ذلیل و بے قدر بنادیا''۔(ملخصاً فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۵ صفحہ ۴۷۰ تا ۴۷۲)

علم کلام کی مشہور ومتداول کتابیں:

الفقہ الاکبر:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۵۰ھ) کی کتاب الفقہ الاکبر علم کلام کی اولین کتاب مانی جاتی ہے۔ جس کی بہت شرحیں لکھی گئیں، جن میں علامہ علی القاری حنفی کی شرح ''منح الروض الازہر'' کے نام سے سب سے مقبول ہوئی۔ اس شرح کو قبول عام حاصل ہوا۔ ہمارے پیش نظر ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر کا بیروت کا نسخہ ہے جس میں مصنف نے الفقہ الاکبر کی مفصل شرح کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں امام ابوحنیفہ کے وصایا کو بھی درج کردیا ہے، وصایا کا پورا متن ایک ساتھ شامل نہیں کیا، بلکہ اس کی مختلف عبارتیں جن مباحث سے متعلق تھیں ان کے ساتھ شامل کردیں۔ نیز اس کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر اپنی طرف سے علم کلام کے چند مباحث کا اضافہ کیا ہے جس میں تمام اہم مباحثِ کلامیہ خصوصاً ایمان وکفر کی بحث اور اس سے متعلق کلماتِ علما بیان کیا ہے۔

العقیدۃ الطحاویۃ:

امام ابوجعفر طحاوی کی یہ کتاب علم کلام میں اولین مآخذ میں شمار کی جاتی ہے، امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کا آغاز ان کلمات سے کرتے ہیں: **ھذا ذکر بیان عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ علی مذھب فقھاء الملۃ أبي حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفي وأبي یوسف یعقوب بن ابراھیم الانصاری وأبي عبداللہ محمد بن الحسن الشیباني رضوان اللہ علیھم أجمعین** ۔یعنی یہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق اہل سنت وجماعت کے معتقدات کا بیان ہے۔ متن طحاویہ کی بے شمار شروح لکھی گئیں، اور آج یہ کتاب اہل علم میں مقبول ومتداول مانی جاتی ہے۔

بدأ الامالی اور اس کی شرح نخبۃ اللآلی:

''بدأ الامالی'' علامہ سراج الدین ابوالحسن علی بن عثمان اوشی فرغانی (متوفی ۵۷۵ھ) کی منظوم تصنیف ہے جو ۶۷ر اشعار پر مشتمل ہے، جس کا پہلا شعر یوں ہے:

یقو ل العبد في بدء الامالي

لتو حید بنظم کاللآلي

اس طرح کے ۶۷ر اشعار میں مصنف نے اہل سنت

وجماعت کے عقائد بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ نظم کیے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں فتاویٰ سراجیہ، مشارق الانوار اور یواقیت الاخبار وغیرہ مشہور ہیں۔ بدأ الامالی کی شرح کئی علمانے کی، جن میں حضرت محمد بن ابی بکر رازی، شیخ امام عزالدین ابن جماعۃ ہیں، لیکن اس کی جس شرح کو شہرت حاصل ہوئی وہ علامہ محمد بن سلیمان حلبی ریحاوی حنفی (متوفی ۱۲۲۸ھ) کی شرح ''نخبۃ اللآلی'' ہے۔

البدایۃ فی اصول الدین:

یہ علامہ نورالدین احمد بن محمود بن ابی بکر الصابونی حنفی متوفی ۵۸۰ھ کی تصنیف ہے، جن کے مناظرے امام رازی کے ساتھ مشہور ہیں۔ اصل میں آپ نے علم کلام میں ماتریدیہ کے مذہب پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''الکفایۃ فی الھدایۃ'' رکھا جس میں علم کلام کے مسائل پوری تفصیل سے بیان کیے، پھر اس کی تلخیص کی جس میں ان تمام مسائل کو اجمالاً بیان کیا جس کا نام ''البدایۃ فی اصول الدین'' رکھا، دونوں کتابوں میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ لیکن ''بدایۃ'' کو زیادہ شہرت ہوئی، اور لوگوں نے سب سے زیادہ اس کی نقلیں لیں، اور متداول کتب میں اس کے حوالے اور عبارتیں درج کی گئیں، شرح عقائد نسفیہ میں بھی اس کے حوالے دیے گئے ہیں۔

الاقتصاد فی الاعتقاد:

یہ امام غزالی کی کتاب ہے جو چار تمہید اور چار مقاصد پر مشتمل ہے، جن کے ضمن میں وجود باری تعالیٰ سے لے کر امامت تک کا مفصل بیان ہے۔ اس کے آخر میں تکفیر کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے آغاز میں امام غزالی فرماتے ہیں کہ اعتقاد میں افراط وتفریط کی بجائے اعتدال ومیانہ روی ہونا چاہیے نہ کہ وہ جو حشویہ کا طریق کار ہے کہ اندھی تقلید کرنا اور ظواہر کو ہر حال میں ظاہر پر محمول کرنا، اور نہ وہ جو فلاسفہ اور معتزلہ کا طریق کار ہے کہ ہر بات میں عقل کا گھوڑا دوڑانا، بلکہ جادۂ حق یہ ہے کہ تقاضائے عقل اور تقاضائے شرع دونوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ شرعِ منقول وحقِ معقول میں کوئی تضاد نہیں، اسی لیے اس کتاب کا نام آپ نے الاقتصاد فی الاعتقاد رکھا۔ یہ کتاب اہل سنت وجماعت کے معتقدات کی بنیادی کتاب مانی جاتی ہے۔

عمدۃ العقائد:

یہ ابوالبرکات امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی ماتریدی (متوفی ۷۱۰ھ) کی تصنیف ہے۔ جس کی شرح بھی خود مصنف نے ہی کی ہے جو'' شرح العمدۃ فی اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ'' اور'' الاعتماد فی لاعتقاد'' کے نام سے بھی مشہور ہوئی۔ یہ وہی امام ابوالبرکات نسفی ہیں جن کی تصنیفات میں تفسیر مدارک التنزیل، کنزالدقائق، وافی شرح کافی، رسالہ منار اور اس کی شرح کشف الاسرار مشہور ہیں۔ امام ابوالبرکات نسفی کو اللہ کی بارگاہ سے وہ انفرادی مقام حاصل ہوا کہ مختلف فنون میں آپ کی تصنیفات کو یکساں مقبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ تفسیر، فقہ واصول فقہ میں آپ کی تصنیفات جس طرح معتمد ہیں اسی طرح عقیدہ میں یہ ''شرح عمدۃ العقائد'' بھی علما کے نزدیک معتمد اور مستند ہے۔ اسی قبولیت کے سبب امام احمد رضا قدس سرہ نے ''المعتمد المستند'' میں ایک مسئلے میں امام ابوالبرکات کا شاندار دفاع کیا ہے جس کا ذکر آگے کے صفحات میں آئے گا۔

المسایرہ مع المسامرۃ:

مسایرہ امام کمال الدین ابن ہمام (۷۹۰ھ متوفی ۸۶۱ھ) صاحب فتح القدیر کی تصنیف ہے، جو امام غزالی کی تصنیف احیاء العلوم کے حصہ عقائد کا خلاصہ ہے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم کے ''ربع العبادات'' کی کتاب '' قواعد العقائد'' میں ایک رسالہ لکھا ہے، جسے بیت المقدس میں تصنیف کیا ہے، اسی لیے اس کو ''الرسالۃ القدسیۃ'' کہا جاتا ہے۔ یہ رسالہ چار ارکان پر اور ہر رکن دس اصول پر مشتمل ہے۔ آخر میں امام غزالی نے ایک فصل میں ایمان واسلام سے متعلق بحث کی ہے۔ امام ابن ہمام نے ان تمام ابواب وفصول میں امام غزالی کی متابعت کی ہے، اسی متابعت کے سبب اس کتاب نام ''مسایرۃ'' رکھا، جس کا معنی ہوتا ہے ساتھ ساتھ چلنا، جگہ جگہ کچھ امور کی قدرے تفصیل بھی فرمائی

ہے اور اشاعرہ اور ماتریدیہ دونوں مذہب کی اصطلاحات پیش کی ہے۔ ''مسایرہ'' کی شرح ان کے تلمیذ علامہ ابن ابی الشریف (۸۲۲ھ متوفی ۹۰۷ھ) نے ''مسامرہ'' کے نام سے لکھی۔

مواقف وشرحِ مواقف:

''مواقف'' کے مصنف حضرت علامہ قاضی عضدالدین عبدالرحمٰن ایجی (متوفی ۷۵۶ھ) ہیں جو علامہ سعدالدین تفتازانی کے استاذ ہیں، علم کلام میں ان کا ایک ''رسالہ عضدیہ'' بھی ہے۔ مواقف کی شرح علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) نے کی ہے جو ''شرح مواقف'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ علامہ سید شریف جرجانی کی شرح مواقف کو معقولات اور علم کلام میں درجہ استناد حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ متعدد ماہرین نے شرح مواقف پر حواشی لکھے ہیں جن میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ اور علامہ حسن چلپی کا حاشیہ بہت مشہور ہے جو شرح مواقف کے ساتھ بطور حاشیہ شائع بھی ہوتا ہے۔

شرحِ مقاصد:

یہ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے، اسے بھرپور فنی انداز میں ترتیب دیا ہے، متن اور شرح دونوں کے مصنف آپ ہی ہیں۔ آپ کے مقدمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے دوران آپ انقلاباتِ زمانہ سے گزرے، حالات بدلتے رہے یہاں تک کہ جب دوبارہ حالات سازگار ہوئے تو اس تصنیف کی تکمیل فرمائی۔ مصنف نے اس کتاب کو چھ مقاصد پر ترتیب دیا ہے جس میں پہلا مقصد ''مبادی'' اور دوسرا ''امور عامہ'' نے پوری تصنیف کو عقلیات اور حکمت کا شاہکار بنا دیا ہے۔ علما اور طلبہ علامہ تفتازانی کی مختلف فنی کتابوں کے عادی ہوگئے ہیں، اور انھوں نے مختلف فنون میں ایسی تصنیف چھوڑی ہیں جن سے اہل علم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

شرح عقائد نسفیۃ:

العقائد النسفیہ امام نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد نسفی ماتریدی (متوفی ۵۳۷ھ) کی کتاب ہے، امام احمد رضا قدس سرہ نے آپ کو معلم جن وانس اور مفتی الثقلین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ عقائد نسفیہ کی شرح علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۱ھ) نے کی، جو شرح عقائد نسفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ امام نسفی ماتریدی ہیں اور علامہ تفتازانی اشعری، لہٰذا متن اور شرح میں کہیں کہیں یہ اختلاف بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ علامہ تفتازانی کی یہ شرح ان کی دیگر کتابوں کی طرح ایسی مشہور ومقبول ہوئی کہ اس پر کافی علما نے حواشی لکھے، ان حواشی میں برصغیر میں سب سے زیادہ مقبولیت علامہ عبدالعزیز فرہاری کے حاشیہ ''نبراس'' کو حاصل ہوئی۔ اس پر علامہ احمد خیالی، ملا احمد جنیدی، علامہ عصام الدین اسفرائنی کے بھی حواشی ہیں، اور ان حواشی پر بھی حواشی لکھے گئے، جن میں علامہ خیالی پر علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ مشہور ہے۔ شیخ احمد فرید مزیدی ازہری نے ''نبراس'' کے علاوہ مذکورہ تمام حواشی اور اس کے علاوہ مزید حواشی ایک جگہ جمع کر کے ''شروح وحواشی العقائد النسفیۃ'' کے نام سے ۱۴۳۳ھ میں بیروت سے شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ حواشی علم کلام کے شائقین کے لیے کسی تحفہ سے کم نہیں۔

المعتقد المنتقد وحاشیہ المستند المعتمد:

یہ علامہ فضل رسول بدایونی کی کتاب ہے جس پر امام احمد رضا قدس سرہ کا حاشیہ ہے۔ علامہ فضل رسول بدایونی نے المعتقد المنتقد ۱۲۷۰ھ میں تصنیف کی ہے۔ مصنف اس کتاب میں مسائل کلامیہ بیان کرتے ہوئے جا بجا نجدیہ وہابیہ کے ضلالات اور اہل سنت سے انحراف پر تنبیہ کرتے جاتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تصنیف کی ضرورت اسی وجہ سے پڑی کہ نجدی فتنے کے ظہور کے سبب علم کلام کی ایسی تصنیف تقاضائے وقت تھی، تا کہ اصول کلامیہ اور اجماع امت کے ذریعہ نجدیہ کی گمراہیوں کو ظاہر کیا جائے۔ چنانچہ مصنف نے مقدمہ میں لکھا: **الی أن طلع بالنجد قرن الشیطان وصرف الربُّ شرَّہ من العرب علی ید عسکر السلطان''.**

کسی نے سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ میں مصنف سے گزارش کی تھی کہ عقیدہ میں ایسی کتاب لکھ دیں کہ اہل سنت کے عقائد واضح اور نجدیہ کی گمراہیوں کو ظاہر کر دے جس کے نتیجہ میں یہ کتاب معرض وجود میں آئی۔ (ملخصاً مقدمہ المعتقد صفحہ ۱۱)

جب یہ کتاب مکمل ہوئی تو اس پر اس عہد کے اکابر مثلاً علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی صدالدین، شیخ احمد سعید نقشبندی مجددی وغیرہ نے شان دار تقریظیں لکھیں۔ اس میں تقریباً تمام مشہور ومتداول کتب کلامیہ مثلاً العمدۃ فی الاعتقاد، الاقتصاد فی الاعتقاد، شرح المقاصد والمواقف، شفا للقاضی عیاض، اور اس کی شرحیں، شرح فقہ اکبر، وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے، کہیں اقتباسات نقل کیے اور کہیں بس اشارہ کر دیا گیا ہے، اس لیے یہ کتاب بہت جامع ہوگئی ہے۔ جب یہ کتاب مکمل ہوئی تو اس وقت تو اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، لیکن لگتا ہے کہ بعد میں اس کی اشاعت پر توجہ نہ دی گئی، چنانچہ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اس کے حاشیہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: اس کی طباعت کی طرف حامی السنن ماحی الفتن مولانا قاضی عبدالوحید حنفی فردوسی عظیم آبادی نے توجہ کی تو اس کی تصحیح کی ذمہ داری مجھے دی، میں نے ان کے جذبۂ دینی کو محسوس کرتے ہوئے انکار نہ کیا، مجھے بمبئی سے چھپا ہوا ایک نسخہ ملا جو اس قدر مخدوش حالت میں تھا کہ جیسے کاتب نے حروف تبدیل کر دیے اور کلمات بدل دیے، اس لیے مجھے اس پر بھرپور توجہ دینی پڑی۔

اس پر اعلیٰ حضرت نے علامہ وصی احمد محدث سورتی کے مشورے سے جا بجا حواشی درج فرمائے۔ اعلیٰ حضرت کا یہ حاشیہ ''المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد'' کے نام سے شائع ہوا۔ آپ نے اس حاشیہ میں تشریحات کے ساتھ ساتھ جا بجا اپنی تحقیقات کے دریا بہائے ہیں، المستند المعتمد علم کلام میں اعلیٰ حضرت کا شاہکار ہے۔

بہار شریعت حصہ اول:

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی کی تصنیف ہے۔ یہ اصل میں بہار شریعت جو کہ فقہی مسائل پر مرتب کی گئی ہے اس کا پہلا حصہ ہے۔ چونکہ بہار شریعت آپ نے افادہ عوام کے لیے تصنیف کیا اس لیے اس کا پہلا حصہ عقائد پر رکھا، کہ جس طرح لوگوں کو شرعی مسائل کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ عقائد سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ اس اعتبار سے بہت اہم کتاب ہے کہ اس میں دلائل وابحاث کے بغیر صرف عقائد اہل سنت وجماعت کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔ جگہ جگہ مصنف نے علم کلام کی مشکل ابحاث کو بطور خلاصۂ تحقیق چند جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ علم کلام کے طالب علم کو بڑی بڑی کتابیں پڑھتے وقت بطور تمہید اس کتاب کو مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

تصانیف رضا میں مذکور کتبِ علم کلام:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اپنی تصنیفات میں عقیدہ وکلام کے مسائل میں کچھ مزید کتابوں سے استدلال کرتے ہیں مثلاً: وصایا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی کی المطالب الوفیہ اور الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ، امام عبدالوہاب شعرانی کی میزان الشریعۃ الکبریٰ اور الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر، شیخ اکبر علامہ محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ، امام ماتریدی کی شرح فقہ اکبر، امام ابوالحسن اشعری کی الابانۃ فی اصول الدیانۃ، امام الحرمین قدس سرہ کی کتاب الارشاد، ملا علی قاری کی منح الروض الازہر۔ مواقف اور شرح مواقف، حاشیہ حسن چلپی، فواتح الرحموت۔ امام عبدالعزیز بخاری کی کشف الاسرار اور غایۃ التحقیق، علامہ تفتازانی کی شرح العقائد اور سنوسی کی شرح ام البراہین۔ زبدۃ، التحریر، علامہ قاسم ابن قطلو بغا تلمیذ امام ابن ہمام کا مسایرہ پر حاشیہ، شرح السنوسی للجزائریہ، علامہ بیضاوی کی طوالع الانوار، اور اس کی شرح شرح طوالع الانوار، امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر، فاضل سیف الدین ابہری کی شرح مواقف، شرح عقائد جلالی یعنی الدوانی علی العقائد العضدیہ، مسلم الثبوت، اس پر مولانا نظام الدین سہالی کی شرح مسلم الثبوت، نیز بحر العلوم علامہ عبدالعلی کی شرح فواتح الرحموت، علامہ خیالی کا حاشیہ خیالی علی شرح العقائد النسفیہ، مختصر العقائد، امام قاضی عیاض کی شفا شریف، الاعلام بقواطع

الاسلام مع سبل النجاۃ، کنز الفوائد شرح بحر العقائد۔

امام احمد رضا اور علم کلام

امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی خدمات کی جہتیں کثیر ہیں، لیکن آپ کی تجدیدی خدمات کا زیادہ تر حصہ مسائل کلامیہ سے متعلق ہے۔ آپ کے زمانے میں یا آپ سے پہلے عقائد ونظریات سے متعلق جتنے فتنے وجود میں آئے آپ نے تقریباً اُن تمام مسائل میں تحقیق حق فرما کر حقانیت کوواضح اور آشکار کردیا، اور باطل افکار کوکیفر کردار تک پہنچادیا۔ ہزاروں صفحات پر پھیلے امام احمد رضا کے اِن علمی کارناموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: کچھ تو ائمہ اعلام کے کلام کا نقل و بیان ہے، کچھ ان کے کلام کی شان دار توضیح وتشریح ہے، اور بہت کچھ ایسی توجیہات وتحقیقات ہیں جو خالص آپ کے قلم سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہوئیں اور ان میں آپ کی مجتہدانہ شان نظر آتی ہے۔

ہم ذیل میں مختلف مسائل کلامیہ پر امام احمد رضا کا موقف اور کچھ اقتباسات پیش کریں گے، اور متعلقہ رسائل رضویہ سے کچھ کا خلاصہ، خاص طور سے آپ کا رسالہ ''قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار'' جو اللہ تعالیٰ کے جسم وجسمانیات سے پاک ہونے کا وہ مدلل بیان ہے کہ آنکھوں نے دیکھا نہ ہوگا، نیز رسالہ ''سبحان السبوح فی عیب کذب مقبوح'' جو اللہ تعالیٰ کے امکانِ کذب سے پاک ہونے کو ثابت کرتا ہے، اس کے اُن مباحث کا خلاصہ پیش کریں گے جو علم کلام میں آپ کی نادر تحقیقات سے ہیں جن کی مثال علمی دنیا میں نہ ملے گی، اور ہمیں شوق ہے کہ شائقینِ علم اُن مباحث کو دیکھیں اور ذہن میں رکھیں۔ مصنف نے اُن مباحث کو اس شان سے منضبط اور مرتب کیا ہے کہ اہل حق کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، اور دل ''علم الیقین'' سے ''عین الیقین'' کی طرف سفر کرتا ہے۔

ایمان کیا ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''سید العلمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے ان سب باتوں میں ان کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے ان کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے''۔

(سبحان السبوح فتاویٰ رضویہ جلد ۱۵ صفحہ ۴۳۱)

ضروریاتِ دین وضروریاتِ اہل سنت:

رسالہ ''اعتقاد الاحباب'' کے عقیدۂ تاسعہ میں فرماتے ہیں:

''نصوصِ قرآنیہ واحادیثِ مشہورہ متواترہ و اجماعِ امت مرحومہ سے جو کچھ دربارۂ الوہیت ورسالت وما کان وما یکون ثابت سب حق ہے، اور ہم سب پر ایمان لائے، جنت اور اس کے جاں فزا اَحوال، دوزخ اور اس کے جاں گزا حالات، قبر کے نعیم وعذاب، منکر نکیر سے سوال وجواب، روزِ محشر حساب وکتاب ووزنِ اعمال، وکوثر وصراط وشفاعتِ عصاۃِ اہل کبائر، اور اس کے سبب اہل کبائر کی نجات الی غیر ذلک من الواردات سب حق ہے، جبر وقدر باطل''۔

(ملتقطاً فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۳۸۲، ۳۸۳)

رسالہ ''رد الرفضۃ'' میں ضروریاتِ دین کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

''اصل مدار ضروریاتِ دین ہیں، اور ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اگر بالخصوص ان پر کوئی نص قطعی اصلاً نہ ہو جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا کہ منکر یقیناً کافر مثلاً عالم بجمیع اجزاءہ حادث ہونے کی تصریح کسی نص قطعی میں نہ ملے گی، غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حدوث ارشاد ہوا ہے، مگر باجماع مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے، جس کی اسانید کثیرہ فقیر کے رسالہ ''مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید'' میں مذکور، تو وجہ وہی ہے کہ حدوث جمیع ماسوی اللہ ضروریاتِ دین سے ہے، کہ اسے کسی ثبوت خاص کی حاجت نہیں...

یہی سبب ہے کہ ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی''۔
(رسالہ ردالرفضہ فتاویٰ ۱۴ صفحہ ۲۶۶ پر ہے)

فتاویٰ رضویہ اول کے بالکل شروع میں ہی ضروریاتِ دین کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

''جس کے علم میں خواص وعوام سب شریک ہوں (کہ یہ دین کا حصہ ہے)، اقول: یہاں عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین سے شغل رکھتے ہیں اور علما سے ملتے جلتے ہیں، ورنہ بہت سے جاہل دیہاتی خصوصاً ہندوستان اور مشرقی علاقوں میں ایسے ہیں جن کو کثیر ضروریاتِ دین کا علم نہیں، اس معنی میں نہیں کہ وہ ان سے منکر ہیں، بلکہ اس معنی میں کہ وہ ان سے غافل ہیں۔ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ یہاں ''ضرورت'' بداہت کے معنی میں ہے، یہ بات معلوم ہے کہ بداہت ونظریت لوگوں کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہے، کہ بہت سے نظری مسئلے جو دوسرے نظری مسئلے پر مبنی ہوں جب دوسرا واضح ہوجائے تو پہلا جو اپنے ظہور میں دوسرے کے ظہور کا محتاج تھا ان کے نزدیک بدیہیات سے ہوجاتا ہے اگر چہ وہ نظری مسئلہ تھا''۔
(ملخصا مترجماً فتاویٰ رضویہ جلد اول صفحہ ۷ ناشر رضا اکیڈمی ممبئی)

''خالص الاعتقاد'' کے تمہیدی رسالہ ''رماح القہار علی کفر الکفار'' میں ضروریاتِ دین وضروریاتِ اہل سنت کے تعلق سے تفصیل ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک ضروریاتِ دین، ان کا منکر بلکہ ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

دوم: ضروریاتِ عقائد اہل سنت: ان کا منکر گمراہ ہوتا ہے۔

سوم: وہ مسائل جو علمائے اہل سنت میں مختلف فیہ ہوں، ان میں کسی طرف تکفیر وتضلیل ممکن نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص کسی ایک قول کو تحقیقاً راجح جانے کہ دلیل سے اس کو وہی درست لگا، یا تقلیداً راجح مانے کہ اپنے معتمد علما کا قول پایا۔

ضروریاتِ دین وضروریاتِ اہل سنت کی مثال:

کبھی ایک ہی مسئلے میں تینوں قسمیں موجود ہوتی ہیں، اس کی مثال نصوص میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''ید'' اور ''عین'' کا ثبوت ہے۔ اب جو کہے کہ: جیسے ہمارے ہاتھ آنکھ ہیں ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جسم کے اعضا ہیں، وہ قطعاً کافر ہے، کہ اللہ عزوجل کا ایسے ید وعین سے پاک ہونا ضروریاتِ دین سے ہے۔ اور جو کہے کہ اس کے ''ید وعین'' تو جسم ہی ہیں، مگر اجسام کی طرح نہیں، بلکہ اجسام کی مشابہت سے پاک ہیں، وہ گمراہ بددین ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا جسم وجسمانیات سے مطلقاً پاک ومنزہ ہونا ضروریاتِ عقائد اہل سنت وجماعت سے ہے۔ اور جو کہے کہ اللہ عزوجل کے لیے ''ید وعین'' ہیں، جو اس کی صفات قدیمہ سے ہیں، اور مطلقاً جسمیت سے بری ومبریٰ ہیں، جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے نہ ان میں تاویل کریں، وہ قطعاً مسلم سنی صحیح العقیدہ ہے، اگر چہ تاویل وعدم تاویل کا مسئلہ اہل سنت کا خلافیہ ہے۔

اسی طرح علم غیب کے مسئلہ میں بھی تینوں صورتیں موجود ہیں:

وہ مسئلہ علم غیب جو ضروریاتِ دین سے ہے:

اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اوروں کے علم سے زائد ہے، ابلیس کا علم حضور کے علم سے ہرگز وسیع نہیں، جو علم اللہ عزوجل کی صفت خاصہ ہے وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں، یہ سب ضروریاتِ دین سے ہیں۔

وہ مسئلہ علم غیب جو ضروریاتِ اہل سنت سے ہے:

اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غیوب خمسہ سے بہت جزئیات کا علم بخشا، اولیائے کرام کو بھی کچھ علوم غیب ملتے ہیں مگر بواسطہ رسل علیہم الصلاۃ والسلام۔ یہ ضروریاتِ اہل سنت سے ہیں۔

وہ مسئلہ علم غیب جو اہل سنت کا خلافیہ ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غیوب خمسہ کے تمام جزئیات کا علم دیا گیا، آپ کو تعیینِ وقتِ قیامت کا علم ملا، روزِ اول سے روزِ آخر تک تمام ماکان و ما یکون ، جملہ مکنوناتِ قلم و مکتوبات لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم دیا گیا، آپ کو روح کی حقیقت کا علم اور جملہ آیاتِ متشابہات کا بھی علم دیا گیا ہے، یہ اہل سنت کا اختلافی مسئلہ ہے، اس میں ماننے، نہ ماننے والے کسی پر کفر کیا ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہوسکتا۔ (ملخصاً تمہید خالص الاعتقاد فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۴۱۳ تا ۴۱۵)

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق عقائد

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق ضروری عقائد کو اپنے رسالہ ''اعتقاد الاحباب'' میں نہایت ہی مختصر، جامع اور نپے تلے کلمات میں رقم کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''حضرتِ حق سبحانہ وتبارک وتعالیٰ شانہ واحد ہے، نہ عدد سے۔ خالق ہے، نہ علت سے۔ فعال ہے نہ جوارح سے۔ قریب ہے نہ مسافت سے۔ ملک (بادشاہ) ہے مگر بے وزیر، والی بے مشیر۔ حیات وکلام وسمع وبصر وارادہ وقدرت وعلم وغیرہا تمام صفاتِ کمال سے ازلاً ابداً موصوف۔ تمام شیون وشین وعیب سے اولاً وآخراً بری۔ ذاتِ پاک اس کی ند وضد، شبیہ ومثل، کیف وکم، شکل وجسم وجہت ومکان وامد زمان سے منزہ۔ نہ والد ہے، نہ مولود۔ نہ کوئی شے اس کے جوڑ کی۔ اور جس طرح ذاتِ کریم اس کی مناسبتِ ذوات سے مبرا اسی طرح صفاتِ کمالیہ اس کی مشابہتِ صفات سے معرا۔ اوروں کے علم وقدرت کو اس کے علم وقدرت سے فقط ''ع، ل، م، ق، د، ر، ت'' میں مشابہت ہے، اس سے آگے اس کی تعالی وتکبر کا سراپردہ کسی کو بار نہیں دیتا۔ تمام عزتیں اس کے حضور پست، اور سب ہستیاں اس کے آگے نیست، بقا اس کے وجہِ کریم کے لیے ہے، باقی سب کے لیے فنا، وجود واحد ، موجود واحد، باقی سب اعتبارات ہیں، ذراتِ اکوان کو اُس کی ذات سے ایک نسبت مجہولۃ الکیف ہے جس کے لحاظ سے من وتو کو موجود وکائن کہا جاتا ہے، اور اس کے آفتابِ وجود کا ایک پرتو ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ نگاہِ ظاہر بین میں جلوہ آرائیاں کر رہا ہے، اگر اس نسبت وپرتو سے قطع نظر کی جائے ہُو کا میدان عدم بحت کی طرح سنسان، موجود واحد ہے نہ وہ واحد جو چند سے مل کر مرکب ہوا، نہ وہ واحد جو چند کی طرف تحلیل پائے، نہ وہ واحد جو بہ تہمتِ حلول عینیت اوجِ وحدت سے حضیض اثنینیت (دوئی کی پستی) میں اتر آئے۔ آیت کریمہ ''سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ'' جس طرح شرک فی الالوہیت کو رد کرتی ہے یونہی اشتراک فی الوجود کی نفی فرماتی ہے''۔

(ملخصاً رسالہ اعتقاد الاحباب فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۳۳۹ تا ۳۴۴)

علم کلام کی کتب میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق تفصیل سے کلام کیا گیا ہے، مثلاً اس کے واجب الوجود ہونے ، اور واحد ہونے پر دلائل، پھر صفات ثبوتیہ اور صفاتِ سلبیہ کے متعلق تفصیلات درج ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے بعد ہی سے اللہ تعالیٰ کے جسم وجہت ومکان کے متعلق مختلف نظریات اور توجیہات منظر عام پر آئیں، مجسمہ، مشبہ اور معطلہ جیسے فرقوں کی گمراہیوں کی گرم بازاری رہی، جس کا رد بلیغ ائمہ اعلام نے اسی دور میں کر دیا۔ مگر دورِ اخیر میں جب وہابیت کا آغاز ہوا انھوں نے سابقہ گمراہ فرقوں کے باقیات کو نیا روپ دے کر پیش کیا، بلکہ اِن کے گمراہ کن استدلال کی کچھ اور ہی اونچی اڑان رہی، پھر ان کی بھرپور خبر لینے کو مشیت ایزدی نے مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ کو پیدا فرما دیا، جنھوں نے اُن کے

گمراہ کن نظریات اور تمام تر شبہات وخرافات کو دلائل قاہرہ کے ذریعہ بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا۔

ان گمراہیوں کا سبب یا تو صفات باری تعالیٰ کے سمندر میں اپنی عقلِ نارسا کے گھوڑے دوڑانا ہے، یا آیاتِ متشابہات میں غور وخوض کرنا ہے، دونوں ممنوع تھا، لہٰذا امام احمد رضا قدس سرہ نے عقیدۂ صفاتِ الٰہی کے متعلق جو تجدیدی کارنامے انجام دیے ان کا آغاز ہم یہیں سے کرتے ہیں کہ آیاتِ متشابہات کے متعلق آپ کے کیا افادات ہیں۔

آیاتِ متشابہات کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ:

امام احمد رضا قدس سرہ باری تعالیٰ کے لیے جسم ومکان وجہت کے رد میں اپنی بے نظیر تصنیف ''قوارع القہار'' میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن ہدایت فرمانے اور آزمانے کو نازل کیا، اور فرمایا اس سے بہتوں کو ہدایت دیتا ہے بہتیروں کو گمراہ کرے، اس ہدایت وضلالت کا منشا قرآنی آیات کا دوطرح کا ہونا ہے، یعنی محکمات جن کے معنی واضح ہیں، اور متشابہات جن کے معنی واضح نہیں، یا تو ظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا جیسے حروف مقطعات، یا جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے جیسے: **اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى**. پھر گمراہ لوگ' بے علم اور سادہ لوح افراد کو بہکانے کے لیے آیاتِ متشابہات استعمال کرنے لگے ، کہ ''دیکھو قرآن میں آیا ہے اللہ عرش پر بیٹھا ہے عرش پر ٹھہر گیا ہے'' ، اور آیاتِ محکمات کو بھلا دیے، قرآن عظیم میں تو ''استوا'' وارد ہے جس کا معنی ''چڑھنا بیٹھنا'' ضروری نہیں، اہل حق اور راسخین فی العلم جانتے ہیں کہ آیاتِ محکمات سے قطعاً ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم واعراض، جہت ومکان سے پاک ہے، چڑھنا بیٹھنا مراد ہو تو عرش جو مخلوق الٰہی ہے اس کی طرف اللہ کی حاجت نکلے گی اور وہ ہر حاجت سے پاک ہے، اٹھنا بیٹھنا، چڑھنا، اترنا اجسام کے کام ہیں اور وہ ہر مشابہتِ خلق سے پاک ہے، تو یقیناً ان لفظوں کے جو ظاہری معنی سمجھ میں آتے ہیں وہ مراد نہیں۔ پھر آخر کیا معنی لیں''۔

آیاتِ متشابہات میں اہل حق کے دو مذاہب کا بیان:

مسلک تفویض: اس سلسلے میں اہل حق کے دو مذہب ہیں۔ اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ جب ظاہری معنی قطعاً مقصود نہیں اور تاویلی مفہوم متعین ومحدود نہیں تو ہم اپنی طرف سے کیا کہیں، بہتر ہے کہ اس کا علم اللہ پر چھوڑ دیں، ہمیں ہمارے رب نے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا، اور تعیینِ مراد میں غور وخوض سے منع فرمایا۔ ہم اُسی قدر پر قناعت کریں جو ہمارے رب نے فرمایا ''آمَنَّابِه كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا'' ۔ یہ مذہب جمہور ائمہ سلف کا ہے، اور یہی اسلم واولیٰ ہے، اسے مسلک تفویض وتسلیم کہتے ہیں۔ ان ائمہ نے فرمایا: استواء معلوم ہے کہ اللہ کی صفت ہے ، اس کی کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے متعلق سوال بدعت ہے۔

مسلک تاویل: دوسرے گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محکم متشابہ دو قسمیں فرما کر محکمات کو ام الکتاب کہا (القرآن ۳/۷) اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو آیتِ کریمہ نے تاویلِ متشابہات کا طریقہ خود بتا دیا، کہ ان میں وہ احتمالات نکالو جس سے وہ اصل کے مطابق ہو جائیں، اور باطل ومحال کو راہ نہ ملے، یہ ضرور ہے کہ اپنے نکالے ہوئے معنی پر یقین نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے ، مگر جب یہ معنی' محکمات کے خلاف نہیں اور عربی استعمال کے اعتبار سے بھی یہ معنی بن سکتے ہیں تو بیان کرنے میں کیا حرج ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بعض عوام الناس اتنی بات پر قناعت نہیں کر پاتے کہ ہم اس کے معنی میں کچھ نہیں کہہ سکتے ، بلکہ جب روکا جائے گا تو

خواہ مخواہ فکر کی حرص بڑھے گی پھر فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہوگا، اس لیے بہتر ہے کہ متشابہات کے معنی محکمات کے مطابق معنی کی طرف پھیر دیے جائیں کہ فتنہ وضلال سے نجات پائیں، یہ مسلک علمائے متاخرین کا ہے، اسے مسلک تاویل کہتے ہیں۔

متشابہات میں چار تاویلات:

آیات متشابہات میں علمائے متاخرین چار تاویلات کرتے ہیں:

(۱) استواء بمعنی قہر وغلبہ ہے، یعنی عرش سب مخلوقات سے اوپر ہے اس لیے اس پر اللہ تعالیٰ کے قہر وغلبہ کا ذکر فرمایا۔

(۲) استواء بمعنی علوّ ملکیت وعلوّ سلطان ہے، یہ دونوں معنی امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ذکر کیے۔

(۳) استواء بمعنی قصد وارادہ۔ یعنی عرش کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا، یہ تاویل امام ابوالحسن اشعری نے کی ہے۔

(۴) استواء بمعنی فراغ وتمامی کار، یعنی سلسلۂ خلق کو عرش پر تمام فرمایا، یہ تاویل امام ابن حجر عسقلانی نے ابن بطال سے نقل کی، یہ کلام امام ابوطاہر قزوینی کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جہت یا عرس پر ہونے میں امام احمد رضا کے ایرادات:

ضرب ۹۲ میں فرمایا کہ رب عرش پر ہے تو ایک جہت میں ہوا یا آسمان کی طرح ہر جہت سے محیط؟ پہلی شق کئی وجھوں سے باطل ہے۔

اولاً: قرآن کا ارشاد کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے (قرآن ۴/۱۲۶)

ثانیاً: ارشاد ہے تم جدھر پھرو تو وہاں اللہ کی ذات ہے۔ (سورۂ بقرہ ۱۱۵)

ثالثاً: زمین گول ہے اور پوری دنیا میں مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب نماز پڑھے تو سامنے نہ تھوکے کہ اللہ تعالیٰ اس کے منھ کے سامنے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک ہی طرف ہے تو ہر حصہ زمین پر نماز پڑھنے والے کے سامنے کیوں کر ہوسکتا ہے؟۔

رابعاً: گمراہوں کے پیشوا ابن تیمیہ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے جہت بالا میں ہونے پر دلیل پیش کی کہ دنیا بھر کے مسلمان دعا کے لیے اپنا ہاتھ سروں کی طرف اٹھاتے ہیں، یہ دلیل جس کو ائمہ کرام نے رد کر دیا اگر ثابت کرے گی تو اللہ عزوجل کا سب طرف سے محیط ہونا، کہ ایک طرف ہوتا تو وہیں کے مسلمان سر کی طرف ہاتھ اٹھاتے جہاں وہ سروں کے مقابل ہے، باقی اطراف کے مسلمان سروں کی طرف کیونکر اٹھاتے، بلکہ سمت مقابل کے رہنے والوں پر لازم ہوتا کہ اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھائیں، کہ ان مجسمہ کا معبود ان کے پاؤں کی طرف ہے، حاصل یہ کہ یہ شق ہر طرح باطل ہے۔

دوسری شق کہ وہ ہر جہت سے محیط ہو، اس پر یہ احاطہ عرش کے اندر اندر ہرگز نہ ہوگا، ورنہ استوا باطل ہوجائے گا، ان کا معبود عرش کے اوپر نہ ہوگا، نیچے قرار پائے گا، لاجرم عرش کے باہر سے احاطہ کرے گا، اب عرش اُن کے معبود کے پیٹ میں ہوگا، تو عرش اس کا مکان کیوں کر ہوسکتا ہے؟ بلکہ وہ عرش کا مکان ٹھہرا، اور اب عرش پر بیٹھنا بھی باطل ہوگیا، کہ جو چیز اپنے اندر ہو "اس پر بیٹھنا"، نہیں کہہ سکتے، کیا تمہیں کہیں گے کہ تم اپنے دل یا جگر یا طحال پر بیٹھے ہوئے ہو؟ گمراہو! حجۃ اللہ یوں قائم ہوتی ہے۔

ضرب ۹۳:

اقول: شرع مطہر نے تمام جہان کے مسلمانوں کو نماز میں قبلہ کی طرف منھ کرنے کا حکم فرمایا، یہی حکم دلیل قطعی ہے کہ اللہ عزوجل جہت ومکان سے پاک ہے۔ اگر اس

کے لیے ''طرف وجہت'' ہوتی تو محض باطل و مہمل ہوتا کہ اصل معبود کی طرف منھ کر کے اس کی خدمت میں کھڑا ہونا چھوڑ کر ایک اور مکان کی طرف سجدہ کرنے لگیں، حالانکہ معبود دوسرے مکان میں ہے۔ بادشاہ کا مجرائی اگر بادشاہ کو چھوڑ کر دیوان خانہ کی کسی دیوار کی طرف منھ کر کے آداب مجرا بجالائے اور دیوار ہی کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے تو بے ادب مسخرہ کہلائے گا یا مجنون پاگل، ہاں اگر معبود سب طرف سے زمین کو گھیرے ہوتا تو البتہ جہت قبلہ مقرر کرنے کی وجہ ہوتی، کہ جب وہ ہر سمت سے محیط ہے تو اس کی طرف منھ تو ہر حال میں ہوگا ہی، ادب کے طور پر ایک سمت خاص بنادی گئی، مگر معبود ایسے گھیرے سے پاک ہے۔

جسم وجہت ومکان کی حامل نصوص کی توجیہ:

''قوارع القہار'' کے پانچویں تپانچہ میں ان تمام نصوص وروایات کے متعلق جن میں جسم ومکان وجہت کے مثل وارد ہوا ان کا حل ذکر کیا جو اہل سنت کو یاد رکھنے کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

جسم وجسمانیات ومکان وجہات واعضا وآلات اور اس کے مثل جو کچھ وارد ہوا ان میں جو کچھ روایۃً ضعیف ہیں اور زیادہ وہی ہیں اور صریح تشبیہ انھیں میں ملیں گی انھیں خدا کے موفق بندے جَو کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ اور جو روایۃً صحیح مگر خبر آحاد ہوں وہ بھی اگر متواترات سے موافق المعنی نہ ہوں تو قبول نہیں کرتے۔ **فان الاحاد لاتفید الاعتماد في باب الاعتقاد ولو فرضت في أصح الكتب بأصح الاسناد** ۔ رہ گئے متواترات' اور وہ چند ہی ہیں اور وہ بھی مشہور محاورات عرب کے موافق قابلِ تاویل' مثلاً: ید، وجہ، وعین، وساق، واستواء، واتیان، ونزول وغیرہا، ان میں تاویل کیجیے تو راہ روشن اور تفویض کیجیے تو سب سے احسن۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ ۲۹ صفحہ ۱۷۹)

امام احمد رضا کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نصوص دو قسم کی ہیں، یا تو عقائد کے متعلق قابل قبول نہیں یعنی ظنی ہوں' تو اُن کو اِس تعلق سے رد کر دیا جائے گا، یا وہ قابل رد نہیں، یعنی نصوص قطعیہ متواترات ہوں، تو اُن میں دو راستے ہیں: یا تو محاوراتِ عرب کے مطابق اس کی تاویل کریں، یا تفویض وتسلیم کی راہ اختیار کریں' یعنی: جو اُس کے ظاہر معنی سمجھ آتے ہیں وہ محال ہے ہرگز مراد نہیں، اور اصل معنی ٔ مراد کیا ہے؟ وہ ہمیں نہیں معلوم، وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اِن نصوص میں اِن کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''اب ہدایت کی راہ یہ ہے کہ جب آیات واحادیث' عرش وکعبہ وآسمان وزمین وہر موضع ومقام کے لیے وارد ہیں تو اب تین حال سے خالی نہیں، یا تو اُن تمام میں بعض کو ظاہر پر محمول کریں اور بعض میں تفویض وتاویل کریں، یا سب ظاہر پر ہوں، یا سب میں تفویض وتاویل۔ اول ترجیح بلا مرجح، اور اللہ عزوجل پر بلا وجہ حکم لگانا ہے، ثانی عقلاً ونقلاً باطل کہ مکینِ واحد وقتِ واحد میں متعدد مکانات میں نہیں ہوسکتا، تو ہر جگہ ہونا اسی صورت میں بنے گا کہ ہوا کی طرح ہر جگہ بھرا ہو، اور اس سے ناپاک اور باطل بات کیا ہوگی؟، لامحالہ تیسری شق ہی حق ہے، اور آیاتِ استوا سے لے کر یہاں تک کوئی آیت کوئی حدیث اس محال وبیہودہ معنی پر محمول نہیں جو ناقص اَفہام میں ظاہر الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں، بلکہ ان کے پاکیزہ معانی ہیں جو اللہ عزوجل کے جلال کے لائق ہیں، اور ان کی حقیقی مراد کا علم اللہ عزوجل کو سپرد ہے''۔ (ملخصاً قوارع القہار فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ تا صفحہ ۱۸۹)

اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان

علمائے دیوبند نے کذبِ الٰہی کو ممکن قرار دیا، اور اللہ تعالیٰ کو جھوٹ بولنے پر قادر مانا، جیسا کہ براہین قاطعہ میں صاف لکھا ''امکانِ کذب کا مسئلہ اب جدید کسی نے نہیں نکالا، بلکہ قدماء میں

اختلاف ہوا ہے کہ آیا خلف وعید جائز ہے، الیٰ ان قال: اور امکانِ کذب خلف وعید کی فرع ہے“ اور اسمٰعیل دہلوی نے اس پر رسالہ یکروزی میں تفصیل کی، اور کذبِ الٰہی کے ممکن ہونے پر استدلال کیا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے جواب میں مفصل کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے: ”سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح“، اور قائلین امکانِ کذبِ الٰہی کے تمام دلائل کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا ہے، جس کے ضمن میں صفاتِ الٰہی کی بحث سے متعلق بہت اہم علمی مسائل کی نادر تحقیقات آ گئی ہیں، یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مترجم کی پندرہویں جلد میں صفحہ ۳۱۱ سے صفحہ ۴۵۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس کتاب کے اہم مباحث کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے“ کا مفہوم:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ ۱۵/۳۱۴ پر ”سبحان السبوح“ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات صفاتِ کمال ہیں، اور جس طرح اللہ تعالیٰ سے صفاتِ کمال کا سلب ممکن نہیں‘ اسی طرح اُس کے لیے صفاتِ نقص کا ثبوت بھی ممکن نہیں، اور صفت کا بروجہِ کمال ہونا یوں کہ جس قدر چیزیں اس کے تعلق کے قابل ہیں اُن کا کوئی ذرہ اُس کے احاطۂ دائرہ سے باہر نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ موجود ومعدوم وموہوم کوئی بے تعلق نہ رہے‘ اگر چہ صلاحیت تعلق نہ رکھتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ (۶/۱۰۲) یہاں ہر چیز سے صرف حوادث مراد ہیں قدیم یعنی ذات وصفاتِ الٰہی مخلوقیت سے پاک ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ (۶۷/۱۹) وہ ہر چیز دیکھتا ہے، یہ تمام موجودات قدیمہ وحادثہ سب کو شامل ہے مگر معدومات خارج ہیں دیکھے جانے کی صلاحیت موجود ہی میں ہے معدوم کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

تیسری جگہ ارشاد ہے: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۵/۱۲۰) وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ یہ موجود ومعدوم سب کو شامل بشرط حدوث وامکان، کہ واجب ومحال لائق مقدوریت نہیں۔

چوتھی جگہ ارشاد ہے: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲/۲۹)، وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ واجب وممکن وقدیم وحادث وموجود ومعدوم وموہوم سب کو شامل ہے، جس کے دائرے سے کچھ خارج نہیں۔

ان چاروں مقامات پر ”كُلُّ شَيْءٍ“ ہے، مگر ہر صفت نے اپنے ہی دائرے کی چیزوں کا احاطہ کیا ہے، تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے‘ دائرۂ خلق میں نہ آنے سے اللہ کی خالقیت میں نقص نہیں آتا‘ اسی طرح صفتِ قدرت میں وہ تمام چیزیں جو وجود کے قابل ہوں گی وہ داخل ہوں گی، اور واجبات ومحالاتِ عقلیہ شامل نہ ہوں تو اس کی قدرت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عوام کو بہکانے کے لیے یہ جو کہتے ہیں کہ کذب یا فلاں عیب پر اللہ عزوجل کو قادر نہ مانا تو معاذ اللہ عاجز ٹھہرا اور ”اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ“ کا انکار ہوا‘ یہ سب عیاری اور بہکانے کی تدبیر ہے۔

کذبِ الٰہی کے محال ہونے پر اجماع:

امتناعِ کذبِ الٰہی پر تمام اشعریہ وماتریدیہ کا اجماع ہے، بلکہ معتزلہ وغیرہ فِرَق باطلہ بھی اس میں اہل حق کے ساتھ ہیں۔ اس مقام پر اعلیٰ حضرت نے ”سبحان السبوح“ میں درج ذیل کتبِ کلامیہ سے تیس عبارتیں پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں رہا ہے: شرح مقاصد، شرحِ عقائد نسفیہ، طوالع الانوار، مواقف وشرح مواقف، مسامرہ، تفسیر کبیر للرازی، تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، تفسیر علامہ ابو السعود عمادی، تفسیر روح البیان،

شرح السنوسیۃ، شرح مواقف للابہری ، شرح عقائد جلالی، کنز الفوائد، شرح فقہ اکبر لعلی القاری، مسلم الثبوت، شرح مسلم الثبوت للسہالی، فواتح الرحموت، تفسیر عزیزی۔ چند عبارتیں درج ذیل ہیں:

شرح مقاصد میں ہے: **الکذب محال باجماع العلما لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وهو على الله تعالىٰ محال.** (۱۰۴/۲)

شرح عقائد نسفی میں ہے: **کذب کلام الله تعالىٰ محال.** (صفحہ ۷۱ مطبوعہ دار الاشاعت قندھار)

مواقف میں ہے: **انه تعالىٰ يمتنع عليه الكذب اتفاقاً اما عندالمعتزلة فلان الكذب قبيح وهو سبحانه لايفعل القبيح واما عندنا فلانه نقص والنقص على الله محال (المقصد السابع بحث انه تعالىٰ متكلم)**

مسایرۃ میں ہے: **يستحيل عليه تعالىٰ سمات النقص كالجهل والكذب.** (صفحہ ۳۹۳)

فواتح الرحموت میں ہے: **الله تعالىٰ صادق قطعاً لاستحالة الكذب هناك ۔(۶۲/۱)**

اللہ تعالیٰ پر کذب محال ہونے کے دلائل:

اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کذب باری کے محال ہونے اور امکان کذب کے باطل ہونے پر تیس دلیلیں دی ہیں، جن میں پانچ کتبِ علما سے اخذ کی ہیں اور پچیس دلیلوں کا خود اضافہ فرمایا، جن پانچ کو کتب سے اخذ کر کے درج فرمایا وہ یہ ہیں:

دلیل اول:

کذب عیب ہے اور ہر عیب باری تعالیٰ کے حق میں محال۔ یہ دلیل اکثر کتب کلامیہ میں مذکور فرمائی گئی۔

دلیل دوم:

کذبِ الٰہی ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں گے کہ اٹھائیں نہ اٹھیں، قرآن کریم و وحی حکیم، حشر و نشر وحساب و کتاب وجنت و نار و ثواب وعذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں۔ ممکن وہی ہے جسے وجود وعدم سے یکساں نسبت ہو خواہ کتنا ہی مستبعد ہو مگر عقل عدم وقوع پر جزم نہیں کر سکتی، کہ ہر ممکن مقدور، اور ارادۂ الٰہیہ امر غیب ہے جس تک عقل کی رسائی نہیں، پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اگر چہ کذب زیر قدرت ہے مگر مجھے ارادۂ الٰہیہ معلوم ہے کہ ازل سے ابد تک نہ بولے گا، جہاں صاحبِ ارادہ جل مجدہ خود خبر دے کہ فلاں امر ہم کبھی صادر نہ فرمائیں گے جیسے: **لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا**۔ اور **یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ**۔ بلکہ زید بکر کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں کام وہ کر تو سکتا ہے لیکن کبھی نہ کرے گا۔

خلاصہ یہ کہ جب کذب عقلاً ممکن تو استحالہ عقلی تو تم نے خود نہ مانا، رہا استحالہ شرعی وہ تو دلیل شرع سے مستفاد ہوگا، اور دلائل شرع سب کلام الٰہی کی طرف منتہی، تو جس کلام الٰہی سے کذبِ الٰہی کا استحالہ ثابت کیجیے پہلے اسی کلام الٰہی کے صدق کا وجوبِ شرعی ثابت کیجیے، لاجرم دور یا تسلسل سے چارہ نہیں۔ اب عقلی وشرعی دونوں استحالے اٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی بات معاذ اللہ زید وعمرو کی سی بات ہو کر رہ گئی۔ **تَعَالَى اللّٰہُ عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا کَبِیۡرًا**۔ یہ دلیل شرح مقاصد سے اخذ کی گئی ہے۔

دلیل سوم:

اگر کذبِ باری ممکن ہو تو بندے کا جزوی طور پر اللہ سے اکمل ہونا لازم آئے گا، کیونکہ کسی امر واقع کے متعلق ممکن ہے کہ کوئی سچی خبر دے، کوئی جھوٹی خبر دے، تو جو سچی خبر دے گا وہ خاص اس خبر کے متعلق جھوٹی خبر دینے والے سے افضل ہوگا، اگر چہ دیگر ہزاروں وجوہ سے مفضول ہو۔ تو اللہ کے لیے معاذ اللہ کذب ماننے سے کسی خاص امر واقع

میں یہ صورت حال ہوسکتی ہے کہ بندہ افضل ہو اور وہ مفضول، معاذ اللہ رب العٰلمین، یہ دلیل مواقف وشرح مواقف سے ماخوذ ہے۔

دلیل چہارم:

جب اہل سنت کے نزدیک اللہ عزوجل کا صدق ازلی تو کذب محال، کہ ہر ازلی ممتنع الزوال، کہ مخالفین بھی اللہ عزوجل کو صادق بالفعل مانتے ہیں، اگر چہ صادق بالضرورۃ ہونے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ جب کذب ممکن جانا اور امکان جانبِ مخالف سے سلبِ ضرورت کا نام ہے تو لا جرم باری تعالیٰ کے صادق ہونے کو ضروری نہ مانا، مگر صادق بالفعل ماننے سے ہی ان کا مذہب باطل ہوگیا، کیوں کہ جب وہ صادق ہے اور صدق مشتق قیام مبدء کو مستلزم، تو واجب کہ صدق اس کی ذات پاک سے قائم، اور ذاتِ الٰہی سے قیامِ حوادث محال، تو ثابت کہ صدقِ الٰہی ازلی ہے۔ اس کا افادہ امام رازی نے فرمایا۔

دلیل پنجم:

اگر باری تعالیٰ کذب سے متصف ہوسکے تو اس کا کذب اگر ہوگا تو قدیم ہی ہوگا، کہ اس کی کوئی صفت حادث نہیں۔ اور جو قدیم ہے معدوم نہیں ہوسکتا تو لازم کہ صدق الٰہی محال ہوجائے حالانکہ یہ بالبداہۃ باطل تو کذب سے اتصاف ناممکن۔ یہ دلیل تفسیر کبیر ومواقف وشرح مقاصد میں ہے۔

ان پانچ دلیلوں کے بعد پچیس دلیلیں اپنی طرف سے اضافہ فرمائیں، جن میں زیادہ تر منطقی اور عقلی استدلالات پر مبنی ہیں، اور یقین کا افادہ کرتی ہیں، یہاں ہم صرف آخری دلیل کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس سے آپ کے دلائل کی عظمت کا اندازہ ہوگا، نیز آخری دلیل اس لیے بھی ہم پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اس کا انوکھا انداز دل کو طمانیت کی دولت سے سرفراز کرتا ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقاً سے انوکھا استدلال:

تیسویں دلیل میں فرماتے ہیں:

ارشادِ الٰہی ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقاً وَّعَدْلاً لَّامُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ اس کا مطلب مفسرین نے یہ بتایا کہ کلام الٰہی صدق کے آخری درجے تک پہنچا ہوا ہے۔ صدق کے درجات یہ ہیں:

پہلا درجہ: روایات وشہادات میں جھوٹ سے بچے، مگر ہنسی مزاح میں یا عبث کے طور پر کذب کا استعمال کرتا ہو جیسے کوئی کہے: ''آج مسجد میں لاکھوں لوگ تھے''، ایسا کہنے والا کاذب نہیں مانا جاتا، نہ گنہگار رہتا ہے، نہ مردود الروایۃ۔

دوسرا درجہ: لغو وعبث جھوٹوں سے بچے، مگر نثر نظم میں ایسے شاعرانہ خیالات ظاہر کرے جن کا واقعہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔

تیسرا درجہ: ان سے بھی پرہیز کرے، مگر وعظ وتمثیل میں ایسے امور بیان کرے جو حقیقت پر مبنی نہیں، جیسے: کلیلہ ودمنہ کی روایتیں کہ سب کو معلوم کہ نصیحت کے لیے یہ تمثیلی باتیں ہیں، جن سے دینی منفعت مقصود ہے، پھر بھی چونکہ واقعہ کے مطابق نہیں لہٰذا قرآن مجید کو ''اساطیر الاولین'' کہنا کفر ہوا۔

چوتھا درجہ: ہر قسم کی حکایات سے بچے، مگر سہو وخطا کے طور پر خلافِ واقع حکایت ہوسکتی ہو، یہ درجہ خاص اولیاء اللہ کا ہے۔

پانچواں درجہ: اللہ عزوجل سہواً وخطاءً بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان وقوعی باقی ہو، یہ درجہ صدیقین کا ہے۔

چھٹا درجہ: معصوم من اللہ ومؤید بالمعجزات ہو کہ کذب کا امکانِ وقوعی بھی نہ رہے، مگر نظر بہ نفس ذات' امکانِ ذاتی ہو، یہ رتبہ حضراتِ انبیا ومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

ساتواں درجہ: کذب کا امکانِ ذاتی بھی نہ ہو، بلکہ محالِ عقلی ہو، یہ انتہائی درجۂ صدق ہے، جس کے آگے کوئی درجہ متصور نہیں۔ تو جب قرآنِ مجید نے رب عزوجل کے صدق کو انتہائی درجے پر قرار دیا تو لازم کہ جس طرح اس سے صدورِ ظلم محال عقلی ہے اسی طرح

صدور کذب بھی محالِ عقلی ہو، ورنہ صدقِ الٰہی غایت تک نہ پہنچا ہوگا ،اوراس کے اوپر ایک اور درجہ بھی ہوگا۔

امکانِ کذبِ الٰہی کے دلائل کا رد:

تنزیہ سوم: وہابیہ کے دلائل کا رد:

اسماعیل دہلوی نے رسالہ یکروزی میں امکانِ کذب کے دلائل بیان کیے:

اسماعیل دہلوی کی پہلی دلیل:

اگر کذبِ الٰہی محال ہو اور محال پر قدرت نہیں تو اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہوگا، حالانکہ اکثر آدمی اس پر قادر ہیں تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ گئی، یہ محال ہے، تو واجب کہ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہو۔

رد: اولاً :انسان کے اعمال واقوال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، انسان کو کسب کا اختیار ہے، اس کے سارے افعال اللہ کی ہی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، یہ بڑا فریب ہے کہ آدمی کا فعل قدرتِ الٰہی سے جدا مانے، یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے۔ تو انسان کی قدرت اللہ کی قدرت سے کیسے بڑھ جائے گی؟

ثانیا: انسان خود جھوٹ بولنے پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ سے بلوانے پر نہیں، قدرت بڑھنا تو جب ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آدمی سے جھوٹ بلوانے پر قابو نہ رکھتا، اللہ اپنے کذب پر قادر نہ ہو تو انسان کو اس رب جلیل کے کذب پر کب قدرت تھی؟ کہ اس کی قدرت قدرتِ الٰہی سے بڑھ گئی۔ یعنی یہاں دو چیزیں ہیں: کذبِ انسانی ،کذبِ ربانی، کذبِ انسانی پر انسان کو مجازاً قدرت ہے اور حق تعالیٰ کو حقیقۃً، رہا کذبِ ربانی، اس پر نہ قدرتِ انسانی نہ قدرتِ ربانی، تو انسان کی قدرت کس بات میں معاذ اللہ قدرتِ ربانی سے بڑھ گئی؟۔

ثالثاً: محال پر قدرت ماننا اللہ عزوجل کو سخت عیب لگانا ہے، بلکہ اس کی خدائی سے منکر ہونا ہے، ابن حزم ظاہری نے الملل والنحل میں لکھا: ''اللہ تعالیٰ اپنے لیے بیٹا بنانے پر قادر ہے، کہ قادر نہ ہو تو عاجز ہوگا''۔ اس دلیل کو متکلمین نے رد کیا کہ عجز تب لازم آتا ہے جب ایسی چیز پر قدرت نہ ہو جو احاطۂ قدرت میں آتی ہو، محالِ عقلی کے اندر قدرت سے تعلق کی صلاحیت نہیں، تو قدرت میں عجز نہیں۔

رابعاً: اگر یہ دلیل مان لیں کہ آدمی جو کچھ کر سکے خدا بھی اپنی ذات کے لیے کرسکتا ہے، اور معلوم ہے کہ نکاح اور زوجہ سے ہم بستری اور رحم میں ایصالِ نطفہ قدرتِ انسانی میں ہے، تو واجب ہوگا کہ خدا بھی یہ کام کر سکے، معاذ اللہ! ورنہ آدمی کی قدرت بڑھ جائے گی، اگر یہ ممکن ہو تو خدا کے لیے بچہ ہونا ممکن، اور خدا کا بچہ خدا ہی ہوگا تو دو خدا کا امکان ہوا، اور جب ایک ممکن تو کروڑوں ممکن، کہ قدرتِ خدا لامحدود ہے۔

خامساً: آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے، پاخانہ پیشاب کرتا ہے، آدمی قادر ہے کہ نہ دیکھنا چاہے تو آنکھیں بند کرلے، خود کو آگ میں یا دریا میں ڈال دے، رافضی وہابی ہو جائے، تمہارے مطابق خدا بھی یہ سب باتیں کرسکتا ہے ورنہ عاجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں۔

اسماعیل دہلوی کی دوسری دلیل:

عدمِ کذب' اللہ تعالیٰ کی صفتِ مدح ہے، بخلاف گونگے اور پتھر کے، کہ ان کو کوئی عدمِ کذب سے مدح نہیں کرتا، ظاہر ہوا کہ کمال یہی ہے کہ ایک شخص جھوٹے کلام پر قادر تو ہو لیکن مصلحت اور حکمت کے تقاضے کے طور پر ایسا نہ کرے، ایسا ہی شخص عدمِ کذب سے ممدوح ہوگا، برخلاف جس کی زبان ماؤف ہو' کہ جھوٹا کلام کر ہی نہیں سکتا، یا کوئی اس کا منھ بند کر دیتا، یا گلا دبا دیتا ہو، ایسے لوگ جھوٹ نہ بولنے سے قابلِ مدح نہیں۔

رد: اس استدلال کے رد میں ماہر علم کلام امام احمد رضا قدس سرہ نے ''تازیانہ'' کے نام سے رد کے ۳۵ تازیانے لگائے اور سب ایسے مفصل ومدلل کہ قاری پڑھتا جائے اور دلائل کی ایک حیرت انگیز دنیا کی سیر کرتا جائے، ہم ذیل میں ان کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

پہلا تازیانہ:

اس دلیل نے تو تمام عقائدِ تنزیہ وتقدیس کی جڑ کاٹ دی۔

اصولِ اسلام کے ہزاروں عقیدے باطل و بے دلیل ہوگئے، کیوں کہ ان عقائد پر مسلمانوں کے ہاتھ میں یہی دلیل تھی کہ اللہ عزوجل پر نقص وعیب محال بالذات ہیں، اب یہ مبنٰی ہی نہ رہا تو خدا کا عاجز، جاہل، احمق، کاہل، اندھا، بہرا، ہکلا، گونگا سب کچھ ہونا ممکن ہوا۔ کھانا، پینا، اونگھنا، سونا، بیمار ہونا، بچہ جننا، مرجانا اور مر کے پھر پیدا ہونا سب جائز ہوگئے۔ شرحِ مواقف کے حوالے سے بیان کیا کہ ہمارے لیے معرفتِ صفاتِ باری کے لیے صرف دو راستے ہیں ،افعالِ الٰہی سے استدلال، اور یہ کہ اس پر عیوب ونقائص محال، دوسرا راستہ تم نے بند کردیا، مثلاً: نصوصِ شرعیہ میں کہیں تصریح نہیں کہ باری عزوجل اَعراض واَمراض وبول وبراز سے پاک ہے، اس کا ثبوت کیا ہوگا؟ اور نصوص جن صفات کے متعلق ہیں وہ بھی محض وقوع اور عدمِ وقوع پر دلیل دیں گے، وجوب واستحالہ وازلیت وابدیت کہاں سے ثابت کروگے؟۔ ’’بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ‘‘ اور ’’عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ‘‘ سے علم وقدرت تو ثابت، یہ کیسے ثابت ہوگا کہ ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے؟۔ ’’وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ‘‘ . ’’لَا تَأْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ‘‘ ، کا اتنا حاصل کہ کھاتا، پیتا، سوتا، اونگھتا نہیں، یہ تو نہ ثابت ہوسکے گا کہ یہ اموراس پر محال ہیں، غرضیکہ ہزار ہا صفاتِ ثبوتیہ وسلبیہ کی دلیل یہی یقینی عقلی بدیہی اجماعی ایمانی مسئلہ ہے کہ باری تعالیٰ پر عیب ومنقصت محال بالذات ہے، جب یہی ہاتھ سے گئی توسب کچھ جاتا رہا، نہ دین رہا نہ عقل، نہ ایمان نہ نقل۔ ہاں وہابیہ نجدیہ کو دعوتِ عام ہے کہ اپنے امام کی اِسی دلیل کو مان کر ذرا بتائیں کہ ان کا معبود بول وبراز سے بھی پاک ہے یا نہیں؟ حاش للہ، امتناع تو امتناع، عدمِ وقوع کے بھی لالے پڑیں گے۔ آخر قرآن وحدیث میں تو کہیں اس کا ذکر نہیں، نہ افعالِ الٰہی اس کی نفی پر دلیل ۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ اس طائفہ نے ایسا بیج بویا کہ لاکھوں عقائد اسلام کو ڈبو دیا، پھر دعویٰ ہے کہ دنیا بھر میں ہم ہی موحد ہیں، باقی سب مشرک ۔سچا معبود جل وعلا پاک منزہ وسبوح وقدوس ہے جس کے لیے تمام صفاتِ کمالیہ ازلاً ابداً واجب للذات ہیں، اور اصلاً کسی عیب سے ملوث ہونا قطعاً جزماً محال بالذات۔ یہ وہابیہ کا خدائے موہوم ہے جو اپنے لیے عیوب وفواحش پر قدرت تو رکھتا ہے مگر لوگوں کے شرم ولحاظ یا ہمارے سچے خدا کے قہر وغضب سے ڈر کر باز رہتا ہے۔

تازیانہ۲:

اس نے باری عزوجل کا نقائص سے ملوث ہونا صرف ممکن نہیں، بلکہ ناقص بالفعل جانا ہے، کیونکہ جب اس نے اللہ تعالیٰ پر عیب ونقصان کا امکان مانا اس کا مطلب ہوا کہ کمالات کو اس کا مقتضائے ذات نہ جانا، تو کمال حقیقی سے بالفعل خالی اور حقیقۃً ناقص ہوا۔

تنبیہ : دوسری کتاب ’’ایضاح الحق‘‘ میں مسائلِ تنزیہ وتقدیسِ باری تعالیٰ کو جن پر تمام اہل سنت کا اجماع قطعی ہے بدعت ِحقیقیہ بتایا اور لکھ دیا کہ خدا کو زمان ومکان وجہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلا کیف حق ماننا سب بدعت حقیقیہ ہیں۔ (ایضاح الحق الصریح)

اہل سنت کے نزدیک صفات باری تعالیٰ واجب لذات اللہ ہیں، اختیاری نہیں:

اعلیٰ حضرت حاشیہ معتقد میں فرماتے ہیں کہ صفات باری واجبۃ الذات لاقتضاء الذات ہیں، واجب بالذات نہیں، ذات سے بالایجاب دون الاختیار صادر ہیں، جیسا کہ امام رازی نے ثابت کیا ہے اور یہی حق ہے کیوں کہ تعدد واجب محال ہے، اور اس لیے کہ صفات الٰہی ذات الٰہی کی محتاج ہیں۔ (ملخصاً المستند صفحہ ۲۷، ۲۸)

تازیانہ۳:

صدق کو اللہ عزوجل کے صفات کمالیہ سے کہتا ہے پھر اسے امر اختیاری جانتا ہے کہ باری تعالیٰ نے عدم صدق پر قدرت کے باوجود صدق کو برعایتِ مصلحت اختیار فرمایا، اہل سنت کے مذہب میں اللہ عزوجل کے کمالات اس کے یا کسی کے قدرت واختیار سے نہیں ، بلکہ باقتضائے نفسِ ذات ہیں، اس کی ذاتِ پاک کے لیے لازم وواجب ہیں، تمام کتب کلامیہ اس کی تصریح سے مالا مال ہیں، مجھے

حیرت ہے کہ اس بیباک بدعتی کو کیوں کر الزام دوں، اگر کہتا ہوں کہ اللہ کے صفات کمالیہ کا اختیاری نہ ہونا ائمہ اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے تو جیسے اس نے مسائل تنزیہ وتقدیس کو بدعت حقیقیہ لکھ دیا یہاں اس کو یہ کہتے کون زبان پکڑتا ہے کہ ائمہ اہل سنت سب بدعتی تھے، اور اگر یوں استدلال کروں کہ جب کمال اختیاری ٹھہرے تو چاہے حاصل کرے چاہے نہ کرے، تو عیب ونقصان روا ٹھہرا، اب باری تعالیٰ کا موصوف بصفاتِ کمالیہ ہونا کچھ ضروری نہ ہوا، تو یہ تو اس کا عین مذہب ہے، صاف لکھ چکا کہ باری عزوجل میں عیب وآلائش ممکن، مگر ان کے پیروؤں سے کہوں گا کہ آنکھ کھول کر دیکھو کس معتزلی کرّامی کو امام جانتے ہو جو عقائد اہل سنت کو رد کرتا جاتا ہے، پھر نہ کہنا کہ ہم سنی ہیں۔

انھوں نے (اسماعیل دہلوی نے) کمالاتِ باری تعالیٰ کا اختیاری ہونا صرف صدق میں ہی نہیں رکھا، بلکہ مسئلہ علم الٰہی میں بھی اس کی تصریح کی، کہ تقویۃ الایمان میں صاف لکھا: ''غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہیے کر لیجیے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے''۔ یہ اللہ پر صریح بہتان ہے، صاف اقرار ہے کہ چاہے علم حاصل کر لے چاہے جاہل رہے۔ شاباش بہادر! اچھا ایمان رکھتا ہے خدا پر۔ امام ابوحنیفہ نے فقہ اکبر میں فرمایا کہ صفات الٰہی ازلی ہیں، نہ حادث نہ مخلوق تو جو انھیں حادث یا مخلوق بتائے یا ان میں تردد کرے وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے۔

تازیانہ۴:

صدقِ الٰہی اختیاری ہو، اور قرآن عظیم قطعاً اس کا کلامِ صادق' تو واجب ہوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مقتضائے ذات نہ ہو، اور باجماعِ مسلمین جو کچھ ذات ومقتضائے ذات کے سوا ہے سب حادث ومخلوق ہے، تو اُس (اسماعیل دہلوی) کے مطابق قرآن مجید کو مخلوق ماننا لازم۔

اس مقام پر امام احمد رضا قدس سرہ نے علمائے امت کی ۳۲ عبارات پیش کیں جن میں قرآن مجید کو مخلوق ماننا کفر لکھا ہے۔

تازیانہ۵:

''کذب پر قادر ہو کر اجتناب کرتا ہے'' پر نقوض:

صدقِ باری تعالیٰ صفتِ کمال ہے، جس سے اس کی مدح کی جاتی ہے، اور اسماعیل دہلوی کے نزدیک قابل مدح یہ ہے کہ کذب پر قادر ہو کر اس سے بچے، سرے سے قدرت ہی نہ ہوئی تو عدمِ کذب میں کیا خوبی، پتھر کی کوئی تعریف نہیں کرتا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اعلیٰ حضرت نے اس استدلال کے اجمالی نقوض ذکر کیے، پھر اس مغالطے کا حل بتایا۔ نقوض یہ ہیں:

رب عزوجل کا ارشاد ہے: **وَمَـا أَنَـا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ.** میں بندوں کے حق میں ستم گر نہیں۔ **اِنَّ اللّٰـهَ لَايَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ،** ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عدم ظلم سے اپنی مدح فرمائی، تو تمہاری دلیل کے مطابق باری تعالیٰ کو ظلم پر قادر کہنا ہوگا' اُسی طرح کہ جو ظلم پر قدرت ہی نہ رکھے اس کی بے ظلمی کی کیا تعریف، آخر پتھر کی تعریف تو نہیں کی جاتی کہ ظلم نہیں کرتا، تو لاجرم خدا کو ظلم پر قادر مانیے گا، سبحان اللہ! تم سے کیا دور، جب کذب پر قدرت مان چکے، تو ظلم میں کیا ستم رکھا ہے، مگر اتنا سمجھ لیں کہ ظلم کہتے ہیں ملک غیر میں تصرفِ بے جا کو، اگر ظلم پر باری تعالیٰ کو قادر مانو گے تو پہلے بعض اشیا کو اُس کی ملک سے خارج اور غیر کی ملکِ مستقل مان لو۔ مسلمانوں کو تو بزور زبان و بہتان مشرک کہتے ہو! خود سچے پکے مشرک بن جاؤ۔ **لِلّٰـهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الاَرْضِ۔**

تازیانہ۶:

اللہ تعالیٰ نے بیٹا نہ بنانے اور بیوی نہ کرنے سے اپنی مدح فرمائی: **وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً** (۲/۷۳) **وَاَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَداً** (۳/۳۹) اب بولو! تمہارے مطابق خدا جب چاہے بیاہ کرے بچے جنائے، مگر عیب سے بچنے کے لیے ایسا نہیں کرتا، تبھی تو صفتِ مدح ہوئی، سرے سے قدرت ہی نہ ہو تو کیا خوبی ہے۔

تازیانہ۷:

ارشاد ہے: مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيّاً : تیرا رب بھولنے والا نہیں۔ عدم نسیان سے جو مدح فرمائی، تمہارے مطابق قابل تعریف یہی ہے کہ بھول سکتا ہے لیکن عیب سے بچنے کو بھولتا نہیں، یعنی اس کا نسیان ممکن ہوا۔

تازیانہ ۸:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی مدح ''نہ بہکنے نہ بھولنے'' سے کی، ارشاد ہے: لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسٰى ۔ اب تمہاری اسی دلیل کی بنیاد پر کہنا ہوگا کہ باری تعالیٰ کا بہکنا ممکن ہو، اگر ضلالت پر قدرت نہ ہو تو تعریف کس بات کی، پتھر کو کوئی نہ کہے گا کہ راہ نہیں بھولتا جب پھینکتے ہیں تو سیدھا زمین پر ہی آتا ہے۔ یہ چار تازیانے بطور نقض تھے۔

تازیانہ ۹:

اس میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ استدلال اسمٰعیل دہلوی نے معتزلہ سے سیکھی، اور اس کا جواب وہی ہے جو اہل سنت نے معتزلہ کو دیا تھا، چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں زیر آیت ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ'' لکھتے ہیں کہ معتزلہ نے کہا یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر ہے، اس لیے کہ رب عزوجل نے ترکِ ظلم سے اپنی مدح فرمائی ہے، اور کسی فعل قبیح کے ترک پر مدح جب ہی صحیح ہوگی کہ اسے اس کے کرنے پر قدرت ہو، آخر نہ دیکھا کہ لنجھا اپنی تعریف نہیں کرسکتا کہ میں رات میں چوری کے لیے نہیں جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح میں فرمایا کہ مجھے نیند آئے نہ غنودگی، حالانکہ معتزلہ کے ہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ ممکن نہیں۔ خدا نے اپنی مدح میں فرمایا کہ ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ'' حالانکہ یہ بھی ان کے ہاں ممکن نہیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے اس مغالطہ کا حل پیش فرمایا: فرماتے ہیں:

اس مغالطے کا حل کہ برائی سے اجتناب مع القدرۃ قابل تعریف ہے:

تازیانہ ۱۰:

صفاتِ مدائح کے درجات مختلف ہیں، بعض ''اوّلی'' ہوتے ہیں یعنی اعلیٰ درجہ کمال، اور بعض ''تنزلی'' یعنی فائت الکمال کے لیے درجہ کمال۔ تنزلی اسی کے حق میں مدح ہوں گے جو مدائح اوّلی نہیں رکھتا، صاحبِ کمالِ تام کا اس پر قیاس جہل ہے، مثلاً عبادت وخضوع وانکسار انسان کے مدائح سے ہیں، اور باری جل شانہ پر محال، کیونکہ انسان کے لیے اُن کا مدح ہونا کمالِ حقیقی یعنی معبودیت کے فوت ہونے پر مبنی ہے، اس لیے یہ معبود کے حق میں عیب ومنقصت ہے، اور اُس کے حق میں مدح تکبر وتعالی ہے۔ اِسی طرح ترک نقائص میں مخلوق کی مدح بالقصد باز رہنے پر مبنی ہونا بھی اس کے نقصانِ ذاتی کے سبب ہے، کہ انسان اپنی ذات میں سبوح وقدوس نہیں، واجب الکمال اور مستحیلُ النقصان نہیں، بلکہ جائز العیوب ہے، تو اس کے لیے مدح یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے بچے، یہی وجہ ہے کہ فقدانِ آلات واسباب کی بنا پر بعض عیوب پر استطاعت نہ رہے تو مدح بھی نہیں ہوتی، اسمٰعیل دہلوی نے اپنے رب جل وعلا کو بھی انھیں گونگوں لنجھوں بلکہ اینٹوں پتھروں پر قیاس کیا۔ حالانکہ یہ مدح اوّلی وکمالِ حقیقی تھا کہ خدا اپنے نفس ذات میں متعالی ہو، سبوح وقدوس ہو، واجبُ الکمالات مستحیلُ القبوح ہو، تو یہاں عیبِ ممکن سے باز رہنے اور بطور ترفع بالقصد بچنے کی صورت ہی متصور نہیں۔

تازیانہ ۱۱ تا ۱۳:

سلبِ شے کب صفت کمال ہوتی ہے:

یہاں ایک نکتہ کا افادہ فرمایا جس سے یہ مسئلہ حل ہوتا ہے کہ کسی شیٔ کا سلب' بذاتِ خود ہرگز صفتِ کمال نہیں، بلکہ عیوب ونقائص کا سلب اُس وقت مقامِ مدح میں آتا ہے جب کسی صفتِ کمال کے ثبوت پر مبنی ہو۔ لہٰذا حقیقت صدق صفتِ کمال ہے، نہ کہ مجرد عدمِ کذب' جو معدومات بلکہ محالات کے بارے میں بھی صادق۔ البتہ سلبِ کذب وہاں مفیدِ مدح ہے جہاں ثبوتِ صدق کو مستلزم ہو، مثلاً زید عاقل ناطق کی تعریف کیجیے کہ جھوٹا نہیں، بیشک تعریف ہوئی کہ جھوٹا نہیں تو آپ ہی سچا ہوگا، اور سچا ہونا صفتِ کمال، تو اِس سلب نے

ایک صفتِ کمال کا ثبوت بتایا، لہٰذا مقام مدح میں آیا، جہاں ایسا نہ ہو وہاں ہرگز سلبِ کذب مفیدِ مدح نہ ہوگا، نہ مظہرِ کمال، اب دیکھیے اسمٰعیل دہلوی کی دونوں مثالیں کہ "گونگے اور پتھر کی مدح کوئی عدمِ کذب سے نہیں کرتا" گونگے اور پتھر کی مدح کیوں کریں، وہاں سلبِ کذب' ثبوتِ صدق سے ناشی نہیں، گونگا اور پتھر اگر جھوٹے نہ ہوئے تو کیا خوبی' کہ سچے بھی تو نہیں۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ایک سنی مسلمان کے بارے میں کہیں کہ: یہ رافضی نہیں وہابی نہیں، خارجی نہیں، معتزلی نہیں، کل بہتّر فرقوں کا نام لے لے کر سلب کریں تو اس سنی کی بڑی تعریف ہوئی، جب کہ ایسا ہی کسی مجوسی کے بارے میں کہا جائے کہ یہ رافضی نہیں وہابی نہیں وہ تمام سالبہ قضیے یہاں بھی صادق ہوں گے پھر بھی اِس کافر کی کچھ تعریف نہیں، تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان باوجود قدرت رافضی وہابی ہونے سے بچا اس لیے قابل تعریف ہوا، اور اُس کافر کو وہابی رافضی ہونے کی قدرت ہی نہ تھی اس لیے مدح نہ ٹھہرا؟ کوئی ایسا نہ کہے گا، بلکہ وجہ وہی ہے کہ جب یہ فرقے اہل قبلہ کے ہیں تو مسلمان کے حق میں بہتّر کی نفی سنی ہونے کا اثبات کرے گی تو صفت مدح ہوئی، اور کافر سرے سے "کلمہ گو" ہی سے خارج ہے تو اُن کی نفی سے کسی صفتِ مدح کا اثبات نہ نکلا، لہٰذا مفید مدح نہ ٹھہرا۔

تازیانہ ۱۴ تا ۲۰:

وہابیہ کذبِ الٰہی ممتنع بالغیر بھی نہیں مانتے:

اسمٰعیل دہلوی نے کل نو مثالیں دیں کہ عدمِ کذب سے مدح نہیں ہوتی، اعلیٰ حضرت نے یہاں ان میں بقیہ مثالوں کو ذکر کر کے وجہ وہی فرمائی کہ عدمِ کذب بنفسہٖ صفتِ کمال نہیں' جب تک کہ ثبوتِ کمال پر مبنی نہ ہو، اور یہاں ایسا نہیں۔ بلکہ اِن تمام مثالوں میں اگر غور کریں تو عدمِ کذب کسی کمال کی بنیاد پر کجا! بلکہ عیوب ونقائص پر مبنی ہے، کہیں عدمِ عقل، کہیں عجزِ آلات، کہیں مغلوبیت، کہیں آفات، ایسا عدمِ کذب ہوگا تو باعثِ ذم ہوگا نہ کہ باعثِ مدح۔ یہ وجوہ ہیں کہ ان صورتوں میں عدمِ کذب سے تعریف نہیں کرتے، نہ وہ جاہلانہ وسفیہانہ خیال کہ عیب پر قدرت نہ ہونا مانع کمال ہو۔ ان تازیانوں کے ساتھ ضمناً اور رد گزرے جن کا شمار سات تک پہنچتا ہے تو کل ۲۷ تازیانے ہوئے۔

تازیانہ ۲۸، ۲۹:

(اسمٰعیل دہلوی نے) حکمت کے منافی قرار دے کر کذب کو باری تعالیٰ کے لیے ممتنع بالغیر قرار دیا، اور مثالیں وہ دیں جہاں امتناع بالغیر بھی نہیں، بلکہ قطعاً جائز وقوعی ہے، جس کے وقوع میں عقلی وشرعی کوئی استحالہ نہیں، کیونکہ اس کے مذہب میں کذبِ الٰہی ممکن بالذات' ممتنع بالغیر ہوتا تو مثالیں وہ دیتا جن میں ممتنع بالذات ہو کہ: دیکھو جہاں امتناعِ ذاتی ہوتا ہے عدمِ کذب باعثِ مدح نہیں، اور باری عزوجل کے لیے مدح ہے تو اس کے حق میں امتناع ذاتی نہیں، مگر اس کے برخلاف مثالیں وہ دیں جن میں امتناعِ ذاتی کا پتہ نہیں، مثلاً: جس کا منھ بند کردیں یا گلا گھونٹ دیں اس وجہ سے جھوٹ نہ بول سکے، تو ظاہر ہوا کہ بولنے پر قادر تھا' عارض کی وجہ سے امتناع ہوا' تو یہ امتناع بالغیر ہوا، اسے بھی مانعِ مدح جان کر صراحۃً سلب کرتا ہے، پھر کیوں ممتنع بالغیر کہا تھا؟ صاف کہا ہوتا کہ امتناع بالغیر بھی نہیں رکھتا۔ پہلی مثال ہی دیکھیے، اخرس اور جماد ہی کی مثال لیجیے، اخرس تو انسان ہے، جماد کے لیے بھی کلام محالِ شرعی تک نہیں، صرف محالِ عادی ہے، کتبِ حدیث میں بطور خرقِ عادت ہزار بار پتھروں سے کلام واقع ہوا، اور ہوگا، قربِ قیامت یہود شجر وحجر کی آڑ لیں گے تو شجر وحجر مسلمان سے کہیں گے: اے مسلمان! آ، یہ میرے پیچھے یہودی ہے۔ اسی طرح سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گونگے کا کلام کرنا احادیث میں وارد، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ، اگر اخرس وجماد کا کلام ممتنع بالغیر ہوتا ہرگز واقع نہ ہوتا، کہ ہر ممتنع بالغیر کا وقوع اس غیر یعنی ممتنع بالذات کے وقوع کو مستلزم، جب وقوعِ کلام ثابت ہوا تو اُن کے استحالۂ کذب پر کوئی عقلی وشرعی دلیل نہیں۔

''ممتنع بالغیر'' کہنا بھی صریح تناقض ہے، کہ شئ ممتنع بالغیر جب ہوسکتی ہے کہ کسی محال بالذات کی طرف منجر ہو، ورنہ ممکن کا ممکن کو ناممکن کرنا لازم آئے گا، اور انتفائے حکمت اگر چہ اہل سنت کے نزدیک ممتنع بالذات، مگر اِن حضرت (اسماعیل دہلوی) کے دین میں ممکن ہے، کہ آخر سلبِ حکمت ایک عیب ومنقصت ہے اور وہ تمام عیوب ونقائص کو ممکن مان چکا، پھر کس منھ سے کہتا ہے کہ منافاتِ حکمت امتناع بالغیر کا باعث ہوئی۔

تازیانہ ۳۰ سے ۳۵:

وہابیہ کا کذبِ الٰہی واقع ماننا لازم آتا ہے:

بلکہ آں جناب کی تحریر سے کذبِ الٰہی کو واقع ماننا لازم آتا ہے، لکھا کہ باری تعالیٰ کا کذب تو اس وقت لازم آئے گا جب قرآن رہے، قرآن کا سلب ممکن کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتارا ویسے ہی اٹھالے، پھر نص کی تکذیب کیسے ہوگی، اس کا مطلب خدا کی بات جھوٹی ہوجائے تو ہوجائے اس میں کچھ حرج نہیں، حرج تو اس میں ہے کہ بندے اسے جھوٹا جانیں، یہ اُسی وقت ہوگا جب آیات باقی رہیں۔ کلامِ الٰہی صفتِ قدیمہ ممتنع الزوال ہے، قدرت واختیار سے نہیں، ورنہ کلام الٰہی کا مخلوق ومقدور ہونا لازم آئے گا۔

خلف وعید کا مسئلہ

اللہ تعالیٰ کفر وشرک نہیں بخشے گا مگر اس سے نچلی معصیت ہوسکتا ہے بخش دے۔ اس پر آیت قرآنی شاہد ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ أَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ، معتزلہ نے اسے صغائر کے ساتھ خاص کیا، اہل سنت نے کبائر کو بھی شامل کیا، معتزلہ نے کبائر میں توبہ کی قید لگادی، اہل سنت نے نص مطلق ہے تو حکم بھی مطلق رکھا، معتزلہ نے حوالے میں معصیت پر وارد نصوصِ وعید پیش کیے، اہل سنت نے عفو سے متعلق نصوص پیش کیے اور نصوصِ وعید کا جواب دیا کہ وہ تو وقوع بتاتی ہیں، نہ کہ وجوب، معتزلہ کے جواب میں ہی کسی نے کہہ دیا کہ: خلف وعید کرم ہے، یہاں خلف وعید کی بحث سامنے آئی: شرح عقائد میں ہے: **وزعم بعضهم ان الخلف في الوعيد كرم فيجوز من الله تعالىٰ والمحققون على خلافه، كيف وهو تبديل للقول وقد قال الله تعالىٰ "مايُبدّل القول لديّ"** (شرح عقائد نسفیہ صفحہ ۱۲۱ مجلس برکات) اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ کے جواب میں کسی نے خلفِ وعید کی جو بات کہہ دی محققین اہل سنت نے اس کو رد کردیا۔ مگر جب وہابیہ کی یہ بدعتِ سیئہ منظرعام پر آئی کہ ''اللہ تعالیٰ کے لیے کذب ممکن ہے'' اس پر گرفت ہوئی تو انھوں نے 'ڈوبتے کو تنکے کا سہارا' اُسی ''خلفِ وعید'' کا دامن تھام لیا، اعلیٰ حضرت نے اس استدلال کو ''سبحان السبوح'' میں کئی جہتوں سے رد کیا، جس کے ضمن میں اس رسالے میں ''خلفِ وعید'' کے متعلق وہ تحقیقات سامنے آئیں جو علم کلام کی کسی کتاب میں دیکھنے کو نہ ملیں گی، ہم ''سبحان السبوح'' سے کچھ ابحاث کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

خلفِ وعید کی پوری بحث:

جوازِ خلف کس معنی میں ائمہ میں مختلف فیہ ہے؟، خلف کے قائلین کے نزدیک یہ تخصیصِ نصوص وتقییدِ وعید جیسے امور پر مبنی ہے جن کے بعد بات کو بدلنا اور کہہ کر پلٹنا لازم نہیں آتا۔ لیکن خلف اس معنی میں کہ متکلم ایک بات کہہ کر پلٹ جائے اور جو خبر دی تھی اس کے خلاف عمل میں لائے یہ بلاشبہ کذب کی قسم ہے۔ اسمٰعیل دہلوی نے کلامِ علما میں خلف کے یہی معنی سمجھے کہ باری تعالیٰ معاذ اللہ بات کہہ کر پلٹ جائے، خبر دے کر غلط کردے، لہٰذا جوازِ خلف پر امکانِ کذب کو متفرع کیا، حالانکہ دنیا میں کوئی عالم اس کا قائل نہیں۔ جواز خلف میں جو اختلاف ہے وہ بمعنی امکانِ عقلی نہیں بلکہ جوازِ شرعی اور امکانِ وقوعی میں اختلاف ہے، جس کے بعد امتناع بالغیر بھی نہیں رہتا:

اولاً: اس لیے کہ اہل سنت بالاجماع اور معتزلہ کا ایک فرقہ گناہ کبیرہ کرکے بے توبہ مرنے والوں کی مغفرت کے امکانِ عقلی پر متفق ہیں، اختلاف' امکانِ شرعی میں ہوا، اہل سنت بالاجماع شرعاً بھی

جائز بلکہ واقع مانتے ہیں، یہ فرقۂ معتزلہ شرعاً ناجائز اور عذاب واجب مانتا ہے، انھوں نے آیاتِ وعید سے استدلال کیا، جواب میں جواز خلف کا مسئلہ پیش ہوا۔

یہاں اعلیٰ حضرت نے شرحِ مقاصد کی ایک عبارت نقل کر کے فرمایا کہ: دیکھو علما اس جوازِ خلف سے عذاب کے وجوبِ شرعی کو دفع کرتے ہیں، اور وجوبِ شرعی کا مقابل جوازِ شرعی ہے، اگر صرف امکانِ عقلی ہو تو معتزلہ کو اس سے انکار کب تھا۔

ثانیاً: محققین جو جوازِ خلف نہیں مانتے وہ آیت کریمہ ''لَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ '' سے استدلال کرتے ہیں، اور ظاہر کہ آیت میں نفی وقوع، صرف امتناعِ شرعی پر دلیل ہوگی نہ کہ امتناعِ عقلی پر، تو لازم کو مجوزین علما جوازِ شرعی مانتے ہوں، ورنہ محققین کی دلیل محل نزاع پر منطبق نہ ہوگی۔

ثالثاً: واحدی نے آیہ کریمہ ''اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیعَادَ'' سے صرف وعدہ مراد لیا اور وعید پر حمل کرنے سے انکار کیا، کہ اس میں تو خلف جائز ہے، تفسیر کبیر میں ہے: ''وذکر الواحدی ... لم لایجوز أن یحمل هذا علی میعاد الاولیاء دون وعید الاعداء، لان خلف الوعید کرم عند العرب''. اس سے ظاہر ہوا کہ علمائے مجوزین اگر صرف امکانِ عقلی مانتے تو آیت میں اس حمل کی انھیں کچھ حاجت نہ تھی، کہ انتفائے شرعی جوازِ عقلی کے کچھ منافی نہیں۔

رابعاً: مجوزین کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ خلفِ وعید صرف مسلمانوں کے حق میں ہے، کفار کے حق میں نہیں۔ اگر صرف امکانِ عقلی میں کلام ہوتا تو وہ باجماعِ جماہیر اہل سنت' کفار کے حق میں بھی حاصل، لہٰذا ثابت ہوا کہ قائلینِ جواز' جوازِ شرعی لیتے ہیں، اور خلف کے امتناع بالغیر سے بھی انکار کرتے ہیں۔ اب تم نے ''خلفِ وعید'' کے وہ معنی لیے جو کذب کی ایک قسم ہے تو قطعاً تمہارے زعم میں ان علما کے نزدیک کذبِ الٰہی نہ صرف عقلاً بلکہ شرعاً بھی جائز ہو، جسے امتناع بالغیر بھی نہیں کہہ سکتے، یہ تو صریح کفر ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

''امکانِ کذب خلفِ وعید کی فرع نہیں'' اس پر دلائل:

امکانِ کذب کو خلفِ وعید کی فرع قرار دینا غلط ہے۔ بعض علما مسئلہ خلفِ وعید میں جواز کی طرف گئے، لیکن محققین علما نے انکار فرمایا، اور جائز کہنے والے علما بھی امکانِ کذب کی طرف نہیں گئے، بلکہ اس سے تبرّی کرتے ہیں، لہٰذا اُن علمائے مجوزین خلف کی طرف بھی امکانِ کذبِ الٰہی کی نسبت بڑی جسارت اور بہتان ہے، اس پر اعلیٰ حضرت نے دس قاہر حجتیں قائم کیں، ہم ذیل میں چند کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

(حجت اولیٰ)

تمام کتبِ کلامیہ میں کذبِ باری محال ہونے پر اجماع واتفاق کا ذکر ہے۔

(حجت ثانیہ)

جو علما مسئلہ خلفِ وعید میں علما کا اختلاف بتاتے ہیں وہی استحالۂ کذب پر اجماع نقل کرتے ہیں، مثلاً: شرح مقاصد میں ہے: ''ان المتاخرین منهم جوّزوا الخلف في الوعید''، پھر اسی شرح مقاصد میں یہ بھی ہے: ''الکذب وهو محال باجماع العلماء لأن الکذب نقص باتفاق العقلاء وهو علی الله تعالیٰ محال''۔ تو کیا ان علما کو خبر نہ تھی کہ امکانِ کذب' خلفِ وعید کی فرع ہے؟ کہ ایک جگہ ''اختلافی'' لکھ کر دوسری جگہ ''اجماعی'' بتا رہے ہیں؟۔

(حجت ثالثہ)

جو علما خلفِ وعید کو جائز مانتے ہیں وہ بھی کذبِ الٰہی کو محال جانتے ہیں، مثلاً: شرح طوالع میں ہے: ''الخلف في الوعید حسن'' پھر اسی میں یہ بھی ہے: ''الکذب علی الله تعالیٰ محال''۔ تو کیا یہ علما خود اپنا لکھا نہ جانتے تھے؟ کہ دو متلازم چیزوں میں ایک کو جائز اور دوسرے کو محال مان لیتے، اور اپنے کلام میں تناقض کرتے ہیں؟۔

خلف وعید کے مجوزین کی اصل بنیاد:

مجوزین کے نزدیک ''خلف وعید'' کے جواز کی پہلی وجہ یہ ہے کہ وعید سے مقصود بس انشائے تخویف وتہدید ہے، نہ کہ اخبار، تو سرے سے کذب کا محل ہی نہ رہا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیاتِ وعید، آیاتِ عفو سے مخصوص ومقید ہیں، تو آیاتِ عفو کو ملانے سے آیاتِ وعید کے یہ معنی ٹھہرے کہ جنھیں معاف نہ فرمائے گا وہ سزا پائیں گے، لہٰذا احتمالِ کذب کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ تفسیر بیضاوی وتفسیر عمادی وروح البیان اور شرح مقاصد وغیرہا میں ہے۔ ردالمحتار میں مسئلہ خلفِ وعید کے ذکر کے بعد یہ بھی ہے کہ نصوصِ وعید جو بظاہر عام ہیں ممکن ہے اُن میں تخصیص ہو، یعنی وعید اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہو جنھیں مولیٰ تعالیٰ عذاب فرمانا چاہتا ہے۔ آج تک کسی عاقل نے عام مخصوص منہ البعض کو کذب کہا ہے؟ ایسے عام تو قرآن میں بکثرت موجود ہیں، پھر امکانِ کذب کیوں مانو، صاف نہ کہہ دو کہ قرآنِ مجید میں جابجا کذب موجود ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی نص مفید تقیید وتخصیص نہ ہو تو بھی کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وعید بنظر تہدید فرمائے اور اس سے یہی مراد لے کہ اگر ہم معاف نہ فرمائیں تو یہ سزا ہے، گویا قرینۂ کرم تخصیص کے لیے کافی ہے، اگر چہ مخصص قولی نہ ہو۔ اِن تینوں وجوہ سے معلوم ہوا کہ مجوزین بھی اُس قول سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جس سے کذب کا امکان نہ رہے۔

(حجۃ رابعہ)

خلف وعید، امکانِ کذب نہیں، اس پر مزید دلائل:

خلفِ وعید کے مجوزین کے دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ** ۔ (کذافی ردالمحتار) سبحان اللہ! جب وعید کرنے والے کے کلام سے ہی جوازِ خلف منسوب ہے کہ اسی نے فرمادیا ''ہم جسے چاہیں گے بخش دیں گے'' تو یہ دلیل، امکانِ کذب کی راہ بند کردیتی ہے، اگر بادشاہ حکم نافذ کرے کہ: ''جو یہ جرم کرے گا یہ سزا پائے گا''، اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمائے کہ: ''ہم جسے چاہیں گے معاف فرمادیں گے'' اب اگر بعض مجرموں کو معاف کردے تو کیا اپنے پہلے حکم میں جھوٹا ہوگا؟

(حجت سادسہ)

یہاں اعلیٰ حضرت نے امام رازی کی عبارت ذکر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ نے عمرو بن عبید معتزلی سے کہا: اہل کبائر کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ بولا: اللہ تعالیٰ اپنی وعید ضروری پوری کرے گا جیسا کہ اپنا وعدہ پورا کرے گا، فرمایا: تو دل کا اندھا ہے، اہل عرب وعدہ سے رجوع کو برا جانتے ہیں، اور وعید سے درگذر کو کرم مانتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اِس پر اُس معتزلی نے کہا: کیا آپ خدا کو اپنی ذات کا جھٹلانے والا ٹھہرایئے گا؟ امام نے کہا: نہیں، اس نے کہا: تو آپ کی دلیل ساقط ہوگئی، اِس پر امام خاموش ہوگئے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک امام یہ جواب دے سکتے تھے کہ اعتراض تو جب لازم آئے جب وعید یقینی بلاشرط ہو، اور میرے نزدیک سب وعیدیں ''عدمِ عفو'' سے مشروط ہیں، تو خلفِ وعید سے معاذ اللہ کلام الٰہی میں کذب کہاں سے لازم آیا، انتہیٰ۔

دیکھو، اگر خلفِ وعید ماننا امکانِ کذب ماننا ہوتی تو امام کا خاموش ہونا کیا معنی، انھیں صاف کہنا تھا میں جواز خلف مانتا ہوں تو امکان کذب ماننا میرا مذہب۔ آگے امام رازی نے جواب دیا کہ سب وعیدیں مقید ہیں، سبحان اللہ! جب وعیدیں مقید ہوں گی تو امکانِ کذب کدھر جائے گا؟

(حجت سابعہ)

اسی ردالمحتار میں صاحب حلیہ سے نقل کیا کہ خلف وعید کا جواز صرف مسلمانوں کے حق میں ہے، نہ کہ کفار کے حق۔ اور صاحب حلیہ نے لکھا: **وحاش لله أن يراد بجواز الخلف في الوعيد أن لايقع عذاب من أراد الله الاخبار بعذابه فانه محال على الله تعالىٰ**۔ یعنی حاشا اللہ! خلفِ وعید جائز ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ عزوجل نے جس کے عذاب کی خبر دینی چاہی اس کا

عذاب واقع نہ ہو، یہ اللہ پر قطعاً محال ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو خلفِ وعید کے قائل ہیں وہ بھی کیسے امکانِ کذب کو رد کرتے ہیں۔

(حجت ثامنہ)

خلف وعید عفو ومغفرت ہی کا نام ہے:

خلفِ وعید اور عفو و مغفرت میں تساوی کی نسبت ہے۔ دلیل اس پر ائمہ کا اس آیت کریمہ سے استدلال ہے کہ: "**ویغفر مادون ذلک لمن یشاء**"، واضح ہے کہ یہ آیت صرف جوازِ مغفرت بتاتی ہے، اس کو دلیل بنانا خود دلیل ہے کہ وہ علما مغفرت کو خلفِ وعید سے عام نہیں مانتے، ورنہ جوازِ اعم ہرگز جوازِ اخص کو ثابت نہیں کرتا۔ دوسری طرف معتزلہ "امتناعِ عفو" پر آیاتِ وعید سے استدلال کرتے ہیں، جس کا جواب ان علما نے "جوازِ خلف" سے دیا، لا جرم "جوازِ خلف" کو "امتناعِ عفو" کا رد مانا، تو اُن کا یہ جواب دلیل ہے کہ وہ خلفِ وعید کو مغفرت سے عام نہیں مانتے، کیونکہ جوازِ اعم عدمِ جوازِ اخص کی نفی نہیں کرسکتا، اور تباین تو بداہۃً نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ دونوں میں تساوی کی نسبت ہے۔ لہٰذا ظاہر ہوا کہ وہ علما صرف عدمِ وقوعِ وعید بوجہِ عفو کو خلف سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہی مغفرت سے مساوی ہے، نہ کہ معاذ اللہ تبدیلِ قول و تکذیبِ خبر۔

(حجت عاشرہ)

خلف وعید جس معنی میں جائز مانتے ہیں وہ واقع ہے:

علما جس معنی پر خلف جائز مانتے ہیں وہ صرف جائز نہیں بلکہ بالیقین واقع مانتے ہیں، تو تمہارے زعم پر لازم کہ ائمہ دین کذبِ الٰہی واقع مانتے ہیں۔

اولاً: اس لیے کہ "خلف" اور "عفو" اُن کے نزدیک متساوی ہیں، اور ایک مساوی کا وقوع قطعاً دوسرے مساوی کے وقوع کو لازم۔

ثانیاً: اگر تساوی نہ مانیں تو آیہ کریمہ "**وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ**" سے ان کا استدلال دلیل ہے کہ خلف' عفو سے مساوی نہ سہی تو عام ہوگا، بہرحال وقوعِ مغفرت' وقوعِ خلف، تو تمہارے نزدیک وقوعِ کذب۔

ثالثاً: مختصر العقائد میں خلفِ وعد کو محال لکھ کر وعیدِ مسلمین کے متعلق "**یترک الوعید**" لکھا۔

رابعاً: امام حلبی نے حلیہ میں لکھا کہ "خلف وعید" صرف "عفو" کا نام ہے، آپ بتائیں کہ عفو یقیناً واقع ہے یا نہیں؟ تو اپنے خدا کو کاذب کہہ چکے یا نہیں؟

بالجملہ علما جس معنی پر خلف جائز مانتے ہیں اسے امکانِ کذب سے کوئی تعلق نہیں، ان کے نزدیک خلف بمعنی: "عدم ایقاعِ وعید بوجہ تجاوز وکرم" ہے جو کہ عین عفو یا عفو کا مساوی ہے، اور یہ معنی نہ صرف جائز بلکہ یقیناً واقع ہے۔ رہا خلف بمعنی "تبدیل قول" و "تکذیب خبر" جس کے جواز پر امکانِ کذب متفرع ہوسکے ہرگز ان علما کی مراد نہیں، نہ دنیا میں کوئی عالم اس کا قائل، بلکہ وہ بیک زبان کذبِ الٰہی کے استحالہ قطعی و امتناعِ عقلی پر اجماع رکھتے ہیں۔

خلف وعید کے معاملہ میں اصل نزاع کیا ہے:

اب سوال یہ ہے کہ جب خلف بمعنی "تبدیل قول" کے استحالہ پر اجماع قائم ہے اور بمعنی مساوی عفو بالاجماع جائز بلکہ واقع ہے تو علمائے مجوزین و علمائے مانعین میں نزاع کس امر پر ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ منشائے نزاع 'اطلاقِ خلف کی تجویز ہے، یعنی لفظ "خلف وعید" کا اطلاق کرنا درست ہے یا نہیں؟ مجوزین نے خیال کیا کہ یہ معاذ اللہ کسی عیب و منقصت کا پتہ نہیں دیتا، بلکہ عفو وکرم پر دلیل ہوتا ہے، اور محلِ مدح میں بولا جاتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے متعلق اس لفظ کا اطلاق جائز ہے، اور محققین مانعین نے دیکھا کہ یہ لفظ ایک محال معنی یعنی "تبدیل قول" کا وہم پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے متعلق محال کا ایہام بھی منع کے لیے کافی ہے، اور اس لفظ سے مدح صرف مخلوق کی ہوتی ہے جس پر خالق کو قیاس کرنا درست نہیں، اس لیے انھوں نے اس لفظ کے اطلاق سے منع فرمایا۔ اسی لیے حلیہ میں فرمایا کہ معلوم ہوا کہ خلفِ وعید سے اسی قدر مراد ہے تو مناسب ہے کہ وعدہ و وعید کسی میں جوازِ خلف کا لفظ نہ بولیں، کہ اس سے کسی کو اُس معنی محال

کا وہم نہ گزرے۔ واقعی امام محقق حلبی کا گمان بجا تھا کہ چودھویں صدی میں ان جہال سفہا کو وہ وہم ہو گیا، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

''ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق''؟ نزاع لفظی ہے:

ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ امام حارث محاسبی وامام عبدالعزیز مکی وائمہ سمرقند اول کے قائل، اور اسی کی طرف امام اشعری مائل، بلکہ اسی پر نص امام ابوحنیفہ نص قائم ہے۔ جب کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ جماعت محدثین قول ثانی کی طرف گئے، اور یہی ائمہ بخارا کا مختار۔ اس مسئلے پر ائمہ بخارا و سمرقند میں نزاع ہوا، انھوں نے اُن پر ''مخلوقیتِ قرآن'' کا الزام رکھا، انھوں نے ان پر ''نامخلوقیتِ افعالِ عباد'' کا طعن کیا۔ اور حقیقت دیکھیے تو بات کچھ بھی نہیں، اپنی اپنی مراد پر دونوں سچ فرماتے ہیں، ایمانِ مخلوق بیشک مخلوق اور صفاتِ مخلوق سب مخلوق، اور ایمان صفتِ خالق عزوجل بھی ہے جس پر اسمائے حسنی سے ''مؤمن'' دلیل، یعنی اللہ تعالیٰ کا ازل میں اپنے کلام کی تصدیق فرمانا، وہ قطعاً غیر مخلوق، کیونکہ خالق وصفاتِ خالق، مخلوقیت سے پاک ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن ابی الشریف نے مسامرہ شرح مسایرہ میں تفصیل کی، اب کوئی یہ کہے کہ بعض صفاتِ خالق کا مخلوق ہونے میں یا بعض افعالِ عباد کے غیر مخلوق ہونے میں اہل سنت کا اختلاف ہے، تو یہ اس کی جہالت ہے۔

مومن مطیع کی تعذیب محال ہونے سے استدلال:

قولہ: بہشتیوں کو دوزخ اور دوزخیوں کو بہشت میں بھیج دے۔ اقول: ہمارے ائمہ ماتریدیہ کے نزدیک مومنِ مطیع کی تعذیب محالِ عقلی ہے۔ اور امام نسفی وغیرہ بعض علما نے عفو کافر کو بھی عقلاً ناممکن جانا۔ اس سے قطع نظر اس سے پوچھا جائے کہ انبیا واولیا علیہم الصلاۃ والسلام جنھوں نے کبھی اطاعت کے سوا کچھ گناہ نہ کیا معاذ اللہ ان کا دوزخ میں جانا، اور کافروں مشرکوں کا جنت میں آنا محال شرعی بھی مانتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اپنے ایمان کی فکر کرے، اور اگر ہاں تو ممتنع بالغیر ہوا اور ممتنع بالغیر وہی جس کا وقوع ماننا کسی ممتنع بالذات کی طرف منجر ہو، اب وہ غیر کیا ہے؟ یہی لزوم کذب باری عزوجل، تو آپ ہی کی دلیل سے ثابت ہوا کہ کذب باری تعالیٰ محال ذاتی۔ اے ذی ہوش! ورودِ نص کے سبب خلافِ منصوص کو محال شرعی اسی لیے کہتے ہیں اس کا وقوع محال عقلی یعنی کذبِ الٰہی کو مستلزم ہوگا، شرحِ عقائد میں ہے: **لو وقع لزم کذب کلام اللہ تعالیٰ وھو محال۔**

''کذب پر قدرت نہ ہو تو بندے کی قدرت بڑھ جائے گی'' اس کا جواب:

یہ دلیل کہ اگر جھوٹ نہ بول سکے تو بندے کی قدرت بڑھ جائے۔ اسے چار وجہوں سے باطل قرار دیا، پھر بہت ہی اہم بات ارشاد فرمائی جس سے یہ دلیل ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

ساری بات یہ ہے کہ احمق نے افعال انسانی کو خدا کی قدرت سے علحدہ سمجھا ہے کہ آدمی اپنے کام اپنی قدرت سے کرتا ہے، یہ رافضیوں معتزلیوں فلسفیوں کا مذہب ہے، اہل سنت کے نزدیک انسانی حیوانی تمام جہاں کے افعال اقوال اعمال واحوال سب اللہ عزوجل ہی کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں اوروں کی قدرت ایک ظاہری قدرت ہے جسے تاثیر وایجاد میں دخل نہیں قدرت موثرہ اللہ عزوجل کے لیے ہے۔ تو کذب وصدق، کفر وایمان، طاعت وعصیان انسان سے جو کچھ ہوگا وہ اللہ ہی کا مخلوق ومقدور ہوگا اسی کی ایجاد سے پیدا ہوگا، پھر کیونکر ممکن انسان کوئی فعل قدرت الٰہی سے جدا کر سکے۔ پھر وزن برابر کرنے کو خدا کو خود اپنے لیے بھی کر سکنا پڑے۔ اس اندھے سے پوچھو انسان کو کس کے جھوٹ پر قدرت ہے؟ اپنے یا خدا کے؟ ظاہر ہے انسان تو کذب انسانی پر قادر ہے، نہ کہ معاذ اللہ کذبِ ربّانی پر، اور ظاہر ہے کہ کذب انسانی ضرور قدرت ربانی میں ہے، پھر کذب ربانی قدرت ربانی میں نہ ہوا تو قدرت انسانی کیونکر بڑھ گئی؟ وہ کذبِ ربانی پر کب تھی؟ اور جس پر تھی یعنی کذب انسانی' اسے قدرت ربانی محیط ہے۔ نیز ہم پوچھتے ہیں کہ قدرت انسانی بڑھ جانے سے کیا مراد ہے؟ آیا یہ کہ انسان کے تمام

مقدورات گنتی میں خدا کے تمام مقدورات سے زیادہ ہوجائیں گے؟ یہ تو بداہۃً باطل ہے، کیوں کہ کذب وجملہ نقائص خدا کی قدرت میں نہ ہوں جب بھی اس کے مقدورات غیر متناہی رہیں گے، اور انسان کتنا ہی ناپاک کاموں پر قدرت رکھے اس کے مقدورات متناہی ومحدود ہی رہیں گے، اور متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ نیز یہ قضیہ حق ہے کہ جس پر انسان قادر ہے اس پر اللہ تعالیٰ بھی قادر ہے، اللہ کو حقیقی ذاتی قدرت ہے اور بندے کو ظاہری عطائی قدرت ہے، انسان کا کسی فعل کو کرنا کسب کہلاتا ہے، اسی قدر اسے قدرت ہے، قدرت حقیقیہ ایجادیہ میں اس کا حصہ نہیں، وہ خالص مولیٰ عزوجل کے لیے ہے۔ تو اس کلمہ حق کا حاصل یہ ہوا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلق وایجاد پر قادر ہے، کہ وہ کسب نہ ہوگا مگر بقدرت خدا، مگر اس نے اس بات کو یوں بنالیا کہ جس انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ تعالیٰ بھی خود اپنے لیے اس کے کسب پر قادر ہے۔ **سبحان اللہ رب العرش عما یصفون۔** (ماخوذ از سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۵ صفحہ ۳۱۱ تا ۴۲۷)

''کلام'' صفتِ الٰہی کی بحث

علم اصول میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کے بارے میں تفصیل سے کلام کیا گیا ہے، عموماً متکلمین کلام کی دو قسمیں کرتے ہیں: کلام نفسی اور کلام لفظی، زبان پر آنے سے پہلے جو بات دل میں ہوتی ہے وہ کلام نفسی ہے، اور زبان پر آجائے تو وہ کلامِ لفظی ہے، بلفظِ دِگر مفہوم ومعنی کلام نفسی ہے اور جو حروف واصوات سے مرکب ہے وہ کلامِ لفظی ہے۔

کلام جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ کلام نفسی ہے جو نہ عربی ہے نہ عبرانی ہے۔ نہ کہ کلام لفظی' کیوں کہ کلام لفظی تو حادث ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا کلام نفسی کو سنا جاسکتا ہے؟ امام اشعری کا جواب اثبات میں ہے، کہ جس طرح بے رنگ وبے جسم شے کو دیکھنا ممکن ہے اسی طرح بلاصوت کلام کو سننا بھی ممکن ہے۔ صاحبِ ''تبصرۃ الادلۃ'' نے امام ماتریدی کی ''کتاب التوحید'' کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا: کہ امام ماتریدی نے بھی بلاصوت کلام کے سماع کو جائز قرار دیا، مگر ان کی طرف امام اشعری سے اس اختلاف منسوب ہے۔

امام اشعری اور امام ماتریدی کا یہ اختلاف' دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو سماعِ کلام الٰہی کا واقعہ ہوا اُس میں ہے، امام اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلامِ نفسی سنا، امام ماتریدی فرماتے ہیں کہ ایسی آواز سنی جو اللہ کے کلام پر دلالت کرتی ہے، پہلے قول کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہنا واضح ہے، کہ کلامِ نفسی عام لوگ نہیں سن سکتے' اُنھوں نے سننے کی سعادت حاصل کی، دوسرے قول کی بنا پر کلیم اللہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے خرقِ عادت کے طور پر (یعنی کسی کتاب اور فرشتے کے واسطے کے بغیر) وہ آواز سنی جو کلام الٰہی پر دال تھی، یہ ان کی خصوصیت تھی۔ کلام کی اس تقسیم سے کلام الٰہی کی بہتر اور آسان تفہیم وتشریح ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے متاخرین کی کتابوں میں کلام کی اس تقسیم کا بڑا شہرہ ہے۔

کلام نفسی اور کلام لفظی کی تقسیم اور امام احمد رضا کا موقف:

لیکن اعلیٰ حضرت اس تقسیم سے اتفاق نہیں کرتے، بلکہ اس کا شد ومد سے رد کرتے ہیں، آپ نے خاص اسی تقسیم کے خلاف ایک مفصل رسالہ لکھا جس کا ذکر آگے آتا ہے، اس تعلق سے اعلیٰ حضرت نے المستند المعتمد میں نہایت اختصار میں فرماتے ہیں:

''کلام نفسی اور کلام لفظی کی تقسیم متاخرین متکلمین کی ایجاد ہے، اُنھوں نے معتزلہ کو خاموش کرنے اور عام لوگوں کی تقریبِ فہم کے لیے ایسا کیا، جیسا کہ آیاتِ متشابہات میں تاویل کا مسلک اختیار کیا، ورنہ اصل مذہب وہ ہے کہ جو اسلاف ائمہ کرام کا ہے: کہ کلام الٰہی ایک ہے، اس میں کوئی تعدد نہیں، اللہ سے الگ ہوا، نہ ہو، دل' زبان یا کاغذ' کان میں سرایت نہیں، پھر بھی ہمارے سینوں میں وہی محفوظ

ہے، ہماری زبانوں سے اسی کی تلاوت ہوتی ہے، ہمارے مصاحف میں وہی مکتوب ہے، ہمارے کانوں سے وہی سنا جاتا ہے، وہی ہے جو دلوں میں محفوظ ہے متلو و مکتوب و مسموع ہے وہی قدیم ہے، ہم اور ہمارا پڑھنا یاد کرنا، ہماری زبان اور ہماری تلاوت، ہمارے ہاتھ اور ہماری کتابت ہمارے کان اور ہمارا سننا حادث ہے۔ (ملخصاً مترجماً المعتقد مع المستند صفحہ ۳۵)

خاص اسی موضوع پر یعنی ''قرآن کلام اللہ ایک ہے، اس میں تعدد نہیں'' امام احمد رضا نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام ہے ''انوار المنان فی توحید القرآن''۔ جس کو ۱۳۳۰ھ میں اولاً اردو میں تحریر فرمایا پھر جب حافظ کتب حرم سید اسماعیل خلیل آفندی ملنے کے لیے تشریف لائے تو ان کے لیے یہ رسالہ عربی میں ترجمہ مع اضافہ تیار کر دیا، یہ رسالہ المجمع الاسلامی مبارک پور نے المعتقد کے ساتھ شائع کیا ہے۔

کلام اللہ صفت الٰہی کے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ رسالہ علم کلام کا ایک شاہکار ہے جس کی سابق میں کوئی مثال نہیں ملتی، اور ہمارے نزدیک یہ تحقیق و تشریح بھی اپنی ذات میں امام احمد رضا کی تجدید دین کی ایک اہم کڑی ہے، اس لیے ہم ذیل میں اس کا خلاصہ درج کرنا چاہتے ہیں:

امام احمد رضا کے تجدیدی کارنامہ ''انوار المنان'' کا خلاصہ:

ہمارے نزدیک اعلیٰ حضرت نے علم اصول میں ایک تجدیدی کارنامہ یہ انجام دیا ہے کہ متاخرین متکلمین نے جو کلام الٰہی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، آپ نے دلائل سے اس کا رد کیا ہے، متاخرین نے اس کو اتنی تفصیل و تاکید کے ساتھ اور بار بار ذکر کیا ہے کہ عام اذہان نے اسی کو قبول کر لیا، اور اب مذہبِ متقدمین گم ہو کر رہ گیا، لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہاں بھی تجدیدی شان دکھائی امتدادِ زمانہ کے باعث اور علم کلام میں فلسفیانہ مباحث کے در آنے سے کلام الٰہی کے متعلق سلف کا جو مذہب تھا اُس پر گرد پڑ گئی تھی، امام احمد رضا نے بتوفیق الٰہی اُس گرد کو جھاڑ کر مذہب سلف کو واضح اور صاف کر دیا ہے۔ ہم یہاں پر رسالہ ''انوار المنان'' کا خاص خاص حصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

کسی چیز کے وجود کے چار مراتب ہوتے ہیں: وجود فی الاعیان، وجود فی الاذہان، وجود فی العبارۃ وجود الکتابۃ۔ جیسے زید کی ذات جو خارج میں ہے وہ وجود فی الاعیان ہے اور جو اس کی صورت ذہن میں حاصل ہوتی وہ وجود فی الاذہان ہے، اور وجود فی العبارۃ یہ کہ تم زبان سے کہہ دو ''زید''، کہ اسم عین مسمی ہوتا ہے، اور وجود فی الکتابۃ جیسے زید کا نام لکھ دیا جائے۔ بظاہر اول کے سوا باقی تین وجوہ عام لوگوں کے نزدیک وجود الشی بنفسہ نہیں ہے، لیکن ہمارے ائمہ اسلاف کا عقیدہ ہے کہ یہ چاروں اقسامِ وجود (ایک وجود کی تجلیات ہیں) اسی طرح ایک قرآن مجید کے وجود کے مقامات ہیں، تو وہ قرآن پاک جو اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے، ازلاً و ابداً اس کی ذات سے قائم ہے جس کا اس سے جدا ہونا محال ہے۔ جو نہ عین ذات ہے نہ غیر ذات، نہ خالق ہے نہ مخلوق، جب ہم پڑھتے سنتے لکھتے ہیں تو اسی کو پڑھتے اسی کو سنتے اور اسی کو لکھتے ہیں، اور وہی ہمارے سینوں میں محفوظ ہوتا ہے، نہ کہ کوئی اور شئ جو قرآن پاک پر دال ہو، یا ان جلوؤں کے تعدد سے اس کی حقیقت متعدد ہو یا ذات الٰہی سے الگ ہو کر کسی حادث سے متصل ہو یا کسی حادث میں حلول کرے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کو ابوجہل نے اونٹ کی شکل میں اپنے اوپر حملہ کرتے دیکھا جس کے سر اور دانت تھے، تو ایڑیوں کے بل بھاگا، کیا کسی کا یہ سوچنا درست ہوگا کہ وہ جبریل نہیں تھے، کچھ اور تھے جو جبریل پر دلالت کر رہا تھا، ہرگز نہیں، وہ یقیناً قطعاً جبریل ہی تھے جبھی تو اسی حدیث میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ذاک جبریل لو دنا مني لأخذه '' اگر ابوجہل مجھ سے قریب ہوتا تو جبریل اسے پکڑ لیتے۔ اگر چہ ہمیں معلوم ہے کہ جبریل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم کی اصل صورت اونٹ کی صورت نہیں بلکہ ان کے چھ سو پر ہیں جو افق کو گھیر لیتے ہیں۔ صحابہ کرام نے بنو قریظہ کی طرف جاتے ہوئے حضرت دحیۃ بن خلیفہ کو سفید خچر پر سوار دیکھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے فرمایا: ''ذاک جبریل بعث الی بني قریظة یزلزل بهم حصونهم ویقذف الرعب في قلوبهم'' ۔ یعنی وہ جبریل تھے جنھیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا گیا تھا تا کہ ان کے قلعوں کو ہلا دیں اور ان کے دل میں خوف ڈال دیں۔ یوں ہی حدیث جبریل جس میں حضرت جبریل امین علیہ السلام نے ایک اعرابی کی شکل میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے متعلق سوال کیا جن کو لوگ پہچانتے نہ تھے لیکن ان پر سفر کے آثار بھی ظاہر نہ تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: ''أَنَّهُ جبریل أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ '' وہ جبریل تھے جو تمھیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اور حضرت دحیۃ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں حضرت جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کا بار بار آنا ثابت ہے، تو کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ ان کے جبریل امین ہونے میں شک کرے؟ حالانکہ قطعاً معلوم ہے کہ جبریل امین نہ تو اعرابی ہیں نہ کلبی۔ تو یہ جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کی ان مختلف صورتوں میں تجلیات تھیں جن کے تعدد سے جبریل متعدد نہیں ہو گئے۔

اسی طرح قرآن پاک بھی واحد ہے، مقروء، مسموع، مکتوب و محفوظ فی الصدور ہونا اس کی مختلف تجلیات ہیں جن سے اس میں تعدد لازم نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ هُوَ آيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ، وَاِنَّهٗ لَفِي زُبُرِ الاوَّلِينَ ، فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَرْفُوْعَةٍ مُطَهَّرَةٍ ، بَلْ هُوَ قُرآنٌ مَجِيدٌ في لوحٍ محفوظٍ، انه لقرآنٌ مجيدٌ في كتابٍ مكنونٍ ، (القرآن) یعنی وہی سینوں میں ہے وہی اگلوں کے صحیفوں میں ہے وہی لوح محفوظ میں ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الفقہ الاکبر میں فرماتے ہیں: القرآن في المصاحف مكتوب وفي القلوب محفوظ وعلى الالسن مقروّ وعلى النبي صلى الله عليه وسلم منزّل ، ولفظنا بالقرآن مخلوق، وكتابتنا له وقراءتنا له مخلوق والقرآن غير مخلوق۔

علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی قدس سرہ العزیز المطالب الوفیہ میں لکھتے ہیں: لاتظن ان كلام الله تعالىٰ اثنان : هذا اللفظ المقروّ والصفة القديمه ، كما زعم ذلك بعض من غلبت عليه اصطلاحات الفلاسفة والمعتزلة ،فتكلم فى كلام الله تعالى بما ادّى اليه عقله ، وخالف اجمع السلف الصالحين رضى الله تعالىٰ عنهم على ان كلام الله تعالىٰ واحد،لاتعدد له بحال وهو عندنا وهو عنده تعالىٰ وليس الذى عندنا غير الذى عنده ولا الذى عنده غير الذى عندنا ، بل هو صفة واحدة قديمة موجوده عنده تعالىٰ بغير آلة لوجودها ،وموجودة ايضا عندنا بعينها لكن بسبب آلة هى نطقنا وكتابتنا وحفظنا ۔

اور انھوں نے ہی حدیقہ ندیہ میں فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو کہتے ہیں کہ کلام اللہ تعالیٰ دو معنوں میں مشترک ہے: ایک صفت قدیم اور دوسرے جو کلمات و حروف سے مرکب اور حادث ہے، یہ

قول تو شرک فی الصفات کی طرف لے جاتا ہے۔ بلکہ قرآن صفتِ قدیم واحد ہے، جس میں کوئی تعدد نہیں، وہی مصاحف میں مکتوب ہے، وہی زبانوں پر مقرو ہے، وہی سینوں میں محفوظ ہے بغیر حلول کے، یہ مشکل ہونے کے سبب جس کو سمجھ نہ آئے اس پر لازم ہے کہ اس پر ''ایمان بالغیب'' رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی باقی صفات پر ایمان بالغیب رکھتا ہے، اور کسی کو جائز نہیں کہ کہے کہ جو قرآن مصاحف میں اور زبان وقلوب میں ہے وہ حادث ہے۔ (ملخصاً مترجماً انوار المنان صفحہ ۲۴۵ مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور)

اسی طرح امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اس رسالے میں اس بات کو درجنوں اکابر علمائے امت کے حوالے سے مستند کتابوں کی عبارتوں نقل کرتے ہوئے ثابت کیا ہے۔ مثلاً امام عبدالوہاب شعرانی کا مذہب میزان الشریعۃ الکبریٰ اور الیواقیت والجواہر کے حوالے سے ۔حضرت شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی کا موقف فتوحات مکیہ کے حوالے سے۔ اور امام ابومنصور ماتریدی کا موقف شرح الفقہ الاکبر کے حوالے سے، امام ابوالحسن اشعری کا مذہب ابانۃ عن اصول الدیانۃ کے حوالے سے، امام نسفی کا مذہب المطالب الوفیہ کے حوالے سے، امام قاضی عضدالدین اور سید شریف جرجانی کا موقف مواقف اور اس کی شرح کے حوالے سے، شارح عقیدۃ الطحاویۃ کا موقف منح الروض الازھر کے حوالے سے، بحرالعلوم علامہ عبدالعلی علیہ الرحمہ کا موقف فواتح الرحموت کے حوالے سے، یوں ہی کنزالفوائد، اور جمع الجوامع کی عبارتیں۔

کچھ ابحاث کی تکمیل کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں ہمیں تین امور کا ذکر مقصود ہے:

اول: اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی صفت قدیمہ قائم بذاتہ تعالیٰ ہے، جو نہ عین ذات ہے نہ غیر ذات، وہ اسی کلام سے ازلاً وابداً متکلم ہے، کوئی کیفیت کے بارے میں سوال کرے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں نہیں معلوم، اور اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں چاہتے۔ اس قدر میں ہمارے خلاف صرف کرامیہ، معتزلہ اور رافضہ جیسے گمراہ لوگ ہیں۔

ثانی: ہماری ذات وصفات وافعال واصوات، ہمارے حروف وکلمات سب حادث ہیں۔ جنھیں قدم سے کوئی تعلق نہیں، اس امر میں ہمارے خلاف کوئی نہیں سوا کچھ نادان متاخر حنابلہ کے۔

ثالث: ہم نے جو اپنی زبانوں سے پڑھا' اپنے کانوں سے سنا' اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا' اور اپنی سطروں میں لکھ لیا وہ وہی قرآن کریم وقدیم ہے جو ہمارے رب کے ساتھ قائم ہے' جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اور یہ سب اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے، کچھ مجاز نہیں، نہ تعدد، نہ تنوع، نہ اشتراک۔ اس میں ہمارے خلاف محض کچھ نئے متکلمین ہیں، کہ جب معتزلہ نے حدوث کے دلائل مثلاً: مایاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون'' ان پر پیش کیے تو ان کے ذہن میں تجلی اور متجلی کا فرق واضح نہیں تھا، مجبوراً ائمہ کے خلاف گئے، اور اللہ کے لیے ایک کلام حادث بھی مانا جیسے مخلوق کا کلام، تو اللہ واحد الاحد کے لیے دو قسم کے کلام قرار دیے تا کہ ایک کے ذریعہ صفت حادثہ سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ باقی رکھیں، اور دوسرے سے اس دشواری کا حل نکالیں جن کی طرف گمراہوں نے انھیں ڈھکیل دیا ہے۔

اس کے بعد ''اقول'' کہہ اعلیٰ حضرت نے کلام نفسی وکلام لفظی کی تقسیم کو تین وجہوں سے رد کیا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

ان نئے متکلمین کو نہ پتہ چلا کہ:

اوّلاً : خلقِ قرآن کے قائلین کی تکفیر صحابہ وتابعین سے متواتراً منقول ہے، جن میں ہمارے امام امام اعظم اور ان کے بعد کے ائمہ اعلام بھی شامل ہیں، جن میں ایک جماعت کے نصوص ہم

نے سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح میں ذکر کردیے ہیں۔ یہ تکفیر کیسے اور کیوں ہوئی؟ اس تقسیم کے اعتبار سے تو ''خلق قرآن'' کے قائلین کا عذر واضح تھا، اور تاویل ظاہر تھی کہ ہم ''خلق قرآن'' کا قول کلام لفظی کے متعلق کرتے ہیں، بلکہ شرح مقاصد میں تصریح کی کہ عوام، قراء اصولیین اور فقہاء کے نزدیک یہی معنی متعارف ہے، تو یہ متعین تھا کہ انھوں نے خلق قرآن کا قول کلام لفظی کے متعلق کیا ہے جس کے حدوث کے آپ بھی قائل ہو۔ کیا مواقف اور اس کی شرح میں یہ نہیں:

''**هذا الذی قالته المعتزلة لاننكره نحن بل نقول به ونسميه كلاماً لفظياً ونعترف** . ایسا ہی مسامرہ میں ہے اور شرح عقائد میں ہے: **تحقيق الخلاف بيننا وبينهم يرجع الى اثبات الكلام النفسى ونفيه والا فنحن لانقول بقدم الالفاظ والحروف وهم لايقولون بحدوث الكلام النفسي اهـ.**''

تو جب تمہارے اور معتزلہ کے مابین ''خلق قرآن'' کے مسئلے میں حقیقی اختلاف باقی نہیں رہ گیا، تو ائمہ سلف نے خلق قرآن کے قائلین کی تکفیر آخر کس وجہ سے کی؟ کس بات پر نکیر کی؟ کیا اسلاف نے ''کلام نفسی'' کے متعلق ان سے مجادلہ کیا؟ اور ''خلق قرآن'' میں ان سے متفق تھے؟ ہرگز نہیں، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

یہ کہنا کہ (سلف نے اس لیے خلق قرآن کے قول سے منع کیا) تاکہ ذہن' کلام نفسی (کی مخلوقیت) کی طرف نہ جائے! میں کہتا ہوں کہ اس بنا پر تو تکفیر و تضلیل کجا! تفسیق کی بھی گنجائش نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ مقاصد میں فرمایا: **واجراء صفة الدال على المدلول شائع مثل سمعت هذا المعنى وقرأته وكتبته** '' اس کی شرح میں فرمایا: اس سے مقصود ہمارے اصحاب کی طرف سے دوسرا جواب ہے کہ منزل، مقرو مسموع مکتوب سے مراد معنی قدیم ہی ہے لیکن مجازاً اس کی تعبیر ان اوصاف سے کی گئی جو اصوات و حروف کے اوصاف ہیں جو اس کلام قدیم پر دال ہیں۔ تو جب کلام قدیم کی تعبیر مجازاً صفات حادثہ سے کرنا اور مراد معنی قدیم لینا درست ہے تو لفظی حادث پر اطلاق مان کر خلق قرآن کا قول کیوں درست نہ ہوگا؟ اگر یہ محض ایہام کی وجہ سے منع ہوا تو وہ صریح تعبیر (کلام لفظی حادث ہے) کیسے درست ہوگئی؟۔

ثانیاً : اسی فتنہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جان قربان کردی مگر ان کے دعوے سے اتفاق کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوئے۔ تمہارے نزدیک تو وہ لوگ کلام لفظی کے ہی مخلوق ہونے کے داعی تھے کہ ان کے علم میں وہی تھا، بلکہ تم نے تو اعتراف کیا کہ یہی عامۃ الناس، قراء اصولیین اور فقہاء کے نزدیک متعارف ہے۔ اور وہ لوگ بھی عوام ہی سے تھے، اور امام احمد بن حنبل فقہا میں سے تھے، تو انھوں نے آخر کیوں اپنی جان قربان کردی؟ اور کیوں اس بات سے اتفاق نہ کیا؟ جو تمہارے مطابق تمہارے اور ان کے نزدیک حق تھی، یوں ہی کثیر ائمہ کرام جن کو اس مسئلے میں زدوکوب اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں، پھر بھی وہ اس پر ڈٹے رہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر تم امام احمد بن حنبل یا ان میں سے کسی ایک کی جگہ ہوتے تو اُن (قائلین خلق قرآن) سے اتفاق کر بیٹھتے، ابھی تو تم نے بلا تکلف کتابوں میں ان سے اتفاق کی صراحت کردی، پھر جب آزمائش آن پڑتی تو کیا کرتے!۔ اللہ کی پناہ!

ثالثاً: امام بخاری کو دیکھو! ان کی طرف یہ قول منسوب ہوا کہ انھوں نے کہہ دیا: ''**ان لفظي بالقرآن مخلوق**'' اس پر نیشاپور میں ان پر کیسی آزمائش آئی، ان کے شیخ امام محمد ذہلی اور ہر طرف سے لوگ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں نیشاپور سے نکلنے پر مجبور کردیا۔ امام ذہلی نے کہا: جو کہے ''**لفظي بالقرآن مخلوق**'' وہ بدعتی ہے نہ اس کی ہم نشینی کی جائے نہ اس سے بات کی جائے، اس کے بعد جو کوئی امام بخاری کے پاس جاتا اسے متہم کرتے کہ ان کی مجلس میں وہی جاتا جو اُن کے مذہب پر ہوتا۔ امام ذہلی نے یہ بھی کہا کہ یہ شخص (امام بخاری) اور میں دونوں اس شہر میں نہیں رہ سکتے۔ حالانکہ یہی امام ذہلی ہیں جنھوں نے نیشاپور میں ان کا شاندار

استقبال کیا تھا اور شہر کے لوگوں کو ان کی طرف مائل کیا تھا، امام مسلم بن حجاج فرماتے ہیں کہ اہل نیشاپور نے ایسا استقبال کسی کا نہ کیا جیسا کہ امام بخاری کا کیا، تو کیا امام ذہلی اور دیگر علما محض حسد کے سبب امام بخاری کے ساتھ اپنی روش سے ہٹے؟ امام بخاری کی آمد سے پہلے امام ذہلی نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ ان سے کلام اللہ کے متعلق کچھ نہ پوچھنا، کیوں کہ اگر یہ ہمارے موقف کے خلاف جواب دیدیں تو ہمارا ان سے اختلاف ہوجائے گا اور خراسان کے رافضی، ناصبی، جہمی اور مرجئ ہم پر ہنسیں گے۔ امام بخاری آئے تو لوگوں نے ازدحام کردیا، انسان تو منع کی ہوئی بات کا حریص ہوجاتا ہے کسی نے ان سے ''لفظ بالقرآن'' یعنی ہماری تلاوت قرآنی کے متعلق پوچھ لیا، آپ نے فرمایا: ''**أفعالنا مخلوقة و ألفاظنا من أفعالنا**''، اس پر لوگوں میں اختلاف ہوگیا، کسی نے کہا کہ انھوں نے ''**لفظي بالقرآن مخلوق**'' کہا ہے، کسی نے کہا کہ انھوں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فتنہ ہوا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مقدر ہے وہ ہوکر رہتا ہے۔ حالانکہ امام بخاری کے قول میں کوئی قابلِ گرفت بات نہ تھی، انھوں نے ''تلفظ'' کے بارے میں کہا، جو بلاشبہ حادث ہے، لیکن وہ ایسے لوگوں سے آزمائش میں مبتلا ہوئے جو ان کی بات سمجھ نہ سکے اور ان کے کلام کا دوسرا مفہوم لے لیا۔

جیسا کہ خود امام بخاری علیہ رحمۃ الباری سے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق واقع ہوا، جب امام بخاری امام ابوحنیفہ کے مدارک سمجھ نہ سکے تو ان پر ایسا اعتراض کر بیٹھے جو خود اُن کی فہم پر راجع ہے، نہ کہ امام ابوحنیفہ پر، انسان جیسا کرتا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ امام بخاری پر اعتراض کرنے والوں میں امام ذہلی ان کے استاذ تھے، اور امام ابوحنیفہ پر اعتراض کرنے والوں میں امام بخاری ان کے چھٹے درجے کے شاگرد ہیں۔ جن امور میں امام بخاری کو اشتباہ ہوا اگر اُن امور میں امام ابوحفص کبیر بخاری کی طرف رجوع کر لیتے یا اپنے رفیق علم حضرت امام ابوحفص صغیر بخاری کی طرف رجوع کر لیتے تو ان کے شکوک وشبہات دور ہوجاتے، لیکن جو اللہ نے چاہا وہ ہوا، بہر کیف یہاں مقصود یہ ہے کہ ان ائمہ کرام کا مذہب اگر کلام لفظی کے حدوث کا ہوتا جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ ائمہ اعلام ایسا کہنے سے کیوں گریز کرتے؟ پھر امام بخاری نے بھی تو نہ کہا کہ میں نے ''خلق'' کا قول ''لفظ'' کے متعلق کہا ہے، جو تمہارے اور ہمارے نزدیک حادث ہے۔ بلکہ انھوں نے ابوعمرو احمد بن نصر نیشاپوری سے کہا: اے ابوعمرو! یاد رکھو، جو کوئی یہ کہے کہ میں نے ''**لفظي بالقرآن مخلوق**'' کہا ہے وہ کذاب ہے، میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا، بلکہ میں نے کہا ہے: ''**افعال العباد مخلوقة**''، لوگوں کی حرکات واصوات وکتابت مخلوق ہے، اور قرآن جو مصاحف میں مکتوب اور دلوں میں محفوظ ہے وہ غیر مخلوق ہے۔

اقول: حیرت کی بات تو یہ ہے کہ خود کہتے ہیں کہ یہی مذہب سلف ہے، پھر اس سے ہٹ کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے دو کلام ہیں ایک قدیم ایک حادث۔ مکتوب، مقرو، مسموع محفوظ حادث ہے اور قدیم اس کا غیر ہے جس پر یہ مکتوب دلالت کرتا ہے۔ پھر اس دلالت کے متعلق پریشان ہوئے بولے یہ دلالۃ اللفظ علی المعنی ہے، اس پر اعتراض وارد ہوا تو بولے: دلالۃ الاثر علی الموثر ہے۔ ان کی پریشانی ہی ہے جو آمدی نے ابکار الافکار میں لکھا کہ اتحاد کلام پر (یعنی کلام کا اقسام خمسہ امر نہی استفہام خبر ندا کی طرف منقسم نہ ہونا اور اسے تعلقات ومتعلقات کا تنوع قرار دینے پر) جو اشکال وارد ہوتا ہے اس کا حل مشکل ہے ہوسکتا ہے کسی اور کے پاس اس کا حل ہو۔ یوں ہی چلپی کی ایک عبارت اور علامہ سعد الدین تفتازانی کی شرح مقاصد کی ایک عبارت جس میں ان حضرات نے اس کی مشکلات کا اعتراف کیا ہے نقل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ویالیتهم اذ رضوا بالتحیر والیه صار مآلهم بالآخر رضوا باتباع السلف، وان بقوا متحیرین في فرق التجلي والمتجلي، فان به تنكشف

تلك العقد جميعاً ، فالمتجلي متعال عن الماضي والحال والاستقبال ، وانما كل ذلك في التجليات والكسوات. (انوارالمنان صفحہ ۲۶۷)

ترجمہ: جب اس حیرت پر راضی ہیں تو کتنا بہتر ہوتا اگر سلف کے اتباع پر راضی ہوتے ، اگر چہ تجلی اور متجلی کے فرق کی پریشانی رہ جاتی، کہ انجام کار حیرانی ہی ہاتھ لگی ، ورنہ تجلی اور متجلی کے فرق سے تمام عقدے کھلتے ہیں، متجلی ماضی حال اور مستقبل سے بلند ہے، اور یہ سب زمانے تجلیات وکسوات میں ہیں۔

متاخر متکلمین اور متاخر مفسرین کا مذہب سلف سے عدول میں فرق:

ان متاخرین کا سلف کے مذہب سے عدول ویسا نہیں جیسا کہ متاخرین مفسرین نے آیات متشابہات میں مذہب اسلاف سے (یعنی تفویض سے تاویل کی طرف) عدول کیا ہے۔ کیوں کہ متاخر مفسرین تاویل اس طور پر نہیں لاتے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے، بلکہ وہ دیکھتے ہیں کہ مذہب تفویض عام لوگوں کے ذہن میں نہیں آتا تو تفہیم عوام کے لیے مجبوراً تاویل کی طرف جاتے ہیں، وہ اس طور پر کہ جو دو آزمائشوں میں مبتلا ہوا سے ہلکی آزمائش اختیار کرنی چاہیے، تو ان مفسرین کو ان کا مذہب تاویل ان کی دلوں کے عقیدے میں فرق نہیں پڑنے دیتا۔ رہی متاخرین متکلمین کی کلام الٰہی کی یہ تقسیم! یہ مسئلہ تو اصول دین سے ہے، اور اس میں انھوں نے ائمہ سلف صالحین کے مذہب کے خلاف کو مان لیا، اس کو صراحۃً اپنی کتابوں میں اس یقین کے ساتھ ذکر کیا کہ مذہبِ اسلاف منظر نامے سے ہی غائب ہوگیا، بلکہ عوامی ذہن اسے غلط سمجھنے لگ گئے۔ خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے بہتوں کو لغزش دی ، پھر بھی بات نہ بنی تو آنکھیں موند کر انھیں کے قول پر چل پڑے، خود گمراہ ہوئے بہتوں کو گمراہ کیا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے ہدایت کے کلمات کہنے کے بعد آخر میں پوری بحث کے خلاصے کے طور ارشاد فرمایا:

اس مسئلے کا آسان حل وہی حضرت جبریل امین علیہ السلام کا اونٹ کی شکل میں ابوجہل پر حملے والا واقعہ ہے، اس کو گویا یوں سمجھیں کہ متقدمین ومتاخرین اس سلسلے میں چار مذہب پر ہو جائیں، ایک گروہ یہ کہے کہ جبریل امین تو بس اونٹ ہی ہیں جس کو کوہان اور دم ہوتی ہے اور چار پاؤں اور بڑا سا سر، اس کے علاوہ جبرئیل امین کا کوئی اور وجود نہیں۔ یہ معتزلہ کرامیۃ رافضہ کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید تو بس یہی اصوات ونقوش ہیں۔ دوسرا گروہ یہ کہے کہ جبریل امین تو اللہ کے مقرب فرشتے ہیں اور ان کی شکل ہمیشہ سے یہی اونٹ کی شکل ہے اور رہے گی۔ یہ نادان متاخرین ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ اصوات ونقوش ہی قرآن عزیز ہے اور یہی قدیم ازلی وابدی ہے۔ تیسرا گروہ کہے کہ جبریل نام کے متعدد اشخاص ہیں ہر ایک پر اشتراک لفظی یا معنوی یا حقیقت اور مجاز کے طور پر جبریل کا اطلاق ہوتا ہے، ایک تو رسول فرشتہ ہے دوسرا حملہ کرنے والا اونٹ ، تیسرا اعرابی اور چوتھا بردبار مرد، اور سب پہلے پر دلالت کرتے ہیں اور جو انھیں دیکھے تو فرشتہ یاد آجائے۔ یہ نئے متکلمین ہیں جنھوں نے کہا کہ اللہ کے لیے دو کلام ہے ایک قدیم، دوسرا حادث جو قدیم پر دلالت کرتا ہے، اور دونوں پر قرآن کا اطلاق ہوتا ہے، اسے عقل سلیم بالکل تسلیم نہیں کرتی۔ چوتھا گروہ وہ ہے جو جانتا ہے کہ یہاں دو یا زائد جبریل نہیں بلکہ وہ ایک ہی جبریل ہیں جو شکل وصورت چاہتے ہیں اختیار کرتے ہیں اور نئی نئی شکلوں میں نئے پیدا نہیں ہوتے نہ لباس کے بدلنے سے ان میں کوئی تغیر ہوتا ہے۔ تو ابوجہل پر اونٹ کی شکل میں حملہ کرنے والے اور اجنبی شخص کی شکل میں ایمان کے بارے میں سوال کرنے والے اور دحیۃ کی صورت میں وحی لانے والے یقیناً جبریل امین ہی تھے، نہ کہ کوئی اور جو جبریل پر دلالت یا اشارہ کرنے والا ہو۔ وہ صورتیں نئی نئی آتی ہیں، ان صورتوں کے تعدد وتجدد سے جبرئیل امین میں تعدد وتجدد نہیں ہوتا۔ یہی حق وصواب ہے اور عقل سلیم اسی کو قبول کرتی ہے اور یہ مذہب ہمارے ائمہ سلف کا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم کہو کہ جبریل اونٹ کی ولادت کے ساتھ پیدا ہوئے یا یہ کہے کہ جب سے موجود ہیں اونٹ ہی رہے تو تم کھلی گمراہی میں ہو، اور اگر کہو کہ اونٹ جبریل نہ تھے، بلکہ کچھ اور تھا جو جبریل پر دلالت کررہا تھا تو تم نے بالکل غلط بات کہی، بلکہ یوں کہو کہ وہ یقیناً جبریل ہی تھے جو اونٹ کی شکل میں آئے تھے۔ اسی طرح اگر کہو کہ قرآن مکتوب ومقرو کے ساتھ حادث ہوا اور ازل سے اصوات ونقوش ہی تھا تو غلط کہا اور اگر یہ کہا کہ مکتوب ومقرو اللہ کا کلام ازلی نہیں بلکہ کچھ اور ہے جو اسے ادا کرتا ہے تو بڑی جھوٹ بات کہی، بلکہ یوں کہو کہ وہ قرآن ہی ہے جو اس شکل میں ہے، اور جب بھی اس طرح کا شبہ پڑے تو ''حدیث الفحل'' (غزوۂ بدر میں جبریل امین کا اونٹ کی شکل میں آنے والی روایت) پر اس کو منطبق کرکے سمجھنے کی کوشش کرو، سب کچھ واضح ہوجائے گا۔ وما التوفیق الا باللہ المہیمن المتعال۔

قرآن مجید پر ایمان یعنی تمام آیات پر ایمان

قرآن پاک پر ایمان لانا ضروریات دین سے ہے، اور اس پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں صراحۃ کوئی بات ذکر کی گئی ہو تو جو محکمات سے ہو یعنی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو تو اس کو ماننا بھی لازمی ہوجاتا ہے، بلفظ دیگر وہ بات عقیدہ کا حصہ بن جاتی ہے، مثلاً حضرت عائشہ عفیفہ طیبہ طاہرہ ام المومنین رضی اللہ عنہا پر منافقین نے غزوۂ مریسیع سے واپسی پر تہمت لگادی جس کا قرآن پاک نے سورۂ نور میں کھلا رد کیا اور حضرت صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا کی عفت کا اعلان کیا، اب یہ چونکہ قرآن نے صراحۃً اعلان کردیا اس لیے یہ عقیدہ کا حصہ ہوگیا اور اس کے بعد جو کوئی اُن پر تہمت لگائے وہ قرآن پاک کا انکار اور کفر کا ارتکاب کرے گا۔ اسی طرح کچھ ایسے امور ہیں جن کو اعلیٰ حضرت نے قرآن پاک کے بیان کے خلاف ہونے کے سبب رد کیا ہے اور اس کے رد وابطال میں فتاویٰ اور رسالے لکھے، مثلاً ایک رسالہ ہے ''نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان''۔

قرآن سے ''نظریۂ حرکتِ زمین وآسمان'' کا رد:

اصل میں فلاسفہ آسمان کی حرکت کے قائل ہیں اور جدید سائنس داں زمین کی حرکت کے قائل ہیں، اعلیٰ حضرت ان دونوں نظریات کو قرآن پاک کے خلاف قرار دیتے ہوئے پورے شدومد کے ساتھ اس کا رد فرماتے ہیں، اسی کے رد میں یہ رسالہ (نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان: ۱۳۳۹ھ) لکھا جس میں آیاتِ قرآنی سے یہ ثابت کیا کہ زمین وآسمان دونوں اپنی اپنی جگہ ثابت ہیں، اور سیارے گردش میں ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا وَلَئِنۡ زَالَتَا اِنۡ اَمۡسَکَہُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡ بَعۡدِہٖ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا.

ترجمہ: بیشک اللہ آسمان وزمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں اور اگر وہ سرکیں تو اللہ کے سوا انھیں کون روکے، بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔

اس میں قرآن پاک نے لفظ ''امساک'' (روکنا) ارشاد فرمایا جس کی متعدد جہتوں سے تحقیق کرتے ہوئے اسی لفظ سے سکون زمین وآسمان ثابت کیا۔ اپنے مدعا کو قرآن کریم کی آٹھ آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ زمین وآسمان حرکت میں نہیں ہیں۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۷ میں موجود ہے۔

عقلی دلائل سے حرکتِ زمین کا رد:

عقلی دلائل سے سکونِ زمین کے اثبات اور نظریۂ حرکتِ زمین کے ابطال کے لیے مستقل رسالہ (فوز مبین در رد حرکت زمین) تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ کیا ہے! علوم عقلیہ خصوصاً ریاضی اور ہیئت میں امام احمد رضا کی عبقریت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ چار فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں ۳۵ رایسے امور ذکر کیے جو سائنس دانوں کے نزدیک مسلم ہیں، جن میں اکثر کی کمزوری

کو اپنی نادر تحقیقات سے واضح کیا، بلکہ بعض کو مکمل رد کیا۔ فصل اول میں بارہ دلیلوں سے ''نظریۂ نافریت'' کا رد کر کے حرکتِ زمین کا ابطال فرمایا، فصل دوم میں پچاس دلیلوں سے ''نظریۂ جاذبیت'' کا رد کر کے حرکتِ زمین کا ابطال فرمایا، فصل سوم میں ۴۳ر دلائل سے حرکتِ زمین کا ابطال کیا۔ تینوں فصول میں ۱۰۵ر دلائل سے زمین کی حرکت کو باطل قرار دیا ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مترجم میں جلد ۲۷ میں موجود ہے۔

فلاسفہ کی گمراہیوں کا رد

فلسفہ کے گمراہ کن نظریات کے رد میں ۱۳۳۸ھ میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا، جس کا نام ہے: ''**الكلمة الملهمة في الحكمة المحكمة لوهاء الفلسفة المشئمة**''۔ فلاسفہ کے نظریات کے رد کو اکتیس حصوں پر تقسیم کیا، اور ہر ایک میں ان کے نظریات کو بیان کر کے عقلی دلائل سے ان کا تفصیلی رد کیا، ان میں فلاسفہ کے مختلف اصول مثلاً میل طبعی، وجودِ خلا، فلکیات، زمانہ کی بحث وغیرہ شامل ہیں، جن میں اکثر کا تعلق بلاواسطہ دینی علوم سے نہیں، اس لیے ہم ان تمام ابحاث سے صرف تین کا ذکر کرتے ہیں، یعنی پہلا دوسرا اور اکتیسواں مقام، جن کا تعلق علم کلام سے ہے۔

مقام اول میں یہ ثابت کیا کہ '' اللہ عزوجل فاعل مختار ہے'' اور یہ بدیہیات سے ہے، پھر اس تعلق سے فلاسفہ کے نظریات درج کر کے ان پر ایرادات قائم کیے اور ان کو الگ الگ بیان کر کے ان کے مفاسد کو دلائل سے واضح کیا۔

مقام دوم میں فرمایا کہ: '' اللہ واحد قہار ایک اکیلا خالقِ جملہ عالم ہے''، عقول وغیرہ کوئی' خالقیت میں اس کے شریک نہیں، نہ ہی تخلیق میں واسطہ ہیں، ارشاد ہوا: **هَلْ مِن خَالِقٍ غَيرُ اللّٰهِ** (۳/۳۵)

مگر فلاسفہ اس خلاق عالم کو صرف ایک عقل اول کا خالق جانتے ہیں، باقی تمام جہاں کی خالقیت' عقول کے سر منڈھتے ہیں۔ وہ تو عقل اول بنا کر معاذ اللہ معطل ہو گیا عقل اول نے عقل ثانی وفلک تاسع بنائے، عقل ثانی نے عقل ثالث وفلک ثامن، یوں ہی ہر عقل ایک عقل اور ایک فلک بناتی آئی، یہاں تک کہ عقل تاسع نے عقل عاشر وفلک قمر بنائے پھر عقل عاشر نے ساری دنیا گھڑ ڈالی اور ہمیشہ گھڑتی رہے گی، اسی لیے اسے عقل فعال کہتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اولاً تو یہ فرما کر اس کا رد کیا کہ: ''عقلِ سلیم حاکم ہے کہ ممکن اپنے وجود میں خود محتاج ہے، دوسرے پر افاضۂ وجود کیا کرے''۔ اس کے بعد فلاسفہ کے اس قول کا مبنیٰ ''**الواحدُ لايصدر عنه الا الواحد**''، یعنی جو واحدِ محض ہو جہاں تعددِ جہات بھی نہ ہو اس سے ایک ہی شے صادر ہو سکتی ہے، اِس کو ذکر کر کے انھیں کے اصول سے اِس کو رد کیا، کہ: عقل اول بھی تو ایک ہی چیز ہے، اس سے دو بلکہ چار بلکہ ابن سینا کے ظاہر کلام پر پانچ کیسے صادر ہوئے؟، عقل ثانی، فلک تاسع کا مادہ اور اسکی صورت اور اس کا نفس مجردہ اور نفس منطبعہ، جواب یہ دیا کہ واحد ہے مگر جہات متعددہ رکھتی ہے، اب اضطراب ہوا کہ وہ جہات کیا ہیں؟ بعض نے دو بعض نے چار یا پانچ مانیں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: سفیہو! ایسے جہات کیا مبدأ اول میں نہیں؟ اس کا وجود ہے، وجوب ہے، اپنی ذات کریم کو جاننا ہے، بے شمار سلب ہیں: نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ مرکب ہے، نہ جسم وغیرہ۔ یہ ظلم ہے کہ عقل میں متعدد جہات لے کر اسے موجدِ متعدد اشیا مانیں، اور یہاں محال جانیں۔ پھر بارہ وجوہ سے فلاسفہ کی اصل ''**الواحد لايصدر عنه الا الواحد**'' کے تار و پود بکھیر دیے۔

جزء الذی لایتجزی باطل نہیں:

فلاسفہ اس کے ابطال پر دلائل دیتے ہیں اور متکلمین ان دلائل سے جواب نہیں دیتے، مگر امام احمد رضا نے اس مقام پر فلاسفہ کی تمام حجتیں اور ہندسی براہین پادر ہوا کر دیں۔ اس بحث کو چار موقف کے نام سے چار حصوں پر تقسیم کیا۔

جزء الذی لایتجزی کے متعلق اعلیٰ حضرت کا موقف:

اعلیٰ حضرت اس موقف میں اپنا مسلک فلاسفہ اور متکلمین

دونوں سے جدا موقف ظاہر کرتے ہوئے اپنے موقف میں سات امور ذکر کیے جن میں فرمایا کہ ہمارے نزدیک جزء الذی لایتجزی باطل نہیں، لیکن دو جزؤں کا اتصال محال ہے، (یعنی جز اور اتصال کے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے) اور ہمارا مقصود ہیولی کا ابطال ہے جس کی ظلمتیں قدمِ عالم جیسی کفریات لاتی ہیں۔ اور خلا محال نہیں بلکہ ثابت ہے وغیرہ۔

موقف دوم: جزءالذی لایتجزی کے اثبات میں:

اس میں بھی فلاسفہ اور متکلمین سے الگ موقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے لیے صرف اس جزء کا امکان کافی ہے، اس کے اثبات کی حاجت نہیں۔ ہاں اس کا ثبوت قرآن مجید سے دیا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ.** (القرآن ۱۹/۳۴) اس سے وجہ استدلال کو ذکر کر کے اس پر وارد اعتراض کا خود جواب دیا۔

موقف سوم: ابطالِ دلائل ابطال:

اس میں جزء الذی لایتجزی کے ابطال پر فلاسفہ نے جتنی دلیلیں دیں اعلیٰ حضرت نے الگ الگ ۲۹ شبہات کے نام سے بیان کر کے ان تمام کو رد کیا، اور آخر میں فرمایا کہ: یہ ۲۹ شبہے کتابوں میں ہماری نظر سے گزرے، اور ان میں بھی بہت متداخل ہیں، ایک ایک کو کئی کئی کر کے دکھایا ہے جس کا اشارہ ہر جگہ گزرا، اور اِن پر بحمداللہ تعالیٰ ردوہ ہوئے کہ اگر ہزار شبہات اور ہوں تو ہر طالب علم جو ہمارے طریقہ کو سمجھ گیا ہے ان کو ہباءً منثوراً کر سکتا ہے۔ وللہ الحمد۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۷ صفحہ ۱۷۵)

موقف چہارم: ترکیب جسم کے متعلق اعلیٰ حضرت کی رائے:

فرماتے ہیں: ہم نے روشن کر دیا کہ جز لایتجزی ممکن بلکہ واقع اور اس سے جسم کی ترکیب بھی ممکن، اگر بعض اجسام اس طرح مرکب ہوئے ہیں کچھ محذور نہیں، مگر یہ کلیہ نہیں کہ اس طرح کے اجسام میں تماس ناممکن ہے کہ موجب اتصال دو جز ہے، اور حجم حسی جس طرح ہم نے ثابت کیا تماس حسی ماننا مشکل ہے۔ اس کے بعد اس کی وجہ بیان فرمائی۔ (ملخصا فتاویٰ رضویہ ۲۷ صفحہ ۵۷۵)

فلاسفہ کے دیگر کفریات کا رد:

ایک صاحب نے ''**المنطقُ الجدید لِناطقِ أَلْنَّا له الحدید**'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں کثیر نظریات فلاسفہ ذکر کیے جن سے اسلامیات کا رد لازم آتا ہے، لہٰذا اس کتاب کی چند عبارتیں لکھ کر اعلیٰ حضرت سے ان کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے ان کے متعلق مفصل جواب دیا جس کا نام رکھا ''مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید''۔

اعلیٰ حضرت نے اس میں ان تمام اقوال کو دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔ قول اول کے متعلق فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کو مادیات کے تصرف و تدبیر سے بے علاقہ مانا گیا ہے جو کئی جہتوں سے کفر ہے۔ قول دوم و سوم و چہارم میں ہیولیٰ و صورت جسمیہ و صورت نوعیہ و عقول عشرہ و بعض نفوس کو قدیم زمانی مانا اور یہ سب کفر ہے۔ قول پنجم کو گمراہی کی کان کہا، جس میں کلی طبعی کے موجود فی الخارج ہونے پر لکھا تو اس کے رد میں فرمایا کہ اس سے تمام انواع کا قدیم ہونا لازم آتا ہے۔ قول ششم جس میں عقول عشرہ کا تمام نقائص سے منزہ ہونا اور ان کا علم کا محیط باحاطہ تامہ ہونا لکھا یہ خاص صفت اللہ رب العزت کی ہے۔ قول ہفتم جس میں لکھا کہ ''عدم زمانی حقیقۃً عدم نہیں، جس نے کسی وقت میں خلعتِ وجود پایا یا پائے گا وہ نہ معدوم تھا' نہ معدوم ہو بلکہ یہ فقط پردہ حجاب میں تھا''۔ یہ نصوص قرآنیہ کا صریح خلاف ہے۔ قول ہشتم کی خرابی گزشتہ اقوال کے حکم سے ظاہر ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ پر وجوب اور عدمِ وجوب کی بحث

علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے ''المعتقد'' میں نبوت کے بیان میں لکھا:

''امام نسفی ''العمدۃ'' میں لکھتے ہیں کہ: رسولوں کو انذار و تبشیر

کے ساتھ بھیجنا ممکن بلکہ واجب ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا نہ ہونا محال ہے۔ انتہیٰ۔ یہ علامہ نسفی کی لغزشوں میں سے ایک لغزش ہے اور ان کا اعتزال سے مل جانا ہے اور یہ تمام اپنے ظاہری معنی کے مطابق خلافِ حق اور قابل رد ہیں‘‘۔

(وقال النسفي في العمدة: ارسال الرسل مبشرين ومنذرين في حيز الامكان بل في حيز الوجوب والظاهر استحالة تخلفه انتهى، وهذا من جملة زلات النسفي واختلاطه مع الاعتزال، والكل مردود على ظاهره ومخالف للحق. (المعتقد المنتقد ص۹۸ مطبوعۃ المجمع الاسلامي مبارکپور)

امام احمد رضا کی تحقیق کا خلاصہ:

اس پر امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے حاشیہ لگایا اور پوری تفصیل سے کلام فرمایا جس کو آسانی کے لیے ہم تین حصوں میں پیش کرتے ہیں: (۱) تمہید (۲) امام نسفی کے قول کی تاویل وتوضیح (۳) ان کے نظریۂ وجوب کا رد۔

تمہید:

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اِس مقام پر امام نسفی کے موقف کا معتزلہ سے خلط ملط ہوجانا درست نہیں، بلکہ دونوں میں بڑا فرق ہے، اور تاویل کرنا بہتر ہے جس کا دروازہ بند نہیں ہے۔ اور امام ابوالبرکات نسفی اِن جیسے کلمات میں منفرد نہیں، بلکہ ہمارے کئی مشائخِ ماتریدیہ اِس مقام پر اُن کے موافق ہیں۔ اور اگر قال سے حال کی طرف چلیں تو اکابر صوفیا بھی اُن سے متفق ملیں گے، حاشا وکلا! کہاں وہ اعاظم واکابر! اور کہاں معتزلہ کی گمراہی!۔ تو میں چاہتا ہوں کہ امام نسفی کے کلام کا مناسب محمل بیان کروں اگرچہ اس مسئلہ کے اکثر فروع میں ہمارے نزدیک پسندیدہ ومختار وہی ہے جسے مصنف (علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ) نے اختیار کیا ہے۔

فاقول وباللہ التوفیق: باری تعالیٰ سے اس کے افعال کے صدور میں لوگوں کے مختلف نقطہائے نظر ہیں:

فلاسفہ اسے واجب کہتے ہیں یعنی ایسا کہ ترک کا اختیار نہیں، یہ کھلا ہوا کفر ہے۔ معتزلہ اور روافض چند افعال کو باری تعالیٰ پر واجب قرار دیتے ہیں۔ ہمارے تمام ائمہ اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں۔ وہ حاکم ہے اس پر کوئی حاکم نہیں، اس کی قدرت بمعنی فعل وترک فعل دونوں کی نسبت اس کی طرف برابر ہے کسی کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں، صفت ارادہ ہے جو ایک کی دوسرے پر ترجیح کا سبب ہے۔ اس قدر اجماعی ہے۔

اب اہل سنت وجماعت میں حسن وقبح کے عقلی ہونے میں اختلاف ہوا، اشاعرہ نے اس کا مکمل انکار کیا اور اس کا اتنا رد کیا کہ اذہان میں یہی راسخ ہوگیا، حتی کہ اُس نکتے سے بھی غفلت ہوئی جس پر اتفاق تھا، اور یہ لوگ امتناع الکذب جیسے امور کی اس تعلیل میں پریشان ہوئے کہ یہ نقص ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر محال ہے۔

چونکہ اشاعرہ نے حسن وقبح کے عقلی ہونے کا انکار کیا اس لیے مطیع کو ثواب دینا، کافر کو عذاب دینا، رسولوں کی جماعت بھیجنا، محال کا مکلّف بنانا وغیرہ کچھ بھی اُن کے نزدیک حکم شرع سے پہلے نہ حسن ہے نہ قبیح ہے، تو ان کے مطابق کسی کام کی خوبی، حکم وارد ہونے کے بعد معلوم ہوگی، یوں ممکنات کی نسبت ’’حکمت وارادہ‘‘ کی طرف بھی بالکل ویسی ہی ہے جیسی ’’قدرت‘‘ کی طرف ہے، کیوں کہ ان کے مطابق فعل فی نفسہ حکمت کے موافق یا مخالف ہونے سے عاری ہے جب تک کہ صفتِ ارادہ اس کا تقاضا یا منع نہ کرے۔

ہمارے ائمہ ماتریدیہ نے درمیانی راہ اختیار کی، یعنی یہ کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور مختلف افعال کے اندر بذات خود حسن وقبح کی صفات پائی جاتی ہیں، عقل اس کا ادراک مستقلاً کر سکے یا نہ کر سکے بعض وہ افعال ہیں جو موافق حکمت ہیں مثلاً نیکوں کو ثواب دینا اور کافروں کو عذاب دینا، بعض مخالف حکمت ہیں جیسے ان کے برعکس یعنی نیکوں کو عذاب اور کافروں کو ثواب دینا۔ اور کوئی چیز کبھی بذات خود ممکن ہوتی ہے لیکن کسی غیر کے سبب محال ہوجاتی ہے، یعنی ممکن

ذاتی' محال بالغیر ہوسکتی ہے، اس لیے ''محال وقوعی'' اگر فی نفسہ ممکن ہے وہ باری تعالیٰ کا مقدور ہے۔ لیکن صفت ارادہ سے تعلق ''امکانِ وقوعی'' پر موقوف ہے، کیوں کہ جس کا وقوع ممکن نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ تحتِ قدرت ہونے سے یہ لازم نہیں کہ مقدور وجود میں آجائے، برخلاف ارادۂ الٰہیہ کے' کہ وہ کسی چیز سے متعلق ہوجائے تو وہ چیز ضرور معرض وجود میں آجائے گی۔

امام نسفی کے قول کی تاویل وتوضیح:

جب اس قدر باتیں معلوم ہوگئیں تو واضح ہے کہ تمام ممکنات تحت قدرت الٰہی ہیں، خواہ حکمت باری کے موافق ہوں یا نہ ہوں، لہٰذا جبر وایجاب نہیں۔ لیکن صفت ارادہ کا تعلق ان میں اسی ممکن سے ہوسکتا ہے جو موافق حکمت ہو' ورنہ سفہ لازم آئے گا جو کہ باری تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ تو جو موافق حکمت ہو وہ باری تعالیٰ کی طرف سے حیز وجوب میں ہوگا (وجوب منہ) کیونکہ وہ اس کے ارادہ واختیار سے صادر ہوا ہے۔ وہ وجوب (وجوب علیہ) نہیں جس کا مطلب ہے کہ خلاف پر قدرت نہیں' جس کے قائل فلاسفہ ہیں۔ اور وہ ''وجوب علیہ'' بھی نہیں جس کے قائل معتزلہ اور روافض ہیں۔ اسی طرح جو ممکن حکمت باری تعالیٰ کے خلاف ہے وہ ممتنع بالغیر کی حیز میں ہوگا کیوں کہ اس کا مراد الٰہی ہونا محال ہے حالانکہ وہ مقدور الٰہی ہے۔ تو امر واضح ہوگیا اور اشکال دور ہوگیا اور مذکورہ علما اور معتزلہ کے قول وجوب افعال باری میں فرق واضح ہوگیا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے علامہ بحر العلوم کی فواتح الرحموت اور شرح مسلم سے عبارتیں پیش کیں جس میں علامہ نے فعل باری تعالیٰ کے لیے وجوب کا لفظ استعمال فرمایا، اس کے بعد فرماتے ہیں: **فاستبان معنی الوجوب الخ** یعنی جس وجوب کا قول ان بزرگوں نے ان مقامات پر کیا یہ ''اعتزالی وجوب'' یا ''فلسفی وجوب'' نہیں ہے، بلکہ یہ ''سنی حنفی حنیفی وجوب'' ہے۔

یہاں تک تو اصولی بحث تھی، اب فروع کا معاملہ ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں نظریاتی اختلاف ہوا کہ بعض افعال حکمت کے منافی ہیں تو محال بالغیر ہوئے اور بعض حکمت کے مطابق ہیں تو واجب بالغیر ہوئے۔ جیسے امام نسفی کے نزدیک کافر کو معاف کرنا، اور جمہور کے نزدیک تعذیبِ مطیع محال بالغیر ہے، یوہیں امام نسفی کے نزدیک ارسال رسل اور جمہور کے نزدیک اثابت مطیع واجب بالغیر ہیں۔ یہ ان علما کے نظریات کی تقریر ان کے کلام کے مطابق تھی۔

نظریۂ وجوب کا رد:

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نظریۂ وجوب کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاقول مستعینا بالجلیل: اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اس کے حکمت بالغہ کے موافق ہوتے ہیں، جو اس نے کیا وہ کسی نہ کسی حکمت کی وجہ سے کیا اور جو ترک فرمایا وہ کسی حکمت کے سبب ترک فرمایا۔ ہر فعل وترک میں اس کی حکمتیں ہیں جنھیں وہی جانتا ہے، اور بلاشبہ کسی چیز کا حکمت کے منافی ہونا اسے محال بنا دیتا ہے۔ لیکن کسی چیز کا حکمت کے موافق ہونا اسے واجب کردے ایسا ضروری نہیں، جیسے کہ ایک فعل اور اس کا خلاف' دونوں میں حکمت ہو تو ہر دونوں فعل میں حکمت کی موافقت پائی جاتی ہے، پھر بھی دونوں میں سے کوئی بھی واجب نہیں، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ کسی گنہگار کو سزا دے تو وہ سزا عدل اور حکمت کے طور پر ہوگی اور اگر معاف کردے تو یہ اس کی حکمت بالغہ اور بخشش ومہربانی کے طور پر ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں: **اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ**. اس آیت کریمہ میں مغفرت کے ساتھ ''العزیز الحکیم'' کے ذکر سے اشارہ ہے کہ مغفرت بھی عین حکمت ہے۔ حالانکہ بادشاہوں کے دربار میں باغیوں کا گروہ پیش کیا جائے تو خواہ وہ بادشاہ کتنے ہی مہربان اور عفو وکرم والے کیوں نہ ہوں انھیں معاف نہ کریں گے، یا تو اس ڈر سے کہ کہیں یہ باغی پھر غالب نہ آجائیں، یا پھر دشمنوں پر قابو پا کر چھوڑ دینے کی حماقت سے بچنے کے لیے، اللہ رب العزت تو ان تمام باتوں سے بری اور غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا،

تو اس کے تمام افعال وتروک یقیناً حکمت کے مطابق ہیں اور ہوسکتا ہے کہ کچھ افعال ایسے ہوں جنھیں حکمت، محال اور اس کا ترک واجب قرار دے، اگر چہ قدرت ان دونوں کو شامل ہو۔ لیکن ہم کوئی ایسا فعل نہیں سمجھتے جسے حکمت واجب اور اس کا ترک محال قرار دے، باوجود اس کے کہ قدرت ان دونوں کو شامل ہو، ہاں ایسا علم واخبار کے اعتبار سے ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ مطیع کی تعذیبِ محض محال ہو تو مطیع کو ثواب دینا عقلاً واجب نہیں ہوجاتا، اگر چہ سمعاً واجب ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں دوں''۔ یوہیں تعذیب کافر، ارسال رسل، اور انزال کتب سب حکمت کا تقاضا ہے، مگر ایسا نہیں کہ یہ تقاضائے حکمت انھیں حیز وجوب تک پہنچادے، اللہ کی شان یہ ہے کہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جو چاہے کرے۔

یہ میری غور وفکر کا حاصل ہے اگر درست ہے جیسا کہ مجھے امید ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں خطا ہے تو میں اللہ کی بارگاہ میں ہر خطا سے توبہ کرتا ہوں اور جو رب کے نزدیک حق ہے اس سے دل وابستہ کرتا ہوں۔ وھو حسبی ونعم الوکیل''۔

(ملخصاً مترجماً المعتمد المستند صفحہ ۹۸ تا ۱۰۵)

ابن تیمیہ کے کفر کے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ کا موقف:

المعتقد میں علامہ فضل رسول بدایونی نے اللہ تعالیٰ کے صفات سلبیہ کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہے اور جو اس کے لیے جہت مانے ایک قول کے مطابق اس کی تکفیر کی جائے گی، دوسرے قول کے مطابق تکفیر نہیں، اور امام نووی نے دوسرے قول کو عوام کے ساتھ خاص کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر ہیثمی لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ سے سرکار اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر انور شریف کی زیارت کی مشروعیت کی نفی اور اس کے لیے سفر کی جو ممانعت لکھی وہ ایسی غلطی ہے جو کبھی معاف نہ کی جائے گی۔ اس پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے امام ابن حجر مکی کا اشارہ ابن تیمیہ کی تکفیر کی طرف ہے، یا یہ تغلیظ پر محمول ہے یا ابد سے مراد زمان طویل ہے، یا مراد دنیا میں معاف نہ ہوگی یا مراد یہ ہے کہ قول تجسیم کی بنا پر اس کی تکفیر کی گئی ہے اور کافر کفر سے کم جرائم پر بھی گرفت میں آجاتا ہے جیسے کفار کہیں گے: **لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ** ۔اور معلوم ہے کہ کفار کی غلطی کبھی معاف نہیں ہوگی۔ اور درست یہ ہے کہ ابن تیمیہ گمراہ گمراہ گر ہے، کافر نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (المستند علی المعتقد صفحہ ٦٦)

تعذیب مطیع کے متعلق اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اختلاف:

تعذیب محسن کے متعلق علامہ فضل رسول بدایونی لکھتے ہیں:

''حنفیہ نے جب ''تکلیفِ مالا یطاق'' اللہ تعالیٰ پر محال قرار دیا تو ''تعذیبِ مطیع'' تو بدرجہ اولیٰ ممتنع ہوگا، یعنی ایسا بندہ جس نے زندگی بھر نیک کام کیے اور کوئی گناہ نہ کیا اسے عذاب ہرگز نہ دے گا لیکن یوں نہیں کہ ''ترک تعذیب'' اللہ تعالیٰ پر واجب ہوگئی جیسا کہ معتزلہ قائل ہیں''۔ اس پر اعلیٰ حضرت حاشیہ میں فرماتے ہیں:

ماتریدیہ کے نزدیک، جو علم الٰہی میں مطیع ہے اس پر عذاب عقلاً درست نہیں۔ اشاعرہ اس کے خلاف ہیں، ان کے نزدیک ''تعذیب مطیع'' عقلاً جائز ہے، کیوں کہ مالک کو اپنی ملک میں تصرف کرنے کا پورا حق ہے، یہ ظلم نہیں، ظلم تو ملکِ غیر میں تصرف کا نام ہے، اور سب اللہ کی ملک ہے، اس لیے بھی کہ طاعت ومعصیت سے مولیٰ تعالیٰ بڑھتا گھٹتا نہیں کہ اس کے سبب ثواب یا عذاب کرے۔ اس لیے بھی کہ یہ حکمت کے منافی نہیں، کیوں کہ قدرتِ الٰہی ضدین (عذاب وثواب دینے) پر ہے، اور ابلغ فی التنزیہ یہ ہے کہ اس پر قدرت رکھتے ہوئے بالاختیار اسے نہ کرے، تو تعذیب طائع کے جوازِ عقلی کا قول ہی اولیٰ ہے۔

ماتریدیہ کی دلیل یہ ہے کہ جس نے پوری زندگی اپنے رب کی رضا کی خاطر نیک اعمال کیے اس کو سزا دینا حکمت کے خلاف ہے، حکمت کا تقاضا ہے کہ نیکوکار اور بدکار میں فرق کیا جائے، اور اس کے خلاف سفہ اور نادانی ہے جو اللہ تعالیٰ پر محال ہے جیسے ظلم وکذب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی برابری کی تردید فرمائی:

أفنجعل المسلمين كالمجرمين مالكم كيف

تحکمون۔ اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اگر چہ معلل بالاغراض نہیں ہوتے لیکن حکمت سے خالی بھی نہیں ہوتے، اور قدرت ضدین کی صلاحیت اس وقت رکھتی ہے جب کہ مودی الی المحال نہ ہو، اور یہاں وجہِ استحالہ موجود ہے یعنی منافاتِ حکمت۔

ماتریدیہ کی تائید میں اعلیٰ حضرت کا استدلال:

اعلیٰ حضرت نے طرفین کے موقف اور دلائل کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد اپنی تحقیق انیق پیش کی، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل میں وہ بات القا فرمائی کہ عینِ بصیرت سے غور وتامل کرنے والے کو اس کی سمجھ آجائے گی کہ: تمام نقائص وکدورات جو مخلوقات میں ہوتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفتِ جلال کے تقاضے سے ہیں، اور تمام محاسن اور نیکیاں صفاتِ جمال کے لوازم سے ہیں۔ اور ہر شے اپنی اصل کی طرف جاتی ہے، یوں عقلاً جائز نہ ہوگا کہ ان دونوں میں سے کسی کا حکم متخلف ہوجائے، کیوں کہ یہ خلافِ واقع ہوگا، لہٰذا مطیع کو عذاب نہ ہوگا اور عاصی کو ثواب نہ ہوگا۔ لیکن ''مومن عاصی'' کے اندر دونوں نوعیں (ایمان وعصیان) جمع ہوجانے کے سبب ایک کو دوسرے پر راجح کردیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''سبقت رحمتي غضبي''، یہ توجیہ ماتریدیہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے، بلکہ اصحابِ بصیرت کے نزدیک تو اس مسئلے میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کا اختلاف ہی ختم کردیتی ہے، خصوصاً ان کے اس قول پر کہ قدرتِ الٰہی محال سے متعلق نہیں ہوتی، کہ اگر متعلق ہوسکے تو محال ممکن سے بدل جائے گا۔

یہاں اعلیٰ حضرت نے کنز الفوائد کے حوالے سے اس پر ایک سوال اور اس کا جواب پیش کیا، سوال یہ ہے کہ تب تو مطیع کا ثواب اور عاصی کا عذاب اللہ پر واجب ہوجائے گا؟ جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں، اور یہ باطل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں، یہ واجب بایجاب اللہ ہے جسے اللہ نے تفضلاً وتکرماً واجب کیا ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ، وَكَانَ حَقاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُوْمِنِيْنَ، وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

تعذیبِ مطیع کے متعلق اعلیٰ حضرت کا موقف:

اس مقام پر ''اقول'' کہہ کر امام احمد رضا قدس سرہ اپنی اپنے موقف بیان کرتے ہوئے اس کی توضیح بلیغ فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے:

چونکہ علمائے کرام نے صراحت کی ہے کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں تو مجھے اصل مسئلہ (عقلیتِ حسن وقبح) میں اپنے ائمہ ماتریدیہ کے ساتھ رہنا پسند ہے، یعنی میرے نزدیک حسن وقبح عقلی ہیں، اور میں مانتا ہوں کہ میرا مولیٰ عزوجل اپنی صفات میں ہر نقص سے اور اپنے افعال میں ہر قبح سے پاک ہے۔ میرا ایمان ہے کہ ظلم، کذب، سفہ اور تمام نقائص وقبائح اللہ تعالیٰ پر بالذات محال ہیں، صفت یا فعل دونوں اعتبار سے، شرعاً بھی اور عقلاً بھی۔ میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے، لیکن ممکن ہی چاہتا ہے اور مقدور ہی کا ارادہ کرتا ہے، اور محال کے ارادے اور اس پر قدرت سے منزہ ہے، کہ یہ بدترین چیز ہے۔ لیکن مجھے پسند ہے کہ اس فرعی مسئلے (تعذیبِ مطیع) میں اپنے ائمہ اشعریہ کے ساتھ رہوں کہ تعذیبِ مطیع عقلاً جائز ہے اور شرعاً ممتنع ہے۔

تعذیبِ مطیع عقلاً جائز ہونے سے ظلم وسفہ اور نیک وبد کی برابری لازم نہیں آتی، اس کی تفصیل جیسا کہ میرے رب نے میرے دل میں ڈالا یہ ہے کہ قسم قسم کی تکلیفیں اور آزمائشیں اللہ تعالیٰ کے خالص نیک بندوں پر اجماعاً ممکن ہیں، بلکہ واقع ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے سخت آزمائش انبیائے کرام پر آتی ہے۔ ''اِنَّ أَشَدَّ الْبَلاءِ عَلَى الاَنبياءِ ثُمَّ الامثل فالامثل'' اس سے ظلم، سفہ اور نیک وبد میں برابری لازم نہیں آتی، کیوں کہ یہ تکالیف اور آزمائشیں کافر کے لیے تو عذاب ہوتی ہیں لیکن گنہگار کے لیے کفارہ اور نیکوکار کے لیے رفع درجات اور مزید تقرب کا سبب ہیں۔ عقل ایک مکان (دنیا) اور دوسرے مکان (آخرت) میں فرق نہیں کرتی، تو عقلاً یہ ممکن ہے کہ نیک وبد

آخرت میں بھی صورۃً آلام وتکالیف میں شریک ہوں، جو کافر کے لیے تو عذاب ہوں، گنہگار کے لیے کفارہ اور مطیع کے لیے مزید تقرب کا ذریعہ، تو ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ظلم، سفہ اور نیک وبد کی برابری لازم نہ آئے گی جیسا کہ دنیا میں لازم نہ آئی۔

درجات وقربات' حور وقصور والبان وخمور میں منحصر نہیں، بلکہ اپنے رب کی معرفت میں ترقی ہوتی رہے، رب کی تجلیات کا نزول ہوتا رہے، اور رب کی بارگاہ میں درجات بلند ہوتے رہیں، تو عقلاً اس میں ایک مکان دوسرے مکان کی طرح ہوگا، اور اِس میں کوئی مانع عقلی نہیں کہ رب سبحانہ وتعالیٰ کسی ایسے پر تجلی فرمائے جو جہنم میں ہو اور اس کو اپنی رحمت سے اپنے وجہ کریم کی دید عطا فرمائے، کہ رحمت تو بہت وسیع ہے۔ یوں ہی یہ بھی ممتنع عقلی نہیں کہ مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ جس کے لیے چاہے دیدارِ وجہِ کریم کا حصول دخولِ نار سے مربوط کردے، تو واضح ہوا کہ وہ ایلام' رفعِ درجات کے لیے ہو جیسے کہ دنیاوی زندگی میں یہ رفع درجات کے لیے تھا۔ واللہ! اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسا کرے تو اس کے مخلص بندے جہنم کی طرف دوڑ پڑیں گے، اور جنت سے بھاگ کر اس کے وجہ کریم کے دید کی طلب میں عجلت دکھائیں گے، جیسے رب کی رضا کے لیے دنیاوی شہوات سے بھاگتے ہیں، والحمد للہ رب العٰلمین۔

آخر میں فرمایا: ہوسکتا ہے ہمارے ائمہ ماتریدیہ نے جو ''تعذیبِ مطیع'' کے امتناعِ عقلی کا قول کیا' اُن کی مراد تعذیبِ محض اور تعذیبِ خالص ہو، جو بے گناہ، بے خطا اور کسی مصلحت کے بغیر ہو۔ (ملخصاً مترجماً المعتقد مع المستند صفحہ ۷۷ تا ۸۰)

تقدیر کا بیان

تقدیر کے متعلق اعلیٰ حضرت کا ایک رسالہ ''ثلج الصدر لایمان القدر'' ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:

''اللہ عزوجل نے بندے بنائے' جوارح عطا فرمائے، انھیں کام میں لانے کا طریقہ الہام کیا، اور ان کے ارادے کا تابع بنا دیا، پھر اسے عقل سے ممتاز فرمایا کہ نفع وضرر پہچان سکے، پھر جن باتوں کو عقل سمجھ نہ سکے' ان کے لیے انبیا بھیج کر' کتابیں اتار کر چھوٹی چھوٹی باتوں کا حسن وقبح بتا دیا، اس کے باوجود کسی معدوم کو لباسِ وجود پہنا دینا اسی کا کام ہے، یہ نہ اُس نے کسی کے اختیار میں دیا، نہ کوئی اس کا اختیار پا سکتا تھا۔ ہاں اس نے عادات جاری فرمائی کہ بندہ جس امر کا قصد کرے مولا تعالیٰ اسے اپنے ارادے سے پیدا فرمادے۔ مثلاً اُس نے ہاتھ دیے، ان میں قوت رکھی، تلوار بنائی اور اس میں دھار اور دھار میں کاٹ رکھی، زید نے اسی تلوار کو اٹھانے کا قصد کیا اور اس سے ولید کے جسم پر ضرب پہنچانے کا ارادہ کیا، وہ خدا کے حکم سے جھکی اور ولید کے جسم پر لگی، تو زید سے جو کچھ ہوا سب خلق خدا و بارادۂ خدا تھا، زید کا اتنا کام رہا کہ اس نے قتل ولید کا ارادہ کیا، اور اس طرف اپنے جوارح کو پھیرا، اب ولید اگر مستحق قتل ہے تو زید پر کچھ الزام نہیں، اور قتل ناحق ہے تو یقیناً زید پر الزام ہے کہ مخالف شرع شے کا عزم کیا اور اُس طرف جوارح کو پھیرا جسے مولیٰ تعالیٰ نے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا حکم بتایا تھا۔

غرض فعلِ انسان اپنے ارادہ سے نہیں ہوتا، بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ پھر اس سے باز پرس کیوں ہوتی ہے؟ ہاں! باز پرس کی وجہ وہی ہے کہ اچھا برا بتا دیا تھا، اور اعضا وجوارح قابو میں دے دیے تھے، دیکھنے کو آنکھ اور سمجھنے کو عقل دی دی تھی، یہی ہاتھ اچھے کام کی طرف بڑھاتا تو اللہ تعالیٰ موجبِ نفع کی تخلیق کر دیتا، مگر اِس نے ایسا نہ کیا، وہ غنی بے نیاز ہے وہاں تو عادت جاری ہے کہ یہ قصد کرے وہ پیدا کردے، ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں فرق ہے۔ مولیٰ عزوجل قادر تھا' اور ہے کہ بے کسی نبی وکتاب کے تمام جہاں کو ایک آن میں ہدایت فرمادے، مگر اُس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، اور ہر نعمت میں اپنی حکمتِ بالغہ رکھی ہے۔ خیال وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تو اپنی عقل کو قاصر جانے، کسی بات کو حق جاننے کے لیے اُس کی حقیقت جاننی لازم نہیں، عالم میں ہزاروں ایسے عجائب ہیں کہ فلاسفہ خاک چھان مرگئے اور ان کی حقیقت نہ

معلوم ہوئی، مگر اس سے ان کا انکار نہیں ہوسکتا، پیدا کرنا عدم سے وجود میں لانا خاص اُسی کا کام ہے۔

بس یہی عقیدۂ اہل سنت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے نہ خود مختار۔ بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے جس کی کنہ (حقیقت) رازِ خدا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں الجھنوں کو دو فقروں میں صاف فرما دیا: ایک شخص نے پوچھا: کیا معاصی بھی بے ارادۂ الٰہیہ نہیں ہوتے؟ فرمایا: تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرلے گا؟ أفیُعصی قهراً؟ اس نے کہا کہ اس جواب سے گویا حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہتے ہی نہ بنی، فکأنما ألقمني حجراً۔ دوسری بات کہ جزا و سزا کیوں ہے؟ اس کا جواب سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اس نے جو چاہا کیا، جو چاہے گا کرے، بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا، بھیجتے وقت بھی نہ لے گا، تمام عالم اس کی ملک ہے اور مالک سے دربارۂ ملک سوال نہیں ہوسکتا''۔ (ملتقطاً رسالہ ثلج الصدر فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۲۸۸ تا ۳۰۲)

تقدیر مبرم و معلق کا بیان:

علامہ فضل رسول بدایونی المعتقد میں لکھتے ہیں:

''تقدیر کی چار قسمیں ہیں: پہلی تقدیر علم الٰہی میں، جو بدلتی نہیں، دوسری لوح محفوظ میں، اس کا بدلنا ممکن ہے، تیسری رحم مادر میں، جو فرشتہ بندے کا رزق و عمر و نصیبہ لکھتا ہے، اور چوتھی مقدر امور کا اپنے مقامات اور اوقات تک پہنچانا، یہ وہ ہے جس کو اللہ اپنے کرم سے جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ اور قضا دو قسم ہے: مبرم، معلق، مبرم نہیں بدلتی، معلق کی تبدیلی ممکن ہے، قضائے معلق ہی ہے جس کے متعلق حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ ہوں جو قضا کو بدل دیتا ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ دعا قضا کو ٹال دیتی ہے، ہاں قضائے مبرم کے بدلنے کا دعویٰ باطل ہے''۔

تقدیر مبرم و معلق کے متعلق امام احمد رضا کی تحقیق:

قضائے مبرم کے متعلق علامہ بدایونی نے جو کچھ فرمایا اس پر اعلیٰ حضرت نے حاشیہ لگایا اور قضائے مبرم اور معلق کی وہ تشریح فرمائی جو خاص اعلیٰ حضرت کے ہی افادات سے ہے۔ اولاً دو حدیثیں تخریج کیں، جن میں قضائے مبرم کی تبدیلی کا ذکر ہے۔ اول میں ہے: **أكثِرُ من الدعاء فانَّ الدعاء يردُّ القضاء المبرم**۔ اس کے بعد اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

احکام الٰہیہ تشریعیہ دو طرح ہیں، (۱) مطلق عن الوقت (۲) مقید بالوقت۔ اول حکم کی مثال عام احکام ہیں جو کسی وقت سے مقید نہیں۔ ثانی کی مثال آیت کریمہ: فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا۔ (نساء ۱۵) تو جب اللہ تعالیٰ نے زنا کی سزا نازل فرمائی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے مجھ سے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہ بتا دی ہے۔

رہا مطلق عن الوقت تو وہ موبد ہے یا مقید ہے یہ اللہ کے علم میں ہے، اور جو علم الٰہی میں مقید ہے اسی پر نسخ وارد ہوتا ہے تو لگتا ہے کہ حکم بدل گیا، کیوں کہ مطلق بظاہر ابدی ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض کو یہ لگتا ہے کہ نسخ رفعِ حکم کا نام ہے، حالانکہ نسخ ہمارے نزدیک بیانِ انتہائے مدت کا نام ہے۔

بالکل یہی حال احکام تکوینیہ کا ہے، کچھ صراحۃً ''مقید بالوقت'' ہیں جیسے ملک الموت کو حکم ہو کہ فلاں کی روح فلاں وقت قبض کرلو مگر یہ کہ فلاں دعا کر دے، اور کچھ ''مطلق عن الوقت'' یا تو علم الٰہی میں نافذ ہے، یہی حقیقۃً مبرم ہے، یا دعا سے پھیری جانے والی ہے، اور یہ ''معلق شبیہ بالمبرم'' ہے، یہ لوگوں کی نظر میں تو مبرم ہوگی کہ وقت کا اشارہ نہیں دیا گیا، لیکن حقیقۃً معلق ہوگی، تو جس حدیث شریف میں قضائے مبرم کی تبدیلی کی بات وارد ہوئی اس سے مراد یہی ''مبرم'' ہے جو اصل میں ''معلق شبیہ بالمبرم'' ہے۔ رہی ''قضائے مبرم حقیقی'' تو اسے کوئی رد کرنے والا اور ٹالنے والا نہیں، ورنہ جہل لازم آئے۔ (مترجماً المعتقد مع المستند صفحہ ۵۴، ۵۵)

تدبیر کا بیان

دوسرا رسالہ ''التحبیر بباب التدبیر'' ہے جس میں تقدیر کے ساتھ تدبیر کی تشریح وتوجیہ فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سب کچھ تقدیر الٰہی سے ہے تو پھر تدبیر کس لیے؟ جس کا جواب یہ ہے کہ: بیشک عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب کچھ اللہ جل جلالہ کی تقدیر سے ہے، مگر تدبیر معطل نہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے، رب نے مسببات کو اسباب سے ربط دیا اور سنت الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو۔ تو جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے، اسی طرح تدبیر کو محض عبث وفضول بتانا گمراہ یا مجنون کا کام ہے۔ جس سے سیکڑوں آیات واحادیث سے اعراض اور انبیا وصحابہ وائمہ واولیا سب پر طعن آتا ہے۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے تدبیر کی توضیح میں پانچ آیات اور چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں۔ (ملخصاً رسالہ التحبیر فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۳۰۳ تا ۳۲۶)

کفر وتکفیر کی بحث

کفر لزومی وکفر التزامی کا فرق:

سبحان السبوح کے خاتمہ میں ارشاد فرمایا:

انکار دو طرح سے ہوتا ہے لزومی والتزامی۔ التزامی یہ کہ ضروریاتِ دین سے کسی شئ کا تصریحاً خلاف کرے، یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے، اگرچہ نام کفر سے چڑے، اور کمالِ اسلام کا دعویٰ کرے، کفر التزامی کا معنی یہ ہے کہ جو انکار اس سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعویٰ کیا وہ بعینہ کفر اور مخالف ضروریات دین ہو، جیسے نیچری درج ذیل باتوں کا انکار کرتے ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہیں، مثلاً وجودِ ملک وجن وشیطان وآسمان ونار وجنت ومعجزات انبیا علیہم الصلاۃ والسلام۔

لزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر تو نہیں، مگر منجر بکفر ہوتی ہے، یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمات وتتمیم تقریبات کرتے چلیے تو انجام کار اس سے کسی ''ضروریٔ دین'' کا انکار لازم آئے، جیسے روافض کا خلافتِ حقہ راشدہ حضرت صدیق اکبر وحضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سے انکار کرنا' تضلیلِ جمیع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف موڈی، اور وہ قطعاً کفر۔ اس قسم کے کفر میں علمائے اہل سنت مختلف ہوگئے، جنھوں نے مآلِ مقال ولازمِ سخن کی طرف نظر کی حکم کفر فرمایا، اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں، بدعت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

کفر لزومی کا حکم:

امکانِ کذب کا قول کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

بالجملہ آفتابِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ایک مذہبِ علمائے دین پر یہ امام ومقتدی سب کے سب نہ ایک دو کفر بلکہ صدہا کفر سراپا کفر میں ڈوبے ہوئے ہیں، معاذ اللہ، اسی قدر ان کے خسار وبوار کو کیا کم ہے، اگرچہ ائمہ محققین وعلمائے محتاطین انھیں کافر نہ کہیں، اور یہی صواب ہے۔ جب ائمہ دین ان کے کفر میں مختلف ہوگئے تو اپنا بھلا چاہیں، جلد از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنے مذہب نامہذب کی تکذیبِ صریح اور اس کے رد وتقبیح کی صاف تصریح کریں، ورنہ بطورِ عادت' کلمہ شہادت کافی نہیں، کہ یہ تو وہ اب بھی پڑھتے ہیں، اور اسے اپنے مذہب کا رد نہیں سمجھتے۔ اور جس طرح اس مذہبِ خبیث کا اعلان کیا ہے ویسے ہی توبہ ورجوع کا صاف اعلان کریں، کہ توبہ نہاں کی نہاں اور عیاں کی عیاں۔ اس کے بعد اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں کہ کفر خلافی کا حکم یہی ہے۔ لہٰذا یہ حضرات اپنے مذہب مردود سے باز آئیں اور علانیہ توبہ کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں، ورنہ اہل سنت پر لازم ہے کہ ان سے الگ ہوجائیں، ان کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں، اگر نادانستہ پڑھ لی ہو اعادہ کریں۔

تکفیر کے اصول:

مقامع الحدید کے آخر میں ''تنبیہ النبیہ'' کے عنوان سے تکفیر کے متعلق چند اصول ذکر فرمائے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۷ صفحہ

۱۷۵) جس کا خلاصہ یہ ہے:

''زید کے اقوال تین طرح کے ہیں۔(۱) کچھ ایسے اقوال ہیں جن کے متعلق علما کی رائے مختلف ہوگئی، کہ اس پر کفر وارد نہیں ہوتا لیکن لازم آتا ہے، یہی (کفرلزومی) وہ ہے کہ جس کے متعلق کفر کی نفی اور اثبات دونوں قول وارد ہیں، جس نے اس کو موجب کلام (کلام کے مآل) سے الزام دیا اس نے کافر قرار دیا، اور جس نے موجب کلام سے الزام نہ دیا اس نے تکفیر نہیں کی، جیسا کہ قاضی عیاض کی شفا اور اس کی شرح نسیم الریاض میں ہے کہ جب ان کو مآل کلام سے آگاہ کیا جائے تو بولتے ہیں کہ ہم اس قول کا انکار کرتے ہیں جس کا تم ہمیں الزام دیتے ہو اور ہم بھی اس کو کفر جانتے ہیں، بلکہ ہم نے اپنے قول کی بنیاد جس پر رکھی اس اعتبار سے اس کا مآل وہ نہیں جو تم کہتے ہو، اسی وجہ سے اہل تاویل کی تکفیر میں اختلاف ہوا، اور محققین کے نزدیک درست یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے۔ بلکہ سختی اور بائیکاٹ کی سزا دی جائے تاکہ وہ اپنی بدعت سے رجوع کریں جیسا کہ عہد صحابہ سے یہی طریقہ رہا کہ ایسے لوگوں کو نہ قبرستان میں دفن ہونے سے محروم کیا، نہ میراث سے، لیکن قطع تعلق اور دیگر حسب حال سزائیں دی گئیں۔

(۲) کچھ ایسے اقوال ہیں جن کے کفر ہونے میں شک نہیں، لیکن اثنائے کلام کوئی ایسا قرینہ پایا گیا جو اس کو کفر صریح کی حد سے خارج کر دیتا ہے، اس وجہ سے قائل پر ظاہری حکم کفر لگانے میں کشمکش واقع ہوجاتی ہے، ان دونوں صورتوں میں محققین کے نزدیک تکفیر نہیں کی جاتی۔ دوسری صورت میں تو اس لیے کہ جس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اس کا اسلام یقیناً ثابت ہے، اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ پہلی صورت میں اس لیے کہ تکفیر بہت بڑی بات ہے، کوئی محتاط فی الدین اس کی جسارت نہیں کرے گا مگر اسی وقت جب اس کے دلائل آفتاب سے زیادہ روشن ہوجائیں۔ یہاں تک کہ اگر ایک مسئلہ میں ایک جہت اسلام کی اور ننانوے جہتیں کفر کی نکلتی ہوں تو مفتی پر لازم ہے کہ اسی ایک جہت کی طرف جائے، کیونکہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا، اگرچہ قائل کو یہ عدم تکفیر فائدہ نہ دے گی اگر اس نے کسی جہت کفر کا ارادہ کیا ہو۔

(۳) زید کے کچھ اقوال ایسے ہیں جن میں (ان کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اسے) کوئی عذر نہیں، ان میں اس نے صراحۃً ضروریات دین کا مقابلہ کیا اور دین کا پٹکا اپنے گلے سے نکال دیا، اور ایسا بلا جبر و اکراہ کیا تو ارادہ قلبی بھی فائدہ نہ دے گا۔

جب فقیر اس مقام پر پہنچا تو اسے کلمہ اسلام کی عظمت کا لحاظ دامن گیر ہوا۔ لہٰذا تکفیر کو امر عظیم سمجھتے ہوئے یہ اندیشہ ہوا کہ ہوسکتا ہے یہاں کوئی دقیقہ ہو جس کی طرف میرا ذہن نہ پہنچا، یا مجھے اس کا علم نہ ہو، تو میں نے اپنے رب سے استخارہ کیا اور بھرپور جدوجہد کے ساتھ کتابوں کی مراجعت کی، پھر بھی کوئی ایسی بات نہ ملی جس سے تکفیر سے بچنے کی راہ ملتی، بلکہ جس قدر تتبع کرتا جاتا تکفیر کے ہی موید اقوال ملتے جاتے، حنفی شافعی مالکی اور حنبلی علمائے کرام کی کتب دیکھی سب بیک زبان تکفیر کا ہی قول کرتے ملے، تو مجھے یقین ہوگیا کہ اس سے چھٹکارا نہیں۔ مگر ایک ضعیف روایت جامع اصغر میں ملی کہ ارادۂ قلبی معتبر ہے، مگر مصنف نے اسے پیش کرکے اس کا بھرپور رد کیا، لیکن میں پھر بھی فکرمند ہوا کہ اگرچہ یہ اختلاف یہاں کمزور ہے مگر تکفیر سے بچنے کے لیے کافی ہے، لہٰذا میں نے مزید غور و فکر کیا تو مولیٰ تعالیٰ نے مجھ پر کھول دیا کہ تکفیر پر ہی اجماع ہے، اختلاف تو (عنداللہ) کفر میں ہے۔ اور شک نہیں کہ جس نے بخوشی جان بوجھ کر ہوش و حواس کے ساتھ کلمہ کفر بکا تو وہ ہمارے نزدیک یقیناً کافر ہے۔ ہم اس پر مرتد ہونے کا حکم لگائیں گے، اس کی بیوی حرام ہوجائے گی، اور اس کی میراث منقطع کردیں گے۔ رہا یہ کہ کیا وہ اس کلمہ کے سبب عنداللہ بھی کافر ہوجائے گا یا نہیں؟ تو ایک قول یہ ہے کہ نہیں، جب تک دلی ارادہ نہ پایا جائے، کیونکہ تصدیق تو دل کا کام ہے، لیکن جمہور علمائے کرام کے نزدیک وہ عنداللہ بھی کافر ہوجائے گا اگرچہ ارادۂ قلبی نہ پایا جائے، کیوں کہ وہ دین کے ساتھ کھیلنے والا ہوا جو یقیناً کفر ہے، اس جیسی بات وہی کرتا ہے جس کے دل سے اللہ

تعالیٰ ایمان سلب کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ،قُلْ أَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ، لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ ايمانكُمْ ۔اور یہی صحیح وراجح ہے''۔

(ملخصا مترجماً فتاویٰ رضویہ جلد ۲۷ صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۳)

تکفیر کلامی پر شبہات کا ازالہ:

المعتمد المستند کی اشاعت ۱۳۲۰ھ میں ہوئی، جس میں اعلیٰ حضرت نے چار علمائے دیوبند کی تکفیر کلامی کی، لوگوں کی طرف سے اس فتوی کی تصدیق اور مہروں کا تقاضا تھا لہٰذا اعلیٰ حضرت نے اسی فتویٰ کو علمائے حرمین طیبین پر پیش کیا تا کہ ان سے اس کی تصدیقات لے لی جائیں، چنانچہ حرمین شریفین کے ۲۶ علمائے کرام نے اس پر شاندار تقریظات درج کیں، جو حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین کے نام سے ۱۳۲۴ھ میں عربی زبان میں شائع ہوئی، پھر اس کو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اردو زبان میں ترجمہ کر کے ''مبین احکام وتصدیقات اعلام'' کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں شائع کیا، اس کا شائع ہونا تھا کہ مخالفین میں ہلچل مچ گئی، بجائے اس کے کہ معاندین توبہ کرتے اور رجوع لاتے شور وشغب پر اتر آئے ، اعلیٰ حضرت پر تحریف لفظی وتحریف معنوی کے الزامات لگائے ،اور اصول تکفیر کے متعلق مختلف شکوک وشبہات پھیلانے لگے، چنانچہ اعلیٰ حضرت نے ۱۳۲۶ھ میں ''تمہید قرآن بآیات فرقان'' تصنیف فرمائی، جس میں سنی عوام کو قرآنی آیات کا حوالہ دے دے کر خطاب کیا، اور ربانی فرمان کی روشنی میں تعظیم رسول اور محبت رسول کا واسطہ دے کر ان گستاخوں سے علاحدگی اختیار کرنے پر ابھارا، پھر تکفیر کے متعلق معاندین کے تمام اشکالات کے شافی جوابات ارشاد کیے، ہم انھیں جوابات میں سے چند اس مقام پر پیش کرتے ہیں۔

من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کا مفہوم:

ان کا پہلا مکر یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ''من قال لا الٰه الا الله دخل الجنة'' جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا جنت میں جائے گا۔ پھر کسی قول یا فعل کی وجہ سے کافر کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب تو اسی آیت کریمہ میں دیا کہ : أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوْا أَنْ يَقُوْلُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔کہ کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ بس ادعائے اسلام پر چھوڑ دیے جائیں گے اور امتحان نہ ہوگا؟ اسلام اگر صرف کلمہ گوئی کا نام تھا تو وہ بے شک حاصل تھی پھر ان کا گھمنڈ کیوں غلط تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الايمانُ فِي قُلُوبِكُمْ. تو ''من قال لا الٰه الا الله دخل الجنة'' کا یہ مطلب گھڑنا صراحۃً قرآن عظیم کا رد کرنا ہے۔ ہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کلمہ پڑھتا ہوا اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو ہم اسے مسلمان جانیں گے، جب تک اس سے کوئی کلمہ کوئی حرکت کوئی فعل منافی اسلام نہ صادر ہو، بعد صدور منافی ہرگز کلمہ گوئی کام نہ دے گی۔

اہل قبلہ کی عدم تکفیر کی تحقیق:

مکر دوم: امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ ''لا نکفر أحدا من أهل القبلة ''۔ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلے کو منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔اس مکر میں ان لوگوں نے ''کلمہ گوئی'' سے عدول کر کے ''قبلہ روئی'' کا نام ایمان رکھ دیا۔ اگر چہ اللہ عز وجل کو جھوٹا کہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گالیاں دے کسی طرح ایمان نہیں ٹلتا۔

اولاً: اس کا جواب قرآن ہی نے دیا: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتٰبِ والنَّبِيِّيْنَ. (سورہ بقرہ ۱۷۷) دیکھو صاف فرمایا کہ ضروریاتِ دین پر ایمان لانا ہی اصل کار ہے، بغیر اس کے نماز میں قبلہ کو منہ کرنا کوئی چیز نہیں۔

ثانیاً: اس مذہب کو امام اعظم کا مذہب بتانا صریح افترا ہے۔ امام اعظم تو فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: من قال بان كلام الله تعالیٰ مخلوق فهو كافر بالله العظيم. جو شخص کلام اللہ کو مخلوق

کہے اس نے عظمت والے خدا کے ساتھ کفر کیا۔ یعنی ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا اجماع واتفاق ہے کہ قرآن عظیم کو مخلوق کہنے والا کافر ہے۔ کیا معتزلہ وکرامیہ وروافض کہ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتے۔

ثالثاً: اصل بات یہ ہے کہ اصطلاح ائمہ میں اہل قبلہ وہ ہے کہ تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو، ان میں سے ایک بات کا بھی منکر ہو تو قطعاً اجماعاً کافر ومرتد ہے، ایسا کہ جو اسے کافر نہ کہے خود کافر ہے۔ شفا شریف میں ہے: **أجمع المسلمون أن شاتمه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کافر ومن شک في عذابه وکفره کفر.**

شرح فقہ اکبر میں ہے: ''**في المواقف لایکفر أهل القبلة الا فیما فیه انکار ما علم مجیئه بالضرورة او المجمع علیه کاستحلال المحرمات.**

رابعاً: یہ مسئلہ بدیہی ہے، کیا جو شخص پانچ وقت قبلہ کی طرف نماز پڑھتا اور ایک وقت مہادیو کو سجدہ کر لیتا ہو کسی عاقل کے نزدیک مسلمان ہو سکتا ہے۔

''ننانوے احتمالات کفر اور ایک پہلوئے اسلام'' کی توضیح:

مکر سوم: مکر سوم یہ ہے کہ فقہ میں لکھا ہے کہ جس میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات اسلام کی تو اس کو کافر نہ کہنا چاہیے۔

اولاً: یہ مکر سب سے بدتر اور ضعیف، کہ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دن میں ایک بار اذان دے یا دو رکعت نماز پڑھ لے اور ننانوے بار بت پوجے وہ مسلمان ہے، کہ ننانوے باتیں کفر کی ہیں تو ایک بات اسلام کی بھی ہے۔ کوئی عاقل اسے مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

ثانیاً: اس کے اعتبار سے تو ''دہریہ'' جو خدا کا ہی منکر ہے اس کے سوا تمام کافر مشرک مجوس ہنود نصاری ویہود سب کفار مسلمان ٹھہرے جاتے ہیں، کہ اور باتوں کے منکر سہی وجود خدا کے تو قائل ہیں۔ ایک یہی بات سب سے بڑھ کر اسلام کی بات بلکہ تمام اسلامی باتوں کی اصل ہے۔ اور فلاسفہ وآریہ تو بزعم خود توحید کے بھی قائل ہیں اور یہود ونصاری تو بہت سی کتابوں اور ہزاروں نبیوں اور قیامت وحشر وحساب وثواب وعذاب بکثرت اسلامی باتوں کے قائل ہیں۔

ثالثاً: اس کے رد میں قرآن عظیم کی وہ آیتیں کافی ہیں جن میں کلمہ گوئی ونماز خوانی کے باوجود صرف ایک ایک بات پر حکم تکفیر فرما دیا، فرمایا: **كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ**۔ کہیں فرمایا: **لَاتَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ.**

رابعاً: اس مکر کا جواب قرآن عظیم دیتا ہے کہ: **أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ** الی آخر الآیۃ۔ یعنی قرآن عظیم کی کسی ایک بات کے نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے۔

خامساً: اصل بات یہ ہے کہ فقہائے کرام نے یہ نہیں فرمایا کہ جس شخص میں ننانوے باتیں کفر کی اور ایک اسلام کی ہو وہ مسلمان ہے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں سو پہلو نکل سکیں ان میں ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک پہلو اسلام کی طرف' تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کوئی پہلو کفر کا مراد رکھا ہو ہم اسے کافر نہ کہیں گے، کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے، کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو، اور اگر واقع میں اسکی مراد کوئی پہلوئے کفر ہے تو ہماری تاویل اس کو فائدہ نہ دے گی وہ عند اللہ کافر ہی رہے گا۔

مکر چہارم: انکار یعنی جس نے ان کی کتابیں نہیں دیکھیں اس کے سامنے صاف مکر جاتے ہیں کہ ان لوگوں نے یہ کلمات کہیں نہ کہے۔ اور اگر صاف عبارت دکھا دیں تو اگر ذی علم ہے تو ناک منھ بنا کر چل دیے، اور بیچارہ بے علم ہوا تو اس سے کہہ دیا ان عبارتوں کا یہ مطلب نہیں، اور آخر ہے کیا یہ دربطن قائل، اس کے جواب کے لیے وہی آیت کریمہ کافی ہے: **يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ.**

تکفیر کے متعلق اعلیٰ حضرت کا مذہب اور احتیاط:

مکر پنجم: جب ان حضرات کو کچھ بن نہیں پڑتی اور اللہ توفیق نہیں دیتا کہ توبہ کریں تو یہ چال چلتے ہیں کہ لوگوں میں مشہور کریں کہ

علمائے اہل سنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار! یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحٰق صاحب کو کافر کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا، پھر اور بیحیائی بڑھی تو اتنا اور ملایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ کو کہہ دیا۔ اس مکر کا فیصلہ کچھ دشوار نہیں کہ ان سے ثبوت مانگو، کہہ دیا کہہ دیا کہتے ہو کچھ ثبوت بھی رکھتے ہو کس کتاب کس فتوے کس رسالے میں کہہ دیا، ثبوت رکھتے ہو تو کس دن کے لیے اٹھا رکھا ہے دکھاؤ، اور نہیں دکھا سکتے۔

اسمٰعیل دہلوی کے کلام میں بکثرت کلمات کفریہ ثابت کیے اور شائع فرمائے۔ اس کے باوجود اولاً: سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح پہلی بار ۱۳۰۹ میں چھپی جس میں دہلوی مذکور اس کے پیروکاروں پر ۷۵ وجہوں سے لزوم کفر ثابت کر کے صفحہ ۹۰ پر حکم اخیر یہی لکھا کہ علمائے محتاطین انھیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے۔

ثانیاً: الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ (۱۳۱۲ھ) خاص اسمٰعیل دہلوی اور اس کے متبعین ہی کے رد میں ہے اور پہلی بار ۱۳۱۶ میں تحفہ حنفیہ میں چھپا جس میں نصوص جلیلہ قرآن مجید واحادیث صحیحہ وتصریحات ائمہ سے اس پر ستر وجوہ بلکہ زائد سے لزوم کفر ثابت کیا اور بالآخر یہی لکھا کہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ ومختار ومناسب واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ثالثاً: "سل السیوف الھندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ" ۱۳۱۶ میں چھپا، جس میں اسمٰعیل دہلوی اور اس کے متبعین پر بوجوہ قاہرہ لزوم کفر کا ثبوت دے کر صفحہ ۲۱، ۲۲ پر لکھا: یہ حکم فقہی متعلق بکلمات سفہی تھا مگر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں بیحد برکتیں ہمارے علمائے کرام پر کہ یہ کچھ دیکھتے اس طائفہ کے پیر سے ناروا بات پر سچے مسلمانوں کی نسبت حکم کفر وشرک سنتے ہیں بایں ہمہ نہ شدت غضب دامن احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی ہے نہ قوت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرما رہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔

رابعاً: رسالہ "ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار" پہلی بار ۱۳۱۷ھ میں چھپا، اس میں صفحہ ۱۰ پر لکھا: ہم اس باب میں قول متکلمین اختیار کرتے ہیں اور ان میں جو کسی ضروری دین کا منکر نہیں نہ ضروری دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے اسے کافر نہیں کہتے۔

خامساً: اسمٰعیل دہلوی کو بھی جانے دیجیے، یہی دشنامی لوگ جن کے کفر پر اب فتویٰ دیا ہے جب تک ان کی صریح دشناموں پر اطلاع نہ تھی مسئلہ امکان کذب کے باعث ان پر اٹھتر وجہ سے لزوم کفر ثابت کر کے سبحان السبوح میں بالآخر صفحہ ۸۰ پر یہی لکھا: حاش للہ حاش للہ ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید کو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں۔ اور امام الطائفہ کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے، **فان الاسلام یعلو ولا یعلیٰ**۔ (ملخصاً تمہید ایمان از فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۳۰)

ان دشنامیوں کی تکفیر تو اب چھ سال یعنی ۱۳۲۰ سے ہوئی جب سے المعتمد المستند چھپی، ان عبارات کو بغور نظر فرماؤ، یہ عبارتیں صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہرگز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا جب تک یقینی قطعی واضح روشن جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ ظاہر نہ ہولیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش کوئی تاویل نہ نکل سکی، کہ آخر یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو ان کے اکابر پر ستر ستر وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی کہتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے۔ جو خود

ان دشنامیوں کی نسبت (جب تک ان کی ان دشناموں پر اطلاع یقینی نہ ہوئی تھی) اٹھتر وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا، جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی، یا اللہ ورسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا غایت احتیاط سے کام لیا حتی کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا، جب صاف صریح انکار ضروریات دین ودشنام دہی رب العٰلمین وسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحیں سن چکے کہ من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر، جو ایسے کے معذب وکافر ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ اپنا اور اپنے دینی بھائیوں، عوام اہل اسلام کا ایمان بچانا ضرور تھا لاجرم حکم کفر دیا اور شائع کیا، وذلک جزاء الظلمین۔ (ملتقطاً فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ صفحہ ۳۵۵ تا ۳۵۷)

اہل فترت کے احکام ومباحث

سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل پر مشتمل رسالہ ''تنزیہ المکانۃ الحیدریہ'' میں فرماتے ہیں:

اہل فترت جنھیں انبیا کی دعوت نہ پہنچی تین قسم ہیں:

(۱): موحّد جو اُس تاریک دور میں بھی توحید پر قائم رہے، جیسے قس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل۔

(۲): مشرک جو غیر خدا کو پوجنے لگے جیسے: اکثر مشرکین عرب۔

(۳): غافل کہ براہِ سادگی یا دنیا میں منہمک ہونے کے سبب اُنھیں اِس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ تھی۔

ان تینوں کے متعلق اہل سنت کے تین مذہب ہیں: (۱) جمہور اشاعرہ (۲) بعض اشاعرہ (۳) جمہور ماتریدیہ

(۱) جمہور اشاعرہ کے نزدیک جب تک بعثتِ حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو کر دعوتِ الٰہیہ ان تک نہ پہنچی یہ سب فرقے ناجی وغیر معذَّب تھے، ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اور امام محقق امام کمال ابن ہمام نے بھی اسی کو مختار رکھا۔

(۲) بعض اشعری علما مثلاً امام نووی وامام رازی تفصیل کے قائل ہوئے کہ: اہل فترت کے مشرک معاقَب ہیں، اور موحّد وغافل دونوں مطلقاً ناجی ہیں۔

(۳) جمہور ائمہ ماتریدیہ کے نزدیک اہلِ فترت کے مشرک معاقَب ہیں، موحّد ناجی ہیں، اور غافلوں میں سے جس نے مہلت فکر وتامل نہ پائی ناجی ہے، اور جس نے مہلت پائی معاقَب ہوگا۔

جمہور اشاعرہ کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (۱۷/۱۵)

ان کے جواب میں کہا گیا کہ آیت کریمہ میں لفظ ''رسول'' تو عقل کو بھی شامل ہے۔ یا آیت کریمہ میں جس ''عذاب'' کی بات کہی گئی ہے اس سے عذاب دنیا مراد ہے۔ لیکن اشاعرہ کی طرف سے اس جواب کو یوں رد کر دیا گیا کہ لفظ ''رسول'' اور لفظ ''عذاب'' کا یہ دونوں معنی (عقل، اور عذابِ دنیا) خلافِ ظاہر ہے، اور خلافِ ظاہر مفہوم نہیں لیا جا سکتا جب تک کہ کوئی ضرورت نہ ہو، اور یہاں ایسی کوئی ضرورت نہیں۔

اس پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: کیوں نہیں؟، بہت صحیح حدیثیں عمرو بن لحی اور صاحب مِجن وغیرہما (جو اہل فترت تھے) کے عذاب پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔

اس استدلال پر کئی اشاعرہ امام جلال الدین سیوطی وغیرہ نے کہا کہ یہ تو ''معارضۃ القطعی بالظنی'' ہے یعنی قطعی دلیل ''آیت قرآنی''، کو ظنی دلیل ''حدیث'' سے کیسے رد کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ یہاں اس اعتراض کی گنجائش نہیں، کیوں کہ آیت کریمہ قطعی الثبوت تو ہے، لیکن مسئلہ دائرہ میں قطعی الدلالۃ نہیں، لہٰذا یہ قطعی کا ظنی سے معارضہ نہیں، لہٰذا اس طرح

صحیح روایتوں کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اعلیٰ حضرت کی عبارت یوں ہے:

والجواب بتعميم الرسول العقل او تخصيص العذاب بعذاب الدنياخلاف الظاهر فلا يصار اليه الا بموجب ولاموجب.اقول :بلى أحاديث صحيحة كثيرة بثيرة ناطقة بعذاب بعض أهل الفترة كعمرو بن لحى وصاحب المحجن، وبه علم أن ردَّها بجعلها معارضة للقطعي... لاسبيل اليه فان قطعية الدلالة غيرمسلم، فلا يهجم بمثل ذلك على رد الصحاح ۔(فتاویٰ رضویہ ۲۸/۴۴۱)

اور جو ائمہ بخاریٰ اس قول میں اشاعرہ کے ساتھ ہیں انھوں نے امام ابوحنیفہ کے قول ''لاعذرلاحدٍ'' کو''بعدِبعثتِ رسول'' پر محمول کیا۔

اعلیٰ حضرت نے جمہور ماترید یہ کے قول کی تائید کی ہے اوراس پر استدلال بھی کیا، اور فرمایا کہ اسی قول کی تائید امام ابوحنیفہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے: لا عذر لأحد الـخ اور جن ائمہ بخاریٰ نے اس قولِ امام کو''بعدِ بعثت'' پر محمول کیا اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے کہا کہ اِس قولِ امام کو تو بعدِ بعثت پر محمول کرلیا، لیکن امام ابوحنیفہ کے اُس قول کو بعدِ بعثت پر محمول نہیں کرسکتے جس میں وہ فرماتے ہیں:انه لولم يبعثِ اللّٰهُ رسولاً لوجب على الخلق معرفته بعقولهم ۔'' کیوں کہ یہ تو امام ابوحنیفہ نے رسول کے بغیر بھی معرفتِ الٰہی کے وجوب کا قول کیا ہے۔ لیکن امام محقق ابن ہمام نے اس وجوب کو وجوبِ عرفی پر محمول کیا ہے۔

پھر امام احمد رضا نے ان تینوں اقوال پر ظاہرِ حدیث سے اعتراض کیا ہے، فرماتے ہیں:

ويرد على ظواهر هذه الاقوال جميعاً أحاديث الامتحان وهي صحيحة كثيرة ولاترد ولاترام ۔یعنی احادیثِ امتحان سے ان تمام اقوال کے ظاہر پر اعتراض آتا ہے۔

اس کے بعد حدیث امتحان کی تین سندیں ذکر کرتے ہوئے اس کا اتنا حصہ نقل کیا ہے:أماالذي مات في الفترة فيقول: ربِّ ما أتاني لك رسول، فيأخُذُ مواثيقَهم ليطعينه، فيرسل اليهم أن ادخلوا النار، فمن دخلها كانت عليه برداً وسلاماً ومن لم يدخلها سُحِبَ اليها۔

اعتراض یوں ہوتا ہے کہ امتحانی عمل سے پہلے توقف لازم ہے، (کہ جو جیسا امتحان دے گا ویسا ہی اس کو نتیجہ ملے گا)اور پہلے ہی کوئی حکم لگانا اس کے خلاف ہے۔ ہاں یہ حدیثِ امتحان پورے طور پر اشاعرہ پر ایراد ہے، جنھوں نے اہلِ فترت کے تمام لوگوں کی نجات کا قول کیا ہے، ہمارے وہ ائمہ ماترید یہ جنھوں نے تفصیل کی ہے وہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ نجات پائے گا اور وہ سزایاب ہوگا لیکن یہ فیصلہ امتحان کے بعد ہوگا۔ یہاں امام احمد رضا نے یہ کہہ کر بحث کو سمیٹ دیا : ولي ههنا كلام آخر في تحقيق المرام لااذكره لخوف الاطالة ۔(ملخصاً ملتقطاً تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۸ صفحہ ۴۳۸ تا ۴۵۰)

اس مقام پر تمنا جاگتی ہے کہ اے کاش! امام احمد رضا قدس سرہ اسی مقام پر اس تحقیقی بحث کو مزید آگے بڑھاتے، اور اپنے افادات کے گوہر نایاب سے ہمارے دامن کو بھر دیتے۔

انکارِ خدا اور منکرین خدا

اس مسئلے میں ایک مستقل رسالہ باب العقائد والکلام تحریر فرمایا، جس میں فرماتے ہیں:

یہ سمجھا جاتا ہے کہ کافروں کے صدہا فرقے اللہ تعالیٰ کو جانتے اور مانتے ہیں فلاسفہ تو اس کی توحید پر دلائل بھی قائم کرتے ہیں یہود ونصاریٰ توراۃ وانجیل کو اور مجوسی اپنے گمان میں ژند وستا کو اسی کا کلام مانتے ہیں، آریہ اسی کو مالک وخالق کل اعتقاد کرتے، ہنود بت پرست بھی سارے جہان کا مالک اور سب خداؤں کا خدا ایک ہی ہے۔ عرب کے مشرک بھی کہا کرتے تھے کہ ہم بتوں کی اسی لیے

پوجتے ہیں کہ وہ بت ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے۔ اور کلمہ گو فرقوں میں جو مرتد ہیں وہ تو نبی قرآن سب کو جانتے قرآن وحدیث سے سندلاتے نماز پڑھتے روزے رکھتے ہیں۔ جیسے قادیانی، نیچری، چکڑالوی، وہابی، رافضی، دیوبندی، غیر مقلد، پھر کیسے کہا جائے کہ یہ لوگ اللہ کو جانتے ہیں نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایجاب وسلب باہم متناقض ہیں کبھی جمع نہیں ہوسکتے، کسی چیز کا وجود اس کے لوازم کے وجود کا بھی تقاضا کرتا ہے اور اس کے منافیات کا نافی ہوتا ہے، تو ظاہر ہوا کہ سلب شے کے تین طریقے ہیں:

(۱) خود اسی چیز کی نفی کر دی جائے جیسے کوئی کہے انسان ہے ہی نہیں۔

(۲) اس کے لوازم سے کسی شے کی نفی مثلاً کہے انسان تو ہے لیکن وہ ایک ایسی شے کا نام ہے جو حیوان یا ناطق نہیں۔

(۳) اس کے منافیات سے کسی شے کا اثبات مثلاً کہے انسان حیوان صاہل کا نام ہے۔ ظاہر ہے آخری دونوں نے اگر چہ انسان کو موجود مانا مگر حقیقۃً انسان کو نہ جانا، وہ اپنی زعم باطل میں کسی ایسی چیز کو انسان سمجھے ہوئے ہے جو ہرگز انسان نہیں۔ تو یہ دونوں بھی پہلے کے برابر ہوئے جس نے سرے سے انسان کی ہی نفی کر دی تھی۔

مولیٰ عزوجل کو جمیع صفاتِ کمال لازم ذات ہیں، اور تمام عیوب ونقائص اس پر محال بالذات ہیں۔ کفار میں ہرگز کوئی نہ ملے گا جو اس کی کسی صفت کمالیہ کا انکار نہ کرتا ہو یا اس کے لیے عیوب ونقائص ثابت نہ کرتا ہو، تو اگر دہریہ پہلی قسم کے منکر ہیں کہ وجود باری تعالیٰ سے ہی انکار کرتے ہیں باقی تمام کفار دوسرے اور تیسرے قسم کے منکر ہیں۔ اس کے بعد ان تمام کفار کے عقائد در بارۂ الوہیت کا ذکر فرما کر ثابت کیا کہ وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں۔

فلاسفہ کے خدا:

ایسے کو خدا کہتے ہیں جو صرف عقل اول کا خالق ہے دوسری چیز بنا ہی نہیں سکتا، تمام جزئیات عالم سے جاہل ہے اور اپنے افعال میں مختار نہیں۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

آریہ کے خدا:

ایسے کو ایشر کہتے ہیں جس کے برابر جس کے ہم عمر دو واجب الوجود اور ہیں روح ومادہ۔ ایشر نہ ان کا خالق نہ ان کا مالک، اور ان پر ظالمانہ حکم چلا رہا ہے۔ ایسے کو جو ماں رکھتا ہے، ایسے کو جس کے ہزار سر ہیں ہزار پاؤں ہیں جو زمین پر ہر جگہ ہے۔

مجوس کے خدا:

ایسے کو خدا کہتے ہیں جس کے برابر کا دوسرا خالق شیطان ہے، جو لشکر جوڑ کر یزداں کے مقابل ہوا مجوس کا یزداں اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر جنت میں قلعہ بند ہوا، اہرمن تین ہزار برس تک جنت کا محاصرہ کیے رہا، آخر فرشتوں نے بیچ بچاؤ کر کے تصفیہ کرا دیا کہ سات ہزار برس دنیا میں شیطان سلطنت کرے پھر یزداں کو دیدے، اور مجوس کے یزداں نے اسے مجبوراً قبول کیا۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

یہود کے جھوٹے خدا:

یہود ایسے کو خدا کہتے ہیں جو زمین وآسمان بنا کر اتنا تھکا کہ عرش پر جا کر پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹ گیا، جو ان کے بعض کے نزدیک عزیر کا باپ ہے، ایسے کو جس نے قوم نوح پر طوفان بھیجا پھر اس پر نادم ہوا اور رویا، جس نے یہودی کے لیے اس کی سگی بہن حلال کی اور توراۃ میں اس کی حرمت غلط لکھ دی۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

نصاریٰ کے جھوٹے خدا:

نصاریٰ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے اور اس کے تمام بھائیوں اور شاگردوں بلکہ تمام عیسائیوں کا باپ ہے، ایسے کو جو اپنے اکلوتے کو سولی سے نہ بچا سکا، ایسے کو جس کا اکلوتا اپنی جان قربان کر کے اپنے باپ کے پاس پہنچا تو اس کی مظلومی کی یہ عزت کی کہ

اسے دوزخ میں جھونک دیا اور دوسروں کے بدلے اسے تین دن جہنم میں بھونا، ایسے کو جو روٹی اور گوشت کھاتا ہے اور سفر سے آکر اپنے پاؤں دھلوا کر درخت کے نیچے آرام کرتا ہے۔ الی آخر الخرافات، کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

نیچریوں کے جھوٹے خدا:

نیچری ایسے کو خدا کہتے ہیں جو نیچر کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا، جس نے جھوٹا دین اسلام بھیجا کہ اس میں باندی غلام حلال کیا، ایسے کو جس نے کہا تو یہ کہ روشن آیتیں بھیجتا ہوں جو تمھیں اندھیرے سے روشنی میں لائیں اور کیا یہ کہ جو کہا تمثیلی، پہیلیاں، داستاں، چیستاں، لفظ کچھ مراد کچھ، فرشتے آسمان جن شیطان، بہشت، دوزخ، حشر اجساد، معراج ومعجزات سب باتیں بتائیں اور ایمانیات ٹھہرائیں اور من میں یہ کہ درحقیقت یہ کچھ نہیں۔ وغیرہ خرافات معلونہ، کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

چکڑالوی کے جھوٹے خدا:

چکڑالوی ایسے کو خدا کہتا ہے جس کے رسول کی حیثیت ڈاکیے سے زیادہ نہیں، جس نے کہا کہ میری کتاب ہر شے کا روشن بیان ہے، اور حالت یہ کہ نماز فرض کی اور یہ بھی نہ بتایا کہ کتنے وقت کی اور کس وقت کتنی رکعتیں؟ وغیرہ خرافات، کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

قادیانی کے جھوٹے خدا:

قادیانی ایسے کو خدا کہتا ہے جس نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی بنایا، جس نے ایسے کو عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت پر اصلاً دلیل نہیں بلکہ اس کی نفی نبوت پر دلائل قائم، جو (معاذ اللہ) والد الزنا تھا، ایسے کو جس کی آیات بینات لہولعب ہیں، ایسے کو جس نے اپنا سب سے پیارا بروزی خاتم النبیین دوبارہ قادیان میں بھیجا مگر اپنی جھوٹ فریب تمسخر کی چالوں سے اس کے ساتھ بھی نہ چوکا، یہ ہے قادیانی کا خدا، کیا اس نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

رافضیوں کے جھوٹے خدا:

رافضی ایسے کو خدا کہتے ہیں جو حکم کر کے پچھتاتا ہے، جو مصلحت سے جاہل رہ کر ایک حکم دیتا ہے جب مصلحت کا علم ہوتا ہے اسے بدل دیتا ہے، ایسے کو جو وعدے کا جھوٹا یا بندوں سے عاجز ہے، کہ اپنا کلام اتارا اور اسکی حفاظت کا ذمہ لیا مگر عثمان غنی وغیرہ صحابہ اور اہل سنت نے اس کی آیتیں الٹ پلٹ کر دیں سورتوں کی سورتیں کتر لیں، ایسے کو جو بندوں سے عاجز تر ہے کہ وہ بندے سے نیکی چاہے اور بندہ بدی چاہے تو بندہ کا ہی چاہا ہوتا ہے، ایسے کو کہ ہر ایک اس کی خالقیت میں اس کا شریک ہے، کہ وہ اعیان پیدا کرتا ہے یہ لوگ اپنی قدرت سے اپنے افعال، ایسے کو جس کا شیر اور شیر بھی کیسا غالب کہ ہمیشہ دشمنوں کا مطیع وفرماں بردار رہا (معاذ اللہ) کافروں کے پیچھے نماز پڑھا کیا، کافروں کے جھنڈے تلے لڑا کیا۔ ایسے کو جس پر واجب تھا بندوں کے حق میں بہتر کرنا اور بندوں کے حق میں بہتر تھا کہ اپنی جو کتاب اتاری ظالموں کے پنجے میں رکھی اور اصل ہدایت کسی پہاڑ کی کھوہ میں چھپا دی جس کی وہ ہوا نہ پائیں، بندوں کے حق میں اصلح تھا کہ اعدا غالب محبوب مغلوب، باطل غالب حق مغلوب، اچھا واجب ادا کیا، وغیرہ خرافات ملعونہ، یہ ہے رافضی کا خدا، کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

وہابیوں کے جھوٹے خدا:

وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جسے مکان، زمان، جہت، ماہیت سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ ہے، جس کا سچا ہونا کچھ ضروری نہیں جھوٹا بھی ہوسکتا ہے، ایسے کو جس میں ہر عیب ونقص کی گنجائش ہے، اپنی مشیخت بنی رکھنے کو قصداً عیبی بننے سے بچتا ہے، چاہے تو ہر گندگی سے آلودہ ہو جائے، ایسے کو جس کا علم اس کے اختیار میں ہے چاہے تو جاہل رہے، ایسے کو جس کا بہکنا، بھولنا، سونا، اونگھنا، غافل رہنا، ظالم ہوا سب کچھ ممکن ہے، کھانا پینا، پیشاب پاخانہ پھرنا، ناچنا کوئی

خباثت اس کی شان کے خلاف نہیں۔ ایسے کو جو سزا دینے پر مجبور ہے نہ دے تو بے غیرت ہے، معاف کرنا چاہے تو حیلے ڈھونڈھتا ہے، ایسے کو جس کی خدائی کی اتنی حقیقت کہ جو شخص ایک پیڑ کے پتے گن دے اس کا شریک ہوجائے، ایسے کو جس نے اپنا سب سے بڑھ کر مقرب ایسوں کو بنایا جو اس کی شان کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل ہیں جو چوڑھوں چماروں سے لائق تمثیل ہیں۔ وغیرہ خرافات معلونہ۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

دیوبندیوں کے خدا:

دیوبندی ایسے کو خدا کہتے ہیں جو وہابیوں کا خدا ہے جس کا بیان ابھی گزرا اور اتنے وصف اور رکھتا ہے کہ وہ بالفعل جھوٹا ہے جس کے لیے وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے، وہ ظالم بھی ہوسکتا ہے چوری بھی کرسکتا ہے اور وہ چوری نہ کرسکتا تو دیوبندی بلکہ عام وہابی دھرم میں علی کل شئ قدیر نہ رہتا، انسان اس سے قدرت میں بڑھ جاتا کہ آدمی تو چوری کرسکتا ہے وہ نہ کرسکا اور یہ محال ہے، تو ضرور ہے کہ اس کے سوا اور بھی مالک مستقل ہوں، دیوبندی خدا وہ ہے کہ علم میں شیطان اس کا شریک ہے، سب سے بدتر مخلوق شیطان کا علم اس کے سب سے اعلیٰ رسول کے علم سے وسیع تر ہے۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون۔**

غیر مقلدوں کے جھوٹے خدا:

غیر مقلد کا خدا یہ سب کچھ ہے جو دیوبندی اور وہابی کا ہے اور بعض نزاکتیں اور زیادہ رکھتا ہے، ایسا کہ جس کے دین میں کتا حلال، سوئر کی چربی، گردے، تلی، کلیجی حلال، ایک وقت میں ایک عورت متعدد مردوں پر حلال، وہ جس نے خود ہی کہا کہ نہ جانو تو جاننے والوں سے پوچھو اپنے علما کی اطاعت کرو اور جب پوچھا پیروی کی تو شرک کی جڑ دی، وہ جس نے ائمہ دین کی تقلید حرام وشرک ٹھہرائی اور پنجابی بھولی کی فرض۔ وہ جس نے اپنے اور رسولوں کے سوا کسی کی بات حجت نہ رکھی اور بیچ میں چند محدثوں کو کھڑا کر کے ان کے قول کو کتاب وسنت کے برابر ٹھہرا کر حجیت دی، وہ جس نے عام مشرکوں کو خیر امت کہا، وغیرہ خرافات معلونہ، کیا انھوں نے خدا کو جانا؟ حاش للہ، **سبحان رب العرش عما یصفون** ۔(ملخصاً فتاویٰ رضویہ جلد ۱۵ صفحہ ۵۲۹ تا ۵۵۳)

نبوت کا بیان

حضور سید المرسلین محمد مصطفےٰ ﷺ کا مقام ومرتبہ:

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز رسالہ ''اعتقاد الاحباب'' میں فرماتے ہیں:

ایک ذات جامع البرکات (محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جسے (اللہ تعالیٰ نے) اپنا محبوب خاص فرمایا، مرکز دائرہ ودائرۂ مرکز کاف ونون (کن) بنایا، اپنی خلافت کاملہ کا خلعت اس کے قامت موزوں پر سجایا، کہ تمام کائنات اس کے ظل ظلیل اور ذیل جلیل میں آرام کرتے ہیں، اعاظم مقربین جب تک اس مامن جہاں سے توسل نہ کریں بادشاہ تک پہنچنا ممکن نہیں، کنجیاں خزائن علم وقدرت و تدبر وتصرف کی اس کے ہاتھ میں رکھیں، علم وہ وسیع وغزیر عطا فرمایا کہ علوم اولین وآخرین اس کے بحر علوم کی نہریں، یا جوشش فیوض کے چھینٹے قرار پائے، ازل سے ابد تک تمام غیب وشہادت پر اطلاع تام حاصل، الا ماشاء اللہ، بصر وہ محیط کہ شش جہت اس کے حضور جہت مقابل، سمع والا کے نزدیک پانچ سو برس راہ کی صدا جیسے کان پڑی آواز ہے، اور قدرت کا تو کیا پوچھنا' کہ قدرت قدیر جل جلالہ کی نمونہ وآئینہ ہے، عالم علوی وسفلی میں اس کا حکم جاری ہے۔ مردہ کو قم کہیں زندہ' اور چاند کو اشارہ کریں فوراً دو پارہ ہو، جو چاہتے ہیں خدا وہی چاہتا ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے، منشور خلافت مطلقہ وتفویض تام ان کے نام نامی پر پڑھا گیا، اور سکہ وخطبہ ان کا ملاء ادنیٰ سے عالم بالا تک جاری ہوا۔ دنیا ودیں میں جو جسے ملتا ہے ان کی

بارگاہِ عرش اشتباہ سے ملتا ہے۔ سب اُن کے محتاج اور وہ خدا کے محتاج، اعنی سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعلمین شفیع المذنبین، حاش للہ کہ عینیت یا مثلیت کا گمان کافر کے سوا مسلمان کو ہو سکے، خزانۂ قدرت میں ممکن کے لیے جو کمالات متصور تھے سب پائے، مگر دائرۂ عبدیت وافتقار سے قدم نہ بڑھا، نہ بڑھا سکے، العظمۃ للہ، خدائے تعالیٰ سے ذات وصفات میں مشابہت کیسی! نعمائے خداوندی کے لائق جو شکر وثنا ہے اسے پورا پورا بجا نہ لا سکے، نہ ممکن کہ بجا لائیں، دیدارِ الٰہی بچشم سر دیکھا، کلامِ الٰہی بے واسطہ سنا، عبادت ان کی کفر اور بے اُن کی تعظیم کے حبط، ایمان ان کی محبت وتعظیم کا نام، اور مسلمان وہ جس کا کام ہے نام خدا کے ساتھ اُن کے نام پر تمام۔ (ملتقطاً رسالہ اعتقاد الاحباب فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۳۴۵ تا ۳۵۱)

دیگر انبیا ومرسلین کا مقام ومرتبہ:

اسی ''اعتقاد الاحباب'' میں عقیدۂ ثالثہ میں باقی انبیائے کرام کے متعلق فرماتے ہیں:

''اس جناب کے بعد مرتبہ اور انبیا ومرسلین کا ہے، کہ باہم اُن میں تفاضل، مگر اُن کا غیر گو کسی مرتبۂ ولایت تک پہنچے فرشتہ ہو خواہ آدمی، صحابی ہو خواہ اہل بیت، ان کے درجے تک وصول محال۔ اور جیسے یہ خدا کے محبوب دوسرا ہرگز نہیں، کہ اللہ تعالیٰ خود اُن کے مولیٰ کو حکم فرماتا ہے: **اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہْ**۔ ان کی ادنیٰ توہین مثل سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفر قطعی۔ (ملتقطاً رسالہ اعتقاد الاحباب فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۳۵۱ تا ۳۵۲)

اِن مذکورہ عقائد میں کچھ خاص امور پر مستقل رسالے تصنیف فرمائے، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علمی پر کئی رسالے ہیں، عرش تک رسائی اور دیدار الٰہی کے متعلق مستقل رسالہ لکھا، نور محمدی سے متعلق مستقل رسالہ ہے، سایہ نہ ہونے سے متعلق تین رسالے ہیں۔ ہم ذیل میں کچھ تفصیل عرض کرتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت:

ختم نبوت کا مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہے، جس کا انکار کفر ہے، اور یہ آیت کریمہ ''**وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ**'' سے ثابت ہے، اس مسئلے پر اعلیٰ حضرت نے کافی کام کیا ہے، اس کی وجہ دیوبند سے قاسم نانوتوی کی ختم نبوت کی نئی تشریح اور قادیان سے مرزا غلام کا دعویٰ نبوت ہے۔ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ہے ''**جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ**'' یہ رسالہ بہت مفصل ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر انبیائے کرام وعلمائے کتب سابقہ، واعاظم اکابر امت کے اقوال درج فرمائے اور کثیر روایات واقوال ووجوہ سے حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کا آخری نبی ہونا ثابت کیا، کہ ان کے بعد اب کسی نبی کا آنا ممکن نہیں۔ نیز اس رسالے میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ دوسرا رسالہ ''السوء والعقاب علی المسیح الکذاب'' ہے جس میں مرزا غلام قادیانی کے دس کفریات شمار کر کے اس پر حکم واضح کیا گیا ہے۔ تیسرا رسالہ ''قہر الدیان علی مرتد بقادیان'' ہے جس میں قادیانی کی طرف سے ایک مضمون ''اطلاع ضروری'' کا جواب ہے جس میں قادیانی کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ۴۴ گالیاں شمار کرائی گئی ہیں اور اس کو مناظرے کا چیلنج کیا گیا ہے۔ چوتھا رسالہ ''الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی'' جس میں اس دعویٰ کا رد کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ یہ چاروں رسالے فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۵ میں موجود ہیں۔

محبت وتعظیم رسول علیہ الصلاۃ والسلام:

تعلیماتِ رضا کا سب سے اہم باب یہ ہے کہ محبت رسول دین کا رکن عظیم ہے، جس کے بغیر دین وایمان مکمل نہیں ہو سکتا، بلکہ حب رسول ہی اصل ایمان ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کتابِ زندگی میں عشق رسول کا باب دیگر سارے ابواب پر غالب ہے، آپ نے اپنے فتاویٰ اور منظوم کلام کے ذریعہ قوم کے افراد میں حب رسول کا جو چراغ روشن کیا ہے اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ آپ کے فتاویٰ ورسائل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں اور فضیلتوں پر

جس قدر مواد موجود ہے وہ اصل میں عشق رسالت کا ہی نتیجہ ہے۔
اسی حب رسول کے سبب جب آپ نے دیکھا کہ چند علمائے دیوبند نے شان رسالت میں گستاخی کی تو اولاً مراسلت اور مناظرہ کے ذریعہ تفہیم کی کوشش کی، جب کوششیں ناکام ہوئیں اور وجوہِ توہین خوب واضح تھیں تو آپ نے ان کی تکفیر کی۔ ''تمہید ایمان بآیات فرقان'' اسی سلسلے کی تحریر ہے، جس کا آغاز اعلیٰ حضرت ان جملوں سے فرماتے ہیں: ''مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ دست بستہ عرض'' پھر جو پیغام دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اللہ ورسول پر ایمان لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کریں، کہ ان کی تعظم مدار ایمان مدار نجات مدار قبول اعمال ہے۔ ان کی محبت کو تمام جہاں پر مقدم رکھے جس کی آزمائش کا طریقہ یہ ہے کہ باپ بھائی استاد پیر احباب کتنی ہی دوستی اور کتنی ہی عقیدت کا علاقہ کیوں نہ ہو جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں تو تمہارے قلب میں ان کی عظمت اور محبّ کا نام ونشان نہ رہے ان سے الگ ہو جاؤ دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکو۔

اس کے بعد دیوبندیہ وہابیہ کی چند عبارتیں درج کیں کہ انھوں نے شان رسالت میں گستاخی کی، ان سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مسلمانو! تمہارا یہ ذلیل خیر خواہ امید کرتا ہے کہ اللہ واحد قہار کی ان آیات اور اس بیان شافی واضح البینات کے بعد اس بارہ میں آپ سے زیادہ عرض کی حاجت نہ ہو۔

قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں، پھر تکفیر کے اصول کے متعلق بڑی تفصیل سے بحث کی ہے جس کو ہم تکفیر کے بیان میں درج کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل المرسلین ہونا:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیائے کرام سے افضل ہونے کے موضوع پر آپ نے ۱۳۰۵ھ میں ایک مستقل کتاب تصنیف کیا ہے جس کا نام ہے: ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین''۔ جس میں ثابت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل المرسلین وسید الاولین والآخرین ہونا قطعی ایمانی اجماعی مسئلہ ہے جس کا خلاف کرنے والا گمراہ ہے۔ اس کے اثبات کے لیے اس رسالے کو دو ہیکل پر مشتمل رکھا، اول میں آیات کریمہ، دوم میں احادیث کریمہ، جس کو چار تابشوں پر مشتمل رکھا۔ اول میں قرآن کریمہ کے علاوہ وحی ربانی جس کی تعداد ۱۸ ہے، دوم ارشادات عالیہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس میں ۵۳/احادیث ہیں، سوم طرق وروایات وحدیث خصائص جس میں ان حدیثوں کے طرق اور راوی صحابہ کے نام بیان کیے جن سے حدیث خصائص مروی ہیں، چہارم آثار صحابہ واقوال علمائے کتب سابقہ ورویائے صادقہ۔ جس میں بارہ روایتیں درج فرمائیں۔ یہ پورا رسالہ مصنف نے بہت شوق ورغبت سے تصنیف کیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وخصائص کا ذکر ہے اس لیے ان کی مختلف جہتوں کی تفصیل کی ہے۔ یہ رسالہ ہر عاشق رسول کے لیے ایک تحفہ ہے جو دل کی آنکھوں سے مطالعہ کرنے کے لائق ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۳۰ میں مطبوع ہے۔

شفاعت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقامِ شفاعتِ کبریٰ ثابت ہے اور خاص اسی مسئلے پر آپ نے ایک رسالہ ''اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین'' تصنیف فرمایا جس میں پانچ آیتیں اور چالیس احادیث طیبہ سے اس مسئلہ کو خوب واضح فرما دیا۔ اس کے علاوہ اسی موضوع پر رسالہ ''سمع وطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ'' تصنیف کیا جس میں کثیر حدیثیں نقل کیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا ثبوت:

اس مسئلے میں اعلیٰ حضرت کے دور میں وہابیہ کی طرف سے اختلافات سامنے آئے جس کے سبب کئی رسالے تصنیف فرمائے،

جن میں: ''خالص الاعتقاد''، ''انباء المصطفیٰ''، ''ازاحۃ العیب بسیف الغیب''، ''مآلی الحبیب بعلوم الغیب''، ''اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ما کان وما یکون'' ہیں، ایک رسالہ ''انباء الحي بان کلامہ المصون تبیان لکل شئ'' تصنیف فرمایا، جس میں ثابت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم خمسہ عطا کیے گئے۔ ان کے علاوہ بھی فتاویٰ اور رسائل میں اس مسئلے پر تفصیلات موجود ہیں۔

''خالص الاعتقاد'' میں علم غیب رسول سے متعلق وہابیۂ ہند کے اقوال کا رد کرتے ہوئے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ بندوں کو علم غیب عطا ہوا ہے، اور جن آیات میں بندوں سے علم غیب کی نفی ہے ان کی مراد کیا ہے؟ پھر ثابت کیا کہ ذاتی اور عطائی کا فرق یقینی ہے جس پر علمائے امت کی تصریحات موجود ہیں، ان صریح عبارات کو پیش کیا ہے جن میں رسول کے لیے علم غیب تسلیم کیا گیا ہے، پھر علم غیب سے متعلق کتنے امور مختلف فیہ ہیں؟ اور کتنے امور اجماعی ہیں؟ ان کو بھی بیان فرمایا۔ پوری کتاب ۱۲۰/عبارات سے مزین ہے، اور آخر میں اللہ و رسول کے ساتھ ۶۴/اکابر علمائے امت کا نام ذکر کیا ہے کہ اگر ان وہابیہ کا فتویٰ مان لیا جائے تو سب کافر ہوئے جاتے ہیں۔ معاذ اللہ رب العٰلمین۔

''انباء المصطفیٰ بحال سر واخفی'' کا موضوع یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابتدائے آفرینش سے یوم آخر تک کا سارا علم دیا گیا ہے۔ تین طرح کے دلائل سے اس کو ثابت کیا، آیت کریمہ ''تِبْیَاناً لِّکُلِّ شَیْءٍ'' سے، اس کے بعد صحیح حدیثوں سے، پھر اقوال ائمہ کرام سے، اس کے بعد ان نصوص کا مفہوم واضح کیا جن میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص قرار دیا گیا ہے۔

''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ'' اس مسئلہ پر سب سے جامع اور کامل رسالہ ہے جو عربی زبان میں ہے، جس میں مصنف نے حق تحقیق ادا کر دیا کہ اس کی نظیر اس سے پہلے نہ ملے گی۔ اس میں ثابت کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کثیر علوم غیبیہ عطا فرمائے، اور علم ما کان وما یکون کی دولت سے سرفراز فرمایا، بایں ہمہ علم الٰہی اور علم رسول میں چند طرح سے فرق ہے، یعنی: ذاتی عطائی، محدود غیر محدود، حادث قدیم کا فرق ملحوظ رکھنے سے شرک کا شائبہ بھی قریب نہیں آسکتا۔ مصنف نے اس میں ثابت کیا ہے کہ علم غیب رسول کا انکار آیاتِ قرآنیہ کا انکار ہے۔ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی ایک یادگار تصنیف ہے، کہ اسے ایک سوال کے جواب میں نہایت مختصر وقت میں یعنی چند گھنٹوں میں اس حال میں تصنیف فرمایا، جب آپ حج و زیارت کے لیے ۱۳۲۳ھ میں مکہ مکرمہ پہنچے تھے، اس وقت آپ کے پاس کتابیں نہ تھیں، مگر آپ نے اسی حالت میں تمام تر مصروفیات کے ساتھ چند نشستوں میں یہ رسالہ مکمل کر لیا، اس اعتبار سے یہ آپ کی کرامت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

عرش تک رسائی اور دیدارِ الٰہی کی سعادت:

اس مسئلے پر ایک مستقل رسالہ ''منبہ المنیۃ بوصول الحبیب الی العرش والرؤیۃ'' تحریر فرمایا جو فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ صفحہ ۶۳۷ تا ۶۵۶ میں مطبوع ہے۔

آپ سے سوال ہوا کہ کیا شب معراج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا کسی حدیث سے ثابت ہے؟ اس کے مثبت جواب میں اعلیٰ حضرت نے چار صحابہ کرام کی سند سے احادیث مرفوعہ نقل کیں، جن میں دیدار کی صراحت آئی، اس کے بعد متعدد آثارِ صحابہ پیش کیا، مثلاً ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی: **أما نحن بنو هاشم فنقول ان محمداً رأى ربّه مرتين.** (**جامع الترمذی تفسیر سورۂ نجم**) ایسا ہی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **ان محمداً صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم رأی ربه عزوجل** ۔ اس کے بعد اخبار تابعین وائمہ دین پیش کیا ہے۔ مثلاً حضرت امام حسن بصری اور حضرت عروہ بن زبیر یوں ہی کعب احبار ابن شہاب زہری امام مجاہد و عکرمہ و عطا بن ابی رباح کا بھی یہی مذہب ہے، ائمہ کرام میں امام احمد بن حنبل رویت کے قائل ہیں، یہی قول امام اشعری کا ہے،

اور علامہ شہاب خفاجی نے شرح شفائے قاضی عیاض میں اسی کی تصریح کی ہے۔ یہ سب عبارتیں حوالے کے ساتھ اس مقام پر پیش کی ہیں۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ ۳۰ رسالہ منبہ المنیۃ صفحہ ۶۳۷ تا صفحہ ۶۴۳)

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا شب معراج عرش تک رسائی ثابت ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا: ہاں، ائمہ دین نے اس کی اور اس سے زائد کی تصریح فرمائی۔ امام ابن حجر مکی نے افضل القریٰ میں اور علامہ عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں لکھا کہ شب اسرا دس معراجیں ہوئیں، سات آسمانوں تک اور آٹھویں سدرۃ المنتہیٰ تک نویں مستوی تک اور دسویں عرش تک۔

اسی میں اعلیٰ حضرت نے یہ بحث بھی طے کردی کہ جو بعض روایات میں آیا کہ عرش سے آگے نہ گئے، اور بعض میں آیا کہ عرش سے آگے لامکاں گئے، مثلاً فتوحات احمدیہ شرح الہمزیۃ میں ہے:

المعاريج ليلة الاسراء عشرة سبعة في السموات والثامن الى سدرة المنتهىٰ والتاسع الى المستوىٰ والعاشر الى العرش لكن لم يجاوز العرش كما هو التحقيق عنداهل المعاريج ۔اس پر ''اقول'' لکھ کر فرماتے ہیں کہ شیخ سلیمن نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی اور امام ابن حجر مکی وغیرہ کی عبارات میں فوق العرش ولامکان کی تصریح ہے، لامکان یقیناً فوق العرش ہے، اور حقیقۃً دونوں میں کوئی اختلاف نہیں، عرش تک منتہائے مکان ہے، اس سے آگے لامکاں ہے، اور جسم نہ ہوگا مگر مکان میں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روح اقدس نے وراء الوراء تک ترقی فرمائی۔ اس کو سیرت اور اصول کی متعدد کتب کی عبارتوں سے مزین فرمایا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو دنیا وآخرت کے وسیع اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ اس موضوع پر ایک رسالہ ''فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ'' ہے جو ۱۳۲۶ھ میں تصنیف ہوا۔ جس میں آپ کے مصرع ''حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو'' کے متعلق سوال ہوا، اس کا جواب ارشاد فرمایا، اور آیات واحادیث ولغت واطلاقات علمائے امت سے ثابت کیا کہ اس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''شہنشاہ'' کا لفظ استعمال کرنا درست ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیع اختیارات کا شافی وکافی بیان دوسرے رسالہ ''سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ'' میں ہے۔ اور ایک رسالہ ''منیۃ اللبیب بان التشریع بید الحبیب'' میں دینی وتشریعی اختیارات کا بیان ہے۔ اسی طرح حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق خود جو مصرع کہا: ''بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا'' اس کو بھی روایات سے ثابت کیا۔

اسی موضوع کا ایک ذیلی مسئلہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلا مانا جاسکتا ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلا ماننا کیسا ہے؟:

اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ''**الامن والعلیٰ لناعتي المصطفیٰ بدافع البلاء**'' ہے، جو اس موضوع پر جامع اور اس کے تمام گوشوں پر ایسی حاوی ہے کہ اس کی نظیر سابق میں نظر نہ آئے گی۔ اس کو مصنف نے ایک مقدمہ دو باب اور خاتمہ پر مشتمل رکھا ہے۔ مقدمہ میں ''عائدہ قاہرہ'' کے نام سے وہابیہ پر الزامات ہیں کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ''دافع البلا'' کہنا شرک ٹھہرے تو سیکڑوں علمائے امت مشرک ٹھہریں، اس کے بعد ''فائدہ زاہرہ'' کے نام سے اس مسئلہ کا یوں حل پیش فرمایا کہ اسناد کی دو قسمیں ہیں: حقیقی واسناد مجازی، پھر اسناد حقیقی کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی، اسنادِ حقیقی ذاتی ہی شرک ہوسکتی ہے، اگر اسنادِ مجازی ہو یا حقیقی عطائی ہو تو شرک نہیں، اس کے بعد دو باب قائم کیے، اول کو اسناد مجازی کے بیان میں رکھا جس میں چھیاسی نصوص (چھ آیتیں اور ساٹھ حدیثیں) پیش کرکے ان سے استدلال کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ''دافع البلا'' کہا گیا ہے، باب دوم میں اسناد حقیقی عطائی

کے طور پر چوالیس آیتیں اور دوسو چالیس حدیثیں پیش کر کے مقصود کو ثابت کیا ہے، اور ضمناً بہت سی آیتیں اور حدیثیں ذکر میں آئیں، اس کتاب میں دلائل کا سمندر موجیں مارتا محسوس ہوتا ہے اور طرزِ استدلال واستشہاد پر طبیعت مچل جاتی ہے، اس موضوع پر اتنا مواد ایک جگہ اسی کتاب کی خصوصیت ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مترجم کی تیسویں جلد میں مطبوع ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا دینا درست ہے:

اس مسئلے میں وہابیہ کا اہل سنت سے اختلاف معروف ومشہور ہے، یہ لوگ انبیائے کرام واولیائے عظام کو اُن کی وفات کے بعد پکارنے کو شرک کہتے ہیں، اس لیے جب یہ سوال آیا تو اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ میں اس کے جواز کو دلائل سے ثابت کیا، اور خاص اسی مسئلے پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ہے ''انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ میں موجود ہے۔ یوں ہی تمام انبیا واولیا کی ارواح سے استمداد کے جائز ومستحسن ہونے پر آپ نے اپنے فتاویٰ میں مختلف طریقوں سے استدلال کیا ہے۔ اور ایک رسالہ ''برکات الامداد لاہل الاستمداد'' (فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۱) غیر اللہ سے استعانت کے مسئلہ پر ہے، کہ وہابیہ ''اِیاکَ نستعین'' سے استدلال کرتے ہوئے غیر سے استمداد کو شرک کہتے ہیں، آپ نے اس کی توجیہ فرمائی اور ۳۳ رحدیثیں بطور دلیل پیش کیں۔ پھر اقوال علمائے کرام سے اس کو مزین کیا۔ کچھ دلائل ایک اور رسالہ ''الاھلال بفیض الاولیاء بعد الوصال'' میں بھی موجود ہیں۔

نور محمدی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کی حقیقت:

نور محمدی نور خدا سے پیدا ہوا، وہابیہ کا یہ اعتراض کہ اس سے نورِ الٰہی کا ٹکڑا جدا ہونا لازم آیا اس کا جواب دیا کہ اس کی مثال چراغ سے چراغ روشن ہونے کی دی کہ اس سے اس میں ٹکڑا کٹ کر نہیں جاتا اور بہتر مثال دھوپ اور سورج کی ہے کہ نور شمس نے جس پر تجلی کی وہ روشن ہوگیا اور ذاتِ شمس سے کچھ جدا نہ ہوا۔ مگر ٹھیک مثال کی وہاں مجال نہیں، بلکہ اس کو کنہ وحقیقت کے اعتبار سے کیفیت متشابہات سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ ورسول نے ہمیں نہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے اپنے نبی کے نور کو کیونکر بنایا اور نہ بے بتائے ہم کو اس کی پوری حقیقت معلوم ہوسکتی ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ ذات الٰہی سے انفکاک ہوکر پیدا ہوا یہ باطل اور سخت تر امر کی طرف منجر ہے۔ (ملخصا ملتقطاً فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ صفحہ ۶۶۱ تا ۶۶۳)

نور عرفِ عام میں ایک کیفیت ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطے سے دوسری اشیائے دیدنی کو، یہ تعریف الجلی بالخفی ہے، حق یہ ہے کہ نور اس سے اجلی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، نور اس معنی میں ایک عرض حادث ہے اور رب عزوجل اس سے منزہ ہے۔ محققین کے نزدیک نور وہ ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مُظہر جیسا کہ امام غزالی اور امام زرقانی نے لکھا، بایں معنی اللہ عزوجل نور حقیقی ہے اور اللہ نور السمٰوات والارض اپنے حقیقی معنی پر ہے۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی سے پیدا ہیں، حدیث جابر میں ''من نورہ'' فرمایا جس کی ضمیر اللہ کی طرف ہے کہ اسم ذات ہے۔ ''من نور جمالہ'' یا ''نور رحمتہ'' یا ''نور علمه'' نہ فرمایا کہ نورِ صفات سے تخلیق ہو، اسی لیے علامہ زرقانی نے فرمایا: ''(من نورہ) أي من نور ھو ذاته'' یعنی اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذاتِ الٰہی ہے یعنی اپنی ذات سے بلا واسطہ پیدا فرمایا۔ ہاں عین ذاتِ الٰہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ ذاتِ الٰہی ذاتِ رسالت کے لیے مادہ ہے، جیسے مٹی سے انسان پیدا ہو، یا ذاتِ الٰہی کا کوئی حصہ یا کل ذاتِ نبی ہوگیا، اللہ عزوجل حصے اور ٹکڑے اور کسی سے متحد ہونے اور کسی میں حلول ہونے سے پاک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی کو جزء ذات الٰہی ماننا یا عین ذاتِ الٰہی ماننا کفر ہے۔ (ملخصا ملتقطاً فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ صفحہ ۶۶۴ تا ۶۶۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہوئے

:

اس مسئلے پر آپ نے ایک مستقل رسالہ لکھا جس کا نام ہے ''صلاتُ الصفا فی نور المصطفیٰ'' جو فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ میں مطبوع ہے، اسی میں فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہوائے اور ساری کائنات نور محمدی سے پیدا کی گئی، اور یہ بات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس کی تخریج امام بخاری کے استاذ حضرت امام عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں کی ہے۔ قال قلت یارسول الله بأبي أنت وأمي أخبرني عن أول شئ خلقه الله تعالیٰ قبل الاشیاء، قال: یاجابر ان الله تعالیٰ قدخلق قبل الاشیاء نور نبیک من نوره فجعل ذلک النور یدور بالقدرة حیث شاء الله تعالیٰ لم یکن في ذلک الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملک ولاسماء لا أرض ولاشمس ولا قمر ولاجني ولاانسي فلما أراد الله تعالیٰ ان یخلق الخلق قسم ذلک النور اربعة اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم ومن الثاني اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع أربعة اجزاء فخلق من الجزء الاول حملة العرش ومن الثاني الکرسي ومن الثالث باقي الملائکة ثم قسم الرابع أربعة أجزاء فخلق من الاول السمٰوات ومن الثاني الارضین ومن الثالث الجنة والنار ثم قسم الرابع أربعة أجزاء، الحدیث بطوله.

اس حدیث کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں امام قسطلانی نے مواہب میں امام ابن حجر نے افضل القریٰ میں اور شیخ محقق نے مدارج النبوۃ میں نقل کی ہے۔ جسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے، اسی لیے علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں: قد خلق کل شئ من نوره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کما وردبه الحدیث الصحیح۔ (ملخصا ملتقطاً فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ صفحہ ۶۵۷ تا ۶۶۰)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ تھا یا نہیں؟:

اس کے جواب میں تین رسالے تحریر فرمائے:

نفي الفئ عمن استنار بنوره کل شئ ۱۲۹۶ھ، قمر التمام فی نفي الظل عن سیدالانام ۱۲۹۶ھ، هدي الحیران في نفي الفئ عن سید الأکوان ۱۲۹۹ھ

''نفي الفئ'' میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ ہونا روایات ونقول سے ثابت کیا ہے ،جن میں زیادہ تر اقوال صحابہ وتابعین وعلمائے سیرت وشمائل ہیں، اور آخر میں چند آیات قرآنی واحادیث صحیحہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

بے شک اس مہر سپہر اصطفا ماہ منیر اجتبا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ تھا، اور یہ امر احادیث واقوال علمائے کرام سے ثابت ۔ حافظ رزین وعلامہ ابن سبع وقاضی عیاض وعارف باللہ امام جلال الدین رومی، وعلامہ حسین بن محمد دیار بکری، واصحاب سیرت شامی وسیرت حلبی وامام جلال الدین سیوطی، وامام ابن الجوزی، وعلامہ شہاب الدین خفاجی صاحب نسیم الریاض، وامام احمد قسطلانی صاحب مواہب، وامام زرقانی مالکی شارح مواہب وشیخ محقق عبدالحق دہلوی وشیخ مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی وبحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کرتے آئے۔

الخصائص الکبریٰ میں ہے: فقد أخرج الحکیم الترمذي عن ذکوان أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن یری له ظل في شمس ولا قمر. اور سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا سورج کی روشنی میں کھڑے ہوتے تو آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا، بلکہ اس کے لیے امام سیوطی نے خصائص میں ایک باب مقرر کیا جس میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا، آپ نور تھے سورج یا چاند کی روشنی

میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ دکھائی دیتا، اس کی شاہد وہ روایت ہے جس میں آپ دعا کرتے کہ مجھے نور کردے۔ قاضی عیاض نے بھی لکھا کہ: وما ذكر أنه كان لا ظل لشخصه في شمس ولا قمر لأنه كــان نـوراً ۔آپ کے جسم انور کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں اس لیے کہ حضور نور ہیں۔

اس طرح مذکورہ تمام علمائے اجل کے اقوال درج فرما کر ثابت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا۔

مزید اس پر استدلال آیت کریمہ: وَسِرَاجاً مُّنِيراً ، قَدْجَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ، وَالنَّجْمِ اِذَا هَوىٰ ۔اور احادیث مثل روایت صحیحین: واجعلني نوراً ،اور کثیر اقوال صحابہ وتابعین وعلمائے امت سے استدلال کیا۔

''قمر التمام'' میں اسی بات کو دوسرے طور پر ثابت فرمایا کہ آپ کا سایہ نہ ہونا ایک خرق عادت ہے۔ اِس سے بڑھ کر جو خوارق عادات ہیں وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دلائل صحیحہ سے ثابت ہیں، پھر اس کے ثبوت میں کیا حرج ہے۔

اِس پر وارد ہونے والے اعتراضات کچھ یوں ہیں:

اگر یہ فضیلت ان کے لیے ثابت تھی تو اکابر صحابہ نے تو دیکھا ہوگا، ان سے یہ کیوں مروی نہیں؟

یہ عام سی بات ہوگی جس کا سب نے تجربہ کیا ہوگا، پھر یہ بات صحابہ میں مشہور کیوں نہ ہوئی؟

یہ روایت بعض تابعی یا محض صغارِ صحابہ سے کیوں مروی ہے؟۔

اِن اِشکالات کو چار مقدمات کے ذریعہ اِس انداز میں دفع کیا کہ اس قسم کے سارے وساوس پا در ہوا ہو جاتے ہیں۔

''ھدی الحیران'' میں بنیادی طور پر اس روایت پر ایرادات کے جوابات دیے ہیں، پہلے تین مقدمہ کے ذریعہ جواب کے تمہیدی اصول درج کیے پھر جوابات کی طرف التفات کیا اور ''قولہ'' لکھ کر اس ''عقیدۂ عدم ظل رسول'' پر ایراد کرنے والے کی عبارت نقل کرکے ایک ایک بات کا جواب ''اقول'' کرکے ارشاد فرمایا۔ یہ تینوں رسائل فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ میں صفحہ ۶۹۵ سے صفحہ ۷۷۲ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کا بیان:

اس موضوع پر ایک رسالہ ''شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام'' لکھا، جس میں ثابت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین حضرت عبداللہ وحضرت آمنہ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک سب کا صاحب ایمان ہیں۔ اس کو دس دلائل سے ثابت کیا، اور اپنا استدلال دو طریق پر رکھا، اول: ابوین کریمین صاحبِ ایمان یا کم از اصحابِ توحید سے تھے، شرک پر موت نہیں ہوئی، دوم: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی رضا کے لیے ان کے والدین کریمین کو زندہ کردیا اور وہ ایمان لے آئے پھر ہمیشگی کی نیند سو گئے۔ اس کے بعد اس موقف پر درپیش اشکالات واوہام کی بیخ کنی فرمائی، پھر ۳۵ علمائے اعلام واکابر امت کے نام درج فرمائے جو ابوین کریمین کے متعلق نجات کا موقف رکھتے ہیں۔

ملائکہ کے متعلق عقیدہ

رسالہ ''اعتقاد الاحباب'' میں فرماتے ہیں:

''انبیاو مرسلین کے بعد اعلیٰ طبقہ ملائکہ مقربین کا ہے مثل حضرت جبرائیل ومیکائیل واسرافیل وعزرائیل وحملۂ عرش ان کے علو شان ورفعت مکان کو بھی کوئی ولی نہیں پہنچتا۔ اوران کی گستاخی کا بھی وہی حکم ہے جو انبیائے کرام کی گستاخی کا ہے۔ ان میں بالخصوص حضرت جبریل علیہ السلام من وجہٍ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استاذ ہیں، قال تعالیٰ: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوىٰ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کے خادم نہیں''۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ مترجم ۲۹/صفحہ ۳۵۲)

سماع موتی کی بحث

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے اختتام پر جب مشرکین مکہ کی لاشیں بدر کے کنویں میں ڈال دی گئیں تو اس کی منڈیر پر آ کر ایک ایک کا نام لے کر یوں خطاب فرمایا: ''**فانّا قد وجدنا ما وعدنا ربُّنا حقاً فهل وجدتم ما وعد ربُّكم حقاً**'' یعنی: بیشک ہم نے جو ہمارے رب نے ہمیں وعدہ دیا اسے سچا پایا، تو کیا تمہارے رب نے جو وعدہ دیا تم نے اسے سچا پایا؟۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! کیا آپ مردوں سے خطاب کرتے ہیں؟ ارشاد ہوا: تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، (**ما انتم باسمع لما أقول منهم**) (رقم الحدیث ۳۹۷۶)

یہیں سے سماع موتی کی بحث شروع ہوئی۔ اہل سنت نے اس کے اثبات میں اسی حدیث کو بطور اصل اور سیکڑوں روایتیں پیش کیں، منکرین جن میں پہلے معتزلہ اور اب وہابیہ ہیں آیت قرآنی: **اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَاتُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْن** ''(النمل ۸۰)'' سے استدلال کیا، ان کے استدلال کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول سے تقویت ملی جس میں انھوں نے بظاہر اسی آیت کریمہ سے قلیب بدر کے مذکورہ بیان (**ما انتم باسمع لما أقول منهم**) کو رد کیا، مگر جمہور اہل علم نے ان کے رد کی تاویل کی۔

امام احمد رضا نے اس بحث کو ہاتھ لگایا تو اہل سنت کے مذہب کو دلائل وشواہد سے اس عروج تک پہنچایا جس کے بعد مزید کی گنجائش نہیں محسوس ہوتی، اور اپنی تحقیقات انیقہ سے منکرین کے تمام شکوک وشبہات کو دفع کر دیا، چنانچہ اس مسئلے میں عقیدۂ اہل سنت ایک سطر میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''عام اموات احیا کو دیکھتے، ان کا کلام سنتے سمجھتے ہیں، سماع موتی حق ہے، پھر اولیا کی شان تو ارفع واعلیٰ ہے''۔ (رسالہ امور عشرین، فتاویٰ رضویہ ۲۹ صفحہ ۶۱۶)

اور ۱۳۰۵ھ میں خاص اسی مسئلے پر آپ نے ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ہے: ''حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات'' اس رسالے کے متعلق خود فرماتے ہیں:

''یہ عجالہ نہ صرف علم وسماعِ موتیٰ کا ثبوت دے گا بلکہ بحولِ اللہ تعالیٰ خوب واضح کرے گا کہ حضراتِ اولیا بعد الوصال زندہ اور ان کے تصرف وکرامات پائندہ اور اُن کے فیض بدستور جاری، اور ہم غلاموں خادموں محبوں معتقدوں کے ساتھ وہی امداد واعانت ویاری۔ (فتاویٰ رضویہ ۹/۶۷۶)

''حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات'' کا خلاصہ:

اس رسالہ کو ایک مقدمہ، تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا، پہلے مقصد میں اعتراضات ذکر کر کے ان کا ازالہ کیا، یہ حصہ اس کتاب کی شان بان ہے، سماع موتی کے مسئلے میں منکرین کے دلائل کا اس قدر جامع اور شافی جواب اسی کا خاصہ ہے اور اس سلسلے میں اتنی تحقیقات یکجا کہیں اور نہ ملیں گی۔ ہم اسی حصے سے دو تین باتیں عرض کرتے ہیں:

منکرین کے استدلال کا پہلا جواب:

منکرین سماع موتی کا استدلال آیت کریمہ: ''اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' سے ہے، اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آیت کا صریح منطوق ''نفیِ اِسماع'' ہے، نہ ''نفیِ سماع''، پھر اسے محل نزاع سے کیا علاقہ؟ اس کی مثال آیت کریمہ: ''اِنَّکَ لَاتَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ'' اسی لیے جس طرح وہاں فرمایا: ''وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِيْ مَنْ یَّشَاءُ'' یعنی لوگوں کا ہدایت پانا نبی کی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے ہے، یونہی یہاں بھی ارشاد ہوا: اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَاءُ۔ وہی حاصل ہوا کہ اہل قبور کا سننا تمہاری طرف سے نہیں، اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔

دوسرا جواب:

''نفیِ سماع'' ہی مراد ہو تو یہاں سماع سے مراد قطعاً ''سماعِ قبول'' اور ''سماعِ انتفاع'' ہے، باپ اپنے نافرمان بیٹے کے متعلق ہزار بار کہتا ہے: ''وہ میری بات نہیں سنتا''، کسی کے نزدیک یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے کان تک آواز نہیں جاتی۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے

کہ ''سنتا تو ہے، مانتا نہیں''۔ اور یہاں کفار سے ''سماعِ قبول'' ہی کا انتفا ہے نہ کہ اصلِ سماع کا۔

تیسرا جواب:

مانا کہ اصل سماع ہی کی نفی ہے، مگر کس سے، موتی سے، موتی کون ہیں؟ ابدان، کہ روح تو کبھی نہیں مرتی، اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ ہاں کس سے نفی فرمائی؟ من فی القبور سے، جو قبر میں ہے، قبر میں کون ہے؟ جسم، کہ روحیں تو علیین یا جنت یا آسمان یا چاہ زمزم وغیرہا میں۔ جس طرح ارواح کفار سجین یا نار یا چاہِ وادئ برہوت وغیرہا میں۔

''مقصد ثانی'' میں ساٹھ احادیث طیبہ سے سماع وادراکِ موتی ثابت کیا، پھر مقصد ثالث میں ۱۷۵/علما کے نام ذکر کیے جو سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ اس کے بعد اپنے موقف کی تائید میں دوسو علمائے امت کے اقوال اور عبارات نقل کیں۔ پھر وہابیۂ ہند کے اسکات والزام کے طور پر خاندان ولی اللہی کے بزرگوں کے ۱۰۵/اقوال ذکر کیے جن سے سماع موتیٰ کا ثبوت ہوتا ہے۔ خاتمہ میں علمائے عرب کا فتویٰ اور آخر میں ایک جگہ فرمایا کہ سماع موتی کا انکار گمراہی ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۶۷۵ سے ۸۳۶ تک پھیلا ہوا ہے۔

اسی مسئلے موضوع پر ۱۳۱۶ھ میں ایک اور رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ہے ''الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین۔ وہ بھی فتاویٰ رضویہ مترجم کی نویں جلد میں مطبوع ہے۔

ارواح کا زندہ رہنا اور گھروں پر آنا:

اسی سے متعلق ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا انسان کی موت کے بعد اس کی روح مرجاتی ہے یا باقی رہتی ہے؟ اور کیا مرنے کے بعد روح آزاد ہوکر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے؟۔ اپنے گھروں کو بھی آتی ہے؟ یہ مسئلہ پہلے مسئلے کی اصل ہے، کیونکہ سماع وادراک' جسم کا نہیں' روح کا کام ہے، انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح نہیں مرتی، بلکہ باقی رہتی ہے، اور روح باقی تو یہ سارے کام باقی، اور جو لوگ مرنے کے بعد روح کے فنا ہونے کے قائل ہیں وہ سماع وادراک کا بھی انکار کرتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ شریف میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

موت فنائے روح نہیں، بلکہ وہ جسم سے روح کا جدا ہونا ہے، روح ہمیشہ زندہ رہتی ہے، حدیث میں ہے: ''**انما خُلِقتُم للابد**'' (رضویہ ۹/۶۵۷)

اسی میں دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ارواح کفار کا آنا کیوں کر ہوسکتا ہے، وہ محبوس ومقید ہیں۔ اور روح مومنین کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا: ''**اذا مات المؤمن یُخلیٰ سربہ حیث شاء**'' یعنی اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جاتی ہے۔ جہاں چاہے میں گھر بھی داخل ہے، اور بارہا ارواح صالحین کا اپنے اور اپنے متعلقین کے گھر آنا اور مدد کرنا ثابت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۹ صفحہ ۶۳۱)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ۱۳۲۱ھ میں اسی موضوع پر ایک رسالہ ''اتیان الارواح لدیارھم بعد الرواح'' تحریر فرمایا، جس میں ثابت کیا کہ ارواح مومنین مختلف ایام میں اپنے گھروں کو آتی ہیں، اور یہ ایسی روایتوں سے ثابت ہے جن میں صحاح، حسان اور ضعاف سب ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے: **فاذا مات المومن یُخلیٰ بہ یسرح حیث شاء**۔ ہاں کفار کی ارواح سجین میں مقید ہوتی ہیں۔ اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب عید یا جمعہ یا عاشورے کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی ہیں اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر رحم کرے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کو یاد کرے۔

اسی طرح متعدد روایتیں درج کرنے کے بعد خلیل احمد انبیٹھوی کی کتاب ''براہین قاطعہ'' کا رد فرمایا، اس کی عبارت یہ ہے: ''ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے، قطعیات کا اعتبار ہے، نہ ظنیات صحاح کا''۔

اس کارد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بالجملہ یہ مسئلہ نہ بابِ عقائد سے ہے نہ بابِ حلال وحرام سے، اسے جتنا ماننا چاہیے اس کے لیے اتنی سندیں کافی ووافی، منکر اگر صرف انکارِ یقین کرے یعنی اس پر جزم ویقین نہیں، تو ٹھیک ہے، اور عامہ مسائل سیر ومغازی واخبار وفضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پاسکتے، اور اگر دعویٰ نفی کرے، یعنی کہے: مجھے معلوم وثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں، تو جھوٹا کذاب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۶۴۹ تا ۶۵۶ ملخصا رسالہ اتیان الارواح)

کرامات اولیا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اولیائے سے بہت عقیدت رکھتے تھے، خصوصاً غوثِ صمدانی محبوبِ سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے تو عاشق زار اور شیدائی تھے، ان کے فضائل وکمالات میں کتابیں لکھیں، فتاویٰ لکھے، قصیدے نظم کیے، اور جابجا ان کی کرامات کا تذکرہ کیا۔ اپنے سلسلے کے تمام مشائخ سے محبت وعقیدت کے ساتھ مشائخ مارہرہ مطہرہ وبلگرام کے مناقب تحریر کیے۔ اپنے سلسلے کے علاوہ دیگر سلاسل کے بزرگوں کے بھی مناقب وفضائل اور ان کی کرامات کا تذکرہ جابجا فتاویٰ اور ملفوظات میں موجود ہیں، خصوصاً خواجہ غریب نواز اور محبوب الٰہی رضی اللہ عنہما کی کرامتوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

آپ کے ذریعہ اولیائے کرام کی کرامات کا وافر تذکرہ آپ کے ''الملفوظ'' میں موجود ہے۔ ضمناً ''الامن والعلیٰ'' اور ''فقہ شہنشاہ'' میں بھی کرامات کا تذکرہ ہے۔

آپ کا رسالہ ''طرد الافاعی عن حمی ھاد رفع الرفاعی'': خاص حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے، کسی نے ان پر امام رفاعی کی افضلیت کے متعلق سوال کیا اس کے جواب میں یہ رسالہ تحریر میں آیا۔

اسی طرح رسالہ ''فتاویٰ کرامات غوثیہ'' بھی حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہے، جو فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۸ میں مطبوع ہے۔ جس میں متعدد حکایات اور وقائع ذکر کیے جو حضرتِ غوثیت مآب کی فضیلت وکرامت پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن بارگاہِ غوثیت مآب میں آپ نے جو منظوم خراج عقیدت پیش کی ہے اس کی اپنی شان ہے، خصوصاً یہ قصیدہ حد درجہ مقبول ومشہور ہوا:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

خلافت وامامت کا بیان

حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت اور فضیلت پر مختلف جہتوں سے مختصر اور مفصل فتاویٰ اور رسالے تصنیف فرمائے۔ اس سلسلے میں ایک رسالہ اس مسئلے پر تصنیف کیا کہ خلافت سب قریش میں ہی ہوسکتی ہے، یہ اس وقت تصنیف فرمایا جب تحریک آزادی ہند کی ہی ایک کڑی کے طور پر تحریک خلافت شروع ہوئی جس میں ہندو مسلمان مل کر یہ تحریک چلارہے تھے کہ ترکی کی سلطنت عثمانیہ کو خلافت تسلیم کی جائے، اس پر دو جہتوں سے اعلیٰ حضرت نے اس تحریک کی مخالفت کی، ایک یہ کہ سلطنت عثمانیہ کی حمایت اور انگریزوں کی مخالفت میں ہندوؤں سے اتحاد واشتراک کرنا کہاں کا انصاف ہے جو بت پرست اور مشرک ہیں۔ دوسری بات یہ کہ سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ ہیں۔ کیونکہ خلیفہ صرف قریش سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس پر ابوالکلام آزاد اور اس کے دیگر حواریوں نے اختلاف کیا اور اس موضوع پر تقریریں اور تحریریں منظر عام پر آئیں کہ قریش ہی سے خلیفہ ہونا کچھ ضرور نہیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایک مفصل رسالہ لکھا جس کا نام ہے ''دوام العیش بان الائمہ من قریش'' جس میں احادیث اور آثار وتاریخی واقعات سے اس مسئلہ کو محقق کیا، اور ثابت کیا کہ مذہب اہل سنت میں خلیفہ کے لیے قریش ہونا شرط ہے۔ اس کے مخالف خارجی اور کچھ معتزلی ہیں۔ شرعاً خلیفہ اسی کو کہیں گے جس میں ساتوں شرطیں

پائی جائیں، یعنی: اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت۔ یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۱۴ میں ہے۔

ایک رسالہ ''غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق'' لکھا جس میں ثابت کیا کہ جزئی جانشینی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا مختلف حضرات کو عنایت فرمائی مگر وہ کلی جانشینی جو امامت کبریٰ ہے وہ نام کی تصریح کے ساتھ صراحۃ کسی کو نہ دی۔ البتہ اشارات بارہا دیے جیسا کہ مختلف احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ ان میں سے دس روایتیں اعلیٰ حضرت نے اس رسالے میں درج کیں۔ اسی رسالے میں یہ مسئلہ بھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کیا خلفائے ثلاثہ سے افضل ہیں؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ چاروں خلفائے راشدین کی ترتیبِ فضیلت وہی ہے جو ترتیب خلافت ہے، اور فرمایا کہ اس مسئلہ پر آیات واحادیث وارشادات ائمہ اہل بیت واجماع صحابہ وتابعین قائم ہے اور علمائے امت کی تصریحات موجود ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تفضیل وتقدیم میں اس رسالے میں اہل بیت کرام خصوصاً سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی مرویات ذکر فرمائی۔

تفضیل ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں ایک خاص رسالہ ''**مطلع القمرین فی ابانۃ العمرین**'' لکھی، اور خاص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ان تمام پر فضیلت پر ایک مستقل تصنیف ''**الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی**'' عربی زبان میں تصنیف فرمائی جس کی ترتیب وتہذیب اور طرز واسلوب کی شان نرالی ہے، جس کے ذیل میں بہت علمی مسائل طے فرمائے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ہے: ''تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ'' اس میں ثابت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ شرک وبت پرستی سے ہمیشہ پاک رہے، اور کبھی غیر اللہ کے آگے سر نہ جھکایا، اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ ''کرم اللہ وجہہ الکریم'' لگایا جاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تفضیل پر فتاویٰ کے ساتھ مستقل رسالے تصنیف فرمائے۔ یوں ہی حضرت عثمان غنی وحضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی فضیلت پر بھی رسالہ تصنیف فرمایا:

رسالہ ''امور عشرین در امتیاز سنیین'' میں لکھتے ہیں:

جو مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات شیخین پر قرب الٰہی میں تفضیل دے وہ گمراہ مخالف سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۹ صفحہ ۶۱۵)

اسی میں جنگ جمل وصفین کے متعلق فرماتے ہیں:

جنگ جمل وصفین میں حق بدست حق پرست امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تھا، مگر حضرات صحابہ کرام مخالفین کی خطا خطائے اجتہادی تھی، جس کی وجہ سے ان پر طعن سخت حرام، ان کی نسبت کوئی کلمہ اس سے زائد گستاخی کا نکالنا بیشک رفض ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۹ صفحہ ۶۱۵)

اصحابِ رسول واہل بیتِ اطہار:

رسالہ ''اعتقاد الاحباب'' میں فرماتے ہیں:

ان ملائکہ مرسلین کے بعد اصحابِ سید المرسلین ہیں، اور انھیں میں حضرت بتول فاطمہ زہرا اور ان کے دونوں شاہزادے امامین کریمین، امام حسن وامام حسین، اور تمام مادرانِ امت 'بانوانِ رسالت داخل' کہ صحابہ ہر وہ مسلمان ہے جو حالت اسلام میں اُس چہرۂ خدا نما کی زیارت سے مشرف ہوا، اور اسلام ہی پر دنیا سے گیا، ان کی قدر ومنزلت وہی خوب جانتا ہے جو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت ورفعت سے آگاہ ہے۔ جو اُن میں سے کسی پر طعن کرتا ہے جناب باری تعالیٰ کے کمال حکمت وتمام قدرت 'یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غایت محبوبیت ونہایت منزلت پر حرف رکھتا ہے۔ اسی لیے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اللہ اللہ في أصحابي لاتتخذوھم غرضاً من بعدي فمن أحبھم فبحبي أحبھم ومن أبغضھم فببغضي أبغضھم** الخ۔ اب اے خارجیو! ناصبیو! کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے اور باری تعالیٰ نے آیت کریمہ: رضي الله عنهم ورضوا عنه ‘‘ سے جناب ذوالنورین وحضرت اسد اللہ غالب وحضرات سبطین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو، یا اے شیعو! اے رافضیو! ان احکام شاملہ سے خدا ورسول نے جناب فاروق اکبر وحضرت عثمان غنی وام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق وحضرات طلحہ وزبیر ومعاویہ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خارج کر دیا؟ تابعین سے لے کر قیامت تک امت کا کوئی ولی کیسے ہی پایہ عظیم کو پہنچے ہرگز ہرگز ان میں سے ادنیٰ کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اور ان میں ادنیٰ کوئی نہیں۔ (ہم) اُن سب کو بالا جمال اعلیٰ درجے کا برّ وتقی مانتے ہیں اور ان کے مشاجرات پر نظر حرام مانتے ہیں، جو فعل کسی کا منقول بھی ہوا اسے محمل حسن پر اتارتے ہیں، ان کے رتبے ہماری عقل سے وراء ہیں پھر ہم ان کے معاملات میں کیا دخل دیں، ان میں جو مشاجرات ہوئے ہم ان کا فیصلہ کرنے والے کون؟ (ملتقطاً بتصرف ’’اعتقاد الاحباب‘‘ فتاویٰ رضویہ ۲۹/۳۵۴ تا ۳۵۸)

رد باطل

امام احمد رضا قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی میں تجدید دین واحیائے سنت کے لیے بھیجا تھا، اس لیے انھوں نے وہ سارے کام بخوبی انجام دیے جو وقت کا تقاضا تھے، ان میں سب سے زیادہ تجدیدی کارنامے ان نظریاتی فتنوں کا رد وابطال ہے جو آپ سے پہلے یا آپ کے عہد میں معرضِ وجود میں آئے، آپ نے اُن تمام فکری غلاظتوں کو دور کر کے دین وسنت کے رخ کو صاف وشفاف کر دیا۔ آپ نے تمام باطل فرقوں کا ابطال کیا ہے خصوصاً غیر مقلدین، نیچری، قادیانی، وہابی، رافضی، دیوبندی، متصوفہ، قبوری، چکڑالوی، وغیرہ، لیکن ان میں سب سے زیادہ جو رد کیا ہے وہ وہابیہ، قادیانی، رافضی اور دیوبندی ہیں۔ اور جن بدعات ومنکرات کا رد وابطال کیا ان کا تو حد وشمار مشکل ہے۔

☆☆☆

وہابیہ غیر مقلدین کا رد وابطال:

النھی الاکید فی الصلاۃ وراء عدی التقلید، اور ایک رسالہ ’’ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار‘‘ ہے۔ المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ‘‘، ’’الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ‘‘ جس میں اسمٰعیل دہلوی کے ستر کفری عبارات شمار کرائیں۔ ’’سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ‘‘، ’’اکمال الطامۃ علی شرک سوی بالامور العامۃ‘‘۔

دیوبندیہ کا رد وابطال:

المبین ختم النبیین، جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ، تمہید ایمان بآیات فرقان، حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین،

قادیانی کا رد وابطال:

المبین ختم النبیین۔ جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ، رسالہ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب، قہر الدیان علی مرتد بقادیان: اس رسالے میں مرزا قادیانی کے کفریات شمار کرائے۔ الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی، حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین۔

رافضی کا رد وابطال:

روافض کے رد میں مشہور رسالہ ردالرفضۃ تصنیف فرمایا اور فتاویٰ اور ملفوظات میں کافی سے زائد مواد جمع فرمایا۔

آخر میں عرض ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے جو کچھ عقائد کے تعلق سے لکھ دیا وہ ہمارے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی تدوین پر منظّم کام کیا کیا جائے تاکہ علمائے کرام اور طلبا کے لیے اخذ کرنا آسان ہو جائے۔ اور امام اہل سنت کے علمی ورثہ سے بخوبی استفادہ کیا جا سکے۔ نیز ان کے علمی کاموں کی تسہیل اور مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنا بھی تقاضائے وقت ہے، تب ہی ہم امام احمد رضا قدس سرہ کی تعلیمات کی تبلیغ وترسیل کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب کریم رؤف ورحیم کے صدقے ہم میں ایسے افراد پیدا کر دے جو اس کام کو شوق اور ولولے کے ساتھ انجام دیں۔ وما ہو علی اللہ بعزیز۔

امام احمد رضا اور علم اصول فقہ

مقالہ نگاران

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین بدایونی استاذ دار العلوم شمس العلوم بدایوں شریف

موصوف کا تعارف ان کے دوسرے مقالے اوزان ومقادیر شرعیہ میں ملاحظہ کریں

(ضمیمہ) مفتی آل مصطفٰے مصباحی (جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی)

حضرت مولانا مفتی آل مصطفٰے مصباحی بن حضرت مولانا محمد شہاب الدین اشرفی لطیفی صاحب متولد ۲۷: اکتوبر ۱۹۷۱ء متوطن کٹیہار نے درس نظامی کے ابتدائی درجات کی تعلیم مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم کٹیہار، دار العلوم حنفیہ کشن گنج اور مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ میں حاصل کی، اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۱۹۹۰ء میں شعبہ فضیلت کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں تدریس وافتا کی خدمت پر مامور ہوئے، اور تا حال یہیں تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مفتی موصوف نے عربی اور اردو زبانوں میں نصف درجن کتب ورسائل تحریر فرمائے۔ شرعی کونسل (بریلی شریف) اور مجلس شرعی (مبارک پور) کے فقہی سیمیناروں میں اپنے فقہی مقالات کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں۔ آپ کہنہ مشق مفتی اور قابل اعتماد فقیہ ومفتی ہیں۔ پچاسوں مقالات ومضامین تحریر فرما چکے ہیں۔

رابطہ نمبر: 9415665303

امام احمد رضا اور علم اصول فقہ

علم اصول فقہ کا تعارف

اصول فقہ کی تعریف:

اصول فقہ وہ علم ہے جس میں احکام کو دلیلوں سے ثابت کرنے سے بحث کی جائے...... بعض نے کہا اصول فقہ وہ علم ہے جس سے دلیلوں کے احوال کو اجمالی طور پر جاننے کا فائدہ حاصل ہو جو احکام کی معرفت کے لیے مفید ہوں

موضوع اور غرض وغایت:

مختار مذہب پر اس کا موضوع ادلہ اور احکام ہیں۔ بعض نے کہا: اس کا موضوع صرف ادلہ ہیں۔

احکام شرعیہ عملیہ کو ان کے تفصیلی دلیلوں سے جاننا ہی اس کی غرض ہے۔

(تعریفات علوم درسیہ اردو ص ۱۴۵، ۱۴۶)

علم اصول فقہ کی اہمیت:

یوں تو ''اصول فقہ'' کی تعریف وتشریح سے ہی اس بات کی جانکاری حاصل ہو جاتی ہے ''اصول فقہ'' کا ''علم فقہ'' سے کیا رشتہ اور کیا تعلق ہے؟ پھر بھی مزید جانکاری کے لیے اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔

الاختلاف الاصولی میں ہے:

ترجمہ: ہم اصول فقہ اور فقہ کی تعریفیں پیش کر چکے، ان دونوں کی تعریفوں پر غور کرنے سے ہمارے لیے واضح ہو جاتا ہے کہ علم اصول فقہ کا علم فقہ سے اس طرح کا تعلق ہے جس طرح سے ایک اصل کا اس کی فرع سے ہوا کرتا ہے، اور بنیاد کا دیوار سے اور جڑ کا تنوں سے ہوا کرتا ہے، اصول فقہ اور اصولی کے منضبط کردہ قواعد و ضوابط کے ذریعہ ایک فقیہ احکام کے استنباط واستخراج شریعت کے مختلف دلائل ومصادر سے کر سکتا ہے جب ایک اصولی اپنی بحث کے دوران اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مطلق امر وجوب کا افادہ کرتا ہے اور مطلق نہی تحریم کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پاک حجت شرعیہ ہے۔ اجماع وقیاس اس کے علاوہ دوسرے مصادر شرعیہ، تو فقیہ انہیں قواعد شرعیہ کو لے لیتا ہے، کیونکہ یہ مسلمات میں سے ہوا کرتے ہیں اور انہیں قواعد کلیہ کی ادلہ تفصیلیہ اور حوادث جزئیہ پر تطبیق کر کے فعل مکلّف پر حکم شرعی نافذ کر دیتا ہے۔ اس بات کو یوں بھی سمجھیں کہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ مطلق امر وجوب کا افادہ کرتا ہے تو اس قاعدہ کلیہ کے تناظر میں اللہ تعالی کے اس قول ﴿اقیموا الصلاۃ﴾ پر غور کیا جائے کہ ''اقیموا'' امر ہے اور ہر امر وجوب کا فائدہ دیتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ نماز ادا کرنا واجب ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ مطلق نہی تحریم کا افادہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿ولا تقربوا الزنا﴾ اس میں ''ولا تقربوا'' فعل نہی ہے اور ہر فعل نہی تحریم کو ثابت کرتی ہے، لہٰذا ثابت ہوا عمل زنا حرام اور گناہ کبیرہ میں سے ایک اہم کبیرہ ہے۔ جب یہ حدیث پاک معلوم ہو چکی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مقدسہ میں داخل ہوئے اور وہاں آپ نے نماز ادا کی اس حدیث پاک کی روشنی میں ایک فقیہ اس بات کا حکم لگا سکتا ہے کعبہ کے اندر نماز ادا کرنا سنت ہے، اور اس بات کی دلیل یہ ہے حدیث پاک حجت شرعیہ ہے۔ علم اصول فقہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اجماع بھی کسی حکم شرع کے لیے حجت لازمہ ہے تو اس کے تناظر میں کیا یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جب بنت صلبی کے ساتھ کوئی پوتی ہو یعنی لڑکے کی بیٹی ہو اور اس کے ساتھ کوئی عصبہ نہ ہو تو دادا کی وراثت میں پوتی کا حصہ سدس 6/1 ہوگا کیونکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے، اب رہی بات قیاس

کی، قیاس بھی ادلہ اربعہ میں ایک دلیل شرعی ہے قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ جہاں علت پائی جائے گی وہاں حکم بھی نافذ ہوگا، گیہوں کے بدلے گیہوں بیچنا اس وقت جائز ہے جب دونوں طرف سے ''مثلاً بمثل یا یداً بید'' ہو ایک طرف سے کم اور دوسری جانب سے زیادہ گیہوں ہو تو اس طرح کی بیع ناجائز ہے کہ یہاں اتحاد جنس ہے مگر ''سواء بسواء'' نہیں ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ زیادتی کے ساتھ چاول کا بیچنا جائز نہیں۔ ایک اصولی ایسے قواعد اصولیہ کی وضع کرتا ہے جو ادلہ تفصیلیہ سے احکام کے استنباط و استخراج کی کیفیت کو واضح کرتے ہیں اور ایک فقیہ ان قواعد کے تناظر میں احکام کا استنباط کیا کرتا ہے اور نئے قسم کی جزئیات پر شرعی حکم کا نفاذ کرتا ہے، اس توضیح سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اصول فقہ علم فقہ سے مضبوط قسم کا ربط رکھتا ہے اور یہ ربط ایسا ہوتا ہے کہ کبھی اور کسی صورت میں نہ اصول فقہ، فقہ سے اور نہ فقہ، اصول فقہ سے جدا ہو سکتا ہے۔ ایک فقیہ جب کسی حادثہ یا کسی واقعہ پر حکم لگاتا ہے تو اس کے لیے حکم لگانے کا ایک واحد راستہ یہی علم اصول فقہ ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اصول فقہ ایک فقیہ کے دل میں یقین واعتماد اور سکون واطمینان پیدا کرتا ہے اس لیے علم اصول فقہ کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ (الاختلاف الاصولی ص ۱۵۰/۱۵۱)

قواعد اصول فقہ اور قواعد فقہ کے مابین فرق وامتیاز:

اس تشریح سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ''اصول فقہ'' اور ''علم فقہ'' کے قواعد کے مابین اس قدر شدت امتزاج پائی جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں ہو سکتا۔ بس اسی شدت امتزاج کے سبب کسی کے ذہن میں یہ شبہ گزر سکتا ہے کہیں ایسا تو نہیں دونوں ایک ہوں؟ اور ان میں کوئی فرق نہ ہو؟ اسی شبہ کو دور کرنے کے لیے ہمارے علمائے کرام جب دونوں کے مابین شدت امتزاج کی بات کرتے ہیں تو ٹھیک اس کے متصل ہی ان دونوں کے درمیان فرق وامتیاز کی بھی بات کرتے ہیں، انہیں کے نقوش قدم کی اتباع کرتے ہوئے یہ فقیر بھی ان کے مابین فرق و امتیاز بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اولاً: عرض ہے ہمارے مدارس عربیہ میں فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں اور علم اصول فقہ کی کتابیں بھی، اس لیے ہمارے طلبا اس بات سے ضرور واقف ہونگے کہ یہ دونوں بحیثیت فن الگ الگ ہیں، مگر ان کے مابین امتیازی کیفیت اور انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں کوئی جانکاری نہیں رکھتے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس جانب کسی بھی طالب علم کا ذہن نہیں جاتا ہے

ثانیاً: دونوں کے مابین جو امتیازی کیفیت پائی جاتی ہے اسی کی وضاحت کرنا اصل مقصد ہے، لہٰذا اس بارے میں شیخ محمد ابوزہرہ کی تحریر پیش کرتا ہوں۔

شیخ محمد ابوزہرہ دونوں کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''ان الفرق بین القواعد الفقهیه وعلم الاصول ان علم الاصول یبین المنهاج الذی یلتزمه الفقیه فهو القانون الذی یلتزمه لیعتصم به من الخطاء فی الاستنباط......واما القواعد الفقهیة فهی مجموعة الاحکام المتشابهة التی ترجع الیٰ قیاس واحد یجمعها او الیٰ ضابط فقهی یربطها، کقواعد الملکیة فی الشریعة وکقواعد الضمان وکقواعد الخیارات وکقواعد الفسخ بشکل عام فهی ثمرة للاحکام الفقهیة الجزئیة المتفرقة یجتهد الفقیه مستوعب المسائل فیربط بین هٰذه الجزئیات المتفرقة برباط هو القاعدة التی یحکمها او النظریة التی یجمعها کما تری فی قواعد الاحکام لعز الدین بن عبد السلام وفی الفروق للقرافی المالکی وفی الاشباه والنظائر لابن نجیم وفی القوانین لابن جزی المالکی وفی تبصرة الاحکام وفی قواعد ابن رجب ففیها ضبط لاشتات المسائل المتفرعة للمذهب الحنبلي.

(الاختلاف الاصولي ص ۱۵۲)

ترجمہ: قواعد فقہیہ اور علم اصول فقہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ ''اصول فقہ'' بیان کرتا ہے اس طریقہ کار کو جس کا التزام ایک فقیہ کرتا ہے یہ طریقہ کار ایک ایسا قانون ہوا کرتا ہے جس کی رعایت کرنے سے کوئی بھی فقیہ استخراج مسائل میں خطا سے بچ جاتا ہے، جہاں تک ''قواعد فقھیہ'' کی بات ہے تو ایک جیسے بہت سے ایسے مسائل جنہیں ایک قیاس یا ایک فقہی ضابطہ کے تحت مرتبط کر لئے جائیں تو انہیں ''قواعد فقھیہ'' کا نام دیا جاتا ہے اس طرح کے بہت سے فقہی قواعد پائے جاتے ہیں مثال میں یہ قواعد پیش کئے جاسکتے ہیں:

الف.....قواعدا لملکیۃ فی الشریعۃ۔ب:.....قواعد الخیارات۔ ج:.....قواعدالفسخ بشکل عام۔ یہ وہ قواعد ہیں جو بہت سے مختلف فقہی مسائل جزئیہ کو جمع کرنے کے نتیجے میں وجود میں آئے ہیں۔ ایک فقیہ تمام مسائل کو اس میں جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر اسے جس دھاگے میں پرونے کی تگ ودو کرتا ہے پس اسی مرتبط کرنے والے دھاگے کا نام فقہی قانون یا فقہی نظریہ ہے، جیسا کہ آپ مشاہدہ کر سکتے ہیں، علامہ عز الدین بن عبد السلام کی کتاب ''قواعد الاحکام، علامہ قرافی کی کتاب ''الفروق'' علامہ ابن نجیم کی تصنیف لطیف ''الاشباہ والنظائر ابن جزی المالکی کی کتاب ''القوانین ''ابن رجب کی کتاب ''تبصرۃ الاحکام'' میں کہ ان کتابوں میں بہت سے ایک جیسے مسائل کو فقہی نظریہ کے تحت لائے گئے ہیں۔

اب تک کی تشریحات سے اس بات کا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے اصول فقہ کے ذریعہ احکا شرعیہ کا استنباط کیا جاتا ہے اور جب ایک ہی جنس کے بسہت سارے مسائل کو کسی قانون کے ذریعہ مرتبط کر دیا جاتا ہے تو اسے قاعدہ فقہی کہا جاتا ہے۔ فقہ اور اصول فقہ اگر چہ ایک دوسرے سے قریب تر ہیں باوجود اس ارتباط کے دونوں کو ایک جیسا نہیں کہا جاسکتا ہے بلکہ دونوں کے مابین فرق ہے اور امتیاز بھی، میں نے جو باتیں پیش کی ہیں، ان سے صرف دونوں کے مابین خط امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

تاریخی پس منظر:

علم اصول فقہ کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ تاریخی پس منظر کے تناظر میں علم اصول فقہ کے احوال وکوائف کو چار ادوار میں بانٹا جاسکتا ہے:

اول.....تدوین سے پہلے کا دور (دور اول)

دوم.....تدوین کا دور (دور ثانی)

سوم.....تدوین کے بعد کا دور (دور سوم)

چہارم.....موجودہ دور (دور چہارم)

فقہ کے بارے میں بتا دیا گیا اور اصول فقہ کے تعلق سے بھی جانکاری فراہم کر دی گئی ہے.....ان تمام تشریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اصول فقہ اصل ہے اور فقہ اس کی فرع ہے...... منطقی ترتیب کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے اصل مقدم ہوا کرتا ہے اور فرع کا وجود بعد میں ہوا کرتا ہے۔ جس طرح بنیاد پہلے ہوتی ہے اور دیوار بعد میں، ٹھیک اسی طرح پہلے زمین کے اندر جڑیں پھیلتی ہیں اور بعد میں کونپل نکلتی ہے پھر شاخیں پھیلتی ہیں، اسی منطقی اور عقلی اعتبار سے کہا جاسکتا ہے پہلے اصول فقہ ہے اور اس کے بعد میں فقہ کا وجود ہے، یہ بات جو کہی گئی ہے منطق اور عقل کی روشنی میں کہی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی طور پر ایسا ہی ہے جیسا کہا جارہا ہے، سب سے پہلے ہم دور اول پر بحث کرتے ہیں اور اس کے مضمرات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دور اول:

دور اول نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک سے شروع ہوتا ہے اور عہد تابعین پر جا کر ختم ہو جاتا ہے.....اس دور میں بہت سے فیصلے ہوئے ہیں جن میں اصول فقہ اور اس کے قواعد سے کام لیے گئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان قواعد کا نام اس دور میں اصول فقہ نہیں تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں اصول فقہ کیا بلکہ کسی علم اور کسی فن کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اس لیے دور اول میں اصول فقہ کا اطلاق نہیں ہوتا تھا اور نہ یہ لفظ بولا جاتا تھا جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔

ولقد جاء في الحديث : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عند ما بعث معاذاً الى 'اليمن قال : كيف تصنع ان عرض لك قضاء ؟ قال : اقضى بما فى كتاب الله قال: فان لم يكن فى كتاب الله ؟قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اجتهد رائى ولا آلو، قال: فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدرى ثم قال : الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله صلى الله عليه وسلم .

(الاختلاف الاصولى ص ۱۵۸)

ترجمہ......اور حدیث میں آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ کو یمن کی جانب بھیجا تو ارشاد فرمایا: اے معاذ جب تمہارے پاس کچھ فیصلہ کے لئے آئے تو تم کس طرح فیصلہ کروگے ؟ عرض کیا: میں کتاب اللہ سے فیصلہ کرونگا! پھر ارشاد فرمایا اگر تمہیں وہ فیصلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو ؟ عرض کیا...... رسول اللہ کی سنت پاک سے کرونگا...... ارشاد فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہ ملے تو کیا کروگے؟ عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے سے فیصلہ کرون گا اور فیصلہ کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرونگا......حضرت معاد کہتے ہیں......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ کو دست پاک سے تھپتھپائی اور پھر ارشاد فرمایا: تمام خوبیاں ہیں اس اللہ کے لئے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو ایسی توفیق عطا فرمائی جس سے اللہ کا رسول راضی ہوا الخ

اس حدیث پاک میں اس بات کی وضاحت کردی گئی کہ پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ اور پھر اجتہاد سے فیصلہ کرنے کی بات کہی گئی ہے، یہی تو اصول فقہ ہے۔ اگر چہ اس وقت اسے اصول فقہ کا نام نہیں دیا گیا تھا پھر بھی یہ نظریہ اصول فقہ کے نظریہ وقواعد سے مشابہت ضرور رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام جو فیصلے صادر فرمایا کرتے تھے ان میں بھی اصول فقہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ اصول فقہ کے قواعد میں سے ایک اور نظریہ ہے جسے "سد الذرائع" کا نام دیا جاتا ہے اس کا مطلب برائیوں کے ذرائع کو روکنا ہے، اس نظریہ کے تحت بھی بہت سے فیصلے صادر کئے گئے ہیں مثال میں طلاق ثلٰثہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی کتاب ''الاختلاف الاصولی'' میں ہے:

وكذالك الشان فى ايقاع الطلاق ثلاثاً على من طلق امرأته ثلاثاً بلفظ واحد ،ففى مسلم عن ابن عباس قال : كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وسنتين من خلافة عمر كان طلاق الثلاث واحدة ،فقال عمر :ان الناس قد استعجلوا فى امر قد كانت لهم فيه اناة فلو امضينا عليهم ،وفى رواية عنده ابا الصهباء قال لابن عباس :هات من هنات امورمستغربة الم يكن الطلاق الثلاث على رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر واحدة؟فقال كان ذالك فلما كان فى عهدعمر تتباع الناس فى الطلاق فاجاز عليهم، اما التوصل الى الاحكام بالاجتهاد ،منه القياس وهو اصل من اصول الفقه فمما لا ينبغى الشك انهم كانو يرجعون اليه فى الاحكام اما صراحة اما ضمناً (ص ۱۵۸)

ترجمہ......جس نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ یا ایک لفظ میں تین طلاق دی تو تینوں طلاق کے واقع ہونے کے حکم میں بھی اصول فقہ سے کام لیا گیا ......امام مسلم نے ابن عباس سے روایت کی ......حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاق کو ایک مانی جاتی تھی......حضرت عمر نے کہا: مگر اب لوگ بڑی عجلت سے کام لے رہے ہیں حالانکہ انہیں اس معاملے میں سوچنے سمجھنے کی مہلت حاصل ہے تو کیوں نہ ہم ان تینوں طلاق کو نافذ کردیں اور انہوں نے نافذ فرمادی......وہیں ان کے پاس ابوصہبا بھی تھے انہوں نے ابن عباس سے کہا: یہ عجیب وغریب بات ہے کیا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک ساتھ تین طلاق دینے کی صورت میں ایک نہ مانی جاتی تھی؟

ابن عباس نے کہا: ہاں! مگر حضرت عمر کے دور میں لوگ کثرت سے طلاق دینے لگے اس لئے انہوں نے اس کو نافذ کر دیا۔

اس کے نافذ کرنے کا مقصد طلاق بدعی کے رائج ہونے پر روک لگانے کا تھا.....اسی کو علم اصول فقہ میں ''سد الذرائع'' کہا جاتا ہے اور اسی پر اجماع قائم ہو گیا.....جو اپنی بیوی کو ایک لفظ میں تین طلاق دے یا ایک ہی مجلس میں یہ کہے ''میں نے تجھے طلاق دی.....میں نے تجھے طلاق دی.....میں نے تجھے طلاق دی.....تو اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی ..... یہ اجماع کسی اور کا نہیں تھا بلکہ تمام صحابہ کرام کا اجماع تھا.....اس روایت کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دور اول میں بھی فقہی مسائل میں اصول فقہ سے کام لیا جاتا تھا..... یہ اور بات ہے اس وقت اس طرز استدلال کو اصول فقہ سے نہ جانا گیا.....اسی طرح کے دور اول میں اور بھی فیصلے ہوئے ہیں .....جن میں اصول فقہ کی رعایت کی گئی ہے ان تمام فیصلوں کو یہاں زیر بحث نہیں لایا جا سکتا.....اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے ایک مستقل کتاب ہونی چاہیئے اور اس مقام پر کتاب نہیں بلکہ مقالہ لکھا جا رہا ہے.....اب رہی بات تابعین کے دور کی۔

تابعین وہ نفوس قدسیہ کہلاتے ہیں جو ایمان کی حالت میں صحابہ میں سے کسی صحابی کے دیدار سے مشرف ہوئے ہوں ...... یہ دور بھی خیر و فلاح کے دور میں آتا ہے.....جس طرح صحابہ کے دور پاک میں ''اصول فقہ'' اور اس کے قواعد کے تناظر میں حوادث و جزئیات پر حکم شرح نافذ کیا جاتا تھا ٹھیک اسی طرح تابعین کے دور میں قواعد اصولیہ سے کام لیا جاتا تھا بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ تابعین کے دور میں نہایت ہی کثرت و زیادتی کے ساتھ اس کی رعایت کی جاتی تھی ......اس کی وجہ یہ کہ اس دور میں نہایت ہی کثرت کے ساتھ نئی نئی باتیں سامنے آ رہی تھی ......اور لوگ نئے نئے مسائل لے کر آتے اور ان پر رہنمائی چاہا کرتے تھے۔ان میں سے کئی افراد ایسے تھے جو کسی نہ کسی مفتی کے فتاوی؟ پر عمل کیا کرتے تھے۔جیسا کہ ''شیخ ابوزھرہ'' تحریر کرتے ہیں: ملاحظہ فرمائیے:

حتی اذا انتقلنا الیٰ عصر التابعین وجدنا الاستنباط یتسع لکثرة الحوادث ولعکوف طائفة من التابعین علی الفتوی ،کسعید بن المسیب وغیره بالمدینة، و کعلقمة وابراهیم النخعی بالعراق ،فان هؤلاء کان بایدیهم کتاب الله وسنة رسول صلی الله علیه وسلم وفتاوی الصحابة ،وکان منهم من ینهج منهاج المصلحة ان لم یکن نص،و منهم ینهج منهاج القیاس ، فالتفریعات اللتی کان یفرعها ابراهیم النخعی وغیره من فقهاء العراق کانت تتجه نحواستخراج علی الاقسیة وضبطها والتفریع علیها بتطبیق تلک العلل علی الفروع المختلفة.

(اصول الفقه لشیخ ابی زهرة ص ۱۱.۱۲)

ترجمہ: جب ہم دور تابعین کی جانب منتقل ہوئے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس دور میں ''استنباط و استخراج'' بہت زیادہ وسیع ہو چکے ہیں اس کی وجہ حوادث کی کثرت اور بہت سے تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فتاوی پر اعتماد کرنا ہے جیسے مدینہ پاک میں حضرت سعید بن مسیّب اور ان کے علاوہ کسی اور پر اعتماد کیا جاتا تھا.....عراق میں حضرت علقمہ اور حضرت ابراہیم نخعی پر اعتماد کیا جاتا تھا.....حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے مقدس ہاتھوں میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور صحابہ کرام کے فتاوے بھی ہیں، کسی مسئلہ کے تعلق سے کوئی نص نہ ہونے کی صورت میں ان میں سے بعض نے مصلحت کی راہ اختیار کی اور بعض نے قیاس کو ترجیح دی حضرت ابراہیم نخعی اور عراق کے دوسرے فقہائے کرام نے جن مسائل کا استنباط کیا ان میں زیادہ تر توجہ قیاسات پر مبذول کی، اور انہیں پر تفریعات کی گئیں اور پھر علل کی تطبیق کر کے بہت سے مختلف فروع و مسائل کی تخریج کی گئی۔

اس تشریح و توضیح کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ حضرات تابعین کے دور میں بھی علم اصول فقہ سے کام لیا گیا

یہ اور بات ہے کہ اس دور میں کسی بھی منہج وطریقہ کو اصول فقہ سے موسوم نہیں کیا گیا تھا، یہ حالت جو بیان کی گئی تدوین اصول فقہ سے پہلے کی حالت تھی اسی پر دوراول کا اختتام ہوتا ہے۔اس کے بعد دور دوم کی شروعات ہوتی ہے۔

دور دوم:

اس سے مراد دور تدوین ہے۔ پہلے دور کے مقابلہ میں دوردوم میں زیادہ کام ہوا یہاں تک کہ ''اصول فقہ'' کو ایک فن کی حیثیت سے اجاگر کیا گیا اور اس کے نوک و پلک سنوارے گئے اور اسے ایک منفرد حیثیت سے متعارف کرایا گیا، یہی وہ دور ہے جس میں ہر مذہب کے امام نے اپنے اپنے طور پر اصول فقہ کو ترتیب دی ہے اور مسائل و فروعیات کے استخراج کے مناہج کا انتخاب کیا ہے، یہ دور، دور ترقی ہے اور فروغ وارتقاء کا ایک سنہرا باب ہے، تاریخ نہ اس دور کو فراموش کرسکتی ہے اور نہ اس سے پہلے کے دور کو اپنے اوراق سے محو کرسکتی ہے کیونکہ یہ وہ سچائی ہے جو چھپائے نہیں چھپ سکتی ہے اور نہ بھلائے کوئی اسے بھلاسکتا ہے، مسائل وفروعات کے استنباط واستخراج میں اختلاف واقع ہونے کے سبب فقہ اور اس کے قواعد میں زبردست اختلاف واقع ہوا، جس کے نتیجہ میں مذاہب اربعہ وجود میں آگئے اور ان کے ماننے والے بھی ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ، امام ابوحنیفہ کے پیروکاروں کو ''حنفی'' کہا گیا۔امام شافعی کے ماننے والوں کو شافعی ، امام مالک کی تقلید کرنے والے مالکی اور امام احمد بن حنبل کے ماننے والے حنبلی سے مشہور ہوئے۔اس بات کا خیال رہے کہ مذکورہ چاروں اماموں کے درمیان اختلاف تھا افتراق نہ تھا کہ افتراق سے فرقے وجود میں آتے ہیں اور احتلاف سے فرقے وجود میں نہیں آتے ہیں...... اس لئے یہ اختلاف رحمت ہے زحمت نہیں ہے لائق ستائش ہے قابل مذمت نہیں، اسی لیے اس دور کے علماء نے ان مذاہب اربعہ کو اہلسنت و جماعت سے تعبیر کیا اور ان چاروں مذاہب میں سے کسی نہ کسی ایک مذہب کی پیروی کو واجب قرار دیا ہے اور ان سے انحراف اختیار کرنے والوں کو گمراہ کہا گیا ہے۔ان چاروں اماموں نے ملت اسلامیہ کو کیا دیا؟ یہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔انہوں نے ایک بہترین نظام دیا۔ صالح معاشرہ دیا۔ بہترین تہذیب دی۔ایسے اصول وکلیات اور قواعد قوانین دیئے جن کے سہارے ہر قسم کے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔اور عصری پیچیدگیوں سے اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے۔امت مسلمہ پر یہ ایک ایسا عظیم احسان ہے جس سے کسی کا اس سے جانبر ہونا مشکل ہے۔ مجھے افسوس ہوتا ان ناسمجھ افراد پر جو ان صاف ستھرے اور شفاف راستوں کو چھوڑ کر اِدھر اور اُدھر بھٹک رہے ہیں۔ بہر حال اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ اسی دور میں اصول فقہ کی بھی تدوین کی گئی اور فقہ بھی تشکیل کے مرحلوں سے گزرتی ہوئی اوج ثریا کی بلندیوں تک جا پہنچی۔

اصول فقہ کی تدوین:

علم اصول فقہ کے اسی دور کے تعلق سے ایک سوال سامنے آتا ہے کہ سب سے پہلے اصول فقہ کی کس نے تدوین کی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ کے مقدس ہاتھوں سے اس کی تدوین ہوئی۔اور ہمارے بہت سے اکابر اس طرف گئے ہیں کہ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ سب سے پہلے امام ابوحنیفہ نے اس کی تدوین کی ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ امام اعظم کا دور پاک امام شافعی سے بہت پہلے ہے یعنی جب آپکا وصال ہوا تب کہیں جاکر امام شافعی کی ولادت ہوئی اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس علم اور اس فن کی تدوین امام اعظم کے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔اس بارے میں جو تاریخی حقیقت ہے وہ قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں، اصول سرخسی میں ہے:

واما اول من صنف في علم اصول فيمانعلم فهو امام الائمة ،سراج الامة ابو حنيفة النعمان رضى الله تعالى عنه حيث بين طرق الاستنباط فى (كتاب الرائى) له تلاه صاحباه القاضى ابو يوسف يعقوب بن ابراهيم الانصارى ،والامام الربانى محمد بن الحسن الشيبانى

رحمهما الله ثم الامام محمد بن ادریس الشافعی رحمه الله صنف رسالته و الف بعدهم امام الهدی ابو منصور الماتریدی کتابه (مآخذ الشرائع) ثم صنف الامام ابو الحسن عبیدالله بن الحسین الکرخی ثم صنف تلمیذه ابوبکر الجصاص الرازی کتابه المعروف "باصول الجصاص" ثم تتباع الناس و صنفون کثیراً کالامام ابی زید عبیدالله بن عمر بن عیسیٰ الدبوسی فانه صنف "تقویم الادلة" و "تاسیس النظر" ثم بعده صنف فخر الاسلام البزدوی و شمس ائائمة الالسرخسی کتابیهما الجلیلین فهذبا هٰذ الفن و نقحاه فصار معول الفقهاء بعدهما حتی اذا اتفقا علی شئی یقولون اتفق الشیخان علی هٰذالقول و بهما شرحت کتب الامام محمدبن الحسن و صرح بذالک الامام السرخسی فی اول کتابه هٰذا. (المقدمة لاصول السرخسی ص۳)

ترجمہ: سب سے پہلے جس نے ''علم الاصول'' میں کتاب لکھی اس بارے میں جو میں جانتا ہوں، وہ اماموں کے امام، امت کے چراغ ''ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' ہیں، کہ انہوں نے اپنی کتاب ''کتاب الرأی'' میں استنباط کے طریقوں کو واضح کیا۔ ان کی پیروی کی ان کے دونوں شاگردوں ''القاضی امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری'' اور الامام الربانی محمد بن حسن الشیبانی نے، اس کے بعد اس فن میں ''حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی'' نے کتاب تحریر فرمائی، ان کے بعد امام الہدیٰ ابومنصور الماتریدی نے ''ماخذ الشرائع'' کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی، پھر ''امام ابوالحسن عبید اللہ بن الحسین الکرخی'' پھر ان کے شاگرد ''ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی'' نے کتاب تحریر فرمائی جو ''اصول الجصاص'' سے مشہور ہے پھر تو لوگ پے درپے کتابیں لکھنے لگے اور اس فن میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جیسے ''الامام ابوزید عبیداللہ بن عمر بن عیسی الدبوسی'' انہوں نے ''تقویم الادلۃ'' اور ''تاسیس النظر'' دو کتابیں تحریر کیں ...... ''فخر الاسلام البزدوی'' اور ''شمس الائمۃ'' ان دونوں بزرگوں نے دو عظیم کتابیں تحریر فرمائیں انہوں نے اس فن کو نکھار دیا اور اسے صاف ستھرا کر دیا...... یہاں تک کہ یہ فن دوسرے فقہائے اسلام کے لیے لائق اعتماد ہو گیا۔

اصول سرخسی کے مقدمہ کی عربی عبارت اور اس کے ترجمہ سے یہ بات روشن ہوگئی کہ دور تدوین سے لے کر حضرت اور ابو عبید الدبوسی نیز حضرت فخر الاسلام البزدوی کے دور تک اصول فقہ نے فن کی حیثیت قبول کر لی اور اپنے تمام نوک و پلک میں سدھار پیدا کر کے فن کی بہاروں کو شگفتہ اور تروتازہ کر لیا...... اسلامی فقہ کے لئے زبردست راہ ہموار کر دی...... یہ دور کس قدر سنہرا دور تھا کہ اس پر نہ صرف اہل علم کو ناز تھا بلکہ خود فن اور اس کے ملکہ و مہارت کو بھی ناز تھا ...... اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ یہ تمام کامیابیاں ہم اہل سنت و جماعت کو ملیں ...... اور ان میں سے جو اہل سنت و جماعت سے منحرف ہیں انہیں کچھ بھی نہ ملا...... ہم سب کو اس کامیابی پر شکر بجا لانا چاہیے۔

دور سوم:

اس فن کی تاریخ و تنقید میں اگر چہ دور سوم کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے مگر کچھ ایسے حالات ضرور سامنے آجاتے ہیں جن کی بنیاد پر اس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے...... تاکہ ہم جیسے کم علم انسان کو علم اصول فقہ کے کچھ اہم مضمرات اور رموز و اشارات کو کسی حد تک سمجھنے میں آسانی میسر ہو جائے...... ہمارے پیش رو نے اگر چہ اصول فقہ کی تاریخ میں ادوار کی ترتیب کا کوئی پاس ولحاظ نہیں کیا ہے...... تو اس بات کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی اس بارے میں وہی رخ اپنائیں جیسا کو انہوں نے اپنایا ہے...... کہ ایسا کرنا جمودی کیفیت کا شاخسانہ دکھائی دیتا ہے جب کہ اب ایسا نہیں ہے...... اس دور میں علم اصول فقہ نے اور بھی زیادہ فروغ و ارتقاء پائی ہے اور اس کی نکھرتی ہوئی زلفوں نے نہ جانے اپنے آپ میں کیا کیا نکھار لایا ہوگا...... اس بات کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے اس راہ میں سیاحی سے کام لیا گیا ہوگا...... اسی

دور میں افتا اور مفتی کے آداب لکھے گئے، مجتہد کی قسمیں متعین کی گئیں ،فقہا کے طبقات بتائے گئے، کتب فقہ کی حد بندی کی گئی...... مسائل کے طبقات پر روشنی ڈالی گئی، اصول فقہ کے مصطلحات کی تشریح کی گئی، شریعت کے مسائل متعین کئے گئے ان اسباب کے حدود اور اقدار متعین کئے گئے جن کی بنیاد پر احکام میں تغیر لازم آتا ہے ......ضرورت کیا ہے؟ حاجت کیا ہے؟ اور حاجت ضرورت کے درجہ میں کس وقت آتی ہے اس کی بھی تشریح کی گئی ہے...... زینت کیا ہے ؟ زینت کی بنیاد پر کسی حکم میں تبدیلی جائز ہے یا نہیں ؟ وغیرہ وغیرہ...... یہ وہ مسائل ہیں جن کی شمولیت اصول فقہ میں نظر آتی ہے اور یہ شمولیت دور سوم کا ثمرہ ہے ...... نئے مسائل پر تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا طریقہ کار کیا ہے اور اس تطبیق کے ذریعہ کوئی حکم کیسے نکالا جاسکتا ہے یہ ساری باتیں بھی اسی دور میں سامنے آئی ہیں ......غرض یہ کہ اس دور نے بھی اصول فقہ کو بہت کچھ دیا ہے اور اس کے دامن کو وسعت دینے میں کسی لیت ولعل سے کام نہیں لیا ہے۔

دور چہارم: دور امام احمد رضا:

اس دور کی ابتدا حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات وشخصیت اور ان کے علمی فنی فقہی اور اصولی خدمات سے کی جاسکتی ہے۔

امام احمد رضا اور علم اصول فقہ کا فروغ وارتقا

امام احمد رضا فاضل بریلوی اس عظیم شخصیت کا نام ہے جنہوں نے فقہ وافتاء کے میدان میں وہ جولانیاں دکھائیں کہ ان کے دور میں یا ان کے بعد کسی دور میں یا آج کے دور میں ان جیسا کوئی فقیہ کوئی مفتی منصۂ شہود پر رونما نہیں ہوا، ان کی تحقیقات اور ان کی تدقیقات پوری دنیائے علم وفن سے خراج عقیدت بٹور رہی ہے ان کے تمام فتاوے اس بات پر شاہد عدل ہیں۔ بڑے بڑے دانشوروں نے ان کی تحقیق کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں، انہوں نے جو تحریر کردی ہے اس میں انہوں نے کسی طرح کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے نہ اپنوں کے لئے اور نہ کسی غیر کے لیے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کوئی بھی تحریر ہو یا آپ ان کے فتاوی میں سے کہیں سے کوئی تحریر لے لیں وہ جامع بھی ہے اور مانع بھی ہے، اور یہ صرف ہمارا ہی عندیہ نہیں ہے بلکہ ہماری جماعت کے اکابر کا موقف بھی یہی ہے

یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فقہ فرع ہے اور اس کی اصل ''اصول فقہ'' ہے، اور یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ کسی فرع کو اصل سے یا کسی اصل کو اس کی فرع سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے، جب کوئی فرع اپنے اصل سے اٹوٹ رشتہ میں بندھ جاتی ہے تو اس میں زبردست قوت آجاتی ہے اور زور استدلال اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس کی مخالفت کسی نوع سے نہیں کی جاسکتی ہے...... کم پڑھے لکھوں کی کیا بات ہے؟ بڑے بڑوں میں بھی اس کی سکت باقی نہیں رہتی ہے اور یہ بڑے بھی ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے ان کے منھ میں زباں ہی نہ ہو...... فتاوی کیا ہوتے ہیں؟ اگر ان پر غور کیا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فتاوی میں استدلال ہی استدلال ہوا کرتا ہے ...... کہیں قرآن پاک کی آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے اور کہیں احادیث پاک سے دلیلیں لائی جاتی ہیں ......اور کسی مقام پر اجماع سے کام لیا جاتا ہے اور کہیں محقق اپنے موقف کی تائید میں بہت سارے جزئیات پیش کرتا ہے اور کہیں ایسا ہوتا ہے کہ قوانین اصولیہ یا قواعد فقہیہ میں سے کسی قانون اور کسی قاعدہ کی تطبیق کرتے ہوئے کسی خاص واقعہ پر حکم شرع نافذ کیا جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی فقہی جزئیہ سے دلیل لائی جاتی ہے، ان تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے تو آپ کو حیرت ہوگی کہ ایک مفتی ایک اصولی کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے، اور اگر کسی بات کو سرسری انداز میں لیا جائے تو کسی کی خوبی بھی ناخوبی دکھائی پڑتی ہے، حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کے جس فتوی مبارکہ کو آپ اٹھا کر دیکھ لیں، اس فتوی کی ایک ایک عبارت میں اصول فقہ کی صرف جھلک ہی نہیں بلکہ پوری تابشیں نظر آتی ہیں، ان تابشوں کو دیکھتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے یہاں ''علم اصول فقہ'' مختلف انداز میں پایا جاتا ہے۔

الف......علم اصول فقہ پر عمومی نظر

ب......علم اصول فقہ پر خصوصی نظر

ج......علم اصول فقہ بحیثیت علم وفن

میں اپنے اس مقالہ میں اس بات کی کوشش کرونگا کہ ان تمام پہلوؤں پر بحث کر لی جائے تا کہ اہل علم اس بات کو جان لیں اور سمجھ لیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس کے فروغ وارتقاء کے لیے کیا کیا کوششیں کی ہیں، اور انہوں نے کس حد تک اس کی ترقی میں حصہ لیا ہے، لیکن قبل ازیں کہ میں ان پہلوؤں پر کچھ لب کشائی کروں، یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ایک شخص وہ ہوتا ہے جو کسی ایک زاویہ سے کسی علم یا کسی فن پر بات کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہوا کرتا ہے جو ایک زاویہ سے بحث نہیں کرتا ہے بلکہ مختلف زاویوں سے اسے اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے۔ میرے خیال میں اس پہلے شخص کی علمی یا فنی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ پہلا شخص صرف نظریاتی طور پر بحث کرتا ہے اور پھر اس کی تفہیم کے لئے کوئی نہ کوئی مثال پیش کرتا ہے۔ اور دوسرا شخص وہ ہوا کرتا ہے، جس کی نظر علمی اور فنی نظریات پر بھی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ اس کے تجربوں پر بھی ہوتی ہے، اور جب کوئی بات تجربہ میں آتی ہے تو اس کی خوبیوں میں نہ جانے کس قدر خوبیاں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ اس کا ایک اور فائدہ یہ ہوتا ہے اس علم کے سیکھنے والے اس کے محل استعمال سے بھی واقف ہو جاتے ہیں اور اس بات سے بھی روشناس ہو جاتے ہیں کہ کس موقع پر کس اصول سے کام لیا جاتا ہے...... لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے اس پروردگار عالم کا کہ اس نے ہمیں ایسا عظیم الشان محقق، مفکر اور بین الاقوامی حیثیت کا حامل دانشور عطا کیا جنھوں نے ایک ایک علم اور ایک ایک فن کو اس طرح برتا ہے جس کی وجہ سے اس کے تمام اسرار و رموز طشت از بام ہو گئے...... اور اس کے ژولیدہ مضامین اس طرح حل ہو گئے کہ اس کا ایک انگ اور ایک ایک رخ ہماری نگاہوں کے سامنے آ گیا، ان کے اسی کرشمائی بحث وتمحیص کا اثر ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ جو رائے قائم کر لی آپ نے کبھی اس سے رجوع نہ کیا،

میں یہ نہیں کہتا کہ سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علمی، فنی اور تحقیقی میدان میں ''معصوم عن الخطا'' ہیں، لیکن خاکدانِ گیتی پر ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن کے قلم کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حفاظت فرمادی، اگر سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ایسے افراد کے زمرے میں شامل مان لیا جائے تو اس میں استحالہ بھی کیا ہے؟

الف...... ''علم اصول فقہ'' پر عمومی نظر:

کسی بھی فن پر عمومی نظر سے کیا مراد ہوتا ہے یہ سب کو معلوم ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ علم لیا جاتا ہے جو ہر وقت محقق کی نظر میں ہوا کرتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ہزارہا فتاوے پائے جاتے ہیں۔ کسی مفتی کے فتاوی کا مجموعہ ایک ہوتا ہے دو ہوتا ہے یا چار پانچ ہوا کرتا ہے مگر اعلیٰ حضرت کے فتاوے کس قدر پائے جاتے ہیں اب تک ان کی نہ کوئی گنتی ہے اور نہ کوئی شمار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کس قدر پائی جاتی ہیں؟ اس بارے میں آج تک اس کی صحیح اور حتمی مقدار کے بارے میں کسی کو کوئی جانکاری نہیں، فی الحال اس کی مقدار وہی تسلیم کر لی جائے جو حیات اعلیٰ حضرت میں صراحت کی گئی ہے یا تصانیف اعلیٰ حضرت میں، باوجود ان کے فتاوے ہزاروں کی تعداد میں آج بھی جلوہ گر ہیں۔ اور یہ بات ہم بتا چکے ہیں فقہ فرع ہے اور اس کی اصل ''علم اصول فقہ'' ہے چونکہ ''اصول فقہ'' میں اصل کی نسبت علم کی جانب کی گئی ہے اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ اصل کی نسبت جب کسی علم کی جانب کی جاتی ہے تو ایسی صورت میں اصل سے مراد دلیل ہوا کرتی ہے، فتاوی میں صرف دعوی ہی نہیں ہوا کرتا ہے بلکہ دعوی کے ساتھ ساتھ اس کے دلائل بھی ہوا کرتے ہیں اس طرح امام احمد رضا کے یہاں دلائل کی کثرت پائی جاتی ہے اور یہی دلائل کسی بھی مفکر اور دانشور انسان کو ''اصول فقہ'' کی جانب لے جانے کے لئے کافی ہیں۔ یہ صرف اصول فقہ کی جانب رہنمائی نہیں کرتے ہیں بلکہ اسے منزل تک پہنچانے کے لیے ہر ممکن طور کوشش کرتے ہیں۔ اس توضیح سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ

حضرت فاضل بریلوی نے اپنے فتاوی کو ''اصول فقہ'' سے سجا رکھا ہے اور نت نئے انداز میں اس کے حسن وکشش کو دو بالا کر دیا ہے، ایسے کسی انسان کو اگر کوئی چراغ لے کر بھی تلاش کرے گا تو اس کا ملنا مشکل ہوگا، اب میں ان کے ایک فتوی کا تجزیہ پیش کرنے جا رہا ہوں

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ۱۳۱۷ھ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ''ماحي الضلالة في أنكحة الهند و البنجالة ہے، جس سوال کے جواب میں یہ رسالہ وجود میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جو عقد ہوتے ہیں کہ ایک شخص غیر کو ولی ہندہ نے وکیل قرار دے کر اور دو شخص اور واسطے گواہی کے مقرر کر کے واسطے اجازت لینے نکاح کے ہندہ پاس بھیجے۔ ہنگامہ مستورات میں جا کر قریب ہندہ جا کر بیٹھا اور یہ کلمات کہے کہ تو مجھ کو واسطے عقد اپنے کے وکیل کردے وہ بیچاری بباعث رواج اس ملک اور شرم کے کب گویا ہوتی ہے اکثر مستورات فہمائش کرتی ہیں مگر وہ جواب نہیں دیتی اور بعض بعض کچھ گریہ یا ہوں کا اشارہ کر دیتی ہیں بعد کو وکیل صاحب باہر تشریف مع دونوں گواہوں کے لاکر دولہا کے روبرو آکر بیٹھتے ہیں، قاضی صاحب نے وکیل صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کہ آپ کا آنا کہاں سے ہوا؟ وکیل صاحب نے درجواب اس کے ارشاد کیا کہ دختر فلاں نے واسطے عقد اپنے کے مجھ کو وکیل مقرر کر کے بھیجا ہے اور میری وکالت کے یہ دونوں صاحب گواہ ہیں آپ اس کا عقد نوشہ ہذا کے ساتھ کر دیجئے، اور (قاضی صاحب نے) یہ کلمات فرمائے: فلاں شخص کی دختر کو بوکالت فلاں شخص اور بہ گواہی فلاں فلاں کے بالعوض اس قدر مہر سوائے نان نفقہ کے بیچ تیرے کے دی میں نے قبول کی تو نے۔ اس نے کہا: قبول کی میں نے، آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور جو کہ اولاد ہوئی حرامی ہوئی یا نہیں؟ اور قول عمر کا یہ ہے کہ کچھ اس نکاح میں قباحت نہیں اور نہ اولاد حرام کی ہوسکتی ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس سوال کے جواب میں جو کچھ فرمایا رسالہ کا مطالعہ کرنے سے ہی اس کا علم ہوگا، یہاں ہمارا مقصد اس بات کی تشریح کرنی ہے کہ اس جواب میں جو دلائل اور براہین پیش کئے گئے ہیں اصول فقہ سے ان کا رشتہ یا تعلق کس حد تک ہے؟ لہٰذا اس رسالہ میں سے وہی عبارت پیش کرونگا جن میں اصول فقہ کی جھلک محسوس ہوتی ہوگی، یا جس کا تعلق خاص طور سے اصول فقہ سے ہوگا۔

دلائل اصولیہ/ دلائل فقہیہ:

(۱): **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم البكر تستأذن في نفسها واذنها صماتها رواه احمد والستة الا البخارى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما.**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنواری عورت بذات خود اپنے نکاح کی اجازت دے سکتی ہے جب کہ عاقلہ اور بالغہ ہو اس کا خاموش رہنا بھی اس کی اجازت ہے اس حدیث کو احمد اور کتب ستہ نے روایت کی مگر یہ کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے...... یہ حدیث پاک ہے جو ادلہ اربعہ میں سے ایک دلیل شرعی ہے ......اور امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کی ہے جو اصول فقہ کی جھلک پیش کر رہی ہے۔

(۲): درمختار میں ہے **فان استأذنها غير الاقرب كاجنبي او ولي بعيد فلاعبره بسكوتها الخ** ترجمہ: پس اگر عورت سے کسی غیر اقرب نے نکاح کی اجازت طلب کی جیسے کوئی اجنبی یا ولی بعید تو اس عورت کا چپ رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا...... یہ ایک ایسی دلیل ہے جو ''انطباق الجزئية على الواقعة'' پر مبنی ہے ...... یہ بھی استدلال کا منہج مقبول ہے جو فن فتوی نویسی میں قابل قدر کی حیثیت رکھتا ہے اس کا تعلق بھی اصول فقہ سے ہے کیونکہ ''اصول فقہ'' طرز استدلال کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور یہ ایک طرز استدلال ہے لہٰذا اس کا اصول فقہ سے ہونا ثابت۔

(۳) امام احمد رضا فرماتے ہیں:

في ردالمحتار عن العلامة الرحمتي عن العلامة

الحموی عن کلام الامام محمد فی الاصل ان مباشرة وکیل الوکیل بحضرة الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرة الوکیل بنفسه بخلافه فی البیع.

کسی وکیل کے وکیل کا خود وکیل اول کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرانا خود وکیل اول کے نکاح پڑھانے جیسا نہیں بخلاف بیع کے یعنی اگر کسی وکیل کے وکیل نے وکیل اول کی موجودگی میں کچھ بیچا یا کچھ خریدا تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے کہ اس وکیل اول نے خود اس کام کو انجام دیا ہے ...... یہ ایک دلیل ضرور ہے مگر اس کی حیثیت ایک قانون کی ہے اور جب کسی قانون کے سہارے کسی نئے واقعہ پر حکم لگایا جاتا ہے تو پھر یہی سمجھا جاتا ہے کہ کوئی محقق یا مفکر اصول فقہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل رہا ہے......اور کسی کے اصولی ہونے کے لیے بس اسی قدر کافی ہوتا ہے۔

فائدہ: اس مذکورہ عبارت کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ نکاح اگر چہ عورت کی اجازت کے بغیر ہوا مگر پھر بھی اس کے منعقد ہونے میں کلام نہیں ...... ہاں اس نکاح کو ''نکاح فضولی کا نام دیا جاسکتا ہے اور اس بات میں شک نہیں کہ ''نکاح فضولی'' منعقد ہوا کرتا ہے یہ اور بات ہے کہ یہ نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہوا کرتا ہے اگر وہ اجازت دیدے تو نافذ اور رد کردے تو رد ہو جائے گا جیسا کہ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

(۴)...... کما هو حکم تصرفات الفضولی جمیعاً عندنا کما صرح به فی عامة کتب المذاهب عالمگیری میں ہے لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکراً کانت ثیباً فان فعل ذالک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازتها جاز وان ردته بطل کذا فی السراج الوهاج.

جیسا کہ ہمارے نزدیک فضولی کے تمام تصرفات کا حکم ہے اور مذاہب کی عام کتابوں میں اس کی وضاحت کی گئی ہے اور عالمگیری میں ہے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی بالغہ اور عاقلہ عورت کا نکاح اس کے باپ یا سلطان کی جانب سے اس عورت سے نکاح کی اجازت لئے بغیر نکاح کردے چاہے وہ عورت کنواری ہو یا شادی شدہ ہو، نکاح فضولی علم فقہ کی بھی اصطلاح ہے اور اصول فقہ کی بھی اور یہاں اس سے مراد معنی لغوی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے یہ بھی ایک ایسا قانون ہے جس کے تحت بہت سارے مسائل حل کئے جاسکتے ہیں صورت واقعہ پر اعلی حضرت فاضل بریلوی نے انطباق کر کے اس کے حکم شرح کو واضح فرمادیا کہ وہ بھی ایک نکاح فضولی ہے اگر عورت کی جانب سے اجازت پائی جائے تو جائز و نافذ اور رد کی صورت میں باطل ...... یہ طرز استدلال اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ امام احمد رضا نے اصول فقہ کی ترویج و اشاعت کیلئے بہتری کوششیں کی ہیں۔

اپنی زبان سے اجازت دے کر بھی اجازت ہوا کرتی ہے اور عورت کے کسی کام یا کسی عمل کے انجام دینے سے بھی اجازت ہوجاتی ہے یعنی اس نکاح فضولی کو نافذ العمل کرنے کی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اجازت قول کے اعتبار سے بھی ہوجاتی ہے اور عمل کے اعتبار سے بھی۔ ایسا نہیں ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یہ باتیں صرف اپنی طرف سے کہہ دی ہوں، بلکہ انہوں نے جو باتیں فرمائی ہیں ایک ایک قول کی بہت ساری دلیلیں دیدی ہیں، اور دلیل و برہان کی روشنی میں بات کہی ہے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ انھوں نے ایک ایک بات کی مختلف دلیلیں پیش کی ہیں، اور کسی ذات قدس کے اصولی ہونے کے لیے یہی صورت عمل اہمیت کی حامل ہوا کرتی ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے جو دلیلیں دی ہیں ملاحظہ فرمائیں:

(۵): عالگیری میں ہے:

''کمایتحقق رضاها بالقول بقولها رضیت، قبلت ،واحسنت واصبت وبارک الله لک اولنا ونحوه یتحقق بالدلالة کطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطی وقبول التهنیة والضحک بالسرور من غیر

استهزاء كذا في التبيين .

جس طرح عورت کی رضا اس کے اس قول سے ثابت ہوتی ہے ''میں راضی ہوں، میں نے قبول کیا، میں نے اچھا محسوس کیا، میں نے درست جانا، اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے یا مجھے برکت دے اور اسی کی مانند اجازت دلالۃ بھی ثابت ہوتی ہے جیسے عورت مہر یا نفقہ طلب کرے اور شوہر کو وطی پر قدرت دے یا مبارک بادی قبول کرے یا خوشی سے مسکرائے جب کہ اس میں کسی طرح کا استہزا نہ پایا جائے ایسا ہی تبیین میں ہے۔

(٦): امام احمد رضا فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

ہمارے بلاد میں عام لوگوں خصوصاً شریفوں خصوصاً اغنیاء اگر چہ یہ اکثر باتیں شبِ زفاف بلکہ مدت تک اس کے بعد بھی واقع نہیں ہوتیں اور بوس و کنار و مساس و جماع جو اس شب ہوتے ہیں غالباً نہایت اظہار کراہت ونفرت کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے باعث انہیں دلیل رضا ٹھہرانے میں دقت ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ شوہر کو شبِ زفاف تنہا مکان میں اپنے پاس آنے دینا اور اس خلوت میں سوا شرم کے کوئی اثر مرتب نہ ہونا یقیناً ہوتا ہے نکاح نافذ ہونے اور یہ امر قطعاً پیش از جماع واقع ہوتا ہے تو جماع بعد نفاذ ولزوم نکاح ہوا اور اولاد اولاد حلال ہوئی۔

اس عبارت کو تحریر کرنے کے اعلیٰ حضرت اس سے آگے فرماتے ہیں

(٧): بلکہ اگر مقاصد شرع مطہر اور اپنے بلاد کے حالات کو پیش نظر رکھ کر نگاہ دقیق فقہی سے کام لیجیے تو شب اول شوہر کو اپنے ساتھ جماع پر قدرت دینا بھی حقیقۃ رضا ہے اگر چہ بظاہر ہزار اظہار تنفر کے ساتھ ہو کہ یہ کراہتیں جیسی ہوتی ہیں سب کو معلوم ہے حقیقت حال یوں منکشف ہو کہ اس مرد کی جگہ کسی اجنبی کو فرض کیجیے جس سے اس کا نکاح نہ کیا گیا ہو کیا اس وقت بھی یہ ایسی ہی ظاہری کراہتوں پر قناعت کر کے بالآخر جماعت پر قدرت دے دیگی حاشا وکلا تو صاف ثابت یہ سب امور حقیقۃ قبول نکاح سے ناشی ہوتے ہیں ...... بلکہ اس سے پہلے رخصت ہو کر جانا بھی اگر چہ بوجہ مفارقت اعزہ و خانہ مالوفہ نہایت ہی گریہ بکا کے ساتھ ہو انصافاً دلیل رضا ہے ...... اگر اسے اپنا شوہر ہونا پسند نہ کرتی اجنبی جانتی ہرگز زفاف کے لیے رخصت ہو کر اس کے یہاں نہ جاتی۔

اصول فقہ اور اس کے منہج و اسلوب کی جانب طبیعت کا رجحان اور قلم ژرف نگار کی سرعت رفتار اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ فتاوی کی زبان اور اس کا اسلوب کسی بھی حال میں اصول فقہ اور اس کے تقاضوں اور آداب سے کوئی بھی مفتی چشم پوشی نہیں کر سکتا ہے، شعوری یا غیر شعوری دونوں صورت میں ''علم اصول فقہ'' کا منظر نامہ اس کے سامنے رہتا ہے اور نہایت ہی باریکی کے ساتھ وہ اسے استعمال بھی کرتا ہے ...... اور جہاں تک سرکار اعلیٰ حضرت کی بات ہے ان کے یہاں تو عمومیت اور شمولیت کے ساتھ اصول فقہ کی جھلک نظر آتی ہے ...... یہ استدلال از روئے عرفی ہے کیونہ ''العادة محكمة '' ایک قاعدہ کلیہ ہے فقہی اعتبار سے بھی یہ قاعدہ ہے اور اصولی اعتبار سے بھی ...... اس قانون کا انطباق کر کے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے عورت یا دولہن کی طرف سے دلالۃ رضا وقبول ثابت کیا ہے یہ منہج قطعی طور پر وہی منہج ہے جس کی وضاحت اصول فقہ کرتا ہے ...... بات یہیں تک محدود نہیں بلکہ اس فتوی کی پوری عبارت میں استدلال ہی استدلال ہے کوئی بھی انسان استدلال کے اس کیفیت کو اسی وقت لا سکتا ہے جب اس کے ذہن وفکر میں اصول فقہ کا تصور ہوا کرتا ہے ...... یہ بات اہل علم سے قطعی پوشیدہ نہیں کہ اصول فقہ کے بغیر علم فقہ نہیں اور علم فقہ کے بغیر فتوی نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ فتوی میں اصول فقہ کی موجودگی لازمی ہے اور دو دو چار کی مانند اس کی حقیقت روشن ہے۔

صورت سوال کا جو خلاصہ بیان کیا گیا اس سے صاف نمایاں ہوتا ہے اگر مذکور فی السوال نکاح کو جائز و نافذ نہ مانا جائے تو بہت ساری دقتیں اور دشواریاں سامنے آسکتی ہیں اور بہت سے لوگ گنہگار ہو سکتے ہیں، اس لیے اس نکاح کو جائز مانتے ہوئے بہت ساری

دشواریوں کا ازالہ کر دیا گیا اور امت مسلمہ کو دقتوں میں پڑنے سے بچا لیا گیا جیسا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں

(۸): مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق وتیسیر پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضییق وتشدید ولہذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئیں علمائے کرام انہیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بنا پر مسلمان تنگی سے بچیں ردالمحتار کی کتاب الحدود میں ہے:

ھو خلاف الواقع بین الناس وفیه حرج عظیم لانه یلزم منه تاثیم الامة (فتاوی رضویہ ۵/۱۰۳ تا ۱۱۰)

میں نے اسی ایک رسالہ کا کسی نہ کسی حد تک تجزیہ کر کے بتا دیا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اپنے تمام فتاوے میں عمومیت اور شمولیت کے انداز میں علم اصول فقہ پر کام کیا ہے اور اس کے فروغ وارتقا میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ جب کسی علم یا فن پر عمومی انداز میں کام کیا جاتا ہے تو اس کے فروغ وارتقا کی راہیں زیادہ کھلتی ہیں اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کا موقع زیادہ ملتا ہے۔ اس لیے ایک میں ہی کیا؟ کوئی بھی انصاف پسند علم اصول فقہ پر بحث کرتے وقت علم فقہ کی کتابوں کو ضرور پڑھتا ہے، کہ اس کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ ثابت ہوا کہ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ علم فتاوی کے لیے بھی اصول فقہ کی اسی قدر ضرورت پڑتی ہے جس قدر کہ علم فقہ کے لیے امام احمد رضا فاصل بریلوی نے اصول فقہ کو نہ صرف ضرورت کی حد تک برتا ہے بلکہ اس کی ارتقائی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے فتاوی کے کینوس میں اسے سجا کر رکھا ہے۔ یہ سرکار اعلی حضرت کا علم اصول فقہ کے ساتھ ایک عمومی طرز عمل تھا جسے میں نے اپنے طور پر بیان کر دیا ہے اور علم اصول فقہ کے فروغ وارتقاء میں کسی فن کے عمومی طرز عمل کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ایسا کرنا انصاف ودیانت کے خلاف ہوگا

علم اصول فقہ پر خصوصی طرز عمل:

خصوصی طرز عمل، عمومی طرز عمل سے متضاد نہیں بلکہ عمومی طرز عمل میں یک گونہ اہتمام برتتے جانے سے خصوصی طرز عمل وجود میں آتا ہے۔ فتاوی رضویہ میں جہاں عمومی طرز عمل کے جلوہائے رنگا رنگ پائے جاتے ہیں وہیں خصوصی طرز عمل بھی پایا جاتا ہے۔ جن افراد نے فتاوی رضویہ شریف کا مطالعہ کیا ہے یا کرتے رہتے ہیں۔ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نہ صرف علم اصول فقہ کو عمومی انداز میں برتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عمومی انداز کے ساتھ ساتھ آپ نے خصوصی انداز میں بھی اس پر کام کیا ہے۔ اور یہ صورت حال نہ صرف ایک یا چند فتاوی میں نظر آتی ہے بلکہ مختلف فتاوی میں پائی جاتی ہے ذیل میں کچھ اسی قسم کی تحریریں پیش کی جا رہی ہیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ''شیخ عبد الجلیل صاحب پنجابی'' نے ماہ ذی القعدہ ۱۳۰۳ھ میں یہ مسئلہ پوچھا کہ:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ روسر کی شکر کہ ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک...... حلال جانور کی ہوں یا مردار کی ......اور سنا گیا کہ اس میں شراب بھی پڑتی ہے اسی طرح کل کی برف اور کل وہ چیزیں جن میں شراب کا لگاؤ سنا جاتا ہے شرعاً کیا حکم رکھتی ہیں؟ بینوا وتوجروا۔

یہ مسئلہ کب پوچھا گیا؟ ۱۳۰۳ھ میں! ظاہر ہے یہ مسئلہ ''عصری'' ہے۔ کوئی پرانا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر پرانا مسئلہ ہوتا تو اس بارے میں سوال ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس کے پرانا ہونے کی صورت میں اس کی کوئی نہ کوئی واضح تصویر سائل کے ذہن میں ضرور پائی جاتی۔ اس کے لیے سائل کو پوچھنے کی ضرورت ہی درپیش نہ ہوتی...... امام احمد رضا نے اس مسئلہ کو ''عصری مسئلہ'' تصور کرتے ہوئے آپ نے جواب بھی دیا۔ اور جواب بھی ایسا دیا کہ دور حاضر میں بھی اگر کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہوتا ہے تو اس جواب کی روشنی میں اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس جواب میں ''عصری معنویت'' کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اصل مسئلہ کا جواب دینے سے پہلے امام احمد رضا نے دس مقدمات تحریر فرما دیئے ہیں جو اپنے آپ میں ''اصول وکلیات'' کی

حیثیت رکھتے ہیں۔ہم ان مقدمات کا خلاصہ پیش کرنے جا رہے ہیں

حلت وطہارت سے متعلق دس کلیات:

پہلا مقدمہ:

ہر جانور کی ہڈی پاک ہے۔چاہے اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔اسی طرح اسے ذبح کیا گیا ہو یا ذبح نہ کیا گیا ہو مگر شرط یہ ہے کہ ان ہڈیوں پر کسی طرح کی ناپاک چکنائی نہ پائی جاتی ہو ...... جہاں تک خنزیر کی بات ہے تو اس کے جسم کا ہر ایک جزو نجس العین ہے اور ایسا ناپاک ہے کہ وہ طہارت کے لائق ہی نہیں ......ناپاک چکنائی کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ ایسا جانور جو دم سائل نہیں رکھتا ہے تو اس کی چکنائی دم سائل سے عدم اختلاط کے سبب پاک ہے......ایسے جانوروں کی ہڈیوں پر اگر چہ چکنائی لگی ہو ...... پاک ہے مگر پاک ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہڈیاں حلال ہونگی ......حلال تو صرف ان جانوروں کی ہڈیاں ہونگی جن کا گوشت کھانا جائز ہو اور جنہیں شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو......اور جو جانور حرام ہیں تو ان کی ہڈیاں بھی حرام ہونگی کہ پاک ہونا اور چیز ہے اور حلال ہونا دوسری بات ہے اس لئے کہ طہارت مستلزم حلت نہیں۔

مقدمہ ثانیہ:

شریعت میں طہارت وحلت ہی اصل ہیں اور یہ خود اپنے آپ میں دلیل واثبات ہیں جو کسی صورت میں محتاج دلیل نہیں......حرمت ونجاست عارضی ہیں اس لیے کسی خاص دلیل کے محتاج ہوا کرتے ہیں ......طہارت ونجاست پر بوجہ اصالت جو یقین حاصل ہوا کرتا ہے اس کا زوال بھی اسی کے مثل یقین ہی سے ہوگا......شکوک واوہام سے طہارت و یقین کا زوال ممکن نہیں ...... یہ شریعت مطہرہ کا ایسا ضابطہ ہے جس پر ''علم فقہ'' کے ہزارہا مسائل مبنی ہیں بلکہ تین چوتھائی مسائل اسی ضابطہ سے نکلتے ہیں......کسی بھی چیز سے جو ظن لاحق ہو جاتا ہے اس سے اس کا ''سابق یقین'' رفع نہیں ہوتا۔

مقدمہ ثالثہ:

احتیاط اس میں نہیں کہ کسی شئ کو کسی ثبوت اور تحقیق بالغ کے بغیر حرام اور مکروہ کہہ دیا جائے بلکہ احتیاط اس بات میں ہے کہ کسی شئ کو مباح ہی کہا جائے جب تک کہ اس کے حرام یا مکروہ ہونے کا کوئی خاص دلیل نہ مل جائے کہ مباح ماننا ہی اصل ہے اور اسی مباح کے ماننے میں احتیاط ہے۔

مقدمہ رابعہ:

بازاری افواہ نہ قابل اعتبار ہے اور نہ ہی ان پر شرعی مسائل کی بنا رکھی جاسکتی ہے......کیونکہ بازاری افواہیں بے سروپا ہوا کرتی ہیں ......اکثر دیکھا گیا ہے کسی شہر میں کوئی افواہ بڑی تیزی کے ساتھ پھیل جاتی ہے اور اس کی تحقیق کی جاتی ہے تو وہ افواہ غلط ثابت ہوا کرتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ خبر کسی کافر و غیر مسلم یا کسی فاسق معلن کی اڑائی ہوا کرتی ہے۔

مقدمہ خامسہ:

کسی چیز کا حرام ہونا یا مکروہ ہونا احکام دینیہ میں سے ہوا کرتا ہے اور کسی بھی کافر کی خبر دینی احکام میں محض نامقبول ہوا کرتی ہے ......اس بارے میں کسی مسلمان فاسق بلکہ مستور الحال مسلمان کی خبر بھی لائق التفات نہیں......ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کوئی فاسق یا مستور الحال کوئی خبر دیتا ہے تو اس پر تحری یعنی غور وفکر کیا جاسکتا ہے اگر اس خبر کے سچ ہونے پر دل جمے تو اس کا لحاظ کیا جائے جب تک کہ اس خبر کے غلط ہونے پر کوئی راجح ثبوت نہ مل جائے

مقدمہ سادسہ:

کوئی شئ مقام احتیاط سے دور ہو ......یا کسی قوم کی بے احتیاطی ،بے شعوری اور نجاست وحرمت سے بے پرواہی مشہور و معروف ہو......یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں اس کے باوجود وہ شئ نہ حرام ہوگی اور نہ مکروہ ہوگی......اسی طرح اس قوم کی استعمال کی ہوئی چیزیں یا اس کی بنائی ہوئی کوئی چیز نہ حرام ہوسکتی ہے اور نہ مکروہ ہو سکتی......ہاں اس کی بے احتیاطی پر یقین ضرور ہوگا اور یہ بے احتیاطی بھی ہمیشہ نہیں رہتی ہے کبھی نہ کبھی ختم ہو جاتی ہے تو پھر ایسی صورت میں اس شئ کو حرام یا مکروہ کس طرح کہا جائے ؟اعلی حضرت فاضل

بریلوی نے بہت سی مثالیں دے کر اس بات کو ثابت کر دیا کہ بے احتیاطی کے سبب کسی چیز کو حرام یا مکروہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے ......ایسا کرنے کی صورت میں انسان کی زندگی بہت ساری دشواریوں کے گھیرے میں آ جائیگی۔

مقدمہ سابعہ:

ہاں! جہاں کہیں بے احتیاطی شدت کے ساتھ پائی جائے کہ اکثر احوال میں نجاست و آلودگی کا غلبہ وقوع اور کثرت شیوع ہو ایسی صورت میں بیشک غلبہ ظن ہوگا جو شریعت میں معتبر اور فقہ میں بنائے احکام، پھر یہ کہ ظن غالب کی دو صورتیں ہیں۔

اول صورت یہ کہ غلبہ کی جانب اس کے دل کو اس قدر یقین ہو کہ جانب مرجوح کی طرف اس کا دل مائل ہی نہ ہو بلکہ وہ اسے نا قابل التفات سمجھتا ہو ایسی صورت میں ظن غالب ملحق بہ یقین ہوا کرتا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ جانب راجح کی طرف دل کا جھکاؤ زیادہ نہ ہو، بلکہ جانب مرجوح کی طرف بھی اس کا دل جھکتا ہو...... یہ شک وتردد کے مرتبہ میں ہوا کرتا ہے حقیقت میں یہ محض ظن ہے اگر چہ بعض مقامات پر اسے بھی ظن غالب کے درجہ میں رکھا جاتا ہے۔

مقدمہ ثامنہ:

کسی چیز میں شئی نجس وحرام کے ملانے یا اس کی ملاقات سے اس چیز کے حرام ونجس ہونے کا یقین اس کے ہر ہر فرد سے منع و احتراز کا موجب اسی وقت ہوسکتا ہے جب یہ معلوم و متحقق ہو جائے کہ یہ ملانا اور نجاست کا اختلاط بروجہ شمول وعموم ہو...... مثلاً جس شئی کی نسبت ثابت ہو کہ اس میں شراب یا شحم خنزیر پڑتی ہے اور بنانے والوں کو اس کا التزام ہے تو اس کا استعمال کلیۃً ناجائز وحرام ہے۔ وہاں اس احتمال کو گنجائش نہیں کہ ہم نے اس فرد خاص مثلاً خود بنتے دیکھا ہے نہ خاص اس کی نسبت معتبر خبر پائی ممکن کہ اس میں نہ ڈالی گئی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بنانے والے التزامی طور پر ناپاک اور حرام اشیاء کو عمومی اور شمولی طور پر ملایا کرتے ہیں تو پھر یہ احتمال کہ ہم نے اسے بنتے ہوئے دیکھا ہے یہ اس درجہ میں ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ دی جائے...... اور اگر شئی حرام کے ملانے کا التزام عمومی طور پر نہیں کیا جاتا ہے تو وہاں حرام یا نجس کا حکم نہیں دیا جاسکتا ہے

مقدمہ تاسعہ:

بازار میں حرام چیزیں بھی بکتی ہیں اور حلال چیزیں بھی، اسی طرح کسی خاص چیز میں حرام وحلال بھی ملے ہوں اور دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس چیز کو خریدنے کی اجازت شریعت مطہرہ دیتی ہے، کیوں کہ جہاں حرام ہے وہیں حلال بھی ہے اور اس کے حلال ہونے کا احتمال بھی ہر ایک شئی کے ساتھ شامل ہے اس لیے اس کے خریدنے میں کوئی قباحت نہیں۔

مقدمہ عاشرہ:

دین آسانی کا نام ہے دشواری کا نہیں......اللہ تعالی نے ہمیں اس بات کا مکلّف نہیں کیا کہ ہم بازار سے وہی چیز خریدیں جس کے بارے میں اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ حلال اور پاک وطیب ہے یہ ایک امر دشوار ہے جو حرج عظیم کا باعث ہے

جو قواعد اصولیہ یا قواعد فقہیہ ہیں ان کا انطباق کس طرح کیا جائے؟ کہ صورت واقعہ کا حکم شرع واضح ہو جائے اس کی واضح تصویر بھی اسی جواب میں مل جاتی ہے اور غور کرنے بعد ایسے اسرار و رموز سامنے آتے ہیں کہ طبیعت مچل مچل سی جاتی ہے۔ یہ اصول وقواعد نہ صرف فتاوی ہیں اور نہ صرف فقہی قواعد ہیں بلکہ غائر نظروں سے مطالعہ کیا جائے تو اس میں علم اصول فقہ کی پوری تصویر نظر آتی ہے، اور ایک ایسا خوبصورت استدلالی منظر نامہ سامنے آتا ہے کہ جب تک وہ منظر نامہ ہماری اور آپ کی نظروں کے سامنے رہے گا تو اس سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہوئے نظر آئیں گے......ایسا خوبصورت منظر نامہ وہی دے سکتا ہے جو بیک وقت ایک فقیہ بھی ہو اور ایک اصولی بھی...... یہ منظر نامہ اعلی حضرت کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتا ہے۔ میں نے فتاوی کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کیا ہے اور غائرانہ نظر سے بھی دیکھا ہے، مگر جو سیرابی اعلیٰ

حضرت فاضل بریلوی کے فتاوی سے حاصل ہوتی ہے وہ کہیں اور کہاں نصیب؟

علم اصول فقہ فن کی حیثیت سے:

ارباب فکرو دانش اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ کسی بھی علم و فن کا تصور کبھی اجمالی طور پر کیا جاتا ہے اور کبھی تفصیلی طور پر کیا جاتا ہے۔ سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ''عمومی نظر'' اور ''خصوصی نظر'' کے تحت علم اصول فقہ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ تصور اجمالی ہے لیکن ہر مقام پر صرف اجمالی تصور سے کام نہیں چلتا ہے بلکہ کہیں نہ کہیں تفصیلی تصور کی بھی ضرورت بھی پیش آتی ہے اور اس وقت یہ ضرورت اور بھی شدید ہو جاتی ہے جب کسی سے مباحثہ کیا جاتا ہے اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی حیثیت قانون اور اصل کی ہوا کرتی ہے وہ دونوں فریقوں کے مابین تسلیم ہوا کرتی ہے اور اسی قسم کے مسلمہ قوانین سے ہی معارضہ قائم کیا جاتا ہے حضرت سیدی امام احمد رضا کے یہاں جب اس قسم کی کیفیت پائی جاتی ہے تو ایسے موقع پر آپ مسلمہ اصول وکلیات سے ہی فریق مخالف کی خبر لیتے ہیں اور انہیں لاجواب کر دیتے ہیں ایسے موقع پر آپ نے اصول فقہ کے مشمولات کو بحیثیت علم وفن استعمال کیا ہے۔

حیات اعلی حضرت میں اصول فقہ کے تحت جن کتابوں کا ذکر ملتا ہے ملاحظہ کریں:

علم اصول فقہ(۹): اس علم میں اعلی حضرت کی تصنیفات نو ہیں

(۱) **التاج المكلل فى انارة مدلول كان يفعل**

(۲) **السياف المخيفة على عائب ابى حنيفة**

(۳) **اعز النكات بجواب سوال اركات ملقب بالفضل الموهبي في معنى اذا صح الحديث فهو مذهبي**

(۴) **اطائب الصيب على ارض ائطيب**

(۵) **البرق المخيب على بقاع طيب**

(۶) **العطر المطيب لبنت شفة الطيب**

(۷) **الامة القاصفة لكفريات الملاطفة**

(۸) **الجائفة على تهافة الملاطفة**

(۹) **سياط المؤدب على رقبة المستعرب**

حاشیہ فواتح الرحموت:

ان مذکور بالا رسالوں کے علاوہ ایک اور حاشیہ بھی ہے جو خالص علم اصول فقہ میں ہے جو ''حواشی فواتح الرحموت'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا اصل متن ''مسلم الثبوت'' ہے اس کے مصنف کا نام ''الامام القاضی ملا محب اللہ بن عبد الشکور المتوفی ۱۱۱۹ھ'' جو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں اور اہل علم حضرات انہیں ملا محب اللہ بہاری کے نام سے جانتے ہیں۔ مسلم الثبوت ایک مقدمہ چند مقالات چند اصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اپنے مقدمہ میں ''اصول فقہ'' کی حد اضافی، حد لقبی اور اس کے موضوع نیز اس کی غرض وغایت سے بحث کی ہے۔ مقالات کی تفصیل اس طرح ہے:

المقالة الاولى فى المباديات الكلامية

المقالة الثانية فى مباديات الاحكام

المقالة الثالثة فى المباديات اللغوية

الاصل الاول فى الكتاب

الاصل الثاني في السنة

الاصل الثالث فى الاجماع

الاصل الرابع فى القياس

الخاتمة في الاجتهاد

فواتح الرحموت: بہت ہی نامی گرامی کتاب اسی مسلم الثبوت کی شرح ہے جو ہمارے مدارس اسلامیہ میں متعارف ومتداول ہے اور علمائے کرام کے مابین مقبول ومحبوب ہے اس کے شارح کا نام ''علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد السہالوی الانصاری الکھنوی المتوفی ۱۲۲۵ھ'' ہے۔ حضرت سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اسی ''فواتح الرحموت'' پر ایک معرکۃ الآرا حاشیہ تحریر فرمایا ہے جو تحقیق وتنقید، فکر وشعور، اور ندرت خیال کا پیکر جمیل ہے، اور بہترین تبصروں کا مجموعہ ہے۔

ضمیمہ

امام احمد رضا اور اصول فقہ

تمہیدی کلمات:

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کی دینی وملی اور علمی وفکری خدمات کی اشاعت کا دائرہ جوں جوں بڑھ رہا ہے، ان کی حیات کے مختلف اور متنوع گوشے نکھر کر سامنے آرہے ہیں۔ آج کی صورت حال یہ ہے کہ کوئی اسلامی محقق تحقیق وریسرچ کے لیے جس موضوع کا انتخاب کرتا ہے، سچائی یہ ہے کہ اجمال یا تفصیل کے ساتھ قابل قدر مواد، امام موصوف کی تصنیفات میں انہیں ضرور مل جاتا ہے۔ میدان علم وفن میں بطور خاص علم فقہ وفتاویٰ اور اصول سے مجدد موصوف کی جو گہری وابستگی تھی اس کے قابل دید مظاہر ان کے مجموعہ فتاویٰ اور فقہی کتب ورسائل میں بخوبی دیکھے اور پڑھے جاسکتے ہیں۔ اور یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا مولیٰ عزوجل کی عطا اور رسول اللہ ﷺ کے طفیل اس عظیم خیر وبھلائی سے متصف تھے جس کا ذکر حدیث پاک میں بایں مفہوم آیا ہے ''جس کے ساتھ اللہ عزوجل خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے''۔ ہم ذیل میں اصول فقہ کے تعلق سے امام احمد رضا کے بعض افادات پیش کرتے ہیں:

امام احمد رضا اور احکام شرعیہ کی تقسیم:

ایک ایسے موضوع پر امام اہل سنت کا رنگ اجتہاد ملاحظہ فرمائیے جس کا تعلق فقہ کے اصول وقواعد سے ہے، ان نادر تحقیقات کو دیکھنے اور ان کی گہرائی وگیرائی کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے

ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔

احکام شرعیہ کی تقسیم میں علمائے اصولیین اور فقہائے معتمدین کے چار اقوال ملتے ہیں۔

قول اول: احکام شرعیہ کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) واجب۔ (۲) مندوب (۳) مکروہ (۴) حرام (۵) مباح۔

قول ثانی: احکام شرعیہ کی سات قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) مندوب (۴) مباح (۵) حرام (۶) مکروہ تحریمی (۷) مکروہ تنزیہی۔

ان دونوں اقوال کا ذکر کتب اصول میں بکثرت ملتا ہے صاحب مسلم الثبوت نے بھی ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔

قول ثالث: بعض حضرات نے قدرے تبدیلی کے ساتھ ساتوں قسموں کو یوں بیان فرمایا۔

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) نفل (۵) حرام (۶) مکروہ (۷) مباح۔

صدر الشریعہ نے ''متن تنقیح'' میں اسی کو رکھا اور ''مرقاۃ الوصول'' میں مولیٰ خسرو نے اور ''فصول البدائع'' میں شمس الدین محمد ابن حمزہ فناری نے ان کی پیروی کی۔

قول رابع: احکام شرعیہ کی نو قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت ہدیٰ (سنت مؤکدہ) (۴) سنت زائدہ ''غیر مؤکدہ'' (۵) نفل (۶) حرام (۷) مکروہ تحریمی (۸) مکروہ تنزیہی (۹) مباح۔

صاحب فصول البدائع علامہ شمس الدین محمد ابن حمزہ فناری نے اپنے کلام کے آخر میں اسے صراحۃً ذکر کیا اور صدر الشریعہ نے توضیح میں اس کا اشارہ دیا۔

مذکورہ بالا چاروں تقسیم میں سے ہر ایک میں اصولی اعتبار سے کچھ نہ کچھ کمی یا خلل موجود ہے، چنانچہ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے امام احمد رضا رقم طراز ہیں:

''اقول: تقسیم اول میں کمال اجمال اور مذہب شافعی سے الیق ہونے کے علاوہ صحت مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر مندوب کا ترک مکروہ ہو

"وقد علمت أنه خلاف التحقیق" نیز سنت ومندوب میں فرق نہ کرنا مذہب حنفی وشافعی کسی کے مطابق نہیں یہی دونوں کمی تقسیم دوم میں بھی ہیں سوم وچہارم میں عدم مقابلہ بدیہی کہ سوم میں جانب فعل چار چیزیں ہیں اور جانب ترک دو، چہارم میں جانب فعل پانچ ہیں اور جانب ترک تین پھر جانب ترک بسط اقسام کر کے تصحیح مقابلہ کیجئے تو اسی مقابلہ نفل وکراہت سے چارہ نہیں مگر بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیق فقیر سب خللوں سے پاک ہے، اس نے ظاہر کیا کہ بلکہ احکام گیارہ ہیں۔ پانچ جانب فعل میں متنازلا فرض، واجب، سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ، مستحب، اور پانچ جانب ترک میں متصاعداً خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اسات، مکروہ تحریمی، حرام، جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارہواں مباح خالص"۔

اپنی اس نادرونایاب تحقیق کا تذکرہ اوراس پر مسرت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"اس تقریر منیز کو حفظ کرلیجیے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح کے ملیں گے، مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مہذب ہے۔ والحمد للہ رب العالمین"۔ اس تنقیح وتقریر سے معلوم ہوا کہ امام احمد رضا نے احکام شریعہ کی کل گیارہ قسمیں نکالی ہیں:

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت مؤکدہ (۴) سنت غیر مؤکدہ (۵) مستحب (۶) خلاف اولیٰ (۷) مکروہ تنزیہی۔ (۸) اساءت (۹) مکروہ تحریمی (۱۰) حرام (۱۱) مباح۔

بلکہ کچھ اور تفصیل کیجئے تو کل پندرہ قسمیں نکل آتی ہیں:

(۱) فرض اعتقادی (۲) فرض عملی (۳) واجب اعتقادی (۴) واجب عملی (۵) سنت مؤکدہ (۶) سنت غیر مؤکدہ (۷) مستحب (۸) اخلاف اولیٰ (۹) مکروہ تنزیہی (۱۰) اساءت (۱۱) مکروہ تحریمی اعتقادی (۱۲) مکروہ تحریمی عملی (۱۳) حرام اعتقادی (۱۴) حرام عملی (۱۵) مباح۔

ذیل میں ہرایک کی جامع ومانع تعریف لکھی جاتی ہے اس کے بعد احکام لکھے جائیں گے۔ ان تعریفات میں سے کچھ فتاوی رضویہ کی تصریحات سے ماخوذ ہیں اور کچھ اس کے اشارات وابحاث سے اخذ کر کے اپنے الفاظ میں بیان کی گئی ہیں۔

فرض اعتقادی: مجتہد جس شئی کی طلب جزمی حتمی کا اذعان کرے اوروہ اذعان بہ درجۂ یقین بالمعنی الاعم والاخص ہو اس کو فرض اعتقادی کہتے ہیں پھر فرض اعتقادی کی دوقسمیں ہیں (۱) ضروریات دین (۲) غیر ضروریات دین۔

ضروریات دین: وہ امور جن کا دین سے ہونا خواص کو معلوم ہو اوران عوام کو بھی جو دین میں مشغولیت اور علمائے دین سے علمی تعلق رکھتے ہوں۔

غیر ضروریات دین: وہ یقینیات وقطعیات جو اس حد تک معروف نہ ہوں۔

فرض عملی: دلائل شرعیہ کی بنیاد پر مجتہد کو جس شئی کی طلب جزمی میں اصلاً شبہ نہ ہو۔ یعنی اگر مجتہد کی نظر میں وہ شئی کسی عمل میں فرض ہو تو بے اس کے وہ عمل باطل محض ہو۔ اور مستقل مطلوب ہے تو اس کے بغیر ذمہ سے بری نہ ہونے پر اسے جزم ہو۔

واجب اعتقادی: مجتہد جس شئی کی طلب جزمی حتمی کا اذعان تو کرے، مگر یہ اذعان بدرجۂ یقین بالمعنی الاعم والاخص نہ ہو بلکہ اسے صرف ظن غالب ہو۔ تو واجب اعتقادی کہلاتا ہے۔

واجب عملی: بنظر دلائل شرعیہ جس چیز کی طلب جزمی ہے، نظر مجتہد میں وہ جزمی نہیں، بلکہ اس میں شبہ ہے اور جس شئی میں وہ واجب ہے اس کے بغیر وہ شی باطل نہیں بلکہ اس میں حکم صحت حاصل ہے اوراس کے بغیر ذمہ سے بری ہونا محتمل ہے۔

سنت مؤکدہ: جس فعل کی طلب جزمی نہ ہو، مگر اس کی تاکید

رسول سے ثابت ہو اور کبھی احیانا ترک بھی ہوا ہو۔

سنت غیر مؤکدہ: مجتہد کے نزدیک جو کام سنت تو ہو مگر اس کی تاکید ثابت نہ ہو

مستحب: مجتہد کے نزدیک جس کے کرنے کی طلب ترغیبی ہو

مباح: مجتہد کے نزدیک جس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہو۔

حرام اعتقادی: مجتہد کے نزدیک جس شئی سے باز رہنے کی طلب حتمی یقینی بالمعنی الاعم اوالاخص ہو۔ حرام اعتقادی کی دو قسمیں ہیں: (۱) ضروریات دین (۲) غیر ضروریات دین۔

حرام عملی: دلائل شرعیہ کی بنا پر مجتہد کو جس شئی سے باز رہنے کی طلب جزمی میں اصلا شبہ نہ ہو یعنی اگر مجتہد کی نظر میں وہ شئی کسی عمل میں حرام ہو تو اس کی موجودگی میں وہ شئی باطل محض اور مستقل حرام ہو تو اس سے احتساب کے بغیر برأت ذمہ نہ ہو۔

مکروہ تحریمی اعتقادی: مجتہد جس سے باز رہنے کی طلب جزمی حتمی کا اذعان تو کرے مگر یہ اذعان یقین بالمعنی الاعم والاخص کی حد تک نہ ہو بلکہ اسے خوب ظن غالب ہو۔

مکروہ تحریمی عملی: وہ شئی جس سے باز رہنے کی طلب جزمی ہے مگر نظر مجتہد میں وہ جزمی نہیں بلکہ اس میں شبہ ہے یعنی اگر وہ شئی کسی عمل میں مکروہ تحریمی ہے تو وہ عمل اس شئی کی موجودگی میں باطل نہیں اور مستقل مکروہ ہے تو اس سے اجتناب کے بغیر ذمہ سے بری ہونا محتمل ہے۔

اساءت: مجتہد کے نزدیک جس سے باز رہنے کی طلب جزمی نہ ہو، مگر اس کی تاکید دلیل سے ثابت ہو۔

مکروہ تنزیہی: مجتہد کے نزدیک جس سے باز رہنے کی طلب غیر جزمی دلیل سے ثابت ہو، مگر اس کی تاکید نہ ہو۔

خلاف اولیٰ مجتہد کے نزدیک جس سے باز رہنے کی طلب غیر جزمی محض ترغیب کے طور پر ہو۔

احکام:

(۱) فرض: ترک عادی ہو یا نادر قطعی طور پر موجب استحقاق عذاب ہے۔

(۲) واجب: ترک عادی ہو یا نادر مطلقاً موجب استحقاق عذاب ہے مگر اس میں قطعیت نہیں ہوتی۔

(۳) سنت مؤکدہ: ترک عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔

(۴) سنت غیر مؤکدہ: عادی ہو یا نادر مطلقاً مورث عتاب۔

(۵) مستحب، مندوب، ادب: عادی ہو یا نادر مطلقاً عذاب وعتاب کچھ نہ ہو۔

یوں ہی جانب ترک میں:

(۱) حرام: اس کا فعل (کرنا) عادی ہو یا نادر قطعی طور پر موجب استحقاق عذاب ہو۔

(۲) مکروہ تحریمی: اس کا فعل (کرنا) عادی ہو یا نادر مطلقاً موجب استحقاق عذاب ہو مگر اس میں قطعیت نہیں ہوتی۔

(۳) اساءت: (یہ کراہت تنزیہی سے افحش اور تحریمی سے اخف ہے) فعل عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔

(۴) کراہت تنزیہی: عادی ہو یا نادر مطلقاً مورث عتاب۔

(۵) خلاف اولیٰ: عادی و نادر کسی پر عذاب وعتاب کچھ نہ ہو

دلائل شرعیہ کی تقسیم و تفصیل:

امام احمد رضا کی عبارتوں سے اشارہ ملتا ہے کہ احکام سے متعلق جانب طلب میں دلائل شرعیہ کی کل ستائیس صورتیں ہیں دلائل کی صرف ایک قسم سے فرض ثابت ہوتا ہے، تین سے وجوب، چار سے سنت مؤکدہ، اور اُنیس سے استحباب وسنت غیر مؤکدہ۔ اسی طرح جانب منع وکف میں بھی ستائیس صورتیں ہیں جن میں صرف ایک سے حرام ثابت ہوتا ہے تین سے مکروہ تحریمی چار سے اساءت اور انیس سے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔

اجمالاً پہلے یہ ملاحظہ کرلیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی نص قطعی ہو مگر جو حکم مجتہد اس سے ثابت کرنا چاہتا ہے وہ صراحۃً اور قطعاً اس سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ ظن یا شک کے طور پر اس کا ثبوت حاصل ہوتا ہے ،اسی طرح یہ ہوسکتا ہے کہ حکم تو قطعا صراحۃً اس نص سے ثابت ہوتا

ہے مگر خود وہ نص قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے یا اس سے بھی کم درجہ ہے مثلا خبر واحد صحیح یا حسن ہے یا اس سے فروتر مثلاً حدیث ضعیف ہے جو فضائل اعمال میں کارآمد ہے اور یک گونہ شک کے طور پر اس سے وہ بات معلوم ہوتی ہے جو اس میں بیان ہوئی۔

پہلی صورت کی مختصر تعبیر یہ ہے کہ نص اثبات حکم میں قطعی نہیں دوسری صورت کی تعبیر یہ ہوگی کہ خود نص کا ثبوت قطعی نہیں بلکہ ظنی یا شکی ہے۔ اسی طرح یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کبھی مطالبہ قطعی ہوتا ہے ،یعنی یوں کہ تمہیں یہ ضرور کرنا ہے کبھی یوں کہ کرو تو اچھا ہے پھر اسے یا تو بلا تاکید چھوڑ دیا جاتا ہے یا اس کی تاکید ہوتی ہے یہ میں نے بطور تفہیم عرض کیا ان ہی باتوں کو اصطلاحی طور پر یوں کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا مطالبہ قطعی وجزمی ہے یا اس کا مطالبہ غیر جزمی مگر مؤکد ہے یا اس کا مطالبہ محض ترغیبی طور پر ہے۔

اب وہ ستائیس صورتیں امام احمد رضا کے بہت ہی مختصر اور جامع الفاظ میں (میرے ترجمہ کے بعد) ملاحظہ ہوں پھر میں ان کی کچھ توضیح کروں گا۔

نصوص ظنی کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ جن میں محض طلب ترغیب ہو۔ (۲) جن میں طلب مع تاکید ہو، (۳) جن میں طلب جازم (قطعی) ہو۔ ان میں سے ہر ایک کی نو (۹) قسمیں ہیں تو کل ستائیس قسمیں ہوئیں، صرف ایک قسم سے فرض کا ثبوت ہوتا ہے، یہ وہ ہے جس کا ثبوت واثبات دونوں یقینی ہو اور طلب بھی جزمی وقطعی ہو۔ تین سے وجوب کا افادہ ہوتا ہے، وہ جس کا ثبوت یا اثبات یا دونوں ظنی ہو اور بہر صورت طلب جزمی ہو۔ چار سے سنیت کا افادہ ہوتا ہے، یہ ثبوت واثبات میں تو ان ہی صورتوں کی طرح ہیں جو فرضیت ووجوب کا افادہ کرتی ہیں مگر ان میں طلب تاکیدی غیر قطعی ہوتی ہے۔ باقی انیس صورتیں مندوبیت کا افادہ کرتی ہیں، یہ وہ ہیں جن کے ثبوت یا اثبات کسی ایک میں شک ہو اگر چہ طلب جازم وقطعی ہو یا وہ جن میں صرف طلب ترغیبی ہو اگر چہ ثبوت واثبات قطعی ہوں اسی پر کف (باز رہنے) کی جانب میں حرام مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کو قیاس کر لینا چاہیے۔

اب ذیل میں اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:

فرضیت:

(۱) جس کا ثبوت واثبات دونوں یقینی ہو اور طلب جازم ہو۔

وجوب:

(۲) ثبوت قطعی ہو اثبات ظنی اور طلب جازم

(۳) ثبوت ظنی ہو، اثبات قطعی، اور طلب جازم

(۴) ثبوت واثبات دونوں ظنی ہو اور طلب جازم۔

سنت مؤکدہ:

(۵) ثبوت واثبات دونوں قطعی اور طلب مؤکد غیر جازم

(۶) ثبوت قطعی، اثبات ظنی اور طلب صرف مؤکد غیر جازم

(۷) ثبوت ظنی، اثبات قطعی اور طلب مؤکد غیر جازم۔

(۸) ثبوت واثبات دونوں ظنی اور طلب مؤکد غیر جازم۔

استحباب اور سنت غیر مؤکدہ کی ۱۹ر صورتیں:

(۹) ثبوت قطعی، اثبات شکی، اور طلب جازم

(۱۰) ثبوت شکی، اثبات قطعی، اور طلب جازم

(۱۱) ثبوت ظنی، اثبات شکی اور طلب جازم

(۱۲) ثبوت شکی، اثبات ظنی، اور، طلب جازم

(۱۳) ثبوت شکی، اثبات شکی اور طلب جازم

(۱۴) ثبوت قطعی، اثبات شکی، اور طلب مؤکد

(۱۵) ثبوت شکی، اثبات قطعی اور طلب مؤکد

(۱۶) ثبوت ظنی، اثبات شکی اور طلب مؤکد

(۱۷) ثبوت شکی اثبات ظنی اور طلب مؤکد

(۱۸) ثبوت شکی، اثبات شکی اور طلب مؤکد

(۱۹) ثبوت قطعی، اثبات قطعی اور، طلب محض ترغیبی

(۲۰) ثبوت قطعی اثبات ظنی اور، طلب محض ترغیبی

(۲۱) ثبوت قطعی، اثبات شکی، اور، طلب محض ترغیبی

(۲۲) ثبوت ظنی اثبات قطعی اور، طلب محض ترغیبی
(۲۳) ثبوت ظنی اثبات ظنی اور، طلب محض ترغیبی
(۲۴) ثبوت ظنی اثبات شکی اور، طلب محض ترغیبی
(۲۵) ثبوت شکی اثبات قطعی اور، طلب محض ترغیبی
(۲۶) ثبوت شکی اثبات ظنی اور، طلب محض ترغیبی
(۲۷) ثبوت شکی، اثبات شکی اور، طلب محض ترغیبی

جانب ممانعت کی ستائیس صورتیں حسب ذیل ہیں:

حرام:

(۱) وہ دلیل جس کا ثبوت و اثبات دونوں قطعی ہوں اور طلب کف جازم ہو۔

مکروہ تحریمی

(۲) ثبوت قطعی اثبات ظنی اور طلب کف جازم
(۳) ثبوت ظنی اثبات قطعی اور طلب کف جازم
(۴) ثبوت و اثبات دونوں ظنی اور طلب کف جازم

اساءت:

(۵) ثبوت و اثبات دونوں قطعی اور طلب کف مؤکد غیر جازم
(۶) ثبوت قطعی اثبات ظنی اور طلب کف مؤکد غیر جازم
(۷) ثبوت ظنی اثبات قطعی اور طلب کف مؤکد غیر جازم
(۸) ثبوت و اثبات دونوں ظنی اور طلب کف مؤکد غیر جازم

مکروہ تنزیہی و خلاف اولیٰ:

(۹) ثبوت قطعی، اثبات شکی اور طلب کف جازم
(۱۰) ثبوت شکی، اثبات قطعی، اور طلب کف جازم
(۱۱) ثبوت ظنی اثبات شکی اور طلب کف جازم
(۱۲) ثبوت شکی اثبات ظنی اور طلب کف جازم
(۱۳) ثبوت شکی اثبات شکی اور طلب کف جازم
(۱۴) ثبوت قطعی اثبات شکی اور طلب کف مؤکد
(۱۵) ثبوت شکی اثبات قطعی اور طلب کف مؤکد
(۱۶) ثبوت ظنی اثبات شکی اور طلب کف مؤکد
(۱۷) ثبوت شکی اثبات ظنی اور طلب کف مؤکد
(۱۸) ثبوت شکی اثبات شکی اور طلب کف مؤکد
(۱۹) ثبوت قطعی اثبات قطعی اور طلب کف محض ترغیبی
(۲۰) ثبوت قطعی اثبات ظنی اور طلب کف محض ترغیبی
(۲۱) ثبوت قطعی، اثبات شکی اور طلب کف محض ترغیبی
(۲۲) ثبوت ظنی اثبات قطعیا ور طلب کف محض ترغیبی
(۲۳) ثبوت ظنی اثبات ظنی اور طلب کف محض ترغیبی
(۲۴) ثبوت ظنی اثبات شکی اور طلب کف محض ترغیبی
(۲۵) ثبوت ظنی اثبات شکی اور طلب کف محض ترغیبی
(۲۶) ثبوت شکی اثبات قطعی اور طلب کف محض ترغیبی
(۲۷) ثبوت شکی اثبات ظنی اور طلب کف محض ترغیبی

مجھے صرف نمونہ پیش کرنا تھا جس کے لیے مذکورہ ابحاث کو کافی سمجھتا ہوں ورنہ ان کی تصانیف خصوصا ''فتاوی رضویہ'' میں کتب فقہ اور اقوال علما پر ان کا کلام پھر مباحث کی تحقیق و تنقیح اور واضح وقوی دلائل سے اپنے مدعا کی توضیح اس کثرت سے موجود ہے کہ سب کو جمع کیا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل کتاب تیار ہو جائے اور ایک محقق کے لیے برسوں کا کام ہو۔ تاہم مضمون میں جو چند نمونے پیش کیے گئے ہیں ان سے امام احمد رضا کی جودت قلم، سرعت فکر، دقت نظر، کمال استحضار اور فقاہت میں رسوخ و تبحر عیاں ہے۔

اسباب ستہ سے متعلق امام احمد رضا کے افادات:

ذیل میں امام احمد رضا کی تصنیفات سے اخذ کر کے چند اصولی افادات درج کرتے ہیں:

(۱) تبدیلی احکام میں اسباب ستہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں ان چھ اسباب میں سے کوئی سبب متحقق ہو تو قول امام بدل جاتا ہے اور قول ضروری پر عمل ہوتا ہے اس تعلق سے امام احمد رضا قدس سرہ افادہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

مثل ذلک یقع فی اقوال الائمة اما لحدوث ضروة اوحرج اوعرف اوتعامل او مصلحة مهمة تجلب

او مفسدة ملمة تسلب وذلک لا ن استثناء الضرورات ودفع الحرج ومراعاة المصالح الدينية الخالية عن مفسدة تربو عليها ودرء المفاسد والا خذ بالعرف والعمل بالتعامل الخ

(فتاوی رضویہ کتاب الطهارة ص ۳۸۵/ ج ۱)

جس کا خلاصہ خود انہیں کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

چھ باتیں ہیں جن کے سبب قول امام بدل جاتا ہے، لہٰذا قول ظاہر سے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں: (۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل کسبی (۶) فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ ان سب میں بھی حقیقۃً قول امام ہی پر عمل ہے۔ (فتاوی رضویہ کتاب الطہارۃ، ج ۱/ص ۳۸۵)

(۲) احکام شرع کی ایضاح وتعیین میں شئی کے مراتب کا رول کلیدی ہوتا ہے اور انہیں مراتب کے فرق کی وجہ سے احکام میں بھی فرق پڑتا ہے ظاہر ہے کہ مرتبۂ ضرورت مرتبۂ حاجت سے مافوق ہے اور مرتبۂ حاجت مرتبۂ منفعت سے اور مرتبۂ منفعت مرتبۂ زینت سے، غرض صحیح کے یہی چار مراتب ہیں لیکن اصل چیز ان میں سے ہر ایک کے دائرہ مفہوم اور دائرہ اثر کا صحیح ادراک ہے اس فہم وادراک کے بغیر فرق احکام بہت مشکل ہے اس تعلق سے امام احمد رضا نے جو تعارف نامہ پیش کیا ہے اور پانچوں مراتب میں سے ہر ایک کے مفہوم کی وضاحت کی ہے وہ پڑھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم یہاں فتاوی رضویہ جلد اول سے اس پورے چشم کشا اقتباس کو نقل کر رہے ہیں تاکہ کوئی خفا و پوشیدگی نہ رہ جائے آپ فرماتے ہیں: اقول وباللہ التوفق مراتب پانچ ہیں ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول۔

(۱) ضرورت: یہ ہے کہ اس کے بغیر گزر نہ ہو سکے جیسے مکان میں جحر یتدخلہ وہ سوراخ جس میں آدمی بزور سما سکے، کھانے میں لقیمات یقمن صلبه چھوٹے چھوٹے چند لقمے کہ سد رمق کریں ادائے فرائض کی طاقت دیں لباس میں خرقۃ تواری عورتہ اتنا ٹکڑا کہ ستر عورت کرے۔

(۲) حاجت: یہ کہ بے اس کے ضرر ہو جیسے مکان اتنا کہ گرمی جاڑے برسات کی تکلیفوں سے بچا سکے کھانا اتنا کہ جس سے ادائے واجبات وسنن کی قوت ملے کپڑا اتنا کہ جاڑا روکے اتنا بدن ڈھکے کہ جس کا کھولنا نماز و مجمع ناس میں خلاف ادب وتہذیب ہے۔

(۳) منفعت: یہ کہ بغیر اس کے ضرر تو موجود نہیں مگر اس کا ہونا اصل مقصود میں نافع ومفید ہے جیسے مکان میں بلندی ووسعت کھانے میں سرکہ چٹنی لباس نماز میں عمامہ

(۴) زینت: یہ کہ مقصود سے محض بالائی زائد بات ہے جس سے ایک معمولی افزائش حسن وخوشنمائی کے سوا اور نفع وتائید غرض نہیں جیسے مکان کے درون میں محرابیں، کھانے میں رنگتیں کہ قورمہ خوب سرخ ہو، فرنی نہایت سفید براق ہو، کپڑے میں بخیہ باریک ہو، قطع میں کج نہ ہو۔

فضول: یہ کہ بے منفعت چیز میں حد سے زیادہ توسع وتدقیق جیسے مکان میں سونے چاندی کے کلس، دیواروں پر قیمتی غلاف، کھانا کھانے پر میوے شیرینیاں پائچے گٹوں سے نیچے

اول: مرتبۂ فرض میں ہے، دوم: واجب وسنن مؤکدہ، سوم وچہارم سنن غیر مؤکدہ سے مستحبات وآداب زائدہ تک پنجم باختلاف مراتب مباح ومکروہ تنزیہی وتحریمی سے حرام تک۔ (فتاوی رضویہ کتاب الطہارۃ ص ۱۵۸/ج ۱)

اسی مفہوم کو قدرے وضاحت کے ساتھ ''جلی النص فی أماکن الرخص'' میں آپ نے بایں الفاظ تحریر کیا ہے: علماء فرماتے ہیں مراتب پانچ ہیں: (۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) منفعت (۴) زینت (۵) فضول) فاقول پانچ چیزیں ہیں جن کے حفظ کو اقامت شرائع الہیہ ہے دین وعقل ونسب ونفس ومال عبث محض کے سوا تمام افعال انھیں میں دورہ کرتے ہیں اب اگر فعل (کہ ترک بمعنی کف کو کہ وہی مقدور وزیر تکلیف ہے نہ بمعنی عدم کما فی الغمز

وغیرہ بھی شامل) اگران میں کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے یہ فوت یا قریب فوت ہوتو یہ مرتبہ ضرورت ہے جیسے دین کے لیے تعلیم ایمانیات وفرائض عین عقل ونسب کے لیے ترک خمروزنا نفس کے لیے اکل وشرب بقدر قیام بنیہ مال کے لیے کسب ودفع غصب وامثال ذلک اور اگر توقف نہیں مگر ترک میں لحوق مشقت وضرور وحرج ہے تو حاجت ہے جیسے معیشت کے لیے چراغ کہ موقوف علیہ نہیں ابتدائے زمانہ رسالت علی صاحبھا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ میں ان مبارک مقدس کا شانوں میں چراغ نہ ہوتا ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں والبیوت مصابیح رواہ الشیخان مگر عامہ کے لیے گھر میں بالکل روشنی نہ ہونا ضرور باعث مشقت وحرج ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو مگر حصول مفید ہے نفس فائدہ مقصودہ اس سے حاصل ہوتا ہے تو منفعت جیسے مکان کے ہر دالان میں ایک چراغ اور اگر فائدہ مقصودہ کی تحصیل اس پر نہیں بلکہ ایک امر زائد زیب وزیبائش بقدر اعتدال کے لیے ہے تو زینت جیسے چراغ کی جگہ فانوس اور اگر اس سے اتنا فائدہ بھی نہیں یا اس میں افراط اور خروج عن الحد ہے تو فضول جیسے بے کسی نیت محمودہ کے گھر میں چراغاں''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۱۹۹)

اس تعلق سے مزید تفصیل کے لیے فقیر راقم الحروف کا رسالہ ''اسباب ستہ اور عموم بلوی کی توضیح وتنقیح'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(۳) کسی اہم اعتراض کے جواب یا کسی اہم امر کی تنقیح میں امام احمد رضا کو ید طولی حاصل تھا ان کی تنقیح وتطبیق اور تعبیر وتفہیم اس قدر دل نشین ہوتی ہے کہ قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا یہی میرے دل کی آواز ہے اور یہی حق وصحیح ولائق قبول ہے ان کے فتاوی اور حواشی میں جا بجا یہ مناظر آپ کو نظر آئیں گے سب کا احاطہ تو اس مختصر سی تحریر میں مشکل ہے۔ دو ایک مثالیں پیش کی جارہی ہیں

(الف) حمل اور رضاعت کی اکثر مدت اور اقل مدت کیا ہے اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ حمل کے سلسلے میں تو امام اعظم اور صاحبین کا اتفاق ہے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال اور کم سے کم مدت چھ ماہ ہے رضاعت کی مدت کے سلسلے میں اختلاف ہے امام اعظم کے نزدیک اس کی کم سے کم مدت دو سال اور زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال اور صاحبین کے نزدیک اکثر مدت صرف دو سال ہے فقہائے احناف کی طرف سے مذہب امام اعظم کی تائید میں جو استدلال پیش کیا جاتا ہے وہ قرآن کریم کی آیت کریمہ ہے:

''وحمله وفصاله ثلثون شهرا''.

اسے پیٹ میں لینا اور دودھ چھوڑانا تیس مہینہ ہے یعنی حمل کی مدت ڈھائی سال ہے اور دودھ چھوڑنے کی مدت ڈھائی سال لیکن حمل کی مدت صرف دو سال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت کی وجہ سے قرار پائی جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بچہ پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا۔

مسئلہ غیر قیاسی ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع کے حکم میں ہے جو خبر واحد ہے اور آیت مؤول ہونے کی وجہ سے بلحاظ معنی ظنی ہے لہٰذا خبر واحد سے اس کی تخصیص ہوسکتی ہے۔

محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے اس استدلال پر ایک تو یہ اعتراض وارد فرمایا کہ ''ثلثون'' کے لفظ سے تیس اور چوبیس دونوں معنی مراد لینا حقیقت ومجاز کو جمع کرنا ہے دوسرے یہ کہ اسمائے عدد کی حیثیت علم کی ہوتی ہے اس لیے ایک مخصوص عدد سے دوسرا عدد بطور مجاز بھی مراد نہیں لیا جاسکتا، علامہ رحمتی نے تو دونوں کا واضح جواب دیا یہاں دو مبتدا ہیں وہ مذکور ہیں ایک کی خبر لفظ ثلاثون ہے جو مذکور ہے اور دوسرے مبتدا کی خبر دوسرا ثلاثون ہے جو یہاں مقدر ہے ایک ثلاثون سے معنی حقیقی مراد ہے یعنی تیس اور دوسرے ثلاثون سے معنی مجازی یعنی چوبیس امام احمد رضا نے جد الممتار باب الرضاع میں جو جواب دیا ہے وہ ایسا جامع ہے کہ استدلال پر وارد ہونے والے سارے اعتراضات دفع ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''قوله: فلا جمع فی لفظ واحد، اقول: علی انا لا نقول بالتاویل اعنی ارادة اربعة وعشرین من ثلثین بل بالتخصیص، وذلک ان الآیة ظنیة فجاز تخصیصها

بجز الواحد، وحینئذ یرتفع الایراد ان من راس''.

(جد الممتار، ج:۲رص:۸۲۸،المجمع الاسلامی مبارکپور)

''اقول پھر یہ کہ ہم تاویل کے قائل نہیں، یعنی یہ نہیں کہتے کہ ثلاثون (تیس) سے چوبیس مراد لیا گیا بلکہ ہم تخصیص کے قائل ہیں اور آیت بلحاظ معنی چونکہ ظنی ہے اس لیے خبر واحد سے اس کی تخصیص ہوسکتی ہے''۔

اس جواب سے علامہ ابن ہمام کے دونوں اعتراضات مندفع ہو جاتے ہیں۔ اس جواب سے فقہ کے اصول پر امام احمد رضا کی وسعت نظر اور کمال استحضار عیاں ہے۔

کیا تہجد کی تیاری کے لیے عشا کی جماعت اولیٰ ترک کرنی جائز ہے؟ اس سوال کے جواب میں اکابر دیوبند نے سخت ٹھوکر کھائی جب یہی سوال امام احمد رضا سے ہوا تو آپ نے اس کا حکم اصول وجزئیات سے ایسا مبرہن کیا کہ آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور دل سرور وانبساط سے بھر جاتا ہے جواب تو طویل ہے مگر یہاں جو اصولی گفتگو کی گئی ہے، فقیر صرف انھیں چند جملوں کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں:

عذر مذکور فی السوال سرے سے بیہودہ وسراپا اہمال ہے وہ زعم کرتا ہے کہ سنت تہجد کا حفظ و پاس اسے تفویت جماعت پر باعث ہوتا ہے اگر تہجد بروجہ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوت واجب سے اس کی مخالفت کرتا نہ کہ الٹا فوت کا سبب ہوتا۔

بایں ہمہ اگر اس تقدیر ضائع وفرض خلاف واقع کا مان لینا ہی ضرور تو جماعت اولیٰ پر تہجد کی ترجیح محض باطل ومہجور اگر حسب تصریح عامہ کتب تہجد مستحب وحسب اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانیے جب تو ظاہر کہ واجب ومستحب کی کیا برابری نہ کہ اس کو اس پر تفضیل وبرتری اور اگر تہجد میں اعلیٰ الاقوال کی طرف ترقی اور جماعت میں ادنی الاحوال کی جانب تنزل کر کے دونوں کو سنت ہی مانیے تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں جماعت بر تقدیر سنیت بھی تمام سنن حتی کہ سنت فجر سے بھی اہم وآکد واعظم ہے ولہٰذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے اور سمجھے کہ سنتیں پڑھے گا تو تشہد نہ ملے گا تو بالاجماع سنتیں ترک کر کے جماعت میں مل جائے۔

(فتاوی رضوی ج سوم ص ۳۴۲۔۳۳۰)

اصول فقہ کی کتابوں میں وجوہ فاسدہ کا ذکر ملتا ہے یہ وہ وجوہ ہوتے ہیں جو نصوص کی دلالت اربعہ کے علاوہ ہوتی ہیں، استدلال اگر عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص یا اقتضاء النص سے ہے، جب تو وہ استدلال درست اور احناف کے نزدیک قابل قبول ہے، لیکن ان چار کے علاوہ کسی اور امر سے استدلال فاسد ونا قابل اعتبار ہے۔ ان میں سے ایک مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی وجہ بھی شامل ہے یعنی مطلق کو علی الاطلاق مقید پر محمول کرنا حنفیوں کے نزدیک ایک وجہ فاسد ہے ہاں اگر حکم اور واقعہ ایک ہو تو حنفیوں کے نزدیک بھی مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا لیکن اس میں بھی تفصیل ہے جس کا ذکر عام کتابوں میں تو نہیں ملتا لیکن بعض علمائے اصولین کی عبارتوں میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے امام احمد رضا قدس سرہ کی دقت نظری تھی کہ ایسے مخفی نکات کو بھی وہ کلام علماء سے برآمد فرما لیتے ہیں اس کی ایک جھلک قربانی شدہ جانور کا مسئلہ ہے کہ اس کو کلاّ یا بعضا کسب زر کے لیے بیچنا ممنوع وناجائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث پاک ہے جس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کلوا وادخروا وأتجروا'' کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔ کار ثواب عام ہے جو تمام امور خیر کو شامل ہے خاص فقراء پر صدقہ کرنا مراد نہیں ہے۔

لیکن کوئی کہہ سکتا ہے یہ حدیث عام صدقہ خاص پر محمول ہے کیونکہ بخاری ومسلم وغیرہ کتب احادیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ایتجروا کے بجائے تصدقوا کا لفظ آیا ہے دونوں حدیثوں میں تطبیق کے لیے کیوں نہ لفظ ایتجروا (ثواب کا کام کرو) کو صدقہ پر محمول کیا جائے کیونکہ اصول کا مسئلہ ہے کہ جب حکم اور حادثہ وواقعہ ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور مسئلہ دائرہ میں ایسا ہی ہے کہ دونوں حدیثوں

میں حادثہ وواقعہ قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ابو داؤد شریف کی حدیث میں صدقہ کا حکم مطلق ہے اور صحیحین بخاری و مسلم کی حدیث میں صدقۂ مقید کا لہٰذا ابو داؤد شریف والی حدیث میں بھی مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے صدقہ فقراء ہی مراد لیا جانا چاہیے۔

اس کے جواب میں امام احمد رضا نے اپنے رسالہ ''الصافیة الموحیه لحکم جلود الاضحیه'' میں بڑی چشم کشا گفتگو فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''قلت کلا فان الامر ههنا لیس للوجود باجماع عامة علماء الامة منهم ساداتنا الائمة الاربعة رضی الله تعالیٰ عنهم وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکله کله ولم یتصدق بشئی منه لا شئ علیه ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینافی الترغیب والترخیص فی مطلق فلا معنی للحمل ولا داعی الیه وسر المقام ان الحمل عندنا. ضروری لایصار الیه الا لضرورة وهو ان یتمانعا بحیث لا یمکن العمل بهما احیث لا تمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقه حملا للفظ علی ظاهره وعملا بالدلیل بتمامه، الی آخره''.

(فتاوی رضویہ ج ہشتم ص ۴۹۶)

اس کا حاصل یہ ہے جب حکم وحادثہ ''واقعہ'' ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا مگر یہ ضابطہ عام نہیں کہ واجب، مستحب، مباح سب کو شامل ہو بلکہ یہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ خاص ہے کہ حکم وجوبی میں جب حکم وواقعہ متحد ہو تو اس وقت مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا نہ کہ احکام مستحبات وغیرہ میں اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے وہ استحبابی ہے نہ کہ وجوبی اور اس پر عام علما وائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے لہٰذا مسئلہ قربانی میں مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک حدیث میں ائتجار یعنی کارِ ثواب میں صرف کرنے کی ترغیب دی ہے تو اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے اور دوسری حدیث میں تصدق کا لفظ ارشاد ہوا ہے تو اس سے تصدق علی الفقراء مراد لیں گے یعنی مطلق مطلق رہے گا اور مقید مقید۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا حکم مجبوری وضروری کی صورت میں ہے، یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محمل پر عمل کرنا ممکن نہ ہو اور جہاں ممکن ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجبوری کی صورت دونوں حکموں کا باہم متعارض ہونا ہے نہ کہ حکم وحادثہ کا متحد ہونا، یہی وجہ ہے کہ مطلق ومقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ ایک شئی کے چند اسباب ہو سکتے ہیں لہٰذا تعارض نہیں تو حمل کی بھی ضرورت نہیں جیسا کہ توضیح وتلویح وغیرہ میں ہے، یہی وجہ ہے اگر ایک ہی حادثے میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو اور دوسرے میں مقید کی نفی تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا کہ ان دونوں میں تعارض نہیں اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ علامہ ابن ھمام کے حوالے سے فرماتے ہیں حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا حکم بضرورت ہے اگر مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر مجبوری کے تحت محمول کیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے کفارہ قسم میں مطلق تین روزہ رکھنے کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا: صیام ثلثۃ ایام۔ لیکن حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ثلثۃ ایام متتابعات یعنی پے در پے تین روزہ رکھے۔ یہاں حادثہ ایک ہے یعنی کفارہ کا روزہ اور دو متعارض حکم واجب کیا گیا اہل قرأت کے پہلی قرأت کی روشنی میں حکم یہ ہوگا کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ ادا ہو جائے گا اور حضرت ابن مسعود کی قرأت کا تقاضا یہ ہے کہ پے در پے تین روزہ رکھنا واجب ہے لہٰذا ان دونوں حکم وجوبی متعارض میں تطبیق کی ضرورت کے پیش نظر مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا بحر العلوم ملا عبد العلی فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے فواتح الرحموت میں۔ ملا محبّ اللہ بہاری علیہ الرحمہ کی مسلم الثبوت کی عبارت کی روشنی میں یہ صراحت فرمائی

کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے، احکام مستحبہ اور مباحہ کے ساتھ نہیں اس لیے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اسی دفع تعارض کے پیش نظر مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حکم وحادثہ ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، یہ علی الاطلاق درست نہیں کیونکہ حمل کا دار ومدار حادثہ واحدہ پر نہیں بلکہ تعارض پر ہے۔ اگر مطلق ومقید متعارض ہیں تو دفع تعارض کی ضرورت کے پیش نظر مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، ورنہ نہیں۔ (الصافیۃ الموحیہ مشمولہ فتوی رضویہ، ج ہشتم، ص ۴۹۶/۴۹۷)

اس قسم کے اصولی افادات امام احمد رضا کی تحریروں خاص کر ان کے فتاوی میں جا بجا ملتے ہیں جن سے اصول فقہ میں بھی ان کی غیر معمولی رسوخ ومہارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ فرد واحد میں اتنے علوم وفنون کی مہارت خداداد شئی ہے، یہ صرف کسبی نہیں بلکہ وہبی وعطیۂ ربانی ہے۔ فی الحال بڑی عجلت میں یہ چند افادات نذر قارئین کر دیئے گئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فرصت ملی تو اس موضوع پر طویل مقالہ تحریر کیا جائے گا جو امام احمد رضا قدس سرہ کے بیان کردہ فقہی اصول کے کثیر افادات پر مشتمل ہوگا۔

اصول افتا سے متعلق امام احمد رضا کے افادات:

ماضی قریب میں حنفی فقہ وافتا اور ان کے اصول کو نئی جلا بخشنے والوں میں امام احمد رضا کا نام سرفہرست آتا ہے، جنہوں نے امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک مہذب کو اردو اور عربی زبان میں اپنی کتب ورسائل وفتاویٰ وتعلیقات کے ذریعہ ایسا منقح فرمایا کہ آنے والی کئی صدی تک کے لے مسلک حنفیت کے متبعین کو رسم افتا اور فقہ واصول کے اکثر ابواب کے حل سے بے نیاز کر دیا۔ اصول افتاء بھی ایک طویل الذیل موضوع ہے لیکن ہم یہاں اجمال واختصار کے ساتھ امام احمد رضا کے چند افادات کا ذکر کر رہے ہیں۔

افتا کا معنی ومفہوم:

امام احمد رضا نے افتا کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرمایا " انما الا فتاء ان تعتمد علی شئ و تبین لسائلك ان هذا حکم الشر ع فی ما سئلت "

افتا کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی چیز پر اعتماد کریں اور سائل کو بتائیں کہ تم نے جو سوال کیا ہے اس میں شرع کا یہ حکم ہے۔ حکم شرع پر جزم کے متعدد طریقے ہیں۔ جن میں سے ایک طریقہ افتاء کے اصول کو مد نظر رکھنا بھی ہے۔ اور اسی کا بیان یہاں مقصود ہے متقدمین فقہاء واصولیین نے فتویٰ دینے کے لیے درجۂ اجتہاد پر فائز ہونا شرط قرار دیا ہے کیوں کہ جب تک فتویٰ دینے والے کو حکم کی دلیل کا علم نہ ہو اسے فتویٰ دینے کی اجازت نہیں۔ لیکن۔ کیا اس زمانے میں بھی یہ شرط ہے؟ امام احمد رضا اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں یہ شرط عصام کے زمانے میں تھی اب ہمارے زمانے میں صرف امام ابوحنیفہ کے اقوال کو یاد کر لینا کافی ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے، امام کے قول پر فتویٰ دینا حلال بلکہ واجب ہے اگر چہ اس کی دلیل معلوم نہ ہو۔ (فتاوی رضویہ، جدید ۱/ ۹۸)

مزید اس کی توضیح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

فتویٰ کی دو قسمیں ہیں، عرفی اور حقیقی، حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے یہی فتویٰ دیا ہے۔ فقیہ ابو جعفر اور فقیہ ابو اللیث اور ان کے امثال نے۔ عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو اقوال بتا دے، وہ خود دلیل کو نہ جانتا ہو محض تقلید کے طور پر ایسا کرے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فتاویٰ ابن نجیم، غزی، طوری، اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانے میں فتاویٰ رضویہ ہے۔

(اجلی الاعلام فتاویٰ رضویہ ۱/۱۰۹)

بحث وگفتگو کے بعد بطور نتیجہ ارشاد فرمایا:

حاصل کلام یہ ہے کہ طبع سلیم جو انصاف سے کہتی ہے وہ یہ ہے

کہ ہمارے زمانے میں مفتی کا کام صرف یہ ہے کہ جو ہمارے مشائخ نے لکھا ہے اس کو نقل کردے۔ (ایضا ۱/۱۰۱)

مجتہد کے لیے دلیل شرعی اصول اربعہ ہیں، اور ہمارے لیے قولِ مجتہد۔ صرف ایسی ہی جگہ علماء کرام حکم بالجزم لکھتے ہیں۔ اس کے سوا اگر کسی عالم مجتہد نے کسی امر کی بحث کی تو ہرگز اس مسئلے کو یونہی نہیں لکھ جاتے کہ حکم یہ ہے، صراحتاً بتاتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے، تا کہ منقول فی المذہب نہ معلوم ہو، اور جس کا خیال ہے اس کے ذمہ رہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۸/۴۱۷)

فتویٰ دینا کسے حلال ہے؟

آج کل چند درسی کتابیں پڑھ پڑھا لینے سے بعض لوگ اپنے آپ کو مفتی کہلانے لگتے ہیں، اور بزعم خویش دارالافتاء کے مفتی بن بیٹھے ہیں اور بعض کا حال تو یہ ہے کہ حکم شرع کی انھیں معلومات ہو یا نہ ہو فتویٰ دینے میں بڑے جری و بے باک ہوتے ہیں، آج عملی اعتبار سے قوم کی زبوں حالی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ حالانکہ فتویٰ دینا تلوار کی دھار پر چلنے کے مرادف ہے۔ حضرت عطا بن سائب جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے فتویٰ دینے والے بزرگوں کو بچشم خود دیکھا ہے کہ جب وہ فتویٰ دیتے تو ان کے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی''

امام احمد رضا نے اس سلسلے میں ایک غامض پہلو کی جانب اشارہ فرمایا ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں: طب کی طرح افتا بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتا اس میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ۱۰/ ۲۳۱)

علامہ شامی علیہ رحمۃ الباری نے تو یہ ''شرح عقود'' میں ماہر استاد سے تربیت حاصل کئے بغیر فتویٰ دینے والے کو جاہل قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو سخت سزا تک دینے کی بات کہی ہے۔

فتویٰ کس قول پر دیا جائے؟:

سراج الامۃ کاشف الغمۃ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر فتویٰ دینے سے متعلق امام احمد رضا کا ارشاد ہے:

''علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقاً قول امام پر فتویٰ دے، اور قاضی عموماً مذہب امام پر فیصلہ کرے یعنی جب کوئی ضرورت مثل تعامل المسلمین یا اجماع المرجحین علی الخلاف کے داعی ترک نہ ہو، کما فی مسئلتی جواز المزارعۃ و تحریم القلیل من المائع المسکر، اور حکم دیتے ہیں کہ قول امام پر فتویٰ دینے سے متعلق امام احمد رضا نے ایک مستقل محققانہ رسالہ '' اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام'' تحریر فرمایا ہے اس میں علامہ ابن شبلی کے فتویٰ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

قاضی اور مفتی کو امام کے قول سے انحراف جائز نہیں، ہاں اگر مشائخ میں سے کوئی اس امر کی صراحت کردے کہ فتویٰ غیر کے قول پر ہے۔ تو اگر کسی مسئلہ میں غیر کا قول راجح نہ ہو اور امام کی دلیل کو غیر کی دلیل پر ترجیح حاصل ہو۔ تو قاضی کو روا نہیں کہ وہ امام کے قول کے علاوہ کسی اور قول پر فتویٰ دے''۔ (رسالہ اجلی الاعلام مترجم)

ایک دوسری جگہ اپنے فتوے میں رقم طراز ہیں:

''محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتویٰ واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں، اگرچہ مشائخ مذہب قول صاحبین پر افتا کریں'' **اللھم الا لضعف دلیل او تعامل بخلاف نص علی ذلک العلامۃ زین بن نجیم فی البحر والعلامۃ خیر الدین الرملی فی فتاواہ و شیخ الاسلام صاحب الھدایۃ فی التجنیس و المحقق حیث اطلق فی الفتح والشریف الطحاوی والسید الشامی فی حواشی الدر و غیرھم من اجلۃ العلماء الکرام الغر کما بیناہ فی کتاب النکاح من العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ** '' (فتاویٰ رضویہ قدیم، ۳/۱۷۶)

وقف و قضا کے مسائل میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر فتویٰ دئے جانے سے متعلق مجدد موصوف نے تحریر فرمایا:

ہاں علماء نے مسائل وقف و قضا کی نسبت بے شک فرمایا کہ

وہاں غالباً قول ثانی پر فتویٰ ہے اس سے ہر وہ امر کہ زیر قضاء آسکے مرا دنہیں، تاکہ امثال صوم کے سوا نکاح و بیع و ہبہ و اجارہ و رہن وغیر ہا تمام ابواب فقہ کو عام ہو جائے۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ۳/۵ ۲۷۴)

مختلف اقوال میں ترتیب:

کسی مسئلے میں اگر ائمہ حنفیہ کے مختلف اقوال ہوں تو فتویٰ دینے میں ترتیب کیا ہوگی؟ امام احمد رضا کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

"پہلے قول امام، پھر امام یوسف، پھر امام محمد، پھر امام زفر و امام حسن بن زیاد"۔ درمختار میں ہے: "**یا خذ القاضی کا لمفتی بقو ل ابی حنیفة علی الاطلا ق ثم بقو ل ابی یو سف ثم بقول محمد ثم بقو ل زفر و الحسن بن زیا د ھو الاصح**"

(فتاویٰ رضویہ جدید، ۳/۴ ۲۷۴)

رسالہ اجلی الاعلام میں شرح العقود کے حوالے سے ہے۔

"جب کسی مسئلے میں امام ابو حنیفہ کا قول موجود نہ ہو تو امام یوسف کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر امام محمد کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر زفر و حسن وغیرہم کے ظاہر قول کو لیا جائیگا پہلے بڑے کا قول پھر اس کے بعد والے کا علی الترتیب" (ایضاً مترجم ۱/۷ ۱۵)

قول امام سے عدول کی صورت:

چھ باتیں ہیں جن کے سبب قول امام بدل جاتا ہے لہٰذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں (۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ، ان سب میں بھی حقیقةً قول امام ہی پر عمل ہے۔ (ایضاً ۱/۵ ۳۸)

فتاویٰ رضویہ میں عقود الدریہ کے حوالے سے ہے۔

مفتی کو وہی فتویٰ دینا چاہئے جس میں اس کے نزدیک مصلحت ہو۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ۳/۷ ۳۱)

فتاویٰ رضویہ ہی میں ہے۔

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق و تیسیر پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضیق و تشدید، لہٰذا جہاں ایسی دقتیں وا قع ہوئیں علماء کرام انھیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بناپر مسلما ن تنگی سے بچیں۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ۱/۹ ۱۶)

چند اقوال میں وجوہ ترجیحات:

(۱) تصحیح کی آکدیة (۲) ایک کا متن میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا (۳) ایک کا شروح میں ہونا اور دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا (۴) ایک میں تعلیل کی گئی اور دوسرے میں نہ کی گئی (۵) استحسان ہو نا (۶) ظاہر الروایة ہونا (۷) وقف کے لئے زائد نفع بخش ہونا (۸) اکثر کا قول ہونا (۹۔۱۰) اہل زمانہ کے حق میں زیادہ مناسب ہونا۔ یا غیر معقول ہونا۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ۴/۴ ۲۷۴)

متون۔ شروح و فتاویٰ پر مقدم ہیں:

علماء ارشاد فرماتے ہیں: عمدہ ترین کتب مذہب متون ہیں پھر شروح، پھر فتاویٰ، عند التخالف متون سب پر مقدم ہیں اور فتاویٰ سب سے موخر (ایضاً ۴/۵ ۲۷۴)

متون شرح پر اور شروح فتاوی پر مقدم ہیں" (ایضاً ۴/ ۲۰۸)

ایک دوسرے مقام پر امام احمد رضا فرماتے ہیں: "وعندی مثل المتون و الشروح والفتاویٰ فی الفقه مثل الصحاح والسنن والمسانید فی الحدیث" میرے نزدیک فقہ میں متون، شروح اور فتاویٰ کا حال وہی ہے جو حدیث میں صحاح سنن اور مسانید کا حال ہے۔ (ایضاً قدیم ۴/ ۲۰۸)

اب ہم ذیل میں کتب متون، شروح اور فتاویٰ کی وہ فہرست پیش کررہے ہیں جن کی امام احمد رضا نے نشاندہی فرمائی ہے۔

کتب متون:

جیسے مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری، کنز الدقائق، وافی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، مختار، مجمع البحرین، مواہب الرحمٰن، ملتقیٰ، اور ایسی ہی دوسری کتابیں جو نقل مذہب کے لئے لکھی گئی ہیں

قنیہ جیسی کتاب نہیں کہ اس کا درجہ فتاویٰ سے زیادہ نہیں، اور میں نے دیکھا کہ تنویر الابصار میں قنیہ سے نقل شدہ روایات داخل ہیں جب کہ وہ امام محمد کی کتابوں میں منصوص مذہب سے متصادم ہیں یہ کتاب

الاشباہ فتویٰ کی نقول وابحاث سے بھری ہوئی ہے تو اس کا درجہ فتاویٰ ہی کا ہے یا شروح کا۔ یہ ذہن نشیں رہے اور علماء نے ہدایہ کو متون سے شمار کیا ہے باوجودیکہ وہ صورۃً شرح ہے۔'' (ایضاً ۲۱۰/۴)

کتب شروح:

جیسے کتب اصول کی شرحیں جوائمہ نے لکھیں، کتب اصول یہ ہیں جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر، اور حاشیہ بالا میں مذکورہ مختصرات کی شرحیں جو تحقیق پر مبنی ہوں اور مبسوط اما م سرخسی، بدائع ملک العلماء تبئین الحقائق، فتح القدیر، عنایہ، بنایہ، غا یۃ البیان، درایہ، کفایہ، نہایہ، حلیہ، غنیۃ، البحر الرائق، النہر الفائق، درر احکام، درمختار، جامع المضمرات، جوہرۂ نیرہ، ایضاح، اور ایسی ہی دیگر کتابیں میرے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں ۔جیسے غنیہ شرح شرنبلالی، حواشی خیرالدین رملی، درمختار، منحۃ الخا لق، اور ایسے ہی حواشی مجتبیٰ جامع الرموز شرح ابی المکارم جیسی کتابیں نہیں بلکہ سراج وہاج اور شرح مسکین بھی نہیں۔

کتب فتاویٰ:

جیسے خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانۃ المفتین، جواہر الفتاویٰ، محیطات، (محیط نام کی متعدد کتابیں ہیں) ذخیرہ، واقعات، ناطفی، وا قعات صدر شہید، نوازل فقیہ، مجموع النوازل، دولوالجیہ، ظہیریہ، عمدہ، کبریٰ صغریٰ تتمۃ الفتاویٰ، صرفیہ، فصول عمادی، فصول استروشی، جامع صغار، تاتارخانیہ، ہندیہ، اور ایسی ہی کتابیں۔ انہیں فتاویٰ میں منیہ بھی ہے۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا، قنیہ، رحمانیہ خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، اور ان کی برہان جیسی کتابیں نہیں، لیکن معروضات تو انمیں جو چھان بین اور تنقید اور تنقیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک شروح کے درجہ میں ہیں، جیسے فتاویٰ خیریہ اور علامہ شامی کی العقود الدر ریہ۔ اور مجھے امید ہے کہ میرا رب اپنے احسان وکرم سے میرے ان فتاویٰ کو بھی ان ہی کی سلک میں منسلک فرمائے گا کہ اہل کرم کے جام سے زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔ رہے فتاویٰ طوری اور فتاویٰ محقق ابن نجیم تو ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قابل اعتماد نہیں اور خدائے برتر ہی خوب جاننے والا ہے۔ (ایضاً ۲/۱۷۴)

کشف الظنون میں ہے کہ سراج الوہاج کو مولیٰ المعروف برکلی نے کتب متداولہ، ضعیفہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے اور حلبی نے فرمایا پھر اس کتاب کو مختصر کیا گیا اور اس کا نام جوہرۂ نیرہ ہوا۔

میں کہتا ہوں بلکہ جوہرۂ نیرہ ہے اور وہ کتب معتبرہ سے ہے جیسا کہ اس کی صراحت ردالمحتار میں موجود ہے۔ (ایضاً ۱۲۳/۳)

فقہا کے کلام میں احاطہ صور:

فقہا کے کلام میں تمام صورتوں کا احاطہ صراحت کے ساتھ ہونا ضروری نہیں، فقہاء بعض صورتیں ذکر کرتے ہیں۔ مگر ان کی مراد تمام تر صورتیں وہی ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''متون نہ متون جن کی وضع اختصار پر ہے بلکہ شروح میں بھی جن کا کام ہی تفصیل وتکمیل ہے صدہا جگہ احاطہ صور نہیں ہوتا بعض کی تصریح بعض کی تلویح کہ اشارت، دلالت اقتضاء فحوی سے مفہوم ہوں اور کبھی بعض یکسر مطوی، کما لا یخفیٰ علی من خدم کلماتھم وھذا من اعظم و جوہ العمیر فی ادراک الفقہ واللہ المیسر لکل عسیر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (جیسا کہ یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں جو مصنفین کی عبا رات پر کام کرتے ہیں۔ فقہ کے ادراک میں یہ مشکل مرحلہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان فرماتا ہے۔ (ایضاً ۵۲۲/۵)

مدعی ومدعیٰ علیہ:

اصل یہ ہے کہ مثبت وہ جو خلاف اصل کسی شئی کو ثابت کرے کہ جو بات مطابق اصل ہے خود اسی اصل سے ثابت، ثابت کیا محتا ج اثبات ہوگا۔ لہٰذا شرع مطہر میں گواہ اس کے مانے جاتے ہیں جو خلاف اصل کا مدعی ہو۔

اصول افتا میں امام احمد رضا قدس سرہ کے افادات کے یہ چند نمونے ہیں، جنھیں راقم الحروف نے بعجلت تحریر کیا ہے۔ انشاء اللہ تعا لیٰ فقیر جلد ہی اس موضوع پر مفصلاً ان کے افادات قلمبند کرکے اہل علم اور ارباب فقہ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ جن سے امام احمد رضا کے فکر وتفقہ کے مزید جلوے سامنے آئیں گے۔

امام احمد رضا اور علم فقہ العبادات (فقہ و فتاویٰ)

مقالہ نگار

علامہ قاضی فضل احمد مصباحی (بنارس)

حضرت مولانا مفتی قاضی فضل احمد مصباحی بن حضرت مفتی قاضی محمد نور پرویز صاحب قبلہ ستمبر ۱۹۶۹ء میں کٹیہار بہار میں پیدا ہوئے۔آپ کا تعلق مشہور علمی گھرانہ سے ہے۔آپ کے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے زبردست عالم و فاضل اور حضرت علامہ ہدایت اللہ جونپوری علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے۔آپ کے والد ماجد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کے تلمیذ رشید ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے خاص فیض یافتہ شاگرد ہیں۔قاضی فضل احمد مصباحی کی ابتدائی تعلیم گاؤں و علاقائی مدارس میں ہوئی، پھر مدرسہ حنفیہ کشن گنج (بہار) میں درس نظامی کے متوسط درجات کی تعلیم پائی۔ یہاں فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی مضطر پورنوی سے شرف شاگردی حاصل ہوا۔سال ۱۹۸۶ء میں جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں داخل ہوئے اور ۱۹۸۹ء میں جامعہ اشرفیہ سے شعبہ فضیلت کی تکمیل کی ۔ جامعہ عربیہ ضیاء العلوم (بنارس) کے اعلیٰ مدرس اور مفتی ہیں۔ضلع کٹیہار کے قاضی شرع بھی ہیں۔مجلس شرعی (مبارکپور) اور شرعی کونسل (بریلی شریف) میں مقالات کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں۔درجن بھر کتابوں کے مصنف ہیں اور قریباً ڈیڑھ سو علمی و فقہی مقالات ومضامین آپ نے رقم فرمائے۔ بہت سے مضامین ومقالات ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔مفتی موصوف بدمذہبوں سے متعدد تحریری و تقریری مناظرے بھی فرما چکے ہیں، جن میں اہل سنت کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

رابطہ نمبر:9415665303

امام احمد رضا اور فقہ العبادات

فقہ اسلامی ایک تعارف

فقہ علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ وسیع اور دقیق علم ہے۔ یہ جہاں ایک طرف قرآن، حدیث، اقوال صحابہ، اجتہادات فقہا، جزئیات وفروع، راجح ومرجوح اور امت کی واقعی ضروریات کے ادراک کے ساتھ زمانے کے بدلتے حالات کے تناظر میں دین کی روح کو ملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کا نام ہے وہیں دوسری طرف طہارت ونظافت کے مسائل سے لیکر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب واخلاق اوران تمام چیزوں کواپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جن کا تعلق حلت وحرمت اوراباحت وعدم اباحت سے ہے۔

فتاویٰ کا میدان فقہ سے وسیع تر ہے، اس لیے کہ فتاویٰ میں ایمانیات، فرق وملل، تاریخ وسیرت، تصوف وسلوک، اخلاق وآداب، عبادات ومعاملات، معاشرت وسیاسیات کے ساتھ قدیم وجدید مسائل کا حل، اصولی وفروعی مسائل کی تشریح وتطبیق جیسے امور بھی شامل ہوتے ہیں۔

فتویٰ کا لغوی معنیٰ ہے کسی سوال کا جواب دینا۔ وہ سوال شرعی ہو یا غیر شرعی۔ لیکن بعد میں یہ لفظ شرعی حکم معلوم کرنے کے معنیٰ میں خاص ہوگیا۔ قرآن مجید میں میں بھی یہ لفظ کئی مواقع میں استعمال ہوا ہے۔ اورارشاد باری ہے:

”قَالَتْ یٰاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ“ أ(النمل)

ترجمہ:۔”بولی اے سردارو میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو“۔دوسری جگہ ارشاد ہے:

”وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ“. (النساء)

ترجمہ:۔”اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

” الاثم ماحاک فی صدرک وان افتاک الناس عنه“.(مسند احمد، حدیث:۱۷۵۳۸)

یعنی تمہارے دل میں جس چیز کے کرنے میں تردد ہو اس کا کرنا گناہ ہے اگرچہ لوگ اس کے تعلق سے تمہیں فتویٰ دیں۔

مسند دارمی میں ہے:

”اجرؤکم علی الفتیاء اجرؤکم علی النار “(مسند دارمی ج:۱/ص:۱۳۲)

تم میں فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ جری وہ ہے جو آگ میں داخل ہونے میں زیادہ جری ہے۔شریعت کی اصطلاح میں زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق پیش آمدہ مسائل میں دینی رہنمائی کا نام فتویٰ ہے۔شرعی فتویٰ کسی مفتی یاعالم کی ذاتی رائے کا نام نہیں ہے۔جس پر عمل کرنا ضروری نہ ہو بلکہ فتویٰ قرآن وسنت کے مطابق اظہار حکم کا نام ہے جو ایک مسلمان کے لیے واجب العمل ہے۔

فقہ کی تعریف اور موضوع:

دین کی گہری سمجھ ہے اور اصطلاح شرع میں احکام عملیہ شرعیہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام فقہ ہے۔

عہد صحابہ وتابعین میں فقہ کا لفظ ہر قسم کے دینی احکام کے فہم پر بولا جاتا تھا جس میں ایمان وعقائد، عبادات واخلاق، معاملات، اور حدود وفرائض سب شامل تھے، یہی وجہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ کے ذریعہ فرمائی:

”هو معرفة النفس مالها وماعليها“ یعنی جس سے

انسان نفع ونقصان اور حقوق فرائض کو جان لے وہ فقہ ہے۔

مگر بعد میں جب علاحدہ طور پر ہرفن کی تدوین وتقسیم ہوئی تو فقہ عبادات ومعاملات اور معاشرت کے ظاہری احکام کے لیے خاص ہوگیا۔

فقہ کا موضوع: فعل مکلّف ہے جس کے احکام سے اس عمل میں بحث ہوتی ہے۔ فقہ کی غرض وغایت: سعادت دارین سے سرفراز ہونا

علم فقہ کی عظمت:

فقہ کی عظمت اہمیت کا اندازہ درجہ ذیل قول سے ہوتا ہے:

الفقه اشرف العلوم قدراً واعظمها اجراً واتمها عائدة واعمها فائدة واعلاها رتبة يملاء العيون نوراً والقلوب سروراً والصدور انشراحاً (الاشباه والنظائر)

علم فقہ تمام علوم میں قدر ومنزلت کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے اور اجر کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ اونچا ہے۔ علم فقہ اپنے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے بہت بلند ہے اور وہ آنکھوں کو نور اور جلا بخشتا ہے، دل کو سکون اور فرحت بخشتا ہے اور اس سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی نے فقہ کی عظمت کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے:

"وخير العلوم علم فقه لانه يكون الى العلوم توسلاً فان فقيهاً واحداً متورعاً على الف ذى زهد تفضل واعتلىٰ، تفقّه فان الفقه أفضل قائد الى البر والتقوىٰ، واسبح في بحور الفوائد .(در مختار ج: ۱/، ص: ۲۸/)

تمام علوم میں قدر ومنزلت اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر علم "فقہ" ہے۔ اس لیے کہ علم فقہ تمام علوم تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اسی وجہ سے ایک متقی فقیہ ہزار عابدوں سے بھاری ہوتا ہے۔ علم فقہ حاصل کرو کہ نیکی اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہر دن علم فقہ سے مستفید ہوتے رہو، اور اس کے سمندر میں غوطہ زنی کرتے رہو۔

دار قطنی اور بیہقی کی روایت بھی اسی معنی میں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ولفقيه واحد أشدُّ على الشيطان من الف عابد، ولكل شئ عماد وعماد الدين الفقه". (دار قطنی، ج:۳/ ص:۷۹)

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے اور ہر چیز کا ایک ستون ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔

لفظ فقہ قرآن مجید میں:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ"(سوره توبة)

ترجمہ:۔ تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

لفظ فقہ حدیث نبوی میں:

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من يرد الله به خيراً يفقهه فى الدين".(بخارى ومسلم كتاب العلم رقم حديث ۷۱)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔

فقہ اور فتاویٰ کی اہمیت:

علوم اسلامیہ میں فقہ وفتاویٰ کو جو حیثیت واہمیت حاصل ہے وہ سورج سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے اس لیے کہ یہ علم زندگی سے مربوط اور انسانی شب وروز سے متعلق وہم آہنگ ہے بلفظ دیگر اسلام کا نظام قانون بنیادی طور پر جن پاکیزہ عناصر سے مرکب ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو اسلامی شریعت کے مرکزی مصادر وماخذ ہیں۔ فقہ وفتاویٰ میں اسلامی نظام قانون، عدل وانصاف، توازن واعتدال، جامعیت وافادیت، جیسی امتیازی صفات کے لیے بے پناہ گنجائش ہے۔ ان کی وسعت وگہرائی

،سہولت پسندی، حیرت انگیز بے ساختگی، لچک اور انسانی فطرت کے ہم آہنگی تمام حقیقت پسندوں کے یہاں مسلم ہے جن کا دائرہ عمل پیدائش سے میراث تک اور عقائد سے لیکر معاملات وغیرہ امور تک محیط ہے۔

فقہ وفتاویٰ سب سے مشکل اور اہم علم ہے، ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ علما فرماتے ہیں چند سال درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے یا دو چار زور دار تقریر کر لینے کی وجہ سے آدمی فقیہ تو کیا فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام احمد رضا قدس سرہ رقمطراز ہیں:

''حاکم شرعی سلطانِ اسلام، یا ''قاضی مُولّٰی من قبلہ'' ہے، یا امورِ فقہ میں فقیہ بصیر' افقہِ بلد' نہ آج کل کے عام مولوی، آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازہ میں بھی داخل نہیں ہوتا، نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقت لسانی کوئی لیاقت جہاں درکار نہیں''۔(فتاویٰ رضویہ ج:۱۰ رص:۹۹ر)

مفتی دوطرح کا ہوتا ہے: (۱) مفتی مجتہد (۲) مفتی ناقل۔ اس زمانہ میں کوئی مفتی مجتہد نہیں ہاں البتہ مفتی ناقل ضرور پائے جاتے ہیں۔ لیکن مفتی ناقل بھی ہر کس وناکس کا منصب نہیں اس کے لیے کم ازکم اتنا علم تو ضرور چاہیے کہ وہ جان سکے کہ فقہا کے کتنے طبقے ہیں اور ان میں سے کون کس طبقہ پر فائز ہے قول راجح ومرجوح، ضعیف وصحیح واصح میں کامل امتیاز کر سکے، اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ کسی ماہر مفتی کی درگاہ میں زانوئے ادب تہہ کر کے خاص افتا کی مشق کی ہو۔ علما فرماتے ہیں اگر کوئی شخص مذہب کی تمام کتابیں حفظ کر لے مگر کسی ماہر استاذ سے خاص اس باب میں شرف تلمذ حاصل نہ کیا تو اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہ ہوگا۔ خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان المتقدمین شرطوا في المفتي الاجتهاد وهذا مفقود في زماننا فلا اقل من ان يشترط فيه معرفة المسائل بشروطها وقيودها التي كثيراً ما يسقطونها ولا يصرحون بها اعتماداً علیٰ فهم المتفقة و كذا لابد له من معرفة عرف زمانه وأحوال أهله والتخرج في ذلك علی أستاذ ماهر ولذا قال فی آخر منية المفتي لو ان الرجل حفظ جميع كتب اصحابنا لا بد ان يتلمذ للفتویٰ حتی يهتدی اليه''(شرح عقود رسم المفتی ص:۱۷۹)

ترجمہ:۔ بلا شبہ متقدمین نے مفتی کے لیے اجتہاد کی شرط لگائی ہے اور یہ ہمارے زمانہ میں مفقود ہے تو کم ازکم مفتی کے لیے اتنی شرط تو ہونی چاہیے کہ اس کو مسائل کی معرفت ان شرائط وقیود کے ساتھ ہو جنہیں فقہا اکثر حذف کر دیتے ہیں اور سمجھ والوں کی سمجھ پر اعتماد کرتے ہوئے ان قیود کو صراحۃً ذکر نہیں کرتے۔ یوں ہی مفتی کو اپنے زمانہ کے عرف وحالات سے بھی باخبر ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ کسی ماہر استاذ کی نگرانی میں مشق ممارست بھی ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ منیۃ المفتی کے آخر میں فرمایا ''اگر کوئی شخص اصحاب مذہب کی تمام کتابیں یاد کر لے جب بھی فتویٰ دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی ماہر استاذ سے شرف تلمذ حاصل کرے تاکہ اس کام کو صحیح طریقہ سے انجام دے سکے''۔

خود امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی ماہر استاذ کی نگرانی میں برسوں تربیت افتا کی مشق حاصل کی ہے۔ اس حقیقت کا اظہار انہوں نے ان الفاظ کے ذریعہ کیا ہے۔

''ردوہابیہ'' اور ''افتا'' یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے ان میں بھی طبیب حاذق کی مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک طبیب حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا مجھے وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ میں ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم کو بڑی کوشش وجانفشانی سے نکالا اور اس کی تائیدات مع تنقیح آٹھ ورق میں جمع کیں مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہ کے حضور پیش کیا تو انہوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہو گئے وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا

اثر باقی ہیں۔ (الملفوظ حصہ اول ص:۱۴۱)

فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا قدس سرہ نے تفصیل کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ سات سال تک فتویٰ لکھ کر میں والد گرامی کی خدمت میں پیش کرتا رہا اور جہاں ضرورت ہوتی وہ اصلاح فرما دیتے اس کے بعد مجھے اجازت دی کہ بغیر سنائے فتوے لکھ کر سائلوں کو دیدوں، آپ کے الفاظ یہ ہیں:

''مجھے چاردہم شعبان خیر وبشارت کو فتوے لکھنے پر مامور فرمایا جب کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمکی ہجرت سے ۱۲۸۶ھ سال تھے اور اس وقت میری عمر کے چودہ برس پورے نہ ہوئے تھے حتیٰ کہ میری پیدائش ہجرت کے برسوں سے دہم شوال ۱۲۷۲ھ میں ہے تو میں نے فتویٰ دینا شروع کیا اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت قدس سرہ اصلاح فرماتے سات برس کے بعد مجھے اذن فرما دیا کہ اب فتوے لکھوں اور بغیر حضور کو سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی یہاں تک رحمٰن عزوجل نے حضرت والا کو سلخ ذی القعدہ ۱۲۹۷ھ میں اپنے پاس بلایا۔ (فتویٰ رضویہ مترجم ج:۱ص:۸۷،۸۸)

سطور بالا سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ فقہ وفتویٰ بلفظ دیگر افتاء کا کام کتنا مشکل اور کس قدر اہم ہے۔ اس کے لیے وفور عالم کے ساتھ ماہر شیخ واستاذ کی نگرانی میں ایک لمبا عرصہ تک مشق وممارست بھی ضروری ہے۔ بغیر اس کے اس میدان میں قدم رکھنا بہت بڑی جرأت وجسارت کا کام ہے۔

فقہ وفتویٰ کی تاریخ:

فقہ وفتویٰ کی تاریخ کو عام طور پر چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

پہلا دور:۔ فقہ زمانہ رسالت میں۔

دوسرا دور:۔ فقہ زمانہ کبار صحابہ وخلفائے راشدین میں۔

تیسرا دور:۔ فقہ صغار صحابہ وتابعین کے دور میں۔

چوتھا دور:۔ فقہ کا وہ زمانہ جس میں اس نے باقاعدہ ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی۔

زمانہ رسالت میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ہی مفتی الثقلین اور من جانب اللہ منصب افتا پر فائز تھے۔ آپ نے فتویٰ کے ذریعہ ہر باب میں رہنمائی کی ہے۔ عبادات ومعاملات، معاشرت واخلاقیات وغیرہ میں آپ کے فتویٰ مشعل راہ ہیں۔ آپ کے مبارک عہد میں کوئی دوسرا فتویٰ دینے والا نہ تھا۔ البتہ آپ کبھی کبھی کسی صحابی کو دور دراز علاقہ میں قاضی ومفتی بنا کر بھیجتے تو وہاں منصب قضا وافتا سنبھالتے اور لوگوں کی شرعی رہنمائی کرتے جیسے حضرت معاذ بن جبل کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن بھیجا اور انہیں قرآن وسنت اور قیاس واجتہاد کے ذریعہ حکم شرعی بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

آپ کے بعد یہ ذمہ داری صحابہ کرام نے نبھائی اور احسن طریقے سے اس کو انجام دیا۔ صحابہ کرام میں اصحاب فتاویٰ تقریباً ایک سو تیس حضرات تھے جن میں مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ ان میں فتویٰ کے اعتبار سے سات صحابہ کرام ایسے ہیں جن کے فتاویٰ کثرت سے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت عمر بن خطاب (۲) حضرت علی بن ابی طالب (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود (۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (۵) حضرت زید بن ثابت (۶) حضرت عبداللہ بن عباس (۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان حضرات کے فتاوے اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہر صحابی کے مسائل وفتاویٰ کی کئی کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔

پھر تابعین کا زمانہ آیا اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہونے کی وجہ سے اسلام دور دراز علاقوں تک پھیل گیا اور تابعین فقہا کی ایک جماعت نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ اور کوفہ وبصرہ میں فقہ وفتاویٰ کی عظیم خدمات انجام دیں۔

فقہائے مدینہ:

فقہائے سبعہ یا فقہائے مدینہ طبقہ تابعین میں سے تھے، یہ ہم عصر تھے اور ان ہی کے ذریعہ فقہ وفتویٰ کا علم مدینہ میں پھیلا۔ فقہا کے نزدیک تابعین میں فقہائے سبعہ سب سے افضل ہیں ان کے

اسماء حسب ذیل ہیں:

(۱) سعید بن مسیّب (۲) عروہ بن زبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر (۴) خارجہ بن زید (۵۶) عبیداللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود (۶) سلیمان بن یسار (۷) ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام۔

فقہائے مکہ:

مکہ مکرمہ کے مشہور فقہا درج ذیل ہیں:

(۱) مجاہد بن جبیر (۲) عکرمہ مولیٰ ابن عباس (۳) عطا بن ابی رباح (۴) حکیم بن حزام۔

فقہائے کوفہ:

کوفہ کے مشہور فقہا درج ذیل ہیں:

(۱) علقمہ بن قیس نخعی (۲) مسروق بن اجدع ہمدانی (۳) عبیدہ بن عمرو سلیمان (۴) اسود بن یزید نخعی (۵) شریح بن حارث کندی (۶) ابراہیم بن یزید نخعی (۷) سعید بن جبیر (۸) عامر ابن شراحیل شعبی۔

فقہائے بصرہ:

بصرہ کے مشہور فقہا کے اسما درج ذیل ہیں:

(۱) انس بن مالک (۲) ابوالعالیہ رفیع بن مہران (۳) حسن بن ابوالحسن سیار (۴) ابوالشعثاء جابر بن زید (۵) محمد بن سیرین (۶) قتادہ بن دعامہ سدوسی۔

فقہ وفتاویٰ کی تدوین اور طریقۂ کار:

فقہ وفتاویٰ کی تدوین وترتیب کا باضابطہ سلسلہ اموی دور سے شروع ہوا اور عہد عباسی کی ابتدا سے مختلف علوم وفنون کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں فقہ کو فن کی حیثیت حاصل ہوئی۔

فقہ کا پہلا دور:

اس کی نشو ونما اور ابتدا کا ہے، جس کا سلسلہ دس ہجری تک جاری رہا۔

دوسرا دور:

اس کی وسعت کا ہے، جس کی مدت عہد صحابہ سے اکیاون ہجری تک رہی ہے۔

تیسرا دور:

اس کی پختگی وکمال اور تدوین کا ہے، جو صغار صحابہ کے دور سے دوسری صدی ہجری کے تقریباً نصف تک رہا۔ یہ وہ دور ہے جس کے بعد فقہ اسلامی کا دور تقلید شروع ہوجاتا ہے اور عہد نبوی سے بعد کی بنا پر لوگوں میں اسلاف جیسی فقاہت اور فقہ اسلامی میں درک وکمال باقی نہیں رہا، اس لیے عام طور پر لوگ ائمہ اربعہ کے فقہ وفتاویٰ کے پیروکار ہوگئے۔

تابعین میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استنباط مسائل میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے ہیں آپ کے پاس علما وفقہا کی ایک جماعت جمع ہوتی۔ خود امام اعظم اس جماعت کے صدر کی حیثیت سے شریک مجلس رہتے کوئی مسئلہ پیش آتا تو سب مل کر بحث ومباحثہ اور غور وغوض کرتے۔ جب سب کسی ایک بات پر متفق ہوجاتے تو امام اعظم اپنے تلمیذ خاص امام ابویوسف کو حکم دیتے کہ اس کو فلاں باب میں لکھ لو۔ اللہ عزوجل نے آپ کو ایسا لائق وفائق شاگرد عطا فرمایا کہ ان کی کوئی مثال نہیں اور انہوں نے فقہ وفتاویٰ کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچادیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک ہے ۔خلفائے عباسیہ کے دور سے لیکر گذشتہ صدی کے اوائل تک بیشتر اسلامی ممالک میں فقہ حنفی قانونی شکل میں نافذ ورائج رہا

طبقات فقہا:

فقہا کے سات طبقات ہیں۔

(۱) مجتہدین فی الشرع:

یہ وہ حضرات ہیں جو شرائط اجتہاد کا جامع ہونے کی وجہ سے تمام اجتہادی احکام کے استخراج کا ملکہ راسخہ رکھتے ہیں اور استنباط مسائل کے لیے قواعد واصول وضع کرتے ہیں۔

یہ اصول وفروع کسی میں دوسرے کی تقلید نہیں کرتے۔ جیسے ائمہ اربعہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی

اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۲) مجتہدین فی المذہب:

یہ وہ مجتہدین فی المذہب ہیں جو اصول وقواعد میں مجتہدین فی الشرع کی تقلید کرتے ہیں اور فروعی مسائل میں اپنے استاذ کے مقرر کردہ قواعد کی روشنی میں احکام کا استخراج فرماتے ہیں۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور جملہ تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳) مجتہدین فی المسائل:

یہ وہ حضرات ہیں جو اصول وفروع دونوں میں اپنے امام کے مقلد ہوتے ہیں اور اصول وفروع کسی میں اپنے کام کی مخالفت کی قدرت نہیں رکھتے اور وہ مسائل جن میں امام سے کوئی صریح روایت نہیں ان کا استنباط اپنے امام کے اصول موضوعہ اور مسائل متخرجہ کی روشنی میں کرتے ہیں۔ جیسے امام ابوبکر احمد خصاف، امام ابو جعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریج:

جو اجتہاد واستنباط کی اصلاً طاقت نہیں رکھتے، یہاں تک کہ امام کی جانب سے غیر مصرح مسائل کو بھی اصول موضوعہ اور مسائل متخرجہ سے معلوم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ۔البتہ امام کے قول مجمل کی تفصیل اور قول محتمل کی تعیین اپنی فہم ورائے سے کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رازی جصاص اور ان کے ہم رتبہ فقہا۔

(۵) اصحاب ترجیح:

یہ وہ حضرات ہیں جو فقاہت میں اصحاب تخریج سے بھی کم درجہ کے حامل ہیں۔ یہ حضرات اپنے امام کے منقول چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ یہ کہتے ہیں: **ھٰذا اولیٰ، ھٰذا اصح روایۃ، ھٰذا اوضح، ھٰذا اوفق للقیاس، ھٰذا ارفق للناس**۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری، علامہ برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ اور ان کے ہم رتبہ فقہا۔

(۶) اصحاب تمیز:

یہ وہ حضرات ہیں جو ظاہر الروایہ، ظاہر مذہب، اور روایت نادرہ میں فرق وامتیاز کی قدرت رکھتے ہیں۔ یوں ہی قول ضعیف اور قول قوی اور اقویٰ میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ جیسے اصحاب متون معتبرہ صاحب کنز عبداللہ بن احمد نسفی، صاحب مختار عبداللہ ابن محمود موصلی، اور صاحب وقایہ محمود بن احمد بن عبیداللہ بن ابراہیم محبوبی اور صاحب مجمع احمد بن علی بن ثعلب مظفر الدین۔ یہ حضرات اپنی کتابوں میں مردود اور ضعیف روایتیں ذکر نہیں کرتے۔

(۷) مقلدین محض:

یہ وہ حضرات ہیں جو نہ اصول میں اجتہاد کی طاقت رکھتے ہیں نہ فروع میں، نہ استنباط مسائل کی طاقت رکھتے ہیں نہ استخراج مسائل کی، نہ ترجیح کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ تمیز کی۔ بلکہ ہر قسم کی روایتیں اور ہر طرح کے اقوال اپنی کتابوں میں جمع کر دیتے ہیں۔ (ماخوذ از شرح العقود للعلامۃ الشامی (ص:۴۹ تا ص ۵۸)

طبقات مسائل:

مسائل تین طرح کے ہیں:

(۱) مسائل اصول:

اور انہی کو مسائل ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب مذہب یعنی امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اجمعین سے مروی ہیں اور کبھی کبھی ان مسائل پر بھی ظاہر الروایہ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جو امام زفر اور امام حسن یا امام اعظم کے دوسرے تلامذہ سے مروی ہوں۔

لیکن عموماً ظاہر الروایہ انہیں مسائل کو کہتے ہیں جو ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم اور صاحبین سے مروی ہوں۔ مسائل ظاہر الروایہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں مبسوط، زیادات، جامع صغیر، سیر صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر میں درج ہیں اور صرف وہی مسائل ظاہر الروایہ کہلاتے ہیں۔

(۲) مسائل نوادر:

وہ ہیں جو مذکورہ اصحاب سے مروی تو ہیں مگر وہ مسائل چھ

کتابوں میں نہیں بلکہ امام محمد علیہ الرحمہ کی دوسری کتابوں مثلاً کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات وغیرہ میں مذکور ہیں یا پھرامام حسن بن زیاد کی کتاب مجرد میں یا امام ابو یوسف کی کتاب امالی وغیرہ میں مذکور ہیں۔

(۳) فتاویٰ اورواقعات:

یہ وہ مسائل ہیں جنہیں متاخرین مجتہدین نے اس وقت استنباط کر کے نکالا جب ان سے ان مسائل کے بارے میں سوال ہوا اور انہیں متقدمین اہل مذہب مثلاً امام ابو یوسف اور امام محمد کے اصحاب اور ان کے اصحاب کے اصحاب سے اس مسئلہ میں کوئی روایت نہیں ملی۔فتاویٰ کے سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب جس کی جمع وتدوین ہوئی وہ فقیہ ابواللیث ثمرقندی کی کتاب ''النوازل'' ہے پھرمشائخ نے اس کے بعد دوسری کتابیں بھی ترتیب دیں مثلاً ناطفی کی ''مجموع النوزل والواقعات'' اورشہید کی ''الواقعات'' وغیرہ۔ متاخرین نے ان مسائل کومخلوط طور پر ذکر کردیا اور یہ امتیاز برقرار نہ رکھا کہ ظاہر الروایہ، نادر الروایہ اور فتاویٰ ایک دوسرے سے الگ ہوں جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان اور ''خلاصة'' وغیرہ میں ہے البتہ بعض متاخرین نے ان مسائل کوممتاز کر کے بیان کیا ہے جیسا کہ رضی الدین سرخی کی کتاب محیط کہ انہوں نے اولاً مسائل اصول ذکر کیے پھرمسائل نوادر پھر فتاویٰ۔

درجات کتب فقہ وفتاویٰ:

کتب فقہ وفتاویٰ تین طرح کے ہیں:

(۱) متون:۔ وہ کتابیں جو نقل مذہب کے لیے وضع کی گئی ہیں۔متون کی معتبر کتابیں یہ ہیں: بدایہ، مختصر القدوری، المختار، النقایہ، الوقایہ، الکنز، الملتقیٰ۔ یہ کتابیں نقل مذہب ہی کے لیے موضوع ہیں۔یعنی ان میں ظاہر الروایہ ہی درج ہیں۔

(۲) شروح:۔ وہ کتابیں ہیں جن میں متون کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ درج کیے گئے ہیں جیسے ہدایہ اور شروحات، شروح کنز، کافی نسفی، بدائع وغیرہ۔

(۳) فتاویٰ:۔ جو نہ متون کی کتابیں ہیں نہ شروح کی بلکہ وہ کسی حادثہ کے موقع پر دیئے گئے فتاویٰ کا مجموعہ ہیں۔

ان میں متون شروح پر اور شروح فتاویٰ پر مقدم ہیں۔

فقہ وفتاویٰ میں امام احمد رضا کی مہارت

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال اور سامراجی طاقتوں کے تسلط کے بعد فقہ وفتاویٰ کا کام دینی مدارس اور ان سے متعلق علما انجام دیتے رہے۔ماضی قریب میں فقہ وفتاویٰ کے سلسلہ میں مدارس کے علما ومفتیان کرام خصوصاً علامہ مفتی نقی علی خاں، علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ عبد القادر بدایونی، امام احمد رضا فاضل بریلوی، صدر الشریعہ علامہ امجد علی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا بریلوی، ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری وغیرہم نے عظیم خدمات انجام دیں اور ان حضرات کے فقہ وفتاویٰ نے مسلمانان عالم برصغیر بلکہ عالم اسلام تک کو فائدہ پہونچایا ۔خصوصیت کے ساتھ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاویٰ عالمگیر شہرت کے حامل ہیں۔گزشتہ دوصدی سے عالم اسلام میں ایسا کوئی فقیہ نظر نہیں آتا جو امام احمد رضا قدس سرہ کے فقہ وفتاویٰ کی نظیر بن سکے۔

فقہ وفتاویٰ میں امام احمد رضا کی خدمات:

فقہ وفتاویٰ میں امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمات اس قدر وسیع ہیں کہ ان کے صحیح تجزیہ کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔فتاویٰ رضویہ ہی کو لے لیجئے، یہ درحقیقت فقہ حنفی کے مطابق جاری کردہ ہزاروں فتاویٰ جات کا مجموعہ ہے اس علمی ذخیرہ کو فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے اس کا پورا نام ''**العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ**'' ہے۔یہ غواص بحر فقہ کے لیے آکسیجن کا کام دیتا ہے۔جدید ترتیب کے حساب سے ۳۰ رجلدیں ہیں اور یہ غالباً اردو زبان میں دنیا کے ضخیم ترین فتاویٰ ہیں جو تقریباً بائیس ہزار صفحات پر ، چھ ہزار آٹھ سو سینتالیس سوالات کے جوابات اور دوسو چھ رسائل پر مشتمل ہیں۔جبکہ ہزار ہا مسائل ضمناً زیر بحث آئی ہیں ہر فتاویٰ میں

دلائل کا سمندر موجزن ہے۔قرآن وحدیث وفقہ واصول فقہ، منطق وکلام میں آپ کی وسعت نظری کا اندازہ آپ کے فتاویٰ کے مطالعہ سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

حاشیہ جدالممتار، جوعلامہ ابن عابدین شامی کی کتاب ردالمحتار پر ہے یہ بھی امام احمد رضا قدس سرہ کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔

امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور علمی جولانیت اور فنی مہارت کا اعتراف اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ آپ اپنے وقت میں فقہ وفتاویٰ کے امام اور مرجع خواص وعوام تھے محمد ادریس کاندھلوی امین اصلاحی کے شاگرد اور ابو الاعلیٰ مودودی کے معتمد ہفت روزہ شہاب لاہور کے چیف ایڈیٹر نے امام احمد رضا کانفرنس اسلام آباد منعقدہ ۱۹۳۶ء میں کہا تھا:''قرطاس وقلم سے میرا تعلق دو چار سال کی ہی بات نہیں نصف صدی کی بات ہے اس دوران میں وقت کے بڑے بڑے اہل علم وقلم علما ومشائخ کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا اور ان کے درس میں شریک رہا اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا زندگی میں میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہوں گی جتنی کتابیں پڑھیں ہیں میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہے وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں ان مطالعہ کے دوران میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھی اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کرلیا اور علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کرلی مگر جب امام اہلسنت (مولانا احمد رضا بریلوی) کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے دروازہ پر دستک دی اور فیض یاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا یوں لگا کہ ابھی تو علم کے سمندر کے کنارے کھڑا سیپیاں چن رہا تھا۔علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے امام (احمد رضا بریلوی) کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا جاتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا وسیع علم دیکر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں جس پر امام کو دسترس حاصل نہ ہو اور اس پر کوئی تصنیف نہ کی ہو یقیناً آپ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشیں تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔(مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ص:۴۹،۱۴۱۵ھ،۱۹۹۴ء)

برصغیر کے ممتاز حنفی مذہبی اسکالر اور مؤرخ مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا قدس سرہ کو امام ابوحنیفہ ثانی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقہ حنفی میں دو کتابیں مستند ترین ہیں ان میں سے ایک فتاویٰ عالمگیر یہ ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے جنہوں نے فقہ حنفی کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دیا دوسرا ''فتاویٰ رضویہ'' ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تن تنہا کر کے دکھایا اور یہ مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ'' فتاویٰ عالمگیر یہ سے زیادہ جامع ہے اور میں نے آپ کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں بلکہ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے امام ابوحنیفہ ہیں (امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۳ء منعقد اسلام آباد میں خطاب) امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں فقہ حنفی اور عالم اسلام کے لیے ان کی علمی خدمات آسمان علم وفن کی فضاؤں میں بادل بن کر چھائی ہوئی ہیں۔امام ممدوح نے اپنی پوری زندگی عقائد اسلام اور ناموس رسالت کی پہرہ داری میں گذاری۔ان کا قلم تمام اعتقادی فتنوں کا تعاقب کرتا رہا اسلام کی عزت وحرمت کے مقابل وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے ان کے بے لاگ فتاویٰ اور علمی تنقید وگرفت ان کی غیرت ایمانی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مظہر ہے جس کا اعتراف آپ کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔

قادیانیت موجودہ صدی میں اسلام کے خلاف سب سے زیادہ خوفناک سازش ہے جو مسلمان کے لیے کینسر کی طرح مہلک ہے امام احمد رضا قدس سرہ نے اس فتنہ کے خلاف علمی وقلمی جہاد کیا، آپ کے فتاویٰ نہ صرف قادیانیت بلکہ مرزائیت نوازوں، وہابیہ، دیابنہ، کے

خلاف بھی شمشیر بے نیام ثابت ہوئے فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی میں آپ کے دیگر فتاویٰ کے علاوہ درجہ ذیل رسائل نے اہم کردار ادا کیا (۱) السوء العقاب علی المسیح الکذاب ۱۳۲۰ھ (۲) قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان ۱۳۲۳ھ (۳) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی ۱۳۴۰ھ (۴) المبین ختم النبین ۱۳۲۶ھ۔

سچے خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھنے والوں کے رد میں رسالہ "**سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح**" تحریر فرمایا جس نے مخالفین کے دم توڑ دیئے اور قلم نچوڑ دیئے رسالہ "**رسالہ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان**" میں آپ نے قرآنی آیات سے زمین کو ساکن ثابت کیا ہے اور سائنسدانوں کے اس نظریہ کا کہ زمین گردش کرتی ہے رد بلیغ فرمایا۔ان کے علاوہ درج ذیل کتب ورسائل بھی اہم ہیں:

(۱) الدولۃ المکیہ (۲) المعتقد المستند (۳) تجلی الیقین (۴) الکوکبۃ الشہابیہ (۵) سل السیوف الہندیہ (۶) حیات الاموات وغیرہ

سطور بالا سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی فقہی خدمات کا زمانہ شاہد ہے۔اور آپ کے فقہ وفتاویٰ میں غیر معمولی مہارت کا اعتراف اپنے اور غیروں نے بیک زبان کیا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم باب عبادات سے کچھ منتخب فتاویٰ پیش کریں پہلے کچھ ایسے قواعد فقہیہ پیش کرتے ہیں جن کو امام احمد رضا نے کتب فقہیہ سے اخذ کر کے انھیں اپنی توضیحات اور اپنے افادات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

قواعد فقہیہ کی رعایت:

فقہ وفتاویٰ میں قواعد فقہیہ کی بڑی اہمیت ہے اور فقیہ کو جس قدر اُن قواعد کا احاطہ ہوگا اُسی قدر اس کی فقاہت مسلم ہوگی،اور جزئی وفرعی مسائل کا حکم بیان کرنے میں اسی قدر آسانی ہوگی۔علامہ ابن نجیم مصری حنفی رقمطراز ہیں:

"**معرفة القواعد التي ترد اليها وفرعوا الاحكام عليها وهي أصول الفقه في الحقيقة وبها ير تقي الفقيه الىٰ درجة الاجتهاد ولو في الفتوىٰ.**" (الاشباہ والنظائر مع الحموی ص ۴۹۷)

ان قواعد کی معرفت جن کی طرف جزئیات لوٹائے جاتے ہیں اور احکام انہی پر متفرع ہوتے ہیں یہ دراصل فقہ کے اصول ہیں اور انہی کے ذریعہ فقیہ درجۂ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے اگر چہ فتویٰ میں ہو

امام احمد رضا قدس سرہ اپنے فتاوی میں عموماً پہلے قواعد اصول ذکر کرتے ہیں پھر اس کے تحت جزئیات کثیرہ پیش کرتے ہیں ان سب کے شواہد امام ممدوح کے فتاوی میں بکثرت ملیں گے فتاوی رضویہ سے کچھ شواہد اس طرح ہیں۔

(۱) لاطاعة لأحد في معصية الله:

اللہ کی معصیت میں کسی کی طاعت جائز نہیں ہے۔امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا کہ ایک شخص کا باپ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے زنا،چوری،داڑھی منڈانا وغیرہ فسق میں مبتلا ہے۔لڑکا اپنے باپ کو معصیت سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے مگر وہ باز نہیں آتا ایسی صورت میں باپ کی اطاعت کی جائے گی یا نہیں اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگر چہ وہ خود مرتکب کبیرہ ہوں ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے اس کے سبب یہ امور جائزہ میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں "**لا طاعة لا حد فی معصیة الله تعالیٰ**" ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا بلکہ غیبت میں ان کے لیے دعا کرے"۔(فتاوی رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۹۵/۹۶)

(۲) الاحکام تبني علی الغالب ولا یعتبر النادر:

حکم شرعی کی بنا غالب احوال پر ہوتی ہے،نادر کا اعتبار نہیں ہوتا ایک ایسا یتیم خانہ جس میں وہابی،دیوبندی،رافضی سب منتظم

ہیں، سنی مسلمانوں کو اس یتیم خانہ میں شمولیت جائز ہے یا نہیں اس یتیم خانہ میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں اس سوال کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہ رقمطراز ہیں:

''اس میں احتمالاً دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یتیموں کی تعلیم وتربیت کا تمام انتظام صرف اہل سنت کے ہاتھوں میں رہے کسی بد مذہب کا اس میں دخل نہ ہو نہ ان کی صحبت بچوں کو رہے کہ وہ انہیں اغوا کر سکیں صرف بالائی باتوں میں ان کی شرکت ہو، دوسرے یہ کہ ان امور میں بھی انہیں مداخلت دی جائے یا کم از کم ان کی صحبت بدر ہے جس سے بچوں کی گمرہی کا مظنہ ہو صورت ثانیہ تو مطلقاً قطعی حرام و بدخواہی اسلام ہے اور اس میں چندہ دینا موجب عذاب وآثام اور صورت اولیٰ شاید محض ایک خیالی ہو واقع کبھی نہ ہو کہ جب وہ برابر کے شریک ہیں ہر کام میں برابر کی شرکت چاہیں گے کیا وجہ ہے کہ وہ نرے غلام بن کر رہنے پر راضی ہوں اور بفرض باطل اگر ایسا ہو بھی تو ان کی صحبت بد سے کیوں کر مضر اور علماء تصریح فرماتے ہیں:'' **ان الاحكام تبني على الغالب ولايعتبر النادر فضلا عن الموهوم**''(فتاوی رضویہ ج ۱۰ رد ہم نصف آخر،ص ۹۶/۹۷)

(۳)درء المفاسد اهم من جلب المصالح:

مفاسد کو دور کرنا مصالح کی تحصیل سے اہم ہے۔

جب امام فاسق وفاجر ہو اور کوئی دوسرا امامت کے قابل نہیں تو فاسق کے پیچھے نماز پڑھے گا یا تنہا نماز پڑھے گا اس سوال کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہ رقمطراز ہیں:

اگر علانیہ فسق وفجور کرتا ہے اور دوسرا کوئی امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا نماز پڑھیں:''**فان تقديم الفاسق اثم والصلاة خلفه مكروهة تحريما والجماعة واجبة فهما فى درجة واحدة ودرء المفاسد اهم من جلب المصالح**''. (فتاوی رضویہ ج ۳ رص ۲۵۳)

ترجمہ عربی عبارت کا: اس لیے کہ فاسق کی تقدیم گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور جماعت سے نماز پڑھنا واجب تو دونوں (مکروہ تحریمی اور واجب) ایک ہی درجہ میں ہوئے اور مصالح کی تحصیل سے کہیں اہم مفاسد کو دور کرنا ہے۔

(۴)ماحرم فعله حرم التفرح عليه:

جس کام کا کرنا حرام ہے اس پر تماشائی بننا بھی حرام ہے۔

جو شخص مروجہ تعزیہ وغیرہ دیکھنا جائز سمجھتا ہے بچوں کو بھی تماشہ سے خیال کے دکھاتا ہے اور بغرض تفریح بچوں کے ساتھ جاتا ہے، ایسے شخص کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں اور بچوں کو تماشائی بنانا درست ہے یا نہیں؟ امام احمد رضا قدس سرہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''تخت علم تعزیئے وغیرہ سب ناجائز ہیں اور ناجائز کام کو بطور تماشہ دیکھنا بھی حرام:''**لان ماحرم فعله حرم التفرح عليه**'' اور بچوں کو دکھانے کا گناہ بھی اس پر ہے کما فی الاشباہ وغیرہا۔ (فتاوی رضویہ ج دہم نصف آخر ص ۳۵)

(۵)الضرورات تبيح المحظورات:

ضرورتیں ممنوع کو جائز کر دیتی ہیں۔

مسجد میں نماز سے فراغت کے بعد مصافحہ تو جائز و مستحسن ہے مگر پاؤں پڑنا اور پاؤں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''پاؤں پڑنا بایں معنی کہ پاؤں پر سر رکھنا ممنوع ہے اور پاؤں کو بوسہ دینا اگر کسی معظم دینی کی تعظیم دینے کے لیے ہو تو جائز بلکہ سنت ہے احادیث کثیرہ اس پر ناطق ہیں:''**كما بينا في فتاوانا**' اور اگر کسی مالدار کی دنیوی تعظیم کے لیے ہو تو مطلقاً ناجائز ہے ''**في الملتقط والهندية والدر وغيرها التواضع لغير الله تعالىٰ حرام**'' مگر جب کہ صحیح مجبوری شرعی ہو کہ اس کے ترک میں ضرر پہنچنے کا صحیح اندیشہ ہو تو اپنے بچاؤ کے لیے اجازت ہوگی ''**فان الضرورات تبيح المحظورات**'' مگر قلب میں اس کی کراہت رکھنا لازم ہے۔'' (فتاوی رضویہ ج دہم نصف آخر ص ۶۹)

(۶)ماحرم اخذه حرم اعطاؤهٗ:

جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے۔

تبرکات شریفہ کی زیارت کرانے والے اگر اس کے عوض میں کچھ اجرت مانگیں یا اجرت لینا دینا مشہور و معروف ہو تو زیارت پر اجرت یا نذر لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں فقیہ اعظم امام احمد رضا قدس سرہ راقم ہیں:

''اگر کسی بندہ خدا کے پاس کچھ آثار شریفہ ہوں اور وہ انہیں بہ تعظیم اپنے مکان میں رکھے اور جو مسلمان اس کی درخواست کرے محض بوجہ اللہ اسے زیارت کرادیا کرے کبھی کسی نذرانہ کی تمنا نہ رکھے پر اگر وہ آسودہ حال نہیں اور کوئی مسلمان بطور خود قلیل یا کثیر بنظر اعانت اسے کچھ دے تو اس کے لے لینے میں اس کو کچھ حرج نہیں باقی گشتی صاحبوں کو عموماً اور مقامی صاحبوں میں خاص ان کو جو اس امر پر اخذ نذور کے ساتھ معروف و مشہور ہیں شرعاً جواز کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی مگر ایک وہ کہ خدائے تعالیٰ ان کو توفیق دے نیت اپنی درست کریں اور اس شرط عرفی کے رد کے لیے صراحۃً اعلان کے ساتھ ہر جلسے میں کہہ دیا کریں کہ مسلمانو یہ آثار شریفہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا فلاں ولی معزز و مکرم کے ہیں، محض خالصاً لوجہ اللہ تمہیں ان کی زیارت کرائی جاتی ہے، ہر گز ہر گز کوئی بدلہ یا معاوضہ مطلوب نہیں، اس کے بعد اگر مسلمان کچھ نذر کریں تو اسے قبول کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا۔ فتاوی قاضی خاں وغیرہ میں ہے: ''**ان الصریح یفوق الدلالة**'' اور اگر زیارت کرانے والوں کو اس کی توفیق نہ ہو تو زیارت کرنے والوں کو چاہیے خود ان سے صاف صراحۃ کہہ دے کہ نذر کچھ نہیں دی جائے گی خالصاً لوجہ اللہ اگر آپ زیارت کراتے ہیں کرائیے اس پر اگر وہ صاحب نہ مانیں ہرگز زیارت نہ کرے کہ زیارت ایک مستحب ہے اور یہ لین دین حرام، کسی مستحب شئی کے حاصل کرنے کے واسطے حرام کو اختیار نہیں کرسکتے اشباہ والنظائر وغیرہا میں ہے: **ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ**۔'' (فتاوی رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۱۴۳)

(۷) الامور بمقاصدها:

امور شرع مقاصد ہی سے متعین ہوتے ہیں اگر مقصد صحیح ہے تو جائز ورنہ ناجائز۔

مساجد کی دیواروں میں کتابت قرآن کریم کا رواج کہیں کہیں ہے لیکن اگر قرآن کریم کی آیتیں اتنی نیچے ہوں کہ خطیب کے خطبہ دیتے وقت آیات قرآنیہ نیچے ہو جاتی ہیں تو بے ادبی سے بچنے کے لیے سیمنٹ وغیرہ سے چھپا دیں تو شرعاً کوئی حرج ہے یا نہیں؟ اس تعلق سے امام احمد رضا قدس سرہ رقمطراز ہیں:

''دیواروں پر کتابت قرآن عظیم میں رجحان جانب ممانعت ہے اور اگر ممبر پر کھڑے ہونے میں اس طرف امام کی پیٹھ ہوتی ہے تو ضرور خلاف ادب ہے اور اگر پاؤں یا مجلس سے بلا ساتر نیچے ہیں تو اور زیادہ سوء ادب ہے ان حالتوں میں ان کا سیمنٹ یا چونے کسی پاک چیز سے بند کر دینا حرج نہیں رکھتا بلکہ بہ نیت ادب محمود ہے اور اگر نہ نیچے ہیں نہ پیچھے جب بھی اگر اس قول راجح کے لحاظ سے یا اس لیے کہ محراب میں کوئی شئی شاغل نظر نہ ہونی چاہیے بند کرنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا: ''**فان الامور بمقاصدها وانما لکل امرئ ما نوی**'' (فتاوی رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۱۴۷)

(۸) من ابتلی ببلیتین فاختار اهونهما

جو دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو ان میں سے ہلکی بلا کو اختیار کرے۔

امام اہل سنت مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا۔

تقریب طعام شادی کی چار صورتیں ہیں ہر ایک کی شرکت علیحدہ حکم بیان فرمائیں (۱) بعض ایسا کرتے ہیں کہ پہلے لوگوں کو دعوت کھلا کر اسی روز یا دوسرے روز بارات نکالتے ہیں اگرچہ جلسۂ دعوت میں باجا وغیرہ نہیں ہوتا مگر دعوت کھانے والوں کو معلوم ہے کہ دو ایک روز میں جو بارات یہاں سے نکلے گی اس میں باجا وغیرہ سب ہوگا (۲) بعض لوگ جب دلہن کو رخصت کر کے گھر لاتے ہیں تب کھانا کرتے ہیں اگرچہ جلسہ دعوت میں کچھ نہیں ہے مگر بارات میں سب کچھ تھا۔ (۳) دلہن کے گھر دعوت ہے اور اس کے یہاں کچھ باجہ وغیرہ نہیں ہے مگر اس کے یہاں جو بارات آئی ہے اس میں باجہ وغیرہ سب کچھ ہے۔

اور دلہن کے گھر والوں کی تین حالتیں ہیں ہر ایک کا علیحدہ حکم تحریر فرمائیں: (۱) بعض تو دولھا والوں کو فرمائش دیکر باجہ وغیرہ منگاتے ہیں۔(۲) بعض نہ فرمائش دیتے ہیں نہ منع کرتے ہیں بعض منع کرتے ہیں مگر دولھا نہیں مانتا اور باجے کے ساتھ آتا ہے ان تینوں میں کس کے یہاں شرکت جائز ہے اور کیا اس تیسرے پر شرعاً الزام ہوسکتا ہے کیوں نہ اس نے بارات واپس کردی اور کیوں نکاح کردیا، شرکت میں اگر عوام وخواص کا فرق ہو تحریر ہو۔

ان سوالوں کے جواب میں امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

''پہلی دو صورتوں میں شرکت دعوت میں کوئی حرج نہیں خصوصاً دعوت ولیمہ کہ سنت ہے اور اس میں بلا عذر شرعی نہ جانا مکروہ''**ومن لم یجب الدعوۃ فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**''اور تیسری صورت میں وہی دو صورتیں ہیں جو اوپر گزریں وہ منکرات مکان دعوت میں ہیں یا دوسرے مکان میں اور وہی احکام ہیں جو اوپر بیان ہوئے وہ کہ فرمائش کر کے ممنوعات شرعیہ منگاتے ہیں سخت گنہگار اور ان ممنوعات کے کرنے والوں سننے والوں سب کے گناہوں کے ذمہ دار ہیں ان سب پر گناہ ہوگا اور ان سب کی برابر ان پر''**من دعی الیٰ ضلالۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الیٰ یوم القیامۃ لا ینقص من اوزارھم شیئا**'' اور وہ جو نہ منگائیں نہ منع کریں وہ بھی گنہگار رہیں کہ اپنے یہاں گناہ کرنے سے منع کرنا ہر شخص پر واجب ہے اور وہ کہ منع کریں اور ادھر والے نہ مانیں تو اس کا ان پر الزام نہیں ''لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی'' اور برات کا پھیر دینا یہ مصالح پر موقوف ہے اگر کوئی ضرر نہیں پھیر دے ورنہ اس ضرر اور مفسدہ میں موازنہ کیا جائے جو زیادہ مضر ہو اس سے بچیں'' **من ابتلی ببلیتین فاختار اھونھما**''. (فتاوی رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۱۷۱)

اب ذیل میں باب عبادات سے کچھ مسائل میں امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات وافادات کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

حوض اور تالاب کے لیے پانی کی قلت وکثرت میں

اقوال مختلفہ:

بڑا حوض اور تالاب جس کا پانی مثل ماء جاری ہے کہ نجاست کے گرنے سے نجس نہ ہو اس میں کتنا عمق (گہرائی) چاہئے۔اس تعلق سے جب امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں سوال آیا تو آپ نے مبسوط اور مدلل جواب کے تحت اس سلسلہ میں کل گیارہ اقوال بیان فرمائے: (۱) صرف اتنا ضروری ہے کہ مساحت دہ دردہ میں زمین کہیں کھلی نہ ہو۔(۲) بڑا درہم کہ چار ماشے ہوتا ہے اس کے عرض سے کچھ زیادہ گہرا ہو۔(۳) پانی ہاتھ سے اٹھائیں تو زمین نہ کھل جائے (۴) پانی لینے میں ہاتھ زمین کو نہ لگے۔(۵) پانی ٹخنوں تک ہو۔(۶) چار انگل کشادہ ہو۔(۷) ایک بالشت پانی ہو۔(۸) ایک ہاتھ پانی ہو۔(۹) نو ہاتھ پانی ہو۔(۱۰) سفید سکہ اس میں ڈال کر کھڑے ہو کر دیکھے تو روپیہ نظر نہ آئے (۱۱) اپنی طرف سے کوئی تعیین نہیں ناظر کی رائے پر موقوف ہے۔

ان گیارہ اقوال میں صرف قول اول اور قول سوم ہی مصحح ہیں، باقی نہیں۔ پہلا قول ظاہر الروایہ ہے جس کی تصحیح امام زیلعی نے فرمائی ہے اور قول سوم کی ترجیح عامہ کتب میں مذکور ہے۔امام احمد رضا قدس سرہ راقم ہیں۔

ان میں صرف دو قول مصحح ہیں اول وسوم وبس، قول اول کی تصحیح امام زیلعی نے فرمائی، قول سوم کی ترجیح عامہ کتب میں ہے: (۱) وقایہ (۲) نقایہ (۳) اصلاح (۴) غرر وملتقی (۵) متون (۶) وجیز کردری وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا امام اجل (۷) قاضی خان نے اسی کو مقدم رکھا اور امام اعظم سے امام ابو یوسف کی روایت بتایا (۸) ہدایہ (۹) درر (۱۰) مجمع الانہر (۱۱) مسکین (۱۲) مراقی الفلاح (۱۳) ہندیہ میں اسی کو صحیح اور (۱۴) ذخیرۃ العقبیٰ میں اصح اور (۱۵) غیاثیہ (۱۶) غنیۃ (۱۷) خزانۃ المفتیین میں مختار کہا (۱۸) معراج الدرایہ (۱۹) فتاویٰ ظہیریہ (۲۰) فتاویٰ خلاصہ (۲۱) جوہرہ نیرہ (۲۲) شلبیہ وغیرہا میں علیہ الفتویٰ فرمایا۔اھ ملخصاً''۔(فتاویٰ رضویہ، ج:۱ ص:۳۷۶/۳۷۵)

پھر اس قول کے مطابق کہ ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کھل جائے ایک ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے یا دونوں ہاتھ سے اس سلسلہ میں کلام علما تین طرح کے ہیں: (۱) مطلقاً اغتراف یعنی ہاتھ سے پانی لینا خواہ ایک ہاتھ سے پانی ہو یا دونوں ہاتھ سے اس میں دونوں شامل ہیں (۲) ایک ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے (۳) دونوں ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے۔

امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس پر فقہی بحث فرماتے ہوئے دونوں ہاتھ سے پانی لینے والے قول کی ترجیح بیان فرمائی۔اور درج ذیل وجوہ ترجیح ارشاد فرمائے: ''تو راجح یہی ہے کہ دونوں ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے اولاً یہی متون کا مفاد (ثانیاً) یہی عامہ کتب سے مستفاد (ثالثاً) کتب متعددہ میں اس پر تنصیص اور کف واحد پر کوئی نص نہیں (رابعاً) کف سے کفین مراد لے سکتے ہیں نہ کہ بالعکس تو اس میں توفیق ہے اور وہ نصب خلاف سے اولیٰ (خامساً) زمین نہ کھلنے سے مقصود یہ ہے کہ مساحت برقرار رہے ورنہ دو پانی جدا ہو جائیں گے اور اس کی ضرورت وضوء اور غسل دونوں کے لیے ہے بلکہ غسل کے لیے زائد اور شک نہیں کہ حوض یا تالاب میں نہاتے ہوئے پانی لپوں سے لیتے ہیں نہ چلوؤں سے تو ضرور ہوا کہ دونوں ہی ہاتھ سے لینا مراد ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالحق والسداد اھ ملخصاً''۔(فتاویٰ رضویہ ج:ا رص:۳۷۷،۳۷۸)

پھر آخر میں امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی خدا داد فقاہت کی بناء پر فرمایا کہ ان دونوں اقوال میں اختلاف ظاہراً ہے ورنہ حقیقت میں دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ ظاہر الروایہ میں پانی کا اتصال ضروری ہے کہ کہیں سے زمین کھلی نہ ہو ورنہ اتصال نہ رہے گا اور پانی کا اس کثرت سے ہونا کہ زمین کھلی نہ رہ جائے یہ وقت استعمال ضروری ہے نہ کہ پہلے اور وہ اغتراف ہی سے ظاہر ہوگا۔چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

''یہ سب تقیید و تنقیح و تصحیح و ترجیح اس ظاہر خلاف پر تھی جو عبارت کتب سے مفہوم اور بعونہ عز جلالہ و عم نوالہ قلب فقیر پر القا ہوتا ہے کہ ان اقوال میں اصلا خلاف نہیں قول اول کی نسبت ہم بیان کر آئے کہ وہی ظاہر الروایۃ اور وہی اقوی من حیث الدرایۃ ہے اور مذیل بطراز تصحیح بھی اور ظاہر الروایہ اوجہ و مصحح سے عدول کی کوئی وجہ نہیں قول دیگر کہ عامۂ کتب میں مختار و مرجح و مفتیٰ بہ ہے اسی ظاہر الروایہ پر متفرع اور اسی کے حکم کے تحفظ کو ہے وقت اغتراف حفظ کثرت کے لیے یہ شرط لگائی کہ اغتراف آب کثیر سے ہو اس وقت بھی ظاہر الروایہ کا ارشاد ''یاخذ الماء وجہ الارض'' صادق ہو کہ زمین کہیں سے کھلی نہ ہو تو یہ عمق شرط کثرت نہیں بلکہ وقت اغتراف شرط بقائے کثرت اور ملخصاً''۔(فتاوی رضویہ ج ا رص ۳۷۸)

نابالغ بچوں سے بھروائے ہوئے پانی سے وضو کا مسئلہ:

مدارس و مکاتب میں عام طور پر معلمین کی عادت ہے کہ وہ نابالغ بچوں سے خدمت بھی لیتے ہیں اور وضو اور پینے کا پانی بھی منگواتے ہیں ،حالانکہ نابالغ کا بھرا ہوا پانی اسی کی ملک ہے وہ دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا ،اب نہ تو اس کا پینا جائز ہے اور نہ ہی اس سے وضو و غسل جائز ہوگا ،اس تعلق سے امام احمد رضا قدس سرہ نے ابتداً فرمایا کہ پانی کی تین قسمیں ہیں: (۱) مباح غیر مملوک (۲) مملوک غیر مباح (۳) مباح مملوک۔

مباح غیر مملوک:۔ جیسے دریاؤں اور نہروں کے پانی، تالابوں، جھیلوں کے برساتی پانی، مملوک کنویں کا پانی کہ جب تک بھرا نہ جائے کسی کی ملک نہیں ہوتا، مساجد وغیرھا کے حوضوں کا پانی جو مال وقف سے بھرا گیا یہ سب پانی مباح ہیں اور کسی کی ملک نہیں۔

مملوک غیر مباح:۔ جیسے برتنوں کا پانی کہ آدمی نے اپنے گھر کے استعمال کے لیے بھرا اور بھروا کر رکھا یہ پانی خاص اسی کی ملک ہے بے اس کی اجازت کے کسی کو اس میں تصرف جائز نہیں۔

مباح مملوک:۔ جیسے سبیل یا سقایہ کا پانی کہ کسی نے خود بھرایا اپنے مال سے بھروایا تو یہ پانی بھروانے والے کی ملک ہوا اور اس نے لوگوں کے واسطے اس کا استعمال مباح کر دیا بعد اباحت بھی وہ پانی اسی کی ملک رہتا ہے یہ پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی۔

قسم اخیر کا پانی بالغ بھرے یا نابالغ احکام میں کچھ فرق نہ آئے گا کہ لینے والا مالک نہیں ہوتا۔ یوں ہی قسم دوم کا پانی جب کہ مالک نے اسے بطور اباحت دیا ہاں اگر مالک کردیا تو اب احکام میں فرق آئے گا۔ قسم اول کا پانی ہی یہاں مقصود بالبحث ہے اور نابالغ سے معلمین عام طور پر یہی پانی بھرواتے ہیں۔

یہ مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ مباح چیز قبضہ واستیلاء سے ملک ہو جاتی ہے۔ پہلی بار جس کے قبضہ میں وہ چیز آئے گی اسی کی ملک ہو جائے گی۔ اب یہ قبضہ کبھی خود اسی کا ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور دوسرے کا قبضہ ٹھہرتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں کل نو صورتیں ہیں۔

(۱) مال مباح پر قبضہ اپنے لیے کیا (۲) دوسرے کے لیے قبضہ کیا مگر بطور خود یعنی دوسرے نے اسے قبضہ کے لیے نہ کہا (۳) بلا معاوضہ دوسرے کے کہنے پر قبضہ کیا (۴) باجرت دوسرے کے کہنے پر قبضہ کیا اور یہ اس کا اجیر مطلق ہے (۵) دوسرے کی طرف سے اجیر خاص بن کر قبضہ کیا اور اجارہ وقت معین پر ہوا (۶) اجیر خاص بن کر قبضہ کیا اور اجارہ وقت معین پر نہ کیا مگر شئی مباح متعین کر دی تھی (۷) اجیر خاص بن کر قبضہ کیا اجارہ وقت معین کے لیے بھی ہوا مگر شئی مباح متعین نہیں کی گئی اور اجیر یہ قبول کرتا ہے کہ میں نے یہ شئی مستاجر کے لیے لی۔ (۸) اجیر یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ شئی مستاجر کے لیے نہیں لی اور اس شئی کا احراز ظرف میں ہوتا ہو، اور وہ ظرف (برتن) مستاجر کا تھا (۹) وہ ظرف مستاجر کا نہیں تھا اور وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ شے متاجر کے لیے نہیں کی۔

ان نو صورتوں میں سے پہلی تین صورتوں میں وہ شئی قبضہ کرنے والے کی ملک ہوگی اور چوتھی، پانچویں چھٹویں، ساتویں، اور آٹھویں صورتوں میں آقا اور مستاجر کی ملک قرار پائے گی اور نویں صورت میں اجیر کی ملک ہوگی نہ کہ مستاجر کی۔

اخیر میں ان تمام صورتوں کا تفصیلی حکم بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ رقمطراز ہیں ان میں صورت اولیٰ میں تو ظاہر ہے کہ وہ شئی اسی قبضہ کرنے والے کی ملک ہوگی دوسرے کو اس سے علاقہ ہی نہیں یوں ہی صورت دوم میں بھی کہ شرع مطہر نے سبب ملک استیلاء رکھا ہے وہ اس کا ہے دوسرے کے لیے محض نیت اس ملک کو منتقل نہ کردے گی اسی طرح صورت سوم میں بھی کہ تحصیل مباح کے لیے دوسرے کو اپنا نائب ووکیل وخادم ومعین بنانا باطل ہے، صورت چہارم میں وہ مباح آقا کی ملک ہوگا یعنی جب کہ اس کی نوکری کے وقت میں یہ کام لیا ورنہ صورت سوم میں داخل ہے اس صورت میں ملک آقا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نوکری کے وقت میں نوکر کے منافع اس کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں اور اس کا اس کے حکم سے قبضہ بعینہ اس کا قبضہ ہے، یوں ہی صورت پنجم میں اور اجیر اجر کا مستحق ہوگا کہ یہ اجارہ صحیح ہے اور صورت ششم میں بھی وہ شی مباح ملک مستاجر ہوگئی مگر اجیر اجر مثل پائے گا جو مسمی سے زائد نہ ہو کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے، صورت ہفتم خود ظاہر ہے کہ اس کے اقرار سے ملک مستاجر ہے یوں ہی صورت ہشتم میں کہ ظرف مستاجر میں احراز دلیل ہے کہ مستاجر کے لیے ہے رہی صورت نہم ظاہر ہے کہ اس میں ملک اجیر ہے۔اھ ملخصاً۔'' (فتاوی رضویہ ج۱ ص۴۲۲/۴۲۶)

معلمین چھوٹے بچوں سے اتنی خدمت باپ دادا کی اجازت سے لے سکتے ہیں جتنی معروف ومشہور ہے کہ لی جاتی ہے، اور بچے کا اس میں ضرر کا کوئی اندیشہ نہ ہو، تاہم ان سے پانی بھروا کر استعمال میں لانا یا پینا درست نہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ اس بابت تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہاں سے استاد سبق لیں معلموں کی عادت ہے کہ بچے جو ان کے پاس پڑھنے یا کام سیکھنے آتے ہیں ان سے خدمت لیتے ہیں یہ بات باپ دادا یا ولی کی اجازت سے جائز ہے جہاں تک معروف ہے اور اس بچے کے ضرر کا اندیشہ نہیں مگر نہ ان سے پانی بھروا کر استعمال کر سکتے ہیں نہ ان کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں۔''

(فتاوی رضویہ ج۱ ص۴۳۳)

غیر مقلدین کی اقتداء میں نماز کا مسئلہ:

غیر مقلدین کے پیچھے نماز مکروہ وناجائز ہونے کی پانچ وجہیں ہیں: (۱) یہ فرقہ بدعتی بلکہ بدترین اہل بدعت سے ہے اور بدعتی کی توہین شرعاً واجب ہے جب کہ امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے لہٰذا اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے

(۲) بدمذہبی کے علاوہ غیر مقلدین فاسق معلن اور بے باک مجاہر بھی ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی

(۳) شافعی امام جب کہ نماز وطہارت میں ہمارے مذہب کی رعایت نہ کرے اور خروج عن الخلاف کی پرواہ نہ رکھے اس کے پیچھے حنفی کی نماز درست نہیں۔ اور یہ غیر مقلدین نماز وطہارت کے جو مسائل اپنی کتابوں میں بیان کئے وہ مذہب حنفی سے یکسر بیگانہ اور جدا ہیں تو ان کے پیچھے جواز اقتداء کا سوال ہی نہیں ہوتا

(۴) جو متکلم ضروریات عقائد کی بحث میں (جن میں لغزش موجب کفر ہوتی ہے) یہ چاہے کہ کسی طرح اس کا مخالف خطا کر جائے وہ کافر ہے کہ اس نے اس کا کافر ہونا چاہا اور مسلمان کو مبتلاء کفر چاہنا کفر ہے اور رضا بالکفر خود ہی کفر ہے۔ علما فرماتے ہیں: ایسے متکلم کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ جب اس متکلم کے پیچھے نماز جائز نہیں جس کے انداز سے کفر غیر پر رضا ظاہر ہوتی ہے تو یہ غیر مقلدین جن کا اصل مقصود تکفیر مسلمین ہے اور دن، رات اسی میں کوشاں تو ان کی خواہش یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان کافر ٹھہریں تو ان کی اقتداء میں نماز کیونکر جائز ہوگی۔

(۵) غیر مقلدین تقلید کو شرک اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مقلدین کو مشرک بتاتے ہیں اور جو کسی مسلمان کو کافر کہے کہنے والا فقہا کے نزدیک مذہب مفتیٰ بہ پر کافر ہو جاتا ہے اور کافر کے پیچھے نماز باطل۔ ان کا کفر اگر چہ کفر فقہی ہے مگر اس کے پیچھے نماز باطل ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ راقم ہیں "خیر تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ یہ حضرات غیر مقلدین وسائر اخلاف طوائف نجدیہ مسلمانوں کو ناحق کافر ومشرک ٹھہرا کر ہزار ہا اکابر ائمہ کے طور پر کافر ہو گئے اس قدر مصیبت ان پر کیا کم ہے۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ تو بحکم شرع ان پر توبہ فرض اور تجدید ایمان لازم اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں اہل سنت کو چاہیے ان سے بہت پرہیز رکھیں ان کے معاملات میں شریک نہ ہوں اپنے معاملات میں انہیں شریک نہ کریں (فتاویٰ رضویہ ج:۳، ص ۳۱۱)

اور ان غیر مقلدین کو امام نہ بنانے کے تعلق سے امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا:

"بالجملہ ہر طرح ان سے دوری مناسب خصوصاً ان کے پیچھے نماز سے تو احتراز واجب اور ان کی امامت پسند نہ کریگا مگر دین میں مداہن یا عقل سے مجانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تمہیں اپنی نماز کا قبول ہونا خوش آتا ہو تو چاہیے جو تم میں اچھے ہوں وہ تمہارے امام ہوں کہ وہ تمہارے سفیر ہیں تم میں اور تمہارے رب میں۔ اھ ملخصاً (فتاویٰ رضویہ ج:۳ ص:۳۱۱)

آیت سجدہ کی تلاوت سے سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے:

اصل مذہب اور ظاہر الروایہ کے مطابق پوری آیت سجدہ بتامہا قرأت کرنے سے تالی وسامع پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک حرف بھی باقی رہ جائے گا تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔ مثلاً سورہ "حم" میں موضع سجدہ "تعبدون" نہیں بلکہ "لایسئمون" ہے تو اگر کسی نے "تعبدون" تک پڑھا تو اصل مذہب ظاہر الروایہ میں اس پر سجدہ واجب نہ ہوگا، بلکہ حرف آخر والا کلمہ لایسئمون نہیں پڑھا جب بھی سجدہ واجب نہ ہوگا۔ امام احمد رضا قدس سرہ رقم طراز ہیں:

قابل غور یہ بات ہے کہ سجدۂ تلاوت کس قدر قرأت سے ہوتا ہے؟ اصل مذہب وظاہر الروایہ میں ہے کہ ساری آیت بتامہا اس کا سبب ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک حرف باقی رہ جائے گا، سجدہ نہ آئے گا اور یہی مذہب آثار صحابہ عظام وتابعین کرام سے مستفاد اور ایسا ہی امام مالک اور امام شافعی وغیرہما ائمہ کا ارشاد بلکہ ائمہ متقدمین سے اس بارے میں اصلاً خلاف معلوم نہیں کتب اصحاب متون کہ نقل مذہب کے لیے موضوع ہیں قاطبۃ اسی طرف گئے اور دلائل وکلمات عامہ شروح کہ تحقیق وتنقیح کی متکفل ہیں اسی پر مبنی متبنی ہوئے اور اکابر

اصحاب وفتاویٰ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ اھ ملخصاً۔

(فتاویٰ رضویہ ج:۳:ص ۶۴۹/۶۵۰)

جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے یہ سوال ہوا کہ اکثر کتب نظم ونثر میں آیات سجدہ لکھی ہوتی ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ آیا سجدہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ جیسے کوئی کسی کا لکھا ہوا شعر پڑھے:

راہ حق میں کر دیا سجدہ میں قربان اپنا سر
ایسی وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ کی کس نے کی تفسیر ہے

اس سوال کے جواب میں امام اہل سنت نے ابتداءً ظاہر روایہ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اس مذہب جلیل الشان مشید الارکان پر شعر مذکور کے پڑھنے سننے سے سجدہ نہیں آسکتا کہ اس میں آیت سجدہ بتامہا نہیں اسی طرح ہر وہ نظم جس میں پوری آیت سجدہ نہ ہو اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ قرأت سماعت نظم مطلقاً موجب سجدہ نہیں کہ آیات چاردہ گانہ سے کوئی آیت وزن عروضی کی مساعدت نہیں فرماتی جسے نظم میں لانا چاہیں گے یا پوری نہ آئیگی یا ترتیب کلمات بدل جائیں گی، بہرحال آیت بحالہا باقی نہ رہے گی''۔ (فتاویٰ رضویہ ج:۳/ص ۶۵۱)

مگر بعض علمائے متأخرین کا مذہب یہ ہے کہ آیت سجدہ سے صرف دو کلمے پڑھنا موجب سجدہ ہے ایک لفظ تو وہ جس میں ذکر سجود ہے اور دوسرا اس سے قبل یا بعد کا۔ یہ مذہب اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے مگر بہت ساری کتابوں میں اس کی تصحیح منقول ہے۔ بایں ہمہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ راقم ہیں:

''ہاں بعض علمائے متأخرین کا یہ مذہب ہے کہ آیت سجدہ کے صرف دو کلمے پڑھنا موجب سجدہ ہے جن میں ایک وہ لفظ جس میں ذکر سجود ہے جیسے آیت ''واسجد'' اور دوسرا اس کے قبل یا اس کے بعد جیسے اس میں ''واقترب'' یہ مذہب اگرچہ ظاہر الروایہ بلکہ روایات نوادر سے بھی جدا اور مسلک ائمہ سلف وتصریح وتلویح متون وشروح کے بالکل خلاف ہے، رہی تصحیحیں وہ تعدد کتب سے متکثر نہیں ہوتیں کہ جسے منصب اجتہاد فتویٰ نہیں اس کا ہوا تصحیح کہنا نقل محض اور تقلید مجرد ہے پھر خادم فقہ جانتا ہے کہ اجماع متون کی شان عظیم ہے خصوصاً جب کہ جماہر شراح وکبریٰ اہل فتاویٰ بھی ان کے ساتھ ہوں یہاں تک کہ بعض صریح تصحیحوں کو اسی وجہ سے نہ مانا گیا کہ مخالف متون ہیں جبکہ وہ مذہب ائمہ مذہب سے منقول بھی نہیں صرف بعض مشائخ کا مسلک ہے اور حکم اس قبیل سے نہیں جو اختلاف زمانہ سے بدل جائے ایسی حالت میں اس تصحیح پر یقین واعتماد ضروری ہونا بغایت حیز منع وانکار میں ہے'' (فتاویٰ رضویہ ج:۳:ص ۶۵۱،۶۵۲)

ان سب کے باوجود اگر شعر مذکور فی السوال کی قرأت وسماعت پر سجدہ کر لے تو کوئی ضرر نہیں کہ عدم وجوب سجدہ جواز سجدہ کی منافی نہیں تو بہتر ہے کہ سجدہ کر لے۔ امام احمد رضا اخیر میں فرماتے ہیں:

''بالجملہ اصل مذہب معلوم ہے تاہم محل وہ ہے کہ سجود میں ضرر نہیں اور برتقدیر وجوب ترک معیوب اور صریح تصحیح جاذب قلوب لہذا انسب یہی ہے کہ اسی مذہب مصحح پر کاربند ہوکر شعر مذکور کی سماعت وقرأت پر سجدہ کرلیں، اسی طرح ہر نظم نثر میں جہاں آیت سجدہ سے صرف سجدہ مع کلمہ مقارنہ پڑھا جائے سجدہ بجالائیں''۔ (فتاویٰ رضویہ ج:۳،ص ۶۵۲/)

اسقاط وجوب زکوٰۃ کے لیے حیلہ کا عمل:

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی طرف یہ حکایت منسوب کی جاتی ہے کہ وہ عدم وجوب زکوٰۃ کے لیے حیلہ سے کام لیتے رہتے یعنی وہ آخر سال میں اپنا پورا مال اپنی زوجہ کے نام ہبہ کردیتے تھے اور زوجہ کا مال اپنے نام ہبہ کرا لیا کرتے تھے۔ تاکہ وجوب زکوٰۃ نہ ہو۔ یہ بات کسی نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ان کی فقہ کی جہت سے ہے اور درست فرمایا۔ اس حکایت کی نسبت جب امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا تو انہوں نے جواب میں ایک رسالہ ہی لکھ دیا جس کا نام رکھا ''رادع التعسف عن الامام أبي یوسف'' اس رسالہ میں امام ممدوح نے اس حکایت کے تعلق سے ایسی نفیس توجیہیں بیان کیں کہ امام

ثانی پر طعن کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، ان توجیہات میں سے کچھ اس طرح ہیں:

(۱) ہمارے کتب مذہب نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اختلاف نقل کیا اور صاف لکھ دیا کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسا فعل جائز نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب بھی امام محمد کے مذہب کے موافق ہے، ایسا فعل ممنوع ہے۔

(۲) خزانۃ المفتین میں فتاویٰ کبریٰ سے ہے "**والحیلة فی منع وجوب الزکوٰة تکرہ بالاجماع**" یعنی منع وجوب زکوٰۃ کے لیے حیلہ اپنانا بالاجماع مکروہ ہے تو ثابت ہوا کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدم جواز پر اجماع ہے۔ حضرت امام ابو یوسف بھی مکروہ قرار دیتے ہیں، ممنوع و ناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہت تحریمہ کے لیے ہے خصوصاً نقل اجماع کہ اس سے ہمارے سب ائمہ مذہب کا متحد ہونا سمجھ میں آرہا ہے۔

(۳) امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الخراج میں ہے۔

ترجمہ: امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ زکوٰۃ نہ دے یا اپنی ملک سے دوسرے کی ملک میں دے دے جس سے ملک متفرق ہو جائے اور زکوٰۃ لازم نہ آئے کہ اب ہر ایک کے پاس نصاب سے کم ہے اور کسی طرح کسی صورت ابطال زکوٰۃ کا حیلہ نہ کرے۔ ہم کو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا زکوٰۃ نہ دینے والا مسلمان نہیں اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز مردود ہے" امام ابو یوسف کے اس قول کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ امام ابو یوسف نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا اور ان کا آخری قول یہی ٹھہرا جو امام اعظم اور امام محمد کا ہے۔ اور جب امام مجتہد اپنے کسی قول سے رجوع کرلے تو بعد رجوع وہ اس کا قول نہیں رہ جاتا نہ اس قول سے اس پر طعن جائز ہے۔

(۴) یہ حکایت کسی مستند سند سے ثابت نہیں اور بے سند ہونا طعن کے لیے کافی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کا جائز ہونا اور بات ہے اور خود مجتہد کا اس فعل میں مرتکب ہونا اور بات ہے یہ حضرات بارہا عوام کے لیے رخصت بتاتے اور خود عزیمت پر عمل فرماتے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ یہ کہ حضرت امام ابو یوسف نے یہ حیلہ بتایا نہ یہ کہ خود اس پر عمل بھی کیا۔

(۵) بالفرض اگر یہ حکایت صحیح بھی ہو تو اس کا مفاد صرف اس قدر کہ یہ حضرت امام ابو یوسف کا اجتہاد ہے اور مجتہد کے اجتہاد پر انہیں ملامت نہیں کیا جاتا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عکرمہ کو جب انہوں نے حضرت امیر معاویہ کے بارے میں کہا انہوں نے وتر کی ایک رکعت پڑھی جواب دیا۔ **دعه فانه فقيه**۔ انہیں کچھ نہ کہو کہ مجتہد ہیں۔

(۶) بعد وجوب زکوٰۃ منع زکوٰۃ کا حیلہ بالاجماع حرام ہے۔ یہاں کلام منع وجوب میں ہے یعنی وہ تدبیر اختیار کرنی کہ ابتداءً زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو یہی امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے تعلیم فرمایا اس میں حکم خدا کی نافرمانی کہاں ہوئی؟

ان وجوہات کو ذکر کرنے کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"ہاں دربار تصویب و تصدیق یہ حکایت کتب میں منقول ہے کہ امام زین الملۃ والدین ابوبکر خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کسی شافعی المذہب نے امام ابو یوسف کا قول حضور کے سامنے عرض کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو یوسف کی تجویز حق ہے یا فرمایا راست ہے"

یعنی امام ابو یوسف نے جو حیلہ بتایا وہ صحیح ہے اگر کوئی بوجہ ضرورت اس حیلہ پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر امام اعظم اور امام محمد علیہما الرحمہ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں عوام اس سے بُرے مقاصد کا دروازہ نہ کھول لیں اس سے ممانعت فرمادی۔ خود امام اہل سنت اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

باب حیلہ واسع ہے اگر کلام کو وسعت دی جائے تطویل لازم آئے اہل انصاف کو اسی قدر بس ہے پھر جب اللہ و رسول اجازتیں دیں تعلیمیں فرمائیں تو ابو یوسف پر کیا الزام آسکتا ہے۔ ہاں ہمارے

امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ خیال فرمایا کہ کہیں اس کی تجویز عوام کے لیے مقصد شفیع کا دروازہ نہ کھولے۔ لہذا ممانعت فرمادی اور ائمہ فتویٰ نے اسی منع ہی پر فتویٰ دیا۔ وہ کون سا مجتہد ہے جس کے بعض اقوال دوسروں کو مرضی نہ ہوئے یہ رد و قبول تو زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بلانکیر رائج و معمول ہے" (فتاویٰ رضویہ ج:۴ر ص ۴۴۷)

افطار کی دعا پہلے یا بعد میں:

افطار کی دعا "**اللھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت**". قبل افطار ہے یا بعد افطار؟ اس تعلق سے حضرت مولانا عبدالحمید پانی پتی ثم بنارسی علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت سے سوال کیا کہ اس باب میں صحیح کیا ہے؟ اور فقہا کا یہ کہنا "**ینبغي أن یقول عند الافطار**" میں "عند" ظرف زمان ہے یا ظرف مکان؟ جب یہ سوال امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ایک تحقیقی جواب رقم فرمایا اور مستقل رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام رکھا "**العروس المعطار في زمن دعوة الافطار**" امام موصوف نے اپنے اس رسالہ میں تحقیق فرمائی کہ دعائے روزہ افطار کر کے پڑھے۔ اور اس پر یہ دلیلیں قائم فرمائیں:

(اولاً) دار قطنی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تو کہتے "**اللھم لک صمنا وعلیٰ رزقک افطرنا**" (اے اللہ ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔ اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے بعد یہ دعا پڑھتے۔

(ثانیاً) اس دعا میں **افطرت، افطرنا، ذهب الظمأ، ابتلت العروق.** سب ماضی کے صیغے ہیں اور افطار باللفظ نہیں ہوتا کہ یہاں عقود کی طرح انشا مقصود ہو تو لاجرم اخبار متعین۔ اب اگر اس دعا کو افطار میں مقدم کریں تو "افطرنا" وغیرہ کا معنیٰ حقیقی نہیں بلکہ مجازی مراد لینا ہوگا جو خلاف اصل ہے اور بلا وجہ حقیقت سے عدول قبیح ہے تو ثابت ہوا کہ یہ دعا بعد افطار ہے اور یہی "افطرنا" کا معنیٰ حقیقی ہے۔

(ثالثاً) بیہقی کی روایت میں اس دعا سے پہلے لفظ "الحمدللہ" بھی ہے اور حمد الٰہی کھانے کے بعد ادا کی جاتی ہے یہی معہود ہے جس طرح کھانے سے پہلے تسمیہ معہود ہے۔

(رابعاً) یہ دعائیں دن میں پڑھنے کی نہیں کہ ابھی وقت افطار بھی نہ آیا ہو اب اگر بکر بعد غروب شمس یہ دعائیں پڑھ کر افطار کرے اور زید بعد غروب فوراً افطار کر کے پڑھے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کس کا فعل اللہ عزوجل کو زیادہ محبوب ہے۔ حدیث شاہد عدل ہے کہ زید کا فعل اللہ عزوجل کو زیادہ پسند ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔ مجھے اپنے بندوں میں زیادہ پیارا وہ جوان میں سب سے زیادہ جلد افطار کرتا ہے (رواہ امام احمد)

(خامساً) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے بھی ثابت ہے کہ دعا بعد افطار ہے۔ اس لیے کہ عادت کریمہ تھی کہ قریب غروب کسی کو حکم فرماتے کہ بلندی پر جا کر آفتاب کو دیکھتا رہے وہ دیکھتا رہتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خبر کے منتظر ہوتے۔ ادھر دیکھنے والے نے عرض کی کہ سورج ڈوب گیا ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خرما وغیرہ تناول فرمایا جیسا کہ حاکم کی روایت میں ہے۔ یہ حدیث بھی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ پہلے افطار کرتے پھر دعا پڑھتے کہ اخبار غروب شمس اور افطار میں اصلاً کوئی فصل نہ تھا۔ ان سب توجیہات کو نقل کرنے کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

لاجرم تصریح فرمائی کہ یہ دعا افطار کے بعد واقع ہوئی۔ مولانا علی قاری رحمۃ الباری مرقات شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث مذکور ابی داؤد فرماتے ہیں: **ان النبي صلی الله علیه وسلم کان اذا افطر قال ای دعا وقال ابن الملک ای قرأ بعد الافطار.** (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے کہتے یعنی دعا کرتے اور ابن ملک نے کہا یعنی افطار کے بعد دعا پڑھتے)

بالجملہ وقت الافطار وعند الافطار وبعد الافطار وہنگام افطار ونزدیک افطار و پس افطار سب کا حاصل ایک ہی ہے۔ نزدیک ترجمہ "عند" ہے اور "عند" خواہ ظرف مکان ہو خواہ ظرف زمان مکان دونوں مگر شک نہیں کہ زمان و زمانی پر داخل ہو کر افادہ قرب زمانی ہی کرے گا۔ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ عند الافطار کے معنیٰ حین الافطار

ہیں نہ فی مکان الافطار، لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہاں عند سے اتحاد زمان ہی مفاد اور اتحاد سے وہی تعقیب متصل مراد۔ ان تقریرات سے بحمد اللہ تعالیٰ تمام سوالوں کا جواب ہوگیا اور روشن طور پر متجلیٰ ہوا کہ مقتضائے سنت یہی ہے کہ بعد غروب جو خرمے یا پانی وغیرہ پر قبل از نماز افطار معجّل کرتے ہیں اس میں اور علم بغروب شمس میں اصلاً فصل نہ چاہیے یہ دعائیں اس کے بعد ہوں، اھ ملخصاً''

(فتاویٰ رضویہ ج:۴ر ص ۶۵۵:۶۵۶)

سفر حج میں آسانی کے لیے سرزمین حجاز میں ریلوے کا قیام اور اس کی اعانت:

امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں آپ کی خدمت میں ایک سوال یہ آیا کہ حجاز کی مقدس سرزمین میں وہاں کی حکومت ریلوے کا انتظام کرنا چاہتی ہے تاکہ سفر وزیارت کے لیے مسلمانوں کو آسانی ہو اور خصوصاً مکہ مکرمہ اور مدینہ منور کے رہنے والوں کو ہر شئی بآسانی میسر ہو۔ وہاں کی حکومت خاص مسلمانوں کے تعاون سے اس کام کو انجام دینا چاہتی ہے تو کیا ہندوستان کے مسلمانوں کو اس کی اعانت کرنی چاہئے اور چندہ دینے والوں کو ثواب ملے گا یا نہیں ؟ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ریل کا بننا ایک بہانہ ہے اس بہانہ سے صرف چندہ حاصل کرنا ہے، بعض تردد کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں روپیہ وہاں تک پہنچتا ہی نہیں۔ سوال کرنے والے نے اعلیٰ حضرت سے یہ بھی پوچھا کہ پیلی بھیت والوں کو یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے چندہ دینے کو منع فرمایا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ امام احمد رضا قدس سرہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ حجاز ریلوے مسلمانوں کے نفع واکرام کی چیز ہے، نیت صالحہ سے اس میں شرکت باعث اجر وبرکت ہے۔ اور بعض حاجیوں کا یہ خیال کہ ریل بننا غلط ہے، روپیہ خائنوں کے ہاتھ لگ جاتا ہے اس میں پہلا جملہ غلط اور سوئے ظن ہے وہ بھی صریح یقین کے مقابل اور پچھلا جملہ اگرچہ بعض مواضع پر صحیح ہونا ممکن۔ ایسے معاملات میں بہت سے کاذب وخائن کھڑے ہوجاتے ہیں مگر سب یکساں نہیں ہوتے، اگر ایسا ہو بھی تو جس مسلمان نے لوجہ اللہ دیا اپنی نیت پر اجر پائے گا۔ اس کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ مزید فرماتے ہیں: فقیر نے اس میں اعانت پر کبھی انکار نہ کیا البتہ بعض جاہلان علم ادعا نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس کی اعانت فرض ہے کہ بے امنی راہ کے باعث فرضیت حج میں خلل ہے ریل کا بننا اس خلل کا ازالہ کرے گا اور مقدمہ فرض، فرض ہوتا ہے اس کا میں نے رد کیا تھا کہ یہ محض جہالت ہے، اول بحمد اللہ تعالیٰ ہرگز راہ میں بے امنی نہیں، جسے حق سبحانہ نے وہ سفر کریم بخشا اور اس کے ساتھ ایمان کی آنکھ اور عقل مستقیم کی عطا ہے اس نے موازنہ کیا اور معلوم کرلیا ہے کہ وہاں بآنکہ بارہ منزل کے اندر صرف دو ایک چوکیاں ہیں بحمدہٖ تعالیٰ وہ امن وامان رہتی ہے کہ یہاں قدم قدم پر چوکی پہرے کی حالت میں ہو''۔ (فتاویٰ رضویہ ج:۴ر ص ۶۷۲ر)

اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ریل کے بغیر حجاز کی مقدس سرزمین میں امن وامان قائم نہیں رہ سکتا۔ تو یہ ریل مقدمہ فرض نہیں بلکہ مقدمہ فرضیت ہوگی اور مقدمہ فرضیت فرض تو درکنار مستحب بھی نہیں، تو اسے مقدمۂ فرض قرار دیکر فرض قرار دینا خلاف شرع ہے خود امام ممدوح رقم طراز ہیں۔

''اور اگر معاذ اللہ بدامنی اس حد کی فرض کی جائے کہ مانع فرضیت حج ہو تو اب یہ ریل اگر مورث امن مان بھی لی جائے تو مقدمہ فرض نہ ہوگی کہ بسبب بے امنی حج فرض ہی نہیں۔ ہاں مقدمہ فرضیت ہوگی کہ یہ ہوجائے تو حج فرض ہو اور مقدمہ فرضیت فرض درکنار مستحب بھی نہیں ہوتا''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ر ص ۶۷۲)

الحاصل! امام احمد رضا قدس سرہ کے کتب فقہ وفتاویٰ میں ایسے بے شمار مسائل میں ملیں گے جن پر امام موصوف نے تحقیق کے سارے تقاضے بخوبی پورے کیے ہیں۔ اقوال مختلفہ کا احاطہ پھر قول راجح کی ترجیح اور وجوہ ترجیح کا باحسن وجوہ بیان اور کلام مشائخ سے اس کی تائید وتحسین یہ ایسے اعلیٰ تحقیقی کارنامے ہیں جن کے سامنے تحقیق سربگریبان عقلا انگشت بدنداں اور معروضیت ورطۂ حیرت میں غرق ہے۔ پروردگار عالم ہم اور ہماری طرح تمام اہل علم کو امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی فیوض وبرکات سے مستنیر ومستفید ومستفیض فرمائے آمین۔

امام احمد رضا اور فقہ وفتاویٰ (فقہ المعاملات)

مقالہ نگار

مفتی علی اصغر عطاری مدنی (کراچی: پاکستان)

حضرت مولانا مفتی علی اصغر عطاری مدنی کراچی کے مشہور عالم ومفتی ہیں۔انٹر پاس کرنے کے بعد دعوت اسلامی کے تعلیمی ادارہ: جامعۃ المدینہ (کراچی) میں درس نظامی کی تعلیم کا آغاز 1996 میں کیا۔درس نظامی کے ساتھ ساتھ آپ نے 1998 میں کراچی یونیورسٹی میں بی اے میں داخلہ لے کر بی اے اور پھر بی ایڈ کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد آپ نے کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (عربی) مکمل کیا اور درس نظامی کی تعلیم بھی جاری رکھی،اور تنظیم المدارس کے تحت ''الشہادۃ العالمیہ'' کی سند حاصل کی۔درس نظامی کی تکمیل کے بعد تخصص فی الفقہ کیا۔2003 سے 2009 تک دارالافتا اہل سنت میں تدریب کے مراحل سے گزرتے ہوئے 2009 میں مفتی کے منصب پر فائز ہوئے۔2010 میں کراچی یونیورسٹی سے ایم فل کا ایک سالہ کورس کیا اوراس کے بعد ''عقود معاوضات اور نظریہ فساد عصر حاضر کے تناظر میں'' کے عنوان پر 2012 میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے ریسرچ کے طور پر مقالہ لکھے جانے کی منظوری حاصل کی۔یہ مقالہ زیر تکمیل ہے۔تجارت اور فقہ المعاملات سے متعلق میڈیا پر مفتی موصوف کے مستقل پروگرام 10: دس سال سے جاری ہیں۔دعوت اسلامی کے تحت قائم تین مختلف دارالافتا اہل سنت کی شاخوں کے مصدق ہیں اور وہاں سے جاری ہونے والے فتاویٰ مفتی صاحب کی نگرانی میں جاری ہوتے ہیں۔مفتی موصوف نے متعدد تصانیف بھی فرمائی ہیں۔فیس بک ایڈریس برائے رابطہ:facebook/Mufti Ali Asghar

امام احمد رضا اور فقہ المعاملات (فقہ وفتاویٰ)

فقہ المعاملات ایک تعارف:

دین اسلام کی تعلیمات مرکزی طور پر پانچ چیزوں پر مشتمل ہیں:

(1) عقائد

(2) اخلاق وآداب

(3) عبادات

(4) معاملات

(5) سزائیں

عقائد سے متعلق گفتگو علم کلام میں کی جاتی ہے جبکہ اخلاق و آداب سے متعلق گفتگو علم تصوف میں کی جاتی ہے۔ باقی جو تین عنوانات ہیں ان سے متعلق گفتگو علم فقہ میں کی جاتی ہے۔

عبادات کی پانچ اقسام ہیں: (۱) نماز (۲) روزہ (۲) زکوٰۃ (۴) حج (۵) جہاد۔

اسی طرح معاملات کے متعلق بھی عام طور پر فقہائے کرام نے یہی لکھا کہ پانچ ہیں: (۱) معاوضاتِ مالیہ (۲) مناکحات (۳) مخاصمات (۴) امانات (۵) ترکہ۔

سزائیں بھی پانچ ہیں: (۱) قصاص (۲) حد سرقہ (۳) حد زنا (۴) حد قذف (۵) ارتداد کی سزا۔

بحر الرائق، جوہرہ نیرہ، فتاویٰ شامی اور دیگر کتب فقہ میں یہی تقسیم بندی بیان کی گئی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ اس تقسیم بندی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اعلم أن مدار أمور الدين على الاعتقادات والآداب والعبادات والمعاملات والعقوبات، والأولان ليسا مما نحن بصدده. والعبادات خمسة: الصلاة، والزكاة، والصوم، والحج، والجهاد. والمعاملات خمسة: المعاوضات المالية، والمناكحات، والمخاصمات، والأمانات، والتركات. والعقوبات خمسة: القصاص، وحد السرقة، والزنا، والقذف، والردة" خلاصه اوپر گزر چکا.

(رد المحتار، جلد 1، صفحه 186، دار المعرفة بيروت)

چونکہ میرا مقالہ "**فقہ المعاملات پر اعلیٰ حضرت کی خدمات**" کے عنوان پر ہے لہٰذا پہلے تو علمِ فقہ المعاملات کو سامنے رکھتے ہوئے فتاویٰ رضویہ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کردہ تقسیم سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فقہ المعاملات بہت وسیع موضوع ہے اور صرف خرید وفروخت کو ہی فقہ المعاملات نہیں کہتے بلکہ فقہ المعاملات لین دین کے تمام امور پر مشتمل ہے۔ ایک معاشرتی زندگی میں فقہ المعاملات ہی وہ موضوع ہے جو سب سے زیادہ درپیش ہوتا ہے۔ اس بات پر علمی بحث میں کافی گنجائش موجود ہے کہ کون کون سے ابواب فقہ المعاملات کے تحت داخل ہوں گے اور کون سے نہیں، لیکن بعض ابواب ایسے ہیں جن کے فقہ المعاملات ہونے پر کوئی شبہ نہیں جیسا کہ عقود معاوضات وعقود تبرعات میں وہ تمام امور جو مال میں انتقالِ ملکیت کا سبب بنتے ہیں سب عقودِ معاملات میں داخل ہیں۔ زیر بحث مقالے میں راقم الحروف کے پیش نظر زیادہ تر عقود معاملات وعقود تبرعات ہی رہے گا۔ ورنہ فتاوی رضویہ شریف کی تقریباً 10 جلدیں فقہ المعاملات کے ابواب پر مشتمل ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کی فقہ المعاملات کے پانچ اقسام:

فتاوی رضویہ شریف میں فقہ المعاملات پر جو کچھ لکھا گیا اس کی پانچ انداز کی تقسیم بندی کی جا سکتی ہے:

1۔انقلابی تحقیق پر مشتمل رسائل

2۔مصنف کے دور میں رونما ہونے والے لین دن کے جدید طریقوں پر فقہی کلام

3۔مسلمانوں کی معاشی بہتری وترقی کو سامنے رکھ کر لکھے گئے رسائل

4۔مصنف کے دور میں عام فقہ نوازل پر لکھے گئے تفصیلی رسائل یا مختصر جوابات

5۔مصنف کے بیان کردہ وہ ضابطے اور تحقیق جو اکیسویں صدی کے جدید معاشی مسائل کا بہترین حل ہیں

قسم اول:انقلابی تحقیق پر مشتمل رسائل:

بیسویں صدی، جدید معاشی ترقی کی بنیاد ثابت ہوئی ہے بیسویں صدی ہی وہ صدی ہے جس میں بہت ساری چیزیں یا تو نئی نئی ایجاد ہوکر پھیلنا شروع ہو چکی تھیں جیسا کہ ٹیلی گراف ٹیلی فون ہوائی جہاز یا پھر انگریز کی ھندوستان پر حکومت کے نتیجے میں ھندوستان میں یہ چیزیں نئی تھیں جیسا کہ بینک ،انشورنس کمپنیاں اور مختلف تجارتی کمپنیوں کا پھیلاؤ۔ایک اور بہت بڑی تبدیلی جو بیسوی صدی کے آغاز میں سرزمین ھندوستان میں رائج ہو چکی تھی وہ پیپر کرنسی تھی سونے چاندی اور دھات کے سکوں سے نکل کر کاغذی کرنسی فروغ پا رہی تھی یہ وہ وقت ہے جب سرزمین بریلی پر ایک عظیم فقیہ اور بے مثال محقق،''امام احمد رضا خان'' علیہ رحمۃ الرحمٰن کے نام سے سامنے آتا ہے جو فقہی جولانی، مہارتِ جاودانی اور اسلاف کی نشانی سے متصف ہے۔یہ وہ عبقری شخصیت ہے جو اپنے زمانے کے درپیش مسائل کی اہمیت سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان کا درست انداز میں ادراک کرنا بھی جانتا ہے اور ان پر فقہی کلام کرنا بھی۔ان کا سینہ فیضانِ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے لبریز ہے اور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے کا جام ان میں وہ توانائی اور قوت پیدا کیے ہوئے ہے جس کی بدولت آپ کی تحقیقات پڑھنے کے بعد ہر عقل و فہم رکھنے والا کہہ اٹھتا ہے کہ اس قدر عرق ریزی، استحضارِ جزئیات،حقیقت کا ادراک، تنقیح اقوال کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرنا کسی عام فقیہ کا کام نہیں ہوسکتا۔

میرے پیش نظر اس وقت دو ایسے رسائل ہیں جو میرے نزدیک انقلابی تحقیق پر مشتمل ہیں۔انقلابی تحقیق کا لفظ راقم الحروف نے کیوں استعمال کیا یہ کچھ سطور کے بعد واضح ہو جائے گا۔

ماضی قریب میں فقہ المعاملات میں ایک لفظ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے اس کا نام ہے ''تَکْییفِ فقہی'' ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی نیا لین دین کا نظام یا طریقہ کار سامنے آتا ہے تو اس کو جائز کہنا ہو یا پھر نا جائز،اس نظام کے اجزائے ترکیبی پر بحث کر کے اس نظام کا درست ادراک کیا جاتا ہے اور اس بات کا تعین کیا جاتا ہے کہ کس شق اور جہت کا تعلق فقہ کے کس باب سے ہے اور اس باب کے اصولوں کی روشنی میں یہ پورا نظام یا سسٹم جائز ہے یا نا جائز۔اس کی ایک واضح سی مثال شیئرز کمپنیوں سے متعلق فقہی تحقیقات پر مشتمل کتب ہیں۔ان کتب میں سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ کمپنیوں کے شیئرز خریدنے کا مطلب کیا ہے؟ پرچی خریدی جاتی ہے یا کچھ اور؟ اچھا کمپنی کے اثاثہ جات خریدے جاتے ہیں تو شرکت ملک ہوگی یا شرکت عقد؟ شرکت عقد ہوگی تو کونسی؟ پھر نفع کی تقسیم، شیئرز کی اقسام، کمپنی کا وجود، اس کے کام کی نوعیت اور دیگر بہت ساری متعلقہ چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد کوئی فقیہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس لین دین کا شرعی حکم کیا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت معاشی ترقی کی بنیادی اکائی کارپوریٹ سیکٹر ہے جس کا ہر شعبہ ایک مرکب نظام ہوتا ہے اور ایسے کسی بھی نظام پر فقہی کلام ''تَکْییفِ فقہی'' کے بغیر ممکن نہیں۔

گوکہ ''تَکْییفِ فقہی'' کی اصطلاح بیان کردہ معانی کے تحت تقریباً 1980ء کے بعد ہی استعمال ہوتی ہوئی نظر آتی ہے جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ سودی بینکوں اور سودی انشورنس کمپنیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی یہ کوشش جاری تھی کہ اسلامک بینک اور تکافل کے نام سے اسلامک انشورنس کمپنیاں ایجاد کی جائیں۔پہلی

تکافل کمپنی 1979ء میں سوڈان میں قائم ہوتی ہے۔ڈاکٹر صدیق امین الضریر اس کے شرعی ایڈوائزر بنتے ہیں اور تقریباً 1980ء میں ایک عرب ملک میں پہلا اسلامک بینک معرضِ وجود میں آتا ہے۔ ان اعداد وشمار اور تاریخی حقائق کو ذہن میں رکھنا یوں بھی ضروری ہے کہ ہمارے عقیدے کے مخالفین کے بارے میں یہ بات تو زبان زد عام ہے کہ وہ اکابر پرست واقع ہوئے ہیں اور جھوٹ کا سہارا لینا تو ان کے نزدیک ایسے معاملات میں کوئی بڑی بات معلوم نہیں ہوتی۔ پاکستان کے ایک دیوبندی اسکالر تقی عثمانی کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس نے اسلامک بینکنگ ایجاد کی ہے۔حالانکہ یہ بات صریح جھوٹ ہے اسلامک بینکنگ پر بنیادی کام جدہ فقہ اکیڈمی نے کیا ہے جو دنیا بھر کے فقہا پر مشتمل تھی۔موصوف تو بہت بعد میں اس اکیڈمی کے رکن بنے ہیں۔ایک رکن وہ بھی بہت بعد میں شامل ہونے والا اور اسلامک بینک کھل جانے کے بعد اس فیلڈ کی طرف آنے والا کیسے بانی کہلاسکتا ہے یہ ایک واضح امر ہے۔

بات اسلامک بینکنگ اور تکافل کی نکلی ہے تو یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ راقم الحروف نے تا حال اس سے اتفاق نہیں کیا ہے،بعض جگہ تھیوری کی اغلاط موجود ہیں اور بعض جگہ پریکٹیکل کی۔اسلامک بینکنگ کی اساس مذاہبِ اربعہ کے اجتماعی مرکب پر ہے، اور کئی مقامات ایسے ہیں جہاں مذہبِ غیر پر فتویٰ دیئے جانے پر تحفظات اس اعتبار سے موجود ہیں کہ وجوہاتِ مسلمہ پائی گئیں یا نہیں۔جبکہ بعض غلطیوں کو ضرورت قرار دے کر صرفِ نظر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے،لیکن ان کے ضرورت ہونے پر کلام بہر حال موجود ہے جیسا کہ اسلامک بینکنگ سب سے زیادہ اپنا پیسہ جس کام میں لگاتی ہے وہ ''صکوک پراڈکٹ'' ہیں اور اس پراڈکٹ کی آج بھی سودی انشورنس ہوتی ہے۔اسلامک بینکوں کے نظام کا ہدف بہت عمدہ ہے کہ سود کا خاتمہ ہو،لیکن راقم الحروف کے نزدیک اس نظام میں پائے جانے والے سقم کو دور کرنا ضروری ہے۔

درمیان میں کلام معترضہ حائل ہوگیا اصل کلام کی طرف واپس آتا ہوں۔اس وقت ہزاروں کتب، پی ایچ ڈی کے مقالے، ایم اے یا ماجستر کے رسالے اسلامک بینکنگ پر لکھے گئے ہیں اور ہر پراڈکٹ کو اسلامی اصولوں پر ڈالنے کے لیے جو ترکیب یا تکنیک استعمال کی جاتی ہے اس کا نام ہے''تَکییفِ فقہي''،لیکن امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے آج سے تقریباً 130 سال قبل 1311ھ یعنی تقریباً 1893ء میں ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا نام ہے:

كِتابُ المُنىٰ والدُرَر لِمَنْ عَمَدَمَنِی اٰرْدَر (1311ھ)

(امید بھرے موتیوں کا گلدستہ اس کے لیے جو منی آرڈر کا حکم جاننا چاہے)

راقم الحروف کی نظر میں یہ وہ پہلی کتاب ہے جس میں جدید معاشی نظام کو''تَکییفِ فقہي'' کی مہارت کو بروکار لاتے ہوئے حل کیا گیا ہے۔یہ رسالہ منی آرڈر کے ذریعے رقوم بھیجنے اور ڈاکخانے کو اجرت دینے کے جواز پر لکھا گیا ہے۔

جب یہ سسٹم رائج ہوا تو مسلمانوں نے اس سے استفادہ شروع کیا اور کئی برس بعد کہیں سے یہ شور اٹھا کہ یہ سسٹم تو ناجائز اور سودی ہے، یوں بعض لوگوں نے اسے سودی کام قرار دے دیا، ایسے میں مولوی عبدالسمیع صاحب نے ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی خدمت میں منی آرڈر کے نظام کی شرعی حیثیت پر سوال نامہ بھیجا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے اس کے جواب میں یہ تفصیلی رسالہ تحریر فرمایا جو فتاوی رضویہ جلد 19 میں موجود ہے۔اس رسالے میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ صرف فقہی اعتبار سے مسئلے کی تنقیح کی اور ثابت کیا کہ منی آرڈر کا نظام جائز ہے اور جو فقہی اشکالات کیے گئے وہ قابل حل ہیں اور ان کا جواب یہ یہ ہے، بلکہ اس مسئلے کی پوری فقہی جانچ پڑتال کر ڈالی۔ کِتابُ المُنىٰ والدُرَر کوئی عام رسالہ نہیں بلکہ اس میں دور جدید کے ایک پورے نظام سے متعلق آپ سے پوچھا گیا جس میں بہت سارے فقہی اشکالات آپ کے سامنے تھے کہ

ادارہ رقم پہنچانے کی اجرت لیتا ہے، اگر رقم اس سے ضائع ہو جائے تب بھی لوٹاتا ہے اور ضمان ادا کرتا ہے حالانکہ یہ چیز اس کے پاس امانت تھی اور امانت پر ضمان نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہ ادارہ اجیر خاص ہے یا اجیر مشترک، جو رقم ڈاکخانے کو دی جاتی ہے وہ قرض تو نہیں۔ ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس نظام کی مکمل ''تَکْیِیفِ فقہی'' بیان کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا اور ہر ہر شق پر دلائل مرتب کیے۔

یہاں تین باتیں بڑی اہم ہیں:

(1) اول یہ کہ کسی بھی معاشی نظام یا عقد کی ''تَکْیِیفِ فقہی'' بیان کرنے کا رجحان اسلامک بینکاری شروع ہونے کے بعد سے ہی آیا ہے اس سے پہلے فقہا نے کسی معاشی سسٹم پر فتاویٰ یا رسائل لکھے ہوں اس کی مثال شاید خال خال ہی ہو۔ لیکن اگر تاریخ پر نظر کی جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا شمار ان اولین لوگوں میں ہے جنہوں نے عصری ایجادات اور جدید معاشی نظام کی ''تَکْیِیفِ فقہی'' بیان کرنے کی ابتداء کی۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ یہ سالہ صرف منی آرڈر کو ہی نہیں بلکہ ایسے تمام شعبہ جات کو محیط ہے جو سروسز دیتے ہیں اور ان سے متعلق بہت ہی اہم نکات اس رسالے میں بیان کیے گئے ہیں۔

(3) جو بات ایک رسالے کو انقلابی تحقیق کا نام دیتی ہے اس میں دو چیزیں ہیں: اول یہ کہ جدید معاشی نظام میں جواز تلاش کرنا علماء پر عائد ذمہ داری ہے، انتہا درجے کا غور و فکر اور مسلمانوں کی آسانی کا راستہ تلاش کرنا ایک انتہائی اہم کام ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ کسی بھی نئی ایجاد سے مرعوب ہو کر کسی چیز کو جائز یا ناجائز نہیں کہا جاتا بلکہ ایک مفتی اسلام، مذہب کے اصولوں، قواعد اور اہم جزئیات و نظائر کی روشنی میں ہی اسے جائز کہہ سکتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اس رسالے میں ثابت کرتی ہے کہ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے صرف ضرورت یا حاجت کا نعرہ لگا کر اس نظام کو جائز نہیں کہا بلکہ جو اسلوب اختیار کیا وہ جدید دور کے فقہی مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک ماڈل اور مثال ہے۔ اس رسالے میں اختیار کردہ اسلوب عام اسلوب نہیں، منہج تحقیق عام انداز کا نہیں بلکہ انقلابی تحقیق کا انداز ہے جس کو سامنے رکھ کر عصر حاضر کے مسائل کا حل نکالنا ممکن ہے۔

انقلابی تحقیق پر مشتمل دوسرا رسالہ جو میرے پیش نظر ہے اس کا موضوع معیشت کی ایک بنیادی اکائی ہے۔ یہ رسالہ 1324ھ یعنی تقریباً 1906ء یا 1907ء میں ایک ایسے موضوع پر لکھا گیا کہ سات یا آٹھ عشروں کے بعد دنیا بھر کی فقہی اکیڈمیز، فقہی بورڈز میں تقریباً وہی موقف طے ہوا جو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیسویں صدی کی ابتداء میں ہی بیان کر چکے تھے۔ اس رسالہ کا نام یہ ہے:

كِفْلُ الْفَقِيهِ الْفَاهِمِ فِي اَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَرَاهِم (۱۳۲۴ھ) (کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصہ)

یہ رسالہ 1324ھ بمطابق یعنی تقریباً 1907ء میں تحریر کیا گیا اس کا موضوع زر یعنی کرنسی ہے۔ معاشی طور پر زر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ فقہی طور پر لین دین کے مسائل میں معاوضہ اور بدل بننے والی شے کو ثمن (Price) کہا جاتا ہے۔ فقہ المعاملات میں ثمن (Price) پر دو طرح سے کلام کیا جاتا ہے ایک عمومی اعتبار سے، وہ یہ کہ کسی بھی سودے میں ثمن (Price) طے ہونا ضروری ہے یعنی اس کی مقدار کیا ہوگی، ادائیگی نقد ہوگی یا ادھار، کس ملک کی کرنسی ہوگی وغیرہ۔ ثمن (Price) پر دوسری گفتگو خود اس کی حیثیت اور اس پر متفرع ہونے والے مسائل کے اعتبار سے کی جاتی ہے۔ ''كِفْلُ الْفَقِيه'' کا موضوع یہی دوسری قسم ہے۔

زمانہ قدیم میں لوگ اشیاء کے بدلے اشیاء کا تبادلہ کر کے خرید و فروخت کیا کرتے تھے جسے Bater Sale کہتے ہیں اس کے بعد سونے اور چاندی کو زر کی حیثیت حاصل ہوئی اور اسے سودوں میں بدل ٹھہرایا جانے لگا انیسویں صدی تک یہ نظام برقرار رہا۔ البتہ پچھلے

زمانوں میں سونے اور چاندی کے سکوں کے ساتھ ساتھ مختلف دھاتوں کے سکوں کا بہت زیادہ چلن تھا جن کو فلوس کہا جاتا ہے اور ہر ریاست اپنے اپنے فلوس جاری کرتی تھی۔ فلوس کا چلن دوسری یا تیسری صدی سے ہی ہو چکا تھا۔ ہمارے فقہاء کرام نے شروع دن سے ہر اس موضوع پر کلام کیا ہے جس کا تعلق احکام یعنی حلال وحرام سے ہو، اسی طرح زر یعنی ''نقود'' بھی ہمارے فقہاء کی تصانیف کا مستقل موضوع رہا۔

میرے سامنے اس وقت نقود پر لکھی گئی بہت ساری قدیم اور جدید کتب موجود ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ کرنا' مناسب سمجھوں گا تاکہ اس مسئلہ کی اہمیت واضح ہو سکے۔

قدیم کتب:

(1) احمد بن محمد بن عماد بن علی المعروف بابن الہائم المتوفی 815ھ نے ''**نزهة النفوس في بيان حكم التعامل بالفلوس**'' کے عنوان سے رسالہ لکھا۔

(2) امام جلال الدین السیوطی المتوفی 911ھ نے ''**قطع المجادلة عند تغيير المعاملة**'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا جو کہ الحاوی للفتاوی کے رسائل میں شامل ہے۔

(3) علامہ عبد الرؤوف مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (952ھ_1031ء) نے نقود کی تاریخ اور مختلف جہتوں پر مستقل کتاب تصنیف کی جس کا نام ہے ''**النقود و المكاييل و الموازين**'' 172 صفحات کی اس کتاب کو عراقی پبلشر دار الرشید نے شائع کیا۔

(4) مشہور حنفی فقیہ علامہ محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی (1004ھ) جن کی کتاب تنویر الابصار کی شرح علامہ حصکفی نے درمختار کے نام سے کی اور پھر اس پر مزید شرح لکھی گئی جو فتاوی شامی کے نام سے مشہور ہے۔ ان علامہ غزی تمرتاشی نے ''**بذل المجهود في تحرير اسئلة تغيير النقود**'' کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا۔ یہ رسالہ ایک عرصے سے مخطوط صورت میں تھا لیکن 1422ھ بمطابق 2001ء کو جامعہ القدس نے یہ رسالہ دکتور حسام الدین کی تعلیق کے ساتھ شائع کیا۔

(5) عبد القادر الحسینی (1216ھ) نے ''**في تراجع سعر النقود بالأمر السلطاني**'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو کہ نزیہ حماد کی تحقیق سے شائع ہوا ہے۔

(6) علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ (1252ھ) نے 1230ھ میں ''**تنبيه الرقود على مسائل النقود**'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا جو کہ رسائل ابن عابدین میں موجود ہے جسے سہیل اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔

یہ قدیم زمانے میں لکھی گئی بعض کتب اور رسائل تھے جن میں علماء نے فلوس اور درہم و دینار کو زیر بحث لاکر ان کے مسائل فقہیّہ پر تفصیلی گفتگو کی، ان علماء نے اپنے زمانے ہی کے مسائل کا احاطہ کیا لیکن وقت کا پہیہ تیزی سے گھومتا رہا اور اٹھارہویں صدی کے بعد ایجادات کا ایک طوفان آچکا تھا ایسے میں اس موضوع پر اس وقت اضطراب آیا جب کاغذی کرنسی ایجاد ہوئی، پہلے چاندی کے درہم اور سونے کے دینار کے بعد جب فلوس رائج ہوئے تو ایک بات طے تھی کہ فلوس کسی نہ کسی دھات کے ہوتے ہیں یہ بذات خود ایک مال ہیں لیکن نوٹ کے ایجاد ہونے پر علماء سب سے پہلے تو اس بات پر متردد ہوئے کہ یہ رسید ہے یا بذاتِ خود ایک مال بن کر فلوس کی طرح کرنسی کی صورت اختیار کرنے والی ایجاد ہے۔ اور کثیر فقہی احکام میں نوٹ کا معاملہ کیا ہوگا؟

دیوبند مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء نے اس وقت نوٹ کو رسید قرار دے کر مال ماننے یا کرنسی ماننے سے انکار کر دیا، ان کے نزدیک یہ طے پایا کہ ''نوٹ دَین کی سند ہے نوٹ نہ مال ہے نہ سونے اور چاندی کا بدل اور نہ بذات خود ثمن ہے بلکہ محض اس دین کی ایک سند (Certificate) ہے جو حامل نوٹ کے لیے جاری کنندہ کے ذمہ واجب ہے'' ملاحظہ ہو: فتاوی رشیدیہ صفحہ 476، امداد الفتاوی جلد 2 صفحہ 5 مکتبہ دار العلوم کراچی۔

علمائے عرب سے بھی یہ مسئلہ پوچھا گیا لیکن وہ کسی نتیجے تک ہنوز نہ پہنچے تھے بلکہ مکہ مکرمہ کے مفتی حنفیہ سے جب کاغذی کرنسی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ''علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے مجھے اس مسئلے کے جزئیہ کا علم نہیں'' ایسے میں بہر حال 1323ھ میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن جب دوسری مرتبہ حج کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں کے علماء نے کاغذی کرنسی کے تعلق سے بارہ سوالات پیش کیے جس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا قلم اٹھایا اور عربی زبان میں جامع کتاب ''**کِفلُ الفَقِیہ الفَاھِم فِی اَحکَامِ قِرطَاسِ الدِرَاھِم**'' لکھ کر اس مسئلے کو ہمیشہ کے لئے حل فرما دیا۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ رسالہ کن سوالات کے جواب میں تحریر ہوا اور نوٹ کی فقہی حیثیت اتنی اہم کیوں ہے ان سوالات سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔

وہ بارہ سوالات یہ تھے:

الاول: هل هو مال ام سند من قبيل الصک؟

اول: کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟

الثانی: هل تجب فيه الزكٰوة اذا بلغ نصابا فاضلا وحال عليه الحول ام لا ؟

دوم: جب وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الثالث: هل يصح مهرا

سوم: کیا اسے مہر میں مقرر سکتے ہیں؟

الرابع: هل يجب القطع بسرقته من حرز

چہارم: اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟

الخامس: هل يضمن بالاتلاف بمثله او بالدراهم؟

پنجم: اگر اسے کوئی تلف کر دے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا دراہم؟

السادس: هل يجوز بيعه بدراهم او دنانير او فلوس؟

ششم: کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے؟

السابع : اذا استبدل بثوب مثلا يكون مقايضة او بيعا مطلقا؟

ہفتم: اگر مثلاً نوٹ کے بدلے کپڑا خریدیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جس میں دونوں طرف متاع یعنی سامان ہوتا ہے)؟

الثامن: هل يجوز اقراضه وان جاز فيقضى بالمثل او بالدراهم؟

ہشتم: کیا اسے قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا دراہم؟

التاسع: هل يجوز بيعه بدراهم نسيئة الى اجل معلوم؟

نہم: کیا دراہم کے بدلے ادھار میں نوٹ کا بیچنا جائز ہے؟

العاشر: هل يجوز السلم فيه بان تعطى الدراهم علٰى نوط معلوم نوعا وصفة يؤدى بعد شهر مثلاً؟

دہم: کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں کہ روپے پیشگی دیئے جائیں کہ مثلاً ایک مہینے کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا؟

الحادی عشر : هل يجوز بيعه بازيد مما كتب فيه من عدد الربابی كان يباع نوط عشرة باثنى عشر او عشرين او بانقص منه كذلک؟

یازدہم: کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم؟

الثاني عشر : ان جاز هذا فهل يجوز اذا اراد زيد استقراض عشرة ربابی من عمرو ان يقول عمرو لادراهم عندی ولكن ابيعک نوط عشرة باثنتی عشرة ربية منجمة الٰی سنة تؤدی كل شهر ربية وهل ينهی عن ذلک لانه احتيال فی الربا وان لم ينه فما الفرق بينه و

بین الربا حتی یحل ھذا او یحرم ذلک مع ان المال وھو حصول الفضل واحد فیھما؟

دوازدہم: اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ جائز ہوگا کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے دراہم تو میرے پاس نہیں ہیں ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سود کا حیلہ ہے، اور اگر نہ منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا؟

أفیدونا الجواب توجروا یوم الحساب.

ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اپنے سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ ہی میں ان سوالات کے جوابات پر مشتمل رسالہ **کِفلُ الْفَقِیہ** تصنیف کیا۔ چنانچہ 4 صفر المظفر 1324ھ کو سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ **کِفلُ الْفَقِیہ** کے مبیّضہ کی پروف ریڈنگ کے لئے کتب خانہ حرم پہنچے، دیکھا کہ ایک جید عالم مولانا سید عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ بیٹھے ''**کِفلُ الْفَقِیہ**'' کے مسودہ (First Copy) کا مطالعہ کررہے ہیں جیسے ہی وہ اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ: ''لو باع کاغذۃ بالف یجوز و لا یکرہ'' (فتح القدیر، کتاب الکفالہ، ج6، ص324) یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلاکراہت جائز ہے۔ تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے ''این جمال ابن عبد اللہ من ھذا النص الصریح'' ترجمہ: جمال بن عبداللہ اس واضح دلیل سے کہاں غافل رہ گیا۔

(سوانح امام احمد رضا، ص314)

نوٹ کی حیثیت پر نیا ابال:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضان خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے تقریبا 1906 میں کرنسی کے موضوع پر جو کتاب تحریر کی اس وقت سے لے کر 1970ء تک اس مسئلے پر کوئی بڑا کام سامنے نہیں آیا اور 1970ء سے لے کر اختتامِ صدی یعنی 2000ء تک 30 سالوں میں اس مسئلے پر بہت کچھ لکھا گیا سیمینار منعقد ہوئے جن میں دنیا بھر کے علماء مختلف فورمز پر سر جوڑ کر بیٹھے، درجنوں کتب تصنیف کی گئیں، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے کاغذی کرنسی پر لکھے گئے اور اکثر علماء کے ہاں جو نتیجہ نکلا وہ وہی تھا جو نصف صدی سے بھی پہلے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ''**کِفلُ الْفَقِیہ**'' میں بیان کرچکے تھے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

نوٹ کی تحقیق سے متعلق زمانہ قریب کی علمی سرگرمیاں:

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے بہت پہلے ہی اس مسئلے کو حل فرما دیا اور درحقیقت ان کے پیش نظر اس مسئلے کی اہمیت اور مستقبل کے حوالے سے درپیش فقہی مسائل تھے جنہوں نے آکر ہر خطے کے مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا اس بنا پر اس محقق اعظم نے اپنی دور اندیشی سے ادراک کرتے ہوئے پہلے ہی امت کو تشفی بخش حل عطا فرما دیا۔

ذیل میں ہم ان علمی سرگرمیوں کا ایک تاریخی جائزہ پیش کر رہے ہیں جو زمانہ قریب میں نوٹ کی تحقیق پر منعقد ہوئیں اور لوگوں نے نے ساٹھ، ستر سال بعد وہی نتیجہ نکالا جو ''**کِفلُ الْفَقِیہ**'' میں 1906ء میں ثابت کیا جا چکا تھا۔ یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ دنیائے علم وفن میں تحقیق کا سہرا اسی کے سر باندھا جاتا ہے جو اَسبق ہو یعنی سب سے پہلے کسی بات کو ثابت کرے یا سب سے پہلے کوئی نظریہ قائم کرے یا کسی لاینحل مسئلے کا قابلِ عمل حل بیان کرے۔ نوٹ کی فقہی حیثیت اور تحقیق کا سہرا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ہی کے سر پر سجا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں زمانہ قریب میں نوٹ کی تحقیق پر کیا علمی

سرگرمیاں رہیں

(1) پہلی سرگرمی:

سعودی علماء کے زیر اہتمام 1393ھ یعنی تقریباً 1973 میں **لجنة دائمة للبحوث العلميه الافتاء** کے تیسرے اجلاس میں جو مسائل زیر بحث آئے ان میں سے ایک مسئلہ نوٹ کی حیثیت کے بارے میں بھی تھا جس پر تفصیل ابحاث هيئة الكبار العلماء کی جلد اول میں موجود قرارداد نمبر 10 میں موجود ہے اس اجلاس کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا گیا ''**وبعد استعراض الأقوال الفقهية التي قيلت في حقيقة الأوراق النقدية من اعتبارها أسنادا، أو عروضا، أو فلوسا، أو بدلا عن ذهب أو فضة، أو نقدا مستقلا بذاته، وما يترتب على تلك الأقوال من أحكام شرعية** ''یعنی اس مشورہ میں یہ طے کرنا ہے کہ نوٹ کیا ہے، سند ہے یا عروض میں سے ہے یا فلوس کی طرح ہے یا پھر سونا یا چاندی کا بدل ہے یا پھر مستقل طور پر ایک جداگانہ حیثیت رکھنے والی چیز ہے۔

(ابحاث هيئة الكبار العلماء، جلد 1، صفحہ 88)

(2) دوسری سرگرمی:

1988ء میں دنیا بھر سے منتخب علماء کے فورم ''بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کونسل'' کا پانچواں اجلاس کویت میں منعقد ہوا۔ پاکستانی اسکالر تقی عثمانی نے اپنا مقالہ'' احکام اوراق النقود''اسی سیمینار میں پیش کیا۔ اس سیمینار میں جو طے کیا گیا اس بات کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن تقریباً 82 سال قبل ہی بیان کر چکے تھے۔

فقہ اکیڈمی جدہ کے سیمینار کے فیصلوں کے خلاصے کا ترجمہ کراچی کے ایک ادارے نے شائع کیا ہے اس مسئلے پر ہونے والے فیصلے کا ترجمہ اسی کتاب سے درج ذیل ہے:

''قرارداد نمبر ۴۲ (۵/۴) بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کی کونسل کا پانچواں اجلاس کویت میں مؤرخہ ۱ تا ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۰ دسمبر تا ۱۵ دسمبر ۱۹۸۸ء منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں کونسل نے 'کرنسی کی قیمت میں تبدیلی' کے موضوع پر اراکین اور ماہرین کی طرف سے پیش کئے گئے مقالات سے آگاہی حاصل کی اور اس پر ہونے والے مباحثوں کو سنا۔ کونسل نے اکیڈمی کے تیسرے اجلاس کی قرارداد نمبر ۲۱ (۳/۹) سے بھی واقفیت حاصل کی جس میں کہا گیا تھا کہ کاغذی نوٹ (فقہی اعتبار سے) 'نقود اعتباریہ' کی حیثیت رکھتے ہیں، کہ ان میں ثمنیت مکمل طور پر موجود ہے اور شریعت میں ربا، زکوٰۃ اور سلم وغیرہ معاملے میں سونے چاندی کے جو احکام طے شدہ ہیں وہی احکام ان نوٹوں پر بھی جاری ہوں گے۔

(جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل، صفحہ 119، ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی)

(3) تیسری سرگرمی:

ہندوستان میں دیوبندی علماء پر مشتمل فورم اسلامک فقہ اکیڈمی نے 1989ء میں اپنے دوسرے سالانہ سیمینار میں اس نکتہ پر گفتگو کی کہ نوٹ ہے کیا، ان کے بڑوں نے اسے رسید کہہ رکھا ہے اسے باقی رکھا جائے گا یا اس پر ثمن کا حکم لگایا جائے؟

اس سیمینار کے لیے جو سوال نامہ مرتب ہوا جس پر مقالہ نگاروں نے جوابات لکھے جدید فقہی مباحث جلد 2 ص 42 پر سوالنامے کے ابتدائی سوال کچھ یوں لکھے گئے۔

''براہِ کرم مندرجہ بالا تمہید کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں۔

۱۔ کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ زر حقیقی یعنی سونے چاندی کے دینار و درہم اور زر اصطلاحی یعنی کاغذی نوٹ کے شرعی احکام یکساں ہوں گے یا ان میں کوئی فرق ہوگا؟''

اس سیمینار میں کرنسی نوٹ پر جو فیصلہ ہوا اس کا پہلا پیراگراف جدید فقہی مباحث نامی کتاب کے صفحہ 568 ج 2 پر درج ذیل الفاظ میں لکھا گیا:

''موجودہ دور میں سونا چاندی ذریعہ تبادلہ نہیں رہا اور کاغذی نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے، حکومت کے قوانین بھی کاغذی نوٹوں کو مکمل طور پر ثمن کی حیثیت دیتے ہیں اور بحیثیت ثمن نوٹوں کو قبول کرنا لازم قرار دیتے ہیں۔ غرضیکہ کاغذی نوٹوں کی حیثیت عرف اور رواج میں زرقانونی کی ہوگئی ہے۔ کرنسی کے اس ہمہ گیر رواج نے جو شرعی اور فقہی مسائل پیدا کئے ہیں ان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے اور غور وخوض کرنے کے بعد شرکائے سیمینار درج ذیل نکات پر متفق ہوئے۔

(۱) کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں ہے بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زرِ اصطلاح وقانونی کی ہے۔

(۲) عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زرخلقی (سونا، چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے لہٰذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

(4) چوتھی سرگرمی:

بعض حضرات نے نوٹ کو ثمن تو مان لیا لیکن خود سے جداگانہ حیثیت دینے کے بجائے اسے سونے کا بدل قرار دیا اور اس مسئلے پر اب بھی یہ موقف رکھتے ہیں کہ نوٹ کی خود اپنی کوئی حیثیت نہیں بلکہ یہ سونے اور چاندی کا بدل ہے ان حضرات کے نزدیک سونے کو نوٹ کے بدلے ادھار خریدنا بھی جائز نہ ہوگا۔ چنانچہ جامعہ بنوری نیوٹاؤن سے جاری ہونے والے ماہنامہ بینات میں ادارے کے اس وقت کے مفتی سعید احمد جلال پوری نے لکھا ''جہاں تک کاغذی نوٹ کی حیثیت کا تعلق ہے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کاغذی نوٹ چونکہ عام طور پر اس سونے چاندی کا بدل یا زرِضمانت ہوتے ہیں جس کی بنیاد پر کاغذی نوٹ جاری کئے جاتے ہیں اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ انہیں سونے کا بدل تصور کیا جائے اور ان کے عوض سونے چاندی کی ادھار خرید وفروخت نہ کی جائے جبکہ بعض دوسرے حضرات ان کو ثمن عرفی قرار دیتے ہیں اس لئے اُن کے ہاں ان کا حکم زرِضمانت کا نہیں لہٰذا اُن کے ہاں کاغذی نوٹوں کے عوض سونے چاندی کی ادھار خرید وفروخت جائز ہے۔

(ماہنامہ بینات، ربیع الثانی 1427 بمطابق 2006)

(5) پانچویں سرگرمی:

بیسویں صدی کے آخر میں نوٹ کی حیثیت اور اس پر متفرع ہونا والا یہ مسئلہ کس قدر اہمیت اختیار کر گیا اس کا اندازہ گزشتہ تیس سالوں میں لکھی گئی کتب سے ہوسکتا ہے۔ ان کتب میں جہاں کرنسی کی تاریخ زیر بحث رہی وہیں ان پر وارد ہونے والے فقہی احکام بھی ان کتب کا موضوع رہے ان میں سے چند کتب اور ان کے مصنفین کے نام درج ذیل ہیں:

کرنسی سے متعلق عصرِ حاضر میں لکھی گئی کتب:

(1) الشیخ محمد علی عبداللہ:۔ أحكام النقود الورقية وتغير قيمة العملة

(2) محمد عبداللطیف الفرفور:۔ رسالة فواتح الإشراق فی أحكام نقود الأوراق وتغير قيمة العملة بإطلاق

(3) ابوبکر دکوری:۔ أحكام النقود الورقية

(4) الشیخ محمد عبدہ عمر:۔ أحكام النقود الورقية وتغير قيمة العملة فی نظر الشريعة الإسلامية

(5) الشیخ عبداللہ بن الشیخ المحفوظ:۔ أحكام النقود الورقية وتغير قيمة العمله

(6) رفیق المصری:۔ الإسلام والنقود

(7) محمد عمر چھابڑا: نحو نظام نقدی عادل دراسة للنقود و المصارف و السياسة النقديه فی ضوء الاسلام یہ کتاب دراصل انگریزی میں ہے جس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

(8) عدنان الترکمانی:۔ السياسة النقدية

والمصرفية فی الإسلام

کرنسی سے متعلق دنیا کی مختلف جامعات میں ہونے والے پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالہ جات

(9) عباس احمد الباز:۔ أحکام صرف النقود والعملات فی الفقه الإسلامی، رسالة ماجستیر

(10) احمد حسن:۔الأوراق النقدیة فی الاقتصاد الإسلامی قیمتها وأحکامها، رسالة دکتوراة

(11) علاء الدین الزعتری:۔ النقود وظائفها الأساسیة وأحکامها الشرعیة، رسالة ماجستیر

(12) ستر بن ثواب الجعید:۔ أحکام الأوراق النقدیة والتجاریة فی الفقه الإسلامی، رسالة ماجستیر

(13) احمد حسین احمد الحسینی:۔ تطور النقود فی الشریعة الإسلامیة، رسالة دکتوارة

(14) جبر محمد سلامہ:۔ أحکام النقود فی الشریعة الإسلامية

کفل الفقیہ رسالہ کی افادیت پر اہم نکات:

ماقبل کی جانے والی گفتگو سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

1۔امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نوٹ یعنی کاغذی کرنسی ایجاد ہونے پر سب سے پہلے تفصیلی تحقیق قلم بند کر کے اس کی درست انداز پر حیثیت متعین فرمائی اور اس کو رسید کا وثیقہ کہنے والوں کا ردِ بلیغ فرمایا۔

2۔امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ صرف نفس نوٹ کے مسئلے پر شافی جواب دیا بلکہ نوٹ کی ایجاد پر جو فقہی تفریعات حل طلب تھیں ان پر بھی تفصیلی کلام فرمایا۔

3۔نوٹ کا مسئلہ کوئی عام مسئلہ نہیں تھا فقیہ اعظم نے یہ نہ دیکھا کہ مسئلہ اس نوعیت کا ہے کہ اس کی نظیر پہلے کوئی نہیں ملتی، نہ کوئی جمود ان کے سامنے حائل ہوا۔ بلکہ یہ رسالہ لکھ کر آپ نے ثابت کر دیا کہ فقہ اسلامی میں ہر چیز کا حل موجود ہے بروقت اور درست حل ہی وہ عمل ہے جس کی بنا پر اس مسئلے میں کی جانے والے تحقیق پر انقلابی تحقیق کا نام صادق آتا ہے۔ایک ایسی تحقیق جس کے نتیجے میں نوٹ سے پیدا ہونی والی عالمگیر تشویش دور ہوئی اور کروڑوں مسلمان دینی پیچیدگی سے بچ گئے۔

یہاں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ کفل الفقیہ الفاہم کے ساتھ ساتھ امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور رسالہ بھی اس کے بعد تصنیف فرمایا جس میں ہندوستان میں نوٹ کی حیثیت پر درست استدلال نہ کرنے والوں پر گرفت کی گئی۔اس رسالے کا نام درج ذیل ہے:

كَاسِرُ السَّفِيهِ الوَاهِم فِي اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِم (کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا)

ملقب بلقب تاریخی **الذَّيْلُ الْمَنُوطُ لِرِسَالَةِ النُّوط** (۱۳۲۹ھ)

یہ رسالہ فتاوی رضویہ کی جلد 17 میں صفحہ 505 تا 560 پر موجود ہے''**كِفْلُ الْفَقِيه**'' کی تالیف تو ان بارہ سوالات کے جوابات تک محدود تھی لیکن اس رسالے میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نوٹ کی فقہی حیثیت پر جداگانہ طور پر ہر دو فریق مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحی لکھنوی کے فتوؤں کا تفصیلی رد کیا۔

افسوس ناک پہلو:

حال ہی میں کرنسی اور زر کے موضوع پر ہونے والے ایک پی ایچ ڈی کے مقالے میں ایک دیوبندی مقالہ نگار مولوی عصمت اللہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن کا موقف غلط نقل کیا ہے، مقالہ نگار کی اس غلطی کا اعتبار کر لیا جائے تو ''**كِفْلُ الْفَقِيه**'' کی جو افادیت تھی وہ ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ نوٹ کی حیثیت کو متعین کرنے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضان خان علیہ الرحمہ سمیت تمام لوگوں کا مؤقف شاذ اور حقیقت کے برعکس تھا اور

آج کے لوگوں نے جو تحقیق کی ہے وہ ایک نئی چیز ہے۔اس سے پہلے یہ کام کسی نے نہیں کیا لہٰذا یہ کارنامہ آج کے لوگوں کا ہے۔

اس غلط موقف کو کیوں بیان کیا گیا؟ یا تو اس کارنامہ کا سہرا کسی اور کے سر باندھنے کے لیے تعصب سے کام لیتے ہوئے مولوی عصمت اللہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے موقف کو غلط بیان کیا، یا پھر ان کی فہم کا قصور ہوگا کہ وہ جس مسئلے پر پی ایچ ڈی کر رہے تھے اسی عنوان پر لکھی گئی بنیادی کتاب کے مطالب کو بلکہ صریح ترین عبارات کو پڑھنے سے قاصر رہے اور درست کے بجائے غلط بات آگے بیان کی۔تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ مقالہ تقی عثمانی کی نگرانی میں لکھا گیا جس کا اقرار تقی عثمانی نے خود اپنی اس کتاب کے لیے لکھی گئی تقریظ میں کیا ہے۔تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ اس نے یہ مقالہ بالاستیعاب پڑھا ہے۔ملاحظہ ہو ''زرکا تحقیقی مطالعہ ص19''

مقالہ نگار مولوی عصت اللہ نے اپنے مقالے میں تین مقامات پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا حوالہ دیا ہے۔

پہلا مقام:

صفحہ 98 سے مقالہ نگار نے نوٹ کی حیثیت پر مختلف نظریات بیان کرنے کی ابتداء کی اور اسی صفحے پر پہلا نظریہ کے ضمن میں علمائے دیوبند کا یہ نظریہ بیان کیا کہ ان کے نزدیک نوٹ دَین کی سند ہے ۔بیان کردہ دوسرے نظریے کو ہم آخر میں بیان کریں گے صفحہ 108 پر مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان کے نزدیک نوٹ سونے کا بدل ہے ۔صفحہ 112 پر چوتھا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ''نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا موقف یہ ہے کہ نوٹ بذاتِ خود ثمن عرفی ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، یعنی نوٹ نہ سندِ دین ہے نہ عروض ہے اور نہ سونے چاندی کا بدیل ہے، بلکہ خود ثمن ہے اور احکام شرعیہ میں فلوس کی طرح ہے، اکثر علماء اسی نظریے کے قائل ہیں اور یہی نظریہ ہمارے نزدیک راجح ہے۔''

مقالہ نگار نے دوسرا نظریہ بیان کرتے ہوئے صفحہ 103 پر لکھا کہ ''نوٹ مال اور سامان (Goods) ہے، کیونکہ لین دین اور سارے معاملات نفسِ کاغذ ہی سے متعلق ہوتے ہیں، اور کاغذ مالِ متقوم (قیمت والا) ہے، جس کی قدر و قیمت عرف و رواج کی وجہ سے بڑھ گئی، جیسے ہیرے، جواہرات کہ انتہائی قیمتی ہوتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت مال اور سامان کی ہوتی ہے۔ ہندوستانی علمائے کرام میں علمائے رام پور اور جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی بھی یہی رائے ہے، اور یہی شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی کے نزدیک راجح معلوم ہوتی ہے۔

احمد رضا خان صاحب بریلوی کا اس موضوع پر باقاعدہ رسالہ ہے جس کا نام کفل الفیقہ الفاہم فی احکام القرطاس والدراہم جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ نوٹ مال اور سامان ہے سند دین یا خود ثمن نہیں''

دوسرا مقام:

اپنے خود ساختہ موقف اور تحریف کا اعادہ مقالہ نگار نے صفحہ 218 پر بھی ان الفاظ میں کیا ''جو حضرات کہتے ہیں کہ ''نوٹ'' عروض اور سامان کے حکم میں ہے، ان کے نزدیک بھی نوٹوں کا تبادلہ بیعِ صرف نہیں، کیونکہ صَرف کے لیے عوضین کا زَر(نقد) ہونا ضروری ہے، ان کے ہاں صَرف صرف سونے اور چاندی میں منحصر ہے۔علمائے ہند میں سے علمائے رام پور اور احمد رضا خان بریلوی صاحب اسی کے قائل ہیں۔''

(زرکا تحقیقی مطالعہ،ص218)

تیسرا مقام:

مقالہ نگار نے اپنی سابقہ بات کو ان الفاظ میں دہرایا:

''واضح رہے کہ جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سندِ دین ہے، ان کے نزدیک ملکی کرنسی کا تبادلہ بطورِ بیع درست نہیں، بلکہ بطور عقدِ حوالہ درست ہوگا، تفصیلات گزر چکی ہیں، اور جو حضرات کرنسی

نوٹ کو سامان کا درجہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک نہ صرف ملکی کرنسی کی بیع درست ہے، بلکہ تفاضل بھی جائز ہے، اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام اور اس کا بدیل ہے، ان کے نزدیک ملکی کرنسی کی بیع بشرطِ تماثل جائز ہے، اور یہ بیعِ صرف ہے۔ حاصل یہ کہ ملکی کرنسی کے تبادلے میں چار قول ہوگئے:........۲۔ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع تفاضلاً بھی درست ہے۔ علمائے رامپور اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اس کے قائل ہیں۔

(زر کا تحقیقی مطالعہ، ص225)

مقالہ نگار کا رد:

نوٹ صرف مال نہیں بلکہ فلوس کی طرح ثمن اصطلاحی ہے:

چونکہ مقالہ نگار نے تین مرتبہ ''کِفلُ الْفَقِیْہ'' سے متعلق غلط موقف بیان کیا لہٰذا ہم بھی ''کِفلُ الْفَقِیْہ'' کے صرف تین مقامات سے یہ بات واضح کریں گے کہ مقالہ نگار کا موقف ہرگز درست نہیں، اور مقالہ نگار کو چاہیے کہ ان عبارتوں کو دوبارہ پڑھنے کے بعد ''کِفلُ الْفَقِیْہ'' سے متعلق اپنے موقف کو درست انداز میں پیش کرے۔

سب سے پہلے تو یہ بیان کر دوں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے نزدیک نوٹ محض مال یا عروض نہیں۔ نوٹ مال ضرور ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن مال کی چار اقسام ''کِفلُ الْفَقِیْہ'' کے پہلے ہی سوال کے جواب میں بیان کی گئی ہیں۔ اعلی حضرت امام احمد رضان خان علیہ الرحمہ کے نزدیک نوٹ عروض کے قبیل سے ہرگز نہیں، بلکہ یہ فلوس کی طرح ثمن اصطلاحی ہے۔ مقالہ نگار نے پہلے مقام پر جو چوتھا موقف بیان کیا وہی موقف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ضان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا ہے۔ نوٹ کی حیثیت کے حوالے سے ''کِفلُ الْفَقِیْہ'' کی عبارات ملاحظہ ہوں:

(1) پہلا حوالہ

ساتویں سوال کا جواب دیتے ہوئے سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

واما السابع فاقول: قد اٰذنّاک انه ثمن اصطلاحي فاستبداله بالثوب لایکون مقایضة بل بیعا مطلقا و لا یتعین النوط بل یلزم فی الذمة کالفلوس

جواب سوال ہفتم۔ فاقول: (میں کہتا ہوں) ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسہ کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 17، صفحہ 424، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

علم فقہ سے ادنیٰ ممارست رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ اگر نوٹ کو عرض مانا جاتا تو سامان کی نوٹ کے بدلے خرید وفروخت بیع مقایضہ ہی ہوتی نہ کہ بیع مطلق، حالانکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن واضح الفاظ میں بیان کررہے ہیں کہ نوٹ کی سامان کے بدلے بیع مقایضہ نہیں کیونکہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے۔

(2) دوسرا حوالہ

نویں سوال کا جواب ''کِفلُ الْفَقِیْہ'' میں درج ذیل الفاظ میں دیا گیا:

واما التاسع فاقول: نعم یجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین و تحقیق ذٰلک ان بیع النوط بالدراھم کالفلوس بھا لیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ماخلق للثمنیة بما خلق لھا کما فسره به البحر والدر وغیرھما ومعلوم ان النوط والفلوس لیست کذٰلک وانما عرض لھا الثمنیة بالاصطلاح مادامت تروج والا فعروض وبعدم کونه صرفا صرح فی ردالمحتار

جواب سوال نہم۔ فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تا کہ طرفین دین کے بدلے

دین بیچ کر جدا نہ ہوں اور تحقیق اس مسئلے کی یہ ہے کہ نوٹ کی بیع دراہم کے بدلے فلوس کی طرح ہے ایسا عقد بیع صرف نہیں کہلائے گا کہ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہو اس لیے کہ صرف اس میں ہوتا ہے جو چیز ثمن ہونے کے لیے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اسکی یہ تعریف بحر و درو غیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہو گیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار میں تصریح فرمائی۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 17، صفحہ 425، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مذکورہ عبارت کے ترجمے کے خط کشیدہ الفاظ قابل توجہ ہیں۔ پہلی عبارت میں کہا گیا کہ نوٹ فلوس کی طرح ہیں جو کہ عروض قرار دینے کا رد ہے اور دوسری عبارت میں بھی واضح لکھا گیا کہ ان میں فلوس کی طرح ثمن ہونا عارض ہے اسی لیے تو انہیں ثمن اصطلاحی کہتے ہیں۔ اگر کوئی حکومت ان کی ثمنیت ختم کر دے تو یہ متاع شمار ہوں گے۔ یہاں بھی نوٹ کو ثمن اصطلاحی اور فلوس کے حکم میں ہونا بیان کیا گیا ہے۔

(3) تیسرا حوالہ

دسویں سوال کا جواب دیتے ہوئے امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

و اما العاشر فاقول: نعم يجوز السلم في النوط و قد يقال لا يجوز فانه ثمن و لا سلم في الاثمان كما تقدم عن النهر والتحقيق ان هذا انما يبتني على رواية نادرة عن محمد والا فالمنصوص عليه في المتون جواز السلم في الفلوس وانما لا يجوز في الاثمان الخلقية وهي النقدان لا غير لعدم قدرة العاقدين على ابطال ثمنيتهما بخلاف الاثمان الاصطلاحية قال في التنوير و الدر (يصح اى السلم فيما امكن ضبط صفته) كجودته و ردائته (ومعرفة قدره كمكيل و موزون و) خرج بقوله (مثمن) الدراهم و الدنانير لانهما اثمان فلم يجز فيها السلم خلافا لمالك (وعددى متقارب كجوز و بيض وفلس الخ

جواب سوال دہم۔ فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے اور ثمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایت نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ فلوس میں بدلی جائز ہے ہاں جو ثمن ہونے کے لیے پیدا کیے گئے ان میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس، اس لیے کہ بائع و مشتری ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف ان چیزوں کے جو اصطلاحاً ثمن قرار پائی ہیں۔ تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہو سکے جیسے اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز، اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو ان میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں اختلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 17، صفحہ 441، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس عبارت سے بھی صاف واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نوٹ کو فلوس کے حکم میں مان کر ثمن اصطلاحی قرار دے کر اس میں بیع سلم ہونے کے جواز پر وارد شبہات کا جواب دے رہے ہیں۔ اگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نوٹ متاع اور عروض ہی ہوتے تو ان کے سلم قرار دینے میں کیا رکاوٹ تھی۔ وہ تو عمومی عروض میں ویسے ہی جائز تھا۔ یہاں اشکال تو یہ تھا کہ فلوس کے حکم میں مان کر ثمن اصطلاحی قرار دے کر سلم کو جائز کیسے کہا گیا؟ حالانکہ ثمن اصلی یعنی دراہم اور دنانیر میں تو سلم جائز نہیں، جس کا جواب آپ علیہ الرحمہ نے دیا۔ واضح رہے کہ یہاں جس جواز کی

بات ہوئی ہے وہ دراہم یعنی چاندی کے بدلے کرنسی نوٹ کے سلم کی بات ہوئی ہے نہ کہ نوٹ کے بدلے نوٹ کے سلم کی۔

خلاصۂ کلام یہ مقالہ نگار نے جو موقف امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا وہ جھوٹ پر مشتمل ہے، اور خلاف واقع ہے اور اس نے ''کفل الفقیہ'' کے اصل موقف کو اپنے مقالہ میں جدید موقف کے طور پر ثابت کر کے تحقیق کا سہرا کسی اور کے سر باندھنے اور اس تحقیق کو منظر عام پر لا کر اپنے منھ میاں مٹھو بننے کی کوشش کی ہے جو ایک بہت بڑی علمی خیانت پر مبنی ہے۔

قسم دوم:

مصنف کے دور میں جدید ترقی کے نتیجے میں لین دین کے جدید طریقوں پر فقہی کلام:

فقہ المعاملات اور خاص کر فقہ المعاوضات کے تعلق سے امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کے زمانے میں درپیش مسائل کو اگر سامنے رکھا جائے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شاید ہی کوئی موضوع ہوگا جس پر فتاوی رضویہ میں کلام نہ کیا گیا ہو، درج ذیل سطور میں صرف ایک نمونے کے طور پر 40 ایسے موضوعات کا ذکر کیا گیا ہے جو انیسویں صدی کے اختتام اور بیسوی صدی کے آغاز پر امت مسلمہ کو درپیش تھے اور فقیہ اعظم امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے ان پر بہت ہی جامع انداز مین فقہی کلام فرمایا۔

شمار	احکام ومسائل	جلد وصفحہ
1	مالی جرمانے کے احکام	5ص 111
2	تکیہ کی زمین کرایہ پر دینا	9ص 479
3	افیون وحشیش کی بیع کا حکم	11ص 386
4	اینٹوں کو نیلامی میں خریدنا	16ص 483
5	دیہات کا رائج ٹھیکہ حرام ہے	ج16 ص197
6	کورٹ کے وکیلوں کے برے افعال پر گرفت	19ص 95
7	تعطیلِ معہود کی تنخواہ کے احکام	19ص 438
8	تالاب کرایہ پر لے کر اس کی مچھلیاں پکڑنے کے مسئلہ پر شرعی گرفت	19ص 480
9	دیہاتی بینک کے نام سے موجود ادارے میں انویسٹ کرنا	19ص 510
10	پراویڈنٹ فنڈ میں کمپنی سے ملنے والی رقم تنخواہ ہی کا حصہ ہے اور ملازم کی ملکیت ہے۔	19ص 533
11	ڈاک خانے کے مسائل اور منی آرڈر کا حکم	19ص 564
12	دوامی پٹہ پر لی گئی پراپرٹی کے احکام	20ص 205
13	کچہریوں کے جبرا نیلام کر کے بیع کرنے کا حکم	20ص 115
14	چونگی وصولی کی ملازمت کا حکم	23ص 581
15	قیدیوں کی تیار کردہ اشیا خریدنا	23ص 596
16	فونوگرام میں قرآن پاک بھرنے اور ایسے ادارے کی ملازمت کے احکام	23ص 411
17	بیمہ اور انشورنس کے احکام	17ص 364
18	پرامیسری نوٹوں کی خریداری کا حکم	17ص 166
19	شیئر ز پر زکوۃ کا حکم	17ص 362
20	کرنسی نوٹ کے احکام	17ص 395
21	کمپنی کے حصص کی بیع وشرا کا حکم	17ص 371
22	آڑھت کے کام کے مسائل	17ص 126
23	پراویڈنٹ فنڈ کی زائد ملنے والی رقم کا حکم	17ص 339
24	زرعی سودی بینک پر گرفت	17ص 340
25	بیعانہ ضبطی کا حکم	17ص 133
26	سرکاری اسٹامپ کی خرید وفروخت کا حکم	17ص 148
27	مصنوعی گھی کی خرید وفروخت کا حکم	17ص 150
28	ہنڈی کی بیع	17ص 712

قسم ثالث:

مسلمانوں کی معاشی بہتری وترقی کو سامنے رکھ کر لکھے گئے رسائل:

امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ایک فقیہ ہی نہیں ایک مدبر اور مصلح بھی ہیں مسلمانوں کی معاشی تنزلی کو دیکھتے ہوئے آپ نے متعدد فکری رسائل بھی تحریر فرمائے جس میں سر فہرست یہ رسالہ ہے:

تدبیرِ فلاح ونجات واصلاح (۱۳۳۱ھ)

نجات اصلاح معاشرہ اور کامیابی کی بہترین تدبیریں

یہ رسالہ فتاوی رضویہ جلد 15 کے صفحہ 142 پر واقع ہے یہ رسالہ کلکتہ سے ایک سائل جناب حاجی منشی لعل خان صاحب کے ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا

سوال یہ تھا کہ ''المؤید کے پرچے برائے ملاحظہ مرسل ہیں، ارشاد ہو کہ آج کل مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے، اور امداد ترک کا کیا طریقہ ہو؟'' اس سوال پر جو تاریخ درج ہے وہ ہے مورخہ 19 ربیع الاول 1331ھ یعنی تقریباً 1912 میں یہ سوال اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے کیا گیا، جس کے جواب میں آپ نے مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر کرنے کے لیے چار نکاتی معاشی فارمولا بیان کیا۔

اول: باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے۔ یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانی: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبہ کچھ صناعی کی گھڑنت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالث: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بنک کھولتے سود شرع نے حرام قطعی فرمایا مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب کفل الفقیہ الفاہم میں چھپ چکا ہے۔ ان جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انہیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائیدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے اگر بنیوں کی جائیداد ہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے تنگے۔

رابع: سب سے زیادہ اہم سب کی جان سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بیٹھایا نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ولاحول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

دین متین علم دین کے دامن سے وابستہ ہے۔ علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا اپنے دونوں جہاں کی زندگی چاہتے وہ انہیں بتا دیتا اندھو! جیسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کر لیں تو ان شاء اللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھل جاتی ہے۔

مذکورہ بالا چار نکات کو سمجھنا اتنا مشکل نہیں۔ پہلا اصول بچت کی مہم پر مشتمل ہے، دوسرا اصول جہاں کمیونٹی کو مضبوط کرتا ہے وہیں مسلمانوں کو معاشی طور پر اوپر لے جانے کا ایک اہم سبب بن سکتا ہے۔ یورپی یونین کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے کہ ان ممالک نے جب ایک کرنسی اور آپس میں آزاد تجارت اور آزاد ویزہ کی پالیسی اپنائی تو ان کی ترقی بڑھ گئی۔

تیسرا اصول اسلامک بینکاری اور اسلامک طریقے سے مائیکرو فنانس بینکنگ کے نظریے پر مشتمل ہے جس کا خواب امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے 1912 میں دیکھا تھا۔ چوتھا اصول بھی براہ راست معاشیات ہی سے متعلق ہے، قرآن کریم فرقان حمید کی اس آیت کی تفسیر ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی.

ترجمہ کنز ایمان: اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لئے تنگ زندگانی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ (سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر 124)

یہاں خاص بات یہ ہے کہ ان چار اصولوں کو امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے محض کتاب کے صفحات تک محدود نہیں رکھا بلکہ مسلمانوں کو موٹو (Motto) طور پر یہ اصول دے کر ان کا پرچار کرنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب بیان فرمائی۔ اسی رسالہ میں آپ فرماتے ہیں:

''اہل رائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں، اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر و قصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کر دیں پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجیے۔''

اس رسالہ کی افادیت اور پس منظر پر ماہر معاشیات پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی صاحب سابق چیئر مین بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن حیدرآباد نے ایک عمدہ مقالہ تحریر کیا ہے جو کہ معارف رضا 1414 بمطابق 1993 میں شائع ہوا جس کے بعد یہ مقالہ اسی رسالہ کے آخر میں دعوت اسلامی کے اشاعتی ادارے ''المدینۃ العلمیۃ'' نے سال 2001 میں شائع کیا۔

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی صاحب کے مقالہ سے چند اقتباس درج ذیل ہیں، آپ لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

بلاشبہ مومن کے اشارے میں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی ہر سانس عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معطر تھی ان اشاروں میں جہاں معنی پوشیدہ ہے اس سے پہلے کہ کسی نکتہ پر بحث کروں بطور تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں 1331ھ بمطابق 1912 میں جب یہ نکات کلکتہ سے شائع ہوئے برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا، دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ امریکہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا، معاشیات پر باقاعدہ کتابیں لکھی جا چکی تھیں اور لکھی جا رہی تھیں، لیکن عوام کی توجہ اور دلچسپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلبا اس مضمون کو خشک سمجھ کر اس سے گریز کرتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر 1930-1929 کی عظیم عالمی

سرد بازاری کے بعد معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا وہ اپنی مثال آپ ہے۔امریکہ میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں معاشیات کے طلبا کی تعداد بہت کم تھی۔خواتین یہ مضمون پڑھنے سے کتراتی تھیں۔لیکن 1940 اور اس کے بعد حالات یک لخت بدل گئے اور معاشیات کے طلبا کی تعداد میں بے اندازہ اضافہ ہوا اور اب تو امریکی ماہرین تعلیم اس بات پر غور کررہے ہیں کہ پرائمری سطح ہی سے طلبا کو معاشیات کی تعلیم دی جائے۔

بہر حال یہ امر واقع ہے کہ علم اقتصادیات میں عوام اور حکومتوں کی دلچسپی کا آغاز 1930-1929 کی عالمی سرد بازاری کی وجہ سے ہوا۔کساد بازاری کو قابو میں لانے کے لیے کلاسیکی نظریات موجود تھے،لیکن اس عظیم عالمی کساد بازاری نے ان نظریات کو باطل کر دیا اور اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ ایک ایسے نئے نظریہ کی ضرورت ہے جو اس کساد بازاری پر قابو پانے میں مدد دے سکے بالآخر 1932 میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے ایم کینز J.M.Keynes نے اپنا مشہور زمانہ ''نظریہ روزگار و آمدنی'' پیش کیا جو اقتصادیات کے میدان میں ایک انقلاب کا سبب بنا اس انقلابی نظریہ نے حکومتوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اس عالمی سرد بازاری پر قابو پالیں کینز کو ان کی خدمات کے صلہ میں تاج برطانیہ نے لارڈ کے خطاب سے نوازا جو کسی بھی انگریز کے لیے اعلیٰ ترین خطاب ہے اور باعث افتخار۔

اس تمہید سے میری غرض صرف اتنی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کرلیں کہ جدید اقتصادی نظریات کی ابتداء 1930 کے بعد سے ہوئی اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہِ مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک 1912 ہی میں دکھا دی تھی۔اگر 1912 سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے نکات پر غور و فکر کیا جاتا اور صاحب حیثیت مسلمان ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے انتہائی مستحکم ہوتی۔

کینز کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے اس بنا پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کرلی تھی جسے چوبیس سال قبل مولانا احمد رضا خان بریلوی شائع کروا چکے تھے،لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرہ برابر توجہ نہ دی۔(**حاشیہ تدبیر فلاح صفحہ 20تا27مطبوعہ المدینۃ العلمیہ**)

یہاں قابل ذکر یہ ہے کہ تدبیر فلاح میں موجود نکات کے فالو اَپ کے طور پر ہمیں مزید رسائل بھی فتاوی رضویہ میں دیکھنے کو ملتے ہیں ان میں سے ایک رسالہ ہے۔

الحجة الموتمنة في آية الممتحنة 1339

سورہ ممتحنہ کی آیت کریمہ کے بارے میں درمیانی راستہ

یہ رسالہ فتاوی رضویہ جلد 14 میں موجود ہے اس رسالہ میں کفار کے ساتھ تعلقات اور معاملات کے احکام پر مشتمل ہے۔جیسا کہ دوسرے اصول میں مسلمانوں کو آپس میں تجارت کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔

جبکہ ایک اور رسالہ جو فتاوی رضویہ جلد 23 میں موجود ہے

راد القحط و الوباء بدعوة الجيران و مواساة الفقراء 1312

پڑوسیوں کی دعوت اور فقیروں کی غم خواری کے ذریعے قحط اور وبا کو لوٹا دینے والے اعمال۔

اس رسالہ میں غریب مسلمانوں کی مدد اور ان کے ساتھ چیرٹی کے کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔تدبیر فلاح کے تیسرے نکتہ میں تونگر مسلمانوں کو نفع لے کر وسیع پیمانے پر تجارت کی ترغیب اور اسلامک بینک بنانے کا نظریہ بیان کیا گیا جبکہ ''راد القحط'' میں صدقہ اور خیرات کے ذریعے ان کی معاشی بہتری کی ترغیب موجود ہے۔

قسم رابع: مصنف کے دور میں عام فقہ نوازل پر لکھے گئے تفصیلی رسائل یا مختصر جوابات:

ہر دور میں نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔فقہا عصر کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان حدوث پذیر مسائل اور نوازل پر حکم شرع بیان فرمائیں۔رونما ہونے والے

مسائل ایک جیسے نہیں ہوتے کچھ وہ ہوتے ہیں کہ معاملہ کی حقیقت و ماہیت جان کر ہی حکم شرع لگایا جاتا ہے اور کچھ وہ ہوتے ہیں کہ جن کا حل صرف فقہی جزئیات کے گرد گھومتا ہے۔ پہلی قسم کے مسائل زیادہ مشکل واقع ہوتے ہیں اعلی حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ نے ہر دو قسم کے وقوع پذیر معاملات پر فتاوی اور مستقل رسائل تصنیف فرمائے۔ یہاں صرف 10 اہم رسائل سے متعلق تبصرہ و تعارف بیان کیا جارہا ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقہ المعاملات میں امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ نے کس قدر قیمتی سرمایہ ہمارے لیے چھوڑا ہے۔

الکشف الشافیا حکم فونو جرافیا 1328

فونوگراف (گراموفون) کے حکم کے بارے میں تسلی بخش وضاحت:

یہ رسالہ فتاوی رضویہ جلد 23 میں موجود ہے فونوگراف تازہ تازہ ایجاد ہوا تھا میوزک اسی کے ذریعے سنا جاتا تھا اب مسئلہ یہ درپیش ہوا کہ آیا فونوگراف میں قرآن کریم ریکارڈ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس معاملہ کو ذریعہ روزگار بنانے کا کیا حکم ہوگا؟ ساتھ ہی ساتھ اس آلہ کے ذریعے گانے باجے سننے کا حکم بھی پوچھا گیا۔

اس سوال کے جواب میں امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے جو رسالہ تصنیف فرمایا وہ حقیقت تک رسائی کی ایک بے نظیر مثال ہے آپ رضی اللہ عنہ اس رسالہ میں فقیہ کم سائنس دان اور متکلم زیادہ نظر آتے ہیں سب سے پہلے صوت یعنی آواز کی حقیقت پر اعلی درجے کا کلام کرتے ہیں دیگر ابحاث کے بعد فونوگراف کی اجزاء ترکیبی پر گفتگو کرتے ہیں اور اس کی پلیٹوں پر الکحل اور اسپرٹ کی آمیزش پائے جانے کے احتمال پر تفصیلی کلام کرتے ہیں اس کے بعد سب سے آخر میں فتاوی رضویہ ص 467 پر جو خلاصہ جواب بیان فرمایا وہ مختصر انداز میں کچھ یوں ہے۔

تین چیزیں ہیں: ممنوعات، معظمات، مباحات

اول کا سننا مطلقاً حرام و ناجائز اور فونو سے جو کچھ سنا جائے گا وہ بعینہ اسی شئی کی آواز ہوگی جس کی صوت اس میں بھری گئی، مزامیر ہو ں خواہ ناچ خواہ عورت کا گانا وغیرہ اصل کا جو حکم تھا بے تفاوت سرمو اس کا ہوگا۔ الخ

دوم بھی مطلقاً حرام و ممنوع ہیں اگر گلاسوں پلیٹوں میں کوئی ناپاکی یا جلسہ لہو و لعب کا ہے تو تحریم سخت ہے اور خود سننے والوں کی نیت تماشا ہے تو اور بھی سخت تر خصوصاً قرآن عظیم میں اور اگر ان سب سے پاک ہو تو ان کے مقاصد فاسدہ کی اعانت ہو کر ممنوع ہے۔ الخ

سوم میں تفصیل ہے اگر پلیٹوں میں نجاست ہے تو حروف و کلمات کا ان میں بھرنا مطلقاً ممنوع ہے کہ حرف خود معظم ہیں۔ اور اگر نجاست نہیں یا وہ کوئی جائز آواز بے حروف ہے تو جلسہ فساق میں اسے سننا اہل اصطلاح کا کام نہیں کہ انہیں اہل باطل سے اختلاط نہ چاہیے اور اگر تنہائی یا خاص صلحا کی مجلس ہے تو کوئی وجہ منع نہیں۔

حقة المرجان لمهم حكم الدخان 1307

حقہ کے ضروری احکام:

فقہ المعاملات میں ایک چیز بڑی اہم ہے وہ یہ کہ جس چیز کا استعمال کرنا جائز نہ ہو اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہ ہوگی۔ حقہ پینا اور تمباکو کھانا کیسا حرام ہے یا مکروہ یہ سوال امام اہل سنت رضی اللہ عنہ سے ہوا اس کے جواب میں آپ نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا آپ نے جواز کا حکم بیان کرتے ہوئے منہ میں بو کے تعلق سے کچھ ممانعت کے مواقع بھی بیان فرمائے۔ امام نابلسی اور علامہ اجھوری مالکی کی تمباکو پر لکھی گئی جواز پر کتب کو بھی آپ ذکر فرماتے ہیں۔ اس رسالہ کی اہمیت کا ایک سبب یہ ہے کہ آج بھی عرب کے وہابیہ سگریٹ پینے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مجموع فتاوی و مقالات بن باز (98/8 مطبوعہ دار القاسم للنشر ریاض) بلا شبہ حرام قرار دینے کا موقف غلو پر مبنی ہے۔ اس کے برخلاف اس موضوع پر امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ پر جو لکھا وہ تحقیق اور اعتدال پر مبنی ہے۔

الاحلی من السکر لطلبة سکر روسر 1303

یہ رسالہ شکر روسر کے طالب (حکم شرعی) کے لیے شکر سے زیادہ میٹھا ہے۔

عصر حاضر میں دو معاملات بہت شائع و ذائع ہیں پہلی بات یہ ہے کہ یا تو کسی پروڈکٹ یا پھر کسی کمپنی کے بارے میں سوشل میڈیا پر مبہم مہم چل رہی ہوتی ہے کہ اس کمپنی کی چیزوں میں یا کسی خاص پروڈکٹ میں حرام چیز کی آمیزش ہے اور اس طرح کی مبہم مہم کا اکثر اوقات نہ سر ہوتا ہے نہ پاؤں بس سنی سنائی باتوں کو آگے بڑھانے کا معاملہ ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں یقینی طور پر حرام چیزوں کی آمیزش شامل ہوتی ہے بالخصوص غیر مسلم ممالک میں ایسی چیزیں بکثرت دستیاب ہیں اور خود بنانے والوں کو بھی اس کا اعتراف ہوتا ہے۔ آج کے دور میں خرید و فروخت کرنے والے گاہک ہوں یا کہ مال بیچنے والے تجار ''حلال فوڈ'' یا ''حلال پروڈکٹ'' ایک ایسا عمومی موضوع ہے جس کی تفصیل ہر کوئی جاننا چاہتا ہے۔

''حلال پروڈکٹ'' کا موضوع آج کے دور میں کتاب الطہارت کا موضوع نہیں رہا بلکہ فقہ المعاملات کا حصہ بن چکا ہے چاکلیٹ سے لے کر گوشت تک ہزاروں مصنوعات سے متعلق یہ موضوع زیر بحث آتا ہے۔ اس موضوع پر امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے بہت ہی تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک موقع پر سوال پوچھا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ روسر کی شکر کو ہڈیوں سے صاف کیا جاتا ہے اور ان ہڈیوں میں گوشت یا چکنائی بھی رہ جاتی ہوگی پھر یہ ہڈیاں حلال جانور کی ہوتی ہوں گی یا حرام جانور کی دونوں ہی احتمالات موجود ہیں سائل نے یہ بھی ذکر کیا کہ سنا ہے کہ اس میں شراب بھی ڈالی جاتی ہے۔ اس سوال کا جواب ایک صفحہ میں بھی دیا جا سکتا تھا لیکن امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ کی نظر فراست معاملہ کی وسعت، سنگینی اور اہمیت کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جواب میں آپ ایک مستقل تحقیقی رسالہ تصنیف فرماتے ہیں جو کہ فتاوی رضویہ جلد 4 کے صفحہ 473 تا 593 تک موجود ہے اس رسالہ کا 90 فیصد سے زائد حصہ مسئلہ کے جواب کی بنیاد بننے والے مقدمات پر مشتمل ہے۔ امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ نے 10 مستقل مقدمات قائم فرما کر مختلف زاویوں سے اس مسئلہ پر فقہی بحث فرمائی اور مسئلہ سے متعلق اہم ترین اصولوں، ضابطوں، نظائر اور جزئیات کو یکجا کیا۔ معاملہ یہ ہو کہ بازاری افواہ پر حلال و حرام کی بنیاد ہوگی یا نہیں یا پھر یہ معاملہ ہو کہ کافر و مستور کی حلت و حرمت اور طہارت و نجاست اور احکامِ دینیہ کے تعلق سے کافر کی خبر معتبر ہوگی یا نہیں۔ پھر ظن کے مدارج پر دقیق بحث ہو یا کہ اصل اشیاء میں طہارت و پاکی کا اصول ہو۔ سب باتیں اس رسالہ میں زیر بحث لا کر امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے بالخصوص مزاج شریعت پر بہت تفصیل سے کلام فرمایا مثلاً کسی چیز کو حرام کہنے میں احتیاط نہیں بلکہ بلا تحقیق کسی چیز کو حرام کہنا شریعت پر افتراء ہے۔ یونہیں ورع اور تقوی کے نام پر پیچیدگی پیدا کرنے والوں پر بھی سخت کلام موجود ہے

امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ رسالہ دراصل حلال فوڈ اور حلال پروڈکٹ کے علم پر مہارت حاصل کرنے کا ایک نصاب ہے اور اس قسم کا مسئلہ حل کرنے کا یہ رسالہ ایک عمدہ ماڈل ہے۔ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ خود اس رسالہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے ان مقدماتِ عشرہ میں جو مسائل و دلائل تقریر کیے جو انھیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاؤ رنگت کی پڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابون، مٹھائیوں وغیرہا کا حکم خود جان سکتا ہے۔ غرض ہر جگہ کیفیتِ خبر و حالتِ مخبر و حاصلِ واقعہ و طریقتِ مداخلت حرام و نجس و تفرقہ ظن و یقین و مدارجِ ظنون و ملاحظہ ضابطہ کلیہ و مسالکِ ورع و مداراتِ خلق وغیرہا امورِ مذکورہ کی تنقیح و مراعات کر لیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر

سابقہ سے واضح نہ ہوجائے۔"

اس پیراگراف میں دو باتیں بہت اہم ہیں ایک یہ کہ مختلف اقسام کی پروڈکٹ پر حکم لگانا آسان ہے اور دوسری چیز یہ کہ کیا کیا چیزیں سامنے رکھ کر حکم لگایا جائے گا۔دوسری چیز بہت اہم ہے ورنہ بعض اوقات اچھا خاصہ سمجھدار آدمی بھی خطا کر جاتا ہے کچھ عرصہ قبل کیوٹی وی پر ایک مفتی صاحب کے دیئے گئے جواب کا کلپ سننے کو ملا جس میں وہ مشینی ذبیحہ کے پس منظر میں یہ حکم لگا رہے تھے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہوتی ہے اور تحقیق و تفتیش میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا یہ ان کی خطا تھی اس سے ان کو رجوع کرنا چاہیے اشیا میں اصل اباحت ہی ہوتی ہے لیکن کم ازکم دو چیزوں کا فقہا نے استثنا فرمایا ہے ایک فروج اور دوسرا گوشت کہ ان کے اندر اصل حرمت ہے اسباب حلت پائے جائیں تو حلال ہونے کا حکم ہوگا ورنہیں۔

خیر الآمال في حکم الکسب والسوال (۱۳۱۸ھ)

کمانے اور سوال کرنے کے بیان میں بہترین تحقیقی نتیجہ:

کسب و معاش سے ہر آدمی متعلق ہے اور دیگر شعبہ زندگی کی طرح معاملات میں بھی شریعت نے اخلاق و آداب سکھائے اور مختلف احکام بتائے ہیں ویسے تو کسب و معاش کو محض ایک دنیاوی کام سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں کسب و معاش کبھی فرض اور واجب بھی ہوتے ہیں سنت اور مستحب کے درجہ میں بھی پہنچتے ہیں لیکن ہر کسب عبادت نہیں اور نہ ہر کسب حلال ہے اس کے بھی مختلف درجے ہیں اور مختلف احوال ہیں ویسے تو عمومی طور پر اس کے احکام کتب فقہ میں ملتے ہیں اور بعض علماء نے اس عنوان پر مستقل کتب بھی تصنیف کی ہیں۔

اس موضوع پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بھی قلم اٹھایا اور ایک عمدہ رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو کہ فتاوی رضویہ جلد 23 میں موجود ہے۔جب کسی مسئلہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن بطور خاص اہتمام اور رسالہ کی صورت میں تحریر فرماتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک خاص مقصد ہوتا ہے کیونکہ یہ محقق اعظم محض مصنف کہلانے کے لیے کتب یا رسائل تحریر نہیں فرماتے اور نہ کتاب بنانے کے لئے یہاں وہاں کی لے کر کتاب لکھ دیتے ہیں۔ بلکہ آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے پیش نظر اپنے منصب کے اعتبار سے مختلف اہداف ہوتے ہیں ان میں سے ایک ہدف مسئلہ کی تنقیح اور غیر مربوط صورتوں کو ایک لڑی میں پرو کر پڑھنے والوں کو سینکڑوں کتب میں بکھرے ہزاروں صفحات کے کھنگالنے سے بے نیاز کر دینا ہے جی ہاں اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہوا سوال تو بڑا ہی سادہ سا ہوا تھا کہ

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کمانا کس وقت فرض ہے، کس وقت مستحب، کس وقت مکروہ، کس وقت حرام، اور سوال کرنا کب جائز ہے کب ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔"

لیکن اس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے مربوط اور تحقیقی جواب دیا، وہ کسی اور کتاب میں نہیں ملے گا۔ذیل میں ہم اس رسالہ کا کچھ پس منظر اور خلاصہ بیان کریں گے لیکن اس سے پہلے یہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں کہ جو بات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس رسالہ میں بیان کر رہے ہیں وہ کسب و معاش کے معاملے میں ایک اعتدال کی راہ ہے۔اور معاشی میدان میں مسلمان اگر ان امور اور بیان کردہ اصولوں کو سامنے رکھیں تو انہیں ہر میدان میں کامیابی نصیب ہوگی۔

رسالہ کی ابتداء وانتہا: آپ سے سوال کیا گیا کہ روپیہ کمانا کس وقت فرض ہے، کس وقت مستحب، کس وقت مکروہ، کس وقت حرام، اور سوال کرنا کب جائز ہے کب ناجائز ہے؟ تو اس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے پہلی سطر یہ لکھی کہ "یہ مسئلہ بہت طویل الذیل ہے جس کی تفصیل کو دفتر درکار، یہاں اس کے بعض صور

وضوابط، پر اقتصار۔‘‘

اس رسالہ کے اختتام پر آپ نے درج ذیل کلمات ارشاد فرمائے: ’’یہ تقریر منیر حفظ رکھنے کی ہے کہ اوّل تا آخر اس تحقیق جمیل وضبط جلیل کے ساتھ اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی‘‘

الشرعة البهية في تحديد الوصية 1317

کشادہ راستہ وصیت کی جامع ومانع تعریف کے بیان میں

رنگون سے شیخ عبد العزیز نے امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک استفتا ارسال کیا جو فتاوی رضویہ کے تقریباً ساڑھے پانچ صفحات پر مشتمل ہے یہ سوالنامہ بہت سارے علمی مسائل پر مشتمل تھا ساتھ ہی ساتھ کچھ عبارات اور جزئیات لکھ کر اشکالات بھی پیش کیے گئے تھے۔خود نفس وصیت کا معاملہ بھی بہت پیچیدہ تھا۔اور سوال کا اصل مقصود حق غیر میں کوتاہی لازم نہ ہو جائے یہ جاننا تھا۔یہ استفتا 8 سوالات پر مشتمل تھا۔

پہلا سوال وصیت کے نفاذ کے متعلق تھا کہ وہ واجب ہے یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہوا کہ کل مال کے منافع کی وصیت کی ہے کسی خاص جزء کی نہیں تو اس سے وصیت پر کوئی فرق پڑے گا یا نہیں؟

تیسرا سوال وصیت کے الفاظوں سے متعلق تھا۔سائل کا مدعی اس کے الفاظوں سے استثناء ثابت کرنا تھا اور اس سے وصیت پر کوئی فرق پڑے گا یا نہیں؟ اصل مقصود یہ پوچھنا تھا۔

چوتھا سوال بڑا ہی دلچسپ ہوا کہ وصیت کا تعلق فقہ المعاملات سے ہے یا نہیں؟

پانچواں سوال وصیت کو بیع پر قیاس کرتے ہوئے تیسرے سوال پر ایک تفریع جاری کرنے سے متعلق تھا، جس کا بہت تفصیلی رد آپ نے فرمایا اور سائل کو بیان کیا کہ بیوع میں شروط ضرر فساد کا سبب بنتی ہیں لیکن وصیت پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

چھٹا سوال کچھ فقہی اشکالات اور حدیث پاک کو سامنے رکھ کر صورت مسئولہ کی وصیت کو باطل کرنے سے متعلق تھا جس کو امام اہل سنت نے باطل نہ ہونا شمار کیا اس جواب میں امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے وصیت کی دو حیثیتوں پر بہت تفصیل سے گفتگو کی یعنی ایک تملیک دوسری قربت۔

ساتواں سوال یہ ہوا کہ وصیت کی بعض صورتوں پر عمل کریں بعض پر نہیں تو کیا کوئی خلل آئے گا امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے خلل نہ آنا بیان کیا۔

آٹھواں سوال وصی سے متعلق ہوا کہ صغیر ورثاء کے سہام کو بعینہ رکھنا ہوگا یا کہ ان کا بیچنا جائز ہے؟ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جائیداد منقولہ کے فروخت پر رخصت وجواز بیان کیا اور غیر منقولہ پر ضروری قیود کے ساتھ جواز اور عدم جواز کی دو صورتیں بیان فرمائیں۔

تبصرہ: وصیت عقود تبرعات میں سے ایک اہم عقد شرعی اور فقہ المعاملات ہی کا ایک حصہ ہے۔امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ کا رسالہ جہاں وصیت کی بنیادی ابحاث پر مشتمل ہے وہیں اس باب کی نوازل فقہیہ کو حل کرنے کی بہت عمدہ مثال ہے اور خاص کر جب سوالات مختلف معارضوں کو قائم کرتے ہوئے اور مختلف جزئیات کو بنیاد بناتے ہوئے کیا گیا تھا تو اب درست مؤقف کی دلائل کے ساتھ وضاحت بہت ضروری تھی۔اس رسالہ کے اندر امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے جو کلام فرمایا نفس سوالات کے جواب کے ساتھ ساتھ بہت سارے فقہی افادات پر مشتمل ہے مثلاً اسی پیراگراف کو دیکھ لیں کہ اتنے شاندار انداز میں عقود کی تقسیم بندی جو آپ نے بیان فرمائی ہے وہ آپ کی فقہ المعاملات میں مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے فرماتے ہیں:

’’تقسیم عبادات ومعاملات میں عبادات سے مطلقاً حقوق اللہ

مراد ہوتے ہیں خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے ارکان اربعہ یا قربات محضہ جیسے عتق و وقف حتی کہ نکاح بھی خواہ عبادات یا قربت مع معنی عقوبت جیسے کفارات اور معاملات حقوق العباد ہیں۔ مثل بیع واجارہ و ھبہ واعارہ وغیرہ اور یہاں نظر مقصود اصل کی طرف ہے۔ اصل مقصود تقرب الی اللہ ہے تو عبادت ہے یا مصالح عبادت تو معاملہ پھر وصیت دو قسم ہے ایک تملیک مثلاً زید یا عمرو یا ابنائے فلاں وغیرہم معین ومحصور اشخاص کے لئے یہ صورت اغنیاء وفقراء سب کے لئے ہو سکتی ہے صورت اولی معاملات سے ہے مثل ھبہ اور ثانیا عبادات سے مثل صدقہ دوسری قربت بلا تملیک مثل وصیت بوقف وعتق و دیگر اعمال، پھر وصیت برائے اربابِ حاجت غیر محصورین بوجہ عدم انحصار تملیک نہیں ہوسکتی یہ صرف قربت واز قبیل عبادات ہے۔''

اس رسالہ میں اسی طرح کے مزید بہت سارے علمی نکات ہیں جوفن فقہ سیکھنے والوں کے لئے بیش بہا خزانہ کی حیثیت رکھتے ہیں

أجود القرى لطالب الصحة في اجارة القرى 1302

دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کیلئے بہترین مہمانی:

امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ سے اجارہ سے متعلق ایک سوال کیا گیا جس میں سائل نے جوصورت بیان کی اس کے مطابق وہ صورت شائع وذائع ہے یعنی اس کا خوب رواج ہے صورت یہ تھی کہ زمین اولاً مزارع کرایہ پر لیتے تھے پھر ایک اور کرایہ داری کا معاملہ اسی پر ہوتا کہ کسی اور ٹھیکیدار کو اس کی آمدنی کرایہ پر دے دی جاتی یہ ایک ناجائز صورت تھی امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے عقد اجارہ کے اصولوں کی روشنی میں اس کا تفصیلی جواب عطا فرمایا اجارہ کے نوازل کے تعلق سے یہ ایک عمدہ رسالہ ہے۔

جوال العلو لتبين الخلو 1336

مسئلہ خلو کی وضاحت کے لیے بلندی گردش:

ہمارے دور میں پگڑی سسٹم پر خرید وفروخت عام معمول سے ہٹ ایک طریقہ کار ہے جس پر ہمیشہ ہی فقہی کلام ہوتا رہا ہے کیوں کہ یہ طریقہ کار فقہی ضابطوں پر پورا نہیں اترتا۔ پرانے زمانے میں خلو ایک طریقہ کار ہوتا تھا جس میں کچھ اسباب پر اجرت پر جائیداد لینے والے کے لیے ابقائے دائمی کا حق تسلیم کیا جاتا تھا۔ یعنی اس شخص سے مالک یہ جگہ حاصل نہیں کرسکتا تھا یہ طریقہ کار فقہ حنفی کے اصولوں کے خلاف تھا امام اہل سنت رضی اللہ عنہ سے پانچ سوال پر مشتمل ایک استفتاء میں اس کی تفریعات پر سوال کیا گیا جس کے جواب میں امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے جو ابحاث فرمائیں وہ وقف، اجارہ اور حقوق مجردہ کے باب میں بہت ہی اہم نکات پر مبنی ہیں۔

فتح المليك في حكم التمليك 1308

رب العزت کی کی طرف سے تملیک کے حکم میں ملنے والا شرح صدر

اس رسالہ میں ھبہ کے سبب ملکیت بننے، دستاویز لکھنے سے ھبہ کے ثابت ہونے ھبہ مشاع تملیک کے لفظ کے اطلاقات جیسی معرکۃ الآراء ابحاث شامل ہیں یہ رسالہ بھی فقہ المعاملات میں ایک اہم ذخیرہ ہے۔

الرمز المرصف على سوال مولينا السيد آصف 1339

مولانا سید آصف کے سوال پر مضبوط اشارہ:

اس رسالہ میں کانپور کے مولانا آصف نے امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ سے جو سوالات بالخصوص کفار کے ساتھ معاملات اور لین دین کے تعلق سے کئے گئے تھے ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں کفار کے ساتھ بیع وشراء کرنے، اجارہ کرنے، کافر طبیب سے علاج کروانے جیسے معاملات پر تفصیلی انداز میں فقہی گفتگو کی گئی ہے۔

عطاء النبي لافاضة أحكام ماء الصبي 1334

بچے کے حاصل کردہ پانی کے احکام سے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کا عطیہ:

اسلامی معاشیات میں نظریہ تملیک کو بڑی اہمیت حاصل ہے اقتصاد اسلامی کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس میں اسباب تملیک اور ملکیتِ فرد پر متفرع ہونے والے مسائل واحوال سے گفتگو نہ کی جاتی ہو۔

عمومی طور پر کتب میں اس حوالے سے صرف تعارف اور چند موٹی موٹی ابحاث ہی موجود ہوتی ہیں۔ جن میں زیادہ تر تعریف و اقسام اور اسباب ملکیت ہی بیان کیے جاتے ہیں۔ اور ایک عام اسکالر یہی بیان کرسکتا ہے لیکن نظریہ تملیک اور اس کی تفریعات اور ثمرات کو اگر کوئی گہرائی سے دیکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ فتاوی رضویہ میں موجود عطاء النبی لافاضۃ احکام الصبی رسالہ کا مطالعہ کرے جو کہ فتاوی رضویہ جلد دوم رضا فاؤنڈیشن کے صفحہ 494 تا 541 پر موجود ہے۔ اور اس قدر گہرائی سے کلام کرنا یقیناً ایک عظیم فقیہ ہی کا کام ہے۔

اس رسالہ کا محور تو اگرچہ نابالغ کی تملیک پر متفرع ہونے والے مسائل ہیں۔ نابالغ کی ملک کی حفاظت کو قرآن کریم نے کئی مقام پر تاکید سے بیان کیا ہے۔ وہاں اگرچہ کہ یتیم مراد ہے کہ جس کا والد انتقال کر جائے اسے نابالغی کی عمر تک یتیم کہا جاتا ہے لیکن جس نابالغ کے والد زندہ ہوں شریعت نے ان والدین کے لئے بھی نابالغ کے بہت سارے اہم مسائل بیان کیے ہیں۔ ایسا نہیں کہ نابالغ کی ملکیت پر انہیں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہو۔ چونکہ اس مسئلے میں بے احتیاطیاں زیادہ تھیں اور فقہی طور پر کئی باتیں قابل وضاحت وتنقیح تھیں اسی لئے قدرے تفصیل سے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا گیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی رسالہ دراصل ایک اور رسالہ کا ذیلی رسالہ ہے جس کا نام ''النور والنورق لاسفار الماء المطلق'' (1334) ہے اور اس میں اعلی حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ نے وضو کے تعلق سے پانی کی ماہیت، مائے مطلق اور پانی کی اقسام پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس میں سے قسم اول اس پانی کے بیان میں ہے جس سے وضو صحیح ہے اور اس مقام پر 452 سے لے کر 596 تک پانی کی 160 اقسام بیان کیں کہ جن سے وضوء جائز ہے۔ اور اس کے ضمن میں درجنوں فقہی ابحاث اور کثیر ضوابط کا افادہ کیا۔

تبصرہ بر مقصود:

چونکہ اصل رسالہ وضو ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے پانی کی اقسام پر تھا ایسے میں یہ بحث بھی آئی کہ وہ پانی جو ملکِ غیر ہو اس کے کیا احکام ہوں گے ایسے پانی سے وضو ہو جائے گا یا نہیں؟ ویسے تو ملک غیر کا معاملہ ایک سادہ سی بات تھی کہ اس کی اجازت سے وضو جائز اور اجازت نہ ہو اور غصب کا پانی ہو تب بھی وضو تو ہو جائے گا لیکن فعل اور پانی میں تصرف کرنا ناجائز رہے گا اور ایسے پانی کا تاوان دینا ہوگا۔ لیکن یہ سادہ سا معاملہ اس وقت طوالت اختیار کر گیا جب یہ بحث چھڑی کہ نابالغ جو کہ اپنی ملکیت کو ہر صورت میں منتقل کرنے کا مجاز نہیں اور جو چیز اس کی ملکیت میں ہو اس سے کس حد تک استفادہ ممکن ہے؟ اور چونکہ نہروں ندی نالوں کا پانی مباح ہوتا ہے جو قبضہ کر لے اس کی ملکیت میں چلا جاتا ہے لھذا نابالغ کے ان جگہوں سے بھرے ہوئے پانی سے وضو کرنے کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟

یہ وہ پس منظر ہے جو ایک علمی تحقیق کو سامنے لے کر آیا اور نظریہ ملکیت کو سامنے رکھ کر اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس پر وہ تفصیلی کلام کیا کہ ایسا جامع کلام کہیں نہ ملے گا۔

قسم خامس:

مصنف کے بیان کردہ وہ ضابطے اور تحقیق جو اکیسویں صدی کے جدید معاشی مسائل کا بہترین حل ہیں:

اعلی حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے فقہ المعاملات میں جو خدمات انجام دیں اپنے فتاوی اور رسائل میں جو عرق ریزی بیان کی وہ معاصر فقہاء کے لیے کس کس انداز سے فائدہ مند ہے اس کا ایک بہت ہی مختصر جائزہ ملاحظہ ہو۔

مذہب حنفی میں رہتے ہوئے فقہ المعاملات کا حل ممکن ہے:

آج کے دور کی ترقی صرف سائنس اور مادی چیزوں تک ہی محدود نہیں بلکہ دینی میدان میں بہت نت نئے تخیلات اور تجربات بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک مشکل مسئلہ درپیش ہوا لیکن آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فقہ حنفی میں رہتے ہوئے ان تمام مسائل کا حل بیان فرمایا۔منی آڈر کے مسئلہ کی مثال ہمارے سامنے ہے جب اصل پیچیدگی بظاہر یہی تھی کہ ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم کے ضائع ہونے پر تاوان کیسے ممکن ہے؟ لیکن امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے فقہی تنقیح کے ذریعے اس مسئلہ کو حل فرمایا۔

آج ہمارے زمانے میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک مسئلہ اس زمانے میں درپیش ہے لیکن کمی ہے تو ہمت کی اور اسلاف کے دامن کو سختی سے تھامے رہنے کی۔فقہ حنفی کوئی جمود مذہب نہیں اس کے قواعد، فروع اور نظائر وجزئیات کی روشنی میں ہر چیز کا حل موجود ہے

امام اہل سنت کی تحقیقاتی افادت سے فائدہ اٹھانا:

موجودہ دور میں بالخصوص کمپنی کے وجود پر سب سے زیادہ اشکال شخص قانونی کے مسئلہ پر تھا لیکن اگر دیکھا جائے تو امام اہل سنت اس مسئلہ کی طرف صراحت سے نہ سہی لیکن اشارۃ کلام فرما چکے ہیں چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''بینک پر جمع رقم بینک پر دین ہے''۔ (فتاوی رضویہ جلد 16 صفحہ 244)

یونہیں المنی والدرر میں ڈاکخانہ کو اجیر مشترک کی دکان قرار دینا بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ کے سامنے ان اداروں کی جو حیثیت تھی وہ ایسی تھی جو لین دین کرنے کے مجاز ہیں یعنی شخص قانونی ہیں۔یہ تو فقط ایک مثال ہے اور اس مختصر مقالہ میں تفصیل گنجائش بھی نہیں خاص طور پر محققین کے لئے قسم خامس ایک بہت وسیع موضوع ہے اور امام اہل سنت کی تحقیقات کے اصولوں کو جدید مسائل کے فقہی حل کے طور پر سامنے لانے کی وسیع گنجائش موجود ہے۔

تدبیر فلاح کی روشنی میں اسلامک فنانس پروگراموں کا فروغ:

کہنے کو تو پاکستان اور کئی ممالک میں اسلامک بینک کے نام سے بہت سارے ادارے قائم ہو چکے ہیں لیکن ان کی عملی غلطیاں دیگر کئی امور دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ یہ کمرشل ادارے ہیں بلکہ عرب امارات میں تو ایک جگہ یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ غیر مسلم تک بہت اعلی عہدوں پر فائز ہو کر اسلامی بینک میں کام کر رہے تھے۔امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے ایسے کسی اسلامی بینک کا خواب نہیں دیکھا تھا۔جو تفصیلات معلوم ہوتی ہیں ان کی رو سے بینک انتظامیہ بہت سارے معاملات کو اپنے ایڈوائزر مفتیان کرام سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر غلطی پر ایڈوائزر مفتی صاحب کی عملی گرفت بھی ممکن نہیں کہ نظام بہت وسیع ہوتا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان مختلف سطح پر اس انداز کی انجمن یا فورم بنائیں جن کا مفاد کمرشل از نہ ہو اور امیر لوگ غرباء کو قرض حسنہ دیں یا کم نفع لے کر مائیکرو فنانس کے ذریعے ان کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کریں۔تجار اپنی مارکیٹ کی سطح پر فنڈ جمع کر کے آگ لگ جانے یا بڑے نقصان کی تلافی پر کسی مسلمان کی مدد کا بندوبست کر سکتے ہیں۔یونہیں مختلف قسم کی برادریاں علماء کی رہنمائی میں غریب اور نادار لوگوں کی مدد کے لئے فنڈ جمع کر کے مدد کر سکتی ہیں۔پاکستان میں

سیلانی ویلفیر مسلمانوں کی مدد کرنے کا ایک بہت عمدہ ماڈل ہے گو اس ادارے میں بھی اس میں بھی کئی امور قابل اصلاح ہو سکتے ہیں لیکن ان کی خدمات بہت عمدہ ہیں۔ یونہی انویسٹ کے لئے بینکوں سے رجوع کرنے کے بجائے مضبوط علماء سے رہنمائی لے کر آپس میں ہی مضاربت وشراکت کے ذریعے جائز نفع کی صورت کو فروغ دیا جا سکتا ہے کفل الفقیہ الفاہم میں امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ نے سود سے بچنے کے حیلوں کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے ان طریقوں کو اپنا کر سود سے بچنا ممکن ہے۔

امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کے منہج تحقیق کی پیروی راہ اعتدال کا سبب بنی رہے گی:

تحقیق ایک ذوق کا نام ہے ایک محقق کسی نہ کسی طریقہ کار کو فالو کرتا ہے۔ یہ ایک بہت ہی بنیادی چیز ہے، امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ کے منہج تحقیق کو اگر دیکھا جائے تو کیسا ہی دشوار اور مشکل مسئلہ ہو وہ حل کیا جا سکتا ہے۔امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کی تحقیق کے اہم اجزاء وعناصر ہوتے ہیں درج ذیل خصوصیات سے خالی نہیں ہوتے ان چیزوں کو اپنا کر مشکل مسائل کا حل ممکن ہے۔

1۔جس مسئلہ سے متعلق سوال ہے اس کی پوری تحقیق:

یعنی تحقیق صرف جواب ہی میں نہیں ہوتی بلکہ خود سوال کی تحقیق بھی ضروری ہوتی ہے اور اسی پر اصل مقصود یعنی حکم شرع کا مدار ہوتا ہے۔ فی زمانہ بٹ کوائن ہی کو دیکھ لیں کوئی بھی فقیہ بٹ کوائن کو سمجھے بغیر اس پر حکم بیان نہیں کر سکتا لیکن پہلے تو اس کے سسٹم کو سمجھنا ضروری ہوگا پھر حکم شرع بیان ہو سکتا ہے۔امام اہل سنت کی ہر اس تحقیق میں کہ جس کا تعلق کسی نظام، کسی چیز، یا کسی پروڈکٹ کے بارے میں تھا سب سے پہلے آپ اس معاملہ میں اس کے اجزائے ترکیبی کو زیر بحث لاتے ہیں وہ شکر کا معاملہ ہو یا فونوگراف کا معاملہ ہو سب سے پہلے یہی دیکھا گیا کہ یہ چیزیں یا معاملہ اصل میں ہے کیا؟

2۔مسئلہ کی ماہیت پر مکمل گفتگو:

امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کی تحقیقات میں ایک اور چیز جو ہمیں نمایاں انداز میں دیکھنے کو ملتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نفس مسئلہ کی پوری ماہیت کو سامنے رکھتے ہیں ماقبل جن رسائل کے متعلق لکھا گیا وہ عطاالنبی رسالہ ہو یا خیر الآمال رسالہ ہو یا پھر الشرعۃ البھیۃ رسالہ ہو یا دیگر رسائل۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام اہل سنت شش جہات سے نفس موضوع کا جائزہ لے کر ہر ہر رخ پر اس کی حقیقت کے مطابق حکم عائد کرتے ہیں اس کے بعد ہی نتیجہ بیان کرتے ہیں۔یقینی طور یہ انداز مسئلہ کو سمجھنے اور خطا سے محفوظ رہنے کے لئے ضروری ہے

3۔قول راجح کی تلاش:

علم فقہ میں قول راجح کو لکھنا ہی اصل مہارت ہے جو کہ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کو ایسا لگتا ہے کہ گھٹی میں پلائی گئی تھی

4۔آسانی ویسر کی تلاش:

فقہا ہر دور میں مسلمانوں کی تنگی اور عسر کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی اور گنجائش نکالنے پر لکھتے آئے اور لکھتے رہیں گے۔امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے متعدد مقامات پر بہت سارے عقود پر باطل ہونے کے اقوال ہونے کے باوجود فساد کا حکم بیان فرمایا اور بعض جگہوں پر تنقیح کے ذریعے یا ترجیح کے لیے مزید آسانی عطا فرمائی۔

آخر میں خاص طور پر حضرت مفتی فیضان المصطفی ابن الاخ محدث کبیر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا خاص کر شکر گزار ہوں کہ ان کی ایما پر اس مقالہ کو لکھنے کی ادنی سعی کرنے کے قابل ہوا۔اہل علم سے گزارش ہے کہ کوئی غلطی یا خطا دیکھیں تو ضرور مطلع کریں۔ قارئین یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ اس مقالہ میں فتاوی رضویہ کے صفحات نمبر رضا فاونڈیشن والے نسخہ سے لکھے گئے ہیں۔

طالب دعا: ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

2 صفر المظفر 1440 بمطابق اکتوبر 2018

فتاویٰ ورسائل رضویہ کی خصوصیات

مقالہ نگار

مولانا مفتی محمد کمال الدین مصباحی اشرفی (اتر دیناج پور بنگال)

حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین مصباحی اشرفی بن محمد خرم علی بن محمد فناء اللہ یکم جنوری ۱۹۸۱ء کو اسلام پور (اتر دیناجپور: بنگال) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں و دیگر مدارس میں پائے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ازہر ہند جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) میں سال ۱۹۹۶ء میں درجہ خامسہ میں داخل ہوئے۔ جہاں سے ۲۰۰۰ء میں درجہ فضیلت اور ۲۰۰۲ء میں شعبہ تخصص فی الفقہ الحنفی سے فراغت حاصل کی۔ شبلی نیشنل کالج (اعظم گڑھ) سے گریجویشن (بی اے)، پروانچل یونیورسٹی (جونپور: یوپی) سے ایم، اے (انگلش) اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (حیدر آباد) ایم ،اے (اردو) کی ڈگری حاصل کی۔ ایک درجن کتابوں کے مصنف ہیں اور ستر سے زائد مضامین و مقالہ جات آپ نے تحریر فرمائے۔ متعدد مذہبی و علمی تنظیم و تحریک کے رکن اور بعض تنظیم کے بانی ممبر ہیں۔ ملک ہند کے اکثر صوبوں اور بیرون ملک نیپال، بھوٹان، چین وغیرہ کا تبلیغی دورہ کر چکے ہیں۔ ۲۰۰۶ء سے تادم تحریر ادارۂ شرعیہ اتر پردیش رائے بریلی میں بحیثیت شیخ الحدیث و صدر شعبۂ افتا دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں:

رابطہ نمبر: 9580720418

فتاویٰ ورسائل رضویہ کی خصوصیات

امام احمد رضا کا فقہی مقام طبقات فقہاء کی روشنی میں:

فقہائے کرام کے طبقات اور ان کے مقام ومرتبہ جاننے کے بعد اگر آپ مجدد اسلام امام احمد رضا قدس سرہٗ کا طبقات فقہاء کی روشنی میں جائزہ لیں گے اور ان کے فقہی مقام ومرتبہ کا تعین کریں گے تو آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ذات والا صفات میں بہت سی مجتہدانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اور آپ کے بیان واستدلال میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک دکھائی دیتی ہے، مجتہدین فقہاء کی الگ الگ خوبیاں آپ کی ذات میں تنہا جمع نظر آتی ہیں اور آپ شان فقاہت کے مختلف رنگوں میں رنگے ہوئے ایک عدیم المثال، جید وعبقری فقیہ ومجتہد کی گوناگوں اوصاف و کمالات آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں اور آپ ان سب کے جامع کامل ہیں، چنانچہ جب قواعد شرعیہ کے وضع کے لحاظ سے آپ کی ذات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کے اندر ''مجتہدین فی الشرع'' جیسے ائمہ اربعہ کی جھلک پائی جاتی ہے، غیر منصوص احکام کو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قواعد کی روشنی میں استنباط و استخراج کے اعتبار سے جب آپ کے فقہی مقام پر غور کرتے ہیں تو آپ کے اندر ''مجتہدین فی المسائل'' جیسے امام طحاوی اور خصاف وغیرہ کی صفتیں ملتی ہیں اور آپ ''مجتہدین فی المسائل'' کے طبقے میں نظر آتے ہیں، مسائل شرعیہ کی تفصیل کی حیثیت سے جب آپ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ امام رازی جیسے فقہاء کی صف میں نظر آتے ہیں اور جب مختلف اقوال و روایات کے درمیان تطبیق یا ترجیح کی نظر سے دیکھتے ہیں تو آپ ''امام ابو الحسن قدوری'' جیسے فقہائے کرام کی صف میں نظر آتے ہیں۔

یہ ساری تو آپ کی فقہی بصیرت کی گوناگوں خوبیاں ہیں لیکن تمام ارباب علم ودانش اور اصحاب فقہ وافتاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے اندر فقہائے احناف کے تیسرا طبقہ یعنی مجتہدین فی المسائل کے تمام شرائط اور خصوصیات پائی جاتی ہیں، جن کے بے شمار شواہد فتاویٰ رضویہ کے اندر جابجا موجود ہیں، آپ کے دور میں جو جدید اور نئے حوادث ومسائل پیدا ہوئے جن کے بارے میں حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی روایت منقول نہیں تھی آپ نے اپنی خداداد ذہانت و فطانت اور لاجواب فقہی بصیرت سے اصول وفروع میں حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اتباع سے ان تمام مسائل جدیدہ کے احکام کا استخراج واستنباط کیا، اس کی بے شمار مثالیں آپ کے فتاوے کے اندر موجود ہیں جن کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر غیر منصوص احکام کے استنباط کے حوالے سے ہم اپنے مقالے میں کریں گے۔

کتب فتاویٰ میں ''فتاویٰ رضویہ'' کا فقہی مقام:

فتاویٰ رضویہ علمی وفقہی اداروں میں فقہ حنفی کی ایک قابل اعتماد کتاب اور کتب فتاویٰ میں ایک نہایت ہی معتبر ومستند کتاب کی حیثیت سے مشہور ومتعارف ہے، ارباب فقہ وافتاء کے مابین اس کی حیثیت ماخذ ومصدر اور مرجع کی ہے، اہل علم کے درمیان جو بات فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے کی جاتی ہے وہ قول فیصل اور حرف آخر کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی ہے اور فتاویٰ رضویہ کی تحقیق کے خلاف دیگر تحقیقات کو مردود ومسترد تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں ضروری ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی حیثیت فقہائے احناف کی فقہی کتابوں کے درمیان کیا ہے؟ اس کی معرفت حاصل کی جائے تاکہ اس کی روشنی میں ان کے فتاویٰ کی قدر وقیمت کا اندازہ لگا سکیں، اور اس کے معیار کا بھی پتہ چل سکے۔

مقام ومرتبہ کے لحاظ سے اگر فتاویٰ رضویہ کے تحقیقی فتاوے پر غائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں فتاویٰ رضویہ کی حیثیت صرف فتاوی کی ہی نہیں بلکہ شروح کی بھی ہے، اس بات کا اندازہ کوئی محقق ہی امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فتاوے کا تحقیقی جائزہ کی روشنی میں لگا سکتا ہے، تاہم زیادہ تفصیل میں نہ جا کر خود امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زبانی، آپ کا مجموعہ فتاویٰ ،فتاویٰ رضویہ کا فقہی مقام پیش کرتے ہیں تاکہ میرے دعوی کی تصدیق خود امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تحریر سے ہو جائے اوراس میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ آپ فقہ حنفی کی کتابوں کے مقام ومرتبہ کی تائید نیز متون وشروح اور فتاویٰ کی کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد فتاویٰ رضویہ کی معروضات میں یوں رقم طراز ہیں:

’’ان میں جو چھان بین اور تنقیح وتصحیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک شروح کا درجہ رکھتے ہیں، جیسے فتاویٰ **خیریہ والعقود الدریہ للعلامہ الشامي واطمع ان یسلک ربی بمنہ وکرمہ فتاوای ھذہ فی سلکھا فللارض من کاس الکرام نصیب** ،اور مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب اپنے احسان وکرم سے میرے ان فتاویٰ (**العطا یا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ**) کو انہی کی زمرے میں شامل فرمالے گا کہ اہل کرم کے جام سے زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱،ص:۵۱۰)

فقہ وافتا میں امام احمد رضا کا امتیازی مقام:

دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنہوں نے اپنے علم وفضل اور عقل وبصیرت سے ساری دنیا کو مستفیض اور متحیر کیا، حکیم بوعلی سینا، عمر خیام، امام رازی، امام غزالی، اور فارابی وغیرہ دنیائے علم وفن کی وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا، ان میں کوئی فلسفہ وحکمت کا امام ہے، کوئی ریاضی وہیت کا، تو کوئی منطق وجغرافیہ کا، لیکن ان سبھوں سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت وہ ہے جو ہندوستان کی مردم خیز سرزمین میں پیدا ہوئی جنہیں دنیائے اہلسنت فقیہ اسلام مجدد اعظم امام اہل سنت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شخصیت ایسی پہلو دار اور جامع علوم وفنون ہے کہ ان کی ذات کے کسی ایک پہلو اوران کے علوم وفنون میں سے کسی ایک فن پر سیر حاصل بحث کے لئے اس فن کا ماہر ہی اس سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے اور کما حقہ بحث کرسکتا ہے، امام احمد رضا قدس سرہ کے تمام علمی کمالات کا جائزہ لینا ہمارے موضوع علم اور دائرہ فکر سے باہر ہے، یہاں پر ہم صرف فقہ وافتاء کے حوالے سے امام احمد رضا کا امتیازی مقام صرف ان کا مجموعہ فتاویٰ ’’**العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ کی روشنی میں**‘‘ کے عنوان پر کچھ خامہ فرسائی کی سعادت حاصل کریں گے، جن سے یہ بخوبی ظاہر ہوگا کہ امام احمد رضا قدس سرہ فقہ وافتا کے کس اعلی مقام پر فائز تھے اور میدان تحقیق وافتا میں آپ کو کیا امتیازی مقام حاصل تھا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاوی کا جائزہ لینے کے بعد ہر وہ شخص جس نے مشہور فقہاے کرام کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اس نتیجہ پر با آسانی پہونچ سکتا ہے کہ امام ابن ہمام کی شان درایت اور رنگ اجتہاد سے مزین فکر جو ان کی خصوصیت تھی ان کے بعد صرف امام احمد رضا قدس سرہ کو وہ نصیب ہوئی، اور مسائل کی تنقیح و توضیح فقہ کی جملہ متداول کتابوں پر نظر رکھتے ہوئے جو علامہ اجل ابن عابدین شامی کی ایک مسلمہ خصوصیت تھی وہ بھی آپ ہی کے حق میں مقدر ہوئی، گویا کہ امام حمد رضا قدس سرہ کی ذات میں بیک وقت ابن ہمام کی خصوصیات بھی تھیں اور علامہ ابن عابدین شامی کی بھی۔

امام احمد رضا قدس سرہ جس مسئلہ پر بھی قلم اٹھاتے تھے خواہ وہ کلیہ ہو یا جزئیہ تو اس کے ہر ایک پہلو پر تنقیح وتحقیق کر کے اس سے متعلق ہر ممکنہ رخ اور صورت کو پیش فرماتے تھے، اس کے بعد ہی اسکے جواز یا عدم جواز یا استحباب کا حکم صادر فرماتے تھے یہ ایک ایسی خوبی ہے جو ان کے ہم عصر دیگر فقہاء میں نظر نہین آتی۔ بالخصوص وہ تعمق فکر، جودت طبع اور ذہن رسا کے ساتھ ساتھ علوم قرآن، علوم

تفسیر وحدیث اور اصول حدیث پر کمال ودسترس کے حوالے سے بھی وہ منفرد نظر آتے ہیں صرف یہی نہیں کہ علوم منقولات پر آپ کی گرفت کافی قوی تھی بلکہ علوم معقولات پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے، علم کلام ،فلسفہ، منطق، فلکیات، طبعیات، وغیرہ علوم پر بھی آپ کو کافی عبور تھا ،اسلئے کہ ایک فقیہ اور مفتی کے پاس مختلف النوع کے مسائل آتے ہیں اگر وہ ان تمام علوم سے بہرہ ورنہیں تو جواب باصواب دینے سے قاصر رہے گا، فقہ کی دنیا بہت وسیع ہے اور اس میں جمیع علوم وفنون داخل ہیں اور یہ سب حسب ضرورت آپ کو حاصل تھے بلکہ آپ اس میں استادانہ کمال رکھتے تھے۔

ایک فقیہ کے لیے علم حدیث میں کامل مہارت ودسترس کا ہونا بے حد ضروری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہ جیسے بے مثال فقیہ تھے ویسے ہی بلند پایہ محدث بھی تھے، علم حدیث میں آپ کو کافی تبحر حاصل تھا، اور اس فن میں آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا چنانچہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ حدیث کی کتابوں میں کون کون سی کتاب پڑھی یا پڑھائی ہیں تو آپ نے جواب میں پچاس کتابوں کا ذکر فرمایا۔ (اظہار الحق الجلی، ص ۲۴)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اللہ رب العزت نے وہ ذہانت وفطانت اور علوم اسلامیہ میں حیرت انگیز مہارت عطا کی تھی کہ آپ نے ۱۴؍رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ میں صرف پونے چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوکر رضاعت سے متعلق ایک فتوی تحریر فرمایا جسے آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیکھ کر نہ صرف پسند کیا بلکہ انتہائی مسرت اور خوشی کا اظہار کیا اور اسی دن سے فتوی نویسی کی عظیم ذمہ داری آپ کے سپرد کردی اور آپ نے اس دن سے لے کر تا دم اخیر تحقیق وافتا کی یہ گراں قدر ذمہ داری نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دی، اور فقہی تحقیقات کے وہ جواہر پارے لٹائے کہ عالم اسلام کے ایک عظیم مفتی اور فقیہ اسلام کی حیثیت سے متعارف ہوئے، آپ کا وصال ۲۵ ؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ کو ہوا اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو آپ نے اپنی زندگی کا چون سالہ ایک طویل عرصہ فتوی نویسی میں وقف کیا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مختلف علوم وفنون پر تقریباً ایک ہزار تصانیف امت مسلمہ کے حوالہ کیا اور ہر چیز سے متعلق ان کی دینی رہنمائی فرمائی آپ کی صرف عربی حواشی وشروح اور تصانیف کی تعداد دوسو سے متجاوز ہے، علمائے حرمین شریفین آپ کی عربی تصانیف کے منتظر رہتے تھے، آپ کی تمام تصانیف میں اس فن سے متعلق علم کا ایک دریا ہے اس لئے قاری کو اطمینان کامل ہوجاتا ہے اور مکمل تشفی وسیرابی حاصل ہوتی ہے۔

علم فقہ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی بے شمار تصنیفات ہیں جن میں بعض رسائل ہیں، بعض تحقیقی فتاوے ہیں، بعض شروح وحواشی ہیں، آپ کے حواشی میں جد الممتار علی رد المختار (حاشیہ شامی) جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، بہت اہم ہے بظاہر یہ حاشیہ ہے لیکن حقیقت میں متن، شرح وحاشیہ کا مجموعہ ہے اس سے نہ صرف حدیث وفقہ بلکہ بکثرت علوم وفنون میں امام احمد رضا کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے، امام احمد رضا قدس سرہٗ فاضل بریلوی کی فقہی بصیرت کے حوالے سے بے شمار شواہد اسکے اندر موجود ہیں جو آپ کی حیرت انگیز تحقیقات پر دال ہیں، ان کے علاوہ دیگر تصانیف میں آپ کی فقہی بصیرت کے حوالے سے بے شمار حوالے موجود ہیں، لیکن فتاوی رضویہ امام رضا قدس سرہٗ کا وہ عظیم فقہی شاہکار ہے اس کے اندر اس تعلق سے اتنے زیادہ شواہد موجود ہیں جو میرے عنوان پر خامہ فرسائی کے لئے کافی ووافی ہیں، اس لئے یہاں پر ہم صرف امام احمد رضا قدس سرہ کے قیمتی فتاوے العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جو ضخیم بارہ جلدوں میں غیر مترجم اور تیس جلدوں میں مترجم فتاوی رضویہ کے نام سے مشہور ومتعارف ہے اس کے حوالے سے امام احمد رضا قدس سرہ کی فقہی تحقیق وافتا کی بصیرت پر روشنی ڈالنے کی کچھ سعادت حاصل کریں گے۔

فتاوی رضویہ امام احمد رضا قدس سرہ کا وہ عظیم انسائکلو پیڈیا ہے کہ جس کے مطالعہ سے بڑے بڑے علم وفضل اور ارباب فقہ وافتا حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہیں۔

مارہرہ شریف کے مشہور عالم دین سید شاہ اولادرسول محمد میاں مارہروی فرماتے ہیں: اعلیٰ حضرت کو میں ابن عابدین پر فوقیت دیتا ہوں کیونکہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے وہ ابن عابدین شامی کے ہاں نہیں۔ (مقدمہ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، ص:۲۴)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرآدبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: علم فقہ میں حضرت ممدوح (امام احمد رضا) کو تبحر وکمال حاصل تھا جس کو عرب وعجم، مشارق ومغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا، تفصیل تو ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم کے لوگ حوادث ووقائع میں استفتاء کے لئے رجوع کرتے تھے، ایک قلم تھا جو دنیا بھر کے لئے فقہی فیصلے دیتا جارہا تھا، وہی قلم بدمذہبوں کے جواب میں بھی چلتا اور اہل باطل کے تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کا جواب بھی دیتا تھا۔

سید اسماعیل بن خلیل مکی نے آپ کے فتاویٰ کے فقہی عناصر کو دیکھ کر کہا:

''ہمارے آقا نے فتاویٰ پر مشتمل ہمیں نمونے کے طور پر چند اوراق عنایت فرمائے، ہمیں اللہ عزشانہٗ سے امید ہے کہ ان کی تکمیل کے لئے آپ کے اوقات میں آسانی اور جلدی کے مواقع عطا فرمائے گا چونکہ وہ خالص علمیت پر مبنی ہیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے گا اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ ان فتوں کو اگر امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل فرماتے۔ (الاجازت المتنیہ، ص:۹)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی فقہی بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عوام سے زیادہ اہل علم آپ کے قریب تھے اور فقہ وافتا کے ماہرین بھی آپ کی حیرت انگیز فقہی بصیرت کے گن گایا کرتے تھے،

مولانا سراج احمد خان پوری اپنے دور کے جلیل القدر فاضل تھے اور علم میراث میں تو انہیں تخصص حاصل تھا، ''الزبدۃ السراجیہ'' لکھتے وقت ذوی الارحام کے صنف رابع کے بارے میں مفتیٰ بہ قول دریافت کرنے کے لیے دیوبند، سہارنپور اور دیگر علمی مراکز کی طرف رجوع کیا لیکن کہیں سے تسلی بخش جواب ان کو نہیں ملا، پھر انہوں نے وہی سوال بریلی شریف بھجوادیا، ایک ہفتہ کے اندر انہیں جواب موصول ہو گیا جسے دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا اور تاحیات امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فضل وکمال اور فقہی تبحر کے گن گاتے رہے۔

پاکستان کے ایک غیر مقلد مولوی نظام الدین احمد پوری نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کا رسالہ ''الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فھو مذہبی'' دیکھ کر یہ کہا: یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے؟ افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بھی بے خبر وبے فیض رہا، علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں، یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔ (المیزان کا امام احمد رضا نمبر، ص:۱۸۶)

مرجع علماودانشوراں:

مفتیان کرام سے عموماً عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں انہیں حکم شرعی معلوم نہیں ہوتا ان کی واقفیت حاصل کرتے ہیں لیکن فتاویٰ رضویہ کے تمام مجلدات کے مطالعہ کرنے سے اس بات بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ سے رجوع کرنے اور احکام شرعی جاننے والوں میں ایک بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو خود ماہرین علوم وفنون تھے، زینت درسگاہ تھے، مسند دارالافتاء تھے، اور علم وفن میں مشہور زمانہ تھے، مزید تفصیل کے لئے تو فتاویٰ رضویہ کے تمام مجلدات کے سائلین اور مستفتیان کے اسمائے گرامی اور ان میں اہل علم کی معرفت کے بعد ہی اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تاہم بطور نمونہ جامعہ نظامیہ لاہور کے فاضل محقق مولانا خادم حسین کا تحقیقی مقالہ کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں جو انہوں نے فتاویٰ رضویہ کی نو جلدوں (پہلی سے ساتویں، اور دسویں و گیارہویں) کے سائلین کے اسمائے گرامی کی تحقیق کرنے کے بعد

لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''امام احمد رضا بحیثیت مرجع العلما'' ان کے فراہم کردہ اعداد وشمار کے مطابق ان جلدوں میں چار ہزار پچانوے (۴۰۹۵) استفتا ہیں جن میں سے تین ہزار چونتیس (۳۰۳۴) عوام الناس کے استفتا ہیں اور ایک ہزار اکسٹھ (۱۰۶۱) استفتاء علماء اور دانشوروں کے پیش کردہ ہیں۔ (مقدمہ فتاویٰ رضویہ ج:۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ استفتا کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد علماء اور دانشوروں کی ہے یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کسی مسئلہ کا جواب دیتے وقت صرف ہاں یا نہیں میں جواب نہیں دیتے بلکہ سائلین کے معیار کے حساب سے دلائل وبراہیم کے انبار لگا دیتے ہیں۔

امام احمد رضا کی فقہی مہارت کے کچھ خاص نمونے:

مذکورہ بالا سطور میں میں نے فتاویٰ رضویہ کی جن خوبیوں کا جمالاً ذکر کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل کے لئے میں نے چند عنوانات کا انتخاب کیا ہے اور ہر عنوان سے متعلق فتاویٰ رضویہ کی الگ الگ جلدوں سے چند اقتباسات شواہد کے طور پر پیش کیے ہیں نیز اپنی بساط کے مطابق اس پر روشنی بھی ڈالی ہے جس کی پوری تفصیل اگلے صفحات میں آ رہی ہے، پہلے ان عناوین کی فہرست کی ایک جھلک دیکھ لیں پھر آگے ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی مطالعہ کریں۔

(۱) سائل اور مستفتی کی زبان کی رعایت

(۲) فتاویٰ رضویہ کے ابتدائی خطبہ کی براعت استہلال

(۳) تمام رسائل کی چار خصوصیات

(۵) متعارض اقوال میں تطبیق یا ترجیح

(۶) جدید مسائل کا استنباط اور ان کا حل

اب آیئے کچھ تفصیلی مطالعہ کے لیے آگے بڑھیں اور فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی فقہی تحقیق، تفقہ فی الدین اور جملہ علوم وفنون میں وسعت معلومات کے حسین جلوؤں کا دلکش نظارہ کریں۔

مستفتی کی زبان وبیان کی رعایت:

امام احمد رضا قدس سرہ کی فقہی بصیرت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات **''کلموا الناس علی قدر عقولهم''** کی عملی تفسیر ہے، آپ کی بارگاہ میں جب کسی عالم دین کی طرف سے کوئی سوال پیش کیا جاتا تو آپ اس کا جواب بھی عالمانہ رنگ میں مرحمت فرماتے، اگر مستفتی عام یا معمولی لیاقت رکھنے والے شخص کی جانب سے سوال ہوتا جس کا اندازہ امر مسئولہ اور سائل کی زبان وبیان سے ہی ہو جاتا تو آپ اس کا جواب بھی سوال کے انداز بیان ہی میں آسان اور سادہ اسلوب میں دیتے، اسی طرح آپ کے فتاوے میں سائل کی زبان کی رعایت بھی کافی حد تک موجود ہے، اگر مستفتی اردو زبان میں استفتاء کرتا تو آپ جواب اردو زبان میں عنایت فرماتے، اگر سوال عربی زبان میں کیا جاتا تو آپ جواب بھی عربی زبان میں مرحمت فرماتے، اسی طرح اگر سائل فارسی زبان میں سوال کرتا تو جواب بھی فارسی ہی زبان میں دیتے، اگر کہیں سے انگریزی زبان میں استفتا آتا تو آپ جواب انگریزی زبان میں ارسال فرماتے اور حکم شرعی سے آگاہ کرتے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ منظوم سوالوں کے جوابات بھی منظوم انداز میں دیتے صرف یہیں تک محدود نہیں بلکہ انداز جواب بھی اس قدر نرالا ہے کہ منظوم سوال جس زبان میں ہوتا آپ اسی زبان میں منظوم جواب مرحمت فرماتے بلکہ حد تو یہ کہ سوال جس بحر میں قائم کیا جاتا آپ جواب بھی اسی بحر میں دیا کرتے تھے، امام احمد رضا قدس سرہ کی یہ ایک ایسی اہم خوبی ہے کہ برصغیر ہند وپاک میں ان کے ہمعصر فقہائے کرام کے فتاویٰ میں نہیں نظر آتی، یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کی تاریخ فتاویٰ میں آپ کے فتاویٰ کو ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل ہے۔

آپ کی اس امتیازی خصوصیت کے نمونے آپ کے مجموعۂ فتاویٰ ''فتاویٰ رضویہ'' کی مختلف جلدوں میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

تاہم یہاں پر اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور منظوم فتاویٰ کی کچھ مثالیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

سوال بزبان اردو (غیر منظوم):

مسئلہ: از بازار جام تحصیل بہیڑی ضلع بریلی، مسئولہ: محمد سعید

صاحب، ۱۸/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شرکت کرنا اس طرح سے روزگار میں کہ زید نے عمرو کو سو روپئے دیئے اور کہا کہ اس سے جو چاہو روزگار، جو چاہو کر یا فلاں لیکن مجھ کو دس روپے تم فیصدی دینا یا یوں کہا کہ جو تیری طبیعت میں آئے وہ دینا یا آنہ روپیہ کا نفع تعین کردیا، آیا عمرو کو بیشی ہو کہ کمی، خالد کہتا ہے کہ تعین کرنا سود ہے فقط۔

جواب بزبان اردو (غیر منظوم): یہ کہ جو طبیعت میں آئے دینا ناجائز ہے کہ تعین نہ ہوا اور یہ کہ دس فیصدی یا آنہ روپیہ دینا اگر اس سے مراد ہے کہ جتنے روپے اس کو تجارت کے لیے دیئے ہیں ان پر فیصدی دس یا فی روپیہ ایک آنہ مانگتا ہے تو حرام قطعی اور سود ہے اور اگر یہ مراد کہ جو نفع ہو اس میں سے دسواں یا سولہواں حصہ دینا تو یہ حلال ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم: ج:۱۹، ص:۱۵۱]

سوال بزبان اردو (منظوم):

مسئولہ: نواب صاحب، محلّہ بہاری پور بریلی

عالمان شرع نے کیا حکم ہے اس میں دیا
گر کسی نے ٹھیکہ دکانوں کا مالک سے لیا
لے کے ٹھیکہ پھر یہ اس نے انتظام اپنا کیا
سب دکانوں کا کرایہ اس نے زائد کرلیا
پس یہ زائد جو اسے حاصل ہوا ہے اس سے زر
اس کے استعمال میں ہے فائدہ یا کچھ ضرر
اگر اس شخص کو ٹھیکہ سے کم آمد ہوئی
اور پوری کردی اس نے پاس سے اپنے کمی
اس کمی کا لینا کیا مالک کو جائز ہوگیا
اس میں جو حکم شریعت ہو مجھے دیجئے بتا

جواب بزبان اردو (منظوم):

الجواب:

جتنی اجرت پر کہ مستاجر نے لی مالک سے شی
اس سے زائد پر اٹھانا چاہے تو یہ شکل ہے
اپنا کوئی مال جو قابل اجارہ کے ہوئے
اس کو اس شی سے ملاکر دونوں کو ایک ساتھ دے
یا زیادت شئ میں کردے مثل تعمیر مکاں
کھونٹیا کہگل کنواں چونہ مرمت این وآں
یا بدل دے جنس اجرت جیسے واں ٹھہرے روپے
اس کے یاں آنے میں گو بدلے میں لے ان کے روپے
یا کوئی کام اپنے ذمہ کرلے اس ایجار میں
تا زیادت اس عمل کے بدلے ہو اقرار میں
جیسے جاروب دکاں اصلاح اسبابِ دکاں
اور جو خدمت کے ہو شایانِ اجرت بے گماں
اور اگر یہ کم پہ دیتا ہے تو دے مختار ہے
مالک اجرت پوری لے گا اس سے جو اقرار ہے
یوں خالی ڈال رکھتا جب بھی تو لیتا وہ دام
اب کمی سے کیا اسے واللہ اعلم والسلام

(ج:۱۹، ص:۵۵۹، ۵۶۰)

سوال بزبان اردو (منظوم):

مسئولہ: نواب سلطان احمد خان صاحب، بریلی

عالمان شرع سے ہے اس طرح میرا سوال
دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشخصال
گر کسی نے ترجمہ سجدہ آیت کی پڑھا
تب بھی سجدہ کرنا کیا اس شخص پر واجب ہوا
اور ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے
پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے
پس سبکدوش کی اس کے شکل کیا ہوگی جناب!
چاہئے ہے آپ کو دینا جواب باصواب

جواب بزبان اردو (منظوم):

ترجمہ بھی اصل یہاں ہے وجہ سجدہ بالیقیں

فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اُس میں نہیں
آیت سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہئے
نظم ومعنی دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہ تو صادق ہو سنا قرآن کو
ورنہ ایک موج ہوا تھی چھو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب **بـه يـفـتـى عـلـيـه الاعـتـمـاد**
شامی از فیض ونہر واللہ اعلم بالرشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی
صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقتِ موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جز ادا یا توبہ وقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ جائز ہے یا یہ بے کار ہے
آخر اک نیکی ہے نیکی ماحی اوزار ہے
قـلـتـه اخـذا مـن الـتـعـلـيـل فـي أمـر الـصلوٰة
وهـو بـحـث ظـاهـر والـعـلـم حـقـا للالٰـه

[فتاوی رضویہ مترجم، ج؛۸،ص:۲۳۸]

سوال بزبان فارسی (غیر منظوم):

مسئلہ از ضلع پٹرہ، ڈاک خانہ پنجہ رامپور، موضع سات بیلہ مسئولہ: رجب علی، ۱۱رمحرم الحرام ۱۳۳۴ھ شنبہ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ مسئلہ (کہ چند مولیان معہود بمکان شخصے کہ از وکار خلاف شرع سرزدشدہ بودیعنی بازن مغلظہ خود تا مدت دو سہ ماہ باعیش از دواج اوقات بسر برد) بوجود علم بلاتعمیل وتنبیہ ختم خوانی کردہ وطعام خوری نمونند، ازیں جہت شخصے معتبر عالم دوست حاجی الحرمین از مریدان جناب شاہ عبداللطیف شہنودی است وجناب شاہ صاحب نیز برائے تنبیہ امور شرع اورا تاکید بسیار نمودہ واو برائے تعمیل ارشاد جناب شاہ صاحب اکثر مقدمات شرع شریف ومعاملات دنیوی فیصلہ میکند وفی الحال درکار شرع بسیار مستحکم مستقیم ایشاں را گفتہ کہ مولیان ایں زماں درریدہ سرگیں دہان افگنند ومیان حرام وحلال تمیز نہ کند پس دریں صورت شخص موصوف موافق شرع کافر شود یانہ؟ یا بروئے فقط حکم تجدید نکاح کردہ شود یانہ؟ اگر شرعا کافر نہ شود کسے اورا کافر گوید بروئیش چہ حکم؟ بینوا بسند الکتاب توجروا عنداللہ یوم الحساب، فقط۔ [فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱۴،ص:۲۷۱،۲۷۲]

ترجمۂ سوال: اس معاملے میں آپ کا کیا قول ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائے (کہ چند مقامی علما نے ایک شخص کے مکان پر جس نے شریعت کے خلاف ورزی کر رکھی ہے یعنی اس نے اپنے مغلظہ عورت دو تین ماہ سے رکھی ہوئی ہے اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کئے ہوئے ہے ان لوگوں کو اس بات کا علم بھی تھا انہوں نے تنبیہ کے بغیر وہاں ختم پڑھا اور اس کا کھانا بھی کھایا اور ایک شخص معتبر عالم دوست، حرمین کا حاجی اور شاہ عبدالطیف شہنودی کا مرید ہے جناب شاہ صاحب نے بھی اسے امور شرع کے بارے میں خوب تاکید فرمائی اور وہ بحکم شاہ صاحب اکثر مقدمات شرعیہ اور معاملات دنیوی کے فیصلے بھی کرتا ہے اس وقت وہ امور شرعیہ میں مستحکم اور مستقیم ہے اس نے ان کے حق میں یہ کلمات کہے ہیں کہ اس زمانے کے مولویوں نے گندگی میں منہ ڈالا ہوا ہے اور حلال وحرام میں وہ کوئی تمیز نہیں کرتے وہ شخص شرعی حکم کے مطابق کافر ہوگا یانہ؟ یا اس پر فقط تجدید نکاح کا حکم جاری ہوگا یا نہیں؟ اگر وہ شرعا کافر نہیں توجو اسے کافر کہے اس کا کیا حکم ہے؟ کتاب وسنت کے حوالے سے بیان کیجئے اور یوم قیامت اللہ تعالیٰ سے اجر پائیے، فقط

جواب بزبان فارسی (غیر منظوم):

الجواب: کسے کہ بازن سہ طلاقۂ خود بے تحلیل طرح معاشرت انداخت ونزد زنا شوئ باخت بجائے خود بزہ کار است وبا چنیں گناہگاراں معاملہ پیشوایان دین مختلف بودہ است ہم بہ نرمی کار کردہ

اندوہم بہ درشتی چنانکہ دراحیاء العلوم رنگ تفصیل دادہ اند،مولویان کہ بخانہ او ختم خواندو چیزے خورند گناہے نکردند کسے کہ آناں رابد انسان والفاظ بد یاد کرد چیزے شنیع آورد باز حکم خاص برآناں نہ نمود بلکہ عام مولویان ایں زمان گفت شناعتش از حد گزشت تکفیر او نشاید اما تجدید اسلام ونکاح سزد کہ باید او آنکہ تکفیر او کردہ است نیز کار از حد بروں بردہ است اورانیز توبہ باید۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۴،ص:۲۷۲]

ترجمۂ جواب: جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی اوراس کے بعد بغیر حلال ہونے کے اس کے ساتھ مباشرت کرنا زنا اور بدکرداری ہے ،ایسے گنہ گار لوگوں کے ساتھ علمائے دین کا معاملہ مختلف ہوتا ہے کبھی ان پر نرمی کرنا پڑتی ہے اور کبھی سختی ،اس کی تفصیل احیاء العلوم میں دیکھئے ،مولویوں نے جواس کے گھر ختم پڑھا اور کوئی چیز کھائی تو اس سے وہ گناہگار نہیں ہو جائے ، جو شخص انہیں بد الفاظ سے یاد کرتا ہے وہ برا کرتا ہے پھران پر حکم خاص نہیں رکھا بلکہ عام مولویوں کی بات کرتا ہے تو اگر چہ یہ بات نہایت بری ہے لیکن اس پر تکفیر کا حکم جاری نہیں ہوسکتا، رہا تجدید اسلام اور نکاح کا معاملہ تو یہ مناسب ہے اور جس نے اس کی تکفیر کی ہے وہ بھی حد سے بڑھ گیا اس کو بھی توبہ کرنی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال بزبان فارسی (منظوم):

مسئلہ از: مدرسہ اہل سنت وجماعت بریلی ،مسئولہ: مولوی محمد افضل صاحب کابلی طالب علم مدرسہ مذکور ۱۳/جمادی الاخریٰ ۱۳۳۶ھ

سزایم بر گناہم لازم آمد
پس آنگہ رحمتش نہ باہم آمد
بگو مفتی خطائے یا صوابم
بسا اسرار اینجا باہم آمد

ترجمۂ سوال

میرے گناہ پر مجھے سزا ملنا لازم ہے ،تو اس وقت اس (اللہ تعالیٰ) کی رحمت مہیا نہ ہوئی ۔ اے مفتی! بتایئے میں نے غلط کہا یا درست کہا، بہت سے راز اس جگہ حاصل ہوئے ہیں۔

جواب بزبان فارسی (منظوم):

الجواب:

مسلماں را سزا لازم کہ کرد ست
کہ قول اعتزالی ظالم آمد
و گر یابد سزا کامل نیابد
کہ عفوش بہر مومن لازم آمد
و گر بالفرض ازو چیزے نہ بخشد
ز نقصان رحمتش خود سالم آمد
کہ یرحم من یشاء لا کل فرد
یعذب من یشاء ہم قائم آمد
بدنیا رحمتش بر جملہ عام ست
بعقبیٰ خاص حظ مسلم آمد
ثوابش بہر مومن منتہی نیست
عذابش بہر کافر دائم آمد
برائے ہر صفت مظہر بکار ست
کہ او ذو انتقام و راحم آمد

ترجمۂ جواب

۱۔مسلمان کے لیے سزا کس نے لازم کی ہے کہ یہ تو ظالم معتزلی کا قول ہے۔

۲۔اوراگراس نے سزا پائی تو بھی کامل سزا نہ پائے گا کیونکہ مومن کے لیے عفو، اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر لازم ہے۔

۳۔اگر بالفرض اللہ تعالیٰ مومن کی خطا معاف نہ فرمائے تو بھی اس کی رحمت نقصان سے مبرا ہے۔

۴۔کیونکہ وہ جس پر چاہے رحم فرماتا ہے نہ کہ ہر فرد پر، جس کو چاہے عذاب دیتا ہے۔ (یہ حکم) بھی قائم ہے۔

۵۔دنیا میں اس کی رحمت سب کو عام ہے، آخرت میں خاص

مسلمان کا حصہ ہے۔

۶۔مومن کے لیے اس کے ثواب کی انتہا نہیں ہے،کافر کے لیے اس کا عذاب دائمی ہے۔

۷۔اس کی ہر صفت کا کوئی مظہر ہے،کیونکہ وہ انتقام لینے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

[فتاویٰ رضویہ مترجم:ج:۲۹،ص:۲۱۲/۲۱۳]

سوال بزبان عربی:

مسئلہ:از پوسٹ کانت فقیر ہاٹ ،مدرسہ اسلامیہ کالا پل چاٹگام،مرسلہ:وحیداللہ صاحب ۲۶/ربیع الاول ۱۳۳۶ھ۔

ماقولكم رحمكم الله تعالىٰ فى هذه المسألة ان رجلا اخاالجهل قال لمعلم العلوم العربية اعنى المبادى والمقاصد ماانت الا بشر مثلنا فقال له اذكان الامر كذٰلک فما اصنع فى المدرسة العالية مثلا فاجاب له يا راعى البقر والخنزير ترعيهما فيها وايضا اعتقدان الله يغفر ويدخل الجنة من يشرک به لمن يشاء فذكر العالم شيئا من آيةالقرآن والاحاديث الصحيحة فقال هذا ليس بشئ ففى الصورة المسئولة هل يجب التوبة وتجديد النكاح عليه ام لا؟

(۲)من قال واعتقد تارک الصلاة كافر فالقائل هل هو خارج عن مذهب ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ام لا؟ بينوا توجروا.

[فتاویٰ رضویه مترجم،ج:۱۳،ص:۶۵۳]

ترجمۂ سوال:علمائے کرام (اللہ آپ پر رحم کرے) آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ ایک جاہل شخص عربی علوم کے مبادی ومقاصد کے استاذ کو کہتا ہے کہ تو ہمارے جیسا بشر ہے،تو عربی کے معلم نے جواب میں کہا کہ اگر یہی معاملہ ہے تو پھر میں مدرسہ عالیہ میں کیا کررہا ہوں تو جاہل نے اسے جواب میں کہا:اے گائے اور خنزیر کے چرواہے!تو وہاں ان کو چراتا ہے اور نیز اس کا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ جس مشرک کو چاہے بخش دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے،تو اس پر اس عالم نے اس کو کچھ قرآنی آیات اور صحیح احادیث سنائیں،تو جاہل نے کہا:یہ کوئی چیز نہیں ہے،تو کیا مسئولہ صورت میں توبہ اور تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

(۲)جو شخص یہ عقیدہ رکھے اور بیان کرے کہ نماز کا تارک کافر ہے،تو یہ کہنے والا کیا وہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب سے خارج ہے یا نہیں؟بیان کرو اجر پاؤ۔

جواب بزبان عربی:

الجواب:اما ما خطب به العالم فهو من جهله وسوء ادبه يستحق به التعزير الشديد اللائق بحاله الزاجر له ولامثاله ففى الحديث عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لايستخف بحقهم الا منافق بين النفاق ذوالشيبة فى الاسلام و ذوالعلم وامام مقسط اما قوله ان الله يغفر لمن يشرک به لمن يشاء فمخالف للقرآن العظيم ،قال الله عزوجل: ان الله لا يغفر ان يشرک به ويغفر ما دون ذٰلک لمن يشاء ،واما قوله لأيات القران العظيم والاحاديث هذا ليس بشئ فهذا ليس بشئ الا الكفر الجلى تجرى به عليه احكام المرتدين فعليه ان يسلم واذا اسلم فليجدد نكاحه برضاء المرأة وان لم ترضى فلها الخيار تعتد وتنكح من تشاء ،والله سبحانه تعالىٰ اعلم .

(۲)الحكم بالكفر على تارک الصلوة واردفى صحاح الاحاديث وعليه جمهور الصحابة والتابعين وليست المسألة فقهية بل كلامية وقد اختلف اهل السنة قديما فمن قال باحد القولين لايخرج به عن الحنفية .والله تعالىٰ اعلم

[فتاوی رضویہ مترجم ج۱۳،ص۶۵۳/۶۵۴]

ترجمۂ جواب:اس نے عالم کو جن الفاظ سے خطاب کیا ہے وہ

اس کی جہالت اور انتہائی بے ادبی ہے اس کی وجہ سے وہ اور ایسے دیگر لوگ اپنے جرم کے مناسب شدید تعزیر کے مستحق ہیں، حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: تین حضرات کی توہین کھلے منافق کے بغیر دوسرا نہیں کرسکتا، ایک عالم، دوسرا وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، اور تیسرا مسلمان عادل بادشاہ۔ تاہم اس کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جس مشرک کو چاہے بخش دیتا ہے، تو یہ قرآن عظیم کی مخالف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شریک بنانے والے کو نہیں بخشتا، اس کے علاوہ جس کو چاہے بخشتا ہے، اور اس کا قرآن وحدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے، یہ تو خالص ایسا کفر ہے جس پر مرتدوں والے احکام جاری ہوتے ہیں لہذا اس پر تجدید اسلام ضروری ہے اور مسلمان ہو کر عورت کی رضامندی سے دوبارہ اس سے نکاح کرے اگر اس سے نکاح پر راضی نہ ہو تو بیوی کو اختیار رہے کہ وہ عدت پوری کر کے کسی اور سے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) نماز کے تارک پر احادیث صحیحہ میں کفر کا اطلاق آیا ہے، اور جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مسلک ہے جبکہ یہ مسئلہ فقہی نہیں علم کلام سے متعلق ہے، اس میں اہل سنت کا قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے لہذا اگر کوئی دوقولوں میں سے ایک قول کو اختیار کرے تو وہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال بزبان انگریزی:

Rangoon,The 19th May,1908
to Moulvi Haji Ahmad Raza Khan
Esqur.Bareily
United Provinces
Honoured Sir

We desire to place predare you a certain religious matter on wich we solicit your valuable opinion the facts are briefly these there is a chulain a mosque in moung taulay street at this place there are five duly elected trustees or motawallis who manage the affairs of the said mosque according to a scheme framed by the cheif court of Lower Burma The trustees are given the power of discharging the Imam,Muazzin and Clerks of the mosque. In virtue of said power the trustees at a meeting discharged their Imam One syed muckbool for irregularity miscondoct and dis obidience. After the discharge the trustees filed a suit in the cheif court of lower Burma for declaration that the discharge of the Imam may be confirmed. The Imam now questions the authority of the trustees and maintains power badly, he may misconduct himself,they have no power to discharge him Having placed the facts briefly we request you most humbly to give your fatwa as to whether the trustees have the power to discharge the imam when they find it necessary to do so. This is a vital point wich is at present engaging the attention of the leading member of the chulian sunni mohammadan community and we shall thank you very much if you can send your fatwa before the last week of june thanking you in anticipation We beg to remain honoured Sir .

Your most obedient and humble followers
in M Qadri Gani
president The madras muslim Association
No;37 Tocckay Mq Taulay street.

[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۶، ص:۴۹/۵۰]

ترجمۂ سوال: مسئولہ از رنگون، مورخہ ۱۹ر مئی ۱۹۰۸ء

بخدمت جناب مولوی حاجی احمد رضا خان صاحب محلّہ سوداگران بریلی یوپی

مولانائے محترم! ہم سب آپ کی خدمت میں چند مذہبی امور کے بارہ میں رائے عالی جاننے کے لئے یہ پیش کررہے ہیں اور مختصرا واقعہ کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ یہاں ایک مسجد چولیان مونگ تلا اسٹریٹ میں واقع ہے جس کے چُنے ہوئے پانچ متولیان ہیں جو مسجد کا انتظام اس قانون کے تحت انجام دے رہے ہیں جس کو عدالت العالیہ برما نے مرتب کیا ہے جس کے مطابق متولیوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ امام، مؤذن اور عملہ کو برخاست کرسکیں، اس قانون کے مطابق متولیان نے ایک مجلس شوریٰ کے اندر سید مقبول امام مسجد کو

ان کی بے ضابطگی، برے چال چلن اور حکم عدولی کے باعث برخاست کردیا، اس برخاستگی کے بعد متولیوں نے ایک مقدمہ استقراریہ اس امر کا عدالت العالیہ برما میں دائر کیا کہ امام کی برخاستگی مستقل کردی جائے، اب امام نے یہ باز پرس متولویوں کی مجلس قانون سے کی ہے، قانون کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے، ان لوگوں کو برخاست کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس مختصر واقعہ کو پیش کرتے ہوئے نہایت ادب سے التجا کرتے ہیں کہ آپ اس کے متعلق اپنا فتویٰ مرحمت فرمائیں، کیا متولیان کو امام کی برخاستگی کا حق حاصل ہے کہ جب وہ چاہیں برخاست کردیں۔ یہ آج کل بہت بڑا مسئلہ ممبرانِ چولیان سنی محمڈن کمیونٹی کا بنا ہوا ہے، ہم لوگ بیحد شکر گزار ہوں گے اگر آپ اپنا فتویٰ ماہ جون کے اوائل ہفتہ میں روانہ فرمادیں۔ فقط۔

آپ کا فرمانبردار خاکسار معتمد

قادر غنی صدر مدراس مسلم ایسوسی ایشن، مونگ تلا اسٹریٹ

[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۶، ص:۵۵۳]

جواب بزبان انگریزی:

From: Bareilly,
the 28th of May 1908
To M Qadir Gani
president
The Madrsa Muslim Association

Sir,with reference to your letter dated 19th of May 1908.I send my fatwa for your perusal The trustees can discharge an Imam by their authority when such indiffereces are found in him which may be the sufficient reason of"shara"for him to be dismissed Vide Lisnul Hukkam printed at mier page No.123

فی فتاویٰ قاضی خان اذا عرض للامام او للموذن عذر منعه عن المباشرة مدة ستة اشهر فللمتولی ان یعزله ویولی غیره وان کان للمعزول نائب

TrasInation.There is in fatwa qazi khan when an Imam or Muazzin has some certain bussiner which may be the cause of six months absence from the mosque .not with standing he may have given some person for him to act. At such opportunity the trustees can discharge him and may establish or appoint another Imam in his place" (tahtawi printed misr and shami printed وتقدم مایدل علی جواز عزله اذا مضی شهر بیری(constantinople volume 3,page639

translation.Allama birizada has said that the books afore said style shows that a trustee can discharge an Imam on acount of a month absence from the mosque The trustees had no need of taking sanction of discharging the Imam from the court or from any higher officer or Governor because the authority of trustees in these matters is over the powers of a mohammadan Governor althoge the same Mutavallis or Trustees may have been fixed by the same Mohammdan Governor see ashbahunnazair printed lunknow page 179 copiese from the fatwa of Imam Rashiduddin

لایملک القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظره ولو من قبله

translation.A Qazi cannot interfere a waqf in presence of a trustees althought the trustees may have been fixed by the same Qazi Hamawi sharah Ashbah printed lucknow page No 179copies from fatwa Imam zahiruddin

قاضی البلد اذا نصب رجلا متولیا للوقف بعد ماقلده الحاکم الحکومة فلیس للحاکم علی الوقف سبیل حتی لایملک الاجارة ولا غیرها

Translation. A king apointed a qazi and after it the qazi fixed a trustee on a waqf now the king has no connection on with the waqf nor has he any power of it contract etc Another style from lisnaul hukkam copies from fatwa imam sowri

لاتدخل ولایة السلطان علی ولایة المتولی فی الوقف

Translation. A king cannot interfere a waqf against a trustee authorities in this case the higher officer or governors are not Mohammadan ones and therefore they do not know the schemes of shara as a Mohammadan trustee knows The trustees can discharge an imam when the imam leaves sunnia doctrine or commits an open sin against Shara or there may be found in him something which may be the cause of abhorrence which decreases the number of peoples at prayers or he may be disobedient against the managing rules of affairs of the mosque.Or assembly of persons at prayers or there may be something such in

him otherwise he will not be discharged without fault see Raddul Mohtar printed constantinople volume 3page597

قال فی البحر و استفید من عدم صحة عزل الناظر بلاجنحة عدمها لصاحب وظيفة فی وقف بغير جنحة وعدم اهلية

Translation. It is said in Bahrul Raiq that as a mutawali can not be dismissed without fault from this it is manifest that any receiver of a salary of a waqf can not be discharged until his fault be proved or he may be proved to be unfit for his duties

امر برقمه عبده المذنب احمد رضا البريلوی عفی عنه بمحمد ن المصطفى النبي الامي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۶،ص:۵۵۱/۵۵۲]

ترجمۂ جواب:

بریلی، مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء

بخدمت جناب ایم قادر غنی صدر مدرس مسلم ایسوسی ایشن

محترم! آپ کے مراسلہ مورخہ ۱۹ رمئی ۱۹۰۸ء کے مطابق میں اپنا فتویٰ برائے ملاحظہ ارسال کررہاہوں ،متولیان ایک امام کو برخاست کرسکتے ہیں جبکہ کوئی ایسا اختلاف اور وجہ معقول شرعی طور پر پائی جائے (لسان الحکام مطبوعہ مصر، ص:۱۲۳)۔

ترجمہ:فتویٰ قاضی خان میں ہے کہ جب امام یا مؤذن کے درمیان کوئی ایسی چیز عارض ہوجس کی وجہ سے وہ چھ ماہ تک مسجد سے غیر حاضر رہے اوراس نے اپنا کوئی بدل نہ دیا ہوتو اس وقت متولی اس کو برطرف کرسکتا ہے اور دوسرا امام اس کی جگہ مقرر کرسکتا ہے (طحطاوی مطبوعہ مصر اور شامی مطبوعہ قسطنطنیہ جلد۳،ص:۶۳۹)۔

ترجمہ:’’علامہ بیری زادہ کتاب مذکور میں فرماتے ہیں کہ متولی ایک امام کو مسجد سے ایک ماہ کی غیر حاضری پر برطرف کرسکتا ہے‘‘ متولی کو کوئی ضرورت امام کی برطرفی کے لئے عدالت یا کسی افسر بالا یا گورنر سے اجازت لینے کی نہیں ہے کیونکہ متولی اپنے اختیار خصوصی سے ان معاملات میں خود اسلامی گورنر جیسا اختیار رکھتا ہے جبکہ یہ متولیان خود ایک اسلامی گورنر کے مقررکردہ ہوں (اشباہ والنظائر مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۹۷منقول از فتاویٰ امام رشید الدین)۔

ترجمہ:ایک قاضی وقف کے کسی معاملہ میں متولی کی موجودگی میں دخل نہیں دے سکتا جبکہ اسی قاضی نے اس کو متولی بنایا ہو(حموی شرح اشباہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۹۷منقول از فتاویٰ امام ظہیر الدین)۔

ترجمہ:ایک بادشاہ نے ایک قاضی مقرر کیا اوراس کے بعد قاضی نے وقف کا ایک متولی مقرر کیا ،اب بادشاہ کو کوئی تعلق اس وقف سے نہ رہا اورنہ کوئی اختیار اس کو ردوبدل کا باقی رہا (لسان الحکام ،منقولہ از فتاویٰ امام ثوری)۔

ترجمہ:ایک بادشاہ ایک متولی کے معاملہ میں دخیل نہیں ہوسکتا جبکہ حکام بالا یا گورنر جوکہ مسلمان نہیں اور جواس قانون تولیت سے واقفیت بمقابلہ متولی نہیں رکھتے اس وقت متولی امام کو برخاست کرسکتا ہے جبکہ امام عقائد سنیہ کو ترک کردیتا ہے یا برملا شرع کے خلاف ورزی کرتا ہو یا کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہوجس سے نماز جماعت میں کمی واقع ہو یا کمیٹی کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہو جو مسجد سے متعلق ہو برخاست ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا (ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ جلد۳ص ۵۹۷)۔

ترجمہ:بحرالرائق میں ہے کہ ایک متولی بغیر قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا ،اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وقف سے تنخواہ پانے والا شخص بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا یا جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ وہ اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں قاصر ہے الگ نہیں کیا جاسکتا۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۶،ص:۵۵۳/۵۵۴]

فتاویٰ رضویہ کے ابتدائی خطبہ کی براعت استہلال:

فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں تمام مصنفین کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک خطبہ تحریر کرتے ہیں جس میں حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور وجہ تالیف کا اظہار کرتے ہیں ،لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ کا ایسا خطبہ تحریر فرمایا ہے جوکہ دیگر کتابوں کے خطبوں سے بالکل الگ تھلگ اور منفرد و یکتا ہے ۔ جو بلا شبہ فصاحت و بلاغت کا اچھوتا شاہکار ہے، دلکش اشارات ،روشن تلمیحات ،خوبصورت استعارات اور

خوشنما تشبیہات پر مشتمل ہے۔اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ خطبے کے اندر اللہ تعالیٰ کی حمد، رسول اللہ ﷺ کی تعریف، صحابہ اور اہل بیت کی مدح اور درود وسلام یہ تمام چیزیں ائمہ کرام کے ناموں سے ادا کی گئی ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ جملہ محسنات بدیعیہ از قسم براعت استہلال و رعایت سجع وغیرہ بھی پوری طرح ملحوظ رکھی گئی ہے ۔اتنی قیودات اور پابندیوں کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ ذیل میں فتاویٰ رضویہ کا براعت و استہلال اور کتب فقہ وائمہ کرام کے ناموں کا شاہکار خطبہ ہدیہ ناظرین ہے۔

خطبة الكتاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

الحمد لله هو الفقه الاكبر، والجامع الكبير ،لزيادات فيضه المبسوط الدررو الغرر،به الهدايه،و منه البداية،واليه النهاية،بحمده الوقاية،ونقاية الدراية ،وعين العناية،و حسن الكفايه،والصلاة والسلا م على الامام الاعظم للرسل الكرام، مالكي ،وشافعي، أحمد الكرام،يقول الحسن بلا توقف،محمدن الحسن أبو يوسف،فانه الاصل المحيط ،لكل فضل بسيط ،و وجيز ووسيط ،البحر الزخار ،والدرر المختار ،و خزائن الاسرار ،و تنوير الابصار ،و رد المحتار ،علىٰ منح الغفار ،و فتح القدير وزاد الفقير ،وملتقى الابحر ، ومجمع الانهر ،وكنز الدقائق،و تبيين الحقائق ،والبحر الرائق ،منه يستمد كل نهر فائق ،فيه المنية،و به الغنية،ومراقى الفلاح ،و امداد الفتاح،وايضاح الاصلاح ،و نور الايضاح،وكشف المضمرات،وحل المشكلات، والدرر المنتقىٰ، وينابيع المبتغى، و تنوير البصائر،و زواهر الجواهر،البدائع النوادر،المنزه وجوبا عن الا شباه والنظائر، مغني السائلين، و نصاب المساكين ، الحاوى القدسى ، لكل كمال قدسى و انسى ، الكافي الوافى الشافى ، المصفى المصطفى المصتصفى المجتبى المنتقى الصافى ، عدة النوازل،و انفع الوسائل، لاسعاف السائل ، بعيون المسائل ، عمدة الاواخر و خلاصة الاوائل ، وعلى آله وصحبه و حزبه ،و مصابيح الدجىٰ ، و مفاتيح الهدىٰ ، لا سيما الشيخين الصاحبين ، الأخزين من الشريعة والحقيقة بكلا طرفين ،الختنتين والكريمين ،كل منهما نور العين ،و مجمع البحرين ، وعلىٰ مجتهدى ملته ،و ائمة امته ،خصوصاً الاركان الاربعه ، و الانوار اللامعة ، و ابنه الاكرم الغوث الاعظم ، أخيرة الاولياء ، و تحفة الفقهاء ، و جامع الفصولين ، فصول الحقائق ، و الشرع المهذب بكل زين ،وعلينا معهم و بهم ولهم يا ارحم الراحمين آمين آمين و الحمد لله رب العٰلمين .

ترجمۂ خطبه

بسم الله الرحمٰن الرحيم

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

ہم اس کی حمد کرتے ہیں اوراس کے کرم والے رسول پر درود بھیجتے ہیں سب خوبیاں خدا کو ہیں یہی سب سے بڑی فقہ و دانشمندی ہےاور اللہ تعالیٰ کے فیض کشادہ کی افزائشیں کی نہایت روشن موتی ہیں ان کے لیے بڑی جامع ہے،اللہ ہی سے ہدایت اوراسی سے آغاز ہےاوراسی کی طرف انتہا،اسی کی حمد سے حفظ ہےاورعقل کی پاکیزگی اورعنایت کی نگاہ اور کفایت کی خوبی،اوردرودوسلام ان پر جوتمام معزز رسولوں کے امام ہیں ۔میرے مالک اور میرے شافع احمد کمال کرم والے ،حسن بے توقف کہتا ہے کہ حسن والے محمد ﷺ یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے والد ہیں کیونکہ وہی اصل ہیں جو ہر فضیلت کبیرہ و صغیرہ ومتوسط کومحیط ہیں ۔نہایت چھلکتے دریاں ہیں اور چنے ہوئے موتی اوررازوں کے خزانے ،اورآنکھیں روشن کرنے والی ،اورحیران

کو اللہ غفار کی خطاؤں کی طرف پلٹانے والے۔ قادر مطلق کی کشائش ہیں، اور محتاج کے کوشے، تمام کمالات کے سمندر انہیں میں جا کر ملتے ہیں، اور سب خوبیوں کی نہریں انہیں میں جمع ہیں، تاریکیوں کے خزانے ہیں، اور تمام حقائق کے روشن بیان، اور خوشنما صاف شفاف سمندر کی ہر فوقیت والی نہر انہیں سے مدد لیتی ہے، انہیں میں آرزو ہے، اور انہیں کے سبب باقی سب سے بے نیازی، اور مراد پانی کے زینے، اور تمام ابواب خیر کھولنے والے کے مدد، اور آراستگی کی روشنی، اور اس روشنی کے لئے نور، اور غیبوں کا کھلنا اور مشکلوں کا حل ہونا، اور چنا ہوا موتی، اور مراد کے چشمے، اور دلوں کی روشنیاں اور نہایت چمکتے جواہر عجب و نادر، و مثل و نظیر سے ایسے پاک ہیں کہ ان کا مثل ممکن نہیں، سائلوں کو غنی فرمانے والے ہیں، اور مسکینوں کی تونگیری، ہر کمال میں ملکوتی و انسانی کے پاک جامع ہیں، تمام مہمات میں قافی ہیں، بھرپور بخشنے والے، سب بیماریوں سے شفا دینے والے، مشفہ بر گزیدہ ساتھ سونے ہوئے، ستھرے صاف، سب سختیوں کی دقت کے لئے ساز و سامان ہیں، سائل کو نہایت عمدہ منہ مانگی مرادیں ملنے کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش وسیلے ہیں، پچھلوں کے تکیہ گاہ اور اگلوں کے خلاصے، اور ان کے آل واصحاب اور ازواج و گروہ پر درود وسلام کی ظلمتوں کے چراغ اور ہدایت کی کنجیاں ہیں، خصوصا اس نام کے دونوں بزرگ مصطفیٰ کے دونوں یار کے شریعت و حقیقت دونوں کناروں کے حاوی ہیں، اور دونوں کرم والے شادیوں کے سبب فرزندی اقدس سے مشرف سے ان میں ہر ایک آنکھ کی روشنی اور دونوں سمندروں کا مجمع ہے، اور ان کے کے دین کے مجتہدوں اور امت کے اماموں پر خصوصا شریعت کے چاروں رکن چمکتے نور، اور ان کے نہایت ترین بیٹے غوث اعظم پر اولیاء کے لئے ذخیرہ ہیں، اور فقہاء کے لئے سفہاء، اور حقیقت اور وہ شریعت کے آراستہ ہے دونوں کی فصول کے جامع، اور ہم سب پر ان کے ساتھ ان کے صدقہ میں ان کے طفیل اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان سن لے قبول کر۔

تشریح خطبہ:

فقہ حنفی میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مشہور تصنیف کا نام الفقہ الاکبر ہے، اسی طرح جامع کبیر، زیادات، فیض، مبسوط، درر، غرر بھی بلند پایہ فقہی تصانیف ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے ان ناموں میں کہیں ضمیر کا اور کہیں حرف جر وغیرہ کا اضافہ کر کے ان کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ کتابوں کے یہ نام ہی اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد بن گئے ہیں چنانچہ فرمایا ''**الحمد لله هو الفقه الاكبر، والجامع الكبير، لزيادات فيضه المبسوط الدرر**'' سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ کی تعریف ہی سب سے بڑی دانائی ہے اور اللہ تعالیٰ پھیلے ہوئے فیض کے شفاعت اور تابناک اضافوں کی بڑی جامع ہے۔ یعنی فیضان الٰہی کے اضافے اور زیادات موتیوں کی طرح شفاف اور روشن پیشانیوں کی طرح تابناک ہیں۔ حالانکہ حمد کا یہ پہلو ضمنی ہے جبکہ امام احمد رضا قدس سرہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیض مبسوط کا ذکر کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض و کرم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور غیر متناہی فیض کے زیادات غیر متناہی در غیر متناہی ہوں گی اور جو حمد ان زیادات کی جامع ہوگی وہ بھی غیر متناہی در غیر متناہی ہوگی، اور امام احمد رضا قدس سرہ اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی حمد کرنا چاہتے ہیں۔ کیا کمال درجہ کا فرق فی المبالغہ ہے حمد بے حد'' یا بے انتہا تعریف'' میں اس مبالغے کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔

بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں صلوۃ وسلام پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ نے تو پہلے ائمہ کرام وفقہاء اسلام کے ناموں اور معروف القاب کو اس طرح ترتیب دیا کہ کچھ ان میں سے سرکار دو عالم ﷺ کے نام بن گئے اور کچھ ان کی صفات، اس کے بعد اسمائے کتب سے حضور ﷺ کے فضائل بیان کئے اور صلوۃ وسلام پیش کرنے کے دوران امام احمد رضا قدس سرہ نے مندرجہ بالا تمام محاسن ولطائف کے علاوہ ایک اور خوبی کا اضافہ کیا ہے یعنی سرور کونین ﷺ کے بارے میں اپنے عقیدے کی بھی وضاحت کر دی ہے اور اہل سنت وجماعت کی ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ امام احمد رضا

قدس سرہ اور تمام اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ ہم سب کے بلکہ سارے عالم کے مالک ہیں لیکن بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تملیک سے مالک ہیں اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بروز محشر عاصیوں کی شفاعت فرمائیں گے اور حق تعالیٰ سے ان کو بخشوائیں گے۔ اس عقیدہ کو ائمہ کرام کے اسماء والقاب سے اس طرح وضاحت کرتے ہیں۔

والصلوۃ و السلام علی الامام الاعظم للرسل الکرام، مالکي وشافعي أحمد الکرام

اور صلوۃ وسلام ہو رسولوں کے سب سے بڑے امام پر جو میرے مالک ہیں میری شفاعت کرنے والے ہیں ان کا نام احمد ہے بہت ہی عزت والے ہیں۔ (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) ائمہ اربعہ کے معروف القاب واسماء کے ساتھ حضور ﷺ کی تعریف بھی کی ہے اور ساتھ ہی اپنے عقیدے کا اظہار بھی کیا۔

آگے چل کر ایک عقیدہ کا اظہار یوں فرماتے ہیں کہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ تمام کائنات کی اصل اور مبدا ہیں اس کے اظہار کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ نے امام اعظم ابو حنیفہ کے تینوں مشہور شاگردوں امام محمد، امام حسن بن زیاد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ناموں کا انتخاب فرمایا اور انہیں اس طرح یکجا کیا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے اسم گرامی اور حسن وجمال کا ہی بیان ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ حسن یوسف پرتو حسن مصطفیٰ ہے بلکہ خود حضرت یوسف علیہ السلام فرع مصطفیٰ اور ابن مصطفیٰ ﷺ ہیں چنانچہ فرمایا۔

یقول الحسن بلا توقف محمد الحسن ابو یوسف

آپ کے جمال بے مثال دیکھ کر خود حسن بغیر کسی توقف کے پکار اٹھتا ہے کہ حسن والے محمد ﷺ درحقیقت یوسف علیہ السلام کے ''اب'' اور اصل ہیں۔

تمام انبیاء رسول اللہ ﷺ کے بحر کرم سے ایک چلو یا آپ کی باران رحمت کی طلب گار ہیں اس عقیدہ کو فتاویٰ رضویہ کے خطبہ میں امام احمد رضا قدس سرہ تلمیح کے انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''**البحر الرائق منه یستمد کل نهر فائق**'' **البحر الرائق اور انهر الفائق**، کنز الدقائق کی دو شرحیں ہیں امام احمد رضا قدس سرہ نے ''**منه یستمد کل**'' کا اضافہ کرکے کیا ایمان افروز معنی پیدا کیے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ وہ حیران کن سمندر ہیں کہ ہر فوقیت رکھنے والا دریا اور نہر انہیں سے مدد لیتی ہے۔ گویا کہ رسول اللہ ﷺ فضل وکمال کے بحر زخار ہیں اور باقی انبیاء ورسل فوقیت رکھنے والے دریا اور نہریں، اور ظاہر ہے کہ دریاؤں اور نہروں میں سے وہی پانی لیتا ہے جو بھاپ بن کر سمندر سے اٹھتا ہے اور کہیں بارش بن کر برستا ہے تو کہیں برف بن کے گرتا ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف متفق ہوں تو فقہاء ان کو شیخین کہتے ہیں اور اگر امام ابو یوسف اور امام محمد کا اتفاق ہو تو ان کو صاحبین کہتے ہیں۔ اور اگر امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی ایک ہی رائے ہو تو ان کو طرفین کہا جاتا ہے۔ اب امام احمد رضا قدس سرہ نے ان تینوں فقہی اصطلاحات کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر منطبق کر دیا اور فرمایا: **لا سیما الشیخین الصاحبین الاخذین من الشریعۃ والحقیقۃ بکلا الطرفین**

خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے دو بزرگ ساتھی جو شریعت و حقیقت کے دونوں کناروں کو تھامنے والے ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کا جیسا اوصاف ومحاسن سے بھرپور خطبہ آج تک نگاہوں نے نہیں دیکھا فصاحت و بلاغت کی یہ رعنائیاں صرف خطبہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ پورا فتاویٰ تخیل کی نزاکتوں اور ادبی لطافتوں سے مالا مال ہے اگر اسکی تفصیل بیان کی جائیں تو سیکڑوں صفحات درکار ہیں۔ تاہم یہاں ایک اور امتیازی کمال کی طرف اہل ذوق کو متوجہ کرکے اپنی گفتگو کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔

رسائل رضویہ کی چار اہم خصوصیات:

امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ معمول تھا کہ اگر کسی سوال کا جواب زیادہ تفصیل سے دینا ہوتا تو اس کو مستقل رسالہ کی شکل دے دیتے

تھے اور با قاعدہ اس کا نام رکھتے تھے۔اور یہ نام اس قدر رموزوں ،مناسبت اور واقع کے مطابق ہوتا کہ پڑھنے والا امام احمد رضا قدس سرہ کی فقہی دسترس اور رسائی پر حیران رہ جاتا، ہر نام میں مندرجہ ذیل چار خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

(۱) ہر نام عربی میں ہوتا ہے خواہ وہ رسالہ کسی بھی زبان میں ہو۔

(۲) ہر نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

(۳) ہر نام اسم با مسمی ہوتا ہے یعنی نام ہی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس رسالہ کا موضوع کیا ہے۔

(۴) ہر نام تاریخی ہوتا ہے یعنی ابجد کے حساب سے اگر اس کے حروف کے اعداد نکالے جائیں تو ان کا مجموعہ اس سن پر دلالت کرتا ہے جس سن میں وہ رسالہ تحریر کیا گیا ہے۔

یہاں پر بطور نمونہ جلد اول سے صرف تین رسالوں کے نام ہدیۂ ناظرین ہے جن سے ہمارے دعوی کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

(۱) اگر امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین (و امام ابو یوسف اور امام) محمد و متاخرین فقہاء کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں کس کے قول پر فتویٰ ہوگا؟ امام اعظم کے قول پر یا صاحبین کے قول پر؟ یا دیگر فقہائے احناف کے قول پر؟ یا بعض معمولات میں امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر یا بعض معمولات میں امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر اور بعض میں صاحبین و امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر اور بعض میں دیگر فقہائے احناف کے قول پر؟ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ نے جو رسالہ تحریر فرمایا اس کے نام سے ہی اس بات کی تحقیق واضح ہو جاتی ہے کہ وہ یہ ہے۔

اجلیٰ الاعلام ان الفتوی مطلقا علیٰ قول الامام

واضح اعلان کہ فتویٰ بہر صورت امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے۔

(۲) کون سی نیند ناقض وضو ہے اور کون سی نہیں اس کی تفصیلات سے امت مسلمہ کو آگاہ کرنے کے لیے آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا اور اس کا نام یہ رکھا۔

" **نبہ القوم ان الوضوء من ای النوم** " قوم کو آگاہ کرنا کہ کون سی نیند کے بعد وضوء ہے۔

(۳) حالت جنابت میں قرآت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن صورتوں میں؟ ان مسائل سے متعلق آپ نے ایک رسالہ قلمبند کیا اور اس کا نام یہ رکھا۔

ارتفاع الحجب عن وجوہ قرآت الجنب " پردوں کا اٹھ جانا ان تمام صورتوں میں جو جنبی کی قرآت سے متعلق ہیں۔

تینوں رسالوں کے نام مندرجہ بالا چاروں خصوصیات کے جامع ہیں یہاں پر ہم صرف رسالہ " **نبہ القوم ان الوضوء من ای النوم** " کے اعداد کا استخراج کر کے اس کی کچھ جھلکیاں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ باقی رسالوں کا قیاس اسی پر کرلیں۔

نبہ القوم ۔۔(ن۔۵۰)(ب۔۲)(ہ۔۵)(ا۔۱)(ل ۔۳۰) (ق۔۱۰۰)(و۔۶۰)(م۔۴۰)۔۔۔۲۳۴

ان الوضوء من ای النوم ۔۔(ا۔۱) (ن۔۵۰) (ا۔۱) (ل۔۲۰) (و۔۶) (ض۔۸۰۰) (و۔۶) (م۔۴۰) (ن۔۵۰) (ا۔۱) (ی۔۱۰)(ن۔۵۰) اس (و۔۶) (م۔۴۰)۔

۱۰۹۱+ ۲۳۴=۱۳۲۵

اس رسالے کا مجموعی اعداد ۱۳۲۵ ہوا اور یہی سن تاریخ اور سن تالیف ہے۔ یہ فتاویٰ رضویہ کے اندر ایک ایسی خوبی ہے جس کی نظیر دیگر فتاوے اور فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتی۔

متعارض اقوال میں تطبیق یا ترجیح:

مختلف اقوال میں صحیح تطبیق اور ان سب کا ایسا معنی بیان کر دینا جس کے سرے سے اختلاف ہی رفع ہو جائے اور سب معانی مناسب صورتوں کے موافق ہو جائے تو بہت اہم اور مشکل ترین امر ہے ۔ بڑے بڑے اصحاب علم و فضل اور میدان تحقیق کے شہسوار بھی اس وصف سے کہیں دامن اور خالی نظر آتے ہیں لیکن اس تعلق سے جب آپ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو یہ بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے فکر انگیزی کے ساتھ اپنی تحقیق انیق کے

ذریعے کثیر متعارض دلائل میں ایسی تطبیق پیش کی ہے کہ اسے مطالعہ کرنے کے بعد قاری کو بلا تامل یہ کہنا پڑے گا کہ اس سلسلہ میں فتاویٰ رضویہ دیگر کتب فتاوی میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے اس کی متعدد نظیریں فتاویٰ رضویہ کے مختلف جلدوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں یہاں پر فتاویٰ رضویہ جلد اول سے اسراف فی الوضوء کے تعلق سے اور جلد ثانی سے جمع بین الصلوتین کے تعلق سے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین ہیں۔

اسراف فی الوضوء کے اقوال میں تطبیق:

بلاضرورت وضوء میں پانی خرچ کرنے کے بارے میں فقہائے متقدمین کی عبارتوں میں شدید اختلاف واضطراب ہے چنانچہ علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے غنیۃ اور علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں بلا ضرورت پانی صرف کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکتی نے درمختار شرح تنویر الابصار میں مکروہ تحریمی اور علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے اور محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح القدیر میں خلاف اولی ہونے پر جزم کیا ہے غرضیکہ اس سلسلہ میں فقہائے متقدمین کے مابین چار اقوال ہیں۔ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ جس کی پوری تفصیل مذکورہ کتب میں دیکھی جا سکتی ہے اور امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی فتاویٰ رضویہ جلد اول میں ص ۱۲۶ر سے لیکر ص ۲۰۶ر تک پورے بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فقہائے اربع کے یہ چاروں اقوال بظاہر متضاد نظر آتے ہیں لہٰذا امام احمد رضا قدس سرہ نے ان چاروں اقوال کے درمیان تطبیق پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ ان میں کوئی تعارض نہیں لہٰذا جو آپ نے اپنے فتاویٰ میں ان جو تطبیق پیش کی ہے وہ یہ ہے۔

(۱) **حرام**:۔ بے حاجت زیادت اگر باعتقاد سنیت ہو تو مطلقاً ناجائز وگناہ ہے اگر چہ دریا میں ہو۔

(۲) **مکروہ تحریمی**:۔ اور بلا اعتقاد سنیت وبلا ضرورت وضوء میں پانی اس طرح خرچ کرے کہ وہ پانی ضائع ہو جائے تو جب بھی مطلقاً ممنوع ومکروہ تحریمی ہے۔

(۳) **مکروہ تنزیہی**: نہ سنیت کا عقیدہ ہو اور نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ لیکن عادتاً بلاضرورت پانی خرچ کرتے ہو۔

(۴) **خلاف اولیٰ**:۔ اعتقاد سنیت ہو نہ اضاعت ماء اور نہ بلاضرورت خرچ کرنے کی عادت ہو لیکن نادراً بلاضرورت پانی خرچ کرے تو خلاف ادب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ رص ۲۰۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

اس کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ اللہ رب العزت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''یہ ہے بحمدہ تعالیٰ فقہ جامع، وفکر نافع، اور درک مانع، ونور بارع، وکمال توفیق۔ وجمال تطبیق، وحسن تحقیق، وعطر دقیق وباللہ توفیق والحمدللہ رب العلمین''۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱ رص ۲۰۸ مطبوعہ رضا اکیڈمی)

جدید مسائل اور غیر منصوص احکام کا استنباط:

احکام کا استنباط اگر چہ مجتہد کی ذمہ داری ہے لیکن نو پید اور جدید مسائل اور معاملات کے تعلق سے فقہائے کرام کا ہمیشہ سے یہ معمول چلا آیا ہے کہ انہوں نے کتاب وسنت اور فقہائے احناف کے سعی کردہ اصول وضوابط اور قاعدۂ کلیہ کی روشنی میں مسائل جدیدہ کا حل اور ان کے احکام کا استنباط اور استخراج کیا ہے۔ لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں کہ حدیث وفقہ کی چند کتابوں کا مطالعہ کرنے والے ہر عالم دین کو ان نو پید مسائل کے احکام تک رسائی ہو جائے اور وہ اس کی تہہ تک پہونچ کر اس کے حکم شرعی کی تلاش وتطبع کر لے بلکہ اس کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے جو اس منصب جلیل کے لئے ضروری شرائط اور علوم وفنون کا جامع ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہ کو بلا شبہ جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی اور علم فقہ میں تو آپ ید تولہ رکھتے تھے۔ نور فقاہت اور استنباط واستخراج کے ملکۂ راسخہ سے آپ سرفراز تھے، ایک فقیہ کے لیے جتنے علوم وفنون کی ضرورت ہوتی ہے ان میں نہ صرف یہ کہ آپ واقفیت رکھتے تھے بلکہ کامل دسترس اور گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی خداداد صلاحیت اور بے مثال ذہانت وفطانت تھے ایسے جدید

اور نئے مسائل جن کے احکام سابقہ کتب میں مذکور نہیں ہوئے تھے اپنی حیرت انگیز فقہی تحقیق اور قوت اجتہادی سے ان کے احکام کا استخراج کیا اور امت مسلمہ کو ان کے حکم شرعی سے آگاہ کیا۔ اس کی بے شمار مثالیں فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں دیکھی جاسکتی ہیں یہاں صرف چند شواہد ہدیہ ناظرین ہیں۔

خط، جنتری وتار وغیرہ کا حکم شرعی:

پہلے زمانے میں تار، ٹیلیفون۔ ریڈیو، ٹیلی ویزن اور جنتری وغیرہ کا وجود نہیں تھا اور نہ ہی مراسلات کے یہ نئے طور وطریقے تھے خطوط کی آمد ورفت بھی بہت کم تھی جس کی وجہ سے ایک جگہ کی رویت ہلال کی خبر دوسری جگہ بہت دیر سے پہنچتی تھی۔ لیکن جوں جوں رفتہ رفتہ زمانے ترقی کرتا گیا اور سائنس کا فروغ وارتقاء ہوا تو یہ تمام چیزیں معرض وجود میں آئیں اور ان آلات کے ذریعہ نشر واشاعت کا کام بہت زیادہ تر ہونے لگا۔ چند گھنٹوں اور منٹوں میں ایک جگہ کی خبر پوری دنیا میں پھیلنے لگی اور لوگوں نے بھی اپنے روزمرہ کے معاملات میں مذکورہ آلات کے ذریعہ نشر کی جانے والی خبروں کو معتبر ماننا شروع کر دیا پھر یہ سلسلہ آگے بڑھا اور عبادات کو معاملات پر قیاس کر کے عبادات کے باب میں بھی قوم مسلم ان خبروں کا اعتبار کرنے لگے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے عوام کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے اور شریعت کی صحیح موقف کی تعین کے لئے متعدد رسالے تصنیف فرمایا جو کہ فتاویٰ رضویہ میں کثیر صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں آپ نے احادیث کریمہ اور ارشادات فقہاء سے نہایت واضح طریقے پر یہ ثابت کیا کہ ثبوت ہلال کے باب میں خط، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلیویزن اور اس کے ہم مثل دیگر جدید ضرائع ابلاغ کے توسط سے جو خبریں حاصل ہوتی ہیں وہ شرعا معتبر نہیں۔ بلکہ چاند کی رویت پر عمل کرنا اسی وقت واجب ہے جبکہ وہ بطریق شرعی ثابت ہو پھر آپ نے ثبوت ہلال کے سات طریقے بتایا اور یہ تنبیہ کی کہ ان کے علاوہ خطوط واخبار وتار وجنتری وغیرہ کے ذریعہ یا یوں ہی قیاس وقرائن اور اختراعی قائدوں سے چاند کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔

بندوق کے ذریعے شکار کا حکم:

حلال جانوروں کا گوشت کھانا اسی وقت جائز ہے جب کہ سہ شرعی طریقے سے ذبح کئے گئے ہوں۔ جو جانور ہمارے قابو میں ہیں ان کو ذبح کرنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے لیکن جو جانور ہمارے قبضے سے باہر ہے ان کو ذبح کرنے کا طریقہ پہلے سے کچھ الگ تھلگ ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہیں دوری سے جانور پر تیر، یا نیزے سے حملہ کیا جاتا ہے اور وہ مارے خوف سے کہیں دوسری جگہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ لہٰذا اگر تمام جانوروں کے لئے ذبح کا مخصوص طریقہ جو مسلمانوں میں رائج ہے وہی شرط قرار دی جائے تو شکار سے بہت کم جانور ہماری غذا کے لئے میسر ہوں گے۔ اس لئے فقہائے کرام نے ذبح کی دو قسمیں کی ہیں۔ (۱) ذبح اختیاری (۲) ذبح اضطراری۔

ذبح اختیاری:۔ یہ ہے کہ جانور کی گردن کا اتنا حصہ کسی دھاردار چیز سے کاٹا جائے تو اس کی درج ذیل چار رگیں کٹ جائیں

(۱) وہ رگ جس سے کھانا اندر جاتا ہے۔

(۲) وہ رگ جس سے سانس کی آمد ورفت ہوتی ہے۔

(۳،۴) وہ رگیں جس سے خون کا جریان رہتا ہے۔ اور اگر یہ چار رگیں نہ کٹیں تو کم از کم پہلی کی دونوں اور خون کی دو رگوں میں سے کوئی ایک ضرور کٹیں۔

ذبح اضطراری:۔ یہ ہے کہ کسی دھاردار آلہ کو بسم اللہ پڑھ کر جانور پر پھیکا جائے جو اس کے جسم سے کسی حصہ کو کاٹ دے لہٰذا تقدیر ثانی کی صورت میں اگر کسی جانور کو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا گیا اور تیر جانور کو زخمی کر گیا، پھر وہ جانور بھاگا اور شکاری اس کے قریب پہنچا اور مرا ہوا پایا تو اس جانور کا کھانا حلال ہے کیوں کہ ذبح اختیاری پر جب قدرت نہیں تھی تو اس کا قائم مقام ذبح اضطراری پالیا گیا لہٰذا اس کا کھانا حلال ہے۔

یہ حکم تو تھا تیر اور نیزے کے ذریعے زخمی شدہ جانور کے بارے میں لیکن بندوق کے ذریعہ شکار شدہ جانور کے بارے میں کیا حکم ہوگا

؟ کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر فائرنگ کی جائے اور گولی لگنے سے جانور گر جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا یا حرام؟ اس سلسلہ میں قرآن مجید ،احادیث کریمہ، ائمہ مجتہدین کے ارشادات اور فقہائے کرام کے اقوال میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے، کیوں کہ اس زمانے میں بندوق کی ایجاد نہیں ہوئی تھی، بندوق کی ایجاد تو ۱۵۲۶ء میں بابر کے زمانے میں ہوئی اور سب سے پہلے بندوق کا استعمال بابر بادشاہ ہی نے کیا جیسا کہ تاریخ ہند کے مطالعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایسے سنگین ماحول میں امام احمد رضا قدس سرہ نے اس جدید مسئلے کا حکم استخراج کیا اور یہ ثابت کیا کہ بندوق کی گولی سے مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے۔اس کو تیر اور نیزے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔اس سلسلہ میں امام احمد رضا قدس سرہ سے استفتاء اور آپ کا مدلل و مفصل جواب ہدیہ ناظرین ہے۔

استفتاء: از: حیدراباد دکن مرسلہ صاحبزادہ سید احمد اشرف میاں کچھوچھہ شریف ۳ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بندوق کی گولی سے مارا شکار حلال ہے یا حرام؟ گولی کو حلت صید (شکار) میں تیر کا حکم ہے یا نا۔ لمبی شکل کی جو گولیاں ہوتی ہیں ان کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بندوق کی گولی در بارۂ حلت صید حکم تیر میں نہیں۔اس کا مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے کہ اس میں قطع وخرق نہیں۔صدم ودق وکثر ومرق ہے۔شامی میں ہے " **لا یخفیٰ ان الجرح في الرصاص انما هو با الاحراف ،و الثقل توافة عند فائه العنيفه فليس له حد فلا يحل و به افتیٰ نجيم** " متول شکل کی جو گولیاں ہیں **اولاً** وہ بھی دھار دار نہیں ہوتیں بلکہ تقریباً بیضوی شکل پر سنی جاتی ہیں۔اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگر چہ شرط نہیں مگر محدود یعنی باڑھ دار ہونا سے قابل قطع وخرس ہو ضرور ہے۔

ثانیاً اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار ہی بنائی جائے اور اسے بطور معہود بندوق سے سر کرے۔جب بھی ثبوت حلت میں نظر ہے تو صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں۔ بلکہ کہ تیقن بھی ضروری ہے کہ اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعث قتل ہوا۔اور یہاں ایسا نہیں کہ اس کا احراق وصدمۂ شدید قاتل ہے۔" **کما سمعت انفاً** " تو محتمل کہ یہی وجہ قتل ہوا ہو، قطع اور بحالت شک واحتمال حکم حرمت ہے۔ہدایہ میں ہے " **الاصل في هٰذه المسائل ان الموت اذا كان مضافاً الى الجرح بيقين كانت صيد حلالاً و اذا كان مضافاً الیٰ الثقل بيقين كان حراماً و ان وقع الشک فلا يدری ما ت بالجرح او بالثقل كان حراماً احتياطاً** " اسی میں ہے۔" **لا يوكل ما اصابته البندقة فمات بها لانها تدق و......ولا تجرح فكذلک ان رماه بالحجر فذلک و ان جرحه قالوا......اذا كان ثقيلاو به حدة لاحتمال انه قتله بثقله الخ. والله تعالیٰ اعلم** " (فتاویٰ رضویہ ج ۸ / ص ۳۸۱ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

روسر کی تیار کردہ شکر کا حکم:

انگریزوں کی ایک کمپنی "روسر" شکر تیار کرتی تھی اس کمپنی میں جن ہڈیوں کے ذریعہ شکر صاف کیا جاتا تھا ان میں احتیاط نہیں کی جاتی تھی کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک ،حلال جانوروں کے ہوں یا مردار کی ، نیز یہ بھی مشہور تھا کہ اس میں شراب بھی پڑتی تھی یا ان چیزوں کا اس میں استعمال ہوتا تھا جن میں شراب کا امتزاج ہوتا تھا اس کمپنی سے تیار شدہ شکر کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ سے استفتاء کیا گیا اور اس کے استعمال کا حکم شرعی پوچھا گیا تو آپ نے پوری تحقیق کے ساتھ اس کا مفصل جواب بتایا جو کہ فتاویٰ رضویہ کے تقریباً ۳۸ / صفحات پر پھیلا ہوا ہے جواب سے پہلے آپ نے دس مقدمے بطور تمہید بیان کیا اور ہر مقدمہ کا ثبوت احادیث کریمہ ،تصریحات فقہاء سے پیش کیا، پھر اس کے بعد تفصیلی حکم بیان فرمایا ان مقدمات عشرہ وقواعد کلیہ کی روشنی میں آپ نے اس کمپنی سے تیار کردہ شکر کے بارے میں تحقیقی و تفصیلی جواب دیا پھر اخیر میں نو پید مسائل کے حکم شرعی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بطور تنبیہ آپ نے

ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ان مقدمات عشرہ کو ذہن نشیں کر لے گا اور خوب خوب سمجھ لے گا تو وہ اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان، پاؤ، رنگت کی پڑیوں اور یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابن، اور مٹھائی وغیرہ کے احکام شرعی خود جان سکتا ہے، ذیل میں اختصار کے پیش نظر ان مقدمات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم صرف تفصیلی جواب کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں، پہلے استفتا ملاحظہ ہو۔

استفتاء: ..از بارہ بنکی مرسلہ شیخ عبد الجلیل پنجابی، ۳۰۲ا ھ

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روسر کی شکر کہ ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک، حلال جانور کی ہوں یا مردار کی، اور سنا گیا ہے کہ اس میں شراب بھی پڑتی ہے اسی طرح، کل کی برف اور کل وہ چیزیں جن میں شراب کا لگاؤ سنا جاتا ہے، شرعاً کیا حکم رکھتی ہے، بینوا وتوجروا (فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۸۷)

روسر کی شکر کے بارے میں آپ کا تحقیقی جواب:

تفصیلی جواب: کل کی برف میں شراب ملنے کی خبر قابل غور و واجب النظر، اب مقدمہ ۴، ۵ کی تقریریں پیش نگاہ رکھ کر لحاظ درکار، اگر یہ اخبار افواہ بازار یا منتہائے سند بعض مشرکین و کفار تو بالکل مردود محض بے اعتبار، ہاں صورت اخیرہ میں اگر ان کا صدق دل پر جمے تو احتیاط بہتر تاہم گناہ نہیں، اور اتنا بھی نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہیں، اور اگر فساق، بداعمال، یا مستور الحال کی خبر ہو تو شہادت قلب کی طرف رجوع معتبر، اگر دل اس امر میں ان کے کذب کی طرف جھکے تو کچھ بات نہیں مگر احتراز افضل، کہ آخر مسلمان ہیں، عجب کیا کہ سچ کہتے ہوں، خصوصاً مستور کے اس کی عدالت معلوم نہیں، تو فسق بھی ثابت نہیں، اور اگر قلب ان کے صدق پر گواہی دے تو بے شک احتراز چاہئے کہ ایسے مقام پر تحری حجت شرعیہ ہے اگر چہ وہ خبر بنفسہ حجت نہ تھی مگر یہاں ممانعت کا درجہ حرمت قطعیہ تک تجاوز نہ کرے گا، **لان التحری محتمل للخطاء کما فی الهدایه والظنون ربما تکذب کما فی الحدیث** اور وہ بھی اسی کے حق میں جس کا دل ان کے صدق کی طرف جائے **فان شهادة قلبک لیس حجة الا علیک وذلک فی القاطع کالوجدان فکیف بالظنون**، پس اگر دوسرے کے دل پر ان کا کذب جمے اس کے حق میں وہی پہلا حکم ہے کہ احتراز بہتر ورنہ اجازت، ...... ہاں اگر اس قدر جماعت کثیر کی خبر ہو جن کا کذب پر اتفاق عقل تجویز نہ کرے تو بے شک علی الاطلاق حرمت قطعی کا حکم دیا جائے گا اور اس کے سوا کسی امر پر لحاظ نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ سب مخبر فساق و فجار بلکہ مشرکین و کفار ہوں، **فان العدالة بل والاسلام ایضا لا یشترط في التواتر عند الجمهور خلافا للامام فخر الاسلام علیٰ ما اشتهر الخ** ۔اسی طرح اگر منتہائے سند مسلمان عادل اگر چہ ایک ہی ہو جب بھی احتراز واجب اور برف حرام ونجس، مگر یہ ضرور ہے کہ وہ خود اپنے معائنہ سے خبر دے، ورنہ سنی سنائی کہنے میں اس کا قول، خود اس کا قول نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جب خبر معتبر شرعی سے ثابت ہو جائے کہ شراب اس کی ترکیب کا جز ہے تو برف کی حرمت ونجاست میں کلام نہیں اور علی العموم اس کے تمام افراد ممنوع ومحذور اور یہ احتمال ہے کہ شاید فرد خاص میں نہ پڑی ہو محض مہمل ومہجور کہ یہ ماہو محذور میں یقین نوعی کلی ہے اور ایسی جگہ یہ احتمالات یک لخت مضمحل وغیر کافی، یہاں تک کہ ایسی شی کا دوا میں بھی استعمال ناروا مگر جب اس کے سوا دوا نہ ہو اور یقین کامل ہو کہ اسے قطعاً شفا ہو جائیگی جیسے بحالت اضطرار پیاسے کو شراب پینا، یا بھوکے کو گوشت مردار کھانا، شرع مطہر نے جائز فرمایا کہ اس سے پیاس اور اس سے بھوک کا جانا یقینی ہے، نہ مجرد قول اطباء کہ ہرگز موجب یقین نہیں۔ اور اگر ایسی خبر سے ثبوت نہیں تو غایت درجہ اس قدر کہ بحکم تورع واجتناب شبہات احتراز کرے، مگر تحریم و تجنیس کا حکم بے دلیل شرعی ہرگز روا نہیں، قدر بیان اس کا آگے گزرا اور انشاء اللہ تعالیٰ خاتمہ رسالہ میں ہم پھر اس طرف عود کریں گے۔

یہ تو اصل حکم فقہی ہے، اب واقعہ پر نظر کیجیے تو اس خبر کی کچھ حقیقت پائے ثبوت کو نہیں پہنچتی، نہ اس پانی میں جسے منجمد کہتے ہیں

شراب ملانے کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے، تو برف پر حکم جواز ہی ہے، ہاں انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں جنہیں ٹنکچر کہتے ہیں ان سب میں یقیناً شراب ہوتی ہیں وہ سب حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی، نہ ان کا کھانا حلال، نہ بدن پر لگانا جائز، مسلمان اسے خوب سمجھ لیں اور ڈاکٹری علاج میں ان ناپاکیوں، نجاستوں سے بچیں، خصوصاً سخت آفت اس وقت ہے کہ ان علاجوں میں قضا آجائے اور مسلمان اس حالت میں مرے کہ معاذ اللہ اس کے پیٹ میں شراب ہو اسی طرح بے شک اس شکر کا ہڈیوں سے صاف کیا جانا ایسا یقینی جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، مگر

اولاً غور واجب ہے کہ اس تصفیہ میں ہڈیوں پر شکر کا صرف مرور وعبور ہوتا ہے، بغیر اس کے ان کے کچھ اجزاء شکر میں رہ جاتے ہوں جس طرح پانی کو کوئلوں اور ہڈیوں سے متقاطر کر کے صاف کرتے ہیں کہ برتن میں ستھرا پانی شفاف آجاتا ہے اور انگشت و استخواں کا کوئی جز اس میں شریک نہیں ہونے پاتا جب تو اس شکر کی حلت کو صرف ان ہڈیوں کی طہارت درکار ہے اگرچہ حلال وماکول نہ ہوں، **کما لا یخفی علیٰ عاقل وذالک لانہ لم یختلط بالحرام فیتمحض فی الاکل والمرور علیٰ طاھر ولو حرام لا یورث منعا**، اور درصورت مرور ظاہر یہی ہے کہ منافذ کو تنگ کر کے اور بطور تقاطر اس کو عبور دیتے ہوں کہ ازالہ کثافت کی ظاہرا یہی صورت ہڈیوں پر صرف بہاؤ میں نکل جانا، غالباً باعث تصفیہ نہ ہوگا تو اس تقدیر پر درصورت نجاست استخواں نجاست عصیر و حرمت شکر میں شک نہیں ورنہ بلا ریب طیب وحلال، اور اگر اجزائے استخواں پیس کر اس میں ملائے اور وہ مخلوط وغیر ممیّز ہو کر اس میں رہ جاتے ہیں تو حلت شکر کو ان ہڈیوں کی حلت بھی ضرور صرف طہارت کفایت نہ کرے گی اور اگر غیر ماکول یا مردار کہ استخواں ہوئے تو اس تقدیر پر شکر کے ساتھ ان کے اجزاء بھی کھانے میں آئیں گے۔ **للاختلاط وعدم الامتیاز**، اور ان کا کھانا گو طاہر ہوں حرام تو شکر بھی حرام ہو جائے گی، **فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار لم تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوبہ لا شربہ لحرمۃ لحمہ الخ۔**

روسر کی جس شکر کا حال تحقیقاً معلوم کہ یہ بالخصوص کیونکر بنی ہے اس کے تفاصیل احکام ہماری اس تقریر سے ظاہر ہیں اور استخواں کی طہارت، نجاست، حلت، حرمت کا حکم پہلے معلوم ہو چکا۔

ثانیاً۔ کیف ما کان ان خیالات پر مطلق شکر روسر کو نجس وحرام کہہ دینا صحیح نہیں بلکہ مقام اطلاق میں طہارت وحلت ہی پر فتویٰ دیا جائے گا تاوقتیکہ کسی صورت کا خاص حال تحقیق نہ ہو کہ اس قدر سے تمام افراد کی نجاست وحرمت پر یقین نہیں، صرف ظنون وخیالات ہیں، جنہیں شرع اعتبار نہیں فرماتی۔ مانا کہ بنانے والے بے احتیاط ہیں، مانا کہ انہیں نجس وطاہر، حلال وحرام کی پرواہ نہیں، مانا کہ ہڈیوں میں وہ بھی پائی جاتی ہیں جن کے اختلاط سے شئے حرام یا نجس ہو جائے مگر نہ سب ہڈیاں ایسی ہی ہیں بلکہ حلال وطاہر بھی بکثرت نہ بنانے والوں کو خواہی نخواہی التزام کہ خاص ایسے ہی طریقہ سے صاف کریں جو موجب تحریم وتجنیس ہو، نہ کچھ ناپاک یا حرام ہڈیوں میں کوئی خصوصیت کہ انہیں تصفیہ میں زیادہ دخل ہو جس کے سبب وہ لوگ انہیں کو اختیار کریں اور جب ایسا نہیں تو صرف اس قدر یقین حاصل ہوا کہ ہڈیوں سے صاف کرتے ہیں کیا ممکن نہیں کہ وہ ہڈیاں طاہر وحلال ہوں الی آخرہ۔ (دیکھو مقدمہ: ۹)

خاتمہ: بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اس شکر کے بارے میں ہر صورت پر واضح وبین کلام کیا کہ کسی پہلو پر حکم شرعی مخفی نہ رہا، اب اہل اسلام نظر کریں اگر یہاں ان صورتوں میں سے کوئی شکل موجود، جن پر ہم نے حکم حرمت دیا تو وہی حکم ہے ورنہ مجرد ظنون واوہام کی پابندی محض تشدد وناواقفی نہ بے تحقیق کسی شے کو حرام وممنوع کہہ دینے میں کچھ احتیاط بلکہ احتیاط اباحت ہی ماننے میں ہے جب تک دلیل خلاف واضح نہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، ج: ۸، ص ۱۱۷ تا ۱۲۳)

محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

صدر مفتی وشیخ الحدیث ادارہ شرعیہ اتر پردیش، رائے بریلی

امام احمد رضا اور علم میراث (علم الفرائض)

مقالہ نگاران

مولانا محمد حنیف حبیبی مصباحی (دھام نگر: اڑیسہ)

حضرت مولانا محمد حنیف مصباحی بن شیخ ابوالقاسم حبیبی ۴: جولائی ۱۹۷۲ء کو موضع اشرف نگر ضلع بالاسور (اڑیسہ) میں پیدا ہوئے۔ دینیات واسکول کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی۔ درس نظامی کی تعلیم متوسطات تک مدرسہ غوثیہ رؤفیہ (دھام نگر شریف: اڑیسہ) اور مدرسہ شمس العلوم (گھوسی) میں حاصل کیے۔ درجہ رابعہ تا فضیلت کی تعلیم جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں پائے۔ ۱۹۹۶ء میں جامعہ اشرفیہ سے شعبہ فضیلت کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۹۶ء سے تادم تحریر دارالعلوم مجاہد (دھام نگر شریف: اڑیسہ) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا موصوف نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کے بہت سے مضامین ومقالات سنی رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

رابطہ نمبر: 9437173805

ضمیمہ: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی، موصوف کا تعارف مقالہ عقائد وکلام پر ہے۔

امام احمد رضا اور علم الفرائض (میراث)

امام علم وفن، امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز کسی ایک فن یا چند فنون ہی کے ماہر نہیں تھے بلکہ آپ ہر فن میں عبقری تھے۔ بچپن سے زائد علوم وفنون پر کامل دسترس حاصل تھی۔ آپ کی ہزار سے زیادہ تصنیفات اس کا بین ثبوت ہیں۔ ہر فن میں آپ نے دل کھول کر داد تحقیق دی ہے۔ آپ کی خداداد ذہانت وصلاحیت نے ہر فن میں بیش بہا نوادرات کا قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ علم میراث و فرائض تو آپ کا اپنا فن تھا بھلا یہ تشنہ کام کیسے رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وفات کو ایک صدی گزر جانے کے باوجود اس موضوع پر آپ کے چار معرکۃ الآرا رسائل سمیت دوسو چار فتاویٰ اہل علم فن کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔

امام اہل سنت علیہ الرحمہ کی ان گراں قدر نگارشات کا فنی تجزیہ اوران کے رخ زیبا سے چلمن سرکانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم اس فن کا مختصر سا تعارف پیش کریں، تاکہ ہمارے قارئین کو فن سمجھنے میں آسانی ہو، علم میراث کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کا احساس ہو، پھر اس فن میں ہمارے ممدوح، مصنف اعظم کی تحقیقات، نوادرات اور فتوحات کو دیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے میں زیادہ دقت اور زحمت اٹھانی نہ پڑے۔

علم الفرائض ایک تعارف

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔ جس طرح اس میں حیات سے متعلق احکام کی تفصیل دی جاتی ہے اسی طرح موت اور مابعد الموت سے متعلق بھی ہدایات دی جاتی ہیں۔ اور یہی وہ خوبی ہے جو دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں، جس کے سبب اسلام نے کامل اور مکمل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

علم فرائض کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت:

علم فرائض: اس علم کو کہتے ہیں جس سے میت کے ترکہ میں ہر وارث کا پورا پورا حق معلوم ہو جائے۔

موضوع: ترکہ اور ورثین

غایت: ہر وارث کے حق کی صحیح تعیین۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج اول ص ۵۷۴)

علم میراث قرآن کی روشنی میں:

علم میراث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورہ نساء کی تین آیتوں، آیت نمبر ۱۱، ۱۲، اور ۱۷۶ میں تفصیل کے ساتھ وارثین اور ان کے حقوق وحصص کا بیان موجود ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ پھر اگر نری لڑکیاں ہوں اگر چہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کا دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا۔ اگر میت کی اولاد ہو تو پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں باپ کا تہائی پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہو تو ماں کا چھٹا بعد وصیت کے جو کر گیا اور دین کے تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا یہ حصہ بندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ (۱۱) اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے

اگران کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دین نکال کر اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور دین نکال کر اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ رہے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں ہر ایک کو چھٹا۔ پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں۔ میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو۔ یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم اور حکمت والا ہے۔ (آیت۱۲)

اے محبوب، تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ عزوجل تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کسی مرد کا انتقال ہو وہ جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہے تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر اللہ عزوجل تمہارے لیے صاف بیان فرماتا ہے کہ کہیں بہک نہ جاؤ اور اللہ عزوجل ہر چیز جانتا ہے۔ (آیت ۱۷۶)

علم میراث کی اہمیت احادیث کریمہ سے:

احادیث کی تقریباً تمام کتابوں میں خصوصاً صحاح ستہ میں اس موضوع پر وافر احادیث موجود ہیں۔ صرف مشکوٰۃ شریف کی تینوں فصلوں میں ۲۷/احادیث مرقوم ہیں۔ جن سے علم فرائض کی اہمیت اور اس کی افادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بیھقی اور حاکم نے حضرت ابوھریرہ کی روایت ان کلمات کے ساتھ نقل کی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ تعلّموا الفرائض و القرآن و علّموا الناس فانه نصف العلم، و انه ینسی و هو اول ما ینزع من أمتي۔

ترجمہ: تم فرائض اور قرآن کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو، بیشک علم فرائض نصف علم ہے، اسے بھولا دیا جایے گا، جو علم سب سے پہلے میری امت سے اٹھ جائے گا وہ علم فرائض ہے۔

الدر المنثور اور **الجامع الصغیر** میں ان الفاظ کے ساتھ ہے ''**تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانه نصف العلم**''۔ یعنی تم علم فرائض حاصل کرو اور لوگوں کو اسے سکھاؤ کہ یقیناً یہ نصف علم ہے۔ (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ کتاب الفرائض والمیراث)

علم میراث کی معتبر کتابیں اور اس کے مصنفین:

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں قرون اولیٰ سے لے کر آج کے دورِ انحطاط تک لاکھوں ارباب افتا وقضا نے میراث کے مسائل حل کیے، اس سے متعلق مسائل پر فتاویٰ صادر فرمائے، ورثہ کے حقوق وحصص کا فیصلہ کیا، اور اسلامی دستور اور مذہبی قوانین کا نفاذ فرمایا۔

قرآن مجید اور کتب احادیث کے علاوہ فقہ وفتاویٰ کی تمام معتبر ومستند کتابوں میں اس فن کا ایک باب مقرر ومختص ہے۔ قدوری سے لے کر شرح وقایہ اور ہدایہ تک، فتاوی عالمگیری سے کتاب مبسوط تک تقریباً ہر کتاب میں باب الفرائض، کتاب الفرائض مرقوم ہے۔ ان کے علاوہ خاص اس موضوع پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔

السراجیۃ:

ان میں سب سے زیادہ شہرت علامہ سراج الدین محمد بن عبد الرشید سجاوندی کی تالیف ''السراجیة'' کو حاصل ہوئی، جو تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، اور ہر مکتب فکر کے علما اس کو سند کا درجہ دیتے ہیں۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں، ان میں حضرت سید السند میر

سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ کی شرح ''الشریفیہ'' کو قبول عام حاصل ہے۔ ان کے علاوہ عربی اور اردو میں چند کتب کے اسما درج ذیل ہیں:

۱۔ التھذیب فی علم الفرائض والوصایا، عربی، علامہ محفوظ بن احمد بن الحسن الکلوذانی)

۲۔ الرائد فی علم الفرائض، عربی، علامہ محمد العید الخطر اوی

۳۔ الوجیز فی الفرائض، عربی، علامہ عبد الرحیم بن ابراہیم

۴۔ فتاوی رضویہ ج ۲۶، اردو، امام احمد رضا خان بریلوی

۵۔ بہار شریعت حصہ ۲۰، اردو، صدر الشریعہ علامہ امجد علی

۶۔ علم المیراث، اردو، علامہ احمد یار خان نعیمی

۷۔ قواعد میراث، اردو، مولانا نصر اللہ مصباحی

ان کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو میں کئی معتبر کتابیں ہیں ،خوف طوالت سے ترک کی جاتی ہیں۔

علم میراث کا فروغ:

کسی بھی فن کے تعارف میں اس کی تاریخ کی جانکاری خاص اہمیت کی حامل ہے، کہ اس فن کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ اس کے وجود نے عالم ہست وبود کے کون سے معرکے سر کیے، اور اس سے بنی نوع انسان کا کون سا بھلا ہو گیا؟

اب آیئے، تاریخ کے جھروکوں سے ان حقائق کا سراغ لگائیں۔ دیکھئے! عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ دنیا سے کوچ کرنے والا شخص اپنے پیچھے متعلقین کے ساتھ کچھ زمین وجائداد، درہم ودینار یا روپے پیسے چھوڑ جاتا ہے۔ انہیں حاصل کرنے کے لیے اس کے ورثہ اور رشتہ دار آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، کبھی کبھی یہ لڑائی قتل وغارت کا باعث بنتی ہے۔ طاقتور اور ظالم شخص، اپنے غریب بھائی کا حق چھین لیتا ہے۔

انبیائے کرام کی تعلیمات پر جب تک عمل رہتا دھرتی قتل و غارت گری سے محفوظ رہتی، پھر چند روز بعد دولت و جائداد کے حریص اور ستم پیشہ افراد ظلم و جبر کرتے۔ غریبوں اور کمزوروں کی آہوں اور آنسوؤں پر اپنی عیش وعشرت کی کرسی سجاتے۔

یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ رسول کونین، سلطان دارین ﷺ کائنات کے ذرہ ذرہ کے لیے رحمت شفقت بن کر تشریف لائے۔ ظالموں کے ہاتھوں سے ظلم کی تلوار چھین لی۔ روئے زمین امن وآشتی کا گہوارا بن گئی۔ میت کے ترکہ کی ایک ایک پائی کا حساب لگا کر ہر مستحق کو اس کا واجبی حق عطا کیا گیا۔

اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ علم فرائض کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ حضرت انسان کی خود اپنی تاریخ ہے۔ سابق پیغمبران عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں وارثین کے دستور و حقوق کیا تھے، گرچہ ہمیں اس کی تفصیلات کا علم نہیں، تاہم یہ طے ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام خلیفۃ اللہ فی الارض تھے۔ ان کے فرائض منصبی میں ظلم کا انسداد، برائی کی بیخ کنی، مظلوم کی فریاد رسی اور مستحقین کو ان کی حق رسانی، جیسی عمدہ چیزیں شامل تھیں۔ یہ ناممکن ہے کہ پیغمبر کسی کی حق تلفی دیکھیں اور خاموش رہ جائیں۔ ماننا پڑے گا کہ پیغمبرانِ عظام کے ادوار میں حق داروں کے حصص وفرائض کی ادائیگی بحسن وخوبی ہوتی رہی ہے۔

اسلام نے تعلیم دی کہ علم فرائض، دین کا علم اور انبیائے کرام کی وراثت ہے، اس لیے اس کے حصول کی بہت زیادہ ترغیب دی، اور اسے نصف علم قرار دیا گیا تا کہ ہر مستحق کو اس کا حق ملے، ظالمانہ تسلط ختم ہو، دولت چند مٹھی میں بند نہ ہو سکے، دھرتی میں فتنہ وفساد نہ ہو بلکہ امن وامان قائم ہو جائے۔

علم میراث اور امام اہل سنت کے کارنامے:

ایک مفتی، فتوی کے ذریعہ اور قاضی' قوانین اسلام کے نفاذ کے ذریعہ احکام الٰہی اور پیغاماتِ رسالت پناہی عام کرتا ہے۔ امام اہل سنت، فاضل بریلوی قدس سرہ چوں کہ مرجع الفتاویٰ تھے اور برصغیر ہندو پاک کے قاضی القضاۃ بھی، اس لیے اس موضوع پر وافر

مقدار میں آپ کی نگارشات موجود ہیں۔ چار معرکۃ الآرا رسائل سمیت دوسو چار علمی وقیع فتاوی تین سو انتالیس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، ان میں سات (۷) سوالات فارسی میں تھے تو جواب اسی زبان میں عطا فرمایا۔ بقیہ ایک سو ستانوے (۱۹۷) فتاوی اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں، اس میں عوام کی اصلاح، علما کی رہنمائی، غلط فہمیوں کا ازالہ اور اسلام پر حملوں کا دندان شکن جواب' سب کچھ ہے۔

آپ کے چار رسائل یہ ہیں:

(۱)المقصد النافع في عصوبة النصف الرابع

(۲)طيب الامعان في تعدد الجهات والابدان

(۳)تجلية السلم في مسائل من نصف العلم

(۴)ندم النصراني والتقسيم الايماني

پہلے ہم علم میراث سے متعلق ان ''رسائل رضویہ'' کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں تا کہ ان کے محاسن کی طرف قارئین کی توجہ مبذول ہوسکے۔

رسالہ ''المقصد النافع'' کا تعارف:

سوال کی تقریر: مولانا وصی علی نے اٹاوہ سے ۵/ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ میں استفتا روانہ کیا۔ عصبات کی چار قسموں میں پہلی قسم: ''فروع میت''، دوسری قسم: ''اصول میت'' اور تیسری قسم: ''فروعِ ابِ میت'' میں سائل کو کوئی کلام نہیں۔ انھیں چوتھی قسم: ''فروعِ جدِّ میت'' میں الجھن ہے، کہ یہ صورت بہت وسیع ہے کیوں کہ جد سے اوپر کسی بھی جد کے فروع مثلاً دادا یا پردادا کی اولاد یا ان سے اوپر کسی جد کی اولاد کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوں گی، ایسے عصبات کو تلاش کرنا، اور حق رسی اس کی دشوار بلکہ غیر ممکن لگتی ہے۔ نیز ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ عصبات نسبی کی غیر موجودگی میں شرع شریف نے دیگر حق دار قرار دیے ہیں مثلاً مولی العتاق، مولی الموالات، موصیٰ لہ وغیرہ، ان کو حقوق دینے کی کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ مذکورہ تشریح کے مطابق ناممکن ہے کہ ''عصبہ نسبی'' نہ پائے جائیں''۔ سائل نے ان دونوں مسئلوں کو آٹھ سوالات کی شکل میں پیش کر کے جواب کی درخواست کی ہے۔ (ملخصاً فتاوی رضویہ، مطبوعہ پوربندر، گجرات، ج ۲۶ ص ۱۵۵/۱۵۴/۱۵۳)

امام اہل سنت قدس سرہ نے ترتیب وار آٹھوں سوالوں کے جوابات دیے ہیں۔ ایک آیت اور ۸/ احادیث سے عصبات کے چاروں اقسام ثابت کیے۔

پہلا مسئلہ کہ عصبات نسبی کا سلسلہ تو بڑا دراز ہے خصوصاً جد سے اوپر کے اجداد کی اولاد کا معاملہ، کیسے معلوم ہو کہ فلاں فلاں عصبات نسبی ہیں، اس کے حل کے لیے اعلیٰ حضرت نے بڑی تفصیل فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''کسی کے زبانی دعویٰ پر کہ میں فلاں کا عصبہ نسبی ہوں وارث نہیں قرار دیا جاسکتا جب تک ثبوت شرعی نہ ہو، نیز صرف عصوبت نسبی پر ہی استحقاق نہیں، بلکہ شرع میں اس کے لیے ترتیب ہے، (یعنی قریب والا موجود ہو تو دور والا محروم ہوجاتا ہے) جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ عصبہ نسبی مستحق ہے ترکہ نہیں دیا جاسکتا، یہاں عدم علم، علمِ عدم ہے۔ لہٰذا چند شخص ایک معرکہ میں مقتول ہوگئے اور ان کی موت کا تقدم وتاخر معلوم نہ ہو تو نہ باپ بیٹے کا ترکہ پائے گا نہ بیٹا باپ کا، ہر ایک کے ورثا احیاء وارث ہوں گے۔ جب کسی سید کا انتقال ہو تو جہاں تک اس کا سلسلہ نسب معلوم ہے اس کے آبا و آباء آباء الاقرب فالاقرب کی اولاد ذکور الاقراب فالاقرب تلاش کریں گے، جو اقرب ثابت ہوگا اسے عصبہ ٹھہرائیں گے، اگر چہ بیس پشت پر اس سے ملتا ہو، اور سلسلہ معلومہ کی اولاد ذکور سے کوئی معلوم نہیں تو تمام سادات کرام کو عصبہ ٹھہرانا محال کہ ان میں یقیناً بعض بعض سے اقرب

ہیں، اور ایک معین کو جذافاً عصبہ اقرب کہہ دینا محال کہ ترجیح بلا مرجح ہے اور جب کسی کی عصوبت ثابت نہیں کسی کا استحقاق ثابت نہیں تو ان میں کوئی شخص کیوں کر ترکہ بٹا سکتا ہے یا قاضی اسے دلا سکتا ہے؟'' (ملخصاً ۲۶/۱۶۲)

دوسرا مسئلہ کہ ''عصبات نسبی کا غیر موجود ہونا، ناممکن ہے''، کے جواب میں آپ نے عصبات نسبی نہ پائے جانے کی چھ صورتیں بتائیں، یعنی جس کی صورت ہی سمجھ نہ آتی تھی امام احمد رضا نے اس کی متعدد مثالیں پیش کر دیں، ہر صورت میں یہ واضح کیا کہ ایسا ممکن ہے کہ کسی میت کا کوئی عصبہ نسبی نہ ہو۔ اس کی چند صورتیں آپ بھی ملاحظہ کریں:

اول: فرض کیجیے کفار کی قوم سے کوئی مسلمان ہوا اس کے باقی رشتہ دار کفار ہیں، اب اس کا کون عصبہ نسبی ہے؟

دوم: ایک کافرہ حاملہ مسلمان ہوئی پھر اس کو بچہ پیدا ہوا یا اس کے چھوٹے بچے جو زمانہ کفر میں پیدا ہوئے تھے وہ تبعاً مسلمان قرار پائے، ان بچوں کا کوئی قریبِ نسبی ان کا عصبہ نہیں۔

ثالثاً: ولد الزنا کا نہ کوئی باپ نہ کوئی عصبہ نسبی۔

رابعاً: زن وشوہر نے لعان کیا، بچہ بے عصبہ نسبی رہ گیا۔ لانہ ایضاً لا أب لہ کما في الدر ایضاً'' (ج ۲۶، ص ۱۵۹)

عقل دنگ ہے جس مسئلہ کی ایک مثال بھی بڑے بڑے عاقل وذہین شخص کی سمجھ میں نہیں آتی، بلکہ اسے ناممکن قرار دیتے ہیں، وہاں امام احمد رضا قدس سرہ کے خامۂ سیال نے امثال ونظائر کے انبار لگا دیے ہیں، چھ چھ مثالیں دیں، بعض مثالیں اتنی مختصر عبارت میں ہیں کہ ایجاز بیانی کا سارا حسن سمٹ کر نوک قلم کا بوسہ لیتا ہے۔ چھ مثالوں کے بعد تنبیہ کی سرخی میں ایک نمونہ وہ پیش کیا جو سب کی معلومات میں ہے، مگر وہاں تک عقلِ نارسا کی رسائی نہیں ہوتی، وہ ہے حضرت عیسی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات، کہ آپ کا کوئی ''عصبہ نسبی'' نہیں ہے۔ اسے ''مصنف اعظم قدس سرہ'' کے قلم حق رقم سے ملاحظہ فرمائیں، روح وجد کر اٹھتی ہے، فرماتے ہیں:

تنبیہ:

''ان امور کے سوا ایک صورتِ نادرہ اور ہے، وہ بھی ایک بار واقع ہوئی، اور ممکن تو بے شمار بار ہے، یعنی بچہ کا بن باپ کے پیدا ہونا۔ سیدنا عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے اب تک کوئی عصبہ نہیں، یہاں تک کہ بعد نزول ان کے اولاد ذکور پیدا ہوں''۔ (ج ۲۶، ص ۱۵۹/۱۶۰)

رسالہ ''طیب الامعان'' کا خلاصہ:

سوال کی نوعیت: سائل کا نام درج نہیں، تاریخ سوال ۲۶/ ذوالحجہ ۱۳۱۷ھ مرقوم ہے۔ یہ دراصل علم میراث کی انتہائی مشکل بحث پر مشتمل ہے، وہ یہ کہ میت کے وارثین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا رشتہ میت سے متعدد طریقوں سے ہوتا ہے، ان کا حصہ ترکہ سے کس طرح ملے گا؟ آیا صرف ایک جہت سے ملے گا؟ یا متعدد قرابتوں کی وجہ سے الگ الگ حصہ ملے گا؟ پھر تعددِ جہات کا اعتبار خود فروع میں ہوگا؟ یا ان کے اصول میں ملحوظ رکھا جائے گا؟ پھر حضراتِ ائمہ کرام یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے باہمی اختلاف نے بحث کو دقیق اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ (ج ۲۶ ص ۱۸۹)

اس کا جواب پندرہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ خالص علمی، تحقیقی اور خشک ترین بحث پر امام اہل سنت کا قلم اٹھتا ہے تو مسئلہ کی وضاحت، ائمہ کے مذاہب کا بیان، اختلاف کی وجوہ اور صحیح موقف کی حمایت وفوقیت پر دلائل وبراہین کے انبار لگا دیتا ہے، انتہائی سنگلاخ اور بنجر زمین کو علم وآگہی کا لالہ زار بنا دیتا ہے۔ یہ امام احمد رضا خان قدس سرہ کی فنی مہارت، ذہن کی جودت اور علم میراث میں کامل دسترس کا بین ثبوت ہے۔ سچ ہے:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

متعدد جہات سے متعدد حصوں کا استحقاق:

مسئلہ دائرہ میں ائمہ کے مذاہب بیان کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں:

''ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ متعدد قرابتوں والا اپنی ہر قرابت کی رو سے حصہ پائے گا مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ تعددِ جہات کا خود فروع یعنی بطن زندہ میں اعتبار فرماتے ہیں، تو ان کے نزدیک گویا گلفام تین وارث ہے اور باقی دو، دو۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تعددِ جہاتِ فروع کو اُن کے اصول میں ملحوظ فرماتے ہیں الخ۔'' (ج ۲۶ ص ۱۹۰)

متعدد قرابت کی ایک مثال اسی فتویٰ میں ملاحظہ فرمائیں:

''اب اول یہ سمجھنا چاہیے کہ ان میں پانچ ورثہ کو زید سے دو،دو رشتے ہیں اور گلفام کو تین۔ (چند سطور بعد) گلفام، ابن بنت ابن اخت، اور ابن ابن بنت الاخت، اور ابن ابن ابن الاخت یعنی ایک بھانجے اور ایک بھانجی دونوں کا پوتا اور ایک بھانجے کا نواسہ''۔ (ج ۲۶، ص ۱۹۰)

معلوم ہوا کہ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عوام کی غلط فہمی دور فرمائی کہ لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اگر میت کے ترکہ کا حق دار ہے تو صرف ایک بار، اور ایک جہت سے اس کا حصہ دیدیا گیا تو اس کا حق ادا ہو گیا، بقیہ دوسرے وارثوں کا۔ جب کہ وہ شخص کئی جہت سے متعدد قرابتوں کی وجہ سے الگ الگ ترکہ کا حق دار ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی اس تحریر سے عوام اہل سنت کو کسی مسلمان کی حق تلفی کے گناہ سے بچایا ہے۔ **فللّٰہ درُّ المصنف**

رسالہ ''تجلیۃ السلم'' کا تعارف:

رسالہ مبارکہ فتاویٰ رضویہ کی ۲۶/ویں جلد کے صفحہ ۲۱۳/ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۱۷/ پر ختم ہوا، جس میں چھ سوالوں کے معرکۃ الآرا جوابات ہیں۔ یہ سوالات چونکہ اہل علم اور اربابِ فن کے تھے اس لیے مصنف علیہ الرحمہ نے نہ صرف یہ کہ ان کے علمی اور تحقیقی جوابات دیے، بلکہ ان کی غلطی کی اصلاح، غلط فہمی کا ازالہ اور لغزشِ فکر و قلم پر بروقت تنبیہ بھی کی اور ان کی دستگیری بھی فرمائی ہے۔ رسالہ مبارکہ کے خطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''امابعد، یہ بعض مسائل فرائض میں جو فقیر کے سامنے پیش ہوئے اور ابنائے زمان نے ان کی فہم میں اغلاط کیے۔ مقصود ازالۂ اوہام و اغلاط، و اراءتِ سواء الصراط ہے و باللہ التوفیق''۔ (ج ۲۶، ص ۲۱۳)

چونکہ یہ رسالہ چھ مختلف سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، اس لیے اس کو چھ فصلوں پر مرتب فرمایا ہے۔ ہم ان کو ترتیب وار پیش کرتے ہیں۔

فتویٰ فرنگی محلی پر نقد و نظر:

پہلی فصل: مولانا احسان الحق صاحب نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وراثت کا ایک مسئلہ پوچھا، آپ نے بلا توقف فوراً تمام وارثین کا الگ الگ حصہ زبانی ارشاد فرمایا۔ مولانا نے واپس جا کر اسی اعتبار سے ورثہ میں مال تقسیم کر دیا۔ دوسرے دن اسد علی نام کے ایک وارث مولانا عبدالحی صاحب کے فتاویٰ کی جلد اول لے کر حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ''اس فتویٰ کی روشنی میں میرا حق زیادہ چاہیے، مجھے اس میں ساڑھے تین ہزار کا نقصان ہوا'' مولانا احسان، بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں حاضر ہوئے، صورتِ حال سے آگاہ کیا اور مفصل تحقیقی جواب کی درخواست کی۔ (ملخصا ص ۲۱۴/۲۱۵)

اس کے جواب میں امام اہل سنت نے مفصل اور مدلل فتویٰ جو چھ صفحات پر محیط ہے رقم فرمایا، اب اصل مسئلہ فتاویٰ رضویہ ہی سے دیکھیے، فرماتے ہیں:

''یہاں کے مورث نے ایک زوجہ، ایک بہن، ایک بھتیجا چھوڑا۔ مسئلہ چار سے ہوا۔ ایک زوجہ، دو بہن، ایک بھتیجا کا

--- زوجہ ترکہ سے اتنا مال لے کر جدا ہوگئی تو چار سے اس کا ایک ادا ہو گیا۔ باقی تین رہے جن میں دو بہن کے ہیں اور ایک بھتیجے کا۔ تو لازم ہے کہ باقی مال یونہی تقسیم ہو، بہن کو دو، بھتیجا کو ایک ، نہ کہ دونوں کو نصفا نصف‘‘۔ (ج ۲۶، ص ۲۱۵)

بعینہ یہی سوال ’’فتاویٰ عبدالحی‘‘ میں بھی ہے، مگر اس کا جواب کچھ اس طرح ہے:

’’زید کا بقیہ ترکہ دو حصوں میں منقسم ہوگا، اس میں سے ایک حقیقی بہن اور ایک بھتیجے کو دیا جائے گا‘‘۔

یہ فتویٰ، فتاویٰ عبدالحی ، جلد اول مطبع علوی ص ۱۰، ۱۱ پر فارسی میں ہے۔ ہم نے فتاوی رضویہ ج ۲۶، ص ۲۱۴، ۲۱۵ سے ترجمہ نقل کیا ہے۔ اسی فتوی کی روشنی میں اسد علی اپنے نقصان کا ذکر کر رہے تھے کہ انہیں نصف چاہیے تھا۔

جب میت کی سگی بہن ہو اور کوئی اولاد نہ ہو تو بہن کو کتنا ملنا چاہیے، قرآن کا فیصلہ ہے: ’’اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ‘‘ (پ ۴، آیت ۱۷۶) یعنی ’’اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ اس کی بہن کا آدھا ہے‘‘۔ یعنی کل مالِ متروک کا آدھا اور وہ یہاں دو ہے۔ یہی فتویٰ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے، فرماتے ہیں : حالانکہ ’’نص قطعی قرآن عظیم سے بہن کا سہم، نصف کل متروکہ تھا‘‘۔ (ج ۲۶، ص ۲۱۵)

قابل ذکر نکتے:

☆ امام اہل سنت کا ہر فتوی یا فیصلہ قرآن وحدیث کی روشنی ہی میں ہوتا، سر مو مختلف اور الگ نہیں ہوتا تھا۔

☆ علم کی پختگی اور فن کی مہارت کا حال یہ ہے کہ علم میراث کا مشکل جواب زبانی، فوراً اور بے تامل ارشاد فرمانا اور ہر وارث کا الگ الگ سہم بیان کرنا، آپ کا معمول تھا۔

☆ صورت حال نازک تھی، اسد علی بے جا زائد مال کا مطالبہ کر رہا تھا۔ حضرت مولانا عبدالحی کا جواب قرآن اور اجماع کے صریح خلاف تھا۔ ایسے میں جواب کا لہجہ تیکھا ہو جانا قرین قیاس تھا۔ مگر لہجہ میں نام کو کرختی نہیں، معلوم ہوا امام کا قلم اپنوں اور بیگانوں کا فرق جانتا ہے، اور بعد کے اہل علم وقلم کو اسی کا سبق سکھاتا ہے۔ کلک رضا اپنوں کے لیے بریشم کی طرح نرم اور دشمنانِ دین اور شاتمانِ رسالت کے لیے خنجر خونخوار اور برق بار ہو جاتا ہے۔

علامہ فرنگی محلی کے جواب کے متعلق فرماتے ہیں ’’لا جرم یہ سراسر غلط اور حسب تصریح علمائے کرام خلافِ اجماع ہے‘‘۔ (ص ۲۱۶)

غور فرمائیں، جس جواب کی شناعت وقباحت اِس درجہ کی ہو اس کے مجیب اور مفتی کے لیے ارشاد ہوتا ہے تو بس اتنا ’’مولوی صاحب سے سخت لغزش واقع ہوئی ہے‘‘۔ (ص ۲۱۵)

مولانا وحید اللہ رام پوری کے شبہ کا ازالہ:

دوسری فصل : حضرت مولانا وحید اللہ صاحب رامپوری جو دیوانی کورٹ میں نائب پیش کار کے منصب پر فائز تھے، ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ کو اپنا اشکال تحریری صورت میں پیش کرتے ہیں کہ ’’سراجی وغیرہا تمام کتابہائے فرائض وفقہ (جہاں تک حقیر نے دیکھیں) میں اخوات عینیہ وعلاتیہ کو بنات اور فقط بنات الابن کے ساتھ عصبہ مع الغیر لکھا، ’’و ان سفل ‘‘ سے سفلیات کو داخل نہیں کیا گیا‘‘۔ اس پر شرح بسیط کا ایک اقتباس بھی نقل کیا جس سے اسی بات کی تائید ہوتی تھی۔ مولانا کو اس بات کی تحقیق چاہیے تھی کہ سگی اور باپ شریک بہنیں صرف بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ مع الغیر بنتی ہیں، پر پوتیوں اور ان کے نیچے کی پوتیوں مثلاً بنات ابن ابن الابن وغیرہ کے ساتھ عصبہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟ اگر بن سکتی ہیں تو کتابوں میں اس کی صراحت کیوں نہیں ملتی؟ (ملخصا ص ۲۲۱)

بہنوں کی عصوبت صرف بیٹی پوتی کے ذریعہ محدود نہیں:

مولانا رامپوری کے شبہ کے ازالہ کے لیے امام اہل سنت نے تین طرح سے بحث کی اور ہر اعتبار سے ثابت کیا کہ بہنوں کا عصبہ ہونا ،بیٹیوں، پوتیوں، پرپوتیوں بلکہ نیچے کی تمام پوتیوں کو شامل ہے۔

پہلی بحث:

''کتابوں میں اس باب میں ''وان سفلت'' محض ایضاح وتاکید عموم کے لیے ہے، نہ کہ ادخال مالم یدخل، تو ''عدم ذکر ہرگز ذکر عدم نہیں''۔ اس پر کنز الدقائق، ملتقی الابحر، تنویر الابصار، الدر المختار اور سراجیہ وغیرہ سے سولہ حوالجات پیش فرمائے۔(ملخصاص۲۲۲تا۲۲۶)

دوسری بحث:

پوتیوں اوران کے تمام سفلیات کی شمولیت بطور استدلال معتبر کتابوں سے ثابت ہے۔اس سلسلہ میں دس کتابوں کا ذکر فرماتے ہیں۔عامہ کتب متداولہ متون وشروح فتاویٰ مثل سراجیہ، وشریفیہ، وتبیین الحقائق، وتکملۃ البحر للطوری ودر مختار، وملتقی الابحر، ومجمع الانھر ،وخزانۃ المفتین ، وفتاویٰ عالمگیریہ، وقلائد المنظوم وغیرھا میں صاف صاف بلاخلاف حکم مذکور عصوبت اخوات مع بنات الابن کا سفلیات کو شمول بھی بتادیا''۔(ج۲۶،ص۲۲۶)

تیسری بحث:

''بنات الابن وان سفلت'' کی صراحت بھی مستند کتابوں سے پیش فرمائی۔تحریر فرماتے ہیں:

''فقیر نے بطریق استدلال اس غرض سے لیا کہ کلمات علمائے کرام سے اخذ مسائل کا انداز معلوم ہو، ورنہ بحمدہ تعالی خاص اس جزئیہ شمول کی تصریحات فقیر کے پاس موجود ہیں''۔(ص۲۲۹)

پھر آپ نے آٹھ معتبر کتابوں کے اقتباسات نقل کر کے مسئلہ دائرہ کو آفتاب سے زیادہ روشن فرمایا۔عقل حیران ہے وہ ایک مسئلہ جس کے اثبات میں فن کے ماہرین کو کوئی ایک مثال بھی نہیں ملی، اس پر امام علم وفن، محدث بریلوی علیہ الرحمہ مختلف زاویہ فکر سے بحث کرتے ہیں اور بحث وتمحیص کے ہر رخ سے زیر بحث مسئلہ کو روز روشن کی طرح واضح اور بے غبار فرماتے ہیں۔یقیناً شک وریب کے ہر چور دروازہ پر علم وتحقیق کا پہرہ بٹھالنا امام اہل سنت کے رشحات قلم کا طرہ امتیاز ہے۔

حیات مورث میں حصہ میراث کی بابت صلح کی تحقیق:

تیسری فصل: مولانا عبدالرحیم صاحب نے احمد آباد گجرات سے ۵؍رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ میں ایک استفتا حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا کہ زید کے چچازاد بھائی کے سوا کوئی شرعی وارث نہیں، البتہ اس بھائی کے دولڑکے یعنی بھتیجے ہیں۔زید نے اپنے مرض الموت میں بھائی کو ایک سو چالیس روپے دے کر اپنے متروکہ سے اس کا حق میراث معاف کرالیا۔اس کے بعد مکان خرید کر مدرسہ کے لیے وقف کردیا۔وصیت کی کہ اس کے مال سے اولاً حج کرایا جائے اور جو مال بچ جائے مکان خرید کر وقف کردیا جائے۔اس صورت میں وقف ووصیت کا نفاذ ہوا یا نہیں؟ وہ صلح جو مورث اپنی حیات میں کرلے شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اگر صلح سے بھائی کا حق ساقط ہوگیا تو بھتیجوں کا حق ثابت ہوگا یا نہیں؟(ملخصاص ۲۳۱)

امام اہل سنت قدس سرہ نے بحیثیت مفتی سب کا مدلل اور مفصل جواب عطا فرمایا۔یہاں قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ مورث اپنی حیات میں اپنی وارث سے صلح کرلے اس میں تین قسم کی روایات ہیں۔پہلی قسم یہ ہے کہ یہ صلح باطل ہے۔دوسری قسم صلح کے جواز کی ہے، تیسری قسم یہ ہے کہ صلح اس صورت میں جائز ہوگی جب وارث بننے کے بعد مذکورہ بالا وارث اس صلح پر رضامندی ظاہر کردے۔

سیدی اعلیٰ حضرت نے اس روایت کو بیان کیا اور اس پر دلیلیں دیں۔مرجوح روایت کا سقم اور راجح پر دلائل قائم کیے اور فیصلہ فرمادیا کہ ''وارث سے اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیات وارث

میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل و بے اثر ہے۔ اس سے وارث کا حق ارث اصلا ضائع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تو اب صحیح ہو جائے گی''۔ (ج ۲۶،ص ۲۳۲)

سوتیلی ماں اور سوتیلی دادیوں کے مستحق ارث نہ ہونے کی تحقیق:

چوتھی فصل :حضرت مولانا نور الدین احمد صاحب نے ۲۶ر شوال ۱۳۱۴ھ کو گوالیار سے مراسلہ بھیجا کہ صوبائی ضرورت کے پیش نظر ملازمین اور وکلا کی رہنمائی کے لیے فرائض و وصیت اور ہبہ وغیرہ کے تعلق سے ایک رسالہ ترتیب دیا جا رہا ہے۔ اس میں یہ شبہ در پیش ہے کہ حقیقی ماں کے علاوہ باپ کی دوسری بیویاں اور سگی دادی اور نانی کے علاوہ سوتیلی دادیاں اور نانیاں میراث کی مستحق ہیں یا نہیں؟ درمختار اور شریفہ شرح سراجیہ میں جدات کے آگے ''فصاعدا'' اور ''او اکثر'' لکھا ہوا ہوتا ہے، اس سے کیا مراد؟ نیز تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام اور یہاں تک کہ پندرہ جدات کا ذکر ہے، کس بنا پر ہے؟ (ملخصاً ص ۲۳۹)

جواب میں امام اہل سنت قدس سرہ نے دلائل سے ثابت کیا کہ آدمی کی ماں اور جدہ وہی ہیں جن کے بطن کی طرف یہ منتسب ہو، وہ اِس کی اصل اور یہ اُن کی فرع ہو، باقی زوجات اب وجدام وجدہ نہیں، نہ ان کے لیے میراث سے کوئی حصہ ہے۔ (ملخصاً ۲۳۹)

شخص واحد کی ماں متعدد اور باپ کئی ایک ہو سکتے ہیں:

اس مقام پر امام اہل سنت نے شخص واحد کی متعدد ماں اور چند باپ ہونے کی نادر و نایاب صورت بھی دلائل سے ثابت کی، اور ہر ایک کا مستحق میراث ہونا بھی ذکر فرمایا۔ فرماتے ہیں:

''ہاں علمائے کرام نے تعددِ اُم واَب کی صورت بحالت تنازع قائم فرمائی ہے، مثلاً چند عورتیں ایک بچہ کی نسبت مدعی ہوں، ہر ایک کہے: یہ میرا بیٹا ہے، میرے بطن سے پیدا ہوا ہے، اور اس کا حال معلوم نہ ہو، اور وہ سب مدعیات اپنے اپنے دعویٰ پر شہادات شرعیہ قائم کر دیں اور کسی کو دوسری پر کوئی ترجیح نہ ہو تو قاضی مجبوراً ان سب کی طرف اسے منتسب کر دے گا، اور جب وہ مرے اور یہ عورتیں باقی رہیں تو بحکم تنازع و عدم ترجیح سب ایک سدس یا ثلث میں کہ سہم مادر ہے شریک ہو جائیں گی۔ اسی طرح ایک شخص کے چند پدر اور ان کے تعدد کی ایک صورت ولد جاریہ مشترکہ کی ہے جب کہ سب شرکا دعویٰ کریں''۔ (ص ۲۴۰)

تعداد جدات پندرہ نہیں، دس لاکھ سے زائد ہو سکتی ہے:

تعدد جدات کے تعلق سے امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے تحقیق کی کہ جدات صرف ۲، ۳ نہیں سو، دو سو نہیں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتر بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ تو بیسویں درجہ کی بات ہے۔ اس سے آگے درجات میں تعداد کیا ہوگی، خود آپ ملاحظہ فرمائیں اور میرے امام کے قلم حق رقم کی ذرا جولانی بھی بچشم خود دیکھ لیں:

''اور جدہ واقعی متعددہ ہوتی ہیں کہ آدمی کی جدہ ہر وہ عورت ہے جو اس کی اصل کی اصل ہو، اصل دو ہیں اب وام۔ اور ان میں ہر ایک کے لیے دو اصلیں ہیں، تو یہ پہلا درجہ اصل الاصول کا ہے جس میں چار اصلیں پائی گئیں، دو مرد اور دو عورتیں۔ یہ دونوں عورتیں جدہ ہیں ایک امیہ یعنی ماں کی طرف سے (نانی)....دوسری ابویہ یعنی دادی، یہ دونوں جدہ صحیحہ ہیں (چند سطور بعد) یونہی ہر درجہ میں جدات کا عدد دونا ہوتا جائے گا (چند سطور بعد) بیسویں درجہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتر جدہ ایک درجہ کی ہوں گی۔ نصف امیہ نصف ابویہ''۔ (ملتقطاً ص ۲۴۱، ۲۴۲)

ضابطہ اور نقشہ سے مدعی ثابت فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''اس تقریر سے ''فصاعداً'' اور ''او اکثر'' اور ایک درجہ میں

پندرہ جدہ صحیحہ سب کے معنی منکشف ہو گئے، اور ظاہر ہوا کہ کچھ پندرہ پر حصر نہیں، جس قدر چاہیں حاصل کر سکتے ہیں مثلاً پچیس جدہ صحیحہ ہمیں درجہ بست و چہارم میں ملیں گی، اس درجہ کی کل جدات ایک کروڑ سڑسٹھ لاکھ ستہتر ہزار دو سو سولہ"۔ (ص۲۴۴)

ان میں صحیحہ کے پہچاننے کا طریقہ بھی بتایا اور نقشہ بھی بنایا۔ سبحان اللہ! بڑے بڑے ماہرین کو جس جگہ ایک دو مثال نہیں ملی، وہ "فصاعداً" اور "اوا کثر" کا مطلب پوچھتے ہیں وہاں لاکھوں اور کروڑوں جدات کے پائے جانے کی صورت بتانا اور نقشوں سے واضح کر دکھانا، یقیناً امام احمد رضا قدس سرہ کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ یہ صرف فن کی پختگی، علم کی گہرائی اور ذہن کی جولانیت کا نتیجہ نہیں، بلکہ توفیق خداوندی، عطائے الٰہی اور علم لدنی کا جلوہ صاف عیاں و ہویدا ہے۔

خود فرماتے ہیں:

"تمام بیان منیر فقیر حقیر نے عین وقت تحریر میں اپنے ذہن سے استخراج کیا، پھر دیکھا تو ہندیہ میں اختیار شرح مختار سے طریق اول نقل فرمایا وللہ الحمد" (ص۲۴۴)

پوتیوں کے عصبہ ہونے سے متعلق اختلافات کا خاتمہ:

پانچویں فصل: میت کی پوتی یا میت کے بھائی کا پوتا عصبہ کے ہونے یا نہ ہونے پر شہر کلکتہ اور اس کے مضافات میں کئی طرح کے اختلافات پائے جاتے تھے۔ جن کے خاتمہ کے لیے مولانا عبد العزیز صاحب نے حضور اعلیٰ حضرت سے استفتا کیا۔ اس وقت وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے منتہی درجہ کے طالب علم تھے۔ سوال پیچیدہ نہ تھا، مگر جواب سے اختلاف وانتشار کا خاتمہ مقصود تھا، اس لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اصل جواب لکھا کہ پوتیاں بیٹیوں کی موجودگی میں محروم ہوں گی اور پوتیوں کو سوائے پوتا کے کوئی عصبہ نہیں بنا سکتا گرچہ وہ پوتا ان کے نچلے درجے میں ہو۔ اس کے بعد اس پر استدلال کی طرف یہ کہتے ہوئے رخ کرتے ہیں۔

اس مقام پر آپ نے دس دلائل سپرد قلم فرمائے اور فرائض کی عمیق بحثوں کو کھنگال کر رکھ دیا۔ سوال چونکہ فارسی میں تھا، آپ نے جواب بھی اسی زبان میں تحریر فرمایا۔ اس جواب نے صرف کلکتہ اور مضافات کے فتنوں کو ہی ختم نہیں کیا بلکہ اسی جگہ علامہ حامد آفندی سے ہونے والی ایک لغزش کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔ ملخصاً (ص۲۴۶)

زیادہ عرصہ گزر جانے سے حق میراث ساقط نہیں ہوتا:

چھٹی فصل: یہ سوال بھی کلکتہ سے آیا تھا اور فارسی زبان میں تھا، جواب کا حاصل یہ تھا کہ زیادہ عرصہ گزر جانے سے حق میراث ساقط نہیں ہوتا۔ ماقبل کے جوابات کی طرح اس جواب کو بھی پوری تفصیل سے نوازا ہے، اور اس مسئلہ کو خوب شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا کہ قاضی کی کچہری میں کب کسی دعویٰ کا سماع ممنوع ہے، اور اس پر الدر المختار، ردالمحتار، العقود الدریہ اور الفتاوی الخیریہ کے کئی حوالجات پیش کیے۔ (ملخصاً ص۲۵۹)

رسالہ "ندم النصرانی والتقسیم الایمانی":

یہ رسالہ حضور سیدی اعلی حضرت، مجدد دین وملت کا یہ چوتھا رسالہ فرائض سے متعلق اسلامی نظریہ پر ایک عیسائی پادری کے بے جا اعتراض والزام کا مسکت جواب ہے۔ حضرت ملک العلما نے تصانیف رضا کے تذکرے پر مشتمل اپنے رسالہ "المجمل المعد دلتالیفات المجدد" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ شریف کے کسی نسخے میں مطبوع نہیں ہے، بلکہ ماہ نامہ تحفہ حنفیہ پٹنہ کے قدیم پرچہ ۴، جلد۲، سن طباعت ۱۳۱۶ھ کے صفحہ ۱۷/تا ۲۱/ پر طبع ہوا تھا، جس کی فوٹو کاپی مولانا ریاض المصطفی اعظمی کراچی (جزاہ اللہ تعالیٰ) کے ذریعہ ہمیں میسر آئی اور ہم اس کا تذکرہ یہاں شامل کر رہے ہیں۔

تحفہ حنفیہ کے صفحہ ۱۷/ میں پادری کا اعتراض نقل کیا گیا ہے جب کہ صفحہ ۱۸/تا ۲۱/ چار صفحات پر مشتمل جواب اعلی حضرت کے

علوم ومعارف اور تحقیق وتدقیق کا بے مثال نمونہ ہے۔ علم فرائض کی اہمیت اور افادیت پر بھر پور روشنی ڈالنے کے ساتھ اسلام کے خدائی دین ہونے اور قرآن کے لافانی اور ابدی نظام حیات ہونے کا منھ بولتا ثبوت ہے۔

اسلام کے نظام میراث پر ایک پادری کا اعتراض اور اس کا جواب:

پادری کہتا ہے کہ فرض کیجیے ایک شخص مرا، دو سے زائد بیٹیاں چھوڑیں جن کا حصہ ۲/۳ ہے، باپ چھوڑا جس کا حصہ ۱/۶ ہے، ماں چھوڑا جس کا حصہ ۱/۶ اور بیوی چھوڑا اس کا حصہ ۱/۸ ہے اور مجموعہ ۲۷/۲۴ ہوا۔

ظاہر ہے کہ بیٹیوں کا حصہ دو ثلث ہوا اور والدین کا حصہ ایک ثلث ہوا، اس لیے اب کچھ باقی نہیں رہا جو بیوی کو ملے۔ ایسی صورت میں علمائے اسلام نے ۲۷/۲۴ کو ۲۷/۲۷ کرنے کا جو حکم دیا وہ صریحاً کلام اللہ کے خلاف ہے۔ ۲۷/۲۷ کرنے کو اصطلاح میں ''عول'' کہتے ہیں۔ ایسا کرنے سے بعض وارث کا حصہ قرآن کے دیے ہوئے حصہ سے یا تو بڑھ جاتا ہے یا گھٹ جاتا ہے۔ اب ظالم پادری کتاب اللہ اور ذات باری تعالیٰ پر رکیک حملہ کرتا ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔ کہتا ہے ''ایسے احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری کتاب ربانی نہیں ہے، یا تمہارا رب حساب نہیں جانتا ہے''۔ معاذ اللہ رب العالمین (تحفیہ حنفیہ، ص ۱۷)

ایسے موقع پر امام اہل سنت قدس سرہ نے جو تحقیق وتدقیق کا دریا بہایا ہے اس کا تو خیر کوئی جواب نہیں۔ مسلم ضابطہ اسلامی پر پادری نے اعتراض علم الحساب کے ذریعہ کیا تھا، اس لیے جواب بھی اسی کی روشنی میں دیا گیا۔ مگر جواب سے قبل اور اخیر میں عیسائیوں کے عقائد باطلہ پر کاری ضرب لگائی پھر ان کی گندی ذہنیت اور فتور عقل وفہم کو آشکارا فرمایا۔

''نصاریٰ جیسے بدکیش قوم کے مذہبی پیشوا پادری صاحبوں کا' اسلام جیسے قدرتی الٰہی مستحکم روشن مذہب پر اندھے اعتراض کرنا کچھ تعجب کی بات نہیں، جو بد مذہب ہوتا ہے وہ بدعقل ضرور ہوتا ہے، اور پادری صاحبوں کی تعریف سے بھی بیہودگی کی بو آتی ہے، ان کو ایک تین اور تین ایک معلوم ہوتے ہیں، اس اعتراض کے جواب سے عاجز آکر وہ اسلام پر عددی اعتراض کرتے ہیں۔ (تحفہ حنفیہ، پرچہ ۴، جلد ۲، ص ۱۸)

اب آیئے اصل جواب کی طرف! اس سلسلہ میں سیدی اعلیٰ حضرت نے ایک ضابطہ کلیہ ارشاد فرمایا:

''واضح ہو کہ ہمیشہ حصوں کے مقرر کرنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ ان حصوں کو باہمی نسبت سے تقسیم کیا جائے، یعنی ایک کو جس قدر ملے بہ نسبت اس کے دوسرے کو کس قدر ملے۔ اس تقسیم متناسبہ میں کبھی نسبت کل کا بھی لحاظ ہوتا ہے اور کبھی بغیر لحاظِ نسبتِ کل' تناسبِ باہمی سے حصص نکل آتے ہیں''۔ (چند سطور بعد) ''ایسی صورتوں میں ایک شخص کے لیے کوئی عدد فرض کر لیتے ہیں، ان سے دوسروں کے حصے نکال لیتے ہیں، پھر جب عدد فرض کرنا ہے تو خواہ سو فرض کیجیے، خواہ ایک فرض کیجیے جواب ایک ہی سا آئے گا''۔ (تحفہ حنفیہ، ص ۱۸)

بغیر کسی تبصرہ کے سیدی اعلیٰ حضرت کی دی گئی مثال ملاحظہ فرمائیں:

''چنانچہ ہم ایک سوال قائم کر کے از روئے حساب چند شکلوں مفروضہ سے ایک ہی جواب ثابت کرتے ہیں''.... مثلاً، مقصود یہ ہے کہ چار شخصوں میں اول جس قدر ملے اس کا نصف دوسرے کو ملے اور اس کا ثلث تیسرے

چوتھے کو"۔

اب اس کو تقسیم شے سے مقسوم کے لیے مقسوم علیہ نکالنے کے لیے یوں بھی فرض کر سکتے ہیں کہ اول کو 6 دوسرے کو 3 تیسرے کو 2 اور چوتھے کو 2، اوران میں وہی نسبت مطلوبہ باہمی کہ 6 کا نصف 3 اور 6 کا ثلث 2، اور یوں بھی فرض کر سکتے ہیں کہ اول کو 3 دوسرے کو 2 / 1 , 1 (ڈیڑھ) تیسرے چوتھے کو 1 اور 1 (ایک ایک) کیوں کہ تین کا نصف ڈیڑھ ہے اور تین کا ثلث ایک ہے۔ اور یوں بھی فرض کر سکتے ہیں کہ اول کو ایک دوسرے کو نصف تیسرے کو ایک تہائی چوتھے کو ایک تہائی۔ اور یوں بھی فرض کر سکتے ہیں کہ اول کو نصف (یعنی دوسرے سے دوگنا) اور دوسرے کو ربع (یعنی اول کا نصف) اور تیسرے چوتھے کو سدس سدس، (یعنی اول کا ثلث ثلث)

"جواب ہر شکل سے ایک ہی نکلتا ہے یا نہیں؟ (چند سطور کے بعد) شکل اول میں کہیں کسر نہیں فرض کی گئی لہٰذا: 2,2,3,6 کا مجموعہ 13 بشکل عدد صحیح ہوئے۔

شکل دوم میں: 1 ,1 ,1.1/2 ,3 کا مجموعہ 13/2 ہوا

شکل سوم میں: 1/3 ,1/3 ,1/2 ,1 کا مجموعہ 13/6 ہوا، شکل چہارم میں: 1/6 ,1/6 ,1/4 ,1/2 کا مجموعہ 13/12 ہوا

ان کسری شکلوں میں بعد حصول شمار کنندہ ۱۳۔ جس قدر نسبت نما ہیں سب ساقط الاعتبار" (ملخصاً تحفہ حنفیہ، ص۱۹،۲۰)

حضرت مصنف علام نے چار مختلف شکلوں کی مثال دے کر یہ ثابت کر دیا کہ ہر جگہ نسبت برابر اور نتیجہ و مآل ہر ایک کا واحد ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن حکیم میں حصوں سے مراد نسبت ہے، نہ کہ وہ اصل حصہ۔ مصنف قدس سرہ کی یہ تنقید دو آتشہ کا کام کر رہی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اب پادری صاحب تثلیثی عقل سے جھک ماریں کہ ان سب شکلوں کا مآل واحد ہے یا نہیں؟۔ جواب ہر شکل سے ایک ہی نکلتا ہے یا متغائر؟ حصص با قاعدہ تقسیم ہوئے یا بے قاعدہ"۔ (تحفہ حنفیہ، ص۲۰)

مضمون کے اختتام میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بڑا لطیف اور چشم کشا جملہ رقم فرمایا:

"سبحان اللہ، نورِ ایمان نے بزرگانِ اسلام کی عقل کو کیسا روشن کیا کہ انھوں نے ایک آسان و مختصر طریقہ "عول" کا نکال لیا، اور ظلمتِ کفر نے معترضین کو کیسا اندھا کیا کہ نصف کی نسبت کو سمجھنا دشوار ہو گیا۔" (تحفہ حنفیہ، ص۲۱)

رسالہ ندم النصرانی سے متعلق وضاحت:

یہ پیارا رسالہ اپنے تمام تر فنی محاسن ومحامد کے ساتھ تحفہ حنفیہ پٹنہ کے ص ۲۱ پر اختتام پزیر ہے۔ بائیں طرف حاشیہ میں لکھا ہوا ہے "الراقم (مولانا مولوی فاضل) حامد رضا خان حنفی بریلوی (خلف رشید حضرت عالم اہل سنت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب قادری مدظلہ) جگر میں یہ خلش پیدا ہوئی کہ رسالہ مبارکہ جب اعلیٰ حضرت کا ہے تو حجۃ الاسلام کا اسم گرامی کیوں؟ پھر ملک العلما نے "ندم النصرانی" کو اپنے رسالہ المجمل المعدد لتالیفات المجدد کی سرخی' تصنیفاتِ اصحاب وقدسی احباب کے ضمن میں درج کیا ہے، اس کا مطلب؟

جواباً عرض ہے کہ حضور ملک العلما نے حیات اعلیٰ حضرت میں خود ہی تصریح فرمائی:

اولاً: اعلیٰ حضرت کی علم الفرائض میں چار کتابیں ہیں۔

(۱) المقصد النافع فی عصوبۃ النصف الرابع، (۲) طیب الامعان فی تعدد الجھات والابدان، (۳) تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم، (۴) ھدم النصرانی والتقسیم الایمانی"۔ (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول ص ۵۷۶)

ثانیاً: اسی کتاب کے صفحہ ۶۲۴ میں ملک العلما لکھتے ہیں:

عیسائیوں کے رد میں اعلیٰ حضرت کی تین کتابیں ہیں:

(۱) الصمصام علی مشکک فی آیت علوم الارحام، (۲) بیل مژدہ آرو کیفر کفران نصاریٰ، (۳) ھدم النصرانی والتقسیم الایمانی

واضح ہو کہ دونوں جگہ ندم النصرانی کی جگہ ھدم النصرانی کاتب یا کمپوزر کی مہربانی سے ہوگیا ہے۔ ورنہ ''ندم النصرانی و التقسیم الایمانی'' ہی صحیح ہے کیونکہ علامہ بہاری کا رسالہ ''**المجمل المعدد لتالیفات المجدد**''، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے صفحہ ۶۵ میں ''ندم النصرانی'' ہی ہے۔ سن تصنیف ۱۳۱۶ھ لکھا ہے۔ مادہ تاریخی کے اعتبار سے ۱۳۱۶ھ ''ندم'' میں صحیح ہے ''ھدم'' میں نہیں، مولانا عبد المبین نعمانی صاحب قبلہ کی تصنیف ''تصنیفات امام احمد رضا'' میں بھی ''ندم النصرانی'' ہی ہے۔ البتہ اس جگہ نعمانی صاحب کے کتابچہ میں زبان فارسی غلطی سے لکھ گیا۔ المجمل المعدد میں زبان کے کالم میں 'ھ' ہے جس کا مطلب، ہندی یعنی اردو ہے۔

ثالثاً: تصانیف اعلیٰ حضرت کو چار قسموں میں تقسیم کرنے کے بعد حضرت ملک العلما تحریر فرماتے ہیں:

''قسم سوم و چہارم (یعنی تصنیفات اصحاب و قدسی احباب، جن کے نام تاریخی ہیں وہ تصنیفات اصحاب جن کے نام تاریخی نہیں) اگر چہ بنام تلامذہ و اصحاب ہیں، لیکن در حقیقت (ان کو) اعلیٰ حضرت ہی کی تصنیف سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ یہ وہ کتابیں ہیں جو تلامذہ نے لکھ کر بغرض اصلاح پیش کیں، لیکن ان پر اصلاح کیا ہوئی! وہ مستقل تصنیف ہی ہوگئیں۔ (ایک سطر بعد) علاوہ بریں یہ اساتذہ علما کی قدیم عادت ہے کہ کسی مصلحت سے اپنی کتاب کو کسی شاگرد کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اور قدیم زمانہ سے حال تک، اس کا بلا نکیر رواج ہے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول ص ۵۱۱)

الغرض یہ ہر نوع بات صاف ہوگئی کہ رسالہ مبارکہ کا نام ''ندم النصرانی والتقسیم الایمانی'' ہی ہے اور وہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ہی کا رسالہ ہے۔

مفتی سراج الحق مکھن پوری کا قبول حق:

اب مضمون کے اختتام سے پہلے حضرت سراج الفقہا، علامہ سراج احمد صاحب مکھن پوری کے قبول حق کا پس منظر بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، جو قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ حسن اتفاق کہ فتاویٰ رضویہ ج ۲۶ کی کتاب الفرائض کا یہ آخری فتویٰ بھی ہے۔

اولوالارحام کی صنف رابع کی اولاد سے متعلق سوال تھا، جس کی بابت کتب متداولہ متون وشروح میں بڑا اختلاف ہے۔ ظاہر سی بات ہے ایسے مباحث میں امام اہل سنت کا قلم فیض رقم حقائق و معارف کا دریا بہاتا ہے۔ آپ نے معمول کے مطابق متون وشروح کی عبارتوں کی ایسی توضیح و تشریح فرمائی کہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ صرف مسئلہ ہی بے غبار نہیں ہوا بلکہ ایک زنگ آلود دل تعصب وعناد اور بدعقیدگی و گمراہی کے میل وکچیل سے پاک وصاف ہوکر عشق رسالت کا آئینہ دار بن گیا۔

مفتی سراج احمد کے متعلق المیز ان کے امام احمد رضا نمبر میں ایڈیٹر نے تفصیلات دی ہیں، لکھتے ہیں:

''مولانا سراج احمد صاحب تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ہی فتویٰ نویسی کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ ویسے تو آپ کو بیشتر علوم دینیہ پر عبور تام حاصل تھا، لیکن میراث، وصیت، میقات اور ریاضی وغیرہ میں ایسی بے مثال دسترس حاصل تھی کہ آپ کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ حضرت سراج الفقہا مرجع علما ہیں دور دراز کے لوگ حل مشکلات کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی، میراث کے مشکل ترین مسائل کے حل کے لیے آپ سے استعانت اور رابطہ قائم کرتے رہے''۔

(المیز ان کا امام احمد رضا نمبر، ص ۱۷۸)

ایڈیٹر صاحب مزید لکھتے ہیں:

''بہر کیف حقیقت یہ ہے کہ آپ تبحر علمی کے اعتبار سے نادر روز گار شخصیت ہیں۔ آپ ابتداً امام احمد رضا بریلوی کے عقائد ونظریات کے بالکل برعکس تھے بلکہ سخت متنفر تھے۔ جس سبب (اعلیٰ حضرت کے ان کے مسئلہ میراث کو حل کرنے) کی بنا پر آپ امام موصوف کے مداح وہم مسلک ہوگئے''۔ (کتاب مذکور ص ۱۷۹)

اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیے:

''حسن اتفاق سے مجھے رسالۂ میراث کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے (ذوی الارحام کی صنف رابع کے حکم) میں الجھن پیدا ہوئی۔ میں نے اس کے حل کے لیے دیو بند، سہارنپور، دہلی اور دیگر علمی مراکز میں خطوط لکھے، کہیں سے بھی تسلی بخش جواب نہ آیا، سب نے ''سراجی'' پر ہی اکتفا کیا، میں نے یہ سوچ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے وہ سوال مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھی بھیج دیا، ایک ہفتے کے اندر مولانا کی طرف سے جواب آ گیا۔ انہوں نے مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتب کے اختلافات اور شکوک وشبہات دفع ہوگئے''۔

(حوالہ مذکور ص ۱۷۹)

سبحان اللہ' اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کا یہی وہ انقلاب آفریں فتویٰ ہے جس نے وقت کے ایک بہت بڑے محقق کو نہ صرف ذہنی اطمینان بخشا بلکہ عقائد اہل سنت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

تحریر رضا کی فیض رسانی:

حضرت مفتی سراج الحق نے اپنے ایک مکتوب جسے ۱۱/اپریل ۱۹۶۹ء میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام لکھا، اس میں اس بات کا برملا اظہار فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے انہیں ''سائل فاضل ھداہ اللہ'' لکھا تھا، اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی، وہابیت سے رجوع اور سنیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ تحریر فرماتے ہیں:

''فتویٰ میراث میں مجھے سائل فاضل ھداہ اللہ کا خطاب دے کر دعا کی، جو میری ہدایت کا باعث بنی کہ وہابیت جو وہابی استادوں کی شاگردی سے ملی تھی اسی وقت جاتی رہی۔ الحمدللہ کل الحمد''۔ (المیز ان، ص ۱۸۶)

مذکورہ سطور میں ہم نے امام احمد رضا قادری کے چاروں رسائل کا مختصر تعارف کرا دیا ہے، مگر فتاویٰ رضویہ جلد ۲۶ میں اس موضوع کے تحت متعدد مختصر اور مفصل فتاویٰ موجود ہیں جن میں اہل علم کے لیے ایسے ایسے دقائق اور نکات بیان کیے گئے ہیں کہ اس تفصیل وتشریح کے ساتھ یکجا اسی مقام پر مل سکتے ہیں۔ مجلس برکات مبارک پور سے سراجیہ کا جو جدید نسخہ طبع ہوا ہے اس کو استاذ علم میراث علامہ نصر اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حواشی کے ساتھ ترتیب دیا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جابجا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تحقیقات بیان کی گئی ہیں، خصوصیت وصایا اور مناسخہ وغیرہ میں امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تحقیقات کو اختیار کیا گیا ہے

اب تک جو کچھ بھی ذکر ہوا وہ سب امام اہل سنت، مجدد دین وملت، مصنف اعظم، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کے علم فرائض ومیراث سے متعلق چند فتاویٰ کا یہ ایک طفلانہ وطالبانہ مطالعہ ہے۔ ان کے فضائل، کمالات اور محامد ومحاسن کا احاطہ نہیں کیا سکتا۔ آپ کے فتاویٰ علوم ومعارف کے بحر بیکراں ہیں جن کے گوہر آبدار سے دامن سجایا تو جا سکتا ہے مگر ان کی گہرائی وگیرائی کو ناپا نہیں جا سکتا۔ علم وآگہی اور فضل وکمال کے اس آفتابِ عالم تاب کی کرنوں سے دل ونگاہ کو منور وتاباں بنایا تو جا سکتا ہے لیکن ان سے آنکھیں ملائی نہیں جا سکتیں۔

☆☆☆

ضمیمہ

امام احمد رضا اور علم الفرائض

ترکہ کے مسائل سے متعلق امام احمد رضا کا طرز عمل:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ جب کسی ترکہ کی تقسیم سے متعلق کسی سوال کا جواب لکھتے تو اس کا آغاز یوں کرتے ہیں:

''برتقدیر صدقِ مستفتی وعدمِ موانعِ ارث وانحصارِ ورثہ فی المذکورین وتقدیمِ دیون ووصایا''۔

(فتاویٰ رضویہ ۱۸۴/۲۶)

اور جہاں ''مناسخہ'' کی صورت ہو یعنی کسی کے انتقال کے بعد اس کا کوئی وارث بھی انتقال کرجائے تو ایسی صورتِ مسئلہ کے لیے اعلیٰ حضرت یوں لکھتے ہیں:

''برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحتِ ترتیبِ اموات و تقدیم مایقدم کالمہر والدین والوصیۃ''۔ (فتاویٰ رضویہ ۷۰/۲۶)

ایک جگہ یوں لکھا:

''برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات و تقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداءالدین واجراءالوصیۃ''۔

(فتاویٰ رضویہ ۸۳/۲۶و۱۳۰)

یہ سب جواب میں احتیاطی تدابیر ہوتی تھیں۔آپ کے یہاں ترکہ سے متعلق سوالات کا جوحل بتایا جاتا تھا شاید کہیں اور اس قدر محتاط اور کافی ووافی حل نہ ملتا ہوگا۔چنانچہ رسالہ ''المقاصد النافع'' کے سائل نے پردادا کے فروع یا اس سے اوپر کے فروع سے متعلق پوچھا کہ کیا آپ کے علم میں کبھی ایسے کو ترکہ دلایا گیا ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے ترکہ کے مسائل حل کرنے میں آپ کا طرز عمل کیا تھا؟ فرماتے ہیں:

''ہاں بارہا فقیر کے یہاں سے ایسی عصوبات بعیدہ کو ترکہ دلایا گیا ہے، کئی کئی روز سائلوں نے کہا اس کا کوئی عصبہ نہ رہا کوئی نہ تھا کوئی نہیں، اور ان پر بار بار تحقیق وتفتیش کی تاکید کی گئی، اور بالآخر پتا لگا کرلائے کہ پردادا یا پردادا کے باپ کی اولاد کا فلاں مرد فلاں جگہ باقی ہے۔(کچھ آگے ہے) ابھی اسی شعبان میں اسی شہر کا ایک مسئلہ لکھا گیا جس میں قاضی زادوں کے خاندان سے ایک عورت کے پردادا کا پرپوتا اس کا وارث ہوا''(منہ۱۶۴،۱۶۵)

اسی کے آگے اس تعلق سے اپنے دور کے متعلق لکھتے ہیں:

''فرائض نویسانِ زمانہ دریافت نہیں کرتے سائلوں جاہلوں کے بتانے پر قناعت کرتے ہیں، وہ کیا جانیں کس کس کو ترکہ پہنچتا ہے، لاجرم بلاوجہ حق تلفیاں ہوتی ہیں''۔

(فتاویٰ رضویہ ۱۶۴/۲۶)

رسالہ ''المقصد النافع'' میں فرماتے ہیں:

''فقیر نے پندرہ سولہ سال سے تقسیم ترکہ کے مسائل اپنے اصحاب واحباب کے متعلق کردیے ہیں، اور نادراً جو خود لکھنا ہوتا ہے اپنے مجموعہ فتاویٰ میں ان کی نقل نہیں رکھتا، مگر جب کسی فائدہ نفیسہ پر مشتمل ہو''۔

(فتاویٰ رضویہ ۱۶۴/۲۶)

مذکورہ عبارت میں پندرہ سولہ سال سے میراث کے مسائل دوسروں کے حوالے کرنے کی بات کہی گئی ہے، اور یہ رسالہ ۱۳۱۵ھ کا ہے، اس کا مطلب ۱۳۰۰ کے آغاز یا اس سے پہلے سے ہی یہ خدمت دوسروں کے حوالے ہوگئی تھی، اور آخر کے چالیس سال میراث کے متعلق بہت کم اور نادر قسم کے سوالات کے جوابات تحریر فرمائے۔اور

ان کی بھی نقل نہیں رکھی گئی ورنہ جو کچھ لکھے ان کی نقل لی گئی ہوتی تو علم میراث پر کیا کچھ علم کا خزانہ ہاتھ آتا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دوسروں سے کون مراد ہے جن کے حوالے یہ سوالات کیے جاتے تھے، اس کا کچھ سراغ حیات اعلیٰ حضرت سے ملتا ہے، چنانچہ حیات اعلیٰ حضرت میں حضرت ملک العلما نے اخلاق کریمہ کے بیان میں اعلیٰ حضرت کے نام آئے خطوط کے تعلق سے لکھا ہے کہ: ''فرائض کا مسئلہ زیادہ تر حضرت مولانا مولوی محمد رضا خاں صاحب عرف ننھے میاں برادر اصغر اعلیٰ حضرت کے حوالے ہوتا''۔

کتب علم فرائض کا تذکرہ:

اختلاف جہت کے وقت ولد وارث کو ترجیح ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ علم فرائض کے علما کے نزدیک لاینحل تھا اسے حل کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کے پاس بھیجا گیا تو انھوں نے وہ تحقیقات پیش کرتے ہوئے علم الفرائض کی ان کتابوں کا حوالہ دیا جن سے کان بھی آشنا نہ تھے، مثلاً فرماتے ہیں:

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجابت حسین الصدیقی البریلوی و زبدۃ الفرائض مولوی عبدالباسط قنوجی کا ماخذ سراجیہ ہے۔ صاحب ہدایہ کی ایک کتاب فرائض عثمانی جو فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے۔ (ملتقطاً فتاویٰ رضویہ ۲۶/۳۷۹، ۳۸۱)

''سراجیہ'' کتاب کے متعلق امام احمد رضا کا نظریہ:

سراجیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

''سراجیہ اگرچہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں، اس کا مرتبہ فتاویٰ یا غایت درجہ شروح کا ہے، جیسے منیہ و اشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہرگز نہیں، بلکہ فتاویٰ میں، متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ حفظ مذہب کے لیے لکھتے ہیں، جیسے مختصرات طحاوی وکرخی وقدوری، اور سراجیہ میں بکثرت روایاتِ نادرہ بلکہ بعض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے، لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملۃ والدین سمرقندی کی شرح ہے، مصنف جب فرغانہ سے بخارا گئے تو وہاں قاضی امام علاء الدین سمرقندی کی طرف منسوب فرائض کو دو ورقوں میں پایا جو انھیں پسند آئے تو ان کی شرح کے طور پر اس کتاب (سراجیہ) کو لکھنا شروع کیا۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۶/۳۸۴)

حدیث رسول کا حالات حاضرہ پر شاندار انطباق:

علم المیراث کے متعلق یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ یہ نصف علم ہے۔ المقصد النافع کا جو سوال ہے وہ نادر صورتوں کو بعید تر بلکہ ناممکن سمجھ لیا گیا ہے، اور اس بنیاد پر ترکہ سے متعلق شریعت کی کچھ ہدایات کو ناقابل عمل خیال کیا جانے لگا، اس پر اعلیٰ حضرت اسی رسالہ میں فرماتے ہیں کہ:

''اگر تفتیش کامل کی عادت ہوتی تو آج ایسی توریثیں اچنبھا نہ معلوم ہوتیں، سچ ہے جو وارد ہوا حدیث میں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی: **تعلموا الفرائض وعلّموہ الناس فانہ نصف العلم و انہ یُنسی وھو اول ما یُنزع من امتي** ۔ (سنن ابن ماجہ) ترجمہ: فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے اور وہ بھولا جاتا ہے اور پہلا علم ہے جو میری امت سے نکل جائے گا۔'' (ایضا ۱۶۵)

علم میراث کے دلائل کا استحضار:

المقصد النافع کے سائل نے چھٹا سوال پوچھا تھا کہ عہد صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین میں کبھی ایسے عصبات بعیدہ کو حصہ دلایا گیا؟

سائل نے تو عہد صحابہ وتابعین کے متعلق پوچھا اور اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے عہد رسالت سے مثال دیدی، ابوداود شریف کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

''ایک صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کی: میرے پاس ایک ازدی شخص کا ترکہ ہے اور مجھے کوئی ازدی نہیں ملتا جسے دوں، فرمایا: سال

بھر تک کوئی ازدی تلاش کرو، ایک سال کے بعد حاضر ہوئے، اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے کوئی ازدی نہیں پایا، فرمایا: تو بنی خزاعہ میں جو شخص سب سے زیادہ جد اعلیٰ سے قریب ہو اسے دیدے، جب وہ لوٹا تو فرمایا: اسے میرے پاس بلاؤ، جب وہ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا: جو خزاعہ میں سب سے عمر رسیدہ ہو اسے دے دینا۔'' (۱۶۴)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''بنی ازد خزاعہ کی ایک شاخ ہے، جب میت کے قبیلہ اقراب کا کوئی نہ ملا تو ترکہ نے قبیلہ اعلیٰ کی طرف رجوع کی، اب کون بتا سکتا ہے کہ یہ میت اس اکبر خزاعی سے کہ اس کا عصبہ ٹھہرا کس قدر پشتہا پشت کے فصل پر جا کر ملتا ہوگا''۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۶۴/۲۶)

ذوی الارحام کے ایک لاینحل مسئلے کا شافی وکافی حل:

تقسیم میراث کی ترتیب یوں ہے کہ تجہیز وتکفین کے بعد دَین ادا کرنا پھر ثلث مال سے وصیت، پھر اصحاب فرائض کی تقسیم، پھر عصبات نسبی اور سببی کی تقسیم اور وہ نہ ہوں تو اصحاب فرائض پر رد کرنا ہوگا، وہ نہ ہوں تو ذوی الارحام کو دینا ہوگا۔ کتبِ فرائض میں ''ذوی الارحام'' کا مستقل باب ہوتا ہے جس میں ذوی الارحام کو چار اصناف میں یوں تقسیم کیا جاتا ہے: (۱) صنفِ اول: جو میت کی طرف منسوب ہوں یعنی نواسیاں۔ (۲) صنف ثانی: میت ان کی طرف منسوب ہو جیسے ساقط اجداد وجدات۔ (۳) صنف ثالث: میت کے والدین کی طرف منسوب ہوں جیسے بہنوں کی اولاد اور بھائیوں کی بیٹیاں۔ (۴) صنف رابع: جو میت کے اجداد وجدات کی طرف منسوب ہوں جیسے پھوپھیاں، ماموں خالائیں، یہ سب ذوی الارحام ہیں۔ (سراجی باب ذوی الارحام)

فاضل جلیل مفتی سراج الحق مکھن پوری علم میراث میں ایک کتاب ترتیب دے رہے تھے، جب ذوی الارحام کی بحث پر آئے تو صنفِ رابع کے مسئلے میں اس وقت مشکل پیش آئی جب دو جہتوں کے ذوی الارحام کا مسئلہ سامنے آیا، مشکل یہ تھی کہ اگر ایک شخص کسی عصبہ کی اولاد سے ہے دوسرے عصبہ کی اولاد سے تو نہیں لیکن قرابت قوی رکھتا ہے تو ترجیح کیسے ہوگی؟ فقہ حنفی کی کتابوں کو کھنگالنے سے جس نتیجہ پر پہنچے اس سے دوطرح کی باتیں سامنے آئیں ایک یہ ''قوتِ قرابت'' اور ''وارث کی اولاد'' ہونا ترجیح کا سبب نہیں۔ لہٰذا چچا کی بیٹی اور ماموں کا بیٹا دونوں کو دیا جائے گا، یہ نتیجہ متون سے اخذ کیا، دوسری یہ کہ اختلاف جہت کے وقت ولد عصبہ کو ترجیح دی جائے گی، اسے فتاویٰ خیریہ اور مبسوط سرخسی سے اخذ کیا۔ اب ان دونوں میں سے کس کے مسئلے کو اختیار کیا جائے، مفتی سراج الحق صاحب نے اپنے دور کے بڑے بڑے افاضل مفتیان کرام کو سوالات بھیجے، کہیں سے تشفی نہ ہوئی، تو بالآخر امام علم وفن فقیہ عصر مجدد دوراں امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ کی بارگاہ میں جانا پڑا، وہاں کیا پہنچے کہ ماویٰ وملجا ہاتھ آ گیا۔ امام احمد رضا نے اس مسئلہ کو اپنے ذمہ لیا اور اس کا شافی وکافی جواب لکھا۔ آپ کا یہ جواب فتاویٰ رضویہ مترجم ۲۶ جلد کے صفحہ ۳۷۸ سے ۳۹۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ نے اختلاف جہت کی صورت میں ولد عصبہ کو ترجیح کا سبب قرار دیا اور اسی کو متون کا حاصل قرار دیا۔ پھر علامہ سید محمد ابن عابدین شامی نے العقود الدریہ میں جو بحث کی ہے اس پر حاشیہ لگا کر وہاں اس مسئلے پر داد تحقیق دی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس حاشیہ کو اسی فتویٰ کے آخر میں (مترجم ۳۹۱/۲۶) نقل کر دیا ہے۔ اس کے بعد علامہ شامی کی بحث اور اس پر اپنے حاشیہ کے متعلق خود فرماتے ہیں:

''بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد۔ (۳۹۳/۲۶)

بحث کے آخر میں مبسوط کی ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں:

''یہ نص صریح ہے، وللہ الحمد، کہ اختلافِ جہت کے وقت ولدیتِ وارث سے ترجیح ہے، اور قوت قرابت سے نہیں''۔ (ایضاً ۳۹۴/۲۶)

پوری تحقیق کا نچوڑ آخر میں یوں پیش کیا جس سے یہ مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔فرماتے ہیں:

اولادِ صنفِ رابع کا قانون صحیح ومعتمد یہ ہے:

"یقدم الاقرب مطلقاً ثم ان اختلف الحیز فولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابة ثم ولد الوارث وبعد هذه الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث، واللہ تعالیٰ اعلم.

ترجمہ: اقرب ہر حال میں مقدم ہوگا پھر اگر جہت مختلف ہو تو عصبہ کی اولاد کو اور اگر متحد ہو تو پہلے اقوی کو پھر عصبہ کی اولاد کو ترجیح ہوگی۔ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ۲۶/۳۹۴)

چار نسبتیں تماثل، تداخل، توافق اور تباین پر امام احمد رضا کی تحقیق:

سراجی میں تصحیح مسائل سے پہلے دو عدد کے مابین نسبتوں کا بیان ہے، چار نسبتیں بیان کی گئی ہیں: تماثل، تداخل، توافق اور تباین۔دو عدد اگر ایک دوسرے کے مثل ہوں تو متماثلین کہتے ہیں جیسے ۲، اور ۲۔اور اگر چھوٹا عدد بڑے عدد کو فنا کردے تو متداخلین کہتے ہیں جیسے ۲ اور ۴۔اگر چھوٹا بڑے کو ختم نہ کرسکے لیکن کوئی تیسرا عدد دونوں کو فنا کردے تو متوافقین کہتے ہیں جیسے ۴، اور ۸، کہ ۲ کا عدد ۴ کو دو بار میں اور ۸ کو چار بار میں ختم کردے گا۔اگر تینوں صورتیں نہ ہوں تو متباینین کہتے ہیں جیسے ۳، ۵۔

وارثین جب چند قسم کے اور متعدد ہوں تو ترکہ تقسیم کرتے وقت تصحیح کی ضرورت پڑتی ہے جس میں اعداد کے مابین نسبتوں کی معرفت سے مسئلہ حل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔سراجی میں ان چاروں نسبتوں کی تفصیل کے بعد جب مناسخہ کا طریقہ بیان کیا تو وہاں صرف تین ہی نسبتوں سے طریقے کی تکمیل فرمادی، اور تداخل کا ذکر ہی نہ کیا، (دیکھیں سراجیہ باب المناسخہ صفحہ ۸۵ مجلس برکات مبارک پور) یہی سوال جب ایک فاضل بزرگوار نے حضور اعلیٰ حضرت سے کیا تو آپ نے اس کا تحقیقی جواب عربی زبان میں ارشاد فرمایا جو فتاویٰ رضویہ میں موجود ہے۔یہ تحقیق اس فن میں اعلیٰ حضرت کے گراں قدر افادات سے ہے، بلکہ "سراجی" کے طلبہ کے لیے ایک تحفہ ہے، اس لیے ہم اس کا خلاصہ یہاں درج کرنا چاہتے ہیں، امام احمد رضا اس کا حل یوں پیش کرتے ہیں:

"تداخل توافق ہی کی ایک قسم ہے، تفصیل کے وقت تداخل کو الگ قسم قرار دیتے ہیں، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں صرف دو ہی قسم (توافق، تباین) ہیں، کیوں کہ دو عدد دو حال سے خالی نہ ہوں گے، یا تو دونوں کو ایک تیسرا عدد فنا کردے (وہ تیسرا عدد کوئی سا بھی ہو اگرچہ ان کا مثل ہو) تو دونوں عدد متوافقان ہیں، یا وہ تیسرا عدد ان دونوں کو فنا نہ کرسکے تو دونوں متباینان ہیں۔توافق کی صورت میں تیسرا عدد ما بہ التوافق ہے، اور جتنی بار میں وہ کسی عدد کو ختم کرے وہ نمبر اس عدد کا وفق ہے، مثلاً توافق کی ایک صورت ۴ اور ۴ ہے، دونوں کو ۴ فنا کردے گا، اسی کو "تماثل" کہا گیا، توافق کی دوسری صورت ۴، اور ۸ ہے، ان میں چھوٹا یعنی ۴ بڑے کو یعنی ۸ کو فنا کردے گا، اس کو "تداخل" کا نام دیا گیا، توافق کی تیسری صورت ۴، اور ۶ ہے، ان دونوں کو ایک تیسرا عدد ۲ فنا کردے گا، اسی کو "توافق" کہا گیا، تو اِن دونوں عددوں میں کہا جائے گا کہ ۲ مابہ التوافق ہے اور ۴ کا وفق ۲ ہے اور ۶ کا وفق ۳ ہے، کیوں کہ ۲، ۴ کو دو بار میں فنا کرتا ہے اور ۶ کو تین بار میں۔

اب یہ سوال کہ مناسخہ کے بیان میں "تماثل" کا ذکر کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "تماثل" کا وفق ہمیشہ ایک (۱) ہوتا ہے، اور کسی عدد کو ایک میں ضرب دینے سے کچھ

حاصل نہیں ہوتا، تو جب ''مافی الید'' اور ''تصحیح'' کے درمیان ''تماثل'' کی نسبت ہو تو ضرب دینے کی کچھ حاجت ہی نہیں''۔ (ملخصاً مترجماً فتاویٰ رضویہ قدیم ۴۵۸/۱۰ وجدید ۳۰۱/۲۶)

''ردعلی الزوجین'' کے متعلق امام احمد رضا کی تحقیقات:

ترکہ تقسیم کرتے وقت ''اصلِ مسئلہ'' سے تمام وارثین کو ان کے پورے حصے نہ ملیں، بلکہ حصص کا مجموعہ ''اصل مسئلہ'' سے بڑھ جائے تو کو حصص کے مجموعہ کو ''اصل مسئلہ'' بنا دیتے ہیں، علم فرائض میں اس کو ''عول'' کہتے ہیں، اِسی کی ضد ''رد'' ہے، یعنی جب ''اصل مسئلہ'' سے وارثین کو ان کے حصے دے دیے جائیں، پھر کچھ بچ رہے تو اس بچے ہوئے کو انھیں وارثین پر دوبارہ تقسیم کر دینا ''رد'' کہلاتا ہے۔ اس میں قاعدہ یہ ہے کہ ''اصحابِ فرائض'' (یعنی جن کا حصہ قرآن وحدیث میں مذکور ہے) کو دینے کے بعد جو کچھ بچ رہے اسے انھیں کو دوبارہ دے دیا جائے، مگر زوجین کو دوبارہ نہ دیا جائے۔ اِس وجہ سے ''رد'' کے بیان میں وارثین کے دو گروپ بنائے جاتے ہیں: (۱) مَنْ یُرَدُّ عَلَیْہ، یعنی جس پر رد ہوگا (۲) مَنْ لَایُرَدُّ عَلَیْہ، یعنی جس پر رد نہیں ہوگا۔ شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی اور بیوی کے انتقال کی صورت میں شوہر ''اصحابِ فرائض'' سے تو ہیں، لیکن ''اصحابِ رد'' سے نہیں۔ یہی عام صحابہ کرام کا قول ہے اور یہی ائمہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ لیکن امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک بچے ہوئے مال کو بیت المال کے حوالے کر دیا جائے گا۔

(سراجیۃ مع التشریح صفحہ ۱ے مجلس برکات مبارک پور)

امام احمد رضا قدس سرہ کی بارگاہ میں ایک صاحب کا وصیت نامہ پیش کیا گیا جس کے ساتھ سوال اور چند مفتیان کرام کے جوابات، اس استفسار کے ساتھ کہ ان میں کون سا جواب حق ہے، امام احمد رضا نے اس کا جو جواب دیا ہے بلا تمثیل کہا جا سکتا ہے کہ تحقیقات کا سمندر ایسا موج زن ہے کہ اس کی طغیانیوں کے سبب موتیاں چننا بھی مشکل ہوا جاتا ہے۔ ہم کسی طرح چند موتیاں چن کر اپنے قارئین کو پیش کرنا چاہتے ہیں اس عریضہ کے ساتھ کہ ذرا حوصلہ کریں اور کم از کم اس کی ورق گردانی اور زیارت کی سعادت حاصل کریں۔ یہ فتویٰ فتاویٰ رضویہ قدیم کی دسویں جلد میں وصیت کے بیان میں ہے، جو اصل جواب کے علاوہ بارہ افادات پر مشتمل ہے، اور صفحہ ۲۱۴ سے ۲۶۰ تک پھیلا ہوا ہے، بارہویں افادہ میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ زوجین پر رد کیوں نہیں؟ اس کا خلاصہ یہ ہے:

''ہمارے ائمہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ زوجین پر رد نہیں، اُن کے فرض سے جو بچے اور کوئی عصبہ نسبی وسببی نہ ہو تو باقی ''ذوی الارحام'' کو دیں گے، وہ نہ ہوں تو ''مولی الموالاۃ'' کو، وہ نہ ہوں تو ''مقر لہ بالنسب علی الغیر'' کو، وہ نہ ہو تو ''موصی لہ بالزائد'' کو، وہ نہ ہو تو یا اسے دے کر بھی بچ رہے تو باقی فقراء مسلمین کا حق ہے، مسلمانوں کے بیت المال میں رکھیں۔

بیت المال کے بعد بچنے کی کوئی صورت نہیں، لہٰذا اس کا ذکر بالکل آخر میں رکھا گیا، لیکن جب بعد میں بیت المال فاسد ہوا اور اس کے مال کو غلط استعمال کیا جانے لگا تو متاخرین نے اس میں رکھنے کو منع کیا اور نواں مرتبہ ''ردعلی الزوجین'' کا نکالا، وہ نہ ہوں بناتِ معتَق کو، وہ بھی نہ ہوں تو معتَق کے ذوی الارحام کو، وہ بھی نہ ہوں تو میت کے اولاد رضاعی کو۔ (دیکھیں قدیم ۲۴۳/۱۰)

لہٰذا اگر بیت المال فاسد نہ ہو تو زوجین پر رد نہیں کیا جائے گا۔ زوجین پر رد کی جو صورت ہے وہ بھی محض اس لیے ہے کہ مال ضائع نہ جائے، اس لیے نہیں کہ زوجین اپنے اصل فرض سے زیادہ کچھ اور کے مستحق ہو سکیں۔ رد کی وجہ عصوبت وقرابت ہے، جن اصحابِ فرائض پر رد ہوتا ہے وہ عصوبت کے سبب ہوتا ہے اور زوجیت عصوبت نہیں، اسی لیے اصحابِ فرائض پر رد ذوی الارحام پر رد سے پہلے ہے، کیوں کہ وہ ذوی الارحام کی نسبت میت سے زیادہ قریب

ہوتے ہیں، ''الا الزوجین فانہ لاقرابۃ لہما مع المیت'' امام نسفی نے شرح وافی میں فرمایا: ''الرد باعتبار الرحم حتی لایُرد علی الزوجین لعدم الرحم'' اسی طرح متعدد عبارتوں سے ثابت کیا کہ ایسے زوجین جو نکاح کے علاوہ کوئی اور قرابت نہ رکھتے ہوں (ان کو حصۂ فرض تو ملے گا مگر) ان پر رد بجہت ارث نہیں ہوسکتا کیونکہ ان میں رحم اور قرابت کا تعلق نہیں۔ (ملخصا ملتقطاً رضویہ قدیم ۱۰/۲۴۲ تا ۲۴۴)

وارث کے لیے وصیت کے متعلق امام احمد رضا کی تحقیق انیق:

آیت میراث کے ذریعہ تمام وارثین کو ان کے حقوق دے دیے گئے اس لیے اس کے بعد وارثین کے لیے وصیت نہیں، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان کر دیا تھا، پھر بھی کوئی شخص اپنے کسی وارث کے لیے کچھ مال کی وصیت کرتا ہے تو وہ دیگر وارثین کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ترکہ میں تجہیز و تکفین کے بعد سب سے مقدم دَین ہے، پھر اجنبی کے لیے ثلث تک وصیت، پھر وارث کی میراث، اس کے بعد کسی وارث کے لیے وصیت یا اجنبی کے لیے ثلث سے زائد کی وصیت کا مرتبہ ہے۔ یعنی وارث کی وصیت کا مرتبہ اس کی وراثت کے بعد ہے، اور تین حقوق اس کی وراثت سے پہلے ہیں جن میں اجنبی کی وصیت بھی ہے، خلاصہ یہ کہ اجنبی کے لیے کی گئی وصیت ثلث تک وارثین کی میراث سے مقدم ہے۔ اور وارث کے لیے کی گئی وصیت اس کے دو درجہ بعد ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ امام احمد رضا اس پر عربی میں یوں جلوہ آرائی فرماتے ہیں: ''لعل السِرَّ في تقديم ارث الوارث على الوصية له أن الارث جبري الخ'' ان چھ سطروں میں جو کچھ ہے وہ سمندر کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''وارث کی وراثت اس کے لیے کی گئی وصیت پر مقدم ہے کیوں کہ ارث جبری ہوتی ہے، مورث جوں ہی مرتا ہے اسی وقت یا اس کی زندگی کی آخری گھڑی میں اس کے مال کی ملکیت اس سے منتقل ہو کر وارث کو چلی جاتی ہے، اور یہ وارث اپنے حصہ کی قدر کا مالک ہو جاتا ہے، جو کسی امر پر موقوف نہیں، بخلاف وصیت، کہ وصیت تو اس پر موقوف ہے کہ جس کے لیے وصیت کی گئی وہ اسے قبول کرے، تو وصیت کے نفاذ سے پہلے دو درجے ہوتے ہیں، موصی کی موت اور اس کے بعد موصیٰ لہ کا قبول کرنا، ان دونوں کے بعد ہی وصیت کا نفاذ ہوسکتا ہے، اور وراثت تو موت کے ساتھ ہی ساتھ متحقق ہو جاتی ہے، رہی اجنبی کے لیے وصیت جو وارث کی وراثت پر بھی مقدم ہے وہ اس لیے کہ مورِث کا مال، وصیت کے حق میں ثلث تک مورِث کی موت کے بعد بھی اُسی کی ملک پر باقی رہتا ہے، تو اُس ثلث میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی جب تک کہ موصیٰ لہ اس وصیت کو رد نہ کر دے، اگر قبول کر لے تو ثلث میں اُس کی ملکیت وارث کی ملکیت پر مقدم ہوگی۔ (ملخصاً مترجماً فتاویٰ رضویہ قدیم ۱۰/۲۲۳ رضا اکیڈمی ممبئی)

رسالہ ندم النصرانی کا پس منظر:

رسالہ ''ندم النصرانی'' اسلامی نظام وراثت پر ایک نصرانی پادری کے اعتراض کا جواب ہے، اس سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ اسلام کا ''نظام وراثت'' من جملہ ان ابواب سے ہے جو اسلامی نظام حیات کی تکمیل کا روشن حصہ ہے، کیوں کہ نصرانی مذہب کی تعلیمات میں ''نظام وراثت'' نام کی کوئی چیز نہیں، اب اسلام نے حیات وکائنات کے متعلق جامع دستور پیش کرنا تھا اگر ممات کے متعلق قانون وراثت ووصیت نہ ہوتا تو دین کی تکمیل کیوں کر ہو پاتی جب کہ عین حجۃ الوداع کے دن عرفات کے میدان شارع اسلام پر خالق کائنات کا یہ اعلان نازل ہوتا ہے کہ آج ہم نے تم لوگوں کے لیے

دین کو مکمل کر دیا۔ اب اس اعلان کا منفی اثر ان لوگوں پر پڑنا لازمی تھا جن کے پاس چند محدود قوانین کا مجموعہ ہے اور بہت سارے ابواب ندارد ہیں۔ نصرانی پادری کا نظام وراثت پر اعتراض اسی صورت حال کا شاخسانہ ہوسکتا ہے۔ اس نے اعتراض بھی کیا تو وراثت کے طریقۂ تقسیم پر، اور امام احمد رضا جو وقت کے عظیم قانون داں ہونے کے ساتھ ساتھ ریاضی اور حساب کے ماہر تھے ان کے لیے اس قسم کے اعتراض بھلا کیا حیثیت رکھتے، لیکن یہ رسالہ معرض وجود میں کیا آیا کہ ہمارا بھلا ہوگیا، اور نظام وراثت کے چند اور محاسن ابھر کر سامنے آگئے جن پر شاید ہماری توجہ نہ ہوتی۔

آیت میراث سے حصص کی نسبتوں کا شاندار استخراج:

اس رسالے میں جو بات تحقیقاتِ رضا سے ہے وہ فقیر کے نزدیک آپ کا یہ افادہ ہے کہ: نصف ربع ثلث سدس وغیرہ حصص ہمیشہ کل کے مقابل نہیں ہوتے، کبھی حصہ داروں کی حصہ رسدی کے مقابل ہوتے ہیں، اس کی صراحت فقیر نے سراجی وغیرہ میں نہیں دیکھی، دل شاد شاد ہوا جب اس ''لطیف افادہ'' پر آیت میراث کے طرز بیان ''النصف، الربع، السدس'' سے کیا، جس میں یہ کلمات مطلق وارد ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ! اس نکتے کو سمجھنے کے لیے پہلے پادری کا یہ اعتراض سنیے:

> ''کلام مجید میں ترکۂ میت کے بارے میں جو احکام آئے ہیں ان کی تعمیل بعض صورتوں میں غیر ممکن یعنی محال عقلی ہے۔ مثلاً کسی مال کی دو تہائی زید کو دینا اور نصف خالد کو دینا غیر ممکن ہے۔ کیوں کہ دو ثلث اور ایک نصف کا مجموعہ 7/6 یعنی سات سدس ہوتا ہے، جو اصل مقسوم سے زائد ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مال کو مذکور الصدر طور پر تقسیم کرنے کی فرمائش کرے تو تعمیل میں تعذر ہوگا، بغیر ترمیم یا اصلاح کے تقسیم نہیں ہوسکتی، اس لیے پوری تعمیل نہیں ہوئی''۔
>
> (خلاصہ سوال ندم النصرانی تحفہ حنفیہ صفحہ ۱۷)

اس کا پورا جواب اسی رسالے میں دیکھنا چاہیے جس میں آپ نے وراثت کے طریقۂ تقسیم کی وضاحت کی ہے، اور مثالوں سے ثابت کیا کہ حصوں کے مقرر کرنے سے ہمیشہ کل سے نسبت کا لحاظ نہیں ہوتا، کبھی کل سے نسبت کا لحاظ کیے بغیر باہمی نسبت کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔ استدلال کا یہ حصہ نظامِ وراثت کی تشریح میں ایک اضافہ ہے، فرماتے ہیں:

> ''یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دختر (لڑکی) کو نصف کا استحقاق دو نسبتوں سے ہے، اگر کوئی دوسرا نہیں ہے تو نصف کے معنی: ''کل کا نصف''، کیوں کہ لڑکا اکیلا ہو تو اس کا حصہ ''کل'' ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ دختر پسر (بیٹی بیٹے) سے نصف پائے، تو دونوں معنی، یعنی نسبتی بھی متحقق ہوئے، اور اگر دختر کے ساتھ کوئی اور بھی حصہ دار ہیں تو نصف بالنسبۃ ہی اس کا حصہ فرض کیا جائے گا، جیسے شوہر ربع، اور والدین سدس سدس کے مستحق ہیں، تو دختر نصف کی، یعنی شوہر سے دوگنا اور میت کے والد والدہ سے تگنا، یہاں نصف کے معنی بلحاظ نسبت باہمی ہیں، یعنی ربع کا دوگنا اور سدس کا تگنا''۔
>
> (ایضاً ملتقطاً)

اب اس پر امام احمد رضا کا آیتِ میراث سے استدلال دیکھیں، فرماتے ہیں:

> ''کلام معجز نظام خداوند علیم وحکیم میں جہاں دختر کے لیے نصف ارشاد ہوا ہے مطلق لفظ ''نصف'' آیا ہے، ''فَلَهَا النِّصْفُ'' نصف کو کل مالِ متروکہ کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ الف لام سے افادہ معنی استحقاق ہے (فرضی ہو یا واقعی)، نہ یہ کہ ہر جگہ کل کا نصف قرار دے لو، اور تناسب باہمی کا جو اصل غرض تقسیم ہے لحاظ نہ کرو''۔
>
> (ندم النصرانی بحوالہ تحفہ حنفیہ پٹنہ صفحہ ۱۹)

☆☆☆

امام احمد رضا اور علم توقیت (اوقات صلاۃ)

مقالہ نگار

مولانا مفتی محمد رفیق الاسلام نوری منظری (اسلام پور: بنگال)

حضرت مولانا مفتی رفیق الاسلام نوری منظری بن منشی محمد علیم الدین صاحب مرحوم ۱۰: اکتوبر ۱۹۶۴ء کو اسلام پور (دیناجپور: بنگال) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں پائی۔ درس نظامی کے ابتدائی درجات مدرسہ محمدیہ (دیناج پور: بنگال) میں پڑھے۔ جامعہ منظر اسلام (بریلی شریف) سے شعبہ فضیلت کی تکمیل کر کے ۱۹۸۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۶ء تک احسن المدارس: قدیم (کان پور) میں تدریس وافتا کی خدمات انجام دیئے۔ ۱۹۹۶ء سے ہنوز جامعہ شکوریہ (بلہور: کان پور) میں تدریس وافتا کی خدمات سے وابستہ ہیں۔ قریباً ایک درجن کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں۔ بہت سے مقالات ومضامین بھی آپ نے رقم فرمائے۔ تحقیقات نوریہ آپ کی مشہور تصنیف ہے، اور اعلیٰ حضرت کے رسالہ کشف العلۃ کی تشریح پر مشتمل نئی کتاب طباعت کے مرحلے میں ہے۔ رضویات سے خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ رابطہ نمبر:9598985838

امام احمد رضا اور علم توقیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی ونسلم علیٰ رسولہٖ الکریم

توقیت ایسا فن ہے جس کے ذریعہ کسی خاص خطے کے لیے مقامی وقت کے مطابق آفتاب کے طلوع وغروب اور نماز پنج گانہ کے اوقات کی تخریج کی جاتی ہے۔ یہ متعدد فنون کا عطر مجموعہ ہے، جس میں ہیئت، ریاضی، نجوم، علم الافلاک، علم دوائر اور علم مثلث داخل ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے کے الفاظ میں یہ ''اوقات نکالنے کا فن'' ہے۔ اس کے لیے امام احمد رضا سے پہلے کوئی مستقل کتاب ریکارڈ میں نہیں ہے، ہاں علمائے کرام اس کے لیے شرح چغمینی، زیج سلطانی اور جداول بہادر خانی سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ ''توقیت'' ایک جدید علم ہے، اور امام احمد رضا کو اس فن کا موجد قرار دیا جائے تو بے جا نہیں، اگرچہ آپ سے پہلے اس پر کچھ نشانات موجود ہیں۔ لیکن بالاستقلال اس پر کوئی ایسی کتاب موجود نہیں تھی جو پورے قواعد توقیت کو محیط ہو۔ کسی کتاب میں نصف النہار کا بیان تھا تو کسی میں طلوع آفتاب وغروب آفتاب پر ہلکی روشنی تھی۔ کسی نے افق حقیقی کو معیار شب وروز قرار دیا تھا، تو کسی نے شفق ابیض واسود کے امتیاز کو فراموش کردیا تھا۔ کسی نے رات کے آخری ساتویں حصہ کو وقت فجر کہا تھا تو کسی نے ہمیشہ ہر ایک آبادی کے لیے عصر کا وقت ایک گھنٹہ بیس منٹ بتایا تھا۔

ان میں کچھ محتاط محققین حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے سال کے مخصوص ایام میں چند مقامات مخصوصہ کے لئے مخصوص اوقات کا استخراج کیا۔ لیکن وہ بھی قمری تھا۔ لہٰذا ایک بار استفادہ کے بعد پھر وہ غیر مفید ہی رہتا۔ اس لئے کہ قمری سال چونکہ شمسی سال سے چھوٹا ہے اور اوقات کا تعلق سورج سے ہے، لہٰذا اس میں تغیر ناگزیر ہے۔

حضور ملک العلما کے مرقد پر انوار پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائے اور آپ کے درجات کو بلند سے بلندتر فرمائے۔ آمین۔ علم وحکمت کا دریا بریلی میں جاری تھا تشنگان علوم ومعرفت کی سیرابی ہورہی تھی حضور ملک العلما وحضور حجۃ الاسلام کے علاوہ اور ان کے چار ساتھی مجدد اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عرض کی حضور!... ''توقیت'' کی کوئی کتاب نظروں میں موجود نہیں لیکن اس کی تحصیل کا ارادہ ہے۔ سامنے سمندر ہے۔ پیاسے ساحل پر کھڑے ہیں۔ کاسہ وفنجان کی ضرورت کیا ہے۔ موج طلاطم کے چند قطرات بھی جاں بلب تشنگان کے لیے آب حیات ہیں۔

یہ چھ حضرات علم توقیت حاصل کرنے پر مصر ہوئے، بالآخر فاضل بریلوی نے وعدہ فرمالیا۔ اور ایک گرانقدر علم منصۂ شہود میں جلوہ گر ہوا۔ جسے ہم علم توقیت کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

☆ آیئے حضور ملک العلما سے سنیں آپ کیا فرماتے ہیں:

''ہیئت ونجوم میں کمال کے ساتھ علم توقیت میں کمال تو حد ایجاد کے درجہ پر تھا۔ یعنی اگر اس فن کا موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ علماء نے جستہ جستہ اس کو مختلف مقامات پر لکھا ہے، لیکن میرے علم میں کوئی مستقل کتاب اس فن میں نہ تھی۔ اس لیے جب میں نے اور میرے ساتھ مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب بہاری، مولٰنا مولوی حکیم سید شاہ عزیز غوث صاحب بریلوی، مولوی سید محمود جان صاحب بریلوی اور حضرت حجۃ الاسلام صاحب زادہ والا جاہ مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس فن کو حاصل کرنا شروع کیا تو کوئی کتاب اس فن کی نہ تھی جس کو ہم لوگ پڑھتے۔ اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت خود ہی اس کے قواعد زبانی

ارشاد فرماتے۔ اسی کو ہم لوگ لکھ لیتے۔ اور اسی کے مطابق عمل کر کے نصف النہار، طلوع صبح صادق، عشا، ضحوۂ کبریٰ عصر نکالتے۔ ایک زمانہ تک تو وہ قواعد ہم لوگوں کی کاپیوں میں لکھے رہے پھر میں نے ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر کے پوری توضیح وتشریح کے ساتھ مع مثال بلکہ امثلہ لکھ کر اس کا نام ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' معروف بہ توضیح التوقیت رکھا۔

(حیات اعلیٰ حضرت ص/ 78-277)

یہی وجہ ہے کہ علماء ذوالاحترام نے امام احمد رضا کو علم توقیت کا ماہر ہی نہیں بلکہ موجد بھی قرار دیا ہے۔ یہ علم کسی قدر دشوار ہے۔ اس پرخار سنگلاخ پر چند قدم بھی چلنے والوں کو اس کا پورا پورا احساس ہوگا۔ کرۂ ارض کے قطبین میں گرچہ آبادی ابھی نہیں ہے لیکن عرض میں ایک وسیع ترین علاقہ میں مشرق ومغرب کی طرف آبادی کا ایک تسلسل ہے بلکہ اسی تسلسل کے لازمی نتیجہ دور سے بھی ہر ایک واقف ہے سورج کا یومیہ دور بھی عیاں ہے ان دونوں کے انطباق سے بھی اوقات کی معرفت ہے۔

توقیت

''علم توقیت'' میں فاضل بریلوی کے فرمودات کو حضور ملک العلماء نے جمع کیا تو ''توضیح التوقیت'' نام سے ایک عظیم کتاب ہمیں مل گئی اور ایک جدید علم کا اضافہ بھی ہو گیا۔

اس کے علاوہ اسی علم میں آپ کی اور چھ کتابیں جلوہ بار ہوئیں:

(1) الانجب الرفیق في طرق التعلیق

(2) زیج الاوقات للصوم و الصلوات

(3) تاج توقیت

(4) کشف العلۃ عن سمت القبلۃ

(5) درء القبح عن درک وقت الصبح

(6) سر الاوقات.

اس فن میں آپ کی کتابوں کی کل تعداد سات ہیں۔ ان کتب مبارکہ سے استفادہ کرنے والوں پر روشن ہے کہ یہ صرف سات کتابیں نہیں بلکہ علوم وفنون کے سات سمندر اور حکمت ومعرفت کے ایام سبعہ کے ساتھ ساتوں سیاروں کو بھی پوری طرح سے محیط ہیں۔ یعنی زمان ومکان اور کواکب سب ان کے احاطے میں ہیں۔

توقیت میں امام احمد رضا کا یہ فیضان آج عام سے عام تر ہے کہ بازار میں جنتریوں کی بھرمار ہے اور شمسی اعتبار سے اوقات صوم وصلوٰۃ کی تخریج پائیدار ہے۔ یہ جنتریاں گرچہ بہت ہی مفید ہیں لیکن ان کی ایک عام روش عقل ودیانت کے خلاف ہے کہ ان میں درجنوں ایسے مقامات کے لئے بھی نظام الاوقات بنانے کا طریقہ لکھا ہوتا ہے کہ کچھ منٹ کے اضافے یا اسقاط سے دوسرے شہر کا وقت بتایا جاتا ہے۔ اور اس میں صرف فصل طول کا ہی لحاظ ہوتا ہے وہ بھی تخمینی نہ کہ تحقیقی۔

مزید ظلم یہ ہے کہ رفع واسقاط کی مقدار ہر وقت کے لئے برابر رکھی جاتی ہے۔ پھر کسی مخصوص مہینے میں نہیں بلکہ پورے سال میں اسی طریقہ پر کام انجام پاتے ہیں۔ ان جنتریوں میں اختلاف عرض کے ساتھ رفعت مقام کا بھی کوئی لحاظ نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے زیادہ تر اس کے خوفناک نتائج کا سامنا ہوتا رہتا ہے۔

سرکار اعلیٰ حضرت سے پیشتر بعض کتابوں میں علم توقیت کا بیان ملتا ہے لیکن وہ بھی نا تمام بلکہ بعض میں تو اصلاح کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

☆ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

''اوقات صحیح نکالنے کا فن جسے علم توقیت کہتے ہیں۔ ہندوستان کے طلبہ تو طلبہ اکثر علماء اس سے غافل ہیں۔ نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے نہ ہیئت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے۔ اور جو کچھ مسالہ مولوی مسیح الدین کا کوروی وغیرہ بنا گئے وہ فقط ناکافی ہی نہیں بلکہ سخت اغلاط میں ڈالنے والا ہے۔ یوہی مرزا خیر اللہ منجم کی دوحرفی جدول سے کوئی ناواقف فن نفع

نہیں پا سکتا۔ اگر کسی نے بڑی تحقیقات چاہی تو زیچ بہادر خانی کی جدول تعدیل النہار سے کام لیا۔ سحری کو تو ان سے کچھ تعلق ہی نہیں اور افطار میں بھی ناقص ہے۔ جب تک متعدد ضروری اصلاحیں ان کے ساتھ شریک نہ ہوں۔

(ج/4ص/621)

درد وکرب سے مملو فاضل بریلوی کی اس نورانی تحریر کے آئینہ میں ارباب علم اس دور کے حالات سے پوری طرح واقف ہیں کہ لوگ کس طرح نماز ادا کر رہے ہونگے۔ خاص کر برسات میں۔ اور موسم سرما کے ان ایام میں جن میں سورج ہفتوں نظر نہیں آتا ہے۔ پھر ایک ذمہ دار مفتی کی ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ نمازی کو وضو کا طریقہ بتا دیا جائے اور بس فقہ کی کتابوں میں یہ بتایا گیا کہ طلوع صبح صادق سے ہی وقت فجر کی انتداء ہے لیکن آسمان گرد آلود ہے۔ دن بھی رات کی طرح بن گیا ہے اس میں صبح صادق وکاذب کی رویت کا دعویٰ کون کرے گا۔

نمازیوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو افق ابیض واسود کی بھی تمیز نہ کرسکیں گے۔ ان سے صبح صادق اور کاذب کے امتیاز کی امید کیوں رکھی جائے......؟

امام اہل سنت نے ایسے وقتوں میں امت مسلمہ کی رہنمائی کا ارادہ فرمایا لیکن دقت یہ تھی کہ وقت ظہر کے لئے بعد زوال کا وقت بتانا تو آسان ہے۔ روئے زمین پر اس کے انطباق پر کون سا قاعدہ مفید ہوگا سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل پر وقت عصر کی ابتداء ہر کوئی بتائے گا لیکن خارج میں اس کا تعین کون کرے گا کہ آفتاب اس وقت افق مغرب سے کتنی ڈگری اور منٹ کے بعد پر ہوگا۔ سایہ بھی نظرون سے غائب ہے کہ آفتاب خود حجاب میں ہے۔

مفتی صاحب فرمائیں گے ! مغرب کا وقت بعد غروب آفتاب ہے لیکن افق اگر ابر آلود ہو تو پھر وقت مغرب کا تعین میں نہ جانے کتنے محققین کی کشادہ جبینوں پر جنوری کے مہینہ میں بھی پسینے کے قطرات نظر آجاتے ہیں۔

آج ایک نمازی امام احمد رضا کے ان احسانات کو کیسے فراموش کرسکتا ہے جو شب وروز اس کی رہنمائی اور مشکل کشائی کرتے رہتے ہیں۔ امام احمد رضا کا فرمان ہے:

"فقیر نے اس فن میں نہ نری کتابی باتوں پر اعتماد کیا، نہ خالی دلائل ہندسیہ پر، نہ تنہا تجربہ ومشاہدہ پر، بلکہ سب کو جمع کیا اور بتوفیق الٰہی اپنی ذہنی جدتوں سے بہت کچھ کام کیا۔ یہاں تک کہ بفضلہٖ تعالیٰ برہان وعیان کو مطابق کر دیا۔ الخ

(فتاوائے رضویہ جلد/6ص/622)

امام احمد رضا نے اس فن کے سارے اصول وقواعد کو امت مسلمہ کے سامنے یوں پیش فرمایا کہ چشم بینا کے روبرو برہان وعیان ایک دوسرے کے مطابق ہوگئے۔ حالانکہ زیادہ تر قواعد آپ کے ایجاد کردہ ہیں۔ اوقات صوم وصلاۃ کے لیے کچھ اور گوشوں کی معرفت بھی لازم ہے:

☆ شرعی دن اور رات

☆ نجومی دن اور رات

☆ عرفی دن اور رات

☆ مطلوب اوقات کے مقام کا محل وقوع

☆ طول بلد عرض بلد سطح سمندر سے مقام کا ارتفاع

☆ دائرہ یومیہ حرکت شمس تبعی کی مقدار، شفق ابیض میں انحطاط شمس کا تعین، مروج وقت کا بلدی وقت پر انطباق۔

ان کے علاوہ اور بھی نقاط ہیں لیکن جو ان کی معرفت کرلے وہ باقی کا استخراج خود ہی کرسکتا ہے۔

شب وروز کے بارے میں یہاں تین اصطلاحیں موجود ہیں، شرعی وعرفی ونجمی۔ یہ صرف لفظی اختلاف نہیں بلکہ معانی اور مصادیق میں بھی اختلاف ہے۔ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"افق حقیقی پر انطباق مرکز شمس جانب مغرب سے اسی پر انطباق مرکز جانب شرق تک شب نجومی ہے اور افق حسی بالمعنیٰ الثانی سے تجاوز کنارۂ اخرین شمس جانب غرب سے

اسی افق سے ارتفاع کنارۂ اولین شمس جانب شرق تک شب عرفی اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور بے تجاوز کنارۂ آخرین شمس سے طلوع فجر صادق تک شب شرعی ہے۔ تحصیل فجر میں بھی جانب طلوع شمس کے دقائق انکسار وقت باقی سے مستثنیٰ ہیں''۔

(فتاوائے رضویہ جلد ر 4 ص ر 619)

اس مختصر مگر علم وحکمت سے مملوء اور معانی خیز عبارت مبارکہ کے ایک ایک لفظ کے معانیٔ مرتفعہ تک ذہنی پرواز کی کوشش ان حضرات کے لئے بڑی مفید ثابت ہوگی جو اوقات صوم وصلاۃ کے تعین کی طرف پیش قدمی کررہے ہیں۔

دقائق فلکیہ کے مطابق قطر شمس پینتالیس دقیقہ فلکیہ کے برابر ہے شب نجومی میں مرکز شمس کا انطباق ہوا افق حقیقی سے۔ لہٰذا شرق و غرب دونوں جانب نصف قطر شمس بالائے افق ہوگا اور نصف زیرین افق یعنی نجومیوں کی رات سب سے بڑی ہوئی۔

جبکہ افق حقیقی سے بھی انحطاط میں افق حسی ہے جو ارتفاع مقامات کے اختلاف سے مختلف بھی ہوگا اس افق سے بھی سورج انحطاط میں ہو تو شب عرفی ہے۔ یہ رات نجومی رات سے چھوٹی ہوگی اور شب شرعی ان دونوں سے بھی چھوٹی ہے کہ غرب میں عرفی شب کی ابتداء سے شرق میں طلوع صبح صادق تک شب شرعی ہے۔ دقائق انکسار اور ارتفاع مقام سے انحطاط افق کی مقدار بھی اس شب سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی شرعی لیل کی مقدار باقی دونوں سے بھی کم ہے۔

محل وقوع:

جس جگہ کا نظام الاوقات مطلوب ہو وہ کس ملک یا صوبہ میں ہے پھر وہ خط استواء کے جنوب میں ہے یا شمال میں......؟ اس کی معرفت ہوگئی تو پھر دیکھیں کہ یہ ''گرینچ'' لندن سے مغربی ہے یا مشرقی.....؟ ساتھ ہی اس کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ یہ مقام سطح سمندر سے کس قدر بلند ہے۔

اب گھڑی پر نظر ڈالیں کہ اس میں کونسا وقت رائج ہے.......؟ حرکت شمس کی کس مقدار کے مطابق ہے.......؟

جیسا کہ ہمارے ہندوستان کی گھڑیوں میں 82.5 ڈگری مشرقی کا وقت رائج ہے جو.... الہ آباد و مغل سرائے کے درمیان کا وقت ہے۔ لہٰذا یہاں کی گھڑیاں وہاں کا صحیح وقت بتائیں گی نہ کہ کولکاتا، ممبئی کا۔

لہٰذا باقی شہروں کے لیے ان گھڑیوں میں مزید اصلاح کی ضرورت ہے۔ اگر مروج مقامی وقت سے مغرب کی آبادی ہے تو اصل بلدی وقت پر اس مغربی فصل میں کچھ وقت کا اضافہ کیا جائے گا یعنی ہر ایک ڈگری فصل طول مغربی میں چار منٹ کا اضافہ ہوگا۔ اور مشرقی آبادی کے لیے اسی مقدار میں ساقط کیا جائے گا لیکن یہ صرف نصف النہار کے لیے ہے نہ کہ ہر وقت کے لیے۔

اسی طرح طول اور عرض کی جانکاری بھی لازم ہے۔ دائرۂ معدل جس نے ہمارے کرۂ عالم کو دو برابر حصے شمال اور جنوب میں تقسیم کیا ہے۔ اسی دائرہ کا نام طول بلد ہے۔ گرینچ کے نصف النہار نے جہاں اس دائرہ کو قوسِ نہاری میں قطع کیا وہیں سے ڈگری یا درجات کی ابتداء ہے۔ یہ دائرہ تین سو ساٹھ حصوں میں منقسم ہے۔ لہٰذا ابتداء سے انتہاء تک ایک سو اسی ڈگری مشرقی اور اسی قدر مغربی ہیں جیسا کہ ہندوستان میں رائج وقت 82.5 ڈگری کا ہے۔

لہٰذا یہاں کی گھڑیاں لندن کی گھڑیوں سے ساڑھے پانچ گھنٹے کی تیز ہونگی اور عرض کی معرفت یوں کریں کہ اسی طرح ہر ایک آبادی کا نصف النہار جس نے آبادی کی سمت الراس اور سمت القدم کے ساتھ معدل کے قطبین سے گزرتے ہوئے کرۂ عالم کو مشرق و مغرب دو برابر حصوں میں تقسیم کیا وہ بھی تین سو ساٹھ حصوں پر منقسم ہے ہر ایک حصہ ڈگری یا درجہ ہے اس کا شمار معدل سے قطبین کی طرف ہے اسی کا نام عرض اور اس کا غایت بعد نوے ڈگری ہے۔

اب ارتفاع مقام کی طرف توجہ کریں عام طریقے پر نظام الاوقات میں اس طرف توجہ نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ اس سے نصف

النہار عرفی کے علاوہ باقی سارے اوقات میں کافی نشیب و فراز کا سامنا ہے اسی کی رہنمائی کرتے ہوئے امام احمد رضا نے فرمایا:

''اگر دو ہزار فٹ بلندی ہے تو غروب تقریباً چار منٹ بعد ہوگا اور طلوع اسی قدر پہلے''۔ (فتاویٰ رضویہ 4/648)

سائل نے مجدد اعظم کی بارگاہ میں فریاد کی اور اپنی آبادی کے لئے طلوع و غروب آفتاب کے اوقات کا سوال کیا تھا جبکہ یہ آبادی پہاڑ پر تھی۔ اس پہاڑ کی بلندی کیا تھی اسے بھی معلوم نہیں۔ سائل خود پریشان ہے لیکن یہ بارگاہ مجدد اعظم کی ہے۔ سائل ناکام نہیں ہوگا۔ فیضان کرم کا دریا جوش میں آیا اور آپ نے ارشاد فرمایا:

''جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ وہ جگہ کس قدر بلند ہے جواب نہیں ہوسکتا، اگر کسی دن کے طلوع یا غروب کا وقت صحیح گھڑی سے دیکھ کر لکھو تو میں اس سے حساب کرلوں کہ وہ جگہ کتنی بلند ہے''۔ (فتاوی رضویہ ج/4 ص/648)

طلوع یا غروب آفتاب سے کسی ارتفاع کا حساب کر لینا آج ایک مفتی کی ذمہ داری بھی بن گئی ہے ورنہ فاضل بریلوی کا یہ جواب دیدینا کافی تھا کہ جب وہاں سورج غروب ہو جائے تو افطار اور مغرب کا وقت ہو جائیگا اسی طرح طلوع صبح صادق کے ساتھ ختم سحری و وقت فجر ہے۔

امام احمد رضا جانتے تھے کہ اس قدر تو سائل خود ہی جانتا ہے مزید اس نے تعین اوقات کا سوال کیا ہے جس کا استخراج وہاں کی بلندی پر موقوف ہے۔ لہٰذا دارالافتاء کے ذمہ اس آبادی کے ارتفاع کی پیمائش بھی آگئی۔ اس سے پوری طرح واضح ہے کہ سبعہ سیارہ پر فاضل بریلوی کی گرفت کس قدر مضبوط سے مضبوط تر ہے۔ حالانکہ اس کی نوبت نہیں آئی اور سائل نے ایک آلہ سے اس کی بلندی پانچ ہزار پانچ سو پچاس فٹ بتادی اور فاضل بریلوی کے دو ہزار فٹ پر اس بلندی کا قیاس کیا اور گیارہ منٹ غروب میں اضافہ کیا جو خود اس کے مشاہدہ کے خلاف تھا یہی وجہ تھی کہ سائل نے دوبارہ پھر بریلی کا رخ کیا اور یہاں کی روشنی میں آفتاب کی حالت اس پر پوری طرح واضح ہوگئی۔ دوسرے سوال کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

''اس کے ذریعہ سے ذیل کی بلندی دریافت ہوئی، پانچ ہزار پانچ سو پچاس فٹ سطح آب سے بلند ہے''

(فتاوائے رضویہ ج/4 ص/649)

☆ قابل توجہ یہاں یہ بھی ہے کہ یہ بلندی سطح آب سے بتائی گئی نہ کہ سطح زمین سے۔

تخریج اوقات:

اس کا رائج طریقہ یہی ہے کہ مطلوب مقام کے نقطۂ سمت الرأس اور میل شمس کے درمیان اس مقام کے نصف النہار کی قوس اصغر اور بعد کوکب کے مجموعہ کا نصف لیا جائے، پھر جدول جیب سے اس کی مقدار لیں بعد کوکب سے نصف مجموعہ کو ساقط کریں۔ باقی کی جیب لیں اب جیبی مقدار میں دو ہوگئیں، نصف کی جیب اور باقی کی جیب پھر قاطع عرض بلد اور قاطع میل کو لیا جائے۔ اب کل مقداریں چار ہوئیں۔ ان چاروں کا جو لوگارثمی مجموعہ ہوگا اسی کے مطابق جداول سے اوقات اخذ کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ سرکار اعلیٰ حضرت نے بھی اس طرح استخراج فرمایا ہے جس کا بیان فجر کے باب میں آنے والا ہے۔

اس طریقہ میں نصف النہار خود متعین ہوگا لیکن اس میں بلندی شامل نہیں ہے۔

اس کا دوسرا طریقہ جس کی فتاوائے رضویہ میں اس کی جگہ جگہ تعلیم دی گئی ہے......... وہ یہ ہے کہ سورج اپنی تبعی چال سے چوبیس گھنٹے میں ایک دورہ مکمل کرتا ہے گرچہ کبھی معمولی سست اور کبھی اسی میں تیز ہے۔ پورا دائرہ تین سو ساٹھ ڈگریوں پر مشتمل ہے اسے چوبیس گھنٹے پر تقسیم سے ہر ایک گھنٹہ میں پندرہ درجے آئے۔

☆ اب افق بلد پر توجہ کریں اس کی تین صورتیں ہیں:

(1) افق استوائی (2) افق حقیقی (3) افق حسی

افق استوائی میں مشرق سے مغرب تک ایک سو اسی ڈگری بالائے افق اور اسی قدر زیر یں افق ہیں۔

لہٰذا بارہ گھنٹے بالائے افق کو چاہیے اور بارہ گھنٹے زیریں افق کو طلوع آفتاب سے نصف النہار تک چھ گھنٹے۔ اور یہاں سے غروب تک چھ گھنٹے پھر اس میں نصف قطر شمس 22.5 / دقیقے اور انکسار شعاع کے 33 / دقیقے کے ساتھ ارتفاع مقام کی انحطاطی مقدار بھی شامل ہوگی۔ پھر ان تینوں کے مجموعہ سے اختلاف منظر کے نو ثانئے کو منہا کیا جائے، باقی میں ہر ایک درجہ کے مقابلہ میں چار منٹ اور ہر ایک دقیقہ کے مقابلہ میں چار سکنڈ کا اضافہ دن میں ہوگا غروب میں۔ یہی مقدار طلوع میں بھی زائد ہوگی۔ استوائی عرفی دن کا حصول ہو گیا۔ اسی کی تعلیم دیتے ہوئے سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے:

"یہ انکسار وہ چیز ہے جس نے صدہا سال موقتین کو پیچ وتاب میں رکھا اور طلوع وغروب کا حساب ٹھیک نہ ہونے دیا۔ اور یہی وہ بھاری پیچ ہے جس سے آج کل عام جنتری والوں کے طلوع اور غروب غلط ہوتے ہیں۔ اس انکسار کی مقدار مدت دریافت کرنے کو عقل کے پاس کوئی قاعدہ نہ تھا جس سے وہ محتاج رویت نہ رہتی۔ ہاں سالہا سال کے مکرر مشاہدہ نے ثابت کیا کہ اس کی مقدار اوسطاً ۳۳ / دقیقہ فلکیہ ہے۔ اب ضابطہ ہمارے ہاتھ آ گیا کہ ان ۳۳ / دقیقوں سے اختلاف منظر کے ۹ / ثانیہ منہا کر کے باقی پر اس کا نصف قطر شمس زائد کریں"

(فتاوائے رضویہ ج / 4 ص / 645)

لیکن یہ افق حقیقی نہیں بلکہ استوائی ہے۔ آبادی اگر خاص استواء میں نہ ہو بلکہ شمال یا جنوب کو مائل ہو تو قطبین میں سے ایک اس کے لئے ظاہر ہوگا، دوسرا باطن۔ یعنی ایک قطب بالائے افق دوسرا زیریں افق۔ پھر میل موافق کے ساتھ دن میں زیادتی ہوگی اور رات کی مقدار میں نقصان ہوگا۔ اور میل مخالف میں معاملہ برعکس ہوگا۔

یہ دو دائرے سامنے آئے۔ افق استوائی اور افق بلدی دونوں نے اعتدالین میں ایک دوسرے کو قطع کیا۔ دونوں کے تقاطع سے بننے والا زاویہ مثل عرض بلد ہوگا۔ از دیاد میل شمس موافق کے ساتھ ان دونوں کے مابین بھی فاصلہ میں زیادتی ہوگی اسی زیادتی کو غروب استوائی پر اضافہ کریں تو غروب بلدی ہے اور طلوع میں ساقط کریں تو طلوع بلدی ہے۔

عام طریقہ سے اوقات کا جو تعین ہوتا ہے وہ جداول سے ماخوذ ہے۔ ایک ماہر توقیت سے بھی میں نے استغاثہ کی نیت سے رابطہ کیا، اور عرض کی حضور والا مقادیر اربعہ کے مجموعہ سے اوقات کا استخراج ہوتا ہے جبکہ وہ مجموعہ جیبی مقدار ہے یا ظلی اس کا کوئی بیان اس میں موجود نہیں، آخر کیوں............؟

جواب ملا وہ ٹیبل سے ماخوذ ہوتا ہے۔ لیکن فتاوائے رضویہ کو بغور دیکھنے سے ان جدولوں کا پٹارہ کھل جاتا ہے اسلئے تو سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

"فقیر نے اس فن میں نہ نری کتابی باتوں پر اعتماد کیا۔ نہ خالی دلائل ہندسیہ پر۔ نہ تنہا تجربہ ومشاہدہ پر بلکہ سب کو جمع کیا اور بتوفیق الٰہی اپنی ذہنی جدتوں سے بہت کچھ کام لیا۔ یہاں تک کہ بفضلہ تعالیٰ برہان وعیان کو مطابق کر دیا۔

(فتاوائے رضویہ جلد / 6 ص / 622)

لہٰذا اس فن میں لکھی گئیں کتابوں کی حقیقت خاص وعام کے روبرو منکشف ہو چکی۔ یہی وجہ ہے کہ امام اہلسنت نے ان کی دلیلوں پر ہی صرف اعتماد نہیں کیا بلکہ استخراج اوقات میں دائرۂ یومیہ کی بھی جگہ جگہ پیمائش کی۔ اور روشن خیال دانشوروں کو پیغام بھی دیا کہ ایک دار الافتاء کی وسیع سرحدوں کو ٹٹولنے کی تمہاری کوششیں ناکام ہوتی رہین گی۔

بہر حال ان جدولوں سے استخراج اوقات نصف النہار کے لیے محنت کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ از خود متعین ہوگا لیکن یہ تقلیدی نظام الاوقات بغیر ادراکِ سببِ مؤثر کے ایک محقق کی شان تحقیق کے خلاف ہے۔ لہٰذا اوقات کا پورا ادراک ہو پھر نقل بھی مناسب ہے۔

فتاوائے رضویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلید محض کا نام توقیت نہیں پھر اس کی تحصیل میں اسی نصف النہار سے ابتداء مناسب ہے جس کی

طرف ان کی توجہ برائے نام ہے۔ شمسی تین سال مسلسل 365/دن 365/ دن کے بعد چوتھا سال 366 /دن ہوگا فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

''نصاریٰ جنہوں نے سال و ماہ سب شمسی لئے اگر چہ یہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹/کا نہ کرتے تو ان کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں یوں کہ سال ۳۶۵/دن کا لیا اور آفتاب کا دورہ ابھی چند گھنٹے بعد پورا ہوگا کہ جس کی مقدار تقریباً چھ گھنٹے''۔ (فتاوی رضویہ جلد/6 ص/519)

اپنی طبعی حرکت سے سورج کے ایک دورہ کو نصاریٰ سال کہتے ہیں اور اوقات چونکہ اسی کی دوسری حرکت سے ناشی ہیں، یعنی سورج کی طبعی چال سے مہینے، سال ہیں جبکہ تبعی رفتار سے اوقات کا حصول ہے۔

سال میں مدار شمس کا مرکز کبھی مرکز عالم پر منطبق ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ حالانکہ سورج کی رفتار برابر ہے، اس میں 'سرعت و بطؤ' کا سوال نہیں، لیکن دقائق و درجات کے اعتبار سے اس میں سستی یا تیزی ضرور آتی ہے۔

☆ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''اوج آفتاب شمالی اور حضیض جنوبی ہے اور اس کی رفتار اوج میں سست اور حضیض میں تیز ہے''۔

(فتاوائے رضویہ ج/5 ص/ 147)

یہی سستی اور تیزی نصف النہار کو برقرار رہنے نہیں دیتی ہیں اور انطباق مرکزین کے اختلاف میں بھی یہی دونوں اثر انداز ہیں۔

سال میں 15 /اپریل 14/جون 31/اگست اور 24/دسمبر میں اپنا وقت ہر ایک آبادی کے نصف النہار پر بالکل منطبق ہوگا باقی دن کے اوقات نشیب و فراز کے شکار ہیں۔

15 /اپریل کے بعد اوقات میں معمولی تیزی نظر آئے گی، زیادہ سے زیادہ اس سے نصف النہار میں چار منٹ کا فرق پڑیگا چودہ جون میں پھر اعتدال میں آجائے گا اور حرکت شمس میں سستی کا غلبہ نظر آئے گا اس کی غایت چھ منٹ تک ہے اور اکتیس اگست تک پھر اعتدال میں آجائے گا بعدہٗ سرعت کے آثار دوبارہ ظاہر ہونگے۔ یوں کہ یہ تیزی بتدریج سولہ منٹ کی ہو جائے گی۔ چوبیس دسمبر کو آفتاب پھر اپنا وقت بتائے گا، اور سستی کا نشہ پھر اس پر چھا جائے گا جو نزول میں چودہ منٹ تک جاری رہے گا، بعدہٗ پندرہ اپریل میں آفتاب پھر اپنا جلوہ دکھائے گا۔ نشیب و فراز کی اس چال میں یہاں میل شمس کا عکس نظر آئے گا۔ مثلاً ساڑھے بیاسی ڈگری طول شرقی کا وقت انڈین گھڑیوں میں رائج ہے، اور مدینۃ الاولیاء بلگرام شریف اسی ڈگری طول شرقی میں جلوہ بار ہے۔ لہٰذا ہندوستانی گھڑیوں سے ڈھائی ڈگری کا غربی فاصلہ رہا، اور ہر ایک ڈگری میں چار منٹ تو پھر ڈھائی ڈگری میں دس منٹ کا فرق پڑے گا۔ یعنی مذکورہ چاروں تاریخوں میں بارہ بج کر دس منٹ کے وقت آفتاب وہاں کے عرفی نصف النہار میں موجود ہوگا۔

وقت طلوع وغروب:

بیان سابق میں گزرا کہ افق استوائی کا دن بارہ گھنٹے کا ہے نجومیوں کے نزدیک لیکن عرفی دن کے لئے جانبین میں نصف قطر شمس وانکسار شعاع اور ارتفاع مقام کا لحاظ ضروری ہے۔ بارہ گھنٹے پر اس کی زیادتی ہوگی۔

طلوع آفتاب سے نصف النہار کی جو مقدار ہے وہی نصف النہار سے غروب آفتاب تک ہے۔ عرض بلد کی زیادتی سے اس بارہ گھنٹے پر بڑا اثر مرتب ہوگا، میل موافق میں دن بڑا ہوگا، میل مخالف میں دن کی مقدار نقصان پذیر ہوگی۔ اس زیادتی اور نقصان کی وجہ افق بلد ہے۔ عرض شمالی کی آبادی کے لئے قطب شمالی بالائے افق ہوگا، اور جنوبی زیرین افق۔ اس کے نقطۂ شمال اور قطب شمالی کے درمیان وہی فاصلہ ہوگا جو عرض بلد ہے، اور قطب جنوبی و نقطۂ جنوب کے مابین بھی اسی مقدار کی حکمرانی ہوگی۔

لامحالہ جب سورج کا میلان شمال کو ہوگا قطب شمالی کی طرف

ہر ایک قدم سے افق استوائی اور افق بلد کے درمیان بعد بڑھتا جائے گا۔اس بعد کی پیمائش از حد لازم وضروری ہے۔ استوائی عرفی دن میں اسی کا اضافہ ہوگا اور مقام مخصوص کا عرفی دن قرار پائے گا۔

اس کی تحصیل میں فاضل بریلوی نے فرمایا:

"ظل عرض بلد اور ظل میل کا مجموعہ زائد مقدار کی جیب ہے"

غالباً یہی عبارت یا پھر اس مفہوم کی عبارت میں نے فتاوائے رضویہ جلد چہارم قدیم میں دیکھی ہے۔ فی الحال عجلت کے مدنظر حوالہ تلاشنے میں میں ناکام رہا۔ لیکن امام احمد رضا کی یہ رہنمائی یقیناً ہمارے لئے چشمۂ رحمت ہے۔

بریلی شریف کے مقدس شہر کو پیش نظر رکھیں۔ جدید اٹلس کے مطابق فخر ہندوستان یہ شہر 28 / ڈگری 22 / منٹ عرض شمالی اور 79 / ڈگری 27 / منٹ طول مشرقی میں جلوہ فگن ہے۔

جون کے مہینے کی اکیس یا بائیس کی تاریخ ہے۔ سورج تحویل سرطان میں آیا۔ اور دائرۂ معدل سے غایت بعد تک پہونچا۔ اب جستجو ہے کہ مذکورہ تاریخ کو جانبین میں بریلی کے دن میں کیا زیادتی ہوگی......؟

☆ لہذا:

ظل عرض بلد بریلی	9.7323566
+ ظل عرض میل کلی	9.6372644
=	9.3696210

☆ جدول جیب میں اس کی مقدار تیرہ ڈگری اور تینتیس منٹ کی ہے۔ اور ہر ایک ڈگری میں چار چار منٹ کا اضافہ ہوگا۔ جبکہ مقدار ساڑھے تیرہ ڈگری سے تین منٹ زائد ہے۔ لہذا اسے جب چار منٹ وقت سے ضرب دیا جائے تو چوّن منٹ بارہ سکنڈ نتیجہ برامد ہوا۔

لیکن ابھی مطلوب نتیجہ حاصل نہیں ہوا کہ نصف قطر شمس و انکسار ابھی باقی ہیں، دونوں کا مجموعہ چھپن دقیقہ ہے۔ پندرہ دقیقہ کا وقت ایک منٹ تو اس کا وقت تین

منٹ چوالیس سکنڈ ہوا۔ لہذا چون منٹ بارہ سکنڈ اور تین منٹ چوالیس سکنڈ کا مجموعہ ستاون منٹ چھپن سکنڈ ہوا۔

ابھی بھی پوری طرح سے نتیجہ خیز مفہوم سامنے نہیں آیا۔ اس لیے کہ ابھی رفعت بریلی سے متاثر آفتاب کے حال کی تشخیص باقی ہے۔ جبکہ سطح آب سے بریلی کا ارتفاع 178 / میٹر ہے۔ نصف قطر زمین سے اس کا تناسب 0.00002887 / ہے۔ ان دونوں کے مجموعہ کا مربع 1.00001444 / آیا۔ بعد اسقاط نصف قطر باقی کا جذر 0.003799 / ہے۔ جدول ظل میں یہ مقدار حرکت تیرہ دقیقہ کی ہے۔ اس کا وقت باون سیکنڈ ہے۔ پہلے کے 57 / منٹ 56 / سکنڈ 52+ / سکنڈ = اٹھاون منٹ اڑتالیس سکنڈ ایک جانب زائد ہوگا۔

نصف النہار سے افق استوائی تک چھ گھنٹہ میں اس زائد کے الحاق سے چھ گھنٹے اٹھاون منٹ اڑتالیس سکنڈ نتیجہ آیا۔ اسی کا دوگنا پورا عرفی دن کہلائے گا۔ یعنی اکیس بائیس جون کو بریلی کا عرفی دن تیرہ گھنٹے ستاون منٹ اور چھتیس سکنڈ کا ہوگا۔ جبکہ اس مقدس شہر کا طول شرقی 79 / ڈگری 27 / منٹ ہے ہندوستان کی گھڑیوں میں رائج وقت بیاسی ڈگری تیس منٹ شرقی کا ہے۔

لہذا بریلی کی گھڑیاں بارہ منٹ بارہ سکنڈ سست ہیں۔ یعنی چودہ جون کو بارہ بج کر بارہ منٹ اور بارہ سکنڈ میں سورج بریلی کے نصف النہار سے اس مبارک شہر کو خراج تحسین پیش کرے گا۔

اسی کے بعد ظہر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ اس سے قبل متصل وقت ضحوۂ کبریٰ کا ہے۔ اس کا وقت وقت فجر کا نصف ہے۔

مثلاً بریلی کا نصف النہار اکیس جون کو بارہ بج کر چودہ منٹ بیس سکنڈ کا ہے۔ اس کے ساتھ اس دن کا نصف چھ گھنٹے اٹھاون منٹ اڑتالیس سکنڈ کو شامل کیا جائے تو میزان سات بج کر تیرہ منٹ آٹھ سکنڈ تک دن موجود رہے گا۔

یعنی سات بج کر چودھویں منٹ میں وہاں غروب آفتاب ہوگا، اور پانچ بجکر پندرہ منٹ بتیس سکنڈ میں آفتاب طلوع کرے گا۔

طلوع فجر اور وقت عشا:

وقت فجر اور وقت مغرب میں تعادل ہے۔ فجر کی ابتداء طلوع

فجر سے اور انتہاء شرق میں آفتاب کے مغربی کنارہ کے چمکنے تک ہے اس کے برعکس وقت مغرب ہے آفتاب کے آخری کنارہ کے چھپنے سے شفق ابیض کے غائب ہونے تک سورج جب ایک مخصوص مقدار میں افق سے انحطاط میں ہوتو ایک مستطیر اجالا افق پر نظر آتا ہے، جانب غرب اسی کو شفق ابیض اور جانب شرق اسی کو فجر مستطیر کہا جاتا ہے۔اس کے طلوع کرتے ہی وقت فجر کی ابتداء ہے جبکہ اس کے غائب ہونے کے ساتھ ہی عشاء کی شروعات ہے۔سورج کے اسی انحطاط کی پیمائش میں علمائے محققین میں شدید اختلافات بھی رونما ہوئے۔

دور جدید میں انسان جدید آلات ومحاسبات کے کیسے گرویدہ ہیں۔ہم دیکھ رہے ہیں اسی شفق ابیض کو پیش نظر رکھیں اور اس مقدار شفق وصبح کے تعین میں نامور محققین کی تحقیقات کا حال دیکھیں پھر امام احمد رضا کا کمال دیکھ کر عقل حیران ہوجاتی ہے۔

اے امام احمد رضا تجھے کیا کیا کہوں!.......... قوت حافظہ کی لغات میں ایسے الفاظ موجود نہیں جو تیری ذات کی ترجمانی کرسکیں۔ تجھے اللہ تعالیٰ کی ایک ایمان افروز نشانی کہوں۔سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک محیر العقول معجزہ کہوں.....؟

یا پھر غوث اعظم کی ایک روح پرور کرامت کہوں ....؟ یہاں تو فرد واحد میں ایک جہاں آباد ہے۔ پھول میں چمن نظر آرہا ہے۔ستارہ میں آسمان نظر آرہا ہے اور کاسۂ بریلی میں سمندر نظر آرہا ہے۔پھر بھی عدو بددین اور حاسدین کی کج روی فہم وفراست سے بالا تر ہے۔امت مسلمہ کے لئے محنت وجانفشانی دیکھئے۔اور آپ کے الفاظ میں سنیے! آپ فرماتے ہیں:

”آفتاب ان دونوں وقت تقریباً اٹھارہ درجہ نیچے ہوتا ہے یہ وہ علم ہے جو اکثر ہیئت دانوں پر مخفی رہا۔رجماً بالغیب باتیں اڑایا کیے،صبح کاذب کے وقت انحطاط شمس میں مختلف ہوئے۔کسی نے سترہ درجہ کہا،کسی نے اٹھارہ،کسی نے انیس بتائے۔اور مشہور اٹھارہ ہے۔اور اسی پر شرح چغمنی نے مشی کی اور صبح صادق کے لئے بعض نے پندرہ درجہ بتائے ہیں۔اسے علامہ برجندی نے حاشیۂ چغمنی میں بلفظ’قد قیل‘ نقل کیا اور مقرر رکھا،اور اسی نے علامہ خلیل کاملی کو دھوکا دیا کہ دونوں صبحوں میں صرف تین درجے کا فاصلہ بتایا۔جسے ردالمحتار میں نقل کیا،اور معتمد رکھا۔حالانکہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں،.......صبح کاذب کے وقت سترہ یا اٹھارہ یا انیس درجے اور صادق کے وقت پندرہ درجے کا انحطاط ہونا اور صادق وکاذب میں صرف تین درجے کا تفاوت ہونا سب محض باطل ہیں۔ بلکہ اٹھارہ درجہ انحطاط پر صبح صادق ہوتی ہے“۔(فتاوی رضویہ جلد/4ص/645)

مرض مہلک ہے۔دوائیاں درجنوں۔معالجوں کی حالت زار خود قابل رحم۔اہداف بھی جداگانہ۔صبح کاذب میں یہ اختلافات۔ علامہ برجندی وعلامہ کاملی جیسے مدقق بھی تشخیص میں ناکام۔امام احمد رضا نے ایسے وقتوں میں امت مسلمہ کی رہبری کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا اور صبح صادق کا تعین اٹھارہ درجہ کے انحطاط سے بتایا۔جبکہ صبح کاذب تو اس وقت بھی نظر آئی جب آفتاب تینتیس درجے کے انحطاط میں ملا۔.....کہاں تینتیس کہاں پندرہ......؟

صبح کاذب کے لیے آپ کا یہ فرمان اختلافات میں اختلاف ہرگز نہیں۔ بلکہ وہمی،ظنی،شکی اور تقلیدی تعینات مقادیر کے درمیان تحقیق کا جلوہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آج اپنوں کے علاوہ غیروں کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ یہ نیکیاں بھی اگر کسی کو برائیاں نظر آئیں تو پھر ہم تو یہی کہیں گے کہ چشم شپرہ شعاع شمس کے قابل نہیں۔

زمانہ تو یہ ہے کہ جگنو بھی اپنے کو زہرۂ صبح سے بھی زیادہ تابناک بتانے میں جری ہے۔لیکن ہمارے امام کا انداز بیان دیکھیے.......... دیگر علما میں کوئی اسے امام احمد رضا کا ذاتی نظریہ نہ قرار دے۔اس لیے فاضل بریلوی نے اپنے قول کی تائید میں ایک ایسی دلیل بھی پیش فرمائی جس سے یہ کوئی جدید مسئلہ نہ ہوکر صدیوں پرانا نظر آنے

لگا۔ اور مسلمان اسے مختلف فیہ نہیں بلکہ متفق علیہ مسئلہ بتانے لگے۔

امام کا فرمان ہے:

''وہاں (بلغاریہ میں) وقت عشا نہ پانا متفق علیہ ہے''

(فتاوائے رضویہ جلد ر 4 ص ر 646)

☆ بلغاریہ ایک بڑا ملک تھا۔ سوویت یونین کا اس پر بھی قبضہ رہا۔ سرخ طاقت کے خاتمہ کے ساتھ اسے بھی آزادی ملی۔ لیکن یہ ملک ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ اس نام سے اب ایک چھوٹا سا ملک ہی جنوب میں باقی رہ گیا ہے۔ اسی ملک کی شمالی سرحد سے متصل ایک وسیع علاقہ میں جون کے مہینہ میں وقت عشا کے نہ ملنے پر فقہائے کرام کا صدیوں سے اتفاق رہا جبکہ اس کے محل وقوع کے بارے میں امام احمد رضا نے فرمایا:

''بلغاریہ کا عرض شمالی ساڑھے انچاس درجے ہے۔ کما فی الزیج السمر قندی ثم الزیج الالغ بیگی اور میل کلی یعنی رأس السرطان کا میل اس زمانہ میں ساڑھے تیئیس درجے سے کچھ زائد تھا''۔ (فتاوی رضویہ جلد ر 4 ص ر 647)

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اب اگر علامہ برجندی وعلامہ کاملی کے قول کو درست مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ ایک خلاف واقع مسئلہ بتانے پر صدیوں ہمارے فقہائے کرام کا اتفاق رہا۔

(والعیاذ باللّٰہ تعالی)

صبح صادق کی ابتدا کے بارے میں ہیئت وزیچ کے ماہرین نے پندرہ درجہ کی حد بندی کر دی تھی کہ افق سے سورج کا انحطاط پندرہ درجے کا ہوگا۔ بلغاریہ کے اس علاقہ کا عرض زیچ سمرقندی اور زیچ الغ بیگی سے ساڑھے انچاس درجہ شمالی ظاہر ہے، جب اس کا عرض ساڑھے انچاس درجہ ہے تو اس کا تمام ساڑھے چالیس درجہ ہوگا، اور میل شمس ساڑھے تیئیس درجہ کو اس سے منہا کریں تو ابھی بھی سترہ درجہ کا انحطاط باقی ہے۔ جبکہ مذکورہ محققین نے پندرہ درجہ کے انحطاط سے مغرب میں وقت عشا اور مشرق میں وقت فجر کی ابتداء بتائی ہے۔ اگر پندرہ درجہ کی حد بندی کو درست قرار دیا جائے تو لازم کہ صدیوں تک ایک غلطی کو حق کہنے پر فقہائے کرام کا اتفاق رہا۔ اور اگر فقہائے کرام حق پر متفق رہے اور یہی حق ہے۔ تو پندرہ درجہ کی حد بندی باطل۔ کہ ابھی دو درجے کا انحطاط باقی ہے۔ اس کا وقت دو گھنٹے بیس منٹ اور چالیس سکنڈ ہے۔ سب سے بڑے دن میں اگر یہ وقت پایا جائے تو باقی دنوں میں تو اور بھی زیادہ عشاء کا وقت ملے گا۔

بین واضح ہوگیا کہ امام احمد رضا کے اٹھارہ درجے کا قول حق ہے کہ انحطاط شمس بلغاریہ میں سترہ درجہ جبکہ اٹھارہ درجہ کے انحطاط سے ہی وقت فجر کی ابتدا ہے۔ لہٰذا وقت عشا نہیں پایا گیا۔ اسی پر فقہائے کرام کا اتفاق رہا۔

امام احمد رضا نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا اور تخریج اوقات میں فرماتے ہیں:

''اگر مقدار وقت جاننا چاہو تو عرض شمالی ۴۹ (درجہ)
۳۰ (دقیقہ)۔ میل شمالی ۲۳ ۳۳ = ۲۵ ۵۷
+ بعد سمتی مفروض ۱۰۵ = ۱۳۰ ۵۷ نصفہٗ
۶۵ ۲۸ ۳۰ جیبہٗ ۹٫۹۵۸۹۳۶ جیب اول
و ۱۰۵- نصف مذکور = ۳۹ ۳۱ ۳۰
جیبہٗ ....۹٫۸۰۳۷۰۳ جیب دوم
قاطع عرض ۰٫۱۸۷۴۵۵۶
قاطع میل ۰٫۰۳۷۶۷۶
= ۹٫۹۸۷۸۹۹۶
پس شروع وقت عشا ۴۰ ۴۳ ۱۰
شروع وقت صبح ۲۰ ۱۶ ۱

(فتاوائے رضویہ جلد ر 4 ص ر 647)

یہ ہے امام احمد رضا کی تحقیق۔ **ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء** اگر صبح اور عشا میں سورج کے لیے ان محققین حضرات کے قول کو برقرار رکھا جائے تو بلغاریہ کے اس علاقہ میں دس بجکر تینتالیس منٹ اور چالیس سکنڈ میں وقت عشا کی ابتدا ہوئی۔ اور رات ایک بجکر سولہ منٹ بیس سکنڈ تک جاری رہی۔ دو گھنٹہ بتیس منٹ چالیس

سکنڈ کا وقت عشا کے لیے پایا گیا۔اور وہ بھی سب سے بڑے دن میں۔کیا پھر بھی یہاں وقت عشا نہ پائے جانے پر صدیوں سے فقہائے کرام کا اتفاق رہا...؟ یہ کہنے کی جرأت وہی کرے گا جو ان فقہائے کرام کی جلالت شان سے ناواقف ہو۔

امام احمد رضا نے اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر اسے اٹھارہ درجہ قرار دیا اور اس مشاہدہ نے ثابت کیا کہ فقہائے کرام کا بلغاریہ کے مسئلہ پر اتفاق سو فیصد صحیح اور برحق ہے جبکہ پندرہ درجہ کی تقدیر باطل۔اور حلیہ صدق وصواب سے عاری و عاطل ہے۔کہ مذکورہ تاریخ میں آدھی رات کے وقت بلغاریہ کے نقطہ شمال سے بمشکل سترہ درجہ کے انحطاط میں آفتاب پایا گیا۔جبکہ اٹھارہ درجہ کے انحطاط سے عشاء کا وقت شروع ہوگا جو آدھی رات میں بھی نہ آیا۔تو وقت عشا کہاں سے آئے گا۔اور مشرق کا اجالا بتا رہا ہے کہ آدھی رات سے پہلے طلوع فجر ہو چکا ہے۔لہٰذا وقت عشاء نہ پایا جانا برحق ہے۔

پندرہ درجہ کی تقدیر پر رضوی تحقیق کی بینائی سے ہمیں جون کے سب سے بڑے دن میں بھی عشاء کے لئے دو گھنٹہ بتیس منٹ چالیس سکنڈ کا وقت ملا۔

یہاں سیدنا اعلیٰ حضرت کے پیش نظر علامہ برجندی وعلامہ کاملی کا وہ نظریہ تھا بلغاریہ کے لیے وقت عشا نہ پائے جانے والے متفقہ مسئلہ سے جس کا تعارض تھا بلکہ یہ دونوں مسئلے ایسے ہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کے بطلان کو لازم ہے ایسے وقت میں امام احمد رضا کی وہ عظیم تحقیق جس کی بنیاد آپ کے تجربات ومشاہدات پر ہے۔جہاں اس سے وقت عشا وفجر کے لیے انحطاط شمس پندرہ درجہ کا انجام ریختہ نظر آیا۔وہیں اس مسئلہ پر فقہائے کرام کا اتفاق تحقیق رضا کو اپنی خاموش زبان سے یقیناً خراج تحسین پیش کر رہا ہوگا۔

اس سے اس قدر تو واضح ہو ہی گیا کہ یہ انحطاط پندرہ درجہ نہیں بلکہ اٹھارہ درجہ ہے۔پندرہ درجہ کی تقدیر پر (جو باطل ہے) امام احمد رضا نے یہاں وقت عشاء کا استخراج فرمایا ہے۔جو دس بجکر تینتالیس منٹ چالیس سکنڈ میں شروع ہو رہا ہے۔اسی طرح ایک بجکر سولہ منٹ بیس سکنڈ میں طلوع فجر ہو رہا ہے۔اس اعلیٰ تحقیق میں استخراج اوقاف کا نتیجہ دو فرضی اصل کو لازم ہے۔نہ کہ خارجی نفس الامر کے مطابق ہے۔بلکہ خارج میں تو یہاں وقت عشاء کا نہ ملنا عندالاحناف متفق علیہ ہے۔

ان دونوں میں سے ایک اصل یہ ہے کہ انحطاط شمس پندرہ درجہ ہے۔اور دوسری اصل یہ ہے کہ بلغاریہ کی جس جگہ کا یہ وقت بتایا گیا ہے میل کلی میں وہاں کی گھڑیوں کے مطابق ٹھیک بارہ بجے آفتاب نصف النہار میں پایا گیا تھا۔انہیں فرضی اصولوں کی بنیاد پر وہ نتیجہ برآمد ہوا جو نفس الامر کے مطابق نہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ پندرہ درجے کا انحطاط نفس الامر کے مطابق یقیناً نہیں ہے۔

اس استخراج اوقات میں فاضل بریلوی نے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کی طرف توجہ نہیں فرمائی اس لئے کہ اثبات مدعیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔لیکن آپ کے فرمودہ قواعد کی رہنمائی میں اس کا بیان بھی یہاں فائدہ سے خالی نہیں ہے۔لہٰذا:

ظل عرض بلد	1.1708
X ظل میل کلی	0.4358
=	0.5102

یہ مقدار تیس درجہ بیالیس دقیقہ کی جیب ہے۔نصف قطر شمس کے تیئیس دقیقے اور انکسار کے تینتیس دقیقوں کے اضافہ سے 31/ درجات و 38/ دقائق آئے۔لہٰذا اس کا وقت دو گھنٹہ چھ منٹ اور بتیس سکنڈ برآمد ہوا۔

اس کو ربع دور کے چھ گھنٹے پر اضافہ سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ تاریخ میں آٹھ بجکر چھ منٹ بتیس سکنڈ تک وہاں دن رہا۔پندرہ درجہ انحطاط کی صورت میں دو گھنٹہ سینتیس منٹ اور آٹھ سکنڈ کا وقت مغرب ملا۔جو باطل ہے۔اور رضا کی تحقیق میں یہ وقت تین گھنٹہ ترپن منٹ اٹھائیس سکنڈ کا ہے۔یہی اس مسئلہ میں حق وصواب ہے حالانکہ اس کے بعد ہی فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔اور مغرب سے اس کا بھی تعادل ہے

تو عشاء کا وقت نہ ملا۔ لہٰذا تین بجکر ترپن منٹ انتیس سکنڈ میں یہاں آفتاب طلوع کرے گا۔ جبکہ فجر کا وقت بھی پندرہ درجے کی تقدیر پر دو گھنٹے سینتیس منٹ آٹھ سکنڈ ہی نظر آیا تھا۔

رام پور سے ایک سوال مع جواب ہمارے امام کی بارگاہ میں پہونچا تھا۔ دیو بند و گنگوہ کے علماء نے اس کی تصدیق کی تھی۔ ہر ایک آبادی اور ہر ایک موسم میں مغرب اور فجر کا وقت ایک گھنٹہ بیس منٹ بتایا گیا تھا۔ کہ مغرب میں اس کے بعد وقت عشاء کی ابتداء اور مشرق میں سحری کا خاتمہ ہے۔ اور اسی کو متفق علیہ قرار دیا گیا تھا۔ یہ صنادید دیو بند کا مصدقہ فیصلہ تھا۔ لیکن برق بار رضوی قلم کی ضیاباری میں انہیں اپنی فحش غلطی کی بھیانک تصویر تو ضرور نظر آئی پھر بھی توبہ نصیب نہ ہوئی کہ ان کے حق میں ''ثم لا یعودون'' حدیث میں آچکا ہے اس پر خامہ رضا کا جاہ وجلال کچھ یوں ہے:

''عشا کا متفق علیہ وقت ہمیشہ ایک گھنٹہ بیس منٹ بعد ہو جانے کا جبروتی حکم کہ بعض بے علموں نے محض جزافاً لکھ دیا اور گنگوہ و دیو بند کے جاہل و ناواقف ملاؤں نے اس کی تصدیق وتوثیق کی۔ بریلی، بدایوں، رام پور، شاہجہان پور مراد آباد، بجنور، بلند شہر، پیلی بھیت، دہلی، میرٹھ، سہارن پور، دیو بند، گنگوہ وغیرہا بلاد شمالیہ بلکہ عامۂ مواضع واضلاع، ممالک مغربی وشمالی و اودھ و پنجاب و بنگال و وسط ہند و راجپوتانہ، عرض معظم آبادی ہندوستان میں محض غلط و باطل، اور حلیہ صدق وصواب سے عاری وعاطل ہے''۔

(فتاوائے رضویہ جلد دوم ص/272)

اس کے بعد امام احمد رضا نے اس فتویٰ کی تردید اور حقائق نفس الامر کے بیان میں ایسے دلائل قاہرہ کو بیان فرمایا ہے جن کے ایک ایک لفظ نے ایسے مفتی ومصدق کی عقل پر سے درجنوں حجابات کی نقاب کشائی کردی ہے۔ اس برہانی طوفان میں ان کی فکر ایک خشک تنکا کے مانند اور اغلاط کا پلندہ یہ فتویٰ کٹی پتنگ کی طرح فضاؤں میں کلابازیاں کھا رہا تھا۔ گرچہ ان مصدقین کو اپنی غلطی سے توبہ کی توفیق نہیں ملی، اور نہ ہی ان لوگوں نے اپنی اس غلطی کا اقرار کیا۔ لیکن فتویٰ کی زبان ضرور بدل گئی۔ اور آج اس بارے میں ان کا فتویٰ بھی وہی ہے جو امام احمد رضا نے فرمایا تھا..... کہ اوقات عرض بلد اور موسم کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں **من شاء فلیاخذ منہا** تحقیقات رضویہ کی رفعتِ شان جہاں اوج ثریا کو بھی دعوت نظارہ پیش کر رہی ہے وہیں ان کی ضوفشانی کی بھیک مانگنے والوں میں کتنے ماہ ونجوم بھی منگتوں کی صف میں کھڑے ہیں۔

ان میں عمیق مطالعہ کا دعویٰ ایسا عالم ہی کرسکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اس کے باوجود اس سمندر سے اگر کسی کو شبنم کا ہی کچھ سہارا مل گیا، تو اسے ان تحقیقات سے خدا کی قدرت یاد آتی ہے۔ قاسم نعمت ﷺ کا معجزہ یاد آتا ہے۔ غوث اعظم کی کرامت یاد آتی ہے۔

وقت عصر:

☆ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''قولُ سیدنا الامامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہی مثلین بعد فئی الزوال ہے۔ اور وہی احوط، وہی اصح وہی من حیث الدلیل ارجح اسی پر اجماع و اطباق جملہ متونِ متین، وہی مختار ومرضی محققین شارحین اسی پر افتا اکثر کبرائے ائمۂ مفتیین''۔ (فتاوائے رضویہ جلد دوم ص/253)

وقت عصر کے لیے امام احمد رضا نے اپنے ان چند جملوں میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب وقت عصر کے لیے ہمیں سایۂ اصلی کی طرف توجہ مرکوز کرنی ہے۔ یہ سایۂ اصلی ہمیشہ ایک نہیں رہتا ہے۔ اس میں زیادتی ونقصان ہوتا رہتا ہے۔ رات میں جب کوئی سقفی بلب آن ہو۔ اور اسی کے نیچے ایک آدمی فرش پر کھڑا ہو تو اس کا سایہ قریب معدوم ہوگا۔ شمال یا جنوب کی طرف اس شخص کے معمولی میلان سے آدمی کے مقابلہ میں سایہ کا میلان زائد ہوگا۔ یہ میلان عرض بلد ہے۔ بلب مثل سورج ہے۔ اور یہ سایہ سایۂ اصلی ہے۔ اور بلب میں چونکہ کوئی حرکت نہیں جبکہ سورج مغرب کو رواں دواں ہے

تو پھر آفتاب کی تبعی حرکت کے مطابق سایہ مشرق کی طرف جھکتا جائے گا۔یہی سایہ اصلی پر زیادتی ہے۔

اگر وہ آدمی چھ فٹ کا ہے بریلی کی بابرکت زمین پر کھڑا ہے اور میل شمس جنوبی اٹھارہ ڈگری اڑتیس منٹ ہے تو اس کا سایہ اصلی بھی چھ فٹ کا ہوگا۔ جب سایہ کا جھکاؤ مشرق کو ہو اور اس آدمی کا تین گنا اس کا سایہ ہو جائے تو مذکور جزء میل میں بریلی شریف کا وقت ظہر ختم ہو گیا کہ فئی اصلی کے علاوہ اور دو مثل پا لیا گیا ان میں ایک اصلی تھا اور دو زائد۔یہیں سے وقت عصر کی ابتداء ہے۔اسی مقدار حرکت کی معرفت اصل میں ابتداء عصر کی معرفت ہے۔بیس مارچ یا تیئیس ستمبر کی تاریخ کو پیش نظر رکھیں۔ جب آفتاب معدل میں ہو، اور آپ بریلی شریف کے لئے وقت عصر کی جستجو میں ہیں تو اس وقت دائرۂ یومیہ اور بریلی کے دائرۂ سمتیہ کے تقاطع سے بننے والے زاویہ کی پیمائش آپ کی اولین ذمہ داری ہے۔جبکہ اول السموت اور معدل کا تقاطع اٹھائیس ڈگری بائیس منٹ پر ہے۔اس کا ظل 54. ہے یعنی چھ فٹ آدمی کا سایہ اصلی مذکورہ تاریخ میں شمال کی طرف قریب سوا تین فٹ کا ہوگا۔اور جب اس پر دو مثل کا اور اضافہ کریں تو 2.54 کا ظل برآمد ہوا۔جس کے لئے سمت الرأس بلد اور شمس کے مابین کم از کم 68/ڈگری 33/منٹ کا بعد لازم ہے۔اور اس کی جیب 9307. ہے۔

لہٰذا:

جیب عرض بلد   4751.

÷ جیب بعد   9307.

= برآمد جیب زاویہ   515.

جدول جیب میں اس کی مقدار اکتیس ڈگری ہے جو مطلوب زاویہ کی مقدار ہے۔ پھر 90/ڈگری سے بعد کو ساقط کریں تو اس کا تمام اکیس ڈگری ستائیس منٹ باقی رہا۔

جبکہ مطلوب زاویہ جس کا حصول ہو چکا ہے اس کا قاطع 1.1666/ ہے۔ تمام بعد کی جیب سے اس کا حاصل ضرب 4383. آیا۔جدول جیب میں اس کی مقدار چھبیس ڈگری ہے۔ ہر ایک ڈگری میں جب حرکت وسطی چار منٹ ہے تو پھر اس میں ایک گھنٹہ چوالیس منٹ کا وقت ہوگا وقت غروب آفتاب سے۔اسی کو ساقط کیا جائے تو وقت عصر کی ابتداء کا وقت برآمد نتیجہ ہوگا۔

امام احمد رضا اور اوقات مکروہہ:

علما ہی نہیں باشعور عوام بھی اچھی طرح سے واقف ہیں کہ عرفی دن میں تین وقت ایسے بھی پائے جاتے ہیں جنہیں وقت مکروہ کہا گیا ہے۔ان میں پہلا وقت طلوع آفتاب کے بعد۔ دوسرا نصف النہار عرفی سے قبل اور تیسرا قبل غروب۔دن کے دونوں کناروں میں جو دو وقت مکروہ ہیں دونوں کی مقدار برابر ہے۔ان دونوں کے مجموعہ کے برابر بلکہ اس سے بھی زائد وقت مکروہ قبل زوال آفتاب ہے۔اس وقت شمسی کرنوں کی شدت میں تیزی ہوتی ہے جبکہ باقی دونوں وقتوں میں ان کرنوں پر فضائی کثافت کا غلبہ نظر آتا ہے۔ان تینوں اوقات میں بھی امام احمد رضا نے اپنے فیوض و برکات سے ہمیں محروم نہیں رکھا۔اور خوب سے خوب تر ہماری رہنمائی فرمائی:

> ’’تجربہ سے یہ وقت تقریباً بیس منٹ ثابت ہوا ہے، تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا۔اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقت کراہت آجائے گا اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہو جائے گی‘‘۔
>
> (فتاوائے رضویہ جلد دوم ص/260)

اوقات مکروہہ میں طرفین کے بیس بیس منٹ کی بنیاد فاضل بریلوی کے تجربات پر ہونے کے باوجود **الحمد للہ ثم الحمد للہ** ایک صدی سے زائد کا عرصہ گزر گیا خوش عقیدہ مسلمان تو مسرت و شادمانی سے بیس منٹ کی اس تقدیر پر لبیک کہتے رہے لیکن حاسدین اور معاندین کا فتویٰ بھی آج تک اسی رضوی تجربہ پر ہی ہے۔کہ ان دونوں کی مقداریں آج یہ لوگ بھی بیس بیس منٹ ہی بتا رہے ہیں۔حالانکہ شرع پاک نے حرکت شمس کی اس مقدار کو نہیں بتایا ہے

بلکہ حالات شمس کے تغیر کی طرف رہنمائی کی ہے۔ان دونوں وقتوں میں سورج پر آنکھیں بلا تکلف جم جاتی ہیں۔اور سورج بڑا دلکش نظر آتا ہے لیکن یہی حالات موسم سرما کے نصف النہار میں بھی آسکتی ہیں۔ جب شمال میں عرض بلد پینتالیس ڈگری کے آس پاس ہو۔اور میل جنوبی تحویل جدی میں ہو تو بلا تکلف خاص نصف النہار عرفی میں بھی آنکھیں ٹھہر جاتی ہیں۔اس کے باوجود کوئی بھی وقت زوال کو وقت مکروہ نہیں کہتا ہے۔اور قبل زوال ضحوۂ کبریٰ کو اگرچہ وقت کراہت میں بتایا گیا لیکن اس کی معرفت تغیر حالات شمس کی وجہ سے نہیں بلکہ مقدار حرکت سے ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''اور نہار شرعی طلوع فجر صادق سے غروب کل آفتاب تک ہے تو اس کا نصف ہمیشہ اس کے نصف سے پہلے ہوگا۔ مثلاً فرض کیجئے آج تحویل حمل کا دن ہے۔آفتاب بریلی اور اس کے قریب مواضع میں جیب گھڑی کے ۶ر بجکر ۷ر منٹ پر چمکا اور ۶ر بجکر ۱۴ر منٹ پر ڈوبا۔۴ر بجکر ۴۸ر منٹ پر صبح ہوئی تو اس دن نہار شرعی ۱۳ر گھنٹے ۲۶ر منٹ کا ہے۔جس کا آدھا ۶ر گھنٹے ۴۳ر منٹ ہوا۔اسے ۴ر گھنٹے ۴۸ر منٹ پر بڑھایا تو ۱۱ر گھنٹے ۳۱ر منٹ کا وقت آیا اور نصف النہار شرعی وقت استواء حقیقی سے ۴۰ر منٹ پیشتر ہوا''

(فتاوائے رضویہ جلدر دوم صر 250)

نہار عرفی اور نہار شرعی میں چونکہ مقدار صبح کا تفاوت ہے عرفی دن کی ابتدا کا تعلق افق حسی شرقی سے ہے اور انتہاء کا تعلق افق حسی غربی سے۔اور شرعی دن مشرق میں زائد ہے نہ کہ مغرب میں اور وہ زیادتی وقت فجر ہے جس کی مدت وقت مغرب کے برابر ہے لیکن مغرب کا وقت جزء لیل ہے اور وقت فجر جزء نہار۔ پھر جب ان دونوں دنوں کی تنصیف ہو تو عرفی دن کا نصف قطر دائرہ نصف النہار عرفی میں پایا جائے گا۔اور جب آفتاب اس دائرہ میں آئے گا تو یہی نصف النہار عرفی ہے، اور یہیں پر وقت کراہت کا خاتمہ ہوگا۔اسی سے متصل غرب میں وقت زوال ہے۔ جہاں سے وقت ظہر کی ابتدا ہے۔پھر نہار شرعی کی تنصیف کریں جو عرفی سے زائد ہے کہ وقت فجر اس میں داخل ہے تو اس کے نصف النہار کا نصف قطر یقیناً پہلے سے شرقی ہوگا اور دونوں میں تفاوت نصف وقت فجر کا ہوگا۔

امام اہل سنت نے اسی کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ:

''نصف النہار شرعی وقت استواء حقیقی سے چالیس منٹ پیشتر ہوا''۔

اسی وقت کو ضحوۂ کبریٰ کہا جاتا ہے اور اس میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اس وقت سورج پورے جاہ وجلال میں ہوتا ہے۔اکثر مواضع سے کسی کو اس کی طرف نگاہیں اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی ہے۔برخلاف باقی دونوں وقتوں میں کہ ان میں سورج دلکش اور خوبرو ہوتا ہے۔حالانکہ حالات شمس کے تغیر پر نظر رکھنے والے حضرات بخوبی واقف ہیں کہ سورج میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے بلکہ شعاع بصری اور فضائی کثافت کا یہ کمال ہے۔

طرفین کے اوقات مکروہہ میں سورج پر نگاہیں جمنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''زمین کے سب طرف بخار ہے جسے عالم النسیم اور عالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ر میل یا قول اوائل پر ۵۲ر میل اونچا ہے اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر ہے تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصہ حائل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئیگا اور نگاہ ٹھہرے گی''۔

(فتاوائے رضویہ ج ر 2 ص ر 259)

ماہ مبارک شعبان 1331ھ کو اس زمانہ میں عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیت امام احمد رضا کے دارالافتاء میں ایک مختصر سوال آیا تھا جو بمشکل ایک سطر میں تھا:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عصر کا وقت مستحب و وقت مکروہ کیا ہے؟ (ج ر 2 ص ر 258)

اس مختصر سوال کا جواب مذکورہ حوالہ میں کچھ اس انداز سے

موجود ہے کہ ایک ایک جملہ سمندر کی طرح وسیع نظر آتا ہے۔ فاضل بریلوی نے دلائل سے قطع نظر صرف مسلمات فقہاء اور اہل ہیئت کے مقررات کو قلمبند فرما کر اپنا مدعیٰ ثابت کیا ہے۔ یعنی بہت ہی اختصار سے جواب تحریر فرمایا ہے اس کے باوجود یہ جواب ہدایہ سائز کے پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ جب کوئی اہل ذوق اس کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے معانی ومفاہیم کی گہرائی پر نظر ڈالتا ہے تو وہ اس نوک قلم کی رفعت شان کے تصور میں انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ یہ انمول نقوش جس کے شاہکار ہیں مطالعہ کرنے والا ایک ایک سطر کو پڑھتا ہے اور چشم تصور سے فاضل بریلوی کی شکل میں غوث اعظم کی کرامت کا مشاہدہ کرتا ہے اسی جواب کے وہ چند الفاظ مبارکہ ہیں اور پر جن کا بیان ہے۔ اس کی تفہیم میں فاضل بریلوی نے ایک نقشہ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں آپ نے زمین سے لیکر سورج تک کے وسیع ترین علاقہ کو بھی سمیٹ لیا ہے جو عالم لیل ونہار سے ماورا ہے طوالت سے احتراز کرتے ہوئے فقہائے کرام کے مسلمات کو میں نے نقل نہیں کیا اور صرف ریاضی سے ہی کچھ کام لیا کہ آج ماڈرن دانشور نیوٹن وپیتھا گورس کے قوانین وتجربات کو حرز جاں سمجھ کر علماء کرام سے دور ہوتے جا رہے ہیں نہ انھیں مذہب پر نظر ہے نہ عواقب کی خبر ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ چند احکام فقہیہ کے مجموعہ کا نام ہی علم دین ہے۔

☆ آج کے جدید دانشوروں کے چند مسلمات حاضر خدمت ہیں:

(1) کرۂ زمین پر روشنی سورج کی مرہون منت ہے

(2) شعاع بصری بلا حجاب شمسی کرنوں کا سامنا نہیں کر سکتی ہے۔

(3) فضاء بسیط سطح زمین پر کثیف تر ہے یہ کثافت بخارات اور زمینی ذرات کی وجہ سے ہے۔

(4) سطح زمین سے دوری بڑھتی جائے گی کثافت میں کمی آتی جائیگی۔ یہ ہوائے کثیف 45 یا 52 میل تک ہے۔

(5) زمین کی طرح ہوائے کثیف بھی کروی ہے۔

(6) کسی بھی دائرہ میں دو قطر اگر زاویہ قائمہ پر ایک دوسرے کو قطع کرے تو نقطہ تقاطع مرکز دائرہ ہوگ۔

(7) دائرہ کے درمیان جو بھی خط مستقیم فرض کیا جائے اگر اس کا مرور مرکز پر نہ ہو تو قطر سے چھوٹا ہوگا۔

(8) مرکز سے بعد میں زیادتی خط مستقیم میں نقصان کا سبب بنے گی۔

(9) سطحی مثلث قائم الزاویہ میں قاعدہ اور عمود کے مربع کا مجموعہ وتر کے مربع کے برابر ہوگا۔

(10) نصف قطر کے کسی بھی نقطہ سے زاویہ قائمہ پر خارج خط مستقیم جو دائرہ تک وصل کرے نصف قطر سے چھوٹا ہوگا۔

ہفت اقلیم میں بوقت نصف النہار کسے جرأت کہ بے حجاب سورج کو آنکھیں دکھائے لیکن یہی سورج جب افق مغرب یا مشرق میں ہوتا ہے تو ایک دلفریب منظر پیش کرتا ہے بلکہ اختلاف مواضع کی وجہ سے ایک ہی وقت میں جو سورج 'لندن' پر آگ برساتا ہے وہی اسی وقت 'ڈھاکہ' والوں کو دعوت نظارہ پیش کرتا ہے، آخر ایسا کیوں جبکہ وقت بھی ایک اور سورج بھی ایک۔ اسی مسئلہ کو سمجھاتے ہوئے عالم اسلام کے عظیم محقق فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں فضائے بسیط کے راز سربستہ کو بے نقاب کیا ہے اور فرمایا کہ:

"زمین کے سب طرف کرۂ بخار ہے جسے عالم نسیم یا عالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطح زمین سے 45 میل یا قول اوائل پر 52 میل اونچا ہے"..الخ

☆ یعنی فاضل بریلوی نے فرمایا کہ ایک ہی وقت میں سورج کے یہ متضاد اوصاف نہیں ہیں کہ لندن میں آگ برسائے اور ڈھاکہ میں پھول بلکہ یہ تو اختلاف مواضع کی کارستانی ہے کہ لندن میں جو سورج نصف النہار میں ہے ڈھاکہ میں وہی غروب ہوتا نظر آرہا ہے۔ اور عالم نسیم نے اس وقت ڈھاکہ والوں کو اس عینک سے آزاد کر دیا ہے۔ لندن والے اس وقت سورج کو دیکھنے کے لئے جسے استعمال

کرتے ہیں حالانکہ عالم لیل ونہار ان دونوں جگہوں کے سر پر برابر ہے اس کے باوجود یہ اختلاف کیوں پڑا؟ لندن میں نصف النہار لیکن ڈھاکہ والوں کے لئے وقت عصر کا وقت مکروہ۔ وہاں سورج کی طرف نگاہ اٹھانے کی تاب نہیں، یہاں وہی جاذب نظر ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

فاضل بریلوی نے اپنے مخصوص انداز میں اسی کو بیان فرمایا ہے ....قول اواخر 45 / میل عالم نسیم کی بلندی کو پیش نظر رکھیں جس پر فاضل بریلوی نے اعتماد کیا۔ اب سطح زمین سے ایک خط مستقیم مرکز شمس تک وصل کرے گا، دوسرا مرکز زمین سے مرکز شمس تک، تیسرا مرکز زمین سے موضع رائی سطح زمیں تک۔ ان خطوط سے ایک مثلث بنا جس میں مرکز زمیں کا زاویہ قائمہ ہے۔ ہمارے کچھ باوقار علماء نے اسی مثلث سے عالم نسیم کی پیائش کی ہے جبکہ اس مثلث سے بعد شمس کو تو دریافت کیا جا سکتا ہے لیکن ہوائے کثیف کی نہیں۔ مزید سطح زمین سے مرکز شمس اور مرکز زمین سے مرکز شمس کے دونوں خط کو متساوی قرار دیا گیا ہے جبکہ یہاں سطح زمین والا خط مستقیم وتر ہے اور دوسرا قاعدہ اس کے باوجود ان دونوں کو متساوی قرار دینا ضابطہ مسلمہ مذکورہ نمبر (۹) نو کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ سطح زمیں اور مرکز زمیں دونوں جگہ زاویہ کو قائمہ بتایا گیا۔ اس کے باوجود دونوں کو برابر ماننا مسلمہ ضابطہ نمبر (۸) آٹھ کے خلاف ہے پھر بھی اگر دونوں خط برابر ہیں تو پھر مسلمہ ضابطہ نمبر (۵) پانچ کے خلاف ہے اور فضائے کثیف کروی نہ ہو کر مربع یا مکعب ہو جائیگی۔ اسی طرح متعدد تشریحات سامنے آئیں حالانکہ فاضل بریلوی کی نورانی عبارت کا مفہوم باوقار علماء کرام سے مخفی نہیں ہے کہ سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے:

> دوپہر کے وقت کا خط اگر 45 ہی میل ہے جب بھی خط ''ار'' یعنی وقت طلوع کا خط پانچ سو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے۔ الخ۔

(فتاوائے رضویہ ج/2 ص/260۔ ج/4 ص/644)

☆ اس نورانی عبارت سے فاضل بریلوی نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ کتب فقہ میں جو صراحت ہے کہ وقت مکروہ طلوع اور غروب میں اس وقت کو کہا جاتا ہے جب آفتاب پر آنکھیں جمنے لگیں، دوپہر میں جس کی طرف آنکھ اٹھانے کی بھی جرأت نہیں ہوتی تھی، اس وقت مکروہ میں اسی کو دیکھنے میں دقت کیوں نہیں ہوتی ہے؟

محقق بریلوی نے اس عبارت سے اسی راز کا انکشاف کیا ہے اور بتایا کہ دوپہر کے وقت انسان کے سر پر عالم کثیف کا جو علاقہ تھا اس کی بلندی صرف 45 میل تھی، لیکن غروب یا طلوع کے وقت انسان جب آفتاب کو دیکھتا ہے تو یہی لمبائی پانچ سو اٹھانوے میل سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ اقل مقدار کے قول پر ہے جبکہ قول اوائل میں اس سے کافی زیادہ ہے۔

فاضل بریلوی کے پاس آخر وہ کون سا آلہ تھا جس سے آپ نے یہ پیمائش کی کچھ حضرات نے اپنے حساب سے اس کی جستجو کی اور فضائے بسیط میں کافی بلندی تک پرواز کرتے رہے لیکن میری ناقص رائے میں وہ آلہ ایسے مثلث کا ہے جس کا کوئی بھی زاویہ مرکز شمس میں نہ ہوگا۔ اس مثلث کا ایک زاویہ مرکز زمین میں دوسرا زاویہ سطح زمین پر یعنی دیکھنے والے کی آنکھوں میں۔ تیسرا زاویہ فضائے بسیط کی اس سرحد میں جہاں ہوائے کثیف اور ہوائے صافی کا التقاء ہے یعنی جہاں شعاع بصری میں انکسار ہوتا ہے اس مثلث کا وہ زاویہ قائمہ ہے جو رائی کی آنکھ میں ہے، سطحی مثلث قائم الزاویہ کی پیائش کا مسلمہ ضابطہ نمبر (۹) نو میں گزرا کہ قاعدہ اور عمود کے مربع کا مجموعہ وتر کا مربع ہوگا، جن دونوں خط کی وجہ سے زاویہ قائمہ بنا ہے انھیں میں سے ایک قاعدہ ہوگا دوسرا عمود اور عمود کو قاعدہ پر تقسیم سے ظل زاویہ بنتا ہے جبکہ قاعدہ کو عمود پر تقسیم سے ظل تمام ہے۔

یہاں وتر کی مقدار ہمیں معلوم ہے۔ وہ مرکز زمین سے سطح ہوائے کثیف تک ہے اس کی لمبائی یہی ہے کہ نصف قطر زمیں پر 45 میل کا اضافہ کیا جائے اور زمین کا نصف قطر استوائی

3963.296 میل +45 میل =4008.296 میل طویل وتر ہوا، اس کی معرفت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ 45 میل 3963.296÷میل =1.011354=1+0.011354 وتر طویل ہوا اور اس کا مربع 1.022837 آیا، نصف قطر کو اس سے ساقط کیا تو 0.011354 باقی رہا، اور اس کا جذر 0.151119 ہے۔ یہی اس خط مستقیم کی لمبائی ہوئی جو بصر رائی سے خارج اور ہوائے کثیف کی سطح تک واصل ہے پھر میل میں اس کی جانکاری کے لئے نصف قطر زمیں سے اسے ضرب دیا جائے یعنی 0.151119x نصف قطر زمیں 3963.296= میل 598.931 میل ہوا۔

سبحان اللہ! نتیجہ وہی برآمد ہوا جو فاضل بریلوی نے فرمایا تھا کہ طلوع یا غروب کے وقت یہ مسافت پانچ سو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے۔ مسلمہ ضابطہ نمبر (9) کے مطابق عمل ہوا تو وہی ثمرہ بر آمد ہوا جو فتاوائے رضویہ میں ہے۔ اس روح پرور حکم پر بھی کچھ لوگ یہ شبہات ظاہر کر رہے ہیں۔

پہلا شبہہ : حساب سطح زمیں سے کیا گیا جبکہ آدمی چھ فٹ اونچا ہے

دوسرا شبہہ : چشم رائی سے خارج خط مستقیم یہاں مرکز شمس تک واصل ہے تو پھر نصف قطر زمیں سے اس کا تقاطع قائمہ پر کیسے ہوگا جب کہ دوسرا خط مرکز زمین سے مرکز شمس ہے۔

☆ شبہ اول دراصل کوئی شبہ ہی نہیں اس لئے کہ نصف قطر زمین پر چھ فٹ کے اضافہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں کہ چھ فٹ برابر ایک سواسی سینٹی میٹر رکھئے، اور نصف قطر زمین چھ ہزار تین سو کلو میٹر سے بھی زائد اس کو صرف چھ ہزار کلو میٹر ہی مان لیا جائے تو 6000 ÷ 180 =033.33 ایک سینٹی میٹر کے مقابلہ میں 33.33 کلو میٹر کی مسافت آئی یعنی انسان اور نصف قطر زمیں تناسب میں ایک اور 3333330 ہے۔ یعنی ایک رائی کے دانہ کا ایک چوتھائی حصہ اگر ماؤنٹ یوریسٹ پر رکھ دیا جائے تو ہمالیہ کی بلندی پر کوئی قابل اعتبار اثر انداز نہیں ہوگا جبکہ انسان اور زمین میں یہ نسبت بھی نہیں ہے تو پھر ایسے شبہات کے اظہار کا کیا معنی؟

☆ دوسرا شبہ قلت تأمل سے ناشی ہے کہ مرکز زمیں سے خارج خط مستقیم اور چشم رائی سے خارج خط مستقیم دونوں کو مرکز شمس تک واصل قرار دیا گیا جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے وہ خط مستقیم جو مرکز زمیں سے مرکز شمس تک ممتد ہے، اس خط کے مساوی ضرور ہے جو سطح زمیں سے خارج اور آفتاب تک واصل ہے۔ یہ دونوں خطوط گرچہ متحاذی اور متساوی ہیں لیکن ان دونوں کا کوئی بھی جزء دوسرے کے کسی بھی جزء سے کہیں بھی متصل نہیں ہے۔ یہاں زمین میں دونوں کے مابین جو نصف قطر زمین کا فاصلہ ہے وہ سورج تک موجود ہے۔

لہٰذا ان دونوں خط سے شکل مستطیل کا وجود ہوگا نہ کہ مثلث کا سطح زمین سے وقت مکروہ کو دیکھنے والا اس وقت سورج کو دیکھ رہا تھا نہ کہ اس کے مرکز کو پھر یہ کہنا کیسے مناسب ہوگا کہ ایک مبدأ سے اگر دو خط مستقیم بہت دور تک پہنچے اور دونوں میں کچھ فاصلہ رہ جائے تو اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا اور دونوں خط کو برابر مان لیا جائے گا جیسا کہ دور حاضر کے بعض مؤقر علما کا خیال ہے۔

☆ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے کہیں بھی اس کا پتہ نہیں چلتا ہے کہ آپ نے دونوں کا مبدأ یہاں مرکز شمس کو قرار دیا ہے بلکہ فاضل بریلوی کی دوسری تحریریں بتا رہی ہیں کہ جس طرح ان دونوں خطوط میں یہاں مرکز عالم میں 3963.296 میل کا فاصلہ ہے وہی بعد سورج میں بھی موجود ہے۔

جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

''ان ۳۳ دقیقوں سے اختلاف منظر کے ۹ ثانیہ منہا کر کے باقی پر اس کا نصف قطر شمس زائد کریں یہ مقدار انحطاط شمس

ہوگی۔'' (فتاوائے رضویہ ج/4 ص/645)

☆ وقت غروب کے بارے میں فاضل بریلوی نے یہ فرمایا ہے کہ مرکز شمس جب کسی بھی افق بلد پر منطبق ہو گرچہ یہ نجومی غروب یا طلوع کا وقت ہوگا لیکن عرفی کافی انحطاط میں ہے جس کا اعتبار شریعت میں ہے کہ ابھی نصف قطر شمس بالائے افق حقیقی ہے اس کے علاوہ منکسر الشعاع کے 33 دقیقے دونوں کا مجموعہ 22.5 دقیقہ نصف قطر +33 دقیقہ انکسار=55.5 دقیقہ ہوا۔ جب میل صفر ہو اور افق استوائی ہو تو نجومی غروب کے بعد یا طلوع سے پہلے 55.5 دقیقے کا مزید انحطاط سے ہی طلوع یا غروب ہونا چاہئے جس کا وقت تین منٹ بیالیس سیکنڈ ہے یعنی نجومی طلوع سے تین منٹ بیالیس سکنڈ پہلے آفتاب کو طلوع کرنا چاہئے یا پھر غروب سے یہی مقدار بعد میں غارب ہونا چاہئے لیکن اس کے طلوع اور غروب میں اہل نجوم سے اہل عرف کا فاصلہ تین منٹ کے علاوہ پورے بیالیس سکنڈ کا نہیں ہے بلکہ 0.6 سکنڈ پہلے غروب اور اسی مقدار کی تاخیر سے طلوع کرتا ہے یعنی تین منٹ پورے بیالیس سکنڈ نہیں بلکہ تین منٹ 41.4 سکنڈ کا یہ فاصلہ ہے۔ یعنی ایک سکنڈ کے پانچ حصے کیے جائیں ان میں سے تین حصے پہلے غروب آفتاب ہوگا اور یہ فرق اس لیے پڑا کہ اختلاف منظر کی طرف توجہ نہیں دی گئی اسی کے بارے میں محقق بے بدل نے فرمایا:

''اختلاف منظر کے ۹/ثانیہ منہا کر کے باقی پر'' الخ

۹/ثانیہ کا یہ اختلاف سورج میں کہاں سے آیا دراصل نجومی طلوع یا غروب میں جب مرکز شمس افق بلد پر منطبق ہوا، اس وقت مرکز زمین سے خارج خط مستقیم بھی وہاں تک وصل کر چکا تھا لیکن اس وقت سورج کو دیکھنے والا انسان مرکز زمین میں نہیں بلکہ سطح زمین پر ہے اور ان دونوں مواضع کے مابین فاصلہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

''اختلاف منظر کے ۹/ثانیہ منہا کر کے'' الخ

☆ یعنی مرکز زمین سے سطح زمین کا فاصلہ نو ثانیہ فلکیہ ہے اور یہی نصف قطر شمس وشعاع بصریہ کے مجموعہ سے منہا ہوگا صاف ظاہر ہوا کہ جو فاصلہ ان دونوں خطوط میں یہاں ہے وہی سورج میں بھی موجود ہے اسی لئے تو اس کے لئے ۹/ثانئے کے اسقاط کا حکم آیا تو پھر یہ شبہ کیوں کیا جائے کہ فاضل بریلوی نے ایک سطحی مثلث میں دو زاویہ قائمہ مان لیا ہے۔

فاضل بریلوی کا یہ جملہ بڑا ہی انمول ہے بلکہ محقق بے مثیل نے ایک ایسا پیمانہ علماء کرام کے حوالہ کیا ہے جس سے ہمارے باوقار علماء یہاں سے سورج کا بعد اور اس کی ضخامت کی پیائش بھی بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہاں تو سطح اور مرکز کا بعد صرف ۹/ ثانیہ کا ہوا جبکہ آفتاب تین منٹ میں غروب ہوتا ہے جس پر جدید سائنس دانوں کا بھی اتفاق ہے۔ لہٰذا قطر شمس 45 دقیقے کا ہوگا اسی سے 9 ثانیہ کو ساقط کیا جائیگا جو نصف قطر زمین کی پیائش ہے ثوانئ فلکیہ سے لہٰذا 9x2=18 ثوانئ فلکیہ قطر زمین کی مقدار آیا جبکہ ایک دقیقہ ساٹھ ثوانئ کا مجموعہ ہے تو 45 دقیقہ x60 ثانیہ =2700 ثانیہ کا قطر شمس ہوا اسے قطر زمین پر تقسیم سے دونوں کے درمیان کا تناسب ظاہر ہوگا یعنی 2700 ÷ 1=150 یعنی یہ زمین جس میں دیگر جزائر کے علاوہ ساتوں براعظم ہیں ساتوں سمندر ہیں، سیکڑوں دریا ہیں، ہزاروں ندیاں ہیں، ایک قطار میں اسی طرح کی ایک سو پچاس زمینیں رکھی جائیں ہر ایک دوسری سے ملی ہوئی ہو ٹرین کے ڈبوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہوں، ڈیڑھ سو زمینوں کی اس قطار کی جو لمبائی ہوگی وہ سورج کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک کے برابر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اس عظیم محقق کے روضہ پر تا حشر گہر باری کرے۔ اور ان کے نقوش قلم کو ہمارے لیے مشعل راہ بنائے رکھے۔ آمین

☆☆☆

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۰۱)........................

ایسے حیرت انگیز انکشافات کے لیے پروفیسر رفیع اللہ صدیقی اور پروفیسر عبدالمجید صدیقی مالیگاؤں کے قیمتی مطبوعہ مقالے دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۳۱۸ھ میں اعلیٰ حضرت نے پٹنہ کا سفر کیا اور ایک تاریخی اجلاس میں شرکت کی۔ یہ سفر ایک ہنگامی حالت میں ہوا تھا اور یہ پٹنہ کا پہلا سفر تھا اقطار ہند کے جید علما و مشائخ کا زبردست ہجوم بھی تھا۔ ایسے پر ہجوم حالات میں اعلیٰ حضرت نے قصیدہ ’آمال الابرار‘ عربی زبان میں تحریر فرمایا اور برجستہ و قلم برداشتہ تحریر کیا۔ سال

تصنیف سے اب تک کے عرصے میں، جو سو برس سے زائد عرصے بیت گئے، جتنے عربی ادب کے ماہرین شعرا نے جو اس کا جائزہ لیا ہے، ان کا دوٹوک بیان ہے کہ اتنا شاندار عظیم و ضخیم قصیدہ، عربی قصیدوں کے ذخیروں میں ڈھونڈنے سے اس کی مثال شاید ہی ملے۔ اسی طرح ان کا ایک دوسرا قصیدہ اردو زبان میں ہے، جو بریلی سے جبل پور کے دوران سفر قلم بند ہوا۔ اس کا نام قصیدہ ’الاستمداد علی اجیال الارتداد‘ ہے اور یہ ۱۳۳۷ھ کا وقوعہ ہے۔ یہ قصیدہ چھوٹی بحر میں ہے اور سہل ممتنع کی جلوہ ریزی سے مملو و معمور ہے۔ سہ لسانی مشہور آفاق ادیب و محقق پروفیسر مختار الدین احمد نے لکھا ہے کہ یہاں اعلیٰ حضرت کی کمال نظم نگاری منتہائے کمال پر ہے۔ جو اردو قصیدہ نگاری کی دنیا میں ایک نادر و اچھوتی مثال ہے حالت مسافرت کے ان عربی وار دو قصیدوں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا ذہن اور قوت حافظہ اقامت و یکسوئی اور مراجعت کتب کی قطعی محتاج نہیں۔ سفر ہو کہ حضر، خلوت ہو کہ جلوت، اکیلے ہوں کہ مجلس احباب میں، ان کا قلم اور دماغ علمی و قلمی کام کرنے سے سے یکسر قاصر نہیں۔ خداداد ذہن، الہامی کیفیت اور علم لدنی اسی کو کہتے ہیں۔

’المحجۃ المؤتمنۃ‘ اور ’الطاری الداری‘:

سہ حصص کے بیشتر حصے کوہ بھوالی، نینی تال کی یادگار ہیں۔ رمضان کے دن ہوتے تھے۔ روزے رہتے تھے اور طبیعت ناساز رہتی تھی۔ جب کہ اعلیٰ حضرت اپنے گھر اور کتابوں سے دور و مہجور ایک پہاڑی مقام پر قیام فرما ہوتے تھے۔ یہ وہ ایام تھے کہ ملک میں بھر میں ہر صبح و شام نئے نئے ہنگامے برپا ہوتے رہتے تھے، جن کا براہ راست تعلق سیاست سے ہوتا تھا اور بباطن مذہب سے بھی، تجارت و معیشت سے بھی اور صنعت و حرفت اور تعلیم و ملازمت سے بھی۔ کتنے ہی علما و لیڈران تھے، جو ہیجان انگیز سیاست کی غلاظت میں ڈوبے ہوئے تھے اور پر فریب ہلاکت کے داؤ و پیچ میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ پر اسرار بندے کہیے یا رجال الغیب، خدا ان سے اپنے دین اور بندوں کی رہنمائی کا کام ان سے لے لیتا ہے۔ اس دور کشاکش اور ٹھساٹھس میں خداوند قدوس نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے وہی کام کروا لیا اور اسلامیان ہند کی کشتی بعافیت تمام پار اتر گئی۔ ان دونوں کتابوں کا تعلق ہر چند کہ فقہ اسلامی سے ہے، لیکن فقہ سے کہیں زیادہ ان کا رشتہ سیاست، سیاسی مد و جزر، تہ در تہ سیاسی فریب کاری و ہلاکت خیزی، تعلیم و روزگار کی بربادی، تجارتی و صنعتی میدان کی پسپائی، دینی تہذیب و ثقافت، معیشت و ملازمت، غرض گوناگوں مسلم مفادات و مصالح اور بقا و تحفظات سے ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اعلیٰ حضرت کے معاصرین میں، وہ علما ہوں، زعما ہوں یا کہ خالص سیاسی لیڈران، کوئی ایسا دورا فرد نظر نہیں آتا، جو اتنے کثیر در کثیر علوم و فنون پر حاوی ہو۔ موضوع جو بھی ہو، اس میں اتنا درک یا عبور رکھتا ہو۔ کسی فن کی مباحث کو طرح طرح کے فنون اور ان کے اصول و دلائل سے مدلل و مؤید و مؤکد کرتا نظر آتا ہو۔ حال کے زیر و بم سے مستقبل کی نشاندہی کرتا ہو۔ حالات و واقعات کے تہہ خانے میں اتر اور گھس کر اور دیئے گئے بیانات کے بین السطور کو پڑھ کر اخذ نتائج کرتا ہو۔ دین متین کے تحفظ و غلبے، شریعت غرا کی بالادستی اور امت مسلمہ کی فلاح و صلاح اور خیر خواہی و بہبودی کے لیے اپنا جی جان کھپا کر ایسا جرأت مندانہ مظاہرہ کیا ہو۔ یہ تنہا اعلیٰ حضرت کا اختصاص و امتیاز ہے۔ اس لیے نہ صرف مسلمانان ہند، بلکہ مسلمانان عالم کے لیے سب سے بڑے مخلص مصلح و مسیحا اعلیٰ حضرت تھے۔

امام احمد رضا اور علم تحدید قبلہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقالہ نگاران

زیر نظر مقالے کو راقم الحروف فیضان المصطفیٰ قادری نے ترتیب دیا ہے، یہ اصل میں تین مقالوں کا مجموعہ ہے، جس میں ایک خواجہ علم وفن خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ کا ہے، دوسرا علامہ قاضی شہید عالم رضوی کا ہے اور تیسرا مفتی رفیق الاسلام کانپور کا۔ ہم نے کچھ تمہید کلمات، تشریحات اصطلاحات کا اضافہ کیا ہے، باقی حصہ انھیں مذکورہ مقالات سے اخذ کر کے حوالہ دے دیا گیا ہے۔ مرتب غفرلہ

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ ۱۹۳۴ء میں پورنیہ میں پیدا ہوئے۔ ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین محدث بہاری سے تعلیم حاصل کی ۱۹۵۵ء میں بریلی شریف آئے۔ جامعہ مظہر اسلام (بریلی شریف) دو سال تعلیم پا کر ۱۹۵۶ء میں شعبہ فضیلت سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پانچ سال اسی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور سے قریباً ۱۹ سال تک وابستہ رہے۔ علوم عقلیہ میں آپ فائق الاقران تھے۔ بے شمار تلامذہ آپ نے چھوڑے۔ ۶۰: سے زائد مقالات ومضامین تحریر فرمائے۔ سال ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)

مفتی قاضی شہید عالم رضوی (اسلام پور: بنگال)

حضرت مولانا مفتی قاضی شہید عالم رضوی ۳: جنوری ۱۹۶۵ء کو کٹیہار میں پیدا ہوئے۔ تعلیم جامعہ اشرفیہ (مبارک پور)، شمس العلوم (گھوسی)، فیض العلوم (محمد آباد گوہنہ) میں حاصل کی۔ دار العلوم غریب نواز (الہ آباد) میں ۱۹۸۶ء میں منتہی درجات کی تکمیل کی، ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۶ء تک مدرسہ عالیہ قادریہ (بدایوں شریف) میں تدریسی خدمات انجام دیئے۔ ۱۹۹۷ء سے تادم تحریر جامعہ نوریہ رضویہ (بریلی شریف) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دوران تدریس ہی امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ سے ہیئت، توقیت، مساحت و ہندسہ وغیرہ عقلی علوم حاصل کیے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ۴۵: مضامین ومقالات رقم فرمائے۔ فقہی سیمیناروں میں اپنے مقالات کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں۔ رابطہ نمبر: 9411658062

مفتی رفیق الاسلام صاحب کان پور کا تعارف مقالہ توقیت میں ملاحظہ کریں۔

امام احمد رضا اور فن تحدید قبلہ

تعارف:

امام احمد رضا قدس سرہ من جملہ اُن دینی علوم کے جن میں اجتہادی شان کے حامل تھے، چند ایسے عقلی علوم میں بھی مجتہدانہ شان رکھتے تھے جو دینی علوم سے وابستہ ہیں، مثلاً فن توقیت' جو حساب، ہندسہ، لوگارثم وغیرہ ریاضی کی کئی شاخوں کا عطر مجموعہ ہے اس کا تعلق افضل عبادات نماز سے ہے، اسی طرح علم ہیئت کی ایک شاخ تحدید و تعیینِ سمت کا فن ایک ایسا فن ہے جس کا تعلق بھی نماز ہی سے ہے، فرق یہ ہے کہ ''فن توقیت'' نماز کی ایک شرط ''اوقات'' سے بحث کرتا ہے تو ''فن تحدید القبلۃ'' نماز کی دوسری شرط ''استقبال قبلہ'' کو اپنا موضوع بناتا ہے۔ ان دونوں فنون کی ''افضل العبادات'' سے وابستگی نے ہی ان کو نہایت خشک موضوع ہونے کے باوجود فقہائے اسلام کا پسندیدہ موضوع بنا دیا، یہاں تک کہ جب یہ فن ارتقا کے مراحل طے کرتے کرتے امام احمد رضا قدس سرہ کے در دولت پر دستک دیتے ہیں تو امام احمد رضا ان کا بھرپور استقبال کرتے ہیں اور نوع بنوع ضیافت کرکے ان میں زندگی کی حرارتیں پیدا کر دیتے ہیں۔

''فن تحدید قبلہ'' سے متعلق پورے ذخیرۂ علوم میں اب تک جو کچھ پونجی تھی وہ علم ہیئت کی کتابوں میں بیان کردہ طریقہ تھا جسے ہفت اقلیم کو ذہن میں رکھ کر وضع کیا گیا تھا، مگر وہ طریقہ روئے زمین کے کسی خطے کی سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے قطعاً ناکافی تھا، اس لیے امام احمد رضا نے اس کے لیے ''دس قواعد'' ایجاد کرکے اس کو ایک مستقل فن کی حیثیت دیدی جس سے آپ نے پورے کرۂ ارض کو اپنے قوانین کی آغوش میں لے لیا ہے، کہ اس کا کوئی خطہ کوئی گوشہ ان کی گرفت سے باہر نہیں ہوسکتا۔

فقہائے اسلام میں ایسے ماہرین گزرے ہیں جنھوں نے ''سمت قبلہ'' کی تحقیق میں جادہ پیمائی کی ہے، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ کسی فقیہ نے اس کو ایک مستقل فن کی حیثیت دے کر اس کے قوانین بتائے ہوں، رضائے الٰہی یہی تھی کہ یہ عظیم الشان کارنامہ فقہائے اسلام نے چودھویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے لیے چھوڑ دیا تھا، چنانچہ جب امام احمد رضا کی تجدید دین واحیائے سنت کا عہد زریں شروع ہوا تو جہاں آپ نے ہمہ گیر علمی خدمات انجام دیں وہیں شش جہات کو بھی اپنی توجہات سے نوازا، اور مرکز کائنات' بیت عتیق' کعبۃ اللہ المشرفۃ کی مرکزیت کو ایک علمی حقیقت کا روپ دینے کے لیے پیش رفت کی اور پوری دنیا کا رخ کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنے کے لیے دس ایسے قاعدے ایجاد کیے جن سے ''تعیین سمت قبلہ'' ایک مستقل فن کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آیا۔

اس موضوع پر آپ کی مستقل تصنیف ''کشف العلۃ عن سمت القبلۃ'' اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار اور اس کے حبیب کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے معجزے کا ایک نمونہ ہے جو امام احمد رضا کے قلم سے سینۂ قرطاس پر ثبت ہوا ہے۔ اور ایک دوسرا رسالہ ''ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال'' ہے جو آپ نے علی گڑھ کی سمت قبلہ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔ ہم آگے ان دونوں کتابوں کا تعارف پیش کریں گے۔ ان کے علاوہ بھی اس فن سے متعلق متعدد فتاویٰ آپ کے فتاویٰ کے بے مثال مجموعہ فتاویٰ رضویہ میں موجود ہیں۔

اس فن میں امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی مہارت پر خواجہ علم وفن خواجہ مظفر حسین مظفر پوری علیہ الرحمہ نے مضامین لکھے ہیں۔ جن میں ایک مضمون ''ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال'' کے تعارف پر مشتمل

ہے۔ پھران کے شاگرد رشید حضرت مفتی قاضی شہید عالم رضوی مفتی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف کی ترتیب وتقدیم کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی مذکورہ کتاب ''کشف العلۃ عن سمت القبلۃ'' شائع ہوئی، جس میں قاضی صاحب کا مقدمہ' ان دسوں قواعد کی تشریح اور فن کی اصلاحات کے تعلق سے بہت جامع اور مفید ہے۔ اس کے بعد علم ہیئت وتوقیت کے ایک اور ماہر فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مفتی رفیق عالم صاحب قبلہ نے بھی ان دس قواعد کو موضوع بنا کر ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے جو ابھی طباعت کے مرحلے میں ہے، جس میں مفتی صاحب نے ان قواعد کی بھر پور تشریح کی ہے۔ ہم اس مقالے میں انھیں تینوں حضرات کی نگارشات سے اقتباسات پیش کررہے ہیں۔ لیکن ان سے پہلے وہ دس قواعد اور ان سے متعلق امام احمد رضا کا بیان پھر کچھ ضروری اصطلاحات جو اس فن کے لیے استعمال کی گئی ہیں عرض کرتے ہیں:

امام احمد رضا کے دس قاعدے

امام احمد رضا نے سمت قبلہ دریافت کرنے کے لیے اِس فن میں اپنی اجتہادی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے دس ایسے قاعدے ایجاد کیے ہیں جن کو عمل میں لاتے ہوئے دنیا کے کسی خطے کی سمت قبلہ معلوم کی جاسکتی ہے، وہ قاعدے یہ ہیں:

قاعدہ۱:

اگر فصل طول ۱۸۰/درجے ہو اور مقام کا عرض جنوبی مساوی عرض شمالی مکہ ہو تو اس کا قبلہ مثل قبلۂ مکہ معظّمہ ہوگا۔

قاعدہ۲:

اگر فصل طول ۱۸۰ (درجے) ہو اور عرض اصلا نہ ہو یا عرض شمالی ہو مطلقا یا جنوبی ۲۱ (درجہ) ۲۵ (دقیقہ) سے کم تو اس کا قبلہ عین نقطۂ شمال ہوگا۔ اور اگر جنوبی ۲۱ (درجہ) ۲۵ (دقیقہ) سے زائد تو قبلہ نقطۂ جنوب الخ۔

قاعدہ۳:

اگر فصل طول صفر ہو اور عرض اصلا نہ ہو، یا جنوبی ہو مطلقا، یا شمالی ۲۱/درجہ۔۲۵/دقیقہ سے کم تو اس کا قبلہ عین نقطۂ شمال ہوگا، اور اگر شمالی ۲۱/درجہ۔۲۵/دقیقہ سے زائد ہو تو قبلہ نقطۂ جنوب۔

قاعدہ۴:

اگر فصل طول ۹۰/درجے ہو شرقی خواہ غربی' اور عرض اصلا نہ ہو، دونوں صورتوں میں انحراف شمالی ہوگا بقدر عرضِ مکہ مکرمہ۔ یعنی طول غربی میں نقطۂ مشرق اور شرقی میں نقطۂ مغرب سے شمال کو ۲۱/درجہ ۲۵/دقیقہ جھکنا ہوگا۔

قاعدہ۵:

اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم یا بیش ہو اور عرض معدوم تو چاروں صورتوں میں ظم عرض مکہ+ جیب فصل =ظم انصراف شمالی، فصل طول غربی میں بدستور یہ انحراف نقطۂ مشرق سے ہوگا اور شرقی میں نقطۂ مغرب سے۔

قاعدہ۶:

اگر فصل طول ۹۰ درجے شرقی یا غربی اور عرض جنوبی ہو خواہ شمالی، عرضِ مکہ مکرمہ سے کم یا برابر یا زائد، آٹھوں صورتوں میں: ظل عرض مکہ+ جم عرض بلد=ظل انصراف شمالی، بدستور فصل طول غربی میں انحراف نقطۂ مشرق سے اور شرقی میں مغرب سے۔

قاعدہ۷:

اگر عرض موقع عمود عرض البلد سے مساوی ہو اور فصل طول شرقی خواہ غربی' کم ہے تو عرض بلد شمالی' اور بیش ہے تو جنوبی، ان چاروں صورتوں میں قبلہ عین نقطۂ اعتدال ہوگا، فصلِ طول شرقی میں نقطۂ مغرب اور غربی میں نقطۂ مشرق۔

قاعدہ۸:

اگر عرض موقع العمود تمام عرض البلد کے مساوی ہو اور فصل طول شرقی، خواہ غربی کم ہے تو عرض جنوبی، اور زائد تو عرض شمالی، ان چاروں صورتوں میں:

(۱) جیب عرض البلد+ظل فصل طول=ظل انحراف

(۲) خواہ: جیب عرض حرم- جم عرض البلد= جیب انصراف

(۳) خواہ: جم عرض مکہ+ جیب فصل طول = جیب انحراف از نقطہ شمالی بدستور فصلِ طول شرقی میں نقطۂ مغرب، اورغربی میں نقطۂ مشرق سے۔

قاعدہ۹:

جم عرض موقع +ظل فصل طول =محفوظ، اب اگرفصل طول شرقی خواہ غربی کم اورعرض شمالی ہے یازائداورعرض جنوبی، اور بہر حال عرض البلد مساویٔ عرضِ موقع نہیں، بلکہ کم ہے یا زائد، توان آٹھوں صورتوں میں عرض البلد وعرض موقع کا تفاضل لیں، اب ،محفوظ-جیب تفاضل =ظل انحراف از نقطۂ جنوب یا شمال بنقطۂ اعتدال۔

قاعدہ۱۰:

اگرفصل طول شرقی خواہ غربی کم اورعرض جنوبی ہے، یافصل بیش اورعرض شمالی، اور بہر حال عرض البلد مساوی تمام عرض موقع نہیں، بلکہ کم یازائد ہے،توان آٹھوں صورتوں میں عرض البلدوعرض موقع کو جمع کریں، اب محفوظ-جیب مجموع العرضین =ظل انحراف ازنقطۂ شمال بنقطۂ اعتدال، یہ انحراف ہمیشہ شمالی ہوگا،فصل طول شرقی ہے تونقطۂ مغرب اورغربی ہےتونقطۂ مشرق سے۔

(کشف العلۃ باب دوم صفحہ۸۹ تا ۱۱۳ مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی)

کشف العلۃ کے ان دسوں قاعدوں کے متعلق میں خود امام احمد رضایوں تبصرہ فرماتے ہیں:

’’الحمدللہ، ہمارے یہ دسوں قاعدے تمام زمین زیروبالا، بحروبر، سہل وجبل، آبادی وجنگل، سب کومحیط ہوئے کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہونہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے، آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں، اورتحقیق ایسی کہ عرض وطول اگرصحیح ہواوران قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھادیے جائیں تو کعبہ معظّمہ کوخاص روبروپائیں‘‘۔(کشف العلۃ صفحہ۱۱۶)

اسی کشف العلۃ کے متعلق اپنے رسالہ’’ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال‘‘ میں فرماتے ہیں:

ہم نے اپنے رسالہ’’کشف العلۃ عن سمت القبلۃ‘‘ میں براہین ہندسیہ سے ثابت کیاہے کہ شروع جنوبی ہند جزیرہ سرندیپ وغیرہا سے تئیس درجے چونتیس دقیقے عرض تک جتنے بلاد ہیں جن میں مدراس، حاطہ، بمبئی، حیدرآباد کا علاقہ وغیرہاداخل ہیں سب کا قبلہ نقطہ مغرب سے شمال کوجھکا ہواہے، ستارۂ قطب داہنے شانے سے سامنے کی جانب مائل ہوگا اوراٹھائیسویں درجۂ عرض سے اخیرشمالی ہندتک جس میں دہلی، بریلی، مرادآباد، میرٹھ، پنجاب، بلوچستان، شکارپور، قلات، پشاور، کشمیروغیرہا سب کا قبلہ جنوب کوجھکا ہوا ہے، قطب سیدھے کندھے سے پشت کی طرف میلان کرے گا، دلیل کی رو سے یہ عام حکم ساڑھے بتّیس درجے سے ہوتا تھا، مگر ۲۸ کے بعد ۳۲ تک عدم انحراف کے لیے جتناطول درکار ہے ہندوستان میں اس عرض وطول پر آبادی نہیں، ۲۳ درجہ ۳۴ دقیقہ سے ۲۸ درجہ تک جتنے بلاد کثیرہ ہیں ان میں کسی کا قبلہ مغربی جنوبی کسی کا خاص نقطۂ مغرب کی طرف، علی گڑھ اسی قسم دوم میں ہے جس کا قبلہ جنوب کو مائل ہے، ہم نے اس رسالے میں عرض’’لح،ل‘‘ سے عرض’’لح،ہا‘‘ تک ایک ایک دقیقے کے فاصلے سے ایک جدول دی ہے کہ اتنے عرض پر جب اتنا طول ہوتو قبلہ ٹھیک مغرب اعتدال کی طرف ہوگا، اس کے ملاحظہ سے واضح ہوسکتاہے کہ ہندوستان میں کتنے شہروں کا تحقیقی قبلہ اس حکم مشہور کے مطابق ہے۔(فتاویٰ رضویہ قدیم سوم صفحہ۲۰)

اصطلاحات:

سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے جوعمل کیاجاتاہےاس کے لیے علم الہندسہ (G e o m e t r y) اورعلم مثلث (Trigonometry) کی چند اصطلاحات جاننا ضروری ہے:

کاغذ پر ایک گول دائرہ بنایا جائے اس سے جوشکل ابھرتی ہے

اسے دائرہ کہتے ہیں اور جو خط مستدیر اس شکل کو ہر طرف سے گھیرے ہوتی ہے اسے محیط دائرہ کہتے ہیں، اگر وہ شکل گیند کی طرح ہو یعنی اس میں طول عرض عمق موجود ہوں تو اسے کرہ (Sphere) کہتے ہیں، اس کے اندرونی نقطے کو جو بالکل بیچ میں ہو ''مرکز'' (Centre) کہتے ہیں، اگر دائرے کی ایک سطح سے ایک سیدھا خط دوسری سطح کی طرف کھینچا جائے جو عین مرکز سے ہوکر گزرے اسے قطر (Diameter) کہتے ہیں، محیط دائرہ کے کسی ٹکڑے کو قوس (Arc) کہتے ہیں، کرہ کے اوپر 360 برابر اجزا فرض کیے جاتے ہیں جنھیں درجہ (Digree) کہتے ہیں، پھر ہر درجہ کو ساٹھ برابر اجزا میں تقسیم کر کے ان میں ہر حصہ کو دقیقہ (Minute) کہتے ہیں یوں ہی ہر دقیقہ کو ساٹھ برابر حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو ثانیہ (Second) کہتے ہیں۔

کرۂ ارض کے اوپر بالکل درمیانی سطح پر ایک ایسا دائرہ جو شرقاً غرباً جاتا ہو اور پورے کرہ کو دو حصوں شمالی اور جنوبی میں تقسیم کردے اسے خط استوا (Equator) کہتے ہیں اور ویسا ہی ایک عظیم دائرہ فلک الافلاک پر فرض کریں' اُسے ''معدل النہار'' کہتے ہیں، خط استوا سے شمال کی طرف بعید تر نقطہ ''قطب شمالی'' (North Pole) کہلاتا ہے اور جنوب کی طرف بعید تر نقطہ قطب جنوبی (South Pole) کہلاتا ہے، اسی کرہ ارض پر شمالاً جنوباً ایک لکیر کھینچیں جو خط استوا سے شمال کی طرف قطب شمالی سے گزرتا ہوا دوسری طرف نکل کر قطب جنوبی کو قطع کرتے ہوئے خط استوا سے اسی مقام پر آکر مل جائے جہاں سے شروع ہوا تھا اِس خط کو اِس مقام کا ''دائرۂ نصف النہار'' کہتے ہیں، خط استوا ہی کی طرح جو دائرہ کسی مقام سے شرقاً غرباً جائے اسے دائرۂ اول السموت کہتے ہیں، خط استوا یا دائرۂ اول السموت پر فرض کیے گئے برابر اجزا کو طول البلد (Longitude) کہتے ہیں اور خط نصف النہار پر فرض کیے گئے اجزا کو عرض البلد (Latitude) کہتے ہیں۔ خط استوا سے شمال کی طرف مخصوص دوری کو عرض البلد شمالی اور جنوب کی طرف مخصوص دوری کو عرض البلد جنوبی سے تعبیر کرتے ہیں، انگلینڈ میں ایک مقام ''گرین وچ'' ہے جس کو مرکز فرض کر کے اس سے شرقاً مخصوص دوری کو طول البلد شرقی اور غرباً دوری کو طول البلد غربی کہا جاتا ہے۔

کسی مقام کا سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے اس مقام کا ''طول البلد'' اور ''عرض البلد'' معلوم ہونا ضروری ہے، پھر مکہ مکرمہ سے اُس خاص مقام کی دوری کو ''فصلِ طول'' کہا جاتا ہے۔ اس حسابی عمل میں جو فارمولہ استعمال کیا جاتا ہے اس میں ''جیب وجم اور ظل وظم، قاطع'' جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اس کے لیے علم مثلث (Trigonometry) کی درج ذیل اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے۔

کاغذ پر کھینچا گیا سیدھا خط اگر دائیں بائیں طرف ہو اسے افقی (Horizental) اور جو اوپر نیچے ہو اسے عمودی (Vertical) کہتے ہیں۔

جسے خط مستقیم کو قاعدہ (Base) مان کر اس پر دوسرا خط اوپر سے بطور عمود (Perpendicular) گرائیں تو دونوں خطوں کے ملنے سے جو شکل پیدا ہوتی ہے اسے زاویہ (Angle) کہتے ہیں، اب عمود کے اوپری سرے سے ایک خط کھینچیں جو قاعدہ کے دوسرے سرے سے جا ملے اسے وتر (Hipotenuse) کہتے ہیں، اور ان تینوں خطوں کے ملنے سے جو شکل پیدا ہوئی اسے مثلث (Tringle) کہتے ہیں۔ کسی مثلث کا ایک زاویہ اگر 90 درجے کا ہو تو اسے مثلث قائم الزاویہ کہتے ہیں۔ جس طرح یہ معلوم ہے کہ ایک مربع (Square) کے چاروں ضلعوں کے مجموعی زاویے 360 ڈگری ہوں گے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ ایک مثلث کے تینوں زاویوں کا مجموعہ 180 ڈگری ہوگا، لہٰذا جس مثلث کا ایک زاویہ قائمہ یعنی 90 ڈگری کا ہو اس کے باقی دونوں زاویے 90 ڈگری کے ہی ہوں گے، یعنی اگر دوسرا 30 ڈگری کا ہے تو تیسرا زاویہ لازماً 60 ڈگری کا ہوگا۔ علم مثلث (Trigonometry) کے مطابق ایک قائم الزاویہ مثلث میں

کسی مخصوص زاویہ پر ایک ضلع کی مقدار معلوم ہے تو اس کی بنیاد پر دوسرے ضلعوں کی مقدار معلوم کی جاسکتی ہے۔مثلاً اس شکل میں:

'ا،ب' عمود کی مقدار معلوم ہو اور اس پر 'ا، ج' کا زاویہ معلوم ہو تو 'ا، ج' وتر کی مقدار معلوم کی جاسکتی ہے، فرض کریں ایک عمود کی سائز ۸ ہے اور اس عمود پر 'ا، ج' وتر کا زاویہ 60 ڈگری کا ہے تو ساٹھ ڈگری پر ۸ کے عمود کی جیب (Sine) 'ا، ج' ہوگی۔ اور اگر 'ب، ج' قاعدہ کی سائز معلوم ہے اور 'ب، ج' پر 'ج، ا' نے کتنا زاویہ بنایا یہ معلوم ہو تو اس کی بنیاد پر 'ج، ا' وتر کی سائز (جیب التمام) معلوم کی جاسکتی ہے، لہٰذا یوں کہیں گے کہ مثلاً 'ب، ج' قاعدہ کی سائز ۱۲ ہے اور اس پر 'ج، ا' وتر نے 30 ڈگری کا زاویہ بنایا تو کہا جائے گا کہ تیس ڈگری پر ۱۲ قاعدہ کا جیب التمام (Cosine) 'ج، ا' ہوگا۔

علم مثلث میں معلوم عمود سے وتر کی مقدار کو جیب (sine) اور وتر سے عمود کی مقدار کو قاطع التمام (Cosecant) کہتے ہیں، اور قاعدہ سے وتر کی مقدار کو جیب التمام (Cosine) اور وتر سے قاعدہ کی مقدار کو قاطع (Secant) کہتے ہیں، عمود سے قاعدہ کی مقدار کو ظل (Tangent) اور قاعدہ سے عمود کی مقدار کو ظل التمام (Cotangent) کہتے ہیں۔ اختصار کے طور پر جیب التمام کو جم اور ظل التمام کو ظم کہتے ہیں۔

خواجۂ علم وفن خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ زبدۃ التوقیت کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

(۲) کسی دائرہ میں دو قطر ایسے فرض کریں جو باہم ایک دوسرے پر عمود ہوں تو اس دائرہ کے مرکز کے پاس چار زاویئے قائمے بن جائیں گے مثلاً ہم نے ایک دائرہ میں ایک قطر اج اور دوسرا قطر ء ب فرض کیا تو اس دائرہ میں اس کے مرکز ہ کے پاس اہ ء - ءہ ج - ج ہ ب اور ب ہ ا چار زاویے قائمے بن گئے اور پھر اس کے مرکز سے ایک نصف قطر اس طرح محیط تک کھینچیں کہ ان میں سے ایک زاویہ دو دو حصے پر منقسم ہو جائے۔ مثلاً ہم ایک نصف قطر ہ ط کھینچ کر اہ ء زاویہ کے دو حصے کر دیئے ایک ء ہ ط اور دوسرا ط ہ ا فرض کیجیے ان میں سے ء ہ ط ۳۰ ڈگری اور دوسرا ۶۰ ر ڈگری کا ہے اور پھر نقطہ ط سے ء ب قطر پر ط ی عمود نکالا تو ط ہ ی ایک مثلث قائمۃ الزاویہ بن گیا اس مثلث میں اگر ط ہ نصف قطر کو ایک فرض کریں تو شکل عروسی کے ذریعہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ دوسرے ضلع ط ی اور ی ہ کی مقدار کتنی ہے۔ علم مثلث میں عمود/ وتر کو سائن، قاعدہ/ وتر کو کوسائن، عمود/ قاعدہ کو ٹینج، قاعدہ/عمود کو کوٹینج، وتر/ قاعدہ کو سیکنٹ اور وتر/عمود کو کوسیکنٹ کہتے ہیں۔ (مقدمہ زبدۃ التوقیت)

علامہ قاضی شہید عالم کی تشریحات:

ان قواعد کے متعلق قاضی شہید صاحب قبلہ مقدمہ ''کشف العلۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا نے تمام قواعد کو علم مثلث کروی کے اصول وقواعد اور دلائل وبراہین سے ثابت کر دیا ہے اور ہر ایک کے تحت

شکلیں بنا کر ایسی تشریح کردی ہے کہ علم ریاضی سے شغف رکھنے والے کو معمولی توجہ کے بعد قواعد اور ان سے استخراج سمت قبلہ کی صحت ووثاقت کا پختہ یقین ہو جائے گا، نیز کئی مثالیں دے کر تفہیم کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

کشف العلہ کے جن قواعد میں حسابی عمل کی حاجت ہوتی ہے مثلاً قاعدہ نمبر ۵ سے آخر تک چھ قاعدے ان کو تسہیل وتحقیق کے پیش نظر شکل مغنی وشکل ظلی دونوں کے اصول کے امتزاج سے مرتب فرمایا ہے، جس سے استخراج سمت قبلہ نہایت آسان ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ تحقیقی ہو گیا ہے۔

ستینیہ میں ضرب وتقسیم کا عمل مروجہ ضرب وتقسیم سے مختلف اور خاصا دشوار ہوا کرتا ہے، امام احمد رضا نے ناظرین کے لیے اتنی دشواری بھی روا نہ رکھی اور قواعد کے جملہ حسابات میں لوگارثمی اعمال تحریر فرمائے جس سے عمل آسان سے آسان تر ہو گیا، اب بجائے ضرب وتقسیم، جمع وتفریق سے ہی مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔''

(مقدمہ کشف العلہ صفحہ ۳۴، ۳۵)

آگے قاضی شہید صاحب قبلہ ''کتاب کا اجمالی تعارف'' کے عنوان کے تحت تحریر کرتے ہیں:

''زیر نظر کتاب ''کشف العلۃ'' آٹھ ابواب پر مشتمل ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ان ابواب کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے۔

باب اول: کسی بھی مقام کا فصل طول اگر 90 ڈگری سے کم یا 90 ڈگری سے زائد یا 180 ڈگری سے کم ہو اور عرض موجود ہو تو اس مقام کی سمت قبلہ دریافت کرنے کے لیے قاعدہ نمبر ۷ سے ۱۰ تک چار قاعدے جاری ہوتے ہیں۔

جن کے لیے عرض موقع عمود کی حاجت ہوتی ہے باب اول میں بطور تمہید عرض موقع عمود کی پوری تحقیق فرمائی ہے اور اس کے استخراج کے لیے نہ صرف قاعدہ وضع فرمایا ہے بلکہ اس کی تعریف کرتے ہوئے علم مثلث کروی کی متعدد شکلوں اور براہین کے ذریعہ تحقیق کو ذروۂ کمال تک پہنچا دیا ہے، اسی ذیل میں جہت انصراف قبلہ کے اصول وضوابط کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور دلائل اور براہین سے مبرہن بھی کر دیا ہے۔

باب دوم: مختلف عرض وطول کے لحاظ سے دس قاعدوں کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور متعدد مثالیں پیش کر کے اجرائے قواعد میں بڑی آسانی کردی ہے ہر قاعدہ کو اس سے متعلق شکلیں بنا کر اور علم مثلث کروی کے دلائل وبراہین سے بالکل واضح کر دیا ہے۔

درحقیقت یہ باب اس کتاب کی روح ہے، سمت قبلہ دریافت کرنے کے لیے یہی باب کافی ہے اور عام لوگوں کو اسی باب کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا قارئین کی افادیت کے پیش نظر اس باب کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

خلاصہ قواعد:

قاعدہ نمبر ۱: فصل طول ۱۸۰ درجے ہو یعنی طول البلد شرقی ۱۴۰ درجے ۶ دقیقے ہو اور عرض جنوبی، مکہ معظمہ کے عرض شمالی کے برابر یعنی ۳۰ دقیقہ ۲۱ درجہ ہو تو خاص اس جگہ قبلہ متعین نہیں، داخل کعبہ کی طرح ہر طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے، یہ جگہ سمندر میں واقع ہے، اس کا تصور تو آسان ہے لیکن حقیقی طور پر متعین کرنا متعذر رہے۔

قاعدے نمبر ۲: فصل طول ۱۸۰ درجے ہو اور عرض کے لحاظ سے مندرجہ ذیل چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو:

(۱) عرض البلد صفر ہو۔ (۲) عرض البلد جنوبی ۳۰ دقیقہ ۲۱ درجہ سے کم ہو۔ (۳) عرض البلد شمالی ہو مطلقاً، ان تینوں صورتوں میں قبلہ عین نقطۂ شمال ہوگا۔ (۴) عرض البلد جنوبی ۳۰ دقیقہ ۲۱ درجہ سے زائد ہو، اس چوتھی صورت میں قبلہ خاص نقطۂ جنوب ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۳: فصل طول صفر ہو یعنی طول البلد شرقی ۳۹ درجے ۵۴ دقیقے ہو اور عرض کے لحاظ سے درج ذیل چار صورتوں میں سے

کوئی ایک صورت ہو۔

(۱) عرض البلد صفر ہو۔ (۲) عرض البلد جنوبی ہو مطلقاً
(۳) عرض البلد شمالی ۳۰ دقیقے ۲۱ درجے سے کم ہو۔ ان تینوں صورتوں میں قبلہ خاص نقطۂ شمال ہوگا۔ (۴) عرض البلد شمالی ۳۰ دقیقہ ۲۱ درجہ سے زائد ہو، اس چوتھی صورت میں میں قبلہ خاص نقطۂ جنوب ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۴: فصل طول شرقی خواہ غربی ۹۰ درجے ہو اور عرض اصلاً نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں انصراف شمالی بقدر عرض مکہ ہوگا۔ اگر فصل طول شرقی ہے یعنی طول البلد شرقی ۵۴ دقیقے ۱۲۹ / درجے ہے تو نقطۂ مغرب سے اور فصل غربی ہے یعنی طول البلد غربی ۶ دقیقہ ۵۰ درجہ ہے تو نقطۂ مشرق سے ۳۰ دقیقے ۲۱ درجے شمال کی طرف انصراف ہوگا۔

مذکورہ چاروں قاعدوں میں کس حسابی عمل کی حاجت نہ تھی لیکن بعد کے قواعد میں حسابی عمل کی حاجت ہوگی۔ امام احمد رضا نے لوگارثمی اعمال سے کام لیا ہے اس لیے لوگارثمی اعمال ہی درج کیے جارہے ہیں لہٰذا ضرب کے بجائے جمع، اور تقسیم کے بجائے تفریق کا عمل کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۵: فصل طول شرقی خواہ غربی ۹۰ / درجے سے کم ہو یا بیش اور عرض اصلاً نہ ہو، ان چاروں صورتوں میں درج ذیل عمل کی حاجت ہوگی:

ظم عرض مکہ + جیب فصل طول = ظم انصراف شمالی

فصل طول شرقی ہے تو نطقۂ مغرب سے اور غربی ہے تو نقطعۂ مشرق سے شمال کی طرف جھکنا ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۶: فصل طول شرقی یا غربی ۹۰ / درجے ہو اور عرض بلد جنوبی ہو یا شمالی، عرض مکہ سے کم ہو یا برابر یا زائد ان آٹھوں صورتوں میں:

ظل عرض مکہ + جم عرض بلد = ظل انصراف شمالی

اس قاعدہ کے تحت آنے والے مقامات کا قبلہ مطلقاً شمالی ہوتا ہے فصل طول شرقی ہے تو نقطۂ مغرب سے اور غربی ہے تو نقطۂ مشرق سے شمال کی طرف انحراف ہوگا۔

عرض موقع عمود: قاعدہ نمبر ۷ / سے قاعدہ نمبر ۱۰ / تک چاروں قاعدوں کے لیے عرض موقع عمود کی حاجت ہوتی ہے، اس کا قاعدہ درج ذیل ہے:

ظم عرض مکہ + جم فصل طول = ظم عرض موقع العمود

قاعدہ نمبر ۷: (۱) فصل طول شرقی خواہ غربی ۹۰ / درجے سے کم ہو اور عرض شمالی ہو۔

(۲) فصل طول شرقی خواہ غربی ۹۰ / درجہ سے زائد ہو اور عرض جنوبی ہو، ان چاروں صورتوں میں اگر عرض موقع العمود عرض البلد سے مساوی ہے تو قبلہ عین نقطۂ اعتدال ہوگا، فصل طول شرقی میں نقطۂ مغرب اور غربی میں نقطۂ مشرق۔

قاعدہ نمبر ۸: (۱) فصل طول شرقی خواہ غربی ۹۰ / سے کم ہو اور عرض جنوبی ہو۔ (۲) فصل طول شرقی خواہ غربی ۹۰ / سے زائد اور عرض شمال ہو اور عرض البلد تمام عرض موقع کے مساوی ہو۔ بلفظ دیگر عرض موقع تمام عرض البلد کے مساوی ہو تو مندرجہ ذیل تینوں طریقوں سے سمت قبلہ معلوم کر سکتے ہیں:

(۱) .... جیب عرض البلد + ظل فصل طول = ظل انحراف از نقطۂ شمال بہ نقطۂ اعتدال۔

(۲) .... جم عرض مکہ + جیب فصل طول = جیب انحراف از نقطۂ شمال بہ نقطۂ اعتدال

(۳) .... جیب عرض حرم - جم عرض البلد = جیب انصراف از نقطۂ اعتدال نہ نقطۂ شمال!

نقطۂ اعتدال سے فصل طول غربی میں نقطۂ مشرق مراد ہے اور فصل طول شرقی میں نقطۂ مغرب۔

ہدایت: قاعدہ ۹ / و ۱۰ / کے لیے محفوظ نکالنے کی حاجت ہوتی ہے، محفوظ نکالنے کا طریقہ درج ذیل ہے:

جم عرض موقع + ظل فصل طول = محفوظ

قاعدہ نمبر۹: (۱) فصل طول شرقی خواہ غربی ۹۰/درجے سے کم اور عرض شمالی ہو۔

(۲) فصل طول شرقی خواہ غربی ۹۰/درجے سے زائد اور عرض جنوبی ہو اور عرض موقع عرض البلد کے مساوی نہ ہو تو:

محفوظ - جیب تفاضل عرض موقع وعرض بلد = ظل انحراف از نقطۂ جنوب یا شمال بہ نقطۂ اعتدال!

ہدایت: عرض البلد اگر عرض موقع سے کم ہو تو نقطۂ شمال سے انحراف ہوگا اور زائد تو جنوب سے، فصل طول شرقی ہے تو نقطۂ مغرب اور غربی ہے تو نقطۂ مشرق کو

قاعدہ نمبر۱۰: (۱) فصل طول ۹۰/ سے کم اور عرض جنوبی ہو۔

(۲) فصل طول ۹۰/ سے زائد اور عرض سمالی ہو اور بہر صورت عرض البلد تمام عرض موقع کے مساوی نہ ہو یا بلفظ دیگر عرض موقع تمام عرض بلد کے مساوی نہ ہو تو عمل حسب ذیل ہوگا۔

محفوظ - جیب مجموع العرضین = ظل انحراف از نقطۂ شمال بہ نقطۂ اعتدال! بدستور فصل شرقی میں نقطۂ مغرب کو اور فصل غربی میں نقطۂ مشرق کو انحراف ہوگا۔

باب سوم: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی اعلیٰ فن کارانہ صلاحیت ہے کہ تمام مقاصد کا اثبات متعدد زاویوں سے کر سکتے ہیں، لہٰذا باب سوم میں مذکورہ قواعد کو صرف شکل مغنی کے اصول سے بھی مرتب مرتب فرمادیا ہے، نیز اشکال بنا کر اور کثیر مثالیں دے کر پوری وضاحت فرمادی ہے، جس سے ان قواعد کی صحت اور وثاقت مزید آشکار ہوگئی ہے۔

باب چہارم: اس باب میں امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے ایجاد کردہ قواعد کے مؤامرہ کا مؤامرۂ زیجات سے موازنہ کر کے مختلف طریقوں سے اپنے مؤامرہ کا افضل ہونا ثابت فرمایا ہے، اور سمت قبلہ کے تعلق سے اسلاف کے بیان کردہ قواعد کی تنقیح بھی فرمائی ہے۔ ساتھ ہی اس کے ذیل میں بہت سے ان نازک مقامات کی نشان دہی فرمادی ہے جہاں استخراج سمت قبلہ میں سخت احتیاط درکار ہے، ورنہ اتنی فاحش خطا واقع ہو جاتی ہے کہ بسا اوقات قطعاً فساد نماز کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہے مثلاً ایک دقیقہ فصل اور ایک دقیقہ فرق عرض پر کبھی ۴۷/درجے قبلہ بدل جاتا ہے، اس کے ساتھ ہی امام احمد رضا نے ایک جدول کے ذریعہ مختلف فصل وفرق پر قبلہ کی تبدیلی اور اس سے متعلقہ تفاضل کو واضح فرمادیا ہے۔ ان مباحث کو چھ بیانات میں منقسم کر کے بیان فرمایا ہے۔

خاتمہ: یہ باب چہارم کا خاتمہ ہے، اس میں بلد مطلوب القبلہ اور مکہ معظّمہ کے درمیان جو مسافت واقع ہے اس کو دریافت کرنے کے چند طریقے بیان فرمائے ہیں۔

باب پنجم: چغمینی کے مؤامرات کو ذکر فرما کر ان پر متعدد اعتراضات وارد فرمائے ہیں۔

باب ششم: امام احمد رضا نے پوری دنیا کے لیے ۱۵/۱۵ دقیقے کے فصل سے عرض موقع ومحفوظ کی جدول مرتب کی تھی، اس باب میں اسی جدول کے ذریعہ نہایت آسانی کے ساتھ سمت قبلہ دریافت کرنے کے قواعد بیان فرمائے ہیں۔ لیکن افسوس کہ وہ جدول تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہوسکی۔

باب ہفتم: امام احمد رضا نے پورے غیر منقسم ہندوستان کے لیے ایک ایسی جدول مرتب فرمائی تھی کہ جس شہر کی سمت قبلہ دریافت کرنا ہو وہاں کا عرض وطول معلوم کریں اور جدول سے کسی حسابی عمل کے بغیر سمت قبلہ حاصل کرلیں، لیکن افسوس کہ یہ جدول بھی نہ مل سکی۔

باب ہشتم: جاوہ، بمبئی، کراچی، کولمبو سے عدن، تک اسی طرح عدن سے جاوہ، بمبئی، کراچی اور کولمبو تک جانے والے بحری جہازوں کے لیے سو سو میل کے فاصلے پر سمت قبلہ کی تعیین اور عرض وطول کی تحدید فرما کر ان کے جداول مرتب فرمادیے ہیں اور سمندری راستے سے ان شہروں کی مسافت بھی بیان فرمادی ہے، البتہ عدن سے جدہ اور ینبوع کو جانے والے جہازوں کے لیے مرتب کردہ جدول دستیاب نہ ہوسکی جس کے لیے افسوس ہے۔

اس بحث کے ذیل میں برّی میل اور بحری میل کی تحقیق کے

علاوہ بحری میل کی تحدید کے بارے میں انگریز محققین کے اختلافات اور حسابات میں ان سے واقع ہونے والی خطاؤں کی بھی نشان دہی فرمادی ہے‘‘۔

(ماخوذ از مقدمہ ’’کشف العلۃ عن سمت القبلۃ صفحہ ۳۵ تا صفحہ ۴۲)

مفتی رفیق الاسلام صاحب کی کتاب ’’دس قاعدے‘‘ سے اقتباس:

ان دسوں قاعدوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی رفیق الاسلام صاحب کان پوراپنی کتاب ’’دس قاعدے‘‘ میں اپنے انوکھے اسلوب میں لکھتے ہیں:

’’ان دس قاعدوں میں ذہن وفکر کومحو حیرت کر دینے والی ایسی باریک بینی نمایاں ہے احساس ہوتا ہے کہ انہیں ترتیب دیتے وقت روئے زمین کا گوشہ گوشہ امام احمد رضا کے سامنے دست بستہ حاضر تھا فریاد کر رہا تھا حضور! میں بھی نظر التفات کا محتاج ہوں جب مجھے کسی نمازی کی قدم بوسی کا شرف ملے تو جہت قبلہ میں اس کی رہنمائی فرمائیں۔سمندر کی لہروں سے صدائیں آرہی ہوں گی نمازیوں کی کوئی کشتی ہمارا بھی تاج سر بن سکتی ہے۔اے کعبہ دکھانے والے ! مجدد اعظم: ہم پر بھی نظر کرم کریں۔

اور فاضل بریلوی نے ہر ایک کی فریاد سنی ہر ایک کے درد کا احساس کیا۔ ہر ایک کی ضرورت کا مشاہدہ کیا۔ ہر ایک کو تحقیق کے عطیہ سے سرفراز کیا کوئی ایسا گوشہ نظر نہیں آتا جو ان دس قاعدوں میں سے کسی کی پناہ میں محفوظ نہ ہو اور اس کے ظل میں مسرور نہ ہو۔ روئے زمین کی ساخت چونکہ مدور ہے زیادہ تر حصہ سمندر میں غرقاب ہے قطبین نے درجنوں کلومیٹر کی موٹی موٹی برفیلی چادریں اوڑھ رکھی ہیں۔خشکی کا علاقہ نقصان وزیادتی سے محفوظ نہیں کتنی آبادیاں اجڑ چکیں کتنے صحرا آباد ہو گئے سمندر میں ’’بوٹ ہاؤس‘‘ کے شہر بن گئے ،جنگلات کو انسانی آبادیاں کھا گئیں مسافروں کے لئے زیر آب راستے بن گئے ،انٹارٹیکا میں ریسرچ سینٹر قائم ہونے لگے لہٰذا کرۂ ماء کی پوری سطح کے ہر ایک گوشہ کے بارے میں کسی نمازی کے امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اور استقبال قبلہ پر کتب سابقہ میں جو مواد موجود ہیں ان کا تعلق زیادہ تر ہفت اقلیم سے ہے،ایک عظیم مجدد کا یہ عظیم احسان ہے کہ انہوں نے استقبال قبلہ جیسے اس ضروری مسئلہ کا بشدت احساس کیا اور اپنی تحقیق کے گہر لٹائے۔جس طرح دس دوائر عظام علم فلکیات کی جان ہیں بس اسی طرح یہ دس رضوی قاعدے صرف استقبال قبلہ ہی کے لئے نہیں بلکہ روئے زمین کے ہر ایک قطعہ کے لیے استخراج سمت کی جان وجانِ جان ہیں۔

زمین پر آباد علاقے آج نظروں کے سامنے ہیں۔انٹرنیٹ نے اس نارنگی کرۂ ارض کو اٹھا کر کف دست میں ڈال دیا ہے۔آج خطۂ مغمورہ بھی شکل معمورہ میں تبدیل ہوتا جارہا ہے۔ہمیں اس کا مشاہدہ ہے دو آبادیوں کے درمیان جو خلاء نظر آرہا ہے وہی ان کا بعد ہے یہی بعد اگر طول میں ہو تو فصل سے اس کی تعبیر ہوتی ہے اگر یہی بعد عرض میں ہو تو اسی کو ’’فرق‘‘ کہتے ہیں۔دونوں آبادیوں کی سمت الراس اور سمت القدم سے گزرنے والے عظیم دائرہ سے سمت کی رہنمائی ہوتی ہے دونوں آبادی کی سمت الراس کے درمیان کی قوس اصغران کا بعد اور سمت ہے۔

اس بعد کے لحاظ سے سطح زمین کی بہت سی تصویریں سامنے آتی ہیں۔خاص کر جبکہ اس بعد کا ایک کنارہ کعبہ معظّمہ ہو کہ یہاں مطلوب خاص استقبال قبلہ ہے نہ کہ عام استخراج سمت حرم مقدس کے نصف النہار نے دائرہ اعتدال کو مشرق ومغرب دو برابر حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔پھر اسی نصف النہار کے قطبین نقطۂ مشرق ومغرب ہیں، لہٰذا دائرۂ اعتدال چار برابر حصوں میں منقسم ہو گیا۔ان میں سے ہر ایک حصہ برابر برابر نوے حصوں میں منقسم ہے جنہیں فصل طول کے نوے درجے یا نوے ڈگری کہتے ہیں ان ڈگریوں میں اگر فصل نوے سے کم ہو تو ناقص اور نوے ہو تو فصل تام اور نوے سے زائد ہو تو فصل زائد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ڈگریوں کا یہ شمار زیادہ سے زیادہ

ایک سو اسی تک ہے اس سے زائد دوری محال ہے۔ جس طرح دائرۂ اعتدال حرم کے نصف النہار اور اس کے قطبین سے چار برابر برابر حصوں میں منقسم ہوا اسی طرح یہ نصف النہار بھی دائرۂ اعتدال اور اس کے قطبین سے برابر برابر چار حصوں میں منقسم ہو چکا ہے۔ ان میں بھی ہر ایک حصہ نوے حصوں میں منقسم ہے جنہیں عرض میں درجہ یا ڈگری کہا جاتا ہے۔ اب کرۂ ارض کافی حد تک ہمارے ذہن وفکر سے قریب آچکا۔ یہاں کی ہر ایک آبادی کو اس مقدس شہر سے ایک خاص نسبت ہے کہ نماز میں اسی کے استقبال کا حکم ہے۔ فصل طول کے لحاظ سے جب اس دوسری آبادی پر نظر کریں تو اس کی متعدد صورتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔

یا تو یہ فصل ''زیرو'' پر ہوگا یا ناقص یا تام یا زائد یا پھر منتہی و''زیرو'' اور منتہی کے علاوہ باقی تینوں صورتیں شرقی ہوں گی یا غربی کل آٹھ صورتیں سامنے آئیں عرض کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کی متعدد صورتیں اور ہیں۔ یا تو ان آبادیوں کا عرض معدوم ہے یا عرض موقع عمود سے کم یا برابر یا پھر زائد عرض معدوم کے علاوہ تینوں صورتیں شمالی ہوں گی یا جنوبی؟ عرض کے لحاظ سے سات احتمالات سامنے آئے۔ آٹھ احتمالات طول کے سات عرض کے کل احتمالات ان دونوں کی ضرب سے چھپن آئے جبکہ اس میں اور احتمال کا امکان ہی نہیں بلکہ موجود ہے۔ ان میں سے ہر ایک احتمال بالاستقلال اپنا وجود رکھتا ہے۔ ہر ایک وجود اپنے لئے الگ قاعدہ کا متقاضی ہے لیکن آج محققین امام احمد رضا کی مجددانہ شان کی صرف مدح سرائی ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ ان تحقیقات کو باعث فخر سمجھتے ہیں اور ہر ایک تحقیق میں بے مثال تدقیقات کو تسلیم کرنے میں اپنی سعادت مندی سے شمار کرتے ہیں۔ کہ آپ نے ان چھپن یا اس سے زائد قاعدوں کو دس قاعدوں میں مقید کر دیا ہے۔ بارگاہ احمد رضا میں جبیں سائی سے مجھے حوصلہ ملا اسی کے تشکر میں یہ قلب ناتواں کی طرف سے نذرانۂ عقیدت ہے۔ گرچہ ان قاعدوں کے عرشی مفاہیم تک مجھ جیسوں کے ذہن وفکر کی رسائی قریب ناممکن ہے آسمان علم وفضل میں ستاروں کی طرح چمکنے والے ان مفہوموں کو اہل علم ہی کچھ بیان کر سکتے ہیں، لیکن روشنی سے استفادہ کسی خاص طبقہ سے متعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بھی طبع آزمائی کی جرأت کی۔ اپنی فہم و فراست کی یہ جرأت تو بے جا ہے لیکن احمد رضا کے فیضان وکرامت سے ایسی امید بے جا ہرگز نہیں کہ اسی در پہ ایک عظیم مفکر نے یہ صدا لگائی تھی:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
(علامہ عبدالعلیم میرٹھی)

(دس قاعدے صفحہ نمبر ۷ تا ۱۰)

قاعدہ نمبر دس اور شمالی امریکہ کی سمت قبلہ:

قاعدہ نمبر دس سے شمالی امریکہ کی سمت قبلہ کا مسئلہ حل کیا گیا جو ایک زمانے میں شمالی امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں میں ایک بڑا مسئلہ بن کر سامنے آگیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عموماً جو طریقہ سمت قبلہ معلوم کرنے کا کتابوں میں درج تھا وہ شرقی طول البلد پر واقع مقامات کے لیے تھا، لیکن امریکہ تو گرین وچ سے مغربی طول البلد پر واقع ہے اور اس کا عرض بھی عرض مکہ سے زائد ہے اس لیے شرقی طول البلد والے مقامات کے لیے جو عام اصول تھے یعنی ''عرض مکہ سے زائد عرض البلد ہو تو انصراف جنوب کو ہوگا'' اسی کو علما، مفتیان کرام اور دنیا کے متعدد دارالافتاؤں نے یہاں کا سمت قبلہ قرار دیا تھا، لیکن جب یہ سوال خواجہ علم وفن خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پہنچا تو آپ نے اس کا حل امام احمد رضا کے قاعدہ نمبر دس سے اخذ کیا اور شمالی امریکہ کے مسلمانوں کو اطمنان کی دولت سے سرفراز کیا۔

شمالی امریکہ کی سمت قبلہ سے متعلق خواجہ علم وفن کے اس فتویٰ کو حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحی نے اپنی تشریحات کے ساتھ ترتیب دیا ہے، یہاں اس کا کچھ حصہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، مرتب موصوف فرماتے ہیں:

''شمالی امریکہ کی سمت قبلہ کا مسئلہ آج کا کوئی نیا نہیں بلکہ ۱۹۳۷ء سے قبل اور بعد کے ادوار میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا۔ بعض حضرات نے جہت قبلہ۔ جنوب مشرق اور بعض حضرات نے شمال مشرق بتایا چنانچہ شیخ مفتی احمد محمد تمیم رئیس الادارۃ الدینیہ یوکرین نے اپنے فتوی میں اپنے نقطۂ نظر (جنوب مشرق) کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس اختلاف پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

اور ہمیں یہ بات سن کر بہت بری لگی کہ بعض گروہ نے اپنی خواہش کے مطابق جہت قبلہ بدل ڈالی ہے اللہ عزوجل انہیں حق اور صحیح راستہ کی ہدایت فرمائے ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ ۱۹۳۷ء سے قبل بنی ہوئی شمالی امریکہ میں مسلمانوں کی پرانی قبروں کا مشاہدہ کریں۔(ترجمہ)

مختلف ادوار میں رائیں مختلف رہیں۔ ماضی قریب میں امریکہ میں مقیم حساس مسلمانوں نے سمت قبلہ کی صحیح صورت حال سے واقفیت کے لیے بڑی تگ ودو کی دنیا کے مختلف دینی اداروں اور دانش گاہوں سے رابطے بھی قائم کئے۔ ارباب افتا اور اصحاب علم ونظر نے اپنی اپنی معلومات کے آئینے میں جہت قبلہ کی صورت متعین فرمائی، اس وقت لبنان کے سنی دینی ادارہ ''جمعیۃ المشاریع الخیریۃ الاسلامیۃ'' کی طرف سے شائع شدہ فتاوی کا مجموعہ فقیر راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس ادارہ کی امریکہ شاخ فیلاڈلفیا کے آرگنائزر شیخ ریاض الناشف اور شیخ سمیر القاضی نے دنیا کے مختلف دارالافتاء سے رجوع کرکے یہ فتاویٰ شائع کئے ہیں۔ جس میں مصر، یوکرین، انڈیا، داغستان اور لبنان کے مفتیان کرام کے فتاویٰ شامل ہیں۔

شیخ عبدالفتاح حسین رئیس جامعۃ الازہر نے اپنے مختصر فتویٰ میں شمالی امریکہ کی جہت قبلہ جنوب مشرق بتایا ہے۔

شیخ عطیہ صقر صدر شعبۂ افتا جامع ازہر مصر نے بھی شمالی امریکہ اور کینڈا کی سمت قبلہ جنوب مشرق بتایا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شمالی امریکہ مکۂ مکرمہ سے ربع شمال مغرب میں واقع ہے چنانچہ وہ رقم فرماتے ہیں:

ترجمہ: شمالی امریکہ اور کینڈا کے باشندوں کی جہت قبلہ جانب مشرق ہے کیونکہ شمالی امریکہ مکہ سے ربع شمال مغرب میں واقع ہے۔ لہٰذا جو لوگ شمال مشرق کی طرف رخ کرکے نماز پڑھیں گے تو ان کی نہ تو جہت قبلہ درست ہوگی اور نہ نماز صحیح ہوگی۔

شیخ نزار رشید حلبی رئیس جمعیۃ المشاریع الخیریۃ الاسلامیہ بیروت لبنان کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ شمالی امریکہ مکہ مکرمہ سے ربع شمال مغرب میں واقع ہے لہٰذا شمالی امریکہ میں نماز پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جنوب مشرق کی طرف رخ کرکے نماز پڑھیں شمال مشرق کی طرح رخ کرنے سے نماز نہ ہوگی۔

ان امريكا الشمالية تقع بالنسبة لمكة في الربع الشمالي الغربي من الارض . فلا بد للمصلي في أمريكا الشمالية اذن من التوجه في صلاته الى الجنوب الشرقي فان توجه الى الشمال الشرقي فصلاته غير صحيحة قطعا.

شیخ نبیل ابن شیخ محمد شریف الحسینی الازہری الشافعی رئیس جمعیۃ سادۃ الاشراف لبنان نے بھی یہی بات کی ہے۔

شیخ الازہر محمد یوسف عقیقی نے کتاب وسنت اور اجماع امت سے نماز میں استقبال قبلہ کے شرط ہونے کو بیان کرنے کے بعد یہی فرمایا ہے کہ شمالی امریکہ کا خط قبلہ جنوب مشرق کی طرف ہے فقیہ شافعی ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد بن یوسف عبدری ہروی لبنان نے بھی شمالی امریکہ کی سمت قبلہ جنوب مشرق بتایا ہے۔ انہوں نے اپنے فتویٰ میں تمام مکاتب فقہ کا یہ اجماعی مسئلہ نقل فرمایا ہے۔

شمالی امریکہ کی سمت قبلہ پر دلیل اہل اسلام کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے پورب بسنے والے لوگ پچھّم کی جانب اور پچھّم والے پورب کی طرف اتر والے دکھن کی جانب اور دکھن والے اتر کی جہت رخ کرکے نماز ادا کریں گے۔(ترجمہ)

پھر استدلال فرماتے ہیں کہ امریکہ شمالیہ جب شمال میں واقع ہے تو وہاں والوں کا قبلہ شمال مشرق ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ مذکورہ بالا

اجماعی مسئلہ کے پیش نظران لوگوں کا قبلہ جنوب مشرق ہوگا۔

بعض دیگر حضرات نے بھی شمالی امریکہ کی سمت قبلہ جنوب مشرق ماننے والوں کی تصدیق وتائید کی ہے۔**ان الفتیا الصادرة من الازهر الشريف هي الصواب**"۔

(ماخوذ از تحقیقات امام علم وفن صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۸)

اس کے بعد مرتب نے شمالی امریکہ کے سمت قبلہ کے مسئلے کو کس طرح حل کیا گیا اس کی درج ذیل تفصیل دی ہے:

وہ مقررات جن پر مسئلہ دائرہ کے حل کی بنیاد رکھی گئی ہے:

اکسفورڈ اسکول اٹلس میں شمالی امریکہ کے شہر ہوسٹن کا عرض البلد ۴۹۔۲۹ شمالی طول البلد ۲۰۔۹۵ غربی درج ہے۔اور وینی پگ (wini peg) کا عرض البلد ۵۲ درجہ شمالی اور طول البلد ۹۷ درجہ غربی لکھا ہے۔اور مکہ مکرمہ کا عرض البلد ۲۵۔۲۱ شمالی اور طول البلد ۵۴۔۳۹ شرقی درج ہے۔

ویسے کتب ہیئت وغیرہ میں مکہ معظّمہ کا طول البلد ۱۰۔۴۰ مذکور ہے۔دونوں میں صرف ۵۶ دقیقے کا فرق ہے جو بہت معمولی فرق ہے۔آنے والے حسابی سطور میں مکہ معظّمہ کا طول البلد ۱۰۔۴۰ درج کرتے ہوئے ہم حساب پیش کریں گے۔اور امریکہ کے شہر ہوسٹن اور وینی پگ (WINI PEG) کی سمت قبلہ متعین کریں گے۔

غور وفکر کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ دائرہ کا تعلق امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے بیان کردہ دس قاعدوں میں سے دسویں قاعدہ سے ہے۔اس لئے ذیل میں پہلے ہم اس قاعدہ کو پورے طور پر بیان کر کے اس کی توضیح وتشریح کریں گے۔پھر مسئلہ دائرہ کا حل پیش کریں گے۔

قاعدہ (۱۰): اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم اور عرض جنوبی ہے۔یا فصل بیش اور عرض شمالی اور بہر حال عرض البلد مساوی تمام عرض موقع نہیں، بلکہ کم یا زائد ہے تو ان آٹھوں صورتوں میں عرض البلد اور عرض موقع کو جمع کریں اب محفوظ منفی جیب مجموعی العرضین فلل انحراف از نقطہ شمال بنقطہ اعتدال یہ انحراف ہمیشہ شمالی ہوگا، فصل طول شرقی ہے تو نقطۂ مغرب اور غربی ہے تو نقطہ مشرق سے۔

قاعدہ میں مذکورہ تین نئے اصطلاحی الفاظ کی توضیح:

جیب: چیمبرس وغیرہ کے جداول ریاضیہ میں علم مثلث کی اصطلاح سائن Sine کو سائن ٹینج TANG کو ٹینج COTING وغیرہ درج ہیں۔جیب ان ہی اصطلاحوں میں سائن SINE کو کہتے ہیں۔

محفوظ:۔عرض موقع کے جیب التمام (COSINE) اور فصل طول کے خلل (TANG) کے مجموعہ کو محفوظ کہتے ہیں۔یعنی عرض موقع کے جیب التمام فصل طول کا خلل محفوظ۔

عرض موقع فصل طول کے جیب التمام (COSINE) میں ۷۷۔۶۴۵۷ء۱۰۱ یعنی عرض مکہ کا کوٹینج (COTANG) جمع کیجئے اور حاصل جمع کو خلل التمام مان کر یعنی COTANG سمجھ کر درجہ دقیقہ حاصل کیجئے، یہی درجہ دقیقہ عرض موقع ہے۔(نوٹ: جیب، جیب التمام ظل وظل التمام وغیرہ چمبرس کے جداول ریاضیہ سے اخذ کریں۔)

تمام عرض موقع عرض موقع کی مقدار کو ۹۰ سے تفریق کرنے پر جو باقی رہے۔وہ تمام عرض موقع ہے مندرجہ بالا قاعدہ کے مطابق حساب کرنے پر معلوم ہوا کہ ہوسٹن کا عرض موقع ۴۹۔۲۸ اس تمام عرض موقع ۱۱۔۶۱ ہے جب کہ اٹلس سے معلوم ہے کہ ہوسٹن کا عرض البلد ۴۹۔۲۹ اور تمام عرض البلد ۱۱۔۶۰ ہے یہاں عرض البلد تمام عرض موقع کے مساوی نہیں ہے۔حساب کی ساخت جاننے کے لئے پہلے فصل طول معلوم کرنے کا قاعدہ ملاحظہ فرمائیں۔

فصل طول معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر دونوں بلاد مکہ معظّمہ اور مطلوب (سمت شہر) گرینچ سے باعتبار شرق وغرب متحد ہیں تو دونوں کے طول کا تفاوت لیں اور اگر مختلف الجہت ہوں تو جمع کریں یہاں کہ معظّمہ شرقی اور ہوسٹن غربی ہے اس لئے فصل طول معلوم کرنے کے لئے دونوں بلاد کا طول جمع کیا گیا جو ۳۰۔۳۵ ہوا۔ بعد تنقیح ۴۴ درجہ ۳۰ دقیقہ اس کا کوئی سائن COSINE

۹٫۸۵۳۲۴۲۱ + ۷۷ ٫۴۰۶۴۵ ٫۱۰+ ۲۵۹۶۹۹۸ ٫۲۰۔ اس کا جدول کوٹینج (COTANG) میں درجہ دقیقہ لیا تو معلوم ہوا کہ ۴۹۔۲۸ ہے یہی اورا۱۔۶۱ تمام عرض موقع ہوا۔

اب اصل قاعدہ کے مطابق عمل کر کے سمت قبلہ معلوم کیا جاتا ہے۔

عرض موقع:۴۹۔۲۸

عرض البلد:۴۹۔۲۹

مجموع العرضین:۲۸۔۵۸

اس کا جیب:۹٫۹۳۱۳۸۳۵

جیب التمام COSINE عرض موقع ۴۹ ۔۲۸ = ۹۴۲۵۸۲۲ TANG فصل طول ۳۰۔۴۴= ۹۹۲۴۱۹۷ ٫۹ جیب SINE مجموع العرضین کوتفریق کیا۸۹۳۵۰۰۶۳ ٫۹محفوظ

۹٫۹۳۱۳۸۳۵

۶۲۲۸ ۳ ۰۰ ٫۱۰مجموع العرضین کا جیب

اس کوٹینج مان کراس کا درجہ دقیقہ حاصل کیا۴۱۔۴۵ انحراف از نقطہ شمالی بر مشرق پس انحراف از نقطہ شرق بہ شمال۴۶۔۴۴ ہوا۔

WINNI PEG

وینی پگ کا عرض البلد شمالی ۵۲ درجہ اور تمام عرض البلد ۲۸ درجہ ہے اور طول البلد غربی ۹۷ درجہ ہے اس لئے ۹۷ +۱۰- ۴۰= ۱۰- ۱۳۷- بعد تنقیح ۵۰- ۴۳ درجہ فصل طول ہوا۔ اس لئے فصل طول کا کو سائن ۸۵۸۱۵۰۵ ٫۱۰ ہوا۔

اس کا جدول کوٹینج میں درجہ دقیقہ لیا تو = ۳۲-۲۸ یہاں کا عرض موقع یہی ہے اور تمام عرض موقع ۲۸-۶۱ ہے۔

عرض موقع ۳۲-۲۸ کا کوسائن = ۹٫۴۳۷۶۱۲

فصل طول ۵۰- ۴۳ کا ٹینج

=۹٫۹۸۲۳۰۸۷×محفوظ

جیب مجموع العرضین کوتفریق کیا ۱۹٫۹۲۶۰۶۹۹

۹٫۹۹۴۰۴۴۹

۹٫۹۳۲۰۲۵۰

عرض موقع	=	۲۸-۳۲
عرض البلد	=	۵۲-۰۰
مجموع العرضین	=	۸۰-۳۲
اس کا جیب	=	۹٫۹۹۴۰۴۴۹

اس باقی کوٹینج مان کر اس کا درجہ دقیقہ حاصل کیا۔۳۲۔۴۰ ہوا=انحراف از نقطہ شمالی بہ مشرق ۲۸-۴۹، انصراف از نقطۂ مشرق بہ شمالی''۔

(ماخوذ از مضامین خواجہ علم وفن صفحہ ۲۸۴ تا ۲۸۷)

قاعدہ نمبر دس کی تشریح:

مفتی رفیق الاسلام صاحب نے قاعدہ نمبر دس کے متعلق اپنی کتاب'' دس قاعدے'' میں جو کچھ تشریحات دی ہیں اس مقام کی مناسبت سے ہم من وعن نقل کرتے ہیں:

قاعدہ۱۰

'' اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم اور عرض جنوبی ہے یا بیش اور عرض شمالی اور بہر حال عرض البلد مساوی تمام عرض موقع نہیں بلکہ کم ہے یا زائد توان آٹھوں صورتوں میں عرض البلد وعرض موقع کو جمع کریں اب محفوظ - جیب مجموع العرضین =ظل انحراف از نقطۂ شمال بنقطۂ اعتدال یہ انحراف ہمیشہ شمالی ہوگا، فصل طول شرقی ہے تو نقطۂ مغرب اور غربی ہے تو نقطۂ مشرق سے۔ کشف العلۃ صفحہ 66

یہ ہے'' عشرۃ کاملۃ '' کا آخری قاعدہ، کرۂ زمین کے آٹھ حصے کیے گئے تھے، ان میں بھی دو صف بنائی گئی تھیں صف اول کا بیان نونمبر قاعدہ میں گزرا جس میں کرۂ ارض کے چار اثمان تھے نصف یعنی چار اثمان باقی رہ گئے تھے۔ یہ چاروں اثمان صف ماسبق کے مقابلہ میں ہیں، ان چاروں میں سے فصل طول کم کے دونوں جنوبی ہیں، ان دونوں میں سے ایک غربی جبکہ دوسرا شرقی ہے، اسی طرح فصل زائد

کے دونوں شمالی ہیں ایک غربی دوسرا شرقی، مکہ مکرمہ کے نصف النہار میں جنوبی دونوں حصے ایک دوسرے سے بالائے افق استوائی متصل ہیں جبکہ شمالی دونوں کا آپس میں اتصال زیریں افق ہے۔ صف اول کے چاروں حصے حرم مکہ مکرمہ کے دائرہ اول السموت کی گرفت میں ہیں اور صف ثانی کے چاروں حصے افق مکہ معظّمہ کے احاطہ میں ہیں۔

مکہ معظّمہ شمالی ہے، پھر اعتدال کے بعد اس کے اول السموت کا رخ جنوبی ہوگا تو پھر وہ دونوں حصے جو حرم پاک کے اول السموت کی گزرگاہ میں زیریں افق ہیں وہ جنوبی ہی ہوں گے کہ مکہ مکرمہ کی سمت القدم جنوبی ہے۔ لیکن یہ چاروں حصے چاہے بالائے افق ہوں یا زیرین افق اس قاعدہ میں داخل ہیں افق مکہ مکرمہ انہیں محیط ہے۔ امام اہل سنت کے اس پرنور قاعدہ میں یہ چاروں حصے جاذب نظر ہیں، ان کی سرحدیں ذہن وفکر کو دعوتِ توجہ پیش کررہی ہیں۔

ان میں شمالی مغربی حصہ جنوبی امریکی ملک ''برازیل'' کی شمالی سرحد ''کیوٹو'' سے شمالی علاقہ ''کولمبیا'' ''وینزویلہ'' سرینام ''گوانہ'' سے شمال میں قطب شمالی تک، مشرق میں ''نیوفاؤنڈلینڈ'' سے کینڈائی مغربی شہر ''وہائٹ ہارس'' بلکہ ڈاسن تک کا علاقہ داخل ہے اسی کے درمیان پورا امریکہ ہے سوائے ایک ریاست ''الاسکا'' کے اور اس کا بھی وہ حصہ جو ''ڈاسن'' سے مغرب میں ہے اگرچہ اس پورے علاقہ کا قبلہ شرقی ہے لیکن ''الاسکا'' کا قبلہ شرقی نہیں بلکہ غربی ہے۔

یہ ایک حصہ شمالی ہے جو اس قاعدہ میں داخل ہے اور دوسرا حصہ جو شمالی ہے وہ الاسکا اور اس سے آگے مغرب میں کافی دور ''جاپان'' تک بلکہ خود جاپان اور روس کا بہت بڑا مشرقی علاقہ اس میں داخل ہے یہ دونوں حصے شمالی ہیں اور حرم مقدس سے فصل زائد کے طول میں واقع ہیں۔ فصل طول کم کے دونوں حصے جنوبی ہیں ان دونوں کی سرحدیں ہندوستان کے جنوب میں ''مالدیپ'' سے بھی جنوب میں خط استواء سے قطب جنوبی تک اور مشرق میں آسٹریلیا'' کی ''میکے'' جھیل سے مغرب میں آدھے برازیل تک ہے اسی میں نصف ''افریقہ'' بھی داخل ہے یعنی ''کانگو'' سے ''کیپٹاؤن'' تک کی پوری آبادی بھی اسی میں ہے۔ ان چاروں حصوں پر جب بغور توجہ کریں تو کرۂ ارض کا نصف اس میں داخل ہے بلکہ کرۂ ماء بھی اس سے خارج نہیں۔ **امام المحققین** کے مبارک قاعدہ میں پہلے جملہ کا نصف اول

''اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم اور عرض جنوبی ہے''

میں یہ دونوں حصے داخل ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کا عرض دس ہزار کلومیٹر اور طول بیس ہزار کلومیٹر ہے۔ اس قدر وسعت کے باوجود یہ علاقہ کچھ ایسا نظر آرہا ہے جیسے کف دست میں رائی کا دانہ ہے۔ اس نصف جملہ کی سرحدیں کہاں تک وسیع ہیں کوئی ماہر فلکیات ہی بتا سکتا ہے اور اس کی گہرائی کی مقدار کیا ہوگی کسی ماہر ریاضیات سے استعانت کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ امام احمد رضا کی عطا کردہ روشنی میں یہ وسیع تر علاقہ اس رضوی جملہ کے سمندر میں سطح آب پر ایک بلبلا سے زیادہ وسیع نظر نہیں آرہا ہے۔

دس ہزار کلومیٹر عریض بیس ہزار کلومیٹر طویل خطۂ ارض میں وہ دونوں حصے موجود ہیں جو جنوبی ہیں ''شرقی خواہ غربی سے اسی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے اس کے مقاطر میں اتنا ہی بڑا علاقہ شمالی ہے،'' یا بیش اور عرض شمالی'' کے مبارک الفاظ نے اسے اپنے قبضہ میں لیا ہے یہ تو بظاہر آنکھ کی پتلی کی طرح ہے لیکن اس میں زمین سے آسمان تک موجود ہے یہی نہیں لاکھوں پیڑ پودے اور نہ جانے کس قدر ذی روح اور انسان بھی موجود ہیں سب کا وجود بھی اس پتلی میں ایسا ہے کہ ذہن اسی سے اپنے اور غیروں کو پہچان بھی لیتا ہے۔ یہی نظارہ پیش کررہا ہے رضا کے ایک جملہ کا یہ جزء کہ

''یا بیش اور عرض شمالی''

آگے ارشاد فرماتے ہیں

''بہر حال عرض البلد مساوی تمام عرض موقع نہیں''

اس مبارک قاعدہ میں یہ دوسرا جملہ ہے۔ دس نمبر کے قاعدہ سے ان مقامات کو امام اہلسنت نے خارج کیا۔ جن کا عرض تمام عرض

موقع کے مساوی ہو کہ یہ ایک مستقل باب ہے اوران مقامات کو فاضل بریلوی نے قاعدہ نمبرآٹھ میں مقید کر دیا ہے کہ عرض موقع ان مقامات کے دائرۂ افق میں ہوگا۔مزید تفصیل کے لئے قاعدہ نمبرآٹھ دوبارہ دیکھیں۔

اس قاعدہ میں اس جملہ کے بعدسرکاراعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

''توان آٹھوں صورتوں میں عرض البلد وعرض موقع کو جمع کریں اب محفوظ-جیب مجموع العرضین =ظل انحراف ازنقطۂ شمال بنقطۂ اعتدال''

اس قاعدہ میں آٹھ صورتوں کا تذکرہ آیا پہلے بیان آچکا ہے کہ ہرایک صف میں روئے زمین کے چار حصے ہیں تواس صف میں بھی چار حصے ہوں گے۔ ہرایک حصے کی دودوصورتیں میزان آٹھ ہوگا۔

ا۔فصل طول کم مغربی عرض بلدعرض موقع سے کم

۲۔فصل طول کم مغربی عرض بلدعرض موقع سے زائد

۳۔فصل طول کم مشرق عرض بلدعرض موقع سے کم

۴۔فصل طول کم مشرقی عرض بلدعرض موقع سے زائد

۵۔فصل طول زائدمغربی عرض بلدعرض موقع سے کم

۶۔فصل طول زائدمغربی عرض بلدعرض موقع سے زائد

۷۔فصل طول زائدمشرقی عرض بلدعرض موقع سے کم

۸۔فصل طول زائدمشرقی عرض بلدعرض موقع سے زائد

''ان آٹھ صورتوں میں عرض البلد وعرض موقع کو جمع کریں۔اب محفوظ۔جیب مجموع العرضین =ظل انحراف''

ازیں قبل قاعدہ نمبرنو میں عرض بلداورعرض موقع میں سے کم کوزائد سے ساقط کیا گیا اورمحفوظ سے جیب تفاضل کومنہا کیا گیا پھر ماںقی انحراف کی ظلی مقداربنا۔

لیکن یہاں معاملہ ساقط کرنے کانہیں بلکہ عرض بلدکوعرض موقع کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اور جیب تفاضل کی جگہ جیب مجموع کواس سے ساقط کیا گیا پھرانحراف کی ظلی مقدارنتیجہ آئی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں موقع عموداورآبادی کے مابین کی عرضی جیب کومحفوظ سے ساقط کیا جائے گا جبکہ موقع عمود ہمیشہ شمالی ہوگا کہ مکہ معظّمہ شمالی ہے تواعتدال سے نکلنے والا خط جواس کی سمت الراس سے گزرے گا یقیناً شمالی ہوگااورعرض حرم سے عرض عمودزائد ہوگا۔پھراس قاعدہ میں داخل چاروں حصوں میں دوحرم پاک کے بالائے افق استوائی ہیں اورجو بالائے افق ہے وہ جنوبی ہے تولامحالہ عرض موقع اورعرض آبادی کے مجموعہ سے دونوں کے مابین بعد میں اضافہ ہوگا لیکن شمالی حالت وہاں قاعدہ نمبر۹ میں یہ نہیں جب بالائے افق شمالی عرض بلد ہوگا توعرض بلدکی زیادتی سے بعد میں تناقص ہوگا جب تک کہ یہ عرض بلدعرض موقع پرمنطبق نہ ہوجائے۔پھراس کے بعد بعد میں زیادتی شروع ہوگی اوریہ حالت فصل کم شمالی میں ہی متصور ہے۔

لہٰذا قاعدہ نمبرنومیں زائد سے ناقص کوساقط کرنے کالحاظ ہواکہ مـابقی ہی دونوں میں فرق ہےاوریہاں زائدوناقص میں وہ گنجائش نہیں بلکہ دونوں کا مجموعہ بعدقرار پائے گالہٰذااسی بعدکی جیب کومحفوظ سے ساقط کیا جائے گااورزیریں افق حرم کے وہ دونوں حصے جواس قاعدہ میں داخل ہیں شمالی ہیں جبکہ عمودکی گزرگاہ یہاں جنوبی ہے کہ اعتدال سے عمود نے جنوب کارخ کیا تھا جس کاغایت بعدنصف النہار بلد پرہوگا یہاں آبادی شمالی اورعمودجنوبی ہے لہٰذا عرض کی زیادتی سے بعدمیں تزایدہی ہوگا۔

اعتباراسی بعدکاہے یہاں بعداصل میں عرضین کامجموعہ ہے لہٰذا اسی کی جیب کومحفوظ سے منہا کیا جائے گا اس لئے سرکارمحقق بریلوی نے فرمایا:

''ان آٹھوں صورتوں میں عرض البلد وعرض موقع کوجمع کریں اب محفوظ-جیب مجموع العرضین =ظل انحراف''

اس مبارک قاعدہ کی افادیت کواورعام کرتے ہوئے سیدناسرکاراعلیٰ حضرت نے تین مختلف مثالیں بھی عطافرمائیں۔

پہلی مثال میں آپ فرماتے ہیں:

''.....'شہرسفالہ' کا مکہ معظّمہ سے فصل طول غربی پانچ درجے پچیس دقیقے عرض جنوبی بیس درجے دس دقیقے''

کشف العلۃ صفحہ 67

یہ مقام افریقی براعظم کے ایک ملک ''موزمبیق'' میں ہے جو''تنزانیہ'' سے جنوب میں ''زمبابوے'' سے مشرق میں بحر ہند کے مغربی ساحل میں واقع ہے اوراس قاعدہ میں داخل چاروں حصوں میں یہ بالائے افق مغربی ہے۔اس کے استقبال میں محقق بریلوی نے پہلے شہر ''سفالہ'' کے موقع عمود کا تعین فرمایا ہے یعنی اس کے نقطۂ مشرق سے خارج خط مستقیم جو حرم مکہ مکرمہ کے نقطۂ سمت الراس پر گزرتے ہوئے ''سفالہ'' کے نصف النہار میں جہاں وصل کیا۔اس کے استخراج میں آپ نے بعد استخراج فرمایا:

قوس ایں ظل ^{0} ٦٨ ٣٠ = موقع ^{0} ٢١ ٣٠

کشف العلۃ صفحہ 71

عرض حرم مقدس سے صرف پانچ منٹ کا اضافہ ہوا اور ساڑھے اکیس ڈگری عرض شمالی میں ''سفالہ'' کے نصف النہار سے مل گیا جبکہ اس کا عرض جنوبی بیس ڈگری دس منٹ ہے۔ دونوں کا مجموعہ اکتالیس ڈگری چالیس منٹ ہوا یہی **مجموع العرضین** ہے اور حرم پاک سے اس شہر کا فاصلہ طول میں پانچ ڈگری پچیس منٹ ہے اس کے ظل اور ساڑھے اکیس ڈگری کے ''جم'' کے حاصل جمع سے اکتالیس ڈگری چالیس منٹ کی جیب کو ساقط کر کے حاصل نتیجہ کو محقق بریلوی نے ''ظل انحراف'' دکھایا ہے جو ہم جیسوں کے لئے منارۂ نور ہے۔

اس کی مقدار سات ڈگری چونتیس منٹ ہے جو نقطۂ شمال سے مشرق کی طرف منحرف ہے یعنی نقطۂ مشرق سے ''سفالہ'' کا قبلہ بیاسی درجہ چھبیس دقیقہ شمال کو مائل ہے۔اسی نہج مبارک پر اور دو جگہوں کا تذکرہ ہے۔تذکرہ ہی نہیں بلکہ وہ دونوں ہمارے لئے دو پر نور قندیلیں ہیں۔کتاب پر فیض سے استفادہ کریں۔ان تینوں مثالوں سے ہمیں جو روشنی مل رہی ہے اس سے یہاں دوسرے مقامات بھی خوب روشن نظر آرہے ہیں مثلاً ''نیویارک'' کو پیش نظر رکھیں جو''واشنگٹن'' سے شمال و مشرق میں ہے اور ''بوسٹن'' سے جنوب مغرب میں ساحل سمندر پر واقع ہے اس شہر کا محل وقوع چالیس ڈگری بیالیس منٹ عرض شمالی اور چوہتر ڈگری طول مغربی ہے۔حرم مکہ مکرمہ سے فصل طول ایک سو تیرہ ڈگری چون منٹ کا ہوا اور فصل منفح چھیاسٹھ ڈگری چھ منٹ کا آیا۔لہٰذا یہ شہر اس قاعدہ نمبر دس کے احاطہ میں ملا۔اب رضوی اسکیل کے مطابق اس کے عرض موقع عمود کی حاجت در پیش ہوئی۔

ظم عرض مکہ مکرمہ	10.4164577
+ جم فصل	9.6076068
= ظم عرض عمود	10.0140645

اس مقدار کی قوس 45 ڈگری 56 منٹ ''نیویارک'' کے موقع عمود سے قطب شمالی تک کا یہی فاصلہ آیا۔اس کا تمام 44 ڈگری 4 منٹ ہے جو عرض موقع عمود ہوا یعنی ''نیویارک'' کے نقطۂ مشرق سے خارج وہ خط مستقیم جو سمت الراس مکہ مکرمہ سے گزرتے ہوئے اس کے نصف النہار تک زیریں افق جہاں وصل کیا اس کا عرض شمالی چوالیس ڈگری چار منٹ کا آیا بالفاظ دیگر اس کا عرض موقع عمود چین کی شمالی سرحد سے باہر ''منگولیا'' کے جنوبی حصہ میں نظر آیا۔موقع عمود کا تعین ہو گیا اب دوسرا مرحلہ سامنے آیا۔ لہٰذا

جم عرض موقع عمود	9.8564455
+ ظل فصل	10.3534600
= محفوظ	10.2099055

''نیویارک'' کے استقبال قبلہ میں یہی محفوظ ہے اب مجموعۂ عرضین کی تحصیل باقی ہے یعنی نیویارک اور اس کے عمود میں جو فاصلہ عرض میں ہے اس کی جیب کو محفوظ سے ساقط کرنا ہے اور فاضل بریلوی کی عطا کردہ مشعل مبارک کے اجالے میں جب ہم اس فاصلہ کو دیکھتے ہیں تو یہ ''نیویارک'' سے ''ارجنٹینا'' کے جنوبی حصہ میں چوالیس ڈگری چار دقیقہ تک نظر آرہا ہے کہ اس کے عمود نے یہیں پر بالائے افق اس کے نصف النہار کو قطع کیا ہے ان دونوں کے مابین چوراسی ڈگری چھیالیس منٹ کی مسافت ہے اسی کو سیدنا سرکار اعلیٰ

حضرت نے **مجموع العرضین** قرار دیا ہے اور چوراسی ڈگری چھیالیس منٹ کی جیب 9.9981859 ہے۔

لہٰذا محفوظ	10.2099055
-جیب مجموع عرضین	9.9981859
=ظل انحراف	10.2117197

اس کی قوس اٹھاون ڈگری ستائیس منٹ کی ہے نقطۂ شمالی سے یہی مقدار انحراف ہے یعنی ''نیویارک'' کے نمازی استقبال قبلہ کے لئے نقطۂ مشرق سے 31 ڈگری 33 منٹ شمال کی طرف بائیں ہاتھ کو مائل ہو تو ان کے سامنے ناک کی سیدھ میں قبلہ رحمت وانوار کی برسات کرتا ہوا نظر آئے گا۔

اس قاعدہ کے دونوں شمالی حصوں میں سے ایک شمالی غربی کی مثال کے طور پر میں نے ''نیویارک'' کے استخراج قبلہ کو نذر احباب کیا جبکہ دوسرا شمالی حصہ ابھی باقی ہے لیکن اس کے لئے اور کوئی دوسرا قاعدہ نہیں بلکہ اس کے لئے بھی اصل وضابطہ یہی ہے صرف یہی نہیں بلکہ ان دونوں جنوبی حصوں پر بھی اسی قاعدہ کی حکمرانی ہے جو فصل طول کم میں واقع ہیں لہٰذا مزید مثال کی حاجت نہیں ہے پھر بھی اسی ''نیویارک'' کے استقبال کو دوسرے انداز سے بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آلات پیائش تو وہی رضوی ہیں لیکن فیضان رضا کا یہاں رنگ دوسرا ہے:

مثلاً ظم حرم مکہ مکرمہ	2.55
× جم فصل طول (نیویارک ومکہ)	.4051
=ظم عرض عمود	1.033

اس کی ظلی قوس وہی پینتالیس ڈگری چھپن منٹ اور اس کا تمام وہی چوالیس ڈگری چار منٹ

پھر اس کی جم	.7185
×ظل فصل طول	2.2566
=محفوظ	1.6214

جب محفوظ تک رسائی ہو چکی تو پھر اس کے مابعد کا مرحلہ سامنے نظر آیا کہ اس عدد مذکور کو مجموع عرضین کی جیب پر تقسیم کریں اور مجموع العرضین چوراسی درجہ چھیالیس دقیقہ ہے اس کی جیب 99585.

لہٰذا محفوظ	1.6214
÷ جیب مجموع عرضین	.99585
=ظل انحراف	1.628

اس کی قوس وہی 58 ڈگری 27 منٹ یہی انحراف آیا شمال سے مشرق کی طرف یعنی نیویارک کا قبلہ نقطۂ مشرق سے بائیں ہاتھ کو اکتیس ڈگری تینتیس منٹ مائل ہوا فاضل بریلوی کا رنگ استدلال اگرچہ مختلف ہے لیکن دونوں نورانی کرنوں کا منتہی ایک ہی ہے۔ ایک ہی دعویٰ پر یہ دونوں دلیل ہیں اگرچہ ایک پیمانہ لوگارثمی ہے اور دوسرا اعشاری۔

امریکہ کی ریاست ''الاسکا'' کے علاوہ پورے ملک کا قبلہ مشرقی ہے اور بائیں طرف مائل ہے لیکن اس کے برعکس الاسکا کا قبلہ ہوگا امریکہ کی اس ریاست کا قبلہ مشرقی نہیں بلکہ مغربی ہے اور میلان بائیں طرف نہیں بلکہ دائیں طرف ہے کہ یہ علاقہ حرم مکہ سے مشرقی ہے جبکہ امریکہ کی ساری ریاستیں جو اس کے علاوہ ہیں وہ سب مغربی ہیں جس قاعدہ سے ''نیویارک'' کے قبلہ کی مقدار بتائی گئی اسی سے مقدار کا استخراج بھی ہوگا کہ دونوں حرم پاک سے فصل طول زائد میں واقع ہیں اور شمالی بھی ہیں گرچہ پہلا مغربی اور دوسرا مشرقی ہے۔

یہی وہ دس قاعدے ہیں جن کے بارے میں محقق اعظم نے فرمایا تھا کہ

> ''الحمدللہ ہمارے یہ دسوں قاعدے تمام روئے زمین زیر وبالا، بحر وبر، سہل وجبل آبادی وجنگل سب کو محیط ہوئے کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔ آسانی اتنی کہ ان سب سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلا کوئی قاعدہ نہیں۔ اور تحقیق ایسی کہ عرض وطول اگر صحیح ہو اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھا دیئے جائیں تو کعبہ معظّمہ کو

خاص روبرو پائیں۔'' (کشف العلۃ صفحہ 70)

علمائے کرام باخبر ہیں کہ اپنی فکر ونظر سے کسی جزئی مسئلہ پر حکم لگانا آسان ہے لیکن اس جزئی کے مشاہدہ سے ایک حکم کلی کی تشکیل دشوار ہی نہیں بلکہ دشوارتر ہے۔ مثلاً نحویوں نے فاعل پر مرفوع ہونے کا حکم لگایا تو اصل میں مفرد منصرف صحیح پر ہی اس کا صدق نظر آیا۔ تثنیہ اور جمع مذکر سالم کو دیکھا تو کہنا پڑا کہ مرفوع سے مراد عام ہے مرفوع بالحرکت ہو بالحروف مبنی کو دیکھا تو کہا لفظی ہو یا محلی۔

جب العصاء پر رفع نہیں آیا تو کہہ دیا کہ لفظی ہو یا تقدیری۔ جب اس کے حکم منعیت پر مبتداء کی دخل اندازی دیکھی تو کہہ دیا کہ حقیقی فاعل ہو یا حکمی اسی طرح حوادث زمانہ کے ساتھ تخصیص یا تعمیم کا سلسلہ چلتا رہا لیکن یہاں تخصیص وتعمیم کی اجازت نہیں اس سے اندازہ لگانا کوئی دشوار نہیں ہے کہ ان دسوں قاعدوں کے ایجاد میں امام اہلسنت کی فکر عالی کے سامنے دشواریوں کے کیسے کیسے مراحل آئے ہوں گے پھر نوک قلم سے خارج بجلیوں کی لکیروں کو چوم کر وہ مراحل کس شان سے جھومتے ہوئے خراج تحسین پیش کررہے ہوں گے کہ دنیائے جغرافیہ کو محیط یہ دسوں قاعدے ایسے مستحکم اور منفرد ہیں جن میں مزید تخصیص یا تعمیم کی گنجائش کو سرے سے ہی مسترد کردیا گیا ہے۔ تو کیا اس فن میں علمائے سابقین نے کتابیں نہیں لکھیں؟ کیا استقبال قبلہ جیسے معرکۃ آلارا مسئلہ ان حضرات کو درپیش نہ آیا؟

یقیناً آیا تھا اور ان حضرات نے جوابات دے کر دین متین کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی تھیں لیکن استخراج قبلہ کے بارے میں زیادہ تر جوابات مخصوص علاقوں کے بارے میں تھے۔ کچھ ہی حضرات ایسے تھے جنہوں نے قواعد وضوابط سے بھی رہنمائی کی ہے لیکن بلا تخصیص یا تعمیم وہ سارے جزئیات پر منطبق نہیں ہیں جس سے استخراج کرنے والوں کو التباس کا قوی اندیشہ رہتا ہے صرف اندیشہ ہی نہیں بلکہ انہیں میں سے بعض حضرات نے ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔

فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

''بلد مطلوب السمت ومکہ معظّمہ کا طول ایک ہو یہاں سمت نقطۂ شمال وجنوب ہے شرح چغمینی میں علامہ سے زیادہ رومی نے کہا کہ عرض بلد عرض حرم سے کم ہو تو نقطۂ شمال اور زیادہ ہو تو نقطۂ جنوب اور اس میں انہوں نے طوسی کا اتباع کیا اور اس نے بھی تذکرہ میں ایسا ہی کیا اور خضری نے شرح میں اوسے مقرر رکھا پھر اتباع کیا کہ خود بھی ایسا ہی کہا،

اقول اولا: (اول میں) عرض شمالی (عرض حرم سے کم ہو)

ثانیا: یا عرض جنوبی ہو مطلقا

ثالثا: یا عرض اصلا نہ ہو

رابعا: ثانی میں بھی شمالی کی قید درکار

خامسا: یہیں داخل کرنا تھا اس صورت کو کہ فصل طول نصف دور ہو اور یہ توہّم کہ اس صورت میں بھی طول بلد وطول حرم متحد ہوا کہ دونوں نصف النہار واحد پر ہیں جیسا کہ تصریح شرح تشریح میں واقع ہوا کہ

(ان تساوی البلد ومکۃ شرفها اللّٰہ تعالٰی طولا) یاں یکونا تحت نصف النهار الواحد پھر تصریح کی کہ **الموضع المقاطر للکعبة یساویها فی الطول والعرض قطعا**

اقول اولا بالبداہت غلط ہے جزائر خالدات سے طول مشرقی مکہ مکرمہ ۷۷⁰ ۱۰ ہے اور موضع مقاطر کا طول اتنا ہونا محال بلکہ قطعا اس کا طول علی التوالی ۲۵۷⁰ ۱۰ ہے یا غربی ۱۰۲⁰ ۵۰ (کشف العلۃ صفحہ 96)

بلا تبصرہ یہی عرض ہے،

اس مسئلہ کی نفاست ونزاکت کو سامنے رکھیں منزل تک رسائی کی سنگلاخ و پرخار وادیوں کو بھی فراموش نہ کریں۔ مقصد اصلی کی

تحصیل میں طویل مسافت سے بھی انحراف متصور نہیں جس پل صراط سے گزرنا ہے اس کی دھار بھی ہوش ربا ہے۔

کیسے کیسے بطل جلیل نے اس پر قدم بڑھایا چند قدم میں ہی ان نامور شہسواروں کی حالت کیا سے کیا نظر آنے لگی۔ان عبارتوں کے آئینہ میں بیشتر کے تازہ زخم کا عکس نمایاں ہے۔

اس لیے امام احمد رضا سے ضرورت ملتجی ہوئی ہمارے امام نے شدت سے اس کی حالت ملتجیانہ کا احساس کیا آنے والی نسلوں کے لئے اسے باقی نہ رکھا اور استقبال قبلہ کی تحصیل میں ایسے دس قاعدوں کو عطا فرما دیا جن کے احاطہ میں عالم جغرافیہ سمٹ کر مقید ہو گیا ہے۔ اس کے سامنے صرف کعبہ معظّمہ کی جلوہ گری ہی نہیں ہے بلکہ پورا جغرافیہ عالم مستی میں اس کا طواف کرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔چشم انصاف سے دیکھیں تو یہ دسوں قاعدے حقیقت میں دس علمی سمندر ہیں ان کی سنامی لہروں کی بلندی و تہ سمندر کی گہرائی کا صحیح اندازہ مجھ جیسا اپاہج تو نہیں لگا سکتا ہے پھر بھی ادھر سے آنے والی باد نسیم سے دل کو جو سرور ملا ذہن کو جو تازگی ملی اور آنکھوں کو جو نور ملا وہ دولت بھی میرے لیے انمول ہے۔ جسے احباب کی نذر کرنے میں مجھے ناز ہے کہ اس بے مثال محقق کی بارگاہ تحقیق میں یہ خراج عقیدت بھی ہے۔

خواجۂ علم وفن علیہ الرحمۃ کے سامنے 1994ء میں ایک سوال آیا تھا سائل امریکہ کا تھا۔ایک امریکی شہر ہوسٹن کی سمت قبلہ پر بعد مکانی کا پردہ حائل ہو چکا تھا۔روئے زمین کے متعدد ریسرچ سینٹروں میں یہ سوال کیا گیا تھا جامع ازہر مصر سے بھی یہ استفتا کیا گیا تھا۔متعدد جوابات بھی مل چکے تھے۔ان میں بھی شدید اختلافات تھے۔لیکن دانشوران امریکہ نے جس جواب کو اپنی آنکھوں سے لگایا وہ خواجۂ علم وفن کا رضوی جواب تھا۔ جسے آپ نے امام احمد رضا کے ایجاد کردہ قاعدوں میں سے اسی دسویں قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

''ہم نے امام احمد رضا کے ایجاد کردہ دس قاعدوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کا پیش کردہ مسئلہ ان میں سے دسویں قاعدہ سے متعلق ہے اس لیے ہم اس کی تشریح کرتے ہیں آپ ذرا دھیان دے کر ملاحظہ فرمائیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰:

اگر فصل طول شرقی خواہ غربی کم اور عرض جنوبی ہے یا فصل بیش اور عرض شمالی اور بہر حال عرض البلد مساوی تمام عرض موقع نہیں بلکہ کم یا زائد ہے تو ان آٹھوں صورتوں میں عرض البلد اور عرض موقع کو جمع کریں۔اب محفوظ منفی جیب **مجموع العرضین** = ظل انحراف از نقطۂ شمال بہ نقطۂ اعتدال یہ انحراف ہمیشہ شمالی ہوگا فصل طول شرقی ہے تو نقطۂ مغرب اور غربی ہے تو نقطۂ مشرق سے =۱۲'' (کشف العلۃ عن سمت القبلہ) قلمی

(امام علم وفن نمبر صفحہ 366)

دیار غیر میں بھی ہمارے امام کی حکمرانی سے براعظم امریکہ و یورپ حیران تھا کہ امام احمد رضا کے قاعدہ نمبر ۱۰ سے امریکہ والوں کو کس قدر روشنی مل رہی ہے کہ در و دیوار سے صدائیں آ رہی ہوں گی۔

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
تم ہی پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

(''دس قاعدے'' صفحہ ۱۲۱ تا ۱۳۴)

رسالہ ''ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال'' کا خلاصہ:

اب تک جو کچھ گزرا وہ رسالہ ''کشف العلۃ'' کے متعلق تھا، اب ذیل میں ہم آپ کے دوسرے رسالے ''ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال'' کا ذکر کرتے ہیں۔

یہ رسالہ ایک سوال کا جواب ہے جو علی گڑھ کی ایک عیدگاہ سے متعلق اعلیٰ حضرت کے پاس آیا، کچھ مہندسین نے اس عیدگاہ کو جہت

قبلہ سے باہر قرار دے کر اس عیدگاہ کو شہید کرنے کی بات کہی، اس پر وہاں کے لوگوں نے استفتا کیا، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے اولاً ان مہندسین کے حکم پر سخت علمی گرفت فرمائی ہے، اس کے بعد پانچ افادات پر مشتمل متعلقہ ابحاث وتحقیقات کا دریا بہادیا ہے۔ ''افادہ اولیٰ'' میں کتبِ فقہ کے حوالے سے یہ بحث کی ہے کہ جہت قبلہ کی حد کیا ہے؟ اس میں فقہائے کرام کی پانچ مختلف عبارتیں درج کر کے ان کی تنقیح فرماتے ہوئے پانچویں قول کو ترجیح دی ہے۔ ''افادۂ ثانیہ'' علی گڑھ میں انقلابین کی سعۃ المغرب کیا ہے؟ ''افادۂ ثالثہ'' علی گڑھ کی عیدگاہ جس کے متعلق سوال ہے نقطہ مغرب سے کس قدر منحرف ہے۔ ''افادۂ رابعہ'' علی گڑھ کا تقریبی قبلہ۔ ''افادۂ خامسہ علی گڑھ'' کا تحقیقی قبلہ۔ اور آخر میں فرمایا کہ قول محقق کہ کعبہ معظّمہ کے دونوں جانب ۴۵ درجے تک انحراف روا ہے اس پر عمل قبلہ تحقیقی برہانی نکال کر کرنا چاہیے، کہ تقریبی میں خود کئی درجے کا تفاوت آتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ سوم صفحہ ۴۱)

حضرت خواجہ علم وفن علامہ مظفر حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالے کے ''افادۂ رابعہ'' کے ایک حصہ سے متعلق ایک تشریحی مقالہ لکھا ہے جسے ہم یہاں من وعن نقل کرتے ہیں:

خواجہ علم وفن کی تشریح ''ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال'':

''بارگاہِ امام احمد رضا میں شہر علی گڑھ سے یہ استفتا آیا کہ یہاں ایک پرانی عیدگاہ ہے جہاں صدیوں سے علمائے کرام اور عوام الناس نماز عیدین ادا کرتے آرہے ہیں۔ لیکن اب بعض مہندسین اپنے حسابات وآلات کے ذریعہ یہ بتارہے ہیں کہ اس عیدگاہ کا رخ صحیح سمت قبلہ پر نہیں ہے، اس لیے یہاں کے مسلمانوں پر واجب ولازم ہے کہ اس کو توڑ کر نئی بنا قائم کریں۔ استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اس عیدگاہ کے فرش پر صحیح قبلہ رخ خطوط کھینچ کر نماز ادا کریں، ورنہ موجودہ عیدگاہ کے رخ پر نماز مکروہ تحریمی ہوگی (ملخصاً فتاویٰ رضویہ سوم ص ۱۵)

امام احمد رضا کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ کے پیش نظر جس طرح مجالسہ ومذاکرہ کی محفل میں معروضات کے جوابات علمی اعتبار سے ارشادات فرماتے تھے (جیسے کہ الملفوظ کی عبارتوں سے ظاہر ہے) اسی طرح استفتا کے جواب میں بھی مقتضائے حال کے مطابق مستفتی اور اس کے ماحول کا خیال رکھ کر ہی جواب تحریر فرماتے تھے۔ کہیں لا ونعم پر اکتفا فرماتے، اور کہیں تحقیق وتدقیق کا طوفان بپا کردیتے تھے، مثلاً استاذنا الکریم سیدی وسندی فاضل بہار حضرت ملک العلما نے وضو کے تعلق سے ایک مختصر سا سوال کیا، تو اس کے جواب میں ایسی تحقیق انیق فرمائی کہ موجودہ دور کے بڑے بڑے علامہ فہامہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ قارئین کرام فتاویٰ رضویہ جلد اول کے پہلے سوال وجواب کو دیکھ کر اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ اور علامہ عبدالحق علیہ الرحمہ کے وطن مالوف خیر آباد سیتا پور سے سمتِ قبلہ کے بارے میں سوال آیا، امام احمد رضا نے جواب میں ایسی فنکاریاں قلم بند فرمائیں کہ دیکھنے کے لائق ہیں۔ اسے قارئین کرام فتاویٰ رضویہ جلد سوم باب القبلہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

علی گڑھ سے آئے ہوئے سوال کے جواب میں اتنا لکھ دینا ہی کافی تھا کہ مہندس صاحب کا کہنا صحیح نہیں، بلکہ وہاں نمازیں درست ہیں، لیکن امام احمد رضا نے سائل ہی کو نہیں، بلکہ وہاں کے ماحول اور سوال میں ذکر کردہ مہندس کے کارنامے کو دیکھ کر جواب دیا۔ جواب کیا دیا، اسے جواب نہیں بلکہ علم وفن کے سمندر کا دھارا بہانا کہتے ہیں۔ اگر زحمت نہ ہو، تو آئیے امام اہل سنت کی تحقیق کی اٹھتی ہوئی موجوں کا نظارہ کرنے کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد سوم (قدیم) کے ص ۱۵ تا ص ۴۱ شروع سے آخر تک ایک بار ضرور مطالعہ کرلیں، اور ہمارے قول کی صداقت پر ایمان لے آئیں۔

علی گڑھ کے جواب میں سب سے پہلے امام احمد رضا نے سمت قبلہ کے تعلق سے فقہ وہیئت کی مختلف کتابوں سے یہ عطر نچوڑ کر پیش فرمایا کہ یہاں سمتِ قبلہ کی تحقیق میں کن کن باتوں کا جاننا ضروری ہے، اور پھر افادۂ رابعہ کے عنوان سے ذیل میں بذریعہ دائرہ ہندیہ علی

گڑھ کے تقریبی سمت قبلہ کا استخراج فرمایا ہے، اور پھر آخر میں بعنوان علی گڑھ کے تحقیقی سمت قبلہ کی بحث فرمائی ہے۔

تحقیقی سمتِ قبلہ کے استخراج میں امام احمد رضا نے وہاں کے طول وعرض کے پیش نظر وہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے جو کشف العلۃ کے دس قاعدوں کے ضمن میں مذکور ہے چونکہ یہ بحث مستقل طور پر کشف العلۃ میں موجود ہے اس لیے ہم یہاں اس کو نہیں، بلکہ دائرہ ہندیہ سے استخراج کردہ بحث کو موضوع بناتے ہیں۔ دائرہ ہندیہ کے ذریعہ ہیئت کی کتابوں میں صرف اتنا بتایا جاتا ہے کہ بلد خاص سے قبلہ کا رخ کدھر ہے وہاں یہ نہیں بتایا جاتا کہ نقطہ مغرب سے کتنی ڈگری انحراف یا نقطہ شمال سے کتنی ڈگری انصراف ہے۔

دائرہ ہندیہ کی اس بحث کو امام احمد رضا نے پہلے ''اعمال ستینیہ'' کے ذریعہ اور پھر ''اعمال لوگارثمیہ'' کے ذریعہ حل فرمایا ہے، یہاں ہمارا مطلوب ''اعمال لوگارثمیہ'' ہے اگر حیات نے وفا کی تو اعمال ستینیہ کی بحث کو بھی کبھی پیش کریں گے۔

طول علی گڑھ	78 - 06
عرض علی گڑھ	27 - 56
طول مکہ شریف	<u>40 - 10</u>
عرض مکہ شریف	<u>21 - 25</u>
فرق طول	37 - 56
فرق عرض	6 - 31

علی گڑھ اور مکہ شریف کے طولین کا تفاضل 56 - 37 اور رعرضین کا تفاضل 31 - 6 ہے حاصل شدہ تفاضل کو فرق بھی کہتے ہیں۔ سامنے پیش کردہ دائرہ نما شکل کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ یہ دائرہ علی گڑھ کا افق ہے۔

ا ن = خط اعتدال علی گڑھ

ل ب = خط زوال علی گڑھ

ر، ج = خط اعتدال مکہ شریف

ء، ج = خط زوال مکہ شریف

ک ر = جیب تفاضل عرض = م ط

ج، ی = جیب تفاضل طول = م ہ

کسی بھی دائرہ کے مرکز سے گزرنے والا خط اس دائرہ کا ''قطر'' اور قطر کے متوازی کھینچا ہوا خط ''وتر'' کہلاتا ہے، وتر کے کسی بھی سرا سے قطر پر واقع ہونے والا عمود قطر اور وتر کے مابین واقع شدہ قوس کی جیب ہے اس لیے اِس دائرہ میں 'ا، ر' قوس کی جیب 'ک، ر' اور اسی طرح 'ج، ب' قوس کی جیب 'ج، ی' ہے۔

علی گڑھ کے خط اعتدال وزوال کا نقطۂ تقاطع 'ہ' ہے۔ یعنی یہ مقام علی گڑھ ہے، مکہ شریف کے خط اعتدال وزوال کا نقطۂ تقاطع 'ط' ہے۔ یعنی یہ مقام مکہ شریف ہے۔ 'ہ' سے 'ط' ہوتا ہوا 'سہ' تک خط سمت ہے 'ا سہ' کے درمیان واقع شدہ زاویہ یعنی دائرہ کے اندر بنا ہوا مثلث 'م، ہ، ط' کا زاویہ 'ہ' قدرِ انحراف ہے، اس لیے اگر مثلث 'م، ہ، ط' کو حل کرلیا جائے تو قدرِ انحراف معلوم ہوجائے گا۔

یہاں اس مثلث کا خط 'م، ہ' چونکہ خط 'ج، ی' جیب کے برابر ہے، اور خط 'م، ط' چونکہ خط 'ک، ر' جیب کے برابر ہے اور زاویہ 'م' چونکہ قائمہ ہے اس لیے بشکل عروسی 'م، ہ' کا مربع اور 'م، ط' کا مربع کو جمع کر کے جذر لیا جائے تو خط 'ہ، ط' معلوم ہوجائے گا، اس طرح اس مثلث کے تینوں ضلعے معلوم ہوجائیں گے، اور چونکہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے کسی بھی زاویہ حادہ کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس زاویہ کے عمود 'م، ط' کو خط 'ہ، ط' یعنی وتر سے تقسیم کرنے پر زاویہ 'ہ' کی جیب، اور پھر اس جیب سے بعد برعکس کارگزاری اس زاویہ کی مقدار نکل جائے گی۔

یہاں کچھ باتیں لوگارثم اور جیب کے تعلق سے درج کی جاتی ہیں، اسے ضرور دھیان میں رکھیں۔

(ا) آپ کسی بھی زاویہ یا قوس کی جیب اصلی یا جیب لوگارثمی جد اولہائے ریاضیہ سے معلوم کرسکتے ہیں اسی طرح اس کا برعکس عمل بھی جد اول سے معلوم کرسکتے ہیں، یا پھر آپ خود ہی کلکولیٹر سے قوس یا زاویہ کی جیب اصلی پھر اس کا لوگارثم حاصل کرسکتے ہیں، اگر ایسی صورت میں

حاصل شدہ لوگارثم منفی ہو تو آپ اس پر لوگارثم کا ایک دور یعنی ۱۰؍ عدد صحیح بڑھا کر مثبت کامل کر سکتے ہیں۔ اب اس لوگارثم کو ''تکمیلی لوگارثم'' یا ''جیب لوگارثمی'' کہیں گے، اس پورے عمل کو عمل راست کہتے ہیں۔ اور پھر جب اس تکمیلی لوگارثم سے زاویہ یا قوس معلوم کرنا چاہیں تو پہلے اس تکمیلی لوگارثم کی تجرید اور پھر ''انٹی لوگارثم'' کے ذریعہ جیب اصلی اور پھر ''انورس'' کے ذریعہ زاویہ یا قوس معلوم کر سکتے ہیں۔

(۲) تجرید کی دو صورت ہوتی ہے اول ''تجرید ناقص''، یعنی ۱۰؍ عدد صحیح کو تکمیلی لوگارثم کے صرف عدد صحیح سے گھٹائیں اور اعشاریہ کو اپنی جگہ برقرار رکھیں، اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ عدد صحیح کے اوپر علامت منفی لگی ہوتی ہے جیسے ۰۰ء$\bar{2}$ دوم ''تجرید تام'' یعنی پورے تکمیلی لوگارثم یعنی عدد صحیح مع اعشاریہ سے ۱۰؍ کو گھٹائیں تاکہ پورا عدد منفی ہو جائے، اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ پورے عدد کے بائیں جانب منفی کی علامت لگی ہوتی ہے جیسے ۰۰۰ء۲-

(۳) دوسری صورت میں تکمیلی لوگارثم سے جیب اصلی حاصل کرنے کے لیے بعد تجرید پورے ''منفی لوگارثم'' میں ''انٹی لوگارثم'' کا عمل کریں، اور پہلی والی صورت میں صرف اعشاریہ والے حصہ میں ''انٹی لوگارثم'' کا عمل کریں اور پھر دیکھیں کہ عدد صحیح جو منفی ہے وہ ایک ہے، دو ہے، کیا ہے؟ اگر ایک ہو تو حصہ اعشاریہ کے ''انٹی لوگارثم'' سے جو جیب حاصل ہوتی ہے اس میں علامت اعشاریہ کو ایک درجہ مزید بائیں رکھیں اور اگر ۲ ہو تو ۲ درجہ مزید بائیں رکھیں۔

(۴) لوگارثم کا جذر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی تنصیف کر لیں اس کا نصف لوگارثم جذر ہوگا، لیکن اگر لوگارثم میں صرف عدد صحیح منفی ہو اور اعشاریہ مثبت ہو اور اس منفی رقم کی صحیح تنصیف نہ ہو تو ایسی صورت میں چاہیے کہ عدد صحیح جو منفی ہے اس پر اتنا عدد منفی اور بڑھا دیں کہ اس کا صحیح صحیح نصف ہو، اور اتنا ہی عدد مثبت اعشاریہ والے حصہ پر بڑھا دیں اور پھر دونوں حصوں کا نصف حاصل کر کے ایک ساتھ لکھ لیں۔

نوٹ: اگر اعداد عامہ میں ضرب مقصود ہو تو مضروبین کے لوگارثم کو جمع کر کے اس کا عدد عام حاصل کر لیں۔ اور اگر تقسیم مقصود ہو تو مقسوم کے لوگارثم سے مقسوم علیہ کا لوگارثم تفریق کر کے حاصل تفریق کا عدد عام حاصل کر لیں۔ البتہ اگر عدد عام میں جمع و تفریق کا عمل مقصود ہو تو یہ ان کے لوگارثم کے ذریعہ نہیں ہو پاتا، بلکہ ان لوگارثموں کا اعداد عامہ حاصل کر کے اس میں عمل جمع و تفریق کرنا لازم ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تکمیلات میں عدد صحیح اکائی سے زیادہ ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں اکائی کے علاوہ دہائی وغیرہ کو ساقط کر دیا جاتا ہے جسے منحط کہتے ہیں۔

(۵) علم ہندسہ میں ایک شکل ایسی ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مثلث کے کسی بھی زاویہ کے جیب و وتر میں جو نسبت ہوتی ہے وہی نسبت اس مثلث کے ہر ایک زاویہ کے جیب و وتر میں ہوتی ہے، اسی شکل کو امام احمد رضا نے ''شکل نافع'' سے تعبیر کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ''مثلث قائمۃ الزاویہ'' کے کسی بھی ''زاویہ حادہ'' کو معلوم کرنا ہو تو اس زاویہ کے عمود کو وتر سے تقسیم کر لو، حاصل قسمت مطلوبہ زاویہ کی جیب ہوگی۔

ماسبق میں یہ گزرا ہے کہ اس مسئلہ کا حل مثلث 'م، ہ، ط' کے حل پر موقوف ہے جس کا حل تین طریقے سے ہو سکتا ہے: (۱) بذریعہ اعداد عامہ (۲) بذریعہ لوگارثم بدون تکمیل (۳) بذریعہ تکمیل لوگارثم۔ ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال میں تیسرے طریقے سے حل کیا گیا ہے۔ ہم پہلے دونوں طریقوں کو بھی درج کرتے ہیں تاکہ اہلِ ذوق ہر طریقے سے لطف اندوز ہو سکیں۔

طول علی گڑھ	78 - 06
عرض علی گڑھ	27 - 56
طول مکہ شریف	<u>40 - 10</u>
عرض مکہ شریف	<u>21 - 25</u>
فرق طول	37 - 56
فرق عرض	6 - 31

پھر سے غور کیجیے دائرہ ہندیہ کے بیچ میں بنا ہوا مثلث جسے حل

کرنا ہے یوں ہے۔

ط م ہ

(ا) طریقۂ اول بذریعہ اعداد عامہ:

فرق طول کی جیب: ۰ء۶۱۴۷۴۴۱۶۶ = م ہ اس جیب کا مربع ۰ء۳۷۷۹۱۰۳۹

اور فرق عرض کی جیب: ۰ء۱۱۳۴۹۲۲۲۷ = م ط اس جیب کا مربع ۰ء۰۱۲۸۸۰۴۸۵

اس لیے مجموع المربعین: ۰ء۳۹۰۷۹۰۸۷۵ اس کا جذر یعنی وتر ۰ء۶۲۵۱۳۲۶۸۶ = ہ ط

اس لیے م ط ÷ ہ ط یعنی ۰ء۱۱۳۴۹۲۲۲۷ ÷ ۰ء۶۲۵۱۳۲۶۸۶ = ۰ء۱۸۱۵۴۹۰۲۱ =

مطلوبہ زاویہ کی جیب ہے بعد برعکس کارگزاری اس جیب کا زاویہ = ۱۰-۲۷-۳۶ قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

(۲)۔ طریقہ دوم بذریعہ لوگارثم بدون تکمیل:

فرق طول کی جیب 'م، ہ' کا لوگارثم (۰ء۲۱۱۳۰۵۵۸۳-) اس لوگارثم کا مربع (۰ء۴۲۲۶۱۱۱۶۷-)

اس لیے مربع اصلی ۰ء۳۷۷۹۱۰۳۹، اور فرق عرض کی جیب 'م، ط' کا لوگارثم (۰ء۹۴۵۰۳۳۸۸-)

اس لوگارثم کا مربع (۱ء۸۹۰۰۶۷۷۶۲-) اس لیے مربع اصلی ۰ء۰۱۲۸۸۰۴۸۵ اس لیے مجموع المربعین اصلی ۰ء۳۹۰۷۹۰۸۷۵ اس کا لوگارثم (۰ء۴۰۸۰۵۵۵۸۵-) مجموع المربعین اصلی کا جذر یعنی وتر ۰ء۶۲۵۱۳۲۶۸۵ = ہ ط اس کا لوگارثم (۰ء۲۰۴۰۲۷۷۹۳) اب لوگارثم 'م، ط' جیب سے لوگارثم 'ہ، ط' وتر تفریق کیا یعنی (۰ء۹۴۵۰۳۳۸۸-) سے (۰ء۲۰۴۰۲۷۷۹۳-) کو تفریق کیا = (۰ء۷۴۱۰۰۶۰۸۷-) بعد عمل انٹی لوگارثم اور انورس = ۱۰-۲۷-۳۶ قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

(۳)۔ طریقہ سوم بذریعہ تکمیل لوگارثم:

(ا)۔ فرق طول کی جیب لوگارثمی ۹ء۷۸۸۶۹۴۴۱۶ اس جیب لوگارثمی کا مربع ۹ء۵۷۷۳۸۸۸۳۳ یہی مربع بعد تجرید ناقص ۰ء۵۷۷۳۸۸۸۳۳ پھر وہی مربع بعد تجرید تام (۰ء۴۲۲۶۱۱۱۶۷-) اس لیے اصلی مربع ۰ء۰۱۲۸۸۰۴۸۵۔

(۳)۔ اس لیے مجموع المربعین بعد اصلی ۰ء۳۹۰۷۹۰۸۷۵ اس کا جذر ۱۰ء۲۶۵۱۳۲۶۸۵ اصلی مجموع المربعین کا لوگارثم بعد تکمیل و تجرید ناقص ۵ء۹۱۹۴۴۱۴۔ اس کا جذر = ۷ء۲۲۰۷۹۵۹۷۔ یہی بعد تکمیل ۰ء۷۹۵۹۷۲۲۰۷ پھر اصلی مجموع المربعین کا لوگارثم بعد تجرید تام (۰ء۴۰۸۰۵۵۵۸۵-) اس کا لو جذر = (۰ء۲۰۴۰۲۷۷۹۲-) یہی بعد تکمیل ۹ء۷۹۵۹۷۲۲۰۸ اس لیے لوم ط یعنی ۹ء۰۵۴۹۶۶۱۱۹ سے لو ہ ط یعنی ۹ء۷۹۵۹۷۲۲۰۸ کو تفریق کیا = (۰ء۷۴۱۰۰۶۰۸۹-)

بعد انٹی لوگارثم اور انورس = ۱۰-۲۷-۳۶ = جواب یعنی قدر انحراف از نقطہ مغرب بجانب جنوب۔

نوٹ (ا) لوگارثم تکمیل میں امام احمد رضا نے تجرید کرنے کی صورت میں تجرید ناقص سے کام انجام دیا ہے۔ لیکن یہاں تجرید تام و تجرید ناقص دونوں اعتبار سے کام کیا گیا ہے۔ کیونکہ نتیجہ کے لحاظ سے دونوں صورتیں متلازم ہیں۔

(۲) جہاں کہیں صرف عدد صحیح منفی ہے وہاں حسب قاعدہ مذکورہ اس عدد صحیح کے اوپر علامت منفی لگا دی گئی ہے۔ لیکن جہاں پوری رقم یعنی عدد صحیح مع اعشاریہ دونوں منفی ہے وہاں حسب قاعدہ اس رقم کے بائیں طرف علامت منفی لگا کر قوسین کے مابین گھیر دی گئی ہے تا کہ علامت منفی اور ڈٹس کے مابین اشتباہ نہ پیدا ہو جائے"۔

(ماخوذ از تحقیقات امام علم وفن صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۵)

امام احمد رضا اور علم اوزان شرعیہ

مقالہ نگار

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین (بدایوں شریف: یوپی)

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین بدایونی بن عبد الشکور مرحوم یکم جنوری ۱۹۶۲ء کو ضلع بانکا (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی۔ متوسط درجات مدرسہ خیریہ (عمرپور: بانکا) میں پھر منتہی درجات کی تعلیم جامعہ حمیدیہ رضویہ (مدن پورہ: بنارس) میں حاصل کر کے ۱۹۸۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ جامعہ رضویہ منظر اسلام (بریلی شریف) و جامعہ رضویہ مظہر اسلام (بریلی شریف) میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ۱۹۸۴ء سے تا امروز مدرسہ شمس العلوم (گھنٹہ گھر: بدایوں) میں تدریس و افتا کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایک درجن سے زائد کتب و رسائل آپ نے تحریر فرمائے۔ اکثر مطبوعہ ہیں۔ قریباً دو درجن مقالات و مضامین رقم فرمائے، جو رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ فقہی سیمیناروں میں اپنے مقالات کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں۔

رابطہ نمبر: 7060955685

امام احمد رضا اور علم اوزان واکیال اور مقادیر شرعیہ

اوزان ومقادیر ایک تعارف:

بازاروں میں کسی چیز کی خرید وفروخت کے مختلف طریقے رائج ہیں:

☆بعض چیزیں وہ ہوا کرتی ہیں جو تول کر بکتی ہیں، تول کر بکنے والی چیزوں میں بہت ساری چیزیں آتی ہیں، ان چیزوں کو آپ بھی جانتے ہیں اور ہم جیسے لوگ بھی جانتے ہیں

☆اور بعض چیزیں پیمانوں سے بکتی ہیں، ٹھوس چیزیں بھی بکتی ہیں اور سیال چیزیں بھی۔

☆اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو نہ ناپ کر بکتی ہیں اور نہ ہی کسی پیمانے سے بیچی جاتی ہیں بلکہ گز اور میٹر سے بیچی جاتی ہیں۔

☆اس بات کو سبھی جانتے ہیں کچھ چیزوں کا لین دین ''کوڑیوں'' سے ہوا کرتا ہے۔

جو چیزیں وزن سے بکتی ہیں انہیں ''موزونات'' کہا جاتا ہے اور جن چیزوں کو پیمانے سے بیچا یا خریدا جاتا ہے انہیں ''مکیلات'' کا نام دیا گیا ہے اور گز یا میٹر سے بکنے والی چیزوں کو ''مذروعات'' کہا جاتا ہے اور گنتی سے بکنے والی چیزوں کو ''معدودات'' کہا جاتا ہے۔خرید وفروخت کے معاملے میں ہمارے شہروں کا عرف ورواج بھی مختلف ہے، مثال کے طور پر بہت سارے شہروں میں کیلے وغیرہ گنتی سے بکتے ہیں، ایک درجن، دو درجن وغیرہ اور کچھ شہروں میں یہی کیلے وزن سے بیچے جاتے ہیں، ایک کیلو، آدھا کیلو وغیرہ

رہا یہ سوال کہ یہ ''اوزان واکیال'' علوم مدونہ میں سے ہیں یا نہیں؟ جب اس بات کی تحقیق کی گئی تو یہ بات سامنے آئی کہ ان ''اوزان واکیال'' کا تعلق براہ راست علوم مدونہ سے نہیں ہے۔البتہ انہیں ''علم ریاضی'' کی ایک شاخ ''علم حساب'' سے ضرور جوڑا جاسکتا ہے، ذیل میں ''علم ریاضی'' کی تعریف، موضوع، غرض وغایت بیان کی جارہی ہے اور اس علم کی شرافت کا بھی تذکرہ کیا جائے گا۔

تعریف موضوع اور غرض:

ریاضی اس علم کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق ایسے امور سے ہوتا ہے جو خارج میں مادے کا محتاج ہوتے ہیں اور اپنے ''وجود ذہنی'' میں کسی مادے کا محتاج نہیں ہوتے جیسے کرہ، زاویہ، مثلث وغیرہ

علم ریاضی کا موضوع ''جسم تعلیمی'' ہے۔اس سے وہ جسم مراد لیا جاتا ہے جو لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں انقسام کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ علامہ شریف جرجانی اپنی کتاب ''التعریفات'' میں تحریر کرتے ہیں:

۴۹۲: الجسم التعليمي هو الذي يقبل الانقسام طولاً و عرضاً وعمقاً ونهايته السطح وهو نهاية الجسم الطبعي ويسمى جسماً تعليماً اذ يبحث عنه في العلوم التعليميه اى الرياضية الباحثة عن احوال الكم المتصل والمنفصل منسوبة الى التعليم والرياضة فانهم كانو يبتدؤن في تعاليمهم ورياضتهم لنفوس الصبيان لانها اسهل ادراكاً.

ترجمہ: جسم تعلیمی وہ ہے جو طول وعرض اور عمق میں انقسام کو قبول کرتا ہے اس کی نہایت ''سطح'' ہے اور خود جسم تعلیمی جو ''جسم طبعی'' کی انتہا ہے، اس کا نام ''جسم تعلیمی'' اس لیے رکھا جاتا ہے کہ علوم تعلیمی یعنی ریاضی میں اسی سے بحث کی جاتی ہے، یعنی اس کے مقدار متصل اور مقدار منفصل سے بحث کی جاتی ہے اسے تعلیم اور ریاضی سے اس لیے منسوب کیا گیا کہ اہل علم حضرات تعلیم وریاضت کی ابتدا

اسی جسم تعلیمی سے کیا کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کے نفس و ذہن کے لیے بطور ادراک یہ سہل ہوا کرتا ہے

غرض: نفس انسانی کو محسوسات کے ذریعہ مجردات کی جانب منتقل کرنا ہے۔

علم ریاضی کا موجد ''بطلیموس'' ہے۔

اس کی ''وجہ تسمیہ'' کے تعلق سے ''علامہ عبداللہ قادری قصوری علیہ الرحمۃ'' فرماتے ہیں:

اس کا نام ''ریاضی'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ نفس محسوسات سے مجردات کی طرف منتقل ہونے کے لیے ریاضت کرتا ہے اس بنیاد پر اس علم کا نام ''ریاضی'' رکھا گیا ہے اسے ''حکمت وسطی'' بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ محسوسات اور مجردات کے درمیان ''برزخ وواسطہ'' ہے۔

علم ریاضی کے اقسام:

الف ......علم حساب......ب......علم ہندسہ ......ج......علم ہیئت ......د......علم موسیقی

ریاضت کا مطلب اخلاق وکردار کو مہذب کرنا اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے تا کہ اخلاق حسنہ حاصل ہو سکے، کسی شاعر نے کہا ہے:

بے ریاضت نتواں شہرۂ آفاق شدن
مہہ چوں لاغر شود انگشت نما گردد

بغیر ریاضت کے شہرۂ آفاق حاصل نہیں ہوسکتا
چاند جب کمزور ہو جائے انگلی نما ہو جاتا ہے

انسان اگر لاغر ہو جائے اور دبلا پتلا دکھائی دے تو کیا غم ؟ اخلاق تو اچھے ہیں کردار و عمل میں تو بہتری ہے فکر وشعور اور فہم و فراست میں تو خوبصورت ہیں اصل میں یہی وہ خوبی وکمال ہے جو کسی انسان کو شرف انسانیت سے مشرف کرتا ہے اور اس کے مرتبہ کو اوج ثریا کی بلندی عطا کرتا ہے جیسے چاند جب لاغر ہوتا ہے تو وہ پہلی رات کا چاند کہلاتا ہے اور سارے جہاں سے مسرتوں کو سمیٹ کر لاتا ہے اور انسانوں کے حوالے کر دیتا ہے جیسے ''عید کا چاند'' اسے کون فراموش کر سکتا ہے جس کے طلوع ہوتے ہی ہر طرف خوشیوں کا ماحول نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی لیے شاعر نے ریاضت کرنے والوں کو چاند کے لاغر ہونے اور اس کے ''انگلی نما'' ہونے سے تعبیر کیا ہے اس استعارہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ''علم ریاضی'' کی کیا اہمیت ہے اور انسانی زندگی میں اس کے کیا کیا کرشمے ظاہر ہوتے ہیں اور دور حاضر میں تو اس علم نے کمال ہی کر دیا ہے حد تو یہ ہے کہ اسی علم ریاضی کی بنیاد پر انسانوں نے اپنی معاشرتی زندگی کو خوشیوں سے بھر رکھا ہے جہاں تک نئے علوم وفنون کی بات ہے اس میں بھی اسی ''علم ریاضی'' کا راج چلتا ہے۔ بٹ کائن اور ون کائن کے فرضی سکے بھی اسی ''علم ریاضی'' کے معموں سے تیار ہوتے ہیں ان سکوں کے تعلق سے اگر کسی سے کچھ پوچھنا ہے تو یورپ وامریکہ والوں سے پوچھیے ہندوستان کے لوگ بھی ان سکوں کے بارے میں جانتے ہیں پھر بھی اہل یورپ کے مقابلے میں بہت کم معلومات رکھتے ہیں۔

''علم ریاضی'' کی پہلی قسم ''علم حساب'' ہے اسی سے ''علم اوزان واکیال'' کا تعلق ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے پہلے ''علم حساب'' کے بارے میں کچھ جانکاری حاصل کر لی جائے تا کہ ''علم اوزان واکیال'' کی واقعی حیثیت معلوم ہو جائے۔ اگر چہ ابھی تک ''علم اوزان واکیال'' کو براہ راست علوم مدونہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے مگر چونکہ اس کا ''علوم مدونہ'' میں سے ایک ''خاص علم حساب'' سے تعلق رہا ہے۔ اس بنیاد پر اگر اسے بھی ''علوم مدونہ'' میں ضمنی طور پر شامل کر لیا جائے تو اس میں کسی طرح کا کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ اب ذیل میں ''علم حساب'' کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے

تعریف: حساب: وہ علم ہے جس کے ذریعہ معلومات مخصوصہ سے مجہول عدد نکالنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

موضوع: حساب کا موضوع عدد ہے جو مادہ میں حاصل ہوا کرتا ہے آپ کسی بھی عدد کو مادے سے ہٹ کر جاننا چاہیں یا دیکھنا چاہیں تو ایسا ممکن نہیں۔ البتہ ایک عدد میں شامل نہیں کیونکہ اس پر عدد کی تعریف صادق نہیں آتی ہے۔ ہمارے علماء عدد کی تعریف اس طرح

کرتے ہیں:

العدد: هو نصف مجموع الحاشيتين یعنی دونوں کناروں کے "نصف مجموعہ" کا نام عدد ہے۔

مثال کے طور پر (۲) عدد ہے اور اس کے دو کنارے ہیں۔ پہلے کنارہ پر ایک ہے اور دوسرے کنارے پر تین ہے، ایک اور تین کا مجموعہ چار ہوتا ہے اور اس کا نصف ۲ ہے اس لیے دو (۲) عدد ہے۔ عدد کی یہ ایک ایسی تعریف ہے جو ہر اعتبار سے جامع ہے اور مانع بھی ہے، اب رہی بات ایک کی، تو اس بارے میں عرض ہے کہ عدد ہونے کے لیے اس کے دونوں کناروں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اگر ایک کنارہ بھی مفقود ہو جائے تو وہ عدد ہی نہیں ہو سکتا، ایک کا دوسرا کنارہ تو ہے اور وہ کنارہ دو (۲) ہے اس کا پہلا کنارہ ہے ہی نہیں، اور اگر اس کا پہلا کنارہ (۰) زیرہ کو مانا جائے تو زیرو میں جمع و تفریق کی صلاحیت ہی نہیں پائی جاتی ہے اور عدد کا کنارہ ہونے کے لیے قابل جمع و تفریق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ایک یعنی واحد اگر چہ عدد میں شامل نہیں باوجود اس کے بغیر ایک (واحد) کے عدد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وہ واحد جو عدد میں متصور ہوتا ہے "واحد اضافی" ہے اور جو "واحد" اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے وہ "واحد حقیقی" سے موسوم ہے۔ سورہ اخلاص میں جو لفظ "واحد" آیا ہے اس سے یہی "واحد حقیقی" مراد ہے۔

غرض و غایت: علم حساب کی غرض و غایت: معاملات کو ضبط کرنا، اموال کی حفاظت کرنا، منضبط طریقوں سے قرضوں کو ادا کرنا، ترکوں کو تقسیم کرنا، اس کے علاوہ علوم افلاکیہ، مساحت اور طب وغیرہ میں بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، روزمرہ کی زندگی، بازاروں میں خرید و فروخت اور گھریلو زندگی میں بھی "علم حساب" کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، غرض یہ کہ "علم حساب؟ ہماری روزمرہ کی زندگی کی ضرورت بن گیا ہے اور یہ ایک ایسی ضرورت بن گیا ہے کہ اس کے بغیر عام انسانوں کی زندگیاں سونی پڑ جاتی ہیں اس لئے دور حاضر میں علم حساب پر زور دیا جاتا ہے پرانے قسم کے حسابات اور جدید قسم کے حسابات سے بھی کام نکالنا پڑتا ہے جوں جوں زندگی میں تغیرات ہوتے ہیں اسی کے مطابق "علم حساب" میں بھی نت نئے تغیرات جنم لے رہے ہیں، اور آئندہ بھی اس میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں اس امکان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

علم حساب کی اہمیت وافادیت:

اوپر کی سطروں میں علم حساب کی ضرورت و حاجت کے تعلق سے جو باتیں پیش کی گئیں ان سے "علم حساب" کی اہمیت وافادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس کی شرافت کا یہ عالم ہے کہ علوم دینی میں بھی اس سے کام لیا جاتا ہے ......اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی "علم حساب" کی شرافت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ارشاد ہوتا ہے "كَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ" کہ ہم حساب کرنے میں کافی ہیں۔

"علم اوزان واکیال" جو اس مقالہ کا موضوع ہے اس کی واقعی حیثیت "علوم مدونہ" کی ایک قسم "علم ریاضی" اور اس کی شاخ "علم حساب" میں اس کے شامل ہونے سے معلوم ہو جاتی ہے اس پر "علم ریاضی" اور "علم حساب" کی تعریفات مکمل طور پر صادق آتی ہیں اس کا بھی موضوع وہی ہے جو "علم ریاضی" اور "علم حساب" کا ہے اور غرض و غایت بھی ایک جیسی ہے ......اس کی بھی افادت واہمیت سے کسی نوع اختلاف نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تعریف "علم اوزان واکیال":

علم اوزان واکیال: وہ ہے جس میں مختلف قسم کے آلۂ وزن اور آلۂ کیل سے بحث کی جاتی ہے اور اس کی واقعی حیثیت کا تعین کیا جاتا ہے۔

اس کا موضوع: وزن وکیل کا آلہ ہے۔

اس کی غرض وغایت: اس کی واقعی حیثیت کا تعین کرنا تاکہ عوام وخواص اس سے معاملات کو انجام دینے میں کسی قسم کے نزاع کے شکار نہ ہوں اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اپنے معاملات کو انجام دے سکیں، اس کی شرافت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صحیح تول اور ناپ کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ المِيزَانَ (٧) أَلَّا تَطْغَوا فِي الْمِيزَانِ(٨) وَأَقِيمُوا الوَزنَ بِالقِسطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ(٩) سورة الرحمٰن پاره ٢٧﴾

اور آسمان کو اللہ نے بلند کیا اور ترازو رکھی کہ ترازو میں بے اعتدالی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ

اللہ تعالی نے ان آیات مبارکہ میں، ترازو، وزن اور اس کے آلہ کا ذکر کیا ہے اور نہایت ہی صریح انداز میں اس بات کا حکم دیا کہ صحیح ناپ تول سے کام لیا جائے اس میں کوئی کمی نہ کی جائے اور نہ زیادتی، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں خسران ہی خسران ہے، لہٰذا ہر حال میں انصاف سے کام لیا جائے اور یہ انصاف وزن اور آلہ وزن کے استعمال ہی سے قائم رہ سکتا ہے اندازہ سے کسی کی چیز کی تقسیم کرنے میں یقینی طور پر کہیں کمی ہوتی ہے اور کہیں زیادتی ہوتی ہے۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ لین دین میں اور خرید و فروخت میں انصاف و دیانت نفس الامری خوبی ہے اور اس خوبی سے رتی برابر بھی ہٹ جانے سے یہ خوبی ناخوبی میں بدل جاتی ہے جو باعث گناہ ہے اگر چہ لین دین میں یا خرید وفروخت میں کمی یا بیشی کو فریقین قبول کرلیں باوجود وہ ناخوب ہی رہے گا، اس کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جن میں میزان اور وزن کے تذکرے پائے جاتے ہیں۔

اس رب کا اپنے بندوں پر کس قدر بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی ضرورتوں کو بیان کر دیا، میزان اور وزن کا ذکر قرآن مقدس میں مختلف مقامات پر ملتا ہے، میزان کیسا ہو؟ اور وزن کیا ہو اور وزن کے آلات کس قسم کے ہوں؟ اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ رب تعالی نے اسے اجمالی طور پر بیان کر دیا ہے، اب رہی یہ بات کہ اس اجمال کی وضاحت کیسے ہو؟ تو اس وضاحت کی دو صورتیں ممکن ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ وزن و کیل کے لیے وہ آلے لیے جائیں جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پائے جاتے تھے یا جنہیں سرکار نے پسند فرمایا۔

۳۳۴۰: حدثنا سفيان عن حنظله عن طاؤس عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المكيال مكيال اهل المدينة والوزن وزن اهل مكة(اخرج ابو داؤد فی "سننه" كتاب البيوع باب قول النبی صلى الله عليه وسلم المكيال مكيال المدينة الوزن وزن اهل مكة (ج ۲ص ۲۵۴)

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' اہل مکہ کا وزن وزن ہے اور اہل مدینہ کا مکیال مکیال ہے یعنی معتبر ہے۔

چونکہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں مکہ مکرمہ عالمی تجارت گاہ بنا ہوا تھا وہاں جو بھی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی قیمت اور وزن سے ہوا کرتی تھی کہ وہاں نہ کوئی پھل ہوا کرتا تھا اور نہ کھیتی باڑی، اس لیے اہل مکہ کے وزن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معیار قرار دیا۔اس کے برخلاف مدینہ پاک میں پھل فروٹ بھی ہوتے تھے اور کھیتی باڑی بھی ہوا کرتی تھی، بایں سبب مدینہ پاک میں پیمانوں کا استعمال ہوا کرتا تھا اور سرکار نے اسی پیمانہ کو پسند فرمایا، اس سے اس اجمال کی وضاحت ہوگئی جو ترازو میں پایا جاتا تھا کہ ترازو میں وزن کرنے کے لئے وزن کے آلے کا ہونا ضروری ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس علاقہ اور جس ملک اور جن شہروں میں جو وزن اور جو پیمانے رائج ہیں عمومی حالت اور معاشرتی لین دین میں انہیں اوزان اور پیمانوں پر عمل کیا جائے، اسلام کے مقاصد میں نزاع اور اختلاف کو ختم کرنا ہے اور ان رائج پیمانوں اور اوزان پر عمل کرنے سے نزاعی صورتیں ختم ہوسکتی ہیں، اس دور میں بھی کچھ ایسے پیمانے چلتے ہیں جن کے بارے میں صحیح جانکاری نہیں ہے اور نہ لوگوں نے اس بارے میں جاننے کی کوئی کوشش کی ہے اس کے باوجود لوگ ان پیمانوں پر آپس میں لین دین کرتے ہیں اور کسی قسم کا نزاع بھی پیدا نہیں ہوتا ہے...... بہار کے جنوبی علاقے

میں ''پیلا'' نام سے ایک پیمانہ رائج ہے جسے عورتیں اپنے گھروں میں استعمال کرتی ہیں اور اسی سے آپس میں معاملات بھی کرتی ہیں۔ایسا بھی نہیں ہے کہ پیمانہ گھروں میں تیار کیا جاتا ہے بلکہ بازاروں میں بکتا بھی ہے...... ہوسکتا ہے کوئی یہ سوال کرے کہ یہ معاملاتی رواج تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کے خلاف ہے،اس بارے میں اہل علم حضرات کا کہنا ہے کہ یہ قطعی خلاف نہیں ہے، بلکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی وقار کا مطلب کچھ اس طرح کا ہے۔

قال الخطابي:انما جاء هٰذا الحديث في نوع ما يتعلق احكام الشريعة فى حقوق الله دون ما يتعلق به الناس فى بياعتهم وامور معايشهم، و قوله: ''الوزن وزن مكه : يريد يريد وزن الذهب والفضة خصوصاً دون سائر الاوزان ومعناه : ان الوزن الذى يتعلق به حق الزكاة فى النقد :وزن مكة، واما قوله : ''والمكيال مكيال اهل مدينة'' انما هو الصاع الذى يتعلق به وجوب الكفارت ويجب اخراج صدقة الفطر به ويكون تقدير النفقات وما فى معناها بعبارة (کتاب الاوزان والاکیال الشریعہ ص۳۴)

ترجمہ:علامہ خطابی نے کہا: یہ حدیث ان احکام شرعیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ اس کے تعلق سے جس سے لوگ اپنے خرید وفروخت اور امور معاش میں معاملہ کرتے ہیں۔سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''وزن اہل مکہ کا وزن ہے'' اس سے مراد خاص طور سے سونے اور چاندی کا وزن ہے نہ کہ تمام اوزان، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب کبھی نقد کی صورت میں زکوٰۃ ادا کی جائے تو اہل مکہ کے وزن کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ اہل مدینہ کا مکیا ل ،مکیال ہے اس سے مراد ''صاع'' ہے جس سے کفارے اور صدقہ فطر ادا کیے جاتے ہیں اسی طرح نفقات کی تقدیر بھی صاع سے کی جائے اور اس طرح کے جہاں بھی معاملات ہوں اس کی تقدیر بھی ''صاع'' سے کی جائے۔

اس دور میں نہ مکہ مکرمہ کا وزن کہیں پایا جاتا ہے اور نہ اہل مدینہ کے ''صاع'' کا کہیں وجود ہے اور حد تو یہ ہے کہ خود ان پاک و طاہر مقامات پر بھی نہ وزن شرعی پایا جاتا ہے اور نہ کیل شرعی ......اور جو وزن پایا جاتا ہے یا جو پیمانے پائے جاتے ہیں ان سب کا شرعی اوزان واکیال سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے......غرض کہ ہندوستان سمیت تمام ملکوں اور تمام دیار کا یہی حال ہے...... پوری دنیا میں جس وزن اور معیار کا رواج زوروں پر ہے......وہ کیلوگرام ہے......اب میل اور فرسخ کا بھی رواج نہیں ہے اس کی جگہ کیلومیٹر نے لے لی ہے اس طرح کے اوزان واکیال میں تغیرات ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

ہم میں سے جو صاحب نصاب ہے اس پر زکات فرض ہے اور صدقہ فطر واجب ہے۔اسی طرح ہم میں سے کوئی مسافر بھی بنتا ہے جسے نماز قصر پڑھنی پڑتی ہے اور جہاں تک نکاح کی بات ہے کہیں مہر فاطمی باندھا جاتا ہے اور کہیں دینار اور کہیں درہم کے باندھنے کا بھی رواج ہے۔اور کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے تو کیسے ادا کیا جائے جس پیمانہ سے ادا کرنا چاہیئے اب وہ پیمانہ نہیں......اسی لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ ''شرعی اوزان واکیال'' کی تقدیر کی جائے اور موجودہ نظام ناپ تول سے اس کا معادلہ کیا جائے، اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے علمائے کرام نے معادلہ کا عمل کرنا شروع کیا......اس بارے میں چند ایک کتاب میرے سامنے آئی ہے جس کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے اور کچھ ایسے مقالات کے حوالے بھی ملتے ہیں جو اس باب میں لکھے گئے ہیں۔

(۱)کتاب الاوزان والاکیال الشریعة

اس کے مصنف کا نام ''تقی الدین ابو العباس احمدبن علی المقریزی'' ہے۔اس کتاب میں تفصیل سے ''شرعی اوزان واکیال'' سے بحث کی گئی ہے یہ کتاب معلوماتی کتاب ہے اور دلائل و براہین سے مزین ہے اس میں تمام اوزان واکیال سے تو بحث کی گئی

ہے مگر اس کتاب میں ''ذراع'' کے تعلق سے کوئی بحث نہیں ملتی ہے اور نہ ہی میل شرعی اور میل انگریزی سے کوئی بحث کی گئی ہے...... یہ کتاب نیٹ پر موجود ہے

(ب)......**اثبات ما لیس منه بد لمن اراد الوقوف علی حقیقة الدینار والدرهم والصاع والمد**'' اس کتاب کے مصنف کا نام ''**ابو العباس العزفی**'' ہے اور اس کی تحقیق و تخریج کی ہے ''محمد الشریف'' نے 'مطبوعہ المجمع الثقافی الامارات ''طباعت اولی سن ۱۹۹۹ء یہ کتاب بھی تحقیقی کتاب ہے اور بہت سے مقالے اور کتابوں میں اس کے حوالے ملتے ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ ''اوزان واکیال'' کے معاملہ میں اس کتاب کو بھی سند کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

(ج)**الاموال** :اس کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کا تعقل اوزان واکیال کی تحقیق سے ہے مصنف کا نام ''**ابو عبید القاسم بن سلام**'' ہے اور ''**محمد خلیل هراس**'' نے اس پر ''تحقیق وتعلیق'' کی ہے ''**مکتبة الکلیات الازهریة ودار الفکر**'' سے اس کی طباعت ہوئی ہے اور اس کی یہ طباعت تیسری طباعت ہے سن طباعت بارسوم ۱۴۰۱ھ ہے

(د)......**الایضاح والتبیان فی معرفة المکیال والمیزان** ......''**ابن الرفعة الانصاری**'' اس کے مصنف ہیں اور 'محمد الخاروف'' نے اس کی تحقیق کی ہے ''مرکز البحث العلمی جامعہ ام القری'' نے سن ۱۴۰۰ھ میں اس کی طباعت کی ہے

(س)''**تقدیر الاوزان عند المسلمین**'' از ''**عبد القادر الطرابلسی الخطیب المطبوعة**''**نشر دار البصائر** ''**سنه ۱۴۰۴ھ**

(ش)**تحدید الصاع النبوی**: نام سے ایک کتاب اور ایک مقالہ بھی لکھا گیا ہے

اس کے علاوہ علم فقہ کے مذاہب اربعہ کی تمام فقہی کتابوں میں ابواب زکوٰۃ ،صدقہ فطر اور مہر و کفارہ کی ضمنی بحثوں میں اوزان و اکیال شرعی کی بحث آئی ہے اسی علم اوزان واکیال کے لئے یہ بحثیں سند کی حیثیت رکھتی ہیں فقہ حنفی کی درج ذیل کتابوں میں بھی ''شرعی اوزان واکیال'' سے بحث کی گئی ہے

☆**رد المحتار ''مطلب فی تحریر الصاع والمد والرطل (ص ۱۰۷/۱)......مطلب فی مقدار الذراع و تعیینه (۱۳۱/۱)......مطلب فی تحریر الصاع والمُد و المن والرطل (ص ۶۷/۲)......مطلب فی مقدار الفطرة بالمد الشامی (۷۷/۲)**

☆ **''حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرع نور الایضاح''(ص ۳۹۱/۳۹۵)**

☆**''البحر الرائق شرح کنز الدقائق''** (۳۹۶/۲/۴۴۴)

☆**''فتح القدیر علی الهدایة''** (۲۱۸/۲/۲۱۹/۲۲۰)

میں نے نمونہ کے طور پر کچھ فقہی کتابوں کا ذکر کر دیا ہے۔یوں تو علم فقہ کی تمام کتابوں میں ''شرعی اوزان واکیال'' کا ذکر کسی نہ کسی نوع سے ضرور کیا گیا ہے یہ اور بات ہے فن کی حیثیت سے ان اوزان واکیال کی بحثیں نہیں ہیں بلکہ انسانی ضرورت و حاجت کے تحت ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ہاں !اب فن کی حیثیت سے اس موضوع پر کتابیں لکھی جارہی ہیں باوجود اس کوشش کے اب تک ان کتابوں کو ''علوم مدونہ'' میں براہ راست شمار نہیں کیا گیا ہے اگر مستقبل قریب میں اسے بھی شمار کر لیا جائے تو علمی اور فنی اعتبار سے اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہوسکتی۔

اوزان ومقادیر میں امام احمد رضا کی خدمات

ہمارے ہندوستان میں بھی اس موضوع کے تعلق سے بحث و مباحثے کی شروعات ہو چکی ہے اور فقہی سیمیناروں میں بھی اس موضوع پر بحث ہوئی ہے اور اس پر فیصلہ بھی ہو چکا ہے، جہاں تک ''امام احمد رضا فاضل بریلوی'' کی اس موضوع پر خدمات عالیہ کی

بات ہے،تو ان کے فتاوی میں بھی اوزان اور اکیال کے تعلق سے کافی بحثیں ملتی ہیں،اور مختلف مقامات پر تذکرے پائے جاتے ہیں اگران تمام بحثوں کو سمیٹ دیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہوسکتی ہے اور اسے تصنیف و تالیف کا اعلی معیار کہا جاسکتا ہے،اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فتاوی کو مختلف قسم کے علوم وفنون کا مجموعہ کہا جاتا ہے،ان کے فتاوی میں کچھ اس طرح کی انضباطی ترتیب پائی جاتی ہے کہ کوئی بھی ان تحریروں کو ''تصنیف وتشکیل'' کی صورت دے سکتا ہے،مگر افسوس اس بات پر ہے ان بکھرے ہوئے تاروں کو کسی نے جمع کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، خیر جب نہیں تو اب سہی، کچھ تو اس تعلق سے کام کیا جائے!

قبل ازیں کہ اس بارے میں کچھ عرض کروں انضباطی انداز میں کچھ باتیں گوش گزار کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔وہ یہ کہ ''اوزان واکیال'' کو''مقادیر'' کے زمرہ میں رکھا جاتا ہے۔مقادیر مقدار کی جمع ہے اور مقدار کا معنی کسی چیز کا اندازہ کرنا اور اس کے وزن کا تعین کرنا آیا ہے،اور ظاہر سی بات ہے کہ اندازہ لگانے کے لیے کسی نہ کسی معیار کا ہونا ضروری ہے چاہے مقدار متصل کا اندازہ لگایا جائے یا کسی مقدار منفصل کا اندازہ لگایا جائے ......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے مقدار متصل کیا ہے؟اور مقدار منفصل کیا ہے؟ کیوں کہ''اوزان و اکیال'' کے ذریعہ اسی مقدار کا اندازہ لگایا جاتا ہے

علامہ سید شریف الجرجانی اس بارے میں تحریر کرتے ہیں

۱۱۹۱ ......الکم ھو العرض الذي یقتضي الانقسام لذاته وھو اما متصل اور منفصل لان اجزائه امان تشترک فی حدود یکون کل منھا نھایة جزء وبدایة آخر ......وھو المتصل اما قار الذات مجتمع الاجزاء فی الوجود وھو المقدار المنقسم الی الخط،والسطح والثخن وھو الجسم التعلیمی اوغیر قار الذات وھو الزمان والمنفصل ھوا لعدد فقط کالعشرین والثلاثین (التعریفات)

ترجمہ......کم (مقدار) وہ عرض ہے جو انقسام کو''لذاتہ'' یعنی بغیر کسی واسطے کے قبول کرتا ہے وہ متصل ہوتا ہے یا منفصل ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے اجزاء کسی حدود میں اس طرح سے مشترک ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بہ نسبت ایک جز کے نہایت ہوتا ہے اور بہ نسبت دوسرے جز کے بدایت ہوتا ہے پھر یہ کہ وہ جز قارالذات اور وجود میں مجتمع الاجزا ہوگا یہی وہ مقدار ہے جو منقسم ہوتا ہے خط کی طرف ......سطح کی طرف......اور عمق کی طرف۔یہی جسم تعلیمی ہے یا غیر قارالذات ہوگا یعنی وہ متصل کہ اس میں ازروئے ذات ٹھہراؤ نہیں ہوگا اور وہ زمانہ ہے...... منفصل صرف عدد ہے جیسے بیس اور تیس وغیرہ

مقدار کی کوئی ایک جنس نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کے مختلف اجناس ہوا کرتے ہیں جیسا کہ''الموسوعۃ الفقہیۃ''میں''مقادیر'' کے تحت درج ہے:

المقادیر اجناس اربعة ھی : الکیل والوزن والذرع والعدد وھی کلھا وسائل لتقدیر الاشیاء والاموال او معایرتھا بھا ......فالکیل لتقدیر الحجم ،والوزن لتقدیر الثقل والذرع لتقدیر الطول والمساحة والعدد لتقدیر الآحاد والافراد (الموسوعة الفقھیة ص ۲۹۵/۳۶)

ترجمہ......مقادیر کی چار جنسیں ہیں : کیل ،وزن،ذراع ،عدد یہ سب کے سب چیزوں اور مالوں کا اندازہ لگانے کے وسائل ہیں ان میں سے کیل سے کسی چیز کے حجم وطول اور موٹائی کا اندازہ لگایا جاتا ہے......وزن سے کسی چیز کے بھاری پن کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور ذراع سے لمبائی اور مساحت کا علم ہوا کرتا ہے اب رہی بات عدد کی......تو اس کے ذریعہ احاد اور افراد کی گنتی لگائی جاتی ہے

اب ذیل میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تحریروں سے اس بات کا اندازہ لگایا جائے گا کہ دنیا کے اس عظیم محقق، مفکر اور دانشور نے ''شرعی اوزان اور اکیال'' کے تعلق سے کیا کیا خدمات انجام دیئے ہیں اور اس موضوع پر انہوں نے کیا پیش رفت فرمائی ہے؟

فتاوی رضویہ میں ''ذراع'' کا تصور

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے فتاوی میں نہایت ہی شرح وبسط کے ساتھ ''ذراع'' پر بحث فرمائی ہے مگر انہوں نے اس بحث کو محض کسی فن کی حیثیت سے نہیں دیکھا ہے بلکہ کسی مسئلہ کی اثبات وضاحت اور تحقیق کے پیش نظر اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ عام طور پر فن کی حیثیت سے جو بحث کی جاتی ہے اس میں سادگی ہوا کرتی ہے اور اس میں امعان تحقیق سے کام نہیں لیا جاتا ہے کیونکہ وہاں صرف فن کی نزاکتوں کو پورا کرنا ہوتا ہے مگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں جب کوئی بات آتی ہے تو اسے اصول تحقیق اور اصول تنقید نیز اس کے ساتھ ساتھ اصول ترجیح کو بھی پیش نظر رکھنا پڑتا ہے، ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد جب فن کی خوبیاں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں تو ان میں مزہ ہی کچھ اور ہوا کرتا ہے:

الذراع : هو مقياس عند الفقهاء وبالفارسية يقال له ''گز'' وطوله اربعة وعشرون اصبعاً مضمومة سوى الابهام بعدد حروف ''لااله الا الله محمدر رسول الله'' وكل اصبع ست شعرات مضمومة بطون بعضها الىٰ بعض. ويسمى بذراع الكرباس وهو المعتبر فى تقدير العشر فى العشر واعتبره اهل الهيئة فى مساحة قطر الارض والكواكب وابعادها وثخن الافلاك وهٰذا هو الذراع الجديد، واما الذراع القديم واثنان و ثلاثون اصبعاً وقيل هو الهاشمى والقديم هو سبعة و عشرون، وقيل ذراع الكرباس سبع قبضات وثلاث اصابع ،وقيل سبع قبضات باصبع قائمة فى المرة السابعة، وذراع المساحة ويسمى بذراع الملك ايضاً سبع قبضات فوق كل قبضة اصبع قائمة وقيل ذراع المساحة سبع قبضات وذراع الكرباس انقص منه باصبع وقيل ذراع المساحة سبع قبضات مع اصبع قائمة فى القبضة السابعة .وذراع العامة ويسمى ذراع المكسر ست قبضات سميت بذالك لانها نقصت من ذراع الملك اى ملك الاكاسره بقبضة وذكره فى المغرب ثم ان هٰذه الاذرع هى الطوليه وتسمى بالخطية واما الذراع السطحى فهو مايحصل من ضرب الطولى فى نفسه ويسمى بالذراع الجسمى وهو مايحصل من ضرب الطولى فى مربعه ،هٰكذا يستفادمن البرجندى وجامع الرموز وبعض كتب الحساب

(کشاف اصطلاحات العلوم والفنون باب الذال ص۸۲۳)

ترجمہ: ذراع فقہا کے نزدیک پیمانہ ہے جس کو ہندی میں ''گز'' کہا جاتا ہے اس کی لمبائی انگوٹھے کے علاوہ ۲۴؍ ملی ہوئی انگلیوں کے برابر ہوتی ہے یہ ۲۴؍ عدد حروف ''لا الٰہ الا اللہ محمد ررسول اللہ'' کے مطابق ہے اور ہر انگلی ۶؍ شعیرہ (جو) جب کہ ان میں سے ایک کا پیٹ دوسرے جَو سے ملا ہوا ہو اسے ''ذراع کرباس'' کا نام دیا گیا ہے۔ دِہ دردِہ کی تقدیر میں اسی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ علم ہیئت کے جاننے والے ''قطر زمین'' کی مساحت۔ کوکب اور اس کے ابعاد اور آسمانوں کی موٹائی میں اسی ''ذراع کرباس'' کا اعتبار کرتے ہیں، اور یہی ''ذراع جدید'' ہے اب رہا ''ذراع قدیم'' تو وہ ۳۲؍ انگلیوں کے برابر ہوا کرتا ہے بعض لوگوں نے اسے ''ذراع ہاشمی'' کا نام دیا ہے اور ''قدیم ذراع'' ۲۷؍ انگلیوں کے برابر ہوا کرتا ہے۔ ''ذراع کرباس'' سات مٹھیاں اور ساتویں مٹھی کے ساتھ ایک کھڑی انگلی، اور ''ذراع المساحت'' اسے ''ذراع الملک'' بھی کہا جاتا ہے سات مٹھیوں کے برابر ہوتا ہے ہر مٹھی کے اوپر ایک کھڑی انگلی ......اور بعض نے یہ کہا: ''ذراع المساحت'' صرف سات مٹھیاں اور ''ذراع الکرباس'' ''ذراع المساحت'' سے ایک انگلی کم ہوتا ہے اور

بعض نے کہا: ''ذراع المساحت'' سات مٹھیاں اور ساتویں مٹھی میں ایک کھڑی انگلی......اور ''ذراع العامہ'' جیسے ''ذراع المکسر'' بھی کہا جاتا ہے یہ ۶ مٹھیوں کے برابر ہوتا ہے۔اس کا نام ''ذراع مکسر'' اس لیے رکھا گیا کہ یہ ''ذراع ملک'' سے ایک مٹھی کم ہوا کرتا ہے یہاں ملک سے مراد ''بادشاہان کسری'' ہیں اس کا ذکر ''مُعرب'' میں ملتا ہے یہ تمام ذراعیں طول کے اعتبار سے ''خطیہ'' ہیں اور ''ذراع سطحی'' حاصل ہوتا ہے طول میں طول کو ضرب دینے سے اور جسے ''ذراع جسمی'' کہا جاتا ہے وہ مربع میں طول کو ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے ایسا ہی مستفاد ہوتا ہے ''برجندی اور جامع الرموز'' کے مطالعہ کرنے سے۔

کشاف اصطلاحات العلوم والفنون کی منقولہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مصنف نے ''ذراع'' پر جو بحث کی وہ نہایت ہی سطحی اور سرسری ہے۔اس بارے میں مصنف نے اپنا کوئی نظریہ پیش نہیں کیا ہے،اور نہ ہی ''ذراع'' کی مختلف تشریحات میں سے کسی کو ترجیح دی ہے۔بلکہ انہوں نے وہی کہا جو ''برجندی اور جامع الرموز'' کے مطالعہ سے ان پر واضح ہوا ہے۔ہوسکتا ہے یہ سطحی بحثیں ان کے پسند کردہ موضوع کی مجبوری ہو، یا ان کے اختیار کردہ فن اور اس کے اصطلاحات کی نزاکت ہو۔اس سے زیادہ اس بارے میں کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔

مگر اعلی حضرت فاضل بریلوی کے یہاں ایسا نہیں ہے۔آپ اس انداز سے بحث کرتے ہیں کہ ایک دانشور اور ایک محقق مطالعہ کرتے وقت حیرت وکشمکش کی تصویر بن جاتا ہے اور خود ان کا فن تحقیق اور فن تنقید تر وتازگی کا اظہار کرنے لگتا ہے۔فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ثانی میں ہے،سیدنا اعلی حضرت فاضل بریلوی کی بارگاہ میں ایک سوال آیا ہے جو اس طرح ہے:

مسئلہ نمبر ۳۲:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حوض دہ در دہ میں ''گز شرعی'' کی مقدار کیا ہے؟ بینوا توجروا

دِہ در دِہ کا مطلب یہ ہے کہ دس کو دس میں ضرب دی جائے جیسے 10×10=100 ...... جب کسی عدد کو خود اسی عدد میں ضرب دی جاتی ہے تو اس سے اس کی مساحت نکل آتی ہے تو یہاں ''دہ در دہ'' کی مساحت ۱۰۰ ر نکل آئی اس مساحت کا جو حوض ہوتا ہے وہ حوض کبیر ہوا کرتا ہے اور ایسا حوض کسی ناپاک چیز کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے......سائل نے اس بات کی وضاحت چاہی ہے کہ ''دہ در دہ'' میں جو گز معتبر ہے اس کی وضاحت کر دی جائے ......اس کا مطلب یہ ہے کہ سائل کو اس بارے میں کوئی جانکاری نہیں ہے اور اس کے پاس گز کے تعلق سے جو جانکاری ہے اس سے مسئلہ کا حل نہیں ہوسکتا......اس لئے اعلی حضرت فاضل بریلوی نے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ ''ذراع'' کے بارے میں معلومات تحریر فرما دی اور گز کا تعین بھی فرما دیا......

الجواب......علماء رحمھم اللہ تعالیٰ دربارۂ مساحت حوض کبیر کہ دِہ در دِہ قرار پایا ہے تعیین گز میں تین قول پر اختلاف ہے

قول اول ......معتبر ''ذراع کرباس'' ہے اور اسی کو ''ذراع عامہ'' کہتے ہیں یعنی کپڑوں کا گز ......اسی قول کی طرف اکثر کا رجحان رائے اور اسی کو ''درر، ظہیر،وخلاصہ وخزانہ ومراقی الفلاح وعالم گیری وغیرہا میں اختیار کیا......اور شرح زاہدی وتجنیس اور فتاوی کبری پھر قہستانی پھر درمختار میں اسے مختار،اور نہایہ میں ''صحیح'' اور ہدایہ میں ''مفتی بہ'' اور ولوالجیہ میں ''الیق واوسع'' کہا......

اس عبارت کا مطلب واضح ہے کہ ''دہ در دہ'' میں شرعی اعتبار سے جو ذراع معتبر ہے وہ ''ذراع کرباس'' ہے جس کو ''ذراع عامہ'' بھی کہا جاتا ہے اور ''ذراع کرباس'' سے مراد کپڑوں کا گز ہے جسے عام طور پر لوگ کپڑوں کے ناپنے میں استعمال کیا کرتے ہیں اس گز کا اعتبار کسی ایک نے نہیں کیا ہے بلکہ بہت سے اکابر فقہا نے اسے تسلیم کیا ہے اکثر فقہاء کا رجحان اسی طرف ہے اس کے علاوہ بہت سے مصنفین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اسی کو صحیح ،مختار مفتی بہ اور الیق و اوسع بھی کہا ہے......اب رہا یہ سوال کہ یہ گز کتنی انگلیوں کا ہوتا ہے؟

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ارشاد فرمایا: کہ اس میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ آپ تحریر کرتے ہیں

پھر خود ''ذراع کرباس'' کی تقدیر میں اختلاف واقع ہوا۔

الف......امام ولوالجی نے سات مشت قرار دیا ہر مشت چار انگل مضموم تو اٹھائس اونگل کا گز ہوا......ہمارے یہاں کی نو''گرہ'' سے زائد اور دس گرہ سے کم یعنی ۹۔۱/۳ گرہ......اس قول پر نہایہ ،پھر جامع الرموز پھر درمختار اور باتباع ولوالجی فاضل ابراہیم حلبی نے شرح منیہ میں اقتصار کیا

ب......مگر جمہور علماء کے نزدیک ''ذراع کرباس'' چھ مشت کا ہے ہر مشت چار اونگل مضموم اور اس کی طرف رجحان رائے علامہ محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن ہمام کا ہے اور یہی عالمگیریہ میں تبیین اور بحرالرائق میں کتب کثیرہ سے منقول۔پس قول راجح میں یہ گز چوبیس انگل کا ہوا کہ ایک ہاتھ ہے تو ہمارے یہاں کا'' آدھا ''گز ٹھہرا

اس کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ

4/ملی ہوئی انگلیاں = 1/مشت

7/مشت × 4 ملی ہوئی انگلیاں = 28/انگلیاں

''دہ در دہ''میں جب''ذراع کرباس''معتبر ہے تو اس کی مساحت مذکور بالا تقدیر میں 10× 10 = 100 ذراع کرباس ہوتی ہے

اعلی حضرت فاضل بریلوی کے فرمان کے مطابق

الف

1/ ذرع کرباس = 9۔1/3 گرہ

10/ '' '' × 9۔1/3 گرہ = 93 گرہ ہوا

93/گرہ × 93/گرہ = 8649 گرہ ہوا یعنی''دہ در دہ'' کی مساحت گرہ کے اعتبار سے 8649 گرہ ہونی چاہیئے

چونکہ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہمارے یہاں کا گز 18/گرہ کا ہوتا ہے......اس لئے اعلی حضرت کے یہاں کے گز کے اعتبار سے دہ دردہ کی مساحت اس طرح کی ہوگی

10/ذراع کرباس= 93/گرہ

93/گرہ ÷ 18/گرہ یعنی یہاں کا گز = 5.16

5.16 × 5.16 = 26.62 یہاں کا گز......یہ ساری باتیں جو پیش کی گئیں (الف) کے زمرہ میں آتی ہیں......

(ج)......کے تحت یہ بتایا گیا کہ''ذراع کرباس'' چھ مشت کا ہوا کرتا ہے اور یہ گز یہاں کے گز سے آدھا ہوا کرتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ''ذراع کرباس'' صرف ۹/گرہ کا ہوتا ہے اور یہاں کا گز ۱۸/گرہ کا ہوتا ہے......

10/ذراع کرباس × 9/گرہ =90 گرہ

90 گرہ × 90 گرہ = 8100 گرہ

90/ گرہ ÷ 18= 5/ گز یہاں کا

5/گز یہاں کا × 5/گز یہاں کا = 25/گز یہاں کا

اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دہ در دہ کے معاملہ میں اسی گز کو پسند فرمایا ہے......قول اول کی بات اسی پر ختم ہوتی ہے

قول دوم......اعتبار''ذراع مساحت'' کا ہے امام علامہ فقیہ النفس اہل الافتاء بالترجیح قاضی امام فخرالدین خاں اور برجندی رحمۃ اللہ نے خانیہ میں اسی قول کی تصحیح اور قول اول کا رد کیا۔طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اس پر بھی حکایت فتوی واقع ہوئی اور بیشک من حیث الدلیل اسے قوت ہے۔ اس گز (ذراع مساحت) کی تقدیر میں اقوال مختلفہ وارد ہوئے۔

الف:مضمرات میں سات مشت،ہر مشت کے ساتھ ایک اونگل قرار دیا کہ مجموعہ پینتیس 35 اونگل ہمارے''گز'' سے 11۔2/3 گرہ ہوا۔

ب:علامہ کوافی نے چھ مشت معمولی اور ساتویں میں انگوٹھا پھیلا ہوا کہ یہ بھی تخمیناً گیارہ گرہ کے قریب ہوا مگر یہ دونوں

قول یعنی الف اورب شاذ ہیں

ج......قول جمہور کہ عامہ کتب میں مصرح سات مشت ہے ہر مشت نرانگشت کشادہ یعنی ساڑھے تین فٹ کہ اس گز سے کچھ اوپر۔ساڑھے اٹھارہ گرہ ہوا یعنی 18۔2/3 گرہ

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ''قول دوم'' کے تحت ''ذراع مساحت'' کی تقدیر میں تین اقوال الف،ب،ج کا ذکر کیا ہے اور یہ تینوں اقوال ایک دوسرے سے مختلف ہیں انہیں تینوں اقوال کی توضیح پیش کی جارہی ہے

الف کی توضیح ......مضمرات میں ''ذراع مساحت'' کی تقدیر سات مشت سے کی گئی ہے مگراس شرط کے ساتھ کہ ہرایک مشت کے ساتھ ایک انگلی ہو......اس کا مطلب یہ ہوا کہ 7/مشت ×4انگلی 28/انگلیاں + 7 انگلیاں = 35 انگلیاں ہوئیں یعنی ایک ذراع مساحت35 /انگلیوں کے برابر ہوتا ہے......جو یہاں کے گز سے 11۔3/2 گرہ ہوتا ہے

11۔2/3 کو اعشاریہ میں اس طرح تبدیل کردیا جائے۔

11۔2/3 = 35/3 یعنی 11,66= اعشاریہ گرہ

66 .11× 10/ ذراع مساحت = 116.6 /اعشاریہ گرہ

116.6/اعشاریہ گرہ ÷ 18 / یہاں کے گز = 6.47/اعشاریہ یہاں کے گز

6.47 × 6.47 = 41.86 گز یہاں کا......اس کا مطلب یہ ہوا کہ مضمرات میں درج ذراع مساحت کی تقدیر سے ''دہ دردہ'' کی مقدار 41 گز اعشاریہ 86 مساحت ہوتی ہے

ب کی توضیح: علامہ کوافی نے ''ذراع مساحت'' کی تقدیر میں 6/مشت معمولی اور ساتویں مشت کے ساتھ ایک انگلی قرار دیا اعلی حضرت فاضل بریلوی نے علامہ کوافی کی اس تقدیر کے بارے میں فرمایا: یہ لگ بھگ 11 /گرہ کے قریب ہے اس قول کی بنیاد پر ''دہ در دہ'' کی مساحت کیا ہوگی؟ اس کی وضاحت ذیل میں کی جارہی ہے

1/ذراع مساحت = 11/گرہ

10/ذراع مساحت × 11/گرہ = 110/گرہ

110 گرہ × 110/گرہ =220 گرہ......یعنی گرہ کے اعتبار سے ''دہ دردہ'' کی مساحت 220 گرہ ہوتی ہے

ہندوستانی گز کے اعتبار سے اس کی کیا مساحت ہوگی اس کی بھی وضاحت کی جارہی ہے

110/گرہ ÷ 18/گرہ = 6.11 گز ہندوستانی

6.11 × 6.11 = 37.33 گز ہندوستانی یعنی دہ دردہ کی کل مساحت اس مذکورہ تقدیر کی صورت میں 37.33 گز ہندوستانی ہوگی

(ج) کی توضیح......جمہور کے نزدیک ''ذراع مساحت'' اگر چہ سات مشت ہے مگر یہ مشت کسی مرد کی ہو اس کے ساتھ یہ بھی ضروری کہ مشت کی انگلیاں ملی ہوئی نہ ہوں بلکہ کشادہ ہوں ......حضور سرکار اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقدیر کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ ساڑھے تین فٹ کہ اس گز سے کچھ اوپر یعنی ساڑھے اٹھارہ گرہ 18۔2/3......اس تقدیر کے اعتبار سے جو مساحت ہوگی اس کی وضاحت کی جارہی ہے

18۔2/3 گرہ = 38÷ 2 = 18.1 گرہ

ایک ذراع مساحت =18.1 گرہ × 10= 181 گرہ

181/گرہ × 181/گرہ = 32761 گرہ یعنی اس تقدیر پر ''دہ در دہ'' کی مساحت 32761 گرہ ہوتی ہے ہندوستانی گز کے اعتبار سے اس کی مساحت درج ذیل ہے

181/ گرہ ÷ 18 گرہ جو ہندوستانی گز ہے = ہندوستانی گز 10.05 ×10.05=101 ہندوستانی گز یہ ''دہ دردہ'' کی مساحت ہوئی

قول سوم...... ہر شہر و دیار و ہر عہد و زمانہ میں ''گز رائج'' کا اعتبار ہے محیط میں اسی کو اصح اور نہر میں انسب کہا اور کافی

میں بھی یہی اختیار کیا۔ مگر علمائے متأخریں اس قول کا رد کرتے ہیں اور من حیث الدلیل نہایت ضعیف بتاتے ہیں اور نظر فقہی میں معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے

جہاں تک قول سوم کی بات ہے اس میں نہ کسی ذراع شرعی کی بات کہی گئی ہے اور نہ ہی کسی ذراع کرباس و مساحت کی بات پیش کی گئی ہے بلکہ دہ دردہ کی تقدیر کے لئے رائج گزوں کی بات کہی گئی ہے اس اعتبار سے دہ دردہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی جاسکتی ہے کیوکہ گز کے اختلاف سے مساحت میں بھی اختلاف نمایاں ہوگا...... محیط میں اسی کو اگرچہ اصح اور نہر میں انسب بتایا گیا باوجود اس کے علمائے متأخرین نے اس کا رد بلیغ کیا ہے اور اعلی حضرت فاضل بریلوی نے بھی اس کے بارے میں فرمایا: نظر فقہی میں معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے یعنی من حیث الدلیل نہایت ہی ضعیف معلوم ہوتا ہے...... بایں سبب اعلی حضرت فاضل بریلوی نے بھی اسے مسترد کردیا...... اب رہی بات قول اول اور قول دوم کی تو اس بارے میں عرض ہے...... قول دوم میں سے مضمرات اور علامہ کوافی کی تقدیر کو اعلی حضرت فاضل بریلوی نے شاذ فرما کر رد فرمادیا...... اب کل 3/ تقدیریں بچیں" قول اول میں سے الف، ب اور قول دوم میں سے ج...... اعلی حضرت فاضل بریلوی نے قول اول میں سے ب کو قبول فرمایا:

ورنہ وہی چوبیس انگل کا گز خود معتمد و ماخوذ ہے جس کا دہ در دہ ہمارے گز سے پچیس ہی گز ہوا اور اس کے اعتبار میں اصلا دغدغہ نہیں کہ وہی مفتی بہ ہے اور وہی قول اکثر اور اسی میں یسر و آسانی بیشتر...... اور مقدار دہ دردہ کا اعتبار بھی خود رفق کی بنا پر ہے **کما لایخفی**۔

(فتاوی رضویہ مترجم دوم ص ۱۷۰/۲ مطبوعہ رضا اکیڈمی)

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ذراع اور اس میں پائے جانے پر کچھ معروضات بھی پیش کئے ہیں جنہیں میں نے نظر انداز کردیا اس کی وجہ یہ کہ ہمیں اس موضوع پر بحیثیت فن گفتگو کرنے کو کہا گیا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ فن میں سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا جاتا ہے وہ درس و تدریس ہے اور اس کے تقاضے ہیں اسی طرح میں نے ان فتاوی سے بھی پہلوتہی کی ہے جن میں "ضرب بی عمل" کے نہایت ہی گہرے طریقوں سے بحث کی گئی ہے...... یعنی وہ تالاب جو کرہ کی شکل میں ہو یا مثلث کی صورت میں ہو وغیرہ کیونکہ یہ بحثیں فنی تقاضوں سے کہیں بلند ہیں......

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے فتوی شریف کی اسی عبارت سے موضوع مقالہ کا حق ادا ہوجاتا ہے اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ "ذراع شرعی" کیا ہے؟ اور "ذراع کرباس" کیا ہے؟ مگر ان دونوں ذراعوں کے ضمن میں جو اختلاف بیان کیا گیا ہے اور جس قدر حوالے پیش کئے گئے ہیں اس سے حق تصنیف کے پورا کرنے میں "ازدیاد اہتمام و شوق" کی وضاحت ہوتی ہے جو تصنیف کو دوبالا اور اسے منفرد بنادیتا ہے...... اس کی خوبیوں میں چار چاند لگا دیتا ہے ...... آپ نے ابھی ابھی دیکھا کہ صاحب" کشاف اصطلاحات العلوم والفنون" نے ذراع کے بیان میں جو کچھ کہا ہے اس میں انہوں نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا اور نہ ہی اعلام میں سے کسی کا نام لیا بلکہ صرف یہ کہہ کر گزر گئے کہ "ھٰکذا یستفاد من البرجندی وجامع الرموز و بعض کتب الحساب" "مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے "کمال تحقیق" کی راہ پر چلتے ہوئے ایسی تحقیق انیق پیش فرمائی کہ تصنیف و تالیف کا چہرہ کھِل اُٹھا اور اس کی شگفتہ مزاجی نے ایسا جوہر دکھادیا کہ دانش و بینش اور فہم و ادراک اور شعور و فکر ان کی بارگاہ میں اپنا خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوگئے...... اور کیوں نہ مجبور ہوتے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی کی عبارت مذکورہ میں جوش تحقیق کچھ اور انداز کا پایا جاتا ہے...... ذرا دیکھیے تو سہی! اس میں کیا کیا رموز و اشارات ہیں؟

اولاً ...... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ "دِہ در دِہ" میں کون سی ذراع معتبر ہے؟ ذراع کرباس، ذراع مساحت یا پھر ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں رائج ذراع

معتبر ہے......اس طرح کی بخششیں بہت ہی کم ملا کرتی ہیں......اس بارے میں ہمارے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تین اقوال بیان کیے:

ثانیاً......اس بات کی بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تشریح فرمادی کہ کس نے کس ذراع کا اعتبار کیا ہے اور کس کتاب میں اس بابت کیا لکھا ہے؟ اصح، الیق، انسب لکھا ہے یا ''علیہ الفتویٰ'' تحریر کیا ہے یا ''مفتی بہ'' لکھا ہے...... یہ وہ باتیں ہیں جو کسی سرسری مطالعہ کرنے والوں سے ظہور میں نہیں آسکتی ہیں......اور نہ کوئی اس بات کی ہمت و جرأت کر سکتا ہے......ہاں وہ انسان جو کسی فن میں مہارت تامہ رکھتا ہے اور جسے مسائل و جزئیات پر مکمل عبور حاصل ہوتا ہے...... وہی تو اس پختگی کے ساتھ لکھ سکتا ہے جس پختگی کے ساتھ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تحریر فرمادیا ہے......دور دور تک دیکھ لیجئے بلکہ جہاں تک آپ کی نظر جائے وہاں تک دیکھ لیجئے اول تو کوئی نظر ہی نہیں آئے گا اور اگر کوئی نظر بھی آجائے تو فکر و شعور اور تحقیق و تنقید میں کسی کا معیار امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسا نہیں ہو سکتا ...... یہ وہ حقیقت ہے جسے کوئی فراموش نہیں کر سکتا......زمینی حقیقت میں تو کیا خواب کی حالت میں کوئی انکار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے باوجود اس کے اگر کوئی انکار کرے تو یہی کہا جائے گا کہ وہ جنونی ہے یا وہ خبطی ہے

ثالثاً......اہل علم پر یہ بات بھی مخفی نہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ،،ذراع اور گز'' کے تعلق سے جو تصریحات پیش کی ہیں یوں ہی نہیں پیش کی ہیں بلکہ انہوں نے اپنی ایک ایک بات اور ایک ایک نظریہ کے تحت دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں......کوئی ان دلیلوں سے استفادہ کرنے میں اپنے آپ کو لاچار تو محسوس کر سکتا ہے ان دلیلوں کی اہمیت و افادیت اور ان کے کرشمائی اثر و رسوخ کا انکار نہیں کر سکتا ہے...... مجھے حیرت ہوتی ہے کہ پروردگار عالم نے سرکار اعلیٰ حضرت کو کس قدر نوازا تھا کہ ان کے پاس ہر بات اور مسئلہ کی دلیل پائی جاتی ہے انہیں کسی دلیل کو دینے میں دیر نہیں لگتی ہے اُدھر سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے اور اِدھر سے دلیل و برہان کی ایسی بارش ہوتی ہے جو سمیٹے نہیں جا سکتے......چاہے دامن کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو......ہاں ہاں جب انہیں کوئی عطا کرتا ہے تو مل جاتا ہے اور بہت زیادہ ہی مل جاتا ہے......کیونکہ کمی ہمارے دامن میں پائی جاتی ہے اس کے دینے میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہوتی ہے

رابعاً......فقیہ جو بات کرتا ہے یا جس چیز کو تحریر کے دائرہ لاتا ہے......تو یوں ہی نہیں لاتا ہے بلکہ اس کی بھی دلیل رکھتا ہے اور پھر اسی دلیل و برہان کی روشنی میں وہ فقیہ بات کرتا ہے......اس کے علاوہ ایک فقیہ کے لئے تنقیدی بصیرت کا ہونا بھی ضروری ہوا کرتا ہے ......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جب دلائل و براہین لانے پر کمر بستہ ہوتے ہیں تو انہیں کسی دلیل کو تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ خود دلیلیں ان کے پاس چل کر آتی ہیں اور پھر آپ ''فقہی بصیرت کے معیار پر ان دلیلوں کو کستے ہیں......جب وہ دلیل ان کے اس معیار پر کھری اترتی ہے......اس کے بعد ہی آپ اسے ضبط تحریر میں لاتے ہیں......ان کی تنقیدی بصیرت کا جلوہ زیبا دیکھنا ہو تو ان کے فتاویٰ کا نہایت ہی گہری نظر سے مطالعہ کریں......اسی مسئلہ ذراع کے تعلق سے آپ نے جو اختلافی نظریوں کو پیش کیا ہے اور علم فقہ کے اعلام و اشخاص کے جو حوالے دیئے ہیں ان پر تنقیدی اور فقہی نظر ڈالتے ہوئے کسی قول کا آپ نے رد فرمایا اور کسی قول کو سہو پر مبنی قرار دیا......اور کسی قول کو غیر صحیح فرمایا......غرض یہ کہ آپ نے اپنے موقف کو صحیح قرار دینے میں جو راہ اختیار کی ہے وہ ایسی صاف ستھری اور بے غبار راہ ہے کہ دور حاضر کا کوئی بھی محقق یا دانشور اس پر کلام نہیں کر سکتا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ اس راہ میں جہاں کہیں بھی کوئی بات سامنے آتی ہے تو آپ اپنی تنقیدی اور فقہی بصیرت سے پہلے اس کا رد فرماتے ہیں......یا اسے سہو پر مبنی قرار دیتے ہیں اور کہیں آپ نے یہ فرمایا کہ یہ نظریہ زمینی حقیقت سے بہت دور ہے......وغیرہ وغیرہ اس کے بعد ہی آپ اپنے موقف کو ارشاد فرماتے ہیں: آپ نے اسی مسئلہ ذراع کے تعلق سے جو جواب

ارشاد فرمایا ہے اسے فتوی کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں......

بالجملہ یہاں تین قول ہیں اور ہر طرف ترجیح و تصحیح اقول مگر قول ثالث درایۃً ضعیف اور اس کا لفظ ترجیح بھی اُس قوت کا نہیں اور قول دوم اگر چہ اقیس ہے اور اس کی تصحیح امام قاضی خاں نے فرمائی جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں کما ذکر العلامۃ شامی فی ردالمحتار وغیرہ مگر قول اول کی طرف جمہور ائمہ ہیں اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس طرف جمہور ہوں کما فی ردالمحتار وعقود الدرایہ وغیرہما اور اس کا لفظ تصحیح سب سے اقوی کہ علیہ الفتوی بخلاف قول دوم کہ اس میں لفظ صحیح ہے اور سید طحطاوی کی اس پر حکایت فتوی معلوم ہولیا کہ سہو صریح ہے پس جو زیادہ احتیاط چاہے مساحت آب کثیر میں گز مساحت کا اعتبار کرے کہ ساڑھے تین فٹ اور ہمارے گز سے سدس اوپر ساڑھے اٹھارہ گز کا ہے جس کا دس گز ہمارے گز سے ایک سوچھتیس گز ایک گرہ ۷/۹ گرہ ہوا ورنہ وہی چوبیس انگل کا گز خود معتمد و ماخوذ ہے جس کا دہ در دہ ہمارے گز سے پچیس ہی گز ہوا اور اس کے اعتبار میں اصلا دغدغہ نہیں کہ وہی مفتی بہ ہے اور وہی قول اکثر اور اسی میں یسر و آسانی بیشتر ......اور مقدار دہ در دہ کا اعتبار بھی خود رفق کی بنا پر ہے کما لایخفی۔ (فتاوی رضویہ مترجم دوم ص ۷۰/۱۷۲ مطبوعہ رضا اکیڈمی)

سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا فاصل بریلوی کے فتاوی میں سے کچھ عبارتوں کو پیش کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ نے علم ذراع کے تعلق سے جو بحث کی ہے وہ نہایت اہم اور انفرادیت کی حامل ہے اس قسم کی بحثیں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی ہے جیسا کہ ہم ''کشاف اصطلاحات العلوم والفنون'' کی عبارت کو پیش کر کے بتا چکے ہیں...... ہمارے قارئین خود غور فرمالیں مسئلہ واضح ہو جائے گا......

اب میں خلاصہ کے طور پر بیان کرنا چاہوں گا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ''ذراع'' کے تعلق سے جو بحث فرمائی ہے اس کے مطالعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے قول اول کو لیا ہے یعنی ''ذراع کرباس'' کو لیا ہے اور ''ذراع کرباس'' میں بھی اس قول کو لیا ہے جو جمہور کا قول ہے یعنی چوبیس انگل کا ایک گز ہے جو یہاں کے گز کا آدھا گز ہے اور ''دہ در دہ'' کی تقدیر یہاں کے گز سے پچیس گز ہوا......

ہم واضح کر چکے ہیں کہ ''علم اوزان واکیال''، علم حساب'' کے توسط سے علم ریاضی سے ملتا ہے اور علم ریاضی میں ریاضت کی ضرورت پڑتی ہے محنت اور مشقت کی حاجت ہوتی ہے یعنی صرف فارمولے بتا دینے سے اس علم میں کوئی کام نہیں بنتا ہے بلکہ اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ ریاضت کی جائے......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی ریاضت کی ہے مگر ان کی یہ ریاضت فن میں نکھار پیدا کرنے کے لئے نہیں تھی بلکہ انہوں نے جو بھی ریاضت کی ہے دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے کی ہے......اور کسی پوچھے گئے سوال کا جواب دینے کے لئے کی ہے......ریاضت کے دوران انہوں نے کرہ، مثلث، مربع، جذور، اعشاریہ اور علم لوگارثم سے بھی کام لیا ہے اور جب ان علوم کے سہارے کسی مسئلہ کو لکھنے پر آئے ہیں تو معلومات کا ایک سیل رواں جاری کر دیا ہے جس کی چکا چوند نے نہ جانے کتنے ماہرین فن کو حیرت و کشمکش میں ڈال دیا ہے؟ اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے......ایسا باکمال اور جامع صفات والا انسان کہاں ملتا ہے؟ ذراع اگر چہ علم اوزان واکیال میں نہیں آتا ہے مگر چونکہ وہ علم بھی اس علم سے بہت زیادہ قریب ہے اسی قربت کے سبب میں نے اس مقام پر بیان کر دیا ہے اس کے مطالعہ سے اہل علم یقینی طور پر خوش ہونگے......اب خاص طور سے ''وزن وکیل'' کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں......

کچھ اوزان کے بارے میں

اوزان جمع ہے اس کا مفرد وزن ہے اور یہاں وزن سے مراد

کسی چیز کو ناپنا ہے یا پھر اس سے وہ چیز لی جاتی جس سے کسی چیز کو ناپا جاتا ہے......ہم گزشتہ اوراق میں حدیث پاک کے حوالے سے یہ بات ثابت کر آئے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے وزن کو معتبر قرار دیا ہے......اوزان میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں؟ اور سرکار صلی اللہ کے دور میں کن اوزان کا رواج تھا؟ ذیل میں درج کیئے جارہے ہیں

(۱)......درہم (۲)......دینار (۳)......مثقال (۴)......دانق (۵)......قیراط (۶)......اوقیہ (۷)......نش (۸)......نواۃ (۹)......رطل (۱۰)......قنطار

(۱)......درہم

تعارف......درہم ایک ایسا لفظ ہے جو معرب ہے یعنی یہ لفظ اصل میں عجمی ہے مگر اہل عرب نے اسے استعمال کر کے عربی کر لیا ہے......درہم نقد کی ایک قسم ہے اور چاندی کا ڈھلا ہوا ایک وزن ہے ......لوگوں نے درہموں کو اپنے لین دین کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے ......اس کی قسمیں مختلف ہیں اور اس کے اوزان میں بھی فرق ہے نوع و وزن میں یہ اختلاف ان شہروں کے اختلاف کے سبب نمایاں ہوا جن شہروں میں لوگوں نے درہموں کے ذریعہ اپنے معاملات کو طے کرنے لگے ......ابتدائی صورت میں درہموں کو صرف وزن کی حیثیت تھی ......جس طرح سے اس دور میں ۲۵۰/۵۰۰ اور ایک کیلوگرام وغیرہ ہوا کرتا ہے بہت بعد میں درہموں کو سکے کا روپ دیا گیا......اس بارے میں بھی اختلاف کہ سب سے پہلے کس نے اسے سکے کا روپ دیا؟ اس بارے میں تین اقوال ہیں

القول الاول ......فحكى القاضي أبو الحسن علي بن محمد الماوردي أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه لما رأى اختلاف الدراهم وان منها البغلي وهو ثمانية دوانق ومنها الطبرى وهو اربعة دوانق ومنها المغربى وهو ثلاثة دوانق ومنها اليمنى وهو دانق ......قال انظر الاغلب مما يتعامل به من اعلاها وادناها فكان الدرهم البغلى والدرهم الطبرى فجمع بينهما فكان اثنى عشر دانقاًفاخذنصفها فكان ستتة دوانق. (الاوزان والاكيال الشريعة ص ۸۲)

ترجمہ...... پہلا قول......قاضی ابوالحسن علی بن محمد الماوردی نے بیان کیا: کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے دراہم میں اختلاف کا جب ملاحظہ فرمایا کہ ان میں سے بعض ''بغلی'' ہے اور وہ ۸/دوانق کا ہے......بعض طبری ہے جو ۴/دوانق کا ہے......مغربی ہے جو ۳/دوانق کا ہے اسی طرح یمنی بھی جو صرف ایک دانق کا ہے ......ان میں سے اغلب کو لو......جو اعلی میں سے اور ادنی میں سے بھی ......تو ان میں سے بغلی اور طبری کو لیا گیا اور پھر دونوں کو جمع کیا گیا تو ۱۲/دانق ہو گئے اور اس میں سے اس کا نصف لیا گیا......

ایک بغلی درہم 6/دوانق کے برابر ہوتا ہے......اور طبری 4/دانق کے برابر ہوتا ہے......8+4=12......اس میں سے صرف یعنی 6/دانق لیا گیا......اور سرکاری طور پر ایک درم کو ۶/دانق کے برابر قرار دیا گیا......گویا درم کا وزن مقرر کر دیا گیا......

القول الثانی......اس بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے حکم سے مصعب بن زبیر نے بادشاہان کسری کے طرز پر درم ڈھال دیا اس کے ایک جانب میں (برکتہ) اور دوسری جانب (واللہ) نقش کیا گیا یہ بات ۷۰ھ کی ہے لیکن ایک سال کے بعد ہی حجاج بن یوسف نے بدل دیا اور اس پر ''بسم اللہ'' کندہ کرا دیا......

القول الثالث......یہ ہے کہ سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے منقوشہ درموں کو تیار کرایا ہے

ایک درم کا کیا وزن ہوتا ہے وہ بعد میں بیان کیا جائے گا جب اس کا موقع آئے گا......ہاں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ایک درم =2.975 گرام ہوتا ہے

(۲)......دینار کہ اس کی جمع دنانیر آتی ہے یہ بھی فارسی الاصل

ہے اور اسے معرب کرلیا گیا...... ڈھلے ہوئے سونے کے ایک ٹکڑے کا نام ’’دینار‘‘ ہے فقہائے کرام کی اصطلاح میں دینار مثقال کا مترادف ہے جو ایک مقدار کا نام ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کا اندازہ لگایا جاتا ہے بلاذری، ابن خلدوں اور ماوردی نے کہا: کہ دینار کا وزن ۲۰ر قیراط ہوا کرتا ہے...... تاریخ سے ثابت ہوتا ہے ہرقل بادشاہ کے ڈھلے ہوئے دینار جاہلیت کے دور میں منتقل ہوکر مکہ میں آئے اس طرح اس کا رواج بھی عرب کے علاقوں میں ہوگیا جب اسلام آیا تو اس نے بھی دینار کو برقرار رکھا...... خلفائے راشدین اور حضرت امیر معاویہ نے بھی دینار کے رواج واستعمال کو جاری رکھا بادشاہ ہرقل کے دینار کا وزن 20ر قیراط کے بجائے 12ر قیراط ہوا کرتا تھا...... جہاں تک دینار شرعی کی بات ہے اس بارے میں عرض ہے عبدالملک بن مروان نے جو دینار تیار کیا اسی کو ’’دینار شرعی قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا وزن اس دینار کے مساوی تھا جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پایا جاتا تھا...... اور صحابہ کرام کے دور میں تھا ...... ایک دینار 22 قیراط ایک حبہ شامی کم کے برابر ہوتا ہے...... اور متوسط 72ر جو کے برابر ہوتا ہے اور دور حاضر میں اس کا وزن 4.25 گرام ہے

(۳) ......مثقال اور دینار دونوں ایک دوسرے کے مترادف ہیں ......اس اعتبار سے ایک مثقال کا وزن بھی دینار کی مانند ہے جتنے قیراط دینار میں پائے جاتے ہیں ٹھیک اُتنے ہی قیراط مثقال میں پائے جاتے ہیں جدید عصری اوزان میں مثقال 4.25 گرام کے برابر ہوتا ہے

(۴) ......دانق کا وزن درہم کے تناسب سے لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ایک دانق درہم کا سدس ہے مثال کے طور پر درہم کا وزن جدید عصری اوزان میں 4.975 گرام ہے تو دانق کا وزن 495. ہوگا (2.975÷6=495.)

(۵) ...... قیراط دینار کا 24 واں جز ہے اور تین جو کے برابر ہوتا ہے اور جدید اوزان میں قیراط (1770. گرام) کے مساوی ہوتا ہے

(۶) ......اوقیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ 40 درہموں کے مساوی ہوتا ہے 2.975+40=119 گرام کے برابر ہوتا ہے

(۷)۔ نش اوقیہ کا نصف ہوا کرتا ہے یعنی 20 درہموں کے برابر ہوتا ہے جسے جدید اوزان میں اس طرح دکھایا جاتا ہے (2.975×20=59.5 گرام)

(۸) ......نواۃ۔ کا شمار بھی اوزان میں ہوتا ہے اور یہ 5ر درہموں کے برابر ہوتا ہے جدید عصری وزن میں اس کا وزن (2.975×5=14.875 گرام) ہوتا ہے جس طرح چاندی کی نصاب درہموں سے مقرر کی جاتی ہے اسی طرح نواۃ سے بھی یہ نصاب مقرر کی جاتی ہے

(۹) ......رطل۔ اس کے بارے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے اس کے اقسام بھی شہروں کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہیں ایک رطل شامی ہوتا ہے اور اس کی دوسری قسم کو رطل عراقی ہوتی ہے اس کا ذکر نہایت ہی تفصیل کے ساتھ صاع کے بیان میں کیا جائے گا کہ وہی اس کا محل ہے

(۱۰) ......قنطار اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قنطار مال کثیر کو کہا جاتا ہے اور اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے کسی نے اس کی حد مقرر کی ہے مگر اس کی اس کوشش کو کوشش ناتمام سے تعبیر کی گئی ہے

......

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انسان زندگی کے تمام جہات پر گفتگو کی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ انہوں نے کسی جہت اور کسی گوشہ کو چھوڑا نہیں ہے اور جہاں تک ’’وزن وکیل‘‘ کی بات ہے یہ تو انسانی زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے کہ اس کے بغیر کسی کا بھی کوئی کام نہیں نکلتا ہے اس لئے انہوں نے اس پر بھی توجہ فرمائی ہے...... جیسا کہ حدیث پاک سے ہم ثابت کرآئے ہیں کہ اہل مکہ کا ’’وزن‘‘ معتبر ہے اور اہل مدینہ کا ’’کیل‘‘ معتبر ہے...... نہ

کبھی وزن بدل سکتا ہے اور نہ کبھی ''کیل'' پر کوئی حرف آ سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ انسان بدل جائے اور ان کے نظریات اور عرف وعادت میں زبردست بدلاؤ آجائے......جیسا کہ علامہ مقریزی لکھتے ہیں:

کان الاصل فی الموزون ماکان حینئذ بوزن مکه و کان اصل فی المکیال ماکان حینئذ یکال بالمدینة لا یتغیر عن ذالک وان غیره الناس

......(الاوزان والاکیال الشرعیہ ص۴۴)

ترجمہ......موزوں میں اصل یہ کہ وزن تو صحیح معنی میں مکہ مکرمہ کا ہی وزن ہے اور کیل وہی معتبر ہے جو مدینہ پاک میں پایا جاتا تھا......یہ کبھی نہیں بدل سکتا اگرچہ لوگ اپنے وزن اور کیل کو بدل دیں......

کیونکہ یہ وزن، وزن شرعی ہے اور کیل، کیل شرعی ہے اس کا اعتبار ہر دور میں کیا جاتا رہے گا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہر دور میں اس وقت کے رائج اوزان واکیال سے درہم ودینار اور کیل کا معادلہ کیا جائے ......جیسا کہ اب تک کیا جاتا رہا ہے......سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے مختلف فتاوی میں درہم ودینار کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ان تمام چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے جو درہم و دینار سے کسی نہ کسی نوع سے تعلق رکھتے تھے......اہل علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ درم اور مثقال دونوں باہم متناسب ہیں اور انہیں دونوں سے مل کر ''وزن سبعہ'' بنایا گیا......ذیل میں اس کی وضاحت پیش کی جارہی ہے

☆......مالک نصاب پر زکوۃ فرض ہے ہر وہ شخص جو 200/درموں یا اس کی مثل چاندی یا 20/مثقال سونے کا مالک ہے......حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں 3/قسم کے درموں کا رواج تھا

الف...... ہر 10 درم برابر 10/مثقال چاندی

ب...... ہر 10 درم برابر 6/مثقال چاندی

ج...... ہر 10 درم برابر 5/مثقال چاندی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا جب دور خلافت آیا تو آپ نے حکم دیا کہ ہر مالک نصاب اپنی زکات کی ادائیگی گراں قدر درم سے ادا کریں......اس حکم کے پس منظر کسی مالک نصاب کو نقصان پہونچانے کا مقصد نہ تھا......بلکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ زکات کے مستحقین کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچایا جائے اس حکم کے نافذ ہوتے ہی اس وقت کے اہل ثروت نے گزارش کی کہ کوئی ایسی صورت اپنائی جائے جس سے کسی کا نقصان بھی نہ اور مستحقین کو فائدہ بھی پہونچ جائے بات چونکہ قاعدہ کی تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی بات تسلیم کرلی اور ماہرین حساب کو حکم دیا کہ بیچ کا راستہ اپنایا جائے ......آخر کار اہل حساب نے بیچ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ایک فرمولہ طے کیا کہ ہر قسم کے درم سے 1/3/لیا جائے اور پھر جوڑ دیا جائے اور اسی طرح ہر درم کے مقابل مثقال سے بھی 1/3/لیا جائے اور اسے بھی جمع کرلیا جائے اور پھر دونوں کو جوڑ دیا جائے مثلاً:

دراہیم ومثاقیل:

(الف) 10/درموں کا ثلث ہوا 3/صحیح اور 1/3 یعنی 3,1/3۔

اور اس کے اس کے مقابل ہر 10/مثقال کا ثلث ہوا 3 صحیح اور 1/3 یعنی 3,1/3

(ب) ہر 10/درموں کا ثلث ہوا 3/صحیح اور 1/3 یعنی 3,1/3۔

اور اس کے مقابل ہر 6/مثقال کا ثلث ہوا 2 صحیح یعنی صرف 2/

(ج) ہر 10/درموں کا ثلث ہوا 3/صحیح اور 1/3 یعنی 3-1/3

اور اس کے مقابل ہر 5/مثقال کا ثلث ہوا 1/صحیح اور 2/3 یعنی 1-2/3

درموں کا طریقہ جمع:

3-1/3+3-1/3+3-1/3 (ہر ایک ثلث میں عمل ضربی کے بعد)

10/3+10/3+10/3 (کل میں عمل جمع کے بعد)

30/3=10 (30÷3=10) اس کا مطلب یہ ہوا کہ وزن سبعہ میں گروپ دراہیم سے 10 لیا جائے

مثقال کا طریقہ جمع:

3-1/3+2-/1+2-2/3-1 (ہر ایک ثلث میں عمل ضربی کے بعد) 10/3+2/1+5/3 (کل میں عمل جمع کے بعد)

10+6+5=21/3 (21÷3=7) اس کا مطلب یہ ہوا کہ وزن سبعہ میں گروپ مثقال سے 7 لیا جائے۔

درموں کا حاصل جمع 10 ر اور ٹھیک اس کے مقابل مثقال کا حاصل جمع 7 ر لے کر ''وزن سبعہ'' بنایا گیا جس کے نتیجہ میں ہر دس درم کو سات مثقال چاندی کے روپ میں دیکھا گیا ......اس کے تناظر میں جس کے اوپر ۱۰ ر درم زکات فرض ہے تو وہ 7 ر مثقال چاندی ادا کرے علی ھٰذالقیاس الی غیر النهایه۔

ہر دس درموں کے مقابل سات مثقال چاندی کو ''وزن سبعہ'' کہا جاتا ہے۔تمام دینی معاملات میں اسی ''وزن سبعہ'' کا اعتبار کیا جاتا ہے زکات کے نصاب، مہر نکاح، اور دیت میں اسی کو معتبر تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب '' رد المحتار'' میں ہے:

اعلم ان الدراهم كانت فى عهد عمر رضى الله تعالى عنه مختلفة فمنها عشرة دراهم على وزن عشرة مثاقيل وعشرة على ستة مثاقيل وعشرة على خمسة مثاقيل فاخذ عمر رضى الله تعالى عنه من كل نوع ثلثاً كى لا تظهر الخصومة فى الاخذ والعطا فثلث عشرة ثلاثة و ثلث،وثلث ستة اثنان، وثلث الخمسة واحد واثنان فالمجموع سبعة وان شئت فاجمع المجموع فيكون احدى وعشرين فثلث المجموع سبعة ولذا كانت الدراهم العشرة وزن سبعة وهٰذا يجرى فى كل شئى حتى فى الزكوٰة ونصاب السرقه والمهر وتقدير الديات .(رد المحتار ص ۲۸)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں مختلف قسم کے دراہم رائج تھے۔ ہر دس درہم کے مقابل دس مثقال، ہر دس دراهیم کے مقابل چھ مثقال اور ہر دراہیم کے مقابل پانچ مثقال ......حضرت عمر فاروق نے درہم و مثقال کی ہر نوع سے ثلث ثلث لے لیا ......دس کا ثلث ۳۔۱/۳ چھ کا ثلث ۲ ر اور پانچ کا ثلث ۱۔۲/۳ ر اور ان سب کا مجموعہ سات ہوا ......اور اگر آپ چاہیں تو سب کو جمع کر لیں تو یہ اکیس ہٹ جائیں گے اور اس کا ثلث سات ہی رہے گا...... ہر چیز میں یہی رائج و نافذ ہے زکات میں ......نصاب سرقہ میں ......مہر اور تقدیر دیات میں بھی

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ دس درم سات مثقال کے مساوی ہے اسی کا رواج ہر ملک ہر علاقہ اور ہر شہر و قصبات میں بھی ہو گیا......

چاندی کا نصاب زکات:

اعلی حضرت فاضل بریلوی کے دور میں نہ درم تھا اور نہ مثقال ...... بلکہ رتی ......آنا...... ماشہ اور تولہ کا عام رواج تھا......یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسی ''وزن سبعہ'' کا اعتبار کرتے ہوئے درم کی تقدیر اپنے دور کے سکوں سے فرمائی ہے ......حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے فتاوی میں کسی ایک مقام پر نہیں بلکہ مختلف مقامات پر ماشہ اور تولے میں نصاب زکات کی تقدیر فرمائی ہے ......جیسا کہ آپ فرماتے ہیں

فی الواقع سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے ان میں سے جو ان کے پاس

ہو اور سال پورا اس پر گزر جائے اور کھانے پہننے مکان وغیرہ ضروریات سے بچے اور قرض اسے نصاب سے کم نہ کردے تو اس پر زکات فرض ہے (فتاوی رضویہ ۴/ ۴۰۷)

ایک اور مقام پر سرکار اعلی حضرت فاضل بریلوی نصاب زکات کی تقدیر مروجہ سکوں سے فرماتے ہیں

سال تمام پر اس کے پاس اگر یہ ساٹھ روپے بچے تو اس پر زکات واجب ہوگی زکات کی نصاب چھپن روپے ہے اور وہ زیور اگر شوہر کی ملک میں ہے تو وہ بھی شامل کیا جائے گا ایک سودس پر زکات واجب ہوگی اور اگر وہ مال تجارت بھی بچا تو وہ بھی شامل ہوگا ایک سو ساٹھ پر ہوگی (فتاوی رضویہ ۴/ ۴۱۷)

سیدی اما احمد رضا فاضل بریلوی کے مبارک فتاوی سے جو دو عبارتیں پیش کی گئیں ان میں سے ایک عبارت میں نصاب زکات کی تقدیر ماشہ اور تولہ میں کی گئی ہے اور دوسری عبارت میں ۵۶ روپے سے کی گئی ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زکات کی نصاب درم میں ۲۰۰ درم ہے اس لئے یہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ ایک درم کی قیمت کس قدر ہے؟ کہیں اور کسی کے یہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے از خود اس کی تعیین فرمادی ہے آپ فرماتے ہیں:

درہم شرعی کا وزن ۳ / ماشہ ۱/ ۵ سرخ چاندی ہے (فتاوی رضویہ ۵/ ۴۸۶)

اس مقام پر اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ''سرخ'' سے ''رتی'' مراد لی جب ہم درم شرعی کے اس وزن کو رتی ماشہ اور تولہ کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں تو نصاب زکات واقعی طور پر ساڑھے باون تولے چاندی ہی ہوتی ہے۔ حساب کی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

2-7/9 شعیر (جو) = 1 / سرخ (رتی)

70 شعیر (جو) = 1 / درم 70 ÷ 2-7/9

25/9 × 70/1

25/9 × 70/1

(دونوں عددوں یعنی 70 کو 5 سے کاٹنے کے بعد 16 اور 25 کو 5 سے کاٹنے کے بعد حاصل 5 ہوا۔

25.2=5÷126)126/5 = 5/9 × 14/1

یعنی 25.2 سرخ یعنی رتی

25.2 سرخ (رتی) ÷ 8 = 3 ماشہ 1/5 سرخ یعنی رتی

میں نے جو حساب رتی اور ماشہ کا پیش کیا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک درم کا وزن 3 ماشہ اور 1 / 5 سرخ چاندی ہوا کرتا ہے...... جب درم کا وزن ثابت ہوگیا تو اسے 200 درم سے ضرب دے دیا جائے اور جو حاصل ضرب ہوگا وہی نصاب فضہ قرار پائے گی۔ مثال کے طور پر:

ایک درم=25-9/5=سرخ (رتی)

= 200× 25-9/5

200×126-9/5 (200 درموں کو 5 سے کاٹنے کے بعد حاصل 40 ہوا)

40×126-9/5=5040 سرخ (رتیاں)

5040÷8=630 ماشے ہوئے

(ماشے 630÷12=52.2 تولے) جو چاندی کی نصاب ہے۔

حساب کے اس عمل سے ثابت ہوگیا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ۲۰۰ درم کی جو تقدیر رتی، ماشہ اور تولے سے کی ہے از روئے حساب وہ بالکل صحیح اور درست ہے اس میں کہیں اور کسی اعتبار سے کوئی لوچ یا کوئی کمی نہیں پائی جاتی ہے......اور یہ بات بھی دھیان میں رہے حصرت سیدی امام احمد رضا نے جہاں رتی ماشہ اور تولہ سے نصاب چاندی کی تقدیر فرمائی ہے وہیں آپ نے اپنے دور کے مروجہ سکوں سے بھی اس کی تعیین کرتے ہوئے چاندی کا نصاب ۵۶/ روپے بھی قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے دور اقدس میں جو سکہ رائج تھا اس کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللھم ہدایۃ الحق واصواب ۔چاندی کی نصاب ساڑھے باون تولے ہے جس کے سکہ رائجہ سے چھپن روپے ہوئے اورسونے کی نصاب ساڑھے سات تولے درمختار میں ہے:
نصاب الذهب عشرون مثالاً والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل، مثقال ساڑھے چار ماشے ہے تو درہم کہ اس کا ۷/۱۰ ہے تین ماشے ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوا۔"کشف الغطا"میں ہے مثقال بیست قیراط وقیراط یک حبہ وچہار خمس حبہ کہ آں را بفارسی سرخ گویند ہشتم حصہ ماشت پس مثقال چہار ونیم ماشہ باشد"۔جواہر الاخلاطی" میں ہے الدرہم الشرعی خمس و عشرون حبۃ یعنی درہم شرعی پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی ہے اس حساب سے واضح ہوسکتا ہے کہ دوسو درم نصاب فضہ کے باون تولے ۶ ماشے اور بیس مثقال نصاب ذہب کے ساڑھے سات تولے اور یہاں کا روپیہ کہ ۱۱ ماشہ ہے اس سے ۵۰ روپے دوسو درم کے برابر ہوئے یہی وزن معین متون مذہب وعامہ شروح وفتاوی میں ہے ردالمحتار میں فرمایا:
عليه الجم الغفور والجمهور الكثير واطباق كتب المتقدمين والمتأخرين تو اس کے خلاف عمل جائز نہیں عقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:**العمل بما عليه الاكثر** (الفتاوی الرضویہ ۳/۱۱۴)

ایک اور موقع پر اعلی حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

"یہاں کا روپیہ ۱۱ ماشہ دو سرخ ہے۔"

پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نصاب فضہ میں کل (۶۳۰) ماشے ہوا کرتے ہیں اور جب ان (۶۳۰) ماشے کو یہاں کے سکہ (۱۱ء۲) ماشہ پر تقسیم کی جائے تو اس کے کل ۵۶ روپے بنتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو ضابطے کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ میں صرف ضابطے اور اس کے تحت آنے والے مسائل وجزئیات ہی نہیں بیان کیے جاتے، بلکہ اور بھی ایسے مسائل ہوا کرتے ہیں جن میں ضابطوں کا پاس ولحاظ بھی کیا جاتا ہے، اور سائل کے سوال اور اس میں مندرج واقعات وحادثات اور سائل کی نفسیات کو بھی دیکھا جاتا ہے۔کوئی پوچھتا ہے زید کے پاس چالیس تولہ چاندی ہے تین تولہ سونا ہے یا ستر تولہ چاندی ہے اور چھ تولہ سونا ہے اس میں کتنی زکات واجب ہوگی۔مفتی سب کا حساب لگاتا ہے کہیں ماشہ کہیں تولہ اور کہیں رتی کی بات کرتا ہے......اور کہیں درہم ودینار اور قیراط وحبہ کی بات کرتا ہے اور پھر واضح انداز میں سائل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے...... یہ جواب ضابطہ کے تحت بھی ہوتا ہے اور مطابقتی عمل کا خوبصورت منظر بھی پیش کرتا ہے......یعنی کل ملا کر فتاوی ریاضت و مزاولت کا اعلی شاہکار ہوا کرتے ہیں......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے درم کے تعلق سے جس قدر تفصیلات بیان کی ہیں اگر ان تمام تفصیلات کو فن کا روپ دیا جائے تو اس میں فن کے تمام تر تقاضے اور بزاکتیں نمایاں ہوسکتی ہیں......اور بعض تحقیقات تو ایسی ہیں کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی ہیں......اس اعتبار سے بھی امام احمد رضا فاصل بریلوی کی ذات مقدسہ اس قدر نایاب معلوم ہوتی ہے کہ جب ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے تو ہر بار ایک نیا مزہ......اور نئے لطف کا احساس ہوتا ہے اور رضویات کے گہرے سمندر میں اترنے کا نیا حوصلہ ملتا ہے اور پورے جسم وجاں میں نہ جانے کیسی امنگ پیدا ہوتی ہے؟ کہ دل یہی چاہتا ہے یہ نئی اُمنگ سلامت رہے اور یوں ہی تر وتازہ رہے......اور اس کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا رہے

سونے کا نصاب:

اب بات رہی سونے کے نصاب کی تو اس بارے میں عرض ہے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اس کی تقدیر ساڑھے سات تولے سونے سے کی ہے اور یہ تقدیر بھی اپنی جگہ صحیح اور درست ہے ......اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ شریعت میں سونے کا نصاب ۲۰؍ مثقال کے وزن کے برابر سونے کو قرار دیا گیا ہے اور شریعت اسلامیہ میں جب کبھی سونے کے نصاب کی بات آتی ہے تو اس موقعہ

پر دینار اور مثقال کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کے بارے میں ہمارے علمائے کرام مختلف ہیں کچھ علمائے کرام کا نظریہ ہے کہ دینار اور مثقال دونوں ایک ہی ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں ......اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ نہیں دینار الگ ہے اور مثقال جدا ہے ان علماء کا ماننا ہے کہ دینار عرب کا کوئی سکہ نہیں ہے بلکہ یہ بلاد روم سے منقول ہو کر عرب کے علاقوں میں آیا اور عرب کے معاشرہ میں اس طرح گھل مل گیا کہ یہ عرب کا ہی بن کر رہ گیا جب اہل عرب دینار کو ''ھرقلہ'' کا نام دیتے ہیں ...... یہ اختلاف صرف اور صرف کیفیت میں ہے کمیت میں ہمارے علمائے کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے **کما قال العلامه المقریزی فی حاشیة ''کتاب الاوزان والاکیال الشرعیة''**

والعلماء منهم من یجعلهما شیئاً واحداً ومنهم من یمیل الیٰ وجود احتلاف بینهما قال الحریری فی ''اوراق النقود ونصاب الورق النقدی ''منسور ضمن ''مجله البحوث الاسلامیه العدد ۳۹ سنة ۱۴۱۴ ھ ص ۲۴۴ . ۲۴۵ المثقال من اوزان الکیل ،والدینار : من اوزان النقد وھٰذا احد اسباب الاشتباه بین الوزنین وهما فی الحقیقة کمیة واحدة وهو الراجح عند الفقهاء (کتاب الاوزان والاکیال الشریعه ص۶۰)

ترجمہ...... علماء میں سے بعض نے دونوں کو ایک ہی کہا ہے اور کچھ علماء اس طرف مائل ہیں کہ دونوں میں احتلاف ہے حریری نے ''اوراق النقود ونصاب الورق النقدی''میں کہا ''مجلّہ بحوث اسلامیہ جز ۳۹ سن۱۴۱۴ھ ص۲۴۴،اور ۲۴۵ میں بیان کیا ہے کہ مثقال اوزان کیل میں سے ہے اور دینار اوزان نقد میں سے ہے، یہ بیان ان دونوں وزنوں کے مابین اسباب اشتباہ میں سے ایک ہے بہر حال دونوں کمیت میں ایک ہیں یہی فقہاء کے مابین راجح ہے

اس کے علاوہ اور بھی شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں مگر چونکہ یہ مقالہ کسی تفصیلی گفتگو کا متحمل نہیں اس لئے میں نے مزید شواہد کو پیش کرنے سے گریز کیا......اور میں نے جس قدر بیان کیا ہے سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے......

سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی دینار کا وزن اور اس کی قیمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور دینار ایک مثقال یعنی 4. ماشہ سونا یہی وزن سبعہ ہے یعنی سات مثقال وزن میں برابر دس درہم کے فی تنویر الابصار **کل عشرة دراهم وزن سبعه مثاقیل** اور باعتبار قیمت ایک دینار شرعی دس درہم کا، **في ردالمحتار فی الهدایة کل دینار عشرة دراهم قال في الفتح ای یقوم بعشرة کذا** (فتاوی رضویہ۵/۴۸۶)

ترجمہ...... ہر دس درم سات مثقال کا وزن رکھتا ہے...... ہر دینار دس درم ہے......یعنی ہر دینار کی قیمت دس درم سے لگائی جاتی ہے۔

اعلی حضرت فاضل بریلوی کی مذکورہ عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ دینار اور مثقال دونوں وزن اور قیمت میں برابر ہیں ...... چونکہ سونے کی نصاب میں ''مثقال کو ہی نصاب کا معیار قرار دیا گیا ہے......اس لیے مثقال کی وضاحت کی جارہی ہے......ہم نے جہاں تک اس بارے میں سمجھا وہ یہ ہے کہ:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل حساب کے نزدیک (۱۰۰ شعیرہ) برابر (۱) مثقال کے ہوتے ہیں ......مثقال کو رتی میں بدلنے کا طریقہ یہ ہے:

100/1 ÷ 2-9/7 (رتی)

100/1 × 25/9

100/1 × 9/25 (25 سے دونوں عددوں کو کاٹنے کے بعد حاصل عدد درج ذیل ہے)

4/1 × 9/1 = 36 (رتی)

36 رتی × 20 مثقال = 720 رتی

720 رتی ÷ 8 = 90 ماشے

ماشے 90 ÷ 12 = 7.2 یعنی ساڑھے سات تولے سونا

اور جب سونے کی نصاب کل 90 / ماشے کو یہاں کے مروج سکہ 11,2 / تقسیم کرتے ہیں تو اس کے 8.035 ہوتے ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنے فتاوی میں ''شرعی اوزان واکیال'' کا تذکرہ نہایت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اور صورت سوال سے مطابقت کرتے ہوئے اس گہرائی میں جا پہنچے ہیں کہ اہل علم اور ارباب فکران کی ان کاوشوں کا مطالعہ کر کے نہ صرف نفسیاتی طور پر خوش ہوتے ہیں بلکہ از خود ان کے چہروں پر شگفتگی آجاتی ہے اور ان کی معلومات کا ذخیرہ اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور ہر کوئی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ ان کی صلاحتیں اکتسابی ہیں یا پھر من جانب اللہ ودیعت کی ہوئی ہیں۔ میرے اعلی حضرت نے جو بھی معلومات اخذ کیے ہیں اور جہاں سے بھی لیے ہیں اس کا ثبوت تو ان کی کتابوں میں ملتا ہی ہے مگر ان کا کمال اس بات میں کہ انہوں نے پیش کرنے کے لیے جس ہیئت اور جس اسلوب کو پسند کیا ہے وہ بہت خوب ہے ۔معلومات کے ذخیروں پر فن کا جو نکھار پایا جاتا ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس رنگ میں جو شوخی اور تیکھا پن ہے اور تحقیق وتنقید کا جو رنگ غالب ہے ذہن وفکر اور شعور کی سطح پر ہی نہیں اترتا ہے بلکہ دل کی گہرائیوں میں سما جاتا ہے۔ان کے اسی رنگ شوخ کے سبب پوری دنیا محو حیرت بنی ہوئی ہے۔

عرب کے معاشرے اور سماج میں یہی تین اوزان یعنی درم ودینار اور مثقال ہی نہ چلا کرتے تھے بلکہ ان کے سوا بھی کچھ اوزان چلتے تھے کہ جنہیں دیکھ کر...... یا کسی سے سن کر یا پھر کتابوں میں پڑھ کر روحانی مسرت حاصل ہوا کرتی ہے اب ذیل میں سرسری طور پر کچھ ایسے ہی اوزان کا ذکر کیا جارہا ہے:

(۱) درم شرعی: 1 / = 25-1/5 رتی = 3 / ماشہ 1/5 رتی 3 / گرام اور 618 ملی گرام

(۲) دینار شرعی: = 4 / ماشہ 1/5 رتی = 4 / گرام اور 374 ملی گرام

(۳) مثقال: = 4 / ماشہ اور 1;5 رتی = 4 / گرام اور 374 ملی گرام

(۴) دانق: = 6/1 درم شرعی = 4 / شعیرہ اور 1/8 حبہ =

(۵) قیراط: دینار کا ایک جز ہوا کرتا ہے اور دینار میں 24 جز یعنی 24 جو ہوا کرتے ہیں گویا ایک جو کا نام ''قیراط'' ہے

(۶) اوقیہ: 40 / درہموں کو کہا جاتا ہے = 144 گرام اور 72 ملی گرام

(۷) نش: اوقیہ کا نصف اور 20 درہموں پر مشتمل ہوا کرتا ہے اور جدید اوزان میں اس کا وزن 72 گرام اور 72 ہی ملی گرام ہوا کرتا ہے۔

(۸) نواۃ: درہم شرعی کے پانچوے حصہ کو کہا جاتا ہے یعنی درہم کا 1/5 اور جدید وزن میں اس کا وزن 0.7236 ملی گرام بنتا ہے۔

(۹) رطل: اس کا کوئی وزن متعین نہیں ہے مختلف شہروں میں اس کا وزن بھی مختلف ہے خود مصر میں رطل 12 / اوقیہ کا ہوتا ہے اور اوقیہ 12 درہم کا ہوتا ہے۔

(۱۰) قنطار: اس کا بھی کوئی وزن متعین نہیں ہے اور کسی بھی شہر میں متعین نہیں ہے...... ہاں! مال کثیر کو قنطار کہا جاتا ہے۔

اوزان شرعیہ کے تعلق سے جو بھی قدریں متعین کی گئی ہیں وہ سب کی سب تقریبی ہیں البتہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے جو متعین کی ہیں ہم یا کوئی بھی تقریبی نہیں کہہ سکتا ہے بلکہ وہ ٹھوس اور دو دو چار کی مانند ہیں اس کی وجہہ یہ ہے آپ ہر فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے بڑے بڑے حساب داں اور علم ریاضی کے ماہر طفل مکتب کی حیثیت رکھتے تھے۔ان کی یہ خوبی صرف اوزان شرعیہ کی قدریں متعین کرنے میں نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ صورت سوال میں آپ نے جو قدریں متعین کی ہیں اور پھر زکات کی ادئیگی کا حکم دیا ہے وہ بھی ٹھوس حقیقت پر مبنی ہے۔امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے

فتاوی میں اوزان کے تعلق سے جو بھی معلومات فراہم کی ہیں میں سمجھتا ہوں اس فن میں اب تک جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں عربی میں یا فارسی میں یا اردو میں یا اس کے علاوہ کسی اور زبان میں ان کی حیثیت بھی نا کے برابر ہے۔ کسی وزن کا متعین کر دینا اور بات ہے اور اس پر بحث کرنا۔ تحقیق وتلاش سے کام لینا اور تنقیدی زاویہ نظر سے اس کے خدو خال میں نکھار پیدا کر دینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس میدان میں بھی امام احمد رضا فاضل بریلوی ہر کسی سے آگے نظر آتے ہیں۔ اوران کی معلومات سب پر فوقیت رکھتی ہیں۔ خدا کرے ان کی یہ معلومات بہت دور تک پھیلے تا کہ از روئے مصنف ان کی حیثیت اجاگر ہو جائے اوران کی فراہم کردہ معلومات سے ارباب فکر ونظر کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں۔

اب نصاب زکات کا معادلہ جدید عصری اوزان سے کیا جارہا ہے جو اس دور کا تقاضا ہے ذیل میں اس کا نقشہ پیش کیا جارہا ہے۔

نوٹ: اس نقشے کو اس مضمون کے اختتام پر ملاحظہ کریں۔

دور حاضر میں جب کسی کا نکاح ہوتا ہے تو بہت سے لوگ ''شرع پیغمبری'' کو مہر قرار دے دیتے ہیں اور کسی کو نہیں معلوم کہ ''شرح پیغمبری'' کیا ہے؟ حد تو یہ ہے کہ نکاح خواں کو بھی اس بارے میں جانکاری نہیں ہوتی ہے اس لئے بیچارہ وہ بھی ''شرع پیغمبری'' ہی باندھ دیتا ہے اور اگر اسے جانکاری ہوتی تو کبھی مہر میں شرع پیغمبری نہیں باندھتے ...... اسے جانکاری بھی کہاں سے ہوتی؟ جب کہ شرع پیغمبری کے نام سے شریعت میں کوئی مہر نہیں ہے بلکہ وہ مہر جو عاقدین کے درمیان طے ہو جائے وہی شرع پیغمبری ہے...... ہاں مہر فاطمی کے باندھنے کا رواج ضرور ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مہر فاطمی کا بھی معادلہ ہو جائے تو بہتر ہوگا...... جیسا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہن کے مہر کے تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں:

عامئہ ازواج مطہرات وبنات مکرمات حضور پُر نور سید الکائنات علیہ وعلیھن افضل الصلات: اکمل التحیات کا مہر اقدس پانچ سو درم سے زائد نہ تھا۔'' **مسلم في صحيحه عن ابى سلمة قال سألت عائشة رضى الله تعالى عنها كم كان صداق النبى صلى الله عليه وسلم قالت كاصداقه لازواجه ثنتى عشرةاوقيه و نش .قالت اتدرى ما النش؟ قلت' لا، قالت: نصف اوقية فتلك خمسمأة دراهم، أحمد ،دارمى والاربعة عن امير المؤمنين عمر الفاروق الاعظم رضى الله تعالى عنه قال ماعلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من ثنتي عشر أوقية** مگر ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان خواہر جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہم اکہ ان کا مہر ایک روایت میں چار ہزار درہم **كما فى سنن أبي داؤد** دوسری روایت میں چار ہزار دینار تھا **كما في المستدرك و صححه الحاكم و أقره الذهبي ولا يخالف هٰذا ما مر من حديثي أم المومنين وأمير المومنين رضي الله تعالى عنهما فان هٰذه الامهار لم تكن من رسول الله صلى الله عليه وسلم، بل من ملك الحبشه سيدنا النجاشي رضي الله تعالى عنه.** اورحضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کا مہر اقدس چار سو مثقال چاندی، **على ما ذكر في المرقاه الجزم به عن روضة الاحباب والمواهب ٢**

(فتاوى رضويه ۵/۲۸۴)

ترجمہ: ؎ ...... مسلم نے اپنے صحیح میں ابو سلمہ سے روایت کی انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے پوچھا ...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا مہر تھا انہوں نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر اقدس ازواج مطہرات کے لئے بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا پھر انہوں نے فرمایا اے ابو سلمہ جانتے ہو ''نش'' کیا

ہے میں نے عرض کیا نہیں! انہوں نے کہا نصف اوقیہ پس یہ پانچ سو دراہیم ہوئے، احمد دارمی اور اربعہ نے بیان کیا امیر امومنین عمر فاروق اعظم سے رویت ہے انہوں نے کہا: میں نے نہیں جانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج میں سے کسی سے اور نہ میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح کیا ہے بارہ اوقیہ سے زیادہ پر......

۲......جیسا کہ مستدرک میں ہے اور اسی کو حاکم نے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اسی کا اقرار کیا ہے۔اور جو حدیثیں بیان کی گئی ان کا کوئی مخالف نہیں اور یہ تمام مہریں جو متعین کئے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں بلکہ بادشاہ ملک حبشہ حضرت سیدنا نجاشی رضی اللہ تعالی عنہ کی جانب سے مقرر کیے گئے۔

اوقیہ اور نش کا کیلوگرام سے معادلہ

اوقیہ/نش	دراہیم	ملی گرام،گرام،کیلو
ایک اوقیہ=	40	119=40X2.975=
12اوقیہ	40X12=480	480X2.975=1428 (1 کیلو428 گرام)
ایک نش	20=	59.5= 20X2.975=

12 اوقیہ + ا نش= 480 +20= 500 درم ......= 1,428+59.5=1,487.5 یعنی ایک کیلو چار سو ساڑھے ستاسی گرام چاندی۔اس سے زیادہ ازواج مطہرات میں سے کسی ام المومنین کا مہر نہیں ہے......اب ذیل میں چار ہزار دینار کا معادلہ پیش کیا جارہا ہے جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کا مہر مقدس ہے -ایک روایت میں(4000) دینار -دوسری روایت میں(4000) درم ہے-

مہر فاطمی کی مقدار اور اس کا معادلہ:

امام اہل سنت سرکار اعلی حضرت فاضل بریلوی کی حسب صراحت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی ہے۔اس کا معادلہ پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیں:

400 مثقال چاندی

1700=4.25×400(ایک کیلو سات سو گرام چاندی)

(ایک کیلو سات سو گرام چاندی)

امام احمد رضا اور ''اکیال شرعیہ'':

حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نہ معلوم کتنے علوم و فنون پر مہارت رکھتے تھے؟ یہ بتادینا کم از کم ہمارے بس کی بات نہیں ......میں اوروں کے بارے میں کیا کہوں؟ انہیں خود اپنی حیثیت اور علمی استعدادوں کا انداز ہوگا کہ وہ کچھ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یوں تو آدمی کہنے کو بہت کچھ کہہ دیتا ہے مگر ان کا اس بارے میں کچھ کہہ دینا بڑا بول تو ہوسکتا ہے مگر حقیقت کی ترجمانی نہیں ہوسکتی ہے......ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ ہم جو بات بھی کہہ رہے ہیں اپنی استعداد اور لیاقت کے حساب سے کہہ رہے ہیں نہ کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عظیم شخصیت اور ان کی گہرائیوں اور پہنائیوں کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں اس لئے کہ اس بارے میں کچھ بھی کہنا خراج عقیدت ہے اور صرف خراج عقیدت ہے کسی کی شخصیت،اقدار علم وفکر، کی ناپ تول نہیں......بس اسی خوش گوار جذبوں کے تناظر میں میری کاوشوں کا اندازہ کرنا چاہیے

اس بات کو ہم ثابت کر آئے ہیں کہ پیمانوں کا استعمال صرف اور صرف مدینہ پاک میں ہوا کرتا تھا......اسلامی دور سے پہلے بھی اور اسلامی دور میں بھی......اور اس کے بعد خلفائے اسلام کے عہد میں بھی......جو پیمانے استعمال ہوا کرتے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیمانوں کو شرعی طور پر معیار قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا کہ ''کیل تو مدینہ کا ہی کیل ہے'' اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے کیل ہی کو صحیح اور معیار فرمایا ہے اس دور میں کیل کا استعمال مکہ مکرمہ میں نہیں ہوتا تھا بلکہ وہاں وزن سے ناپ تول ہوا کرتے تھے......یوں تو زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مختلف قسم کے پیمانے پائے جاتے تھے لیکن ان میں جن پیمانوں کو اساسی حیثیت حاصل تھی وہ صرف '' مُد اور صاع

''ہے جیسا کہ''الموسوعة الفقهیه میں کتاب الاموال ص ۵۱۴ کے حوالے سے درج ہے۔

الوحدة الاسایه الشهر فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم للمکاییل هی المد والصاع وکل ماسوی ذالک من المکاییل العتمد علیها انما هو جزء منها او ضعف لها قال ابو عبیده : وجدنا الآثار قد نقلت عن النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه والتابعین بعدم بثمانیة اصناف من المکاییل الصاع ،والمد ،والفرق ،والقسط ،والمدی ،والمختوم والقفیز والمکوک ،الا ان معظم ذالک فی المُد والصاع (الموسوعة الفقهیة ص ۳۸/ ۲۹۵)

یعنی اتفاقی طور پر اساسی حیثیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور پاک میں جن پیانوں کو حاصل تھی وہ صاع اور مد ہے اور جو اس کے علاوہ ہیں وہ یا تو ان دونوں کے جز ہیں یا پھر ان سے دوگنا ہیں ابوعبیدہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین سے جو احادیث اور آثار منقول ہیں میں نے ان میں ۸/قسم کے پیانوں کو پایا اور وہ صاع، مد فرق قسط مدی مختوم قفیز اور مکوک ہے

مد اور صاع کو اس لئے اساسی حیثیت حاصل ہے کہ اگر ارباب فقہ مد اور صاع پر متفق ہوجائے تو تمام تر مقادیر میں بھی اتفاق ہوجاتا مگر ایسا نہیں اور فقھائے اسلام اس مسئلہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے بایں سب دوسرے مقادیر میں بھی اختلاف واقع ہو گیا اور تاریخ بتاتی ہے کہ دونوں میں جیسا کہ اسی میں کہا گیا ہے:

ولو ان الفقهاء اتفقوا فی مقدار المد والصاع لاتفقوافی کل المقادیر الا انهم لم یتفقهم فیهما (حوالہ سابق)

اگر فقہائے کرام مُد اور صاع میں متفق ہو جاتے تو تمام پیانوں میں بھی اتفاق ہو جاتا مگر ایسا نہیں ہوا

خیر جو ہوا سو ہوا اب ان میں سے ہر ایک پیانے کا نہایت ہی سنجیدگی کے ماحول میں الگ الگ ذکر کیا جا رہا ہے

(۱) ......مُد اسی کو ''مُدی'' بھی کہا جاتا ہے لیکن علامہ مقریزی نے کہا کہ مُد الگ ہے اور مُدی الگ ہے مُدی مُد سے بڑا ہوا کرتا ہے مُدی کا استعمال اسلام سے پہلے مصر اور شام میں ہوا کرتا تھا ......از روئے لغت مُد کا معنی پھیلنا اور پھیلانا ہے انسان اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر کھانے اور دوسرے اناج کو اپنی ہتھیلیوں میں بھر لے اسی کو مُد کہا جاتا ہے......اس بنیاد پر مُد مختلف ہوسکتا ہے......جن کی ہتھیلی چوڑی ہوتی ہے اس کا مُد بڑا ہوا کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں جس کی ہتھیلی چوڑی نہیں ہوتی ہے اس کا مد پہلے کے مقابلے میں کم ہوا کرتا ہے اور جس انسان کی ہتھیلی متوسط قسم کی ہوا کرتی ہے اس کا مُد دونوں سے مختلف ہوگی ...... ہتھیلی بھر اناج وغیرہ لینے کو عربی زبان میں ''حفنہ'' کہتے ہیں اور اسی کیفیت کو اردو زبان میں ''لپ بھر کر لینا'' کہا جاتا ہے......اب تک مد کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا اس کا تعلق لغت سے ہے......ارباب فقہ جب لفظ''مُد'' کا استعمال کرتے ہیں تو اسے''کیل اور پیانہ'' کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں اور اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ''مُد'' ربع صاع'' کا نام ہے یعنی ''صاع'' کا 1/4 ہے ......لیکن جب اس کا اندازہ باعتبار ''رطل'' کرتے ہیں تو اس میں اختلاف پایا جاتا ہے اس بارے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ''مُد'' ۱رطل اور رطل کا ۱/۳ ہے......اور علمائے احناف فرماتے ہیں کہ دو رطل کا نام مُد ہے اس بات کا خیال رہے کہ یہاں رطل سے مراد''رطل عراقی'' ہے جب بھی اور جہاں کہیں رطل کا استعمال مطلقاً کیا جاتا ہے تو اس سے مراد یہی رطل عراقی ہوا کرتا ہے......حالانکہ ایک اور رطل بھی جس کو''رطل شامی'' کہا جاتا ہے مگر اس کا استعمال کم اور بہت ہی کم ہوا کرتا ہے اور جو بھی اس کا استعمال کرتا ہے تو رطل شامی کہتا ہے مطلق رطل نہیں کہتا ہے

......رطل شامی کا اندازہ دو صاع سے لگایا جاتا ہے جو ۸/ مُد شرعی کے برابر ہوا کرتا ہے اور ۸/مُد شامی ۹۰۰/درم کے مساوی ہوا کرتا ہے

مُد سے کیا کیا اندازہ لگایا جاتا ہے؟

الف......آب وضو کا اندازہ لگایا جاتا ہے

ب......صدقہ فطر کا اندازہ لگایا جاتا ہے

ج......اور بعض فقہاء کے نزدیک اسی مد کے ذریعہ بیوی کے نان ونفقہ کا اندازہ لگایا جاتا ہے

مفد کے ذریعہ آب وضو کے اندازہ کا ذکر تو خود حدیث پاک میں ہے۔

عن انس بن مالک رصی الله تعالی عنه قال : ''کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یتوضؤ بالمُد ویغتسل بالصاع'(اخرجہ مسلم ۱/۲۵۶)

یعنی ......حصرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے اور ایک صاع پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح صدقہ فطر میں کہا گیا ہے کہ ایک صاع فطرہ واجب ہے اور احناف کے نزدیک نصف صاع واجب ہے یعنی ۲/مُد یا دو مُد واجب ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے ایک صاع چار مد کے برابر ہے اور نصف صاع دو مد کے برابر ہے......صاع کی بھی دو قسمیں ہیں۔

اول:اہل مدینہ کی صاع جسے صاع حجازی،صاع اصغر کہا جاتا ہے۔

دوم......اہل عراق کی صاع جسے صاع حجاجی،صاع عراقی اور صاع اکبر کہا جاتا ہے۔

احکام شرع میں جس صاع کو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ اہل مدینہ کی صاع ہے اور اسی صاع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاع ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور یہی صاع ''صاع شرعی'' ہے

صاع شرعی کی تقدیر:

جب صاع کی تقدیر مد،رطل اور اِستار سے کی جاتی ہے تو اس میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے،کسی نے اس بارے میں کچھ کہا ہے اور کسی کی اس بارے میں کچھ اور ہی رائے ہے،علم فقہ کی تمام بڑی کتابوں میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔جمہور فقہا اس بات کی جانب گئے ہیں کہ ایک ''صاع شرعی'' = 1/3 5رطل عراقی ہے اپنے اس موقف کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

ان النبي صلی الله علیه وسلم قال : لکعب بن عجرة ''تصدق بُفَرق بین ستة مساکین '' قال ابو عبید: ولا اختلاف بین الناس أعلمه في أن الفرق ثلاثة آصع والفرق ستة عشر رطلاً فثبت ان الصاع خمسة ارطال وثلث (بخاری شریف)

ترجمہ......حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرۃ سے ارشاد فرمایا: ۶/مسکینوں کے درمیان ایک ''فرق'' صدقہ کردو......حضرت ابوعبید نے کہا اس بات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جو میں ''فرق'' کے بارے میں جانتا ہوں کہ ۳/صاع برابر/''فرق'' اور ا/فرق برابر ۱۶ارطل کے ہوتا ہے اور جب ۱۶/رطل کو تین صاع پر تقسیم کیا جاتا ہے تو ایک صاع 1/3 5رطل کے برابر ہوتا ہے۔

جمہور فقہائے کرام نے جس رطل عراقی سے صاع کی تقدیر فرمائی ہے وہ = 4/7 128 درہم ہے

اس بارے میں حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے مختلف ہے آپ فرماتے ہیں:

وقال ابو حنیفه : الصاع ثمانیة ارطال لان انس بن مالک قال : کان النبی صلی الله علیه وسلم یتوضأ بالمُد وهو رطلان ویغتسل بالصاع فعلم

من حديث انس :ان المد رطلان فاذا ثبت ان المد رطلان يلزم ان يكون صاع رسول الله صلى الله عليه وسلم اربعة امداد وهى ثمانية ارطال لان المد ربع صاع باتفاق (الموسوغه الفقهيه ٢٦/٦ ٣٠)

ترجمہ......ابوحنیفہ نے کہا: صاع ۸/رطل کے برابر ہوتا ہے اس لیے کہ انس بن مالک نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد سے وضوفرمایا کرتے تھے اور مد دورطل کے برابر ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے ......حصرت انس کی حدیث سے جان لیا گیا کہ مد کی مقدار دورطل ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ مد کی مقدار دورطل ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاع ۴ مد کے برابر ہے اس لئے کہ مد 1/4 صاع ہے اور ۴ رطل برابر ۸/رطل ہے۔

حضرت امام اعظم کے نزدیک رطل عراقی =۲۰ استار اور استار =1/2 6 درم

صاع سے مندرجہ ذیل احکام شرعیہ متعلق ہیں:

الف ......احادیث میں وارد ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ''صاع'' پانی غسل فرمایا ہمارے فقہ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اگر ایک ''صاع'' پانی سے غسل کرنے میں اطمینان حاصل ہوجائے تو اس سے غسل کرنا کافی ہے اور اگر اس سے کم یا زیادہ میں اطمینان ہوجائے تو یہ بھی کافی ہے یہاں مقصد صرف اطمینان کا حصول ہے ......شافعیہ اور حنابلہ اس بات کے قائل ہیں ایک ''صاع'' پانی سے غسل کرنا سنت ہے اس کے سنت ہونے میں امام اعظم کی کوئی نص مروی نہیں ......

ب ......جس پر صدقہ فطر واجب ہے وہ کس قدر صدقہ فطر نکالے؟ اس پر فقہاء کے مابین اختلاف ہے ایک ''صاع'' نکالے یا نصف ''صاع''؟ ہر ایک امام مجتہد نے اپنے اپنے موقف کا اظہار کیا ہے اس بارے میں امام اعظم کا جو موقف ہے میں اس کی وضاحت کر رہا ہوں جیسا کہ ''موسوعہ فقہیہ'' میں ہے:

قال الحنفيه : ان الواجب في صدقة الفطر نصف صاع من حنطة وسويقه او صاع من شعير اوتمر لما روى ثعلبه بن صعير العذرى قال : خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ادوا عن كل حر وعبد نصف صاع من بر او صاعا من تمر او صاعا من شعير (الموسوعة الفقهيه ٢٦/٨ ٣٠)

ترجمہ......کہا حنفیہ نے : صدقہ فطر میں واجب نصف صاع گیہوں یا اس کا آٹا ہے یا ایک صاع واجب ہے جب کہ جو دیا جائے یا کھجور دیا جائے جیسا کے ثعلبہ بن صعیر العذ ری سے روایت ہے انہوں نے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہر ایک آزاد اور غلام کی جانب سے نصف صاع گیہوں ادا کرو یا ایک صاع کھور یا ایک صاع جَو ادا کرو۔

صاع کی تشریح وتوضیح میں فرق اور استار کی بات آئی ہے ......ظاہر سی بات ہے اس مقام پر ان دونوں لفظوں سے اس کے اصطلاحی معنی مراد لیے گئے ہیں کوئی لغوی معنی مراد نہیں لئے گئے ہیں اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان دونوں لفظوں کی بھی وضاحت کردی جائے تا کہ حصرت سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمات جو اس بارے میں پیش کئے جائیں گے ان کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے اور بات نہایت ہی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجائے

(الفرق) ......اس میں را کو ساکن کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ...... یہ بھی مدینہ پاک کے مختلف پیمانوں میں سے ایک پیمانہ کا نام ہے جو تین صاع کے برار ہوتا ہے یا ۱۶/رطل کے برابر ہوتا ہے...... جہاں صاع اور مد کی بات آتی ہے وہیں ''فرق'' کا بھی مسئلہ آتا ہے۔

(الاستار): اس میں ہمزہ کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس کی تشریح مختلف انداز میں کی جاتی ہے...... عدد کے اعتبار سے چار کو 'استار' کہا جاتا ہے اور وزن میں 'استار' 1/2 4 مثقال کے برابر ہوا کرتا ہے اور اگر رطل کے ذریعہ اس کی تقدیر کی جائے تو ''استار'' مدنی رطل'' کے تیس جزؤں میں ایک جز کے مساوی برابر ہوتا ہے اسی طرح ''رطل عراقی'' کے بیس جزؤں میں سے ایک جز کے برابر ہوتا ہے۔

مد، صاع، فرق اور 'استار' کی تشریح تام کرنے کے بعد ہم امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور فتاوی رضویہ شریف میں 'صاع'' کے تعلق سے آپ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے اس پر غور کرتے ہیں۔

سیدنا امام احمد رضا نے صاع کے متعلق کسی ایک جگہ نہیں' بلکہ مختلف مقامات پر آپ نے اس کے تعلق سے تحقیق پیش کی ہے۔ ہم فتاوی رضویہ سے پوری عبارت پیش کرنے کی بجائے اسی قدر عبارت نقل کریں گے جس قدر سے مقالے کے تقاضے پورے ہو نگے۔ تمام اہل علم وفن کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اسے اوج ثریا بلندی عطا کردی۔ اور اسے اس قدر بابرکت کردیا کہ اس کی برکتیں جسم وجاں کی رگ رگ تک پہنچ گئیں، اور ایمان ویقین اور دل کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوگئیں۔ اب ذیل میں فتاوی رضویہ سے کچھ عبارتیں تحریر کی جارہی ہیں۔

(ا) سیدی امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں:

صاع چار مُد ہے اور مُد دو رطل اور رطل بیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے اور تولہ بارہ ماشے اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے تو صاع دوسو ستر تولے اور روپوں سے دوسو اٹھاسی روپے...... پھر تو اسی (۸۰) روپے کی سیر سے تین سیر نو چھٹانک یا یوں کہیئے ساڑھے تین سیر ڈیڑ چھٹانک اور ۱/۱۰ چھٹانک ...... اس حساب میں کوئی شک نہیں اسی تول کے گیہوں دیئے جاتے تھے۔ (فتاوی رضویہ ۴/ ۴۹۵)

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ''اوزان واکیال'' کو اس طرح پیش کیا جیسے کوئی اس فن کا ماہر لکھ رہا ہو اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے صرف اوزان و اکیال کے بیان پر اکتفا کیا بلکہ آپ نے موجود ''اوزان واکیال'' پر اس کی تطبیق بھی فرمادی۔ جب بات تطبیق کی آتی ہے تو یہ کام ہر کوئی نہیں کرسکتا ہے بلکہ وہی کرسکتا ہے جسے اس میدان میں مکمل طور پر درک تام رکھتا ہے...... آپ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے اس کو حسابی انداز میں اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے مثلاً:

ا/صاع = ۴/مُد اور مُد = ۲ رطل ۴/مُد ×۲ = ۸/رطل لہٰذا ثابت ہوا...... ا/صاع = ۸ رطل یعنی ایک صاع برابر ۸ رطل ہوئے۔

اور ا/رطل = ۲۰/استار × ۸ رطل = ۱۶۰/استار...... ہاں! واضح ہوا...... ا/صاع = ۱۶۰/استار

اور ا/ استار = ساڑھے ۴/ مثقال ...... مثقال 1/2 4 × ۱۶۰/استار = ۷۲۰/مثقال ...... تو ایک صاع ۷۲۰/مثقال کے مساوی ہوا

ا/مثقال = 1/2 4 (یعنی ساڑھے چار ماشے)

720/مثقال × 1/2 4 = 3240 ماشے یعنی ایک صاع میں تین ہزار دوسو چالیس ماشے ہوتے ہیں ...... اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ ہوتا ہے ...... ماشہ 12 ÷ 3240 = 270 تولے ...... اس حساب سے واضح ہوتا ہے کہ ایک صاع میں دوسوستر تولے پائے جاتے ہیں۔

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا: انگریزی روپیہ، سوا گیارہ ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ تقسیم اس طرح ہوگا:

ماشہ 3240/1 ÷ 11-1/4 (ماشہ)

ماشہ 3240/1 ÷ 45/4 (ماشہ)

ماشہ 3240/1 × 4/45 (ماشہ)

ماشہ 216/1 × 9/4 (ماشہ)

ماشہ 1/72 × 3/4 (ماشہ)

ماشہ 72 × 4=288/انگریزی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک صاع انگریزوں کے روپے سے ایک سواٹھاسی روپے کے برابر ہوتا ہے، صاع کو کبھی ماشہ میں اور کبھی تولے کی صورت میں پیش کرنا معادلہ کا عمل ہے اسی طرح انگریزوں کے روپوں میں تقدیر کرنا بھی معادلہ ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ اپنے تحریری سفر کو جاری رکھتے ہوئے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ''اکبری سیر'' اور ''جہانگیری'' سیر کی بھی بات کہی ہے آپ اکبری اور جہاگیری سیر کی بات کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وزن قدیم سے مرد ''سیر اکبری'' ہے اور وزن حال سے مراد ''سیر جہانگیری'' ہے ''سیر اکبری'' 30 استار کا تھا اور صاع 160 استار تو صاع 30÷160=3/1 5 سیر اکبری ہوا اور سیر جہانگیری 36/ استار تو صاع 36÷160=4/9 4 سیر ہوا۔

اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ معادلہ کا عمل مشکل ہوتا ہے اور اس کے لئے کافی معلومات کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور دوسری بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ معادلہ کے عمل کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ اور اس کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے اس کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس معادلاتی عمل کے ذریعہ عوام کے سامنے ایک نئی معلومات پیش کی جاتی ہے اور اس کو اس قدر سہل کر دیا جاتا ہے کہ عوام اور خواص دونوں ہی نہایت ہی آسانی کے ساتھ عمل کرسکیں عمل کا راستہ اس قدر صاف شفاف ہو جائے کہ کوئی بھی اس راستہ پر چل سکتا ہے......اور نہایت ہی آسانی کے ساتط اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔ اس دور میں جب امام احمد رضا فاصل بریلوی اس معادلہ کو انجام دے رہے تھے اس وقت انگریزوں کا روپیے رواج تھا اور ھندوستان کے تمام علاقوں میں بآسانی یہ روپے دستیاب ہو سکتے تھے اسی لئے آپ نے یہ عمل کر کے تمام مسلمانوں کے لئے آسانیاں پیدا کر دیں......اسی طرح آپ نے رتی، ماشہ اور تولہ کی بات کی یہ تمام چیزیں ہر علاقہ میں دستیاب تھی اور مقررہ وزن کے برابر جو یا گیہوں ادا کیا جا سکتا تھا...... چونکہ احناف کے نزدیک نصف صاع گیہوں صدقہ فطر میں ادا کرنا واجب ہے انگریزی روپے کے اعتبار سے ۱۴۴/ روپے بھر گیہوں ادا کرنا واجب ہے اور تولہ ماشہ کے اعتبار سے ۱۳۵/ تولے ادا کرنا واجب ہے......فتاوی رضویہ کے مطالعہ سے انداز ہوتا ہے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے عبادات کے مقابلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے یعنی صدقہ فطر اس قدر ادا کر دیا جائے کہ فقیروں اور مسکینوں کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو

صاع ایک پیمانہ ہے وہ کوئی وزن نہیں ہے اس لئے یہ حکم ہوا کہ صدقہ فطر پیمانہ یعنی صاع سے ناپ کر دیا جائے نہ کہ صاع کو تول کر دیا جائے......اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ صدقہ فطر ادا کرتے وقت صاع کا پیمانہ بنایا جائے اور اس پیمانہ سے ناپ کر صدقہ فطر ادا کیا جائے اب سوال پیدا ہوتا ہے کس کا پیمانہ بنا جائے؟ جو کا بنایا جائے یا گیہوں کا بنایا جائے اس بارے میں ترجیح یہی ہے کہ جو ناپ کر ایک پیمانہ یعنی صاع بنایا جائے اس کے اسباب ترجیح درج ذیل ہیں۔

اولاً......اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اہل عرب صدقہ فطر میں کیا دیتے تھے؟ اس دور میں اہل عرب کی غذا جو ہوا کرتی تھی اور یہی جو صدقہ فطر میں ادا کیا کرتے تھیاوبر اس دور میں جو ملتی نہیں گیہوں زیادہ ملتا ہے اور ہمارے یہاں صدقہ فطر میں بھی گیہوں ہی دیا جاتا......اس لئے ہوسکتا ہے کوئی کہے کہ جو کے بجائے گیہوں کا صاع بنایا جائے نہ کہ جو کا......مگر احتیاط اس بات میں ہے کہ جو کا ہی صاع بنایا جائے چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو صاع تھا وہ جو کا ہی صاع تھا......

ثانیاً: عرض ہے جو اور گیہوں میں بڑا فرق ہے گیہوں کا صاع چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں جو کا صاع بڑا ہوا کرتا ہے اور خود اس بات کا تجربہ سرکا اعلی حضرت فاضل بریلوی نے کیا ہے جیسا کہ آپ تحریر کرتے ہیں:

اس بنا پر بنظر احتیاط وزیادت نفع فقراء میں نے ۲۷ رماہ

مبارک ۱۳۲۷ھ کو ایک سو چوالیس روپے (نصف صاع) بھر جو وزن کئے کہ نصف صاع ہوئے اور انہیں ایک پیالہ میں بھرا حسن اتفاق کہ تام چینی کا ایک بڑا کاسہ گویا اسی پیمانے کا ناپ کر بنایا گیا تھا...... وہ جَو اس میں پوری سطح مستوی تک آگئے۔ من دون تکویم ولا تقعیر تو وہی کاسہ نصف شعیری ہوا اور پھر میں نے اسی کاسہ میں گیہوں بھر کے تولے تو ایک سو پچھتر روپے آٹھ آنہ بھر تو یہ وزن گندم ہوا اور اس کا دو چند ۳۵۱ روپے بھر وزن جو (فتاوی رضویہ ۴/۴۹۶)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کا صاع بنایا جائے اور پھر اس صاع شعیری سے گیہوں دیا جائے اگر گیہوں ہی دیا جائے تو ایک سو پچھتر بھر اور اٹھنی بھر اور اگر جو دیا جائے تو گیہوں کا دو چند یعنی ۳۵۱ روپے بھر ......ایک اور مقام پر اعلی حضرت فرماتے ہیں

سیر مختلف ہوتے ہیں صاع کا حساب ہر جگہ کے سیر سے بدلے گا، صاع اس انگریزی روپیہ رائج الوقت سے دوسو اٹھاسی روپے بھر ہے اور تولوں سے دوسوستر تولے یہ روپیے سوا گیارہ ماشہ بھر ہے (۳)......گیہوں کا فطرہ انگریزی روپوں سے ایک سوا چوالیس روپے بھر ہے......

ہمارے یہاں عام طور پر ۲ کیلو ۴۵ گرام گیہوں بطور صدقہ فطر دیا جاتا ہے...... برسوں سے اس پر عمل ہو رہا ہے ہمارے اکابر نے بھی اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے مگر ایک دور ایسا بھی آیا کہ صدقہ فطر کی تقدیر میں اختلاف پیدا ہو گیا......کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ کہا ......سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی نے نصف صاع کی تقدیر بریلی کے سیر سے بھی کی ہے فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۴۹۶ میں سیر کی مقدار اس قدر گنجلک ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا گیا ہے میں نے مختلف اڈیشنوں میں دیکھا مگر بات وہیں کی وہیں رہی یعنی سمجھ میں نہیں آئی......اس کے ساتھ ساتھ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اپنے دور کے مروجہ سکوں سے بھی اس کی تقدیر فرمائی ہے......نصف صاع =۱۴۴ روپے بھر لیکن صاع شعیری سے جب گیہوں ناپا گیا تو اس کا وزن (۱۷۵ء۵۰) روپے بھر گیہوں آیا اس لیے آپ نے فرمایا صدقہ فطر (۱۷۵ء۵۰) روپے بھر ادا کیا جائے......اب یہ سکہ بھی نہ رہا تو پھر اس کے وزن کے برابر صدقہ فطر کس طرح ادا کیا جائے، جب یہ اختلاف زوروں پر تھا اسی وقت میں مختلف سنوں کے سکوں کو کسی نہ کسی طرح جمع کیا اور پھر اس کو ناپا گیا...... جو ناپ ہمارے سامنے آئی اسی سے نصف صاع کی تقدیر گرام اور کیلوگرام میں کی گئی ......جو اس طرح ہے

(الف)......عہد ملکہ وکٹوریہ 1872ء کا سکہ ہے جس کے ایک جانب 1872ء تحریر ہے اور دوسری جانب ملکہ وکٹوریہ کی تصویر ہے......اس کا وزن 11.500 رگرام ہے اس سکہ کی رو سے نصف صاع گیہوں کا وزن اس طرح ہوگا

11.500×175.50=2018.25 گرام یعنی ۲رکیلو ۱۸رگرام گیہوں

(ب) ایک ہی وزن کے دو سکے ہیں جو ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۳ء کے ہیں ان دونوں کا وزن ۱۱ء۶۴۰ رگرام ہے......ان دونوں سکوں کے تناظر میں نصف صاع گیہوں کا وزن اس طرح ہوگا ......(۱۱ء۶۴۰×۱۷۵ء۵۰= ۲۰۴۲ء۸۲ گرام) یعنی 2رکیلو 43 گرام گیہوں۔

(ج) یہ سکہ 1918ء کا ہے ایک جانب سن لکھی ہوئی ہے اور دوسری جانب جارج پنجم کی تصویر ہے گرام ملی گرام سے اس کا وزن 11.610 گرام ہے اس سے نصف صاع گیہوں کا وزن درج کیا جارہا ہے (11.610×175.5=2037.555 گرام) یعنی 2رکیلو 38رگرام گیہوں

(د)...... یہ سکہ جارج ششم کا ہے جس پر 1945 تحریر ہے اور اس کے دوسری طرف جارج ششم کی تصویر ہے اس کا وزن 11/650 گرام ہے اس سکہ کے اعتبار سے نصف گیہوں کا وزن 2رکیلو 45رگرام نکلتا ہے جیسے (11.650 ×175.5= 2044.575 گرام) یعنی 2رکیلو 45 گرام گیہوں......

ہمارے اکابر علماء نے اسی جارج ششم کے سکہ کی بنیاد پر 2/کیلو 45/گرام گیہوں صدقہ فطر میں غربا و مساکین کو دینے کا حکم دیا ہے۔

مقادیر میں جہاں دراہیم و دنانیر آتے ہیں وہیں ذراع اور میل شرعی کو بھی ان میں شامل کیا جاتا ہے کہ کسی وقت اس کی بھی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور اس بارے میں اعلی حضرت فاضل بریلوی کی جو تحقیق ہے وہ تحقیق انیق ہے ذیل میں اسی میل شرعی کے تعلق سے تحریر کیا جارہا ہے......

امام احمد رضا اور موجب قصر مسافت کی تقدیر:

کوئی شخص کتنی مسافت کا عزم سفر کر کے اپنے شہر سے نکلنے کے بعد مسافر ہوتا ہے؟ اور موجب قصر کون سی مسافت ہے؟ دور حاضر میں یہ ایک اہم مسئلہ ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جب بس، ٹرین، ہوائی جہاز اور دوسری قسم کی تیز رفتار سواریاں موجود نہیں تھیں تو عموماً لوگ پیدل یا بیل گاڑیوں سے سفر کیا کرتے تھے ایک دن میں اپنی عادت اور متوسط چال سے اور بشری تقاضوں کی تکمیل کے بعد جس قدر راہ طے کر لیتے تھے اسی قدر مسافت کو،،منزل‘‘ کہا جاتا تھا اور جب تیز رفتار سواریاں ایجاد پا گئیں تو اب اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ موجب قصر مسافت کی تحدید و تقدیر میلوں اور کیلومیٹرس سے کی جائے ....تا کہ اہل ایماں کے لئے سہولت اور آسانی پیدا ہو جائے اور لوگ زیادہ سے زیادہ نعمت رخصت سے استفادہ کر سکیں، چونکہ اعلی حضرت کے دور میں کیلومیٹرس کا رواج نہ تھا اس لئے اس کی تحدید میلوں سے کی گئی لیکن اس بات کا بھی دھیان رہے کہ آپ نے انگریزی میلوں سے تحدید کی ......ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال اُٹھتا ہو کہ انہوں نے شرعی میلوں سے تقدیر کیوں نہ کی؟ اس کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ میل شرعی کی تقدیر و تعیین میں زبردست اختلاف ہے:

.لفظ ،،میل،، کے استعمالات میں سے ایک استعمال یہ بھی ہے:. **المیل من الارض** .لغت میں اس کا معنی ،،قدر منتہائے مد بصر لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نگاہ کی روشنی خط مستقیم کے طور پر جہاں تک پہنچتی ہے اسی کا نام ،،میل،، ہے لسان العرب لابن منظور میں ہے:’’**المیل قدر منتهى مد البصر والجمع امیال ومیول**‘‘ **الخ** (۶/۱۱/۴۳۱)

اور میل کو میل اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ منتہائے مد بصر پر نصب کیا جاتا ہے اسی مذکورہ لغت میں ہے:

وقیل الاعلام المبنية فی طریق مکة امیال لانها بنیت علی مقادیر مدی البصر من المیل الی المیل الخ

مکہ مکرمہ کے راستے میں جو نشانات نصب کئے گئے ہیں انہیں نشانات کو،،امیال،، کہا جاتا ہے یہ نشان ہر ۱/۳ فرسخ کی مسافت پر لگایا گیا اس بارے میں ایک یہ بھی تحقیق ہے میل کے مقدار کا تعین خود سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا......اسی لیے اس میل کو میل ہاشمی کہا جاتا ہے۔

’کشاف اصطلاحات فنون،، میں ہے: **المیل في الاصل مقدار مد البصر من الارض ثم سمی به علم مبنی فی الطریق ثم کل ثلث فرسخ حیث قدر حده صلی الله علیه وسلم طریق البادیة وبنی علی کل ثلث فرا سخ میلاً ولهذا قیل المیل الهاشمي الخ** سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسی میل ہاشمی کو میل شرعی کہا جاتا ہے میل شرعی کی تقدیر فرسخ کی تقدیر پر منحصر ہے، **اختلف فی مقداره علی الاختلاف في مقدار الفرسخ** (حوالہ مذکور)

فرسخ کے بارے میں بڑا اختلاف ہے ذیل میں وہ اختلاف درج کیا جارہا ہے:

الف. 3/ہزار سے 4/ہزار تک ذراع کی مسافت کو فرسخ کہا جاتا ہے۔

ب......2/ہزار 3 سو 33/خطوہ کو فرسخ کہا جاتا ہے

ج........18/ہزار ذراع کو فرسخ کہا جاتا ہے

د........قول مشہور میں 12/ہزار ذراع کا نام فرسخ ہے

جب میل شرعی اور فرسخ و برید میں اختلاف کا یہ عالم ہے تو ظاہر ہے کہ موجب قصر مسافت کی تحدید وتقدیر مذکور بالا شرعی میلوں سے مناسب نہ تھا اس لئے کہ ایسا ممکن تھا کہ تقدیر کرنے والے میل کا معنی کچھ اور لے اور سفر کرنے والے اس کا مطلب کچھ اور سمجھے مگر یہ صورت انگریزی میلوں سے تعین کرنے میں پیدا نہیں ہوتی ہے انگریزی میل بین الاقوامی مقررات پر مبنی ہے اسی طرح انچ اور فٹ کا بھی یہی عالم کہ اس کی حیثیت بھی بین الاقوامی ہے شرعی طور پر مسافر کون ہوتا ہے؟ اس کے تعلق سے بہار شریعت میں ،،متون،، کے حوالہ سے مذکور ہے:

شرعاً مسافر وہ شخص ہے جو تین دن کی راہ تک جانے کے ارادے سے بستی سے باہر ہوا۔ (بہار شریعت ۴/۷۵)

تین دن چلنے سے مراد پورا دن چلنا نہیں ہے اور نہ ہی پہلے دن کی فجر سے دوسرے دن کی فجر تک چلنا مراد ہے بلکہ اس سے مراد دن کا اکثر حصہ چلنا ہے اسی بہار شریعت میں ہے:

''شروع صبح صادق سے دو پہر ڈھلنے تک چلا پھر ٹھہر گیا پھر دوسرے اور تیسرے دن یوں کیا تو اتنی دور تک کی راہ کو ''مسافت سفر،، کہیں گے دو پہر کے بعد چلنے میں بھی برابر چلنا مراد نہیں بلکہ عادۃً جتنا آرام لینا چاہیئے اُس قدر اس درمیان میں ٹھہرتا بھی جائے......اور چلنے سے مراد معتدل چال ہے کہ نہ تیز ہو نہ سست......خشکی میں آدمی اور اونٹ کی درمیانی چال کا اعتبار ہے اور پہاڑی راستہ میں اسی کے حساب سے جو اس کے لئے مناسب ہو اور دریا میں کشتی کی چال اس وقت کی ہو کہ ہوا نہ بالکل رکی ہو نہ تیز......درمختار وعالمگیری وغیرہ۔ (بہار شریعت ۴/۷۵)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ،،فتاوی رضویہ،، اور حضور صدرالشریعہ نے بہار شریعت میں فرمایا:

''کوس کا اعتبار نہیں کہ کوس کہیں چھوٹے ہوتے ہیں اور کہیں بڑے ہوتے ہیں بلکہ اعتبار تین منزلوں کا ہے اور خشکی میں میل کے حساب سے اس کی مقدار 1/2 57 یعنی ساڑھے ستاون میل ہے)

منزل ہمارے بلاد میں تقریباً ۱۲/کوس کی ہے یہی قول ،،قول مفتیٰ بہ،، کے قریب تر ہے جیسے ظہیریہ، محیط برہانی، نہایہ، کفایہ شروح ہدایہ، خزانۃ المفتیین وغیرہا میں ،،علیہ الفتوی،، کہا کہ منزل ۱۸/میل ہے 18/میل کے سوا گیارہ کوس ہوتے ہیں یہ قول ،،اصل مذہب،، ظاہر الروایہ،، کے خلاف نہیں بلکہ ان بلاد کے مناسب....اسی کی تقدیر وشرح ہے کما نبہ علیہ العلامہ اسماعیل مفتی دمشق الشام.....کما نقلہ علی منحۃ الخالق......ہمارے بلاد میں 10/کوس کا اندازہ قابل قبول نہیں کہ قصر ایام یعنی تحویل جدی کے دن میں فجر سے زوال تک 7/ساعت کے قریب وقت ہوتا ہے اور شک نہیں کہ پیادہ اپنی معتدل چال سے 7/گھنٹہ میں 12/کوس بے تکلف چل لیتا ہے جس پر بارہا کا تجربہ شاہد ہے۔

(فتاوی رضویہ ۳/۶۵۹)

اور ایک دوسرے فتوی میں امام احمد رضا فرماتے ہیں:

جب تک ایک نیت سے پورے 36/کوس یعنی ساڑھے ستاون میل انگریزی کے ارادہ سے نہ چلے (حوالہ مذکور ۳/۶۶۷)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فتاوے اور بہار شریعت کے پیش کردہ عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ:

الف.....موجب قصر صلاۃ مسافت خشکی کے راستوں میں معتدل چال کا اعتبار کیا گیا نہ کوس کا اور نہ ہی فرسخ کا اور سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے منزل کا اعتبار کیا اور منزل کی پیائش کوس اور میل انگریزی سے کی گئی.........

ب...... بہار شریعت میں کوس کا اعتبار نہیں کہ وہ بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی.....اس کے بڑے چھوٹے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوس کی سطح عوامی ہے سرکاری نہیں .....ذیل میں کتب فقہ سے کچھ عبارتیں نقل کی جارہی ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کوس رفرسخ کا اعتبار نہیں......محیط برہانی میں ہے:

ولم یعتبر بعض مشائخنا الفراسخ قالوا لان ذالک یختلف باختلاف الطرق فی السهولة والصعوبة والجبال والبر والبحر. وعامةمشائخنا قدروه با لفراسخ ایضاً واختلفوا بینهم بعضهم قالوا احدو عشرون فرسخاً وبعضهم قالو ا ثمانية عشر فرسخاً وبعضهم قالوا خمسة عشر والفتوی علی ثمانية عشر لانهااوسط الاعداد (ج دوم پی ڈی ایف)

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ فتاوی رضویہ اور بہار شریعت میں ،،میل انگریزی،، سے جو تقدیر کی گئی وہ قابل اعتبار ہے لائق اعتماد ہے اس کا سبب یہ ہے یہ میل کہیں بدلتا نہیں ہے ہر ملک اور علاقہ میں میل انگریزی کی پیائش ایک ہی ہے اور اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس میں تجربہ اور تعامل سے کام لیا گیا ہے اور تیسرا سبب یہ ہے موجب قصر صلاۃ مسافت یعنی تین منزلوں کی تعیین عرف کے ذریعہ کی گئی ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ:

القاعدة الرابعة والاربعون التعيين بالعرف كالتعيين بالنص (شرح القواعد الفقهية ص ۱/۱۴۲ الكتروني)

میل انگریزی کیا ہوتا ہے؟ اس میں کتنے انچ اور کتنے فٹ ہوتے ہیں اس کی تفصیلی وضاحت کے لئے ایک جدول پیش کیا جارہا ہے جو درج ذیل ہے:

میل انگریزی کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) 3/کھڑے جو = 1, انچ = 2.54 سینٹی میٹر

(۲) 12/ انچ = 1, فٹ = 30.48 سینٹی میٹر

(۳) 3 فٹ = 1، گز = 91.44 سنٹی میٹر

(۴) 1760 گز= 1 میل انگریزی= 160934.4 سینٹی میٹر = 1609.44 میٹر= 1.609 کیلو میٹر

(۵) 1609×57.5 =92.5175 (57.5 میل انگریزی= 92.5175 کیلومیٹر)

یہی مسافت موجب قصر صلوٰۃ ہے جو اصل مذہب اور ظاہر الروایۃ کے عین مطابق ہے....اس تحدید وتقدیر کی بنیاد منزل پر ہے اور منزل کی وضاحت اسی میل مروجہ سے کی گئی ہے جو پوری دنیا میں رائج ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے پہلے منزل کو کوسوں کی مدد سے میلوں میں تبدیل کیا اور میل کی وضاحت بین الاقوامی پیائش سے فرمائی......جیسا کہ فتاوی رضویہ کی مذکور بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے ایسا اس لئے کیا گیا کہ انگریزی میل کے رواج سے پہلے ہندوستان میں کوس کا استعمال ہوا کرتا تھا مسافت کی تعیین بھی کوس کے ذریعہ ہی کیا جاتا تھا اور جب میل رائج ہوا تو کوسوں کو میل میں تبدیل کرنے کا ایک فارمولہ امام احمد رضا نے پیش کیا .....مفتی شریف الحق صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت نے ظاہر مذہب کو اختیار فرما کر تین منزل کی یہ مسافت بیان فرمائی ہے، جدالممتار میں لکھتے ہیں:

المشهور المعتاد في بلادنا ان كل مرحلة ۱۲ كوس .وقد جربت مراراً كثيرة بمواضع شهيرة ان الميل الراجح فی بلادنا خمسة اثمان كوس المعتبر هٰهُنا .فاذا ضربت الاكواس في ۸ وقسم

الحاصل علی ۵ کانت امیالاً، فاذن أمیال مرحلة ، 1/5 19 و امیال مسیرة ثلاثة ایام 3/5 57 اعنی 57.6۔(ص۳۶۱/۳۶۲)

ہمارے بلاد میں معتاد معہود یہ ہے کہ ہر منزل ۱۲ کوس کی ہوتی ہے میں نے بارہا بکثرت مشہور جگہوں میں آزمایا ہے کہ اس وقت ہمارے بلاد میں جو میل رائج ہے 5/8 کوس ہے جب کوسوں کو ۸ میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو ۵ پر تقسیم کریں تو حاصل قسمت میل ہوگا اب ایک منزل 19 1/5 میل ہوئی۔ اور تین دن کی مسافت 3/5 57 یعنی 57.6 میل۔(نزہۃ القاری ۲/۶۲۴)

میل شرعی، میل انگریزی سے بہت بڑا ہوتا ہے۔ پہلے ہم میل شرعی کا جدول پیش کررہے ہیں:

ایک میل شرعی 4000 گز کا ہوتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:(نوٹ) یہ نقشہ اس مضمون کے اختتام پر ملاحظہ کریں۔

موجب قصر صلوٰۃ مسافت میں انگریزی گز ۱۰۱۲۰۰ ہوتے ہیں اس مقدار گز کو ۱۷۶۰ پر تقسیم کرتے ہیں تو اس کا میل انگریزی 57.5 ہوتے ہیں اور جب اسی انگریزی گزوں کو میل شرعی یعنی ۲۰۰۰ انگریزی گزوں پر تقسیم کرتے ہیں تو اس کے میل شرعی:

50.6 ہوتے ہیں یہی موقف اعلی حضرت فاضل بریلوی اور ان کے تمام ہم عصر علمائے اہل سنت کا ہے، یہاں تک کہ دور حاضر کے بھی تمام علمائے اہل سنت کا ہے۔ یہی اصل مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ متقدمین مشائخ احناف کے اس بارے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول: ۲۱ فرسخ ہے اور ایک فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے۔

دوسرا قول: ۱۸ر فرسخ ہے۔

تیسرا قول: ۱۵ر فرسخ ہے۔

ذیل میں تینوں اقوال کا معادلہ پیش کیا جارہا ہے:

(الف): فرسخ 21 × 3 میل شرعی = 63 میل شرعی

× 1.828 = 115.164 کیلومیٹر

(ب): فرسخ 18 × 3 میل شرعی = 54 میل شرعی

× 1.828 = 98.712 کیلومیٹر

(ج): فرسخ 15 × 3 میل شرعی = 45 میل شرعی

× 1.828 82.26 کیلومیٹر

مولانا غلام رسول سعیدی نے اصل مذہب اور ظاہر الروایہ سے انحراف اختیار کرتے ہوئے مشائخ کے قول کو اختیار کیا ہے، جب کہ تمام علمائے اہل سنت اور فقہائے احناف کا ماننا ہے کہ فتویٰ ظاہر الروایہ پر ہی دینا چاہیے۔ ہاں! کسی ضرورت کے تحت قول امام اور اصل مذہب وظاہر الروایہ کے غیر پر فتویٰ دینے کی روایت ملتی ہے۔ مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ مولانا غلام سعیدی نے ایسا کیوں کیا؟ اوران کے سامنے اصل مذہب سے انحراف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر بر بنائے سہولت انھوں نے ایسا کیا ہے تو ان کی تقدیر سے کہیں زیادہ یہ سہولت امام احمد رضا اور صدر الشریعہ کی تحقیق وتقدیر میں پائی جاتی ہے۔اس پر طرہ یہ کہ اعلی حضرت نے اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ انہوں نے کس قاعدہ سے اس کی تقدیر کی ہے۔اس بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ منزل، کوس، اور انگریزی میل اور کوس کو تبدیل کرنے کا ضابطہ وغیرہ، کیا یہ قاعدہ نہیں ہے؟ تو پھر کیا ہے؟

حاصل یہ ہے کہ اوزان واکیال ومقادیر شرعیہ میں امام اہل سنت حضرت سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اعلی تحقیق پر مشتمل اور مابعد کے فقہا کی معتمد و مستند ہیں۔

محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی

صدر مدرس

مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

مؤرخہ ۲۳ر ستمبر ۲۰۱۸ء

☆☆☆

(نقشہ) نصاب زکاۃ کا معادلہ عصری اوزان سے

شمار	تعدادِ جو	درہم	مثقال	قدیم پیمانے رتی ماشہ تولہ	عصری اوزان گرام، ملی گرام
١	2-7/9	......	......	ایک (رتی)	121.5 ملی گرام
٢	70	ایک (١)	......	25-1/5	3.618/گرام
٣	100	......	ایک (١)	36/رتی	4.374/گرام
٤	700	10	7	252/رتی	30.618/گرام (کم سے کم مہر)
٥	14000	200	140	5040/رتی	612.360/گرام (نصاب چاندی)
٦	2000	......	20 (سونا)	720/رتی	87.480/گرام (نصاب ذہب)
٧	22-6/9	......	......	8/رتی = ایک ماشہ	0.972 ملی گرام
٨	266-6/9	......	......	12/ماشے = 1/تولہ	11.664 ملی گرام
٩	14000	......	......	52.2 تولے چاندی	612.360/گرام چاندی
١٠	2000	......	......	7.2 تولے سونا	87.480/گرام سونا (نصاب ذہب)

میل شرعی کی پیمائش

شمار	بال، جو، ذراع	علامات	صورت حسابات	سینٹی میٹر	کیلومیٹر
١	خچر کے دم کے (١) بال	=	0.0529167	”	......
٢	خچر کے دُم کے ٦/ بال	=	0.3175002	”	......
٣	6/جو = ١ انگلی	=	1.9o50012		
٤	24 انگلی = ١ ذراع شرعی	=	45.720029	“	......
٥	4000/ذراع شرعی	=	1828.8012	=	1.828

میل شرعی اور میل انگریزی میں کیا فرق ہے؟ اور فرق کی نوعیت کیا ہے اس کو جاننے کے لے درج ذیل فہرست پر غور کریں:

شمار	ایک میل شرعی	علامت تفریق	ایک میل انگریزی	علامت مساوی	زائد کی نوعیت	کتنی زائد ہے
١	4000	-	3520	=	ذراع شرعی	480
٢	2000	-	1760	=	انگریزی گز	240
٣	6000	-	5280	=	فٹ	720
٤	72000	-	63580	=	انچ	8640
٥	182880	-	1609.34	=	سینٹی میٹر	21946
٦	1828.8	-	1609.34	=	میٹر	219.46
٧	1.828	-	1.609	=	کیلومیٹر	0.619

امام احمد رضا اور علم تصوف وسلوک

مقالہ نگار

مولانا نوید اختر امجدی (بھیونڈی: مہاراشٹر)

حضرت مولانا نوید اختر امجدی بن سعید اختر بن حضرت مولانا عبدالشکور (داماد صدر الشریعہ علیہما الرحمہ، وبانی جامعہ امجدیہ: بھیونڈی) ۲۴: جولائی ۱۹۸۳ء کو بھیونڈی (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ پرائمری سے ہائی اسکول تک کی تعلیم بھیونڈی میں حاصل کی، درجہ اولیٰ سے شعبہ فضیلت تک کی تعلیم جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں حاصل کر کے ۲۰۰۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ بعد فراغت چار سال جامعہ امجدیہ (گھوسی) میں تدریسی خدمات انجام دی۔ مارچ ۲۰۱۵ء سے تا امروز سری لنکا میں دینی وتبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ قریباً ایک درجن مقالات ومضامین تحریر فرمائے۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

رابطہ نمبر:

Email.naveedamjadi92@gmail.com   +94775574247

امام احمد رضا اور تصوف

اعلیٰ حضرت جہاں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر تھے وہیں تصوف میں بھی آپ ایک ممتاز نام اور مقام رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے فتاویٰ میں جب صوفیائے کرام اور تصوف کا ذکر آتا ہے تو انداز بیان میں ادب واحترام کے عناصر ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ اور اگر امام احمد رضا کی عملی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں روحانیت اور تصوف کے جلوے ہی جلوے نظر آتے ہیں۔ اس موضوع پر کچھ تفصیل عرض کرنے سے قبل بہتر ہے کہ اس سے متعلق کچھ ابتدائی باتیں عرض کی جائیں۔

تصوف کی تعریف:

اس سلسلہ میں مختلف تعریفیں کتابوں میں محفوظ ہیں، حضرت عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''تحصیل التصرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

تصوف کی تعریف اور تفسیر کے بارے میں حضرات صوفیہ کے کلمات مختلف ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ تصوف کا مطلب ہے: اخلاق کی اصلاح، باطن کی صفائی، صفات کاملہ سے موصوف ہونا، اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف ہونا، راہ حق پر قائم رہنا، حقوق کا ادا کرنا، دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے مختص کرنا، اس کے ماسوا سے رغبت ہونا، (مذموم) انسانی اوصاف کا فنا ہوجانا، دین کے بارے میں یقین حاصل کرنا، دنیا کا ترک کرنا، بے فائدہ کاموں سے گریز کرنا، تقویٰ کی پابندی اور مولائے کریم جل شانہ کی محبت۔ (مترجم: علامہ عبد الحکیم شرف قادری، تعارف فقہ وتصوف ص ۹۴)

عارف باللہ سیدی علامہ احمد برنسی معروف بہ شیخ زروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''کتاب الجمع بین الشریعۃ و الحقیقۃ'' میں فرماتے ہیں کہ تصوف کی تقریبا دو ہزار تعریفیں وتفسیریں کی گئی ہیں ان سب کا حاصل اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توبہ ہے (فقہ وتصوف علامہ عبد الحکیم شرف قادری ص ۹۵)

تصوف اور فن تصوف میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمات کو سمجھنے سے پہلے بہتر ہے کہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ والرضوان کے الفاظ بھی حضرت عبد الحق محدث دہلوی کی زبان میں نقل کردیا جائے۔ آپ اسی کتاب میں نقل کرتے ہیں:

''حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا مخلوقات کی موافقت سے دل کو صاف کرنا، طبعی (نفسانی) اوصاف سے جدا ہونا، بشری صفات کا فنا کرنا، نفسانی خواہشات سے گریز کرنا، روحانی صفات کا طلبگار رہنا، حقیقی علوم سے متعلق ہونا، دائمی اچھے کاموں کا اختیار کرنا، تمام امت کا خیرخواں ہونا، حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کا وفادار رہنا، شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیروکار رہنا اور ایسی ہی دیگر صفات وبرکات کا حامل ہونا۔ (تحصیل التعرف ترجمہ علامہ عبد الحکیم شرف قادری ص ۹۴)

امام اجل عارف باللہ سیدی عبد الوھاب شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

''التصوف انما ھو زبدۃ عمل العبد باحکام الشریعۃ'' تصوف کیا ہے، بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہو۔

(مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماص ۴۵، امام احمد رضا اور

تصوف از محمد احمد مصباحی ص ۵)

سیدی ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضبی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”التصوف تصفیه القلوب و اتباع النبي صلى الله عليه وسلم في الشريعة“

تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔

(مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماص ۴۵، امام احمد رضا اور تصوف از محمد احمد مصباحی ص ۵)

مذکورہ بالا تمام سطروں کو پڑھنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل نہیں کہ حقیقت میں تصوف مکارم اخلاق سے خود کو مزین کر لینے کا نام ہے، جس میں ریا وسمعہ کا دخل نہ ہو بلکہ شائبہ بھی نہ ہو، صرف اور صرف اللہ رب العزت کی خوشنودی اور اس کی رضا مطلوب ہو۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ دل صاف نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے دل کی صفائی وستھرائی کی جانب بڑی توجہ دلائی ہے۔

مذکورہ بالا سطروں میں جو کچھ بھی بیان ہوا اس سے تصوف کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے، اور یہ بھی کہ ہر دور میں تصوف کی اشد ضرورت رہی ہے، اور رہے گی، مگر حضرت محمد بن خفیف ضبی علیہ الرحمۃ کی نقل کردہ عبارت کا آخری حصہ دائرۂ تصوف میں بڑی اہمیت کا حامل ہے ”کہ شریعت میں نبی اکرم کی پیروی ہو“ اب ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع بغیر علم کے تو ممکن نہیں، خاص کر ایک صوفی کے لیے۔ اسی لیے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا۔

”جس نے علم فقہ حاصل کیے بغیر راہ تصوف اختیار کیا وہ زندیق ہوا، اور جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف کے راستہ پر نہ چلا وہ فاسق ہے، اور ایک روایت میں **فقد تفشق** وہ برے حال والا ہوا، اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ صحیح مومن ہے“ (تعارف فقہ وتصوف ترجمہ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری ص ۹۶)

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے تصوف کی اہمیت اور ضرورت کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان فرمایا کہ بارگاہ رب العزت میں قرب حاصل کرنے کے لیے فقہ وتصوف دونوں لازم ہیں۔ بغیر تصوف اختیار کیے نا تو تصوف میں مقام حاصل کیا جا سکتا ہے اور نا ہی ایسا فقیہ مخلص ہے جو تصوف کے اوصاف سے خالی ہے۔

اب یہاں ایک چیز اور ذہن نشین کرلیں کہ تصوف و طریقت کا شریعت سے گہرا تعلق ہے۔ جو اِنھیں دو الگ الگ چیزیں گنائے وہ جہالت و گمرہی کے دلدل میں ہے۔ آنے والی سطروں میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سردار سلسلہ سہروردیہ علیہ الرحمہ والرضوان کے کلمات پڑھیں۔ جسے ہم نے امام اہل سنت کے رسالہ مقال العرفاء سے نقل کیا ہے۔

ترجمہ: ”کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے، کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیوں سے کچھ علاقہ نہیں، بلکہ وہ غرور غلط میں ہیں کہتے ہیں کہ ان کے دل خالص خدا کی طرف ہو گئے ہیں، اور یہی مراد کو پہنچ جانا ہے، اور رسوم شریعت کی پابندی عوام کا مرتبہ ہے، ان کا یہ خاص الحاد وزندقہ اللہ کی بارگاہ سے دور کیا جانا ہے، اس لیے کہ جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔ (مقال عرفا ص ۳۴)

مذکورہ بالا عبارت سے بالکل صاف ہے کہ تصوف بغیر شریعت کے تصوف نہیں بلکہ بے دینی وگمراہی ہے یہیں سے ان تمام ڈھونگی صوفیوں کے تعمیر کردہ تمام تر بلند و بالا محلات زمین بوس ہوتے ہیں جو عوام الناس کے درمیان رہ کر کعبہ میں نماز پڑھنے کا دعوی ٹھونکتے ہیں، جھوٹے وجد کا مظاہرہ کرتے ہیں، غیر محرمات سے بے پردہ ملنا، اور باتیں کرنا، ہاتھ چومنا، چومانا، وغیرہ جیسے اوصاف سے متصف ہیں، اس لیے کہ یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کی شریعت میں سخت ممانعت آئی ہے۔ اب حضرت جنید بغدادی کی بات پڑھیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدی ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں:

''وربما يقع في قلبي النكتة من نكت القوم لا أقبل عنه الا بشاهدين عدلين الكتاب و السنة''

بارہا میرے دل میں تصوف کا کوئی نکتہ مدتوں آتا ہے مگر جب تک دو عادل گواہ یعنی قرآن وسنت اس کی تصدیق نہیں کردیتے میں قبول نہیں کرتا (مقال عرفا ص ۳۱)

یہاں تک تو تصوف کی تعریف اور اس سکے کچھ احوال بیان ہوئے، اب تصوف کے آغاز اور صوفی لقب کی وجہ تسمیہ بھی دیکھیں۔

تصوف کا آغاز اور اس کا پہلا دور:

گزشتہ سطروں میں آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تصوف کا اصل مقصد، غرض وغایت تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہے اور اسی مقصد اصلی کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اس دنیا میں بھیجا، نور نبوت نے صحابہ کے قلوب واذھان کو ایسا پاک وصاف کیا کہ انھیں کسی مجاہدہ ومراقبہ کی ضرورت ہی نہ پڑی ،محض صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انھیں اسلام کا سب سے پہلا صوفی بنادیا ،صحابہ کی جماعت میں ہر ایک کمالات انسانی، مکارم اخلاق واوصاف حمیدہ کا پیکر تھا،صحابہ کی جماعت میں خاص اصحاب صفہ کی پاک وصاف ذات توکل ورضا ،زہد وورع ،صدق وصفا کی آئینہ دار تھی، یہی تصوف کا پہلا دور تھا، تصوف کے تمام تر اصول وارکان کی بنیاد بھی انھیں نفوس قدسیہ کے قدموں سے وابستہ ہے۔

تصوف کے اس پہلے دور میں نمایاں شخصیات خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور اصحاب صفہ ہی ہیں، ان کی جانثاریاں، توکل، رضائے الٰہی ،محبت رسول ،تاریخ کے اوراق نے محفوظ کر رکھے ہیں، کیا حضرت ابوبکر کے اعلیٰ تصوف کے ثبوت میں بس اتنا ہی کافی نہیں کہ گھر کا سارا مال راہ خدا میں پیش کردینے کے بعد فرمایا اہل وعیال کے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں قاضی اور گورنر کے لیے جو اصول وضوابط بنائے تھے کہ باریک کپڑے نہ پہنے، ترکی گھوڑوں پر سوار نہ ہو، اعلیٰ درجہ کا کھانا نہ کھائے، حاجت مندوں کے لیے دروازے بند نہ کیا جائے، دربان نہ رکھا جائے یہ اصول وشرائط تصوف کے بنیادی ارکان کا پتا دیتے ہیں۔

حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ جن کے القاب کی فہرست میں ایک لقب مجہز جیش العسرۃ بھی ہے محض یہ ایک لقب ہی آپ کے اعلیٰ تصوف اور توکل علی اللہ، زہد وتقوی کی نشاندہی کر رہا ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے تقوی وطہارت کا قرآن شاہد ہے۔جن کے رکوع وسجود کو قران ''تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً'' کے حسین پیرایہ میں بیان فرماتا ہے۔اصحاب عشرہ مبشرہ ہوں یا اصحابِ صفہ کی جماعت، یہ سب تصوف کے دور آغاز کے نفوس قدسیہ ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب اور بہتر ہے کہ یہی تصوف کا سب سے پہلا دور ہے۔

دوسرا دور'دورِ تابعین ۳۴ھ سے ۱۵۰ھ تک:

تابعین کا دور تقریبا سوسال کی مدت کو محیط ہے، یہی وہ دور ہے کہ اہل تصوف کے دو عظیم امام کا تذکرہ ملتا ہے، ایک حضرت اویس قرنی اور ایک حضرت حسن بصری ،ان شیوخ کی سوانح یہاں مقصود نہیں ، بس اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ فنافی اللہ اور فنافی الرسول میں ممتاز مقام کے مالک ہیں صحابہ کرام کی بارگاہ سے ملی ہوئی زہد وتقوی وطہارت کی دولت کو بہترین انداز میں حفاظت فرمائی اور آنے والے ہر زمانہ کے لیے اپنی حیات کو ایک اصولی حیثیت سے پیش کر دیا۔کہ ہر زمانہ میں جب تصوف کی بات کی جائے گی یا تصوف کو فروغ دینے کے لیے اصول مرتب کیے جائیں گے اس وقت حضرت اویس قرنی وحسن بصری کے تذکرہ کے بغیر نہ تو وہ اصول وقواعد مکمل ہوسکیں گے اور نہ ہی ان کی حیات کے درخشاں ابواب کے رہنمائی کے بغیر سلوک کی کوئی راہ عبور کی جاسکے گی۔

تصوف کا تیسرا دور:

تبع تابعین کا ہے ۱۵۱ھ سے ۳۵۰ تک کا زمانہ یہ تبع تابعین

کا زمانہ ہے، تصوف کو اس دور ثالث میں بہت سی ترقیاں نصیب ہوئیں ۔یہی وہ دور ہے جس میں اہل تصوف کو ''صوفی'' کے لقب سے یاد کیا گیا۔

حضرت شمس بریلوی کہتے ہیں کہ اصحاب تصوف میں سب سے پہلے جسے ''صوفی'' کہا گیا وہ حضرت صوفی ابوالہاشم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں ۔یہ وہ دور ہے جس میں خانقاہیں وجود میں آئی اور سب سے پہلی خانقاہ بھی حضرت ابوالہاشم رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر فرمائی اس دور کے مشہور اصفیا میں حضرت جنید بغدادی ،ذوالنون مصری ،بایزید بسطامی ،حضرت رابعہ بصری حضرت حسین بن منصور حلاج ،حضرت ابوبکر شبلی جیسے نابغہ روزگار شخصیات کے اسماء شامل ہیں۔ان حضرات کے بعد ایک دور ایسے صوفیا کا رہا جنھوں نے اپنے اسلاف کی طرح تصوف کو خوب پروان چڑھایا، کتابیں لکھیں۔خانقاہیں آباد کیں، بلکہ مستقل ایک فن بنادیا، اصول وقواعد مرتب کیے، نئ اصطلاحیں وجود میں آئیں، فنا فی اللہ کے نئے طریقے ایجاد کیے، تصوف کے اس دور میں قابل ذکر شخصیات حضرت شیخ علی بن عثمان جلابی ہجویری، (متوفی ۴۶۵ھ) حضرت امام غزالی (۵۰۵) حضرت شیخ محی الدین اکبر ۶۳۸ھ حضرت سلطان اولیا غوث صمدانی ،شہباز لا مکانی الشیخ عبدالقادر جیلانی المعروف غوث اعظم جیلانی (۵۶۱ھ) حضرت مولانا جلال الدین رومی ، (۶۷۲ھ) حضرت شیخ داتا گنج بخش علی الہجویری لاہوری (۴۶۵ھ) حضرت علامہ ابوالقاسم الہوازن قشیری صاحب رسالہ القشیر یہ،حضرت ابوالقاسم بن علی گرگانی وغیرہ ہیں، حاصل یہ کہ اسلام کا کوئی دور تصوف، تعلیمات تصوف، اہل تصوف سے خالی نہ رہا۔

صوفی کی وجہ تسمیہ:

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تصوف کس سے مشتق ہے اور صوفی کو صوفی کیوں کہا جاتا ہے اس بارے میں بہت سارے اقوال ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ لفظ صوفی صوف اون سے ماخوذ ہے، کیونکہ صوفیائے کرام اون کا لباس پسند کرتے تھے،اور یہی عام طور پر فقراء کا لباس ہے۔بعض حضرات نے کہا کہ صفاء سے ماخوذ ہے۔کیونکہ صوفیائے کرام کے معاملات اور ان کے دل صاف ستھرے ہوتے ہیں۔

(تعارف فقہ وتصوف ص ۹۶،علامہ عبدالحکیم شرف قادری)

اہل تصوف کو صوفی کہنے کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ یا تو اس لیے صوفی کہا گیا کہ وہ نور معرفت وتوحید سے اپنے باطن کا تصفیہ کرتے ہیں۔ یا وہ اصحاب صفہ کے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں، کہ جیسے اصحاب صفہ نے فقیرانہ زندگی گذاری صوفیائے کرام بھی فقر و فاقہ کو بے حد پسند فرماتے ہیں۔یا پھر اس لیے انہیں صوفی کہا گیا کہ وہ صوف (اون) کا لباس زیب تن فرماتے ہیں۔یا پھر چوتھی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ حضرات احدیت میں پہلی صف کے لوگ ہیں۔اہل تصوف کی ایجاد کی ہوئی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ''احدیت'' ہے،اس سے مراد مخلوق کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا کی جانب متوجہ ہونا۔

(ملخصاً سرالاسرار ص ۱۰۹)

فن تصوف میں مشہور ویادگار تصنیفات:

اس فن میں متعدد کتابیں اب بھی عوام وخواص کی درمیان موجود ہیں، اکابر اسلاف کرام نے اس فن کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، اپنوں کا تو حق تھا کہ اس فن میں کتابیں تصنیف فرماتے، مگر لطف یہ کہ اعدائے تصوف نے بھی اس فن میں طبع آزمائی کی ہے، یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں کے نام صرف تصوف سے موسوم کیے مگر حق ادا نا کیا۔ پہلے ہم اپنے اسلاف کی چند مشہور کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں پھر اعدائے تصوف کا بھی ذکر کریں گے۔

مکاشفۃ القلوب:

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مایہ ناز تصنیف

ہے، امام غزالی نے جب تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا اس وقت آپ بالکل جوان تھے، اور حضرت شیخ ابو نصر اسمٰعیلی کی بارگاہ میں تحصیل علم کر رہے تھے، کئی کتابیں تصنیف فرمائی، مگر مکاشفۃ القلوب، احیاء العلوم والدین، کیمیائے سعادت، تہافۃ الفلاسفہ، کو بہت شہرت ملی، نام ہی بتا رہا ہے کہ کتاب مکاشفۃ القلوب میں کیا ہو گا، مطالعہ کے بعد جا بجا یہ محسوس ہو گا کہ واقعی اس کے مباحث و مضامین کشف قلب کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

آپ ہی کی تصنیف ہے احیاء علوم الدین، اس کا بھی موضوع تصوف ہی ہے، اور اس کتاب کو اور صاحب کتاب کو میدان تصوف میں ممتاز حیثیت حاصل ہے، احیاء العلوم چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، شریعت و طریقت کے اصول وضوابط کا امتزاج اس میں نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے، شریعت کی مسائل قرآنی آیات و آحادیث رسول سے مزین ہے، احیاء العلوم کے ساتھ ساتھ کیمیائے سعادت بھی تصوف کے مضامین پر مشتمل ہے، احیاء العلوم عربی میں ہے، کیمیائے سعادت فارسی میں، دونوں کتابوں کے تراجم موجود ہیں۔

کشف المحجوب:

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ کی لکھی ہوئی کتاب ہے، فارسی زبان میں ہے، یوں تو حضرت داتا گنج بخش نے تصوف میں کشف المحجوب کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، مگر کشف المحجوب کو شہرت زیادہ ملی، دراصل یہ کتاب ایک سوال کا جواب ہے، جو آپ کے ہم عصر و ہم وطن حضرت ابو سعید ہجویری نے کیے تھے، سوال کی طرف حضرت داتا گنج بخشش علیہ الرحمہ نے خود اشارہ کیا ہے، جسے کتاب کشف المحجوب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کشف المحجوب کی قبولیت کے حوالے سے حضرت شمس بریلوی کا ایک اقتباس نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

''کشف المحجوب کی قبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ، صوفیائے کرام کے مشہور تذکرہ نگاروں مثلاً خواجہ فرید عطار، حضرت مولانا جامی قدس سرہ صاحب نفحات الانس، حضرت خواجہ محمد پارسا صاحب فضل الخطاب، اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اپنے تذکروں میں اور تصانیف میں کشف المحجوب سے استفادہ کیا ہے''۔

سر الاسرار:

یہ تصنیف لطیف حضرت شیخ المشائخ، قطب ربانی، غوث صمدانی، محبوب سبحانی، شہباز لا مکانی، سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے، روحانی حقائق و معارف کا حسین گلدستہ ہے، تعلیم تصوف کی خوبصورت اور دل آویز تشریح، وصول بارگاہ الٰہی کے اصول وضوابط، طریقت و معرفت کی راہ پر چلنے اور عبور کرنے کے قوانین قلم بند فرمائے ہیں، اس کتاب میں خاص کر دوسری فصل، انسان کا پست ترین حالت (اسفل سافلین) کی طرف لوٹنا'' پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔

رسالہ قشیریہ:

حضرت علامہ عبد الکریم بن ہوازن قشیری کی تصنیف ہے امام قشیری کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں آپ کے مقام و مرتبہ کے تعارف میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں آپ کا تذکرہ بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے آپ فرماتے ہیں میں نے امام قشیری سے پوچھا تصوف میں آپ کی ابتدا کس طرح ہوئی، انھوں نے فرمایا ایک مرتبہ مجھے ایک پتھر کی ضرورت تھی، میں تلاش میں نکلا جس پتھر کو ہاتھ لگاتا وہ گوہر بن جاتا، تو اس کو پھینک دیتا۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کا اپنی کتاب میں یہ واقعہ بیان فرما دینا اس کی عظمت کی سند ہے۔

آپ نے کئی رسالے اور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جس میں اکثر پر تصوف کا رنگ غالب ہے جیسے ''رسالہ ترتیب السلوک فی طریقۃ اللہ تعالیٰ'' کتاب نحو القلوب الکبیر، کتاب نحو القلوب الصغیر، اوموضوع بحث رسالہ قشیریہ اس میں زیادہ مشہور ہے، رسالہ

قشیریہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے تقریباً ہر باب کو قرآن پاک کہ آیات، احادیث مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین کیا گیا ہے، اس کے بعد اقوال علماء، حالات صوفیائے کرام سے مزید تقویت دی۔

یہ چند کتابیں جو تصوف کے میدان میں مشہور ہیں ہم نے ذکر دی اس کے علاوہ کتاب اللمع فی التصوف (عربی) شیخ ابونصر سراج کی، عوارف المعارف کتاب التعرف لمذہب التصوف'' امام اجل باللہ ابوبکر محمد ابراہیم بخاری کلابازی قدس سرہ کی لکھی ہوئی اس کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے امام اہل سنت سیدی سرکار اعلی حضرت رسالہ مقال العرفاء میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی شان یہ ہے کہ اولیاء نے فرمایا: ''لو لا التعرف لما عرف التصوف '' کتاب تعرف لمذہب التصوف نہ ہوئی تو تصوف نہ پہچانا جاتا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی، فوائد الفوائد محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا، حلیۃ الاولیا ابونعیم اصبہانی وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان تمام کتابوں کے ذکر سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ اسلاف نے تصوف وطریقت پر بڑی محنت کی ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے راہیں بھی متعین کی ہیں۔

امام احمد رضا اور تصوف

تصوف کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں ہم نے تصوف کے فن کا مختصر سا تعارف پیش کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ آنے والے صفحات میں جب امام اہل سنت کی خدمات علمی، عملی واعتقادی کو بیان کیا جائے گا تو ذہن الجھن کا شکار نہ ہو۔

صوفیائے کرام اپنی کتابوں میں عقیدہ توحید ورسالت پر سب سے پہلے بحث کرتے ہیں اس کے بعد عمل کی جانب توجہ دلاتے ہیں اس پر اقوال علماء اور افعال صوفیاء بھی پیش کرتے ہیں نیز احوال صوفیاء کیفیت اصفیا بھی بیان ہوتے ہیں لہٰذا اسی نہج پر ہم بھی اعلیٰ حضرت کے فن تصوف میں خدمات پر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

اس سے پہلے عرض ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے تصوف پر سب سے پہلی کتاب خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی نے تصنیف کی، جس کا نام ہے ''امام احمد رضا اور تصوف'' جو ہمارے اس مقالے کا ایک ماخذ بھی ہے۔ اس سلسلے میں دوسری کتاب حضرت مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری صاحب کی تصنیف ہے جس کا نام ہے ''امام احمد رضا اور معارف تصوف''۔ اس کے علاوہ امام احمد رضا کے معتقد اہل قلم نے بہت کچھ لکھا ہے، ہم ان تمام سے عموماً اور امام احمد رضا کی تصنیفات سے خصوصاً استفادہ کرتے ہوئے چند امور پیش کرتے ہیں۔

امام احمد رضا اور وحدت الوجود کی بحث:

وحدۃ الوجود کہتے ہیں کہ سالک کے علم ونظر دونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا شعور ختم ہو جائے۔ (شریعت وطریقت از علامہ شاہ تراب الحق قادری ص ۱۹۸)

اسی لیے صوفیائے کرام ''لا موجود الا اللہ'' کے قائل ہوتے ہیں، اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں، اس کلمہ کے حقیقی معنی سے عام بندہ نا بلد ہوتا ہے، اس لیے علما عوام کو اس سے دور رہنے کا مشورہ بھی دیتے ہیں، بہر کیف! اس جگہ یہ بھی بتاتے چلیں کہ وحدت کی دو قسم کی گئی ہے ایک وحدت وجود اور ایک وحدت شہود، سلسلہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، وغیرہ ہم کے تمام اولیاء کرام وحدت وجود کے قائل ہیں۔

بعض حضرات وحدت شہود کے قائل ہیں، جس میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی شیخ علاؤ الدولہ سمنانی، شیخ روز بہان بقلی وغیرہ مگر حضرت ولی اللہ محدث دہلوی نقشبندی ہونے کے باوجود وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

امام احمد رضا چونکہ سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے، یہ کب اپنے مشائخ سے مختلف تصور رکھتے اور آپ نے وحدۃ الوجود کی بھرپور تائید فرمائی، اور اسلاف کی روش اختیار کی۔

وحدۃ الوجد کا کیا معنی ہے؟ اس سلسلہ میں اعلی حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاوی رضویہ حصہ ششم میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور وحدت وجود یہ ہے کہ وہ صرف موجود واحد، باقی سب ظلال وعکوس ہیں قرآن کریم میں ہے:''**کل شئ هالک الا وجهه**''.

کشف حقائق واسرار دقائق جو آپ کی لاجواب تصنیف ہے چند مشکل اشعار کی تشریح بڑے آسان انداز میں فرمائی ہے آپ نے اسی کتاب میں شعر ہشتم کی شرح فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

مرتبۂ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں، یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد باقی سے بظاہر ہیں کہ اپنی حمد ذات میں اصلاً وجود وہستی سے بہرہ نہیں رکھتے''۔

(کشف حقائق ص ۱۱، شائع کردہ رضا اکیڈمی)

وحدۃ الوجود کے اس معنی ومفہوم پر اب امام اہل سنت دلیل پیش کرتے ہیں ملاحظہ کریں، اور یہ دیکھ کر مست ہو جائیں کہ امام اہل سنت پر تصوف کا کیسا رنگ چڑھا تھا کہ ہر بات کو اللہ ورسول کے قول سے ثابت کرتے ہیں۔

صحیح بخاری صحیح مسلم وسنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أصدق كلمة قالها الشاعر كلمة لبيد ألا كل شئى ماخلا الله باطل، سب میں سچی بات جو کسی شاعر نے کہی لبید کی بات ہے کہ: سن لو اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔

کتب کثیرہ مثلاً اصابہ نیز مسند میں ہے: سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ''**فاشهد أن الله لاشئى غيره وانک مامون على كل غائب**''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں اور حضور جمیع غیوب پر امین ہیں۔ حضور اقدس نے انکار نہ فرمایا۔

(فتاوی رضویہ حصہ ششم ص ۱۲۲ر رضا اکیڈمی)

امام اہل سنت سے سوال ہوا کہ وحدۃ الوجود کے کیا معنی ہیں؟ ایک جملہ میں بالکل صاف جواب ملاحظہ فرمائیں۔

وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لیے ہے، اس کے سوا جتنی موجودات ہیں سب اسی کے ظل پرتو ہیں، تو حقیقۃ وجود ایک ہی ٹھہرا۔ (الملفوظ ص ۴۸ر ج ۱)

سائل نے اس کے بعد دوسرا سوال کیا:

''اس کا سمجھنا تو کچھ دشوار نہیں، پھر یہ مسئلہ اس قدر کیوں مشکل مشہور ہے؟

امام اہل سنت جواب دیتے ہیں:

اس میں (وحدۃ الوجود میں) غور وتامل یا موجبِ حیرت ہے یا باعثِ ضلالت، اگر اس کی تھوڑی بھی تفصیل کروں تو کچھ سمجھ میں نہ آئے گا، بلکہ اوہام کثیرہ پیدا ہو پائیں گے۔

(الملفوظ ج ۱ر ص ۴۸)

عبارت مذکورہ امام اہل سنت کے فن تصوف کی مہارت کو بیان کررہی ہے نیز یہ بھی کہ امام تصوف اس باریک ومشکل بحث میں یدطولیٰ رکھتے ہیں، جو موجود دین میں کسی کے نا سمجھ میں آسکے وہ بحث بھی امام کی بارگاہ میں ابجد وھوز کی طرح مبتدیات کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس کے بعد امام نے محض سمجھانے کے لیے ایک مثال پیش کی ''روشنی بالذات آفتاب وچراغ میں ہے، زمین ومکان اپنی ذات میں بے نور ہیں مگر بالعرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارے گھر روشن ہوتے ہیں، ان کی روشنی انھیں کی روشنی ہے ان کی روشنی ان سے اٹھائی جائے وہ بھی تاریک محض رہ جائیں''۔

(الملفوظ حصہ اول ص ۴۹)

وحدۃ الوجود سے متعلق امام اہل سنت کی مذکورہ تمام عبارتوں

کی مزید وضاحت کے لیے امام ہی کی بیان کردہ ایک مثال پیشکی جاتی ہے جسے امام نے فتاوی رضویہ حصہ ششم میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمائی ہے ملاحظہ ہو:

''ایک بادشاہ عالی جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے، جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں، آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شی کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے، بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی ایک میں بڑی ایک میں چھوٹی بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما کسی میں بھونڈی

یہ اختلاف آئینوں کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا ان میں عکس ہے خود واحد ہے ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے ان کے ایلیے بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وللہ المثل الاعلیٰ۔

اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

اول ناسمجھ بچے: انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے وہ، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو عین یہ بھی اور وہ بھی، مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم اور اپنی نادانی سے یہ نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے، یہ سب اسی کے عکس ہیں، اگر اس سے حجاب ہو جائے تو یہ سب صفحہ ہستی سے معدوم محض ہو جائیں گے، ہو کیا جائیں گے، اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں، حقیقۃ بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

دوم اہل نظر وعقل کامل: وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بے شک وجود ایک بادشاہ کے لیے ہے، موجود ایک وہی ہے، یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلا وجود نہیں رکھتے، اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے، حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں، اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود وجود میں اسی کے محتاج ہیں، اور وہ سب سے غنی یہ ناقص ہیں وہ تام یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام، سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع تو یہ اس کا عین کیوں کر ہو سکتے ہیں لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں، بلکہ وہی وہ ہے، اور یہ صرف اس کی تجلی کی نمود، یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود۔

سوم عقل کے اندھے سمجھ کے اوندھے: ان ناسمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے، انھوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی، جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی، انھوں نے عقل ودانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں، اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب ونقائص جو نقصان قوابل کے باعث ان میں تھی، خود بادشاہ کو ان کا مورد کر دیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز محتاج، الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انہیں ذمائم سے متصف ہے۔ **تعالیٰ اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا.**

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے، اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک، وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود بھی ایک ظل ہے، پھر آئینہ میں انسان کی صرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کے صفات مثل کلام وسمع وبصر وعلم وارادہ وحیات وقدرت سے اصلا نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عز جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا

ان صفات کا بھی پرتو ڈالا۔ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کا باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت حق ہوئی وہ سمجھ لیے کہ

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

انھوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں: (۱) حقیقی ذاتی کہ متجلی کے لیے خاص ہے اور (۲) ظلی عطائی کہ ظلال کے لیے ہے، اور حاشا یہ تقسیم اشتراک معنی نہیں، بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حق حقیقت وعین معرفت وللہ الحمد۔ (فتاوی رضویہ غیر مترجم ششم صفحہ ۱۳۳/۱۳۴/ رضا اکیڈمی بمبئی)

وحدۃ الوجود کی بحث اور اس کی باریکیاں، انھیں سیکھ لینا اور اس پر بحث ومباحثہ کرنا سب کے بس کا نہیں، یہ قلب صافی اور اہل باطن ہی کا خاصہ ہے جو اس کی باریکیوں سے آشنا ہیں، اور جسے چاہتے ہیں اسے سینہ بسینہ عطا کرتے ہیں، ہم نے تو محض امام اہل سنت کی عبارتیں نقل کردی ہیں، دعا ہے مولیٰ کریم اس کے فیضان سے ہمارے دلوں کو بھی منور فرمادے۔

اس موضوع پر امام نے فتاوی رضویہ کے حصہ ششم میں اور الملفوظ کے حصہ اول و چہارم سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ان تمام کو یہاں سمیٹ لینا بہت مشکل ہے۔

اب اس بحث کے اختتام پر امام اہل سنت کے ایک فتوی میں سیدی عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب حدیقہ کے حوالہ سے نقل کی گئی عبارت یہاں پیش کرنا بہتر سمجھتا ہوں جس سے اس بات کا اندازہ لگانا ذرا مشکل نہ ہوگا کہ امام اہل سنت تصوف اہل تصوف اور راہ سلوک پر چلنے والوں کے بھی امام ہیں۔

ترجمہ: کوئی آدمی بدکاری اور چوری کرے تو باوجود گناہ ہونے کے اس کے لیے یہ عمل اتنا مہلک اور تباہ کن نہیں جتنا بلا تحقیق علم الٰہی کے بارے میں کلام کرنا مہلک ہے۔ کیونکہ بلا تحقیق اور بغیر پختگی علم کے کہیں وہ کفر کا مرتکب ہو جائے گا اور اسے علم بھی نہیں ہوگا اس کی مثال ایسی ہے جیسے تیرنا جانے بغیر دریا کی موجوں اور لہروں پر سوار ہونا اور شیطان کی فریب کاریاں جو عقائد اور مذاہب سے تعلق رکھتی ہیں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ (فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۱۵۹ پوربندر)

تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ پر امام کا کلام:

اللہ رب العزت بے مثل ومثال ہے، کسی چیز سے اس کو تشبیہ نہیں دی جاسکتی ہے وہ ہر تشبیہ وتمثیل سے پاک ہے بلا شبہ وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے مگر کان وآنکھ سے پاک ہے تمام دنیا وتمام عالم اس نے بنائے ہیں مگر وہ ہاتھ سے پاک ہے غرض وہ جسم وجسمانیات سے پاک ہے پھر عیوب ونقائص سے پاک ہے۔

اسی سلسلہ میں امام اہل سنت سے کسی نے پوچھا: تشبیہ صحیح ہے یا تنزیہ؟ فرمایا: تشبیہ محض کفر ہے، اور تنزیہ محض گمراہی اور تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ عقیدہ حقہ اہل سنت ہے۔

وحدۃ الوجود کی بحث اور اس کی باریکیاں، انھیں سیکھ لینا اور اس پر بحث ومباحثہ کرنا سب کے بس کا نہیں، یہ قلب صافی اور اہل باطن ہی کا خاصہ ہے جو اس کی باریکیوں سے آشنا ہیں، اور جسے چاہتے ہیں اسے سینہ بسینہ عطا کرتے ہیں، ہم نے تو محض امام اہل سنت کی عبارتیں نقل کردی ہیں، دعا ہے مولیٰ کریم اس کے فیضان سے ہمارے دلوں کو بھی منور فرمادے اس موضوع پر امام نے فتاوی رضویہ کے حصہ ششم میں اور الملفوظ کے حصہ اول و چہارم میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ان تمام کو یہاں سمیٹ لینا مجھ جیسے مبتدی و ناقص علم والے کے لیے ناممکن کی حد تک مشکل ہے۔

اب اس بحث کے ایک فتویٰ میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے نقل کی گئی عبارت یہاں پیش کرنا بہتر سمجھتا ہوں جس سے اس بات کا اندازہ لگانا ذرا مشکل نہ ہوگا کہ امام اہل سنت اہل تصوف اور راہ سلوک پر چلنے والوں کے بھی امام ہیں۔

ترجمہ:۔کوئی آدمی بدکاری اور چوری کرے تو باوجود گناہ ہونے کے اس کے لیے یہ عمل اتنا مہلک اور تباہ کن نہیں جتنا بلاتحقیق علم الٰہی کے بارے میں کلام کرنا مہلک ہے۔ کیونکہ بعد تحقیق اور بغیر پختگی علم کے کہیں وہ کفر کا مرتکب ہو جائے گا اور اسے علم بھی نہیں ہوگا اس کی مثال ایسی ہے جیسے تیرنا جانے بغیر دریا کی موجوں اور لہروں پر سوار ہونا اور شیطان کی فریب کاریاں جو عقائد اور مذاہب سے تعلق رکھتی ہیں، کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

(فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۱۵۹ پور بندر)

تنزیہہ مع تشبیہ بلاتشبیہ پر امام کا کلام سائل نے دوسرا سوال کیا کہ حضور تنزیہہ مع تشبیہ بلاتشبیہ کیا ہے؟ اس پر امام نے تفصیل جواب عنایت فرمایا، جس میں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کو واضح کیا۔ نیز ملاعنہ اور ملاحدہ کے عقیدہ کی تردید فرمائی، آنے والی عبارتوں میں آپ دیکھیں گے کہ امام کا قلم کس قدر محتاط ہے ساتھ کتنی روانی اور مافی الضمیر کی ادائیگی کس خوبصورت پیرایہ میں فرمائی کہ ادنی سی عقل رکھنے والے صاحب شوق کا ذہن بھی آپ کی عبارتوں کو قبول کرتا ہے۔ فرمایا:

ارشاد: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ. (الشوریٰ)

اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔

یہ تنزیہہ مع تشبیہ بلاتشبیہ ہے۔

تشبیہ محض تو یہ ہوئی کہ وہ ہماری ہی طرح ایک جسم من الاجسام ہے، اس کے کان آنکھ ہماری ہی طرح گوشت پوست سے مرکب ہیں، وہ انھیں سے دیکھتا سنتا ہے اور یہ کفر ہے۔

تنزیہہ محض یہ کہ دیکھنے سننے میں اس کو بندوں سے مشابہت ہوتی ہے، لہٰذا اس سے بھی انکار کر دیا جائے، کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ خدا دیکھتا سنتا ہے، یہ کچھ اور صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ گمراہی ہے۔

اصل صحیح عقیدہ یہ ہے کہ **لیس کمثله شیء** (اس جیسا کوئی نہیں) یہ تنزیہہ ہوئی کہ اس کی مثل کوئی شئی نہیں اور **وھو السمیع البصیر** (وہی سنتا دیکھتا ہے) تشبیہ ہوئی اور جب سننے دیکھنے کو بیان کیا کہ اس کا دیکھنا آنکھ کا، سننا کان کا محتاج نہیں وہ بے آلات کے سنتا دیکھتا ہے، یہ نفی تشبیہ ہے کہ بندوں سے جو وہم مشابہت ہوتا اس کو مٹا دیا تو ماحصل وہی نکلا تنزیہہ مع تشبیہ بلاتشبیہ۔

اب قاری کے ذہن کو اور مضبوط کرنے کے لیے اس باریک بحث کو مزید سمجھاتے ہوئے امام اہل سنت آگے ارشاد فرماتے ہیں:

''تنزیہہ مع تشبیہ بلاتشبیہ سے تو قرآن پر ہے علم وکلام یقیناً اس کی صفات ہیں یہ تشبیہ ہوئی، مگر اس کا علم دل ودماغ وعقل کا اور کلام زبان کا محتاج نہیں، یہ نفی تشبیہ اور وہی ''لیس کمثلہ شیء'' ہر ایک ساتھ مل کر پھر وہی حاصل ہوا، تنزیہہ مع تشبیہ بلاتشبیہ''۔

حیات اس کی صفت ہے اب اگر یہ کہا جائے کہ وہ زندہ ہے تو اس میں اسی طرح، روح ہے، ہماری ہی طرح اس کی رگ وپے میں خون دوڑتا پھرتا ہے، جیسا مشبہ ملاعنہ کہتے ہیں، تو یہ کفر ہے اور اگر اس سے انکار کر دیا جائے جیسے ملاعنہ باطنیہ بکا کرتے ہیں کہ وہ حی لا حی نور لا نور ہے تو یہ کھلی ضلالت ہے۔

حق یہ ہے کہ وہ حی ہے خود زندہ ہے اور تمام عالم کی حیات اس سے وابستہ ہے مگر نہ روح سے کہ روح خود اس کی مخلوق ہے، نہ وہ گوشت وپوست خون واستخوان سے مرکب ہے، نہ وہ جسم ہے۔ جسم وجسمانیات وزمان وجہت سے پاک ہے۔ یہ وہی تنزیہہ مع تشبیہ بلا تشبیہ ہے۔

یہاں تک آنے کے بعد قاری کے ذہن میں سوال اٹھ سکتا تھا کہ قرآن میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جو حدوث اور زمانہ پر دلالت کرتے ہیں، نیز ایسے حروف بھی بارہا آتے کہ جس سے زمانہ، الصاق، استعلا جیسے معانی متصور ہیں، ان کا کیا جواب ہوگا، امام اہل سنت نے ان تمام شبہات کا ازلہ کس خوبصورت انداز سے فرمایا۔

الملفوظ کی یہ عبارت پڑھیں، فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ الفاظ اس کے لیے وضع ہی نہیں کیے گئے، الفاظ تو مخلوق نے مخلوق کے لیے بنائے ہیں، خدا کو عالم، قادر، محی، ممیت، رازق، متکلم، مومن، مہیمن، خالق باری، مصور وغیرہا صفات سے موصوف کرتے ہیں اور یہ سب ہیں اسم فاعل اور اسم فاعل دلالت کرتا ہے حدوث اور زمانہ وحال یا زمانہ مستقبل پر، اور وہ حدوث وزمانے سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ'' (اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات) اس کے سوا صدہا صیغے قرآن پاک نے فرمائے ہیں۔ جو ماضی یا حال یا مستقبل سے خالی نہیں، اور وہ زمانوں سے منزہ قرآن میں برابر آتا ہے۔ باللہ، للہ، علی اللہ، فی اللہ، من اللہ۔ ''با'' آتی ہے الصاق کے لیے اور اللہ اس سے پاک ہے، کہ کوئی شئی اس سے ملتصق ہوسکے۔ ''لام'' آتا ہے نفع کے لیے، اور وہ اس سے پاک ہے کہ کسی شئی سے اس کو نفع پہنچ سکے۔ ''علی'' آتا ہے ضرر یا استعلا کے لیے اور وہ اس سے برتر ہے کہ کسی شئی سے اس کو ضرر پہنچ سکے اور وہ اس سے متعالی ہے کہ کوئی اس سے بلند ہوسکے۔ ''من'' آیا ہے ظرفیت کے لیے اور وہ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی شئی کا ظرف بن سکے۔ ''من'' آتا ہے کہ ابتدائے غایت کے لیے اور وہ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کا ابتدائی کنارہ یا حد ابتدائی بن سکے۔ ''الی'' آتا ہے انتہائے غایت کے لیے اور وہ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کا انتہائی کنارہ بن سکے فی الحقیقت یہ سب افعال واسماء وحروف اپنے معانی حقیقیہ سے معدول ہیں یہ سب وہی تنزیہہ مع تشبیہ بلا تشبیہ ہے''۔

(الملفوظ، ج:۴، ص:۶۷/۶۸ قادری کتاب گھر بریلی)

یہاں تک بات بالکل واضح ہوئی کہ تنزیہہ اور تشبیہ میں اہل سنت کا عقیدہ کیا ہے، مگر بہتر سمجھتا ہوں کہ امام اہل سنت وجماعت کے رسالہ ''قوارع القهار علی المجسمة الفجار'' کی کچھ باتیں یہاں نقل کی جائیں تاکہ تنزیہہ وتشبیہ کا موضوع اور بھی صاف وشفاف نظر آسکے رسالہ کا نام ہی سب کچھ بیان کررہا ہے کہ اس میں کیا ہوگا، نیز امام کا قلم کس قدر پرجلال ہوگا، اور جب امام جلال میں ہوں تو باریک سے باریک بحث کے چہرہ سے نقاب کشائی فرماتے ہیں کہ ایمان میں تازگی اور روح میں سکون کی کیفیت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کی تنزیہہ میں اہل سنت وجماعت کے عقیدے:

(۱) اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقصان سے پاک ہے۔

(۲) سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی چیز کی طرف کسی طرح کسی بات میں اصلاً احتیاج نہیں رکھتا۔

(۳) مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔

(۴) اس میں تغیر نہیں آسکتا ازل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو پھر بدل کر اور حالت پر ہوجائے۔

(۵) وہ جسم نہیں جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ نہیں۔

(۶) اسے مقدار عارض نہیں کہ اتنا یا اُتنا کہہ سکیں، لمبا یا چوڑا یا دلدار یا موٹا یا پتلا یا بہت یا تھوڑا یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا یا بھاری یا ہلکا نہیں۔

(۷) وہ شکل سے منزہ ہے، پھیلا یا سمٹا، گول یا لمبا، تکونا یا چوکھونٹا، سیدھا یا ترچھا یا اور کسی صورت کا نہیں۔

(۸) حد وطرف ونہایت سے پاک ہے اور اس معنی پر نامحدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو بلکہ یہ معنی کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اعراض سے منزلہ ہے، غرض نامحدود کہنا نفی حد کے لیے ہے نہ اثبات بے مقدار بے نہایت کے لیے۔

(۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔

(۱۰) اس میں اجزا یا حصے فرض نہیں کرسکتے۔

(۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے جس طرح اسے دہنے بائیں یا نیچے نہیں کہہ سکتے یونہی جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اوپر بھی ہرگز نہیں۔

(۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا کہ اس سے لگا ہوا ہو۔

(۱۳) کسی مخلوق سے جدا نہیں کہ اس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔

(۱۴) اس کے لیے مکان اور جگہ نہیں۔

(۱۵) اٹھ نے، بیٹھ نے، اترنے، چڑھ نے، چلنے، ٹھہرنے وغیرہا تمام عوارض جسم وجسمانیات سے منزہ ہے۔

محل تفصیل میں عقائد تنزیہیہ بے شمار ہیں۔ یہ پندرہ ۱۵ رکہ بقدر حاجت یہاں مذکور ہوئے اوران کے سواان جملہ مسائل کی اصل یہی تین عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اور ان میں بھی اصل الاصول عقیدۂ اولیٰ ہے کہ تمام مطالب تنزیہیہ کا حاصل وخلاصہ ہے ان کی دلیل قرآن عظیم کی وہ سب آیات ہیں جن میں باری عزوجل کی تسبیح وتقدیس وپاکی وبے نیازی وبے مثلی وبے نظیری ارشاد ہوئی آیات تسبیح خودکس قدر کثیر ووافر ہیں، **وقال تعالیٰ: اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ** ''بادشاہ نہایت پاکی والا ہر عیب سے سلامت۔ **وقال تعالیٰ: فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ** ''بے شک اللہ سارے جہاں سے بے نیاز ہے، **وقال تعالیٰ: فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ**'' بے شک اللہ ہی بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا۔ **وقال تعالیٰ: لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ**''اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ **وقال تعالیٰ: ھَلۡ تَعۡلَمُ لَہٗ سَمِیًّا**'' کیا تو جانتا ہے اس کے نام کا کوئی۔ **وقال تعالیٰ: وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ** اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔ ان مطالب کی آیتیں صدہا ہیں یہ آیات محکمات ہیں، یہ ام الکتاب ہیں، ان کے معنی میں کوئی خفا واجمال نہیں، اصلاً دقت واشکال نہیں جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن وہویدا ہے، بے تغییر وتبدیل بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریات دین اسلام سے ہے۔ وباللہ التوفیق۔

آیات متشابہات میں اہل سنت کا عقیدہ:

قرآن عظیم میں دوطرح کی آیتیں ہیں اول محکمات جن کے معانی صاف بے دقت سمجھ میں آتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی پاک وبے نیازی وبے مثل کی آیتیں، اور دوسری آیات، آیات متشابہات ہیں، جن کے معنی متعین کرنا مشکل ہیں اگر ظاہر پر غور کریں تو کچھ سمجھ ہی نہیں آتا، جیسے حروف مقطعات **الٓمٓ** وغیرہ، یا جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ رب العزت پر محال ہے، جیسے ''**اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی**'' (وہ بڑا مہر والا اس نے عرش پر استوا فرمایا)۔ (ملخصا رسالہ: قوارع القہار ص۱۲۲ ج ۲۹؍۔ فتاوی رضویہ مترجم)

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت نے اس سلسلہ میں علمائے اہل سنت کے دوگروہ کا تذکرہ فرمایا: دونوں گروہ کو مختصرا یہاں بیان کیا جاتا ہے درحقیقت رسالہ قوارع القہار کے ایک صفحہ کی تلخیص مقصود ہے پہلا گروہ جسے مسلک تفویض وتسلیم کہتے ہیں میں ان ائمہ کا کہنا ہے کہ آیات متاشبہات کے معنی ظاہری قطعا مقصود نہیں بلکہ معنی ظاہری مراد لیا ہی نہیں جاسکتا، جیسے **الرحمن علی العرش الستویٰ** اور تاویلی معنی متعین ہی نہیں، کہ یہی مراد ہے یہاں تو ہم اپنی جانب سے کچھ نہیں کہیں گے بلکہ اس کے معنی حقیقی کو رب کی طرف پھیر دیں گے کہ اس کے معنی حقیقی کا علم اللہ اس کے رسول کو ہی ہے چونکہ آیات متاشبہات میں غور وخوض کرنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے لہٰذا اپنی حد سے باہر قدم ہرگز نہ رکھیں گے۔ لہٰذا آیت کریمہ **الرحمن علی العرش الستویٰ** جیسی آیتوں کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ آیت پر ایمان ہے مگر کیفیت کا حال رب بہتر جانتا ہے۔

امام اہل سنت نے اسے بہتر اولیٰ واسلم مذہب فرمایا:

دوسرا گروہ جسے مسلک تاویل کہتے ہیں، ان کا فرمانا یہ ہے کہ جب آیات دوطرح کی ہیں، محکم ومتشابہ اور محکم کو ''**ھن ام الکتاب**'' کہا گیا، یعنی محکمات کو کتاب کی جڑ فرمایا گیا تو گویا متشابہات کی تاویل کا راستہ نکال دیا گیا کہ آیات متشابہات کی ایسی تاویل جو محکمات سے نہ ٹکرائیں درست وپاکیزہ ہوں، ان کو احتمال کے طور پر بیان کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اپنے

نکالے ہوئے معنی پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ رب العزت کی یہی مراد ہے، مگر معنی صاف ہیں پاکیزہ ہیں آیات محکمات سے ٹکراتے نہیں ہیں تو بیان کیا جاسکتا ہے چونکہ بعض عوام کی طبیعت اس بات کو قبول کر لے کہ اس کی اصل مراد کیا ہے، ہم نہیں جانتے بڑا مشکل معاملہ ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ آیات متشابہات میں اپنی عقل کا گھوڑا دوڑانے شروع کر دیں گے، اور بہت ممکن ہے کہ وہ گمرہی اور فتنے کے دروازے وا کرنے لگیں، لہٰذا کسی ایک معنی کو بطور احتمال بیان کر دینا بہتر ہے۔

(ملخصاً ص: ۱۲۳/۱۲۴/ فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۹)

تصوف کا ایک بہت ہی اہم جز جفر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے متعلق چند بنیادی عقائد جیسے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پاک، آپ کا مقام، آپ کے اختیارات اور امت پر آپ کے حقوق، فتاوی رضویہ شریف اور امام عشق محبت کے نعتیہ دیوان کے مطالعہ کے بعد یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ امام نے اپنی زندگی کا رکن اعظم اسی ذات کو بنایا تھا اور پھر امام اہل سنت کسی میدان میں اپنے جوہر دکھا رہے ہوں داد تحقیق دے رہے ہوں، دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں چھوڑا بلکہ جدید سائنس اور علم معقولات میں بھی جب کسی جفر کی تردید کر رہے ہوں یا تائید کر رہے ہوں تو ذات مصطفیٰ سے ایک پل کے لیے بھی نظریں ہٹی نہیں رہیں۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک کی بارگاہ میں کیا مقام و مرتبہ حاصل ہے اعتقادیات کے باب میں یہ ایک ایسا جز ہے جس پر مدار ایمان ہے، اور ایسا نازک جفر ہے کہ جس کا قلم بہت محتاط ہو وہی گفتگو کرے تو بجا ہے، ورنہ اسلاف کی عبارتیں نقل کر دینا کافی ہے۔ امام اہل سنت نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا اور ایسا لکھا کہ غیروں کو بھی قبول کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے گویا ہیں:

''جس طرح مرتبہ وجود میں صرف ذات حق ہے، باقی سب اسی کے پرتو وجود سے موجود۔ یوں ہی مرتبہ ایجاد میں صرف ایک ذات مصطفیٰ ہے باقی سب پر اس کے عکس کا فیض، وجود مرتبہ کون میں نور احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نور احمدی آفتاب اور سارا جہاں اس کے آبگینے وفی ھذا القول۔

توضیح: حقیقت محمدیہ علیہا التحیۃ والثناء عامہ ممکنات اور ذات واجب الوجود کے درمیان برزخ اور واسطہ ہے، اس مسئلہ کو شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ہم نے موجود کی دو ہی قسمیں جانیں۔ واجب اور ممکن ۔ ذات رسالت کو ہم کس میں شامل کریں۔ اگر واجب کہیں تو واجب بندہ نہیں ہوسکتا اور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بندہ ہیں اور اگر ممکن کہیں تو ممکنات میں تصرفات و اختیارات کی وہ قدرت کہاں جو ہم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں دیکھ رہے ہیں۔

انھوں نے چشم زدن میں زمین سے آسمان اور آسمان سے لامکاں تک سیر کی پھر اسی وقت لامکاں سے زمین تک واپس بھی آ گئے۔ اس عالم امکان میں ایک سے ایک ارباب فضل و کمال اور ارباب حکومت و اقتدار رونما ہوئے لیکن یہ قدرت اور یہ کمال کسی میں نہ تھا۔ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا نے انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے کر دیا۔ سورج کو روک دیا۔ ان کی مرضی پر ڈوبا ہوا سورج واپس آیا ۔ ان کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہوا اور ایک لشکر سیراب ہوا نہ جانے کتنے تصرفات و اختیارات ہیں جو ان کی ذات سے چشم عالم نے ملاحظہ کیے۔ اور کسی ممکن میں دیکھے نہ گئے۔ ایسے بین اور عظیم تفاوت کے باوجود انہیں ممکن کہیں تو کیسے کہیں؟ عقل حیران ہے کہ اگر یہ کہیں کہ وہ واجب بھی نہیں ممکن بھی نہیں تو یہ بھی خطا اور غلط ہے وہ واجب نہیں تو ممکن ضرور ہیں اس لیے حق یہ ہے کہ وہ خدا کے بندے اور ممکن ہونے کے ساتھ عالم امکان کے بادشاہ ہیں نہ تو وہ خدا ہیں نہ عالم امکان یعنی عام ممکنات میں سے ہیں بلکہ وہ اللہ کے راز سربستہ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ اور برزخ ہیں''۔ (امام

احمد رضا اور تصوف ص ۲۵)

پہلے شعر میں ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کا اشارہ ممکن اور واجب کی طرف ہے یعنی ان کی ذات سے ممکن وواجب دونوں کی نفی کرنا خطا ہے۔ کیوں کہ وہ واجب قطعا نہیں اور ممکن ضرور ہیں اگر چہ قدرت واختیار میں سارے ممکنات سے برتر وبالا ہیں۔

دوسرے شعر میں عالم امکان سے مراد عام ممکنات ہیں۔ جیسے ہم کہیں ''سکندر سارے انسانوں کا بادشاہ اور پوری دنیا کا حکمراں تھا'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود دنیا سے باہر اور انسانوں سے ماورا کوئی ہستی تھا۔ بلکہ مراد یہی ہے کہ وہ تمام انسانوں کا بادشاہ ہونے کے باعث ان عام انسانوں کی صف میں شامل نہ تھا۔ اس میں اور دیگر انسانوں میں بین فرق تھا سارے انسان اس کے سامنے ملکیت اور رعایا کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ ان کے بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے اس کو ان محکوم انسانوں کی فہرست میں لانا درست نہیں۔ اگر چہ بذات خود وہ بھی انسان ہی تھا

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسرے شعر میں عالم امکان سے مراد عام ممکنات ہیں اور دوسرے شعر میں یہ ''بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کا اشارہ عام ممکنات اور الہ وخدا کی طرف ہے شعر اول میں ذکر شدہ لفظ ممکن وواجب کی طرف نہیں یعنی جب وہ عام ممکنات کے بادشاہ اور عالم امکان کے فرماں روا ہوئے تو وہ ان محکومین اور اپنے رعایا کی صف میں شامل نہ ہوئے اور جب وہ خدا کے بندے اور ممکن ہوئے تو خدا نہ ہوئے حاصل یہ کہ وہ عام ممکنات میں بھی نہیں اور خدا بھی نہیں۔ بلکہ دونوں کے درمیان برزخ وواسطہ ہیں۔

(امام احمد رضا اور تصوف از مولانا محمد احمد مصباحی ۲۴/۲۵)

اتنی تشریح وتوضیح کے بعد اب اس بات میں کوئی خفا و پوشیدگی باقی نہیں رہتی کہ حضور سرور کون ومکاں کے دم قدم ہی سے تمام عالم کو حیات ووجود بخشا گیا ہے تمام مخلوقات کی اصل حضور ہی ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ رب العزت ازلی وابدی ہے، وہ ایک کنز مخفی تھا، سر مکتوم تھا، اس نے اپنی ربوبیت کے اظہار کی خاطر اپنے محبوب کو وجود بخشا اگر حضور کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ تمام کائنات اور اس کی تمام تر جلوہ سامانیاں بھی پیدا نہ کی جاتی نہ عرش نہ کرسی نہ فلک نہ فلکیات، نہ ارض نہ ارضیات۔ اگر حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ امام ارشاد فرماتے ہیں:۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہاں ہے

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
یہی ہے اصل عالم مادہ ایجاد خلقت کا
یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

حقیقت محمدیہ اور شان ومرتبہ محمدیہ کے سلسلہ میں جو کچھ گزرا اسے ہم جھلک بھی نہیں کہہ سکتے، چونکہ اس سلسلہ میں امام اہل سنت کی خدمات اس قدر وسیع اور وافر ہیں کہ ان کا خلاصہ پیش کرنا بھی مشکل ہے۔

حقیقت محمدیہ کے علاوہ امام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کے بارے میں بھی قرآن واحادیث رسول کی روشنی میں اپنے مختلف رسائل وفتاوی میں بڑے جواہرات ونوادرات جمع فرمائے ہیں۔ بالخصوص: **الدولة المكية، خالص الاعتقاد، ازاحة العيب بسيف الغيب، انباء المصطفىٰ بحال سر واخفا، اللؤ لؤ المكنون في علم البشير ما كان وما يكون.**

یہ امام اہل سنت کے تحریر کردہ وہ رسائل ہیں جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم ما کان ویکون ہونے کے دلائل وشواہد موجود ہیں۔ اور علم پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی امام نے صوفیائے کرام کے مذہب ہی کو ترجیح دی، اسی کو اختیار فرمایا ہم نے پہلے ہی عرض کیا کہ حضور وجہ تخلیق کائنات ہیں، آپ ہی کے طفیل میں تمام جہان کو وجود بخشا گیا، مقصود اول وآخر حضور ہی ہیں تمام طرح کی افضلیت، اولیت، بلکہ اولیت مطلقہ حضور ہی کو عطا کی گئی ہیں، تمام مخلوق میں سب سے پہلے حضور ہی کو پیدا کیا گیا۔ اور انبیاء

کرام کی تشریف آوری میں سب سے اخیر میں رکھا گیا، اس سلسلہ میں بھی امام کے رسائل آپ پائیں گے۔ جیسے: **المبین ختم النبین، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین**. اس کے علاوہ فتاویٰ رضویہ شریف کے کئی فتاوے میں بھی نوادرات موجود ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اول وآخر، ظاہر وباطن یہ اوصاف اللہ رب العزت کے بھی ہیں اور حضور کے بھی مگر دونوں بارگاہوں میں اول وآخر، ظاہر وباطن کا معنی مختلف ہے، اور وہ فرق ذاتی اور عطائی کا ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ ذاتی طور پر اول وآخر ہے، حضور عطائی اور تخلیق کے اعتبار سے اول وآخر ظاہر وباطن ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک طویل حدیث مبارکہ موجود ہے امام احمد رضا اس کی توضیح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے آکر مجھے یوں سلام کیا: **السلام علیک یا اول ،اسلام علیک یا آخر ، اسلام علیک یا ظاهر ،اسلام علیک یا بطن.**

میں نے کہا: اے جبریل! یہ تو خالق کی صفتیں ہیں مخلوق کو کیونکر مل سکتی ہیں؟ عرض کی: میں نے خدا کے حکم سے حضور کو یوں سلام کیا ہے، اس نے حضور کو ان صفتوں سے فضیلت اور تمام انبیا ومرسلین پر خصوصیت بخشی ہے، اپنے نام وصفت سے حضور کے لیے نام وصفت مشتق فرمائے ہیں۔

☆ حضور کا اول نام رکھا ہے کہ حضور سب انبیا سے آفرینش میں مقدم ہیں۔

☆ اور آخر اس لیے کہ ظہور میں سب سے مؤخر اور آخر ام کی طرف خاتم الانبیا ہیں۔

☆ اور باطن اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے باپ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے ساق عرش پر سرخ نور سے اپنے نام کے ساتھ حضور کا نام لکھا اور مجھے حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا میں نے ہزار سال حضور پر درود بھیجا یہاں تک کہ حق جل وعلا نے حضور کو مبعوث کیا خوش خبری دیتے اور ڈر سناتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے بلاتے اور چراغ تاباں۔

اور ظاہر اس لیے حضور کا نام رکھ کہ اس نے اس زمانہ میں حضور کو تمام ادیان پر غلبہ دیا اور حضور کا شرف وفضل سب آسمان وزمین پر آشکارا کیا، تو ان میں کوئی ایسا نہیں جس نے حضور پر درود نہ بھیجا اللہ تعالیٰ حضور پر درود بھیجے، حضور کا رب محمود ہے اور حضور محمد، اور حضور کا رب اول وآخر وظاہر وباطن ہے اور حضور اول وآخر وظاہر وباطن ہیں یہ عظیم بشارت سن کر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمد لله الذی فضلني علی جمیع النبیین حتی في اسمي وصفتي

حمد اس خدا کو جس نے مجھے تمام انبیا پر فضیلت دی، یہاں تک کہ میرے نام اور صفت میں''۔ (فتاوی رضویہ ۳۰ر مترجم، ص ۲۴۵ر برکات رضا پور بندر)

امام احمد رضا نے اپنی تصانیف وفتاویٰ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک، آپ کے اختیارات، آپ کے مقام ومرتبہ اور دیگر حقوق کو مدلل طریقہ سے بیان کیا ہے۔ مخالف کے لیے کوئی راہ نہ چھوڑی کہ وہ بھاگ سکیں، جب رب تبارک وتعالیٰ کے بارے میں یہ کہا گیا کہ معاذ اللہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، تو آپ نے ایک مبسوط فتویٰ اور مکمل رسالہ ''**سبحان السبوح عن عیب کذب المقبوح**'' تحریر فرمایا۔

اور یوں ہی جب علم مصطفیٰ واختیارات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فتنے اٹھے تو مکمل رسائل تحریر فرمائے، اور دلائل سے یہ ثابت کیا کہ حضور کے لیے علم ما کان ویکون اور اختیارات پر قرآن واحادیث شاہد ہیں تو امام احمد رضا خود بھی یہ راسخ عقیدہ رکھتے تھے اور اسی کی تعلیم اپنے جاننے والوں کو دیتے تھے کہ حضور اپنے امتیوں کے دلی ارادوں اور نیتوں سے آگاہ ہیں، اس میں حضور کی زندگی اور آپ کہ وفات کا فرق نہیں کیا جا سکتا اور امام اہل سنت کی بیان کردہ یہ ساری باتیں محض کہنے تک محدود نہ تھیں بلکہ ان کا حال وہی تھا جو ان کا مقال تھا۔ تعظیم

رسول، محبت رسول، اتباع رسول، اطاعت رسول، یہ حضور کے وہ حقوق ہیں جو بندوں پرادا کرنا فرض وواجب قرار دیا گیا ہے اس پر وہ خود بھی عمل پیرا تھے، اور دوسروں کو بھی عمل کہ تلقین فرماتے تھے یاد رکھیں جہاں یہ چیزیں اعتقادیات میں آتی ہیں وہیں عملیات سے اس کا ثبوت بھی دینا ضروری ہے تا کہ یہ ظاہر ہو سکے کہ بندہ کے دل میں جو عقائد ہیں ان میں وہ کس حد تک راسخ ہے، امام احمد رضا کا تصوف کی تعلیمات پر کتنا عمل تھا؟ آیئے ایک دو جھلک ملاحظہ فرمائیں:

عشق ومحبت رسول امام اہل سنت کی یہ پہچان ہے۔ آپ کی تمام خدمات کا محور یہی ہے جو قلم بند کیا سب حضور کے عشق میں کیا۔ آپ کی تمام نشریات یا منظومات میں عشق رسول کی جلوہ سامانیاں ہی نظر آئیں گی، ایک مقام پر عشق کے تین مقامات مختلفہ کی وضاحت فرماتے ہیں، جن میں سے ہر ایک دوسرے سے اعلیٰ ہے۔

مقام اول:۔ ادنی مقام ''جوشش عشق ورشک ہے''، یعنی دل کی خواہش تو یہی ہے کہ حبیب بے خلش رقیب جلوہ گر ہو مگر ''حبیب ورقیب'' شدت مصاحبت سے متلازم ہیں کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے اور ایک کا نہ دیکھنا دوسرے کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے نظر براں جب رشک جوش کرتا ہے، حبیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کی رویت بے رویت رقیب نہ ہوگی اور رویت رقیب ہرگز منظور نہیں اور جب عشق جوش زن ہوتا ہے رقیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کا نہ دیکھنا حبیب کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہوگا اور دیدار حبیب سے محرومی گوارا نہیں۔

مقام دوم:۔ اوسط ''مقام فنائے ارادہ درارادہ محبوب''، یعنی خواہش دل تو وہی کہ حبیب بے رقیب متجلی ہو، مگر حبیب کا ارادہ اس کا عکس ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اسے نہ دیکھوں اور رقیب کو دیکھوں کہ غیظ پاؤں اور مراد نہ پاؤں۔ جب فنائے ارادہ فی ارادۃ الحبیب کا مقام وارد ہوتا ہے، میں اپنی اس خواہش دلی سے درگزر کرتا ہوں: ؎

میل من سوئے وصال وقصد او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

ترجمہ:۔ (میری رغبت وصال کی طرف اور اس کا ارادہ فراق کا ہے۔ میں نے اپنا مقصد ترک کر دیا تا کہ دوست کا مقصد پورا ہو جائے۔ت)

فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوت طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

ترجمہ:۔ (فراق ووصل کیا چاہتا ہے دوست کی رضا مندی طلب کر کیونکہ اس سے اس کے غیر کی تمنا کرنا افسوسناک ہوگا۔ت)

مقام سوم: اعلیٰ ''مقام فناء فی المحبوب'' کہ خود اپنی ذات ہی باقی نہ رہے غیر واضافات ونسبت وتعلقات کہاں سے آئیں رقیب کا غیر ہونا ظاہر اور رویت حبیب کا تصور بھی تصور غیر ہے کہ رویت تین چیزوں کو چاہتی ہے: رائی، مرئی، اور وہ تعلق کہ ان دونوں میں ہوتا ہے، بلکہ حبیب کو جاننا بھی بے تصور نفس ممکن نہیں کہ حبیب وہ جس سے محبت ہو اور محبت کو ہر دو حاشیہ محبّ ومحبوب واضافت بینہما سے چارہ نہیں۔ جب میں ہمہ تن فناء فی المحبوب ہوں تو رقیب، حبیب و رویت وعدم رویت کو کون سمجھے، اور ارادہ وخواست کدھر سے آئے۔ لاجرم اس وقت ان میں سے کچھ خواہش نہیں رہتی۔

اللھم ارزقنا ھذا المقام في رضاک وصل وسلم وبارک علیٰ مصطفاک.

اے اللہ! ہمیں اپنی رضا میں یہ مقام عطا فرما اور اپنے منتخب محبوب، اس کی آل اصحاب۔ (فتاوی رضویہ مترجم ج۲رصفحہ ۵۵)

اتنا پڑھ لینے کے بعد اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ امام اہل سنت عشق کے تیسرے اور سب سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آنے والا واقعہ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب کی کتاب ''امام احمد رضا اور تصوف'' سے ملاحظہ فرمائیں:

جب دوسری بار ۱۳۲۴ھ میں آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو شوق دیدار کے ساتھ مواجہ عالیہ میں درود شریف پڑھتے رہے انہیں امید تھی کہ ضرور سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے اور زیارت جمال سے سرفراز

کریں گے لیکن پہلی شب تکمیل آرزو نہ ہوسکی۔ یاس وحسرت کے عالم میں ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشق مصطفیٰ کا ناز اور ایک جلیل القدر ولی کا عرفان ، پھر بے کسی ومحرومی کا اظہار کچھ عجب انداز لیے ہوئے نظر آتا ہے عرض کرتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا

تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مواجہہ شریف میں یہ نعت عرض کی اور مؤدب ومنتظر بیٹھ گئے۔ قسمت جاگی، حجاب اٹھا اور عالم بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور جمال جہاں آرا کے دیدار سے شرف یاب ہوئے۔

یہ وہ سرفرازیاں ہیں جو بڑے ناز کے پایوں کو ہی نصیب ہوتی ہیں

اپنوں اور غیروں کے امتیاز کے بغیر امام احمد رضا کے عشق کا ایک عالم گواہ ہے جو عشق کے جو اسباق سکھائے ہیں ان کی نظیر ملنا مشکل ہے اس سے بڑھ کر خود محبت رسول پر ایسے کاربند تھے کہ اٹھتے بیٹھتے صرف حضور ہی کا خیال ، انھیں کی باتیں ، انہیں کا چرچا بلکہ ان کے دیار پاک سے کوئی چیز منسوب ہو جائے تو امام اہل سنت اپنے لبوں کو اس کے قدموں پر رکھنے کو تیار ہیں فرماتے ہیں:

رضا کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے

تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

یہ محض کہنے تک محدود نہیں تھا کہ کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے بلکہ آپ کہ عادت کریمہ تھی ، جب بھی کوئی حاجی حج کر کے بریلی شریف واپس ہوتا ، گھر کے باہر کھڑے رہ کر اس کا انتظار کرتے ، اور ملاقات کے بعد سب سے پہلا سوال یہی ہوتا ، مدینہ شریف حاضری ہوئی یا نہیں؟ کہتا ہاں۔ تو پاؤں چومتے ، دیر تک آنکھیں تکتے رہتے کہ یہ وہ آنکھیں ہیں جس نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پاک کا دیدار کیا ہے۔

مدینہ طیبہ سے اس قدر لگاؤ اور محبت تھی کہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا

ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ!

واضح ہے بالکل کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جس چیز کو ادنی سی بھی نسبت حاصل ہو جائے ، امام اہل سنت کے نزدیک وہ عظیم تر ہے۔ اور یہی عشق کی صداقت پر دلیل بھی ہے ، کہ اس چیز کا احترام کرے تعظیم بجالائے ، اب وہ انسانوں میں سے ہو یا غیر انسان سے امام عشق اس منزل پر بڑی مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم تھے ، آپ کے اصحاب وعترت سے بے پناہ محبت کرنا ، ان کی عزت کرنا ، تعظیم کرنا امام کی زندگی کا ایک اہم جزو تھا۔ سادات کرام کی خدمت کیا کرتے ، ان سے خدمت نہ لیتے۔ ایک مرتبہ لاعلمی میں ایک سید زادے امام اہل سنت کے گھر ملازم ہوئے ، بعد کو جب سید زادے کی سیادت کا علم ہوا۔ تو گھر والوں کو تاکید فرمادی کہ ان سے خدمت نہ لی جائے ، اور جو کچھ دینے کا وعدہ ہو چکا ہے انھیں دیا جائے۔

تعظیم سادات کرام کے حوالے سے امام اہل سنت کی زندگی میں ایسے کئی ایک رقت آمیز واقعات موجود ہیں جو کسی اور مقام کے لیے چھوڑے جاتے ہیں۔

تصوف عملی کے اجزاء میں تعظیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ مجاہدہ کامل ایمان ویقین ریاضت ، زہد وتقویٰ ، محاسبہ نفس ، کرامات بھی ہیں امام اہل سنت کے مجاہدہ اور ریاضت ودگر اوصاف تصوف سے تعلقات اور آپ کے اعمال ذکر کرنے کو ایک دفتر درکار ہے چونکہ اس عاشق صادق کے شب وروز تصوف کی عملی تصویر ہیں ، کوئی کتنا لکھے اور کیا کیا لکھے ، گذشتہ ایک صدی سے اس عاشق صادق کی عشق ومستی میں ڈوبی ہوئی داستان علماء کرام بیان کر رہے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ ان کی صبح وشام تصوف وسلوک کے لہلاتے ہوئے باغ سے معطر ہیں اور وہ خود اس باغ گل چینی بھی

کرتے ہیں اور گل کاری کے رموز واسرار سے بھی واقف ہیں، مشام جان کو معطر کرنے کے لیے یہاں چند ایک چیزیں آپ کی حیات سے نقل کرتے ہیں۔

یادرکھیں! تصوف میں مجاہدہ، اور محاسبہ نفس بہت اہمیت کے حامل ہیں امام اہل سنت نے اپنی پوری زندگی مجاہدہ میں ہی گزار دی دین وسنیت اور ناموس رسالت کی حفاظت وصیانت میں کم تکلیفوں کا سامنا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات لوگوں کے طعنے سننے پڑتے ہیں، گالیاں برداشت کرنی ہوتی ہیں، صبر ورضا کا پہاڑ بن کر کھڑے رہنا ہوتا ہے۔

امام اہل سنت کی زندگی کے اوراق پلٹئے اور دیکھئے کہ اس بندۂ صادق نے شریعت وطریقت کی حفاظت میں ہر ایک کو ایک نگاہ سے دیکھا۔اپنوں اور غیروں میں تمیز نہ کی۔

بلکہ جو شریعت کا حکم ہے وہ سب کے لیے ہے ایسے اصول وضوابط سے قوم کو آشنا کر گئے جو رہتی دنیا تک مشعل راہ شریعت وطریقت ثابت ہوں گے ایک مرید معتقد حاضر تھے، ڈاک میں گالیوں بھرا خط نکلا، وہ پڑھ کر غصے سے سرخ ہو گئے عرض کیا یہ شخص میرے قریب کا رہنے والا ہے اس پر ہتک عزت کا مقدمہ دائر کیا جانا چاہیے۔امام اہل سنت اندرون خانہ سے خطوط کا ایک ذخیرہ لا کر رکھ دیا فرمایا انھیں پڑھو۔ پڑھ کر پھولے نہ سمائے۔امام فرماتے ہیں پہلے ان تعریف کرنے والوں کو انعام واکرام سے مالا مال کر لیجئے پھر گالی دینے والوں کو سزا دلا ئیے۔ جب محبّ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو دشمن کو نقصان پہنچانے کی بھی فکر نہ کیجئے۔

(امام احمد رضا اور تصوف ص ۴۴)

اور ایک مقام پر فرمایا تھا کہ جب مجھے گالیاں دے رہے ہیں اتنی دیر میرے آقا کو برا بھلا نہیں کہتے۔۔اس مختصر سی عبارت میں امام کی مجاہدانہ زندگی کو اچھی طرح سے دیکھا جاسکتا ہے۔ایک طرف صبر و استقامت ہے تو دوسری جانب تعریف پر عجب بھی نہیں ہے۔ یہ امام کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔انہیں اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ کسی کی گالیوں کا جواب دیتے، یا کسی کی تعریفی جملوں کو سراہتے پھرتے۔

کیا امام اہل سنت کے مجاہدہ، تواضع وانکساری اور صبر ورضا کے ثبوت کو محض یہ ایک واقعہ کافی نہیں ہے؟ مجاہدہ کے بارے میں امام اہل سنت فرماتے ہیں: اس کے لیے (مجاہدہ کے لیے) اسّی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کر دیا جاتا ہے۔اور صدق نیت کے ساتھ مشغول مجاہدہ ہو تو امداد الٰہی خود کارفرما ہوتی ہے۔عرض کیا گیا: یہ تو اگر اسی کا ہو رہے تو ہو سکتا ہے دنیوی ذرائع معاش اور دینی خدمات سب چھوڑنا پڑیں گی۔فرمایا: اس کے لیے یہی خدمات مجاہدات ہیں، بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ۔

امام ابواسحٰق سفرائنی جب انھیں متبدعین کی بدعات کی اطلاع ہوئی، پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس تشریف لے گئے جو ترک دنیا ومافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ان سے فرمایا: اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو، اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتنوں میں ہے۔انھوں نے جواب دیا: امام! یہ آپ ہی کا کام ہے ہم سے نہ ہو سکے گا۔امام وہاں سے واپس آئے اور بدمذہبوں کے رد میں نہریں بہادیں۔ (امام احمد رضا اور تصوف ص ۴۷، الملفوظ مطبوعہ المکتبۃ المدینہ ص ۵۹، ملخصا)

یہ بات قابل تسلیم ہے کہ صوفیائے کرام واولیائے کرام مجاہدات کے ذریعہ بلند وبالا مقام پر فائز ہوئے ہیں مگر وہ علما جو صوفیائے کرام کی طرح مجاہدات اور ترک دنیا نہیں کرتے یا انہیں وقت میسر نہیں آتا وہ صوفیائے کرام سے کم نہیں ہیں، بلکہ بعض اوقات ان سے بھی اعلیٰ مقام پر ہیں کیونکہ ایک صوفی کا مجاہدہ اپنے لیے خاص ہے مگر ایک عالم دین جو دین ومسلک کی حفاظت میں مشغول ہے، اس کی محنت وجدوجہد محض اپنے لیے نہیں بلکہ عوام الناس کے دین کی حفاظت کے لیے ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں ایک سطر قابل ستائش بھی ہے اور قابل قبول ومنظور بھی کہ ''اس کے لیے (ان علما کے لیے) یہی خدمات

مجاہدات ہیں، بلکہ اگر نیت صالح ہوتو ان مجاہدوں سے اعلیٰ'' اب اس ایک مختصر سی عبارت میں امام اہل سنت کی حیات طیبہ کو تلاش کریں، یقیناً امام کے مجاہدات دیکھ کر آپ بھی پکار اٹھیں گے: ''امام اپنے وقت کے قطب الاقطاب تھے''۔

بارگاہ غوثیت کے عقیدت کا ایک انداز:

امام اہل سنت حضرت شیخ جیلاں ،غوث صمدانی شاہ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے ،اور آپ کا قلب حضرت غوث پاک کی محبتوں کا مدینہ تھا۔آپ نے بارہا فرمایا ہے کہ ''میرے پاس جو کچھ ہے سب بارگاہ قادریت کا فیضان ہے، بس ان کی غلامی کا صدقہ ہے'' آپ کے خلفاء وتلامذہ اس کے گواہ ہیں۔حضرت محدث اعظم سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی فرماتے ہیں

اعلیٰ حضرت نے مجھے کا رافتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگوائی اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ کر کے دست کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک امام اہل سنت پلنگ سے کھڑے ہوئے ،سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا کہ شاید کسی حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے ،سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰ حضرت اس ذرہ کو نوک زبان سے اٹھا رہے تھے۔

(امام احمد رضا اور تصوف ص ۸۸)

امام اہل سنت کا کوئی عمل شریعت کے خلاف نہ تھا واقعہ مذکورہ تنہائی کی محفل کا نہیں ہے کہ جہاں ایک دو قریبی شخص ہوں ، بلکہ حاضرین میں بہت سے لوگ ہوں گے جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے، ایسے ماحول میں ساری شرم وحیا علمی وقار ودبدبہ،سب بالائے طاق رکھ دیے گئے اور وقت کے مجدد حاضرین کو بارگاہ قادریت کے آداب محض بول کر نہیں اپنے عمل سے سکھا رہے ہیں کہ یہ محض چند سکوں سے حاصل کی گئی شیرینی نہیں رہی بلکہ اب اس شیرینی کا ہر ذرہ فلک کے ستاروں سے بھی زیادہ بلند وبالا ہے، بندہ کی قسمت کو روشن کرنے کو محض اس کا ایک ٹکڑا ہی کافی ہے،شرعی مسائل کے ثبوت ہمیشہ قرآن وحدیث سے نہیں پیش کیے جاتے ،کبھی اہل عشق وعرفان کا عمل بھی دلیل بنتا ہے چونکہ ان کے اعمال اور ان کی مکمل زندگی قرآن وحدیث کا آئینہ دار ہوتی ہے۔تصوف وسلوک کے اجزاء میں کسر نفسی بہت اہم رکن ہے،امام اہل سنت کا یہ عمل جہاں بارگاہ قادریت کی قدر ومنزلت پر دال ہے وہیں رزق کی تعظیم ،نعمت کی قدر، اور کسر نفسی، تواضع وانکساری اور قلب صاف پر بھی دلالت کر رہا ہے۔امام اہل سنت کی بارگاہ قادریت کے آداب بجالانے کا یہ ایک نمونہ ہے ایسے کئی شواہد آپ کی حیات کا جز ہیں۔امام کو بچپن ہی سے سرکار غوث پاک سے عقیدت تھی،عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بچپن میں جب معلوم ہوا کہ بغداد شریف کس سمت پڑتا ہے تو اس دن سے کبھی بغداد کی جانب پاؤں نہ کیے۔

یہاں مولانا محمد احمد مصباحی صاحب کا ایک جملہ نقل کرتا ہوں:

سمت قبلہ کا احترام تو آداب شرع میں داخل ہے لیکن
سمت مرشد کے آداب بارگاہ عشق کا حصہ ہے

آخری بات:

جو کچھ اب تک آپ پڑھ چکے، اسے ہم ''ایک جھلک'' کا بھی نام نہیں دے سکتے۔کیونکہ امام اہل سنت نے باغ تصوف کی جس انداز میں سینچائی کی ہے اسے جتنا سنوارا ہے،اس کو بیان کرنے کے لیے ایک دفتر علم کا خزانہ، وسعت نظر،افہام وتفہیم کا مادہ راسخہ،اور اس کے علاوہ بہت کچھ چاہیے۔ہم نے وہ تمام باتیں آپ تک پہنچائی ہیں جن کی جانب اکابرین نے رہنمائی فرمائی ہے۔امام اہل سنت نے تصوف وسلوک پر بہت کچھ لکھا ،چند ایک کتابوں کا تذکرہ ہم نے ابتدائیہ میں کر دیا ہے۔مگر ان چند کتابوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تصوف میں امام کی بس یہی خدمات ہیں ، بلکہ اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو امام کی پوری زندگی تصوف کے اجزاء سے بھری نظر آئے گی۔

امام احمد رضا اور اذکار وادعیہ

مقالہ نگار

علامہ افروز قادری چریاکوٹی

حضرت مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی متولد یکم جنوری ۱۹۷۹ء کو متوطن چریاکوٹ (اعظم گڑھ: یوپی) نے ابتدائی تعلیم دار العلوم قادریہ (چریاکوٹ) میں حاصل کی، جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) سے شعبہ عالمیت کی تکمیل کی۔ جنوبی ہند کیرلا کی تعلیم گاہ: مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ: کیرلا) سے فضلیت وتخصّص کی سند حاصل کی۔ کیلوریکس ٹیچر یونیورسٹی احمد آباد سے بی، اے اور شبلی کالج سے ایم، اے کیا۔ تدریس کا باضابطہ آغاز بطورِ پرنسپل ''جامعۃ الرضا'' (بریلی شریف) سے کیا۔ ۲۰۰۶ء میں اِسلامک لیڈر شپ کے حوالے سے معروف دانش گاہ ''دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن'' ساؤتھ افریقہ کے شعبۂ اِسلامیات میں اُردو لیکچرر مقرر ہوئے، اور ہنوز اسی یونیورسٹی سے وابستہ ہیں۔ مولانا موصوف نے 'چراغِ اُردو' کے نام سے ساؤتھ افریقہ کی تاریخ میں سب سے پہلا اُردو اَخبار جاری کیا، جسے بے پناہ مقبولیت ملی۔ اب تک اُردو، ہندی اور انگلش میں موصوف کی کوئی پچاس سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اور ابھی خاصی تشنہ طبع ہیں۔ موصوف نے بہت سی انگریزی وعربی کتابوں کے اُردو تراجم بھی کیے۔ مختلف علمی وفکری، اَدبی وتنقیدی اور فقہی وتحقیقی موضوعات پر درجنوں مضامین و مقالات، تبصرے وتجزیے بھی رقم کیے ہیں۔

اِمام اَحمد رضا اور اَذکار و اَدعیہ

ذکر و دعا ایک تعارف:

اِسلام بلاشبہ آسمانی، آفاقی اور آخری دین ہے، جس کی ضوفشانیاں صبح قیامت تک جاری و ساری رہیں گی، اور اس کے عالمگیر اُصول رہتی دنیا تک فریضۂ رہنمائی اَدا کرتے رہیں گے۔ ہماری معاشی ومعاشرتی، سماجی وملی اور جسمانی وروحانی جملہ مشکلات کا مداوا اِس دین فطرت کے اندر بتمام وکمال موجود ہے۔ اور اللہ ورسول کی تعلیمات وہدایات زندگی کے ہر موڑ پر ہماری بہترین رہنما ہیں۔ ان ہدایاتِ ربانی سے ہم نے جب بھی منہ موڑا اور طریق مصطفےٰ سے روگردانی کی تو ذلت وخواری ہمارا مقدر بنی اور طرح طرح کی مشکلات سے ہمیں دوچار ہونا پڑا۔

دعا کی اَہمیت:

دعا کی اِسلام میں بے پناہ اہمیت ہے۔ دعا ایک مکمل اور پختہ وسیلہ ہے۔ دعا بندے کا اپنے مولا سے بہترین رابطہ ہے۔ یہ نہ صرف مومن کا ہتھیار بلکہ خود مستقل عبادت بھی ہے۔ یوں تو ہر مخلوق، اِنسان کی اِک اِک سانس اور دنیا کی جملہ نعمتیں خالق کائنات کی رحمت وعنایت ہی کی بدولت ہیں؛ مگر مشکل اور پریشانی کے وقت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توجہ اور رحمتِ خاص' دعا ومناجات کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ عالمی منظرنامہ پر نگاہ رکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ آج مغربی دنیا میں خودکشی کا رُجحان بلاے بے درماں کی مانند اِسی لیے بڑھتا چلا جارہا ہے کہ اُن کے پاس ظاہری جملہ اسلحے ہونے کے باوجود دُعا کا باطنی اور حقیقی اَسلحہ موجود نہیں، جس کے باعث حوادثِ روزگار سے بیزار ہوکر اور شدائد زندگی سے اُوب کر آئے دن وہ وادیِ ہلاکت میں اُترتے نظر آرہے ہیں؛ مگر ایک مومن پر جب رنج والم کا بادل منڈلاتا ہے، اور آفات وبلیات اس پر حملہ آور ہوتی ہیں تو وہ دعا ومناجات کا سہارا لے کر مصائب وآلام کے گرداب سے بحفاظت باہر نکل آتا ہے۔

دعا ہمارے اِرادوں، آرزوؤں اور خواہشوں میں قوت وتوانائی پیدا کرتی، اور راہِ عمل میں پیش آنے والی مشکلات اور رنج وآلام کو دور کرنے میں اہم کردار اَدا کرتی ہے۔ دعا سے چوں کہ دل کو طمانیت وسکون کی دولت نصیب ہوتی ہے؛ اس لیے بیماری ہو یا بے قراری اہل ایمان ہر حال میں اللہ رحمٰن ورحیم کے سامنے ہی دست بدعا ہوتے ہیں۔ یہ پکار دل کی گہرائیوں سے آپ ہی آپ نکلتی ہے اور پھر یہ مشکلات میں چارہ گر دوست، بیماری میں دردمند ماہر طبیب اور درد سے کراہتے انسانوں کے لیے مہربان نرس کی مرکز توجہ بن جاتی ہے؛ اور حقیقی مشکل کشا، حاجت روا، اور شفارسا تو وہی قادرِ مطلق ہے۔ گویا اللہ پر بھروسے اور سہارے کے بغیر نہ تو کوئی معالج' معالج رہتا ہے اور نہ کوئی چارہ گر' چارہ گر۔ علاج اور شفا کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور اس کی اِعانت کی اسی قدر ضرورت ہوتی ہے جتنی کہ دوا اور مادّی تدابیر کی۔

مختصر یہ کہ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ہمیں ہر لمحہ اور ہر موڑ پر ذکر ودعا کا درس دیا ہے۔ گھر سے نکلیں تو دعا، بازار جائیں تو دعا، سواری پر سوار ہوں تو دعا، شہر میں داخل ہوں تو دعا، پانی پئیں تو دعا، کھانا کھانے سے فارغ ہوں تو دعا، مسجد میں داخل ہوں تو دعا اور نماز تو دعاؤں کا مجموعہ ہے ہی۔ مسجد سے باہر نکلیں تو دعا، لباس پہنیں تو دعا، غرضیکہ دین اسلام نے انسان کو کسی بھی موڑ پر اکیلا اور بے سہارا نہیں چھوڑا، ہر مقام پر ذکر ودعا کی تلقین کی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ہمہ وقت دعا ومناجات اور ذکر الٰہی میں مشغول ومصروف رہیں کہ اسی میں دارین کی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

ذکر کی اہمیت:

ذِکر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معانی یاد کرنا، کسی شئے کو بار بار ذہن میں لانا، کسی چیز کو دہرانا اور دل و زبان سے یاد کرنا ہیں۔ ذکر الٰہی سے مراد یادِ الٰہی ہے۔ ذکر کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اور ہر حالت میں، اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اپنے معبودِ حقیقی کو یاد رکھے اور اس کی یاد سے کبھی غفلت نہ برتے۔ ذکرِ الٰہی انوار و برکات کی کنجی، بصیرت کا آغاز اور تماشا گاہ ہستی کی جلوہ آرائیوں کا اقرار ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ذکر الٰہی خالق حقیقی سے گہرا تعلق و ربط اُستوار کر دیتا ہے۔ نیز ذکر اللہ ہی وہ راستہ اور دروازہ ہے جس کے ذریعے ایک بندہ بارگاہِ الٰہی تک بآسانی رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اِرشاد ربانی ہے :

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ اور یقین کرو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔ (سورۂ عنکبوت: ۴۵/۲۹)

ذکر الٰہی ہر عبادت کی اصل ہے۔ تمام جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے اور تمام عبادات کا مقصودِ اصلی یادِ الٰہی ہے۔ اگر آپ غور و فکر سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی عبادت اور کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے خالی نہیں۔ ذرا دیکھیں کہ سب سے پہلی فرض عبادت نماز کا بھی یہی مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو دوام حاصل ہو اور وہ ہمہ وقت جاری رہے۔ یوں ہی نفسانی خواہشات کو مقررہ وقت کے لیے روکے رکھنے کا نام روزہ ہے۔ جس کا مقصد دل کو ذکر الٰہی کی طرف راغب کرنا ہے۔ روزہ نفس انسانی میں پاکیزگی پیدا کرتا ہے اور دل کی زمین کو ہموار کرتا ہے تاکہ اس میں یاد الٰہی کا ظہور و نفوذ ہو۔

مختصر یہ کہ ذکر و دعا مسلمانوں کے مضبوط قلعے ہیں، جن کی بدولت انسان نفسانی خواہشات، اور دلوں کی کجی سے محفوظ رہتا ہے، نیز ان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، شیطانی تسلط کا زور ٹوٹتا ہے، بے لگام خواہشات کا خاتمہ ہوتا ہے اور دلوں کو روحانیت و طمانیت کا نور حاصل ہوتا ہے۔

اِنسانی اصلاح، تزکیہ نفس اور تقویٰ وللّٰہیت کے دوام و استحکام کے لیے کتاب وسنت میں ذکر اور مسنون ادعیہ کی خاص تاکید ہے۔

ذکر و دعا کے موضوع پر اہم کتب:

اسی اہمیت کے پیش نظر ائمہ محدثین اور علماے سلف نے اذکار و ادعیہ کے ابواب کتب احادیث میں باقاعدگی سے قائم کیے ہیں اور اذکار و اوراد کے حصول کی آسانی کے لیے نیز مختلف مواقع پر پڑھی جانے والی دعاؤں کے لیے الگ الگ تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں، جن میں درج ذیل کتابیں شہرۂ آفاق ہیں:

ابن السنی کی عمل الیوم واللیلۃ، امام نووی کی ''الاذکار'' امام جزری کی ''حصن حصین''، امام سیوطی کی ''مجربات امام سیوطی''، اور امام قسطلانی کی ''لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار''۔

ان میں امام ابوزکریا محی الدین نووی کی ''الاذکار'' بہت مفصل ہے، جس کا پورا نام ''حلیۃ الابرار وشعار الاخیار وتلخیص الدعوات والاذکار المستحبۃ باللیل والنہار'' ہے۔ جس میں دعا و اذکار کے تعلق سے اہم مباحث اور تفصیلات درج ہیں۔ لیکن امام محمد بن یوسف الجزری کی تصنیف ''حصن حصین'' عوام الناس میں سب سے مشہور ہوئی۔

امام احمد رضا اور اَذکار و اَدعیہ:

مصنف اعظم (امام احمد رضا محدث بریلوی) نمبر کی طرف سے مجھے جو عنوان ملا وہ تھا 'امام احمد رضا اور اَذکار و اَدعیہ'۔ یہ موضوع میرے مذاق کے لیے بہت موزوں اور دل پسند تھا؛ اس لیے میں نے چاہا کہ اس عنوان پر مختلف جہتوں سے گفتگو کی جائے؛ چنانچہ میں نے اس کے لیے تین رخ متعین کیے۔

پہلا رخ: ''امام احمد رضا کی عملی زندگی میں ذکر و دعا کی اہمیت'' یعنی امام احمد رضا کی زندگی ذکر و دعا سے کس طرح عبارت دکھائی دیتی ہے، اور انھیں بازارِ دنیا میں ذکر و دعا میں مشغولیت اختیار کر کے لمحے لمحے کی قیمت وصول کرنے کی کیسی فکر ہے!۔ نیز دعا پر ان کا اعتماد و اِعتقاد کتنا اعلیٰ اور پختہ تھا۔

دوسرا رخ: ''امام احمد رضا کے اذکار و اعمال'' یعنی اعلیٰ حضرت نے مختلف مواقع کے لیے کیا وظائف و معارف عطا کیے ہیں، اور متعدد اَمراض سے بچنے کے لیے کیسے کیسے اوراد و اعمال تعلیم فرمائے ہیں۔

تیسرا رخ: ''ذکر و دعا سے متعلق امام احمد رضا کی تحریری خدمات''، یعنی ذکر و دعا کی اہمیت و عظمت کے تعلق سے آپ کی تحریری خدمات کیا ہیں۔

زیرنظر مقالے میں انھیں تینوں جہتوں پر اِختصار کے ساتھ روشنی ڈالنے کی مقدور بھر کوشش کی جائے گی۔

{1}

امام احمد رضا کی عملی زندگی میں ذکر و دعا

شیخ الاسلام والمسلمین، مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی ذاتی سیرت کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ آپ سنت و شریعت کے کس قدر پابند تھے، اللہ و رسول کے ارشادات کی تعمیل میں کتنے چوبند تھے، دینی فضا اُستوار کرنے اور اِسلامی افکار کو فروغ دینے میں آپ کو کتنی دلچسپی تھی، اور خود آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اعمالِ صالحہ اور ذکر و دعا کی خوشبوؤں سے کس طرح مالا مال تھا۔ الوظیفۃ الکریمۃ آپ کے مرتبہ اذکار و ادعیہ کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جو مختصر ہونے باوجود بڑا بافیض و پُر تاثیر ہے۔ یہ سارے وظائف اور دعائیں آپ کے ورد میں تھیں۔ لکھنے والے نے یہاں تک لکھا کہ اگر کوئی مسلمان ان دعاؤں کو روزانہ ورد میں رکھے تو یقیناً ولی ہوجائے۔ اور جو زبان سے کہہ دے وہی ہوکر رہے۔ گویا اعلیٰ حضرت نے ذکر و دعا کی اہمیت و عظمت کو بعد میں عالم آشکار کیا، پہلے خود کو ان کی برکات و فتوحات سے مستفیض و مستنیر فرمایا۔ اس سلسلے میں دو ایک واقعات ذکر کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا، تاکہ دعویٰ بلا دلیل نہ رہ جائے، نیز ان سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکے گا کہ امام احمد کا ماثور دعاؤں پر اعتماد و اِعتقاد کس درجے کا تھا!

دعا کی برکت نے وباے طاعون سے بچالیا:

ملفوظ شریف جلد اوّل میں ہے کہ ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت کی دعوت کی۔ جب کھانا سامنے آیا تو دیکھا کہ حلوائیوں کی بنی ہوئی پوریاں سہاریاں ہیں، جنھیں اعلیٰ حضرت طبعًا ناپسند فرماتے تھے؛ مگر صرف اس لیے کہ صاحب خانہ کی دل آزاری نہ ہوجائے آپ نے انھیں تناول فرمالیا، پھر اس کے بعد کیا ہوا، صاحب الملفوظ کی زبانی سنتے ہیں :

(پوریاں کباب کھانے کے بعد) اسی دن مسوڑوں میں ورم ہوگیا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا، مشکل سے تھوڑا دودھ حلق سے اتارتا اور اسی پر اکتفا کرتا، بات بالکل نہ کرسکتا تھا...... جو کچھ کسی سے کہنا ہوتا لکھ دیتا۔ بخار بہت شدید تھا اور کان سے پیچھے گلٹیں (نکل آئی تھیں)۔ میرے منجھلے بھائی مرحوم ایک طبیب کو لائے، ان دنوں بریلی میں طاعون بہ شدت تھا۔ ان صاحب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا: یہ وہی ہے، وہی ہے، وہی ہے یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کرسکتا تھا؛ اس لیے انہیں جواب نہ دے سکا، حالاں کہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں۔ نہ مجھے طاعون ہے نہ ان شاء اللہ العزیز کبھی ہوگا؛ اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی ہے جسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ وہ دعا یہ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا. جن جن اَمراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا بحمدہ تعالیٰ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں، اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔

آشوبِ چشم سے حفاظت:

البتہ ایک بار اسے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ (ہوا یوں کہ) مجھے نوعمری میں اکثر آشوبِ چشم ہوجاتا اور بوجہ حدت مزاج بہت تکلیف دیتا تھا، انیس سال کی عمر ہوگی کہ رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کورمد چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی، جب سے اب تک آشوبِ چشم پھر نہ ہوا۔ اسی زمانے میں صرف دو مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک آنکھ کچھ دبتی ہوئی معلوم ہوئی، دو چار دن بعد وہ صاف ہوگئی۔ دوسری دبی پھر وہ بھی صاف ہوگئی؛ مگر درد، کھٹک، سرخی، کوئی تکلیف اصلاً کسی قسم کی نہیں۔ افسوس اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ رکھو: زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ کھجلی کہ اس سے امراضِ جلدیہ جذام وغیرہ کا اِنسداد ہوجاتا ہے۔ اور آشوبِ چشم نابینائی کو دفع کرتا ہے۔ چنانچہ اس دعا کی برکت سے یہ تو جاتا رہا۔ (ہاں) ایک اور مرض پیش آیا۔

جمادی الاول ۱۳۰۰ھ میں بعض مہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ کامل باریک خط کی کتابیں شبانہ روز علی الاتصال دیکھنا ہوا، گرمی کا موسم تھا، دن کو اندر کے دالان میں کتاب دیکھتا اور لکھتا۔ اٹھائیسواں سال تھا، آنکھوں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک روز شدت گرمی کے باعث دوپہر کو لکھتے لکھتے نہایا، سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دہنی آنکھ میں اتر آئی، بائیں آنکھ بند کر کے دہنی سے دیکھا تو وسط شئے مرئی میں ایک سیاہ حلقہ نظر آیا، اس کے نیچے شئے کا جتنا حصہ ہوا وہ ناصاف اور دبا ہوا معلوم ہوتا۔

یہاں اس زمانے میں ایک ڈاکٹر علاجِ چشم میں بہت سربرآوردہ تھا، سینڈرسن یا اینڈرسن کچھ ایسا ہی نام تھا۔ میرے استاد جناب بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار فرمایا کہ اسے آنکھ دکھائی جائے، علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ ڈاکٹر نے اندھیرے کمرے میں صرف آنکھ پر روشنی ڈال کر آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا کثرتِ کتاب بینی سے کچھ یبوست آگئی ہے، پندرہ دن کتاب نہ دیکھو۔ (مگر پندرہ دن تو بہت دور رہا) مجھ سے پندرہ گھڑی بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین سہسوانی ڈپٹی کلکٹر بھی طبابت کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے، فرمایا مقدمہ نزولِ آب ہے، بیس برس بعد (خدانا کردہ) پانی اتر آئے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور ایک نزولِ آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پاک پر مطمئن ہوگیا۔

۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر ہوا، بغور دیکھ کر کہا: چار برس بعد (خدانخواستہ) پانی اتر آئے گا، ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب سے بالکل موافق آیا، انھوں نے بیس برس کہے تھے، انھوں نے سولہ برس بعد چار کہے، مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوجاتا۔ الحمد للہ کہ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرہ بھر نہ بڑھا، نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے، نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ ان شاء اللہ کمی کروں۔ یہ میں نے اس لیے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائم وباقی معجزات سے ہے جو آج تک آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے۔ (الملفوظ: ۱/۱۵، ۱۶ مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

دعاؤں نے طوفان کا رخ موڑ دیا:

دعاؤں پر بھرپور اعتماد اور فرمانِ پیمبر پر کامل اعتقاد کا کچھ اسی انداز کا ایک واقعہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو اس وقت پیش آیا جب آپ

پہلی بار حج بیت اللہ کی ادائیگی کے لیے اپنے والدین کریمین کے ساتھ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

'پہلی بار کی حاضرین والدین ماجدین رحمۃ اللہ علیہما کے ہم رکاب تھی، اس وقت مجھے تیئیسواں سال تھا، واپسی میں تین دن طوفان شدید رہا تھا، اس کی تفصیل میں بہت طول ہے، (حتی کہ) لوگوں نے کفن پہن لیے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لیے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی، جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے۔ میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی، لہٰذا حدیث کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا، پھر بھی قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی 'من یتألّ علی اللہ یکذّبہ'۔ حضرت عزت کی طرف رجوع کی، اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ الحمد للہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بہ شدت چل رہی تھی، دو گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی'۔
(الملفوظ:۲/۱۰۲۔ مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا دعاؤں پر بھروسہ اور احادیث مصطفےٰ پر اعتقاد کس قدر پختہ تھا!۔ اور یقیناً جب اعتماد و اعتقاد اس درجے کا ہو تو پھر اُترنے والی بلائیں خود گرفتار بلا ہوجایا کرتی ہیں، اور طوفان آگے بڑھ کر کشتی کو ساحل مقصود سے ہمکنار کردیا کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا یہ عمل بلاشبہہ اس معروف حدیث کے موافق تھا جس میں سرکار اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اُدْعُوا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ ۔ یعنی اللہ سے دعا مانگا کرو، اس حال میں کہ تمہیں قبولیت کا مکمل یقین ہو۔[سنن ترمذی:۱۲/۴۴۴ حدیث: ۳۸۱۶...... مسند احمد بن حنبل:۲/۱۷۷ حدیث:۶۶۵۵]

یہاں غور طلب اَمر یہ ہے کہ لفظ 'موقنون' اِستعمال ہوا ہے جو لفظ ایقان سے بنا ہے اور ایقان عربی زبان میں یقین کے اُس اعلیٰ ترین درجے کو کہتے ہیں جہاں شک وشبہہ کی اَدنیٰ سی گنجائش بھی نہ ہو۔ قبولیت کے اس یقین کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے خزانے میں ہر چیز وافر مقدار میں موجود ہے۔ ساری مخلوقات کو دے کر بھی اس کے خزانے میں ایک ذرہ بھر کمی نہیں آتی؛ چنانچہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اِرشاد فرمایا :

يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَجِنَّكُمْ وَإِنْسَكُمْ اجْتَمَعُوْا فِي صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَئَلُوْنِي جَمِيْعًا فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَسْئَلَتَهٗ لَمْ يَنْقُصْ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا غَمَسَ الْبَحْرَ ۔ یعنی اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے پچھلے، جن وانس ایک میدان میں جمع ہوجائیں اور سب مجھ سے مانگیں اور میں اُن میں سے ہر ایک کا سوال پورا کردوں تو یہ دینا میرے خزانے میں کمی نہیں کرے گا؛ مگر اتنی جتنی کہ سمندر میں ڈبونے سے سوئی سمندر کے پانی میں کمی کرے گی۔[سنن ترمذی:۹/۳۹۶ حدیث: ۲۶۸۳...... مستدرک حاکم:۱۷/۴۶۸ حدیث:۷۱۴۷]

ایک طرف تو اُس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اور دوسری طرف وہ ذات اپنے بندوں کے ساتھ حد درجہ مہربان اور قدردان ہے؛ چنانچہ بندوں کے اُٹھے ہوئے ہاتھ واپس لوٹانا اُس کی بندہ پروری کو گوارا ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ لَيَسْتَحْيِي أَنْ يَّبْسُطَ الْعَبْدُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ لِيَسْأَلَهٗ خَيْرًا فَيَرُدَّهُمَا خَائِبَتَيْنِ ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کو اس بات سے حیا آتی کہ بندہ اس کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا کر بھلائی کا سوال کرے اور اللہ تعالیٰ اُن ہاتھوں کو خالی لوٹادے۔

[مسند احمد بن حنبل: ۴۳۸/۵ حدیث:]

{2}

امام احمد رضا کے اذکار واعمال

اب آیئے ان بعض وظائف واعمال پہ نگاہ کرتے ہیں جنھیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اپنے معتقدین واحباب کی فرمایش وسوال پر تجویز یا تحریر فرمائے ہیں اور جو نہایت مجرب، آزمودہ اور تیر بہدف ثابت ہوئے ہیں۔

دفع پریشانی کا مجرب عمل:

ایک مرتبہ مولوی عبدالرحمٰن جے پوری نے دریافت کیا کہ حضور! اکثر اوقات پریشانی رہتی ہے؟ (اس کا کوئی وظیفہ عنایت فرمادیں) تو اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم کی کثرت کیا کریں۔ یہ ننانوے (۹۹) بلاؤں کو دفع کرتی ہے، ان میں سب سے آسان تر پریشانی ہے۔ اور ساٹھ بار پڑھ کر پانی پر دم کرکے روز پی لیا کریں۔ (الملفوظ: ۶۳/۱ مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

برکت رزق کی تیر بہدف دعا:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور! آج کل میں رزق کی تنگی کی وجہ سے خاصا پریشان ہوں (کسی وظیفے کی نشان دہی فرمائیں) تو امام احمد رضا نے ارشاد فرمایا: ایک صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی، دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی، فرمایا: کیا تمھیں وہ تسبیح یاد نہیں، جو تسبیح ہے ملائکہ کی اور جس کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔ خلق دنیا آئے گی تیرے پاس ذلیل وخوار ہوکر، طلوع فجر کے ساتھ سو بار کہہ لیا کر: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ. ان صحابی کو سات دن گزرے تھے کہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی، حضور! دنیا میرے پاس اس کثرت سے آئی کہ میں حیران ہوں، کہاں اٹھاؤں، کہاں رکھوں۔ اس تسبیح کا آپ بھی ورد رکھیں حتی الامکان طلوعِ صبح صادق کے ساتھ ہو؛ ورنہ صبح سے پہلے۔ جماعت قائم ہوجائے تو اس میں شریک ہوکر بعد کو عدد پورا کیجیے اور جس دن قبل نماز بھی نہ ہوسکے تو خیر طلوع شمس سے پہلے۔ (الملفوظ: ۶۴/۱ مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

یوں ہی ایک اور صاحب نے قلت آمدنی اور کثرتِ اہل وعیال کی شکایت کی تو آپ نے (انھیں ایک تیر بہدف وظیفہ عنایت کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: یَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ. پانچ سو (۵۰۰) بار، اول وآخر گیارہ گیارہ بار درود شریف، بعد نماز عشا، قبلہ رو، باوضو، ننگے سر ایسی جگہ کہ جہاں سر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، یہاں تک کہ سر پر ٹوپی بھی نہ ہو پڑھا کرو۔ (الملفوظ: ۶۱/۲ مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

اَدائے قرض کا ایک مجرب وظیفہ:

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! میں آج کل بہت پریشان ہوں، گزر اوقات مشکل سے ہوتی ہے، قرض دار بہت ہوگیا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ. ہر نماز کے بعد گیارہ گیارہ بار اور صبح وشام سو سو بار، روزانہ اول وآخر درود شریف۔ اسی دعا کی نسبت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اگر تجھ پر مثل پہاڑ کے بھی قرض ہوگا تو اسے ادا کردے گا۔ (الملفوظ: ۶/۴ مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

خاتمہ بالخیر کے لیے دعائیں:

ضلع ہوشنگ آباد کے رہنے والے ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت سے پوچھا کہ خاتمہ بالخیر کے لیے کچھ دعائیں ارشاد فرمادیں تو آپ نے ان کی تعلیم وہدایت کے لیے فرمایا: اکتالیس بار صبح کو یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اول وآخر درود شریف، نیز سوتے وقت اپنے سب اوراد کے بعد سورۂ کافرون روزانہ پڑھ لیا کیجیے۔ اس کے بعد کلام وغیرہ نہ کیجیے، ہاں! اگر ضرورت ہو تو کلام کرنے کے بعد سورۂ کافرون تلاوت کرلیں کہ خاتمہ اسی پر ہو، ان شاء اللہ تعالیٰ

خاتمہ ایمان پر ہوگا اور تین بار صبح اور تین بار شام اس دعا کا ورد رکھیں:
اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُّشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُهٗ. (الملفوظ:۲/۱۰۳،۱۰۴،مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

دفع بخار کا عمل:

ایک صاحب نے کسی مریض کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ اسے بے حد بخار ہے۔(اگر کوئی عمل ہو تو ارشاد فرمائیں) اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: بے حد بخار کے تو یہ معنی ہیں کہ اس کی انتہا ہی نہیں، اور کبھی اُترے گا ہی نہیں، کوستے تو آپ خود ہیں (پھر فرمایا) سورۂ مجادلہ شریف جو اٹھائیسویں پارے کی پہلی سورت ہے، بعد عصر تین مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پلایئے۔(الملفوظ:۳/۳۰مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

لقوہ کا اثر دور کرنے کا عمل:

ایک صاحب کے رخسار پر لقوہ کا اثر ہوگیا تھا۔انھوں نے حاضر ہو کر حضور والا سے دعائے خیر چاہی، تو ارشاد فرمایا: لوہے کے پتر پر سورۂ زلزال شریف کندہ کرالیجیے اور اسے دیکھتے رہا کیجیے۔(الملفوظ:۴/۳۸مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی)

بینائی واپس لانے کا بے نظیر عمل:

ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ روشنی بہت کم ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: آیت الکرسی شریف یاد کر لیجیے۔ ہر نماز کے بعد ایک بار پڑھیے اور پڑھتے ہوئے جب اس کلمہ پر پہنچیں وَلَا يَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا اس وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آنکھ پر رکھ کر اس کلمہ کو گیارہ بار کہیں، پھر ہاتھوں کی انگلیوں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیرلیں۔دوسرے یہ کہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، نور نور نو (۹) جگہ سفید چینی کی طشتری پر اس طرح لکھیں کہ واو اور میم کے سر کھلے رہیں، اور آبِ زم زم شریف نہ ملے تو تازہ پانی سے دھو کر ۲۵۶ بار اس پر یَا نُوْرُ پڑھ کر دم کرے۔اول آخر یہ درود شریف تین تین مرتبہ پڑھیں: پھر یہ پانی آنکھوں پر لگائیں اور باقی پی لیں۔(شمع شبستانِ رضا:۱/۱۶،۱۷مطبوعہ فاروقیہ بک ڈپو، دہلی)

تاحیات دانت خراب نہ ہونے کا وظیفہ:

صوفی محمد اقبال احمد نوری بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک پیر بھائی جن کی عمر کچھ کم سو برس کی تھی، اپنے دانتوں سے گنا کھا لیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب میں گنا کھاتا ہوں تو میرے دانتوں پر جوان آدمی رشک کرتے ہیں۔میں نے ان سے دانتوں کی محفوظی اور مضبوطی کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ دراصل مجھے اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت رضی اللہ عنہ نے بچپن میں یہ عمل بتایا تھا کہ عشا کے بعد وتر جب پڑھے جائیں تو پہلی رکعت میں بعد الحمد سورۂ اِذا جاء، دوسری میں تبت یدا، اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھنے سے دانت عمر بھر ہر تکلیف سے محفوظ رہتے ہیں۔جب سے میں اُسی طرح پڑھتا ہوں اور اسی عمل کی یہ برکت ہے۔(شمع شبستانِ رضا:۱/۱۸، مطبوعہ فاروقیہ بک ڈپو، دہلی)

حرزِ جاں بنا لینے والا ایک مکتوب:

ایک عزیز کے برخوردار کا انتقال ہوگیا۔جب اعلیٰ حضرت کو اس کی خبر ہوئی تو فوراً تعزیت نامہ بھیجا اور ایک بے نظیر دعا انھیں تلقین فرمائی۔اس کا مضمون کچھ یوں ہے:

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں عمر مقرر ہے، اس سے کمی بیشی نا متصور ہے۔بے صبری سے گئی چیز واپس نہیں آسکتی، ہاں! اللہ کا ثواب جاتا ہے، جو ہر چیز سے اعز و اعلیٰ ہے اور محروم تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہا۔صحیح حدیث میں ہے کہ جب فرشتے مسلمان کے بچے کی روح قبض کر کے حاضر بارگاہِ عزت ہوتے ہیں۔مولیٰ عزوجل فرماتا ہے (اور وہ خوب جانتا ہے) کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کر لی۔عرض کرتے ہیں، ہاں! اے رب ہمارے۔فرماتا ہے کیا تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا؟ عرض کرتے ہیں، ہاں! اے رب

ہمارے۔ پھر اس نے کیا کہا۔ عرض کرتے ہیں تیری حمد بجالایا اور الحمد للہ کہا۔ فرماتا ہے گواہ رہو، میں نے اسے بخش دیا، اور جنت میں اس کے لیے ایک مکان تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے تین بچے نابالغی میں مرجائیں گے، آتش دوزخ سے اس کے لیے حجاب ہوجائیں گے۔ کسی نے عرض کی: اگر دو مرے ہوں؟ فرمایا: دو بھی۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اگر کسی کا ایک ہی مرا ہو۔ فرمایا: ایک بھی۔ اسے نیک سوالوں کی توفیق دی گئی۔ اس حکم میں ماں باپ دونوں شامل ہیں۔ آپ اور آپ کے گھر میں دونوں صاحب یہ دعا پڑھیں، ان شاء اللہ العزیز نعم البدل عطا فرمایا جائے گا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَسٰى رَبُّنَا يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ. اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا.

صحیح حدیث میں ہے، جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زوجہ مقدسہ حضرت ام سلمہ کو یہ دعا تلقین فرمائی اور ارشاد ہوا کہ جو چیز فوت ہوتی ہے اس سے بہتر ملتی ہے۔ حضرت ام سلمہ نے دعا پڑھی؛ مگر اپنے دل میں کہتی تھیں کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ملے گا۔ عدت کے دن گزرنے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا''۔ (شمع شبستانِ رضا: ۱/۹۸، ۹۹۔ مطبوعہ فاروقیہ بک ڈپو، دہلی)

{3}

امام احمد رضا کی تحریری خدمات

امام احمد رضا نے ذکر و دعا کی اہمیت پر اپنی کتب وفتاویٰ میں جزوی بحثوں کے علاوہ ان موضوعات پر مستقل کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، اور اس سلسلے میں آپ کی تحقیقات بہت سی غلط فہمیوں کا اِزالہ اور گوناگوں شبہات کا تصفیہ کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ نسیم الصبا فی أن الأذان یحول الوباء...... ایذان الأجر فی أذان القبر...... انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ...... العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار...... الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن...... المنۃ الممتازۃ فی دعوات الجنازۃ...... اور بذل الجوائز عل الدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز وغیرہ کتب میں بھی آپ نے جزوی اور ضمنی طور پر ذکر و دعا کے تعلق سے بہت سے اِفادات پیش فرمائے ہیں، اور مخالفین کی کج فہمیاں دور کرکے شریعت مطہرہ کی بے غبار تعلیمات کے انوار کو عام وتام فرمایا ہے۔ اَب ذیل میں ہم اَدعیہ واذکار کے تعلق سے تحقیقاتِ رضویہ کے کچھ جلوے قارئین کے روبرو پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ اور یہی مصنف اعظم نمبر کا مقصودِ نگارش بھی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

دعا نہ کرنے کی تہدید پر آیت سے اِستدلال:

اِسلام نے دعا کی بڑی اَہمیت جتلائی ہے، اور کتاب وسنت میں اس کی عظمتوں کے نقوش جا بجا دیکھے جاسکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ایک جگہ فرماتے ہیں کہ 'دعا سلاحِ ایمان ہے، دعا جالب امن وامان ہے، دعا نورِ زمین وآسمان ہے، اور دعا باعث رضائے رحمٰن ہے'۔

اِسلام نے جہاں دعا کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے، وہیں دعا نہ کرنے پر کافی سخت سست بھی سنایا ہے۔ ترکِ دعا پر تہدید کے سلسلے میں کئی ایک احادیث معروف ہیں (بعضے گزشتہ سطور میں گزرچکی ہیں)؛ مگر قرآن سے اس کا ثبوت مجھ ہیچ مداں کی ظاہری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے اس سلسلے میں قرآن کریم کی ایک آیت سے ترک دعا پر تہدید کا بڑا خوبصورت اِستشہاد کیا ہے، فرماتے ہیں:

'ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَلَوْلَا إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ تو کیوں نہ ہوا، جب

آئی تھی ان پر ہماری طرف سے سختی، تو گڑگڑائے ہوتے، لیکن سخت ہوگئے ہیں دل اُن کے۔[سورۂ انعام:۶/۴۳]
اِس آیت سے ترکِ دعا پر تہدید شدید نکلی۔(احسن الوعاء لآداب الدعاء، مولانا نقی علی خاں، وشرحہ ذیل المدعا لاحسن الوعاء، امام احمد رضا محدث بریلوی:۴، ۵مطبوعہ، جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۱۹۹۴ء)

قبولیت دعا میں عجلت دکھانے والوں کے لیے ایک تمثیل سے تفہیم:

عموماً لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ دعا کی قبولیت کے تعلق سے شاکی نظر آتے ہیں، اور دعا جلد قبول نہ ہونے پر زبانِ شکوہ کھول دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اس سلسلے میں دنیوی درباروں میں ضرورت مندوں کے ساتھ ہوتے بدترین سلوک کی تمثیل پیش کر کے دعا گویوں کے لیے جو خیر خواہانہ تفہیم وتعلیم فرمائی ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، لکھتے ہیں :

’سگانِ دنیا کے امیدواروں کو دیکھا جاتا ہے کہ تین تین برس تک اُمیدواری میں گزارتے ہیں، صبح وشام اُن کے دروازوں پر دوڑتے ہیں اور وہ ہیں کہ رخ نہیں ملاتے، بار نہیں دیتے، جھڑکتے، دل تنگ ہوتے، ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ امیدواری میں لگایا تو بیگار ڈالی، یہ حضرت گرہ سے کھاتے، گھرے منگاتے، بے کار بیگار کی بلا اُٹھاتے ہیں، اور وہاں برسوں گزریں، ہنوز روزِ اول ہے؛ مگر یہ نہ اُمید توڑیں، نہ پیچھا چھوڑیں اور احکم الحاکمین، اکرم الاکرمین عز جلالہ کے دروازے پر اول تو آتا ہی کون ہے، اور آئے بھی تو اکتاتے گھبراتے، کل کا ہوتا آج ہوجائے، ایک ہفتہ کچھ پڑھتے گزرا اور شکایت ہونے لگی، صاحب پڑھا تو تھا، کچھ اَثر نہ ہوا۔ یہ احمق اپنے لیے اجابت کا دروازہ خود بند کر لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:
یستجاب لأحدکم ما لم یعجل یقول دعوت فلم یستجب لی. تمہاری دعا قبول ہوتی جب تک جلدی نہ کرو کہ میں نے دعا کی تھی، قبول نہ ہوئی۔ اور پھر بعض تو اس پر ایسے جامے سے باہر ہوجاتے ہیں کہ اعمال وادعیہ کے اَثر سے بے اِعتقاد بلکہ اللہ عزوجل کے وعدہ وکرم سے بے اعتماد- والعیاذ باللہ الکریم الجواد- ایسوں سے کہا جائے کہ اے بے حیا بے شرمو! ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالو، اگر کوئی تمھارا برابر والا دوست تم سے ہزار بار کچھ کام اپنے کہے اور تم اُس کا ایک کام نہ کرو، تو اپنا کام اس سے کہتے ہوئے اول تو آپ لجاؤ گے کہ ہم نے تو اس کا کہنا کیا ہی نہیں، اب کس منہ سے اس سے کام کو کہیں۔ اور اگر غرض دیوانی ہوتی ہے، کہہ بھی دیا اور اس نے نہ کیا تو اصلاً محل شکایت نہ جانو گے کہ ہم نے کب کیا تھا، جو وہ کرتا۔ اب جانچو کہ تم مالک علی الاطلاق عز جلالہ کے کتنے احکام بجا لاتے ہو، اس کے حکم بجا نہ لانا، اور اپنی درخواست کا خواہی نہ خواہی قبول چاہنا کیسی بے حیائی ہے۔

او احمق! پھر فرق دیکھ، اپنے سر سے پاؤں تک نظر غور کر، ایک ایک روئیں میں ہر وقت ہر آن کتنی کتنی ہزار در ہزار صد ہزار بے شمار نعمتیں ہیں، تو سوتا ہے اور اس کے معصوم بندے تیری حفاظت کو پہرا دے رہے ہیں۔ تو گناہ کر رہا ہے اور سر سے پاؤں تک صحت وعافیت، بلاؤں سے حفاظت، کھانے کا ہضم، فضلات کا دفع، خون کی روانی، اعضا میں طاقت، آنکھوں میں روشنی، بے حساب کرم بے مانگے بے چاہے تجھ پر اُتر رہے ہیں۔ پھر اگر تیری بعض خواہشیں عطا نہ ہوں، کس منہ سے شکایت کرتا ہے؟ تو کیا جانے کہ تیرے لیے بھلائی کاہے میں ہے۔ تو کیا جانے کہ کیسی سخت بلا آنے والی تھی کہ اس دعا نے دفع کی؟ تو کیا جانے کہ اس دعا کے عوض کیسا ثواب تیرے لیے ذخیرہ

ہورہا ہے؟؟؟ اس کا وعدہ سچا ہے، اور قبول کی یہ تینوں صورتیں ہیں جن میں ہر پہلی پچھلی سے اعلیٰ ہے۔ ہاں! بے اعتقادی آئی، تو یقین جان کہ مارا گیا، اور ابلیس لعین نے تجھے اپنا سا کرلیا- والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ-

اے ذلیل خاک! اے آبِ ناپاک!! اپنا منہ دیکھ، اور اِس عظیم شرف کو غور کرکہ اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے، اپنا پاک متعالی نام لینے، اپنی طرف منہ کرنے، اپنے پکارنے کی تجھے اجازت دیتے ہیں۔ لاکھوں مرادیں اِس فضل عظیم پر نثار۔

او بے صبرے! ذرا بھیک مانگنا سیکھ۔ اس آستانِ رفیع کی خاک پر لوٹ جا، اور لپٹا رہ اور ٹکٹکی بندھی رکھ کہ اب دیتے ہیں، اب دیتے ہیں بلکہ اسے پکارنے، اس سے مناجات کرنے کی لذت میں ایسا ڈوب جا کہ اِرادہ ومراد کچھ یاد نہ رہے۔ یقین جان کہ اِس دروازے سے ہرگز محروم نہ پھرے گا: من دق باب الکریم انفتح. (جو کرم والے کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ کھل ہی جاتا ہے) وباللہ التوفیق'۔ (احسن الوعاء لآداب الدعاء، مولانا نقی علی خاں، وشرحہ ذیل المدعا لاحسن الوعاء، امام احمد رضا محدث بریلوی: ۳۴تا۳۶ مطبوعہ، جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۹۹۴ء)

دعا کی زبان:

یوں تو ہر زبان اور کلمہ کے ذریعہ اِنسان اپنی دعاؤں کو خدا تک پہنچا سکتا ہے؛ لیکن جہاں تک ممکن ہو دعا عربی زبان میں کرنی چاہیے کہ یہ اللہ ورسول کی پسندیدہ اور قرآن واہل بہشت کی زبان ہے۔ لیکن دعا کا عربی زبان ہی میں کرنا ازروے شرع ہمارے لیے ضروری نہیں؛ جیسا کہ بعض کتب قدما مثلاً غرر الافکار وغیرہ میں یہ تصریح ملتی ہے کہ 'غیر عربی میں دعا مکروہ ہے'۔ نیز امام ولوالجی فرماتے ہیں کہ دعا عربی میں ہونی چاہیے کہ عربی میں دعا اجابت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس پر اِفادہ فرماتے ہوئے بڑے نکتے کی بات بیان کی ہے، لکھتے ہیں:

'میں کہتا ہوں: مگر جو عربی نہ سمجھتا ہو، اور معنی سیکھ کر بہ تکلف اُن کی طرف خیال لے جانا مشوشِ خاطر ومخلِ حضور ہو، وہ اپنی ہی زبان میں اللہ تعالیٰ کو پکارے کہ حضور ویکسوئی اہم امور سے ہے'۔ (احسن الوعاء لآداب الدعاء، مولانا نقی علی خاں، وشرحہ ذیل المدعا لاحسن الوعاء، امام احمد رضا محدث بریلوی: ۱۴مطبوعہ، جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۹۹۴ء)

کیفیت دعا میں خلوت وجلوت کا سماں یکساں ہونا چاہیے:

عموماً دیکھا گیا کہ لوگ جب خلوت میں ہوتے ہیں تو نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا گو ہوتے ہیں اور جس طرح بچے ماؤں سے کچھ طلب کرنے کے لیے گڑگڑاتے اور منہ بسورتے ہیں، کچھ یہی حال ان کا بھی ہوتا ہے؛ لیکن جیسے ہی کوئی ان کے خلوت کدے میں آدھمکتا ہے، تو فوراً شرما کر اپنی دگرگوں کیفیت بدل کر نارمل کرلیتے ہیں۔ یہ بڑی نادانی کی بات، خالق سے مذاق اور ایک خطرناک قسم کی غلطی ہے۔ اس تعلق سے اعلیٰ حضرت نے جو ہدایات فرمائی ہیں اور اس کی علت واقعی سے جو پردہ اُٹھایا ہے وہ لائق صد تحسین ہے، فرماتے ہیں:

'دعا میں تکبر اور شرم سے بچے۔ مثلاً تنہائی میں دعا بہ نہایت تفرع والحاح کررہا ہے، اپنا منہ خوب گڑگڑانے کا بنا رہا ہے، اب کوئی آگیا تو اس حالت سے شرما کر موقوف کردیا، یہ سخت حماقت اور- معاذ اللہ- اللہ کی جناب تکبر سے مشابہ ہے۔ اس کے حضور گڑگڑانا موجبِ ہزاراں عزت ہے، نہ کہ معاذ اللہ خلافِ شان وشوکت'۔ (احسن الوعاء لآداب الدعاء، مولانا نقی علی خاں، وشرحہ ذیل المدعا لاحسن الوعاء، امام احمد رضا محدث بریلوی: ۱۴مطبوعہ،

جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۱۹۹۴ء)

تواضع للہ اور تواضع لغیر اللہ کا فرق:

آداب دعا میں یہ بات بھی آتی ہے کہ بندہ ٹوٹ کر اپنے مولا کے سامنے دست سوال دراز کرے، جو کچھ مانگنا ہے اسی سے مانگے اور دعا میں عجز وانکسار کا بھرپور مظاہرہ کرے۔ اس موقع پر خوش عقیدہ مسلمان اہل اللہ سے جو توسل کا سہارا لیتے ہیں وہ وہابیہ کی حلق سے نہیں اُترتا اور نادانی میں دھڑلے سے وہ توسل وتواضع لغیر اللہ کو شرک سے تعبیر کردیتے ہیں۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے بڑا خوبصورت نکتہ بیان فرمایا ہے، اگر اسے مستحضر رکھا جائے تو شاید اس تعلق سے کبھی کوئی الجھن دامن گیر نہ ہو۔ فرماتے ہیں :

علماے کرام فرماتے ہیں کہ غیر خدا کے لیے تواضع حرام ہے۔ فتاویٰ ہندیہ وملتقط وغیرہما میں ہے: التواضع لغیر الله حرام . [یعنی غیر اللہ کے لیے تواضع حرام ہے] حالاں کہ معظّمانِ دین کے لیے تواضع قطعاً مامور بہ ہے۔ خود یہی علما اس کا حکم دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے: تواضعوا لمن تعلمون منه وتواضعوا لمن تعلمونه ولا تكونوا جبابرة العلماء ۔ یعنی اپنے استاد کے لیے تواضع کرو اور اپنے شاگردوں کے لیے تواضع کرو اور سرکش عالم نہ بنو۔ نیز حدیث شریف میں ارشاد ہوا: جو کسی غنی کے لیے اس کے غنا کے سبب تواضع کرے، ذهب ثلثا دينه. اس کا دوتہائی دین جاتا رہے۔ تو وجہ وہی ہے کہ مالِ دنیا کے لیے تواضع رو بخدا نہیں، یہ حرام ہوئی اور یہی تواضع لغیر اللہ ہے۔ اور علم دین کے لیے تواضع رو بخدا ہے، اس کا حکم آیا اور یہ عین تواضع للہ ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ اِسی کو بھول کر وہابیہ ومشرکین اِفراط وتفریط میں پڑے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔ (احسن الوعاء لآداب الدعاء، مولانا نقی علی خاں، وشرحہ ذیل المدعا لاحسن الوعاء، امام احمد رضا محدث بریلوی:۱۴)

اُمتی پیغمبر کو کیسے پکارے؟:

حدیث صلوٰۃ الحاجت بہت معروف ہے۔ جس میں ایک نابینا کے سوال پر مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وضوے تازہ اچھی طرح کرے، اور دو رکعت نماز نفل پڑھے، پھر سلام عرض کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے اور اپنی حاجت ذکر کرے: اللهمّ إني أسئلك وأتوجه إليك بنبينا محمدٍ صلى الله عليه وسلم نبي الرحمة يا محمّد إني أتوجه بك إلى ربي فيقضِيَ حاجتي. اس حدیث کو مفتی نقی علی علیہ الرحمہ احسن الوعا کے خاتمے میں نقل کیا ہے، جس کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے اَدبِ وتعظیم رسول کے حوالے سے ایک بڑی ہی نفیس ودقیق بات بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

’حدیث میں یا محمّد ہے؛ مگر اُس کی جگہ یارسول اللّٰه کہنا چاہیے کہ صحیح مذہب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام لے کر ندا کرنا ناجائز ہے۔ علما فرماتے ہیں: اگر روایت میں وارد ہو جب بھی تبدیل کرلیں۔ (احسن الوعاء لآداب الدعامع شرحہ ذیل المدعا لاحسن الوعاء:۱۷۱)

مقاماتِ اجابت دعا:

حضرت مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ’احسن الوعاء‘ کی فصل چہارم میں امکنۂ اجابتِ دعا کے ضمن میں تیئیس (۲۳) مقامات ذکر فرمائے ہیں۔ جن پر اعلیٰ حضرت نے اپنی تحقیق سے مزید اکیس مقامات کا اِضافہ کیا ہے، جن میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام موسیٰ کاظم، سیدنا معروف کرخی، امام ابوبکر مسعود کاشانی اور ان کی زوجہ فقیہہ فاضلہ حضرت فاطمہ، سیدی ابوعبداللہ محمد بن احمد قرشی، حضرت سیدی ابن رسلان، قرافہ میں امام اشهب و امام ابن قاسم، امام ابن لال محدث احمد بن علی ہمدانی، اور حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدین چشتی قدس اللہ اسرارہم کے مزاراتِ مقدسہ کو بھی دعاؤں کی قبولیت کے مقامات میں شمار کیا ہے، اور ان پر دلائل

وشواہد بھی پیش کیے ہیں۔(تفصیل کے لیے دیکھیے، احسن الوعاء لآداب الدعاء، مولانا نقی علی خاں، وشرحہ ذیل المدعا لاحسن الوعاء،امام احمد رضامحدث بریلوی:۵۶تا۵۷مطبوعہ، جماعت سابعہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۱۹۹۴ء)

دعابعدالعیدین شریعت کی نگاہ میں:

اعلیٰ حضرت سے کسی نے اِستفتا کیا کہ کیا عیدین کے بعد دعا کرنا شرعاً جائز ہے؟ کیوں کہ وہابیہ اس سلسلے میں بڑا غل کرتے ہیں اور دعا بعد العیدین کو ناجائز کہتے ہیں، نیز سادہ لوح مسلمانوں کو اس سے منع کرتے ہیں۔تو آپ نے اس کے جواب میں پوری ایک کتاب تصنیف فرمائی اوراس کا تاریخی نام رکھا:سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید (۱۳۳۹ھ)جس میں آپ نے بہت سی آیات واَحادیث سے نفسِ دعا وذکر کی بے پایاں اہمیت وفضیلت کوآشکارا کرنے کے بعد مسئلہ دعا بعد العیدین کو بالکل منقح اور بے غبار کر کے رکھ دیا۔اس کتاب کی چوتھی فصل میں دعا کی اہمیت وناگزیریت کو کتاب وسنت سے ثابت کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں :

’ان سب (یعنی دعا بعد العیدین) سے قطع نظر کیجیے تو دعا مطلقاً اعظم مندوباتِ دینیہ واجل مطلوباتِ شرعیہ سے ہے کہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بےتقییدِ وقت وتخصیصِ ہیئت مطلقاً اس کی اجازت دی اوراس کی طرف دعوت فرمائی اوراس کی تکثیر کی رغبت دلائی اوراس کے ترک پروعید آئی۔مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ اورتمہارے رب نے فرمایا، مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔(سورۂ غافر:۴۰/۶۰)

اورفرماتا ہے: اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب مجھے پکارے۔(سورۂ بقرہ:۱/۱۸۶)

حدیث قدسی میں فرماتا ہے :

أنا عِند ظنِ عبدِي بِي وأنا معه إذا دعانِي ۔رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ربہ۔

یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب مجھ سے دعا کرے۔

اورفرماتا ہے:

یاابْنَ ادم اِنك مادعوتنِي غفرت لك على ما كان مِنك ولاأبالِي ۔رواہ الترمذی وحسنہ عن انس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ربہ تبارک وتعالیٰ۔

یعنی اے فرزند آدم! تو جب تک مجھ سے دعا مانگے جائے گا اور امید رکھے گا تیرے کیسے ہی گناہ ہوں بخشتا رہوں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔

اورفرماتا ہے عزوجل:

من لايدعونِي اغضب عليهِ۔ رواہ العسکری فی المواعظ بسندٍ حسن عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ربہ تعالیٰ وتقدس۔

یعنی جو مجھ سے دعا نہ کرے گا میں اس پرغضب فرماؤں گا۔(فتاویٰ رضویہ:۶/۷۴۸تا۷۴۹ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی ۱۴۳۸ھ)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت چند احادیث اس ہدایت کے ساتھ لے کرآتے ہیں کہ ’میں بخوف اطالت احادیث فضائل سے عطف عنان کر کے صرف ان بعض حدیثوں پر اقتصار کرتا ہوں جن میں دعا کی تاکید، یااس کے ترک پرتہدید، یااس کی تکثیر کا حکم اکید ہے‘۔

’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے،حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم عباداللّٰہ بالدعاء۔ رواہ الترمذی مستغربا والحاکم وصححہ۔

یعنی خدا کے بندو! دعا کو لازم پکڑو۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا علی واجتھدوا فی الدعاء۔ رواہ الامام احمد والنسائی والطبرانی فی الکبیر وابن سعدوسمویہ والبغوی والباوردی وابن قانع۔

یعنی مجھ پر درود بھیجو اور دعا میں کوشش کرو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتعجزوا فی الدعاء فانہ لن یھلك مع الدعاء احد۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ۔

یعنی دعا میں تقصیر نہ کرو، جو دعا کرتا رہے گا ہرگز ہلاک نہ ہوگا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تدعون اللہ لیلکم ونہارکم فان الدعاء سلاح المؤمن۔ رواہ ابویعلی۔

یعنی رات دن خدا سے دعا مانگو کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروا الدعاء بالعافیۃ۔ رواہ الحاکم بسند حسن۔

یعنی عافیت کی دعا کثرت سے مانگا کرو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے، سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم۔ اخرجہ ابوالشیخ فی الثواب۔

یعنی دعا کی کثرت کرو کہ دعا قضاے مبرم کو رد کرتی ہے۔

حضرت عبادہ ن صامت وابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں ہے، ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی فضیلت ارشاد فرمائی، صحابہ نے عرض کی: اذا نکثر ایسا ہے تو ہم دعا کی کثرت کریں گے، فرمایا: اللہ اکثر اللہ عزوجل کا کرم بہت کثیر ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ بہت بڑا ہے۔ رواہ الترمذی والحاکم عن عبادۃ وصححاہ واحمد والبزار وابویعلی باسانید جیدۃ والحاکم وقال صحیح الاسناد عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضرت سلمان فارسی وابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں ہے، حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سرہ أن یستجیب اللہ لہ عند الشدائد فلیکثر من الدعا عندالرخاء۔ رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ والحاکم عنہ وعن سلمان وقال صحیح واقروہ۔

یعنی جسے خوش آئے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے وہ نرمی میں دعا کی کثرت رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ۔ رواہ احمد وابن ابی شیب والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجۃ والبزار وابن حبان والحاکم وصححاہ۔

یعنی جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ:۶/ ۷۴۸تا۷۴۹۔ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی ۱۴۳۸ھ)

ایک اُصولی بات: اخیر میں اعلیٰ حضرت بڑے خیرخواہانہ انداز میں مخالفین کو سمجھاتے ہوئے اور موافقین کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے نیز ایک اصولی بات بیان کرتے ہوئے ارشاد

فرماتے ہیں :

'ایہا المسلمون! تم نے اپنے مولا جل وعلا اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشادات سنے ان میں کہیں بھی تخصیص وتقیید کی بو ہے، یہ تو بارہا فرمایا کہ دعا کرو، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں نماز کے بعد نہ کرو؟ یہ تو صاف ارشاد ہوا ہے کہ جس وقت دعا کروگے میں سنوں گا، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں وقت کروگے تو سنوں گا؟ یہ تو بتاکید بار بار حکم آیا ہے کہ دعا سے عاجز نہ ہو، دعا میں کوشش کرو، دعا کو لازم پکڑو، دعا کی کثرت رکھو، رات دن دعا مانگو، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد نہ مانگو؟ یہ توڈر سنایا گیا ہے کہ جو دعا نہ مانگے گا اس پر غضب ہوگا، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد جو مانگے گا اس سے اللہ تعالی ناراض ہوگا؟ اور جب کہیں نہیں تو خدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جس چیز کو عام ومطلق رکھا دوسرا اُسے مخصوص ومقید کرنے والا کون؟ خدا ورسول عزمجدہ، وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جس چیز سے منع نہ فرمایا دوسرا اُسے منع کرنے والا کون؟ قال تعالی:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ . اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝

اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔(سورۂ نحل:۱۶/۱۱۶)

اصل یہ ہے کہ:اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔حکم صرف خدا ہی کے لیے ہے۔(سورۂ انعام:۶/۵۷)

جس چیز کو اس نے کسی ہیئت خاصہ، محل معین سے مخصوص اور اس پر مقصور ومحصور فرمایا اس سے تجاوز جائز نہیں، جو تجاوز کرے گا دین میں بدعت نکالے گا۔ اور جس چیز کو اس نے اِرسال واِطلاق پر رکھا ہرگز کسی ہیئت ومحل پر مقتصر نہ ہوگی اور ہمیشہ اپنے اطلاق ہی پر رہے گی، جو اس سے بعض صور کو جدا کرے گا دین میں بدعت پیدا کرے گا، ذکر ودعا اسی قبیل سے ہیں کہ زنہار شرع مطہر نے انہیں کسی قید وخصوصیت پر محصور نہ فرمایا بلکہ عموماً ومطلقاً ان کی تکثیر کا حکم دیا'۔(فتاویٰ رضویہ:۶/۵۰۷ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی ۱۴۳۸ھ)

عظمت ذکر الٰہی:

دعا کی اہمیت کو بیان کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت معاً عنانِ قلم عظمت ذکر کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور ذکر کی ہمہ گیریت کے حوالے سے بڑے اہم نکات کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ چنانچہ قلم طراز ہیں :

'دعا کے بارے میں آیات وحدیث سن ہی چکے اور دلائل مطلقہ تکثیر ذکر کہ ہر دعا بالبداہۃ ذکر الٰہی ہے اور اس پر علمانے تنصیص بھی فرمائی۔ مولانا قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کل دعاءٍ ذکرٌ. (یعنی ہر دعا ذکر ہے)۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ 'نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء' میں اس مدعا پر بکثرت آیات واحادیث لکھی ہیں'۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے مشتے نمونہ از خروارے ذکر کی فضیلت پر بعض مشہور آیات واحادیث ذکر کی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:'یہاں صرف بعض آیات اور ان کی تفسیروں پر اِقتصار ہوتا ہے جو عموم تمامی اوقات واحوال میں نص ہیں :

آیت: قال جل ذکرہ: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ.۔

اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔(سورۂ نساء:۴/۱۰۳)

علمائے کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جمیع احوال میں ذکر الٰہی ودعا کی مداومت کرو۔ بیضاوی میں ہے:داوموا علی الذکر فی جمیع الأحوال أی داوموا علی ذکر اللّٰہ تعالی فی جمیع الأحوال۔ تمام احوال میں ذکر پر مدامت کرو۔یعنی تمام احوال میں اللہ تعالی کے ذکر پر دوام اختیار کرو۔[انوار التنزیل :۲۰۴/۱۔مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر......تفسیر النسفی :۲۴۸/۱۔ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

اِرشاد العقل السلیم میں ہے:داوموا علی ذکر اللّٰہ تعالی۔ حافظوا علی مراقبتہ ومناجاتہ ودعائہ فی جمیع الاحوال۔ یعنی تمام احوال میں اللہ تعالی کے ذکر پر مداومت کرو، اور مراقبہ، مناجات اور رب سے دعا کی محافظت کرو۔ [تفسیر ارشاد العقل السلیم :۲۲۸/۲۔ مطبوعہ احیا التراث الاسلامی بیروت]

آیت: قال عز اسمہ: یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوا اللّٰہَ ذِکۡرًا کَثِیۡرًا.

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بکثرت کرو۔(سورۂ احزاب:۴۱/۳۳)

علامۃ الوجود مفتی ابوالسعود اِرشاد میں ارشاد فرماتے ہیں:یعم الأوقات والأحوال . یہ آیت تمام اوقات واحوال کو عام ہے۔

آیت: قال تعالی شانہ: فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآئَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا۔اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔(سورۂ بقرہ:۲۰۰/۲)

امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:أرید بہ ذکر اللّٰہ تعالی فی الأوقات کلھا. یعنی اس آیت سے یہ مراد کہ ذکر الٰہی جمیع اوقات میں کرو۔

آیت: قال تبارک مجدہ: وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا.

اور بکثرت خدا کا ذکر کرو۔(سورۂ جمعہ:۱۰/۶۲)

معالم میں ہے:فی جمیع المواطن علی السراء والضراء . تمام مواضع خوشی وتکلیف میں۔(معالم التنزیل علی ہامش خازن پ۲۱ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر:۲۴۵/۵

آیت: قال تقدس اوصافہ: وَالذّٰکِرِیۡنَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا.

خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتوں کے لیے اللہ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔(سورۂ آل عمران:۳۵/۳)

مولانا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں:

لا یخفی ان الذکر والتسبیح والتہلیل والدعاء لا بأس بہ لأنھا مشروعۃ فی کل الأمکنۃ و الأزمان۔

یعنی پوشیدہ نہیں کہ ذکر وتسبیح وتہلیل ودعا میں کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ چیزیں ہر جگہ اور ہر وقت مشروع ہیں۔(ماثبت بالسنۃ،خاتمہ کتاب،ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور:۳۲۶)۔ (فتاویٰ رضویہ:۷۵۱/۶تا۷۵۳ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی ۱۴۳۸ھ)

حدیث حسن ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ، حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:أکثروا ذکر اللّٰہ حتی یقولوا مجنون .

یعنی ذکر الٰہی کی یہاں تک کثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔ [المستدرک للحاکم:۴۹۹/۱۔ کتاب الدعا ۔ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

حدیث حسن عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالی عنہ،سید عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لایزال لسانك رطبا من ذکر اللّٰه.

یعنی ہمیشہ ذکر الٰہی میں تر زبان رہ۔ [جامع الترمذی: ۱۷۳/۲۔ ابواب الدعوات۔ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی]

حدیث جید الاسناد ام انس رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اکثري من ذکر اللّٰه فانك لاتأتین بشيء أحب إلیه من کثرۃ ذکرہ.

یعنی اللہ کا ذکر بکثرت کر کہ تو کوئی چیز ایسی نہ لائے جو خدا کو اپنی کثرتِ ذکر سے زیادہ پیاری ہو۔ [درمنثور بحوالہ المعجم الاوسط: ۲۰۵/۵۔ مطبوعہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران]

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من لم یکثر ذکر اللّٰه فقد برء من الایمان.

یعنی جو ذکر الٰہی کی کثرت نہ کرے وہ ایمان سے بیزار ہوگیا۔ [درمنثور بحوالہ المعجم الاوسط: ۲۰۵/۵۔ مطبوعہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران...... الترغیب والترہیب: ۴۰۱/۲۔ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر]

حدیث صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم یذکر اللّٰه تعالی علی کل أحیانه.

یعنی حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت ذکر خدا فرمایا کرتے تھے۔ [سنن ابی داؤد: ۴/۱، باب فی الرجل یذکر اللہ تعالیٰ علی غیر وضوء، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہو] ان کے علاوہ متعدد احادیث وآثار ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ: ۱۵۷/۶ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی ۱۴۳۸ھ)

ذکر الٰہی جملہ اعمالِ صالحہ کی کلید ہے:

ایک مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک مسجد میں سب لوگ بعد نماز کلمہ شریف بآواز بلند چار پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے، اور جو شخص یا امام منع کرے اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

'ذکر الٰہی افضل الاعمال بلکہ اصل جملہ اعمال حسنہ صالحہ ہے۔ یہاں تک کہ بعد ایمان اعظم ارکان اسلام۔ نماز سے بھی وہی مقصود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ (سورۂ طٰہٰ: ۱۴/۲۰)

اور کلمہ طیبہ کہ اصل الاصول اور افضل الاذکار ہے۔ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: أفضل الذکر لا إله إلا اللّٰه. (یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اچھا ذکر لا الہ الا اللہ ہے) اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ذکر کا مطلق حکم فرمایا اور تعمیم احوال فرمائی: وَیَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ. (اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں یعنی ہر حال میں خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ (سورۂ آل عمران: ۱۹۱/۳)

بلکہ اس کی تکثیر کا حکم فرمایا: قال اللہ تعالیٰ: وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ)۔ (سورۂ جمعہ: ۱۰/۶۲)

وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اکثروا ذکر اللّٰه حتی یقولوا انه مجنون۔ (یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں یہ تو دیوانہ ہے)۔

جس چیز کی تکثیر شارع کو مطلوب ہو اس کی تقلیل نہ چاہے گا، مگر وہ جسے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ضد

ہے۔ رہا خوف ریا وہ متعلق بہ قلب ہے، ریا سے اگر نماز ہو تو وہ بھی ناجائز ہے۔ مگر عقل و دین والا ریا سے منع کرے گا، نماز سے نہ روکے گا۔ حضرت سیدی شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس اللہ سرہ کے حضور کسی طالب خدا نے عرضی لکھی کہ: یاسیدی ان عملت داخلنی الریاء وان ترکت اخلات الی ارض البطالۃ۔ (اے میرے سردار! میں عمل کرتا ہوں جب تو ریا آجاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہوں تو بیکاری کی زمین پر گرا پڑتا ہوں)۔ جواب ارشاد فرمایا: اعمل وتب الی اللہ ۔ کام کیے جاؤ اور ریا سے اللہ کی طرف توبہ کرو۔

ہاں! دوسرے مسلمانوں کی اِیذا نہ ہونے کا لحاظ لازم ہے، سوتوں کی نیند میں خلل نہ ہو، نمازیوں کی نماز میں تشویش نہ ہو، کما نص علیہ فی البحر الرائق وردالمحتار وغیرھا۔ جب وقت لوگوں کی نیند کا ہو یا کچھ نماز پڑھ رہے ہوں تو ذکر کرو جس طرح مگر نہ اتنی آواز سے کہ ان کو ایذا ہو اور جب اس سے خالی ہو تو مختار مطلق ہو کرو اور اتنی کثرت سے کرو کہ منافق مجنون کہیں اور وہابی بدعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ۷/ ۱۱۴ تا ۱۱۵ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

جمع ہو کر ذکر کرنا کیسا؟

کسی نے سوال کیا کہ جمع ہو کر ذکر کرنا کیسا ہے؟ تو اس کا ایک تفصیلی جواب رقم فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

’اجتماع ہو کر ذکر حسن ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رب عزوجل (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے: وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہ. یعنی اگر کسی شخص نے مجھے کسی مجلس میں یاد کیا (یعنی میرا ذکر کیا) تو میں اس سے بہتر اور اعلیٰ مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ نیز ذکر بالجہر صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا . قالوا وما ریاض الجنۃ، قال حلق الذکر ۔ یعنی لوگو! جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرنے لگو تو اچھی طرح کھاپی لیا کرو۔ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ تعالیٰ کے حبیب! جنت کے باغیچے کیا ہیں؟ اِرشاد فرمایا: ذکر کے حلقے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۴/ ۴۹۶ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

ذکر جہر چہار ضربی کا طریقہ:

ذکر جہر چہار ضربی کے تعلق سے بعض لوگوں کو کنفیوژن تھا، اور وہ اس کی ادائیگی کے درست طریقے سے آشنا نہ تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ذکر و فکر کے تعلق سے جب اُن کی تشنگی محسوس کی تو ذکر جہر چہار ضربی کا طریقہ تفصیل تمام کے ساتھ بیان فرمادیا۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

چارزانو بیٹھے، بائیں زانو کی رگِ کیماس دہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے برابر کی انگلی میں دبالے، پھر سر جھکا کر بائیں گھٹنے کے محاذی لاکر **لا** کا لام یہاں سے شروع کر کے دہنے گھٹنے کے محاذات تک کھینچتا ہوا لے جائے۔ اب یہاں سے **اِلٰـــہَ** کا ہمزہ شروع کر کے لام کے بعد کا الف دہنے شانے تک کھینچتا ہوا لے جائے اور **ہَ** دہنی طرف خوب منہ پھیر کر کہے، پھر وہاں سے **اِلَّا اللّٰہُ**، بقوت دل پر ضرب کرے۔ سو بار یا حسب قوت کم سے شروع کرے۔ پھر حسب طاقت وفرصت بڑھاتا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ پانچ ہزار ضرب روزانہ تک پہنچائے۔ جب حرارت بڑھنے لگے، ہر سو بار کے بعد ایک یا تین بار **محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم** کہہ لے، تسکین پائے گا۔ مگر مبتدی کا جب تک زنگ دور نہ ہو خالص حرارت کا محتاج ہے۔ ایسے وقت اور ایسی جگہ ہو کہ ریا نہ آئے۔ کسی نمازی، ذاکر، یا مریض یا

سوتے کو تشویش نہ ہو۔ اگر دیکھے کہ ریا آتا ہے تو نہ چھوڑے اور خیالِ ریا کو دفع کرے۔ اللہ عزوجل کی طرف اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے رجوع لائے تائب ہو، ان شاء اللہ تعالیٰ ریا دفع ہوگا۔(الوظیفۃ الکریمہ، افاداتِ امام احمد رضا محدث بریلوی:۲۰،۲۱ مطبوعہ المجمع المصباحی مبارک پور)

دعاے اِفطار کس وقت پڑھی جائے؟

مولانا محمد عبدالحمید چشتی فریدی بنارسی نے دعاے افطار کے وقت کی بابت ایک تفصیلی استفتا کیا، جس میں مختلف علما و محققین کی آرا بھی درج کیں کہ بعض نے افطار سے پہلے اور بعض نے افطار کے وقت دعا پڑھنے کا قول کیا، ساتھ ہی ان کی دلیلیں بھی اِختصاراً پیش کردی ہیں، پھر اخیر میں اعلیٰ حضرت سے اس سلسلے میں حرفِ آخر لکھنے کی اِستدعا فرمائی۔ تو امام احمد رضا کا قلم حق رقم اُٹھتا ہے اور تحقیق کی جوے شیر بہا دی جاتی ہے۔ ایک پورا رسالہ اسی عنوان سے معرضِ وجود میں آتا ہے، جس کا تاریخی نام ُالعروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار ٗ[۱۳۱۲ھ] رکھا جاتا ہے۔ جس میں آپ نے درجنوں ٹھوس دلائل وشواہد سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا کہ دعا کا درست وقت بعد اِفطار ہے، نہ کہ وقت افطار یا قبل افطار۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ُمقتضاے دلیل یہ ہے کہ دعاے روزہ افطار کر کے پڑھے ٗ۔[فتاویٰ رضویہ، جلد۸: ۴۵۹ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

پھر اس پر دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ُحدیث مذکور ابی داؤد کہ ابن السنی نے کتاب عمل الیوم واللیلہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یوں روایت کی: عن معاذبن زھرہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذا افطر قال الحمد للہ الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت۔ حضرت معاذ بن زہرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ پڑھتے: سب حمد اللہ کی جس نے میری مدد فرمائی کہ میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطا فرمایا کہ میں نے افطار کیا۔(شعب الایمان:۳/۴۰۶ حدیث:۳۹۰۲۔ دارالکتب العلمیہ بیروت...... کتاب عمل الیوم واللیلۃ: ۱۲۸۔ معارف نعمانیہ حیدرآباد دکن)

اور ابن السنی نے کتاب مذکور اور طبرانی نے معجم کبیر اور دارقطنی نے سنن میں موصولا یوں تخریج کی: عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذا افطر قال اللھم لك صمنا وعلی رزقك افطرنا فتقبل منا انك انت السمیع العلیم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، ہماری طرف سے قبول فرما تو سننے اور جاننے والا ہے۔(کتاب عمل الیوم و اللیلۃ: ۱۲۸ معارف نعمانیہ حیدرآباد دکن)

نیز حدیث ابی داود ونسائی ودارقطنی وحاکم وغیرہم: عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما قال کان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: اذا افطر قال ذھب الظمأ و ابتلت العروق ویثبت الاجر ان شاء اللہ تعالی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افطار کرتے تو فرماتے: پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں، اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اجر ثابت ہوگیا۔(سنن ابی داؤد:۳۲۱۔ آفتاب عالم پریس لاہور)

ان سب کا مفاد صریح یہی ہے افطر شرط اور قال

کــذا اس کی جزا، مجرد قول کہ مقولے سے معرا کرلیا جائے صلاحیتِ وقوع ہی نہیں رکھتا، ترتب کہ لازم جزائیت ہے کہاں سے آئیگا، اللھم کو کلامِ مستانف قرار دینا ایسی بات ہے کہ شرح مائۃ عامل خواں بھی قبول نہ کرے گا، اور جزا شرط سے مقدم نہیں ہوتی بل یعقبہ ویترتب علیہ کما لایخفی علی کل من لہ ادنی مسۃ (بلکہ جزا شرط سے موخر اور اس پر مترتب ہوتی ہے جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہے جو اس فن کے ساتھ تھوڑا سا بھی تعلق رکھتا ہے) اور مقارنت حقیقیہ یہاں معقول نہیں کہ عین وقتِ افطار بالاکل والشرب یعنی جس وقت کوئی مطعوم حلق سے اتارا جائے عادۃً خاص اس حالت میں قراءت نامتیسر، لاجرم تعقیب مراد، وھــو الــمــقــصــود'۔[فتاویٰ رضویہ، جلد۸:۴۶۰مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

پھر کچھ آگے چل کر اپنے موقف کی تائید وتوثیق ایک مثال کے ذریعہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

'(فرض کرو کہ) اگر عمرو بعد غروب شمس یہ دعائیں پڑھ کر افطار کرے اور زید بعد غروب فوراً افطار کر کے پڑھے تو دیکھنا چاہیے کہ اس میں کس کا فعل اللہ عزوجل کو زیادہ محبوب ہے۔ حدیث شاہد عدل ہے کہ فعل زید زیادہ پسندِ حضرت جل وعلیٰ ہے کہ رب العزت تبارک وتعالی (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے: إن أحــب عــبــادی إلــی أعــجلھم فــطــرا. مجھے اپنے بندوں میں وہ زیادہ پیارا ہے جوان میں سب سے زیادہ جلد افطار کرتا ہے۔ (جامع ترمذی:۱/۸۸۔امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

شک نہیں کہ صورتِ مذکورہ میں زید کا افطار جلد تر ہوا تو یہی طریقہ زیادہ پسند ومرضی رب اکبر ہوا جل جلالہ، وعم نوالہ۔ یہ دوسرا مؤید ہے اس کا کہ وقت الافطار وبعد الافطار کا مآل واحد ہے کہ جب افطار غروب شمس کے بعد جلد ہو تو احب وافضل، اور مقارنت افطار ودعا، نامتیسر اور پیش از غروب، وقت افطار معدوم، تو وہ صورت بعدیت متصلہ ہی مقصود ومفہوم'۔[فتاویٰ رضویہ، جلد۸:۴۶۱مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

اس کے بعد اس موقف کی تائید میں علمائے اَعلام کے استشہادات پیش فرمانے کے بعد لکھتے ہیں :

'ان تقریرات سے بحمد اللہ تعالی تمام سوالوں کا جواب ہوگیا اور روشن طور پر منجلی ہوا کہ مقتضائے سنت یہی ہے کہ بعد غروب جو خرمے یا پانی وغیرہ از قبل نماز افطار معجّل کرتے ہیں اس میں اور علم بغروب شمس میں اصلا فصل نہ چاہیے، یہ دعائیں اس کے بعد ہوں'۔[فتاویٰ رضویہ، جلد۸:۴۶۴ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

تدفین کے بعد اَذان ودعا کا مسئلہ: ایک مسئلہ دریافت کیا گیا کہ دفن کے وقت جو قبر پر اَذان کہی جاتی ہے، وہ شرعا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں آپ نے 'إیذان الأجر في أذان القبر' [۱۳۰۷ھ] نامی ایک تحقیقی کتاب رقم فرمائی، جس کی تمہید میں قبر پر اَذان کے جواز کو ثابت کرنے کے بعد ذکر ودعا کی طرف آئے ہیں اور اس تعلق سے بہت سے منفرد گوشوں سے پردہ اُٹھایا ہے۔ چنانچہ تمہید میں نفس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

'بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی وعلامہ خیر الملۃ والدین رملی استاذ صاحبِ درمختار علیہم رحمۃ الغفار نے ان کا یہ قول نقل کیا: امــا الــمــکــی فــفــی 'فتاواہ' وفی شرح العــبــاب وعــارض وأمــا الــرملــی ففــی حــاشــیــة البــحــر الــرائــق ومــرض۔ (مکی نے اپنے فتاوی اور شرح العباب میں نقل کیا اور اس نے معارضہ کیا، رملی نے حاشیہ البحر الرائق میں نقل کیا اور اسے کمزور کہا)۔ حق یہ ہے کہ

اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے، ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا قائلانِ جواز کے لیے اسی قدر کافی، جو مدعیِ ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعوی ثابت کرے۔[فتاویٰ رضویہ:۴/۴۹۰ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

پھر اس کے بعد اس موقف کی تائید میں علمائے محققین کے اَقوال کو پیش فرمایا ہے اور استخراجِ نتیجہ کیا ہے۔اور بہت سے ایسے افادات رقم فرمائے ہیں جو شاید آپ کے تفردات میں سے ہوں کہ جن کی نظیریں ماسبق میں نہیں ملتیں۔سوال قبر کے وقت شیطان کی دخل اندازی اور اس کی دسیسہ کاری معروف ہے۔نیز وہ ایک وحشت و غربت کا سماں ہوتا ہے، پھر ملکوتی نمائندوں کے سوالوں کی جواب دہی، یہ وہ چیزیں ہیں جو مردے کے لیے خاصی باعث تشویش و حیرانی ہوتی ہیں۔تو اس موقع پر اَذان دینے کی جو وجوہات ہیں اُن کی اعلیٰ حضرت نے بہت سی علتیں بیان فرمائی ہیں، دوایک کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔فرماتے ہیں :

'جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے اور اسے کلمہ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالیٰ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقتاً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ جواب یاد ہوجائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ان کے سوال تین ہیں:۱) من ربك؟ تیرا رب کون ہے۔۲) ما دینك؟ تیرا دین کیا ہے۔۳) ما کنت تقول فی هذا الرجل؟ تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔اَب اذان کی ابتدا میں اللہ اکبر اللہ، اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر...... اشهد ان لااله الا اللّٰه اشهد ان لااله الا اللّٰه......اور آخر میں اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لااله الا اللّٰه سوال من ربك؟ کا جواب سکھائیں گے ان کے سننے سے یاد آئے گا کہ میرا رب اللہ ہے اور اشهد ان محمدا رسول اللّٰه اشهد ان محمدا رسول اللّٰه سوال ماکنت تقول فی هذا الرجل؟ کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حی علی الصلوٰة حی علی الفلاح جواب ما دینك؟ کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاة عمادالدین تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا۔اب یہ کلامِ سماعِ موتی وتلقینِ اموات کی طرف منجر ہوگا فقیر غفر اللہ تعالیٰ خاص اس مسئلہ میں کتاب مبسوط مسمی بہ حیات الموات فی بیان سماع الاموات تحریر کر چکا جس میں پچھتر حدیثوں اور پونے چار سو اقوالِ ائمہ دین وعلمائے کاملین وخود بزرگانِ منکرین سے ثابت کیا کہ مردوں کا سننا دیکھنا سمجھنا قطعاً حق ہے اور اس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع قائم اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر غبی جاہل یا معاند مبطل، اور اسی کی چند فصول میں بحث تلقین بھی صاف کردی یہاں اس کے اعادہ کی حاجت نہیں'۔[فتاویٰ رضویہ:۴/۹۲،۹۳ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

پھر اس کے آگے ایک مقام پر فرماتے ہیں :

''حدیثوں سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اس وقت عیاذاً باللہ شیطان رجیم کا دخل ہوتا ہے یونہی یہ بھی واضح ہوا کہ اس کے دفع کی تدبیر سنت ہے کہ دعا نہیں مگر ایک تدبیر اور احادیث سابقہ دلیل اوّل سے واضح کہ اذان' دفعِ شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے تو یہ بھی مقصود شارع کے مطابق اور اپنی نظیر شرعی سے موافق ہوئی'۔[فتاویٰ

رضویہ:۴/۴۹۴مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

جب اذانِ قبر کی تحقیق مکمل ہوئی تو اعلیٰ حضرت دلیل ششم کے تحت میت کے لیے دعا کی سنیت واہمیت کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

’ابوداؤد و حاکم وبیہقی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی:كان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف علیه قال: استغفروا لأخیكم وسلوا له بالتثبت فإنه الآن یسأل۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد کرتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے جوابِ نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔(سنن ابوداؤد:۲/۱۰۳۔مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور)

سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی:قال كان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یقف علی القبر بعد ما سوی علیه فیقول: اللهم نزل بك صاحبنا وخلف الدنیا خلف ظهره اللهم ثبت عند المسألة منطقة ولاتبتله فی قبره بما لا طاقة له به۔ یعنی جب مردہ دفن ہوکر قبر درست ہوجاتی،حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قبر پر کھڑے ہوکر دعا کرتے الٰہی !ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہوا اور دنیا اپنے پسِ پشت چھوڑ آیا،الٰہی !سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلا نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔(الدر المنثور:۴/۸۳مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ،قم ایران)

ان حدیثوں سے ثابت کہ دفن کے بعد دعا سنت ہے۔ امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہ الشریف دعا بعد دفن کی حکمت میں فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ بجماعت مسلمین ایک لشکر تھا کہ آستانۂ شاہی پر میت کی شفاعت وعذر خواہی کیلئے حاضر ہوا اور اب قبر پر کھڑے ہوکر دعا' یہ اس لشکر کی مدد ہے کہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے کہ اسے اس نئی جگہ کا ہول اور نکیرین کا سوال پیش آنے والا ہے۔ نقله المولی جلال الملة والدین السیوطی رحمه الله تعالی فی شرح الصدور۔ اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہاں استحبابِ دعا کا عالم میں کوئی عالم منکر ہو۔امام آجری فرماتے ہیں:یستحب الوقوف بعد الدفن قلیلا والدعاء للمیت ۔یعنی مستحب ہے کہ دفن کے بعد کچھ دیر کھڑے رہیں اور میت کے لئے دعا کریں۔اسی طرح اذکار امام نووی وجوہرۂ نیرہ ودرمختار وفتاوی عالمگیری وغیرہا اسفار میں ہے‘۔ [فتاویٰ رضویہ:۴/۹۴،۴۹۵ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

پھر اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے تدفین کے بعد اَذان اور دعا کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے ایک بڑی خوبصورت بات استشہاداً رقم فرمائی ہے، لکھتے ہیں :

’یہ تو واضح ہولیا کہ بعد دفن میت کے لیے دعا سنت ہے۔اور علما فرماتے ہیں آدابِ دعا سے ہے کہ اس سے پہلے کوئی عملِ صالح کرے۔امام شمس الدین محمد بن الجزری کی حصن حصین شریف میں ہے:اداب الدعاء منها: تقدیم عمل صالح وذكره عند الشدة ۔یعنی آدابِ دعا میں سے ہے کہ اس سے پہلے عمل صالح ہو اور ذکرِ الٰہی مشکل وقت میں ضرور کرنا چاہیے۔علامہ علی قاری حرز ثمین میں فرماتے ہیں: یہ اَدب حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے(کہ ابوداؤد وترمذی، ونسائی وابن ماجہ وابن حبان نے روایت کی) ثابت ہے۔اور شک نہیں کہ اذان بھی عمل صالح ہے تو دعا پر اس کی تقدیم مطابق مقصود وسنت

ہوئی۔[فتاویٰ رضویہ:۴/۹۶مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا اگر وہ پندرہ دعائیں جو اعلیٰ حضرت نے احادیث صحیحہ سے اخذ کرکے اپنی تصنیف ’المنۃ الممتازۃ‘ میں جمع کی ہیں نقل کردی جائیں تاکہ قارئین ان پر مطلع ہوں اور حسب ضرورت ان سے استفادہ کرکے خلق خدا کے جنائز میں پڑھ کر ان کی نفع بخشی کا سامان کریں۔ یہ دعائیں تکبیر سوم کے بعد اور سلام سے قبل پڑھی جائیں۔

خاص بات یہ کہ برصغیر ہندوپاک میں چھوٹے بڑے کسی کا جنازہ ہو، بس ایک ہی مروج ومشہور دعا پڑھنے کا معمول ہے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت نے جنازے میں پڑھی جانے والی دعاؤں کے تعلق سے مستقل ایک تاریخی کتاب، ’المنۃ الممتازۃ فی دعوات الجنازۃ‘ [۱۳۱۸ھ] کے نام سے تصنیف فرمائی ہے، جس میں آپ نے مستند احادیث سے چودہ خصوصی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ آپ وصایا شریف میں اپنی نماز جنازہ میں ان دعاؤں کو پڑھنے کی وصیت بھی کر گئے تھے، اور آپ نے اپنے بڑے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام کو نماز پڑھانے کی تاکید کی تھی بایں شرط کہ نماز جنازہ کی وہ چودہ دعائیں انھیں یاد ہوں اور اگر یاد نہ ہوں تو پھر صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی گھوسوی میری نماز جنازہ پڑھائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: مکتوب وصایا، مرتبہ مولانا حسنین رضا بریلوی:٦۔قادری کتاب گھر، بریلی)

نیز حافظ حاجی قاری مولانا زائر سید محمد عبدالکریم قادری برکاتی جنھوں نے نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعاؤں کی تعداد دریافت کی تھی، اور جن کے لیے آپ نے ’المنۃ الممتازۃ‘ تحریر کی تھی، ان کو جواب دیتے ہوئے آپ نے ان کو بھی اپنی نمازِ جنازہ پڑھانے کی وصیت تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

’وہ تیرہ دعائیں ہیں کہ نماز جنازہ کی احادیث میں وارد ہوئیں۔ فقیر نے انہیں جمع کرکے ایک اور کا اضافہ کیا انہیں میں گزارش کرتا ہوں کہ حفظ فرمالیں اور بالحاظ معنی جنائز اہلسنّت پر پڑھا کریں۔ جن کلمات کو دو خط ہلالی میں لے کر ان پر خط کھینچ کر بالائے سطر دوسرے الفاظ لکھے جاتے ہیں وہ لفظ عورت کے جنازے میں ان کلمات کی جگہ پڑھے جائیں۔ فقیر آپ کو وصیت کرتا ہے کہ میرا جنازہ پائیں تو نماز خود ہی پڑھائیں اور یہ سب دعائیں اپنے خالص قادری قلب کے خضوع وخشوع سے پڑھیں اور قبرِ فقیر محتاج پر تلقین بھی کریں وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم .

1 اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا . اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ اَللّٰھُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ [ھَا] ، وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَہٗ [ھَا].

2 اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ [لَھَا]، وَارْحَمْہُ [ھا]، وَعَافِہٖ [ھا] وَاعْفُ عَنْہُ [ھَا] وَوَسِّعْ مَدْخَلَہٗ [ھَا] وَاغْسِلْہُ [ھَا] بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّہٖ [ھَا] مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْأبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَ اَبْدِلْہُ [ھَا] دَارًا خَیْرًا مِنْ دَارِہٖ [ھَا] وَاَھْلاً خَیْرًا مِنْ اَھْلِہٖ [ھَا] وَزَوْجًا خَیْرًا مِنْ زَوْجِہٖ [ھَا] وَاَدْخِلْہُ [ھَا] الْجَنَّۃَ وَ اَعِذْہُ [ھَا] مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ .

3 اَللّٰھُمَّ عَبْدُکَ [اَمَتُکَ] وَابْنُ [وَبِنْتُ] اَمَتِکَ یَشْھَدُ [تَشْھَدُ] اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ وَیَشْھَدُ [تَشْھَدُ] اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ اَصْبَحَ فَقِیْرًا [اَصْبَحَتْ فَقِیْرَۃً] اِلٰی رَحْمَتِکَ وَاَصْبَحْتَ غَنِیًّا عَنْ عَذَابِہٖ [ھَا] تَخَلّٰی [تَخَلَّتْ] مِنَ الدُّنْیَا وَاَھْلِھَا اِنْ کَانَ زَاکِیًا [کَانَتْ زَاکِیَۃً] فَزَکِّہٖ [ھَا] وَاِنْ کَانَ مُخْطِئًا [کَانَتْ مُخْطِئَۃً] فَاغْفِرْ لَہٗ [لَھَا] اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ [ھَا] وَلَاتُضِلَّنَا بَعْدَہٗ [ھَا].

4 اَللّٰھُمَّ ھٰذا عَبْدُکَ [ھٰذِہٖ اَمَتُکَ] ابْنُ عَبْدِکَ

[بِنتُ بُنُ اَمَتِكَ] مَاضٍ فِيْهِ [هَا] حُكْمُكَ، خَلَقْتَهُ [هَا] وَلَمْ يَكُ [تَكُ هِيَ] شَيْئًا مَذْكُورًا، نَزَلَ [نَزَلَتْ] بِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهٖ .اَللّٰهُمَّ لَقِّنْهُ [هَا] حُجَّتَهُ [هَا] وَ اَلْحِقْهُ [هَا] بِنَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صلى الله تعالى عليه وسلم وَثَبِّتْهُ [هَا] بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فَاِنَّهُ [هَا] اَفْتَقَرَ [اَفْتَقَرَتْ] اِلَيْكَ وَاسْتَغْنَيْتَ عَنْهُ [هَا] كَانَ يَشْهَدُ [كَانَتْ تَشْهَدُ] اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ فَاغْفِرْ لَهُ [هَا] وَارْحَمْهُ [هَا] وَلَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ [هَا] وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ [هَا] اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ زَاكِيًا [كَانَتْ زَاكِيَةً] فَزَكِّهٖ [هَا] وَاِنْ كَانَ خَاطِئًا [كَانَتْ خَاطِئَةً] فَاغْفِرْلَهُ [هَا].

5 اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ [اَمَتُكَ] وابْنُ [بِنْتُ] اَمَتِكَ احْتَاجَ [احْتَاجَتْ] اِلٰى رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ عَذَابِهٖ [هَا] اِنْ كَانَ [كَانَتْ] مُحْسِنًا [مُحْسِنَةً] فَزِدْ فِي اِحْسَانِهٖ [هَا] وَاِنْ كَانَ [كَانَتْ] مُسِيْئًا [مُسِيْئَةً] فَتَجَاوَزْ عَنْهُ [عنها] .

6 اَللّٰهُمَّ [عَبْدُكَ] اَمَتُكَ وَابْنُ [بِنْتُ] عَبْدِكَ كَانَ [كَانَتْ] يَشْهَدُ [تَشْهَدُ] اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ صلى الله تعالى عليه وسلم . وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِه [هَا] مِنَّا اِنْ كَانَ [كَانَتْ] مُحْسِنًا [مُحْسِنَةً] فَزِدْ فِيْ اِحسَانِهٖ [هَا] وَاِنْ كَانَ [كَانَتْ] مُسِيْئًا [مُسِيْئَةً] فَاغْفِرْلَهُ [هَا] وَلَاتَحْرِمْنَا اَجْرَهُ [هَا] وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ [هَا] .

7 اَصْبَحَ عَبْدُكَ هٰذَا [اَصْبَحَتْ اَمَتُكَ هٰذِه] قَدْ تَخَلّٰى [تَخَلَّتْ] عَنِ الدُّنْيَا وَ [تَرَكَهَا [تَرَكَتْهَا لِاَهْلِهَا] وَافْتَقَرَ [افْتَقَرَتْ] اِلَيْكَ وَاسْتَغْنَيْتَ عَنْهُ [هَا] وَقَدْ كَانَ يَشْهَدُ [كَانَتْ تَشْهَدُ] اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ صلى الله تعالى عليه وسلم . اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ [هَا] وَتَجَاوَزْ عَنْهُ [هَا] وَاَلْحِقْهُ [هَا] بنبيه [هَا] صلى الله تعالى عليه وسلم .

8 اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهُ [هَا] وَاَنْتَ خَلَقْتَهُ [هَا] وَاَنْتَ هَدَيْتَهُ [هَا] لِلْاِسْلَامِ . وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهُ [هَا] وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهٖ [هَا] وَعَلَانِيَتِهٖ [هَا] جِئْنَاشُفَعَآءَ فَاغْفِرْلَهُ [هَا] .

9 اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِاِخْوَانِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا اَللّٰهُمَّ هٰذَاعَبْدُكَ [هٰذِه اَمَتُكَ] فلان ابْنُ [بِنْتُ] فُلان وَلَانَعْلَمُ اِلَّا خَيْرًا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ [بِهَا] مِنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَلَهُ [لَهَا] .

10 اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ ابْنُ [بِنْتُ فُلان] فِي ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ [هَا] مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَآءِ وَالْحَمْدِ . اَللّٰهُمَّ فَاغْفِرْلَهُ [هَا] وَارْحَمْهُ [هَا] اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ .

11 اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ [هَا] مِنَ الشَّيْطٰنِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ .اَللّٰهُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهَا وَصَعِّدْ رُوْحَهَا وَلَقِّهَا مِنْكَ رِضْوَانًا .

12 اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ خَلَقْتَنَا وَنَحْنُ عِبَادُكَ . اَنْتَ رَبُّنَا وَاِلَيْكَ مَعَادُنَا .

13 اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا. اَللّٰهُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَهُ [هَا] وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ [هَا] .

14 اَللّٰهُمَّ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ يَاحَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَابَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ .اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ صَلَى اللّٰهُ تعالى عليهِ وسلم . اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْكَرِيْمَ اِذَا اَمَرَ بِالسُّؤَالِ لَمْ يَرُدَّهُ اَبَدًا وَقَدْ اَمَرْتَنَا

فَدَعَوْنَا وَاَذِنْتَ لَنَا فَشَفَعْنَا وَاَنْتَ اَكْرَمُ الْاَكْرَمِيْنَ فَشَفِّعْنَا فِيْهِ [هَا] وَارْحَمْهُ [هَا] فِيْ وَحْدَتِهٖ [هَا] وَفِيْ وَحْشَتِهٖ [هَا] وَارْحَمْهُ [هَا] فِيْ غُرْبَتِهٖ[هَا] وَارْحَمْهُ [هَا] فِيْ كُرْبَتِهٖ [هَا] وَاَعْظِمْ لَهٗ [هَا] اَجْرَهٗ [هَا] وَنَوِّرْلَهٗ [هَا] قَبْرَهٗ [هَا] وَبَيِّضْ لَهٗ [هَا] وَجْهَهٗ [هَا] وَبَرِّدْ لَهٗ [هَا] مَضْجَعَهٗ [ها] وَ عَطِّرْ لَهٗ [هَا] مَنْزِلَهٗ [ها] وَاَكْرِمْ لَهٗ [هَا] نُزُلَهٗ [هَا] يَاخَيْرَالْمُنْزِلِيْنَ يَا خَيْرَالْغَافِرِيْنَ وَيَاخَيْرَالرَّاحِمِيْنَ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ صَلِ وسلم وبارِك علىٰ سيدِ الشافِعِينَ محمَّدً والِه وصحبِه أجمعِين . والحمد لِلّٰهِ ربِّ العَالِمينَ .

پھر اس کے بعد آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ جب تک میری قبر تیار ہو حاضرین یہ دعا پڑھتے رہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ عَبْدُكَ هٰذَا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ بِجَاهِ نَبِيِّكَ صلى الله عليه وآله وسلم. (نفس مصدر)

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ استقبالِ موت کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں، اپنی قبروں کو روشن کرنے کی فکر کریں، ان دعاؤں کو پہلے خود یاد کریں اور پھر دوسروں تک اس کی برکات وتجلیات پہنچانے میں اپنا مومنانہ کردار اَدا کریں۔ اور عامۃ الناس کے لیے نہ سہی، خواص کے جنازے میں تو انھیں پڑھنے کا معمول بنائیں کہ ان سے نزولِ رحمت اور جلب مغفرت کی توقع زیادہ کی جاسکتی ہے۔ (طالب تفصیل رسالہ مبارکہ المنة الممتازة فی دعوات الجنازة دیکھے)

کفن کے اوپر دعا مثلاً عہد نامہ وغیرہ لکھنا کیسا؟

سائل نے یہ پوچھا کہ متبرک مقامات سے آنے والا پارچہ میت کو پہنانا کیسا ہے کہ اس پر آیات واحادیث وغیرہ لکھی ہوتی ہیں، نیز کفن کے اوپر دعا وغیرہ لکھنے کا کیا مسئلہ ہے؟ تو اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت کا تحریر کردہ جواب اتنا تفصیلی ہوگیا کہ اس نے مستقل ایک کتاب کی شکل اختیار کرلی، اور اس کا تاریخی نام 'الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن' [۱۳۰۸ھ] تجویز ہوا۔ اس کتاب کی تمہید اعلیٰ حضرت یوں اُٹھاتے ہیں :

'ہمارے علمائے کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لیے امیدِ مغفرت ہے'۔ پھر اس کے لیے چند جید علما کے اقوال پیش کرنے کے بعد امام اجل طاؤس تابعی تلمیذ رشید سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنے کفن میں دعاے عہد نامہ لکھنے کی وصیت کی تھی اور حسب وصیت ان کے کفن میں لکھا گیا۔ پھر اس کے ساتھ ہی نوادر الاصول کی یہ روایت لائے ہیں کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'من كتب هذا الدعاء وجعله بين صدر الميت وكفنه في رقعة لم ينله عذاب القبر ولايرى منكرا و نكيرا و هوهذا: لااله الاالله والله اكبر لااله الاالله وحده، لاشريك له لااله الاالله له الملك وله الحمد لااله الاالله ولاحول ولاقوة الابالله العلى العظيم. یعنی جو یہ دعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینے پر کفن کے نیچے رکھ دے اسے عذابِ قبر نہ ہو، نہ منکر نکیر نظر آئیں۔ (فتاویٰ کبریٰ بحوالۂ حکیم ترمذی: ۶/۲۔ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت) [فتاویٰ رضویہ: ۳۸/۷ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

نمازِ جنازہ کے بعد دعا کا حکم:

مولوی محمد عمر الدین صاحب نے بارگاہِ رضویہ میں اِستفتا کیا کہ نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر جو دعائیں کی جاتی ہیں، کیا وہ درست ہیں؟۔ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے ایک تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا جس میں آپ نے قرآن وحدیث کے دلائل وشواہد سے یہ ثابت کیا کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا ایسے ہی جائز وثابت ہے جیسے دیگر مواقع پر۔ فرماتے ہیں :

'اموات مسلمین کے لیے دعا قطعاً محبوب وشرعا مندوب، جس کی ندب وترغیب مطلق پر آیات واحادیث بلاتوقیت وتخصیص ناطق، تو بلاشبہ ہر وقت اس پر حکم جواز

صادق، جب تک کسی خاص وقت ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہ ہو۔ مطلق شرعی کو از پیش خویش موقت اور مرسل کو مقید کرنا، تشریع من عند النفس ہے اور نماز ہر چند اعظم و اجل طرق ہے؛ مگر اس پر اقتصار کا حکم نہ اس کے اغنا پر جزم، بلکہ شرع مبارک وقتاً فوقتاً بکثرت اور بار بار تعرض نفحاتِ رحمت کا حکم فرماتی ہے کیا معلوم کس وقت کی دعا قبول ہو جائے۔

صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکثر من الدعاء. یعنی دعا کی کثرت کرے۔ (جامع الترمذی: ۲/۱۷۴۔ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

مستدرک حاکم وصحیح ابن حبان میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور اقدس صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں: لاتعجزوا فی الدعاء فانه لن یهلك مع الدعاء أحد۔ یعنی دعا میں کسل وکمی نہ کرو کہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہ ہوگا۔ (المستدرک علی الصحیحین: ۱/۴۹۴۔ مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

قال فی الحرز: المعنی لاتقصروا ولاتکسلوا فی تحصیل الدعاء۔ یعنی حرزِ ثمین میں ہے: معنی یہ ہے کہ دعا کی بجا آوری میں کوتاہی وسستی نہ کرو۔ (حرز ثمین شرح حصن حصین: ۱۱۔ افضل المطابع لکھنو)

مسند ابو یعلی میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تدعون اللہ تعالی فی لیلکم ونهارکم فإن الدعاء سلاح المؤمنین۔ یعنی رات دن اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے۔ (مسند ابو یعلی: ۲/۳۲۹۔ مطبوعہ موسستہ علوم القرآن بیروت)

طبرانی کتاب الدعا، ابن عدی کامل، امام ترمذی، نوادر وبیہقی شعب الایمان میں بعد ابوالشیخ وقضاعی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إن اللــــه یحب الملحین فی الدعاء۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ بکثرت وبار بار دعا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (نوادر الاصول: ۲۲۰۔ مطبوعہ دار صادر بیروت)

طبرانی معجم کبیر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إن لربکم فی أیام دهرکم نفحات فتعرضوا لها لعل أن یصیبکم نفح منها فلا تشقون بعدها أبدا۔ یعنی تمہارے رب کے لیے زمانے کے دنوں میں کچھ عطائیں، رحمتیں، تجلیاں ہیں تو ان کی تلاش رکھو (یعنی کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت دعا مانگتے رہو، تمہیں کیا معلوم کس وقت رحمتِ الٰہی کے خزانے کھولے جائیں) شاید ان میں کوئی تجلی تمہیں بھی پہنچ جائے کہ پھر بدبختی نہ آئے۔ (المعجم الکبیر: ۱۹/۲۳۴۔ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت)

جب دعا کی نسبت صاف حکم ہے کہ اس میں کسل نہ کرو، بکثرت مانگو، رات دن مانگو، ہر حال مانگو۔ تو ایک بار کی دعا پر اقتصار کیونکر مطلوبِ شرع ہوسکتا ہے!۔ لاجرم حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل نماز وبعد نماز دونوں وقت میت کے لیے دعا فرمانا اور مسلمانوں کو دعا کا حکم دینا ثابت...... ولہٰذا ختمِ قرآن واتمامِ صوم ونمازِ پنجگانہ بلکہ ہر نمازِ مفروض بلکہ ہر فرض کے بعد دعا کی ترغیب احادیث میں آئی ہے جن میں نمازِ جنازہ بھی قطعاً داخل۔ [فتاویٰ رضویہ: ۷/۱۱۴تا۱۱۵ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

یہ جواب ممبئی سے آئے ہوئے ایک استفتا کے جواب میں تھا، مگر پھر چند ہی ماہ بعد اسی موضوع سے متعلق ایک دوسرا اِستفسار جب مدرسہ فیض عام، کان پور سے پہنچا تو آپ نے اس موضوع پر خوب

خوب دادِ تحقیق دی اور ایک مستقل رسالہ ’بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز‘ [۱۳۱۱ھ] کے تاریخی نام سے تحریر فرمایا، جس میں دعا بعد جنازہ کو ائمہ اعلام کے اقوال سے مزین کر کے تفصیل تمام سے بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کے لیے اصل رسالے کو دیکھیں۔

دعا اور مردانِ غیب کی مدد:

نمازِ غوثیہ کے تعلق سے کچھ خرد ماغوں نے عدم جواز اور کفر و شرک کا طعنہ دینا شروع کیا تو اعلیٰ حضرت نے اس کے جواب میں دو مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں: ’انہار الانوار فی صلاۃ الاسرار‘ [۱۳۰۵ھ] اور ’ازہار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار‘ [۱۳۰۵ھ]۔ پہلا اردو میں اور دوسرا عربی میں۔ جس میں آپ نے پہلے بہجۃ الاسرار شریف پر اُٹھائے گئے اعتراضات کا قلع قمع فرمایا، پھر صلوٰۃ غوثیہ کے جواز پر دلائل و ثبوت کے پشتارے لگا دیے۔ اسی میں ضمنی طور پر آپ نے مردانِ غیب سے مدد مانگنے کی بحث بھی چھیڑ دی جو ہمارے موضوع سے یک گونہ متعلق ہے، چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :

’سنیے ابن السنی عبداللہ بن مسعود اور بزار عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إذا انفلتت دأبة أحدکم بأرض فلاة فلیناد یاعباد اللہ احبسوا فان للہ تعالی عبادا فی الارض تحبسه ۔ یعنی جب تم میں کسی کا جانور جنگل میں چھوٹ جائے تو چاہیے یوں ندا کرے: ”اے خدا کے بندو! روک لو کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے زمین میں ہیں جو اسے روک لیں گے۔ (المعجم الکبیر: ۱۰/۲۶۷۔ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت)

بزار کی روایت میں ہے یوں کہے: اعینوا یا عباد اللہ. مدد کرو اے خدا کے بندو! ۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لفظوں کے بعد رحمکم اللہ اور زیادہ فرماتے۔ (المصنف لابن ابی شیبہ: ۱۰/۳۹۰۔ مطبوعہ ادارالقرآن کراچی)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی اذکار میں فرماتے ہیں: ہمارے بعض اساتذہ نے کہ عالم کبیر تھے ایسا ہی کیا، چھوٹا ہوا جانور فوراً رک گیا، اور فرماتے ہیں: ایک بار ہمارا ایک جانور چھوٹ گیا، لوگ عاجز آ گئے ہاتھ نہ لگا، میں نے یہی کلمہ کہا فوراً رک گیا جس کا اس کہنے کے سوا کوئی سبب نہ تھا۔ نقله سیدی علی القاری فی الحرز الثمین .
(الاذکار للنووی: ۲۰۱۔ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

امام طبرانی سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إذا أضل أحدکم شیئا أو أراد عونا وهو بأرض لیس بها أنیس فلیقل یاعباد اللہ أعینونی یاعباداللہ اعینونی یاعباداللہ اعینونی فإن للہ عبادا لایراهم. یعنی جب تم میں سے کوئی شخص سنسان جگہ میں بہکے بھولے یا کوئی چیز گم کر دے اور مدد مانگنی چاہے تو یوں کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ (المعجم الکبیر: ۱۰/۱۱۷، ۱۱۸۔ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت)

عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: قد جرب ذلك ۔ یعنی بالیقین یہ بات آزمائی ہوئی ہے۔ رواه الطبرانی ایضاً.

فاضل علی قاری علامہ میرک سے وہ بعض علمائے ثقات سے ناقل هذا حدیث حسن یہ حدیث حسن ہے۔ اور فرمایا مسافروں کو اس کی ضرورت ہے، اور فرمایا مشائخ کرام قدست اسرارہم سے مروی ہوا: إنه مجرب قرن به النجاح. یہ مجرب ہے اور مراد ملنی اس کے ساتھ مقرون۔ ذکره فی الحرز الثمین

ان احادیث میں جن بندگان خدا کو وقت حاجت پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کا صاف حکم ہے وہ ابدال ہیں کہ ایک قسم ہے اولیائے کرام سے قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم

وافاض علینا انوارہم۔ یہی قول اظہر واشہر ہے کما نص علیہ فی الحرز الوصین ۔اور ممکن کہ ملائکہ یا مسلمان صالح جن، مراد ہوں وکیف ما کان ایسے توسل ونداکو شرک وحرام اور منافی توکل واخلاص جاننا معاذاللہ شرع مطہر کو اصلاح دینا ہے!۔[فتاویٰ رضویہ: ۵:۶۹۴، ۶۹۵ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی]

اختتامیہ:

الغرض اَذکار واَدعیہ کے تعلق سے امام احمد رضا کی خدمات بڑی وقیع اور باوزن ہیں، خصوصاً مختلف مواقع پر ذکر ودعا پر اُٹھنے والے اعتراضات کا آپ نے عقل ونقل کے دلائل وشواہد سے جو جواب مرحمت فرمایا ہے، وہ اپنے آپ میں ایک لاجواب کام ہے۔علاوہ ازیں آپ کی جملہ تصنیفات وفتاویٰ میں اَذکار واَدعیہ کے حوالے سے تحریر کردہ معارف ونکات کا فرصت سے تفصیلی جائزہ لیا جائے تو وہ خود ئی ایک مستقل ضخیم کتاب بن جائیں۔

رئیس المتکلمین علامہ مفتی نقی علی خان علیہ الرحمہ نے 'احسن الوعاء لآداب الدعاء' کے نام سے دعا کی اہمیت وفضیلت پر ایک جامع رسالہ تصنیف فرمایا ہے، اعلیٰ حضرت جب اس کی طباعت واشاعت کے لیے کمربستہ ہوئے تو کتاب پر تحشیہ وشرح کے علاوہ آپ نے سینکڑوں فوائد کا اپنی طرف سے اِضافہ کرکے اس میں جان ڈال دی، اور انھیں 'ذیل المدعا لاحسن الوعاء' کے نام سے موسوم کیا۔ اعلیٰ حضرت کے یہ اِفادات اتنے وقیع ہیں کہ اگر انھیں الگ کتابی شکل دی جائے تو ایک مبسوط نوشتہ تیار ہوجائے۔ ہر چند کہ آپ کے اِفادات اس کتاب میں خاصے ہیں اور اس کی وجہ سے کتاب کی ضخامت وجامعیت بہت بڑھ گئی ہے؛ مگر والد بزرگوار کا اَدب اتنا ملحوظ تھا کہ اپنے اضافے کی تعبیر اس انداز میں کرتے ہیں: 'فقیر نے (اس کتاب میں) زیاداتِ کثیرہ کیں کہ اصل رسالہ سے نہ قدر میں بلکہ مقدار میں بڑھ گئیں'۔(احسن الوعاء لآداب الدعاء، وذیل المدعا لاحسن الوعاء:۳۰ مطبوعہ، مبارکپور)

یوں ہی آپ کی جمع کردہ کتاب 'الوظیفۃ الکریمہ' بھی ذکر ودعا کے موضوع پر مختصر مگر جامع نوشتہ، اور وظائف وادعیہ کا بیش بہا خزانہ ہے۔ جس میں آپ نے بعض سورتوں کے فضائل وخواص، بعض آیتوں کے وظائف واعمال، صبح وشام کی دعائیں اور ان کے فوائد وثمرات، پنج وقتہ نمازوں کے بعد کے ذکر ودعا، سوتے وقت کے اذکار، دعاء ہائے تہجد، ذکر جہر چہار ضربی، ذکر خفی، اور پاسِ انفاس وغیرہ کے بارے میں ہدایات وتعلیمات پیش فرمائی ہیں۔اور خود زندگی بھر ان پر عمل پیرا رہے۔حتی کہ جب اس دنیا سے چل چلاؤ کا وقت آیا تو بموجب حدیث پاک 'اِنسان جس طریقے پر جیتا ہے، اسی طریقے پر مرتا ہے، اور پھر اسی طریقے پر قیامت کے لیے اُٹھایا جائے گا' اعلیٰ حضرت 'سفر (آخریں) کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے بتمام وکمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں، پھر کلمہ طیبہ پورا پڑھا، جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا، ادھر ہونٹوں کی حرکت وذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرۂ مبارک پر ایک لمعہ نور کا چمکا، جس میں جنبش تھی، جس طرح لمعانِ خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے۔اس کے غائب ہوتے ہی وہ جان نور جسم اطہر حضور سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون'۔(تفصیل کے لیے الملفوظ دیکھیں)

اس مختصر مجموعے 'الوظیفۃ الکریمۃ' پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دن رات اور مختلف دیگر مواقع کی مسنون دعاؤں کو اعلیٰ حضرت نے عامۃ المسلمین کے افادے کی غرض سے منتخب فرمایا اور ساتھ ہی مختصر فوائد بھی تحریر کیے، تاکہ پڑھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو۔مگر اب چوں کہ دامن صفحات میں مزید کی گنجائش نہیں؛ ورنہ کچھ نمونے دکھائے جاتے۔اس لیے بس تعارف ہی پر اکتفا ہے۔اہل ذوق ومحبت اس سے ضرور استفادہ کریں، اور اپنی زندگیوں کو ان دعاؤں کا پابند بنائیں، پھر دیکھیں رب کی رحمتیں کس طرح ساون بھادوں بن کر برستی ہیں، بدحالی کس طرح خوش حالی کا روپ دھارتی ہے، اور ذلتیں عزتوں کی خلعت سے کس طرح سرفراز ہوتی ہیں۔

امام احمد رضا اور علم سیرت وشمائل نبویہ

مقالہ نگار

مولانا محمد اظہار النبی حسینی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

حضرت مولانا محمد اظہار النبی حسینی بن حضرت مولانا محمد اسمعیل حسینی چترویدی ۲۲: اگست ۱۹۸۸ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔آپ موضع بیلا، پوسٹ جنک پور دھام، ضلع دھنوشا (نیپال) کے متوطن ہیں۔ابتدائی تعلیم مدرسہ اخلاقیہ دارالقرآن (توپسیا: کولکاتا) اور دارالعلوم رضائے مصطفیٰ (مٹیا برج: کولکاتا) میں ہوئی۔اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں داخل ہوئے، اور ۲۰۱۳ء میں شعبہ فضیلت سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۲۰۱۷ء سے جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں مستقل تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔متعدد کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں، اور قریباً نصف درجن عربی کتابوں کے اردو تراجم بھی کیے۔ بہت سے مقالات ومضامین تحریر فرمائے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

رابطہ نمبر: 7007583521

امام احمد رضا اور علم سیرت وشمائل نبویہ

امام احمد رضا اور علم سیرت کے عنوان پر کچھ لکھنے سے قبل ایک اہم اور بنیادی بات عرض ہے کہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خصوصی مصروفیات عقائد وکلام، فقہ وفتاوی اور رد فرق باطلہ میں تھیں؛ اس لیے آپ دیگر فنون کی طرف بوقت ضرورت توجہ فرماتے اور کسی سائل کے سوال یا کسی صاحب علم کی فرمائش پر علمی افادات پر مشتمل رسائل تحریر فرماتے۔ انھیں فنون میں سے سیرت و شمائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت نگاری کا جو تصور آج کل پایا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ واقعات وحالات کا ریکارڈ تیار کر دینا' اگر چہ اس اعتبار سے سیرت پر خامہ فرسائی نہیں کی، لیکن آپ کے فتاوی وتصانیف میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف گوشوں پر جو تحقیق و تدقیق کے جواہر پارے اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض پہلوؤں پر جو مستقل رسالے تصنیف کیے انھیں یکجا کیا جائے تو یقیناً اس فن میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قابل قدر کارنامہ سیرت نبوی کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

علم سیرت اور شمائل نبوی کے میدان میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی خدمات کو بحسن وخوبی سمجھنے کے لیے مناسب ہے کہ پہلے سیرت کی تعریف اور اس میں بیان کیے جانے والے موضوعات کو پیش نظر رکھا جائے، پھر آپ کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے۔

سیرت وشمائل کا تعارف

سیرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

سیرت کے لغوی معنی تو ''طریقہ کار'' یا ''چلنے کی رفتار اور انداز'' کے ہیں۔ عربی زبان میں ''فِعْلَةٌ'' کے وزن پر جو مصدر آتا ہے اس کے معنی کسی کام کا طریقہ یا کسی کام کی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اسی معنی کی توسیع کے طور پر عربی زبان میں سیرت کے معنی ''کسی کی طرز زندگی'' یا ''زندگی گزارنے کا اسلوب'' بھی ہیں۔ لفظ سیرت کی یہ اقبال مندی اور خوش بختی ہے کہ اسے اس عظیم ذات بابرکات سے انتساب کا شرف حاصل ہوا جس کے لیے یہ پوری دنیا بنائی گئی چناں چہ سیرت کا لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے ساتھ خاص ہو گیا، اور اب محض سیرت کے اطلاق کے وقت دنیا کی تمام مسلم زبانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے حوال وکوائف ہی سمجھے جاتے ہیں۔

اصطلاحی طور پر سیرت کا اطلاق فقہا ومحدثین کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد اور غزوات و سرایا میں ان کے طور طریقے اور کفار ومشرکین کے ساتھ معاملات پر ہوتا تھا اور اس کے لیے وہ ''کتاب المغازی'' اور ''کتاب السیر'' کا عنوان قائم کیا کرتے تھے، مگر بعد میں یہ لفظ ایک وسیع معنی ومفہوم میں مستعمل ہونے لگا اور مستقل فن کی حیثیت اختیار کر گیا، اور غزوات وسرایا کا بیان اس معنی کا ایک جز قرار پایا۔ فتح الباری میں ہے:

''(والسِیر) بِکسرِ المهملةِ وفتحِ التحتانيةِ جمع سِيرة و اطلق ذلک علی ابوابِ الجهادِ لانِها متلقاة مِن احوالِ النبِیِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی غزواتِهِ .'' (فتح الباری، ج:۶ ص:۴، دارالمعرفۃ، بیروت)

ترجمہ: ''سیر'' سین کے کسرہ اور یا کے فتحہ کے ساتھ سیرت کی جمع ہے۔ اس کا اطلاق جہاد کے ابواب پر ہوتا ہے؛ اس لیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات سے ماخوذ ہوتے ہیں جو

غزوات میں پیش آتے ہیں۔ ہدایہ مع فتح القدیر میں ہے:

"(السیر جمع سِیر، وھی الطریقة فِی الامورِ، وفِی الشرعِ تختص بِسِیرِ النبي علیہِ الصلا و السلام - فِی مغازِیہِ .)

(والسِیر جمع سِیرة) وھی فِعلة بکسرِ الفاءِ مِن السیرِ فیکون لِبیانِ ھیئةِ السیرِ وحالتہ؛ لانِ فِعلة لِلھیئةِ کجِلسة وخِمرة، ...لٰکن غلب فِی لِسانِ اھلِ الشرعِ علی الطرائِقِ المامورِ بھا فِی غزوِ الکفارِ ...وفِی غیرِ کتبِ الفِقہِ یقال: کِتاب المغازِی ." (فتح القدیر، ج:۵،ص: ۴۳۴، دارالفکر، بیروت)

ترجمہ: سیر سیرت کی جمع ہے۔اس کا (لغوی) معنی طور طریقہ ہے اور اصطلاح شرع میں غزوات میں نبی کریم ﷺ کے احوال اور طور طریقے کے ساتھ خاص ہے۔

(وَالسِّیَرُ جَمْعُ سِیرَةَ) یہ فا کے کسرے کے ساتھ فعلة کے وزن پر مصدر ہے تو اس کا معنی چلنے کی ہیئت اور حالت ہوگا؛ اس لیے کہ فعلة کا وزن ہیئت کے لیے ہے جیسے جِلْسَةٌ اور خِمْرَةٌ ۔ لیکن علمائے شریعت کے نزدیک اس لفظ کا غالب استعمال ان طور طریقوں پر ہوتا ہے جن کا حکم کفار کے ساتھ جنگ میں دیا گیا۔

سیرت کی موجودہ تعریف:

سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب عجالہ نافعہ میں "سیرت" کی یہ تعریف تحریر فرمائی:

"آں چہ بوجود با جود پیغمبر ما ﷺ وصحابہ کرام و آل عظام اوست، واز ابتدائے تولد آں جناب تا غایت وفات، آں را سیرت نامند" (عجالہ نافعہ، ص:۱۸)

ہمارے رسول ﷺ کی ذات بابرکات اور آپ کے آل و اصحاب کرام سے متعلق جو کچھ بھی ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت سے وفات حسرت آیات تک کے احوال کو اصحاب علوم وفنون "سیرت" کہتے ہیں۔

سیرت کے موضوعات:

فن سیرت اور کتب سیرت میں عموماً جن موضوعات وعنوانات پر گفتگو ہوتی ہے، وہ تدوین کتب سیرت کے مختلف ادوار کے اعتبار سے بنیادی طور پر کثیر اور متحد ہونے کے ساتھ فروعی طور پر مختلف اور کم وبیش بھی ہیں۔ اس لیے راقم بعد کے دور میں لکھی جانے والی سیرت کی دو نہایت اہم اور معتبر کتاب "المواھب اللدنیة" مصنفہ شارح بخاری امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اور "مدارج النبوۃ" مصنفہ محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو پیش نظر رکھ کر سیرت کے چند عنوانات ذیل میں ذکر کرتا ہے:

معلم کائنات ﷺ کے مبارک نسب اور اس کی طہارت، حمل شریف اور ولادت کے وقت عجائبات قدرت، رضاعت اور پرورش، اعلان نبوت، کفار مکہ کے مظالم، ہجرت مدینہ، غزوات وسرایا، شمائل و خصائل، سراپا اور حسن و جمال، اخلاق وصفات عظیمہ، فضل وشرف، دنیا وآخرت میں خصوصیات وکمالات اور مخصوص درجات وفضائل، معجزات، عبادت و ریاضت، روز مرہ کے معمولات، ازواج مطہرات، اولاد امجاد، اصحاب کرام اور باندیاں وغیرہ۔ ان تمام موضوعات یا ان میں سے بعض موضوعات پر کلام کرنا یا خامہ فرسائی کرنا سیرت نگاری کے زمرے میں آتا ہے۔

اگر اس زاویے سے امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے کتب ورسائل کا مطالعہ کیا جائے اور علم سیرت میں آپ کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یقیناً اس فن میں بھی آپ کے یادگار نقوش ابھر کر سامنے آئیں گے اور تشنگان سیرت وشمائل نبوی ﷺ کو آپ کے ذریعہ ملنے والے بیش قیمت تحائف بھی نظر آئیں گے۔

آپ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کے بعد علم سیرت میں آپ کی خدمات کو کئی جہتوں سے بیان کیا جا سکتا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

علم سیرت وشمائل میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نثر ونظم ہر دو صنف میں تحریری سرمایہ پیش فرمایا، پھر نثری ونظمی

سرمائے دو قسموں پر مشتمل ہیں:

(۱) آپ نے سیرت کے بعض موضوعات پر مستقل رسالے یا مستقل کلام تحریر فرمائے۔

(۲) کتب و رسائل اور کلام و مناقب میں مختلف مقامات پر سیرت و شمائل کے مختلف گوشوں کو بیان کیا اور قیمتی معلومات فراہم کیں۔

اب ہم درج بالا دونوں قسموں پر قدرے تفصیلی گفتگو کریں گے۔

سیرت کے بعض موضوعات پر امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے مستقل رسالے: امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے زرنگار قلم نے سیرت رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر تقریبا ۳۲ رسائل لکھنے کی سعادت پائی، ان رسائل کے نام اور مختصر تعارف پیش خدمت ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہوگی کہ خود مؤلف یا کسی مشہور صاحب علم کے قلم سے رسالے کا تعارف پیش کیا جائے بصورت دیگر راقم اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں تعارف پیش کریگا۔

(۱) تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ)

اس رسالے کے آغاز و اختتام تحریر کی تاریخ سے متعلق امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

’’یہ رسالہ ششم شوال کو آغاز اور نوزدہم کو ختم۔ اور آج پنجم ذی القعدہ روز جان افروز دوشنبہ کو وقت چاشت مسودہ سے مبیضہ ہوا۔ والحمدللہ رب العالمین۔ ان اوراق میں پہلی حدیث حضرت امیر المومنین مولی المسلمین مولیٰ علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے ماثور، اورسب میں پچھلی حدیث بھی اسی جناب ولایت مآب سے مذکور۔ امید ہے کہ اس خاتم خلافت نبوت فاتح سلاسل ولایت رضی اللہ تعالی عنہ کے صدقہ میں حضور پرنور، عفووغفور، جواد، کریم، رؤف، رحیم، صفوح زلات، مقیل عثرات، مصحح حسنات، عظیم الہبات، سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین محمد رسول رب العالمین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین کی بارگاہ بیکس پناہ میں شرف قبول پائے۔‘‘ (فتاوی رضویہ، ج:۳۰، ص:۲۶۳، ۲۶۴)

اس رسالے میں اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر حضور ﷺ کی فضیلت میں دس آیات اور سو احادیث بیان فرمائے۔ اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے خود ہی اپنے قلم سے اس کتاب کا تعارف یوں تحریر فرمایا:

’’بلا مبالغہ اگر توفیق مساعد ہو اس عقیدے کی تحقیق مجلدات سے زائد ہو، مگر بقدر حاجت و وقت فرصت، قلب مؤمن کی تسکین وتثبیت اور منکر بدباطن کی تحزین وتبکیت کو صرف دس آیتوں اور سو حدیثوں پر اقتصار مطلب اور اس معجز عجالہ مسمّی بہ ’’قلائد نحور الحور من فرائد بحور النور‘‘ کو بلحاظ تاریخ ’’تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین‘‘ سے ملقب کرتا ہے۔‘‘ (ایضا، ص:۱۳۲، ۱۳۳)

’’الحمدللہ کہ کلام اپنے منتہی کو پہنچا، اور دس آیتوں سو حدیثوں کا وعدہ بہ نہایت آسانی بہت زیادہ ہوکر پورا ہوا۔ اس رسالہ میں قصداً استیعاب نہ ہونے پر خود یہی رسالہ گواہی دے گا کہ تیس سے زائد حدیثیں مفید مقصد ایسی ملیں گی جن کا شمار ان سو میں نہ کیا۔ تعلیقات تو اصلاً تعداد میں نہ آئیں۔ اور ہیکل اول میں بھی زیر آیات بہت حدیثیں مثبت مراد گزریں، انہیں بھی حساب سے زیادہ رکھا، خصوصاً حدیث (۱) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ یہ امت اللہ تعالی کے نزدیک سب امتوں سے بہتر اور افضل ہے (زیر آیت خامسہ) حدیث (۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ حضور کی امت سب امتوں سے بہتر اور حضور کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر، اور حضور کے صحابہ سب اصحاب سے بہتر، اور حضور کا شہر سب شہروں سے بہتر، وانما شرف المکان بالمکین (مکان کا شرف تو مکین کی وجہ سے ہوتا ہے۔ت) (زیر آیت اُولی) حدیث (۳) علی مرتضی، حدیث (۴) حبر الامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صفی سے مسیح تک تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے حضور کے بارے میں عہد لیا گیا (ہر دو زیر آیت نخستین) حدیث (۵) سلطان المفسرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ قدر وعزت والا کسی کو نہ بنایا۔ (زیر

آیت سابعہ) حدیث (٦) عالم القرآن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء وملائکہ سے افضل کیا۔ (زیر آیت ثالثہ) کہ چھ حدیثیں تو نصوص جلیلہ اور قابل ادخال جلوہ اول تابش دوم تھیں۔ ان چھ کے یاد دلانے میں میری ایک غرض یہ بھی ہے کہ تابش چہارم میں روایت ہفتم سے روایت یازدہم تک جو چھ حدیثیں قول ہاتف وکاہن ومنامات صادقہ کی گزریں۔ اگر بعض حضرات ان پر راضی نہ ہوں تو ان چھ تصریحات جلیلہ کو ان چھ کا نعم البدل سمجھیں۔ اور سوا احادیث مسندہ معتمدہ کا عدد ہر طرح کامل جانیں۔ وللہ الحمد۔

تنبیہ: فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے اس عجالہ میں کہ نہایت جاوزت پر مبنی تھا۔ اکثر حدیثوں کی نقل میں اختصار بلکہ بہت جگہ صرف محل استدلال پر اقتصار کیا۔ مواقع کثیرہ میں موضع احتجاج کے سوا باقی حدیث کا فقط ترجمہ لایا۔ طرق ومتابعات بلکہ کبھی شواہد مقاربۃ المعنیٰ میں بھی ایک کا متن لکھا، بقیہ کا محض حوالہ دیا، اگرچہ وہ سب متون جدا جدا بالاستیعاب بحمد اللہ میرے پیش نظر ہوئے جہاں اتفاق سے کلماتِ علما کی حاجت دیکھی وہاں تو غالباً مجرد اشارہ یا نقل بالمعنی یا التقاط ہی پر قناعت کی، ہاں تخریج احادیث میں اکثر استکثار پر نظر رکھی۔ ناظر متفحص بہت حدیثوں میں دیکھے گا کہ کتب علماء میں انہیں صرف ایک یا دو مخرجین کی طرف نسبت فرمایا۔ اور فقیر نے چھ چھ سات سات نام جمع کئے۔ متون اسانید کی تصحیح وتحسین کی طرف جو تلویح ہے اس کا ماخذ بھی ائمہ شان کی تنصیص وتصریح ہے۔ لہذا مناسب کہ طالب سند وجویائے تفصیل کے لیے ان بحار اسفار مواج زخّار کے اسماء شمار ہوں جو ہنگام تحریری رسالہ میرے پیش نظر موجزن رہے، اور اپنے صدف خیز قعروں گہر ریز لہروں سے ان فرائد آبدار ولآلی شاہوار کے ماخذ ہوئے۔'' (ایضاً ص: ٢٦١،٢٦٢)

(٢) الأمن و العلی لناعتي المصطفي بدافع البلاء (١٣١١ھ)

رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیر صفات میں سے ایک صفت ''دافع البلاء'' بھی ہے۔ جب اس صفت کے ماننے کو شرک محض کہا گیا تو امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دافع البلاء ہونے کے اثبات میں یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ، دو باب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ اس رسالے میں ہے:

''یہ مختصر جواب موضع صواب متضمن مقدمہ ودو باب وخاتمہ۔ مقدمہ اتمام الزام وتمہید مرام میں عائدہ قاہرہ وفائدہ زاہرہ پر مشتمل۔'' (ایضاً ص: ٣٦٢)

اس رسالے کے مضامین کے بارے میں منیر العین فی تقبیل الابھامین میں ہے:

''یہ حدیثیں حضراتِ وہابیہ کی جان پر آفت ہیں انہیں دو ٢ پر کیا موقوف فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے بجواب استفتائے بعض علمائے دہلی ایک نفیس وجلیل وموجز رسالہ مسمی بنام تاریخی ''الأمن والعلی لناعتي المصطفي بدافع البلاء'' (١٣١٠ھ) ملقب بلقب تاریخی ''اکمال الطامۃ علی شرک سوی بالامور العامۃ'' تالیف کیا۔ اس میں ایسی بہت کثیر وعظیم باتوں کا آیات واحادیث سے صاف وصریح ثبوت دیا مثلاً قرآن وحدیث ناطق ہیں اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) نے دولت مند کر دیا، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) نگہبان ہیں، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) بے والیوں کے والی ہیں، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) مالوں کے مالک ہیں، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) زمین کے مالک ہیں، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف توبہ، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی دوہائی، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) دینے والے ہیں، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) سے دینے کی توقع، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) نے نعمت دی، اللہ ورسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) نے عزت بخشی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کے حافظ ونگہبان ہیں، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے سب گڑگڑا رہے ہیں، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری زمین کے مالک ہیں، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سب آدمیوں کے مالک ہیں، حضور

(ﷺ) تمام امتوں کے مالک ہیں، ساری دنیا کی مخلوق حضور (ﷺ) کے قبضہ میں ہے، مدد کی کنجیاں حضور (ﷺ) کے ہاتھ میں ہیں، نفع کی کنجیاں حضور (ﷺ) کے ہاتھ میں، جنت کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں، دوزخ کی کنجیاں حضور (ﷺ) کے ہاتھ میں، آخرت میں عزت دینا حضور (ﷺ) کے ہاتھ میں، قیامت میں کل اختیار حضور (ﷺ) کے ہاتھ میں ہیں، حضور (ﷺ) مصیبتوں کو دُور فرمانے والے، حضور (ﷺ) سختیوں کے ٹالنے والے، ابوبکر صدیق وعمر فاروق حضور (ﷺ) کے بندے، حضور (ﷺ) کے خادم نے بیٹا دیا، حضور (ﷺ) کے خادم رزق آسان کرتے ہیں، حضور (ﷺ) کے خادم بلائیں دفع کرتے ہیں، حضور (ﷺ) کے خادم بلندی مرتبہ دیتے ہیں، حضور (ﷺ) کے خادم تمام کاروبارِ عالم کی تدبیر کرتے ہیں، اولیا کے سبب بَلا دُور ہوتی ہے، اولیا کے سبب رزق ملتا ہے، اولیا کے سبب مدد ملتی ہے، اولیا کے سبب مینہ اُترتا ہے، اولیا کے سبب زمین قائم ہے۔ یہ اور ان جیسی بیسیوں باتیں صرف قرآن وحدیث سے لکھی ہیں، وہابی صاحب شرک وغیرہ جو حکم لگانا چاہیں اللہ ورسول کی جناب میں بکیں یا خدا ورسول سے لڑیں اگر لڑسکیں، اس میں یہ بھی روشن دلیلوں سے ثابت کردیا ہے کہ وہابی مذہب نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام، عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، جبریل علیہ الصّلوٰۃ والسلام اور خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں تک کہ خود رب العزت جل جلالہ کسی کو سخت شنیع الزام لگانے سے نہیں چھوڑا۔ ضمناً یہ بھی واضح دلائل سے بتادیا گیا کہ وہابی صاحبوں کے نزدیک جناب شیخ مجدد صاحب ومرزا جانِ جاناں صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب وشاہ عبد العزیز صاحب اور اُن کے اساتذہ ومشائخ یہاں تک کہ خود میاں اسمٰعیل دہلوی سب کے سب پکّے مشرک تھے، غرض وہابی مذہب پر شرک امور عامہ سے ہے جس سے معاذ اللہ ملائکہ سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر ربِّ جلیل تک، شاہ ولی اللہ سے لے کر ان کے پیروں اُستادوں، شاہ عبد العزیز صاحب سے خود میاں اسمٰعیل تک کوئی خالی نہیں، وہابیت کا پھاگ، نجدیت کی ہولی، شرک کا رنگ، تقویۃ الایمان کی پچکاری ہے، زور گھنگھور شراٹوں کا شور، سارا جہان شرابور، پولو کی قید نہ اماوس پہ چھور، یہ انوکھا پھاگن بارہ ماوس جاری ہے:

اشراک بمذ ہبے کہ تا حق برسد

مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔

یہ مختصر رسالہ کہ چار۴ جز سے بھی کم ہے ایک سوتیس ۱۳۰ سے زیادہ فائدوں اور تیس۳۰ آیتوں اور ستر۷۰ سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے جو اس کے سوا کہیں مجتمع نہ ملیں گے بحمد اللہ تعالیٰ اُس کی نفاست، اُس کی جلالت، اُس کی صولت، اُس کی شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔'' (ایضا، ج:۵،ص:۶۰۸،۶۰۹)

(۳) إجلال جبریل بجعله خادما للمحبوب الجمیل (۱۲۹۸ھ)

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالے تجلی الیقین میں لکھتے ہیں:

''گروہِ معتزلہ کہ ملائکہ کرام کو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل مانتے ہیں وہ بھی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیہم وعلیٰ آلہٖ اجمعین کو بالیقین مخصوص ومستثنیٰ جانتے ہیں۔ انکے نزدیک بھی حضور پرنور انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین وخلق اللہ اجمعین سب سے افضل واعلیٰ وبلند وبالا علیہ صلوٰۃ المولیٰ تعالیٰ۔ کلماتِ علمائے کرام میں اس کی تصریح اور فقیر کے رسالہ'' **إجلال جبریل بجعله خادما للمحبوب الجمیل** ''میں تحقیق وتوضیح۔'' (ایضا، ج:۳۰،ص:۱۳۱)

اسی رسالے میں دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

''رسالت والا کا تمام جن وانس کو شامل ہونا اجماعی ہے، اور محققین کے نزدیک ملائکہ کو بھی شامل، کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالیٰ فی رسالۃ ''اِجلال جبریل''۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حجر وشجر وارض وسماء وجبال وبحار تمام ماسوا اللہ اس کے احاطہ عامّہ ودائرہ تامّہ میں داخل۔'' (ایضا،ص:۱۳۸)

(۴) إنباء المصطفي بحال سر و أخفى (۱۳۱۸ھ)

اس رسالے کا تعارف امام احمد رضا خان نے یوں تحریر فرمایا ہے:

’’فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس سوال کے ورود پر ایک مبسوط کتاب "بحر عباب" منقسم بہ چار باب مسمّٰی بہ نام تاریخی "مالي الجيب بعلوم الغيب" (۱۳۱۸ھ) کی طرح ڈالی۔

باب اول: فصوص یعنی فوائد جلیلہ و نفائس جزیلہ کہ ترصیف دلائل اہل سنت کے مقدمات ہوں۔

باب دوم: نصوص یعنی اپنے مدعا پر دلائل جلائل قرآن وحدیث واقوالِ آئمہ قدیم وحدیث۔

باب سوم: عموم وخصوص کہ احاطہ علوم محمدیہ میں تحریر محل نزاع کرے۔

باب چہارم: قطع اللصوص یعنی اس مسئلے میں تمام مہملات نجدیہ نو وکہن کی سرفگنی وتکبر شکنی، مگر فصوص ونصوص کے ہجوم ووفور نے ظاہر کردیا کہ اطالت تاحدّ ملالت متوقع، لہٰذا باذن اللہ تعالیٰ نفع عامّہ کے لیے اس بحر ذخار سے ایک گوہر شہوار لامع الانوار گویا خزائن الاسرار سے درمختار مسمّی بہ نام تاریخی ’’ **اللؤلؤ المكنون فی علم البشير ما كان و ما يكون** ‘‘ (۱۳۱۸ھ) چن لیا جس نے جمع وتلفیق کے عوض نفع وتحقیق کی طرف بحمداللہ زیادہ رُخ کیا۔ اس کے ایک ایک نور نے نورالسمٰوت والارض جل جلالہ کے عون سے وہ تابشیں دکھائیں کہ ظلماتِ باطلہ کافور ہوتی نظر آئیں۔

یہ چند حرفی فتوی کہ اس کے لمعات سے ایک شعشہ اور بلحاظ تاریخ بنام إنباء المصطفي بحال سر و اُخفی مسمّٰی ہے۔ اس کے تمام اشارات خفیہ کا بیان مفصل اسی پر محول ذی علم ماہر تو ان ہی چند حروف سے اِن شاء اللہ تعالیٰ سب خرافات و جزافات مخالفین کو کیفر چشانی کرسکتا ہے، مگر جو صاحب تفصیل کے ساتھ دست نگر ہوں بعونہ تعالیٰ رسائل مذکورہ کے لآلی متلالی سے بہرہ ور ہوں، حضراتِ مخالفین سے بھی گزارش ہے کہ اگر توفیقِ الٰہی مساعدت کرے یہی حرفِ مختصر ہدایت کرے تو ازیں چہ بہتر، ورنہ اگر بوجہ کوتاہی فہم وغلبیِ وہم و قلتِ تدبر وشدتِ تعصب اپنی تمام جہالاتِ فاحشہ کی پردہ دری ان مختصر سطور میں نہ دیکھ سکیں تو اسی مہر جہاں تاب کا انتظار کریں جو بہ عنایت الٰہی واعانت رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی تمام ظلمتوں کی صبح کردے گا۔ ان کا ہر کاسہ سوال آبِ زلال رَدوابطال سے بھردے گا۔ **الا انّ موعدهم الصبح اليس الصبح بقريب ط وما توفيقي الاّ بالله عليه توكلت واليه اُنيب۔**‘‘ (ایضا، ج:۲۹، ص:۵۰۷، ۵۰۸)

(۵) زواہر الجنان من جواہر البیان معروف بسلطنۃ المصطفی فی ملکوت کل الوری (۱۲۹۷ھ)

’’یقین جان کہ وہ جناب مراز اعطر وانور میں بحیات ظاہری، دنیاوی، حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے۔ موت ان کی ایک امر آنی تھی، اور انتقال ان کا صرف نظر عوام سے چھپ جانا۔‘‘

اعلی حضرت نے اس عبارت میں ’’وہ جناب‘‘ پر حاشیہ لگایا اور لکھا:

’’اس نفیس مقام پر کتاب مستطاب جواہر البیان شریف میں وہ نفحات جاں افروز ونفخاتِ دشمن سوز ہیں جن کی شرح میں فقیر نے کتاب ’’سلطنۃ المصطفی في ملكوت كل الورى‘‘ تحریر کی، جسے ان حقائق کی تفصیل دیکھنی منظور ہو اس کی طرف رجوع کرے ان شاء اللہ تعالیٰ حق کا رنگ رچا ملے گا اور باطل کا سر لچا، ذٰلک من فضل اللّٰہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون‘‘ (فتاوی رضویہ، ج:۱۰، ص:۸۳۱)

الامن والعلی میں ہے:

’’اس تالفہ کے رد میں اقوال ائمہ وعلماء پیش کرنے کا کوئی محل ہی نہیں کہ یہ تم اپنے اعتقاد سے ائمہ وعلماء کہتے ہو ان کے نزدیک وہ بھی تمھاری طرح معاذ اللہ مشرک بدعتی تھے، درود

محمود میں کتب وصیغ کثیرہ کی تصنیف واشاعت انھیں نے کی تمھارے پیارے نبی محمد مصطفیٰ دافع البلاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کا خلیفہ اکبر ومددبخش ہر خشک وتر وواسطہ ایصال ہر خیر وبرکت ووسیلہ فیضان ہر جود ورحمت وشافی وکافی وقاسم نعمت وکاشف کرب ودافع زحمت وہی لکھ گئے جس کی تصریحات قاہرہ سے ان کی تصنیفات باہرہ کے آسمان گونج رہے ہیں۔فقیر غفر اللہ لہ نے کتاب مستطاب ''سلطنۃ المصطفی في ملکوت کل الوری''۱۲۹۷ھ میں بکثرت ارشادات جلیلہ ونصوص جزیلہ جمع کیے جن کے دیکھنے سے بحمد اللہ ایمان تازہ ہو اور روئے ایقان پر احسان کا غازہ تو ان کے نزدیک حقیقۃً یہ شرک وبدعت تھیں وہی سکھا گئے آخران کا بانی مذہب شیخ نجدی علیہ ما علیہ ڈنکے کی چوٹ کہتا تھا کہ ۶۰۰ برس سے جتنے علماء گزرے سب کافر تھے کما ذکرہ المحدث العلامۃ الفقیہ الفہامہ شیخ الاسلام زینت المسجد الحرام سیدی احمد بن زین ابن دحلان المکی قدس سرہ الملکی فی الدرر السنیۃ۔'' (ایضا، ج:۳۰،ص:۳۶۳)

(۶) شمول الإسلام لأصول الرسول الکرام (۱۳۱۵ھ)

یہ رسالہ اوخر شوال المکرّم ۱۳۱۵ھ میں معرض تحریر میں آیا، جیسا کہ اسی رسالے کے آخر میں ہے:''الحمد للہ یہ موجز رسالہ اواخر شوال المکرّم ۱۳۱۵ھ کے چند جلسوں میں تمام اور بلحاظ تاریخ ''شمول الإسلام لأصول الرسول الکرام'' نام ہوا۔'' (ایضا، ج:۳۰، ص:۳۰۵)

درحقیقت یہ رسالہ حضرت مولانا شاہ محمد عبد الغفار قادری، مدرس اعلی مدرسہ جامع العلوم، بنگلور کی کتاب ''ھدایۃ الغوی فی اسلام آباء النبی'' کی تصدیق میں لکھا گیا۔(حاشیہ)

''مذہب صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبد اللہ اور حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل توحید واسلام ونجات تھے، بلکہ حضور کے آباؤ امہات حضرت عبد اللہ وآمنہ سے حضرت آدم وحوا تک مذہب ارجح میں سب اہل اسلام وتوحید ہیں۔قال اللہ تعالیٰ: **الذی یرک حین تقوم. و تقلبک فی الساجدین.**

اس آیہ کریمہ کی تفسیر سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ایک نمازی سے دوسرے نمازی کی طرف منتقل ہوتا آیا۔اور حدیث میں ہے کہ رب عزوجل نے نور اقدس کی نسبت فرمایا کہ اسے اصلاب طیبہ وارحام طاہرہ میں رکھوں گا اور رب عزوجل کبھی کسی کافر کو طیب وطاہر نہ فرمائے گا، **اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ** ۔اس بارے میں ہمارا ایک خاص رسالہ ہے **شمول الإسلام لأصول الرسول الکرام**۔اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص اس باب میں چھ رسالے لکھے۔'' (فتاوی رضویہ، ج:۱۴،ص:۲۷۴)

(۷) فقہ شہنشاہ و ان القلوب بید الحبیب بعطاء اللہ (۱۳۲۶ھ)

اس رسالے میں کیا ہے؟ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبانی سنیے،فرماتے ہیں:

''یہ مختصر عجالہ بصورت رسالہ ظاہر ہوا،اور اس میں دو مسئلوں پر کلام تھا، ایک لفظ "شہنشاہ" دوسرے یہ کہ قلوب پر سید اکرم مولائے اکرم حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبضہ وتصرف ہے۔ لہٰذا مناسب کہ اس کا تاریخی نام ''فقہ شہنشاہ وان القلوب بید الحبیب بعطاء اللہ'' رکھا جائے۔'' (ایضا، ج:۲۱،ص:۳۹۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ ''شہنشاہ'' کے استعمال کے جواز وعدم جواز پر کلام کرنے سے قبل امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''شہنشاہ، شاہان شہ اور ملک الملوک'' جیسے الفاظ کے عرف و محاورے میں شائع اور ذائع ہونے کی ۳۳ مثالیں پیش فرمائیں، اس کے بعد اس لفظ کے جواز وعدم جواز کی جانب رائے سخن کیا، منع و جواز کی صورتیں، مدار حکم کے ساتھ بیان فرمائے اور مانعین ومجوزین کے دلائل پر بھرپور روشنی ڈالی۔پھر اپنا یہ فیصلہ تحریر فرمایا:

’’جب قرآن عظیم نے مدینہ طیبہ کی ساری زمین کو اللہ عزوجل کی طرف اضافت فرمایا: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۔کیا خدا کی زمین یعنی زمین مدینہ کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔تو خاص روضہ انور کو الٰہی روضہ شاہنشاہی خیابان، ربانی کیاری کہنے میں کیا حرج ہے، وللہ الحمد!۔

بایں ہمہ جب فقیر بعون القدیر آیت وحدیث سے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مَالِكُ النَّاس، مَلِكُ النَّاس، مَالِكُ الْاَرْض، مَالِكُ رِقَابِ الْاُمَمِ ہونا ثابت کر چکا تو لفظ پر اصرار یا روایت خلاف پر انکار کی حاجت نہیں، یہ بھی ہمارے علماء سے بعض متاخرین کا قول ہے اس کے لحاظ بجائے "شاہنشاہ طیبہ" کہیے، کہ وہ شاہ طیبہ بھی ہیں اور شاہ تمام روئے زمین بھی اور شاہ تمام اولین وآخرین بھی جن میں ملوک وسلاطین سب داخل بادشاہ ہو یا رعیت، وہ کون ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائرہ غلامی سے سر باہر نکال سکتا ہے۔‘‘ (ایضا، ص:۳۷۸)‘‘

(۸) نفي الفيئ عمن بنوره انار كل شئ (۱۲۹۶ھ)

یہ رسالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ ہونے کی تصریح فرمانے والے علمائے کرام کے اسمائے گرامی، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آنے کی کیفیت، عدم سایہ کے دلائل اور حکمتوں کے بیان پر مشتمل ہے۔آخر میں بطور خلاصہ فرماتے ہیں:

’’بالجملہ جبکہ حدیثیں اور اتنے اکابر ائمہ کی تصریحیں موجود کہ اگر مخالف اپنے کسی دعوے میں ان میں سے ایک کا قول پائے، کس خوشی سے معرض استدلال میں لائے، جاہلانہ انکار، مکابرہ وکج بحثی ہے، زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے چاہے دن کو رات کہہ دے یا شمس کو ظلمات، آخر کار مخالف جو سایہ ثابت کرتا ہے اس کے پاس بھی کوئی دلیل ہے یا فقط اپنے منہ سے کہہ دیا جیسے ہم حدیثیں پیش کرتے ہیں اس کے پاس ہوں وہ بھی دکھائے، ہم ارشادات علماء سند میں لاتے ہیں وہ بھی ایسے ہی ائمہ کے اقوال سنائے، یا نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی سند، گھر بیٹھے اسے الہام ہوا کہ حضور کا سایہ تھا۔‘‘ (ایضا، ج:۳۰، ص:۱۰۷)

(۹) قمر التمام في نفي الظل عن سيد الأنام (۱۲۹۶ھ)

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسالہ قمر التمام کے حوالے سے اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں:

’’جان برادر! اپنے ایمان پر رحم کر، سمجھ، دیکھ کر خدا سے کسی کا کیا بس چلے گا، اور جس کی شان وہ بڑھائے اسے کوئی گھٹا سکتا ہے، آئندہ تجھے اختیار ہے، ہدایت کا فضل الٰہی پر مدار ہے۔

ہم پر بلاغ مبین تھا، اس سے بحمد اللہ فراغت پائی، اور جواب بھی تیرے دل میں کوئی شک وشبہ یا ہمارے کسی دعوے پر دلیل یا کسی اجمال کی تفصیل درکار ہو تو فقیر کا رسالہ مسمّٰی بہ ’’قمر التمام في نفي الظل عن سيد الأنام‘‘ علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والسلام، جسے فقیر نے بعد ورود اس سوال کے تالیف کیا، مطالعہ کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ بیان شافی پائے گا اور مرشد کافی، ہم نے اس رسالہ میں اس مسئلہ کی غایت تحقیق ذکر کی ہے اور نہایت نفیس دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ حضور سراپا نور تابندہ درخشندہ ذی شعاع واضائت بلکہ معدن انوار وافضل مضیئات بلکہ درحقیقت بعد جناب الٰہی نام ’’نور‘‘ انہیں کو زیبا، اور ان کے ماوراء کو اگر نور کہہ سکتے ہیں تو انہیں کی جناب سے ایک علاقہ وانتساب کے سبب، اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ثبوت معجزات صرف اسی پر موقوف نہیں کہ حدیث یا قرآن میں بالتصریح ان کا ذکر ہو بلکہ ان کے لئے تین طریقے ہیں، اور یہ بھی بیان کر دیا ہے پیشوایان دین کا داب ان معاملات میں ہمیشہ قبول وتسلیم رہا ہے۔ اگر کہیں قرآن وحدیث سے ثبوت نہ ملا تو اپنی نظر کا قصور

سمجھا، نہ یہ کہ باوجود ایسے ثبوت کافی کے کہ حدیثیں اور ائمہ کی تصریحیں اور کافی دلیلیں، سب کچھ موجود، پھر بھی اپنی ہی کہے جاؤ، انکار کے سوا کچھ زبان پر نہ لاؤ، اور اس کے سوا اور فوائد شریفہ وابحاث لطیفہ ہیں، جو دیکھے گا ان شاء اللہ تعالیٰ لطف جانفزا پائے گا۔'' (ایضا،ص:۱۳۷)

(۱۰) ھدی الحیر ان في نفي الفئي عن سید الأ کوان (۱۲۹۹ھ)

اس رسالے کے معرض تحریر میں آنے کے مقام وحالات اور تاریخ کے بارے میں اسی رسالے میں ہے:

''این ست سطرے چند کہ با عموم غموم، وہجوم ہموم، وتراکم امراض وتلاطم اعراض، بر نہجے کہ خدائے خواست، درد و جلسہ گیسو آراست، من فقیرمی خواستم کہ زلف سخن راشانہ دگر کشم، اما چہ کنم کہ دریں کوردہ از وطن دور، واز کتب مہجور افتادہ ام، ایں جا جزء شفاء ونسیم الریاض، مطالع المسرات وبعض کتب فقہ ہیچک بدستم نیست، ورنہ اولی الانظار دیدندے آنچہ دیدندے۔

ترجمہ: یہ چند سطریں جس طرح خدانے چاہا، غم واندوہ کے اجتماع اور امراض وعوارض کے ازدحام کے باوجود دو جلسوں میں تحریر کی گئیں، دل چاہتا ہے کہ زلف سخن دوسری کنگھی سے سنواروں، مگر کیا کروں اس اندھی بستی میں وطن سے دور ہوں، کتابیں پاس نہیں، یہاں سوائے شفاء نسیم الریاض، مطالع المسرات اور بعض کتب فقہ کے کوئی کتاب موجود نہیں، ورنہ آنکھ والے دیکھتے جو دیکھتے۔

ولکن من یرد اللہ خیرہ یشرح بھذا القدر صدرہ وماذلک علی اللہ بعزیز ان ذلک علی اللہ یسیر، ان اللہ علی کل شی قدیر، وکان ذلک لمنتصف جمادی الاخری عام تسع وتسعین بعد الالف والمائتین. (ایضا، ص:۱۷۷،۲۷۷)

ترجمہ: لیکن اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرمائے اسی قدر سے اس کا سینہ کھول دے، اور اللہ تعالیٰ پر یہ کوئی مشکل نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے یہ آسان ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ یہ نصف جمادی الاخری ۱۲۹۹ھ کو مکمل ہوا'' رسالہ ھدی الحیر ان فی نفی الفئی عن سید الاکوان ختم ہوا۔ اللہ کے فضل وکرم سے ۲۵ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ بروز منگل بوقت ۳ بجکر ۳۰ منٹ یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔

رسالہ فتاوی کرامات غوثیہ میں اس رسالے کی ایک جزوی جھلک ان لفظوں میں ہے:

''جب معراج میں اتنے لوگوں کی ارواح کا حاضر ہونا احادیث واقوال علماء واولیاء سے ثابت ہے تو روح اقدس حضور پرنور سید الاولیاء غوث الاصفیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حاضری، کیا جائے تعجب وانکار ہے بلکہ ایسی حالت میں حاضر نہ ہونا ہی محل استعجاب ہے اک ذرا انصاف وانداز ہ قدر قادریت درکار ہے۔

اقول وباللہ التوفیق: (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ ''ھدی الحیر ان في نفي الفئي عن سید الأ کوان'' میں بعونہ تعالیٰ ایک فائدہ جلیلہ لکھا کہ مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کا مرتبہ جدا اور ہر مرتبہ کا پایہ ثبوت علیحدہ۔ اس قسم مطالب احادیث میں ظہور نہ ہونا مضر نہیں، بلکہ کلمات علماء ومشائخ میں ان کا ذکر کافی۔'' (فتاوی رضویہ، ج:۲۸،ص:۴۱۱)

قولہ واقول کی طرز پر یہ رسالہ دو فصل پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں ارتفاع نزاع کے لیے تین تمہیدی مقدمات کے ساتھ سائل کے چند قولہ کے جواب میں محققانہ اقول کے جواہر موجود ہیں۔ جب کہ فصل دوم میں چند قولہ کے جواب میں تحقیقی اقول کے جلوو؟ں کے ساتھ مصنف کی جانب سے مخالف پر قائم کیے گئے دس سوالات بھی ہیں۔

صرف اس ایک رسالے کے مطالعے کے بعد امید ہے کہ قاری پر امام احمد رضا کی فن حدیث اور منطق و فلسفہ میں گہری معلومات بلکہ ان فنون میں مہارت اور فارسی دانی روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

(۱۱) منیۃ اللبیب أن التشریع بید الحبیب (۱۳۱۱ھ)

اپنے موضوع پر نہایت نفیس ابحاث، سینکڑوں احادیث اور امام الوہابیہ کے رد بلیغ پر مشتمل اس رسالے کی تعریف اعلیٰ حضرت کے الفاظ میں پڑھیے، فرماتے ہیں:

''الحمدللہ یہ تذییل جلیل اپنے باب میں فرد کامل ہوئی احادیث تحریم مدینہ طیبہ بھی اسی باب سے تھیں کہ امام الوہابیہ کے اس خاص حکم شرک کے سبب جدا شمار میں رہیں اگر کوئی چاہے انہیں اور اس بیان تذییل کو ملا کر احکام تشریعیہ کے بارے میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقتدار واختیار کا ظاہر کرنے والا ایک مستقل رسالہ بنائے اور بنام ''منیۃ اللبیب أن التشریع بید الحبیب ۱۳۱۱ھ'' موسوم ٹھہرائے۔'' (ایضا، ص:۵۲۶)

(۱۲) طیب المنیۃ في وصول الحبیب الی العرش والرویۃ معروف ب منبہ المنیۃ بوصول الحبیب الی العرش و الرویۃ (۱۳۲۰ھ)

اس رسالے میں کئی مضامین زیر بحث آئے ہیں (۱) معراج معراج جسمانی تھا یا روحانی، (۲) دیدار الٰہی اپنی آنکھوں سے کی یا نہیں؟ (۳) احادیث مرسل ومعضل کے قبول وعدم قبول۔

شب معراج حضور اکرم ﷺ کا دیدار الٰہی کی نعمت سے شرف یاب ہونے کا ثبوت احادیث مرفوعہ، آثار صحابہ، اخبار تابعین اور ما بعد تابعین ائمہ و علما کے اقوال سے پیش کیا گیا ہے۔ پہلے اور دوسرے مسئلے کا بھی مختصر مگر مدلل بیان ہے۔

(۱۳) جمان التاج فی بیان الصلوۃ قبل المعراج (۱۳۱۶ھ)

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس رسالے میں معراج رسول ﷺ سے قبل نماز کا بیان ہے۔ اس میں قبل معراج نماز کی کیفیت کا تفصیلی اور واقعہ معراج کا ضمنی بیان ہے۔ اس میں موجود سوال اور جواب کی ایک جھلک سطور ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

سوال ہے کہ ''حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد نبوت قبل شب معراج جو دو ۲ وقتوں میں نماز پڑھتے تھے وہ کس طور پر ادا فرماتے تھے؟ بینوا توجروا۔''

جواب میں فرماتے ہیں: ''پیش از اسراء دو وقت یعنی قبل طلوعِ شمس وقبلِ غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیام لیل کی فرضیت باقی پر کوئی دلیل صریح قائم نہیں۔...

تاہم اس قدر یقیناً معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمازیں پڑھتے۔ نمازِ شب کی فرضیت تو خود سورہ مزمل شریف سے ثابت اور اُس کے سوا اور اوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد عام ازینکہ فرض ہو یا نفل۔

بالجملہ یہ سوال ضرور متوجہ ہے کہ معراج سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، اقول ملاحظہ آیات واحادیث سے ظاہر کہ وہ نماز اسی انداز کی تھی اُس میں طہارتِ ثوب بھی تھی ...وضو بھی تھا،... استقبالِ قبلہ بھی تھا،... تکبیر تحریمہ بھی تھی، ... قیام بھی تھا،... قرائت بھی تھی،... رکوع بھی تھا،... سجود بھی تھا،... جماعت بھی تھی،... جہر بھی تھا۔'' (ایضا، ج: ۵،ص: ۵۷)

(۱۴) صلات الصفا في نور المصطفی (۱۳۲۹ھ)

اس رسالے میں حضور پاک ﷺ کے نور ہونے کا ثبوت اور نور خدا ہونے کا معنی بیان کیا گیا ہے، نیز نور خدا ہونے پر اعتراضات کے شافی جوابات عام فہم مثالوں کی روشنی میں دیے گئے ہیں۔

(۱۵) نطق الھلال بأرخ و لاد الحبیب و الوصال (۱۳۱۷ھ)

یہ رسالہ دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں استقرار نطفہ زکیہ کے ماہ وتاریخ، حمل شریف کی مدت، آپ ﷺ کی ولادت با سعادت کے دن اور قمری وشمسی ماہ وتاریخ، کا مدلل بیان ہے۔

دوسری فصل میں حضور اقدس ﷺ کی تاریخ وفات کی بہت

نفیس تحقیق ہے۔ ہیات و زیج کی روشنی میں بھی صحیح تاریخ وفات بیان کی گئی ہے اور آخر میں شبلی نعمانی کا رد بھی ہے۔

(۱۶) المیلاد النبویۃ فی میلاد الرضویۃ

یہ رسالہ درحقیقت بارہ ربیع الاول شریف کی شب میلاد مبارک کے موقع پر کی گئی اعلی حضرت کی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک مدلل ایمان افروز خطاب کا مجموعہ ہے۔ اس خطاب کو سپرد قرطاس کرن ے کے بعد امام احمد رضا خان کو سنا کر چیک کروالی گئی تھی۔ یہ خطاب حیات اعلی حضرت مصنفہ ملک العلما علامہ سید ظفر الدین بہاری میں شامل ہے۔ (سرورق المیلاد الرضویۃ)

(۱۷) عروس الأسماء الحسنی فیما لنبینا من الأسماء الحسنی (۱۳۰۶ھ)

یہ رسالہ ۱۳۰۶ھ میں معرض وجود میں آیا۔ اردو زبان میں ہے اور اس میں حضور ﷺ کے ہزار سے زائد اسمائے گرامی کا بیان ہے۔ (تصانیف امام احمد رضا، ص:۶۳)

(۱۸) الموھبۃ الجدیدۃ فی وجود الحبیب بمواضع عدیدۃ (۱۳۲۰ھ)

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس رسالے میں نبی کریم ﷺ کا بیک وقت متعدد مقامات میں حاضر ہونے کا بیان ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۲۰ھ میں لکھا گیا۔ قریب الذکر دونوں رسالے غیر مطبوعہ ہیں۔ (ایضا، ص:۳۷)

(۱۹) حاشیۃ الخصائص الکبری

(۲۰) حاشیۃ شرح شفا ملا علی قاری

(۲۱) حاشیۃ زرقانی شرح مواھب

اعلی حضرت نے کثیر عربی کتابوں پر تعلیقات و حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ یہ حواشی انھیں میں سے ہیں۔ ان پر مزید گفت گو نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ اب تک یہ غیر مطبوعہ ہیں۔ البتہ تینوں میں اول الذکر بہت جلد صد سالہ عرس رضوی کے موقع پر طبع ہو کر منظر عام پر آنے والا ہے۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کتب و فتاوی میں بکھرے واقعات سیرت:

سیرت کے مختلف موضوعات پر امام احمد رضا کی مستقل تصانیف اور اس کے مختصر تعارف کے بعد اب ہم آپ کے کتب و رسائل اور فتاوی میں مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے چند مشہور واقعات سیرت رسول ﷺ اور اس کے متعلق تحقیق کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

اگلے انبیاے کرام کا حضور ﷺ کی ولادت کی بشارت دینا:

نبی آخر الزماں ﷺ کی ولادت کی بشارت بھی سیرت رسول ﷺ کا ایک اہم موضوع ہے۔ کثیر سیرت نگار علماے کرام نے اپنی کتابوں میں ان بشارتوں کو جمع فرمایا۔ جب ہم کتب اعلی حضرت کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہم اس اہم موضوع پر بھی کثیر مواد پاتے ہیں، جیسا کہ ''جزاء اللہ عدوّہ بابائہ ختم النبوّۃ'' میں ہے:

حضرت آدم اور حضور خاتم النبیین ﷺ:

''طبرانی معجم کبیر میں اور حاکم بافادہ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لغزش واقع ہوئی عرض کی: **یا رب اسئلک بحق محمد ان غفرت لي** (الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما) ارشاد ہوا: اے آدم! تو نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کیوں کر پہچانا حالاں کہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر لکھا پایا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جانا تو نے اسی کا نام اپنے نامِ پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا: **صدقت یا اٰدم انہ لاحب الخلق الیّ و اذ سألتنی بحقہ فقد غفرت لک ولو لا محمد ما خلقتک،** زاد

الطبرانی وھو اٰخر الانبیاء من ذرّیتک.

اے آدم! تونے سچ کہا بیشک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے اور جب تونے مجھے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی، اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔ طبرانی نے یہ اضافہ کیا: وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا نبی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔''

''ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لما خلق اللہ اٰدم اخبرہ ببنیہ فجعل یرٰی فضائل بعضھم علٰی بعض فراٰی نوراً ساطعا فی اسفلھم، فقال یا رب من ھذا قال ھذا ابنک احمد و ھوالاول وھو الاٰخر وھو اول شافع واول مشفع.

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا انہیں ان کے بیٹوں پر مطلع فرمایا، وہ ان میں ایک کی دوسرے پر فضیلتیں دیکھا کیے تو ان سب کے آخر میں بلند وروشن نور دیکھا، عرض کی، الٰہی! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تیرا بیٹا احمد ہے یہی اوّل ہے اور یہی آخر ہے اور یہی سب سے پہلا شفیع اور یہی سب سے پہلا شفاعت مانا گیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔''

حضرت ابراہیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم:

ابن سعد عامر شعبی سے راوی، سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحیفوں میں ارشاد ہوا: انہ کائن من ولدک شعوب وشعوب حتی یأتي النبي الاميُّ الذي یکون خاتم الانبیاء.

ترجمہ: بیشک تیری اولاد میں قبائل در قبائل ہوں گے یہاں تک کہ نبی امّی خاتم الانبیاء جلوہ فرما ہو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت یعقوب اور خاتم الانبیاء:

محمد بن کعب قرظی سے راوی: محمد بن کعب قرظی سے راوی: اوحی اللہ تعالی الی یعقوب انی ابعث من ذریتک ملوکا وانبیا حتی ابعث النبی الحرمی الذی تبنی امتہ ھیکل بیت المقدس، وھو خاتم الانبیا، واسمہ احمد.

ترجمہ: اللہ عزوجل نے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی میں تیری اولاد سے سلاطین وانبیاء بھیجتا رہا کروں گا یہاں تک کہ ارسال فرماؤں اس حرم محترم والے نبی کو جس کی امت بیت المقدس کی بلند تعمیر بنائے گی اور اس کا نام احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

اشعیاء اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

ابن ابی حاتم وہب بن منبہ سے راوی: ابن ابی حاتم وہب بن منبہ سے راوی: قال اوحی اللہ تعالی الی اشعیا انی باعث نبیا امیا افتح بہ آذانا صما وقلوبا غلفا واعینا عمیا، مولدہ بمک ومہاجرہ بطیب وملکہ بالشام)وساق الحدیث فیہ (الکثیر الطیب من فضائلہ وشمائلہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الی ان قال ولا جعلن امتہ خیر ام اخرجت للناس)وذکر صفاتھم الی ان قال (اختم بکتابھم الکتب بشریعتھم الشرائع وبدینھم الادیان الحدیث الجلیل الجمیل.

ترجمہ: اللہ عزوجل نے اشعیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی میں نبی اُمّی کو بھیجنے والا ہوں، اس کے سبب بہرے کان اور غافل دل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا، اس کی پیدائش مکّے میں ہے اور ہجرت گاہ مدینہ اور اس کا تخت گاہ ملک شام، میں ضرور اس کی امت کو سب امتوں سے جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئیں بہتر وافضل کروں گا، میں ان کی کتاب پر کتابوں کو ختم فرماؤں گا اور ان کی شریعت پر شریعتوں اور ان کے دین پر سب دینوں کو تمام کروں گا۔(ایضا، ج:۱۵،ص:۶۳۳ تا ۶۳۵)

بشارت میلاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ابونعیم بطریق شہر بن حوشب اور ابن عساکر بطریق مسیّب بن رافع وغیرہ حضرت کعب احبار سے راوی، انہوں نے فرمایا، میرے باپ اعلم علمائے توراۃ تھے، اللہ عزوجل نے جو کچھ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ

والسلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا، وہ اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے نہ چھپاتے، جب مرنے لگے مجھے بلا کر کہا: اے میرے بیٹے! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آ پہنچا میں نے اس اندیشے سے تجھے ان دو ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مُدعی نکل کھڑا ہو، تو اس کی پیروی کرلے یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگادی ہے ابھی ان سے تعرض نہ کرنا، نہ انہیں دیکھنا جب وہ نبی جلوہ فرما ہوا گر اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہوجائے گا، یہ کہہ کر وہ مرگئے ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دونوں ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا، میں نے طاق کھولا ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں لکھا ہے: **محمد رسو ل الله خاتم النبیین لا نبي بعده مولده بمكة ومهاجره بطيبة** (الحدیث) محمد اللہ کے رسول ہیں، سب انبیاء کے خاتم، ان کے بعد کوئی نبی نہیں، ان کی پیدائش مکے میں اور ہجرت مدینے کو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

راہب کا استفسار:

بیہقی وطبرانی وابونعیم اور خرائطی کتاب الہواتف میں خلیفہ بن عبدہ سے راوی، میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا جاہلیت میں کہ ابھی اسلام نہ آیا تھا تمہارے باپ نے تمہارا نام محمد کیونکر رکھا، کہا میں نے اپنے باپ سے اس کا سبب پوچھا، جواب دیا کہ بنی تمیم سے ہم چار آدمی سفر کو گئے تھے، ایک میں اور سفیان بن مجاشع بن دارم اور عمر بن ربیعہ اور اسامہ بن مالک، جب ملک شام میں پہنچے ایک تالاب پر اترے جس کے کنارے پیڑ تھے، ایک راہب نے اپنے دیر سے ہمیں جھانکا اور کہا تم کون ہو؟ ہم نے کہا اولادِ مضر سے کچھ لوگ ہیں۔ کہا: **اما انه سوف يبعث منكم و شيكا نبي فسارعوا اليه و خذوا بحظكم منه ترشدوا فانه خاتم النبيين**. سنتے ہو عنقریب بہت جلد تم میں سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے تم اس کی طرف دوڑنا اور اس کی خدمت واطاعت سے بہرہ یاب ہونا کہ وہ سب میں پچھلا نبی ہے۔

ہم نے کہا اس کا نام پاک کیا ہوگا؟ کہا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب ہم اپنے گھروں کو واپس آئے سب کے ایک ایک لڑکا ہوا اس کا نام محمد رکھا، انتہی، **و الله اعلم حيث يجعل رسالته.**

قبل از ولادت شہادت ایمان:

زید بن عمرو بن نفیل کہ احد العشرۃ المبشرۃ سیدنا سعید بن زید کے والد ماجد ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہ موحدان ومومنان عہد جاہلیت سے تھے طلوعِ آفتاب عالمتاب اسلام سے پہلے انتقال کیا مگر اسی زمانے میں توحید الٰہی ورسالت حضرت ختم پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت دیتے، ابن سعد وابونعیم حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا مکہ معظّمہ سے کوہ حرا کو جاتے تھے، انہوں نے قریش کی مخالفت اور ان کے معبودانِ باطل سے جدائی کی تھی، اس پر آج ان سے اور قریش سے کچھ لڑائی رنجش ہوچکی تھی، مجھے دیکھ کر بولے اے عامر! میں اپنی قوم کا مخالف اور ملت ابراہیم کا پیرو ہوا اسی کو معبود مانتا ہوں جسے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوجتے تھے، میں ایک نبی کا منتظر ہوں جو بنی اسماعیل اور اولاد عبدالمطلب سے ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے میرے خیال میں میں ان کا زمانہ پاؤں گا میں ابھی ان پر ایمان لاتا اور ان کی تصدیق کرتا ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں، تمہیں اگر اتنی عمر ملے کہ انہیں پاؤ تو میرا اسلام انہیں پہنچانا، اے عامر! میں تم سے ان کی نعت وصفت بیان کئے دیتا ہوں کہ تم خوب پہچان لو، درمیانہ قد ہیں، سر کے بال کثرت وقلت میں معتدل، ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخ ڈورے رہیں گے، ان کی شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے، ان کا نام احمد، اور یہ شہر ان کا مولد ہے، یہیں ان کی رسالت ظاہر ہوگی، ان کی قوم انہیں مکے میں نہ رہنے دے گی کہ ان کا دین اسے ناگوار ہوگا، وہ ہجرت فرما کر مدینے جائیں گے، وہاں سے ان کا دین ظاہر و غالب ہوگا، دیکھو تم کسی دھوکے فریب میں آکر ان کی اطاعت سے

محروم نہ رہنا۔ **فاني بلغت البلاد كلها اطلب دين ابراهيم، وكل من اسأل من اليهود والنصارىٰ و المجوس يقول هذا الدين وراءك، وينعتونه مثل ما نعته لك، ويقولون لم يبق نبي غيره** . کہ میں دین ابراہیمی کی تلاش میں شہروں شہروں پھرا یہود ونصاریٰ مجوس جس سے پوچھا سب نے یہی جواب دیا کہ یہ دین تمہارے پیچھے آتا ہے اوراس نبی کی وہی صفت بیان کی جو میں تم سے کہہ چکا اورسب کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہ رہا۔ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ظاہر ہوئی میں نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں حضور سے عرض کیں، حضور نے ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اورارشاد کیا: **قد رأيته في الجنة يسحب ذيله** میں نے اسے جنت میں دامن کشاں دیکھا۔ (ایضا،ص:۶۴۱، ۶۴۲)

استقرار حمل کا دن:

اصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی، اسی لئے امام احمد رحم اللہ تعالیٰ علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر وبرکت وکرامت وسعادت جو اس میں اتری اس کے ہمسر نہ کبھی اتری نہ قیامت تک اترے، وہاں **تنزل الملئكة والروح فيها** (اس میں فرشتے اورروح الامین اترتے ہیں۔) یہاں مولائے ملائکہ وآقائے روح کا نزول اجلال عظیم الفتوح ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مدارج النبوۃ میں ہے: استقرار نطفہ زکیہ درایام حج برقول اصح دراوسط ایام تشریق شب جمعہ بود، وازیں جہت امام احمد حنبل رحم اللہ علیہ لیل الجمعہ راافضل تراز لیل القدر داشتہ الخ۔

ترجمہ: اصح قول کے مطابق نطفہ مطہرہ کا استقرار حج کے دنوں میں ایام تشریق کے درمیان جمعہ کی رات کو ہوا۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحم اللہ تعالیٰ علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل سمجھتے ہیں الخ) (فتاویٰ رضویہ، ج:۲۶،ص:۴۰۷)

مدت حمل: صحیح نو مہینے ہیں، **في شرح الزرقاني للمواهب اختلف في مد الحمل به صلى الله تعالى عليه وسلم فقيل تسع اشهر كامل وبه صدر مغلطائى قال في الغرر وهو الصحيح الخ والله تعالى اعلم بالصواب و اليه المرجع والمآب.**

ترجمہ: مواہب کی شرح زرقانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدت حمل میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا گیا کہ پورے نو ماہ ہے۔ مغلطائی نے اسی قول کو مقدم کیا۔ غرر میں فرمایا کہ یہی صحیح ہے الخ، اللہ تعالیٰ درست بات کو خوب جانتا ہے اوراسی کی طرف لوٹنا ہے۔) (ایضا)

ماہ ولادت شریف:

صحیح ومشہور قول جمہور ربیع الاول ہے، مدارج میں ہے: مشہور آنست کہ درربیع الاول بود۔ مشہور یہ ہے کہ ولادت مبارکہ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی۔

شرح الہمزیہ میں ہے: **الاصح في شهر ربيع الاول.** اصح یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ربیع الاول، مواہب میں ہے: **وهو قول جمهور العلما** اوروہ جمہور علما کا قول ہے۔ پھر کہا: **في شهر ربيع الاول على الصحيح** صحیح قول کے مطابق ربیع الاول میں ہے۔

شرح زرقانی میں ہے: **قال ابن كثير هو المشهور عند الجمهور.** ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے۔

صبح ولادت باسعادت:

بالاتفاق دوشنبہ صرح بہ العلام ابن حجر فی افضل القری علامہ ابن حجر نے افضل القری میں اس کی تصریح فرمائی۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں: **ذلك يوم ولدت فيه، رواه مسلم عن ابى قتادة رضي الله تعالى عنه. والله تعالى اعلم.**

ترجمہ: میں اسی دن پیدا ہوا ہوں، اس کو امام مسلم نے ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ایضا،ص:۴۰۸)

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی وابن جزار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے: **اتفقوا علی انه ولد یوم الاثنین فی شهر ربیع الاول.** (ترجمہ)اس پر علما متفق ہیں کہ آپ ماہ ربیع الاول میں پیر کے روز پیدا ہوئے۔

اسی طرح ان کی صفوہ میں ہے، **کما للزرقانی ثم عزاه ایضا لابن الجزار** (ترجمہ) جیسا کہ زرقانی کا قول ہے، پھر اس کو ابن جزار کی طرف منسوب کیا۔پس اس کا انکار اگر ترجیحات علما واختیار جمہور کی ناواقفی سے ہوتو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر۔ (ایضا،ص:۴۰۹)

دوران مدت حمل حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کو بشارت:
ابونعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے حدیث طویل میلاد جمیل میں راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: جب حمل اقدس میں چھ مہینے گزرے ایک شخص نے سوتے میں مجھے ٹھوکر ماری اور کہا: **یا امن انک قد حملت بخیر العالمین طرا فاذا ولدته فسمیه محمدا**

ترجمہ:اے آمنہ! تمھارے حمل میں وہ ہے جو تمام جہان سے بہتر ہے۔جب وہ پیدا ہوں ان کا نام محمد رکھنا صلی اللہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وسلم۔

ابونعیم حضرت بریدہ وابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم سے راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ایام حمل مقدس میں خواب دیکھا کوئی کہنے والا کہتا ہے:**انک قد حملت بخیر البری وسید العالمین فاذا ولدته فسمیه احمداو محمدا**

ترجمہ:تمھارے حمل میں بہترین عالم وسردار عالمیاں ہیں ،جب پیدا ہوں ان کا نام احمد ومحمد رکھنا صلی اللہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وسلم۔

ابن سعد وحسن بن جراح زید بن اسلم سے راوی ،حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جناب حلیمہ رضوان اللہ تعالی علیہا سے فرمایا: مجھ سے خواب میں کہا گیا:**انک ستلدین غلاما فسمیه احمدا وهو سید العالمین.**

ترجمہ:عنقریب تمھارے لڑکا ہوگا ان کا نام احمد رکھنا ،وہ تمام عالم کے سردار ہیں صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم ۔(ایضا، ج:۳۰،ص: ۲۵۸،۲۵۹)

وقت ولادت شام کے محلات کا روشن ہونا: احادیث کثیرہ مشہورہ میں وارد، جب حضور پیدا ہوئے ان کی روشنی سے بصرہ اور روم وشام کے محل روشن ہوگئے۔

چندروایتوں میں ہے:**اضاله ما بین المشرق والمغرب** آپ کے لئے شرق سے غرب تک منور ہوگیا۔

اور بعض میں ہے:**امتلت الدنیا کلها نورا.** تمام دنیا نور سے بھرگئی۔

آمنہ حضور کی والدہ فرماتی ہیں:**رایت نور اساطعا من رسه قد بلغ السما .** میں نے ان کے سر سے ایک نور بلند ہوتا دیکھا کہ آسمان تک پہنچا۔(ایضا،ص:۷۰۹)

رب ھب لی امتی کہنا:
جانِ برادر! تو نے کبھی سنا ہے کہ جس کو تجھ سے الفت سادقہ ہے وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے اور پھر محبوب بھی کیسا، جانِ ایمان وکانِ احسان، جس کے جمالِ جہاں آرا کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامہ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا، کیسا محبوب، جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا، کیسا محبوب، جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھالیا۔ کیسا محبوب، جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا ، رات کا سونا ترک کردیا،تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لیے شب وروز گریاں وملول۔

شب ، کہ اللہ جل جلالہ، نے آسائش کے لیے بنائی، اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے ، ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی

طرف جھکتا ہے، بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اس کے بھی پاں دو گز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ اپنی راحت و آسائش کو چھوڑ، خواب و آرام سے منہ موڑ، جبین نیاز آستانہ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی! میری امت سیاہ کار ہے، درگزر فرما، اور انکے تمام جسموں کو آتش دوزخ سے بچا۔

جب وہ جانِ راحت کان رافت پیدا ہوا بارگاہ الٰہی میں سجدہ کیا اور ''رب هب لي أمتي'' فرمایا، جب قبر شریف میں اتارا لب جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا آہستہ آہستہ امتی امتی فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں، حساب کا دغدغہ، ملکِ قہار کا سامنا، عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا، مجرمانِ بے یار دامِ آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے سوا ''نفسي نفسي اذهبوا الى غيري'' کچھ جواب نہ پائیں گے اس وقت یہی محبوبِ غمگسار کام آئے گا، قفل شفاعت اس کے زور بازو سے کھل جائے گا، عمامہ سر اقدس سے اتاریں گے اور سربسجود ہو کر "یارب امتی"۔ فرمائیں گے۔ (ایضاً ص: ۱۶۷، ۱۷۷)

ولادت کی خوش خبری پر ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر جب ثویبہ جاریہ ابی لہب نے ابو لہب کو سنائی اس وقت ابولہب نے خوش ہو کر ثویبہ کو آزاد کر دیا پھر کئی دن تک ثویبہ نے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، پھر ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یا کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا: تیرا کیا حال ہے؟ بولا: آگ میں ہوں لیکن ہر دوشنبہ کی رات تخفیف ہوتی ہے اور دو انگلیوں سے پانی چوستا ہوں، جن کے اشارے سے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ یہ قصہ اکثر معتبرین سے سنا گیا ہے، اور علامہ جزری علیہ الرحمہ نے بھی اپنے رسالہ میلاد شریف میں اس کو لکھا ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے:

اذا كان هذا ابولهب الكافر الذي نزل القران بذمه جوزي في النار بفرحه ليل مولد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم به فما حال المسلم الموحدمن امته صلى الله تعالى عليه وسلم الى آخره .

ترجمہ: جب یہ حال ابولہب جیسے کافر کا ہے جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی شب خوشی منانے کی وجہ سے اس کو بھی قبر میں بدلہ دیا گیا تو آپ کے موحد و مسلمان امتی کا کیا حال ہوگا الخ۔ اس پر ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے جبکہ قرآن شریف میں اللہ جل شانہ خبر دیتا ہے ابولہب کی نسبت: **ما أغنى عنه ماله وما كسب** '' کہ اس کو اس کے مال اور فعل نے نفع نہ دیا۔ پس مال لونڈی اور فعل اس کا آزاد کرنا۔ ورنہ خواب خیال کی باتیں آیاتِ قرآنیہ کے مقابل میں کیوں کر صحیح ہوں گی، پس اس کی تطبیق کیوں کر صحیح ہوگی، بیان فرمائیے۔

الجواب: یہ روایت صحیح بخاری شریف میں ہے، ائمہ نے اسے مقبول رکھا اور اس میں قرآن عظیم کی اصلا مخالفت نہیں۔ قطع نظر اس سے یہ اغنانہ ہوا، اس کا سبب حضور پرنور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ۔ (ایضاً ص: ۱۲۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین وغیرہ کے اسما کا بیان اور ان پائے جانے والے نکتوں کا تذکرہ:

اب ذرا چشم حق بیں سے حبیب صلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مراعاتِ الٰہیہ کے الطافِ خفیہ دیکھئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک عبداللہ کہ افضل اسمائے امت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **احب اسمائک الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمن . رواہ مسلم وابو داود والترمذی وابن ماج عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما.**

ترجمہ: تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ

تعالیٰ کو عبداللہ وعبدالرحمٰن ہیں اس کو امام مسلم، ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام آمنہ کہ امن وامان سے مشتق اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے۔ جد امجد حضرت عبدالمطلب شیب الحمد کہ اس پاک ستودہ مصدر سے اطیب واطہر مشتق محمد واحمد وحامد ومحمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کا اشارہ تھا۔ جدہ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ، اس نام پاک کی خوبی اظہر من الشمس ہے۔ حدیث میں حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ تسمیہ یوں آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **انما سميت فاطم لان الله تعالى فطمها ومحبيها من النار، رواه الخطيب عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما.**

ترجمہ: اللہ عزوجل نے اس کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ اسے اور اس سے عقیدت رکھنے والوں کو ناز دوزخ سے آزاد فرمایا۔ س کو خطیب نے سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضور کے جدِ مادری یعنی نانا وہب جس کے معنی عطا وبخشش، ان کا قبیلہ بنی زہرا جس کا حاصل چمک وتابش۔ جدہ مادری یعنی نانی صاحبہ برہ یعنی نیکوکار، **كما ذكره ابن هشام فى سيرته** (جیسا کہ ابن ہشام نے اس کو اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے۔) (ایضا، ص: ۲۹۳،۲۹۲)

رضاعی ماؤں کے اسما کا بیان اور ان پائے جانے والے نکتوں کا تذکرہ:

بھلا یہ تو خاص اصول ہیں، دودھ پلانے والیوں کو دیکھئے، پہلی مرضعہ ثویبہ کہ ثواب سے ہم اشتقاق، اور اس فضل الٰہی سے پوری طرح بہرور حضرت حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: **ان فيك خصلتين يحبهما الله الحلم والانا.** تجھ میں دو خصلتیں ہیں خدا اور رسول کو پیاری درنگ اور بردباری۔

ان کا قبیلہ بنی سعد کہ سعادت ونیک طالعی ہے، شرف اسلام وصحابیت سے مشرف ہوئیں، **كما بينه الامام مغلطائى فى جز حافل سماه التحف الجسمى فى اثبات اسلام حليم.** جیسا کہ امام مغلطائی نے اسکو ایک بڑی جز میں بیان فرمایا ہے جس کا نام انہوں نے "**التحف الجسمى فى اثبات اسلام حليم**" رکھا ہے۔ (ایضا، ص: ۲۹۳)

حضرت حلیمہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں لئے راہ میں جاتی تھیں تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھائی صورت دیکھی جوشِ محبت سے اپنی پستانیں دہن اقدس میں رکھیں، تینوں کے دودھ اتر آیا، تینوں پاکیزہ بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنی زن شریفہ، رئیسہ، کریمہ، سراپا عطر آلود، تینوں قبیلہ بنی سلیم سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اسلام سے ہم اشتقاق ہے، ذکرہ ابن عبدالبر (اس کو ابن عبدالبر نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔)

بعض علما نے حدیث "**انا ابن العواتک من سليم**" میں بنی سلیم کی عاتکہ عورتوں کا بیٹا ہوں۔ (کو اسی معنی پر محمول کیا۔ نقلہ السهيلى) اس کو سہیلی نے نقل کیا ہے۔ (ایضا، ص: ۲۹۵)

رضاعی اب کا ذکر:

ان کے شوہر جن کا شیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرمایا حارث سعدی، یہ بھی شرف اسلام وصحبت سے مشرف ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے تھے، راہ میں قریش نے کہا: اے حارث! تم اپنے بیٹے کی سنو، وہ کہتے ہیں مردے جئیں گے، اور اللہ نے دو گھر جنت ونار بنا رکھے ہیں۔ انہوں نے حاضر ہوکر عرض کی کہ: اے میرے بیٹے! حضور کی قوم حضور کی شا کی ہے۔ فرمایا: ہاں میں ایسا فرماتا ہوں، اور اے میرے باپ! جب وہ دن آئے گا تو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ دیکھو یہ وہ دن ہے یا نہیں جس کی میں خبر دیتا تھا یعنی روز قیامت۔ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد اسلام اس ارشاد کو یاد کر کے کہا

کرتے: اگر میرے بیٹے میرا ہاتھ پکڑیں گے تو ان شا اللہ نہ چھوڑیں گے جب تک مجھے جنت میں داخل نہ فرمالیں۔ رواہ یونس بن بکیر۔ (اس کو یونس بن بکیر نے روایت کیا ہے۔)

حضور کے رضاعی بھائی جو پستان شریک تھے، جن کے لیے حضور سید العالمین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پستان چپ چھوڑ دیتے تھے عبداللہ سعدی، یہ بھی مشرف بہ اسلام وصحبت ہوئے کما عند ابن سعد فی مرسل صحیح الاسناد (جیسا کہ ابن سعد کے نزدیک صحیح الاسناد مرسل میں ہے۔) (ایضا ص: ۲۹۳، ۲۹۴)

رضاعی بھائی کا ذکر:

حضور کے رضاعی بھائی جو پستان شریک تھے، جن کے لیے حضور سید العالمین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پستان چپ چھوڑ دیتے تھے عبداللہ سعدی، یہ بھی مشرف بہ اسلام وصحبت ہوئے کما عند ابن سعد فی مرسل صحیح الاسناد) جیسا کہ ابن سعد کے نزدیک صحیح الاسناد مرسل میں ہے۔ (ایضا ص: ۲۹۴)

رضاعی بہنوں کا ذکر:

حضور کی رضاعی بڑی بہن کہ حضور کو گود میں کھلاتیں، سینے پر لٹا کر دعائیہ اشعار عرض کرتیں، سلاتیں، اس لئے وہ بھی حضور کی ماں کہلاتیں سیما سعدیہ یعنی نشان والی، علامت والی، جو دور سے چمکے، یہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں رضی اللہ تعالی عنہا۔ (ایضا)

حضرت حلیمہ سعدیہ کے لیے چادر، بارک بچھانا:

جب روز حنین حاضر بارگاہ ہوئیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان کے لیے قیام فرمایا اور اپنی چادر انور بچھا کر بٹھایا کما فی الاستیعاب عن عطا بن یسار) جیسا کہ استیعاب میں عطا بن یسار سے مروی ہے۔ (ایضا ص: ۲۹۳)

ابو طالب کا سفر شام اور بحیرا راہب:

ابو طالب چند سرداران قریش کے ساتھ ملک شام کو گئے، حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہمراہ تشریف فرما تھے، جب صومعہ راہب یعنی بحیرا کے پاس اترے، راہب صومعہ سے نکل کران کے پاس آیا، اور اس سے پہلے جو قافلہ جاتا تھا راہب نہ آتا، نہ اصلا ملتفت ہوتا، اب کی بار خود آیا اور لوگوں کے بیچ گزرتا ہوا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا۔ حضور اقدس کا دست مبارک تھام کر بولا: **ھذا سید العلمین ھذا رسول رب العلمین یبعثه الله رحمة للعلمین** یہ تمام جہان کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول ہیں، اللہ تعالی انہیں تمام عالم کے لئے رحمت بھیجے گا۔ سرداران قریش نے کہا: تجھے کیا معلوم ہے؟ کہا: جب تم اس گھاٹی سے بڑھے کوئی درخت وسنگ نہ تھا جو سجدے میں نہ گرے، اور وہ نبی کے سوا دوسروں کو سجدہ نہیں کرتے، اور میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں، ان کے استخوانِ شانہ کے نیچے سیب کے مانند ہے۔ پھر راہب واپس گیا اور قافلہ کے لیے کھانا لایا، حضور تشریف نہ رکھتے تھے، آدمی طلب کو گیا، تشریف لائے، ابر سر پر سایہ گستر تھا۔ راہب بولا: **انظروا الیه غمام تظله**، وہ دیکھو ابر ان پر سایہ کئے ہے۔ قوم نے پہلے سے درخت کا سایہ گھیر لیا تھا، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جگہ نہ پائی دھوپ میں تشریف فرما ہوئے، فورا پیڑ کا سایہ حضور پر جھک آیا۔ راہب نے کہا: **انظروا الی فیء الشجر مال الیه.** وہ دیکھو پیڑ کا سایہ انکی طرف جھکتا ہے۔ (ایضا، ج: ۳۰، ص: ۲۵۶)

نزول وحی میں تاخیر کے سبب کفار کی ریشہ دوانی اور اللہ عزوجل کا جواب:

وحی اترنے میں جو کچھ دنوں دیر لگی کافر بولے: ان محمدا ودعہ ربہ وقلاہ۔ بیشک محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ان کے رب نے چھوڑ دیا، اور دشمن پکڑا۔ حق جل وعلا نے فرمایا: **والضحی۔ والیل اذا سجی.** قسم ہے دن چڑھے کی، اور قسم رات کی جب اندھیری ڈالے۔ یا قسم اے محبوب تیرے روئے روشن کی، اور قسم تیری زلف کی جب چمکتے

رخساروں پر بکھر آئے۔:ما ودعک ربک وما قلی. نہ تجھے تیرے رب نے چھوڑا اور نہ دشمن بنایا۔

اور یہ اشقیا بھی دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی تجھ پر کیسی مہر ہے، اس مہر ہی کو دیکھ دیکھ کر جلے جاتے ہیں، اور حسد وعناد سے یہ طوفان جوڑتے ہیں اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں مگر خبر نہیں کہ:وللاخر خیرلک من الاولی بے شک آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے۔

وہاں جو نعمتیں تجھ کو ملیں گی نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں، نہ کسی بشر یا ملک کے خطرے میں آئیں، جن کا اجمال یہ ہے:ولسوف یعطیک ربک فترضی قریب ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اس دن دوست دشمن سب پر کھل جائے گا کہ تیرے برابر کوئی محبوب نہ تھا۔ خیر، اگر آج یہ اندھے آخرت کا یقین نہیں رکھتے تو تجھ پر خدا کی عظیم، جلیل، کثیر، جزیل نعمتیں رحمتیں آج کی تو نہیں قدیم ہی سے ہیں۔ کیا تیرے پہلے احوال انھوں نے نہ دیکھے اور ان سے یقین حاصل نہ کیا کہ جو نظر عنایت تجھ پر ہے ایسی نہیں کہ کبھی بدل جائے، الم یجدک یتیمافاوی الی اخرالسور (ترجمہ) کیا اس نے تمھیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی سورت کے اخر تک۔ (ایضا، ص: ۱۶۵،۱۶۶)

انشراح صدر:

’’ابونعیم دلائل میں یونس بن میسرہ بن حلبَس سے مرسلاً اور دارمی وابن عساکر بطریق یونس ھذا عن ابی ادریس الخولانی عبدالرحمن بن غنم اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موصولاً راوی وھذا لفظ المرسل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فرشتہ سونے کا طشت لے کر آیا اور میرا شکم مبارک چیر کر دل مقدس نکالا اور اسے دھو کر کچھ اس پر چھڑک دیا، پھر کہا:انت محمد رسول اللہ المقفی الحاشر. (الحدیث ھذا مختصر) حضور محمد رسول اللہ ہیں سب انبیاء کے بعد تشریف لانے والے تمام عالم کو حشر دینے والے صلی اللہ علیہ وسلم۔

حدیث متصل میں یوں ہے: جبریل نے اتر کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شکم چاک کیا، پھر کہا: قلب وکیع فیہ اذنان سمیعتان و عینان بصیر تان محمد رسول اللہ المقفی الحاشر. (الحدیث)

مضبوط ومحکم دل ہے اس میں دو کان ہیں شنوا اور دو آنکھیں ہیں بینا، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ انبیاء کے خاتم اور خلائق کو حشر دینے والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم‘‘۔ (ایضا، ص:۱۶۶-۱۶۷)

مدینہ طیبہ میں حضور کی تشریف آوری:

ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں، خوشی وشادمانی ہے کہ در و دیوار سے ٹپکی پڑتی ہے، مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہو رہا ہے، باچھیں کھلی جاتی ہیں، دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جامے تنگ، جاموں میں قبائے گل کا رنگ، نور ہے کہ چھما چھم برس رہا ہے فرش سے عرش تک کا نور کا بقعہ بنا ہے، پردہ نشین کنواریاں شوق دیدارِ محبوبِ کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعاللہ داع

ترجمہ: ہم پر چاند نکل آیا وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والا دعا مانگے بنی النجار کی لڑکیاں کوچے کوچے محوِ نغمہ سرا ہیں کہ:

نحن جوارٍ من بنی النجار
یا حبذا محمد من جارِ

ترجمہ: ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں، اے نجاریو! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے اچھے ہمسایہ ہیں۔

غزوہ بدر:

یہود کی مدد قبول نہ کی: صحیح مسلم وسنن اربعہ ومشکل الآثار امام

طحاوی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کو تشریف لے چلے سنگستان وبرہ میں (کہ مدینہ طیبہ سے چار میل ہے) ایک شخص جس کی جرأت و بہادری مشہور تھی حاضر ہوا، اصحاب کرام اسے دیکھ کر خوش ہوئے، اس نے عرض کی: میں اس لیے حاضر ہوا کہ حضور کے ہمراہ رکاب رہوں اور قریش سے جو مال ہاتھ لگے اس میں سے میں بھی پاؤں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اتؤمن بالله ورسوله؟ کیا تم اللہ ورسول پر ایمان رکھتا ہے؟ کہا: نہ۔ فرمایا: ''فارجع فلن نستعين بمشرك'' تو پلٹ جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ چاہیں گے۔ پھر حضور تشریف لے چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے (کہ مدینہ سے چھ میل ہے) وہ پھر حاضر ہوا، صحابہ خوش ہوئے کہ واپس آیا وہی پہلی بات عرض کی اور حضور نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے؟ کہا: نہ فرمایا: ''فارجع فلن نستعين بمشرك'' واپس جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے، پھر حضور تشریف لے چلے جب وادی میں پہنچے وہ پھر آیا اور صحابہ خوش ہوئے اس نے وہی عرض کی۔ حضور نے فرمایا: کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: ''فنعم اذن'' ہاں اب چلو۔ (فتاوی رضویہ، ج:۱۴، ص:۴۹۶)

دوران جنگ کون کہاں مرے گا؟:

صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: **ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يرينا مصارع اهل بدر و ساق الحديث الى ان قال فانطلق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حتى انتهى اليهم فقال يا فلان بن فلان ويا فلان بن فلان هل وجدتم ما وعدكم الله ورسوله حق فانی قد وجدت ماوعدني الله حقا قال عمر يا رسول الله كيف تكلم اجسادا لا ارواح فيها قال ما انتم باسمع لما اقول منهم غير انهم لايستطيعون ان يردوا على شيئا.**

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کفار بدر کی قتل گاہیں دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا اور یہاں فلاں، جہاں جہاں حضور نے بتایا تھا وہیں وہیں ان کی لاشیں گریں۔ پھر بحکم حضور وہ جیفے ایک کنویں میں بھر دیے گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور نام بنام ان کفار لیام کو ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر پکارا۔ اور فرمایا: تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ خدا اور رسول نے تمھیں دیا تھا کہ میں نے تو پالیا جو حق وعدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور نے ان جسموں سے کیونکر کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں۔ فرمایا: جو میں کہہ رہا ہوں کسے کچھ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں یہ طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔ (فتاوی رضویہ، ج:۹، ص:۷۲۷)

جنگ میں فرشتوں کی مدد:

ابوبکر ابن ابی شیبہ مصف اور ابوداؤد طیالسی و ابن منیع مسانید اور بیہقی سنن میں امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان الله أمدني يوم بدر وحنين بملئكة يعتمون هذه العمامة وقال ان العمامة حاجزة بين الكفر والايمان.**

ترجمہ: بیشک اللہ عزوجل نے بدر وحنین کے دن ایسے ملائکہ سے میری مدد فرمائی جو اس طرز کا عمامہ باندھتے ہیں بیشک عمامہ کفر و ایمان میں فارق ہے۔ (ایضا، ج:۶، ص:۱۱۲)

غنیمت بدر میں حضرت عثمان غنی کا حصہ:

صحیح بخاری و ترمذی و مسند احمد بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے غزوہ بدر میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زوجہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار تھیں سید عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ طیبہ میں شاہزادی کی تیمارداری کے لیے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا: **ان لک اجر رجل من شهد بدراً او سهمه**. بیشک تمہارے لیے حاضران بدر کے برابر ثواب اور حاضری کے مثل غنیمت کا حصہ ہے۔

یہ خصوصیت حضرت عثمان کو عطا فرمادی حالانکہ جو حاضر جہاد نہ ہو غنیمت میں اس کا حصہ نہیں۔

سنن ابوداود میں انہیں سے ہے: **فضرب له، رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسهم ولم يضرب لاحدٍ غاب غيره .**

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا اور ان کے سوا کسی غیر حاضر کو حصہ نہ دیا۔ (ایضا، ج:۰۳، ص:۰۴۵)

غزوہ احد: حضرت طلحہ کا کارنامہ:

طلحہ بن عبیداللہ احد العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں: روز احد میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کندھیاں لے کر ایک چٹان پر بٹھادیا کہ مشرکین سے آڑ ہوگئی، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پس پشت دس مبارک سے ارشاد فرمایا: **هذا جبريل يخبرني انه لايراک يوم القيٰمة فی هولٍ الا انقذک منه .**

ترجمہ: بن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ یہ جبریل مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اے طلحہ! وہ روز قیامت تمہیں جس کسی دہشت میں دیکھیں گے اس سے تمہیں چھڑادیں گے۔ (ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا۔ (ایضا، ص:۶۲۶)

یہود کی مدد قبول نہ کی:

امام واقدی مغازی اور امام اسحق بن راہویہ مسند اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا ارشاد ہوا: یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی: یہودی بنی قینقاع قوم عبداللہ بن سلام خلفائے عبداللہ بن اُبی (یہ لفظ طحاوی ہیں اور لفظ ابن راہویہ یوں ہی عرض کی گئی یہ عبداللہ بن اُبی ہے اپنے حلیفوں کے ساتھ کہ قوم عبداللہ بن سلام کے یہود ہیں، اور لفظ واقدی میں ہے یہ ابن اُبی کے حلیف یہودی ہیں اور لفظ طبرانی میں ہے یہ عبداللہ بن اُبی ہے چھ سو یہودیوں کے ساتھ کہ اس کے حلیف ہیں فرمایا: کیا اسلام لئے آئے؟ عرض کی: نہ۔ وہ اپنے دین پر ہیں۔

فرمایا: **قل لهم فليرجعوا فانا لانستعين بالمشركين على المشركين** . ان سے کہہ دو لوٹ جائیں ہم مشرکوں پر مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔ (ایضا، ج:۴۱، ص:۶۹۴)

دسترخوان اور کھانے کی کیفیت:

ہاں عادت کریمہ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا تناول فرمانا تھی اور یہی افضل:

اخرج الامام احمد في كتاب الزهد عن الحسن مرسلا والبزار نحوه عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا اتى بطعام وضعه على الارض، واخرج الديلمي في مسند الفردوس عنه رضى الله تعالى عنه يرفعه الى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم صنعها على الحضيض ثم قال انما انا عبداكل كما ياكل العبد واشرب كما يشرب العبد، واخرج الدارمي و الحاكم وصححه واقروه عن انس رضى الله تعالى عنه قال قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اذ وضع الطعام فاخلعوا نعالكم فانه أروح لاقدامكم، واخرجه

ابویعلی بمعناہ وزادوھو السنۃ.

ترجمہ: امام احمد نے کتاب الزہد میں امام حسن سے بغیر سند یعنی مرسلا تخریج فرمائی، محدث بزار نے اسی کی مثل ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج فرمائی، جب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا جاتا تو آپ اسے زمین پر خود رکھ دیتے، محدث دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا تخریج فرمائی یعنی حضرت ابو ہریرہ نے حضور اقدس سے روایت کی حضور علیہ الصلو والسلام کا طریقہ کار یہ تھا کہ کھانا زمین پر رکھ کر خود زمین پر بیٹھ جاتے اور فرماتے میں ایک بندہ ہوں اس لیے اس طریقے سے کھاتا اور پیتا ہوں جس طریقے سے ایک غلام یعنی بندہ کھاتا اور پیتا ہے۔ نیز دارمی اور حاکم نے تخریج کی اور اسے صحیح قرار دیا، اور انھوں نے اسے ثابت رکھا اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتار دو کیونکہ ایسا کرنا تمھارے قدموں کے لئے زیادہ باعث راحت ہے اور ابو یعلی نے اس مفہوم کی تخریج کی البتہ اس میں یہ اضافہ کیا کہ یہ سنت ہے۔

شرع الاسلام اور اس کی شرح میں ہے: وضع الطعام علی الارض احب الی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی السفر وھی ای و الحال ان السفر (علی الارض) لاعلی شیء اخر فوق الارض.

ترجمہ: دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھانا آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو زیادہ پسند تھا اور حالت یہ ہوتی تھی کہ دسترخوان زمین پر بچھا ہوتا تھا نہ کہ کسی اور چیز پر جو زمین کے اوپر ہو۔

عین العلم اور اس کی شرح میں ہے: (یاکل علی السفر الموضوع علی الارض) فھو اقرب الی ادبہ علیہ الصلوۃ والسلام و تواضعہ لمقام الانعام) فالخوان والمنحل والاشنان والشبع من البدع وان لم تکن مذمومات غیر الشبع (فانہ مذموم اھ مختصر. واللہ تعالی اعلم.

ترجمہ: حضور علیہ الصلو والسلام اس دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے جو زمین پر بچھا ہوتا پس مقام انعام میں یہ چیز حضور علیہ الصلو والسلام کے ادب اور تواضع کے زیادہ قریب ہے لہذا دسترخوان بچھانا جو زمین کی بجائے کسی اور چیز پر بچھا ہو یہ آپ کو ناپسند تھا۔ چھلنی سے چھانا ہوا آٹا، اشنان،) خوشبودار گھاس (اور سیر ہو کر کھانا یہ سب بدعات میں سے ہیں) یعنی سنت میں شامل نہیں (اگر چہ سیری کے علاوہ باقی کام مذموم نہیں البتہ سیری مذموم ہے۔ اھ مختصر۔ واللہ تعالی اعلم۔ (فتاوی رضویہ، ج:۲۱،ص:۶۲۹)

کھانے میں عیب نکالنا اپنے گھر پر بھی نہ چاہئے مکروہ وخلاف سنت ہے عادت کریمہ یہ تھی کہ پسند آیا تو تناول فرمایا۔ (ایضا،ص:)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دسترخوان پر قسم قسم کے متعدد کھانے نہ ہوتے تھے کہ تھوڑا تھوڑا سب میں تقسیم ہوتا ما اجتمع لونان فی فی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے دہن اقدس میں کبھی دو رنگ کے کھانے جمع نہیں ہوئے (ایضا،ص:۶۵۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی تعداد:

حضرت عزت نے انبیائے کرام علیہم الصلو والسلام میں کسی کو ایک کسی کو دونام اپنے اسمائے حسنی سے عطا فرمایا اور حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے طیبہ میں تو ساٹھ سے زیادہ آئے کمافصلہ العلما فی المواھبوغیرھا (جیسا کہ علما کرام نے مواہب لدنیہ وغیرہ میں مفصل بیان دیا ہے) (ایضا، ج:۲۴،ص:۶۹۷)

اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ اسما مسمی سے ناشی ہے، آٹھ سو سے زائد مواہب وشرح مواہب میں ہیں، اور فقیر نے تقریبا چودہ سو پائے، اور حصر ناممکن۔

(ایضا، ج:۲۸، ص:۳۶۵)

منظوم سیرت نگاری:

سیرت نبوی ﷺ کا بیشتر سرمایہ عربی زبان میں ہے اور وہ بھی نثر کی صورت میں۔ مگر نظم اپنے اندر ایک مخصوص افادیت اور خاص تاثیر رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے سیرت و مدحت نبوی ﷺ کا سرمایہ جہاں نثر میں موجود ہے وہیں نظم میں بھی سیرت کا خزانہ موجود ہے۔ منظوم سیرت و مدحت نبوی ﷺ کا آغاز تو عہد نبوی میں ہی ہو چکا تھا بلکہ حق تو یہ ہے کہ کتب سیرت میں نبی مکرم ﷺ کی شان میں آپ کی ولادت سے قبل بھی مدحیہ منظوم اشعار دیکھنے اور پڑھنے کو ملتے ہیں۔

جہاں تک منظوم سیرت نگاری میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی خدمات کی بات ہے تو مشہور زمانہ سلام رضا کو ''منظوم سیرت'' تسلیم کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا؛ اس لیے کہ اس سلام میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت، ہجرت، جلوہ جہاں آرا، فضائل، خصائص، آل و اہل بیت، ازواج مطہرات، اصحاب کرام، امت محمدی کے فحول علمائے کرام وغیرہ کا ذکر جمیل ہے۔

سلام رضا کے بارے میں نامور شاعر مولانا سید محمد مرغوب اختر الحامدی صاحب لکھتے ہیں:

''روز مرہ محاورات کے ساتھ اعلی حضرت کا پورا سلاست زبان وزور بیان کا مرقع ہے۔ آپ کا مشہور سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' جس کے ۱۷۱ اشعار ہیں اس کا ہر شعر موتیوں میں تولنے کے قابل ہے۔ نیز سلالت وروانی اور زور بیان میں اپنا جواب نہیں رکھتا، اس سلام کے ایک ایک شعر میں محبوب مدینہ ﷺ کی ادائیں الفاظ کے موتیوں سے ایسے جڑی ہیں جسے دیکھ کر عقد ثریا بھی خجل ہو جائے۔ سرکار مدینہ کا سراپا اور عہد طفولیت سے لے کر عہد نبوت تک کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے جس کی داد دینے کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ حضور ﷺ کی پوری سیرت سامنے آجاتی ہے۔ (امام نعت گویاں، ص:۴۶، بحوالہ شرح سلام رضا، ص: ۲۵، اس؛ اسک پبلیشر، دہلی)

اس سلام میں بڑی خصوصیات پوشیدہ ہیں جنھیں اہل فن ہی دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں، ہم جیسے ظاہر بیں اور فن شعر و ادب سے ناآشناؤں کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے فقیر راقم اس سلام کی ایک ضخیم شرح سے اس کی چند خصوصیات اور اس خصوصیات کے بیان ترتیب کو من وعن نقل کر رہا ہے۔ ان خصوصیات کو پڑھنے کے بعد امید کہ قاری اس بات میں یقین کی منزل کو پہنچ جائے کہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بلاشبہ سیرت وشمائل نبوی کی حسین وادی میں سیر کی اور اس کی بھینی بھینی خوشبوؤں کو اپنے دامن فکر میں محفوظ کیا اور پھر ان خوشبوؤں کو الفاظ کا پیکر دے کر ہمارے لیے راحت قلب و جاں کا سامان کیا۔

خصوصیات سلام رضا:

(۱) اس میں حضور علیہ السلام کے سراپا کا بھی بیان ہے۔

(۲) آپ (ﷺ) کی مقدس اداؤں کا نہایت ہی خوب صورت انداز میں تذکرہ ہے۔

(۳) یہ آپ کی ذات اقدس کے علاوہ آل، اصحاب، اولیا اور تمام امت پر سلام ہے۔

(۴) ہر شعر میں قرآن وحدیث کی تعلیمات بڑے ہی احسن انداز میں بیان کر دی گئی ہے۔

(۵) یہ سلام آپ (ﷺ) کی صورت کے بیان کے ساتھ ساتھ سیرت نبوی کا شاہکار ہے۔

(۶) اس کے اشعار میں تاریخ اسلام کے عظیم واقعات کو اچھوتے انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۷) اس میں سراپا بیان کرتے وقت اردو کے انھیں الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو عربی میں استعمال ہوئے تھے۔

(۸) حضور (ﷺ) کے عظیم معجزات کا ذکر بھی نہایت ہی احسن انداز میں کیا گیا ہے۔

ترتیب سلام:

(۱) پہلے تیس اشعار میں حضور علیہ السلام کے خصائص، کمالات اور معجزات کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ آپ کی ذات اللہ تعالی کی سب سے بڑی نعمت ہے اور آپ کا وجود مسعود بے مثل اور ہر شئی کے وجود کی علت وسبب ہے۔

(۲) اکتیسویں شعر سے اکیاسی تک آپ کے سراپا کا بیان ہے جس میں ہر ہر عضو، اس کی اہم خصوصیت اور اس کے حسن و جمال اور برکات کا تذکرہ ہے۔

(۳) بیاسی تا نوے میں آپ کی ولادت باسعادت، بچپن، رضاعت رضاعی والدہ، رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ تعلقات کا بیان ہے۔

(۴) اکیانوے تا نناوے کا حصہ خلوت و ذکر وفکر، بعثت مبارکہ، شان سطوت اور غلبۂ دین پر مشتمل ہے۔

(۵) سوتا ایک سو چار آپ کی غزوات میں شرکت اور جراءت و بہادری کا ذکر ہے۔

(۶) ایک سو پانچ سے ایک سوسترہ تک کا حصہ خاندان نبوی اور گلشن زہرا کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔

(۷) ایک سو اٹھارہ تا ایک سو چھبیس آپ کی ازواج مطہرات کے درجات وکمالات پر مبنی ہیں۔

(۸) ایک سو ستائیس تا ایک سو تینتالیس صحابہ، خلفاے راشدین اور عشرہ مبشرہ کی خدمت میں سلام ہے۔

(۹) ایک سو چوالیس تا ایک سو انچاس میں تابعین، و تبع تابعین اور تمام آل رسول پر سلام ہے۔

(۱۰) ایک سو پچاس اور ایک سو اکیاون، ان دو اشعار میں ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کا مبارک تذکرہ ہے۔

(۱۱) ایک سو باون تا ایک سو چھپن سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری ہے۔

قارئین کرام! بنظر غائر اس سلام کے مضامین وخصوصیات کو پڑھنے کے بعد ہم اور آپ اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ واقعی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے سیرت نگاری کی زمین پر بھی شجر کاری کر کے اہل ذوق کے لیے تسکین کا سامان فراہم کیا۔

حضور پاک صاحب لولاک ﷺ کے مبارک نسب اور اس کی طہارت، حمل شریف اور ولادت کے وقت عجائبات قدرت، رضاعت اور پرورش، اعلان نبوت، کفار مکہ کے مظالم، ہجرت مدینہ، غزوات وسرایا، شمائل وخصائل، سراپا اور حسن و جمال، اخلاق وصفات عظیمہ، فضل وشرف، دنیا وآخرت میں خصوصیات وکمالات اور مخصوص درجات و فضائل، معجزات، عبادت و ریاضت، روز مرہ کے معمولات، ازواج مطہرات، اولاد امجاد، اصحاب کرام کے متعلق مواد کی جمع وترتیب کا نام ہی تو سیرت نگاری ہے۔

علاوہ ازیں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے مجموعۂ نعت و مناقب ”حدائق بخشش“ میں سیرت کے بعض مخصوص موضوعات پر مستقل کلام بھی ملتے ہیں اور مختلف کلاموں میں متفرق طور پر تو پوری سیرت کے حوالے سے اشعار موجود ہیں۔ اب ہم بلا تمہید وتبصرہ صرف سیرت کے کسی گوشے کو بطور عنوان ذکر کر کے اس عنوان سے متعلق مستقل کلام ہو تو اس کے چند اشعار یا مختلف کلام میں موجود اس عنوان کے اشعار ذکر کریں گے۔

واقعۂ معراج پر مستقل کلام:

معراج کی خوشیاں:

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

بہار ہے شادیاں مبارک چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنا دل کا بولتے تھے

براق کا بیان:

براق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن مہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

اقصی میں انبیاے کرام کی امامت:

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

سدرہ سے آگے نہ بڑھ پانا:

جلو میں مرغ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے

معراج موسیٰ علیہ السلام و معراج حضور ﷺ:

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

لامکاں کا بیان:

سراغ این و متی کہاں تھا نشان کیف والی کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

مقام دنی تدلی کا بیان:

پران کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃً فعل تھا ادھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا دنی تدلی کے سلسلے تھے

وصال حبیب ﷺ کا بیان:

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

اعلی حضرت کا اپنے لیے دعا کرنا:

نبیِ رحمت شفیع امت رضا پہ للہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے
ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

سرکار دو عالم ﷺ سراپا نور ہیں:

ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

بارہویں تاریخ:

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا ایک اِک ستارہ نور کا

زلف عنبریں:

پشت پر ڈھلکا سرِ انور سے شملہ نور کا
دیکھیں موسیٰ طور سے اُترا صحیفہ نور کا

عمامہ شریف:

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں، الٰہی! بول بالا نور کا

صورت و جسم انور:

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

نورانیت اور سایہ:

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

نسل پاک اور گھرانہ:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

رخ انور اور اس سے متعلق اعضا:

ک گیسو، ہ دہن، ی ابرو، آنکھیں ع ص
کٓھٰیٰعٓصٓ اُن کا ہے چہرہ نور کا

مقطع قصیدہ نور:

اے رضؔا! یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

متفرق کلام میں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا:

خُلق اور خَلق کا بیان:

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

تیرے خُلق کوحق نے عظیم کہا تیرے خَلق کوحق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالق حسن وادا کی قسم

قامت زیبا:

شاخ قامت شہ میں زلف وچشم ورخسارولب ہیں
سنبل نرگس گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ

زلف دوتاہ اوررخ انور:

لک بدرفی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابراجل
تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

ہے کلام الٰہی میں شمس الضحیٰ تیرے چہرۂ نورفزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

ابروے مبارک:

اشارہ کردیں اگر وہ کمان ابرو کا
ہمارا تیر دعا پھر کبھی خطا نہ کرے
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

گیسوے مبارک:

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پر وارے گیسو
ہم سیہ کاروں پہ یا رب تپش محشر میں
سایہ افگن ہوں تیرے پیارے کے پیارے گیسو

کلام وسخن:

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
تیرے آگے یوں ہے دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

مآخذِ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

فتاوی رضویہ اورمختلف رسائل سے منتخب درج بالا اقتباسات کلام سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ امام احمد رضا خان ایک مستقل سیرت نگار تھے اور نہ ہی میرا یہ مقصود ہے۔ البتہ مآخذات سیرت و کتب سیرت میں آپ کی وسعت نظر واستحضار بلکہ خداداد ماہرانہ صلاحیت بالکل عیاں ہے۔ سیرت نبوی کے کئی گوشوں پر آپ نے تحقیقی گفتگو فرمائی اور تحقیقی رسائل بھی قلم بند فرمائے۔ اور یہ بات کسی بھی صاحب علم وفہم پر مخفی نہیں کہ کسی بھی تحقیق کے معتمد ومعتبر اوراہم و پختہ ہونے کا مدار اس تحقیق کے لیے پیش کیے گئے دلائل اور ان کے مآخذات کے اعتبار واعتماد اوراہمیت پر ہوتا ہے۔ امام احمد رضا خان رحم اللہ تعالی علیہ نے سیرت کے جن عنوانات پر گفتگو فرمائی اور تحقیق پیش کی، ان کی اہمیت کے لیے ہم معتقدین کے لیے نسبت امام احمد رضا ہی کافی ہے۔ البتہ غیر معتقدین کے لیے ہم عنوانات سیرت پر امام احمد رضا خان رحم اللہ تعالی علیہ کے مآخذات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ ان حضرات کے نزدیک بھی امام احمد رضا خان کی تحقیقات سیرت معتبر ومعتمد ہونا ثابت وظاہر ہو جائے۔

امام احمد رضا کی تحقیقات سیرت میں جن مآخذات سے بکثرت استفادہ کیا گیا ہے وہ قرآن ہے۔ اور بھلا کیوں نہ ہو کہ یقیناً سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن ہی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: کہ حضور ﷺ کے اخلاق قرآن ہی ہے گویا قرآن کریم سے مستغنی ہوکر سیرت کما حقہ بیان نہیں کی جاسکتی۔

اسی طرح کسی شخصیت کی سیرت نویسی کا معنی اس شخصیت کے احوال واقوال اوراوصاف کو بیان کرنا ہے۔ اوراس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ قرآن کے بعد حضور اقدس ﷺ کے احوال واوصاف کا عظیم ذخیرہ کتب احادیث ہیں، چناں چہ امام احمد رضا خان رحم اللہ تعالی علیہ نے اپنی تحقیقات سیرت میں کثیر کتب احادیث خصوصا صحاح ستہ سے استفادہ کا التزام فرمایا ہے۔

مآخذات سیرت رسول ﷺ میں تیسرے نمبر پر کتب سیرت ہیں، چناں چہ سیرت رسول لکھنے اور بیان کرنیکے لیے کتب سیرت سے استفادہ انتہائی ناگزیر ہے؛ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا خان رحم

اللہ تعالی علیہ نے بھی کثیر معتمد کتب سیرت سے استفادہ کیا اور ان استفادات سے ہمارے لیے کثیر علمی افادات تحریر فرمائے۔ جن معتمد کتب سیرت کے مضامین آپ کے پیش نظر رہے، ان میں سے چند کتب سیرت کے نام یہ ہیں:

المواہب اللدنیہ، الخصائص الکبری، دلائل النبوۃ، سبل الہدی و الرشاد، مدارج النبو، نسیم الریاض، کتاب الشفا، سرور القلوب فی ذکر المحبوب، الشفا بتعریف حقوق المصطفی، شرح الزرقانی علی المواہب، المنح المکی فی شرح الہمزی، وغیرہ۔

علم سیرت وشمائل اور امام احمد رضا اصحاب علم وقلم کی نظر میں:

اب ہم علم سیرت شمائل میں امام احمد رضا خان کی مہارت و خدمات سے متعلق چند اصحاب علم کے اعترافی کلمات نقل کر کے اپنی بات پوری کریں گے تا کہ سیرت الرسول ﷺ کے موضوع پر آپ وسعت نظر ومطالعہ اور مہارت کے بارے میں دیگر حضرات علما کے نظریات کا بھی علم ہوجائے۔

استاذ العلما مفتی سید محمد عارف رضوی بہرائچی:

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے تعلق سے یہ کتاب) سیرت مصطفیٰ جان رحمت (اس اعتبار سے بھی اور زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ یہ غیروں کے اس اعتراض کا دندان شکن اور مسکت جواب ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے اگرچہ ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کیں مگر سیرت الرسول کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا۔ اگر چہ یہ اعتراض بے بنیاد اور لایعنی تھا۔ (سیرت مصطفیٰ جان رحمت، ج:۱،ص:۵۱)

ماہر رضویات مولانا محمد عیسی رضوی قادری:

کہا یہ جارہا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے ایک ہزار سے زائد تصانیف یادگار چھوڑیں، پچاس سے زائد بلکہ جدید تحقیق کے مطابق سو سے زائد علوم وفنون پر ان کے آثار باقیات اور تصانیف کثیرہ موجود ہیں، اتنا سب کچھ لکھنے کے باوجود انھوں نے سیرت الرسول کے نام پر کوئی کتاب نہیں لکھی، سیرت کے تعلق سے ان کی کوئی یادگار نہیں۔ مگر حیرت ہے کہ یہ اس امام عشق ومحبت کے بارے میں کہا گیا جس نے زندگی بھر ناموس رسالت پر لکھا، حضور کے اوصاف و کمالات اور محاسن وخوبیاں لکھیں، رسول اللہ کی عظمت وتقدیس لکھی، مصطفیٰ کا وقار واحترام لکھا، تاج دار عرب وعجم کی جلوت وخلوت لکھی، سرور کونین کی زندگی کے ایک ایک گوشے پر لکھا، صاحب قاب قوسین کی صبح وشام لکھی، محبوب رب ذوالجلال کی عبادت وریاضت لکھی، معاشرتی زندگی کے اصول وآداب لکھے، پیغمبر انقلاب کا اسوہ حسنہ لکھا، سرور انبیا کے رزم و بزم کی ... حقیقت یہی ہے کہ اس عاشق رسول نے زندگی بھر سیرت الرسول ہی کے ہمہ گیر پہلوؤں پر لکھا۔ (ایضا،ص:،۶۹،۷۰)

موصوف دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ہاں ! یہ الگ بات ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے سیرت الرسول پر بالاستقلال نہیں لکھا۔ اگر وہ اس موضوع پر لکھتے تو کتب سیرت میں ان کی تصنیف کردہ کتاب کو ایک منفرد و امتیازی مقام حاصل ہوتا۔ گو کہ انھوں نے سیرت کے عنوان سے مستقل طور پر کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن ان کی صدہا تصانیف میں سیرت الرسول کے مبادیات ومضامین کی ایک حسین ورنگین دنیا آباد ہے۔ (ایضا،ص:۷۱)

ماہر رضویات مولانا عبدالستار ہمدانی:

امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی سیرت نگاری کے ذریعہ آپ کا وصف بیان کرنے میں ہی بسر ہوا۔ آپ کے رشحات قلم سے وصف رسول و سیرت نبی کے وہ بیش بہا موتی زینت قرطاس بنے ہیں کہ جن کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں۔

نیز امام احمد رضا نے سیرت نگاری میں اس امر کا بھی خاص طور پر اہتمام والتزام فرمایا کہ گستاخان رسول کے ذریعہ توہین رسول کے لگائے گئے مغیلان زہر آلود کی بیخ کنی بھی کی جائے۔ (ایضا،ص:، ۴۵،۴۶)

محمد اظہار النبی حسینی مصباحی

خادم التدریس جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

امام احمد رضا اور علم مناقب

مقالہ نگار

مولانا محمد اشرف رضا جیلانی مصباحی (گھوسی: یوپی)

حضرت مولانا محمد اشرف رضا جیلانی ابن غلام نعمانی ۱۵: جولائی ۱۹۹۰ء کو مداپور چھاؤنی، پوسٹ، گھوسی (ضلع مئو: یوپی) میں پیدا ہوئے۔ شعبۂ پرائمری کی تعلیم مدرسہ شمس العلوم (گھوسی) میں حاصل کی۔ حفظ و قرأت کی تکمیل دارالعلوم علیمیہ (جمدا شاہی: بستی) میں کی، پھر درجات عالمیت تک کی تعلیم، مدرسہ فیض العلوم (محمد آباد گوہنہ، مئو: یوپی) میں پائی۔ سال ۲۰۱۵ء میں جامعہ اشرفیہ (مبارک پور: اعظم گڑھ) سے درجہ فضیلت کی تکمیل و فراغت حاصل کی۔ کئی سالوں سے جامعہ قادریہ حیات العلوم (شہزاد پور، اکبر پور، امبیڈکر نگر: یوپی) میں درس نظامی کی تعلیم و تدریس میں مصروف عمل ہیں مسجد حاجی محمد عمر (اکبر پور) میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ایک درجن سے زائد دینی، سیاسی اور سماجی موضوعات پر مقالات و مضامین آپ نے رقم فرمائے۔ مولانا موصوف ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کے مستقل کالم نگار ہیں۔ رابطہ نمبر: 7084088085

امام احمد رضا اور فن مناقب

فن مناقب کا تعارف:

مناقب کا لغوی معنی: تنگ راستہ، سوراخ

مناقب کا اصطلاحی معنی: فضیلت و بزرگی

مناقب: جمع ہے۔ اس کا واحد منقبت ہے۔

فن مناقب کی تعریف:

وہ علم جس میں حضرات صحابہ کرام و تابعین عظام و مشائخ فخام و علمائے اسلام کے کمالات و کرامات و مدائح وصفات کا بیان ہو۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم صفحہ ۳۲۴: اکبر بک سیلر لاہور)

موضوع و غرض و غایت:

اس کا موضوع خدا رسیدہ و محبوبان خدا کی ذوات مبارکہ، اور اس کی غایت محبوبانِ خدا کی تعریف و توصیف کے ذریعے حصول رضائے الٰہی۔

اہمیت و افادیت:

یہ طریق مصطفیٰ رہا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مناقب اور حالات و واقعات سنایا کرتے تھے، تاکہ ان کے حالات سے بھی آشنائی ہو، اور ان واقعات سے وہ سبق حاصل کریں۔

اللہ کے محبوب بندوں کے مناقب بیان کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دل یاد خدا سے معمور ہو جاتا ہے۔ دل نیکیوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ نفس امارہ دم توڑنے لگتا ہے۔ گناہوں کے میل سے دل صاف ہونے لگتا ہے اور بندہ جادۂ مستقیم و راہ حق کا مسافر بن جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ:

مناقب کا معنی سوراخ ہے۔ فضیلت کو منقبت اس لیے کہتے ہیں کہ کسی کی فضیلت سن کر اس کے مخالف کے دل میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ یہ مجاز ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے دل میں تکلیف ہوتی ہے۔

فن کی تاریخ اور آغاز وارتقا:

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے جگہ جگہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اپنے محبوب بندوں کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں، جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس فن کا آغاز زمانۂ نزول قرآن سے ہی ہو گیا تھا۔ البتہ بعد کے ادوار میں اسے اور ترقی ملی۔

جب محدثین کا دور آیا تو باضابطہ انھوں نے اپنی کتابوں میں مناقب کے ابواب وضع کیے۔ جس سے یہ فن اور زیادہ وسیع و پختہ ہو گیا۔ بعد کے مصنفین و مورخین نے اس فن کو مزید عروج بخشا، مکمل طور سے اس موضوع پر کتابیں تحریر کی گئیں۔ اس طرح سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین و علمائے دین کے مناقب میں ہزار ہا کتابیں معرض وجود میں آگئیں۔

فن کے ماہرین اور ان کی کتابیں:

(۱) خصائص علی: امام نسائی

(۲) الریاض النضرہ: علامہ محمد بن جریر طبری

(۴) تبییض الصحیفہ: علامہ جلال الدین سیوطی

(۶) الخیرات الحسان: علامہ ابن حجر مکی شافعی

(۳) جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان: اعلیٰ حضرت

(۵) تنزیہ المکانۃ الحیدریہ: اعلیٰ حضرت

فن مناقب میں اعلیٰ حضرت کی مہارت:

جس طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کو تفسیر، فقہ،

حدیث، عقائد، منطق و فلسفہ، شعر و ادب اور مختلف علوم و فنون پر دسترس و عبور حاصل تھا، اسی طرح فن مناقب میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔آپ کی متعدد تالیفات و تصنیفات باب فضائل و مناقب میں موجود ہیں جو اس بات کی گواہ ہیں کہ آپ فن مناقب کے بھی امام ہیں۔آپ کے فتاویٰ و دیگر تصنیفات میں جگہ جگہ اکابر امت کا تذکرہ دل نشین پیرایۂ بیان میں ملتا ہے۔

فن مناقب میں اعلیٰ حضرت کی انفرادیت و خصوصیت:

اس فن میں اعلیٰ حضرت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا قلم جوش عقیدت میں بھٹکتا نہیں، بلکہ تحقیق و تفتیش اور تلاش و تتبع کے ذریعہ دلائل و براہین کا انبار لگا دیتا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صاحب تذکرہ کی پوری شخصیت اور افکار و کارنامے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔آپ کی تحریر غلو و افراط و تفریط سے پاک و منزہ ہوتی ہے۔شخصیت و مرتبے کا خاص خیال رہتا ہے اور حیات و کارنامے کے تذکرہ پر گہری نظر ہوتی ہے۔ یہ باب مناقب میں قلم رضا کے نمایاں اوصاف ہیں۔

فن مناقب میں اعلیٰ حضرت کی خدمات:

تصنیفات کتب اعلیٰ حضرت پر اگر تفصیلی نگاہ ڈالی جائے تو مختلف علوم و فنون پر بہت سی کتابیں نظر آتی ہیں، لیکن فضائل و مناقب میں تصنیفات و تالیفات کی تعداد کم نہیں ہیں اور فتاویٰ و ملفوظات اس پر مستزاد ہیں، ساتھ ہی عربی، اردو، فارسی تینوں زبانوں میں نعت و منقبت اور قصائد موجود ہیں۔ جملہ انبیائے کرام و حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر زمانہ اعلیٰ حضرت تک کی مقتدر شخصیات کے فضائل و مناقب آپ کی تحریروں میں نظر آتے ہیں۔

امام اہل سنت نے اس فن میں مستقل تصنیفات کے علاوہ منظوم مناقب بھی بیان فرمائے ہیں۔قصیدہ اکسیر اعظم، نظم معطر، قصیدتان رائعتان، مناقب غوثیہ کا تذکرہ اس فن میں کیا جا سکتا ہے۔ چوں کہ یہ فن بہت کشادہ اور وسیع ہے۔ایک مختصر سے مقالے میں ان کے تمام عناصر کا احاطہ کرنا ایک مشکل امر ہے۔حضور اقدس سید المرسلین کے فضائل و مناقب و محامد و محاسن پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی بہت سی مستقل تصانیف بھی ہیں اور آپ کے فتاویٰ و دیگر تحریروں میں بھی جا بجا مدح نبوی و فضائل و مناقب کا بیان موجود ہے۔اسی طرح حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی آپ کی تصانیف و تالیفات مالا مال ہیں۔

اس مقالہ میں والدین مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اولیائے عظام اور صوفیا و علما کے مناقب و محاسن کا کچھ حصہ، تصنیفات رضا سے کشید کر کے قلم بند کر دیا جاتا ہے۔

اصحاب فضائل کے مناقب:

ا: مناقب والدین مصطفےٰ علیہ و علیہما الصلوٰۃ والسلام

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضائل مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ والدین مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب بھی بڑے اچھوتے انداز میں بیان فرمائے ہیں، نیز ایک رسالہ بنام ''شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام'' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبا و اجداد کے اسلام لانے کے اثبات میں ہے۔اسی رسالہ سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''اب ذرا چشم حق بین سے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مراعات الٰہیہ کے الطاف خفیہ دیکھیے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کا نام پاک عبداللہ کہ افضل اسمائے امت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''احب الاسماء الی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمٰن'' تمھارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالیٰ کو عبداللہ و عبدالرحمٰن ہیں۔(سنن ابی داؤد: کتاب الادب، ج ۲، ص ۳۲۰)

''والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام آمنہ کہ امن و امان سے مشتق اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے''۔(فتاویٰ رضویہ: ج ۱۹، ص ۳۲۷، ۳۲۸- امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

۲: مناقب اہل بیت اطہار

اہل بیت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب

قرآن وحدیث کی روشنی میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

’’پھر اللہ اکبر حضرات علیہ سادات کرام اولاد امجاد حضرت خاتون جنت بتول زہرا کہ حضور پرنور سید الصالحین، سید العالمین، سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں اور ان کی شان تو ارفع و اعلیٰ وبلند وبالا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

{انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرًا}

(ترجمہ) اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور رکھے اے نبی کے گھر والو! اور تمھیں ستھرا کردے خوب پاک فرما کر‘‘۔

اسی ضمن میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

{وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبھم}

(ترجمہ) میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت سے جو شخص اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان لائے گا، اسے عذاب نہ فرمائے گا‘‘۔

(المستدرک للحاکم، ج۳، ص ۱۵۰، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج۱۹، ص۳۴۵: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

۳: مناقب حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا ذکر جمیل امام احمد رضا اس طرح فرماتے ہیں:

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

اور آگے ارشاد فرماتے ہیں:

حسن مجتبیٰ سید الاسخیا
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مہر ہدیٰ، موج بحر ندیٰ
روح، روح سخاوت پہ لاکھوں سلام
اس شہید بلا، شاہ گلگوں قبا
بے کس دشت غربت پہ لاکھوں سلام
دردرج نجف، مہر برج شرف
رنگ روئے شہادت پہ لاکھوں سلام

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز فتاویٰ رضویہ میں حضرات حسنین کریمین کے مناقب اس طرح بیان فرماتے ہیں:

’’صحیح بخاری شریف میں ہے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنار اقدس میں لے کر فرمایا:

{انّ ابنی ھٰذا سید لعل اللّٰہ ای یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین}

بیشک میرا یہ بیٹا سید ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا‘‘۔

(صحیح البخاری، ج۳، ص۶۸۱)

’’حضرت بتول زہرا خاتون جنت سیدۃ النسا (رضی اللہ عنہا) نے حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، حضور نے اپنے دو بیٹوں کو کیا عطا فرمایا ہے؟ ارشاد ہوا:

{اما الحسن فلہ جودی وسودی، واما الحسین فلہ ھیبتی وجرئتی}

حسن کے لیے میری سخاوت اور میری سیادت ہے اور حسین کے لیے میری ہیبت اور میری شجاعت ہے‘‘۔

(فتاویٰ رضویہ، ج۱۹، ص۲۸، ۲۹: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

۴: حضرات صحابہ کرام کے مناقب

صحابہ کی وہ مقدس جماعت جس کی شان ورفعت اللہ رب العزت نے ’’وکلا وعد اللہ الحسنیٰ‘‘ کے ذریعہ بیان فرمایا۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن کی عظمت و بزرگی یوں بیان فرمائی ہو کہ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم جس کی بھی اقتدا کروگے، راہ یاب ہو جاؤ گے۔ اعلیٰ حضرت اس مقدس گروہ کی مدح خوانی

کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

فتاویٰ رضویہ میں جب اس مبارک جماعت سے متعلق سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں:

''اہل سنت کے عقیدے میں تمام صحابہ کرام کی تعظیم فرض ہے۔ ان میں سے کسی پر طعن حرام، اور ان کے مشاجرات میں خوض ممنوع۔ حدیث میں ارشاد:

{اذا ذکر اصحابی فامسکوا}

جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے (بحث وخوض سے) رک جاؤ۔ (معجم الکبیر، حدیث نمبر، ۱۴۲۷)

ایک دوسرے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ضرور ہر صحابی کے ساتھ ''حضرت'' کہا جائے گا۔ ضرور ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہا جائے گا۔ ضرور اس کا اعزاز واحترام فرض ہے۔ ولو کرہ المجرمون۔''

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۹، ص ۲۲۸: مرکز اہل سنت گجرات)

۵: مناقب حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

یوں تو محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اصحاب حامل فضل وکمال وصاحب جاہ وجلال ہیں، لیکن حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان سب سے ممتاز ہے۔ جو لوگ حضرات خلفائے اربعہ میں سے کسی ایک کی شان بیان کرتے ہیں اور دوسرے صحابہ کرام کی توہین کر کے اپنی زبان پلید کرتے ہیں، ان کو متنبہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فتاویٰ رضویہ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام میں سب سے افضل واکمل واعلیٰ واقرب الی اللہ، خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم تھے، اور ان کی فضیلت، ولایت بترتیب خلافت، یہ چاروں حضرات سب سے اعلیٰ درجے کے کامل، مکمل ہیں، اور دارائے نیابت نبوت ہونے میں شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پایہ ارفع ہے، اور دارائے تکمیل ہونے میں حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ شیر خدا مشکل کشا کا رضی اللہ عنہ''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۹ ص ۲۳۴: مرکز اہل سنت، گجرات)

حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

''ابوبکر الشافعی غیلانیات میں راوی: یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بیشک میرے حوض پر چار ارکان ہیں۔ پہلا رکن ابوبکر کے ہاتھ ہوگا، دوسرا عمر، تیسرا عثمان، چوتھا علی کے ہاتھ میں رضی اللہ عنہم اجمعین، تو جو محبت ابوبکر کا دعویٰ کرے اور عمر سے کینہ رکھے، ابوبکر صدیق اسے آب کوثر نہ پلائیں گے، اور جو عمر سے دوستی جتائے اور ابوبکر کا محبّ نہ ہو، عمر فاروق اسے نہ پلائیں گے، اور جو محبت عثمان کا مدعی، علی سے بغض رکھے، عثمان ذوالنورین اسے نہ پلائیں گے، اور جو دوستی علی کا ادعا کرے اور عثمان کا دوست دار نہ ہو، اسے علی مرتضیٰ نہ پلائیں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۹، ص ۲۶: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

۶: مناقب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنھیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدیق اکبر کا لقب ملا، سفر وحضر میں آپ حضور کے ساتھی بنے، مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کو مصلی امامت عطا کیا گیا، ان کے مناقب بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اہل سنت کے نزدیک بعد انبیا علیہم الصلاۃ والسلام تمام اوّلین وآخرین سے افضل امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، پھر امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۹، ص ۲۲۹: مرکز اہل سنت گجرات)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کس قدر قرب حاصل تھا اس کا اندازہ اس عبارت سے لگائیں۔

''جب سے خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر

ہوئے، کسی وقت جدا نہ ہوئے، یہاں تک کہ بعد وفات پہلوئے اقدس میں آرام فرما ہیں۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے داہنے دست اقدس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ لیا اور بائیں دست مبارک میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ لیا اور فرمایا: {ھٰکذا نبعث یوم القیامۃ}

ہم قیامت کے دن یوں ہی اٹھائے جائیں گے"۔

(جامع الترمذی، حدیث نمبر ۹۸۶۳)

اصدق الصادقین ، سید المتقین
چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

۷: مناقب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جن کی ہدایت کے لیے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگی، جن کے ایمان لانے سے اسلام کو مضبوطی اور طاقت وقوت حاصل ہوئی، جن کی ہیبت سے کفار مکہ مرعوب ہوگئے۔ ان کے فضائل اپنے ملفوظ میں اعلیٰ حضرت یوں بیان فرماتے ہیں:

"حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ایمان لائے جب کل مرد وعورت ۳۹ مسلمان تھے، آپ چالیسویں مسلمان ہیں۔ اسی واسطے آپ کا نام "متمم الاربعین" ہے، یعنی چالیس مسلمانوں کے پورا کرنے والے۔ جب آپ مسلمان ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

{یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ}

اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! تجھ کو کافی ہے اللہ عزوجل اور اس قدر لوگ جو اب تک مسلمان ہوگئے۔

کفار نے جب سنا تو کہا: آج ہم اور مسلمان آدھوں آدھ ہو گئے۔ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام حاضر ہوئے۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! حضور کو خوش خبری ہو، آج آسمانوں پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے پر شادی (یعنی جشن منایا گیا) رچائی گئی ہے"۔ (سنن ابن ماجہ ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۳۹۷)

امام موصوف آپ کی شجاعت و بہادری اور واقعہ ہجرت کو اس انداز میں بیان فرماتے ہیں:

"جب ضعفائے مسلمین (یعنی کمزور مسلمانوں) نے ہجرت کی تو کفار سے چھپ چھپ کر چلے گئے۔ انھوں نے جب ہجرت فرمائی (تو) ایک ایک مجمع کفار (یعنی کافروں کے ہجوم) میں ننگی شمشیر لے جاکر فرمایا: جس نے مجھے جانا، اس نے جانا اور جس نے نہ جانا ہو، اب جان لے، پہچان لے کہ میں ہوں عمر، جسے اپنی عورت بیوہ اور اپنے بچے یتیم کرنا ہو، وہ میرے سامنے آئے! میں اب ہجرت کرتا ہوں، پھر یہ نہ کہنا کہ عمر بھاگ گیا۔ تمام کفار سر جھکائے بیٹھے رہے، کسی نے چوں بھی نہ کی"۔

(کنز العمال بحوالہ ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۳۹۹)

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فاروق حق و باطل امام الہدیٰ
تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

۸: مناقب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جامع قرآن، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جامع قرآن کیوں کہا جاتا ہے، اس سے متعلق اعلیٰ حضرت نے ایک رسالہ: "جمع القرآن و بم عزوہ لعثمان" تحریر فرمایا۔ اسی رسالے سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

"یعنی عثمان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو، خدا کی قسم! معاملہ مصاحف میں انھوں نے جو کچھ کیا، ہم سب کے مشورہ سے کیا۔ انھوں نے ہم سے کہا: تم ان مختلف لہجوں میں کیا کہتے ہو؟ مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ اوروں سے کہتے ہیں: میری قرأت تیری قرأت سے اچھی ہے، اور یہ بات کفر کے قریب تک پہنچتی ہے۔ ہم

نے کہا: بھلا آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں کہ پھر باہم نزاع واختلاف نہ ہو، ہم سب نے کہا: آپ کی رائے بہت خوب ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۹، ص ۴۵۸ بریلی)

ملفوظات اعلیٰ حضرت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے متعلق فرماتے ہیں:

''امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب بلوائیوں نے بلویٰ (یعنی ہنگامہ) کیا، تمام مدینہ منورہ میں ان کا شور تھا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو گھیرے ہوئے تھے۔ نماز بھی وہی پڑھاتے تھے۔ سوال ہوا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ لوگ جب برائی کریں تو ان سے علاحدہ رہو، اور جب بھلائی کریں تو ان کے شریک ہو''۔

(صحیح البخاری بحوالہ ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۳۳۰)

در منثور قرآں کی سلک بہی
زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ
حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

۹: مناقب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عظمت شان کا کیا پوچھنا کہ آپ اہل بیت سے ہیں، اور داماد مصطفٰے ہیں۔ اجلہ صحابہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ شریف میں اعلیٰ حضرت آپ کے مناقب بیان کرتے ہوئے ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

''امام احمد کتاب المناقب میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

{أُعْطِیَ عَلِیٌّ خَمْسًا هن احب الیّ من الدنیا وما فیها — الٰی قوله: واما الثالثة فواقف علٰی عقر حوضی یسقی من عرف امتی}

''علی کو پانچ چیزیں وہ ملیں جو مجھے تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ وہ میرے حوض کے گھاٹ پر کھڑا ہوگا، جسے میری امت سے پہچانے گا، اسے پانی پلائے گا''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۹، ص ۲۵، ۲۶: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

''تنزیہ المکانۃ الحیدریہ'' جو کہ مقام حیدری کو اجاگر کرنے والی کتاب ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''حضرت مولیٰ نے حضور مولی الکل، سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کنار اقدس میں پرورش پائی۔ حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھا، حضور ہی کی باتیں سنیں، عادتیں سیکھیں، صلی اللہ علیہ وعلیہ وبارک وسلم، تو جب سے اس جناب عرفان مآب کو ہوش آیا قطعاً، یقیناً رب عزوجل کو ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ہرگز ہرگز بتوں کی نجاست سے ان کا دامن پاک، کبھی آلودہ نہ ہوا، اسی لیے لقب کریم ''کرم اللہ وجہہ'' ملا''۔

(تنزیہ المکانۃ الحیدریہ، ص ۳۱، رضا اکیڈمی، ممبئی)

مرتضٰی شیر حق، اشجع الاشجعین
ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
شیر شمشیر زن، شاہ خیبر شکن
پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

۱۰: مناقب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اعلیٰ حضرت سے سوال ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آل رسول امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑ کر خلافت حاصل کی، اور ہزاروں صحابہ کرام کو شہید کیا۔

اعلیٰ حضرت نے تقریباً ڈیڑھ صفحہ میں اس کا جواب تحریر فرمایا، جس سے مقام صحابیت اور شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اظہار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفا امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

{ومن یکون یطعن فی معاویة فذلک کلب من

کلاب الھاویۃ}

ترجمہ: جو حضرت امیر معاویہ پر طعن کرے، وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے"۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۹، ص ۳۰: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

۱۱: مناقب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اعلیٰ حضرت نے اپنے ملفوظات میں زم زم شریف کی فضیلت بیان کرنے کے دوران حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ تحریر فرمایا:

"ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، جب ضعف اسلام تھا صحابہ علیہم الرضوان چالیس (۴۰) تک نہ پہنچے تھے، اس زمانے میں مکہ معظمہ آئے۔ وہاں نہ کسی سے شناسائی (یعنی جان پہچان)، نہ کسی سے ملاقات۔ ایک مہینہ کامل وہی زم زم شریف پیا، حالت یہ ہوئی کہ پیٹ کی بلٹیں الٹ پڑیں (یعنی خوب توانائی آگئی)"۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۴۳۶: مکتبۃ المدینہ)

۱۲: مناقب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

"حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں: جب میں بغرض تحصیل علم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے در دولت پر جاتا اور وہ باہر تشریف نہ رکھتے ہوتے تو براہ ادب ان کو آواز نہ دیتا، ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹا رہتا۔ ہوا، خاک اور ریت اڑا کر مجھ پر ڈالتی، پھر جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاشانہ اقدس سے تشریف لاتے، فرماتے: ابن عم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ نے مجھے اطلاع کیوں نہ کرادی؟ میں عرض کرتا: مجھے لائق نہ تھا کہ میں آپ کو اطلاع کراتا"۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۱۴۴، مکتبۃ المدینہ)

۱۳: مناقب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام احمد رضا سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اہانت کے تعلق سے سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں۔ ان کی شان میں گستاخی نہ کرے گا، مگر رافضی۔ جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں، اس کا پڑھنا، سننا مسلمان سنیوں پر حرام ہے۔ ایسے مسئلہ میں کتابوں کی کیا حاجت، اہل سنت کے مسنون عقائد میں تصریح ہے:

{الصحابۃ کلھم عدول لانذکرھم الا بخیر}

صحابہ سب کے سب اہل خیر و عدالت ہیں، ہم ان کا ذکر نہ کریں گے، مگر بھلائی سے"۔

(منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر، مصطفیٰ البابی، مصر، ص ۷)

پھر کئی احادیث ترمذی و مسند امام احمد بن حنبل اور مسند ابویعلیٰ سے نقل کرنے کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان کا اظہار کرتے ہوئے ایک اور حدیث اسی جگہ سے نقل کرتے ہیں:

ترجمہ: بہت لوگ وہ ہیں کہ اسلام لائے، مگر عمرو بن العاص ان میں ہیں جو ایمان لائے"۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۹، ص ۹۸، ۹۹: مرکز اہل سنت گجرات)

۱۴: مناقب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ آپ کے بارے میں نبی غیب داں حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ دین اگر ثریا پر ہوتا تو فارس کا ایک شخص اسے پالیتا۔ امام اعظم کی سوانح، حالات و مناقب پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ایک رسالہ "جمیل ثناء الائمۃ علیٰ علم سراج الامۃ" بھی ہے، جسے اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا، مگر تلاش بسیار کے بعد بھی ہاتھ نہ آسکا۔ امام اعظم کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ وملفوظ میں یوں ارشاد فرمایا:

"سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولاد سلاطین کیان سے ہیں، اور ان کا مرتبہ ان سے اجل و اعظم ہے کہ نسب سے انھیں فخر ہو

۔ان کا یہ شرف نہیں کہ وہ دنیوی بادشاہوں کی اولاد ہیں۔ان کا یہ فضل ہے کہ ہزارہا دینی بادشاہوں کے باپ ہیں۔سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

{الفقهاء كلهم علىٰ عيال ابى حنيفة}

تمام مجتہدین ابوحنیفہ کے بال بچوں کی طرح ہیں''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲،ص ۲۲، ۲۳: رضا اکیڈمی ممبئی)

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلق خدا سے محبت ومروت کس قدر فرماتے تھے، یہ ملفوظات اعلیٰ حضرت کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے۔

''ایک شخص پر حضور (یعنی امام اعظم رضی اللہ عنہ) کے دس ہزار (دینار) آتے تھے۔وعدے گذرے، مدت ہوچکی تھی۔ایک مرتبہ آپ تشریف لیے جاتے تھے سامنے سے وہ آتا تھا،آپ کو دیکھ کر ڈر کے مارے ایک گلی میں ہوگیا۔قسمت کی بات وہ گلی سربستہ تھی (یعنی بند) تھی۔امام وہیں تشریف لے گئے۔فرمایا: کیوں تم ادھر کیسے آگئے؟ سبب بتایا کہ میں حضور کا مقروض (یعنی قرض دار) ہوں ،وعدہ گذر گیا، میں ڈرا کہ حضور تقاضا فرمائیں گے اور میرے پاس اس وقت موجود نہیں،اس لیے میں اس طرف آگیا۔فرمایا: دس ہزار بھی ایسی چیز ہیں کہ کسی کا مسلمان کا قلب (دل) پریشان کیا جائے،میں نے معاف کیے''۔

(ملخصاً ملفوظات اعلیٰ حضرت،ص ۳۳۰: مکتبۃ المدینہ)

۱۵: مناقب امام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور مجتہد فی المذہب ہیں۔آپ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ سے متعلق فتاویٰ رضویہ کا یہ اقتباس پیش خدمت ہے:

''اولیا فرماتے ہیں: امام اعظم وامام ابویوسف سرداران اہل کشف و مشاہدہ ہیں''۔(فتاویٰ رضویہ، ج ۱،ص ۲۴۵: رضا اکیڈمی ممبئی)

''الملفوظ'' میں امام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک حکایت بھی موجود ہے آپ فرماتے ہیں:

''کتب فقہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ''یوم الشک'' میں یعنی جس روز شبہ ہو کہ وہ رمضان کی پہلی ہے، یا شعبان کی تیس، آپ بعد ضحوی کبریٰ کے بازار میں تشریف لائے اور فرمایا کہ روزہ کھول دو، اس وقت کی وضع منقول ہے کہ سیاہ گھوڑے پر سوار تھے، سیاہ لباس پہنے تھے، سیاہ عمامہ باندھے تھے،غرض کہ سوائے ریش (داڑھی) مبارک کے کوئی چیز سفید نہ تھی۔اس سے یہ مسئلہ استنباط (ثابت) کیا گیا کہ سواد (سیاہ رنگ) کا پہننا جائز ہے۔ایک صاحب نے سوال کیا کہ آپ کا روزہ ہے یا نہیں؟ چپکے سے کان میں فرمایا: ''انا صائم'' میں روزے سے ہوں۔اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ مفتی خود یوم الشک میں روزہ رکھے اور عوام کو نہ رکھنے کا حکم دے''۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت،ص ۳۸۴،مکتبۃ المدینہ)

۱۶: مناقب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد رضا کی عقیدت کا اندازہ آپ کی شان میں لکھے گئے قصائد ومناقب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔آپ نے بارگاہ غوثیت مآب میں قصیدہ اکسیر اعظم ونظم معطر اور اس کے علاوہ فارسی واردو میں کئی منقبت بھی تحریر فرمائی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

فتاویٰ رضویہ شریف میں بھی آپ نے غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بیان فرمائی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات میں روایت کی کہ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: حضور! آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا؟ آپ نے جواب دیا میں ۵۱۱ھ میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد لوٹ رہا تھا،اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے۔راستہ میں ایک کمزور اور نحیف، رنگ بریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا، اس نے مجھے عبدالقادر کہہ کر سلام کیا۔ میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور کہا: آپ

مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تر وتازہ ہو گیا، صورت نکھر گئی اور رنگ چمک اٹھا، مجھے اس سے خوف معلوم ہوا تو اس نے کہا : مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اس نے بتایا کہ میں ہی دین اسلام ہوں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی، اور آپ محی الدین ہیں۔ میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا، ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش کیے اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا۔ میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چہار جانب سے مجھ پر ٹوٹ پڑے، میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے محی الدین نہیں کہا تھا''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۸، ص ۵۸، ۵۹: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

۱۷: مناقب حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیضان صرف ہندوستان ہی نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام پر برس رہا ہے۔ پوری دنیا آپ کے علمی و روحانی فیضان سے مالا مال ہو رہی ہے۔ ہر کوئی آپ سے روحانی رشتہ استوار رکھے ہوئے ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور اکثر عرس میں شرکت بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے روحانی فیوض و برکات سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے مزار سے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ مولانا برکات احمد صاحب مرحوم جو میرے پیر بھائی ہیں اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ہندو جس کے سر سے پیر تک پھوڑے تھے، اللہ عزوجل ہی جانتا ہے کہ کس قدر تھے، ٹھیک دوپہر کو آتا اور درگاہ شریف کے سامنے گرم کنکروں اور پتھروں پر لوٹتا اور کہتا: خواجہ اگن (یعنی اے خواجہ غریب نواز جلن) لگی ہے۔ تیسرے روز میں نے دیکھا کہ بالکل اچھا ہو گیا ہے''۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۳۸۴: مکتبۃ المدینہ)

۱۸: مناقب حضرت شیخ بہاء الدین نقش بند رضی اللہ عنہ

''حضرت شیخ بہاء الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے امام ہیں۔ آپ سے کسی نے عرض کیا۔ حضرت تمام اولیا سے کرامتیں ظاہر ہوتیں ہیں، حضور سے بھی کوئی دیکھیں! فرمایا: اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت کہ اتنا بڑا بھاری بوجھ گناہوں کا سر پر ہے اور زمین میں دھنس نہیں جاتا''۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۴۳۳: مکتبۃ المدینہ)

۱۹: مناقب حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب سے کون نا آشنا ہوگا۔ آپ اپنے وقت کے جلیل القدر قطب اور ولی تھے۔ آپ کی عظمت رفیع اور شان و بزرگی کا اندازہ فتاویٰ رضویہ کے اس اقتباس سے لگایئے۔

''حضرت عظیم البرکت سیدنا سید احمد کبیر رفاعی قدسنا اللہ بسرہ الکریم بیشک اکابر اولیا و اعاظم محبوبان خدا سے ہیں۔ امام اجل اوحد سیدی ابوالحسن علی بن یوسف نور الملۃ والدین لخمی شطنونی قدس سرہ العزیز کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ عنہ سرداران مشائخ و اکابر عارفین و اعاظم محققین و افسران مقربین سے ہیں، جن کے مقامات بلند اور عظمت رفیع اور کرامت جلیل اور احوال روشن اور افعال خارق عادات اور انفاس سچے عجیب فتح اور چمکا دینے والے کشف اور نہایت نورانی دل اور ظاہر تر سر اور بزرگ تر مرتبہ والے۔

یونہی دو ورق میں اس جناب رفعت قباب کے مراتب عالیہ و مناقب سامیہ و کرامات بدیعہ و فضائل رفیعہ ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ممدوح قدس سرہ الشریف کا روضہ انور سید اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور یہ اشعار عرض کرنا ہے:

في حالة البعد روحي كنت أرسلها
تقبل الارض عني وهي نائبتي

وهٰذه نوبة الاشباح قد حضرت
فامدد يمينك كى تحظى بها شفتي

زمانہ دوری میں میں اپنی روح کو حاضر کرتا تھا، وہ میری طرف سے زمین بوسی کرتی، اب جسم کی نوبت ہے کہ حاضر بارگاہ ہے، حضور دست مبارک بڑھائیں کہ میرے لب سعادت پائیں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک روضہ انور سے باہر کرنا اور حضرت احمد رفاعی کا اس کے بوسہ سے مشرف ہونا مشہور وماثور ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ ج۲۹،ص۴۹۲،۴۹۳: بریلی)

۲۰: مناقب حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رسم بسم اللہ خوانی کی منظر کشی اعلیٰ حضرت یوں فرماتے ہیں:

''حضرت خواجہ قطب الحق والدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر جس دن چار برس، چار مہینے، چار دن ہوئی، تقریب بسم اللہ مقرر ہوئی۔ لوگ بلائے گئے ۔حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے، بسم اللہ پڑھنا چاہی، مگر الہام ہوا کہ ٹھہرو! حمید الدین ناگوری (رحمۃ اللہ علیہ) آتا ہے، وہ پڑھائے گا۔ ادھر ناگور میں قاضی حمید الدین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو الہام ہوا کہ جلد جا، میرے ایک بندے کو بسم اللہ پڑھا! قاضی صاحب فوراً تشریف لائے اور آپ سے فرمایا: صاحبزادے پڑھیئے! بسم اللہ الرحمٰن الرحم۔ آپ نے پڑھا۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور شروع سے لے کر پندرہ پارے حفظ سنا دیئے۔ حضرت قاضی صاحب اور خواجہ صاحب نے فرمایا: صاحبزادے آگے پڑھیئے! فرمایا: میں نے اپنی ماں کے شکم میں اتنے ہی سنے تھے اور اسی قدر ان کو یاد تھے، وہ مجھے بھی یاد ہو گئے''۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت)

۲۱: مناقب حضرت شیخ فرید الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''حضرت شیخ فرید الحق والدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ اسی (۸۰) فاقے ہو چکے تھے، نفس بھوکا تھا، الجوع الجوع (ہائے بھوک، ہائے بھوک) پکار رہا تھا، اس کے بہلانے کے لیے کچھ سنگ ریزے (کنکر) اٹھا کر منہ میں ڈالے، ڈالتے ہی شکر ہو گئے، جو کنکر منہ میں جاتا شکر ہو جاتا اسی وجہ سے آپ ''گنج شکر'' مشہور ہیں''۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص۴۸۲: مکتبۃ المدینہ)

۲۲: مناقب حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ جب حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو وہاں کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

''میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوب الٰہی (رحمۃ اللہ علیہ) کی درگاہ میں حاضر ہوا۔احاطہ میں مزامیر (یعنی ساز ڈھول) وغیرہ کا شور مچا تھا، طبعیت منتشر (پریشان) ہوتی تھی۔ میں عرض کیا: حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اس شور وشغب سے مجھے نجات ملے، جیسے ہی پہلا قدم روضہ مبارک میں رکھا کہ معلوم ہوا سب ایک دم چپ ہو گئے۔ میں سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہو گئے۔ قدم درگاہ شریف (مزار شریف) سے باہر نکلا، پھر وہی شور وغل تھا، پھر اندر قدم رکھا، پھر وہی خاموشی، معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت کا تصرف (کرامت) ہے۔ یہ بین (کھلی) کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی، بجائے حضرت محبوب الٰہی کے نام مبارک کے ''یا غوثاہ'' زبان سے نکلا۔ وہیں میں نے اکسیر اعظم قصیدہ بھی تصنیف کیا''۔

پھر فرمایا: ''ارادت شرط اہم ہے بیعت میں، بس مرشد کی ذرا

سی توجہ (عنایت) درکار ہے اور دوسری طرف (یعنی مرید کی طرف سے) اگر ارادت (اعتقاد) نہیں، تو کچھ نہیں ہوسکتا"۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص۴۰۱: مکتبۃ المدینہ)

۲۳: مناقب حضرت شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ

آپ اپنے پیر و مرشد حضور خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ کی شان میں کئی منقبت بھی تحریر فرمائی ہے۔ حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں جو قصیدہ آپ نے تحریر فرمایا تھا، اس میں اپنے پیر و مرشد کی بھی تعریف و توصیف فرمائی تھی۔ اسی قصیدہ کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

۱- (حضرت خاتم الاکابر) مخلوق کی پناہ گاہ (شاہراہ) ہدایت کے محافظ، بلاؤں کو دور کرنے والے اور پیاسوں کی فریادرسی کے لیے عطاو بخشش کی بارش ہیں۔

۲- (حضرت خاتم الاکابر) ان مشکل مسائل کو حل کرنے والے ہیں جو عقل مندوں کو عاجز کر دیتے ہیں۔ کمزوروں سے دشواری و سختی کو دور کرنے والے ہیں۔

۳- میرے ماں باپ ان پر قربان، ان کی سخاوت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ انھوں نے مجھے چیز (بغیر طلب کے) دی جو سوال کر کے بھی نہیں پائی جاسکتی۔

۴- میں نے اپنی جان ان کے ہاتھ فروخت نہیں کی، بلکہ انھوں نے جود وسخا کے ذریعہ معاندین کے ہاتھوں مجھے خرید لیا۔

۵- اس دن جس دن دشمنوں نے مجھے گھیر لیا اور ہلاکت قریب ہوگئی تو یکایک وہ اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے آئے اور میری حفاظت فرمائی۔ (ترجمہ مولانا عاصم اقبال قادری)

(قصیدتان رائعتان، ص۶۹، ۷۰: تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف)

۲۴: مناقب حضرت علامہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ

سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک زبردست عالم دین، مصنف، متکلم، اور صاحب کشف و کرامت بزرگ ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کی شان میں ۳۱۳: اشعار پر مشتمل (۱) قصیدہ حمائد فضل رسول (۲) وقصیدہ مدائح فضل رسول عربی زبان میں تحریر فرمایا جو کہ عربی زبان و ادب کا عظیم شاہکار ہے۔ یہ دونوں قصیدے بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہیں اور تاج الفحول اکیڈمی سے مع ترجمہ وتشریح "قصیدتان رائعتان" کے نام سے منظر عام پر آچکے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ممدوح علامہ فضل رسول بدایونی کا تذکرہ جس انداز میں فرمایا ہے، اس کی نظیر کہیں اور نظر نہیں آتی۔ اسی قصیدہ کے چند اشعار کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

۱- وہ نشان منزل ہیں، جاننے والے ہیں، عالم و علام ہیں۔ (یقیناً میرے ممدوح) فضل رسول فاضل ربانی ہیں۔

۲- اگر نام آسمان سے حاصل ہوتے ہیں تو اس وقت ممدوح کی زینت والے نام کی فضیلت کا اندازہ کر۔

۳- آپ نے مکارم اخلاق گھٹی میں پی ہے اور آپ اس کے حقدار و مستحق تھے کہ بزرگی والی دائیوں نے اپنی گود میں آپ کی پرورش کی ہے۔

۴- یہاں تک کہ آپ نے پاکیزگی کے ساتھ اور ہر عیب سے منزہ ہو کر نشو و نما پائی۔ آپ معاصرین و اقران پر فوقیت و برتری پاتے رہے۔

۵- بڑے بڑے سرداروں کی گردنیں ممدوح (کے علم و فضل) کے سامنے خم ہوگئیں۔ سر برآوردہ لوگوں نے ان کی تابعداری قبول کی۔ (ترجمہ مولانا عاصم اقبال قادری)

(قصیدتان رائعتان ص۱۲۸، ۱۲۹: تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف)

۲۵: مناقب حضرت علامہ نقی علی خان قدس سرہ العزیز

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت علامہ مفتی نقی علی خان علیہ الرحمۃ والرضوان برصغیر ہند و پاک کے جید عالم دین، مناظر، مفتی، مصنف اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آہ آہ، آہ آہ! ہندوستان میں میرے زمانہ ہوش میں

دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول و فروع وعقائد وفقہ سب میں اعتماد کلی کی اجازت تھی۔ اول اقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد، حاشا للہ! نہ اس لیے کہ وہ میرے والد و والی، ولی نعمت ہے، بلکہ اس لیے کہ الحق و الحق اقول اصدق واللہ یحب الصدق، میں نے اس طبیب صادق کا برسوں مطب پایا اور وہ دیکھا کہ عرب وعجم میں جس کا نظیر نہ آیا۔ اس جناب رفیع قدس اللہ سرہ البدیع کو اصول حنفی سے استنباط فروع کا ملکہ حاصل تھا۔ اگر چہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے، مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ نادر و دقیق و معضل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتب متداولہ میں جس کا پتہ نہیں۔ خادم کمینہ کو مراجعت کتب و استخراج جزئیہ کا حکم ہوتا۔ ارشاد فرماتے: ظاہراً حکم یوں ہونا چاہیے، جو وہ فرماتے، وہی نکلتا، یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا۔ زیادت مطالعہ نے واضح کر دیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۱۳۰، ۱۳۱: رضا اکیڈمی، ممبئی)

۲۶: مناقب حضرت علامہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ

تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمہ خانوادۂ بدایوں کے متبحر عالم دین و مفتی ہیں، نیز خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کی علمی و روحانی وراثتوں کے امین ہیں۔ اعلیٰ حضرت آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''دوم والا حضرت تاج الفحول محبّ رسول مولانا مولوی عبد القادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف، پچیس برس فقیر کو اس جناب سے بھی صحبت رہی۔ ان کی سی وسعت نظر و قوت حفظ و تحقیق انیق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی۔ ان دونوں آفتاب و ماہتاب کے غروب کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نسبت عرض کروں کہ آنکھیں بند کر کے اس کے فتویٰ پر عمل ہو''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۱۳۱: رضا اکیڈمی، ممبئی)

☆☆☆

ضمیمہ: (مولانا طارق انور مصباحی)

مناقب وفضائل میں امام احمد رضا کی مستقل تصانیف:

فن مناقب وفضائل میں امام احمد رضا قادری کی مستقل کتب ورسائل ہیں جن کو آگے درج کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ امام احمد رضا کے فتاویٰ، تصانیف وملفوظات میں بہت سے ارباب فضل وکمال کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے۔ ان منتشر عبارتوں کو جمع کر کے مستقل مجموعات بھی تیار کیے جا رہے ہیں۔ حالیہ دنوں میں امام اہل سنت علیہ الرحمہ کی تصانیف اور خاص کر فتاویٰ رضویہ میں بیان کردہ فضائل غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یکجا کر کے ایک مستقل مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح آپ کی تصانیف وفتاویٰ میں جا بجا فقہا، محدثین، اولیائے کرام و دیگر معظمین اسلام کے محامد ومناقب کا بیان متفرق طور پر نظر آتا ہے۔

حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن وفضائل کے موضوع پر مستقل تصانیف کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف وتالیفات اور فتاویٰ وملفوظات کا ایک بڑا حصہ فضائل نبویہ ومناقب مصطفویہ کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس کا بھی مستقل مجموعہ تیار کرنا نفع بخش ثابت ہوگا۔ محققین وقارئین کو سہولت میسر آئے گی اور منتشر اوراق کی بجائے آسانی کے ساتھ تمام مطلوبہ مضامین یکجا دریافت ہو سکیں گے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فضائل ومناقب کے بیان سے بھی آپ کی تحریریں آراستہ ومزین ہیں۔ ان تمام کے مستقل مجموعات تیار کیے جا سکتے ہیں۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کی تصانیف وفتاویٰ سے متعدد علوم وفنون کے مجموعات کی ترتیب وتہذیب کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ فتاویٰ رضویہ و دیگر تصانیف رضا میں بیان کردہ اصول فقہ وقواعد

فقہیہ کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ چوں کہ آپ نے اپنی تصانیف وتحاریر میں بہت سے علوم وفنون سے متعلق کچھ ایسی نادر ونایاب تحقیقات یا اس کے ایسے اصول وضوابط کو رقم فرمایا ہے کہ دوسری کتابوں میں ان کا ملنا مشکل ہے۔

حق تو یہ ہے کہ بہت سے اصول وضوابط آپ کے ایجادہ کردہ ہیں اور آپ کی بہت سی تحقیقات دراصل آپ کے اضافات وافادات میں سے ہیں۔ اب یہ کسی دوسری کتاب یا علمی دفاتر میں یقیناً نہیں پائے جا سکتے: اللہ تعالیٰ امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علمی افادات وافاضات سے عالم اسلام کو حیات نو اور تازگی بخشے اور انہیں مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے: آمین

فن مناقب میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف:

فن مناقب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تصانیف ورسائل کی ایک نا تمام فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

۱: تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین
۲: الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا
۳: شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام
۴: منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب
۵: صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ
۶: نفی الفیٔ عمن استنار بنورہ کل شیٔ
۷: قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام
۸: ہدی الحیران فی نفی الفیٔ عن سید الاکوان
۹: فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ
۱۰: تنزیہ المکانۃ الحدریہ عن وصمۃ عہد الجاہلیہ
۱۱: جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان
۱۲: طرد الافاعی من حمی ھادرفع الرفاعی
۱۳: ارائۃ الادب لفاضل النسب

مذکورہ بالا کتب ورسائل فتاوی رضویہ، ج ۱۹: مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی (بریلی شریف) میں شامل ہیں۔

۱۴: الکلام البہی فی تشبیہ الصدیق بالنبی
۱۵: وجہ المشوق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق
۱۶: احیاء القلب لمیت بنشر فضائل اہل البیت
۱۷: ذب الاہواء الواہیۃ فی باب الامیر معاویہ
۱۸: عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام
۱۹: رفع العروش الخاویہ من ادب الامیر معاویہ
۲۰: جمیل ثناء الائمہ علیٰ علم سراج الامہ
۲۱: فتاویٰ کرامات غوثیہ
۲۲: انجاء البری عن وسواس المفتری
۲۳: مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم

مذکورہ بالا کتب ورسائل کا ذکر التصنیفات الرضویہ (ص ۳۷، ۳۸، از: علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی) میں ہے۔

۲۴: سلسلۃ الذہب نافیۃ الارب
۲۵: ذریعہ قادریہ
۲۶: مناقب صدیقہ
۲۷: فضائل فاروق
۲۸: مشرقستان قدس
۲۹: چراغ انس
۳۰: وظیفہ قادریہ
۳۱: حمائد فضل رسول
۳۲: مدائح فضل رسول

مذکورہ بالا رسائل کا ذکر حیات اعلیٰ حضرت (ص ۴۳۲ ج ۲: اکبر بک سیلر لاہور) میں ہے۔

۳۳: اولیا کے درمیان غوث اعظم کا مرتبہ

مذکورہ بالا رسالہ "قصیدہ اکسیر اعظم": مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) کے اخیر میں شامل اشاعت ہے۔

۳۴: حدائق بخشش (نعتیہ مجموعہ)

☆☆☆

امام احمد رضا اور علم تاریخ اسلام

مقالہ نگار کا تعارف

ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی مصباحی (دیناج پور: بنگال)

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی مصباحی بن محمد روح الامین ۱۱: ستمبر ۱۹۷۴ء کو اتر دیناج پور (مغربی بنگال) میں پیدا ہوئے، درس نظامی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مکمل کر کے ۱۹۹۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ حضرت نظام الدین اولیا (دہلی) میں "تخصص فی الدعوۃ والادب" کا دوسالہ کورس مکمل کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) میں ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۶ء تک زیر تعلیم رہے، اور بی اے، ایم اے اور ایم فل کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اس کے بعد میکس پلانکس انسٹی ٹیوٹ فار ہیومن ڈولپمنٹ (برلن: جرمنی) کے سینٹر فار دی ہسٹری آف ایموشن میں ۲۰۰۸-۲۰۱۲ کے درمیان پی. ایچ. ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھا، ڈاکٹریٹ کی ڈگری فری یونیورسٹی (برلن: جرمنی) سے دسمبر ۲۰۱۲ میں حاصل کی۔ ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۸ء تک جامعہ حضرت نظام الدین اولیا (دہلی) میں جز وقتی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اخیر کے دوسالوں میں جامعہ مذکورہ کے ڈائریکٹر تھے۔ سینٹر فار ذاکر حسین اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) میں بھی ریسرچ اسسٹنٹ کی خدمت انجام دی۔ جرمنی سے ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد اپریل ۲۰۱۳ء سے تادم تحریر، شعبۂ تاریخ، پریسیڈینسی یونیورسٹی (کولکاتا: مغربی بنگال) میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ تدریسی خدمات کے علاوہ مختلف علمی، سماجی تحریری وتقریری سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ متعدد اردو کتابوں کے انگریزی تراجم کیے۔ بہت سے دینی، مذہبی اور ملی اجلاسوں، کانفرسوں اور سمیناروں میں شرکت ہوئی ہے اور خطبات اور مقالات پیش کیے ہیں۔ ملک و بیرون ملک کے عصری دانش گاہوں کے متعدد سیمناروں اور ورکشاپ میں تحقیقی مقالات پیش کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ساؤتھ افریقہ، برطانیہ، ناروے، فن لینڈ، جرمنی، ترکی، یروشلم، امریکہ کے اسفار بھی کیے ہیں۔ تعلیم اور سماجی فلاح و بہبود کے میدان میں سرگرم کئی سرکاری اور غیر سرکاری ادارں کی انتظامی اور مشاورتی کمیٹیوں کے رکن ہیں۔ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کی مجلس ادارت کے بھی رکن ہیں۔ رابطہ نمبر: 8697131995

امام احمد رضا اور تاریخ اسلامی

تاریخ اور تاریخ نگاری ایک تعارف

چیز روبنسن، ایک مغربی اسکالر، نے اپنی کتاب ''اسلامک ہسٹوریوگرافی'' میں کہا ہے کہ یونانی اور لاطینی زبان سے نکلنے والے لفظ ''ہسٹوریا'' کا عام معنی تلاش و تفتیش ہے۔ اس لفظ کا استعمال اس علم کے لیے ہوتا تھا جس کو ہم تاریخ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے مفہوم میں پہلے جغرافیہ، لوک کہانی (افسانے و حکایات) اور علم نسلیات (اتھنوگرافی) کو بھی شامل کیا جاتا تھا۔ (روبنسن: ص:٦) علم تاریخ پر ایک مشہور کتاب ''وہاٹ از ہسٹری'' کے مصنف ای. ایچ. کار نے تاریخ نگاری کی تعریف میں کہا ہے کہ ''مورخ اور حقائق کے درمیان تلازم کا رشتہ ہے۔ حقائق کے بغیر مورخ کا وجود بے اصل اور بے کار ہے اور مورخ کے بغیر حقائق بے جان اور بے معنی ہیں۔ اس لیے اس کی نظر میں تاریخ نگاری دراصل حقائق اور مورخ کے درمیان ایک مسلسل تعامل ہے اور ماضی و حال کے مابین نہ ختم ہونے والا ایک مکالمہ (ڈائیلاگ) ہے۔'' (کار: ص:٣٠) اس کو اس نے سماج اور فرد کے باہمی تعلق، تاریخ، سائنس اور اخلاقیات، اسباب وعلل کی تلاش وجستجو، تاریخ اور نظریہ ارتقاء اور پھر تاریخ نگاری کے بدلتے اور بڑھتے رجحانات کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ فرانز روزنتھال نے اپنی کتاب ''اے ہسٹری آف مسلم ہسٹوریوگرافی'' میں تاریخ نگاری کی تعریف میں کہا ہے کہ تاریخ نگاری انسانوں کی جماعت یا افراد کی اس سرگرمی کا لفظی بیان ہے جس پر غور وفکر کیا جائے یا جس نے اپنا گہرا اثر اس جماعت یا ان افراد کی ترقی اور کامیابی پر ڈالا ہے۔ جب کہ جدید ذہن والوں کی نظر میں تاریخ کے عمومی تصور میں کم سے کم نظریاتی طور سارے جانداروں اور بے جان چیزوں کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ (روزنتھال؛ ص: ١٠-١١) ان تعریفات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تاریخ اور تاریخ نگاری کے دائرۂ کار میں توسیع اور تحدید کا عمل جاری ہے۔ ان مغربی اسکالرز نے تاریخ کی تعریف میں بدلتے فکری، سیاسی، اور معاشی آفاق اور رجحانات کو ملحوظ نظر رکھا ہے۔ مگر جب وہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ اور تاریخ نگاری کی روایت پر بات کرتے ہیں تو ان کی نمائندگی کرتے ہوئے فرانز روزنتھال کہتے ہیں کہ مسلم تاریخ نگاری ان کاموں (کتابوں) پر مشتمل ہے جن کو مسلمانوں نے اپنی ادبی تاریخ کے ایک مخصوص وقت میں تاریخی کام (کتب) سمجھا اور اسی کے ساتھ ان میں مواد کی ایک ایسی معقول مقدار بھی موجود ہے جن کی درجہ بندی ہماری تاریخ نگاری کی تعریف کے روشنی میں غیر تاریخی [مواد] کے طور پر کی جاسکتی ہے۔ (روزنتھال؛ص:١٧) اس طرح سے اسلامی تاریخ کے مواد کے مطالعہ میں جدید دور کے معیارات ومنہاجیات کے نام پر شبہات واوہام پھیلائے جارہے ہیں۔ کچھ نام نہاد مسلم مورخین نے بھی ان جدید رجحانات کا اثر قبول کیا ہے اور تاریخ اسلامی کے مسلمہ موضوعات کو اپنے مخصوص نظریات اور مفادات کی خاطر متنازع بنانے کے لیے بزعم خود اپنی منفرد ''تحقیق'' کے لیے داد وتحسین حاصل کررہے ہیں۔

تاریخ کا مفہوم ومواقع استعمال:

عربی زبان میں تاریخ کا لفظ میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) توقیت وتقویم: اس معنی کے اعتبار سے تاریخ کا تعلق دنوں مہینوں اور سالوں کی تعیین سے ہے۔ اس سلسلے میں کلینڈر، جداول، زیجات کی تیاری اور شمسی وقمری تقویم کی تیاری اور قمری سے شمسی

تقویم میں تبدیلی کے طریقہ ہائے کار پر گفتگو ہوتی ہے۔

(۲) تاریخ کا لفظ ترتیب زمانی کی رعایت کے ساتھ ماضی کے واقعات وحالات کا سلسلہ وار بیان ہے۔اور آج کل عام طور پر تاریخ سے یہی معنی لیا جاتا ہے۔

(۳) لفظ تاریخ کا استعمال اس فن کے لیے بھی کیا جاتا ہے جس میں عربی حروف کی اعداد کی روشنی میں زمانہ اور وقت کی ترسیم کا کام لیا جاتا ہے۔اس کو عام طور پر تاریخ گوئی کا نام دیا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں انسائکلو پیڈیا آف اسلام، نیو ایڈیشن، جلد :۱۰، ۲۰۰۰)۔

عربی زبان میں فن تاریخ نگاری کے ایک بڑے نام ''السخاوی'' نے کہا ہے کہ تاریخ ایسا فن ہے جس میں زمانے کے واقعات پر تعیین وتوقیت کی حیثیت سے بحث کی جاتی ہے اور اس کا موضوع بحث انسان اور زمانہ ہیں۔ (السخاوی؛ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ)۔ جہاں تک تاریخ کے اسلامی تصور کی بات ہے تو اس سلسلے میں قرآن مجید کی آیات کریمہ کی روشنی میں جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قصص وامثال اور روایات وحکایات کا مقصد تدبر وتفکر اور عبرت وموعظت ہے۔تاہم قرآن مجید کسی خبر کو ماننے سے پہلے اس کے بارے میں پوری تحقیق کر لینے کی تعلیم دیتا ہے۔اس طرح سے تاریخ کی مذہبی، اخلاقی اور روحانی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ قوموں اور امتوں کے عروج وزوال اور ان کے انجام کار پر غور وفکر کر کے انسان ایسا طرزِ زندگی اپنائے جس کی بدولت وہ ثواب وانعام کا مستحق ہو سکے، اور عذاب وعقاب سے خود کو بچائے۔

مسلم تاریخ نگاری:

مسلمانوں میں تاریخ اور علم تاریخ کے شعور کو بیدار کرنے میں قرآن مجید کو کلیدی مقام حاصل ہے۔اس میں ایک ایسے الٰہی نظام کا بیان ہے جو تخلیق، توحید، وجود، نبوت ورسالت اور قیامت کے عقائد پر مشتمل ہے۔اس میں انسانوں کو کائنات، انفس وآفاق اور سابقہ امتوں اور قوموں کے حالات وواقعات پر غور وفکر کرنے اور ان سے درسِ عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔قرآن مجید کی تدوین کا کام عہدِ رسالت میں ہی ہو چکا تھا۔رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے اعتقاد کی بنیاد پر ابتدائی دور میں مسلمانوں نے تقویٰ اور تحقیق کے جذبے کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، کردار وعمل اور ارشادات کی حفاظت اور روایت کا کام شروع کیا۔یہ عمل ابتدا میں زبانی روایت اور حفظ اور پھر کتابت کے ذریعہ ترقی کرتا گیا۔اس سلسلے ایک طرف احادیث طیبہ کی تدوین پر توجہ دی گئی تو دوسری طرف سیرت النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر کام شروع ہوا۔اسلامی قانون، عبادات ومعاملات اور مثالی کردار وعمل کی ضرورت نے ان سارے مواد کو صحت اور یقین کے ساتھ جمع کرنے کے جذبے کو فروغ دیا۔اس لیے واقعات اور اقوال کی روایت میں اسناد کو اہمیت دی گئی۔اور محدثین عظام اور علمائے کرام نے ان مواد کی تحقیق اور روایت کرنے والوں کے حالات اور کردار کی تفتیش (جرح وتعدیل) پر بھی خصوصی توجہ دی۔ایک عینی شاہد کی سند پر اخبار وروایات کا بیان اسلامی تاریخ کی امتیازی خصوصیت ہے۔اور اس سلسلے میں خبر، اسناد، قرأت، کتابت اور سماعت کو خصوصی اہمیت دی گئی۔خبر واسناد کی اکائی اسلامی تاریخ نگاری کا لازمی وضروری عنصر تھی۔یہی وجہ تھی کہ اس ابتدائی دور میں تاریخ نگاری کا کام بہت حد تک ترتیب، تدوین اور تالیف تک محدود تھا۔اور واقعات وروایات میں مرتبین، مولفین اور مدوّنین اپنی ذاتی رائے کو بیان کرنے سے احتراز کرتے تھے۔

یہ اس لیے تھا کہ واقعات کے جمع وتدوین کا عمل احادیث طیبہ کی جمع وتدین کے ضمن میں شروع ہوا۔اس میں لسانی اور سماعی طریقۂ ترسیل کو اختیار کیا گیا۔اور اس میں مرتب کی ذاتی رائے کی بجائے روایت پسندی کو ترجیح دی گئی۔ہاں اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ روایات میں کبھی کبھی تعارض بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ (تاہم دفع تعارض کے بھی اصول وضوابط متعین کیے گئے ہیں۔)۔اس طرح سے درست قانونی ہدایات اور تاریخ نگاری کے تحفظ کا شعور پیدا ہوا، محدثین وفقہا کی

جماعت نے قرآن و حدیث کے علم پر توجہ مرکوز کی اور مورخین و اخباریین نے ماضی کے مذہبی، سیاسی اور فوجی حالات کو جمع کیا۔ کیونکہ ان سے بھی اخلاقی تعلیمات اور مثالی نمونہ ہائے عمل سیکھے جا سکتے تھے۔اس طرح سے تاریخی نگاری ایک فن کے طور پر پروان چڑھی اوراس کی اصناف کا ارتقاعمل میں آیا۔

ابتدائی دور میں تاریخ اسلامی کی تین اصناف:

ابتدائی دور کی تاریخ اسلامی کی تین نمایاں اصناف تھیں: (۱) سیرت ومغازی، (۲) طبقات وتراجم، (۳) اورتاریخ یعنی زمانہ کے اعتبار سے واقعات کا ترتیب وار بیان۔ان تینوں اصناف اوران پر کام کرنے والے مرتبین و مصنفین کو ادوار کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

دوراول کے مورخین:

اسلامی تاریخ نگاری کے تشکیلی دور جو ابتداء سے نویں صدی عیسوی تک ہے، کے نمایاں مورخین میں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان بن عفان، وہب بن منبہ، ابن شہاب زہری، ابن اسحاق اور ابو مخنف، ہشام ابن الکلبی، الواقدی، ابن ہشام، ابن سعد اور خلیفہ ابن خیاط، ابن عبد الحکم، ابن قتیبہ، الدیناوری، بلاذری اور محمد ابن جریر طبری، یعقوبی، ابن فضلان وغیرہم کا نام لیا جاتا ہے۔ جب کہ کلاسیکی دور (جو نویں صدی سے پندرہویں صدی عیسوی تک ہے) میں ابوبکر الصولی، المسعودی، ابن مسکویہ، عتبی، الخطیب البغدادی، ابو نعیم اصفہانی، ابوالفضل البیہقی، ابو الفرج ابن الجوزی، یاقوت الحموی، ابن الاثیر، ابن عساکر ابن العدیم، الذہبی، ابن الکثیر، المقریزی، ابن حجر عسقلانی، العینی، السخاوی، السیوطی، ابن الخطیب، ابن خلدون، البیرونی وغیرہم کا نام لیا جاتا ہے۔

ابتدائی دور میں سیرت کے میدان میں سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام اور الواقدی کی کتاب المغازی کو شامل کیا گیا ہے، جب کہ طبقات و تراجم میں ابن سعد کی طبقات اور بلاذری کی ''انساب الاشراف'' کو بیان کیا جاتا ہے۔ اور تاریخ (واقعات کا سلسلہ وار بیان) کے میدان میں عمومی تاریخ پر بلاذری کی ''فتوح البلدان'' دیناوری کی الاخبار الطّوال، طبری کی تاریخ الرسل و الملوک، مسعودی کی مروج الذہب و معادن الجوہر، ابن مسکویہ کی تجارب الامم، جب کہ مقامی تاریخ پر ابن طیفور کی تاریخ بغداد وغیرہا کو شمار کیا جاتا ہے۔

بعد کے دور میں ابونعیم کی حلیۃ الاولیائ، خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد، ابن عساکر کی تاریخ دمشق، سیوطی کی تاریخ الخلفا، ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ، ابن خلکان کی وفیات الاعیان، الصفادی کی الوافی بالوفیات اور ابن خلدون کی تاریخ (مقدمہ اور کتاب العبر) وغیرہا کو بیان کیا جاتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں اعتقادیات کی اہمیت:

ان مورخین اوران کی کتابوں کے بارے میں یہ بات ملحوظ نظر رہے کہ ان میں سے کچھ مورخین نے تاریخی مواد میں اسناد کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ جب کہ کچھ دیگر مورخین نے بیانیہ انداز اپنایا ہے۔ کچھ مورخین نے زمانی ترتیب کا خیال رکھا ہے تو کچھ نے عہد خلافت کے اعتبار سے واقعات کا ترتیب وار بیان کیا ہے۔ کچھ کتابیں عالمی رآفاقی تاریخ نگاری پر ہیں تو کچھ کتابوں میں علاقائی واقعات اور شخصیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔تاریخ نگاری کے کلاسیکل دور میں کچھ مورخین نے اعتقادی میلانات، مسلکی وابستگی اور سیاسی موقف کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ مثال کے طور پر یعقوبی شیعی عقائد وخیالات رکھتا تھا۔ ابن خلدون میں اعتزال تھا اور المسعودی میں شیعیت کی طرف میلان کی بات کی جاتی ہے۔ اس لیے اسلامی تاریخ کے موضوع پر ان کتابوں کے مطالعہ سے پہلے ان کے لکھنے والے مورخین کے حالات اور ذہنی وفکری میلانات کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔اوراسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کے مطالعہ میں صرف ان کتب تاریخ پر ہی انحصار نہ کیا جائے، بلکہ ان کے ساتھ قرآن واحادیث کو بھی مراجع اور مصادر کے طور پر سامنے رکھا جائے۔ کیونکہ چند جانبدار مورخین کی وجہ سے سے مغربی اسکالرز اور مستشرقین نے اسلامی تاریخ

کے ابتدائی دور کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں اختلاف روایات یا پھر کچھ روایتوں میں پائے جانے والے تضاد کو اس تشکیک کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اہل استشراق نے اسلامی تاریخ نگاری اور واقعات و روایات کے وقوع کے درمیانی فاصلے کی بنیاد پر بھی اسلامی تاریخ کو زبانی طریقہ ترسیل پر مبنی ہونے کی وجہ سے مشکوک قرار دیا ہے۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ واقعات و روایات کے نقل کرنے کے سلسلے میں علمائے کرام نے واضح اصول متعین کیے ہیں۔ اورنہوں نے ان کی روشنی میں ہی واقعات کو قبول ورد کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ صرف تاریخ کی کتابیں ہی واحد مصادر نہیں، بلکہ اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ کے لیے قرآن واحادیث بھی مراجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جمہور نے اسی وجہ سے روایت پسندی کو ترجیح دی ہے جس میں کتاب وسنت کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ جب کہ جدید دور میں اہل مغرب عقلیت پسندی، انفرادی ذہنی میلانات اور تاریخی واقعات کی مذہب بیزار مادی تعبیر کو پسند کرتے ہیں۔ جس میں دنیا اور کائنات میں رونما ہونے والے واقعات میں کسی مافوق الفطرت ہستی کی کوئی جگہ نہیں۔ وہ لوگ اسلامی تاریخ کے ان مصنفین کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں جن کی تحریروں میں ان کو عقلیت پسندی اور واقعات کے تجزیہ میں مادی وفطری اسباب و علل کی طرف میلان اور روایت پسندی سے انحراف کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب کی نظر میں جو اہمیت ابن خلدون اور المسعودی کی ہے وہ طبری اور ابن الاثیر کو حاصل نہیں۔

تاریخ اسلامی اور امام احمد رضا کا منہاجیاتی اسلوب:

اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے بہت سے فتاوی اور رسائل ایسے ہیں جن کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اسلامی کے معرکۃ الآراء مباحث و موضوعات کے سیاق وسباق، پس منظر، اسباب وعلل اور ان کے نتائج و اثرات پر آپ کی گہری نظر تھی۔ (ان موضوعات پر اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی نگارشات کی تفصیل کے لیے علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری رضوی مد ظلہ العالی کی ''المصنفات الرضویہ کو دیکھیں جو اس مجموعہ کی زینت ہے۔) ان موضوعات پر اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی تحریروں میں جا بجا اسلامی تاریخ نگاری کی امتیازی خصوصیات کو ملحوظ نظر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں روایت، درایت، نقد ونظر، دفع تعارض، اسناد اور اسماء الرجال کی اصول کی رعایت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ تفسیر و حدیث میں آپ کی غیر معمولی مہارت، فقہ اسلامی میں عبقریت، علم توقیت وزیجات پر دسترس اور بدلتے سیاسی، معاشی، سماجی اور مذہبی منظرنامے سے مدبرانہ واقفیت کی کلیدی حیثیت ہے۔

اسی کے ساتھ آپ نے اپنی خداداد ناقدانہ ومجتہدانہ بصیرت کا استعمال کیا۔ کئی ایسے مسائل ہیں جن میں آپ نے جمہور علمائے کرام کے موقف کو دلائل وشواہد فراہم کیے ہیں یا پھر ان میں اپنی نئی تحقیق کے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تاریخ نگاری کے ''جدید رجانات'' سے متاثر یا ان سے مرعوب ''مؤرخین'' کی شدید گرفت بھی کی ہے، جو اپنے مخصوص ذہنی وفکری میلان، اعتقادی ومسلکی نقطہ ہائے نظر یا پھر سماجی وسیاسی موقف کی روشنی میں تاریخ اسلامی کی من مانی تعبیر وتشریح کر رہے تھے۔ تاریخ کے مطالعہ میں جن جدید رجانات سے وہ متاثر تھے ان میں دنیا اور کائنات کے مطالعہ میں عقلیت پسندی اور انسان دوستی کے تصورات کو مرکزیت حاصل ہے۔ ان کی وجہ سے اب حالات اور واقعات کی تعلیل، توجیہ اور تشریح میں مادیت پر مبنی اصولوں اور منہاجیات کو اہمیت دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانی معاشرہ کی تشکیل، سیاسی نظام کا ارتقا اور اس میں تبدیلی، معیشت، صنعت وحرفت، ادب و فنون لطیفہ، مادی کلچر، عقائد اور مذہبی اعمال ورسوم کا ارتقا اور ان میں تبدیلی کے پس پشت فطری اور مادی اسباب وعوامل کو کارفرما سمجھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں رونما ہونے والے حالات پر کسی مافوق الفطرت ہستی کے اثر انداز ہونے کے نظریہ کا انکار کیا گیا۔ دنیا اور نسل انسانی کے ارتقائی نظریہ کی بنیاد پر انسانی معاشرہ کے

ارتقائی پہلو کو اہمیت دی گئی ہے۔ اس لیے اس فکر کے مطابق انسانی معاشرہ اور خود انسان، پستی اور ابتر حالت سے بلندی اور بہتر حالت کی طرف ایک مسلسل سفر میں ہے۔ جب کہ مذہبی تعلیمات کی روشنی میں انسانی معاشرہ کمال سے زوال کی طرف گامزن ہے۔ جدید افکار ونظریات کے بالمقابل مذہب کی تعلیمات کا دعویٰ ہے کہ تاریخ کا عمل مائل بہ ارتقا نہیں ہے بلکہ مائل بہ انحطاط ہے۔

اعلیٰ حضرت کی تاریخ نگاری کی تین جہتیں:

تاریخ اسلامی پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیقی نگارشات کے سرسری جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تاریخ کے تینوں معنوں (توقیت وتقویم، تاریخ نگاری اور تاریخ گوئی) میں آپ نے تابندہ علمی وتحقیقی نقوش چھوڑے ہیں۔ جہاں تک تاریخ نگاری میں منہاجیاتی اسلوب کی بات ہے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تاریخی واقعات وروایات کے تجزیہ میں قرآنی آیات اور احادیث طیبہ، اقوالِ صحابہ کرام اور ارشاداتِ ائمہ عظام کو اولیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مذہب بیزار مادیت پسند رجحانات کے مطابق تاریخ اسلامی کی تشریح کی بجائے مستند روایات کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اسلامی تاریخ نگاری میں ''نیچری'' افکار کے انطباق کے خلاف ہیں اور روایت پسندی کی حمایت کرتے ہیں، اور انفرادی فکر کی بجائے جمہور کے موقف کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں تاریخ اسلامی کی توضیح وتشریح میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی نمایاں خدمات کا احاطہ بہت ہی مشکل ہے۔

سردست ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور تاریخ اسلامی کے دو اہم موضوعات پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تاریخ دانی اور تحقیقی کاوشوں کے اہم پہلوؤں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تاریخ: تقویم وتوقیت کے معنی میں:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو جن علوم وفنون میں کمال حاصل تھا ان میں علم توقیت، علم زیجات، ہیئت وتشریح کو بھی شمار کیا جا تا ہے۔ ان علوم وفنون میں آپ کے مستقل رسالے بھی ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں علامہ ومولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری رضوی مدظلہ العالی کی ''المصنفات الرضویہ یعنی تصانیف امام احمد رضا''، مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور، مولانا محمد شہزاد قادری ترابی کی کتاب بعنوان امام احمد رضا اور سائنسی تحقیق، زاویہ پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ اور جناب عمر شہزاد کے ایم فل کا مقالہ بعنوان ''مولانا احمد رضا خان کی علم الطبیعیات میں خدمات کا جائزہ اور جدید سائنسی نظریات سے تقابل''، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، ۲۰۱۰-۲۰۱۲)۔

ان علوم وفنون میں مہارت کی بدولت اور احادیث طیبہ، کتب سیر اور تاریخی مصادر ومراجع پر گہری نظر کی بنیاد پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''ولادت نبوی کی تاریخ'' کے مسئلے پر عمدہ تحقیق فرمائی ہے۔ جس میں آپ نے کچھ نام نہاد اصلاحی تحریکوں کے علم برداروں اور مستشرقین کے ذریعے پھیلائے گئے شکوک وشبہات کا معقول جواب دیا ہے اور جمہور کے عمل کی مکمل تائید کی۔ اسی کے ساتھ مختلف روایتوں میں تطبیق کا کام بھی کیا ہے۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایک مستقل رسالہ ہے۔ اس کا نام ''**نطق الهلال بأرخ ولاد الحبيب و الوصال**'' ہے۔ یہ رسالہ فتاوی رضویہ مترجم، مطبوعہ، رضا فاؤنڈیشن کی ۲۶ ویں جلد (ص: ۴۰۵-۴۲۷) میں شامل ہے۔

اس موضوع پر سیرت، تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے۔ مستشرقین نے اس تضاد کو بنیاد بنا کر نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھی گئی کتابوں کی استناد پر اعتراضات کیے ہیں، اور ان میں مذکور روایتوں کو مشکوک قرار دیا ہے۔ ان ہی کی اتباع میں کچھ نام نہاد ''مسلم محققین'' نے بارہ ربیع الاول شریف کے دن عید میلاد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم منانے سے انکار کیا ہے۔

ولادت شریفہ کی تاریخ کی تحقیق:

اس مسئلے میں استقرار نطفۂ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مہینہ اور تاریخ، مدت حمل شریف، ولادت شریف اور وصال شریف کے دن، مہینہ اور تاریخ پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تفصیلی کلام کیا ہے۔استقرار نطفۂ زکیہ کے مہینے اور تاریخ کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے کہا ہے کہ بعض غرۂ رجب کہتے ہیں، اور بعض دہم محرم۔اور صحیح یہ ہے کہ ماہِ حج کی بارہویں تاریخ۔اس کو مدارج میں صحیح کہا گیا ہے۔اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کی تائید میں ابن سعد اور ابن عساکر کی روایت کردہ حدیث کو بیان کیا ہے کہ زن خثعمیہ نے حضرت عبداللہ کو اپنی طرف بلایا تو آپ نے رمی جمار کا عذر فرمایا۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا استدلال ہے کہ رمی جمار حج میں ہی ہوتی ہے۔جہاں تک اس مسئلہ میں دن کے تعین کے بات ہے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے لکھا ہے کہ روز دوشنبہ کہا گیا ہے۔اور اصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی۔اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر و برکت وکرامت و سعادت جو اس میں اتری اس کے ہمسر نہ کبھی اتری، نہ قیامت تک اترے۔وہاں 'تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا' ہے، یہاں مولائے ملائکہ وآقائے روح کا نزول اجلال عظیم الفتوح ہے۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مدت حمل شریف کے سلسلے، دس مہینے، نو مہینے، سات مہینے، چھ مہینے سب کچھ کہا گیا ہے اور صحیح نو مہینے ہیں۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان فرماتے ہیں کہ ولادت شریف کا دن بالاتفاق دوشنبہ (پیر کا دن) ہے۔ولادت شریف کے مہینے کے سلسلے میں اعلی حضرت فرماتے ہیں کہ رجب، صفر، ربیع الاول، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح ومشہور وقول جمہور ربیع الاول ہے۔پس انکار اگر ترجیحاتِ علماء واختیارِ جمہور سے ناواقفی کی بنا پر ہو تو جہل، ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر۔(ص:۴۰۵-۴۰۹)

اس موضوع پر جن روایتوں کو علمائے کرام نے صحیح قرار دیا ہے ان کو ماننے سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے اس کے بارے میں اعلی حضرت فرماتے ہیں:

''فقیر کہتا ہے: مگر اس تقدیر پر استقرار حمل بماہ ذی الحجہ میں صریح اشکال کہ دربارۂ حمل چھ مہینے سے کمی عادۃً محال، اور خود اوپر گنتیں اکہ مدت حمل شریف نہ ماہ (نو مہینے) ہونا اصح الاقوال، تو یہ تینوں تصحیحیں کیونکر مطابق ہوں''۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے علم توقیت، علم زیجات اور علم ہیئت میں خداداد مہارت کی بدولت اس مسئلہ کی نفیس تحقیق فرمائی ہے۔آپ لکھتے ہیں:

''لکني أقول و بالله التوفيق! مہینے زمانۂ جاہلیت میں معین نہ تھے۔اہل عرب ہمیشہ شہر حرام کی تقدیم، تاخیر کرلیتے (القرآن الکریم) جس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں دورہ کرجاتا۔یہاں تک کہ صدیق اکبر و مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہما نے جو ہجرت سے نویں سال حج کیا وہ مہینہ واقع میں ذی قعدہ تھا۔سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے آیا۔سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج فرمایا اور ارشاد کیا: ان الزمان قد استدار کھیأته یوم خلق الله السموات و الارض .الحدیث. رواه الشیخان۔صحیح البخاری، صحیح مسلم] اسی دن سے نسیٔ نسیا منسیا ہوا اور یہی دورۂ دوازدہ ماہ قیامت تک رہا۔تو کچھ بعید نہیں کہ اس ذی الحجہ سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں۔شاید شیخ محقق اسی نکتہ کی طرف مشیر ہیں۔کہ زمانہ استقرار مبارک کو ایام حج سے تعبیر کیا نہ کہ ذی الحجہ سے، اگرچہ اس وقت کے عرف میں اسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔اقول :اب مسئلہ ثالثہ و خامسہ کی تصحیحوں پر مسئلہ اولیٰ کا جواب ۱۲ جمادی الآخرہ ہوگا۔مگر جاہلیت کا دور نسیٔ اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی ایک ایک مہینا ہٹاتے ہوں تو سالِ استقرار

حمل اقدس ذی الحجہ شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ جمادی الآخرہ میں کہ ذی الحجہ حجۃ الوداع شریف، جب عمر اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تریسٹھواں سال تھا، ذی الحجہ میں آیا۔ تو ۱۲،۱۲ کے اسقاط سے جب عمر اقدس سے تیسرا سال تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا ذی القعدۃ اور پہلا سال شوال، ولادت شریفہ رمضان اور سال استقرار حمل مبارک شعبان میں۔ لیکن ان نامنتظموں کی کوئی بات منتظم نہ تھی۔ جب جیسی چاہتے کرلیتے، لٹیرے لوگ جب لوٹ مار چاہتے اور مہینا ان کے حسابوں اشہر حرام سے ہوتا، اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینا حلال کردے، وہ حلال کر دیتا، اور دسرے سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرادیتا۔ **کما رواہ ابناء جریر والمنذر و مردویہ و أبو حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھا.** تو اس سال جمادی الآخرہ میں ذی الحجہ ہونا کچھ بعید نہیں۔ **واللہ تعالی اعلم.**'' (ص:۴۰۹۔۴۱۱)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے تاریخ کے سلسلے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس، سات قول ہیں۔ مگر اشہر و اکثر و ماخوذ و معتبر بارہویں ہے۔ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں۔ اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔ پھر شرح مواہب کے حوالے سے اس کو جمہور کے نزدیک مشہور کہا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے اعلیٰ حضرت مدارج کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں: (صرف ترجمہ پیش ہے)

''اگر چہ اکثر محدثین و مورخین کا نظریہ ہے کہ ولادت باسعادت آٹھ تاریخ کو ہوئی۔ اہل زیجات کا اسی پر اجماع ہے۔ ابن حزم وحمیدی کا یہی مختار ہے اور ابن عباس و جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔ مغلطائی نے قول اول سے آغاز فرمایا اور امام ذہبی نے مزی کی پیروی کرتے ہوئے تہذیب التھذیب میں اسی پر اعتماد کیا۔ اور دمیاطی نے دس تاریخ کو صحیح قرار دیا۔'' پھر اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی تحقیق پیش فرمائی ہے۔ ''میں کہتا ہوں ۔ہم نے حساب لگایا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت اقدس والے سال محرم کا غرۂ وسطیہ (آغاز) جمعرات کے روز پایا تو اس طرح ماہِ ولادت کریمہ غرۂ وسطیہ بروز اتوار اور غرۂ ہلالیہ بروز پیر ہوا۔ تو اس طرح پیر کے روز ماہ ولادت مبارکہ کی آٹھ تاریخ بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل زیجات کا اس پر اجماع ہے۔ محض غرۂ وسطیہ کو دیکھنے سے طرفین کے علاوہ تمام اقوال کا محال ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور حق کا علم شب و روز کو بدلنے والے کے پاس ہے۔'' (ص:۴۱۱۔۴۱۳)

تاہم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان امت مسلمہ کے عمل کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

''اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لیے شان عظیم ہے۔'' اس کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جامع الترمذی، سنن ابی داؤد، اور السنن الکبری کے حوالے سے کئی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ خلاصۂ کلام کے طور پر فرماتے ہیں: ''یعنی مسلمانوں کا روز عید الفطر، وعید الاضحیٰ، روز عرفہ، سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں۔ **وان لم یصادف الواقع و نظیرہ قبلۃ التحري.** (اگر چہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو۔ اس کی نظیر قبلۂ تحری ہے۔)۔ لاجرم عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے قول و عمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے۔ **فلاؤ فق العمل ماعلیہ العمل.**''. (ص:۴۱۳۔۴۱۴)

علم توقیت کے اصول کی روشنی میں ولادت کی شمسی تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''ولادت اقدس ہجرت مقدسہ سے ترپین برس پہلے ہے۔

مرفوع ۶۰ سال ۵ نداک، مرفوع ۷ سال مرکا۔ ۵ لح ا کہ ۱۸۷۸۱ ایوم ہوئے۔ یعنی اس سال محرم کا وسطے سال ہجرت کے محرم وسطے سے اتنے دن پہلے تھا۔ سات پر تقسیم کیے سے کچھ نہ بچا۔ اور ابتدائے سال ہجری بحساب اوسط پنج شنبہ ہے۔ تو ان ایام مذکورہ کا پچھلا دن چار شنبہ تھا۔ اور جبکہ یہ پورے ہفتے ہیں تو ان کا پہلا دن پنجشنبہ تھا۔ اور جب اس سال کا مدخل پنجشنبہ ہوا تو اس ربیع الاول کا مدخل یکشنبہ، تو دو شنبہ کو نویں تھی۔ یعنی یکم وسطے وہ ہلالی سے ایک دن پہلے ہوئی۔ اب مابین التارتخین ہماری تحقیق میں اح ح لط ہے ۵ لح ا۔ نرھہ لح۔ محرم وصفر۔ نط۔ ط ربیع الاول۔ نرنامو۔ ۵۰۰۵ سال ھہ مح مط ررضر ۰۷ سال روراھہ مارچ ال ک تاریخ مطلوب بستم اپریل ۵۷۱ء معرفت یوم ہماری جداول سے ۵۷۱۔ ۳۳۶۔ ۲۳۵۔ ۲۸ باقی ۱۱۔ پس جدول ر میں مقابل ۱۱ دیکھا مدخل ۵۷۱ پنجشبہ ہوا۔ اور مدخل اپریل چارشنبہ، پس بستم اپریل دوشنبہ، **وھو المطلوب . واللہ تعالی اعلم۔**'' (ص: ۴۱۴)

اس طرح سے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے احادیث، کتب سیر اور کتب تاریخ اور علم توقیت وزیجات کی روشنی میں ولادت شریفہ کے بارے میں جمہور کے قول کی تائید کی ہے اور اس سلسلے میں اختلاف روایات کی وجہ سے جو اشکالات تھے ان کا جواب بھی دیا ہے۔

وفات شریفہ کی تاریخ کی تعین:

وفات شریفہ کی تاریخ کے سلسلے میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان فرماتے ہیں:

''قول مشہور و معتمد جمہور دوازدہم ربیع الاول شریف ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ حقیقۃً بحسب رؤیت مکہ معظّمہ ربیع الاول شریف کی تیرھویں تھی۔ مدینہ طیبہ میں رؤیت نہ ہوئی۔ لہٰذا ان کے حساب سے بارہویں ٹھہری۔ وہی رواۃ نے اپنے حساب کی بنا پر روایت کی۔ اور مشہور و مقبول جمہور ہوئی۔ یہ حاصل تحقیق امام بارزی و امام عماد الدین بن کثیر و امام بدرالدین بن جماعہ وغیرہم اکابر محدثین و محققین ہے۔ اس کے سوا دو قول ہیں۔ ایک یکم ربیع الاول شریف ذکرہ موسی بن عقبہ واللیث والخوارزمی وابن زبیر، دوسرا دوم ربیع الاول شریف کہ دور افضیان کذاب ابومخنف وکلبی کا قول ہے۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان کی رائے میں یہ دونوں اقوال محض باطل و نامعتبر بلکہ سراسر محال و نامتصور ہیں۔

''ان دونوں میں سے ہر ایک کا میلانِ نظر حساب کی طرف ہے۔ اس حیثیت سے نہیں کہ ان کی روایت اس باب میں اثبت ہے۔ جبکہ حساب تو ان کے بطلان کا تقاضا کرتا ہے۔ جیسا کہ عنقریب تو اس کی مدد سے جان لے گا جو بہت عطا فرمانے والا بادشاہ ہے۔ کامل میں ایک تیسری حکایت واقع ہوئی ہے۔ جہاں صاحبِ کامل نے جمہور کا معتمد قول، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اٹھائیس ربیع الاول بروز پیر وصال فرمایا۔ میں کہتا ہوں۔ یہ وہم ہے گویا کہ قائل کو '**خلتا**'' کے بجائے ''**بقیتا**'' کا اشتباہ ہوا۔ کیونکہ حفاظ نے یہاں پر قول مشہور کے علاوہ فقط دو ہی قول ذکر کیے ہیں۔'' اس پر اعلی حضرت فرماتے ہیں کہ ''تفصیل مقام و توضیح مرام یہ ہے کہ وفات اقدس ماہِ ربیع الاول شریف روز دوشنبہ میں واقع ہوئی۔ اس قدر ثابت و مستحکم و یقینی ہے۔ جس میں اصلاً جائے نزاع نہیں۔ ادھر بلاشبہ ثابت کہ اس ربیع الاول سے پہلے جو ذی الحجہ تھا اس کی پہلی روز پنجشنبہ تھی کہ حجۃ الوداع بالاجماع روز جمعہ ہے۔ اور جب ذی الحجۃ ۱۰ ھ کی ۲۹ روز پنج شنبہ تھی تو ربیع الاول ۱۱ ھ کی ۱۲ کسی طرح روز دوشنبہ نہیں آتی۔ کہ اگر ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینے ۳۰ کے لیے جائیں تو غرہ ربیع الاول روز چارشنبہ ہوتا ہے اور پیر کی چھٹی اور تیرھویں، اور

اگر تینوں ۲۹ کے لیں تو غرہ روز یکشنبہ پڑتا ہے اور پیر کی دوسری اور نویں۔ اور اگر ان میں کوئی سا ایک ناقص اور باقی دو کامل لیجیے تو پہلی سہ شنبہ کی ہوتی ہے۔ اور پیر کی ساتویں، چودھویں۔ اور ایک کامل، دو ناقص مانئے تو پہلی پیر کو ہوتی ہے۔ پھر پیر کی آٹھویں، پندرہویں۔ غرض بارھویں کسی حساب سے نہیں آتی۔ اور ان چار کے سوا پانچویں کوئی صورت نہیں۔ قول جمہور پر یہ اشکال پہلے امام سہیلی کے خیال میں آیا اور اسے لاحل سمجھ کر انہوں نے قول یکم کیا اور امام ابن حجر عسقلانی نے دوم کی طرف عدول کیا۔''

(ص: ۴۱۵۔۴۱۹)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اس سلسلے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں: ''میں کہتا ہوں: اس کلام میں تاویل کرنیوالے پر دونوں اماموں کے دو قولوں کی طرف میلان کے بارے میں نقطۂ نظر کے اختلاف کا منشا ظاہر ہو جاتا ہے۔ سہیلی نے دیکھا کہ ابو مخنف کا قول تب ہی متحقق ہو سکتا ہے جب تینوں مہینے یعنی ذوالحجہ، محرم اور صفر پے در پے ناقص ہوں۔ اور یہ انتہائی نادر ہے۔ بخلاف قول اول کے کہ اس پر ایک مہینہ کامل اور دو ناقص ہوتے ہیں۔ اور یہ کثیر الوقوع ہے۔ چنانچہ سہیلی کی نظر میں یہ راجح ہے باوجودیکہ یہ ثبوت میں اس کی بنسبت اقوی ہے۔ جب کہ حافظ نے اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ قول اول پر جمہور کے لیے اس باب میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اس قول کی طرف میلان کرنا جس میں ان کے لیے عذر کا اظہار ہو زیادہ بہتر اور زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ لفظ **شہر** کے لفظ **عشر** کے ساتھ تبدیل ہو جانے کا ذکر گزر چکا ہے۔ مگر امام بدر بن جماعہ نے قول جمہور کی یہ تاویل کی کہ **اثنی عشر خلت** سے بارہ دن گزرنا مراد ہے نہ صرف بارہ راتیں۔ اور پر ظاہر کہ بارہ دن گزرنا تیرھویں ہی تاریخ پر صادق آئے گا۔ اور دوشنبہ کی تیرھویں بے تکلف صحیح ہے۔ جب کہ پہلے تینوں مہینے کامل ہوں۔ کما علمت۔ اور امام بارزی اور امام ابن کثیر نے یوں توجیہ فرمائی کہ مکہ معظمہ میں ہلال ذی الحجہ کی رؤیت شام چار شنبہ کو ہوئی۔ پنج شنبہ کا غرہ اور جمعہ کا عرفہ۔ مگر مدینہ طیبہ میں رؤیت دوسرے دن ہوئی۔ تو ذی الحجہ کی پہلی جمعہ ٹھہری۔ اور تینوں مہینے ذی الحجہ، محرم، صفر تیس تیس کے ہوئے تو غرہ ربیع الاول پنج شنبہ اور بارھویں دوشنبہ آئی۔ ذکرھا الحافظ فی الفتح۔''

(ص: ۴۳۰۔۴۳۱)

اس مسئلہ کے حل میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے علم ہیئت اور کتب زیجات کی روشنی میں یہ تحقیق فرمائی ہے۔ ''**ثم اقول وباللہ التوفیق**۔ قول جمہور سے قول مہجور کی طرف عدول نامقبول ہونے کے لیے اسی قدر بس تھا کہ اس کے لیے توجیہ وجیہ موجود ہے۔ نہ کہ جب وہ اقوال، مہجور و دلائل قاطعہ سے باطل ہوں کہ اب تو ان کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اور پر واضح ہوا کہ ان دونوں حضرات کا منشائے عدول تمسک بالحساب ہے کہ پیر کا دن یقینی تھا اور وہ بارھویں پر منطبق نہیں آتا۔ پہلی دوسری پر آ سکتا ہے مگر حساب ہی شاہد عدل ہے کہ اس سال ربیع الاول شریف کی پہلی یا دوسری پیر کو ہونا باطل و محال ہے۔ فقیر اس پر دو حجت قاطعہ رکھتا ہے۔

دلیل اول: غرۂ وسطیہ کہ علمائے زیج بحساب اوسط لیتے ہیں نیرین کے اجتماع وسطی سے اخذ کرتے ہیں اور بداہۃً واضح کہ رؤیت ہلال اجتماع قمرین سے ایک مدت معتد بہا کے بعد واقع ہوتی ہے۔ تو غرۂ ہلالیہ کبھی غرۂ وسطیہ سے مقدم نہ آئے گا۔ **وانما غایتہ التساوی**۔ اور اجتماع و رؤیت میں کبھی اتنا فصل بھی نہیں ہوتا کہ قمر ڈیڑھ دو برج طے کر جائے۔ لہٰذا تقدم وسطیہ کی نہایت ایک دو دن ہے وبس۔ **کل ذلک ظاہر لمن لہ اشتغال بالفن**۔ اور آشنائے فن جانتا ہے کہ ۱۱ ہجریہ میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف کا غرۂ وسطیہ روز سہ شنبہ تھا تو غرۂ ہلالیہ یکشنبہ یا دوشنبہ کیونکر متصور کہ اگر یہ سہ شنبہ متاخر ہے تو ہلالیہ کا وسطیہ پر تقدم لازم آتا ہے اور اگر مقدم ہے تو اجتماع سے چار پانچ روز تک رؤیت نہ ہونے کا لزوم ہوتا ہے۔ اور دونوں باطل ہیں۔

دلیل دوم: فقیر نے شام دوشنبہ ۲۹ صفر وسطے ۱۱ھ کے لیے

افق کریم مدینہ طیبہ میں نیرین کی تقویمات استخراج کیں۔اور حساب صحیح معتمد نے شہادت دی کہ اس وقت تک فصل قمرین حد رؤیت معتادہ پر نہ تھا۔آفتاب جوزا کے، سترہ دقیقے، باون ثانیے پر تھا۔اور چاند کی تقویم مرئی جوزا کے پندرہ درجے، ستائیس دقیقے، اکتیس ثانیے، فاصلہ صرف ۹ درجے ۹ دقیقے ۳۹ ثانیے تھا۔اور حسب قول متعارف اہل عمل رؤیت کے لیے کم سے کم دس درجے سے زیادہ فاصلہ چاہیے۔جب شب سہ شنبہ تک نیرین کا یہ حال تھا کہ وقوع رؤیت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا۔تو اس سے دو ایک رات پہلے کا وقوع بداہۃً محال تھا۔جب اس رات قمر صرف نو درجے آفتاب سے شرقی ہوا تھا۔تو شام یک شنبہ کو قطعاً کئی درجے اس سے غربی تھا۔اور غروب شمس سے کوئی پاؤ گھنٹے پہلے ڈوبا۔اور شام شنبہ کو تو عصر کا اعلی مستحب وقت تھا۔جب چاند حجلہ نشینِ مغرب ہو چکا۔پھر رات کو رؤیت ہلال کیا زمین چیر کر ہوئی؟۔غرض دلائل ساطعہ سے ثابت کہ اس ماہِ مبارک کی پہلی یا دوسری دوشنبہ کی ہرگز نہ تھی۔اور روزِ وفاتِ اقدس یقیناً دوشنبہ ہے۔تو وہ دونوں قول قطعاً باطل ہیں۔اور حق وصواب وہی قول جمہور بمعنی مذکور ہے۔یعنی واقع میں تیرھویں اور بوجہ مسطور تعبیر میں بارھویں کہ بحساب شمسی نہم جزیراں ۹۴۳ رومی نوسو تینتالیس رومی اسکندرانی، ہشتم جون ۶۳۲ چھ سو بتیس عیسوی تھی۔**واللہ سبحنہ و تعالی اعلم.** (ص: ۴۲۳۔۴۲۷)۔

اس طرح سے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ولادت شریفہ اور وصال شریف کے دن، مہینے اور سال اور تاریخ کی تعیین کے سلسلے میں اپنی تحقیق کے ذریعے جمہور کے قول کو ترجیح دی ہے۔اور پھر علم توقیت اور علم زیجات اور علم ہئیت کے اصول کے مطابق دلائل وشواہد کی بنیاد پر اس قول کی تصحیح و تصدیق کی ہے۔اور ان اشکالات کا ازالہ کیا ہے جن کی بنیاد پر سیرت طیبہ اور اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیے جا رہے تھے۔

تصور خلافت اور شرط قرشیت:

تحریک خلافت کے زمانے میں اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خلافت کے لیے قرشیت کی شرط اور سلطنت عثمانیہ کی اعانت کے مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا تھا۔اس رسالہ کا نام ''**دوام العیش من الائمة من قریش**'' ہے۔یہ رسالہ فتاوی رضویہ مترجم، مطبوعہ، رضا فاؤنڈیشن کی ۱۴ویں جلد: (ص: ۱۷۳۔۲۴۷) میں شامل ہے۔اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس رسالہ میں تاریخ اسلامی کے ایک اہم موضوع ''تصور خلافت'' پر اہل سنت و جماعت کے نقطۂ نظر سے بھرپور بحث کی ہے اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولوی ابوالکلام آزاد کے افکار و نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔اور اسی ضمن میں ابن خلدون کے فکر وفلسفہ کے بنیادی تصورات پر کلام کیا ہے۔اور تاریخ اسلامی کے ابتدائی دور کو سمجھنے کے لیے ان کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقصود کے خلاف بتایا ہے۔اس تحقیقی تجزیہ سے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان کے شعورِ تاریخ، مصادر ومراجع پر نظر اور اس مسئلے پر مورخین کے فکری ونظریاتی پس منظر سے آگہی کا ثبوت ملتا ہے۔ساتھ ہی اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس مسئلے کو متنازع فیہ بنانے میں جن لوگوں کا رول تھا ان کے اہداف و مقاصد پر بھی روشنی ڈالی ہے۔اس سلسلے میں ابن خلدون کی تحریر کا جو تجزیاتی مطالعہ آپ نے پیش کیا ہے اس سے تاریخ اسلامی میں آپ کے تنقیدی شعور کا بھی سراغ ملتا ہے۔اس مسئلہ پر اہل سنت و جماعت کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: ''سلطنت عثمانیہ ایدہا اللہ تعالی، نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنت اسلام، نہ صرف ہر سلطنت، ہر جماعت اسلام، نہ صرف ہر جماعت، ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔اس میں قرشیت کی شرط ہونا کیا معنی۔دل سے خیر خواہی مطلقات فرض عین ہے۔اور وقت حاجت دعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو چاہیے، کہ اس سے کوئی عاجز نہیں۔اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے اور

ہر فرض بقدر قدرت، ہر حکم بشرط استطاعت۔ **قال اللہ تعالیٰ: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا .وقال تعالیٰ: فاتقوا اللہ مااستطعتم.** (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا) **وقال تعالیٰ فاتقو اللہ مااستطعتم.** (اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے)۔ مفلس پر اعانتِ مال نہیں۔ بے دست و پا پر اعانتِ اعمال نہیں۔ و لہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔ بادشاہ اسلام اگر چہ غیر قرشی ہو، اگر چہ کوئی غلام حبشی ہو، امورِ جائزہ میں اس کی اطاعت تمام رعیت اور وقتِ حاجت اس کی اعانت بقدرِ استطاعت سب اہل کفایت پر لازم ہے۔ البتہ اہل سنت کے مذہب میں خلافتِ شرعیہ کے لیے ضرور قرشیت شرط ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم سے متواتر حدیثیں ہیں۔ اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہل سنت کا اجماع ہے۔ اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔ کتب عقائد و کتب حدیث و کتب فقہ اس سے مالا مال ہیں۔ بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امام، امیر، والی، ملک کہیں گے۔ مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین، کہ یہ بھی عرفاً اسی کا مترادف ہے، ہر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے۔ سوا اس کے جو ساتوں شروط خلافت: اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا فرمانروائے اعظم ہو۔'' (ص: ۱۷۴۔۱۷۵)۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان مزید فرماتے ہیں کہ ''اسم خلافت میں یہ شرعی اصطلاح ہے۔ جملہ صدیوں میں اسی پر اتفاق مسلمین رہا۔ زمانہ صحابہ سے برابر علمائے کرام خلفا و ملوک کو علیحدہ کرتے آئے۔ حتیٰ کہ خود سلاطین اسے کے پابند رہے اور آج تک ہیں۔ بڑے بڑے جبار بادشاہ گزرے کبھی غیر قریش نے ترک ہوں یا مغل یا پٹھان یا کوئی اور اپنے آپ کو خلیفہ نہ کہلوایا، نہ خلافت مصطفویہ شرعیہ کا دعویٰ کیا۔ جب تک خلافت عباسیہ قائم رہی۔ خلیفہ ہی کی سرکار سے سلاطین کی تاجپوشی ہوئی۔ سلطان دست خلیفہ پر بیعت کرتا اور اس منصب شرعی کا مستحق اسی کو جانتا۔ اگر چہ زور و طاقت و سطوت میں اس سے کہیں زائد ہوتا۔'' (ص: ۱۷۵)

خلافت بنی عباسیہ کے دور انتشار میں سلطنتوں کا ظہور ہوا۔ ان حکومتوں کی معتبریت اور جواز کے لیے سلطانوں نے خلیفۂ وقت سے پروانہ اور خلعت حاصل کیا۔ ان سلطانوں کے رویے کے بارے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو عمومی تجزیہ پیش کیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو اسلامی تاریخ کے مدو جزر کا مکمل علم تھا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہندوستان اور مصر میں سلطنت کے جواز اور اس کی معتبریت کے لیے سلطانوں کے رویے کو بیان کرنے کے بعد خلافت تحریک کے حامی ابوالکلام آزاد کے قول میں تضاد کی نشاندہی بھی کی ہے جو ایک طرف تو خلافت کی اسی نسبت کی اہمیت تسلیم کرتے تھے کہ ''فرمانروائے اقلیم مصر دربار خلافت سے اذن و اجازت پر فخر کرتے تھے'' اور دوسری طرف وہ یہ کہتے تھے کہ ''انتخاب خلیفہ کا موقع نہ رہا ہو تو خلیفہ تسلیم کر لینے کے لیے بجز اسلام اور حکومت کے جماؤ اور جگہ پکڑ لینے کے اور کوئی شرط نہیں''۔ اس پر اسلامی تاریخ کے مصادر و مراجع کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں کہ ''سبحان اللہ! یہ سلاطین ہند و سلاطین مصر اور خود سلطان بیبرس جس نے اس خلافت کی بنیاد رکھی مسلمان ہی تھے اور ان کی حکومتیں جمی ہوئی تھیں تو آپ (ابوالکلام آزاد) کی کافی ساختہ دونوں شرط خلافت موجود تھیں۔ پھر انہوں نے خود اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ جانا۔ اور ان کی حکومت شرعی طور پر ماننے کے قابل کیوں نہ ہوئی۔ حالانکہ آپ کے نزدیک شریعت کا حکم ہے کہ ''اسی کو خلیفہ ماننا چاہئے خواہ تمام شرطیں اس میں پائی جائیں یا نہ پائی جائیں'' اور ''ہر مسلمان پر از روئے شرع واجب ہے کہ اسی کو خلیفۂ اسلام تسلیم کرے۔'' خیر آپ کا تناقض آپ کو مبارک۔ سلاطین اسلام نے کیوں اپنی خلافت نہ مانی اور وہ کیا بات ان میں کم تھی جس کے لیے انہیں دوسرے کی خلافت جمانے اور اس کی اجازت کے صدقے اپنی حکومت کو شرعی منوانے کی ضرورت پڑی۔ ظاہر ہے کہ وہ نہ تھی مگر شرط قرشیت۔ مسٹر کو چھوڑیے،

جنہوں نے دو ہی شرطیں رکھیں، ائمہ دین تو سات بتاتے ہیں۔ دیکھئے شاید ان میں کی کوئی اور شرط مفقود ہونے کے سبب سلاطین نے اپنے آپ کو خلیفہ نہ سمجھا۔ اوپر گزرا کہ وہ اسلام، حریت، وذکورت، وعقل، و بلوغ، وقدرت وقرشیت ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں ان سلاطین میں چھ موجود تھیں۔ پہلی پانچ بداہۃً اور قدرت یوں کہ حکومت کا جماؤ بے اس کے نہیں۔ تو صرف ایک شرط قرشیت نہ تھی۔ لاجرم اسی کے نہ ہونے سے تمام سلاطین نے اپنے کو آپ کو خلیفہ نہ مانا اور قرشی خلافت کا محتاج دست نگر جانا۔'' (۱۷۸)

تاہم خلفاء میں قدرت اور عدم قدرت کے مسئلے پر فرماتے ہیں۔ ''کیونکہ ان نام کے خلفاء میں اگر قرشیت موجود تھی۔ قدرت مفقود تھی کہ وہ سلاطین کے ہاتھوں میں شطرنج کے بادشاہ تھے۔ جبار خونخوار متکبر سلاطین کے سر میں یوں بھی سودائے مساوات و بے نیازی نہ سمایا۔ اورانہیں کو خلیفہ اور اپنے کو ان کا محتاج ٹھہرایا۔ روشن ہوا کی وہ شرط قرشیت کس درجہ اہم وضروری تر جانتے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ قدرت مکتسبہ بھی ہوتی ہے۔ بلکہ اسے اکتساب سے مفر نہیں کہ ملکوں پر تنہا کا تسلط عادۃً نہیں ہوتا۔ مگر افواج و اطاعت جماعت سے۔ جب اقتدار والوں نے انہیں سر پر رکھ لیا تو مقصود اقتدار حاصل ہوگیا۔ جیسے خلیفہ میں خود عالم اصول وفروع ہونے کی شرط اتفاقی نہ رہی کہ دوسرے کے علم سے کام چل سکتا ہے۔ لیکن قرشیت ایسی چیز نہیں کہ دوسرے سے مکتسب ہو۔ لہٰذا اپنے اقتدار کا خیال نہ کیا۔ اور ان کی قرشیت کے آگے سر جھکا دیا۔ (ص: ۱۷۸۔ ۱۷۹)۔ پھر خلاصۂ کلام میں اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ترکوں کی سلطنت کو خلافت راشدہ نہ کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان کی اعانت نہیں کی جائے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ اعانت ضرور کی جائے مگر اس کے لیے ایک شرعی اصطلاح کا غلط استعمال کسی طرح ضروری نہیں۔

''الحمد للہ کیسے روشن بیانوں سے ثابت ہوا کہ یہ سارے جلوے شرطِ قرشیت کے تھے۔ تمام سلاطین کا خود یہی عقیدہ تھا کہ ہم بوجہ عدم قرشیت لائق خلافت نہیں۔ قرشی کے سوا دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت وقرن کے علماء انہیں یہی بتاتے رہے۔ اور قطعاً یہی مذہب اہل سنت ہے۔ اور اسی پر احادیث مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی متواتر شہادت ہے۔ **فما ذا بعد الحق الا الضلٰل**. رہا مسئلۂ اعانت، کیا آپ لوگوں کی زعم میں سلطان اسلام کی اعانت کچھ ضرور نہیں۔ صرف خلیفہ کی اعانت جائز ہے؟ کہ مسلمانوں کو اعانت پر ابھارنے کے لیے ادعائے خلافت ضرور ہو یا سلطان مسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے اور خلیفہ کی اطاعت بلا قدرت بھی فرض ہے۔ یہ نصوص قطعیہ قرآن کے خلاف ہے۔ اور جب کوئی وجہ نہیں۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ سیدھی بات میں جھگڑا ڈالنے کے لیے جملہ علمائے کرام کی واضح تصریحات متظافرہ اور اجماع صحابہ و اجماع امت واحادیث متواترہ کے خلاف یہ تحریک لفظ خلافت سے شروع کر کے عقیدۂ اجماعیہ اہل سنت کا خلاف کیا جائے۔ خارجیوں، معتزلیوں کا ساتھ دیا جائے۔ دور از کار تاویلوں، تبدیلیوں، تحریفوں، خیانتوں، عنادوں، مکابروں سے حق چھپانے اور باطل پھیلانے کا ٹھیکا لیا جائے۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔'' (ص: ۱۸۳)۔

اس طرح سے تاریخ اسلامی کی کتب کے حوالوں سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان نے خلیفہ اور سلطان کے عمل سے ثبوت فراہم کیے ہیں کہ خلافت کے لیے قرشیت کی شرط ہے۔ اس تجزیہ سے اسلامی تاریخ پر آپ کی گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔ کتب تاریخ کی روشنی میں اس مسئلہ میں اہل سنت و جماعت کے موقف کی وضاحت کے بعد اعلیٰ حضرت نے علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے خلیفہ وسلطان کے فرق اور اس سلسلے میں شرعی اصطلاح اور عرفی اصطلاح کی نوعیت اور اثر کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے سیاسی فلسفہ اور سیاسی نظام پر بحث کی ہے جو اسلامی تاریخ کا ایک نمایاں باب ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''خلیفہ حکمرانی وجہانبانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

نائب مطلق تمام امت پر ولایت عامہ والا ہے۔خود سر کفار کا اسے نہ ماننا شرعاً اس کے استحقاقِ ولایت عامہ میں مخل نہیں۔جس طرح ان کا خود نبی کو نہ ماننا۔ یونہی روئے زمین کے مسلمانوں میں جو اسے نہ مانے گا اس کی خلافت میں خلاف نہ آئے گا۔ یہ خود ہی باغی قرار پائے گا۔اور اصطلاح میں سلطان وہ بادشاہ ہے جس کا تسلط قہری ملکوں پر ہو۔چھوٹے چھوٹے والیانِ ملک اس کے زیر حکم ہوں۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) مُولّٰی جسے خلیفہ نے والی کیا ہو۔ اس کی ولایت حسب عطائے خلیفہ ہوگی جس قدر پر والی کرے۔(۲) متغلب کہ بزور شمشیر ملک دبا بیٹھا۔اس کی ولایت اپنی قلمرو پر ہوگی وبس۔خلیفہ کی اطاعت غیر معصیتِ الٰہی میں تمام امت پر فرض ہے جس کا منشا خود اس کا منصب ہے کہ نائب رسول رب ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔اور سلطان کی اطاعت صرف اپنی قلمرو پر۔ پھر اگر مُولّٰی ہے تو بواسطۂ عطائے خلیفہ اس منصب ہی کی وجہ سے کہ اس کا امر امرِ خلیفہ ہے، اور امرِ خلیفہ امرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔اور اگر متغلب ہے تو نہ اس کے منصب سے کہ وہ شرعی نہیں بلکہ دفع فتنہ اور اپنے تحفظ کے لیے۔خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا حقیقۃً فرض ہو گیا۔ جس مباح سے منع کیا حقیقۃً حرام ہو گیا۔ یہاں تک کہ تنہائی وخلوت میں بھی اس کا خلاف جائز نہیں۔ کہ خلیفہ نہ دیکھے، اللہ دیکھتا ہے۔خلیفہ ایک وقت میں تمام جہاں میں ایک ہو سکتا ہے۔ اور سلاطین دس ملکوں کے دس۔کوئی سلطان اپنے انعقادِ سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان اذنِ خلیفہ کا محتاج ہے کہ بے اس کے اس کی حکومت شرعی و مرضی نہیں ہو سکتی۔خلیفہ بلاوجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کیے نہیں ہو سکتا۔سلطنت کے لیے قرشیت درکنار، حریت بھی شرط نہیں۔اور خلافت کے لیے حریت باجماع جملہ اہل قبلہ شرط ہے۔ یہی وہ خلافت مصطلحہ شرعیہ ہے جس کی بحث ہے۔اسی کے لیے قرشیت و غیرہا سات شرطیں لازمی ہیں۔عرف حادث میں اگر کسی سلطان کو بھی خلیفہ کہیں یا مدح میں ذکر کر جائیں وہ نہ حکم شرع کا نافی ہے، نہ اصطلاح شرع کا نافی۔'' (۱۸۴۔۱۸۶ ملخصاً)۔

خلیفہ اور سلطان میں فرق کے بیان میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس تشریح کو موجودہ دور میں تاریخ اسلامی ایک موضوع ''تاریخ افکار ونظریات'' (جسے علمی وفکری تاریخ کا بھی نام دیا جاتا ہے) میں دیکھا جا سکتا ہے۔اس موضوع پر الماوردی کی **الاحکام السلطانیۃ** اور امام غزالی کی **نصیحۃ الملوک** مشہور و معروف کتابیں ہیں۔ان شرعی اصطلاحات کی تشریح کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے شرعی خلافت کے لیے شرطِ قرشیت کے ثبوت میں احادیث متواترہ، واجماع صحابہ وتابعین، ومذہب اہل سنت کو پیش کیا ہے۔اور کتب عقائد، کتب حدیث، کتب فقہ حنفی کے متعدد حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر طبقہ اور قرن کے اجماع متظافر ہیں کہ خلیفہ قریش سے ہو۔غیر قریشی کا خلیفہ ہونا جائز نہیں۔اور اس سلسلے میں شرح العقائد النسفیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرشیت کی شرط میں خارجیوں اور بعض معتزلیوں نے خلاف کیا ہے۔اس تمہیدی کلام کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے۔اور ''مولوی فرنگی محلی'' کے خطبۂ صدارت اور ''مسٹر ابوالکلام آزاد'' کے رسالۂ خلافت کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔اس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریک خلافت میں اس مسئلہ کو متنازع فیہ بنانے میں ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے کردار اور فکری کاوش کے پس منظر کا جائزہ لیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ ان کے موقف کی وجہ سے اس پر ائمۂ کرام نے اجماع کے حوالے سے جو نقول پیش کیے ہیں ان کا انکار لازم آتا ہے۔ جو در اصل غیر مقلدوں کی روش ہے۔اور پھر اس انکار اجماع میں ابن خلدون کے جس قول کو سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اس کا تجزیاتی مطالعہ پیش فرمایا ہے اور ابن خلدون کے فکری پس منظر کا جائزہ پیش کیا ہے۔

اس تفصیلی جائزہ میں سب سے پہلے جن روایتوں کی وجہ سے اوہام وشکوک پیدا کیے جاتے ہیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان

نے ان کو ذکر کیا ہے۔ان روایات میں حدیث بخاری (**اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حشي.** (سنو اور مانو اگر چہ تم پر کوئی حبشی غلام عامل کیا جائے) کو پیش کیا جاتا ہے۔اس کی تشریح میں اعلی حضرت نے فرمایا ہے کہ ابن الجوزی، عینی، حافظ عسقلانی نے شرح بخاری کتاب الصلوٰۃ میں فرمایا ہے کہ ''یہ حدیث سرداروں اور عاملوں کے بارے میں ہے، نہ کہ خلفا میں کہ خلافت تو قریش میں ہے۔دوسروں کو اس میں دخل نہیں۔'' (ص:۱۹۸۔۱۹۹)۔اس تشریح کی تائید وحمایت میں اعلی حضرت نے متعدد حوالہ جات پیش فرمائے ہیں۔اس سلسلے میں ایک دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر خلافت حضور اقدس کے بعد تیس سال رہی تو خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کے بعد زمانہ امام سے خالی رہا۔ اور معاذ اللہ تمام امت گنہگار ٹھہری۔اعلی حضرت لکھتے ہیں کہ شرح عقائد میں اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ''وہ جو تیس برس پر ختم ہوگئی خلافت راشدہ کاملہ تھی نہ کہ مطلق خلافت۔اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو شاید خلافت ختم ہوگئی۔امامت بعد کو رہی۔اور واجب نصب امام ہی تھا۔تو امت گنہکار نہ ہوئی۔یہ اس پر مبنی ہوگا کہ امامت خلافت سے عام ہے، مگر ہم نے قوم سے یہ اصطلاح نہ پائی۔بہر حال جب سے خلفائے عباسیہ نہ رہے امر مشکل ہے کہ اس وقت سے نہ کوئی امام ہے نہ کوئی خلیفہ۔'' اس پر اعلی حضرت فرماتے ہیں کہ جواب اول صحیح ہے۔اس کے علاوہ امامت عام ہے۔پھر شرح مقاصد کے حوالے سے اس کا جواب دیا ہے کہ'' اگر کہا جائے کہ نصب امام واجب ہوتا تو اکثر زمانوں میں ترک واجب پر امت کا اتفاق لازم آتا ہے کہ امام کے لیے جو صفات لازم ہیں ایسا مدت سے نہیں، خصوصاً جب سے دولت عباسیہ نہ رہی۔ خلافت کا نام نشان تک نہ رہا۔اور ایسا ترکِ واجب گمراہی اور گمراہی پر امت کا اتفاق محال۔تو ہم جواب دیں گے کہ گمراہی تو جب ہوتی کہ ان کے بعد امت نصب امام پر قادر ہوتی اور قصداً ترک کرتی۔ عجز ومجبوری کی حالت میں کیا الزام ہو۔ (ص:۲۰۳۔۲۰۴)

اس کے بعد مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے اپنے خطبۂ صدارت میں خلافت کے لیے قرشیت کی شرط پر اجماع قطعی یقینی ہونے کا انکار کیا تھا۔اور اس اجماع کو صرف شافعیہ کی طرف منسوب کیا تھا اور کہا تھا کہ احناف کے بعض علماء کے کلام سے صرف مفہوم ہوتا ہے۔مولانا فرنگی محلی نے یہ دعوی بھی کیا تھا کہ اس شرط قرشیت پر نقل اجماع قاضی عیاض سے معلوم ہوتی ہے۔مگر ثبوتِ اجماع مشکل ہے۔اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت کا کہنا ہے کہ:

''یہ خلافِ دیانت اور اغوائے عوام ہے۔'' اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اجماع کے ثبوت کے لیے نقول ائمہ کافی ہیں مگر تازہ لیڈروں کو مقبول نہیں۔

مولانا فرنگی محلی کے اس انکار اجماع کے تجزیہ میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا کہنا ہے کہ

''یہ وہابیہ وغیر مقلدین کی تعظیم وتکریم اور جلسوں میں ان کی صدارت و تقدیم کی شامت ہے کہ وہی غیر مقلد کا مسئلہ آگیا۔'' (ص:۲۰۶)۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے مزید کہا ہے کہ ''امام اجل قاضی عیاض نے ابتداء دعوئ اجماع نہ کیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ علمائے کرام نے اسے مسائل اجماع میں گنا۔تو ان سے ابتداء بتانا تکذیب وگستاخی کی انتہا دکھانا ہے۔صدرِ اسلام میں ڈیڑھ سو برس تک تصانیف نہ ہوئیں۔ پھر اگلی صدیوں کی ہزاروں کتابیں مفقود ہو گئیں۔اب صدہا مسائل اجماعیہ میں سب سے پہلے جس امام کے کلام میں اجماع نظر آئے اسی کے سر رکھ دیا جائے کہ ابتداءً ان سے معلوم ہوتی ہے۔کتنا آسان طریقہ ردّ اجماع کا ہے۔ائمہ کرام اس پر صحابہ وتابعین وسلف صالحین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین سے اب تک تمام اہل سنت کا اجماع بتاتے، اور اسی بناء پر کتب عقائد میں اسے قطعیہ یقینیہ فرماتے ہیں۔اس کے مقابل اگر کسی صحابی سے کوئی اثر ملے تو اگر وہ انعقادِ اجماع سے پہلے کی گفتگو ہے، اس سے نقض اجماع جنون خالص ہے۔ یوں ہی اگر تاریخ

معلوم نہ ہو، اور اگر بعد کی ہے اور سند صحیح نہیں تو آپ ہی مردود اور صحیح و قابل تاویل ہے تو واجب التاویل۔ ورنہ شاذ روایت اجماع کے مقابل قطعاً مضمحل نہ کہ الٹا اس اجماع باطل۔'' (ص: ۲۰۷)

ایک اور وہم یہ پھیلایا جا رہا تھا کہ محققین اہل سنت عموماً اور امام ابوبکر باقلانی خصوصاً قرشیت کی شرط سے بالکل عدول کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ '' اکابر ائمہ و اعاظم علماء اجماعِ صحابہ، اجماعِ تابعین، اجماعِ امت نقل فرما رہے ہیں اور ناقلانِ خلاف صرف خارجیوں اور معتزلیوں کا خلاف بتاتے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی امام باقلانی کا نام نہیں لیا۔ شرح عقائد نسفی کے الفاظ تو آبِ زر سے لکھنے کے ہیں کہ **لم یخالف الا الخوارج و بعض المعتزلة**. اس میں کسی نے خلاف نہ کیا سوا خارجیوں اور بعض معتزلیوں کے۔ تمام نقول اجماع کا یہی مطلب ہے۔ مگر اس میں محققین اہل سنت و امام باقلانی کی طرف اس نسبت باطلہ کی روشن تر تفضیح ہے۔ **وللّٰہ الحمد**۔ اجلۂ اکابر، ائمۂ اہل سنت، ائمۂ کلام، و اکابر حدیث، و اعاظم فقہ سب کے ارشادات پس پشت ڈالنا اور ایک متاخر مورخ ابن خلدون کے قول بے سند پر سر منڈا بیٹھنا کیا شرطِ دین پرستی ہے۔ اجلہ جہابذۂ ناقدین کو نہ معلوم ہوا کہ خود امام سنت باقلانی و محققین اہل سنت اس مسئلہ میں مخالف ہیں۔ برابر اجماع نقل فرماتے رہے۔ مسئلہ پر جزم و یقین فرمایا کیے۔ اہل خلاف کو خارجی معتزلی بدعتی کہتے رہے۔ مگر آٹھویں صدی کے اخیر میں اس مورخ کو حقیقت حال معلوم ہوئی کہ اس میں تو محققین اہل سنت و امام سنت مخالف ہیں۔ (ص: ۲۰۸)

ابن خلدون کی تاریخ نگاری کا تنقیدی مطالعہ:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ابن خلدون کی تاریخ نگاری کا تجزیہ کیا ہے۔ جس کے فلسفۂ تاریخ نے اہل مغرب کو بھی اپنا گرویدہ بنایا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ابن خلدون کے فکری پس منظر، تاریخ نگاری میں عقلیت اور وجودیت (نیچریت) کے عناصر اور پھر تاریخ اسلامی میں اس کے نظریۂ عصبیت کے انطباق کے اثرات کی نفیس تحقیق فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''ابن خلدون کی حالت عجب ہے۔ اس کے کلام سے کہیں اعتزال کی بو آتی ہے۔ کہیں نیچریانہ اسباب پرستی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اولیائے کرام کا صاف دشمن ہے۔ ان کو رافضیوں کا مقلد بتاتا ہے۔ اقطاب و ابدال کا منکر ہے۔ فتوحاتِ اسلام کا راز عربی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وحشی ہونا بتایا ہے۔ اور یہ کہ امیر المومنین فاروق اعظم نے جہاد پر بھیجتے وقت انہیں وحشیت پر ابھار دیا تھا۔ صحابہ وحشی ہونے کے سبب لکھنا ٹھیک نہ جانتے تھے۔ اس لیے قرآن عظیم جابجا غلط لکھا۔ اولیا کو جادوگروں کے حکم میں رکھنے کو کہا۔ اجلہ اکابر محبوبان خدا کو نام بنام حتی کہ شیخ الاسلام ہروی کو لکھتا ہے کہ یہ حلولی تھے اور یہ کفر انہوں نے روافض اسمعیلیہ سے سیکھا۔ **الی غیر ذلک من هفواته الشنیعة**''۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان مزید فرماتے ہیں:

''اور پھر تستر کے لیے یا خود اپنے حال سے ناواقفی کے باعث جابجا سنیت و اعتقاد اولیاء کا اظہار بھی کرتا ہے۔ جس نے محققین و شیخ الاسلام امام ہروی کی طرف کفر میں تقلیدِ روافض کی نسبت کر دی وہ اگر محققین و امام باقلانی کی طرف بدعت میں تقلید خوارج نسبت کر دے، کیا بعید ہے۔ ہاں عجب ان مدعیانِ سنت سے کہ تمام اکابر ائمہ و علمائے اہل سنت کے ارشادت عالیہ پر پانی پھیرنے کے لیے ایک ایسے مورخ کا دامن تھامیں۔'' اس کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ابن خلدون کا فکری رشتہ خوارج و معتزلہ سے جوڑا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''نہیں نہیں۔ بلکہ اس کا راز اور ہے۔ خود اسی مبحث سے روشن کہ وہ آپ مبتدع اور خوارج کا متبع اور اجماع صحابہ کرام کا خارق اور ضراریہ و معتزلہ کا موافق ہے۔ اس نے اولاً شرائطِ خلافت میں کہا کہ قرشیت کی شرط اس لیے ہے کہ صحابہ کرام نے اس

پر اجماع کیا۔ پھر اس اجماع کی منشا و مستند حدیثیں ذکر کیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "الائمة من قريش." اور کہا کہ اس پر دلائل بکثرت ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ رد احادیث و اجماع کی طرف سرکا کہ "لما ضعف امر قريش و تلاشت عصبيتهم فاشتبه ذلك على كثير من المحققين حتى ذهبوا الى نفي اشتراط القرشية. (جب قریش میں ضعف آیا اور ان کی حمیت جاتی رہی تو بہت محققوں کو یہاں شبہ لگا یہاں تک کہ نفی شرط قرشیت کی طرف گئے۔) یہاں دونوں پہلو دیکھیے۔ اشتباہ کہا جس سے مفہوم ہو کہ ان کو غلطی پڑ جاتا ہے۔ اور انہیں محققین کہا جس سے مترشح ہو کہ ان کے زعم کو تحقیق مانتا ہے۔ پھر ان کے دو شبہے ذکر کیے، ایک اسی حدیث دربارۂ غلام حبشی سے جس کے جواب کلام ائمہ سے گزرے۔ دوسر اشبہ اس روایت سے کہ امیر المومنین فاروق سے مروی ہوا۔ لو كان سالم مولى أبي حذيفة حيا لولَّيتُه. (اگر ابو حذیفہ کے غلام آزاد شدہ زندہ ہوتے تو میں ضرور ان کو والی بناتا)۔ یا فرمایا: لما دخلتني فيه الظنة. (ان پر مجھے کوئی بدگمانی نہ ہوتی)۔ اس کا کھلا ہوا روشن جواب یہ تھا کہ امیر المومنین نے فرمایا ہے لو ليته (میں انہیں والی کرتا) نہ کہ استخلفتُه (میں اسے خلیفہ کرتا)۔ والی ایک صوبہ کا بھی ہوتا ہے۔ ایک شہر کا بھی ہوتا ہے۔ جسے خلیفہ مقرر فرمائے۔ تو اسے یہاں سے کیا علاقہ، اس روشن جواب کو اول تو یہ جواب دیا کہ مذهب الصحابي ليس بحجة. یعنی یہ اگر ہے تو عمر کا قول ہے۔ او عمر کا قول کچھ حجت نہیں۔ شان فاروقی میں یہ کلمہ جیسا ہے اہل ادب پر ظاہر ہے۔ یہاں تک تو یہی تھا۔ آگے دوسرے جواب کے تیور دیکھئے۔ کہتا ہے: و ايضا مولى القوم منهم و عصبية الولاء حاصلة لسالم في قريش. وهي الفائدة في اشتراط النسب و صراحة النسب غير محتاج اليه اذالفائدة في النسب انما هي العصبية و هي حاصلة من الولاء. (یعنی دوسرا جواب یہ کہ کسی قوم کا آزاد شدہ غلام انہیں میں سے ہے اور اس رشتۂ ولا کے باعث قریش سالم کی حمیت کرے۔ اور یہی قومی حمیت شرط نسب کا فائدہ ہے۔ صاف نسب کی حاجت نہیں کہ وہ تو اسی حمیت کی غرض سے ہے۔ اور حمیت اپنے آزاد کیے ہوئے غلام کی بھی کرتے ہیں۔)۔ (ص:۲۱۱۔۲۱۲)

اس تجزیہ کے بعد اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: "للہ انصاف! دکھانا تو یہ ہے کہ جو شرطِ قرشیت نہیں مانتے ان کے شبہ کا جواب دے رہا ہے اور جواب وہ دیا جس نے شرطِ قرشیت کو اکھاڑ پھینکا کہ نسب کی کوئی حاجت نہیں۔ قومی حمیت سے کام ہے جس طرح بھی ہو، پھر بھی قرشیت کا کچھ ڈورا لگا رکھا کہ قریشی نہ ہو تو اس کا آزاد کردہ غلام تو ہو۔ اگرچہ یہاں اس میں بھی کلام ہے۔ سالم رضی اللہ تعالی عنہ کو ابو حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے آزاد نہ فرمایا۔ نہ وہ ان کے غلام تھے۔ بلکہ ان کی بی بی شیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کے غلام تھے۔ انھیں نے آزاد کیا اور وہ انصاریہ ہیں نہ کہ قرشیہ۔ ہاں براہ موالات و دوستی مولی ابی حذیفہ کہلاتے ہیں۔ ابو حذیفہ نے ان کو متبنی کیا تھا۔ اور اپنی بھتیجی فاطمہ سے ان کی شادی کر دی۔ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔" (ص:۲۱۲) پھر اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان، ابن خلدون کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "غرض یہاں تک بھی دونوں پلّے بچائے مگر نفی کا پلّہ غالب کر دیا کی یہ حقیقت ہے اور یہاں قرشیت کا لگاؤ رہنا مجاز۔ اب اندیشہ کیا کہ لوگ خارجی معتزلی سمجھیں گے کہ صحابہ کا اجماع چھوڑ کر ان گمراہوں کی تقلید کی۔ اس کے علاج کو یہ مخالفت امام اہل سنت کے سر رکھ دی اور کہا: "ومن القائلين بنفي اشتراط القرشية القاضي ابوبكر الباقلاني. لما ادرك عصبية قريش من التلاشي فاسقط

شرط القرشية وان كان موافقا لرأى الخوارج و بقى الجمهور على القول باشتراطها . ولو كان عاجزا عن القيام بامور المسلمين و ورد عليهم سقوط شروط الكفاية لانه اذا ذهبت الشوكة بذهاب العصبية فقد ذهب الكفاية و اذا وقع الاخلال بشرط الكفاية تطرق ذلك ايضا الى العلم و الدين و سقط اعتبار شروط هذا المنصب و خلاف الاجماع. (ملخصا). (یعنی امام قاضی ابوبکر باقلانی نے قرشیت کی شرط نہ مانی کہ قریش کی حمیت فنا ہوگئی۔ ولہذا اس کی شرط انہوں نے ساقط کردی۔ اگر چہ یہ خارجیوں کے مذہب کے موافق ہے اور جمہور اب بھی قرشیت مانتے رہے۔ اگر چہ خلیفہ مسلمانوں کا کام بنانے سے عاجز ہو۔ اور ان پر اعتراض ہے کہ لیاقت کار کی شرط جاتی رہی کہ جب حمیت جانے سے شوکت گئی، کام کیا بنا سکے گا۔ اور جب شرطِ کفایت چھوٹی۔ یہی راہ شرط علم و شرط دین کی طرف چلے گی اور خلافت کی شرطیں ساقط الاعتبار ہوجائیں گی۔ یہ خلاف اجماع ہے۔ (ملخصا) (ص:۲۱۲۔۲۱۳)۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل عبارت میں ابن خلدون نے دل کی صاف کھول دی:

اذا بحثنا عن حكمة اشتراط القرشى و مقصد الشارع منه لم يقتصر على التبرک بوصلة النبى صلى الله تعالى عليه وسلم كما هو مشهور. والمصلحة لم نجدها الا اعتبار العصبية. و ذلک ان قريشا كان لهم العزة بالكثرة و العصبة والشرف فاشترط نسبهم ليكون ابلغ فى انتظام الملة كما وقع فى ايام الفتوحات و استمر بعدها فى الدولتين الى ان تلاشت عصبية العرب. فاذا ثبت ان اشتراط القرشية انما هو للعصبة والغلب والشارع لايخص الاحكام بجيل فطردنا العلة وهى العصبية فاشترطنا فى القائم بامور المسلمين ان يكون من قوم اولى عصبية قوية غالية . ثم ان الوجود شاهد بذالک فانه لايقوم بامر امة و جيل الا من غلب عليهم. و قَلَّ ان يكون الامر الشرعى مخالفا للامر الوجودى.

(یعنی ہم جو نظر کریں کہ شرط قرشیت کی حکمت اور اس سے شارع کا مقصود کیا ہے تو وہ علاقۂ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبرک پر موقوف نہیں۔ جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہو رہا ہے کہ قرب نبوی کے سبب قریش کو یہ فضل ملا ہے۔ اس میں آن اور قومی حمیت کے اعتبار کے سوا کوئی مصلحت نہیں۔ یہ اس لیے کہ قریش اپنی کثرت اور آن اور شرافت کے سبب غالب تھے۔ لہذا ان کا نسب شرط کیا گیا کہ دین کا انتظام خوب ہو۔ جیسا کہ زمانۂ فتوحات میں ہوا۔ اور اس کے بعد بنی امیہ و بنی عباس کی دولتوں میں رہا۔ یہاں تک کہ عرب نرے بے حمیت ہوگئے۔ اور جب کہ ثابت ہولیا کہ قرشیت کی شرط فقط ان کی حمیت و غلبہ کے سبب تھی اور شریعت احکام کو کسی قبیلہ کے ساتھ نہیں کرتی۔ تو ہم نے علت حمیت کو عام کردیا کہ خلیفہ میں ضرور ہے کہ کسی قوی و غالب حمیت والی قوم میں کا ہو۔ پھر واقعات بھی اسی پر گواہ ہیں کہ قبیلے یا گروہ کا سردار وہی ہوتا ہے جو ان پر غالب ہو اور کم ہوگا کہ شریعت نیچر کے خلاف حکم دے۔ (ملخصا)۔

ظاہر کردیا کہ قرشیت شرط نہیں۔ عصبیت شرط ہے۔ قرشیت اس لیے شرط تھی کہ ان میں قومی حمیت جاہلیت تھی۔ جب قریش بلکہ تمام اہل عرب بے حمیت ہوئے تو اب ان کی خلافت کیسی۔ بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ بالجملہ نہ فقط قرشیت کی نفی کی بلکہ نفی قرشیت بلکہ نفی عربیت شرط کردی کہ اصل شرطِ خلافت قومی حمیت ٹھہرائی۔ اور صاف کہہ دیا کہ نہ صرف قریش بلکہ تمام عرب بے حمیت ہوگئے تو خلافت کے لیے شرط ہوا کہ خلیفہ نہ قریشی ہو نہ عربی۔ بلکہ یہ شرط ہے

کہ کسی خونخوار قوم کا ہو۔ تو یہ ضرار معتزلی سے بھی بہت اونچا اڑا۔ اس نے تو یہی کہا تھا کہ غیر قریشی اولیٰ ہے۔ اِس نے یہ جمائی کہ قرشی بلکہ کسی عربی کی خلافت جائز ہی نہیں، اور خود کہہ چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا کہ ہمیشہ خلافت قریش ہی کے لیے ہوگی۔ جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں۔ یہ ہے اسکا حدیث پر ایمان اور یہ ہے اس کا اجماعِ صحابہ پر ایقان۔ اور سرے سے یہ اشد ظلم قابل تماشا کہ وہ عصبیت جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشدت منع فرمایا۔ جسے نہ قریش بلکہ تمام عرب کے دل سے دھودیا اسی کو اصل مقصود شارع اور خاص شرط خلافت ٹھہراتا ہے۔ (ص: ۲۱۴۔۲۱۵) اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے امام ابوبکر باقلانی کے صحیح موقف جو اہل سنت و جماعت کے ہم خیال کی وضاحت کی ہے۔

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے نہ صرف یہ کہ شرطِ قرشیت پر ابن خلدون کا تعاقب کیا ہے بلکہ ابن خلدون کے فلسفۂ تاریخ کے بنیادی تصورِ عصبیت کی بنیاد پر بھی کلام کیا ہے، اور کہا ہے کہ اسلام کے ظہور اور خلافت اسلامیہ کی توسیع کی وضاحت میں عصبیت کو سبب ماننا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مخالف ہے۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ابوالکلام آزاد کے اس قول ''اسلام تو قومی امتیاز کے اٹھانے کو آیا ہے پھر وہ خلافت کو قریش کے لیے کیسے خاص کرسکتا ہے۔'' کو خارجیوں کا موقف قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے مقاصد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''امام کا قریشی ہونا شرط ہے اور خارجیوں نے اس میں خلاف کیا ہے۔ اس دلیل سے کہ مصالح سلطنت و دین میں نسب کا کچھ اعتبار نہیں۔ اہل سنت نے اس کا رد کیا کہ ضرور شرف نسب کو اس میں اثر ہے کہ رعایا کی رائیں اس پر اتفاق کریں اور دل خوشی سے اس کے مطیع ہوں۔ اور قریش کے برابر کوئی شریف نہیں۔ خصوصا اس حالت میں کہ افضل الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں میں سے ظہور فرمایا۔ کتاب مبارک **اراءۃ الادب لفاضل النسب** مطالعہ ہو۔ کس قدر احادیث کثیرہ نے کہاں کہاں فضیلت نسب کا اعتبار فرمایا ہے۔ اور نکاح میں شرعاً اعتبارِ کفاءت سے تو عالم بننے والے جہال بھی ناواقف نہ ہوں گے۔ جس سے تمام کتب فقہ گونج رہی ہیں۔ اور اس میں خود احادیث وارد، آیات و احادیث اس سے منع فرماتی ہیں کہ کوئی علم و تقوی و فضائل دینیہ کو بھولے اور خالی نسب پر تفاخر اً پھولے۔ (ص: ۲۲۶۔۲۲۷) آزاد نے **احادیث الائمة من قریش** اور **لایزال هذاالامر في قریش** کو پیشین گوئی کہا تھا اس کا جواب بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''مگر اس حدیث جلیل کا کیا علاج کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **قدّموا قریشا و لاتقدموها**۔ (قریش کو مقدم رکھو اور ان پر تقدم نہ کرو۔ یہ حدیث چھ صحابہ کرام کی روایت سے ہے۔'' یہ تو صریح امر و نہی ہے اس سے تو مسٹر خبر نہیں بنا سکتے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کیسا صریح حکم فرما رہے ہیں کہ قریش ہی کو مقدم کرنا، قریش سے آگے قدم نہ دھرنا۔ (ص: ۲۲۷۔۲۲۸) تاہم اسی کے ساتھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس غلط فہمی کو بھی دور کردیا ہے کہ شرط قرشیت کی بنا پر نا اہل کے خلیفہ بن جانے کا امکان ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''نہ عمل، نہ اہلیت، صرف خاندان کا اتہام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ و اہل سنت پر افترا ہے۔ کس نے کہا ہے کہ خلافت کے لے صرف قریشی ہونا درکار ہے۔ اگرچہ نا اہل محض ہو۔ قرشیت کے ساتھ اہلیت کی شرط بھی بالا جماع ہے۔ یہ گمان بد کہ کسی وقت تمام جہاں میں سب سادات عظام، سب قریش کرام نالائق نا اہل ہوجائیں وسوسۂ ابلیس ہے۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے جگر پارے ناقابل، نالائق رہ جائیں۔ صرف ایرا غیرا اہلیت کا پھندنا لٹکائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم تو فرما چکے کہ دنیا میں جب تک دو آدمی رہیں گے خلافت کا استحقاق صرف قریشی کو ہوگا۔ تو قطعا قیامت تک کوئی نہ کوئی قریشی اس کا اہل ضرور رہے گا۔ ولہذا بعض فقہائے شافعیہ وغیرہم نے جب یہ

صورت باطلہ فرض کی محققین نے تصریح فرمادی کہ یہ صرف فرض ہے۔ واقع کبھی نہ ہوگی۔ شرح بخاری للحافظ میں ہے: ''یعنی علماء نے فرمایا۔ ان فقہا نے یہ صورت اپنی اس عادت پر فرض کی کہ ایسی بات بھی ذکر کرتے ہیں جو صرف امکان عقلی رکھتی۔ عادۃً یا شرعاً کبھی واقع نہ ہو۔'' خصوصاً حدیث کو پیش گوئی مان کر اس کے خلاف کا ادعا جہل صریح بلکہ ضلال قبیح ہے۔ (ص: ۲۲۸۔ ۲۲۹) کیونکہ سچے نبی کی خبر کبھی خلاف واقع نہیں ہوتی۔ اس کے بعد اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی تحقیق سے یہ دکھایا ہے کہ ابوالکلام نے خلافت کے لیے قرشیت کی شرط کا انکار کرکے کس طرح سے احادیث نبوی کا انکار بھی کیا۔

خلاصۂ کلام:

تاریخ اسلامی کے دو اہم موضوعات (تاریخ ولادت شریفہ کی تعیین اور تصور خلافت میں قرشیت کی شرط) پر اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے افکار ونظریات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فہم تاریخ، شعورِ تاریخ اور اسلامی تاریخ کے منہاجیاتی اسلوب میں بھی آپ کو فضل وکمال حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان تاریخی موضوعات پر آپ ایک ماہر فن کی طرح کلام کرتے ہیں۔ آپ کی نظر ایک طرف تاریخ کے مصادر ومراجع پر ہے، تو دوسری طرف ان مصادر کی توضیح وتنقیح میں آپ اپنی خداداد ناقدانہ مہارت کے جلوے بکھیر رہے ہیں۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان دو موضوعات پر قول جمہور کی تائید وحمایت میں قرآن، حدیث، سیرت وطبقات، عقائد وکلام، فقہ واصول فقہ اور کتب تاریخ سے جو حوالہ جات ذکر کیے ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحریر میں موقف کے اثبات میں تائیدی دلائل و شواہد کا جو تنوع پایا جاتا ہے وہ ان کے ہم عصروں میں بہت کم دِکھتا ہے۔ اسی لیے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے طرز استدلال میں توازن کا وصف نمایاں ہے۔ اس مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے کسی مسئلہ کے تاریخی پس منظر کو جاننے کے لیے صرف کتبِ تاریخ پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کتبِ تاریخ میں مورخین اپنے مخصوص نظریات و مفادات کی خاطر حقائق کی تعبیر و ترجمانی میں غیر جانبدارانہ رویہ نہیں اپناتے۔ اس لیے کسی مورخ کی انفرادی رائے کی بجائے قول جمہور کو اہمیت دی جانی چاہیے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تاریخی کتابوں میں مذکورہ بیانات کے پس منظر میں جو فکری ونظریاتی بنیادیں ہیں ان کو بھی جاننے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تاریخ اسلامی کے موضوعات ومباحث پر تحقیق وتنقید کے لیے جو منہاجیاتی اسلوب اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ کتاب وسنت، علم کلام، علم فقہ اور اجماعِ امت کو مرکزی حیثیت دی جائے۔ تاریخ نگاری میں عقل ونقل کے کردار کے سلسلے میں آپ نے نقل کی برتری اور بالادستی کو مانا ہے۔ جدیدیت کے نام پر جو افکار ونظریات اور اقدار پیش کیے جا رہے تھے ان سے وہ مرعوب نہیں تھے۔ اسی لیے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تاریخ نگاری میں روایات اور اجماع کا انکار کرنے والوں کا علمی وفکری تعاقب کیا ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کسی ایسی توجیہ کو ناقابل قبول سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے کتاب وسنت یا پھر اجماعِ امت کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ ابن خلدون کی فکر وفلسفہ کا جو تنقیدی مطالعہ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے پیش کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون نے تاریخ نگاری میں دینی و مذہبی عقائد وتعلیمات کو فطری اور وجودی (نیچریانہ) اصولوں کی بنیاد پر جانچنے اور پرکھنے کی وکالت کی ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان عقل کے مقابلے میں وحی الٰہی کو فوقیت دیتے ہیں اور اسی لیے تاریخ اسلامی میں حقائق و واقعات کو قبول یا رد کرنے میں انفرادی رائے کی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تاریخ نگاری میں روایت پسندی کے اصول کو ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔ اور ہم نے دیکھا کہ ان دونوں موضوعات پر آپ نے قولِ جمہور اور اجماعِ امت کو اہمیت دی ہے۔

☆☆☆

امام احمد رضا اور اسرائیلیات

مقالہ نگار

مولانا کمال احمد علیمی نظامی (جمداشاہی: یوپی)

حضرت مولانا کمال احمد علیمی بن شاہ محمد بن راج بہادر ۱۰: فروری ۱۹۸۵ء کو رام نگر ضلع بلرام پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عارف العلوم رام نگر میں پرائمری تک کی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم فضل رحمانیہ (پچپڑوا) ودیگر مدارس میں متوسط درجات کی تعلیم پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ علیمیہ ج (مداشاہی: بستی) میں داخل ہوئے۔ جہاں سے ۲۰۰۸ء میں شعبہ فضیلت کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد ہی سے جامعہ علیمیہ (جمداشاہی) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ قریباً تین درجن کتب ورسائل آپ نے تحریر فرمائے۔ آپ کے درجنوں مقالات ومضامین مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا موصوف کہنہ مشق قلم کاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ مختلف سیمیناروں میں شرکت فرما چکے ہیں اور مختلف تعلیمی وتوصیفی ایوارڈ سے سرفراز کیے جا چکے ہیں۔

رابطہ نمبر: 8318227134

امام احمد رضا اور اسرائیلیات

اسرائیلیات ایک تعارف

قرآن کریم اللہ کی مقدس کتاب ہے، جس میں بندوں کی عبرت ونصیحت کے لئے امم سابقہ کے بہت سارے واقعات وحادثات مذکور ہیں، بالخصوص یہود و نصاری سے متعلق واقعات واخبار، ان واقعات کا ذکر عموما اجمال کے ساتھ ہوتا ہے، کیوں کہ قرآن کا مقصد اصلی ہدایت ونصیحت ہے، قصہ گوئی نہیں، اسی لئے اخبار ماضیہ کے صرف انہیں پہلوؤں کو ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق مقصد اصلی سے ہوتا ہے، مگر انسان کی طبیعت میں تجسس ہے، اجمال کی تفصیل تلاشنا اس کی فطرت ہے، اسی لئے جب اس طرح کی آیات کا نزول ہوتا تو صحابہ کرام کبھی حضور علیہ السلام سے تو کبھی علمائے یہود ونصاری سے ان کی تفصیل وتفسیر معلوم کرتے، قرآنی تفسیر کا وہ حصہ جو ان علمائے یہود وفضلائے نصاری سے منقول ہے اسی کو بعد میں ''اسرائیلیات'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔

زیر تحریر مقالہ چوں کہ ''اسرائیلیات'' سے متعلق ہے اس لیے اولا ''اسرائیلیات'' کی تعریف ضروری ہے۔

اسرائیلیات کی لغوی تحقیق:

لغوی اعتبار سے لفظ ''اسرائیلیات'' منسوب ہے ''اسرائیل'' کی طرف، جو لقب ہے اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کا، جن کی طرف بنو اسرائیل منسوب ہیں، جنھیں عرف میں ''یہود'' کہتے ہیں، ڈاکٹر محمد بن محمد ابو شہبہ ''اسرائیلیات'' کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" الاسرائیلیات جمع اسرائیلیة، نسبة الی بنی اسرائیل، و النسبة فی مثل ھٰذا تکون لعجز المرکب الاضافی لا لصدرہ، و اسرائیل ھو یعقوب -علیہ السلام-ای عبد اللہ، و بنو اسرائیل ھم ابناء یعقوب، و من تناسلوا منھم فیما بعد الی عھد موسیٰ و من جاء بعدہ من الانبیاء، حتی عھد عیسیٰ علیہ السلام و حتی عھد نبینا محمد ﷺ و قد عرفوا بالیھود او بیھود"
(الاسرائیلیات و الموضوعات فی کتب التفسیر، ص ۱۲ مطبوعہ مکتبة السنة قاھرہ، مصر)

یعنی ''اسرائیلیات'' جمع ہے ''اسرائیلیۃ'' کی، جو منسوب ہے بنو اسرائیل کی طرف، اور اس طرح کی نسبت میں اعتبار مضاف الیہ کا ہوتا ہے مضاف کا نہیں، اور ''اسرائیل'' سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں، جس کا لغوی معنیٰ اللہ کا بندہ ہے، بنو اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب کے بیٹے، اور حضرت عیسیٰ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک پیدا ہونے والی ان کی اولاد ہیں، جو یہود کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مذکورہ لغوی تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حقیقت کے اعتبار سے ''اسرائیلیات'' کا لفظ انہیں اخبار وروایات پر ہونا چاہیے جو یہود سے مروی ہیں، مگر تغلیباً ان مرویات پر بھی لفظ اسرائیلیات کا اطلاق ہوتا ہے جو علمائے نصاریٰ یا ان کی کتابوں سے منقول ہوں، چنانچہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"لفظ الاسرائیلیات و ان کان یدل بظاھرہ علی اللون الیھودی للتفسیر و ما کان للثقافة الیھودیة من اثر ظاھر فیہ، الا انا نرید بہ ما ھو اوسع من ذالک و اشمل، فنرید بہ ما یعم اللون الیھودی و اللون النصرانی للتفسیر وما تاثر التفسیر من الثقافتین الیھودیة و

النصرانية" (التفسیر و المفسرون، ج ۱ ص ۱۶۵)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ لفظ اسرائیلیات اگر چہ اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے ان مرویات پر دلالت کرتا ہے جو یہود سے منقول ہوں یا ان کی تہذیب و ثقافت سے متعلق ہوں، مگر تغلیباً ان واقعات وروایات پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جو نصاریٰ سے متعلق ہیں۔

اسرائیلیات کی اصطلاحی تحقیق:

اسرائیلیات کی لغوی تحقیق سے اصطلاحی معنیٰ کو سمجھا جا سکتا ہے، تاہم یہاں پر مختلف عبارتوں میں اسرائیلیات کی اصطلاحی تعریف پیش ہے:

(۱)...... " الاسرائيليات .الاحاديث الموضوعة المنقولة من كتب التوراة و الانجيل "

(۲)...... الاخبار المنقولة من اليهود فی كتب التفسير و التاريخ و غيرهما

(۳)...... الاسرائيليات. اصطلاح اطلقه المدققون من علماء الاسلام على القصص و الاخبار اليهودية و النصرانية التی تسربت الى المجتمع الاسلامی بعد دخول جمع من اليهود و النصارى الى الاسلام او تظاهرهم بالدخول فيه، (الاسرائيليات و اثرها فی كتب التفسير ص ۷۳ للدكتور رمزی نعناعة، مطبوعه دار القلم دمشق)

ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ اسرائیلیات کا لفظ ان احادیث، اخبارات، اور قصص پر بولا جاتا ہے جو علمائے یہود و نصاریٰ اور ان کی آسمانی کتابوں توریت وانجیل سے منقول ہیں۔

تفسیر قرآن میں اسرائیلیات کی آمیزش کا آغاز:

جزیرۂ عرب میں یہود کے بہت سارے خاندان آباد تھے، جب اسلام کی برکتیں ظاہر ہوئیں اور نبی کریم علیہ السلام مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے، تو یہودی ثقافت اور اسلامی تہذیب میں اختلاط کا دور شروع ہوا، نبی اکرم علیہ السلام اور صحابۂ کرام یہود سے بغرض تبلیغ ملاقات فرماتے تھے، تبلیغی کوششوں سے بہت سارے علمائے یہود مشرف بہ اسلام ہوئے، جن میں حضرت کعب احبار، عبداللہ بن سلام، اور حضرت وہب بن منبہ کا نام قابل ذکر ہے، انسان کی فطرت میں تجسس وتحقیق کا داعیہ موجود ہوتا ہے، اسی لیے جب قرآن کریم میں کوئی واقعہ انبیائے سابقین، بنی اسرائیل، یا دیگر اقوام وملل سے متعلق نازل ہوتا، تو اس کی تفصیل جاننے کے لیے مذکورہ علما سے رجوع کیا جاتا، قرآن میں چوں کہ ہر بات مفصل مذکور نہیں ہے اس لیے علمائے یہود جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے وہ اپنے علم یا گزشتہ آسمانی کتابوں کی روشنی میں قرآنی قصص و اخبار کی تفصیل بیان فرماتے، مثلاً حضرت ذو القرنین، اصحاب کہف، یاجوج و ماجوج وغیرہ سے متعلق قرآن میں صرف انہیں واقعات کا ذکر ہے جن سے بنی نوع انسانی کو عبرت ونصیحت حاصل ہوتی ہے، مگر مسلمان ان کی تفصیل جاننے کے متمنی رہتے، اسی لیے وہ علمائے یہود سے ان واقعات کی تفصیل معلوم کرتے، اس طرح سے اسرائیلیات کی تفسیر قرآن میں آمیزش ہوئی۔

عہد صحابہ میں صرف ضرورت بھر اسرائیلیات سے استفادہ کیا گیا، مگر عہد تابعین میں یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا، بعد کے مفسرین نے اسرائیلیات کو کتب تفسیر کا جزو لاینفک بنا دیا۔

اسرائیلیات کے اقطاب اربعہ:

حضرت کعب احبار (متوفی ۳۲ھ)، عبد اللہ بن سلام (متوفی ۴۳ھ)، حضرت وہب بن منبہ (متوفی ۱۱۰ھ) اور عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) اسرائیلیات کے اقطاب اربعہ کہلاتے ہیں

مشہور رواۃ اسرائیلیات:

حضرت ابو ہریرہ (متوفی ۵۷ھ)، حضرت عبد اللہ بن عباس (متوفی ۶۸ھ)، عبداللہ بن عمرو بن عاص (متوفی ۶۳ھ) اور تمیم داری رضی اللہ عنہم اجمعین اسرائیلیات کے مشہور راویوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

مشہور کتب تفسیر جن میں اسرائیلیات کی کثرت ہے:

تفسير كبير لمقاتل بن سليمان، جامع البيان في

تفسیر القرآن للامام محمد بن جریر، الکشف و البیان عن تفسیر القرآن للامام احمد بن محمد الثعلبی، معالم التنزیل للبغوی، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز لابن عطیه، الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوه التاویل للعلامة محمود بن عمر الزمخشري، مفاتیح الغیب للامام محمد بن عمر فخر الدین الرازی، الجامع لاحکام القرآن للامام محمد بن احمد القرطبی، مدارک التنزیل و حقائق التاویل للامام عبد الله بن احمد نسفی، لباب التاویل فی معانی التنزیل للامام علاء الدین علی بن محمد بن ابراھیم الخازن، وغیرہ مشہور کتب تفسیر ہیں جن میں اسرائیلی روایات کی کثرت ہے، ان میں سے اکثر نے بغیر نقد کے جب کہ کچھ مفسرین نے اسرائیلیات پر نقد کے ساتھ ان کو نقل فرمایا ہے۔

اقسام اسرائیلیات:

مختلف اعتبار سے اسرائیلیات کی متعدد قسمیں ہیں، چنانچہ سند ومتن کے اعتبار سے اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اسرائیلیات جو صحیح ہیں سند ومتن کے اعتبار سے۔

(۲) اسرائیلیات جو ضعیف ہیں سند یا متن کے اعتبار سے۔

(۳) اسرائیلیات جو موضوع ہیں۔

یوں ہی اسرائیلیات اپنے موضوع اور مضمون کے اعتبار سے تین قسموں پر منقسم ہیں:

(۱) اسرائیلیات جو عقائد سے متعلق ہیں۔

(۲) اسرائیلیات جو احکام سے متعلق ہیں۔

(۳) اسرائیلیات جو مواعظ ونصائح سے متعلق ہیں۔

اسی طرح سے اسرائیلیات شریعت مصطفویہ سے موافقت یا مخالفت کے اعتبار سے بھی تین قسموں میں منحصر ہیں:

(۱) اسرائیلیات جو شریعت محمدیہ کے موافق ہیں۔

(۲) اسرائیلیات جو شریعت محمدیہ کے مخالف ہیں۔

(۳) اسرائیلیات جو شریعت محمدیہ کے نہ موافق نہ مخالف، یعنی مسکوت عنہا ہیں۔

اسرائیلیات کا حکم:

اس حوالے سے ڈاکٹر رمزی نعناعۃ فرماتے ہیں:

" فکل روایة من هٰذه الروایات الاسرائیلیة ان صدقها الشارع فهی مقبولة یقینا، و ان کذبها فهی مردودة یقینا، و ان کان الشارع ساکتاً عن التصدیق و التکذیب لها فیسکت عنها فلا تصدق و لا تکذب" (الاسرائیلیات و اثرها في کتب التفسیر ص۹۷)

یعنی تقسیم ثالث کے تحت آنے والی اقسام میں سے پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ وہ صحیح ومقبول ہے، دوسری مردود ہے، جب کہ تیسری متوقف فیہ ہے، ہاں قسم ثالث کی روایت جائز ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لاتصدقوا أهل الکتاب و لاتکذبوهم "، یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب۔

اسرائیلیات کے اصل مصادر:

دو ہیں: (۱) توریت (۲) انجیل

علماے یہود توریت سے استدلال واستخراج روایات کرتے ہیں، جب کہ علماے نصاریٰ انجیل سے، مثلاً حضرت آدم سے متعلق تفصیلی روایات کا ذکر توریت میں ملتا ہے، جب کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ سے متعلق روایات کا ذکر موجود ہے۔

توریت وانجیل آسمانی کتاب ہونے کے ناتے معظم ومحترم ہیں، اہل اسلام کے لیے ان پر ایمان لانا ضروری ہے، مگر ان دونوں کتابوں میں اس قدر تحریف وتبدیلی کی گئی کہ اصل ونقل میں تمیز مشکل ہے۔

امام احمد رضا اور اسرائیلیات

فن وموضوع سے متعلق اتنی گفتگو بہت ہے، اب اصل موضوع سے گفتگو مقصود ہے۔

امام احمد رضا کے علم وفضل اور ان کی عظمت وکرامت کا ہر کوئی

معترف و مداح ہے، آپ نے مختلف علوم وفنون پر کام کیا، تجدیدی شان کے مالک امام موصوف نے پچپن سے زائد علوم وفنون پر داد تحقیق دی ہے، یوں تو آپ کا خصوصی شغف فقہ وفتاویٰ کی طرف تھا، اورآپ کی تحریروں کا اکثر حصہ اسی فن سے متعلق ہے، مگر دیگر فنون کو بھی آپ کے قلم سیال نے فیض یاب کیا ہے، تقریباً تمام علوم دینیہ اور اکثر علوم دنیویہ میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی، دیگر علوم کی طرح علم تفسیر میں بھی آپ کو ملکۂ تامہ اور خصوصی درک حاصل تھا، آپ کے مخالفین کا الزام ہے کہ آپ حدیث وتفسیر میں قلیل البضاعۃ تھے، مگر حقیقت میں امام اہل سنت فقہ وافتا کی طرح حدیث وتفسیر کے بھی امام نظر آتے ہیں، آپ کے فتاویٰ میں ہزاروں احادیث اورسیکڑوں آیات ہیں جن سے آپ نے مسائل کا استنباط فرمایا ہے، عظیم محقق و ماہر رضویات، حضرت علامہ محمد حنیف خان رضوی بریلوی نے ان آیات واحادیث کو یکجا کیا تو یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی کہ امام اہل سنت کی تصنیفات وفتاویٰ میں تقریباً دس ہزار حدیثیں اور چھ سو آیات کی تفسیر موجود ہیں جو انہیں ان دونوں فنوں میں مرتبۂ امامت پر فائز کرنے کے لیے کافی ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ تعداد ان تصانیف وفتاویٰ سے ماخوذ ہے جو علامہ موصوف کے دسترس میں تھے، جن کی تعداد تین سو ہے، باقی سینکڑوں تصنیفات وفتاویٰ جہاں تک محقق موصوف کی رسائی نہ ہوسکی ان میں مندرج آیات و احادیث اس شمار سے باہر ہیں۔

دیگر مفسرین کی طرح امام اہل سنت نے بھی آیات واحادیث کی تفسیر وتوضیح میں اسرائیلیات کا ذکر چھیڑا ہے، مگر اکثر رد کے ارادے سے اور کہیں کہیں قبولیت کی نیت سے، اس سلسلے میں آپ کے اصول اور شرطیں کیا تھیں، ان شاء اللہ عنقریب ان کا ذکر پیش کروں گا۔

توریت وانجیل کے بارے میں امام اہل سنت کا ارشاد:

ایک موقع پر توریت وانجیل میں تحریف وتبدیل کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’توریت وانجیل کچھ تو ملعون احباروں نے اپنے اغراض ملعونہ سے روپئے لے کر اپنے مذہب ناپاک کے تعصب سے قصداً بدلیں اور کچھ ایسے ہی ترجمہ کرنے والوں نے اس خلط وخبط کی بنیادیں ڈالیں، مرور زمانہ کے بعد وہ اصل وزیادت ملا کر سب ایک ہوگئیں، کلام الٰہی وکلام بشر مختلط ہو کر تمیز نہ رہی، الحمدللہ نفس قرآن میں اگر چہ یہ امر محال ہے، تمام جہان اگر اکٹھا ہو کر اس کا ایک نقطہ کم بیش کرنا چاہے ہرگز قدرت نہ پائے۔‘‘

(فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۲۳، ص ۱۶۴)

توریت وانجیل اور دیگر کتب سماویہ کے بارے میں صحیح اسلامی عقیدہ بیان کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

’’نصوص قرآنیہ (اپنی مراد پر واضح آیات فرقانیہ) و احادیث مشہورہ متواترہ (شہرت وتواتر سے موید واجماع امت مرحومہ مبارکہ (کہ جن پر قصر شریعت کے اساسی ستون ہیں اور شبہات وتاویلات سے پاک، ان سے ہر دلیل قطعی، یقینی واجب الاذعان والثبوت ان) سے جو کچھ دربارۂ الوہیت (ذات وصفات باری تعالیٰ) ورسالت (و نبوت انبیاء ومرسلین وحی رب العلمین وکتب سماوی وملائکہ و جن وبعث وحشر ونشر وقیام قیامت، قضا وقدر) وما کان و ما یکون (جملہ ضروریات دین) ثابت (اوران دلائل قطعیہ سے مدلل، ان براہین واضحہ سے مبرہن) سب حق ہیں، اور ہم سب پر ایمان لائے‘‘

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ ص ۶۲)

اسی صفحہ پر آگے چل کر فرماتے ہیں:

’’یوں ہی یہ کہنا بھی یقیناً کفر ہے کہ پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کے سامنے جو کلام کلام الٰہی بتا کر پیش کیا وہ ہرگز کلام الٰہی نہ تھا، بلکہ وہ سب انہیں پیغمبروں کے دلوں کے خیالات تھے جو فوارے کے پانی کی طرح انہیں کے قلوب

سے جوش مار کر نکلے اور انہیں کے دلوں پر نازل ہوگئے''

(مرجع سابق)

اقطاب اسرائیلیات کے متعلق امام اہل سنت کی رائے:

گزشتہ سطور میں میں نے ان چار حضرات کا ذکر کیا تھا جن سے اسرائیلی روایات کثرت سے مروی ہیں، ان میں سے جو صحابی ہیں ان کی عدالت وثقاہت میں شک نہیں، مگر جو تابعی یا تبع تابعی ہیں ان پر کچھ لوگوں نے کلام کیا ہے، امام اہل سنت نے بھی ان میں سے چند حضرات کے تعلق سے کچھ مفید باتیں ذکر فرمائی ہیں، جو پیش خدمت ہیں:

کعب احبار رضی اللہ عنہ:

آپ کے تعلق سے امام اہل سنت فرماتے ہیں:

''کعب احبار تابعین اخیار سے ہیں، خلافت فاروقی میں یہودی سے مسلمان ہوئے، کتب سابقہ کے عالم تھے، اہل کتاب کی احادیث اکثر بیان کرتے، انہیں میں سے یہ خیال تھا جس کی تغلیط ان اکابر صحابہ نے قرآن عظیم سے فرمادی، تو ''کذب کعب'' کے یہ معنیٰ ہیں کہ کعب نے غلط کہا، نہ یہ کہ معاذ اللہ قصداً جھوٹ کہا، کذب بمعنیٰ اخطأ محاورہ حجاز ہے، اور خراش یہودیت بمشکل چھوٹنے سے یہ مراد کہ ان کے دل میں جو علم یہود بھرا ہوا تھا وہ تین قسم ہے، باطل صریح، حق صحیح، اور مشکوک، کہ جب تک اپنی شریعت سے اس کا حال نہ معلوم ہو حکم ہے کہ اس کی تصدیق نہ کرو، ممکن کہ ان کی تحریفات یا خرافات سے ہو، نہ تکذیب کرو ممکن کہ توریت یا تعلیمات سے ہو۔ اسلام لاکر قسم اول کا حرف حرف قطعاً ان کے دل سے نکل گیا۔ قسم دوم کا علم اور مسجل ہوگیا۔ یہ مسئلہ قسم سوم بقایائے علم یہود سے تھا جس کے بطلان پر آگاہ نہ ہوکر انہوں نے بیان کیا اور صحابۂ کرام نے قرآن عظیم سے اس کا بطلان ظاہر فرمادیا، یعنی یہ نہ توریت سے ہے نہ تعلیمات سے، بلکہ ان خبیثوں کی خرافات سے، تابعین صحابۂ کرام کے تابع وخادم ہیں، مخدوم اپنے خدام کو ایسے الفاظ سے تعبیر کرسکتے ہیں، اور مطلب یہ ہے جو ہم نے واضح کیا وللہ الحمد۔''

(جامع الاحادیث ج۹ص۱۰۰)

ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:

''کعب احبار رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہوا کہ یاجوج وماجوج نطفۂ احتلام سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے بنے ہیں، اول کعب ہی سے اس کا ثبوت صحت کو نہ پہونچا، اس کا ناقل ثعلبی حاطب لیل ہے، نجومی نے حسب عادت ان کا اتباع کیا، پھر کعب صاحب اسرائیلیات ہیں، ان کی روایت کہ مقررات دین کے خلاف ہو، مقبول نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ۶/ ۲۷۸۔ جامع الاحادیث ج۸ص۳۶۳)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ:

فواتح الرحموت کے حوالے سے ایک جگہ امام اہل سنت آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت میں فرمایا: یہ خیال ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہئے کہ وہ بلاشبہہ سچے تھے، اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا، کیوں کہ تحریف تو ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہوچکی تھی'' (فتاویٰ رضویہ ۲۸/۲۸۴ گجرات)

اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن سلام کے ایمان لانے کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے بیہقی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''تذییل سوم: بیہقی دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے راوی، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا سنا اور حضور کی صفت ونام وہیأت اور جن جن باتوں کی ہم حضور کے لیے توقع کررہے تھے سب پہچان لیں تو میں نے خاموشی کے ساتھ اپنے دل میں رکھا، یہاں تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے، مجھے خبر رونق افروزی پہنچی، میں نے تکبیر کہی، میری پھوپھی بولی، اگر تم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا آنا سنتے تو اس سے

زیادہ کیا کرتے؟ میں نے کہا اے پھوپھی! خدا کی قسم وہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں، جس بات پر موسیٰ بھیجے گئے تھے اسی پر یہ بھی مبعوث ہوئے ہیں، وہ بولی اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہ نبی ہیں جن کی ہم خبر دیئے جاتے تھے کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوں گے، میں نے کہا ہاں۔'' (دلائل النبوہ للبیہقی باب ماجاء فی دخول عبد اللہ بن سلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۵۳۰۔فتاویٰ رضویہ ج ۱۵،ص ۶۹۹ برکات رضا گجرات)

ابن جریج:

ایک حدیث کی تصحیح کرتے ہوئے امام اہل سنت حضرت ابن جریج اور عطا بن ابی رباح دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**هما ما هما** یعنی یہ دونوں مقام میں مسلم ہیں''

(فتاویٰ رضویہ ۸/۱۲۳)

ایک مقام پر ابن جریج کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''رہے ابن جریج تو انہوں نے صحیح روایتوں کا قصد نہ کیا، انہوں نے ہر آیت کی تفسیر میں جو کچھ صحیح وسقیم مذکور ہوا روایت کر دیا''۔(فتاویٰ رضویہ ۲۸/ ۱۰۹)

وہب بن منبہ:

آپ کی مرویات کو امام اہل سنت نے قبول فرمایا ہے، چنانچہ مسئلہ ختم نبوت پر احادیث کثیرہ پیش فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

''تسجیل جمیل: بحمد اللہ بیس احادیث علویہ کے علاوہ خاص مقصود محمود ختم نبوت پر یہ ایک سو ایک حدیثیں ہیں، اور مع تذئیلات ایک سو اٹھارہ، جن میں ۹۰ مرفوع اور ان کے رواۃ واصحاب ۷۱، ۱۱ تابعی صحابہ وتابعین جن میں صرف ۱۱ تابعی''۔

اس کے بعد ۱۱ تابعین کا شمار کراتے ہوئے گیارہویں نمبر پر وہب بن منبہ کا ذکر فرمایا ہے (فتاویٰ رضویہ ۱۵/۱۴۴) علاوہ ازیں متعدد مقامات پر آپ کی روایتوں سے استدلال بھی فرمایا ہے۔

کتب تفاسیر میں اسرائیلیات کے بارے میں امام اہل سنت کی رائے:

اس حوالے سے ایک مقام پر چند کتب تفسیر اور ان میں موجود اسرائیلی مرویات پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں کہوں گا اور یہ معالم التنزیل ہے جو امام بغوی کی تصنیف ہے، باوصف یہ کہ بہت سی رائج تفسیروں کے مقابل غلطیوں سے محفوظ ہے اور طرفہ حدیث سے قریب ہے، بہت ضعیف وشاذ اور واہی، منکر روایتوں پر مشتمل ہے، اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ اس کی روایت کی سندیں ان پر دورہ کرتی ہیں جن کا نام ضعف وجرح کے ساتھ لیا جاتا ہے، جیسے ثعلبی، واحدی، کلبی، سدی، اور مقاتل وغیرہم، جن کا ہم نے تم سے بیان کیا، اور جن کا بیان نہ کیا تو تمہارا گمان ان کے ساتھ کیسا ہے، جنہیں علم حدیث کا علم نہیں اور ستھرے کو میلے سے الگ کرنے کی قدرت نہیں، جیسے قاضی بیضاوی اور ان کے علاوہ جو بیضاوی کے طریقے پر چلتے ہیں، تو ان کے پاس ان باطل اقوال کا حال نہ پوچھو جن کے لیے نہ لگام ہے نہ بندش کی رسی، اس خیال کو اپنے سے دور رہنے دو، کاش یہ لوگ اسی پر بس کرتے، مگر ان میں سے کچھ لوگ اس سے آگے بڑھے اور ایسے رستے چلے جو ہلاکتوں کی طرف کھینچ کر لے جائیں، تو انہوں نے قرآن کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کر دیں جن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل انہیں ناپسند کرتے، اور کان انہیں پھینکتے ہیں، اس لیے انبیاے کرام وملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں کو مقرر رکھا جن سے ان کی عصمت نہیں رہتی اور جاہلوں کے دل میں ان کی عظمت کم ہو جاتی ہے یا زائل ہو جاتی ہے، چنانچہ یہ بات آدم وحوا، وداؤد واوریا اور سلیمان اور ان کی کرسی پر پڑے ہوئے جسم اور حضور علیہ السلام کی تلاوت کے دوران شیطان کے القا اور غرانیق علیٰ کے واقعات اور ہاروت و ماروت کا قصہ اور بابل کا ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے، تو اللہ ہی کی پناہ اسی سے ان کی شکایت ہے، تو ان کی ان باتوں سے وہ مرض لگا جو ان مصنفین واقعات سیرت و مغازی کو صحابہ کے اختلافات کو نقل کرنے سے لگا۔''

مزید فرماتے ہیں:

’’اور بے شک ہمارے علما نے دونوں فریقوں کو بھرپور نصیحت کی چنانچہ انہوں نے دونوں حریف کی سخت مذمت کی یعنی واہی تفاسیر اور سیرت کی ناپسندیدہ کتابوں کی تو انہوں نے ان کتابوں کا ناپسندیدہ ہونا ظاہر کیا اور ان کا عیب کھولا۔‘‘

مزید یہ فرماتے ہیں:

’’یقیناً ابوحیان نے بات کو سہل و نرم کیا کہ انہوں نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے نقل کیا کہ مفسرین نے ایسے اسباب نزول اور فضائل میں وہ حدیثیں جو ثابت نہیں اور نامناسب حکایات اور تواریخ اسرائیل کو ذکر کیا ہے حالاں کہ اس کا ذکر تفسیر میں مناسب نہیں۔‘‘

مزید یہ ارشاد ہوتا ہے:

’’یہی سبب تھا کہ سیوطی اس درجہ عاجز ہوئے کہ تمام تفسیروں سے بیزاری فرمائی اور صرف تفسیر ابن جریر کی طرف رہنمائی پر بس کیا۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ ۲۸/۵۳۲)

اسرائیلیات کے قبول ورد کے بارے میں امام اہل سنت کے اصول:

اس حوالے سے امام اہل سنت نے وہی روش اختیار فرمائی ہے جو محتاط مفسرین اہل سنت نے طے فرمائی ہے، اور انہیں اصول پر کاربند رہے، جو شریعت وسنت سے ثابت ہیں؛ ایک موقع پر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

’’اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ اس لاعلاج مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالت سند کے دروازے سے گھسا، اور ایسے مقامات میں جب سند معروف نہ ہو مآل کار بات کو پرکھنا ہے، تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوص کو رد کرتی ہو یا اس میں رسل وانبیا کی تنقیص ہو یا اور کوئی بات جو قابل قبول نہ ہو ہم جان لیں گے کہ یہ قول دھودینے کے قابل ہے اور اگر خرابیوں سے بری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کرلیں گے، باوجودیکہ اسے قبول کرنے میں اور دوسرے قول کو قبول کرنے میں عظیم تفاوت ہے، اور تفسیر بالرائے کے باب سے نہیں ہے جس سے ہمیں روکا گیا۔‘‘

مزید یہ ارشاد ہے:

’’اور یوں ہی جب ہمیں ان میں کوئی قول ایسا پہنچے جس میں ظاہر معنیٰ سے عدول ہو اور وہ اس سے ثابت ہو جس کا خلاف ہمیں نہیں پہنچا یا کوئی حاجت ہو جو ظاہر سے عدول کیے بغیر پوری نہ ہو تو اسے قبول کرنا متعین ہے، ورنہ کلام الٰہی کی دلالت قیل وقال چھوڑ کر اعتماد کے زیادہ لائق ہے۔‘‘ (فتاویٰ رضویہ ۲۸/۱۱۰)

وہ اسرائیلی روایات جو مقررات دین کے خلاف ہوں امام اہل سنت انہیں قبول نہیں فرماتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

’’پھر کعب صاحب اسرائیلیات ہیں، ان کی روایت کہ مقررات دین کے خلاف ہو مقبول نہیں۔‘‘

(جامع الاحادیث ۸/۳۶۴)

اسرائیلیات بیان کرنے والے رواۃ کے بارے میں امام اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ خلاف قیاس مرویات اگر ایسے راوی پر موقوف ہوں جو اسرائیلیات سے شغف نہ رکھتا ہو تو وہ مرفوع کے حکم میں ہیں، اور اگر اسرائیلیات کی روایت کرنے والے سے مروی ہوں تو موقوف ہی ہوں گی، چنانچہ فرماتے ہیں:

’’ **مالایقال بالرای فعلی الرفع محمول ما لم یکن صاحبہ اٰخذاً عن الاسرائیلیات.** ‘‘

(رسالہ تنویر القندیل فی اوصاف المندیل ص ۵۳)

مزید فرماتے ہیں:

’’ **و الوقف فیہ کالرفع اذا لم یکن اٰخذاً عن الاسرائیلیات** ‘‘ (فتاویٰ رضویہ ۳/ ۵۲)

حضرت کعب احبار کے تذکرے میں امام اہل سنت نے اسرائیلیات کے قبول ورد کے اصول کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

’’ **کذب کعب** کے یہ معنیٰ ہیں کہ کعب نے غلط کہا، نہ یہ کہ معاذ اللہ قصداً جھوٹ کہا، **کَذَبَ** بمعنی **اَخْطَأَ** محاورہ حجاز ہے، اور خراش یہودیت بمشکل چھوٹنے سے یہ مراد کہ ان کے دل میں جو علم یہود بھرا ہوا تھا وہ تین قسم ہے، باطل صریح حق صحیح، اور مشکوک کہ جب

تک اپنی شریعت سے اس کا حال معلوم نہ ہو حکم ہے کہ اس کی تصدیق نہ کرو ممکن کہ ان تحریفات یا خرافات سے ہو، نہ تکذیب کرو ممکن کہ توریت یا تعلیمات سے ہو۔'' (جامع الاحادیث ۹/۱۰۰)

امام اہل سنت کے نزدیک وہ صحابی جو اہل کتاب سے روایت نہ قبول کرتا ہو اس کی روایت قطعاً مقبول بلکہ مرفوع کے درجہ میں ہوتی ہے چاہے خلاف قیاس ہو یا موافق قیاس، چنانچہ فرماتے ہیں:

''اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چوں کہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے اس لیے لامحالہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان فرمائی۔''

(فتاویٰ رضویہ ۲۸/۲۸۱)

گزشتہ شریعت کے احکام واقوال پر آنکھ بند کر کے اعتماد کرنا جائز نہیں جب تک کہ ہماری شریعت سے اس کی تائید نہ ہو جائے، چنانچہ امام اہل سنت فرماتے ہیں:

''ثامناً: ساری بحث ومباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گزشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا اور گزشتہ شرائع کے احکام ہمارے لیے دلیل نہیں جب تک قرآن وحدیث میں اس کا بیان بلا انکار نہ ہو، چنانچہ اصول بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون وشروح میں اس کی تنصیص ہے، امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا: ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی، کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی ہے، اور اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسہ نہیں کہ ان لوگوں نے انہیں محرف کتابوں میں دیکھا ہوگا، یا انہی کی جماعت سے سنا ہوگا۔''

(فتاویٰ رضویہ ۲۸/۲۸۴)

(۱) امام احمد رضا کے نزدیک مردود اسرائیلی روایات:

قصۂ ہاروت وماروت:

ارشاد ربانی ہے''**وما انزل علی الملکین ببابل ھٰروت ومٰاروت**'' اس آیت کی تفسیر میں امام سیوطی وغیرہ نے عجیب وغریب قصے کہانیاں ذکر فرمائی ہیں، جو حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت علی، حضرت ابن عباس، مجاہد، کعب، ربیع، سُدی وغیرہ سے مروی ہیں، یوں ہی ابن جریر طبری، ابن مردویہ، حاکم، ابن منذر، ابن ابی الدنیا، بیہقی اور خطیب وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں ہاروت وماروت سے متعلق عجیب وغریب باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت آدم کی اولاد معصیت میں پڑی تو فرشتوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ایسا نہیں کرتے، اس پر رب تعالیٰ نے دو فرشتوں ہاروت وماروت کو لوگوں کے پاس نفس وشہوت کے ساتھ بھیجا، آخر نفسانی خواہشات نے غلبہ پایا، اور ایک عورت کے چکر میں پڑ کر شراب نوشی، قتل، اور بے ایمانی کے گناہ میں ملوث ہو گئے جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بابل کے ایک کنویں میں الٹا لٹکا رکھا ہے جو قیامت تک لٹکتے رہیں گے۔

ظاہر ہے یہ واقعہ اسرائیلیات سے ہے اور بہت سارے خرافات کا منبع ہے، اس لیے واقعۂ ہاروت وماروت کی صحیح تفسیر کیا ہے، اس بارے میں امام اہل سنت کی یہ تفصیلی تحریر پڑھیے:

''امام احمد وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ بسند حسن مالک بن قیس رضی اللہ عنہ سے راوی۔ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من ضار ضار الله به و من شاق شق الله علیه۔**

جو کسی کو ضرر دے گا اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہونچائے گا اور جو کسی پر سختی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈالے گا۔

حاکم کی حدیث میں ہے:

مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حجر اسود کی نسبت فرمایا: **بلی یا امیر المومنین یضر و ینفع۔ (الحدیث)**

کیوں نہیں اے امیر المومنین! یہ پتھر نقصان دے گا اور نفع پہنچائے گا۔ (الحدیث)

(فتاویٰ رضویہ جدید ج۹/ص۶۹۱۔۶۹۲)

قصہ ہائے ہاروت و ماروت جس طرح عام شائع ہے ائمہ کرام کو اس پر سخت انکار شدید ہے۔جس کی تفصیل شفاء شریف میں اور اس کی شرح میں ہے۔یہاں تک کہ امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

ھذہ الاخبار من کتب الیھود و افتراتھم۔

یہ خبریں یہودیوں کی کتابوں اوران کی افتراؤں سے ہیں۔

ان کو جن یا انس مانا جائے جب بھی درازیٔ عمر مستبعد نہیں۔ سیدنا خضر وسیدنا الیاس اور سیدنا عیسیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہم انس ہیں اور ابلیس جن ہے۔

اورراجح یہی ہے کہ ہاروت و ماروت دوفرشتے ہیں جن کورب عزوجل نے ابتلائے خلق کے لیے مقرر فرمایا کہ جو سحر سیکھنا چاہے اسے نصیحت کریں کہ:

انما نحن فتنة فلا تکفر۔(البقرة۔۱۰۲)

ہم تو آزمائش ہی کے لیے مقرر ہوئے ہیں تو کفر نہ کرو۔

اور جو نہ مانے اپنے پاؤں جہنم میں جائے۔اسے تعلیم کریں تو وہ طاعت میں ہیں نہ کہ معصیت میں۔

بہ قال اکثر المفسرین علی ما عزالیھم فی الشفاء۔(فتاوی رضویہ قدیم ۲۰/۱۲)

کشتیٔ نوح علیہ السلام:

ابن جریر وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں طوفان نوح اور آپ کی کشتی کا ذکر کرتے ہوئے محیر العقول باتوں کا ذکر کیا ہے۔اس سلسلے میں صحیح واقعہ اعلیٰ حضرت کے بابرکت الفاظ میں سماعت فرمائیں:

''نوح علیہ السلام کی امت پر جس روز عذاب طوفان نازل ہوا پہلی رجب تھی، بارش بھی ہورہی تھی اور زمین سے بھی پانی ابل رہا تھا، بحکم رب العالمین نوح علیہ السلام نے ایک کشتی تیار فرمائی جو۱۰؍ رجب کو تیرنے لگی، اس کشتی پر ۸۰ آدمی سوار تھے، جس میں دو نبی تھے (حضرت نوح و آدم علیہما السلام) حضرت نوح علیہ السلام نے اس کشتی پر حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت رکھ لیا تھا اور اس کے ایک جانب مرد اور دوسری جانب عورتوں کو بٹھایا تھا، پانی اس پہاڑ سے جو سب سے بلند تھا تیس ہاتھ اونچا ہوگیا تھا، دسویں محرم کو چھ ماہ کے بعد سفینۂ مبارکہ جودی پہاڑ پر ٹھہرا، سب لوگ پہاڑ سے اترے اور پہلا شہر جو بسایا اس کا ''سوق الثمانین'' نام رکھا، یہ بستی جبل نہاوند کے قریب متصل موصل واقع ہے۔اس طوفان میں دو عمارتیں مثل گنبد و منارہ باقی رہ گئی تھیں، جنھیں کچھ نقصان نہ پہنچا، اس وقت روئے زمین پر سوائے ان کے اور عمارت نہ تھی۔(الملفوظ ۶۴/۱)

یاجوج وماجوج کی تخلیق:

ارشاد خداوندی ہے''**قالوا یا ذالقرنین اِن یاجوج و ماجوج مفسدون فی الارض الخ (الکھف:۹۴)**

اس آیت میں مذکورہ لفظ''یاجوج و ماجوج'' کے حوالے سے بہت ساری اسرائیلی روایات ہیں،ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس قوم کی تخلیق حضرت آدم کے مادۂ تولید سے ہوئی۔چنانچہ ڈاکٹر ابوشھبہ اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''**ومن الاسرائیلیات المستنکرة فی ھذا ما روی أن یاجوج و ماجوج خلقوا من منی خرج من آدم، فاختلط بالتراب، و زعموا ان آدم کان نائما فاحتلم فمن ثم اختلط منیہ بالتراب، و معروف ان الانبیاء لایحتلمون، لان الاحتلام من الشیطان (الاسرائیلیات والموضوعات في القرآن الکریم ص ۲۴۷)**

اس حوالے سے اعلی حضرت نے بڑی عمدہ تحقیق فرمائی ہے، اور متعدد حوالوں اور اصولوں سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ نظریہ غلط ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو مروی ہوا کہ یاجوج و ماجوج نطفۂ احتلام سیدنا آدم علیہ السلام سے بنے ہیں، اول کعب ہی سے اس کا ثبوت صحت کو نہ پہونچا، اس کا ناقل ثعلبی حاطب لیل ہے، کمافی عمدۃ القاری، نووی نے حسب عادت ان کا اتباع کیا، پھر کعب

صاحب اسرائیلیات ہیں ان کی روایت کہ مقررات دین کے خلاف ہو مقبول نہیں، ہاں امام نووی و حافظ عسقلانی نے شروح صحیح مسلم و صحیح بخاری میں اس کی یہ تاویل نقل کی کہ انبیا علیہم السلام پر فیضان زیادت فضلہ بسب ابتلاے ادعیہ منع نہیں اور اسے مقرر رکھا۔ اقول مگر لفظ شنیع و مکروہ ہے اور حدیث ابن عباس کے حصر کے خلاف کہ احتلام نہیں مگر شیطان کی طرف سے ولہذا عامۂ علماے کرام نے اسے مقبول نہ رکھا۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۱۵۵)

تابوت سکینہ:

ارشاد خداوندی ہے:

"وقال لهم نبيهم اِن اٰية ملكه أن ياتيهم التابوت فيه سكينة من ربكم و بقية مما ترك اٰل موسىٰ و اٰل هٰرون تحمله الملائكة اِن فى ذالك لاٰية لكم اِن كنتم مومنين (بقرة: ۲۴۸)

اس آیت میں دو کلمات تابوت اور سکینہ کی تفسیر میں متعدد اسرائیلی روایات ہیں، چنانچہ ابن جریر، ثعلبی، بغوی، قرطبی، ابن کثیر، اور امام سیوطی وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں بہت سارے صحابہ و تابعین بالخصوص وھب بن منبہ اور دیگر اہل کتب سے تابوت کے اوصاف، اس کے نزول کی کیفیت، اس کے مشمولات، اور سکینہ کی صفات کا مفصل ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ مختلف الفاظ میں سب نے تابوت کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ شمشاد کے لکڑی کا تھا، دو سے تین گز کے درمیان تھا، حضرت آدم کے زمانے سے ہوتا ہوا حضرت موسی کے عہد پاک تک پہونچا، اس میں حضرت موسی علیہ السلام توریت اور اپنا سامان رکھا کرتے تھے، آپ کی نافرمانی کی وجہ سے یہ تابوت عمالقہ کے پاس چلا گیا۔

یوں ہی سکینہ کی تاویل بھی مختلف انداز میں کی گئی ہے چنانچہ حضرت علی سے ایک روایت کے مطابق سکینہ سے مراد تیز چلنے والی ہوا ہے جس کے دو سر اور انسان کی طرح ایک چہرہ تھا، حضرت مجاہد کی روایت کے مطابق یہ ایک جانور تھا بلی کی مانند جس کے دو بازو، ایک دم، دو چمکیلی آنکھیں تھیں جن سے وہ جس فوج کو دیکھ لیتا اسے ہار نصیب ہوتی، حضرت ابن عباس کے مطابق سکینہ ایک سونے کی پلیٹ کا نام ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ کو عطا فرمایا تھا، جس میں انبیا کے دلوں کو دھلا جاتا تھا، اسی طرح سے اس تابوت کے سامانوں کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔

اس تابوت سکینہ کے حوالے سے امام اہل سنت کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

"وہ تبرکات کیا تھے۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ الصلوٰۃ و السلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہا۔ ان کی برکات تھیں کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے۔

ابن جریر وابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال و بقية مما ترك آل موسىٰ و عصاه و رضاض الالواح.

تابوت سکینہ میں تبرکات موسویہ سے ان کا عصا تھا اور تختیوں کی کرچیں۔

وکیع ابن الجراح سعید ابن منصور وابن ابی حاتم وابو صالح تلمیذ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہے۔

قال كان في التابوت عصاموسىٰ و عصا هارون و ثياب موسىٰ و ثياب هارون و لوحان من التوراة و المن و كلمة الفرج لااله الا الله الحليم الكريم و سبحان الله رب السمٰوات السبع ورب العرش العظيم و الحمد لله رب العالمين.

تابوت میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے عصا اور دونوں حضرات کے ملبوس اور تورات کی دو تختیاں اور قدرے من کہ بنی اسرائیل پر اترا اور یہ دعائے کشائش **'لا اله الا الله الحليم**

الکریم الخ'

معالم التنزیل میں ہے:

"کان فیہ عصا موسیٰ و نعلاہ و عمامة ھارون و عصاہ"

تابوت میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کی نعلین اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ اور عصا تھا۔

(تبرکات کے آداب، جامع الاحادیث ۷/۲۷۳)

رفع عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

نصاریٰ کی ایک جماعت کو چھوڑ کر بقیہ تمام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا، اس سلسلے میں بہت ساری اسرائیلی روایات وواقعات مشہور ہیں، مگر اصل میں کیا ہوا تھا، اس کو امام اہل سنت کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہ انہیں میں سے ایک کافر پر ڈال کر شبہہ ڈال دیا گیا، جب اس خبیث پر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہ آگئی انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اب وہ کہتا ہے میں تمہارا وہی ہوں۔ سب کہتے ہیں ہم تم کو جانتے ہیں تو وہی مکار ہے جس نے لوگوں میں فتنہ ڈال دیا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا۔

(جامع الاحادیث ۷/۵۲۳)

الواح توریت کو زمین پر ڈالنے کا سبب:

ارشاد ربانی ہے:

"ولما رجع موسی الی قومه غضبان أسفا قال: بئسما خلفتمونی من بعدی، أعجلتم امر ربکم والقی الالواح الخ(الاعراف: ۱۵۰)

اس آیت میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ جس میں حضرت موسی علیہ السلام نے تورات کی تختیوں کو غضبناک ہوکر زمین پر ڈال دیا تھا، تختیوں کو زمین پر ڈالنے کا سبب کیا تھا، اس سلسلے میں ایک اسرائیلی روایت یہ ہے کہ حضرت موسی نے جب توریت میں امت محمدیہ کے فضائل وکمالات دیکھے تو رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ اس امت کو میری امت بنا دے، رب تعالیٰ نے فرمایا یہ امت نبی آخر الزماں کی امت ہے، اس پر انہوں نے غصہ ہوکر توریت کی تختیوں کو زمین پر ڈال دیا اور عرض کیا مجھے امت محمدیہ میں سے بنا دے، چنانچہ قتادہ کے الفاظ یہ ہیں:

"ان نبی اللہ نبذ الالواح، وقال اللھم اجعلنی من أمة محمد" (الاسرائیلیات والموضوعات فی القرآن الکریم ص ۲۰۴)

ظاہر ہے اس اسرائیلی روایت میں بہت ساری قباحتیں ہیں، بلکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کی شان میں بے ادبی بھی ہے، امام اہل سنت نے محتاط مفسرین کی روش پر چلتے ہوئے اس آیت کی صحیح تفسیر اس طرح فرمائی ہے:

"موسی علیہ السلام جب توریت لے آئے، یہاں دیکھا کہ لوگ گئو سالہ کے آگے سجدہ کرتے اور اس کی پرستش کرتے ہیں، آپ کی شان جلالی کی یہ حالت تھی کہ جس وقت جلال طاری ہوتا آدھ گز شعلہ کلاہ مبارک سے اوپر کو اٹھتا، جلال میں آکر الواح توریت پھینک دیں، وہ ٹوٹ گئیں، امام مجاہد تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، وہ فرماتے کہ تفصیل کل شیٔ اڑ گئی، صرف احکام باقی رہ گیے۔(الملفوظ ۳/ ۵، ۶)

(۲) امام احمد رضا کے نزدیک مقبول اسرائیلی روایات:

استغفار آدم علیہ السلام:

ڈاکٹر ابوشہبہ نے استغفار آدم کے تعلق سے امام سیوطی نے جو حدیث الدر المنثور میں ذکر فرمائی ہے اس کو غیر ثابت اور اسرائیلی روایت قرار دیا ہے، متن حدیث یہ ہے:

"لما اذنب آدم الذنب الذی اذنبه رفع رأسه الی السماء فقال: اسألک بحق محمد ان غفرت لی، فاوحی اللہ الیه و من محمد؟ فقال: تبارک اسمک

لما خلقتني رفعت رأسي الیٰ عرشک، فاذا فيه مكتوب لا الٰه الا الله محمد رسول الله، فعلمت انه ليس احد اعظم عندک قدراً ممن جعلت اسمه مع اسمک، فأوحى الله اليه، يا آدم انه آخر النبيين من ذريتك و لو لا هو ما خلقتک"

اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی مستدرک۔کتاب التاریخ ۲/ ۶۱۵ میں، بیہقی نے دلائل النبوۃ کے" باب ماجاء فی تحدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵/ ۴۸۹ میں اور طبرانی نے المعجم الاوسط میں ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کو وہابیہ بالخصوص شیخ البانی وغیرہ نے موضوع قرار دیا ہے، جو کسی بھی طرح سے صحیح نہیں ہے، اس حدیث کو شیخ الاسلام بلقینی نے صحیح قرار دیا ہے، ان کے علاوہ ابن جوزی، اور ابن کثیر جیسے محدثین نے بھی اس روایت کو ذکر فرمایا ہے، علاوہ ازیں ابوالفرج، امام ابن منذر، ابوبکر آجری نے، اور خود ابن تیمیہ وغیرہ نے اس حدیث کے شواہد ذکر کیے ہیں اس لیے یہ حدیث صحیح ہے، تلقی علما اور اپنے شواہد کی وجہ سے امام اہل سنت نے اس حدیث کو فتاویٰ رضویہ ۱۵/ ۶۳۳ میں ذکر فرمایا ہے، آپ کا ذکر فرمانا بغیر کسی نقد و تبصرہ کے اس اسرائیلی روایت کے مقبول و صحیح ہونے کی دلیل ہے، آپ فرماتے ہیں:

"طبرانی معجم کبیر میں اور حاکم بافادۂ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لغزش واقع ہوئی عرض کی: **یارب اسئلک بحق محمد ان غفرت لي** (الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔) ارشاد ہوا: اے آدم! تو نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں کر پہچانا حالاں کہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر لکھا پایا **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** تو میں نے جانا تو نے اسی کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے۔فرمایا:

صدقت یا آدم انه لاحب الخلق الیّ و اذ سألتني بحقه فقد غفرت لک و لولا محمد ما خلقتک. زاد الطبراني و هو اٰخر الانبياء من ذريتک.

اے آدم! تو نے سچ کہا بیشک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے اور جب تو نے مجھے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لیے مغفرت فرمائی، اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔طبرانی نے یہ اضافہ کیا: وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا نبی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔" (فتاویٰ رضویہ ۱۵/۶۳۳)

حضرت ادریس علیہ السلام کا واقعہ:

امام قرطبی نے اپنی تفسیر "**الجامع لاحكام القرآن**" میں "**و رفعناه مكانا عليا**" کے تحت حضرت وہب بن منبہ کی روایت سے ایک واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے، جس میں حضرت ادریس علیہ السلام کی وقتی موت، پھر آسمان پر اٹھائے جانے اور جنت میں جا کر وہیں پر رک جانے کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے، اس روایت کو ابن کثیر نے **البدايه و النهايه** میں کعب احبار سے ذکر کر کے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے:

"**و هٰذا من الاسرائيليات و في بعضه نكارة**"

(الاسرائیلیات واثرہا فی التفسیر ص ۳۰۹)

امام اہل سنت نے اس واقعہ کو الملفوظ حصہ چہارم کے صفحہ ۴۱ پر بیان کیا ہے، اور اس پر کچھ کلام نہیں فرمایا ہے، جو ان کے یہاں مقبول و صحیح ہونے کی دلیل ہے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

" آپ کے واقعہ میں علما کو اختلاف ہے، اتنا تو

ایمان ہے کہ آپ آسمان پر تشریف فرما ہیں، قرآن عظیم میں ہے: **و رفعنٰہ مکانا علیا** ۔ہم نے ان کو بلند مقام پر اٹھا لیا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ بعد موت آپ آسمان پر تشریف لے گئے ۔ایک روایت میں یہ ہے، ایک بار آپ دھوپ کی شدت میں تشریف لے جارہے تھے، دو پہر کا وقت تھا آپ کو سخت تکلیف ہوئی ،خیال فرمایا کہ جو فرشتہ آفتاب پر موکل ہے اس کو کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی ،عرض کی اے اللہ اس فرشتہ پر تخفیف فرما، فوراً دعا قبول ہوئی اور اس پر تخفیف ہوگئی، اس فرشتہ نے عرض کیا، یا اللہ مجھ پر تخفیف کس طرف سے آئی ، ارشاد ہوا میرے بندے ادریس نے تیری تخفیف کے واسطے دعا کی تو میں نے اس کی دعا قبول کی، عرض کی مجھے اجازت دے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں ،اجازت ملنے پر حاضر ہوا ،تمام واقعہ بیان کیا اور عرض کیا کہ حضرت کا کوئی مطلب ہو تو ارشاد فرمائیں، فرمایا ایک مرتبہ جنت میں لے چلو، عرض کی یہ تو میرے قبضہ سے باہر ہے ،لیکن عزرائیل ملک الموت سے میرا دوستانہ ہے، ان کو لاتا ہوں شاید کوئی تدبیر چل جائے ۔غرض عزرائیل علیہ السلام آئے، آپ نے ان سے فرمایا، انہوں نے عرض کیا، حضور بغیر موت کے تو جنت میں جانا نہیں ہوسکتا، فرمایا روح قبض کرلو، انہوں نے بحکم خدا ایک آن کے لیے روح قبض کی اور فوراً جسم میں ڈال دی، آپ نے فرمایا مجھ کو دوزخ و جنت کی سیر کراؤ، حضرت عزرائیل علیہ السلام دوزخ پر لائے ،طبقات جہنم کھلوائے ، آپ دیکھتے ہی بیہوش ہوکر گر پڑے ،عزرائیل علیہ السلام وہاں سے لے آئے ، جب ہوش ہوا تو عرض کیا یہ تکلیف آپ نے اپنے ہاتھوں سے اٹھائی پھر جنت میں لے گئے ، وہاں کی سیر کرنے کے بعد عزرائیل علیہ السلام نے چلنے کے واسطے عرض کیا، آپ نے التفات نہ فرمایا، پھر دوبارہ عرض کیا، آپ نے جواب نہ دیا، جب پھر انہوں نے عرض کیا تو فرمایا، اب چلنا کیسا، جنت میں آکر بھی کوئی واپس جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو ان دونوں میں فیصلہ کرنے کے واسطے بھیجا، اس نے آکر پہلے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے سارا واقعہ سنا پھر آپ سے دریافت کیا کہ آپ کیوں نہیں تشریف لے جاتے ،ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **کل نفس ذائقة الموت** ،اور میں موت کا مزا چکھ چکا ہوں ،اور فرماتا ہے: **و اِنْ منكم اِلّا واردُها** ،تم میں سے ہر ایک جہنم کی سیر کرے گا اور میں جہنم کی بھی سیر کر آیا، اور فرماتا ہے، **و ما هم منها بخارجين** ،اور وہ لوگ جنت سے کبھی نہ نکلیں گے، اب میں جنت میں آگیا ،کیوں جاؤں، حکم ہوا میرا بندہ ادریس سچا ہے، اس کو چھوڑ دو۔(الملفوظ ۴/۴۱،۴۲)

تحقیق حقیق بالقبول:

مذکورہ آیت ''**ورفعناه مكانا عليا** ''میں رفع سے مراد ایک قول کے مطابق رفع معنوی ہے ،اس قول کو علامہ بیضاوی اور علامہ سعدی نے اختیار کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ رفع سے مراد رفع حسی حقیقی ہے، اختلاف اس میں ہے کہ یہ رفع کہاں تک تھا اور رفع کا واقعہ کیا ہے، رفع کے بعد آپ کو موت آئی یا آپ ابھی زندہ ہیں، چنانچہ ابن جریر طبری نے ایک غیر معلوم بلند مقام پر، کچھ حضرات نے چھٹے آسمان پر، جب کہ کچھ حضرات نے چوتھے آسمان پر رفع کا قول کیا ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر نے چوتھے آسمان تک ،امام عوفی نے ابن عباس کی روایت سے چھٹے آسمان تک، اور حسن نے جنت تک رفع کا قول کیا ہے، حافظ ابن حجر نے آپ کے رفع و حیات دونوں کا قول کیا ہے، چوتھے آسمان پر اٹھائے جانے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام مسلم نے واقعۂ معراج کے باب میں ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اس میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ چوتھے آسمان پر پہونچے تو وہاں آپ کی ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی، اس سے

معلوم ہوا کہ حضرت ادریس چوتھے آسمان پر باحیات ہیں، اس کا ذکر حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جلد ا صفحہ ۱۰۰ پر کیا ہے۔

بہت سارے مفسرین نے حضرت ادریس کے رفع وحیات کا قول کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر، صاحبین جلالین، امام طبری، امام قرطبی نے اس واقعہ کو مختلف لفظوں میں اپنی اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ادریس کے آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ صحیح ہے، صاحب روح البیان نے بھی اس واقعہ کو تفسیر روح البیان میں بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ ''**واذکر فی الکتاب ادریس**'' کے تحت بہت ساری سندوں سے اس واقعہ کی صداقت کا ذکر کیا ہے، لہٰذا مذکورہ واقعہ کو اسرائیلی خرافات قرار دینا محل نظر ہے اور امام اہل سنت نے اس باب میں جو کچھ بیان کیا ہے وہی زیادہ صحیح ہے۔

کوہ قاف اور زلزلہ کا سبب:

ارشاد ربانی ہے ''**ق ، والقرآن المجید**'' اس آیت کے تحت صاحب درمنثور وغیرہ نے حضرت ابن عباس سے بہت ساری روایتیں ذکر کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس روئے زمین کے پار ایک سمندر پیدا فرمایا ہے جو زمین کو محیط ہے، اس سمندر کے بعد ایک پہاڑ پیدا فرمایا ہے جس کو ''قاف'' کہا جاتا ہے، اسی پر آسمان دنیا جھکا ہوا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے اور ان سے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑ پیدا فرمایا ہے جو عالم کو گھیرے ہوئے ہے، اور اس کے ریشے اور جڑیں اس چٹان تک پھیلی ہیں جس پر زمین قائم ہے، تو جب اللہ تعالیٰ کہیں پر زلزلہ لانا چاہتا ہے، کوہ قاف کو حکم دیتا ہے وہ اپنے ریشوں کو حرکت دیتا ہے، وہاں پر زلزلہ آتا ہے۔

اس روایت کو مفسرین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے، ڈاکٹر ابوشہبہ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے، اور بنو اسرائیل کے خرافات کا حصہ بتایا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس واقعہ کے انکار کی تائید ابن کثیر اور امام بغوی کے اقوال سے بھی پیش کی ہے، چنانچہ ابن کثیر نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:

''**و قد روی عن السلف أنهم قالوا (ق) جبل محیط بجمیع الارض یقال له : جبل قاف و کان هٰذا -والله اعلم- من خرافات بنی اسرائیل التی اخذ عنهم بعض الناس، لما رأی من جواز الروایة عنهم مما لا یصدق و لا یکذب**'' (تفسیر ابن کثیر ۸/۷/۳)

امام اہل سنت نے اس روایت پر اعتماد فرمایا ہے، اور ایک استفتا کے جواب میں آپ نے زلزلہ آنے کا سبب اصلی گناہ کو قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کا سبب ظاہری بحکم الٰہی کوہ قاف کا اپنے ریشوں کو حرکت دینا ہے۔ رہی بات زمین میں بخارات کے الٹنے پلٹنے اور ان کے باہر نکلنے سے زلزلہ آنے کی تو امام اہل سنت نے اس کا انکار نہیں فرمایا ہے بلکہ اس کو بھی کوہ قاف کے ریشوں کی حرکت کا مسبب مانا ہے۔ امام اہل سنت کے الفاظ یہ ہیں:

''اور وجہ وقوع کوہ قاف کے ریشہ کی حرکت ہے۔ حق سبحٰنہ و تعالیٰ نے تمام زمین کو محیط ایک پہاڑ پیدا کیا ہے جس کا نام قاف ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کے ریشے زمین میں نہ پھیلے ہوں۔ جس طرح پیڑ کی جڑ بالائے زمین تھوڑی سی جگہ میں ہوتی ہے اس کے ریشے زمین کے اندر بہت دور تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں کہ اس کے لیے وجہ قرار ہوں اور آندھیوں میں گرنے سے روکیں۔ پھر پیڑ جس قدر بڑا ہوگا اتنی ہی زیادہ دور تک اس کے ریشے گھیریں گے۔ جبل قاف جس کا دور تمام کرۂ زمین کو اپنے لپیٹ میں لیے ہے، اس کے ریشے ساری زمین میں اپنا جال بچھائے ہیں۔ کہیں اوپر ظاہر ہوکر پہاڑیاں ہو گئے کہیں سطح تک آ کر تھم رہے جسے زمین سنگلاخ کہتے ہیں۔ کہیں زمین کے اندر ہے قریب یا بعید ایسے کہ پانی کی چوان سے بھی بہت نیچے ان مقامات میں زمین کا بالائی حصہ دور تک نرم مٹی رہتا ہے۔ جسے عربی میں سہل کہتے ہیں۔ ہمارے قرب کے عام بلاد ایسے ہی ہیں مگر اندر اندر قاف کے رگ و ریشہ سے کوئی جگہ خالی نہیں، جس جگہ زلزلہ کے لیے ارادۂ الٰہی عزوجل ہوتا ہے۔ و

العیاذ برحمۃ ثمہ برحمۃ رسولہ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی پناہ اس کی رحمت کے ساتھ اس کے رسول اللہ کی رحمت کے ساتھ۔ت) قاف کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے وہاں کے ریشے کو جنبش دیتا ہے۔ صرف وہیں زلزلہ آئے گا جہاں کے ریشے کو حرکت دی گئی۔ پھر جہاں خفیف کا حکم ہے اس کے محاذی ریشہ کو آہستہ ہلاتا ہے اور جہاں شدید کا امر ہے وہاں بقوت، یہاں تک کہ بعض جگہ صرف ایک دھکا سا لگ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اور اسی وقت دوسرے قریب مقام کے درودیوار جھونکے لیتے ہیں اور تیسری جگہ زمین پھٹ کر پانی نکل آتا ہے۔ یا عنف حرکت سے مادۂ کبریتی مشتعل ہوکر شعلے نکلتے ہیں چیخوں کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کی پناہ، ت) زمین کے نیچے رطوبتوں میں حرارت شمس کے عمل سے بخارات سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور بہت جگہ دخانی مادہ ہے، جنبش کے سبب منافذ زمین متسع ہوکر وہ بخار و دخان نکلتے ہیں، طبیعات میں پاؤں تلے کی دیکھنے والے انہیں کے ارادۂ خروج کو سبب زلزلہ سمجھنے لگے حالانکہ ان کا خروج بھی سبب زلزلہ کا مسبب ہے۔

امام ابو بکر ابن ابی الدنیا اور ابو الشیخ کتاب العظمہ میں حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

"قال خلق اللہ جبلا یقال لہ قاف محیط بالعالم و عرقہ الی الصخرۃ التی علیھا الارض، فاذا اراد اللہ ان یزلزل قریۃ امر ذلک الجبل، فحرک العرق الذی یلی تلک القریۃ فیزلزلھا و یحرکھا فمن ثم تتحرک القریۃ دون القریۃ"

"اللہ عزوجل نے ایک پہاڑ پیدا کیا جس کا نام ق ہے، وہ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے اس چٹان تک پھیلے ہیں جس پر زمین ہے جب اللہ عزوجل کسی جگہ زلزلہ لانا چاہتا ہے اس پہاڑ کو حکم دیتا ہے وہ اپنے اس جگہ کے متصل ریشے کو لرزش وجنبش دیتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ زلزلہ ایک بستی میں آتا ہے۔ دوسری میں نہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ ۲۷/۹۶)

ڈاکٹر ابوشہبہ نے کوہ قاف کے وجود کا انکار کیا ہے اور اس کی چند علتیں ذکر کی ہیں، پہلی تو یہ کہ یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے جو اسرائیلیات کو قبول کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی جلیل القدر صحابی کسی امر غیر معقول کی روایت کرے تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ امر غیر معقول مقررات شرع کے خلاف نہ ہو، ظاہر ہے کہ یہ روایت بھی کسی شرعی اصول سے متصادم نہیں، اس لیے یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہوگی۔

دوسری وجہ انکار یہ بتائی کہ یہ امر غیر معقول ہے کہ اس طرح کا کوئی پہاڑ ہو جس کے ریشوں کی حرکت سے زلزلہ آئے، اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں بہت ساری باتیں خلاف قیاس ہیں تو کیا اس بنیاد پر ان کا انکار جائز ہے؟

تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ پہاڑ اب تک کہیں مشاہدہ میں نہ آیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قصور نظر کی وجہ سے ہے، جدید تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ کوہ قاف جس کو کوہ قفقاز کہا جاتا ہے اور جو بحیرہ اسود اور بحیرہ قزوین کے درمیان خطۂ قفقاز کا ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو ایشیا اور یوروپ کو جدا کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں اس بات کو امام سیوطی نے درمنثور میں، امام ابن ابی حاتم رازی نے تفسیر ابن حاتم میں، اور صاحب تفسیر روح المعانی نے بلانکیر ذکر فرمایا ہے، جس سے امام اہل سنت کے نظریے کی تائید ہوتی ہے۔

جو کچھ اب تک پیش کیا گیا یہ بطور نمونہ اور مثال ہے، جس سے اس موضوع پر کام کرنے کی راہیں ہموار ہوں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

امام احمد رضا اور تقابل ادیان

مقالہ نگار

مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی (سیتامڑھی: بہار)

حضرت مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی بن عمیر احمد ۹؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۱؍ستمبر ۱۹۸۹ء کو موضع کسیّا پٹی، باج پٹی ضلع سیتامڑھی (بہار) میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔دارالعلوم غریب نواز (ناندیڑ: مہاراشٹر) میں درس نظامی کے متوسط درجات کی تعلیم حاصل کی۔جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) سے ۲۰۰۵ء میں عالمیت کی سند حاصل کی اور ۲۰۰۷ء میں جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) سے شعبہ فضیلت کی تکمیل کی، پھر شعبہ تقابل ادیان کی تکمیل کر کے جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (حیدرآباد) سے بی اے کی ڈگری حاصل کی، اور ڈپلوما ان جرنلزم کا کورس کیا۔فی الوقت جامعہ ملیہ (دہلی) میں ایم اے کر رہے ہیں۔دارالعلوم امام احمد رضا (رتنا گیری: مہاراشٹر)، دارالعلوم شاہِ ہمدان (پان پور: جموں وکشمیر) اور جامعۃ البرکات (علی گڑھ) وغیرہ میں تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔پچاسوں مقالات ومضامین تحریر فرمائے، جو مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوئے۔اردو وانگلش میں نصف درجن سے زائد کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔رتنا گیری میں اُردو رسالہ 'مسلم خاتون' کے کارگزار ایڈیٹر رہے شاہ ہمداں (کشمیر) کے ماہنامہ ''المصباح'' کے سابق مدیر ہیں۔جزیرۂ انڈمان میں ''علامہ فضل حق خیرآبادی فاؤنڈیشن'' قائم کیا جس کے تحت مسجد اور متعدد مکاتب کا قیام کیا۔موصوف کافی متحرک وفعال ہیں۔

رابطہ نمبر: 9679583583

امام احمد رضا اور تقابل ادیان

حضرت رضا بریلوی یعنی جامع علوم وفنون محدث مفسر فقیہ امام اَحمد رضا خاں فاضل بریلوی کی علمی شان اور ان کا علمی مرتبہ آج کی کثیر تعداد پر ظاہر و آشکارا ہے۔ کتنے علوم وفنون پر اُنھیں مہارت تھی، یہ خود ایک مستقل تحقیق کا موضوع ہے؛ البتہ! ہمارے نقطۂ نظر سے جب تک ان کی تمام کتابوں کی اشاعت نہیں ہو جاتی اس وقت تک تعداد متعین نہیں کی جا سکتی۔ ایک نہیں کئی درجن علوم وفنون میں حد درجہ مہارت رکھنے والی شخصیت کی وفات کے سو سال بعد بھی ان کی تمام کتابوں کو شائع نہیں کیا جا سکا یہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سیاہ باب ہی کہا جا سکتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے اپنے وقت میں عیسائیت کی تردید کا کارنامہ بھی انجام دیا ہے اور اِس سلسلے میں اُن کا مطالعۂ بائبل بھی گہرا معلوم ہوتا ہے، اگر چہ اس موضوع پر ان کی کوئی مستقل تصنیف ہمارے علم میں نہیں، لیکن فتاویٰ رضویہ میں ہمیں دو مقام اَیسے ملے ہیں جہاں بائبل کے حوالے ملتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں بائبل کے دو حوالے:

پہلا مقام فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۹ صفحہ ۴۰۲ پر یہ ہے:

”بائبل کی زبان ایسی پیچیدہ ہے کہ اور تو اور خود مصنف محرِّف کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۱ درس ۲۰ اور باب ۲۲ درس ۱ و ۲ میں لکھا وہ بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا۔ ۸ر برس بادشاہت کی اور جاتا رہا۔ داؤد کے شہر میں گاڑا گیا۔ یروشلم کے باشندوں نے اس کے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا۔ اخزیاہ ۴۲ر برس کی عمر میں بادشاہ ہوا۔ یعنی باپ ۴۰ر برس کی عمر میں مرا اُس وقت بیٹا ۴۲ر برس کا تھا۔ باپ سے دو برس پہلے پیدا ہولیا تھا۔ متی کی انجیل میں مسیح و داؤد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں ۲۶ پشتیں ہیں اور اس میں عدد بھی گنا دیا ہے کہ مسیح تا داؤد ۲۸ شخص ہیں۔ لیکن لوقا کی اِنجیل میں مسیح سے داؤد تک ۴۳ آدمی ہیں، ۱۵ پشتیں زائد اور اسما بھی بالکل نامطابق، ایضاً انجیل متی باب ۵ درس ۱۷: یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے آیا ہوں، نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں۔ درس ۱۸ کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان وزمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا۔ یہاں تو نسخ کا اس شدت سے انکار ہے اور جا بجا انجیل ہی میں نسخِ احکامِ توریت کا اظہار ہے۔ اسی انجیل کے اسی باب درس ۳۱، ۳۲ میں ہے: یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاق نامہ لکھ دے پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اُس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے۔ ایضاً درس ۳۳ و ۳۴ تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کر، پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھانا۔ ایضاً درس ۳۸ و ۳۹ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ ایضاً باب ۱۹ درس ۸ و ۹ موسیٰ نے جو روؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر میں تم سے کہتا ہوں جو

کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے۔ یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۲ تا ۱۲ میں ہے ان کے سوا بہت نظائر تناقض و نافہمی کے ہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۳)

دوسرا مقام جہاں فتاویٰ رضویہ میں بائبل کا رد ملتا ہے وہ آپ کا مشہور رسالہ ''الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام'' کے آخر میں یہ مقام ہے:

خدارا انصاف، وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے گودن کہ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں، ایک خدا کے تین مانیں، پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں، بے مثل بے کفو کے لیے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں، اس کی پاک باندی ستھری کنواری پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں، پھر خاوند کی حیات خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہوا سے دوسرے کا گائیں، خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے لوٹیوں کے بھوکے روٹی کو اس کا گوشت بنا کر دردر چبائیں، شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں، دنیا یوں گزری اُدھر موت کے بعد کفار کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بجھوائیں، لعنتی کہیں ملعون بنائیں، اے سبحان اللہ! اچھا خدا جسے سولی دی جائے، عجب خدا جسے دوزخ جلائے۔ طرفہ خدا جس پر لعنت آئے جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے، اے سبحان اللہ! باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی، باپ خدا بیٹا کس کھیت کی مولی، باپ کی جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ، سرکشوں کو چھٹی بے گناہ پر آگ، امتی ناجی رسول ملعون، معبود پر لعنت بندے ماموں۔ تف تف وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں، اسی کے گوشت پر دانت رکھیں، اف اف وہ گندے جو انبیاء ورسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں، سخت فحش بیہودہ کلام گھڑیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں، زِہ زِہ بندگی خَہ خَہ بندگی خَہ خَہ تعظیم، پَہ پَہ تہذیب قَہ قَہ تعلیم (مثال کے لیے دیکھو بائبل پرانا عہد نامہ یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۳۲ ورس ۱۵ تا ۱۸ خدا کا معاذ اللہ زنا کی خرچی کو مقدس ٹھہرانا اور اپنے مقربوں کے لیے اسے چن رکھا کہ کھائیں اور مستائیں۔ ایضاً کتاب پیدائش باب ۱۹ ورس ۳۰ تا ۳۸ سیدنا لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاذ اللہ اپنی دختروں سے زنا کرنا بیٹیوں کا باپ سے حاملہ ہوکر بیٹے جننا۔ ایضاً کتاب دوم شمویل نبی باب ۱۱ درس ۲ تا ۵ سیدنا داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا اپنے ہم سائے کی خوبصورت جورو کو ننگی نہاتے دیکھ کر بلانا اور معاذ اللہ اس سے زنا کرکے پیٹ رکھانا۔'' (جلد ۲۶/۴۸۲۔۴۸۴)

محدث بریلوی نے بائبل کی جن چیزوں کو اپنے فتووں میں ذکر کیا ہے اُن کو دو عنوانات (۱) 'بائبل میں تعارضات' اور (۲) 'بائبل کی عجیب وغریب باتیں' کے تحت سمیٹا جاسکتا ہے۔ ہم اُن کی وضاحت بائبل کے اقتباسات کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

فصل اول: بائبل میں تعارضات:

محدث بریلوی نے سب سے پہلے بائبل کے ایک ناقابل دفع تعارض کی طرف اشارہ کیا جس کے لیے تواریخ دوم کے باب ۲۱ اور ۲۲ کا حوالہ دیا جو درج ذیل ہے۔

(۱) بیٹا باپ سے دو سال بڑا

رضا بریلوی نے تواریخ دوم باب ۲۱ آیت نمبر ۲۰ تا باب ۲۲ آیت نمبر ۲ کے حوالے کے ساتھ یہ لکھا کہ بائبل کے اس آدھے صفحے میں زبردست تعارضات ہیں۔ لیکن ہم سمجھ کی آسانی کے لیے چار آیات قبل سے بائبل کا اقتباس نقل کرتے ہیں:

"Moreover the LORD stirred up against Jehoram the spirit of the Philistines, and of the Arabians, that [were] near the Ethiopians: And they came up into Judah, and brake into it, and carried away all the substance that was found in the king's house, and his sons also, and his wives; so that there was never a son left him, save Jehoahaz, the youngest of his sons. And after all this the LORD smote him in his bowels with an incurable disease. And it came to pass, that in process of time, after the end of two years, his bowels fell out by reason of his sickness: so he died of sore diseases. And his people made no burning for him, like the burning of his fathers. Thirty and two years old was he when he began to reign, and he reigned in Jerusalem eight years, and departed without being desired. Howbeit they buried him in the city of David, but not in the sepulchres of the kings. And the inhabitants of Jerusalem made Ahaziah his youngest son king in his stead: for the band of men that came with the Arabians to the camp had slain all the eldest. So Ahaziah the son of Jehoram king of Judah reigned. Forty and two years old [was] Ahaziah when he began to reign, and he reigned one year in Jerusalem. His mother's name also [was] Athaliah the daughter of Omri."
(2 Chronicles: 21/16-22/2, 2Kings: 8/25-26, 9/29, KJV, TBR, BSI, Bangluru, 2008)

''اور خُداوند نے یہُورام کے خِلاف فِلستیوں اور اُن عربوں کا جو کُوشیوں کی سمت میں رہتے ہیں دِل اُبھارا۔ سو وہ یہُوداہ پر چڑھائی کر کے اُس میں گھس آئے اور سارے مال کو جو بادشاہ کے گھر میں مِلا اور اُس کے بیٹوں اور اُس کی بیویوں کو بھی لے گئے اَیسا کہ یہُوآخز کے سِوا جو اُس کے بیٹوں میں سب سے چھوٹا تھا اُس کا کوئی بیٹا باقی نہ رہا۔ اور اِس سب کے بعد خُداوند نے ایک لاعِلاج مرض اُس کی انتڑیوں میں لگا دِیا۔ اور کُچھ مُدّت کے بعد دو برس کے آخر میں اَیسا ہُوا کہ اُس کے روگ کے مارے اُس کی انتڑیاں نِکل پڑیں اور وہ بُری بیماریوں سے مَر گیا اور اُس کے لوگوں نے اُس کے لیے آگ نہ جلائی جَیسا اُس کے باپ دادا کے لیے جلاتے تھے۔ وہ بتّیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا اور اُس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی اور وہ بغَیر ماتم کے رُخصت ہُوا اور اُنھوں نے اُسے داؤد کے شہر میں دفن کِیا پر شاہی قبروں میں نہیں۔ اور یروشلیم کے باشِندوں نے اُس کے سب سے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اُس کی جگہ بادشاہ بنایا کیوں کہ لوگوں کے اُس جتھے نے جو عربوں کے ساتھ چھاؤنی میں آیا تھا سب بڑے بیٹوں کو قتل کر دِیا تھا۔ سو شاہِ یہُوداہ یہُورام کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ ہُوا۔ اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے یروشلیم میں ایک برس سلطنت کی۔ اُس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو عُمری کی بیٹی تھی۔'' (تواریخ دوم: ۱۶/۲۰ تا ۲/۲۱، سلاطین دوم: ۲۵/۸-۲۶، ۲۹/۹)

یعنی یہورام (اخزیاہ کا باپ) جب بنی اسرائیل کا بادشاہ بنا تو اس کی عمر بتّیس (۳۲) برس تھی، اس نے آٹھ سال حکومت کی اور چالیس (۴۰) برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس کی موت کے بعد بنی اسرائیل کے لوگوں نے اس کے سب سے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو بادشاہ بنالیا۔ جس وقت اخزیاہ بادشاہ بنا اس کی عمر بیالیس (۴۲) برس تھی۔ اس نے صرف ایک سال حکومت کی اور دنیا سے چل بسا۔ مطلب ایک سال پہلے جب اِخزیاہ کا باپ صرف چالیس سال کی عمر میں دنیا سے گیا تھا اور اخزیاہ بادشاہ بنا تھا اس وقت اِخزیاہ کی اپنی عمر بیالیس (۴۲) برس تھی۔ یعنی بیٹا باپ سے دو سال بڑا تھا اور وہ اپنے ہی باپ سے دو سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے۔ ایسا دانا شاید ہی ملے جو اِس پر نہ مسکرائے۔

ایک شبہ:۔ محدث بریلوی کی اس تحریر پر ایک اعتراض بھی کیا جاسکتا

ہے کہ انھوں نے اپنے اعتراض کی بنیاد جس نکتے پر رکھی ہے وہ نقطہ ہی موجود نہیں ہے تو اعتراض کا کیا مطلب؟ یعنی انھوں نے یہ لکھا ہے کہ تواریخ دوم (۲۰/۱۶ تا ۲/۲۱) کے مطابق باپ یعنی یہورام جب مرا تو اُس کی عمر چالیس سال تھی اور اس کی موت کے فوراً بعد اس کا بیٹا اخزیاہ تخت نشیں ہوا جو اُس وقت 'بیالیس سال' کا تھا، مگر اخزیاہ اس وقت 'بیالیس سال' کا نہیں بلکہ صرف 'بائیس سال' کا تھا جیسا بائبل میں لکھا ہوا ہے۔

اِزالہ:۔ یہ صورت حال اُس وقت ہمارے سامنے بھی آئی تھی جب ہم نے ٹیلی فونک مذاکرے میں ایک عیسائی پادری کے سامنے یہ بات رکھی۔ ہم نے اُنھیں بائبل کے مذکورہ اقتباس کو پڑھنے کہا تو اُنھوں نے بائبل سوسائٹی ہند سے شائع ہندی بائبل کے الفاظ پڑھ کر سنائے جس میں 'بائیس سال' کا لفظ ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے تو ہمیں یقین نہیں آیا اور یہ محسوس ہوا کہ کچھ نہ کچھ غلطی اُس مسیحی بھائی سے ہو رہی ہے، مگر دوران گفتگو ہی اپنے پاس موجود ہندی بائبل کو دیکھا تو ماضی کے تجربے کی روشنی میں بہت کچھ سمجھ میں آ گیا جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

علمی خیانت کا انکشاف:

مختلف بائبلوں میں اس مقام پہ یہورام کے بیٹے اِخزیاہ (Ahaziahअहज़्याह) کی عمر کے سلسلے میں تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس موجود متعدد بائبلوں میں 'بیالیس سال' (Forty Two Years) کے الفاظ ملتے ہیں۔ جب کہ چند بائبلوں میں تاج پوشی کے وقت اِخزیاہ کی عمر صرف 'بائیس سال' (Twenty Two Years) ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یعنی جب اس کا باپ چالیس سال کی عمر میں مرا تو وہ بائیس سال کا تھا، اور ایسا ممکن ہے کہ باپ بیٹے کی عمر میں صرف اٹھارہ سالوں کا فرق ہو۔ اس حالت میں تناقض کا یہ الزام خود بخود ختم ہو جائے گا اور محدث بریلوی کے اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی مگر معاملہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ بائبل کے کچھ ایڈیشنوں میں جہاں 'بائیس سال' لکھا ہے وہیں بہت سے ایڈیشن میں 'بیالیس سال' لکھا ہے۔ اُس کے علاوہ یہ کہ 'بائیس برس' کا لفظ لکھنے والے خود مطمئن نہیں ہیں جیسا کہ ان کے حوالے کے ساتھ نقل کیا جائے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ جس دلیل کی بنیاد پر انھوں نے لفظ 'بائیس' ترجمہ کیا ہے وہ دلیل نہ صرف کم زور ہے بلکہ مردہ ہے۔ تفصیلات آئندہ صفحات میں۔ آیئے! پہلے اِسے ملاحظہ فرمالیں کہ کس بائبل نے کتنا لکھا ہے:

(۱۔۲) بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور، ہند کی اِکائی دی ٹیک روم کی جانب سے شائع بائبل کا معتبر ترین نسخہ 'کنگ جیمس ورشن' (KJV) کاپی رائٹ ۲۰۰۸ء اور اِسی سوسائٹی کی اردو بائبل بنام 'کتاب مقدس' کاپی رائٹ ۲۰۰۹ء کے اقتباسات گذر چکے ہیں کہ جب یہورام چالیس سال کی عمر میں فوت ہوا تو اس کا سب سے چھوٹا بیٹا اخزیاہ تخت نشیں ہوا جو اس وقت 'بیالیس سال' کا تھا، یعنی باپ سے دو سال بڑا تھا۔

(۳) نیو کنگ جیمس ورشن، ناشر دی گِڈینس انٹرنیشنل اِن انڈیا، سکندر آباد (The Gideons International in India, Secunderabad) کاپی رائٹ ۲۰۰۹ء میں بھی تاج پوشی کے وقت اخزیاہ کے 'بیالس برس' کا ہونے کا ذکر ہے:

> "02. Ahaziah was forty-two years old when he became king, and he reigned one year in Jerusalem. His mother's name was Athaliah the granddaughter of Omri." (2Chronicles 22/2, 2Kings: 8/25-26, 9/29)

ترجمہ: ''اخزیاہ جب بادشاہ بنا، وہ بیالیس سال کا تھا۔ اس نے یروشلم میں ایک سال حکومت کی۔ اس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو عُمری کی پوتی تھی۔''

(۴) ہو بہو یہی انگریزی عبارت اس نیو کنگ جیمس ورشن میں بھی ہے جسے بائبل ڈاٹ کام نے 'کاپی رائٹ تھامس نیلسن اِنکارپوریٹ ۱۹۸۲ء، © 1982 by Thomas Nelson, Inc.' کے نوٹ کے ساتھ انٹرنیٹ پر اَپلوڈ کیا ہے۔

(۵) نیو انٹرنیشنل ورشن مطبوعہ انٹرنیشنل بائبل سوسائٹی، نیوجرسی، امریکہ کاپی رائٹ ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۴ء میں ترجمہ کا متن (بائیس) اور اس کا حاشیہ ('بیالیس' اور 'بائیس' کے بھنور میں پھنس کر) اَلگ اَلگ بیان دے رہے ہیں:

"02. Ahaziah was twenty-two years old when he became king, and he reigned in Jerusalem one year. His mother's name was Athaliah, a granddaughter of Omri." (2Chronicles 22/2, 2Kings: 8/25-26, 9/29)

ترجمہ: ''اخزیاہ جب بادشاہ بنا، وہ بائیس سال کا تھا۔ اس نے یروشلم میں ایک سال حکومت کی۔ اس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو عُمری کی پوتی تھی۔''

متن کے اقتباس کے مطابق جس وقت اخزیاہ بادشاہ بنا اس وقت وہ بائیس سال کا تھا، البتہ! اس ترجمے پر خود ترجمہ نگار کا یہ حاشیہ بھی قابل مطالعہ ہے:

"Some Septuagint manuscripts and Syriac (see also 2 Kings 8:26); Hebrew forty-two"

''بعض یونانی اور سُریانی مخطوطات (اور سلاطین دوم: ۲۶/۸) میں بائیس کا تذکرہ ہے، جب کہ عبرانی میں بیالیس ہے۔''

بائبل کی کتاب تواریخ دوم کے جس باب اور اقتباس کا حوالہ دیا گیا ہے، اس پر تفصیلی گفتگو اگلے کچھ صفحات بعد۔ ان شاء اللہ

(۶) نیو اِنٹرنیشنل ورشن کی طرح گڈ نیوز بائبل ٹوڈیز انگلش ورشن، مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور، ہند، سن ۲۰۱۶۔ ۲۰۱۷ء، کاپی رائٹ اَمریکی بائبل سوسائٹی کا حاشیہ اور متن بھی 'بائیس' اور 'بیالیس' کے درمیان گردش کررہے ہیں:

"2-3 Ahaziah became king at the age of twenty-two and he ruled in Jerusalem for one year. Ahaziah also followed the example of King Ahab's family, since his mother Athaliah — the daughter of King Ahab and granddaughter of King Omri of Israel — gave him advice that led him into evil."
(2Chronicles 22/2, 2Kings: 8/25-26, 9/29)

''اخزیاہ بائیس سال کی عمر میں بادشاہ بنا اور یروشلم پر ایک سال حکومت کی۔ یہ بھی اخی اب کے گھرانے کی راہ پر تھا، کیوں کہ اس کی ماں عتلیاہ جو اخی اب بادشاہ کی بیٹی اور اسرائیل کے عُمری بادشاہ کی پوتی تھی' اُس نے اسے غلط مشورے دیے اور اس کو برائی کی راہ پر ڈال دیا۔''

ذرا اس کے حاشیے کو بھی دیکھ لیں:

"Some ancient translations (and see 2 Kgs 8.26) twenty-two; Hebrew forty-two."

''کچھ قدیم ترجموں (اور سلاطین دوم: ۲۶/۸) میں بائیس کا تذکرہ ہے، جب کہ عبرانی میں بیالیس کا ذکر ہے۔''

(۷) گڈ نیوز ورشن اور نیو انٹرنیشنل ورشن کی طرح معاصر انگریزی ورشن (CEV) مطبوعہ امریکی بائبل سوسائٹی کاپی رائٹ ۱۹۹۵ء کے متن اور حاشیے میں بھی مختلف چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

"02. He was twenty-two years old at the time, and he ruled only one year from Jerusalem. Ahaziah's mother was Athaliah, a granddaughter of King Omri of Israel." (2Chronicles 22/2, 2Kings:8/25-26, 9/29, CEV, ABS, NY, USA, ©1995)

ترجمہ: ''تاج پوشی کے وقت وہ بائیس سال کا تھا، اس نے یروشلم پر ایک سال حکمرانی کی، اس کی ماں عتلیاہ اِسرائیل کے راجا عُمری کی پوتی تھی۔''

اِس ترجمہ اور ترجمہ نگار کا بھی حاشیہ ملاحظہ فرمائیں:

"Twenty-two: One ancient translation (see also 2 Kings 8.26); Hebrew "forty-two."

''ایک قدیم ترجمے (اور سلاطین دوم: ۲۶/۸) میں 'بائیس' جب کہ عبرانی میں 'بیالیس' ہے۔''

اس طرح کے تمام حاشیوں پر مزید تفصیل کچھ صفحات

بعد۔ان شاءاللہ

(۸) پوتر بائبل (مطبوعہ ہندی ساہتیہ سمیتی، الٰہ آباد، یوپی، بھارت، کاپی رائٹ ۱۹۹۱ء) میں بھی تخت نشینی کے وقت کی عمر 'بائیس' برس لکھی ہے:

"जब अहज़्याह राजा बना तो उसकी अवस्था बाईस वर्ष थी, उसने येरुसालेम में एक वर्ष शासन किया, उसकी माता का नाम अतल्या था, जो ओम्री की पौत्री थी। ."

ترجمہ: ''جب اخزیاہ راجا بنا تو اس کی عمر بائیس سال تھی، اس نے یروشلم میں ایک سال حکومت کی۔اس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو عُمری کی پوتی تھی۔''

(۹) ہندی بائبل (مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور، ہند، سن ۲۰۱۰ء) میں بھی تاج پوشی کے وقت کی اس کی عمر 'بائیس برس' مسطور ہے:

"02 जब अहज्याह राजा हुआ, तब वह बाईस वर्ष का था, और यरूशलेम में एक ही वर्ष राज्य किया, और उसकी माता का नाम अतल्याह था, जो ओम्री की पोती थी।" (इतिहास: 22/2)

''جب وہ بادشاہ بنا تو بائیس سال کا تھا، یروشلم پر اس نے ایک ہی سال حکومت کی، اس کی ماں نام عتلیاہ تھا جو عُمری کی پوتی تھی۔''

اس مقام پر بائبل سوسائٹی ہند کی اس ہندی بائبل میں یہ حاشیہ لکھا ہے:

"कुछ प्राचीन हस्तलेखों और 2राजाः 8/26 में, बाईस; इब्रानी में बयालीस।"

''بعض قدیم مخطوطات اور سلاطین دوم: ۲۶/۸ میں 'بائیس' جب کہ عبرانی میں 'بیالیس' ہے۔''

مطلب یہ راہ آسان نہیں ہے۔خود بائبل کے مترجمین اتنے زیادہ پریشان ہیں کہ اللہ کی پناہ!!!!

(۱۰) وَرڈ پاکٹ ڈاٹ کام پہ اَپلوڈ ہندی بائبل کے مطابق جس وقت یہورام کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ بنا اس کی عمر 'بیالیس' سال تھی:

"20. वह जब राज्य करने लगा, तब बत्तीस वर्ष का था, और यरूशलेम में आठ वर्ष तक राज्य करता रहा; और सब को अप्रिय हो कर जाता रहा। और उसको दाऊदपुर में मिट्टी दी गई, परन्तु राजाओं के कब्रिस्तान में नहीं। 01. तब यरूशलेम के निवासियों ने उसके लहुरे पुत्र अहज्याह को उसके स्थान पर राजा बनाया; क्योंकि जो दल अरबियों के संग छावनी में आया था, उसने उसके सब बड़े बड़े बेटों को घात किया था सो यहूदा के राजा यहोराम का पुत्र अहज्याह राजा हुआ। 02. *जब अहज्याह राजा हुआ, तब वह बयालीस वर्ष का था,* और यरूशलेम में एक ही वर्ष राज्य किया, और उसकी माता का नाम अतल्याह था, जो ओम्री की पोती थी।"

(ww.wordpocket.com/in/14/21.htm)

''وہ بتّیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا اور اُس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی اور وہ بغیر ماتم کے رُخصت ہُوا اور اُنھوں نے اُسے داؤد پور میں دفن کیا پر شاہی قبروں میں نہیں۔ اور یروشلیم کے باشندوں نے اُس کے سب سے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اُس کی جگہ بادشاہ بنایا کیوں کہ لوگوں کے اُس جتھے نے جو عربوں کے ساتھ چھاؤنی میں آیا تھا سب بڑے بیٹوں کو قتل کر دیا تھا۔سو شاہِ یہُوداہ یہُورام کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ ہُوا۔ اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے یروشلیم میں ایک برس سلطنت کی۔اُس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو عُمری کی پوتی تھی۔'' (تواریخ دوم: ۲۰/ ۲۰۔ ۲۱/ ۲، سلاطین دوم: ۲۶۔۲۵/۸، ۲۹/۹)

(۱۱) وَرڈ پروجیکٹ ڈاٹ کام پہ اَپلوڈ ہندی بائبل کے مطابق بھی جس وقت یہورام کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ بنا اس کی عمر بیالیس سال تھی:

"20 वह जब राज्य करने लगा, तब बत्तीस वर्ष का था, और यरूशलेम में आठ वर्ष तक राज्य करता रहा; और सब को अप्रिय हो कर जाता रहा। और उसको दाऊदपुर में मिट्टी दी गई, परन्तु राजाओं के कब्रिस्तान में नहीं। 01 तब यरूशलेम के निवासियों ने उसके लहुरे पुत्र

अहज्याह को उसके स्थान पर राजा बनाया; क्योंकि जो दल अरबियों के संग छावनी में आया था, उसने उसके सब बड़े बड़े बेटों को घात किया था सो यहूदा के राजा यहोराम का पुत्र अहज्याह राजा हुआ। 02 *जब अहज्याह राजा हुआ, तब वह बयालीस वर्ष का था,* और यरूशलेम में एक ही वर्ष राज्य किया, और उसकी माता का नाम अतल्याह था, जो ओम्री की पोती थी।"

(www.wordproject.org/bibles/in/14/22.htm

''وہ بتّیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا اور اُس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی اور وہ بغیر ماتم کے رُخصت ہُوا اور اُنھوں نے اُسے داوٗد پور میں دفن کیا پر شاہی قبروں میں نہیں۔ اور یروشلیم کے باشندوں نے اُس کے سب سے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اُس کی جگہ بادشاہ بنایا کیوں کہ لوگوں کے اُس جتھے نے جو عربوں کے ساتھ چھاؤنی میں آیا تھا سب بڑے بیٹوں کو قتل کر دیا تھا۔ سو شاہِ یہُوداہ یہُورام کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ ہُوا۔ اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے یروشلیم میں ایک ہی برس سلطنت کی۔ اُس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو عمری کی پوتی تھی۔'' (تواریخ دوم:۲۰/۲۰۔۲/۲۱، سلاطین دوم:۲۵/۸۔۲۶،۲۹/۹)

(۱۲) بائبل ڈاٹ کام پہ اَپلوڈ مراٹھی بائبل (جس پر بائبل سوسائٹی ہند، ایم جی روڈ، بنگلور، ہند کے کاپی رائٹ ۲۰۱۵ء کی وضاحت کی گئی ہے) کے مطابق بھی جس وقت یہورام کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ بنا اس کی عمر بیالیس سال تھی:

"02 अहज्या राज्य करू लागला तेव्हा तो बेचाळीस वर्षांचा होता. त्याने यरुशलेमेत एक वर्ष राज्य केले. त्याच्या आईचे नाव अथल्या; ही अम्रीची नात.।"

(www.bible.com/bible/1686/2CH.22.MARATHI-BSI)

''جب اخزیاہ نے حکمرانی شروع کی تو وہ بیالیس سال کا تھا، اس نے یروشلم میں صرف ایک سال حکومت کی، اُس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو اسرائیلی ریاست کے راجا عُمری کی پوتی تھی۔''

ایک خاص بات یہ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اس مراٹھی ایڈیشن کو دکھانے سے پہلے ویب سائٹ یہ پیغام دیتا ہے:

"Marathi R.V. (Re-edited) Bible, पवित्र शास्त्र, Copyright © 2015 by The Bible Society of India Used by permission. All rights reserved worldwide."

''نظر ثانی شدہ مراٹھی بائبل، مقدس فرمان، کاپی رائٹ بائبل سوسائٹی ہند ۲۰۱۵ء، اس کی اجازت سے استعمال میں لایا گیا ہے، جملہ حقوق عالمی سطح پر محفوظ۔''

مطلب کافی غور و خوض اور پچھلے ایڈیشنوں پر کی گئی نظر ثانی کے بعد مراٹھی ترجمہ نگار بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بیالیس صحیح ہے اور دوسری بات یہ کہ بائبل کے وہ نسخے جو اُن کے پاس تھے، یا اُنھیں دستیاب ہو سکے، ان میں بھی اخزیاہ کی عمر بیالیس سال لکھی ہے۔

(۱۳) بائبل ڈاٹ کام پہ اَپلوڈ عربی بائبل (جس پر بائبل سوسائٹی مصر، کاپی رائٹ ۱۹۹۹ء کا نسخہ ہونے کی وضاحت ہے) کے مطابق جس وقت یہورام کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ بنا اس کی عمر بیالیس سال تھی:

"كَانَ أَخَزْيَا ابْنَ اثْنَتَيْنِ وَأَرْبَعِينَ سَنَةً حِينَ مَلِكَ، وَمَلِكَ سَنَةً وَاحِدَةً فِي أُورُشَلِيمَ، وَاسْمُ أُمِّهِ عَثَلْيَا بِنْتُ عُمْرِي ."

https://www.bible.com/hi/bible/13/2CH.22.AVD)

''جب اخزیاہ بادشاہ بنا وہ بیالیس سال کا تھا، اس نے یروشلم میں ایک سال حکومت کی، اُس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو عُمری کی بیٹی تھی۔''

اس انٹرنیٹ بائبل کے ہر صفحے کے نیچے یہ دو لائنیں بھی لکھی ہوئی ہیں:

"© 1999 Bible Society of Egypt"

"جميع حقوق الطبع محفوظة لدار الكتاب المقدس بمصر."

''بائبل سوسائٹی مصر کاپی رائٹ ۱۹۹۹ء۔ جملہ حقوقِ طباعت بحق درالکتاب المقدس مصر محفوظ ہیں۔''

(۱۴) بائبل ڈاٹ کام پہ اَپلوڈ کیتھولک مسیحی عربی بائبل (الترجمة الكاثوليكية اليسوعية، جس پر بائبل سوسائٹی لبنان کاپی رائٹ ۲۰۱۸ء کا نسخہ ہونے کی وضاحت ہے) کے مطابق بھی جس وقت یہورامؔ کا بیٹا اخزیاؔہ بادشاہ بنا اس کی عمر 'بیالیس سال' تھی۔ اس کے الفاظ ہو بہو وہی ہیں جو مصری بائبل کے ہیں:

"كَانَ أَخَزْيَا ابْنَ اثْنَتَيْنِ وَأَرْبَعِينَ سَنَةً حِينَ مَلِكَ، وَمَلِكَ سَنَةً وَاحِدَةً فِي أُورُشَلِيمَ، وَاسْمُ أُمِّهِ عَثَلْيَا بِنْتُ عُمْرِي .."

(www.bible.com/bible/1981/2CH.22_1%D8%AA%D9%83%D8%B9)

''جب اخزیاؔہ بادشاہ بنا وہ **<u>بائیس سال</u>** کا تھا، اس نے یروشلم میں ایک سال حکومت کی، اُس کی ماں کا نام عتلیاؔہ تھا جو **<u>عُمریؔ کی بیٹی</u>** تھی۔''

اس بائبل کے ہر انٹرنیٹ صفحے کے نیچے بھی یہ لائن لکھی ہوئی ہے:

"© Al-Machreq Print and Digital Jesuit Publishing House and Bible Society in Lebanon 2018"

''کاپی رائٹ المشرق پرنٹنگ اینڈ ڈیجٹل جیزوٹ پبلشنگ ہاؤس اینڈ بائبل سوسائٹی لبنان ۲۰۱۸ء۔''

(۱۵) بائبل ڈاٹ کام پہ اَپلوڈ ہندی بائبل (جس پر بائبل سوسائٹی ہند، ایم جی روڈ، بنگلور، ہند کے کاپی رائٹ ۲۰۰۰ء کا لیبل لگا ہے) کے مطابق بھی جس وقت یہورامؔ کا بیٹا اخزیاؔہ بادشاہ بنا اس کی عمر 'بائیس سال' تھی:

"02 जब उसने राज्य करना आरम्भ किया *<u>तब वह बाईस वर्ष का था</u>*। उसने राजधानी यरूशलेम में केवल एक वर्ष तक राज्य किया। उसकी मां का नाम अतल्याह था। वह इस्राएल प्रदेश के राजा *<u>ओम्री की पोती</u>* थी।"

(www.bible.com/versions/1682-hindicl-bsi-pvitr-baaibl-cl-bsi)

''جب اس نے حکمرانی شروع کی تو وہ **<u>بائیس سال</u>** کا تھا، اس نے راج دھانی یروشلم میں صرف ایک سال حکومت کی، اُس کی ماں کا نام عتلیاؔہ تھا جو ریاست 'اسرائیل' کے راجا **<u>عُمریؔ کی پوتی</u>** تھی۔''

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اس ہندی بائبل کے لیے ویب سائٹ پر یہ پیغام لکھا ہے:

"पवित्र बाइबिल - CL (BSI)

(HINDICL-BSI) Hindi – हिन्दी

Hindi Common Language Bible – पवित्र बाइबिल C-L- Copyright © 2000 by The Bible Society of India Used by permission. All rights reserved worldwide."

''پاک بائبل، عام ہندی زبان بائبل، کاپی رائٹ بائبل سوسائٹی ہند ۲۰۰۰ء، اس کی اجازت سے استعمال میں لایا گیا ہے، جملہ حقوق عالمی سطح پر محفوظ۔''

(۱۶) نیپالی زبان کی بائبل (جسے بائبل ڈاٹ کام نے اَپلوڈ کیا ہے) اس میں بھی 'بائیس سال' کا تذکرہ ملتا ہے:

"2. राजगद्दी आरोहण गर्दा तिनी बाईस वर्ष का थिए। तिनले यरूशलेम मा एक वर्ष राज्य गरे। तिनकी आमा को नाउँ अतल्याह थियो। तिनी ओम्री की *<u>नातिनी</u>* अतल्याह थिइन्।।"

(https://www.bible.com/bible/1483/2CH.22.NNRV)

''جب وہ تخت نشیں ہوا **<u>بائیس سال</u>** کا تھا۔ اس نے یروشلم میں ایک سال حکومت کی۔ اُس کی ماں کا نام عتلیاؔہ تھا جو **<u>عُمریؔ کی پوتی</u>** تھی۔''

Nepali New Revised Version یہ نسخہ (NNRV) اور सरल नेपाली पवित्र बाइबल (सरल नेपाली) کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

(www.bible.com/versions/1483-nnrv-nepali-new-revised-version)

ان سولہ بائبلوں میں سے صرف دو ورشن ایسے ہیں جن میں 'بائیس برس' کی عمر میں اخزیاہ کے بادشاہ ہونے کی بات کہی گئی ہے (۱) پوتر بائبل، مطبوعہ ہندی ساہتیہ سمیتی، اِلٰہ آباد، یوپی، بھارت، کاپی رائٹ ۱۹۹۱ءاور (۲) بائبل ڈاٹ کام پر اَپلوڈ

نکتہ: سب سے اَہم یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ جن نسخوں اور ایڈشنوں میں 'بائیس' لکھا گیا ہے ان کے مترجمین اور ناقلین تذبذب کے شکار ہیں اور صرف وہی مترجمین 'بائیس' اور 'بیالیس' کے درمیان گومگو کی کیفیت میں پھنسے نظر آتے ہیں۔ اُن کے برعکس جن نسخوں اور ایڈیشنوں میں 'بیالیس' لکھا ہے اُن کے مترجمین نہایت پُراعتماد ہیں۔ وہ کسی طرح کے اِضطراب کی کیفیت میں نہیں ہیں۔ اُن کا اِطمینان اور 'بائیس' لکھنے والوں کا اِضطراب دونوں یہ بتاتے ہیں کہ 'بیالیس' زیادہ راجح اور شک سے بالاتر ہے بلکہ یہی اَصل ہے، لیکن مضحکہ خیزی کے اِمکان اور اپنی مقدس مذہبی کتاب کی معتبریت پر اٹھنے والے سوالات نے بہتوں کو کش مکش کے بھنور میں پھنسا دیا۔

مختلف زبانوں کی سولہ بائبلوں کے یہ حوالے اور ان کے حواشی بتاتے ہیں کہ اخزیاہ کی عمر ایک ایسا معمہ ہے جس کی تعیین میں علمائے عیسائیت اور مترجمین بائبل کے درمیان زبردست اِختلاف ہے یا زبردستی اختلاف بنایا گیا ہے۔ اور یہیں تک بس نہیں بلکہ اُن کے درمیان کئی اُمور پر اختلاف ہے۔

(الف) بعض نے وقت تخت نشینی اس کی عمر 'بیالیس' لکھی تو بعض نے 'بائیس'۔

(ب) بعض ترجمے میں 'یروشلم' سے پہلے 'راج دھانی' کا لفظ ہے تو بعض میں نہیں۔

(ج) چند مترجمین نے 'ایک سال' سے قبل لفظ 'صرف' کا اِضافہ کیا ہے جب کہ بعض نے لفظ 'صرف' نہیں لکھا ہے۔

(د) کچھ نے اخزیاہ کی ماں عتلیاہ کو شاہِ اسرائیل (سامریہ) عمری کی 'بیٹی' لکھا ہے تو بہت سے نے عمری کی 'پوتی' کہا ہے۔

حالاں کہ آخری والے تعارض کی تاویل یہ ممکن ہے کہ بہت سی زبانوں میں پوتی کو بیٹی اور دادا و چچا کو باپ بھی کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ عربی اور اُردو وغیرہ میں رائج ہے۔ لیکن یہ سوال پیدا ہوگا کہ مقدس کتابوں کا ترجمہ کرتے وقت اس طرح کی وسعت اور کشادہ قلبی کا مظاہرہ درست ہے یا نہیں؟؟

اخزیاہ کی تاج پوشی کے سلسلے میں گڈ نیوز بائبل ٹوڈیز ورشن مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند ۲۰۱۶۔ ۲۰۱۷ء، کاپی رائٹ امریکن بائبل سوسائٹی کا جو اِقتباس ماقبل میں نقل کیا گیا ہے، اُس میں تو یہاں تک لکھا ہے:

> ''اُس کی ماں عتلیاہ جو اخی اب بادشاہ کی بیٹی اور اسرائیل کے عُمری بادشاہ کی پوتی تھی۔'' (تواریخ دوم: ۲/۲۲)

اِسے ہم کسی کتاب کا ترجمہ کہیں گے یا من چاہا مفہوم بیان کرنا؟؟؟ ایک مقدس اور نہایت اَہم کتاب کے ترجمے میں اتنی گنجائش یقیناً مشکلات پیدا کرسکتی ہیں۔ ترجمے میں اس طرح کی معمولی تبدیلی سے کیا فرق پڑتا ہے اور کس طرح ثُریا سے ثُریٰ ہو جاتا ہے اسے آپ کتاب کے آخری صفحات میں ''بائبل میں غیر مسیح کے لیے 'اللہ کے بیٹے' کے لفظ کا استعمال'' کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

بعض مترجمین کے بائیس برس لکھنے کی وجہ اور اس کا رد

اوپر ذکر کیے گئے سولہ حوالوں میں سے بائبل کے جن مترجمین اور ناشرین نے تاج پوشی کے وقت اخزیاہ کی عمر 'بائیس سال' لکھی ہے ان کے پاس بائبل سے ہی ایک دلیل ہے۔ بائبل کی کتاب سلاطین دوم: ۲۶/۸ میں لکھا ہے:

Ahaziah reigns over Judah

"In the twelfth year of Joram the son of Ahab king of Israel did Ahaziah the son of Jehoram king of Judah begin to reign. Two and twenty years old was Ahaziah when he began to reign; and he reigned one year in Jerusalem. And his mother's

name was Athaliah, the daughter of Omri king of Israel." (2Kings: 8/25-26, 9/29, KJV)

''اور شاہ اسرائیل اخی اب کے بیٹے یورام کے بارھویں برس سے شاہِ یہوداہ یہورام کا بیٹا اخزیاہ سلطنت کرنے لگا۔ اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے یروشلیم میں ایک برس سلطنت کی۔ اُس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو شاہِ اسرائیل عُمری کی بیٹی تھی۔'' (سلاطین دوم: ۲۶،۸/۲۹/۹)

لیکن خود اسی کتاب تواریخ دوم کے باب ۸ اور باب ۹ میں بھی زبردست اختلاف ہے، بلکہ باب ۸ کی مختلف آیات میں بھی اختلاف ہے۔ سلاطین دوم: ۱۶/۸۔۱۷ کا یہ کہنا ہے:

Jehoram reigns

"And in the fifth year of Joram the son of Ahab king of Israel, Jehoshaphat being then king of Judah, Jehoram the son of Jehoshaphat king of Judah began to reign. Thirty and two years old was he when he began to reign; and he reigned eight years in Jerusalem." (2Kings: 8/16-17, KJV)

''اور شاہِ اسرائیل اخی اب کے بیٹے یورام کے پانچویں سال جب یہوسفط یہوداہ کا بادشاہ تھا شاہِ یہوداہ یہوسفط کا بیٹا یہورام سلطنت کرنے لگا۔ اور جب وہ سلطنت کرنے لگا تو بتیس برس کا تھا اور اُس نے یروشلیم میں آٹھ برس بادشاہی کی۔''

اس کا صاف معنی یہ ہے کہ جب اخی اب کا بیٹا یورام سلطنت 'اِسرائیل' کا بادشاہ تھا اور اس کی بادشاہی کا پانچواں سال تھا تو اس وقت یہوداہ کے علاقے میں یہورام بادشاہ بنا اور اس نے آٹھ سال حکومت کی۔ مطلب یورام کی حکومت کے تیرھویں سال میں یہورام دنیا سے چل بسا۔

مگر باب ۸/۲۵۔۲۶ کا کچھ اور کہنا ہے:

Ahaziah reigns over Judah

"In the twelfth year of Joram the son of Ahab king of Israel did Ahaziah the son of Jehoram king of Judah begin to reign. Two and twenty years old was Ahaziah when he began to reign; and he reigned one year in Jerusalem. And his mother's name was Athaliah, the daughter of Omri king of Israel." (2Kings: 8/25-26)

''اور شاہ اسرائیل اخی اب کے بیٹے **یورام کے بارھویں برس** سے شاہِ یہوداہ یہورام کا بیٹا اخزیاہ سلطنت کرنے لگا۔ اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اُس نے یروشلیم میں ایک برس سلطنت کی۔ اُس کی ماں کا نام عتلیاہ تھا جو شاہِ اسرائیل عُمری کی بیٹی تھی۔'' (سلاطین دوم: ۸/۲۵۔۲۶، ۹/۲۹)

آٹھ (۸) اور پانچ (۵) کا مجموعہ تیرہ (۱۳) ہوتا ہے نہ کہ بارہ (۱۲)۔ جب ریاست 'اسرائیل' کے راجا یورام کی بادشاہی کے پانچویں سال اخزیاہ کا باپ یہورام' ریاستِ 'یہوداہ' کا بادشاہ بنا اور اس نے آٹھ سال حکومت کی تو یقیناً جس سال یہورام کی موت ہوئی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا اِخزیاہ تخت نشیں ہوا وہ یورام کی حکومت کا تیرھواں برس رہا ہوگا۔ ویسے یہاں پر اگر یہورام کی حکومت کے مکمل آٹھ سال مراد نہ ہوں، سات سال کچھ مہینے مراد ہوں تو یہ ممکن ہے کہ تاویل کا راستہ مل جائے اور دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہ ہو۔ مگر مسیحی بھائیوں کو ہماری یہ محبت اور خوش گمانی بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی ہے کیوں کہ اگلے باب یعنی ۲۹/۹ کو پڑھ کر حیرت اور بڑھ جائے گی:

"And in the eleventh year of Joram the son of Ahab began Ahaziah to reign over Judah." (2Kings: 9/29)

''اور اَخی اب کے بیٹے **یورام کے گیارھویں برس** اخزیاہ یہوداہ کا بادشاہ ہوا۔'' (سلاطین دوم: ۲۹/۹)

اس اقتباس کا مطلب یہ ہے کہ جب یورام کی بادشاہی کا

گیارہواں سال تھا اس وقت یہورام کا بیٹا اخزیاہ اپنے باپ کی موت کے بعد تخت نشیں ہوا۔ اب علم ریاضی کے کسی بھی طالب علم کو بلائیں اور پوچھیں کہ جب یورام کی حکومت کے پانچویں سال یہورام بادشاہ بنا اور آٹھ سال حکومت کر کے مرگیا تو یورام کی حکومت کے کس برس میں اس کا انتقال ہوا ہوگا؟ اس کا سیدھا سادہ جواب ہوگا کہ تیرہویں سال۔ اور اگر اس نے آٹھ سال مکمل حکومت نہیں کی بلکہ سات ماہ اور کچھ مہینے حکومت کی تو بھی کم ازکم بارھویں سال اس کی موت ہوئی گی اور اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ بنا ہوگا مگر باب نمبر ۹ کی آیت ۲۹ نے تو یورام کی حکومت کے گیارہویں سال میں اس کے بادشاہ بننے کو ذکر کر کے تاویل اور خوش گمانی کے سارے ممکنہ دروازے بند کر دیے ہیں۔

بائبل کے معتبر ترین نسخے 'کنگ جیمس ورشن' کے علاوہ:

(۲) بائبل کا اردو ترجمہ بنام 'کتاب مقدس' (بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور ہند، ۲۰۰۹ء)

(۳) گڈ نیوز بائبل (مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور ہند، ۱۷۔۲۰۱۶ء)

(۴) بائبل کا ہندی ترجمہ بنام 'پوتر بائبل' (مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور ہند، ۲۰۱۰ء)

(۵) نیو انٹرنیشنل ورشن (نیو جرسی، اِنٹرنیشنل بائبل سوسائٹی، نیو جرسی، اَمریکہ، کاپی رائٹ ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۴ء)

(۶) نیو کنگ جیمس ورشن (مطبوعہ دی گِڈینس اِنٹرنیشنل اِن انڈیا، سکندرآباد، بھارت، کاپی رائٹ ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۵ء)

(۷) بائبل کا ہندی ترجمہ بنام 'پوتر بائبل' (پرنٹر ڈِوائن پرنٹرس، مورینگور، کیرلا، بھارت، کاپی رائٹ ہندی ساہتیہ سمیتی، اِلہ آباد، یوپی، ہند ۱۹۹۱ء)

(۸) معاصر انگریزی ترجمہ Contemporary English Version (مطبوعہ امریکن بائبل سوسائٹی، نیو یارک امریکہ، کاپی رائٹ ۱۹۹۵ء)

بائبل کے یہ تمام نسخے اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ:

(۱) سلاطین دوم: ۱۶/۸۔۱۷ کے مطابق شاہِ اسرائیل یورام بن اخی اب کی سلطنت کے پانچویں سال شاہِ یہوداہ یہوسفط کا بیٹا اور اخزیاہ کا باپ یہورام بادشاہ بنا۔

(۲) سلاطین دوم: ۲۵/۸۔۲۶ کے مطابق یہورام نے آٹھ سال حکومت کی اور اس کی موت یورام کی بادشاہی کے بارھویں سال ہوئی۔

جب کہ

(۳) سلاطین دوم: ۲۹/۹ کے مطابق یہورام بن یہوسفط کی موت کے بعد اس کا بیٹا اخزیاہ جب یہوداہ ریاست کا بادشاہ بنا وہ اسرائیل کے راجا یورام بن اخی اب کی حکومت کا گیارہواں سال تھا۔

مطلب ان تینوں مقامات پر اور ان تینوں اقتباسات کے ترجمے میں بائبل کے ترجمہ نگاروں کو کوئی دقت یا پریشانی نہیں ہوئی۔ سب کو ایک ہی ترجمہ اور ایک ہی مفہوم سمجھ میں آیا۔ جس کی وجہ سے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اخزیاہ کی پیدائش، نیز اس کے باپ کی عمر اور حکومت کے سلسلے میں بائبل کی مختلف کتابوں کی مختلف عبارتیں آپس میں ٹکراؤ کی شکار ہیں۔

یہاں پر کم ازکم تین تناقضات ظاہر ہوتے ہیں:

(۱) اخزیاہ کے باپ یہورام کی موت کے سلسلے میں کہ آیا وہ یورام کے گیارہویں برس میں مرا؟ یا بارہویں سال میں مرا؟ یا تیرہویں سال میں؟؟

(۲) اخزیاہ کے باپ یہورام کی مدت حکومت میں، کہ اس نے یورام کے گیارہویں برس تک حکومت کی؟ یا بارہویں برس تک؟ یا تیرہویں سال تک؟

(۳) اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اخزیاہ باپ کی موت کے فوراً بعد تخت پر بیٹھا لیکن یہ ضرور معمہ بن گیا کہ وہ کس سال بادشاہ بنا؟ یورام کے گیارہوں سال؟ بارہویں سال؟ یا تیرہویں سال میں؟؟

اَور جب معاملہ ایسا ہے کہ جن اقتباسات یعنی تواریخ دوم کی عبارات پر بھروسہ کر کے بعض مترجمین نے باپ کی موت اور تاج پوشی کے وقت اخزیاہ کی عمر 'بائیس سال' لکھی ہے وہ دلیل بھی اَز خود باطل ولغو ہوگئی کیوں کہ تناقض وتعارض کسی کو بھی درجۂ اعتبار سے گرانے کے اَہم اَسباب ہیں۔

اور معاملہ یہیں تک محدود نہیں بلکہ بائبل میں اَخزیاہ بن یہورام کی موت اور اُس کا سبب بھی کچھ گنجلک اور متناقضانہ طور پر بیان ہوا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اخزیاہ بن یہورام کی موت اور موت کا سبب بھی معمہ

اخزیاہ بن یہورام کی صرف پیدائش اور تاج پوشی ہی ایک معمہ نہیں ہے بلکہ اس کی موت بھی بائبل میں ایک گتھی بنی ہوئی ہے۔ تواریخ دوم: ۹/ ۲۲۔۲۸ کا کہنا کچھ اور ہے اور سلاطین دوم: ۲۲/ ۷۔۱۲ کا بیان کچھ اور ہے۔

بائبل کے عہد نامہ قدیم کی اَہم کتاب 'تواریخ دوم' نے اخزیاہ بن یہورام کی موت اور اس کے اَسباب کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"And the destruction of Ahaziah was of God by coming to Joram: for when he was come, he went out with Jehoram against Jehu the son of Nimshi, whom the LORD had anointed to cut off the house of Ahab. And it came to pass, that, when Jehu was executing judgment upon the house of Ahab, and found the princes of Judah, and the sons of the brethren of Ahaziah, that ministered to Ahaziah, he slew them. And he sought Ahaziah: and they caught him, (for he was hid in Samaria,) and brought him to Jehu: and when they had slain him, they buried him: Because, said they, he is the son of Jehoshaphat, who sought the LORD with all his heart. So the house of Ahaziah had no power to keep still the kingdom. But when Athaliah the mother of Ahaziah saw that her son was dead, she arose and destroyed all the seed royal of the house of Judah. But Jehoshabeath, the daughter of the king, took Joash the son of Ahaziah, and stole him from among the king's sons that were slain, and put him and his nurse in a bedchamber. So Jehoshabeath, the daughter of king Jehoram, the wife of Jehoiada the priest, (for she was the sister of Ahaziah,) hid him from Athaliah, so that she slew him not. And he was with them hid in the house of God six years: and Athaliah reigned over the land."

(2Chronicles: 22/7-12, KJV)

''اور اخزیاہ کی ہلاکت خُدا کی طرف سے یوں ہوئی کہ وہ یہورام کے پاس گیا کیوں کہ جب وہ پُہنچا تو یہورام کے ساتھ یاہو بن نمسی سے لڑنے کو گیا جسے خُداوند نے اخی اب کے خاندان کو کاٹ ڈالنے کے لیے مسح کیا تھا۔ اور جب یاہو اَخی اب کے خاندان کو سزا دے رہا تھا تو اُس نے یہوداہ کے سرداروں اور اخزیاہ کے بھائیوں کے بیٹوں کو اخزیاہ کی خدمت کرتے پایا اور اُن کو قتل کیا۔ اور اُس نے اخزیاہ کو ڈھونڈا (وہ سامریہ میں چھُپا تھا) سو وہ اُسے پکڑ کر یاہو کے پاس لائے اور اُسے قتل کیا اور اُنھوں نے اُسے دفن کیا کیوں کہ وہ کہنے لگے کہ وہ یہوسفط کا بیٹا ہے جو اپنے سارے دل سے خُداوند کا طالب رہا اور اخزیاہ کے گھرانے میں سلطنت سنبھالنے کی طاقت کسی میں نہ رہی۔ جب اخزیاہ کی ماں عتلیاہ نے دیکھا کہ اُس کا بیٹا مر گیا تو اُس نے اُٹھ کر یہوداہ کے گھرانے کی ساری شاہی نسل کو نابود کر دیا۔ لیکن بادشاہ کی بیٹی یہوسبعت اخزیاہ کے بیٹے یوآس کو بادشاہ کے بیٹوں کے بیچ سے جو قتل کیے گئے چُرا لے گئی اور اُسے اور اُس کی دایہ کو بستروں کی کوٹھری میں رکھا۔ سو یہورام بادشاہ کی بیٹی یہویدع کاہن کی بیوی یہوسبعت نے (چونکہ

وہ اخزیاہ کی بہن تھی) اُسے عتلیاہ سے ایسا چھُپایا کہ وہ اُسے قتل کرنے نہ پائی۔ اور وہ اُن کے پاس خُدا کی ہیکل میں چھ برس تک چھُپا رہا عتلیاہ مُلک پر حکومت کرتی رہی۔''

(تواریخ دوم: ۲۲/ ۷۔۱۲)

اب بائبل کی ایک دوسری کتاب 'سلاطین دوم' کو دیکھ لیں کہ اُس نے اخزیاہ بن یہورام کی موت کے واقعے کو کس رنگ سے پیش کیا ہے۔ پہلے اسرائیل کے راجا یورام کی موت کے حالات کو پڑھ لیں تبھی یہوداہ کے راجا اَخزیاہ کی موت کی کہانی بہتر انداز میں سمجھ میں آسکے گی:

Jehu kills Joram king of Israel

"So Jehu the son of Jehoshaphat the son of Nimshi conspired against Joram. (Now Joram had kept Ramoth-gilead, he and all Israel, because of Hazael king of Syria. But king Joram was returned to be healed in Jezreel of the wounds which the Syrians had given him, when he fought with Hazael king of Syria.) And Jehu said, If it be your minds, then let none go forth nor escape out of the city to go to tell it in Jezreel. So Jehu rode in a chariot, and went to Jezreel; for Joram lay there. And Ahaziah king of Judah was come down to see Joram. And there stood a watchman on the tower in Jezreel, and he spied the company of Jehu as he came, and said, I see a company. And Joram said, Take an horseman, and send to meet them, and let him say, Is it peace? So there went one on horseback to meet him, and said, Thus saith the king, Is it peace? And Jehu said, What hast thou to do with peace? turn thee behind me. And the watchman told, saying, The messenger came to them, but he cometh not again. Then he sent out a second on horseback, which came to them, and said, Thus saith the king, Is it peace? And Jehu answered, What hast thou to do with peace? turn thee behind me. And the watchman told, saying, He came even unto them, and cometh not again: and the driving is like the driving of Jehu the son of Nimshi; for he driveth furiously. And Joram said, Make ready. And his chariot was made ready. And Joram king of Israel and Ahaziah king of Judah went out, each in his chariot, and they went out against Jehu, and met him in the portion of Naboth the Jezreelite. And it came to pass, when Joram saw Jehu, that he said, Is it peace, Jehu? And he answered, What peace, so long as the whoredoms of thy mother Jezebel and her witchcrafts are so many? And Joram turned his hands, and fled, and said to Ahaziah, There is treachery, O Ahaziah. And Jehu drew a bow with his full strength, and smote Jehoram between his arms, and the arrow went out at his heart, and he sunk down in his chariot. Then said Jehu to Bidkar his captain, Take up, and cast him in the portion of the field of Naboth the Jezreelite: for remember how that, when I and thou rode together after Ahab his father, the LORD laid this burden upon him; Surely I have seen yesterday the blood of Naboth, and the blood of his sons, saith the LORD; and I will requite thee in this plat, saith the LORD. Now therefore take and cast him into the plat of ground, according to the word of the LORD." (2Kings: 9/14-26, KJV)

''سو یاہو بن یہوسفط بن نمسی نے یورام کے خلاف سازش کی (اور یورام سارے اِسرائیل سمیت شاہِ ارام حزائیل کے سبب سے رامات جلعاد کی حمایت کر رہا تھا۔ لیکن یورام بادشاہ لوٹ گیا تھا تاکہ یزرعیل میں اُن زخمیوں کا علاج کرائے جو شاہِ ارام حزائیل سے لڑتے وقت ارامیوں کے ہاتھ سے لگے تھے) تب یاہو نے کہا اگر تمھاری مرضی یہی ہے تو کوئی یزرعیل جا کر خبر کرنے کے لیے اِس شہر سے

بھاگنے اور نکلنے نہ پائے۔ اور یاہو رتھ پر سوار ہو کر یزرعیل کو گیا کیوں کہ یورام کی مُلاقات کو آیا ہوا تھا۔ اور یزرعیل میں نگہبان بُرج پر کھڑا تھا اور اُس نے جو یاہو کے جتھے کو آتے دیکھا تو کہا مجھے ایک جتھا دکھائی دیتا ہے۔ یورام نے کہا ایک سوار کو لے کر اُن سے ملنے کو بھیج۔ وہ یہ پُوچھے "خیر ہے"؟۔ چنانچہ ایک شخص گھوڑے پر اُس سے ملنے کو گیا اور کہا بادشاہ پوچھتا ہے خیر ہے؟ یاہو نے کہا تجھ کو خیر سے کیا کام؟ میرے پیچھے ہو لے۔ پھر نگہبان نے کہا کہ قاصد اُن کے پاس پہنچ تو گیا لیکن واپس نہیں آتا۔ تب اُس نے دوسرے کو گھوڑے پر روانہ کیا جس نے اُن کے پاس جا کر اُن سے کہا بادشاہ یوں کہتا ہے "خیر ہے"؟ یاہو نے جواب دیا تجھے خیر سے کیا کام؟ میرے پیچھے ہو لے۔ پھر نگہبان نے کہا وہ بھی اُن کے پاس پہنچ تو گیا لیکن واپس نہیں آتا اور رتھ کا ہانکنا ایسا ہے جیسے نمسی کا بیٹا یاہو ہانکتا ہوتا ہے کیوں کہ وہی تُندی سے ہانکتا ہے۔ تب یورام نے فرمایا جوت لے۔ سو اُنھوں نے اُس کے ساتھ رتھ کو جوت لیا۔ تب شاہِ اسرائیل یورام اور شاہِ یہوداہ اخزیاہ اپنے اپنے رتھ پر نکلے اور یاہو سے ملنے کو گئے اور یزرعیلی نبوت کی ملکیت میں اُس سے دوچار ہوئے۔ اور یورام نے یاہو کو دیکھ کر کہا اے یاہو خیر ہے؟ اُس نے جواب دیا جب تک تیری ماں ایزبل کی زناکاریاں اور اُسکی جادوگریاں اِس قدر ہیں تب تک کیسی خیر؟۔ تب یُورام نے باگ موڑی اور بھاگا اور اخزیاہ سے کہا اے اخزیاہ فتنہ بپا ہے۔ تب یاہو نے اپنے سارے زور سے کمان کھینچی اور یورام کے دونوں شانوں کے درمیان ایسا مارا کہ تیر اُس کے دل سے پار ہو گیا اور وہ اپنے رتھ میں گرا۔ تب یاہو نے اپنے لشکر کے سردار بدقر سے کہا اُسے لیکر یزرعیلی نبوت کی ملکیت کے کھیت میں ڈال دے کیوں کہ یاد کر کہ جب میں اور تُو اُسکے باپ اخی اب کے پیچھے سوار ہو کر چل رہے تھے تو خُداوند نے یہ فتویٰ اُس پر دیا تھا۔ کہ یقیناً میں نے کل نبُوت کے خون اور اُس کے بیٹوں کے خُون کو دیکھا ہے خداوند فرماتا ہے۔ سو جیسا خُداوند نے فرمایا ہے اُسے لے کر اُسی جگہ ڈال دے۔" (سلاطین دوم: ۹/۱۴۔۲۶)

اس طرح پہلے یاہو نے اسرائیل کے بادشاہ یورام کو قتل کیا اس کے بعد 'یہوداہ' سلطنت کے بادشاہ اخزیاہ بن یہورام کو بھی قتل کیا:

Jehu kills Ahaziah king of Judah

"But when Ahaziah the king of Judah saw this, he fled by the way of the garden house. And Jehu followed after him, and said, Smite him also in the chariot. And they did so at the going up to Gur, which is by Ibleam. And he fled to Megiddo, and died there. And his servants carried him in a chariot to Jerusalem, and buried him in his sepulchre with his fathers in the city of David." (2Kings: 9/27-28, KJV)

"لیکن جب شاہِ یہوداہ اخزیاہ نے یہ دیکھا تو وہ باغ کے بارہ دری کی راہ سے نکل بھاگا اور یاہو نے اُس کا پیچھا کیا اور کہا کہ اُسے بھی رتھ ہی میں مار دو چنانچہ اُنھوں نے اُسے جُور کی چڑھائی پر جو ابلعام کے متصل ہے مارا اور وہ مجدّو کو بھاگا اور وہیں مر گیا۔ اور اُس کے خادم اُس کو ایک رتھ میں یروشلیم کو لے گئے اور اُسے اُس کی قبر میں داود کے شہر میں اُس کے باپ دادا کے ساتھ دفن کیا۔" (سلاطین دوم: ۹/۲۷۔۲۸)

آپ دونوں کتابیں یعنی تواریخ دوم اور سلاطین دوم کے اقتباسات پر غور کریں تو درج ذیل چیزیں سامنے آتی ہیں:

(۱) تواریخ دوم کے مطابق اخزیاہ سامریہ میں چھُپا تھا جہاں سے یاہو کے آدمی اسے پکڑ کر یاہو کے پاس لے گئے جب کہ سلاطین

دوم کے مطابق یاہو کے آدمیوں نے یورام کو مارنے کے بعد اس کا پیچھا کر کے ابلعام کے قریب اُسے بھی مار ڈالا۔

(۲) تواریخ دوم کے مطابق اُس کو یاہو کے آدمیوں نے قتل کر کے خود دفن بھی کیا جب کہ سلاطین دوم کے مطابق اخزیاہ کے خادم اس کی لاش کو رتھ پر سوار کر کے یروشلم لے گئے۔

(۳) اس کے دفن کی جگہ کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ سلاطین دوم کے مطابق اخزیاہ کے خادم اس کی لاش لے کر یروشلم گئے اور اسے داؤد کے شہر میں اس کے باپ دادا کے ساتھ دفن کیا۔ جب کہ تواریخ دوم کے مطابق اُسے یاہو کے خادم یاہو کے پاس پکڑ کے لے گئے اور پھر قتل کر کے دفن کر دیا۔

اس طرح جب ہم بائبل کے صفحات کو دیکھتے ہیں تو اخزیاہ بن یہورام کی پوری کی پوری زندگی، پیدائش، حکومت اور موت یہ ساری چیزیں تناقض اور تعارض سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔

ابی یاتر، اخی ملک کا بیٹا یا باپ؟؟

محدث بریلوی نے بائبل کے اس کمال کو ذکر کیا ہے جس میں اس نے بیٹے کو باپ سے دو سال بڑا بنا دیا۔ اب بائبل کے اس چمتکار کو بھی ملاحظہ فرمائیں کہ کبھی وہ ایک شخص کو اس کا باپ بتاتی ہے تو دوسری جگہ اس کو اپنے ہی باپ کا باپ قرار دیتی ہے:

"And one of the sons of Ahimelech the son of Ahitub, named Abiathar, escaped, and fled after David." (1Samuel: 22/20, 23/6, 30/7, KJV)

''اور اخیطوب کے بیٹے اخیملک کے بیٹوں میں سے ایک جس کا نام ابی یاتر تھا بچ نکلا اور داؤد کے پاس بھاگ گیا۔'' (سموئیل اول: ۲۲/۲۰، ۲۳/۶، ۳۰/۷، بائبل سوسائٹی ہند، ۲۰۰۹ء)

اس اقتباس کی روشنی میں اخیملک کے بیٹے کا نام ابی یاتر تھا۔ جب کہ آنے والے پیرا گراف کا کچھ اور کہنا ہے:

"And David reigned over all Israel; and David executed judgment and justice unto all his people. And Joab the son of Zeruiah was over the host; and Jehoshaphat the son of Ahilud was recorder; And Zadok the son of Ahitub, and Ahimelech the son of Abiathar, were the priests; and Seraiah was the scribe;" (2Samuel: 8/15-17, 1Chronicles: 18/16, 24/6, KJV)

''اور داؤد نے کُل اِسرائیل پر سلطنت کی اور داؤد اپنی سب رعیت کے ساتھ عدل و انصاف کرتا تھا۔ اور ضرویاہ کا بیٹا یوآب لشکر کا سردار تھا اور اَخیلود کا بیٹا یہوسفط مورخ تھا۔ اور اَخیطوب کا بیٹا صدوق اور اَبی یاتر کا بیٹا اَخیملک کاہن تھے اور شرایاہ مُنشی تھا۔'' (سموئیل دوم: ۸/۱۵۔۱۷، تواریخ اول: ۱۸/۱۶، ۲۴/۶، بائبل سوسائٹی ہند، ۲۰۰۹ء)

اس کے مطابق ابی یاتر اخیملک کا بیٹا نہیں، بلکہ باپ ہے۔ ہندوستان کے دیہات میں کیے جانے والے جاہلانہ اور امر محال مذاق سے بھی زیادہ بڑی چیز بائبل میں حقیقت بن کر جلوہ گر نظر آتی ہے۔

(۲) مسیح کے نسب میں تعارض

مسیح کے نسب میں اختلاف اور شدید اختلاف بائبل کی ایک زندہ حقیقت ہے جس سے مجالِ اِنکار نہیں ہے۔ محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس کی جانب بھی حوالے کے ساتھ اشارہ کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

انجیل متّی میں مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"The book of the generation of Jesus Christ, the son of David, the son of Abraham. Abraham begat Isaac; and Isaac begat Jacob; and Jacob begat Judas and his brethren; And Judas begat Phares and Zara of Thamar; and Phares begat Esrom; and Esrom begat Aram; And Aram begat Aminadab; and Aminadab begat Naasson; and Naasson begat Salmon; And Salmon begat Booz

of Rachab; and Booz begat Obed of Ruth; and Obed begat Jesse; And Jesse begat David the king; and David the king begat Solomon of her that had been the wife of Urias; And Solomon begat Roboam; and Roboam begat Abia; and Abia begat Asa; And Asa begat Josaphat; and Josaphat begat Joram; and Joram begat Ozias; And Ozias begat Joatham; and Joatham begat Achaz; and Achaz begat Ezekias; And Ezekias begat Manasses; and Manasses begat Amon; and Amon begat Josias; And Josias begat Jechonias and his brethren, about the time they were carried away to Babylon: And after they were brought to Babylon, Jechonias begat Salathiel; and Salathiel begat Zorobabel; And Zorobabel begat Abiud; and Abiud begat Eliakim; and Eliakim begat Azor; And Azor begat Sadoc; and Sadoc begat Achim; and Achim begat Eliud; And Eliud begat Eleazar; and Eleazar begat Matthan; and Matthan begat Jacob; And Jacob begat Joseph the husband of Mary, of whom was born Jesus, who is called Christ." (Matthew: 1/1-16, King James Version)

''یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ۔ ابرہام سے اضحاق پیدا ہوا اور اضحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یہوداہ اور اُسکے بھائی پیدا ہوئے۔ اور یہوداہ سے فارص اور زارح تمر سے پیدا ہوئے۔ اور فارص سے حصرون پیدا ہوا اور حصرون سے رام پیدا ہوا۔ اور رام سے عمّیند اب پیدا ہوا اور عمّیند اب سے نحسون پیدا ہوا اور نحسون سے سلمون پیدا ہوا۔ اور سلمون سے بوعز راحب سے پیدا ہوا اور بوعز سے عوبید روت سے پیدا ہوا اور عوبید سے یسّی پیدا ہوا۔ اور یسّی سے داؤد بادشاہ پیدا ہوا۔ اور داؤد سے سلیمان اُس عورت سے پیدا ہوا جو پہلے اُوریاہ کی بیوی تھی۔ اور سلیمان سے رحُبعام پیدا ہوا اور رحُبعام سے ابیاہ پیدا ہوا۔ اور ابیاہ سے آسا پیدا ہوا۔ اور آسا سے یہوسفط پیدا ہوا اور یہوسفط سے یورام پیدا ہوا اور یورام سے عُزّیاہ پیدا ہوا۔ اور عُزّیاہ سے یوتام پیدا ہوا اور یوتام سے آخز پیدا ہوا اور آخز سے حزقیاہ پیدا ہوا۔ اور حزقیاہ سے منسّی پیدا ہوا اور منسّی سے امون پیدا ہوا اور امون سے یُوسیاہ پیدا ہوا۔ اور گرفتار ہوکر بابل جانے کے زمانہ میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اُسکے بھائی پیدا ہوئے۔ اور گرفتار ہوکر بابل جانے کے بعد یکونیاہ سے سیالتی ایل پیدا ہوا اور سیالتی ایل سے زرُبّابیل پیدا ہوا۔ اور زرُبّابیل سے اَبیہود پیدا ہوا اور ابیہود سے الیاقیم پیدا ہوا اور الیاقیم سے عازُور سے صدوق پیدا ہوا اور صدوق سے اخیم پیدا ہوا اور اخیم سے الیہُود پیدا ہوا۔ اور الیہُود سے الیعزر پیدا ہوا اور الیعزر سے متّان پیدا ہوا اور متّان سے یعقوب پیدا ہوا۔ اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اُس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے۔'' (متّی: ۱/۱۔۱۶، مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، سن ۲۰۰۹ء)

اور انجیل لوقا میں مسیح علیہ السلام کا شجرۂ نسب ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

The genealogy of Jesus

"And Jesus himself began to be about thirty years of age, being (as was supposed) the son of Joseph, which was the son of Heli, Which was the son of Matthat, which was the son of Levi, which was the son of Melchi, which was the son of Janna, which was the son of Joseph, Which was the son of Mattathias, which was the son of Amos, which was the son of Naum, which was the son of Esli, which was the son of Nagge, Which was the son of Maath, which was the son of Mattathias, which was the son of Semei, which was the son of Joseph, which was the son of

Juda, Which was the son of Joanna, which was the son of Rhesa, which was the son of Zorobabel, which was the son of Salathiel, which was the son of Neri, Which was the son of Melchi, which was the son of Addi, which was the son of Cosam, which was the son of Elmodam, which was the son of Er, Which was the son of Jose, which was the son of Eliezer, which was the son of Jorim, which was the son of Matthat, which was the son of Levi, Which was the son of Simeon, which was the son of Juda, which was the son of Joseph, which was the son of Jonan, which was the son of Eliakim, Which was the son of Melea, which was the son of Menan, which was the son of Mattatha, which was the son of Nathan, which was the son of David, Which was the son of Jesse, which was the son of Obed, which was the son of Booz, which was the son of Salmon, which was the son of Naasson, Which was the son of Aminadab, which was the son of Aram, which was the son of Esrom, which was the son of Phares, which was the son of Juda, Which was the son of Jacob, which was the son of Isaac, which was the son of Abraham, which was the son of Thara, which was the son of Nachor, Which was the son of Saruch, which was the son of Ragau, which was the son of Phalec, which was the son of Heber, which was the son of Sala, Which was the son of Cainan, which was the son of Arphaxad, which was the son of Sem, which was the son of Noe, which was the son of Lamech, Which was the son of Mathusala, which was the son of Enoch, which was the son of Jared, which was the son of Maleleel, which was the son of Cainan, Which was the son of Enos, which was the son of Seth, which was the son of Adam, which was the son of God."

(Luke: 3/23-38, KJV)

''جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریباً تیس برس کا تھا اور (جیسا کہ سمجھا جاتا تھا) یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا۔ اور وہ متّات کا اور وہ لاوی کا اور وہ ملکی کا اور وہ ینّا کا اور وہ یوسف کا۔ اور وہ متّتیاہ کا اور وہ عاموس کا اور وہ ناحوم کا اور وہ اسلیاہ کا اور وہ نوگہ کا۔ اور وہ ماعت کا اور وہ متّتیاہ کا اور وہ شمعی کا اور وہ یوسیخ کا اور وہ یوداہ کا۔ اور وہ یوحنّاہ کا اور وہ ریساہ کا اور وہ زَرُبّابل کا اور وہ سیالتی ایل کا اور وہ نیری کا۔ اور وہ ملکی کا اور وہ ادّی کا اور وہ قوسام کا اور وہ اِلمودام کا اور وہ عیر کا۔ اور وہ یشوع کا اور وہ اِلیعزر کا اور وہ یوریم کا اور وہ متّات کا اور وہ لاوی کا۔ اور وہ شمعون کا اور وہ یہوداہ کا اور وہ یوسف کا اور وہ یونان کا اور وہ اِلیاقیم کا۔ اور وہ ملےآہ کا اور وہ مِنّاہ کا اور وہ متّتاہ کا اور وہ ناتن کا اور وہ داؤد کا۔ اور وہ یسّی کا اور وہ عوبید کا اور وہ بوعز کا اور وہ سلمون کا اور وہ نحسون کا۔ اور وہ عمّیناداب کا اور وہ ارنی کا اور وہ حصرون کا اور وہ فارص کا اور وہ یہوداہ کا۔ اور وہ یعقوب کا اور وہ اضحاق کا اور وہ ابرہام کا اور وہ تارہ کا اور وہ نحور کا۔ اور وہ سُروج کا اور وہ رِعُو کا اور وہ فلج کا اور وہ عبر کا اور وہ سلح کا۔ اور وہ قینان کا اور وہ ارفکسد کا اور وہ سم کا اور وہ نوح کا اور وہ لمک کا۔ اور وہ متوسلح کا اور وہ حنوک کا اور وہ یارِد کا اور وہ مہلل ایل کا اور وہ قینان کا۔ اور وہ انوس کا اور وہ سیت کا اور وہ آدم کا اور وہ خدا کا تھا۔'' (لوقا: ۳/ ۲۳۔۳۸، بائبل سوسائٹی ہند، ۲۰۰۹ء)

لوقا کی انجیل میں مسیح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ۵۴ پشتیں ہیں جب کہ متّی کی انجیل میں آپ دونوں کے بیچ میں ۳۹ لوگوں کا نام ذکر کیا گیا مطلب کم از کم پندرہ آدمی کا فرق ہے۔

اور بائبل کے صرف اِن دو اِقتباسات میں تقریباً ستّر اَسّی سے بھی زائد تناقضات ہیں۔ کیوں کہ:

(۱) عدد میں پندرہ کی گنتی کا کم یا زیادہ ہونا از خود کم از کم پندرہ

تعارضات ہیں۔

(۲) مزید برآں تقریباً دو درجن ناموں میں اِختلاف ہے۔

(۳) ان دو چیزوں کے علاوہ ترتیب میں جو اِختلافات ہیں وہ تین چار درجن سے زیادہ بنتے ہیں۔ جس یوسف بڑھئی کو عیسائی برادران پاک کنواری حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا منگیتر کہتے ہیں خود اس کے باپ کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ لوقا نے اس کو عیلی کا بیٹا بتایا ہے تو متّی نے یعقوب کا۔ اور اس طرح پہلے ہی نام سے جو کڑی بگڑتی اور اُلجھتی ہے تو اُلجھتی ہی چلی جاتی ہے۔

(۳) مسیح کے اَقوال میں تعارض

بائبل میں مسیح کے مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ بسا اوقات ایک انجیل میں ذکر ان کا ایک قول دوسری انجیل میں مذکور ان کی بات سے ٹکراتی ہے تو بعض اوقات ایک ہی انجیل کے مختلف اَبواب میں تو کبھی ایک ہی باب کی متعدد آیات میں شدید اور نا قابل تاویل تعارض ہوتا ہے۔

محدث بریلوی نے اپنے فتوے میں بائبل کے تناقضات کی نشان دہی کرتے ہوئے مثال کے طور پر مسیح کے اقوال کے تناقضات کو ذکر کیا اور خود کلام مسیح میں تعارضات کی تین مثالیں پیش کی ہیں۔ (۱) طلاق کی وجہ (۲) قسم کا جواز (۳) اِنتقام کا جواز۔ لیکن ان تینوں تعارضات کو سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ توریت اور دیگر نبیوں کی کتابوں کے بارے میں مسیح کا نقطۂ نظر کیا ہے اور وہ خود کیا کہتے ہیں۔

انجیل متّی میں ہے کہ مسیح علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ وہ توریت اور دیگر نبیوں کی کتابوں کے استحکام اور تکمیل کے لیے آئے ہیں اور بد نصیب ہے وہ شخص جو اس کے ایک نقطے سے بھی چھیڑ چھاڑ کرے اور اس پر عمل نہ کرے یا اَیسی تعلیم دے:

"Think not that I am come to destroy the law or the Prophets, I am not come to destroy but to fulfill, for verily I say unto you till heaven and earth pass one jotor one tittle shall in no wise pass from, till all be fulfilled. Whosever therefore shall break one of these least commandments and shall teach men so he shall be called the least in the kingdom of heaven, but whosever shall do and teach them the same shall be called great in the kingdom of heavens."
(Matthew: 5/17-19, KJV)

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان کے چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے کسی کو بھی توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو اُن پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔''

(انجیل متی: ۵/ ۱۷۔۱۹، مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، سن ۲۰۰۹ء)

پہلے اوپر کے اقتباس کو ذہن میں بٹھا لیں کہ مسیح کس طرح توریت اور انبیاے سابقین کی کتابوں کے احکام پر سختی سے عمل کرنے کا حکم سنا رہے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بیان کیا کہ جو کوئی توریت یا نبیوں کی کتابوں کے حکم میں سے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کو توڑے یا ایسی تعلیم دے وہ آسمان کی بادشاہی یعنی خدا کی نظر اور عدالت میں کم تر اور حقیر ترین گردانا جائے گا۔ لیکن آیئے دیکھیں! خود مسیح اپنے اس اِرشاد پر کتنا عمل کرتے ہیں؟

(الف) طلاق کی وجہ

طلاق کی وجہ کو بائبل کے توریت کے اس اقتباس میں ذکر کیا گیا ہے:

"When a man hath taken a wife, and married her, and it come to pass that she

find no favour in his eyes, because he hath found some uncleanness in her: then let him write her a bill of divorcement, and give it in her hand, and send her out of his house. And when she is departed out of his house, she may go and be another man's wife. And if the latter husband hate her, and write her a bill of divorcement, and giveth it in her hand, and sendeth her out of his house; or if the latter husband die, which took her to be his wife; Her former husband, which sent her away, may not take her again to be his wife, after that she is defiled; for that is abomination before the LORD: and thou shalt not cause the land to sin, which the LORD thy God giveth thee for an inheritance." (Deuteronomy: 24/1-4, KJV)

’’اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اَور پیچھے اُس میں کوئی اَیسی بیہودہ بات پائے جس سے اُس عورت کی طرف اُس کی اِلتفات نہ رہے تو وہ اُس کا طلاق نامہ لکھ کر اُس کے حوالہ کرے اور اُسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اُس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہوسکتی ہے۔ پر اگر دوسرا شوہر بھی اُس سے ناخوش رہے اور اُس کا طلاق نامہ لکھ کر اُس کے حوالہ کرے اور اُسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دوسرا شوہر جس نے اُس سے بیاہ کیا ہو مر جائے۔ تو اُس کا پہلا شوہر جس نے اُسے نکال دیا تھا اُس عورت کے ناپاک ہوجانے کے بعد پھر اُس سے بیاہ نہ کرنے پائے کیوں کہ اَیسا کام خُداوند کے نزدیک مکروہ ہے۔ سو تو اُس ملک کو جِسے خُداوند تیرا خُدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے گنہ گار نہ بنانا۔‘‘ (اِستثنا: ۲۴/۱-۴)

لیکن انجیلوں میں مسیح کی طرف منسوب یہ حکم ملتا ہے کہ انھوں نے صرف اور صرف زنا کی شرط پر ہی طلاق کو محدود کر دیا، جس سے توریت کے حکم میں زبردست تبدیلی آگئی:

Jesus' teaching on divorce

"It hath been said, Whosoever shall put away his wife, let him give her a writing of divorcement: But I say unto you, That whosoever shall put away his wife, saving for the cause of fornication, causeth her to commit adultery: and whosoever shall marry her that is divorced committeth adultery." (Matthew: 5/31-32, 19/17, Mark: 10/3-6)

’’یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اُسے طلاق نامہ لکھ دے۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا اَور سبب سے چھوڑ دے وہ اُس سے زنا کراتا ہے اَور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔‘‘ (متی: ۵/۳۱-۳۲، ۱۹/۱۷، مرقس: ۱۰/۳-۶)

متّی کے باب ۱۹ میں تو مسیح نے کھل کر اس بات کا اقرار اور اعلان کیا ہے کہ وہ موسیٰ کی توریت کے حکم کو بدل رہے ہیں:

"He saith unto them, Moses because of the hardness of your hearts suffered you to put away your wives: but from the beginning it was not so. And I say unto you, Whosoever shall put away his wife, except it be for fornication, and shall marry another, committeth adultery: and whoso marrieth her which is put away doth commit adultery." (Matthew: 19/8-9, Mark: 10/2-12)

’’اُس نے اُن سے کہا کہ مُوسیٰ نے تُمھاری سخت دِلی کے سبب سے تُم کو اپنی بِیویوں کو چھوڑ دینے کی اِجازت دی مگر اِبتدا سے اَیسا نہ تھا۔ اور مَیں تُم سے کہتا ہُوں کہ جو کوئی اپنی بِیوی کو حرام کاری کے سِوا کِسی اَور سبب سے چھوڑ دے اور دُوسری سے بیاہ کرے وہ زِنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہُوئی سے بیاہ کر لے وہ بھی زِنا کرتا ہے۔‘‘ (متّی: ۱۹/۸-۹، مرقس: ۱۰/۲-۱۲)

ایک طرف مسیح توریت اور انبیاے سابقین کی کتابوں سے بال برابر اِنحراف کو بھی سخت جرم بتاتے ہیں اور دوسری طرف ان کے احکام کی مخالفت کا اعلان بھی کر رہے ہیں۔

(ب) قسم کے بارے میں تعلیم

قسم کھانے کے متعلق توریت میں بنی اسرائیل کے خدا نے یہ حکم دیا:

"And ye shall not swear by my name falsely, neither shalt thou profane the name of thy God: I [am] the LORD." (Leviticus: 19/12)

"اور تم میرا نام لے کر جھوٹی قسم نہ کھانا جس سے تو اپنے خدا کے نام کو ناپاک ٹھہرائے۔ میں خُداوند ہوں۔" (اَحبار: ۱۹/۱۲)

یعنی سچی قسم کھا سکتے ہیں اور جھوٹی قسم کھانا گناہ ہے۔
توریت کی چوتھی کتاب گنتی میں قسم کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا:

"And Moses spake unto the heads of the tribes concerning the children of Israel, saying, This is the thing which the LORD hath commanded. If a man vow a vow unto the LORD, or swear an oath to bind his soul with a bond; he shall not break his word, he shall do according to all that proceedeth out of his mouth." (Numbers: 30/1-2, KJV)

"اور موسیٰ نے بنی اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ جس بات کا خُداوند نے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ۔ جب کوئی مرد خُداوند کی منت مانے یا قسم کھا کر اپنے اوپر کوئی خاص فرض ٹھہرائے تو وہ اپنے فرض کو نہ توڑے بلکہ جو کچھ اس کے منہ سے نکلا ہے اُسے پورا کرے۔" (گنتی: ۳۰/۱-۲)

قسم کھانے کے متعلق بھی توریت کے خلاف اپنی راہ اور اپنے فتوے کا اعلان کرتے ہوئے مسیح کہتے ہیں:

Jesus' teaching on oaths

"Again, ye have heard that it hath been said by them of old time, Thou shalt not forswear thyself, but shalt perform unto the Lord thine oaths: But I say unto you, Swear not at all; neither by heaven; for it is God's throne: Nor by the earth; for it is his footstool: neither by Jerusalem; for it is the city of the great King. Neither shalt thou swear by thy head, because thou canst not make one hair white or black. But let your communication be, Yea, yea; Nay, nay: for whatsoever is more than these cometh of evil." (Matthew: 5/33-37)

"پھر تُم سُن چُکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جُھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خُداوند کے لیے پُوری کرنا۔ لیکن مَیں تُم سے یہ کہتا ہُوں کہ بالکُل قسم نہ کھانا۔ نہ تو آسمان کی کیوں کہ وہ خُدا کا تخت ہے۔ نہ زمین کی کیوں کہ وہ اُس کے پاؤں کی چَوکی ہے۔ نہ یروشلیم کی کیوں کہ وہ بُزرگ بادشاہ کا شہر ہے۔ نہ اپنے سر کی قسم کھانا کیوں کہ تُو ایک بال کو بھی سفید یا کالا نہیں کر سکتا۔ بلکہ تمھارا کلام ہاں ہاں یا نہیں نہیں ہو کیوں کہ جو اِس سے زِیادہ ہے وہ بدی سے ہے۔" (متّی: ۵/۳۳-۳۷)

یہاں بھی توریت کے حکم سے اِنحراف کا برسر عام اعلان ہو رہا ہے اور اس کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

(ج) اِنتقام کے متعلق توریت کے موقف سے اِنحراف

قصاص اور اِنتقام کے سلسلے میں توریت کا نقطۂ نظر درج ذیل ہے:

"The payment will be life for life, eye for eye, tooth for tooth, head for head, foot for foot, burn for burn, cut for cut, and bruise for bruise." (Exodus: 21/23-25, Deuteronomy: 19/21. CEV, ABS, NY, USA, ©1995)

"تو جان کے بدلے جان لے۔ اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ اور

دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں۔ جلانے کے بدلے جلانا۔ زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ۔" (خروج: ۲۱/ ۲۳۔۲۵، اِستثنا: ۲۱/۱۹)

جب کہ مسیح خود ہی توریت کے اِس قانون سے اِنحراف کرتے ہوئے کچھ اور قانون سنا رہے ہیں:

Love for enemies

"Ye have heard that it hath been said, An eye for an eye, and a tooth for a tooth: But I say unto you, That ye resist not evil: but whosoever shall smite thee on thy right cheek, turn to him the other also. And if any man will sue thee at the law, and take away thy coat, let him have thy cloke also. And whosoever shall compel thee to go a mile, go with him twain. Give to him that asketh thee, and from him that would borrow of thee turn not thou away." (Matthew: 5/38-42, Luke: 6/29-30, KJV)

"تُم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن مَیں تُم سے یہ کہتا ہُوں کہ شرِیر کا مُقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دُوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تُجھ پر نالِش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اُسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اُس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تُجھ سے مانگے اُسے دے اور جو تُجھ سے قرض چاہے اُس سے مُنہ نہ موڑ۔" (متّی: ۵/۳۸۔۴۲، لُوقا: ۶/۲۹۔۳۰)

یہ تو صرف اَقوالِ مسیح سے متعلق تعارضات کی مثالیں ہیں کہ کس طرح مسیح ایک طرف توریت اور دیگر انبیا کی کتابوں پہ سختی سے عمل کرنے کا حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف خود ہی اُس کے خلاف نئی راہ کا اِعلان کر رہے ہیں۔

فصل دوم: بائبل کی عجیب وغریب باتیں

محدث بریلوی نے بائبل کے رد کے لیے بائبل کی کتابوں اور باب نیز آیات نمبر کے حوالے سے کچھ اچنبھا بھری چیزوں کو ذکر کیا ہے۔(۱) چرچ کے لیے ویشیا کی کمائی کا مقدس ہونا۔(۲) لوط کا اپنے ہی سگے نواسوں کا باپ ہونا (۳) مقدس داؤد کا ناقابل قبول عمل (۴) ناشائستہ جملے اور الفاظ کا استعمال (۵) مسیحیوں کا خود اپنے خدا یا اِبنِ خدا مسیح کو لعنتی ٹھہرانا (۶) روٹی کو مسیح کا گوشت اور شراب کو اس کا خون سمجھ کر کھانا پینا۔ وغیرہ وغیرہ

(1) چرچ کے لیے ویشیا کی کمائی مقدس

آج دنیا کے بہت سے ممالک نے بھلے ہی فاحشہ کی کمائی کو قانونی حیثیت دے دی ہو مگر بائبل نے جگہ جگہ زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اور بدن کی بے پردگی اور قوم کی بچیوں اور عورتوں کی جسم فروشی کو اس قوم پر عذاب اِلٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ بائبل کی دوسری کتاب خروج نے زنا کو حرام قرار دیتے ہوئے کہا:

"Thou shalt not commit adultery." (Exodus: 20/14, (Deuteronomy: 5/18, KJV)

"تو زنا نہ کرنا۔" (خروج: ۲۰/ ۱۴، اِستثنا: ۵/۱۸)

کتاب اَحبار میں کہا گیا:

"Do not prostitute thy daughter, to cause her to be a whore; lest the land fall to whoredom, and the land become full of wickedness." (Leviticus: 19/29, KJV, TBR, BSI, 2008)

"تو اَپنی بیٹی کو کسبی بنا کر ناپاک نہ ہونے دینا تا اَیسا نہ ہو کہ ملک میں رَنڈی بازی پھیل جائے اَور سارا ملک بدکاری سے بھر جائے۔" (اَحبار: ۱۹/۲۹)

زنا اور لواطت کو حرام اور ان کی کمائی کو ناپاک بتاتے ہوئے بنی اسرائیل سے کہا گیا:

"There shall be no whore of the daughters of Israel, nor a sodomite of the sons of Israel. Thou shalt not bring the hire of a whore, or the price of a dog,

into the house of the LORD thy God for any vow: for even both these are abomination unto the LORD thy God." (Leviticus: 23/17-18, KJV)

''اِسرائیلی لڑکیوں میں کوئی فاحشہ نہ ہو اور نہ اِسرائیلی لڑکوں میں سے کوئی لُوطی ہو۔ تو کسی فاحشہ کی خرچی یا کُتّے کی اُجرت کسی مِنّت کے لیے خُداوند اپنے خُدا کے گھر میں نہ لانا کیوں کہ یہ دونوں خُداوند تیرے خُدا کے نزدیک مکروہ ہیں۔''

(اِستثنا:۲۳/۱۷۔۱۸)

بدکاری اور بدکاروں سے متعلق بائبل کے سخت موقف کو جان لینے کے بعد اب اس اقتباس کو ملاحظہ فرمائیں:

"Howl, ye ships of Tarshish: for your strength is laid waste And it shall come to pass in that day, that Tyre shall be forgotten seventy years, according to the days of one king: after the end of seventy years shall Tyre sing as an harlot. Take an harp, go about the city, thou harlot that hast been forgotten; make sweet melody, sing many songs, that thou mayest be remembered. And it shall come to pass after the end of seventy years, that the LORD will visit Tyre, and she shall turn to her hire, and shall commit fornication with all the kingdoms of the world upon the face of the earth. And her merchandise and her hire shall be holiness to the LORD: it shall not be treasured nor laid up; for her merchandise shall be for them that dwell before the LORD, to eat sufficiently, and for durable clothing." (Isaiah: 23/14-18, KJV)

''اے ترسیس کے جہازو! واویلا کرو کیوں کہ تمھارا قلعہ اجاڑا گیا۔ اور اُس وقت یوں ہوگا کہ صُور کسی بادشاہ کے ایام کے مطابق ستّر برس تک فراموش ہو جائے گا اور ستّر برس کے بعد صُور کی حالت فاحشہ کی گیت کے مطابق ہوگی۔ اے فاحشہ! تو جو فراموش ہوگئی ہے بربط اُٹھا لے اور شہر میں پھرا کر۔ راگ کو چھیڑ اور بہت سی غزلیں گا کہ لوگ تجھے یاد کریں۔ اور ستّر برس کے بعد یوں ہوگا کہ خُداوند صُور کی خبر لے گا اور وہ اُجرت پر جائے گی اور رُوئے زمین کی تمام مملکتوں سے بدکاری کرے گی۔ لیکن اُس کی تجارت اور اُس کی اُجرت خُداوند کے لیے مقدس ہوگی اور اُس کا مال نہ ذخیرہ کیا جائے گا نہ جمع رہے گا بلکہ اُس کی تجارت کا حاصل اُن کے لیے ہوگا جو خُداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھا کر سیر ہوں اور نفیس پوشاک پہنیں۔'' (یسعیاہ: ۲۳/۱۴۔۱۸)

اگر آج کے مغربی اور عیسائی معاشرے کے پس منظر میں دیکھیں تو شاید اس اقتباس میں کوئی خرابی نظر نہ آئے مگر جب ہم بائبل کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ زنا گناہ اور سخت گناہ ہے۔ بائبل نے کم و بیش تین درجن مقامات پہ زنا کی حرمت وقباحت اور سخت مذمت بیان کی ہے:

اَحبار: ۲۰/۱۰، ۲۱/۹، ۲۲/۲۲، ۲۲/۲۴، گنتی: ۲۵/۱، اَمثال: ۲۲/۴، ۲۳/۲۶۔۲۸، ۲۹/۳، یرمیاہ: ۵/۷۔۹، حزقیال: ۲۳/۴۶۔۴۹، عاموس: ۷/۱۷، ناحوم: ۳/۱۔۶، ہوسیع: ۴/۱۱، حزقی ایل: ۲۳/۱۔۴۹، متی: ۵/۳۲، ۱۹/۹، ۱۹/۱۸، مرقس: ۱۰/۱۱۔۱۲، ۱۰/۱۹، لوقا: ۱۶/۱۸، ۱۸/۲۰، یوحنا: ۸/۳۔۱۱، رومیوں: ۲/۲۲، ۱۳/۹، عبرانیوں: ۱۳/۴، یعقوب: ۴/۴، کرنتھیوں اول: ۶/۱۳۔۱۸، گلتیوں: ۵/۱۹۔۲۱، تیمتھیس اول: ۱/۹۔۱۰، یعقوب: ۲/۱۱، مکاشفہ: ۲/۲۲، ۱۷/۱۔۱۸، ۱۹/۲، ۲۲/۱۵۔

(2) لوط اپنے سگے نواسوں کا باپ:

غلط کام کا اِلزام اور وہ بھی معزز شخصیتوں پر حد درجہ بُرا ہے۔ بائبل لکھنے والوں کے قلم سے حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت لوط، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کی عصمت پر بھی انگشت نمائی کی گئی اور انھیں بھی زمرۂ صالحین و شرفا سے نکالنے کی غلط کوشش ہوئی ہے۔ محدث بریلوی نے اپنے فتوے میں

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق بائبل کے جس نظریے کا حوالہ دیا ہے وہ پیراگراف (اسلامی اور انسانی نقطۂ نگاہ سے) حد درجہ لائق اعتراض اور نا قابل قبول ہے۔ شاید معمولی شریف انسان بھی دل پہ افسوس و ندامت کا بوجھ لیے بغیر اس اقتباس کو نہ پڑھ سکے:

Birth of Moab and Benammi

"And Lot went up out of Zoar, and dwelt in the mountain, and his two daughters with him; for he feared to dwell in Zoar: and he dwelt in a cave, he and his two daughters. And the firstborn said unto the younger, Our father is old, and there is not a man in the earth to come in unto us after the manner of all the earth: Come, let us make our father drink wine, and we will lie with him, that we may preserve seed of our father. And they made their father drink wine that night: and the firstborn went in, and lay with her father; and he perceived not when she lay down, nor when she arose. And it came to pass on the morrow, that the firstborn said unto the younger, Behold, I lay yesternight with my father: let us make him drink wine this night also; and go thou in, and lie with him, that we may preserve seed of our Father. And they made their father drink wine that night also: and the younger arose, and lay with him; and he perceived not when she lay down, nor when she arose. Thus were both the daughters of Lot with child by their father. And the firstborn bare a son, and called his name Moab: the same is the father of the Moabites unto this day. And the younger, she also bare a son, and called his name Benammi: the same is the father of the children of Ammon unto this day." (Genesis: 19/30-38, KJV)

''اور لوطؑ ضُغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اُس کی دونوں بیٹیاں اُس کے ساتھ تھیں کیوں کہ اُسے ضُغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اُس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مَئے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اُنھوں نے اُسی رات اپنے باپ کو مَئے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی۔ اور دُوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ آؤ آج رات بھی اُس کو مَئے پلائیں اور تو بھی جا کر اُس سے ہم آغوش ہو تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اُس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مَے پلائی اور چھوٹی گئی اور اُس سے ہم آغوش ہوئی پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی۔ سو لوطؑ کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اُس نے اُس کا نام موآب رکھا۔ وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔ اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اُس نے اُس کا نام بِن عمّی رکھا۔ وہی بنی عمّون کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔'' (پیدائش: ۱۹/ ۳۰۔۳۸)

یہ تاریخ کا سیاہ ترین افسانہ ہے۔ اس جیسا کبھی سنا نہ پڑھا۔ اس میں نہ صرف ایک مقدس شخصیت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ عورتوں کی عزت اور ان کی شرافت کو اس حد تک گرا کر پیش کیا گیا ہے کہ بے راہ روی کے اس دور میں بھی شاید ہی اس طرح کا حادثہ پیش آتا ہو۔

(3) مقدس داؤد کے ڈگمگاتے قدم

حضرت رضا بریلوی نے اپنے فتوے میں اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ بائبل نے داؤد علیہ السلام کے تقدس پر بھی کاری ضرب لگانے کی نا قابل قبول کوشش کی۔ معاذ اللہ بائبل نے داؤد علیہ السلام کے دامن پر غلط روی اور خواہشات میں اندھے ہو کر دشمن ملکوں کے

ہاتھوں ملک وقوم کے وفادار اور بہادر سپاہیوں کے قتل کی سازش رچنے اور اس کا حکم دینے کے سنگین الزامات عائد کیے ہیں جو حد درجہ افسوس ناک ہے۔ آنکھوں میں شرم کے پانی کے ساتھ درج ذیل اقتباس کو پڑھیں:

"And it came to pass in an eveningtide, that David arose from off his bed, and walked upon the roof of the king's house: and from the roof he saw a woman washing herself; and the woman was very beautiful to look upon. And David sent and enquired after the woman. And one said, Is not this Bath-sheba, the daughter of Eliam, the wife of Uriah the Hittite? And David sent messengers, and took her; and she came in unto him, and he lay with her; for she was purified from her uncleanness: and she returned unto her house. And the woman conceived, and sent and told David, and said, I am with child." (2Samuel: 11/2-5, KJV)

''اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اُٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اُس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوب صورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اُس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ اِلعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتّی اوریّاہ کی بیوی ہے؟۔ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اُسے بلا لیا۔ وہ اُس کے پاس آئی اور اُس نے اُس سے صحبت کی (کیوں کہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہوچکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ سو اُس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔'' (سموئیل دوم: ۱۱/۲۔۵)

بات صرف یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ بائبل نے معاذ اللہ داؤد کو راہِ عشق میں قاتل، فریبی، سازشی اور غدارِ ملت وملک' بنا کر پیش کیا ہے:

"And David sent to Joab, saying, Send me Uriah the Hittite. And Joab sent Uriah to David. And when Uriah was come unto him, David demanded of him how Joab did, and how the people did, and how the war prospered. And David said to Uriah, Go down to thy house, and wash thy feet. And Uriah departed out of the king's house, and there followed him a mess of meat from the king. But Uriah slept at the door of the king's house with all the servants of his lord, and went not down to his house. And when they had told David, saying, Uriah went not down unto his house, David said unto Uriah, Camest thou not from thy journey? why then didst thou not go down unto thine house? And Uriah said unto David, The ark, and Israel, and Judah, abide in tents; and my lord Joab, and the servants of my lord, are encamped in the open fields; shall I then go into mine house, to eat and to drink, and to lie with my wife? as thou livest, and as thy soul liveth, I will not do this thing. And David said to Uriah, Tarry here today also, and tomorrow I will let thee depart. So Uriah abode in Jerusalem that day, and the morrow. And when David had called him, he did eat and drink before him; and he made him drunk: and at even he went out to lie on his bed with the servants of his lord, but went not down to his house. And it came to pass in the morning, that David wrote a letter to Joab, and sent it by the hand of Uriah. And he wrote in the letter, saying, Set ye Uriah in the forefront of the hottest battle, and retire ye from him, that he may be smitten, and die. And it came to pass, when Joab observed the city, that he assigned Uriah unto a place where he knew that valiant men were. And the men of the city went out, and fought with Joab: and there fell some of the people of the servants of David; and Uriah the Hittite died also. Then Joab sent and told David all the things concerning the war; And charged

the messenger, saying, When thou hast made an end of telling the matters of the war unto the king, And if so be that the king's wrath arise, and he say unto thee, Wherefore approached ye so nigh unto the city when ye did fight? knew ye not that they would shoot from the wall? Who smote Abimelech the son of Jerubbesheth? did not a woman cast a piece of a millstone upon him from the wall, that he died in Thebez? why went ye nigh the wall? then say thou, Thy servant Uriah the Hittite is dead also. So the messenger went, and came and shewed David all that Joab had sent him for. And the messenger said unto David, Surely the men prevailed against us, and came out unto us into the field, and we were upon them even unto the entering of the gate. And the shooters shot from off the wall upon thy servants; and some of the king's servants be dead, and thy servant Uriah the Hittite is dead also. Then David said unto the messenger, Thus shalt thou say unto Joab, Let not this thing displease thee, for the sword devoureth one as well as another: make thy battle more strong against the city, and overthrow it: and encourage thou him. And when the wife of Uriah heard that Uriah her husband was dead, she mourned for her husband. And when the mourning was past, David sent and fetched her to his house, and she became his wife, and bare him a son. But the thing that David had done displeased the LORD." (2Samuel: 11/6-27, KJV, BSI, Bangalore, India, 2008)

''اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حِتّی اورِیّاہ کو میرے پاس بھیج دے۔ سو یوآب نے اورِیّاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا۔ اور جب اورِیّاہ آیا تو داؤد نے پُوچھا کہ یوآب کیسا ہے اور لوگوں کا کیا حال ہے اور جنگ کیسی ہو رہی ہے؟۔ پھر داؤد نے اورِیّاہ سے کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو اور اورِیّاہ بادشاہ کے محلّ سے نِکلا اور بادشاہ کی طرف سے اُس کے پیچھے پیچھے ایک خوان بھیجا گیا۔ پر اورِیّاہ بادشاہ کے گھر کے آستانہ پر اپنے مالِک کے اور سب خادِموں کے ساتھ سویا اور اپنے گھر نہ گیا۔ اور جب اُنھوں نے داؤد کو یہ بتایا کہ اورِیّاہ اپنے گھر نہیں گیا تو داؤد نے اورِیّاہ سے کہا کیا تُو سفر سے نہیں آیا؟ پس تُو اپنے گھر کیوں نہ گیا؟۔ اورِیّاہ نے داؤد سے کہا کہ صندُوق اور اِسرائیل اور یہُوداہ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور میرا مالِک یوآب اور میرے مالِک کے خادِم کُھلے مَیدان میں ڈیرے ڈالے ہُوئے ہیں تو کیا مَیں اپنے گھر جاؤں اور کھاؤں پیوں اور اپنی بیوی کے ساتھ سوؤں؟ تیری حیات اور تیری جان کی قسم مجھ سے یہ بات نہ ہوگی۔ پھر داؤد نے اورِیّاہ سے کہا کہ آج بھی تُو یہیں رہ جا۔ کل مَیں تجھے روانہ کر دُوں گا۔ سو اورِیّاہ اُس دِن اور دُوسرے دِن بھی یروشلیم میں رہا۔ اور جب داؤد نے اُسے بُلایا تو اُس نے اُس کے حضُور کھایا پیا اور اُس نے اُسے پِلا کر متوالا کِیا اور شام کو وہ باہر جا کر اپنے مالِک کے اور خادِموں کے ساتھ اپنے بستر پر سو رہا پر اپنے گھر کو نہ گیا۔ صبح کو داؤد نے یوآب کے لیے ایک خط لِکھا اور اُسے اورِیّاہ کے ہاتھ بھیجا۔ اور اُس نے خط میں یہ لِکھا کہ اورِیّاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تُم اُس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو۔ اور یُوں ہُوا کہ جب یوآب نے اُس شہر کا مُلاحظہ کر لیا تو اُس نے اورِیّاہ کو اَیسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادُر مَرد ہیں۔ اور اُس شہر کے لوگ نِکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادِموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حِتّی اورِیّاہ بھی مَر گیا۔ تب یوآب نے آدمی بھیج کر جنگ کا سب حال داؤد کو بتایا۔ اور اُس نے قاصِد کو تاکید کر دی کہ جب تُو بادشاہ سے جنگ کا سب حال عرض کر چُکے۔ تب اگر اَیسا ہو

کہ بادشاہ کو غصّہ آجائے اور وہ تجھ سے کہنے لگے کہ تُم لڑنے کو شہر کے اَیسے نزدِیک کیوں چلے گئے؟ کیا تُم نہیں جانتے تھے کہ وہ دِیوار پر سے تیر ماریں گے؟۔ یرُبّست کے بیٹے اِبیملک کو کِس نے مارا؟ کیا ایک عورت نے چکّی کا پاٹ دِیوار پر سے اُس کے اُوپر اَیسا نہیں پھینکا کہ وہ تبیض میں مَر گیا؟ سو تُم شہر کی دِیوار کے نزدِیک کیوں گئے؟ تو پھر تُو کہنا کہ تیرا خادِم حِتّی اورِیّاہ بھی مَر گیا ہے۔ سو وہ قاصِد چلا اور آ کر جِس کام کے لیے یوآب نے اُسے بھیجا تھا وہ سب داؤد کو بتایا۔ اور اُس قاصِد نے داؤد سے کہا کہ وہ لوگ ہم پر غالِب ہُوئے اور نِکل کر مَیدان میں ہمارے پاس آ گئے۔ پِھر ہم اُن کو رگیدتے ہُوئے پھاٹک کے مدخل تک چلے گئے۔ تب تِیر اندازوں نے دِیوار پر سے تیرے خادِموں پر تیر چھوڑے۔ سو بادشاہ کے تھوڑے سے خادِم بھی مَرے اور تیرا خادِم حِتّی اورِیّاہ بھی مَر گیا۔ تب داؤد نے قاصِد سے کہا کہ تُو یوآب سے یُوں کہنا کہ تجھے اِس بات سے ناخُوشی نہ ہو اِس لیے کہ تلوار جَیسا ایک کو اُڑاتی ہے وَیسا ہی دُوسرے کو۔ سو تُو شہر سے اور سخت جنگ کر کے اُسے ڈھادے اور تُو اُسے دَم دِلاسا دینا۔ جب اورِیّاہ کی بیوی نے سُنا کہ اُس کا شَوہر اورِیّاہ مَر گیا تو وہ اپنے شَوہر کے لیے ماتم کرنے لگی۔ اور جب سوگ کے دِن گُذر گئے تو داؤد نے اُسے بُلوا کر اُس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اُس کی بیوی ہوگئی اور اُس سے اُس کے ایک لڑکا ہُوا پر اُس کام سے جِسے داؤد نے کِیا تھا خُداوند ناراض ہُوا۔'' (سموئیل دوم: ۱۱/ ۶۔ ۲۷)

مقدس داؤد کی جو سیرت نگاری بائبل نے کی ہے اُس سے صرف خدا ہی نہیں، بلکہ انسانیت، شرافت، حب الوطنی اور قوم پرستی جیسے سبھی الفاظ بھی ناراض ہوئے۔ اس پیراگراف میں داؤد پر نہ صرف بدکاری کا الزام ہے بلکہ خدا کی فوج اور اس کی ریاست سے غداری کا بھی الزام ہے۔ وہ جوان جو ملک وقوم کی حفاظت کے جذبے سے اس قدر سرشار ہو کہ اپنے محلے میں اور اپنے گھر کے قریب پہنچ کر بھی گھر نہیں جاتا اور دشمنوں کے سامنے ڈٹے دوسرے فوجیوں کا تصور لیے اپنے گھر کے سامنے والے میدان میں دو راتیں گذار دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ شراب میں متوالا ہونے کے باوجود اس کے دل ودماغ سے ملک وملت کی محبت کا نشہ نہیں اترتا ہے اور وہ اس حال میں بھی گھر نہیں جاتا ہے۔ ایسے جاں نثار اور محبّ وطن فوجی کے قتل کی سازش اور وہ بھی دشمن فوجیوں کے ہاتھوں بہت زیادہ قابل مذمت چیز ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ کئی بہادر فوجی جوانوں کی زندگی کے چراغ کو دشمن فوجیوں کے ذریعے گُل کروانا اتنا سخت جرم ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ملک ایسے حکمراں کو پھانسی سے کم سزا دینے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ معاذ اللہ بائبل نے اس سخت جرم کا مرتکب بنا کر اُس ذات کو پیش کیا ہے جس کے بارے میں خود بائبل میں خدا کے اَلفاظ یہ ہیں:

"So tell my servant David that I, the Lord Almighty, say to him, 'I took you from looking after sheep in the fields and made you the ruler of my people, Isreal, I have been with you wherever you have gone and I have defeated all your enemies as you advanced, I will make you as famous as the greatest leaders in the world."

(1Chronicles: 17/7-8, GNB, BSI, Bangalore, India, 2008-9)

''پس تو میرے بندہ داؤد سے یوں کہنا کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے بھیڑسالے میں سے جب تو بھیڑ بکریوں کے پیچھے پیچھے چلتا تھا لیا تا کہ تو میری قوم اِسرائیل کا پیشوا ہو۔ اور جہاں کہیں تو گیا میں تیرے ساتھ رہا اور تیرے سب دشمنوں کو تیرے سامنے سے کاٹ ڈالا ہے اور میں روئے زمین کے بڑے بڑے آدمیوں کے نام کی مانند تیرا نام کر دوں گا۔''

(تواریخ اول: ۱۷/۷۔۸، بائبل سوسائٹی ہند، ۲۰۰۹ء)

اور ایک دل چسپ پہلو یہ بھی ہے کہ داؤد ایک مثالی بادشاہ قرار دیے گئے ہیں اور بائبل میں بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے اعمال کو تولنے کے لیے داؤد کو ہی بطور معیار پیش کیا گیا ہے۔ جیسا کہ جابجا اس طرح کے جملے بکھرے پڑے ہیں:

"For it came to pass, when Solomon was old, [that] his wives turned away his heart after other gods: and his heart was not perfect with the LORD his God, as [was] the heart of David his father." (1Kings: 11/4, 3/14, 9/4, 11/6, 11/33, 11/38, 2Chronicles: 7/17, KJV)

''جب سلیمان بڈھا ہوگیا تو اُس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کرلیا اور اُس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اُس کے باپ داؤد کا دل تھا۔'' (سلاطین اول: ۱۱/۴، ۳/۱۴، ۹/۴، ۱۱/۶، ۱۱/۳۳، ۱۱/۳۸، تواریخ دوم: ۷/۱۷)

اگلی آیات میں مزید تاکید کی گئی:

"For Solomon went after Ashtoreth the goddess of the Zidonians, and after Milcom the abomination of the Ammonites. And Solomon did evil in the sight of the LORD, and went not fully after the LORD, as did David his father." (1Kings: 11/5-6, King James Version)

''کیوں کہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمّونیوں کے نفرتی مِلکوم کی پیروی کرنے لگا۔ اور سلیمان نے خُداوند کے آگے بدی کی اور اُس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسے اُس کے باپ داؤد نے کی تھی۔'' (سلاطین اول: ۱۱/۵۔۶)

سلاطین اول (۱۱:۴۔۶) اور تواریخ اول (۱۷:۷۔۸) کے حوالے سے اوپر نقل کیے گئے اقتباسات بتاتے ہیں کہ داؤد کامل طور پر خدائے بنی اسرائیل کے فرماں بردار تھے، حالاں کہ بائبل کی دوسری آیتوں کا کچھ اور ہی کہنا ہے۔ بائبل کبھی انھیں مکمل صالح اور فرماں بردار کہتی ہے تو کسی مقام پر انھیں صرف ایک گناہ کا مجرم مانتی ہے، تو کہیں وہ دو تو کبھی تین گناہوں کے مجرم کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اس طرح داؤد کے معاملے میں بھی بائبل کا دامن تضاد کے کانٹوں میں الجھا ہوا ہے۔

یہ تو آپ نے پہلے ہی ملاحظہ کرلیا ہے کہ داؤد کو بائبل نے کئی مقام پر مثالی حکمراں اور کامل فرماں بردار بندے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اب مزید امور بھی ملاحظہ فرمالیں۔

داؤد نے کتنے گناہ کیے؟ ایک یا دو؟

تعارض کی اس تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں:

(۱) بائبل کا درج ذیل پیراگراف یہ کہتا ہے کہ داؤد صرف حتی اوریّاہ کے معاملے میں خداوند کے حکم سے باہر گیا، اس کے علاوہ اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا:

"Because David did [that which was] right in the eyes of the LORD, and turned not aside from any [thing] that he commanded him all the days of his life, save only in the matter of Uriah the Hittite." (1Kings: 15/5, KJV)

''اِس لیے کہ داؤد نے وہ کام کیے جو خُداوند کی نظر میں ٹھیک تھا اور اپنی ساری عمر خُداوند کے کسی حکم سے باہر نہ ہوا سوا حتّی اوریّاہ کے معاملے کے۔'' (سلاطین اول: ۵/۱۵)

(۲) جب کہ درج ذیل اقتباس ایک اور گناہ کا اضافہ کرتا ہے:

"And Satan stood up against Israel, and provoked David to number Israel. And David said to Joab and to the rulers of the people, Go, number Israel from Beer-sheba even to Dan; and bring the number of them to me, that I may know it. And Joab answered, The LORD make his people an hundred times so many more as they be: but, my lord the king, are they not all my lord's servants? why then doth my lord require this thing?

why will he be a cause of trespass to Israel? Nevertheless the king's word prevailed against Joab. Wherefore Joab departed, and went throughout all Israel, and came to Jerusalem. And Joab gave the sum of the number of the people unto David. And all they of Israel were a thousand thousand and an hundred thousand men that drew sword: and Judah was four hundred threescore and ten thousand men that drew sword. But Levi and Benjamin counted he not among them: for the king's word was abominable to Joab. And God was displeased with this thing; therefore he smote Israel. And David said unto God, I have sinned greatly, because I have done this thing: but now, I beseech thee, do away the iniquity of thy servant; for I have done very foolishly." (1Chronicles: 21/1-8, KJV)

’’اور شیطان اسرائیل کے خلاف اُٹھ کر داؤد کو اُبھارا کہ اسرائیل کا شُمار کرے۔ تب داؤد نے یوآب سے اور لوگوں کے سرداروں سے کہا کہ جاؤ بیرسبع سے دان تک اسرائیل کا شمار کرو اور مجھے خبر دو تا کہ مجھے اُن کی تعداد معلوم ہو۔ یوآب نے کہا خداوند اپنے لوگوں کو جتنے ہیں اُس سے سو گنا زیادہ کرے لیکن اَے میرے مالک بادشاہ کیا وہ سب کے سب میرے مالک کے خادم نہیں ہیں؟ پھر میرا خداوند یہ بات کیوں چاہتا ہے؟ وہ اسرائیل کے لیے خطا کا باعث کیوں بنے؟۔ تو بھی بادشاہ کا فرمان یوآب پر غالب رہا چنانچہ یوآب رخصت ہوا اور تمام اسرائیل میں پھرا اور یروشلم کو لوٹا۔ اور یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داؤد کو بتائی اور سب اسرائیلی گیارہ لاکھ شمشیر زن مرد اور یہوداہ چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے۔ لیکن اس نے لاوی اور بنیمین کا شمار اُن کے ساتھ نہیں کیا کیوں کہ بادشاہ کا حکم یوآب کے نزدیک نفرت انگیز تھا۔ لیکن خُدا اِس بات سے ناراض ہوا اور اُس نے اِسرائیل کو مارا۔ تب داؤد نے خُدا سے کہا کہ مجھ سے بڑا گناہ ہوا کہ میں نے یہ کام کِیا۔ اب تجھ سے منت کرتا ہوں کہ اپنے بندہ کا قصور معاف کر کیوں کہ میں نے بیہودہ کام کِیا ہے۔‘‘ (تواریخ اول: ۲۱/۱۔۸، بائبل سوسائٹی ہند، ۲۰۰۹ء)

(۳) بائبل کی ایک اور کتاب ’سموئیل اول‘ مقدس داؤد کے گناہوں کی فہرست میں ایک اور اضافہ کرتی ہے۔ مقدس داؤد کے زمانے میں ساؤل نامی ایک شخص ان کا بادشاہ تھا۔ داؤد علیہ السلام کی بہادری اور قوم کی ان سے محبت و جاں واری کو دیکھ کر اس حکمراں کو ان سے حسد ہونے لگی۔ اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ اس طرح ان کو قتل کرایا جائے کہ وہ قتل بھی ہو جائیں اور میری ذات پہ کوئی آنچ بھی نہ آئے۔ اس کے لیے اس نے یہ پلان بنایا کہ انھیں فلستیوں کے ہاتھوں قتل کرا دیا جائے۔ اس نے اپنے خادموں کی معرفت داؤد کو یہ پیغام بھیجا کہ بادشاہ اُنھیں اپنا داماد بنانا چاہتا ہے اور مہر دین میں صرف ایک سو فلستیوں کی کھلڑیاں مانگتا ہے۔ اب آگے کیا ہوا یہ بائبل کی زبانی سنیے:

"Wherefore David arose and went, he and his men, and slew of the Philistines two hundred men; and David brought their foreskins, and they gave them in full tale to the king, that he might be the king's so." (1Samuel: 18/17-27, KJV)

’’داؤد اُٹھا اور اپنے لوگوں کو لے کر گیا اور دو سو فلستی قتل کر ڈالے اور داؤد اُن کی کھلڑیاں لایا اور اُنھوں نے اُن کی پوری تعداد میں بادشاہ کو دیا تا کہ وہ بادشاہ کا داماد ہو اور ساؤل نے اپنی بیٹی میکل اسے بیاہ دی۔‘‘

(سموئیل اول: ۱۸/۱۷۔۲۷، بائبل سوسائٹی ہند، ۲۰۰۹ء)

اپنی شادی کے لیے دو سو لوگوں کو قتل کر کے ان کی کھلڑیاں مہر دین میں دینا ہمارے اور دنیا کے ہر ہوش مند انسان کی نظر سے ایک سخت جرم مانا جائے گا۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ محال

چیز مان بھی لیں کہ مہر دین میں انسانوں کا قتل درست تھا یا ہے، تو بھی مانگا گیا تھا صرف سو، اور مقدس داؤد اُس میں سو اپنی جانب سے اضافہ بھی کرکے دے رہے ہیں۔ ویسے ساؤل کے پیغام والے پیراگراف اور مہر ادا کرنے کے پیراگراف کو پڑھیں تو تعارض یہاں سے بھی جھانکتا ہوا نظر آئے گا کہ ساؤل نے صرف سو فلستیوں کی کھلڑیوں کو مہر دین قرار دیا تھا اور مسیح دو سو کی کھلڑیاں لاکر دے رہے ہیں اور اُس پر بھی بائبل یہ کہہ رہی ہے کہ اُس نے پوری تعداد میں لاکر دیا۔

داؤد (David) سے متعلق اوپر ذکر کیے گئے چند اقتباسات کے مطالعے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بائبل کے ناقلین نے جہاں ان کے حق میں زیادتی سے کام لے کر ان کا دامن داغ دار کرنے کی غلط کوشش کی ہے وہیں تعارض اور تضاد بیانی کا شکار ہو کر خود اپنی مقدس کتاب بائبل کے دامن کو بھی کانٹوں میں پھنسا کر چھوڑ گئے۔

بائبل کے تعارضات کی اور جھلک دیکھنے کے لیے ہماری زیر تکمیل کتاب ''بائبل اور تناقضات'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(4) بائبل میں ناشائستہ جملے اور الفاظ کا استعمال

انگریزی ادب کے مطالعے سے بسا اوقات یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ انگریزی ادب نے انسانی جذبات اور ان کے احساسات کا کس حد تک خیال رکھنے کی کوشش کی ہے۔ بات چیت اور گفتگو کے دوران شائستگی کی تعلیم بڑی پیاری لگتی ہے۔ اور انگریزی زبان ہی نہیں بلکہ ہر مہذب قوم کی زبان اُن چیزوں کا خیال رکھتی ہے۔ جو شخص جتنا بڑا اور جتنے اہم مقام پر ہوتا ہے وہ خود جب کوئی غلط چیز کو بیان کرتا ہے تب یا اس کے متعلق غلط معاملات بیان ہوتے ہیں تب بھی اسی طرح شائستگی کا خیال رکھا جاتا اور اشارہ و کنایہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن بائبل کا نقطۂ نظر اور طریقۂ کار بہت زیادہ تعجب خیز ہے۔ بائبل کے جملوں کی ساخت کبھی کبھی فحش گو نثر نگار کی زبان کا احساس دلا دیتی ہے۔ ناشائستہ اور فحش الفاظ و جملے بائبل کی ایک زندہ حقیقت ہیں جس سے انکار کی مجال نہیں۔ محدث بریلوی نے بھی بائبل کی بعض کتابوں کے حوالے کی تعیین کے ساتھ اِس کی طرف اِشارہ فرمایا ہے جو درج ذیل ہے:

The parable of the two sisters

"The word of the LORD came again unto me, saying, Son of man, there were two women, the daughters of one mother: And they committed whoredoms in Egypt; they committed whoredoms in their youth: there were their breasts pressed, and there they bruised the teats of their virginity. And the names of them were Aholah the elder, and Aholibah her sister: and they were mine, and they bare sons and daughters. Thus were their names; Samaria is Aholah, and Jerusalem Aholibah. And Aholah played the harlot when she was mine; and she doted on her lovers, on the Assyrians her neighbours, Which were clothed with blue, captains and rulers, all of them desirable young men, horsemen riding upon horses. Thus she committed her whoredoms with them, with all them that were the chosen men of Assyria, and with all on whom she doted: with all their idols she defiled herself. Neither left she her whoredoms brought from Egypt: for in her youth they lay with her, and they bruised the breasts of her virginity, and poured their whoredom upon her. Wherefore I have delivered her into the hand of her lovers, into the hand of the Assyrians, upon whom she doted. These discovered her nakedness: they took her sons and her daughters, and slew her with the sword: and she became famous among women; for they had executed judgment upon her. And when her sister Aholibah saw this, she was more corrupt in her inordinate love than she, and in her whoredoms more than her sister in her whoredoms. She doted upon the Assyrians her neighbours, captains and rulers clothed most gorgeously,

horsemen riding upon horses, all of them desirable young men. Then I saw that she was defiled, that they took both one way, And that she increased her whoredoms: for when she saw men pourtrayed upon the wall, the images of the Chaldeans pourtrayed with vermilion, Girded with girdles upon their loins, exceeding in dyed attire upon their heads, all of them princes to look to, after the manner of the Babylonians of Chaldea, the land of their nativity: And as soon as she saw them with her eyes, she doted upon them, and sent messengers unto them into Chaldea. And the Babylonians came to her into the bed of love, and they defiled her with their whoredom, and she was polluted with them, and her mind was alienated from them. So she discovered her whoredoms, and discovered her nakedness: then my mind was alienated from her, like as my mind was alienated from her sister. Yet she multiplied her whoredoms, in calling to remembrance the days of her youth, wherein she had played the harlot in the land of Egypt. For she doted upon their paramours, whose flesh is as the flesh of asses, and whose issue is like the issue of horses. Thus thou calledst to remembrance the lewdness of thy youth, in bruising thy teats by the Egyptians for the paps of thy youth. There, O Aholibah, thus saith the Lord GOD; Behold, I will raise up thy lovers against thee, from whom thy mind is alienated, and I will bring them against thee on every side; The Babylonians, and all the Chaldeans, Pekod, and Shoa, and Koa, and all the Assyrians with them: all of them desirable young men, captains and rulers, great lords and renowned, all of them riding upon horses."

بدکار بہنیں

’’اور خُداوند کا کلام مُجھ پر نازِل ہُوا۔ کہ اَے آدم زاد! دو عورتیں ایک ہی ماں کی بیٹیاں تھیں۔ اُنھوں نے مِصر میں بدکاری کی۔ وہ اپنی جوانی میں بدکار بنیں۔ وہاں اُن کی چھاتیاں مَلی گئیں اور وہیں اُن کے دوشیزگی کے پستان مَسلے گئے۔ اُن میں سے بڑی کا نام آہولہ اور اُس کی بہن کا آہولیبہ تھا اور وہ دونوں میری ہوگئیں اور اُن سے بیٹے بیٹیاں پیدا ہُوئے اور اُن کے یہ نام آہولہ اور آہولیبہ سامریہ ویروشلیم ہیں۔ اور آہولہ جب کہ وہ میری تھی بدکاری کرنے لگی اور اپنے یاروں پر یعنی اسُوریوں پر جو ہم سایہ تھے عاشق ہُوئی۔ وہ سردار اور حاکم اور سب کے سب دِل پسند جوان مَرد اور سوار تھے جو گھوڑوں پر سوار ہوتے اور ارغوانی پوشاک پہنتے تھے۔ اور اُس نے اُن سب کے ساتھ جو اسُور کے برگزیدہ مَرد تھے بدکاری کی اور اُن سب کے ساتھ جن سے وہ عشق بازی کرتی تھی اور اُن کے سب بُتوں کے ساتھ ناپاک ہُوئی۔ اُس نے جو بدکاری مِصر میں کی تھی اُسے ترک نہ کِیا کیوں کہ اُس کی جوانی میں وہ اُس سے ہم آغوش ہُوئے اور اُنھوں نے اُس کی دوشیزگی کے پستانوں کو مَسلا اور اپنی بدکاری اُس پر اُنڈیل دی۔ اِس لیے مَیں نے اُسے اُس کے یاروں یعنی اسُوریوں کے حوالہ کر دِیا جن پر وہ مَرتی تھی۔ اُنھوں نے اُس کو بے ستر کِیا اور اُس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو چھین لِیا اور اُسے تلوار سے قتل کِیا۔ پس وہ عورتوں میں انگشت نُما ہُوئی کیوں کہ اُنھوں نے اُسے عدالت سے سزا دی۔ اور اُس کی بہن آہولیبہ نے یہ سب کچھ دیکھا پر وہ شہوت پرستی میں اس سے بدتر ہُوئی اور اُس نے اپنی بہن سے بڑھ کر بدکاری کی۔ وہ اسُوریوں پر عاشق ہُوئی جو سردار اور حاکم اور اُس کے ہم سایہ تھے جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے اور گھوڑوں پر سوار ہوتے اور سب کے سب دِل پسند جوان مَرد تھے۔ اور مَیں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہوگئی۔ اُن دونوں کی ایک ہی روِش تھی۔ اور اُس

نے بدکاری میں ترقی کی کیوں کہ جب اُس نے دِیوار پر مَردوں کی صُورتیں دیکھیں یعنی کسدیوں کی تصویریں جو شنگرف سے کھینچی ہُوئی تھیں۔ جو پٹکوں سے کمربستہ اور سروں پر رنگین پگڑِیاں پہنے تھے اور سب کے سب دیکھنے میں اُمرا اہلِ بابل کی مانند تھے جِن کا وطن کسدِستان ہے۔ تو دیکھتے ہی وہ اُن پر مَرنے لگی اور اُن کے پاس کسدِستان میں قاصِد بھیجے۔ پس اہلِ بابل اُس کے پاس آکر عِشق کے بِستر پر چڑھے اور اُنھوں نے اُس سے بدکاری کرکے اُسے آلُودہ کِیا اور وہ اُن سے ناپاک ہُوئی تو اُس کی جان اُن سے بیزار ہوگئی۔ تب اُس کی بدکاری علانیہ ہُوئی اور اُس کی برہنگی بے ستر ہوگئی۔ تب میری جان اُس سے بیزار ہُوئی جَیسی اُس کی بہن سے بیزار ہوچُکی تھی۔ تَو بھی اُس نے اپنی جوانی کے دِنوں کو یاد کرکے جب وہ مِصر کی سرزمِین میں بدکاری کرتی تھی بدکاری پر بدکاری کی۔ سو وہ پِھر اپنے اُن یاروں پر مَرنے لگی جِن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جِن کا اِنزال گھوڑوں کا سا اِنزال تھا۔ اِس طرح تُو نے اپنی جوانی کی شہوت پرستی کو جب کہ مِصری تیری جوانی کی چھاتیوں کے سبب سے تیرے پِستان مَلتے تھے پِھر یاد کِیا۔ اِس لِئے اَے اہولِیبہ خُداوند خُدا یُوں فرماتا ہے کہ دیکھ مَیں اُن یاروں کو جِن سے تیری جان بیزار ہوگئی ہے اُبھارُوں گا کہ تُجھ سے مُخالفت کریں اور اُن کو بُلا لاؤں گا کہ تجھے چاروں طرف سے گھیر لیں۔ اہلِ بابل اور سب کسدیوں کو فِقود اور شوع اور قوع اور اُن کے ساتھ تمام اسُوریوں کو۔ سب کے سب دِل پسند جوان مَردوں کو سرداروں اور حاکِموں کو اور بڑے بڑے امیروں اور نامی لوگوں کو جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں تُجھ پر چڑھا لاؤں گا۔ اور وہ اسلحۂ جنگ اور رتھوں اور چھکڑوں اور اُمّتوں کے انبوہ کے ساتھ تجھ پر حملہ کریں گے اور ڈھال اور پھری پکڑ کر اور خود پہن کر چاروں طرف سے تجھے گھیر لیں گے۔ مَیں عدالت اُن کو سپرد کرُوں گا اور وہ اپنے آئین کے مُطابِق تیرا فیصلہ کریں گے۔ اور مَیں اپنی غیرت کو تیری مُخالِف بناؤں گا اور وہ غضب ناک ہوکر تجھ سے پیش آئیں گے اور تیری ناک اور تیرے کان کاٹ ڈالیں گے اور تیرے باقی لوگ تلوار سے مارے جائیں گے۔ وہ تیرے بیٹوں اور بیٹیوں کو پکڑ لیں گے اور تیرا بقیّہ آگ سے بھسم ہو گا۔ اور وہ تیرے کپڑے اُتار لیں گے اور تیرے نفیس زیور لُوٹ لے جائیں گے۔ اور مَیں تیری شہوت پرستی اور تیری بدکاری جو تُو نے مُلکِ مِصر میں سیکھی مَوقُوف کرُوں گا یہاں تک کہ تُو اُن کی طرف پِھر آنکھ نہ اُٹھائے گی اور پِھر مِصر کو یاد نہ کرے گی۔‘‘ (حزقیال:۲۳/۱۔۲۷)

خُداوند نے یروشلم اور سامریہ کے رہنے والوں کی نافرمانی میں بطور مثال بائبل کے اس اقتباس کو پیش کیا ہے۔ نعمت و احسان اور اس کے بدلے میں ملنے والی ناشکری کے درد کو بیان کرنے کے لیے انھوں نے ان جملوں اور اس تمثیل کا استعمال کیا ہے۔ یہ بات تو زبان کے ماہرین اور معمولی شُد بُد رکھنے والے افراد بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ان جملوں اور اس تمثیل سے بچا جا سکتا تھا بلکہ بچنا ہی چاہیے تھا کہ شرفا اس طرح کی زبان ہرگز استعمال نہیں کرتے ہیں۔ ہندوستان وغیرہ ایشیائی ملکوں میں اس سے کئی قدر اعلیٰ زبان کو بھی ’بازاری زبان‘ کہا جاتا ہے، اور اس معیار کی زبان کو کیا کہا جا سکتا ہے اس کا بہتر فیصلہ شاید ماہرین زبان ہی کر سکتے ہیں۔

بائبل میں ایسے پیراگراف بھی ملتے ہیں جنھیں پڑھ کر ایک غیرت مند اور شریف انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا واقعی خدا کی کتاب اس طرح کے جملوں پہ مشتمل ہو سکتی ہے۔ بلا تبصرہ آپ بھی پڑھیں:

"How beautiful are thy feet with shoes, O prince's daughter! the joints of thy thighs are like jewels, the work of the hands of

a cunning workman. Thy navel is like a round goblet, which wanteth not liquor: thy belly is like an heap of wheat set about with lilies. Thy two breasts are like two young roes that are twins. Thy neck is as a tower of ivory; thine eyes like the fishpools in Heshbon, by the gate of Bath-rabbim: thy nose is as the tower of Lebanon which looketh toward Damascus. Thine head upon thee is like Carmel, and the hair of thine head like purple; the king is held in the galleries. How fair and how pleasant art thou, O love, for delights! This thy stature is like to a palm tree, and thy breasts to clusters of grapes. I said, I will go up to the palm tree, I will take hold of the boughs thereof: now also thy breasts shall be as clusters of the vine, and the smell of thy nose like apples; And the roof of thy mouth like the best wine for my beloved, that goeth down sweetly, causing the lips of those that are asleep to speak. I am my beloved's, and his desire is toward me. Come, my beloved, let us go forth into the field; let us lodge in the villages. Let us get up early to the vineyards; let us see if the vine flourish, whether the tender grape appear, and the pomegranates bud forth: there will I give thee my loves. The mandrakes give a smell, and at our gates are all manner of pleasant fruits, new and old, which I have laid up for thee, O my beloved."
(Song of Solomon: 7/1-13, 8/1-14, KJV, TBR, BSI, Bangalore, India, 2008)

"اے اَمیر زادی! تیرے پاؤں جوتیوں میں کیسے خوب صورت ہیں! تیری رانوں کی گولائی ان زیوروں کی مانند ہے جن کو کسی اُستاد کاریگر نے بنایا ہو۔ تیری ناف گول پیالہ ہے جس میں ملائی ہوئے مَے کی کمی نہیں۔ تیرا پیٹ گیہوں کا اَنبار ہے جس کے گِرداگِرد سوسن ہوں۔ تیری دونوں چھاتیاں دو آہو بچے ہیں۔ جو توام پیدا ہوئے ہیں۔ تیری گردن ہاتھی دانت کا بُرج ہے۔ تیری آنکھیں بیت ربّیم کے پھاٹک کے پاس حسبونؔ کے چشمے ہیں۔ تیری ناک لبنانؔ کے بُرج کی مثال ہے جو دمشق کے رُخ بنا ہے۔ تیرا سر تجھ پر کرملؔ کی مانند ہے اور تیرے سر کے بال ارغوانی ہیں۔ بادشاہ تیری زلفوں میں اَسیر ہے۔ اے محبوبہ! عیش وعشرت کے لیے تو کیسی جمیلہ اور جاں فزا ہے! یہ تیری قامت کھجور کی مانند ہے اور تیری چھاتیاں انگور کے گچھے ہیں۔ میں نے کہا میں اِس کھجور پہ چڑھوں گا اور اِس کی شاخوں کو پکڑوں گا۔ تیری چھاتیاں انگور کے گچھے ہوں اور تیری سانس کی خوشبو سیب کی سی ہو اور تیرا منہ بہترین شراب کی مانند ہو جو میرے محبوب کی طرف سیدھی چلی جاتی ہے اور سونے والوں کے ہونٹوں پر سے آہستہ آہستہ بہ جاتی ہے۔ میں اپنے محبوب کی ہوں اور وہ میرا مشتاق ہے۔ اَے میرے محبوب! چل ہم کھیتوں میں سیر کریں اور گاؤں میں رات کاٹیں۔ پھر تڑکے انگورستانوں میں چلیں اور دیکھیں کہ آیا تاک شگفتہ ہے اور اس میں پھول نکلے ہیں اور اَنار کی کلیاں کھلی ہیں یا نہیں۔ وہاں میں تجھے اپنی شفقت دکھاؤں گی۔ مردم گیاہ کی خوشبو پھیل رہی ہے اور ہمارے دروازے پہ ہر قسم کے تر وخشک میوے ہیں جو میں نے تیرے لیے جمع کر رکھے ہیں اے میرے محبوب!۔" (غزل الغزلات: ۷/۱-۱۳، ۸/۱-۱۴، بائبل سوسائٹی ہند، ۲۰۰۹ء)

ہر غیرت مند باضمیر شخص یہی کہے گا کہ ایسے جملے خدا کی کتاب کے شایانِ شان نہیں۔ اَیسا محسوس ہوتا ہے کہ عرب کے مشہور جاہلی شاعر امرأالقیس کے اشعار کو نثر کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔

اسی طرح کے جملے غزل الغزلات ۱/۸-۱۴ میں بھی ہیں۔ جنھیں نقل کرتے ہوئے ہماری جبینِ قلم شرم سے عرق آلود ہو جاتی ہے۔

(5) مسیح کو لعنتی ٹھہرانا:

محدث بریلوی نے بائبل میں شامل پولس (St. Pual) کے خط کے حوالے کے ساتھ مسیحیوں کے اس فکر وعقیدے کا بھی رد کیا

ہے کہ انھوں نے اپنے خدا اور ابن خدا کو ہی لعنتی اور ملعون بنا دیا۔ ایک طرف تقدس کا عقیدہ اور دوسری طرف اس کے لعنتی ہونے کی تشہیر۔ عقیدے میں یہ واضح تضاد اور ایک مقدس ہستی کو ملعون قرار دینے کی کوشش حد درجہ افسوس ناک اور سخت قابل اعتراض ہے۔ رضا بریلوی نے بائبل کے جس متضاد اور گنجلک عقیدے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے:

"Christ hath redeemed us from the curse of the law, being made a curse for us: for it is written, Cursed is every one that hangeth on a tree." (Galatians: 3/13, KJV)

''مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیوں کہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔''

(گلتیوں: ۳/ ۱۳، بائبل سوسائٹی ہند، سن ۲۰۰۹ء)

اس عنوان اور اگلے عنوان یعنی عنوان ۵ اور ۶ کا مسیحیوں کے عقیدۂ کفارہ ونجات سے گہرا رشتہ ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(6) روٹی کو مسیح کا گوشت اور شراب کو اس کا خون سمجھ کر پینا

حضرت رضا بریلوی نے مسیحیوں کے عقیدۂ کفارہ ونجات کا بھی رد فرمایا ہے۔ بائبل کی چار اناجیل میں سے تین انجیلوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ مسیح علیہ السلام نے اپنی گرفتاری سے پہلے جو آخری کھانا اپنے حواریوں کے ساتھ کھایا اس میں اُنھوں نے اُنھیں روٹی یہ کہہ کر دیا کہ یہ میرا بدن ہے اور شراب یہ کہہ کر بڑھایا کہ یہ میرا خون ہے:

"And as they were eating, Jesus took bread, and blessed [it,] and brake [it,] and gave [it] to the disciples, and said, Take, eat; this is my body. And he took the cup, and gave thanks, and gave [it] to them, saying, Drink ye all of it; For this is my blood of the new testament, which is shed for many for the remission of sins. But I say unto you, I will not drink henceforth of this fruit of the vine, until that day when I drink it new with you in my Father's kingdom." (Matthew: 26/26-29, Mark: 14/22-26, Luke: 22/14-20, 2Corinthians: 11/23-25, KJV)

عشاءِ ربّانی:

''جب وہ کھا رہے تھے تو یسُوع نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لے کر شکر کِیا اور اُن کو دے کر کہا تُم سب اِس میں سے پیو۔ کیوں کہ یہ میرا وہ عہد کا خُون ہے جو بُہتیروں کے لیے گُناہوں کی مُعافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔ مَیں تُم سے کہتا ہُوں کہ انگُور کا یہ شِیرہ پھر کبھی نہ پیُوں گا۔ اُس دِن تک کہ تمھارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں نیا نہ پِیُوں۔'' (متّی: ۲۶/ ۲۶۔۲۹، مرقس: ۱۴/ ۲۲۔۲۶، لُوقا: ۲۲/ ۱۴۔۲۰، کُرِنتھیوں دوم: ۱۱/ ۲۳۔۲۵)

کیا کوئی قوم اپنے نجات دہندہ - جسے وہ خدا یا ابنِ خدا بھی کہتی ہے - اس کا خون پینے اور اس کا گوشت کھانے کا تصور بھی لا سکتی ہے؟ روٹی کو مسیح کا گوشت اور شراب کو اس کا خون کہہ کر ڈکارنے والے لوگوں کے عقل وعقائد یقیناً قابل غور ہیں۔

عہدنامۂ قدیم اور عقیدۂ کفارہ ونجات

مسیحیوں کے عقیدۂ کفارہ ونجات کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اوّل حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ یعنی تمام انسانوں کی ماں، اَمّاں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جنت کے اس پھل کو کھایا جس کو کھانے سے خدا نے منع کیا تھا، اُن کے اس عمل کی وجہ سے (معاذ اللہ) اُن کی پوری نسل یعنی ہر شخص پیدائشی گنہ گار ہو گیا۔ چاہے وہ گناہ کرے یا نہ کرے مگر آدم وحوا کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس کا خون ہی گنہ گار ہو گیا۔ خدا اس گناہ کو بغیر کفارے کے معاف نہیں فرمائے گا، اور اتنا عظیم کوئی بھی نہیں جو پوری انسانیت کا کفارہ اکیلے ادا

کر سکے۔ اس لیے خدا نے (معاذ اللہ) اپنے چہیتے بیٹے مسیح کو بھیج کر دنیا میں اُسے سولی پر چڑھوا دیا تا کہ وہ پوری نسل انسانی کا کفارہ بن سکے۔ لیکن یہ کفارہ اسی شخص کی نجات کے لیے مفید ہوگا جو مسیح کے بارے میں اس عقیدۂ کفارہ ونجات پر اِیمان رکھتا ہو، اور جو اس نظریے کو نہیں مانتا ہو وہ شخص نجات نہ پائے گا۔ اور (معاذ اللہ) آدم وحوا علیہما السلام کے گیہوں کھانے کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں جلے گا۔

عقیدۂ کفارہ ونجات پر مسیحیوں کے دلائل

عقیدۂ کفارہ ونجات کی دلیل میں مسیحی بائبل کے کچھ اقتباسات کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ پہلے ان کی دلیلیں ملاحظہ فرمالیں، اس کے بعد ان کا عقلی ونقلی رد۔ عقیدۂ کفارہ ونجات کے حق میں مسیحیوں کی اس دلیل کو غور سے پڑھیں:

"For God so loved the world, that he gave his only begotten Son, that whosoever believeth in him should not perish, but have everlasting life. For God sent not his Son into the world to condemn the world; but that the world through him might be saved. He that believeth on him is not condemned: but he that believeth not is condemned already, because he hath not believed in the name of the only begotten Son of God." (John: 3/16-18, KJV)

”کیُوں کہ خُدا نے دُنیا سے اَیسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اِکلَوتا بیٹا بخش دِیا تا کہ جو کوئی اُس پر اِیمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ کیوں کہ خُدا نے بیٹے کو دُنیا میں اِس لیے بھیجا کہ دُنیا پر سزا کا حُکم کرے بلکہ اِس لیے کہ دُنیا اُس کے وسیلہ سے نجات پائے۔ جو اُس پر اِیمان لاتا ہے اُس پر سزا کا حُکم نہیں ہوتا۔ جو اُس پر اِیمان نہیں لاتا اُس پر سزا کا حُکم ہو چُکا۔ اِس لیے کہ وہ خُدا کے اِکلَوتے بیٹے کے نام پر اِیمان نہیں لایا۔“ (یوحنا:۳/۱۶۔۱۸)

اسے بھی پڑھ لیں:

"Verily, verily, I say unto you, He that heareth my word, and believeth on him that sent me, hath everlasting life, and shall not come into condemnation; but is passed from death unto life." (John: 5/24, KJV)

”مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ جو میرا کلام سُنتا اور میرے بھیجنے والے کا یقین کرتا ہے ہمیشہ کی زِندگی اُس کی ہے اور اُس پر سزا کا حُکم نہیں ہوتا بلکہ وہ مَوت سے نِکل کر زِندگی مَیں داخِل ہو گیا ہے۔“ (یوحنا:۵/۲۴)

اس عبارت کو بھی ملاحظہ فرمالیں:

"Then said they unto him, What shall we do, that we might work the works of God? Jesus answered and said unto them, This is the work of God, that ye believe on him whom he hath sent." (John: 6/28-29, KJV)

”پَس اُنھوں نے اُس سے کہا کہ ہم کیا کریں تا کہ خُدا کے کام انجام دیں؟۔ یِسُوع نے جواب میں اُن سے کہا خُدا کا کام یہ ہے کہ جِسے اُس نے بھیجا ہے اُس پر اِیمان لاؤ۔“ (یوحنا:۶/۲۸۔۲۹)

اس اقتباس پر بھی نگاہ ڈال لیں:

"Verily, verily, I say unto you, He that believeth on me hath everlasting life." (John: 6/47, KJV)

”مَیں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ جو اِیمان لاتا ہے ہمیشہ کی زِندگی اُس کی ہے۔“ (یوحنا:۶/۴۷)

ایک نظر اس پر بھی:

"Jesus heard that they had cast him out; and when he had found him, he said unto him, Dost thou believe on the Son of God?." (John: 9/35, KJV)

”یِسُوع نے سُنا کہ اُنھوں نے اُسے باہر نِکال دِیا اور جب اُس سے مِلا تو کہا کیا تُو خُدا کے بیٹے پر اِیمان لاتا ہے؟۔“ (یوحنا:۹/۳۵)

اس اِقتباس پر بھی نظر ڈال لیں:

"Jesus said unto her, I am the resurrection, and the life: he that believeth in me, though he were dead, yet shall he live: And whosoever liveth and believeth in me shall never die. Believest thou this?." (John: 11/25-26, KJV)

’’یِسُوع نے اُس سے کہا قیامت اور زِندگی تو مَیں ہُوں۔ جو مُجھ پر اِیمان لاتا ہے گو وہ مر جائے تُو بھی زِندہ رہے گا۔ اور جو کوئی زِندہ ہے اور مجھ پر اِیمان لاتا ہے وہ ابد تک کبھی نہ مرے گا۔ کیا تُو اِس پر اِیمان رکھتی ہے؟۔‘‘ (یوحنا: ۱۱/۲۵۔۲۶)

انصاف کی ایک نگاہ اس آیت پر بھی ڈال لیں:

"While ye have light, believe in the light, that ye may be the children of light. These things spake Jesus, and departed, and did hide himself from them." (John: 12/36, KJV)

’’جب تک نُور تمھارے ساتھ ہے نُور پر اِیمان لاؤ تا کہ نُور کے فرزند بنو۔ یِسُوع یہ باتیں کہہ کر چلا گیا اور اُن سے اپنے آپ کو چھپایا۔‘‘ (یوحنا: ۱۲/۳۶)

اس عبارت کو بھی بغور ملاحظہ فرمالیں:

"But these are written, that ye might believe that Jesus is the Christ, the Son of God." (John: 20/31, KJV)

’’لیکن یہ اِس لیے لکھے گئے کہ تُم اِیمان لاؤ کہ یِسُوع ہی خُدا کا بیٹا مسیح ہے اور اِیمان لا کر اُس کے نام سے زِندگی پاؤ۔‘‘ (یوحنا: ۲۰/۳۱)

مسیحیت کے شرع ساز اور بانی سینٹ پال کا نظریہ بھی سن لیں:

"Knowing that a man is not justified by the works of the law, but by the faith of Jesus Christ, even we have believed in Jesus Christ, that we might be justified by the faith of Christ, and not by the works of the law: for by the works of the law shall no flesh be justified. {2:17} But if, while we seek to be justified by Christ, we ourselves also are found sinners, [is] therefore Christ the minister of sin? God forbid. {2:18} For if I build again the things which I destroyed, I make myself a transgressor. {2:19} For I through the law am dead to the law, that I might live unto God. {2:20} I am crucified with Christ: nevertheless I live; yet not I, but Christ liveth in me: and the life which I now live in the flesh I live by the faith of the Son of God, who loved me, and gave himself for me." (Galatians: 2/16-20, KJV)

’’تَو بھی یہ جان کر کہ آدمی شَرِیعَت کے اعمال سے نہیں بلکہ صِرف یِسُوع مسیح پر اِیمان لانے سے راست باز ٹھہرتا ہے خُود بھی مسیح یِسُوع پر اِیمان لائے تا کہ ہم مسیح پر اِیمان لانے سے راست باز ٹھہریں نہ کہ شَرِیعَت کے اعمال سے۔ کِیُوں کہ شَرِیعَت کے اعمال سے کوئی بشر راست باز نہ ٹھہرے گا۔ اور ہم جو مسیح میں راست باز ٹھہرنا چاہتے ہیں اگر خُود ہی گُنہ گار نکلیں تو کیا مسیح گُناہ کا باعِث ہے؟ ہرگز نہیں!۔ کِیُوں کہ جو کُچھ مَیں نے ڈھا دِیا اگر اُسے پھر بناؤں تو اپنے آپ کو قُصُوروار ٹھہراتا ہُوں۔ چُنانچہ مَیں شَرِیعَت ہی کے وسِیلہ سے شَرِیعَت کے اِعتبار سے مر گیا تا کہ خُدا کے اِعتبار سے زِندہ ہو جاؤں۔ مَیں مسیح کے ساتھ مصلُوب ہُوا ہُوں اور اَب مَیں زِندہ نہ رہا بلکہ مسیح مجھ میں زِندہ ہے اور مَیں جو اَب جِسم میں زِندگی گُزارتا ہُوں تو خُدا کے بیٹے پر اِیمان لانے سے گُزارتا ہُوں جِس نے مجھ سے محبت رکھی اور اپنے آپ کو میرے لیے مَوت کے حوالہ کر دِیا ہے۔‘‘ (گلتیوں: ۲/۱۶۔۲۰)

ان کی ایک اور عبارت دیکھ لیں:

"For ye are all the children of God by faith in Christ Jesus." (Galatians: 3/26,

KJV)

''کیوں کہ تُم سب اُس اِیمان کے وسیلہ سے جو مسیح یسُوع میں ہے خُدا کے فرزند ہو۔'' (گلتیوں: ۲۶/۳)

رومیوں کے نام ان کے خط کا یہ حصہ بھی دیکھ لیں:

"Wherefore, as by one man sin entered into the world, and death by sin; and so death passed upon all men, for that all have sinned:" (Romans: 5/12, KJV)

''پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گُناہ دُنیا میں آیا اور گُناہ کے سبب سے مَوت آئی اور یُوں مَوت سب آدمیوں میں پھیل گئی اِس لیے کہ سب نے گُناہ کِیا۔''

(رومیوں: ۱۲/۵)

کرنتھیوں کے نام اپنے پہلے خط میں سینٹ پال لکھتے ہیں:

"For since by man [came] death, by man [came] also the resurrection of the dead. {15:22} For as in Adam all die, even so in Christ shall all be made alive." (1 Corinthians: 15/21-22)

''کیوں کہ جب آدمی کے سبب سے مَوت آئی تو آدمی ہی کے سبب سے مُردوں کی قِیامت بھی آئی۔ اور جیسے آدم میں سب مرتے ہیں وَیسے ہی مسیح میں سب زِندہ کیے جائیں گے۔'' (کرنتھیوں اول: ۲۱/۱۵-۲۲)

عقیدۂ کفارہ ونجات کی حمایت میں دیے جانے والے پورے بارہ اقتباسات اوپر نقل کیے گئے ہیں۔ شروع کے آٹھ صرف ایک انجیل یوحنّا کے ہیں جب کہ اخیر کے چاروں اقتباسات سینٹ پال کے ان خطوط کے ہیں جو انھوں نے مختلف قبیلوں اور شہروں کی جانب بھیجے تھے۔

بائبل میں غیر مسیح کے لیے 'اللہ کے بیٹے' کا استعمال

انجیلوں میں مسیح کے لیے لفظ 'اللہ کے بیٹے' کو اس کے فرزندِ الٰہی ہونے کی دلیل بتانے والے ہمارے مسیحی بھائی اپنا لب کھولنے سے پہلے اسے ضرور پڑھ لیں:۔

(۱) جب روے زمین پر آدمی بہت بڑھنے لگے اور اُن کی بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ تو خدا کے بیٹوں نے آدمی کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوب صورت ہیں اور جن کو اُنھوں نے چُنا اُن سے بیاہ کرلیا۔'' (پیدائش: ۱/۶)

(۲) ''اُن دِنوں میں زمین پر جبّار تھے اور بعد میں جب خُدا کے بیٹے اِنسان کی بیٹیوں کے پاس گئے تو اُنکے لیے اُن سے اَولاد ہوئی۔ یہی قدیم زمانہ کے سُورما ہیں جو بڑے نامور ہوئے ہیں۔'' (پیدائش: ۴/۶)

(۳) ''اور تو فرعونؔ سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے۔'' (خروج: ۲۲/۴)

(۴) ''اُس نے کہا دیکھو میں چار شخص آگ میں کھلے پھرتے دیکھتا ہوں اور اُن کو کُچھ ضرر نہیں پُہنچا اور چوتھے کی صُورت الٰہ زادہ (Son of God) کی سی ہے۔ (دانی ایل: ۲۵/۳)

(۵) ''اور ایک دن خدا کے بیٹے آئے کہ خداوند کے حضور حاضر ہوں اور اُن کے درمیان شیطان بھی آیا۔'' (اَیوب: ۶/۱)

(۶) ''اور ایک دن خدا کے بیٹے آئے کہ خداوند کے حضور حاضر ہوں اور اُن کے درمیان شیطان بھی آیا۔'' (اَیوب: ۱/۲)

(۷) ''خُداوند نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا۔'' (زبور: ۷/۲)

ساتویں نمبر پر ذکر اس اقتباس کے متعلق ہم تھوڑی تفصیل بیان کریں گے۔ پہلے کنگ جیمس ورشن کے اَلفاظ دیکھ لیں:

"I will declare the decree: the LORD hath said unto me, Thou [art] my Son; this day have I begotten thee." (Psalms: 2/7, KJV, TBR, BSI, Banglore, India, 2008)

''میں اُس فرمان کو بیان کروں گا۔ خُداوند نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا۔''

اب نیو انٹرنیشنل ورشن کے الفاظ اور جملے کو غور سے پڑھیں:

"I will proclaim the decree of the Lord:

He said to me, "You are my Son ; today I have become your Father." (Psalms: 2/7, NIV, IBS, New Jersey, USA, 1973, 1978, 1984)

''میں خُداوند کے فرمان کو بیان کروں گا۔ اُس نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے۔ آج میں تیرا باپ بن گیا۔''

نیو انٹرنیشنل ورشن کی طرح دی گڈ نیوز بائبل ٹوڈیز انگلش ورشن مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور، ہند، ۲۰۱۶ء میں بھی اَلفاظ و جملے میں زبردست تبدیلی کی گئی ہے۔

اب دونوں کے اَلفاظ و جملے میں غور کریں۔ کنگ جیمس ورشن میں اس جملے کا قائل خدا ہے مگر نیو انٹرنیشنل ورشن اور گڈ نیوز بائبل میں تو قائل اور مقولہ دونوں ہی بدل دیا گیا۔

نیو انٹرنیشنل ورشن کے اَلفاظ و جملے میں یہ تاویل ممکن ہے کہ یہاں پر جننے والا باپ مراد نہیں ہے بلکہ نیکی اور قربت کو ظاہر کرنے کے لیے بطور مبالغہ اَیسا کہہ دیا گیا ہے اور الفاظ و جملے کی ساخت بھی کچھ ایسی ہی ہے کہ آج تک میں تمھارا باپ نہیں تھا، اب تمھاری نیکی اور قربت کی وجہ سے ایسا کہا جاسکتا ہے کہ تم میرے بیٹے ہو اور میں تمھارا باپ ہوں۔ لیکن کنگ جیمس ورشن کے جملے میں یہ تاویل ممکن نہیں ہے کیوں کہ وہاں جننے کی وضاحت ہے کہ آج ہی کے دن میں نے تمھیں جنا ہے۔

بہ ظاہر تو نیو انٹرنیشنل ورشن کے ترجمہ میں بہت معمولی تبدیلی ہے مگر اس سے معنی میں اِتنا زبردست فرق پیدا ہوگیا کہ ثُریّا سے ثُریٰ ہوگیا۔ خدا کا کلام ہونے کی صورت میں کنگ جیمس ورشن کے مطابق غیر مسیح کے لیے بھی خدا کی جانب سے لفظ 'جنا' کا اِستعمال پایا گیا اور نیو انٹرنیشنل ورشن اور دی گڈ نیوز بائبل ٹوڈیز انگلش ورشن کے مطابق ایسا نہیں ہوگا کیوں کہ وہاں تو قائل بھی بدل دیا گیا اور الفاظ بھی۔

(۸) ''لیکن جتنوں نے اسے قبول کیا اُس نے اُنھیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا۔'' (یوحنا:۱/۱۲)

(۹) ''اِس لیے کہ جتنے خُدا کے روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خُدا کے بیٹے ہیں۔'' (رومیوں:۸/۱۴)

عہد نامۂ جدید کی درج ذیل آیات میں بھی اہل ایمان کو اللہ کا بیٹا کہا گیا ہے:

(۱۰) ''کیوں کہ مخلُوقات کمال آرزُو سے خُدا کے بیٹوں کے ظاہر ہونے کی راہ دیکھتی ہے۔'' (رومیوں:۸/۱۹)

(۱۱) ''کیوں کہ تُم سب اُس اِیمان کے وسیلہ سے جو مسیح یسُوع میں ہے خُدا کے فرزند ہو۔'' (گلتیوں:۳/۲۶)

(۱۲) ''تا کہ تُم بے عَیب اور بھولے ہو کر ٹیڑھے اور کج رَو لوگوں میں خُدا کے بے نُقص فرزند بنے رہو (جن کے درمیان تُم دُنیا میں چراغوں کی طرح دِکھائی دیتے ہو۔'' (فلپیوں:۲/۱۵)

(۱۳) ''دیکھو باپ نے ہم سے کیسی محبّت کی ہے کہ ہم خُدا کے فرزند کہلائے اور ہم ہیں بھی۔ دُنیا ہمیں اِس لیے نہیں جانتی کہ اُس نے اُسے بھی نہیں جانا۔ (یوحنا 1:۳/۱)

(۱۴) ''عزیزو! ہم اِس وقت خُدا کے فرزند ہیں۔ اور ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا کچھ ہوں گے۔ اِتنا جانتے ہیں کہ جب وہ ظاہر ہوگا تو ہم بھی اُس کی مانند ہوں گے کیوں کہ اُس کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا وہ ہے۔'' (یوحنا 1:۳/۲)

درج بالا حوالہ جات کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ 'اللہ کے بیٹے' کے لفظ کو دلیل بنا کر مسیح کو خدا کا بیٹا بمعنی جنا ہوا لڑکا کہنا سراسر باطل اور غلط ہے۔ ورنہ مسیحیوں کے خدا کے بیٹوں کی تعداد ہزار اور لاکھ کو بھی پہنچ سکتی ہے۔

عقیدۂ کفارہ ونجات کا رد

جہاں تک بائبل پر ہماری نظر ہے اور ہمارا مطالعہ ہے عقیدۂ کفارہ ونجات مسیحیت اور مسیحی کتابوں کے خلاف اپنایا گیا وہ فرضی عقیدہ ہے جسے بائبل کی سب سے اہم کتابوں کا مجموعہ عہد نامۂ قدیم نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ اور نہ اس کا اس عقیدے کی جانب کوئی اشارہ بھی ملتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس عہد نامۂ قدیم بار بار اَیسے

الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہوئے نظر آتا ہے جس سے عقیدۂ کفارہ ونجات کی جڑ خود بخود کٹ جاتی ہے۔ بطور دلیل چند اقتباسات ہم نقل کر دیتے ہیں اس کے بعد عقلی دلیلیں۔

مسیحیوں کے عقیدۂ کفارہ ونجات کا رد خود بائبل کی کتاب حزقی ایل کا باب اٹھارہ (۱۸) بار بار ذکر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آیت نمبر ۱۔۹ میں ہے:

The soul that sins will die

"The word of the LORD came unto me again, saying, What mean ye, that ye use this proverb concerning the land of Israel, saying, The fathers have eaten sour grapes, and the children's teeth are set on edge? As I live, saith the Lord GOD, ye shall not have occasion any more to use this proverb in Israel. Behold, all souls are mine; as the soul of the father, so also the soul of the son is mine: the soul that sinneth, it shall die. But if a man be just, and do that which is lawful and right, And hath not eaten upon the mountains, neither hath lifted up his eyes to the idols of the house of Israel, neither hath defiled his neighbour's wife, neither hath come near to a menstruous woman, And hath not oppressed any, but hath restored to the debtor his pledge, hath spoiled none by violence, hath given his bread to the hungry, and hath covered the naked with a garment; He that hath not given forth upon usury, neither hath taken any increase, that hath withdrawn his hand from iniquity, hath executed true judgment between man and man, Hath walked in my statutes, and hath kept my judgments, to deal truly; he is just, he shall surely live, saith the Lord GOD."
(Ezekiel: 18/1-9, KJV)

''اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔ کہ تم اسرائیل کے ملک کے حق میں کیوں یہ مثل کہتے ہو کہ باپ دادا نے کچے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہوئے؟۔ خداوند خدا فرماتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم کہ تم پھر اسرائیل میں یہ مثل نہ کہو گے۔ دیکھ سب جانیں میری ہیں جیسی باپ کی جان ویسی ہی بیٹے کی جان بھی میری ہے۔ جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ لیکن جو انسان صادق ہے اور اس کے کام عدالت وانصاف کے مطابق ہیں۔ جس نے بتوں کی قربانی سے نہیں کھایا اور بنی اسرائیل کے بتوں کی طرف اپنی آنکھیں نہیں اٹھائیں اور اپنے ہم سایہ کی بیوی کو ناپاک نہیں کیا اور عورت کی ناپاکی کے وقت اس کے پاس نہیں گیا۔ اور کسی پر ستم نہیں کیا اور قرض دار کا گرو واپس کر دیا اور ظلم سے کچھ چھین نہیں لیا۔ بھوکوں کو اپنی روٹی کھلائی اور ننگوں کو کپڑا پہنایا۔ سود پر لین دین نہیں کیا۔ بدکرداری سے دست بردار رہا اور لوگوں میں سچا انصاف کیا۔ میرے آئین پر چلا اور میرے احکام پر عمل کیا تاکہ راستی سے معاملہ کرے۔ وہ صادق ہے۔ خداوند خدا فرماتا ہے وہ یقیناً زندہ رہے گا۔'' (حزقی ایل: ۱۸/۱۔۹)

نیک باپ کے بدعمل بیٹے کا حال اور اس کا انجام ذکر کرکے اس حکم وعقیدے میں مزید تاکید پیدا کی گئی:

"If he beget a son that is a robber, a shedder of blood, and that doeth the like to any one of these things, And that doeth not any of those duties, but even hath eaten upon the mountains, and defiled his neighbour's wife, Hath oppressed the poor and needy, hath spoiled by violence, hath not restored the pledge, and hath lifted up his eyes to the idols, hath committed abomination, Hath given forth upon usury, and hath taken increase: shall he then live? he shall not live: he hath done all these abominations; he shall surely die; his blood shall be upon him. Now, lo, if he beget a son, that seeth all his father's sins which he hath done, and

considereth, and doeth not such like, That hath not eaten upon the mountains, neither hath lifted up his eyes to the idols of the house of Israel, hath not defiled his neighbour's wife, Neither hath oppressed any, hath not withholden the pledge, neither hath spoiled by violence, but hath given his bread to the hungry, and hath covered the naked with a garment, That hath taken off his hand from the poor, that hath not received usury nor increase, hath executed my judgments, hath walked in my statutes; he shall not die for the iniquity of his father, he shall surely live. As for his father, because he cruelly oppressed, spoiled his brother by violence, and did that which is not good among his people, lo, even he shall die in his iniquity."
(Ezekiel: 18/10-18, KJV)

’’پر اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو جو راہ زنی یا خوں ریزی کرے اور ان گناہوں میں سے کوئی گناہ کرے۔ اور ان فرائض کو بجا نہ لائے بلکہ بتوں کی قربانی سے کھائے اور اپنے ہم سائے کی بیوی کو ناپاک کرے۔ غریب اور محتاج پر ستم کرے۔ ظلم کر کے چھین لے۔ گرو واپس نہ لے اور بتوں کی طرف اپنی آنکھیں اٹھائے اور گھنونے کام کرے۔ سود پر لین دین کرے تو کیا وہ زندہ رہے گا؟ وہ زندہ نہ رہے گا۔ اس نے یہ سب نفرتی کام کیے ہیں۔ وہ یقیناً مرے گا۔ اس کا خون اسی پر ہوگا۔ لیکن اگر اس کے ہاں ایسا بیٹا پیدا ہو جو اُن تمام گناہوں کو جو اس کا باپ کرتا ہے دیکھے اور خوف کھا کر اس کے سے کام نہ کرے۔ اور بتوں کی قربانی سے نہ کھائے اور بنی اسرائیل کے بتوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ اٹھائے اور اپنے ہم سایہ کی بیوی کو ناپاک نہ کرے۔ اور کسی پر ستم نہ کرے۔ گرو نہ لے اور ظلم کر کے کچھ چھین نہ لے۔ بھوکے کو اپنی روٹی کھلائے اور ننگے کو کپڑے پہنائے۔ غریب سے دست بردار ہو اور سود پر لین دین نہ کرے پر میرے احکام پر عمل کرے اور میرے آئین پر چلے <u>وہ اپنے باپ کے گناہوں کے لیے نہ مرے گا</u>۔ وہ یقیناً زندہ رہے گا۔ لیکن اس کا باپ چوں کہ اس نے بے رحمی سے ستم کیا اور اپنے بھائی کو ظلم سے لوٹا اور اپنے لوگوں کے درمیان برے کام کیے اس لیے وہ اپنی بدکرداری کے باعث مرے گا۔‘‘ (حزقی ایل: ۱۸/ ۱۰۔۱۸)

اس اقتباس کو ایک بار نہیں کئی بار پڑھیں اور پھر غور و فکر کریں کہ صداقت اور نجات کے لیے جن چیزوں کی شرط رکھی گئی ہے کیا ان میں سے کسی میں بھی عقیدۂ کفارہ و نجات کی جانب ہلکا سا اشارہ بھی پایا جاتا ہے؟ یہ اِقتباس عقیدۂ کفارہ و نجات کا جس طریقے سے رد کرتی ہے یہ نظارہ بھی قابل دید ہے۔

اس حکم اور فکر کو بائبل کی اگلی آیات میں پھر دہرایا گیا بلکہ عقیدۂ کفارہ و نجات کے تابوت میں ایسی کیل ٹھونک دی گئی کہ ہوش مند فوراً اس عقیدے سے توبہ کر لے کہ حقیقت میں یہی عقیدۂ مسیح ہے، اس کے برعکس جو بھی ہے وہ من گھڑت ہے:

"Yet say ye, Why? doth not the son bear the iniquity of the father? When the son hath done that which is lawful and right, and hath kept all my statutes, and hath done them, he shall surely live. The soul that sinneth, it shall die. The son shall not bear the iniquity of the father, neither shall the father bear the iniquity of the son: the righteousness of the righteous shall be upon him, and the wickedness of the wicked shall be upon him."
(Ezekiel: 18/19-20, KJV)

<u>’’تو بھی تم کہتے ہو کہ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ کیوں نہیں اٹھاتا؟ جب بیٹے نے وہی جو جائز اور روا ہے کیا اور میرے سب آئین کو حفظ کر کے ان پر عمل کیا تو وہ یقیناً زندہ رہے گا۔ **جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔** صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت</u>

شریر کے لیے۔'' (حزقی ایل: ۱۸/۱۹۔۲۰)

کیا بائبل کے عہد نامۂ قدیم کی یہ عبارت عقیدۂ کفارہ و نجات کا سخت لہجے میں رد نہیں کرتی ہے؟؟

بائبل مزید یہ کہتی ہے کہ ہر ایک کو اپنے اَعمال کا بدلہ ملنا ہے:

"{18:30} Therefore I will judge you, O house of Israel, every one according to his ways, saith the Lord GOD. Repent, and turn [yourselves] from all your transgressions; so iniquity shall not be your ruin." (Ezekiel: 18/30, KJV)

''پس خداوند خدا فرماتا ہے اے بنی اِسرائیل! میں ہر ایک کی روش کے مطابق تمھاری عدالت کروں گا۔ توبہ کرو اور اپنے تمام گناہوں سے باز آؤ تاکہ بدکرداری تمھاری ہلاکت کا باعث نہ ہو۔'' (حزقی ایل: ۱۸/۳۰)

یہ آیات مسیح سے سینکڑوں سال پہلے کی ہیں۔ اس لیے کوئی اس کی یہ تشریح کرنے کی کوشش نہ کرے کہ اس میں ضمناً عقیدۂ کفارہ و نجات بھی آ جاتا ہے۔ اور ویسے بھی یہ اقتباسات اُس عہد نامۂ قدیم کے ہیں جس کے بارے میں خود مسیح کی گواہی یہ ہے:

"Think not that I am come to destroy the law or the Prophets, I am not come to destroy but to fulfill, for verily I say unto you till heaven and earth pass one jotor one tittle shall in no wise pass from, till all be fulfilled. Whosever therefore shall break one of these least commandments and shall teach men so he shall be called the least in the kingdom of heaven, but whosever shall do and teach them the same shall be called great in the kingdom of heavens." (Matthew: 5/17-19, KJV)

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان کے چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے کسی کو بھی توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو اُن پر عمل کرے گا اور اُن کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔''

(انجیل متی: ۵/۱۷۔۱۹، مطبوعہ بائبل سوسائٹی ہند، سن ۲۰۰۹ء)

اس نکتے کو ذہن میں بٹھالیں کہ مسیح کس طرح توریت اور انبیاے سابقین کی کتابوں کے احکام پر سختی سے عمل کرنے کا حکم سنا رہے ہیں۔ اُنھوں نے سخت تاکید کی کہ جو کوئی توریت یا نبیوں کی کتابوں کے حکم میں سے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کو توڑے یا ایسی تعلیم دے وہ آسمان کی بادشاہی یعنی خدا کی نظر اور عدالت میں کم تر اور حقیر ترین گردانا جائے گا۔

اب یہ فیصلہ عقل و دانش رکھنے والے مسیحیوں پر ہے کہ وہ مسیح کے عقیدے پر ایمان رکھنا چاہتے ہیں یا وہ مسیح کی محبت کے شہد میں ملا کر دیے جانے والے زہر کو پینا چاہتے ہیں؟؟

عقیدۂ کفارہ کا عقلی رد

عقیدہ کفارہ و نجات کو جس طریقے سے مسیحیت اور جنت کی اَساس اور اولین شرط قرار دیا گیا اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مسیحیت کا اصل الاصول عقیدہ قرار پایا، اس ضمن میں ہمارے مسیحی بھائیوں کو چند سوالات کے جواب تو بہر حال دینے ہوں گے:۔

(۱) جتنے بھی اقتباسات نقل کیے گئے ہیں ان میں سے سینٹ پال کے خطوط میں موجود اشارے کے علاوہ کسی میں عقیدۂ کفارہ و نجات کی سب سے اہم بنیاد یعنی 'آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہر انسان اپنے خون میں جنتی پھل کھانے کا گناہ لیے پیدا ہوتا ہے' کی طرف ہلکا اشارہ بھی نہیں ملتا ہے۔ کیوں؟؟

(۲) جب عقیدۂ کفارہ و نجات اتنا اَہم ہے تو یقیناً اس کا ذکر

عہد نامہ قدیم اور چاروں اَناجیل میں بھر پور طریقے سے ہوتا مگر انجیل یوحنا کے آٹھ اقتباسات جن کو نقل کیا گیا (اور ان میں بھی اس عقیدے کی صراحت نہیں ہے) کے علاوہ کسی بھی انجیل میں اس کی جانب خفیف سا اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ کیوں؟

(۳) عہد نامہ قدیم نے توحید کے حق میں کم وبیش سو مقامات پہ کلام کیا۔ اسی طرح شرک اور بت پرستی کے رد میں تقریباً سو جگہوں پر گفتگو کی۔ یوں ہی زنا، سود خوری، بے ایمانی، ظلم وغیرہ کے خلاف سینکڑوں مواقع پر کلام کیا۔ اگر عقیدہ کفارہ ونجات جنت میں دخول کی اَساس ہوتا تو یقیناً اس کا ذکر تو کم از کم پانچ سو بار اور وہ بھی صراحتاً ہوتا مگر ایک بار بھی ذکر نہیں کیا گیا، نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ ایسا کیوں؟؟

(۴) جب انسانوں کے باپ کا گناہ اس کے بیٹے میں باپ کے خون کے ساتھ منتقل ہو جاتا ہے اور وہ اس گناہ کی بنیاد پر جہنم میں جائے گا جس سے چھٹکارے کی صرف ایک ہی سبیل ہے کہ وہ مسیح سے متعلق عقیدہ کفارہ ونجات پر ایمان لائے تو یقیناً اس کام کو آدم کے جنت سے اترنے کے فوراً بعد کیا جانا چاہئے تھا تا کہ مسیح سے پہلے کے لوگ بھی فیض یاب ہوتے اور خود کو جہنم سے بچاتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ کیوں؟؟

(۵) پوری دنیا میں تقریباً آج بھی تقریباً دو سو ایسے جنگلی قبیلے آباد ہیں جو کپڑوں کی اِیجاد سے قبل والے حالات میں جی رہے ہیں۔ ان کے درمیان ابھی تک بنیادی ضرورتیں (روٹی، کپڑا اَور مکان) کی اطلاعات نہیں پہنچ سکی ہیں چہ جائے کہ عقیدہ کفارہ و نجات۔ اَیسے قبائل کے اَفراد کا کیا حکم ہے؟

(۶) مسیح سے پہلے جو لوگ دنیا سے جا چکے ہیں انھیں تو مسیح سے متعلق عقیدہ کفارہ ونجات پر ایمان لانے کا موقع ہی نہیں دیا گیا، پھر ان کا کیا ہوگا؟ وہ جنت میں جائیں گے یا خون میں منتقل ہونے والے گناہ کے سبب جہنم میں؟؟

(۷) اگر وہ جنت میں جائیں گے تو جس طرح مسیح کے عقیدہ کفارہ ونجات پر ایمان لائے بغیر ان کی بخشش ہوگی، دوسروں کی بھی ہوگی یا نہیں؟

(۸) اور اگر ان کی بخشش نہیں ہوگی تو پھر ان کے پاس یہ کہنے کا موقع ہوگا یا نہیں کہ خدایا! تو نے ہمیں بخشش کی اس شرط کے بارے میں اطلاع ہی نہیں دی؟ اور اگر اُن کی بخشش ہوگی تو بعد والوں کی کیوں نہیں؟؟ دونوں کے درمیان تفریق اور امتیاز کے معقول اَسباب کیا ہیں؟

(۹) مسیحیت کے خدا کو جب آدم کے گناہ کے سبب اس کی پوری نسل کو گنہ گار ماننا تھا اور اس کے سبب تمام انسانوں کو جہنم کا سزاوار قرار دینا تھا سوائے اس کے کہ وہ مسیح سے متعلق عقیدہ کفارہ و نجات میں یقین رکھیں۔ تو پھر خدا نے اس پروسیس کو شروع کرنے میں اتنی تاخیر کیوں لگا دی؟

(۱۰) کیا مسیحیت کے خدا نے اس نظام کو پانچ دس ہزار سال (آدم تا ایں دم جتنی بھی مدت ہو) کی تاخیر سے شروع کر کے خود اس پروسیس پر سوالیہ نشان نہیں لگایا ہے؟؟

(۱۱) اَور سب سے اہم سوال یہ ہے کہ یہ عقیدہ کب سے رائج ہوا؟ کیا مسیح کے دور میں رائج تھا؟ نہیں، بلکہ اس عقیدے کی کاشت کاری ان کی صدی کے بعد کی گئی ہے۔

اس طرح محدث بریلوی کے دو فتووں میں مسیحیت کی تردید اور بائبل کے اِبطال پر کثیر حوالے سے یہ روشن ہو جاتا ہے کہ انھیں اس علم میں کس قدر مہارت تھی۔

آریہ، مجوس اور یہود وغیرہ کا رد:

امام اہل سنت سے ایک سائل نے سوال کیا:

کفار اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں یا نہیں؟

اس کے جواب میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے سوال کے ہر پہلو کو مدنظر رکھ کر جواب تحریر کیا تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو گیا جو ''باب العقائد والکلام'' کے نام سے فتاوی رضویہ کے تخریج شدہ ایڈیشن کی پندرہویں جلد میں موجود ہے۔

سوال کا پہلے مختصر جواب لکھا:

''جانا جس نے جانا اور جس نے نہ جانا وہ اب جانے کہ اللہ عزوجل کو جاننا بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، کوئی کافر کسی قسم کا ہو ہرگز اسے نہیں جانتا۔ کفر کہتے ہی ''جہل باللہ'' کو ہیں ۔ناواقفوں کو ایک شبہ گزرتا ہے''۔

پھر آپ نے شبہ کو ''تقریر شبہ'' کے عنوان سے ذکر کرتے ہوئے تفصیل اس طرح بیان فرمایا:

''فلاسفہ تو اس کی توحید پر دلائل قائم کرتے ہیں ۔یہود و نصاریٰ توراۃ وانجیل اور مجوس اپنے زعم میں ژندواستا کو اسی کا کلام جان کر اعتقاد رکھتے ہیں۔آریہ اگر چہ وید کو اس کا کلام نہیں جانتے مگر بزعم خویش اسی کا الہام مانتے اور اسی کو مالک وخالق کل اعتقاد رکھتے ہیں اور توحید کا جھوٹا دم بھرتے ہیں ۔ ہنود وغیرہم بت پرست تک کہتے ہیں کہ سارے جہاں کا مالک سب خداؤں کا خدا ایک ہی ہے۔

اہل عرب بت پرستی کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے تھے قرآن کریم نے ان کے اس قول کو ذکر فرمایا ''مَانَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی'' ہم بتوں کو صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ بت ہمیں اللہ سے قریب کردے۔

اور لبیک میں پکارا کرتے:

لبیک لا شریک لک الاشریکا ھو لک تملکه و مامَلک ۔ ہم تیری خدمت کو حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک کہ تیرا ہی مملوک ہے تو اس کا بھی مالک اور اس کی ملک کا بھی مالک۔

جب وہ ''لاشریک لک'' تک پہنچتے کہ تیرا کوئی شریک نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: **ویلکم قد قد** ۔ تمھیں خرابی ہو بس بس، یعنی آگے نہ بڑھو استثناء نہ گھڑو۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے قرآن حکیم اس آیت کو بھی پیش کیا جس سے سائل کو شبہ ہوسکتا تھا کہ قرآن میں ہے کفار جانتے تھے کہ زمین وآسمان کا خالق اللہ ہے پھر کیسے کہدیا گیا کہ کفار اللہ کو نہیں جانتے؟ آیت قرآنیہ یہ ہے

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ.

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے بنائے ضرور کہیں گے اللہ نے۔

محدث بریلوی نے پہلے ناواقفوں کے شبہات کو ذکر فرمایا۔ اس کے بعد جو جواب تحریر فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار ومشرکین اور دہریہ کے درمیان خدا کے ماننے نہ ماننے میں کچھ فرق نہیں۔ظاہر اً ہمیں لگتا ہے کفار خدا کو مانتے ہیں یا وہ مذاہب جو آسمانی ہیں یا لوگوں نے خود گڑھ لیا ہے۔انسانوں کا وہ گروہ جو سرے سے خدا کا قائل ہی نہیں۔اس کے نزدیک خدا کا وجود ہی نہیں ۔ یہ دونوں گروہ عقیدے کے باب میں برابر ہیں۔اس کے لیے امام اہل سنت نے ایک ضابطہ تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایجاب وسلب آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ایجاب کے لیے شیئ کا ہونا شرط ہے یعنی موجود ہو اور سلب کے لئے شیئ کا نہ ہونا ضروری ہو۔اور ان کے نقائض ومنافیات کا نافی ہے کہ لازم کا منافی موجود ہو تو لازم نہ ہو اور لازم نہ ہو تو شے نہ ہو۔تو بظاہر سلب شئی کے تین طریقے ہیں؛

اول:۔خود اس کی نفی مثلا کہے انسان ہے ہی نہیں۔

دوم:۔اس کے لوازم سے کسی شئی کی نفی مثلا کہے انسان تو ہے لیکن ایسے شئی کا نام ہے جو حیوان یا ناطق نہیں۔

سوم:۔ان کے منافیات سے کسی شئی کا اثبات مثلا کہے انسان حیوان ناہق یا صاہل سے عبارت ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دوم اور سوم والوں نے اگرچہ زبان سے انسان کو موجود کہا مگر حقیقتاً انسان کو نہ جانا وہ اپنے زعم باطل میں کسی ایسی چیز کو انسان سمجھے ہوئے ہیں جو ہرگز انسان نہیں تو انسان کی نفی اور اس سے جہل میں یہ دونوں اور وہ پہلا جس نے سرے سے انسان کا انکار کیا سب برابر ہیں فقط لفظ میں فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے جمیع صفات کمالیہ لازم ہے اور تمام عیوب

ونقائص محال بالذات ہے، عیب ونقص سے پاک ماننا لازم ہے۔ کفار میں ایسا کوئی نہیں ملے گا جو اس کی کسی صفت کمالیہ کا منکر نہ ہو اور کسی عیب ونقص سے خدا کی ذات کو متصف نہ کرتا ہو۔

خلاصہ یہ نکلا کہ دہریے اول قسم کے منکر ہیں کہ نفس وجود سے ہی انکار کرتے ہیں۔ باقی سارے کفار دو قسم اخیر کے منکر ہیں کہ کسی صفات لازمہ کے منکر ہیں یا کسی عیب ونقص کو خدا کے لئے تسلیم کرتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کو نہ جاننے میں کفار ودہریے برابر ہوئے کہ صرف لفظ اور طرز ادا کا فرق ہے۔ دہریے سرے سے انکار خدا کے مرتکب ہوئے اور کفار اوہام تراشیدہ کا نام خدا رکھ کر لفظ کا اقرار کیا۔ کافروں کا طریقہ یہ رہا کہ اپنے خواہش سے خدا گڑھتے ہیں اسے ہی معبود کا نام دیتے ہیں۔

امام اہل سنت نے اپنے اس رسالہ ''باب العقائد والکلام'' میں فلاسفہ، آریہ، مجوس، یہود، نصاریٰ اور گمراہ فرقہائے اسلام کے عقائد کو بیان کیا ہے جس میں ان کی طرف سے خدا کے لیے گڑھے گئے الفاظ کو ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایسے خدا کو مانا جائے تو پھر دہریے اور ان میں کیا فرق ہے۔ دہریے صاف طور سے خدا کے انکاری ہیں اور یہ تمام فرق باطلہ ہاتھ سے بنائے بتوں کو خدا مان کر کفر کے دلدل میں پڑے ہیں۔ یہ کیسے نجات پاسکتے ہیں جب ان کے عقائد ہی مجموعہ اوہام وخرافات ہوں۔ اس سلسلے میں انھوں نے یجروید، توریت اور بائبل کی آیات کے حوالے بھی ذکر کیے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۵ باب العقائد والکلام)

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں حق کی راہ پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ آمین! بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جاوید احمد عنبر مصباحی

کسیّا پٹّی، باج پٹّی، سیتامڑھی، بہار (ہند)

۷؍ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ

19/08/2018

امام اہلسنّت نائب غوث الوریٰ تم ہو

از: مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اُس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو

غریق بحر الفت مست جام بادۂ وحدت
محبّ خاص منظور حبیب کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

عرب میں جاکے ان آنکھوں نے دیکھا جسکی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو

عیاں ہے شانِ صدیقی تمہاری شانِ تقویٰ سے
کہوں اتقی نہ کیوں کر جبکہ خیر الاتقیا تم ہو

جلال و ہیئت فاروق اعظم آپ سے ظاہر
عدو اللہ پر ایک حربہ تیغ خدا تم ہو

اشداء علی الکفار کے ہو سر بسر مظہر
مخالف جس سے تھرائیں وہی شیر وفا تم ہو

تمہیں نے جمع فرمائے نکاتِ و رمز قرآنی
یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمان کا تم ہو

خلوص مرتضیٰ خلق حسن عزم حسینی میں
عدیم المثل یکتائے زمن اے با خدا تم ہو

تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہلسنّت نائب غوث الوریٰ تم ہو

علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

امام احمد رضا اور فن نحو

مقالہ نگار

مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا)

مقالہ نگار کا تعارف مقالہ فن صرف میں ملاحظہ کریں۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز نے اپنے فتاویٰ وتصانیف میں حسب موقع مسائل شرعیہ کی توضیح وتحقیق کے لیے نحو وصرف کے اصول وقوانین کا استعمال فرمایا ہے۔اس مضمون میں بہت سی مثالیں تحریر کردی گئی ہیں، جن میں امام موصوف نے نحو کے اصول وقوانین سے شرعی مسائل کی توضیح وتشریح فرمائی ہیں۔آپ نے نحو،صرف، بلاغت وغیرہ علوم عربیہ کے ساتھ دیگر بہت سے علوم وفنون کو خدمت دین سے متعلق فرمادیا اوران علوم وفنون کی روشنی میں اسلامی مسائل کو ثابت فرمایا ہے اور دیگر علما و محققین کو بھی اس کی ترغیب دی ہے۔

امام احمد رضا قادری اور فن نحو

فن نحو ایک تعارف

عربی زبان اور علوم ادبیہ:

عربی زبان وادب سے بارہ علوم کا تعلق ہے۔ چوں کہ علم نحو وصرف اور علم بلاغت وغیرہ بھی ان بارہ علوم میں شامل وداخل ہیں اس لیے ان بارہ علوم کا اجمالی تذکرہ سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔ شیخ محمد علی بن علی بن محمد تھانوی (م ۱۱۵۸ھ) نے لکھتے ہیں:

ترجمہ: علم ادب: شرح مفتاح میں ہے۔ جان لو کہ علم عربی جس کا نام علم ادب ہے، ایسا علم ہے جس سے عربی کلام میں لفظی وتحریری خلل سے بچا جاتا ہے، اور یہ بارہ قسم کی طرف منقسم ہوتا ہے جیسا کہ علما نے اس کی صراحت کی۔ ان بارہ علوم میں سے چند اصول ہیں جو اس احتراز (غلطی سے محفوظ رہنے) کے باب میں اصل ہیں، لیکن اصول تو بحث اس میں یا تو مفردات کے جواہر اور ان کے مادے سے ہوگی تو یہ علم لغت ہے، یا ان مفردات کی صورت اور شکل سے بحث ہوگی تو یہ علم صرف ہے، یا ان میں سے بعض کے بعض کی طرف اصلیت اور فرعیت کی حیثیت سے انتساب سے بحث ہوگی تو یہ علم الاشتقاق ہے، یا تو مطلقاً مرکبات سے بحث ہوگی، پس یا تو اس کی صورت ترکیبیہ اور اس کے معانی اصلیہ کی ادائیگی کے اعتبار سے بحث ہوگی تو یہ علم نحو ہے، یا اس کے زائد معانی کو بتانے کے اعتبار سے بحث ہوگی تو یہ علم بیان ہے، یا مرکبات موزونہ سے بحث ہوگی، پس یا تو اس کے وزن کے اعتبار سے بحث ہوگی تو یہ علم عروض ہے، یا اشعار کے آخری حصہ سے بحث ہوگی تو یہ علم قافیہ ہے، اور لیکن فروع، پس بحث اس میں یا تو نقوش کتابت سے متعلق ہوگی تو وہ علم رسم الخط ہے، یا بحث منظوم کے ساتھ خاص ہوگی تو یہ شعرا کا علم عروض ہے، یا نثر سے بحث ہوگی تو علم انشائے نثر ہے رسائل یا خطبات میں سے، یا بحث رسائل وخطبات کے ساتھ خاص نہ ہوگی تو علم محاضرات ہے، اور اسی (علم محاضرات) میں سے علم تواریخ ہے، اور لیکن علم البدیع تو اہل علم نے اسے علم بلاغت کی دونوں قسم (علم معانی وعلم بیان) کے ماتحت کر دیا ہے اور اسے ایک مستقل قسم نہ بنایا۔ (مترجما کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم ج۱ ص۳۷-مطبوعہ: مکتبہ لبنان ناشرون: بیروت)

علم نحو کی تعریف، غرض وغایت وموضوع:

شیخ محمد علی بن علی بن محمد تھانوی (م ۱۱۵۸ھ) نے تحریر فرمایا:

{علم النحو: ویسمّٰی علم الاعراب ایضا علیٰ ما مر فی شرح اللب—وھو علم یعرف بہ کیفیۃ الترکیب العربی صحۃً وسقمًا و کیفیۃ ما یتعلق بالالفاظ من حیث وقوعھا فیہ من حیث ھو ھو—او لا وقوعھا فیہ}

(کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم ج۱ ص۸۲- مطبوعہ: مکتبہ لبنان ناشرون: بیروت)

ترجمہ: علم نحو: اس کا نام علم اعراب بھی رکھا جاتا ہے جیسا کہ شرح لب میں گذرا۔ یہ ایسا علم ہے کہ اس سے صحیح اور فاسد ہونے کے اعتبار سے عربی ترکیب کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، اور اس کی کیفیت سے بحث ہوتی ہے جو الفاظ سے متعلق ہو، ان الفاظ کے عربی ترکیب میں اپنی حیثیت سے واقع ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے۔

آئینہ ہند حضرت اخی سراج، عثمان چشتی اودھی (۶۵۶ھ-۷۵۸ھ) نے علم نحو کی تعریف، غرض وغایت اور موضوع کو بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا:

{النحو علم باصول يعرف بها احوال اواخر الكلم الثلث من حيث الاعراب والبناء وكيفية تركيب بعضها مـن بعض والغرض منه صيانة الذهن عن الخطاء اللفظى فى كلام العرب وموضوعه الكلمة والكلام}

(ہدایۃ النحو ص۳-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: علم نحو ایسے اصول کا جاننا ہے جن کے ذریعے معرب ومبنی ہونے کی حیثیت سے تینوں کلموں (اسم ،فعل وحرف) کے آخر کے احوال اور بعض کلموں کو بعض سے مرکب کرنے کی کیفیت معلوم ہو،اور علم نحو کی غرض وغایت ذہن کو کلام عرب میں لفظی خطا سے محفوظ کرنا ہے،اور اس کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔

علم نحو کی اہمیت وفضیلت:

علم نحو وعلم صرف کی تعلیم واجب ہے، کیوں کہ قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے نحو وصرف کا جاننا لازم ہے۔امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

''واجبات ومحرمات ہماری شریعت میں دو قسم ہیں،ایک لعینہ یعنی جس کی نفس ذات میں مقتضی ایجاب وتحریم موجود ہے،جیسے عبادت خدا کی فرضیت اور بت پرستی کی حرمت۔دوسرے لغیرہ یعنی وہ کہ امور خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب وتحریم کا اقتضا کرتا ہے،اگرچہ نفس ذات میں کوئی معنی اس کو مقتضی نہیں ، جیسے تعلیم صرف ونحو کا وجوب کہ ہمارے رب تعالیٰ کی کتاب اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام زبان عربی میں اور اس کی فہم بے اس علم کے متعذر، لہٰذا واجب کیا گیا''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد۱۴ص ۵۵۲-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

{قال فى مدينة العلوم:علم النحو من فروض الكفايات،اذ يحتاج اليه للاستدلال بالكتاب والسنة}

(ابجد العلوم ج۲ص ۵۶۰-دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: مدینۃ العلوم میں فرمایا: علم نحو فرض کفایہ میں سے ہے، کیوں کہ قرآن وحدیث سے استدلال کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

علم نحو کا آغاز وفروغ:

جب مذہب اسلام،عرب سے باہر دنیا کے دوسرے ملکوں تک پہنچا اور قرآن مجید کی آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ ودیگر عربی کلام میں لفظی خطائیں نظر آنے لگیں تو شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ابوالاسود دوٴلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عربی کلام کے قوانین کو تحریر فرمایا۔رفتہ رفتہ یہ فن خلیل بن احمد فراہیدی تک پہنچا ۔انہوں نے فن نحو کو مرتب کیا اور اس کے ابواب کو مکمل فرمایا۔خلیل فراہیدی سے ان کے مشہور شاگرد سیبویہ نے اس فن کو سیکھا اور انہوں نے فن نحو انتہائی کامل کتاب تحریر فرمائی۔ان کے بعد ابوعلی فارسی اور ابوالقاسم زجاج نے طالب علموں کے لیے مختصر کتابیں تحریر فرمائی ، پھر فن نحو کے جزئی مسائل میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کے درمیان بہت سے اختلاف ہوئے۔

مابعد کے علما میں سے بعض نے نحوی مسائل اور علمائے نحو کے اختلافات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا،جیسے ابن مالک نے''کتاب التسہیل'' (تسہیل الفوائد) میں کی ،اور بہت سے علما نے صرف مسائل نحویہ کو طالب علموں کے لیے کتابوں میں جمع فرمادیا۔انھوں نے اختلافات کو بیان نہ کیا، بلکہ نحو کے مسائل پر اکتفا کیا ، جیسے جاراللہ زمخشری نے''مفصل''میں اور علامہ ابن حاجب نے''کافیہ'' میں کیا۔رفتہ رفتہ فن نحو میں بے شمار کتابیں ہوگئیں۔(ابجد العلوم: از نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ،ج۲ص ۵۶۲-دارالکتب العلمیہ بیروت-ملخصا ومترجما)

سابق ناظم ندوہ ،عبدالحیٔ رائے بریلوی (۱۲۸۶ھ،۱۳۴۱ھ-۱۸۶۹ء،۱۹۲۳ء) نے لکھا: جب اسلام کا فروغ عجمی ممالک تک ہوا اور عربی زبان میں خطاؤں کا احتمال ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوالاسود دوٴلی کو بلا کر عربی زبان کے قوانین لکھوائے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عربی زبان کے جو کچھ قوانین بنائے تھے ،وہ حضرت ابوالاسود دوٴلی کو عطا

فرما کرارشادفرمائے:"انح ھذا النحو" (اسی طریقہ پر لکھ لیں) (نحو کا لفظ استعمال فرمانے کے سبب) اس فن کا نام "نحو" رکھ دیا گیا۔حضرت ابوالاسود دؤلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فن نحو کے بہت سے قوانین تحریر فرمائے، پھران کے تلامذہ اس فن کی جانب متوجہ ہوئے اورانہوں نے اس فن کو فروغ دیا اور اس کے ابواب کو مکمل کیا۔ حضرت ابوالاسود دؤلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں (۱)عنبسہ معروف بہ عنبسۃ الفیل (۲) یحییٰ بن یعمر عدوانی (۳)عطا بن اسود (۴)ابوالحارث (۵)عیسیٰ بن عمر ثقفی (۶)ابوعمرو بن علاء (۷)خلیل بن احمد فراہیدی۔

ہارون رشید کے زمانہ میں سیبویہ:عمرو بن عثمان بن قنبر شیرازی بصری ،ابوبشر (م۱۸۰ھ) نے علم نحو کے تمام مسائل وجزئیات کو اپنی تصنیف "الکتاب" میں جمع کر دیا، پھر ابوعلی فارسی اور ابوالقاسم زجاج نے متعلمین کے لیے علم نحو کی مختصر کتابیں تحریر فرمائیں۔(معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف:از عبدالحئ رائے بریلوی ص ۱۹، ۲۰-دمشق-ملخصا ومترجما)

فن نحو کی کتابوں میں علامہ ابن حاجب کی کتاب "کافیہ" کو بہت زیادہ شہرت وقبولیت حاصل ہوئی۔ بے شمار علما نے اس کے شروح وحواشی تحریر فرمائے۔کافیہ کی مشہور زمانہ شرحوں میں شیخ عبدالرحمٰن جامی کی شرح ہے جو "شرح جامی" کے لقب سے میں متعارف ہے۔

فن نحو کے متقدمین ومشاہیر:

(۱) خلیفہ چہارم شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) حضرت ابوالاسود دوؤلی: ظالم بن عمرو بن سفیان بن جندل دؤلی کنانی (اق ھ-۶۹ھ-۶۰۵ء-۶۸۸ء)

(۳) خلیل فراہیدی: خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم ازدی یحمدی ،ابوعبدالرحمٰن (۱۰۰ھ-۱۷۰ھ-۷۱۸ء-۷۸۶ء)

(۴) سیبویہ:عمرو بن عثمان بن قنبر فارسی بصری ،ابوبشر (م۱۸۰ھ)

(۵) فرا کوفی: یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ بن منظور دیلمی ،ابوزکریا (۱۴۴ھ-۲۰۷ھ-۷۶۱ء-۸۲۲ء)

(۶) مبرد بصری: محمد بن یزید بن عبد الاکبر ثمالی ازدی، ابوالعباس (۲۱۰ھ-۲۸۶ھ-۸۲۶ء-۸۹۹ء)

(۷) زجاج: ابراہیم بن سری بن سہل ،ابواسحاق (۲۴۱ھ-۳۱۱ھ-۸۵۵ء-۹۲۳ء)

(۸) اخفش اصغر بغدادی نحوی: علی بن سلیمان بن فضل، ابوالمحاسن (م ۳۱۵ھ-۹۲۷ء)

(۹) ابوعلی فارسی: حسن بن احمد بن عبدالغفار فارسی (۲۸۸ھ-۳۷۷ھ-۹۰۰ء-۹۸۷ء)

علم نحو کی کتابیں:

الحاج خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی حنفی قسطنطینی (۱۰۱۷ھ-۱۰۶۷ھ) کی کتاب "کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" انتہائی معتبر ومتداول اور مشہور ومعروف ہے۔یہ "علم قوائم الکتب والفنون" اور "فن تقاسیم العلوم" کی ایک عظیم کتاب ہے۔حاجی خلیفہ کاتب چلپی نے فن نحو کی بہت سی کتابوں کا تذکرہ حروف ابجد کی ترتیب پر کیا ہے۔انہوں نے درج ذیل کتابوں کے نام تحریر فرمائے

(۱)الابنیہ (۲)الفیۃ ابن مالک (۳)الفیۃ ابن معطی (۴)الاشارات (۵)الافتتاح (۶)اوضح المسالک (۷)الانموذج (۸) الاصباح (۹) الاقلید (۱۰)اسرار العربیہ (۱۱)الارشاد (۱۲)اصول النحو (۱۳)الازہیہ (۱۴)اوثق الاسباب (۱۵)ارشاد السالک (۱۶)شرح الالفیہ (۱۷) ارتشاف الضرب (۱۸)البرہان شرح الایضاح (۱۹)بسیط الاعراب (۲۰)التخییر شرح المفصل (۲۱)توضیح اوضح المسالک (۲۲) تہذیب الفصول (۲۳)تسہیل الفوائد (۲۴)تحفۃ الطلاب (۲۵)تصریح خالد الازہری (۲۶)التحفۃ الشافیۃ شرح الکافیہ (۲۷)تمرین الطلاب (۲۸) التحفۃ الوافیہ (۲۹)جمل عبد القادر (۳۰)الجمل الہادیہ (۳۱)جمل الزجاج (۳۲)خصائص النحو (۳۳)خزانۃ اللطائف شرح المصباح (۳۴) رفع الستور والارائک (۳۵)ربط الشوارد (۳۶)شذور الذہب

(۳۷)شرح الدیباجہ (۳۸)شرح الشواہد (۳۹)الضوء شرح المصباح (۴۰) العوامل (۴۱)عمدۃ الحافظ (۴۲)عنوان الافادہ (۴۳)العنقود (۴۴)عقود اللمع (۴۵)الغرۃ المخفیۃ شرح درۃ الالفیہ (۴۶)فصول فاخر (۴۷) قواعد الاعراب (۴۸)قطر الندی (۴۹)الکفایہ (۵۰) کفایۃ المحرر (۵۱) کفایۃ الغلام (۵۲)اللباب (۵۳)لب الالباب (۵۴) اللب مختصر الکافیہ (۵۵)اللمع (۵۶)مغنی اللبیب (۵۷)المتوسط (۵۸)المفصل (۵۹)الملحہ (۶۰)الملخص (۶۱)مقدمۃ الجزولی (۶۲) مقدمۃ علی بن عیسی (۶۳)المقرب (۶۴)مغنی الصغری (۶۵)موصل الطلاب (۶۶) مرشدۃ الطلاب (۶۷) المحصول (۶۸) المصباح (۶۹) المستشہد (۷۰)مقدمۃ ابن بابشاذ (۷۱)المنحہ (۷۲)مقصد المسالک (۷۳)المرتجل (۷۴)المقالید شرح مصباح (۷۵)المشکاۃ شرح المصباح (۷۶)معرفۃ الاعراب (۷۷)المحتسب (۷۸)معانی الحروف (۷۹)الوافیہ (۸۰)الہدایہ۔ (کشف الظنون عن الاسامی والفنون ج ۲ ص ۱۹۳۴-المکتبۃ الشاملہ)

ہندوپاک میں فن نحو کی اہم درسی کتابیں:

(۱)نحو میر: میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی (۷۴۰ھ-۸۱۶ھ)

(۲)ہدایۃ النحو: آئینہ ہند حضرت اخی سراج ،عثمان چشتی اودھی (۶۵۶ھ-۷۵۸ھ)

(۳) کافیہ: جمال الدین ابن حاجب مالکی: عثمان بن عمر بن ابوبکر بن یونس (۵۷۰ھ-۶۴۶ھ-۱۱۷۴ء-۱۲۴۹ء)

(۴) شرح جامی: عبد الرحمٰن بن احمد بن محمد جامی (۸۱۷ھ-۸۹۸ھ-۱۴۱۴ء-۱۴۹۲ء)

کیرلا کے مدارس میں ''الالفیہ'' (ابن مالک: محمد بن عبد اللہ، ابن مالک طائی جیانی ،ابوعبداللہ، جمال الدین (۶۰۰ھ-۶۷۲ھ-۱۲۰۳ء-۱۲۷۴ء) اور''قطر الندی'' (از: ابن ہشام: عبد اللہ بن یوسف بن احمد بن عبد اللہ ابن یوسف ،ابومحمد جمال الدین (۷۰۸ھ-۷۶۱ھ-۱۳۰۹ء-۱۳۶۰ء) داخل نصاب ہے۔

امام احمد رضا قادری اور علم نحو

نحوی مسائل سے متعلق امام احمد رضا قادری کی تحقیقات فتاویٰ رضویہ اور ان کی دیگر تصانیف میں جابجا موجود ہیں ۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے تمام نحوی افادات کا استیعاب کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ بطور تمثیل اس مضمون میں چند اہم قتباسات نقل کیے جائیں گے، تاکہ فن نحو میں آپ کا تبحر علمی ظاہر ہو سکے۔اسی طرح اصول فقہ کی طرح قوانین نحو سے مسائل شرعیہ کی تفہیم وتحقیق کا طریقہ بھی واضح ہو سکے۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے اقتباسات کے درمیان عربی عبارتوں کے تراجم مرقوم ہیں۔ان میں سے بہت سے تراجم خود امام ممدوح کے تحریر کردہ ہیں۔اگر میں نے اقتباس کے درمیانی حصوں میں ترجمہ لکھا ہے تو اسے قوسین کے مابین رکھا ہے، تاکہ فرق ہوجائے۔

علم نحو میں امام احمد رضا کی مستقل تصنیف:

(۱) شرح ہدایۃ النحو (عربی)

فن نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' کی شرح آپ نے عہد طالب علمی میں تحریر فرمائی تھی ،جب کہ آپ کی عمر صرف آٹھ برس کی تھی۔ظن غالب یہی ہے کہ یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے۔اس سے قبل آپ کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں ملتا۔

علامہ مفتی بدر الدین احمد رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا:''آپ نے آٹھ برس کی عمر میں فن نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' پڑھی ،اور خداداد علم کے زور کا یہ عالم تھا کہ اسی ننھی عمر میں ''ہدایۃ النحو'' کی شرح عربی زبان میں لکھ ڈالی''۔

(سوانح اعلیٰ حضرت ص ۱۰۲-مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان)

معرفہ ہونے کے وقت خبر کی تقدیم قاعدہ اکثری ہے، قاعدہ کلی نہیں۔

امام احمد رضا قادری نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے متعلق وارد ہونے والی آیت کریمہ:{ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم} کی انتہائی نفیس تشریح اپنے رسالہ:''الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی''میں فرمائی۔ یہاں ایک شبہہ ہوتا ہے کہ فن نحو کا قانون ہے کہ جب مبتدا وخبر دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ ایسی صورت میں آیت کریمہ کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تم میں جو زیادہ معظم ومکرم ہے، وہی بارگاہ الٰہی میں زیادہ تقویٰ والا ہے۔ جب کہ مفسرین نے یہ معنی بتایا ہے کہ جو زیادہ تقویٰ والا ہے، وہی دربار الٰہی میں زیادہ معظم ومکرم ہے۔ یہ مفہوم نحوی قانون سے موافقت نہیں رکھتا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

{ومن ھھنا بان لک ان ماقالت النحاۃ من وجوب تقدیم المبتدا علی الخبر اذا کانا معرفتین اومتساویین امر اکثری، لاکلی وانما المعنی علی اللبس واذ لیس فلیس-بذلک صرح الشراح ولا یغرنک اطلاق المتون فانھا ربما تمشی علی الاطلاق فی مقام التقیید فی علم الفقہ فکیف بغیرہ من الفنون}

(رسالہ :الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی :فتاویٰ رضویہ جلد۲۸ص۶۴۹-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ: یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ نحویوں نے جو یہ کہا کہ مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے، جب دونوں معرفہ ہوں یا تنکیر وتعریف میں دونوں برابر ہوں۔ یہ اکثری قاعدہ ہے۔ کلی قاعدہ نہیں اور معنی یہی ہے کہ مبتدا کی تقدیم ایسی صورت میں اس وقت واجب ہے جب کہ التباس کا اندیشہ نہ ہو تو واجب نہیں۔ شارحین نے اس کی تصریح کی تو ہرگز تمہیں متون کا اس مسئلہ کو مطلق رکھنا دھوکا میں نہ ڈالے، اس لیے کہ متون تو بسا اوقات اطلاق کی راہ چلتے ہیں مسئلہ کو مقید رکھنے کے مقام میں علم فقہ میں تو تمہارا کیا گمان ہے فقہ کے سوا دوسرے فنون میں۔

جب مبتدا وخبر دونوں معرفہ ہوں یا دونوں مساوی ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا ضروری ہے۔ یہ قاعدہ علم نحو کی کتابوں میں مرقوم ومشہور ہے، لیکن یہ قاعدہ اکثری ہے یا قاعدہ کلی ہے۔ اس کی وضاحت نہیں ملتی۔ امام احمد رضا قادری نے شروح کے حوالے سے یہ وضاحت فرمائی کہ یہ قاعدہ کلی نہیں، بلکہ اکثری ہے۔ اس سے فن نحو میں امام احمد رضا کے وسیع الادراک ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ مذکورہ بالا مفہوم کی تقویت کے لیے امام ممدوح نے حدیث نبوی اور قول محدثین سے بھی استدلال فرمایا۔ آپ نے رقم فرمایا:

{اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی وابن حبان بسند صحیح عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم عَلَیَّ صلوٰۃً}

{قال الفاضل الشارح:''ای اقربھم منی فی القیامۃ وأحقھم بشفاعتي اکثرھم علی صلاۃ فی الدنیا لان کثرۃ الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تدل علیٰ صدق المحبۃ وکمال الوصلۃ فتکون منازلھم فی الاٰخرۃ منہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحسب تفاوتھم فی ذلک-اھ }(فتاویٰ رضویہ جلد۲۸ص۲۴۶-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ: امام بخاری نے تاریخ میں اور ترمذی اور ابن حبان بہ سند صحیح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا، جو سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجنے والا ہے۔

فاضل شارح امام عبدالرؤف مناوی شافعی (۹۵۲ھ-۱۰۳۱ھ) نے فرمایا: یعنی قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا، جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم پر درود کی کثرت سچی محبت اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے تو ان لوگوں کے مدارج آخرت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرب میں اس امر میں ان لوگوں کے تفاوت کے اعتبار سے ہوں گے۔

قاعدۂ تنازع فعلان سے مسئلہ طاعون کی توضیح:

بعض لوگوں نے کہا کہ طاعون کے وقت شہر سے باہر جانا ممنوع ہے۔اسی شہر میں ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہونا ممنوع نہیں۔امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رسالہ: ''تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون'' میں نحوی قانون کی روشنی میں حدیث نبوی کی تشریح کرتے ہوئے ثابت فرمایا کہ اس شہر سے بھاگ کر دوسرے شہر چلا جانا بھی ممنوع ہے اور اس گھر سے بھاگ کر دوسرے گھر میں منتقل ہو جانا بھی ممنوع ہے، گرچہ وہ گھر اسی شہر میں ہو۔

امام احمد رضا نے مقام طاعون سے نہ بھاگنے سے متعلق متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔تنازع فعلان کے قاعدہ کی روشنی میں مسند احمد بن حنبل اور صحیح بخاری کی روایتوں کی قابل قبول تشریح فرمائی اور مسئلہ حاضرہ کی عمدہ تفہیم فرمائی۔دونوں حدیثیں منقوشہ ذیل ہیں۔

{عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها انها قالت:سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم عن الطاعون فاخبرنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم انه کان عذابًا یبعثه اللّٰہ تعالیٰ علیٰ من یشاء فجعله رحمةً للمؤمنین فلیس من رجل یقع الطاعون فیمکث فی بیته صابرًا محتسبًا یعلم انه لایصیبه الا ماکتب اللّٰہ له الا کان له مثل اجر الشهید} (مسند احمد بن حنبل ج۶ص۵۲-المکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ:ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں دریافت کیا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طاعون ایک عذاب تھا کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا، بھیجتا اور اس امت کے لیے اسے رحمت کر دیا ہے تو جو شخص زمانہ طاعون میں اپنے گھر میں صبر کرے، طلب ثواب کے لیے اس اعتقاد کے ساتھ ٹھہرا رہے کہ اسے وہی پہنچے گا جو خدا نے لکھ دیا ہے، اس کے لیے شہید کا ثواب ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے: **{لیس من عبد یقع الطاعون فیمکث فی بلده صابرًا}**

(صحیح البخاری: کتاب الطب ج۲ص۸۵۳)

ترجمہ: کوئی ایسا بندہ نہیں کہ طاعون واقع ہو، اور وہ اپنے شہر میں صبر کے ساتھ ٹھہرا رہے۔اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

''اور بداہۃً معلوم ہے کہ مطلقاً روئے زمین میں سے کسی جگہ وقوع طاعون مراد نہیں تو حدیث بخاری میں ''فی بلدہ'' اور حدیث احمد میں ''فی بیتہ'' بر سبیل تنازع یمکث ویقع دونوں سے متعلق ہیں۔امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

{قوله فی بلده مما تنازع الفعلان فیه اعنی قوله یقع وقوله یمکث}

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ''فی بلدہ'' اس میں تنازع فعلین ہے، یعنی یمکث اور یقع کا تنازع ہے)

تو دونوں روایتوں کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے شہر میں طاعون واقع ہو، وہ شہر سے نہ بھاگے اور جس کے خود گھر میں واقع، وہ اپنے گھر سے نہ بھاگے، اور حاصل اسی طرف رجوع کر گیا کہ طاعون سے نہ بھاگے، شہر یا گھر سے بھاگنا لذاتہ ممنوع نہیں۔اگر کوئی ظالم جبار شہر میں ظلماً اس کی گرفتاری کو آیا اور یہ اس سے بچنے کو شہر سے بھاگ گیا، ہرگز مواخذہ نہیں، اگرچہ زمانہ طاعون ہی کا ہو کہ یہ بھاگنا طاعون سے نہ تھا، بلکہ ظلم ظالم سے، اور اللہ عزوجل نیت کو جانتا ہے''۔(فتاوی رضویہ جلد۲۴ص۳۰۰، ۳۰۱-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

مذکورہ بالا اقتباس میں تنازع فعلین کے ذریعہ مسئلہ شرعیہ کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔اگر یہاں تنازع فعلین کو تسلیم نہ کیا جائے تو

مفہوم یہ ہو جائے گا کہ دنیا میں کہیں بھی طاعون واقع ہو،اس موقع پرآدمی اپنے شہر یا اپنے گھر سے کہیں باہر نہ جائے ،حالاں کہ یہ مطلوب شرع نہیں ۔ یہاں یہ مفہوم بتایا جارہا ہے کہ جس شہر یا جس گھر میں طاعون واقع ہو،اس گھر یا اس شہر سے نہ بھاگے۔اس مفہوم کے اثبات کے لیے ''فی بلدہ'' اور''فی بیتہ''میں تنازع فعلین کوتسلیم کرنا لازم ہے، ورنہ صحیح مفہوم ثابت نہ ہوسکے گا۔تنازع فعلین کے قاعدہ کی روشنی میں یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ جس گھر میں طاعون واقع ہو، اس گھر سے منتقل ہوکر شہر کے دوسرے گھر میں قیام کرنا بھی فرار (بھاگنے) کے حکم میں ہے۔اسی طرح شہر میں دوسری جگہ منتقل ہونا ممنوع قرار پایا۔امام اہل سنت نے اس مفہوم کوصاف اورواضح طریقے پران لفظوں میں بیان فرمایا:

''نظر کیجیے تو خود ہی حدیث ''فیمکث في بلدہ'' (پھروہ اپنے شہر میں ٹھہرارہے) محلات شہر ہی میں تجویز فرار سے صریح ابا فرما رہی ہے ۔اس میں فقط اتنا ہی نہ فرمایا کہ شہر میں رہے، بلکہ صاف ارشاد ہوا:{**یمکث في بلدہ صابرًا محتسبًا یعلم أنہ لایصیبہ الا ما کتب اللّٰہ لہ**}

(وہ اپنے شہر میں اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ اسے وہی کچھ پہنچے گا جواللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھ دیا ہے،صبر کا دامن تھامے ہوئے ٹھہرارہے)

اپنے شہر میں تین وصفوں کے ساتھ ٹھہرے ۔اول :صبرو استقلال، دوم :تسلیم وتفویض ورضا بالقضا پر طلب ثواب، سوم :یہ سچا اعتقاد کہ بے تقدیر الٰہی کوئی بلانہیں پہنچ سکتی ۔اب اس کے حال کو اندازہ کیجئے ،جس کے شہر کے ایک کنارے میں طاعون واقع ہو،اور وہ اس کے خوف سے گھر چھوڑ کر دوسرے کنارے کو بھاگ گیا ،کیا اسے ثابت قدم وصابر ومستقل وراضی بالقضا کہا جائے گا ،وہ ایسا ہوتا تو کیوں بھاگتا ،شہر میں اس کا قیام صبر ورضا کے لیے نہیں ، بلکہ اس لیے کہ یہ کنارۂ شہر ہنوز محفوظ ہے ۔کل اگر یہاں بھی طاعون آیا تو اسے یہاں سے بھی بھاگتے دیکھ لینا ۔ اگراب بیرون شہر جاکر پڑا،اور وہاں بھی وبا پہنچی تو مضافات کو بھی چھوڑ کر دوسری ہی بستی میں دم لے گا، پھر''صابراً محتسباً'' کہاں صادق آیا''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۲۴ص ۳۰۲-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

قانون شرط وجزا سے مسئلہ دعائے افطار کی تشریح:

دعائے افطار کب پڑھی جائے ؟سوال میں تین صورت پیش کی گئی ہے(۱)افطار سے قبل (۲)افطار کے وقت (۳)افطار کے بعد۔ فن نحو کے قاعدۂ شرط وجزا کی روشنی میں حدیث شریف کے الفاظ وعبارات سے امام احمد رضا قادری نے ثابت فرمایا کہ افطار کے فوراً بعد یہ دعا پڑھی جائے گی ۔احادیث مبارکہ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ امام احمد رضا قادری کی تحریر کردہ چند احادیث مقدسہ مرقومہ ذیل ہیں ،تاکہ فہم مطالب میں آسانی ہوسکے ۔ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد شرط وجزا سے متعلق امام ممدوح کی عبارت پیش کی جائے گی۔

{**عن معاذ بن زهرة قال:كان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال الحمد للّٰہ الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت**}(شعب الایمان جلد۳ص ۴۰۶-دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ:حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ پڑھتے: سب حمداللہ کی جس نے میری مدد فرمائی تو میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطافرمایا تو میں نے افطار کیا۔

{**عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال: كان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال:اللّٰھم لک صمنا وعلٰی رزقک افطرنا فتقبل منا انک انت السمیع العلیم**}(سنن الدارقطنی جلد۲ص ۱۸۵-نشر السنہ ملتان)

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے ۔یااللہ!ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار

کیا۔ ہماری طرف سے قبول فرما، تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ اور اسی کی مثل دیگر روایتوں میں ''اذا'' حرف شرط ہے، اور ''قال: اللھم-الخ'' جزا ہے، یعنی قول اور مقولہ کا مجموعہ جزا ہے۔ بعض نے صرف ''قال'' کو جزا قرار دیا اور ''اللھم-الخ'' یعنی دعائے افطار کو ایک مستقل کلام قرار دیا۔ امام احمد رضا نے فرمایا کہ بغیر مقولہ کے کسی قول کا تصور نہیں ہوسکتا۔ بات بھی سچ ہے کہ بغیر مقولہ کے قول کیوں کر متصور ہوسکتا ہے۔ آپ نے وضاحت فرمائی کہ جزا اپنی شرط پر مرتب ہوتی ہے، لہٰذا جزا کا تأخر اور شرط کا تقدم ضروری ہے۔ یہ تقدم وتأخر زمانی بھی ہوسکتا ہے اور رتبی بھی ہوسکتا ہے۔

حدیث شریف میں بتایا گیا کہ جب افطار فرما لیتے، تب آپ دعا پڑھتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ افطار پہلے فرماتے اور دعا افطار کے بعد پڑھتے۔ اگر افطار سے پہلے دعا پڑھی جائے تو شرط وجزا کا قانون اس کی موافقت نہیں کرتا۔ کیوں کہ شرط سے قبل جزا یعنی دعائے افطار کا پڑھنا لازم آئے گا، حالاں کہ جزا کا مؤخر ہونا اور شرط کا مقدم ہونا ضروری ہے۔ ترتب کے ساتھ مقارنت واتصال کا مفہوم یعنی تقدم وتأخر رتبی یہاں مشکل ہے، یعنی جیسے ہی افطار کھائے یا پئے تو بعینہ اسی وقت دعا پڑھنا مشکل ہے، کیوں کہ جب انسان کچھ کھا پی رہا ہوتو خاص اسی وقت زبان سے دعا کے الفاظ کی ادائیگی مشکل امر ہے۔ امام احمد رضا قادری نے دعائے افطار سے متعلق احادیث مذکورہ بالا ودیگر احادیث طیبہ نقل کرنے بعد تحریر فرمایا:

''افطر'' شرط اور ''قال کذا'' اس کی جزا، مجرد قول کہ مقولے سے معرا کرلیا جائے، صلاحیت وقوع ہی نہیں رکھتا، ترتب کہ لازم جزائیت ہے، کہاں سے آئے گا۔ ''اللھم'' کو کلام مستانف قرار دینا ایک ایسی بات ہے کہ شرح مائۃ عامل خواں بھی قبول نہ کرے گا، اور جزا شرط سے مقدم نہیں ہوتی: **بل یعقبه ویترتب علیه کما لا یخفی علی کل من له ادنی مسکة** (بلکہ جزا شرط سے مؤخر اور اس پر مترتب ہوتی ہے جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح جو اس فن کے ساتھ تھوڑا سا بھی تعلق رکھتا ہے) اور مقارنت حقیقیہ یہاں معقول نہیں کہ عین وقت افطار بالاکل والشرب یعنی جس وقت کوئی مطعوم حلق سے اتارا جائے، عادۃً خاص اس حالت میں قرأت نامتیسر، لاجرم تعقیب مراد، وہو المقصود۔ ہاں، وقت افطار بالجماع میں اقتران حقیقی مقصور، مگر وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں)۔ یہیں سے واضح کہ قول ثانی وثالث کا مآل ایک ہی ہے''۔ (رسالہ: العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار، فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۶۳۵ - جامعہ نظامیہ لاہور)

عبارت مذکورہ بالا میں قول ثانی سے بوقت افطار دعا پڑھنا اور قول ثالث سے بعد افطار دعا پڑھنا مراد ہے، اور دونوں سے مراد یہی ہے کہ افطار کے بعد فوراً دعائے افطار پڑھی جائے۔

نحوی قانون سے مسئلہ طلاق کی تفہیم:

عربی زبان میں لفظ ''نعم'' تصدیق اور وعدہ، دونوں معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی خبر کے بعد نعم ہے تو یہ تصدیق ہے، اور اگر امر ونہی کے بعد واقع ہو تو یہ وعدہ کو بتاتا ہے۔ شرعی امور میں اردو اور فارسی زبان میں لفظ ہاں اور بلے کا بھی یہی مفہوم مراد لیا جائے گا۔ اسی قانون کے مطابق طلاق کے ایک مسئلہ کی آپ نے تشریح کی اور حکم بیان فرمایا۔ سائل نے سوال کیا تھا کہ چند آدمیوں نے مل کر ایک شخص سے کہا کہ تو اپنی اہلیہ کو طلاق دے دے، پس اس کی زبان سے طلاق کی نیت کے بغیر نکل پڑا کہ: ''ہاں، ہاں''۔ اب ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ امام احمد رضا قادری نے جواب میں تحریر فرمایا:

''جب کہ ان اشخاص نے اس سے طلاقِ زن کی درخواست کی اور اس کے جواب میں اس نے ''ہاں، ہاں'' کہا، طلاق اصلاً نہ ہوئی، اگر چہ بہ نیت طلاق ہی کہتا ہو کہ لفظ ''ہاں'' جب امر کے جواب میں واقع ہو تو اس کا حاصل وعدہ ہوتا ہے، یعنی ہاں طلاق دے دوں گا اور اس سے طلاق نہیں ہوسکتی، گرچہ نیت کرے کہ طلاق کے لیے نیت بے لفظ کافی نہیں۔ ہاں، اگر وہ یوں کہتے کہ تو نے اپنی اہلیہ کو طلاق

دے دی تو یہ اخبار یا بتقدیر لفظ ''کیا'' استخبار ہوتا۔اس کے جواب میں اگر وہ ''ہاں'' کہتا،ضرور وقوع طلاق کا حکم دیا جاتا کہ اب وہ تصدیق واقرار ہے''۔(مترجماً فتاویٰ رضویہ جلد۱۲ص ۳۷۹،۳۸۰۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

اسی مفہوم کی تفہیم کے لیے امام احمد رضا قادری نے نحوی قانون بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''تاج العروس میں ہے:{**فی التھذیب:قد یکون نعم تصدیقًا ویکون عدۃ وحاصل ما فی المغنی وشروحہ انہ یکون حرف تصدیق بعد الخبر ووعدۃ بعد افعل ولا تفعل**}''۔(فتاویٰ رضویہ جلد۱۲ص ۳۷۹،۳۸۰۔ لاہور)

ترجمہ: تہذیب میں ہے کہ ''نعم'' (ہاں) کا لفظ کبھی تصدیق کے لیے ہوتا ہے اور کبھی وعدہ کے لیے ہوتا ہے،اور مغنی اور اس کی شروح میں مذکور تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ''نعم'' خبر کے بعد تصدیق اور افعل (فعل امر) اور لاتفعل (فعل نہی) کے بعد وعدہ ہوتا ہے۔

اسم تفضیل کے استعمال میں ایجادی نکتہ:

اگر آیت کریمہ:{**ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم**} سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مراد لیا جائے تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتمام پیغمبروں سے بھی زیادہ متقی ہیں؟ ایسے موقع پر اسم تفضیل کا کیا معنی ہوگا؟

امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا کہ ایسے مواقع پر عرف میں جو مراد ہوتے ہیں،وہی مراد ہوں گے۔ یہاں معلوم ہے کہ کوئی غیر نبی کسی نبی سے افضل نہیں ہو سکتے،پس حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس میں شامل ہی نہیں ہوں گے،اور نہ ہی حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مستثنیٰ قرار دینے کے لیے کسی خاص قرینہ یا قید کی ضرورت ہوگی۔اس اعتبار سے آیت کریمہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صرف تمام امتیوں سے افضل ہونا ثابت ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مستثنیٰ قرار پائیں گے۔امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

اقـول: پھر میں کہتا ہوں کہ اس مقام میں ایک دوسرا نکتہ ہے،جو عقلوں کے قبول ہونے کے زیادہ لائق ہے۔میں نے نہیں دیکھا کہ کسی کو اس نکتہ کی جانب توجہ ہوئی،اور وہ نکتہ یہ ہے کہ افعل التفضیل (صیغہ اسم تفضیل) کے لیے مفضل علیہ ضروری ہے،تو اس صیغہ پر جب لام تعریف داخل ہوگا تو ایسے مقام میں ان تمام افراد پر فضیلت ہوگی،جن کے درمیان ایسے مواقع پر تفاضل سمجھا جاتا ہے،جیسے اناج کی قسمیں (مراد ہیں) ہمارے جملہ ''گیہوں کی روٹی ہی اچھی ہے''۔میں،اور وہی زیادہ تر مستعمل ہے،اس مقام میں جس کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں،یا اس صیغہ سے بعض پر فضیلت سمجھی جائے گی اور بعض پر فضیلت نہیں سمجھی جائے گی،یا نہ پہلی صورت ہوگی،نہ دوسری صورت،بلکہ دونوں کا احتمال ہوگا۔پہلی تقدیر پر ہمارا مدعا حاصل ہے اور دوسری تقدیر بداہۃً باطل ہے۔

توضیح:امام ممدوح نے اسم تفضیل کے استعمال کی تین صورتیں بیان فرمائیں۔(۱) جن اشیا کے مابین تفاضل معہود ومتعارف ہے،انہی امور پر فضیلت مراد ہو۔(۲) بعض پر فضیلت سمجھی جائے اور بعض پر نہیں (۳) دونوں صورتوں کا احتمال ہو،لیکن کسی کا تعین نہ ہو سکے۔صورت اول کی وضاحت کے لیے گیہوں کی روٹی کی مثال دی۔ ہمارے عرف میں گیہوں ودیگر اناج کی روٹی استعمال کی جاتی ہے تو جب کہا جائے کہ گیہوں کی روٹی سب سے اچھی ہے تو اس سے مراد یہی ہوگی کہ دیگر اناجوں کی بہ نسبت گیہوں کی روٹی اچھی ہے۔ یہ نہیں مراد ہوگی کہ ہر قسم کی روٹی سے گیہوں کی روٹی اچھی ہے۔کیا گیہوں کی روٹی بادام کی روٹی سے بھی افضل ہوگی،ہرگز نہیں،لیکن مذکورہ جملے سے بادام کی روٹی کا مفضول ہونا مراد نہیں ہوگا،کیوں کہ بادام کی روٹی عام طور پر استعمال نہیں کی جاتی۔ممکن ہے کہ دوا کے طور پر حکیم وطبیب اسے استعمال کا حکم دیں اور وہ بطور دوا یا بطور غذا استعمال کی جائے۔صورت دوم کو آپ نے باطل قرار دیا

کہ بعض افراد پر تفضیل ہو، اور بعض پر تفضیل نہ ہو۔ بلا تخصیص و بلا تقیید بعض افراد کا استثنا کیوں کر ہوگا؟ تیسری صورت کی وضاحت فرماتے ہوئے آپ نے رقم فرمایا:

{وعلی الثالث کانت الآیة مجملة فی حق المفضل علیھم-والمجمل ان لم یبین،عد من المتشابھات ولم یعد ھا احد منھا لکنا بحمد اللہ وجدنا البیان من صاحب البیان علیه افضل الصلٰوۃ والسلام.

اخرج الامام ابو عمر بن عبد البر من حدیث مجالد عن شعبی قال سألت ابن عباس او سُئِلَ :ای الناس اول اسلامًا؟قال:ا ما سمعت قول حسان بن ثابت.

اذا تذکرت شجوًا من اخی ثقة-فاذکر اخاک ابا بکر بما فعلا-خیر البریة اتقاھا واعدلھا-بعد النبی واوفاھا بما حملا-والثانی التالی المحمود مشھدہ-واول الناس منھم صدق الرسلا}

(فتاویٰ رضویہ جلد۲۸ص۶۱۲،۶۱۳-جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ: تیسری تقدیر پر ہر آیت مفضل علیہم کے حق میں مجمل ہوگی ،اور مجمل آیت کا بیان اگر نہ ہوا ہوتو وہ متشابہ آیتوں میں شمار ہوگی ، حالاں کہ اس آیت کو کسی نے متشابہات میں شمار نہ کیا،لیکن ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ اس آیت کا بیان صاحب بیان حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پایا۔ امام ابو عمر ابن عبد البر مالکی (۳۶۸ھ-۴۶۳ھ) نے حدیث مجالد بروایت شعبی کی تخریج کی کہ امام شعبی نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا ، یا ان سے سوال ہوا کہ لوگوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا؟ انہوں نے جواب دیا: کیا تم نے حسان بن ثابت کے یہ شعر نہ سنے۔

(ترجمہ اشعار) جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے تو اپنے بھائی ابوبکر کو ان کے کارناموں سے یاد کر جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ متقی ، سب سے زیادہ انصاف کرنے والے، سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے ، جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ میں غار میں رہے ، جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے سفر ہجرت میں چلے ، جن کا منظر محمود ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ۔ (علیہم الصلوٰۃ والسلام)

توضیح: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اشعار میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخلوق میں سب سے بہتر ، سب سے متقی ودیگر صفات سے متصف فرمایا۔ یہ اشعار عہد رسالت میں کہے گئے تھے ۔ حضرات صحابہ کرام اس پر مطلع تھے ، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ اشعار حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنائے تھے ۔ امام اہل سنت نے لکھا:

ترجمہ: امام ابوعمر یوسف بن عبد البر مالکی (۳۶۸ھ-۴۶۳ھ) نے ''الاستیعاب'' میں بیان فرمایا کہ روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا: کیا آپ نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا؟ انہوں نے عرض کیا: جی، اور حضرت حسان نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اشعار سنائے اور ان میں چوتھا شعر ہے، اور وہ یہ ہے۔

غار شریف میں وہ دوسری جان درآں حالے کہ دشمن اس کے گرد چکر لگاتے تھے، جب وہ پہاڑ پر چڑھے تھے۔

پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اشعار کو سن کر خوش ہوئے اور فرمایا: اے حسان !تم نے اچھا کیا اور ان میں پانچواں شعر بھی مروی ہوا۔

وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوست ہیں ،لوگوں کو یہ معلوم ہے۔ تمام مخلوق سے بہتر ، جن کے برابر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کو نہیں رکھا ۔ (امام ابن عبد البر مالکی کی عبارت تمام ہوئی)

میں کہتا ہوں: مصرع ثانی کی جگہ اس طرح بھی مروی ہے۔
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مخلوق میں سے کسی کو ان کے برابر نہیں رکھا۔
(فتاویٰ رضویہ جلد ۲۸ص ۶۱۳، ۶۱۴ - جامعہ نظامیہ لاہور)

توضیح: آیت کریمہ:{إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ} سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے افضلیت صدیقی سے متعلق حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار سن کر انکار نہ فرمایا، بلکہ تحسین فرمائی۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اسی کو ثابت رکھا۔یہ امام المفسرین ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے علم قرآن کی دعا فرمائی تھی۔غیر قیاسی امور میں صحابی کا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔امام موصوف نے تحریر فرمایا:

ترجمہ: اصول فقہ کے عالم کو معلوم ہے کہ ایسی صورت میں موقوف حدیث، مرفوع حدیث کی طرح ہے، اس لیے کہ مجمل کا بیان رائے سے نہیں ہوتا، لہٰذا اگر شارع نے بیان نہ کیا اور قرآن کا نزول بند ہوگیا تو مجمل متشابہ ہوجائے گا، پھر بیان، مبین (مجمل) سے ملحق ہوگا، اس لیے کہ بیان کا یہی فائدہ ہے کہ شک دور کردے اور محتمل معانی میں سے کسی ایک کو متعین کردے، پس بیان کا وہی حکم ہے، جو قرینہ ہے، اور کلام کا مفاد کلام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے، جیسا کہ اصول فقہ نے واضح کیا تو اس آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت تقویٰ میں ہر امتی پر ثابت ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی نعمتوں پر حمد ہے۔(مترجماً فتاویٰ رضویہ جلد ۲۸ص ۶۱۵، ۶۱۶ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

توضیح: اسم تفضیل کے استعمال کی تیسری صورت میں امام موصوف نے فرمایا تھا کہ ماقبل کی دونوں صورتوں کا احتمال ہو، لیکن کسی کا تعین نہ ہوسکے۔اس کے تعین کے لیے بیان کی ضرورت ہوگی۔اب اگر آیت کریمہ:{إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ} میں استعمال کی تیسری صورت مراد لی جائے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار کو سن کر ثابت رکھنا اس اجمال کے لیے بیان کی منزل میں ہے اور اس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقویٰ میں ساری امت سے افضل ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔یہ نحوی قانون امام ممدوح کے ایجادی واضافی قواعد میں سے ہے: فالحمد للہ علیٰ ذلک

لو شرطیہ سے مسئلہ کی تفہیم:

حالت سجدہ میں نیند آجائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا، یعنی سجدہ کی مسنون حالت پر سوئے کہ پیٹ ران سے جدا ہو، کلائیاں زمین پر بچھی ہوئی نہ ہوں، بازو کروٹوں سے جدا ہو۔سجدہ کی ہیئت مسنونہ پر نماز میں نیند آجائے یا بیرون نماز سجدہ کی مسنون حالت پر نیند آجائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ ہیئت مسنونہ میں سونے سے اعضا کے ڈھیلے پڑ جانے کا احتمال ختم ہوجاتا ہے، اور کسی مفسد وضو کے وجود کا امکان معدوم ہوجاتا ہے۔نماز میں وضو نہ ٹوٹنے کا بیان حدیث شریف میں آیا ہے، لیکن بیرون نماز بھی سجدہ کی ہیئت مسنونہ پر کسی کو نیند آجائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اس حکم میں ایک قسم کا خفا تھا، اسی لیے فقہائے کرام نے اس کی صراحت فرمائی۔امام احمد رضا قادری نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''درمختار'' کی عبارت پر کلام کرتے ہوئے نحوی قانون کی روشنی میں اس مسئلہ کی عمدہ توضیح فرمائی ہے۔

سجدہ کی حالت مسنونہ میں نیند آجانے کے سبب وضو نہ ٹوٹنے کا بیان ان لفظوں میں آیا:{وساجدًا علی الهيأة المسنونة ولو فی غير الصلٰوة علی المعتمد-ذكره الحلبی}
(الدر المختار مع رد المحتار جلد اول ص ۱۵۳: دار الفکر بیروت)

ترجمہ: وہ نیند ناقض نہیں جو مسنون ہیئت پر سجدہ کی حالت میں ہو، گرچہ غیر نماز میں ہو، یہی معتمد ہے، اسے حلبی نے ذکر کیا۔

علامہ سید ابن عابدین شامی (۱۱۹۸ھ-۱۲۵۲ھ) نے عبارت مذکورہ کے حاشیہ میں رقم فرمایا:

{قولہ:ولو فی غیر الصلوٰۃ،مبالغۃ علیٰ قولہ"علی الھیأۃ المسنونۃ"لا علیٰ قولہ"وساجدا"یعنی ان کونہ علی الھیأۃ المسنونۃ قید فی عدم النقض ولو فی الصلاۃ}(ردالمحتار جلد اول ص۱۵۳-دارالفکر بیروت)

ترجمہ:ان کا قول{ولوفی غیر الصلوٰۃ}ان کے قول{علی الھیأۃ المسنونۃ}پرمبالغہ کے لیے ہے۔اس سے ان کے قول{ساجدا}پرمبالغہ مقصودنہیں،یعنی اس کا مسنون ہیأت پر ہوناوضونہ ٹوٹنے کے لیےقید ہے،گرچہ نماز میں ہو۔

درمختار کی عبارت میں {ولو فی غیر الصلوٰۃ}پرکلام کرتے ہوئے امام احمدرضا قادری نے فرمایا کہ لو وصلیہ شرطیہ کے مدخول کی نقیض،حکم کے باب میں اولیٰ ہوا کرتی ہے،جیسے کہا جائے کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ شفقت کرو،گرچہ وہ تمہارے ساتھ نا انصافی کرے۔یہاں ناانصافی کرنے کی نقیض انصاف کرنا ہے،پس مفہوم یہ ہوگا کہ انصاف کرنے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ شفقت کرو۔

حدیث شریف میں نماز کے سجدہ میں نیند آجانے پر وضو نہ ٹوٹنے کا بیان آیا۔اب بیرون نماز حالت سجدہ میں نیند آجائے تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟اس میں ایک قسم کا خفا تھا،حالاں کہ وضونہ ٹوٹنے کی علت یعنی استرخائے مفاصل کا فقدان بیرون نماز کے سجدہ میں بھی موجود ہے۔درمختار کی مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں امام احمد رضا قادری نے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی کہ بیرون نماز مسنون حالت میں سجدہ کیا جائے اور سجدہ میں نیند آجائے تو بھی وضونہیں ٹوٹے گا ،یعنی نہ حالت نماز میں وضوٹوٹے گا،نہ ہی نماز کے باہر۔امام ممدوح نے تحریر فرمایا:

{فیسري الی شمول الحدیث سجود غیر الصلوٰۃ نوع خفاء حتی قصر ذلک فی البدائع والتبیین وغیرھما علی الصلوٰۃ قائلین ان النص انما ورد فی الصلوٰۃ کما سیأتی فاذن عدم الانتقاض بالنوم فی السجود اظھر فی الصلوٰۃ واشتراط الھیأۃ المسنونۃ لعدم النقض اظھر فی غیرھا لظاھر اطلاق النص فی الصلوٰۃ والمبالغۃ انما تکون بذکر الخفی فان نقیض مدخول الوصلیۃ یکون اولیٰ بالحکم منہ فان قیل:"ولو فی الصلوۃ"یکن مبالغۃ علی قولہ "الھیأۃ المسنونۃ "کما ذکر المحشی رحمہ اللّٰہ تعالی لان اشتراط الھیأۃ ھو الخفی فی الصلوۃ لا عدم النقض فی السجود-اما اذا قال الشارح رحمہ اللّٰہ تعالیٰ:"ولو فی غیر الصلوۃ"فالمبالغۃ علیٰ قولہ"ساجدا"،لا علیٰ قولہ"الھیأۃ المسنونۃ" لان اشتراط الھیأۃ فی غیر الصلوۃ امرظاھر وانما الخفی عدم النقض،لاجرم ان العلامۃ المحشی لما جعلہ مبالغۃ علی الھیأۃ لم یمکنہ تعبیرہ الا ب"لو في الصلوٰۃ"ولو لا نقلہ فی المقولۃ "ولو فی غیر الصلوۃ"کما ھوفی نسخ الدر بایدینا لظننت ان لفظۃ غیر من کلام الدر ساقطۃ من نسخۃ المحشی}

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۵۱۴،۵۱۵-جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ:پس غیرنماز کے سجدے کوحدیث کے شامل ہونے میں ایک قسم کا خفا آجاتا ہے،یہاں تک کہ بدائع الصنائع،تبیین الحقائق وغیرہ میں صرف سجدۂ نماز کے ذکر پر اکتفا کیااورفرمایا کہ نص (حدیث شریف)صرف نماز کے بارے میں وارد ہے،جیسا کہ آگے آئے گا۔جب صورت حال یہ ہےتوسجدہ میں نیند آنے سے وضونہ ٹوٹنے کا حکم نماز کے بارے میں زیادہ ظاہر ہے،اور وضونہ ٹوٹنے کے لیے ہیأت مسنونہ کی شرط لگانا غیر نماز سے متعلق زیادہ ظاہر ہے،کیوں کہ نماز سے متعلق تونص کا ظاہری اطلاق خود ہی موجود ہے،اورمبالغہ خفی کوذکرکرکے کیا جاتا ہے،اس لیے کہ حکم کے باب میں کلمہ شرط وصلیہ کے مدخول کی نقیض مدخول سے زیادہ اولیٰ ہوتی ہے۔

پس اگر اعتراض کیا جائے کہ (صاحب درمختار کا قول) ''ولو فی الصلوٰۃ'' ان کے قول ''علی الھیأۃ المسنونۃ'' پر مبالغہ ہے، جیسا کہ محشی علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ،اس لیے کہ نماز کے اندر ہیأت کی شرط خفی ہے ،سجدے میں وضو نہ ٹوٹنے کا حکم خفی نہیں ،لیکن جب شارح نے فرمایا: ''ولو في غير الصلوٰۃ'' تو یہ ان کے قول ''ساجدا'' پر مبالغہ ہوا۔ ہیأت مسنونہ پر مبالغہ نہ ہوا ،اس لیے کہ غیر نماز میں ہیأت کی شرط ہونا کھلی ہوئی بات ہے۔ خفی صرف یہ حکم ہے کہ اس میں بھی وضو نہ ٹوٹے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب علامہ محشی سید ابن عابدین شامی نے اسے ہیأت پر مبالغہ قرار دیا تو مجبوراً یہ تعبیر کرنی پڑی کہ: ''ولوفي الصلوٰۃ'' ۔ درمختار کے جو نسخے ہمارے یہاں ہیں ،ان میں ہے: ''ولو في غير الصلوٰۃ'' اور حاشیہ لکھتے وقت علامہ شامی نے بھی اسی طرح نقل کیا: ''قوله ولوفي غير الصلوٰۃ'' - اگر ان کے حاشیہ میں یہ لفظ نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ ان کے پاس جو درمختار کا نسخہ تھا اس میں لفظ ''غیر'' ساقط تھا۔

قانون نحو سے مسئلہ طلاق کی تفہیم:

عربی زبان میں کلمہ ''ان'' تراخی کو بتاتا ہے، لیکن اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو تراخی کی بجائے فور کو بتائے گا۔ اسی قانون نحوی کی روشنی میں طلاق سے متعلق چند مسائل کی تشریح کرتے ہوئے امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا:

''عورت کو جماع کے لیے بلایا، اس نے انکار کیا۔ شوہر نے کہا : ''اگر میرے پاس اس کوٹھری میں نہ آئے تو تجھ پر طلاق'' ۔ عورت آئی ،مگر اس وقت مرد کی شہوت ساکن ہو چکی تھی تو طلاق ہوگئی۔ اشباہ ودرر

{ان للتراخي الا بقرينة الفور ومنه طلب جماعها فابت ،فقال :''ان لم تدخلي معي البيت فانت طالق'' فدخلت بعد سكون شهوته حنث} (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۳ ص ۱۴۹ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ: لفظ ''ان'' تراخی کے لیے ہے، مگر جہاں فور کا قرینہ ہو (وہاں تراخی مراد نہیں ہوگی) اس کی مثال یہ ہے کہ شوہر نے بیوی کو جماع کے لیے طلب کیا تو بیوی نے انکار کیا ،پس خاوند نے کہا: ''اگر تو میرے کمرے میں میرے پاس نہ آئی تو تجھے طلاق ہے''۔ تو بیوی شوہر کی شہوت ختم ہونے کے بعد داخل ہوئی تو طلاق ہو جائے گی۔

''نور نبیک'' کی ترکیب میں اضافت بیانیہ:

حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود اصلی اس وقت ہوا ،جب کسی چیز کی تخلیق نہ ہوئی تھی۔ ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مخلوق اول ہیں۔ مصنف عبد الرزاق میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مفصل حدیث نوری مرقوم ہے۔ اس حدیث نبوی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور ذات سے نور مصطفوی کو پیدا فرمایا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

{ان اللّٰه تعالٰی قد خلق قبل الاشياء نور نبيک من نوره}

(المواہب اللدنیہ بحوالہ مصنف عبدالرزاق جلد اول ص ۷۱ - المکتب الاسلامی بیروت)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیا سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا کہ ''نور نبیک'' اور ''نورہ'' دونوں میں اضافت بیانیہ ہے۔ اگر ''نور نبیک'' میں اضافت بیانیہ نہ مانی جائے تو ''نور نبیک'' کی ترکیب اضافی پر ایک شدید اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نور نبوی کس کے ساتھ قائم تھا، کیوں کہ صفت میں دو ہی صورت ہوسکتی ہے۔ اگر موصوف کے غیر کے ساتھ قائم ہو تو موصوف کی صفت نہیں ہوگی، بلکہ اسی غیر کی صفت ہوگی ،اور اگر قائم بنفسہ ہو تو وہ نہ صفت ہوئی ،نہ عرض ،بلکہ جوہر ہوگئی ،کیوں کہ عرض قائم بذاتہ نہیں ہوتا۔ قائم بالذات ہونے کی صورت میں اجتماع ضدین لازم آئے گا ،یعنی اس کا جوہر وعرض دونوں ہونا لازم آتا ہے، اور یہ

محال ہے،اور قدرت الٰہیہ گرچہ غیر متناہی ہے،لیکن محالات عقلیہ میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ قدرت الٰہیہ سے متعلق ہوسکے۔یہ خامی جانب محال میں ہے،گرچہ رب تعالیٰ کی قدرت غیر متناہی ہے،جیسے رب تعالیٰ کی مغفرت بہت وسیع ہے،لیکن فرمان الٰہی کے سبب کفر وشرک میں یہ قوت وصلاحیت باقی نہیں رہی کہ وہ مغفرت الٰہی سے متعلق ہوسکے۔امام ممدوح نے رقم فرمایا:

''ہماری تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضور خود نور ہیں تو حدیث مذکور میں ''نورنبیک'' کی اضافت بھی ''من نورہ'' کی طرح بیانیہ ہے۔سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اظہار نعمت الٰہیہ کے لیے عرض کی: واجعلنی نورا (اور یا اللہ! تو مجھے نور بنادے) اور خود رب العزۃ عز جلالہ نے قرآن عظیم میں ان کو نور فرمایا:

{قَدْ جَاءَكُم مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُبِيْنٌ} (بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب)

پھر حضور کے نور ہونے میں کیا شبہہ رہا۔

اقول: اگر ''نورنبیک'' میں اضافت بیانیہ نہ لو، بلکہ نور سے وہی معنی مشہور یعنی روشنی کہ عرض وکیفیت ہے،مراد لوتو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول مخلوق نہ ہوئے، بلکہ ایک عرض وصفت ، پھر وجود موصوف سے پہلے صفت کا وجود کیوں کر ممکن؟ لاجرم حضور ہی خود وہ نور ہیں کہ سب سے پہلے مخلوق ہوا''۔(فتاویٰ رضویہ جلد۳۰ص ۶۷۷،۶۷۸-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

''بالجملہ حاصل حدیث شریف یہ ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کو اپنی ذات کریم سے پیدا کیا، یعنی عین ذات کی تجلی بلاواسطہ ہمارے حضور ہیں، باقی سب ہمارے حضور کے نور وظہور ہیں''۔(فتاویٰ رضویہ جلد۳۰ص ۶۸۰-جامعہ نظامیہ لاہور)

اضافت اور یائے نسبت کے احکام:

امام احمد رضا قادری کی خدمت میں کلکتہ سے ایک اشتہار کی نقل بھیجی گئی ،اور اس کے مشمولات سے متعلق سوال کیا گیا۔اشتہار میں مرقوم تھا کہ حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مقدس اللہ تعالیٰ کا نور ذاتی یعنی جزئے ذات یا عین ذات کا ٹکڑا نہیں ، بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ اور مخلوق ہے،اور ذاتی نور کہنے سے نور نبوی کو جزئے ذات یا عین ذات یا ٹکڑا ذات الٰہی کا کہنا لازم آتا ہے ، کیوں کہ ذاتی کا اگر اصطلاحی معنی مراد لیا جائے تو جزئے خدا یا عین خدا یا ذات خدا کا ٹکڑا ہونا لازم آتا ہے اور یہ کلام کفر ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدیم ہونا لازم آتا ہے۔یہی کلام کفر ہے۔اس وجہ سے نور نبوی کو نور ذاتی یا ذاتی نور یا اللہ تعالیٰ کی ذات کا ٹکڑا نہ کہنا چاہیے

اگر نور نبوی کو (۱) نور خدا (۲) یا نور مخلوق خدا (۳) یا نور ذات خدا (۴) یا نور جمال خدا کہا جائے تو ایسا کہنا جائز ہے،اس لیے کہ جب ایک چیز کی اضافت دوسری چیز کی طرف ہو تو اس سے ایک چیز کا دوسری چیز کے لیے جزئے ذات یا عین ذات ہونا لازم نہیں آتا ، کیوں کہ مضاف ومضاف الیہ کے درمیان مغایرت شرط ہے، جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ، نور اللہ وروح اللہ کہا جاتا ہے۔ان تمام مباحث سے ثابت ہوا کہ نور نبوی، نور مخلوق خدا یا نور ذات خدا یا نور جمال خدا ہے۔نور ذاتی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا ٹکڑا وجزئے عین خدا نہیں ہے،اور بعض جاہل لوگ نور نبوی کے جزئے ذات خدا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔(اشتہار کا خلاصہ تمام ہوا)

اشتہار کے مضمون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نور نبوی کو نور ذاتی یا ذاتی نور کہنا جائز نہیں، کیوں کہ اس سے نور نبوی کا جزئے ذات الٰہی یا عین ذات الٰہی ہونا لازم آتا ہے۔رب تعالیٰ کی جانب اضافت کے ساتھ نور کا لفظ استعمال ہوسکتا ہے، کیوں کہ مضاف ومضاف الیہ میں مغایرت شرط ہے، پس جب نور خدا کہا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ مضاف یعنی نور، مضاف الیہ یعنی رب تعالیٰ کے مغایر ہے، لہٰذا اضافت کے ساتھ نور خدا ونور ذات خدا وغیرہ الفاظ کہے جاسکتے ہیں۔امام اہل سنت نے اس کے متعدد جوابات تحریر فرمائے۔جواب کے بعض اہم حصوں کو نقل کیا جاتا ہے،تاکہ سوال حاضر کے جواب

کے ساتھ اس قسم کے سوالوں کے جواب کا طریق کار بھی معلوم ہو سکے۔

(۱) امام موصوف نے فرمایا کہ بلاشبہہ نور نبوی اللہ تعالیٰ کے نور ذاتی سے پیدا ہے، اور کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ نور نبوی ذات الٰہی کا جز یا اس کا عین ہے۔ ایسا عقیدہ یقیناً کفر ہے، مگر نور نبوی کو اللہ تعالیٰ کا نور ذاتی کہنے سے عین ذات یا جزئے ذات ہونا لازم نہیں آتا، نہ مسلمانوں پر بدگمانی جائز، نہ عرف عام یا عرف علما وعوام میں اس سے یہ معنی سمجھا جاتا ہے۔ نور ذات اور نور ذاتی میں کچھ فرق نہ ہوا۔ نہ کسی کو کسی پر ترجیح ہے کہ ایک جائز ہوجائے اور دوسرا ناجائز رہے، نیز اشتہار میں ذاتی کی یہ اصطلاح کہ عین ذات یا جزئے ماہیت ہو، یہ خاص ایساغوجی کی اصطلاح ہے۔ علما وعوام کے عرف عام میں نہ یہ معنی مراد ہوتے ہیں، نہ ہرگز یہ معنی سمجھے جاتے ہیں۔ عام محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ میں اپنے ذاتی علم سے کہتا ہوں، یعنی کسی کی سنی سنائی نہیں۔ یہ مسجد میں نے اپنے ذاتی روپیہ سے بنائی ہے، یعنی چندہ وغیرہ، مال غیر سے نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ۳۰/۶۸۲، ۶۸۳ - جامعہ نظامیہ لاہور ملخصا)

(۲) امام موصوف نے فرمایا کہ ذاتی میں یائے نسبت ہے، اور متغایرین میں جہاں اضافت صحیح ہوگی، وہاں نسبت بھی صحیح ہوگی۔ اگر نسبت ممتنع ہو تو اضافت بھی ممتنع ہوگی۔ مشتہر نے جو مسئلہ مذکورہ میں نسبت کو غلط اور اضافت کو صحیح قرار دیا، یہ نظریہ غلط ہے، یعنی اضافت کے ساتھ ''نور ذات'' کہنا جس طرح صحیح ہوگا، اسی طرح نسبت کے ساتھ ''نور ذاتی'' کہنا بھی صحیح ہوگا۔ اگر ایک غلط تو دوسری بھی غلط ہوگی۔ امام موصوف نے اضافت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا:

''ذاتی میں یائے نسبت ہے۔ ذاتی منسوب بہ ذات اور متغائرین میں ہر اضافت مصحح نسبت، جو چیز دوسرے کی طرف مضاف ہوگی، وہ ضرور اس کی طرف منسوب ہوگی کہ اضافت بھی ایک نسبت ہی ہے تو جب نور ذات کہنا صحیح ہے تو نور ذاتی کہنا بھی قطعاً صحیح ہوگا، ورنہ نسبت ممتنع ہوگی تو نور ذات کہنا بھی باطل ہوگا۔ ہذا خلف''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ ص ۶۸۴ - جامعہ نظامیہ لاہور)

(۳) مشتہر نے ''نور ذات'' کہنے کو درست قرار دیا ہے۔ امام اہل سنت نے فرمایا کہ اس اضافت میں بھی اگر اضافت بیانیہ مراد لی جائے تو نور نبوی کا عین ذات الوہیت ہونا لازم آتا ہے اور اس طرح ''نور ذات'' کہنا بھی ممنوع ہونا چاہئے، اور اگر یہاں اضافت تشریفیہ مراد لی جائے، جیسے بیت اللہ وروح اللہ وغیرہ میں ہے تو اسی طرح ''نور ذاتی'' کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں ہوگا۔ امام موصوف نے رقم فرمایا:

''نور ذات کہنا جس کا جواز مانع کو بھی تسلیم ہے، اس میں اضافت بیانیہ ہو، یعنی وہ نور کہ عین ذات الٰہی ہے تو معاذ اللہ نور رسالت کا عین ذات الوہیت ہونا لازم آتا ہے، پھر یہ کیوں نہ منع ہوا۔ اگر کہئے کہ یہ معنی مراد نہیں، بلکہ اضافت لامیہ ہے اور اس کی وجہ تشریف، جیسے بیت اللہ وناقۃ اللہ وروح اللہ تو اسی معنی پر نور ذاتی میں کیا حرج ہے، یعنی وہ نور کہ ذات الٰہی سے نسبت خاصہ ممتازہ رکھتا ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰ ص ۶۸۴ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

(۴) امام احمد رضا قادری نے فرمایا کہ اگر نور نبوی کو نور ذاتی کہنے پر فن ایساغوجی کی اصطلاح کے مطابق کفر لازم آتا ہے تو نہ یہ معنی قائلین کی مراد ہوتی ہے، اور اکثر قائلین کو یہ مفہوم معلوم بھی نہیں، اور مشتہر نے جو نور ذات یا نور اللہ کہنے کا جواز ثابت کیا ہے، اس میں متعدد طریقے پر کفر لازم آتا ہے۔ اضافت بیانیہ تسلیم کی جائے یا اضافت لامیہ، ہر صورت میں دو دو کفر لازم آتے ہیں، اس طرح کفر کی چار صورتیں ظاہر ہوتی ہیں، حالاں کہ ''نور اللہ'' کا اطلاق قرآن عظیم کی متعدد آیات مقدسہ میں آیا ہے۔ اب اس کا جواز قرآن عظیم سے ثابت ہو گیا، اس سے ثابت ہو گیا کہ جو معانی نہ مراد ہوں، نہ ہی عرف میں وہ معانی سمجھے جاتے ہوں، بلکہ جن معانی کا تصور بھی نہ ہوتا ہو، ایسے معانی کی بنیاد پر کسی امر کے عدم

جواز کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا:

''نور ذاتی ''میں اگر ایک معنی معاذ اللہ کفر ہیں کہ ذاتی کواصطلاح فن ایساغوجی پر حمل کریں ،جو ہرگز قائلوں کی مراد نہیں ،بلکہ غالباً ان کومعلوم بھی نہ ہوگی تو ''نورذات'' یا ''نوراللہ'' کہنے میں جن کا جواز خود مانع کومسلم ہے،عیاذاً باللہ متعدد وجہ پر معانی کفر ہیں۔

ہم نے فتویٰ دیگر میں بیان کیا کہ نور کے دو معنی ہیں:ایک ظاہر بنفسہ مظہرلغیرہ ،بایں معنی اگراضافت بیانیہ لوتو نور رسالت عین ذات الٰہی ٹھہرے ،اور یہ کفر ہے،اور اگر لامیہ لوتو یہ معنی ہوں گے کہ وہ نور کہ آپ بذات خود ظاہراور ذات الٰہی کا ظاہر کرنے والا ہے،یہ بھی کفر ہے ۔ دوسرے معنی یہ کیفیت وعرض جسے چمک ، جھلک ،اجالا ،روشنی کہتے ہیں ۔اس معنی پر اضافت بیانیہ لوتو کفرعینیت کے علاوہ ایک اور کفر عرضیت عارض ہوگا کہ ذات الٰہی معاذ اللہ ایک عرض وکیفیت قرار پائی،اوراگر لامیہ لوتو کسی کی روشنی کہنے سے غالباً یہ مفہوم کہ یہ کیفیت اس کو عارض ہے، جیسے نورشمس ونورقمر ونور چراغ، یوں معاذ اللہ اللہ عزوجل محل حوادث ٹھہرے گا ۔یہ بھی صریح ضلالت وگمراہی ومنجر بہ کفرلزومی ہے۔ایسے خیالات سے اگرنور ذاتی کہنا ایک درجہ ناجائز ہوگا تو نورذات ونوراللہ کہنا چار درجے ،حالاں کہ ان کا جواز مانع کومسلم ہونے کے علاوہ نوراللہ تو خودقرآن عظیم میں وارد ہے''۔(فتاویٰ رضویہ جلد۳۰ص ۶۸۵ - جامعہ نظامیہ لاہور)

(۵)مشتہر نے اضافت کے ساتھ ''نورذات'' کہنے کو جائز کہا،کیوں کہ مضاف ومضاف الیہ میں تغایر شرط ہے۔اضافت سے یہ ظاہر ہوگا کہ مضاف ،مضاف الیہ کا غیر ہے،اور مشتہر نے نسبت کے ساتھ ''نورذاتی '' کہنے کوناجائز، بلکہ کفر قرار دیا۔امام احمد رضا قادری نے فرمایا کہ جس طرح مضاف ومضاف الیہ میں تغایر شرط ہے،اسی طرح منسوب ومنسوب الیہ میں بھی تغایر شرط ہے،پھر ایک جائز اور دوسرا ناجائز کیسے ہوسکتا ہے۔موصوف نے رقم فرمایا:

''مضاف ومضاف الیہ میں اگر مغایرت شرط ہے تو منسوب ومنسوب الیہ میں کیا شرط نہیں؟''

(فتاویٰ رضویہ جلد۳۰ص ۶۸۵ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

(۶)مشتہر نے جو اضافت میں تغایر کی شرط لگائی ،اس سے مزید چند سوالات جنم لے رہے ہیں۔نور نبوی سے قبل دومخلوق کا ہونا لازم آرہا ہے،حالاں کہ نور نبوی مخلوق اول ہے، پس ثابت ہوا کہ ہراضافت میں تغایر شرط نہیں۔امام اہل سنت قدس سرہ نے رقم فرمایا:

''بلکہ اس طور پر جو مانع نے اختیار کیا،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے مخلوق الٰہی نہ رہیں گے۔دو چیزیں حضور(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے پہلے مخلوق قرار پائیں گی،اور یہ خلاف حدیث وخلاف نصوص ائمہ قدیم وحدیث۔حدیث میں ارشادہوا:

{یا جابر! ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ}

(اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تمہارے نبی کے نورکو اپنے نور سے پیدا فرمایا)

یہاں دواضافتیں ہیں۔نور نبی ونور خدا-اور مشتہر کے نزدیک اضافت میں مغایرت شرط ہے تو نور نبی ، غیر نبی ہوا،اور نور خدا، غیر خدا ، اور غیر خدا جو کچھ ہے ،مخلوق ہے تو نور خدا مخلوق ہوا ،اور اس نور سے نور نبی بنا تو ضرور نور خدا،نور نبی سے پہلے مخلوق تھا اور نور نبی باقی سب اشیا سے پہلے بنا،اور اشیا میں خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہیں تو نور نبی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے بنا،اور اس سے پہلے نور خدا بنا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو مخلوق پہلے ہوئے۔یہ محض باطل ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد۳۰ص ۶۸۶ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

(۷)آپ نے فیصلہ کن بحث رقم فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ لفظ ذاتی سے یہاں فن منطق کی اصطلاح مراد نہیں ،اور نہ ہی وہ اصطلاح یہاں سمجھی جاتی ہے، بلکہ عام محاورہ میں ذاتی بمقابل صفاتی واسمائی بولا جاتا ہے،اور یہاں وہی سمجھا جاتا ہے ،اور وہی مراد

ہے۔ان تمام مباحث سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو مفہوم نہ مراد ہو،اور نہ ہی وہاں کے عرف میں وہ سمجھا جائے ،وہ مفہوم غیر متعارف وغیر مراد مفہوم حکم شریعت پر کوئی اثر نہ پیدا کرے گا۔امام موصوف نے رقم فرمایا:

’’حل یہ ہے کہ ایسا غوجی میں ذاتی مقابل عرضی ہے،بایں معنی اللہ عزوجل نور ذاتی ونور عرضی ،دونوں سے پاک ومنزہ ہے،مگر وہ یہاں نہ مراد،نہ مفہوم،اور عام محاورہ میں ذاتی مقابل صفاتی واسمائی ہے ،اور یہاں یہی مقصود ،بایں معنی اللہ عزوجل کے لیے نور ذاتی ونور صفاتی ونور اسمائی سب ہیں کہ اس کی ذات وصفات واسما کی تجلیاں ہیں۔نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجلی ذات ،اور انبیا ورا ولیا وسائر خلائق تجلی اسما وصفات ہیں،جیسا کہ ہم نے فتوائے دیگر میں شیخ محقق سے نقل کیا:رحمہ اللہ تعالیٰ:واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وسلم‘‘۔(فتاویٰ رضویہ جلد۳۰ص ۶۸۶-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

فن نحو کے اہم قواعد وقوانین:

مضمون کی طوالت کے خوف سے امام موصوف کی تحریروں سے صرف ان قواعد واصول کو سپرد قرطاس کیا جاتا ہے،جو بہت اہم ہیں۔ان اصول وقوانین کو دیکھ کر علم نحو میں امام ممدوح کے وسیع الادراک اور کثیر العلم ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔یوں کئی درجن علوم وفنون میں آپ کے تبحر علمی کا اعتراف اپنوں اور بیگانوں نے کردیا ہے۔ہماری تحریر محض اس اعتراف کی تقویت کے لیے ہے۔

اسم تفضیل کے طریق استعمال پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف نے رقم فرمایا:

{قال المولی السامی نور الملة والدین الجامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ:وضعه لتفضیل الشئ علیٰ غیرہ فلا بد فیه من ذکر الغیر الذی ھو المفضل علیه وذکرہ مع من والاضافة ظاھر،واما مع اللام فھو فی حکم المذکور ظاھرًا لانه یشار باللام الیٰ معین بتعیین المفضل علیه مذکور قبل لفظًا او حکمًا کما اذا طلب شخص افضل من زید- قلت،عمرو الافضل ای الشخص الذی قلنا انه افضل من زید،فعلی ھذا لاتکون اللام فی افعل التفضیل الا للعھد- انتھی}(فتاویٰ رضویہ جلد۲۸ص ۶۰۶،۶۰۷-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ:حضرت بلند مرتبت نور الملة والدین جامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ القوی نے فرمایا:اسم تفضیل کی وضع شئ کی غیر پر فضیلت بتانے کے لیے ہے،لہٰذا اس میں غیر جو مفضل علیہ ہے،اس کا مذکور ہونا ضروری ہے ،اور من (حرف جار)اوراضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔رہا لام تعریف کے ساتھ تو مفضل علیہ ظاہراً مذکور کے حکم میں ہے،اس لیے کہ لام تعریف سے کسی معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو پہلے لفظی یا حکمی طور پر مذکور مفضل علیہ کی تعیین کے ساتھ ہوتا ہے،جیسے کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو گے کہ ’’عمرو الافضل‘‘(لام تعریف کے ساتھ)یعنی وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا،وہ عمرو ہے تو اس بنا پر صیغہ افضل التفضیل میں لام،عہد (تعیین)ہی کے لیے ہوگا۔(عبارت ختم ہوئی)

توضیح:اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔من (حرف جار)اور اضافت کے ساتھ استعمال ہو تو مفضل علیہ کا ذکر ضروری ہے،جیسے زید افضل من بکر اور زید افضل المحد ثین ،اور جب اسم تفضیل معرف باللام ہوکر استعمال ہو تو مفضل علیہ مذکور کے حکم میں ہوتا ہے ،کیوں کہ وہاں مفضل علیہ لفظی یا حکمی طور پر ماقبل میں مذکور ہوتا ہے۔

مبتدا وخبر جب دونوں معرفہ ہوں:

جب کسی جملہ میں مبتدا وخبر دونوں جز معرفہ ہوں تو کس کو مبتدا اور کس کو خبر بنایا جائے؟امام موصوف نے اس کی نفیس بحث رقم فرمائی ہے۔حکیم ترمذی کی رویت میں ہے۔الحیاء زینة والتقی کرم -(نوادر الاصول فی معرفة احادیث الرسول ص ۲۰۰-دار صادر

بیروت) اور ابن ابی الدنیا کی کتاب الیقین میں ہے: ''الکرم التقوی والشرف التواضع'' (کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا جلد اص ۲۸- مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت) امام موصوف نے تحریر فرمایا کہ ''الکرم التقویٰ'' کا عکس یعنی ''التقوی الکرم'' مقبول نہیں ہوگا۔ اسی بحث میں نحوی قاعدہ کو بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا:

{وانا اعطیک ضابطۃ لھذا- کلما رأیت فی امثال ھذا المقام اسمین معرفین باللام محمولًا احدھما علی الاخر- فان صح ان یحمل الاٰخر علی الاول مجردًا عن اللام فاعلم انہ یجوز ان یکون محمولًا فی تلک القضیۃ ایضًا والا لا: نظیرہ قول الشاعر:

بنونا بنو ابنائنا وبنو بناتنا ابناء الرجال

فانک ان قلت: احفادنا ابناء لنا صدقت، وان قلت: ابنائنا احفادلنا کذبت فکان بنونا ھو المحکوم بہ والسر فی ذلک ان المحمول یجوز تنکیرہ ابدا وافادۃ القصر علیٰ تسلیمہ کلیا امرزائد علی نفس الحکم- والموضوع لا ینکر تنکیرًا محضًا فلذلک لایقال: الکرم تقوی او الکرم دین وانما تقول بالتعریف لان الاٰخر ھو الموضوع حقیقۃ لاجل ھذا ان عکست ونکرت صح- اما رأیت ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما قدم التقوی فی حدیث الحکیم نکر الکرم ولما عکس فی الحدیث الاٰخر، عرف التقوی- اللّٰھم لک الحمد علیٰ تواتر آلائک}

(فتاویٰ رضویہ ۲۸ص ۶۳۵، ۶۳۶- جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ: اور میں تم کو اس کے لیے ایک ضابطہ دیتا ہوں۔ جب کبھی تم ایسے مقامات میں دو اسم معرف باللام دیکھو کہ ان میں کا ایک دوسرے پر محمول ہوتا ہے تو اگر دوسرے کا پہلے کے لیے محمول بننا بغیر لام کے صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس قضیہ (جملہ) میں محمول بھی ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں۔ اس کی نظیر شاعر کا قول ہے۔

(ترجمہ شعر) ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے دیگر مردوں کے بیٹے ہیں۔

اس لیے کہ اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پوتے ہمارے بیٹے ہیں تو یہ صادق ہوگا اور اگر یوں کہو کہ ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں تو یہ کاذب ہوگا تو شعر میں ''بنونا'' ہی محکوم بہ ہے، اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمیشہ محمول کو نکرہ لانا جائز ہے اور افادۂ قصر اگر اس کو امر کلی تسلیم کرلیں، نفس حکم پر ایک زائد بات ہے، اور موضوع کبھی نکرہ محضہ نہیں لایا جاتا ہے، اس لیے یوں نہ کہا جائے گا کہ: ''الکرم تقوی'' - یا'' الکرم دین'' (یعنی جب جملے کے جزئے ثانی کو مبتدا بنائیں تو اس کو نکرہ لانا جائز نہیں)، بلکہ تم (دوسرے جز کی) تعریف کے ساتھ بولوگے، اس لیے کہ حقیقت میں دوسرا جز ہی موضوع ہے، اسی وجہ سے اگر اس جملے کا عکس کردو، اور پہلے جز کو نکرہ کردو تو صحیح ہوگا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ''تقویٰ'' کو مقدم کیا حکیم ترمذی کی گزشتہ حدیث میں تو ''کرم'' کو نکرہ لائے (التقوی کرم)، اور دوسری حدیث میں جب اس کا عکس کیا تو'' تقویٰ'' کو معرفہ لائے۔ (الکرم التقوی) الٰہی! تیری پیہم نعمتوں پر تیری حمد ہے۔

توضیح: اس قانون نحوی کے آغاز واختتام میں جو الفاظ امام اہل سنت نے تحریر فرمایا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے ایجادی قواعد میں سے ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

ان شرطیہ اور لو کی بحث:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز نے علم کلام کی مشہور کتاب ''المعتقد المنتقد'' مؤلفہ: حضرت علامہ فضل رسول بدایونی (۱۲۱۳ھ-۱۲۸۹ھ- ۱۷۹۷ء-۱۸۷۲ء) کے حاشیہ ''المعتمد المستند'' میں ان اور لو کی تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ ان دونوں کتابوں کا اردو ترجمہ حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری (۱۹۴۳ء-۲۰۱۸ء) نے فرمایا ہے۔ یہ ترجمہ مطبوعہ ہے۔ اسی سے

''ان'' شرطیہ اور ''لو'' سے متعلقہ عبارتوں کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔امام احمد رضا قادری نے فرمایا:

''اب ہم اس مقام کی تحقیق اور مقصد کی توضیح میں وہ لائیں جو ملک (بادشاہ) علام ہمارے لیے کھولے۔تمہیں معلوم ہو کہ ''لو'' وصلیہ اور یوں ہی ''ان'' وصلیہ ایسے حکم کے عموم کی تاکید کے لیے آتے ہیں،جس کے بعد یہ دونوں یعنی ''لو'' اور ''ان'' آتے ہیں اور اس وجہ سے کہ ان کے مدخول کی نقیض فرد ہو یا حال مدخول،ان اور لو سے زیادہ حکم کی سزاوار ہوتی ہے،اور اس میں ایک قسم کی پوشیدگی ہوتی ہے۔جس کا ثبوت فرد کے لیے یا اس حالت میں بسا اوقات غیر معروف یا مستبعد ہوتا ہے،لہٰذا تقدیر نقیض کا ذکر اس کے ظہور کی وجہ سے لپیٹ دیا جاتا ہے (چھوڑ دیا جاتا ہے) اور اس حکم پر (جو لو اور ان کے بعد آتا ہے) نص کی جاتی ہے،تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ حکم دونوں تقدیروں پر لازم ہے۔اب واؤ عطف یوں ٹھہرتا ہے گویا کہ وہ اصل میں کسی قضیہ شرطیہ غیر مذکورہ پر عطف ہے، جیسے کہ اللہ نے فرمایا:{وَيُؤْثِرُونَ عَلٰىٓ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ} (سورۃ الحشر: آیت ۹) اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں،اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔(کنز الایمان)

اور ایثار عدم نقصان کی صورت میں وجود نقصان کی حالت میں ایثار کی نسبت ظاہر تر ہے تو خفی کی تصریح کی،تاکہ ظاہر بدرجہ اولیٰ دلالت کرے،گویا کہ یوں کہا گیا کہ اگر انہیں نقصان نہ ہو تو ایثار فرمائیں،اور اگر ان کو نقصان ہو جب بھی ایثار کریں۔الحاصل ایثار دونوں تقدیروں پر ان کا وصف لازم ہے،اور یوں ہی اللہ تعالیٰ کا قول {اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ} (سورۃ النساء: آیت ۷۸) تم جہاں کہیں ہو،موت تمہیں لے آئے گی،گر چہ مضبوط قلعوں میں ہو۔(کنز الایمان)

تو موت کا اس کو جالینا جو کسی پناہ گاہ میں نہیں،اس شخص کو موت آنے کی بہ نسبت جو مضبوط قلعے میں ہے،ظاہر تر ہے تو خفی پہلو پر نص فرمائی،اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ موت آنا دونوں فریق کو لازم ہے،پھر تقدیر مذکور کبھی تحقیقی ہوتی ہے جیسے کہ ان دونوں آیت کریمہ میں،اس لیے کہ انصار کچھ وہ تھے،جو تنگی میں تھے اور لوگوں میں کچھ وہ ہیں جو اونچے محلوں میں ہیں اور کبھی فرضی ہوتی ہے کہ خارج میں اس کا وجود نہیں ہوتا،بلکہ وہ ممتنع ہوتی ہے،جس کے ہونے کا امکان نہیں۔یہ تقدیر تاکید عموم میں زیادہ دخل رکھتی ہے،اس لیے کہ یہ فرضی تقدیروں کو بھی شامل ہے،اور مجھے قرآن عظیم سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے جو عرض کی،اس کے سوا کوئی مثال اس وقت یاد نہیں آتی (ان کی عرض یہ تھی) {وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ} (سورۃ یوسف: آیت ۱۷) اور آپ کسی طرح ہمارا یقین نہ کریں گے،گر چہ ہم سچے ہوں۔(کنز الایمان)

تو بھیڑیئے سے متعلق جھوٹی خبر میں ان کا سچا ہونا فی الواقع ممتنع ہے،لیکن یہ ان کا مقصود نہیں،پھر اگر وہ تقدیر مفروض ہو تو قضیہ شرطیہ سے زیادہ کسی چیز کا فائدہ نہ دے گی،اور اگر وہ تقدیر حکم حملی کے بعد محقق ہو تو پہلے جیسے ایک قضیہ حملیہ کا فائدہ ہوگا جو حکم میں ایجاباً یا سلباً پہلے حملیہ کی طرح ہوگا۔اس میں محمول وہی قضیہ اولیٰ کا محمول ہوگا اور تقدیر قضیہ اولیٰ کے عنوان کے ساتھ وصف عنوانی میں ماخوذ ہوگی ،جیسا کہ دونوں آیتوں میں ہے،اس لیے کہ مفاد آیت یہ ہے کہ وہ انصاری جسے تنگی ہے،وہ اپنے نفس پر دوسرے کو ترجیح دیتا ہے اور وہ انسان جو مضبوط محل میں ہے،اس کی موت اسے پالیتی ہے۔یہ اس کے برخلاف ہے کہ تم کہو کہ یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کا یقین لانے والے نہ تھے،اگر چہ وہ سچے ہوتے،اس لیے کہ تم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ ان سچوں کا وہ یقین نہ لاتے،بلکہ تمہاری مراد یہ شرطیہ ہے کہ اگر بالفرض سچے ہوتے،ان کے دل میں ان کے سچے ہونے کا یقین نہ آتا،پھر حملیہ میں دو حکم ہوتے ہیں۔ایک قصدی وصف محمول کے ساتھ،اور دوسرا ضمنی وصف عنوانی کے ساتھ،اور شرطیہ کے دونوں جز میں سے کسی میں کوئی حکم نہیں ہوتا،جیسا کہ تحقیق ہے۔حکم اس میں کسی حکم کے لیے دوسرے حکم کے لزوم کا ہوتا ہے،یا ایک حکم کی

دوسرے حکم کے ساتھ نسبت عناد کا ہوتا ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھو، اس لیے کہ یہ بروقت خیال میں آنے والے نکتوں میں سے ایک ہے، اور کثیر الفائدہ ہے''۔(ترجمہ المعتمد المستند ص۲۴۲ تا ۲۴۴- مکتبہ برکات المدینہ: کراچی)

توضیح: اس بحث کے ابتدا واختتام میں امام موصوف نے جو کچھ تحریر فرمایا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اصول وقواعد امام ممدوح کے اضافات میں سے ہیں: فالحمد للہ علیٰ ذلک

فن نحو وصرف میں وسعت نظری:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ علوم اسلامیہ کی طرح علوم عربیہ میں وسیع النظر تھے۔ عربی کتب ورسائل میں مؤلفین کی قلت توجہ یا اور کسی سبب سے نحوی وصرفی فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ ان پر بھی امام موصوف کی نظر تھی۔ رسالہ: ''الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ'' میں آپ نے تیس مثالیں تحریر فرمائی ہیں، جن میں قوانین نحو وصرف کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ چوں کہ یہ مضمون اسی صنف سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے رسالہ مذکورہ کے متعدد اقتباسات شامل مضمون کیے جاتے ہیں۔ ان اقتباسات سے علم نحو میں امام موصوف کی وسعت نظری اور دقت نظری کی معرفت حاصل ہوگی۔ امام موصوف نے ان لغزشوں کے اسباب وعلل پر کلام کرتے ہوئے رقم فرمایا:

''علما کو غالباً اس ترک عمل پر باعث امر اہم واعظم کی طرف شدت التفات اور امور زوائد کے ساتھ قلت مبالات ہوتی ہے کہ لفظ قالب ہے اور معنی روح، متوجہ روح کو تزئین بدن سے چنداں کام نہیں ہوتا۔ جب انہیں اصل مقصود سے کام ہے تو اس کا اہتمام ہے۔ لفظ کی طرف اتنی توجہ بالتبع رکھتے ہیں کہ افادۂ مراد کرے۔ اس کے بعد مراعات ایں وآں ہوئی، ولہذا کتب حدیث وفقہ واصول وغیرہا میں کلمات علمائے اعلام وائمہ کرام دیکھنے والا صدہا امور خلاف عربیت پائے گا، جن پر شراح ومحشین وانظار متاخرین نہ بغرض تخطئہ ماہرین، بلکہ بقصد تعلیم قاصرین تنبیہات کرتے ہیں۔ فقیر اگر ان کا تتبع وتفحص کرے تو ایک مبسوط رسالہ چاہیے۔ مع ہذا نظر جہال میں معاذ اللہ حرف گیری ائمہ قرار پائے، حالاں کہ حاشا اس سے ان کی شان ارفع واعلیٰ میں کوئی نقص نہیں آ سکتا، مگر محل ضرورت میں نرا حوالہ بھی نا مستحسن ہے، بلکہ موہم قصور نظر یا ضیق عطن، بلکہ مظنہ تہمت، ادعا واسائت ظن، لہٰذا نظر حاضر میں جو نظائر حاضر، ان میں بعض کا تذکرہ لائق واحسن''۔

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج۲۲ ص۵۳۴- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

بعض لغزشوں کی توضیح خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے فرمائی ہے، اور بعض کی توضیح دیگر علمائے متقدمین نے کی ہے، جسے امام موصوف نے ان کے حوالوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ ذیل میں رسالہ مذکورہ کے متعدد اقتباسات بلاتبصرہ نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) امام ہمام مسلم بن حجاج نیساپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مقدمہ صحیح میں فرماتے ہیں:

{صحبا اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم من البدریین ھلم جرا}

یہاں ''ھلم جرا'' لکھنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ امام علامہ قاضی عیاض اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

{لیس ھذا موضع استعمال ''ھلم جرا'' لانھا تستعمل فی ما اتصل الیٰ زمان التکلم بھا''- اھ}

منہاج میں اسے نقل فرما کر مقرر رکھتے ہیں''۔

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج۲۲ ص۵۳۵- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

(۲) امام علامہ عیاض یحصبی باآں کہ ادب وعربیت وفنون فصاحت میں ان کی جلالت شان آفتاب نیم روز سے اظہر واز ہر، شفا شریف میں فرماتے ہیں:

{من لدن الصحابۃ رضوان اللّٰہ تعالیٰ علیھم الیٰ ھلم جرا}

حالاں کہ ''ھلم'' اصلاً ادخال حرف جر کا محل نہیں۔ فاضل ادیب علامہ احمد شہاب خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

{فی کلامه شئ لم ینبهوا علیه، وھی ادخال ''الیٰ'' علی ''ھلم جرا'' مقابلة ل ''من'' الابتدائیة الداخلة علی ''لدن'' وھو غیر مسموع، بل غیر صحیح، لانھا فعل فی الحال او الاصل علی اللغتین فکأنه حذف مجرورھا واصله الی وقتنا ھذا وھلم جرا وھو ایضًا غیر جار علیٰ وقتی کلامھم}

اسی میں ہے: {نحن وانتم ننتفی من القول بالمال الذی الزمتموہ لنا}

حالاں کہ انتفا صفت معانی، نہ وصف رجال''۔

(۳) اسی میں ہے: {الیٰ ماروته الکافة عن الکافة}

زمخشری سا ادیب خطبہ مفصل میں لکھتا ہے: {محیط بکافة الابواب} اسی طرح اس کی کشاف اور ابن نباتہ شاعر مشہور کے خطبے میں وارد ہوا، حالاں کہ علمائے عربیت کا اتفاق ہے کہ اس لفظ کی نہ تعریف جائز، نہ اضافت صحیح، نہ حال کے سوا دوسرے طریقے سے استعمال روا۔

امام النحاۃ سیبویہ نے کہا: {ان ''کافة'' یلزم التنکیر والنصب علی الحالیة ک ''عامة وقاطبة ووطرا ونحوه}

نسیم میں ہے: {وزاد غیرہ: انھا لا تثنی ولا تجمع ولا تطلق علیٰ غیر العقلاء ولم یرد ذلک فی کلام اللّٰہ تعالیٰ ولا کلام العرب، وھموا من استعملھا علیٰ خلاف ذلک}

امام نووی شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ {ما خصنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بشئ لم یعم به الناس کافة} فرماتے ہیں: {ھکذا تستعمل ''کافة'' حالا، واما ما یقع فی کثیر من کتب المصنفین من استعمالھا مضافة وبالتعریف کقولھم: ھذا قول کافة العلماء ومذھب الکافة فھو خطأ معدود فی لحن العوام وتحریفھم}

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ : فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۳۶- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

(۴) امام بیہقی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما {فی کل ارض آدم} کی نسبت فرماتے ہیں: {شاذ بالمرة}

اسی طرح یہ محاورہ بہت محدثین وغیرہم کے زبان زد۔

علامہ عدوی حاشیہ اخضری میں فرماتے ہیں: {ادخال ''ال'' علیٰ ''مرة'' لغة اعجمیة صیرت الی العرب}

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ : فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۳۶، ۵۳۷- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

(۵) وہ بارہ مسئلے جن میں قبل سلام عروض عارض سے امام کے نزدیک نماز فاسد اور صاحبین کے نزدیک تام ہے، عام فقہائے کرام کی زبان پر بنام ''اثنی عشریہ'' مشہور، حالاں کہ یہ نسبت بطور عربیت اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتی۔

بحر الرائق، پھر نہر الفائق، پھر رد المحتار میں ہے: {اشتھرت ھذہ النسبة وھی خطأ عند اھل العربیة، لان العدد المرکب العلمی انماینسب الیٰ صدرہ، فتقول فی خمسة عشر علمًا لرجل او غیرہ خمسی وغیر العلمی لا ینسب الیه}

علامہ طحطاوی نے فرمایا: {ھی مشھورة عندھم بھذہ النسبة الا ان ھذا الاستعمال غیر جائز من حیث العربیة}

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ : فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۳۷- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

(۶) امام اجل علی بن ابی بکر فرغانی کہ فقہ واصول وادب وعربیت میں امام یکتا ہیں۔ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

{فرائض الصلوٰة ستة}

محقق علی الاطلاق نے فرمایا: {لا یخلو عن شئ، لانه ان

اعتبر آحاد الفرائض فريضة لم تجز التاء فی عدده وان اعتبر فرضا لم يكن ذلک جمعه لان فعائل انما تطرد فی كل رباعی ثالثه مدة مؤنث بالتاء كسحابة وصحيفة وحلوبة او بالمعنى كشمال وعجوز وسعيد علم امرأة}

اس کی کتاب الدیات میں ہے:{قالا وزفر والحسن:يقتص من الاولیٰ}

علامہ اکمل الدین بابرتی نے فرمایا:{هذا التركيب غيرجائزولو قال:قال هما وزفر كان صوابًا}

(۷)اسی کی کتاب الاجارہ میں ہے: {يجوز طالت المدة اوقصرت لكونها معلومة ولتحقق الحاجة اليها عسى}

علامہ بدرالدین محمود عینی نے بنایہ میں فرمایا: {كلمة "عسى" ههنا وقع مجردًا عن الاسم والخبر،تقديره "عسى الاحتياج الى المدة الطويلة يقع"واهل العربية يابون ذلک}

(۸)اسی میں جواب "اما" سے اسقاط "فا" کی عادت ہے-{يجده الناظر فی مواضع لاتحصى}

رضی شرح کافیہ میں لکھتاہے:{وجب الفاء فی جواب اما}

اسی میں ہے:{لا يحذف الفاء فی جواب "اما"الا ضرورة نحو قوله :

ع/ اما الصدود لا صدود لديكم }

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ : فتاویٰ رضویہ ج۲۲ص ۵۳۸-امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

(۹)علامہ سیدی عبد الرؤف مناوی خطبہ "کنوز الحقائق من احادیث خیر الخلائق" میں لکھتے ہیں:

{جمعت فيه زهاء عشرة آلاف حديث فی عشرة كراريس،كل كراس الف حديث}

محقق علامہ زین بن ابراہیم بن نجیم اپنی کتاب "ضوابط وقواعد" کے آخر میں فرماتے ہیں:

{اختصرت في هذا الكراس}

شارح علامہ سیدی احمد مصری نے فرمایا:{فيه انه لايقال فی الواحد كراس وانما يقال: كراسة}

(۱۰)اسی میں ہے: {اما بقضاء القاضی لا}

غمز میں فرمایا:{كان حقها ان تقترن بالفاء ومن ثم توهم بعض ارباب الحواشی وحمل كلام المصنف علىٰ غير ماراد والله المستعان}

(۱۱)اسی کے صدر میں ہے:{منها ای من القواعد سبعة}

شارح نے فرمایا:{كان الصواب ان يقول:سبعا،لان المعدود مؤنث}

(۱۱)ان کے برادر اصغر وتلمیذ اکبر علامہ عمر فرماتے ہیں:

وفاسد من العقود عشر اجارة وحكم هذا الاجر

اقول: العقد مذكر وقد كان النظم يحتمل العشرة وابدال قرينه بالاجرة}

(۱۲)فقیہ ادیب محقق اریب سیدی علائی محمد دمشقی "شرح متن غزی" میں فرماتے ہیں:

{السكون كالنطق الا فی مسائل،عد منها سبعة وثلثين الخ: اقول:حقه سبعا لان المعدود المسائل}

(۱۳)اسی میں ہے:{سنها ثلثة وعشرون-اه ملخصا-اقول:بل،ثلث وعشرون وما اعتذر به العلامة الحلبی واقره الشامی فينثلم بما افاد فی "الغمز"تحت قوله:سرد منها سبعة}

(۱۴)اسی میں ہے:{فی الحديث :من قرأ الاخلاص احد عشرمرة}

مصحح نے کہا: {صوابه:احدى عشرة مرة كما

لایخفی}

اقول: حدیث میں بروجہ صواب ہی مروی : {رواہ الدارقطنی والطبرانی والسلفی کلھم عن علی کرم اللّٰہ تعالٰی وجھہ مرفوعا} تو یہ مخالفت مسامحت بر مسامحت''۔

(الزمزمۃ القمریۃ: فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۳۹)

(۱۵) ردالمحتار میں شرح لباب سے ہے: {الاخلاص اثنی عشر مرۃ او احدی عشر}

مصحح نے کہا: {ھکذا بخطہ وصوابہ: اثنتی عشرمرۃ} اقول: یونہی {احدی عشر}

(۱۶)............ میں ہے:

{ذكر في فتاوى قاضي خان: ان الاظهر في البير ان یعود نجسًا وذکر فی "المحیط" الاظھر ان لایعود نجسًا}

حلیہ میں فرمایا: {الوجہ الظاھر ان یقال: نجسۃ 'لان البیر مؤنثۃ سماعیۃ}

(۱۷) اسی میں ہے: {والفخذ مغطی}

شارح محقق نے فرمایا: {الوجہ الظاھر ان یقول المصنف: والفخذ مغطاۃ، فان الفخذ مؤنث}

(۱۸) قضیہ اشباہ و درر وغیرہا میں ہے:

{واللفظ لابن نجیم: الخلوۃ بالمحرم مباحۃ الا الاخت رضاعًا والصھرۃ الشابۃ}

علامہ احمد حموی لفظ صہر کی تحقیق نقل کر کے فرماتے ہیں: {فعلی ھذا لایقال: الصھرۃ علٰی کل حال —اھ

قلت: وظنی انہ من المحدثات لا تکاد العرب تعرفہ}

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۳۹، ۵۴۰ - امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

(۱۹) علامہ سعدالدین تفتازانی ''تلویح شرح توضیح'' میں امام اجل صدرالشریعہ کی نسبت فرماتے ہیں:

{المصنف کثیرًا ما یتسامح فی صلات الافعال میلًا منہ الٰی جانب المعنی}

(۲۱) امام علی بن ابی بکر صاحب ہدایہ کی نسبت ''مفتاح السعادۃ'' میں مذکور:

{انہ لا یذکر الفاء فی جواب "اما" اعتمادًا علٰی ظھور المعنی}

(۲۲) علامہ طحطاوی حاشیہ در میں تحریر فرماتے ہیں:

{الفقھاء یغتفرون عطف المستثنی المنقطع علی المتصل وعکسہ، اذ لیس المقام الا لافادۃ الاحکام}

(الزمزمۃ القمریۃ فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۴۱)

امام احمد رضا قادری نے اپنی تصنیفات و تالیفات میں جابجا عربی قواعد و قوانین اور نحو و صرف و بلاغت کے اصول و ضوابط سے استدلال فرمایا۔ ان کی تحریروں میں موقع بموقع اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ علوم عربیہ کی تعلیم واجبات کفایہ میں سے ہے، کیوں کہ قرآن و حدیث و کتب شریعت زبان عربی میں ہیں۔ امام ممدوح نے رقم فرمایا:

''اور عربیت کے لیے مثل سائر فنون دو شعبے ہیں: علم و عمل۔ علم اس کا واجبات کفایہ سے ہے۔

{اذ بہ القدرۃ علٰی فھم الکتاب والسنۃ}

ائمہ مستنبطین و ہداۃ و دعاۃ الی طریق الدین کو اس سے، بلکہ اس میں مہارت تامہ سے چارہ نہیں:

{فان امر التکلم فی النصوص لا یتم الا بھذا الخصوص}

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۳۳ - امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم :: والصلوٰۃ والسلام علٰی حبیبہ الکریم وآلہ العظیم۔

امام احمد رضا اور فن صرف

مقالہ نگار

طارق انور مصباحی (کیرلا)

محمد طارق انور بن حضرت مولانا عبدالشکور شمسی رضوی تلمیذ رشید حضرت قاضی شمس العلما جونپوری قدس سرہ العزیز ۵: جون ۱۹۷۸ء کو موضع بھنور ضلع نوادہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں و علاقائی مدارس میں ہوئی۔ درجہ ثالثہ سے شعبہ فضیلت تک کی تعلیم جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں پائی۔ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں جامعہ اشرفیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ شاہ جماعت عربک کالج (ہاسن: کرناٹک)، دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی (چماڈ، ملاپورم: کیرلا)، جامعہ حضرت بلال (ٹیانری روڈ: بنگلور) میں تدریسی خدمات انجام دی۔ فی الحال جامعہ سعدیہ عربیہ (ڈیلی، کاسرگوڈ: کیرلا) میں تدریسی خدمات سے منسلک ہیں۔ مختلف موضوعات پر بانوے (۹۲) کتب و رسائل تحریر کیے۔ قریباً تیس مطبوعہ ہیں، اور باقی غیر مطبوعہ۔ سو سے زائد مقالات و مضامین رقم کیے، جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ سال ۲۰۱۱ء-۲۰۱۲ء میں حسام الحرمین کی تصدیق جدید کی تحریک شروع کی، یہ سلسلہ تادم تحریر جاری ہے۔ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے فروغ و ترویج کے لیے آغاز امر سے تادم تحریر منسلک ہیں۔

رابطہ نمبر: 9916371192

امام احمد رضا قادری اور فن صرف

فن صرف کا تعارف

فن صرف عربی زبان کے ادبی علوم وفنون میں سے ایک اہم فن ہے۔اس کی تعریف ،غرض وغایت اور موضوع کو بیان کرتے ہوئے حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی حنفی قسطنطینی (۱۰۱۷ھ-۱۰۶۷ھ) نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

فن صرف: یہ ایسا علم ہے کہ اس میں کلام عرب کے مفردات کے اعراض ذاتیہ سے بحث ہوتی ہے،ان کی صورت وہیئت کے اعتبار سے،جیسے اعلال وادغام،یعنی مفردات کے اعلال وادغام اوران کی بدلنے والی شکلوں کے اعتبار سے،جیسا کہ معتل (حرف علت والا کلمہ) کی صورت کا بیان ،تعلیل سے پہلے اور تعلیل کے بعد (یعنی صورت اصلیہ اور صورت مبدلہ کا بیان ہوتا ہے) اوران کلمات کی صورت اصلیہ سے بدلنے کی کیفیت سے بحث ہوتی ہے، کلی طریقے پر قواعد کلیہ کے ساتھ (یہ تبدیلی قانونی طریقے پر ہوتی ہے،ان قوانین کا بیان علم صرف کی کتابوں میں ہوتا ہے) جیسا کہ ماضی اور مضارع کے صیغے اوراس کے معانی اوران کے مدلولات سے (علم صرف میں) بحث ہوتی ہے،اوراس علم کا موضوع مخصوص صیغے ہیں مذکورہ حیثیت کے ساتھ،اوراس کی غرض ،ایسا ملکہ حاصل کرنا ہے ،جس سے مذکورہ احوال کی معرفت ہوتی ہے ، اوراس کا مقصد وغایت ،ان جہات سے خطا سے بچنا ہے،اوراس علم کے مبادی ،اہل عرب کے استعمال کے تتبع وتلاش سے مستنبط ہونے والے مقدمات ہیں۔(مترجماً کشف الظنون ج اص ۴۱۲ مکتبہ شاملہ)

فن صرف کا آغاز وفروغ:

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ) نے لکھا:{واول من دون علم التصریف ابوعثمان المازنی وکان قبیل ذلک مندرجًا فی النحو-ذکرہ ابوالخیر}(ابجد العلوم ج ۲ص ۱۵۲- دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ:علم صرف کوسب سے پہلے ابوعثمان مازنی (م ۲۴۹ھ-۸۶۳ء) نے مدون کیااوران سے پہلے یہ علم نحو میں مندرج تھا۔

شیخ ابوالخیر عصام الدین احمد بن مصطفیٰ بن خلیل المعروف بہ طاش کبریٰ زادہ (۹۰۱ھ-۹۶۸ھ-۱۴۹۵ء-۱۵۶۱ء) نے (مفتاح السعادۃ ومصباح السیادہ میں) اس کا ذکر کیا۔

{قال فی مدینۃ العلوم : ان اول من دون علم الصرف ابوعثمان المازنی البصری}(ابجد العلوم ج ۲ص ۳۴۷) ترجمہ:(ارنیقی تلمیذ قاضی زادہ موسیٰ بن محمود رومی شارح چغمینی (م ۸۴۰ھ) نے) مدینۃ العلوم میں فرمایا:علم صرف کوسب سے پہلے ابوعثمان مازنی نے مدون کیا۔

{قال الرضي : ان التصریف جزء من اجزاء النحو بلاخلاف من اهل الصیغۃ والتصریف علی ما حکی سیبویه عنهم}(ابجد العلوم ج ۲ص ۳۴۷- دارالکتب العلمیہ)

ترجمہ: رضی استراباذی :محمد بن حسن رضی :نجم الدین (م ۶۸۶ھ-۱۲۸۷ء) نے کہا کہ علم صرف علمائے اہل صرف کے کسی اختلاف کے بغیر علم نحو کے اجزا میں سے ہے،جیسا کہ سیبویہ:عمرو بن عثمان بن قنبر فارسی بصری،ابوبشر (م ۱۸۰ھ) نے ان سے نقل کیا۔

عبد الحئ رائے بریلوی لکھنوی سابق ناظم ندوہ (۱۲۸۶ھ-۱۳۴۱ھ) نے لکھا کہ علم صرف میں سب سے پہلے معاذ ہراء (معاذ بن مسلم ہراء کوفی ،ابومسلم (م ۱۸۷ھ-۸۰۳ء)) نے کتاب لکھی۔ (معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف:ص ۲۳-

دمشق - ملخصا ومترجما)

فن صرف کے متقدمین ومشاہیر اوران کی تالیفات:

(۱) التصریف: ابوعثمان مازنی: بکر بن محمد بن حبیب بن بقیہ (م۲۴۹ھ-۸۶۳ء)

(۲) التصریف الملوکی: ابوالفتح ابن جنی: عثمان بن جنی موصلی (م۳۹۲ھ-۱۰۰۲ء)

(۳) نزہۃ الطرف فی علم الصرف: ابوالفضل میدانی: احمد بن محمد (م۵۱۸ھ)

(۴) الشافیہ: جمال الدین ابن حاجب مالکی: عثمان بن عمر بن ابوبکر بن یونس (۵۷۰ھ-۶۴۶ھ-۱۱۷۴ء-۱۲۴۹ء)

(۵) تصریف العزی: زنجانی: عزالدین عبد الوہاب بن ابراہیم بن عبدالوہاب خزرجی بغدادی (م۶۵۵ھ-۱۲۵۷ء)

(۶) الممتع: ابن عصفور: علی بن مومن بن محمد حضرمی اشبیلی، ابو الحسن (۵۹۷ھ-۶۶۹ھ-۱۲۰۰ء-۱۲۷۱ء)

(۷) ایجاز التعریف: ابن مالک: محمد بن عبداللہ، ابن مالک طائی جیانی، ابوعبداللہ، جمال الدین (۶۰۰ھ-۶۷۲ھ-۱۲۰۳ء-۱۲۷۴ء)

(۸) مراح الارواح: احمد بن علی بن مسعود، ابو الفضائل، حسام الدین (م۷۰۰ھ-۱۳۰۰ء)

علم صرف کی کتابیں:

الحاج خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی حنفی قسطنطینی (۱۰۱۷ھ-۱۰۶۷ھ) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون'' میں فن صرف کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) اساس الصرف (۲) الباسط شرح التصریف (۳) البیان فی معرفۃ الاوزان (۴) تصریف مازنی (۵) تصریف ملوکی (۶) تصریف افعال (۷) جامع الصرف (۸) الشافیہ (۹) العزی (۱۰) عنقود الزواہر (۱۱) عقود الجواہر (۱۲) القصاری (۱۳) لامیۃ الافعال (۱۴) المقصود (۱۵) مراح الارواح (۱۶) المضبوط (۱۷) المطلوب (۱۸) منازل الابنیہ (۱۹) نزہۃ الطرف (۲۰) النجاح (۲۱) الہارونیہ۔

(کشف الظنون ج۲ص۱۰۷۸-المکتبۃ الشاملہ)

ہندوپاک میں فن صرف کی اہم درسی کتابیں:

(۱) میزان الصرف: آئینہ ہندحضرت اخی سراج، عثمان چشتی اودھی (۶۵۶ھ-۷۵۸ھ)

(۲) پنج گنج: آئینہ ہندحضرت اخی سراج، عثمان چشتی اودھی (۶۵۶ھ-۷۵۸ھ)

(۳) فصول اکبری: قاضی سیدعلی اکبربن علی ہندی الہ آبادی

(۴) علم الصیغہ: مجاہد آزادی مفتی عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸ھ-۱۲۷۹ھ-۱۸۱۳ء-۱۸۶۳ء)

علم صرف کی فضیلت واہمیت:

علم نحو وعلم صرف کی تعلیم واجب ہے، کیوں کہ قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے نحو وصرف کا جاننا لازم ہے۔امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا: ''واجبات ومحرمات ہماری شریعت میں دوقسم ہیں۔ایک لعینہ یعنی جس کی نفس ذات میں مقتضی ایجاب وتحریم موجود ہے، جیسے عبادت خدا کی فرضیت اور بت پرستی کی حرمت۔دوسرے لغیرہ یعنی وہ کہ امور خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب وتحریم کا اقتضا کرتا ہے، اگرچہ نفس ذات میں کوئی معنی اس کو مقتضی نہیں، جیسے تعلیم صرف ونحو کا وجوب کہ ہمارے رب تعالیٰ کی کتاب اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام زبان عربی میں اوراس کی فہم بے اس علم کے متعذر، لہٰذا واجب کیا گیا''۔(فتاویٰ رضویہ جلد۱۴ص۵۵۲لاہور)

امام احمد رضا قادری اور علم صرف

علم صرف میں امام احمد رضا کی تصانیف:

علم صرف میں امام احمد رضا قادری کے درج ذیل دورسالے ہیں۔نام ہی سے رسالوں کے موضوع کا بھی علم ہوجاتا ہے۔

(۱) تبلیغ الکلام الیٰ درجۃ الکمال فی تحقیق اصالۃ المصدر و الافعال (عربی: مصدراورفعل کے اصل ہونے کا بیان)

(۲) التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل (عربی: کان یفعل دوام میں نص نہیں)

امام ممدوح کے فتاویٰ اور ان کی تصانیف میں فن صرف کے مباحث مرقوم ہیں۔ چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں، تا کہ ظاہر ہو جائے کہ کس طرح امام موصوف نے علم صرف کی روشنی میں مسائل شرعیہ کی توضیح وتفہیم فرمائی ہے۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے اقتباسات کے درمیان عربی عبارتوں کے تراجم مرقوم ہیں۔ ان میں سے بہت سے تراجم خود امام ممدوح کے تحریر کردہ ہیں۔ اگر میں نے اقتباس کے درمیانی حصوں میں ترجمہ لکھا ہے تو اسے قوسین کے مابین رکھا ہے، تا کہ فرق ہو جائے۔

مختلف صیغوں سے مسئلہ طلاق کی تفہیم:

امام موصوف سے سوال ہوا کہ زید نے اپنی بیوی کو مرتکب زنا سمجھا، اور ناراض ہو کر اس کے باپ کے گھر پہنچا دیا اور یہ کہا کہ: ”ہم تجھے نہ رکھیں گے“ تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ حالاں کہ قرائن حالیہ ودلالت حال اس امر پر موجود ہے کہ زید نے جو کہا تھا، وہ طلاق کا کنایہ ہے اور طلاق کے ارادہ سے کہا تھا۔ امام احمد رضا قادری نے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ مستقبل کا صیغہ ہے اور مستقبل کا صیغہ اگر صریح طور پر بھی بولا جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے کہا کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا تو طلاق نہ ہوگی۔ حال کے صیغے سے طلاق ہو جائے گی، جیسے کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں، تو طلاق ہو جائے گی۔ اگر عربی زبان میں ”اطلق“ کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ عربی زبان میں یہ مضارع کا صیغہ ہے اور مضارع حال و مستقبل دونوں کو شامل ہوتا ہے اور کسی کا تعین یہاں نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ قائل نے حال مراد لیا ہو کہ طلاق دیتا ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستقبل مراد لیا ہو یعنی طلاق دے دوں گا، پس اس شک کی بنا پر طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ امام ممدوح نے رقم فرمایا:

”ہم تجھ کو نہ رکھیں گے، متمحض للاستقبال والابعاد ہے اور ایسا لفظ اگر صریح بھی ہوا، اصلاً مؤثر نہیں، مثلاً اگر ہزار بار کہے: میں تجھے طلاق دے دوں گا، طلاق واقع نہ ہوگی۔

وھذا ظاھر جدا–وفی جواھر الاخلاطی: فقال الزوج: طلاق می کنم، طلاق می کنم، انھا ثلاث، لان ”می کنم“ یتمحض للحال وھو تحقیق بخلاف قولہ ”کنم“ لانہ یتمحض للاستقبال وبالعربیۃ قولہ: اطلق، لایکون طلاقًا، لانہ دائر بین الحال والاستقبال فلم یکن تحقیقا مع الشک–الخ“۔

(فتاویٰ رضویہ جلد۱۲ص ۵۸۸،۵۸۹- جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ: یہ بالکل ظاہر ہے، اور جواہر اخلاطی میں ہے: پس شوہر نے کہا: میں طلاق کرتا ہوں، طلاق کرتا ہوں تو تین طلاقیں ہوں گی، کیوں کہ اس کا قول ”می کنم“ (کرتا ہوں) صرف حال کے لیے خاص ہے، اور یہ طلاق کو واقع کرتا ہے، اس کے برخلاف اس کا یہ کہنا ”کنم“ (طلاق کروں گا)، یہ خالص مستقبل کے لیے ہے، اور عربی میں ”اطلق“ (طلاق دیتا ہوں/ طلاق دوں گا) سے طلاق نہ ہوگی، کیوں کہ یہ حال واستقبال دونوں میں مشترک ہے، لہٰذا شک کی بنا پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

فعل کے صیغہ سے حکم کی تشریح:

ایک غیر مقلد محی الدین نامی نے اپنی کتاب ”غفر المبین“ میں قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۱۳ھ-۱۸۲ھ) سے متعلق لکھا کہ: ”جناب قاضی ابو یوسف صاحب آخر سال پر اپنا مال اپنی بی بی کے نام ہبہ کر دیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرا لیا کرتے تھے، تا کہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے“۔

یعنی حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ والرضوان اسقاط زکوٰۃ کے لیے یہ حیلہ کیا کرتے تھے کہ اپنا مال اپنی اہلیہ کو ہبہ کر دیتے تھے، اور اس کا مال اپنے لیے ہبہ کرا دیتے تھے۔ اس الزام سے متعلق امام احمد رضا قادری سے سوال ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک رسالہ بنام ”رادع التعسف عن الامام ابی یوسف“ تحریر فرمایا۔ اسی

رسالہ میں رقم فرمایا:

’’فعل اگر بفرض غلط ایک آدھ بار وقوع بسند معتمد ثابت بھی ہوجائے تو ’’کرنے‘‘ اور ’’کیا کرنے‘‘ میں زمین وآسمان کا بل ہے۔ نہ ’’کان یفعل‘‘ تکرار میں نص، کما بیناہ فی التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل (جیسا کہ ہم نے اس بات کو اپنے رسالہ ’’التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل‘‘ میں بیان کیا ہے) واقعہ حال محتمل صد احتمال ہوتا ہے‘‘۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۹۵- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

عبارت مذکورہ بالا کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ بفرض غلط اگر کسی معتمد سند سے یہ ثابت بھی ہوجائے کہ حضرت امام ابو یوسف قدس سرہ العزیز نے ایسا کیا تھا اور اس کے بیان کے لیے ’’کان یفعل‘‘ یعنی ماضی استمراری کا صیغہ استعمال کیا جائے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ آپ بار بار یہ کام کرتے تھے، کیوں کہ ماضی استمراری کا صیغہ تکرار کے لیے نص کی منزل میں نہیں ہے، پس ماضی استمراری کے صیغے سے کسی کام کا بار بار کرنا ثابت نہیں ہوگا، جب کہ یہاں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایسی کوئی معتمد روایت بھی موجود نہیں۔ ایسی صورت میں صاحب غفر المبین کا قول کیوں کر قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔

فعل ماضی کا حقیقی ومجازی معنی:

فعل ماضی کا حقیقی معنی وہی ہے جو زمانہ ماضی کو بتائے۔ فعل ماضی کا ایسا معنی جو زمانہ حال یا زمانہ مستقبل کو بتائے، وہ مجازی معنی ہے، اور بلا ضرورت وبلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا درست نہیں۔ دعائے افطار میں ’’افطرت‘‘ اور ’’افطرنا‘‘ کا لفظ وارد ہوا ہے۔ بعض لوگوں نے ’’افطرت‘‘ کا ترجمہ کیا: افطار کرتا ہوں۔ محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) نے ’’اشعۃ اللمعات شرح المشکات‘‘ میں اس کا ترجمہ فرمایا: ’’کشادم روزہ را‘‘ (افطار کیا)۔

حضرت شیخ محدث دہلوی نے تحریر فرمایا: ’’وعلی رزقک افطرت: وبر روزی تو کہ رسانیدی، کشادم روزہ را‘‘۔

(اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۸۴- مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

سائل نے سوال کیا کہ دونوں میں سے کون سا ترجمہ صحیح ہے؟ نیز ماضی کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے افطار کرے گا، اس کے بعد دعا پڑھے گا، اور کہے گا کہ میں نے افطار کیا اور افطار کرتا ہوں کا مفہوم یہ ہوگا کہ افطار کرتے وقت ہی یہ دعا پڑھے گا۔ امام اہل سنت نے حدیث میں وارد ماضی کے صیغوں سے ثابت فرمایا کہ پہلے افطار کرے گا، اس کے بعد دعا پڑھے گا، تا کہ ماضی کے صیغے اپنے حقیقی مفہوم پر باقی رہیں اور حقیقت سے عدول کے لیے یہاں کوئی ضرورت یا کوئی قرینہ موجود نہیں، اس لیے یہاں فعل ماضی کے صیغے اپنے حقیقی مفہوم پر باقی رہیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ افطار پہلے ہے اور دعائے افطار اس کے بعد ہے۔ اسی پر کلام کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا:

’’ان ادعیہ میں **افطرت** (میں نے افطار کیا) **افطرنا** (ہم نے افطار کیا) **ذهب الظمأ** (پیاس چلی گئی) **ابتلت العروق** (رگیں تر ہوگئیں) سب صیغے ماضی ہیں اور افطار باللفظ متصور نہیں کہ مثل عقود انشا مقصود ہو۔ لاجرم اخبار متعین تو تقدیم علی الافطار میں یہ سب بھی ارتکاب تجوز کے محتاج ہوں گے کہ خلاف اصل ہے: {**والنصوص يجب حملها على ظواهرها ما لم تمس حاجة واين حاجة**} (جب تک کوئی ضرورت نہ ہو، نصوص کو ظاہر پر ہی محمول کرنا ضروری ہے، اور یہاں کوئی ضرورت نہیں) یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ترجمہ حضرت شیخ محقق نور اللہ مرقدہ الشریف ہی صحیح ہے، اور ’’افطار کرتا ہوں‘‘ بلا وجہ حقیقت سے عدول‘‘

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۶۳۶- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

صیغہ تفضیل وصیغہ مبالغہ میں فرق:

آیت کریمہ: {**ان اكرمكم عند الله اتقاكم**} سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمام امتیوں سے زیادہ تقویٰ والا ہونا ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ اسم تفضیل کا صیغہ تمام مفضولین پر افضل کی ترجیح وفوقیت کو ثابت کرتا ہے۔ صیغہ مبالغہ تمام پر

افضلیت کو نہیں بتاتا ہے، بلکہ فعل میں کثرت کو ثابت کرتا ہے، فعل سے متصف افراد کے مابین تقابل و ترجیح کو نہیں بتاتا۔امام اہل سنت نے تحریر فرمایا:

{اقول :واخذ الافعل بمعنی کثیر الفعل فطام له عما یحتاج الیه فی اصل وضعه اعنی المفضل علیه فیکون صرفًا عن المعنی الحقیقی المتبادر فلا بد من قرینة واین القرینة ولتکن حاجة وما ذا الحاجة؟نعم،هذا مفاد صیغة المبالغة وشتان مابینهما–فلیتنبه لهذا واللّٰہ تعالی الموفق} (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۸ص ۶۱۶-لاہور)

ترجمہ:میں کہتا ہوں :افعل (صیغہ اسم تفضیل) کو کثیر الفعل (بمعنی صیغہ مبالغہ) کے معنی میں لینااس کو اس شئ سے جدا کرنا ہے جس کا وہ اصل وضع کے لحاظ سے محتاج ہے،یعنی مفضل علیہ ،پس یہ حقیقی متبادر معنی سے پھیرنا ہوگا،پس (حقیقی معنی سے پھیرنے کے لیے) قرینہ ضروری ہے اور (یہاں) قرینہ کہاں ہے؟اور حاجت ہونی چاہئے ،اور یہاں کون سی حاجت ہے؟ہاں، یہ (کثیر الفعل) مبالغہ کے صیغہ کا مفاد ہے اور اسم تفضیل ومبالغہ میں فرق ہے۔

صیغہ مبالغہ وصیغہ اسم تفضیل کا معنی:

{فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى::لَا يَصْلٰىهَا اِلَّا الْاَشْقَى::الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى::وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى::الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى} (سورہ لیل: آیت ۱۴ تا ۱۸)

ترجمہ:تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے۔نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بد بخت،جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا اور بہت جلد اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیز گار ،جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔(کنز الایمان)

سورہ لیل کی آیات مقدسہ میں ''اشقی'' اور ''اتقی'' اسم تفضیل کے صیغے ہیں۔ظاہری مفہوم میں اشکال کے سبب علمانے اس کے دو معنی بتائے،جو اسم تفضیل کے معانی نہیں ہیں۔

(۱) بعض نے اشقی سے شقی اور اتقی سے تقی مراد لیا ہے۔(۲) بعض علمانے ''اشقی'' سے شقاوت میں حد سے بڑھا ہوا مراد لیا ہے۔

یہ دونوں معانی اسم تفضیل کے اصل معنی نہیں ہیں۔اسم تفضیل کا اصل معنی ہے،وصف میں دوسرے سے بڑھ جانا،اور قرآن مجید کی مذکورہ آیات مقدسہ میں ''اشقی'' اور ''اتقی'' الف لام کے ساتھ ہیں۔ ایسے مواقع پر الف لام اگر عہد کے لیے نہ ہو تو استغراق کے لیے ہوگا۔ اب ظاہری مفہوم یہ ہوتا ہے کہ صرف سب سے بڑا اشقی جہنم جائے گا اور صرف سب سے بڑا اتقی جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا۔

چوں کہ یہ مفہوم اسلامی تعلیمات کے خلاف جاتا ہے،اس لیے علمائے کرام نے ان دونوں لفظوں میں حقیقی معنی کو ترک کیا اور مذکورہ بالا دو معانی بیان کیے،جو صیغہ تفضیل کے اصلی معنی نہیں۔چوں کہ یہ علمائے کرام حسن نیت کے ساتھ اس تاویل کی جانب آئے،اس لیے امام احمد رضا قادری نے ان کے اقوال کی توضیح فرمائی،لیکن آخر مبحث میں ان معانی کو برقرار نہ رکھا،بلکہ اسم تفضیل کے حقیقی معنی پر ہی آیات کریمہ کو محمول فرما کر ایسی توضیح فرمائی کہ بے ساختہ ہر قاری کی زبان سے تحسین وآفریں کی صدائے دل نواز بلند ہوتی ہے۔

جنہوں نے ''اشقی'' سے ''شقاوت میں حد سے بڑھا ہوا'' مراد لیا،ان کے قول کی توضیح میں امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

ترجمہ:جواب کی توضیح یہ ہے کہ جب انھوں نے افعل (اسم تفضیل) کو اس کے حقیقی معنی سے مجرد کیا یعنی جو مصدر سے متصف ہونے میں اپنے ہر ماسوا سے زائد ہو تو انھیں یہ پسند نہ ہوا کہ اسم تفضیل کو ایسے مذہب پر لے جائیں جو اس کے حقیقی معنی سے بالکل دور ہو،لہٰذا انھوں نے اشقی سے مراد لیا کہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو، زیادتی کے مفہوم کو باقی رکھنے کے لیے جس پر صیغہ اسم تفضیل دلالت کرتا ہے ،اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تین امور ہیں۔پہلا مصدر سے موصوف ہونا اور یہ اسم فاعل کا مفاد ہے،اور دوسرا امر اس وصف میں کثرت اور یہ مبالغہ کے صیغے کا مفہوم ہے،اور تیسرا امر اس وصف میں دوسرے سے بڑھ جانا اور یہ وہ مفہوم ہے جس کے لیے اسم تفضیل کی وضع ہوئی ہے تو دوسرا مفہوم پہلا اور تیسرے مفہوم کے

درمیانی واسطہ کی طرح ہے۔ اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف پھر جانا ایک کنارے سے درمیانی واسطہ کی طرف مائل ہونے سے زیادہ دور ہے تو میرے ظن میں یہی ان کو اس (درمیانی مفہوم کو اختیار کرنے) پر آمادہ کیا، اور اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے: آمین

(فتاویٰ رضویہ ج۲۸ ص۵۶۲، ۵۶۳- جامعہ نظامیہ لاہور)

توضیح: اسم تفضیل سے اسم مبالغہ کا مفہوم مراد لینا دراصل حقیقی معنی کو ترک کرنا ہے اور بلا حاجت و بلا قرینہ حقیقی معنی متروک نہیں ہوتا اور یہاں حقیقی مفہوم مراد لینا درست ہے، اس لیے امام احمد رضا قادری نے طویل بحث کے بعد اس امر کی وضاحت فرمائی کہ یہاں اسم تفضیل کا حقیقی مفہوم مراد لینا درست ہے۔ تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ کی طرف رجوع کریں۔ فتاویٰ رضویہ (جلد ۲۸ ص ۵۶۰ تا ۶۰۲) میں اس امر کی مکمل تفصیل مرقوم ہے۔ یہ مباحث رسالہ: ''الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی'' کے ہیں۔ مذکورہ رسالہ ص ۴۹۱ سے ۶۸۴ تک محیط ہے۔

صیغہ نفی، صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہے:

فقہا کے یہاں ممانعت کے باب میں نفی کا صیغہ نہی کے صیغہ سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

''فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے سے بصیغہ نفی منع فرمایا کہ صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہے۔ عبارات کثیرہ اصل فتویٰ میں گزریں اور فقہا کا یہ صیغہ غالبًا اس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

{ظاهر قول المصنف ولا يزيد عليها شيئا يشير الى عدم اباحة الزيادة عليها}

(قول مصنف ''لا یزید علیہا شیئا'' کا ظاہر اشارہ کر رہا ہے کہ اس پر اضافہ جائز نہیں)

ہدایہ میں قول امام محمد **{قرأ وجهر}** (وہ پڑھے اور جہر کرے) پر فرمایا: **{يدل على الوجوب}** (یہ وجوب پر دلالت کرتا ہے) عنایہ میں فرمایا: **{لانه بمنزلة الامر بل آكد}** (یہ بمنزلہ امر، بلکہ اس میں اس سے بھی زیادہ تاکید ہے) فتح القدیر میں فرمایا: **{ما يدل على الوجوب و هو لفظ الخبر}** (جو وجوب پر دال ہے، وہ لفظ خبر (قرأ) ہے)''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۵ ص۵۱۲- جامعہ نظامیہ لاہور)

توضیح: جس طرح ممانعت کے باب میں فعل منفی کا صیغہ، فعل نہی کے صیغہ سے زیادہ مؤکد ہے، اسی طرح باب وجوب میں فعل مثبت کا صیغہ فعل امر کے صیغہ سے زیادہ مؤکد ہے، جیسا کہ ہدایہ، عنایہ اور فتح القدیر کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔

عربی اور غیر عربی صیغوں میں فرق:

عربی زبان میں افعال کے صیغے اور فارسی و اردو زبان میں افعال کے صیغوں میں کچھ فرق ہے، اسی لیے کبھی عربی صیغوں کے احکام اور فارسی و اردو افعال کے صیغوں کے احکام میں کچھ فرق ہوگا امام موصوف متعدد صیغوں کے شرعی احکام کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

قیل لامرأۃ ''خویشتن را بفلاں بزنی دادی؟'' فقالت: داد، وقیل للزوج: پذیرفتی؟ فقال: پذیرفت، **ینعقد النکاح وان لم تقل المرأة**: دادم، والزوج: پذیرفتم''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ ص ۱۶۱- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ: اگر کسی عورت کو کہا جائے کہ ''تو نے اپنے کو فلاں کی زوجیت میں دیا؟'' تو عورت نے جواب دیا: ''بنا دیا'' تو خاوند کو کہا گیا: ''تو نے قبول کی؟'' اس نے کہا: ''قبول کیا'' تو نکاح ہو جائے گا۔ اگرچہ عورت نے ''میں نے دیا'' اور مرد نے ''میں نے قبول کیا'' نہ کہا ہو۔

توضیح: مثال مذکور میں عورت و مرد میں سے کسی نے بھی متکلم کا صیغہ استعمال نہیں کیا، بلکہ غائب کا صیغہ استعمال کیا، لیکن غائب کے صیغوں سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، کیوں کہ عرف عام میں اس کو

ایجاب وقبول سمجھا جاتا ہے۔امام موصوف نے مزید تحریر فرمایا:

''اصول وایضاح میں ہے:

{قولهما ''داد و پذیرفت'' بعد'' دادی و پذیرفتی'' ایجاب وقبول لمكان العرف فان جواب مثل هذا الكلام قد يذكر بالميم وبدونه كفروخت وخريد فى البيع }(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ص ۱۶۱- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ:''تونے دی''اور''تونے قبول کی'' کے الفاظ کے بعد ''دی''اور''قبول کی'' کہنا عرف کی بناپر ایجاب وقبول ہے، کیوں کہ ایسے کلام کے جواب میں کبھی میم کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی بلا میم کے، جیسے بیع میں''فروخت''اور''خرید'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

توضیح: میم کے ساتھ اور بلا میم ذکر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ کبھی متکلم کا صیغہ استعمال ہوتا ہے، یعنی دادم و پذیرفتم اور کبھی بلا میم غائب کا صیغہ استعمال ہوتا ہے، یعنی داد و پذیرفت۔ امام موصوف نے اردو افعال کے چند صیغوں پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''اقول: جب فارسی میں داد و دادم و پذیرفت و پذیرفتم کا ایک حکم ہے تو اردو میں بدرجہ اولیٰ:

فان صيغة الماضي بالفارسية للغائب غيرها للمتكلم بخلاف لساننا فانما هى صيغة واحدة للغائب والحاضر والمتكلم جميعًا وانما يفرق بالضمائر او ذكر الظاهر-الا ترى ان الفرس تقول :اوکرد و تو کردی ومن کردم -ونحن نقول فى الكل :اس نے کیا، تونے کیا، میں نے کیا-وكذلك فى الفعل اللازم :وہ آیا، تو آیا، میں آیا-وانما يفرق فيه بين الواحد والجمع والمذكر والمؤنث،فصيغه فى اللازم اربع-آیا، آئی،للواحد المذكر والمؤنث-وآئے، آئیں-للجمعين كذلك وفى المتعدى صيغة واحدة للكل وهو -کیا-مثلًا سواء،اسندته الى :اس او انہوں او تو او ہم-للذكر اوالذكور او الانثى او الاناث،او لهم ذكرانا واناثا ولا فرق بين الغائب والحاضر والمتكلم فى شئ منهم اصلا وبه تبين بطلان زعم من يزعم ان قول الخاطب ،قبول کی، بدون ''میں نے''لا ينعقد به النكاح لعدم تعين القابل''۔(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ ص ۱۶۱،۱۶۲-لاہور)

ترجمہ: کیوں کہ فارسی میں ماضی غائب اور متکلم کا صیغہ علیٰحدہ ہے، جب کہ ہماری زبان (اردو) میں ماضی غائب، حاضر اور متکلم کا ایک ہی صیغہ ہے، اور صرف ضمیر یا اسم ظاہر کے ذکر میں فرق کیا جاتا ہے۔آپ دیکھیں کہ فارسی والے، اوکرد، تو کردی، اور من کردم ، ہر ایک کے لیے علیٰحدہ صیغہ استعمال کرتے ہیں، جب کہ ہم سب کے لیے کہتے ہیں: اس نے کیا، تونے کیا، میں نے کیا: اور اسی طرح فعل لازم میں (ایک ہی صیغہ) ہے: وہ آیا، تو آیا، میں آیا، اور اس میں واحد اور جمع اور مذکر ومؤنث میں فرق کیا جاتا ہے، پس فعل لازم میں چار صیغے ہیں: آیا، آئی، واحد مذکر ومؤنث کے لیے، اور آئے اور آئیں، جمع مذکر ومؤنث کے لیے ہیں، اور فعل متعدی میں ایک ہی صیغہ سب کے لیے ہے، اور وہ''کیا'' ہے، مثال کے طور پر۔خواہ تم اس کو: اس یا انھوں یا تو یا ہم کی جانب منسوب کرو۔واحد مذکر یا جمع مذکر یا واحد مؤنث یا جمع مؤنث کے لیے، یا ان تمام مذکر ومؤنث کے لیے (استعمال کرو) اور ان دونوں (لازم ومتعدی) میں غائب وحاضر ومتکلم میں بالکل کوئی فرق نہیں، اور اسی سے اس کے خیال کا غلط ہونا ظاہر ہوگیا کہ جس نے کہا کہ خاطب (نکاح کا پیغام دینے والے) کا قول''قبول کی''بغیر''میں نے'' کے، اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، قبول کرنے والے کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے (کیوں کہ اردو زبان میں غائب وحاضر ومتکلم سب کا صیغہ ایک ہی ہے، پس ''قبول کی'' کا مطلب ہوگا''میں نے قبول کی)

فعل مضارع تجدد پر دلالت کرتا ہے:

{والذين يدعون من دون الله لا يخلقون شيئًا وهم يخلقون::اموات غير احياء وما يشعرون ايان يبعثون}

(سورہ نحل: آیت:۲۰،۲۱)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں، وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور خود بنائے ہوئے ہیں، مردے ہیں، زندہ نہیں اور انھیں خبر نہیں، لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ (کنز الایمان)

سائل نے منقوشہ بالا آیات کریمہ کو پیش کر کے دریافت کیا: ''یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ماسوا اللہ تعالیٰ کے جس کسی کو خدا کہا جاتا ہے، وہ خالق نہ ہونے اور مخلوق ہونے کے علاوہ مردہ ہے، زندہ نہیں بنابریں عیسیٰ علیہ السلام کو بھی جب کہ نصاریٰ خدا کہتے ہیں تو کیوں نہ ان کو مردہ تسلیم کیا جائے اور کیوں نہ ان کو آسمان پر زندہ مانا جائے؟

امام موصوف نے اس پر کلام کرتے ہوئے رقم فرمایا کہ یہاں { يُخْلَقُوْنَ } فعل مضارع ہے اور فعل مضارع تجدد کو بتاتا ہے، یعنی یہ کام کے بار بار ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس اعتبار سے آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ بت بنائے جاتے رہیں گے۔ امام ممدوح نے رقم فرمایا:

''آیت کریمہ میں {وَهُمْ قَدْ خُلِقُوْا} بصیغہ ماضی نہیں، بلکہ {وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ } بصیغہ مضارع ہے کہ دلیل تجدد واستمرار ہو، یعنی بنائے گھڑے جاتے ہیں اور نئے نئے بنائے گھڑے جائیں گے۔ یہ یقیناً بت ہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۶۲۴ - لاہور)

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق تحریر فرمایا کہ وہ اس آیت میں شامل نہیں کیے جاسکتے، کیوں کہ قرآن مجید نے ان کے لیے بعض اشیا کی تخلیق ثابت فرمائی ہے، اور بت کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ کچھ نہیں بناتے۔ آپ نے رقم فرمایا:

''آیہ کریمہ میں ان سے کسی چیز کی خلق کا سلب کلی فرمایا کہ {لا يخلقون شيئا} (وہ کوئی چیز نہیں بناتے) اور قرآن عظیم نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بعض اشیا کی خلق ثابت فرمائی: {واذ تخلق من الطين كهيئة الطير} (اور جب آپ مٹی سے پرند کی مورت بناتے) اور ایجاب جزئی نقیض سلب کلی ہے تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق نہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۶۲۴ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

صیغوں اور اسمائے منسوبہ کے استعمال میں تسامحات:

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رسالہ: ''الزمزمة القمرية فی الذب عن الخمرية'' میں چند عربی صیغوں، عربی الفاظ اور اسمائے منسوبہ کو تحریر فرمایا ہے، جو قانون صرف کے برخلاف استعمال ہوتے آئے ہیں۔ علمائے متقدمین بھی ان پر کلام فرما چکے ہیں۔ بعض کی نشا ن دہی امام موصوف نے فرمائی ہے۔ چوں کہ یہ مباحث علم صرف سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے وہ رقم کیے جاتے ہیں۔

خلاف قیاس عربی صیغوں اور الفاظ کا استعمال:

(۱) صحیح بخاری وسنن ابی داؤد و جامع ترمذی ومجتبیٰ نسائی وسنن ابن ماجہ وسنن دارمی سب کتابوں میں بطریق:

{منصور عن ابراهيم عن الاسود عن ام المؤمنين الصديقة رضى الله تعالىٰ عنها((كان يأمرنى فأتّزر))}

بادغام ہمزہ وتشدید تا وارد، علمائے عربیت اسے جائز نہیں رکھتے۔ زمخشری نے مفصل میں کہا:

{قول من قال: فاتزر، خطأ خطأ}

ابن ہشام نے کہا: {عوام المحدثين يحرفونه فيقرؤونه بالف وتاء مشددة، ولا وجه له، لانه افتعل من الازار ففائه همزة ساكنة بعد همزة المضارع المفتوحة}

علامہ طیبی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے: {صوابه بهمزتين ولعل الادغام من الرواة}

مجمع بحار الانوار میں ہے: {هو خطأ، لان الهمزة لا تدغم فى التاء}

قاموس میں ہے: {لا تقل اتزر وقد جاء فى بعض الاحاديث ولعله من تحريف الرواة}

اسی طرح جب منیۃ المصلی میں واقع ہوا: {ان الجنب اذا اتزر فى الحمام-الخ}

علامہ ابن امیر الحاج نے فرمایا:{الذی تقتضیه القواعد ان یقال:ائتزر بھمزة ساکنة بعد ھمزة الوصل قالوا:ولایجوز ابدال الیاء تاء-الخ}

(الزمزمة القمریة فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج۲۲ص۵۳۵-امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

توضیح:"اَتَّزِرُ"،صیغہ واحد متکلم کی غلط شکل ہے،یعنی شروع کے ہمزہ کو"تا" سے ملا کر پڑھنا کہ "تا" مشدد ہو جائے،یہ صحیح نہیں،گرچہ حدیث شریف میں بھی یہ لفظ دیکھنے کو ملتا ہے۔شاید راویوں کی تحریف کے سبب ایسا مروی ہو گیا۔اس صیغہ میں ہمزۂ مضارع کے بعد بھی ایک ہمزہ ہے،جو حرف "فا" کی جگہ ہے،یعنی حرف اصلی ہے۔یہ صیغہ باب افتعال کے مصدر "ائتزار" سے بنا ہے "ائتزار" میں ہمزۂ وصل کے بعد جو ہمزہ ہے،وہ "فا" کی جگہ حرف اصلی ہے۔اس طرح مضارع کا صیغہ واحد متکلم "اَئْتَزِرُ" ہوگا۔اس میں "تا" مشدد نہیں ہوگی،کیوں کہ ہمزہ کا تا میں ادغام نہیں ہوتا ہے۔

(۲)انھیں وصایا میں ہے:{لاتخرج الی النظارات}

قاموس میں ہے:{النظارة بالتخفیف بمعنی التنزہ لحن یستعمله بعض الفقھاء}

(الزمزمة القمریة فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج۲۲ص۵۳۸-امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

توضیح:"نظارہ" میں "ظ" کو بلا تشدید رکھنا غلط ہے۔فقہائے کرام اس لفظ کو حرف ظا کی تشدید کے بغیر "تنزہ" (پاکیزگی وصفائی) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔بلا تشدید استعمال غلط ہے۔ابوالفیض حضرت علامہ سید مرتضیٰ حسینی زبیدی بلگرامی (۱۱۴۵ھ-۱۲۰۵ھ-۱۷۳۲ء-۱۷۹۰ء) نے تاج العروس من جواہر القاموس میں رقم فرمایا:

{النظارة بالتخفیف بمعنی التنزہ لحن یستعمله بعض الفقھاء فی کتبھم،والصواب فیه التشدید}

(تاج العروس:ج۱۴ص۲۵۲-دار الھدایہ)

(۳)امام ابوسلیمان خطابی نے حدیث((اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث)) میں جمہور محدثین کی تغلیط کی،حیث قال:

{عامة المحدثین یقولون الخبث باسکان الباء،وھو غلط والصواب الضم}

(الزمزمة القمریة فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج۲۲ ص۵۴۰-امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

توضیح:عام محدثین مذکورہ بالا دعا میں لفظ "خبث" کو "با" کے سکون کے ساتھ استعمال کرتے ہیں،حالاں کہ یہ غلط ہے۔صحیح یہ ہے کہ "با" کو ضمہ دیا جائے۔یہ "فُعُلٌ" کے وزن پر خبیث کی جمع "خُبُثٌ" ہے۔اس میں فا اور عین دونوں مضموم ہیں اور اسی طرح فا کے ضمہ اور عین کے فتحہ کے ساتھ بھی لفظ خبیث کی جمع آتی ہے۔عین کلمہ کے سکون کے ساتھ یہ جمع نہیں آتی ہے،لیکن محدثین عین کلمہ یعنی "با" کے سکون کے ساتھ اس لفظ کو پڑھتے ہیں۔یہ قانون صرف کے خلاف ہے۔

(۴)امام ابوزکریا یحییٰ نووی نے امثال "عمرو بن العاص" وشداد بن الھاد" "ابن ابی الموال" کو کہ اکثر کتب حدیث وفقہ میں باسقاط "یا" آئے،غلط وغیر صحیح ٹھہرا کر فرمایا:اکثر کتب حدیث میں وارد ہونے سے دھوکا نہ کھانا۔حیث قال:

{اما العاص فاکثر ما یاتی فی کتب الحدیث والفقه ونحوھا بحذف الیاء وھی لغة،والفصیح الصحیح العاصی باثبات الیاء وکذلک شداد بن الھاد وابن ابی الموال،فالفصیح الصحیح فی کل ذلک وما اشبھه اثبات الیاء،ولا اغترار بوجودہ فی کتب الحدیث او اکثر ھا بحذفھا}

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

{العاصی بالیاء وحذفھا،والصحیح الاول عند اھل العربیة وھو قول الجمھور کماقال "النووی" وغیرہ

وفی "تبصیر المتنبہ" قال النحاس: سمعت الاخفش یقول: سمعت المبرد یقول: ھو بالیاء لا یجوز حذفھا، وقد لھجت العامة بحذفھا، قال النحاس: ھذا محالف لجمیع النحاة-الخ}

(الزمزمة القمریة فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ص ۵۴۰-امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

توضیح: قانون صرف کے اعتبار سے عاص، ہاد اور موال غیر فصیح ہیں۔یہ اسما اور اسی قسم کے اسما ''یا'' کے ساتھ عاصی، ہادی اور موالی ہیں، لیکن کتب حدیث وفقہ ودیگر کتابوں میں ''یا'' کے حذف کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔اخفش بغدادی نحوی: علی بن سلیمان بن فضل، ابو المحاسن (م ۳۱۵ھ-۹۲۷ء) نے کہا کہ میں نے مبرد بصری: محمد بن یزید بن عبد الاکبر ثمالی ازدی، ابوالعباس (۲۱۰ھ-۲۸۶ھ-۸۲۶ء-۸۹۹ء) سے سنا کہ یہ سب الفاظ ''یا'' کے ساتھ ہیں اوران اسما سے ''یا'' کوحذف کرنا صحیح نہیں ہے۔گرچہ عام طور پرلوگ ''یا'' کوحذف کر کے بولتے ہیں۔

خلاف قاعدہ اسمائے منسوبہ کا استعمال:

بہت سے اسمائے منسوبہ خلاف قاعدہ استعمال ہوتے آ رہے ہیں۔امام اہل سنت قدسرہ العزیز نے ان سے متعلق تحریر فرمایا:

(۱) عامہ علما سجدۂ تلاوت کی ایک قسم ''صَلَاتِیَّةٌ'' لکھتے ہیں۔کم کوئی کتاب اس لفظ سے خالی ہوگی، حالاں کہ صحیح "صَلَوِیَّةٌ" ہے، نہ صلاتیہ''۔محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر، پھر علامہ غزی نے منح الغفار اور دیگر علمانے اپنی اسفار میں اس پر تنبیہ فرمائی۔

{وھذا لفظ المحقق: "صواب النسبة فیه صَلَوِیَّةٌ برد الفه واوًا وحذف التاء، واذا کانوا قد حذفوھا فی نسبة المذکر الی المؤنث کنسبة الرجل الی بصرة مثلا فقالوا: بصری، لا بصرتی، کی لا یجتمع تاآن فی نسبة المؤنث فیقولون: بصرتیة، فکیف بنسبة المؤنث الی المؤنث }۔ (الزمزمة القمریة فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ص ۵۳۷-امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

توضیح: صلوٰۃ اوراسی کے مماثل الفاظ کا اسم منسوب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ آخر سے تائے تانیث حذف کردی جاتی ہے اوراس کی جگہ یائے نسبت لاکر ''یا'' سے ماقبل حرف کو''یا'' کی مناسبت کے سبب کسرہ دیا جاتا ہے، جیسے ''بصرۃ'' سے ''بصری'' اسم منسوب آتا ہے۔تائے تانیث کو اگر حذف نہ کیا جائے تو اسم منسوب مؤنث میں دو''تا'' جمع ہوجائے گی، جیسے ''بصرۃ'' سے ''بصرتیۃ'' اسم منسوب ہوگا اور دو''تا'' کا جمع ہونا اہل عرب کے یہاں صحیح نہیں۔اسی طرح صلوٰۃ کا اسم منسوب ''صلویۃ'' ہوگا، نہ کہ ''صلاتیۃ''۔

(۲) اکثر ائمہ متقدمین شافعیہ کو''شفعویہ'' کہتے۔امام طاہر بن عبدالرشید بخاری ''فتاویٰ خلاصہ'' میں فرماتے ہیں:

{الاقتداء بشفعوی المذھب یجوز ان لم یکن متعصبًا-الخ}

ان کے استاذ امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں فتاویٰ خانیہ میں فرماتے ہیں:

{اما الاقتداء بشفعوی المذھب، قالوا: لا بأس به-الخ}

یوں ہی خزانۃ المفتیین وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے۔

ہدایہ کے اکثر نسخوں میں واقع ہوا: {دلت المسئلة علیٰ جواز الاقتداء بالشفعویة}

حالاں کہ شافعی کی طرف نسبت بھی شافعی ہے، نہ شفعوی،

{نبه علیه شراح الھدایة: حیث قالوا: وقع فی بعض نسخھا بالشافعیة وھو الصواب لما عرف من وجوب حذف یاء النسبة اذا نسب الیٰ ما ھی فیه، ووضع الیاء الثانیة مکانھا حتی تتحد الصورة قبل النسبة الثانیة وبعدھا والتمیز ح من خارج فالیاء المشددة فیه یاء النسبة لأخر الکلمة ککرسی-ھذا لفظ "البحر" ومثله فی "الفتح" وغیرہ}

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۳۷- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

توضیح: بہت سی کتابوں میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد کو ''شفعوی'' لکھا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ لفظ شافعی خود ہی اسم منسوب ہے اور جب اسم منسوب سے اسم منسوب بنانا ہو تو اسم منسوب سے ''یائے نسبت'' حذف کردی جاتی ہے اور پھر دوسری یائے نسبت اسی کی جگہ لاتے ہیں، اس طرح اسم منسوب اور اسم منسوب کا اسم منسوب دونوں صورت میں متحد ہوتے ہیں، اور دونوں کے مابین فرق وامتیاز سیاق وسباق اور خارجی امور کے سبب ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ شافعی کا اسم منسوب بھی شافعی ہوگا، شفعوی نہیں۔

(۳) اعاظم علما کی تصانیف میں لفظ ''مصطفویہ'' وارد، امام الادبا والمحدثین ابوالفضل جلال الدین سیوطی ''جامع صغیر'' میں فرماتے ہیں:

{من الحکم المصطفویۃ صنوفًا}

علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی خطبہ شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

{جواھر استخرجتھا من قاموس الحکم المصطفویۃ}، حالاں کہ باجماع اہل عربیت نسبت میں یہ الف ساقط ہوگا، نہ مبدل بواو- جاربردی میں ہے: {قول العامۃ مصطفوی غلط، والصواب مصطفی}

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ: فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۵۳۸- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

توضیح: لفظ ''مصطفٰے'' سے اسم منسوب ''مصطفوی'' استعمال ہونا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ قانون صرف کے اعتبار سے یائے نسبت لاحق ہونے کے وقت ایسے اسما کے اخیر میں آنے والا الف مقصورہ حذف ہو جائے گا اور الف سے ماقبل کے حرف پر یائے نسبت کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ آئے گا، اس طرح ''مصطفٰے'' کا اسم منسوب ''مُصْطَفِیّ'' ہوگا، مصطفوی نہیں ہوگا۔

قلمی رسالہ کے اقتباسات:

فعل اصل ہے یا مصدر؟ اس موضوع پر امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے ایک مستقل رسالہ: ''تبلیغ الکلام الیٰ درجۃ الکمال فی تحقیق اصالۃ المصدر والافعال'' تصنیف فرمایا ہے۔ سبط صدرالشریعہ فاضل شہیر عالم کبیر حضرت علامہ مفتی فیضان المصطفٰے قادری چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کے توسل سے رسالہ مذکورہ کے قلمی نسخہ کے چند صفحات دستیاب ہوئے۔ شائقین کے لیے اس مخطوطہ کی بعض عبارتیں منقوشہ ذیل ہیں۔ بعض الفاظ واضح نہیں ہیں، اس لیے کہیں نقل میں خطا کا بھی احتمال ہے۔ سیاق وسباق سے جو سمجھ سکا، وہ تحریر کیا۔

اہل کوفہ کا قول ہے کہ باب اشتقاق میں فعل اصل ہے اور اہل بصرہ نے کہا کہ مصدر اصل ہے۔ امام ممدوح نے فرمایا کہ یہ دونوں قول اہل کوفہ واہل بصرہ کے اکابرین کے نہیں ہیں، بلکہ متبعین کے یہ اقوال ہیں، اور یہ اقوال ان اکابر نحویوں اور صرفیوں کی جانب اسی طرح منسوب ہو گئے، جس طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متبعین کے اقوال امام ممدوح کی جانب منسوب ہو جاتے ہیں، کیوں کہ انہیں کے اصول وقواعد کی روشنی میں ان متبعین کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ اہل بصرہ اور اہل کوفہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام موصوف نے دونوں کے دلائل بھی تحریر فرمائے اور پھر جانبین کے دلائل کا رد بھی رقم فرمایا۔ چوں کہ آخری صفحات دستیاب نہ ہو سکے، اس لیے فیصلہ کن عبارت سے ہم نا آشنا رہے۔ امام اہل سنت نے فعل اور مصدر کی اصالت سے متعلق اہل بصرہ واہل کوفہ کے اختلاف کو بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا:

{انہ قد اختلف المتقدمون من النحویین في ان الاصل ما ھو في الاشتقاق الاصغر: :فقال الکوفیون الفعل وقال البصریون: لا،بل ھو المصدر: :واستدل کل من الفریقین بدلائل واھیۃ: :لا تلتفت الیھا اذھان

صافية::لا طائل تحتها الا تسويد الاوراق::ولاغرض فيها من الابطال والاحقاق::لا اقول ان ذلك بجهلهم::او قصور علمهم:: فانهم اساس النحو وعماده::بل هم مدائن العلوم وبلاده::فكيف يتفوهون بهذا الكلام الواهي::الذي لا يقبله الصبي الشاغل بالملاهي::بل اقول انما هوبعدم التفاتهم اغلطت::لا اقول،بل ليست من كلماتهم::انما هي من كلمات اتباعهم::المقتبسين بانوارهم والماعهم::نسبت اليهم لكونها دلائل مذهبهم::كما تنسب الفقهاء دلائلهم الىٰ علمائنا الثلاثة لكونها مؤيدا لمشربهم::لست اقول انها من اشياعهم الكملة::بل من اتباعهم الجهلة ::كيف اقول لست بمجنون::ان الرضي وغيره من فحول العلماء جاهلون::قد تحيرت عقلي في هذا المقام:: والله اعلم بقائل الكلام::فاردت بتوفيقه تعالىٰ ان احررفيها رسالة في بيان المذهب المنصور::وتحقيق ان ماذا المصدروهو المصدور::فابطل الباطل واحق الحق::فان الحق بالاتباع احق::وسميتها بعد تمامها ب"تبليغ الكلام الىٰ درجة الكمال في تحقيق اصالة المصدر والافعال::والله الموفق والمعين وبه استعين::منه الوصول الى مدارج التحقيق::والعروج الىٰ معارض التدقيق::فمنه التوفيق على الكلام المتين الرشيق::والتوقيف على الحق وهو بالقبول حقيق}(مخطوطہ:تبلیغ الکلام الیٰ درجۃ الکمال فی تحقیق اصالۃ المصدر والافعال ص ۱،۲)

ترجمہ: متقدمین نحوی حضرات اس بارے میں مختلف ہیں کہ اشتقاق اصغر میں اصل کیا ہے؟ پس کوفیوں نے کہا کہ فعل اصل ہے اور اہل بصرہ نے کہا :نہیں ، بلکہ مصدر اصل ہے، اور ہر فریق نے کمزور دلائل سے استدلال کیا۔صاف ستھرے ذہن ادھر متوجہ نہیں ہوتے ۔اوراق سیاہ کرنے کے علاوہ ان کا کچھ حاصل نہیں۔ان کے ابطال واحقاق میں کوئی فائدہ نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ان کی لاعلمی یا کم علمی کے سبب ہے،اس لیے کہ وہ حضرات علم نحو کی بنیاد اوراس کے ستون ہیں، بلکہ وہ لوگ علوم وفنون کے بلاد وامصار ہیں، پس کیسے وہ حضرات ایسی بیکار بات کہیں گے، جسے کھیل کود میں مشغول بچہ بھی قبول نہ کرسکے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ عدم توجہ کے سبب مغالطہ میں مبتلا ہوئے ۔نہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ ان کے کلمات نہیں ہیں۔وہ ان کے متبعین کے کلمات ہیں، جوان کے انوار اوران کی روشنی سے فیض یافتہ ہیں ۔یہ کلمات ان حضرات کی جانب اس لیے منسوب ہوئے کہ وہ ان کے مذاہب کے دلائل ہیں، جیسے فقہا اپنے دلائل کو ہمارے علمائے ثلاثہ (حضرت امام اعظم ، امام ابو یوسف اورامام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی جانب منسوب کرتے ہیں، کیوں کہ یہ ان کے مذہب کو تقویت دینے والے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ قائلین (اہل بصرہ واہل کوفہ)ان (نحاۃ) کے کامل متبعین ہیں ، بلکہ ان کے جاہل پیروکار ہیں۔کیسے میں کہوں گا،اور میں کوئی مجنون تونہیں کہ رضی استرابازی: محمد بن حسن رضی :نجم الدین (م ۶۸۶ھ-۱۲۸۷ء) وغیرہ ماہر علما نادان ہیں ۔میری عقل اس مقام میں حیرت زدہ رہ گئی،اوراللہ تعالیٰ کلام کے قائل کو جاننے والا ہے،پس میں رب تعالیٰ کی توفیق سے اس سے متعلق مذہب حق کے بیان میں ایک رسالہ لکھنے کا قصد کیا اوراس تحقیق کا ارادہ کیا کہ مصدر کیا ہے، جوکہ مصدور ہے تو میں باطل کا بطلان کروں اورحق کوثابت کروں ،اس لیے کہ حق اتباع کا زیادہ حقدار ہے،اور میں نے اس کے مکمل ہونے کے بعد اس کا نام رکھا:"تبلیغ الکلام الیٰ درجۃ الکمال فی تحقیق اصالۃ المصدر والافعال" اوراللہ تعالیٰ توفیق عطافرمانے والا اور مددگار ہے،اور میں اسی سے مددطلب کرتا ہوں ۔اسی کی مدد سے مدارج تحقیق تک رسائی ہےاور مقامات تدقیق کی جانب عروج ہے ، پس خوب صورت سنجیدہ کلام پراسی کی جانب سے توفیق ہےاوراسی کی طرف سے حق پرآ گاہی ہے

اور حق ہی قبولیت کے لائق ہے۔

اہل بصرہ کے دلائل:

فعل اصل ہے یا مصدر؟ یعنی فعل، مصدر سے مشتق ہے، یامصدر، فعل سے مشتق ہے؟ اہل بصرہ کا مذہب ہے کہ فعل، مصدر سے مشتق ہے۔ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے اہل بصرہ کے پانچ دلائل رقم فرمائے۔ آپ نے تحریر فرمایا:

{فاقول استدل البصريون علىٰ ما زعموا واصروا عليه بخمسة دلائل:

الاول: ان المصدر تسميته بهذا الاسم مصدر لان المصدر ماصدر عنه الشئ، لا ما يصدر عن الشئ، فينبغي ان يصدر عنه الفعل ويشتق منه ولا يليق ان يشتق من الفعل ويصدرعنه، فهذا استدلال بالاسم:

والثانی: ان المصدر مستقل بنفسه ومستغن عن الفعل، بخلاف الفعل فانه محتاج الى الاسم وغيرمستغن عنه فهو غيرمستقل بنفسه ولا يخفى ان المستقل راجح من غير المستقل فلوكان الفعل اصلا فى الاشتقاق و الاصل يكون راجحا لزم ترجيح المرجوح وهو مح:

والثالث: ان مفهوم المصدر واحد وهو الحدث محتب ومفهوم الفعل لدلالته على الحدث مع شئ آخر وهوالزمان والنسبة متعدد فمفهوم المصدر من جزء الاجزاء الثلاثة لمفهوم الفعل والجزء مقدم على الكل وجودًا لانه من العلل الناقصه للكل وقد تقرر فى موضعه ان العلة الناقصة يتقدم علىٰ معلوله تقدمًا طبعيا والتقدم الطبعی هوالتقدم وجودًا علىٰ ان الوجدان ايضًا شاهد عليه فنعم الشاهدان، البرهان والوجدان:

والرابع: ما قال الرضی ان كل فرع يصاغ من اصل ويوخذ منه ينبغي ان يكون فيه ما فى الاصل مع زيادة، هی الغرض من المصوغ كالباب من الساغ والخاتم من الفضة وهكذا حال الفعل- فيه معنى المصدر مع زيادة احد الازمنة التى هى الغرض من وضع الفعل لانه كان يحصل فى قولک لزيد ضرب مقصود نسبة الضرب الى زيد لكنهم طلبوا بيان زمان الفعل علىٰ وجه اخصر فوضعوا الفعل الدال بجوهرحروفه على المصدر وبوزنه على الزمان:

والخامس: ان الاشتقاق هوالصوغ من المصدر باحداث هيأةومعنى مع بقاء مادة المصدر ومعناه- فلوقلنا ان المصدر مشتق من الفعل لكان معناه ان المصدر لفظ مصوغ عن الفعل فيه هيأة ومعنى آخر مع زيادة الفعل ومعناه- وظاهر ان معنى الفعل مما فيه هيأة ومعنى آخر مع مادة الفعل ومعناه وظاهر ان معنى الفعل هوالحدث مع النسبة الى الفاعل واحد الازمنة وليس فى المصدر نسبة الى الفاعل ولا الدلالة علىٰ احد الازمنة الثلثة فلا يكن المصوغ عنه- وهذا الاستدلال لهذا العبد الضعيف وهو ولوكان اقرب من استدلال الرضی لكن الفرق بينهما ان الرضی استدل بوجود معنى الاشتقاق فى الفعل واستدللت بلزوم المحال علىٰ تقدير كون المصدر مشتقا فذاک كالمعارضة وهذا نقض والفرق بين فاقم وتشكر} (مخطوطہ: تبليغ الكلام الىٰ درجۃ الكمال فی تحقيق اصالۃ المصدروالافعال ص۲،۳)

ترجمہ: پس میں کہتا ہوں کہ اہل بصرہ نے اپنے نظریہ اور اپنے اصراری قول پر پانچ دلائل سے استدلال کیا:

دلیل اول: مصدر کا مصدر نام رکھا جانا اس لیے ہے کہ مصدر وہ ہے جس سے شئ صادر ہو، نہ کہ جو شئ سے صادر ہو، پس مناسب ہے کہ اس سے فعل صادر ہو، اور اس سے فعل مشتق ہو، اور یہ غیر مناسب ہے کہ وہ فعل سے مشتق اور اس سے صادر ہو، پس یہ نام کے ذریعہ

استدلال ہے۔

دلیل دوم: مصدر فی نفسہ مستقل ہے اور فعل سے بے نیاز ہے ، برخلاف فعل کے ، کیوں کہ فعل اسم کا محتاج ہے اور اسم سے بے نیاز نہیں ہے ، پس وہ غیر مستقل ہے ، اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مستقل راجح ہوتا ہے اور غیر مستقل مرجوح ، پس اگر فعل اشتقاق میں اصل ہو ، اور اصل راجح ہوتی ہے تو (فعل کو اصل قرار دینے سے) مرجوح کو ترجیح دینا لازم آئے گا ، اور یہ محال ہے۔

دلیل سوم: مصدر کا مفہوم ایک ہے ، اور وہ صرف حدث ہے اور فعل کا مفہوم متعدد ہے ، اس کے حدث پر دلالت کرنے کی وجہ سے ایک دوسری چیز کے ساتھ اور وہ زمانہ ہے ، اور نسبت پر دلالت کرنے کی وجہ سے ، پس مصدر کا مفہوم فعل کے مفہوم کے تین اجزا میں سے ایک جز ہے ، اور جز وجود کے اعتبار سے کل پر مقدم ہوتا ہے ، اس لیے کہ وہ کل کے علل ناقصہ میں سے ہوتا ہے ، اور علت کی بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ علت ناقصہ اپنے معلول پر تقدم طبعی کے طور پر مقدم ہوتی ہے ، اور تقدم طبعی وجود کے اعتبار سے مقدم ہونا ہے ، نیز وجدان بھی اس پر گواہ ہے ، پس کیا ہی دو بہتر گواہ ہیں: برہان اور وجدان۔

دلیل چہارم: جو رضی نحوی نے کہا کہ ہر فرع اپنی اصل سے بنائی جاتی ہے ، اور اس سے اخذ کی جاتی ہے ، پس مناسب ہے کہ فرع میں وہ ہو جو اصل میں ہے ، کچھ زیادتی کے ساتھ ، یہی بنائی ہوئی چیز کا مقصد ہوتا ہے ، جیسے دروازہ لکڑی سے اور انگوٹھی چاندی سے (بنائی جاتی ہے) اور یہی حال فعل کا ہے ۔ اس میں مصدر کا معنی ہے ، تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کی زیادتی کے ساتھ اور یہی فعل کی وضع سے مقصود ہے ، اس لیے کہ زید کے لیے تمہارے "ضَــرَبَ" کہنے سے زید کی طرف ضرب کی نسبت حاصل ہو جاتی ہے ، لیکن اہل عرب نے اختصار کے ساتھ فعل کے زمانے کو بیان کرنا چاہا تو اس کے لیے فعل وضع کیا جو اپنے حروف مادیہ سے مصدر پر اور اپنے وزن سے زمانہ پر دلالت کرنے والا ہے۔

دلیل پنجم: اشتقاق ، مصدر سے ایک ہیئت اور ایک معنی کو پیدا کرنا ہے ، مصدر کے حروف مادیہ اور معنی کو باقی رکھتے ہوئے ، پس اگر ہم کہیں کہ مصدر فعل سے مشتق ہے ، تو ضرور اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ مصدر فعل سے بنایا ہوا ایک لفظ ہے ، جس میں ایک ہیئت اور ایک دوسرا معنی ہے فعل اور اس کے معنی کی زیادتی کے ساتھ ، اور ظاہر ہے کہ فعل کا معنی اس میں سے ہے کہ جس میں ایک ہیئت اور ایک دوسرا معنی ہے ، فعل کے مادہ اور اس کے معنی کے ساتھ ، اور ظاہر ہے کہ فعل کا معنی حدث ہے ، فاعل کی طرف نسبت اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ، اور مصدر میں نہ فاعل کی طرف نسبت ہے اور نہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک پر دلالت ہے تو مصدر فعل سے بنایا ہوا نہیں ہوگا ، اور یہ استدلال میرا ہے ، اور یہ گرچہ رضی نحوی کے استدلال سے قریب ہے ، لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رضی نحوی نے فعل میں معنی اشتقاق کو موجود مان کر استدلال کیا اور میں نے مصدر کو مشتق فرض کرنے پر لزوم محال کے ذریعہ استدلال کیا ، پس وہ (رضی نحوی کا قول) معارضہ کی طرح ہے اور یہ (امام ممدوح کا قول) نقض کی طرح ہے اور فرق ظاہر ہے ، پس درستگی اختیار کر اور شکر کر۔

توضیح وتلخیص دلائل:

دلیل اول میں مصدر کے نام سے استدلال کیا گیا ہے ، یعنی مصدر کا نام مصدر اسی لیے رکھا گیا ہے کہ وہ فعل کے صادر ہونے کی جگہ ہے ، یعنی فعل اس سے مشتق ہوتا ہے۔

دلیل دوم میں یہ بتایا گیا ہے کہ فعل اپنے وجود کے لیے اسم کا محتاج ہوتا ہے ، اور فعل میں کسی فاعل کی جانب نسبت ملحوظ ہوتی ہے ، جس فاعل سے وہ فعل وجود میں آتا ہے ۔ اسی طرح فعل میں موجود معنی حدث بھی اسی معنی ہوتا ہے ۔ اس طرح فعل ، اسم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ، پس فعل محتاج ہوا ، اور اسم محتاج الیہ ، اور محتاج الیہ راجح اور محتاج مرجوح ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے مصدر راجح ہوا ، اور فعل مرجوح ہوا ۔ اگر فعل کو مشتق منہ تسلیم کیا جائے تو مرجوح کو راجح قرار دینا لازم آئے گا اور مرجوح کا راجح ہونا محال ہے۔

دلیل سوم میں بتایا گیا کہ فعل کا معنی تین معانی کا مجموعہ

ہے،اور مصدر کا ایک ہی معنی ہے،اور وہ معنی فعل کے مفہوم کا جز ہے اور جز کا وجود مقدم ہوتا ہے اور کل کا وجود مؤخر ہوتا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ مصدر کا وجود مقدم ہوگا،اور جس کا وجود مقدم ہوگا،وہ مشتق منہ ہوگا،وہ اپنے مؤخر سے مشتق نہیں ہوسکتا۔

دلیل چہارم کا خلاصہ یہ ہے جو چیز کسی دوسری چیز سے بنائی جائے،ضروری ہے کہ اس بنائی جانے والی چیز میں اصل سے کچھ زیادہ معنی ہو،ورنہ پھر شئ اصلی سے ایک نئی چیز بنانے سے کیا فائدہ۔ یہاں مصدر کا ایک ہی معنی ہے،یعنی حدث اور فعل میں تین معانی پائے جاتے ہیں،پس فعل مصدر سے مشتق ہوگا،نہ کہ مصدر فعل سے مشتق ہوگا۔

دلیل پنجم کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مصدر فعل سے مشتق ہوتا تو مصدر میں فعل سے زیادہ معانی ہونے چاہئے،حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔فعل میں تین معانی ہیں (۱) حدث (۲) فاعل کی طرف نسبت (۳) زمانہ۔مصدر میں صرف حدث کا معنی پایا جاتا ہے،پس اسی سے ظاہر ہوگیا کہ مصدر فعل سے مشتق نہیں ہے۔

اہل کوفہ کے دلائل:

اہل کوفہ کا قول ہے کہ باب اشتقاق میں فعل اصل ہے اور مصدر اس کی فرع ہے۔اس پر اہل کوفہ کے پانچ دلائل ہیں۔امام موصوف نے رقم فرمایا:

{واستدل الکوفیون علٰی ما ذھبوا الیه بخمسة دلائل ایضًا:

الدلیل الاول: ان الفعل اصل لان اعلال المصدر موقوف علٰی اعلال الفعل فمتی اعل،اعل المصدر ومتی لم یعل،لم یعل–نحو قیامًا اعل بتبدیل الواو یاء لانه اعل فعله وھو "قام" بتبدیل الواو الفًا واعل "عدة" بحذف الواو واتیان التاء مقامھا لانه اعل "یعد" باسقاط الواو لوقوعھا بین الکسرة والیاء التی ھی اخت الکسرة ولم یعل "قواما" لانه لم یعل "قاوم" وکذا لم یعل "وجلا" لانه لم یعل "یوجل"–ولا یخفی علیک ان الموقوف علیه راجح و الموقوف مرجوح فلو جعل المصدر الموقوف اصلا فیه مع ان الاصل راجح لزم ترجیح المرجوح وھذا محال– ھذا–ثم یصح جعل ھذا الاستدلال معارضة للاستدلال الثانی للبصریین:

والثانی: ان المصدر یؤکد به الفعل،یقال: اضرب ضربا والمؤکَّد ایضًا راجح والمؤکِّد مرجوح فلو جعل المصدر المؤکد اصلا لزم ما لزم ھناک–ویصح ھذا ایضا معارضًا:

والثالث: ان عمل المصدر فرع عمل الفعل،فان کان فعله لازمیا یعمل عمل اللازمی وان کان متعدیا یعمل عمل المتعدی فالفعل اصل راجح والمصدر فرع مرجوح فیلزم فی صورة العکس المحال المذکور ویصح ھذا ایضا معارضًا له:

والرابع: وقد ذکره الرضی ان الفعل یعمل فی المصدر نحو قعدت قعودا وضربت تادیبا وقد تقرر فی النحو ان العامل حقه ان یکون مقدما والمعمول حقه ان یکون مؤخرا فالفعل العامل مقدم والمصدر المعمول مؤخر فکیف یشتق الفعل المقدم من المصدر المؤخر فان وجود المشتق یکون بعد الاشتقاق فکیف یتفوه بوجود المشتق ولم یوجد المشتق منه الی الان–ھذا،ثم یصح جعله ایضا معارضة للاستدلال الثالث للبصریین:

والخامس: ان المصادر تابعة لافعالھا فی کونھا مجردًا ومزیدًا فاذا کان الفعل مجردًا کان المصدر مجردًا واذا کان الفعل مزیدًا کان المصدر مزیدًا فالفعل متبوع والمصدر تابع والمتبوع راجح والتابع مرجوح فیلزم علٰی اصالة المصدر ترجیح المرجوح–وثبوت ان المصادر تابعة لھا فی التجرد

والزيادة ان النصرة والكرامة والبعثرة تسم مجردًا مع التاء زائدة فيها لان نصر وكرم وبعثر مجردة ومثال الزيادة ولولم يوجد لكن يقاس على التجرد وايضا يؤيده ما في فصول اكبرى : ''لیکن مصدر و مشتق در اطلاق مجرد ومزید تابع فعل ماضی خودند''-وهذا الاستدلال ولو كان واهيًا ايضًا كالاستدلالات الاربعة الاول لكني استنبطتها من كلماتهم علىٰ طبق استدلالاتهم الاول-هذا}

(مخطوطہ: تبلیغ الکلام الیٰ درجۃ الکمال فی تحقیق اصالۃ المصدر والافعال ص۳،۴،۵)

ترجمہ: اہل کوفہ نے بھی اپنے مذہب پر پانچ دلیلوں سے استدلال کیا:

دلیل اول: فعل اصل ہے،اس لیے کہ مصدر کی تعلیل فعل کی تعلیل پر موقوف ہے،پس جب فعل کی تعلیل ہوگی،مصدر کی تعلیل ہوگی،اور جب فعل کی تعلیل نہیں ہوگی تو مصدر کی تعلیل نہیں ہوگی ،جیسے واو کو یا سے بدل کر ''قیام'' کی تعلیل کی گئی،کیوں کہ واو کو یا سے بدل کر کے اس کے فعل کی تعلیل کی گئی ،اور وہ ''قام'' ہے، اور واو کو حذف کر کے اور ''تا'' کو اس کے قائم مقام بنا کر ''عدۃ'' کی تعلیل کی گئی،کیوں کہ ''یعد'' کی تعلیل کی گئی واو کو ساقط کر کے،اس کے کسرہ اور ''یا'' کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے،جو یا کہ کسرہ کے موافق ہے،اور ''قواما'' کی تعلیل نہیں کی گئی،اس لیے کہ ''قاوم'' کی تعلیل نہیں کی گئی ہے،اور اسی طرح ''وجل'' کی تعلیل نہیں کی گئی،کیوں کہ ''یوجل'' کی تعلیل نہیں کی گئی،اور تم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ موقوف علیہ راجح ہوتا ہے اور موقوف مرجوح ہوتا ہے ،پس اگر باب اشتقاق میں مصدر موقوف کو اصل بنا دیا جائے،باوجو دے کہ اصل راجح ہوتی ہے تو مرجوح کو ترجیح دینا لازم آئے گا،اور یہ محال ہے۔(اسے محفوظ کرلو)،پھر اس استدلال کو اہل بصرہ کے استدلال ثانی کے لیے معارضہ بنانا صحیح ہے۔

دلیل دوم: مصدر کے ذریعہ فعل کی تاکید کی جاتی ہے۔کہا جاتا ہے:''اَضْرِبُ ضَرْبًا''اور مؤکد(تاکید کیا جانے والا)راجح ہوتا ہے،اور مؤکد (تاکید کرنے والا)مرجوح ہوتا ہے ،پس اگر مصدر مؤکد کو اصل بنا دیا جائے تو وہ لازم آئے گا جو وہاں (دلیل اول میں)لازم آچکا (یعنی مرجوح کو ترجیح دینا لازم آئے گا)اور اس کو بھی معارض بنانا صحیح ہے(جس طرح استدلال اول کو اہل بصرہ کے استدلال ثانی کا معارض بنانا صحیح ہے)

دلیل سوم: مصدر کا عمل فعل کے عمل کی فرع ہے،پس اگر اس کا فعل لازمی ہو تو مصدر لازمی کا عمل کرے گا،اور اگر فعل متعدی ہو تو مصدر متعدی کا عمل کرے گا،پس فعل اصل راجح ہے اور مصدر فرع مرجوح ہے،پس برعکس صورت میں مذکورہ محال لازم آئے گا (یعنی مرجوح کو ترجیح دینا لازم آئے گا)،اور اس (استدلال) کا بھی اس کے لیے معارض ہونا صحیح ہے(جس طرح استدلال اول کو اہل بصرہ کے استدلال ثانی کا معارض بنانا صحیح ہے،اسی طرح اہل کوفہ کے استدلال ثالث کو بھی اہل بصرہ کے استدلال ثانی کا معارض بنانا صحیح ہے)

دلیل چہارم: رضی نحوی نے ذکر کیا کہ فعل مصدر میں عمل کرتا ہے،جیسے ''قعدت قعودًا وضربت تاديبًا''-اور نحو میں ثابت ہو چکا ہے کہ عامل کا حق یہ ہے کہ مقدم ہو،اور معمول کا حق یہ ہے کہ وہ مؤخر ہو،پس فعل عامل مقدم ہوگا اور مصدر معمول مؤخر ہوگا،پس فعل مقدم ، مصدر مؤخر سے کیسے مشتق ہوگا،اس لیے کہ مشتق کا وجود اشتقاق کے بعد ہوتا ہے،پس کیسے مشتق کے وجود کا قول کیا جاسکتا ہے،حالاں کہ ابھی تک مشتق منہ نہ پایا جاسکا (اسے محفوظ کرلو)،پھر اس کو بھی اہل بصرہ کے استدلال ثالث کا معارض بنانا صحیح ہے۔

دلیل پنجم: مصادر مجرد و مزید فیہ ہونے میں اپنے افعال کے تابع ہوتے ہیں،پس جب فعل مجرد ہوگا تو مصدر بھی مجرد ہوگا اور جب فعل مزید فیہ ہو تو مصدر بھی مزید فیہ ہوگا،پس فعل متبوع ہے اور مصدر تابع ہے،اور متبوع راجح ہوتا ہے اور تابع مرجوح ہوتا ہے تو مصدر کے اصل ہونے پر مرجوح کو ترجیح دینا لازم آئے گا،اور مصدر مجرد و مزید فیہ ہونے میں فعل کے تابع ہے،اس کا ثبوت یہ ہے کہ

''نصرۃ،کرامۃ وبشرۃ'' کا نام مجرد رکھا جاتا ہے ،باوجودیکہ اس میں تائے زائدہ ہے،اس لیے کہ ''نصر،کرم وبشر'' مجرد ہے،اورمزید فیہ کی مثال گرچہ نہیں پائی جاتی ہے،لیکن مجرد پراس کوقیاس کیا جائے گا ،اوراسی کی تائید وہ بھی کرتا ہے جوفصول اکبری میں ہے کہ:''لیکن مصدراورمشتق مجردومزید فیہ کے اطلاق میں اپنے فعل ماضی کے تابع ہیں''۔اورگرچہ یہ استدلال بھی پہلے والے چاراستدلال کی طرح بیکار ہے،لیکن میں نے اسے ان کے پہلے والے استدلال کے مطابق ان کےکلمات سے استخراج کیا ہے۔(اسے محفوظ کرلو)

توضیح وتلخیص دلائل:

دلیل اول،دوم وسوم کے مفاہیم آسان ہیں،اس لیے ان کی تلخیص ترک کی جاتی ہے۔

تلخیص دلیل چہارم:فعل عامل ہوتاہے اور مصدر (مفعول مطلق کی صورت میں)معمول ہوتاہے،اورمشتق منہ مقدم ہوتاہے اورمشتق مؤخر ہوتاہے،پس اگرفعل کومشتق تسلیم کیا جائے توفعل کا مؤخر ہونا لازم آئے گا،حالاں کہ عامل ہونے کی صورت میں فعل ،مصدر پرمقدم ہوتاہے،پھرفعل کومشتق تسلیم کرلینے کی صورت میں اس کا مصدر سے مؤخر ہونا لازم آئے گا،اور جب مشتق منہ یعنی مصدرکا وجود ہواہی نہیں توایسی صورت میں مشتق یعنی فعل کے وجودکا قول کیسے کیا جاسکتاہے،اور جب فعل پایاہی نہیں گیا توپھرفعل عامل کی شکل میں مصدر سے پہلے وجود میں کیسے آ گیا اور فعل یقینی طورپرعامل اور مصدر یقینی طورپرمعمول ہوتاہے تواب دفع استحالہ کی یہی صورت ہے کہ فعل کومشتق منہ تسلیم کیا جائے۔

تلخیص دلیل پنجم: مجردومزید فیہ ہونے میں مصدرتابع ہےاور فعل متبوع ہے۔متبوع راجح ہوتاہےاورتابع مرجوح ہوتاہے۔اگر مصدرکواصل قراردے دیا جائے تو مرجوح کا راجح ہونا لازم آئے گا ،کیوں کہ اصل راجح ہوتی ہے،اورفرع مرجوح ہوتی ہے،پس اس صورت میں راجح کا مرجوح ہونالازم آئے گا۔دلیل اول ودوم وسوم میں بھی اسی طرح بعض اعتبار سے فعل کوراجح اور مصدر کومرجوح ثابت کیا گیا ہے۔

معارضہ کی توضیح:

معارضہ کی تعریف:

{المعارضۃ اقامۃ الدلیل علٰی خلاف مااقام الدلیل علیہ الخصم}(مناظرہ رشیدیہ:ص۲۲-مطبع مصطفائی،لکھنو)

ترجمہ: معارضہ:اس کے خلاف پردلیل قائم کرنا ہے،جس پر خصم نے دلیل قائم کی ہو۔

{(النقض)وھو فی اللغۃ الکسر وفی اصطلاح النظار(ابطال الدلیل)ای دلیل المعلل(بعد تمامہ متمسکا بشاھد یدل علٰی عدم استحقاقہ للاستدلال بہ)}(مناظرہ رشیدیہ:ص۲۰-مطبع مصطفائی،لکھنو)

ترجمہ:نقض :لغت میں توڑنا ہے اورارباب مناظرہ کی اصطلاح میں معلل کی دلیل کے تمام ہونے کے بعداس کو باطل کرنا ہے،کسی شاہد سے استدلال کرتے ہوئے جواس کے استدلال کے لائق نہ ہونے پردلالت کرے۔

امام احمدرضا قادری قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ اہل بصرہ کے استدلال اول ،دوم ،سوم اور استدلال پنجم کواہل بصرہ کے استدلال دوم کا معارضہ بنانا صحیح ہے ،کیوں کہ اہل کوفہ کے ان چاراستدلال میں فعل کوراجح اورمصدرکومرجوح قراردینے کے دلائل پیش کیے گئے ہیں ،اوراہل بصرہ نے استدلال دوم میں مصدر کے راجح اورفعل کے مرجوح ہونے کوثابت کیا ہے ،پس اہل کوفہ کے مذکورہ بالا چاروں استدلال اہل بصرہ کے استدلال کے برخلاف ہوئے ،یعنی اہل کوفہ نے اس کے خلاف پردلیل قائم کیا،جس پراہل بصرہ نے دلیل قائم کیا تھا۔اہل کوفہ نےفعل کے راجح ہونے اور مصدرکے مرجوح ہونے پردلیل قائم کیا،اوراہل بصرہ نے مصدر کے راجح ہونے اورفعل کے مرجوح ہونے پردلیل قائم کیا،پس ہرایک کا دعویٰ دوسرے کے دعویٰ کے خلاف ہوا،اور ہرایک نے اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کیا۔

اہل بصرہ کی دلیل دوم میں بتایا گیا کہ مصدر فی نفسہ مستقل ہے اور فعل سے بے نیاز ہے جب کہ فعل اسم کا محتاج ہے، پس وہ غیر مستقل ہے، اور مستقل راجح ہوتا ہے اور غیر مستقل مرجوح ہوتا ہے، پس اگر فعل اشتقاق میں اصل ہو، اور اصل راجح ہوتی ہے تو (فعل کو اصل قرار دینے سے) مرجوح کو ترجیح دینا لازم آئے گا، اور یہ محال ہے۔

اہل کوفہ کے دلائل کا رد:

اہل کوفہ نے دلیل پنجم میں کہا کہ باب اشتقاق میں مصدر کو اصل قرار دینے سے مصدر کا راجح ہونا اور فعل کا مرجوح ہونا لازم آتا ہے اور مصدر باب تعلیل میں مرجوح ہے اور فعل راجح ہے۔ اسی طرح دلیل اول، دلیل دوم و دلیل سوم میں بھی فعل راجح اور مصدر مرجوح ہے، پس اگر مصدر کو مشتق منہ قرار دیا جائے تو مصدر راجح ہو جائے گا اور فعل مرجوح ہو جائے گا اور راجح کا مرجوح ہونا محال ہے۔

اہل کوفہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جب حیثیت واعتبار بدل جائے تو مذکورہ بالا استحالہ لازم نہیں آئے گا، پس اہل کوفہ کے یہ دلائل نا قابل تسلیم ہیں۔ اس طرح اہل کوفہ کے یہ چاروں دلائل کمزور ہو گئے۔ اسی طرح اہل بصرہ کا استدلال دوم بھی اسی اصول کے مطابق نا قابل تسلیم قرار پائے گا، کیوں کہ مصدر کا مرجوح ہونا کسی اور حیثیت سے ہے اور راجح ہونا کسی دوسرے اعتبار سے ہے۔

اہل کوفہ کی دلیل چہارم میں یہ بتایا گیا کہ فعل مصدر میں عمل کرتا ہے، جیسے ''ضرب زید ضربا'' تو اس میں فعل نے زید کو رفع اور ''ضربا'' مصدر کو نصب دیا تو فعل عامل ہوا، اور مصدر معمول ہوا، اور معمول مؤخر ہوتا ہے تو اگر فعل کو باب اشتقاق میں فرع قرار دیا جائے تو مصدر معمول مقدم ہو جائے گا۔ یہ دلیل بھی نا قابل تسلیم ہے، کیوں کہ فعل باب عمل میں مقدم ہے، اور مصدر کو باب اشتقاق میں اصل تسلیم کرنے سے ہر باب میں مصدر کا مقدم ہونا لازم نہیں آتا۔ باب اشتقاق میں مصدر مقدم رہے اور کسی دوسرے باب میں یا کسی دوسری حیثیت سے فعل مقدم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ تقدم وتأخر کے اعتبارات جدا گانہ ہیں۔

بہت مشہور مقولہ ہے: {**لولا الاعتبارات لبطلت الحکمة**}: اگر اعتبارات کا لحاظ نہ کیا جائے تو علم وحکمت باطل ہو جائیں گے۔ اہل کوفہ کے پانچوں استدلال میں فعل کا مقدم ہونا کسی دوسری حیثیت سے ہے، باب اشتقاق میں اصل ہونے کے اعتبار سے یہ تقدم نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر مصدر باب اشتقاق میں مقدم ہو جائے تو کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ باپ اپنے بیٹے سے باعتبار وجود مقدم ہوتا ہے۔ اب اگر علم، تقویٰ، دولت، عہدہ، ودیگر بے شمار اعتبارات سے بیٹے سے مؤخر ہو جائے تو کوئی استحالہ نہیں۔ اسی طرح کوئی علم میں کسی سے راجح ہو، اور تقویٰ میں اس سے مرجوح ہو تو کوئی استحالہ نہیں۔ لزوم محال کی شرط اول یہی ہے کہ جس حیثیت سے اور جس زمانہ میں تقدم وترجیح ہے، اسی حیثیت سے اسی زمانہ میں تاخر ومرجوحیت تسلیم کی جائے۔ یہاں پانچوں استدلال میں محض تقدم وترجیح کو دیکھ کر لزوم محال ثابت کیا گیا ہے، لزوم محال کے شرائط کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔

فریقین کا دعویٰ ایک:

امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا کہ فریقین کی بعض عبارتوں پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کا دعویٰ ایک ہے، یعنی دونوں فریق مصدر یا فعل کے اشتقاق وتعلیل میں اصل ہونے کے قائل ہیں۔ فعل تعلیل میں اصل ہے اور مصدر اشتقاق میں اصل ہے۔

{**ویفهم من عبارة بعض الکتب ان دعوی البصریین والکوفیین کلیهما اصالة المصدر او الفعل فی الاشتقاق والاعلال جمیعا–وانت لایذهب علیک ان اصحاب کلا المذهبین عقلاء کیف یتفوهون بهکذا الامر المفضول والدعوی المرذول فان البصریین متفقون مع الکوفیین فی اصالة الفعل فی الاعلال،فان کتب تابعیهم مملؤة عن هذا المعنی فکیف یخالفونهم فی هذا الامر المجمع علیه**} (مخطوطہ: تبلیغ الکلام الی درجۃ

الکمال فی تحقیق اصالۃ المصدر والا فعال ص ۵)

ترجمہ: بعض کتابوں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بصرہ واہل کوفہ دونوں کا دعویٰ مصدر یا فعل کے اشتقاق و تعلیل دونوں میں اصل ہونے کا ہے، اور تجھے (یہ بات) غفلت میں مبتلا نہ کرے کہ دونوں مذہب کے ذمہ داران عقل مند ہیں، وہ ایسی کمزور بات اور ایسا گھٹیا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں، اس لیے کہ اہل بصرہ، اہل کوفہ کے ساتھ باب تعلیل میں فعل کے اصل ہونے میں متفق ہیں، کیوں کہ ان کے متبعین کی کتابیں اس مفہوم سے بھری ہوئی ہیں، پس وہ لوگ اس اجماعی امر میں اہل کوفہ کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں؟

توضیح: امام موصوف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بصرہ واہل کوفہ دونوں فریق بعض اعتبار سے فعل کو اصل مانتے ہیں اور بعض اعتبار سے مصدر کو اصل مانتے ہیں۔ اہل کوفہ واہل بصرہ دونوں فریق باب تعلیل میں فعل کو اصل قرار دیتے ہیں اور باب تعلیل میں مصدر کو فعل کے تابع قرار دیتے ہیں۔ گویا تعلیل کے مرحلے میں دونوں فریق فعل کو اصل قرار دیتے ہیں، پھر باب اشتقاق میں اہل بصرہ مصدر کو اصل قرار دیتے ہیں اور اہل کوفہ فعل کو اصل قرار دیتے ہیں۔ اس طرح باب تعلیل میں دونوں نے فعل کو اصل قرار دیا، پھر باب اشتقاق میں دونوں متفرق ہو گئے۔

فریقین کے دلائل کا رد:

امام احمد رضا قادری نے فریقین کے دلائل کو نقل کرنے کے بعد دونوں کے دلائل کا رد فرمایا ہے۔ اہل بصرہ کا مذہب ہے کہ مصدر اصل ہے اور فعل مصدر سے مشتق ہوتا ہے۔ اہل کوفہ کا مذہب ہے کہ فعل اصل ہے اور مصدر فعل سے مشتق ہے۔ امام موصوف نے تحریر فرمایا:

{تم استدلالات الفریقین الی ھنا—والاٰن نشرع فی رد استدلالاتھم فنقول وبہ نستعین: ان کل دلیل البصریین مردود والوقت اعز من ان یخاض فیہ، بل من ان یلتفت الیہ—اما الدلیل الاول فلانا لا نقول بان المصدر ھھنا بمعنی ما صدر عنہ الشیٔ، بل ھو مصدر میمی وقد قرر فی موضعہ ان المصدر قد یجیٔ بمعنی فاعل ایضًا کالعدل بمعنی العادل فالمصدر بمعنی الصادر} (مخطوطہ تبلیغ الکلام الیٰ درجۃ الکمال فی تحقیق اصالۃ المصدر والا فعال ص ۵) ترجمہ: یہاں تک فریقین کے استدلال مکمل ہو گئے، اور اب ہم ان کے استدلال کا رد شروع کرتے ہیں، پس ہم رب تعالیٰ سے استعانت طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہل بصرہ کی ہر دلیل قابل رد ہے، اور وقت بہت کم ہے کہ اس میں غور وخوض کیا جائے، بلکہ وقت اس سے بہت کم ہے کہ اس جانب توجہ دی جائے، لیکن دلیل اول (کا قابل رد ہونا) تو اس لیے کہ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ مصدر یہاں ''ماصدر عنہ الشیٔ'' کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ یہ مصدر میمی ہے اور مصدر کی بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ مصدر کبھی فاعل کے معنی میں بھی ہوتا ہے، جیسے عدل، عادل کے معنی میں ہے، پس مصدر، صادر کے معنی میں ہے۔

توضیح: اہل کوفہ نے لفظ مصدر کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ اسم ظرف کا صیغہ ہے، یعنی مصدر، محل صدور ہے، اور فعل اس سے صادر ہوتا ہے۔ امام موصوف نے فرمایا کہ لفظ مصدر اسم ظرف کا صیغہ نہیں، بلکہ مصدر میمی ہے اور مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے، پس اس اعتبار سے مصدر کا معنی ''صادر'' ہوگا۔ جب مصدر، صادر کے معنی میں ہے تو اسے محل صدور اور مشتق منہ قرار دینا صحیح نہیں ہوگا، بلکہ وہ خود مشتق اور صادر ہوگا۔ اس طرح اہل بصرہ کا استدلال اول باطل ہو گیا۔

اس کے بعد امام موصوف نے فریقین کے دلائل کا رد فرمایا ہے، جیسا کہ ان کے کلام ''**تم استدلالات الفریقین الیٰ ھنا—والاٰن نشرع فی رد استدلالاتھم**'' سے ظاہر ہے۔

چوں کہ کتاب کے اخیر صفحات ہمیں دستیاب نہ ہو سکے، اس لیے امام ممدوح کے محاکمہ وفیصلہ سے ہم مطلع نہ ہو سکے۔ اس رسالہ سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ امام ممدوح دیگر علوم وفنون کی طرح علم صرف میں رتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم:: والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم۔

امام احمد رضا اور علم بلاغت

مقالہ نگار

طارق انور مصباحی (کیرلا)

موصوف کا تعارف مقالہ صرف میں ملاحظہ ہو

اس مقالہ میں فن بلاغت کے قوانین اصول وضوابط سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ کی ابحاث اور مسائل کی تحقیقات درج کی گئی ہیں۔ مسائل دینیہ کی تشریح وتوضیح کی بہت سی مثالیں رقم کردی گئیں ہیں، ان سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ کس طرح مسائل شرعیہ واحکام اسلامیہ کی توضیح وتنقیح کے لیے فن بلاغت کے اصول وضوابط کو پیش کیا جائے۔ عموماً فقہائے اسلام دلائل شرعیہ کو تحریر فرمادیتے ہیں، لیکن امام موصوف نے شرعی دلائل کے ساتھ فن بلاغت کے تینوں شعبے معانی وبیان وبدیع سے کام لیاہے۔ اس طرز استدلال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احکام اسلامیہ کے لیے دلائل شرعیہ ہی اصل ہیں، لیکن تائید وتقویت کے لیے دیگر علوم وفنون سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ فن بلاغت میں کافی مہارت رکھتے تھے۔

امام احمد رضا قادری اور علم بلاغت

فن بلاغت کا تعارف

علم فصاحت اور علم بلاغت دو علم ہیں اور دونوں کے قواعد وقوانین اور اصول وضوابط ایک ہی کتاب میں ساتھ ساتھ مذکور ہوتے ہیں۔ ان دونوں علوم کو دو مستقل علم وفن کا درجہ نہیں دیا گیا ہے۔ ان دونوں علوم کا مقصد قرآن مجید اور عربی کلام کی فصاحت وبلاغت کی معرفت حاصل کرنی ہے۔ علامہ جلال الدین قزوینی شافعی (۶۶۶ھ-۷۳۹ھ) کی تلخیص المفتاح سے فصاحت وبلاغت کی تعریف مندرجہ ذیل ہے۔

(۱){الفصاحة یوصف بها المفرد والکلام والمتکلم والبلاغة یوصف بها الاخیران فقط}

(تلخیص المفتاح ص۳-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: فصاحت سے مفرد، کلام اور متکلم متصف ہوتے ہیں اور بلاغت سے صرف آخر کے دو (کلام ومتکلم) متصف ہوتے ہیں۔

(۲){فالفصاحة فی المفرد خلوه من تنافر الحروف والغرابة ومخالفة القیاس}

(تلخیص المفتاح ص۳-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: فصاحت فی المفرد، مفرد کا تنافر حروف، غرابت اور مخالفت قیاس سے خالی ہونا ہے۔

(۳){وفی الکلام: خلوصه من ضعف التالیف وتنافر الکلمات والتعقید مع فصاحتها}

(تلخیص المفتاح ص۴-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: فصاحت فی الکلام، کلام کا ضعف تالیف، تنافر کلمات اور تعقید سے خالی ہونا ہے، کلمات کے فصیح ہونے کے ساتھ۔

(۴){وفی المتکلم: ملکة یقتدر بها علی التعبیر عن المقصود بلفظ فصیح}

(تلخیص المفتاح ص۵-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: فصاحت فی المتکلم ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعہ متکلم لفظ فصیح کے ذریعہ مقصود کو تعبیر کرنے پر قادر ہو جائے۔

(۵){البلاغة فی الکلام مطابقته لمقتضی الحال مع فصاحته}

(تلخیص المفتاح ص۵-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: بلاغت فی الکلام، کلام کا فصیح ہونے کے ساتھ مقتضی حال کے مطابق ہونا ہے۔

(۶){وفي المتکلم: ملکة یقتدر بها علی تالیف کلام بلیغ}

(تلخیص المفتاح ص۶-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: بلاغت فی المتکلم ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعہ متکلم، کلام بلیغ کی تالیف وترکیب پر قادر ہو جائے۔

(۷){وان البلاغة مرجعها الی الاحتراز عن الخطأ فی تادیة المعنی المراد والی تمییز الفصیح من غیره}

(تلخیص المفتاح ص۶-مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: علم بلاغت کا مفاد، معنی مراد کی ادائیگی میں خطا سے بچنا اور فصیح کو غیر فصیح سے ممتاز کرنا ہے۔

فن بلاغت کا موضوع عربی کلام ہے اس کے مقتضی حال کے مطابق ہونے کے اعتبار سے۔

علم بلاغت کے تین اہم اجزا ہیں (۱) علم بیان (۲) علم معانی (۳) علم بدیع۔ تینوں قسموں کی تعریفات مندرجہ ذیل ہیں۔

الحاج خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی حنفی قسطنطینی (۱۰۱۷ھ-۱۰۶۷ھ) نے ''علم بیان'' کی تعریف میں تحریر فرمایا:

{علم البیان :هو علم یعرف به ایراد المعنی الواحد بتراکیب مختلفة فی وضوح الدلالة علی المقصود بان تکون دلالة بعضها اجلٰی من بعض-وموضوعه اللفظ العربی من حیث وضوح الدلالة علی المعنی المراد}

(کشف الظنون ج ا ص ۲۵۹-المکتبۃ الشاملہ)

ترجمہ: علم البیان: یہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعہ ایک معنی کو مقصود پر دلالت کرنے کی وضاحت میں اختلاف رکھنے والی ترکیبوں (یعنی مختلف جملوں) کے ذریعہ پیش کرنے کا علم ہو، بایں طور کہ بعض ترکیب کی دلالت (مقصود پر) بعض (دوسری) ترکیب سے زیادہ واضح ہو، اور اس کا موضوع لفظ عربی ہے معنی مقصود پر دلالت کی وضاحت کے اعتبار سے۔

شیخ محمد علی بن علی بن محمد تھانوی (م ۱۱۵۸ھ) نے ''علم معانی'' کی تعریف میں رقم فرمایا:

{علم المعانی :وهو علم تعرف به احوال اللفظ العربی التی بها یطابق اللفظ لمقتضی الحال}

(کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم ج ا ص ۸۳-مطبوعہ: مکتبہ لبنان ناشرون: بیروت)

ترجمہ: علم المعانی: یہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعہ لفظ عربی کے وہ احوال معلوم ہوتے ہیں جس کے ذریعہ وہ مقتضی حال کے مطابق ہو جائے۔

الحاج خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی حنفی قسطنطینی (۱۰۱۷ھ-۱۰۶۷ھ) نے ''علم بدیع'' کی تعریف میں تحریر فرمایا:

{علم البدیع :هو علم یعرف به وجوه تفید الحسن فی الکلام بعد رعایة المطابقة لمقتضی المقام ووضوح الدلالة علی المرام-فان هذه الوجوه انما تعد محسنة بعد تینک الرعایتین}

(کشف الظنون ج ا ص ۲۳۲-المکتبۃ الشاملہ)

ترجمہ: علم البدیع: یہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعہ ان طریقوں کی معرفت ہوتی ہے جو مقتضی حال اور مقصود پر واضح دلالت کے بعد کلام میں حسن کا افادہ کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ طریقے ان دونوں (مقتضی حال اور وضوح دلالت) کی رعایت کے بعد ہی محسّنہ (خوبصورتی پیدا کرنے والے) شمار کیے جائیں گے۔

علم بلاغت کا آغاز وفروغ:

خلافت عباسیہ کے عہد میں قرآن مجید سے متعلق مباحثوں کی کثرت ہوگئی۔ مناظرے بھی ہوئے، اور مختلف قسم کی تحاریر واقوال منظر عام پر آئے۔ قرآن یعنی کلام اللہ مخلوق ہے یا نہیں؟ یہ اس عہد کا سب سے بڑا فتنہ تھا۔ اسی عہد میں فرقہ معتزلہ کا ایک بڑا قائد نظام معتزلی: ابراہیم بن سیار بن ہانی بصری، ابواسحاق (م ۲۳۱ھ-۸۴۵ء) نے کہا کہ قرآن اپنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے معجز نہیں ہے، اور اہل عرب اس کی مثل لانے پر قادر تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس جانب سے پھیر دیا، اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کے لیے۔

نظام معتزلی کی جانب معتزلہ کا فرقہ نظامیہ منسوب ہے۔ یہ مشہور معتزلی جاحظ بصری: عمرو بن بحر بن کلاب بن محبوب کنانی لیثی، ابوعثمان (۱۶۳ھ-۲۵۵ھ-۷۸۰ء-۸۶۹ء) کا استاذ تھا۔ قرآن کی معجز فصاحت وبلاغت کے انکار کے بعد خود اس کے شاگرد جاحظ نے اس کی سخت مخالفت کی اور مبرد بصری: محمد بن یزید بن عبدالاکبر ثمالی ازدی، ابوالعباس (۲۱۰ھ-۲۸۶ھ-۸۲۶ء-۸۹۹ء) نے اس کا سخت رد کیا اور پھر قرآن کی فصاحت وبلاغت کی تفہیم وتشریح کے لیے ''علم بلاغت'' ایجاد ہوئی۔

(۱) صلاح الدین صفدی فلسطینی دمشقی: خلیل بن ایبک بن عبد اللہ (۶۹۶ھ-۷۶۴ھ-۱۲۹۶ء-۱۳۶۳ء) نے نظام معتزلی کے بہت سے غلط افکار ونظریات کو نقل کر کے اس کا رد تحریر فرمایا۔ اسی

بحث میں صفدی نے اعجاز قرآنی سے متعلق نظام کا نظریہ نقل کرتے ہوئے رقم فرمایا:

{منها ان القرآن ليس اعجازه من جهة فصاحته وانما اعجازه بالنظر الى الاخبار عن الامور الماضية و المستقبلة:قلت وهذا ليس بشیء لان الله تعالىٰ امره ان يتحدى بسورة من مثله وغالب السور ليس فيها اخبار عن ماض ولا مستقبل فدل على ان العجز كان عن الفصاحة} (الوافی بالوفیات ج۲ص۲۲۶)

ترجمہ: نظام معتزلی کے مردود نظریات میں سے یہ ہے کہ قرآن کا معجز ہونا اس کی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ قرآن کا معجز ہونا اس کے گذشتہ وآئندہ امور کے خبر دینے کے اعتبار سے ہے۔ میں جواب دیتا ہوں کہ یہ قول ناقابل تسلیم ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی کسی سورت کی مثل لانے کا چیلنج دیا، اور اکثر سورتوں میں نہ ماضی کی خبریں ہیں اور نہ مستقبل کی، پس اس پر دلالت ہوئی کہ اہل عرب کا عاجز ہونا فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے تھا۔

(۲) احمد مصطفیٰ مراغی نے نظام معتزلی کے بارے میں لکھا:

{قال:ان القرآن ليس معجزًا بفصاحته وبلاغته وان العرب كانوا قادرين علىٰ ان ياتو بمثله،لكن الله صرفهم عن ذلك تصديقًا لنبيه وتائيدًا لرسوله حتى يؤدى رسالات ربه}

(علوم البلاغۃ: البیان والمعانی والبدیع: احمد مصطفیٰ المراغی)

ترجمہ: قرآن اپنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے معجز نہیں ہے، اور اہل عرب اس کی مثل لانے پر قادر تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق اور ان کی تائید کے لیے اہل عرب کو اس جانب سے پھیر دیا، تاکہ وہ پیغام الٰہی کو پیش کرسکیں۔

نظام معتزلی نے جب قرآن کے معجز ہونے کا انکار کیا تو سب سے پہلے اس کے شاگرد جاحظ بصری نے تحریری شکل میں قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کی وضاحت کے لیے اپنی کتاب ''البیان والتبیین'' لکھی، پھر متعدد کتب ورسائل فن بلاغت میں تحریر کیے گئے

فن بلاغت کے متقدمین ومشاہیر اوران کی تالیفات:

(۱) البیان والتبیین: جاحظ بصری: عمرو بن بحر بن کلاب بن محبوب کنانی لیثی، ابوعثمان (۱۶۳ھ-۲۵۵ھ-۷۸۰ء-۸۶۹ء)

(۲) البدیع: خلیفہ عبداللہ بن معتز باللہ عباسی: محمد بن متوکل بن معتصم بن ہارون رشید بن مہدی (۲۴۶ھ-۲۹۶ھ)

(۳) عیار الشعر: ابوالحسن محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن ابراہیم طباطبا علوی اصبہانی (م۳۲۲ھ-۹۳۴ء)

(۴) نقد الشعر: قدامہ بن جعفر: قدامہ بن جعفر بن قدامہ بن زیاد بغدادی: ابوالفرج، کاتب (م۳۳۷ھ-۹۴۸ء)

(۵) النکت فی اعجاز القرآن: ابوالحسن رمانی معتزلی: علی بن عیسیٰ بن علی بن عبداللہ (۲۹۶ھ-۳۸۴ھ-۹۰۸ء-۹۹۴ء)

(۶) الصناعتین: (النثر والنظم) ابوہلال عسکری (م۳۹۵ھ-۱۰۰۵ء)

(۷) اعجاز القرآن: قاضی ابوبکر محمد بن طیب بن محمد بن جعفر باقلانی بصری بغدادی (۳۳۸ھ-۴۰۳ھ-۹۵۰ء-۱۰۱۳ء)

(۸) العمدۃ فی صناعۃ الشعر ونقدہ: ابن رشیق قیروانی: حسن بن رشیق: ابوعلی (۳۹۰ھ-۴۶۳ھ-۱۰۰۰ء-۱۰۷۱ء)

(۹) سر الفصاحۃ: ابن سنان خفاجی: عبداللہ بن محمد بن سعید بن سنان، ابومحمد حلبی (۴۲۳ھ-۴۶۶ھ-۱۰۳۲ء-۱۰۷۳ء)

(۱۰) دلائل الاعجاز: عبدالقاہر جرجانی: عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن بن محمد: ابوبکر (م۴۷۱ھ-۱۰۷۸ء)

(۱۱) اسرار البلاغۃ: عبدالقاہر جرجانی: عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن بن محمد: ابوبکر (م۴۷۱ھ-۱۰۷۸ء)

(۱۲) الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل: از: جاراللہ زمخشری معتزلی: محمود بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷ھ-۵۳۸ھ-۱۰۷۵ء-۱۱۴۴ء)

(۱۳)نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز :امام فخر الدین رازی (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ)

(۱۴)مفتاح العلوم :از: سکا کی :یوسف بن ابی بکر بن محمد بن علی خوارزمی حنفی :ابویعقوب ،سراج الدین (۵۵۵ھ-۶۲۶ھ-۱۱۶۰ء-۱۲۲۹ء)

(۱۵)المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر :از: ضیاء الدین ابن اثیر: نصراللہ بن محمد بن محمد بن عبد الکریم شیبانی جزری :ابوالفتح کاتب (۵۵۸ھ-۶۳۷ھ)

(۱۶) تلخیص المفتاح :از: جلال الدین قزوینی شافعی :محمد بن عبد الرحمٰن بن عمر :ابوالمعالی المعروف بہ خطیب دمشق (۶۶۶ھ-۷۳۹ھ- ۱۲۶۸ء-۱۳۳۸ء)

(۱۷)الایضاح شرح تلخیص المفتاح: جلال الدین قزوینی شافعی (۶۶۶ھ-۷۳۹ھ-۱۲۶۸ء-۱۳۳۸ء)

(۱۸)مختصر المعانی ومطول شرح تلخیص المفتاح : سعد الدین تفتازانی:مسعود بن عمر بن عبد اللہ (۷۱۲ھ-۷۹۳ھ-۱۳۱۲ء-۱۳۹۰ء)

امام احمد رضا قادری اور علم بلاغت

فن بلاغت میں امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کی کسی مستقل تصنیف کا مجھے علم نہیں ۔ہاں،انہوں نے اپنی تصانیف وفتاویٰ میں علم بلاغت کے مسائل اورفن بلاغت سے متعلق بہت سی تحقیقات کوسپرد قلم فرمایا ہے۔ان کی تحقیقات کودیکھ کرعلم بلاغت میں ان کے تبحر علمی کا علم ہوتا ہے۔''مالا یدرک کلہ،لایترک کلہ'' کے اصول کے مطابق ہم امام ممدوح کی کچھ تحقیقات کونقل کرتے ہیں،گرچہ ہم تمام کا استیعاب نہ کرسکیں۔ارباب علم وفضل کے لیے یہ تحقیقات عالیہ انتہائی فائدہ بخش ہیں،بلکہ عوام مسلمین کے لیے بھی تفہیم عقائد ومسائل کے وقت آسانیاں پیدا کرنے والی ہیں۔ذیل میں امام ممدوح کے بعض اقتباسات سپرد قرطاس ہیں۔حسب موقع بلاغت کے اصول وقواعد بھی مرقوم ہیں۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے اقتباسات کے درمیان عربی عبارتوں کے تراجم مرقوم ہیں۔ان میں سے بہت سے تراجم خود امام ممدوح کے تحریر کردہ ہیں۔اگر میں نے اقتباس کے درمیانی حصوں میں ترجمہ لکھا ہے تو اسے قوسین کے مابین رکھا ہے،تاکہ فرق ہوجائے۔

اسناد حقیقی ذاتی واسناد حقیقی عطائی:

(۱)امام احمد رضا قادری نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے''دافع البلا''اوراس قسم کے الفاظ کے استعمال پر بحث کرتے ہوئے علم بلاغت کے بعض اصول ومباحث (اسناد حقیقی واسناد مجازی) کو بیان فرمایا اوران قواعد کی روشنی میں شرعی مسائل کی انتہائی واضح تفہیم فرمائی۔اسناد حقیقی کی دوقسمیں بیان فرمائیں،اسی نے محل اختلاف کومنہدم کردیا۔افادۂ عامہ کے لیے امام موصوف کی عبارت درج ذیل ہے۔

''اقول وباللہ التوفیق: نسبت واسناد دوقسم ہے۔حقیقی کہ مسند الیہ حقیقت سے متصف ہو۔اورمجازی کہ کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کردیں،جیسے نہرکوجاری یاجالس سفینہ کومتحرک کہتے ہیں، حالاں کہ حقیقۃً آب وکشتی جاری ومتحرک ہیں۔پھر حقیقی بھی دوقسم ہے۔ذاتی کہ خوداپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو،اورعطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقۃً متصف کردیا ہو،خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو،جیسے واسطہ فی الثبوت میں،یانہیں،جیسے واسطہ فی الاثبات میں ۔ان سب صورتوں کی اسنادیں تمام محاورات عقلائے جہاں واہل ہرمذہب وملت وخودقرآن وحدیث میں شائع وذائع ،مثلاً انسان عالم کوعالم کہتے ہیں ۔قرآن مجید میں جابجا''اولو العلم''وعلماء بنی اسرائیل اورانبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لفظ علیم وارد۔یہ حقیقت عطائیہ ہے،یعنی بعطائے الٰہی وہ حقیقۃً متصف بعلم ہیں اورمولیٰ عزوجل نے اپنے نفس کریم کوعلیم فرمایا،یہ حقیقت ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنی ذات سے عالم ہے۔

سخت احمق وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ وہابیہ کے مسائل شرکیہ استعانت وامداد وعلم غیب وتصرفات وندا وسماع فریاد وغیرہا، ایسے فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے اس بحث شریف میں ایک نفیس رسالہ کی طرح ڈالی ہے۔ اس میں متعلق نزاعات وہابیہ صدہا اطلاقات کو آیات واحادیث سے ثابت اور احکام اسنادات کو مفصل بیان کرنے کا قصد ہے: ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ

حضور پرنور، معطی البہار والسرور، دافع البلاء والشرور، شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دافع البلا کہنا بھی بمعنی حقیقی عطائی ہے۔ مخالف متعسف کو یوں توفیق تصدیق نہ ہو تو فقیر کا رسالہ ''سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الوریٰ'' مطالعہ کرے کہ بعونہ تعالیٰ تحقیق وتوثیق کے باغ لہکتے نظر آئیں اور ایمان وایقان کے پھول مہکتے۔ خیر یہاں اس بحث کی تکمیل کا وقت نہیں، تنزیلاً یہی سہی کہ احد الامرین سے خالی نہیں۔ نسبت حقیقی عطائی ہے، یا از آنجا کہ حضور سبب ووسیلہ وواسطہ دفع البلا ہیں، لہٰذا نسبت مجازی۔ رہی حقیقی ذاتی حاشا کہ کسی مسلمان کے قلب میں کسی غیر خدا کی نسبت اس کا خطرہ گذرے''۔ (الامن والعلیٰ ص۳۷۴، ۳۷۵-مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۸- جامعہ نظامیہ لاہور)

مندرجہ بالا مثال میں امام اہل سنت قدس سرہ الکریم نے اہل اسلام کے ایک عقیدہ کی توضیح وتشریح فن بلاغت کی روشنی میں فرمائی ہے۔ اسناد حقیقی کی دو قسمیں جو بیان کی گئی ہیں، وہ دراصل امام اہل سنت کے اضافات میں سے ہیں۔ اس اضافہ کی بنیاد متعدد آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ کرام ہیں، جن میں رب تعالیٰ کے خواص ومقربین سے بعض ان امور کے صدور کا ذکر ہے، جو رب تعالیٰ کے افعال میں سے ہے، لیکن رب تعالیٰ نے اپنے بعض خاص بندوں کو بھی اپنے فضل واحسان سے وہ قوت عطا فرمادی، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدائشی اندھوں کو شفا یعنی بینائی عطا کرنے کی قوت عنایت فرمائی، یہاں تک کہ مردوں کو زندہ کرنے کی بھی قوت عطا فرمائی۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیٰ رسولنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول مبارک کا ذکر درج ذیل صورت میں ہے۔

{انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللّٰہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللّٰہ} (آل عمران: آیت ۴۹)

ترجمہ: میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہوجاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سپید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ (کنز الایمان)

افادۂ استغراق میں لفظ کل کی قطعیت، اور نکرہ تحت نفی کی عمومیت

عربی زبان میں لفظ ''کل'' استغراق کو بتاتا ہے، یعنی جس لفظ پر ''کل'' داخل ہوگا، اس کے تمام افراد کو قطعی طور پر شامل ہوگا۔ کوئی دلیل صحیح یا قرینہ صحیحہ سے بعض افراد کا استثنا ہوسکتا ہے۔ دلیل وقرینہ نہ ہونے کے وقت کسی فرد کے استثنا کا دعویٰ ناقابل قبول ہوگا۔ رسالہ ''انباء المصطفٰی بحال سر واخفی'' میں علم غیب کی آیتوں کی عمدہ تشریح کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

''**قال اللّٰہ تعالیٰ: {ونزلنا علیک الکتاب تبیانًا لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین}**

(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے، اور مسلمانوں کے لیے ہدایت ورحمت وبشارت)

قال اللّٰہ تعالیٰ: {ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شیء}

(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے، بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شئ کا صاف جدا جدا بیان ہے)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: {ما فرطنا فی الکتب من شیء}

(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہم نے کتاب میں کوئی شئ اٹھا نہیں رکھی)

اقول وباللہ التوفیق: جب فرقان مجید میں ہر شئ کا بیان ہے

اور بیان بھی کیسا، روشن، اور روشن بھی کس درجہ کا مفصل، اور اہل سنت کے مذہب میں شئ ہر موجود کو کہتے ہیں تو عرش تا فرش تمام کائنات، جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے، اور من جملہ موجودات کتابت لوح محفوظ بھی ہے۔ تا بالضرورت یہ بیانات محیط، اس کے مکتوب بھی بالتفصیل شامل ہوئے۔

اب یہ بھی قرآن مجید سے ہی پوچھ دیکھئے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: {کل صغیر و کبیر مستطر}

(ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے)

وقال اللہ تعالیٰ: {وکل شئ احصینه فی امام مبین}

(ہر شئ ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرمادی ہے)

وقال اللہ تعالیٰ: {ولا حبة فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین}

(کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر، اور نہ کوئی خشک، مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہے)

اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ ''نکرہ'' حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ ''کل'' تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گی۔ بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں، ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے۔ نہ احادیث احاد، گرچہ کیسے ہی اعلیٰ درجے کی ہوں۔ عموم قرآن کی تخصیص کرسکیں، بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائیں گی، بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص، عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی، نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص صحیح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ما کان وما یکون الیٰ یوم القیامۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماوارض وعرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ وللہ الحجۃ الساطعۃ، اور جبکہ یہ علم قرآن عظیم کے تبیانا لکل شئ ہونے نے دیا اور پر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے، نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو: لم نقصص علیک، یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے: لا تعلمھم، ہرگز ان آیات کے منافی اور علم مصطفوی کا نافی نہیں''۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۴۸۸ - جامعہ نظامیہ لاہور)

اس اقتباس کے شروع میں قرآن مجید کی تین آیات مقدسہ، قرآن مجید سے متعلق ہیں کہ قرآن پاک میں ہر چیز کا علم ہے۔ پہلی اور دوسری آیت میں لفظ کل وارد ہوا، اور لفظ کل ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل نہیں ہوتا تو ان دو آیتوں سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے اور کوئی چیز قرآن کے دائرۂ علم سے خارج نہیں اور تیسری آیت میں نکرہ یعنی لفظ شئ نفی کے تحت واقع ہے، لہٰذا وہ بھی عموم کو بتائے گا اور قرآن مقدس میں بلا استثنا ہر شئ کا بیان ہونا ثابت ہو جائے گا۔ آخری کی تین آیات لوح محفوظ سے متعلق ہیں۔ یہاں بھی پہلی دو آیتوں میں لفظ ''کل'' آیا اور تیسری آیت میں نکرہ تحت نفی واقع ہوا ہے۔ لفظ کل اور نکرہ تحت نفی عموم کا فائدہ دیتے ہیں، اس سے ظاہر ہو گیا کہ لوح محفوظ میں بلا استثنا تمام چیزوں کا بیان ہے، اور قرآن مقدس کا علم حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا، پس مذکورہ بالا تشریح کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام چیزوں کا علم عطا ہوا: فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

نکرہ حیز نفی میں عموم واستغراق کا افادہ کرتا ہے:

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان سے سوال ہوا کہ زید کہتا ہے کہ حال میں دو ایسے شخص پائے گئے ہیں جن کے دو دو دل ہیں اور ڈاکٹروں نے بھی اس کو اپنے طور پر جانچ لیا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

{ما جعل اللہ لرجل قلبین فی جوفه} (اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے)

اس پر خالد کہتا ہے کہ رب تعالیٰ نے یہ بھی تو فرمایا ہے۔ {هُوَالَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ} (وہی ہے جو تمہاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں، جیسی چاہے)

پس یہ امر عجائب تخلیق باری سے ہے، اور پہلی آیت قرآنیہ خاص اس شخص کے بارے میں ہے جو عہد رسالت میں اپنے لیے دو دل ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ (فتاویٰ رضویہ ج۲۹ص۷۵، ۷۶-جامعہ نظامیہ لاہور/ملخصا)

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے جواب میں تحریر فرمایا:

''ایک شخص کے دو دل نہیں ہوسکتے۔ دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند (ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں ہوتے) آیہ کریمہ میں رجل نکرہ ہے، اور تحت نفی داخل ہے تو مفید عموم واستغراق ہے، یعنی اللہ عزوجل نے کسی کے دو دل نہ بنائے، نہ کہ فقط اس شخص خاص کی نسبت انکار فرمایا ہو''۔ (فتاویٰ رضویہ ج۲۹ص۷۶-جامعہ نظامیہ لاہور)

ڈاکٹروں کی جانچ سے متعلق جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ جس طرح کسی کے ہاتھ میں چھ انگلیاں ہوتی ہیں اور بعض کے ایک ہاتھ میں دو ہاتھ لگے ہوتے ہیں، ان میں جو کام دیتا ہے، اور ٹھیک موقع پر ہے، وہی ہاتھ ہے، دوسرا بد گوشت ہے۔ اس کے بعد تحریر فرمایا:

''ڈاکٹروں کا بیان اگر سچا ہو تو اس کی یہی صورت ہوگی کہ بدن میں ایک بد گوشت بصورت دل زیادہ پیدا ہو گیا ہوگا۔ ہاتھ میں تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصلی اور زائد دونوں ہاتھ کام دیں، مگر قلب میں یہ ناممکن ہے۔ آدمی، روح انسانی سے آدمی ہے اور اسی کے مرکب کا نام قلب ہے اور روح انسانی متجزی نہیں کہ آدھی ایک دل میں رہے اور آدھی دوسرے میں، تو جس سے وہ اصالۃً متعلق ہوگی تو وہی قلب ہے، دوسرا اسلب ہے، اور آیہ کریمہ میں {یصورکم فی الارحام کیف یشاء} فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں تمہاری تصویر بناتا ہے جیسی وہ چاہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ {کیف تشاؤن وبتخیلاتکم تخترعون}، جیسی تم چاہو، اور اپنے خیالات میں گھڑو، ویسی ہی تصویر بنادے۔ یہ محض باطل ہے، اور اس نے اپنی مشیت بتادی کہ کسی جوف میں میں نے دو دل نہ رکھے تو اس کے خلاف تصویر نہ ہوگی: واللہ تعالیٰ اعلم''۔

(فتاویٰ رضویہ ج۲۹ص۷۶، ۷۷-جامعہ نظامیہ لاہور)

فعل قوت نکرہ میں ہوتا ہے:

امام احمد رضا قادری نے رسالہ ''نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان'' میں آیت کریمہ: {اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا} (ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ کہیں جنبش نہ کریں) سے اصول بلاغت کی روشنی میں زمین وآسمان کا مستقر ہونا ثابت فرمایا۔ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا:

''{تزولا} فعل ہے اور محل نفی میں وارد ہے اور علم اصول میں مصرح ہے کہ فعل قوت نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوتا ہے تو معنی آیت یہ ہوئے کہ آسمان وزمین کو کسی قسم کا زوال نہیں، نہ موقع عام سے، نہ مستقر حقیقی خاص سے اور یہی سکون حقیقی ہے: وللہ الحمد''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد۲۷ص۲۱۳-جامعہ نظامیہ لاہور)

امام احمد رضا قادری نے محررہ بالا اقتباس میں قانون بلاغت کی روشنی میں زمین وآسمان سے ہر قسم کے زوال کی نفی ثابت فرمائی، کیوں کہ فعل، نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اور یہاں فعل حیز نفی میں ہے اور نکرہ تحت نفی عام ہوتا ہے تو اس قانون کی روشنی میں زمین وآسمان سے ہر قسم کے زوال کی نفی ثابت ہوگئی: فالحمد للہ علیٰ ذلک

اسناد مجازی پر قرینہ:

ہدایت علی نام رکھنے سے متعلق علامہ عبد الحئ لکھنوی فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ-۱۳۰۴ھ) نے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا، کیوں کہ اس میں ہدایت کی نسبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب ہے، اور ہدایت کا لفظ دو معنوں میں مشترک ہے: (۱) ایصال الی المطلوب (مطلوب تک پہنچادینا) (۲) ارائۃ الطریق (راستہ دکھلا دینا)۔ معنی اول رب تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اور معنی دوم بندوں کے لیے

استعمال ہوتا ہے۔ اب ہدایت علی نام رکھنے کی صورت میں شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ایصال الی المطلوب مراد لینے کا خطرہ تھا، لہٰذا یہ نام رکھنا جائز نہ ہوا۔ یہ علامہ لکھنوی کے فتویٰ کا ماحصل ہے۔

امام اہل سنت نے رسالہ ''النور والضیاء فی احکام بعض الاسماء'' میں قاعدۂ بلاغت کی روشنی میں اس امر کی وضاحت فرمائی اور جواز ثابت فرمایا۔ یہ عمدہ وضاحت ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ مومن کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب لفظ ہدایت کی نسبت کرنا ہی قرینہ ہے کہ یہاں معنی خلق ہدایت یعنی ایصال الی المطلوب مراد نہیں، کیوں کہ مومن ہرشئ کی تخلیق کورب تعالیٰ کے ساتھ خاص مانتا ہے، پس مومن کا یہ عقیدہ معنی مراد کے تعین کا قرینہ ہے کہ یہاں ایصال الی المطلوب مراد نہیں، بلکہ ارأۃ الطریق مراد ہے۔ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا:

''ایک ہدایت کیا، جتنے افعال مشترکۃ الاطلاق ہیں، سب میں اسی آفت کا سامنا ہوگا جیسے احسان وانعام، اذلال واکرام، تعلیم وافہام، تعذیب وایلام، عطاومنع، اضرار ونفع، قہر وقتل، نصب وعزل وغیرہا کہ مخلوق کی طرف نسبت کیجیے تو معنی خلق موہم شرک اور خالق کی طرف تو معنی تسبب مشعر کفر، بہر حال مفر کدھر۔ اگر کہئے خالق عزوجل کی طرف نسبت ہی دلیل کافی ہے کہ معنی خلق مراد ہیں، ہم کہیں گے: مخلوق کی جانب اضافت ہی برہان وافی ہے کہ معنی تسبب مقصود ہیں، ولہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ امثال ''انبت الربیع البقل وحکم علی الدہر (بہار نے سبزہ اگایا اور دہر نے مجھ پر حکم کیا) میں قائل کا موحد ہونا ہی قرینہ شافی ہے کہ اسناد مجاز عقلی ہے۔ اب بحمد اللہ اس ایہام کی بنیاد ہی نہ رہی''۔

(فتاویٰ رضویہ ج۲۴ص ۶۹۹- جامعہ نظامیہ لاہور)

علامہ جلال الدین قزوینی نے رقم فرمایا: {قال السکاکی: المجاز العقلی ہو الکلام المفاد بہ خلاف ما عند المتکلم من الحکم فیہ لضرب من التاویل، افادۃ للخلاف لا بوساطۃ وضع، کقولک: انبت الربیع البقل وشفی الطبیب المریض} (الایضاح فی علوم البلاغۃ ج۱ص۹۰- دارالجیل بیروت)

ترجمہ: یوسف بن ابی بکر حنفی سکا کی (۵۵۵ھ-۶۲۶ھ) نے کہا: مجاز عقلی وہ کلام ہے جس کا مفہوم کسی قسم کی تاویل کے سبب اس کے برخلاف ہو جو حکم اس بارے میں متکلم کے نزدیک ہے، خلاف کو بتانے کے لیے، (یہ مجاز) وضع کے واسطے سے نہ ہو، جیسے تمہارا (مومن کا) قول: موسم ربیع نے سبزہ اگایا اور طبیب نے شفا دیا۔

علامہ قزوینی نے اسناد کی قسموں یعنی حقیقت عقلیہ ومجاز عقلی کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

{ومنہ مجاز عقلی وہو اسنادہ الیٰ ملابس لہ غیر ما ہو لہ بتأول، ولہ ملابسات شتی، یلابس الفاعل والمفعول بہ والمصدر والزمان والمکان والسبب- فاسنادہ الیٰ الفاعل او المفعول بہ، اذا کان مبنیًا لہ حقیقۃ کما مر- والی غیرہما للملابسۃ مجاز} (تلخیص المفتاح ص۸: مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ترجمہ: اسناد میں سے ایک مجاز عقلی ہے، اور وہ فعل کا اسناد کرنا ہے اس کے کسی متعلق کی جانب کسی تاویل کے ساتھ، یہ متعلق اس کے علاوہ ہو جس کا یہ فعل ہے، اور فعل کے مختلف متعلقات ہیں۔ فعل کا تعلق فاعل، مفعول بہ، مصدر، زمان، مکان وسبب سے ہوتا ہے، پس فعل کا اسناد کرنا فاعل یا مفعول بہ کی جانب حقیقت ہے، جب کہ وہ فعل اس کے لیے مبنی ہو، جیسا کہ گذر چکا اور ان دونوں کے علاوہ کی جانب تعلق کے سبب اسناد کرنا مجاز ہے۔

توضیح: مبنی للفاعل یعنی فعل کے معروف ہونے کے وقت فاعل کی جانب اسناد اور مبنی للمفعول یعنی مجہول ہونے کے وقت مفعول بہ کی جانب اسناد کرنا حقیقت ہے۔

بعض صورتوں میں واحد وتثنیہ کے استعمال میں فرق

نہیں:

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مستحب ہے۔عربی زبان میں ہاتھ کو''ید'' کہا جاتا ہے۔مصافحہ سے متعلق بعض حدیثوں میں لفظ''ید'' واحد ہے اور بعض میں تثنیہ ہے۔واحد کا لفظ دیکھ کر غیر مقلدین نے یہ سمجھا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ ہونا چاہئے۔دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو وہ ناجائز قرار دیتے ہیں۔امام احمد رضا قادری نے اپنے رسالہ''صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین''میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا کہ بعض روایتوں میں''ید'' کا لفظ وارد ہوا ہے اور بعض روایتوں میں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے،اور ایسے الفاظ میں لفظ کے واحد وتثنیہ ہونے سے حکم میں کچھ تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا:

''پس ثابت ہوا کہ بہت جگہ ید اور یدین میں کچھ فرق نہیں کرتے،اور بے تکلف تثنیہ کی جگہ مفرد لاتے اور ایک ہی امر میں کبھی تثنیہ،کبھی مفرد بولتے ہیں،پھر افراد کو نفی تثنیہ کی دلیل سمجھنا کس قدر عقل سے بعید ہے۔

ثم اقول وباللہ التوفیق:میں موارد استعمال اور مواقع خاصہ سے استدلال کرتا ہوں۔وہ قاعدہ ہی کیوں نہ ذکر کروں جو خاص اسباب میں ائمہ عربیت نے وضع کیا اور ایسے الفاظ میں تثنیہ وافراد یکساں ہونے کا ہمیں عام ضابطہ دیا۔علامہ زین بن نجیم مصری قدس سرہ نے جہاں خطبہ اشباہ میں فرمایا:{**اعملت بدنی اعمال الجد ما بین بصری ویدی وظنونی**}

(ترجمہ:میں اپنے بدن کو کوشش کے کام میں لایا،جو میری آنکھ،ہاتھ اور گمان کے درمیان ہے)

اس پر علامہ ادیب سید احمد حموی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

{**اطلق الید واراد الیدین لانہ اذا کان الشیئان لا یفترقان من خلق اوغیرہ اجزأ من ذکرھما ذکر احدھما کالعین تقول:کحلت عینی وانت ترید عینیک ومثل العینین،المنخرین والرجلین والخفین والنعلین تقول:لبست خفی،ترید خفیک کذا فی شرح الحماسۃ**}

(ترجمہ:مصنف نے لفظ ید بولا اور مراد دونوں ہاتھ ہیں کہ دو چیزیں جب آپس میں جدا نہ ہوتی ہوں،خواہ اصل پیدائش میں (جیسے ہاتھ،پاؤں،آنکھ،کان) یا اور طرح (جیسے موزے،جوتے،دستانے کہ جوڑا ہی مستعمل ہے) تو ان میں کا ایک کا ذکر دونوں کے ذکر کا کام دیتا ہے،کہتے ہیں:آنکھ میں سرمہ لگایا اور مراد دونوں آنکھوں میں لگانا ہوتا ہے،یونہی نتھنے،قدم،موزے،کفش،تو کہتا ہے:میں نے موزہ پہنا اور مراد یہ کہ دونوں موزے پہنے۔اسی طرح شرح حماسہ میں ذکر کیا)

میں کہتا ہوں،یہ محاورہ نہ فقط عرب،بلکہ فارس،ہند میں بھی بعینہا رائج،جیسا کہ مطالعہ اشعار سابقین ولاحقین سے واضح ولائح،خیر یہ تو ایک خاص قاعدہ تھا۔علامہ ممدوح نے اس سے چند سطر اوپر اس سے عام تر تصریح فرمائی کہ:

{**استعمال المفرد موضع المثنی عربی شائع سائغ**}(ترجمہ:تثنیہ کی جگہ مفرد لانا اہل عرب میں مشہور ومقبول ہے)اور اس کی سند میں ابوذویب کا شعر پیش کیا:

فالعین بعدھم کان حداقھا
سملت بشوک فھی عور تدمع

(ترجمہ:ان ممدوحین کے بعد آنکھ گویا اس کی پتلیاں کانٹے سے پھوڑ دی گئی ہیں تو وہ اندھی ہو کر آنسو بہا رہی ہیں)

دیکھو،اس نے ایک آنکھ کہا اور دونوں مراد لیں،لہٰذا حداق کو جمع لایا،ورنہ ایک آنکھ میں چند حدقے نہیں ہوتے۔اب تو اوہام جاہلانہ کا کوئی محل ہی نہ رہا اور حدیث سے استناد کا بھرم کھل گیا:والحمد للہ رب العلمین''۔(فتاویٰ رضویہ جلد۲۲ص۲۸۵،۲۸۶-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

جب ایسے الفاظ ومقامات پر لفظ کے واحد وتثنیہ سے حکم میں کچھ فرق نہیں ہوتا اور متعدد آثار میں دو ہاتھوں سے مصافحہ کی وضاحت موجود ہے تو دو ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہوگا،جب کہ

فقہائے کرام نے بھی دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو مسنون فرمایا ہے، پس متعدد روایات میں لفظ ید کا صیغہ واحد کے ساتھ آنا ایک ہاتھ سے مصافحہ کو متعین نہیں کرتا۔ایسے مواقع پر لفظ کے استعمال کے طریقوں پر بھی نظر رکھنی ہوگی۔غیر مقلدین نے جو صیغہ واحد کو دیکھ کر ایک ہاتھ سے مصافحہ کا قول کیا، یہ عربی زبان کے قواعد استعمال کے عدم معرفت کو ظاہر کرتا ہے۔اسی قسم کی جہالتوں کے سبب غیر مقلدین نے بہت سے مسائل میں حضرات ائمہ مجتہدین علیہم الرحمۃ والرضوان کے اجتہادی مسائل کو ترک کر کے ایک نئی راہ اختیار کی ہے۔یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیے۔

قبر پر روضہ کا اطلاق تشبیہ بلیغ ہے:

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اپنی مشہور نظم میں کہا:

حاجیو! آؤ، شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے اب کعبے کا کعبہ دیکھو

بعض حضرات نے محض حکم شرعی کی تحقیق کے لیے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ ''شہنشاہ'' کا استعمال محل اعتراض میں معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں مخلوق کے لیے ''ملک الملوک'' کے استعمال کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔اس طرح ''شہنشاہ کا روضہ'' کی ترکیب اضافی بھی محل اعتراض میں آتی ہے، کیوں کہ اس کا مفہوم ہوگا۔خدا تعالیٰ کی قبر

امام اہل سنت نے اس کے جواب میں ایک رسالہ تحریر فرمایا، جس کا نام ''فقہ شہنشاہ وان القلوب بید حبیب اللہ بعطاء اللہ'' ہے۔

اس رسالہ میں آپ نے غیر خدا کے لیے ''شہنشاہ'' کے اطلاق کا جواز ثابت کیا۔اسی طرح روضہ کا لغوی معنی قبر نہیں، بلکہ باغ وخیابان ہیں، اس لیے اگر شہنشاہ سے رب تعالیٰ کی ذات مبارک بھی مراد لی جائے تو مفہوم ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا باغیچہ، اور اس مفہوم میں کچھ شناعت وقباحت نہیں۔جب تمام چیزیں ہی رب تعالیٰ کی حقیقی ملکیت میں ہیں تو باغ وخیابان بھی رب تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں، اور قبر کے لیے روضہ کا لفظ استعمال کرنا تشبیہ بلیغ کے طریقے پر ہے، یعنی قبر مومن ایک باغ کی طرح ہے۔حدیث میں ایسا اطلاق وارد ہے۔آپ نے رقم فرمایا:

''شہنشاہ سے اللہ ہی کیوں نہ مراد لیجیے کہ روضہ بمعنی قبر نہیں، بلکہ خیابان اور کیاری کو کہتے ہیں: **قال اللّٰہ تعالیٰ: {فهم فی روضة یحبرون}** (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: باغ کی کیاری میں ان کی خاطر داری ہوگی) قبر پر اس کا اطلاق تشبیہ بلیغ ہے، جیسے **{رأیت اسدًا یرمی}** (میں نے شیر کو تیر اندازی کرتے دیکھا) حدیث شریف میں قبر مومن کو ''**روضة من ریاض الجنة**'' فرمایا، جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری۔تو روضہ شہنشاہ کے معنی ہوئے: الٰہی خیابان، خدا کی کیاری۔اس میں کیا حرج ہے، جب کہ قرآن عظیم نے مدینہ طیبہ کی ساری زمین کو اللہ عزوجل کی طرف اضافت فرمایا: **{الم تکن ارض اللّٰہ واسعة فتهاجروا فیها}** (ترجمہ: کیا خدا کی زمین یعنی زمین مدینہ کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے) تو خاص روضہ انور کو الٰہی روضہ، شاہنشاہی خیابان ربانی کیاری کہنے میں کیا حرج ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ ج۲۱ص ۳۷۸،۳۷۹-جامعہ نظامیہ لاہور)

تشبیہ بلیغ کی تعریف:

عبدالرحمٰن میدانی نے لکھا: **{التشبیه البلیغ: وهو التشبیه الذی لم تذکر فیه اداة التشبیه ولم تذکر فیه ایضًا وجه الشبه}** (البلاغۃ العربیۃ: اسسہا وعلومہا وفنونہا ج۱ص ۵۹۶: المکتبۃ الشاملہ)

ترجمہ: تشبیہ بلیغ ایسی تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ نہ ذکر کیا جائے، اور اس میں وجہ تشبیہ بھی ذکر نہ کیا جائے۔

استغراق حقیقی واستغراق عرفی:

رسالہ مذکورہ میں تاجدار دوجہاں خلیفہ کبریا حضور اقدس سیدنا ومولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ ''شہنشاہ''

کے استعمال کے جواز پر فقہائے اسلام، وعلمائے کرام واولیائے عظام کے الفاظ وعبارت کو بطور شہادت پیش فرمانے کے بعد امام اہل سنت قدس سرہ العزیز رقم طراز ہیں:

"غرض کلمات اکابر میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے، ہمیں کیا لائق ہے کہ ان تمام ائمہ وفقہا وعلما وعرفا رحمہم اللہ تعالیٰ قدست اسرارہم پر طعن کریں۔ وہ ہم سے ہر طرح اعرف واعلم تھے، لہٰذا واجب کہ بتوفیق الٰہی نظر فقہی سے کام لیں، اور اس لفظ کے منع وجواز میں تحقیق مناط کریں کہ مسئلہ قطعاً معقول المعنی ہے، نہ کہ تعبدی۔

فاقول وباللہ التوفیق: ظاہر ہے کہ اصل منشائے منع اس لفظ کا استغراق حقیقی پر حمل ہے، یعنی موصوف کا استثنا تو عقلی ہے کہ خود اپنے نفس پر بادشاہ ہونا معقول نہیں۔ اس کے سوا جمیع ملوک پر سلطنت اور یہ معنی قطعاً مختص بحضرت عزت عز جلالہ ہیں، اور اس معنی کے ارادے سے اگر غیر پر اطلاق ہو تو صراحۃً کفر ہے کہ اس کے استغراق حقیقی میں رب عزوجل بھی داخل ہوگا، یعنی معاذ اللہ موصوف کو اس پر بھی سلطنت ہے۔ یہ ہر کفر سے بدتر کفر ہے، مگر حاشا ہرگز کوئی مسلمان اس کا ارادہ کرسکتا ہے، نہ زنہار کلام مسلم میں یہ لفظ سن کر کسی کا اس طرف ذہن جاسکتا ہے، بلکہ قطعاً قطعاً عہد یا استغراق عرفی ہی مراد، اور وہی مفہوم ومستفاد ہوتا ہے کہ قائل کا اسلام ہی اس ارادہ پر قرینہ قاطعہ ہے، جیسا کہ علمانے موحد کے {انبت الربیع البقل} (موسم ربیع نے سبزہ اگایا) کہنے میں تصریح فرمائی"۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۱ ص ۲۴۷ - جامعہ نظامیہ لاہور)

حدیث میں لفظ "ملک الملوک" کے استعمال کی ممانعت امر تعبدی نہیں ہے، بلکہ قیاسی ہے، اس لیے اس کی علت وحکمت پر نظر کرنی ہوگی۔ فقہائے اسلام نے مختلف اعتبارات سے اس حکم ممانعت کی توضیح فرمائی۔ امام احمد رضا قادری نے مذکورہ بالا اقتباس میں قانون بلاغت کی روشنی میں حکم کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر "الملوک" سے استغراق حقیقی مراد لے کر غیر خدا کے لیے اطلاق کیا جائے تو یقیناً "الملوک" میں رب تعالیٰ کی بھی شمولیت ہوجائے گی اور وہ بندہ، رب تعالیٰ کے حق میں بھی بادشاہ کے درجے کا ہوجائے گا۔ یہ حد درجہ قبیح اور کفر شنیع ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں اس غیر خدا کی حکومت وبادشاہت رب تعالیٰ پر بھی صادق آئے گی اور وہ رب تعالیٰ کا بھی بادشاہ ہوجائے گا، لیکن مومن ایسے مفہوم کا ارادہ نہیں کرتا، پس مومن کا کلام بذات خود قرینہ ہے کہ یہاں "الف لام" برائے عہد ذہنی یا برائے استغراق عرفی ہے۔ ہاں، یہاں استغراق حقیقی مراد لینے کا شبہہ موجود ہے تو کیا اس شبہہ کے سبب حکم ممانعت آئے گا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ایسے شبہات کا اعتبار نہیں، کیوں کہ اس شبہہ کے لیے نہ کوئی قرینہ موجود ہے، نہ ہی کوئی دلیل موجود ہے۔ موصوف نے تحریر فرمایا:

"اب رہا یہ کہ استغراق حقیقی اگرچہ نہ مراد، نہ مفہوم، مگر مجرد احتمال ہی موجب منع ہے، یہ قطعاً ہے، یوں تو ہزاروں الفاظ کہ تمام عالم میں سائر ودائر ہیں، منع ہوجائیں گے۔ پہلے خود اسی لفظ "شہنشاہ" کی وضع وترکیب لیجیے: مثلاً قاضی القضاۃ، امام الائمہ، شیخ الشیوخ، شیخ المشائخ، عالم العلما، صدر الصدور، امیر الامرا، خان خاناں، بگاء بگ وغیرہا کہ علما ومشائخ وعامہ سب میں رائج ہیں۔ شیخ المشائخ، سلطان الاولیا محبوب الٰہی اور شیخ الشیوخ حضرت سیدنا شہاب الحق والدین عمر سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا لقب ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۱ ص ۲۴۷، ۲۴۸)

علامہ جلال الدین قزوینی شافعی (۶۶۶ھ-۷۳۹ھ) نے استغراق عرفی کے بارے میں تحریر فرمایا:

{لام الحقیقة وتشمل اربعة اقسام: لام الحقیقة من حیث هی وتسمی بلام الجنس- ولام العهد الذهنی- ولام الاستغراق الحقیقی- ولام الاستغراق العرفی} (الایضاح فی علوم البلاغۃ ج ۲ ص ۲۶ دار الجیل بیروت)

ترجمہ: لام حقیقت چار قسموں پر مشتمل ہے (۱) لام حقیقت، حقیقت کے اعتبار سے اور اس کا نام لام جنس ہے (۲) اور لام عہد ذہنی (۳) اور لام استغراق حقیقی (۴) اور لام استغراق عرفی۔

کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہے:

افطار کی مشہور دعا{اللھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت} سے متعلق سوال ہوا کہ یہ دعا ہے یا نہیں؟ بعض نے اس کے دعا ہونے کا انکار کیا اور کہا کہ دعا وہ ہے جس میں طلب پائی جائے۔ چوں کہ مذکورہ دعا میں رب تعالیٰ سے کسی امر کی طلب نہیں، اس لیے وہ دعا بھی نہیں۔ امام اہل سنت نے رسالہ: ''العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار'' میں فن بلاغت کے مشہور قاعدہ{الکنایۃ ابلغ من التصریح}(کنایہ، صراحت سے زیادہ بلیغ ہے) کی روشنی میں وضاحت فرمائی کہ مذکورہ مشہور دعا حسن طلب پر مشتمل ہے اور یہ صریح طلب سے بہتر ہے۔ بطور استشہاد چند عربی اشعار بھی پیش فرمائے۔ رسالہ مذکورہ میں آپ نے تحریر فرمایا:

''مع ہذا کنایہ تصریح سے ابلغ ہے:{اللھم لک صمت} (یا اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا) کہنے والا اخلاص عبادت لوجہ عرض کرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

{ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین}(اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں فرماتا)

اور فرماتا ہے:{الصوم لی وانا اجزی بہ}(روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں)

پھر{علیٰ رزقک افطرت}(تیرے رزق پر میں نے افطار کیا) کہہ کر شکر نعمت بجالاتا ہے اور رب جل وعلا فرماتا ہے۔

{ولئن شکرتم لازیدنکم}(اگر تم شکر کرو تو میں تمہارے لیے اضافہ کردوں گا)

اگر دو شخص بادشاہ کے دردولت پر حاضر ہوں۔ ایک عرض کرے: ''اے بادشاہ! مجھے یہ دے دے''۔ دوسرا عرض کرے۔ ''اے بادشاہ! میں تیرا فرمان سرآنکھوں سے بجالاتا ہوں اور تیرا ہی دیا کھاتا ہوں''۔ انصاف کیجیے، حسن طلب کس کا حصہ ہے۔

أأذکر حاجتی ام قد کفانی
حیاؤک ان شیمتک الحیاء
اذا اثنی علیک المرء یوما
کفاہ من تعرضک الثناء
کریما لا یغیرہ صباح
عن الخلق الکریم ولا مساء

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۶۴۰، ۶۴۱ - جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ اشعار: کیا میں اپنی حاجت ذکر کروں یا آپ کی حیا ہی میرے لیے کافی ہے، جو آپ کا زیور ہے۔ جب کسی دن کسی نے آپ کی تعریف کی تو آپ کی ثنا کا روشن ہونا ہی اس کے لیے کافی تھا۔ ایسا کریم کہ صبح وشام مخلوق کو نوازتے ہوئے جسے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

امام اہل سنت نے مذکورہ بالا عربی اشعار کے ذریعہ حسن طلب کے مفہوم کو واضح فرمایا کہ شاعر خود بھی اظہار سوال کی بجائے حسن طلب کو ترجیح دے رہا ہے۔ اسی طرح دعائے افطار میں بھی حسن طلب موجود ہے اور بطور کنایہ اس میں اجر اخروی اور اجر دنیاوی یعنی رزق کی طلب موجود ہے۔ یہ دعائے افطار احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ حسن طلب موجود ہونے کے سبب منکرین کو بھی حق اعتراض حاصل نہ رہا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۱۲ھ-۷۹۳ھ) نے رقم فرمایا:

{اطبق البلغاء علی ان المجاز والکنایۃ ابلغ من الحقیقۃ والتصریح}(مختصر المعانی ص ۴۴۱ - فیصل انٹرنیشنل دہلی)

ترجمہ: اہل بلاغت کا اس پر اتفاق ہے کہ مجاز وکنایہ حقیقت وصراحت بیانی سے زیادہ بلیغ ہے۔

علامہ قزوینی نے تحریر فرمایا:{ان الکنایۃ ابلغ من التصریح}(الایضاح فی علوم البلاغۃ ج ۲ ص ۸۵ - دار الجیل بیروت) ترجمہ: کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہے۔

قواعد بلاغت سے آیات قرآنیہ کی تشریح:

کبھی نہی کا صیغہ کسی اور کے لیے وارد ہوتا ہے اور ممانعت کسی

اور کے لیے ہوتی ہے۔ یہ ایک بلیغ طرز تخاطب ہے۔قرآن مجید میں اس قسم کا استعمال وارد ہوا ہے۔امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

{ومجئ النهی علیٰ هذا الاسلوب غیر مستنکران یتوجه الیٰ احد والمقصود به غیره-قال تعالیٰ:فلا یصدنک عنها من لایؤمن بها-وقال عزوجل :ولا یستخفنک الذین لا یوقنون،ای لاتقبل صده ولا تنفعل باستخفافهم :واللّٰه تعالیٰ اعلم}(فتاویٰ رضویہ جلداول ص۱۹۴-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ:اور اس طرز پر نہی کا آنا کہ توجہ کسی کی جانب ہو،اور مقصود کوئی اور ہو،کوئی غیر معروف طرز نہیں ۔رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:پس ہرگز تجھے اس کے (قیامت کے) ماننے سے وہ نہ روکے جو اس پر ایمان نہیں لاتا،اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:اور تمہیں سبک نہ کردیں وہ جو یقین نہیں رکھتے،یعنی (پہلی آیت کا مفاد یہ ہے کہ) تم ان کی رکاوٹ قبول نہ کرو،اور (دوسری آیت کا مفاد یہ ہے کہ) تم ان کے استخفاف کا اثر قبول نہ کرو۔

قواعد بلاغت سے آب کثیر کے عمق کی تشریح:

امام ممدوح سے سوال ہوا کہ آب کثیر جو آب جاری کے حکم میں ہوتا ہے،اس کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے۔بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ سے پانی لینے پر زمین نہ کھلے۔اس سے چلو سے پانی لینا مراد ہے یا لپ سے پانی لینا مراد ہے؟امام اہل سنت نے اس سوال کے جواب میں رسالہ:''ھبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر''تحریر فرمایا۔چلو سے پانی لینے کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے پانی لیا جائے،اور لپ سے پانی لینے کا مفہوم ہے کہ ایک ہاتھ سے پانی لیا جائے۔علامہ برجندی نے ایک ہاتھ سے پانی لینے کو ترجیح دی ہے،اور امام احمد رضا قادری نے دو ہاتھوں سے پانی لینے کو ترجیح دی ہے۔اولاً اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے،تاکہ تفصیلی کلام کچھ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکے۔

(۱) ہاتھ سے پانی لینے کا دو مفہوم ہے (۱) ایک ہاتھ سے پانی لینا (۲) دونوں ہاتھوں سے پانی لینا۔ان مقامات پر فقہ کی کتابوں میں غرف (ہاتھ سے پانی لینا) کا مطلق استعمال وارد ہوا۔اگر ایک فرد بھی پالیا جائے تو مطلق موجود ہوجائے گا،جیسے ایک ہاتھ سے پانی لینا بھی پالیا جائے تو غرف کا مفہوم پالیا جائے گا۔

(۲)اس مقام میں کلام سالب (منفی کلام) وارد ہوا ہے، یعنی آب کثیر وہ ہے کہ ہاتھ سے پانی لینے پر زمین نہ کھلے،اور منفی کلام اسی وقت ثابت ہوگا کہ جب غرف کا دونوں مفہوم ثابت نہ ہوسکے،یعنی ایک ہاتھ سے پانی لینے پر بھی زمین نہ کھلے اور دونوں ہاتھ سے پانی لینے پر بھی نہ زمین نہ کھلے۔اگر کوئی ایک فرد بھی ثابت ہوجائے تو کلام سالب باطل ہوجائے گا،اس لیے ضروری ہے کہ ہاتھ سے پانی لینے پر کسی صورت میں بھی زمین نہ کھلے۔

(۳)اس مقام میں فقہ کی کتابوں میں ''الغرف''اور'' الاستغراف''لام کے ساتھ وارد ہوا ہے اور یہاں پر لام عہد کے لیے نہیں ہے۔اور یہ بدیہی بات ہے،کیوں کہ نہ یہاں کوئی معہود خارجی ہے،نہ ہی معہود ذہنی۔اب یہ لام اگر استغراق کے لیے ہے تو یہ ضروری ہے کہ اس غرف واستغراف کا ہر فرد مراد ہو۔اب یہ کلام سالب (ہاتھ سے پانی لینے سے زمین نہ کھلے) اسی وقت ثابت ہوگا جب اس کا ہر ایک فرد معدوم ومنفی ہو۔اسی طرح کلمہ''لا''کو جنس کے لیے تسلیم کیا جائے تو سلب جنس کے لیے بھی ہر فرد کی نفی وعدم ضروری ہے۔

(۴)ایک ہاتھ سے کم پانی آتا ہے،اس لیے زمین نہ کھلے اور دو ہاتھ سے زیادہ پانی آتا ہے تو زمین کھل جاتی ہے تو گہرائی کی مقدار یہ ہو کہ دو ہاتھ سے پانی لینے پر بھی زمین نہ کھلے،کیوں کہ دو ہاتھ سے پانی لینے پر زمین کھل جاتی ہے تو بھی زمین کا کھلنا ثابت ہوگیا۔

(۵)صورت بالا کا برعکس نہیں ہوسکتا کہ ایک ہاتھ سے پانی لینے پر زمین کھل جائے اور دو ہاتھ سے پانی لینے پر نہ کھلے،کیوں کہ ایک ہاتھ سے کم پانی ہاتھ میں آتا ہے اور دو ہاتھ سے زیادہ آتا ہے زیادہ پانی ہاتھ میں آئے تو زمین نہ کھلے اور کم پانی آئے تو کھل جائے

۔ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے۔ یہ خلاف عقل بھی ہے اور خلاف حقیقت بھی۔

(۶) بعض حضرات نے فرمایا کہ وضو کے وقت ایک ہاتھ سے پانی لیا جاتا ہے اور غسل کے وقت دو ہاتھ سے پانی لیا جاتا ہے۔امام موصوف نے درر کے حوالیے سے جواب دیا کہ وضو میں بھی دونوں ہاتھ سے پانی لیا جاتا ہے، خاص کر چہرہ دھلنے کے وقت اور پاؤں دھلنے کے وقت، اگر پاؤں کو پانی میں ڈبو کر نہ دھلا جائے، بلکہ ہاتھ سے پانی لے کر دھلا جائے۔

(۷) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مقام میں ید یعنی واحد کا صیغہ مروی ہے۔اس کا جواب امام موصوف نے یہ دیا کہ ایسے مقام پر واحد بول کر دونوں ہاتھ مراد ہوتے ہیں۔

علامہ برجندی نے اس مسئلہ میں ایک ہاتھ سے پانی لینے کو ترجیح دی ہے اور دو ہاتھ سے پانی لینے کو محتمل قرار دیا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ دو ہاتھ سے پانی لینا ہی متعارف ہے، لیکن اسے ترجیح نہیں دی۔امام احمد رضا قادری نے انہیں کی ترجیح کا جواب دیتے ہوئے رقم فرمایا:

''اقول و باللہ التوفیق: ترجیح علامہ برجندی میں نظر ہے۔

اولاً: **اذا اعترف انہ المتعارف فلم لا ینصرف المطلق الیہ:**

(ترجمہ: جب معلوم ہو گیا کہ یہی متعارف ہے تو مطلق اسی کی طرف کیوں نہیں پھرتا)

ثانیاً: وہ عند التحقیق منعکس ہے۔اطلاقات متون و عامہ کتب سے اغتراف کفین ہی مستفاد۔

{وذلک لان الغرف کما قلتم مطلق شامل باطلاقہ الغرفۃ بکف و کفین غیر انہ لیس ھھنا فی کلام موجب ،بل سالب-الخ } (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۴۴۱،۴۴۳،۴۴۴-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ: اس کی وجہ یہ ہے جیسا آپ نے کہا: غرف مطلق ہے۔خواہ ایک ہاتھ سے ہو، یا دو ہاتھ سے۔البتہ یہ کلام موجب میں نہیں ہے، کلام سالب میں ہے، اور مطلق اگرچہ ایک فرد کے پائے جانے سے پایا جاتا ہے، مگر اس کا انتفا اسی وقت ہوگا جب تمام افراد کا انتفا ہوگا۔تحریر الاصول، اور فواتح الرحموت میں نکرہ منفیہ کی بحث میں ہے کہ مطلق کی نفی ہر فرد کی نفی کو ثابت کرتی ہے۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ لام ''الغرف'' اور ''الاغتراف'' میں بداہۃً عہد کے لیے نہیں ہے، پس اگر یہ استغراق کے لیے ہو تو درست ہے کہ وہ ہر فرد کے لیے ہے، مجموعہ افراد کے لیے نہیں، ورنہ یہ جنس کے لیے ہوگا، اور یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے، اور جنس کی نفی عرف و لغت میں تمام افراد کی نفی سے ہی ہوتی ہے۔(فواتح الرحموت: فافہم)

اور اس میں شک نہیں کہ جس نے دونوں ہتھیلیوں سے پانی لیا اور زمین کھلی تو یہی کہے گا کہ چلو بھرنے سے زمین کھلی ہے، اگرچہ ایک ہتھیلی سے نہ کھلے، اور جب اس کی وجہ سے کھلنا صادق آگیا تو نہ کھلنا صادق نہیں آئے گا، بلکہ نہ کھلنا اسی وقت صادق آئے گا جب کسی قسم کے غرف (ہاتھ سے پانی لینا) سے زمین نہ کھلے، اور درر میں یہ توجیہ ہے کہ وضو میں بھی عام طور پر دونوں ہاتھ سے پانی لینا معتاد ہے، چہرہ دھلنے میں مطلقاً اور دونوں پاؤں کے دھلنے میں، جب کہ ڈبو کر نہ دھویا جائے۔برجندی نے تعارف کو مطلق رکھا، علاوہ ازیں میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو یہاں وضو اور غسل میں فرق کیا ہو۔(بلکہ وضو و غسل دونوں میں دو ہاتھ سے پانی لیا جاتا ہے)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو ایک ہاتھ سے پانی لینے کی روایت ہے۔اس کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

{اما المروی عن الامام فلیس نصا فی الوحدۃ،قال فی غمز العیون: اطلق الید و اراد الیدین لانہ اذا کان الشیئان لا یفترقان من خلق اوغیرہ اجزأ من ذکرھما ذکر احدھما کالعین تقول: کحلت عینی وانت ترید عینیک ومثل العینین،المنخران والرجلان

والخفان والنعلان، تقول: لبست خفی، ترید خفیک، کذا فی شرح الحماسة- اھ-وقد بسطت الکلام علٰی ھذا فی رسالتی "صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین"}

(فتاویٰ رضویہ ج دوم ص ۴۴۳، ۴۴۴ جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ: اور جو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ وحدت میں نص نہیں ہے۔ غمز العیون میں فرمایا: ''ید'' بول کر ''یدین'' کا ارادہ فرمایا، اس لیے کہ جو دو چیزیں پیدائشی طور پر یا کسی اور سبب سے جڑی ہوتی ہیں تو ان میں سے ایک کا ذکر دوسری کے ذکر کو بھی کافی ہوگا، جیسے عین، کہا جاتا ہے: کحلت عینی (میں نے اپنی آنکھ میں سرمہ لگایا) اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں میں سرمہ لگایا اور آنکھ کی طرح نتھنے، پیر، موزے اور جوتے ہیں۔ ''لبست خفی'' (میں نے اپنا موزہ پہنا) کہا جاتا ہے، اور اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ میں نے دونوں موزے پہنے۔ اسی طرح شرح حماسہ میں ہے۔ میں نے اس کی مکمل تفصیل اپنے رسالہ ''صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین'' میں کردی ہے۔

امام موصوف نے ان مباحث کے بعد اپنا فیصلہ رقم فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''تو راجح یہی ہے کہ دونوں ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے۔

اولا: یہی متون کا مفاد۔

ثانیاً: یہی عامہ کتب سے مستفاد۔

ثالثاً: کتب متعددہ میں اس پر تنصیص اور کف واحد پر کوئی نص نہیں۔

رابعاً: کف سے کفین مراد لے سکتے ہیں، نہ بالعکس تو اس میں توفیق ہے، اور وہ نصب خلاف سے اولیٰ۔

خامساً: زمین نہ کھلنے سے مقصود یہ ہے کہ مساحت برقرار رہے، ورنہ دو پانی جدا ہو جائیں گے''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۴۴۳، ۴۴۴-لاہور)

اصول بلاغت سے صورت طلاق کی تفہیم:

امام احمد رضا قادری سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بعد نماز مغرب کہا کہ: ''اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے''۔ اس کے بعد بیوی عشا کی نماز نہ پڑھی، فجر سے نماز شروع کی، اور وہ شخص بعد فجر رجعت بھی کر لیا، پھر چند برس بعد وہ شخص مزید دو طلاق بلاشرط دیا۔ اب اس شخص کا رجعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ پہلے کی دو طلاق اور مابعد کی دو طلاق کا مجموعہ چار طلاق ہوئی۔ اب اسے مجموعی طور پر تین طلاق مان کر وہ عورت محرمہ ابدی یعنی طلاق مغلظہ والی ہوئی یا نہیں؟ اور سابق طلاق کو نماز پر معلق کیا تھا اور عورت نماز عشا نہ پڑھی تھی تو وہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بعض علما کہتے ہیں کہ پہلی دو طلاق واقع نہ ہوئی، کیوں کہ قول زوج ''اگر نماز نہ پڑھے گی''، مستقبل کی طرف اشارہ ہے اور مستقبل تا حیات کے لیے ہوتا ہے، اور مابعد کی دو طلاق بلاشرط دیا، یہ دو طلاق ہوئی اور رجعت جائز ہے۔ بعض دوسرے علما کہتے ہیں کہ اب رجعت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ پہلی طلاق بھی واقع ہو چکی ہے، اور مابعد کی دو طلاق کو ملا کر کل چار طلاق ہوئی۔ ایک طلاق لغو ہو کر تین طلاق مغلظ ہوگئی۔ (سوال کا خلاصہ تمام ہوا)

امام احمد رضا قادری نے جواب دیا کہ ماقبل کی دو طلاق واقع ہوگئی۔ آپ نے شرعی وفقہی دلائل رقم فرمانے کے ساتھ اصول بلاغت سے استدلال کرتے ہوئے مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔ باب طلاق کی جزئیات سے بھی استدلال کیا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ زید نے عمرو سے کہا: ''میرے ساتھ کھانا کھالو''۔ عمرو نے کہا: ''میں کھاؤں تو عورت مطلقہ ہو''۔ کل زید کے ساتھ کھانا کھایا، طلاق نہ ہوگی۔ شوہر نے بیوی کو جماع کے لیے طلب کیا اور بیوی نے انکار کر دیا تو شوہر نے کہا کہ: ''اگر تو میرے پاس کمرے میں نہ آئی تو تجھے طلاق ہے''۔ اگر بیوی فوراً نہ آئی، بلکہ شوہر کی شہوت اور خواہش ختم ہونے کے بعد آئی تو طلاق ہو جائے گی، کیوں کہ طلب کا مقصد اپنی شہوت کو پورا کرنا تھا اور اب یہ ختم ہو چکی۔ اس قسم

کی متعدد جزئیات کو حوالوں کے ساتھ رقم فرمانے کے بعد امام موصوف نے تحریر فرمایا:

''جس طرح کلام عمرو میں کھانا مطلق تھا کہ آج ہو یا کل یہ کھانا ہو یا اور، مگر بحکم عرف خاص اس وقت یہ کھانا زید کے ساتھ کھانا ملحوظ رہا، جس طرح عورت کا کوٹھری میں شوہر کے پاس آنا عام تھا کہ اس شہوت موجودہ کی بقا میں ہو، یا عمر میں کبھی کسی حالت میں ہو، اور عدم متحقق نہ ہوگا، مگر اخیر جزء حیات شوہر یا زن میں، اور جب کہ کوٹھری میں شوہر کے پاس آئی، اگر چہ زوال شہوت کے بعد تو عدم صادق نہ آیا اور بنظر مفاد لغوی لفظ لازم تھا کہ طلاق واقع نہ ہو، لیکن بدلالت حال خاص وہ آنا مقصود رہا جو اس شہوت کی قضا کے لیے مطلوب تھا، اور اسی کی انتفا پر شرط متحقق اور طلاق واقع مانی گئی، وقس علیٰ ہذا۔

اسی طرح یہاں بھی اگر چہ عشرۂ مفردہ ومقرونہ کی مانند نماز پڑھنا بھی دو قسم ہے۔ ایک ملتزم کہ پابندی کے ساتھ ہو، دوسرا اس کا غیر، یا دو قسم ہے۔ ایک مبرئ ذمہ، جس میں فرض نماز کا مطالبہ ذمے پر باقی نہ رہے۔ دوسرا اس کے خلاف اور فعل بعینہ ''ان لم تدخلی'' (اگر تو میرے پاس نہ آئی) مذکور کی طرح حکم نکرہ میں ہے، اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز پڑھی، صادق نہ رہا، مگر بحالت دلالت حال واجب ہے کہ قسم اول یعنی صلاۃ ملتزمہ مبریہ مراد ہو، اور اس کا انتفا ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلا عذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے تو لازم ہوا کہ جب عورت نے اس حلف کے بعد نماز عشا نہ پڑھی، صبح صادق طالع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑ گئیں، جیسے وہاں سکون شہوت ہوتے ہی عورت مطلقہ ہوگئی تھی، بلکہ اگر شوہر نے یہ لفظ اس وقت کہے تھے کہ ہنوز وقت مغرب باقی تھا اور عورت ادا پر قادر تھی تو شفق ڈوبتے ہی دو طلاقیں ہوگئیں۔ ہمارے علما نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر عورت سے کہا تو نماز ترک کرے تو تجھے طلاق، عورت نے ایک نماز قصداً قضا کی، طلاق ہوجائے گی، اگر چہ اس قضا کو ادا بھی کرلے۔ درمختار میں ہے۔

{قال: ان ترکت الصلوٰۃ فطالق فصلتها قضاءً طلقت علی الاظهر، ظهیریه}

(اگر بیوی کو کہا: اگر تو نے نماز ترک کی تو تجھے طلاق ہے۔ اب اگر عورت نے نماز قضا کی تو زیادہ واضح قول یہی ہے کہ طلاق ہوجائے گی: ظہیریہ)

یہ حکم اس لفظ میں ہے جہاں ''الصلوٰۃ'' معرف باللام ہے جس میں کلام ہوگا کہ عرفاً تارک الصلوٰۃ کسے کہتے ہیں؟ اور ہمارا مسئلہ دائرہ تو بحکم تحقیق مذکور ''ان ترکت صلوٰۃ'' (اگر تو نماز چھوڑے) بلا لام کے مثل ہے، یعنی اگر تو ایک نماز چھوڑے تو طلاق ہے، یہاں قضا کرنے سے وقوع طلاق میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ صاف بتادیا کہ اس کی مراد وہی ہے صلاۃ خاصہ ملتزمہ تھی۔ اس پر دلیل واضح اس کا وقت صبح رجعت کرنا ہے۔ اگر وہ معنی مراد ہوتے جو فریق اول نے زعم کیے تو پیش از وقوع رجعت کے کیا معنی تھے''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۳ ص ۱۵۲، ۱۵۳ - جامعہ نظامیہ لاہور)

علامہ قزوینی نے لکھا: {لان النکرۃ فی سیاق النفی تعم}

(الایضاح فی علوم البلاغۃ ج ۱ ص ۳۳۷ - دار احیار العلوم بیروت)

ترجمہ: اس لیے کہ نکرہ تحت نفی عام ہوتا ہے۔

ہر مجلس میں دعا ہونی چاہئے۔ مجلس خیر ہو یا مجلس شر:

وہابیہ نماز عیدین کے بعد یا خطبہ عیدین کے بعد دعا مانگنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ علامہ عبد الحئ لکھنوی فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ-۱۳۰۴ھ) نے بھی اپنے فتاویٰ (جلد دوم) میں ایسا ہی لکھا ہے۔ یہ دیکھ کر بعض لوگوں نے نماز پنج گانہ کے بعد بھی دعا کو ترک کردیا۔ اس بارے میں امام اہل سنت قدس سرہ العزیز سے سوال ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں رسالہ: ''سرور العید السعید فی حل الدعا بعد صلوٰۃ العید'' تحریر فرمایا۔ آپ نے اس میں مختلف دلائل کی روشنی میں رقم فرمایا کہ ہر نماز کے بعد دعا ہونی چاہئے، خواہ نماز فرض ہو یا واجب یا نفل۔

آپ نے آیت کریمہ: {فاذا فرغت فانصب: : والی ربک فارغب} سے ثابت فرمایا کہ یہاں نماز کے بعد دعا مانگنے کا

ذکر ہے ، نیز آپ نے متعدد اسانید، متعدد الفاظ اور متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے ایک حدیث پیش کی، جس میں ذکر ہے کہ ہر مجلس میں ذکر ہے ۔اس کے بعد قاعدۂ بلاغت کی روشنی میں اس مسئلہ کی تقویت وتائید فرمائی۔امام موصوف نے تحریر فرمایا:

''حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ترجمہ: جب تم میں کوئی کسی جلسے میں بیٹھے تو زنہار وہاں سے نہ ہٹے جب تک تین بار یہ دعا نہ کرلے ۔''پاکی ہے تجھے اے رب ہمارے اور تیری تعریف بجالاتا ہوں، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں ،میرے گناہ بخش اور مجھے توبہ دے'' کہ اگر اس جلسے میں اس نے کوئی نیک بات کہی ہے تو اس پر مہر ہوجائے گی ،اور اگر وہ جلسہ لغو کا تھا ،جو کچھ اس میں گزرا، یہ دعا اس کا کفارہ ہوجائے گی۔

یہ لفظ بہ روایت امام ابوبکر ابن ابی الدنیا حدیث جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں،اور ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کوئی جلسہ فرماتے تو اس کے ختم میں اٹھتے وقت یہ دعا کرتے:''تیری پاکی بولتا اور تیری حمد میں مشغول ہوتا ہوں ۔اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، میں تیری مغفرت مانگتا اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں''۔(فتاویٰ رضویہ جلد۸ص ۵۲۷-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث مرقومہ بالا کی مختلف سندیں اور اس کی متعدد روایتیں نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان روایتوں میں لفظ''مجلس'' نکرہ واقع ہوا ہے ،اور محل شرط میں واقع ہوا ہے،اور نکرہ محل شرط میں عام ہوتا ہے،اور اسی طرح یہ نکرہ محل نفی میں وارد ہوا ہے اور نکرہ محل نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے ۔اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ہر مجلس کے آخر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا پڑھتے تھے۔نماز کی مجلس تو ایک انتہائی مبارک مجلس ہے کہ حالت نماز میں بندہ رب تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالاتا ہے۔ان خصوصیات کے سبب مجلس نماز میں دعا کرنا مزید مؤکد ہوجاتا ہے، پھر بعد میں امام موصوف نے خاص مجلس نماز میں دعا پڑھنے کی روایت بھی نقل فرمائی۔

امام موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ یہاں ''اذا'' کا لفظ وارد ہوا ہے ،اور''اذا'' ودیگر اسمائے شرط عام ہوتے ہیں،پس ثابت ہوا کہ ہر مجلس کے اختتام میں دعا پڑھنا مطلوب ہے۔اگر وہ امور حسنہ کی مجلس ہے تو اس پر مہر لگ جائے گی ،یعنی وہ محفوظ ہوجائے گی اور اگر دیگر امور کی مجلس ہے تو یہ دعا کفارہ ہوجائے گی۔امام موصوف کی تحریر مندرجہ ذیل ہے۔

''غرض اس حدیث صحیح مشہور علی اصول المحدثین میں جسے امام ترمذی نے حسن صحیح اور حاکم نے برشرط مسلم صحیح اور منذری نے جید الاسانید کہا۔حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام ارشاد وہدایت قولی وفعلی فرماتے ہیں کہ آدمی کوئی جلسہ کرے،اس سے اٹھتے وقت یہ دعا ضرور کرنی چاہئے کہ اگر جلسہ خیر کا تھا تو وہ نیکی قیامت تک سربمہر محفوظ رہے گی ،اور لغو کا تھا تو وہ لغو باذن اللہ محو ہوجائے گا تو لفظ ومعنی دونوں کی رو سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کو ہر نماز کے بعد بھی اس دعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔جہت لفظ سے تو یوں کہ'' مجلس'' ،نکرہ سیاق شرط میں واقع ہے تو عام ہوا۔تلخیص الجامع الکبیر میں ہے:

{النکرۃ فی الشرط تعم وفی الجزاء تخص کھی فی النفی والاثبات} (نکرہ مقام شرط میں عموم اور مقام جزا میں خصوص کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ نفی واثبات میں ہے)

جامع صغیر میں ہے:**{انہ نکرۃ فی موضع الشرط وموضع الشرط نفی والنکرۃ فی النفی تعم}**

(یہ موضع شرط میں نکرہ ہے،اور مقام شرط نفی ہے اور نکرہ مقام نفی میں عموم کا مفید ہوتا ہے)

مع ہذا اسمائے شروط سب صورتوں کو عام ہوتے ہیں۔امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:**{اذا عام فی الصور علی ماھو حال اسماء الشرط}** (''اذا'' تمام صورتوں میں عام ہے ،جیسا کہ اسمائے شرط کا حال ہے)

تو قطعاً تمام صلوات فریضہ وواجبہ ونافلہ کے جلسے اس حکم میں داخل اور ادعائے تخصیص، بے مخصص محض مردود و باطل، اور جہت معنی سے یوں کہ جلسہ خیر سے اٹھتے وقت یہ دعا کرنا اس خیر کے نگاہ داشت کے لیے ہے تو جو خیر جس قدر اکبر واعظم، اسی قدر اس کا حفظ ضروری واہم، اور بلاشبہ خیر نماز سب چیزوں سے افضل واعلیٰ تو ہر نماز کے بعد اس دعا کا مانگنا مؤکد تر ہوا"۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۸ص ۵۲۹)

امام احمد رضا قادری نے خاص نماز کے بعد دعا کرنے کو اولاً ان عام احادیث مبارکہ سے ثابت فرمایا، اس کے بعد خاص نماز کے بعد دعا کرنے سے متعلق ایک حدیث بھی نقل فرمائی، اور اسی سے بعد نماز عیدین دعا مانگنے کو ثابت فرمایا۔ امام موصوف نے تحریر فرمایا:

"مگر نماز عیدین نماز نہیں، یا اس کے حفظ کی جانب نیاز نہیں یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ ہمارا یہ ارشاد ماورائے عیدین یا ماسوائے نماز میں ہے، یا اس کے بعد یہ دعا کرنا۔ سبحان اللہ! میں جلسہ صلوات کا اس حکم میں دخول عموم لفظ وشہادت معنی سے ثابت کرتا ہوں۔ خود حدیث ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں نہ ذکر کروں، جس میں صاف تصریح کہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس جلسہ نماز کو اس حکم میں داخل فرمایا۔ تخریج حدیث تو اوپر سن چکے کہ نسائی وابن ابی الدنیا وحاکم وبیہقی نے روایت کی، اب لفظ سنیے۔ سنن نسائی کی "نوع من الذکر بعد التسلیم" میں ہے۔

{عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم کان اذا جلس مجلسًا او صلی تکلم بکلمات فسألته عائشة عن الکلمات فقال: ان تکلم بخیر کان طابعًا علیهن الیٰ یوم القیامة وان تکلم بشر کان کفارة له: سبحنک اللّٰهم وبحمدک استغفرک واتوب الیک}

یعنی ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے، کچھ کلمات فرماتے۔ ام المومنین نے وہ کلمات پوچھے۔ فرمایا: وہ ایسے کلمات ہیں کہ اگر اس جلسہ میں کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ قیامت تک اس پر مہر ہو جائیں گے، اور بری بات کہی ہے تو کفارہ۔ الٰہی! میں تیری تسبیح وحمد بجالاتا اور تجھ سے استغفار وتوبہ کرتا ہوں۔

پس بحمد اللہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ نماز عیدین کے بعد دعا مانگنے کی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی۔ لفظ "لا یبرحن" بنون تاکید ارشاد ہوا، بلکہ انصاف کیجئے تو حدیث ام المومنین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ زوجہا الکریم وعلیہا وسلم خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعد نماز عیدین دعا مانگنا بتا رہا ہے کہ "صلی،، زیر "اذا" داخل تو ہر صورت نماز کو عام وشامل، اور من جملہ صور نماز، عیدین تو حکم مذکور انہیں بھی متناول، پس یہ حدیث جلیل بحمد اللہ خاص جزئیہ کی تصریح کامل"۔ (فتاویٰ رضویہ جلد۸ص ۵۲۹، ۵۳۰- جامعہ نظامیہ لاہور)

سیاق نفی میں نکرہ کا عموم:

ابو حامد عزالدین بن ہبۃ اللہ بن محمد بن محمد بن ابی حدید مدائنی معتزلی (۵۸۶ھ-۶۵۶ھ-۱۱۹۰ء-۱۲۵۸ء) نے {فانذرتکم نارا تلظی} پر کلام کرتے ہوئے لکھا:

{والجواب ان قوله تعالیٰ: "نارًا" فی سیاق الاثبات فلاتعم وانما تعم النکرة فی سیاق النفی نحو قولک "مافی الدار من رجل"} (شرح نہج البلاغہ: ج ۱ ص ۲۲۴۸: دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: جواب یہ ہے کہ ارشاد الٰہی "نارا" نکرہ تحت اثبات ہے، پس عام نہیں ہوگا اور نکرہ تحت نفی عام ہوتا ہے، جیسے تمہارے قول میں: "مافی الدار من رجل" (گھر میں کوئی مرد نہیں ہے)

ہر مصیبت کے وقت دعائے قنوت:

سوال ہوا کہ ایک سنی نما وہابی نے اپنی تحریر "ضروری سوال" میں لکھا ہے کہ فتنہ وفساد وغلبہ کفار کے وقت نماز فجر میں قنوت

نازلہ پڑھنا جائز ہے، لیکن طاعون، وبا و دیگر مصیبتوں کے وقت یہ جائز نہیں۔اسی سوال کے جواب میں امام اہل سنت نے رسالہ:''اجتناب العمال عن فتاوی الجہال'' تحریر فرمایا۔قنوت نازلہ سے متعلق احادیث مقدسہ اور کلمات فقہا میں نازلہ و بلیہ کا لفظ مطلق اور نکرہ وارد ہوا ہے۔لفظ کے اطلاق و نکارت اور اس کے لغوی معنی کے اعتبار سے آپ نے ثابت فرمایا کہ ہر مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔خواہ فتنہ وفساد اور غلبہ کفار کا موقع ہو، یا طاعون و وبا یا کسی مصیبت کا موقع ہو۔امام موصوف نے تحریر فرمایا:

''کلام اس میں ہے کہ اولاً ان سب عبارات میں نازلہ، بلیہ، حادثہ سب لفظ مطلق ہیں۔کسی میں خاص فتنہ وغلبہ کفار کی تخصیص نہیں۔ نازلہ ہر سختی زمانہ کو کہتے ہیں جو لوگوں پر نازل ہو۔اشباہ میں ہے۔

{قال فی المصباح:النازلة المصیبة الشدیدة تنزل بالناس،انتھی—وفی القاموس:النازلة الشدیدة،انتھی—و فی الصحاح:النازلة الشدیدة من شدائد الدھر تنزل بالناس،انتھی} (فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۴۹۲ لاہور)

ترجمہ: مصباح میں ہے کہ قنوت نازلہ اس وقت پڑھی جائے گی، جب لوگوں پر شدید قسم کی مصیبت نازل ہو، انتہی۔قاموس میں ہے: نازلہ کا معنی سختی و مصیبت ہے، انتہی-صحاح میں ہے کہ نازلہ اسے کہتے ہیں جو شدائد دہر میں لوگوں پر نازل ہوں، انتہی۔

مصنف ضروری سوال نے بھی اس مقام پر لفظ کے مطلق ہونے کو تسلیم کیا تھا، اس کے باوجود اذن قنوت کو فتنہ وفساد اور غلبہ کفار کے زمانہ کے ساتھ خاص کر دیا۔اس غفلت شعاری پر تنبیہ کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا:

''خود مصنف ضروری سوال'' کو اقرار ہے کہ ''عند النازلة'' (سخت مصیبت کے وقت) کی قید سے ہر سختی سمجھی جاتی ہے، بااین ہمہ برخلاف اطلاقات علما اپنی طرف سے خاص فتنہ وفساد وغلبہ کفار کی قید لگانا اور کہنا کہ ''ہر ایک نازلہ نہیں'' کلام علما میں تصرف بیجا ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۴۹۲ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

امام ممدوح نے اس مقام پر اصول بلاغت کی روشنی میں کلام فرمایا اور لفظ بلیہ و نازلہ کے نکرہ ہونے سے استدلال فرماتے ہوئے رقم فرمایا کہ نکرہ یہاں محل شرط میں واقع ہے اور نکرہ محل شرط میں عموم کا فائدہ دیتا ہے، اس لیے ہر مصیبت کے وقت دعائے قنوت پڑھنے کا جواز ثابت ہوگا، خواہ غلبہ کفار کا موقع ہو، یا کسی مرض و وبا کے پھیلنے کا موسم۔امام موصوف نے تحریر فرمایا:

''ثانیاً: میں اطلاق سے احتجاج کرتا ہوں۔کلمات علما میں صاف تعمیم موجود ہے۔عامہ کتب مذکورہ دیکھئے۔لفظ نازلۃ یا بلیۃ نکرہ موضع شرط میں واقع ہوا کہ اگر کوئی سختی یا کسی قسم کی بلا آئے تو نماز فجر میں قنوت پڑھے۔یہ صراحۃً ہر مصیبت ناس کو عام ہے:{لما نصوا ان النکرة فی حیز الشرط تعم} (کیوں کہ علما نے تصریح کی ہے کہ نکرہ شرط کے تحت ہو تو عام ہوتا ہے) تو زید کا ان کے معنی میں وہ حکم لگا دینا کلمات علما کا بگاڑنا، بدلنا ہے''۔(فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۴۹۲ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

بلاقرینہ مجازی معنی مراد لینا درست نہیں:

دعائے افطار کی مذکورہ بالا و دیگر احادیث مبارکہ میں افطار سے ارادۂ افطار مراد لینا کیسا ہے؟ اس تعلق سے امام موصوف نے تحریر فرمایا کہ بلاقرینہ و بلاضرورت حقیقی معنی کو چھوڑنا درست نہیں۔اسی طرح کا مفہوم منقوشہ ذیل آیت کریمہ میں بوجہ ضرورت مراد لیا گیا ہے۔

{اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ–الآیة}

آیت کریمہ کا لفظی ترجمہ اس طرح ہوگا کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو چہرہ دھلو (آخر آیت تک) یعنی وضو کرو۔یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جب نماز پڑھنے لگے تو ایسے وقت میں کوئی ایسا عمل نہیں کرسکتا جو نماز کے منافی ہو، دوسری بات یہ ہے کہ وضو نماز کے لیے شرط ہے اور شرط کا مقدم ہونا ضروری ہے۔ایسی صورت میں یہاں اقامت صلوٰۃ سے اقامت صلوٰۃ کا ارادہ مراد ہوگا، یعنی جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو وضو کرلو۔دعائے افطار میں اگر اس طرح کا مجازی مفہوم مراد لیا جائے تو مفہوم ہوگا کہ جب افطار کا ارادہ کیا جائے، تب

یہ دعا پڑھی جائے ، یعنی افطار سے قبل ارادۂ افطار کے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔امام موصوف نے فرمایا کہ یہاں احادیث مبارکہ کے الفاظ کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ممکن ہے،لہٰذا بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا درست نہیں ہوگا۔امام ممدوح نے تحریر فرمایا:

ترجمہ: لیکن یہاں لفظ''افطر'' کو ارادۂ افطار پر محمول کرنا بلا ضرورت حقیقت سے اعراض ہے،اور یہاں کوئی مجاز پر قرینہ بھی نہیں لہٰذا ایسا نہ کیا جائے گا اور نہ یہ قابل قبول ہوگا۔(فتاویٰ رضویہ جلد۱۰ص ۶۳۶ - جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

مجاز کے لیے قرینہ کی ضرورت:

علامہ سعد الدین تفتازانی نے مجاز کے بارے میں تحریر فرمایا:

{لان دلالته علیٰ ذلک المعنی انما تکون بقرینة لا بنفسه }(مختصر المعانی ص ۳۶۵) ترجمہ: اس لیے مجاز کی دلالت اس معنی پر قرینہ کی وجہ سے ہوتی ہے، نہ کہ نفس لفظ سے۔

قرآن مجید میں صنعت استخدام کا استخراج:

کلام کو بلیغ انداز میں پیش کرنے کا ایک طریقہ صنعت استخدام ہے۔صنعت استخدام یہ ہے کہ کسی لفظ کے متعدد معنی ہوں اور ایک جگہ لفظ یا اس کی ضمیر سے ایک معنی مراد لیا جائے اور دوسری جگہ ضمیر سے دوسرا معنی مراد لیا جائے۔قرآن میں صنعت استخدام ہے یا نہیں؟اس بارے میں مفسرین مختلف الخیال ہے۔امام سیوطی شافعی (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) نے تین آیتوں میں صنعت استخدام ثابت فرمایا ۔امام احمد رضا قادری نے بھی دو آیتوں میں صنعت استخدام ظاہر فرمایا۔امام موصوف نے فتاویٰ رضویہ کے حاشیہ میں تحریر فرمایا:

{بل قال بعض العلماء ان الاستخدام بھذا المعنی لم یقع فی القرآن العظیم اصلا-نقله السیوطی فی الاتقان ،قال:وقد استخرجت بفکری آیات وذکر ثلثًا،الاولیٰ:اتیٰ امر اللّٰه فلا تستعجلوہ''امر اللّٰه محمد صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کما اخرج ابن مردویه من طریق الضحاک عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنھما،والضمیر له،مراد به قیام الساعة او العذاب،والثانیة:''ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین''المراد به آدم،ثم اعاد الضمیر علیه مراد به ولدہ،فقال:ثم جعلنٰه نطفة،قال:وھی اظھرھا،والثالثة:''لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم''ثم قال:قد سألھا قوم من قبلکم ای اشیاء اخر-ھذا ملخص کلام السیوطی-اقول:وقد استخرجت مثالین آخرین،الاول:قوله عزوجل:''احصنت فرجھا فنفخنا فیه''الفرج فرج المرأة والضمیر للفرج بمعنی فرج الجیب علیٰ ما علیه المحققون، والاٰخر:ذکرته فی رسالتی''الزلال الانقیٰ من بحر سبقة الاتقیٰ''التی ذکرت فیھا تفسیر قوله عزوجل:وسیجنبھا الاتقی ۱۲ منه}(حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد ۹ص ۸۶۸،۸۶۹- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ: بلکہ بعض علمانے فرمایا: استخدام اس معنی میں قرآن عظیم میں بالکل کہیں وارد نہیں۔اسے امام سیوطی نے نقل فرمایا۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنی فکر سے چند آیات میں استخدام نکالا ہے۔تین آیتیں ذکر فرمائیں۔ایک:(اللہ تعالیٰ کا امر آیا تو اس کی جلدی نہ مچاؤ)اللہ تعالیٰ کا امر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں،جیسا کہ ابن مردویہ نے بطریق ضحاک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی،اور اس کی ضمیر سے(جو'فلا تستعجلوہ میں ہے)قیام قیامت یا عذاب مراد ہے۔دوسری:(ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا)انسان سے حضرت آدم علیٰ رسولنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں،(پھر ہم نے اسے نطفہ کیا)یہاں انسان کی طرف راجع ضمیر سے(جو''جعلنٰہ''میں ہے)اولاد آدم مراد ہے۔امام سیوطی نے فرمایا:یہ سب سے زیادہ ظاہر ہے۔تیسری:(ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں)پھر ارشاد ہوا(تم سے پہلے کچھ لوگوں نے

نہیں پوچھا) یعنی کچھ دوسری چیزوں کے بارے میں پوچھا۔ یہ امام سیوطی کے کلام کی تلخیص ہے۔

اقول: (امام احمد رضا قادری نے فرمایا) میں نے دو دوسری مثالیں تخریج کی ہیں۔ اول: ارشاد باری عزوجل (مریم نے اپنی شرم گاہ محفوظ رکھی تو ہم نے اس میں پھونک ماری) شرمگاہ سے مراد شرمگاہ زن ہے، اور اس کی ضمیر سے مراد چاک گریباں ہے، اس قول کی بنیاد پر جو محققین کا قول مختار ہے۔ دوسری مثال میں نے اپنے رسالہ: ''الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی'' میں ذکر کی ہے، میں نے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ''وسیجنبها الاتقٰی'' کی تفسیر بیان کی ہے۔

استخدام کی تعریف:

{علامہ قزوینی شافعی نے تحریر فرمایا: **الاستخدام: وهو ان يراد بلفظ له معنيان احدهما ثم بضميره معناه الآخر اويراد باحد ضميريه احدهما و بالآخر الآخر**} (الایضاح فی علوم البلاغۃ ج ا ص ۳۳۲ - دار احیاء العلوم بیروت)

ترجمہ: استخدام یہ ہے کہ جس لفظ کے دو معنی ہوں، اس کے لفظ سے ایک معنی مراد لیا جائے، پھر اس کی ضمیر سے دوسرا معنی مراد لیا جائے، یا اس کی دو ضمیروں میں سے ایک سے ایک معنی مراد لیا جائے اور دوسری ضمیر سے دوسرا معنی مراد لیا جائے۔

قانون بلاغت سے مسئلہ طلاق کی تفہیم:

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز سے نکاح خوانی سے متعلق سوال ہوا کہ براتیوں کی ضیافت کے بعد اہل مجلس ایک شخص کو لڑکی کا وکیل بنا کر لڑکی کے پاس بھیجتے ہیں اور ساتھ میں دو یا تین چار گواہ بھی جاتے ہیں۔ یہ وکیل مخطوبہ لڑکی کے پاس جا کر اس طرح قبول کراتا ہے کہ اے فاطمہ! تو نے بکر کو جو خالد کا پسر ہے، اس قدر مہر پر جو اس کے او پر واجب الادا ہوگا، اپنی زوجیت میں قبول کیا تو فاطمہ بلند آواز سے کہتی ہے کہ: ''میں نے قبول کیا''، یا صرف ''قبول کیا'' کہہ دیا اور اس قبول مخطوبہ کو گواہان نے بھی سن لیا، اب پھر وہ وکیل لڑکا کی مجلس میں اپنے گواہوں کے ساتھ حاضر ہوتا ہے تو جو قاضی عقد کرانے کے واسطے دولہا کے پاس ہوتا ہے۔ اسے آ کر بتاتا ہے کہ میں فاطمہ مخطوبہ کا وکیل ہوں اور فاطمہ دختر زید نے بکر بن خالد کو اپنی زوجیت میں قبول کیا ہے اور میں نے قبول کرایا ہے، اور گواہوں کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ یہ لوگ اس قبول کے گواہ ہیں، پھر قاضی گواہوں سے دریافت کرتا ہے اور ہر ایک گواہ الگ الگ بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ نے بکر کو قبول کیا۔

اب وکیل مذکور قاضی کی تعلیم کے مطابق یا خود سے بکر کو قبول کراتا ہے کہ تو نے فاطمہ دختر زید کو اس قدر مہر اپنے ذمہ لے کر قبول کیا تو بکر اقرار کرتا ہے کہ: ''میں نے فاطمہ کو قبول کیا'' یا فقط ''قبول کیا'' کہہ دیا، پھر قاضی خطبہ وغیرہ پڑھ کر مجلس عقد ختم کر دیتا ہے۔ صورت مذکورہ میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ علما کو یہ شبہہ ہے کہ وکیل مذکور نہ دولہا کی طرف سے مقرر ہوا، نہ دولہن کی طرف سے، حالاں کہ دونوں بالغ ہیں اور بالغ کا نکاح بلا اذن عاقدین کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر نکاح نہ ہوا تو ہزاروں مرد وزن بے نکاحی قرار پائیں گے اور ان کے بچے بھی حرام زادے قرار پائیں گے۔ کیا یہ نکاح معدوم کی منزل میں ہے؟ کیا یہ نکاح فضولی سے بھی خارج ہے؟ (سوال کا خلاصہ تمام ہوا)

امام ممدوح نے اس کا طویل اور تفصیلی جواب تحریر فرمایا اور دلائل سے ثابت فرمایا کہ نکاح ہوگیا۔ مجدد موصوف نے رقم فرمایا:

''فاقول وباللہ التوفیق: تحقیق مقام یہ ہے کہ سفیر مذکور جسے وہ عوام وکیل مخطوبہ ٹھہراتے ہیں، اس کا مخطوبہ وخاطب دونوں سے خطاب مذکور بصورت استفہام ہے، اگر چہ حرف استفہام مقدر ہے اور استفہام وعقد، اقسام انشا سے دو قسم متبائن ہیں تو جہاں حقیقت استفہام مقصود ومفہوم ہو، وہ کلام ایجاب یا قبول نہیں قرار پاسکتا۔ ہاں، اگر صورۃً استفہام اور معنی تحقیق عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا، مگر اس کے لیے قیام قرینہ درکار، **کما هو شان کل مجاز** (جیسا کہ ہر مجاز کا تقاضا ہے) ولہذا علما فرماتے ہیں: اگر زید نے عمرو سے کہا تو نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی؟ اس نے کہا

: ''دی'' یا ''ہاں'' - نکاح نہ ہوگا، جب تک زید اس کے جواب میں ''میں نے قبول کی'' نہ کہے''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ص ۱۵۵- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

امام موصوف نے ایک طویل بحث کے بعد تحریر فرمایا کہ یہ نکاح منعقد ہوجائے گا۔آپ نے رقم فرمایا:

''اب صورت مستفسرہ کی طرف چلئے ۔شخص مذکور کہ مجلس خاطب سے اٹھ کر مخطوبہ کے پاس جاتا ہے، جب کہ اس سے پہلے نہ خاطب سے اذن لیا، نہ مخطوبہ سے، اور وہ دونوں بالغ ہیں کہ ان کے معاملہ میں غیر کا اذن کوئی چیز نہیں تو اسے وکالت سے کیا علاقہ ، یقیناً فضولی محض ہوتا ہے ، مگر ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک عقد فضولی محض فضول ونامقبول نہیں ہوجاتا ہے اور اجازت صاحب اجازت پر موقوف رہتا ہے: **كما نصوا عليه في الكتب قاطبة** (جیسا کہ فقہا نے تمام کتابوں میں اس پر نص کی ہے)، پس اگر اس کلام سے کہ یہ فضولی، مخطوبہ سے کہتا ہے، تحقیق عقد مراد ومفہوم ہوتی تو اسی وقت انعقاد نکاح میں شبہہ نہ تھا۔اس کا کلام ایجاب ہوا اور مخطوبہ کا جواب قبول، عقد موقوفاً منعقد ہوگیا۔اس کے بعد جب فضولی مذکورہ خواہ دوسرے شخص نے خاطب کو اس کی خبر دی اور اس نے اظہار قبول کیا، یہ صراحۃً اس عقد موقوف کی تنفیذ ہوئی، اور نکاح تام ونافذ ولازم ہوگیا۔''قبول کیا میں نے'' اور ''قبول کیا'' دونوں یکساں ہیں کہ جب ''تو نے قبول کیا'' کے جواب میں ''قبول کیا'' کہا تو اس کے صاف یہی معنی ہوئے کہ ''میں نے قبول کیا''۔**لان السوال معاد في الجواب** (کیوں کہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے)''۔(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ص ۱۶۰، ۱۶۱- لاہور)

مزید کچھ تفاصیل رقم فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''مگر تقریر مذکور سوال سے ظاہر یہ ہے کہ فضولی کا مخطوبہ سے وہ کلام بقصد انشائے عقد نہیں ہوتا، نہ وہ مجلس، مجلس عقد سمجھی جاتی ہے ، بلکہ اسے اپنے زعم میں ہندہ سے طلب اذن کی مجلس سمجھتے ، اور اس گفتگو کو استیذان جانتے اور مجلس عقد مجلس خاطب کو قرار دیتے ہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ص ۱۶۲- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

کچھ تفصیل رقم فرمانے کے بعد رقم طراز ہیں:

''بالجملہ اس وقت تک کی جو کارروائی تھی ،لغو وفضول گئی ۔اب رہا وہاں سے واپسی کے بعد شخص مذکور کا خاطب سے خطاب ، یہاں ضرور تحقیق عقد ہی مقصود ہے کہ ان کے زعم میں مجلس مخطوبہ ،مجلس توکیل تھی ۔اب کہ یہ اپنے نزدیک وکیل بن کر آیا، اس مجلس عقد میں عقد کرتا ہے تو یہ استفہام حقیقۃً ایجاب ہوا، اور زوج کا کہنا ''قبول کیا'' قبول۔

اقول وباللہ التوفیق: تحقیق مقام یہ ہے کہ استفہام ہنگام ارادۂ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: {فهل انتم منتهون}، ای انتهوا.

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کیا تم باز آؤ گے ؟ یعنی باز آجاؤ)

وقال تعالیٰ : {أ تصبرون وكان ربک بصيرا }، ای اصبروا. (ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کیا تم صبر کروگے؟ اور تیرا رب تعالیٰ بصیر ہے، یعنی صبر کرو)

وقال صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: {هل انتم تاركوا لي صاحبي}، ای اتركوا. (ترجمہ: اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم مجھے میرے صاحب کے بارے میں چھوڑوگے؟ یعنی تم چھوڑ دو)

تو ''تو نے قبول کیا؟'' بمعنیٰ ''قبول کر'' ہے''۔(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ص ۱۶۴، ۱۶۵- جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

اسناد حقیقی واسناد صوری:

امام موصوف کے پاس کولمبو (شری لنکا) سے سوال آیا کہ حیاۃ الحیوان میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر وحمد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی ذکر وحمد فرماتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ سوال مندرجہ ذیل ہے۔

{في حيوة الحيوان الكبرى للعلامة الدميري رحمه اللّٰه تعالیٰ الجزء الثاني ص ۱۳۱ باب العلق، اذا

ذکر العبد ربہ اوحمدہ فما ذکر اللہ الا اللہ ولا حمد اللہ الا اللہ} (فتاویٰ رضویہ جلد۳۰ص ۸۷-لاہور)

ترجمہ: علامہ دمیری علیہ الرحمہ کی کتاب ''حیاۃ الحیوان الکبریٰ'' کے جزء ثانی باب العلق میں ہے۔ جب بندہ اپنے رب کا ذکر یا حمد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا، مگر اللہ اور اس کی حمد نہیں کرتا، مگر اللہ۔

امام ممدوح نے جواب دیا کہ اسناد کی دو قسمیں ہیں۔ اسناد حقیقی واسناد صوری۔ ہر فعل کی تخلیق رب تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے، اور کسب بندوں کی جانب سے، یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت سے وہ فعل بندوں سے ظاہر ہوتا ہے، جیسے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ، سجدہ، رکوع، قیام وقعود وغیرہ۔ بندوں کو خلق افعال کی قدرت نہیں۔ ان امور میں خالق افعال کو کاسب ومباشر افعال نہیں کہا جاسکتا اور بعض افعال ایسے ہیں جس کا صدور رب تعالیٰ سے بھی ہوتا ہے۔ ایسے افعال کی نسبت رب تعالیٰ کی جانب ہوسکتی ہے۔ دوسری قسم کے افعال میں رب تعالیٰ کی جانب نسبت واسناد حقیقی ہوگی، اور بندوں کی جانب نسبت صوری ہے۔ ان افعال میں جس مقام پر اسناد حقیقی درست ہو، وہاں اسناد صوری مغلوب ہوجاتی ہے اور کلام کو اسناد حقیقی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ امام موصوف نے اس کو بالتفصیل رقم فرمایا:

{اعلم ان لکل فعل یصدر من العبد وجھتین-وجھۃ الیٰ خالقہ عزوجل، اذ لاوجود لہ الا بہ، ولیس للعبد من خلقہ شئ-ووجھۃ الیٰ کاسبہ، اذمنہ ظھر باظھار المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ-الخ} (فتاویٰ رضویہ جلد۳۰ص ۹۷-جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

ترجمہ: جان لو کہ جو کام بھی بندے سے صادر ہوتا ہے، اس کی دو جہتیں ہیں، ایک رب تبارک وتعالیٰ کی طرف کہ ہر شئ کا خالق وہی ہے، بندے کو خلق سے کوئی حصہ نہیں اور ایک جہت کاسب کی طرف ہے، اس لیے کہ وہ فعل خدا تعالیٰ کی قدرت سے اسی بندہ سے ظاہر ہوا عام طور پر افعال کی نسبت کی بنیاد لغت، عرف وشریعت میں یہی آخری وجہ یعنی اکتساب ہے، پس ''قام'' (کھڑا ہوا) اسی کے لیے کہا جائے گا، جس کے ساتھ قیام (کھڑا ہونا) پایا جائے، نہ کہ اس کے لیے جس نے قیام کو پیدا فرمایا، لیکن بعض افعال ایسے ہیں کہ ان کا صدور رب تبارک وتعالیٰ سے بھی ہوتا ہے تو اس کی نسبت رب اور بندے دونوں کی طرف نسبت عام کے طریقے پر ہوسکتی ہے، ایہام کے معدوم ہونے کی وجہ سے، وہ (مشترک) افعال جیسے حمد شکر، توحید بیان کرنا، ہدایت کرنا اور نصیحت کرنا ہے، نہ کہ نماز پڑھنا، سجدہ کرنا، روزہ رکھنا، عبادت کرنا، قیام وقعود کرنا، اس سبب سے جو گزر چکا (یعنی خالق فعل کی جانب فعل کی نسبت نہیں ہوتی) اور پہلی نسبت حقیقی ہے اور دوسری صوری ہے تو جب اسناد حقیقی صحیح ہو تو وہی غالب ہوجاتی ہے اور اسناد صوری مغلوب ومضمحل ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں کاسب سے اس فعل کی نفی کر کے خالق کی طرف نسبت کردی جاتی ہے، جیسا کہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل فرمایا''، اور ''آپ نے کنکری نہیں پھینکی، ہم نے پھینکی''، پس نفی صورت کے اعتبار سے ہے اور اثبات حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح ''وما توفیقی الا باللہ (میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے)، اور ''وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ'' (اور تم نہیں چاہتے ہو، بلکہ رب تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے)، بلکہ جب تم نظر حقیقت سے دیکھو گے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کا وجود حقیقی نہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے۔

توضیح: فن بلاغت میں اسناد حقیقی اور اسناد مجازی کا ذکر ملتا ہے۔ اسناد صوری کا لفظ نہ مل سکا۔ یہ امام اہل سنت کے اضافات میں شمار کیا جائے۔ اسی طرح رب تعالیٰ وبندگان الٰہی کے مابین لفظی اشتراک کے ساتھ استعمال ہونے والے الفاظ مثلاً سمع وبصر وغیرہ میں جس اسناد کی صورت کو امام موصوف نے ظاہر فرمایا ہے، یہ مبنی برحقیقت ہے اور امام موصوف کے اضافات وایجادات میں سے ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم :: والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم۔

امام احمد رضا اور علم منطق

مقالہ نگار

مولانا عبد الرحمٰن مصباحی (جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی)

حضرت مولانا عبد الرحمٰن انصاری بن محمد ابراہیم بن ولی محمد بن عبد اللہ ایک مشہور عالم دین ہیں۔ آپ ضلع بستی موجودہ سنت کبیر نگر (یوپی) کے متوطن ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت ۱۵: اپریل ۱۹۶۸ء ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ رضاء العلوم کرماں خورد میں ہوئی، پھر دار العلوم تدریس الاسلام (بسڈیلہ: ضلع بستی) میں درجہ اولیٰ سے درجہ خامسہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد از ہر ہند: جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں داخل ہوئے اور شعبہ عالمیت وشعبہ فضیلت کی تکمیل فرما کر سال ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ طویل مدت سے جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی ضلع مئو: یوپی) میں شعبہ علوم اسلامیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آبائی وطن (ضلع سنت کبیر نگر) کا تعلیمی ادارہ دار العلوم اہل سنت فیضان رضا آپ کی سربراہی میں اسلام وسنیت کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ آپ نے قریباً تیس تحقیقی مقالات ومضامین تحریر فرمائے۔ فقہی سیمیناروں میں آپ اپنے گراں قدر مقالات کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں۔ فقہ وحدیث کے ساتھ عقلی علوم منطق وفلسفہ سے خصوصی شغف ہے۔ رابطہ نمبر: 9935471877

امام احمد رضا اور فن منطق

فن منطق ایک تعارف

فن منطق ایک ایسا فن ہے جس کے اصول وقواعد کی رعایت ذہن کو فکر نظر میں خطا سے بچاتی ہے۔

اس کا موضوع مطلقاً معقولات ہیں، یعنی وہ امور جو ذہن میں پائے جاتے ہیں لیکن ایصال الی المطلوب کی حیثیت سے۔ اور اس کا مقصد عقل وذہن کو فکری خطاؤں سے محفوظ رکھنا۔

منطق چوں کہ استدلال میں غلطی سے بچنے کا ایک پیمانہ ہے، اس لیے نفیاً اثباتاً شرع سے براہِ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شرع نے صرف' نظر کا حکم دیا ہے، خواہ اس کا پیمانہ کچھ بھی ہو۔ البتہ عقلائے عالم نے بعد تدبر کچھ قواعد ایجاد کیے ہیں تا کہ انظارِ فاسدہ وافکارِ صحیحہ میں فرق ہو سکے۔

قدیم حکمت جسے یونانی زبان میں فلسفہ کہا جاتا ہے اور اس کا معنی موجودات واقعیہ نفس الامریہ کے احوال کا اوساط ناس کے عقول کی طاقت کے بقدر جاننے کا نام ہے، خواہ وہ موجودات خارجیہ ہوں ، یا موجودات ذہنیہ ہوں۔ اس کی ایک قسم، حکمت الٰہیہ کی ایک شاخ ''منطق'' ہے۔

فن منطق کی تاریخ:

لیکن عرصہ ہوا فن منطق کثرت ابحاث ومسائل کی بنا پر حکمت سے جدا ہو کر ایک مستقل فن کی حیثیت سے ممتاز ومنفرد ہو گیا ہے۔

حکمت و دانائی خداوند برتر نے انسان کے اندر ودیعت رکھی ہے اور جب سے بنی نوع انسان موجود ہیں اسی وقت سے حکمت و فلسفہ بھی ہے۔ اولاً علوم ومعارف کے منبع وسر چشمہ انبیائے کرام علیہم السلام تھے، پھر انھیں کے تلامذہ واصحاب، ان علوم کے وارث وامین ہوئے لیکن بعض حکما شیطانی وساوس کے سبب جادۂ حق سے منحرف ہو گئے اور بعض ثابت قدم رہے۔ اسی لیے اختلاف پیدا ہوا۔

چنانچہ شرح عقائد کی عربی شرح ''النبراس''، میں ہے:

'' یہ جاننا ضروری ہے کہ قدمائے فلاسفہ جنھوں نے حکمت کی بنیاد قائم کی، وہ انبیائے کرام کے تلامذہ وفیض یافتہ تھے اور خالص مومن تھے، جیسا کہ ان کی تواریخ سے ظاہر ہے۔ البتہ فلاسفہ کی کتب میں جو باتیں خلافِ شرع پائی جاتی ہیں اس کی وجہ یا تو ناقلین کی غلطی ہے یا ناقلین کی کوتاہی ہے، یا ان کے رموز واشارات کو نہ سمجھ پانے کے باعث ہے، کیوں کہ اکابر فلاسفہ کی گفتگو صوفیہ کی طرح رموز و اشارات کی شکل میں ہوتی تھی۔ یا کم ترین متفلسفہ کی جانب سے صادر ہے جو صرف حکمت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، جب کہ وہ حکمت کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور انبیا سے بے نیازی کا دعویٰ کرتے ہیں اور قضایائے موہومہ اور قضایائے حقہ میں امتیاز کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یا اس سبب سے ہے کہ انبیائے سابقین کی شریعتیں ان مسائل میں خاموش تھیں تو ان حکمانے رائے واجتہاد سے کلام کیا اور خطا کی، اور وہ خطائیں پھیل گئیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

آج جو علم حکمت موجود ہے، اس میں حق و باطل دونوں ہے۔ اور ہم نے حق کو باطل سے الگ کرنے کے لیے جلیل القدر کتابیں لکھی ہیں۔ اور بعض اہل شرع جو تمام علوم حکمت کے ابطال اور اس میں مشغولیت کو حرام کہتے ہیں تو یہ ان کا تعصب ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہماری کتاب ''الیاقوت'' کے مقدمہ میں موجود ہے۔

(النبراس صفحہ ۳۲)

پہلے یہ علوم مدون نہیں تھے اور نہ ہی ان کی اصطلاحات

موضوع تھیں، اس میں اہل یونان نے سبقت کی، اسی لیے وہ موجد کہلائے۔

ساتویں صدی قبل مسیح میں ان میں فلسفہ سے دلچسپی زیادہ بڑھی اور انھوں نے اس کی تدوین کی، اس لیے اس فلسفہ کو یونانی فلسفہ کہا گیا اور یونان کو اس کا مرکز تسلیم کرلیا گیا۔

یونان کے حکما میں ارسطو پہلا شخص ہے جس نے فن منطق کو سکندر رومی کے حکم سے فلسفہ سے الگ کر کے مستقل فن کی حیثیت سے مدون کیا، اسی لیے وہی فن منطق کا باوا آدم کہا گیا، ارسطو کے بعد ابونصر فارابی نے منطق کے اصول وفروع کی تشریح کی اور وہ امام ثانی مانا گیا، فارابی کی کتابوں کے جل جانے کے سبب شیخ الرئیس بوعلی سینا نے شفاء تحریر کی جو آج منطق اور حکمت کا منتہیٰ ہے۔

شیخ کی استوار کردہ اساس پر دیگر مناطقہ نے کام کیا یہاں تک کہ منطق ایک وسیع الجہات فن بن گیا اور تصقیل عقول وتشحیذ اذہان کے لیے منطق کی تعلیم ایک ضرورت بن گئی۔ مسلمانوں کے دور عروج میں مسلم علمانے منطق کی طرف توجہ کی اور اسے بام عروج تک پہنچایا، مشہور اصول وقواعد کی اصلاح وتصحیح کی اور بہت سے قواعد خود ایجاد کیے۔

پاک و ہند کے سب سے بڑے منطقی علامۃ الدہر، معلم رابع مصحح اغلاطِ افلاطون، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”من اراد ان یتعلم الحکمة فلیحدث لنفسه فطرة اخری“ جو حکمت سیکھنے کا ارادہ کرے وہ اپنی ذات کے لیے دوسری فطرت پیدا کرے۔

فن منطق کے موجدین اور ماہرین:

حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی اپنی کتاب ”خون کے آنسو“ صفحہ ۴۰؍۴۱؍ پر تحریر فرماتے ہیں:

”علم منطق کا اظہار سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا، مخالفینِ توحید ورسالت کو عاجز وساکت کرنے کے لیے انھوں نے بطور معجزہ استعمال کیا، پھر ان علوم کو یونانیوں نے اپنایا اور فروغ دیا۔ چنانچہ یونان میں بڑے رتبے کے درج ذیل یہ پانچ فلسفی گزرے ہیں:

(۱) بندقلیس ۵۰۰ قبل مسیح تلمیذ حضرت لقمان حکیم۔

(۲) فیثاغورث تلمیذ اصحاب حضرت سلیمان علیہ السلام۔

(۳) سقراط تلمیذ فیثاغورث۔

(۴) افلاطون یہ بھی فیثاغورث کا شاگرد تھا۔

(۵) ارسطاطالیس۔

ارسطو کی کتابوں کے شارح ہونے کی حیثیت سے حسب ذیل فلسفی مشہور ہیں: (۱) تا فرسطس (۲) اصطفن (۳) لیس یحییٰ بطریق اسکندریہ (۴) فرنوریوس ثامطیوس وغیرہ۔

مسلم بادشاہوں میں سب سے پہلے خلیفہ ابوجعفر منصور نے علم فقہ کے ساتھ فلسفہ، منطق، ہیئت کو بھی حاصل کیا۔

اس کے کاتب عبداللہ بن المقفع الخطیب، الفارسی نے ارسطو کی حسب ذیل تین کتابیں عربی میں ترجمہ کر کے منطقی کے لقب سے شہرت حاصل کی: قاطیغوریاس، اومنیاس، اتولوطیقا۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد امام ابو حامد محمد غزالی، علامہ ابن رشد قرطبی، امام فخر الدین رازی، ابن تیمیہ حرانی، ابن سہلان، افضل الدین خونجی وغیرہم نے اس میں نئی نئی باریکیاں پیدا کی ہیں، پھر عہد بہ عہد اس میں ترقیاں ہوتی رہیں۔ ملا نصیر الدین طوسی، قطب الدین رازی، میر فتح اللہ شیرازی، صدرالدین شیرازی، ملا جلال الدین دوانی، میر اسلم ہروی، میر زاہد ہروی، ملا قطب الدین شہید سہالوی، ملا نظام الدین فرنگی محلی، میر سید شریف جرجانی، شیخ سعدالدین تفتازانی، میر باقر داماد، ملا محبّ اللہ صاحب سلم العلوم، بحر العلوم ملا عبدالعلی فرنگی محلی، میر زاجان وامان اللہ بنارسی، قاضی مبارک کوپا مئوی، ملا محمد حسن فرنگی محلی، حمد اللہ سندیلوی، علامہ فضل امام وعلامہ فضل حق خیر آبادی وغیرہم نے اس فن کو چار چاند لگائے۔ خصوصاً میر زاہد ہروی نے تدقیق وتفتیش کی ایسی راہ اپنائی کہ ایک

زمانے میں کامل العلم ہونے کی شناخت یہ تھی کہ کتب ''میرزاہد پر کچھ حواشی لکھے جائیں''۔

فن منطق کی اہمیت:

منطق انسان کی فطری ضرورت ہے، کیوں کہ انسان ہمیشہ اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق اثبات مدعی میں استدلال و استشہاد سے کام لیتا رہا ہے تا کہ اپنے مقابل پر غالب آسکے اوراسے اپنی بات ماننے پر مجبور کر سکے، یہ تمام علوم کے حصول میں ممدومعاون ہے اور عقل وخرد کو جلا بخشنے میں بے نظیر ہے۔ محقق حقائق عقلیہ، ماہر منطق و فلسفہ حضور سیدنا امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''جو فن منطق کا ماہر نہ ہو اس کے علم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا''۔

منطق خالص عقلی فن ہے۔ یعنی موجودات عقلیہ سے بحث کا نام منطق ہے اور موجود عقلی دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) ایک وہ جو موجودات خارجیہ کا عکس و پرتو ہیں۔ (۲) دوسرے وہ جو محض اوہام وتخیلات ہیں، خارج میں ان کا وجود نہیں ہے۔ اس لحاظ سے جس شخص کی عقل جتنی ارفع واعلیٰ ہوگی، اس کے تصورات و قیاسات بھی اتنے اعلیٰ و وسیع ہوں گے۔

فن منطق کی مشہور کتابیں:

الافق المبین، رسالہ میرزاہد، شرح سلّم از قاضی مبارک، حاشیہ قاضی مبارک از علامہ فضل حق خیر آبادی، شرح سلّم از بحرالعلوم عبدالعلی فرنگی محلی وغیرہ۔

منطق کی علمی وشرعی حیثیت:

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ انسان پر پہلا فرض اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات وتوحید کو جاننا ہے، بلکہ یہ اہم الفرائض ہے۔ اور یہ معرفت ارباب عقول متوسطہ کے لئے نظر واستدلال ہی سے ممکن ہے اور قرآن میں نظر واعتبار کا حکم بھی ہے اور نظر وفکر کی صحت وفساد کے لیے فن منطق موضوع ہے اور عاصم عن الخطاء بحسب الظاہر منطق ہی ہے، اسی لیے متاخرین علمانے منطق کو علم کلام کا جز قرار دیا ہے۔

علامہ شامی نے احیاء العلوم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ: ''منطق میں وجہ دلیل واس کی شروط اور وجہ حد واس کی شروط سے بحث ہوتی ہے اور یہ دونوں امور علم کلام میں داخل ہیں''۔

اور ابن سینا کا قول ہے: ''**المنطق نعم العون علی ادراک العلوم کلها**'' یعنی منطق تمام علوم کے ادراک کے لیے عمدہ معاون ہے۔ اس وجہ سے متقدمین علما کی کتابیں اصطلاحات منطقیہ اور تدقیقات میزانیہ سے بھری پڑی ہیں۔ جیسے عمدۃ القاری شرح بخاری، اشعۃ اللمعات، شرح عقائد، شرح مقاصد، شرح مواقف، تحریر الاصول، فواتح الرحموت وغیرہ۔

البتہ پوری عمر تحصیل منطق میں صرف کرنا غیر مناسب ہے، کیوں کہ مقصودِ اصلی علم تفسیر و حدیث، فقہ وعقاید اور تصوف ہے، منطق تو محض آلہ ووسیلہ ہے۔ صاحب درمختار نے جو لکھا ہے کہ بعض علوم کا سیکھنا حرام ہے جیسے فلسفہ۔ اور منطق فلسفہ میں داخل ہے، اس پر استدراک کرتے ہوئے علامہ شامی نے لکھا ہے کہ:

''**والمراد به المذکور في کتبهم للاستدلال علی مذاهبهم الباطلة، اما منطق الاسلامیین الذي مقدماته قواعد اسلامیة فلا وجه للقول بحرمته، بل سمّاه الغزالي معیار العلم وقد الف فیه علماء الاسلام ومنهم المحقق ابن الهمام**''۔ (شامی، ص: ۱۳۵)

یعنی حرام منطق فلاسفہ ہے، لیکن منطق اسلامیاں جس کے مقدمات قواعد اسلامیہ ہیں اس کے حرام کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ امام غزالی نے اسے علوم کے لیے محک و معیار مانا ہے۔ اور علمائے اسلام نے اس میں تصانیف کی ہیں، انھیں میں امام ابن ہمام بھی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ممنوع منطق فلاسفہ ہے جو اُن کے اقوال فاسدہ کی جامع ہے اور منطق اسلامیاں جو محض قوانین وقواعد اکتساب سے عبارت ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ وہ مباح ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے:

''در تحصیل علم منطق ہیچ باک نیست زیرا کہ علم منطق از علم مقصود

بالذات نیست بلکہ از علوم آلیہ است مانند نحو وصرف، وآلہ ہر چیز در حلت وحرمت حکم آں چیز است کہ ذی الآلہ است''۔

یعنی علم منطق کی تحصیل میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ منطق مقصود اصلی نہیں ہے، بلکہ یہ فن نحو وصرف کی طرح محض اکتساب مقصود کا ایک آلہ ہے۔ اور آلہ، حلت وحرمت میں ذوالآلہ کے تابع ہے، ذوالآلہ اگر محمود ہو تو اس کا آلہ بھی محمود ہے اور اگر ذوالآلہ مذموم ہو تو اس کا آلہ بھی مذموم ہے۔

مصنف بہار شریعت، خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور صدرالشریعہ کہتے ہیں:

''منطق کی تعلیم جائز ہے کہ فی نفسہ فن منطق میں دین کے خلاف کوئی چیز نہیں، اس وجہ سے متاخرین متکلمین نے منطق کو علم کلام کا ایک جز قرار دیا ہے اور اصول فقہ میں بھی منطق کے مسائل کو بطور مبادی ذکر کرتے ہیں''۔ (بہار شریعت، ح:۱۴/ص:۱۴۱)

مذکورہ تفصیل سے منطق کی شرعی حیثیت متعین ہو جاتی ہے کہ منطق تنقیح مقاصد اور تعیین مراد کی محض ایک شکل ہے۔

فن منطق کے متعلق امام احمد رضا کا نظریہ:

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی منطق کے جواز اس کی اباحت کے قائل ہیں، چنانچہ مقامع الحدید کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

''عزیزو! میں نہیں کہتا کہ منطق اسلامیاں، ریاضی، ہندسہ وغیرہ اجزائے جائزۂ فلاسفہ نہ پڑھو، پڑھو مگر بقدر ضرورت، پھر ان میں انہماک ہرگز نہ کرو، بلکہ اصل کار علوم دینیہ سے رکھو، راہ یہ ہے اور آئندہ کسی پر جبر نہیں ''وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ''۔ (مقامع الحدید، ص:۶۴)

منطق اگرچہ علوم دینیہ کے سمجھنے میں مد ونافع ہے لیکن ان مخترع فنون میں حد سے زیادہ خوض دل کو تاریک کرتا ہے اور ایمان کو ضعیف بناتا ہے۔ اور علوم شریعت وطریقت سے قلب کو روشنی اور ظلمات جسمانیہ اور کدورات نفسانیہ سے صفائی حاصل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علمائے دین فلسفہ وتمام عقلی علوم کو ادنیٰ التفات وتوجہ سے سمجھ لیتے ہیں، مگر کوئی بڑا سے بڑا فلسفی آج تک فلسفہ کے زور پر علوم دینیہ میں کمال پیدا نہ کر سکا، شیخ الرئیس بوعلی سینا جو فلسفیت امام محمد کی چند کتابیں دیکھ کر انصافاً کہا: اگر عمر نوح مجھے عطا ہو اس فاضل اجل کے مرتبہ کو نہ پہنچوں۔

عبدالکریم شہرستانی سے منقول ہے: ''میں نے فلسفہ سے سوا حیرت وندامت کے کچھ نہ پایا''۔

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی مدتوں فلسفہ وکلام میں مشغول رہے، آخر عمر میں تحریم کی طرف رجوع فرمائی اور وقت انتقال بخاری شریف سینے پر تھی، بالجملہ ان علوم میں حاجت سے زیادہ اشتغال بے کار ہے، جو انھیں مقصود بالذات سمجھ کر پڑھتا پڑھاتا ہے نہ اسے کچھ فائدہ معتد بہ دنیا کا حاصل نہ اس کے تعلیم وتعلم کا ثواب آخرت مرتب''۔ (ملتقطاً از ہدایۃ البریہ)

امام احمد رضا اور فن منطق

بحر العلوم النقلیہ حبر الفنون العقلیہ شیخ الاسلام والمسلمین مجدد مائۃ ماضیہ امام الائمہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا عالم اسلام کے ایک ایسے نابغۂ روزگار ہیں جن کی دینی وعلمی خدمات صدیوں پر محیط ہیں۔ آپ ایک سو پانچ علوم کے نہ صرف عارف وماہر تھے بلکہ اکثر علوم میں تصنیفات ومؤلفات کا قیمتی ذخیرہ بھی چھوڑا ہے، علوم دینیہ کے علاوہ علوم عقلیہ میں تو ایسی اجتہادی شان وناقدانہ بصیرت رکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مسلم حکما آپ کی بارگاہ کے طفل مکتب نظر آتے ہیں۔

عقلی علوم کی تحصیل کے بارے میں خود رقم طراز ہیں:

''کہ فقیر کا درس بحمدہ تعالیٰ تیرہ برس دس ماہ چار دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا، فلسفہ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہ تھا، علوم ریاضیہ وہندسیہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع وتفریق، ضرب وتقسیم کے چار قاعدے بہت بچپن میں اس غرض سے

سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے اور صرف شکل اول تحریر اقلیدس کی وبس۔

جس دن یہ شکل خاتمۃ المحققین سیدنا والد ماجد قدس سرہ سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں کی، ارشاد فرمایا: ''تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو، ان علوم کو خود حل کر لوگے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے، بعونہ تعالیٰ فقیر نے حساب، جبر و مقابلہ، لوگارثم، علم المربعات، علم مثلث کروی، علم ہیئت قدیمہ وہیئت جدیدہ وزیجات وارثماطیقی و غیرہا میں تصنیفات فائقہ وتحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کیے۔

فلسفہ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درس نظامی اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ سے پڑھیں اور چند روز تک طلبہ کو پڑھائیں مگر بحمدہ تعالیٰ روز اول سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی۔

ناظرین اہل انصاف ودین سے امید کہ حسب عادت متفلسفہ لم ولانسلم وانکار واضحات وتشکیک بے ثبات وفارغ مجادلات کو کام میں نہ لائیں ان کے اجلہ اکابرین ابن سینا سے ملا محمود جونپوری تک کون ایسا گزرا ہے جس پر ہمیشہ رد وطرد نہ ہوتے رہے، لغو وفضول ابحاث کی حاجت نہیں، بہ نگاہ ایمانی اصل مقاصد کو دیکھیے، اگر حق پایئے ابن سینا اور اس کے احزاب کی بات زبردستی بنانے کی ضرورت نہیں۔ **وباللہ العصمۃ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل.** (ملخصاً رسالہ الکلمۃ الملھمہ)

اس تفصیل کے بعد جب ہم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فن منطق میں مہارت کو دیکھتے ہیں تو عقل حیران ہو جاتی ہے کہ امام ممدوح کی عقل کی پرواز اتنی اونچی ہے کہ ظلمات نفسانیہ وکدورات بدنیہ میں ملوث افراد اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے اور منطق میں آپ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ ارسطو سے لے کر میر زاہد ہروی تک کے تمام مناطقہ آپ کے سامنے طفل مکتب نظر آتے ہیں۔ جن عقلی مباحث کی گتھیاں سلجھانے میں بڑے بڑے کج کلاہانِ زمانہ عاجز و درماندہ نظر آتے ہیں آپ اسے چند لفظوں میں ایسا منقح اور مدلل فرما دیتے ہیں کہ منصف کے لیے مجال سخن نہیں رہتا۔

پروفیسر مسعود احمد پاکستانی جو ماہر رضویات ہیں، وہ ''اکرام امام احمد رضا'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''کہ امام احمد رضا علوم عقلیہ میں مہارت کے لحاظ سے ابونصر فارابی، ابوعلی سینا، ابوریحان بیرونی، ابن رشد، عمر خیام وغیرہم کی فہرست میں آتے ہیں، بلکہ بعض خصوصیات میں ان مشاہیر سے بھی آگے نظر آتے ہیں''۔

علم کی تعریف پر امام احمد رضا کا ایراد اور حل:

منطق کا سب سے پہلا مسئلہ علم کی تعریف اور اس کی حیثیت کا تعین ہے۔

علم بدیہی ہے یا نظری؟ اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علم بدیہی ہے اور اس کی تحدید ممتنع ہے۔

(۲) امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علم نظری ہے لیکن اس کی تحدید حد درجہ متعسر ودشوار ہے۔

(۳) جمہور حکما اور بعض متکلمین کہتے ہیں کہ علم نظری ہے اور اس کی تحدید ممکن وسہل ہے۔

اور ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علم جو کہ حقیقتاً منشاءِ انکشاف کا نام ہے، وہ تصور بھی ہوتا ہے اور تصدیق بھی، بدیہی بھی اور نظری بھی، کاسب بھی اور مکتسب بھی، لیکن انھوں نے اس کی تعریف وتعیین میں اختلاف کیا ہے جس کے نتیجے میں تیرہ مذہب ہو گئے، بعض مشہور مذاہب کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

(۱) **''حصول صورۃ الشیء فی العقل''** شی کی صورت کا عقل میں حاصل ہونا علم ہے، یہ قول صاحب افق مبین میر باقر داماد کا ہے۔ اس تعریف پر چند وجوہ سے اشکال وارد ہوتا ہے۔

اشکال اول: ۔علم ایک حقیقت واقعیہ محصلہ ہے اور حصول معنی

اعتباری انتزاعی ہے، کیوں کہ یہ صورت اور عقل کے درمیان ایک نسبت ہے اور انتزاعیات کا انتزاع سے پہلے مناشی کے سوا کوئی وجود نہیں ہوتا، لہٰذا تعریف مذکور کی رو سے علم ایک امر انتزاعی اعتباری ہو جائے گا جو خلاف واقعہ ہے۔

اشکال دوم:۔علم کی یہ تعریف مستلزم دور ہے، کیوں کہ اس تعریف میں شی ماخوذ ہے، اور شی کی ایک تعریف یہ بھی ہے ''مایمکن ان یعلم ویخبر عنہ'' تو علم کی تعریف میں شی اور شی کی تعریف میں علم ملحوظ ہے اور یہی دور ہے۔

اشکال سوم:۔اس تعریف کی رو سے جزئیات مادیہ کا علم خارج ہو گیا، کیوں کہ ان کا ارتسام وحصول عقل میں نہیں ہوتا ہے بلکہ حواس میں ہوتا ہے۔

ان مذکورہ اشکالات کے علاوہ اور بھی بہت سے اشکالات ہیں۔

(۲)''**الصورۃ الحاصلۃ من الشیء عند العقل**'' عقل کے نزدیک چھپی ہوئی صورت کو علم کہتے ہیں، یہ مذہب ان حکما کا ہے جو اشیا کے وجود ذہنی کے قائل ہیں اور **حصول اشیاء بانفسھا** کو حق مانتے ہیں۔

اس مذہب پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ حصول اشیاء بانفسہا کے سبب علم اپنے معلوم کے ساتھ متحد ہوتا ہے اور جب علم اپنے معلوم کے ساتھ متحد ہوا تو علم مطلقاً مقولہ کیف سے نہیں ہو سکتا کیوں کہ جوہر کی صورت بھی جوہر ہوگی تو لازم آئے گا کہ ایک ہی حقیقت مقولتین یعنی جوہر و کیف کے تحت داخل ہو حالاں کہ یہ باطل ہے۔

(۳) ''**قبول النفس لتلک الصورۃ**'' صورت حاصلہ کو نفس کے قبول کر لینے کا نام علم ہے۔

اس پر مذکورہ اعتراضات کے علاوہ یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے علم مقولہ انفعال سے ہوگا تو اعتراض پڑے گا کہ مقولہ انفعال تاثر تجددی کا نام ہے اور ''**قبول النفس للصورۃ الحاصلۃ**'' اس باب سے نہیں ہے۔

(۴) ''**الاضافۃ الحاصلۃ بین العالم والمعلوم**'' یعنی عالم اور معلوم کے درمیان حاصل ہونے والی نسبت و اضافت کا نام علم ہے۔

اس تعریف پر ایک اعتراض یہ ہے کہ اضافت دو چیزوں میں متصور ہوتی ہے اور معلوم کبھی ذاوت اعیان معدومہ ہوتا ہے تو لازم آئے گا کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق نہ ہو۔

(۵)''**الحاضر عند المدرک**'' مدرک کے پاس جو حاضر ہو وہ علم ہے۔

اس تعریف پر فلاسفہ کو بڑا ناز ہے، مگر یہ بھی اشکال سے خالی نہیں ہے، کیوں کہ یہ تعریف دور پر مشتمل ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ علم وادراک ہم معنی ہے اور مُدرک ادراک سے مشتق ہے تو مدرک کو جاننا ادراک کے جاننے پر موقوف ہے اور علم کا جاننا مدرک کے جاننے پر موقوف ہے، لہٰذا علم ادراک کے جاننے پر موقوف ہوا، اور ادراک مرادف علم ہے، تو علم کا جاننا علم کے جاننے پر موقوف ہوا، یہی دور ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم کی جتنی تعریفیں کی گئی ہیں کوئی بھی نقض و ایراد سے خالی نہیں ہے، یہ ان تعریفات کا حال ہے جس پر مناطقہ کو اعتماد ہے اور ان کے نزدیک مشہور ہے، پھر غیر مشہور تعریفات کا کیا حال ہوگا۔

مگر امام علم وفن شیخ الکل فی الکل امام احمد رضا محقق اعظم نے علم کی جو تعریف کی ہے وہ اتنی جامع ہے کہ اس پر کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا، وہ ارشاد فرماتے ہیں:

علم ایک نور ہے، جو شی اس کے دائرہ میں آ گئی منکشف ہو گئی اور جس سے اس کا تعلق ہو گیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہو گئی۔

امام احمد رضا نے فلاسفہ کی بیان کردہ تعریف پر ایسی تنقید کی ہے کہ ہر انصاف پسند قاری موصوف کو دادِ سخن دینے پر مجبور نظر آتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ''اور فلاسفہ نے جو کہا کہ علم صورت حاصلہ عند العقل کا نام ہے، غلط ہے۔ ان سفہا نے اصل و فروع میں فرق

نہیں کیا، علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے، نہ کہ حصول صورت سے علم۔ جب فلاسفہ اپنے علم کو نہیں پہچان سکے علم الٰہی کو کیا جانیں گے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ذہن وصورت وارتسام ونورعرضی سب سے منزہ ہے۔ ہم نہ اس کی ذات سے بحث کر سکتے ہیں، نہ اس کی صفت سے بحث کر سکتے ہیں''۔ (الملفوظ صفحہ ۲۴۵)

یہ ہے فاضل بریلوی کی جودت طبع ورفعت تخیل وتحقیق انیق، جس نے مناطقہ کی ساری تحقیقات پر پانی پھیر دیا۔

منطق کا دوسرا مسئلہ:

انسان کی ماہیت اوراس کی تعریف:

سارے فلاسفہ نے انسان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہیں: ''**الانسان هو حيوان ناطق**'' انسان حیوان ناطق کو کہتے ہیں۔ اور حیوان کی تعریف ہے جسم نامی، حساس، متحرک بالارادہ۔ اور ناطق کی تعریف متقدمین فلاسفہ نے یوں کی: ''**الناطق هو مدرك الكليات والجزئيات**''.

انسان وحیوان کی تعریف پر متکلمین حضرات نے بہت اعتراضات کیے ہیں:

(۱) فلاسفہ کو معرفات کی تعریف میں اس مثال کے علاوہ کوئی دوسری مثال نہیں مل سکی۔

(۲) تعریف حقیقی کے لیے ضروری ہے کہ تمام ذاتیات و عرضیات کا استقصا واحاطہ کیا جائے۔

پھر ذاتیات وعرضیات میں تمایز وامتیاز ہواور سارے ذاتیات کا احاطہ بڑا ہی متعذر ودشوار ہے۔ اور پھر ذاتیات وعرضیات میں تفرقہ اور ہی مشکل ہے، انسان کی تعریف جو حیوان ناطق سے کی جاتی ہے، اس میں ''حیوان'' جنس قریب اور ''ناطق'' فصل قریب ہے، یہ ممکن ہے کہ جن چیزوں کو جنس وفصل کہہ رہے ہیں وہ عرضیات ہوں۔

اس قسم کے بہت سے اعتراضات حجۃ الاسلام امام غزالی اور رئیس المتکلمین امام رازی وغیرہ نے کیے ہیں۔

مگر امام احمد رضا نے ان اعتراضات سے صرف نظر کرتے ہوئے ایسے اعتراضات کیے ہیں کہ آج تک کسی نے بھی ایسی نادر تحقیقات پیش نہیں کی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں: ''شدت اختلاط وعدم تمایز بحد اتحاد نے سفہائے فلاسفہ کو دھوکا دیا جو ہمیشہ تدقیق کے نام پر جان دیتے ہیں اور فضول تعمقات کو تحقیق جانتے ہیں، وہ بھی کہاں خاص مقام تحدید میں انسان کی تعریف کر بیٹھے ''حیوان ناطق'' حالاں کہ حیوانیت بدن کے لیے ہے کہ وہی جسم نامی ہے اور ناطق ومدرک روح ہے، بلکہ خود حیوان ہی کی تعریف میں خلط ہے، جسم نامی، متحرک، بدن ہے اور حساس ومرید روح''۔

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''انسان کی حقیقت اس وقت تک فلاسفہ کو معلوم نہیں، انسان کی تعریف کرتے ہیں ''حیوان ناطق'' اور حیوان کی تعریف کرتے ہیں ''جسم نامی، حساس، متحرک بالارادہ'' اور ناطق کی مدرک کلیات و جزئیات، اگرچہ یہ بھی ان کے متاخرین کی رفوگری ہے۔ ان سفہا نے آوازوں پر حدود رکھی ہیں، گھوڑا حیوان صاہل، گدھا حیوان ناہق، انسان حیوان ناطق۔ اورانھوں نے ناطق کا معنی گڑھا ''مدرک کلیات وجزئیات'' جسے اصلاً زبان عرب مساعد نہیں، خیر یوں ہی سہی، انسان نام بدن کا ہے یا نفس ناطقہ کا؟ یا دونوں کے مجموعے کا؟ اول ناطق نہیں کہ ادراک کلیات شان نفس ہے نہ کار بدن۔ دوم حیوان نہیں کہ نفس ناطقہ نہ جسم ہے نہ نامی۔ سوم نہ حیوان ہے نہ ناطق کہ حیوان ولا حیوان کا مجموعہ ''لا حیوان'' ہوگا اور ناطق ولا ناطق کا مجموعہ ''لا ناطق'' ہوگا''۔

غرضیکہ واقع میں کوئی شی ایسی نہیں کہ جس پر حیوان ناطق بمعنی مذکور دونوں صادق ہوں، یہ ہے خود انکا اپنی حقیقت کے ادراک سے عجز۔

محقق اعظم امام احمد رضا نے فلاسفہ کی بیان کردہ تعریف پر تنقید شدید اور اعتراضات وارد فرمائے، اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انسان کی صحیح تعریف بھی بیان کردی۔

فرماتے ہیں: ''حق یہ ہے کہ انسان روح متعلق بالبدن کا نام ہے اور روح امر رب سے ہے، اس کی معرفت بے معرفت رب نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اولیائے کرام فرماتے ہیں ''**من عرف نفسه فقد عرف ربه**'' جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے ضرور اپنے رب کو پہچانا''۔

مزید آگے بطور تنبیہ فرماتے ہیں: ''کہ زنادقہ اسے اس پر حمل کرتے ہیں کہ نفس ہی رب ہے اور یہ کفر خالص ہے، نفس امر رب ہے نہ کہ رب''۔

مزید فرماتے ہیں کہ: ناطق ہونے میں انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہر شئ ناطق ہے شجر وحجر دیوار وغیرہ سب ناطق ہیں۔ قرآن شاہد ہے ''**قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ**'' اور نصوص کا ان کے ظواہر پر حمل واجب بلا ضرورت ان میں تاویل باطل ونامسموع ''**وان من شئ الا يسبح بحمده لاكن لا تفقهون تسبيحهم**'' کوئی شئ ایسی نہیں کہ اس کی تسبیح وتحمید نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (الملفوظ صفحہ ۲۴۶)

قارئین محترم ملاحظہ کیجئے! امام احمد رضا کی ذہانت اور خداداد علمی صلاحیت کو، وہ تحقیقی جواہر پارے بکھرے ہیں کہ طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔

امام اہل سنت نے اپنے پیش رو علما کی اتباع میں اگر چہ منطقی منہج استدلال کو اثبات مطلوب اور تنقیح مقاصد کے لیے اختیار فرمایا ہے مگر ان قواعد ومسائل کی کورانہ تقلید نہیں کی ہے۔ بلکہ نقد وجرح واجتہادی شان کے ساتھ اسے جانچا اور پرکھا ہے، اس میں جو غلط ہے برملا اس کی غلطی کو ظاہر فرمایا ہے۔

آپ کی چند تصانیف فن منطق میں بھی ہیں، لیکن وہ مطبوع نہ ہوسکیں ورنہ امام ممدوح کی وسعت نظری کے مزید جلوے نکھر کے سامنے آتے۔

امام احمد رضا علوم عقلیہ میں ماہرانہ نگاہ رکھتے تھے، جدید سائنس اور قدیم فلسفہ کے جو نظریات اور افکار اسلام سے متصادم ہیں یا کہ واقعیت سے دور ہیں، آپ نے ایک حاذق طبیب کی طرح اس کا مکمل پوسٹ مارٹم کیا ہے۔

منطقی علوم سے اہل یورپ کی تہی دامنی:

اہل یورپ کے منطقی علوم میں تہی دامن ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول:۔ اہل ہیئت جدیدہ کی ساری مہارت ریاضی، ہندسہ، ہیئت میں منہمک ہے۔ عقلیات میں ان کی بضاعت قاصر یا قریب صفر ہے، وہ نہ طریق استدلال جانتے ہیں نہ داب بحث۔ کسی بڑے مانے ہوئے کی بے دلیل باتوں کو اصول موضوعہ ٹھہرا کر ان پر بے سر وپا تفریعات کرتے چلے جاتے ہیں، پھر وثوق وہ کہ گویا آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ بلکہ مشاہدہ میں غلطی پڑسکتی ہے، ان میں نہیں۔ ان کے خلاف دلائل قاہرہ ہوں تو سننا نہیں چاہتے، سنیں تو سمجھنا نہیں چاہتے، سمجھیں تو ماننا نہیں چاہتے، دل میں مان بھی جائیں تو اس لکیر سے پھرنا نہیں چاہتے۔ (الفوز المبین فصل دوم)

الفوز المبین میں دوسری جگہ نیوٹن کے نظریہ کہ ''ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے، جسے جاذبت کہتے ہیں''۔ کا رد کرتے ہوئے کتاب کی فصل دوم میں خالص منطقی اسلوب میں فرماتے ہیں:

اقول: فرض کردم کہ سیب گرنے سے زمین پر جاذبت کا آسیب آیا، مگر اس سے شمس میں جاذبیت کیسے سمجھی گئی، جس کے سبب گردش کا طومار باندھ دیا گیا۔ کیا اس پر کوئی سیب گرتے دیکھا؟ یا یہ ضرور ہے کہ جو کچھ زمین کے لیے ثابت ہو آفتاب میں بھی ہو، زمین بے نور ہے، آفتاب سے منور ہوتی ہے، آفتاب بھی بے نور ہوگا کسی اور سے روشن ہوگا۔ یوں ہی یہ قیاس اس ثالث کو نہ چھوڑے گا، اس کے لیے رابع درکار ہوگا، اور اسی طرح غیر متناہی چلا جائے گا، یا واپس آئے گا۔ مثلاً شمس ثالث سے روشن اور ثالث شمس سے، وہ تسلسل تھا، یہ دور ہے، اور دونوں محال۔ یہ منطق الطیر اسی بے بضاعتی کا نتیجہ ہے جو ان لوگوں کو علوم عقلیہ میں ہے، ورنہ ہر عاقل جانتا ہے کہ شاہد پر

غائب کا قیاس محض وہم و وسواس ہے۔

یہ ہے امام موصوف کا منطقی طرز استدلال، جس سے عقلی علوم میں وسیع تبحر کا پتہ چلتا ہے، اور نیوٹن وغیرہ یوروپی سائنسدانوں کی منطق سے بے خبری کا پتہ دیتا ہے۔

منطق کے اصول وقواعد چونکہ استدلال کے لیے ہیں اور اس میں کوئی دعویٰ نہیں ہوتا، فلاسفہ نے اپنے دعاوی ونظریات کے لیے منطقی اسلوب کو اپنایا ہے، اس لیے امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے زیادہ توجہ ردفلسفہ وسائنس کی طرف کی ہے۔

چنانچہ خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی صاحب حفظہ اللہ رسالہ ''مقامع الحدید'' کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''امام احمد رضا قدس سرہ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ پر ناقدانہ وماہرانہ نگاہ رکھتے تھے اور اپنی اس بے پناہ بصیرت کو تجدید دین واحیائے سنت میں استعمال کرتے تھے''۔

سائنس وفلسفہ سے متعلق سوالات بھی مجدد اعظم قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوئے ان دونوں کے تمام افکار ونظریات اسلام سے متصادم نہیں لیکن قدیم فلسفہ کے بیشتر نظریات اور موجود سائنس کے بعض مزعومات اسلامی افکار ومسائل سے ضرور متصادم ہیں اور مادہ پرستی تو دونوں کا جزولاینفک ہے، جسے اسلام بلکہ عیسائیت اور یہودیت سے بھی تعلق نہیں۔

مزید تحریر فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا نے فلسفہ اور سائنس کے اصول ومبادی اور مسلمات کا تجزیہ کرتے ہوئے انہیں کی روشنی میں اور مضبوط عقلی دلائل وبراہین سے ان غلط افکار ونظریات کا تعاقب کیا ہے جو ہر فلسفی اور سائنسداں کے لیے اسلام کی جانب سے ایک زبردست چیلنج ہے''۔ (رسالہ مقامع الحدید، ص:۳)

رسالہ مقامع الحدید کا تعارف:

امام احمد رضا قدس سرہ کے ایک عقیدت کیش نواب مولانا سلطان احمد بریلوی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے ایک استفتا کیا تھا۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ ایک معقولی عالم مولوی محمد حسن صاحب سنبھلی نے ''**المنطق الجديد لناطق ألنَّالَةُ الحديد**'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں غیر اسلامی اور خالص فلسفیانہ نظریات کو بڑے زوردار طریقے سے پیش کیا تھا۔

نواب صاحب نے اس میں سے چند اقوال نوٹ کر کے امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے شرعی احکام دریافت کیے، جس کے رد میں ''**مقامع الحديد على خد المنطق جديد**'' تحریر کی گئی، جس میں ان اقوال مسئولہ کا باطل اور کفری ہونا ثابت کیا گیا۔

المنطق الجدید کے چند کفری اقوال اس طرح ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا عالم کے دس خالق اور ہیں۔

(۲) مادہ اجسام قدیم ہے۔

(۳) صورت جسمیہ ونوعیہ قدیم ہیں۔

(۴) عقول عشرہ ونفوس قدیم ہیں۔

(۵) حدوث تغیر نہ کوئی شئی نابود تھی نہ کبھی نابود ہو بلکہ جسے ہم کہتے ہیں اب تک نہ تھی وہ فقط پوشیدہ تھی اور جسے کہتے ہیں اب نہ رہی، وہ صرف مخفی ہوگئی، حقیقتاً ہر چیز ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

(٦) بعض چیزیں خود زیادہ استحقاق ایجاد رکھتی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ انہیں نہ بنائے تو بخیل ٹھہرے اور ترجیح مرجوح لازم آئے۔

اقوال مذکورہ میں پہلا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عالم کے دس خالق اور ہیں۔

امام اہل سنت قول اول کی تردید کرتے ہوئے مقامع الحدید کے صفحہ ۲۱ پر فرماتے ہیں: ہر عاقل جانتا ہے کہ مدار حقیقت ثبوت فی الواقع پر ہے اور وہ ذاتی ومستفاد دونوں سے عام ہے، اگر حقیقت منوط بہ ذاتیت ہو تو لازم آئے کہ معاذ اللہ خلق اشیا حقیقۃً جناب باری سے مسلوب بلکہ محال ہو اور اس کا اثبات فقط مجازی خیال کہ جب حقیقۃً افاضہ وجود نہ ہوا تو واقع میں کچھ نہ بنا۔ ''**اعطیٰ کل شئ خلقه**'' کیونکر صادق آئے۔ لاجرم ایسی مجازیب صدق حقیقی کی نافی

نہ ثبوت واقعی کے منافی تو زید کا یہ بیان علی الاعلان منادی کہ عقول عشرہ سے صرف خالقیت ذاتیہ منفی۔ ورنہ وہ حقیقۃً خالق عالم ہیں، جیسے چاند منیر زمین۔ اگرچہ یہ خالقیت حق جل وعلا سے مستعار۔ جس طرح سے شمس سے قمر کے انوار۔

حاش للہ، نہ اللہ کے سوا کوئی خالق بالذات نہ ہرگز ہرگز اس نے منصب ایجاد عالم کسی کو عطا فرمایا کہ قدرت مستفادہ سے خالقیت کیا کرے۔ **جل سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون.**

قدرت مستفادہ پر حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"**واما "أخلق من الطين كهيئة الطير"**۔ یعنی قرآن میں جو خلق کی نسبت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مٹی میں جسم تعلیمی کی تبدیلی کرنا ہے نہ کہ جسم طبعی کی ایجاد بلکہ وہ بھی یعنی زوال ابعاد وحدوث ابعاد اخریٰ حکماً کے طور پر ہے، جو کم متصل کے قائل ہیں لیکن متکلمین جو جسم کی ترکیب جواہر فردہ سے مانتے ہیں، ان کے طور پر نہ کوئی شئ زائل ہوئی نہ کوئی شئ پیدا ہوئی۔

بلکہ جواہر فردہ طول سے عرض کی طرف یا عرض سے طول کی طرف منتقل ہوگئے تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فعل صرف اجزائے جسم کی ہیئت کا ابدا واظہار ہے، نہ کہ گوشت ہڈی وغیرہ کی ایجاد۔ لہٰذا خلق ایجاد نہیں بلکہ ابداء ہے۔

اس عبارت میں محشی علامہ قدس سرہ نے جس ہنرمندی سے حقائق کو بیان کیا ہے، یہ انہیں کا حصہ ہے۔ قاری اسے پڑھ کر بے ساختہ امام اہل سنت کی دقت نظری کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح "**جعل الشمس ضياء والقمر نوراً**".

پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں۔

آیۃ کریمہ نص واضح ہے کہ قمر مستنیر ہوکر انارۂ عالم کرتا ہے۔ عقل کی جہت سے یہی راجح ہے اور محققین کا میلان بھی اسی طرف ہے جیسے امام رازی وغیرہ نہ کہ بے استنارہ صرف ضوء شمس کا تادیہ کرے، جیسا کہ یہ بعض فلاسفہ کا گمان ہے۔

رہا یہ کہ وہ خود نورانی نہیں بلکہ پرتو مہر سے روشن ہوتا ہے۔

اقول: اس کی نہ ہم نفی کریں، کیونکہ کوئی نص اس کی تکذیب میں وارد نہیں ہے۔ نہ اس پر جزم ضرور کیونکہ دلیل یقینی اس کی تصویب پر نہیں ہے باقی رہا دوران وہ برہان میں سے کچھ نہیں ہے۔

اگرچہ ان کا گمان یہ ہے کہ یہ بدیہی ہے حدس سے ثابت ہے۔

یہ کیسے ہوگا، حالانکہ چاندوں کے بارے میں ابن ہیثم کے قول کے ابطال پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے۔

اور چاند گرہن کے بارے میں جو حدیث انہوں نے ذکر کی تو ایسا ہونا ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جب چاہے چاند کا نور سلب کردے بغیر اس کے کہ سورج اور چاند کے درمیان زمین حائل ہو جو کہ چاند گرہن کا موجب ہے۔ اور معیت مفید علیت نہیں۔ بلکہ یہ جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے یہی ظاہر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ اور بیشک فلاسفہ کا جھوٹ ہم نے دیکھ لیا اس سورج گہن میں جو عہد رسالت میں ۱۰ ر شوال کو واقع ہوا باوجودیکہ ان کے قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ سورج گرہن صرف مہینہ کے آخر میں واقع ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مقارنت اسی وقت ہوتی ہے۔

ہمارے لیے سورج گرہن میں دوران کا ٹوٹ جانا ظاہر ہوگیا ہے تو چاند گرہن میں بھی ظاہر ہوجائے گا، علاوہ ازیں اس باب میں اور کئی احتمال ہیں جن میں کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کے بارے میں خبر نہیں دی گئی ہم اسے قیامت تک یوں ہی مضطرب دیکھیں گے ہاں امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے میزان الشریعۃ الکبریٰ میں افادہ فرمایا۔

کہ نور قمر کے نور شمس سے مستفاد ہونے پر اہل کشف کا اجماع ہے اسی وجہ سے ہم اس کے قائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ان مذکورہ اقوال میں امام احمد رضا نے جس دقت نظری اور عمیق فکری کا اظہار فرمایا ہے یہ انہیں کا حصہ ہے۔

ساتھ ہی اس قاعدہ کی طرف خصوصی التفات کیا ہے۔

کہ معیت یعنی ایک شئ کا دوسری شئ کے ساتھ پایا جانا اس کی

علامت نہیں ہے کہ اول ثانی کی علت ہے اسی طرح دوران یعنی ایک شئ کا دوسری شئ کے ساتھ اکثر اوقات یا جمیع وقت دائر ہونا ہر گز مفید علیت نہیں ہے۔ جبکہ اہل ظاہر دوران یا معیت کو کبھی علیت کا موجب مان لیتے ہیں جو ان کی صریح کج فہمی ہے۔

علیت کے لیے دلیل قوی ضروری ہے تاکہ کبھی تخلف نہ ہو اور معیت و دوران میں تخلف کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

یہ ہے امام موصوف کی عقلی پرواز جہاں بڑے بڑے غلطی میں واقع ہو جاتے ہیں وہاں امام موصوف کا علمی جلال پورے عروج پر ہوتا ہے اور خطا کا امکان بھی نہیں رہتا۔

مادہ کو قدیم ماننے والوں کا رد:

اقوال مذکورہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ مادہ اجسام قدیم ہے۔

امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اس کفری قول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شفا و نسیم الریاض میں ہے:

"من اعترف بالٰھیة اللہ ووحدانیتہٖ لکنہ اعتقد قدیماً غیرہ (ای غیر ذاتہ وصفاتہ) اشارة الی ماذھب الیہ الفلاسفہ من قدم .. العالم .. والعقول) او صانعاً للعالم سواہ (کالفلاسفہ الذین یقولون ان الواحد لایصدر عنہ الا واحد"

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے اور واحد ہونے کا اقرار کرے لیکن خدا کی ذات وصفات کے علاوہ کسی قدیم کا قول کرے جیسے فلاسفہ عالم اور عقول کو قدیم مانتے ہیں تو یہ سب کفر ہے۔

اور اس کا عقیدہ رکھنے والا باجماع مسلمین کافر ہے۔

مزید اسی میں ہے:

"یقع بکفر من قال بقدم العالم اوبقائہٖ او شک فی ذالک علی مذھب بعض الفلاسفہ. لمافیہ من تکذیب اللہ ورسولہ و کتبہ".

یعنی جو عالم کے قدیم ہونے کا قول کرے یا عالم کو ابدی کہے یا بعض فلاسفہ کے مذہب کے مطابق اس میں شک کرے تو وہ کفر میں پڑیگا کیونکہ اس عقیدہ سے اللہ ورسول وکتب سماویہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ (اور خدا اور رسول وکتب الٰہیہ کی تکذیب خالص کفر ہے)

"طوالع الانوار من مطالع الانظار" میں ہے:

"اثبات المتعدد من الذوات القدیمہ ھو الکفر اجماعاً"

یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ متعدد ذوات قدیمہ کو ماننا قطعی کفر ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

بلکہ حدوث تمام اجسام، وصفات اجسام پر عام اہل ملل کا اتفاق ہے۔ یہود ونصاریٰ تک اس میں خلاف نہیں رکھتے۔

شرح المواقف میں ہے:

"الاجسام محدثتہ بذواتھا الجوھریة وصفاتھا العرضیة وھوالحق وبہ قال الملیون کلھم من المسلمین والیھود والنصاریٰ والمجوس".

یعنی اجسام اپنی ذوات جوہریہ اور صفات عرضیہ کے ساتھ حادث ہیں اور یہی حق ہے اور تمام اہل ملت، مسلمین ویہود ونصاریٰ ومجوس کا یہی قول ہے۔

منطقی اصطلاحات کا بہترین استعمال:

امام اہل سنت نے اپنی تصنیفات میں مسائل کی تفہیم کے لیے اصطلاحات منطقیہ کو جس خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے، اس سے منطق میں ان کی جلالت وعظمت کے ساتھ ساتھ فن منطق کی آلیت بھی خوب اجاگر ہو جاتی ہے۔ چند مثالیں ہدیۂ ناظرین ہیں:

(۱) امام اہل سنت قدس سرہ نے اپنے رسالہ "جزاء اللہ عدوہ" کے آخر میں تحریر فرمایا تھا کہ سید صحیح النسب سے کفر کا وقوع نہیں ہوگا اور جو کافر ہے وہ قطعاً سید نہیں۔

اس پر مولانا عبدالوحید صاحب فردوسی رئیس پٹنہ کو شبہ ہوا اور انھوں نے استفسار اور وضاحت کے لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے بایں طور استفتا کیا۔

سوال:۔ جزاء اللہ عدوہ کے آخر میں جناب حضرات سادات کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان پر طریان کفر ناممکن نہ یہ نیچری وغیرہ ہوسکیں حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔

دوسرے جملہ سادات کی سیادت پر تیقن اٹھ جائیگا استدلال جناب بہ عموم آیت وحدیث شریف تحقیقات دیگر علما ہے جو اسے مخصوص بحضرات طیبین رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں۔ تیسرے پھر سادات کرام بھی قطعی جنتی ہوئے انھیں اندیشہ آخرت کیا باقی رہا،

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سوال مذکور کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

تیسرا شبہ کہ سادات کرام جنتی ٹھہریں گے۔ جبھی اس قضیے کے موضوع ومحمول دونوں میں دو احتمال ہیں۔ سادات کرام یعنی وہ جو عند اللہ سادات کرام یا وہ جو بنام سیادت مشہور ہیں عام ازیں نفس الامر اور علم الٰہی میں کچھ ہو اور قطعی جنتی یعنی بلا سبقت عذاب جس سے دخول نار کی نفی ہو یا قطعی جنتی بعاقبت وانجام کہ خلود نار کی نفی ہو۔

اب یہ چار محمل ہیں اور فقیر کے دعویٰ سے ایک کو بھی مس نہیں، پہلے عرض کر چکا کہ غیر حسنین میں نفی دخول بطور رجا نظر بہ ظہور وتبادر ہے پھر قطعیت کہاں، بلکہ نفی دخول بھی مسئلہ ظنیہ ہے۔

اگر چہ بحمد اللہ یہ ظن غالب اکبر رائے ملتحق بسر حد یقین ہے۔ جسے فقہا یقین ہی کے پلے میں رکھتے ہیں، مگر نہ یقین کلامی کہ مسئلہ عقائد قطعیہ سے قرار پائے اور اس میں ادنیٰ شک کو راہ دینے والا گمراہ وخارج از اہل سنت ٹھہر جائے جزاء اللہ عدوہ ص ۱۰۴ میں امام ابن حجر کے الفاظ ملاحظہ فرمائے ہوں گے، **لاننی اکاد ان اجزم ان حقیقۃ الکفر تقع.** اس لیے کہ بے شک میں اس بات پر جزم کرتا ہوں کہ صحیح النسب سید سے حقیقی کفر کا وقوع نہیں ہوتا۔

اور بالفرض نفی دخول بلکہ بفرض غلط نفی دخول ہی قطعی مان لی جائے تو کس کے لیے ان کے لیے جو عند اللہ سادات کرام ہیں نہ ہر اس شخص کے لیے جو سید کہلاتا ہو اگر چہ واقع میں نہ ہو اور اب کسی معین میں حصول وصف عنوانی پر قطع ویقین کی طرف راہ نہیں۔ تو ثبوت وصف محمول کیونکر مقطوع بہ ہو جائے گا اور کسی معین کو اندیشہ آخرت کیوں اٹھ جائے گا کہ ہر ایک میں عدم علم نفس الامر کے سبب احتمال لگا ہوا ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۳۰ ص: ۷۷)

اس اقتباس میں امام اہل سنت قدس سرہ نے منطق کی مندرجہ ذیل اصطلاحات کو استعمال کیا ہے،

(۱) قضیہ۔ (۲) موضوع۔ (۳) وصف عنوانی۔ (۴) وصف محمول۔

(۲) رسالہ **''الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء''** کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

نسبت واسناد دو قسم ہے۔ (۱) حقیقی کہ مسند الیہ حقیقت سے متصف ہو (۲) مجازی کہ کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کر دیں، جیسے نہر کو جاری یا جالس سفینہ کو متحرک کہتے ہیں حالانکہ حقیقۃً آب وکشتی جاری ومتحرک ہیں۔

پھر حقیقی بھی دو قسم ہے۔

(۱) ذاتی کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو (۲) عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقۃً متصف کر دیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو جیسے واسطہ فی الثبوت میں۔ یا نہیں جیسے واسطہ فی الاثبات میں۔ ان سب صورتوں کی اسنادیں تمام محاورات عقلا جہاں واہل ہر مذہب وملت وخود قرآن وحدیث میں شائع وذائع۔

پھر چند مثالوں کے بعد فرماتے ہیں۔ وہابیہ کے مسائل شرکیہ، استعانت امداد وعلم غیب وتصرفات وغیرہا ایسے فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ وہابیہ کے نزدیک شرک امور عامہ سے ہے کہ عالم میں کوئی موجود اس سے خالی نہیں''۔

رسالہ کے آخر میں تذئیل کے عنوان سے فرماتے ہیں اقول وباللہ التوفیق۔

احکام الٰہیہ دو قسم ہیں: (۱) تکوینیہ (۲) مثل احیا اماتت، قضائے حاجت، دفع مصیبت، عطائے دولت ، رزق نعمت، فتح وشکست وغیرہا عالم کے بندوبست۔

(۲) تشریعیہ کہ فعل کو فرض یا حرام یا واجب ومکروہ یا مستحب ومباح کر دینا، مسلمانوں کے سچے دین میں ان دونوں حکموں کی ایک ہی حالت ہے کہ غیر خدا کی طرف بروجہ ذاتی احکام تشریعی کی اسناد بھی شرک ہے۔

اور بروجہ عطائی امور تکوین کی اسناد بھی شرک نہیں قال اللہ تعالیٰ :"**فالمدبرات امرا**"، قسم ان مقبول بندوں کی جو کاروبار عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔

اس عبارت میں امام اہل سنت نے اسناد، واسطہ فی الثبوت، واسطہ فی الاثبات، اسناد حقیقی، اسناد مجازی، کو پوری فنی مہارت کے ساتھ استعمال کیا ہے اور توضیح مقصود کے لیے اسے ضروری قرار دیا ہے۔

(۳) امام اہل سنت قدس سرہ نے اپنے رسالہ "باب العقائد والکلام میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل کو جاننا بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، کوئی کافر کسی قسم کا ہو، ہرگز خدا کو نہیں جانتا۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہاں ناواقفوں کو شبہ گزرتا ہے کہ کافروں کے صدہا فرقے اللہ تعالیٰ کو جانتے بلکہ مانتے بھی ہیں، اس کا کیا جواب ہوگا؟ پھر تقریر جواب کے لیے فرماتے ہیں:

اقول باللہ التوفیق، ایجاب وسلب متناقص ہیں، جمع نہیں ہو سکتے، وجود شی اس کے لوازم کے وجود کا مقتضی اور ان کے نقائض ومنافیات کا نافی ہے کہ لازم کا منافی موجود ہو تو لازم نہ ہو، اور لازم نہ ہو تو شی نہ ہو تو ظاہر ہوا کہ سلب شی کے تین طریقے ہیں:

اول: خود اس شی کی نفی، مثلاً کوئی کہے انسان ہے ہی نہیں۔
دوم: اس کے لوازم سے کسی شی کی نفی، مثلاً کہے: انسان تو ہے لیکن وہ ایک ایسی شی کا نام ہے جو حیوان یا ناطق نہیں۔ سوم: اس کے منافیات سے کسی شی کا اثبات، مثلاً کہے: انسان حیوان ناہق یا حیوان صاہل سے عبارت ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں پچھلوں نے اگرچہ زبان سے انسان کو موجود کہا مگر حقیقتاً انسان کو نہ جانا اور وہ اپنے زعم باطل میں کسی ایسی چیز کو انسان سمجھے ہوئے ہیں جو ہرگز انسان نہیں تو انسان کی نفی اور اس سے جہل میں یہ دونوں اور وہ پہلا جس نے سرے سے انسان کا انکار کیا، سب برابر ہیں، فقط لفظ میں فرق ہے۔

مولیٰ عزوجل کو جمیع صفات کمال لازم ذات اور جمیع عیوب و نقائص اس پر محال بالذات کہ اس کے کمال ذاتی کے منافی ہیں، کفار میں ہرگز کوئی نہ ملے گا جو اس کی کسی صفت کمالیہ کا منکر یا معاذ اللہ اس کے عیوب ونقائص کا مثبت نہ ہو، تو دہریے اگر قسم اول کے منکر ہیں کہ نفس وجود سے انکار رکھتے ہیں، باقی سب کفار دو قسم اخیر کے منکر ہیں، کہ کسی کمال لازم ذات کے نافی یا کسی عیب منافی ذات کے مثبت ہیں، بہر حال اللہ عزوجل کو نہ جاننے میں وہ اور دہریے برابر ہوئے، وہی لفظ اور طرز ادا کا فرق ہے۔ دہریوں نے سرے سے انکار کیا اور ان قہریوں نے اپنے اوہام تراشیدہ کا نام خدا رکھ کر لفظ کا اقرار کیا۔

مولیٰ سبحانہ فرماتا ہے: "**افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ**" دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا۔

والہٰذا آیت کریمہ "**لیقولن اللہ**" کے تتمہ میں ارشاد ہوا: "**قل الحمد للہ بل اکثرھم لایعلمون**" اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے؟ کہیں گے اللہ۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۵/ص:۳۴۶)

"**قل الحمد للہ**" تم کہو حمد اللہ کی کہ اس کے منکر بھی ان صفات میں اسی کا نام لیتے ہیں، مگر کیا اس سے یہ سمجھے کہ وہ الہ کو جانتے ہیں؟ نہیں "**بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ**" بلکہ اکثر اسے جانتے ہی نہیں۔ "**اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ**" وہ تو یوں ہی اپنی سی اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

رہا یہ کہ یہاں اکثر سے نفی علم فرمائی۔

اقول: اولاً دفع شبہ کو اتنا ہی کافی کہ آخر یہ ان کے اکثر سے نفی

ہے جو اقرار کرتے تھے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہی ہے۔

معلوم ہوا کہ ان کا اقرار باللہ منافی جہل باللہ نہیں۔

اور ہمارے سالبہ کلیہ کی نفی نہ فرمائے گا کہ یہ مفہوم لقب سے استدلال ہوا، اور وہ صحیح نہیں۔ اکثر سے نفی سلب جزئی ہوئی اور سلب جزئی کلی کو لازم ہے، نہ کہ اس کا منافی۔

اس اقتباس میں امام اہل سنت نے نقیض، لازم، ایجاب وسلب، سالبہ جزئیہ، سالبہ کلیہ، محال، لازم ذات جیسی عقلی اصطلاحات کو جس خوبی سے استعمال کیا ہے اور معنی کفر کی جیسی شاندار وضاحت کی ہے، اس کی نظیر دوسروں کے کلام میں ملنا مشکل ہے۔

اگر فرق باطلہ کے اصحاب اسے ذہن نشین کر کے اپنے نظریات کا غیر جانب دارانہ تجزیہ کریں تو امید ہے کہ وہ حق کی طرف رجوع لے آئیں گے۔

(۴) امام اہل سنت قدس سرہ سبحان السبوح کے تنزیہ دوم کی دلیل ششم میں ارشاد فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کلام الٰہی ازل میں بایجاب کلی حق تھا، معاذ اللہ اس کا بعض باطل یا نہ حق نہ باطل، شق ثانی تو کفر صریح اور ثالث میں مطابقت ولا مطابقت دونوں کا ارتفاع اور وہ قطعاً محال۔

اولاً: بالبداہۃً کیوں کہ انفصال حقیقی کے دونوں محمول کا موضوع سے ارتفاع نقیضین کے ارتفاع کی طرح ہوتا ہے۔

ثانیاً: باجماع عقلا کہ جمہور کے نزدیک خبر یا صادق ہے یا کاذب، کیوں کہ اگر وہ واقع کے مطابق ہے تو صادق، اگر مطابق نہیں ہے تو کاذب، اور یہ منفصلہ حقیقیہ ہے جو نفی و اثبات کے درمیان دائر ہے۔

ثالثاً: خود قرآن عظیم نفی واسطہ پر ناطق، قال مولیٰ ذوالجلال: "**فماذا بعد الحق الا الضلال**" پھر حق کے بعد کیا ہے، مگر گمراہی۔ تو لاجرم شق اول متعین اور شاید مخالف بھی اس سے انکار نہ رکھتا ہو، اب ہم پوچھتے ہیں: کذب ممکن علی فرض الوقوع صرف کسی کلام لفظی کو عارض ہوگا یا نفسی کو بھی؟ اول محض بے معنی کہ صدق و کذب حقیقتاً وصف معنی ہے، نہ صفت عبارت۔

ولہٰذا شرح مقاصد میں فرمایا: طریق اطراد ہذا الوجہ فی کلام الملتزم من الحروف المسموعۃ انہ عبارۃ عن کلام الازلی ومرجع الصدق والکذب الی المعنی"۔ یہ تو ایسے کلام میں جاری ہے جو صرف مسموعہ سے بنی ہے، اور یہ کلام ازلی سے عبارت ہے، اور صدق و کذب کا مرجع معنی ہے۔

بر تقدیر ثانی یہ کلام نفسی وہی کلام قدیم یا علی تقدیر التجزی اس کا بعض ہوگا، جو ازل میں ایجاباً کلیاً صادق تھا یا اس کا غیر، شق ثانی پر قیام حوادث اور اول میں انقلاب صدق بکذب کہ کلام بشر میں بھی محال۔ سچی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوسکتی، نہ جھوٹی کبھی سچی، ورنہ مطابقت ولا مطابقت میں تصادم لازم آئے۔ اور نقیضین باہم نقیضین نہ رہیں۔

بالجملہ کلام صادق کے لیے ثبوت صدق ضروری تو سلب ضرورت ضرورۃً مسلوب۔

اس طویل دلیل میں مندرجہ ذیل اصطلاحات مذکور ہیں:

(۱) ایجاب کلی منفصلہ حقیقیہ نقیض فرض سلب ضرورت یعنی امکان عام، ضرورت یعنی بدیہی۔

الحاصل امام اہل سنت کی اکثر تصنیفات جو عقائد و اعمال کی صحت حقانیت کے اظہار کے لیے معرض وجود میں آئی ہیں۔ ان کی دقیق وعلمی بحث میں جس عقلی فن کی ضرورت پڑی ہے، آپ نے ان عقلی علوم کے مبادی ومسلمات کی روشنی میں مسئلہ کو ایسا اجلی ومنور کر کے سمجھایا ہے کہ اس پر اضافہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور منطقی اصطلاحات کو اتنی کثرت کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ عقل میں پیدا ہونے والے تمام احتمالات وشبہات کا کوئی حصہ آپ سے اوجھل ہے ہی نہیں۔ دوسروں کے عقل کی رسائی جہاں ختم ہوتی ہے، امام اہل سنت اس سے بہت آگے دیکھتے ہیں۔ اور تمام احتمالات وشکوک کا مکمل احاطہ کرتے ہیں، تا کہ کوئی شق بیان حکم سے خالی نہ رہ جائے۔ عام حکما وعقلا جہاں صرف معروف احتمال پر کلام

کرتے ہیں وہاں آپ معلوم وغیر معلوم دونوں پہلوؤں کا لحاظ کر کے اس پر بھر پور توجہ دیتے ہیں۔

بہر حال امام اہل سنت قدس سرہ کے تفکر و تعقل کا دائرہ تمام حکمائے عالم سے زیادہ وسیع وعمیق و رفیع ہے۔ عقلی فنون کا کوئی مسئلہ آپ کے احاطۂ علم سے ہرگز باہر نہیں ہے۔ کسی نے سچ کہا:

ولیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

خدا کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ ایک فرد میں عالم جمع فرمادے۔

امام اہل سنت انھیں منتخب و برگزیدہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں، جن کی ذات میں سارا عالم پنہاں ہے۔

ماذا یقول الواصفون له

وصفاته جلت عن الحصر

هو حجة لله قاهرة

هو بيننا اعجوبة الدهر

هو آية فی الخلق ظاهرة

انوارها اربت علی الفجر

☆☆☆

ماخذ ومصادر

(۱) النبراس شرح شرح عقائد — علامہ عبدالعزیز فرہاروی

(۲) خون کے آنسو، — علامہ مشتاق احمد نظامی

(۳) حاشیہ قاضی مبارک — علامہ فضل حق خیر آبادی

(۴) مرضات حاشیہ مرقات علامہ عبدالحکیم شرف قادری

(۵) ردالمحتار — علامہ ابن عابدین شامی

(۶) ہدایۃ البریۃ — علامہ نقی علی خاں بریلوی

(۷) امام احمد رضا اور علوم عقلیہ — مفتی شبیر حسن بستوی

(۸) الکلمۃ الملہمہ — امام احمد رضا قادری

(۹) الفوز المبین — // //

(۱۰) مقامع الحدید — // //

(۱۱) سبحٰن السبوح — // //

(۱۲) فتاوی رضویہ — // //

☆☆☆☆☆

حضرت وارث علی شاہ (دیوا شریف) کا قول

☆☆☆

حاجی سید وارث علی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے پائے کے بزرگ گزرے ہیں، بڑی سادہ زندگی گزاری۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے شہر مدینے شریف پہنچے تو جوتی اُتار دی پھر ساری زندگی جوتی کے بغیر ہی گزار دی۔

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ فرمایا، آپ کی عمر 25 سال تھی، آپ سید صاحب کی زیارت کے لیے ''دیوا شریف'' پہنچے۔ اعلیٰ حضرت اور سید وارث علی شاہ کا اس وقت تک آپس میں کوئی تعارف نہیں تھا، ملاقات کا یہ پہلا موقع تھا، پیر صاحب رونق افروز تھے، مریدین آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب اعلیٰ حضرت پہنچے تو سید صاحب فوراً سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''مولانا اعلیٰ حضرت آ گئے''۔

حضرت سید وارث علی شاہ صاحب کے پاس بڑے بڑے علماء آتے تھے آپ کسی کو مولانا نہیں کہتے تھے اور نہ ہی اعلیٰ حضرت کہتے تھے۔ پہلی مرتبہ آپ نے جس کو مولانا اور اعلیٰ حضرت کہا تو وہ سیدی امام احمد رضا خان ہی ہیں۔

☆☆☆

(چہرہ والضحیٰ از مولانا الٰہی بخش قادری مطبوعہ انجمن غلامانِ قطبِ مدینہ لاہور ص 105)

امام احمد رضا اور علم مناظرہ

مقالہ نگار

مولانا مفتی سید شہباز اصدق چشتی (سہسرام: بہار)

مولانا مفتی سید شہباز اصدق چشتی بن حضرت مولانا سید شاہ شبیر اصدق غوثی سابق سجادہ نشیں: خانقاہ غوثیہ سہسرام (ضلع روہتاس: بہار) ۱۶/ دسمبر ۱۹۹۰ء کو سہسرام میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن مالوف میں حاصل کی۔ درجہ اولیٰ تا درجہ تحقیق کی تعلیم طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی، ضلع مئو: یوپی) میں پائی۔ شعبہ فضیلت کی تکمیل ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء میں کی اور ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء میں شعبہ تحقیق سے فراغت حاصل کی۔ مولانا موصوف خانقاہ غوثیہ اصدقیہ (سہسرام) کے ولی عہد ہیں۔ فی الوقت دارالعلوم قادریہ غریب نواز (لیڈی اسمتھ: ساؤتھ افریقہ) میں شعبہ علوم اسلامیہ کے استاذ اور صدر مفتی ہیں۔ اسی ادارہ سے جاری ہونے والے سہ ماہی ''المعین'' (انگریزی) کے ایڈیٹر ہیں اور ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کی مجلس ادارت کے رکن اور مضمون نگار ہیں۔ مدرسہ غوثیہ گلزار اصدق (سہسرام: بہار) کے ناظم تعلیمات ہیں۔ تادم تحریر نصف درجن کتابیں اور درجنوں مضامین ومقالات آپ کے زرنگار قلم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوکر ارباب علم ودانش سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

رابطہ نمبر: 27838463037+

امام احمد رضا اور علم مناظرہ

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلی حضرت امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کوجن کثیر علوم وفنون میں ید طولیٰ حاصل تھا ان میں ''فن مناظرہ'' بھی آفاقی شہرت کا حامل ہے۔ اس فن میں امام اہل سنت کی عظمت ورفعت اوران کی ممتاز خدمات کا مختصر جائزہ لینے سے قبل اس فن سے متعلق چند ضروری امور اوراصطلاحات کا جاننا ضروری ہے۔

فن مناظرہ: ایک تعارفی جائزہ

مناظرہ کا لغوی معنی:

اگر مناظرہ نظیر سے مشتق ہوتو معنی ہوگا ''ہم مثل ہونا'' اسی لیے کہتے ہیں " یَنبغی للمنا ظرینِ ان یکونا مُتساوِیَینِ فی العلمِ "یعنی دونوں مناظروں کوعلم میں ہم پلہ ہونا چاہیے''۔

اگر مناظرہ ''نظر'' بمعنی ''رؤیت'' سے مشتق ہوتو معنی ہوگا'' ایک دوسرے کو دیکھنا'' اسی لیے کہتے ہیں " یَنبغی للمُنا ظرینِ ان یبصر کل واحد منهماالآخر " یعنی مناظرین میں سے ہرایک کو چاہیے کہ ہرایک دوسرے کودیکھتا رہے۔

اگر مناظرہ ''نظر'' بمعنی ''غوروفکر'' سے مشتق ہوتو معنی ہوگا ایک دوسرے کے کلام میں غوروفکر کرنا۔ اسی لیے کہتے ہیں " ینبغی للمناظرین ان یتفکر کل واحد منهما فی کلام الآخر " یعنی دونوں مناظروں میں سے ہرایک کودوسرے کے کلام میں غوروفکر کرنا چاہیے۔

اگر مناظرہ نظر بمعنی ''انتظار'' سے مشتق ہوتو معنی ہوگا ''انتظار کرنا'' اسی لیے کہتے ہیں ' ینبغی للمناظرین ان ینتظر کل واحد منهمـا انتهـا ء کلام الآخر " یعنی مناظرین میں سے ہرایک کو دوسرے کے کلام ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔

مناظرہ کے مذکورہ لغوی معانی ذکر نے سے مقصود یہ ہے کہ تقریبا یہ تمام معانی بوقت مناظرہ کلیدی کردارادا کرتے ہیں۔

مناظرہ کی اصطلاحی تعریف:

اس فن کی مایہ ناز کتاب ''مناظرہ رشیدیہ'' میں ''علم المناظرہ'' کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے " توجه المتخا صمین فی النسبة بین الشئین اظها ر للصواب " دوجھگڑنے والوں کا دو چیزوں کی نسبت میں صواب کے اظہار کے لیے متوجہ ہونا

موضوع:" الادلة من حیث انها تثبت المدعی علی الغیر " یعنی علم مناظرہ کا موضوع دلائل ہیں اس حیثیت سے کہ وہ غیر پر مدعی ثابت کریں گے۔

غرض:''صیانة الذهن عن الخطاء فی الصواب الی المطلوب'' ۔یعنی ذہن کو خطاء فی الوصول الی المطلوب سے بچانا۔

علم مناظرہ کی شرعی حیثیت:

ازروئے شرع علم مناظرہ کی کیا حیثیت ہے؟ اس حوالے سے قرآن مجید کی درجہ ذیل آیت کریمہ مشعل راہ ہے۔ اللہ رب العزت ارشادفرماتا ہے "ادع الی سبیل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة و جا دلهم بالتی هی احسن ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبیله و هو اعلم بالمهتدین "[سورہ النحل آیت ۱۲۵]

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اوران سے اس طریقہ پر بحث کرو جوسب سے بہتر ہو بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے جواسکی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو۔[ترجمہ کنزل الایمان]

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ ابوالبرکات حافظ الدین

عبداللہ ابن احمد بن محمود النسفی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں" و ھو رد علی من یابیٰ المنا ظرۃ فی الدین" [مدارک التنزیل للنسفی ج ۱ ص ۲۰۷]

تفسیر السمر قندی میں حضرت نصر بن محمد بن احمد ابو اللیث السمر قندی تحریر فرماتے ہیں" و فی الآیۃ دلیل ان المناظرۃ و المجادلۃ فی العلم جائزۃ ،اذا قصد بھا اظھار الحق" یعنی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مناظرہ کرنا جائز ہے جبکہ اس سے مقصود اظہار حق ہو۔

جلالین کے حاشیہ میں اس آیت کے تحت مرقوم ہے " المجادلۃ ھی المنازعۃ لا لاظھار الصواب بل لالزام الخصم کما فی الرشیدیہ لکن المراد ھھنا المناظرۃ و الجدل الاحسن ان یکون دلیلا مرکبا من مقدمات مسلمۃ فی المشھور عند الجمھور و مقدمات مسلمۃ عند ذلك القائل ھکذا فی الکبیر "[حاشیہ جلالین ص ۲۶۷]

ترجمہ: فریقین کا اظہار صواب کے لیے نہیں بلکہ فریق مخالف کو چپ کرانے کے لیے گفتگو کرنا مجادلہ ہے جیسا کہ رشیدیہ میں ہے لیکن یہاں مراد مناظرہ ہے اور بہترین مناظرہ وہ ہے جس میں دلیل ایسی ہو جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جو مشہور قول کے مطابق جمہور کے ہاں ثابت شدہ ہیں یا فریق مخالف کے ہاں ثابت شدہ ہیں۔اسی طرح تفسیر کبیر میں ہے۔

کنز الایمان کے حاشیہ خزائن العرفان میں اعلیٰ حضرت کے تلمیذ رشید صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ زیر آیت تحریر فرماتے ہیں" اس آیت سے معلوم ہوا کہ دعوت حق اور اظہار حقانیت دین کے لیے مناظرہ جائز ہے۔[کنز الایمان ص ۴۵۰]

آیت کریمہ اور ان معتبر کتب تفاسیر کی روشنی میں یہ امر محقق ہو تا ہے کہ علم مناظرہ علوم دینیہ کی ایک شاخ ہے بلکہ دین کا اہم ترین حصہ ہے۔احقاق حق و ابطال باطل کے لیے اس علم کا حاصل کرنا نہ صرف ضروری بلکہ فقہائے اعلام کے نزدیک عبادت ہے۔چنانچہ حضرت علامہ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی حنفی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں" المناظرۃ فی العلم لنصرۃ الحق عبادۃ، و لاحدثلاثۃ حرام، لقھر مسلم، و اظھار علم، و نیل دنیا او مال او قبول "[الدر المختار ج ۹ ص ۶۰۶ کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ]

ترجمہ: دین حق کی مدد کے لیے مناظرہ کرنا عبادت ہے اور مسلمان کو ذلیل کرنے ،اپنے علم کے اظہار اور دنیا، دولت یا عوام میں مقبولیت پیدا کرنے کے لیے مناظرہ کرنا حرام ہے۔

سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز مناظرہ کا حکم بیان کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں" وجوب مناظرہ کے لیے شرائط ہیں۔اگر وہ سب پائے جاتے ہیں تو مناظرہ لازم ہے اور اس کا ترک مضر مذہب ہے۔اور اگر ان میں سے ایک بھی منتفی ہے مثلا طرف مقابل جاہل ہے یا متعصب معاند ہے جس سے قبول حق کی امید نہیں یا مناظرہ میں فتنہ ہو تو کچھ ضرور نہیں"۔[فتاوی رضویہ، ج ۲۳،ص ۶۹۱]

علم مناظرہ کی تاریخی حیثیت:

یوں تو ابتدائے آفرینش سے حق و باطل کی کشمکش رہی ہے اور ہر دور میں انبیائے کرام اور ان کے متبعین باطل کے ردوطرد پر کمر بستہ رہے ہیں اور انھیں احقاق حق و ابطال باطل کے لیے بحث و مباحثے اور مناظرے بھی کرنے پڑے ہیں۔قرآن مجید میں اس قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں کہ جس میں انبیاء کرام کا اہل باطل سے مناظرہ و مکالمہ ثابت ہے۔سورہ بقراء، آیت نمبر ۲۵۷ میں نمرود سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مناظرہ کی درجہ ذیل تفصیل موجود ہے کہ۔" حضرت ابراہیم اور نمرود کے مابین مناظرہ ہوا ۔عنوان تھا" توحید باری تعالیٰ"۔اس مناظرہ میں حضرت ابراہیم نے توحید باری پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا:" میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور جان کی صلاحیت رکھنے والے بے جان جسم میں

روح ڈالتا ہے اور روح رکھنے والے اجسام سے ان کی روح نکال کر انھیں مار ڈالتا ہے۔ لیکن نمرود اس قدر کم عقل اور غبی اعظم تھا کہ وہ مارڈالنے اور زندہ کرنے کے مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا اس نے خیال کیا کہ کسی گناہ گار کو جرم سے بری کر دینا اور اسے چھوڑ دینا اس کو زندہ کر دینا ہے اور یونہی کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یہ اس کو مردہ کر دینا ہے۔ جب نمرود اپنی کم عقلی کے باعث اس دلیل کو سمجھنے سے قاصر رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قدرت الٰہی کی دوسری دلیل قائم فرمادی: ''بے شک اللہ تعالیٰ لاتا ہے سورج کو پورب سے تو لے آ پچھّم سے تو بھوچکا کر دیا گیا وہ جس نے کفر کیا تھا''۔ اس مثال کو پیش کر کے اس کم عقل کی کٹ حجتی کے سارے دروازے بند کر دیے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مناظرہ میں غالب ہوئے اور نمرود مبہوت ہو گیا۔

خود قرآن مجید کے کثیر مضامین مناظرانہ شان کے ہیں۔ اور ان مضامین کے ذریعہ مناظرانہ انداز میں حجت قائم کی گئی اسی وجہ سے حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے نزدیک مضامین قرآن مجید کا خلاصہ پانچ علوم ہیں، جن میں علم مناظرہ دوسرے نمبر پر ہے۔ شیخ لکھتے ہیں ''لیعلم ان معانی القرآن المنصوصة لاتخرج عن خمسة علوم۔ الاول: علم الاحکام۔ الثانی: علم الجدل۔ الثالث: علم التذکیر بالآء اللہ۔ الرابع: علم التذکیر بایام اللہ۔ الخامس: علم التذکیر بالموت وما بعدہ۔ قد وقعت المخاصمة فی القرآن العظیم مع الفرق الاربع الضالة: المشرکین و الیہود و النصاری و المنافقین، وھذہ المخاصمة'' [الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۱۷-۲۰]

''ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں باطل فرقوں کی بہت سی گمراہیوں کو رد کیا ہے اور گمراہ لوگوں کی بے ہودہ باتوں کا تشفی بخش جواب دیا ہے، یہی علم الجدل اور علم المخاصمہ ہے، اور اس مضمون کی آیتوں کو آیات جدل اور آیات مخاصمہ کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حیات طیبہ میں بھی مناظرہ کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ کتب حدیث خوارج سے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناظرہ کی تفصیل ملتی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس مناظرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے فہمائش اور مناظرہ کی اجازت چاہی اور وہ بحکم امیر المومنین خوارج کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا: کیا بات امیر المومنین کی تم کو ناپسند آئی؟ انہوں نے کہا: واقعہ صفین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا یہ شرک ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' ان الحکم الا للہ ''یعنی حکم نہیں مگر اللہ کے لیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے معارضہ قائم کرتے ہوئے فرمایا: اسی قرآن مجید میں یہ آیت بھی تو ہے'' فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما'' زن وشوہر میں خصومت ہو تو ایک حکم اس کی طرف سے بھیجو اور ایک حکم اس کی طرف سے اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما غالب آئے [الملفوظ کامل، حصہ اول]

الغرض احقاق حق و ابطال باطل کے لیے مناظرہ کا وجود تو روز اول سے ہی مسلم ہے ہاں باضابطہ مناظرہ کے قوائد و فوائد کیونکر مرتب ہوئے اس کے لیے حضرت سیدنا امام غزالی رضی اللہ عنہ کی درجہ ذیل تحریر لائق مطالعہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں ''اس دور میں اکثر و بیشتر لوگ افتاء اور قضاء سے متعلق علوم کی طرف زیادہ متوجہ تھے کیونکہ درحقیقت یہی علوم سرکاری عہدوں کے لیے ناگزیر حیثیت رکھتے تھے۔ پھر کچھ سربراہان مملکت اور امراء حکام پیدا ہوئے جنھیں عقائد کے باب میں علماء کے اختلافات اور دلائل کی تفصیل جاننے کا شوق ہوا۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ امراء و حکام علم کلام سے متعلق مناظرانہ بحثوں سے دلچسپی رکھتے ہیں تو وہ لوگ علم کلام کا مطالعہ کرنے لگے، بے شمار کتابیں لکھی گئیں، مناظرانہ بحثوں کے طریقے ایجاد کئے گئے۔ فریق

ثانی پر اعتراضات کرنے کے لیے نئے نئے ڈھنگ وضع کیے گئے اور دعویٰ یہ کیا گیا کہ اس طرح ہم دین الٰہی کا دفاع، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور بدعت کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔[احیاء العلوم، ج۱،ص ۹۶]

امام احمد رضا اور علم مناظرہ

مناظرہ سے متعلق اس تمہید کے بعد اب ہم اس فن میں سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی عظمت و رفعت کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ ایک کامیاب مناظر کے لیے ایک دو علم نہیں بلکہ کثیر علوم وفنون میں ماہر ہونا ضروری ہے اور یہ بات آج دو دو چار کی طرح اپنوں اور غیروں پر واضح ہو چکی ہے کہ امام اہل سنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ علم و فضل کے آسمان اور کثیر علوم وفنون کے جامع تھے۔ خود اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اپنی تصنیف لطیف "الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ و المدینۃ" میں پچپن علوم وفنون میں اپنی مہارت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے والد ماجد سے یہ اکیس علوم و فنون سیکھے تھے۔(۱)علم قرآن (۲) علم حدیث (۳)اصول حدیث (۴)فقہ حنفی (۵) فقہ جملہ مذاہب (۶)اصول فقہ (۷) جدل مہذب (۸) علم تفسیر (۹) علم عقائد و کلام (۱۰) علم نحو (۱۱) علم صرف (۱۲) علم معانی (۱۳) علم بیان (۱۴) علم بدیع (۱۵) علم منطق (۱۶) علم مناظرہ (۱۷) علم فلسفہ (۱۸) علم تکسیر (۱۹) علم ھیئت (۲۰) علم حساب (۲۱) علم ہندسہ۔

کسی استاذ کے بغیر مندرجہ ذیل علوم وفنون از خود حاصل کیے: (۲۲) قرأت (۲۳) تجوید (۲۴) تصوف (۲۵) سلوک (۲۶) اخلاق (۲۷) اسماء الرجال (۲۸) سیر (۲۹) تاریخ (۳۰) لغت (۳۱) ادب مع جملہ فنون (۳۲) ارثماطیقی (۳۳) جبر و مقابلہ (۳۴) حساب سینی (۳۵) لوغاثم (۳۶) توقیت (۳۷) مناظر و مرایا (۳۸) علم اکر (۳۹) زیجات (۴۰) مثلث کروی (۴۱) مثلث مسطح (۴۲) ہیئت جدیدہ (۴۳) مربعات (۴۴) جفر (۴۵) زائرچہ (۴۶) نظم عربی (۴۷) نظم فارسی (۴۸) نظم ہندی (۴۹) نثر عربی (۵۰) نثر فارسی (۵۱) نثر ہندی (۵۲) خط نسخ (۵۳) خط نستعلیق (۵۴) تلاوت مع تجوید (۵۵) علم فرائض۔

مذکورہ تمام علوم وفنون میں سیدی اعلیحضرت قدس سرہ کو مہارت تامہ اور ملکہ کاملہ حاصل تھا۔ تقریباً مذکورہ تمام علوم وفنون میں آپ کی کتب و رسائل مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ اللہ تبارک و تعالی نے اپنے فضل خاص سے آپ کو علم کا جبل شامخ، فضل کا بدر کامل اور میدان مناظرہ ومباحثہ کا ناقابل تسخیر چٹان بنا دیا تھا۔ سچ فرمایا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے۔

ملک سخن کے شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مناظرانہ شان:

مجدد اعظم اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے مناظرانہ شان سے متعلق کچھ لکھنا سورج کو چراغ دیکھانے کے مترادف ہے۔ آپ نہ صرف ایک عظیم اور باکمال مناظر تھے بلکہ اس فن کے امام تھے۔ علم مناظرہ میں آپ کی ہر چہار جانب وہ دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ ساری زندگی کوئی مخالف آپ کے مدمقابل آنے کی جرات نہ کرسکا، آپ نے جو تحریری مواد چھوڑے اس مواد کے رد میں آج تک ایک لفظ نہ لکھا جاسکا۔ صدر الافاضل حضرت سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ سیدی اعلی حضرت قدس سرہ کے قوت استدلال ، انداز بحث اور مناظرانہ شان کے متعلق فرماتے ہیں۔

''اعلی حضرت کا انداز بحث بالکل محققانہ ہے۔ منطقی مغالطات اور سفسطوں سے آپ کا کلام بالکل پاک ہوتا ہے۔ تدقیق اس قدر کہ علما کو مطالب تک پہنچنے کے لیے بسا اوقات عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ احتمالات مخالف کی تمام راہیں زبر دست دلائل سے اول بند کر دی جاتی ہیں۔ جس بحث میں قلم اٹھایا ہے ممکن نہیں کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو۔ معاندانہ مکابرے

اورسفیہانہ سب وشتم توکسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہوسکتے اوراس کام کا انجام دینا ہرزباں دراز ،عدیم المروت والحیا کوآسان بھی ہے مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیابار پانے کے قابل ہے؟ مگرنہ دیکھا گیا کہ محققانہ طور پرکسی شخص کواس امام المتکلمین کے سامنے لب کشائی کی جرأت ہوئی ہو‘‘۔[امام احمدرضانمبر،المیزان،ص ۱۸۸]

فاضل بریلوی کے تبحر علمی اور شان رفیع کا خطبہ تلمیذِ اعلی حضرت سیدی صدرالافاضل علیہ الرحمہ کی زبانی سننے کے بعداب اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے زور بیان ،قوت استدلال،اور مناظرانہ شان کی مشکبارجھلیکاں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۱]شہزادۂ اعلی حضرت سیدی مفتی اعظم ہندعلامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ نے الملفوظ کامل میں اعلی حضرت علیہ الرحمہ اور ندوہ کے صدر دوم مولوی سید محمد شاہ صاحب کے مابین مکالمہ اور مباحثہ کی تفصیل درج فرمائی ہے جس سے اعلی حضرت کی بے مثل ذہانت وفطانت، بےنظیر بصیرت وفراست ، باریک بینی اور تبحر علمی کے ساتھ ساتھ مناظرانہ شان کی عظمت ورفعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذیل میں وہ مکالمہ بالالفاظ دیگرمناظرہ ملاحظہ فرمائیں۔

’’۲۵ر جمادی الاولیٰ روز پنج شنبہ ۱۳۱۶ھ کو وقت چاشت جناب مولوی سیدمحمد شاہ صاحب صدردوم ندوہ ابن مولوی سید حسن صاحب محدث رامپوری ،گرامی جناب سید نوشہ میاں صاحب و جناب مولوی سیدمحمد نبی صاحب مختارو جناب تصدق علی صاحب وکیل ۔صاحبِ حجت قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ حامی اہل سنت اعلی حضرت قبلہ دامت برکاتہم کے یہاں آئے ۔اور دیر تک ایک نفیس جلسہ دلکشا مذاکرۂ علمی رہا۔میاں صاحب سے مراد جناب صدردوم ندوہ ہیں۔

(جو الفاظ دو خط ہلالی کے اندر ہوں وہ فقیر محرر[مفتی اعظم ہند]سطور کے ہیں)

میاں صاحب (بعد سلام ومصافحہ و باہمی گفتگوئے مزاج پرسی) میں حسن شاہ محدث کا بیٹا ہوں۔

ارشاد: جناب میں ان کے فضائل سے واقف ہوں ،اورآپ سے بھی ایک بار نیاز حاصل ہوا تھا۔

میاں صاحب: میں بالقصد ایک بات آپ سے گزارش کرنے کوآیا ہوں اگرچہ آپ کی طبیعت علیل ہے(مسہلات ہورہے تھے) آپ کوتکلیف ضرور ہوگی مگر بات ضروری ہے۔اوراس میں آپ کی رائے دریافت کرنی ہے۔

ارشاد: میں حاضر ہوں جوفہم قاصر میں آئے اسے بھی گزارش کروں گا اگرچہ رای العلیل علیل۔

میاں صاحب: میری رائے یہ ہے کہ کسی کو برانہ کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ صائب نے کہا ہے۔

دہنِ خویش بدشنام میالا صائب

کیں زرِقلب بہرکس کہ دہی باز دہد

(رسالہ’’سل السیوف الھندیہ علی کفریات بابا النجدیة‘‘ میاں صاحب کے پاس پہنچ چکا تھا یہ نصیحت اس بنا پرتھی)

ارشاد: بہت بجا فرمایا ،جہاں اختلافات فرعیہ ہوں جیسے باہم حنفیہ وشافعیہ وغیرہما فرقِ اہل سنت میں وہاں ہرگز ایک دوسرے کو برا کہنا جائزنہیں،اورفحش دشنام جس سے دہن آلودہ ہوکسی کوبھی نہ چاہیے

میاں صاحب: کچھ اختلافات فروعی کی قید نہیں، زمانۂ رسالت میں دیکھیے،منافق لوگ کیسے مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے تھے،نمازیں ساتھ پڑھتے،مجالس میں ساتھ بیٹھتے،شریک رہتے۔

ارشاد: ہاں صدرِاسلام میں ایسا تھا،مگراللہ عزوجل نے صاف ارشادفرمایا تھا کہ (ندوے کا سا) یہ گھال میل جو ہورہا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں یوں رہنے نہ دے گا،ضرورخبیثوں کوطیبوں سے الگ کردے گا ۔**قال اللہ تعالی :و ما کان اللہ لیذر المومنین ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب.**

اس کے بعد آپ کومعلوم ہے کیا ہوا؟ بھری مسجد میں خاص جمعہ کے دن علی رؤس الاشہاد حضوراقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے نام بنام ایک ایک کوفرمایا۔اخرج یا فلان فانك منافق:اے فلاں نکل جاتو منافق ہے۔اخرج یا فلان فانك منافق:اے فلاں

نکل جا تو منافق ہے۔نماز سے پہلے سب کو نکال دیا (یہ حدیث طبرانی وابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کی) مخالفین دین کے ساتھ یہ برتاؤ ان کا ہے جنھیں رب العزت عزّ جلالہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتا ہے۔جن کی رحمت رحمت الٰہیہ کے بعد تمام جہان کی رحمت سے زیادہ ہے۔

میاں صاحب: دیکھیے فرعون کے پاس جب موسیٰ (علی نبینا و علیہ السلام) کو بھیجا تو اللہ تعالی نے فرمایا تھا۔قولا له قولا لینا۔اس سے نرم بات کہنا۔

ارشاد: مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ''یا ایها النبی جاهد الكفار و المنفقين و اغلظ عليهم'' اے نبی! جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور ان پر شدت وسختی کر۔

یہ انھیں حکم دیتا ہے جن کی نسبت فرماتا ہے ''انك لعلى خلق عظيم'' بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔

تو معلوم ہوا کہ مخالفین دین پر شدت وغلظت منافی اخلاق نہیں بلکہ یہی خلق حسن ہے،

میاں صاحب: میری مراد کافروں سے نہیں (منافق اور فرعون شاید مسلمان ہوں گے)

ارشاد: جی آپ کی ''بہر کس'' تو سب کو عام تھی، خیر اب کوئی دائرہ محدود کیجیے۔

میاں صاحب: جو کلمۂ کفر کہے اسے ان لفظوں سے بیان کیجیے کہ میرے فلاں بھائی نے جو یہ بات کہی ہے میرے نزدیک یہ کلمۂ کفر معلوم ہوتا ہے۔

ارشاد: کفریات بکنے والا بحمد اللہ میرا بھائی نہیں۔اور جب اس کا کلمۂ کفر ہونا ثابت ہو تو ان گرے لفظوں کی کیا حاجت کہ میرے نزدیک ایسا معلوم ہوتا ہے جس سے عوام سمجھیں کہ احتمالی بات ہے۔شک ہے۔

میاں صاحب: میرے نزدیک ضرور کہنا چاہیے۔

ارشاد: جب دلیل شرعی قائم ہو تو ضرور کہنا چاہیے۔

میاں صاحب: خیر یہ کہو کہ کلمۂ کفر کہا مگر گمراہ نہ کہو۔

ارشاد: کیا خوب، گمراہی کفریات بکنے سے بھی کسی بدتر چیز کا نام ہے؟

میاں صاحب: یوں تو داڑھی منڈا فاسق بھی گمراہ ہے مگر عرف عام میں گمراہ بہت برا لقب ہے۔

ارشاد: داڑھی منڈانے والا کہ اسے فعل حرام جانے فاسق ہے ۔گمراہ نہیں۔(کہ راہ سنت جانتا اور اس پر اعتقاد رکھتا ہے۔اگر چہ شامت نفس سے اختیار نہ کی) مگر قائل کفریات ضرور گمراہ ہے۔

میاں صاحب: کوئی قائل کفریات ہو بھی۔اب آپ نے اتنے بڑے عالم محدث (اسمعیل دہلوی) کو جس کی عمر خدمت حدیث میں کٹی قائل کفریات بنا دیا۔

ارشاد: ''سیل السیوف'' آپ نے ملاحظہ فرمائی؟

میاں صاحب: ہاں۔

ارشاد: میں نے اس میں کفر لکھا ہے۔

میاں صاحب: نہیں کافر نہیں لکھا۔(الحمد للہ یہ بھی غنیمت ہے ورنہ بہت وہابیہ تو یہی رو رہے ہیں کہ تکفیر کر دی)

ارشاد: تو جس قدر میں نے لکھا ہے وہ ضرور ثابت اور خدمت حدیث مسلم بھی ہو تو اس سے انتفائے ضلالت لازم نہیں۔قال الله تعالی ۔اضله الله على علم۔

میاں صاحب: اب آپ نے لکھ دیا کہ انہوں نے کہا ہے خدا کے سوا کسی کو نہ مانو۔

ارشاد: جی چھپی ہوئی کتاب موجود ہے۔یہی لفظ جا بجا دیکھ لیجیے

میاں صاحب: یہ کون کہے گا کہ نبی کا اعتقاد نہ رکھو۔

ارشاد: حضرت۔اردو زبان ہے۔آپ ہی فرمائیے کہ ماننے کے معنی کیا ہیں؟

میاں صاحب: بھلا ہم نبی کو نہ مانتے تو مڈل نہ پڑھتے کہ نوکری ملتی۔حدیث کیوں پڑھتے؟

ارشاد: یہ آپ اپنی نسبت کہیے۔اس کے وقت میں نہ مڈل تھا

نہ مڈل کی نوکری۔

مولانا حسن رضا خاں صاحب: حضرت پچیس برس کی عمر کے بعد نوکری ملتی بھی تو نہیں؟

میاں صاحب: بھلا کوئی نبی کی شان میں گستاخیاں کرے گا۔

ارشاد: کیا معاذ اللہ! مر کر مٹی میں مل جانا گستاخی نہیں؟

میاں صاحب: (انکاری لہجہ میں) ہوں! کس نے کہا ہے؟

ارشاد: اسماعیل نے۔

میاں صاحب: کوئی نہیں بھلا کوئی رسول کو ایسا کہے ہے۔

ارشاد: تقویۃ الایمان چھپی ہوئی موجود ہے دیکھ لیجیے۔

میاں صاحب: بھلا کوئی رسول کو ایسا کہے ہے۔

ارشاد: جی۔ رسول ہی کی شان میں کہا ہے۔ دیکھ لیجیے نا۔

سید مختار صاحب: جناب میاں صاحب اس کے کلمات ضرور یہاں ایسے ہیں جن سے دل دکھتا ہے۔ یہ (اعلی حضرت قبلہ) ان کے سبب جوش میں ہیں۔

میاں صاحب: مولوی روم نے مثنوی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالی تو ظالم ہے جتنا چاہے مجھ پر ظلم کیے جا تیرا ظلم مجھے اوروں کے انصاف سے اچھا لگتا ہے۔

ارشاد: مولانا روم قدس سرہ نے اللہ عزوجل سے یوں عرض کی ہے

میاں صاحب: جی۔ مولانا نے۔

ارشاد! مثنوی شریف لاؤ۔

مولوی محمد رضا خاں صاحب مثنوی شریف لائے۔ جناب میاں صاحب کے سامنے رکھ دی۔ میاں صاحب نے ہاتھ سے ہٹا دی۔

ارشاد: بتائیے کہاں لکھا ہے۔؟

میاں صاحب: (مثنوی شریف اور ہٹا کر) اب اسی میں لکھا ہے

ع گہہ شہیدے دیدہ از،،،،، خر،،،،، خر کے ساتھ شہید کا لفظ دیکھیے۔

ارشاد: یہ فسق پر استہزاء ہے۔ (قرآن مجید میں فرمایا) ذق انك انت العزيز الكريم ۔

اسی حکایت کی سرخی میں ہے ۔: جان من ،،،،،، را دیدی و کدو رانہ دیدی۔

جناب نے یہ نہ دیکھا کہ مولانا کا یہ ارشاد تو ہماری دلیل ہے۔ جب ایک فاسقہ کی نسبت اکابر دین ایسے کلمات فرماتے ہیں تو گمراہان بددین زیادہ مستحق تشنیع وتوہین ہیں۔

میاں صاحب: اب آپ ہی جو اپنے آپ کو ''عبد المصطفی'' لکھتے ہیں۔

ارشاد: ! یہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن کی خوبی ہے۔ رب العزۃ جل جلالہ نے قرآن عظیم میں جو فرمایا۔ و انکحوا الا یا می منکم و الصلحین من عبا دکم و امائکم

اب اسے بھی شرک کہہ دیجیے۔

(حضرت عالم اہل سنت نے اپنے قصیدہ اکسیر اعظم ۱۳۰۲ھ کی شرح مجیر معظم ۱۳۰۲ھ میں تحریر فرمایا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''ازالۃ الخفاء'' میں حدیث نقل کی ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کنت عبدہ و خادمہ میں حضور کا بندہ اور خادم تھا۔ اس مسئلہ کی بحث کافی اس کتاب مستطاب میں ہیں)

میاں صاحب: خیر بھائی تمہیں اختیار رہے۔ برا کہو برا سنو۔

ارشاد: کافر کو کافر، رافضی کو رافضی، خارجی کو خارجی، وہابی کو وہابی ضرور کہا جائے گا اور وہ ہمیں برا کہیں تو اس کی کیا پرواہ؟ ہمارے پیشواؤں صدیق و فاروق کو انتقال فرمائے ہوئے تیرہ سو برس گزر گئے آج تک ان کو برا کہنا نہیں چھوٹتا۔

میاں صاحب: ایسے ہی وہ بھی کہتے ہیں پھر اس سے کیا حاصل؟

ارشاد: ضرور حاصل ہے۔ حدیث میں فرمایا۔ اترعو عن ذکر الفاجر متیٰ یعرفه الناس ـ اذکرو ا الفاجر بما فیه یحذره الناس۔

کیا فاجر کو برا کہنے سے پرہیز کرتے ہو تو لوگ اسے کب پہچانیں گے؟ فاجر کی برائیاں بیان کرو کہ لوگ اس سے بچیں۔(یہ حدیث امام ابوبکر ابن ابی الدنیا نے کتاب ذم الغیبۃ اور امام ترمذی محمد بن علی نے نوادر الاصول اور حاکم نے کتاب الکنی اور شیرازی نے کتاب الالقاب اور ابن عدی نے کامل اور طبرانی نے معجم کبیر اور بیہقی نے سنن کبریٰ اور خطیب نے تاریخ میں حضرت معاویہ ابن حیدہ قشیری رضی اللہ تعالی عنہ اور خطیب نے راوۃ مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی)

میاں صاحب: تو یہ تو فاسق کو کہا ہے۔

ارشاد: فسق عقیدہ فسق عمل سے بدرجہا بدتر ہے۔

میاں صاحب! بے شک۔

ارشاد: خود حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سب بد مذہبوں کو جہنمی بتایا کلھم فی النار الا واحدۃ اب کیا نہ کہا جائے گا کہ رافضی گمراہ جہنمی ہیں۔

میاں صاحب: رافضی جہنمی نہیں۔

ارشاد: حدیث کا کیا جواب؟

میاں صاحب: (سکوت فرمایا)

ارشاد: کیا آپ کے نزدیک ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنھما کو کافر کہنے والا جہنمی نہیں؟

میاں صاحب: کون کہتا ہے۔کوئی نہیں۔

ارشاد: رافضی کہتے ہیں۔

میاں صاحب: کوئی رافضی ایسا نہیں کہتا۔

مولوی سید تصدق علی صاحب: چھپی ہوئی کتابیں تو موجود ہیں اور کوئی کہتا ہی نہیں۔

میاں صاحب: میرے دس بارہ ہزار ملاقاتی اور عزیز رافضی ہیں۔کسی نے میرے سامنے اس کا اقرار نہیں کیا۔کوئی ایسا نہیں کہتا۔

سید مختار صاحب: وہ ضرور ایسا کہتے ہیں۔آپ کے سامنے تقیہ کچھ اور کہہ دیا ہوگا۔

ارشاد: حضرت! اب وجہِ حمایت معلوم ہوئی۔

میاں صاحب: پھر بھائی تم انھیں برا کہو وہ تمہیں برا کہیں۔

ارشاد: اس کی پرواہ نہیں۔ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما کو جواب تک برا کہا جاتا ہے۔

میاں صاحب: ایسے ہی وہ بھی کہتے ہیں۔

ارشاد: آپ کے نزدیک یہود و نصاری گمراہ ہیں کہ نہیں؟

میاں صاحب: ہوں گے۔

ارشاد: ہیں یا نہیں۔

میاں صاحب: ہوں گے (اللہ اللہ! ضروریات دین میں بھی تامل؟)

سید مختار صاحب: اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ہی وہ بھی آپ کو کہتے ہیں (تو اہل باطل اہل حق کو اہل باطل کہیں اس سے اہل حق انہیں اہل باطل کہنے سے باز نہیں رہ سکتے)

میاں صاحب: تشدد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگلے زمانہ میں رافضیوں نے سنیوں کو قتل کیا سنیوں نے رافضیوں کو مارا۔ہمارے نزدیک دونوں مردود (اللہ اللہ! کفریات کہنے والوں کو گمراہ نہ کہیے رافضیوں کو جہنمی نہ بتایئے مگر سنی ضرور مردود۔انا للہ وانا الیہ راجعون

ارشاد: آپ ایسا فرمایئے مگر اہل سنت ایسا ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

میاں صاحب: جب دونوں مسلمان ہیں اور باہم لڑے دونوں مردود ہوئے (سبحٰن اللہ اسی دلیل سے خارجیوں نے مولی علی اور اہل جمل و اہل صفین سب پر معاذ اللہ وحکم ناپاک لگایا تھا۔انا للہ وانا الیہ راجعون)

ارشاد: بھلا امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو ایک دن میں پانچ ہزار کلمہ گو قتل فرمائے جو نہ صرف مسلمان بلکہ قرا و علماء کہلائے اس کی نسبت کیا ارشاد ہے۔؟

سید مختار: میاں صاحب یہ بحث ختم نہ ہوگی۔اب تشریف لے چلیے۔اور اس جلسہ کو خوشی و خوش اسلوبی پر ختم کیجیے۔

میاں صاحب: (کھڑے ہو کر تشریف لے جاتے وقت) ابو

بکر صدیق کو کسی نے ان کے سامنے برا کہا۔ لوگوں نے اسے قتل کرنا چاہا۔ صدیق نے فرمایا کہ قتل میرے برا کہنے والے کے لیے نہیں ہے (آگے تتمۂ حدیث یوں ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے۔ میاں صاحب یہیں تک پہونچے تھے کہ اس کے لیے ہے۔ کہ اعلی حضرت قبلہ نے سبقت کر کے فرمایا) جو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو کہے۔ معاذ اللہ مر کر مٹی میں مل گئے؟

حاضرین سوائے میاں صاحب سب ہنسنے لگے۔

ارشاد: الحمد للہ ہم امیر المومنین کرم اللہ وجہ الکریم کے تابع ہیں۔ جنہوں نے خوارج کو نہ گلے لگایا نہ بھائی بنایا۔ بد مذہبی کے ہوتے ہوئے کچھ پاس نہ فرمایا۔

میاں صاحب: السلام علیکم۔ (جلسہ بالخیر ختم وتمام والحمد للہ)

[الملفوظ کامل، حصہ اول، ص ۴۵ تا ۵۳]

مذکورہ مباحثے اور مکالمے کو پڑھ کر ہر قاری بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اعلی حضرت کے یہاں علوم وفنون میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ قوت گویائی، قادر الکلامی، حاضر جوابی سب کچھ ہے۔ مباحثے تحریر ہوئے خواہ تقریر اعلی حضرت کا مد مقابل کبھی بھی کامیاب نہ لوٹا بلکہ لاجواب ہو کر شکست فاش کا طوق گلے میں لٹکائے واپس گیا۔

[۲] اس مقام پر اعلی حضرت کے زور بیان، قوت استدلال اور مناظرانہ گرفت کے حوالے سے اس اقتباس کا مطالعہ بھی مفید ثابت ہوگا۔ محی الدین نامی ایک غیر مقلد مولوی نے اپنی کتاب ''غفر المبین'' میں حضرت سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ پر طاعن کرتے ہوئے یہ حکایت لکھی کہ: ''جناب قاضی ابو یوسف صاحب آخر سال پر اپنا مال اپنی بی بی کے نام ہبہ کر دیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرا لیا کرتے تھے تاکہ زکوۃ ساقط ہو جائے، یہ بات کسی نے امام ابو حنیفہ صاحب سے نقل کی، انھوں نے فرمایا کہ یہ ان کے فقہ کی جہت سے ہے اور درست فرمایا''۔ مولوی محی الدین کے بیان کردہ اس واقعہ کے رد میں سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے ''رادع التعسف عن الامام ابی یوسف'' ۱۳۱۸ھ تحریر فرمایا اور قوی دلائل سے ثابت فرمایا کہ یہ حکایت مردود ہے، کسی طرح لائق اعتنا نہیں۔ اور طاعنین امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ پر مناظرانہ انداز میں ایسی زبردست گرفت فرمائی ہے جس سے مخالفین کی ناپاک کوشش خاک میں مل گئی۔ قارئین اعلی حضرت کی مناظرانہ گرفت ملاحظہ فرمائیں۔: ''اقول یہ فعل کہ امام رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کیا جاتا ہے آیا خطاء اجتہادی ہے یا اس کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ معاذ اللہ عمدا فریضۃ اللہ سے معاندت ہے، بر تقدیر اول اس سے طعن کے کیا معنی مجتہد اپنی خطا پر ثواب پاتا ہے اگر چہ صواب کا ثواب دونا ہے، اور اگر عیاذا باللہ شق ثانی فرض کی جائے تو فرض خود سے معاندت قطعا کبیرہ ہے خصوصا وہ بھی بر سبیل عادت جو (کر دیا کرتے تھے) کا مفاد ہے خصوصا اس زعم کے ساتھ کہ آخرت میں اس کا ضرر ہر گناہ سے زائد ہے تو معاذ اللہ اکبر الکبائر ہوا پھر کیونکر حلال ہو گیا کہ ایسے سخت کبیرہ شدید نہ کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر کو ایک مسلمان نہ صرف مسلمان بلکہ امام المسلمین کی طرف بلا تواتر نہ فقط بے تواتر بلکہ محض بلا سند صرف حکی کی بنا پر نسبت کر دیا جائے، سبحان اللہ! یزید پلید کی طرف تو یہ نسبت ناجائز وحرام ہو کہ اس نے امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کرایا اس لیے کہ اس کا حکم دینا اس خبیث سے متواتر نہیں اور سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایسی شدید عظیم بات نسبت کرنا حلال ٹھہرے حالانکہ تواتر چھوڑ اصلاً کوئی ٹوٹی پھوٹی سند بھی نہیں'' [فتاوی رضویہ، ''رادع التعسف، ج ۱۰، ص ۱۹۴]

[۳] اسی طرح ولید نامی مولوی جو اس بات کا قائل تھا کہ ''داڑھی منڈانا حرام نہیں'' اس کے رد میں اعلی حضرت نے رسالہ ''لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی'' تحریر فرمایا۔ اس میں ایک جگہ ولید کا رد کرتے ہوئے جس انداز میں تحریر فرمایا ہے اس سے آپ کی مناظرانہ شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''منکر متکبر کا اثبات حرمت میں قرآن عظیم کے ساتھ حدیث متواتر ومشہور کا نام لے دینا محض عیاری ودنیا سازی یا عجب کورانہ تناقض بازی ہے، ہم پوچھتے ہیں جو کسی حدیث متواتر یا مشہور میں آئے قرآن عظیم میں بھی موجود

ہے یا نہیں، اگر ہے تو حدیث کی کیا حاجت، اور اس تردید سے کیا منفعت اور اگر نہیں تو اب پوچھا جائے گا کہ وہ حکم داخل اخلاق ہے یا نہیں، اگر ہے تو قرآن عظیم احکام اخلاقی سے خالی اور دین معرض نقص و بے کمالی، اور نہیں تو اب تمہارا مطلب حاصل کہ ایسے حکم کا شرعی ہونا باطل، بہت ہو تو مچھلی کا سا شکار سہی، حرمت فرضیت کس نے کہی، مسلمانو! دیکھے جاؤ کہ ان حضرات کے تمام خیالات کا حاصل بے حاصل وہی ابطال شرع مطہر واکمال بیقیدی اہل نیچر ہے وبس ۔و سیعلم الذین ای منقلب ینقلبون ۔[فتاوی رضویہ، لمعة الضحی فی اعفاء اللحیٰ، ج۲۲، ص۶۲۳]

سب وشتم کے جواب سے اعلیٰ حضرت کا پرہیز:

احقاق حق وابطال باطل کے وقت مناظرہ اور مباحثہ جائز ہے لیکن مناظر حق پر لازم ہے کہ وہ مباحثے کے آداب سے منہ موڑ کر کٹ حجتی نہ کرے اور واہی تباہی نہ بکے بلکہ احسن طریقہ پر شریفانہ انداز میں احقاق حق کا فریضہ انجام دے ورنہ مناظرہ مناظرہ نہیں رہیگا مکابرہ اور مجادلہ ہو جائیگا جس کی شرع میں اجازت نہیں ۔امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ مناظر حق تھے اس لیے ان کے یہاں یہ صفت بہ تمام وکمال پائی جاتی ہے، آپ نے افکار باطلہ اور عقائد باطلہ کے ردوطرد میں کبھی بھی کسی پر ذاتی حملہ نہیں کیا، اس کے برخلاف اعلی حضرت کے مخالفین لاجواب ہوکر سب وشتم اور بہتان تراشی وافترا پردازی پر اتر آئے۔اس سلسلے میں فتاوی رضویہ کے اندر مخالفین رضا کے متعدد خطوط موجود ہیں جس میں انھوں نے اعلی حضرت کے لیے گستاخانہ تیور استعمال کیا ہے جو ان کے عجز کا غماز ہے ۔اس قسم کا ایک خط بنام رضا ''اطائب الصیب'' میں بھی موجود ہے ۔خود اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ مولوی اشرف علی تھانوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: ''الحمد للہ! اس فقیر بارگاہ غالب قدیر عز جلالہ کے دل میں کسی شخص سے نہ ذاتی مخالفت نہ دنیوی خصومت ۔مجھے میرے سرکار ابدقرار حضور پرنور سید الابرار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے محض اپنے کرم سے اس خدمت پر مامور فرمایا

ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ایسوں کے حال سے خبردار رکھوں جو مسلمان کہلا کر اللہ واحد قہار جل جلالہ اور محمد رسول اللہ ماذون مختار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شان اقدس پر حملہ کریں تا کہ میرے عوام بھائی مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ان ''ذیاب فی ثیاب'' کے جبوں عماموں مولویت مشیخیت کے مقدس ناموں قال اللہ و قال الرسول کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آکر شکار گرگاں خونخوار ہو کر معاذ اللہ سقر میں نہ گریں، یہ مبارک کام بحمد المنعام اس عاجز کی طاقت سے بدرجہا خوب تر ہوا، اور ہوتا ہے اور جب تک وہ چاہے گا ہوگا، ذلك من فضل الله علینا و علی الناس و الحمد لله رب العالمین ۔اس سے زیادہ نہ کچھ مقصود نہ کسی کی سب وشتم و بہتان وافتراء کی پروا۔میرے سرکار نے مجھے پہلے ہی سنا دیا تھا۔و لتسمعن من الذین او توا الکتٰب من قبلکم و من الذی اشر کوا اذی کثیرا و ان تصبروا و تتقوا فان ذلك من عزم الامور ۔الحمد للہ! یہ زبانی ادعا نہیں، میری تمام کارروائیاں اس پر شاہد عدل ہیں، موافق اور مخالف سب دیکھ رہے ہیں کہ امر دین کے علاوہ جتنے ذاتی حملے مجھ پر ہوئے کسی کی اصلا پروا نہ کی ۔اصحاب فقیر نے آپ [مولوی اشرف علی تھانوی] کی طرف سے ہر قابل جواب اشتہار کے لاجواب جواب دیے جو بحمدہ تعالیٰ لاجواب رہے مگر جناب کے مہذب عالم مقدس متکلم مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی چاندپوری کے کمال شستہ وشائستہ دشنام نامے (بریلی چپ شاہ گرفتار) کی نسبت قطعی ممانعت کردی جس کا آج تک ادھر والوں کو افتخار ہے کہ ہمارا گالی نامہ لاجواب رہا، گرامی منش مولانا ثناء اللہ امرتسری ممکن و موجود میں فرق نہ جان سکے، مقدورات الہیہ کو موجودات میں منحصر ٹھہرایا، علم الہی کے نامحدود ہونے میں اپنے آپ کو متامل بتایا اور جاتے ہی رمضان جیسے مبارک مہینہ میں برعکس چھاپ دیا، میں ہرا آیا ادھر اس پر بھی التفات نہ ہوا، عاقلاں نیکو میدانند پر اکتفاء کیا، یہاں تک وقائع مکہ معظّمہ میں کیسے کیسے معکوس اور مصنوع اکاذیب فاجرہ اخباروں میں کس آب وتاب سے چھپا

کئے ، ہر چند احباب کا اصرار ہوا ،فقیر اتنا ہی شائع کرتا ہے کہ ’’ یہ جھوٹ ہے‘‘ اتنا بھی نہ کیا ، پھر جب چند ہی روز میں حضرات کے جھوٹ کھل گئے اور واحد قہار کے زبردست ہاتھوں نے ان کے منہ میں پتھر دے دیے ،اس پر بھی میں نے اتنا نہ کہا کہ ’’ کیسا آپ صاحبوں کا جھوٹ کھلا‘‘ ایسے وقائع بکثرت ہیں اور اب جو صاحب چاہیں امتحان فرمالیں ،ان شاء اللہ العزیز ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہوگا ،سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہے کہ عزت سرکار کی حمایت کروں نہ کہ اپنی ۔[فتاوی رضویہ،، ج ۱۵،ص ۸۷ ۔۸۸]

علم مناظرہ میں اعلی حضرت کی شاہکار تصانیف:

لاریب علم مناظرہ میں اعلی حضرت فاضل بریلوی فرد فرید تھے ۔اس فن میں جو تبحر وکمال اعلی حضرت فاضل بریلوی کو حاصل تھا اس کو عرب وعجم ،مشارق و مغارب کے علماء نے بسر وچشم تسلیم کیا ہے۔فن مناظرہ میں آپ کی درجن سے زائد تصانیف ہیں ۔ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین صاحب علیہ الرحمہ نے ’’ حیات اعلی حضرت،، میں اس فن سے متعلق امام احمد رضا کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے درجہ ذیل ۱۸/ کتابوں کے اسماء ذکر کیے ہیں ۔

(۱)النذیر الهامل لكل جلف جاهل ۔(۲)مراسلات سنت و ندوہ ۔(۳)رامی زاغیان معروف بہ دفع زیغ زاغ۔ (۴)انتصار الهدی من شعوب الهویٰ ۔(۵)صمصام سنیت بگلوئے نجدیت۔(۶)اجتناب العمال عن فتاوی الجهال ۔(۷)سیف ولایتی بروا ہم ولایتی ۔(۸)البرق المخیب علی بقاع طیب ۔(۹)العطر المطیب لبنت شفة الطيب ۔(۱۰)الامة القاصفه لكفريات الملا طفه ۔ (۱۱)الجائفه على تها فت الملا طفة ۔(۱۲)سياط المودب على رقبة المستعرب ۔(۱۳)ظفر الدين الجيد ملقب به بطش غیب ۔(۱۴)ابراء المجنون عن انتها كه علم المكنون ۔(۱۵)ميل الهداة لبرء عين القذا ة ۔(۱۶)اراحة جوانح الغیب عن ازاحة اهل العيب ۔(۱۷)الجلاء الكامل لعين قضاة الباطل ۔(۱۸)الاسئلة الفاضلة على الطوائف الباطلة۔[حیات اعلی حضرت، ج ۱،ص ۵۹۳]

مذکورہ تصانیف کے علاوہ درجہ ذیل تصانیف بھی مناظرانہ استدلال پر مشتمل ہیں اور فن مناظرہ میں قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں (۱)الطاری الداری لهفوات عبد الباری (۲)دافع الفساد عن مراد آباد (۳)رادع التعسف عن الامام ابی یوسف (۴)لمعة الضحی فی اعفاء اللحی (۵)ابحاث اخیرہ (۶)سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید (۶)النهی الحاجز عن تكرار صلاة الجنائز (۷)اطائب الصيب على ارض الطيب (۸) سبحن سبوح عن كذب مقبوح (۹)وصاف الرجيح فی بسملة التراويح (۱۰)الزلال الانقی من بحر سبقة الاتقی (۱۱)حياة الموات فی بيان سماع الاموات (۱۲)النير الشهابی على تدليس الوهابی (۱۳)نير العين فی حكم تقبيل الابهامين (۱۴)نهج السلامة فی حكم تقبيل الابهامين فی الاقامة (۱۵) حجب العوار عن مخدوم بہار۔وغیرہم۔

سچی بات یہ ہے کہ افکار فاسدہ اور عقائد باطلہ کے رد بلیغ پر مشتمل سیدی اعلی حضرت کے سینکڑوں رسائل کو علم مناظرہ اور فن مناظرہ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان تمام رسائل میں علم مناظرہ کے اصول وقواعد اور ان کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

اے مفسر،اے مناظر،اے فقیہ بے مثال
ہم سرِ اوجِ ثریا ہے ترا اعلی مقام

فرق باطلہ کے اکابرین کو بارہا اعلی حضرت کی طرف سے مناظرہ کا چیلنج:

اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا دور فتنہ وفساد کا دور تھا ۔ابن عبد الوہاب نجدی کے پیروکار مقدس اسلام کے مخصوص عقائد و نظریات کی من مانی تعبیریں کرر ہے تھے۔اللہ تبارک وتعالی کے لیے امکان کذب کا شوشہ چھوڑ کر عقائد اسلامیہ کو زیر و زبر کرنے کی

سازش رچی جارہی تھی۔حضوراقدس کی شان اقدس میں گستاخیوں کا بازار گرم تھا۔ایسے میں سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے حق کا مورچہ سنبھالا اور احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ انجام دیا اور افکار باطلہ وعقائد باطلہ کے ردوطرد میں دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ پر مشتمل سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں جس کے جواب سے ان فتنوں کے سربرآوردہ لوگ لاجواب رہے اور آج تک ان کے فولورس لاجواب ہیں۔اس عہد شروفساد میں امام احمد رضا نے بار باران مذموم افکار وعقائد کے سربرآوردہ لوگوں کو مناظرے اور مباحثے کی دعوت دی اور ہر ممکن کوشش کی کہ دلائل کی زبان میں احسن طریقہ پر دونوں فریق کے علماء بیٹھ کر مسئلہ مختلف فیہ کا تصفیہ کرلیں تاکہ حق روز روشن کی طرح ہر عام وخاص پر واضح ہوجائے لیکن اکابر دیوبند اعلی حضرت کے بالمقابل آنے اور ان سے مناظرہ کرنے کی ہمت اپنے اندر نہ جٹا سکے۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ مولوی اشرف علی تھانوی کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:''(۱) آپ [مولوی اشرف علی تھانوی] جانتے ہیں اور زمانہ پر روشن ہے کہ بفضلہ تعالی سالہا سال سے کس قدر رسائل کثیرہ وعزیزہ آپ اور آپ کے اکابر جناب مولوی گنگوہی صاحب وغیرہ کے رد میں ادھر سے شائع ہوئے اور بحمدہ تعالی ہمیشہ لاجواب رہے۔

(۲) وہ اور آپ صراحۃ مناظرہ سے استعفاء دے چکے۔

(۳) سوالات گئے جواب نہ ملے۔رسائل بھیجے داخل دفتر ہوئے ،رجسٹریاں پہنچیں منکر ہوکر واپس فرمادیں۔

(۴) اخیر تدبیر کو دیوبند جلسہ میں ان رئیسوں کے ذریعہ سے جن کا جناب پر بار ہے تحریک کی ،اس پر بھی آپ ساکت ہی رہے۔

(۵) رئیسوں کا دباؤ تھا ،ناچار دفعہ وقتی کو وہی چاند پوری صاحب آپ کے وکیل بنے ،فقیر نے اپنے خط وقلم سے جناب کو رجسٹری شدہ کارڈ بھیجا ،پھر کیا آپ مناظرہ معلومہ پر آمادہ ہوئے ،کیا آپ نے چاند پوری صاحب کو اپنا وکیل مطلق کیا؟ سات مہینے سے زائد گزر گئے آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ظاہر ہے کہ اگر آپ واقعی آمادہ ہوئے ہوتے۔واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا تو ہاں لکھ دینا دشوار نہ ہوتا ،مردانہ وار اقرار سے فرار نہ ہوتا۔یہ ہے وہ فرضی لایعنی غیر واقع بے ہیقی معاہدہ جس سے عدول کا ادھر الزام لگایا جاتا ہے۔سبحان اللہ اپنے وکیل بالا دعا کی وکالت آپ نہ مانیں اور عدول جانب خصم سے جانیں۔ہاں جناب تو نہ بولے سولہ دن بعد انھیں آپ کے موکل صاحب نے لب کھولے کہ ہم جوروٴسا کے سامنے اپنے منہ آپ ہی دعویٰ وکالت کرچکے ہیں ،اب جناب تھانوی صاحب سے دریافت کرنا ذلت اور رسوائی گردن کا طوق ،ناپاک چالیں ،بے شرمی کے حیلے ہیں (ملاحظہ ہوان کا شریفانہ مہذب خط مورخہ ۳۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۸ھ) جوان کی اعلیٰ تہذیبوں سے نمونۂ خروارے ہے ،یہ خطاب محض اس جرم پر ہیں کہ تھانوی صاحب سے ہماری وکالت کا کیوں استفسار کیا ،ان کے قبول وعدول پر کیوں موقوف رکھا ،ہمارا زبانی ادعا کیوں نہ مان لیا۔جناب تھانوی صاحب لاکھ نہ مانیں ہم جوان کے وکیل بن بیٹھے ہیں ،اب نہ ماننا بے شرمی کا حیلہ ہے ،ناپاک چال ہے ،ذلت ہے ،رسوائی ہے ،طوق وبال ہے ،جناب تھانوی صاحب آپ اپنے موٴکل یعنی خود ساختہ وکیل صاحب کی بابت خود ہی فیصلہ فرماسکتے ہیں آج تک ایسی وکالت کسی غیر مجنون کے نزدیک قابل قبول ہوئی یا کوئی عاقل ایسے حضرات سے خطاب روا رکھے گا؟

(۶) جلسۂ دیوبند کے بعد جناب گنگوہی صاحب کے ایک شاگرد رشید مولوی علی رضا مودی نے آپ حضرات سے مناظرہ کر لینے کی تحریک کی ،انھیں فورا لکھا گیا ،یہاں تو برسوں سے یہی درخواست ہے ،جناب گنگوہی صاحب اپنی راہ گئے ،جناب تھانوی صاحب بھی انھیں کی راہ پر مہر برلب ہیں ،آپ ہی ہمت کیجیے اور تھانوی صاحب سے جواب لادیجیے۔اس کے پہنچنے پر ان صاحب نے بھی ہمت ہاردی۔

(۷) اذناب جناب کے افتراء اعظم پر مسلمانوں نے پانچ سو روپے کا اشتہار دیا اور آپ کو رجسٹری بھیجا ،آپ نہ جواب دے سکے نہ

ثبوت۔

(۸) دوسرے اشد افتراء نامہ پر تین ہزار روپے کا اشتہار آپ کو دیا اور رجسٹری بھیجا، اگر تمام جماعت سے کچھ بن پڑتی تو اپنے مدرسہ دیوبند کے لیے اتنی بڑی رقم نہ چھوڑی جاتی، مگر نہ جواب ہی ممکن ہوا نہ ثبوت، ناچار چارۂ کار وہی سکوت۔[فتاوی رضویہ، ابحاث اخیرہ، ج ۱۵۔ص ۸۹۔۹۰]

خورجہ سے دعوت مناظرہ:

عہد رضا میں بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ جب مکتبۂ دیوبند کے اکابر کی حرکت سے نا آشنا دیوبندی افراد نے اعلی حضرت قدس سرہ العزیز کو دعوت مناظرہ دے ڈالی، جسے امام احمد رضا نے قبول فرمایا لیکن جب انہوں نے اپنے اکابر سے گزارش کی تو اکابرین دیوبند امام احمد رضا کے مدمقابل آنے کی ہمت نہ کر سکے اور مناظرہ سے راہ فرار اختیار کیا۔''ابحاث اخیرہ'' نامی کتاب میں ایسی دو دعوتِ مناظرہ کا تذکرہ موجود ہے۔۱۳۲۸ھ میں'' خورجہ'' نامی علاقہ کے دیوبندیوں نے اعلی حضرت کو مناظرہ کی دعوت دی، جسے اعلی حضرت نے قبول فرمایا اور دیوبندی مناظر مولوی اشرف علی تھانوی کو خط ارسال فرمایا جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔'' آپ کے بعض بیچارے نافہم عوام یہ امید کیے جاتے ہیں کہ آپ مناظرہ فرمائیں گے ،اسی کے متعلق اب تازہ شگوفہ نے'' خورجہ'' سے خروج کیا ہے۔ جو آپ کے کسی خلیفہ کلن صاحب کا کہلایا ہوا ہے اگر چہ یہاں صدہا بار کا تجربہ ہے کہ آپ نہ بولے نہ بولیں ،محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو گالیاں لکھ کر چھاپی تھی وہ چھاپ چکے اور بار بار چھاپی جا رہی ہیں اس پر مسلمانان عرب وعجم مطالبہ کریں، آپ کو کیا غرض پڑی ہے کہ جواب دیں، کتنی بار خود آپ سے مطالبے ہوئے جواب غائب ،جلسہ دیوبند میں خط بھیجا جواب غائب، آپ کے یہاں کے شاگرد مودی ہمکنے، ان کو متوسط کیا جواب غائب، جناب شیخ بشیر الدین وغیرہ رؤسائے میرٹھ کو متوسط کیا، جواب غائب جب آپ کے آقایان نعمت کی وساطت پر بھی آپ نے جواب نہ دیا تو اب'' خورجہ'' والے آپ کو بلوالیں۔ یہ امید موہوم، بہت اچھا، ہزار بار گنا بھول گئے ،ایک بار پھر سہی۔[فتاوی رضویہ، ابحاث اخیرہ، ج ۱۵، ص ۹۲]

اس خط میں اعلی حضرت فاضل بریلوی نے'' استفسار'' کے عنوان سے دس سنگین سوالات تحریر فرمائے اور مولانا اشرف علی تھانوی سے اس کے جوابات طلب فرمائے، جسے دیکھ کر مولوی اشرف علی تھانوی بدحواس ہو گئے اور لاجواب رہے۔ وہ دس سوالات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو اعلی حضرت کی مناظرانہ شان اور سخت شرعی گرفت کا انداز ہو۔اعلی حضرت لکھتے ہیں۔

(۱)'' توہین اور تکذیب خدا اور رسول جل علا وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے الزامات قطعیہ جو مدتوں سے آپ اور آپ کے اکابر جناب مولوی گنگوہی ونانوتوی صاحبان پر ہیں، کیا آپ ان میں اس فقیر سے مناظرہ پر آمادہ ہیں یا ہونا چاہتے ہیں؟

(۲) کیا آپ بحالت صحت نفس وثبات عقل بطوع ورغبت بلا جبر واکراہ اقرار فرماتے ہیں کہ حسام الحرمین وتمہید ایمان وبطش غیب وغیرہ کے سوالات واعتراضات کا جواب بالمواجہ مہری ودستخطی دیتے رہیں گے، یونہی ان جوابات پر جو سوالات ورَد پیدا ہوں ان کا ،یہاں تک کہ مناظرہ انجام کو پہنچے اور بفضلہ تعالی حق ظاہر ہو۔

(۳) کیا آپ اسی پر اکتفا فرمائیں گے یا حسب ترتیب مذکور ظفر الدین الطیب اس کے بعد سبحان السبوح وکوکبہ شہابیہ وسل السیوف وغیرہا میرے رسائل کے مطالبات سے اپنے اکابر گنگوہی صاحب واسمعیل دہلوی صاحب کو سبکدوش کریں گے۔

(۴) اگر آپ اپنے ہی اقوال کے ذمہ دار ہوں اور اپنے اکابر جناب گنگوہی ونانوتوی ودہلوی صاحبان پر سے دفع کفر وضلال کی ہمت فرمائیں تو اتنا ارشاد ہو کہ یہاں دو فریق ہیں اول مسلمان اہل سنت عرب وعجم ، دوم صاحبان مذکور گنگوہ ونانوتہ ودہلی مع الاتباع و الاذناب ومن بلی۔ جناب اگر فریق اول سے ہیں تو الحمد للہ ذلك ما كنا نبغ (الحمد للہ یہی ہم چاہتے ہیں) تحریر فرمادیجئے کہ جناب گنگوہی ونانوتوی ودہلوی سے بری ہوں وہ اپنے اقوال وکفر

ضلال وتوہین وتکذیب رب ذوالجلال ومحبوب ذی الجمال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے باعث ویسے ہی ہیں جیسا ان کو علمائے حرمین شریفین لکھتے آئے اور جیسا ان کی نسبت حسام الحرمین وفتاوی الحرمین وغیرھا میں لکھا ہے، اس وقت بلا شبہ ان کے اقوال کا مطالبہ آپ سے نہیں ہوسکتا بلکہ آپ خود بھی ان کے اتباع واذناب سے مطالبہ و مواخذہ میں شریک ہوں گے، اور اگر جناب فریق دوم سے ہیں تو ان کے اقوال خود آپ کے اقوال ہیں پھر جواب مطالبات سے پہلو تہی کیا معنی؟ اور ظاہر اس کا مظنہ نہیں کہ جناب فریقین سے جدا ہوکر کسی تیسرے طائفہ مثلا رافضی خارجی قادیانی نیچری وغیرہ میں اپنے آپ کو گنیں اور بالفرض ایسا ہو تو اس کی تصریح فرما دیجیے، یوں بھی اس مطالبہ سے آپ کو برائت ہے۔

(۵) واقعی آپ نے اپنے یہاں کے متکلم اکبر چاند پوری صاحب کو جلسۂ دیوبند میں مناظرہ مذکورہ کے لیے اپنا وکیل مطلق و مختار عام کیا تھا یا انھوں نے محض جھوٹ مشہور کر دیا؟ بر تقدیر اول کیا سبب کہ اسی کی تصدیق کے لیے جو کارڈ رجسٹری شدہ گیا آج جناب کو آٹھواں مہینہ ہے کہ جواب نہ دیا۔

(۶) وہ آپ نے وکیل کیا یا چاند پوری خود بن بیٹھے؟ بہر حال آپ سے اس کی تصدیق چاہنا ویسا ہی جرم اور انھیں مہذب خطابوں کا مستحق ہے جو چاند پوری صاحب نے تحریر فرمائے یا ان کا وہ زعم محض ہذیان ومکابرہ وبے عقلی وجنون وزبان درازی ودریدہ ذہنی ہے۔ بر تقدیر اول شرع عقل عرف کس کا قانون ہے کہ زید جو محض اپنی زبان سے وکیل عمرو ہونے کا مدعی ہوا اسی قدر سے اس کی وکالت ثابت ہو جائے اور تصرفات وہ جو عمرو کے مال واہل میں کرے نافذ وتام قرار پائیں اگرچہ عمرو ہرگز اس کی توکیل کا اقرار نہ دے۔ بر تقدیر ثانی کیا ایسا شخص کسی عاقل کے نزدیک قابل خطاب علوم خصوصا مسائل اصول دینیہ ہوسکتا ہے یا مردود ومطرود نالائق مخاطبہ ہے۔

(۷) سیف النقی کی نسبت بھی ارشاد ہو آخر آپ بھی اللہ واحد قہار کا نام تو لیتے ہیں اسی واحد قہار جبار کی شہادت سے بتائیے کہ یہ حرکت جو آپ کے یہاں کے علماء مناظرین کر رہے ہیں صاف وصریح ان کے عجز کامل اور نہایت گندی حملۂ بزدل کی دلیل روشن ہیں یا نہیں؟۔

(۸) جو حضرات ایسی حرکات اور اتنی بے تکلف اختیار کریں، جو ان کو چھپوائیں، بیچیں، بانٹیں، شائع اور آشکار کریں، جو ان کو پیش کریں، حوالہ دیں ان پر افتخار کریں جو امور مذکورہ کو روا رکھیں، ترک انسداد و انکار کریں کسی عاقل کے نزدیک لائق خطاب ٹھہر سکتے ہیں؟ یا صاف ظاہر ہوگیا کہ مناظرہ آخر ہوگیا، مناظرہ مناظرہ کا جھوٹا نام لینے والے بے روح پھڑکتے بے جان سسکتے ہیں، لا یموت فیھا و لا یحییٰ۔

(۹) اس واحد قہار جلیل وجبار کی شہادت سے یہ بھی بتا دیجیے کہ وہ رسالہ ملعونہ جو خاص جناب کے مدرسہ دیوبند سے اشاعت ہو رہا ہے اور جس کے آخر میں آپ کے دیوبندی مولوی کا اعلان لکھا ہے کہ بندہ کی معرفت رسالہ "سیف النقی علی راس الشقی" بھی مل سکتا ہے، قیمت ۲/ آنہ اور مولانا محمد اشرف علی صاحب وغیرہ بزرگان دین کی جملہ تصانیف بھی مل سکتی ہیں، راقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارن پور۔

اس اشاعت کی آپ کو اطلاع تو ظاہر ہے مگر اس میں آپ کا شوری نہیں، آپ کی شرکت ہے یا نہیں؟ نہیں تو آپ نے کیا انسداد کیا؟ اور اس میں اپنی پوری قدرت صرف کی یا بے پروائی برتی؟ بر تقدیر اول اثر کیوں نہیں ہوتا؟ بر تقدیر ثانی یہ بھی نیم اجازت ہے یا نہیں؟

(۱۱) اسی عزیز، مقتدر، منتقم، متکبر عزّ وجلالہ کی شہادت سے یہ بھی حسبۃ للہ فرما دیجیے کہ حالات ومقامات جو ظفر الدین الجید تا اشتہار ہشتم از نامۂ حاضرہ مسمی بہ ابحاث اخیرہ میں مذکور ہوئی سب حق و صواب ہیں یا ان میں سے کون سا خلاف واقع ہے؟ اور جب سب حق ہیں تو مناظرہ کا طالب کون رہا اور برابر فرار بر فرار، گریز بر گریز پر کس نے قرار کیا؟ بینوا توجروا۔ رب احکم بالحق و ربنا الرحمن المستعان علی ما تصفون۔

جناب مولوی تھانوی صاحب! یہ دس سوال ہیں صرف

واقعات یا آپ کے ارادہ وہمت سے استفسار یا صاف واضحات جن کا جواب ہر ذی عقل پر آشکار، بایں ہمہ جواب میں جناب کو تین دن کی مہلت دی گئی اگر جناب کے نزدیک یہ بھی کم ہے تو بے تکلف فرما دیجیے، آپ جس قدر چاہیں فقیر توسیع کرنے کو حاضر ہے مگر جواب خود دیجیے، اب وکالت کا زمانہ گیا۔ وکلاء کا حال کھل گیا، مدتوں جناب کو اختیار تو کیل دیا کہ آپ گھبراتے ہیں تو جسے چاہیں اپنے مہر و دستخط سے اپنا وکیل بنائیے، بار بار رسائل واشتہارات میں اسکی تکرار کی مگر آپ نے خاموشی ہی اختیار کی اور بالآخر چاند پوری صاحب محض بزور زبان خود بخود آپ کے وکیل بنے جس کا انجام وہ ہوا۔ کیا آپ عالم نہیں؟ کیا آپ وضوح حق نہیں چاہتے؟ کیا آپ ان کلمات کے قائل نہیں؟ کیا آپ پر خود اپنا تبریہ لازم نہیں؟ آپ دوسروں کا سہارا چھوڑیے اور اللہ کو مان کر تحقیق حق سے منہ نہ موڑیے، حیرانی و پریشانی میں عوام معتقدین کا دم نہ توڑیے، ہاں ہاں آپ سے مطالبہ ہے آپ پر مواخذہ ہے اور آپ جواب دیجیے، اپنے قلم وخط سے دیجیے، اپنے مہر و دستخط سے دیجیے، ورنہ صاف انکار کر دیجیے کہ عوام کی چقپلش تو جائیے۔ حق اہل فہم پر ظاہر ہو چکا ہے۔ آپ کے ان معتقدین پر بھی وضوح پائے، پھر ان میں سے جسے توفیق ہو ضلالت چھوڑ کر ہدیٰ پر آئے"۔ [فتاوی رضویہ، ابحاث اخیرہ، ج ۱۵، ص ۹۳۔۹۶]

اعلی حضرت کا یہ خط جب تھانوی صاحب کو پہنچا تو جیسے اشرف علی تھانوی کو سانپ سونگھ گیا ہو، نہ دعوت مناظرہ قبول کیا اور نہ ہی سوالات مذکورہ میں سے کسی سوال کے جواب کی توفیق ہوئی۔

مرادآباد سے دعوت مناظرہ:

اسی طرح ۱۳۲۹ھ میں مرادآباد سے کچھ لوگوں نے اعلی حضرت علیہ الرحمہ کو دعوت مناظرہ دیا اس موقع پر بھی اعلی حضرت نے مناظرہ کی دعوت قبول فرمائی اور اتمام حجت کے طور پر دیوبندی مناظر اشرف علی تھانوی کے نام خط لکھا اور انھیں دعوت مناظرہ قبول کرنے پر برانگیختہ کیا۔ ذیل میں وہ تاریخی خط کی نقل پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ کریں کہ اعلی حضرت کے علمی جلال سے اہل باطل کیسے گھبراتے اور جان چراتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

السلام علی من اتبع الھدیٰ

فقیر بارگاہ عزیز قدیر عز جلالہ تو مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے اب حسب معاہدہ قرار داد مرادآباد پھر محرک ہے کہ آپ کو سوالات ومواخذات حسام الحرمین کی جواب دہی کو آمادہ ہوں۔ میں اور آپ جو کچھ کہیں لکھ کر کہیں اور سنا دیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیتے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کے بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔ معاہدہ میں ۲۷ صفر (۱۳۲۹ھ) مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی ہے، آج پندرہ کو اس کی خبر مجھ کو ملی، گیارہ روز کی مہلت کافی ہے، وہاں بات ہی کتنی ہے، اسی قدر کہ یہ کلمات شان اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہ تعالی دو منٹ میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے، لہذا فقیر اس عظیم ذو العرش کی قدرت و رحمت پر توکل کر کے یہی ۲۷ صفر روز جان افروز دوشنبہ اس کے لیے مقرر کرتا ہے آپ فوراً قبول کی تحریر اپنی مہری دستخطی روانہ کریں اور ۲۷ صفر کی صبح مرادآباد میں ہوں اور آپ بالذات اس امر اہم واعظم دین کو طے کر لیں اپنے دل کی آپ جیسی بتا سکیں گے وکیل کیا بتائیگا، عاقل بالغ مستطیع غیر محذرہ کی توکیل کیوں منظور ہو؟ معہذا یہ معاملہ کفر واسلام کا ہے، کفر واسلام میں وکالت کیسی؟ اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہیں آ سکتے اور وکیل کا سہارا ڈھونڈیے تو یہی لکھ دیجئے۔ اتنا تو حسب معاہدہ آپ کو لکھنا ہی ہوگا کہ وہ آپ کا وکیل مطلق ہے اس کا تمام ساختہ و پرداختہ قبول سکوت نکول عدول سب آپ کا ہے اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ اگر بعون العزیز المقتدر عز جلالہ آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساقط یا فار ہوا تو کفر سے توبہ علی الاعلان آپ کو کرنی اور چھاپنی ہوگی کہ توبہ میں وکالت ناممکن ہے اور اعلانیہ کفر کی توبہ اعلانیہ لازم۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی کے سر رہتا

ہے کہ توبہ کرنی ہوئی تو آپ ہی پوچھے جائیں گے پھر آپ خود ہی دفع اختلاف کی ہمت کیوں نہ کریں؟ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے دوسرآئے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفع خجلت کی سعی بے حاصل کرتے ہیں۔ ہر بار ایک ہی طرح کے جواب ہوتے ہیں آخر تابہ کے؟ یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا۔ آئندہ کسی کے غوغہ پر التفات نہ ہوگا، منوا دینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔ واللہ یهدي من يشاء الی صراط مستقیم "۔[فتاوی رضویہ۔ ابحاث اخیرہ ج۱۵۔ص۹۸۔۹۹]

اس خط کا جواب بھی اشرف علی تھانوی کی جانب سے نہیں آیا، اکابر دیوبند مناظرے اور مباحثے سے دور بھاگتے رہے، رجوع اور اتحاد سے گریز کرتے رہے۔ اور اعلی حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی شان مناظرہ کو کبھی بھی چیلینج نہ کر سکے۔ سچ فرمایا اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے۔

رضا کے سامنے کی تاب کس میں
فلک وار اس پہ تیرا ظل ہے یا غوث

فرق باطلہ کے دجل وفریب پر اعلی حضرت کی گرفت:

ہمارے زمانے میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص مناظرہ میں لاجواب ہوجاتا ہے تو پھر کذب اور فریب کا سہارا لیتا ہے اور جھوٹے اقوال بیان کرنے، فرضی کتابوں کی خود ساختہ عبارتیں پیش کرنے سے نہیں چوکتا۔ اسی لیے مناظرہ رشیدیہ میں یہ اصول مرقوم ہے "لکن فی زماننا لم نشا الکذب و المجادلة و المکابرة لا یکفی هذا القول بل لا بد من ان یری ما نقله" یعنی ہمارے زمانے میں چونکہ کذب مجادلہ اور مکابرہ پیدا ہوگیا فلہٰذ اضروری ہے حوالہ دکھادیا جائے۔ اعلی حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے مکر وفریب کا خوب سامنہ ہوا۔ احقاق حق وابطال باطل کے لیے اعلی حضرت نے جن لوگوں سے تحریری مناظرے کیئے اس کے مطالعہ سے یہ راز بے نقاب ہوتا ہے کہ فرق باطلہ کے مناظرین جب لاجواب اور مبہوت ہوجاتے تو من گھڑت عبارتیں اور خود ساختہ اقوال اکابرین امت کی طرف منسوب کرکے اعلی حضرت کے خلاف بطور حجت استعمال کرتے تھے۔ بطور مثال ابحاث اخیرہ کا یہ اقتباس حیرت کی عینک لگا کر پڑھیں "یہ مانا کہ جب جواب بن ہی نہ پڑے تو کیا کیجیے، کہاں سے لائیے، کس گھر سے دیجیے؟ مگر جناب والا! ایسی صورتوں میں انصاف یہ تھا کہ اپنے اتباع کا منہ بند کرتے۔ معاملۂ دین میں ایسی ناگفتنی حرکت پر انھیں لجاتے شرماتے، اگر جناب کی طرف سے ترغیب نہ تھی تو کم از کم آپ کے سکوت نے انھیں شہہ دی یہاں تک کہ انھوں نے "سیف النقی" جیسی تحریر شائع کی جس کی نظیر آج تک کسی آریہ یا پادری سے بن نہ پڑی، یعنی میرے رسائل قاہرہ کے قرض اتارنے کا یہ ذریعہ شنیعہ ایجاد کیا کہ میرے والد ماجد و جد امجد و پیر و مرشد قدست اسرارھم و خود حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے اسمائے طیبہ سے کتابیں گھڑ لیں، ان کے نام نہاد مطبع تراش لیے، فرضی صفحوں کے نشان سے عبارتیں تصنیف کرلیں جس کی مختصر جدول یہ ہے"[فتاوی رضویہ۔ ابحاث اخیرہ۔ ج۱۵،ص۹۰]۔

اس کے بعد اعلی حضرت ان تمام کتابوں کا نام مع حوالہ تحریر فرمایا کر لکھتے ہیں: "اور بے دھڑک لکھ دیا کہ تم یہ کہتے ہو اور تمہارے اکابر اپنی ان کتابوں میں ان مطابع کی مطبوعات میں ان صفحوں پر یہ فرماتے ہیں، حالانکہ ان کتابوں کا جہان میں وجود نہ ان مطابع کا کہ کسی مطبع میں چھپیں۔ نہ ان حضرات نے تصنیف فرمائیں، نہ حوالہ دہندہ کے فرض وتراش کے باہر آئیں، جرات پر جرات یہ کہ صفحہ ۲۰ پر جو فرضی مطبع لاہور کی خیالی "ہدیۃ البریہ" سے ایک فتویٰ گھڑا اس کے آخر میں حضرت خاتم المحققین قدس سرہ کی مُہر بھی دل سے تراش لی جس میں ۱۳۰۱ھ لکھے حالانکہ حضرت والا کا وصال شریف ۱۲۹۷ھ میں ہو چکا۔ حضرات کی حیا! یہ سخت گندہ افترائی رسالہ جناب کے مدرسہ دیوبند سے شائع ہوا۔[فتاوی رضویہ ج۱۵،ص۹۱]

کتب رضا میں چند اصطلاحات مناظرہ کی مثالیں:

سیدی اعلی حضرت قدس سرہ العزیز کی کتابوں میں علم مناظرہ کا ایک اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔تصانیف رضا میں مدعی ،منکر ،منع ،سند منع ،نقض ،شاہد ،معارضہ ،توجیہ ،تنبیہ وغیرہ وغیرہ اصول مناظرہ اور آداب مباحثے کا ایک جہاں آباد ہے۔ہم ذیل میں اعلی حضرت فاضل بریلوی کی کتب سے مناظرہ کے اصول اور علم مناظرہ کے اصطلحات کی چند مثالیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

(۱)اصطلاح مناظرہ میں مدعی کی تعریف کی گئی ہے:
”والمدعی من نصب نفسه لاثبات الحکم بالدلیل او التنبیه“یعنی مدعی وہ ہے جو اپنے آپ کو حکم کے اثبات کے لیے نصب کرے دلیل یا تنبیہ کے ذریعہ۔اور سائل کی تعریف کی گئی ہے:
”والسائل من نصب نفسه لفیه ای لنفی الحکم الذی ادعاه المدعی بلانصب دلیل علیه“یعنی سائل وہ ہے جو اپنے آپ کو مدعی کے دعوی میں جو حکم ہے اس کی نفی کا پابند بنالے۔سائل اور مدعی کی تعریف سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ دعویٰ کے حکم پر دلیل قائم کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔اعلی حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ مدعی اور سائل کا منصب متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:”ظاہر ہے کہ شرع مطہر سے اس دعا[بعد دوگانہ عیدین دعا مانگنا] کی کہیں ممانعت نہیں اور جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا ،جو ادعائے منع کرے اثبات ممانعت اس کے ذمے ہے جس سے ان شاءاللہ تعالی کبھی عہدہ برآ نہ ہوسکے گا بقاعدۂ مناظرہ ہمیں اسی قدر کہنا کافی ،اور اسانید سائل کا مزدہ لیجیے تو کچھ قرآن وحدیث سے قلب فقیر پر فائز ہوا بگوش ہوش استماع کیجیے۔[فتاوی رضویہ،سرور العید السعید ،ج۸،ص۵۱۵]

(۲)فن مناظرہ کی کتاب شریفیہ میں یہ قاعدہ مصرح ہے ”تعین المدعی“یعنی مدعا و موضوع مقرر متعین کرنا کیونکہ جب موضوع ہی متعین نہ ہو تو مناظرہ کس بات کا۔اس سلسلے میں مناظر اعظم اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا موقف بھی یہی ہے ،آپ فرماتے ہیں کہ موضوع متعین ہو اور موضوع کا انتخاب فریق مقابل کو نظر میں رکھتے ہوئے ہو۔اگر مد مقابل فرق باطلہ سے ہے تو اس سے مناظرہ کا عنوان کفر واسلام ہو،ہرگز فروعیات میں اس سے مناظرہ کا بازار گرم کر کے ٹائم ویسٹ[time waste] نہ کیا جائے۔اعلی حضرت تحریر فرماتے ہیں”وہابیہ،وغیر مقلد،وقادیانی وغیرہ تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ اصول چھوڑ کر فروعی مسائل میں گفتگو ہو۔انھیں ہرگز یہ موقع نہ دیا جائے ،ان سے یہی کہا جائے کہ پہلے تم اسلام کے دائرہ میں آلو،اپنا اسلام تو ثابت کرلو،پھر فروعی مسائل میں گفتگو کا حق ہوگا۔[الملفوظ کامل۔حصہ اول۔ص۷۹]

(۳)یہ اہم اصول مناظرہ سے ہے کہ جب مدَّعی مدعیٰ علیہ کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کرے گا تو ممکن ہے کہ مدعی علیہ اس کے کل دعوے کو تسلیم کرلے تو مناظرہ کی نوبت ہی نہ آئے گی اور اگر جزء دعوی کو تسلیم کرلے تو مناظرہ صرف مختلف فیہ جزء پر ہوگا اسی وجہ سے فریق ثانی مدعی علیہ کو اصول مناظرہ نے یہ حق دیا ہے کہ وہ مدعی سے دعویٰ کی تشریح طلب کرے چنانچہ فن مناظرہ کی معروف زمانہ کتاب رشیدیہ میں مذکورہ اصول ان الفاظ میں درج ہے ”اعلم ان الواجب علی السائل ان یطالب اولا امکنه من تعریف مفردات المدعی و تعیین البحث و تمیزہ عن سائر الاحوال

فرق باطلہ کے رد میں اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے سینکڑوں رسائل ہیں جس میں مدعی سے تشریح دعویٰ پورے آب وتاب کے ساتھ طلب کیا گیا ہے۔یہاں ہم شہر آفاق رسالہ”دفع زیغ زاغ“ سے اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

فرقہ وہابیہ کے رکن اعظم مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنی اختراعی طبیعت کے سبب علماء اہل سنت کے متفقہ موقف کے خلاف غراب[کوّے]کے حلال ہونے کا فتویٰ دے ڈالا۔اس فتوی کے منظر عام پر آتے ہی عوام وخواص میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی ،مختلف بلاد وامصار کے متعدد علما اہل سنت نے اعلی حضرت کی طرف رجوع کیا،اعلی حضرت نے فرمایا کہ کوا فاسق ہے،خبیث ہے،حرام

بحکم قرآن وحدیث ہے۔علماء اہل سنت نے اعلی حضرت سے استفسار کیا کہ آپ دلائل و براہین کی روشنی میں گنگوہی کے موقف حلت غراب کا رد بلیغ فرمائیں۔خود گنگوہی کے معتقدین کی طرف سے اس بات کا مطالبہ ہوا کہ اس مسئلہ پر علماء اہل سنت سے گفت وشنید کے ذریعہ مسئلہ طے کرلیا جائے۔چنانچہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے تشریح دعوی کے طور پر ایک مفاوضہ عالیہ چالیس سوالات شرعیہ پر مشتمل گنگوہی صاحب کے نام امضا فرمایا۔یہ سوالات حقیقۃ حرمت غراب کے دلائل بازغ اور اوہام طائفہ جدیدہ غرابیہ کے رد بالغ تھے ۔دعوئے حلت غراب پر اعلی حضرت کی جانب سے تشریح دعوی کے طور پر ۴۰ سوالات شرعیہ پر مشتمل مکتوب بنام گنگوہی ملاحظہ کریں۔

''بنظر خاص مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔السلام علی من اتبع الھدیٰ۔حلت غراب کے دو پرچے خیر المطابع میرٹھ کے چھپے کہ کسی صاحب ابوالمنصور مظفر میرٹھی کے نام سے شائع ہوئے ایک کا عنوان تردید ضمیمۂ اخبار عالم مطبوعہ ۷؍اکتوبر ۱۹۰۲ء دوسرے کی پیشانی تردید ضمیمۂ شحنۂ ہند میرٹھ مطبوعہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء، بعض احباب نے بھیجے۔اس کا یہ فقرہ واقعی لائق پسند ہے کہ ''شرعی مسئلہ کا صرف علماء میں طے ہونا'' لہذا بغرض رفع شکوک عوام وتمیز حلال و حرام خاص آپ سے بعض امور مسؤل اور ایک ہفتے میں جواب مامول۔چار روز آمد ورفت ڈاک کے ہوئے اگر تین دن کامل میں بھی آپ نے جواب لکھا تو چار دہم شعبان روز چارشنبہ تک آجانا چاہیے کہ آج شنبہ ہفتم شعبان ہے۔اور اگر اس مہلت میں نہ ہوسکے تو اس کا مضائقہ نہیں۔ نکوگوئی اگر دیر گوئی چہ غم

مگر اس تقدیر پر بواپسی ڈاک وعدہ جواب وتعیین مدت سے اطلاع ضرور ہے ورنہ سکوت متصور ہوگا۔جواب میں اختیار ہے کہ اپنے جن جن معاونین سے چاہیے استعانت کیجیے بلکہ بہتر ہوگا کہ سب کو جمع کرکے شورے مشورے سے جواب دیجیے کہ دس کی سوجھ بوجھ ایک سے کچھ اچھی ہی ہوگی۔مگر بہرحال مجیب خود آپ ہی ہوں زیدوعمرو کی خوش نوائیاں تو اخباروں اشتہاروں میں ہوہی چکیں،تحریر پر مہر بھی ضرور ہو کہ جحو دجاحد کا احتمال دور ہو۔مسئلہ مسئلۂ دینیہ ہے اور مسئلہ دینیہ میں بے غور کامل وفحص بالغ آنکھیں بند کرکے منہ کھول دینا سخت بددیانتی،تو ضرور ہے کہ آپ اس مسئلہ کے تمام اطراف وجوانب پر نظر ڈال چکے اور جمیع مالہ وماعلیہ پر تال چکے ہوں گے، تحقیق تنقیح تطبیق ترجیح سب ہی کچھ کرلی ہوگی تو ان سوالوں کے جواب میں آپ کو وقت یا معذوری چشم کا عذر نہ ہوگا خصوصا اس حالت میں کہ عالمگیری جیسی بیس کتابیں آپ کے سینے شریف میں بند ہیں جیسا کہ مشتہر صاحب نے ادعا کیا ہے، ہر سوال کا صاف صاف جواب ہو۔اگر کسی امر میں خفا رہا یا جواب سوال سے پورا متعلق نہ ہوا یا کسی جواب پر کوئی سوال تازہ پیدا ہوا تو دوبارہ سوال کرلیا جائے گا کہ مقصود وضوح حق ہے نہ خالی ہار جیت کی زق زق۔واللہ الھادی الی صراط الحق۔

سوال اول: پہلے یہی معلوم ہو کہ دونوں پرچہ مذکورہ اور وہ کاغذات جن کے طبع کا پرچہ اخیرہ میں وعدہ دیا آپ کی رائے واطلاع ورضا سے ہیں یا بالائی لوگوں نے بطور خود شائع کئے ان کے سب مضامین آپ کو قبول ہیں یا کل مردود یا بعض، علی الثالث مردود کی تعیین، بحال سکوت وہ پرچے آپ ہی کے قرار پائیں گے، خبر شرط ست، خبر شرط ست، خبر شرط ست من انذر فقد اعذر اور اگر صرف اتنا جواب دیا کہ ان کا نفس حکم منظور تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے دلائل وابحاث آپ کے نزدیک مردود ومطرود ہیں، ورنہ قبول میں تخصیص حکم نہ ہوتی ،اور نسبت دلائل وابحاث اجمالی بات کہ مثلا بعض یا اکثر صحیح ہیں کافی نہ ہوگی، وہ لفظ یاد رہے کہ علی الثالث مردود کی تعیین۔

سوال دوم: شامی وطحطاوی وحلبی وغیرہا میں کہ عقعق وابقع وغداف واعصم وزاغ کی طرف غراب کی تقسیم ہے صحیح وحاصر ہے یا غلط وقاصر علی الثانی اس میں کیا کیا اغلاط کتنا قصور ہے اور ان پر کیا دلیل۔

سوال سوم: غراب جب مطلق بولا جائے ان متعارف متنازع فیہ کووں کو شامل ہے یا نہیں، کیا غراب کا ترجمہ کوا نہیں۔

سوال چہارم: اقسام خمسہ میں ہر ایک کی جامع مانع تعریف کیا ہے خصوصا ابقع وعقعق کی رسم صحیح کہ طردا وعکسا ہر طرح سالم ہو مع

بیان ماخذ۔

سوال پنجم: اگر تعریفات میں کچھ اختلاف واقع ہوئے ہیں تو ان میں کوئی ترجیح یا تطبیق ہے یا اختیار ہے کہ جزافا جو چاہیے سمجھ لیجیے علی الاول آپ نے کیا کیا اختلاف پائے اور ان میں کس ذریعے سے ترجیح یا تطبیق دے کر کیا قول منقح نکالا۔

سوال ششم: متنازع فیہ کوّا اقسام خمسہ سے کس قسم میں ہے، جو قسم معین کی جائے اس کی تعیین اور مابقی سے امتیاز مبین کی دلیل کافی بملاحظۂ جملہ جوانب مبیَّن کی جائے۔

سوال ہفتم: یہ کوے جس طرح اب دائر وسائر ہیں کہ ہر جگہ ہر شہر وقریہ میں بکثرت وافرہ ہمیشہ ملتے ہیں اور ان کا غیر کی ندرت اب حادث ہوگئی فقہائے کرام اصحاب متون وشروح وفتاوی کے زمانے میں نہ تھی وہ حضرات ان کووں سے واقف تھے یا نادر الوجود ہونے کے باعث ان کا حکم بیان فرمانے کی طرف متوجہ نہ ہوئے جو ان کے زمانے میں کثیر الوجود تھے ان کے حکم بیان کیے آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ جو شق چاہیے اختیار کر لیجیے مگر ان کے سوا کوئی راہ چلے تو ان دونوں کے بطلان اور اس کی صحت پر اقامت برہان ضرور ہوگی۔

سوال ہشتم: متون وشروح وفتاویٰ میں اختلاف ہو تو ترجیح کسے ہے، اصل مذہب صاحب مذہب رضی اللہ تعالی عنہ وہ ہے جو متون لکھیں یا وہ کہ بعض فتاوے یا شروح حاکی ہوں۔ علما نے ہدایہ کو بھی متون میں شمار فرمایا ہے یا نہیں، یاد کر کے کہیے۔

سوال نہم: غداف جب اقسام غراب میں مذکور ہو اس سے نسر یعنی گدھ مراد ہے یا کیا۔

سوال دہم: کیا کوا شکاری بھی ہے کہ زندہ پرندوں کو پنجے سے شکار کر کے کھاتا ہے، اگر ہے تو اس کا کیا نام ہے، اور وہ ان اقسام خمسہ سے کس قسم میں ہے یا ان سے خارج کوئی نئی چیز ہے، علی الاول وہ قسم مطلقا شکاری ہے یا بعض افراد۔ علی الثانی شکاری وغیر شکاری ایک نوع کیوں ہوئے۔

سوال یازدہم: جیفہ وشکار جدا جدا چیزیں ہیں یا ہر شکار کر کے کھانے والا جیفہ خور ہے۔

سوال دوازدہم: پہاڑی کوا کہ اس کوے سے بڑا اور یکرنگ سیاہ ہوتا اور گرمیوں میں آتا ہے کیا ان کووں کی طرح آپ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے یا حرام، علی الاول کس کتاب میں حلال لکھا ہے علی الثانی اس کی حرمت کی وجہ کیا ہے۔

سوال سیزدہم: بعض کتب طبیہ میں جو عقعق کو مہوکا لکھا اور وہ ایک اور جانور کوے کے مشابہ ہے، نجاست وغیرہ کھاتا ہے او شہر میں کم آتا ہے اور ہدایہ وتبیین وفتح اللہ المعین میں جس قدر باتیں عقعق کی نسبت تحریر فرمائی ہیں سب اس میں موجود ہیں آپ کے پاس اس کی تکذیب پر کیا دلیل ہے۔

سوال چہاردہم: حدیث "خمس من الفواسق یقتلن فی الحل و الحرم" سے تحریم فواسق پر استدلال مذہب حنفی کے مطابق و مقبول ہے یا باطل ومخذول۔

سوال پانزدہم: قول صحابی اصول حنفی میں حجت شرعی ہے یا نہیں، خصوصا جب کہ اس کا خلاف دیگر صحابہ سے مسموع نہ ہو رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین۔

سوال شانزدہم: آپ حمار یعنی خر کو حلال جانتے ہیں یا حرام، اگر حرام ہے تو علت حرمت کیا ہے، حالانکہ وہ صرف دانہ گھاس وغیرہ پاک ہی چیزیں کھاتا ہے یا لا اقل خلط تو کرتا ہے۔

سوال ہفدہم: کیا جلالہ کہ کثرت اکل نجاست سے بولے آئی ہو حرام وممنوع ہے نہیں جبکہ کبھی گھاس بھی کھالیتی ہو، اگر نہیں تو کیوں، حالانکہ نجاست اس کے رگ وپے میں ایسی ساری ہوگئی کہ باہر سے بو دینے لگی تنہا اکل نجاست بھی اور اس سے زیادہ کیا وصف مؤثر فی التحریم پیدا کرے گا اور اگر ہے تو کیوں، حالانکہ خلط تو پایا گیا۔

سوال ہیجدہم: ترک استفصال عند السؤال دلیل عموم ہے یا نہیں، ذرا فتح القدیر دیکھی ہوتی۔

سوال نوزدہم: جس شئ میں علت حلت وحرمت جمع ہوں حلال ہوگی یا حرام یا مشتبہ، علی الثالث اس پر اقدام کیسا اور وہ طیبات

میں معدود ہو گی یا نہیں۔

سوال بستم: نہ جاننے والا ایک حکم شرعی عالم سے استفسار کرے شرعا اس مسئلہ میں تفصیل ہو کہ بعض صور جائز بعض نا جائز، تو ایک حکم مطلق بیان کر دینا اضلال ہے یا نہیں۔

سوال بست و یکم: حل اگر معلول قرار پائے تو علت حلت عدم جمیع علل حرمت ہے یا صرف کسی وصف وجودی کا ثبوت، کیا شرع میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ امر وجودی کے محض تحقق کو مناط حل قرار دے دیا ہو جب تک اس کا وجود ارتفاع جمیع وجود خطر کو مستلزم نہ ہو۔

سوال بست و دوم: کوے کہ بالاتفاق حرام ہیں، فقہائے کرام نے ان کی تحریم کی تعلیل صرف اکل محض نجاست سے کی ہے یا اور بھی کوئی علت ارشاد ہوئی ہے۔

سوال بست و سوم۔ کیا اکل میں خلط نجس و طاہر ارتفاع جملہ وجود تحریم کو مستلزم ہے کہ جہاں خلط پایا جائے وہاں کوئی وجہ تحریم نہیں ہو سکتی کہ باوصف وجود ملزوم انتفائے لازم قطعا معلوم۔

سوال بست و چہارم: غذا پر نظر کرنا اور یہ اصل کلی باندھنا کہ جو جانور صرف نجاست کھائے حرام اور جو نرطاہر یا دونوں کھائے حلال ہے خاص اس صورت میں جب دیگر وجوہ حرمت سے کچھ نہ ہو یا یونہی عموم واطلاق پر ہے کہ صرف غذا دیکھیں گے باقی سبعیت یا فسق یا خبث وغیرہا کسی بات پر نظر نہ ہوگی۔ شق ثانی ماننے والا عاقل مصیب ہے یا جاہل دیوانگی نصیب۔

سوال بست و پنجم: قاعدۂ مذکورہ امام کے کسی کلام سے استنباط کیا گیا ہے یا خود امام نے اس کلیے پر نص فرمایا ہے علی الثانی ثبوت علی الاول وہ کلام امام کیسی چیز سے متعلق تھا اور قاعدۂ مستنبط اسی کے نظائر سے متعلق ہو سکے گا یا اپنے ماخذ سے بھی عام ہو جائے گا علی الثانی صحت استنباط کیونکر۔

سوال بست و ششم: وصف ابقع یعنی دو رنگا ہونا خود مؤثر فی التحریم ہے یا سلبا وایجابا مدار حرمت یا علامت ملزومہ یا لازمۂ تحریم یا ان سب سے خارج ہے جو کہیے سمجھ کر کہیے۔

سوال بست و ہفتم: پانی کو مطہر کہنا ٹھیک ہے یا نہیں، کیا اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ پانی تو مائے مضاف بھی ہے اس سے وضو کب جائز ہے۔ اگر نہیں ہوسکتا تو کیوں، حالانکہ مضاف بھی مائے مطلق نہ سہی مطلق ماء میں تو ضرور داخل ہے اور اس کلام میں پانی مطلق ہی تھا یعنی لابشرط شئی نہ مقید باطلاق یعنی بشرط لا۔

سوال بست و ہشتم: اگر شارح یا محشی کسی کلام کو ایسے محل سے متعلق کر دے جو اصل ملمۂ شرعیہ کے خلاف ہو تو اس کی یہ توجیہ خطائے بشری ٹھیرے گی یا اس کے سبب اصل شرعی ہی رد کر دی جائے گی۔

سوال بست و نہم: کیا حنفیہ کلام شارع میں مفہوم صفت معتبر رکھتے ہیں۔

سوال سیم: مذہب حنفی میں کوے کی کوئی نوع فی نفسہ بھی حرام ہے جسے حرمت لازم ہو یا حقیقۃ سب انواع حلال ہیں حرام کی حرمت صرف بعارض وزوال پذیر ہے علی الثانی ہمارے ائمہ سے ثبوت علی الاول علت حرمت کا بیان۔

سوال سی و یکم: غیر حوا کی میں نوعیت صوت حیوانات کا خاصہ شاملہ ہے یا نہیں حتی کہ منطقیوں نے جب ادراک ذاتیات کا راستہ نہ پایا اسے فصول قریبہ سے کنایہ بنایا اور حیوان ناطق حیوان صاہل حیوان ناہق کو انسان وفرس وحمار کی حد ٹھہرایا، ان شہروں میں گھوڑا ہنہنا تا کتا بھونکتا ہے کیا کہیں اس کا عکس بھی ہے کہ کتا ہنہنا تا گھوڑا بھونکتا ہے۔

سوال سی و دوم: کیا وجہ تسمیہ میں تعدد محال ہے یا ایک وجہ دوسرے کے معارض سمجھی جائے، کیا اس میں اطراد شرط ہے ریش کو جرجیر اور پیٹ کو قارورہ کہیں گے۔

سوال سی وسوم: کوئی کوا آپ نے دیکھا یا کسی معتمد سے دیکھنا سنا ہے کہ سوائے نجاست کے کبھی دانے وغیرہ کسی پاک چیز کو اصلا نہ چھوئے، یہاں دو قسم کے کوے دیکھے جاتے ہیں، یہ اور کگار، کیا کگار دانہ کھاتے نہیں دیکھا جاتا۔

سوال سیس و چہارم: عق عق عق عق اور غاق غاق یا ہندی کہیے کچ کچ کچ کچ اور کاؤں کاؤں، کیا یہ دونوں حکایتیں متباین آوازوں کی نہیں، کیا کوئی سمجھ وال بچہ بھی کاؤں کاؤں کرنے والے کو کہے گا کہ عق عق عق عق کہہ رہا ہے۔

سوال سی و پنجم: کیا لون حیوانات اختلاف بلاد سے مختلف نہیں ہوتا اگر چہ بنظر حالت معہودہ اس سے شناحت حیوان کریں مثلا توتے کی رسم میں سبز رنگ، حالانکہ سپید بھی ہوتا ہے، تو کیا صرف موضع لون میں اختلاف نوع حیوان کو بدل دے گا حالانکہ نوعیت لون بھی نہ بدلی، خصوصا جہاں خود کلمات راسمین تعیین موضع میں ایک وجہ پر نہ آئے ہوں، بہت نے مطلق کہا بعض نے ایک طرح تخصیص محل کی بعض نے دوسری طرح، تو کیا صرف ان بعض مخصصین میں بعض کا قول دیکھ کر خصوصی موضع میں ایک فرق قریب پر تبدل ذات حیوان کا زعم جنون ہے یا نہیں۔

سوال سی و ششم: کراہت وممانعت کہ بوجہ اکل نجاست ہو لذاتہ ہوتی ہے یا اسی وصف کے سبب، یہاں تک کہ اگر وصف زائل ہو کراہت زائل ہو، ہمارے ائمہ نے دجاجہ مخلاۃ وبقرۂ جلالہ میں بعد حبس اور امام ابو یوسف کی روایت میں عقعق کی نسبت کیا فرمایا۔

سوال سی و ہفتم: جامع الرموز کتب ضیغۂ نا معتمدہ سے ہے یا نہیں، وہ اگر کسی بات میں ہدایہ وکافی وتبیین وایضاح ولباب وجوہرہ وغیرہا متون وشروح معتمدہ ومعتبرہ کے معارض مانی جائے تو ان کے مقابل کچھ بھی التفات کا قابل ٹھہر سکتی ہے بلکہ ان سب عمائد کی تصریحات جلیلہ سے اگر کوئی معتبر کتاب بھی مخالفت کرے جس کا مصنف نہ مجتہد فی الفتویٰ مانا گیا نہ ان میں اکابر کا ہم پایہ، تو ترجیح کس طرف ہے، راجح کو چھوڑ کر مرجوح پر فتویٰ دینے کو علماء نے جہل وخرق اجماع بتایا یا نہیں۔

سوال سی و ہشتم: جانوروں میں فسق کے کیا معنی ہیں، باز وشکرہ وگربہ وکلب معلم بھی فاسق ہیں یا نہیں، علی الاول ثبوت علی الثانی ان میں اور زاغ میں کیا فرق ہے جس کے سبب شرع مطہر نے کوے کو فاسق بتایا نہ ان کو۔

سوال سی ونہم: ظہر کا ترجمہ کمر کہاں کی زبان ہے، کیا اگر کوے کی کمر پر سپیدی نہ ہو تو وہ فاسق ہے نہ خبیث بلکہ مطلقا حلال طیب ہے یہ کس کا مذہب ہے۔ کمر کی سپیدی کو حلت حرمت میں کیا اور کتنا اور کیوں دخل ہے۔

سوال چہلم: ایذا کہ حیوانات میں فسق ہے اس سے مطلقا ایذا مراد ہے انسان کو ہو یا حیوان کو ابتداء ہو یا مقاومۃ طبعا عادۃ ہو یا نادرا وکیفما کان شکاری جانور ہونا بھی اس ایذا میں شرعا دخل ہے یا نہیں علی الاول ثبوت درکار کہ علماء نے ایذائے مناط فی الفسق میں اسے مطلقا داخل کیا یا باز وغیرہ شکاری پرندوں کو خود اسی بنا پر کہ وہ شکاری ہیں فاسق بتایا ہو، شرع کی کس دلیل کس امام معتمد کی تصریح سے ثابت ہے کہ طیور وبہائم میں مناط فسق ومناط سبعیت واحد ہے، کیا فسق وسبعیت میں یہاں کچھ فرق نہیں نیز غیر طیور وبہائم میں مناط کس قسم کی ایذاء ہے اور وہ یہاں صلوح مناطیت سے کیوں معزول ہوئی۔

تنبیہ: بہت سوالوں میں کئی کئی سوال، بہت میں متعدد شقوق ہیں نمبروار، ہر سوال کی پوری باتوں کا جواب درکار۔ [فتاوی رضویہ، دفع زیغ زاغ، ج ۲۷، ص ۶۲۵ تا ۶۳۲]

اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ یہ چالیس سوالات دراصل اعلی حضرت کی جانب سے دلائل ساطعہ، براہین قاطعہ تھے جن کے جواب سے گنگوہی اور ان کے تمام ہمنوا عاجز رہے۔

(۴) مشہور زمانہ کتاب ''مناظرہ رشیدیہ'' کے مطابق مناظرہ فقط دو امور میں ہوسکتا ہے اول نظری مجہول، دوم بدیہی غیر اولی۔ بدیہی اولی میں مناظرہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ بدیہی اولی ایسی چیز کو کہتے ہیں جس میں کوئی خفا نہ ہو۔

ابھی گزرا کہ تشریح دعویٰ کے طور پر جب اعلی حضرت نے زاغ کی حلت وحرمت کے سلسلے میں گنگوہی صاحب کو ۴۰ سولات بھیجے تھے، جس کے جواب سے جناب عاجز رہے۔ ہاں مولوی گنگوہی صاحب نے اعلی حضرت کے نام ایک خط اس قسم کا روانہ کیا کہ ''نہ

مسئلہ حلت غراب موجودہ دیار میں مجھے کسی قسم کا شبہ یا خلجان ہے جس کے رفع کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہو، ایام طالب علمی سے یہ مسئلہ بندہ کو معلوم ہے اسی وقت بغرض اطمینان اپنے اساتذہ کرام سے بھی پوچھ لیا تھا اور نہ کتب متداولہ درسیہ سے اس کی حلت خود ظاہر ہے اور متدبر کو ذرا غور سے واضح ہو جاتا ہے، بحث، مباحثہ، مناظرہ، مجادلہ کا نہ مجھے شوق ہوا نہ اس قدر فرصت ملی‘‘

سوالات مذکورہ کے جواب دہی سے گنگوہی صاحب بالکل روگرداں رہے اور مسئلہ دائرہ کے تصفیے کے لیے مناظرہ کو بالکل لائق اعتنا نہ جانا تو اعلی حضرت نے بطور رجعت ایک دوسرا خط ارسال فرمایا اور اس میں اصول مناظرہ کی روشنی میں لکھا کہ مسئلہ حلت غراب بدہی اولی سے نہیں ہے کہ اس میں بحث و مباحثے کی یک لخت ضرورت ہی نہ ہو۔ چنانچہ اعلی حضرت تحریر فرماتے ہیں:

’’آپ اس مراسلۂ فقیر کو مسئلہ دائرہ میں سوال سائل سمجھے یا مناظرۂ مقابل یا لا و لایعنی کچھ نہ کھلا۔ بر تقدیر اول اس جواب کا حسن آپ خود جان سکتے ہیں جسے یہ سمجھے کہ دلیل شرعی سے مسئلہ شرعیہ کی تحقیق پوچھتا ہے اس کا یہ کیا جواب ہوا کہ ہمیں تحقیق ہے۔ جی وہ آپ کی اس تحقیق ہی کو تو پوچھتا ہے کہ کیا ہے ان شبہات کا اس میں کیونکر انتفا ہے نہ یہ کہ آپ کو تحقیق ہے یا نہیں۔ رہی تقدیر ثانی یعنی گمان مناظرہ اس پر بھی یہ نہایت عجاب۔ کیا حلت غراب موجود پر کوئی نص قطعی آپ کے پاس تھی یا جانے دیجیے خاص ان کووں کا نام لے کر ائمہ مذہب نے حکم حل دیا تھا جس کے سبب آپ کو ایسا تیقن کلی تھا کہ مناظرہ کا کلام بھی سننے کا دماغ نہ ہوا، کبری یقینی ہونا درکنار یہاں سرے سے اپنے صغری ہی پر آپ کسی کتاب معتمد کا نص نہیں دکھا سکتے مثلاً عقعق کو کتابوں میں اختلافی حلال ضرور لکھا مگر یہ کس کتاب میں ہے کہ کوے جن میں گفتگو ہے عقعق ہیں۔ یہ تو آپ یا آپ کے اساتذہ نے اپنی اٹکلوں ہی سے ٹھہرا لیا ہوگا پھر اٹکلوں پر ایسا تیقن کہ مطلق شبہ نہیں اصلا خلجان نہیں مزید تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں، مناظرہ کی بات سنیں گے بھی نہیں‘‘ [فتاوی رضویہ، دفع زیغ زاغ، ج ۲۷ص ۶۳۵]

(۵) اصطلاح مناظرہ میں مقدمہ معینہ پر دلیل طلب کرنا منع کہلاتا ہے، منع کو اصطلاحات مناظرہ میں اعظم مقام حاصل ہے، اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اکثر عقائد باطلہ کی تردید میں منع وارد کرتے ہوئے کلام فرمایا ہے۔ یہاں ’’النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز‘‘ سے صرف ایک مثال ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ قائلین تکرار نماز جنازہ پر اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ منع وارد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ’’فضول و بے معنی کلمات کے رد میں خواہی نخواہی تضیع اوقات ہوتی ہے لہذا اقصر مسافت و دفع کثافت کے لیے پہلے ہی چند ہدایتیں مناسب کہ اگر چہ بعد تنبیہ بھی ان سے عدول ہو تو ہمارا یہی کلام اس کا پیشگی جواب معقول ہو۔ ان مجتہد صاحب کے دعوے یہ ہیں کہ نماز جنازہ اگر چہ بروجہ کامل ہو چکی اگر چہ ولی احق ادا کر چکا ہو مگر پھر اسے اور سب پڑھ چکنے والوں کو چاہیے کہ دوبارہ پڑھیں اصرار نہ ہوگا مگر کسی امر ضروری یا لااقل مستحب پر معہذا جو نماز شرعا ماذون فیہا ہوگی کم از کم مستحب ہوگی کہ یہ نماز مباح محض جس کے کرنے نہ کرنے میں کسی ثواب یا فضل کی اصلا امید نہ ہو، شرعاً زنہار معہود نہیں، اور یہ تکرار تین روز تک متواتر جائز اور تین روز پر شرعا محدود، پچھلے دعووں کے ثبوت میں جو کچھ درکار وہ خود آشکار، دلیل معتمد شرعی چاہیے جو تین روز کی اجازت دے۔ اور اسی قدر تحدید کرے، بے چارے بے علم مسلمانوں کے سامنے جو منہ پر آئے کہہ دے آسان ہے، ثبوت دیتے حال کھلتا ہے، رہا پہلا دعوی اس کے لیے کوئی حدیث دکھائیں کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہو نماز جنازہ کئی بار پڑھا کرو یا اتنا ہی ارشاد فرمایا ہو کہ جب نماز جنازہ پڑھ لو پھر اعادہ کرو، یا اسی قدر سہی کہ پڑھنے والو! جو ولی احق کے ساتھ یا اس کے اذن سے ادا کر چکے ہو پھر اعادہ کرو تو بہتر ہے، یا اسی قدر کہ تمہارے لیے حرج نہیں یا نہ سہی، اتنا ہی آیا ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نماز جنازہ بار بار یا دو ہی بار پڑھا کرتے یا اس سے بھی درگزر کرے اسی قدر ثابت

ہو کہ ولی احق پڑھ چکا تھا بعدہ پھر اسی نے اور دیگر پڑھ چکنے والوں یا صرف اسی نے یا صرف اور بعض مصلیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے دو بار پڑھی اور حضور نے منع نہ فرمایا، حضور کو خبر پہنچی اور حضور نے جائز رکھا۔ یہ سات صورتیں ثبوت کی ہیں جن میں چار پہلے ثبوت قولی اور پانچوں فعلی اور دو باقی تقریری۔ ان میں جس ہلکی سے ہلکی، آسان سے آسان صورت پر قدرت پاؤ پیش کرو اور جب جان لو کہ سب راہیں بند ہیں تو پھر شرع مطہر پر افترا یا اقل درجہ احکام اللہ میں بے باکی و اجترا کا اقرار کرنے سے چارہ نہیں ۔'' [فتاوی رضویہ، النهی الحاجز عن تکرار صلاة الجنائز ۔ج ۹،ص ۲۷۹۔۲۸۰]

(۶) اسی طرح تنبیہ مناظرہ کی ایک اہم اصطلاح ہے جس کا معنی یہ ہے کہ دعویٰ اگر بدیہی غیر اولی ہو تو اس کے خفا کو دور کرنے کے لیے تنبیہ پیش کیا جاتا ہے اس سلسلے میں '' اطائب الصيب على ارض الطيب '' سے بس ایک حوالے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف لطیف '' ازالة العار بحجر الكرائم عن كلاب النار ''میں تمیز سنی وہابی کے لیے چند کلمات مجملہ ارشاد فرمائے جو ان کو مانے وہابیت سے پاک ہو سنی بن جائے از آنجملہ فرمایا '' تقلید ائمہ فرض قطعی ہے''۔ اس پر رامپور کے ایک مولانا طیب عرب صاحب نے اعلی حضرت کو خط لکھا اور اس مذکورہ عبارت پر اعلی حضرت سے تنبیہ طلب کی ۔ وہ تنبیہ طلب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''بعد السوال عن عزيز خاطر كم نعرفكم بانا قد اطلعنا فی بعض تصانيفك انك تقول ان التقليد فرض قطعی فتعجبت و حق لی ان اتعجب لانی قد قضيت نحوا من ثلثين سنة فی خدمة طلبة العلم فلم اهتدالی استحباب التقليد فضلا عن وجوبه فكيف بفرضيته لا مطلقا بل فرضيته قطعية فلهذا ارغب اليك ان تعلمنی ادلة ذلك و عين لی ان ای قسم من اقسام التقليد فرضا قطعيا ''

ترجمہ: پرسش مزاج گرامی کے بعد ہم جناب کو معرفت کراتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بعض تصنیفوں میں آپ کا یہ قول دیکھا کہ '' تقلید فرض قطعی ہے'' اس سے مجھے تعجب ہوا اور مجھے سزاوار تھا کہ تعجب کروں اس لیے کہ میں نے تیس برس کے قریب طالب علموں کی خدمت میں گزاری، مجھے تقلید کو مستحب جاننے کی ہدایت نہ ہوئی چہ جائے وجوب پھر کہاں فرضیت، وہ بھی مطلق نہیں بلکہ فرضیت قطعیہ ،اس وجہ سے میں آپ کی طرف آرزو لاتا ہوں کہ مجھے اس کے دلائل تعلیم فرمایئے اور معین کیجیے کہ تقلید کی کونسی قسم فرض قطعی ہے۔

مولانا طیب عرب رامپوری کی طرف سے مذکورہ طلب تنبیہ پر اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے تقلید ائمہ کے فرض قطعی ہونے پر جو تنبیہ قائم فرمائی اسے پڑھ کر اعلی حضرت کے قوت استدلال، زور بیان اور ان کی قرآن فہمی، باریک بینی کے سامنے دل جھکنے لگتا ہے۔ اعلی حضرت تحریر فرماتے ہیں۔'' و لو انك يا اخی رجعت فی هذا الى الكلام المبين لاغناك عن مراجعة مثلی من المقلدين كما به تغنيت فيما تمنيت عن الائمة المجتهدين رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين الم ترالی ربك كيف يقول و قوله الحق و ما كان المومنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهو ا فی الدين و لينذر وا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون ،فقد فرض التفقه فی الدين و اعفی عنه عامة المومنين و لم يترك احد ا منهم سدی فانما ارشد للتقليد من اهتدی الم تعلم ان الله علی خلقه فرائض لا تترك و محارم لا تنتهب و حدودا من تعداها فقد ظلم و هلك و بكلها او جلها شرائط و تفا صيل لا يهاتدیٰ اليها الا قليل ،وما يعقلها الا العالمين ،فاسئلوا اهل الذكران كنتم لا تعلمون ''

ترجمہ: برادرم! اگر آپ اس معاملے میں قرآن عظیم کی طرف رجوع کرتے تو مجھ جیسے مقلد کی جانب رجوع کی حاجت نہ ہوتی جیسا کہ آپ اپنے خیال میں قرآن فہمی کے باعث حضرات ائمہ مجتہدین سے بے نیاز ہو گئے ہیں، آپ نے دیکھا کہ آپ کا رب کیا فرما رہا

ہے اوراسی کا قول سچا ہے وما کان المومنین لینفروا کافۃ الآیۃ یعنی مسلمان سب کے سب تو باہر جانے سے رہے تو کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ سے ایک ٹکڑا نکلتا کہ دین میں فقہ سیکھے اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرسنائے اس امید پر کہ وہ خلاف حکم کرنے سے بچیں تو اللہ تعالی نے فقہ سیکھنا فرض فرمایا اور عام مومنین کو اس سے معاف فرمایا اور مہمل اور آزاد کسی کو نہیں رکھا ہے تو ضرور اہل ہدایت کو تقلید ہی کا ارشاد ہوا ہے، کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ عزّ وجل کے لیے اپنی مخلوق پر کچھ فرض ہیں کہ چھوڑنے کے نہیں کچھ حرام ہیں کہ حرمت توڑنے کے نہیں، کچھ حدیں ہیں کہ جوان سے آگے بڑھے ظالم ہو اور ہلاکت میں پڑے اوران سب یا اکثر کے لیے شرطیں اور تفصیلیں ہیں جنھیں گنتی ہی کے لوگ جانتے ہیں اوران کی سمجھ نہیں مگر عالموں کو، تو اہل ذکر سے مسئلہ پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔[فتاوی رضویہ۔اطائب الصیب علی ارض الطیب۔ج۲۷،ص۲۴۷۔۲۴۸]

(۷) فن مناظرہ کے اصول سے ہے کہ دعویٰ کے بعد اگر بالمقابل تصیح نقل کا مطالبہ کرے تو مدعی پر لازم ہے کہ وہ تصیح نقل (حوالہ) پیش کرے۔اعلی حضرت فاضل بریلوی کی کتابوں میں تصیح نقل کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے یہاں ایک مثال نذر ہے۔دعوی تھا کہ تراویح جس طرح متنفل کے پیچھے ساقط نہ ہوگی یونہی مفترض کے پیچھے بھی ادا نہ ہوں گی۔اس دعوی پر اعلی حضرت ''ہندیہ'' کا حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نیز ہندیہ میں محیط سے ہے: لو صلی التراویح مقتدیا بمن یصلی مکتوبۃ او وترا او نافلۃ الاصح انہ لا یصح الاقتداء بہ لانہ مکروہ مخالف لعل السلف ''[فتاوی رضویہ،ھدایۃ الجنان باحکام رمضان،ج۱۰،ص۶۰۰]

پھر دو صفحہ بعد اس تصیح کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لہٰذا اوپر تصیح گزری کہ تراویح جس طرح متنفل کے پیچھے ساقط نہ ہوں گی یونہی مفترض کے پیچھے بھی ادا نہ ہوں گی'' [فتاوی رضویہ،ھدایۃ الجنان باحکام رمضان،ج۱۰،ص۶۰۳]

(۸) مناظرہ میں فریق مخالف کے دعویٰ کے خلاف دلیل پیش کرنا معارضہ کہلاتا ہے۔کتب رضا میں معارضہ کی مثالیں بھری پڑی ہیں، اعلی حضرت فریق مخالف کے دعوی کے خلاف جب دلیل قائم کرنے پر آتے ہیں تو دلائل ساطعہ براہین قاطعہ کے انبار لگا دیتے ہیں۔ ''سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح'' اور ''دامان باغ سبحن السبوح'' وغیرہ میں اعلی حضرت نے امام وہابیہ مولوی اسمعیل دہلوی کی دلیل ذلیل پر جس کثرت سے معارضے قائم فرمائے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں ہم تطویل سے بچتے ہوئے بس ایک مثال پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔مقدور العبد مقدور اللہ کی تقریر وہابیہ پر معارضہ کرتے ہوئے اعلی حضرت مناظرانہ شان سے لکھتے ہیں ''جو بات لو کیا انسان اس کا اعتقاد نہیں کرسکتا، ہر شخص بداہۃ جانتا ہے کہ آدمی ضرور ان میں سے ہر بات کے اعتقاد پر قادر ہے، یہ مقدمہ بدیہیہ عامۃ الورود محفوظ رکھیے کہ ''اس امر کا اعتقاد انسان کرسکتا ہے''، مسلمانوں! اس میں آپ کو اختیار رہا ر دو ہابیہ کی جس بات کو چاہیے اس کا مشار الیہ بنایے، اب اس مقدمۂ بدیہیہ کو صغریٰ کیجیے اور مقدمہ وہابیہ یعنی دہلوی ضلیل کا وہ دعوی ذلیل کہ ''جو کچھ انسان کرسکتا ہے خدا کرسکتا ہے'' اسے کبریٰ بنایے، شکل اول بدیہی الانتاج سے نتیجہ نکلا کہ ''اس امر کا اعتقاد خدا کرسکتا ہے'' اب اس نتیجہ کو صغریٰ کیجیے اور مقدمۂ ایمانیہ کو کبریٰ کہ ''ہر وہ امر جس کا اعتقاد خدا کرسکتا ہے قطعا یقیناً حق ہے'' شکل اول کا نتیجہ بدیہیہ ہوگا کہ یہ امر قطعا یقیناً حق ہے، وہابیہ کو یہاں معارضہ بالقلب کی گنجائش نہیں کہ اپنے عقائد باطلہ کو کہیں انسان اس کا بھی اعتقاد کرسکتا ہے تو خدا بھی کرسکتا ہے تو یہ بھی حق ہیں کہ بنائے دلیل مقدمۂ وہابیہ ہے اور وہ ان پر حجت کہ ان کا اوران کے امام کا ایمان ہے، ہمارے نزدیک وہ بھی باطل محض ہے تو کبریٰ قیاس اول مردود ہو کر پہلا ہی نتیجہ باطل ہوگا، اب کہیے مفر کدھر، تین ہی احتمال ہیں'' [فتاوی رضویہ،دامان باغ سبحن السبوح، ج۱۵،ص۴۶۱]

اس کے بعد اعلی حضرت نے تینوں احتمالات ذکر کر کے اسے مردود و مطرود ثابت فرمایا اور آخر میں تحریر فرمایا ہے:

''فرمایئے ان میں کون سا آپ کو پسند ہے جسے اختیار کیجئے اپنے اور اپنے امام سب کو کفرونی یا کم ازکم گمراہی و بد دینی کا اقرار کیجیے، کہو کچھ جواب فرماؤ گے یا آج ہی سے مالکم لا تنصرون ، بل هم اليوم مستسلمون کا رنگ دیکھاؤ گے کیوں''۔[فتاوی رضویہ،داماں باغ سبحٰن السبوح ،ج۱۵،ص۴۶۳]

(۹) فن مناظرہ کے اساتذہ نے معارضہ کی دو قسمیں بیان فر مائی ہیں اول معارضہ فی المقدمہ، دوم معارضہ فی الحکم۔ فریق مخالف کی دلیل کے مقدمات میں سے کسی مقدمہ کی نفی پر دلیل قائم کرنا معارضہ فی المقدمہ کہلاتا ہے جبکہ فریق مخالف کے مطلوب حکم کی نقیض پر دلیل قایم کرنا معارضہ فی الحکم کہلاتا ہے۔ اعلی حضرت فاضل بریلوی کی کتب میں یہ دونوں مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ اعلی حضرت کا رسالہ ''اجتناب العمال عن فتاوی الجہال'' سے معارضہ فی الحکم اور معارضہ فی المقدمہ کی مثال ملاحظہ کریں۔

''ضروری سوال'' نامی کتاب کے بارے میں اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے استفتا کیا گیا جس کا مرکزی عنوان یہ تھا کہ ''نماز فجر میں قنوت پڑھنا وقت فتنہ وفساد وغلبۂ کفار جائز و باقی و غیر منسوخ ہے اور باقی کسی سختی مثل طاعون ووبا وغیرہ کے وقت جائز نہیں''اس کے جواب میں اعلی حضرت نے دلائل کے انبار لگا دیے اور مضبوط دلائل سے ثابت فرمایا کہ یہ فکر مذہب اسلام کے متصادم اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہونے کے باعث باطل وعاطل ہے۔ اولاً اعلی حضرت نے مصنف ''ضروری سوال'' کے مطلوب حکم کی نقیض پر دلائل قائم کی ہے۔ آپ معارضہ فی الحکم کے طور پہ تحریر فرماتے ہیں:

''تحریرات مذکورہ نظر سے گزریں، ضروری سوال میں جو حکم اختیار کیا محض خلاف تحقیق ہے، ہمارے ائمۂ کرام کی تصریحات کتب متون دیکھیے تو عموما یہ ارشاد ہے کہ غیر وتر میں قنوت نہیں ان میں وقت غلبۂ کفار کا بھی کہیں استثنا نہیں اور اگر تحقیقات جمہور شارحین پر نظر ڈالیے تو مطلقا نازلہ کے لیے قنوت لکھتے ہیں، خاص فتنہ وغلبۂ کفار کی ہرگز قید نہیں لگاتے۔ غنیۃ شرح منیہ میں ہے '' قال الحافظ ابو جعفر الطحاوی انما لا يقنت عندنا فی الصلوٰة الفجر من غير بلية فاذا وقعت فتنة او بلية فلاباس به'' [فتاوی رضویہ،اجتناب العمال عن فتاوی الجہال۔ج۷،ص۴۸۸]

اس کے بعد اعلی حضرت نے درجن سے زائد کتب فقہ کا حوالہ بطور معارضہ تحریر فرمایا ہے۔

اب ذیل میں معارضہ فی المقدمہ کی مثال ملاحظہ کریں:

رشید احمد گنگوہی کی پشت پناہی میں دیابنہ کی طرف سے یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ'' بسم اللہ جزو سورت ہے اور اس امر پر اجماع امت متفق ہیں'' اعلی حضرت نے اس کا جس شرح وبسط کے ساتھ جواب تحریر فرمایا اور علم وفن کے جو دریا بہائے اس سے سرشار ہونے کے لیے''وصاف الرجيح فی بسملة التراويح'' کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ سردست اتنا بتانا مقصود ہے کہ اعلی حضرت نے اس پر معارضہ فی المقدمہ ان الفاظ میں قائم فرمایا ہے:

''یونہی اس پر اجماع امت کا بیان افتراء و بہتان ہے بلکہ علما فرماتے ہیں صحابہ کرام وتابعین اعلام رضی اللہ تعالی عنھم کا اجماع تھا کہ بسم اللہ شریف جز وسور نہیں ،قول جزئیت ان کے بعد حادث و نو پیدا ہوا، سیدی فقیہ مقری علی نوری سفاقسی غیث النفع فی القرائات السبع میں فرماتے ہیں''هذاان قلنا ان البسملة ليست باية ولا بعض آية من اول الفاتحه و لا من غيرها و انما كتبت فی المصاحف للتيمن و التبرك او انها فی اول الفاتحة لابتداء الكتاب على عادة الله جل وعز فی ابتداء كتبه و فی غير الفاتحة للفصل بين السور قال ابن عباس رضی الله تعالى عنهما كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لايعرف فصل السورة حتى ينزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم و هو مذهب مالك و ابی حنيفة و الثوری و حكی عن احمد و غيره و انتصر له مكی فی كشفه و قال انه الذی اجمع عليه الصحا به و التابعون و القول بغيره محدث بعد اجماعهم و شنع القاضی ابو بكر بن الطيب بن

الباقلانی المالکی البصری نزیل بغداد علی من خالفه و کان اعراف الناس بالمناظرة وادقهم فیها نظرا"

ترجمہ: یہ تب ہے جب ہم یہ کہیں کہ بسم اللہ آیت نہیں اور فاتحہ اور کسی سورۃ کی جزنہیں اور یہ صرف قرآن مجید میں برکت کے طور پر لکھی گئی ہے یا اس لیے کہ اللہ تعالی کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنی تمام کتابوں میں بسم اللہ سے ابتداء فرمائی لہذا سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں بھی ذکر فرمائی اور باقی سورتوں کے ابتداء میں صرف سورتوں کے درمیان فصل کے لیے ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے مروی ہیت کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام دوسورتوں کا فصل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہونے پر معلوم کرتے تھے، یہی امام مالک، ابو حنیفہ، سوری کا مذہب ہے، اور امام احمد وغیرہ سے یہی بیان کیا گیا ہے اور امام مکی نے اسی کو اپنی کتاب کشف میں اپنایا ہے اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے، بسم اللہ کے بارے میں کوئی اور بات اس اجماع کے بعد نئی چیز ہوگی اور قاضی ابوبکر بن طیب بن باقلانی مالکی بصری نیز بغدادی نے اس کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور یہ قاضی ابوبکر خود بحث کے ماہر اس میں دقت نظر رکھتے ہیں۔[فتاوی رضویہ، وصاف الرجیح فی بسملة التراویح، ج۷، ص۶۶۵]

(۱۰) مناظرہ میں بسا اوقات مناظر نقض کے ذریعہ مخالف پر حجت قائم کرتا ہے اور مستدل کی دلیل مکمل ہونے پر اس کو ایسی بات پیش کر کے باطل کرتا ہے جس سے مستدل کا دلیل سے استدلال کرنے کا فساد واضح ہو جائے بایں طور کہ وہ دلیل فساد کو مستلزم ہے یا محال کو لازم ہے۔اعلی حضرت قدس سرہ کی تحریروں میں نقض کی مثالیں خوب باصرہ نواز ہوتی ہیں۔اعلی حضرت نے دلیل مخالف پر نقض وارد کر کے مدمقابل کی دلیلوں کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔" اجتناب العمال عن فتاوی الجهال" میں ایک جگہ فریق مخالف کی دلیل پر لزوم محال کے ذریعہ نقض وارد کرتے ہوئے اعلی حضرت لکھتے ہیں۔

"روشن علم تو یہ ہے مگر مصنف "ضروری سوال" کی سخت نافہمی کہ دو متنافی باتوں کو ایک کر دیا اور کچھ نہ سمجھا، خود اسی کا ایک کلام دوسرے کو رد کر دے گا مسلک تو وہ اختیار کیا کہ قنوت نازلہ باقی ہے منسوخ نہیں اگر چہ نازلہ کے معنی خاص فتنہ وفساد وغلبۂ کفار کے لیے ایک جگہ لکھا عند النازلہ بدعت نہیں مداومت بدعت اور دین میں نیا کام ہے پھر لکھا " دلیل او پر نسخ قنوت کے مدوامت کے طور پر اور دلیل واسطے جواز قنوت کے عند النازلہ" پھر لکھا مداومت کے طور پر منسوخ اور عند النازلہ غیر منسوخ" اور مزے سے وہی آیۂ کریمہ اور وہی حدیث بحوالہ صحیحین ذکر کر کے کہہ دیا "اسی آیت سے اور حدیث متفق علیہ سے نسخ قنوت عموما ثابت ہوا سوائے قنوت وتر کے" ذی ہوش سے پوچھا جائے کہ اس حدیث سے کس کس چیز پر قنوت مذکور تھی، نازلہ پر اور نزول آیت کس قنوت کے بارے میں ہوا، قنوت نازلہ میں، اگر آیت وحدیث سے اس کا نسخ ثابت مانتا ہے تو قنوت نازلہ کہاں باقی رہی، وہی تو صراحۃ ان سے منسوخ ہوئی، یہ طرفہ تماشا ہے کہ وہی منسوخ وہی باقی۔ولا حول ولا قوة الا با لله العلی العظیم "[فتاوی رضویہ۔اجتناب العمال عن فتاوی الجهال، ج۷، ص۵۰۲]

(۱۱) مناظرہ میں دلائل کی کثیر الاستعمال قسم وہ ہے جسے اصطلاح میں "قیاس اقترانی" کہتے ہیں۔اس قیاس میں عام طور پر ایک کلمہ بیان کیا جاتا ہے اور اپنے دعوے کو اس پر منطبق کیا جاتا ہے۔کتب امام اہل سنت میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ایک مثال ہدیۂ قارئین ہے۔اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت قرآنی آیات اور احادیث کریمہ واقوال ائمہ سلف سے ثابت فرمانے کے بعد منطقی انداز میں قیاس اقترانی کی رو سے مسئلہ کو ثابت فرمایا۔آپ لکھتے ہیں:" فنقول وصف الله سبحنه و تعالیٰ الصدیق بانه اتقی و وصف الاتقی بانه اکرم انتجت المقدمتان ان الصدیق اکرم عند الله تعالیٰ و الافضل و الاکرم و الارفع درجة و الاعلیٰ مکانة کلها

الفاظ معتورة على معنى و احد ،فثبت الفضل المطلق الكل للصديق والله تعالىٰ ولی التوفیق "[فتاوی رضویہ۔الزلال الانقیٰ من بحر سبقة الاتقی ،ج ۲۸۔ص ۵۳۰]

یعنی ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے صدیق کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقی ہیں اور اتقی کا وصف بتایا کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ صدیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم [سب سے افضل] ہیں اور افضل و اکرم اور ارفع درجۃ اور اعلی منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنیٰ پر صادق آتے ہیں ،لہذا افضل مطلق کلی صدیق کے لیے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے۔

(۱۲) وہ قیاس جس میں نتیجہ یا نقیض نتیجہ بعینہ مذکور ہو اس کو اصطلاح میں قیاس استثنائی کہتے ہیں ،فن مناظرہ میں یہ بھی ایک اہم دلیل ہے ،فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی کتابوں میں قیاس استثنائی کی مثالیں بھی خوب ہیں۔مثلا امکان کذب باری تعالی کا رد فرماتے ہوئے اعلی حضرت لکھتے ہیں:''ثم اقول اس دلیل کی ایک مختصر تقریر یوں ممکن کہ اگر کذب خالق ممکن ہو تو کتنی بڑی شناعت ہے کہ خلق سچی اور خالق جھوٹا،العیاذ باللہ رب العلمین ،لیکن صدقِ خلق محال نہیں تو کذب خالق ممکن نہیں۔[فتاوی رضویہ،سبحن السبوح ۔ج ۱۵،ص ۳۳۹]

(۱۳) مناظرہ کی دلیلوں میں سے ایک اہم دلیل تسلیم ہے یعنی مخالف کی کسی بات یا دعوے کو تسلیم کر کے یہ کہنا کہ تمہاری بات مان لینے کے باوجود مقصود حاصل نہیں ہوتا۔اعلی حضرت قدس سرہ کے رسائل میں تسلیم کی مثال بھی خوب نظر نواز ہوتی ہے۔یہاں ایک مثال بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:''اقول بطور مناظرہ علی التنزل اگر مان لیجیے کہ اختلاف قراء روایت جزئیت وعدم جزئیت ہے تاہم جس نے ختم میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھی اس نے یقیناً کلام اللہ ختم کیا نقص اگر ہوا تو روایت میں نہ کہ قرآن میں۔تو پورے قرآن کا ثواب نہ ملنا کیا معنی۔

''[فتاوی رضویہ۔وصاف الرجیح فی بسملة التراویح ۔ج ۷،ص ۶۷۷]

(۱۴) الزامی جواب کی اہمیت مناظرہ ومباحثہ میں مسلم ہے ،فن مناظرہ میں اس کی حیثیت ریڑھ کی ہے ،کیونکہ الزامی جواب بالکل فیصلہ کن ہوتا ہے۔مدمقابل کو بالکل ساکت اور مبہوت کر دیتا ہے۔اعلی حضرت مناظرہ میں الزامی جواب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں''خصم جب دلیل الزامی قائم کرے تو فریق کو اپنے مقدمہ مسلمہ سے پلٹ جانے کی گنجائش نہیں کما صرح بہ العلماء الکرام ''[فتاوی رضویہ،ج ۱۵،ص ۴۶۲]

فتاوی رضویہ کے مطالعہ سے اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا انداز واسلوب واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے کہ آپ کسی بھی مختلف فیہ مسائل میں اولا قرآن واحادیث اور اقوال ائمہ سے استدلال کر کے مسئلہ کو محقق فرماتے ہیں اس کے بعد الزامی جواب سے فریق مخالف کا ناطقہ بند کر دیتے ہیں،دیابنہ وہابیہ کے خلاف لکھتے وقت عموما حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے اقوال اور ان کی کتابوں سے خوب اس عمل مختلف فیہ کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔مسئلہ سماع موتی پر اعلی حضرت قدس سرہ نے''حیاة الموات فی بیان سماع الاموات'' نامی رسالہ تحریر فرمایا ہے،اس رسالہ میں مسئلہ سماع موتی کو ساٹھ احادیث اور تین سو اقوال علما و مشائخ سے منقح فرمایا ہے۔اس رسالہ کے آغاز میں ہی ''المقصد الاول فی الاعتراضات و ازحة الشبهات'' کی ذیلی سرخی کے تحت الزامی جواب کے طور پر اکابر خاندان عزیزی کے اقوال سے تحریر خلاف کا زوردار رد وطرد تحریر فرمایا ہے۔اس میں ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:''اب انھیں لیجیے جن پر اعتماد مخالف کو ضرور:(۱) شاہ ولی اللہ صاحب (۲) ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب (۳) ان کے فرزندار جمند مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب (۴) ان کے برادر مولانا شاہ عبد القادر صاحب (۵) ان کے ممدوح جناب میرزا مظہر جانجاناں (۶) ان کے مرید رشید قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی (۷) مولوی اسحاق صاحب دہلوی (۸) ان کے شاگرد نواب قطب

الدین خاں دہلوی (۹) مولوی خرم علی صاحب بلہوری تجاوز اللہ عنا و عن کل من صح ایمانہ فی النشا تین ورحم کل من یشھد صدقا بالشھا دتین ۔(۱۰) ان سب سے قوی مجتہد نومیاں اسمعیل دہلوی ۔ واللہ الھادی الی منھج السوی وھوالمستعان علی کل غوی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ الغالب العلی ۔[فتاوی رضویہ۔حیاۃ الموات ج ۹ ص ۷۴۲]

الزامی جواب کے سلسلے میں "اجتناب العمال عن فتاوی الجھال" کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں ۔ضروری سوال نامی کتاب کے مصنف نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ ''نماز فجر میں قنوت پڑھنا وقت فتنہ وفساد وغلبۂ کفار جائز و باقی و غیر منسوخ ہے اور باقی کسی سختی مثل طاعون و وبا وغیرہ کے وقت جائز نہیں''۔اس کے رد میں اعلی حضرت نے اجتناب العمال تحریر فرمایا جس میں دلائل و براہین کی روشنی میں ضروری سوال کے دعوی باطلہ کی تردید فرمائی اور یہ مسئلہ منقح فرمایا کہ نماز فجر میں ہمارے یہاں قنوت نہ ہونا اس وقت ہے کہ کوئی بلا ومصیبت نہ ہو جب کوئی فتنہ یا کسی قسم کی بلا واقع ہو تو نماز صبح میں قنوت پڑھنے میں مضائقہ نہیں، اس میں خاص فتنہ وغلبۂ کفار کی ہرگز قید نہیں ۔اس کے بعد ضروری سوال کی ۳۰ جہالتوں کو شمار فرما کر اس کتاب اور اس کے مصنف کی علمی حیثیت کو بے نقاب فرمایا ہے ۔اخیر میں تنقیدی پیرائے میں الزامی جواب قائم فرما کر مصنف ضروری سوال کو بے دست و پا کر دیا ۔الزامی جواب قائم فرماتے ہوئے اعلی حضرت لکھتے ہیں: ''سب سے بڑھ کر سفاہت ملاحظہ ہو'' ضروری سوال کی ساری محنت و جانکاہی اپنے اس ادعائے باطل کے اثبات کو تھی کہ فتنہ وغلبۂ کفار کے سوا طاعون وغیرہ نوازل کی قنوت کذب باطل و بہتان بے ثبوت و گناہ و بدعت وضلالت و فی النار ہے جو اسے ثابت مانے اس پر حکم تعجیل توبہ واستغفار ہے، ساڑھے پانچ ورق کی تحریر میں دس صفحے اسی مضمون میں سیاہ کیے یہ سب کچھ لکھ لکھا کر اب چلتے وقت حاشیہ پر ایک فائدہ کا نشان دیا'' ف، زمانۂ طاعون میں نماز پڑھنے کی ترکیب'' اور متن میں لکھا'' ھذہ الکیفیۃ لصلوۃ الطاعون ۔ پہلے دل میں نیت کر کے زبان سے کہے نویت ان اصلی للہ تعالیٰ رکعتین صلوۃ النفل لدفع الطاعون متو جھا الی جھۃ الکعبۃ الشریفۃ اللہ اکبر

پھر دوسری رکعت کے آخر رکوع میں جو قنوت ماثورہ ہو پڑھے کہ مشتمل ہو اوپر طاعون کے اور اگر ایسی قنوت اس کو یاد ہی نہ ہو تو ربنا اٰ تنا فی الدنیا حسنۃ وقنا ربنا عذاب النار پڑھے یہ آیہ وافی ہدایہ جامع جمیع ادعیہ کی ہے''۔اللہ تعالی دلوں کے ارادے سب جانتا ہے، چلیے وہ اگلا پچھلا لکھا لکھایا بھولنا درکنار یہی یاد نہ رہا کہ'' ضروری سوال'' کی تحریر کس غرض کے لیے تھی کس بات کا دعویٰ کا ہے سے انکار تھا، اپنے زعم میں جنت کا راستہ کیا طریق نار تھا خود ہی کذب و بہتان بنانے لگے ضلالت وفی النار کی ترکیبیں بنانے لگے، یا رب مگر اسے اختلال حواس کے سوا کیا کہیے، طرفہ یہ کہ اوپر سوال قائم کیا تھا'' بارادہ دفع طاعون یا وبا کون سی قنوت ہے'' اور جواب دیا تھا'' کہیں پتا نہیں'' اب حکم ہوتا ہے کہ قنوت ماثورہ پڑھے کہ مشتمل ہو اوپر طاعون کے'' اب خدا جانے کہاں سے اس کا پتا لگ گیا ''۔[فتاوی رضویہ۔اجتناب العمال عن فتاوی الجھال۔ج ۷۔ص ۵۱۱]

اسی طرح اعلی حضرت فاضل بریلوی اپنی شاہکار تصنیف ''النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی'' میں مسئلہ تقلید ائمہ کو دلائل سے مدلل ومبرہن کے نے کے بعد الزامی جواب قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔'' فقیر ایک لطیفہ تازہ عرض کرتا ہے جس سے غیر مقلدین عصر کی تمام جہالات کا دفعتہً تنقیہ ہو، آج کل وہ محدث حادث جو سب غیر مقلدوں کے مقلد و امام معتمد ہیں یعنی میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اپنے فتویٰ مصدقہ مہری دستخطی میں (کہ ان کے زعم میں رد تقلید تھا اور من حیث لا یشعرون اثبات تقلید) مع اخوان و ذریات اہل خواتیم فرما چکے ہیں کہ'' جیسے ائمۂ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہوسکتا ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت نہیں ٹھہر سکتا جو ایسا کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار ورہبان پرست ہے'' بہت اچھا چشم ماروشن دل ماشاد ۔اب یہ بھی حضرت سے پوچھ دیکھیے کہ ائمہ اربعہ کے سوا

کون کون مجتہد ہیں اسی فتوے میں تصریح کی کہ ''امام الحرمین و حجۃ الاسلام غزالی وکیا ہراسی وابن سمعانی وغیرھم ائمہ محض انتساب میں شافعی تھے اور حقیقۃً مجتہد مطلق''، اور اسی میں لکھا ''بے شک جو منصف مزاج ہے وہ ہرگز امام شعرانی کے منصب کامل اجتہاد میں کلام نہیں کر سکتا'' بہت بہتر، کاش اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیتے کہ کلام کرے یا ان اقراروں سے پھرے تو اسے مکہ معظّمہ میں ترکی پاشا کا حوالہ دیکھیے خود حضرت کے اقراروں سے ثابت ہولیا کہ ان پانچوں اماموں کا قول بھی ہرگز گمراہی نہیں ہوسکتا اور جو ان کے فرمان پر چلے اصلا مورد اعتراض نہیں، جو اسے بدعتی کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار و رہبان پرست ہے اب ان حضرات سے کہیے ذرا آنکھ کھول کر دیکھو غیر مقلدی بیچاری کا سویرا ہو گیا ملاحظہ تو ہو کہ یہی امام مجتہد شعرانی انھیں چاروں امام مجتہد سے اپنی میزان مبارک میں کس زور وشور سے وجوب تقلید شخصی نقل فرماتے اور اسے مقبول ومسلم رکھتے ہیں'' قال علیہ رحمۃذی الجلال بہ صرح امام الحرمین و ابن السمعانی و الغزالی و الکیا الھراسی و غیرھم وقالوا لتلامذتھم یجب علیکم التقلید بمذھب امامکم و لا عذر لکم عند اللہ تعالیٰ فی العدول عنہ ۔اب ایمان سے کہنا وجوب تقلید شخصی کی حقانیت کس شد ومد سے ثابت ہوئی اور سارے غیر مقلدین کہ اسے بدعت وضلالت کہتے ہیں کیسے علانیہ خبیث بدعتی احبار و رہبان پرست ٹھہرے۔ والحمد للہ رب العلمین وقیل بعدا للقوم الظلمین ۔واقعی سنت الٰہیہ ہے کہ گمراہوں پر خود انھیں کے قول سے حجت قائم فرماتا ہے'' [فتاوی رضویہ۔النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی ۔ج۲۷،ص۵۹۴۔۵۹۵]

(۱۵) مناظرہ کے اصول وآداب سے یہ بھی ہے کہ مناظرہ اگر اہل علم میں ہو تو اصطلاحی الفاظ استعمال کیا جائے اور اگر عوام میں ہو تو عام فہم الفاظ استعمال ہوں کہ مقصود اظہار حق ہے اگر کسی کم علم سے اس کی سمجھ کے لائق کلام پیش نہ کیا جائے گا تو وہ تسلیم کے لیے تیار نہ ہوگا، اور مقصود حاصل نہ ہوگا۔ دین کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جیسا کہ فرمایا گیا ہے ''کلمو االناس علی قدر عقولھم''۔مناظرے اور مباحثے کے آداب میں سے اس اصل اور ادب کا بھی امام اہل سنت از حد خیال رکھا کرتے تھے، آپ کسی مسئلہ شرعی کی تبلیغ فرماتے تو مد مقابل کے مطابق ہی کلام فرمایا کرتے تھے۔ فتاوی رضویہ میں ایک جگہ اعلی حضرت خود اپنا واقعہ تحریر فرماتے ہیں: ''۱۳۰۲ھ میں فقیر بہ نیت خاکبوسی آستانۂ علیہ حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالی عنہ بریلی سے شد الرحال کر کے حاضر بارگاہ غیاث پور شریف ہوا تھا، دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا ،اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی فقیر نے حسب عادت کہ جو امر خلاف شرع مطہر پایا مسئلہ گزارش کر دیا اگر چہ ان صاحب سے اصلا تعارف نہ ہو، ان مؤذن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، کہا کہاں لکھا ہے؟ میں نے قاضی خاں، خلاصہ عالمگیر ،فتح القدیر کے نام لیے، کہا ہم ان کو نہیں مانتے ،فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین سے ہیں، گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جلہ جلالہ کا سچا حقیقی جل جلالہ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع واعلیٰ ہے آپ انہی کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے چپراسی، مدعی، مدعا علیہ گواہوں کی حاضری، کچہری کے کمرے کے اندر کھڑا ہو کر پکارتا ہے یا باہر؟ ۔کہا باہر۔ اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہرے گا یا نہیں ؟ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب ان کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کر لیا۔ ؎ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست'' [فتاوی رضویہ، ج۸، ص۵۰۲]

الغرض اعلی حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے ذخائر علمی میں دیگر علوم وفنون کے ساتھ ساتھ علم مناظرہ بھی شہابِ ثاقب کے مانند چمک دمک رہا ہے۔

از قلم: مفتی سید شہباز اصدق چشتی

خادم التدریس والافتا دار العلوم قادریہ غریب نواز،

لیڈی اسمتھ ساؤتھ افریقہ

امام احمد رضا اور عربی زبان وادب

مقالہ نگار

شیخ الادب العربی مولانا رضوان احمد شریفی (گھوسی)

حضرت مولانا رضوان احمد شریفی بن محمد شریف مرحوم یکم اگست ۱۹۵۱ء میں قصبہ گھوسی ضلع مئو (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سے شعبہ عالمیت تک کی تعلیم مدرسہ شمس العلوم (گھوسی) میں حاصل کی۔ شعبہ فضیلت کی تکمیل جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں کی۔ ۵: شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۱ء کو فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۰ء تک جامعہ فاروقیہ (بنارس) میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۱ء سے ۲۰۱۴ء تک مدرسہ شمس العلوم (گھوسی) میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے قائم کردہ تعلیمی ادارہ: جامعۃ البرکات (گھوسی) میں تدریس ونظامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا موصوف مشہور اور صف اول کے قلم کاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی تحقیق وتدقیق سے آراستہ تحریریں ارباب علم ودانش کو متاثر کرتی ہیں۔ دیگر تحقیقی مقالات کے علاوہ عربی زبان وادب خصوصاً گرامر اور عربی انشا سے متعلق آپ قریباً ایک درجن کتابوں کے مصنف ہیں اور بہت سے مقالات ومضامین سنی رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اپنی تحریری وتدریسی خدمات کے سبب متعدد ایوارڈ سے سرفراز کیے جا چکے ہیں۔ رابطہ نمبر:9839178545

امام احمد رضا اور عربی زبان و ادب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الكريم. أما بعد!

عربی زبان ایک تعارف

عربی زبان سامی زبانوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان ہے چنانچہ جرجی زیدان لکھتے ہیں:

''اللغة العربيه، هي احدى اللغات السامية''

پھر آگے تحریر کرتے ہیں:

'' والعربية أرقاها جميعا''. (آداب اللغة العربية لجرجي زيدان، ج: ١/ص: ٣٥)

اور مارون عبود لکھتے ہیں: **''لغة العرب اصلها: احدى اللغات السامية''. (آداب العرب لمارون عبُّود، ص: ١٢/ دار الثقافة، بيروت)**

اس زبان کے بولنے اور سمجھنے والے چونکہ مختلف قبائل کے لوگ، جزیرہ عرب کے مختلف مقامات و مساکن میں قیام پذیر ہوگئے، اس لیے اس زبان کے لہجے بھی بہت زیادہ ہوگئے لیکن جزیرہ عرب کے تمام لہجوں پر قریش کے لہجہ کو غلبہ حاصل ہوا۔ اور اسی کا زیادہ رواج ہوگیا اس لیے کہ اسی لہجہ میں عربی زبان کو قرآن کی زبان ہونے شرف حاصل ہے۔ یہی ادب (نثر و نظم) کی زبان اور سیاست و تمدن اور علم جدید کی زبان رہی۔

دین کی زبان ہونے کی وجہ سے جیسے جیسے اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا رہا ویسے ہی اس زبان میں بھی وسعت ہوتی رہی اس لیے کہ اسلام اور اسلامی حکومتوں نے مختلف قوموں اور امتوں کو اپنے دائرے میں لے لیا جس میں عربی، فارسی، ترکی، ہندی، شامی، عراقی، مصری، رومی، ارمنی، بربری، حبشی، سلاوی، وغیرہ شامل ہیں۔ جنھوں نے عربی زبان و اخلاق کو اختیار کرتے ہوئے عربی اشعار کہے، مختلف علوم و فنون میں عربی کتابیں تالیف کیں اور اپنی اصلی زبان کے بہت سے اسلوب غیر ارادی طور پر شامل کر دیا اس لیے دنیا کی سب سے زیادہ وسیع اور مالدار زبان بن گئی۔ اس زبان میں مترادفات اور مشترک الفاظ جس کثرت سے پائے جاتے ہیں دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں پائے جاتے چنانچہ جرجی زیدان نے ''**تاريخ آداب اللغة العربية**'' میں لکھا ہے کہ سن کے لیے ۲۴/ نور کے لیے ۲۱/ تاریکی کے لیے ۵۲/ سورج کے لیے ۲۹/ بادل کے لیے ۵۰/ بارش کیلئے ۶۴/ کنوئیں کیلئے ۸۸/ پانی کے لیے ۱۷۰/ دودھ کیلئے ۱۳/ اور اسی کے مثل شہد کیلئے، شراب کیلئے ۱۰۰/ شیر کیلئے ۳۵۰/ سانپ کیلئے ۱۰۰/ اور اسی کے مثل اونٹ کیلئے بھی، اونٹنی کیلئے ۲۵۵/ نام ہیں۔ حتیٰ کی صفتوں کیلئے بھی مترادفات کا کثرت سے استعمال ہے۔ مثلاً طویل (لمبے) کیلئے ۹۱/ اور قصیر (پستہ قد) کیلئے ۱۶۰/ ہیں۔ اسی طرح بہادر، سخی اور بخیل کیلئے بہت سے الفاظ ہیں۔ اسی تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ میں ایک لفظ کے متعدد معانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کسی لفظ کے ۳/ کسی کے ۴/ کسی کے ۵/ کسی کے ۲۵/ اور اس سے زیادہ بھی معانی ہیں۔ مثلاً ''الخال'' کے ۲۷/ لفظ عین کے ۳۵/ اور لفظ ''العجوز'' کے ۶۰/ معانی ہیں۔

ادب:۔ ادب کا لغوی معنی کسی کا اپنے آپ کو محاسن اخلاق سے مزین کرنا ہے۔ چنانچہ ''**المعجم الوسيط**'' میں ہے ''**الادب رياضة النفس بالتعليم و التهذيب على ماينبغي**'' (تعلیم و تہذیب کے ذریعہ نفس کو مناسب باتوں سے مزین کرنا) اسی معنی میں حدیث شریف میں بھی یہ لفظ آیا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا

ارشاد ہے "مانحل والده ولده من نحل أفضل من أدب حسن". (رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان، حدیث: ۸۸ ۹ ۴) (کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا)

اور اسی معنی میں حدیث

"أدبنی ربی فأحسن تأدیبی". (المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشهورة علی الالسنة، حدیث: ۴۵)

(میرے رب نے مجھے تعلیم دی تو اچھی تعلیم دی) میں بھی آیا ہے لیکن صدیوں بعد یہ لفظ ایسے کلام کے لیے خواہ وہ نظم ہو یا نثر استعمال ہونے لگا۔ جو الفاظ کی چاشنی کے ساتھ ایسے عمدہ معانی اور اچھے اخلاق کا حامل ہو جو نفس کو مہذب کرے اور دلوں کو اپنی طرف مائل کرے۔

ادب میں بہت سے علوم شامل ہیں چنانچہ المعجم الوسیط میں ہے۔

"علوم الأدب عند المتقدمین تشتمل :اللغة
والصرف والاشتقاق والنحو والمعانی
والبیان والبدیع والعروض والقافیه والخط
والانشاء والمحاضرات"

عربی بان و ادب کو سمجھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اتنی وسیع اور مالدار زبان کا سیکھنا آسان نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے اصول و ضوابط قواعد و قوانین دیگر زبانوں کی بنسبت زیادہ اور مشکل ہیں۔ اسی لیے عام طور سے غیر عربی کیلئے اس کے قواعد و قوانین کو سیکھنے، سمجھنے، پڑھنے، اور بولنے کیلئے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے پھر بھی کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کوشش کے باوجود کما حقہ نہ عربی سمجھتے ہیں اور نہ بولتے ہیں، کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی ذہانت و فطانت اور فطری صلاحیت و رغبت کی وجہ سے بہت جلد اس زبان میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔

امام احمد رضا کی عربی زبان میں مہارت

انھیں لوگوں میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات گرامی ہے جنھوں نے اپنی ذہانت و فطانت، خداداد فطری صلاحیت، قلبی میلان اور والد ماجد کی خاص توجہ سے عربی زبان و ادب کے اصول و فروع میں ایسا کمال اور درک حاصل کر لیا جس کی کوئی نظیر اور مثال نظر نہیں آتی۔

بغیر کسی تکلف کے عربی بولتے، لکھتے اور پڑھتے تھے۔ نحو، صرف، معانی و بیان، صنائع و بدائع عروض و قافیہ وغیرہ کے قواعد و قوانین اور وہ مسائل مستحضر رہا کرتے تھے جن سے عام طور پر لوگ واقف نہیں اور ضرورت پر بلا کسی کتاب کی ورق گردانی کئے کتابوں کا حوالہ پیش فرماتے تھے محاورات و امثال کا برمحل مناسب استعمال فرماتے جو فصاحت بیان اور بلاغت کلام کی بنیاد ہے اور اس زبان کے اسلوب بیان پر عبور و مہارت کی دلیل ہے۔ آپ نے حضرت سیف اللہ المسلول فضل رسول علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان میں جو "قصیدے" کہے جن کا تاریخی نام "حمایل فضل الرسول" اور "مدایح فضل الرسول" ہے جن کو "قصیدتان رائعتان" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے حاشیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی زبان و ادب کے وہ قواعد و قوانین اور اسرار و رموز آپ کے پیش نظر رہا کرتے تھے، جن تک عام طور سے لوگوں کی نگاہیں نہیں پہنچتیں، مثلاً وہ فرماتے ہیں: ؎

وَقِ حُر وجهي من لظاها بالذی
نبع الزلال بکفه المزدان

اس شعر کے پہلے مصرع میں "حر وجهی" کا استعمال لغت پر گہری نظر کی دلیل ہے، عام طور سے لوگ حر کا معنی آزاد اور شریف کے جانتے ہیں لیکن جن کی نگاہ لغت پر گہری ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ حر کی اضافت جب وجہ کی طرف ہوتی ہے تو رخسار کے معنی میں ہوتا ہے اسی لیے آپ نے حر وجهی فرمایا، دوسرے مصرع میں لفظ

کف (ہتھیلی) مؤنث ہے جو موصوف ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ موصوف کے مطابق صفت لائی جاتی ہے لیکن یہاں بظاہر مطابقت نظر نہیں آتی اس لیے کہ اس کی صفت المز دان مذکر ہے اس لئے اس شبہ اور اعتراض کو دور کرنے کیلئے آپ نے حاشیہ میں فرمایا:

"اکتسبت التذکیر من المضافة الیه کالسور اکسبت التانیث من المدینة فی قوله لما أتی خبر الزبیر تواضعت. سور المدینة والجبال الخشع. قاله صاحب غایة التحقیق.

یعنی "بکفہ" میں "ہ" ضمیر مذکر ہے جو "الذی" کی طرف لوٹ رہی ہے، اس ضمیر سے "کف" نے تذکیر حاصل کی ہے جس طرح شعر مذکر میں سور مذکر ہے مگر اپنے مضاف الیہ المدینۃ سے تانیث حاصل کی ہے جس کی وجہ سے تواضعت مؤنث کا صیغہ لا گیا اور یہ بات صاحب غایۃ التحقیق نے بیان فرمائی ہے۔

اور فرماتے ہیں:

ابد لهما دارا وجارا خیرا

من هؤلاءِ الدور والجیران

پہلے مصرع میں دارا وجارا دونوں کی صفت "خیرا" واحد ہے اس لئے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی ہے، مطابقت اس وقت ہوتی ہے جب "خیران" ہوتا، اس اعتراض کو دفع کرنے کے لیے حاشیہ میں فرماتے ہیں: **"خیریة الدار والجار متلازمان فی الآخرة فوصف أحدهما أغنی عن وصف الآخر"** (دار آخرت میں گھر اور پڑوسی کا اچھا ہونا لازم وملزوم ہے یعنی گھر اچھا ہوگا ہوتو پڑوسی بھی اچھا ہوگا اور پڑوسی اچھا ہوگا تو گھر بھی اچھا ہوگا اسلئے ان میں ایک کی صفت لانے نے دوسرے کی صفت سے بے نیاز کردیا) اور مصرع ثانی میں "هٰؤلاءِ" اسم اشارہ ہے اور اس کا مشار الیہ "الدور والجیران" غیر ذوی العقول ہیں اور "هؤلاءِ" سے ذوی العقول کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں یہاں "هؤلاء" کا استعمال کیسے درست ہوگا؟ اس کا جواب حاشیہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

أولاء ربما یشار بها الی غیر ذوی العقول قال تعالی: ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسؤلا، قاله أبو اسماعیل الجوهری.

(اولاء کے ذریعہ کبھی غیر ذوی العقول کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "**ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسؤلا**" میں **السمع والبصر والفؤاد** غیر ذوی العقول ہیں، ان کی طرف اولئک سے اشارہ کیا گیا ہے، یہ بات ابو اسماعیل جوہری نے کہی ہے)

تشبیب کے اشعار میں ایک شعر میں فرماتے ہیں:

ما مضمضت عینی بنوم مذ مضت

وکذٰلک کل مفارق الخلان

پہلے مصرع میں مضمضت کا لفظ آنکھ کے لیے استعمال کیا ہے، حالاں کہ کلی منہ سے ہوتی ہے آنکھ سے نہیں ہوتی، اس کی وجہ حاشیہ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "**المضمضة اصلها للفم لکنها تقولها العرب اذا ارادوا المبالغة فی نفی النوم**" (مضمضۃ کا لفظ اصل میں منہ سے کلی کرنے کے لیے آتا ہے، لیکن عرب نیند کے نہ آنے میں مبالغہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کا استعمال آنکھ کے لیے کرتے ہیں)

مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوا کہ لغت کے مفردات ان کے طریقۂ استعمال نحو کی باریکیوں پر کیسی گہری نظر تھی اس لیے سیدنا اعلیٰ حضرت کی کسی عبارت میں بظاہر خلاف قانون کوئی بات نظر آئے تو اس کی تہ تک اس کی گیرائی اور گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے فورا بلا تأمل وتفکر خلاف قانون کا حکم نہیں لگانا چاہئے، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہونے والے "قصیدتان رائعتان" کے ترجمہ وتشریح میں فاضل مترجم مولانا عاصم اقبال مجیدی بدایونی نے ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن بغدادی کے حوالے سے کچھ کلمات کے خلاف

قانون ہونے کا اظہار کیا ہے حالانکہ وہ قانون کے خلاف قطعاً نہیں ہیں۔مثلاً:۔

مالي وللغزل المهيج فلا اكن

غزلا ولم ارمرتع الغزلان

کے پہلے مصرع میں فلا اکن کے بارے میں مترجم لکھتے ہیں ''اصل نسخے میں مصرع اولیٰ (مصرع مذکر ہے اس لیے اولیٰ نہیں بلکہ اول ہونا چاہیے) میں فلا اکُن لکھا ہے، یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ''لا'' کے بعد فعل مضارع کو جزم کیوں دے دیا گیا؟ ڈاکٹر رشید عبیدی کو بھی یہ شبہ پیدا ہوا، انھوں نے فلا اکن کی جگہ ولم اکن کر دیا ہے۔بہ نظر ظاہر یہی اصح معلوم ہوتا ہے''۔

میں کہتا ہوں کہ سیدنا اعلیٰ حضرت جو نسخہ لے کر بدایوں شریف تشریف لے گئے تھے وہ آپ ہی کے دست مبارک کا لکھا ہوا نسخہ ہے غور وفکر کرنا چاہئے تھا کہ فلا اکن مجزوم فعل کیوں استعمال فرمایا اگر ذرا بھی غور وفکر کرتے تو بات سمجھ میں آجاتی کہ جملہ انشائیہ کا جملہ خبریہ کے معنی میں اور جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ کے معنی میں استعمال شائع وذائع ہے یہاں فعل مجزوم اس لیے ہے کہ لا اکن فعل نہی واحد متکلم کا صیغہ ہے خبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو تاکید اور مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے۔

اسی طرح:۔

تب يا أثيم فقد أظل زمانة

يمحي بهاجم من العصيان

اس میں **اظل زمانة** کے بارے میں مترجم صاحب نے لکھا ہے ''اصل نسخہ میں واضح طور پر مصرع اولیٰ[2] میں **زمانة** لکھا ہے ہم نے بھی وہی درج کر کے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ جب زمانة مؤنث ہے تو فعل اظل کیوں آیا اظلت آنا چاہئے تھا ۔ڈاکٹر رشید عبیدی نے غالباً اسی شبہ سے بچنے کیلئے اس کو ''زمانہ'' لکھا ہے''۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی واضح بات نہ مترجم صاحب کو سمجھ میں آئی نہ ڈاکٹر رشید عبیدی صاحب کو حالانکہ نحو میر میں جمع مکسر جو واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے اور مؤنث غیر حقیقی کیلئے دونوں طرح کا فعل استعمال کیا گیا ہے۔چنانچہ **قال العلماء** اور **قالت العلماء** اور **طلع الشمس** اور **طلعت الشمس** کو مثال میں پیش کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں تو مؤنث حقیقی کیلئے مذکر فعل کا ذکر ہے چنانچہ سورہ یوسف میں ''**قال نسوة**'' ارشاد ہے،اس لیے ''**اظل زمانة**'' بالکل صحیح اور بے غبار جملہ ہے۔

آپ کی عربی دانی میں مہارت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مانوس اور غیر مانوس الفاظ میں تمیز کرنے میں دیر نہیں لگتی چنانچہ ماہر رضویات حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب شرف قادری علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ کی پہلی جلد کے ''کلمات آغاز'' میں اس کی ایک مثال پیش کی ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں ''علامہ شامی علیہ الرحمہ لفظ ''طف'' بہ پڑنے کے معنی میں استعمال کیا اور فرمایا: **حتي طف من جوانبها** ۔اس پر امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا: مجھے یہ فعل اور مصدر، صحاح، صراح، قاموس، تاج العروس، مفردات، نہایہ، درنثیر، مجمع البحار اور مصباح میں نہیں ملا، ہاں قاموس میں صرف اتنا ہے ''**طف المكوك والاناء وطففه وطفافه**'' وہ چیز جو اس برتن کے کناروں کو بھر دے''

پھر مولانا موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا بریلوی کو عربی زبان پر اس قدر عبور تھا کہ ایک نامانوس لفظ کو دیکھتے ہی اسے غریب سمجھا اور اس کی غرابت پر لغات کی دس مستند کتابوں کا حوالہ پیش کیا ان مآخذ میں عربی لغات بھی ہیں اور لغات حدیث بھی''۔

اور یہ معلوم ہے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت کو ہم لوگوں کی طرح کسی لفظ کے معنی اور اس کے طریقۂ استعمال کیلئے بار بار لغات کی کتابوں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑا کرتی تھی ،جس طرح احادیث کریمہ کے

الفاظ ان کے رواۃ اور تخریجات مستحضر رہا کرتی تھیں اسی طرح لغات ومفردات مستحضر رہا کرتے تھے۔

عربی نثر نگاری:۔

ہم سب سے پہلے سیدنا اعلیٰ حضرت کی عربی نثر نگاری کے متعلق گفتگو کرتے ہیں آپ کو عربی زبان میں وہ ملکہ حاصل تھا کہ بلا تکلف مافی الضمیر کو تحریراً یا تقریراً بڑی برجستگی کے ساتھ ادا فرماتے ،مہارت تامہ اور ید طولیٰ ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ اپنے عربی رسائل اور عربی تصنیفات کا نام ایسا منتخب فرماتے جس سے مضمون کتاب کی طرف واضح اشارہ ہوتا اور تاریخ تصنیف بھی معلوم ہوجاتی ، یونہی تصنیفات کے خطبہ یا مقدمہ میں ایسے کلمات اور جملے کا استعمال فرماتے جن سے اصل مضمون کی طرف واضح اشارہ ہوتا حتیٰ کہ کسی استفتا کے جواب میں اگر خطبہ تحریر فرماتے ہیں تو اس سے بھی مسئلہ کی نوعیت معلوم ہوجاتی ہے۔

آپ کی نثر نگاری ظاہری اور معنوی حسن وجمال سے مزین ہوتی ہے، آپ کے کلام میں سجع کی آمد ہوتی ہے اس میں عجمیت کا ذرا بھی شائبہ نہیں ہوتا موقع ومحل کے اعتبار سے معانی کے مطابق الفاظ لاتے ہیں اور کبھی کثیر معانی کو مختصر الفاظ میں اس انداز سے بیان فرماتے ہیں کہ عرب بھی دیکھکر حیران وششدر رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اپنے وقت کے مشہور شاعر وادیب ڈاکٹر حسین مجیب مصری صاحب فرماتے ہیں:

”انہ ناصع البیان مستقیم العبارۃ واللفظ فی کلامہ علی قدر المعنی نثرہ العربی أصیل لا اثر فیہ للعجمة “.(المنظومة السلامیة، ص: ۳۲)

(آپ کا بیان واضح ہوتا ہے ،عبارت درست ہوتی ہے، الفاظ معانی کے مطابق (برابر) ہوتے ہیں آپ کی عربی نثر، خالص عربی ہے اس میں عجمیت کا ذرا بھی اثر نہیں ہے)

سیدنا اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد میں جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے اس مسجع عبارت اور کثیر معانی کو مختصر الفاظ میں اچھوتے اسلوب میں بیان کرنے کی قدرت پر ڈاکٹر صاحب موصوف یوں رطب اللسان ہیں:

”وبالنظر فی ھذا النثر الفنی یستبین لنا أنہ یتسم بالسلاسة والکلام فیہ ینحدر فی ماء واحد آخذ ابعضہ برقاب بعض دونما تکلف أو اقحام .ان جملہ قصاری علی غیر ما نصادف فی النصوص العربیة المنسوبة الی العرب ،سجعہ یاتی عفوا والمعنی فی ظاھر اللفظ یدرک من غیر کد للذھن واعنات للرویة“. (المنظومة السلامیة، ص: ۱۲)

(اس فنی نثر میں غور فکر سے ہم پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ سلاست سے بھر پور ہے اور کلام آبشار کی طرح بلا تکلف اور بغیر انقطاع کے ایک ہی اسلوب اور وزن پر ڈھلتا جارہا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے جملے کثیر معانی پر اس طرح مشتمل ہیں جن کی مثال ان نصوص عربیہ میں نہیں ملتی جو عرب کی طرف منسوب ہیں، اس میں سجع کی آمد ہے اور ظاہری لفظ سے بغیر ذہن وفکر پر زور دیئے ہوئے معنی سمجھ میں آجاتا ہے)

اپنے دعویٰ کے ثبوت کیلئے چند کتابوں کے نام، چند خطبے، ایک استفتا اور نمونہ کے طور پر ایک مختصر عبارت پیش کررہا ہوں:

(۱) ”الدولة المکیہ بالمادۃ الغیبیة“ اس کتاب کے نام ہی سے مضمون کتاب کا پتہ چلتا ہے اور تاریخ تصنیف ۱۳۲۳ھ بھی معلوم ہوتی ہے

(۲) حضور سیدنا سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان میں دو قصیدے کہے جن کا نام مدائح فضل الرسول اور حمایدفضل الرسول ہے، یہ دونوں نام بھی تاریخی ہیں جن سے ان کے نظم کا سن ۱۳۰۰ھ ہجری معلوم ہوتا ہے اور نام ہی

سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضور سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول علیہ الرحمہ کی شان میں یہ قصیدے کہے گئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کا مقدمہ اور خطبہ:

الحمد لله هو الفقيه الاكبر، الجامع الكبير لزيادات، فيضه المبسوط، الدر الغرر به الهداية، ومنه البداية، واليه النهاية، بحمده الوقاية، ونقاية الدراية، وعين العناية، وحسن الكفاية، والصلوٰة والسلام على الامام الأعظم للرسل الكرام، مالكى، شافعى، واحمد الكرام، يقول الحسن بلا توقف محمد الحسن ابو يوسف، فانه الأصل المحيط لكل فضل بسيط، ووجيز ووسيط، البحر الزخار، والدر المختار، وخزائن الأسرار، وتنوير الأبصار، وردالمحتار، على منح الغفار، وفتح القدير، وزاد الفقير، وملتقى الأبحر، مجمع الأنهر، وكنز الدقائق، وتبيين الحقائق، والبحر الرائق، منه يستمد كل نهر فائق فيه المنية، وبه الغنية، ومراقى الفلاح، وامداد الفتاح، وايضاح الاصلاح ونور الايضاح، وكشف المضمرات، وحل المشكلات، والدر المنتقى، ،وينابيع المبتغى، وتنوير البصائر، وزواهر الجواهر،،البدائع النوادر،،المنزه وجوبا عن الأشباه والنظائر مغنى للسائلين ، ونصاب المساكين، الحاوى القدسى، لكل كمال قدسى، وانسى، الكافى الوافى الشافى، المصفى والمصطفىٰ المستصفىٰ، المجتبى، المنتقىٰ، الصافى، عدة النوازل وأنفع الوسائل لاسعاف، السائل بعيون المسائل عمدة الأواخر وخلاصة الأوائل وعلىٰ آله وصحبه واهله وحزبه مصابيح الدجىٰ، ومفاتيح الهدىٰ، لاسيما الشيخين الصاحبين، الآخذين من الشريعة والحقيقة بكلا الطرفين، والختنين الكريمين، كل منهما نور العين، مجمع البحرين، وعلى مجتهدى ملته وائمة أمته خصوصاً الأركان الأربعة والأنوار اللامعة وابنه الأكرم الغوث الأعظم وذخيرة الأولياء وتحفة الفقهاء، جامع الفصولين، فصول الحقائق، والشرع المهذب بكل زين، علينا معهم وبهم ولهم، يا أرحم الراحمين، آمين، آمين، والحمد لله رب العلمين.

مقدمہ کے آغاز ''الحمد لله هو الفقيه الاكبر'' ہی سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ اس کتاب میں فقہی دینی اسلامی مسائل بیان کئے گئے ہیں جن سے انسانوں کو ہدایت ملے گی اور ان پر عمل کر کے جہنم سے آزادی ملے گی اور اس کے بعد کی عبارت سے آخر تک سے واضح ہے کہ اس کتاب میں جتنی فقہی کتابیں ہیں مبسوط ہوں یہاں مختصر سب کے مسائل موجود ہیں یہ کتاب خطبہ میں مذکور تمام کتابوں کو محیط ہے، اس سے ہر سائل کو نفع اور تشفی حاصل ہوگی، یہ کتاب متقدمین فقہا کی کتابوں کا خلاصہ اور متأخرین کیلئے قابل بھروسہ ہے اسی کو یعنی مضمون کتاب کی طرف اشارہ کرنے کو اصطلاح میں براعۃ الاستہلال کہا جاتا ہے اس مقدمہ میں کتابوں اور ائمہ اربعہ کا جس انداز سے ذکر کیا ہے یہ سیدنا اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ ہے کہ جگہ جگہ توریہ اور ایہام کی صنعت موجود ہے۔

الدولۃ المکیہ کا خطبہ:

" الحمد لله علام الغيوب، غفار الذنوب، ستار العيوب، المظهر من ارتضىٰ من رسول على السر المحبوب، افضل الصلاة واكمل السلام علىٰ أرضىٰ من ارتضىٰ وأحب محبوب، سيد

المطلعين على الغيوب الذى علمه ربه تعليماً وكان فضل الله عليه عظيماً فهو علىٰ كل غائب أمين وماهو على الغيب بضنين ولا هو بنعمة ربه بمجنون مستور عنه ماكان أو يكون فهو شاهد الملك والملكوت ومشاهد الجبار والجبروت، مازاغ البصر وما طغىٰ افتمٰرونه على مايرىٰ نزل عليه القرآن تبينا لكل شئ فأحاط بعلوم الأولين والآخرين بعلوم لا تنحصر بحد وينحسر دونها العدد لا يعلمها أحد من العٰلمين فعلوم آدم وعلوم العالم وعلوم اللوح وعلوم القلم كلها قطرة من بحار علوم حبيبنا صلى الله تعالى عليه وسلم لان علومه وما يدريک ما علومه عليه صلوات الله تعالى وتسليمه هى أعظم رشحة وأكبر غرفة من ذلك البحر الغير المتناهى أعنى العلم الازلى الالهى فهو يستمد من ربه والخلق يستمدون منه فما عندهم من العلوم انما هى له وبه ومنه وعنه.

وكلهم من رسول الله ملتمس
غرفاً من البحر اورشفاً من الديم
وواقفون لديه عند حدهم
من نقطة العلم اومن شكلة الحكم

صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلىٰ آله وصحبه وبارک وكرم اٰمين. (الدولة المكية، الرضا دارالاشاعت بريلى)

اس خطبہ ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب علم غیب مصطفیٰ ﷺ سے متعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم عطا فرمایا اور اپنے دیدار سے مشرف فرمایا جو سب سے بڑا غیب ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

اور ساتھ ہی قرآنی آیات سے دلیل بھی پیش فرمادی میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ استفتا کے جواب میں اگر خطبہ ہوتا ہے تو اس سے بھی مسئلہ کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے، اس کی صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ بنارس سے مولوی حافظ عبدالسمیع صاحب اور میرٹھ سے مظاہر الاسلام صاحب نے سجدۂ تحیت کے بارے میں استفتا کیا تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللهم لک الحمد يامن خشعت له القلوب وخضعت له الأعناق وسجدت له الجباه، حرم السجود فى هذا الدين المحمود والشرع المسعود لمن سواه. صل وسلم وبارک علىٰ اكرم من سجد لک ليلا ونهاراً وحرم السجود لغيرک تحريماً جهارا وعلى اٰله وصحبه الفائزين بخير الذين لم يشن الله وجوههم بالخرور بغيره نورنا الله بانوار هم ووفقنا لاتباع آثارهم. آمين". (فتاویٰ رضویہ ج:۹ ص:۲۱۳)

اللہ تعالیٰ کی حمد، بارگاہ رسالت میں درود وسلام اور آپ کی آل واصحاب پر درود وسلام۔ تینوں جگہوں میں ایسے الفاظ وکلمات لائے ہیں جن سے مسئلہ کی نوعیت اور غیر اللہ کو سجدۂ تحیت کرنے کا حرام ہونا بالکل واضح ہے اس خطبہ کی فصاحت وبلاغت، مسجع عبارت اور برجستگی ہر پڑھنے والا محسوس کرے گا۔

آپ کی ہر تحریر فصاحت وبلاغت، سلاست وروانی سے مزین اور ظاہری معنوی حسن جمال سے آراستہ ہوتی جس میں سجع کی آمد اور برجستگی ہوتی ہے نمونہ کے طور پر الدولۃ المکیہ کی ایک اور عبارت نذر ناظرین ہے۔

"النظر الرابع .الوهابية خذلهم الله تعالىٰ اذا عجزوا و أيسوا جعلوا يطلبون لهم الخلاص ولات حين مناص، فقالوا: نعم أطلع الله تعالىٰ محمدا صلى الله تعالى عليه وسلم على بعض المغيبات في بعض الأوقات على جهة الاعجاز بيد أنه لايعلم الا ماعلم قالوا وأنتم أيضاً لاتقولون الا بهذا فارتفع الشقاق وحصل الوفاق وهم انما يريدون أن يكيدوا الجاهل ويصيدوا الغافل". (الدولۃ المکیۃ،ص:۲۷)

عربی شاعری:

آپ کی شاعری اردو ہو یا عربی پاکیزہ شاعری ہے۔اس لیے کہ آپ نے دنیا طلبی کے لیے شعر نہیں کہا۔ چنانچہ جب نواب نانپارہ کی شان میں قصیدہ کی فرمائش کی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

اور نہ ہی غزل کے اشعار کہے، اس لئے کہ غزل ایک دیندار ،متقی و پرہیز گار فقیہ کے وقار کے خلاف ہے اگر کچھ ابیات اردو یا عربی میں غزل یا تشبیب کے ہیں تو وہ عام غزل کی طرح نہیں بلکہ وہ پاکیزہ خیالات پر مبنی ہیں، جو قطعاً وقار کے خلاف نہیں ہیں چنانچہ آپ تشبیب کے اشعار کے بارے میں جن سے بظاہر ایک عاشق ،معشوق کی جدائی میں غمزدہ اور پریشان حال ہے، وصال یار کا مشتاق ہے اور ہلال عید سے اپنے محبوب کا پتہ پوچھ رہا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

انا قيس نجد فيه نزهة جنة
هي جُنَّة من جِنة لجناں

(میں اس نجد کا قیس ہوں جس میں باغ کی سیر وتفریح ہے وہ لوگوں کی دیوانگی کے لیے ڈھال ہے)

ليلاى ليل كنت فيه منادما
لعرائس عرب حللن جنانى

(میری لیلا وہ رات ہے جس میں میں ان شوہر دوست عورتوں کا ہم نشیں رہا جو میرے دل میں اتریں)

أعلمت ماذا النجد نجد تعلم
والليل ليل الفكر والامعان

(کیا تجھے معلوم ہے کہ نجد کیا ہے وہ علم وتعلم کا نجد ہے اور رات غور وفکر کی رات ہے)

اور اس غزل کے بارے میں جو ہوس پرستی پر مبنی ہے فرماتے ہیں:

مالي وللدميات من درر على
سررو لست بعابد الأوثان

(مجھے تختوں پر رکھی ہوئی موتی کی گڑیوں سے کیا لینا دینا؟ اور میں بتوں کا پجاری نہیں ہوں)

مالي وللغزل المهيج فلا اكن
غزلا ولم ار مرتع الغزلان

(مجھے جذبات برانگیختہ کرنے والی غزل سے کیا لینا دینا ہے؟ اس لئے کہ میں عشق باز مرد نہیں ہوا اور نہ میں نے ہرنوں کی چراہ گاہ دیکھی ہے)

مالي وللاهواء الى مهوى الهوى
افلي غناء في غناء غوان

(عشق ومحبت کے غار کی طرف میلان سے مجھے کیا مطلب؟ کیا میرے لیے خوبصورت عورتوں کے گانے میں کوئی فائدہ ہے؟)

ما كان هذا ديدنى لكنه
تشبيب شعر لا ددالشبان

(یہ حسن وجمال اور عشق ومحبت کی باتیں میری عادت نہیں ہے لیکن عشق ومحبت کی جو باتیں میں کہی ہیں وہ قصیدہ کی تشبیب ہے ،جوانوں کا کھیل کود نہیں)

اذماددمني ولا انامن دد
اذجئت أمدح رُحلة لاواني

(اس لیے کہ نہ کھیل کود مجھ سے ہے اور نہ میں کھیل کود سے

ہوں کیونکہ میں اس عظیم شخصیت کے لیے آیا ہوں جو زمانہ کے لیے مرجع ہے)

مذکورہ اشعار سے معلوم ہوا کہ قصیدے کے آغاز میں جو حسن وجمال اور عشق ومحبت کی باتیں بیان کی گئی ہیں وعرب شعراء کے دستور کے مطابق قصیدے کی تشبیب وتمہید ہے نہ کہ جوانوں کا لہو ولعب اور کھیل کود یہی وجہ ہے کہ وہ تشبیب کے اشعار پاکیزہ محبت اور پاکیزہ خیالات پر مبنی ہیں چنانچہ ناظم قصیدہ نے خود فرمایا کہ میں عشق ومحبت میں قیس ہوں مگر میری لیلیٰ مجنوں کی لیلیٰ کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ میں اس نجد کا قیس ہوں جس میں سیر وتفریح کا باغ ہے جو جنون اور دیوانگی سے بچانے والا ہے اور میری لیلیٰ وہ رات ہے جو غور فکر میں گزرتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اصناف سخن میں حمد ونعت، اولیاء اللہ کے فضائل ومناقب ان کی بارگاہ میں استغاثہ خراج عقیدت اور دشمنان دین کی ہجو اور رد کو منتخب فرمایا۔

جب آتش شوق بھڑکتی تو جذبات اشعار کی شکل میں ڈھل جاتے تو کبھی اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے، کبھی بارگاہ رسالت ﷺ میں عقیدت ومحبت کے ہار اشعار کی شکل میں نذر کرتے، کبھی اولیائے کرام بالخصوص سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے استغاثہ پیش کرتے اور کبھی اپنے زمانہ کے مشاہیر علمائے ربانین کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے اور اپنی عادت کریمہ کے مطابق اللہ ورسول ﷺ کے دشمنوں کی ہجو اور ان کا رد بھی کرتے، اور ہر صنف سخن کے لیے اسی کے مطابق الفاظ و کلمات کا استعمال کرتے، یعنی حمد ونعت اور استغاثہ اور امداد کیلئے نرم ونازک الفاظ جن سے تواضع وانکساری، عاجزی اور مسکینیت ظاہر ہوتی اور ہجو اور رد کیلئے بھاری بھرکم کلمات لاتے ہیں جس کو اصطلاح کی زبان میں ائتلاف اللفظ مع المعانی کہتے ہیں، اس اصطلاحی لفظ سے پورا دیوان آراستہ اور مزین ہے۔ معانی کو ایسے آسان اور سہل انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ شعر دیکھنے یا سننے کے بعد معنی مراد کو آسانی سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ آپ اپنی فنکارانہ عربی شاعری میں برمحل اور برجستہ امثال ومحاورات استعمال کرتے ہیں اس کو اصطلاح کی زبان میں ''عقد'' کہتے ہیں جس سے کلام کا حسن وجمال دوبالا ہوجاتا ہے اور محسنات لفظیہ اور معنویہ کے استعمال سے کلام کے حسن وجمال میں چار چاند لگادیتے ہیں۔

آپ کی عربی شاعری کے مطالعہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قادر الکلام فی البدیہہ ایسے شاعر ہیں کہ معاصرین میں آپ کی نظیر ومثال نظر نہیں آتی اس کا اعتراف عرب کے شعرا اور ادبانے بھی کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر حسین مجیب مصری صاحب ''صفوۃ المدیح کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''فقد کان یملک ناصیة العربیة ویحسنها کما لم یحسنها سواه من مواطینه ومعاصریه وشعره فیها رفیع الطبقه'' ''متین السبک وکتابه المنظوم بالعربیة المسمیٰ'' ''بساتین الغفران'' الذی قام بجمعه وترتیبه الدکتور حازم محمد احمد محفوظ ،یشهد له بعلوا لکعب وطول الباع''.

(انھیں عمدہ عربی زبان پر قدرت حاصل تھی اس کو ایسے اچھے انداز میں استعمال فرماتے کہ آپ کے ہم وطنوں اور معاصرین میں سے آپ کے علاوہ کسی نے اس انداز میں استعمال نہیں کیا، اس زبان میں آپ کا شعر بلند مرتبہ اور ٹھوس ترکیب میں ڈھلا ہوتا ہے، عربی زبان میں آپ کی منظوم کتاب جو ''**بساتین الغفران**'' کے نام سے موسوم ہے جس کو ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ صاحب نے جمع اور مرتب کیا ہے، آپ کی بلند شان وشوکت اور فیاضی کی گواہی دے رہی ہے)۔

ان کے علاوہ بغداد شریف کے مشہور ومعروف شاعر وادیب ڈاکٹر رشید عبدالرحمٰن عبیدی بغدادی جو اپنے علمی اور ادبی کارناموں کی وجہ سے عرب دنیا کے علمی اور ادبی حلقوں میں مشہور ہیں انھوں نے

جب ''قصیدتان رائعتان'' کا مطالعہ کیا تو معانی وبیان، فصاحت وبلاغت اور شعری محاسن سے اس قدر متأثر ہوئے کہ ان دونوں قصیدوں کی عربی زبان میں تشریح کرڈالی، وہ شرح تو دستیاب نہ ہوسکی لیکن ان دونوں سے متعلق جو تاثرات مقدمہ میں تحریر کیے ہیں ان کے کچھ اقتباسات اس اردو ترجمہ وتشریح میں درج کئے گئے ہیں جو تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہوا ہے ان میں سے کچھ اقتباسات کو یہاں پیش کیا جارہا ہے۔تاکہ واضح ہوجائے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت کا عربی شعروسخن میں بھی بہت بلند مقام ہے۔ڈاکٹر صاحب موصوف تحقیق وتشریح کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''انما قمت بتحقيق هذين النصين الشعريين لما لمست فيهما من المعانى الرائعة التى نظمها الشاعر وما تضمنت من الأمثال العربية والصور القرآنية والدلالات الحديثية ودقة الاشارات البارعة الىٰ ذٰلک کله بأسلوب شعرى رشيق جميل''. (قصيدتان رائعتان، ص: ۵۲)

(میں نے ان دونوں قصیدوں کی تحقیق کا کام ان عمدہ معانی کو دیکھنے کی وجہ سے کیا جن کو شاعر نے نظم کیا ہے اور امثال عربیہ ،قرآنی صوردلالات حدیثیہ اور عمدہ اشارات کی باریکی کو دیکھنے کی وجہ سے جن پر اشعار مشتمل ہیں اور یہ سب کچھ خوبصورت ،عمدہ شعری اسلوب میں بیان کیا گیا ہے)

اوردوسری جگہ لکھتے ہیں '' لقد رأيت ان القصيدتين تدلان على قدرة فائقة من البريلوى فى اللغة وأصول التعبير بها''. (قصيدتان رائعتان، ص: ۵۴)

(بلاشبہ میں نے دیکھا کہ دونوں قصیدے ،لغت اور اس کے اصول تعبیر پر علامہ بریلوی کی اعلیٰ درجہ کی قدرت پر دلالت کررہے ہیں)

مذکورہ تاثرات سے معلوم ہوا کہ سیدنا اعلیٰ حضرت عربوں کے نزدیک بھی فی البدیہہ ایسے عمدہ شاعر ہیں جن کی نظیر ومثال نہیں۔

اب ہم ذیل میں چند اشعار کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہوئے صرف حسن وجمال کو بیان کررہے ہیں تاکہ ہمارے دعویٰ کا ثبوت ہوجائے

قصیدہ نونیہ کا پہلا شعر یہ ہے:

رن الحمام على شجون البان
یاما أميلح ذكر بيض البان

(کبوتر نے درخت بان کی شاخوں پر نغمہ سنجی کی، واہ مقام بان کی گوری عورتوں کا ذکر کتنا ملیح ہے)

(ملاحظہ: مترجم نے پہلے مصرع میں الحمام کا معنی فاختہ کیا ہے جو صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ''الحمام'' کبوتر کو کہتے ہیں اور فاختہ کے لیے یمامۃ اور یمام کا لفظ آتا ہے۔اور دوسرے مصرع میں ''بیض'' کو ابیض کی جمع بتایا ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں گوری عورتوں کے معنی میں ہے، لہٰذا یہاں بیضاء کی جمع ہے)

اس شعر کے پہلے مصرع میں ''البان'' درخت کے معنیٰ میں ہے جو سیدھا اور اونچا ہوتا ہے اس درخت سے بلند قامت اور خوبصورت کو تشبیہ دی جاتی ہے چنانچہ ناظم قصیدہ فرماتے ہیں ''شجرة عربية تشبه بها قدود الحسان فى الاستواء والرشاقة'' اوردوسرے مصرع میں ''البان'' ایک جگہ کا نام ہے جہاں کے لوگ حسن وجمال میں مشہور ہیں، چنانچہ ناظم قصیدہ بین السطور میں فرماتے ہیں ''اسم موضع أهلها معروفون بالحسن والجمال'' دونوں ''البان'' تعداد حروف اور شکل وصورت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور دونوں اسم ہیں لیکن دونوں کا معنیٰ مختلف ہے اس لئے ان دونوں میں جناس متماثل ہے۔

بانت ومالانت فبانت لوعتى
یا خيبتى فى الصبر والكتمان

(محبوب جدا ہوگیا اور نرمی نہیں برتی سوزش عشق ظاہر ہوگئی، و اے میری ناکامی، عشق کے چھپانے اور صبر کرنے میں)

پہلے مصرع میں دو جناس ہیں، بانت اور لانت میں جناس غیر

تام کی قسم جناس لاحق ہے اس لیے کہ ''با'' اور ''ل'' دونوں مختلف حرف بعید المخرج ہیں اور دونوں ''بانت'' میں جناس متماثل ہے اس لیے کہ تعداد حروف، ہیئت اور نوعیت میں بالکل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں لیکن دونوں کے معنیٰ مختلف ہیں پہلا بانت جدا ہونے اور دوسرا بانت ظاہر ہونے کے معنیٰ میں ہے۔

راحت أزمة راحتي من راحتي

كذلك كل مودع الأخدان

(میری ہتھیلی (ہاتھ) سے آرام وراحت کی لگامیں چلی گئی اور معشوقوں کو الوداع کہنے والے ہر شخص کا یہی حال ہوتا ہے)

اس میں راحت اور راحۃ میں جناس محرف ہے اس لئے کہ راحت فعل ہے اور راحۃ اسم ہے اور دونوں راحۃ میں جناس متماثل ہے اس لیے دونوں تعداد حروف، ہیئت اور نوعیت میں مشابہ ہیں اور معنیٰ میں مختلف ہیں پہلا راحۃ آرام کے معنیٰ میں اور دوسرا راحۃ ہتھیلی کے معنیٰ میں ہے۔

اذ ماددمني ولا أنا من دد

اذ جئت امدح رحلة لاواني

(اس لیے کہ نہ کھیل کود مجھ سے ہے اور نہ میں کھیل کود سے ہوں کیونکہ میں اس عظیم شخصیت کی مدح سرائی کے لیے حاضر ہوا ہوں جو زمانہ کیلئے مرجع ہے)

حدیث شریف میں ہے:

''لست من دد ولا دد مني''. (مجمع الزوائد هيثمي، ج:٨/ ص ٢٢٩، بحواله قصيدتان رائعتان)

(میں کھیل کود سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کود مجھ سے ہے) اس لیے پہلے مصرع میں اقتباس کی صنعت ہے اس لیے کہ قرآن کی آیت یا اس کا جزیا حدیث یا اس کا کوئی حصہ ذکر کرنے کو اقتباس کہتے ہیں

الودق يخرج من خلال سحابه

فالرعد يندب أين من ظمآن

(اس (ممدوح) کے جود وسخا کے بادل کے درمیان سے بارش نکلتی ہے اور بجلی کی کڑک پکارتی ہے کہ پیاسے کہاں ہیں کہ (میں سیراب کروں)

پہلے مصرع میں ''**الودق يخرج من خلال سحابه**'' قرآن کی آیت ''**فترى الودق يخرج من خلاله**'' (تو تو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے بارش نکلتی ہے) کا حصہ ہے جو شعر میں ذکر کیا گیا ہے لہذا یہاں بھی اقتباس کی صنعت ہے۔

ياتيه قلب كالهشيم فينثني

خضرا نضيرا ناعم الأغصان

(ان کے پاس کوئی خشک گھاس کی طرح دل آتا ہے تو سرسبز تروتازہ نرم شاخوں والا ہوکر واپس لوٹتا ہے)

اس شعر میں ہشیم (خشک گھاس) اور خضرا (سرسبز) نضیرا (تروتازہ) ناعم (نرم) کے درمیان تضاد وطباق ہے اس لیے کہ دو متقابل اور متضاد چیزوں کے ذکر کرنے کو طباق یا تضاد کہتے ہیں اور یاتی اور ینثنی کے درمیان بھی تضاد ہے اس لیے کہ یاتی کے معنیٰ آنے اور ینثنی کے معنیٰ لوٹنے اور واپس جانے کے ہیں

اُرفق بنفسک يا مذكر همه

هو عالم الأسرار والأعلان

(اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے اس کے غم کو یاد دلانے والے! اپنی جان پر نرمی کر وہ ذات بابرکات پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کی جاننے والی ہے تو پھر غم کس بات کا؟)

اس میں **الأسرار** (پوشیدہ چیزیں) اور **الأعلان** (ظاہر چیزیں) کے درمیان تضاد ہے۔

ليل اذا أرخى ستار ظلامه

رفع الستارة عن نجو معان

(وہ ایسی رات ہے کہ جب اس میں تاریکی کے پردے ڈالے تو معانی کے ستاروں سے پردے اٹھادیئے)

اس میں ارخی ستار اور رفع الستارۃ کے درمیان تضاد وطباق ہے اور نجوم معان میں تشبیہ ہے اس لئے کہ معانی کو ستاروں سے تشبیہ دی

ہے کیونکہ جس طرح ستاروں سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح معانی سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے جن اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے ان سب میں معانی کے مطابق کلمات والفاظ کا استعمال فرمایا ہے، حمد وثنا میں اللہ تعالیٰ کی جلالت شان پر دلالت کرنے والے الفاظ بارگاہ رب العزت میں اپنی عاجزی، بندگی اور مسکینیت پر دلالت کرنے والے الفاظ کے ساتھ اس کے محبوبین ومقربین کو دعا کی مقبولیت کیلئے وسیلہ بنایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

الحمد للمتوحد　　بجلاله المتفرد

(سب خوبیاں اس ذات کیلئے جو یکتا ہے اپنے جلال میں متفرد ہے)

وصلاة مولانا علی　　خیر الأنام محمد

(ہمارے مالک ومولیٰ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کاملہ نازل ہو محمد مصطفےٰ ﷺ پر جو مخلوق میں سب سے بہتر ہیں)

والآل أمطار الندی　　والصحب سحب عوائد

(اوران کی آل پر جو عطا وبخشش کی بارشیں ہیں اور آپ کے ان اصحاب پر جو منافع کے بادل ہیں

لاهُمَّ قد هجم العدی　　من کل شاؤ أبعد

(اے اللہ! دشمن قریب وبعید ہر جانب سے حملہ آور ہو چکے ہیں)

لکن عبدک آمن　　اذ من دعاک یؤید

(لکن تیرا بندہ مامون ومحفوظ ہے اس لیے کہ جس نے تجھے پکارا اس کی تائید اور حمایت کی جاتی ہے)

لا أختشی من بأسهم　　ید ناصري أقوی یدي

(میں ان کی طاقت وقوت سے نہیں ڈرتا اس لیے کہ میرے ناصر ومددگار کا دست قدرت سب سے طاقتور ہے)

فالیٰ العظیم توسلی　　بکتابه وبأحمد

(تو رب العالمین کی عظیم بارگاہ میں اس کی کتاب (قرآن) اوراس کے رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کو وسیلہ بناتا ہوں)

وبمن أتی بکلامه　　وبمن هدیٰ وبمن هدی

(اوراس کو جو اس کا کلام لایا اوراس کو جس نے رہنمائی فرمائی اوران کو جنہیں ہدایت ملی)

وبطیبة وبمن حوت　　وبمنبر وبمسجد

(اور مدینہ طیبہ اوراس کے باشندگان اور منبر رسول اور مسجد نبوی کو وسیلہ بناتا ہوں)

وبکل من وجد الرضا　　من عند رب واجد

(اور ہر اس ذات کو وسیلہ بناتا ہوں جس نے اللہ رب العزت کی بارگاہ سے خوشنودی حاصل کی)

لاهم فادفع شرهم　　وقني مکیدة کائد

(تو اے اللہ ان کے (دشمنان دین) کے شر کو دور فرما اور فریب کار ومکار کے مکر وفریب سے بچا)

مذکورہ اشعار میں حذف وایجاز ہے، مختصر الفاظ میں کثیر معانی کو بیان کیا گیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی نعت بھی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل ومناقب اوران کے وسیلہ سے دعا بھی ہے۔

والآل اور **الصحب** میں مضاف الیہ محذوف ہے اس کے عوض میں "ال" داخل کر دیا گیا ہے "**بمن اتی بکلامه**" میں "**من**" سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام "**بمن هدیٰ**" میں "**من**" سے مراد حضور اقدس ﷺ اور "**بمن هُدِی**" میں "من" سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ "لاهمّ" کے بارے میں ناظم قصیدہ فرماتے ہیں "**لغة شائعة في اللهم**" (**اللهم** میں "لاهُم" بھی ایک لغت ہے جو شائع ذائع ہے) ناظم قصیدہ نے لاہم مختصر لغت کا استعال فرمایا اس لئے کہ اگر **اللهم** فرماتے تو شعر ساقط الوزن ہو جاتا۔ اس کے علاوہ **الآل** کو **امطار الندیٰ** اور **الصحب** کو **سحب عوائد** فرمایا ان دونوں

میں استعارہ ہے۔

سیدنا غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ کی شان میں فرماتے ہیں:

من قال لیس وراء عبادان شیء

انت وراء وراء عبادان

(کس نے کہا کہ عبادان کے بعد کوئی شے نہیں آپ عبادان کے ماوراء ہیں)

اس میں "لیس وراء عبادان شئ" ایک مثل ہے جو ایسے موقع پر استعمال ہوتی ہے کہ جب کوئی ایسے مقام ومرتبہ پر فائز ہو جائے کہ اس سے اونچا کوئی مرتبہ اس کیلئے متصور نہ ہو تو لیس وراء عبادان قریۃ بولتے ہیں ۔عبادان ایک بستی تھی جس کے بعد کوئی گاؤں نہیں تھا اس لئے مذکورہ بالا مفہوم کو ادا کرنے کیلئے اس مثل کا استعمال ہوا۔ چنانچہ ناظم قصیدہ خود اس کی وضاحت فرماتے ہیں "مثل للعرب اذا ارادوا ان فلانا منتهی النهایات، قالو! لیس وراء عبادان قریة" اس مثل کو بڑی برجستگی اور خوبصورتی سے استعمال فرمایا جس سے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام ومرتبہ کی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔اس لئے شعر میں عقد کی صنعت ہے اس لئے نثر خواہ وہ قرآنی آیت ہو، یا حدیث یا مثل یا حکم مشہورہ میں سے کوئی حکمت ہو اس کو نظم کی صورت میں پیش کرنے کو عقد کہتے ہیں۔

اور اپنے پیر ومرشد کی شان میں فرماتے ہیں:

یوما أحاط بی العدی و دنا الردی

اذ جا یجر رداء ہ فرعانی

(اس دن جس دن دشمنوں نے مجھے گھیر لیا اور ہلاکت قریب ہوگئی تو اچانک اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے تشرف لائے اور میری حفاظت فرمائی)

اس شعر میں جاء کے ہمزہ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے اور جاء یجر رداء ہ بھی ایک مثل اور محاورہ ہے جب کمال عجلت کو بتانا مقصود ہوتا ہے تو جاء یجر ردائه بولتے ہیں، اس میں بھی عقد کی صنعت ہے۔

ذیل میں چند اشعار ہجو کے پیش کئے جارہے تا کہ معلوم ہو کہ کتنے عمدہ انداز میں مخالفین ومعاندین کی ہجو کی ہے اور ان کے لئے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جن کے وہ مستحق ہیں۔فرماتے ہیں:

یا للحیا واری عراۃ عالة

یتطاولون علیه فی البنیان

(کس قدر شرم کی بات ہے کہ میں کچھ ننگے بھوکے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس محل (جو اس سے پہلے شعر میں مذکور ہوا) سے بلند عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں)

اس شعر میں "عراۃ عالة یتطاولون فی البنیان" قیامت کی نشانیوں والی حدیث سے اقتباس ہے، حدیث شریف کا ایک حصہ یہ ہے "ان تلد الأمة ربتها وان تری الحفاۃ العراۃ العالة رعاء الشاء (قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے) کہ باندی اپنے مالک کو جنے گی اور یہ کہ تم ننگے پاؤں، ننگے جسم والے تنگ دست چرواہوں کو دیکھو گے کہ لمبی اور بڑی عمارتوں کے بنانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور فخر کریں گے)اس شعر سے حضرت سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مخالفین ومعاندین کا رد شروع کیا ہے یہ دشمنان دین اپنی گستاخیوں سرکشی کی وجہ سے جن الفاظ وکلمات کے مستحق تھے ویسے ہے الفاظ وکلمات استعمال فرمائے لہذا اس شعر میں اقتباس کے ساتھ ائتلاف اللفظ مع المعنی کی صنعت واضح ہے۔

اس کے بعد والے اشعار میں بھی مخالفین کا رد ہے اس لئے اسی کے مناسب الفاظ استعمال فرماتے ہوئے رد فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

فتراهم رسنوا بأرسان البلا

والهون کالشیطان فی أشطان

(تو تو ان کو دیکھے گا کہ ذلت ورسوائی اور مصیبت کی رسیوں

میں اس طرح باندھے اور جکڑے گئے ہیں جس طرح شیطان رسیوں میں جکڑا ہوا ہے)

اللہ ورسول کی شان اقدس میں گستاخوں کا رد حضور سیف اللہ المسلول نے بھرپور کیا جس سے وہ دشمنان دین ذلیل ورسوا ہوئے اس ذلت ورسوائی کا داغ مٹانے کیلئے حضور موصوف کی شدید مخالفت پر آمادہ ہوگئے انھیں کے بارے میں ناظم قصیدہ نے فرمایاہیکہ وہ ذلت ورسوائی اورآفت ومصیبت کی رسیوں سے اسطرح جکڑے دیئے گئے جسطرح شیطان رسیوں میں جکڑا ہوا ہے، جس طرح شیطان کو کبھی عزت نہیں ملے گی ہمیشہ ذلیل ورسوا رہیگا اسی طرح یہ دشمنان دین ہمیشہ ذلیل ورسواء ہی رہیں گے کبھی معزز نہیں ہوں گے۔

ایسے گستاخوں کے لیے ناظم قصیدہ نے جن کلمات کا استعمال فرمایا ہے وہ بالکل معنی کے مطابق ہیں اس لئے اس شعر میں بھی ائتلاف اللفظ مع المعنی کی صنعت ہے ساتھ ہی ارسان اوراشطان میں سجع ہے اور شیطان اور اشطان میں جناس غیرتام کی قسم قلب البعض بھی ہے اور ساتھ ہی تشبیہ بھی:

فامیرھم وبشیرھم ونذیرھم

کل برمتہ ربیط ھوان

(تو ان کا امیران کا بشیر اور انکا نذیر سب کے سب ذلت ورسوائی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں)

اس میں تین الفاظ امیر، بشیر، اور نذیر، ہم وزن ہیں ان تینوں کے قریب کے معانی پیشوا، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور دور کے معانی مولوی امیر حسن سہسوانی، مولوی بشیر قنوجی اور مولوی نذیر حسین دہلوی ہیں، یہ تینوں اسماعیل دہلوی کے حامی اور حضور سیف اللہ المسلول کے شدید مخالف تھے اور یہاں یہی مراد ہیں اس لئے اس میں توریہ کی صنعت ہے۔ مترجم نے تشریح میں بتایا ہے کہ ''مصرع اول میں امیر، بشیر اور نذیر کے لفظی معنی مراد ہیں مگر اس میں توریہ بھی ہے'' راقم الحروف کہتا ہے کہ لفظی معانی قریب کے معانی ہیں اگر یہ مراد ہوں گے تو توریہ ہوگا ہی نہیں اس لئے کہ توریہ میں بعید کا معنیٰ مراد ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر شعر کا معنی یہ ہوگا ان کا امیران کا بشیر اوران کا نذیر سب کے سب ذلت ورسوائی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس میں بھی توریہ ائتلاف اللفظ مع المعنی کی صنعت واضح ہے۔

ذیل میں چند اشعار حماسہ (دلیری وبہادری) کے پیش کیے جارہے ہیں جن میں ناظم قصیدہ نے مقام ومحل کے اعتبار سے دلیری اور بہادری کے کلمات کو بحسن وخوبی استعمال فرمایا ہے چنانچہ دشمنان دین اور ممدوح کے مخالفین ومعاندین کو چیلنج دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ھا فلیکدنی من یشا ولیعل ولیستنجد

(سن لو! جو چاہے میرے ساتھ مکر وفریب کرے اور بغاوت وسرکشی کرے اور دلیری کرے)

ولیجمعن شرکاءہ انا فی حمایۃ واحدٖ

(اور اپنے شریکوں اور مددگاروں کو جمع کرلے، میں صرف ایک ذات کی حمایت وپناہ میں ہوں)

فلیدع نادی نجدہ ندعو زبانی انجدٖ

(وہ اپنے نجد کی انجمن (والوں) کو پکارے، ہم (حق وصداقت) کے بہادر سپاہی کو پکارتے ہیں

أسیدٍ صوؤل ضامر بطل کأغبر آسدٖ

(بہادر، بھوکے سخت حملہ آور شیر کو پکارتے ہیں جو خاکستر رنگ والے شیروں کی طرح شدید ترین حملہ آور ہے)

فضل الرسول ھو الذی والاہ کل مسدَّدٖ

(فضل رسول وہ ہیں جن سے ہر راہ حق پر چلنے والے کو محبت ہے)

ان تمام اشعار میں ائتلاف اللفظ مع المعنی کی صنعت پورے طور پر موجود ہے اور فلیدع نادی نجدہ والے شعر میں اقتباس کی صنعت بھی ہے۔ أسدٍ صؤول والے شعر میں استعارہ بھی ہے اور تشبیہ بھی سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عربی شاعری میں کچھ جدت بھی پیدا کی ہے وہ یہ ہے کہ عربی شاعری میں مستزاد اور ردیف نام کی

کوئی چیز نہیں اور نہ ہی عرب شعرا تخلص کے طور پر اپنا نام ذکر کرتے ہیں مگر آپ نے مستزاد اور ردیف پر مشتمل اشعار بھی کہے اور تخلص کے طور پر نام بھی ذکر فرمایا ہے سب سے پہلے ان تینوں الفاظ کی وضاحت کردوں تاکہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

مستزاد:۔ غزل، قصیدہ، نعت یا منقبت کے ہر مصرع یا شعر کے بعد ایسا زائد ٹکڑا لگا ہوا ہو جو اسی مصرع کے رکن اول اور رکن آخر کے برابر ہو مثلاً:

حمد ا یا مفضل عبد القادر یا ذا الأفضال

یا منعم یا مجمل عبد القادر أنت المتعال

مولای بما مننت بالجود علیه من دون سؤال

أمنن و أجب سائل عبد القادر جد بالآمال

ردیف:۔ وہ لفظ جو غزل یا قصیدہ وغیرہ کے مصرعوں یا بیتوں کے اخیر میں قافیے کے پیچھے بار بار آئے مثلا:

لتکن الروح و القلب منی فــداء لسید البطحاء

و لتکن هامة هذا المکدود القدم، لسید البطحاء

لن تتسع قطرة لمدیح الخضم

و لا لو صف رب سید البطحاء

طائر السدرة أول مــا ترنـم

تغنی بخصال سید البطحــاء

تخلص:۔ شاعر کا وہ نام جو نعت ومنقبت اور قصیدہ وغیرہ کے آخری شعر میں مذکور ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منظوم کلام یہاں سے ختم ہو جائے گا مثلاً:

دع عنک مثـل (رضا) کل ماهو شاغلک

و اطلب فی کل أمرلک رضا سید البطحاء

حاصل کلام یہ کہ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں ایسے علوم وفنون اور ان میں مہارت تامہ کی نعمت عطا فرمائی جس کی نظیر نہ آپ کے زمانۂ اقدس میں نظر آئی اور نہ آپ کے بعد اب تک نظر آئی بلا شبہ آسمان علم وفن کے آفتاب اور ہر علم وفن کے امام نظر آتے ہیں یہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ حقیقت بیانی ہے۔ سچ فرمایا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیے ہیں

عربی زبان وادب میں یدطولیٰ اور مہارت تامہ پر آپ کی عربی تصنیفات اور عربی شاعری شاہد عدل ہیں، آپ کی عربی نثر نگاری اور شاعری، عربی زبان وادب کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

رب کریم اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل ہم تمام اہل سنت وجماعت کو مجدد اعظم اور مصنف اعظم کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین **صلی الله تعالیٰ علیه و سلم و علیٰ آله و أصحابه و أهل بیته أجمعین.**

رضوان احمد نوری شریفی (خادم الجامعۃ البرکاتیہ گھوسی)

۱۵ر محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

مطابق ۲۶ر ستمبر ۲۰۱۸ء

موبائل نمبر: 9839178545

امام احمد رضا کی شان میں مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ کے کلمات

امام احمد رضا کی ذاتِ والا صفات عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں۔ محققین ومحبین نے مختلف جہات سے قوم کے سامنے تعارف پیش فرمایا لیکن حق یہ ہے کہ "حق تعارف کما حقہ" اب تک ادا نہ ہو سکا۔ میں اپنے اس دعوے کو بحمد اللہ مبرہن کر سکتا ہوں۔ چونکہ تعارف وتعریف معرفت کی فرع ہے اور کسی شے کی جب تک معرفت صحیح نہ ہو جائے اس کی صحیح تعریف ومعرفت کیسے کرائی جا سکتی ہے؟ مگر جب مقتدر محققین نے تعارف پیش فرمایا، الحمد للہ فقیر کا بھی ایک مضمون "امام احمد رضا بحیثیت منطقی وفلسفی" کے عنوان سے شائع ہوا، بعض محبین نے اظہارِ خیال فرمایا کہ وہی مضمون مزید بسط وشرح کے ساتھ پھر شائع کیا جائے۔ مجھ بے بضاعت کے لیے یہ امر بڑا ہی دشوار عسیر کہ بڑے بڑے دانشوران قوم اور ماہرینِ زمانہ نے اس میدان میں تگ ودو کی، سب نے قلم اٹھایا اور بالآخر نہیں کہنا پڑا کہ

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم — جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیے ہیں

امام احمد رضا اور فارسی زبان وادب

مقالہ نگار

مولانا محمد شاہد علی مصباحی (جالون: یوپی)

حضرت مولانا محمد شاہد علی مصباحی بن محمد اصغر علی برکاتی ۲۹: دسمبر ۱۹۹۱ء میں کالپی شریف (ضلع جالون: یوپی) پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد اکبر علی برکاتی سے حاصل کی۔ اس کے بعد شیخ العلما حضرت مفتی رحمت اللہ قادری بلرامپوری شاگرد خاص صدر العلما حضرت غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا۔ سال ۲۰۰۸ء میں جامعہ رضویہ گلشن برکات (کدورہ: جالون) سے مولویت کی تکمیل کی، اور ۲۰۱۰ء میں دار العلوم وارثیہ (لکھنو) سے عالمیت کی سند حاصل کی۔ سال ۲۰۱۲ء میں جامعہ اشرفیہ (مبارک پور، اعظم گڑھ: یوپی) سے شعبہ فضیلت کی تکمیل کی۔ متعدد مدارس میں تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ فی الوقت جامعہ رضویہ گلشن برکات (کدورہ: جالون) میں صدر مدرسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۶ء تک سہ ماہی ''خدمت'' (ہندی) بھلائی (چھتیس گڑھ) کے ایڈیٹر رہے۔ چند تصانیف بھی آپ کی مطبوعہ ہیں۔ تادم تحریر پچاسوں مضامین ومقالات آپ نے رقم فرمائے۔ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کے مستقل مضمون نگار ہیں۔ مولانا موصوف کی تحریر وفکر میں انقلابی جہات نمایاں نظر آتی ہیں۔ اہل سنت وجماعت کو ایسے قلمکاروں کی ضرورت ہے۔ موصوف ایک قادر الکلام شاعر بھی ہیں۔ رابطہ نمبر: 90397786692

امام احمد رضا اور فارسی زبان و ادب

فارسی زبان کی تاریخ

فارسی زبان نے موجودہ شکل کم وبیش تیسری صدی ہجری میں اختیار کر لی تھی، لیکن یہ ایک آریائی زبان ہے اس کی تاریخ تو ایران میں آریوں کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہوجاتی ہے۔مورخین کا خیال ہے کہ ایران میں آریوں کا داخلہ آج سے تقریبا ۳۳۰۰ سال قبل شروع ہوا ، اور یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ تک جاری رہا، لیکن جدید ترین تحقیقات کے مطابق ایران میں موجود دو آریائی قبیلوں کا ذکر پہلی بار آشوری بادشاہ شلکم نصر کے ایک کتبے میں ۸۴۶ قبل مسیح کے لگ بھگ ملتا ہے۔ یہ دو قبیلے ماد اور پارس تھے۔ ماد پہلا خاندان ہے جس نے ۷۰۰ قبل مسیح یران کے اندر ایک آریائی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

۲۱ ھ میں نہاوند میں ایرانیوں کی شکست کے بعد ایران عملا عربوں کے قبضہ میں آ گیا۔ یہ قبضہ تیسری صدی ہجری تک ایران میں خود مختار ایرانی ریاستوں کے قیام تک برقرار رہا۔

جدید فارسی کا آغاز:

آقا محمد حسین قاچار جو کہ سلطنت قاچاریہ کا بانی ہے اسی کے عہد میں جدید فارسی کا آغاز ہوا۔اور فارسی نظم ونثر میں جو تبدیلیاں ہوئیں وہ قابل تحسین ہیں۔

ایرانیوں کا سفر جب مغربی ممالک میں ہوا اور ان سے تعلقات ہموار ہوئے نیز پرانی فارسی ترکیبوں کے پیچ سے باہم رابطہ میں پریشانیاں اور دشواریاں پیش آئیں تو انشائے عجم کی کایا پلٹ گئی۔ عہد قاچاریہ کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا اور سادہ نویسی کی طرف مائل ہوئے۔ ادائیگی میں سلاست اور بیان میں صفائی اور سادگی کو اپنانا شروع کر دیا۔مختلف علوم وفنون کی کتابیں جدید فارسی میں شائع کی گئیں۔ وہ ناول اور ڈرامے جو فارسی کی قدیم روایتی نثر میں تھے ان پر بھی ایران کی سرزمین میں عمل دخل شروع ہوا۔

غرضیکہ فارسی زبان نے ایک خاص رنگ وطرز اختیار کیا۔ مثال کے طور پر ناصرالدین قاچار اوران کے سفرنامہ کو ہی لے لیجیے جسے جدید فارسی کا ایک معتبر سرمایہ گردانا گیا ہے،اس زبان میں جو کچھ بھی غیرزبان کے الفاظ رائج ہوئے اس کی ابتدا اسی سفرنامہ سے ہوئی۔ یورپی اور افریقی ممالک کے الفاظ فرانسیسی تلفظ کے ساتھ بکثرت استعمال کیے گئے۔بعض اصطلاحی ناموں کو فارسی جدید میں ترجمہ بھی کرلیا گیا جو کہ قدیم فارسی نویسی سے جدید فارسی نثر کی طرف ایک قابل تحسین قدم ثابت ہوا۔اور جو بولا وہی لکھا ایسا معلوم ہی نہیں ہوتا کہ انشاء پردازی کے لیئے قلم بھی اٹھایا گیا۔ سچ پوچھیئے تو سہل ممتنع یہی ہے۔

شاہ نصیرالدین قاچار کے سفرنامہ کے علاوہ ابراہیم بیگ کا سیاحت نامہ بھی فارسی جدید میں سہل ممتنع کی ایک مثال ہے۔اس میں بھی غیرزبانوں کے الفاظ وخیالات شامل کیے گئے جو فارسی میں ایسے کھپ گئے کہ معلوم ہوتا ہے اسی زبان کے الفاظ وخیالات ہیں۔

فارسی کی چند اہم کتابوں کا اجمالی تعارف:

گلستاں: شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی (متوفی 691ھ/ 1291ء) کے کلام اور حکایات کا مجموعہ ہے۔ یہ فارسی زبان میں کلاسیکی ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور مدارس کے نصاب میں ایک طویل عرصے سے شامل ہے۔

کشف المحجوب: حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی

الہجویری ثم لاہوری معروف بہ حضرت داتا گنج بخش کی روحانیت وتصوف کے موضوع پر لکھی ہوئی شہرہ آفاق تصنیف ہے، جو فارسی میں لکھی گئی، اب اس کے کئی تراجم دستیاب ہیں۔ مسلک صوفیہ میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔

سلطان المشائخ نظام الحق والدین حضرت محبوب الٰہی نے اس کتاب کے بارے میں فوائد الفواد میں ارشاد فرمایا:

"اگر کسی کا پیر نہ ہو تو ایسا شخص جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اس کو پیر کامل مل جائے گا"۔

مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیا میں لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ علی ہجویری کی بہت سی تصانیف ہیں اور ان میں سب سے زیادہ مشہور و معروف کتاب کشف المحجوب ہے۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ اس پر کوئی اعتراض کر سکے یا تنقید کر سکے۔ علم تصوف میں یہ پہلی تصنیف ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔

"حضرت مولانا جامی قدس سرہ "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں: "یہ کتاب فن تصوف کی معتبر اور مشہور کتب میں سے ہے۔ آپ نے اس کتاب میں بے شمار لطائف وحقائق کو جمع کر دیا ہے۔

چہار مقالہ: ابوالحسن احمد سمرقندی ملقب بہ نظامی عروضی کی نثری تصنیف ہے جو 1156ء میں لکھی گئی۔ اور جو شہزادہ ابوالحسن حسام الدین کے نام معنون کی گئی، پہلا مقالہ علم دبیری کی ماہیت پر ہے۔ دوسرا شعر کی ماہیت، تیسرا طب اور چوتھا علم نجوم کی ماہیت پر۔

قابوس نامہ: یہ امیر کیکاؤس بن سکندر نے اپنے بیٹے کے لیے کامیاب زندگی گزارنے کے لائحہ عمل پر لکھی، کلاسک فارسی ادب کی ایک اہم کتاب ہے۔ کتاب کا نام مصنف نے اپنے دادا کے نام پر "قابوس" رکھا۔

فیہ ما فیہ: مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی کا فارسی زبان میں ایک نثری تصنیف ہے۔ فارسی ادب میں تیرہویں صدی عیسوی کی اِس کتاب کو شاہکار خیال کیا جاتا ہے۔

مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی کی یہ تصنیف 72 مقالات کی شکل میں ہے اور یہ اِسی نام سے مشہور بھی ہے یعنی: مقالات مولانا۔ جعفر مدرس صادقی کے مطابق فیہ ما فیہ کا قدیمی قلمی مخطوطہ 1316ء کا دستیاب شدہ ہے جبکہ ایک دوسرا قلمی مخطوطہ اسرارِ جلیلہ کے نام سے دستیاب ہوا ہے جو 1350ء کا لکھا ہوا ہے۔ مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی نے خود اپنی اِس تصنیف کا بیان مثنوی مولانا روم میں کیا ہے۔

اس کتاب کے متعلق یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کب اور کہاں تحریر میں لائی گئی۔ بدیع الزماں کے مطابق یہ کتاب سلطان ولد کی تحریر کردہ ہے جو مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی کے بڑے بیٹے تھے۔ جان بالڈوک کے مطابق یہ کتاب 1260ء سے 1273ء کے وسطی زمانہ میں قیام قونیہ میں تحریر کی گئی۔

ظفر نامہ: ایرانی مؤرخ شرف الدین الیزدی کی تصنیف ہے جو امیر تیمور کے حالات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو 1424 سے 28 عیسوی کے درمیان میں تیمور کے پوتے ابراہیم سلطان کی نگرانی میں تصنیف کیا ہے۔ یزدی نے ابراہیم سلطان کے علاوہ 1404ء میں تصنیف کردہ نظام الدین شامی کی ظفر نامہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ 1722ء میں اس کتاب کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ اور اس کے اگلے سال انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا۔

طبقات ناصری: قاضی منہاج سراج جوزجانی کی تصنیف ہے جو سلطانِ دہلی ناصر الدین محمود (عہد حکومت: 1246ء–1266ء) کے نام پر طبقات ناصری کہلائی۔ یہ کتاب تخلیق آدم سے 658ھ/1260ء تک کے تاریخی واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔

جوامع الحکایات ولوامع الروایات: سدید الدین محمد عوفی کی تصنیف کردہ کتاب ہے، جو انہوں نے 630ھ کے قریب قلمبند کی اور 1363ھ میں تصحیح اور مختصر حواشی کے ساتھ جعفر شعار نے اسے شائع کیا۔ دراصل یہ کتاب تاریخی، مذہبی اور اخلاقی روایتوں اور فارسی لطائف کا مجموعہ ہے۔ خصوصاً اس میں ساتویں صدی ہجری کے واقعات و روایتیں بکثرت موجود ہیں۔ نیز معاصر دنیائے اسلام،

بالخصوص ایران کے تاریخی وتمدنی حالات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔انہی مذکورہ خصوصیات کی بنا پر یہ کتاب بعد میں آنے والے تمام مصنفین کا مقبول مأخذ رہی ہے۔یہ کتاب چار حصوں اور 100 ابواب پر مشتمل ہے۔حصہ اول میں ابتدائے آفرینش سے خلافت عباسیہ کے دور تک پیش آنے والے اہم تاریخی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

تحفۃ الکرام: سندھ کے نامور مؤرخ و شاعر میر علی شیر قانع ٹھٹوی کی مایہ ناز فارسی تصنیف ہے جس میں انہوں نے سندھ کے شہروں کی تاریخ اور مشاہیر کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

تاریخ بیہقی: جو تاریخ مسعودی کے نام سے بھی مشہور ہے، ابو الفضل بیہقی کی تصنیف ہے جو اس نے مسعود غزنوی کے احوال و دور حکومت کی تاریخ پر قلمبند کیا ہے۔سلطنت غزنویہ کی تاریخ کے ساتھ مصنف نے دولت صفاریہ اور دولت سامانیہ کے حالات و واقعات بھی قلمبند کیے ہیں۔کہا جاتا ہے مکمل کتاب اکتیس جلدوں میں لکھی گئی تھی جس میں سے محض پانچ جلدیں دستیاب ہوسکیں۔اس کتاب میں فارسی ادب، فارسی شعرا و ادبا اور ایران سے متعلق جغرافیائی معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں۔نیز تاریخی بیہقی زبان و بیان اور حسن انشاء کے لحاظ سے بھی اپنا مقام رکھتی ہے۔

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ہے۔اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔شاہ صاحب کے زمانے میں اہل تشیع دہلی اور لکھنؤ کے آس پاس کے علاقوں میں کافی زور پکڑ گئے تھے۔ان کے جواب میں آپ نے یہ کتاب لکھی۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اس تصنیف کا موضوع اسلامی ریاست اور اس کا نظام ہے۔جس میں خلافت راشدہ سے لے کر عمومی اسلامی نظام پر بحث کی گئی ہے۔

اشعۃ اللمعات: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ متوفی 1052ھ کی فارسی میں شرح مشکوۃ۔یہ کتاب 4 جلدوں میں ہے،پہلی دو جلدوں کا اردو ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی نے تین جلدوں میں کیا اور آخری دو جلدوں کا ترجمہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے 4 جلدوں میں اردو ترجمہ کیا۔

اخبار الاخیار: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی زبان فارسی میں وہ بلند پایہ تصنیف ہے جو ہند و پاک کے تقریباً ۳۰۰ اولیاء کرام کے حالات کا احاطہ کرتی ہے۔

مدارج النبوت: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی ایسی فارسی تصنیف ہے جو سب سے زیادہ ضخیم اور جامع سیرت ہے۔یہ دو جلدوں میں مشتمل ہے، جلد اول اور جلد ثانی دونوں میں گیارہ گیارہ ابواب قائم کیے ہیں۔

جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی تاریخ مدینہ پر ایک مایہ ناز کتاب ہے۔اس کتاب میں سید نورالدین علی کی کتاب وفا الوفا باخبار المصطفیٰ سے مدد لی گئی ہے، مذکورہ کتاب کا کئی افراد نے ترجمہ کیا ہے۔سب سے پہلا سید حکیم عرفان پیلی بھیتی نے کیا۔

اعلیٰ حضرت کی فارسی پر دسترس:

ایک کامیاب مبلغ کے لیے اپنے مخاطب کے مبلغ علم اس کی سمجھ کا معیار اور اس کیا نداز گفتگو سے واقفیت ضروری ہے۔تاکہ اپنی تبلیغ کو زیادہ سے زیادہ مفید و مؤثر انداز میں پیش کر کے اپنے مقصد تبلیغ میں کامیاب ہوسکے۔یہی وجہ ہے اللہ عزوجل نے انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کو جس قوم میں بھی بھیجا انہیں کی زبان بولنے والا بھیجا۔ارشاد ربانی ہے۔

پھر ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہیا اور وہ راہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور عزت وحکمت والا ہے۔(4 ابراہیم)

اسی وجہ سے کسی فارسی جاننے والے سے اردو یا عربی میں یا عربی اردو جاننے والے سے انگریزی یا دوسری ان زبانوں میں گفتگو نہیں کی جاسکتی جو وہ نہیں جانتا۔الآداب الشرعیہ والمنح المرعیہ میں محمد بن مفلح بن محمد المقدسی متوفی (۷۶۳ھ) نے حضور اقدس

سید عالم ﷺ کی ایک حدیث تحریر فرمائی ہے۔ **نحن معاشر الانبياء أمِرنا أن نُكلِّمَ الناسَ على قدرعقولهم.**

ترجمہ: ہم انبیا کرام کی جماعت کو ہمارے رب کریم نے حکم فرمایا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے معیار کے مطابق گفتگو کریں۔

جو بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اس سے اسی کے قبیلے کی زبان و لہجے میں کلام فرماتے۔ آپ ﷺ عرب کے دور دراز کے دیگر قبائل میں زیادہ نہیں گئے مگر یہ آپ کا معجزہ تھا کہ سبھی قبلیوں کا زبان و لہجہ کا بلا تکلف ادا کرنے پر قادر تھے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قوم لوط کس چیز سے ہلاک کی گئی؟ تو فرمایا۔،، بہ سنگ وکلوخ،، یعنی پتھر اور ڈھیلا سے۔ اور یہ دونوں لفظ فارسی کے ہیں۔ ایک مرتبہ باگاہ اقدس میں انگور پیش کیے گئے تو آپ ﷺ نے تقسیم فرمانے کے لیے ایک اپنے جاں نثار سے فرمایا۔ ''العنب دودو'' یعنی دو دو انگور سب میں تقسیم کرو۔ یہ دودو کا لفظ بھی فارسی ہے۔ یقیناً انہیں ان کے رب نے سکھا پڑھا کر بھیجا تھا۔

اس اعتبار سے مبلغین اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کامیاب مبلغین کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے۔ ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے لیے حضرت غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالی عنہ تشریف لائے۔ یقیناً ان کی اور ان کے رفقا و خدام کی مادری زبانیں عربی و فارسی تھی، لیکن ان مقدس نفوس قدسیہ نے اس وقت ہندوستان کے مقامی باشندوں کی زبانوں میں تبلیغ فرمائی۔ یہاں کے باشندوں کو عربی و فارسی سیکھنے پر مجبور نہیں کیا۔ پھر ان کے خلفا اور خلفا کے خلفا بھی اسی ڈگر پر چلے۔ سرکار حضرت فرید الحق والدین مسعود بابا فرید الدین شکر گنج رضی اللہ تعالی عنہ کے کہے ہوئے دوہے اور پد آج بھی گرودواروں میں عقیدت و احترام کی ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ سرکار حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالی عنہ کے مرید حضرت امیر خسرو رضی اللہ تعالی عنہ کی ہندی اور اس وقت کی اردو زبان میں بہت سے غزلیں نعتیں ہیں۔ حضرت امیر خسرو کا یہ شعر مشہور خلائق ہے۔

زحال مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں نہ دارم اے جاں نہ کاہے لیہو لگائے چھتیاں

پندرھویں صدی ہجری کے مجدد اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ جن کا زمانہ حیات (۱۲۷۲ھ متوفی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۸۵۶ء ۱۹۲۱ء) ان کی نظم و نثر ہر جگہ نہایت عمدگی کے ساتھ ہندی زبان کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ ایک نعت تو ایسی ہے جس کے ہر شعر میں چار زبانوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ عربی، فارسی، ہندی، اردو، دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علی والموج طغی من بیکس وطوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

زبان و بیان کے اعتبار سے میں نے ابھی تک ہندوستان میں کوئی نعت، غزل، مرثیہ، قصیدہ، نظم، اس درجہ اعلی معیار کی نہ سنی نہ پڑھی۔

فتاویٰ سے فارسی نثر کے نمونے:

اب ہم کچھ فتاوے ایسے نقل کرتے ہیں جنہیں مستفتی نے فارسی زبان میں ہی بشکل استفتا بھیجا اور اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی فارسی میں ہی جواب عنایت فرمایا، جن سے فارسی زبان و ادب پر آپ کی مضبوط گرفت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی کے ساتھ فارسی نثر میں آپ کے اسلوب اور سلاست و فصاحت بھی خوب واضح ہے۔

فتاوی رضویہ شریف جلد ۸ میں مسئلہ ۹۷ کے تحت ایک سوال فارسی میں درج ہے، جس کا جواب بھی آپ نے فارسی میں ہی دیا ہے۔

پہلی مثال:

زید یک مکان بلا اجازت عمرو خرید بیعنامہ آں
بنام عمرو برادر خود تحریر کنانیدہ گرفت و زرثمن آں نیز خود

دادہ اقرار ہم کردہ ماند کہ ایں مکان عمرو ست بعد ازاں عمرو کہ وقت خرید مکان درسفر بود درانجا فوت کرد ورثہ عمرو مکان مذکورہ باعانت حاکم از زید بوجہ بیعنامہ واقرار مذکور درخواستند وزید بحکم حاکم تفویض وتسلیم ایشاں کرد پس الحال زید مستحق یافتن زر ثمن کہ درعدالت دادن زید ثابت گردید از ورثاء عمرو ہست یا بوجہ اقرار بر ملکیت عمرو بسبب مکان مذکور اقرار بریں امر ہم گردید کہ روپیہ دادہ شدہ زر ثمن مکان ازاں عمرو ست، بینوا توجروا۔

ترجمہ: مثال کے طور پر زید نے ایک مکان اپنے بھائی عمرو کی اجازت کے بغیر خرید کر اس کا بیعنامہ عمرو کے نام لکھوا دیا۔ اور اس کا زر ثمن بھی خود ہی دے کر اقرار کیا کہ یہ مکان عمرو کا ہے۔ بعد میں جب عمرو جو مکان کی خریداری کے وقت سفر پر تھا وہیں فوت ہو گیا۔ تو عمرو کے وارثوں نے بیعنامہ اور اقرار مذکورہ کی وجہ سے حاکم کی مدد کے ذریعے زید سے مکان کا مطالبہ کیا اور زید نے حاکم کے حکم پر وہ مکان ان کے حوالے کر دیا۔ تو کیا اب زید وہ زر ثمن عمرو کے وارثوں سے پانے کا حقدار ہے جس کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے۔ یا مکان مذکور پر عمرو کی ملکیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اس بات کا بھی اقرار ہو گیا کہ مکان کہ زر ثمن میں دیا گیا روپیہ بھی اسی عمرو کی طرف سے ہے، بیان کرو اجر پاؤ گے۔

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

الجواب: شرعا درصورت مسؤل فیہا زید مستحق یافتن زر ثمن کہ درعدالت دادن زید ثابت گردیدہ از ورثہ عمرو بعد تسلیم مکان بایشان است، واقرار زید بمکان برائے عمرو کہ ہمچوں صورت خرید درغیبت دادن ثمن از نزد خود بمعنی خریدہ شدن برائے عمرو است اقرار بملکیت ثمن برائے عمرو عموما خصوص بحالیکہ زید بودن ثمن ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد چہ اقرار بریک چیز اقرار بچیز دیگر منفصل از مقربہ کہ جزء تابع آں نباشد نمے شود وزر ثمن کہ چیزے منفصل وعلیحدہ از مکان مقربہ است بجہت نبودن جزء مکان ومرکب نبودنش دراں تابع مکان نیست پس داخل دراقرار مکان عموما خصوص درحالیکہ زید بودنش ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد مانند اقرار بجاریہ مقبوضہ ذات ولد واقرار بصندوق محمولہ متاع واقرار بدار مقبوضہ مشمولہ بمتاع ودواب کہ اقرار بولد جاریہ ومتاع صندوق ومتاع دار ودواب ازہمیں علت جامعہ یعنی از جہت نبودن ہر یکے ازاں جزو تابع مقربہ نمے شود درفتاویٰ قاضی خان نوشتہ رجل فی یدیہ جاریۃ وولدہا فقال ان الجاریۃ لفلان لا یدخل فیہ الولد۔

واگر نیک غور کردہ آید ہمیں مضموم یعنی داخل نبودن ثمن غیر مقربہ دراقرار مکان ولازم نبودنش بر مقران از ھدایہ وعینی وغیرہما بقیہ ما اقربہ درعبارت لزمہ اقرارہ مجہولہ کان ما اقربہ او معلوما والاقرار ملزم علی المقر ما اقربہ۔

واضح مے شود چوں ثمن غیر مقربہ داخل دراقرار مکان نمی تواند شد پس زید کہ مکان مذکور آں بلا اجازت عمرو بنام او خریدہ زر ثمن آں از نزد خود بجہت مباشر بودن معاملہ خرید ومضطر بودن درادائے ثمن کہ دینے واجب الادا بود ببائع آں نمود ورثہ عمرو آں مکان را بعد حکم حاکم بر تسلیم زید درقبض خود درآورند بے شبہہ زید مستحق یافتن زر ثمن ادا کردہ خود از ورثہ عمرو است واحتمال تطوع وتبرع درہمچوں حالت اضطرار ادائے ثمن مفقود کہ شرعا مضطر بادائے دین ذمگی کسے بہیچکہ باشد ہرگز متطوع ومتبرع قرار دادہ نمی شود۔ چنانچہ ازیں روایت معتبرہ شرح حموی ظاہر ست الخ

ترجمہ: صورت مسئولہ میں عمرو کے ورثاء کو مکان سپرد کرنے کے بعد زید ان سے وہ زر ثمن حاصل کرنے کا شرعی طور پر مستحق ہے۔ جس زر ثمن کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے۔ اور زید کا یہ اقرار کہ مکان عمرو کے لیے ہے۔ جیسا کہ

خریداری کی صورت میں عمرو کی عدم موجودگی میں اپنے پاس سے ثمن ادا کرنا بایں معنی کہ مکان کی خریداری عمرو کے لئے ہے۔اس بات کا اقرار عموماً نہیں ہوسکتا کہ ثمن عمرو کی ملکیت تھے۔خصوصاً اس حال میں کہ جب زید نے اپنے پاس سے ثمنوں کی ادائیگی کا کہا بھی ہو (تو بدرجہ اولیٰ ثمنوں کا ملک عمرو ہونا ثابت نہ ہوگا) کیونکہ ایک چیز کا اقرار کسی دوسری ایسی چیز کا اقرار نہیں ہوسکتا جو اس چیز سے منفصل ہو جس کا اقرار کیا گیا ہے۔ اور اس کی تابع جزء نہ ہو۔اور ثمن اس مکان سے منفصل اور علیحدہ چیز ہے جس مکان کا اقرار زید نے عمرو کے لیے کیا ہے۔لہٰذا اس مکان کی جزء نہ ہونے اور اس کے ساتھ مرکب نہ ہونے کی وجہ سے زرِ ثمن مکان کے تابع نہیں۔چنانچہ بالعموم اقرار مکان میں داخل نہ ہوسکے گا۔خصوصاً اس حال میں کہ جب زید نے یہ کہہ بھی دیا ہے کہ ثمن میں اپنے پاس دے رہا ہوں۔یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے کوئی شخص اولاد والی مقبوضہ لونڈی کے بارے میں اقرار کرے یا اس صندوق کے بارے میں اقرار کرے جس میں سامان ہو یا ایسے گھر کے بارے میں اقرار کے جس میں سامان اور چوپائے ہوں۔تو یہ اقرار لونڈی کی اولاد، صندوق میں رکھے ہوئے سامان اور گھر میں موجود سامان اور چوپایوں کو شامل نہ ہوگا۔اسی علت جامعہ کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ ان میں کوئی بھی ان چیزوں کی جزء و تابع نہیں۔جن کے بارے میں اقرار کیا گیا۔فتاوٰی قاضی خاں میں لکھا ہوا ہے کہ۔ایک شخص کے قبضہ میں لونڈی اور اس کی اولاد ہو اور وہ کہے کہ یہ لونڈی فلاں شخص کی ہے۔تو لونڈی کی اولاد اس اقرار میں داخل نہ ہوگی۔

اور اگر خوب غور کیا جائے تو یہی مضمون یعنی غیر اقرار شدہ ثمنوں کا اقرار مکان میں داخل نہ ہونا اور مکان کا اقرار کرنے والوں پر ثمن کا لازم نہ ہونا ہدایہ اور عینی وغیرہ میں مذکور ما اقربہ (جس کا اس نے اقرار کیا) کی قید سے حاصل ہوتا ہے جو قید انھوں نے ان عبارتوں میں لگائی کہ مقر پر اس کا اقرار لازم ہو جاتا ہے چاہے وہ شے جس کا اس نے اقرار کیا معلوم ہو یا مجہول، مقر پر لزوم اس کے اقرار کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جب غیر اقرار شدہ ثمن مکان کے اقرار میں داخل نہیں ہوسکتے تو پھر زید نے جو مکان عمرو کی اجازت کے بغیر اس کے نام پر خریدا اور زرِ ثمن اپنے پاس سے اس لیے بائع کو دیا کہ ہو خریداری کے معاملہ میں مباشر تھا اور ثمن جو کہ واجب الاداد ین ہے کی ادائیگی میں مجبور تھا اور حکم حاکم کے بعد زید کی سپردگی سے عمرو کے ورثاء نے وہ مکان اپنے قبضہ میں لے لیا تو اب زید بلا شبہ عمرو کے ورثاء سے اس زرِ ثمن کو وصول کرنے کا مستحق ہے جو اس نے اپنے پاس سے ادا کیا ہے اور اس طرح کی اضطراری حالت میں ثمن کی ادائیگی میں تطوع و تبرع (بطور احسان ادا کرنا) کا احتمال موجود نہیں کیونکہ کسی کے ذمے لازم قرض کی ادائیگی میں اگر کوئی شخص کسی طرح مجبور ہو تو شرعی طور پر اس قرض ادا کرنے والے شخص کو تطوع و تبرع کرنے والا ہرگز قرار نہیں دیا جاتا، جیسا کہ شرح حموی کی اس معتبر روایت سے ظاہر ہے

دوسری مثال:

مسئلہ ۱۹۰: از بنگالہ شہر اسلام آباد چاٹگام موضع ادھونگر مرسلہ مولوی عبد الجلیل صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ در خانہ شخصے دہ کس موجود است، وقربانی بر ہریک ایشاں واجب است، پس شخصے مذکور گاوے خرید از طرف ہفت کس قربانی نمود واز جانب سہ کس ہیچ نکرد، ووقت قربانی فوت گردید، پس از بواقی ساقط شود یا بمقدار آں مر فقراء و مساکین را صدقہ کنند شرعاً چہ حکم است۔

بینوا بسند الکتاب توجروا من الملک الوہاب۔

ترجمہ: علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گھر میں دس حضرات موجود ہیں اور ان سب پر قربانی واجب ہو تو گھر والے شخص نے سات حضرات کی طرف سے گائے خریدی اور قربانی کردی، اور باقی تین حضرات کی قربانی نہ ہوئی

اور قربانی کا وقت ختم ہوگیا تو کیا باقی حضرات کی قربانی ساقط ہوجائے گی یا وہ حضرات قربانی کی مالیت کو فقراء ومساکین پر صدقہ کریں، شرعا کیا حکم ہے؟ بتاؤ اور اجر اپنے عطا کرنے والے مالک سے پاؤ۔

الجواب: از سہ باقی ساقط نشود فان الاضحیۃ واجبۃ عینا لا کفایۃ، وچوں وقت گزشتہ است واجب است کہ ہر ایک ازیں سہ کساں قیمت گوسپندے کہ دراضحیہ کافی شوذ برفقرا صدقہ کند۔ في الدار لمختار. ترکت التضحية ومضت أيامها تصدق غني بقيمة شاة تجزء فيها۔ ملتقطا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ترجمہ: باقی تین سے قربانی ساقط نہ ہوگی کیونکہ واجب عینی ہے واجب کفایہ نہیں ہے جب وقت گزر گیا تو ان کو چاہیے کہ وہ بکرے کی قیمت فقراء پر صدقہ کریں، درمختار میں ہے کہ قربانی چھوٹ گئی ہو تو وقت ہوجانے پر غنی شخص بکرے کی قیمت صدقہ کردے تو اس سے کفایت حاصل ہوجائے گی اھ ملتقطا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

تیسری مثال:

مسئلہ ۱۳۵۰: از ڈاک خانہ مہر گنج چڑنگی ضلع بریسال مکان منشی عبدالکریم مرسلہ محمد حسین صاحب ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

یک فریق اسمہ دودمیاں متواطن فورید فوری اند صلوۃ جمعہ را بملک بنگالہ بلکہ ہندرا حرام گویند چرا اینجا شہریست بمصداق قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وینفذ الاحکام ویقیم الحدود ایں تعریف نیست مگر اجرت تسبیح وتہلیل وغیر ذلک اخذ می کند ویک جماعت صلوۃ جمعہ را می خوانند وایں دیار را شہر گویند بمطابق قول صاحبین وھو قول البعض وھو موضع اذا اجتمع اھلہ في أكبر مساجده لم يسعهم فهو مصر بمصداق ایں کہ ملک بنگالہ وہند را شہر بگویند ونماز مذکور در وادا می کنند مگر اجرت تسبیح تہلیل را حرام گویند وایں گویند بمطابق قول امام اعظم حرام است ونزد صاحبین جائزست مگر قول متقدمین را اتباع می کنم ومتاخرین در پائے نشدم علی ہذا القیاس ایں ہر جماعت تنازع می کنند۔

ترجمہ: ایک فریق جو فورید فوری میں رہائش پذیر ہیں ان کو دودمیاں کہا جاتا ہے ان کے نزدیک بنگالہ بلکہ تمام ہندوستان میں جمعہ حرام ہے کیونکہ یہاں جو شہر ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کہ (وہاں حاکم احکام نافذ کرے اور حدود جاری کرے) کی تعریف پر پورے نہیں اترتے، حالانکہ وہ تسبیح وتہلیل پر اجرت لیتے ہیں ایک جماعت ــــــــــــ جمعہ ادا کرتی ہے اور اس علاقہ کو صاحبین کے قول کے مطابق شہر قرار دیتی ہے، اور بعض کا قول ہے کہ شہر کی اس تعریف "ہر جگہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے تمام لوگ جمع ہوں تو وہ ان کی گنجائش نہ رکھتی ہو" کے مطابق ملک بنگالہ اور تمام ہندوستان کو شہر کہتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں تسبیح وتہلیل پر اجرت حرام کہتے ہیں کہ امام اعظم کے قول کے مطابق حرام اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے مگر میں متقدمین کے قول کی اتباع کرونگا نہ کہ متاخرین کی، علی ہذا القیاس یہ دونوں جماعتیں آپس میں تنازع کررہی ہیں۔

الجواب: آنکہ گویند المصر مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ نہ مذہب امام ست نہ قول صاحبین بلکہ روایت نادرہ مرجوحہ است وحاجت باو نیست امصار دیار ہند وبنگالہ بلا شبہہ شہر ہائے دارالاسلام ست و جمعہ درانہا فرض وترک او معصیت شدیدہ وانکار او ضلالت بعیدہ در مذہب امام وسائر ائمہ ما مصر آنست کہ کوچہا وبازار ہائے دائمہ داشتہ باشد ومراو را روستا ہا باشد چنانکہ اورا در اصلاح حال ضلع یا پرگنہ خوانند ودر وحاکمے باشد کہ بہ حشمت وسطوت خود دا دستم زدہ از ستمگراں تواں گرفت اگر چہ نہ گیرد ہمین ست معنی ینفذ الاحکام ویقیم الحدود الا از ہند وبنگالہ چہ گوئی خود

حرمین محترمین نیز از مصریت خارج شوند واقامت جمعه انجا حرام زیراکه حدود ازصدہا سال مفقود مسدود شده است وبرتسبیح وتہلیل اجرت خواند گرفتن روانیست اجاره در امورمباحه باشد نه درطاعت ومعصیت کماحققه المولی بن عابدین الشامی فی ردالمحتار والعقود الدریة وشفاء العلیل واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترجمہ: یہ جوشہر کی تعریف کررہے ہیں کہ وہ مقام جس کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے لوگوں کے لئے گنجائش ووسعت نہ رکھتی ہو یہ مذہب امام ہے نہ صاحبین کا قول بلکہ روایت نادرہ مرجوعہ ہے اور اس کی حاجت بھی نہیں ہندوستان اور بنگالہ بلاشبہہ شہر دارالاسلام ہیں ان میں جمعہ فرض ہے اس کا ترک سخت گناہ اوراس کا انکار شدید گمراہی ہے، امام اعظم اور باقی ائمہ کے ہاں شہر وہ ہوتا ہے جس کے کوچے ہوں اوردائمی بازار ہوں اوراس کے لیے دیہات ہوں جنھیں موجودہ اصطلاح میں ضلع یا پرگنہ کہا جاتا ہے اور وہاں کوئی نہ کوئی ایسا حاکم ہو جو اتنے اختیارات رکھتا ہو کہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلا سکے اگر چہ وہ عملاً ایسا نہ کررہا ہو" وہ احکام کو نافذ کرسکے اورحدود قائم کرسکے " کا یہی معنی ہے ورنہ ہند اور بنگلہ کی کیا بات ہوئی خود حرمین شریفین بھی شہر کی تعریف سے خارج ہوجائیں گے اور وہاں جمعہ حرام ہوگا کیونکہ حدود کا قیام صدیوں سے ختم اور بند ہوگیا ہے اور تسبیح و تہلیل پر اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ کرایہ واجرت امور مباحہ میں ہوتی ہے نہ کہ امور طاعت ومعصیت میں جیسا کہ ابن عابدین شامی ردالمحتار، عقود الدریۃ اور شفاء العلیل میں اس کی تحقیق کی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

چوتھی مثال:

مسئلہ ۱۱۳: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب مکان میر خادم علی صاحب اسٹنٹ یکم جمادی الاولی ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت پناہ وطریقت آگاہ دریں مسئلہ کہ زوجہ مسمی زید کارِ فحش وناقصہ علانیہ می نماید وزوجہ عمرو بہ خلاف شوہر خود می باشد وکارِ فحش پوشیدہ می کند وایں کار زشتہ او ہم پہلوئے یقین کامل ست پس بہ تشکیک یقینی شوہر شوہر او طلاق دادن خواہد درست ست یا نہ؟ بینوا توجروا۔

ترجمہ: علمائے شریعت وطریقت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں، کہ زید کی بیوی فحش کاری وبدکاری علانیہ کرتی ہے، اور عمرو کی بیوی اپنے شوہر کے مخالف ہے اور فحش کاری خفیہ طور پر کرتی ہے اور اس کا بدکاری یقین کی حد تک ہے، پختہ ظن ہوجانے پر شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟ بیان کرو، اجر پاؤ۔

الجواب: درصورتِ مستفسرہ طلاق باجماع درست ومباح ست زیرا کہ دراباحت طلاق علماء راسہ ۳ قول ست: یکے آنکہ مطلقاً مباح ست گو بے سبب محض باشد **مشی علیه العلامة الغزی في متن التنویروزعم شارحه العلامة العلائي أنه هو قول العلامة وادعی العلامة المذهب** ۔ دوم آنکہ جز بوجہ پیروی زن یا آوارگی وبدوضعی او اباحت نہ دارد وھو قول ضعیف کما فی ردالمحتار سوم آنکہ حاجتے باشد مباح ست ورنہ ممنوع ہمیں صحیح ومؤید بدلائل ست صححه العلامة المحقق علی الاطلاق فی الفتح وانتصر له خاتم المحققین العلامة الشامی بمایتعین استفادتہ ایں جاکہ آوارگی زناں متحقق ست ہر سہ قول براباحت طلاق متفق آمد بلکہ چوں فسق وارتکاب چیزے ازمحرمات ثابت شود طلاق مستحب گردد فی الدرالمختار بل یستحب لوموذیة اوتارکة صلوٰۃ کذا فی الغایة وفی ردالمحتار الظاهران ترک الفرائض غیر الصلوۃ کالصلوۃ اما واجب نیست اگر شوئے دادن نخواہد ہد فی الدرالمختار لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة۔ واللہ تعالیٰ علم۔

ترجمہ: صورتِ مستفسرہ میں بالاجماع طلاق درست اور

مباح ہے کیونکہ طلاق کے مباح ہونے میں علماء کے تین قول ہیں: ایک (۱) یہ کہ طلاق مطلقاً مباح ہے اگر چہ بلا وجہ دی جائے۔ علامہ غزی نے تنویر کے متن میں اس کو بیان کیا ہے جس کے متعلق اس کے شارح علاّمہ علائی کا خیال ہے کہ علامہ غزی کا یہی مؤقف ہے اور علامہ بحر نے اپنی کتاب بحر میں دعوٰی کیا ہے کہ یہی حق اور یہی مذہب ہے۔ دوسرا (۲) یہ کہ بیوی کے بڑھاپے یا اس کی آوارگی یا بدوضعی کے بغیر شوہر کے لئے طلاق دینا مباح نہیں ہے، یہ ضعیف قول ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ تیسرا (۳) قول یہ ہے کہ اگر شوہر کو طلاق کی کوئی حاجت ہے تو مباح ہے ورنہ ممنوع ہے، یہی قول صحیح اور دلائل سے مؤید ہے۔ علامہ محقق نے فتح القدیر میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اور علاّمہ خاتمۃ المحققین شامی نے اس کا دفاع کیا ہے جس سے اس کی صحت مستفاد ہوتی ہے، مسئولہ صورت میں جب آوارگی پائی جاتی ہے تو تینوں اقوال پر طلاق کا مباح ہونا محقق ہے بلکہ عورت کا فسق اور کسی حرام فعل کا ارتکاب ثابت ہے تو طلاق مستحب ہے۔ درمختار میں ہے: بلکہ عورت اگر موذی ہے یا نماز کو ترک کرنے کی عادی ہے تو مستحب ہے غایہ میں اسی طرح ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر فرائض کا ترک بھی نماز کی طرح ہے، تاہم اس صورت میں طلاق دینا واجب نہیں ہے اگر خاوند طلاق نہ دینا چاہے تو نہ دے۔ درمختار میں ہے کہ فاسقہ عورت کا طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پانچویں مثال:

مسئلہ ۸۹: ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

نثار احمد مکان مسکن را بہ بچگان خورد سال ہبہ می کند الا یک دختر کلاں کہ نکاحش کردہ آمد نام او ہم شامل کردن لازم ست یا نہ ایں سہ بچگان از تمتع دنیاوی بہر نیافتہ اند وآں یکے متمتع شدہ۔

ترجمہ: نثار احمد اپنی سکونت والا مکان نابالغ بچوں کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اس کی ایک لڑکی شادی شدہ بالغ ہے اس کو بھی شامل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ تین نابالغ بچے دنیاوی سامان سے فائدہ حاصل کرنے کے اہل نہیں ہیں اور صرف وہ بالغ لڑکی اس کی اہل ہے۔

الجواب:

ہر چہ بیکے ازیں اطفال رسد اگر قیمتش برانچہ بجہیز دختر کلاں دادہ شد زیادت واضح ندارد نام او شامل کردن ضرور نیست لحصول ما ارشد الیہ قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکل بنیک نحلت مثل ہذا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترجمہ: ان نابالغ بچوں کو جو حصہ ملتا ہے اگر وہ شادی شدہ لڑکی کے جہیز سے واضح طور زائد نہ ہو تو اس لڑکی کو شامل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کہ " کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اتنی مقدار ہبہ کیا ہے " پر عمل ہو گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذکورہ فتاویٰ کا انداز بیان، سلاست اور روانی دیکھنے کے بعد ہر قاری آپ کی قادرالکلامی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

امام احمد رضا اور فارسی نظم

بیسویں صدی میں سو سے زاید ایسی شعر و ادب کی شخصیات ہیں، جنھیں اپنے شعبوں میں مہارت حاصل ہے اور وہ عالمی سطح پر مقبول بھی ہوئے۔ جن میں سے نمایاں مقام رکھنے والی ذات امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ الملقب بہ ''حسان الہند'' کی ہے۔

آپ نے فارسی زبان میں وہ مایہ ناز مثنوی جس کا ایک ایک شعر درد وکرب کی ایسی داستانیں اور دل خراش آہیں سمیٹے ہوئے ہے جسے بیان کرنے کی طاقت مجھ جیسے ناکارہ کے بس کی بات نہیں۔ نیز اس مثنوی کا ہر ہر شعر فرقہ امثالیہ کے قلعوں کو خاک کے ذروں سے بھی بری حالت میں تبدیل کر دینے والا ایٹم بم ہے۔ اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والوں کے دلوں کو چاک کرنے والا خنجر

رضا ہے جس کو خود امام عشق ومحبت نے یوں بیان کیا:

کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اس مثنوی کو جب میں اس نیت سے پڑھ رہا تھا کہ چند منتخب اشعار آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرسکوں تو میرا رب گواہ ہے کہ کئی مرتبہ پڑھنے کے بعد بھی میں اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکا کہ کسی ایک شعر کو بھی میں یہ سوچ کر ہٹادوں کہ یہ شعر منتخب اشعار کی فہرست کے قابل نہیں، ہر شعر اپنے آپ میں منتخب شعر ہے، ہر شعر کا مفہوم مفہوم منتخب ہے۔ نیز ہر شعر اپنے آپ میں حکمت ودانائی کا بحر بیکراں ہے اور امثالیہ کے سینہ پر کاری ضرب ہے، لیکن مکمل مثنوی بذات خود ایک مقالہ کی جگہ چاہتی ہے جو کہ یہاں ممکن نہیں، لہٰذا میں نے اپنے استاد گرامی اور برادر کلاں حضرت مولانا محمد اکبر علی برکاتی صاحب قبلہ کی بارگاہ میں مکمل مثنوی ٹائپ کر کے بھیجی کہ آپ کچھ اشعار کا انتخاب کردیں جن کو میں بطور تمثیل اس مقالہ میں پیش کرسکوں۔

مثنوی ردامثالیہ کے منتخب اشعار مع تقطیع پیش خدمت ہیں:

بحر: رمل مسدس محذوف

(فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

تقطیع:

گریہ کن بلبلا از رنج و غم
چاک کن اے گل گریباں از الم

گر..فا۔یہ..علا۔کن..تن۔بل..فا۔بلا..علا۔از..تن۔رن..فا۔جُ غم..علن

چا..فا۔کِ کُن..علا۔اۓ..تن۔گل..فا۔گری..علا۔با..تن۔از..فا۔ الم..علن

ترجمہ: اے بلبل! رنج وغم سے رویا کر، اور اۓ گلاب کے پھول! درد کی وجہ سے اپنا گریباں پھاڑ ڈال۔

سنبلا از سینہ برکش آہ سرد
اے قمر ازفرط غم شو روئیزرد

اے سنبل! سینہ سے ٹھنڈی آہیں نکال، اور اۓ چاند! کثرت غم کی وجہ سے چہرہ زرد کرلے۔

کن ظہور ائے مہدی عالی جناب
بر زمیں آ عیسیِ گردوں قباب

اے سیدنا حضرت امام مہدی علیہ السلام! آپ تشریف لے آئیے، اور آسمانوں میں قیام فرمانے والے سیدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام زمین پر نزول اجلال فرمائیے۔

آہ آہ از ضعف اسلام آہ آہ
آہ آہ از نفس خود کام آہ آہ

اسلام کی کمزوری پر صد افسوس ہے۔ اور اپنے نفس کی سرکشیوں پر صد افسوس ہے۔

مردماں شہوات رادیں ساختند
صد ہزاراں رخنہا انداختند

لوگوں نے نفسانی خواہشات کو اپنا دین بنا رکھا ہے، دین میں لاکھوں رخنے ڈال رکھے ہیں۔

آں یکے گویاں محمد آدمی ست
چوں من و بر وحی او را بر تریست

انہیں میں سے ایک نے کہا (حضور اقدس) محمد (ﷺ) تو ہم جیسے ایک آدمی ہیں بس انہیں ہی اتنی بڑائی حاصل ہے کہ ان پر وحی الٰہی آتی ہے ہم پر نہیں۔

جز رسالت نیست فرق درمیاں
من برادر خورد باشم او کلاں

ہمارے اور ان کے درمیان رسالت ونبوت کے علاوہ کوئی فرق نہیں ہے۔ میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں اور وہ میرے بڑے۔

ایں نداند از عمی آں ناسزا
یا خودست ایں ثمرۂ ختم خدا

ان نالائقوں اور عقل کے اندھوں نے یہ نہ جانا کہ یہ طرز استدلال تو خدائی کا ہی خاتمہ کردے گا۔

گر بود مر لعل را فضل و شرف
کے بود ہم سنگ او سنگ خزف

جبکہ لعل کو جو فضل وشرف حاصل ہے اس پتھر کے برابر ٹھیکری کیسے ہوسکتی ہے۔

مولوی معدن راز نہفت
رحمت اللہ علیہ خوش بگفت

چھپے رازوں کی کان مولوی معنوی یعنی حضرت جلال الدین رومی رحمت اللہ علیہ نے کس قدر اچھی بات کہی ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

نیکوں کے کاموں کو تم اپنے کاموں جیسا نہ سمجھو۔ اگر چہ لکھنے میں شیر اور شِیر ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں جبکہ حقیقت میں ایک شیر جنگل کا بادشاہ درندہ شیر ہے اور دوسرا پیا جانے والا دودھ۔

مصطفٰے نور جناب امر کن
آفتاب برج علم من لدن

حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے نور ہیں اور علم لدنی کے برج کے آفتاب ہیں۔

معدن اسرار علام الغیوب
برزخ بحرین امکان و وجوب

علام الغیوب کے رازوں کی کان ہیں، اور ممکن الوجود اور واجب الوجود کے درمیان برزخ کی طرح ہیں۔

گشت موسیٰ در طوی جویان او
ہست عیسیٰ از ہوا خوہان او

کوہ طور میں سیدنا حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام انہیں کے متلاشی تھے، اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام بھی انہیں کے مشتاق زیارت تھے۔

مہر تابان علوم لم یزل
بحر مکنونات اسرار ازل

اللہ جل مجدہ کے علوم کے نیر تاباں ہیں ازل کے رازوں کے سمندر کے چھپے ہوئے خزانے ہیں۔

وصف او از قدرت انساں و راست
حاش للہ ایں ہمہ تفہیم راست

ان کے اوصاف کا بیان انسان کی قدرت سے ماورا ہیں۔ حاش للہ یہ سارا بیان سمجھانے کے لیے ہے۔

اے خدا! اے مہرباں! مولائے من
اے انیس خلوت شبہائے من

اے مہربان اللہ عزوجل! اور اے میرے آقا! اے میری رات کی تنہائیوں کے غم گسار!

اے کریم و کارساز بے نیاز
دائم الاحساں شہ بندہ نواز

اے کریم اور کام بنانے والے بے نیاز مولا! ہمیشہ احسان فرمانے والے بندہ نواز شہنشاہ۔

اے بیادت نالۂ مرغ سحر
ائے کہ ذکرت مرہم زخم جگر

اے وہ ذات مقدسہ کہ تیری ذات ہی صبح کے وقت پرندوں کی چہچہاٹ میں ہوتی ہے اور تیرا ذکر ہی زخمی دلوں کا مرہم ہے۔

زہر ما خواہیم تو شکر دہی
خیر را دانیم شر از گمرہی

ہم زہر پینا چاہتے ہیں لیکن تو اپنے فضل واحسان سے ہمیں شکر عطا فرماتا ہے۔ اور ہم اپنی کم علمی و ناسمجھی سے بھلائی کو برائی سمجھ رہے ہیں۔

اے خدا بہر جناب مصطفٰے
چار یار پاک و آل با صفا

اے اللہ عزوجل! اپنے محبوب کریم حضور سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اصحاب وآل پاک کے صدقہ طفیل میں۔

تکیہ بر رب کرد عبد مستہان

اوست بس مارا ملا ذو مستعان

کاہل اور گنہگار بندے نے اپنے رب کریم پر ہی بھروسہ کر رکھا ہے بس وہی ہماری پناہ گاہ اور وہی ہمارا مددگار رہے۔

کیست مولائے بہہ از رب جلیل

حسبنا اللہ ربنا نعم الوکیل

رب جلیل سے بڑھ کر کون مددگار ہوسکتا ہے ہمارے لیے ہمارا رب ہی مددگار کافی ہے۔

چوں فتاد از روزن دل آفتاب

ختم شد واللہ اعلم بالصواب

جب دل کی کھڑکی سے سورج نکل چکا ہم نے مثنوی کو ختم کیا اور اللہ درست علم رکھنے والا ہے۔

چند مختلف اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

بحر: رمل مسدس محذوف

(فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

پات ہم کہ چوں فرو آئی زجات

جات بالا تر زوہم پائہا

پائہا خود ہست بہر پائہا

پائہا چہ بود سر ہا زیر پات

تقطیع:

پا..فا۔تِ ہم..علا۔کے.تن۔چوں..فا۔فرو..علا۔آ.تن۔ئی..فا۔ زجا.علن

جا..فا۔تِ با..علا۔لا.تن۔تر..فا۔زوہ..علا۔مے.تن۔پا..فا۔ئہا.. علن

یہ صنعت، صنعت اتصال تربیعی ہے جو سوائے حسان الہند امام احمد رضا خان محدث بریلوی کے کسی اور شاعر کے کلام میں دیکھنے کو نہیں ملتی، آپ بڑے بڑے صاحب دیوان شاعروں کے دیوان الٹ پلٹ کر دیکھ لیں مگر یہ ایسی مشکل صنعت ہے جو آپ کو کہیں اور نظر نہ آئے گی۔ حسان الہند کی قادر الکلامی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ آپ کی بارگاہ میں ایک فتویٰ کا سوال سائل نے بصورت اشعار پیش کیا تو آپ نے اس فتویٰ کا جواب نثر میں نہ دیکر آپ نے مکمل جواب نظم میں پیش فرمایا۔ جس سے آپ کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا وہیں **کلموا الناس علی قدر عقولھم** کا بلیغ انداز بھی دیکھ کر قلب میں تازگی اور فرحت وانبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

ترجمہ:۔ اعلیٰ حضرت امام عشق ومحبت امام احمد رضا اپنے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں عرض گزار ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اس وقت جبکہ اپنے مرتبہ سے تنزل فرمائیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم اقدس واطہر ان تمام مراتب علیا سے بہت زیادہ بلند وبالا ہیں جہاں تک ہمارے خیالات جاسکتے ہیں۔ کیونکہ تمام مراتب علیا خود ہی بلند مراتب کے حصول کے لیے ہیں۔ جبکہ ان مراتب کی حقیقت ہی کیا ہے؟ کیونکہ تمام سروں کے لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم اقدس واطہر کے نیچے ہونا ہی ان کی معراج ہے۔

بحر: ہزج مثمن سالم

(مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن)

بکار خویش حیرانم اغثنی یارسول اللہ

پریشانم پریشانم اغثنی یارسول اللہ

تقطیع:

بکا..مفا۔رے..عی۔خے.لن۔شِ حے..مفا۔را..عی۔نم..لن۔

اغث..مفا۔نی..عی۔یا.لن۔رسو..مفا۔لل..عی۔لا..لن

پری..مفا۔شا..عی۔نم.لن۔پری..مفا۔شا..عی۔نم.لن۔اغث.. مفا۔نی..عی۔یا.لن۔رسو..مفا۔لل..عی۔لا..لن

ترجمہ:۔ میری مرضی کے مطابق میرے کام نہ بن پانے کی وجہ سے میں حیران ہوں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری مدد فرمایئے۔ میں بہت زیادہ پریشان ہوں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری مدد فرمایئے۔

ندارم جز تو ملجائے ندارم جز تو ماوائے

توئی خود سازو سامانم اغثنی یا رسول اللہ

ترجمہ:۔آپ کے علاوہ نہ تو میری کوئی جائے پناہ ہے اور نہ ہی کوئی مددگار، آپ ہی دونوں جہاں میں میرا کل اثاثہ ہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری مدد فرمائیے۔

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن

مریض درد عصیانم اغثنی یارسول اللہ

ترجمہ:۔ اے دوجہاں کے بادشاہ! میں لاچار ہوں بیکس نوازی فرمائیے، میں گناہوں کے درد کا بیمار ہوں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری مدد فرمائیے۔

چو محشر فتنہ انگیزد بلائے بے اماں خیزد

بجویم از تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

ترجمہ:۔ جب میدان محشر اپنی تمام تر ہولناکیوں کیساتھ قائم ہو، ہر جاندار کو اپنی اپنی پڑی ہو، اس وقت بھی میں آپ ہی کی پناہ چاہتا ہوں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری مدد فرمائیے۔

رضایت سائل بے پر توئی سلطان لاتنہر

شہا بہر ازیں خوانم اغثنی یا رسول اللہ

ترجمہ:۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کا رضا آپ کے در کا ادنیٰ سا بہت ہی کمزور بھکاری ہے اور آپ ایسے بادشاہ ہیں جس کی بارگاہ اقدس سے منگتوں کو انکار نہیں سننا پڑتا ڈانٹے نہیں جاتے اے دنیا وآخرت کے بادشاہی اسی وجہ سے یہ آپ کی بارگاہ بخشش وکرم کا طالب ہے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری مدد فرمائیے۔

امداد کن

بحر: رمل مثمن محذوف

(فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

تقطیع:

یا خدا بہر جناب مصطفے امداد کن

یا رسول اللہ از بہر خدا امداد کن

یا..فا۔خدا..علا۔بہہ..تن۔رے..فا۔جنا..علا۔بے..تن۔مُص..فا۔طفے..علا۔اِم..تن۔دا..فا۔دِکن..علن

یا..فا۔رسو..علا۔لل..تن۔لا..فا۔ہ اَز..علا۔بہہ..تن۔رے..فا۔خدا..علا۔اِم..تن۔دا..فا۔دِکُن..علن

ترجمہ:۔اے اللہ عزوجل! اپنے محبوب کریم سیدنا محمد مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میری مدد فرما اور یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! خدا کے واسطے میری مدد فرمائیے۔

ثروت بیثر وتاں اے قوت بے قوتاں

اے پناہ بیکساں اے غمزدہ امداد کن

ترجمہ:۔اے غریبوں، فقیروں کی دولت! کمزوروں کی قوت! بیکسوں کے کس! اور اے غموں کو دور کرنے والے! مدد فرمائیے۔

اے علیم اے عالم اے علام اعلم اے علم

علم تو معنی ز عرض مدعا امداد کن

ترجمہ:۔اے علم والے عالم! اے بہت زیادہ علم رکھنے والے! اے سب سے زیادہ علم والے! گویا علم کے نشان، بلکہ علم خود ہی اپنی گتھیاں سلجھانے کے لیے آپ ہی کی بارگاہ اقدس سے رجوع کرتا ہے۔

جان جاں جان جہاں جان جہاں را جان جاں

جانہا خاک نعلینت شہا امداد کن

ترجمہ:۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جان کی بھی جان ہیں، ساری دنیا کی جان ہیں، بلکہ اے جان جاناں! آپ تو سارے عالم کے روحِ رواں ہیں، اور جانیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین مبارک ومقدس کی خاک ہیں، اے شہنشاہ! مدد فرمائیے۔

بحر: مجتث مثمن مخبون محذوف

(مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے

اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

تقطیع:

لحد..مفا۔ مِ عش.علن ۔قِ رُخ..فعلا۔شہ.تن ۔کدا..مفا۔ غِ
لے.علن ۔ک چلے .فعلن

ادھے..مفا۔ رِرا.علن ۔تِ سُ نی.فعلا۔تھی.تن ۔ چرا..مفا۔ غ
لے.علن ۔ک چلے ..فعلن

سیدنا حضرت امام مولیٰ علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں فرماتے ہیں:

بحر: رمل مثمن محذوف

(فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

مرتضی شیر خدا مرحب کشا خیبر کشا
سرورا لشکر کشا مشکل کشا امداد کن

اس کی تقطیع بھی حسب سابق ہوگی۔

ترجمہ:۔سیدنا حضرت امام علی رضی اللہ تعالی عنہ اللہ،عزوجل کے شیر ہیں۔آپ ہی یہود کے سب سے پہلوان مرحب کو قتل کرنے والے اور یہودیوں کے سب سے مضبوط قلعہ خیبر کو فتح کرنے والے ہیں۔اے لشکروں کو شکست دینے والے اور مشکلوں کو آسان فرمانے والے سردار میری مدد فرمایئے۔

سیدالشہد اسیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

یا شہید کربلا یا دافع کرب و بلا
گل رخا شہزادۂ گلگوں قبا امداد کن

ترجمہ:۔ اے میدان کربلا کے شہید! اور اے مصیبتوں اور بلاؤں کو دور فرمانے والے پھولوں جیسے چہرے والے اور گلابوں جیسی قبا زیب تن فرمانے والے امام عالی مقام سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ میری مدد فرمایئے۔

حضرت سید آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

بحر: مجتث مثمن مخبون محذوف

(مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

گناہ بندہ بخش اے خدائے آل رسول
برائے آل رسول از برائے آل رسول

گنا..مفا۔ ہِ بَن..علن ۔ دَ بخ..فعلا۔ شے.تن ۔ خدا..مفا۔ ئے آ.
علن ۔لِ رسول..فَعِلُن

برا..مفا۔ ئے آ.علن ۔لِ رسو.فعلا۔لز.تن ۔ برا..مفا۔ ئے آ.علن ۔
لِ رسول..فَعِلُن

ترجمہ:۔اے آل رسول احمدی رضی اللہ تعالی عنہ کے خدا اپنے اس بندے کے گناہ بخش دے،آل رسول کے صدقے میں بخش دے،آل رسول کے صدقے میں بخش دے۔

مرا کہ زنسبت ملک است امید آنکہ بہ حشر
ندا کنند بیا اے رضائے آل رسول

ترجمہ:۔ مجھے اپنے پیرو مرشد سید آل رسول رضی اللہ تعالی عنہ کی نسبت سے یہ امید ہے کہ میدان محشر میں مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے آل رسول کے رضا! ادھر آ تجھے آل رسول کے صدقے بخش دیا گیا ہے۔

نوٹ:۔ اس مقالہ میں سیدی اعلیٰ حضرت کے اشعار کا موازنہ دیگر شعرا کے اشعار سے نہیں کیا گیا، کیونکہ حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی معروف بہ ''مصروف برکاتی'' نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''فن شاعری اور حسان الہند'' میں سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کے اشعار کا صرف موازنہ ہی دیگر عظیم شعرا کے کلام سے نہیں کیا، بلکہ خصوصیات کلام، محاسن بلاغت، قادرالکلامی، استعمال قوافی مختلفہ میں مہارت کے ساتھ حسن مطلع کی کثرت پر قدرت کو بھی حد درجہ کمال کے ساتھ بیان کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت کی قادرالکلامی میر و غالب سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔

نیز اس مقالہ میں کلام سیدی اعلیٰ حضرت میں مستعمل مختلف صنعات پر گفتگو نہیں کی کیونکہ تمام صنعات مثلاً: تشبیہ، تشبیہ مفصل، تشبیہ مجمل، تشبیہ مرسل، تشبیہ موکد، تشبیہ بلیغ، تشبیہ مقلوب، تشبیہ ضمنی، استعارہ، اسرعارۂ تصریحیہ، اسرعارۂ مکنیہ، استعارۂ اصلیہ، استعارۂ تبعیہ، مجاز مرسل، کنایہ، حسن تعلیل، صنعت طباق، صنعت مقابلہ، صنعت تدبیج، لف ونشر مرتب، لف ونشر غیر مرتب، صنعت جمع و

تفریق، مراعات النظیر، صنعت تلمیح، رد العجز علی الصدر، صنعت موازنہ، صنعت مماثلہ، تجنیس تام و غیر تام، تجنیس محرف، تجنیس ناقص، تجنیس مردوف، تجنیس لاحق، تجنیس قلب جیسی صنعات پر اعلیٰ حضرت کے اشعار ادیب باکمال استاد محترم حضرت علامہ نفیس احمد مصباحی صاحب قبلہ مدظلہ العالی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (الہند) نے اپنی مایۂ ناز تصنیف ''کشف بردہ'' میں دیگر استاذ شعرا کے اشعار کے ساتھ حسین پیرایہ میں نقل فرما دیئے ہیں۔ صاحب ذوق ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

آپ کا فارسی کلام:

آپ کا فارسی کلام ''ارمغان رضا'' کے نام سے، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے پہلی بار، 1994 میں شائع کیا، اس میں حمد و نعت، قصائد و مناقب اور رباعیات شامل ہیں۔

یا رب زمن بر شہ ابرار درودی
برسید و مولائی من زار، درودی
بر آبروی آن قبلہ قوسین سلامی
بر چشم خطاپوش، عطابار، درودی

گہوارۂ نجات

مجدد اعظم، سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی بارگاہ میں
مولانا محمد سلمان رضا فریدی مصباحی کا نذرانۂ محبت

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گہوارۂ نجات، سفینہ رضا کا ہے — ایمان کا نصاب، طریقہ رضا کا ہے
اِک اِک سطر، حمایت حق کے لیے لکھی — ملت کا پاسبان، صحیفہ رضا کا ہے
ہر پھول ہے، جمال بصیرت کا شاہکار — مجموعۂ کمال، حدیقہ رضا کا ہے
مقبول بارگاہِ نبی، ان کی ذات پاک — خوشنودئ رسول، وسیلہ رضا کا ہے
ہوں گے نہ ان کے جوہر عظمت، کسی سے کم — طیبہ سے مستفیض، ذخیرہ رضا کا ہے
اس پر ہوئے ہیں بند، کمالوں کے راستے — جس کم نظر کے سینے میں کینہ رضا کا ہے
چاروں طرف ہیں فکر رضا کی تجلیاں — روشن ہر ایک علمی نگینہ رضا کا ہے
"ما زاغ" کا جمال ہے، جس چشم ناز میں — تابندہ اس نگاہ سے، سینہ رضا کا ہے
جن سے چمک رہی ہے کمالوں کی کائنات — مثل قمر، ہر ایک خلیفہ رضا کا ہے
افراد، ان کے گھر کے ہیں مہر و مہ و نجوم — یہ کہکشاں ہے یا کہ قبیلہ رضا کا ہے
تقسیم ہو رہے ہیں کمالات کے گُہر — سرِ چشمۂ علوم، خزینہ رضا کا ہے

بڑھتی ہی جا رہی ہیں، فریدؔی کی شوکتیں
جب سے دل و زباں پہ قصیدہ رضا کا ہے

امام احمد رضا اور اردو زبان وادب

مقالہ نگار

مولانا عبدالمبین مصباحی (جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی)

زیرنظر مقالہ اردو زبان وادب پر امام احمد رضا قدس سرہ کی مہارت پر مشتمل ہے جسے مختلف ماہرین ادب کے مقالوں کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کے مرتب حضرت مولانا عبدالمبین خاں مصباحی درس نظامی خصوصا زبان وادب سے خصوصی شغف رکھتے ہیں، ۳۰ جون ۱۹۷۷ء کو ضلع سراوستی (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ سید العلوم (بڑی تکیہ: بہرائچ شریف) میں ہوئی۔ متوسط درجات کی تعلیم جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں پائی۔ اعلیٰ درجات کی تعلیم جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں حاصل کرکے ۱۹۹۹ء میں شعبہ فضیلت سے فارغ التحصیل ہوئے۔ بعد فراغت مدرسہ مظہر العلوم (قنوج: یوپی) میں تدریسی خدمات انجام دیں ۲۰۰۴ء سے جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عربی زبان میں حاشیہ درسی کتاب عبرات مؤلفہ مصطفیٰ لطفی منفلوطی کا عربی حاشیہ تحریر فرمایا۔۔ متعدد مضامین ومقالات ماہناموں میں شائع ہو چکے ہیں۔

رابطہ نمبر: 9450430961

امام احمد رضا اور اردو زبان وادب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابغۂ وقت اور عبقری روزگار تھے، آپ کا عہد زریں انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر بیسوی صدی کے ربع اول پر مشتمل ومحیط ہے۔ اس میقات میں ایسی جید اور جامع حیثیات وکمالات شخصیت پورے بلاد ہند میں دور دور تک نظر نہیں آتی اور نا ان کے بعد آج تک منظر عام پر آئی ہے۔ ایسی عظیم المرتبت ہستی جو بیک وقت ۵۵؍علوم وفنون سے زائد پر ماہرانہ دسترس رکھتی ہو، آیت من آیات اللہ کہے جانے کی بجا طور پر مستحق ہے دینی علوم کے علاوہ علوم جدیدہ، طبیعت، کیمیا ریاضی، الجبرہ علم طبقات الارض اور علم افلاک وغیرہ میں ان کو جو غیر معمولی مہارت وادراک اور استحضار حاصل تھا، اس کی تو ان کے معاصر علما میں کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ اس کا احساس واعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے فکری ونظری سطح پر کوئی اختلاف رکھتے ہیں، اس لیے یہ بات بلا تکلف کہی جاسکتی ہے کہ وہ ایک شخص نہیں، مستقل ادارہ اور بہت بڑی چلتی پھرتی لائبریری تھا اپنے وقت کے ادبا کا سرتاج تھا، بلکہ یوں کہا جائے ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہوں سکے بٹھا دیئے ہیں

مگر شعرائے اردو کے تذکرہ نگاروں اور اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے والے مؤرخین وناقدین نے مسلکی عصبیت کو بروئے کار لاتے ہوئے امام احمد رضا جیسے عظیم المرتبت ادیب وشاعر، بلکہ ''شہنشاہ اقلیم سخن'' کے ذکر خیر سے اپنی کتابوں کو خالی رکھا ہے اور آپ کی علمی وادبی، لسانی وفکری اور دینی وملی خدمات کو یک سر نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ سچ ہے اور نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جس قدر تعصب کا برتاؤ امام احمد رضا محدث بریلوی کے ساتھ ہوا ہے، اتنا کسی دوسرے اسلامی مفکر کے ساتھ نہیں ہوا ہوگا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اردو زبان و ادب کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہے، اسے آبِ زر سے لکھا جائے تو بھی کم ہے۔

اردو زبان وادب کا فروغ

۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء میں جب کہ اردو کا دامن اصول تحقیق اور لسانی مصطلحات، صحت نسخ، صحت متون، اتصال سند، احتیاط نقل واستدلال پر علمی وتحقیقی بحث فرمائی ہے، اور اس فن کے لیے اصول وضابطہ وضع فرمایا ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی ایک طرف تو جدید تنقید وتحقیق کے اصولوں سے دنیائے اردو ادب کو اس وقت متعارف کرا رہے تھے جب کہ اردو تنقید وتحقیق کا دامن ان باریکیوں سے یک سر خالی تھا تو دوسری طرف اس کے برعکس اردو ادب کے مورخین نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی ادبی ولسانی خدمات واثرات کے ساتھ ایسا سنگین برتاؤ کیا جو انتہائی درجہ قابل افسوس ہے۔ چنانچہ دور جدید کے مذہبی محقق ومفکر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کا ایک دل گداز بیان اس تعلق سے لائق ذکر ہے۔ فرماتے ہیں:

''تاریخ وادب کی کتابوں میں نہ جانے کیوں اس عظیم انسان کو نظر انداز کیا گیا ارباب علم ودانش حیران ہیں''۔

(پیغام رضا ۱۹۹۶ء ص ۱۶۷)

امام احمد رضا کی نثر نگاری اپنے عہد کے نامور علما، ادبا، کے مقابل خاصے کی چیز ہے۔ آپ کی نثر عمدہ اور اعلیٰ ترین ہے۔ آپ کے معاصرین میں جن اشخاص کا مقابلہ آپ کی مہتم بالشان شخصیت سے کیا جاتا ہے، ان کی نثر نگاری آپ کے سامنے بالکل بچکانہ نظر آتی ہے اور وہ افراد امام احمد رضا محدث بریلوی کے سامنے طفل مکتب نظر

آتے ہیں چنانچہ مشہور ادیب وشاعر اور ممتاز دانش ور پروفیسر ڈاکٹر صابر سنبھلی اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام احمد رضا کے دور میں کچھ اور لوگ بھی نثر لکھ رہے تھے، مولوی قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس راقم السطور کی نظر سے گزری ہے۔فقیر کو علمیت میں کوئی دخل نہیں ہے، لیکن تھوڑی بہت فارسی سمجھ لیتا ہے۔اس کے باوجود ''تحذیر الناس'' جو اردو کی کتاب بتائی جاتی ہے، سر سے گزر گئی۔مولوی اشرفعلی تھانوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کی نثر کوئی پہچان نہیں بنا پائی، یوں بھی ان دونوں کی نثر بچکانہ ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جدید علمی نثر کے فروغ کا کام سرسید اور امام احمد رضا نے ہی کیا ہے''۔

(سہ ماہی افکار رضا ممبئی ۱۹۹۹ء ص ۱۰)

امام احمد رضا نے اپنی اردو نثر میں موضوع کی صحیح فہمایش پر زور دیا ہے، اور اپنے افکار وخیلات کی وضاحت وصراحت کے لیے گنجلک اسلوب نگارش کو نہیں اپنایا اور نا ہی آپ کی تحریروں میں تصنع اور بناوٹ کا شائبہ گزرتا ہے، جب کہ عہد ماضی کے ایک مشہور نثر نگار ابوالکلام آزاد، جو اپنی اردو تحریروں میں عربی فارسی کی تراکیب سے اپنے اسلوب کو سجانے کے لیے قاری کو الفاظ ومعنی کی بھول بھلیوں میں گم کر رہا ہے اور اپنے زور بیان کی نمایش وزیبایش کرنے کے لیے اس نے جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس میں بظاہر تو لطف محسوس ہوتا ہے، لیکن یہ اہل نقد ونظر جانتے ہیں کہ ابوالکلام آزاد کے اسلوب میں مصنوعی طرز بیان نمایاں طور پر نظر آتا ہے، بلکہ بعض ناقدین نے تو آزاد کی تحریروں کو انانیتی ادب سے بھی تعبیر کیا ہے۔اس ضمن میں امام احمد رضا کی نثر نگاری پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے پروفیسر فاروق احمد کا یہ بیان لائق ذکر ہے اور اہمیت کا حامل ہے، فرماتے ہیں:

انھوں نے موضوع ہی کو اصل واساس سعی تحریر سمجھا، اس لیے ان کا سارا بیان اپنے افکار وخیالات کے مؤثر ابلاغ کے لیے وقف ہے۔ان کی نظر اس حقیقت سے واقف تھی کہ حقائق کی زمین اس قدر سنگلاخ ہوتی ہے کہ باطل خیالات شیشے کے برتن کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں، اس لیے انھوں نے اپنے اسلوب نگارش کو مزین کرنے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی، اس کے باوجود ان کے جملوں کی ترتیب میں ایک مخصوص آہنگ ملتا ہے جو عربی وفارسی تراکیب سے مملو ہونے کے باوجود سماعت کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا، بلکہ کانوں میں رَس گھولتا نظر آتا ہے۔

امام احمد رضا کے عہد میں اگرچہ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر سلیس وبامحاورہ نثر نگاری کی روایت چل بڑی تھی، تاہم بہت سارے اہل قلم حضرات قدیم اسلوب نگارش سے پیچھا نہیں چھڑا سکے تو فارسی کے مخصوص طرز کے زیر اثر ایسے اہل قلم اپنی تحریروں میں صنائع وبدائع کا استعمال کرتے تھے اور اپنی قادر الکلامی اور زور بیانی کی نمایش کرنے کی غرض سے مقفا عبارت آرائی کے بھی دل داوہ تھے، لیکن امام احمد رضا نے کبھی ایسی پر تصنع عبارت آرائی کی کوشش نہیں کی ان کا مقصد اعظم دین کی تجدید وتبلیغ تھی اور ایک مجدد ومبلغ مصنوعی طرز بیان سے کام نہیں لیتا، اس لیے انھوں نے ہر جگہ فطری انداز بیان اختیار کیا، تاکہ ان کی زبان میں ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی شان باقی رہے۔

(امام احمد رضا اور اردو ادب: مسلم ٹائمز جون ۲۰۰۰ء ص ۵)

امام احمد رضا اپنے معاصر نثر نگاروں میں سب سے ممتاز ومنفرد ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمی وادبی حیثیت کو منصف مزاج ارباب علم ودانش نے خوب خوب سراہا ہے۔شعرائے اردو کے تذکرہ نگاروں اور اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے والے مورخین وناقدین نے امام احمد رضا جیسے عظیم ادیب وشاعر کی علمی، ادبی، لسانی، اور تعلیمی خدمات کا تذکرہ نہ کر کے اردو ادب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ انصاف نہیں کیا ہے، بلکہ آپ کی شخصیت کو ناقابل اعتنا سمجھ کر ایک سنگین جرم اور بڑی ادبی خیانت بھی کی ہے، اردو ادب کی تاریخ میں امام احمد رضا کا ذکر نہ ہونا امام کے لیے باعث محرومی نہیں، بلکہ یہ تو اردو ادب کی حرماں نصیبی ہے کہ وہ امام احمد رضا جیسے عظیم المرتبت مرد جلیل اور شہنشاہ اقلیم سخن کے ذکر سے خالی ہے، مگر حقیقتیں ہر دور میں اپنا لوہا

منوا ہی لیتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں امام احمد رضا پر مطالعہ وتحقیق کا سلسلہ جاری وساری ہے اور آپ کے افکار ونظریات کی ہر سو دھوم مچی ہوئی ہے اور لوگ آپ کے بحر علم وعمل سے سیرابی حاصل کررہے ہیں۔

امام احمد رضا کی تحریروں میں ادبی شہ پارے

امام احمد رضا محدث بریلوی کی زبان وادب اور ان میں آپ کی مہارت تامہ کے ثبوت میں کچھ اقتباسات پیش کیے جارہے جو آپ کی تصانیف سے ماخوذ ہیں جنھیں اردوے معلا کا حسین ترین گلدستہ اور اردو زبان وادب کا عظیم ترین شاہکار کہا جاسکتا ہے۔

(۱) قرآن مقدس کی آیات کے مطابق سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر جان ایمان ہے، جیسا کہ قرآن کا فرمان عالیشان ہے:"انا ارسلنک شاھدا ومبشرا و نذیرا لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا"۔
(سورۂ فتح پ۲۶ ،ع۹)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اس آیت کے تحت اردو ادب کے جو جوہر بکھیرے ہیں، انھیں پڑھ کر قاری ادب اردو کی حلاوت سے لذت یاب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔فرماتے ہیں:

مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے کا مقصود تمہارا مولا تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے۔اول یہ کہ لوگ اللہ ورسول پر ایمان لائیں۔دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کریں۔سوم یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو! سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو، اس لیے کہ بغیر ایمان تعظیم کارآمد نہیں، بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفعِ اعتراضاتِ کافرانِ لئیم میں تصنیفیں کرچکے، لیکچر دے چکے، مگر جب کہ ایمان نہ لائے، کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے، پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الٰہی میں گزارے، سب بے کار ومردود ہے۔بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کرکے اپنے طور پر ذکر وعبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں، بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں ،مگر از آنجا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کیا فائدہ ؟اصلاً قابل قبول بارگاہ الٰہی نہیں۔(تمہید ایمان بآیات قرآن، ۱۳۲۶ھ، رضا اکیڈمی، مالیگاؤں، ۱۹۹۲ء، ص:۲)

(۲) آریوں کے باطل عقیدہ کو امام احمد رضا نے جس انوکھے اور اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے، اس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی ،قاری کو عبارت کی روانی اور اس کی سلاست متاثر ہونے پر مجبور کردیتی ہے، ان کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

دس انگل کے فاصلے پر ہر آدمی کے بیٹھا ہے تو ہر جگہ کب ہوا، پھر دو آدمی کے آمنے سامنے دس انگل کے فاصلے پر ہوں تو ایشور آٹھ انگل ہر ایک کے پیٹ میں گھسا ہوا ٹھہرا۔جب ہر جگہ رما ہوا ہے، فرض کرو ایک شخص نے دور سے اس کے جوتا مارا، تو یہ فضا جس میں جوتا چل کر اس کے بدن تک گیا اس میں بھی ایشور تھا یا نہیں۔نہ کیوں کر ہوگا کہ وہ سب جگہ ہے اور جب یہاں بھی تھا تو جوتا آتے دیکھ کر ہٹ گیا یا جوتا اس کے اندر سے ہوتا ہوا گزرا۔ہٹ تو نہیں سکتا ورنہ ہر جگہ کب رہا؟ یہ جگہ خالی ہوجائے گی، ضرور جوتا اس میں ہوکر گزرا۔عجیب ایشور ہے کہ جوتے سے پھٹ گیا۔پھر اس شخص کے جس حصہ بدن پر جوتا پڑا، وہاں بھی ایشور تھا یا نہیں؟ نہ کیسے ہوگا، ورنہ ہر جگہ نہیں رہے گا اور جب وہاں بھی نہ تھا تو اب بتاؤ کہ یہ جوتا کس پر پڑا؟

کاش! نرا الٹا ہوتا تو پاؤں پر لگتا، سیدھا بھی ہے تو سر پر پڑا۔ یہ ہیں آریہ اور ان کے ایشور، کیا انھوں نے خدا کو جانا؟

(۳) امام احمد رضا محدث بریلوی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی زندگی بھر رد بلیغ کرتے رہے، آپ کی تالیف حسام الحرمین اس پر منہ بولتی ثبوت ہے جو

علمائے حرمین شریفین کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اس کے شائع ہوتے ہی وہابیوں دیوبندیوں کی جانب سے آپ پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے کہ مولانا احمد رضا بات بات میں مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔آپ نے اپنے اوپر لگائے گئے بے جا الزامات کو دور کرنے اور صداقت کو آشکارا کرنے کے لیے ذیل میں جو رقم فرمایا ہے، وہ اردو ادب کے لیے ایک شاندار سرمایہ ہے۔

''ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق کو کہہ دیا، مولوی عبدالحئ صاحب کو کہہ دیا، پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے، وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ! حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا، مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا پھر جو پورے حدِ حیا سے اونچے گزر گئے، وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دیا۔

غرض! جسے جس کا زیادہ معتقد پایا، اس کے سامنے اسی کا نام لے کر انھوں نے اسے کافر کہہ دیا، یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگوں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی مرحوم ومغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے، انھوں نے آیۂ کریمہ ''**ان جآءکم فاسق بنبأ فتبینوا**'' پر عمل فرمایا، خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ ''**انجاء البری عن وسواس المفتری**'' لکھ کر ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا''۔(ایضاً:۱۲)

(۴) جب کسی واقعہ کی منظر کشی کرتے ہیں تو سننے اور پڑھنے والا اس طرح سے کیف کی دنیا میں ڈوب جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے گویا کہ وہ واقعہ ابھی سامنے وقوع پذیر ہو رہا ہے جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں آمد کا نقشہ کھینچا ہے۔

''اللہ اللہ! ایک وہ دن تھا کہ مدینۂ طیبہ میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں، خوشی وشادمانی ہے کہ در و دیوار سے ٹپکی پڑتی ہے، مدینے کے ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہو رہا ہے، باچھیں کھلی جاتی ہیں کہ دل سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جامے تنگ جاموں میں قبائے گل کا رنگ، نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے، فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہوا ہے، پردہ نشین کواریاں شوق دیدار محبوب کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجبت شکر علینا مادعا للہ داع

بنی نجار کی لڑکیاں کوچے کوچے محو نغمہ سرائی ہیں کہ:

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار''

(۵) خطبۂ حجۃ الوداع میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب فرما کر زبان رسالت سے جو ارشاد فرمایا تھا، عبارت رضا میں اس کا ذکر کچھ اس انداز سے ملتا ہے کہ قاری جہاں آپ کی عبارت میں سلاست وروانی پاتا ہے، وہیں سرکار کے دنیا سے رخصت ہونے کا کرب بھی محسوس کرتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے، مجلس آخری وصیت ہے، مجمع تو آج بھی وہی ہے، بچوں سے بوڑھوں تک، مردوں سے پردہ نشینوں تک سب کا ہجوم ہے، ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے سینوں سے دل کی طرف بے تابانہ نکلے ہیں، شہر بھر نے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیے ہیں، دل کمھلائے چہرے مرجھائے دن کی روشنی دھیمی پڑ گئی کہ آفتاب جہاں تاب کی وداع نزدیک ہے، آسمان پژمردہ، زمین افسردہ، جدھر دیکھو سناٹے کا عالم، اتنا ازدحام اور ہو کا مقام، آخری نگاہیں اس محبوب کے روے

حق نما تک کس حسرت ویاس کے ساتھ جاتی اور ضعف نومیدی سے ہلکان ہوکر بے خودانہ قدموں پر گر جاتی ہیں فرط ادب سے دل بند، مگر دل سے صدا بلند۔

کنت السواد لناظری

فعمی علیک الناظر

من شاء بعدک ملیمت

فعلیک کنت احاذر

اللہ کا محبوب، امت کا راعی، کس پیار کی نظر سے اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا اور محبت بھرے دل سے انہیں حافظ حقیقی کے سپرد کر رہا ہے، شان رحمت کو ان کی جدائی کا غم بھی ہے، اور فوج فوج امنڈتے ہوئے آنے کی خوشی بھی کہ محنت ٹھکانے لگی، جس خدمت کو ملک العرش نے بھیجا تھا، باحسن الوجوہ انجام کو پہنچی۔

نوح کی ساڑھے نوسو برس کی وہ سخت مشقت، اور صرف پچاس شخصوں کو ہدایت، بیس تیئیس ہی سال میں بحمد اللہ! یہ روز افزوں کثرت کنیز وغلام جوق درجوق آرہے ہیں، جگہ بار بار تنگ ہوتی جاتی ہے، دفعہ دفعہ ارشاد ہوتا ہے: آنے والوں کو جگہ دو، آنے والوں کو جگہ دو۔ اس عام دعوت پر جب مجمع ہولیا ہے سلطان عالم نے منبر پر قیام کیا ہے، بعد حمد وصلاۃ اپنے نسب ونام وقوم ومقام وفضائل کا بیان ارشاد ہوا ہے، مسلمانو! خدارا پھر مجلس میلاد اور کیا ہے؟ وہی دعوت عام، وہی مجمع تام، وہی منبر وہی قیام وہی فضائل سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام مجلس میلاد اور کس شے کا نام مگر نجدی صاحبوں کو مٹانے سے کام وربنا الرحمٰن المستعان وبہ الاعتصام وعلیک التکلان''۔ (امام احمد رضا بریلوی: جزاء اللہ باٰبائہ ختم النبوت ۱۳۱۶ھ، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۷۰/۷)

(۶) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی خصوصیات میں سے سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت آپ کا عشق رسول ہے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نازیبا کلمات بکنے اور لکھنے والوں کا تعاقب کرنا، ایسے گستاخوں کے لیے کلک رضا ہمیشہ خنجر خونخوار رہتا تھا اور اپنے اس محبوب ترین مشغلے کو تحدیث نعمت کے طور پر بیان بھی فرمایا ہے۔ اس ضمن میں جو عبارتیں آپ کے رشحات قلم سے صادر ہوئی ہیں ان میں ادیبانہ مہارت اور ہنرمندی بدرجۂ اتم موجود ہے۔

عبارت ملاحظہ ہو:

''حضرات نجدیہ خدارا انصاف! کیا افعالِ عبادت سے بچنا انبیا واولیا ہی کے معاملہ سے خاص ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شرک کے کام جائز نہیں۔ جو شرک ہے ہر غیر خدا کے ساتھ شرک ہے تو آپ حضرات جب اپنے کسی نذیر بشیر یا پیر فقیر یا مرید رشید یا دوست عزیز کے یہاں جایا کیجیے تو راستے میں لڑتے جھگڑتے، ایک دوسرے کا سر پھوڑتے، ماتھا رگڑتے چلا کیجیے۔ ورنہ دیکھو کھلم کھلا مشرک ہوجاؤ گے۔ ہرگز مغفرت کی بو نہ پاؤ گے کہ تم نے غیر حج کی راہ میں ان باتوں سے بچ کر وہ کام کیا جو اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتایا تھا اور اس جوتی پیزار میں یہ نفع کیسا ہے کہ ایک کام میں تین مزے، جلال ہونا تو خود ظاہر اور جب بلا وجہ ہے تو فسوق بھی حاضر اور رفث کے معنی نامعقول بات کے ٹھہرے تو وہ بھی حاصل؛ ایک ہی بات میں ایمان نجدیت کے تینوں رکن کامل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔ الحمد للہ خامۂ برق بار رضا خرمن سومی نجدیت میں سب سے نرالا رنگ رکھتا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین''۔

(منیۃ اللبیب ان التشریح بید الحبیب، ص: ۲۰)

(۷) جب ندوۃ العلما اپنے نصیب العین سے کوسوں دور ہوگیا اور اس کی آزاد خیالی وگمراہیت جگ ظاہر ہوگئی تو سرکار اعلیٰ حضرت نے اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور ندوہ کے رد میں امت مسلمہ کی حفاظت کے لیے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کی عبارت ذیل اردو ادب کا شاندار نمونہ ہے۔

''مسلمانو! بحمد اللہ تعالیٰ اس فتوے نے حجت الٰہیہ قائم کردی، ندوہ وندویان وجملہ مبتدعان کی اندرونی وبیرونی ضلالتوں کی جڑ کاٹ دی، گردن کتر دی، اب جو نہ دیکھے کان دھرے، حق سمجھنے کا قصد نہ کرے، روز قیامت اس کے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ دنیا چند

روزہ ہے، واحد قہار سے کام پڑتا ہے، للہ! ایک ذرا تعصب وسخن پروری سے جدا ہو کر تفکر کرو، تنہائی قبر وہنگامہ محشر کا تصور کرو، اس دن نامۂ اعمال کھولے جائیں گے اس بھڑکتی آگ کو سامنے لائیں گے، اہل سنت نجات پائیں گے ان کے مخالف نار جہنم میں دھکے کھائیں گے، مخالفوں کے ساتھی مخالفوں کے ساتھ ایک رسی میں باندھے جائیں گے، آنریری، مجسٹریٹی، ڈپٹی کلکٹری، ججی وغیرہ منصب کام نہ آئیں گے صدارت، نظامت، رکنیت، وغیرہا یہ سب بکھیڑے یہیں رہ جائیں گے ہر ایک اپنی اکیلی جان سے، اپنے اعمال، اپنے ایمان سے بارگاہ عدالت میں حاضر ہوگا ہر دل کا راز ظاہر ہوگا، کوئی جھوٹا حیلہ ہرگز نہ چلے گا بات بنانے کو راستہ نہ ملے گا، عالم الغیوب سوال کرے گا دانائے قلوب اظہار لے گا وہاں یہ کہتے نہ بنے گی ہم غافل تھے، کچھ مولویوں نے بہکا دیا، ہم جاہل تھے، آج کام اپنے اختیار میں ہے، رحمت الٰہی توبہ کے انتظار میں ہے۔

للہ انصاف کی آنکھ کھولو، حق وباطل میزان عقل میں تولو، وہ کام کر چلو کہ بول بالا ہو، اللہ ورسول سے منہ اجالا ہو، دیکھو دیکھو! آنکھ کھول کر دیکھو! یہ مبارک تحقیقیں، یہ مقدس تصدیقیں تمہارے معبود عظیم کے شہر سے آئیں تمہارے نبی کریم کے شہر اطہر سے آئیں، سلیس اردو میں ترجمہ ہو گیا، حق کا آفتاب بے پردہ وبے حجاب جلوہ نما ہو گیا، اب اگر آنکھ اٹھا کر نظر نہ ڈالو، اپنی اندھیری کوٹھری سے سر باہر نہ نکالو، تو تمہیں کہو کہ کیا عذر کرو گے واحد قہار کو کیا جواب دو گے، گھنٹوں بلکہ مہینوں قانون کا نون، دنیوی فنون یا ناولوں افسانوں اخباروں دیوانوں کے مطالعہ میں گزارتے ہو خدا کو مان کر، قیامت کو حق جان کر ایک نظر ادھر بھی، مگر اس کے ساتھ تعصب ونفسانیت سے قطع نظر بھی خدا نے چاہا تو یہ اوراق تمہیں بہت کام آئیں گے، بڑے ہول ناک صدموں کے دن سے بچائیں گے، پھر بھی اگر نازک مزاجی آڑے آئے، مرزا منشی اپنا رنگ جمائے کہ کون اتنے اجزا دیکھنے میں وقت گنوائے، تو جانے دو۔ یہ تمہارا بھی خواہ تمہارا خیر طلب ایک بہت آسان طریقے سے عارض مطلب مختصر خلاصہ حاضر کرتا ہے۔ اب اس کے دیکھنے میں کیا دن گزرتا ہے، اسی کے ملاحظہ سے عقائد واعمال کی تصحیح کیجیے"۔

(فتاویٰ حرمین شریفین برجف ندوۃ المین، ص:۴،۲)

مقفا نثر میں اعلیٰ حضرت کی مہارت:

مقفا نثر لکھنے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو مہارت تامہ حاصل تھی، قلت وقت کے باوجود اسلوب بالکل نکھرا ہوا ہے اور پڑھنے والا دریائے حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ یہ کسی عالم کی تحریر ہے یا کسی ادیب کامل کی؟ ذیل میں مثالیں ہدیۂ ناظرین ہیں:

(الف): "وہی دعوت عام وہی مجمع تام، وہی منبر وہی قیام، وہی فضائل سیدالانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام، مجلس میلاد اور کس شے کا نام، مگر نجدی صاحبوں کو مٹانے سے کام، وربنا الرحمٰن المستعان وبہ الاعتصام وعلیک التکلان"۔ (امام احمد رضا بریلوی: جزاء اللہ باٰبائہ ختم النبوت ۱۳۱۶ھ رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء ص ۷۲)

(ب): "نصوص کے دریا ہیں جھلکتے، اور حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاند چمکتے، اور تعظیم حضور کے سورج دمکتے، اور ایمان کے تارے جھلکتے، اور حق کے باغ مہکتے، اور تحقیق کے پھول لہکتے، اور ہادیت کے بلبل چہکتے، اور نجدیت کے کوے سسکتے، اور وہابیت کے بول بلکتے اور مذبوح گستاخ پھڑکتے"۔ (امام احمد رضا بریلوی: خالص الاعتقاد ۱۳۲۸ھ رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء ص ۴۷)

(ج): "اس دار ناپائدار سے رخصت ہوتے، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز پسر بتول زہرا کے لخت جگہ علی مرتضی کے نور نظر حسن وحسین کے قرۂ بصر محی سنت ابی بکر وعمر صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب وعلیہم وسلم"۔ (امام احمد رضا بریلوی: انہار الانوار من یم الصلاۃ الاسرار ۱۳۲۸ھ رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۸ء ص ۴۷)

(د): "ایک اور تین میں فرق نہ جانیں، ایک خدا کے تین مانیں، پھر ان تین کو ایک ہی جانیں، بے مثل بے کفو کے لیے بیٹا ٹھہرائیں، وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں، اس کے گوشت پر دانت رکھیں"۔

(امام احمد رضا بریلوی: الصمصام علیٰ مشکک فی آیة علوم الارحام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۸ء ص ۱۸)

(ہ): تحریر مذکور صواب سے بے گانہ، فقاہت سے برکرانہ، محض بے بنیاد کورانہ ہے"۔ (امام احمد رضا بریلوی: فتاوی رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۴ء ج ۳ ص ۷۳۸)

(و): "نہ ایسی نقل مجہول کسی طرح قابل قبول، نہ ایسا ناقل التفات کے قابل، نہ اس پر شرع سے کوئی دلیل اور قول بے دلیل مردو وذلیل"۔ (امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۴ء ج ۳ ص ۷۳۸)

(ز): "نہیں معلوم کیسی کتاب، کس کی کتاب، اس کی کیا عبارت، کیا مفاد، ناقل نے کیا سمجھا، کیا مراد، خود ناقل کو جزم نہ اعتماد، کہ طرز بیان سے تبری عہدہ مستفاد"۔ (امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۴ء ج ۳ ص ۷۳۸)

(ح): "الحمد للہ آفتاب عالم تاب، حق وصواب، بے نقاب وحجاب، شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظر احباب ہوا، اب کیا حاجت کہ حشویات زائدہ ولغویات بے فائدہ کے ردوابطال میں تضیع وقت کیجیے"۔ (امام احمد رضا بریلوی: وصاف الرجیح فی بسملة التراویح ۱۳۱۲ھ، رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۹۹۸ء ص ۶۵)

(ط): "یہ کنچھیاں جو اب پھوٹیں، جب کہاں تھیں؟، یہ پتیاں جواب نکلیں، پہلے کیوں نہاں تھیں؟ یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواب جھومتی ہیں، نو پیدا ہیں، یہ ننھی کلیاں جواب مہکتی ہیں تازہ جلوہ نما ہیں"۔ (امام احمد رضا بریلوی: اقامة القیامہ علیٰ طاعن القیام النبی التھامہ ۱۲۹۹ھ رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء ص ۵۸)

(ی): "نصارا کی یہ غلامی کہ پیر نیچر نے تھامی، لیڈر جس کے اب زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی، اس کے نتائج، تشبہ وضع وتحقیر شرع، شیوع دہریت وفروغ نیچریت مطابقی نہ تھے بلکہ التزامی"۔ (امام احمد رضا بریلوی: المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء ص ۲۳)

(ک): "مسلمان صحیح العقیدہ ان کی طرف التفات ہی کیوں کریں؟، ایسوں کا علاج حضور میں خاموشی، اور غیبت میں فراموشی، اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ہر حال اپنے محبوب بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی زیادہ گرم جوشی"۔

ابہام سے مبرا عبارتیں

امام احمد رضا کی عبارتوں میں ابہام جیسے عیب کے لیے کوئی جگہ نہیں ملتی جو لکھا واضح لکھا صاف وشفاف لکھا کہ پڑھتے ہی قاری کے دل ودماغ میں اچھی طرح اتر جائے، ایک اچھے نثر کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ پڑھنے والے پر وہ بوجھ ثابت نا ہو، اعلیٰ حضرت کی اردو عبارتوں میں یہ چیز بدرجۂ اتم موجود ہے۔ فرماتے ہیں:

"آج کل بہت بے علم اس مضمضہ کے معنی کلی کے سمجھتے ہیں۔ کچھ پانی منہ میں لے کر اگل دیتے ہیں کہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارے تک نہیں پہنچتا، یوں غسل نہیں اترتا، نہ اس غسل سے نماز ہو سکے، نہ مسجدوں میں جانا جائز ہو، بل کہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہہ میں، دانتوں کی جڑ میں، دانتوں کی کھڑکیوں میں، حلق کے کنارے تک ہر پرزے پر پانی بہے، یہاں تک کہ اگر کوئی سخت چیز پانی کے بہنے کو روکے گی دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں میں حائل ہے تو لازم ہے کہ اس کو جدا کر کے کلی کرے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ ہاں! اگر اس کے جدا کرنے میں حرج وضرر واذیت ہو جس طرح پانوں کی کثرت سے جڑوں میں چونا جم کر متحجر ہو جاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہو کر آپ ہی جگہ نہ چھوڑے، چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا، یا ان عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرت کا اندیشہ ہے تو جب تک یہ حالت رہے گی معافی ہوگی"۔

تطویل کلام سے پرہیز

آپ کی تصانیف کی تعداد لگ بھگ ایک ہزار ہے، آپ کسی مسئلہ کو بے جا طول نہیں دیتے، بلکہ عادت کے مطابق ہر پہلو کو اتنا واضح کر دیتے کہ سائل کو پوری تشفی ہو جائے، مگر بات کو اختصار کے

ساتھ ختم کرنے کو مکمل ملحوظ رکھتے، اس کی ایک مثال ہدیہ ناظرین ہے یہ اور بات ہے کہ ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

ایک استفتا آیا کہ زید کی ران میں پھوڑا یا کوئی اور بیماری ہے، ڈاکٹر کہتا ہے پانی یہاں نقصان کرے گا، مگر اسی جگہ پر مضر ہے اور بدن پر ڈال سکتا ہے، اس حالت میں وضو یا غسل کے لیے تیمّم درست ہے کہ نہیں؟ اس سوال کا جواب جو آپ نے رقم فرمایا ہے، یقیناً وہ لائق مطالعہ ہے اور ایک طویل مضمون کو عمدہ پیرائے میں ڈھالنے کی انوکھی مثال۔

الجواب:۔ ''صورت مسئولہ میں غسل یا وضو کسی کے لیے تیمم جائز نہیں، وضو کے لیے تو نہ جائز ہونا ظاہر کہ ران کو وضو سے کوئی علاقہ نہیں اور غسل کے لیے یوں ناروا کہ اکثر بدن پر پانی ڈال سکتا ہے، لہٰذا وضو تو بلاشبہ تمام وکمال کرے اور غسل کی حاجت ہو تو مضرت اگر صرف ٹھنڈا پانی کرتا ہے، گرم نہ کرے اور اسے گرم پانی پر قدرت ہے تو بے شک پورا غسل کرے، اتنی جگہ کو گرم پانی سے دھوئے، باقی بدن گرم یا سرد جیسے سے چاہے اور اگر ہر طرح پانی مضر ہے، یا اگر مضر تو نہ ہوگا مگر اسے اس پر قدرت نہیں تو ضرر کی جگہ بچا کر باقی بدن دھوئے اور اس موضع پر مسح کرے اور اگر وہاں مسح بھی نقصان دے ،مگر وہ دوا یا پٹی کے حائل سے پانی کی دھار بہادینی مضر نہ ہوگی تو وہاں اس حائل پر ہی بہادے، باقی بدن بدستور دھوئے اور اگر حائل پر بھی پانی بہانا مضر ہو تو دوا یا پٹی پر مسح ہی کرلے اگر اس سے بھی مضرت ہو تو اتنی جگہ خالی چھوڑ دے۔ جب وہ ضرر دفع ہوتا جتنی بات پر قدرت ملتی جائے بجالاتا جائے''۔

(فتاویٰ رضویہ مترجم، ص:۴۶۱)

ردو ابطال میں فصاحت وبلاغت کے جلوے

(۱) ایک عیسائی پادری نے اعتراض کیا کہ قرآن میں تو ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ ہے یا بچی، اس کا حال صرف اللہ ہی جانتا ہے ،لیکن میں نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے جنس کی تعیین مشکل نہیں ہے، پادری کی باتوں کو سن کر ایک مسلمان کے دل میں شک پیدا ہوگیا اعلیٰ حضرت سے اس بارے میں استفتا کیا گیا آپ نے ایک رسالہ تحریر فرما کر ہر پہلو پر بحث فرمائی اور عیسائیوں کے عقائد پر زبردست تنقید فرمائی جواب پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مفتی ہی نہیں بلکہ ایک قادر الکلام ادیب بھی ہیں۔

سبحان اللہ! اللہ کہاں، رب السموت والارض، عالم الغیب والشہیادۃ، سبحنہ وتعالیٰ اور کہاں کوئی بے تمیز، لونگا، ہیولیٰ ہنقہ، ناپاک، ناشایستہ، کھڑے ہوکر موتنے والا۔ ع

ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

خدارا! انصاف وہ عقل کے دشمن، دین کے رہ زن، جنم کے کودن، ایک اور تین میں فرق نہ جانیں، ایک خدا کے تین مانیں، پھر ان تین کو ایک ہی جانیں، بے مثل بے کفو کے لیے جو رو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں، اس کی پاک بندی، ستھری، کنواری، پاکیزہ، بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں، پھر خاوند کی حیات، خاوند کی موجودگی میں جو بچہ ہوا سے دوسرے کا گائیں، خدا اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر، ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے، بوٹیوں کے بھوکے، روٹی کو اس کا گوشت بنا کر درّدر چبائیں، شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں، دنیا یوں گزری، ادھر موت کے بعد کفارے کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں، لعنتی کہیں، ملعون بنائیں، اے سبحان اللہ! اچھا خدا جسے سولی دی جائے، عجب خدا جسے دوزخ جلائے، طرفہ خدا جس پر لعنت آئے، جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے، اے سبحان اللہ! باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی، باپ خدا؛ بیٹا کس کھیت کی مولی؟ باپ کے جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ سرکشوں کی چھٹی، بے گناہ پر آگ، امتی ناجی، رسول ملعون، معبود پر لعنت، بندے مامون تف تف! وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں، اس کے گوشت پر دانت رکھیں، اف اف! وہ گندے جو انبیا ورسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں، سخت فحش بے ہودہ کلام گڑھیں، اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں، زہ زہ بندگی! خہ خہ

تعظیم!، یہ یہ تہذیب!، قہ قہ تعلیم!۔"

(۲) ایک فلسفی عالم مولوی محمد حسن سنبھلی نے منطق کی ایک کتاب تحریر کی جس میں منطیقوں کے مشرکانہ عقیدے (خالق کائنات کے علاوہ اور دس خالق ہیں) کی پرزور حمایت کی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اس کے رد میں "**مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید**" نامی کتاب تحریر فرمائی جس میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح انسان کو بناتا ہے اور اپنی قدرت کاملہ سے اس میں کس طرح سے روح ڈالتا ہے؟ یہ موضوع بظاہر خشک ہے لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی نے ادبی حلاوت ولطافت سے اسے پرلطف بنادیا ہے عبارت حسب ذیل ہے۔

ہر بدن میں اس کے کام: کہ غذا پہنچاتا ہے، پھر اسے روکتا ہے، پھر ہضم بخشتا ہے، پھر سہولت دفع کو پیاس دیتا ہے، پھر پانی پہنچاتا ہے پھر اس کے غلیظ کو رقیق لزج کو منزلق کرتا ہے، پھر ثقل کیلوس کو امعا کی طرف پھینکتا ہے، پھر ماء ساریقا کی راہ سے، خالص کو جگر میں لے جاتا، وہاں کیموس دیتا ہے، تلچھٹ کا سودا، جھاگوں صفرا، کچے کا بلغم، پکے کا خون بناتا ہے، فضلہ کو مثانہ کی طرف پھینکتا ہے، پھر انہیں باب الکبد کے راستہ سے عروق میں بہاتا ہے، پھر وہاں سہ بارہ پکاتا ہے، بے کار کو پسینہ بنا کر نکالتا ہے، عطر کو بڑی رگوں سے جداول جداول سے سواقی، سواقی سے باریک عروق، پیچ در پیچ تنگ بر تنگ راہیں چلاتا ہوا، رگوں کے دہانوں سے اعضا پر اونڈیلتا ہے پھر یہ مجال نہیں کہ ایک عضو کی غذا دوسرے پر گرے جو جس کے مناسب ہے اسے پہنچاتا ہے، پھر اعضا میں چوتھا طبخ دیتا ہے کہ اس صورت کو چھوڑ کر صورت عضو یہ لیں، ان حکمتوں سے، بقائے شخص کو، ماتحلل کو عوض بھیجتا ہے، جو حاجت سے بچتا ہے اس سے بالیدگی دیتا ہے اور وہ ان طریقوں کو محتاج نہیں، چاہے تو بے غذا ہزار برس جلائے اور نمائے کامل پر پہنچائے، پھر جو فضلہ رہا اسے منی بنا کر صلب وترائب میں رکھتا ہے عقد وانعقاد کی قوت دیتا ہے، زن ومرد میں تالیف کرتا ہے عورت کو باوجود مشقت حمل وصعوبت وضع، شوق بخشتا ہے حفظ نوع کا سامان فرماتا ہے، رحم کو اذن جذب دیتا ہے، پھر اس کے امساک کا حکم کرتا ہے، پھر اسے پکا کر خون بناتا ہے، طبخ دے کر گوشت کا ٹکڑا کرتا ہے، پھر اس میں کلیاں، کنچھیاں نکالتا ہے قسم قسم کی ہڈیاں، ہڈیوں پر گوشت، گوشت پر پوست، سیکڑوں رگیں، ہزاروں عجائب، پھر جیسی چاہے تصویر بناتا ہے، پھر اپنی قدرت سے روح ڈالتا ہے، بے دست وپا کو ان ظلمتوں میں رزق پہنچاتا ہے، پھر قوت آنے کو، ایک مدت تک روکے رہتا ہے، پھر وقت معین پر حرکت وخروج کا حکم دیتا ہے اس کے لیے راہ آسان فرماتا ہے مٹی کی مورت کو پیاری صورت، عقل کا پتلا، چمکتا تارا، چاند کا ٹکڑا دکھاتا ہے، **فتبرک اللہ احسن الخالقین**، اور وہ ان باتوں کا محتاج نہیں، چاہے تو کروڑوں انسان پتھر سے نکالے، آسمان سے برسالے۔

ہاں! بتاؤ وہ کون ہے جس کے یہ سب کام ہیں؟ **فسیقولون اللہ**، اب کہا چاہتے ہیں کہ اللہ، تو فرما پھر ڈرتے کیوں نہیں؟۔

آمنا باللہ وحدہ، آہ آہ!! اے متفلسف مسکین! کیوں اب بھی یقین آیا یا نہیں کہ تدبیر وتصرف اسی حکیم علیم کے کام ہیں؟ جل جلالہ وعم نوالہ فبای حدیث بعدہ یؤمنون۔

(۳) بعض منکرین فضائل رسالت نے حضور کے جسم کے بے سایا ہونے کا انکار کیا اور اس موضوع پر ان لوگوں نے کتب ورسائل تک لکھ ڈالا، امام احمد رضا نے ان کی خوب خبر لی اور ان کی تحریروں کے جوابات میں کئی کتابیں لکھیں، ان میں سے ایک کتاب کی تمہیدی تحریر لائق مطالعہ ہے:

عزیزان حق طلب! اگر عقل سلیم کا دامن ہاتھ سے نہ دیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ انہی شمعوں کی روشنی میں ٹھیک ٹھیک شاہ راہ صواب پر ہولیں گے، اور کلفت خارزار اور آفت یمین ویسار سے بچتے ہوئے، تجلائے ہدایت میں نور کے تڑکے، ٹھنڈے ٹھنڈے منزل تحقیق پر خیمہ زن ہوں گے اور جو تعصب اور سخن پروری کا ساتھ لے تو ہم پر کیا الزام ہے، کہ جلتے ریت پر چلانا، بلا کے کانٹوں میں پھنسانا اندھے کو دن میں گرانا، ان دو آفت جان، دشمن دین وایمان کا قدیمی

کام ہے وباللہ التوفیق وبہ الوصول الیٰ ذروۃ التحقیق‘‘۔(نور اور سایہ، رضا اکیڈمی ۱۹۹۸ء ص:۱۰۱/۱۰۲)

(۴) امام الانبیا دافع البلا صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلا کہنے پر وہابیوں نے خوب شرک کے فتوے لگائے ،اعلیٰ حضرت نے ان کا زبردست رد فرمایا۔اردو ادب کے لیے یہ عبارت لائق تحسین اور قابل مطالعہ ہے۔

’’دیکھو یہ شہادت خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ وسلم رزق پانا، مدد ملنا، مینھ برسنا، بلا دور ہونا، دشمنوں کی مغلوبی، عذاب کی موقوفی، یہاں تک کہ زمین کا قیام، زمین کی نگہبانی، خلق کی موت، خلق کی زندگی، دین کی عزت، امت کی پناہ، بندوں کی حاجت روائی، راحت رسانی، سب اولیا کے وسیلے اولیا کی برکت، اولیا کے ہاتھوں اولیا کی وساطت سے ہے مگر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دفع بلا کا واسطہ ماننا اور شرک پسندوں نے مشرک جاننا، **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**‘‘. **(الامن و العلی، ص:۳۴)**

(۵) امام احمد رضا کو امام الاولیا سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ عقیدت تھی۔آپ کی کتب میں جگہ جگہ اس کے جلوے موجود ہیں، آپ نے اپنی دلی خواہش اور ایمانی آرزو کا اظہار کرتے ہوئے جگہ جگہ مقفا جملوں کو اس سلیقہ مندی سے استعمال فرمایا ہے کہ طبیعت جھوم جھوم اٹھتی ہے۔

’’گدائے بے نوا، فقیر ناسزا، اپنے تاجدار، عظیم الجود، عمیم العطا کے لطف بے منت وکرم بے علت سے اس صلے کا طالب کہ عفو وعافیت وحسن عاقبت کے ساتھ اس دار ناپائدار سے رخصت ہوتے: مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز پسر، بتول زہرا کے لخت جگر علی مرتضی کے نور نظر حسن وحسین کے قرۃ بصر محی سنت ابی بکر وعمر صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب وعلیہم وسلم ،یعنی حضور غوث صمدانی، قطب ربانی، واہب الآمال ومعطی الامانی، حضور پرنور غوث اعظم قطب عالم محی الدین ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وجعل حرزنا فی الدارین رضاہ کی محبت وعشق وعقیدت واتباع وطاعت پر جائے اور جس دن **یوم ندعوا کل اناس بامامھم،** (جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے) کا ظہور ہو، یہ سراپا گناہ زیرِ لوائے بے کس پناہ سرکار قادریت ظلّ الٰہ جگہ پائے‘‘۔

(۶) بارگاہ رسالت میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام کا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے پر جب وہابیوں نے بدعت کا فتوی لگایا تو امام احمد رضا نے بڑے تحقیقی انداز میں اسے مستحب ثابت فرمایا۔ذیل میں پیش کی جانے والی عبارت رضا آپ کے قادر الکلام ادیب اور شہنشاہ اقلیم سخن ہونے کے ساتھ ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔پڑھیے اور آپ کے حسن تخیل کی داد دیجیے۔

’’اب تو بے خلش صرصر واندیشہ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں، فکر صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھودیں، ذہن رواں نے زلال تحقیق کی ندیاں بہائیں ،علما، اولیا کی آنکھیں ان پاک مبارک نہالوں کے لیے تھالے بنیں، خواہان دین وملت کی نسیم انفاس متبرکہ نے عطر بازیاں فرمائیں، یہاں تک کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باغ ہرا بھرا پھولا پھلا لہلہایا اور اس کے بھینے پھولوں، سہانے پتوں نے چشم وکام ودماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا، والحمد للہ رب العالمین، اب اگر کوئی جاہل یہ اعتراض کرے کہ یہ کنچھیاں جواب پھوٹیں، جب کہاں تھیں؟ یہ پتیاں جواب نکلیں، پہلے کیوں نہاں تھیں؟ یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواب جھومتی ہیں، نو پیدا ہیں؟ یہ ننھی ننھی کلیاں جواب مہکتی ہیں، تازہ جلوا نما ہیں، اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے ،تو اس کی حماقت پر الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی، وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے، آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے محروم رہے گا۔(امام احمد رضا بریلوی: اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام النبی التہامۃ ۱۲۹۹ھ رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء ص ۵۸)

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے تعلق سے وہابیوں نے مسلمانوں کو شکوک وشبہادت میں جب مبتلا کرنے کی ناپاک کوشش کی تو امام احمد رضا نے ان کا رد بلیغ کرتے ہوئے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کی عبارت ذیل اردو ادب کا ایک کامل نمونہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مومن موحد ہونے پر بین ثبوت بھی۔

''اے چشم انصاف! کیا ہر تعلق ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بہ طور جزاف تھا؟ کلا واللہ! بل کہ عنایت ازلی نے جان کر یہ نام رکھے، دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چنے، پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو برے نام والوں سے بچائے وہ اسے برے کام والوں میں رکھے گا؟ اور برا کام بھی کون سا؟ معاذ اللہ! شرک وکفر، حاشاء، اللہ اللہ! دائیں مسلمان، کھلائیاں مسلمان، مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاؤں پھیلائے؛ جن طیب مطیب خونوں سے اس نورانی جسم میں ٹکڑے آئے، معاذ اللہ! چنیں وچناں حاش للہ کیوں کر گوارا ہو؟...ع

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا

(شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۸ء ص:۳۳)

(۸) حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ابن کریم مصطفیٰ پیارے صلی اللہ کو اس دار فانی سے کوچ کرتے وقت نصیحت فرماتی ہیں کہ ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے، میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ سے رہے گا میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھی سے پیدا ہوا صلی اللہ علیہ وسلم، اس موضوع کے تحت امام احمد رضا محدث بریلوی کا شگفتگی اور وارفتگی سے پُرادب ملاحظہ فرمائیں:

''یہ ان کی فراست ایمانی، پیشن گوئی نورانی، قابل غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ رہے گا، عرب وعجم کی ہزاروں شاہ زادیاں، بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں، جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا مگر یاس پاک طیبہ خاتون کے ذکر خیر سے مشارق ومغارب ارض میں محافل ومجالس انس وقدس میں زمین وآسمان گونج رہے ہیں اور ابدالآباد تک گونجیں گے، وللہ الحمد''۔

(شمول الاسلام، ص:۴۰)

(۹) سائنسی نظریات کے مطابق زمین حرکت کرتی ہے جب کہ قرآنی آیات سے زمین کا ساکن ہونا ثابت ہے، آج کل اسکولوں میں سائنسی نظریات پڑھاتے ہیں اور طلبہ جسے صحیح سمجھ کر اسلامی عقیدے کے مخالف نظریات کے حامی بن جاتے ہیں اس ضمن میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو جو سائنسی نظریات کا رد بھی ہے اور اردو ادب کا شاہکار بھی۔

''الحمد للہ! وہ نور کہ طور سینا سے آیا، اور جبل ساعیر سے چمکا، اور فاران مکۂ معظّمہ کے پہاڑوں سے فائض الانوار وعالم آشکار ہوا، شمس وقمر کا چلنا، اور زمین کا سکون، روشن طور پر لایا، آج جس کا خلاف سکھایا جاتا ہے، اور مسلمان ناواقف نادان لڑکوں کے ذہن میں جگہ پاتا ہے اور ان کے ایمان واسلام پر حرف لاتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ''۔(فوز مبین در رد حرکت زمین، ص:۳۰)

(۱۰) امام احمد رضا کی بارگاہ میں ایک استفتا آیا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایا تھا یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے ایک کتاب ''قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تحریر فرمائی اس کتاب کا تمہیدی خطبہ اردو ادب کا حسین ترین گلدستہ اور تمام تر نثری خوبیوں کا عطر مجموعہ ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے اردوے معلا کی لطافت وحلاوت ٹپکتی ہے، قاری وسامع دونوں کی طبیعت پر وجدانی کیفیت طاری کرتی ہے، یہ عبارت جہاں اعلیٰ حضرت کے قادر الکلام ادیب ہونے پر دلالت کرتی ہے وہیں یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ ایک مومن کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ کی تعظیم وتوقیر عقیدت ومحبت اطاعت وفرماں برداری جان ایمان ہے اور آپ کی ذات ارفع واعلیٰ، اور کمالات وفضائل پر نکتہ چینی، دریدہ دہنی سب سے ناپسندیدہ اور وبال جان ہے، ذیل میں پوری عبارت

بعینہ نقل کی جارہی ہے پڑھیے اور آپ کے حسن تصور اور پاکیزہ تخلیل کی داد دیجئے۔

''حتی کہ معجزۂ شق القمر جو بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ بل کہ خود قرآن عظیم و وحی حکیم کی شہادت حقہ اور اہل سنت و جماعت کے اجماع سے ثابت، ان صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا، اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبہ لگایا فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگوں نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی و دنیاوی سمجھا ہے؟

اے عزیز! ایمان، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے، اور آتش جان سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط، جو ان سے محبت نہیں رکھتا واللہ! کہ ایمان کی بو اس کی مشام تک نہ آئی''۔

چند سطروں بعد راقم ہیں کہ:

''جان برادر! تو نے کبھی سنا کہ جس شخص کو تجھ سے الفت صادق ہے وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے، اور پھر محبوب بھی کیسا؟ جان ایمان و کان احسان، جس کے جمال جہاں آرا کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا، کیسا محبوب؟ جسے اس کے مالک نے تمام جہاں کے لیے رحمت بھیجا، کیسا محبوب؟ جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھالیا، کیسا محبوب؟ جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا، تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لیے شب و روز گریاں وملول''۔

شب؛ کہ اللہ عزوجل نے آسایش کے لیے بنائی، اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے، ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے، بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اس کے بھی پاؤں دو گز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ، اپنی راحت وآسایش کو چھوڑ، خواب وآرام سے منہ موڑ، جبین نیاز آستانۂ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی! میری امت سیاہ کار ہے درگزر فرما؛ اور ان کے تمام جسموں کو آتش دوزخ سے بچا''۔

جب وہ جانِ راحت کانِ رافت پیدا ہوا، بارگاہ الٰہی میں سجدہ کیا اور رب ھب لی امتی فرمایا، جب قبر شریف میں اتارا گیا؛ لب جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا؛ آہستہ آہستہ امتی فرماتے تھے، قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتا نہیں، حساب کا دغدغہ ملک قہار کا سامنا عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا مجرمان بے یار ودام آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے، سوا نفسی نفسی اذہبوا الیٰ غیری کچھ جواب نہ پائیں گے، اس وقت یہی محبوب غم گسار کام آئے گا، قفل شفاعت اس کے زور بازو سے کھل جائے گا، عمامہ سر اقدس سے اتاریں گے اور سر بہ سجود ہو کر ''امتی'' فرمائیں گے، وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور مدح وستایش ونشر فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب، یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور ان روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے''۔

مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا، نہ قلب عشق آشنا ہے کہ حسن پسند یا احسان دوست، مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ مانیے، اس کی مخالفت کیجیے تو کوئی مضرت نہ پہنچے، اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اس کی کفش بوسی کے جہنم سے نجات میسر، نہ دنیا میں کہیں ٹھکانہ متصور، پھر اس کے حسن واحسان پر والہ وشیدانہ ہو تو اپنے نفع وضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو۔''

اے عزیز! چشم خرد میں سرمۂ انصاف لگا اور گوش قبول سے پنبۂ انکار نکال، پھر تمام اہل اسلام بل کہ ہر مذہب وملت کے عقلا سے پوچھتا پھر کہ عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے اور غلاموں کو مولا کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ آیا؟ نشر فضائل وتکثیر مدائح اور ان کی خوبیِ حسن سن کر باغ باغ ہو جانا؟ پھولا نہ سمانا، یار

دمحاسن، نفی کمالات اور ان کے اوصاف حمیدہ سے بہ انکار وتکذیب پیش آنا اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضا، نہ یہ غلامی کے خلاف ہے، تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا اور سول سے شرما، اور اس حرکت بے جا سے باز آ، یقین جان لے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹائے نہ مٹیں گی"۔

جان برادر! اپنے ایمان پر رحم کر خدائے قہار جبار جل جلالہ؛ سے لڑائی نہ باندھ، وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے ازل میں لکھ چکا **ورفعنالک ذکرک** یعنی ارشاد ہوتا ہے: ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہوگی تمہارا بھی چرچا ہوگا، اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا، آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نام نامی سے گونجیں گے، موذن اذانوں میں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس اور واعظین اپنے منابر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے، اشجار واحجار ، آہو وسوسمار، ودیگر جان دار واطفال شیر خوار، ومعبودان کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے، ویسا ہی بہ زبان فصیح وبیان صحیح تمہارا منشور رسالت پڑھ کر سنائیں گے، چار اکناف عالم میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا غلغلہ ہوگا، جز اشقیائے ازل ہر ذرہ کلمہ شہادت پڑھتا ہوگا، سبحان ملاء اعلا کو ادھر تسبیح وتقدیس میں مصروف کروں گا، ادھر تمہارے محمود درود مسعود کا حکم دوں گا، عرش وکرسی ہفت اوراق سدرہ، قصور جناں، جہاں پر اللہ لکھوں گا، محمد رسول اللہ بھی تحریر فرماؤں گا، اپنے پیغمبروں اور اولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمہارا دم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں جو کتاب نازل کروں گا، اس میں تمہاری مدح وستایش اور جمال صورت اور کمال سیرت ایسی تشریح وتوضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں اور نادیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اٹھے گی، ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہو کر تمہاری تنقیص شان اور محو فضائل میں مشغول ہو تو میں قادر مطلق ہوں میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا؟

آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہا برس سے اپنی کتابوں میں ان کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں، تو اہل ایمان اس بلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے، بے ساختہ پکار اٹھے، لاکھوں بے دینوں نے محو فضائل پر کمر باندھی مگر مٹانے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بروز مترقی رہی، پھر اپنے مقصود سے تو یاس وناامیدی کر لینا مناسب ہے ورنہ بہ رب کعبہ ان کا کچھ نقصان نہیں، بالآخر ایک دن تو نہیں، تیرا ایمان نہیں"۔

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعۂ رسائل نور اور سایہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ۱۹۹۸ء ص ۷۳/۷۷)

مذکورہ بالا اقتباسات جو بطور مثال مذکور ہوئے، انھیں پڑھ کر قاری کے لیے اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اردو زبان وادب میں کیسے کیسے موتی بکھیرے ہیں اور کیسے کیسے گل بوٹے کھلائے ہیں۔ امام احمد رضا کی تصانیف میں اردو صرف ونحو کے قواعد بھی منتشر طور پر ملتے ہیں۔ وہ ایک مستقل موضوع ہے۔ اس کی تدوین بھی وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، تاکہ اہل اردو کو ان کے بیان کردہ اصول وقوانین سے بھی آشنائی ہو جائے اور ان کی خدمات سے بھی اہل زبان متعارف وآشنا ہو سکیں۔

تعظیم ساداتِ کرام

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ:

جس وقت سید قناعت علی دست بوس ہوئے سیدی اعلیٰ حضرت نے اُن کے ہاتھ چوم لیے، یہ خائف ہوئے اور دیگر مقربان خاص سے تذکرہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کا یہی معمول ہے کہ بموقع عیدین دوران مصافحہ سب سے پہلے جو سید صاحب مصافحہ کرتے ہیں آپ اس کی دست بوسی فرمایا کرتے ہیں۔ غالباً آپ موجود سادات کرام میں سب سے پہلے دست بوس ہوئے ہوں گے۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت ص 286)

امام احمد رضا اور ہندی زبان وادب

مقالہ نگار

مولانا محمد زاہد علی مرکزی (جالون: یوپی)

حضرت مولانا محمد زاہد علی مرکزی بن محمد اصغر علی برکاتی ۱۵: نومبر ۱۹۸۹ء کو کالپی شریف (ضلع جالون: یوپی) میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن کی تکمیل جامعہ غوثیہ شکوریہ (بلہور: کانپور) میں کی۔ درس نظامی کی ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد اکبر علی برکاتی سے حاصل کی۔ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۱ء میں جامعۃ الرضا (بریلی شریف) سے شعبہ فضیلت کی سند وفراغت حاصل کی۔ شیخ العلما حضرت مفتی رحمت اللہ قادری بلرامپوری شاگرد خاص صدر العلما حضرت غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا۔ بندیل کھنڈ یونیورسٹی (جھانسی) سے بی اے (سوشیالوجی) کی ڈگری حاصل کی۔ ابھی دار العلوم غوثیہ مجیدیہ (مرزا منڈی، کالپی شریف: جالون) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ متعدد کتب ورسائل اور بہت سے مضامین ومقالات تحریر فرمائے۔ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) کے مستقل مضمون نگاروں کی ٹیم میں شامل ہیں۔ رابطہ نمبر: 7703091212

امام احمد رضا اور ہندی زبان وادب

ہندی زبان کی تاریخ

ہندی زبان کی تاریخ تقریبا ایک ہزار سال پرانی سمجھی جاتی ہے ماہرین زبان دسویں گیارہویں صدی عیسوی تسلیم کرتے ہیں ہندی لفظ سنسکرت کے لفظ سندھو سے بنا ہے سندھو سندھ ندی کو کہتے ہیں یہی سندھو لفظ ایران میں جا کر ''ہندو، ہندی اور پھر ہند ہو گیا، اسی میں ایرانی کا ''ایک'' لگنے سے ہندیک بنا یونانی لفظ اندکا یا انگریزی لفظ انڈیا اسی ہندیک کے ہی ترقی یافتہ نام ہیں ہندی زبان کے لیے اس لفظ کا قدیم استعمال شرف الدین یزدی کے ظفر نامہ (1424ء) میں بھی ملتا ہے پروفیسر مہاویر سرن جین نے اپنے مقالے ہندی اور اردو کا ادیت میں لکھتے ہیں۔

کہ ایران کی قدیمی زبان اویستا میں س کا استعمال نہیں ہوتا تھا ''س'' کو ''ہ'' سے بدل کر پڑھا جاتا تھا، جیسے سنسکرت کے ''اسر'' لفظ کو وہاں ''اہر'' کہا جاتا تھا۔

ہندی اور اردو دونوں کھڑی بولی اور عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت وغیرہ سے مل کر بنی ہیں کیونکہ ۱۸۸۰ء کے آس پاس ہندی لغت میں فارسی کے لگ بھگ 3500 الفاظ، عربی کے پچیس سو 2500 پشتو سے 50 اور ترکی کے 125 الفاظ شامل تھے۔

Encyclopedia of languages of the world

دونوں زبانوں میں فرق یہ ہے کہ ہندی کا جھکاؤ سنسکرت کی طرف زیادہ ہے اور اس کا رسم الخط ''دیوناگری'' یا دیونگری کہلاتا ہے جب کہ اردو کا جھکاؤ عربی فارسی کی طرف زیادہ ہے اور اس کا رسم الخط ''نستعلیق'' ہے لسانی خاندان ہند یوروپی، ہند ایرانی ہند آریائی کھڑی بولی وغیرہ ہے، ہندی زبان بولنے والے افراد کی مقدار ۲۰۰۷ء کے سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ایک کروڑ ہے، جب کہ اس زبان کے ذریعہ تبادلۂ خیال کرنے والوں کی مقدار ۴۸/کروڑ ہے۔ ہندو پاک کے علاوہ فزی، ماریشش، گیانہ، سوری نام اور نیپال میں بھی ہندی زبان کا استعمال ہوتا ہے۔

ہندی کا فروغ بارہویں صدی عیسوی میں ہونے لگا تھا اور ۱۲۶۰ء کے آس پاس ادب میں داخل ہونے لگی تھی، دوہا، چوپائی، گاتھا، چھند میں کلام پیش ہونے لگے تھے۔ حضرت امیر خسرو ۱۲۳۵ء۔ ۱۳۲۵ء۔ کبیر داس ۱۴۴۰ء۔ ۱۵۱۸ء۔ تلسی داس ۱۵۳۲ء۔ ۱۶۲۳ء۔ عبدالرحیم خان خاناں ۱۵۵۶ء۔ ۱۶۲۷ء۔ ہندی ادب کے نظم کے بڑے نام ہیں۔ (مہاویر پرشاد دویدی اور ہندی نوجاگرن صفحہ نمبر ۲۱۶)

ہندی شاعروں کی کچھ نظمیں یا اشعار ہم پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امیر خسرو

چھاپ تلک سب چھینی رے موسے نینا ملائیکے
بات اگم کہ دینی رے موسے نینا ملائیکے
خسرو نظام کے بلبل جائیے
موہے سہاگن کینہی رے موسے نینا ملائیکے
اپنی چھب بنائی کہ جو میں پی کے پاس گئی
جب چھوی دیکھی پیہوکی سو اپنی بھول گئی
انگنا تو پربت بھیودہری بھئی ودیس
جا بابل گھر آپنے میں چلی پیا کے دیس

عبدالرحیم خان خاناں

رحیمن دھاگا پریم کا مت توڑو چٹکائے
جوڑے سے پھر نا جڑے جڑے گانٹھ پڑ جائے

ایسی وانی بولیے من کا آپا کھوئے
اورن کا شیتل کرے اور آپہو شیتل ہوئے
بگری بات بنے نہیں لاکھ کرو کن کوئے
رحیمن پھاٹے دودھ کو متھے نا ماکھن ہوئے

کبیر داس

برا جو دیکھن میں چلا تو برا نی ملیا کوئے
جو من کھوجا آپنا تو موسے برا نہ کوئے
رات گنوائی سوئیکے دوس گنوایا کھائے
ہیرا جنم انمول سا کوڑی بدلے جائے
بڑا ہوا تو کیا ہوا جیسے پیڑ کھجور
پنتھی کو سایا نہیں پھل لاگے اتی دور

(کبیر داس)

امام سخن کی ہمہ جہت شخصیت

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء کی ذات گرامی جہاں مختلف علوم کی حاصل تھی وہیں مختلف زبانوں جیسے عربی، فارسی اور در ہندی بھوجپوری سنسکرت کی بھی منبع تھی چونکہ آپ مجدد اسلام تھے اس لیے عربی وفارسی زبان کا استعمال تو لازمی تھا کیونکہ اسلامک لٹریچر انھیں دونوں زبانوں کے ارد گرد گھومتا ہے آپ کے فتاوی میں ان دونوں زبانوں پر عبور دیکھا جاسکتا ہے بلکہ یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اہل فارس وعرب اپنی اپنی زبان پر جب آپ کے فتاوی یا منظوم ومنثور پر نظر کرتے ہونگے تو آپ کو بھی عربی یا فارسی عالم تصور کرتے ہوں گے اردو ادب میں بھی آپ کی ذات گرامی یکتا دکھائی دیتی ہے میر تقی میر، مرزا غالب، اقبال مرزا محمد ہادی رسوا، امیر مینائی داغ دہلوی ذوق جگر مرادآبادی ولی دکنی، اکبرالہ آبادی الطاف حسین حالی حسرت موہانی، فانی بدایونی، کافی مرادآبادی وغیرہ شعراء کے کلام ایک پلہ میں رکھے اور امام لغت گویاں کے کلام ایک طرف اور انصاف کی عینک لگا کر عقیدت نہیں عقل وشعور علم وآگہی کے میزان پر وزن کیجیے تو آپ جملہ اردو شعراء کے کلام کو امام احمد رضا کے کلام کا پاسنگ بھی نہ پائیں گے۔آپ کے ہم عصر اردو کے مشہور شاعر محسن کاکوری ایک بار اپنا کلام لیکر سنانے کی غرض سے بریلی پہنچے یہ کلام قصیدہ لامیہ کہلاتا ہے اور انھوں نے آقا علیہ السلام کے معراج کے نقشے کو اس کلام میں ابھارا ہے محسن صاحب جب کلام سنانے کے لیے کھڑے ہوئے تو دو چار اشعار کے بعد ہی ظہر کی اذان ہوگئی طے ہوا کہ آپ کا کلام بعد نماز عصر سنا جائے گا مجلس برخاست ہوئی بعد نماز عصر پھر کلام پیش کرنے کی اجازت چاہی تو امام سخن ارشاد فرماتے ہیں آپ پہلے میرا کلام سن لیں اور پھر امام سخن نے اپنا قصیدہ معراجیہ سنایا جو بڑی بحر میں ۶۷/ اشعار پر مشتمل ہے، پہلے ہم محسن کاکوری صاحب کے قصیدہ لامیہ کے کچھ اشعار پیش کرتے ہیں:۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اسنان کرے سرو قد ان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی
بحرۂ خضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل
قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے مزاج عالی
لالہ باغ سے ہندوے فلک کھیلم کسل
نور کے پتلے ہوئے پردۂ ظلمت میں نہاں
چشم خورشید جہاں بیں میں ہیں اثار سُبل
جس طرف سے گئی بجلی پھر ادھر آنہ سکی
قلعۂ چرخ میں ہے بھول بھلیا بادل

یہ قصیدہ تقریباً ۹۰/ اشعار پر مشتمل ہے، مگر یہ چھوٹی بحر میں ہے۔امام لغت گویاں کا قصیدہ بھی ملاحظہ ہو، اور کمال تو یہ ہے کہ امام سخن نے اپنا قصیدہ پہلے سے تیار کر کے نہیں رکھا تھا بلکہ اسی ظہر وعصر کے مابین دو ڈھائی گھنٹوں میں ہی برجستہ تیار کیا تھا ملاحظہ ہو:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ وہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے
ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کے رہ گزر کی
اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھنا مٹے تھے
جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولہا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے
(حدائق بخشش حصہ اول، ص:۱۴۷)

اس قصیدہ کے کچھ اشعار آئندہ صفحات پر بھی ہم پیش کریں گے مگر ہمارا مقصود اردو نہیں بلکہ ہندی، بھوجپوری، سنسکرت وغیرہ کا استعمال امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی نظم ونثر میں پیش کرنا ہے تو کلام رضا میں جہاں بھی ان الفاظ کا استعمال ہوا ہے (نظم) ان کو ہم نے یکجا کر دیا ہے۔ اسے آپ آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ امر کتنا مشکل تھا اس کا اندازہ آپ اس اقتباس سے لگا سکتے ہیں۔ ناظرین کی ضیافت طبع کی خاطر حدائق بخشش حصہ اول سے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔ حصہ اول، دوم، سوم میں سنسکرت و ہندی کے اتنے الفاظ پائے جاتے ہیں کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہے۔

(فن شاعری اور حسان الہند، از علامہ عبدالستار ہمدانی، ص:۶۴)

اس مشکل کو حل کرنے کے لیے جب ہم نے حدائق بخشش کی ورق کردانی شروع کی تو واقعی کچھ ہی صفحات دیکھنے کے بعد خیال آیا کہ جب اس کثرت کے ساتھ ہندی وسنسکرت وغیرہ الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو کہاں تک تلاش وجستجو کی جائے گی، کئی مرتبہ تو قلم رکھ دیا مگر پھر یہ سوچ کر کے کہ یہ ایک بہترین خراج عقیدت ہوگا، امام سخن کی بارگاہ میں تو انھیں سے مدد مانگتے ہوئے کام شروع کر دیا۔ ہم نے آسانی کے لیے مکررات کو حذف کر دیا ہے تا کہ قاری کا من بھی نہ اکتائے اور تلذذ بھی باقی رہے۔

تو آیئے کلام رضا میں لسانیت کا استعمال دیکھتے ہیں اور جس خوبی کے ساتھ اشعار میں ہندی الفاظ کو مدغم کیا ہے، اگر واقعی شعر اپنی زبان. اردو میں ہوتا تو شاید وہ خوبصورتی پیدا نہ ہوتی جو زبان غیر کے اختلاط سے شعر میں پیدا ہوئی ہے، ابھی ہم دوسرے شعرا کے یہاں ہندی کا استعمال دکھاتے ہیں اور فیصلہ خود آپ کو کرنا ہے کہ تلذذ، خوبیٔ استعمال وضع الفاظ کس کے یہاں بہتر ہے، سب سے پہلے ہم میر تقی میر کے یہاں ہندی زبان کا استعمال دیکھتے ہیں۔ میر تقی میر آگرہ میں ۱۷۲۳ء میں پیدا ہوئے اور انتقال ۱۸۱۰ء میں ہوا، اصل نام ''میر محمد تقی'' تھا، اردو شاعری میں میر کا نام بہت اونچا ہے، انھیں ناقدین وشعرا، متاخرین نے ''خدائے سخن'' کے خطاب سے نوازا۔ مرزا غالب آپ کی شاعری کا لوہا مانتے ہوئے لکھتے ہیں:

ریختہ کہ تمھیں استاذ نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا
(میر تقی میر اور امام احمد رضا)

اشعار میں ہندی الفاظ کے اوپر ہم خط کھینچ دیتے ہیں تا کہ قاری کو الفاظ کی پہچان بآسانی ہو جائے۔

(۱) عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا
(۲) سارے رند او باش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا
(۳) منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا
حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
(۴) شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہوں
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
(۵) ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تونے کے یاں جی نکل گیا
(۶) ساقی نشے میں تجھ سے لنڈھا شیشۂ شراب
چل لب کی دخت تاک کا جوبن تو ڈھل گیا
(۷) جو میر اس شور سے روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

پرانی ہندی کا استعمال اکثر میر کے یہاں ملتا ہے مگر دوسرے شعرا کے یہاں بہت کم یا پھر بالکل نہیں ملتا وجہ یہ ہے کہ میر اردو شاعری کے اولین شعرا میں سے ہیں اور جوں جوں اردو ترقی کرتی گئی ہندی الفاظ میں بھی تغیر آتا گیا۔

(۸) جیون سے جاتے ہیں ناچارہ آہ کیا کیا لوگ
کھبو تو جانب عشاق بھی گزر کریے

(۹) آتش تیز جدائی میں یکا یک اس بن
دل جلا یوں کہ تنک جی بھی جلا یا نہ گیا

(۱۰) نہ خالی رہے گی میری جاگہ گر میں
نہ ہوں گا تو اندوہ بسیار ہوگا

یہ دس اشعار میر تقی میر کے دیوان سے لیے گئے ہیں، ان میں ہندی کا استعمال اس خوبی سے نظر نہیں آتا جیسا کہ کلام رضا میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ کلام رضا سے دس اشعار جن میں ہندی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

عاصیو! تھام لو دامن ان کا
وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے

ابر رحمت کے سلامی رہنا
پھلتے ہیں پودے لچکنے والے

سنیو! ان سے مدد مانگے جاؤ
پڑے بکتے رہیں بکنے والے

شمع یاد رکھ رخ جاناں نہ مجھے
خاک ہو جائیں بھڑکنے والے

نفس میں خاک ہوا تو نہ مٹا
ہے میری جان کے کھانے والے

ہو گیا دھک سے کلیجہ میرا
ہائے رخصت کی سنانے والے

کشتۂ دشت حرم جنت کی
کھڑکیاں اپنے سرہانے والے

کیوں رضاؔ آج گلی سونی ہے
اٹھ میرے دھوم مچانے والے

مے کہاں اور کہاں میں زاہد
یوں بھی تو چکھتے ہیں چکھنے والے

کف دریائے کرم میں ہیں رضاؔ
باغِ فوارے چھلکنے والے

یہاں ہم نے ایک ہی بحر کی دو نظموں کے اشعار جمع کر دیئے ہیں جن کا مطلع دیکھتے ہی بنتا ہے، ایک ہی مصرع میں دو دو تین تین لفظ ہندی کے مستعمل مگر پڑھیے تو زبان کی روانی نہیں جاتی۔

مرزا غالب اور امام احمد رضا

مرزا غالب کا نام ''اسد اللہ بیگ خان'' تھا، دسمبر ۱۷۹۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے، اور ۱۵؍فروری ۱۸۶۹ء کو دنیا چھوڑ گئے۔ بہادر شاہ ظفر نے، نجم الدولہ، دبیر الملک وغیرہ خطاب دیئے۔ اردو شاعری میں مرزا غالب محتاج تعارف نہیں۔ امام احمد رضا جب علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوکر سند افتا وتدریس پر بیٹھے اسی سال مرزا اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے غالب کو کچھ جگہوں پر جواب بھی دیا ہے۔ یعنی ان کی غزلوں کے مقابلے اسی ردیف وقافیہ میں کلام کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

غالب کی مشہور غزل کے چند شعر:

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں؟

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
رویئے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں؟

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے یہاں اسی بحر پر دو نظمیں کہی ہیں ملاحظہ ہوں:۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں؟
دل کو جو عقل دے خدا میری گلی سے جائے کیوں؟
رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں؟
سوتے ہیں ان کے سائے میں کوئی ہمیں جگائے کیوں؟
بارنہ تھے حبیب کو پالتے ہیں غریب کو
روئیں جو اب نصیب کو چین کہو گنوائے کیوں؟
جاں سفر نصیب کو کس نے کہا مزے سے سو
کھٹکا اگر سحر کا ہو شام سے موت آئے کیوں؟
فکر معاش بد بلا ہول معاد جاں گزا
لاکھوں بلا میں پھنسنے کو روح بدن میں ائے کیوں؟
(رضابریلوی)

غالب کی ایک اور مشہور غزل کا مطلع دیکھیں اور پھر اسی ردیف وقافیہ پر امام عشق ومحبت کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

ہر ایک بات یہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہمارے جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے
جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے
ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ:۔

کس کے جلوئے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے
مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں ''نا'' ہے نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے
صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے مجھ سے حساب
نجد بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

اعلیٰ حضرت نے اس ردیف وقافیہ پر ۲۶/اشعار کہے ہیں۔

غالب کی ایک غزل کا مطلع اور ملاحظہ فرمائیں۔اور ملک سخن کے بادشاہ کا اس پر ردیف وبحر کا بہترین امتزاج ملاحظہ فرمائیں:

غالب پے نذر کرم تحفہ ہے شرم نا رسائی کا
بہ خوں غلطیدہ صد رنگ دعوائے پارسائی کا
وہی ایک بات ہے جو یاں نفس واں نکہت گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نورائی کا
دہان ہر بت پیغارہ جو زنجیر رسوائی
عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا
نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرض ستم ہائے جدائی کا

رضابریلوی:۔

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
گنہ مغفور دل روشن خنک آنکھیں جگر ٹھنڈا
تعالیٰ اللہ ماہ طیبہ عالم تیری طلعت کا
نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جاں باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا
صف ماتم اٹھے خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں
گنہگارو! چلو مولیٰ نے در کھولا ہے جنت کا
رضائے خستہ جوش بحر عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان کی رحمت کا

اس نعت میں بائیس اشعار ہیں جب کہ غالب کی غزل میں محض سات شعر ہیں۔

غالب کی غزل کا ایک مطلع اور ملاحظہ فرمائیں:۔

غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں
میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

اس غزل میں آٹھ شعر ہیں، اسی بحر میں امام سخن نے بھی آٹھ شعر کہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:۔

رضا بریلوی:۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں
قصر دنی کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روح قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں
دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اۓ میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

مزید مطلع غزل غالب ملاحظہ ہو اس غزل میں ۱۱/اشعار ہیں:۔

آمد خط سے ہوا ہے سرد جو بازار دوست
دود شمع کشتہ تھا شاید خط رخسار دوست
یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیف شعر میں غالب زبس تکرار دوست

امام سخن اسی ردیف پر ۱۴/اشعار کہتے ہیں، پیش خدمت ہیں:

جو بنوں پر سے بہار چمن آرائی دوست
خلد کا نام نہ لے بلبل شیدائی دوست
شوق روکے نہ رکے پاؤں اٹھائے نہ اٹھے
کیسی مشکل میں ہیں اللہ تماشائی دوست
تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا
سارے داراؤں کی دارا ہوئی دارائی دوست

اس طرح کی مناسبتیں اور ہیں مگر ہم انھیں پر اکتفا کرتے ہیں، نیز ہم نے انھیں اشعار یا غزلوں کو طرفین سے لیا ہے جن میں ہندی کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے تاکہ مقصد فوت نہ ہو۔

داغ دہلوی اور امام احمد رضا

اصل نام ''نواب مرزا خان'' اور تخلص ''داغ'' تھا۔ ۲۵/مئی ۱۸۳۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، دبیر الدولہ فصیح الملک وغیرہ خطاب ملے۔ ۱۹۰۵ء حیدرآباد میں وفات پائی۔ داغ کے شاگردوں میں اقبال، جگر مرآبادی، سیماب اکبرآبادی اور حسن مارہروی جیسے معروف شعرا شامل ہیں۔

کلیجہ میرے منہ کو آئے گا اک دن
یوں ہیں لب پہ آہ و فغاں آتے آتے
نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے
(داغ)

تلاش یار میں چھوڑی نہ سرزمیں کوئی
ہمارے پاؤں میں چکر ہے آسمان کی طرح
(داغ)

رسم الفت سکھا گیا کوئی
دل کی دنیا پہ چھا گیا کوئی
تا قیامت کسی طرح نہ بجھے
آگ ایسی لگا گیا کوئی
(داغ)

داغ صاحب کے یہاں جو آگ ہے وہ بجھنے والی نہیں لیکن رضا بریلوی کے یہاں ایسی آگ ہے جو آگ کو بجھانے کا کام کرتی ہے اور وہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ وسلم ہے۔

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھادیگی وہ آگ لگائی ہے
(رضا بریلوی)

کثرت رنج و الم سن کہ یہ الزام ملا
اتنے سے دل میں ہے اتنوں کی سمائی کیوں کر

داغ کل تک تو دعا آپ کی مقبول نہ تھی
آج منہ مانگی مراد آپ نے پائی کیوں کر
(داغ)

رضا:

بے مانگے دینے والے کی نعمت میں غرق ہیں
مانگے سے جو ملے کسے فہم اس قدر کی ہے
مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ 'لا' ہے نہ حاجت 'اگر' کی ہے
جو چاہے ان سے مانگ کہ دونوں جہاں کی خیر
زر ناخریدہ ایک کنیزان کے گھر کی ہے
منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول وعرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

داغ صاحب کے یہاں دعا کی مقبولیت پر تعجب ہے اور حضرت رضا بریلوی کے یہاں بن مانگے ہی دعا کی مقبولیت کا یقین ہے کیونکہ یہاں محبوب کی بارگاہ کا عالم یہ ہے کہ "نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا۔

نہ رفت 'لا' بزبان مبارکش ہرگز
مگردراشھد ان لاالہ الا اللہ
ما قال لا قط الا فی التشھد
لو لاالتشھد کانت لاء ہ نعم
(فرزدق)

زیست سے تنگ ہوائے داغ تو جیتے کیوں ہو
جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں
(داغ)

پارہ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا
ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ
(رضا)

(۸) ڈرتا ہوں دیکھ کر دل بے آرزو کو میں
سنسان گھر یہ کیوں نہ ہو مہمان تو گیا
ہوش وحواس تاب وتواں سب تو جاچکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا
(داغ)

جان ودل ہوش وخرد سب تو مدینے پہونچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا
(رضا)

معشوق جائے حور ملے مئے بجائے آب
محشر میں دو سوال کریں گے خدا سے ہم
دیکھیں تو پہلے کون مٹے اس کی راہ میں
بیٹھے ہیں شرط باندھ کے ہر نقش پا سے ہم
(داغ)

اس ردیف پر حضرت بریلوی نے ۳۱؍اشعار پر مشتمل نعت کہی ہے، کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پاٹ وہ کچھ دھار یہ کچھ زار ہم
یا الٰہی کیوں کر اتریں پار ہم
لغزش پا کا سہارا ایک تم
گرنے والے لاکھوں نا ہنجار ہم
میکدہ چھٹتا ہے للہ ساقیا
اب کے ساغر سے نہ ہوں ہشیار ہم
کسی بلا کی مئے سے ہیں سر شار ہم
دن ڈھلا ہوتے نہیں ہشیار ہم
(اقبال اور امام احمد رضا)

ڈاکٹر اقبال ۹؍نومبر ۱۸۷۷ء میں سیال کوٹ میں پیدا ہوئے اور ۲۱؍اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر اقبال کے یہاں جو بلندئ فکر پائی جاتی ہے وہ کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ آپ کی مقبولیت آج بھی قائم ہے۔

اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو بڑھ کر آسماں
برف نے باندھی ہے دستار فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہ مہر عالم تاب پر
(اقبال)

غالب کی غزل:۔
پئے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا

اور رضا بریلوی کی نعت:۔
محمد مظہر کامل ہیں حق کی شان عزت کا

پر اقبال کا انداز بھی ملاحظہ ہو:۔
اجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشاں کا
نسیم زندگی پیغام لائی صبح خنداں کا
طلسم ظلمت شب سورہ النور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاج زر شمع شبستاں کا
پکاری اس طرح دیوار گلشن پر کھڑے ہوکر
چٹک او غنچۂ گل تو مؤذن ہے گلستاں کا
(اقبال)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جس کے دم سے رشک جناں ہمارا
(اقبال)

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں
(اقبال)

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں
تو بچا بچا کہ نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں
(اقبال)

مسجد تو بنالی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی تھا برسوں میں نمازی بن نہ سکا
اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا
(اقبال)

غالب کی غزل:۔
ہر اک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے

اور حضرت رضا کی نعت:۔
کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے

پر اقبال کا انداز تکلم بھی دیکھیں:۔
خردمندوں سے کیا پوچھوں کی میری ابتداء کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے
خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہاں تک ہم نے مشہور شعراء کے کلام پیش کیے مقصد یہ تھا کہ آپ بھی امام سخن کے علاوہ باقی شعراء کے یہاں ہندی الفاظ کا استعمال دیکھیں ہم نے طرفین کے وہی اشعار پیش کیے ہیں جن میں ہندی زبان کا استعمال ہوا ہے ہم نے ابھی تک امام سخن کی عام نعتیہ شاعری سے اشعار کا انتخاب کیا ہے ابھی وہ کلام جن میں ہندی الفاظ کی جگل بندی ایسے انداز میں کی گئی ہے کہ عام آدمی جسے زبان وکلام کا شعور نہ ہو وہ بھی مست و بے خود ہو کر جھومنے لگے باقی ہیں نمونہ ملاحظہ ہو:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے
جگنو چمکے پتہ کھڑ کے مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے کوئی پون ہے یا اگیا بیتالی ہے
بادل گرجے بجلی تڑپے دھک سے کلیجہ ہوجائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے
پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی کچھ سنبھلا پھر اوندھے منہ
مینھ نے پھسلن کردی ہے اور دھر تک کھائی نالی ہے
(رضا بریلوی)

یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے
نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
یہ جھوما میراب زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے
روش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اک بھبھوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا دھر دھر پیڑ جل رہے تھے
قوی تھے مرغان وہم کے پر اڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خون اندیشہ تھوکتے تھے
کسے ملے گھاٹ کا کنارہ کدھر سے گزرے کہاں اتارا
بھرا جو مثل نظر طرارا وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جو بن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے
(قصیدہ معراجیہ، رضا بریلوی)

قسمت میں لاکھ پیچ ہوں سو بل ہزار کج
یہ ساری گتھی اک تیری سیدھی نظر کی ہے
طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے
دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی مگر
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے
(رضا بریلوی)

تاب سم سے چوندھیاں کر چاند انھیں قدموں پھرا
ہنس کے بجلی نے کہا دیکھا چھلاوا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
(قصیدہ نور)

تمہاری چمک تمہاری دمک تمہاری مہک تمہاری جھلک
زمین و فلک سماک وسمک میں سکہ نشان تمہارے لیے
جناں مین چمن، چمن میں سمن، سمن، میں، پھبن، پھبن، میں دلہن
سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمہارے لیے
یہ مرحمتیں کہ کچی متیں نہ چھوڑیں لتیں نہ اپنی گتیں
قصور کریں اور ان سے بھریں قصور جناں تمہارے لیے
صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لیے
(رضا بریلوی)

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے تیرے پائے کا نا پایا
تجھے یک نے یک بنایا

(رضا بریلوی)

یہ تو مشتے از خروارے سمجھئے ورنہ حدائق بخشش اس قسم کے کلاموں سے بھری پڑی ہے۔ اب ہم مذکورہ شعراء کی شروعاتی دس دس غزلوں سے ہندی کے الفاظ اکٹھا کریں گے اور بعدہ امام سخن کی دس نعتوں کے ہندی الفاظ جمع کریں گے دیکھتے ہیں کون سا شاعر غالب رہتا ہے۔

میر تقی میر کی دس غزلیں اور ہندی الفاظ

(دور،س)(پہنچا،ہ)(پتنگ س،)(سور)(رات)(ملے) (پاؤں)(کل)(چور)(دیکھ)(سمجھے) (ملے)(کچھ)(تن)(رکھا)(ہاتھ)(یاں)(گھبرائی)(لڑکوں)(بہو)(کم گھیر)(پھیر)(ڈھیر)(چھوڑا)(مرچلے)(کتنا)(کلی،س)(سن)(الٹی)(جی)(تھمے)(جلا)(جاگہ)(نگر،س)(لٹا)(بھلا)(ڈھب)(بن)(سوجھتا)(جھمکے)(جن نے)(سلادیا)(ملادیا)(بچھادیا)(گھٹتے)(ٹک)(دیا،چراغ)(ہر گھڑی)(کڑھنے)(کھپادیا)(کھینچے)(جیتا)(رہا)(سیکڑا)(بیچیے)(گھٹایا)(شگون)(پھنسا)(کھوئے)..........کل الفاظ(۵۸)

مرزا غالب کے یہاں ہندی الفاظ

(ہائے)(چاہے)(بجھادے)(آنکھوں)(کھل گئی)(ڈھانپنا)(مرنہ سکا)(پڑا)(پایا)(تجھکو)(کھیلنے)(چھڑکا)(پوچھئے)(ڈھونڈا)(جل گیا)(آگ)(گھر)(نکلا)(دھمکی)(کھٹکا)(اڑنے)(میرا)(ہمارا)(ٹپکتا)(ڈالی)(چھوٹوں)

کل الفاظ(۲۶)

اقبال کے یہاں ہندی الفاظ

(چیرگئی)(الجھ)(سومناتھ)(س)(بننا)(ملے)(سمجھے)(ٹھہر)(گھات)(انھیں)(بجھادے)(کانٹا)(پھونک)(کھٹک)۔(بال جبرئیل حصہ اول)

(کھولیں)(آنکھیں)(بھری)(تاڑا)(کھینچے)(چالیس)(بڑی)(سنا کرتے ہیں)۔(بانگ درا غزلیات)

(انوکھی)(نرالے)(چھالوں)(نکالے)(پھلا پھولا)(پالے ہیں)(بوٹے)(سیکڑوں)(ڈالے)(مٹنے)(کچھ)(سیکھا)(بھولے بھالے)(سیدھے)(ٹوٹے)(بند کر)(چھپتی)(اڑبیٹھے)(کھل جائیں)(بانگ درا)..........کل الفاظ(۴۲)

داغ کے یہاں ہندی الفاظ

نکال،ٹال،ٹھوکر،بن،کچھ،سنبھل،ڈال،اٹھائے،سانچے، لوٹنا،تھوڑا،چیر کر،ٹھہری،سمجھ اڑایا،چٹکیوں،منہ،چڑھانا،چپڑ کر، ڈھانکا،پیتی،جھانکا،بچ کر،ادھرتا کا،جگہ،پاؤں،اٹھا،اچھا،چھیڑ، چھان،سو،پھلے پھولے،پچھتائیں،گھبرائیں،لو،بیٹھے،کاٹ،چھپتی، پلٹ،لچھا،بندھا،چپ،پڑھا،بھلا،لگالائے،باتوں،کھیل،چاند، ٹکڑے،تاروں،بھری،راتوں،مٹی،دھوم،بھولے بھٹکے،تھک، پھیرے پکڑ.......................کل الفاظ(۶۱)

امام احمد رضا کے یہاں ہندی الفاظ:

امام سخن کے یہاں ہندی الفاظ کا استعمال اس کثرت کے ساتھ ہے کہ یہ شعرا آس پاس بھی نہیں دکھتے۔اسی نہج پر جب ہم نے آپ کے کلام سے الفاظ کا انتخاب کرنا چاہا تو ہم نے شروع کی ایک نعت اور ایک منقبت یعنی:ـ

واہ کیا جودو کرم ہے شہ بطحا تیرا

اور منقبت غوث اعظم رضی اللہ عنہ:ـ

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا

پر ہی ۶۳ ر ہندی کے الفاظ پائے جبکہ باقی مذکورہ شعرا کی مکمل دس دس غزلیں مذکور ہیں۔

الفاظ کی گنتی یہ ہے:

میر تقی میر دس غزلیں الفاظ(۵۸)

مرزا غالب دس غزلیں الفاظ(۲۶)

اقبال دس غزلیں الفاظ(۴۲)

داغ دہلوی دس غزلیں الفاظ(۶۱)

چالیس غزلیں،کل الفاظ ایک سوستاسی ۱۸۷ ر ہوئے۔

امام سخن کی محض سات نعتوں،منقبتوں کے الفاظ اس سے زائد ہیں،اہل ذوق شمار کر سکتے ہیں۔اگر کوئی یہ کہے کہ اولین کلام رضا کئی صفحات پر مشتمل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ چالیس غزلوں کیلئے کم از کم ۲۰ / ۳۰ صفحات درکار ہوتے ہیں اور کلام امام سخن محض ۲۱ ر صفحات پر

ہی مکمل ہو گئے۔

اب ہم ''حدائق بخشش'' میں مستعمل ہندی الفاظ تحریر کرتے ہیں، مکررات، محذوف، صفحہ نمبر قوسین میں۔

حدائق بخشش حصہ اوال

دھارے، انوکھا، کڑوڑا، نیلا، پالا، دے، کتا۔ (۴/۳) کھلاتا، پلاتا، بابا، چک۔ (قطعہ زمین) نہا، دھولے، ڈورا، (۶/۵) پٹا، بلک (۸/۷) چیلا، جھولتی، بجنا، (۱۰/۹) تیکھا، کڑکتی، چھینٹ، جائی، بپھرا، اوچھا، (۱۲/۱۱) چیر، بل، بے، جڑ، ہر، پھرکے، پلہ، (۱۴/۱۳) پیٹھ، بلکا (۱۶/۱۵) کالے کوسوں (۱۸/۱۷) دام، کہرام، نیلام، (پرتگالی) بوروں۔ بمعنی بے عقل (۲۰/۱۹) جگ، راج، تورے، سرسوہے، منجدھار، پگڑی، موری، نیا، پار، لگا جانا، توری، جوت، جھلجھل، رچی چندن، چندر، پرو کنڈل، برسا، برسن ہارے، رم جھم، جیرا، لرجے، درک، سناجانا، آوت، موہے، کرنہ پرت، پت، اپنی بیت، کاسے، من، دھن، پھونک، جلا، پڑا جانا، (۲۲/۲۱) بچا، سائیوں، دھیان کڑی، چھٹی، (۲۴/۲۳) کام، بھلے، تیل، ڈالا، چھڑاکے، اجاڑا، بگاڑا، سمائی (بمعنی طاقت) سوجھنا، چھایا، نڈھال، چرگیا، بڑھ، چلی، گھٹا، بمعنی کم) پڑا بجرا، ترگیا، (پار ہوگیا) تھرتھرا، پھرگیا، (بمعنی دور) (۲۶/۲۵) دھومیں، مچیں، بھیڑ، کٹاتے (۲۸/۲۷) پھانس، (۳۰/۲۹) کمہلائے، (۳۲/۳۱) اونچی، آہیں، پتی (۳۴/۳۳) جوڑا، ناؤ، (۳۶/۳۵) (۳۸/۳۷) برس، اڑے، پارا، چھانے، سمٹ، چال، چکی (۴۲/۴۱) ہرا، بھرا، کانٹوں (۴۴/۴۳) جڑاو، کرن (۴۶/۴۵) ڈھلا (۴۸/۴۷) بکے جاتا ہے، ایڑیاں، ابھر، پھوڑے (۵۰/۴۹) ٹھوکر، ٹکسال، یوں، (۵۲/۵۱) (۵۴) چھک (یعنی جی بھر کے) فیروز اللغات میں نہیں مگر ہندی ہے، ہمارے یہاں مستعمل گلی، تباہ، جگائے، گنوائے، چھڑائے، ترس، جتائے، (۵۶/۵۵) بچھائے، لجائیں، چوٹ، ٹھگوں، آبسو، دھرکے، کمائی، گونج، پھنسے، دیس، بہائی، (۵۸/۵۷) پالے، گھر کریں، تڑکے، باگوں، وردیاں، بولتے، مول، بائیں، بجار، بسادیے، (۶۰/۵۹) جمادیے، بٹھادیے، نرالی، لکیروں، جھوم (۶۲/۶۱) لوٹ جاؤں، (۶۴/۶۳) اوس (بمعنی شبنم) دھواں، ارے، کھلے، بندوں، دبے، لچھے، ڈالیاں، (۶۶/۶۵) ڈھیر، کھونا، ٹالا، کانپ، (۶۸/۶۷) ہرنی، کھکھلا، کھل جانا، ٹپک، چھلکا، (۷۰/۶۹) چھیالیس، میلا، کھیتی، رس کس، بھڑکاؤ (۷۲/۷۱) چرچے، سوکھے، دھانوں، پنہایا، الجھ، گھنگھور، (۷۴/۷۳) تیل (۷۶/۷۵) جائیو (۷۸/۷۷) بجھائیں، پیاس، چھینٹے، تڑپنا، مچلنا، (۸۰/۷۹) پر، بھڑکیں (۸۲/۸۱) بوجھ، بھاری، چھینٹ، کیاری (۸۴/۸۳) تلوؤں، دھوون، سدھارا بمعنی گیا (۸۶/۸۵) چھینکے، اجالا (۸۸/۸۷) لوٹ، ہوس، بچھڑی، گرے، تپائیں، دھرے، کھرے (۹۰/۸۹) چڑھا، کتنی، دانت، پسیے، جبھی، کتر، کنویں، (۹۲/۹۱) لاج، ہلا (بمعنی مانوس ہونا) (۹۸/۹۷) ٹھہرانے، تھانے، جانے والے، چندرانے، (۱۰۰/۹۹) سجانے، اوجڑ، چھاؤنی، جنگلات، کھانے والے (بمعنی پریشان کرنا) اگلے، بھاتے ہیں، سرہانے، سونی، جگمگا، جھٹکنے، لچکنے، پھڑکنے، بھڑکنے، بھڑکنے، بلکنے، بجھ، دہکنے، (۱۰۲/۱۰۱) کھڑکنے، پھوٹ، نیکنے، چھکنے، آیئے، بہے، تھوڑا، ہلکان، جھیلیں (۱۰۴/۱۰۳) کھڑھتے، جھلک، (۱۰۶/۱۰۵) جل تھل، بھردیئے، گندھے، گورے، دب گیا، بڑے، کدھر، (۱۱۰/۱۰۹) چھیڑ چھاڑ، اٹھان، اڑان، دھان، پان، جلی، ڈاب، (۱۱۲/۱۱۱) اترتے چاند، پاکھ، بھیڑیوں، اکتاتا، کٹیلی، چھیلنے، چونکا، کھوئی، (۱۱۴/۱۱۳) رکھوالی، گٹھری، تاکی، متوالی، سونا، (دھات) سُونا، سونا (نیند) ملنا، جھنجھلا، بڑنا، لاکھوں، جمائی، انگڑائی، گالی، اوندھے، مینھ، پھسلن، پٹکوں (۱۱۶/۱۱۵) بس کی گانٹھ، بھولی، بھالی، ڈائن، للچایا، سستا، بیچ، چکائیں، چھٹی (۱۱۸/۱۱۷) گھاتی، ٹھانی (۱۲۰/۱۱۹) بن، آئی، للکار، دیرلگائی، سلگنا، دھونی، رمائی، گنوائی، پرائی، ہٹ (۱۲۲/۱۲۱) بھا گیا (۱۲۴/۱۲۳) تپلی (۱۲۸) سور، (۱۲۹) ادھر، (۱۳۰) ہاتھی، ڈوباؤ، جھیل، (۳۳) جاڑوں، بھتیجے، بیٹے، (۱۳۵/۱۳۴) ندی، کھبتی

چھبتی گجر، ہری، بالیں (۱۳۶/۳۷ کا لک، چھڑاؤ گے ،جھالے دھن، جاگ، گنی شبھ، گھڑی سل سرکی (۱۳۸/۱۳۹) چاند (بمعنی عیش ومزہ) (۱۴۰/۱۴۱) دھج بسر، نگر، س، دولہا، بنیں (بمعنی دولہن) سجیلی پی کے پاس، سہاگن ،کنور (۱۴۲/۱۴۳) نچھاور، نکھرے کھنڈر (۱۴۴/۱۴۵) سو، بل، گنتھی دیں، سنکی (۱۴۶) چھوٹ، پھبن، نکھر، سنورا اک تل میں ،بناؤ، جھوما، جھومر ،کان، ڈھلک، پھہار، موتی جھڑکر، گود، بھرے، دھانی، چنے ،پہاڑیوں، چھڑیاں، دھار لچکا، تھل ٹکے ،کٹورے ،اترن، رت ،سہانی ،جوڑا (بمعنی لباس) بڑھاکے ،بکے ابل، لہلہارہے، اجالتے، کھنگالتے ،تب، ٹیلے لوٹتے تھے، تھان ،چھاؤں (۱۴۹/۱۵۰) بھبھوکا، پھوٹا، تیور ،دن پھرے تھے (۱۰۱/۱۵۲) جھجھکتے ابھرا، دوئی، جنم، بھنور، ہار کنول ،لچکیے ،ارہ ،(۱۵۴/۱۵۵) بائیں ۱۵۶/)

حدائق بخشش حصہ دوم:

باڑا، تارا ،جھکا، ننھا، پودہ ،چھائی، ماتھے، بھردے، دن دونا، دے ڈال، ڈھلکا، (۳۱۲) تھراتا، گپھا ستھرا، کورا، گاتی ،بینوں ،لہرا، دھڑکا، بھرن ،اڈا، ٹھنڈا، بٹھا یا کچا، توڑا، بھیک ،بٹتا، جھرمٹ اندھا، مانگتا، پہروں، چھپٹ کر، منھ ،ٹیکا ،پہرا (بمعنی چوکیداری) اوڑھے، بوندیاں ،رمنا، کھل ،کنول ،کوڑا (۶/۷) چوندھیا، بجلی، سورج، کھلونا، (۸/۹) چمپئی، پنکھڑی، کلی، اگال، بن، ساتوں، نہر، بری، (۱۰/۱۱) چڑیاں، دانہ، پانی (۱۲/۱۳) دوہائی، بھنور، ہوا، گھائل (۱۴/ص) بھرن، جھالا (۱۶/۱۷) چاند نا، دیر، رچادو، بھولا، جھونکوں، آندھیوں (۱۸/۱۹) تڑکا، داتا، نکمے، مہنگے، کوڑی، تین، پاٹ، گھاٹ (۲۰/۲۱) ٹھیک (۲۲/۲۳) مرجھائی، کلیاں (۲۹) گھٹا، بھنوؤں، جھلملائے (۴۰/۴۱) تیلی، کھاری، کویں، کنجی، جوبن، چھڑیں (۴۲/۴۳) بہیں، جو، روٹی، کھنچ، بناوٹ (۴۴/۴۵) بھینی، میٹھی، سادی، جھلاجھل (۴۶/۴۷) آنچل (۴۸/۴۹) دسوں (۵۰/۵۱) باپ، بھائی، بہن، نباہو (۵۲/۵۳/۵۴) کراہو، (۷۱) براہو، کلس، جھولیاں، پھیلاؤ (۷۴) سماں، جیے، آٹھوں، کچی، متیں، گتیں، جھپک، لپک (۲۶) (۸۰/۸۱) چٹک، دمک، دھار، تکے، ادھار، کھٹک (۸۲/۸۳) چوڑھا، چمار، کھائے ،تپ اندھیر، گھنگھور، بھٹکا (۸۴/۸۵) گھس، انگاروں، جپا، تجدیا (۸۶/۸۷) دیو، چھینا، کنواری، جایا۔ تھالے، تپک ڈھونڈھو، کھڑا، موا (۸۸/۸۹) بہک، سکے، جھوٹے، لڑائی، تھوپا، (۸۹/۵۱) بٹیر، کووں، دے بیٹھے، چومے، بٹے (۹۲) چرتے، ڈھول، آدھے۔

اب ہم آخر میں امام سخن کا وہ کلام پیش کرتے ہیں، جس کی بانگی کسی بھی شاعر کے یہاں دیکھنے کونہیں ملتی۔عرب وعجم میں نہ ہمیں کوئی شاعر اور نہ ہی کسی شاعر کا ایسا کلام میسر یا پھر یہ کہہ لیں کہ ہمیں دیکھنے سننے کو نہ ملا، کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم آپ نے کیسے لگایا حالانکہ آپ نے نہ جملہ شعراء کو پڑھا اور نہ ہی ساری زبانوں پر قادر پھر حکم چہ معنی دارد؟ تو چلئے عقل کے تراوز پر حکم کو تولتے ہیں۔ اہل عرب غیر عربی پر قادر نہیں اور اگر تھوڑی بہت کوئی زبان بولتے بھی ہیں تو ٹوٹی پھوٹی مثلاً فی زمانہ انگلش کا استعمال کرتے ہیں مگر (ٹ ڈ ڑ ،پ) جیسے الفاظ ان سے آج بھی ادا نہیں ہوتے یہ میرا مشاہدہ ہے اور کوئی زبان بولنا اور ہوتا ہے اور لٹریچر یا شاعری کی زبان ،محاورات کا استعمال کم از کم اہل عرب کے یہاں تو متصور نہیں۔ اہل فارس عربی وفارسی پر اچھا عبور رکھتے رہے ہیں، رکھ سکتے ہیں مگر تیسری زبان وہاں کے شعراء سے بھی مسموع نہیں۔ انگلش شعراء سے بھی دوسری زبانوں میں شاعری آج تک نہ پڑھی سنی باقی رہے اردو شعراء تو تین زبانوں کا استعمال حضرت امیر خسرو، ڈاکٹر اقبال کے یہاں دیکھنے کوملتا ہے اردو فارسی عربی ہندی کے کچھ الفاظ ضرور لاتے ہیں مگر مستقل طور پر کوئی غزل جس میں عربی اردو ، فارسی ہندی کا استعمال کیا ہو دیکھنے کو نہیں ملتی مگر امام سخن نے مستقل طور پر چار زبانیں استعمال کیں ، جزوی طور پر چھ رجسٹرڈ زبانیں پانچ ہیں عربی ، فارسی ،اردو ، ہندی ، سنسکرت رجسٹرڈ ہیں بھوجپوری بولی جانے والی زبان ہے بقیہ پانچوں لکھنے پڑھنے والی زبانیں ہیں اور جس خوبصورتی سے ایک ہی مصرع میں قافیہ بندی کے تحت عربی فارسی اور مصرع ثانی میں

اردو، ہندی، سنسکرت، بھوجپوری کا استعمال رعایت سجع کے طور پر کیا ہ دیکھتے ہی بنتا ہے ملاحظہ ہوایک الگ انداز میں۔

پہلے حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ عنہ کی یہ ہندی و فارسی زبان کے سنگم والی غزل ملاحظہ ہو:

زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیو کا ہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف وروز وصلت چوں عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا غریب خسرو
سپیت من کے ورائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں
(کلام حضرت امیر خسرو)

کلام امام سخن:

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تو رے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اب سجع ملاحظہ ہو:

البحر علی والموج طغٰی من بے کس طوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
یا شمس نظرالی لیلٰی چوبطیبہ رسی عرضی بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
لک بدرفی الوجہ الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابراجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
انافی عطش وسخاک اتم ائے گیسوئے پاک ائے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یا قافلتی زیدی اجلک رحمے برحسرت تشنہ لبک
مورا جیرا الرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
واھا لسویعات ذھبت آں عہد حضور بارگہت
جب یاد آوت موہے کرنہ پرت درداوہ مدینہ کا جانا
القلب شج والھم شجون دل زار چناں جان زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کا سے کہوں مورا کون ہے تیرے سوا جانا
الروح فداک فزدحرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
بس خامہ خام نوائے رضا نہ یہ طرز میری نہ یہ ڈھنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

ذرا غور فرمائیں! جو حرف عربی جملہ عربی کے اختتام پر آرہا ہے وہی حرف جملہ فارسی و ہندی اور سنسکرت کے اخیر میں بھی آرہا ہے یہ کمال کہیں اور نہ ملے گا اسی لیے تو کسی شاعر نے کہا ہے:

اعلیٰ حضرت ہے اعلیٰ مقام آپ کا
اس لیے اعلیٰ حضرت ہے نام آپ کا

☆☆☆

آفتاب نکلنے میں ابھی دو منٹ اڑتالیس سیکنڈ باقی ہیں:

☆☆☆

مولوی برکات احمد صاحب مزید فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت بدایون تشریف لے گئے، حضرتِ محبّ الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی کے یہاں مہمان تھے، ''مدرسہ قادریہ'' کی مسجد میں خود حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی امامت فرماتے۔

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت بھی وہاں جلوہ گر تھے، جب فجر کی تکبیر شروع ہوئی تو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نے اعلیٰ حضرت کو امامت کے لیے آگے بڑھا دیا۔ اعلیٰ حضرت نے نمازِ فجر کی امامت کی اور قراءت اتنی طویل فرمائی کہ مولانا عبدالقادر کو بعدِ سلام شک ہوا کہ کہیں آفتاب طلوع تو نہیں ہو گیا، مسجد سے نکل نکل کر لوگ آفتاب کی جانب دیکھنے لگے، یہ حال دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ''آفتاب نکلنے میں ابھی 2 منٹ 48 سیکنڈ باقی ہیں'' یہ سن کر لوگوں کی تسلی ہو گئی۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت مکتبہ نبویہ لاہور ص 248)

فہرست فتاویٰ ورسائل رضویہ

فہرست نگار
مولانا مفتی حسان المصطفیٰ امجدی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

حضرت مولانا مفتی حسان المصطفیٰ قادری امجدی بن حضرت مولانا فداء المصطفیٰ قادری بن صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی امجد علی قادری رضوی قدس سرہ العزیز ۸: جنوری ۱۹۹۳ء کو قصبہ گھوسی ضلع مئو (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم (گھوسی) میں پائی۔ درجہ اولیٰ سے شعبہ تخصص فی الفقہ والافتا تک کی تعلیم جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں حاصل کی۔ شعبہ فضیلت کی تکمیل ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء میں کی اور ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء میں شعبہ تخصص فی الفقہ والافتا سے فارغ التحصیل ہوئے۔ بعد فراغت تاامروز جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) میں تدریس وافتا کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ قریباً ایک درجن مضامین ومقالات رقم فرما چکے ہیں۔ متعدد مضامین ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) میں شائع ہوکر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مفتی موصوف ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کی مجلس ادارت کے متحرک وفعال رکن ہیں۔ رابطہ نمبر: 7007320389

فتاویٰ رضویہ کی تاریخ طباعت

فتاویٰ رضویہ کی ترتیب سب سے پہلے اعلیٰ حضرت کے دور میں ۱۳۲۷ھ میں ہوئی تھی، اور یہ سات ضخیم جلدوں پر مرتب کی گئی تھی۔ ہر جلد کے صفحات چودہ سو سے سولہ سو تک محیط تھے۔ جلدیں زیادہ ضخیم ہوگئی تھیں، اس لیے احباب کے مشورے پر اعلیٰ حضرت نے ان سات جلدوں کو ۱۲ جلدوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ بارہ جلدوں میں منقسم ہونے کے باوجود صفحات کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہی رہی، جب کہ فتاویٰ غیر مکرر تھے۔ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کی نقل کا آغاز ۱۲۹۷ھ سے ہوا، اور فتاویٰ رضویہ کی ترتیب ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے کل ۲۹: سال کے فتاویٰ ہی اس میں شامل ہوسکے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۲۸۶ھ میں فتویٰ نویسی کا آغاز کر دیا تھا۔ ۱۲۸۶ھ سے لے کر ۱۲۹۷ھ تک نقل فتاویٰ کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لیے ان بارہ سالوں کے فتاویٰ کی نقل محفوظ نہ رہ سکی۔ یوں ہی آپ کی سن وفات ۱۳۴۰ھ ہے، اور فتاویٰ رضویہ کی ترتیب اول کا سن ۱۳۲۷ھ ہے، لہٰذا اس لحاظ سے بھی بعد کے ۱۳: سال کے فتاویٰ یقیناً ترتیب اول میں شامل نہیں ہوئے ہوں گے، البتہ بعد میں ان تیرہ سال کے کتنے فتاویٰ شامل کیے گئے، اس کا اندازہ لگانا بڑا مشکل ہے۔ فتاویٰ رضویہ جدید ایڈیشن میں بڑی تلاش وجستجو کے بعد رسائل ومسائل کا کافی اضافہ ہوا ہے، لیکن اب بھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کے سارے فتاویٰ شامل اشاعت ہوگئے۔

فتاویٰ رضویہ کی اشاعت:

فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد تقریباً ۱۳۳۵ھ میں اعلیٰ حضرت کی حیات میں شائع ہوگئی تھی۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی انتہائی محنت ولگن اور جانفشانی کے سبب مطبع اہل سنت بریلی شریف سے اس کی اشاعت ہوئی تھی۔ نو (۹) سال کے بعد ۱۳۴۴ھ میں دوسری جلد بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اسے بھی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ہی نے مطبع اہل سنت بریلی شریف سے شائع کیا تھا۔ حضور صدر الشریعہ مطبع اہل سنت کے روح رواں تھے۔ اکثر کتابوں کی اشاعت آپ ہی کے زیر نگرانی ہوتی۔ فتاویٰ رضویہ کی ابتدائی دو جلدوں کے علاوہ اعلیٰ حضرت کے تقریباً ۳۵: رسائل بھی آپ کی نگرانی میں شائع ہوئے۔

پرانی ترتیب کے حساب سے جلد چہارم کا آخری حصہ اور موجودہ قدیم جلدوں کے اعتبار سے جلد پنجم کا ابتدائی حصہ یعنی کتاب النکاح چار قسطوں میں ۱۳۴۶ھ، یا ۱۳۴۷ھ میں حضور مفتی اعظم ہند اور علامہ حسنین رضا خان علیہما الرحمۃ والرضوان کی نگرانی میں شائع ہوا۔ پہلی، دوسری اور پانچویں جلد حصۂ کتاب النکاح کی اشاعت کے بعد طباعت کا سلسلہ ایک لمبے عرصے تک موقوف رہا۔

انتیس سال کے ایک طویل وقفے کے بعد فتاویٰ رضویہ کی بقیہ جلدوں کی اشاعت کا سلسلہ مبارکپور سے شروع ہوا۔ اس اہم کام کا بیڑا مولانا عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے اٹھایا۔ مولانا عبد الرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ کے دل میں پہلے ہی اس کی اشاعت کی آرزو تھی، اعلیٰ حضرت کے اس عظیم کارنامہ کو ارباب علم وفضل تک پہنچانے کی خواہش مچل رہی تھی، پھر اسباب کچھ یوں پیدا ہوئے کہ ایک مرتبہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور تشریف لائے۔ حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب نے حضور مفتی اعظم ہند سے فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کے بارے میں استفسار کیا۔ مفتی اعظم ہند نے فرمایا: آپ لوگوں کے علاوہ کس سے اس کام کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ اس تاریخی جملے نے مولانا عبد الرؤف علیہ الرحمہ کے حوصلے کو مزید تقویت بخشی۔ مولانا موصوف نے اشاعت کی

اجازت حاصل کی اور بریلی شریف سے جلد سوم (۳) سے جلد ہشتم (۸) تک کا مسودہ حاصل کیا گیا۔ مولانا عبدالرؤف علیہ الرحمہ نے اس اہم کام کے لیے مبارکپور میں سنی دارالاشاعت کی بنیاد رکھی اور کام شروع ہوگیا۔ مولانا کے اس اہم کام میں ان کے رفیق کار تین افراد اور تھے: بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ، مولانا محمد شفیع علیہ الرحمہ: نائب ناظم دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور، مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ: ناظم دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور

محرم ۱۳۷۹ھ مطابق جولائی ۱۹۵۹ء میں کام کی ابتدا ہوئی۔ ۳۳: سالوں میں جلد سوم سے جلد ہشتم تک کی چھ جلدیں سنی دارالاشاعت مبارکپور کی نگرانی میں شائع ہوئیں۔ سنی دارالاشاعت کا یہ عظیم الشان کام شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق فروری ۱۹۹۲ء کو اختتام پذیر ہوا۔

ماہ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ میں جب کام کا آغاز ہوا، تو دو جلدیں پہلے ہی شائع ہوچکیں تھیں، لہٰذا اب تیسری جلد منتظر طباعت تھی۔ دوسال کی مسلسل جدوجہد اور محنت کے بعد ۱۳۸۱ھ میں تیسری جلد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگئی۔ اس جلد کی تصحیح کا کام مولانا عبدالرؤف اور مفتی بحرالعلوم علیہما الرحمہ نے کیا اور فہرست تنہا مولانا عبدالرؤف صاحب نے تیار کی۔ تقریباً دوسال بعد ۱۳۸۳ھ میں چوتھی جلد بھی کتابت کے لیے بھیج دی گئی اور ۴ سال بعد ۱۳۸۷ھ میں یہ جلد شائع ہوسکی۔ اس جلد کی فہرست سازی بھی مولانا عبدالرؤف صاحب نے کی ہے۔ پانچویں جلد ۱۳۸۹ھ میں پریس کے حوالے کی گئی اور آٹھ سال بعد ۱۳۹۷ھ میں شائع ہوسکی۔

جلد پنجم کی تیاری کے دوران ہی مولانا عبدالرؤف علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا، لہٰذا اب ساری ذمہ داری مفتی بحرالعلوم علیہ الرحمہ کے کاندھوں پر آگئی۔ مفتی صاحب نے اپنی محنت و مشقت سے اس عظیم کام کو بحسن وخوبی اختتام تک پہنچایا اور جلد پنجم سے جلد ہشتم کی ترتیب و طباعت اور فہرست سازی آپ کے زیر نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچی۔ چھٹی جلد کی اشاعت ۱۴۰۱ھ میں ہوئی۔ ساتویں جلد چھ سال بعد ۱۴۰۷ھ میں طباعت کے مراحل سے گذر کر لوگوں تک پہنچی۔ آٹھویں جلد کی اشاعت ۱۴۱۲ھ میں ہوئی۔ اس طرح یہ چھ جلدیں ۳۳: سالوں میں اشاعت پذیر ہوگئیں۔ نویں اور دسویں جلد کی اشاعت مکتبہ ایوان رضا بیسل پور سے ہوئی۔ گیارہویں جلد حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی نگرانی میں ادارۂ تصنیفات رضا بریلی شریف سے شائع ہوئی، لیکن یہ تینوں جلدیں ناقص ہی ملیں۔ بارہویں جلد اعلیٰ حضرت کے پچھترویں عرس کے موقع پر مکمل سیٹ کے ساتھ پہلی مرتبہ ۱۴۱۵ھ میں رضا اکیڈمی ممبئی سے شائع ہوئی۔

فتاویٰ رضویہ مترجم:

رضویات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اور اداروں نے فتاویٰ رضویہ کو نئے اور جدید طرز پر پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ چنانچہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے اپنی پوری ٹیم کے ساتھ فتاویٰ رضویہ قدیم ۱۲: جلدوں کی تخریج کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی عبارات ورسائل کا اردو ترجمہ کروایا، اور ۳۰: ضخیم جلدوں میں رضا فاؤنڈیشن لاہور سے شائع کر کے ایک اہم ترین فریضہ سے قوم کو سبک دوش کیا۔ ہندوستان میں علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب نے ۲۰۰۳ء میں اپنے اشاعتی ادارہ ''مرکز اہل سنت برکات رضا'' پوربندر گجرات سے اسے شائع کیا۔

فتاویٰ رضویہ جدید:

حضرت مولانا حنیف خاں رضوی بریلوی نے فتاویٰ رضویہ قدیم کو انتہائی خوبصورت، دیدہ زیب اور جدید طرز پر ۲۲: مجلدات میں شائع کیا ہے۔ یہ ۲۲: جلدیں امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف سے ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئیں۔ اس اشاعت میں دور جدید کے تمام تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ تصحیح کے ساتھ تخریج کا مکمل اہتمام، رموز اوقاف کی رعایت، جدید املا کا لحاظ اور مسائل کے عناوین قائم کیے گئے ہیں۔ خاص بات

رسائل کو بھی موضوع کے اعتبار سے اس کے باب کے تحت شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ چوں کہ مولانا حنیف خاں صاحب رضوی کا ارادہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے اصل فتاویٰ کی اشاعت کا تھا، اس لیے ترجمے سے گریز کیا گیا ہے۔ البتہ اکابرین کے ترجمے، جو پہلے سے شائع شدہ تھے، اسے بھی شامل کرلیا ہے۔ یہ اہم ترین کارنامہ ''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف'' اور ''ادارۂ اہل سنت کراچی'' کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اپنی بات:

برادر اکبر حضرت مولانا مفتی فیضان المصطفیٰ قادری: مدیر اعلیٰ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے حکم پر ہم نے فتاویٰ رضویہ کی اجمالی فہرست ''کتاب'' اور ''ابواب'' کے اعتبار سے تیار کردی ہے۔ اس فہرست کو تیار کرنے کے لیے ہم نے ان تین نسخوں کا انتخاب کیا، جو فی الحال ہندوپاک میں شائع ومتداول ہیں اور جس سے لوگ استفادہ کررہے ہیں۔ (۱) فتاویٰ رضویہ قدیم ۱۲: مجلدات، جو رضا اکیڈمی ممبئی نے شائع کیا ہے۔ (۲) امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کی شائع کردہ فتاویٰ رضویہ، جو ۲۲: جلدوں میں ہے۔ (۳) فتاویٰ رضویہ مترجم جو ۳۰: جلدوں میں مرکز اہل سنت پور بندر گجرات سے شائع ہوئی ہے۔

ان تینوں نسخوں میں شامل رسائل اعلیٰ حضرت کی فہرست سازی بھی ہم نے کردی ہے۔ قدیم جلدوں میں رسائل کی تعداد ۱۲۰: ہے، جب کہ فتاویٰ رضویہ مترجم میں ۲۰۶: رسائل شامل ہیں، اور ۲۲: جلدوں والی جدید فتاویٰ رضویہ میں ۲۲۴: رسالے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے متعدد ایسے رسالے ہیں جو مفقود ہیں، اس لیے وہ شامل اشاعت نہ ہوسکے۔ رسائل کی فہرست جدید فتاویٰ رضویہ سے ماخوذ ہے، یعنی جس طرح جدید فتاویٰ رضویہ میں رسائل کی ترتیب ہے، اسی اعتبار سے ہم نے رسالوں کی ترتیب رکھی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اپنے رسالے کا عربی اور تاریخی نام رکھتے ہیں، اس لیے ہم نے رسالے کے سامنے سن کتابت بھی تحریر کردیا ہے۔ رسالوں کے نام عربی میں ہونے کی وجہ سے اسے درست پڑھنا کافی مشکل ہوتا ہے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ انہیں اعراب سے مزین کرکے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا، لیکن وقت کی تنگی دامن گیر رہی۔ رسالوں کے نام کا اردو ترجمہ بھی لکھنے کا خیال تھا، لیکن اس مختصر سی فہرست میں ہمیں یہ کام زیادہ نفع بخش معلوم نہ ہوا، کیوں کہ اگر اردو ترجمہ کربھی دیا جائے، پھر بھی رسالے کے اصل موضوع تک پہنچنا عام قارئین کے لیے انتہائی مشکل اور دشوار ہے، اس لیے ہم نے رسالے کا اصل موضوع اردو میں تحریر کردیا ہے، تاکہ قارئین رسالے کے اصل موضوع تک بیک نظر پہنچ سکیں۔ رسائل کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے نہیں کی گئی ہے۔ بعد میں ہمیں اس کمی کا کافی شدت سے احساس ہوا۔ اگر رسائل کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہوتی، تو رسالے کی تلاش وجستجو میں بڑی آسانی پیدا ہوجاتی۔

سب سے پہلے ہم نے قدیم فتاویٰ رضویہ (۱۲: مجلدات)، پھر جدید فتاویٰ رضویہ (۲۲: مجلدات) اور آخر میں مترجم فتاویٰ رضویہ کی فہرست سازی کی ہے۔ ابواب وکتب کی فہرست میں ضرورت کی جگہ ہم نے مشمولات کی بھی وضاحت کردی ہے کہ اس باب یا کتاب میں کس قسم کے فقہی مسائل کا بیان ہوگا۔ اعلیٰ حضرت نے اردو، عربی اور فارسی تینوں زبان میں رسالے تحریر فرمائے ہیں، ہم نے ان تمام رسائل کی زبان کی بھی وضاحت کردی ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی اجمالی فہرست اور رسائل رضویہ کی مع موضوعات فہرست سازی یہ دونوں کام بظاہر معمولی لیکن کافی محنت طلب ہیں۔ اس کا احساس ہمیں اس وقت ہوا جب ہم نے اس کام کی ابتدا کی۔ خیر بفضل الٰہی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ بشری تقاضے کے مطابق ابواب ورسائل کی فہرست سازی یا رسائل کے موضوعات میں غلطی کا امکان ہے، قارئین اگر ملاحظہ کریں، ضرور مطلع کریں۔

فہرست ابواب فتاویٰ رضویہ

عناوین	فتاویٰ رضویہ قدیم		فتاویٰ رضویہ جدید		فتاویٰ رضویہ مترجم	
کتاب/باب	**جلد**	**صفحہ**	**جلد**	**صفحہ**	**جلد**	**صفحہ**
كتاب الطهارة ،باب الوضوء	۱	۶ تا ۹۴	۱	۳۸۱ تا ۵۵۸	۱	۱۷۹ تا ۴۳۸
باب الغسل	۱	۹۴ تا ۲۳۴	۱	۵۵۹ تا ۸۵۴	۱	۴۳۹ تا ۸۲۴
باب المياه	۱	۲۳۴ تا ۵۷۸	۲	۱۷ تا ۶۴۲	۲ ۳	مکمل جلد ۴۱ تا ۲۹۵
باب التيمم	۱	۵۷۹ تا ۸۴۹	۳	۱۷ تا ۴۵۳ (مکمل)	۳ ۴	۲۹۷ تا ۷۴۱ ۳۱ تا ۳۲۰
باب الوضوء	۲	۱۷ تا ۱۸	---	---	۴	۳۲۱ تا ۳۲۲
باب الغسل	۲	۱۸ تا ۲۰	---	---	۴	۳۲۳ تا ۳۲۶
باب المياه	۲	۲۱ تا ۲۸	---	---	۴	۳۲۷ تا ۳۳۷
فصل البئر	۲	۲۸ تا ۳۲	۲	۶۰۳ تا ۶۴۲	۴	۳۳۹ تا ۳۴۳
باب المسح على الخفين	۲	۳۲ تا ۳۳	۳	۴۵۵ تا ۴۵۸	۴	۳۴۵ تا ۳۴۸
باب الحيض	۲	۳۳ تا ۴۱	۳	۴۵۹ تا ۴۷۲	۴	۳۴۹ تا ۳۶۶
فصل فی المعذور	۲	۴۱ تا ۴۷	۳	۴۷۳ تا ۴۷۹	۴	۳۶۷ تا ۳۷۵
باب الانجاس	۲	۴۷ تا ۱۴۰	۳	۴۸۱ تا ۶۰۵	۴	۳۷۷ تا ۵۷۳
باب الاستنجاء	۲	۱۴۰ تا ۱۶۲	۳	۶۰۷ تا ۶۳۲	۴	۵۷۵ تا ۶۱۰
كتاب الصلوٰة	۲	۱۶۳	۴	۱۷	۵	۴۳
باب الاوقات	۲	۲۰۳ تا ۳۶۹	۴	۱۷ تا ۲۷۰	۵	۱۲۱ تا ۳۴۲
فصل فی اماكن الصلوٰة	۲	۳۶۹ تا ۳۷۹	---	---	۵	۳۴۳ تا ۳۵۹
باب الاذان و الاقامة	۲	۳۷۹ تا ۵۵۹	۴	۲۷۱ تا ۵۱۱	۵	۳۶۱ تا ۶۷۷
باب شروط الصلوٰة	۳	۱ تا ۴۱	۴	۵۱۳ تا ۵۳۰	۶	۲۹ تا ۵۲
باب اماكن الصلوٰة	۳	۴۱ تا ۴۵	۴	۵۸۱ تا ۶۵۶	۶	۱۳۱ تا ۱۴۱
باب القبلة / كشف العلة عن سمت القبلة			۴	۵۳۱ تا ۵۷۹ ۶۵۹ تا ۹۳۸	۶	۵۳ تا ۱۲۹

باب صفة الصلوٰة	۳	۴۶تا۸۷	۴	۵۹۱تا۶۵۶	۶	۱۴۳تا۲۳۷
باب القراءت	۳	۸۷تا۱۴۶	۵	۱۷تا۱۱۹	۶	۲۳۹تا۳۷۸
باب الامامة	۳	۱۴۶تا۳۱۳	۵	۱۲۱تا۳۹۸	۶	۳۷۹تا۴۲۱
باب الجماعة	۳	۳۱۳تا۴۰۰	۵	۳۹۹تا۵۵۷	۷	۳۷تا۲۵۲
باب مفسدات الصلوٰة	۳	۴۰۰تا۴۱۴	۵	۵۵۹تا۵۸۴	۷	۲۵۳تا۲۸۹
باب مکروهات الصلوٰة	۳	۴۱۴تا۴۵۲	۵	۵۸۵تا۶۵۷	۷	۲۹۱تا۳۹۶
باب الوتر والنوافل	۳	۴۵۲تا۵۷۵	۵	۶۵۹تا۸۷۳	۷	۳۹۷تا۷۰۶
باب احکام المسجد	۳	۵۷۵تا۶۱۰	۶	۱۷تا۷۸	۸	۵۷تا۱۲۷
باب ادراک الفریضة	۳	۶۱۰تا۶۱۴	۶	۷۹تا۸۷	۸	۱۲۹تا۱۳۹
باب قضاء الفوائت	۳	۶۱۴تا۶۳۰	۶	۸۹تا۱۱۵	۸	۱۴۱تا۱۷۵
باب سجود السهو	۳	۶۳۰تا۶۴۹	۶	۱۱۷تا۱۵۱	۸	۱۷۷تا۲۲۱
باب سجود التلاوة	۳	۶۴۹تا۶۵۵	۶	۱۵۳تا۱۶۶	۸	۲۲۳تا۲۳۹
باب صلاة المسافر	۳	۶۵۵تا۶۷۰	۶	۱۶۹تا۱۹۲	۸	۲۴۱تا۲۷۲
باب الجمعه	۳	۶۷۰تا۷۷۵	۶	۱۹۳تا۶۸۸	۸	۲۷۳تا۵۰۷
باب العیدین	۳	۷۷۵تا۸۱۵	۶	۶۸۹تا۸۲۲	۸	۵۰۹تا۶۳۹
باب الکسوف والاستسقاء	۳	۸۱۵تا۸۱۵	۶	۸۲۳تا۸۲۵	۸	۶۴۰تا۶۴۰
باب الجنازہ/کتاب الجنائز	۴	۱تا۳۷۷	۷	(مکمل جلد)	۹	(مکمل جلد)
کتاب الزکاة	۴	۳۷۷تا۵۱۱	۸	۱۷تا۲۲۲	۱۰	۶۳تا۳۳۰
کتاب الصوم	۴	۵۱۱تا۶۶۱	۸	۲۲۴تا۴۷۱	۱۰	۱۳۱تا۶۵۵
باب مفسدات صوم	۴	۵۸۴تا۵۹۷	۸	۳۴۳تا۳۶۶	۱۰	۴۸۲تا۵۱۱
باب القضا والکفارة والفدیة	۴	۵۹۷تا۶۱۳	۸	۳۶۷تا۳۹۷	۱۰	۵۱۳تا۵۵۱
مکروہات کا بیان	۴	۶۱۳تا۶۱۷	۸	۳۹۷تا۴۰۲	۱۰	۵۵۲تا۵۵۹
سحر وافطار کا بیان	۴	۶۱۸تا۶۵۷	۸	۴۰۳تا۴۶۵	۱۰	۵۶۱تا۶۴۵
صوم نفل	۴	۶۵۷تا۶۶۱	۸	۴۶۶تا۴۷۱	۱۰	۶۴۷تا۶۵۵
کتاب الحج	۴	۶۶۱تا۷۲۴	۸	۴۷۳تا۶۲۱	۱۰	۶۵۷تا۶۹۸
شرائط حج	۴	۶۸۰تا۶۸۷	۸	۵۲۲تا۵۳۰	۱۰	۶۹۹تا۷۱۱
باب الجنایات	۴	۶۸۷تا۶۹۰	۸	۵۳۱تا۵۴۱	۱۰	۷۱۳تا۷۲۴
کتاب النکاح	۵	۸۹تا۵۹۷	۹	۱۷تا،،،	۱۱	۱۰۹تا۳۰۹

باب المحرمات	۵	۲۱۶ تا ۳۳۷	۹	۱۷۷ تا ۳۴۴	۱۱	۳۱۱ تا ۵۲۰
باب الولی	۵	۳۳۸ تا ۴۳۹	۹	۳۴۵ تا ۴۶۶	۱۱	۵۲۱ تا ۶۸۷
باب الکفاءۃ (کفو کا بیان)	۵	۴۳۹ تا ۴۶۷	۹	۴۶۷ تا ۵۰۴	۱۱	۶۸۸ تا ۷۳۶
باب المہر	۵	۴۶۸ تا ۵۲۸	۹	۵۰۵ تا ۵۷۴	۱۲	۱۰۱ تا ۱۹۹
باب الجہاز (جہیز کا بیان)	۵	۵۲۹ تا ۵۶۲	۹	۵۷۵ تا ۶۱۱	۱۲	۲۰۱ تا ۲۶۰
باب نکاح الکافر	۵	۵۶۳ تا ۵۶۷	۹	۶۱۳ تا ۶۱۹	۱۲	۲۶۱ تا ۲۶۶
باب المعاشرۃ (زوجین کے آپسی برتاؤ کا بیان)	۵	۵۶۸ تا ۵۷۰	۹	۶۲۱ تا ۶۲۵	۱۲	۲۶۷ تا ۲۷۱
باب القسم (بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا اور مساوات کا بیان)	۵	۵۷۰ تا ۵۷۵	۹	۶۲۷ تا ۶۳۷	۱۲	۲۷۳ تا ۲۸۶
متفرقات، باب نکاح الثانی (رسالہ: اطائب التہانی)	۵	۵۷۵ تا ۵۹۷	۹	۶۳۹ تا ۶۶۲	۱۲	۲۸۷ تا ۳۱۹
کتاب الطلاق	۵	۵۹۹ تا ۹۲۹	۱۰	۱۷ تا ۱۵۵	۱۲	۳۲۱ تا ۵۱۲
باب الکنایۃ	۵	۷۰۰ تا ۷۱۷	۱۰	۱۵۷ تا ۲۳۹	۱۲	۵۱۳ت ۱۶۳۶
باب الطلاق/باب تفویض طلاق	۵	۷۱۸ تا ۸۲۰	۱۰	۲۴۰ تا ۲۵۰	۱۲	۶۳۷ تا ۶۵۶
باب تعلیق الطلاق	۵	۷۱۸ تا ۸۲۰	۱۰	۲۵۱ تا ۳۴۰	۱۳	۱۰۱ تا ۲۵۵
باب الایلاء (بیوی سے قربت نہ کرنے کی قسم کھانا)	۵	۸۲۰ تا ۸۲۲	۱۰	۳۴۱ تا ۳۴۳	۱۳	۲۵۷ تا ۲۶۱
باب الخلع (عورت سے کچھ مال لے کر اسے طلاق دینا)	۵	۸۲۳ تا ۸۲۴	۱۰	۳۴۴ تا ۳۴۵	۱۳	۲۶۳ تا ۲۶۵
باب الظہار	۵	۸۲۴ تا ۸۳۳	۱۰	۳۴۶ تا ۳۵۸	۱۳	۲۶۷ تا ۲۹۰
باب العدۃ	۵	۸۳۳ تا ۸۵۴	۱۰	۳۵۹ تا ۳۸۵	۱۳	۲۹۱ تا ۳۲۵
باب الحداد (سوگ کا بیان)	۵	۸۵۴ تا ۸۵۹	۱۰	۳۸۶ تا ۳۹۱	۱۳	۳۲۷ تا ۳۳۴
باب زوجۃ المفقود	۶	۳۱۴ تا ۳۲۰	۱۰	۳۹۲ تا ۴۰۲	۱۳	۳۳۵ تا ۳۴۸
باب النسب	۵	۸۵۹ تا ۸۷۵	۱۰	۴۰۳ تا ۴۲۳	۱۳	۳۴۹ تا ۳۸۱
باب الحضانۃ (پرورش کا بیان)	۵	۸۷۶ تا ۸۹۳	۱۰	۴۲۴ تا ۴۴۴	۱۳	۳۸۳ تا ۴۱۳
باب النفقۃ	۵	۸۹۳ تا ۹۲۹	۱۰	۴۴۵ تا ۴۹۴	۱۳	۴۱۵ تا ۴۹۳

کتاب الأیمان (قسم کا بیان)	۵	۹۳۰ تا ۹۷۲	۱۰	۴۹۷ تا ۵۶۳	۱۳	۴۹۵ تا ۵۸۰
باب النذر	۵	۹۶۱ تا ۹۷۱	۱۰	۵۴۱ تا ۵۶۱	۱۳	۵۸۱ تا ۶۰۸
باب الکفارة	۵	۹۷۱ تا ۹۷۲	۱۰	۵۶۲ تا ۵۶۳	۱۳	۶۰۹ تا ۶۱۱
کتاب الحدود والتعزیر	۵	۹۷۲ تا ۹۹۷	۱۰	۵۶۵ تا ۶۰۲	۱۳	۶۱۳ تا ۶۵۶
کتاب السیر (مرتدین اور مذاہب باطلہ کا بیان، کفریہ الفاظ کے استعمال کرنے والوں کا حکم اور دیگر مسائل کا بیان)	۶	۱ تا ۳۱۴	۱۱	۱۹ تا ۶۴۸	۱۴/۱۵	مکمل جلد
کتاب الشرکة	۶	۳۲۰ تا ۳۲۸	۱۲	۱۷ تا ۳۲	۱۶	۸۹ تا ۱۱۱
کتاب الوقف	۶	۳۲۹ تا ۵۳۶	۱۲	۳۳ تا ۴۱۰	۱۶	۱۱۳ تا ۲۵۳
باب المسجد	۶	۳۹۰ تا ۵۳۶	۱۲	۱۳۵ تا ۴۱۰	۱۶	۲۵۵ تا ۶۳۰
کتاب البیوع	۷	۱	۱۲	۴۱۱	۱۷	۸۱
باب البیع الباطل والفاسد	۷	۲۷ تا ۴۶	۱۲	۴۵۳ تا ۴۸۳	۱۷	۱۴۱ تا ۱۸۸
باب البیع المکروہ	۷	۴۷ تا ۴۸	۱۲	۴۸۴ تا ۴۸۶	۱۷	۱۸۹ تا ۱۹۲
باب بیع الفضولی	۷	۴۹ تا ۵۶	۱۲	۴۸۷ تا ۴۹۸	۱۷	۱۹۳ تا ۲۱۶
باب الاقالة (دوشخصوں کے درمیان جو عقد ہوا اسے ختم کرنے کو اقالہ کہتے ہیں)	۷	۵۶ تا ۵۷	۱۲	۴۹۹ تا ۵۰۰	۱۷	۲۱۷ تا ۲۱۸
باب المرابحة (نفع پر بیچنا)	۷	۵۷ تا ۶۲	۱۲	۵۰۱ تا ۵۱۱	۱۷	۲۱۹ تا ۲۴۱
باب التصرف فی المبیع والثمن	۷	۶۳ تا ۷۱	۱۲	۵۱۲ تا ۵۲۷	۱۷	۲۴۳ تا ۲۶۷
باب القرض	۷	۷۱ تا ۷۹	۱۲	۵۲۸ تا ۵۴۱	۱۷	۲۶۹ تا ۲۹۰
باب الربا (سود کا بیان)	۷	۷۹ تا ۲۲۹	۱۲	۵۴۲ تا ۷۸۲	۱۷	۲۹۱ تا ۵۶۰
باب الاستحقاق (اپنا حق طلب کرنا)	۷	۲۳۰ تا ۲۳۲	۱۲	۷۸۳ تا ۷۸۶	۱۷	۵۶۱ تا ۵۶۷
باب البیع السلم (قیمت فوراً ادا کرنا اور سامان بعد میں خریدار کو دینا)	۷	۲۳۲ تا ۲۴۳	۱۲	۷۸۷ تا ۸۰۴	۱۷	۵۶۹ تا ۵۹۵
باب الاستصناع (آرڈر پر کوئی چیز بنوانا)	۷	۲۴۳ تا ۲۴۵	۱۲	۸۰۵ تا ۸۰۷	۱۷	۵۹۷ تا ۶۰۰
باب الصرف (ثمن کو ثمن کے عوض بیچنا)	۷	۲۴۵ تا ۲۵۹	۱۲	۸۰۸ تا ۸۳۱	۱۷	۶۰۱ تا ۶۳۸

کتاب الاضحیة	۸	۳۸۵ تا ۵۳۸	۱۴	۵۴۵ تا ۷۶۱	۲۰	۳۵۳ تا ۵۷۹
کتاب الاضحیة، باب العقیقة	۸	۵۳۸ تا ۵۴۸	۱۴	۷۶۲ تا ۷۷۴	۲۰	۵۸۱ تا ۵۹۷
کتاب الحظر و الاباحة	۹/نصف اول ونصف آخر	(مکمل) (مکمل)	۱۵/۱۶ ۱۷	(۲ جلد مکمل) ۱۷ تا ۲۵۹	۲۱/۲۲/ ۲۳/۲۴	(۴ جلد مکمل)
کتاب المداینات (باہم قرضوں کے لین دین کا بیان)	۱۰	۱ تا ۳۷	۱۷	۲۶۱ تا ۲۷۷	۲۵	۵۳ تا ۷۵
کتاب الأشربة (پینے کی چیزوں کا بیان)	۱۰	۳۸ تا ۹۲	۱۷	۲۷۹ تا ۳۵۲	۲۵	۷۷ تا ۲۱۶
کتاب الوصایا	۱۰	۹۳ تا ۲۷۹	۱۷	۴۰۵ تا ۶۱۹	۲۵	۳۰۵ تا ۶۵۸
کتاب الرهن	۱۰	۲۸۰ تا ۳۲۵	۱۷	۳۵۳ تا ۴۰۳	۲۵	۲۱۷ تا ۳۰۲
کتاب الفرائض (وراثت کا بیان)	۱۰	۳۲۶ تا ۵۲۷	۱۷	۶۲۱ تا ۸۳۴	۲۶	۵۵ تا ۳۹۴
کتاب العقائد و الکلام	۱۱[1]	(مکمل جلد)	۱۸	(مکمل جلد)	۲۹	۹۱ تا ۷۴۹
کتاب المناقب و الفضائل			۱۹	مکمل جلد	۲۸	۳۶۱ ت ۱۶۸۴
کتاب الرد و المناظرة			۲۰/۲۱/۲۲[2]	۲ جلد مکمل ص ۱۷ تا ۵۲۳		
کتاب الشتیٰ (ان متفرق مسائل کا بیان جن کا تعلق بظاہر کسی خاص باب سے نہ ہو)	۱۲	مکمل جلد	۲۲	۵۲۵ تا ۷۷۱	۲۶۔ ۲۷، ۲۸[3]، ۲۹، ۳۰	۳۹۵ تا ۶۱۳ (مکمل) (مکمل)

۱ فتاوی رضویہ قدیم کی گیارہویں جلد مسائل کلامیہ، ردومناظرہ۔اور بارہویں جلد تاریخ،تفسیر، تجوید، رسم قرآن، دینیات، ردومناظرہ اور دیگر مسائل پر مشتمل ہے۔

۲ فتاویٰ رضویہ جدید کی جلد نمبر ۲۰، ۲۱، ۲۲ کتاب الردوالمناظرہ پر مشتمل ہے۔جلد نمبر ۲۰ رمیں تیرہ (۱۳) رسائل ہیں، جو کہ فرقہ وہابیہ اسماعیلیہ اور فرقہ وہابیہ دیوبندیہ، نیچریہ کے رد میں ہیں۔جلد نمبر ۲۱، ۱۱ رسائل پر مشتمل فرقہ روافض وتفضیلیہ اور فرقہ وہابیہ غیر مقلدین کے رد میں ہے۔جلد نمبر ۲۲ رمیں کتاب الردوالمناظرہ کے تحت فرقہ قادیانیہ مرزائیہ اور سائنس وفلسفہ کی تردید میں ۱۰ رسائل کو شامل کیا گیا ہے، جب کہ اسی جلد میں کتاب الشتی کے تحت صفحہ نمبر ۵۲۵ سے لے کر ۷۷۱ تک مختلف مسائل کا ذکر ہے۔

۳ فتاویٰ رضویہ مترجم کی آخری پانچ (۵) جلدیں کتاب الشتیٰ کے پانچ حصوں پر مشتمل ہیں۔چھبیسویں جلد میں کتاب الفرائض اور کتاب الشتیٰ کا پہلا حصہ ہے۔ ستائیسویں جلد میں کتاب الشتیٰ (حصہ دوم) کے تحت فوائد فقہیہ، فوائد حدیثیہ، فلسفہ، طبعیات، سائنس، نجوم، مناظرہ، رد مذہباں کا ذکر ہے۔اٹھائیسویں جلد کتاب الشتیٰ کا تیسرا حصہ ہے، یہ حصہ اذان، نماز، مساجد، اور فضائل ومناقب کے ابواب پر مشتمل ہے۔فتاویٰ رضویہ قدیم کی جلد نمبر نو اور جلد نمبر بارہ میں متفرق طور پر مسائل کلامیہ و اعتقادیہ کا بیان ہے، ان تمام مسائل کو یکجا کر کے انتیسوں جلد میں کتاب الشتیٰ حصہ چہارم کے تحت رکھا گیا ہے۔مسائل کلامیہ واعتقادیہ کے علاوہ عروض وقوافی، علم وتعلیم، زبان وبیان، علم حروف وریاضی، وعظ وتبلیغ، حقوق العباد، تشریح ابدان، خواب، لغت اور اجارہ کے مسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں۔تیسویں جلد کتاب الشتیٰ (حصہ پنجم) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے فضائل وخصائص پر مشتمل ہے۔اس کے علاوہ اس آخری جلد میں شرح کلام علما وصوفیا، تشریح افلاک، علم توقیت و تقویم، رسم قرآن، اور تجوید وقراءت کے مسائل ہیں۔۱۲رحسان المصطفیٰ القادری۔

فہرست رسائل رضویہ

شمار	رسائل رضويه	سن	موضوع	قديم ج/ص	جديد ج/ص	مترجم ج/ص	زبان
۱	أجلى الإعلام أن الفتوى مطلقا على قول الإمام	۱۳۳۴ھ	اس امر کا بیان کہ فتویٰ ہمیشہ قول امام پر ہے (رسم افتا)	۱/۳۸۱-۴۰۷	۱/۳۱۳تا۳۶۹	۱/۹۵-۱۷۸	عربی
۲	جلي النص في أماكن الرخص.	۱۳۳۷ھ	ممنوعات میں رخصت کا بیان (رسم افتا)	۹ نصف آخر ۱۹۸-۲۰۱	۱/۳۷۳-۳۸۰	۲۱/۲۰۱-۲۱۵	اردو
۳	الجود الحلوفي أركان الوضوء.	۱۳۲۴ھ	ارکان وضو کا بیان (وضو کے اعتقادی اور عملی فرائض وواجبات کا بیان)	۱/۶-۲۴	۱/۳۸۳-۴۱۶	۱/۱۷۹-۲۳۴	اردو
۴	تنوير القنديل في أوصاف المنديل.	۱۳۲۴ھ	بعد وضو اعضاے وضو کپڑے سے پوچھنے کا حکم	۱/۲۴-۳۱	۱/۴۱۷-۴۳۶	۱/۲۳۷-۲۵۳	اردو
۵	لمع الأحكام أن لا وضوء من الزكام.	۱۳۲۴ھ	زکام سے وضو نہیں	۱/۳۴-۴۰	۱/۴۳۷-۴۵۱	۱/۲۶۳-۲۷۸	اردو
۶	الطراز المعلم فيما هوحدث من أحوال الدم.	۱۳۲۴ھ	خون نکلنے کے مسائل اور دلائل کا بیان	۱/۴۰-۶۶	۱/۴۵۳-۵۰۰	۱/۲۷۹-۳۵۲	اردو
۷	نبه القوم أن الوضوء من أي نوم.	۱۳۲۵ھ	کس طرح سونے سے وضو جاتا ہے۔	۱/۷۰-۹۴	۱/۵۰۹-۵۵۸	۱/۳۶۵-۴۳۸	اردو
۸	خلاصة تبيان الوضوء.	۱۳۰۶ھ	وضو اور غسل میں احتیاط کا بیان	۱/۹۴-۱۰۰	۱/۵۶۱-۵۷۶	۱/۴۳۹-۴۵۶	اردو
۹	الأحكام والعلل في أشكال الاحتلام والبلل.	۱۳۲۰ھ	احتلام اور تری کے مختلف احکام	۱/۱۰۴-۱۳۸	۱/۵۸۳-۶۴۸	۱/۴۶۵-۵۷۸	اردو
۱۰	بارق النور في مقادير ماء الطهور.	۱۳۲۷ھ	وضو اور غسل میں پانی کی مقدار کا بیان	۱/۱۳۹-۲۲۰	۱/۶۴۹-۷۰۷	۱/۵۷۹-۷۹۰	اردو
۱۱	بركات السماء في حكم إسراف الماء (ضمنی)	۱۳۲۷ھ	طہارت میں پانی کے اسراف کا بیان	۱/۱۶۶-۲۰۸	۱/۷۰۹-۸۲۲	۱/۶۵۱-۷۶۵	اردو
۱۲	ارتفاع الحجب عن وجوه قراءة الجنب.	۱۳۲۸ھ	حالت جنابت میں قرآن پڑھنے والے کی قرات کی مختلف صورتوں کے احکام	۱/۲۲۲-۲۳۴	۱/۸۲۷-۸۵۲	۱/۷۹۵-۸۲۴	اردو
۱۳	الطرس المعدل في حد الماء المستعمل.	۱۳۲۰ھ	ماء مستعمل کی جامع اور مانع تعریف	۱/۲۳۷-۲۶۰	۲/۲۷-۷۵	۲/۴۳-۱۱۲	اردو
۱۴	النميقة الأنقى في فرق الملاقي والملقىٰ.	۱۳۲۷ھ	ایسے ماء قلیل کا حکم جس میں غیر مطہر کے ہاتھ یا ناخن وغیرہ پڑ جائے	۱/۲۶۱-۳۰۵	۲/۷۹-۱۵۶	۲/۱۱۳-۲۴۸	اردو

۱۵	الهنيء النمير في الماء المستدير.	۱۳۳۴ھ	آب مستدیر کی مساحت دہ دردہ کا بیان	۱/۳۲۱-۳۳۰	۲/۱۸۵-۲۰۱	۲/۲۸۵-۳۰۸	اردو
۱۶	رحب الساحة في مياه لا يستوى وجهها وجوفها فی المساحة.	۱۳۳۴ھ	ایسے حوض کا بیان جو نیچے سے دہ دردہ ہو اور اوپر کم ہو۔	۱/۳۳۴-۳۷۱	۲/۲۱۳-۲۸۵	۲/۳۲۱-۴۲۳	اردو
۱۷	هبة الحبير في عمق ماء كثير.	۱۳۳۴ھ	آب کثیر کی گہرائی کا بیان	۱/۳۷۱-۳۸۰	۲/۲۸۹-۳۰۵	۲/۴۲۵-۴۴۹	اردو
۱۸	النور و النورق لإ سفار الماء المطلق.	۱۳۳۴ھ	ماء مطلق کی تعریف اور اس کا حکم	۱/۴۰۷-۵۵۲	۲/۳۰۹-۳۳۹	۲/۴۵۱-۳/۲۴۹	اردو
۱۹	عطاء النبي لإفاضة أحكام ماء الصبي.	۱۳۳۴ھ	نابالغ کے بھرے ہوئے پانی کا حکم	۱/۴۲۱-۴۴۰	۲/۳۴۳-۴۶۶	۲/۴۹۴-۵۴۱	اردو
۲۰	الدقة و التبيان لعلم الرقة و السيلان.	۱۳۳۴ھ	پانی کی رقت وسیلان کا بیان	۱/۴۸۴-۴۹۹	۲/۴۶۹-۵۹۴	۳/۴۱-۸۸	اردو
۲۱	حسن التعمم لبيان حد التيمم.	۱۳۳۵ھ	تیمّم کی ماہیت اور تعریف کا بیان	۱/۵۸۶-۸۴۹	۳/۳۳-۷۸	۳/۳۱۱-۴/۳۲۰	اردو
۲۲	سمح الندرى فيما يورث العجز من الماء.	۱۳۳۵ھ	پانی سے عجز کی ۱۷۵/ صورتوں کا بیان	۱/۶۱۶-۶۵۹	۳/۸۱-۱۰۱ (۱۷۶)	۳/۴۱۱-۴۴۰	اردو
۲۳	الظفر لقول زفر.	۱۳۳۵ھ	وقت کے ختم ہونے کے خوف سے جواز تیمّم کے بارے میں امام زفر کے اقوال کی تقویت۔	۱/۶۲۴-۶۳۰	۳/۱۰۵-۱۱۶	۳/۴۴۱-۵۷۷	اردو
۲۴	المطر السعيد على نبت جنس السعيد.	۱۳۳۵ھ	ہر اس چیز سے تیمّم جائز ہے جو کہ جنس ارض سے ہو۔	۱/۶۶۸-۷۱۹	۳/۱۷۹-۲۷۴	۳/۵۷۹-۷۰۷	اردو
۲۵	الجد السديد في نفي الاستعمال عن الصعيد.	۱۳۳۵ھ	تیمّم سے مٹی (جنس زمین) کے مستعمل نہ ہونے کا بیان	۱/۷۲۴-۷۳۳	۳/۲۷۷-۲۹۱	۳/۷۱۷-۷۳۸	اردو
۲۶	قوانين العلماء في متيمم علم عند زيد ماء.	۱۳۳۵ھ	علما کے قوانین اس تیمّم کرنے والے کے بارے میں جسے معلوم ہو کہ فلاں شخص کے پاس پانی ہے	۱/۷۴۹-۸۰۲	۳/۲۹۷-۳۷۶	۴/۳۱-۱۸۷	اردو
۲۷	الطلبة البديعة في قول صدر الشريعة .	۱۳۳۵ھ	جنبی کے پاس صرف وضو کے قابل پانی ہے تو کیا کرے۔اور کیا غسل و وضو کے لیے ایک ہی تیمّم کافی ہے؟ نیز صاحب شرح وقایہ کی ایک عبارت پر بحث	۱/۸۰۳-۸۳۴	۳/۳۷۹-۴۲۷	۴/۱۸۹-۲۸۲	اردو

۲۸	مجلی الشمعة لجامع حدث ولمعة.	۱۳۳۶ھ	جنبی کے پاس اتنا ہی پانی تھا کہ بدن کا کچھ حصہ دھولیا اور کچھ باقی رہ گیا پھر حدث اصغر ہوا، اب جو پانی ملے اس سے وضو کرے یا جنابت کے بقیہ حصہ پر صرف کرے؟	۸۴۹-۸۳۴/۱	۴۵۳-۴۳۱/۳	۳۲۰-۲۸۳/۴	اردو
۲۹	سلب الثلب عن القائلين بطهارة الكلب.	۱۳۱۲ھ	کتے کے نجس ہونے کا بیان	۸۳-۵۸/۲	۵۳۴-۴۹۹/۳	۴۶۴-۳۹۹/۴	اردو
۳۰	الأحلیٰ من السكر لطلبة سكر روسر.	۱۳۰۳ھ	جانوروں کی ہڈیوں سے صاف کردہ شکر کا حکم (اس میں ان مقدمات عشرہ کا بیان ہے جن کے ذریعے چیزوں کے پاک اور ناپاک ہونے کا حکم خود معلوم ہو سکے)	۱۲۶-۸۸/۲	۵۸۹-۵۴۳/۳	۵۵۳-۴۷۳/۴	اردو
۳۱	جمان التاج في بيان الصلاة قبل المعراج.	۱۳۱۶ھ	شب معراج سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کا طریقہ	۱۸۵-۱۷۷/۲	۵۲-۳۹/۴	۹۷-۷۵/۵	اردو
۳۲	حاجز البحرين الواقي عن جمع الصلاتين.	۱۳۱۳ھ	ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا کسی طرح جائز نہیں، سوائے ظہرین عرفہ وعشائین مزدلفہ کے۔	۳۴۴-۲۳۱/۲	۲۲۸-۱۰۳/۴	۳۱۳-۱۵۹/۵	اردو
۳۳	منير العين فی حكم تقبيل الابها مين.	۱۳۰۱ھ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانے کا بیان۔	۵۳۰-۴۲۵/۲	۴۶۵-۳۲۷/۴	۶۲۸-۴۲۹/۵	اردو
۳۴	نهج السلامة في حكم تقبيل الابها مين في الإقامة.	۱۳۳۳ھ	اقامت میں انگوٹھے چومنے کا بیان اور مخالفین کا رد	۵۴۴-۵۳۱/۲	۴۸۵-۴۶۷/۴	۶۵۲-۶۲۹/۵	اردو
۳۵	ايذان الأجرفي أذان القبر.	۱۳۰۷ھ	دفن کے بعد قبر پر اذان کہنے کا بیان	۵۵۹-۵۴۴/۲	۵۰۷-۴۸۹/۴	۶۷۷-۶۵۳/۵	اردو
۳۶	هداية المتعال فی حد الاستقبال.	۱۳۲۴ھ	استقبال قبلہ کی تعیین کا بیان۔	۴۱-۱۵/۳	۵۷۹-۵۳۹/۴	۱۲۹-۶۱/۶	اردو
۳۷	كشف العلة عن سمت القبلة.	۱۳۲۴ھ	قبلہ کی سمت معلوم کرنے بیان۔	----	۸۲۹-۶۵۹/۴	----	اردو
۳۸	نعم الزاد لروم الضاد.	۱۳۱۵ھ	حرف ضاد کی قراءت کا بیان۔	۱۰۹-۱۰۵/۳	۵۹-۵۱/۵	۳۰۱-۲۸۳/۶	اردو
۳۹	الجام الصاد عن سنن الضاد.	۱۳۱۷ھ	حرف ضاد کے احکام اور اسے ادا کرنے کا طریقہ	۱۱۸-۱۱۰/۳	۷۵-۶۳/۵	۳۲۲-۳۰۳/۶	اردو
۴۰	النهي الأكيد عن الصلاة وراء عدى التقليد.	۱۳۰۵ھ	غیر مقلدوں کے پیچھے نماز ناجائز۔ اور ان کے بعض عقائد واحوال اور مکائد کا اجمالی بیان۔	۳۱۳-۲۸۱/۳	۳۹۸-۳۴۵/۵	۷۲۱-۶۴۷/۶	اردو

۴۱	القلادة المرصعة فی نحر الأ جوبة الأربعة	۱۳۱۲ھ	اشرفعلی تھانوی کے چارفتووں کارد۔	۳۳۹-۳۲۴/۳	۴۵۰-۴۲۳/۵	۱۱۲-۶۵/۷	اردو
۴۲	القطوف الدانیة لمن أحسن الجماعة الثانیة.	۱۳۱۳ھ	جماعت ثانیہ کا ثبوت۔	۳۴۴-۳۳۹/۳	۴۶۲-۴۵۳/۵	۱۲۹-۱۱۳/۷	اردو
۴۳	تیجان الصواب فی قیام الإمام في المحراب.	۱۳۲۰ھ	امام کے محراب میں کھڑے ہونے کے احکام۔	۴۳۶-۴۲۸/۳	۶۲۹-۶۱۵/۵	۳۵۴-۳۲۱/۷	فارسی
۴۴	اجتناب العمال عن فتاویٰ الجهال.	۱۳۱۶ھ	قنوت نازلہ کا بیان اور ایک فتوی کارد۔	۵۰۶-۴۸۹/۳	۷۵۳-۷۲۵/۵	۵۲۵-۴۸۷/۷	اردو
۴۵	أنهار الأ نوارفی یم صلاة الأسرار.	۱۳۰۵ھ	نماز غوثیہ کا ثبوت۔	۵۴۹-۵۲۰/۳	۸۲۱-۷۷۹/۵	۶۳۱-۵۶۹/۷	اردو
۴۶	وصاف الرجیح في بسملة التراویح .	۱۳۱۲ھ	ختم تراویح میں ایک مرتبہ بالجہر بسم اللہ پڑھنے کا بیان	۵۷۵-۵۵۵/۳	۸۵۶-۸۲۵/۵	۷۰۶-۶۵۹/۷	اردو
۴۷	أزهار الأنوار من صبا صلاة الأسرار.	۱۳۰۵ھ	نماز غوثیہ کے بارے میں خاص نکات اور اس کے پڑھنے کا طریقہ۔	۵۵۵-۵۴۹/۳	۸۷۳-۸۵۹/۵	۶۵۸-۶۳۳/۷	عربی
۴۸	التبصیر المنجد بأن صحن المسجد مسجد.	۱۳۰۷ھ	مسجد کا صحن بھی مسجد ہے۔	۵۸۱-۵۷۶/۳	۳۲-۲۳/۶	۷۱-۵۹/۸	اردو
۴۹	مرقاة الجمان فی الهبوط عن المنبر لمدح السلطان.	۱۳۲۰ھ	خطبہ جمعہ میں منبر سے نیچے اترنے پھر چڑھنے کا بیان۔	۷۳۷-۷۳۱/۳	۳۱۲-۳۰۳/۶	۴۲۶-۴۱۳/۸	اردو
۵۰	رعایة المذهبین فی الدعاء بین الخطبتین.	۱۳۱۰ھ	دونوں خطبوں کے درمیان دعا کرنے کا بیان۔	۷۶۶-۷۶۲/۳	۳۶۷-۳۵۵/۶	۴۹۰-۴۷۷/۸	اردو
۵۱	شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر.	۱۳۳۳ھ	مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کی بیان۔	----	۵۸۷-۳۷۱/۶	۳۵۹-۵۳/۲۸	عربی
۵۲	أوفی اللمعة في أذان یوم الجمعة.	۱۳۲۰ھ	اذان مسجد سے باہر دینے کا بیان	۷۷۵-۷۷۰/۳	۷۲۹-۷۲۱/۶	۵۰۷-۴۹۷/۸	اردو
۵۳	سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاة العید.	۱۳۳۹ھ	عید کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا بیان۔	۷۹۷-۷۷۵/۳	۷۶۷-۷۳۳/۶	۵۶۰-۵۱۱/۸	اردو
۵۴	وشاح الجید في تحلیل معانقة العید.	۱۳۱۲ھ	عید کے دن معانقہ کے جائز ہونے کا بیان۔	----	۸۲۲-۸۰۱/۶	۶۳۹-۶۰۱/۸	اردو
۵۵	الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن.	۱۳۰۸ھ	کفن پر دعائیں لکھنے اور قبر میں شجرہ رکھنے کا بیان	۱۳۷-۱۲۷/۴	۵۴-۳۷/۷	۱۳۴-۱۰۷/۹	اردو

۵۶	المنة الممتازة فی دعوات الجنازة.	۱۳۱۸ھ	نماز جنازہ کی وہ دعائیں جو حدیث میں آئیں ہیں، اور تلقین میت کا طریقہ۔	۴/۸۸-۹۶	۷/۱۰۵-۱۱۳	۹/۲۰۹-۲۲۳	اردو
۵۷	بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلاۃالجنائز.	۱۳۱۱ھ	نماز جنازہ کے بعد دعااور ایصال ثواب کا ثبوت اور منکرین کا رد۔	۴/۲۳-۳۰	۷/۱۲۵-۱۳۶	۹/۲۳۹-۲۵۶	اردو
۵۸	النهی الحاجز عن تکرار صلاة الجنائز.	۱۳۱۵ھ	نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں۔	۴/۳۴-۵۲	۷/۱۴۹-۱۷۸	۹/۲۶۹-۳۱۴	اردو
۵۹	الهادی الحاجب عن جنازة الغائب	۱۳۲۶ھ	غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔	۴/۵۸-۷۷	۷/۱۸۳-۲۱۹	۹/۳۱۷-۳۶۹	اردو
۶۰	إهلاک الوهابيين علی توهين قبور المسلمين.	۱۳۲۲ھ	مسلمانوں کی قبور سے متعلق احکام اور اس سلسلے میں قبر مسلمین کی توہین کی وجہ سے وہابیوں کی سرکوبی۔	----	۷/۲۶۵-۳۰۰	۹/۴۲۹-۴۷۸	اردو
۶۱	بريق المنار بشموع المزار.	۱۳۳۱ھ	مزاروں پر چراغاں کرنے کا بیان	۴/۱۴۲-۱۶۱	۷/۳۰۸-۳۳۷	۹/۴۸۵-۵۲۲	اردو
۶۲	جمل النور في نهي النساء عن زيارة القبور.	۱۳۳۹ھ	عورتوں کا مزارات پر جانا ممنوع	۴/۱۶۶-۱۷۶	۷/۳۵۳-۳۶۸	۹/۵۴۱-۵۶۸	اردو
۶۳	الحجة الفائحة لطيب التعيين و الفاتحة.	۱۳۰۷ھ	فاتحہ وایصال ثواب کے لیے دن متعین کرنا جائز ہے۔	۴/۱۸۵-۱۹۵	۷/۳۷۴-۳۸۴	۹/۵۶۹-۵۹۶	فارسی
۶۴	اتيان الارواح لديارهم بعد الرواح.	۱۳۲۱ھ	روحوں کا بعد وفات اپنے گھر آنے کا بیان۔	۴/۲۳۱-۲۳۵	۷/۴۳۹-۴۴۵	۹/۶۴۹-۶۵۶	اردو
۶۵	جلي الصوت لنهي الدعوة أمام المو	۱۳۰۹ھ	موت میں دعوت کرنے کا بیان	۴/۱۳۸-۱۴۰	۷/۴۵۱-۴۶۰	۹/۶۶۱-۶۷۳	اردو
۶۶	حياة الموات في بيان سماع الأموات.	۱۳۰۵ھ	سماع موتی کے ثبوت میں تحقیق انیق۔	۴/۲۳۵-۳۲۴	۷/۴۶۳-۵۸۲	۹/۶۷۵-۸۳۶	اردو
۶۷	الوفاق المتين بين سماع الدفين وجواب اليمين.	۱۳۱۶ھ	مدفون کے سننے کا بیان اور عدم سماع پر مخالفین کا مسئلہ یمین کے ذریعہ استدلال کا رد	۴/۳۲۴-۳۷۷	۷/۵۸۵-۶۵۷	۹/۸۳۷-۹۴۶	اردو
۶۸	تجلي المشكاة لإنارة أسئلة الزكاة.	۱۳۰۷ھ	مسائل زکات	۴/۳۸۲-۴۰۶	۸/۳۳-۶۷	۱۰/۷۵-۱۲۸	اردو
۶۹	أعز الاكتناه في رد صدقة مانع الزكاة.	۱۳۰۹ھ	زکات نہ دینے والے کا صدقہ نفل دینا کیسا؟	۴/۴۳۳-۴۳۹	۸/۱۰۶-۱۱۵	۱۰/۱۷۱-۱۸۳	اردو

۷۰	راد التعسف عن الإمام أبي يوسف.	۱۳۱۸ھ	”زکات سے بچنے کے لیے امام ابویوسف حیلہ کرتے تھے“ غیر مقلدین کے اس اعتراض کا رد بلیغ	۴/۴۴۴-۴۴۹	۸/۱۲۲-۱۳۱	۱۰/۱۸۷-۲۰۲	اردو
۷۱	أفصح البيان في حكم مزارع هندوستان.	۱۳۱۸ھ	ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام	۴/۴۵۳-۴۶۲	۸/۱۴۰-۱۵۵	۱۰/۲۱۳-۲۴۱	اردو
۷۲	الزهر الباسم في حرمة الزكاة على بني هاشم.	۱۳۰۷ھ	سادات کرام کو زکات دینا حرام ہے۔	۴/۴۷۸-۴۸۴	۸/۱۸۰-۱۸۹	۱۰/۲۷۱-۲۸۹	اردو
۷۳	أزكى الهلال بإطال مأأحدث الناس في أمر الهلال.	۱۳۰۵ھ	ثبوت ہلال کے لیے تار کی خبر معتبر نہیں۔	۴/۵۲۳-۵۲۷	۸/۲۴۶-۲۷۴	۱۰/۳۵۹-۳۶۷	اردو
۷۴	طرق إثبات الهلال.	۱۳۲۰ھ	اثبات ہلال کے طریقوں کا بیان۔	۴/۵۴۶-۵۵۹	۸/۲۷۸-۲۹۶	۱۰/۴۰۵-۴۳۰	اردو
۷۵	قانون رؤيت أهله.	۱۳۳۷ھ	چاند دیکھنے کے اصول وضوابط	---	۸/۳۱۱-۳۱۹	---	اردو
۷۶	البدور الأجلة في أمور الأهلة.	۱۳۰۴ھ	رویت ہلال کے تفصیلی احکام۔	۴/۵۶۷-۵۸۴	۸/۳۲۳-۳۴۲	۱۰/۴۴۹-۴۷۹	اردو
۷۷	مع شرح الأدلة للبدور الأ جلة		(شرح)	//	//	//	اردو
۷۸	مع حاشية رفع العلة عن نور الأدلة.		(حاشیہ)	//	//	//	اردو
۷۹	الإعلام بحال البخورفی الصيام.	۱۳۱۵ھ	روزے کی حالت میں دھونی لینا کیسا؟	۴/۵۸۷-۵۹۶	۸/۳۵۳-۳۶۶	۱۰/۴۸۹-۵۱۰	اردو
۸۰	تفاسير الأحكام لفدية الصلاة والصيام.	۱۳۱۶ھ	نماز اور روزہ کے فدیہ کا بیان	۴/۶۰۲-۶۱۱	۸/۳۸۱-۳۹۴	۱۰/۵۲۳-۵۴۷	اردو
۸۱	هداية الجنان بأحكام رمضان.	۱۳۲۳ھ	احکام رمضان	۴/۶۲۱-۶۴۳	۸/۴۰۹-۴۴۰	۱۰/۵۶۷-۶۱۵	اردو
۸۲	درء القبح عن درک وقت الصبح.	۱۳۲۶ھ	صبح صادق کا بیان	۴/۶۴۳-۶۴۸	۸/۴۴۳-۴۵۳	۱۰/۶۱۷-۶۲۵	اردو
۸۳	العروس المعطارفي زمن دعوة الإفطار.	۱۳۱۲ھ	افطار کی دعا کا بیان۔ قبل افطار یا بعد افطار؟	۴/۶۵۲-۶۵۷	۸/۴۵۷-۴۶۵	۱۰/۶۳۱-۶۴۵	اردو
۸۴	صيقل الرين عن أحكام مجاورة الحرمين.	۱۳۰۵ھ	حرمین شریفین میں سکونت کے احکام سے متعلق شبہات کا ازالہ	۴/۶۷۳-۶۷۹	۸/۴۹۳-۵۱۲	۱۰/۶۷۷-۶۹۸	عربی
۸۵	أنوار البشارة فى مسائل الحج والزيارة.	۱۳۲۹ھ	حج وزیارت کے مسائل، آداب سفر ومقدمات حج کا بیان	۴/۶۹۰-۷۲۴	۸/۵۴۵-۵۸۰	۱۰/۷۲۵-۷۶۹	اردو
۸۶	النيرة الوضية شرح الجوهرة المضية	۱۲۹۱ھ	حج وعمرہ کے مسائل	---	۸/۵۸۳-۶۲۱	۱۰/۷۷۱-۸۲۹	اردو
۸۷	مع حاشية الطرة الرضية.	//	حاشیہ	//	//	//	اردو

۸۸	عباب الأنوار أن لا نكاح بمجرد الإقرار.	۱۳۰۷ھ	صرف اقرار کی بنیاد پر جب کہ بطور اخبار ہوں، نکاح نہ ہونے کا بیان۔	۱۰۱-۹۴/۵	۴۸-۳۹/۹	۱۴۰-۱۲۱/۱۱	اردو
۸۹	ماحي الضلالة في أنكحة الهند وبنجالة.	۱۳۱۷ھ	عورت سے نکاح کی اجازت لینے کی رسم سے متعلق حکم	۱۱۶-۱۰۲/۵	۶۸-۵۱/۹	۱۵۴-۱۴۱/۱۱	اردو
۹۰	هبة النساء في تحقق المصاهرة بالزنا.	۱۳۱۵ھ	ساس کے ساتھ زنا کرنے والے کے بارے میں حکم شرع۔	۲۵۲-۲۴۴/۵	۲۲۵-۲۱۳/۹	۳۶۶-۳۵۳/۱۱	اردو
۹۱	إزالة العار بحجر الكرائم عن كلاب النار.	۱۳۱۵ھ	سنیہ عورت کا نکاح وہابی دیوبندی جہنمی کتوں کے ساتھ کرنا ناجائز وحرام ہونے کا بیان۔	۲۷۳-۲۵۵/۵	۲۵۵-۲۳۱/۹	۴۰۵-۳۷۳/۱۱	اردو
۹۲	الجلي الحسن في حرمة ولد أخي اللبن.	۱۳۳۰ھ	حرمت رضاعت کا بیان (دودھ پینے والے اور پلانے والی کے بچوں کے درمیان نکاح حرام ہونے کا بیان)	---	۳۳۰-۳۱۷/۹	۵۰۵-۴۸۷/۱۱	اردو
۹۳	تجويز الرد عن تزويج الأبعد.	۱۳۱۵ھ	ولی اقرب کی غیبت میں ولی ابعد کے نکاح کر دینے کا حکم	۳۸۴-۳۷۲/۵	۴۰۵-۳۹۱/۹	۶۰۹-۵۸۵/۱۱	اردو
۹۴	البسط المسجل في امتناع الزوجة بعد الوطي للمعجل.	۱۳۰۵ھ	بیوی وطی کے بعد بھی مہر معجّل لینے کے لیے اپنے آپ کو تسلیم شوہر سے روک سکتی ہے۔	۴۷۸-۴۶۸/۵	۵۲۰-۵۰۷/۹	۱۲۱-۱۰۱/۱۲	اردو
۹۵	أطائب التهاني في النكاح الثاني.	۱۳۱۲ھ	بیوہ کے نکاح ثانی کے بارے میں تفصیلی احکام۔	۵۹۷-۵۷۸/۵	۶۶۲-۶۴۱/۹	۳۱۹-۲۸۷/۱۲	اردو
۹۶	رحيق الإحقاق في كلمات الطلاق.	۱۳۱۱ھ	طلاق بائن کے الفاظ اوران کے تفصیلی احکام۔	۷۱۶-۷۰۰/۵	۱۸۶-۱۵۹/۱۰	۵۵۸-۵۱۳/۱۲	اردو
۹۷	آكد التحقق بباب التعليق.	۱۳۲۲ھ	تعلیق بالطلاق کی تحقیق اور دیوبندی مجیب کا رد بلیغ۔	۷۸۵-۷۷۱/۵	۳۰۴-۲۸۵/۱۰	۱۹۷-۱۵۵/۱۳	فارسی
۹۸	الجوهر الثمين في علل نازلة اليمين.	۱۳۳۰ھ	اپنے بیٹے سے ناراضگی کے سبب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو اسے گھر میں چھوڑے رہے گی تو تین طلاق، بیوی نے لڑکے کو کسی طرح سے منع نہ کیا تو طلاق مغلظہ پڑ جانے کا حکم اور	۹۵۸-۹۳۸/۵	۵۳۶-۵۱۱/۱۰	۵۷۴-۵۱۱/۱۳	فارسی

۹۹	إعلام الأعلام بأن هندستان دار الإسلام.	۱۳۱۲ھ	ہندوستان دارالاسلام ہے۔	---	۱۱/۳۸۹-۴۰۴	۱۴/۱۰۵-۱۳۰	اردو
۱۰۰	نابغ النورعلى سوالات جبل فور.	۱۳۳۹ھ	ترک موالات سے متعلق چند سوالات کے جوابات۔	۶/۶-۱۹	۱۱/۴۰۷-۴۲۸	۱۴/۱۴۱-۱۶۸	اردو
۱۰۱	دوام العيش من الأئمة من قريش.	۱۳۳۹ھ	خلافت شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔(مولوی فرنگی محلی اور ابوالکلام آزاد کا رد)	---	۱۱/۴۴۳-۴۹۵	۱۴/۱۷۳-۲۳۸	اردو
۱۰۲	المحجة المؤتمنة في آية الممتحنة.	۱۳۳۹ھ	تحریک خلافت اور غیر مسلموں سے موالات کا تفصیلی بیان	---	۱۱/۴۹۹-۵۹۷	۱۴/۴۱۹-۵۴۴م	اردو
۱۰۳	أنفس الفكر في قربان البقر.	۱۲۹۸	ہنود کی ناراضگی کے سبب گائے کی قربانی سے باز رہنے کا حکم نہیں	۸/۴۴۳-۴۴۸	۱۱/۶۰۱-۶۲۵	۱۴/۵۴۵-۵۵۸	اردو
۱۰۴	تدبير فلاح ونجات و إصلاح.	۱۳۳۱ھ	قوم مسلم کی کامیابی اور اصلاح معاشرہ کے لیے امام اہل سنت کی چند عمدہ تدبیریں	۱۲/۱۷۵-۱۷۹	۱۱/۶۲۹-۶۳۵	۱۵/۱۴۱-۱۴۸	اردو
۱۰۵	الرمز المرصف على سؤال مولاناالسيد آصف.	۱۳۳۹ھ	غیر مسلم سے دنیوی معاملے ،مرتد کے احکام اور سید صاحب کے سوالات کے جوابات۔	۹،نصف آخر/ ۲۸۸-۲۹۲	۱۱/۶۳۹-۶۴۸	۲۱/۲۳۱-۲۴۵	اردو
۱۰۶	جوال العلو لتبين الخلو.	۱۳۳۶ھ	مسئلہ 'خلوٗ' کی وضاحت (اجارے کی ایک مخصوص صورت ''خلوٗ'' کی تعریف اور اس کا حکم)	۶/۳۵۹-۳۶۷	۱۲/۸۵-۹۸	۱۶/۱۷۵-۲۰۳	اردو
۱۰۷	التحرير الجيدفي حق المسجد.	۱۳۱۵ھ	مسجد کی اشیاء کی بیع کا حکم	---	۱۲/۱۴۱-۱۵۲	۱۶/۲۶۱-۲۸۰	اردو
۱۰۸	إبانة المتواري في مصالحة عبدالباري.	۱۳۳۱ھ	کانپور کی مسجد کے منہدم کرنے کے بارے میں مولوی عبدالباری کے ایک فیصلہ کا رد	---	۱۲/۲۱۱-۲۳۸	۱۶/۳۶۵-۴۰۰	اردو
۱۰۹	كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم.	۱۳۲۴ھ	کاغذی نوٹ کے احکام۔ (کاغذی نوٹ کے بارے میں علمائے مکہ معظّمہ کے بارہ سوالات کے جوابات)	۷/۱۲۶-۱۹۷	۱۲/۶۲۱-۶۹۷ ترجمہ از: حجۃ الاسلام ص۶۹۸-۷۳۷	۱۷/۳۹۵-۵۰۲	عربی

۱۱۰	كاسر السفيه الواهم في إبدال قرطاس الدراهم،ملقب بلقب تاريخي: الذيل المنوط لرسالة النوط.	۱۳۲۴ھ	نوٹ کے ذریعہ تبادلہ اور لین دین جائز۔اور اس سلسلے میں مولوی عبدالحی اور رشید احمد گنگوہی کا رد۔	۳۳۹-۱۹۹/۷	۴۸۲-۴۴۳/۱۲	۵۶۰-۵۰۵/۱۷	اردو
۱۱۱	أنصح الحكومة في فصل الخصومة.	۱۳۲۱ھ	شرکت اور میراث سے متعلق بیان	۳۷۷-۳۶۲/۷	۱۹۱-۱۷۳/۱۳	۲۷۷-۲۵۵/۱۸	اردو
۱۱۲	الهبة الأحمدية في الولاية الشرعية والعرفية.	۱۳۳۳ھ	شرعی اور عرفی ولایت کا بیان (دنیوی ولایت شرعا معتبر ہے یا نہیں؟)	۵۱۱-۴۸۹/۷	۳۷۷-۳۴۳/۱۳	۵۶۶-۵۱۱/۱۸	اردو
۱۱۳	فتح المليك في حكم التمليك.	۱۳۰۸ھ	ہبہ اور تملیک میں فرق نہ ہونے کا بیان۔	۶۷-۶۳/۸	۶۷-۵۹/۱۴	۲۵۶-۲۴۳/۱۹	اردو
۱۱۴	أجود القرى لطالب الصحة في إجارة القرى.	۱۳۰۲ھ	دیہات کے ٹھیکے کا حکم۔	۱۹۰-۱۸۶/۸	۲۶۸-۲۵۵/۱۴	۵۵۰-۵۴۱/۱۹	اردو
۱۱۵	كتاب المنى الدرر لمن عمد منى آرڈر.	۱۳۱۱ھ	منی آرڈر کا حکم	۲۱۴-۱۹۷/۸	۲۹۶-۲۷۱/۱۴	۶۰۷-۵۶۳/۱۹	اردو
۱۱۶	سبل الأصفياء في حكم الذبح للأولياء.	۱۳۱۲ھ	بزرگوں کے نام کا جانور تکبیر کہہ کر ذبح کیا جائے تو اس کے جائز ہونے کا بیان۔	۳۴۷-۳۴۱/۸	۴۹۰-۴۸۱/۱۴	۲۷۹-۲۶۹/۲۰	اردو
۱۱۷	هادي الأضحية بالشاة الهندية.	۱۳۱۴ھ	بھیڑ کی قربانی کا حکم۔	۴۳۸-۳۹۸/۸	۶۱۶-۵۷۱/۱۴	۴۳۵-۳۸۱/۲۰	عربی
۱۱۸	الصافية الموحية لحكم جلود الأضحية.	۱۳۰۷ھ	قربانی کی کھالوں کا بیان۔	۵۳۰-۴۹۴/۸	۷۲۹-۶۹۳/۱۴	۵۶۰-۵۰۹/۲۰	عربی
۱۱۹	حك العيب في حرمة تسويد الشيب.	۱۳۰۷ھ	سفید بالوں کو کالا کرنے کی حرمت کا بیان۔	۹،نصف اول/۳۰-۳۳	۱۸۸-۱۷۹/۱۵	۵۰۵-۴۹۵/۲۳	اردو
۱۲۰	الطيب الوجيز في أمتعة الورق والإبريز.	۱۳۰۹ھ	سونے، چاندی کی اشیا کو استعمال کرنے کا بیان	----	۲۰۲-۱۸۹/۱۵	۱۵۴-۱۳۱/۲۲	اردو
۱۲۱	الحقوق لطرح العقوق.	۱۳۰۷ھ	والدین کے حقوق اور نافرمان بیٹے کا حکم	---	۲۴۷-۲۱۱/۱۵	۴۴۹-۳۸۳/۲۴	اردو
۱۲۲	مشعلة الإرشاد الى حقوق الأولاد.	۱۳۱۰ھ	والدین پر اولاد کے حقوق	۹،نصف اول/ ۴۸-۴۵	۲۵۶-۲۴۹/۱۵	۴۵۷-۴۵۱/۲۴	اردو
۱۲۳	النور والضياء في أحكام بعض الأسماء.	۱۳۲۰ھ	اچھے نام رکھنے کی فضیلت اور بعض ناموں کے احکام	۹،نصف اول/ ۲۰۶-۲۰۰	۲۸۸-۲۶۷/۱۵	۷۰۷-۶۷۷/۲۴	اردو
۱۲۴	أعجب الإمداد في مكفرات حقوق العباد.	۱۳۱۰ھ	حقوق العباد اور اس کے کفارے کا بیان	۹،نصف اول/ ۵۳-۴۸	۳۱۷-۳۰۳/۱۵	۴۷۶-۴۵۹/۲۴	اردو
۱۲۵	مروج النجاء لخروج النساء.	۱۳۱۵ھ	عورتوں کے پردے کا بیان	----	۳۵۸-۳۴۷/۱۵	۲۳۳-۲۲۱/۲۲	اردو

۱۲۶	صفائح اللجين في كون التصافح بكفي اليدين.	۱۳۰۶ھ	دونوں ہاتھ سے مصافحہ جائز ہونے کا بیان اور غیر مقلدین کا رد۔	----	۱۵/۳۷۷-۴۱۰	۲۲/۲۶۹-۳۱۴	اردو
۱۲۷	أبر المقال في استحسان قبلة الإجلال.	۱۳۰۸ھ	بوسہ تعظیمی کا جائز ہونے کا بیان۔	----	۱۵/۴۴۹-۴۷۱	۲۲/۳۴۱-۳۷۷	اردو
۱۲۸	الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية.	۱۳۳۷ھ	سجدہ تعظیمی کی حرمت کا بیان۔	۹، نصف آخر/۲۱۲-۲۴۷	۱۵/۴۸۷-۵۶۶	۲۲/۴۲۵-۵۳۷	اردو
۱۲۹	الكشف شافيا حكم فونو جيرافيا. (عربی)	۱۳۲۸ھ	گراموفون کا حکم۔	۹، نصف آخر/ ۱۱-۲۸	۱۵/۶۲۵-۶۵۴	۲۳/۴۱۱-۴۶۹	عربی
۱۳۰	أنوار المنان في توحيد القرآن.	۱۳۳۰ھ	توحید قرآن	----	۱۵/۶۵۵-۷۲۳	----	عربی
۱۳۱	الكشف شافيا حكم فونو جيرافيا. (اردو)	۱۳۲۸ھ	گراموفون کا حکم (رسالہ کا ترجمہ)	----	۱۵/۷۲۴-۷۵۶	----	اردو
۱۳۲	رادالقحط والوباء بدعوة الجيران ومواساة الفقراء.	۱۳۱۲ھ	مشترکہ طور پر صدقہ وخیرات کا حکم	----	۱۶/۳۷-۵۵	۲۳/۱۳۵/۱۶۰	اردو
۱۳۳	هادي الناس في رسوم الأعراس.	۱۳۱۲ھ	شادی کی رسموں کا بیان	----	۱۶/۷۹-۱۰۱	۲۳/۲۷۷-۳۲۲	اردو
۱۳۴	الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة.	۱۳۲۵ھ	علمائے حرمین شریفین کے لیے اجازت نامے	----	۱۶/۲۵۷-۳۲۸ ترجمہ، از مفتی اعظم ہند۔ ص۳۳۱-۳۹۷	----	اردو
۱۳۵	لمعة الضحىٰ في إعفاء اللحىٰ.	۱۳۱۵ھ	داڑھی بڑھانے کا بیان	۹ نصف اول/ ۱۱۵-۱۳۷	۱۶/۴۴۱-۴۸۸	۲۲/۶۰۷-۶۷۷	اردو
۱۳۶	خير الآمال في حكم الكسب والسوال.	۱۳۱۸ھ	کمانا کب فرض، کب مستحب، کب مکروہ، کب حرام اور مانگنا کب جائز کب ناجائز؟	----	۱۶/۵۴۹-۵۶۱	۲۳/۶۰۳-۶۲۱	اردو
۱۳۷	مسائل سماع.	۱۳۲۰ھ	قوالی کے مسائل	----	۱۶/۶۰۵-۶۱۸	۲۴/۱۴۵-۱۶۵	اردو
۱۳۸	أعالي الإفادة في تعزية الهند وبيان الشهادة.	۱۳۲۱ھ	تعزیہ داری اور بیان شہادت کے احکام	----	۱۶/۶۴۵-۶۵۷	۲۴/۵۱۱-۵۲۷	اردو
۱۳۹	عطايا القدير فى حكم التصوير.	۱۳۳۱ھ	تصویر کے احکام	۹ نصف آخر/ ۴۶-۶۲	۱۶/۶۶۷-۶۹۹	۲۴/۵۷۱-۶۴۲	اردو

۱۴۰	الحق المتجلیٰ في حکم المبتلیٰ.	۱۳۳۴ھ	بیماری کے شکار شخص کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے، بیٹھنے کے احکام	۹ نصف اول/ ۲۵۳-۲۴۱	۷۵۹-۷۲۷/۱۶	۲۸۳-۲۱۵/۲۴	اردو
۱۴۱	تیسیر الماعون للسکن في الطاعون.	۱۳۲۵ھ	طاعون کے دوران گھر میں ٹھہرنے کا بیان	۹ نصف اول/ ۲۶۴-۲۵۷	۷۸۵-۷۶۱/۱۶	۳۱۰-۲۸۵/۲۴	اردو
۱۴۲	کشف حقائق و أسرار و دقائق.	۱۳۰۸ھ	تصوف سے متعلق چند اشعار کا بیان	----	۹۸-۶۵/۱۷	۶۰۴-۵۹۵/۲۶	اردو
۱۴۳	نقاء السلافة في أحکام البیعة و الخلافة.	۱۳۱۹ھ	بیعت وخلافت کے احکام	----	۱۲۰-۹۹/۱۷	۴۹۵-۴۶۱/۲۱	اردو
۱۴۴	مقال العرفاء بإعزاز شرع و علماء.	۱۳۲۷ھ	علما اور شریعت کی افضلیت پر اہل تصوف کا کلام	----	۱۵۴-۱۲۱/۱۷	۵۶۸-۵۲۱/۲۱	اردو
۱۴۵	الیاقوطة الواسطة في قلب عقد الرابطة.	۱۳۰۹ھ	تصور شیخ کا بیان	----	۱۷۳-۱۵۵/۱۷	۵۹۶-۵۶۹/۲۱	اردو
۱۴۶	برکات الإمداد لأهل الاستمداد.	۱۳۱۱ھ	غیر اللہ سے استعانت کا بیان	----	۲۱۱-۱۸۵/۱۷	۳۳۷-۳۰۱/۲۱	اردو
۱۴۷	بدر الأنوار في آداب الآثار.	۱۳۲۶ھ	آثار مبارکہ، تبرکات شریفہ کے آداب	----	۲۳۳-۲۱۳/۱۷	۴۲۴-۳۹۷/۲۱	اردو
۱۴۸	شفاء الواله في صور الحبیب ومزاره ونعاله.	۱۳۱۵ھ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پاک اور نعلین مقدسہ کے نقشے باعث شفا۔	۹ نصف اول/ ۱۵۳-۱۴۳	۲۵۹-۲۳۵/۱۷	۴۵۸-۴۲۵/۲۱	اردو
۱۴۹	حقة المرجان لمهم حکم الدخان.	۱۳۰۷ھ	حقے اور تمباکو کا حکم	۴۵-۳۹/۱۰	۲۹۴-۲۸۳/۱۷	۹۸-۷۹/۲۵	اردو
۱۵۰	الفقه التسجیلي في عجین النارجیلي.	۱۳۱۸ھ	تاڑی سے خمیر شدہ آٹے کا حکم	۸۴-۵۰/۱۰	۳۴۲-۳۰۱/۱۷	۲۰۳-۱۰۷/۲۵	اردو
۱۵۱	الشرعة البهیة في تحدید الوصیة.	۱۳۱۷ھ	وصیت کے بارے میں آٹھ سوالات کے جوابات	۱۵۴-۱۴۱/۱۰	۴۸۰-۴۶۳/۱۷	۴۳۲-۴۰۳/۲۵	اردو
۱۵۲	المقصد النافع في عصوبة الصنف الرابع.	۱۳۱۵ھ	چوتھی قسم کے عصبہ یعنی 'فروع جدمیت' سے متعلق آٹھ سوالات کے جوابات	۳۸۷-۳۷۹/۱۰	۶۹۳-۶۸۳/۷	۱۶۶-۱۵۳/۲۶	اردو
۱۵۳	طیب الأمعان في تعدد الجهات و الأبدان.	۱۳۱۷ھ	وراثت میں تعدد جہات وابدان کا بیان	۴۰۹-۴۰۲/۱۰	۷۲۳-۷۰۹/۱۷	۲۰۵-۱۸۹/۲۶	اردو
۱۵۴	تجلیة السلم في مسائل من نصف العلم.	۱۳۲۱ھ	فرائض کے بعض مسائل میں کچھ علمائے معاصرین کی غلط	۴۳۷-۴۱۴/۱۰	۷۵۲-۷۲۵/۱۷	۲۷۱-۲۱۳/۲۶	اردو

۱۵۵	القول النجيح لإحقاق الحق الصريح. مع حاشية السعی المشكور في ابداء الحق المهجور.	--- ۱۲۹۰ھ	صفات باری تعالیٰ کے موضوع پر ایک تحقیقی عربی رسالہ	----	۱۸/۱۵۵-۱۷۹	----	عربی
۱۵۶	القول النجيح ...مع حاشية السعی المشكورفي ابداء الحق المهجور.				۱۸/۱۸۴-۲۱۲ اردو ترجمہ،از: مولانا مختار احمد صاحب بہیڑوی		اردو
۱۵۷	الفرق الوجيز بين السني العزيزوالوهابي الرجيز.	۱۳۱۸ھ	سنی اور وہابی کے درمیان فرق	----	۱۸/۲۱۳-۲۲۱	----	اردو
۱۵۸	اعتقادالأحباب في الجميل المصطفیٰ والآل والأصحاب.	۱۳۱۸ھ	اللہ تعالیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل واصحاب کے بارے میں اہل سنت کے عقائد کا بیان	----	۱۸/۲۲۳-۲۶۲	۲۹/۳۳۹-۳۹۰	اردو
۱۵۹	باب العقائد والكلام.	۱۳۳۵ھ	باب العقائد والکلام	۱/۷۳۵-۷۴۹	۱۸/۲۶۳-۲۸۴	۱۵/۵۲۹-۵۵۳	اردو
۱۶۰	تمهيد إيمان بآيات قرآن.	۱۳۲۶ھ	آیات قرآنی سے شان رسالت کا ثبوت	----	۱۸/۲۸۵-۳۲۲	۳۰/۳۰۷-۳۵۸	اردو
۱۶۱	أمور عشرين درعقائد السنيين.	---	سنیوں کے بیس امتیازی عقائد	----	۱۸/۳۲۳-۳۲۸	۲۹/۶۱۳-۶۱۷	اردو
۱۶۲	ثلج الصدر لإيمان القدر.	۱۳۲۵ھ	تقدیر کا بیان	۱۱/۱۸۷-۱۹۹	۱۸/۳۲۹-۳۴۲	۲۹/۲۸۷-۳۰۲	اردو
۱۶۳	التحبير بباب التدبير.	۱۳۰۵ھ	تدبیر کا بیان	۱۱/۱۷۲-۱۸۶	۱۸/۳۴۳-۳۵۶	۲۹/۳۰۳-۳۲۶	اردو
۱۶۴	الهداية المباركة في خلق الملائكة.	۱۳۱۲ھ	تخلیق ملائکہ کا بیان	----	۱۸/۳۵۷-۳۶۸	----	اردو
۱۶۵	أنوار الإنتباه في حل نداء يارسول الله.	۱۳۰۴ھ	ندائے یارسول اللہ کے جواز کا بیان	۱۲/۹۹-۱۱۲	۱۸/۳۶۹-۳۸۴	۲۹/۵۴۹-۵۶۹	اردو
۱۶۶	إسماع الأربعين في شفاعة سيد المحبوبين.	۱۳۰۵ھ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیع ہونے کے ثبوت میں چالیس احادیث	۱۱/۱۳۳-۱۴۰	۱۸/۳۸۵-۳۹۶	۲۹/۵۷۱-۵۸۵	اردو
۱۶۷	منبه المنية بوصول الحبيب إلى العرش والرؤية.	۱۳۲۰ھ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عرش تک رسائی اور دیدار الٰہی کا ثبوت	----	۱۸/۳۹۷-۴۱۲	۳۰/۶۳۷-۶۵۶	اردو
۱۶۸	شرح المطالب في مبحث أبي طالب.	۱۳۱۶ھ	ابوطالب کے عدم ایمان کا بیان	----	۱۸/۴۱۳-۴۷۶	۲۹/۶۵۵-۷۴۹	اردو
۱۶۹	الصمصام على مشكك في آية علوم الأرحام.	۱۳۱۵ھ	علوم ارحام سے متعلق آیتوں پر ایک پادری کے اعتراض کا جواب	۱۲/۴۰-۵۳	۱۸/۴۷۷-۴۹۳	۲۶/۴۶۷-۴۸۷	اردو

۱۷۰	فتاویٰ كرامات غوثية.	---	کرامات غوثیہ کا بیان	----	۱۸/۴۹۵-۵۱۵	۲۸/۴۰۳-۴۳۰	اردو
۱۷۱	إزاحة العيب بسيف الغيب.(علم غيب)	۱۳۳۰ھ	علم غیب کا بیان	----	۱۸/۵۱۷-۵۴۵	۲۹/۵۱۱-۵۴۰	اردو
۱۷۲	خالص الاعتقادمع تمهيدرماح القهارعلیٰ كفرالكفار.	۱۳۲۸ھ	علم غیب سے متعلق مدلل بیان اور وہابیوں کی الزام تراشیوں کا جواب	----	۱۸/۵۴۹-۶۰۶	۲۹/۴۳۳-۴۸۳	اردو
۱۷۳	أنباء المصطفیٰ بحال سر وأخفیٰ.	۱۳۱۸ھ	اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔	----	۱۸/۶۰۷-۶۲۶	۲۹/۴۸۵-۵۱۰	اردو
۱۷۴	ماحية العيب بعلم الغيب.	---	علم غیب سے متعلق عیب کو مٹانا	----	۱۸/۶۲۷-۶۴۷	----	اردو
۱۷۵	تجلي اليقين بأن نبينا سيد المرسلين.	۱۳۰۵ھ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل المرسلین ہونے کا بیان	----	۱۹/۳۹-۱۳۲	۳۰/۱۲۹-۲۶۴	اردو
۱۷۶	الأمن والعلیٰ لناعتي المصطفیٰ بدافع البلاء.	۱۳۱۱ھ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکل کشا اور دافع البلا ہونے کا بیان	----	۱۹/۱۳۵-۳۰۸	۳۰/۳۵۹-۶۳۵	اردو
۱۷۷	منية اللبيب أن التشريع بيد الحبيب.(ضمنی رساله)	۱۳۱۱ھ	احکام شرع حضور کے اختیار میں ہونے کا بیان	----	۱۹/۲۲۵-۳۰۸	۳۰/۵۰۰-۵۶۶	اردو
۱۷۸	شمول الإسلام لأصول الرسول الكرام.	۱۳۱۵ھ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباو اجداد کے مسلمان ہونے کا بیان	۱۱/۱۵۴-۱۷۱	۱۹/۳۰۹-۳۳۶	۳۰/۲۶۷-۳۰۵	اردو
۱۷۹	صلات الصفا في نور المصطفیٰ.	۱۳۲۹ھ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا بیان	----	۱۹/۳۳۷-۳۶۰	۳۰/۶۵۷-۶۹۴	اردو
۱۸۰	نفي الفيء عمن استنار بنوره كل شيء.	۱۲۹۶ھ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا بیان	----	۱۹/۳۶۱-۳۷۴	۳۰/۶۹۵-۷۱۳	اردو
۱۸۱	قمر التمام في نفي الظل عن سيد الأنام.	۱۲۹۶ھ	//	----	۱۹/۳۷۵-۳۹۲	۳۰/۷۱۵-۷۳۶	اردو
۱۸۲	هدى الحيران في نفي الفيء عن سيد الأكوان.	۱۲۹۹ھ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا بیان	----	۱۹/۳۹۳-۴۱۳	۳۰/۷۳۷-۷۷۲	اردو
۱۸۳	فقه شهنشاه وأن القلوب بيد المحبوب بعطاء الله.	۱۳۲۶ھ	حضور کے لیے شہنشاہ کا استعمال جائز اور محبوبان الٰہی کو دلوں کا مالک کہنا درست۔	----	۱۹/۴۱۵-۴۵۶	۲۱/۳۳۹-۳۹۵	اردو
۱۸۴	تنزيه المكانة الحيدرية عن وصمة عهد الجاهلية.	۱۳۱۲ھ	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمیشہ شرک سے پاک رہنے کا بیان	----	۱۹/۴۵۷-۴۷۷	۲۸/۴۳۳-۴۶۷	اردو

۱۸۵	جمع القرآن وبم عزوه لعثمان.	۱۳۲۲ھ	قرآن کو جمع کرنے کی تاریخ اور اس کو حضرت عثمان غنی کی طرف منسوب کرنے کا بیان	----	۱۹/۴۷۹-۴۸۸	۲۶/۴۳۹-۴۵۰	اردو
۱۸۶	طرد الأفاعي من حمى هاد رفع الرفاعي.	۱۳۳۶ھ	حضرت رفاعی رضی اللہ عنہ کی عظمت اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ان پر فضیلت کا بیان	۱۲/۲۲۸-۲۴۹	۱۹/۴۸۹-۵۱۱	۲۸/۳۶۷-۴۰۲	اردو
۱۸۷	إراءة الأدب لفاضل النسب.	۱۳۲۹ھ	نسب کی فضیلت کی شرعی حیثیت کا بیان	----	۱۹/۵۱۳-۵۴۹	۲۳/۲۰۱-۲۵۶	اردو
۱۸۸	الكوكبة الشهابية في كفريات أبي الوهابية.	۱۳۱۲ھ	امام الوہابیہ کے کفریات کا بیان	----	۲۰/۱۹-۷۱	۱۵/۱۶۷-۲۳۷	اردو
۱۸۹	سل السيوف الهندية على كفريات بابا النجدية.	۱۳۱۲ھ	نجدی پیشواؤں کے کفریات کا بیان	----	۲۰/۷۳-۹۰	۱۵/۲۳۹-۲۵۷	اردو
۱۹۰	سبحان السبوح عن عيب كذب المقبوح.	۱۳۰۷ھ	مسئلۂ امکان کذب باری تعالیٰ	۶/۲۱۲-۲۷۴	۲۰/۹۱-۱۸۸	۱۵/۳۱۱-۴۵۰	اردو
۱۹۱	دامان باغ سبحان السبوح.	۱۳۰۷ھ	//	۶/۲۷۵-۲۸۱	۲۰/۱۸۹-۲۰۰	۱۵/۴۵۱-۴۶۳	اردو
۱۹۲	القمع المبين لآمال المكذبين.	۱۳۲۹ھ	مسئلۂ امکان کذب باری تعالیٰ	۶/۲۸۲-۲۹۶	۲۰/۲۰۱-۲۲۴	۱۵/۴۶۵-۵۱۳	اردو
۱۹۳	حسام الحرمين علىٰ منحر الكفر والمين.	۱۳۲۴ھ	اقانیم اربعہ کے کفر کا بیان اور ان پر علمائے حرمین کی تصدیقات	----	۲۰/۲۲۵-۳۳۴	----	عربی
۱۹۴	فتاویٰ الحرمين برجف ندوة المين.	۱۳۱۷ھ	عام بدمذہبوں، خاص نیچریوں، غیر مقلدوں، روافض اور تفضیلیوں کے حق میں علمائے حرمین کے فتاوے۔	----	۲۰/۳۳۵-۴۷۱	----	عربی
۱۹۵	الجبل الثانوي على كلية التهانوي.	۱۳۳۷ھ	اشرفعلی تھانوی کے کفر پر علمائے حرمین کے فتوے مع تصدیقات	۶/۱۷۱-۱۷۳	۲۰/۴۷۳-۴۸۲	۱۵/۷۷-۸۵	عربی
۱۹۶	دفع زيغ زاغ (رامي زاغيان)	۱۳۲۰ھ	کوے کی حرمت کا بیان (رشید احمد گنگوہی کو حلت غراب کے رد میں ارسال کردہ سوالات)	----	۲۰/۴۸۳-۴۹۹	۲۷/۶۲۱-۶۴۱	اردو
۱۹۷	نطق الهلال بإرخ ولاد الحبيب والوصال.	۱۳۱۷ھ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ووصال کا بیان	۱۲/۲۴-۳۲	۲۰/۵۰۱-۵۱۶	۲۶/۴۰۵-۴۲۸	اردو
۱۹۸	إقامة القيامة علىٰ طاعن القيامة لنبي تهامة.	۹۸	قیام تعظیمی کا ثبوت اور منکرین کا جواب	۱۲/۵۴-۹۲	۲۰/۵۲۵-۵۶۶	۲۶/۴۹۵-۵۵۲	اردو

۱۹۹	أبحاث أخيرة.	۱۳۲۸ھ	دیوبندیوں کے دعوت مناظرہ کے جواب میں لکھا گیا ایک مضمون	----	۲۰/۵۶۷-۵۷۶	۱۵/۸۷-۹۶	اردو
۲۰۰	الدلائل القاهرة على الكفرة النياشرة.	۱۳۳۵ھ	نیچریوں مرتدوں کے ساتھ کانفرنس میں شریک ہونے، ان کی مدد کرنے، ان سے میل جول رکھنے کا بیان	----	۲۰/۵۸۱-۶۱۵	۱۵/۱۰۳-۱۳۹	اردو
۲۰۱	ردالرفضة	۱۳۲۰ھ	رافضیوں کا رد	۱۰/۵۱۶-۵۲۷	۲۱/۱۹-۳۶	۱۴/۲۴۹-۲۶۸	اردو
۲۰۲	الأدلة الطاعنة في آذان الملاعنة.	۱۳۰۶ھ	اہل تشیع کی اذان سننے کا حکم	----	۲۱/۳۷-۴۴	۲۳/۴۷۱-۴۷۹	اردو
۲۰۳	غاية التحقيق في إمامة العلي و الصديق.	۱۳۳۱ھ	حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی امامت کا بیان	۱۱/۱۴۱-۱۵۳	۲۱/۴۵-۶۰	۲۸/۴۶۹-۴۸۹	اردو
۲۰۴	مطلع القمرين في إبانة سبقة العمرين.	۹۷	شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا بیان	---	۲۱/۷۷-۲۱۹	----	اردو
۲۰۵	الزلال الأنقىٰ من بحر سبقة الأتقىٰ.	۱۳۰۰ھ	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا بیان	---	۲۱/۲۴۷-۳۸۷	۲۸/۴۹۱-۶۸۴	عربی
۲۰۶	قوارع القهار على المجسمة الفجار.	۱۳۱۸ھ	اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تنزیہ میں اہل سنت و جماعت کے عقائد	۱۱/۲۲۰-۲۶۳	۲۱/۴۷۴-۵۳۳	۲۹/۱۱۹-۲۰۰	اردو
۲۰۷	الفضل الموهبي في معنى إذاصح الحديث فهومذهبي.	۱۳۱۳ھ	امام اعظم کے اس قول کا بیان کہ جب کوئی حدیث صحت کو پہنچے تو وہی میرا مذہب ہے (رسم افتا)	----	۲۱/۵۳۴-۵۵۳	۲۷/۶۱-۸۸	اردو
۲۰۸	أطائب الصيب علىٰ أرض الطيب.	۱۳۱۸ھ	تقلید کا بیان اور مولوی طیب کا رد	۱۱/۳۱۱-۳۴۳	۲۱/۵۵۵-۵۸۸	۲۷/۶۴۳-۶۸۲	عربی
۲۰۹	النير الشهابي علىٰ تدليس الوهابى.	۱۳۰۹ھ	غیر مقلدوں کی تدلیس اور تقلید کا بیان	----	۲۱/۵۸۹-۶۰۱	۲۷/۵۸۱-۵۹۶	اردو
۲۱۰	السهم الشهابي علىٰ خداع الوهابي.	۱۳۲۵ھ	غیر مقلد کی ایک کتاب کا رد	۱۱/۲۰۰-۲۱۵	۲۱/۶۰۳-۶۱۸	۲۷/۵۹۷-۶۱۹	اردو
۲۱۱	حجب العوارعن مخدوم بهار.	۱۳۳۹ھ	حضرت مخدوم بہار سے ایک الزام کی تردید	۶/۳۰۷-۳۱۴	۲۱/۶۱۹-۶۳۲	۱۵/۵۵۵-۵۶۹	اردو
۲۱۲	المبين ختم النبيين.	۱۳۲۶ھ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا بیان (ردفرقۂ قادیانیہ)	۶/۵۵-۶۶	۲۲/۱۹-۳۷	۱۴/۳۳۱-۳۵۵	اردو

۲۱۳	السوء والعقاب علی المسیح الکذاب.	۱۳۲۰ھ	قادیانی کے اقوال وافعال کفریہ اوراس کا شرعی حکم	۳۰۷-۲۹۷/۶	۵۷-۳۹/۲۲	۵۹۴-۵۷۱/۱۵	اردو
۲۱۴	قهر الديان علیٰ مرتد بقاديان.	۱۳۲۳ھ	ردفرقۂ قادیانیہ	----	۷۳-۵۹/۲۲	۶۱۰-۵۹۵/۱۵	اردو
۲۱۵	الجراز الدياني علی المرتد القادياني.	۱۳۴۰ھ	(//)	----	۹۱-۷۵/۲۲	۶۲۸-۶۱۱/۱۵	اردو
۲۱۶	جزاء الله عدوه بإبائه ختم النبوه.	۱۳۱۶ھ	(//)	----	۱۷۵-۹۳/۲۲	۷۴۱-۶۲۹/۱۵	اردو
۲۱۷	مقامع الحديد علیٰ خد المنطق الجديد.	۱۳۰۴ھ	ردسائنس وفلاسفہ	۳۱۰-۲۶۴/۱۱	۲۲۵-۱۷۷/۲۲	۱۹۴-۱۰۵/۲۷	اردو
۲۱۸	نزول آيات فرقان بسكون زمين وآسمان.	۱۳۳۹ھ	آیاتِ قرآنی سے زمین وآسمان کے ساکن ہونے کا بیان	۲۸۹-۲۷۳/۱۲	۲۵۱-۲۲۷/۲۲	۲۲۸-۱۹۵/۲۷	اردو
۲۱۹	معين مبين بهردور شمس وسكون زمين.	۱۳۳۸ھ	سورج کی گردش اور زمین کے ساکن ہونے کا بیان	----	۲۶۵-۲۵۳/۲۲	۲۴۲-۲۲۹/۲۷	اردو
۲۲۰	فوز مبين در رد حركت زمين.	۱۳۳۸ھ	حرکت زمین کی تردید	----	۳۸۸-۲۶۷/۲۲	۳۸۲-۲۴۳/۲۷	اردو
۲۲۱	الكلمة الملهمة فی الحكمة المحكمة لوهاء فلسفة المشئمة.	۱۳۳۸ھ	فلاسفہ کا رد	----	۵۲۳-۳۹۹/۲۲	۵۷۵-۳۸۳/۲۷	اردو
۲۲۲	الزمزمة القمرية في الذب عن الخمرية.	---	قصیدہ غوثیہ کی عربیت پر کلام کا جواب	----	۵۵۵-۵۲۷/۲۲	---	اردو
۲۲۳	السنية الأنيقة في فتاویٰ افريقة.	۱۳۳۶ھ	افریقہ سے آئے ہوئے سوالات کے جوابات	----	۷۰۳-۵۵۷/۲۲	---	اردو
۲۲۴	أجلى نجوم الرجم بر ایڈیٹر "النجم".	---	رسالہ "النجم" کے ایڈیٹر دیوبندی عبدالشکور کا کوری کا رد	----	۷۷۱-۷۰۴/۲۲	---	اردو

المصنفات الرضوية

فہرست تصانیف

امام احمد رضا قادری

از

علامہ عبدالمبین نعمانی (چریاکوٹ: اعظم گڑھ)

حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی بن محمد بشیر مرحوم ۲۵: شعبان ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۵۱ء بروز اتوار بنارس میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور درس نظامی کے متوسط درجات کی تعلیم بنارس میں ہوئی۔ شعبہ فضیلت کی تعلیم جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) میں حاصل کر کے ۱۹۶۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۸ء تک ماہنامہ اشرفیہ (مبارک پور) کے ایڈیٹر رہے۔ دارالعلوم قادریہ (چریاکوٹ: اعظم گڑھ) اور عزیز العلوم (بنارس) کی تعمیر فرمائی اور بحسن وخوبی یہ دونوں ادارے دینی تعلیم وتربیت میں مشغول ہیں۔ آپ ہی کی تحریک پر مشہور تصنیفی ادارہ ''المجمع الاسلامی'' (مبارک پور) قائم ہوا۔ آپ نے پچاس سے زائد کتب ورسائل تحریر فرمائے۔ قریباً ۲۵۰: مضامین ومقالات رقم فرمائے۔ آپ لوح وقلم کی دنیا کی معروف ترین شخصیت ہیں۔ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' میں کتابت وچھپائی کے سبب پیدا شدہ اغلاط کی تصحیح آپ نے کی۔ دیگر مؤلفین ومصنفین کی بہت سی کتابوں کی تصحیح آپ نے فرمائی۔ متعدد ایوارڈ سے نوازے جا چکے ہیں۔ آپ کا تقویٰ وصلاح نفس کسی سے مخفی نہیں۔ مصلح قوم وملت آپ کا لقب ہے۔

رابطہ نمبر: 9838189592

ابتدائیہ

ماخوذ از تقدیم: حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی (چریاکوٹ)

مصلح قوم وملت حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری رضوی صدرالمدرسین دارالعلوم قادریہ (چریاکوٹ) کی مشہور تالیف ''المصنفات الرضویہ (تصانیف امام احمد رضا قدس سرہٗ) مطبوعہ: رضا اکیڈمی (ممبئ: صفر المظفر ۱۴۲۵ھ/ اپریل ۲۰۰۴ء) کا نسخہ ہم نے اس مجموعہ ''مصنف اعظم نمبر'' میں شامل کیا ہے۔ مطبوعہ نسخہ کے ساتھ حضرت مؤلف دام ظلہ العالی کا طویل مقدمہ بھی مطبوع ہے۔ بوجہ طوالت اسے ترک کر دیا گیا۔ اسی سے بعض ضروری امور کی تلخیص مندرجہ ذیل ہے۔ صدرالعلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ الاقدس کا مضمون مختصر تھا، وہ شامل اشاعت ہے۔ (طارق انور مصباحی: کیرلا)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ وَ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْن

یہ فہرست کتب موضوعاتی ہے۔ امام اہل سنت کی کتابوں کی فہرست بہت پہلے حضرت ملک العلما حضرت علامہ سید ظفرالدین بہاری نے ترتیب دی تھی، جو ''المجمل المعدد'' کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ اس کو سال تصنیف کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ وہ صرف ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء تک کی تصانیف پر مشتمل ہے۔ ۱۳۲۷ھ کی صرف تین کتابیں شامل ہیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ چودہ سال تک باحیات رہے۔ اس چودہ سال میں اعلیٰ حضرت نے جو کتب ورسائل تحریر فرمائے، اس کی باقاعدہ کوئی فہرست نہ بن سکی۔

حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''یہ مجموعہ مع ذیل بعض تالیفات اصحاب واحباب محرم ۱۳۲۷ھ تک ساڑھے تین سو تصنیفیں ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں، بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقرا میں میرے پیش نظر ہیں۔ فضل خدا سے امید واثق کہ اگر تفحص تام اور تمام قدیم وجدید بستوں پر نظر کی جائے تو کم وبیش پچاس رسالے اور نکلیں کہ پہلی بار اوائل صفر میں یہ فقیر اپنے زعم میں تمام تصنیفات کی فہرست مکمل کر چکا تھا، پھر دوبارہ قدیم بستے اور فتاویٰ کی جلدیں دیکھنے سے چھیانوے رسالے اور نکلے جن میں بعض مطبوعات سے تھے کہ باوصف طبع مجھے یاد نہ آئے اور باقی سب مبیضہ پائے: وللہ الحمد''۔ (المجمل المعدد لتالیفات المجدد، ص۴، ۵ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء)

حضرت ملک العلمانے حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول میں جو ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۳۸ء میں تالیف فرمائی، اس میں تحریر فرمایا۔

''درحقیقت اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زیادہ ہیں جس کا مفصل بیان حیات اعلیٰ حضرت حصہ دوم میں آتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول، ص۱۳: مطبوعہ قادری بکڈپو، بریلی)

حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف ''حیات اعلیٰ حضرت'' حصہ دوم قلمی میں تحریر فرمایا:

''میں نے ۱۳۲۷ھ میں حسب فرمائش مولانا المکرم حبیبنا الافخم جناب مولانا مولوی سید محمد عبدالجبار صاحب قادری حیدرآبادی غَفَرَ لَهٗ

زبان وکیفیت ومضمون اور سال تصنیف کے بیان میں ایک رسالہ مسمی بنام تاریخی ''**المجمل المعدد لتالیفات المجدد**'' تحریر کیا تھا، جو اسی زمانہ میں مطبع حنفیہ پٹنہ میں باہتمام حضرت مولانا ابوالمساکین محمد ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ اس میں ساڑھے تین سو تصنیفات وتالیفات کی مفصل فہرست درج تھی''۔

اس کے بعد جب ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ میں چار مہینے کی فرصت لے کر اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی اشاعت کے سلسلے بریلی شریف قیام کا موقع ملا تو ۱۳۲۷ھ کے بعد سے وصال تک جس قدر تصنیفات فرمائی تھیں، ان کو بطور ضمیمہ اس رسالہ کے اضافہ کیا۔ اب جملہ تصنیفات چھ سو سے فاضل ہیں، جو چار قسموں پر منقسم ہیں۔

(۱) تصانیف خاصہ جن کے نام تاریخی ہیں۔

(۲) وہ تصانیف خاصہ جن کے نام تاریخی نہیں۔

(۳) تصنیفات احباب وقدسی اصحاب جن کے نام تاریخی ہیں۔

(۴) وہ تصنیفات احباب جن کے نام تاریخی نہیں ہیں۔

قسم سوم و چہارم اگر چہ بنام تلامذہ واصحاب ہیں، لیکن درحقیقت اعلیٰ حضرت ہی کی تصنیف سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ یہ وہ کتابیں ہیں جو تلامذہ نے لکھ کر بغرض اصلاح پیش کیں، لیکن ان پر اصلاح کیا ہوئی وہ مستقل تصنیف ہی ہوگئی''۔ (حیات اعلیٰ حضرت حصہ دوم قلمی ص۴)

اور کچھ مزید تحریر کے بعد جو فہرست دی ہے، وہ وہی ہے جو المجمل المعدد کے نام سے شائع ہے۔ مزید اس کے بعد کی تصانیف جن کا ذکر حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے کیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''بقیہ تصانیف یعنی ۱۳۲۷ھ سے سال انتقال پر ملال تک کا بیان ضمیمہ یا حصہ دوم المجمل المعدد میں اسی تفصیل سے حوالۂ قلم ہوگا''۔ (حیات اعلیٰ حضرت قلمی دوم، ص۴۲)

ان کی کوئی فہرست قلمی حیات اعلیٰ حضرت کی کسی جلد میں کہیں موجود نہیں۔ درمیان کتاب سے کہیں صفحات غائب بھی نہیں کہ یہ سوچا جائے کہ کسی نے حذف کر دیے یا نکال لیے۔ شاید کہ حضرت ملک العلما نے علیحدہ سے فہرست بنائی ہوگی جو حیات اعلیٰ حضرت میں شامل کرنی تھی، لیکن اس کا مسودہ غائب ہوگیا ہو، یا کسی کے پاس محفوظ ہو: واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال

اکتوبر دسمبر ۱۹۶۲ء کے ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' بریلی شریف میں ایک فہرست تصانیف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شائع ہوئی ہے جو المجمل المعدد سے زائد کتب اور حواشی پر مشتمل ہے۔ شاید یہ وہی فہرست ہو جو ملک العلما نے بعد میں بنائی تھی، لیکن اس میں مرتب کی حیثیت سے حضرت ملک العلما کا کہیں ذکر نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے مختلف ادوار میں اپنی متعدد تصانیف میں تعداد تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

اعلیٰ حضرت خود اپنی تصنیف سبحان السبوح (۱۳۰۷ھ) میں تصانیف کی تعداد سو تحریر فرماتے ہیں جو ۱۳۰۷ھ کی تالیف ہے۔

(۱) ''للہ الحمد والمنۃ کہ آج اس رسالے سنت کے قبالے، رنگ صدق جمانے والے، زنگ کذب گمانے والے سے علوم دینیہ میں تصانیف فقیر نے سو کا عدد کامل پایا''۔ (فتاویٰ رضویہ، ۶/۴/۲۷ سنی دارالاشاعت، مبارکپور)

۱۳۰۷ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عمر شریف صرف پینتیس (۳۵) سال کی تھی۔

النیرۃ الوضیہ شرح الجوہرۃ المضیئۃ جو ۱۲۹۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس کی اشاعت کے وقت ۱۳۰۸ھ میں استاذ زمن حضرت مولانا حسن

بشارت: ایہا المسلمون! فقیر کو قیمت کتاب سے کوئی نفع ذاتی مقصود نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے اخی اعظم مصنف علام مدظلہ کے رسائل نافعہ جلیلہ جن کا شمار علوم دینیہ میں سو سے متجاوز ہو چکا ہے، یکے بعد دیگرے طبع ہوتے جائیں۔ الخ

المشتہر: محمد حسن رضا خاں حسن بریلوی قادری برکاتی غفرلہ اللہ تعالیٰ، بتاریخ ۱۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ۔

(النیرۃ الوضیہ شرح الجوہرۃ المضیئہ، مطبع انوار محمدی، لکھنؤ)

اس اشتہار میں صرف علوم دینیہ پر سو کی تعداد تحریر ہے جبکہ حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ ''ولادت مصنف سلمہ اللہ تعالیٰ دہم شوال بروز شنبہ وقت ظہر ۱۲۷۲ھ و تاریخ فراغ از تحصیل علوم پیش از والد ماجدش قدس سرہ چہاردہم شعبان ۱۲۸۶ھ از حضرت سندالاولیا خاتم الاکابر سیدنا السید آل الرسول الاحمدی المارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرف بیعت و خلافت جمیع سلاسلِ طریقت دارد، واز آں جناب و عظمائے علمائے محترم مثل علامہ سید احمد زینی دحلان قدس سرہ اجازت حدیث و سائر علوم شریعت، عدد تصانیفش تا حال بیک صد و پنج رسیدہ است و مجموعہ فتاویٰ او بہ سہ مجلد ہیچوں گنج، بارک المولیٰ تبارک و تعالیٰ فی عمرہ و علمہ و افاداتہ و عملہ و نسلہ و تصانیفہ، آمین ثم آمین۔

(حاشیہ النیرۃ الوضیہ مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ، از مولانا حسن رضا)

حیات الموات فی سماع الاموات کے آخر میں ایک رسالہ ضمنیہ ہے: ''**الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین**'' جو ۱۳۱۶ھ کی تالیف ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

''الحمد للہ آج اس رسالہ سے تصانیف فقیر کا عدد ایک سو اسی (۱۸۰) ہوا۔ اکرم الاکرمین جل جلالہ قبول فرمائے اور فقیر حقیر و اہل سنت کے لیے دارین میں حجت نجات بنائے۔ آمین۔''

حسن اتفاق کہ یہ رسالہ سمع ارواح کے باب میں ہے، اور شمار تصانیف میں ایک سو اسی اور اسمائے الٰہیہ میں صفت سمع پر دال اسم پاک ''سمیع'' ہے، اس کے عدد بھی یہی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴/ ۳۷۶، مطبوعہ مبارکپور)

یعنی ۱۳۰۷ھ میں تعداد سو تھی اور ۱۳۱۶ھ میں نو سال کے بعد ایک سو اسی ہوگئی، جس سے سرعت تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ الدولۃ المکیۃ میں جو ۱۳۲۳ھ میں تصنیف ہوئی ایک مقام پر اپنی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھذا العبد الضعیف بفضل ربہ القوی اللطیف ابا عن جد فی خدمۃ السنۃ الزھراء مقیم علی الوھابیۃ الطامۃ الکبریٰ صنف کتبا تزید علیٰ مأتین.

''اور یہ بندۂ ضعیف (احمد رضا) اپنے قوی و لطیف رب کے فضل سے باپ دادا سے چمکتی سنت کی خدمت میں (لگا ہوا) ہے، اور وہابیہ پر قیامت قائم کیے ہوئے ہے جس نے دو سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں''۔

اس پر حجۃ الاسلام خلف اکبر اعلیٰ حضرت علامہ حامد رضا قدس سرہ حاشیہ لگاتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

یعنی وہابیہ کے رد میں (دو سو کتابیں تصنیف کیں)، ورنہ بحمدہٖ تعالیٰ چار سو سے زائد ہیں جن میں فتاویٰ مبارکہ (فتاویٰ رضویہ شریف) بڑی تقطیع کے بارہ ضخیم مجلدوں میں ہے ۱۲ حامد رضا غفرلہ

(الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ (۱۳۲۳ھ) ص ۱۶۸، مطبوعہ رضا برقی پریس بریلی شریف)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنی معرکۃ الآرا تصنیف حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین (۱۳۱۳ھ) کے تمہیدی کلمات میں

’’فقیر حقیر غفرلہ المولی القدیر کو اپنی تمام تصانیف مناظرہ، بلکہ اکثر ان کے ماورا میں بھی جن کا عدد بعونہ تعالیٰ اس وقت تک ایک سو چالیس سے متجاوز ہے، ہمیشہ التزام رہا ہے کہ محل خاص نقل و استناد کے سوا محض جمع و تلفیق کلمات سابقین سے کم کام لیا جائے۔ حتی الوسع بحول وقوت ربانی اپنے ہی ۱؎ فائضات قلب کو جلوہ دیا جائے ؎

کہ جلوہ چوں یکبار خوردند وبس

(فتاویٰ رضویہ دوم ۲/ ۲۸۵،۲۸۶ مکتبہ نعیمیہ، سنبھل مراد آباد)

اس پر حاشیہ اس طرح ہے:

یہ اس وقت تھا (یعنی ۱۳۱۴ھ میں) اب کہ ۱۳۱۹ھ ہے، بحمد اللہ تعالیٰ عدد تصانیف ایک سو نوے سے متجاوز ہے ۱۲۔ اور اب تو بحمدہٖ تعالیٰ اگر احصا (شمار) کیا جائے تو پانسو سے متجاوز ہوگا۔ ۱۲

الاجازات المتینہ میں جو ۱۳۲۴ھ کی تصنیف ہے، اس میں فرماتے ہیں:

کذلک اجزتہ بجمیع مؤلفاتی التی بلغت إلی الاٰن مأتین وماعسٰی ان یقع بتوفیق ربّی ومنها الفتاوی الرضویة المسماة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة وهی الاٰن فی سبع مجلدات بحذف المکررات و نرجو المزید من فضل ربنا المجید. (الاجازات المتینہ ص ۲۷۲ و ۳۳۴، مکتبہ حامدیہ لاہور، مشمولہ رسائل رضویہ دوم)

اور سید محترم (یعنی مولانا سید محمد عبد الحی فاسی محدث غرب) کو اپنی تمام تصانیف کی بھی اجازت دی جو اس وقت (۱۳۲۳ھ میں) دو سو پہنچ چکی ہیں، اور رب تعالیٰ کی توفیق سے اور بھی لکھی جائیں گی۔ ان میں ایک فتاویٰ بنام ’’**العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة**‘‘ بھی ہے جس کی مکررات کے علاوہ سات جلدیں مرتب ہو چکی ہیں، اور رب مجید کے فضل و کرم سے مزید جلدوں کے مرتب ہونے کی امید ہے۔ (الاجازات المتینہ، بحوالہ رسائل رضویہ دوم، ص ۳۳۵)

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف اور امام اہل سنت کے معاصر مؤرخ رحمٰن علی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی پچاس تصانیف اعلیٰ حضرت کا نام بنام تذکرہ کیا ہے، اور یہ لکھا کہ اب تک ان کی تصانیف پچھتر کے قریب پہنچ چکی ہیں۔

(تذکرہ علمائے ہند و پاک، مترجمہ ص ۱۰۱، مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی)

مترجم و مقدمہ نگار جناب پروفیسر محمد ایوب قادری بدایونی (بی اے) نے لکھا:

تذکرہ علمائے ہند ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں لکھنی شروع کی۔ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ۸،۱۳۰۷ھ میں مکمل ہوا۔

(تذکرہ علمائے ہند و پاک ص ۲۴)

گویا ۱۳۰۵ھ تک پچھتر کتابوں کی اشاعت وشہرت ہو چکی تھی۔ جبھی مؤرخ رحمٰن علی نے یہ بات تحریر کی کہ اب تک ان کی کتابیں پچھتر تک پہنچ چکی ہیں۔ یہ ان کی اپنی معلومات کی بات ہے۔ قیاس ہے کہ اس وقت بھی کتابیں اس سے زیادہ ہی تصنیف ہو چکی ہوں گی۔

عبد الحیٔ رائے بریلوی مؤلف نزہۃ الخواطر نے اپنی عربی تصنیف ’’**الثقافة الاسلامیة فی الهند**‘‘ میں بھی مختلف علوم و فنون کے تحت اعلیٰ حضرت کی متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

’’المصنفات الرضویہ‘‘ کی ترتیب و کتابت بہت پہلے ہوئی تھی۔ اس کے بعد بہت سی غیر مطبوعہ تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں

اشاعت تصنیفات اعلیٰ حضرت: اولین مرحلے میں جن حضرات نے تصنیفات اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا، ان میں سرفہرست استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی (برادر خورد اعلیٰ حضرت)۔صدر الشریعہ فقیہ اعظم حضرت مولٰینا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت اور ابن استاذ زمن حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ کے نام آتے ہیں۔

مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی علیہ الرحمہ کا نام بھی بعض کتابوں میں ملتا ہے۔مطبع اہل سنت اور مطبع حسنی کے نام سے بریلی میں دو پریس بھی قائم تھے۔اس کے بعد مفسر قرآن حضرت مولانا ابراہیم رضا جیلانی میاں قدس سرہ نے بھی خود کا پریس لگایا اور اعلیٰ حضرت کی بعض کتابیں شائع کیں، اور آخر میں رضا برقی پریس کے نام سے ایک پریس شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا ریحان رضا خاں صاحب رحمانی میاں علیہ الرحمہ نے بھی قائم کر کے تصانیف اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا سلسلہ قائم کیا۔اسی زمانے میں تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کے نام سے ایک مکتبہ قائم کیا تھا جس سے بہت سی قلمی و مطبوعہ تصانیف منظر عام پر آئیں۔

خانوادۂ اعلیٰ حضرت سے ہٹ کر بھی بہت سے اہل خیر نے یہ خدمت انجام دی۔ان میں بریلی شریف چند مشہور مکتبے یہ ہیں۔

مکتبہ اعلیٰ حضرت، سوداگران (بریلی)، رضوی کتب خانہ، بہاری پور (بریلی)، رضوی کتب خانہ، بازار صندل خاں (بریلی)، قادری بک ڈپو، نومحلّہ (بریلی) قادری کتاب گھر نومحلّہ (بریلی) مکتبہ رضا (بریلی) وغیرہ۔

بریلی سے باہر مطبع تحفہ حنفیہ (پٹنہ)، سنی دارالاشاعت، (مبارکپور)، المجمع الاسلامی (مبارکپور) اور رضا اکیڈمی (بمبئی) نے اعلیٰ حضرت کی کتابوں اور فتاویٰ کی اشاعت میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے، وہ تاریخ کے انمٹ نقوش کی حیثیت رکھتے ہیں۔پاکستان میں مرکزی مجلس رضا لاہور، رضا اکیڈمی لاہور، رضا فاؤنڈیشن لاہور، مکتبہ رضویہ کراچی اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے ریکارڈ توڑ کام کیا ہے اور ان مرکزی اداروں کے علاوہ بھی بہت سی تنظیمیں، تحریکیں اور مکتبوں نے تصانیف رضا کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کیا۔

عہد حاضر میں محسن قوم وملت حضرت علامہ محمد حنیف خاں رضوی بریلوی نے امام احمد رضا اکیڈمی (بریلی) سے امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتابوں کی اعلیٰ پیمانے پر اشاعت کی۔چند دنوں قبل ممدوح گرامی نے مجھے فون پر بتایا کہ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تصانیف وتالیفات اور ان کی حیات وخدمات سے متعلق ایک سو ساٹھ (۱۶۰) جلدیں شائع کی جائیں۔ان میں سے بہت سی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔فتاویٰ رضویہ بائیس (۲۲) جلدوں میں شائع ہوئی۔وہ عرس صد سالہ کے موقع پر مذکورہ ایک سو ساٹھ جلدوں کی تکمیل کا عزم رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی امیدوں سے زیادہ اپنی رحمتوں کا حصہ عطا فرمائے: (آمین ثم آمین)

عرس صد سالہ کے موقع پر بہت سے اداروں، تنظیموں اور بہت سے مکتبوں نے خاص توجہ امام اہل سنت کی تصانیف وتالیفات کی اشاعت کی طرف دی ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی مسلمانان اہل سنت ان اشاعتی خدمات اور ان مطبوعات سے اپنی نگاہوں کو ٹھنڈک پہنچائیں گے۔اشاعتی خدمات کی جانب اب جس طرح مسلمانان اہل سنت راغب ہوئے ہیں، اس سے بہت کچھ بھلائیوں کی امید ہے۔اللہ تعالیٰ تمام کی خدمات کو قبول فرما کر انہیں اجر عظیم عطا فرمائے، اور مزید دینی خدمات کے وسائل مہیا فرمادے:

آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم

عبدالمبین نعمانی چریاکوٹ

تصانیف رضا کی تقسیم

از: محمد احمد اعظمی مصباحی، رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، ہند

چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ) کی تصنیفات تین اہم حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں، جس کی روشنی میں ان کی تجدیدی، اصلاحی اور علمی خدمات کا اجمالی نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

(۱)......اصلاح عقائد اور تصحیح نظریات (۲)......اصلاح اعمال اور تصحیح عادات

(۳)......علمی افادات اور فنی تحقیقات

قسم اوّل: ظاہر ہے کہ ان میں اول الذکر زیادہ اہم اور ضروری ہے، اسی لیے جب اہل باطل کی طرف سے خلاف اسلام نظریات (مثلاً آریوں، عیسائیوں کے اعتراضات اور قادیانی خیالات) اور گستاخانہ تصورات (مثلاً علمائے دیوبند کی طرف سے خداوند قدوس، سید الانبیا وانبیا علیہ وعلیہم التحیۃ والثنا اور اولیائے کرام کی بارگاہوں میں تنقیص وتوہین پر مشتمل مواد سامنے آئے تو مجدد دین وملت علیہ الرحمہ نے انہیں دعوتِ حق پیش کی۔ باطل کو باطل اور حق کو حق ثابت کیا۔ مدعیان اسلام کو توبہ ورجوع کی ترغیب دی اور جب صورت رجوع نہ دیکھی تو ان پر اسلامی فتویٰ جاری کیا۔

جس نے کفر کیا اور توبہ نہ کی اس پر کفر کا فتویٰ لگایا، جو بدمذہبی وگمراہی تک رہا، اسے بدمذہب وگمراہ کہا۔ ان مخالف اسلام خیالات و نظریات کے رد اور اسلامی عقائد وافکار کے اثبات میں مفصل ومدلل کتابیں تصنیف کیں۔

اس طرح کی بیشتر کتابیں مجدد اعظم قدس سرہ نے اپنے اہتمام سے اپنی زندگی ہی میں شائع کرائیں، تاکہ عام مسلمانوں کا دین وایمان محفوظ رہے، اور بلاشبہہ امام احمد رضا کی بروقت تنبیہ وہدایت اور کوشش ومحنت بارآور ہوئی، اور اہل اسلام متنبہ ہوئے اور اپنے عقائد وایمان کی حفاظت کرسکے، ورنہ بے دینی وبدمذہبی کا تیز وتند سیلاب نہیں معلوم کہاں تک پہنچ جاتا اور کون کون اس کی رو میں بہ نکلتا۔

اس موضوع کی کتابیں بعد میں بھی طبع ہوئی ہیں اور بہت سی اب بھی دستیاب ہیں۔ جنہوں نے نہ دیکھا ہو، انہیں چاہیے کہ حاصل کر کے مطالعہ کریں اور اہل باطل کے شر وفساد سے ہوشیار رہیں۔ چند کتابوں کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں:

(۱) اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب ۱۲۹۸ھ (۲) کیفر کردار آریہ ۱۳۱۶ھ (۳) ببیل مژدہ آرا وکیفر کفرِ نصاریٰ ۱۳۲۰ھ (۴) الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام (۵) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب ۱۳۲۰ھ (۶) قہر الدیان علی مرتد بقادیان ۱۳۲۳ھ (۷) قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار ۱۳۱۸ھ (۸) جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۹) سل السیوف الہندیہ علیٰ کفریات بابا النجدیہ (۱۰) تمہید ایمان بآیات قرآن (۱۱) فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین (۱۲) رد الرفضۃ (۱۳) مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید۔

قسم دوم: اس سے متعلق وہ کتابیں ہیں جو مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بدعات، ناجائز رسوم، احکام شریعت کی خلاف ورزی اور دین و ملت کی طرف سے بے توجہی پر گرفت اور مسلمانوں کی اصلاح وہدایت پر مشتمل ہیں۔ اس طرح کی تحریروں کے چند نمونے یہ ہیں:

(۱) اعالی الافادہ فی تعزیۃ الہند وبیان الشہادۃ......تعزیہ داری کی خرافات وجہالات کا رد بلیغ۔

(۲) الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ......سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر مدلل رسالہ۔

(۳) عطایا القدیر فی حکم التصویر......فوٹو کھنچانے کی حرمت، یوں ہی بزرگوں کی تصویریں بنانے اور گھروں میں لٹکانے کی ممانعت اور اس کی خرابیوں کا مدلل ومفصل بیان۔

(۴) ہادی الناس فی رسومِ الاعراس......شادیوں کی رسوم بد کا رد اور اہل اسلام کی اصلاح۔

(۵) مروج النجا لخروج النسا......عورتوں کی بے پردگی اور مردوں کی بے توجہی پر تنبیہ۔ عورتوں کے لیے باہر نکلنے کے جائز مواقع کی تفصیل اور خلاف شرع نکلنے پر ہدایت وموعظت۔

(۶) جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور......مزارات پر عورتوں کی حاضری سے ممانعت اور دیگر افادات۔

(۷) لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ......داڑھی رکھنے کے وجوب اور منڈانے یا حد شرع سے کم کرانے کی حرمت پر عبرت انگیز رسالہ۔

(۸) جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام موت......سوم، چہلم وغیرہ میں فاتحہ کر کے فقرا کو کھلانا صحیح ہے، مگر عام دعوت اور اغنیا کی شرکت ممنوع

(۹) مشعلۃ الارشاد الیٰ حقوق الاولاد......اولاد کے حقوق جن سے لوگ عموماً غافل ہیں۔

(۱۰) شرح الحقوق لطرح العقوق......والدین اور استاذ کے حقوق جن کی خلاف ورزی بلاے عام ہے۔

(۱۱) المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ......مسلمانوں کی سیاسی کج روی پر تنبیہ اور اسلامی احکام کی توضیح۔

(۱۲) تدبیر فلاح ونجات واصلاح......مسلمانوں کی معاشی واقتصادی خوش حالی کی تدابیر۔

(۱۳) اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ......زکوٰۃ روک کر نفل صدقات وخیرات کرنے والوں کو سخت تنبیہ۔

(۱۴) یوں ہی فتاویٰ رضویہ جلد چہارم کتاب الصوم کا وہ فتویٰ جو تراویح کے لیے حفظ قرآن کی تیاری میں مشغول رہ کر روزۂ رمضان چھوڑنے سے متعلق سوال پر لکھا گیا۔

اس میں مجدد اعظم قدس سرہ نے فرمایا: قرآن شفا ہے اور روزہ بحکم حدیث باعثِ صحت۔ نہ تلاوت قرآن روزہ سے مانع ہو سکتی ہے نہ روزہ تلاوت قرآن سے...... پھر بھی اگر کوئی نہ مانے تو تراویح سنت مؤکدہ ہے اور ''خاص اس شخص'' کے لیے ختم قرآن صرف مستحب۔ ایک مستحب کے لیے فرض قطعی چھوڑنا کیوں کر روا ہوگا؟

یہ فتویٰ مفصل ہے اور فرائض وواجبات چھوڑ کر، نفل خیرات یا نفل روزوں اور وظائف واوراد میں مشغول رہنے والوں کے لیے تازیانۂ عبرت اور خزینۂ ہدایت ونصیحت۔

(۱۵) فتاویٰ رضویہ جلد سوم ''القلادۃ المرصعۃ فی نحر الاجوبۃ الاربعۃ'' کا مسئلۂ دوم وسوم۔

کسی نے نماز ظہر کی جماعت چھوڑنے کی ترکیب یہ نکالی تھی کہ مجھے رات کو تہجد کے لیے بیدار ہونا پڑتا ہے، اس لیے دوپہر میں قیلولہ ضروری ہے اور قیلولہ چھوڑ کر جماعت ظہر میں شرکت سے فوت تہجد کا خطرہ...... مجدد ملّت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ جماعت وتہجد دونوں کی بجا آوری ہو سکتی ہے جس کی سات تدبیریں بتائیں، پھر فرمایا:

اگر کوئی نہ مانے تو تہجد کے لیے جو صرف مستحب یا صرف سنت غیر مؤکدہ ہے جماعت چھوڑنے کی اجازت کیوں کر ہوگی؟ جو بقول اصح واجب اور بقول دیگر سنت مؤکدہ اہم السنن۔ حتیٰ کہ سنت فجر سے بھی اہم اور قریب تر بواجب ہے۔

اس رسالہ میں ہدایت وموعظت کا عجیب انداز ہے جسے دیکھ کر سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوح

درس عبرت و نصیحت ہے۔

(۱۶) موسیقی کی حرمت اور قوالی مع مزامیر کی آفت پر کئی فتوے (جو بنام مسائل سماع مطبوع ہیں)۔

یہ چند تحریریں میں نے بطور نمونہ اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لئے بطور اشارہ ذکر کر دی ہیں۔ سب کا تفصیلی ذکر ہو تو ایک کتاب ہو جائے اور تذکرہ نامکمل ہی رہے۔ چوں کہ اصلاح عقائد کے بعد اہم کام اصلاح اعمال ہی ہے، اس لیے مجدد اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس موضوع کی بھی بہت سی کتابیں اپنی زندگی ہی میں طبع کرائیں جو مسلمانوں کی اصلاح میں بڑی حد تک کارگر ثابت ہوئیں۔ بہت سے اپنے لوگ اس سلسلے کے بعض مواخذوں پر ناراض بھی ہوئے ہوں گے، مگر جو صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے لکھتا اور بولتا ہو، اسے اپنوں اور غیروں کی ناراضگی کی کیا فکر؟ وہ تو بلاخوف لومۃ لائم کلمۂ حق بآواز بلند اور باندازِ حسن کہہ سنا تا ہے۔ کوئی ہدایت پذیر نہ ہو تو یہ اس کی سمجھ کا قصور، اس کے نفس کا فتور اور اس کی عاقبت کا نقصان ہے۔ رہنمائے برحق کا دامن اس کے داغ گناہ سے بری ہے۔ وَاللّٰہُ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْل.

قسم سوم: امام احمد رضا قدس سرہ کی فنی تحقیقات ابداع و ایجاد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ آج کے تحقیقی مقالات پر ان کی تمام تحقیقات کو قیاس نہ کر لینا چاہیے۔ انہوں نے پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں نادر علمی تحقیقات کے موتی لٹائے ہیں۔ علاوہ ازیں تمام کتب متداولہ مثلاً بخاری شریف، مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث و تفسیر، کتب فقہ، کتب تاریخ و سیر پر حواشی لکھے ہیں۔ ان کے حواشی بھی ذاتی تحقیقات اور بے مثال شرح کا درجہ رکھتے ہیں جیسا کہ ان کے مطالعہ کرنے والوں کا تجرباتی بیان ہے۔

ضمنی تحقیقات سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو میرے خیال میں اس نوع کی صرف ایک کتاب ''فتاویٰ رضویہ جلد اول'' فاضل بریلوی قدس سرہ کی زندگی میں طبع ہوئی ہے۔ اسے صرف فتاویٰ کا مجموعہ نہ سمجھنا چاہیے۔ اس میں جو علمی افادات، مسائل کا حل، حسن ترتیب پھر ذیلی مسائل کی جو شاندار فہرست ہے ان سب کو دیکھ کر نگاہ و دل عش عش کرنے پر مجبور ہیں۔

آج کے محققین و مصنفین کتاب کے آخر میں ایک فہرست ان شخصیات، بلاد، کتب و رسائل وغیرہ کے ناموں کی دیتے ہیں جو کتاب میں کہیں آئے ہیں۔ ان کی خوبی سے مجھے انکار نہیں، لیکن یہ کوئی زبردست علمی و فنی کام نہیں۔ معمولی صلاحیت کا شخص بھی کتاب کے آخر میں ایسی فہرست شامل کر سکتا ہے، لیکن علمی مسائل کی تعیین ایک ایک جملے میں جو جو مسائل ضمناً آجاتے ہیں، ان کا انتخاب پھر ابواب و فصول پر ان کی تقسیم، ہر ایک کا فہرست میں الگ الگ بیان بلاشبہہ ایک نادر علمی خدمت ہے۔

میں نے مختلف فنون کی سیکڑوں کتابیں دیکھیں، اعلیٰ مصنفین و اصحاب کمال کے کمالات نظر سے گزرے، مگر یہ دقیق و عمیق و جلیل کمال پوری وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ صرف ''فتاویٰ رضویہ جلد اول'' میں نظر آتا ہے۔ یہ صرف فہرست کا کمال ہے جو بے مثال ہے۔ پوری کتاب کے کمالات کا اگر بہت مختصر تذکرہ ہو تو بھی ایک ضخیم کتاب میں بیان ہو سکے گا جس کا یہاں موقع نہیں۔

اہل سنت کا فریضہ ہے کہ تینوں قسم کی تصنیفات کو تحقیق و تزیین کے ساتھ منظر عام پر لائیں اور عقائد و اعمال کی اصلاحی خدمت کے ساتھ اہل تحقیق کے دیدہ و دل کی ضیافت کا بھی سامان فراہم کریں۔

اس سلسلے میں پیش رفت ہو چکی ہے، مگر کام ابھی بہت باقی ہے۔ اخلاص و محنت اور ایثار و قربانی کے بغیر کسی مقصد کی تکمیل آسان نہیں۔ اہل علم اور اہل ثروت دونوں کی مشترکہ توجہ اور جد و جہد سے یہ مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکتا ہے۔

انجام دی ہیں۔ انہیں اگر اہل ثروت کا حوصلہ افزا تعاون حاصل رہے تو انفرادی طور پر بھی بہت سا کام ہوسکتا ہے۔ اگر چہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک وسیع و مضبوط علمی ادارہ قائم ہو جو اپنے کثیر افراد کے ذریعہ اس مقصد کی بخوبی تکمیل کر سکے۔

جذبات بیدار ہوں اور انسان عمل کے لیے تیار ہو تو راہیں خود بخود پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ وہ حضرات جو قوم میں اعتماد حاصل کر چکے ہیں اور معمولی تحریک سے بھی بڑے سے بڑا کام کر سکتے ہیں، وہ اگر اس کارِ اہم کی طرف توجہ دیں تو بہت جلد یہ خلا پورا ہوسکتا ہے۔ البتہ اخلاص و ایثار اور نفعِ عاجل پر نفعِ آجل کی ترجیح کا جذبہ ضروری ہے، اور وَاِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہ پر یقین کامل شرط ہے۔ ساری باتیں تحریر میں سمیٹنا مشکل ہے: وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِلْخَیْرِ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ.

محمد احمد مصباحی اعظمی
رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ

تصانیف رضا کا مطالعہ

ہندو پاک کے مشہور دانشور اور مفکر مولانا کوثر نیازی اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:

قرطاس وقلم سے میرا تعلق دو چار سال ہی کی بات نہیں، نصف صدی کی بات ہے۔ اس دوران وقت کے بڑے بڑے اہل علم وقلم، مشائخ وعلما کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا اور ان کے درس میں شریک رہا۔ اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا۔ زندگی میں میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہیں جتنی کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہیں۔ میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں۔ ان سب کے مطالعہ کے دوران امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھیں۔ اور مجھے محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کرلیا ہے۔ علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ مگر جب امام اہل سنت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے دروازے پر دستک دی۔ اور فیض یاب ہوا تو اپنے جہل کا احساس اور اعتراف ہوا۔ یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا تھا۔ علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔ امام کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے جسے اللہ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں کہ جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔ اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔ یقیناً آپ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے جس سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔

فقہ حنفی میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں۔ ان میں سے ایک ''فتاویٰ عالمگیریہ'' ہے جو دراصل چالیس علما کی مشترکہ خدمت ہے۔ دوسرا ''فتاویٰ رضویہ'' ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علما نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تنہا کر کے دکھا دیا۔ اور یہ مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ'' ''فتاویٰ عالمگیریہ'' سے زیادہ جامع ہے۔ اور میں نے جو آپ کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں کہا بلکہ ''فتاویٰ رضویہ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابوحنیفہ ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم وفنون پر جو بحثیں کی گئی ہیں ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علما کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کاش کہ اعلیٰحضرت کی حیات اس دور کو میسر آجاتی تا کہ آج کل کے پیچیدہ مسائل حل ہوسکتے۔ کیونکہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی، مزید کی گنجائش نہ ہوتی۔

خطاب مولانا کوثر نیازی مطبوعہ ''امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت'' ص ۳۲،۳۰، رضا اسلامک مشن، نیوروڈ، بنارس (یوپی)

شمار	نام کتاب	سن	زبان	مطبع رناشر	موضوع
	تفسیر				
۱	کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	۱۳۳۰	اردو	رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	اردو میں قرآن کا صحیح ترین ترجمہ ۱؎
۲	تفسیر سورۂ والضحیٰ		؍؍		۸۰ جز میں بعض آیات کی تفسیر جو ضائع ہوگئی
۳	تفسیر باء بسم اللہ		؍؍	مکتبہ رضویہ کراچی	شامل در حیات اعلیٰحضرت ص ۹۸
۴	انباء الحی ان کتابہ المصون تبیان لکل شئ	۱۳۲۶	عربی	مطبع اہلسنت بریلی	قرآن میں سب کچھ ہونے کا ثبوت ۲؎
۵	الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام	۱۳۱۵	اردو	تحفۂ حنفیہ پٹنہ وغیرہ	علم مافی الارحام سے متعلق ایک پادری کا رد
۶	المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ	۱۳۳۹	؍؍	مطبع حسنی بریلی وغیرہ	ترک موالات سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ
۷	النفحۃ الفائحۃ من مسک سورۃ الفاتحۃ	۱۳۱۵	؍؍	غیر مطبوعہ	سورۂ فاتحہ سے فضائل نبوی کا ثبوت
۸	نائل الراح فی فرق الریح والریاح	۱۳۰۶	فارسی	؍؍	اطلاق ریح وریاح کا فرق
۹	الزلال الانقیٰ من بحر سبقۃ الاتقیٰ	۱۳۰۰	عربی	مکتبہ سنی دنیا وامام احمد رضا اکیڈمی بریلی	حضرت صدیق اکبر کی افضلیت کا اثبات
۱۰	انوار الحلم فی معانی میعاد استجب لکم	۱۳۰۹	فارسی	غیر مطبوعہ	اجابتِ دعا کے معانی اور اس کی مدت کا بیان
۱۱	حاشیہ تفسیر بیضاوی		عربی	؍؍	
۱۲	حاشیہ تفسیر خازن		؍؍	؍؍	
۱۳	حاشیہ الدر المنثور		؍؍	؍؍	
۱۴	حاشیہ عنایۃ القاضی		؍؍	؍؍	
۱۵	معالم التنزیل		؍؍	مرکزی مجلس رضا لاہور	اصل عربی مع ترجمہ اردو ومختصر تشریح مطبوعہ ۱۴۰۳ھ
				و رضا اکیڈمی ممبئی	
	اصول تفسیر				
۱	حاشیہ الاتقان للسیوطی		عربی	غیر مطبوعہ	
	رسم خط قرآن				
۱	جالب الجنان فی رسم احرف من القرآن	۱۳۲۲	اردو	غیر مطبوعہ	قرآن عظیم کے بعض کلمات کے رسم خط کی تحقیق
	حدیث				
۱	حاشیہ صحیح بخاری		عربی	غیر مطبوعہ	بحوالہ سوانح اعلیٰحضرت مصنفہ
۲	حاشیہ صحیح مسلم		؍؍	؍؍	علامہ بدر الدین رضوی

۳	حاشیہ جامع ترمذی		؍؍	؍؍	گورکھپوری مدظلہ
۴	حاشیہ سنن نسائی		؍؍	؍؍	
۵	حاشیہ سنن ابن ماجہ		؍؍	؍؍	
۶	حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر علامہ سیوطی		عربی	غیر مطبوعہ	
۷	حاشیہ مسند امام اعظم		؍؍	؍؍	
۸	حاشیہ کتاب الحج		؍؍	؍؍	
۹	حاشیہ کتاب الآثار		؍؍	؍؍	
۱۰	حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل		؍؍	؍؍	
۱۱	حاشیہ شرح معانی الآثار للطحاوی		؍؍	؍؍	
۱۲	حاشیہ سنن دارمی		؍؍	؍؍	
۱۳	حاشیہ الخصائص الکبریٰ للسیوطی		؍؍	؍؍	
۱۴	حاشیہ کنز العمال		؍؍	؍؍	
۱۵	حاشیہ الترغیب والترہیب		؍؍	؍؍	
۱۶	حاشیہ القول البدیع للامام السخاوی		؍؍	؍؍	
۱۷	حاشیہ نیل الاوطار		؍؍	؍؍	
۱۸	حاشیہ المقاصد الحسنہ		؍؍	؍؍	
۱۹	حاشیہ عمدۃ القاری شرح بخاری		؍؍	؍؍	
۲۰	حاشیہ فتح الباری شرح بخاری		؍؍	؍؍	
۲۱	حاشیہ ارشاد الساری شرح بخاری		؍؍	؍؍	
۲۲	حاشیہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل		؍؍	؍؍	
۲۳	حاشیہ فیض القدیر شرح جامع صغیر		؍؍	؍؍	
۲۴	حاشیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح		؍؍	؍؍	
۲۵	حاشیہ التعقبات علی الموضوعات		؍؍	؍؍	
۲۶	حاشیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ		فارسی	دار العلوم مظہر اسلام بریلی سے اس کا ایک جز شائع ہوا	
۲۷	حاشیہ اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ		عربی	غیر مطبوعہ	

نمبر	نام کتاب	سنہ	زبان	مطبع	کیفیت
۲۸	حاشیہ ذیل اللآلی		؍؍	؍؍	
۲۹	حاشیہ الموضوعات الکبیر للعلی القاری		؍؍	؍؍	
۳۰	انباء الحذاق بمسالک النفاق	۱۳۰۹	اردو	؍؍	نفاق اعتقادی وعملی کے فرق میں احادیث کثیرہ
۳۱	تلألؤ الافلاک بجلال احادیث لولاک	۱۳۰۵	؍؍	؍؍	حدیث لولاک کا ثبوت
۳۲	سمع وطاعۃ فی احادیث الشفاعۃ			؍؍	شفاعت کی احادیث ۱
۳۳	الاحادیث الراویۃ لمدح الامیر معاویۃ	۱۳۱۳	؍؍	؍؍	فضائل امیر معاویہ میں احادیث ۲
۳۴	ذیل المدعا لاحسن الوعاء	۱۳۰۶	؍؍	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	آداب دعا میں مجموعۂ احادیث پر حواشی ۳
۳۵	اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین	۱۳۰۵	؍؍	مطبع اہلسنت وجماعت ورضوی کتبخانہ بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	مجموعۂ چہل احادیث شفاعت
۳۶	القیام المسعود بتنقیح المقام المحمود	۱۳۰۴	عربی		مقام محمود سے متعلق تحقیقی بحث ۱

اسانید حدیث

نمبر	نام کتاب	سنہ	زبان	مطبع	کیفیت
۱	الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البہیۃ	۱۳۲۳	؍؍	مکتبہ قادریہ لوہاری گیٹ لاہور	اجازت نامے جو اعلیٰحضرت نے علمائے مکہ کو دیے۔
۲	الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ	۱۳۲۴		مکتبہ قادریہ لوہاری گیٹ لاہور و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	علمائے مکہ ومدینہ کی عطا کردہ اجازتیں ۲
۳	النور والبہاء فی اسانید الحدیث وسلاسل اولیاء اللہ			مکتبہ وکٹوریہ، بدایوں	حدیث کی اسناد اور سلاسل طریقت کا بیان

اصول حدیث

نمبر	نام کتاب	سنہ	زبان	مطبع	کیفیت
۱	الہاد الکاف فی حکم الضعاف	۱۳۱۳	اردو	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی وغیرہ	حدیث ضعیف کی شرعی حیثیت کا بیان ۳
۲	مدارج طبقات الحدیث	۱۳۱۳	عربی		اقسام کتب حدیث اوران کے احکام ۴
۳	الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی	۱۳۱۳	اردو	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	حدیث پر عمل کا طریقہ اور غیر مقلدین کا رد ۵
۴	الافادات الرضویۃ (فی اصول الحدیث)		عربی	مطبوعہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ	اصول حدیث پر ایک نایاب تحریر ۶
۵	شرح نخبۃ الفکر		؍؍	غیر مطبوعہ	بحوالہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ ج ۶ شمارہ ۸
۶	حاشیہ فتح المغیث		؍؍	؍؍	

تخریج احادیث

نمبر	نام کتاب	سنہ	زبان	مطبع	کیفیت
۱	النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب ۷	۱۲۹۶	عربی	غیر مطبوعہ	فضائل علم میں رسالۂ والد ماجد پر تخریج احادیث

نمبر	نام کتاب	سن	زبان	کیفیت	تفصیل
۲	البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص ۸	۱۳۰۵	〃	〃	حدیث خصائص کی تخریج وبیان طرق
۳	الروض البہیج فی آداب التخریج		〃	〃	تخریج احادیث کے اصول واحکام بحوالہ تذکرۂ علمائے ہند
۴	حاشیہ نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ		〃	〃	
	جرح و تعدیل				
۱	حاشیہ کشف الاحوال فی نقد الرجال		عربی	غیر مطبوعہ	
۲	حاشیہ العلل المتناہیہ		〃	〃	
	اسماء الرجال				
۱	حاشیہ تقریب التہذیب		عربی	غیر مطبوعہ	
۲	حاشیہ تہذیب التہذیب		عربی	〃	
۳	حاشیہ الاسماء والصفات		〃	〃	
۴	حاشیہ الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ		〃	〃	
۵	حاشیہ تذکرۃ الحفاظ		〃	〃	
۶	حاشیہ میزان الاعتدال		〃	〃	
۷	حاشیہ خلاصۃ تہذیب الکمال		〃	〃	
	لغت حدیث				
۱	حاشیہ مجمع بحار الانوار للطاہر الفتنی		عربی	غیر مطبوعہ	
	فقہ				
۱	حاشیۃ الاسعاف فی احکام الاوقاف		〃	غیر مطبوعہ	
۲	حاشیہ اتحاف الابصار		〃	〃	
۳	حاشیہ الاعلام بقواطع الاسلام		〃	〃	
۴	حاشیہ الاصلاح شرح الایضاح		〃	〃	
۵	حاشیہ بدائع الصنائع		〃	〃	
۶	حاشیہ البحر الرائق		〃	〃	
۷	حاشیہ فتاویٰ بزازیہ		〃	〃	
۸	حاشیہ تبیین الحقائق		〃	〃	
۹	حاشیہ الجوہرۃ النیرۃ		〃	〃	
۱۰	حاشیہ جواہر اخلاطی		〃	〃	

۱۱	حاشیہ جامع الفصولین		〃	〃	
۱۲	حاشیہ جامع الرموز		〃	〃	
۱۳	حاشیہ جامع الصفار		〃	〃	
۱۴	حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ		〃	〃	
۱۵	حاشیہ رسائل الارکان		〃	〃	
۱۶	حاشیہ رسائل قاسم		〃	〃	
۱۷	حاشیہ شفاء الصفار		عربی	غیر مطبوعہ	
۱۸	حاشیہ عنایۃ حلبی (شرح الہدایہ)		〃	〃	
۱۹	حاشیہ العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ		〃	〃	
۲۰	حاشیہ فتح القدیر لابن الہمام		〃	〃	
۲۱	حاشیہ فوائد کتب عدیدہ		عربی	غیر مطبوعہ	
۲۲	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار		〃	مرکزی مجلس رضا لاہور	مع ترجمہ اردو ومختصر تشریح
۲۳	حاشیہ کتاب الانوار		〃	غیر مطبوعہ	
۲۴	حاشیہ حلیۃ المجلی		〃	〃	
۲۵	حاشیہ حسن عجیمی		〃	〃	
۲۶	حاشیہ خادمی		〃	〃	
۲۷	حاشیہ درر الحکام		〃	〃	
۲۸	حاشیہ منحۃ الخالق شرح کنز الدقائق		〃	〃	
۲۹	حاشیہ فتاویٰ انقرویۃ		〃	〃	
۳۰	حاشیہ طلبۃ الطلبۃ		〃	〃	
۳۱	حاشیہ کشف الغمۃ		〃	〃	
۳۲	حاشیہ غنیۃ المستملی		〃	〃	
۳۳	حاشیہ شرح مسلک متقسط		〃	〃	
۳۴	حاشیہ فتاویٰ عالمگیری		〃	〃	
۳۵	حاشیہ فتاویٰ خانیہ		〃	〃	
۳۶	حاشیہ فتاویٰ سراجیہ		〃	〃	
۳۷	حاشیہ فتاویٰ خیریہ		〃	〃	

۳۸	حاشیہ فتاویٰ حدیثیہ		〃	〃	
۳۹	حاشیہ فتاویٰ زربینیہ		〃	〃	
۴۰	حاشیہ فتاویٰ غیاثیہ		〃	〃	
۴۱	حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ شاہ عبدالعزیز دہلوی		فارسی	〃	
۴۲	حاشیہ فتح المعین		عربی	〃	
۴۳	حاشیہ معین الحکام		〃	〃	
۴۴	حاشیہ مراقی الفلاح		〃	〃	
۴۵	حاشیہ مجمع الانہر		〃	〃	
۴۶	حاشیہ کتاب الخراج		〃	〃	
۴۷	حاشیہ منۃ الجلیل		〃	〃	
۴۸	جدالممتار علیٰ ردالمحتار (خمس مجلدات)		〃	جلداول مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور ا جلد دوم مطبوعہ رضا اکیڈمی والمجمع الاسلامی	معروف بہ حاشیہ شامی ا
۴۹	جدالممتار علیٰ تکملہ ردالمحتار		〃	غیر مطبوعہ	
۵۰	العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ جلداول		اردو	مطبع اہلسنت و جماعت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	کتاب الطہارۃ
۵۱	جلددوم 〃		〃	مطبع اہلسنت و جماعت وکتبخانہ سمنانی میرٹھ و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	کتاب الطہارۃ وکتاب الصلوٰۃ ۲
۵۲	العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ جلدسوم		اردو	سنی دارالاشاعت مبارکپور ولائلپور و رضا اکیڈمی ممبئی	مکروہات نماز تا استسقا
۵۳	جلد چہارم 〃		〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور ولائلپور	جنائز، زکوٰۃ، صوم، حج
				و رضا اکیڈمی ممبئی	
۵۴	جلد پنجم 〃		〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور ولائلپور	کتاب النکاح والطلاق
				و رضا اکیڈمی ممبئی	
۵۵	جلد ششم 〃		〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور ولائلپور	کتاب السیر ،مفقود، شرکت، وقف
			〃	و رضا اکیڈمی ممبئی	
۵۶	جلد ہفتم 〃		〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور ولائلپور	

				و رضا اکیڈمی ممبئی	
۵۷	جلد ہشتم ؍		؍	رضا اکیڈمی ممبئی	
۵۸	جلد نہم ؍		؍	؍	
۵۹	جلد دہم ؍		؍	رضا اکیڈمی ممبئی و	کتاب الحظر والاباحۃ
				مکتبہ رضا بیسلپور پیلی بھیت	
۶۰	جلد یاز دہم ؍		؍	ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی	وصایا، رہن مداینات واشربہ
				و رضا اکیڈمی ممبئی	
۶۱	جلد دوازدہم ؍		؍	رضا اکیڈمی ممبئی	عقائد وتردید فرق باطلہ
۶۲	اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام	۱۳۰۶	؍	مطبع حسنی محلّہ سوداگران بریلی	ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا ثبوت
				و رضا اکیڈمی ممبئی	
۶۳	احکام الاحکام فی التناول من ید مَن مالہ حرام	۱۲۹۸	؍	غیر مطبوعہ	مال حرام والوں کے ساتھ معاملات کا حکم
۶۴	الآمر باحترام المقابر	؍	؍	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی	مقابر مسلمین کے احترام کا بیان
۶۵	اقامۃ القیامۃ علیٰ طاعن القیام لنبی تہامۃ	۱۲۹۹	؍	حسنی پریس ورضوی کتبخانہ بریلی	قیام میلادی کا ثبوت
				و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	
۶۶	اجود القریٰ لمن یطلب الصحۃ فی اجارۃ القریٰ	۱۳۰۲	؍	غیر مطبوعہ	دیہات کے رائج ٹھیکہ کا شرعی حکم
۶۷	انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ	۱۳۰۴	؍	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی وغیرہ	یارسول اللہ کہنے کا ثبوت
۶۸	ازین کافل لحکم القعدۃ فی المکتوبۃ والنوافل	۱۳۰۵	عربی	غیر مطبوعہ	فرض ونفل میں قعدہ فرض ہے یا واجب
۶۹	انجح الجد فی حفظ المسجد	۱۳۱۶	اردو	غیر مطبوعہ	مسجد قدیم کے بارے میں
۷۰	اجمل ابداع فی حد الرضاع	۱۳۱۸	عربی	غیر مطبوعہ	مدت رضاعت میں قول امام کی تحقیق
۷۱	الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل	۱۳۲۰	اردو	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی	احتلام اورتری کا فرق اوران کے احکام
۷۲	الجود الحلو فی احکام الوضو	۱۳۲۴	؍	؍	وضو کے فرائض اعتقادی وعملی کی تفصیل
۷۳	تنویر القندیل فی اوصاف المندیل	؍	؍	؍	طہارت کے بعد بدن پوچھنے کا شرعی حکم
۷۴	لمع الاحکام ان لا وضوء من الزکام	۱۳۲۴	اردو	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی	زکام سے وضو نہ ٹوٹنے کا بیان
۷۵	الطراز المعلم فیما ہو حدث من احوال الدم	؍	؍	؍	خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا بیان
۷۶	نبہ القوم ان الوضوء من ای نوم	۱۳۲۵	؍	؍	اس کا بیان کہ کون سی نیند سے وضو ٹوٹتا ہے

۷۷	تبیان الوضو ۱؎	۱۳۰۶	〃	〃	وضو وغسل کی احتیاطوں کا بیان
				و رضا اکیڈمی ممبئی	
۷۸	بارق النور فی مقادیر ماء الطہور	۱۳۲۷	〃	مطبع اہلسنت و جماعت بریلی	وضو وغسل میں پانی کی مقدار پر بحث
۷۹	برکات السماء فی حکم اسراف الماء	〃	〃	〃	اسراف کے معانی کی تحقیق
۸۰	ارتفاع الحجب عن وجوہ قراءۃ الجنب	۱۳۲۸	〃	〃	جنبی کی قراءت سے متعلق تحقیق
۸۱	الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل	۱۳۲۰	〃	〃	مائے مستعمل کی تعریف و تحقیق
۸۲	النمیقۃ الانقی فی فرق الملاقی والملقی	۱۳۲۷	〃	〃	پانی کے استعمال کے شرائط اور اس کی تفصیل
۸۳	الہنیٔ النمیر فی الماء المستدیر	۱۳۳۴	〃	〃	آب مستدیر کی مساحت اور دہ دردہ کا بیان
۸۴	رحب الساحۃ فی میاہ لایستوی وجہاو جوفہافی المساحۃ	〃	〃	〃	ان پانیوں کی مساحت جن کا تلا اوپر برابر نہیں
۸۵	ہبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر	〃	〃	〃	آب کثیر میں مقدار عمق کی تحقیق
۸۶	النور والنورق لاسفار الماء المطلق	〃	〃	〃	آب مطلق کے بارے میں تحقیقات عالیہ
۸۷	عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی	〃	〃	〃	بچہ کے بھرے ہوئے پانی کا حکم
۸۸	الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان	〃	〃	〃	پانی کی طبیعت اور رقت وسیلان کا بیان
۸۹	حسن التعمم لبیان حد التیمم	۱۳۲۵	〃	〃	تیمّم کی تعریف
۹۰	سمح الندماء فیما یورث العجز عن الماء	۱۳۳۵	〃	〃	پانی سے عجز کی پونے دوسو صورتیں
۹۱	الظفر لقول زفر		〃	〃	تقویت قول امام زفر کہ تنگی وقت میں تیمّم روا ہے
۹۲	المطر السعید علیٰ نبت جنس ارض الصعید	〃	〃	〃	جنس ارض کسے کہتے ہیں اس کی تحقیق
۹۳	الجد السدید فی نفی الاستعمال عن الصعید	〃	〃	〃	جنس ارض اصلاً مستعمل نہیں ہوتی
۹۴	قوانین العلماء فی متیمم علم عند زید ماء	〃	〃	〃	تیمّم والا دوسرے کے پانی پر مطلع ہو تو کیا کرے
۹۵	الطلبۃ البدیعۃ فی قول صدر الشریعۃ	〃	〃	〃	صدر الشریعہ کی ایک معرکۃ الآراء عبارت کی تحقیق
۹۶	مجلی الشمعۃ لجامع حدث ولمعۃ ۲؎	〃	〃	〃	جنابت وحدث کے جمع کی ۹۸ صورتیں
۹۷	سلب الثلب عن القائلین بطہارۃ الکلب	۱۳۱۲	〃	مطبع اہلسنت بریلی وسمنانی میرٹھ وغیرہ	اس کا بیان کہ کتے کا صرف لعاب نجس ہے
۹۸	الاحلیٰ من السکر لطلبۃ سکر روسر ۳؎	۱۳۰۳	〃	〃	ہڈی سے صاف کی ہوئی روسر کی شکر کا حکم
۹۹	حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۴؎	۱۳۱۳	〃	〃	دو نماز جمع کر کے پڑھنے کی ممانعت اور نذیر حسین دہلوی کا رد
۱۰۰	نہج السلامہ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ ۵؎	۱۳۳۳	〃	〃	اقامت میں نام پاک پر انگوٹھا چومنے کا جواز

۱۰۱	ہدایۃ المتعال فی حدالاستقبال	۱۳۲۴	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور وغیرہ	جہت قبلہ کی حد کا بیان اور اس کے احکام
۱۰۲	النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراءعدی التقلید	۱۳۰۵	〃	〃 و رضا اکیڈمی ممبئی	غیر مقلدین اور بدمذہبوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی
۱۰۳	القلادۃ المرصعۃ فی نحر الاجوبۃ الاربعۃ	۱۳۱۲	اردو	سنی دارالاشاعت مبارکپور وغیرہ	نماز سے متعلق چار سوالات کے جوابات مع رد تھانوی
۱۰۴	القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ	۱۳۱۳	〃	〃	ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت کب جائز ہے
۱۰۵	تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب	۱۳۲۰	فارسی	〃	محراب کے معانی اور اس میں کھڑے ہونے کی تحقیق
۱۰۶	اجتناب العمال عن فتاوی الجہال	۱۳۱۶	اردو	〃	قنوت نازلہ کا بیان اور ایک جاہل مفتی کا رد
۱۰۷	وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح ۱؎	۱۳۱۲	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور	ختم تراویح میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم مع رد گنگوہی
				و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	
۱۰۸	التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد	۱۳۰۷	〃	〃	صحن مسجد کے مسجد ہونے کا بیان
۱۰۹	رعایۃ المذہبین فی الدعاء بین الخطبتین	۱۳۱۰	〃	〃	دونوں خطبوں کے درمیان دعاء کا حکم
۱۱۰	مرقاۃ الجمان فی الہبوط عن المنبر لمدح السلطان	۱۳۲۰	〃	〃	خطبۂ ثانیہ میں ایک زینہ اترنے پھر چڑھنے کا حکم
۱۱۱	ادفی اللمعۃ فی اذان الجمعۃ	〃	〃	〃	اذان ثانی خطبہ کے باہر ہونے کا حکم
۱۱۲	سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید ۲؎	۱۳۰۷	〃	〃	نماز عیدین کے بعد دعا کا ثبوت
۱۱۳	حسن البراعۃ فی تنفیذ حکم الجماعۃ	۱۲۹۹	عربی	سنی دارالاشاعت مبارکپور وغیرہ	جماعت اولیٰ اور مسجد کا وجوب
۱۱۴	جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال	۱۳۰۳	〃	مطبع اہلسنت بریلی وغیرہ	جوتا پہن کر نماز پڑھنے اور مسجد جانے کا حکم
۱۱۵	الطُرۃ فی ستر العورۃ	۱۳۰۷	〃		مرد وزن کے ستر عورت کا تفصیلی بیان
۱۱۶	شمامۃ العنبر فی محل النداء باز اء المنبر	۱۳۲۹	〃	رضا اکیڈمی ممبئی	اذان ثانی جمعہ منبر کے سامنے ہونے کا ثبوت
۱۱۷	لوامع البہا فی المصر للجمعہ والاربع عقیبہا	۱۳۱۳	فارسی		جمعہ کیلئے شرط شہر اور چار رکعت احتیاطی کا حکم ۳؎
۱۱۸	احسن المقاصد فی بیان ما تنزہ عنہ المساجد	۱۳۰۵	اردو		مسجد میں کیا کیا کام منع ہے اس کا بیان
۱۱۹	رعایۃ المنۃ فی ان التہجد نفل اوسنۃ	۱۳۱۲	〃		تہجد نفل ہے یا سنت
۱۲۰	ماتجلی الاصرعن تحدید المصر	۱۳۲۳	〃		شہر کی تعریف اور نماز جمعہ وعیدین کہاں جائز ہے
۱۲۱	الرد الاشد البہی فی ہجر الجماعۃ علی الگنگہی	۱۳۱۳	〃		جماعت ثانیہ کے بارے میں گنگوہی فتوے کا رد ۴؎
۱۲۲	بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلاۃ الجنائز	۱۳۱۱	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور	نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا کا جواز
				و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	

۱۲۳	النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز	۱۳۱۵	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور	نماز جنازہ دوبارہ پڑھنے کا عدم جواز
۱۲۴	الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب	۱۳۲۷	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں
۱۲۵	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	۱۳۰۸	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور وغیرہ	کفن پر کلمہ وغیرہ لکھنا اور قبر میں شجرہ رکھنے کا حکم
۱۲۶	جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت ۵	۱۳۱۰	〃	〃	اس کا بیان کہ میت کے سوم چہلم میں عام دعوت ناجائز ہے
۱۲۷	بریق المنار بشموع المزار	۱۳۳۱	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور	مزاراتِ بزرگان دین پر چراغ جلانے کا حکم
				و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	
۱۲۸	جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور ۱	۱۳۳۹	اردو	سنی دارالاشاعت مبارکپور وغیرہ	مزارات پر عورتوں کے جانے کی ممانعت
۱۲۹	الحجۃ الفائحۃ لطیب التعیین والفاتحۃ ۲	۱۳۰۷	فارسی	〃	فاتحہ اور تعیین یوم کا ثبوت
۱۳۰	اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح	۱۳۲۱	اردو	سنی دارالاشاعت مبارکپور	مرنے کے بعد روحوں کے اپنے گھر آنے کا ثبوت
				و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	
۱۳۱	حیات الموات فی بیان سماع الاموات	۱۳۰۵	〃	〃	مردوں کے سننے کے دلائل
				رضا اکیڈمی ممبئی ۳	
۱۳۲	الوفاق المتین بین سماع الدفین والیمین	۱۳۱۶	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور و مطبع ممبئی	مسئلہ یمین سے سماع موتی کے خلاف استدلال کا جواب
۱۳۳	تجلی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوٰۃ	۱۳۰۷	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور و مجلس رضا لاہور و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	زکوٰۃ سے متعلق بعض اہم مسائل
۱۳۴	اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ ۳	۱۳۰۹	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور و حسنی پریس بریلی	جو زکوٰۃ نہ دے اس کے نفل صدقات قبول نہ ہوں گے۔
۱۳۵	رادع التعسف عن الامام ابی یوسف	۱۳۱۸	〃	سنی دارالاشاعت مبارکپور و رضا اکیڈمی ممبئی	حیلۂ زکوٰۃ کے مسئلہ میں امام ابو یوسف پر اعتراض کا رد
۱۳۶	افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان	〃	〃	سنی دارالاشاعت وتحفۂ حنفیہ پٹنہ و رضا اکیڈمی ممبئی	ہندوستانی زمین کا شرعی حکم
۱۳۷	الزہر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ہاشم	۱۳۰۷	〃	〃	سادات پر زکوٰۃ کی حرمت کا بیان
۱۳۸	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال	۱۳۰۵	〃	سنی دارالاشاعت و مکتبہ عزیزیہ بنارس و رضا اکیڈمی ممبئی	چاند کی خبر میں تار اور خط معتبر نہیں
۱۳۹	طرق اثبات الہلال	۱۳۲۰	〃	سنی دارالاشاعت و مطبع پٹنہ و رضا اکیڈمی ممبئی	ثبوت ہلال کے شرعی طریقے

۱۴۰	البدور الاجلة فی امور الاہلة ۴	۱۳۰۴	؍	سنی دارالاشاعت وحسنی پریس بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	اوران سے متعلق ضروری احکام
۱۴۱	نور الادلة للبدور الاجلة ۵	۱۳۰۴	؍	؍	نیز جدید آلات سے ثبوت رویت کا حکم
۱۴۲	رفع العلة عن نور الادلة ۶	؍	؍	؍	؍ ؍
۱۴۳	الاعلام بحال البخور فی الصیام	۱۳۱۵	؍	؍	روزہ کی حالت میں منہ میں دھواں جانے کے احکام
۱۴۴	تفاسیر الاحکام لفدیة الصلاة والصیام	۱۳۱۶	؍	؍	بعد موت روزہ نماز وغیرہ کے فدیہ کے مسائل
۱۴۵	ہدایة الجنان باحکام رمضان	۱۳۲۳	؍	؍	سحری افطار وشب قدر وغیرہ کے مسائل
۱۴۶	العروس المعطار فی زمن دعوة الافطار	۱۳۱۲	؍	؍ ومطبع اہلسنت بریلی	دعائے افطار، افطار سے پہلے یا بعد؟
۱۴۷	صیقل الرین عن احکام مجاورة الحرمین	۱۳۰۵	عربی	سنی دارالاشاعت مبارکپور ورضا اکیڈمی ممبئی	حرمین میں مجاور بن کر رہنے کے احکام
۱۴۸	انوار البشارة فی مسائل الحج والزیارة	۷ ۱۳۲۹	اردو	؍ ودیگر مطابع	حج وزیارت کے مسائل وفضائل ۸
۱۴۹	عباب الانوار ان لا نکاح بمجرد الاقرار	۱۳۰۷	اردو	سنی دارالاشاعت مبارکپور ورضا اکیڈمی ممبئی	محض مرد وزن کے اقرار سے نکاح نہیں ثابت ہوتا
۱۵۰	ماحی الضلالة فی انکحة الہند وبنجالہ	۱۳۱۷	؍	؍ ؍	ہندوستان میں رائج بعض غلط طرق نکاح کا رد
۱۵۱	ہبة النساء فی تحقیق المصاہرة بالزنا	۱۳۱۵	؍	؍ ؍	زنا سے حرمت مصاہرت کا ثبوت
۱۵۲	ازالة العار بحجر الکرائم عن کلاب النار	۱۳۱۶	؍	؍ ومطبع اہلسنت بریلی وپٹنہ	بدمذہبوں کے نکاح میں لڑکی دینے کی ممانعت
۱۵۳	تجویز الرد عن تزویج الابعد	۱۳۱۵	؍	سنی دارالاشاعت مبارکپور ورضا اکیڈمی ممبئی	نکاح میں اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کی ولایت کا حکم
۱۵۴	البسط المسجل فی امتناع الزوجة بعد الوطی للمعجل	۱۳۰۵	؍	؍ ؍	مہر معجّل ہو تو زوجہ خود کو روک سکتی ہے شوہر سے
۱۵۵	رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق	۱۳۱۱	؍	؍ ورضا پریس بریلی شریف	طلاق کے کنائی الفاظ کا تفصیلی بیان
۱۵۶	آکد التحقیق بباب التعلیق	۱۳۲۲	فارسی	سنی دارالاشاعت مبارکپور وغیرہ	معلق نکاح کے بارے میں ایک دیوبندی کا رد
۱۵۷	الجوہر الثمین فی علل نازلة الیمین	۱۳۳۰	؍	؍	سچی بات پر قسم کھانا اور قرآن اٹھانا
۱۵۸	اطائب التہانی فی النکاح الثانی ۱	۱۳۱۲	اردو	سنی دارالاشاعت مبارکپور و رضا اکیڈمی ممبئی	نکاح ثانی کے احکام
۱۵۹	جوال العلو لتبیین الخلو	۱۳۳۶	؍	سنی دارالاشاعت مبارکپور	کرایہ کی دکان کے زر پیشگی کا حکم (فتاویٰ ششم ص ۳۵۹)
۱۶۰	رد القضاة الی حکم الولاة	۱۳۲۳	؍	فتاویٰ جلد ہفتم میں شامل (قلمی)	ریاستوں کے بعض فیصلوں کے اغلاط کا بیان

نمبر	نام کتاب	سن	زبان	مطبع	موضوع
۱۶۲	انصح الحکومۃ لفصل الخصومۃ	۱۳۲۱	اردو	〃	ایک مقدمہ کا فیصلہ علوم کثیرہ پر مشتمل
۱۶۳	معدل الزلال فی اثبات الہلال	۱۳۰۴	〃	〃	انجمن اسلامیہ بریلی کی غلط فہمی کا ازالہ
۱۶۴	نقاء النیرۃ فی شرح الجوہرۃ ملقب بہ النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوہرۃ المضیئۃ (للامام صالح جمل اللیل مکی)	۱۲۹۵	〃	مطبع لکھنؤ و مکتبہ قادریہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور	شیخ صالح مکی کی عربی تصنیف کی اردو شرح جس میں مختصر احکام حج کا بیان ہے
۱۶۵	الطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ ۲	〃	〃	مطبوعہ لکھنؤ و مکتبہ قادریہ لاہور	النیرۃ الوضیۃ پر حواشی
۱۶۶	اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر	۱۳۲۰	〃	بعض مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ	سماع مزامیر اور وجد و حال کا بیان
۱۶۷	اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الہند و بیان الشہادۃ ۳	۱۳۲۱	〃	مطبع اہلسنت بریلی وغیرہ	تعزیہ داری نوحہ اور ذکر شہادت کے احکام
۱۶۸	افقہ المجادیۃ عن حلف الطالب علی طلب المواثبۃ	〃	〃		شفیع کا طلب اشہاد سے قبل طلب مواثبہ مقبول نہیں
۱۶۹	اہلاک الوہابین علی توہین قبور المسلمین	۱۳۲۲	〃	مطبع اہلسنت و مطبع حسنی بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	قبور مسلمین کے احترام کا حکم اور توہین کی ممانعت
۱۷۰	احسن الجلوۃ فی تحقیق المیل والذراع والفرسخ والغلوۃ	۱۳۰۰	عربی	غیر مطبوعہ	میل و ذراع و فرسخ وغیرہ کی تحقیق
۱۷۱	شوارق النسافی حد المصر والفنا	〃	〃		مصر و فنائے مصر کی تعریف
۱۷۲	لمعۃ الشمعۃ فی اشتراط المصر للجمعۃ	〃	〃		جمعہ کے لئے شہر شرط ہونے کا ثبوت
۱۷۳	اراءۃ الادب لفاضل النسب		اردو	مطبع حسنی بریلی، سمنانی میرٹھ و رضا اکیڈمی ممبئی	نسبی فضیلت کا کہاں اعتبار ہے کہاں نہیں
۱۷۴	احکام شریعت سہ حصص		〃	حسنی پریس بریلی و سمنانی میرٹھ	مختلف عنوانات پر بعض فتاوی کا مجموعہ ۴
۱۷۵	عرفان شریعت سہ حصص		〃	حسنی پریس بریلی و سمنانی میرٹھ	مختلف عنوانات پر بعض فتاوی کا مجموعہ ۵
۱۷۶	امام الکلام فی القراءۃ خلف الامام		اردو	غیر مطبوعہ	امام کے پیچھے قرات کرنے کا بیان
۱۷۷	اسنی المشکوٰۃ فی تنقیح احکام الزکوٰۃ		〃	رضوی پریس سوداگران بریلی	زکوٰۃ کے بعض ضروری احکام ۱
۱۷۸	الاسد الصئول		〃		
۱۷۹	بذل الصفا لعبد المصطفیٰ	۱۳۰۰	〃		عبد النبی و عبد المصطفیٰ وغیرہ ناموں کا شرعی جواز
۱۸۰	باب غلام مصطفیٰ	۱۳۰۵	〃		غلام مصطفیٰ وغیرہ ناموں کی تحقیق شرعی شامل در بذل الصفا
۱۸۱	بدر الانوار فی آداب الآثار	۱۳۲۶	〃	حسنی پریس بریلی و انجمن اہلسنت مبارکپور	آثار و تبرکات اور بزرگ شخصیات کو تعظیمی بوسہ کا جواز
۱۸۲	ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال	۱۳۰۸	〃	رضا اکیڈمی ممبئی	اور تبرکات کی تعظیم
۱۸۳	الکشف شافیا حکم فونو جرافیا	۱۳۲۸	اردو	مطبع سعیدی رامپور و کانپور	گراموفون کے بارے میں شرعی حکم ۲

۱۸۴	تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون	۱۳۲۵	اردو	تحفۂ حنفیہ پٹنہ و مطبع اہلسنت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	جہاں طاعون کی وبا ہو اس جگہ کو نہ چھوڑنے کا حکم
۱۸۵	تعبیر خواب و ہوائے احباب	۱۳۳۳	"	غیر مطبوعہ	در بارۂ اذان ثانی جمعہ
۱۸۶	جمل مجلیة ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیة	۱۳۰۴	عربی		اس بات کا ثبوت کہ مکروہ تنزیہی پر عمل گناہ نہیں ہے
۱۸۷	الجوہر الثمین فیما تنعقد بہ الیمین ؎	۱۲۹۹	"		کس کس چیز کی قسم شرعی قسم ہے
۱۸۸	الحلاوۃ والطلاوۃ فی موجب سجود التلاوۃ	۱۳۰۶	"		سجدۂ تلاوت کتنا پڑھنے سے اور کب واجب ہے
۱۸۹	حکم رجوع من ولی فی نفقة العرس والجہاز والحلی	۱۳۰۷	اردو		شادی کے خرچ جہیز اور زیورات کے بعض احکام
۱۹۰	حک العیب فی حرمة تسوید الشیب	"	"	رضوی کتب خانہ بریلی و رضا اکیڈمی	سیاہ خضاب کے حرام ہونے کا بیان
۱۹۱	حقة المرجان لمہم حکم الدخان	"	"	مطبع حسنی بریلی و تحفۂ حنفیہ پٹنہ	حقے اور تمباکو کے احکام
۱۹۲	حق الاحقاق فی حادثة من نوازل الطلاق	۱۳۱۲	"	غیر مطبوعہ	ایک مسئلۂ طلاق کی نفیس تحقیق (فتاوی یازدہم)
۱۹۳	الحلیة الاسمیٰ لحکم بعض الاسماء ؎	۱۳۲۰	"	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ	نام رکھنے کے احکام اور بعض غلط نام کی نشاندہی
۱۹۴	الحق المجتلیٰ فی احکام المبتلیٰ ؎	۱۳۲۴	"	مکتبہ رضا بیسلپور پیلی بھیت و رضا اکیڈمی ممبئی	جذامی سے بھاگنے نہ بھاگنے کی تحقیق
۱۹۵	خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال	۱۳۱۸	"	مطبع اہلسنت بریلی و رضا اکیڈمی	کسب حلال کی اہمیت اور سوال کی مذمت
۱۹۶	کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم ؎	۱۳۲۴	عربی	مطبع اہلسنت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	کاغذ کے نوٹ سے متعلق شرعی احکام
۱۹۷	نوٹ سے متعلق سب مسائل	۱۳۲۹	اردو	مطبع اہلسنت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	کفل الفقیہ کا اردو ترجمہ
۱۹۸	کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم	"	عربی	مطبع اہلسنت بریلی وغیرہ	نوٹ سے متعلق مولوی عبدالحی وغیرہ کا رد
۱۹۹	الذیل المنوط لرسالة النوط	"	اردو	مطبع اہلسنت بریلی وغیرہ	کاسر السفیہ الواہم کا اردو ترجمہ
۲۰۰	رفیع المدارک فی السوائب و ماطرح المالک	۱۳۱۰	عربی		ہندو گنگا میں جو گہنا ڈالتے ہیں اس کا اور بجار کا حکم
۲۰۱	راد القحط والوباء بدعوة الجیران ومواساة الفقراء	۱۳۱۲	"	حسنی پریس و رضا برقی پریس بریلی	فقرا پر صدقہ کرنے سے بلائیں دور ہوتی ہیں
۲۰۲	رامی زاغیاں معروف بہ دفع زیغ زاغ	۱۳۲۰	"	مطبع اہلسنت بریلی و تحفۂ حنفیہ پٹنہ	کوا سے متعلق شرعی حکم اور گنگوہی سے مراسلت
۲۰۳	الرمز الراسف علیٰ سوال مولانا آصف	۱۳۳۹	"	رفاہ عام پریس بریلی وغیرہ	مولانا آصف کے چند سوالات کے جوابات
۲۰۴	الزبدة الزکیة فی تحریم سجود التحیة	۱۳۳۷	"	حسنی پریس بریلی و سمنانی میرٹھ	سجدۂ تعظیمی کی حرمت کا بیان
۲۰۵	رویت ہلال رمضان		فارسی		چاند دیکھنے کا بیان
۲۰۶	الرمز المرصف علیٰ سوال مولانا السید آصف ؎	۱۳۳۹	اردو	حسنی پریس بریلی و سمنانی میرٹھ	کفار سے موالات کے متعلق احکام

۲۰۷	سبل الاصفیا فی حکم الذبح للاولیا ۲	۱۳۱۲	؍	حسنی پریس بریلی وسمنانی میرٹھ و المجمع الاسلامی مبارکپور ورضا اکیڈمی ممبئی	بزرگوں کے فاتحہ کیلئے ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم
۲۰۸	ستر جمیل فی مسائل السراویل	؍	؍		تنگ وکشادہ پاجامہ اورتہ بند اور دھوتی کے احکام
۲۰۹	السہم الشہابی علیٰ خداع الوہابی	۱۳۲۵	؍	مطبع اہلسنت بریلی ومکتبۃ الحبیب الٰہ آباد	وہابیہ کے ایک زبردست دھوکے پر تنبیہ
۲۱۰	السنیۃ الانیقۃ فی فتاویٰ افریقہ	۱۳۳۶	؍	حسنی پریس بریلی وسمنانی میرٹھ	افریقہ سے آمدہ بعض مسائل کے جوابات
۲۱۱	السیف الصمدانی علی التہانی والمکرانی	۱۳۳۲	؍		
۲۱۲	سلامۃ اللہ لاہل السنۃ ۳		؍		دربارۂ اذان ثانی جمعہ
۲۱۳	شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ	۱۳۱۵	؍	مطبع حنفیہ پٹنہ ومطبع اہلسنت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	نقشۂ مزار مبارک ونعل اقدس کا ادب واحترام
۲۱۴	الشرعۃ البہیۃ فی تحدید الوصیۃ ۴	۱۳۱۷	؍	ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی	وصیت کی جامع تعریف
۲۱۵	صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین	۱۳۰۶	؍	مطبع اہلسنت وحسنی بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت
۲۱۶	طوالع النور فی حکم السرج علی القبور	۱۳۰۴	؍		قبروں پر چراغ جلانے کے تفصیلی احکام
۲۱۷	الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز	۱۳۰۹	؍	مطبع بریلی وغیرہ	چاندی سونے اور دیگر دھات کے زیور وغیرہ کا حکم
۲۱۸	الطراز المذہب فی التزویج بغیر الکفو ومخالف المذہب ۵	۱۲۹۹	عربی		غیر کفو اور مخالف مذہب سے نکاح کا حکم
۲۱۹	عطایا القدیر فی حکم التصویر	۱۳۳۱	اردو	مطبع اہلسنت واختر بکڈپو بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	عکسی تصاویر سے متعلق شرعی احکام
۲۲۰	عبقری حسان فی اجابۃ الاذان ۶	۱۲۹۹	عربی		اذان کا جواب دینا کس سے واجب ہے بزبان یا قدم
۲۲۱	فتح الملیک فی حکم التملیک	۱۳۰۸	؍	غیر مطبوعہ	تملیک نامہ وہبہ نامہ میں کوئی فرق نہیں
۲۲۲	الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی	۱۳۱۸	؍	ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی	سینڈھی اور نان پاؤ و دیگر اشربہ کا حکم (فتاویٰ یازدہم)
۲۲۳	الکاس الدہاق باضافۃ الطلاق	۱۳۱۳	؍	رضا اکیڈمی ممبئی	طلاق میں زوجہ کی طرف نسبت کے شرائط واحکام
۲۲۴	لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحی	۱۳۱۵	اردو	مطبع حیدرآباد ورضوی کتب خانہ بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	داڑھی بڑھانے اور مونچھ گھٹانے اور ایک قبضہ کا ثبوت

۲۲۵	اللؤلؤ المعقو دلبیان حکم امرأۃ المفقو د ے	۱۳۰۵	۔۔		مفقو دالخبر کی عورت کا حکم
۲۲۶	المقالۃ المسفر ۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ	۱۳۰۱	عربی		بدعت کفری والے کا حکم مثل مرتد ہے
۲۲۷	الجمل المسددان ساب المصطفےٰ مرتد	۔۔	اردو		حضور کی توہین کرنے والا مرتد ہے
۲۲۸	منزع المرام فی التداوی بالحرام	۱۳۰۳	عربی		حرام اشیا سے علاج کا حکم
۲۲۹	المنح الملیحہ فیما نہی عن اجزاء الذبیحہ ۸	۱۳۰۷	۔۔		ذبیحہ سے بائیس چیز کھانے کی ممانعت
۲۳۰	المنیٰ والدرر لمن عمد منی آرڈر	۱۳۱۱	اردو	ادارہ اشاعت رضا بریلی	منی آرڈر کرنے کا حکم مع رد گنگوہی (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱)
۲۳۱	مروج النجا لخروج النساء	۱۳۱۵	۔۔	مطبع اہلسنت بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	عورت کو کہاں کہاں جانا جائز ہے
۲۳۲	الردالناہز علیٰ ذام النہی الحاجز	۱۳۱۵	اردو		رسالہ النہی الحاجز کا جواب الجواب
۲۳۳	شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر ۱	۱۳۲۴	عربی	رضا اکیڈمی ممبئی	اذان ثانی جمعہ کے مقابل منبر اور خارج مسجد ہونے کا ثبوت
۲۳۴	مفاد الجر فی الصلوٰۃ بمقبرۃ اوجنب قبر	۱۳۲۶	اردو		قبر کے قریب یا مقبرہ میں نماز پڑھنے کی تحقیق
۲۳۵	مسائل سماع ۲		۔۔	مطبع کلیمی کان پور وغیرہ	سماع مزامیر سے متعلق فتاووں کا مجموعہ
۲۳۶	المعرکۃ اللمعا علیٰ طاعن نطق بکفر طوعا				بحوالہ الثقافۃ الاسلامیۃ مترجم اردو ص ۱۷۱
۲۳۷	نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا	۱۳۰۲	۔۔		دفع وبا کیلئے اذان کہنے کا حکم
۲۳۸	نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان ۳	۱۳۱۴	عربی		دودھ کی بھتیجی حرام ہونے کا حکم
۲۳۹	نور الجوہرۃ فی السمسرۃ والسوکرۃ	۱۳۲۰	۔۔		بجار کا بیمہ
۲۴۰	نور عینی فی الانتصار للامام العینی		۔۔		امام عینی کے ایک کلام پر اعتراض کا جواب
۲۴۱	وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید ۴	۱۳۱۲	اردو	مطبع اہلسنت بریلی والمجمع الاسلامی و رضا اکیڈمی ممبئی	عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ کا جواز
۲۴۲	ہادی الاضحیۃ بالشاء الہندیۃ	۱۳۱۴	۔۔		چھ ماہ کی عمر کے بھیڑ کی قربانی روا ہونا غیر کی نا روا
۲۴۳	لب الشعور باحکام الشعور	۱۳۱۸	۔۔		
۲۴۴	نابغ النور علیٰ سوالات جبلفور ۵	۱۳۳۹	۔۔	سنی دار الاشاعت مبارکپور	تحریک خلافت وترک موالات کے سوالوں کے جوابات
۲۴۵	انفس الفکر فی قربان البقر	۱۲۹۸	۔۔	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ ومکتبہ حامدیہ لاہور و رضا اکیڈمی ممبئی	قربانی گاؤ کا مسئلہ
۲۴۶	مسئلۂ اذان کا حق نما فیصلہ ۶	۱۳۲۲	۔۔		اذان ثانی جمعہ کا فیصلہ کن بیان
۲۴۷	رویت ہلال کا ضروری فتویٰ		۔۔	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ	مسئلۂ رویت ہلال کا بیان
۲۴۸	کمال الاکمال شرح جمال الاجمال ے		۔۔	غیر مطبوعہ	

۲۴۹	اضافات افاضات	۱۳۳۳	عربی		
۲۵۰	الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اللبن	۱۳۲۰	اردو	رضا اکیڈمی ممبئی	دودھ کے بچے کا حکم
۲۵۱	ترجمہ شمائم العنبر ۸	۱۳۲۷	"		
۲۵۲	نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار	۱۳۳۲	"		
۲۵۳	وقایۃ اہل السنۃ عن اہل البدعۃ		"		
	اصول فقه				
۱	التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل	۱۳۰۴	عربی		کان یفعل دوام میں نص نہیں اس کی تحقیق
۲	تبویب الاشباہ والنظائر		"		
۳	حاشیۃ الحموی علی الاشباہ والنظائر		"		
۴	حاشیۃ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت		"		صفحات ۱۸۴ مملوکہ مولانا شرف قادری لاہور
۵	حاشیۃ مسلم الثبوت ۹		"		
۶	السیوف الخفیفۃ علیٰ عائب ابی حنیفۃ	۱۳۱۱	اردو		عالمگیری کے قول جو قیاس امام کو ناحق کہے کافر کی شرح
	رسم المفتی				
۱	اجلی الاعلام بان الفتویٰ مطلقا علیٰ قول الامام ۱	۱۳۳۴	عربی	مکتبہ ایشیق استنبول ترکی	اس کی تحقیق کہ فتویٰ مطلقا امام اعظم کے قول پر چاہئے
۲	فصل القضا فی رسم الافتاء ۲	۱۲۹۶	"		رسم المفتی کا جامع بیان
۳	حاشیہ رسائل الشامی (فی رسم المفتی)		"		
	فرائض				
۱	تجلیۃ السلم فی مسائل نصف من العلم	۱۳۲۱	اردو	مکتبۂ نوریہ سکھر پاکستان وادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	وراثت سے متعلق ضروری احکام اور مولوی عبدالحئ فرنگی محلی کے تسامحات کا بیان
۲	ندم النصرانی والتقیم الایمانی	۱۳۱۶	فارسی	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ	بعض پادریوں کے فرائض پر اعتراضات کا رد
۳	المقصد النافع فی عصوبۃ النصف الرابع	۱۳۱۵	اردو		وراثت سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ
۴	طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان	۱۳۱۷	"		ذوی الارحام سے متعلق ایک مسئلہ کی تحقیق
	تجوید ۰				
۱	الجام الصاد عن سنن الضاد ۳	"	"	حسنی پریس بریلی وسنی دارالاشاعت و رضا اکیڈمی ممبئی	مخرج حرف ضاد اور اس کے مسائل
۲	نعم الزاد لروم الضاد ۴	۱۳۱۵	فارسی	سنی دارالاشاعت مبارکپور	حرف ضاد کی تحقیق
۳	یسر الزاد لمن ام الضاد	۱۳۱۰	عربی		
۴	حاشیہ المنح الفکریۃ		"		

	عقائد و کلام				
۱	الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ	۱۳۰۶	اردو	سمنانی میرٹھ ورضا اکیڈمی ممبئی	روافض کی اذان کا رد
۲	المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد	۱۳۲۰	عربی	مطبع اہلسنت بریلی ومکتبہ ایشیق و رضا اکیڈمی ممبئی	حاشیۂ المعتقد المنتقد از علامہ فضل رسول بدایونی
۳	اعتقاد الاحباب فی الجمیل و المصطفے والآل و الاصحاب	۱۳۹۸	اردو	ادارہ اشاعت تصنیفات رضا	خدا، رسول، آل واصحاب وغیرہ سے متعلق عقائد کا بیان
۴	امور عشرین در امتیاز عقائد سنیین		؍؍	تحفۂ حنفیہ و برکات رضا، پور بندر	عقائد اہل سنت کی خصوصیات
۵	الاہلال بفیض الاولیاء بعد الوصال ۵	۱۳۰۳	؍؍	مطبع بمبئی وسنی دار الاشاعت	بعد وصال اولیاء اللہ کا فیض جاری رہتا ہے
۶	اظہار الحق الجلی	۱۳۲۰	؍؍	فیضان رضا، محبوب سبحانی، ممبئی و رضا اکیڈمی ممبئی	مقدمہ غیر مقلدۂ آرہ سے متعلق ۱۹۶ سوالات
۷	اصلاح النظیر	۱۳۲۱	؍؍		مساجد اہلسنت میں بدمذہبوں کے آنے کا حکم
۸	اکمل المبحث علی اہل الحدث	؍؍	؍؍		بدمذہبوں کو مساجد سے نکالنے کی بحث
۹	الاستمداد علی اجیال الارتداد (منظوم)	۱۳۲۷	؍؍	مطبع اہلسنت بریلی وغیرہ	عقائد اہلسنت کا منظوم بیان اور رد وہابیہ
۱۰	انتصار الہدیٰ		؍؍	مطبع اہلسنت بریلی	رد گنگوہی
۱۱	ازاحۃ العیب بسیف الغیب	۱۳۳۰	؍؍	حسنی پریس سوداگران بریلی	ثبوت علم غیب رسول ورد گنگوہی
۱۲	انوار المنان فی توحید القرآن ۱	؍؍	عربی	رضا اکیڈمی ممبئی	بحث کلام نفسی ولفظی شامل در المعتقد المنتقد
۱۳	ابراء المجنون عن انتہاکہ علم المکنون ۲	۱۳۲۳	؍؍		
۱۴	اجلی نجوم رجم برایڈیٹر النجم	۱۳۳۷	اردو		عبد الشکور خارجی لکھنوی کا رد
۱۵	افتائے حرمین کا تازہ عطیہ	۱۳۲۸	عربی/اردو	مطبع اہلسنت بریلی	ترجمہ تقریظات الدولۃ المکیۃ
۱۶	اظلال السحابۃ باجلال الصحابۃ ۳		اردو		صحابۂ کرام کی تعظیم کا بیان
۱۷	اشد الباس علی عابد الخناس	؍؍	؍؍		
۱۸	البشری العاجلۃ من تحف آجلۃ	۱۳۰۰	عربی		
۱۹	البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ ۴		اردو		بہت سے عقائد کا تحقیقی بیان اور رد وہابیہ
۲۰	پیکان جانگداز برجان مکذبان بے نیاز	۱۳۲۷	؍؍	مطبع لکھنؤ	رد مسئلۂ امکان کذب باری تعالیٰ
۲۱	التحبیر بباب التدبیر	۱۳۰۵	؍؍	رضوی پریس بریلی وانجمن طلبہ اشرفیہ	تدبیر کیا ہے اور اس کے منکر کا حکم
۲۲	ثلج الصدر لایمان القدر	۱۳۲۵	؍؍	مطبع حنفیہ پٹنہ وانجمن طلبہ اشرفیہ	تقدیر کا بیان اور رفع شبہات
۲۳	تمہید ایمان بآیات قرآن	۱۳۲۶	؍؍	مطبع اہلسنت ورضوی کتب خانہ بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	آیات قرآنی کی روشنی میں عقائد کا بیان

۲۴	حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین	۱۳۲۴	عربی	مطبع اہلسنت ورضوی کتبخانہ بریلی وغیرہ	ائمۂ وہابیہ اور مرزا قادیانی کی تکفیر پر حرمین کا فیصلہ
۲۵	مبین احکام وتصدیقات اَعلام	۱۳۲۵	اردو	؍؍	حسام الحرمین کا اردو ترجمہ
۲۶	خلاصۂ فوائد فتاویٰ (حسام الحرمین)	۱۳۲۴	؍؍	؍؍	حسام الحرمین کے فتووں کا خلاصہ
۲۷	الکمم الملکیۃ والتسجیلات المکیۃ	؍؍	عربی	؍؍	تصدیقات علمائے مکہ معظمہ برحسام الحرمین
۲۸	مہری تصدیقات مکہ	۱۳۲۵	اردو	؍؍	الکمم الملکیہ کا اردو ترجمہ
۲۹	الفواکہ الھنیۃ والتسجیلات المدنیۃ	۱۳۲۴	عربی	؍؍	تصدیقات علمائے مدینہ منورہ برحسام الحرمین
۳۰	بحار تصدیقات مدینہ	۱۳۲۵	اردو	؍؍	مذکورہ بالا رسالہ کا اردو ترجمہ
۳۱	برکات مدینہ از عمدۂ شافعیہ	۱۳۲۵	اردو	؍؍	مفتی شافعیہ کی تصدیق کا ترجمہ
۳۲	ہدایۃ المعلمین الیٰ مایجب فی الدین ۵	۱۳۳۰	عربی	؍؍	
۳۳	الجلاء الکامل لعین قضاۃ الباطل ۶	۱۳۲۶	؍؍		بیان علم غیب رسول ورد منکرین
۳۴	حل خطأ الخط	۱۲۸۸	؍؍		اسمٰعیل دہلوی کے خط کی غلطیوں کا بیان
۳۵	حجب العوار عن مخدوم بہار ۷	۱۳۳۹	اردو	سنی رضوی دارالاشاعت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	ارشاد مخدوم بہاری سے وہابیہ کے استدلال کا جواب
۳۶	حق کی فتح مبین		اردو	مطبوعہ حسنی پریس بریلی	مکالمات مولوی عبدالباری فرنگی محلی کا خلاصہ
۳۷	خالص الاعتقاد	۱۳۲۸	؍؍	مطبع اہلسنت ورضا برقی پریس بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	علم غیب سے متعلق اعتراضات وہابیہ کے جوابات
۳۸	دوام العیش فی الائمۃ من قریش	۱۳۳۹	؍؍	مطبع حسنی بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ	خلفا کا قریش سے ہونا ضروری ہے
۳۹	سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح	۱۳۰۷	؍؍	شاہی پریس لکھنؤ وتحفۂ حنفیہ پٹنہ	وہابیہ کے عقیدۂ امکان کذب کا رد بلیغ
۴۰	دامان باغ سبحان السبوح ۱	۱۳۲۶	؍؍	؍؍	سبحان السبوح کا ذیل
۴۱	سبحان القدوس عن تقدیس نجس منکوس	۱۳۰۹	؍؍	؍؍	تقدیس القدیر (مثبت امکان کذب) کا رد
۴۲	دفعۃ الباس علیٰ جاحد الفاتحۃ والفلق والناس	۱۳۲۲	؍؍	بعض مطبوعہ اہلسنت وجماعت بریلی	فاتحہ یامعوذتین کے منکر کا شرعی حکم
۴۳	دوامغ الحمیر	۱۳۴۰	؍؍	حسنی پریس بریلی	
۴۴	ذوالفقار		؍؍	انجمن حزب الاحناف لاہور	
۴۵	دافع الفساد عن مرادآباد		؍؍	مطبع اہلسنت بریلی	مراسلت بنام اشرفعلی تھانوی
۴۶	ردالرفضۃ	۱۳۲۰	؍؍	مطبع اہلسنت بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	رد روافض اور رافضی وسنی کے نکاح کا حکم

۴۷	الرائحۃ العنبریہ من المجمرۃ الحیدریہ	〃	〃	مطبع تجارت اسلامیہ میرٹھ	
۴۸	رفع العروش الخاویۃ من ادب الامیر معاویۃ				
۴۹	رسالہ عقائد ۲				
۵۰	السعی المشکور فی ابداء الحق المجھور	۱۲۹۰	عربی	رضا اکیڈمی ممبئی	مسئلۂ صفات باری تعالیٰ وتحقیق مذہب حق
۵۱	سوالات حقائق نما برؤس ندوۃ العلماء	۱۳۱۳	اردو	مطبع بدایوں وکلکتہ	ندوہ پر ستر سوالات جن کے جواب سے اہل ندوہ عاجز ہیں
۵۲	فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوۃ	〃	〃	مطبع نادری بریلی	ردعقائد علماء ندوہ
۵۳	قہرالدیان علیٰ مرتد بقادیان	۱۳۲۳	〃	مطبع اہلسنت بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	ردعقائد غلام احمد قادیانی
۵۴	السوء والعقاب علیٰ المسیح الکذاب	۱۳۲۰	〃	مطبع اہلسنت بریلی ومکتبۃ الحبیب الہٰ آباد ورضا اکیڈمی ممبئی	عقائد مرزا قادیانی اوراس کی تکفیر
۵۵	المبین ختم النبیین	۱۳۲۶	〃	حق اکیڈمی مبارک پور ورضا اکیڈمی ممبئی	النبیین میں الف لام کی تحقیق
۵۶	الصارم الربانی علیٰ اسراف القادیانی	۱۳۱۵	〃	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ ورضا اکیڈمی ممبئی	عقائد قادیانی کارد بلیغ ۳
۵۷	سیف العرفان لدفع حزب الشیطان	۱۳۲۹	〃	مطبع اہلسنت بریلی	
۵۸	سیف المصطفیٰ علیٰ ادیان الافتراء	۱۲۹۹	〃	〃	پیشوایان وہابیہ کی خیانتوں کا تذکرہ
۵۹	سدالفرار		〃	〃	
۶۰	شرح المطالب فی مبحث ابی طالب	۱۳۱۶	〃	مطبع اہلسنت بریلی ومکتبۂ قادریہ لاہور ورضا اکیڈمی ممبئی	ابوطالب کے ایمان وکفر کی بحث
۶۱	منتہی التفصیل فی مبحث التفضیل ۴			غیر مطبوعہ	دربارۂ تفضیل شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۶۲	الصارم الالٰہی علیٰ عمائد المشرب الواہی ۵			〃	
۶۳	ضوء النہایۃ فی اعلام الحمد والہدایۃ ۶	۱۲۸۵	عربی	〃	حمد وہدایت کی تعریف
۶۴	باب العقائد والکلام ۱	۱۳۳۵	اردو	رضوی پریس بریلی ومطبع اہلسنت	فرق باطلہ کے عقائد اوران کارد
۶۵	برکات الامداد لاہل الاستمداد	۱۳۱۱	〃	مطبع اہلسنت بریلی وحبیب المطابع الہٰ آباد	اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت
۶۶	العذاب البئیس ۲			غیر مطبوعہ	
۶۷	فیح النسرین بجواب الاسئلۃ العشرین	〃	〃	〃	وہابیہ سے متعلق ۲۰ سوالات کے جوابات
۶۸	الفرق الوجیز بین السنی العزیز والوہابی الرجیز		اردو	مظہر اسلام بریلی شریف	سنی وہابی میں فرق کا بیان
۶۹	قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار	۱۳۱۸	〃	رضا اکیڈمی لاہور	وہابیہ کے اس عقیدہ کارد کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے
۷۰	القمع المبین لآمال المکذبین ۳	۱۳۲۹	〃	شاہی پریس لکھنؤ	کذب باری کے قائلین کارد
۷۱	[illegible]	[illegible]	〃	[illegible]	[illegible]

۷۲	سل السیوف الہندیۃ علیٰ کفریات بابا النجدیۃ	〃	〃	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ ورضا اکیڈمی ممبئی	الکوکبۃ الشہابیۃ کا خلاصہ
۷۳	لمعۃ الشمعۃ لہدی شیعۃ الشنیعۃ	〃	〃		
۷۴	اللآمۃ القاصفۃ لکفریات الملاطفۃ	۱۳۲۱	〃	غیر مطبوعہ	
۷۵	اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر بما کان و ما یکون ۴	۱۳۱۸	〃	〃	مسئلۂ علم غیب کا مفصل وشافی بیان
۷۶	معتبر الطالب فی شیون ابی طالب	۱۲۹۴	〃	〃	دربارہ جناب ابوطالب
۷۷	مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین ۵	۱۲۹۷	〃	〃	رد روافض و تفضیل شیخین میں مبسوط کتاب
۷۸	غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق	۱۳۳۱	〃	بریلی الیکٹرک پریس ومکتبہ قادریہ	تفضیل شیخین واثبات خلافت ایشاں
۷۹	مال الحبیب بعلوم الغیب	۱۳۱۸	عربی	غیر مطبوعہ	علم غیب رسول میں کثیر احادیث واقوال کا مجموعہ
۸۰	اراحۃ جوانح الغیب ۶		اردو	مطبع اہلسنت بریلی	علم غیب رسول کا اثبات
۸۱	معارک الجروح علی التوہب المقبوح	۱۳۲۰	〃	غیر مطبوعہ	مقدمہ آرہ سے متعلق وہابیہ کے سوالات پر ۹۶ جرحیں
۸۲	مقتل کذب وکید	۱۳۳۲	〃	مطبع اہلسنت بریلی	
۸۳	حاسم المفتری علی السید البری	۱۳۲۸	عربی	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی	علم غیب رسول کے ثبوت میں
۸۴	النیر الشہابی علیٰ تدلیس الوہابی ۷	۱۳۰۹	اردو	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی وغیرہ	غیر مقلدین کے بعض شبہات کا جواب
۸۵	السہم الشہابی علیٰ خداع الوہابی	۱۳۲۵	〃	〃	ایک غیر مقلد نے بچوں کیلئے کتاب لکھ کر حنفی کو دھوکا دیا اس میں اس کا رد ہے
۸۶	بیبل مژدہ آرا و کیفر کفران نصاریٰ	۱۳۲۰	〃	غیر مطبوعہ	بیبل سے اسلام کی حقانیت اور رد نصرانیت
۸۷	مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفےٰ			〃	حضور کی بے مثلی کا روشن بیان
۸۸	الجبل الثانوی علیٰ کلیۃ التانوی	۱۳۳۷	〃	مطبوعہ ممبئی ورضا اکیڈمی ممبئی	اشرفعلی تھانوی کے ایک کلیہ کا رد
۸۹	تحبیر البحر بقصم الجبر ۸	۱۳۲۹	〃	غیر مطبوعہ	
۹۰	یک گز وسہ فاختہ بیمناک ۹	۱۳۳۷	〃	مطبع اہلسنت کلکتہ	العقائد والکلام پر اعتراضات کے جوابات
۹۱	الہدایۃ المبارکہ فی خلق الملائکہ ۱۰	۱۳۱۱	〃	المجمع الاسلامی مبارکپور وغیرہ	ملائکہ کی پیدائش اور موت کا بیان
۹۲	فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین	۱۳۱۷	عربی	مطبع گلزار حسنی ومکتبہ ایشیق استنبول و رضا اکیڈمی ممبئی	ندوۃ العلماء والوں کے عقائد اور ان پر فتاوائے حرمین
۹۳	فتوی مکۃ لفت الندوۃ المندکۃ	〃	〃	مطبع گلزار حسنی ومکتبہ ایشیق استنبول وغیرہ	اعلیٰحضرت کے فتاویٰ جو علمائے حرمین کو پیش ہوئے
۹۴	ترجمۃ الفتویٰ وجہ ہدم البلویٰ	〃	اردو	مطبع گلزار حسنی ومکتبہ قادریہ لاہور	مذکورہ فتویٰ کا اردو ترجمہ
۹۵	تصدیقات الحرامین	〃	عربی	مطبع گلزار حسنی ومکتبہ قادریہ لاہور	علمائے مکہ مکرمہ کی تصدیقات

۹۶	کشف تصحیحات	〃	اردو	〃	تصدیقات مذکورہ کا اردو ترجمہ
۹۷	فتوی المدینۃ المنورۃ بدک ندوۃ مزورۃ	〃	عربی	〃	فتاویٰ علمائے مدینہ منورہ مع تصدیقات
۹۸	ترجمۃ الفتویٰ سالبۃ الاہواء	〃	اردو	〃	تصدیقات علمائے مدینہ کا اردو ترجمہ
۹۹	خلص فوائد فتویٰ	〃	〃	〃	فتاویٰ الحرمین کا خلاصہ
۱۰۰	النذیر الہائل لکل جلف جائل	۱۳۰۰	〃	〃	محفل میلاد کے بارے میں نذیر دہلوی کا رد
۱۰۱	رشاقۃ الکلام فی حواشی اذاقۃ الآثام	۱۳۱۱	〃	مطبع اہلسنت و جماعت بریلی	ثبوت محفل میلاد میں والد گرامی کے رسالہ پر حواشی
۱۰۲	البرق المخیب علیٰ طیب	۱۳۲۰	〃	〃	ایک مدعی ادب کا رد
۱۰۳	النعیم المقیم فی فرحۃ مولد النبی الکریم ۱	۱۲۹۹	〃	مطبع اہلسنت و جماعت بریلی	مجلس مولود شریف پر خوشی منانے کا ثبوت
۱۰۴	ماحیۃ العیب بایمان الغیب	۱۳۲۴	〃		مجلس میلاد میں فتوی عین القضاۃ کا رد
۱۰۵	مزق تلبیس وادعائے تقدیس ۲	۱۳۰۷	〃	شاہی پریس لکھنؤ	وہابیہ کی تلبیس اور ادعائے تقدیس کا رد
۱۰۶	الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ۳	۱۳۲۳	عربی	مطبع اہلسنت بریلی و مکتبہ ایشیق استنبول	علم غیب کے ثبوت میں بے نظیر کتاب
۱۰۷	الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ ۴	۱۳۲۵	〃	مطبع اہلسنت و جماعت بریلی	الدولۃ والمکیۃ پر مصنف کا مبسوط حاشیہ
۱۰۸	الدلائل القاہرہ علی الکفر النیاشرہ		اردو	مطبع اہلسنت و جماعت بریلی و مطبع حنفیہ پٹنہ و قادریہ لاہور	فرقۂ نیچریہ کا رد
۱۰۹	المقال الباہر ان منکر الفقہ کافر	۱۳۱۹	عربی	غیر مطبوعہ	اس بات کا ثبوت کہ منکر فقہ کافر ہے
۱۱۰	الجرح الوالج فی بطن الخوارج	۱۳۰۵	اردو	〃	ردفرقہ تفضیلیہ وخوارج
۱۱۱	حاشیہ ہمزیہ		عربی	〃	
۱۱۲	حاشیہ تحفۂ اثنا عشریہ		فارسی	〃	
۱۱۳	حاشیہ مسایرہ		عربی	〃	
۱۱۴	حاشیہ مسامرہ		〃	〃	
۱۱۵	حاشیہ مفتاح السعادہ		〃	〃	
۱۱۶	حاشیہ عقائد عضدیہ		〃	〃	
۱۱۷	حاشیہ شرح فقہ اکبر		〃	〃	
۱۱۸	حاشیہ شرح مواقف		〃	〃	
۱۱۹	حاشیہ شرح مقاصد		عربی	غیر مطبوعہ	
۱۲۰	حاشیہ الصواعق المحرقہ		〃	〃	

نمبر	نام کتاب	سن	زبان	مطبع	کیفیت
۱۲۱	حاشیہ خیالی علیٰ شرح العقائد		؍	؍	
۱۲۲	حاشیہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ		؍	؍	
۱۲۳	حاشیہ التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ		؍	؍	
۱۲۴	حاشیہ تحفۃ الاخوان		؍	؍	
	مناظرہ				
۱	مراسلات سنت وندوہ	۱۳۱۳	اردو	مطبع نظامی بریلی	ناظم ندوہ سے مراسلت کی تفصیلات
۲	ابحاث اخیرہ ۱؎	۱۳۲۸	؍	مطبع اہلسنت بریلی ومکتبہ قادریہ	مولوی اشرفعلی سے مراسلت کی تفصیلات
۳	اطائب الصیب علیٰ ارض الطیب ۲؎	۱۳۱۹	عربی		عرب صاحب سے مسئلۂ تقلید میں مراسلت
۴	یادداشت عبارات سدالفرار	۱۳۳۴	اردو		
۵	الطاری الداری لہفوات عبدالباری اول	۱۳۳۹	؍	حسنی پریس بریلی	مولوی عبدالباری فرنگی سے موصوف کی گمراہ کن
۶	؍ دوم	؍	؍	؍	عبارات ونظریات پر اعلیٰحضرت کی مراسلت ۳؎
۷	؍ سوم	؍	؍	؍	
	فضائل و سیرت				
۱	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	۱۳۰۵	؍	مطبع اہلسنت بریلی ومکتبہ لطیفیہ براؤں ورضا اکیڈمی ممبئی	حضور کے سب نبیوں سے افضل ہونے پر دس آیتیں سو حدیثیں
۲	الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء ملقب بلقب تاریخی اکمال الطامۃ علیٰ شرک سوی بالامور العامۃ	۱۳۱۱ ۱۳۱۲	؍ ؍	؍ ورضوی کتبخانہ بریلی	حضور کے فضائل اور ردوہابیہ ۴۵ آیات اور ۲۴۰ احادیث کا مجموعہ خاص طور سے حضور کے دافع البلاء ہونے کا بین ثبوت
۳	اجلال جبریل بجعلہ خادماً للمحبوب الجمیل	۱۲۹۸	؍	غیر مطبوعہ	جبریل امین حضور کے خادم ہیں
۴	انباء المصطفیٰ بحال سرواخفی	۱۳۱۸	؍	مکتبہ اعلیٰحضرت بریلی وغیرہ	مسئلۂ علم غیب کا مجمل وکافی بیان
۵	زواہر الجنان من جواہر البیان	۱۲۹۷	؍		اس نفیس کتاب میں بکثرت آیات واحادیث واقوال
	معروف بہ				علمائے دین سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ساری کائنات
	سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ	؍			حضور کے زیرنگیں ہے
۷	شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام	۱۳۱۵	؍	حسنی پریس بریلی وسمنانی میرٹھ	حضور اقدس کے تمام آباواجداد وامہات اہل توحید ونجات تھے
۸	صلات الصفا فی نور المصطفیٰ	۱۳۲۹	؍	نوری کتبخانہ لاہور وانجمن اہلسنت مبارکپور ورضا اکیڈمی ممبئی	حضور کے نور ہونے کا ثبوت اور نور خدا ہونے کا مطلب
۹	عروس الاسماء الحسنیٰ فیما لنبینا من الاسماء الحسنیٰ	۱۳۰۶	؍		حضور کے ہزار سے زائد اسمائے گرامی کا مجموعہ

۱۰	فقہ شہنشاہ وان القلوب بید الحبیب بعطاء اللہ	۱۳۲۶	؍	مطبع اہلسنت بریلی ونوری کتب خانہ و رضا اکیڈمی ممبئی	نبی کو شہنشاہ کہنا اور یہ کہ لوگوں کے دل عطائے الٰہی سے غوث اعظم کے ہاتھ میں ہیں۔اس کا تحقیقی ثبوت
۱۱	قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام ۱؎	۱۲۹۶	اردو	ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	سایۂ اقدس نہ ہونے کے بیان میں بیمثل رسالہ
۱۲	نفی الفئ عمن بنورہ انار کل شئ	؍	؍	رضوی کتب خانہ بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	حضور کے سایہ نہ ہونے کا بیان
۱۳	ہدی الحیران فی نفی الفئ عن سید الاکوان	۱۲۹۹	؍	شاہدی کتب خانہ بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	؍ ؍ ؍
۱۴	طیب المنیہ فی وصول الحبیب الی العرش والرویۃ ۲؎ معروف بہ	۱۳۲۰	؍	مطبع حسنی بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی ۲؎	حضور کے شب معراج عرش تک پہنچنے اور دیدار الٰہی کا بیان
	منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرویۃ	؍	؍	؍	؍ ؍
۱۶	منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب ۳؎	۱۳۱۱	؍	مطبع اہلسنت بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	تمام احکام شریعت حضور کے اختیار میں ہیں
۱۷	الموہبۃ الجدیدۃ فی وجود الحبیب بمواضع عدیدۃ	۱۳۲۰	؍		نبی کریم کا ایک ہی وقت میں متعدد جگہ حاضر ہونا
۱۸	عروس مملکۃ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم		؍	دائرہ رضویہ بریلی شریف	حضور کو دولہا اور کعبہ کو دولہن کہنے کے بارے میں تحقیقی فتویٰ ۔
۱۹	حاشیہ شرح شفا ملا علی قاری		عربی	غیر مطبوعہ	
۲۰	حاشیہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ		؍	//	
۲۱	المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ		اردو	رضوی کتب خانہ بریلی وغیرہ	بارہویں شریف میں اعلیٰحضرت کی پڑھی ہوئی محفل میلاد
۲۲	نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال	۱۳۱۷	؍	تحفۂ حنفیہ پٹنہ وسمنانی میرٹھ	آفتاب رسالت کے طلوع وغروب کے ماہ وسال کی تحقیق
۲۳	جمان التاج فی بیان الصلوۃ قبل المعراج ۴؎	۱۳۱۶	؍	مطبع اہلسنت بریلی وسمنانی میرٹھ	قبل معراج نماز کی کیفیت کا بیان
	مناقب				
۱	الکلام البہی فی تشبیہ الصدیق بالنبی	۱۲۹۷	؍		صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ
	صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۵؎				علیہ وسلم سے مشابہتیں
۲	وجہ المشوق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق ۶؎	؍	؍		شیخین کے صدہا نام جو احادیث میں آئے
۳	تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ	۱۳۱۲	؍	حسنی پریس بریلی، المجمع الاسلامی و رضا اکیڈمی ممبئی	مولیٰ علی کے دور جاہلیت میں بھی شرک سے بری ہونے کا ثبوت
۴	احیاء القلب المیت بنشر فضائل اہل البیت ۷؎				اہل بیت اطہار کے فضائل ومناقب
۵	ذب الاہواء الواہیۃ فی باب الامیر معاویۃ	؍	؍		حضرت امیر معاویہ پر سے مطاعن کا دفع
۶	عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام	؍	؍		فضائل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

نمبر	نام کتاب	سن	زبان	مطبع	موضوع
۷	رفع العروش الخاویۃ من ادب الامیر معاویۃ ۸				
۸	جمیل ثناء الائمۃ علیٰ علم سراج الامۃ	〃	〃		ائمہ نے علم امام اعظم کی کیا کیا مدح فرمائی
۹	فتویٰ کرامات غوثیہ	۱۳۱۰	اردو	مطبع گلزار حسنی بمبئی	کرامات غوث اعظم سے متعلق ایک فتویٰ
۱۰	انجاء البری عن وسواس المفتری	۱۳۱۲	عربی		حضرت شیخ اکبر کے مناقب
۱۱	مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم ۔	۱۳۰۳	فارسی	مطبوعہ لاہور	فضائل سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ
	تاریخ				
۱	اول من صلی الصلوات الخمس ۱	۱۳۱۰	اردو	مطبع اہلسنت بریلی	کس نے پہلے پنجگانہ نماز ادا کی
۲	اَعلام الصحابۃ الموافقین للامیر معاویۃ وام المومنین	۱۳۱۲	〃		کون کون صحابہ حضرت امیر معاویہ وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے
۳	جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان	۱۳۲۲	〃	مطبع اہلسنت بریلی وبراؤں شریف	قرآن کے جمع وتدوین کی تاریخ اور حضرت عثمان کو جامع القرآن کہنے کی وجہ
	تصوف				
۱	حاشیہ الیواقیت والجواہر		عربی	غیر مطبوعہ	
۲	حاشیہ احیاء علوم الدین للغزالی		〃	〃	
۳	حاشیہ الابریز		〃	〃	
۴	حاشیہ الزواجر		〃	〃	
۵	حاشیہ مدخل لابن امیر الحاج		〃	〃	
۶	حاشیہ میزان الشریعۃ الکبریٰ		〃	〃	
۷	بوارق تلوح من حقیقۃ الروح	۱۳۱۱	〃	〃	روح کیا شئی ہے؟ اس کی نفیس تحقیق
۸	التلطف بجواب مسائل التصوف	۱۳۱۲	اردو	〃	تصوف کے بعض سوالات کے جوابات
۹	کشف حقائق واسرار دقائق	۱۳۰۸	〃	رضوی پریس بریلی وسمنانی میرٹھ	بعض اشعار تصوف کی شرح
۱۰	مقال عرفا باعزاز شرع وعلما	۱۳۲۷	〃	مطبع تحفۂ حنفیہ ورضوی کتب خانہ بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	شریعت اور طریقت میں کوئی جدائی نہیں
۱۱	طرد الافاعی عن حمی ہاد رفع الرفاعی	۱۳۳۶	〃	مطبع رضوی بریلی	حضرت احمد کبیر رفاعی سے غوث پاک کا مرتبہ افضل ہے
۱۲	کشکول فقیر قادری ۲		〃	حسنی پریس سوداگران بریلی	مشتمل بر بعض ارشادات وشجرہ وسراپائے غوث پاک وغیرہ
	سلوک				
۱	الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ	۱۳۰۹	〃	عثمانی پریس بدایوں ومطبع اہلسنت	تصور برزخ کا جواز اور رد وہابیہ
۲	نقاء السلافۃ فی البیعۃ والخلافۃ	۱۳۱۹	〃	مطبع لاہور و رضا اکیڈمی ممبئی	بیعت وخلافت کے احکام

	اذکار				
۱	الوظیفۃ الکریمۃ	۱۳۳۸	عربی/اردو	مطبع اہلسنت ورضوی کتب خانہ بریلی	بعض اوراد ووظائف کا مجموعہ
۲	شجرۂ طیبہ قادریہ برکاتیہ		اردو	؍ وغیرہ	شجرۂ قادریہ منظوم مع بعض تعلیمات شریعت و طریقت
۳	زہرۃ الصلاۃ من شجرۃ اکارم الہداۃ	۱۳۰۵	عربی	مطبوعہ درامام احمد رضا نمبر المیزان ص ۶۲	درود میں شجرہ طیبہ کے اسماء بمعنی دیگر
۴	ماقل وکفی من ادعیۃ المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۰۴	عربی		
۵	المنۃ الممتازۃ فی دعوات الجنازۃ [۱]	۱۳۱۸	عربی	سنی دار الاشاعت مبارکپور	جنازہ کی چودہ (۱۴) دعاؤں کا مجموعہ
۶	سلسلۃ الذہب نافیۃ الارب	۱۳۰۴	فارسی	مطبع درخشاں بریلی	شجرۂ قادریہ منظومہ۔ غیر تاریخی نام
۷	ازہار الانوار من صبا صلاۃ الاسرار [۲]	۱۳۰۵	عربی	سنی دار الاشاعت مبارکپور	نماز غوثیہ کا ثبوت
۸	انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار [۳]	؍	اردو	؍ وسمنانی میرٹھ ورضا اکیڈمی ممبئی	طریقہ ونکات نماز غوثیہ شریف
	اخلاق				
۱	اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد	۱۳۱۰	؍	مطبع اہلسنت بریلی وانجمن اہلسنت مبارکپور و رضا اکیڈمی ممبئی	بندوں پر بندوں کے حقوق کا بیان
۲	شرح الحقوق لطرح العقوق (حقوق والدین)	۱۳۰۷	؍	مطبع اہلسنت بریلی وانجمن اہلسنت مبارکپور و مکتبۂ کلیمی کانپور	والدین، زوجین اور استاذ کے حقوق کا بیان
۳	مشعلۃ الارشاد الیٰ حقوق الاولاد	۱۳۱۰	؍		حقوق اولاد میں اسّی (۸۰) احادیث کا مجموعہ
	نصائح و مواعظ				
۱	تدبیر فلاح ونجات واصلاح	۱۳۲۱	؍	رضوی کتب خانہ بازار صندلخاں بریلی	مسلمانوں کی پستی کا علاج اور فلاح کی تدبیریں
۲	وصایا شریف [۴]		؍	؍ وغیرہ	اعلیٰحضرت کے وصال کے وقت وصایا ونصائح
۳	ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری [۵] اول	۱۳۱۳	؍	حسنی پریس بریلی	مولوی عبدالباری فرنگی محلی سے مصالحت کی تدبیریں
۴	؍ دوم		؍	؍	؍ ؍
۵	؍ سوم		؍	؍	؍ ؍
	معلومات عامہ ملفوظات				
۱	ملفوظات اعلیٰحضرت [۶]		؍	حسنی پریس بریلی	اوراد واشغال پر مشتمل بعض ملفوظات
۲	الملفوظ ۴ حصص [۷]		؍	تحفۂ حنفیہ پٹنہ وسمنانی میرٹھ وغیرہ	علوم ومعارف نصائح ومواعظ اوراد واعمال کا خزانہ

	مکتوبات ۸			
۱	مکتوبات اہلسنت		؍	مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی	حیات اعلیٰحضرت اول از ملک العلماء بہاری میں شامل
۲	بعض مکاتیب حضرت مجدد	۱۳۳۶	؍	حسنی پریس بریلی	مرتبہ مولوی عرفان علی بیسلپوری مرحوم
۳	مکتوبات امام احمد رضا (اول)			مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور	مرتبہ مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری
۴	؍؍ (دوم)		؍؍	؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍ ؍؍ و پروفیسر مسعود ۹
	خطبات				
۱	الخطبات الرضویۃ فی المواعظ والعیدین والجمعۃ		عربی	بریلی الیکٹرک پریس رضوی کتب خانہ	جمعہ عیدین محفل وعظ میں پڑھنے کے الگ الگ خطبات مع بعض احکام
۲	خطبات اعلیٰحضرت		اردو	المجمع الرضوی بریلی	مرتبہ مولانا نشتر فاروقی
	ادب				
۱	اکسیر اعظم	۱۳۰۲	فارسی	غیر مطبوعہ	منقبت سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ
۲	حدائق بخشش اول ۱۰	۱۳۲۵	اردو	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ ورضوی کتب خانہ و رضا اکیڈمی ممبئی	وبزرگان مارہرہ وغیرہ
۳	حدائق بخشش دوم	۱۳۲۵	اردو	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ ورضوی کتب خانہ و رضا اکیڈمی ممبئی	
۴	آمال الابرار وآلام الاشرار ۱	۱۳۱۸	عربی	مطبع تحفۂ حنفیہ پٹنہ	علمائے اہلسنت کے مناقب و رد ندوہ میں ۱۶۰ر اشعار
۵	چراغ اُنس	۱۳۱۵	اردو	؍ و خانقاہ قادریہ بدایوں	حضرت تاج الفحول بدایونی کی منقبت کے اشعار
۶	حضور جان نور	۱۳۲۴	؍	؍ ومطبع اہلسنت پٹنہ	روضۂ اقدس پر جو قصیدہ عرض کیا
۷	سلام وسیر		؍	غیر مطبوعہ	بہ ضمن سلام از ولادت تا وصال اقدس و وقائع کا اجمالی بیان مع مناقب صحابہ و اہلبیت وشجرۂ عالیہ قادریہ
۸	سراپا نور		؍		قصیدۂ نعت مبارک ساٹھ مطلع نور پر مشتمل
۹	مناقب صدیقہ رضی اللہ عنہا		؍	ناتمام	ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منقبت
۱۰	وظائف قادریہ	۱۳۲۱	فارسی	مطبع اہلسنت بریلی ونوری کتب خانہ لاہور	قصیدۂ غوثیہ کا منظوم ترجمہ مع عرض مدعا
۱۱	حمائد فضل رسول بنام قصیدتان	۱۳۰۰	عربی		مولانا فضل رسول بدایونی کی مدح
۱۲	مدائح فضل رسول رائعتان	؍	؍	المجمع الاسلامی مبارکپور	؍ ؍
۱۳	نذر گدا در تہنیت شادی اسرا		اردو	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی	معراج رسول کا اچھوتا بیان
۱۴	ذریعۂ قادریہ	۱۳۰۵	؍	مطبع حیدرآباد و پٹنہ وغیرہ	نعت ومنقبت غوث اعظم رضی اللہ عنہ
۱۵	فضائل فاروق	۱۳۰۸	؍	؍	منقبت سرکار فاروق اعظم ورد روافض

نمبر	نام کتاب	سن	زبان	مطبع	کیفیت
۱۶	نظم معطر	۱۳۰۹	فارسی	مطبع نادری بریلی	۶۰ رباعیات در منقبت سرکار بغداد
۱۷	مشرقستان قدس		اردو	مطبع اہلسنت بریلی و مطبع حنفیہ پٹنہ	قصیدۂ مدحیہ سرکار ابوالحسین نوری مارہروی
۱۸	نعت واستعارات		؍؍	غیر مطبوعہ	نعت مشتمل بر استعارہ وتشبیب
۱۹	اتحاف العلی لبکر فکر السنبلی		؍؍	؍؍	
۲۰	جاہ القصیدۃ البغدادیۃ معروف بہ الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ	۱۳۰۶	؍؍	مطبع اہلسنت وجماعت بریلی ونوری کتب خانہ لاہور رضا اکیڈمی ممبئی	قصیدۂ غوثیہ پر ادبی اعتراضات کے مسکت جواب
۲۱	عذاب اولیٰ برر داوادنیٰ	۱۳۱۶	؍؍	؍؍	[2]
۲۲	شرح مقامہ مذاقیہ	۱۳۱۵	؍؍	مطبوعہ میرٹھ بحوالہ مرآۃ التصانیف	ایک مدعی ادب کی جہالت کا بیان
	نحو				
۱	تبلیغ الاحکام الی درجۃ الکمال فی تحقیق رسالۃ المصدر والا فعال	۱۳۲۸	عربی	غیر مطبوعہ	
۲	شرح ہدایۃ النحو [3]	۱۲۸۲	؍؍	؍؍	دس سال کی عمر میں یہ شرح تحریر فرمائی تھی جو تلف ہوگئی
	صرف				
۱	حاشیہ علم الصیغہ		فارسی	غیر مطبوعہ	
	لغت				
۱	حاشیہ صراح [4]		؍؍	غیر مطبوعہ	
۲	فتح المعطی بتحقیق الخاطی والمخطی	۱۳۱۲	اردو	غیر مطبوعہ	خاطی مخطی میں کیا فرق ہے
۳	حاشیہ تاج العروس		عربی	؍؍	
	عروض				
۱	حاشیہ میزان الافکار		فارسی	غیر مطبوعہ	
	تعبیر				
۱	حاشیہ تعطیر الانام		عربی	غیر مطبوعہ	
	اوفاق				
۱	الفوز بالآمال فی الاوفاق والاعمال	۱۳۲۶	فارسی	غیر مطبوعہ	اعمال ونقوش وتعویذات خاندانی کا مجموعہ
	تکسیر				
۱	اطائب الاکسیر فی علم التکسیر	۱۲۹۶	عربی	غیر مطبوعہ	علم تکسیر اور مصنف کے ایجادات کثیر
۲	رسالہ در علم تکسیر	۱۳۲۸	فارسی	؍؍	
۳	۱۱۵۲ مربعات		اردو	؍؍	

	جفر				
۱	الجداول الرضویۃ للمسائل الجفریۃ	۱۳۲۲	〃	(قلمی مملوکہ ملا لیاقت خاں، بریلی) مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور و رضا اکیڈمی ممبئی	علم جفر سے متعلق مصنف کی ایجاد کردہ جدولیں
۲	الثواقب الرضویۃ علی الکواکب الدریۃ	〃	〃	〃	کواکب دریہ پر مصنف کے حواشی (مملوکہ قاضی عبدالرحیم بریلی)
۳	الاجوبۃ الرضویۃ للمسائل الجفریۃ ؎۱	〃	〃	〃 و رضا اکیڈمی ممبئی	سوالات جفر سے مصنف کا جواب
۴	اسہل الکتب فی جمیع المنازل		〃	(قلمی مملوکہ ملا لیاقت خاں، بریلی)	
۵	الجفر الجامع	۱۳۳۲	اردو	〃	
۶	الرسائل الرضویۃ للمسائل الجفریۃ	۱۳۲۸	عربی	〃	
۷	الوسائل الرضویۃ للمسائل الجفریۃ	۱۳۲۲	〃	مرکزی مجلس رضا لاہور	
۸	مجتلی العروس ومراد النفوس	۱۳۳۸	〃	〃	؎۲
	توقیت				
۱	درء القبح عن درک الصبح ؎۳	۱۳۲۶	اردو	مطبع حسنی بریلی و رضا اکیڈمی ممبئی	سحری کے وقت کی تحقیق اور اس کو رات کا ساتواں حصہ سمجھنے کا بیان
۲	الانجب الانیق فی طرق التعلیق	۱۳۱۹	فارسی	غیر مطبوعہ	نماز روزہ کے اوقات کلیہ سے اوقات جزئیہ کے طریقے
۳	تاج توقیت	۱۳۲۰	〃	ادارہ تحقیقات رضا کراچی	اوقات نماز خمسہ وسحری نکالنے کے قواعد
۴	زیج الاوقات للصوم والصلوٰۃ	۱۳۱۹	اردو	〃	ایشیا کے تمام شہروں کے اوقات نماز کا استخراج
۵	البرہان القویم علی العرض والتقویم	۱۳۲۷	فارسی	رضا اکیڈمی ممبئی	
۶	کشف العلۃ عن سمت القبلۃ	۱۳۲۴	اردو	امام احمد رضا اکیڈمی بریلی	بہ اہتمام مولانا قاضی شہید عالم رضوی
۷	ترجمہ قواعد نائیٹکل المنک	۱۳۲۹	اردو	غیر مطبوعہ	
۸	جدول ضرب	۱۳۲۸	عربی	〃	
۹	جدول اوقات	۱۳۲۹	اردو	〃	
۱۰	استنباط الاوقات		فارسی	〃	
۱۱	تسہیل التعدیل		اردو	〃	
۱۲	جدول برائے جنتری شصت سالہ		فارسی	〃	
۱۳	حاشیہ جامع الافکار ؎۱		〃	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی	
۱۴	حاشیہ خزانۃ العلم		〃	غیر مطبوعہ	
۱۵	حاشیہ زبدۃ المنتخب		〃	〃	
۱۶	[illegible]		اردو	〃	

۱۷	میول الکواکب وتعدیل الایام		〃	〃	
۱۸	سمت قبلہ		〃	مرکزی مجلس رضا لاہور	نقل بعض مطبوعہ از الجواہر والیواقیت للعلامۃ البہاری
	لوگارثم				
۱	رسالہ در علم لوگارثم ۲	۱۳۲۵	〃	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی	
۲	ستین ولوگارثم	۱۳۲۳	〃	غیر مطبوعہ	ستینی حساب اور لوگارثم کے جداول کے طریقے
	زیجات				
۱	حاشیہ برجندی		عربی	غیر مطبوعہ	
۲	حاشیہ زلالات البرجندی ۳		〃	〃	
۳	مفسر المطالع للتقویم والطالع	۱۳۲۴	فارسی	〃	ستاروں کی تقویم اور وقت کا طالع نکالنے کا طریقہ
۴	حاشیہ زیج بہادر خانی ۴		〃	〃	
۵	حاشیہ فوائد بہادر خانی		〃	〃	
۶	التعلیقات علیٰ جامع بہادر خانی		〃	〃	
۷	التعلیقات علی الزیج الایلخانی ۵	۱۳۱۱	عربی	امام احمد رضا اکیڈمی	
۸	التعلیقات علی الزیج الاجد		〃	غیر مطبوعہ	از، الاجازات المتینۃ در رسائل رضویہ دوم ص ۳۰۹
۹	تحقیقات سال مسیحی		اردو	〃	از، حاشیہ نطق الہلال ص ۱۶ مطبع حسنی بریلی
	ھندسہ				
۱	اشکال الاقلیدس لنکس اشکال الاقلیدس	۱۳۰۶	عربی		اقلیدس کے بعض اشکال پر اعتراض
۲	اعالی العطایا فی الاضلاع والزوایا	۱۳۱۹	فارسی	مجلس رضا لاہور	مثلث مسطح اور مثلث کروی وغیرہ کا بیان
۳	المعنی المجلی للمغنی والظلی	۱۳۲۷	〃	قلمی	
۴	حاشیہ اصول الہندسہ		عربی	〃	
۵	حاشیہ تحریر الاقلیدس		〃	〃	
	حساب				
۱	الجمل الدائرۃ فی خطوط الدائرۃ		فارسی	قلمی	
۲	الکلام الفہیم فی سلاسل الجمع والتقسیم	۱۳۱۹	عربی	〃	سلسلۂ جمع وتفریق وضرب وتقسیم کا بیان
۳	مسئولیات السہام		فارسی	〃	
۴	حاشیہ خزانۃ العلم		〃	〃	
	ریاضی				

نمبر	نام کتاب	سن	زبان		کیفیت
۱	جداول الریاضی	″	عربی	قلمی	
۲	زاویۂ اختلاف المنظر		فارسی	″	
۳	عزم البازی فی جوالریاضی	″	″	″	مختلف علوم ریاضی میں نفیس تحریر
۴	کشور اعشاریہ	۱۳۲۹	″	″	
۵	الکسر العشری		عربی	″	
۶	معدن علومی در سنین ہجری عیسوی و رومی		اردو	″	
	علم مثلث				
۱	تلخیص علم مثلث کروی	۱۳۳۲	فارسی	مرکزی مجلس رضا لاہور	یہ چاروں رسائل اعالی العطایا فی الاضلاع والزوایا
۲	رسالہ در علم مثلث کروی	۱۳۲۹	″	″	کے نام سے یکجا مرکزی مجلس رضا سے
۳	وجوہ زوایا مثلث کروی	″	″	″	۱۴۰۴ھ میں پہلی بار
۴	رسالہ علم مثلث کروی		″	″	شائع ہوئے ہیں۔
	ہیأت				
۱	مبحث المعادلۃ فات الدرجۃ الثانیۃ		عربی	غیر مطبوعہ	
۲	قانون رویت اہلّہ		اردو	″	
۳	طلوع وغروب کواکب وقمر		″	″	
۴	الصراح الموجز فی تعدیل المرکز	۱۳۱۹	فارسی	″	مرکز شمس کی تعدیل معلوم کرنے کا طریقہ
۵	رویت الہلال	۱۳۲۳	″	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی	
۶	اقمار الانشراح لحقیقۃ الاصباح	″	عربی	غیر مطبوعہ	صبح کیوں کر ہوتی ہے اور اس کا سبب کیا ہے
۷	جادۃ الطلوع والممر للسیارۃ والنجوم والقمر	۱۳۲۵	″	″	قمر وثوابت کے طلوع وغروب نکالنے کا طریقہ
۸	حاشیہ کتاب الصور		″	″	
۹	حاشیہ شرح تذکرہ		″	″	
۱۰	حاشیہ طیب النفس		″	″	
۱۱	حاشیہ تصریح ۱		″	″	
۱۲	حاشیہ شرح چغمینی ۲		″	″	
۱۳	حاشیہ علم الہیأۃ		″	″	
۱۴	حاشیہ رفع الخلاف فی دقائق الاختلاف		″	″	
۱۵	حاشیہ ماشرح باکورہ		″	″	
۱۶	رسالہ صبح ۱		عربی	غیر مطبوعہ	صبح کیوں روشن ہوتی ہے اور باقی رات تاریک

نمبر	نام کتاب	سنہ	زبان	مطبوعہ / غیر مطبوعہ	کیفیت
	نجوم				
۱	زاکی البہانی قوۃ الکواکب وضعفہا	۱۳۲۵	فارسی	غیر مطبوعہ	زائچۂ ولادت میں ستارہ کن کن وجوہ سے قوی
۲	استخراج تقویمات کواکب		〃	〃	وضعیف ہوتا ہے
۳	استخراج وصول قمر برراس		〃	〃	
۴	رسالہ ابعاد قمر		عربی	〃	
۵	حاشیہ حدائق النجوم		〃	〃	
	جبرو مقابلہ				
۱	حل المعادلات لقوی المکعبات	〃	فارسی	غیر مطبوعہ	جبر ومقابلہ کے مساوات درجہ سوم پر نظر
۲	رسالہ جبر ومقابلہ		〃	〃	
۳	حاشیہ القواعد الجلیلۃ فی الاعمال الجبریۃ ؎۲		عربی	〃	
	ارثما طیقی				
۱	کتاب الارثماطیقی	〃	فارسی	غیر مطبوعہ	
۲	البدور فی اوج المجذور	۱۳۲۳	〃	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ، کراچی	مربع ومکعب وغیرہ صورتوں کے متعلق
۳	الموہبات فی المربعات	۱۳۱۹	عربی	غیر مطبوعہ	مرکزی مربع جس میں تمام مربعات ہوں اس کا طریقہ
	منطق				
۱	رسالہ منطق ؎۳		〃	غیر مطبوعہ	بحوالہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ شعبان ۱۳۲۰ھ
۲	حاشیہ میر زاہد		〃	〃	
۳	حاشیہ ملّا جلال		〃	〃	
	فلسفہ				
۱	نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان	۱۳۳۹	اردو	حسنی پریس بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	قرآنی آیات سے زمین وآسمان کے ساکن ہونے کا ثبوت
۲	فوز مبین در رد حرکت زمین ؎۴		〃	بعض مطبوعہ رسالہ الرضا بریلی ورضا اکیڈمی ممبئی	حرکت زمین کے رد میں سائنسی تحقیقات پر مشتمل
۳	الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ	۱۳۳۸	〃	سمنانی کتبخانہ میرٹھ باراول و رضا اکیڈمی ممبئی	چند فلسفیانہ اصولوں کا محکم رد
۴	معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین		〃	مرکزی مجلس رضا لاہور ورضا اکیڈمی ممبئی	دورانِ شمس اور سکون زمین سے متعلق تحقیق
۵	حاشیہ اصول طبعی		عربی	غیر مطبوعہ	
۶	مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید	۱۳۰۴	اردو	المجمع الاسلامی، مبارکپور ورضا اکیڈمی ممبئی	فلسفۂ جدید کا رد (اشاعت باراول از قلمی نسخہ)
	شتیٰ				
۱	[illegible]			غیر مطبوعہ	[illegible]

۲	مقالۂ مفردہ		″	″	
۳	نشاط السکین علی حلق البقر السمین	۱۳۰۳	″	″	
۴	مرتجی الاجابات لدعاء الاموات		″	″	مردہ کے دعا کرنے اور اس کے قبول ہونے کا بیان
۵	القول النجیح		″	امام احمد رضا اکیڈمی	بحوالہ فتاوی رضویہ ۲۲ و الا ۱، ۲۳/۱

امام احمد رضا پر کتابیں

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف/مؤلف	ناشر/ مطبع
۱	امام اہلسنت	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ایم اے پی ایچ ڈی	المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ
۲	اجالا (مختصر سوانح)	″	″
۳	امام احمد رضا اور عالم اسلام	″	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۴	امام احمد رضا اور علم الحدیث	مولانا فیض احمد اویسی	مرکزی مجلس رضا نوری مسجد لاہور
۵	امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں	مولانا یٰسین اختر مصباحی اعظمی	المجمع الاسلامی مبارکپور، مکتبۂ رضویہ کراچی، مکتبۃ الحبیب الہ آباد
۶	امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات	″	المجمع الاسلامی مبارکپور
۷	امام احمد رضا اکابر کی نظر میں	مولانا جلال الدین قادری	مجلس رضا، سرائے عالمگیر (پاکستان)
۸	امام احمد رضا کے احسانات	حکیم قاضی محمد عبد الحکیم (پاک)	زیر طبع
۹	امام احمد رضا کی تاریخ گوئی	مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری	″
۱۰	امام احمد رضا کے معمولات (معمولات رضویہ)	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری	″
۱۱	امام احمد رضا مشاہیر کی نظر میں	مرید احمد چشتی	″
۱۲	امام احمد رضا اور عشق رسول	مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری	″
۱۳	امام احمد رضا بریلوی (بزبان سندھی)	گلزار حسین قادری	مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۴	امام احمد رضا دنیائے صحافت میں	محترمہ آربی مظہری	″
۱۵	امام احمد رضا اور تراجم قرآن	مولانا سید محمد مدنی جیلانی کچھوچھوی	مکتبہ انوار المصطفٰے، حیدر آباد
۱۶	امام احمد رضا کے نثری شہ پارے	سید ریاست علی قادری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۱۷	امام احمد رضا کے وصایا پر ایک نظر	مولانا یٰسین اختر مصباحی اعظمی	المجمع الاسلامی مبارکپور و مکتبہ اشرفیہ شیخوپورہ
۱۸	امام احمد رضا کون؟	مولانا مبین الہدیٰ نورانی مصباحی	بزم رضا، درگاپور (بنگال)
۱۹	امام احمد رضا (انگریزی)	شبیر احمد اعظمی (ایم اے)	بزم رضا، شب پور، ہوڑہ

۲۰	امام احمد رضا کی معاشی فکر	پروفیسر سید غلام احمد پرنسپل برہانیہ کالج ممبئی	زیر طبع، مملوکہ مجلس رضا بھیونڈی
۲۱	امام احمد رضا اور تصوف	مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی	"
۲۲	امام احمد رضا اور مسلک تسلیم ورضا	پروفیسر سید اعجاز مدنی برہانیہ کالج ممبئی	"
۲۳	اعلیٰحضرت کے لاہور پر اثرات	میاں محمد دین کلیم مورخ لاہور	غیر مطبوعہ
۲۴	اعلیٰحضرت اور ان کے خلفا کی دینی خدمات	مولانا سید غلام مصطفےٰ شاہ بخاری	"
۲۵	اعلیٰحضرت کا فقہی مقام	مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری	مرکزی مجلس رضا لاہور
۲۶	اعلیٰحضرت کی شاعری پر ایک نظر	سید نور محمد قادری	"
۲۷	اعلیٰحضرت کی سیاسی بصیرت	"	مکتبہ رضویہ گجرات، پاکستان
۲۸	اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا بریلوی	حافظ محمد انور قادری	رضا پبلیکیشنز لاہور
۲۹	اعلیٰحضرت صداقت کے آئینے میں		مکتبہ غوثیہ محمودیہ، مدین، سوات
۳۰	اعلیٰحضرت کی علمی وادبی خدمات	حکیم محمد ادریس خاں	مقالہ ڈاکٹریٹ غیر مطبوعہ ۱۹۷۵ء
۳۱	اعلیٰحضرت بریلوی	پروفیسر عبدالشکور شاد کابل یونیورسٹی	غیر مطبوعہ
۳۲	اعلیٰحضرت بریلوی	ادیب شہیر، مقبول جہانگیر	مطبوعہ لندن، ورلڈ اسلامک مشن وغیرہ
۳۳	احمد رضا خاں بریلوی	الحاج وصیت یاب خاں	ملی پرنٹرز لاہور
۳۴	احمد رضا خاں	مظہر عرفانی	فیروز سنز لیمیٹیڈ، راولپنڈی
۳۵	ایشیا کا مظلوم عبقری (انگریزی)	پروفیسر محمد مسعود احمد	مرکزی مجلس رضا لاہور
۳۶	اکرام امام احمد رضا	ترتیب پروفیسر محمد مسعود احمد۔ تصنیف مفتی برہان الحق	"
۳۷	اقبال واحمد رضا	راجا رشید محمود (ایم اے)	انجمن خدام احمد رضا لاہور۔ اعجاز بک ڈپو کلکتہ
۳۸	الجمل المعد دلتالیفات المجدد	ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری	مرکزی مجلس رضا لاہور
۳۹	الدرۃ البیضاء فی فقہ الشاہ احمد رضا	مولانا فیض احمد اویسی	"
۴۰	امام اہلسنت	مولانا منظور حسین قاسم رضوی	بزم رضا، راولپنڈی
۴۱	امام شعروادب	مولانا محمد وارث جمال مصباحی بستوی	حق اکیڈمی، مبارکپور
۴۲	امام نعت گویاں	مولانا اختر الحامدی رضوی	مکتبہ فریدیہ، ساہیوال
۴۳	الاہداء (الامن والعلیٰ پر ایک اعتراض کا جواب)	علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی	مطبوعہ پاکستان
۴۴	انوار رضا	الممیز ان کے امام احمد رضا نمبر کا ترمیم شدہ ایڈیشن	شرکتِ حنفیہ لیمیٹیڈ، لاہور
۴۵	الشاہ احمد رضا	مفتی غلام سرور قادری رضوی	مکتبہ فریدیہ ساہیوال
۴۶	انوار کنزالایمان	مولانا محمد وارث جمال بستوی	مکتبہ غوثیہ، باپٹی روڈ، ممبئی ۸

۴۷	الحق المبین (ترجمہ رضویہ پر اعتراضات کے جوابات)	علامہ اختر رضا ازہری	رضا اکیڈمی ممبئی
۴۸	بہار عقیدت (تضمین بر لاکھوں سلام)	مولانا مرغوب حسین اختر الحامدی	مکتبہ رضائے مصطفٰے گوجرانوالہ وغیرہ
۴۹	باغ فردوس اول (مدائح منظوم)	مولانا سید ایوب علی رضوی	فیاض پریس لاہور
۵۰	؍ دوم (مدائح منظوم)	؍	؍
۵۱	پیغامات یوم رضا	مقبول احمد قادری ضیائی	مرکزی مجلس رضا لاہور
۵۲	پاسبان کنز الایمان	مولانا ابوداؤد محمد صادق قادری	مکتبہ رضائے مصطفٰے گوجرانوالہ
۵۳	ترجمہ اعلیٰحضرت کا تحقیقی جائزہ	مولانا عبد القدوس مصباحی	نوری کتب خانہ الہٰ آباد
۵۴	تجلیات کنز الایمان	مولانا مبین الہدیٰ نورانی مصباحی	بزم رضا آزاد نگر، جمشید پور
۵۵	تذکرۂ رضا	مولانا محمد احمد مصباحی مبارکپوری	حق اکیڈمی، مبارکپور
۵۶	توضیح البیان (ترجمہ و تفسیر پر اعتراضات کے جوابات)	مولانا غلام رسول سعیدی	رضا پبلی کیشنز، لاہور
۵۷	تنویر رضا	مولانا عبید اللہ خاں اعظمی	بزم محبانِ رضا، ہزاری باغ
۵۸	تعارف امام احمد رضا	صوفی محمد اکرم (ریاض)	المجمع الاسلامی مبارکپور و خدام احمد رضا لاہور
۵۹	تعلیمات امام احمد رضا	مولانا مبین الہدیٰ نورانی مصباحی	بزم رضا، جمشید پور
۶۰	تنقیدات وتعاقبات	پروفیسر محمد مسعود احمد	مکتبۂ نبویہ، لاہور
۶۱	جہان رضا اول	محمد مرید احمد چشتی	مرکزی مجلس رضا لاہور
۶۲	؍ دوم	؍	غیر مطبوعہ
۶۳	چودھویں صدی کے مجدد	مولانا جلال الدین قادری	مکتبہ رضویہ گجرات (پاکستان)
۶۴	حیات اعلیٰحضرت اول	ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری	مکتبہ رضویہ، کراچی و قادری بک ڈپو، بریلی
۶۵	؍ دوم	؍	رضا اکیڈمی ممبئی
۶۶	حیات اعلیٰحضرت سوم	ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری	رضا اکیڈمی ممبئی
۶۷	؍ چہارم	؍	؍
۶۸	حدائق بخشش کا ادبی و تحقیقی جائزہ	شمس بریلوی، کراچی	مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۶۹	حیات امام احمد رضا (مبسوط)	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	زیر تدوین
۷۰	حیات مولانا احمد رضا خاں (متوسط)	؍	اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ
۷۱	حیات فاضل بریلوی (مختصر)	؍	مکتبہ قادریہ، لاہور
۷۲	حیات طیبہ اعلیٰحضرت	سید حامد علی قادری (سنگاپور)	مکتبہ فریدی، کراچی

۷۳	حکایات رضویہ	مولانا مفتی محمد خلیل برکاتی مارہروی	مکتبہ غریب نواز الہ آباد وغیرہ
۷۴	حیات اعلیٰحضرت (ہندی)	قمر رضا خاں بریلوی (ایم اے)	ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی
۷۵	خیابان رضا	محمد مرید احمد چشتی	مطبوعہ لاہور
۷۶	خلفائے اعلیٰحضرت	محمد صادق قصوری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
۷۷	خطبۂ صدارت یوم رضا (ناگپور)	علامہ سید محمد کچھوچھوی محدث اعظم ہند	ادارہ تجلیات، ناگپور
۷۸	دائرہ معارف امام احمد رضا	پروفیسر محمد مسعود احمد	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۷۹	دل کی آشنائی	علامہ ارشد القادری	مکتبۂ جام نور، جمشید پور
۸۰	دور حاضر میں بریلوی	"	حق اکیڈمی، مبارکپور
۸۱	دفاع کنز الایمان (اخلاق قاسمی کا جواب)	علامہ مفتی اختر رضا خاں ازھری	رضا اکیڈمی ممبئی
۸۲	دجلۂ نور ۱	مولانا محمد دین نشاط	مدرسہ انوار العلوم مظفر پور (بہار)
۸۳	رضا بریلوی	پروفیسر محمد مسعود احمد	دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور
۸۴	رانچی میں یوم رضا	مولانا محمد احمد مبارکپوری	حق اکیڈمی رانچی (بہار)
۸۵	سیرت اعلیٰحضرت	تصنیف مولانا حسنین رضا بریلوی ترتیب جدید عبد القیوم مظہری	مکتبہ مشرق کانکرٹولہ، بریلی شریف
۸۶	سوانح اعلیٰحضرت	مولانا بدر الدین احمد رضوی گورکھپوری	مکتبہ لطیفیہ، براؤں شریف وگلشن رضا بکارو (بہار)
۸۷	سوانح اعلیٰحضرت بریلوی	مولانا فضل الصمد مانا میاں پیلی بھیتی	امین برادرس، کراچی
۸۸	سوانح سراج الفقہاء مع فتویٰ اعلیٰحضرت	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	مرکزی مجلس رضا لاہور
۸۹	سات ستارے ۲	حکیم محمد حسین بدر	"
۹۰	سوانح اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی	"	غیر مطبوعہ
۹۱	شاہ احمد رضا بریلوی کا لاہور پر فیضان	میاں محمد دین کلیم مورخ لاہور	حمایت اسلام پریس لاہور
۹۲	ضیائے کنز الایمان	مولانا غلام رسول سعیدی	مرکزی مجلس رضا لاہور
۹۳	عاشق رسول	پروفیسر محمد مسعود احمد	"
۹۴	عرفان رضا	پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان	المجمع الاسلامی، مبارکپور
۹۵	عالم اسلام کا محتاط مفکر	مولانا سید شاہد علی قادری رضوی	قادری اکیڈمی، رام پور
۹۶	عاشق رسول امام احمد رضا (ہندی)	مولانا محمد علی فاروقی، مصباحی	مدرسہ اصلاح المسلمین، رائے پور
۹۷	عظمت کنز الایمان	مولانا انتخاب قدیر نعیمی	مکتبہ قدیریہ، کسرول، مراد آباد
۹۸	عبقری الشرق (عربی مع ترجمہ)	پروفیسر محی الدین الوائی (اہلحدیث)	مرکزی مجلس رضا لاہور

۹۹	غلط ترجموں کی نشان دہی اور کنزالایمان	مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی	جماعت رضائے مصطفیٰ سکھر و اعجاز بکڈ پو کلکتہ
۱۰۰	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۰۱	فاضل بریلوی اور ترک موالات	"	"
۱۰۲	فاضل بریلوی کے معاشی نکات	پروفیسر رفیع اللہ صدیقی	"
۱۰۳	فاضل بریلوی اور امور بدعت	مولانا سید محمد فاروق القادری	رضا پبلی کیشنز، لاہور و دارالعلوم محبوب سبحانی ممبئی
۱۰۴	فاضل بریلوی کا فقہی مقام	مولانا غلام رسول سعیدی	مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۰۵	فقیہ اسلام (مقالہ ڈاکٹریٹ)	مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں مظفر پوری	اسلامک پبلی کیشنز، پٹنہ
۱۰۶	کرامات اعلیٰحضرت	صوفی اقبال احمد نوری بریلوی	رضوی کتب خانہ بریلی شریف
۱۰۷	کلام رضا	جناب نظیر لدھیانوی	المجمع الاسلامی، مبارکپور
۱۰۸	کنزالایمان کے خلاف غلط فہمیوں کا ازالہ	خواجہ غلام حمید الدین سیالوی	مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ
۱۰۹	کنزالایمان کے خلاف سازش اور اس کا جواب	مولانا عبدالستار خاں نیازی	"
۱۱۰	کنزالایمان ایک اہلحدیث کی نظر میں	سعید بن عزیز یوسف زئی	رضا اکیڈمی ممبئی
۱۱۱	کواکب رضا (خلفائے اعلیٰحضرت)	مولانا محمد احمد مبارکپوری	غیر مطبوعہ
۱۱۲	کلام الامام (نعتیہ شاعری پر مقالہ)	پروفیسر مسعود احمد (ایم اے)	"
۱۱۳	گناہ بے گناہی ۱ے	"	المجمع الاسلامی مبارکپور و مجلس رضا لاہور
۱۱۴	گلہائے رضا (تضمین بر کلام رضا)	مولانا عبدالوحید صدیقی	آزاد وطن پریس کانپور
۱۱۵	مولانا احمد رضا خاں بحیثیت سیاستداں	پروفیسر مسعود احمد (ایم اے)	قومی کمیٹی پندرہویں صدی ہجری، اسلام آباد
۱۱۶	مجدد اسلام (اعلیٰحضرت بریلوی)	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	مکتبہ کلیمی اہلسنت، کانپور
۱۱۷	مجدد الامۃ (عربی) ۲ے	مولانا مفتی شجاعت علی قادری	اشاعت الاسلام، کراچی
۱۱۸	مجدد اعظم	سید ابوالکلام برق نوشاہی	غیر مطبوعہ
۱۱۹	مجدد اعظم	ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری	طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور
۱۲۰	معارف رضا اول (تجدیدی کارنامے)	مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری	غیر مطبوعہ
۱۲۱	" دوم (قلمی جہاد)	"	"
۱۲۲	" سوم (درجہ امامت)	"	"
۱۲۳	" چہارم (روحانی کمالات)	"	"
۱۲۴	مناقب رضا (کمالات اعلیٰحضرت)	مرید احمد چشتی	"
۱۲۵	معارف رضا ۱ے اول ۱۴۰۱ھ	مرتبہ سید ریاست علی قادری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

۱۲۶	〃 دوم ۱۴۰۲ھ	〃	〃
۱۲۷	〃 سوم ۱۴۰۳ھ	〃	〃
۱۲۸	〃 چہارم ۱۴۰۴ھ	〃	〃
۱۲۹	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری	ملک شیر محمد خاں اعوان	مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۳۰	محاسن کنز الایمان	〃	〃
۱۳۱	مقام کنز الایمان	مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری	غیر مطبوعہ
۱۳۲	مجموعہ اعمال رضا اول	مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی	قادری بک ڈپو، نومحلہ، بریلی
۱۳۳	〃 دوم	〃	〃
۱۳۴	مقام کنز الایمان وخزائن العرفان	مولانا انتخاب قدیر نعیمی	زیر طبع
۱۳۵	منازل انتخاب (محاسن کنز الایمان)	〃	کتب خانہ قدیریہ، مرادآباد
۱۳۶	مولانا احمد رضا خاں کا نعتیہ شاعری میں منصب	شاعر لکھنوی	مجلس رضا لاہور
۱۳۷	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	مرید احمد چشتی (جہلم)	غیر مطبوعہ
۱۳۸	وہابی دھرم میں جھوٹ کا مقام ؎	مولانا انتخاب قدیر نعیمی	کتب خانہ قدیریہ، مرادآباد
۱۳۹	وثائق بخشش اول (شرح اشعار)	مولانا غلام یٰسین اعظمی	مکتبہ امجدیہ، کراچی
۱۴۰	〃 دوم 〃	〃	〃
۱۴۱	یاد اعلیٰحضرت	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	مکتبہ قادریہ لاہور
۱۴۲	امام احمد رضا اپنوں اور غیروں کی نظر میں	〃	انجمن رضائے مصطفےٰ چاہ میراں لاہور
۱۴۳	اندھیرے سے اجالے تک	〃	مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۴۴	امام احمد رضا کا نظریۂ تعلیم	مولانا جلال الدین قادری	〃
۱۴۵	آئینہ رضویات اول	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۱۴۶	〃 دوم	مرتبہ عبد الستار طاہر	〃 〃
۱۴۷	امام احمد رضا اور حرکتِ زمین	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	〃 〃
۱۴۸	امام احمد رضا اور علوم جدیدہ وقدیمہ	〃	〃 〃
۱۴۹	امام احمد رضا اور عالمی جامعات	〃	〃 〃
۱۵۰	امام احمد رضا اور مسئلۂ تکفیر	مفتی محمد شریف الحق امجدی	دائرۃ البرکات گھوسی
۱۵۱	امام احمد رضا کاملین کی نظر میں	سید جابر حسین شاہ بخاری	رضا اکیڈمی لاہور
۱۵۲	امام احمد رضا کا فن تفسیر میں امتیاز	علامہ ارشد القادری	مکتبہ جام نور دہلی

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	مقام
۱۵۳	امام احمد رضا ایک عظیم مفکر (۲ حصے)	مولانا غلام جابر مصباحی	دار العلوم غوثیہ	ہبلی
۱۵۴	امام احمد رضا اور علم حدیث (۳ حصے)	مولانا محمد عیسیٰ رضوی	رضوی کتاب گھر	دہلی
۱۵۵	امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت	مولانا یٰس اختر مصباحی	؍؍	؍؍
۱۵۶	امام احمد رضا کی فقہی بصیرت	؍؍	؍؍	؍؍
۱۵۷	امام احمد رضا حقائق کے اجالے میں	مفتی مطیع الرحمٰن رضوی	ادارہ افکار حق	پورنیہ
۱۵۸	افکار رضا	مولانا قمر الحسن بستوی مصباحی	رضوی کتاب گھر	دہلی
۱۵۹	امام احمد رضا نمبر اول (پیغام رضا کا)	مولانا رحمت اللہ صدیقی	رضا دار المطالعہ	سیتامڑھی
۱۶۰	؍؍ دوم ؍؍	؍؍	؍؍	؍؍
۱۶۱	امام احمد رضا اور مشائخ چشت	؍؍	؍؍	؍؍
۱۶۲	امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر	مولانا عبد الستار ہمدانی	ادارہ افکار حق	پورنیہ
۱۶۳	آئینہ امام احمد رضا	مولانا غلام جابر مصباحی	؍؍	؍؍
۱۶۴	امام احمد رضا اور احیائے دین	کیپٹن شکیل احمد اعوان	رضا اکیڈمی	لاہور
۱۶۵	امام احمد رضا اور سید محدث کچھوچھوی	سید صابر حسین شاہ بخاری	؍؍	؍؍
۱۶۶	امام احمد رضا اور تحریک پاک	؍؍	؍؍	؍؍
۱۶۷	امام احمد رضا اور احترام سادات	؍؍	؍؍	؍؍
۱۶۸	امام احمد رضا اور ابو الکلام آزاد	ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم	رضا دار المطالعہ	سیتامڑھی
۱۶۹	امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی	رضا اسلامک مشن	بنارس
۱۷۰	امام احمد رضا معمار پاکستان	ڈاکٹر اختر القادری	رضا اکیڈمی	لاہور
۱۷۱	ارمغان رضا	پروفیسر مسعود احمد		
۱۷۲	انتخاب حدائق بخشش	؍؍	ادارۂ مسعودیہ	کراچی
۱۷۳	امام احمد رضا کے منصوبے کا تجزیہ	پروفیسر محمد ہارون	رضا اکیڈمی	انگلینڈ
۱۷۴	اعلیٰحضرت (سوانح)	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی بلرام پوری	مکتبہ اعلیٰحضرت	بریلی
۱۷۵	امام احمد رضا غیر مسلموں کی نظر میں	؍؍	حافظ محمد الیاس رضوی	؍؍
۱۷۶	اعلیٰحضرت کی شاعری پر ایک نظر	سید نور محمد قادری	مرکزی مجلس رضا	لاہور
۱۷۷	اعلیٰحضرت وحضور مفتی اعظم (ہندی)	ڈاکٹر نرمل	پرکاش بکڈپو	بریلی
۱۷۸	اعترافات رضا	ڈاکٹر سید عبد اللہ طارق	محمد شکیل بکسیلر، سنبھل	مرادآباد
۱۷۹	اصول ترجمۂ قرآن (مع تقابل تراجم)	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	رضا اکیڈمی	لاہور

۱۸۰	امام احمد رضا ایک فاضل اہلحدیث کی نظر میں	محی الدین الوائی	مرکزی مجلس رضا	؍
۱۸۱	امام احمد رضا اور جامعۃ الازہر مصر	ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری	بزم رضویہ	؍
۱۸۲	امام احمد رضا اور علمائے لاہور	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ادارہ تحقیقات رضا	کراچی
۱۸۳	امام احمد رضا کی علمی وادبی خدمات (مقالۂ تحقیق)	ڈاکٹر غلام یحیٰ مصباحی	؍	؍
۱۸۴	الامام احمد رضا الحنفی (عربی)	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	؍	؍
۱۸۵	اتہامات عبد الرزاق ملیح آبادی پر ایک نظر	مولانا نوشاد عالم چشتی		لاہور
۱۸۶	اعلیٰحضرت فاضل بریلوی	مولانا سید شاہد علی رضوی	الجامعۃ الاسلامیہ	رام پور
۱۸۷	اعلیٰحضرت کی بارگاہ میں انصاریوں کا مقام	قاری امانت رسول پیلی بھیتی		پیلی بھیت
۱۸۸	امام احمد رضا ایک محتاط مفکر	مولانا سید شاہد علی رضوی	رضا اکیڈمی	رام پور
۱۸۹	امام احمد رضا بریلوی (ملیالم)	مولانا شاہ الحمید قادری ملباری	رضا فاؤنڈیشن	کالی کٹ
۱۹۰	انتخاب حدائق بخشش (ملیالم)	؍	؍	؍
۱۹۱	بول کہ لب آزاد ہیں تیرے	ڈاکٹر اختر القادری	المجمع المصباحی	مبارکپور
۱۹۲	بریلی سے مدینہ	مولانا محمد الیاس قادری	مکتبۃ المدینہ	کراچی/ممبئی
۱۹۳	البریلویہ کا تحقیقی جائزہ	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	مکتبۂ قادریہ	لاہور
۱۹۴	بساتین الغفران (عربی)	شیخ محمد حازم محفوظ مصری	؍	؍
۱۹۵	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مولانا عبد المجتبیٰ رضوی نیپالی	مشائخ قادریہ اکیڈمی	بنارس
۱۹۶	تقدیس الوہیت اور امام احمد رضا	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	ادارہ افکار حق	پورنیہ
۱۹۷	تنقیدی جائزہ (برشرح سلام رضا)	مفتی مطیع الرحمٰن رضوی	؍	؍
۱۹۸	تعلیمات اعلیٰحضرت	مولانا محمد میکائیل ضیائی	ادارۃ المجاہد	کانپور
۱۹۹	تسکین الجنان بمحاسن کنز الایمان	مولانا عبد الرزاق بھترالوی	مکتبۂ ضیائیہ	راولپنڈی
۲۰۰	تنقیدات وتعاقبات امام احمد رضا	پروفیسر محمد مسعود احمد	مکتبۂ نبویہ	؍
۲۰۱	تاج الفقہاء	؍	؍	؍
۲۰۲	تسہیل کنز الایمان	مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہاں پوری	مرکزی مجلس امام اعظم	؍
۲۰۳	ترجمان قرآن	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	رضا اسلامک مشن	بنارس
۲۰۴	تذکرہ امام احمد رضا	مولانا محمد الیاس قادری	مکتبۃ المدینہ	کراچی/ممبئی
۲۰۵	تجلیات امام احمد رضا	قاری امانت رسول پیلی بھیتی	مکتبۃ المصطفٰے	بریلی
۲۰۶	تحقیقات اول	مفتی محمد شریف الحق امجدی	دائرۃ البرکات	گھوسی

۲۰۷	〃 دوم	〃 / مفتی نظام الدین	〃	〃
۲۰۸	تخریج احادیث از تصانیف رضا (جامع الاحادیث)	مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی	امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی	
۲۰۹	تذکرۂ جمیل (تذکرۂ حجۃ الاسلام)	مولانا محمد ابراہیم خوشتر افریقہ	سنی رضوی سوسائٹی	افریقہ
۲۱۰	خوب و ناخوب	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	ادارۂ مسعودیہ	کراچی
۲۱۱	خلفائے اعلیٰحضرت	〃	غیر مطبوعہ	
۲۱۲	خلفائے اعلیٰحضرت	صادق قصوری/ مجید اللہ قادری	ادارہ تحقیقات	کراچی
۲۱۳	خلفائے امام احمد رضا	علامہ عبد الحکیم شرف قادری	مکتبۂ قادریہ	لاہور
۲۱۴	خوان رحمت تضمین بر لاکھوں سلام	بشیر حسین ناظم	مرکزی مجلس رضا	〃
۲۱۵	خطبات یوم رضا	محمد مختار عالم حق	〃	〃
۲۱۶	خیابان رضا اول	مرید احمد چشتی		〃 ۸۲ء
۲۱۷	〃 دوم	〃	غیر مطبوعہ	
۲۱۸	رہبر و رہنما	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد		
۲۱۹	رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سراج احمد بستوی	رضوی کتاب گھر	دہلی
۲۲۰	رضا گائیڈ بک	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	رضا اسلامک اکیڈمی	بریلی
۲۲۱	رضا کوئز بک	پروفیسر محمد شکیل اوج	مسلم کتابوی	لاہور
۲۲۲	سرتاج الفقہاء	پروفیسر محمد مسعود احمد	مرکزی مجلس امام اعظم	〃
۲۲۳	سلام رضا پر تضمین اول	طارق رضا	رضا اکیڈمی	〃
۲۲۴	〃 ثانی	〃	〃	〃
۲۲۵	سیرت امام احمد رضا	مولانا عبد الحکیم شاہجہاں پوری	رضوی کتاب گھر	دہلی
۲۲۶	شرح سلام رضا	مفتی محمد خاں قادری	مکتبۂ نظامی	بھیونڈی
۲۲۷	شرح سلام رضا (ہندی)	محمد احمد رضوی بریلوی	امام احمد رضا اکیڈمی	بریلی
۲۲۸	شرح سلام رضا تجزیہ و تفہیم	پروفیسر منیر الحق نعیمی		لاہور
۲۲۹	شرح سلام رضا تفہیم و تجزیہ کا تنقیدی جائزہ	مفتی مطیع الرحمٰن رضوی	المجمع المصباحی	مبارکپور
۲۳۰	شرح حدائق بخشش (۱۵ر جلدیں)	مولانا فیض احمد اویسی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی وغیرہ	
۲۳۱	شاہ احمد رضا خاں افغانی	محمد اکبر اعوان	المختار پبلی کیشنز	〃
۲۳۲	شرح مثنوی ردامثالیہ	مولانا غلام محی الدین قادری	ناظم پریس	رام پور
۲۳۳	عظمت کنز الایمان	یوسف زئی	ادارہ افکار حق	پورنیہ

۲۳۴	عرفان رضا (۲ جلدیں)	مولانا عبدالستار ہمدانی	رضا دارالمطالعہ	سیتامڑھی
۲۳۵	عکس جمیل (شرح کلام رضا و تضمین)	مفتی حسن منظر قدیری	ادارہ افکار حق	پورنیہ
۲۳۶	غریبوں کے غمخوار	پروفیسر محمد مسعود احمد	المجمع الاسلامی	مبارکپور
۲۳۷	عبقری الشرق	؍	ادارہ مسعودیہ	کراچی
۲۳۸	علمائے عرب کے خطوط امام رضا کے نام	مولانا شہاب الدین رضوی	رضا اکیڈمی	ممبئی
۲۳۹	فتاویٰ رضویہ کا موضوعاتی جائزہ	پروفیسر مجید اللہ قادری	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا	کراچی
۲۴۰	فتاویٰ رضویہ کی انفرادی خصوصیات	علامہ عبدالحکیم شرف قادری	رضا اکیڈمی	ممبئی/ لاہور
۲۴۱	فتاویٰ رضویہ اور رشیدیہ کا تقابلی جائزہ	مفتی محمد مکرم احمد دہلوی	رضوی کتاب گھر	دہلی
۲۴۲	فیضان احمد رضا		؍	؍
۲۴۳	قرآن سائنس اور امام احمد رضا	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	تحریک فکر رضا	ممبئی
۲۴۴	قصیدۂ معراجیہ پر ایک تحقیقی مقالہ	پروفیسر مرزا نظام بیگ جاؔم بنارسی	بزم اہل سنت	کراچی
۲۴۵	قرآن سائنس اور امام احمد رضا	ڈاکٹر لیاقت علی نیازی		چکوال
۲۴۶	کلام رضا کے تنقیدی زاویے	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	الرضا اسلامک مشن	بریلی
۲۴۷	کیا اعلیٰحضرت اور تھانوی نے ایک ساتھ پڑھا؟	مولانا عبدالستار ہمدانی	تحریک فکر رضا	ممبئی
۲۴۸	کنزالایمان اور دیگر اردو تراجم قرآن	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	ادارہ تحقیقات رضا	کراچی
۲۴۹	گویا دبستاں کھل گیا (مجموعۂ تأثرات)	پروفیسر محمد مسعود احمد	مرکزی مجلس امام اعظم	لاہور
۲۵۰	گلشن رضا (مجموعہ مقالات)	حافظ محمد طاہر رضا	رضا اکیڈمی	؍
۲۵۱	گلستان اعلیٰحضرت	بشیر احمد رضوی		؍
۲۵۲	مقدمہ رسائل رضویہ	مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری	مکتبۂ حامدیہ	؍
۲۵۳	المجمل المعدد لتالیفات المجدد	ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری	مرکزی مجلس رضا	؍
۲۵۴	معارف کنزالایمان	مولانا یٰسٓ اختر مصباحی	رضوی کتاب گھر	دہلی
۲۵۵	مسلک مختار	مولانا غلام جابر مصباحی	ادارہ افکار حق	پورنیہ
۲۵۶	مسلک اعلیٰحضرت	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	رضا اکیڈمی	ممبئی
۲۵۷	مجدد الف، امام احمد رضا	پروفیسر مجید اللہ قادری/ مسرور احمد	ادارہ تحقیقات رضا	کراچی
۲۵۸	محدث بریلوی	پروفیسر محمد مسعود احمد	؍	؍
۲۵۹	مشرق کا فراموش کردہ نابغہ (انگریزی/ اردو)	پروفیسر محمد مسعود احمد	بزم عاشقان مصطفےٰ	لاہور

۲۶۰	مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا	مولانا غلام مصطفیٰ مجددی	مرکزی مجلس رضا	؍
۲۶۱	منصفانہ جواب (عصبیت کا جواب)	الحاج محمد غوث خاں حامدی	مکتبۃ المصطفیٰ	بریلی
۲۶۲	مقالات تقریب تعارف فتاویٰ رضویہ جدید	علامہ عبدالحکیم شرف قادری	رضا فاؤنڈیشن	لاہور
۲۶۳	مناقب اعلیٰحضرت	مولانا انور علی بہرائچی	مکتبۃ المصطفیٰ	بریلی
۲۶۴	مولانا احمد رضا بریلوی کا نظم علمی	پروفیسر طاہر القادری	ادارہ منہاج القرآن	لاہور
۲۶۵	مختصر سوانح امام احمد رضا	پروفیسر فیاض احمد کاوش		صادق آباد ۹۰ء
۲۶۶	مرأۃ النجدیہ (عربی)	فقیہ اسلام مفتی اختر رضا خاں ازہری	سنی دنیا سوداگران	بریلی
۲۶۷	مناقب اعلیٰحضرت (منظوم)	مرتبہ مولانا انور علی رضوی	مکتبۃ المصطفیٰ	؍
۲۶۸	مولانا احمد رضا بریلوی (انگریزی)	ڈاکٹر اوشا سانیال		امریکہ
۲۶۹	المنظومۃ السلامیۃ (عربی)	ڈاکٹر محمد محفوظ حازم مصر		لاہور
۲۷۰	مضامین القرآن فی کنز الایمان	عالم فقری		مطبوعہ لاہور
۲۷۱	محاسبۂ دیوبندیت بجواب مطالعہ بریلویت اول	مولانا محمد حسن علی رضوی	المجمع المصباحی	مبارکپور
۲۷۲	؍ دوم	؍		لاہور
۲۷۳	نو بہار نوازش شرح حدائق بخشش	مولانا مفتی عنایت احمد نعیمی	عرفان احمد اترولہ	گونڈہ
۲۷۴	نادر زمن ہستی	ڈاکٹر اختر القادری	رضوی کتاب گھر	دہلی
۲۷۵	النبی کا صحیح معنیٰ ومفہوم	علامہ سید احمد سعید کاظمی	مرکزی مجلس رضا	لاہور
۲۷۶	مقالات رضویہ	علامہ عبدالحکیم شرف قادری	المجمع المصباحی	مبارکپور
۲۷۷	المصنفات الرضویہ	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری	المجمع الاسلامی مبارکپور/ رضا اکیڈمی ممبئی	
۲۷۸	امام احمد رضا مخالفین کی نظر میں	مولانا کاشف اقبال	مکتبہ جام نور دہلی	
۲۷۹	امام احمد رضا ایک عبقری شخصیت	مولانا افتخار احمد قادری	المجمع الاسلامی مبارک پور	
۲۸۰	خلفائے اعلیٰ حضرت	مولانا شاہد القادری	رضا اکیڈمی کولکاتا	
۲۸۱	امام احمد رضا اور عشق رسول	مولانا غلام مصطفیٰ نجم القادری	بنگلور	
۲۸۲	امام احمد رضا اور اصلاح معاشرہ	مولانا قمر الزماں مصباحی	پٹنہ	
۲۸۳	تجلیات رضا	علامہ ارشد القادری	مکتبہ جام نور دہلی	
۲۸۴	توضیح البیان	مولانا غلام رسول سعیدی	مکتبہ الحبیب الہ آباد	
۲۸۵	امام احمد رضا اور سنی علما کی ادبی خدمات	مولانا حافظ شفیق اجمل	بنارس	

۲۸۶	کنز الایمان اور مخالفین	ممتاز تیمور قادری (انجینئر)	اورنگ آباد (مہاراشٹر)
۲۸۷	رضا بک ریویو کا کنز الایمان نمبر	ڈاکٹر امجد رضا پٹنہ	القلم پٹنہ
۲۸۸	رضویات کا اشاریہ (اول)	ڈاکٹر امجد رضا پٹنہ	القلم پٹنہ
۲۸۹	رضویات کا اشاریہ (دوم)	ڈاکٹر امجد رضا پٹنہ	القلم پٹنہ
۲۹۰	امام احمد رضا اور ذکر خدا	مولانا تطہیر رضا بریلوی	دھونرہ، بریلی
۲۹۱	امام احمد رضا اور فکر آخرت	مولانا محمد شاکر نوری	مکتبہ طیبہ بمبئی
۲۹۲	ارشادات اعلیٰ حضرت	محمد عبد المبین نعمانی	اعجاز بکڈپو کلکتہ
۲۹۳	امام احمد رضا اوران کی تعلیمات	محمد عبد المبین نعمانی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۲۹۴	انتخاب اعلیٰ حضرت	محمد عبد المبین نعمانی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۲۹۵	فیضان مارہرہ و بریلی	حافظ شمس الحق رضوی	چنڈی گڑھ
۲۹۶	آنکھ میں دھول (اعتراضات کے جوابات)	مولانا جمیل احمد رضوی	پٹنہ
۲۹۷	کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن	محمد عبد المبین نعمانی	نشان اختر بمبئی
۲۹۸	امام احمد رضا	مولانا محمد الیاس قادری	مکتبۃ المدینہ
۲۹۹	فیضان اعلیٰ حضرت	مولانا محمد عیسیٰ رضوی	رضوی کتاب گھر دہلی
۳۰۰	امام ابوحنیفہ اعلیٰ حضرت کی نظر میں	مولانا محمد عیسیٰ رضوی	رضوی کتاب گھر دہلی
۳۰۱	فکر رضا کے رنگہائے رنگارنگ	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	افکار رضا ممبئی
۳۰۲	مشاہیر کے خطوط امام احمد رضا کے نام	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	افکار رضا ممبئی
۳۰۳	ترجمہ کنز الایمان کا لسانی جائزہ	ڈاکٹر صابر سنبھلی	تحریک فکر رضا ممبئی
۳۰۴	حسام الحرمین کے سو سال	الطاف حسین سعیدی	تحریک فکر رضا ممبئی
۳۰۵	تاریخ الدولۃ المکیہ	الطاف حسین سعیدی	قادری کتاب گھر، بریلی
۳۰۶	امام احمد رضا اور مقام غوث اعظم	مفتی عابد حسین مصباحی	مکتبہ جام نور دہلی
۳۰۷	شرح الوظیفۃ الکریمہ	مفتی عابد حسین مصباحی	مکتبہ جام نور دہلی
۳۰۸	کنز الایمان پر اعتراضات کا جائزہ	میثم عباس قادری	رضا اکیڈمی دہلی
۳۰۹	اعلیٰ حضرت کا قلمی جہاد	مولانا فیض احمد اویسی	اورنگ آباد
۳۱۰	تعظیم نبی اور امام احمد رضا	مولانا محمد عیسی رضوی	رضوی کتاب گھر دہلی
۳۱۱	مسلک اعلیٰ حضرت	مولانا محمد صابر مصباحی	اشرفیہ مبارک پور

۳۱۲	امام احمد رضا اور تصوف	مولانا محمد احمد مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۳۱۳	امام احمد رضا کی فقہی بصیرت	مولانا محمد احمد مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۳۱۴	وصایائے امام احمد رضا	مولانا حسنین رضا بریلوی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۳۱۵	صاحب کنز الایمان کون؟	مولانا محمد ادریس رضوی	کلیان

☆☆☆

امام احمد رضا پر نمبر

نمبر شمار	نمبر	نام رسالہ / اخبار	مدیر / مرتب
۱	امام احمد رضا نمبر	پاسبان ماہنامہ، الہ آباد، اپریل ۱۹۶۲ء	علامہ مشتاق احمد نظامی
۲	امام احمد رضا نمبر	نوری کرن ماہنامہ، بریلی، جولائی ۱۹۶۳ء	صوفی اقبال احمد نوری
۳	اعلیٰحضرت نمبر	اعلیٰحضرت ماہنامہ بریلی جون ۱۹۶۲ء	مولانا مجیب الاسلام اعظمی
۴	مجدد اعظم نمبر	تجلیات ماہنامہ ناگپور جون ۱۹۶۶ء	مولانا مفتی غلام محمد خاں رضوی
۵	امام احمد رضا نمبر	رضائے مصطفےٰ ماہنامہ گوجرانوالہ اکتوبر ۱۹۶۴ء	مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی
۶	مجدد اعظم نمبر	اعلیٰحضرت ماہنامہ بریلی جون ۱۹۶۶ء	امیؔر رضوی بریلوی
۷	اعلیٰحضرت نمبر	عرفات ماہنامہ لاہور اپریل ۱۹۷۰ء	مولانا محمد صدیق اکبر
۸	اعلیٰحضرت نمبر	ترجمان اہلسنت ماہنامہ کراچی مارچ ۱۹۷۰ء	سید سعادت علی قادری
۹	اعلیٰحضرت نمبر	الہام ہفت روزہ بھاولپور، ۱۴ر جون ۱۹۷۵ء	مسعود حسن شہاب دہلوی
۱۰	رضا نمبر	الحسن، پندرہ روزہ پشاور، یکم مارچ ۱۹۷۵ء	سید امیر شاہ گیلانی
۱۱	مولانا احمد رضا بریلوی نمبر	سعادت روزنامہ، لائلپور، ۹ر مارچ ۱۹۷۵ء	ناسخ سیفی
۱۲	امام احمد رضا نمبر	المیزان ماہنامہ، ممبئی مارچ ۱۹۷۶ء	مولانا سید جیلانی محامد کچھوچھوی
۱۳	اعلیٰحضرت بریلوی نمبر	ضیائے حرم ماہنامہ لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء	پیر کرم شاہ ازہری
۱۴	اعلیٰحضرت نمبر	فیض رضا ماہنامہ لاہور پاکستان ۱۹۷۰ء	محمد افضل کوٹلوی
۱۵	اعلیٰحضرت نمبر	تعمیر وطن ہفت روزہ لاہور پاکستان	ایس ایم نازؔ
۱۶	امام احمد رضا نمبر	حجاز جدید ماہنامہ دہلی	مولانا یٰس آختر
۱۷	؍؍	ماہنامہ قاری دہلی	محمد میاں مظہری

☆☆☆

تصانیف رضا کے تراجم

نمبر شمار	اسمائے کتب مع زبان	زبان ترجمہ	مترجم	ناشر / مطبع
۱	کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن (اردو)	انگریزی	ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی	اسلامک ورلڈ مشن، انگلینڈ
۲	〃	〃	پروفیسر شاہ فریدالحق	زیر طبع مکتبہ رضویہ کراچی
۳	〃	ہندی	مولانا محمد علی فاروقی مصباحی	زیر طبع
۴	〃	سندھی	مولانا عزیز اللہ لاڑکانہ	〃
۵	سلام رضا (لاکھوں سلام) (اردو)	انگریزی	مولانا محمد الیاس قادری	ورلڈ اسلامک مشن مانچسٹر، انگلینڈ
۶	الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ (عربی)	اردو	حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں	مطبع اہلسنت بریلی وغیرہ
۷	〃	انگریزی	ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی لندن	مجلس رضا (رضا اکیڈمی) انگلینڈ
۸	حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین (عربی)	اردو	حجۃ الاسلام مولانا احمد رضا خاں	مطبع اہلسنت بریلی
۹	فتاوی الحرمین (عربی)	〃	〃 〃	〃
۱۰	الاجازات المتینہ (عربی)	〃	〃 〃	ادارہ تصنیفات رضا بریلی
۱۱	کفل الفقیہ الفاہم (عربی)	〃	〃 〃	مطبع اہلسنت بریلی شریف
۱۲	الفضل الموہبی (اردو)	عربی	مولانا افتخار احمد اعظمی، المجمع الاسلامی	مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۳	وصاف الرجیح (اردو)	〃	مولانا محمد احمد مصباحی المجمع الاسلامی	زیر طبع
۱۴	حاشیہ معالم التنزیل (عربی)	اردو	مولانا محمد صدیق ہزاری	مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۵	حاشیہ طحطاوی علی المراقی (عربی)	〃	〃 〃	〃
۱۶	حاشیہ الاصابہ فی تمییز الصحابہ (عربی)	〃	مولانا احمد علی سندیلوی	زیر طبع
۱۷	جمل النور (مزارات پر عورتوں کی حاضری) (اردو)	ہندی		شرکت رضویہ بریلی
۱۸	الحجۃ الفائحۃ فارسی	اردو	مولانا عبدالحکیم شرف قادری	مکتبہ قادریہ لاہور
۱۹	کنزالایمان	ڈچ	مولانا غلام رسول	ہالینڈ
۲۰	〃	سندھی	عبدالوحید سرہندی	کراچی
۲۱	〃	ہندی	حاجی محمد توفیق رضوی	رضوی کتاب گھر دہلی
۲۲	〃	انگریزی	سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی	غیر مطبوعہ
۲۳	〃	ہندی	〃 〃	مطبوعہ ممبئی
۲۴	〃 مع تفسیر	〃	مولانا نورالدین نظامی الہ آباد	غیر مطبوعہ
۲۵	لاکھوں سلام بنام المنظومۃ السلامیۃ	عربی	شیخ محمد حازم محفوظ	مصر
۲۶	کنزالایمان	انگریزی	ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی	غیر مطبوعہ
۲۷	〃	گجراتی	شبیر پٹیل	بھڑوچ، گجرات

تفصیلی فہرست مضامین مصنف اعظم نمبر

(مولوی بلال صادق ہیوسٹن)

افتتاحیہ

تصنیفِ رضا

نتیجہ فکر: علامہ اولاد رسول قدسی نیویارک

بارش رحمت رحمان ہے تصنیف رضا
گلشن عظمت ایمان ہے تصنیف رضا

کون سا خطہ جہاں گونج نہیں ہے اس کی
سرورِ دین کا فیضان ہے تصنیف رضا

شوق سے پڑھیے اِسے دل میں منقش کیجے
حق کی تبلیغ کا عنوان ہے تصنیف رضا

تاحیات اس کے ہر اِک درس پہ کرنا ہے عمل
راحت حشر کا سامان ہے تصنیف رضا

اس سے ملتا ہے ہر اک گام ہمیں ذوقِ نمو
عشق احمد کی دل و جان ہے تصنیف رضا

اس کے ہر لفظ سے مربوط فلاحِ دارین
دہر میں خیر کی پہچان ہے تصنیف رضا

منحصر اس میں ہے سرمایۂ معیارِ حیات
رفعت فکر کی میزان ہے تصنیف رضا

دور گستاخِ شہ کون و مکاں سے رہنا
داعئ سنت و قرآن ہے تصنیف رضا

کیسے سرکوبیٔ باطل ہو بتاتی ہے ہمیں
درس حق بہر مسلمان ہے تصنیف رضا

دعوت عام ہے جو چاہے اسے کر لے قبول
صدق کا اِک کھلا میدان ہے تصنیف رضا

کیوں ہو پرواہ ہمیں وقت کے طوفانوں کی
جب مددگار ہر اِک آن ہے تصنیف رضا

شرق سے غرب تلک ہم اسے پھیلائیں گے
قلب اسلاف کا ارمان ہے تصنیف رضا

اس پہ ہو جاؤ عمل پیرا صمیم دل سے
نعمت خلد کا اعلان ہے تصنیف رضا

اہل حق کے لیے ہے امن و اماں کا ساگر
باطلوں کے لیے طوفان ہے تصنیف رضا

کوئی بہکا دے ہمیں قدسیؔ یہ کس میں ہے بساط
جب ہمہ وقت نگہبان ہے تصنیف رضا

منظوم تاثر

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کا خصوصی شمارہ ''مصنف اعظم نمبر'' کے مطالعے کا خلاصہ بشکل اشعار پیش ہے

رقم ہے اس طرح، حالِ مصنف اعظم — عیاں ہے خوب کمالِ مصنف اعظم
ورق پہ ایسے سجائی گئی ہیں تحریریں — ابھر گئے خد و خالِ مصنف اعظم
رخِ علوم رضا منکشف ہوا ہم پر — جھلک رہا ہے جمالِ مصنف اعظم
نہیں بصیرت و فضل و کمال میں کوئی — جہاں میں آج مثالِ مصنف اعظم
خدائے پاک نے حفظ و امان میں رکھی — زبان و فکر و مقالِ مصنف اعظم
دفاعِ دیں میں ہیں سرگرم ان کی تصنیفیں — قلم ہے سیف جلالِ مصنف اعظم
کریم و عادل و خوددار و بردبار و سخی — عظیم تر ہیں خصالِ مصنف اعظم
خراجِ اہل قلم یہ قبول ہو یا رب — کہ پائے قرب و وصالِ مصنف اعظم
ہے اعلیٰ کاوشِ فیضانِ مصطفیٰ لا ریب — وہ پائیں نورِ ہلالِ مصنف اعظم
لحد پہ رحمتِ مولیٰ کی ہو گہر باری — سدا کرم بحالِ مصنف اعظم

فریدیؔ چشم تخیل کا نور بڑھ جائے
ملے جو خاک نعال مصنف اعظم

نتیجۂ فکر: مولانا محمد سلمان رضا فریدی صدیقی
مصباحی بارہ بنکوی نوری مسجد مسقط عمان
تاریخ ۱۷/۱۰/اکتوبر ۲۰۱۸ء